دروسِ ہدایۃ النحو

(مکمل کتاب: از خطبۂ مصنف تا مقدمہ تا اقسام اسم، فعل و حرف)

صوتی دروس، عملی تراکیب اور حواشی و نقشہ جات کا مرتب علمی مسودہ (105 اسباق)

افادات و تدریس:

حضرت مولانا محمد زہیر روحانی بازی مدظلہ العالی

ابنِ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا محمد زہیر روحانی بازی مدظلہ العالی

ابنِ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ

جامعہ محمد موسیٰ روحانی بازی، رائیونڈ لاہور

طالبِ دعا، مرتب و محشی:

محمد ساجد اکرم

جامعہ التوحید، چک کانی پور (پاکپتن، پنجاب، پاکستان)

التماسِ دعا و ایصالِ ثواب

اس علمی خدمت سے استفادہ کرنے والے تمام معزز اساتذہ، علماء اور طلبۂ کرام سے عاجزانہ گزارش ہے کہ مرتب کی **والدۂ مرحومہ** اور **ہمشیرۂ مرحومہ** کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں:

« یااللہ! ان کی چھوٹی بڑی تمام لغزشوں کو معاف فرما، ان کی قبروں کو نور سے منور کر، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرما۔ نیز میرے تمام علمی محسنین اور اساتذہ کے درجات بلند فرما۔ آمین! »

طالبِ دعا، مرتب و محشی:

محمد ساجد اکرم

جامعۃ التوحید، چک کانی پور (پاکپتن، پنجاب، پاکستان)

مختصر فہرستِ اقسام، ابواب واسباقِ ہدایۃ النحو

(مطلوبہ قسم، مقصد، فصل یا سبق پر کلک کرکے براہِ راست اس صفحے پر پہنچیں)

شمار	قسم / باب / مقصد	شامل اہم فصول ومباحث	اسباق	صفحہ
۱	مقدمہ ومبادیاتِ نحو	کلماتِ تشکر، خطبۂ مصنف، تعریفِ نحو، کلمہ، اسم، فعل، حرف اور کلام واسناد	۰تا۷	۲
۲	الباب الأول: الاسم المعرب	معرب کا حکم، اصنافِ اعراب (۹ اقسام)، منصرف وغیر منصرف اور اسبابِ تسعہ	۸تا۱۹	۵۱
۳	المقصد الأول: المرفوعات	فاعل، تنازعِ فعلین، نائب فاعل، مبتدا وخبر، عملی تراکیب، خبرِ إنّ، اسم کان، اسم ماولا	۲۰تا۵۳	۱۳۶
۴	المقصد الثاني: المنصوبات	مفعول مطلق، مفعول بہ، تحذیر، منادیٰ، مفعول معہ، حال، تمیز، مستثنیٰ (مع نقشہ)	۵۴تا۶۸	۳۵۳
۵	المجرورات والتوابع	اضافتِ معنویہ ولفظیہ، اضافت بسوئے یائے متکلم، نعت، عطف، تاکید، بدل، عطفِ بیان	۶۹تا۷۵	۴۸۰
۶	الباب الثاني: الاسم المبني	مبنی کا حکم، مضمرات، اسمائے اشارات وموصولات، اسمائے افعال واصوات، کنایات، ظروف	۷۶تا۸۴	۵۵۳
۷	خاتمۃ القسم الأول (لواحق اسم)	معرفہ ونکرہ، اسمائے عدد، تذکیر وتانیث، مثنیٰ، مجموع، مصدر، اسم فاعل ومفعول، صفتِ مشبہ (مع نقشہ)	۸۵تا۹۲	۶۳۸
۸	القسم الثاني: في الفعل	ماضی ومضارع، نواصب، جوازم، اصنافِ اعرابِ فعل، امر، مجہول، افعالِ مقاربہ، تعجب، مدح وذم	۹۳تا۹۹	۷۱۳
۹	القسم الثالث: في الحرف	حروفِ جارہ (۱۹)، حروفِ مشبہہ بالفعل، عطف، تنبیہ، نداء، ایجاب، مصدر، شرط، تنوین ونونِ تاکید	۱۰۰تا۱۰۴	۷۹۸

کلک ایبل اشاریہ فصول ومباحثِ ہدایۃ النحو (مع نمبرِ سبق وصفحہ)

فصل / مبحث کا عنوان	سبق	صفحہ	فصل / مبحث کا عنوان	سبق	صفحہ
کلماتِ تشکر وخطبۂ مصنف	۰–۲	۲	فصل المستثنیٰ (مع حاشیہ نقشۂ مستثنیٰ بإلّا)	۶۴–۶۶	۴۳۳
مقدمہ: تعریفِ نحو، اسم، فعل، حرف اور کلام	۳–۷	۱۶	خبر کان، اسم إنّ، خبر ماولا، اسم لاالنفی الجنس	۶۷–۶۸	۴۵۸
اسمِ معرب کا حکم اور اصنافِ اعراب (۹ اقسام)	۸–۱۲	۵۲	المقصد الثالث: اضافتِ معنویہ ولفظیہ	۶۹–۷۰	۴۸۱
فصل غیر منصرف اور اسبابِ منعِ صرف (۹ اسباب)	۱۳–۱۹	۸۹	الخاتمۃ في التوابع: نعت، عطف، تاکید، بدل، عطفِ بیان	۷۱–۷۵	۵۰۱
المقصد الأول: فصل الفاعل اور احکامِ فاعل	۲۰–۲۳	۱۳۷	الباب الثاني: اسم مبنی اور فصل المضمر (ضمائر)	۷۶–۷۸	۵۵۴
فصل تنازع الفعلین (مذہبِ بصریین وکوفیین)	۲۴–۲۷	۱۷۰	اسمائے اشارات، موصولات، اسمائے افعال واصوات	۷۹–۸۰	۵۸۲
فصل مفعول مالم یسم فاعلہ (نائب فاعل)	۲۸	۲۰۳	فصل الکنایات (کم، کذا) اور ظروفِ مبنیہ	۸۱–۸۴	۵۹۹
فصل المبتدا والخبر اور عملی تراکیب کی مشق	۲۹–۴۲	۲۱۰	خاتمۃ الاسم: معرفہ ونکرہ، عدد، تذکیر وتانیث، مثنیٰ	۸۵–۸۶	۶۳۹
نکرہ مبتدا، تقدیمِ خبر اور اقسامِ خبر	۴۳–۴۵	۲۸۱	فصل الجموع (جمع سالم ومکسر) اور مصدر	۸۷–۸۹	۶۶۰
جار مجرور کی ترکیب، ظرف اور مبتدا کی قسمِ ثانی	۴۶–۵۰	۳۰۰	فصل اسم الفاعل اور فصل اسم المفعول	۹۰	۶۸۳
خبر إنّ، اسم کان، اسم ماولا اور لاالنفی الجنس	۵۱–۵۳	۳۲۹	فصل الصفۃ المشبہۃ (مع حاشیہ نقشۂ اٹھارہ مسائل)	۹۱	۶۹۴
المقصد الثاني: مفعول مطلق، مفعول بہ، تحذیر واشتغال	۵۴–۵۶	۳۵۴	فصل اسم التفضیل اور اس کے تین استعمالات	۹۲	۷۰۴
فصل المنادیٰ، ترخیم، مفعول فیہ، مفعول لہ ومفعول معہ	۵۷–۵۹	۳۷۳	القسم الثاني في الفعل: ماضی، مضارع، نواصب وجوازم	۹۳–۹۶	۷۱۴
فصل الحال (شرائط واقسام) اور فصل التمییز	۶۰–۶۳	۴۰۶	اصنافِ اعرابِ فعل، امر، مقاربہ، تعجب، مدح وذم	۹۷–۹۹	۷۵۵
القسم الثالث في الحرف: حروفِ جارہ (۱۹) اور حروفِ مشبہہ بالفعل (اسباق ۱۰۰–۱۰۲، ص ۷۹۹)			**باقی اقسامِ حروف:** عطف، نداء، مصدر، شرط، تنوین ونونِ تاکید (اسباق ۱۰۳–۱۰۴، ص ۸۴۷)		

«کتاب کے آخر میں مکمل تفصیلی فہرستِ اسباق وذیلی عناوین (صفحہ ۸۷۶) پر جانے کے لیے یہاں کلک کریں»

مقدمہ وکلماتِ تشکر: کلماتِ تشکر، ریکارڈنگ اور اشاعت کے متعلق ضروری وضاحت

بتاریخ: ۱۴۳۷ھ / ۲۰۱۶ء

ابتدائی مسنون دعائیں اور خطبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔ أَمَّا بَعْدُ!

محترم طلبہ کرام! اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ محمد زہیر ابنِ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً آپ سے مخاطب ہے۔

محترم طلبہ کرام! ہدایت النحو کے جدید اسباق پیشِ خدمت ہیں، جو سن دو ہزار چودہ پندرہ میں جامعہ محمد موسیٰ البازی رائے ونڈ میں پڑھائے گئے۔ اس سے قبل بھی بندہ کے ہدایت النحو کے اسباق کی ریکارڈنگ موجود ہے، اگرچہ ان قدیم اسباق کے ذریعے بھی کتاب پورے طور پر حل ہو جاتی ہے، لیکن امتحانات کے قریب ہونے کی وجہ سے ان قدیم اسباق کی رفتار کافی تیز تھی۔ چنانچہ مبتدی طلبہ کی آسانی کے لیے ان جدید اسباق میں کتاب کو نہایت آہستہ چلایا گیا ہے، تاکہ کمزور طلبہ بھی کتاب سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری محسوس نہ کریں۔

محترم طلبہ کرام! آپ کے علم میں ہو گا کہ نحوی ترکیب میں بندہ کا اپنا ایک مخصوص طریقہ کار ہے، جو بِحَمْدِ اللّٰهِ تَعَالَى وَفَضْلِهِ اس قدر آسان ہے کہ کمزور سے کمزور طالبِ علم بھی مختصر مدت میں نحوی ترکیب اور عربی عبارت کا ماہر بن جاتا ہے۔ ہدایت النحو کے ان جدید دروس کی خاص بات یہ ہے کہ دورانِ سال موقع بموقع طلبہ کو بنیادی نحوی تراکیب کی خوب مشق کروائی گئی، حتیٰ کہ کئی کئی دن تک مسلسل ترکیب کے اسباق کروائے گئے۔ اللہ جَلَّ جَلَالُهُ کے فضل وکرم سے کامل امید ہے کہ یہ اسباق نحوی ترکیب اور عربی عبارت پڑھنے میں طلبہ کو نہایت مضبوط بنیاد فراہم کریں گے۔

بندہ کے قدیم اور جدید دروسِ ہدایت النحو میں فرق کرنے کے لیے اسباق کی تعداد کو دیکھ لیا جائے، تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ قدیم اسباق ہیں یا جدید۔ قدیم اسباق کی تعداد صرف بائیس ہے، ان بائیس اسباق میں ہدایت النحو مکمل کروائی گئی، جبکہ جدید اسباق کی تعداد اس وقت نوے سے زائد ہے۔ البتہ ان جدید اسباق میں ہدایت النحو ابھی تک مکمل نہیں ہو سکی، بقیہ حصے کے لیے قدیم اسباق ہی کو سن لیا جائے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ جَلَّ جَلَالُهُ ان اسباق کو مکمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، اور مزید کتابوں کے دروس تیار کرنے کی ہمت وتوفیق بھی نصیب فرمائے، آمِينَ ثُمَّ آمِينَ۔

اس موقع پر ایک اہم بات طلبہ کی خدمت میں عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں، اور وہ یہ کہ نحوی ترکیب اور عربی عبارت پڑھنے میں مہارت کے لیے ضروری ہے کہ طالبِ علم کی علمِ صرف میں مضبوط استعداد ہو۔ صرف بہتر ہو گی تو نحو بھی بہتر ہو گی، اور اگر صرف کمزور ہوئی تو نحو بھی کمزور ہو گی۔

آج کل علمِ صرف پڑھانے کے بہت سے طریقے رائج ہیں، لیکن عام طور پر یہ طریقے اس قدر مشکل اور پیچیدہ ہیں کہ صرف ذہین طالبِ علم ہی ان سے فائدہ اٹھا پاتے ہیں، جبکہ بقیہ تقریباً نوے پچانوے فیصد طلبہ صرف میں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں، اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ نحوی ترکیب اور عربی عبارت کے پڑھنے میں بھی مہارت حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

اور افسوس کی بات یہ ہے کہ کوئی بھی مدرس واستاد اپنے طریقۂ علمِ صرف کو چھوڑنے پر تیار نہیں، چاہے ان کا طریقۂ کار کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو۔ یاد رکھیے! ذہین طالبِ علم تو مشکل سے مشکل طریقے سے بھی فائدہ اٹھالے گا، لیکن یہ اس طریقۂ کار کا کمال نہیں، بلکہ اس طالبِ علم کی خداداد ذہانت کا کمال ہے۔ علمِ صرف کے کسی بھی طریقۂ کار کی افادیت کو جانچنے اور پرکھنے کا معیار یہ ہونا چاہیے کہ دیکھا جائے کہ اس طریقے نے کمزور طلبہ کی استعداد کتنی مضبوط کی، اور علمِ صرف میں انہیں کتنی مہارت حاصل ہوئی۔

لہٰذا جن طلبہ کی صرف کمزور ہے، وہ بندہ کے والد شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رَحِمَهُ اللّٰهُ کے ترتیب دیے ہوئے ابوابِ صرف کو یاد کرلیں۔ وہ صرف اسی کے لگ بھگ ابواب ہیں اور بے انتہا آسان ہیں۔ کمزور سے کمزور طالبِ علم بھی صرف پانچ چھ ماہ کی مدت میں ان ابواب کو بہترین طریقے سے مکمل یاد کر سکتا ہے۔

اسی طرح اہالیانِ مدارس اور علمِ صرف پڑھانے والے مدرسین حضرات سے بھی گزارش ہے کہ کم از کم ایک مرتبہ ان ابوابِ صرف کو پڑھا کر اس کا تجربہ تو ضرور کرلیں۔ حضرت الشیخ مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى کی علوم وفنون میں جامعیت، عربی زبان میں بے انتہا مہارت، تدریس و تالیف میں اعلیٰ درجے کا ملکہ، اور نہایت بلند روحانی مقام کسی پر مخفی نہیں۔ ان کے ترتیب دیے ہوئے یہ ابوابِ صرف کمزور سے کمزور طالبِ علم کو بھی نہایت قلیل مدت میں بہترین صرفی بنا دیتے ہیں۔

علمِ صرف و نحو کا یہ ایسا عجیب و بہترین اور اس قدر آسان طریقہ ہے کہ جس جس مدرسے میں بھی اس طریقے سے صرف و نحو کروائی گئی، تو طلبہ و طالبات کی بہترین کیفیت نے تمام اساتذہ کو حیرت میں مبتلا کر دیا۔ بالخصوص طالبات، جن کے درسِ نظامی کا دورانیہ مختصر ہے، ان میں سے ایک جماعت کو پہلے سال میں یہی ابوابِ صرف اور دوسرے سال میں یہی ہدایت النحو نحوی ترکیب کے ساتھ مکمل کروادی جائے، اور پھر دوسری جماعتوں کے ساتھ نتائج کا فرق دیکھیے، تو آپ حیران رہ جائیں گے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ مدرسین حضرات ایک مرتبہ کے تجربے سے ہی جان لیں گے کہ یہ ابوابِ صرف اتنا بڑا علمی و روحانی خزانہ ہے جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ نحوی ترکیب اور عربی عبارت میں عام طلبہ کی کمزور کیفیت دیکھ کر بندہ کو نہایت دکھ اور غم ہوتا ہے، چنانچہ یہ چند باتیں عرض کرنا اس موقع پر مناسب معلوم ہوا، اللہ تعالیٰ ان کو سب کے لیے نافع فرمادیں۔ آمِينَ ثُمَّ آمِينَ۔

آیئے آخر میں اللہ جَلَّ جَلَالُهُ سے دعا فرمائیں: يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔ اے اللہ! آپ کی توفیق کے بغیر نہ تو بندہ کوئی نیکی کر سکتا ہے، اور نہ کسی گناہ سے بچ سکتا ہے۔ اے اللہ! متکلم و سامعین سب کو استقامت کے ساتھ سنتِ بیضاء کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرما۔ اے اللہ! ہم سب کے تمام گناہ معاف فرما، اور آئندہ زندگی میں گناہوں سے بچنے کی توفیق نصیب فرما۔

اے اللہ! ہمیں اپنے ان محبوب بندوں میں شامل فرما جن سے آپ کے تمام فرشتے اور تمام مخلوقات محبت کرتی ہیں۔ اے اللہ! زمانۂ حال میں تمام مسلمانوں اور بالخصوص مجاہدین کی خصوصی مدد و نصرت فرما۔ اے اللہ! ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرما، اور قبر کی تاریکی اور قیامت کے دن کی شرمندگی سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ! ہمیں ان بندوں میں شامل فرما جنہیں آپ بغیر حساب کتاب جنت میں داخل فرمائیں گے۔

اے اللہ! بندہ کے تمام درسوں کو قبولیت و مقبولیتِ عامہ نصیب فرماتے ہوئے ان کے نفع کو تا قیامت جاری و ساری فرما، فَإِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، وَبِالْإِجَابَةِ جَدِيرٌ۔ آمِينَ، آمِينَ، ثُمَّ آمِينَ۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

سبق نمبر ۱: خطبۂ مصنف، حمد وصلاۃ اور کتاب کی تالیف کا مقصد

ہدایۃ النحو صفحہ: ۶—بتاریخ: ۱ ستمبر ۲۰۱۴ء

ابتدائی مسنون دعائیں اور خطبہ

اچھا بھائی، آیئے شروع میں دعا پڑھ لیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْكِتَابَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِينُ، يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيمُ۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْعِلْمَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِينُ، يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيمُ۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْفَنَّ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِينُ، يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيمُ۔

آمِينَ، آمِينَ، ثُمَّ آمِينَ۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

اچھا بھائی، اب کتاب پر دیکھیے بھائی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ، وَالصَّلَاةُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔ أَمَّا بَعْدُ: فَهٰذَا مُخْتَصَرٌ مَضْبُوطٌ فِي النَّحْوِ، جَمَعْتُ فِيهِ مُهِمَّاتِ النَّحْوِ عَلَىٰ تَرْتِيبِ الْكَافِيَةِ، مُبَوَّبًا وَمُفَصَّلًا بِعِبَارَةٍ وَاضِحَةٍ، مَعَ إِيرَادِ الْأَمْثِلَةِ فِي جَمِيعِ مَسَائِلِهَا مِنْ غَيْرِ تَعَرُّضٍ لِلْأَدِلَّةِ وَالْعِلَلِ، لِئَلَّا يُشَوِّشَ ذِهْنَ الْمُبْتَدِي عَنْ فَهْمِ الْمَسَائِلِ، وَسَمَّيْتُهُ بِهِدَايَةِ النَّحْوِ، رَجَاءَ أَنْ يَهْدِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ بِهِ الطَّالِبِينَ، وَرَتَّبْتُهُ عَلَىٰ مُقَدِّمَةٍ وَثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ وَخَاتِمَةٍ، بِتَوْفِيقِ الْمَلِكِ الْعَزِيزِ الْعَلَّامِ۔

اچھا بھائی، بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ۔ بسم اللہ کے بارے میں ایک نکتہ، ایک بڑا خوبصورت اور پیارا نکتہ یاد رکھیے بھائی۔

دیکھیے! بسم اللہ کے اندر لفظِ اللہ آیا، اس کے بعد الرحمن آیا، اس کے بعد الرحیم آیا۔ تو یاد رکھیے، یہ لفظِ اللہ جو ہے یہ ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے عَلَم ہے۔ جس طرح انسانوں کے اندر کسی کا نام زید ہے، کسی کا نام بکر ہے، کسی کا نام خالد ہے، اسی طرح یہ جو لفظِ اللہ ہے یہ ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے عَلَم ہے یعنی نام ہے۔

اور لفظِ اللہ کے اندر کوئی نکتہ نہیں بھائی، کوئی نکتہ نہیں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح یہ نام کسی نکتے سے پاک ہے، اسی طرح وہ ذات جس کا یہ نام ہے وہ ذات بھی ہر طرح کے عیبوں سے بالکل پاک ہے بھائی، وہ ذات بھی ہر طرح کے عیبوں سے بالکل پاک ہے۔

اس کے بعد لفظِ اللہ کی ایک صفت آئی الرحمن اور دوسری صفت آئی الرحیم۔ الرحمن کے اندر ایک نکتہ ہے بھائی صرف نون میں، الرحیم کے اندر دو نقطے ہیں یاء کے۔ تو الرحمن کے اندر ایک نکتہ لا کر گویا اس بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ یہ صفت صرف خاص ہے اللہ تعالیٰ کے لیے، یعنی یہ صفت خاص ہے صرف خالق کے لیے۔ تو یہ رحمن صفت جو ہے یہ خالق کے لیے استعمال ہوتی ہے، مخلوق کے لیے یہ صفت استعمال نہیں ہوتی۔ تو یہ ایک نقطے میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ صفت کس کے ساتھ خاص ہے؟ خالق کے ساتھ۔

جبکہ الرحیم کے اندر دو نقطے ہیں، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح یہ لفظ یہ صفت بن سکتی ہے خالق کے لیے، اسی طرح یہ صفت بن سکتی ہے مخلوق کے لیے بھی بھائی۔ چنانچہ اسی لیے قرآن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے ہوئے اللہ فرماتے ہیں: «وَبِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ»۔ تو دیکھیے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان ہو رہی ہے رحیم بھائی رحیم۔ تو معلوم ہوا یہ لفظ خالق کے ساتھ بھی بولا جا سکتا ہے اور مخلوق کے لیے بھی بھائی، مخلوق کے لیے۔

■ قولہ: «الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ» کی تشریح

«الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ»۔ تمام تعریفیں جو ہیں «لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ» اس اللہ کے لیے جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔

«وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ» اور انجام ہے متقیوں کے لیے۔ بھائی انجام تو ہر ایک کا ہونا ہے، چاہے متقی ہو چاہے غیر متقی ہو، تو پھر کیا معنی کہ وہ انجام ہے متقیوں کے لیے؟ جواب یہ کہ یہاں مضاف محذوف ہے: «أَيْ: حُسْنُ الْعَاقِبَةِ لِلْمُتَّقِينَ» یا «خَيْرُ الْعَاقِبَةِ لِلْمُتَّقِينَ»، یعنی اچھا انجام ہے کس کے لیے؟ متقیوں کے لیے، متقیوں کے لیے۔ یا یہاں صفت محذوف نکال لیں: «وَالْعَاقِبَةُ الْحَسَنَةُ لِلْمُتَّقِينَ»، اچھا انجام ہے کس کے لیے؟ متقیوں کے لیے۔

«وَالصَّلَاةُ عَلَىٰ رَسُولِهِ» اور رحمت نازل ہو اس اللہ کے پیغمبر پر، «مُحَمَّدٍ» جن کا نام محمد ہے، «وَآلِهِ» اور ان کی آل پر۔ آل سے مراد ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سے مراد ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والے، اتباع کرنے والے، اور ان کے راستے پر چلنے والے، یعنی تمام متقی مومنین بھائی، تمام متقی مومنین۔ تو رحمت نازل ہو اللہ کے پیغمبر پر محمد جن کا نام محمد ہے، اور ان کی آل پر، «وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ» اور ان کے صحابہ پر سب کے سب، اور ان کے تمام صحابہ پر بھائی، تمام صحابہ پر۔

تو «أَصْحَابِهِ» کے بعد «أَجْمَعِينَ» لا کر شیعوں کا رد کر دیا گیا بھائی۔ شیعہ صرف دو چار صحابہ کو مانتے ہیں اور کسی کو نہیں مانتے، سمجھ میں آیا بھائی؟ اور الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صحابہ کی محبت نصیب فرمائی ہے بھائی، صحابہ کی۔ تو شیعوں کا رد کرنے کے لیے کیا کہا؟ «وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ» کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ پر رحمت نازل ہو۔ بھائی صحابہ نہایت مبارک لوگ ہیں بھائی، جن کو اللہ نے چن لیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے لیے۔

اور یاد رکھو، صحابہ پر اعتراض دراصل براہِ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی اعتراض ہے، اس لیے کیونکہ صحابہ شاگرد ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اور شاگرد نیک ہوں، ماہر ہوں، اچھے ہوں، متقی ہوں، یہ علامت ہوتی ہے اس بات کی کہ معلوم ہو ان کا استاد بھی بڑا ماہر، نیک، متقی انسان ہے۔ اور اگر شاگرد ہی بیکار اور خراب ہوں تو اس سے پتہ چلتا ہے، ہر دیکھنے والا یہی کہتا ہے کہ معلوم ہو ان کا استاد بھی انہی کی طرح تھا۔ تو صحابہ کو اگر خراب کہا جائے اور ان کا انکار کیا جائے گا تو دراصل یہ اعتراض ہے کس پر؟ براہِ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ لیکن الحمد للہ ہمیں اللہ نے صحابہ کی محبت نصیب فرمائی ہے بھائی، صحابہ کی محبت۔

آپ کو آج کم از کم دو دور کعت نفل اس بات پر ادا کرنے چاہییں، اس نعمت پر کہ اللہ نے آپ کو صحابہ کی محبت نصیب فرمائی ہے۔ صحابہ کا واسطہ ہے تو ہمارا ایمان محفوظ ہے، ہمارا دین محفوظ ہے۔ اس لیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دین جو نقل ہوا، سب سے پہلے نقل کرنے والے صحابہ ہیں، انہوں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا اور اگلی نسلوں کی طرف وہ باتیں ساری کیا کر دیں؟ منتقل کر دیں۔ تو اگر صحابہ کا واسطہ بیچ میں سے نکال دو تو پھر دین کو نقل کرنے والا کون؟ پھر تو نقل کرنے والا کوئی رہا ہی نہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جب پہلا واسطہ ہی ناقابلِ اعتبار ہوا، معلوم ہوا انہوں نے جتنی حدیثیں بیان کیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بیان کیں، جو دین بیان کیا، معلوم ہوا وہ سارے ناقابلِ اعتماد ہو گئے بھائی۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ تو صحابہ جو ہیں وہ تو عظیم لوگ ہیں جن کو اللہ نے یہ عظیم شرف نصیب فرمایا کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی رفاقت کے لیے اور ان کی خدمت کے لیے ان کو چن لیا بھائی، خدمت کے لیے۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے بھائی، کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی ادنیٰ درجے کے صحابی کے مقام کو اور مرتبے کو کبھی نہیں پہنچ سکتا بھائی۔ صحابی کا مقام اتنا اونچا ہے بھائی، صحابی کا مقام اتنا اونچا ہے۔ اور یہ مقام اس کو حاصل ہوا اس لمحے کی بدولت کہ اس نے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے بھائی۔ اللہ نے اس کو یہ عظیم شرف بخشا کہ اس نے کیا کیا؟ ایمان کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور ان کا فیض اٹھایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انوارات اس پر پڑے بھائی۔

تو اسی لیے کہا: «وَالصَّلَاةُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ» اور رحمت نازل ہو اللہ کے پیغمبر محمد پر اور ان کے پیروی کرنے والے متقی مومنین پر اور تمام صحابہ پر۔

▪ قولہ: «أَمَّا بَعْدُ» کی تشریح

«أَمَّا بَعْدُ»: حمد وصلاۃ کے بعد، حمد وصلاۃ کے بعد۔

یاد رکھیے یہ «أَمَّا بَعْدُ» بھائی، «أَمَّا بَعْدُ» کا لفظ جو ہے یہ آپ دیکھیں گے، آپ دیکھتے ہیں کہ علماء استعمال کرتے ہیں اپنے خطبوں میں، تقاریر کے اندر بھی، اور اپنی کتابوں وغیرہ کے اندر بھی، اور خطوط وغیرہ کے اندر بھی۔ یاد رکھیے یہ لفظ استعمال کرنا خطوط کے اندر، کتابوں کے اندر، اور خطبات وغیرہ کے اندر یہ سنت ہے بھائی، سنت ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح خلفائے راشدین وغیرہ سے اس کا استعمال ثابت ہے بھائی۔

تو علماء نے اس پر لکھا ہے کہ سب سے پہلے یہ لفظ کس نے استعمال کیا؟ کس نے استعمال کیا؟ تو بعض علماء نے لکھا کہ یہ لفظ سب سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے استعمال کیا، جو والد ہیں حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ مشہور ہے بھائی اور آپ نے بھی سنا ہو گا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جو تھے ان کے بیٹے تھے کافی، اور ان کو سب سے زیادہ محبت جو تھی حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی۔ تو باقی بھائیوں کو اس بات سے بڑی تکلیف ہوتی کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام سے سب سے زیادہ محبت کیوں کرتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام چھوٹے سے تھے، تو حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائی بچپن میں اپنے ساتھ والد صاحب کی منت سماجت کر کے لے گئے اور پھر وہاں ان کو کنویں کے اندر ڈال دیا، اور واپس آ کر بتلایا والد صاحب کو کہ ان کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ ادھر حضرت یوسف علیہ السلام کنویں کے اندر اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی اور ایک قافلہ گزر رہا تھا وہاں سے، انہوں نے کنویں کے اندر ڈول لٹکایا پانی نکالنے کے لیے تو ان کو معلوم ہوا کہ اندر تو ایک بچہ ہے بھائی۔ چنانچہ وہ ان کو نکال کر اپنے ساتھ لے گئے اور پھر ان کو غلام بنا کر بیچ دیا، اور پھر ہوتے ہوتے ایک وقت یہ آیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے حکمران بن گئے بھائی۔

اور اس زمانے کے اندر مصر کے اندر بڑا قحط آیا اور کئی سال تک یہ قحط رہا، اور یہ ایک خواب کے ذریعے پہلے ہی اللہ کی طرف سے بتلا دیا گیا تھا کہ قحط آنے والا ہے، چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلے سے ہی غلے کو محفوظ کرنے کا انتظام فرما لیا۔ چنانچہ جب قحط شروع ہوا، لوگوں کے پاس اناج غلہ وغیرہ ختم ہو گیا کھانے کے لیے کچھ نہیں، اور حضرت یوسف علیہ السلام جو ادھر مصر کے حکمران تھے انہوں نے بہت غلہ محفوظ کیا ہوا تھا بھائی۔ تو چنانچہ لوگ ان کے پاس غلہ لینے کے لیے آنے لگے۔

ادھر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو اس بات کا علم نہیں کہ یہ جو مصر کے حکمران ہیں یہ ہمارے وہی بھائی ہیں جن کو ہم نے کنویں میں ڈالا تھا، کیونکہ اتنے سال گزر گئے اور اتنے سال گزر گئے تھے ان کا خیال بھی نہیں تھا کہ یہ وہاں سے زندہ بچ کر چلے گئے ہوں گے۔ تو یہ بھی اپنے والد سے اجازت لے کر

کہ ہم غلہ لے کر آتے ہیں، مصر کا حکمران نیک انسان ہے وہ سب کو غلہ دے رہا ہے ہمیں بھی غلہ دے دے گا، چنانچہ یہ سارے بھائی مل کر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ پہچان نہ سکے کیونکہ اتنا طویل عرصہ گزر گیا تھا، وہ بڑے ہو گئے تھے، داڑھی وغیرہ بھی آگئی ہے، صورت بدل گئی ہے، پہچان نہیں پائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا، مگر انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پہچانا۔

تو ان کو بھی یہ جتنے افراد تھے ان کو غلہ وغیرہ دیا، انہوں نے اپنے ایک بھائی کے لیے بھی غلہ مانگا جس کو وہ ساتھ لے کر نہیں آئے تھے، جن کا نام بنیامین تھا بھائی۔ بنیامین جو تھے یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی تھے، یعنی ماں باپ شریک یوں کہیں۔ بھائی یاد رکھیے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی کئی بیویاں تھیں، اور جس بیوی سے حضرت یوسف علیہ السلام تھے اسی سے ایک اور بیٹا بھی تھا جس کا نام بنیامین تھا، یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین جو تھے ان کی ماں بھی ایک ہی تھی، ماں بھی ایک ہی تھی۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام کے گم ہو جانے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام بے انتہا غمزدہ رہتے اور دن رات روتے رہتے تھے، یہاں تک کہ روتے روتے ان کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی اور وہ نابینا ہو گئے۔ اور یہ جو بنیامین تھے ان کو وہ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے کیونکہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی تھے، ان کی ماں بھی ایک ہی تھی، تو اس کے ذریعے وہ اپنے دل کو قرار اور سکون دیا کرتے تھے بھائی جب بھی انہیں یوسف علیہ السلام یاد آتے۔

تو یہ جو بھائی آئے تھے، انہوں نے غلہ لے لیا تو اپنے بھائی بنیامین کے بارے میں، تو یہ بھائی جب غلہ لینے کے لیے آنے لگے تو والد نے بنیامین کو بھیجنے سے انکار کر دیا کہ نہیں بھائی، تم غلہ لینے تم سب جاؤ لیکن بنیامین کو میں نہیں بھیجوں گا، پہلے بھی تم اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے، یوسف کو ساتھ لے گئے تھے اور اس کو تم نے گما دیا، تو مجھے خطرہ ہے کہیں اس کو بھی نہ گما آؤ۔ چنانچہ اس کے بغیر ہی گئے تھے، تو انہوں نے وہاں بادشاہ سے کہا کہ ہمارا ایک بھائی ہے ہم اس کو اپنے ساتھ نہیں لا سکے، اس کے لیے بھی غلہ دے دیں۔ تو اس مرتبہ تو ان کے لیے وہ غلہ دے دیا، لیکن ساتھ ہی ان کو کہہ دیا گیا کہ بھائی اگلی مرتبہ آؤ گے غلہ لینے تو اس بھائی کو ساتھ لے کر آنا ورنہ اس کے حصے کا غلہ تمہیں نہیں ملے گا۔

چنانچہ یہ غلہ لے گئے اور پھر دوبارہ جب وہ غلہ ختم ہونے لگا، دوبارہ یہ آنے لگے تو انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ ابا جان! ہم نے وہاں وعدہ کیا تھا کہ اگلی مرتبہ اپنے اس بھائی کو لے کر آئیں گے، تو آپ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے، ہم اس کا بہت خیال رکھیں گے اور کسی صورت اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دیں گے، اس کو گم نہیں ہونے دیں گے۔ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے بڑی سختی سے انکار کر دیا کہ نہیں، میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا، تم نے پہلے بھی میرے ایک بیٹے کو گما دیا، آخر بڑی منت سماجت کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو اجازت دے دی بنیامین کو لے جانے کی۔

تو یہ بنیامین کو لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام جو تھے اپنے اس بھائی کو اپنے پاس روکنا چاہتے تھے، چنانچہ انہوں نے اس کا طریقہ یہ کیا، غلاموں وغیرہ کو اپنے غلاموں کو سمجھا دیا، انہوں نے ایک شاہی پیالہ، سونے اور جواہرات جس پر سونا اور جواہرات لگے ہوئے تھے، وہ پیالہ بنیامین کے سامان میں چھپا دیا۔ ان کے سامان میں چھپا دیا اور پھر شور مچ گیا، شور مچا دیا کہ ایک پیالہ بادشاہ کا ایک پیالہ گم ہو گیا ہے۔ اور چنانچہ سارے لوگوں کی تلاشی لی گئی تو کسی کے سامان سے پیالہ نہیں مل رہا، اب ان کے ان بھائیوں کی باری آئی تو ان کی بھی تلاشی لینے لگے، تو ان کے بھائیوں نے کہا کہ ہم کیوں تلاشی دیں؟ ہم تو پیغمبروں کی اولاد ہیں، ہمارا خاندان تو ہمارے خاندان میں تو نبوت چلی آ رہی ہے، ہم میں سے کبھی کسی نے چوری آج تک نہیں کی، تو ہم تلاشی نہیں دیں گے۔ لیکن انہوں نے کہا: نہیں، تلاشی تو تمہیں ہر حال میں دینا پڑے گی، بادشاہ کا بہت قیمتی پیالہ گم ہوا ہے، اور اگر یہ پیالہ تمہارے سامان سے نکل آیا پھر؟ تم تو کہہ رہے ہو ہم نے کبھی چوری نہیں کی، اور اگر تمہارے سامان سے نکل آیا پھر اس کی کیا سزا ہو گی؟

یاد رکھیے، یہ جو حضرت یعقوب علیہ السلام وغیرہ کی شریعت میں چور کی سزا یہ ہوتی کہ اگر کوئی چور پکڑا جاتا تو وہ جس سے چوری کی ہے، جس کا مال چرایا ہے، اسی کا غلام اس کو بنا دیا جاتا تھا، سمجھ میں آیا بھائی؟ وہ اس کا مالک بن جایا کرتا تھا۔ تو چنانچہ ادھر اب پیالہ نہیں مل رہا، ان سے کہا بھائی اگر چور پکڑا جائے اس کی سزا کیا ہو گی؟ تم کہہ رہے ہو ہمارے سامان میں پیالہ نہیں ہے، اگر تمہارے سامان سے نکل آیا پھر کیا سزا ہو گی؟ انہوں نے کہا کہ جس کے سامان سے نکلا وہ اس کو غلام بنا دیا جائے گا اس بادشاہ کا جس کی چوری کی ہے اس نے۔ تو جب تلاشی لی تو بنیامین کے سامان میں سے وہ پیالہ نکل آیا کیونکہ انہوں نے خود ہی غلاموں نے اس کے اندر چھپایا ہوا تھا۔

تو اب تو یہ بھائی سارے بڑے پریشان ہوئے کہ بنیامین اب تو بادشاہ کا غلام بن جائے گا، اس کو اب ہمیں یہیں چھوڑنا پڑے گا، اب ہم کیا کریں؟ اب تو

ہم اپنے والد کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے، وہ پہلے ہی ہم پر اعتماد نہیں کر رہے تھے کہ ایک بھائی کو گم کر دیا دوسرے کو میں لے جانے نہیں دوں گا، کتنے وعدے اور قسمیں کھا کر ہم ان سے یہ بھائی کو لے کر آئے تھے۔ تو بڑی منت سماجت کی کہ کسی طرح ہم اس کو لے جاتے ہیں، لیکن اجازت نہیں دی گئی کہ نہیں بھائی، تم نے خود کہا تھا کہ یہ اس کا غلام ہو گا، وہ جو مصر کا یہ قانون نہیں تھا کہ وہ غلام بنالیا جاتا تھا، لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام وغیرہ کی شریعت میں کیا تھا؟ اسی کا غلام۔ تو دیکھو کیسی ترکیب اللہ نے ان کے ذہن میں ڈال دی کہ خود ہی ان سے پہلے پوچھ لیا کہ ہاں تم بتاؤ کیا سزا ہو گی اس چور کی؟ اپنے قانون کے مطابق تو اس کو غلام نہیں بنا سکتے تھے، لیکن انہی سے جب پوچھ لیا انہوں نے خود ہی کہہ دیا جی وہ کیا ہو گا؟ غلام بنالیا جائے گا، اب وہ کچھ کر بھی نہیں سکتے، خود اپنی زبان دے چکے ہیں سب کے سامنے بھائی۔

چنانچہ بنیامین کو روک لیا، ادھر یہ بھائی بڑے پریشان، نہایت غمزدہ، کوئی صورت سمجھ نہیں آ رہی، اب کریں تو کیا کریں؟ ابا جان کو جا کر کیا منہ دکھائیں گے ہم؟ لیکن بہر حال والد صاحب کی طرف چل پڑے، لیکن ایک بھائی یہیں رہ گیا، اس نے کہا: نہیں، میں تو کسی صورت اپنے والد کا سامنا نہیں کر سکتا، کتنی مشکل سے، کتنی قسمیں اور وعدے کیے تھے ہم نے ان کے سامنے اور ہمارے ہاتھ سے دوسرا بیٹا بھی ان کا نکل گیا، تو کیا منہ لے کر ہم ان کے سامنے جائیں؟ وہ تو شرم کی وجہ سے وہ گئے ہی نہیں، باقی بھائی آ گئے۔

اور آ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کو بتلایا کہ ابا جان! اس طرح اس طرح واقعہ وہاں پیش آیا۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام جلال میں آ گئے بھائی، اور انہوں نے عزیزِ مصر کو ایک خط لکھا۔ اس خط کے اندر کہتے ہیں سب سے پہلے انہوں نے لفظِ «أَمَّا بَعْدُ» استعمال کیا بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ اتنی لمبی تفصیل بتانے کا مقصد کیا تھا؟ کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے سب سے پہلے «أَمَّا بَعْدُ» کا لفظ استعمال کیا، ان کا وہ جو خط ہے وہ کتابوں کے اندر نقل ہوتا ہے، علماء اس کو ذکر کرتے ہیں اس میں «أَمَّا بَعْدُ» کا لفظ ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے خط کے اندر لکھا: اے عزیزِ مصر! یاد رکھ، ہمارا خاندان پیغمبروں والا خاندان ہے، ہمارے خاندان کے اندر پشت ہا پشت سے نبوت چلی آ رہی ہے، اور ہمارے خاندان میں ہمیشہ نیک اور متقی لوگ پیدا ہوتے ہیں، اور ہمارے خاندان والوں میں سے کسی نے آج تک چوری نہیں کی، آج تک ہم نے کسی چور کو جنم نہیں دیا، اور میرا یہ خط جیسے ہی تجھے ملے فوراً میرے اس بیٹے کو چھوڑ دے اور اس کو میری طرف بھیج دے، ورنہ یاد رکھ اگر تو نے فوراً میرے بیٹے کو نہ بھیجا تو میں تمہارے لیے ایسی بد دعا کروں گا کہ تمہاری سات نسلیں جو ہیں سات پشتیں بھی اس بد دعا کو یاد رکھیں گی اور اس کے اثر کو محسوس کریں گی۔

چنانچہ کہتے ہیں یہ خط جب حضرت یوسف علیہ السلام کو ملا تو ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ پکار اٹھے کہ میں ہی یوسف ہوں، میں ہی یوسف ہوں، بھائیوں کو بتلا دیا۔ اور پھر اپنی قمیص دے کر بھیجا کہ یہ قمیص جو ہے میری لے جاؤ اور میرے والد صاحب کی آنکھوں پر اور چہرے پر لگا دینا، ان کی ان شاء اللہ بینائی واپس آ جائے گی۔ چنانچہ قمیص لائی گئی، حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر لگائی، آنکھوں پر لگائی گئی تو فوراً ان کی بینائی واپس آ گئی اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سب کو اپنے پاس وہاں بلوا لیا بھائی۔

تو یہ سب سے پہلے یہ لفظ کس نے استعمال کیا؟ تو یہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ لفظ استعمال کیا۔ جبکہ بعضوں نے کہا کہ یہ لفظ سب سے پہلے استعمال کرنے والے سَحْبَان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ سحبان یہ خطیب تھے عرب کے بہت بڑے، اور حضور علیہ السلام کے زمانے میں بھی اور بعد میں بھی یہ تھے، اور بہت بڑے خطیب تھے۔ ان کو اللہ نے خطابت کا عظیم ملکہ نصیب فرمایا تھا اور نہایت فصیح و بلیغ تھے بھائی، نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ اللہ نے ان کو فصاحت و بلاغت کے اندر اتنا اونچا مقام دیا تھا کہ پورے عرب میں ان کا نام گونجتا تھا بھائی، اور ان کا نام ضرب المثل بن گیا تھا، ضرب المثل بن گیا تھا بطورِ مثال کہ ان کا نام ذکر کیا جاتا تھا کہ کوئی فصیح و بلیغ ہو تو سحبان کی طرح ہو۔ ان کا نام باقاعدہ ضرب المثل بن گیا بھائی۔ آج بھی، آج بھی عربی زبان میں کوئی بڑا ہی فصیح و بلیغ ہو تو کہتے ہیں: «فُلَانٌ أَفْصَحُ مِنْ سَحْبَانَ» کہ فلاں تو سحبان سے بھی زیادہ کیا ہے؟ فصیح ہے۔ تو دیکھو ہر جگہ فصاحت جہاں فصاحت کا ذکر ہوتا ہے ان کے نام کو بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

تو یہ ان کی فصاحت و بلاغت کا ایک واقعہ سنیے! ایک مرتبہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ان کے پاس تشریف لائے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اس وقت اور بھی عرب کے بڑے بڑے خطیب موجود تھے، لیکن جب انہوں نے سحبان کو دیکھا تو ایک ایک کر کے خاموشی سے وہاں سے نکل گئے کیونکہ وہ جانتے تھے وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، ان کو اللہ نے بہت اونچا مقام دیا ہے فصاحت و بلاغت میں۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ فرمانے لگے کہ اے سحبان! تم ہمارے سامنے بھی تقریر کرو کچھ، ہم نے تمہاری فصاحت وبلاغت کی بڑی تعریف سنی ہے تو ہمارے سامنے بھی کچھ بیان کرو ہم بھی سن لیں۔ تو حضرت سحبان نے ایک عصا منگوایا یعنی ایک لاٹھی، اور اس پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور تقریر شروع کر دی۔ کہتے ہیں ظہر کے بعد تقریر شروع کی تھی اور ظہر کے بعد سے مسلسل بولتے جا رہے ہیں، تقریر کرتے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ قریب تھا کہ عصر کی نماز فوت ہو جاتی تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پکارے کہ نماز کا وقت ہے، تو حضرت سحبان فرمانے لگے کہ میں تو وعظ ونصیحت کے اندر مشغول تھا، وعظ ونصیحت کی وجہ سے میں نماز سے غافل ہو گیا تھا۔ اور دیکھیے کتنے ظہر سے لے کر عصر تک تقریر کر رہے ہیں، لیکن کہتے ہیں اس دوران وہ ایک مرتبہ بھی تقریر کے اندر نہیں رکے، کہیں پر نہیں کھنکھارے، کہیں پر نہیں کھانسے، اور ایسا نہیں کہ ایک موضوع کو چھوڑ کر کسی دوسری بات کی طرف چلے گئے ہوں، جس بات کو شروع کرتے تھے اختتام تک پہنچاتے تھے اور جب تک اس کو پورا نہیں کر لیتے تھے دوسری بات کی طرف منتقل نہیں ہوتے تھے، اور اس پوری تقریر میں کہیں نہیں کھنکھارے، کہیں نہیں کھانسے، حالانکہ خطیب حضرات کی عادت ہوتی ہے کہ جہاں پر ذرا تقریر میں پھنسنے لگے، رکنے لگے تو فوراً کھنکھارنا شروع کر دیتے ہیں، وہ چند لمحے ان کو میسر آ جاتے ہیں اور ذہن پھر تقریر کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور پھر وہ آگے بات شروع کر دیتے ہیں، یا کھنکھارنے لگتے ہیں یا پھر کھانسنے لگتے ہیں، چند لمحے مل جاتے ہیں اور پھر وہ دوبارہ اسی طرح تقریر شروع کر دیتے ہیں، لیکن وہ ایک مرتبہ بھی نہیں کھنکھارے، ایک مرتبہ بھی نہیں کھانسے بھائی۔

تو بعض علماء نے لکھا کہ یہ جو سحبان تھے انہوں نے سب سے پہلے «أَمَّا بَعْدُ» کا لفظ استعمال کیا، لیکن علماء لکھتے ہیں یہ قول ضعیف ہے، اس لیے کیونکہ یہ تو کیونکہ «أَمَّا بَعْدُ» کا لفظ تو حضور علیہ السلام نے بھی استعمال فرمایا ہے اور صحابہ کرام نے بھی استعمال فرمایا ہے، تو سحبان تو ان کے زمانے اور ان کے بعد کے زمانے کے ہیں، تو یہ تو ان سے پہلے کون استعمال فرما رہے ہیں؟ حضور علیہ السلام بھی اور آپ کے صحابہ بھی۔

چلیے، بس کرتے ہیں بھائی، باقی پھر اگلے سبق میں پڑھ لیں گے بھائی۔ بس بھائی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۲: دیباچۂ کتاب: وجہِ تالیف اور ترتیبِ کتاب (مقدمہ، تین اقسام اور خاتمہ)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۶—بتاریخ: ۲ ستمبر ۲۰۱۴ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَهٰذَا مُخْتَصَرٌ مَضْبُوطٌ فِي النَّحْوِ، جَمَعْتُ فِيهِ مُهِمَّاتِ النَّحْوِ عَلَىٰ تَرْتِيبِ الْكَافِيَةِ، مُبَوَّبًا وَمُفَصَّلًا، بِعِبَارَةٍ وَاضِحَةٍ، مَعَ إِيرَادِ الْأَمْثِلَةِ فِي جَمِيعِ مَسَائِلِهَا، مِنْ غَيْرِ تَعَرُّضٍ لِلْأَدِلَّةِ وَالْعِلَلِ۔

آگے مصنف رَحِمَهُ اللَّهُ فرماتے ہیں: «فَهٰذَا مُخْتَصَرٌ مَضْبُوطٌ فِي النَّحْوِ»، کہ یہ ایک مختصر کتاب ہے، «مَضْبُوطٌ فِي النَّحْوِ»۔ مضبوط کا معنی ہے ضبط کی ہوئی، جسے ضبط کیا گیا ہو، تو یہاں یہ مرتب کی گئی کے معنی میں ہے، مرتب کی گئی، مضبوط یعنی مرتب کی گئی۔ «فَهٰذَا مُخْتَصَرٌ مَضْبُوطٌ فِي النَّحْوِ»، یہ ایک مختصر کتاب ہے جو مرتب کی گئی ہے فی النحو علمِ نحو کے اندر۔ یعنی اس میں کس کو ذکر کیا گیا ہے؟ کس کا بیان ہے؟ علمِ نحو کا ہے، تو مضبوط کس معنی میں ہوا؟ مرتب کے معنی میں۔

«جَمَعْتُ فِيهِ مُهِمَّاتِ النَّحْوِ»۔ مہمات جمع ہے مہمۃ کی، اور مہمۃ کہتے ہیں مقصد کو، اہم بات کو، اہم چیز کو۔ «جَمَعْتُ فِيهِ مُهِمَّاتِ النَّحْوِ»، میں نے اس میں جمع کیے ہیں نحو کے مقاصد، یا علمِ نحو کی اہم باتیں۔ میں نے اس میں علمِ نحو کی اہم باتیں جمع کی ہیں۔

«عَلَىٰ تَرْتِيبِ الْكَافِيَةِ»، کس ترتیب پر؟ قافیہ کی ترتیب پر۔

یاد رکھیے بھائی! قافیہ جو ہے وہ علامہ ابنِ حاجب کی کتاب ہے، اور علامہ ابنِ حاجب نے علمِ نحو کے اندر قافیہ جیسی عظیم الشان کتاب لکھ کر علمی دنیا میں زلزلہ برپا کر دیا بھائی۔ اتنی عظیم کتاب لکھی، اتنی عظیم کہ انسان حیران رہ جاتا ہے بھائی، اور صدیوں سے یہ کتاب علماء کی توجہ کا مرکز ہے اور مدارس کے اندر اس کو پڑھایا جا رہا ہے، پڑھا جا رہا ہے، اور طلبہ اس کو عموماً زبانی یاد کرتے بھائی۔ اور انہوں نے کمال کیا بھائی کہ اتنی مختصر سی یہ کتاب لکھی اور اس میں پورے علمِ نحو کو سمیٹ کر رکھ دیا، بس یوں سمجھیے گویا دریا کو انہوں نے کوزے میں بند کر دیا۔

قافیہ بھی اتنی ہی ہے جتنی تقریباً یہ ہدایت النحو ہے بھائی، ہدایت النحو۔ اور ہدایت النحو یہ جو آپ کے سامنے ہے، یہ جس طرح تقریباً سوا سو صفحے کے لگ بھگ ہے، اسی طرح وہ بھی سوا سو صفحے کے لگ بھگ، لیکن دیکھیں کہ کتنا موٹا موٹا لکھا ہوا ہے بھائی، کتنا موٹا موٹا! اگر اس کو باریک لکھا جائے تو شاید، شاید آٹھ دس صفحے بھی مشکل سے بنیں بھائی، آٹھ دس صفحے بھی۔ تو دیکھو! پورے علمِ نحو کو آٹھ دس صفحوں کے اندر سمیٹ دینا، انسان حیران رہ جاتا ہے بھائی۔

تو انہوں نے قافیہ کتاب لکھی، لیکن قافیہ جو ہے، صاحبِ قافیہ کے پاس الفاظ کم ہوتے ہیں، وہ لفظ بہت کم استعمال کرتے ہیں، ایک لفظ کو بھی بے کار جانے نہیں دیتے، ایک لفظ بھی لاتے ہیں تو اس کا کوئی لانے کا مقصد ہوتا ہے۔ اور وہاں مثالیں بھی پوری نہیں ہیں، ہر ہر مسئلے کی مثال بھی وہاں انہوں نے ذکر نہیں کی، البتہ ہر مسئلے کی طرف وہ ہر مسئلے کو ذکر کر دیتے ہیں یا اس کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں کہ باقی تقریر استاد طالب علم کے سامنے کر دے گا، میں نے واضح اس بات کی طرف اشارہ کر دیا یا اس کو ذکر کر دیا بھائی۔

اور میں نے بتایا، بہت ایک ایک لفظ وہ سوچ سمجھ کر اپنی کتاب میں لائے ہیں، تو لہٰذا جس کی وجہ سے کتاب میں تھوڑی سی پیچیدگی پیدا ہو گئی، تھوڑی سی مشکل ہو گئی۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ اس سے پہلے کوئی اور کتاب ہونی چاہیے جو طالب علم کو پڑھائی جائے، تاکہ اس کی علمِ نحو کے ساتھ مناسبت ذرا اور بڑھ جائے، اس کے بعد پھر جب قافیہ پڑھائی جائے گی تو قافیہ کی ساری باتوں کو وہ اطمینان سے سمجھ سکے گا بھائی۔ اور قافیہ کے اندر چونکہ ہر مسئلے کی مثال وغیرہ بھی نہیں ہے، تو لہٰذا ایک ایسی کتاب قافیہ سے پہلے ہو جس کے اندر ہر ہر مسئلے کی وضاحت کے ساتھ خوب مثالیں بھی ذکر کر دی جائیں، تاکہ طالب علم کو اطمینان ہو جائے بھائی، مثال سے بات اس کو پوری طرح سمجھ میں آ جائے بھائی۔

تو یہ قافیہ کو اللہ نے بڑی مقبولیت نصیب فرمائی بھائی، اور سینکڑوں سال سے یہ مدارس کے اندر پڑھی جا رہی ہے، پڑھائی جا رہی ہے، اور طلبہ اس کو تقریباً زبانی یاد کرتے ہیں، اکثر طلبہ بھائی۔

تو یہ صاحبِ ہدایت النحو فرماتے ہیں کہ یہ کتاب جو ہے مضبوط، یہ ایک مختصر کتاب ہے، «مَضْبُوطٌ فِي النَّحْوِ» جو مرتب کی گئی ہے علمِ نحو میں، «جَمَعْتُ فِيهِ مُهِمَّاتِ النَّحْوِ» میں نے جمع کیا ہے اس مختصر کے اندر علمِ نحو کی اہم باتوں کو، «عَلَىٰ تَرْتِيبِ الْكَافِيَةِ» کس ترتیب پر؟ قافیہ کی ترتیب پر۔ قافیہ کی ترتیب بڑی پیاری ہے بھائی۔ لیکن قافیہ کی ترتیب پر ہونے کا یہ معنی نہیں کہ پوری ہدایت النحو پورے طور پر قافیہ کی ترتیب پر ہے، نہیں نہیں! کہیں تھوڑا بہت فرق آتا ہے، لیکن اکثر ترتیب کس جیسی ہے؟ قافیہ جیسی ہی ہے بھائی۔

اسی لیے کہا: «عَلَىٰ تَرْتِيبِ الْكَافِيَةِ»، قافیہ کی ترتیب پر۔

▪ قولہ: «مُبَوَّبًا وَمُفَصَّلًا» کی تشریح

«مُبَوَّبًا وَمُفَصَّلًا»، اس کو «مُبَوِّبًا» اس میں فاعل بھی پڑھ سکتے ہیں اور «مُبَوَّبًا» واؤ پر زبر پڑھیں اس میں مفعول، اور یا اسی طرح «مُفَصِّلًا» اس کو بھی اس میں فاعل بھی پڑھ سکتے ہیں مفصِّلاً اور اس میں مفعول مفصَّلاً بھی پڑھ سکتے ہیں۔

مبوِّب اگر اس کو اسمِ فاعل پڑھیں تو مبوِّب کا معنی ہوا: باب باب بنانے والا، اور اگر اس کو پڑھیں مبوَّب اسمِ مفعول تو پھر اس کا معنی ہوا ہے: باب باب بنایا گیا، باب باب کی گئی بھائی۔ اور اسی طرح مفصِّل اگر اسمِ فاعل پڑھیں تو اس صورت میں اس کا معنی ہوا: فصل فصل بنانے والا، اور مفصَّل پڑھیں تو معنی ہوا وہ جس کو فصل فصل بنایا گیا ہو بھائی۔ معنی، فرق سمجھ میں آ رہا ہے بھائی؟ ایک اسمِ فاعل والا معنی ہے اور ایک اسمِ مفعول والا۔ تو مبوِّب بھی پڑھ سکتے ہیں مبوَّب بھی، مفصِّل بھی پڑھ سکتے ہیں اور مفصَّل بھی۔

اگر آپ اس کو مبوِّب پڑھتے ہیں، باب باب بنانے والا اور فصل فصل بنانے والا، تو یہ باب باب اور فصل فصل بنانے والا کون ہے؟ مصنف ہیں، تو لہٰذا یہ جو پیچھے ضمیر آئی: «جَمَعْتُ»، اس کے اندر یہ جو متکلم کی ضمیر ہے: میں نے جمع کیا، اس سے یہ پھر حال بنے گا۔ میں نے جمع کیا باب باب بناتے ہوئے اور فصل فصل بناتے ہوئے بھائی، فصل بناتے ہوئے۔

معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟ «جَمَعْتُ فِيهِ» میں نے اس میں جمع کیا، اس حال میں کہ «مُبَوِّبًا وَمُفَصِّلًا» میں اس میں باب باب بنانے والا تھا اور فصل فصل بنانے والا تھا۔

یہ تو تھا حال والا ترجمہ: اس حال میں کہ میں اس میں باب باب بنانے والا تھا اور فصل فصل بنانے والا تھا۔ تو کس طرح ترجمہ ہوا؟ «جَمَعْتُ فِيهِ» میں نے جمع کیا اس مختصر کے اندر علمِ نحو کی اہم باتوں کو قافیہ کی ترتیب پر، اس حال میں کہ میں باب باب اور فصل فصل بنانے والا تھا۔

یا بامحاورہ ترجمہ یوں کر لیں بھائی: مبوِّب باب باب کرتے ہوئے، اور مفصِّل فصل فصل کرتے ہوئے، اور اس کو درمیان میں شروع میں لے جائیں تو یوں ترجمہ ہو گا: یہ ایک مختصر کتاب ہے جو مرتب کی گئی ہے علمِ نحو میں، میں نے اس میں علمِ نحو کی اہم باتوں کو باب باب کرتے ہوئے اور فصل فصل کرتے ہوئے جمع کیا قافیہ کی ترتیب پر بھائی۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟

اور اگر اس کو پڑھیں مبوَّب اور مفصَّل اسمِ مفعول، تو اس صورت میں یہ «فِيهِ» کی ہا ضمیر، فیہ کے آخر میں جو ہا ضمیر ہے یہ اس سے حال بنے گا: میں نے جمع کیا اس مختصر میں اس حال میں کہ اس کو باب باب بنایا گیا ہے اور فصل فصل بنایا گیا ہے بھائی۔

یاد رکھیے ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جب کوئی کتاب وغیرہ لکھتے ہیں عموماً، عام مصنفین اور عام بزرگوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کوئی کتاب وغیرہ لکھتے ہیں تو اس میں مسلسل لکھتے نہیں چلے جاتے بغیر کسی عنوان کے، بلکہ اس کی تقسیم کر دیتے ہیں۔ ایک جیسے مسائل جو ہوتے ہیں ان کو مثلاً ایک باب میں ذکر کر دیا، پھر ایک جیسے اور جو قریبی مسائل ہیں ان کو فصلوں کے اندر ذکر کر دیا۔ تو اس طرح وہ پھر تین قسم کے عنوانات دیتے ہیں: ایک ہے کتاب، ایک ہے باب، اور ایک ہے فصل۔ کتاب، باب اور فصل۔ ان میں سب سے بڑا عنوان کتاب کا ہے۔ کتاب میں ایک جنس کے سارے مسائل آجائیں گے، ایک جنس کے سارے مسائل بھائی۔ جیسے آپ نے قدوری میں کتاب الطہارۃ پڑھا، تو طہارت سے متعلقہ تمام چیزیں اس میں آگئیں، تمام چیزیں آگئیں۔ وضو کا طریقہ، غسل کا طریقہ، اور پانی کون سا پاک ہے وغیرہ، اور یہ ساری چیزیں جو طہارت سے متعلق ہیں ان کو کس میں ذکر کر دیا؟ کتاب میں۔ پھر اس کتاب کے اندر انہوں نے باب بنا دیے، الگ الگ باب: ایک وضو والا مثلاً باب، ایک پانی والا باب وغیرہ، تقسیم کر دیتے ہیں جو بھی ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اور پھر باب کے نیچے پھر جو مسائل ایک ہی صنف کے ہوں، ان ساروں کو پھر فصل میں اکٹھا کر دیتے ہیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اور جتنے ایک چیز کے قریب مسائل ہو گئے ان کو پھر الگ الگ فصلوں میں ذکر کیا جاتا ہے، تو سب سے بڑا عنوان کون سا دیتے ہیں؟ کتاب، اس کے تحت کئی باب آجاتے ہیں اور پھر ہر باب کے تحت کئی فصلیں آجاتی ہیں بھائی۔

تو اس سے یہ آسانی ہو جاتی ہے بھائی کہ مسائل تقسیم ہو جاتے ہیں، ان میں ایک ترتیب بن جاتی ہے، اور طلبہ کے لیے بھی آسانی ہو جاتی ہے یاد کرنے کے اندر کہ جب ایک فصل مکمل ہوتی ہے طالب علم کو خوشی ہوتی ہے کہ آج اتنی فصل ایک فصل ہم نے پڑھ لی، آج دوسری فصل پڑھ لی، آج تیسری فصل پڑھ لی، تو پڑھنے اور پڑھانے میں بھی بڑی سہولت ہو جاتی ہے۔ تو اسی لیے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو کس طرح بنایا؟ اس میں باب بنائے ہیں اور فصلیں بنائی ہیں بھائی۔

■ قولہ: «بِعِبَارَةٍ وَاضِحَةٍ» کی تشریح

«بِعِبَارَةٍ وَاضِحَةٍ»، واضح عبارت کے ساتھ۔ «بِعِبَارَةٍ وَاضِحَةٍ»، واضح عبارت کے ساتھ، یعنی میری اس مختصر کتاب کی عبارت واضح ہو گی، مشکل اور پیچیدہ نہیں ہو گی بھائی۔ میں نے بتلایا قافیہ کی عبارت بڑی مشکل اور پیچیدہ ہے، کیونکہ صاحبِ قافیہ نے تھوڑے لفظوں میں لمبی بات کرنی ہوتی ہے۔ آپ دیکھیں گے، ہدایت النحو پڑھ رہے ہیں آپ دیکھیں گے صاحب ہدایت النحو جس مسئلے کو ایک دو صفحوں کے اندر ذکر کرتے ہیں، صاحبِ قافیہ اس کو ایک دو لائنوں میں ذکر کر دیتے ہیں۔ تو دیکھو! پورے ایک دو صفحے کو سمیٹ کر کتنے میں لے آتے ہیں؟ ایک لائن کے اندر، ایک سطر میں یا اس سے بھی کم کے اندر بھائی۔ تو صاحب ہدایت النحو بتلا رہے ہیں کہ نہیں، میری کتاب کی عبارت جو ہے وہ قافیہ کی طرح مشکل نہیں ہو گی بلکہ کس قسم کی عبارت ہو گی؟ واضح عبارت ہو گی کہ طالب علم فوراً آسانی سے سمجھ جائے۔ تو کہتے ہیں: «بِعِبَارَةٍ وَاضِحَةٍ»، واضح عبارت کے ساتھ۔

«مَعَ إِيرَادِ الْأَمْثِلَةِ فِي جَمِيعِ مَسَائِلِهَا»۔ أَوْرَدَ يُورِدُ إِيرَاد کا معنی ہوتا ہے لانا۔ «مَعَ إِيرَادِ الْأَمْثِلَةِ»، امثلہ جمع ہے مثال کی، ساتھ لانے مثالوں کے، «فِي جَمِيعِ مَسَائِلِهَا» اس کے تمام مسائل میں۔ اس کے تمام مسائل کے اندر میں مثالیں لایا ہوں بھائی۔ میں نے بتلایا قافیہ کے اندر مثالیں بہت کم دی ہیں انہوں نے بھائی، بہت کم دی ہیں۔ جہاں بہت ہی ضرورت تھی وہاں مثال ذکر کی، ورنہ کہیں بھی وہ مثال عموماً ذکر نہیں کرتے بھائی۔ تو بہت کم مثالیں انہوں نے دی ہیں۔ لیکن صاحب ہدایت النحو فرما رہے ہیں کہ میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ میں نے ہر ہر جگہ پر مسئلے کی خوب وضاحت کے لیے خوب مثالیں ذکر کی ہیں۔ تو یہ معنی ہے: «مَعَ إِيرَادِ الْأَمْثِلَةِ فِي جَمِيعِ مَسَائِلِهَا»، اس کے تمام مسائل کے اندر مثالیں لاتے ہوئے، اس کے تمام مسائل میں مثالیں لاتے ہوئے، مثالیں ذکر کرتے ہوئے۔

«مِنْ غَيْرِ تَعَرُّضٍ لِلْأَدِلَّةِ وَالْعِلَلِ»۔ تعرّض کا معنی ہے کسی چیز کے پیچھے پڑنا، پیچھے پڑنا۔ «مِنْ غَيْرِ تَعَرُّضٍ»، بغیر پیچھے پڑے، «لِلْأَدِلَّةِ وَالْعِلَلِ»، ادلہ اور علل کے۔ ادلہ جمع ہے دلیل کی، اور علل جمع ہے علت کی۔ یعنی صاحب ہدایت النحو فرما رہے ہیں کہ میں نے یہ کتاب لکھی قافیہ کی ترتیب پر ہے، لیکن قافیہ میں باب اور فصلیں نہیں میں نے اس میں کیا ذکر کی ہیں؟ باب اور فصلیں۔ قافیہ کی عبارت پیچیدہ ہے لیکن میں اس کی عبارت واضح لے کر آیا ہوں، اور قافیہ میں مثالیں کم ہیں لیکن میں اس کے تمام مسائل کے اندر مثالیں بیان کروں گا، «مِنْ غَيْرِ تَعَرُّضٍ لِلْأَدِلَّةِ وَالْعِلَلِ»، دلیلوں اور علتوں کے پیچھے پڑے بغیر۔ دلیلوں اور علتوں کے پیچھے پڑے بغیر۔ علت کا معنی ہوتا ہے سبب، وجہ۔

یعنی میں سبب دلیل نہیں ذکر کروں گا، مسئلہ آپ کو بتا دوں گا کہ مسئلہ یوں ہے: «الْفَاعِلُ مَرْفُوعٌ»، فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے۔ لیکن کیوں

مرفوع ہوتا ہے؟ یا یہ «اَلْمَفْعُولُ مَنْصُوبٌ»، مفعول منصوب ہوتا ہے، کیوں منصوب ہوتا ہے؟ وہ دلیلوں کے اندر اور وجہوں کے اندر کہ اس کی وجہ میں ذکر کروں کہ ایسا کیوں ہے، اس کے پیچھے میں نہیں پڑوں گا۔ اس لیے کیونکہ یہ مبتدی طالب علم کے لیے یہ کتاب ہے، اور اگر میں اس کے اندر دلیلیں ذکر کرنا شروع کر دوں، میں اس کے اندر علتیں ذکر کرنا شروع کر دوں تو یہ تو مختصر کتاب نہ رہے گی، یہ تو بہت زیادہ پھیل جائے گی، اور طالب علم بیچارہ ابھی شروع کا طالب علم ہے، مبتدی طالب علم ہے، ابھی اس نے علمِ نحو پڑھنا شروع کیا ہے تو اس کے سامنے اگر اتنی تفصیلات اور اتنی پیچیدہ چیزیں رکھنا شروع کر دیں گے ہم تو اس کا تو ذہن تشویش میں پڑ جائے گا اور اس کے پلے کچھ بھی نہیں پڑے گا، اسے کوئی بات سمجھ میں ہی نہیں آئے گی، اتنی مشکل باتیں! تو لہٰذا یہاں میں صرف کیا کروں گا؟ موٹے موٹے مسائل ذکر کروں گا بھائی، موٹے موٹے مسائل ذکر کروں گا۔

تو کہتے ہیں: «مِنْ غَيْرِ تَعَرُّضٍ لِلْأَدِلَّةِ وَالْعِلَلِ»، بغیر پیچھے پڑے دلیلوں کے اور علتوں کے، یعنی دلیلوں اور سببوں کے پیچھے میں نہیں پڑا کہ اس کا سبب کیا ہے، اس کی وجہ کیا ہے۔ بھائی کیوں نہیں پیچھے پڑنا دلیلوں اور علتوں کے؟ کہتے ہیں: «لِئَلَّا يُشَوِّشَ ذِهْنَ الْمُبْتَدِي عَنْ فَهْمِ الْمَسَائِلِ»، تاکہ کہیں یہ دلیلوں کے پیچھے پڑنا تشویش میں نہ ڈال دے، «ذِهْنَ الْمُبْتَدِي» اس مبتدی طالب علم کے ذہن کو، «عَنْ فَهْمِ الْمَسَائِلِ» ان مسائل کے سمجھنے سے۔ کہ اگر میں ان دلیلوں کے اور علتوں کے پیچھے پڑوں گا پھر تو مبتدی طالب علم کا ذہن تشویش میں پڑ جائے گا مسائل کے سمجھنے سے، یعنی اس کو پھر مسائل سمجھ میں نہیں آئیں گے، بات بڑی مشکل ہو جائے گی بھائی۔

اور دیکھیے، اس سے میرے طریقے کی تائید بھی ہو گئی۔ عموماً بھائی عموماً، یہ ہدایت النحو پڑھاتے ہوئے اور اسی طرح قافیہ پڑھاتے ہوئے مدرسین حضرات بڑی لمبی لمبی تقاریر کرتے ہیں، بڑی مشکل اور پیچیدہ باتیں ذکر کرتے ہیں۔ ہدایت النحو میں تو خیر اتنی زیادہ نہیں کرتے، لیکن بہر حال قافیہ کے اندر آپ دیکھیں، قافیہ اتنی مشکل اور اتنی پیچیدہ طریقے سے پڑھائی جاتی ہے، ایک ایک لفظ قافیہ کے شروع کے پہلے ہی لفظ پر دس دس پندرہ پندرہ اعتراضات اور اس کے جوابات طلبہ کو بتلائے جاتے ہیں، ان کو لکھوائے جاتے ہیں۔ اور اسی طرح ہر ہر مسئلے کی علتیں بھی ذکر کرتے ہیں، دلیلیں بھی ذکر کرتے ہیں، حالانکہ قافیہ مختصر کتاب ہے اور اس کے بعد اگلے سال شرح جامی آتی ہے جو رابعہ میں۔ ثالثہ میں قافیہ ہے تو رابعہ میں شرح جامی ہے۔ شرح جامی کے اندر وہ اسی قافیہ کی شرح ہے، اس میں وہ پھر خوب تفصیل کے ساتھ قافیہ کے ایک ایک جملے، ایک ایک لفظ کو ذکر کرتے ہیں اور وجہ بتلاتے ہیں صاحبِ قافیہ یہ لفظ کیوں لائے ہیں، اور اس کے ذریعے کس مسئلے کی طرف اشارہ ہے، اور اس مسئلے سے متعلق اور بھی جو باتیں ہوتی ہیں وہ پھر صاحبِ جامی جو ہیں اپنی کتاب کے اندر ذکر کرتے ہیں۔ وہاں دلیلیں بھی آجاتی ہیں، وہاں علتیں بھی آجاتی ہیں، وہاں اعتراض، جواب وغیرہ سب کچھ آجاتا ہے۔

لیکن عموماً کیا کیا جاتا ہے کہ طریقہ اب یہ بن گیا ہے، تقریباً اکثر مدرسین، تقریباً بلکہ تمام مدرسین اسی طریقے پر پڑھاتے ہیں کہ قافیہ کے اندر خوب اعتراض اور جواب ذکر کیے جاتے ہیں، اور خوب بال کی کھال اتارتے ہیں بھائی، خوب گہرائی میں طالب علم کو لے جاتے ہیں، خوب گہرائی کے اندر۔ اور اتنی تفصیل ذکر کی جاتی ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عموماً کتاب ختم ہی نہیں ہوتی، سال گزر جاتا ہے اور قافیہ آدھے تک بھی نہیں پہنچتے، کیونکہ اتنی تفصیل جب کروائی جا رہی ہے کتاب تو ختم نہیں ہو سکتی۔ اور اگر زور لگا کر کسی طرح آخر میں کتاب کو تیز چلا کر ختم بھی کر لیا جائے، لیکن طالب علم جو ہے وہ اس کا ذہن اور تشویش میں پڑ جاتا ہے اور مطمئن نہیں ہوتا۔ اتنی تفصیلات جب اس کے سامنے آجاتی ہیں، اس کا ذہن ساروں کو، ساروں کو ضبط کرنے میں بڑی دشواری اور پیچیدگی محسوس کرتا ہے بھائی۔ تو اس کے لیے ان مسائل کو یاد کرنا پھر بڑا مشکل ہو جاتا ہے، اور نتیجہ یہ نکلتا ہے اس کا بڑا نقصان ہوتا ہے، وہ پوری طرح علمِ نحو اس کو یاد نہیں کر پاتا بھائی۔

لیکن میری رائے یہ ہے کہ اس طرح نہیں ہونی چاہیے بھائی قافیہ۔ قافیہ کے اندر بس نفسِ متن حل ہو جائے اور طالب علم کو نفسِ مسئلہ سمجھ میں آجائے، یا مسئلے سے متعلق کوئی بڑی ہی ایک آدھ کوئی ضروری فنی، نحوی بات ہو وہ ذکر کر دی جائے۔ اس طرح جب قافیہ پڑھائی جائے گی، اطمینان سے سال میں ختم ہو جائے گی، طالب علم کے لیے یاد کرنا بھی آسان ہو گا، اور پھر اگلے سال جو ہے وہ قافیہ کی شرح، شرح جامی آجائے گی، جو گہری باتیں رہ گئی ہوں وہ آگے شرح جامی کے اندر آجائیں گی اور طالب علم کے لیے یاد کرنا بہت آسان ہو جائے گا بھائی۔

تو دیکھیے، یہی صاحبِ ہدایت النحو بھی فرما رہے ہیں: «مِنْ غَيْرِ تَعَرُّضٍ لِلْأَدِلَّةِ وَالْعِلَلِ»، یعنی بغیر پیچھے پڑے دلیلوں اور علتوں کے، یعنی میں ان کے پیچھے نہیں پڑا، ان کے پیچھے نہیں پڑا یعنی ان کو میں نے ذکر نہیں کیا، «لِئَلَّا يُشَوِّشَ ذِهْنَ الْمُبْتَدِي عَنْ فَهْمِ الْمَسَائِلِ»، تاکہ کہیں مبتدی طالب علم کا ذہن تشویش میں نہ پڑے مسائل کے سمجھنے سے۔

▪ قولہ: «وَسَمَّيْتُهُ بِهِدَايَةِ النَّحْوِ» کی تشریح

«وَسَمَّيْتُهُ بِهِدَايَةِ النَّحْوِ»، اور میں نے اس مختصر کا نام ہدایت النحو رکھا۔ اس مختصر کتاب کا نام ہدایت النحو رکھا، «رَجَاءَ أَنْ يَهْدِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ بِهِ الطَّالِبِينَ»۔ «رَجَاءَ إِلَىٰ» ہے آپ کی کتابوں میں؟ «رَجَاءَ إِلَىٰ» نہیں، «رَجَاءَ»، اور یہ «إِلَىٰ» یہ کتابت کی غلطی ہے، اس کو نہیں ہونا چاہیے۔ «رَجَاءَ أَنْ يَهْدِيَ»، رجاء پر تنوین بھی نہیں کیونکہ اس کی اضافت ہو رہی ہے «أَنْ يَهْدِيَ» کی طرف اور مضاف پر تنوین نہیں آتی بھائی۔ «رَجَاءَ»، میں نے اس کا نام ہدایت النحو رکھا، کس لیے بھائی؟ کہتے ہیں «رَجَاءَ»، یہ امید کرتے ہوئے کہ «أَنْ يَهْدِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ بِهِ الطَّالِبِينَ»، کہ ہدایت دیں گے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ طلبہ کو، یعنی علمِ نحو کی طرف طلبہ کو اللہ ہدایت دیں گے اس کتاب کے ذریعے، اسی لیے میں نے اس کا کیا نام رکھا؟ ہدایت النحو رکھا۔

چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ نام اچھا رکھنا چاہیے، اسی لیے انہوں نے اپنی کتاب کا نام کیا رکھا؟ ہدایت النحو۔ نام اچھا رکھنا چاہیے بھائی، کیونکہ نام کا اثر شخصیت پر پڑتا ہے بھائی۔ تو اصل تو کرنے والی ذات اللہ ہی کی ہے، لیکن بہر حال نام میں اللہ نے اثر رکھا ہے، نام کا اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی رَحِمَهُ اللَّهُ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب، جب آپ کو نبوت ملی اور آپ توحید کا پیغام لے کر آئے تو اس وقت آپ کے چار چچا زندہ تھے، چار چچا۔ اور ان چار میں سے دو کے نام اسلامی تھے وہ اسلام لے آئے، اور جو دو کے نام غیر اسلامی تھے وہ اسلام بھی نہیں لائے۔ حمزہ اور عباس، حمزہ اور عباس یہ اسلامی نام ہیں تو یہ دونوں چچا اسلام لے آئے، اور دو چچا ابو طالب اور ابو لہب، یہ اسلام نہیں لائے بھائی، یہ اسلام نہیں لائے۔ ابو طالب کا نام عبد مناف تھا بھائی، عبد مناف۔ مناف بت کا، بت کا نام تھا، تو معنی عبد مناف کا معنی کیا ہوا؟ بت کا بندہ۔ اور اسی طرح ابو لہب کا اصل نام عبد العزیٰ تھا، عبد العزیٰ، اور عزیٰ بھی بت کا نام تھا، تو کیا معنی ہوا عبد العزیٰ کا؟ عزیٰ کا بندہ یعنی بت کا بندہ۔ تو ان دونوں کے نام غیر اسلامی تھے، یہ اسلام نہیں لائے، اور دو کے نام اسلامی تھے یعنی حمزہ اور عباس وہ اسلام لے آئے۔ تو بہر حال کرنے والی ذات تو اللہ ہی کی ہے، لیکن نام کا اثر پڑتا ہے، اللہ نے اس میں اثر رکھا ہے، اس لیے نام اچھا ہونا چاہیے۔ اسی لیے صاحبِ ہدایت النحو نے بھی اپنی کتاب کا نام کیا رکھا؟ ہدایت النحو۔ کہتے ہیں: یہ امید کرتے ہوئے کہ اس کے ذریعے اللہ طلبہ کو ہدایت دیں گے یعنی رہنمائی دیں گے علمِ نحو میں۔

«وَرَتَّبْتُهُ عَلَىٰ مُقَدِّمَةٍ وَثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ وَخَاتِمَةٍ»، اور میں نے اس کو ترتیب دیا ہے ایک مقدمے پر، اور تین اقسام پر، اور ایک خاتمے پر۔ ایک خاتمے پر بھائی، کتاب میں ایک مقدمہ ہے، اور تین اقسام، اور آگے فرمارہے ہیں ایک خاتمہ ہے۔

بھائی یہ خاتمہ جو ہے، یہ خاتمہ یہ کتاب کے اندر موجود نہیں۔ یہ کتاب کا خاتمہ کتاب کے اندر موجود نہیں، معلوم ہوا یہ کسی لکھنے والے کی غلطی سے یہ لفظ کتاب کے اندر آ گیا۔ پہلے زمانے میں کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں، تو کسی جس کسی لکھنے والے نے کتاب اس کتاب کو نقل کیا اور یہاں غلطی سے وہ کیا لکھ گیا؟ خاتمہ لکھ گیا بھائی، خاتمہ لکھ گیا۔ اور پھر یہی نسخہ آگے ہم تک پہنچا اور یہی پھیل گیا، تو اس لیے اب اس کتاب یہاں پر تو یہ خاتمہ کا لفظ ملتا ہے، لیکن آگے کتاب کے اندر خاتمہ کا کوئی عنوان نہیں، کتاب کے خاتمے کا عنوان نہیں ہے بھائی۔

تو آپ کے ذہنوں میں اشکال پیدا ہو گا کہ بھائی اگر یہ کسی لکھنے والے کی غلطی ہے تو اس لفظ کو نکال کیوں نہیں دیتے؟ تو جواب یہ کہ نہیں بھائی، یہ کتاب امانت کی طرح ہے، یہ صاحبِ ہدایت النحو کی کتاب ہے، کوئی اور اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا، کسی اور کے لیے اس میں تبدیلی کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ کتاب ہمیں جس طرح ملی ہے، بطورِ امانت کے ملی ہے اور اس امانت کو اسی طرح یعنی جوں کا توں ہم نے اگلی نسلوں تک پہنچانا ہے۔ اگر آج ہم اس کے اندر یہ خاتمہ کا لفظ نکال دیتے ہیں، کل کوئی اور آدمی آئے گا وہ کہے گا یہاں یہ لفظ نہیں ہونا چاہیے وہ دوسرا نکال دے گا، تیسرا کہے گا یہاں یہ چیز ہونی چاہیے وہ کسی چیز کا اضافہ کر دے گا، تو پھر تو کتاب کی صورت ہی بدل جائے گی! تو سمجھ میں آیا بھائی؟ تو لہٰذا یہ امانت ہے، اس میں تبدیلی نہیں کی جاتی، اس کو اسی طرح اگلی نسلوں کی طرف منتقل کیا جائے گا جیسا صاحبِ ہدایت النحو کی طرف سے ہمیں پہنچی ہے۔ درمیان میں اگر کہیں غلطی ہوئی ہے تو اس کو اسی طرح رکھتے ہیں بھائی۔

جیسے آپ بھائی پڑھیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر مشکوٰۃ میں۔ صاحبِ مشکوٰۃ نے احادیث جمع کی ہیں بھائی اپنی کتاب مشکوٰۃ کے اندر، اور حدیثوں کے بعد پھر وہ آخر میں انہوں نے جگہیں کچھ خالی چھوڑ دیں، حوالہ دیتے ہیں وہاں پر کہ یہ حدیث مثلاً بخاری شریف میں ہے یا یہ حدیث مسلم شریف میں ہے یا ترمذی وغیرہ میں۔ تو وہ حوالہ دیتے ہیں۔ تو انہوں نے وہ جگہیں خالی چھوڑ دی تھیں کہ ان کے اندر میں حوالے لکھوں گا کتاب کے اندر۔ تو کچھ انہوں نے حوالے لکھے تھے اور کچھ ابھی حوالے باقی تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا، اور وہ جگہیں خالی رہ گئیں۔ بعد میں علماء آئے اور انہوں نے ساروں کے حوالے نکال لیے کہ یہ بخاری

میں ہے، یہ ابو داؤد میں ہے، یہ ترمذی میں ہے، یہ مسلم میں ہے، سارے حوالے نکال لیے، لیکن انہوں نے وہ حوالے ان خالی جگہوں پر نہیں لکھے بھائی! کیونکہ وہ تو صاحبِ مشکوٰۃ کی کتاب ہے، اس میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا، اس کے لیے اضافہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ تو چنانچہ پھر محشی حضرات وہاں کیا کرتے ہیں؟ اس خالی جگہ کے اوپر حاشیہ نمبر دے دیتے ہیں کہ اس کا حوالہ آپ حاشیے میں دیکھ لیں، ہمیں اس کا حوالہ مل گیا ہے۔ پھر حاشیے میں حوالہ درج کرتے ہیں، اصل کتاب میں جو خالی جگہ ہے اس کو اسی طرح خالی رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ کتابیں کیا ہیں؟ یہ ان مصنفین کی طرف سے ہمیں امانت ملی ہیں جو ہم نے اگلی نسلوں تک پہنچانی ہیں، تاکہ ان کو پتہ چلے کہ یہ اس مصنف کی کتاب ہے اور اس میں کوئی تبدیلی وغیرہ نہیں کی گئی، یہ انہی کی باتیں ہیں ساری بھائی۔

تو کہتے ہیں بھائی: «وَرَتَّبْتُهُ عَلَىٰ مُقَدِّمَةٍ وَثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ وَخَاتِمَةٍ»، اور میں نے اس کو ترتیب دیا ایک مقدمے پر اور تین اقسام پر اور ایک خاتمے پر، «بِتَوْفِيقِ الْمَلِكِ الْعَزِيزِ الْعَلَّامِ»۔ الملک: بادشاہ، العزیز: زبردست، العلام: خوب جاننے والا۔ تو میں نے اس کو مرتب کیا ایک مقدمے پر، تین اقسام پر، اور ایک خاتمے پر، «بِتَوْفِيقِ الْمَلِكِ الْعَزِيزِ الْعَلَّامِ»، اس ذات کی توفیق سے جو بادشاہ ہے، العزیز جو زبردست ہے، العلام جو خوب جاننے والی ہے، یعنی اللہ کی توفیق سے میں نے اس کتاب کی کو ترتیب دیا اس مقدمے اور تین اقسام پر بھائی۔

چلیے، بس بھائی۔ «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۳: مقدمۃ الکتاب: علمِ نحو کی تعریف، موضوع، غرض وغایت اور کلمہ کی تعریف

ہدایۃ النحو صفحہ: ۷—بتاریخ: ۳ ستمبر ۲۰۱۴ء

- **متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)**

أَمَّا الْمُقَدِّمَةُ فَفِي الْمَبَادِئِ الَّتِي يَجِبُ تَقْدِيمُهَا لِتَوَقُّفِ الْمَسَائِلِ عَلَيْهَا، وَفِيهَا فُصُولٌ ثَلَاثَةٌ۔

- **متن وفصل:** فَصْلٌ: النَّحْوُ عِلْمٌ بِأُصُولٍ يُعْرَفُ بِهَا أَحْوَالُ...

فَصْلٌ: النَّحْوُ عِلْمٌ بِأُصُولٍ يُعْرَفُ بِهَا أَحْوَالُ أَوَاخِرِ الْكَلِمِ الثَّلَاثِ مِنْ حَيْثُ الْإِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ، وَكَيْفِيَّةُ تَرْكِيبِ بَعْضِهَا مَعَ بَعْضٍ۔

وَالْغَرَضُ مِنْهُ صِيَانَةُ الذِّهْنِ عَنِ الْخَطَإِ اللَّفْظِيِّ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ، وَمَوْضُوعُهُ الْكَلِمَةُ وَالْكَلَامُ۔

گزشتہ سبق میں صاحب ہدایت النحو نے آپ کو بتایا تھا کہ قافیہ جو تھی اس کی عبارت واضح نہیں تھی، اس کے اندر مثالیں ہر مسئلے کی ذکر نہیں تھیں، اور جس کی وجہ سے ابتدائی طلبہ کے لیے اس کا سمجھنا مشکل تھا، تو ضرورت تھی کہ ایک ایسی کتاب لکھی جائے جو قافیہ سے پہلے طلبہ کو پڑھائی جائے، جس کی عبارت واضح ہو، جس میں ہر مسئلے کے ساتھ اس کی خوب مثالیں بھی ذکر کی گئی ہوں، تاکہ طالب علم کو وہ باتیں آسانی سے سمجھ میں آجائیں اور پھر اس کے اندر قافیہ سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جائے بھائی۔

اور پھر بتلایا تھا کہ میں نے اپنی اس کتاب کو قافیہ کی ترتیب پر لکھا ہے، واضح عبارت کے ساتھ، مثالیں ذکر کی ہیں، دلیلیں اور علتیں میں نے ذکر نہیں کیں تاکہ کہیں ابتدائی طالب علم کا ذہن تشویش میں نہ پڑ جائے اور اسے مسائل ہی سمجھ میں نہ آئیں۔ اور میں نے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے ایک مقدمے پر اور تین اقسام پر، تو اب وہ مقدمہ آگے شروع ہو رہا ہے۔

تو کہتے ہیں: «أَمَّا الْمُقَدِّمَةُ»، تو مقدمہ جو ہے، «فَفِي الْمَبَادِئِ»، مبادئ ابتدائی باتیں۔ تو مقدمہ جو ہے ففی المبادئ، ان ابتدائی باتوں کے بارے میں، «الَّتِي يَجِبُ تَقْدِيمُهَا»، کہ جن کو واجب ہے مقدم کرنا، «لِتَوَقُّفِ الْمَسَائِلِ عَلَيْهَا»، اس لیے کیونکہ مسائل ان پر موقوف ہیں۔

تو مقدمہ جو ہے اس میں مصنف فرما رہے ہیں کچھ میں ایسی ابتدائی باتیں ذکر کروں گا جن کو مقدم کرنا ضروری ہے، جن کو پہلے ذکر کرنا ضروری ہے، اس لیے کیونکہ آگے آنے والے مسائل ان پر موقوف ہیں، تو وہ مسائل اس پر موقوف ہوئے اور یہ مقدمہ موقوف علیہ ہوا۔ یہ سمجھ میں آئے گا تو مسائل سمجھ میں آئیں گے، تو وہ مسائل اس پر موقوف اور یہ مقدمہ کیا موقوف علیہ، اور موقوف علیہ کیا ہوتا ہے موقوف پر مقدم ہوتا ہے۔

تو اسی لیے کہا: «أَمَّا الْمُقَدِّمَةُ فَفِي الْمَبَادِئِ الَّتِي يَجِبُ تَقْدِيمُهَا لِتَوَقُّفِ الْمَسَائِلِ عَلَيْهَا»، تو مقدمہ جو ہے ان ابتدائی باتوں کے بیان میں کہ جن کو مقدم کرنا واجب ہے بوجہ موقوف ہونے مسائل کے ان پر، «وَفِيهَا فُصُولٌ ثَلَاثَةٌ»، اور اس کے اندر تین فصلیں ہیں بھائی۔ یہ مقدمے میں کچھ باتیں ذکر کریں گے، ان کو سمجھ لیں گے تو آگے مسائل کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

تو پہلی فصل ذکر کر رہے ہیں، یاد رکھیے اس پہلی فصل کے اندر وہ علمِ نحو کی تعریف ذکر کریں گے، علمِ نحو کی غرض وغایت یعنی اس کا مقصد ذکر کریں گے کہ علمِ نحو سیکھنے کا مقصد کیا ہے، اور اس کا موضوع ذکر کریں گے کہ اس علم کا موضوع کیا ہے، کس چیز کے بارے میں اس علم میں بحث کی جائے گی۔

تو سب سے پہلے تعریف کر رہے ہیں بھائی، کہتے ہیں: «النَّحْوُ عِلْمٌ بِأُصُولٍ»۔ علم کا معنی ہے جاننا، اصول جمع ہے اصل کی، اور اصل کہتے ہیں قانون کو اور ضابطے کو۔ تو «النَّحْوُ عِلْمٌ بِأُصُولٍ»، علمِ نحو جو ہے وہ جاننا ہے ایسے اصولوں کو، «يُعْرَفُ بِهَا أَحْوَالُ أَوَاخِرِ الْكَلِمِ الثَّلَاثِ»، کہ جس کے ذریعے پہچانا جائے گا تین کلموں کے آخر کو۔ دوبارہ ترجمہ سنیں بھائی: علمِ نحو ان قوانین کے جاننے کا نام ہے کہ جن کے ذریعے جانا جائے گا تین کلموں کے آخر کے احوال کو، «مِنْ حَيْثُ الْإِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ»، معرب اور مبنی ہونے کی حیثیت سے، کہ مبنی ہے یا معرب ہے، اور پھر اگر معرب ہے تو اس کے آخر میں اس کو کس طرح پڑھنا ہے۔

▪ قولہ: «وَكَيْفِيَّةُ تَرْكِيبِ بَعْضِهَا مَعَ بَعْضٍ» کی تشریح

«وَكَيْفِيَّةُ تَرْكِيبِ بَعْضِهَا مَعَ بَعْضٍ»۔ ترکیب کا معنی ہوتا ہے جوڑنا، جوڑنا۔ بعض کو بعض کے ساتھ جوڑنے کی کیفیت۔ «وَكَيْفِيَّةُ تَرْكِيبِ بَعْضِهَا مَعَ بَعْضٍ»، بعض کو بعض کے ساتھ جوڑنے کی کیفیت، بلکہ بامحاورہ ترجمہ یوں کریں: ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے کی کیفیت۔ یعنی کلموں کو آپس میں جوڑیں گے تو کس طرح جوڑیں گے؟ کس طرح جوڑیں گے؟ مثلاً فعل کے بعد فاعل آنا ہے، اس کے بعد کس کو لانا ہے؟ مفعول لانا ہے، اور فاعل پر کیا اعراب آئے گا؟ مفعول پر کیا اعراب آئے گا؟ اور «إِنَّ» کو کس پر داخل کریں گے؟ اسم پر یا فعل پر؟ یہ ہمیں بتلائیں گے۔ اور اسی طرح حروفِ جارہ کس پر داخل ہوں گے؟ اور «أَنْ» مصدریہ وغیرہ یہ کس پر داخل ہوں گے؟ ان کو آپس میں کیسے جوڑا جائے گا بھائی؟ یہ ساری چیزیں اس میں ذکر کریں گے بھائی۔

تو دیکھیے، دوبارہ ترجمہ سن لیں: کہ علمِ نحو وہ جاننا ہے ایسے قوانین کو کہ جن کے ذریعے پہچانا جائے گا تین کلموں کے آخر کے احوال کو معرب اور مبنی ہونے کی حیثیت سے، اور کیا جانا جائے گا؟ «وَكَيْفِيَّةُ تَرْكِيبِ بَعْضِهَا مَعَ بَعْضٍ»، ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے کی کیفیت، یعنی اسم، فعل، حرف وغیرہ کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے کی کیفیت کو جانا جاتا ہے۔

یاد رکھیے یہ کیفیت کا عطف ہو رہا ہے احوال پر۔ کس پر؟ احوال پر۔ علمِ نحو وہ جاننا ہے ایسے قوانین کا، «يُعْرَفُ بِهَا» کہ اس کے ذریعے جانا جاتا ہے، کس چیز کو؟ تین کلموں کے احوال کو، اور ان کے جوڑنے کی کیفیت کو، اس کو جانا جاتا ہے۔ «وَكَيْفِيَّةُ تَرْكِيبِ بَعْضِهَا مَعَ بَعْضٍ»، اور ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے کی کیفیت کو جانا جاتا ہے۔

«وَالْغَرَضُ مِنْهُ»، اور غرض جو ہے منہ اس علم کے ذریعے، اس علمِ نحو کے ذریعے، یعنی اس کی غرض کیا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کا فائدہ کیا ہے؟ کہتے ہیں: «صِيَانَةُ الذِّهْنِ عَنِ الْخَطَإِ اللَّفْظِيِّ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ»۔ صیانت کا معنی بچانا، حفاظت کرنا۔ کہ اس کا مقصد جو ہے اس علم کا، «صِيَانَةُ الذِّهْنِ» وہ ذہن کو بچانا ہے، «عَنِ الْخَطَإِ اللَّفْظِيِّ» لفظی غلطی سے، «فِي كَلَامِ الْعَرَبِ» کس کے اندر؟ عربی کلام۔ عرب کا جو کلام ہے، عرب کی جو زبان ہے اس کے اندر ذہن کو لفظی غلطی سے بچانا یہ اس علم کا مقصد ہے، کہ یہ علم آپ کو آتا ہو گا تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اس لفظ پر رفع پڑھنا ہے، نصب پڑھنا ہے یا جر پڑھنا ہے، تو یہ اس علم کے ذریعے پتہ چلے گا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم تو بہت سے طلبہ کو دیکھتے ہیں وہ اس علم کو پڑھ کر آئے ہوتے ہیں، لیکن وہ پھر بھی کیا کرتے ہیں؟ کلامِ عرب میں غلطی کرتے ہیں، انہیں پتہ نہیں چلتا کہ کہاں رفع پڑھنا ہے، کہاں نصب پڑھنا ہے اور کہاں جر پڑھنا ہے۔ اور آپ نے تو ہمیں کیا بتلایا کہ یہ علم جو پڑھ لے گا وہ اس کی غلطیوں سے کلامِ عرب میں اس کو اس کی غلطیوں سے یہ علم حفاظت کرے گا۔ تو جواب یہ کہ بھائی وہ علم اور اس کے قوانین ذہن میں حاضر بھی ہونے چاہییں، ذہن میں حاضر ہوں گے تو وہ غلطی سے بچائیں گے۔ اگر وہ ذہن میں حاضر ہی نہیں ہیں یعنی طالب علم پڑھ کر ان کو بھول گیا ہے، پھر تو یہ غلطی سے حفاظت بھی نہیں کریں گے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَالْغَرَضُ مِنْهُ صِيَانَةُ الذِّهْنِ عَنِ الْخَطَإِ اللَّفْظِيِّ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ»، اور علمِ نحو کی غرض جو ہے وہ ذہن کو بچانا ہے لفظی غلطی سے، کس میں؟ کلامِ عرب میں۔ لفظی غلطی یعنی تلفظ میں غلطی ہم نہ کریں، رفع، نصب، جر وغیرہ کہاں پڑھنا ہے کس طرح پڑھنا ہے۔

▪ قولہ: «وَمَوْضُوعُهُ الْكَلِمَةُ وَالْكَلَامُ» کی تشریح

«وَمَوْضُوعُهُ الْكَلِمَةُ وَالْكَلَامُ»، اور اس علم کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔ اس علمِ نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے، اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تو صاحبِ ہدایت النحو نے دو موضوع ذکر کر دیے اس علم کے، حالانکہ کسی علم کا موضوع ایک چیز ہوا کرتی ہے، تو جب دو موضوع آ گئے تو اس کا تو مطلب یہ ہے کہ یہ دو علم ہیں بھائی، دو علم۔ حالانکہ نحو دو علم تو نہیں، نحو تو ایک ہی علم ہے۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟ کہ جتنے موضوع ہوں گے اتنے علموں کی تعداد بڑھتی جائے گی۔ اور ایک موضوع ہو گا تو ایک علم، دو موضوع ہیں تو دو علم، تین موضوع ہیں تو تین علم۔ تو یہاں تو دو موضوع ذکر کر دیے، تو جواب یہ کہ بھائی یہ کلمہ اور کلام بظاہر دو ہیں لیکن در حقیقت ایک ہی ہیں بھائی۔ کیونکہ وہی لفظ اکیلا ہو تو وہ کلمہ ہے، اور وہی لفظ دو یا زیادہ ہوں اور ان میں اسناد ہو تو وہی کیا ہے؟ کلام ہے، کلام ہے۔ تو یہ ایک ہی چیز ہے، کلمہ وہی مفرد ہونے کی حالت میں اور کلام وہ ترکیب کی حالت میں بھائی۔ کیونکہ کلام کئی کلموں سے ہی مل کر بنتا ہے بھائی، دیکھنے میں تو دو لیکن در حقیقت کیا ہیں؟ ایک ہی ہیں بھائی۔

آگے دیکھیے:

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: الْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ

فَصْلٌ: الْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔

«الْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ»، سب سے پہلے تو وضع کا معنی سمجھ لو، وضع کسے کہتے ہیں۔ انہوں نے تعریف کیا کی؟ کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو مفرد معنی کے لیے۔ وضع کا معنی سمجھ لیں بھائی، وضع کسے کہتے ہیں۔ یاد رکھیے وضع کا معنی ہے مقرر کرنا۔ وضع کا کیا معنی ہے؟ مقرر کرنا۔ دیکھو ہر زبان والوں نے ہر معنی کے لیے کوئی لفظ مقرر کیا ہوتا ہے۔ مثلاً یہ جو آپ دیکھ رہے ہیں، یہ دیوار بھائی، دیوار۔ تو یہ جو اینٹوں سے بنی ہوئی سیدھی دیوار کھڑی ہے، اس کو اردو زبان والے کیا کہتے ہیں؟ دیوار بھائی۔ اس کے لیے انہوں نے دیوار کا لفظ مقرر کیا ہوا ہے۔ اور اسی طرح وہ برتن جس میں ہم پانی پیتے ہیں اس کو گلاس کہتے ہیں، اس کے لیے کیا لفظ مقرر کیا ہے؟ گلاس۔ جیسے ہی گلاس کہا، فوراً آپ کے ذہن میں وہ برتن آ گیا جس میں پانی پیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح وہ برتن جس میں چائے پی جاتی ہے اس کا نام انہوں نے پیالی رکھا یا کپ رکھا بھائی، سمجھ میں؟ تو جیسے ہی وہ لفظ بولیں وہ آپ کے ذہن میں آتا ہے کیونکہ اس معنی کے لیے یہ لفظ مقرر کیا ہوا ہے۔

اسی طرح دیکھو، آسمان پر یہ جو گول جسم چمک رہا ہے اور جس کی وجہ سے دن کا اجالا ہے ہر طرف، اس کا نام اردو والوں نے، اردو زبان والوں نے کیا مقرر کیا ہے؟ سورج۔ اس کو سورج، جیسے ہی میں لفظ سورج کہتا ہوں فوراً آپ کے ذہن میں یہ گول ٹکیہ چمکدار روشن ٹکیہ آ جاتی ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ تو یہ دیکھو ہر زبان والوں نے ہر ذات کے لیے یا ہر معنی کے لیے کوئی ایک لفظ مقرر کیا ہوتا ہے، اور یہ مقرر کرنا کیا کہلاتا ہے؟ وضع کہلاتا ہے۔ یعنی اس زبان والوں نے اس لفظ کو اس معنی کے لیے وضع کیا ہے۔ دیوار کہیں تو یہ والا معنی ذہن میں آتا ہے، گلاس کہیں تو وہ والا معنی ذہن میں آتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لیکن یہی لفظ اگر آپ کسی عرب کے سامنے کہیں اس کو کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا، اس لیے کیونکہ انہوں نے ان چیزوں کے لیے یہ لفظ وضع نہیں کیے، یہ لفظ مقرر نہیں کیے، ان کی اپنی زبان ہے۔ انہوں نے سورج کے لیے شمس کا لفظ مقرر کیا ہوا ہے، انہوں نے دیوار کے لیے جدار کا لفظ مقرر کیا ہوا ہے بھائی، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو ہر زبان والوں نے چیزوں کے لیے اور مختلف معانی کے لیے اپنے اپنے لفظ مقرر کیے ہوئے ہوتے ہیں، اس مقرر کرنے کو کیا کہتے ہیں؟ وضع۔ یہ جو ایک لفظ کو ایک معنی کے لیے یا ایک ذات کے لیے مقرر کر دیا جائے اسے کیا کہتے ہیں؟ وضع کہتے ہیں، وضع کہتے ہیں۔

تو تعریف اب دیکھیے: «الْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ»، کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو مقرر کیا گیا ہو، یعنی وضع کیا گیا ہو یعنی مقرر کیا گیا ہو، «لِمَعْنًى مُفْرَدٍ» مفرد معنی کے لیے، کسی مفرد معنی کے لیے۔ یعنی معلوم ہوا کلمہ ایسا لفظ ہو گا جس کا کوئی معنی ہو گا، کلمہ ایسا لفظ ہو گا جس کا کوئی معنی ہو گا۔

بھائی ایک ہے لفظ۔ لفظ وہ ہے جس پر ہم تلفظ کرتے ہیں، زبان سے بولتے ہیں، چاہے معنی ہو چاہے معنی نہ ہو۔ مثلاً میں اردو میں استعمال کرتے ہیں: روٹی شوٹی، یا روٹی ووٹی۔ اب دیکھو روٹی، یہ تو مقرر ہے، اس کا تو معنی ہے، لیکن اگلا لفظ ووٹی یا شوٹی بولتے ہیں اس کا کوئی معنی نہیں، لیکن یہ لفظ ہے کیونکہ ہم اس پر کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں۔ تو لفظ کسے کہتے ہیں؟ جس کا زبان پر تلفظ کیا جائے۔ تو لفظ عام ہے، اس کا ہو سکتا ہے اس کا کوئی معنی ہو، ہو سکتا ہے اس کا کوئی معنی نہ ہو۔ لیکن انہوں نے لفظ کے ساتھ وضع کی قید لگا دی: ایسا لفظ جس کا کوئی معنی ہو، جس کو جو کسی معنی کے لیے یا کسی چیز کے لیے مقرر کیا گیا ہو، اس کو کیا کہتے ہیں؟ کلمہ۔ معلوم ہوا کلمہ ہمیشہ ایسے لفظ کو کہیں گے جس کا کوئی معنی ہو گا۔ اگر معنی نہیں تو اس کو کلمہ بھی نہیں کہیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب یاد رکھیے بھائی! «لَفْظٌ» نکرہ آیا، نکرہ آیا۔ بھائی معرفہ کی اقسام آپ نے پڑھی ہوں گی، معرفہ چھ سات قسمیں معرفہ کی: ضمیر وہ بھی کیا ہے؟ ضمیریں بھی معرفہ، اسمِ اشارہ بھی معرفہ، اور اسمِ موصول بھی معرفہ، اور اسی طرح اسی طرح عَلَم کسی کا نام جو ہوتا ہے زید، عمرو، بکر یہ بھی کیا ہیں؟ معرفہ۔ اور اسی طرح جس اسم پر الف لام داخل ہو جائے، الرَّجُلُ، یہ بھی کیا ہے؟ معرفہ۔ اور ان میں سے کسی کی طرف کوئی اسم مضاف ہو جائے وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ معرفہ۔ «غُلَامُ هٰذَا»، دیکھو غلام کا لفظ نکرہ ہے لیکن وہ مضاف ہے کس کی طرف؟ هذا کی طرف، هذا اسمِ اشارہ ہے اور وہ معرفہ ہے، اور معرفہ کی طرف جو لفظ مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ یا اسی طرح «غُلَامُهُ»، دیکھو ہا ضمیر کی طرف مضاف تو معرفہ بن گیا، یا «غُلَامُ زَيْدٍ» عَلَم کی طرف اضافت ہوئی تو یہ غلام کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا۔ تو یہ معرفہ کی اقسام آپ نے پڑھ لی ہیں بھائی۔ تو یہ «لَفْظٌ» بھائی دیکھیے، «لَفْظٌ» نکرہ آیا، لفظٌ کیا آیا؟ نکرہ۔

یاد رکھیے ضابطہ: نکرہ کے بعد فعل آجائے تو وہ اس کی صفت بنتا ہے۔ لفظٌ نکرہ ہے اور «وُضِعَ» اس کے بعد فعل آیا، تو نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کی کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے۔ اور دیکھیے یہاں لفظٌ نکرہ ہے، یہ اسمِ اشارہ بھی نہیں، یہ ضمیر بھی نہیں، یہ اسمِ موصول بھی نہیں، اس پر الف لام بھی نہیں داخل، یہ کسی کا نام بھی نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور ان میں سے کسی کی طرف مضاف بھی نہیں، تو یہ لفظٌ ہوا نکرہ، اور نکرہ کے بعد کیا آگیا؟ فعل، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس نکرہ کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔

تو پھر اس کا ترجمہ، یاد رکھیے بھائی! نکرہ جو ہے نکرہ، نکرہ کے بعد اگر صفت آجائے تو اس کے دو طریقے ہیں ترجمہ کرنے کے۔ عربی میں صفت مؤخر ہوتی ہے لیکن اردو میں صفت مقدم ہو جاتی ہے۔ مثلاً دیکھیے: «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، رجل کا معنی آدمی، مرد، اور شجاع کا معنی بہادر۔ تو عربی میں دیکھو رجل موصوف پہلے ہے اور شجاع اس کی صفت بعد میں ہے، لیکن اسی کا آپ اردو میں ترجمہ کریں تو آپ کہیں گے: بہادر آدمی۔ دیکھو وہ بہادر کا لفظ عربی میں مؤخر تھا اور آدمی کا لفظ مقدم تھا، لیکن اردو میں اس کا برعکس کر دیا: بہادر کو مقدم کر دیا اور آدمی کو مؤخر۔ تو اردو میں موصوف صفت کا ترجمہ کس طرح کرتے ہیں؟ کہ صفت کو موصوف پر مقدم کر دیتے ہیں، ایک طریقہ یہ ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے نکرہ کے اندر موصوف صفت کا ترجمہ کرنے کا کہ آپ صفت کو مقدم نہ کریں۔ عربی میں موصوف مقدم تھا اور صفت مؤخر، اردو میں بھی آپ اسی طرح رکھتے ہیں: موصوف کو مقدم ہی رکھتے ہیں اور صفت کو مؤخر ہی رکھتے ہیں، لیکن پھر موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھیے: «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، موصوف کون؟ رجل، اس سے پہلے ایسا کا لفظ لے آؤ: ایسا آدمی، شجاع جو کہ بہادر ہے۔ دیکھا یہ، ایک طریقہ کیا تھا؟ صفت کو اردو میں مقدم کر دو اور کیسے ترجمہ کرو؟ بہادر آدمی۔ دوسرا طریقہ کیا ہے؟ ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ طریقہ آگیا؟ ایک طریقے میں صفت کو مقدم کر دیا، دوسرے میں صفت کو مؤخر ہی رکھا، موصوف کو مقدم ہی رکھا، البتہ موصوف سے پہلے کیا لفظ لے آتے ہیں؟ ایسا یا ایسی کا لفظ موقع کے مطابق لے آتے ہیں۔

تو یہاں پر بھی دیکھیے: «لَفْظٌ» نکرہ آیا اور نکرہ کے بعد فعل آیا، اور آپ نے ضابطہ پڑھ لیا نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو یہاں اس موقع پر یہ دوسرا طریقہ استعمال کر لیتے ہیں ترجمہ کرنے کا: کلمہ ایسا لفظ ہے «وُضِعَ لِمَعْنًى» جس کو مقرر کیا گیا ہو یعنی جس کو وضع کیا گیا ہو، «لِمَعْنًى مُفْرَدٍ» کسی مفرد معنی کے لیے۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا بھائی؟ تو لفظ وہ اس کا معنی بھی ہو سکتا ہے اس کا معنی ہو، ہو سکتا ہے اس کا معنی نہ ہو، لیکن جب آپ الکلمۃ کہتے ہیں تو پھر اس کا با معنی ہونا ضروری ہے، اس کا کوئی نہ کوئی معنی ہو گا۔

اچھا اب ایک اور بات یاد رکھیے: یہ مفرد جو ہے مفرد، یہ معنی کی بھی صفت ہو سکتا ہے اور لفظ کی بھی صفت ہو سکتا ہے۔ اگر اس کو بناؤ لفظ کی صفت، تو موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ لفظٌ پر پیش ہے، تنوین ہے، مرفوع ہے، تو صفت بھی مرفوع آئے گی۔ پھر کیسے پڑھیں گے؟ مفردٌ، تو عبارت یوں ہوئی: «اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٌ»۔ مفردٌ پڑھیں گے، کیونکہ یہ صفت ہے کس کی؟ لفظٌ کی، اور لفظٌ مرفوع اس پر رفع آپ پڑھ رہے ہیں

تومفردٌ پر بھی رفع پڑھیں گے۔ اب ترجمہ کیسے کریں گے؟ دو صفتیں آگئیں لفظٌ کی: ایک «وُضِعَ لِمَعْنًى» اور ایک «مُفْرَدٌ»۔ اب ہم دونوں طریقے استعمال کر لیتے ہیں، دونوں طریقے کس طرح؟ ایک صفت کو لفظ پر مقدم کر دیں گے اور ایک کے لیے ایسا کا لفظ لے آئیں گے، اس کو مؤخر ہی رکھیں گے لیکن اس کے لیے ایسا کا لفظ لے آئیں گے۔ تو مفرد یہ بھی لفظ کی صفت، اور وضع بھی لفظ کی صفت۔ یہ مفرد کو لفظ پر مقدم کر دو: مفرد لفظ، اور دوسرا وضع کے لیے ایسا کا لفظ لے آؤ: ایسا مفرد لفظ، «وُضِعَ لِمَعْنًى» جس کو معنی کے لیے وضع مقرر کیا گیا ہو، وضع کیا گیا ہو۔ اب ترجمہ دیکھیے بھائی: «اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٌ»، کلمہ ایسا مفرد لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو کسی معنی کے لیے، یعنی اس کا کوئی نہ کوئی معنی ہو گا۔ ترجمہ سمجھ میں آ گیا؟

دوسری دوسرا طریقہ، دوسری ترکیب: دوسری ترکیب یہ کہ اس مفرد کو معنی کی صفت بنائیں بھائی، مفرد کو معنی کی صفت بنائیں، اور معنی پر لام جارہ داخل ہے تو یہ معنی مجرور ہے۔ یہ اسمِ مقصور ہے بھائی: جَاءَنِي مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى، جس کا اعراب تینوں حالتوں میں کیا ہوتا ہے؟ تقدیری۔ اور یہ مَعْنًى کے آخر میں الف موجود تھا لیکن وہ اجتماعِ ساکنین سے گر گیا ہے بھائی، اجتماعِ ساکنین سے۔ دیکھو لام داخل ہوا اور لام جارہ ہے اور حرفِ جر کیا کرتا ہے؟ اپنے بعد والے اسم کو جر دیتا ہے، تو یہ اصل میں تھا «لِمَعْنَيَنْ» کیونکہ جر آئے گا نا، «لِمَعْنَيَنْ» تھا، اور اس کے آخر میں تنوین بھی آ رہی ہے «لِمَعْنَيَنْ»، تنوین آ رہی ہے یا نہیں؟ اور تنوین یاد رکھو نونِ ساکن کا نام ہے، کس کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا نام ہے۔ کس طرح نونِ ساکن کا نام ہے؟ دیکھو میں آپ کے سامنے ایک لفظ لکھتا ہوں، غور سے آپ نے اس کو دیکھنا ہے اور پھر اس کو پڑھنا ہے۔ میں نے آپ کے سامنے لکھی: ز، اور پھر میں نے لکھی: ی اور اس کے ساتھ دال بھی ملا دیا: ز، ی، د۔ اور پھر اس دال کے اوپر میں نے دو پیش لگا دیے یعنی تنوین لگا دی۔ اب اس کو ذرا پڑھو: زَيْدٌ۔ بھائی یہ نون آپ آخر میں کہاں سے پڑھ رہے ہیں؟ میں نے تو صرف ز، ی اور دال لکھی، لیکن آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ زیدٌ، آپ نون بھی آخر میں پڑھ رہے ہیں دال کے بعد: زیدٌ۔ معلوم ہوا یہ جو نون ہے یہ کیا ہے دراصل؟ وہ تنوین ہے جو اس کے اوپر میں نے لکھی بھائی۔ تو معلوم ہوا تنوین کس چیز کا نام ہے؟ نونِ ساکن، اور یہ نون ساکن ہے آخر میں آ رہا ہے تو یہ تنوین ہے بھائی۔

تو لہٰذا یہ کیا تھا؟ «لِمَعْنَيَنْ»، اور یا کے نیچے تنوین ہے یعنی یوں کہو: یا کے بعد ایک نونِ ساکن ہے، یا کے بعد ایک نونِ ساکن ہے۔ اور آپ نے صرف کے اندر ضابطہ پڑھا ہے کہ واؤ یا یا متحرک ہوں، جیسے قَالَ میں پڑھا ہو گا، قال کا قانون بھائی، اور اسی طرح رَمَى میں، رَمَى۔ واؤ یا یا متحرک ہو اور ما قبل والے حرف پر فتحہ ہو یعنی زبر ہو، تو اس واؤ اور یا کو الف سے بدلتے ہیں۔ جیسے قَالَ اصل میں قَوَلَ تھا، واؤ متحرک ہے یعنی اس پر حرکت ہے اور ما قبل میں قاف پر زبر ہے تو اس واؤ کو کس سے بدل دیا؟ الف سے، کیا بن گیا؟ قَالَ ہوا۔ اسی طرح رَمَى اصل میں کیا تھا؟ رَمَيَ، یا متحرک تھی یعنی اس پر حرکت تھی اور ما قبل میں میم پر زبر تھی تو اس یا کو کس سے بدل دیا؟ الف سے، تو کیا بن گیا؟ رَمَى۔ تو یہاں بھی وہی قانون لگے گا: «لِمَعْنَيَنْ»، اب یا یا کے نیچے حرکت ہے یا یا ساکن ہے؟ «لِمَعْنَيَنْ»، یا کے نیچے کسرہ ہے، یا متحرک ہے اس وقت اس پر حرکت ہے، اور اس سے ما قبل جو نون ہے اس پر کیا ہے؟ فتحہ، تو وہی قانون لگ گیا: یا متحرک ما قبل فتحہ آیا تو اس کو کس سے بدلا؟ الف سے، الف سے۔ اور آخر میں وہ تنوین والا نون بھی ہے تو کیا بن گیا؟ «لِمَعْنَانْ»۔ کیا بن گیا؟ «لِمَعْنَانْ»۔ «لِمَعْنَيَنْ» تھا، یا الف سے بدل گئی کیا بن گیا؟ «لِمَعْنَانْ»، اور پھر الف بھی ساکن، نون بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ آیا تو الف گر گیا، کیا بن گیا؟ «لِمَعْنًى»۔ تو دیکھو اس وقت یہ کیا ہے؟ «لِمَعْنًى»۔ تو الف یہاں تقدیراً ابھی بھی موجود ہے اور وہ گرا ہے صرف اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے، اور جس اسم کے آخر میں الف موجود ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اسمِ مقصور کہتے ہیں، جس کے آخر میں الف ہو بھائی، اسمِ مقصور۔ اور اسمِ مقصور جیسے موسیٰ، اس کا اعراب آپ نے پڑھا ہے تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے: جَاءَنِي مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى۔ لہٰذا یہ لام جارہ ہے اور مَعْنًى اس وقت کیا ہے؟ مجرور، مجرور تقدیراً ہے۔ تو جب یہ مجرور ہے تو جب مفرد مفرد کو اس کی صفت بنا رہے ہیں تو وہ بھی کیا ہو گا؟ مجرور۔ لیکن اس کے آخر میں تو الف نہیں ہے، لہٰذا اس پر اعراب آئے گا اور اس پر کسرہ آئے گا: «لِمَعْنًى مُفْرَدٍ»۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو «لِمَعْنًى مُفْرَدٍ»، تو اب کیسے پڑھیں گے؟ «اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ»۔ مفردٍ سنتے ہی آپ کو پتہ چل گیا، یہ مفرد کو میں نے کس کی صفت بنایا ہے؟ معنیٰ کی، شاباش۔ اور اگر میں یوں پڑھوں: «اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٌ»، سنتے ہی آپ کو پتہ چل گیا کہ مفرد کو میں نے کس کی صفت بنایا؟ لفظٌ کی، کیونکہ وہ بھی مرفوع یہ بھی مرفوع۔ تو پہلے ہم نے صفت بنایا تھا لفظ کی اور کیا ترجمہ کیا تھا؟ کلمہ ایسا مفرد لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو کسی معنی کے لیے۔ اور اگر آپ مفرد کو صفت بناتے ہیں معنی کی، «لِمَعْنًى مُفْرَدٍ»، اب ترجمہ یوں ہو گا: اب مفرد کا لفظ لفظ کے سے پر مقدم نہیں کرنا، کیونکہ مفرد لفظ کی بات نہیں ہو رہی، مفرد معنی کی بات ہو رہی ہے، مفرد معنی کی صفت ہے۔ تو اب یوں کریں گے: «اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ»، کلمہ ایسا لفظ ہے «وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ» جس کو وضع کیا گیا ہو کسی مفرد معنی کے لیے، کسی ایک معنی کے لیے۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

■ قولہ: «وَهِيَ مُنْحَصِرَةٌ فِي ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ: اسْمٌ...» کی تشریح

«وَهِيَ مُنْحَصِرَةٌ فِي ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ: اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ»۔ اور هِيَ ضمیر راجع ہے کلمہ کو۔ انحصر ینحصر کے معنی ہوتے ہیں بند ہونے کے۔ اور یہ جو کلمہ ہے، منحصرۃ یہ بند ہے فی ثلاثۃ اقسام تین قسموں میں، یعنی اس کی تین ہی قسمیں ہیں، چار قسمیں نہیں۔ یہ تین قسموں میں بند ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَهِيَ مُنْحَصِرَةٌ فِي ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ»، اور یہ کلمہ جو ہے یہ بند ہے تین قسموں میں، اور وہ تین قسمیں یہ ہیں: «اسْمٌ»، ایک اسم ہے، «وَفِعْلٌ»، اور فعل ہے، «وَحَرْفٌ»، اور حرف ہے۔

تو اس کو پڑھیں گے ایسے بھائی: «اسْمٌ وَّفِعْلٌ وَّحَرْفٌ»۔ کیوں؟ بھائی وجہ یہ کہ اسمٌ کے آخر میں تنوین ہے اور تنوین کس چیز کا نام؟ نونِ ساکن کا نام۔ فعلٌ کے آخر میں بھی تنوین ہے اور تنوین کس چیز کا نام؟ نونِ ساکن کا۔ اور اس نونِ ساکن کے بعد واؤ آرہا ہے: «اسْمٌ وَّفِعْلٌ»، تو واؤ آرہا ہے۔ اور آپ نے صرف میں قانون پڑھا ہوگا کہ حروفِ یرملون، یعنی ی، ر، م، ل، و، ن، حروفِ یرملون: ی، ر، م، ل، و، ن۔ ان حروف سے پہلے اگر نونِ ساکن آجائے تو اس نون کو بھی اسی حرف کی جنس سے بدل کر اس میں ادغام کر دیا جاتا ہے۔ تو یہاں بھی کیا آیا: اسمٌ، آخر میں کیا آیا؟ نونِ ساکن، اور اس کے بعد کیا آیا؟ واؤ، اور واؤ حروفِ یرملون میں سے ہے، دیکھو یرملون اس میں واؤ آرہا ہے یا نہیں؟ تو اس واؤ سے پہلے کیا آیا؟ نونِ ساکن، اور ضابطہ کیا پڑھا کہ جب ان حروف سے پہلے نونِ ساکن آئے تو نون کو بھی اسی حرف میں بدل کر اس میں ادغام کریں گے، تو اس نون کو بھی واؤ کر کے واؤ میں ادغام کر دیا۔ جو حرف آرہا ہوگا اسی کی طرح اس کو بدل دیں گے نون کو، تو اس نون کے بعد کیا تھا؟ واؤ، تو اس نون کو بھی کس سے بدلا؟ واؤ سے، اور پھر دو واؤ آگئے تو دونوں کا آپس میں کیا کر دیا؟ ادغام۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ «اسْمٌ وَّفِعْلٌ»۔ «اسْمٌ وَّفِعْلٌ وَّحَرْفٌ»، طریقہ سمجھ میں آگیا؟ فعلٌ کے بعد بھی اسی طرح نون کو واؤ کر کے واؤ میں ادغام کیا گیا۔ تو کہتے ہیں یہ کلمہ جو ہے بند ہے تین اقسام میں: اسم اور فعل اور حرف۔

آگے وجہِ حصر ذکر کر رہے ہیں بھائی، وجہِ حصر۔ وجہِ حصر یعنی یہ جو کلمہ کی تین ہی قسمیں کیوں بنائی گئیں، چار قسمیں کیوں نہیں بنائیں، پانچ قسمیں کیوں نہیں بنائیں؟ تو اس کی وجہ ذکر کرنے لگے ہیں۔ حصر کا معنی بند کرنا، تو اس کو تین ہی قسموں میں کیوں بند کیا؟ یعنی تین ہی قسمیں کیوں بنائیں، اس کی وجہ ذکر کریں گے اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ وجہِ حصر، وجہِ حصر کہتے ہیں کہ اس کی تین ہی قسمیں کیوں ہیں۔

کہتے ہیں: «لِأَنَّهَا إِمَّا أَنْ لَا تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا»، اس لیے کیونکہ ہا ضمیر راجع ہے کلمہ کو، اس لیے کیونکہ یہ کلمہ جو ہے «إِمَّا أَنْ لَا تَدُلَّ» یا تو یہ دلالت نہیں کرے گا «عَلَى مَعْنًى» کسی معنی پر «فِي نَفْسِهَا» جو اس کی ذات میں ہو۔ ذات، یاد رکھیے یہ فی بمعنی با کے ہے۔ تو ترجمہ یوں ہوگا کہ یا تو کلمہ جو ہے وہ دلالت نہیں کرے گا «عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا» ای بنفسہا، یعنی خود بخود، خود کسی معنی پر دلالت نہیں کرے گا، یا خود دلالت کرے گا۔ دو ہی صورتیں بنتی ہیں نا، یا تو کلمہ خود کسی معنی پر دلالت کرے گا یا خود دلالت نہیں کرے گا۔ اگر خود دلالت نہیں کرتا تو وہ حرف ہے، حرف ہے۔ حرف خود اکیلا کسی معنی پر دلالت نہیں کرتا جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی اور کلمہ نہ ملایا جائے۔ تو کلمہ یا تو وہ خود اپنے معنی پر دلالت خود کسی معنی پر دلالت نہیں کرے گا یا پھر کرے گا۔

اور اگر کرتا ہے پھر دو حالتیں ہیں: یا تو جس معنی پر یہ دلالت کر رہا ہے اس پر اس کے ساتھ کوئی زمانہ ملا ہوا ہے یا زمانہ ملا ہوا نہیں؟ اگر زمانہ ملا ہوا ہے تو وہ فعل ہے، اور اگر زمانہ نہیں ملا ہوا تو وہ اسم۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا حرف اپنے معنی پر خود دلالت نہیں کرتا جب تک اس کے ساتھ کوئی اور کلمہ نہ ملے۔ فعل اپنے معنی پر خود دلالت کرتا ہے اور اس کے معنی کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ بھی ملا ہوتا ہے، یعنی یعنی ماضی، حال یا مستقبل، ان زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی ملا ہوگا۔ اور اسم جو ہے وہ بھی اپنے معنی پر خود دلالت کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوا نہیں ہوگا۔

تو کہتے ہیں: اس لیے کیونکہ یا تو وہ کلمہ جو ہے وہ دلالت نہیں کرے گا «عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا» ای بنفسہا، کسی معنی پر خود، کسی معنی پر خود دلالت نہیں، یاد رکھیے حرف اپنے معنی پر خود دلالت نہیں کر سکتا اکیلا بھائی۔ مثال سے بات آپ کو سمجھ میں آئے گی۔ بھائی میں ایک لفظ آپ کے سامنے بولنے لگا ہوں، دیکھیے آپ کو اس کا معنی سمجھ میں آتا ہے یا نہیں: ابتداء۔ ابتداء کا کیا معنی ہے؟ شروع کرنا۔ دیکھو اپ کو اس کا ابتداء لفظ بولتے ہی آپ کو اس کا معنی سمجھ میں آ گیا۔ تو ابتداء کا معنی بھی شروع کرنا۔ اسی طرح مِنْ جو ہے، مِن حرف ہے، اس کا معنی بھی شروع کرنا ہے، لیکن میں آپ کے سامنے کہوں: مِنْ، آپ کو کوئی شروع کرنا سمجھ میں آیا؟ نہیں، کیونکہ یہ حرف اکیلا اپنے معنی پر خود بخود دلالت نہیں کرتا۔ ہاں، اس کے ساتھ ایک دو کلمے اور جوڑ دیں، اب شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آئے گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «سِرْتُ مِنَ الدَّارِ إِلَى الْمَسْجِدِ»، میں گھر سے مسجد تک یا مسجد کی طرف گیا۔ تو «سِرْتُ مِنَ الدَّارِ»، میں

چلا، کہاں سے چلا؟ «مِنَ الدَّارِ»، گھر سے۔ معلوم ہوا یہ چلنے کی ابتداء کہاں سے ہو رہی ہے؟ گھر سے، یہ کس نے بتایا؟ مِن نے۔ کس نے بتایا؟ مِن نے بتایا، تو دیکھو مِن نے بھی ابتداء والا معنی ادا کیا، اور لفظِ ابتداء بھی یہی ابتداء والا معنی ادا کرتا ہے، لیکن ابتداء کا لفظ وہ خود بخود اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے وہاں کسی اور کلمے کو ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں، لیکن مِن کے اندر لفظ کو جوڑنے کی ضرورت ہے کہ کہاں سے آغاز ہو رہا ہے؟ تو مِن کے بعد الدار آیا، معلوم ہوا کہ آغاز، ابتداء کہاں سے ہو رہی ہے؟ دار سے۔ اور کس چیز کی ابتداء ہو رہی ہے؟ اس کے لیے ماقبل میں «سِرْتُ» آگیا کہ میں چلا، یعنی چلنے کی ابتداء ہو رہی ہے۔ تو مِن بھی ابتداء کا معنی ادا کرتا ہے اور لفظِ ابتداء بھی، لیکن لفظِ ابتداء اپنے ساتھ کسی دوسرے کلمے کو جوڑنے کا محتاج نہیں یہ معنی ادا کرنے کے لیے، وہ خود بخود کیا کر دیتا ہے؟ اس معنی کو ادا کر دیتا ہے اور اس پر دلالت کر دیتا ہے اور وہ سمجھ میں آجاتا ہے۔ اور مِن بھی ابتداء کا معنی ادا کرتا ہے، ابتداء کے معنی کے لیے آتا ہے، لیکن اس سے مِن سے ابتداء کا معنی سمجھ میں نہیں آتا جب تک اس کے ساتھ اور کلمے کو نہ جوڑا جائے بھائی۔

یہ معنی ہے: «لِأَنَّهَا إِمَّا أَنْ لَا تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا»۔ تو معلوم ہوا بھائی! حرف خود اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے کہ نہیں کرتا؟ نہیں، خود نہیں کرتا، بلکہ کس کا محتاج ہے؟ کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کلمے کو جوڑا جائے، اور اسم اور فعل کسی دوسرے کلمے کے جوڑنے کے محتاج نہیں۔

یہ معنی ہے: «لِأَنَّهَا إِمَّا أَنْ لَا تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا»، اس لیے کیونکہ وہ کلمہ یا تو وہ دلالت نہیں کرے گا کسی معنی پر خود بخود، «وَهُوَ الْحَرْفُ»، اور وہ کون ہے؟ وہ حرف ہے۔ «أَوْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا»، یا وہ کلمہ دلالت کرے گا «عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا» ای بنفسہا، کسی معنی پر، وہ دلالت کرے گا کسی معنی پر خود بخود، «وَيَقْتَرِنُ مَعْنَاهَا بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ»، اور ملا ہوا ہو گا، اقتران کے معنی ملنے کے، اور ملا ہوا ہو گا «مَعْنَاهَا» اس کلمے کا معنی، «بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ» تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ، «وَهُوَ الْفِعْلُ»، اور وہ فعل ہے۔ «أَوْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا»، یا وہ کلمہ دلالت کرے گا کسی معنی پر «فِي نَفْسِهَا» ای بنفسہا خود ہی، «وَلَمْ يَقْتَرِنْ مَعْنَاهَا بِهِ»، اور نہیں ملا ہوا ہو گا اس کلمے کا معنی بہ، بہ کی ہا ضمیر راجع ہے احد الازمنۃ الثلاثۃ کو، نہیں ملا معنی اس کلمے کا معنی، نہیں ملا ہو گا اس کلمے کا معنی بہ ای باحد الازمنۃ الثلاثۃ تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ۔ اگر تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ اس کلمے کا معنی ملا ہوا ہو تو وہ فعل، اور اگر اپنے معنی پر خود دلالت تو کر رہا ہے لیکن تین زمانوں میں سے کسی معنی کے ساتھ وہ زمانہ ملا ہوا نہیں ہے تو وہ کیا ہے؟ اسم ہے۔

تو دوبارہ دیکھ لیں بھائی، اسم کا اسم کا جو آخر میں بیان کر رہے ہیں: «أَوْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا»، یا وہ کلمہ خود بخود کسی معنی پر دلالت کرے گا، «وَلَمْ يَقْتَرِنْ مَعْنَاهَا بِهِ»، اور ملا ہوا نہیں ہو گا اس کلمے کا معنی تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ، «وَهُوَ الِاسْمُ»، اور وہ اسم ہے بھائی، اسم ہے۔

بھائی یاد رکھیے، «وَهُوَ الِاسْمُ» یوں نہیں پڑھنا، «وَهُوَ الِاسْمُ» یوں نہیں پڑھنا، بلکہ یہ لام کے نیچے کسرہ دے دیں گے، کسرہ پڑھیں گے۔ الف لام کا ہمزہ بھی وصلی وہ بھی گر جائے گا، درمیانِ عبارت میں آپ نے پڑھا ہو گا، سنا ہو گا کہ ہمزۂ وصل جو ہوتا ہے وہ درمیانِ عبارت میں گر جاتا ہے، درمیانِ عبارت میں گر جاتا ہے۔ تو الف لام کا ہمزہ وصلی وہ گر گیا، اور آگے اسم کا ہمزہ بھی وصلی ہے وہ بھی گر گیا۔ تو اب لام رہ گیا اور لام تو ساکن ہے، اَلْ اَلْ اَلْ تھا، ہمزہ شروع کا گر گیا تو لام کیا رہ گیا؟ ساکن۔ میں پڑھتا ہوں: اَلْقَلَمُ، اَلْقَلَمُ، دیکھو شروع میں ہمزہ پر تو کیا ہے؟ زبر، اور لام کیا ہے؟ ساکن۔ تو یہ لام کیا ہوتا ہے؟ ساکن، تو یہاں بھی اسی طرح ہے۔ ہمزہ تو گر گیا اور لام کیا ہے؟ ساکن، اور آگے اسم کا ہمزہ بھی گر گیا اور آگے سین بھی ساکن، لام بھی ساکن اور سین بھی ساکن اور دونوں ہمزہ گر گئے ہیں، تو دو ساکن اکٹھے ہو گئے۔ تو یاد رکھیے اس صورت میں پھر پہلے حرف کو حرکت دیتے ہیں اور ضابطہ ہے: «السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ»، کہ ساکن کو جب حرکت دی جاتی ہے تو وہ اس کو کسرہ والی حرکت دیتے ہیں بھائی۔ تو لام کو کون سی حرکت دے دیں گے؟ کسرہ والی، تو کیسے پڑھیں گے؟ «لِسْمُ»، «لِسْمُ»، اور سارا کیسے پڑھیں گے؟ «وَهُوَ لِسْمُ»، «وَهُوَ لِسْمُ»۔ سمجھ میں آیا طریقہ بھائی؟ تو کہتے ہیں: «وَهُوَ الِاسْمُ»، اور وہ اسم ہے۔

تو اب دیکھیے بھائی، وجہِ حصر انہوں نے ذکر کر دی۔ وجہِ حصر کیا ذکر کی؟ کہ کلمہ یا تو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے گا یا دلالت نہیں کرے گا۔ اگر خود بخود دلالت نہیں کرتا وہ حرف ہے، اور اگر خود دلالت کرتا ہے تو پھر اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوا ہو گا یا ملا ہوا نہیں۔ اگر ملا ہوا ہے تو وہ فعل ہے، اور اگر ملا ہوا نہیں تو وہ اسم ہے۔ تو یہ وجہِ حصر ذکر کر دی، اور اسی سے آپ کو تینوں کی تعریف بھی سمجھ میں آگئی۔ حرف کا پتہ چل گیا کہ وہ خود اپنے معنی پر دلالت نہیں کرتا، فعل کا پتہ چل گیا وہ خود اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی اس کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے، اور اسم کی بھی تعریف سمجھ میں آگئی کہ وہ اپنے معنی پر خود دلالت کرتا ہے اور تین زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ اس کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہوتا۔ تعریف سمجھ میں آگئی؟

اب وہی بیان کرنے لگے ہیں۔

تو کہتے ہیں: «فَحَدُّ الِاسْمِ»، حد کہتے ہیں تعریف کو، کسے کہتے ہیں؟ جامع مانع تعریف بھائی۔ اچھا، بس آپ آسان لفظوں میں یاد رکھیے: حد تعریف کو کہتے ہیں۔ کیسے پڑھیں گے؟ «فَحَدُّ الِاسْمِ» یوں نہیں پڑھنا، بلکہ یوں پڑھیں: «فَحَدُّ لِسْمِ»، «فَحَدُّ لِسْمِ»۔ دیکھیں تیز پڑھیں گے کسی کو بھی پتہ نہیں چلے گا، وہ سمجھ وہ سمجھ رہا ہے شاید آپ فحد الاسم پڑھ رہے ہیں حالانکہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ فحدِلسم۔ تو کہتے ہیں: «فَحَدُّ الِاسْمِ»، تو اسم کی تعریف جو ہے وہ یہ ہے:

■ قولہ: «كَلِمَةٌ تَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا غَيْرِ...» کی تشریح

كَلِمَةٌ تَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ، أَعْنِي الْمَاضِيَ وَالْحَالَ وَالِاسْتِقْبَالَ۔

دیکھو کلمۃٌ نکرہ آیا، اور نکرہ کے بعد تدل فعل آیا، اور میں نے ابھی ضابطہ بتایا نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور پھر کیا کرتے ہیں ایسے معنی موقع پر ترجمہ کس طرح کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی۔ تو کہتے ہیں: «فَحَدُّ الِاسْمِ»، اسم کی تعریف جو ہے وہ یہ: «كَلِمَةٌ تَدُلُّ»، وہ ایسا کلمہ ہے، اسم ایسا کلمہ ہے، «تَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا»، جو دلالت کرتا ہے ایک معنی پر خود ہی، «غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ»، ملا ہوا نہیں ہوتا تین زمانوں میں سے، ہاں وہ معنی تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہوتا۔

«غَيْرِ» مجرور پڑھا، غیر، را کے نیچے کیا پڑھ رہے ہیں؟ کسرہ۔ معلوم ہوا یہ معنی کی صفت ہے، کیونکہ معنی پر علی جارہ داخل ہے اور علی کیا کرتا ہے؟ جر، جر دیتا ہے، تو مَعْنًى کیا ہوا؟ مجرور۔ مجرور ہے تو سوال پیدا ہوا اس پہ جر کیوں نہیں آیا؟ جواب یہ کہ اس پہ جر اس کا جر تقدیری ہے، کہ یہ کیونکہ یہ کیا ہے؟ اسم مقصور ہے اور اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری آتا ہے۔

دوبارہ ترجمہ سنو: اب معنی موصوف ہے اور غیر مقترن کیا ہے اس کی صفت، اور موصوف سے پہلے کیا لفظ لے کر آتے ہیں؟ ایسا، تو یہاں بھی ایسا لائیں گے اور کلمہ سے پہلے بھی ایسا کا لفظ لائیں گے کیونکہ اس کے آگے بھی تدل اس کی صفت ہے۔ تو دیکھیے: «فَحَدُّ الِاسْمِ»، تو اسم کی تعریف جو ہے: «كَلِمَةٌ»، ایسا کلمہ، «تَدُلُّ عَلَى مَعْنًى»، جو دلالت کرتا ہے خود ہی ایسے معنی پر، «غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ»، جو ملا ہوا نہیں ہوتا تین زمانوں میں سے کسی کسی ایک زمانے کے ساتھ۔ بھائی وہ تین زمانے کون سے ہیں؟ کہتے ہیں: «أَعْنِي الْمَاضِيَ وَالْحَالَ وَالِاسْتِقْبَالَ»، یعنی کہ ماضی، حال اور استقبال۔ اعنی، کبھی یعنی کہہ دیتے ہیں اور کبھی اعنی۔ اعنی اصل میں متکلم کا صیغہ ہے: اعنی، میری مراد یہ ہے، تین زمانوں سے میری مراد ماضی، حال اور استقبال ہے۔ تو اعنی متکلم کا صیغہ، اس کے اندر انا ضمیر فاعل کی ہے اور آگے الماضی والحال والاستقبال یہ اس کے لیے مفعول بن رہے ہیں اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے۔

ترجمہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

■ قولہ: «كَرَجُلٍ وَعِلْمٍ» کی تشریح

«كَرَجُلٍ وَعِلْمٍ»، جیسے کہ رجل اور علم۔ دو مثالیں ذکر کر دیں اسم کی، دیکھو رجل: رجل بولتے ہی آپ کو معنی سمجھ میں آگیا اور زمانہ ساتھ کوئی نہیں ملا ہوا، تو یہ کیا ہے؟ اسم۔ اسی طرح علم: علم کسے کہتے ہیں؟ آپ کو سنتے ہی معنی سمجھ میں آگیا اور زمانہ کوئی نہیں ساتھ ملا ہوا، تو یہ بھی کیا ہے؟ اسم۔ تو صاحبِ ہدایت النحو نے دو مثالیں ذکر کر دیں: ایک رجل اور ایک علم بھائی۔ اور رجل وہ ایسی چیز کا نام ہے جس کی اپنی ذات الگ موجود ہے، مرد کیا ہے؟ اس کا اپنا رجل کا اپنا الگ وجود ہے، اور علم اس کا اپنا الگ وجود نہیں، یہ کسی کی صفت بنتی ہے۔ آپ کہتے ہیں: زید بڑا عالم ہے، معلوم ہوا وہ علم والا ہے، علم کیا ہے؟ اس کی صفت، تو علم کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں ہے۔ تو دو مثالیں ذکر کر دیں: ایک ایسی چیز کی جس کا اپنا الگ وجود ہے، اور ایک ایسی چیز کی جس کا اپنا الگ وجود نہیں وہ غیر کی صفت بنتا ہے، اس کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔

چلیے، بس کریں، بس بھائی۔ «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۴: کلمہ کی تین اقسام میں انحصار کی دلیل اور اسم کی تعریف وعلامات

ہدایۃ النحو صفحہ: ۸—بتاریخ: ۲۳ اگست ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَعَلَامَتُهُ صِحَّةُ الْإِخْبَارِ عَنْهُ، نَحْوُ: زَيْدٌ قَائِمٌ، وَالْإِضَافَةُ، نَحْوُ: غُلَامُ زَيْدٍ، وَدُخُولُ لَامِ التَّعْرِيفِ، كَالرَّجُلِ، وَالْجَرُّ، وَالتَّنْوِينُ، نَحْوُ: بِزَيْدٍ، وَالتَّثْنِيَةُ، وَالْجَمْعُ، وَالنَّعْتُ، وَالتَّصْغِيرُ، وَالنِّدَاءُ، فَإِنَّ كُلَّ هٰذِهِ خَوَاصُّ الِاسْمِ.

وَمَعْنَى الْإِخْبَارِ عَنْهُ أَنْ يَكُونَ مَحْكُومًا عَلَيْهِ، لِكَوْنِهِ فَاعِلًا، أَوْ مَفْعُولًا، أَوْ مُبْتَدَأً.

گزشتہ سبق کے اندر صاحبِ ہدایت النحو نے آپ کو کلمہ کی تعریف بتلائی، اور بتلایا تھا کہ کلمہ لفظ کا نام ہے بھائی، لفظ کو کیا کہتے ہیں؟ کلمہ۔ ہاں ایک زائد چیز اس میں ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی معنی ہو گا۔ اگر اس کا معنی ہے لفظ کا معنی ہے تو وہ کلمہ کہلائے گا، اگر لفظ کا معنی نہیں تو پھر وہ کلمہ نہیں کہلائے گا۔

اس کے بعد انہوں نے کلمہ کی تین قسمیں آپ کو بتلائی تھیں کہ کلمہ تین قسم پر ہے: اسم ہے، فعل ہے، اور حرف ہے۔ اور وجہِ حصر ذکر کی تھی کہ یہ تین قسمیں کیوں ہیں بھائی کلمہ کی؟ تو بتلایا تھا اس لیے کیونکہ کلمہ کے اندر دو ہی صورتیں ہیں: یا تو وہ اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے گا یا دلالت نہیں کرے گا۔ اگر اپنے معنی پر خود دلالت نہیں کرتا بلکہ اور کلموں کے ساتھ جوڑنے کا محتاج ہے تو وہ حرف ہے۔ اور اگر اپنے معنی پر خود دلالت کرتا ہے تو پھر اس میں دو صورتیں ہیں: اس معنی کے ساتھ کوئی زمانہ ملا ہو گا یا زمانہ نہیں ملا ہو گا۔ اگر زمانہ ملا ہو گا تو وہ فعل ہے، اور اگر زمانہ نہ ملا ہو تو وہ اسم ہے بھائی۔

اور اسی سے آپ کو اسم کی تعریف بھی پتہ چل گئی۔ معلوم ہوا اسم ایسا کلمہ ہے جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرتا ہے۔ خود بخود دلالت کرنے کا کیا معنی تھا؟ کہ کسی اور کلمے کے ساتھ جوڑنے کا محتاج نہیں۔ جیسے میں نے آپ کو بتلایا بھائی کہ ایک ہے لفظِ ابتداء، ابتداء کا معنی ہے شروع کرنا۔ اور اسی طرح مِنْ بھی آتا ہے، اس کا معنی بھی ہوتا ہے شروع کرنا۔ لیکن ابتداء لفظِ ابتداء میں نے جیسے ہی بولا، آپ کو فوراً اس کا معنی شروع کرنا سمجھ میں آ گیا۔ لیکن مِنْ جب میں نے کہا آپ کو شروع کرنے کا معنی نہیں سمجھ میں آیا۔ ہاں اس کے لیے پھر اور کلمے ساتھ جوڑیں، جس چیز کی ابتداء ہو رہی ہے اس کو ذکر کریں اور جہاں سے ابتداء ہو رہی ہے اس کو ذکر کریں، تو پھر مِنْ کا معنی سمجھ میں آ جائے گا، جیسے مثال میں نے ذکر کی تھی: «سِرْتُ مِنَ الدَّارِ إِلَى الْمَسْجِدِ»۔ «سِرْتُ»، سَارَ يَسِيرُ سین کے ساتھ ہے، سار یسیر کے معنی ہیں چلنا۔ «سِرْتُ»، میں چلا، «مِنَ الدَّارِ»، کہاں سے؟ گھر سے، «إِلَى الْمَسْجِدِ»، مسجد تک۔ میں گھر سے مسجد تک گیا۔

اب دیکھیے، اب مِنْ کا معنی شروع کرنا ہمیں سمجھ میں آ رہا ہے، یہ مِنْ سے ہمیں پتہ چل رہا ہے کہ چلنے کی ابتداء گھر سے ہو رہی ہے اور اس کی انتہاء کہاں پر ہو رہی ہے؟ مسجد پر۔ تو یہ جو ابتداء چلنے کی گھر سے ہو رہی ہے، یہ مِنْ نے ہمیں بتایا: «سِرْتُ مِنَ الدَّارِ»، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو معلوم ہوا مِنْ نے بھی ابتداء والا معنی ادا کیا، اور لفظِ ابتداء بھی یہی ابتداء والا معنی ادا کرتا ہے، لیکن ابتداء کا لفظ وہ خود بخود اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے وہاں کسی اور کلمے کو ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں، لیکن مِنْ کے اندر لفظ کو جوڑنے کی ضرورت ہے کہ کہاں سے آغاز ہو رہا ہے؟ تو مِنْ کے بعد الدار آیا، معلوم ہوا کہ آغاز، ابتداء کہاں سے

ہورہی ہے؟ دار سے۔ اور کس چیز کی ابتداء ہورہی ہے؟ اس کے لیے ماقبل میں «سِرْتُ» آگیا کہ میں چلا، یعنی چلنے کی ابتداء ہورہی ہے۔ تو مِنْ بھی ابتداء کا معنی ادا کرتا ہے اور لفظِ ابتداء بھی، لیکن لفظِ ابتداء اپنے ساتھ کسی دوسرے کلمے کو جوڑنے کا محتاج نہیں یہ معنی ادا کرنے کے لیے، وہ خود بخود کیا کر دیتا ہے؟ اس معنی کو ادا کر دیتا ہے اور اس پر دلالت کر دیتا ہے اور وہ سمجھ میں آجاتا ہے۔ اور مِنْ بھی ابتداء کا معنی ادا کرتا ہے، ابتداء کے معنی کے لیے آتا ہے، لیکن اس سے مِنْ سے ابتداء کا معنی سمجھ میں نہیں آتا جب تک اس کے ساتھ اور کلمے کو نہ جوڑا جائے بھائی۔

جبکہ فعل اور اسم ایسے نہیں ہیں، وہ اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرتے ہیں۔ جیسے ہی میں نے کہا، جیسے ہی میں نے کہا: «زَيْدٌ»، فوراً آپ کے ذہن میں زید کی ذات آگئی، کسی اور کلمے کو ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ مثلاً بھائی آپ کا ایک ساتھی ہے، اس کا نام زید ہے۔ میں نے جیسے ہی کہا: زید، فوراً اس کی صورت آپ کے ذہن میں آگئی، آپ سمجھ گئے میں کس کی بات کر رہا ہوں۔ دیکھو کسی اور کلمے کے ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے بھائی۔ اور اسی طرح میں نے کہا: «ضَرَبَ»، دیکھا فوراً آپ کو اس کا معنی سمجھ میں آگیا کہ ضرب کا کیا معنی ہے؟ اس نے پٹائی کی زمانہ ماضی میں، دیکھو کسی اور کلمے کا ساتھ جوڑنے کا محتاج نہیں بھائی۔

اس کے بعد انہوں نے اسم کی دو مثالیں بھی ذکر کی تھیں: ایک رجل اور ایک علم۔ رجل وہ ذات کا نام ہے یعنی جس کی اپنی ذات الگ موجود ہے، اور علم یہ صفت کا نام ہے، اس کا اپنا الگ وجود نہیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو رجل ہے تو اس کی صفتِ علم بھی ہے اور اس کو پھر ہم عالم کہیں گے۔ اگر رجل نہیں تو صفتِ علم کا اپنا الگ وجود نہیں، یا جیسے اور مثال سمجھ لیں، جیسے سخاوت ہے: سخاوت کا اپنا الگ وجود نہیں، ہاں کوئی آدمی ہو گا تو اس کی صفت سخاوت ہو گی۔ تو وہ آدمی ہے تو اس کے ساتھ وہ سخاوت کی صفت بھی ہے، وہ آدمی نہیں تو وہ سخاوت کی صفت بھی نہیں ہے۔ تو دو مثالیں ذکر کر دیں: ایک رجل اور ایک علم۔ رجل ذات کی مثال اور علم صفت کی مثال بھائی، تو بہر حال دونوں اسم ہیں بھائی، دونوں اسم۔

اب آگے سبق دیکھیے بھائی:

▪ قولہ: «وَعَلَامَتُهُ صِحَّةُ الْإِخْبَارِ عَنْهُ، نَحْوُ:...» کی تشریح

وَعَلَامَتُهُ صِحَّةُ الْإِخْبَارِ عَنْهُ، نَحْوُ: زَيْدٌ قَائِمٌ، وَالْإِضَافَةُ، نَحْوُ: غُلَامُ زَيْدٍ، وَدُخُولُ لَامِ التَّعْرِيفِ، كَالرَّجُلِ، وَالْجَرُّ، وَالتَّنْوِينُ۔

بھائی اب علامتیں بتلانے لگے ہیں۔ اسم کی تعریف کر دی، تعریف، بھائی تعریف سے ذہن میں ایک چیز ممتاز ہو جاتی ہے، دوسری چیزوں سے الگ ہو جاتی ہے۔ ممتاز ہونے کا کیا معنی؟ دوسری چیزوں سے الگ ہو جاتی ہے۔ جب میں نے اسم کی تعریف کر دی کہ اسم وہ کلمے کا نام ہے، معلوم ہوا اسم کلمہ ہو گا، اور کلمہ کس چیز کا نام ہے؟ لفظ کا نام ہے، کون سا لفظ؟ جس کا کوئی معنی، معلوم ہوا اسم بھی کیا ہو گا؟ کوئی لفظ ہو گا، کیا ہو گا؟ کوئی لفظ ہو گا اور اس کا کوئی نہ کوئی معنی ہو گا، یا معنی پر وہ دلالت کرے گا، ذات پر وہ دلالت کرے گا۔

اب ذہن میں اسم ممتاز ہو گیا، آپ کو پتہ چل گیا اسم کسے کہتے ہیں، اسم کسے کہتے ہیں۔ آپ کو یہ بھی پتہ چل گیا فعل کسے کہتے ہیں، آپ کو یہ بھی پتہ چل گیا حرف کسے کہتے ہیں، تینوں کی تعریف سمجھ میں آگئی یا نہیں آگئی؟ تو ذہن میں اسم ممتاز ہو گیا۔ تو ذہن میں اسم ممتاز ہو گیا، لیکن خارج میں ہم اسم کو کیسے پہچانیں گے کسی لفظ کے؟ تو اس کے لیے علامتیں چاہییں، علامتیں چاہییں۔ یاد رکھیے تعریف کے ذریعے کوئی چیز ذہن میں ممتاز ہوتی ہے، اور علامتوں کے ذریعے خارج میں ممتاز ہوتی ہے، علامت سے خارج میں ممتاز ہوتی ہے۔

مثلاً مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں بھائی کہ دیکھیے دشمن جو ہے، دشمن آپ لوگوں کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے، تو خیال رکھنا کہیں وہ یہاں آنہ جائے، وہ آپ کو نقصان نہ پہنچائے۔ اب آپ کو اتنا پتہ چل گیا کہ دشمن کون ہے جو آپ کو کیا کرنا چاہتا ہے؟ نقصان دینا چاہتا ہے، ذہن میں تو پتہ چل گیا۔ لیکن اب وہ آپ کہیں گے اس کو پہچانیں گے ہم کیسے؟ اس کی نشانی کیا ہو گی؟ تو وہ نشانی الگ چاہیے، تو تعریف کے ذریعے کیا ہوتی ہے؟ ذہن میں چیز ممتاز ہو جاتی ہے، اور علامت کے ذریعے خارج میں ممتاز ہوتی ہے، باہر اس کو پہچانا جاتا ہے کہ یہ وہ چیز ہے یا وہ چیز نہیں ہے بھائی۔ تو اب علامتیں ذکر کرنے لگے ہیں۔

کہتے ہیں: «وَعَلَامَتُهُ»، اور اسم کی علامت جو ہے، «صِحَّةُ الْإِخْبَارِ عَنْهُ»، اس سے اخبار عنہ کا صحیح ہونا۔ «صِحَّةُ الْإِخْبَارِ عَنْهُ»، اس اسم

سے اخبار عنہ کا صحیح ہونا۔ اخبار عنہ یعنی اس کے بارے میں خبر دی جاسکے، اس کے بارے میں خبر دی جاسکے، یعنی یعنی وہ مسند الیہ بن سکتا ہے بھائی۔

یادرکھیے کلام کے دو حصے ہوتے ہیں: ایک مسند، ایک مسند الیہ۔ مسند الیہ وہ ہوتا ہے جس کے بارے میں بات کی جائے، آسان لفظوں میں سمجھو بھائی، مسند الیہ کسے کہتے ہیں؟ جس کے بارے میں بات کی جائے، اور مسند وہ جو بات کی جائے اس کو مسند کہتے ہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، میں نے کس کے بارے میں بات کی؟ زید کے بارے میں، معلوم ہوا زید مسند الیہ ہے۔ اور کیا بات کی؟ کہ وہ کھڑا ہے، تو یہ قائمٌ کیا ہے؟ مسند ہے۔ تعریف سمجھ میں آ گئی بھائی؟ مسند الیہ کسے کہتے ہیں؟ جس کے بارے میں بات کی جائے، اور مسند وہ جو بات کی جائے بھائی، بات کی جائے۔

تو یادرکھیے تو کلام کے دو حصے ہوتے ہیں: ایک مسند اور ایک مسند الیہ۔ اسم جو ہے نا اسم، یہ مسند الیہ بھی بن سکتا ہے اور مسند بھی بن سکتا ہے یعنی مسند بہ، مسند الیہ بھی بن سکتا ہے اور مسند بہ بھی۔ کون؟ اسم۔ اور فعل جو ہے وہ مسند بہ تو بن سکتا ہے، مسند الیہ نہیں بن سکتا۔ سمجھ میں آیا؟ اور حرف نہ وہ مسند الیہ بنتا ہے نہ وہ مسند بہ بنتا ہے۔

جی، تو اسم کیا کیا بن سکتا ہے؟ مسند اور مسند الیہ دونوں، مسند الیہ بھی اور مسند بہ بھی۔ اور فعل؟ صرف مسند بہ بن سکتا ہے، اور حرف؟ نہ مسند الیہ بن سکتا ہے نہ مسند بہ بن سکتا ہے بھائی۔ تو لہٰذا معلوم ہوا مسند الیہ بننا صرف خاصہ ہے اسم کا، یہ صرف اسم میں پایا جاتا ہے، وہ مسند الیہ بنتا ہے، فعل بھی مسند الیہ نہیں بنتا اور حرف بھی مسند الیہ نہیں، اسی لیے اس کو ذکر کیا اس میں۔ اس کی علامت یہ ہے، جب کوئی لفظ مسند الیہ بن رہا ہو تو سمجھ جائیں یہ اسم ہے، یہ کیا ہے؟ اسم ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَعَلَامَتُهُ صِحَّةُ الْإِخْبَارِ عَنْهُ»، اور علامت اسم کی جو ہے وہ اس سے اخبار عنہ کا صحیح ہونا یعنی اس کے مسند الیہ ہونا صحیح ہو، مسند الیہ۔ یادرکھیے یہ مسند الیہ، مسند الیہ اس کو محکوم علیہ بھی کہتے ہیں، آگے ابھی یہ آگے بتلا دیں گے، چلیے یہ بات آگے آجائے گی۔ تو پہلی علامت کیا ذکر کی اسم کی؟ کہ وہ مسند الیہ بن سکتا ہے۔ «نَحْوُ: «زَيْدٌ قَائِمٌ»»، جیسے زید قائم۔ دیکھو زید ہے مسند الیہ، اس کے بارے میں خبر دی جارہی ہے، اور کیا خبر دی جارہی ہے؟ قائمٌ، تو یہ مسند بہ ہے بھائی۔ اور میں نے آپ کو بتایا اسم مسند الیہ بھی بن سکتا ہے اور مسند بہ بھی بن سکتا ہے، تو یہاں پر دیکھیے زید مسند الیہ یہ بھی اسم ہے، اور قائم مسند جو ہے مسند بہ یہ بھی کیا ہے؟ اسم ہے۔ «نَحْوُ: «زَيْدٌ قَائِمٌ»»۔

■ قولہ: «وَالْإِضَافَةُ» کی تشریح

«وَالْإِضَافَةُ»، اور علامت اسم کی ایک اضافت ہے، یعنی مضاف ہونا۔ «نَحْوُ: «غُلَامُ زَيْدٍ»»۔ یہ غلام دیکھو، اس کی بات ہو رہی ہے یہ جو مضاف ہے۔ مضاف مضاف ہونا یہ اسم کا خاصہ ہے، اسم مضاف بنتا ہے، فعل یا حرف مضاف نہیں بنتا۔ جب یہ اسم کا خاصہ ہے تو یہ اس کی علامت ہے، معلوم ہوا کہ یہ کسی اور میں نہیں، جب کوئی لفظ مضاف بن رہا ہو آپ سمجھ جائیں یہ کیا ہے؟ اسم ہے، فعل یا حرف نہیں ہے۔ «نَحْوُ: «غُلَامُ زَيْدٍ»»، جی۔

«وَدُخُولُ لَامِ التَّعْرِيفِ»، اور لامِ تعریف کا داخل ہونا، اسم کا خاصہ ہے بھائی، تو یہ علامت ہے اسم کی۔ لامِ تعریف یہ جو الف لام داخل ہوتا ہے اسم پر: رَجُلٌ، اس پر کیا آیا؟ الرَّجُلُ، الرَّجُلُ، یہ الف لام اوپر آگیا، تو یہ الف لام کس پر آتا ہے؟ اسم پر آتا ہے، یہ اسم کی علامت ہے۔ «كَ«الرَّجُلِ»»، جیسے رجل بھائی، اس پر الف لام آیا۔ یہ الف لام کا آنا بتلا رہا ہے کہ یہ رجل اسم ہے، یہ رجل کیا ہے؟ اسم ہے۔

«وَالْجَرُّ»، اور اسی طرح جر کا داخل ہونا، یہ بھی اسم کا خاصہ ہے۔ یادرکھیے یہ جو جر ہے نا جر، یہ اثر ہوتا ہے حرفِ جر کا۔ جب کسی اسم پر حرفِ جر داخل ہوتا ہے تو وہ اسم مجرور ہو جاتا ہے، اس پر جر آتا ہے، جیسے «بِزَيْدٍ»، یہ با کیا ہے؟ جارہ، اور اس نے زید کو کیا دے دیا؟ جر دے دیا۔ اور یہ حرفِ جر کا داخل ہونا یہ اسم کا خاصہ ہے، صرف اسم پر حرفِ جر داخل ہوتا ہے۔ جب اسم پر حرفِ جر داخل ہوتا ہے صرف، تو جر بھی صرف ظاہر سی بات ہے کس پر آئے گا؟ اسم پر۔ فعل پر یا حرف پر تو حرفِ جر ہی نہیں داخل ہوتا، جب حرفِ جر نہیں داخل تو جر بھی نہیں آئے گا ان پر بھائی۔ تو جر کا آنا یہ بھی اسم کی علامت ہے۔

«وَالتَّنْوِينُ»، اور اسی طرح تنوین کا داخل ہونا بھائی، یہ بھی کس کی علامت ہے؟ اسم کی، اسم پر تنوین آئے گی۔ «نَحْوُ: «بِزَيْدٍ»»، مثال کے طور پر «بِزَيْدٍ»۔ یہ «بِزَيْدٍ» یہ مثال ہے جر کی بھی اور تنوین کی بھی، دیکھو لفظِ زید پر جر بھی آرہا ہے، یہ مجرور ہے اور تنوین بھی ہے بھائی، تو یہ دونوں کی مثال ہے۔

■ قولہ: «وَالتَّثْنِيَةُ» کی تشریح

«وَالتَّثْنِيَةُ»، اور اسی طرح تثنیہ ہونا، یہ بھی کس کی علامت ہے تثنیہ ہونا؟ اسم کی علامت ہے۔ رَجُلٌ، تثنیہ کیا ائے گی؟ رَجُلَانِ، رَجُلَانِ۔ غُلَامٌ: غُلَامَانِ، كِتَابٌ: كِتَابَانِ۔ یہ جو تثنیہ ہونا ہے یہ اسم کا خاصہ ہے، جب یہ صرف اسم میں پایا جاتا ہے تو معلوم ہوا اسی سے اسم کی پہچان بھی ہو جائے گی تو یہ اس کی علامت بھی ہو گئی بھائی، تو یہ علامت ہے اسم کی۔

آپ کے ذہن میں اشکال ہو گا کہ بھائی فعل بھی تو تثنیہ آتا ہے: ضَرَبَ، ضَرَبَا، دیکھا یہ دوسرا صیغہ کون سا ہے؟ تثنیہ کا۔ يَضْرِبُ، يَضْرِبَانِ، دیکھو یہ دوسرا صیغہ کس کا ہے؟ تثنیہ کا، تو فعل بھی تثنیہ آتا ہے؟ جواب، جواب: نہیں بھائی، فعل نہیں تثنیہ آتا۔ نہ فعل تثنیہ آتا ہے نہ جمع آتا ہے، نہ جمع آتا ہے۔ آپ کہیں گے یہ تثنیہ اور جمع آتو رہا ہے گردان میں؟ یاد رکھیے نہیں، فعل وہی ہے: ضَرَبَ۔ اسی کے آخر میں الف، یہ ضمیر ہے فاعل کی: ضَرَبَ، ضَرَبَا۔ ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر فاعل کی تھی، اور ضَرَبَا کے اندر یہ الف کیا ہے؟ تثنیہ کی ضمیر ہے، فعل تو وہی ضَرَبَ ہے۔ یہ الف کو ذرا ہٹا دو، کیا رہ گیا؟ ضَرَبَ۔ تو یہ الف تو فاعل کی ضمیر ہے، یہ تو اسم ہے، فعل تو اسی طرح کیا ہے؟ مفرد کا مفرد۔ تو فعل مفرد ہوتا ہے، اس کے ساتھ فاعل جو ہے وہ کبھی مفرد آتا ہے، کبھی تثنیہ آتا ہے اور کبھی جمع آتا ہے۔ معلوم ہوا تثنیہ اور جمع ہونا کس کا خاصہ؟ اسم کا، تو یہ اسم کی علامت ہے۔ فعل کبھی بھی تثنیہ اور جمع نہیں ہوتا، اور اگر کوئی اشکال کرے فعل بھی تثنیہ اور جمع آتا ہے، آپ کیا جواب دیں گے؟ کہ یہ فعل نہیں جمع تثنیہ ہو رہا بلکہ یہ ضمیر بدل رہی ہے اس کے ساتھ، فعل اسی طرح مفرد کا مفرد ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَالتَّثْنِيَةُ وَالْجَمْعُ»، اور تثنیہ ہونا اور جمع ہونا۔

«وَالنَّعْتُ»، نعت صفت کو کہتے ہیں، مراد ہے موصوف ہونا، موصوف ہونا، یعنی صفت کا آنا۔ صفت آجائے تو سمجھ جاؤ یہ جو موصوف ہے یہ اسم ہے۔ تو صفت آگئی، کیا پتہ چلا؟ کہ یہ جو موصوف ہے، موصوف صفت کی اپنی بات نہیں کر رہے بلکہ ما قبل میں جب موصوف، بھائی جب کسی لفظ کی صفت آجائے آگے، معلوم ہوا یہ جو ما قبل میں موصوف گزرا ہے یہ کون ہے؟ اسم ہے، تو یہ صفت جو ہے یہ بھی اسم کی علامت ہے۔ یا جیسے مثال بھائی صفت کی: جیسے بھائی «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، رجل موصوف، شجاع اس کی صفت۔ یہ شجاع آتے ہی آپ کو پتہ چل گیا، کیا پتہ چلا؟ کون اسم ہے؟ رجل، کون اسم ہے؟ رجل۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ صفت صفت کا اسم ہونا ضروری نہیں، ابھی گزشتہ سبق میں تو مثال آئی تھی: «الْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ»، لفظٌ موصوف تھا اور «وُضِعَ» اس کی صفت، اور وضع فعل ہے دیکھا۔ ہاں لیکن یہ «وُضِعَ» صفت جب آئی آپ کو پتہ چل گیا، کیا پتہ چلا؟ کہ لفظٌ کیا ہے؟ اسم ہے، یہ جو موصوف ہے یہ کیا ہے؟ اسم ہے بھائی۔ تو یہ معنی ہے: «وَالنَّعْتُ»۔

■ قولہ: «وَالتَّصْغِيرُ» کی تشریح

«وَالتَّصْغِيرُ»، اور تصغیر کا آنا، تصغیر جو ہے یہ بھی اسم کی علامت ہے۔ جیسے رَجُلٌ، اس کی تصغیر آئے گی: رُجَيْلٌ۔ رجل کا معنی آدمی، رجیل چھوٹا آدمی۔ یا جیسے كِتَابٌ، کتاب کا معنی کتاب، اور كُتَيِّبٌ، چھوٹی کتاب یعنی کتابچہ، کتابچہ۔ تو تصغیر کس کی علامت ہے؟ اسم کی۔

«وَالنِّدَاءُ»، اور نداء، یہ بھی اسم کی علامت ہے بھائی۔ نداء سے مراد ہے منادیٰ: «يَا زَيْدُ»، یہ زید کیا ہے؟ منادیٰ، جس کو نداء دی جائے۔ یہ نداء یہ جو یا آئی نداء، اس نے بتلا دیا کہ یہ زید کیا ہے؟ اسم ہے۔ مراد کون ہے نداء سے؟ منادیٰ ہے، منادیٰ۔ تو اس کو چونکہ نداء ہوئی ہے، آواز دی گئی ہے تو معلوم ہوا وہ اسم ہے۔

بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو اسم کی دیکھو انہوں نے کتنی ہی علامتیں ذکر کر دیں، یہ علامت جس لفظ میں آپ کو مل جائے آپ سمجھ جائیں کہ یہ کیا ہے؟ اسم ہے۔ دوبارہ دیکھ لیجیے: پہلی علامت کیا بتلائی؟ کہ وہ مسند الیہ ہو گا، دوسری علامت مضاف، مضاف آئے وہ بھی اسم ہو گا، لام تعریف آجائے کسی لفظ پر، جر آ جائے کسی لفظ پر، تنوین آجائے کسی لفظ کے آخر میں، اور تثنیہ آجائے یا جمع ہو یا اس کی صفت آگے آجائے یا اس کی تصغیر آتی ہو یا اس کو نداء دی جائے، یہ ساری کس کی علامتیں ہیں؟ اسم کی۔ تو یہ ساری علامتیں ہیں اسم کی:

«فَإِنَّ كُلَّ هٰذِهِ خَوَاصُّ الِاسْمِ»۔ اس لیے کیونکہ یہ سارے اسم کے خاصے ہیں، کیونکہ یہ سارے کیا ہیں؟ اسم کے خاصے ہیں۔ خاصہ اسے کہتے ہیں جو ایک چیز میں پایا جائے دوسری چیزوں میں نہ پایا جائے، تو یہ چیزیں صرف اسم میں پائی جاتی ہیں۔ جب یہ ساری اسم کے اندر پائی جاتی ہیں تو معلوم ہوا اس

کے ذریعے ہم اسم کو پہچان لیں گے، جب یہ اسم کے خاصے ہیں تو یہ اس کی علامت بھی بن گئے۔ «فَإِنَّ كُلَّ هٰذِهِ خَوَاصُّ الِاسْمِ»، اس لیے کیونکہ یہ سارے جو ہیں اسم کے خاصے ہیں۔

■ قولہ: «وَمَعْنَى الْإِخْبَارِ عَنْهُ أَنْ يَكُونَ مَحْكُو...» کی تشریح

«وَمَعْنَى الْإِخْبَارِ عَنْهُ أَنْ يَكُونَ مَحْكُومًا عَلَيْهِ»۔ باقی باتیں تو آسان تھیں، ایک لفظ آیا تھا اخبار عنہ: «صِحَّةُ الْإِخْبَارِ عَنْهُ»۔ اخبار عنہ کا کیا معنی ہے؟ یہ بات ذرا مشکل تھی۔ میں نے تو آپ کے سامنے بیان کر دیا، اخبار عنہ کا کیا معنی؟ کہ کسی چیز کے بارے میں خبر دی جائے، یعنی وہ مسند الیہ بن سکے، یا دوسرے لفظوں میں وہ کیا ہو؟ محکوم علیہ بن سکے۔ تو اب اسی کو بیان کرنے لگے ہیں صاحبِ کتاب۔ کہتے ہیں: «وَمَعْنَى الْإِخْبَارِ عَنْهُ»، اخبار عنہ کا معنی یہ ہے: «أَنْ يَكُونَ مَحْكُومًا عَلَيْهِ»، کہ وہ محکوم علیہ ہو سکے بھائی، محکوم علیہ ہو سکے۔

میں نے آپ کو بتلایا، اخبار عنہ کا کیا معنی؟ مسند الیہ بن سکے، کیا بن سکے؟ مسند الیہ بن سکے۔ اور مسند الیہ میں نے آسان لفظوں میں بتایا، کسے کہتے ہیں؟ جس کے بارے میں بات کی جائے وہ کون ہے؟ مسند الیہ، اور جو بات کی جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مسند بہ۔ یہ تو تھا آسان لفظوں میں: جس کے بارے میں بات کی جائے وہ ہے مسند الیہ۔ اسی کو علمِ نحو والے کہتے ہیں: جس پر حکم لگایا جائے وہ ہے اسم، اور وہ جو حکم لگایا جائے وہ کیا ہے؟ وہ مسند بہ ہے۔ یعنی میں نے آسان لفظوں میں کیا کہا؟ میں نے کہا «زَيْدٌ قَائِمٌ»، زید کھڑا ہے، اردو میں: زید کھڑا ہے۔ کس کے بارے میں بات کی؟ زید کے بارے میں، معلوم ہوا یہ مسند الیہ ہے۔ اور کیا بات کی؟ کہ وہ کھڑا ہے، معلوم ہوا یہ مسند بہ ہے۔ علمِ نحو والے کہیں گے: زید پر حکم لگایا گیا، ہم نے کہا نا بات کی، وہ کیا کہتے ہیں؟ یہ جو آپ کسی کے بارے میں بات کرتے ہیں یہ اس پر حکم لگا دیتے ہیں۔ میں نے کہا: زید کھڑا ہے، میں نے زید پر حکم لگا دیا کھڑے ہونے کا۔ تو کس پر حکم لگایا؟ زید پر، اور کیا حکم لگایا؟ کھڑا ہے۔ اسی کو آسان لفظوں میں کہو: حکم حکم کو بات کہتے ہیں، اردو میں کیا کہتے ہیں؟ بات۔ محکوم علیہ، محکوم علیہ، دیکھو لفظوں پہ غور کر لو: محکوم حکم لگایا گیا ہے، علیہ اس پر، اور جس پر حکم لگایا گیا ہے یعنی اس کے بارے میں بات کی گئی ہے۔ اور وہ جو حکم لگایا گیا ہے، اس حکم کو آسان زبان میں کیا کہیں گے؟ بات کہیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں، تو بس نحو والے اس کو لفظِ حکم استعمال کر لیتے ہیں، طلبہ پریشان ہو جاتے ہیں یہ حکم لگانے کا پتہ نہیں کیا معنی ہے! حکم کا معنی ہے بات کرنا کسی کے بارے میں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

میں نے کہا: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، کیا حکم لگایا میں نے؟ توجہ سے، کیا حکم لگایا میں نے؟ کھڑے ہونے کا، اور آسان لفظوں میں کیا کہو؟ کھڑے ہونے کی بات کی، صورت سمجھ میں؟ اور کس کے بارے میں کی؟ زید کے بارے میں بات کی، یا یوں کہو علمِ نحو کی اصطلاح میں: کس پر حکم لگایا؟ زید پر۔ تو کس کے بارے میں بات کی یا کس پر حکم لگایا، دیکھو ایک ہی چیز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَمَعْنَى الْإِخْبَارِ عَنْهُ أَنْ يَكُونَ مَحْكُومًا عَلَيْهِ»، اور اخبار عنہ کا معنی یہ ہے: «أَنْ يَكُونَ مَحْكُومًا عَلَيْهِ» کہ وہ کیا ہو؟ محکوم علیہ ہو، «لِكَوْنِهِ فَاعِلًا، أَوْ مَفْعُولًا، أَوْ مُبْتَدَأً»، بوجہ اس کے فاعل ہونے یا مفعول ہونے یا مبتدا ہونے کے۔ یعنی وہ فاعل ہے ہو گا یا مفعول ہو گا یا مبتدا۔ یاد رکھیے مفعول سے مراد ہے، نیچے بین السطور دیا بھی ہوا ہے: مفعول مالم یسم فاعلہ، یعنی نائب الفاعل، نائب الفاعل مراد ہے۔

■ قولہ: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا» کی تشریح

«ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، پٹائی کی زید نے عمرو کی، پٹائی کرنے والا کون؟ زید، یہ ہے مسند الیہ۔ اور کس کی پٹائی کی؟ عمرو کی۔ لیکن کبھی کبھار فاعل کو حذف کر دیتے ہیں اور مفعول کو اس کا قائم مقام کر دیتے ہیں جبکہ فعلِ مجہول ہو، مثلاً میں یوں کہوں گا: «ضُرِبَ»، زید کو ختم کر دو کیونکہ فعلِ مجہول آگیا، اور «ضُرِبَ عَمْرٌو»، عمرو کی پٹائی کی گئی۔ تو یہ عمرو جو ہے یہ مفعول مفعول ہے ایسے فعل کا لم جس کے فاعل کو ذکر نہیں کیا گیا یعنی نائب الفاعل ہے، یہ فاعل کا قائم مقام ہے۔ یاد رکھو فاعل یہ مسند الیہ ہوتا ہے۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، زید نے پٹائی کی، یہ زید فاعل ہے، معلوم ہوا یہ مسند الیہ ہے۔ اسی طرح جو نائب الفاعل ہوتا ہے وہ بھی مسند الیہ ہوتا ہے۔ اسی طرح یاد رکھو جو مبتدا ہوتا ہے وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ ہوتا ہے۔ تو یہ تینوں ذکر کر دیے انہوں نے، کہتے ہیں اخبار عنہ کا معنی یہ ہے کہ وہ اسم جو ہے محکوم علیہ یعنی اسم جو ہے محکوم علیہ ہو گا بوجہ فاعل ہونے کے یا مفعول یعنی نائب الفاعل ہونے کے یا مبتدا یا مبتدا ہونے کی وجہ سے، جی۔

وَيُسَمَّى اسْمًا لِسُمُوِّهِ عَلَى قَسِيمَيْهِ۔

بھائی دیکھیے، اسم کی تعریف بھی کر دی، اسم کی علامتیں بھی ذکر کر دیں، اب اسم کی وجہِ تسمیہ ذکر کر رہے ہیں۔ وجہِ تسمیہ: نام رکھنے کی وجہ، وجہِ تسمیہ نام رکھنے کی وجہ۔ اسم کا نام اسم کیوں رکھا گیا؟ کوئی اور نام کیوں نہیں رکھا گیا؟ تو نام رکھنے کی وجہ کیا ہے، وہ وجہ ذکر کرنے لگے ہیں۔

یاد رکھیے اس میں نحویوں کے دو گروہ ہیں بھائی، بڑے بڑے نحوی حضرات بھائی دو پارٹیاں تھیں، دو جماعتیں تھیں: کچھ بصرہ میں رہتے تھے اور کچھ کوفہ میں رہتے تھے۔ تو یہ دو جماعتیں تھیں: بصرہ والے نحوی اور کوفہ والے نحوی۔ ان میں مختلف مسائل کے اندر اختلافات تھے، تقریباً ۱۱۰ کے لگ بھگ مسائل ہیں جس کے اندر یہ اختلاف کرتے ہیں، اور ہر ایک کے اپنے اپنے دلائل ہیں، بڑے بڑے بھائی علم کے پہاڑ گزرے ہیں وہاں، تو اختلاف کرتے ہیں بھائی، اختلاف کرتے ہیں۔

تو اسم کو اسم کیوں کہتے ہیں؟ بصرہ والے اور وجہ ذکر کرتے ہیں، کوفہ والے اور وجہ ذکر کرتے ہیں۔

کوفہ والے کہتے ہیں: اسم اپنے معنی پر علامت ہوتا ہے اس لیے اس کو اسم کہتے ہیں۔ کیونکہ علامت، علامت کو عربی میں کہتے ہیں: «وِسْمٌ»، «وِسْمٌ»، واؤ کے ساتھ ہے: و، س، م، «وِسْمٌ»۔ پھر اسی واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا تو کیا بن گیا؟ «اِسْمٌ»۔ تو اصل میں یہ کیا تھا؟ «وِسْمٌ»، اور وسم کا کیا معنی؟ علامت۔ اچھا بھائی یہ علامت کیسے؟ کہتے ہیں یہ اسم اپنے معنی پر علامت ہے۔ دیکھو آپ کے آٹھ دس دوست ہیں، ان میں سے ایک کا نام زید ہے۔ میں نے جیسے ہی آپ سے کہا: زید کو بلاؤ، آپ فوراً سیدھے گئے اور زید ہی کو بلا کر لائے، عمرو، بکر یا خالد کو نہیں بلایا۔ بھائی کیا وجہ ہے یہ آپ نے باقیوں کو کیوں نہیں بلایا؟ اس لیے کیونکہ میں نے لفظِ زید ذکر کیا تھا، اور زید نے جیسے ہی میں نے لفظِ زید بولا، آپ سمجھ گئے فلاں والے آدمی کی بات ہو رہی ہے، فلاں ساتھی کی جس کا نام کیا ہے؟ زید۔ تو دیکھو یہ لفظِ زید یہ اسم جو ہے، یہ علامت ہے اپنے مسمّٰی پر، اپنے معنی پر، جس کا نام رکھا گیا ہے اس پر علامت۔ زید میں جیسے ہی کہوں آپ کے ذہن میں زید کی صورت اتی ہے، میں عمرو جیسے ہی کہتا ہوں آپ کے ذہن میں آپ کا وہ دوست اجاتا ہے جس کا نام کیا ہے؟ عمرو ہے۔ میں جیسے ہی بکر کہتا ہوں آپ کے ذہن میں آپ کا وہ دوست اجاتا ہے جس کا کیا نام ہے؟ بکر ہے۔ معلوم ہوا دیکھا، یہ اسم کیا کر رہا ہے؟ یہ اس پر دلالت کر رہا ہے یعنی یہ اس پر علامت ہے۔ جیسے ہی میں یہ بولتا ہوں وہی ذہن میں اتا ہے کوئی دوسرا نہیں اتا، معلوم ہوا یہ اسم بھی کیا ہوتا ہے؟ اپنے معنی پر علامت ہوتا ہے۔ تو جہ ہے؟ اسم کیا ہوتا ہے؟

یا جیسے اور دیکھو مثال: میں نے آپ سے کہا: قلم کدھر ہے؟ آپ نے قلم کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ہے۔ میں نے کہا: کتاب کدھر ہے؟ آپ نے کتاب کی طرف اشارہ کر دیا۔ تو قلم جب میں نے بولا آپ نے کتاب کی طرف اشارہ نہیں کیا، اور جب کتاب میں نے کہا آپ نے قلم کی طرف اشارہ نہیں کیا، کیونکہ جو لفظ، جو اسم میں نے بولا وہی معنی آپ کے ذہن میں آگیا۔ تو معلوم ہوا اسم کیا کرتا ہے؟ اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے، اس پر علامت ہوتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جب اسم اپنے معنی پر علامت ہے تو لہٰذا معلوم ہوا علامت کو تو عربی میں وسم کہتے ہیں، معلوم ہوا اسم اصل میں کیا تھا؟ وسم تھا، پھر اسی وسم کے شروع سے واؤ کو گرا کر کیا لے آئے؟ ہمزہ لے آئے تو اسم ہو گیا۔ وجہ سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کوفہ والے کہتے ہیں، کوفہ والے نحوی کہتے ہیں اسم کو اسم اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ اپنے مسمّٰی اور اپنے معنی پر علامت ہوتا ہے اور علامت کو عربی میں وسم کہتے ہیں، تو معلوم ہوا یہ بھی اصل میں وسم تھا۔

جبکہ بصرہ والے نحوی کہتے ہیں کہ اسم اصل میں تھا، اسم اصل میں تھا: «سِمْوٌ»، «سِمْوٌ»۔ دیکھو واؤ آخر میں تھا، پھر آخر سے واؤ کو ختم کیا اور شروع میں ہمزہ لے آئے، اسم بن گیا۔ اچھا بھائی یہ کیوں کہتے ہیں کہ اسم اصل میں سموٌ تھا؟ کہتے ہیں بھائی سموٌ کا معنی ہے بلند ہونا، اونچا ہونا، اعلٰی ہونا۔ اسم بھی چونکہ اپنے دو اپنے دو ساتھیوں میں سے اعلٰی ہے، اپنے دو ساتھیوں سے اعلٰی ہے اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ اسم۔ دو ساتھی کون ہیں اس کے؟ فعل اور حرف۔ بھائی کیسے؟ ایک ہے اسم، ایک ہے فعل، ایک ہے حرف۔ ان میں سب سے اعلٰی اسم ہے۔ بھائی سب سے اعلٰی کیسے ہے؟ کہتے ہیں بھائی آپ دیکھتے نہیں، اسم جو ہے وہ مسند الیہ بھی بنتا ہے اور مسند بہ بھی بنتا ہے۔ فعل صرف مسند بہ بنتا ہے، اور حرف نہ مسند الیہ بنتا ہے اور نہ مسند بہ بنتا ہے۔ معلوم ہوا سب سے اعلٰی کون؟ اسم۔ صرف دو اسم بھی ہوں آپ کے پاس، بات پوری ہو جائے گی: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، زید مبتدا، قائم اس کی خبر اور دونوں اسم ہیں۔ تو صرف اسم سے ہی مل کر بات پوری ہو گئی۔ صرف فعل ہو تو بات پوری نہیں ہوتی، اس کے ساتھ ایک اسم بھی چاہیے۔ اور حرف، حرف تو نہ مسند الیہ بنتا ہے نہ مسند بہ۔ معلوم ہوا سب سے اعلٰی کون؟ اسم ہے۔ تو لہٰذا جب سب سے اعلٰی اسم ہے تو معلوم ہوا یہ اصل میں سموٌ تھا، کیونکہ سموٌ کا معنی ہے اونچا ہونا، اعلٰی ہونا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور پھر کیا کیا؟ سموٌ کے آخر سے واؤ کو حذف کیا اور شروع میں کیا لے آئے؟ ہمزہ۔ یہ تو میں نے مختصر تقریر کی، بڑے دلائل ہیں ان کے بھائی، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کوفہ والے کیا کہتے ہیں؟ اسم کس سے ہے؟ کوفہ والے: وسم سے، کیونکہ یہ اپنے معنی پر کیا ہے؟ دلالت کرتا ہے، اس لیے اس یہ وسم سے ہے اور وسم کا

معنی ہے علامت۔ جبکہ بصرہ والے کیا کہتے ہیں؟ کہ یہ اصل میں سموٌ تھا۔ سموٌ کا کیا معنی؟ بلند ہونا، اونچا ہونا، اعلٰی ہونا۔ تو یہ بھی چونکہ اونچا اور اعلٰی ہے اپنے دو ساتھیوں پر، لہٰذا اس لیے اس کو اسم کہتے ہیں، اصل میں تو تھا یہ سموٌ اعلٰی ہونا۔ پھر واؤ کو آخر سے حذف کیا اور شروع میں کیا لے آئے؟ ہمزہ لے آئے۔

اب یہاں ایک اور بات سمجھ لیں۔ ایک ہوتی ہے قسم، ایک ہوتی ہے قسیم۔ ایک ہوتی ہے قسم اور ایک ہوتی ہے قسیم۔ قسم شے، اس شے کے نیچے ہوتی ہے، جیسے میں کہتا ہوں: کلمہ کی تین قسمیں ہیں، تو یہ تینوں کیا ہیں؟ کلمہ کے تحت ہیں، کلمہ کی تقسیم ہو رہی ہے، کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔ کلمہ ان سے اوپر ہے، وہ تینوں کو شامل ہے، تینوں کو کیا ہے؟ شامل۔ تو کلمہ کی قسمیں کیا ہوتی ہیں؟ کسی چیز کے نیچے ہوتی ہیں، اس کے تحت ہوتی ہیں، اس کی تقسیم ہوتی ہے۔ اور ایک ہوتی ہے قسیم، قسیم وہ جو قسیم وہ جو ایک دوسرے کے برابر ہوتی ہے۔ یہ جو اسم، فعل اور حرف یہ کلمہ کے تحت ہیں، یہ کلمہ کی قسمیں ہیں۔ لیکن ایک دوسرے کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ قسیمیں ہیں، قسیمیں ہیں۔ اسم کی دو قسیم ہیں: فعل اور حرف، برابر ہیں نا اس کے برابر میں۔ فعل کے کتنے قسیم؟ فعل کے بھی دو قسیم: کون؟ اسم اور حرف۔ حرف کے کتنے قسیم؟ حرف کے بھی دو قسیم: ایک اسم اور ایک فعل۔ تو یہ جو قسمیں آپس میں ایک دوسرے کی طرف نسبت کرتے ہوئے قسیم کہلاتی ہیں۔ فعل کیا ہے؟ اسم کی قسیم ہے، حرف کیا ہے؟ اسم کی قسیم ہے، یہ سب ایک دوسرے کے قسیم ہیں۔ جبکہ قسم کیا ہوتی ہے؟ کسی چیز کے تحت واقع ہوتی ہے۔ تو یہ اسم کلمہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے قسم ہے، اور فعل اور حرف کی طرف نسبت کرتے ہوئے قسیم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اچھا اب یاد رکھیے، یہ قسیم کا لفظ استعمال کریں گے۔ میں نے تو کہا نا اسم اپنے دو ساتھیوں سے، فعل اور حرف پر کیا ہے؟ پر اعلٰی ہے۔ یہ قسیم ذکر کریں گے کیونکہ ایک دوسرے کی قسیم ہے، ٹھیک ہے بھائی؟ ہاں تو یہ اصطلاح میں ایک دوسرے کے قسیم ہیں، ایک دوسرے کے جو برابر میں ہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَيُسَمَّى اسْمًا»، اور اسم کو اسم کہتے ہیں، «لِسُمُوِّهِ عَلَى قَسِيمَيْهِ»۔ سموٌ لسموسموٌ کا معنی بھی اونچا ہونا، اسی سموٌ سے ہے۔ «لِسُمُوِّهِ»، بوجہ اس کے اونچا ہونے کے، «عَلَى قَسِيمَيْهِ»، اصل میں تھا: «عَلَى قَسِيمَيْنِهِ»، قسیمین تثنیہ تھا: رَجُلَانِ، رَجُلَيْنِ۔ قَسِيمَانِ، قَسِيمٌ، قسیمٌ کی تثنیہ بناؤ: قَسِيمَانِ، حالتِ نصبی جری میں لے جاؤ: قَسِيمَيْنِ، پھر اس کی اضافت ہو گئی ہا ضمیر کی طرف قسیم تو نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، کیا بن گیا؟ «قَسِيمَيْهِ»۔ «لِسُمُوِّهِ عَلَى قَسِيمَيْهِ»، اس وجہ سے کہ یہ اسم اونچا ہوتا ہے «عَلَى قَسِيمَيْهِ» اپنی دو قسیموں پر، اس وجہ سے اسم کو اسم کہتے ہیں، «لَا لِكَوْنِهِ وَسْمًا عَلَى الْمَعْنَى»، اپنے معنی پر علامت ہونے کی وجہ سے نہیں۔ اپنے معنی پر؟ علامت ہونے کی وجہ سے نہیں۔

بھائی دراصل یہ صاحبِ ہدایت النحو ترجیح دے رہے ہیں بصرہ والوں کے قول کو۔ میں نے بتایا کوفہ والے کیا کہتے ہیں؟ اسم کو اسم کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ اپنے معنی پر علامت تھا، یہ اصل میں وسم تھا۔ اور بصرہ والے کیا کہتے ہیں؟ اسم کو اسم کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ اپنی قسیمین پر اونچا ہے تو یہ اصل میں سموٌ تھا۔ دو قول آگئے یا نہیں آگئے؟ صاحبِ کتاب کس کو ترجیح دے رہے ہیں؟ بصرہ والوں کے قول کو۔ کہتے ہیں اسم کو اسم اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ اپنی قسیمین پر اونچا ہے یعنی اصل میں سموٌ تھا، اس وجہ سے اس کو اسم نہیں کہتے کیونکہ یہ اپنے معنی پر علامت ہوتا ہے۔ تو کس کے قول کو رد کیا؟ کوفہ والوں کے، اور کس کے قول کو ترجیح دی؟ بصرہ والوں کے قول کو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے دوبارہ دیکھیے: «وَيُسَمَّى اسْمًا لِسُمُوِّهِ عَلَى قَسِيمَيْهِ»، اور اسم کو اسم کہتے ہیں اس وجہ سے کہ یہ اونچا ہوتا ہے اپنی دو قسموں پر، اس وجہ سے اسم کو اسم کہتے ہیں، «لَا لِكَوْنِهِ وَسْمًا عَلَى الْمَعْنَى»، اس وجہ سے نہیں کہ وہ اپنے معنی پر علامت ہوتا ہے۔ دیکھا، یہ کوفہ والوں کے قول کو رد کر دیا۔

بعض علماء تو بعض علماء کوفہ والوں کے قول کو ترجیح دیتے ہیں، بعض علماء بصرہ والوں کے قول کو ترجیح دیتے ہیں، اور ہر ایک کے اپنے اپنے دلائل موجود ہیں، ان دلائل کی روشنی میں بات کرتے ہیں: ان کے دلائل زیادہ قوی ہیں، بعض کہتے ہیں ان کے دلائل زیادہ قوی ہیں بھائی۔

چلیے، بس کریں، بس بھائی۔ «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

کوئی بات ایسی تو نہیں جو سمجھ میں نہ آئی ہو؟ حل ہو گیا؟ چلیے۔

سبق نمبر ۵: فعل کی تعریف، علاماتِ فعل اور اقسامِ فعل (ماضی، مضارع، امر)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۹—بتاریخ: ۲۴ اگست ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَحَدُّ الْفِعْلِ كَلِمَةٌ تَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا دَلَالَةً مُقْتَرِنَةً بِزَمَانِ ذٰلِكَ الْمَعْنَى، كَضَرَبَ، يَضْرِبُ، اِضْرِبْ۔

وَعَلَامَتُهُ أَنْ يَصِحَّ الْإِخْبَارُ بِهِ لَا عَنْهُ، وَدُخُولُ قَدْ، وَالسِّينِ، وَسَوْفَ، وَالْجَزْمُ، وَالتَّصْرِيفُ إِلَى الْمَاضِي وَالْمُضَارِعِ، وَكَوْنُهُ أَمْرًا أَوْ نَهْيًا، وَاتِّصَالُ الضَّمَائِرِ الْبَارِزَةِ الْمَرْفُوعَةِ، نَحْوُ: ضَرَبْتُ، وَتَاءِ التَّأْنِيثِ السَّاكِنَةِ، نَحْوُ: ضَرَبَتْ، وَنُونَيِ التَّأْكِيدِ، فَإِنَّ كُلَّ هٰذِهِ خَوَاصُّ الْفِعْلِ۔

وَمَعْنَى الْإِخْبَارِ بِهِ أَنْ يَكُونَ مَحْكُومًا بِهِ۔

وَيُسَمَّى فِعْلًا بِاسْمِ أَصْلِهِ، وَهُوَ الْمَصْدَرُ، لِأَنَّ الْمَصْدَرَ هُوَ فِعْلُ الْفَاعِلِ حَقِيقَةً۔

گزشتہ سبق میں اسم کی تعریف بھی گزری، اسم کی علامتیں بھی بیان ہوئیں، اور اسم کی وجہِ تسمیہ بھی ذکر کی مصنف نے۔

آج ہم فعل کی تعریف پڑھیں گے، اس کی علامتیں ذکر ہوں گی، اور وجہِ تسمیہ ذکر ہو گی بھائی۔

فعل کی تعریف تو آپ کو وجہِ حصر سے ہی سمجھ میں آگئی ہو گی۔ وجہِ حصر میں انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کلمہ جو ہے وہ یا تو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے گا یا دلالت نہیں کرے گا۔ اگر خود بخود دلالت نہ کرے تو وہ حرف ہے، اور اگر کلمہ اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرتا ہے تو پھر اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوا ہو گا یا ملا ہوا نہیں ہو گا۔ اگر زمانہ ملا ہوا نہیں ہے تو وہ اسم ہے، اور اگر زمانہ ملا ہوا ہے تو وہ فعل ہے۔

تو اس سے آپ کو فعل کی تعریف بھی سمجھ میں آگئی۔ معلوم ہوا فعل کلمے کا نام ہے۔ یعنی ایسا لفظ جس کا کوئی معنی ہو۔ کلمہ کس چیز کا نام ہے؟ لفظ کا، لیکن وہ لفظ کیسا ہو؟ جس کا کوئی معنی ہو۔ تو معلوم ہوا فعل بھی کلمہ ہے، البتہ البتہ اسم کے مقابلے میں اس میں ایک قید زائد ہے کہ اس میں اس معنی کے ساتھ کوئی نہ کوئی زمانہ بھی ملا ہوتا ہے۔ اسم کے اندر زمانہ ملا ہوا نہیں تھا، جبکہ فعل کے اندر زمانہ ملا ہوا ہوتا ہے بھائی۔

یاد رکھیے بھائی! فعل کا اپنا معنی الگ ہو گا، اپنا معنی الگ ہو گا، اس معنی کے ساتھ زمانہ الگ ملا ہوا ہو گا بھائی۔ جیسے ضَرْبٌ مصدر ہے، اس سے فعل بنا: ضَرَبَ۔ تو ضَرَبَ کا ضَرْبٌ سے بنا ہے، تو ضَرَبَ ضَرْبٌ سے بنا ہے، اور ضَرْبٌ کا کیا معنی ہے؟ پٹائی کرنا، پٹائی کرنا۔ تو ضَرَبَ کا بھی معنی پٹائی کرنا اور ساتھ اس کے کیا مل گیا؟ زمانہ بھی مل گیا، اب کیا معنی ہو گا؟ اس ایک شخص نے پٹائی کی زمانہ ماضی میں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو فعل کا اپنا معنی الگ ہے جیسے یہاں اس کا معنی ہے پٹائی کرنا، اور ساتھ کیا ملا ہوا ہے؟ زمانہ الگ ملا ہوا ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَحَدُّ الْفِعْلِ»، اور فعل کی تعریف جو ہے، «كَلِمَةٌ»، کہ وہ ایسا کلمہ ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا بھائی نکرہ کے بعد فعل آجائے تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنتا ہے۔ تو کلمۃٌ نکرہ ہے، اور «تَدُلُّ» اس کے بعد فعل آیا تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا موصوف صفت جب نکرہ ہوں ان کا ترجمہ کرنے کا طریقہ میں نے بتلایا تھا کہ موصوف سے پہلے کیا لے آؤ؟ ایسا یا ایسی۔ تو دیکھو، «وَحَدُّ الْفِعْلِ»، حد کا معنی میں نے بیان کیا بھائی، حد کا کیا معنی؟ تعریف۔ «وَحَدُّ الْفِعْلِ»، اور فعل کی تعریف، کہتے ہیں: «كَلِمَةٌ»، وہ ایسا کلمہ ہے، «تَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا»، جو دلالت کرتا ہے کسی معنی پر «فِي نَفْسِهَا» ای بنفسہا خود بخود بھائی، «فِي نَفْسِهَا» ای بنفسہا۔

میں نے آپ کو پہلے بتلایا کہ یہاں جہاں جہاں بھی فی آرہا ہے یہ فی با کے معنی میں ہے۔ فی کس معنی میں ہے؟ با کے معنی میں، ورنہ تو اشکال ہوتا ہے بھائی، کیونکہ حرف کی کیا تعریف کی تھی؟ کہ وہ یا تو وہ کلمہ دلالت نہیں کرے گا ایسے معنی پر «فِي نَفْسِهَا» جو اس کی اپنی ذات میں ہو۔ معلوم ہوا حرف ایسے معنی پر دلالت نہیں کرتا جو اس کی اپنی ذات میں ہو، اس کا مطلب ہے وہ کسی اور کی ذات میں ہو گا معنی؟ حالانکہ ہر لفظ اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ آپ جب بھی کتاب بولیں، آپ کو کتاب ہی سمجھ میں آتی ہے، قلم سمجھ میں نہیں آتا، تو ہر لفظ اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ تو پھر تو معنی ہی درست نہیں بنتا کہ وہ دلالت نہیں کرتا کس پر؟ اس معنی پر «فِي نَفْسِهَا» جو اس کی اپنی ذات میں ہو۔ لہٰذا فی کو کس معنی میں لو؟ با کے معنی میں: «لَا تَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا» ای بنفسہا، یعنی دلالت نہیں کرتا اپنے معنی پر خود بخود۔ اب معنی صحیح ہو گیا۔ حرف اپنے معنی پر خود دلالت نہیں کرتا بلکہ اور کلموں کے ساتھ جوڑنے کا محتاج ہے۔

تو یہاں بھی اسی طرح ہے: «وَحَدُّ الْفِعْلِ كَلِمَةٌ تَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا»، ای بنفسہا، کہ فعل ایسا کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے جو دلالت کرتا ہے کسی معنی پر خود بخود، «دَلَالَةً مُقْتَرِنَةً بِزَمَانِ ذٰلِكَ الْمَعْنٰى»، ایسی دلالت جو ملی ہوئی ہوتی ہے اس معنی کے زمانے کے ساتھ۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کہہ رہے ہیں فعل ایک کلمہ ہوتا ہے، وہ کلمہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ کسی معنی پر خود بخود دلالت کرتا ہے۔ جیسے ضَرَبَ سے آپ کو پٹائی کرنے کا معنی سمجھ میں آرہا ہے، تو ضَرَبَ کس پر دلالت کر رہا ہے؟ پٹائی کرنے پر۔ تو اس ضَرَبَ کا اپنا معنی کیا ہے؟ پٹائی کرنا، ہاں اس کے ساتھ اس کا ایک زمانہ بھی ملا ہوا ہے اور وہ کون سا زمانہ؟ ماضی والا۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں کہ «دَلَالَةً مُقْتَرِنَةً بِزَمَانِ ذٰلِكَ الْمَعْنٰى»، ایسی دلالت جو ملی ہوئی ہوتی ہے اس معنی کے زمانے کے ساتھ۔ معنی الگ ہو گا اور اس معنی کے ساتھ اس کا زمانہ الگ ہو گا، تو اس کی ایسی دلالت جو ملی ہوئی ہوتی ہے اس معنی کے زمانے کے ساتھ۔

■ قولہ: «كَ«ضَرَبَ» کی تشریح

«كَ«ضَرَبَ»»، دیکھا؟ ضَرَبَ میں کون سا معنی سمجھ میں آیا؟ ماضی والا۔ «يَضْرِبُ» میں حال اور استقبال والا، اور «اِضْرِبْ» پٹائی کر، اس میں صرف کیا ہے؟ استقبال ہے۔ مضارع میں حال کا بھی احتمال اور استقبال کا بھی احتمال، ہاں استعمال ایک ہی معنی میں ہو گا۔ جب میں کہوں «يَضْرِبُ زَيْدٌ»، زید پٹائی کر رہا ہے، تو اس کا معنی یا تو حال ہو گا، معنی ہو گا زید پٹائی کر رہا ہے، یا اس کا معنی مستقبل ہو گا، زید پٹائی کرے گا۔ دونوں معنی اکٹھے نہیں ہو سکتے، تو مضارع اس میں دونوں احتمال: حال کا بھی، استقبال کا بھی، لیکن ایک وقت میں ایک ہی معنی میں استعمال ہو گا۔ جبکہ اِضْرِبْ امر ہے، یہ مستقبل کے لیے ہے۔

«وَعَلَامَتُهُ»، بھائی فعل کی تعریف سمجھ میں آئی؟ کیا تعریف ہوئی؟ ایسا کلمہ جو اپنے معنی پر خود دلالت کرتا ہے اور اس معنی کے ساتھ اس کا زمانہ بھی ملا ہوا ہوتا ہے۔ اب علامتیں ذکر کرنے لگے ہیں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا تعریف کے ذریعے چیز ذہن میں ممتاز ہوتی ہے، ذہن میں سمجھ آپ کو آگیا کہ اچھا یہ ہوتا ہے فعل بھائی، کہ اس کا اپنا معنی ہو گا اور اس کے ساتھ کیا ملا ہو گا؟ زمانہ بھی ملا ہو گا۔ اب سوال پیدا ہوا ہم اس کو پہچانیں گے کیسے عبارتوں کے اندر اگر یہ لفظ آتے ہیں، ہم کیسے پہچانیں گے یہ فعل ہے یا فعل نہیں ہے؟ تو اب علامتیں بتائیں گے۔ تو تعریف سے چیز ذہن میں ممتاز ہوتی ہے یعنی باقی چیزوں سے الگ ہو جاتی ہے، انسان اس کو سمجھ لیتا ہے، اور علامت کے ذریعے خارج میں۔

جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں کہ دیکھو بھائی خیال رکھنا، کفار کے ملک سے کوئی کافر آئے، دشمن آئے اور آپ کو دشمن آئے وہ کہیں آپ کو نقصان نہ پہنچا دے، نقصان نہ پہنچا دے، تو جو بھی کفار کے ملک سے آئے گا اور ان کا ساتھی ہے وہ آپ کو نقصان پہنچائے گا۔ اب آپ سمجھ گئے، پتہ چل گیا کہ ہاں جو آدمی کہاں سے آئے گا؟ کفار کے ملک سے آئے گا اور ان کا ساتھی ہے، ان میں سے ایک ہے، وہ ہمیں کیا کرے گا؟ فائدہ نہیں پہنچائے گا، نقصان پہنچائے گا۔ معلوم ہوا وہ ہمارا ساتھی نہیں ہے، ہمارا کیا ہے؟ دشمن۔ اب آپ کہیں گے ہم اس کو پہچانیں گے کیسے؟ علامت چاہیے، تو پھر اس کے لیے علامتیں اس کے پہچان ہوں گی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں بھی اسی طرح ہے بھائی۔

«وَعَلَامَتُهُ»، علامت فعل کی جو ہے، «أَنْ يَصِحَّ الْإِخْبَارُ بِهِ لَا عَنْهُ»، کہ اس کے ذریعے خبر دینا صحیح ہو۔ اسم میں کیا آیا تھا؟ اخبار عنہ، اس کے بارے میں خبر دینا صحیح ہو، اور فعل کے بارے میں کیا آیا؟ اخبار بہ اس کے ساتھ صحیح ہو۔ اخبار بہ کا کیا معنی؟ مسند بہ بنے، مسند بہ بنے۔

اس پر اشکال ہو گا کہ آپ نے پہلی علامت ہمیں کیا بتائی؟ فعل کے ذریعے اخبار بہ ہو سکے یعنی وہ مسند بہ بنے، کیا بنے؟ مسند بہ بنے۔ سوال: مسند بہ تو اسم بھی بنتا ہے: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، زید تھا مسند الیہ اور قائمٌ تھا مسند بہ، اور آپ تو ہمیں کیا بتلا رہے ہیں؟ فعل کی علامت بتلا رہے ہیں کہ فعل کیا ہوتا ہے؟ مسند بہ۔ جواب کہ ابھی بات پوری کہاں ہوئی ہے! آپ آگے تو دیکھیں: «يَصِحَّ الْإِخْبَارُ بِهِ لَا عَنْهُ»، اخبار بہ تو ہو سکے اخبار عنہ نہ ہو۔ ہاں اب معلوم ہوا فعل ہے۔ اسم، اسم کے ذریعے اخبار بہ ہو سکتا ہے تو اخبار عنہ بھی ہو سکتا ہے، لیکن فعل میں اخبار بہ تو ہو سکتا ہے «لَا عَنْهُ» اخبار عنہ نہیں ہو سکتا، یعنی وہ مسند بہ تو بن سکتا ہے مسند الیہ نہیں بن سکتا، اب صرف فعل رہ گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ یہ معنی ہے: «وَعَلَامَتُهُ أَنْ يَصِحَّ الْإِخْبَارُ بِهِ لَا عَنْهُ»، اور علامت فعل کی یہ ہے کہ اس سے اخبار بہ تو صحیح ہو یعنی وہ مسند بہ تو واقع ہو سکے، «لَا عَنْهُ» اخبار عنہ نہ ہو سکے یعنی مسند الیہ نہ بن سکے۔ میں نے کیا بتلایا بھائی؟ مسند الیہ آسان لفظوں میں کسے کہتے ہیں؟ جس کے بارے میں بات کی جائے، اور اخبار بہ کا کیا معنی؟ مسند بہ کا کیا معنی؟ وہ جو بات کی جائے۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ»، کس کے بارے میں بات کی؟ زید، تو یہ ہوا مسند الیہ، اور جو بات کی اس کو مسند بہ کہتے ہیں۔ اور اسی کو، اسی کو علمِ نحو والے علمی انداز میں کیا کہیں گے؟ محکوم علیہ، زید کیا ہے؟ محکوم علیہ، ہم نے کہا نا بات کی، وہ کیا کہتے ہیں؟ یہ جو آپ کسی کے بارے میں بات کرتے ہیں یہ اس پر حکم لگا دیتے ہیں۔ ہم کہیں گے زید کے بارے میں بات کی، یہ کہیں گے زید پر حکم لگایا، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو کہتے ہیں علامت فعل کی یہ ہے کہ اس سے اخبار بہ تو صحیح ہو، اخبار عنہ صحیح نہ ہو، یعنی وہ مسند بہ تو بن سکے مسند الیہ نہ بن سکے، یا یوں کہو: جو محکوم بہ تو بن سکے محکوم علیہ نہ بن سکے۔

مسند بہ دیکھو، انہوں نے کہا میں نے آپ کو بتایا اسم مسند بہ بھی بنتا ہے اور مسند الیہ بھی، ہاں مسند الیہ خاصہ ہے اسم کا، اور کوئی مسند الیہ نہیں بنتا۔ مسند بہ وہ تو فعل بھی بنتا ہے، صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ مسند بہ فعل بھی بنتا ہے۔ اسی لیے اسم کی علامتوں میں مسند الیہ اخبار عنہ کو ذکر کیا، اخبار بہ کو ذکر نہیں کیا، کیونکہ اخبار بہ تو فعل کے ذریعے بھی ہوتا ہے۔ تو صرف اخبار عنہ کو ذکر کیا کس میں؟ اسم کی علامتوں میں، اخبار بہ کو ذکر نہیں کیا۔ اور فعل کے اندر اخبار بہ علامت ذکر کی، آپ کہیں گے وہ تو اسم بھی ہوتا ہے، بھائی پوری بات: اخبار بہ ہو سکے، اخبار عنہ نہ ہو سکے، یہ سارا ملا کر ایک خاصہ ہے۔ کیا؟ دوبارہ دہراؤ: مسند بہ ہو سکے اور مسند الیہ نہ ہو سکے، اب بات پوری ہو گئی۔ مسند بہ ہو سکے اور مسند الیہ نہ ہو سکے، یہ صرف کس میں ہے؟ فعل میں ہے۔ اسم کے بارے میں آپ یوں نہیں کہہ سکتے، ذرا اسم کو لاؤ اب کہو: مسند بہ یہ ہو سکتا ہے اور مسند الیہ نہیں ہو سکتا، یہ تو بات ہی غلط ہو گئی! اب سمجھ میں آئی؟ تو بات پوری کرو: مسند بہ ہو سکے اور مسند الیہ نہ ہو سکے، یہ علامت ہے بھائی پوری پوری، اب صرف کون رہ گیا؟ یہ صرف فعل میں یہ پائی جاتی ہے، اسم میں یہ نہیں، اسم میں تو مسند بہ کے ساتھ ساتھ مسند الیہ بھی وہ بن سکتا ہے، یہ مسند الیہ نہیں بن سکتا، اب بات سمجھ میں آ گئی۔

▪ قولہ: «وَدُخُولُ «قَدْ» کی تشریح

«وَدُخُولُ «قَدْ»»، اور قد کا داخل ہونا، یہ بھی کس کی علامت ہے؟ فعل کی۔ جس لفظ پر قد داخل ہو جائے سمجھ جائیں کہ یہ کیا ہے؟ فعل ہے، اسم پر یہ داخل نہیں ہوتا۔

«وَ«السِّينِ»»، اور سین جس پر داخل ہو جائے سمجھ جائیں کہ یہ فعل ہے، جیسے «سَيَضْرِبُ»۔ یضرب پر کیا داخل ہوا؟ سین: «سَيَضْرِبُ»، اس سین نے بتلا دیا کہ یضرب کیا ہے؟ فعل ہے، یہ سین یہ اسم پر داخل نہیں ہوتا یا اسی طرح حرف پر بھی داخل نہیں ہوتا۔ تو کہتے ہیں: «وَدُخُولُ «قَدْ» وَ«السِّينِ»»، اور قد اور سین کا داخل ہونا۔

«وَ«سَوْفَ»»، اور سوف کا داخل ہونا۔ تو سوف کا داخل ہونا یہ بھی کس کی علامت ہے؟ فعل۔ «سَوْفَ يَضْرِبُ»، یہ سوف نے آپ کو بتلا دیا کہ معلوم ہوا یضرب کیا ہے؟ فعل ہے۔

«وَالْجَزْمُ»، اور جزم کا آنا بھائی، جزم کا داخل ہونا، یہ بھی علامت ہے فعل کی بھائی۔ اسم میں آتا ہے رفع، نصب، جر، اور فعل میں آتا ہے رفع، نصب، اور جزم۔ رفع، نصب اور جزم، تو جزم کس کا خاصہ؟ فعل کا، تو یہ فعل کی علامت ہوئی، اور کسی چیز میں یہ آتا ہی نہیں ہے، تو جس لفظ پر جزم آ جائے سمجھ جائیں یہ

کیا ہے؟ فعل ہے۔ اور وجہ بھی آپ کو پتہ ہے، کیونکہ جر جو ہوتا ہے ناجر، وہ حروفِ جارہ کی وجہ سے آتا ہے اور حروفِ جارہ صرف کس پر داخل ہوتے ہیں؟ اسم پر، تو لازمی بات ہے جر بھی صرف اسم پر ہی ائے گا۔ اور جزم آتا ہے کس کی وجہ سے؟ حروفِ جازمہ کی وجہ سے، اور حروفِ جازمہ صرف کس پر داخل ہوتے ہیں؟ فعل پر، تو لہٰذا صرف اسی پر آئے گا جزم۔

■ قولہ: «وَالتَّصْرِيفُ إِلَى الْمَاضِي وَالْمُضَارِعِ» کی تشریح

«وَالتَّصْرِيفُ إِلَى الْمَاضِي وَالْمُضَارِعِ»، اور گردان ہونا اس کی ماضی کی طرف اور مضارع کی طرف۔ بھائی جس لفظ کی گردان ہو ماضی کی طرف اور جس لفظ کی گردان ہو مضارع کی طرف، آپ سمجھ جائیں یہ کیا ہے؟ فعل ہے۔

«وَكَوْنُهُ أَمْرًا أَوْ نَهْيًا»، اور اس کا امر یا نہی ہونا۔ امر بھی کون ہوگا؟ فعل، اور نہی بھی کیا ہے؟ فعل، تو یہ سب فعل کی علامتیں ہیں بھائی۔

«وَاتِّصَالُ الضَّمَائِرِ الْبَارِزَةِ الْمَرْفُوعَةِ»۔ «وَاتِّصَالُ» نہ پڑھنا، یہ ہمزہ یہ ہمزہ وصلی ہے، اور ہمزۂ وصلی درجِ عبارت میں گر جاتا ہے، تو لہٰذا واؤ کو تا سے ملائیں گے: «وَاتِّصَالُ الضَّمَائِرِ الْبَارِزَةِ الْمَرْفُوعَةِ»، اور ملنا ضمائرِ بارزہ مرفوعہ کا۔ بھائی آگے تفصیلی بحث بھی آجائے گی کہ ضمیریں دو قسم پر ہیں: کچھ بارز ہیں، کچھ مستتر ہیں۔ مستتر جو چھپی ہوئی، بارز کا معنی ہوتا ہے ظاہر، جو ظاہر ہوتی ہے۔ دیکھو ضَرْبٌ سے فعل بنا: ضَرَبَ۔ دیکھو ض، ر، ب، یہ تو فعل کا اپنا مادہ ہے، کوئی اور حرف ساتھ جڑا ہوا ہے؟ نہیں، تو اسی کے اندر کہتے ہیں ضمیرِ هُوَ ہے اور مستتر ہے، چھپی ہوئی ہے۔ اور بعض اوقات آگے حرف ساتھ الگ ضمیر کا ملا ہوتا ہے: ضَرَبَ، ضَرَبَا۔ دیکھو تثنیہ کے صیغے میں الف ساتھ مل گیا، یہ الف کیا ہے؟ تثنیہ مذکر غائب کی ضمیر ہے، اور ظاہر ہے یا چھپی ہوئی ہے؟ ظاہر ہے، اس پر باقاعدہ آپ تلفظ کر رہے ہیں، تو یہ ضمیرِ بارز۔ تو ضَرَبَ کے اندر ضمیرِ مستتر اور ضَرَبَا اس میں ضمیرِ بارز، ضَرَبُوا اس میں بھی واؤ کیا ہے؟ ضمیرِ بارز بھائی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

اور اسی طرح ضَرَبَتْ، یاد رکھو یہ ضَرَبَتْ کے اندر جو تا آئی ہے یہ ضمیر نہیں ہے، یہ صرف تانیث کی علامت ہے۔ یہ صرف اتنا بتلا رہا یہ تا صرف اتنا بتلا رہی ہے کہ اس فعل کا اسناد کسی مؤنث کی طرف ہے، مذکر کی طرف نہیں، یعنی یہ پٹائی کرنے والی ذات جو ہے یہ مذکر نہیں ہے بلکہ مؤنث ہے، تو یہ تا صرف تانیث کی علامت ہے، یہ ضمیر نہیں ہے۔ لہٰذا جب یہ تا تانیث کی علامت ہے تو آگے کوئی ضمیر اور جڑی ہوئی ہے؟ ضمیر نہیں، تو اس میں بھی ضمیر کون سی ہوگی؟ مستتر ہوگی۔ اگلا صیغہ کیا؟ ضَرَبَتَا، اس کے ساتھ یہ الف ملا ہوا ہے، یہ کیا ہے؟ ضمیر، تو یہ ضمیرِ بارز ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو ضمیریں دو قسم پر: کچھ بارز ظاہر ہوتی ہیں فعل کے ساتھ، اس پر باقاعدہ ہم کیا کرتے ہیں؟ تلفظ کرتے ہیں، اور کچھ مستتر ہوتی ہیں، چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ جیسے يَضْرِبُ، يَضْرِبُ: ض، ر، ب، یہ تو فعل کا مادہ ہے، اور ضمیر آگے کوئی اس کے بعد ہے؟ نہیں، وہ اسی کے اندر چھپی ہوئی ہے، تو اس کے اندر کیا کہتے ہیں يَضْرِبُ میں هُوَ ضمیر مستتر ہے، چھپی ہوئی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: «وَاتِّصَالُ الضَّمَائِرِ الْبَارِزَةِ الْمَرْفُوعَةِ»، اور ملنا وہ ان ضمیروں کا جو بارز ہوں یعنی ظاہر ہوں، «الْمَرْفُوعَةِ» جو مرفوع ہوں۔ یاد رکھیے آگے آپ کو بتائیں گے کہ مرفوع فاعل ہوتا ہے، مرفوع کون ہوتا ہے؟ فاعل ہوتا ہے۔ جب آپ کو کسی لفظ کے بارے میں پتہ چل جائے یہ فاعل بن رہا ہے، تو ساتھ ہی ایک اور بات کا بھی پتہ چل جاتا ہے کہ اس پر رفع پڑھنا ہے، یہ مرفوع ہوگا بھائی۔ تو اسی طرح یہ فعل کے ساتھ جو ضمیریں جڑی ہوئی ہوتی ہیں مستتر یا بارز، فعل کے لیے تو فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ ایسا نہیں ہو سکتا فعل آجائے اور اس کے ساتھ فاعل یا نائب فاعل نہ آئے، تو یہ جو فاعل کی ضمیر ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے فعل کے ساتھ، یا نائب فاعل کی، یہ ہمیشہ مرفوع ہوتی ہے، کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ فعلِ معروف ہو تو کون سی ضمیر جڑی ہوگی؟ فاعل کی، اور فعلِ مجہول ہو تو نائب الفاعل کی، نائب الفاعل کی۔ اور یہ ضمیر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، مرفوع۔ تو یہ مرفوع ہوتی ہے۔ کیوں مرفوع ہوتی ہے؟ کیونکہ یہ فاعل ہوگی یا کیا ہوگی؟ نائب الفاعل ہوگی۔

اسم اور حرف کے ساتھ ضمیرِ مرفوع نہیں آتی بھائی۔ اسم کے ساتھ ضمیر ملے گی کبھی کبھی: «كِتَابُكَ»، دیکھو یہ کاف ضمیر اسم کے ساتھ ملی ہے، لیکن یہ مرفوع نہیں، یہ مجرور ہے، مضاف الیہ ہے۔ حرف کے ساتھ بھی ضمیر ملے گی: «إِنَّهُ»، تو یہ انّ کیا کرتا ہے؟ نصب دیتا ہے، تو یہ ہا ضمیر کیا ہے؟ منصوب ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں فعل کے ساتھ جو ضمیر ملتی ہے وہ مرفوع ہوتی ہے۔ تو ضمیرِ بارز اگر کہا جائے تو بارز تو اسم کے ساتھ بھی مل جاتی ہے اور حرف کے ساتھ بھی مل جاتی ہے: «كِتَابُكَ»، یہ کاف ظاہر ہے یا چھپی ہوئی ہے؟ ظاہر ہے۔ «إِنَّهُ»، یہ ہا ضمیر ظاہر ہے یا چھپی ہوئی ہے؟ ظاہر ہے۔ دیکھا، تو ضمیرِ بارز

تو اسم کے ساتھ بھی جڑتی ہے، فعل کے ساتھ بھی جڑتی ہے، اور حرف کے ساتھ بھی جڑتی ہے۔ ہاں مرفوع جو ہے صرف فعل والی ہوگی، کون سی؟ فعل والی، کیونکہ وہ فاعل ہوگی۔ اسم کے ساتھ ضمیرِ بارز مرفوع نہیں جڑ سکتی، حرف کے ساتھ بھی ضمیرِ بارز مرفوع نہیں جڑ سکتی، منصوب یا مجرور ہوگی وہ غور کرلیں گے آپ، لیکن مرفوع کم از کم نہیں ہوگی، صورت سمجھ میں آگئی۔ تو لہٰذا «وَاتِّصَالُ الضَّمَائِرِ الْبَارِزَةِ الْمَرْفُوعَةِ»، اور ضمائرِ بارزہ مرفوعہ کا ساتھ ملنا یہ کس کی علامت ہے؟ فعل کی۔ معلوم ہوا فعل کے ساتھ ضمیرِ بارز مرفوع ملے گی، اور بات پوری کرنی ہے، یہاں سے مرفوع کا لفظ ختم کردیں تو بات ادھوری ہوگئی۔ ضمیرِ بارز کا ساتھ ملنا یہ فعل کا خاصہ نہیں ہے، ضمیرِ بارز تو اسم کے ساتھ بھی مل جاتی ہے، ضمیرِ بارز تو حرف، ہاں ضمیرِ بارز مرفوع کا ساتھ ملنا یہ صرف کس کا خاصہ ہے؟ فعل کا۔

یہ معنی ہے: «وَاتِّصَالُ الضَّمَائِرِ الْبَارِزَةِ الْمَرْفُوعَةِ»، اور ملنا ساتھ ان ضمیروں کا جو بارز ہوں مرفوع ہوں، «نَحْوُ: «ضَرَبْتُ»»، مثال کے طور پر جیسے ضَرَبْتُ۔ نحو کا معنی مثال، جیسے ضَرَبْتُ، جی۔ یہ تا ضمیر دیکھو مرفوع ہے، فاعل کی ضمیر ہے اور ساتھ جڑی ہوئی ہے، متصل ہے، اور بارز ہے، ظاہر ہے، تو ضمیرِ بارز مرفوع متصل ہے یہ۔

■ قولہ: «وَتَاءِ التَّأْنِيثِ» کی تشریح

«وَتَاءِ التَّأْنِيثِ»، یعنی اس کا عطف ضمائر پر کرو: «أَيْ: وَاتِّصَالُ تَاءِ التَّأْنِيثِ السَّاكِنَةِ»۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے بھائی؟ یہ تاء، تانیث تاء کا عطف کس پر؟ ضمائر پر۔ تو یہاں لے آؤ اس کو: «وَاتِّصَالُ تَاءِ التَّأْنِيثِ السَّاكِنَةِ»، اور ساتھ ملنا کس کا؟ تائے تانیث ساکنہ کا۔ تائے تانیث ساکنہ کون سی؟ وہی جو چوتھے صیغے میں ابھی میں نے آپ کو بتایا تھا: ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوا، ضَرَبَتْ۔ یہ ضَرَبَتْ جو ہے تا، یہ ضمیرِ بارز مرفوع نہیں ہے بلکہ یہ صرف کس چیز کی علامت ہے؟ یہ تانیث کی علامت ہے، اور کون سی تا ہے؟ ساکن ہے، ضَرَبَتْ یہ تا ہمیشہ ساکن ہوتی ہے۔

یاد رکھو یہ تا ہے تانیث والی، مؤنث کی علامت ہے۔ اس نے ہمیں اتنا بتادیا کہ یہ جو فعل ہے اس کو کرنے والی ذات مؤنث ذات ہے، مذکر نہیں، تو یہ تا صرف تانیث کی علامت ہے، یہ ضمیر نہیں ہے۔ ایک اور تائے تانیث ہوتی ہے جو اسم میں اتی ہے، جیسے ضَارِبٌ اور ضَارِبَةٌ۔ ضاربٌ کا معنی پٹائی کرنے والا مرد، اور ضاربۃٌ پٹائی کرنے والی یعنی کوئی مؤنث بھائی۔ تو وہاں بھی دیکھو تا ائی تانیث کے لیے، لیکن ضَارِبَةٌ وہ تانیث والی وہ متحرک تا ہے، اس پر حرکت ہے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ تو اسم میں جو تانیث والی تا اتی ہے وہ کون سی ہوتی ہے؟ متحرک، اور فعل میں جو تانیث والی تا اتی ہے وہ کون سی ہے؟ وہ ساکن ہے، تو دونوں میں یہ فرق ہے بھائی۔

تو «وَتَاءِ التَّأْنِيثِ»، یہ تاء میں زیر پڑھ رہا ہوں کیونکہ اس کا عطف کس پر؟ ضمائر پر، اور ضمائر مضاف الیہ ہے اس سے پہلے مضاف آیا، تو اس لیے مجرور، تو معطوف جو ہے وہ بھی مجرور بھائی۔ اور ساتھ ملنا تائے تانیث ساکنہ کا، «نَحْوُ: «ضَرَبَتْ»»، جیسے کہ ضَرَبَتْ بھائی۔

ایک اور بات بھی بتلادوں بھائی: تائے تانیث ساکنہ یہ کس کے ساتھ ملتی ہے؟ فعل کے ساتھ، اور تائے تانیث متحرکہ یہ کس کے ساتھ ملتی ہے؟ اسم کے ساتھ۔ وہ جو تائے تانیث ہوتی ہے نا جو اسم کے ساتھ ملتی ہے وہ اس پر حرکت ہوتی ہے۔ یاد رکھو اس سے ماقبل والے حرف پہ ہمیشہ زبر ہوگی، پورے کلامِ عرب میں آپ دیکھ لیں، اس تا سے پہلے وہ جو اسم کے ساتھ ملے گی اس سے پہلے زبر ہوگی: ضَارِبٌ، ضَارِبَةٌ، دیکھو با پر زبر ہے۔ دیکھو یہاں لفظ آیا: سَاكِنَةٌ، سَاكِنَةٌ، دیکھا نون پر کیا ہے؟ زبر ہے، جی۔

■ قولہ: «وَنُونَيِ التَّأْكِيدِ» کی تشریح

«وَنُونَيِ التَّأْكِيدِ»، اور تاکید والے دو نون بھائی۔ نونے نون اصل میں تھا: نُونَيْنِ، بھائی نون کی تثنیہ ہے: نون، نون، اس کی تثنیہ بناؤ: نُونَانِ، جیسے رَجُلٌ: رَجُلَانِ۔ دو نون بھائی، کیسے کہیں گے؟ نُونَانِ۔ ہاں اسی کو حالتِ نصبی جری میں لے جائیں: نُونَيْنِ، اور پھر یہ نون جو آخر میں ہے یہ اضافت سے کیا ہے؟ گر جاتا ہے، تو «وَنُونَيِ التَّأْكِيدِ»، اور تاکید کے دو نون، تاکید کے دو نون۔ یہ بھی علامت ہے فعل کی۔ بھائی تاکید والے نون وہ آپ نے گردانیں اگر پڑھی ہوں آپ کے ذہن میں ہوں: نونِ خفیفہ اور نونِ ثقیلہ۔ اِضْرِبَنَّ، یہ دیکھا نونِ مشددہ یہ نونِ ثقیلہ ہے، اور اِضْرِبَنْ یہ نون ساکن ہے یہ نونِ خفیفہ، اور یہ دونوں تاکید کے لیے آتے ہیں بھائی، کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کیا ہیں؟ کس کی علامت ہیں؟ فعل کی۔ تو فعل کی علامتیں

ذکر ہو رہی ہیں، انہی میں سے جو ہے ونونی نونا یہ اب یا کے نیچے زیر پڑھیں گے۔ اصل میں تھا: نُونَيْنِ التَّأْكِيدِ، تاکید والے دونون، پھر یہ نون درمیان میں اضافت سے گر گیا، جب نون گر گیا اب یا کے نیچے زیر پڑھو: «وَنُونَيِ التَّأْكِيدِ»، اور تاکید والے دونون۔

«فَإِنَّ كُلَّ هٰذِهِ خَوَاصُّ الْفِعْلِ»۔ یہ ساری فعل کی علامتیں ہیں، بھائی یہ فعل کی علامتیں کیوں ہیں؟ وجہ کیا ہے؟ کہتے ہیں: «فَإِنَّ كُلَّ هٰذِهِ خَوَاصُّ الْفِعْلِ»، اس لیے کیونکہ یہ سارے فعل کے خاصے ہیں۔ خاصہ میں نے بتایا تھا کسے کہتے ہیں؟ جو ایک چیز میں پایا جائے اور باقی کسی میں بھی نہ ہو، ہم کہتے ہیں یہ اس کا خاصہ ہے، اس کے ساتھ خاص ہے۔ جب یہ ساری چیزیں فعل کے ساتھ خاص ہیں تو یہ فعل کی علامتیں ہوئیں، انہی کے ذریعے ہم فعل کو پہچان لیں گے، اور کسی میں تو یہ چیزیں پائی ہی نہیں جاتیں۔ یہ معنی ہے: «فَإِنَّ كُلَّ هٰذِهِ خَوَاصُّ الْفِعْلِ»، اس لیے کیونکہ یہ سارے جو ہیں فعل کے خاصے ہیں۔

بھائی باقی باتیں آسان تھیں، ہاں اخبار بہ ایک لفظ اوپر آیا تھا، اس کا کیا معنی ہے؟ اب وہ مصنف وہ ذرا مشکل بات تھی، تو مصنف اب خود بھی بیان کر رہے ہیں:

وَمَعْنَى الْإِخْبَارِ بِهِ أَنْ يَكُونَ مَحْكُومًا بِهِ۔

اخبار بہ کا معنی یہ ہے کہ وہ محکوم بہ ہو سکے، محکوم بہ یعنی اس کے ذریعے خبر دی جاتی ہے، حکم لگایا اس کے ذریعے حکم لگایا جاتا ہے، اس کے ذریعے خبر دی جاتی ہے۔

■ قولہ: «وَيُسَمَّى فِعْلًا» کی تشریح

«وَيُسَمَّى فِعْلًا»، اب وجہ بھائی فعل کی تعریف بھی ذکر کر دی، فعل کی علامتیں بھی ذکر کر دیں، اب اس کی وجہِ تسمیہ ذکر کر رہے ہیں۔ فعل کو فعل کیوں کہتے ہیں؟ کیوں کہتے ہیں؟ کیا وجہ ہے؟ تو آپ کو بتائیں گے، آپ کو بتائیں گے کہ فعل چونکہ مصدر سے بنا ہے، اور مصدر کو عربی زبان میں فعل کہتے ہیں، تو اس اصل کی وجہ سے اس فعل کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ فعل رکھ دیا۔ صورت سمجھ میں آئی؟ فعل کس سے بنا؟ مصدر سے، اور مصدر کو عربی زبان میں کیا کہتے ہیں؟ فعل کہتے ہیں، فعل کہتے ہیں۔ تو جب اس اصل کا نام فعل تھا تو یہ جو اس سے بنا اسی کا کیا نام رکھ دیا گیا؟ اس کا نام ہی فعل رکھ دیا گیا، صورت سمجھ میں آگئی۔

آپ کے ذہن میں اشکال پیدا ہو گا کہ مصدر کو فعل کیسے کہتے ہیں عربی زبان میں؟ توجہ ہے؟ قیمتی بات ذکر کر رہا ہوں بھائی، یاد رکھنا ہمیشہ آپ کو ہر جگہ کام آئے گی۔ جگہ جگہ یہ کتابوں میں اسی طرح آپ کو ملے گا کہ یہ فعل ہے، آپ حیران ہوں گے کہ یہ مصدر ہے، مصدر کو فعل کیسے کہہ رہے ہیں یہ؟ تو یاد رکھنا عربی زبان میں مصدر کو فعل کہتے ہیں۔ فعل کا اردو میں آسان ترجمہ کہیں: کام، کام۔ فعل کا کیا معنی ہے؟ کام۔

مثلاً ایک طالب علم ساتھی آپ کا پڑھنے نہیں آیا کئی دن، میں نے اس سے پوچھا کہ آپ پڑھنے کیوں نہیں آئے؟ اس نے کہا مجھے بہت سے کام کرنا پڑتے تھے جس کی وجہ سے میں چند دن سبق میں نہیں آیا، بہت سے کام کرنا پڑتے تھے۔ یا یوں کہیں: بہت سے افعال کرنا پڑتے تھے، ایک ہی بات ہے نا؟ بہت سے کام کرنا پڑتے تھے یا یوں کہیں بہت سے افعال۔ میں کہتا ہوں اچھا، کون کون سے افعال بھائی؟ وہ افعال ذرا مجھے تو بتاؤ۔ وہ مجھے بتلاتا ہے کہ مثلاً مثلاً مثال کے طور پر ویسے: کھانا، پینا، گھومنا، جانوروں کے لیے چارہ لانا، مہمانوں کی خدمت کرنا، ساتھیوں کی مدد کرنا۔ دیکھو یہ مجھے وہ افعال گناتا جا رہا ہے۔ اس نے مجھے کتنے افعال گنا دیے: کھانا، پینا، سونا، مہمانوں کی خدمت کرنا، اور ساتھیوں کی مدد کرنا۔

بات کیا چلی تھی، توجہ ہے؟ میں نے اس سے کیا اس نے مجھے کیا کہا تھا؟ مجھے بہت سے افعال کرنا پڑتے تھے جس کی وجہ سے میں نہیں آسکا۔ میں نے پوچھا کون سے افعال تھے؟ اس نے کیا کہا؟ کھانا، پینا وغیرہ۔ تو میں اس سے کہوں گا: بھائی آپ افعال کی بات کر رہے ہیں، فعل کی، اور آپ تو مجھے سارے مصدر گنوا رہے ہیں! کہا کیا؟ مجھے فعل کرنا پڑتے تھے، اور گنوا کیا رہا ہے؟ مصدر۔ کھانا یہ مصدر ہے، اردو میں مصدر کی علامت کیا؟ آخر میں کیا آتا ہے؟ نا، نا آتا ہے۔ کھانا، پینا دیکھو یہ بھی مصدر ہے، مہمانوں کی خدمت کرنا یہ بھی مصدر ہے آخر میں نا آرہا ہے، ساتھیوں کی مدد کرنا دیکھو نا آخر میں آرہا ہے یہ بھی مصدر ہے۔ تو میں حیران ہو کر کہوں گا: بھائی آپ تو افعال کہہ رہے تھے، آپ تو مجھے سارے مصدر گنوانے بیٹھ گئے! وہ کہے گا: بھائی مصدر کو فعل ہی تو کہتے ہیں! مصدر کو کیا کہتے ہیں؟ فعل۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو ہم بھی اسی طرح استعمال کرتے ہیں، اردو میں بھی اسی طرح استعمال کرتے ہیں، مصدر کو کیا کہہ دیتے ہیں؟ فعل کہتے ہیں۔

معلوم ہوا عربی زبان میں بھی مصدر کو اصل میں کیا کہتے ہیں؟ فعل کہتے ہیں، اور جب مصدر کا نام فعل ہے تو اسی مصدر سے یہ جو نحو میں جو فعل ہم پڑھ رہے ہیں یہ والا فعل بھی اسی سے بنا، تو اس کا نام بھی کیا رکھ دیا؟ فعل رکھ دیا، صورت سمجھ میں آگئی۔

▪ قولہ: «وَيُسَمَّى فِعْلًا بِاسْمِ أَصْلِهِ» کی تشریح

«وَيُسَمَّى فِعْلًا بِاسْمِ أَصْلِهِ»، اور فعل کو فعل کہتے ہیں اس کے اصل کے نام کی وجہ سے۔ «بِاسْمِ أَصْلِهِ»، اس کے اصل کے نام کی وجہ سے۔ بھائی اس کی اصل کیا ہے؟ کس سے یہ بنا ہے؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ الْمَصْدَرُ»، اور وہ مصدر ہے، «لِأَنَّ الْمَصْدَرَ هُوَ فِعْلُ الْفَاعِلِ حَقِيقَةً»، اس لیے کیونکہ جو مصدر ہوتا ہے وہی فاعل کا فعل ہوتا ہے حقیقت میں۔ حقیقت میں کیا ہوتا ہے فاعل کا فعل؟ مصدر ہوتا ہے۔ جیسے اس نے ابھی اپنے افعال گنوائے، میں نے پوچھا کیا کیا افعال کرنا پڑتے تھے؟ اس نے کہا: کھانا، پینا، سونا، جاگنا، لکھنا، مدد کرنا، دیکھو یہ سارے کیا ہیں؟ مصدر ہیں۔ تو فاعل کا دراصل فعل کیا ہوتا ہے؟ مصدر ہوتا ہے، مصدر۔ ہاں اس مصدر کی وجہ سے پھر اس فعل کا بھی کیا نام رکھ دیا گیا؟ فعل ہی رکھ دیا گیا، صورت سمجھ میں آگئی۔

ایک اور قیمتی بات بھی ذکر کر دوں، یاد رکھو: فعل فعل ویسے تو مفرد ہے لیکن اس کا معنی مرکب ہے۔ فعل کیا ہے؟ مفرد ہے، کلمہ کی قسم ہے نا، کلمہ مفرد ہے تو فعل تو مفرد، اسم بھی مفرد، حرف بھی، فعل بھی مفرد، لیکن فعل کا معنی مرکب ہے۔ یاد رکھو فعل کا معنی مرکب ہے تین چیزوں سے: ایک اس میں وہ مصدری معنی ہو گا، ایک زمانہ ہو گا، ایک نسبت الی الفاعل ہو گی۔

جیسے ضَرَبَ: ضَرَبَ کے اندر ایک تو ضَرْبٌ والا معنی ہے، پٹائی کرنا۔ ایک اس کے اندر زمانہ ہے، کون سا زمانہ؟ ماضی والا۔ اور تیسرا نسبت الی الفاعل ہے، فاعل کی طرف نسبت بھی ہو گی، کوئی نہ کوئی کرنے والا ہو گا تو یہ پٹائی کرنا پایا گیا زمانہ ماضی میں، اگر کوئی نہ ہوتا تو یہ ضَرَبَ بھی نہ ہوتا، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو فعل کا معنی کیا ہوتا ہے؟ مرکب۔ کتنی چیزیں ہوتی ہیں؟ تین: ایک اس میں معنیٔ مصدری ہوتا ہے، ایک اس کے اندر زمانہ ہوتا ہے، اور ایک نسبت الی الفاعل ہوتی ہے، تین چیزیں ہوتی ہیں بھائی۔

تو یوں کہو، یوں کہو: فعل کے اندر کتنی چیزیں؟ تین چیزیں۔ ایک مصدر، ایک زمانہ، ایک نسبت الی الفاعل۔ تو ان تین میں سے ایک چیز مصدر بھی ہے، مصدر بھی فعل کا جزء ہوا، اور اس جزء کا نام ہی فعل ہے، تو اس جزء کی وجہ سے کل کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ فعل رکھ دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کل کا نام ہی فعل رکھ دیا، جب ایک جزء فعل تھا تو سارے کا ہی نام کیا رکھ دیا؟ فعل رکھ دیا بھائی۔

چلیے، بس بھائی بس۔ «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

کوئی بات ایسی تو نہیں جو سمجھ میں نہ آئی ہو بھائی؟

سبق نمبر ۶: حرف کی تعریف، علاماتِ حرف اور فوائدِ قیود

ہدایۃ النحو صفحہ: ۹—بتاریخ: ۲۵ اگست ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَحَدُّ الْحَرْفِ كَلِمَةٌ لَا تَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا، بَلْ تَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي غَيْرِهَا، نَحْوُ: مِنْ، فَإِنَّ مَعْنَاهَا الِابْتِدَاءُ، وَهِيَ لَا تَدُلُّ عَلَيْهِ إِلَّا بَعْدَ ذِكْرِ مَا مِنْهُ الِابْتِدَاءُ، كَالْبَصْرَةِ، وَالْكُوفَةِ مَثَلًا، تَقُولُ: سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ۔

وَعَلَامَتُهُ أَنْ لَا يَصِحَّ الْإِخْبَارُ عَنْهُ وَلَا بِهِ، وَأَنْ لَا يَقْبَلَ عَلَامَاتِ الْأَسْمَاءِ، وَلَا عَلَامَاتِ الْأَفْعَالِ۔

وَلِلْحَرْفِ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ فَوَائِدُ، كَالرَّبْطِ بَيْنَ الِاسْمَيْنِ، نَحْوُ: زَيْدٌ فِي الدَّارِ، أَوِ الْفِعْلَيْنِ، نَحْوُ: أُرِيدُ أَنْ تَضْرِبَ، أَوِ اسْمٍ وَفِعْلٍ، كَضَرَبْتُ بِالْخَشَبَةِ، أَوِ الْجُمْلَتَيْنِ، نَحْوُ: إِنْ جَاءَنِي زَيْدٌ أَكْرَمْتُهُ، وَغَيْرِ ذَٰلِكَ مِنَ الْفَوَائِدِ الَّتِي تَعْرِفُهَا فِي الْقِسْمِ الثَّالِثِ، إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

وَيُسَمَّى حَرْفًا لِوُقُوعِهِ فِي الْكَلَامِ حَرْفًا، أَيْ: طَرَفًا، إِذْ لَيْسَ مَقْصُودًا بِالذَّاتِ، مِثْلَ الْمُسْنَدِ وَالْمُسْنَدِ إِلَيْهِ۔

گزشتہ سبق میں آپ نے فعل کی تعریف پڑھی، اور فعل کی علامتیں پڑھیں، اور فعل کی وجہِ تسمیہ مصنف نے ذکر کی کہ فعل کو فعل کیوں کہتے ہیں بھائی۔ تو فعل کی وجہِ تسمیہ انہوں نے کیا ذکر کی کہ فعل جو ہے مصدر سے بنا ہے، اس کا اشتقاق مصدر سے ہوا ہے۔ تو مصدر اس کے لیے اصل ہے، اور مصدر کو عربی زبان میں فعل کہتے ہیں، تو جب اس کو فعل کہتے تھے تو اس اصل کے نام کی وجہ سے جو اس سے جس لفظ کا اشتقاق ہوا اس کا نام بھی کیا رکھ دیا گیا؟ فعل رکھ دیا گیا، فعل۔

ایک اور وجہ بھی میں نے ذکر کر دی تھی کہ بھائی یہ فعل کا جو معنی ہے یہ مرکب ہوتا ہے تین چیزوں سے: ایک معنیٔ مصدری، اور ایک زمانہ، اور نمبر تین: نسبت الی الفاعل۔ تو دیکھو مصدر جو ہے یہ جزء ہوا کس کا؟ فعل کا، تو ایک اس جزء کی وجہ سے پورے کا ہی نام کیا رکھ دیا گیا؟ فعل رکھ دیا گیا۔

آج ہم حرف کے بارے میں پڑھیں گے بھائی، حرف کی تعریف بھی ذکر کریں گے، اور اس کے فائدے وغیرہ اور وجہِ تسمیہ ذکر کریں گے۔

کہتے ہیں: «وَحَدُّ الْحَرْفِ»، اور حرف کی تعریف جو ہے: «كَلِمَةٌ»، وہ ایسا کلمہ ہے۔ کلمۃٌ آیا، آگے فعل آرہا ہے: «لَا تَدُلُّ»، نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ۔ میرے جو لفظ میں بولتا ہوں وہی دہراؤ، موصوف سے پہلے، شروع نہ کہیں شروع میں، کس سے؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں۔ تو موصوف یہاں کون؟ کلمہ، تو اس سے پہلے ایسا

کا لفظ ہم لائیں گے۔ تو کہتے ہیں حرف کی تعریف کہ وہ ایسا کلمہ ہے، «لَا تَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا»، جو دلالت نہیں کرتا کسی معنی پر «فِي نَفْسِهَا» ای بنفسہا خود بخود، جو خود بخود کسی معنی پر دلالت نہیں کرتا، «بَلْ تَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي غَيْرِهَا»، بلکہ دلالت کرتا ہے کسی معنی پر «فِي غَيْرِهَا» ای بغیرہا غیر کے ذریعے، غیر کے واسطے سے۔

بھائی میں نے آپ کو بتلایا کہ یہ فی نفسہا میں جہاں بھی فی نفسہا آرہا ہے وہاں پر فی بمعنی با کے ہے۔ اسی طرح فی غیرہا یہاں بھی فی بمعنی با کے ہے: «فِي غَيْرِهَا» ای بغیرہا، ورنہ ورنہ بڑی خرابی آتی ہے بھائی کس طرح دیکھو: کل بھی میں نے ذکر کیا تھا پھر ذکر کر دیتا ہوں کہ حرف وہ دلالت نہیں کرتا علی معنًی ایسے معنی پر فی نفسہا جو اس کی اپنی ذات میں ہو۔ حرف ایسے معنی پر دلالت نہیں کرتا جو اس کی اپنی ذات میں ہو، بلکہ دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر فی غیرہا جو کسی دوسرے کی ذات میں ہو، حالانکہ ایسا نہیں۔ ہر لفظ اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے، کسی دوسرے لفظ کے معنی پر دلالت نہیں کرتا۔ تو دیکھو اگر فی کو با کے معنی میں نہ لوگے تو خرابی لازم آئے گی، پھر تو معنی کیا بن گیا کہ حرف اپنے معنی پہ دلالت نہیں کرتا بلکہ کسی دوسرے لفظ کے معنی پر کسی غیر کے معنی پر دلالت کرتا ہے حالانکہ یہ درست نہیں۔ تو لہٰذا فی کو کس معنی میں لو؟ با کے معنی میں: کہ حرف وہ معنی پر خود بخود دلالت نہیں کرتا بلکہ دلالت کرتا ہے معنی پر فی غیرہا ای بغیرہا غیر کے ذریعے سے، یعنی جب غیر اس کے ساتھ مل جاتا ہے تو پھر وہ اس معنی پر دلالت کرتا ہے۔

میں نے اس کی مثال ذکر کی تھی: ایک ہے لفظِ ابتداء، ابتداء کا معنی بھی شروع کرنا، اسی طرح مِنْ ہے، من کا معنی بھی ہوتا ہے شروع کرنا۔ لیکن لفظِ ابتداء میں نے جیسے ہی کہا آپ سمجھ گئے کہ اس کا کیا معنی ہے: شروع کرنا۔ لیکن میں آپ کے سامنے سارا دن مِن مِن مِن کرتا رہوں، آپ کو شروع کرنے کا معنی نہیں سمجھ میں آئے گا، جب تک اس کے ساتھ میں ایک دو لفظوں کو اور نہیں جوڑ دوں گا، جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی: «سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ»۔ سَارَ يَسِيرُ کا معنی چلنا، «سِرْتُ»، میں چلا، «مِنَ الْبَصْرَةِ»، بصرہ سے، «إِلَى الْكُوفَةِ»، کہاں تک؟ کوفہ تک۔ تو دیکھو چلنے کی ابتداء کہاں سے ہو رہی ہے؟ بصرہ سے، یہ کس نے بتایا؟ جملے میں تو شروع کرنے کا معنی نہیں، لیکن پتہ چل رہا ہے کہ یہ چلنے کی ابتداء کہاں سے ہو رہی ہے، شروع کہاں سے ہو رہا ہے؟ بصرہ سے، یہ کس نے بتایا؟ مِنْ نے۔ تو دیکھا، من کا کیا معنی ہوتا ہے؟ شروع کرنا، لیکن یہ جب تک اس کے ساتھ آپ نے چلنے کو اور بصرہ کو ذکر نہیں کیا تب تک اس کے معنی سمجھ میں نہیں آیا بھائی۔

تو کہتے ہیں حرف جو ہے وہ اپنے معنی پر خود بخود دلالت نہیں کرتا بلکہ دلالت کرتا ہے کسی معنی پر فی غیرہا ای بغیرہا کسی غیر کے ذریعے سے، یعنی غیر ملے گا تو وہ ایک معنی پر دلالت کرے گا حرف بھائی۔

▪ قولہ: «نَحْوُ: «مِنْ» کی تشریح

«نَحْوُ: «مِنْ»»، مثال کے طور پر من، جیسے کہ من ہے، «فَإِنَّ مَعْنَاهَا الِابْتِدَاءُ»، اس لیے کیونکہ من کا کیا معنی ہے؟ ابتداء ہے، شروع کرنا، «وَهِيَ لَا تَدُلُّ عَلَيْهِ»، اور یہ من اس معنی پر دلالت نہیں کرتا، یہ من اس ابتداء کے معنی پر دلالت نہیں کرتا، «إِلَّا بَعْدَ ذِكْرِ مَا مِنْهُ الِابْتِدَاءُ»، مگر بعد اس کے کہ جب ذکر کر دیا جائے ما اس چیز کو منہ الابتداء جس سے ابتداء ہو رہی ہے۔ من اپنے معنی یعنی ابتداء پر دلالت نہیں کرتا جب تک اس کے بعد ذکر نہ کر دیا جائے ما اس چیز کو منہ الابتداء جس سے ابتداء ہو رہی ہے بھائی، اور چلنے کی ابتداء کہاں سے ہو رہی تھی؟ بصرہ سے، تو جب تک اس کے ساتھ بصرہ کا ذکر نہیں آئے گا پتہ نہیں چلے گا کہ کہاں سے ابتداء ہو رہی ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَهِيَ لَا تَدُلُّ عَلَيْهِ إِلَّا بَعْدَ ذِكْرِ مَا مِنْهُ الِابْتِدَاءُ»، اور یہ من اس ابتداء کے معنی پر دلالت نہیں کرتا مگر بعد اس کے کہ جب ذکر کر دیا جائے ما اس چیز کو منہ الابتداء جس سے ابتداء ہو رہی ہے، «كَ«الْبَصْرَةِ»، وَ«الْكُوفَةِ» مَثَلًا»، جیسے کہ بصرہ اور کوفہ وغیرہ بھائی۔ مثلاً مثال کے طور پر، «تَقُولُ»، آپ کہتے ہیں: «سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ»۔ سَارَ يَسِيرُ کا معنی چلنا، «سِرْتُ»، میں چلا، «مِنَ الْبَصْرَةِ»، بصرہ سے، «إِلَى الْكُوفَةِ»، کہاں تک؟ کوفہ تک۔ تو میں چلا بصرہ سے لے کر کوفہ تک بھائی۔ تو یہ چلنے کی ابتداء بصرہ سے ہو رہی ہے اور یہ کس نے بتایا؟ من نے۔ تو من کا معنی ہے شروع کرنا، لیکن یہ شروع کرنا ہمیں من سے سمجھ نہیں آرہا تھا جب تک اس کے بعد بصرہ کا ذکر نہ آیا جس سے چلنے کی ابتداء ہو رہی ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

«وَعَلَامَتُهُ»، اب علامت ذکر کرنے لگے ہیں۔ حرف کی تعریف تو ہمیں سمجھ میں آگئی کہ وہ اپنے معنی پر خود بخود دلالت نہیں کرتا، کوئی اور کلمہ ساتھ ملے پھر وہ دلالت کرتا ہے، سمجھ تو ہمیں آگیا ذہن میں، لیکن خارج میں پہچانیں گے کیسے؟ عبارت کے اندر کوئی حرف کوئی عبارت میں کوئی لفظ آئے ہمیں کیسے

پتہ چلے گا یہ حرف ہے یا حرف نہیں ہے؟ تو اس کے لیے علامت چاہیے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَعَلَامَتُهُ»، اور حرف کی علامت جو ہے وہ یہ ہے: «أَنْ لَا يَصِحَّ الْإِخْبَارُ عَنْهُ وَلَا بِهِ»، کہ نہ تو اس کے ساتھ اخبار بہ صحیح ہو اور نہ اخبار عنہ صحیح ہو، یعنی نہ تو وہ مسند الیہ بن سکے اور نہ مسند بہ۔ اسم وہ مسند الیہ بھی بن سکتا ہے اور مسند بہ بھی، اور فعل مسند بہ تو بن سکتا ہے مسند الیہ نہیں بن سکتا، اور حرف نہ مسند الیہ بن سکتا ہے اور نہ مسند بہ بن سکتا ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں ایک علامت اس حرف کی یہ ہے کہ نہ تو اس سے اخبار عنہ ہو سکے اور نہ اخبار بہ، یعنی نہ تو وہ مسند الیہ بن سکے اور نہ مسند بہ۔

■ قولہ: «وَأَنْ لَا يَقْبَلَ عَلَامَاتِ الْأَسْمَاءِ، وَلَا...» کی تشریح

«وَأَنْ لَا يَقْبَلَ عَلَامَاتِ الْأَسْمَاءِ، وَلَا عَلَامَاتِ الْأَفْعَالِ»، اور دوسری علامت یہ ہے کہ یہ نہ اسم کی علامتوں کو قبول کرتا ہے اور نہ فعل کی۔ لایقبل یہ قبول نہیں کرتا علامات الاسماء اسموں کی علامتوں کو، ولا علامات الافعال اور نہ افعال کی علامتوں کو بھائی۔

بات سمجھ میں آگئی یہاں تک؟ تعریف بھی کر دی، علامت بھی ذکر کر دی۔ کہ نہ مسند الیہ بن سکے گا نہ مسند بہ، اور فعل والی بھی کوئی علامت اس پر نہیں آ سکتی اور اسم والی بھی کوئی علامت اس پر نہیں آ سکتی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے ہمیں بتایا کہ یہ جو حرف ہے نہ یہ مسند الیہ بن سکتا ہے نہ مسند بہ، تو کلام کے تو دو ہی اہم جزء ہیں: یا وہ مسند الیہ ہوتا ہے یا مسند بہ ہوتا ہے، دو جزء ہیں اہم۔ نہ یہ مسند الیہ بن سکتا ہے نہ مسند بہ، معلوم ہوا یہ بالکل بیکار چیز ہے، یہ حرف کیا ہے؟ بالکل بیکار چیز ہے! تو کہیں گے: نہیں بھائی نہیں، حرف بیکار نہیں ہے، حرف کے بہت زیادہ فائدے ہیں کلامِ عرب کے اندر بھائی۔ مثلاً یہ دو اسموں کے درمیان ربط دے گا۔ دو اسم ہیں الگ الگ ہیں تو ربط چاہیے ان میں، ربط دینے کی اور کوئی صورت نہیں، پھر کس کو لانا پڑے گا؟ حرف کو۔ یا دو فعلوں کے درمیان یہ ربط دیتا ہے، دو فعل ہیں الگ الگ ہیں، ربط چاہیے کوئی صورت نہیں، مجبوراً کس کو لانا پڑے گا؟ حرف کو۔ یا ایک اسم ہے ایک فعل ہے، آپ ان کے درمیان ربط لانا چاہتے ہیں تو کس کو لانا پڑے گا؟ حرف کو لانا پڑے گا بھائی۔ اور بھی اس کے بہت سے فائدے ہیں جو آگے حروف کی بحث میں ان شاء اللہ وہ کہتے ہیں مفصل بیان ہوں گے، تو یہ چند مختصراً کچھ ذکر کر دیے بھائی۔

کہتے ہیں: «وَلِلْحَرْفِ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ فَوَائِدُ»، اور حرف کے عربی کلام کے اندر فوائد کئی فائدے ہیں، «كَالرَّبْطِ بَيْنَ الِاسْمَيْنِ»، جیسے کہ ربط دینا دو اسموں کے درمیان۔ دو اسموں میں ربط دینا، «نَحْوُ: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»»، جیسے زید گھر میں ہے۔ دیکھو ایک اسم ہے زید، ایک ہے الدار، دو اسم ہیں۔ آپ سارا دن کسی کے سامنے کہتے رہیں: زیدٌ الدارُ یا زیدٌ دارٌ، زیدٌ الدارُ، وہ کہے گا بھائی کیا ہے بات تو پوری کریں مجھے تو آپ کی بات نہیں سمجھ آ رہی! تو پھر جب آپ تو دیکھیں اب آپ فی لے کر آئیں گے: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، اب بات پوری ہو گئی اس کو سمجھ میں آگئی، معلوم ہوا زید کہاں پر ہے؟ گھر میں ہے بھائی۔ تو دیکھو یہ زید اور الدار میں فی نے ربط دے دیا: «نَحْوُ: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»»، زید اس گھر میں ہے۔

■ قولہ: «أَوِ الْفِعْلَيْنِ» کی تشریح

«أَوِ الْفِعْلَيْنِ»، یا یہ ربط دے گا دو فعلوں کے درمیان بھائی: «نَحْوُ: «أُرِيدُ أَنْ تَضْرِبَ»»۔ اریدُ، میں چاہتا ہوں، «أَنْ تَضْرِبَ»، کہ آپ پٹائی کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ پٹائی کریں۔ بھائی دو فعل ہیں: ایک ہے اریدُ، ایک ہے تضربُ۔ ان دونوں میں ان نے ربط دیا، ذرا ان کو ہٹاؤ: اریدُ میں چاہتا ہوں، تضربُ آپ پٹائی کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں آپ پٹائی کرتے ہیں، بات ہی نہیں بن رہی، کیا معنی بھائی؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں چاہتا ہوں آپ پٹائی کرتے ہیں، نہیں، اب ان بیچ میں لے آؤ بات پوری ہو گئی: «أُرِيدُ أَنْ تَضْرِبَ»، میں چاہتا ہوں کہ آپ کیا کریں؟ پٹائی کریں، دیکھو اب بات پوری ہو گئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دو فعلوں میں ربط کس نے دیا؟ ان نے: «أُرِيدُ أَنْ تَضْرِبَ»، میں چاہتا ہوں کہ آپ پٹائی کریں۔

«أَوِ اسْمٍ وَفِعْلٍ»، یا یہ ربط دے گا ایک اسم اور ایک فعل میں یہ جو حرف ہے یہ ربط دے گا: «كَـ«ضَرَبْتُ بِالْخَشَبَةِ»»، میں نے پٹائی کی، خشبہ لکڑی کو کہتے ہیں، میں نے لکڑی سے پٹائی کی۔ اب ضربتُ فعل ہے، خشبہ لکڑی ہے، ذرا بابا کو ہٹا دو: «ضَرَبْتُ الْخَشَبَةَ»، میں نے لکڑی کی پٹائی کی۔ آپ سارا

دن کسی کو کہتے رہیں وہ کہے گا بھائی یہ کیسی بات کر رہے ہیں آپ: ضربت الخشبۃ میں نے لکڑی کی پٹائی کی! ہاں جب آپ بالے آئے: «ضَرَبْتُ بِالْخَشَبَةِ»، میں نے لکڑی کے ساتھ پٹائی کی، لکڑی کے ذریعے پٹائی کی، اب بات سمجھ میں آگئی اچھا اچھا، معلوم ہوا لکڑی کی پٹائی نہیں کی بلکہ لکڑی کے ذریعے پٹائی کی، کیونکہ لکڑی کی پٹائی تو نہیں ہو سکتی وہ تو بے جان چیز ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو «ضَرَبْتُ» تو یہ بانے ربط دیا اور بات پوری ہو گئی: «ضَرَبْتُ بِالْخَشَبَةِ»، جیسے میں نے پٹائی کی لکڑی کے ذریعے۔

«أَوِ الْجُمْلَتَيْنِ»، یا یہ جو حرف ہے یہ دو جملوں میں ربط دیتا ہے: «نَحْوُ: «إِنْ جَاءَنِي زَيْدٌ أَكْرَمْتُهُ»»۔ اگر میں «إِنْ جَاءَنِي زَيْدٌ»، اگر زید میرے پاس آیا، «أَكْرَمْتُهُ»، تو میں اس کا اکرام کروں گا۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ یہاں یہ ان نے ربط دیا: «جَاءَنِي زَيْدٌ» یہ ایک جملہ ہے، «أَكْرَمْتُهُ» یہ دوسرا جملہ ہے، ان میں ان نے ربط دیا۔ ان کو ذرا ہٹا دیں، آپ کہیں: «جَاءَنِي زَيْدٌ» زید میرے پاس آیا تھا، «أَكْرَمْتُهُ» میں نے اس کا اکرام کیا، زید میرے پاس آیا میں نے اس کا اکرام کیا۔ زید کہے گا میں تو کبھی آپ کے پاس آیا ہی نہیں! ہاں اب ان جوڑ دو: «إِنْ جَاءَنِي زَيْدٌ أَكْرَمْتُهُ»، اگر میرے پاس زید آیا تو میں کیا کروں گا؟ اس کا اکرام کروں گا، دیکھا معلوم ہوا اپ مستقبل کی بات کر رہے ہیں، وہ کہہ رہا ہے میں پہلے کبھی آیا ہی نہیں تھا آپ ماضی کی تو بات ہی نہیں کر رہے، کس کی بات کر رہے ہیں؟ مستقبل کی۔ تو یہ ان ہٹاؤ تو معنی کیا بن گیا؟ زید میرے پاس آیا اور میں نے اس کا اکرام کیا کس میں؟ زمانۂ ماضی میں، اور یہ جڑ ہی نہیں رہا کیونکہ زید تو آپ کے پاس آیا ہی نہیں پہلے کبھی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اب ربط کس نے دے دیا؟ ان نے دے دیا، اب جب آپ کہتے ہیں «إِنْ جَاءَنِي»، اگر زید میرے پاس آیا تو میں اس کا اکرام کروں گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دو جملوں میں ربط کس نے دیا؟ ان نے۔ ان ہٹاتے تو بات ہی ادھوری ہو جاتی، غلط ہو جاتی، اور ان آیا تو بات صحیح ہو گئی۔ «نَحْوُ: «إِنْ جَاءَنِي زَيْدٌ أَكْرَمْتُهُ»»، اگر میرے پاس زید آیا تو میں اس کا اکرام کروں گا۔

«وَغَيْرِ ذَٰلِكَ مِنَ الْفَوَائِدِ الَّتِي تَعْرِفُهَا فِي الْقِسْمِ الثَّالِثِ، إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى»۔ اور اس کے علاوہ بھی اور فائدے ہیں، اس کے علاوہ بھی اور فائدے ہیں بھائی، حرف کے فائدے ذکر ہو رہے ہیں نا، یا دو اسموں میں ربط دے گا یا دو فعلوں میں ربط دیتا ہے، اسی طرح ایک اسم اور ایک فعل میں بھی ربط دیتا ہے، دو جملوں میں بھی ربط، اور یہی صرف فائدے نہیں ہیں، «وَغَيْرِ ذَٰلِكَ مِنَ الْفَوَائِدِ»، اس کے علاوہ بھی اور فائدے ہیں، «الَّتِي تَعْرِفُهَا»، جس کو آپ جان لیں گے، «فِي الْقِسْمِ الثَّالِثِ»، تیسری قسم میں، «إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى»، اگر اللہ نے چاہا بھائی۔ تو وہ آگے قسم ثالث آئے گی، آپ کو انہوں نے شروع میں بتایا تھا کہ اس کتاب میں تین قسمیں ہیں: قسم اول، قسم ثانی اور قسم ثالث۔ قسم اول میں اسم کی بحث، قسم ثانی میں فعل کی بحث اور آخر میں قسم ثالث کے اندر حرف کی بحث ہے تو وہاں تفصیل آجائے گی۔

اللہ! یہاں کتابت کی ایک بات بتلا دوں آپ کو بھائی: «إِنْ شَاءَ»، یہ دیکھو ان شاء نون کو شین کے ساتھ ملا کر لکھا ہے، یہ غلط ہے بھائی، غلط۔ «إِنْ» الگ ہونا چاہیے اور «شَاءَ» الگ لفظ ہے بھائی۔ «إِنْ» یہ جو ابھی گزرا «إِنْ جَاءَنِي»، صورت سمجھ میں آگئی؟ جی تو یہ «إِنْ» الگ حرف ہے الگ کلمہ ہے اور «شَاءَ» الگ کلمہ ہے، دونوں کو الگ الگ لکھنا چاہیے بھائی۔

■ قولہ: «وَيُسَمَّى حَرْفًا» کی تشریح

«وَيُسَمَّى حَرْفًا»، اب حرف کی وجہِ تسمیہ ذکر کرنے لگے ہیں کہ حرف کو حرف کیوں کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَيُسَمَّى حَرْفًا»، اور حرف کو حرف کہتے ہیں، «لِوُقُوعِهِ فِي الْكَلَامِ حَرْفًا»۔ «الْوُقُوعِ» تو نہیں آپ کی کتابوں میں؟ ہاں «الْ» نہیں ہونا چاہیے۔ «وَيُسَمَّى حَرْفًا لِوُقُوعِهِ»، اور حرف کو حرف کہتے ہیں اس وجہ سے کہ یہ واقع ہوتا ہے، یہ آتا ہے، «فِي الْكَلَامِ»، کلام کے اندر، «حَرْفًا» ای طرفاً، حرف ہو کر یعنی ایک طرف۔ حرف کا معنی ہے: طرف۔ حرف کو حرف کیوں کہتے ہیں؟ کہتے ہیں کیونکہ یہ کلام میں ایک طرف آتا ہے۔

اس پر کوئی اشکال کرے گا بھائی: ایک طرف کہاں؟ ہم آپ کو دکھاتے ہیں حرف کلام کے درمیان میں آرہا ہے: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، دیکھو فی کہاں پر ہے؟ زید اور دار کے بیچ میں ہے، اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ حرف کو حرف کیوں کہتے ہیں کیونکہ کلام کے بیچ میں نہیں آتا بلکہ ایک طرف آتا ہے، دیکھو اس مثال میں تو یہ بیچ میں آرہا ہے؟ تو جواب: نہیں بھائی، ایک طرف واقع ہوتا ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ لفظوں کے اندر بیچ میں نہیں آتا، بلکہ معنی یہ ہے کہ کلام کے دو خاص حصے ہیں: ایک کو مسند الیہ کہتے ہیں ایک کو مسند بہ، نہ یہ مسند الیہ بنتا ہے نہ مسند بہ بنتا ہے، ان سے ایک طرف ہوتا ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا بھائی؟ تو

ایک طرف ہونے کا کیا معنی؟ کہ نہ یہ مسند الیہ بنتا ہے اور نہ مسند بہ بنتا ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَيُسَمَّى حَرْفًا لِوُقُوعِهِ فِي الْكَلَامِ حَرْفًا»، ای طرفاً، اور حرف کو حرف کہتے ہیں اس وجہ سے کہ یہ کلام میں حرف ہو کر یعنی ایک طرف ہو کر واقع ہوتا ہے، «إِذْ لَيْسَ مَقْصُودًا بِالذَّاتِ»، اس لیے کیونکہ یہ مقصود بالذات نہیں ہوتا، «مِثْلَ الْمُسْنَدِ وَالْمُسْنَدِ إِلَيْهِ»، جیسے کہ مسند اور مسند الیہ۔ یاد رکھیے کلام میں مسند اور مسند الیہ مقصود ہوتے ہیں۔ میں آپ کو بتلاتا ہوں: زید کھڑا ہے۔ تو دیکھو میرے بتلانے کا مقصد ہے زید کے بارے میں، اور کیا بات بتلانا مقصد ہے؟ کہ وہ کھڑا ہے۔ تو مسند اور مسند الیہ دونوں مقصود ہوتے ہیں جو دوسرے کو آپ بتانا چاہتے ہیں، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو ایک کے بارے میں بتاتے ہیں اور ایک جو ہوتی ہے وہ بات ہوتی ہے جو دوسرے کو بتلاتے ہیں، تو جبکہ حرف وہ ایسا نہیں ہے وہ مقصود بالذات وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود نہیں ہوتا یعنی نہ وہ مسند الیہ ہوتا ہے نہ مسند بہ، ہاں اس کو کلام میں لے کر آتے ہیں کسی نہ کسی ضرورت کی بنا پر، کسی فائدے کے لیے، کیونکہ اس کے بغیر بات پوری نہیں ہوتی بھائی۔ یہ معنی ہے: «إِذْ لَيْسَ مَقْصُودًا بِالذَّاتِ»، اس لیے کیونکہ حرف جو ہوتا ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود نہیں ہوتا جیسے کہ مسند اور مسند الیہ وہ مقصود ہوتے ہیں۔

سوال: آپ نے ہمیں اسم کے بارے میں بھی بتلا دیا کہ اسم کلام میں مسند الیہ بھی بنتا ہے اور مسند بہ بھی بنتا ہے۔ فعل جو ہے وہ صرف مسند بہ بنتا ہے مسند الیہ نہیں بنتا، اور حرف نہ مسند الیہ بنتا ہے اور نہ مسند بہ۔ ہم آپ کو مثال دکھاتے ہیں کہ فعل کلام کے اندر مسند الیہ بن رہا ہے! ہم آپ کو کلام دکھاتے ہیں کہ حرف جو ہے وہ بھی کلام کے اندر مسند الیہ بن رہا ہے!

مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: «ضَرَبَ فِعْلٌ»، ضرب فعل ہے، پوری بات ہے یا نہیں؟ تو دیکھو اور کس کے بارے میں میں نے بات کی؟ ضرب کے بارے میں، کس کے بارے میں؟ ضرب کے، کہ ضرب کیا ہے؟ فعل ہے۔ تو جس کے بارے میں بات کی جائے وہ کون ہوتا ہے؟ مسند الیہ، تو دیکھو ضرب مسند الیہ ہے اس میں، اور فعلٌ کیا ہے اس کی؟ مسند اس کی خبر ہے۔ سمجھ میں آئی بات؟ اسی طرح دوسری مثال دیکھو: «مِنْ حَرْفٌ»، من حرف ہے۔ یہ پورا کلام ہے، میں نے کس کے بارے میں بات کی؟ من، اور جس کے بارے میں بات کی جائے وہ کون ہوتا ہے؟ جس کے بارے میں بات کی جائے مسند الیہ ہوتا ہے، وہ کیا ہوتا ہے؟ تو من ہے مسند الیہ، اور کیا بات کی؟ کہ وہ حرف ہے، تو وہ مسند ہوا۔ تو دیکھا: «ضَرَبَ فِعْلٌ»، اس میں ضرب مسند الیہ بن رہا ہے، اور آپ نے تو کہا تھا فعل مسند الیہ نہیں بنتا! «مِنْ حَرْفٌ»، اس میں من کیا بن رہا ہے؟ مسند الیہ، اور آپ نے تو کہا تھا حرف جو ہے وہ مسند بھی نہیں بنتا اور مسند الیہ بھی نہیں بنتا!

جواب، جواب: کہ بھائی «ضَرَبَ فِعْلٌ»، اس میں جو ضرب آیا یہ ضرب فعل نہیں ہے۔ یہ ضرب؟ ہاں وہ جو ضرب ضرب کتابوں کے اندر ایک فعل آتا ہے اس کا نام ہی ہم نے ضرب رکھ دیا، کیا رکھ دیا؟ تو یہ نام ہے، عَلَم ہے، اسم ہے اس وقت۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ ضرب اس وقت فعل نہیں ہے، یہ اس ضرب وہ جو گردانوں میں آپ ضرب پڑھتے ہیں اس ضرب کا نام ہی ہم نے کیا رکھ دیا؟ اس کا نام رکھ دیا، جب نام رکھ دیا نام کیا ہوتا ہے؟ نام اسم عَلَم ہوتا ہے، اسم ہوتا ہے، تو ضرب یہاں کیا ہے؟ اسم ہے، اسم ہے۔

آپ کہیں گے یہ تو عجیب جواب ہے! یہ تو جان چھڑانے والی بات آپ کر رہے ہیں، آپ نے کیا کہہ دیا ضرب کو اسم بنا دیا، حالانکہ ضرب تو فعل ہے؟ نہیں بھائی نہیں، آپ خود غور کر لیں۔ ذرا ترجمہ کرو: «ضَرَبَ فِعْلٌ»، ترجمہ کرو: ضرب فعل ہے۔ ضرب کا ترجمہ کیوں نہیں کر رہے بھائی؟ میں کہتا ہوں: زید کھڑا ہے، «زَيْدٌ قَائِمٌ»، ترجمہ کرو: زید کھڑا ہے۔ یہ زید کا ترجمہ کیوں نہیں کر رہے؟ کیونکہ زید نام ہے، ناموں کا ترجمہ نہیں کیا جاتا بھائی۔ نام سے کوئی ذات مراد ہوتی ہے، وہ اس میں معنی نہیں مراد ہوتا۔ میں کہتا ہوں عبد اللہ کھڑا ہے، آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا نام کیا ہے؟ عبد اللہ۔ «عَبْدُ اللَّهِ قَائِمٌ»، جی ترجمہ کرو: عبد اللہ کھڑا ہے۔ بھائی عبد اللہ کا ترجمہ کیوں نہیں کرے، ترجمہ کیوں نہیں کر رہے؟ آپ کو تو کہنا چاہیے اللہ کا بندہ کھڑا ہے، لیکن آپ کیا ترجمہ کر رہے ہیں؟ عبد اللہ کھڑا ہے، عبد اللہ کھڑا ہے۔ بھائی کیوں؟ یہ عبد اللہ کا ترجمہ کیوں نہیں کر رہے؟ کیونکہ یہ نام ہے، ناموں کا ترجمہ نہیں کیا جاتا، نام میں ترجمہ نہیں مراد ہوتا، نام سے وہ ذات مراد ہوتی ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اسی طرح جب میں نے کہا «ضَرَبَ فِعْلٌ»، ترجمہ کرو، آپ نے کہا: ضرب فعل ہے۔ بھائی یہ ضرب کا ترجمہ کیوں نہیں کر رہے؟ ترجمہ ہم یہاں کر ہی نہیں سکتے، ترجمہ کریں گے تو سارا مسئلہ خراب ہو جائے گا، پھر تو ترجمہ ہی نہیں بنے گا: اس آدمی نے پٹائی کی فعل ہے، یہ کیا بات ہوئی؟ بات ہی نہیں بن رہی! تو یہ وہ جو ضرب ہے عبارتوں میں اور گردانوں میں آتا ہے، اس کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ ضرب رکھ دیا، یہ نام بن گیا۔ جب نام بن گیا اب اس کا ترجمہ نہیں، تو لہٰذا کیا ترجمہ آپ کرتے ہیں: «ضَرَبَ فِعْلٌ»، آپ کیا کہتے ہیں؟ ضرب فعل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یوں کہو: ضرب سے ضرب کا لفظ مراد ہے، ضرب سے فعل مراد نہیں، ضرب سے ضرب کا لفظ مراد ہے، اس کا نام ہی ہم نے ضرب رکھ دیا۔ جب یہ نام

رکھ دیا یہ اب اسم بن گیا، یہ اسم ہے۔ تو لہٰذا مسند الیہ اسم بنایا فعل؟ « ضَرَبَ »، دوبارہ سنو: « ضَرَبَ فِعْلٌ »، یہ جو ضرب ہے یہ کیا ہے؟ یہ نام ہے کس کا؟ وہ جو کتابوں میں ضرب فعل استعمال ہوتا ہے اس کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ ضرب رکھ دیا، تو یہ جو ضرب اس وقت اس جملے میں ہے یہ اسم ہے، اور یہ مسند الیہ بن رہا تھا نا تو بات تو وہی ہو گئی، ہم نے بھی کہا تھا مسند الیہ اسم ہی بن سکتا ہے اور یہ ضرب بھی کیا ہے اس وقت؟ اسم ہے، مسند الیہ ہے، اسم ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اسی طرح میں نے کہا: « مِنْ حَرْفٌ »، من کیا ہے؟ حرف ہے۔ اشکال کیا ہوا تھا کہ یہاں تو حرف کیا بن رہا ہے؟ مسند الیہ بن رہا ہے۔ جواب گزر گیا، یہی جواب یہاں بھی ہو گا کہ یہ یہاں من جو کتابوں میں عبارتوں میں جو من من لفظ آتا ہے ناجگہ جگہ، اس کا نام ہی ہم نے کیا رکھ دیا؟ من۔ اسی لیے جب نام رکھ دیا اب اس کا ترجمہ بھی نہیں، آپ ذرا کرو ترجمہ: « مِنْ حَرْفٌ »، من حرف ہے۔ بھائی من کا ترجمہ کیوں نہیں کر رہے؟ آپ تو اردو بول رہے ہیں، اردو میں تو من نہیں استعمال ہوتا لیکن آپ تو اردو میں بھی من ہی بول رہے ہیں! سمجھ میں آئی بات؟ معلوم ہوا اس من کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ من، اور یہ ناعَلَم بن گیا اور عَلَم کا ترجمہ نہیں ہوتا، ورنہ تو ترجمہ ہونا چاہیے: من حرفٌ، سے حرف ہے۔ کسی آدمی سے کہیں سے حرف ہے سے وہ کہے گا یہ کیا بات کر رہے ہو یہ تو دوری سمجھ نہیں آ رہی ہمیں، کیا کہہ رہے ہو؟ تو لہٰذا معلوم ہوا یہ جو من کیا ہے اس وقت؟ اس وقت اسم ہے، اور جب یہ اسم ہے تو یہ مسند الیہ بن سکتا ہے کیونکہ مسند الیہ تو کون بنتا ہے؟ اسم ہی بنتا ہے، فعل یا حرف نہیں بنتے۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ ویسے سر ہلا رہے ہیں؟ اچھی طرح؟ ہاں۔

تو ضرب کو اگر کوئی اسی طرح اور بھی کوئی بھی اشکال کرے کوئی بھی لفظ لے کر، مثلاً: « أَكْرَمَ فِعْلٌ »، اکرم فعل، تو آپ کہیں گے اکرم فعل ہے، معلوم ہوا وہ جو عبارت میں اکرم لفظ آتا ہے اس کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ اکرم، یہ نام ہے اس وقت، عَلَم ہے، اسم ہے، اور جب اسم ہے تو اسم تو مسند الیہ بن سکتا ہے اس لیے مسند الیہ بن رہا ہے بھائی۔

چلیے، بس بھائی بس۔ « هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ »۔

کوئی بات ایسی تو نہیں جو سمجھ میں نہ آئی ہو بھائی؟ حل ہو گیا؟ چلیے۔

سبق نمبر ۷: فصل فی الکلام: کلام اور اسناد کی تعریف اور مرکبِ تام کے احکام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۱—بتاریخ: ۸ ستمبر ۲۰۱۴ء

متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلْكَلَامُ لَفْظٌ تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ۔

وَالْإِسْنَادُ نِسْبَةُ إِحْدَى الْكَلِمَتَيْنِ إِلَى الْأُخْرَى، بِحَيْثُ تُفِيدُ الْمُخَاطَبَ فَائِدَةً تَامَّةً، يَصِحُّ السُّكُوتُ عَلَيْهَا، نَحْوُ: زَيْدٌ قَائِمٌ، وَقَامَ زَيْدٌ۔

سب سے پہلے انہوں نے آپ کو کلمہ کے بارے میں بتایا کہ کلمہ کسے کہتے ہیں: «لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ»، کہ کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو کسی مفرد معنی کے لیے۔ اور پھر اس کی تین قسمیں بھی بیان کر دیں کہ وہ اسم ہو گا یا فعل ہو گا یا حرف ہو گا۔ پھر ہر ایک کی تعریف بھی ذکر کر دی، اور علامتیں بھی ذکر کر دیں، اور وجہِ تسمیہ بھی ذکر کر دی کہ ان کا یہ نام کیوں ہے، اسم کو اسم کیوں کہتے ہیں، فعل کو فعل کیوں کہتے ہیں اور حرف کو حرف کیوں کہتے ہیں۔

تو اب یہ فصل جو ذکر کر رہے ہیں اس کے اندر کلام کے بارے میں آپ کو بتلائیں گے بھائی کہ کلام کسے کہتے ہیں۔

کہتے ہیں: «اَلْكَلَامُ لَفْظٌ تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ»، کلام ایسا لفظ ہے «تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ» جو متضمن ہو دو کلموں کو یعنی مشتمل ہو دو کلموں پر، «بِالْإِسْنَادِ»، کس کے ساتھ؟ اسناد کے ساتھ، اسناد ہو ان کے اندر بھائی، بغیر اسناد کے نہیں، بغیر اسناد کے تو پھر وہ کلام نہیں ہو گا۔

تو کیا تعریف کی؟ «اَلْكَلَامُ لَفْظٌ تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ»، یہ ہے کلام کی تعریف: کلام ایسا لفظ ہے دیکھو لفظٌ نکرہ ہے اور میں نے آپ کو ذکر کیا تھا بتلایا تھا کہ نکرہ کے بعد فعل آ جائے تو وہ عموماً کیا بنیں گے آپس میں؟ موصوف صفت بنیں گے۔ نکرہ بنے گا موصوف اور آگے فعل اپنے فاعل سے مل کر بنے گا جملہ، توجہ ہے سبق کی طرف؟ فعل اپنے فاعل سے مل کر کیا بن جائے گا؟ جملہ، اور جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ جملے کے اندر چاہے دس معرفہ آ جائیں وہ تو معرفہ ہیں لیکن جب پورے جملے کو آپ ملا لیں گے جوڑ لیں گے تو اب یہ نکرہ کے حکم میں ہے، کس کے حکم میں؟ نکرہ کے۔ تو لہٰذا تضمن آیا اور تضمن فعل ہے، یہ اپنے فاعل سے ملے گا، فاعل سے مل کر کیا بن جائے گا؟ جملہ، اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں، تو لہٰذا یہ لفظٌ کے لیے کیا بن جائے گا؟ صفت۔ کیونکہ دو نکرہ یا تین یا چار نکرہ اکٹھے آ جائیں تو وہ پھر آپس میں موصوف صفت بنتے ہیں بشرطیکہ کہ ان کے آخر میں کوئی معرفہ نہ آئے۔

یہ ترکیب کی باتیں ہیں بھائی چھوٹی چھوٹی باتیں، ان کو یاد کرتے جاؤ۔ آگے ان شاء اللہ جب ہم یہ کتاب مکمل کر لیں گے تو پھر اس کے بعد ترکیب بھی کریں گے، لیکن یہاں یہ چھوٹی چھوٹی کچھ باتیں آپ یاد کرتے جائیں، ٹھیک ہے؟ نکرہ کے دو تین چار یا پانچ نکرہ آئیں، بلکہ معرفہ سے شروع کریں۔ اگر دو یا تین یا چار یا پانچ معرفہ اکٹھے آئیں تو پھر اکثر جو ہے پہلا موصوف بنتا ہے اور بعد والے اس کی صفت بنتے ہیں۔ اسی طرح اگر دو تین یا چار یا پانچ نکرہ اکٹھے آ جائیں تو پہلا موصوف بنتا ہے اور بعد والے صفت، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ ان نکروں کے بعد آخر میں کوئی معرفہ نہ آئے۔ ان نکروں کے بعد کوئی آخر میں معرفہ نہ آئے، اگر معرفہ آیا تو پھر وہ موصوف صفت نہیں بنیں گے پھر عموماً وہ مضاف مضاف الیہ بنیں گے، عموماً کیا بنیں گے؟ مضاف مضاف الیہ۔ دوبارہ دہراؤ بھائی

ضابطے کو: اگر دو یا تین یا چار معرفہ آجائیں اکٹھے تو عموماً پہلا کیا بنے گا؟ موصوف، اور بعد والے کیا بنیں گے؟ صفت بنیں گے صفت۔ اور اگر دو یا تین یا چار نکرہ اکٹھے آجائیں تو پہلا کیا بنے گا؟ موصوف، اور بعد والے صفت، بشرطیکہ کہ ان کے بعد کوئی معرفہ نہ آئے۔ اگر معرفہ آیا پھر یہ نکرہ جو ہیں یہ موصوف صفت نہیں بنیں گے بلکہ مضاف مضاف الیہ بنیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور ترجمہ بھائی، موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں یہ بھی یاد رکھو۔ موصوف صفت کا ترجمہ کرنے کا طریقہ: بھائی یاد رکھیے موصوف صفت کے اردو میں ترجمہ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ عربی میں صفت مؤخر ہوتی ہے لیکن اردو کے اندر صفت مقدم ہو جاتی ہے۔ عربی میں صفت مؤخر: «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، دیکھو رجلٌ موصوف، شجاعٌ اس کی صفت اور صفت بعد میں آرہی ہے۔ لیکن اردو میں عموماً صفت موصوف پر مقدم ہو جاتی ہے، تو «رَجُلٌ شُجَاعٌ» ترجمہ کیسے کریں گے؟ بہادر آدمی، بہادر مرد۔ تو دیکھو بہادر کا لفظ مقدم ہو گیا اور مرد کا لفظ کیا ہوا؟ مؤخر ہو گیا۔ تو اردو میں عموماً موصوف صفت کا ترجمہ کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کہ صفت پہلے مقدم کو پہلے ذکر کرتے ہیں اور موصوف کو بعد میں ذکر کرتے ہیں۔

اب طریقہ سمجھو معرفہ اور نکرہ اگر موصوف ہوں اس کا ترجمہ کیسے کریں گے بھائی۔ دیکھیے مثلاً ہمارے پاس موصوف بھی معرفہ اور اس کی صفت بھی معرفہ: «الرَّجُلُ الشُّجَاعُ»، «الرَّجُلُ الشُّجَاعُ»، تو یاد رکھیے اس کے ترجمہ اگر موصوف صفت معرفہ ہوں تو ترجمہ کرنے کا ایک طریقہ یہ کہ لفظِ وہ لے آؤ: وہ، اور اسی طرح صفت کو موصوف پر مقدم کر دو، یوں کہیں گے: وہ بہادر آدمی، وہ بہادر آدمی۔ بھائی یہ وہ کے ذریعے جو ہم اشارہ کر رہے ہیں نا، یہ اشارہ کر رہے ہیں کیونکہ معرفہ کسی معین ذات پہ دلالت کرتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: زیدٌ، آپ کے ایک ساتھی کا نام زید ہے۔ جیسے ہی میں نے زید کا نام لیا آپ کے فوراً ذہن میں کون آگیا؟ زید کا تصور آگیا۔ تو دیکھو معرفہ کسی معین ذات پہ دلالت کرتا ہے، تو یہاں پر بھی میں کسی معین کی طرف اشارہ کر رہا ہوں: «الرَّجُلُ الشُّجَاعُ»، وہ بہادر آدمی، وہ بہادر آدمی۔ تو موصوف صفت اگر معرفہ ہوں تو ترجمہ کرنے کا ایک طریقہ وہی جو عام ضابطہ ہے کہ صفت کو کیا کر دو موصوف پر مقدم، اور کیسے کہو؟ اور شروع میں وہ کا لفظ لے آؤ: وہ بہادر آدمی۔

دوسرا طریقہ: کہ موصوف کو مقدم ہی رکھیں، جیسے عربی کے اندر موصوف مقدم تھا اور صفت کیا تھی؟ مؤخر تھی، اردو میں بھی کیا کرو؟ موصوف کو مقدم ہی رکھو اور صفت کو مؤخر رکھو، لیکن موصوف سے پہلے اسی طرح وہ کا لفظ لے آؤ: «الرَّجُلُ الشُّجَاعُ»، وہ آدمی جو کہ بہادر ہے، وہ آدمی جو کہ بہادر ہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ دونوں طریقے: پہلا طریقہ کیا؟ وہ بہادر آدمی، دوسرا طریقہ کیا؟ وہ آدمی جو کہ بہادر ہے، یہ تھا طریقہ معرفہ کے اندر موصوف صفت کا ترجمہ اس طرح کریں۔

اور نکرہ کے اندر بھائی، نکرہ میں۔ نکرہ میں اسی طرح نکرہ میں وہ کا لفظ نہ لاؤ، بس صرف پہلا طریقہ یہ کہ صفت کو موصوف پر مقدم کر دو: «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، رجلٌ بھی نکرہ، شجاعٌ اس کی صفت بھی نکرہ۔ تو ترجمہ کیسے کریں گے؟ صرف صفت کو موصوف پر مقدم کر دو، کیا کہو؟ بہادر آدمی۔ معرفہ کے اندر آپ نے کیا کہا تھا؟ وہ بہادر آدمی، اور نکرہ میں کیا کہو؟ کیونکہ وہ متعین تھا وہ کے ذریعے اس کی طرف اشارہ ہو رہا تھا، اور نکرہ میں کیا کہو؟ بہادر آدمی، بس۔ بہادر دیکھو «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، رجلٌ موصوف مقدم تھا، شجاعٌ صفت کیا تھی عربی میں؟ مؤخر تھی، لیکن اردو میں کیا کر دیا؟ بہادر کو مقدم کر دیا اور موصوف کو مؤخر: بہادر آدمی۔

دوسرا طریقہ نکرہ کے ترجمہ موصوف صفت کا ترجمہ کرنے کا یہ ہے کہ معرفہ میں آپ لفظ لائے تھے وہ، اور نکرہ میں لے آؤ لفظ ایسا یا ایسی، ایسا یا ایسی۔ موصوف کو اسی طرح مقدم رکھو جیسے عربی میں مقدم ہے، اور صفت کو اسی طرح مؤخر رکھو جیسے کہ عربی کے اندر صفت کیا تھی؟ مؤخر۔ کیسے ترجمہ کریں گے؟ «رَجُلٌ شُجَاعٌ»: ایسا آدمی، دیکھو رجلٌ وہاں مقدم ہے شجاعٌ کیا ہے؟ مؤخر۔ مقدم کو مقدم رکھو مؤخر کو مؤخر، اردو میں بھی اسی طرح رکھو: ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

جی، اب مجھے بتاؤ: «الرَّجُلُ الشُّجَاعُ»، پہلا طریقہ کیا کہیں گے ترجمہ کرتے ہوئے؟ وہ بہادر آدمی، وہ بہادر آدمی۔ دوسرا طریقہ «الرَّجُلُ الشُّجَاعُ» اسی کا دوسرا طریقہ کیا ترجمہ کرنے کا؟ وہ آدمی جو کہ بہادر ہے، شاباش شاباش۔ اور نکرہ میں اب دیکھو: «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، پہلا طریقہ: بہادر آدمی، اور دوسرا طریقہ «رَجُلٌ شُجَاعٌ»؟ ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے، شاباش۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اب دیکھیے کتاب پر آیئے: «اَلْكَلَامُ لَفْظٌ تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ»۔ دیکھو لفظٌ آیا نکرہ، نکرہ کے بعد تضمن فعل آیا، فعل اپنے فاعل سے مل کر کیا بنے گا؟ جملہ، اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے۔ لہٰذا یہ نکرہ کے بعد نکرہ آگیا تو یہ آپس میں کیا بنیں گے؟ موصوف صفت، اور موصوف صفت کا پھر یہاں ایسے موقع پر عموماً وہ ایسا یا ایسی کے ساتھ ترجمہ بڑا بہترین بنتا ہے۔ «اَلْكَلَامُ»، کلام جو ہے، «لَفْظٌ»، ایسا لفظ ہے، «تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ»، جو مشتمل

ہو دو کلموں پر، «بِالْإِسْنَادِ»، کس کے ساتھ؟ اسناد کے ساتھ۔ یعنی اس میں اسناد کا ہونا ضروری، یعنی ایک مسند الیہ ہو اور ایک کیا ہو؟ مسند ہو، کیونکہ کلام بغیر مسند اور مسند الیہ کے پورا نہیں ہوتا۔ کلام جب بھی پورا ہو گا کس کے ساتھ ہو گا؟ مسند اور مسند الیہ۔ اور مسند کس کو کہتے ہیں؟ جس کا اسناد کیا گیا، اور مسند الیہ کسے کہتے ہیں؟ جس کی طرف اسناد کیا گیا۔ تو اسناد ہو گا تو ایک مسند بنے گا ایک مسند الیہ بنے گا، معلوم ہوا کہ کلام اسناد کے بغیر نہیں بھائی، چاہے دو لفظ ہوں چاہے دس لفظ ہوں، جب تک درمیان میں اسناد نہیں آئے گا کلام پورا نہیں ہو گا، کلام پورا نہیں ہو گا۔ تو کہتے ہیں: «اَلْكَلَامُ لَفْظٌ تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ»، کلام ایسا لفظ ہے جو مشتمل ہوتا ہے دو کلموں پر اسناد کے ساتھ۔

لفظٌ سے آپ کے ذہن میں اشکال نہ آئے: کلام ایسا لفظ ہے، کہ لفظ تو مفرد ہے اور آگے کہہ رہے ہیں دو کلمے ہیں، کتنے کلمے ہوں گے؟ دو، اور لفظ تو کیا ہے؟ مفرد۔ یہ کہہ رہے ہیں نا کلام ایسا لفظ ہے تو آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ لفظ تو کیا ہے؟ مفرد، لفظ سے تو پتہ چلا کلام ایک لفظ ہو گا اور آگے کلمتین سے پتہ چلا کتنے لفظ ہوں گے؟ دو، نہیں بھائی نہیں، ایسا نہیں ہے۔ یہ لفظ مصدر ہے، مصدر ہے، اور مصدر اسمِ جنس ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ اسمِ جنس، اور اسمِ جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پہ ہوتا ہے، لہٰذا لفظٌ کا بھی اطلاق سب پہ ہو سکتا ہے۔ دو دو کلمے ہوں پھر بھی ہم کہیں گے یہ لفظ، ایک ہو پھر بھی کہیں گے لفظ ہے، دو کلمے ہوں پھر بھی کیا کہیں گے؟ یہ لفظ ہے، تین ہوں پھر بھی کیا کہیں گے؟ یہ لفظ ہے، چار ہوں پھر بھی کیا کہیں گے؟ یہ لفظ ہے۔ تو لفظ کیا ہے؟ مصدر، اور مصدر کیا ہوتا ہے؟ اسمِ جنس، اور اسمِ جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، چاہے ایک لفظ ہو چاہے دو ہوں چاہے تین ہوں چاہے چار ہوں، سب کو کیا کہیں گے؟ لفظ کہیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کلام ایسا لفظ ہے جو مشتمل ہوتا ہے دو کلموں پر اسناد کے ساتھ، یعنی اس میں اسناد ہوتا ہے۔

یاد رکھیے چاہے دو کلمے حقیقتاً ہوں، چاہے دو کلمے حکماً ہوں۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، زیدٌ مسند الیہ یعنی مبتدا، قائمٌ اس کی خبر یعنی مسند، مسند۔ اور تو یہ پورا کلام ہوا، کیونکہ قائمٌ کا اسناد کس کی طرف ہے؟ زید کی طرف، تو اسناد آگیا۔ اور یہ دو کلمے «زَيْدٌ قَائِمٌ»، حقیقتاً دو کلمے ہیں: زید الگ کلمہ، قائم الگ کلمہ۔ تو حقیقتاً کتنے کلمے ہیں اس کلام کے اندر؟ دو۔ تو کبھی کلام کے اندر حقیقتاً دو یا زیادہ، کم از کم دو ہونے چاہییں بھائی، سمجھ میں آئی بات؟ کلمتین سے یہ نہ کہیں کہ کلام میں ہمیشہ دو ہی کلمے ہوں گے، بلکہ میں کہتا ہوں: «زَيْدٌ قَائِمٌ فِي الدَّارِ»، دیکھو یہ بھی کلام ہے یا نہیں؟ تو کم از کم دو کلمے ضرور ہونے چاہییں، کلمتین کا یہ معنی، کم از کم کتنے چاہیے؟ دو، کیونکہ ایک نے کیا بننا ہے؟ مسند الیہ، دوسرے نے کیا بننا ہے؟ مسند بننا ہے۔ تو یہ دو کلمے کبھی تو حقیقتاً ہوں گے جیسے «زَيْدٌ قَائِمٌ»، اور کبھی کبھار یہ حکماً دو کلمے ہوں گے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: «اِضْرِبْ»، تو «اِضْرِبْ» لفظوں کے اعتبار سے ایک کلمہ ہے، لیکن اس کے اندر انتَ ضمیر ہے، ہے یا نہیں؟ یہ مخاطب کا صیغہ ہے، اس کے اندر انتَ ضمیر ہے جو کہ مسند الیہ ہے، تو لہٰذا یہ حکماً دو کلمے ہیں، کیا ہیں؟ اور یہ پورا کلام ہے، «اِضْرِبْ» کیا ہے؟ پورا کلام ہے: اضرب فعل، انت ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا کیونکہ امر ہے اور امر کس کی قبیل سے ہے؟ انشاء کی قبیل سے۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

جی، تو لفظٌ سے اشکال تو اب ذہن میں نہیں آئے گا بھائی، اور دوسرا کلمتین کا کیا معنی؟ دو ہی ہونا ضروری ہیں یا کم از کم دو ہوں گے؟ کم از کم دو ہوں گے، اور حقیقتاً بھی دو ہو سکتے ہیں اور حکماً بھی دو ہو سکتے ہیں، اور نیز ان دو کلموں میں کیا ہونا ضروری؟ اسناد کا ہونا ضروری ہے بھائی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے: اسناد کسے کہتے ہیں بھائی؟ اسناد کسے کہتے ہیں؟ تو اسناد کی بھی آگے تعریف کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَالْإِسْنَادُ نِسْبَةُ إِحْدَى الْكَلِمَتَيْنِ إِلَى الْأُخْرَى، بِحَيْثُ تُفِيدُ الْمُخَاطَبَ فَائِدَةً تَامَّةً»۔ اسناد کہتے ہیں نسبت کرنا «إِحْدَى الْكَلِمَتَيْنِ» دو کلموں میں سے ایک کی «إِلَى الْأُخْرَى» دوسرے کی طرف، «بِحَيْثُ» اس طور پر، «تُفِيدُ الْمُخَاطَبَ فَائِدَةً تَامَّةً» کہ وہ فائدہ دے وہ مخاطب کو «فَائِدَةً تَامَّةً»، کس قسم کا فائدہ؟ پورا فائدہ۔ اسناد کسے کہتے ہیں؟ بھائی دیکھیے یہ دو کلمے ہیں آپ کے پاس، دو کلمے ہیں، تو اسناد کہتے ہیں ایک کلمے کی نسبت کرنا دوسرے کی طرف اس طور پر کہ سننے والے کو پورا فائدہ حاصل ہو، سننے والے کو پورا فائدہ۔ یعنی یوں کہو آسان لفظوں میں: اس کو بات پوری سمجھ میں آجائے، پورا فائدہ حاصل ہونے کا کیا معنی؟ اس کو بات پوری سمجھ میں آجائے، یہ نہ وہ کہے کہ مجھے بات نہیں سمجھ میں آئی آپ نے کیا کہا ہے۔ میں نے آپ سے کہا: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، زید کھڑا ہے، بات پوری سمجھ میں آگئی یا نہیں آگئی آپ کو؟ پوری بات سمجھ میں آگئی۔ میں نے آپ سے کہا: «اِضْرِبْ»، اضرب کا کیا معنی؟ آپ پٹائی کریں، آپ ماریں۔ دیکھو بات پوری سمجھ میں آگئی یا نہیں؟ معلوم ہوا میں آپ سے ضرب طلب کر رہا ہوں کہ اس شخص کی کیا کرو؟ پٹائی کرو، تو بات پوری سمجھ میں آگئی آپ کو۔ تو یہ یہ ہے فائدۂ تامہ کہ مخاطب کو کیا حاصل ہوا؟ پورا فائدہ، یعنی کیا معنی پورا فائدہ حاصل ہوا؟ اس کو پوری بات سمجھ میں آجائے!

اب مجھے بتاؤ میں آپ کے سامنے کلام کرتا ہوں، آپ مجھے بتائیں کہ یہ کلام ہے یا کلام نہیں: وہ آدمی جس کو آپ نے کل میرے ساتھ مسجد میں دیکھا تھا،

اب بتائیں بات پوری سمجھ میں آگئی؟ وہ آدمی جس کو آپ نے کل میرے ساتھ مسجد میں دیکھا تھا، کیا بات سمجھ میں آئی؟ دیکھو یہ تھا اور ہے کی وجہ سے دھوکے میں نہ پڑ جانا، آپ کہیں یہ شاید پورا کلام ہے آخر میں تھا آرہا ہے یا آخر میں ہے آرہا ہے، نہیں نہیں نہیں۔ دیکھو یہ نامکمل کلام ہے: وہ آدمی جس کو آپ نے کل میرے ساتھ دیکھا تھا وہ بہت بڑا عالمِ دین ہے، اب بات پوری ہوئی۔ پہلے پوری تھی؟ نہیں، پہلے ادھوری، ہاں میں نے آپ کو اس آدمی کی پہچان تو کروادی: وہ آدمی جس کو آپ نے کل میرے ساتھ مسجد میں دیکھا تھا، آپ کہیں گے ہاں اب بات تو پوری کریں اس کو کیا ہوا؟ آدمی آپ کے ذہن میں آگیا یا نہیں؟ جب دیکھو جب میں نے پہلا جزء کہا نا صرف وہ آدمی آپ کے ذہن میں آیا، میں نے آپ سے یہ کہا: وہ آدمی جو کل آپ نے میرے ساتھ مسجد میں دیکھا تھا، ہاں اب وہ آدمی آپ کے ذہن میں آگیا، آگے کیا بات کر رہا ہوں وہ تو میں نے کی ہی نہیں ابھی، ہاں وہ اب میں آگے کہتا ہوں وہ بہت بڑا عالمِ دین ہے، اب کیا ہوئی؟ بات پوری ہوگئی۔ تو لفظوں کو نہیں دیکھنا آپ نے، سمجھ میں آئی بات؟ کہ حکم کیا لگایا جارہا ہے ایک کیا خبر دی جارہی ہے یا کیا حکم دیا جارہا ہے، وہ بات پوری آپ کو سمجھ میں آجائے۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

جی، دوبارہ دہراؤ بھائی: کلام کسے کہتے ہیں؟ کلام ایسا لفظ ہے جو مشتمل ہو دو کلموں پر بالاسناد، کس کے ساتھ؟ اسناد کے ساتھ۔ یہ تعریف آپ کو زبانی یاد ہونی چاہیے۔ اسناد کی آگے تعریف کی، وہ بھی آپ کو زبانی یاد ہونی چاہیے کہ «وَالْإِسْنَادُ نِسْبَةُ إِحْدَى الْكَلِمَتَيْنِ إِلَى الْأُخْرَى، بِحَيْثُ تُفِيدُ الْمُخَاطَبَ فَائِدَةً تَامَّةً»، کہ اسناد کہتے ہیں ایک کلمے کی نسبت کرنا دوسرے کی طرف کہ اس طور پر کہ وہ مخاطب کو پورا فائدہ دے دے، پورا فائدہ دے دے۔ یعنی اس کو کیا معنی پورا فائدہ دے؟ میں نے آسان لفظوں میں کیا بتایا؟ اس کو پوری بات سمجھ میں آجائے کہ یہ آدمی کیا کہنا چاہتا ہے، کیا کہہ رہا ہے۔

خود آگے بتا رہے ہیں: «يَصِحُّ السُّكُوتُ عَلَيْهَا»، یاد رکھیے یہ فائدۂ تامہ کی تعریف کر رہے ہیں، کہ فائدۂ تامہ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «يَصِحُّ السُّكُوتُ عَلَيْهَا»، جس پر سکوت کرنا یعنی خاموش ہو جانا صحیح ہو۔ میں نے آپ سے کہا: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، اب میں خاموش ہو گیا، بات پوری کر دی۔ آپ کو سمجھ میں آگئی کہ نہیں آگئی؟ معلوم ہوا یہ فائدۂ تامہ ہے یہاں پر، بات پوری سمجھ میں آرہی ہے، بات پوری سمجھ میں آرہی ہے۔ اگر میں نے میں صرف آپ سے یہ کہتا ہوں: وہ آدمی جس کو آپ نے کل مسجد میں میرے ساتھ دیکھا تھا، اب اس پر سکوت کرنا صحیح نہیں، وہ آدمی تو آپ کے ذہن میں آگیا لیکن کیا بات کی ہے اس کے اس کو ہوا کیا ہے، وہ زندہ ہے، مر گیا ہے، کہیں چلا گیا ہے، بات تو میں نے پوری کی ہی نہیں، میں نے تو صرف آدمی کی پہچان کروائی آپ کو: وہ آدمی جو کل آپ نے میرے ساتھ مسجد میں دیکھا تھا، اب آپ فوراً کہیں گے بھائی بات تو آپ پوری کریں اس کو کیا ہوا؟ پھر آگے جب میں بتاؤں گا کہ وہ لاہور چلا گیا ہے، یا وہ میرا بھائی ہے، یا وہ بڑا عالمِ دین ہے، جو بھی آگے خبر آئے گی پھر بات کیا ہو جائے گی؟ پوری ہو جائے گی، آپ کو بات سمجھ میں آگئی۔ بات سمجھ میں آگئی سب کو؟ اسناد کسے کہتے ہیں کہ ایک کلمے کی نسبت ہو دوسرے کلمے کی طرف اس طور پر کہ مخاطب کو کیا ہو؟ فائدۂ تامہ حاصل ہو۔ کیا معنی فائدۂ تامہ؟ کہ اس کو پوری بات سمجھ میں آجائے، پوری بات سمجھ میں آجائے۔

چنانچہ وہ فائدۂ تامہ کسے کہتے ہیں اس کی بھی آگے تعریف کر دی کہ فائدۂ تامہ وہ ہے: «يَصِحُّ السُّكُوتُ عَلَيْهَا»، کہ اس پر سکوت کرنا صحیح ہو یعنی خاموش ہو جانا صحیح ہو کیونکہ پوری بات ہو چکی ہے۔

اب دوبارہ ترجمہ ذرا سن لو: کہتے ہیں: «وَالْإِسْنَادُ نِسْبَةُ إِحْدَى الْكَلِمَتَيْنِ إِلَى الْأُخْرَى، بِحَيْثُ تُفِيدُ الْمُخَاطَبَ فَائِدَةً تَامَّةً يَصِحُّ السُّكُوتُ عَلَيْهَا»، اور اسناد وہ نسبت کرنا ہے دو کلموں میں سے ایک کی الی الاخریٰ ای الی الکلمۃ الاخریٰ دوسرے کلمے کی طرف، بحیث تفید المخاطب اس طور پر کہ وہ فائدہ دے مخاطب کو، فائدۃ تامۃ ایسا پورا فائدہ، یصح السکوت علیہا کہ اس پر سکوت کرنا صحیح ہو۔ سمجھ میں آیا؟ دیکھو فائدۃً موصوف، تامۃً اس کی صفتِ اول، اور پھر آگے ایک اور یصح فعل آگیا یہ اس کی صفتِ ثانی۔ سمجھ میں آیا؟ تو لہٰذا اب ہم دونوں طریقے استعمال کر لیتے ہیں ترجمے کے: نکرہ ہے نا، فائدہ بھی نکرہ، تامۃ بھی نکرہ، یصح السکوت علیہا یہ پورا جملہ ہے اور جملہ بھی کس کے حکم میں؟ نکرہ کے، تین نکرہ اکٹھے آگئے۔ لہٰذا پہلا بنے گا موصوف، بعد والے اس کی صفت۔ اور موصوف صفت اگر نکرہ ہوں ترجمہ کرنے کا کیا طریقہ تھا اردو میں؟ صفت وہ نہیں لانا، وہ معرفہ میں لاتے ہیں۔ صفت کو کیا کر دو موصوف پر مقدم، ایک طریقہ۔ دوسرا کیا تھا؟ صفت کو مؤخر ہی رہنے دو، موصوف کو مقدم ہی رہنے دو، جیسے عربی میں تھے اسی طرح رکھو، لیکن موصوف سے پہلے کیا لے آؤ؟ ایسا یا ایسی، نکرہ کے اندر۔ معرفہ میں وہ لانا تھا اور نکرہ میں ایسا یا ایسی۔ اب دو صفتیں آگئیں، لہٰذا اب ہم دونوں طریقے ملا کر استعمال کر لیتے ہیں، کس طرح؟ «تَامَّةً» اس کو اٹھا کر فائدہ پر مقدم کر دو اردو میں: «فَائِدَةً تَامَّةً»، کیا ترجمہ ہوا؟ پورا فائدہ۔ تامہ کا کیا معنی ہوتا ہے؟ پورا۔ «فَائِدَةً تَامَّةً»، اردو میں کیا ترجمہ ہوا؟ پورا فائدہ۔ اور دوسرے کے لیے ہم شروع میں ایسا لے آتے ہیں: ایسا پورا فائدہ «يَصِحُّ السُّكُوتُ عَلَيْهَا» کہ اس پر سکوت کرنا صحیح ہو۔ یہ ضابطے یاد رکھو، آپ کو ترجمے میں بہت آسانی ہو جائے گی، جوں جوں آپ آگے جائیں گے ان کو یاد کرتے جائیں، قدم قدم پر آپ دیکھیں گے نکرہ کے بعد فعل

آرہا ہے، نکرہ کے بعد فعل آرہا ہے، وہ موصوف صفت بنیں گے اور وہاں اس طرح ایسا یا ایسی کے ساتھ ترجمہ کرتے جانا۔

■ قولہ: «نَحْوُ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح

«نَحْوُ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» »، جیسے کہ «زَيْدٌ قَائِمٌ»۔ دیکھو زید مبتدا، قائم اس کی خبر، تو قائم کا اسناد کس کی طرف؟ زید کی طرف، زید کھڑا ہے۔ تو دیکھو یہ جملہ اسمیہ کی مثال ہے، جملہ اسمیہ جس کا پہلا جزء کیا ہو؟ اسم۔

«وَ«قَامَ زَيْدٌ» »، یہ جملہ فعلیہ کی مثال: قام فعل، زید اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دونوں مثالیں ذکر کر دیں، اور دونوں کے اندر اسناد ہے، بغیر اسناد کے جملہ بن ہی نہیں سکتا بھائی۔

«وَيُسَمَّى جُمْلَةً»، اور اس کو جملہ بھی کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ کلام کو جملہ بھی کہتے ہیں۔

فَعُلِمَ أَنَّ الْكَلَامَ لَا يَحْصُلُ إِلَّا مِنِ اسْمَيْنِ، نَحْوُ: زَيْدٌ قَائِمٌ، وَيُسَمَّى جُمْلَةً اسْمِيَّةً، أَوْ مِنْ فِعْلٍ وَاسْمٍ، نَحْوُ: قَامَ زَيْدٌ، وَيُسَمَّى جُمْلَةً فِعْلِيَّةً، إِذْ لَا يُوجَدُ الْمُسْنَدُ وَالْمُسْنَدُ إِلَيْهِ مَعًا فِي غَيْرِهِمَا۔

بھائی دیکھیے، کلام کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ ایک مسند اور ایک مسند الیہ، اس کے بغیر کلام ہو سکتا ہے؟ نہیں۔ تو کلام کے لیے ہمیں مسند بھی چاہیے اور مسند الیہ بھی چاہیے۔

اب کلمہ کتنی قسم پر تھا؟ تین قسم پر: اسم، فعل اور حرف۔ اب ہمیں ان دو دو ہم دو دو کو ملاتے جائیں تو چھ صورتیں بنتی ہیں۔ اور چھ میں سے صرف دو کے اندر کلام حاصل ہوتا ہے، باقی چار کے اندر کلام حاصل ہوتا ہی نہیں۔

کلام کے لیے کتنے کلمے کم از کم چاہیے؟ دو۔ کلام کے لیے کتنے کلمے ہمیں چاہیے؟ دو۔ تین کیوں؟ دو، کلام کے لیے کتنے کلمے ہمیں چاہیے؟ دو، کم از کم دو کلمے: «تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ»، کم از کم کتنے کلمے؟ دو کلمے چاہیے، اور اسم بھی کلمہ ہے یا نہیں؟ فعل بھی کیا ہے؟ کلمہ، حرف بھی کیا ہے؟ کلمہ۔ تو دو دو کو ملا کر دیکھتے جاؤ کس صورت میں کلام حاصل ہوتا ہے، کس صورت میں کلام حاصل نہیں ہوتا۔ دیکھو: دو اسم ہوں، ایک صورت۔ دونوں کلمے فعل ہوں، دوسری صورت۔ دونوں کلمے حرف ہوں، تیسری صورتیں ہو گئیں؟ اب ان کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑو: ایک کلمہ کیا ہو؟ اسم، دوسرا کیا ہو؟ فعل، چار صورتیں ہو گئیں۔ پانچویں صورت: ایک کلمہ فعل ہو اور دوسرا حرف ہو، کتنی ہو گئیں؟ پانچ صورتیں ہو گئیں، اور چھٹی صورت کیا؟ کہ ایک کلمہ اسم ہو اور ایک حرف ہو۔ آپ ان تینوں کو ملائیں نا، خود بعد میں آپ غور کر لینا، کتنی صورتیں بنتی ہیں؟ چھ۔ کلمے کم از کم کلام کے لیے کتنے چاہیے؟ دو، دو تو ضرور چاہیے، ایک نے مسند بننا ہے ایک نے مسند الیہ۔ تو کتنی صورتیں بنتی ہیں؟ چھ۔

نمبر ایک: دونوں کیا ہوں؟ اسم۔ دوسری صورت: دونوں کلمے ہی فعل ہوں۔ تیسری صورت: دونوں حرف ہوں۔ چوتھی صورت اب ان کو آپس میں ملاؤ ایک دوسرے کے ساتھ: ایک اسم اور ایک فعل۔ اچھا اور اگلی قسم: ایک فعل اور ایک حرف، اور چھٹی صورت: ایک اسم اور ایک حرف۔ اب دیکھو:

سب سے پہلی صورت: اگر دونوں اسم ہوں، دونوں کیا ہوں؟ اسم۔ تو کیا ہمیں مسند اور مسند الیہ دونوں مل جائیں گے؟ اسم کے علامتوں میں آپ نے پڑھا تھا کہ وہ مسند الیہ بن سکتا ہے، کیا بن سکتا ہے؟ مسند الیہ، اور نیز میں نے آپ کو بتایا تھا وہ مسند بھی بن سکتا ہے، مسند بھی۔ تو معلوم ہوا جب دونوں کیا ہوں؟ اسم، دونوں اسم ہوں، ہمیں مسند الیہ بھی مل سکتا ہے اور مسند بھی، کیونکہ اسم مسند الیہ بھی بنتا ہے اور مسند بھی بنتا ہے۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ»، زید کیا ہے؟ مسند الیہ، اور قائم کیا ہے؟ مسند۔ تو دیکھو دونوں مل کلام بن گیا یا نہیں بن گیا؟ دیکھا، معلوم ہوا دونوں اسم ہوں تو کلام بن سکتا ہے۔

دوسری صورت ایک نکال لیتے ہیں: دونوں اگر فعل ہوں، دونوں کیا ہوں دونوں کلمے؟ فعل۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ دونوں کلمے کیا ہوں؟ فعل۔ تو فعل کیا بنتا ہے؟ مسند الیہ بنتا ہے؟ نہیں، صرف کیا بنتا ہے؟ مسند، آپ نے پڑھا تھا: «أَنْ يَصِحَّ الْإِخْبَارُ بِهِ لَا عَنْهُ»، اخبار بہ تو اس کے ساتھ صحیح ہو اخبار عنہ صحیح نہ ہو۔ مسند بہ تو وہ بن سکتا ہے مسند الیہ؟ تو دونوں اگر ہمارے پاس فعل ہوں، دونوں کلمے، تو مسند بہ تو ہمیں مل سکتا ہے لیکن مسند الیہ نہیں مل سکتا، معلوم ہوا اس صورت میں کلام حاصل نہیں ہو سکتا۔

اگر دونوں کلمے حرف ہوں، تو حرف تو نہ مسند الیہ بنتا ہے نہ مسند بہ، اس صورت میں بھی کلام حاصل نہیں کیونکہ کلام کے لیے دونوں چاہیے: مسند بھی چاہیے اور مسند الیہ بھی۔

تیسری صورت: ایک اسم ہو اور ایک فعل ہو۔ «قَامَ زَيْدٌ»، قام فعل، زید اس کا فاعل۔ دیکھو قام مسند بن جائے گا اور زید کیا بن جائے گا؟ مسند الیہ، دیکھو اس صورت میں بھی کلام پورا حاصل ہو گیا۔

پانچویں صورت، پانچویں: فعل اور حرف۔ فعل مسند بہ تو بن جائے گا مسند الیہ تو نہیں، تو مسند بہ ہمیں مل گیا۔ آگے حرف نہ وہ مسند الیہ بن سکتا ہے نہ مسند بہ، معلوم ہوا اس صورت میں بھی کلام حاصل نہیں۔

اور آخری صورت کیا تھی؟ اسم اور حرف۔ اسم ٹھیک ہے وہ مسند یا مسند الیہ دونوں میں سے ایک بن جائے گا، لیکن حرف تو نہ مسند بن سکتا ہے نہ مسند الیہ، تو پھر بھی دیکھو کلام پورا حاصل نہیں۔

معلوم ہوا چھ صورتوں میں سے صرف دو صورتوں میں ہمیں کلام پورا حاصل ہو گا: یا دونوں اسم ہوں دونوں کلمے، یا ایک اسم اور ایک فعل ہو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہی بات ذکر کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں: «فَعُلِمَ»، پس یہ بات جان لی گئی، «أَنَّ الْكَلَامَ لَا يَحْصُلُ إِلَّا مِنِ اسْمَيْنِ»، کہ کلام وہ حاصل نہیں ہوتا مگر دو اسموں سے، «نَحْوُ: «زَيْدٌ قَائِمٌ»»، جیسے «زَيْدٌ قَائِمٌ»، «وَيُسَمَّى جُمْلَةً اسْمِيَّةً»، اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ جملہ اسمیہ۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ»، جملہ اسمیہ وہ ہے جس کا پہلا جزء کیا ہو؟ اسم ہو۔ اور اس کو جملہ اسمیہ کہتے ہیں۔ «أَوْ مِنْ فِعْلٍ وَاسْمٍ»، یا کلام حاصل نہیں ہو گا مگر کس سے؟ فعل اور اسم سے، «نَحْوُ: «قَامَ زَيْدٌ»»، جیسے «قَامَ زَيْدٌ»، «وَيُسَمَّى جُمْلَةً فِعْلِيَّةً»، اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ جملہ فعلیہ، جس میں ایک فعل ہو اور ایک فاعل یا نائب فاعل ہو۔

بھائی صرف انہی کلام کلام صرف انہی دو صورتوں میں حاصل ہو گا: یا دونوں کیا ہوں؟ اسم، یا ایک اسم اور ایک فعل ہو۔ باقی صورتوں میں کلام حاصل نہیں ہو گا، کیوں نہیں ہو گا؟ وجہ مجھے آپ بتائیں۔ کیونکہ باقی صورتوں میں مسند اور مسند الیہ دونوں ہمیں نہیں ملتے، اور ہمیں تو کلام کے لیے دونوں چاہییں۔ یہی وجہ ذکر کر رہے ہیں: «إِذْ لَا يُوجَدُ الْمُسْنَدُ وَالْمُسْنَدُ إِلَيْهِ مَعًا فِي غَيْرِهِمَا»، اس لیے کہ مسند اور مسند الیہ معاً اکٹھے نہیں پائے جاتے، «لَا يُوجَدُ» کیونکہ نہیں پائے جاتے مسند اور مسند الیہ معاً اکٹھے «فِي غَيْرِهِمَا» ان دو صورتوں کے علاوہ۔ ان دو صورتوں کے علاوہ کے علاوہ مسند اور مسند الیہ اکٹھے نہیں پائے جاتے، حالانکہ دونوں کا اکٹھے ہونا ضروری ہے پھر ہی کلام بنے گا۔ «وَلَا بُدَّ لِلْكَلَامِ مِنْهُمَا»، اور ضروری ہے، لابد کا معنی ضروری، اور ضروری ہے کلام کے لیے منھما ان دونوں کا ہونا یعنی مسند کا بھی اور مسند الیہ کا بھی ہونا ضروری ہے بھائی۔

تو خلاصۂ کلام یہ ہوا آج کے سبق کا: کہ آپ نے کلام کی تعریف پڑھی: «الْكَلَامُ لَفْظٌ تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ»۔ اور پھر آپ نے اسناد کی تعریف پڑھی، یاد رکھیے یہ دونوں عربی میں آپ نے یاد کرنی ہیں تعریفیں بھائی، یاد کرنی ہیں۔ اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بتایا کہ دو کلمے ہونے کی چھ صورتیں بنتی ہیں، اور چھ میں سے صرف کتنی صورتوں میں کلام حاصل ہوتا ہے؟ دو میں، کیونکہ کلام کے لیے کیا ضروری ہے؟ مسند اور مسند الیہ دونوں کا ہونا ضروری ہے، اور باقی چار صورتوں میں یہ دونوں ہمیں نہیں ملتے اس لیے ان صورتوں میں کلام حاصل نہیں ہو گا۔

چلیے، بس بھائی بس۔ «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

اَلْقِسْمُ الْأَوَّلُ فِي الِاسْمِ — اَلْبَابُ الْأَوَّلُ فِي الِاسْمِ الْمُعْرَبِ

معرب کا حکم، تعریفِ اعراب، اصنافِ اعرابِ اسم کی نو قسمیں اور غیر منصرف کے نو اسباب (اسباق ۸ تا ۱۹)

سبق نمبر ۸: القسم الأول في الاسم—الباب الأول: اسمِ معرب کی تعریف اور شرائط

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۱—بتاریخ: ۹ ستمبر ۲۰۱۴ء

- **متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)**

فَإِنْ قِيلَ: قَدْ نُقِضَ بِالنِّدَاءِ، نَحْوُ: يَا زَيْدُ، قُلْنَا: حَرْفُ النِّدَاءِ قَائِمٌ مَقَامَ أَدْعُو وَأَطْلُبُ، وَهُوَ الْفِعْلُ، فَلَا نَقْضَ عَلَيْهِ.

وَإِذَا فَرَغْنَا مِنَ الْمُقَدِّمَةِ فَلْنَشْرَعْ فِي الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ، وَاللَّهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِينُ.

- **متن و فصل:** الْقِسْمُ الْأَوَّلُ فِي الِاسْمِ، وَقَدْ مَرَّ تَعْرِيفُهُ،...

الْقِسْمُ الْأَوَّلُ فِي الِاسْمِ، وَقَدْ مَرَّ تَعْرِيفُهُ، وَهُوَ يَنْقَسِمُ إِلَى الْمُعْرَبِ وَالْمَبْنِيِّ، فَلْنَذْكُرْ أَحْكَامَهُ فِي بَابَيْنِ وَخَاتِمَةٍ.

- **متن و فصل:** الْبَابُ الْأَوَّلُ فِي الِاسْمِ الْمُعْرَبِ، وَفِيهِ مُقَدِّ...

الْبَابُ الْأَوَّلُ فِي الِاسْمِ الْمُعْرَبِ، وَفِيهِ مُقَدِّمَةٌ وَثَلَاثَةُ مَقَاصِدَ وَخَاتِمَةٌ.

أَمَّا الْمُقَدِّمَةُ فَفِيهَا فُصُولٌ:

- **متن و فصل:** فَصْلٌ فِي تَعْرِيفِ الِاسْمِ الْمُعْرَبِ: وَهُوَ كُلُّ اسْم...

فَصْلٌ فِي تَعْرِيفِ الِاسْمِ الْمُعْرَبِ: وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ، وَلَا يُشْبِهُ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ، كَالْحَرْفِ، وَالْأَمْرِ الْحَاضِرِ، وَالْمَاضِي، نَحْوُ: زَيْدٌ فِي قَامَ زَيْدٌ، لَا زَيْدٌ وَحْدَهُ، لِعَدَمِ التَّرْكِيبِ، وَلَا هَؤُلَاءِ فِي قَامَ هَؤُلَاءِ، لِوُجُودِ الشَّبَهِ، وَيُسَمَّى مُتَمَكِّنًا.

اچھا بھائی، گزشتہ سبق کے اندر کلام کی تعریف آپ نے پڑھی تھی کہ «الْكَلَامُ لَفْظٌ تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ»، کہ کلام ایسا لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ اسناد کے ساتھ۔ اور آپ نے پڑھا تھا اسناد کسے کہتے ہیں: «نِسْبَةُ إِحْدَى الْكَلِمَتَيْنِ إِلَى الْأُخْرَى، بِحَيْثُ تُفِيدُ الْمُخَاطَبَ فَائِدَةً تَامَّةً»۔ اسناد یہ ہے کہ دو کلموں میں سے ایک کی نسبت کی جائے دوسرے کی طرف، اس طور پر کہ مخاطب کو کیا حاصل ہو؟ پورا فائدہ۔ پورا فائدہ حاصل ہونے کا کیا معنی؟ یعنی اس کو پوری بات سمجھ میں آجائے، کہ اس پر سکوت کرنا یعنی خاموشی کرنا صحیح ہو، یعنی اس پر اگر آپ خاموش بھی ہو جائیں اس کو بات پوری سمجھ میں آجائے۔

اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کلام میں جب دو کلمے ہیں تو دو کلموں کے ہونے کی چھ صورتیں بنتی ہیں، کتنی؟ چھ صورتیں۔ یا دونوں اسم ہوں، یا دونوں فعل ہوں، یا دونوں حرف ہوں، یا ایک اسم ہو ایک فعل ہو، یا ایک اسم ہو ایک حرف ہو، یا ایک فعل ہو اور ایک حرف ہو۔ تو چھ صورتیں بنتی ہیں۔ لیکن ان چھ میں سے صرف کتنی کے اندر کلام حاصل ہوتا ہے؟ صرف دو میں کلام حاصل ہوتا ہے، اور وہ جب دونوں اسم ہوں، یا ایک اسم اور ایک فعل ہو۔ صرف ان دو صورتوں میں کلام حاصل ہوتا ہے، کیونکہ باقی صورتوں میں مسند اور مسند الیہ دونوں یا دونوں میں سے ایک ہمیں نہیں ملتا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وہ ہو ہی نہیں سکتا، لہٰذا تو ان دو صورتوں میں کلام ہوتا ہے۔

اب اس پر کوئی اعتراض کرنے والا اعتراض اور اشکال کرتا ہے کہ آپ نے ہمیں کیا کہا کہ کلام ہمیشہ دو اسموں سے بنے گا، یا ایک اسم اور ایک فعل سے؟ ہم آپ کو دکھاتے ہیں: ایک حرف اور ایک اسم سے بھی کلام حاصل ہو رہا ہے۔ آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ دو اسم چاہیے یا ایک اسم اور ایک فعل، معلوم ہوا ایک حرف ہو اور ایک اسم ہو تو کلام نہیں ہونا چاہیے حاصل، لیکن ہم آپ کو دکھاتے ہیں اس سے بھی کلام حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں کسی کو نداء دیتے ہیں: «يَا زَيْدُ»، دیکھو یہ کلام ہے: «يَا زَيْدُ»، اے زید! یہ کیا ہے؟ کلام ہے۔ یہ نداء ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ نداء کہتے ہیں، تو یہ کلام ہے۔ دوسرا سمجھ گیا یا نہیں سمجھ گیا کہ مجھے بلا رہا ہے، مجھے آواز دے رہا ہے؟ سمجھ گیا، تو یہ تو کلام ہے۔ اور یا زید: یا دیکھو حرف ہے، حرفِ نداء ہے، اور زید اسم ہے، تو ایک حرف اور ایک اسم سے کلام حاصل ہو رہا ہے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ آپ نے تو کیا کہا تھا کلام صرف کس سے حاصل ہو گا؟ دو اسم یا ایک اسم اور ایک فعل، ہم نے آپ کو دکھا دیا کہ ایک حرف اور ایک اسم سے بھی کلام حاصل ہو رہا ہے۔

تو اس کا جواب دیں گے کہ بھائی یہ جو یا حرفِ نداء ہے نا، یہ قائم مقام ہے «أَدْعُو» کے، یا یہ قائم مقام ہے «أَطْلُبُ» کے۔ تو اصل کلام یوں ہے: «أَدْعُو زَيْدًا»۔ دَعَا يَدْعُو کے معنی بلانے کے، طلب کرنے کے: «أَدْعُو»، میں بلا رہا ہوں، متکلم کا صیغہ ہے نا، میں بلا رہا ہوں «زَيْدًا» کس کو؟ زید کو، دیکھو بات پوری ہے۔ یا «أَطْلُبُ زَيْدًا»، میں زید کو طلب کر رہا ہوں، زید کو طلب کر رہا ہوں۔ تو یا کس کے قائم مقام؟ ادعو فعل کے یا اطلبُ فعل کے۔ اور ادعو فعل، انا ضمیر اس کے اندر فاعل، اور زیداً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ مفعول۔ ادعو تو یہ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ اسی طرح اطلبُ زیداً: اطلبُ فعل، انا ضمیر اس کے اندر فاعل، اور زیداً گیا بنا؟ مفعول۔ تو لہٰذا یہ کلام حاصل ہوا پورا بھائی۔

تو جواب انہوں نے کیا دیا؟ کہ یا کس کے قائم مقام ہے؟ ادعو یا اطلبُ کے، اور ادعو یا اطلبُ کیا ہے؟ فعل ہے۔ اور اس کے اندر ضمیر کون سی؟ انا، وہ کیا ہے؟ اسم ہے۔ تو کلام کس سے حاصل ہو رہا ہے؟ ایک فعل اور ایک اسم سے، اور وہی بات ہماری والی ہو گئی، ہم نے بھی کیا کہا تھا کلام کے لیے کم از کم کیا چاہیے؟ دو اسم، یا ایک فعل اور ایک اسم، اور یہاں کیا آگیا؟ ایک فعل اور ایک اسم آگیا بھائی۔ جواب سمجھ میں آیا؟ کہ یا حرفِ نداء قائم مقام ادعو یا اطلبُ کے ہے اور اس کے اندر انا ضمیر ہے۔

تو اس پر پھر اشکال ہوا۔ پھر اشکال ہوا: ٹھیک ہے ہم اپ کی بات ہم اپ کی مان لیتے ہیں، یا کس کے قائم مقام ہے؟ ادعو یا اطلبُ کے۔ پھر تو صرف اکیلے یا سے ہی کلام حاصل ہو رہا ہے، یہ زید تو بیکار ہے۔ «يَا زَيْدُ»: یا کس کے قائم مقام؟ ادعو یا اطلبُ کے، اور ادعو فعل، اسی کے اندر انا ضمیر فاعل: میں طلب کر رہا ہوں، میں بلا رہا ہوں، «زَيْدًا»، زید تو کیا بن رہا ہے؟ مفعول۔ زید کیا بن رہا ہے؟ مفعول، اور یاد رکھو مفعول جو ہوتا ہے نا یہ فضلہ ہوتا ہے، زائد چیز، کیا ہوتا ہے؟ فضلہ، فضلہ ہوتا ہے زائد چیز۔ اس کو کلام سے ختم بھی کر دیں کلام پھر بھی پورا کلام ہے، مثلاً میں کہتا ہوں مثلاً: «أَطْلُبُ زَيْدًا»، زید کو ذرا ختم کر دو: «أَطْلُبُ»، میں طلب کر رہا ہوں، بات سمجھ میں آرہی ہے یا نہیں آپ کو؟ تو مفعول تو فضلہ ہوتا ہے، زائد ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ دوبارہ سنو: «يَا زَيْدُ»، اس میں سے یا کو ذرا پکڑیں، یا کس کے قائم مقام؟ ادعو یا اطلبُ کے، اور آگے زیداً جو ہے وہ اس کا مفعول ہے، اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ فضلہ، زائد چیز ہوتی ہے، تو اس کو تو حذف بھی کر دیں پھر بھی کلام پورا کلام ہے، فعل اور فاعل چاہیے تھا وہ پورا ہے۔ تو آپ کی بات اگر مان لی جائے تو اس کا مطلب ہے یا زید میں صرف جو یا ہے نا اسی سے پورا کلام حاصل ہو رہا ہے، صرف یا سے ہی کیا ہو رہا ہے؟ پورا کلام ہے، حالانکہ یا اس کو کوئی کلام کوئی بھی نہیں کہتا اس کو کلام! آپ کی بات اگر مان

لی جائے تو صرف یا کو ہی کیا کہنا چاہیے؟ کلام، کیوں کہنا چاہیے؟ کیونکہ یا کس کے قائم مقام؟ اطلبُ کے، اور اطلبُ فعل اس کے اندر انا ضمیر فاعل، تو یا ان دونوں کے قائم مقام ہوئی تو یا سے ہی صرف کلام حاصل ہونا چاہیے، اشکال سمجھ بھی آرہا ہے کہ نہیں آیا؟ صرف یا سے ہی کیا ہونا چاہیے؟ پورا کلام حاصل ہونا چاہیے، حالانکہ صرف یا کو کوئی بھی کلام نہیں کہتا۔ «يَا زَيْدُ»، منادیٰ آگے آئے پھر اس کو کلام کہتے ہیں، منادیٰ آگے نہ ہو تو اس کو کلام بھی نہیں کہتے۔ اچھی طرح سمجھ میں آیا اشکال؟

تو جواب یہ ہے، جواب یہ ہے کہ بھائی دیکھیے اصل «يَا زَيْدُ»، اصل میں کیا تھا؟ «أَطْلُبُ زَيْدًا»، «أَطْلُبُ زَيْدًا»، ٹھیک ہے زید أفضلہ ہے، زائد چیز ہے۔ لیکن جب ہم نے اطلبُ کو حذف کیا یا ادعو کو کیا کیا؟ حذف، تو فعل جو تھا یا کو اس کا قائم مقام بنایا، اور ادعو اور اطلبُ کے اندر جو انا ضمیر تھی اس کو جب ہم نے حذف کیا تو زید کو اس کا قائم مقام بنا دیا، کیا بنا دیا؟ قائم مقام۔ یا کو کس کا قائم مقام بنایا؟ ادعو یا اطلبُ کا، ادعو یا اطلبُ کو ختم کیا یا نہیں کیا؟ اس کی جگہ کیا لے آئے؟ یا، اور جب اطلبُ اور ادعو گئے تو ان کے ساتھ انا ضمیر جو ان کے اندر تھی وہ بھی ختم ہوئی یا نہ ہوئی؟ ہوئی، تو یہ زید کو ہم نے اس انا ضمیر یعنی فاعل کی ضمیر کے قائم مقام کر دیا، لہٰذا اب «يَا زَيْدُ» کے اندر زید فضلہ نہیں ہے بلکہ یہ کس کی طرح ہے؟ جیسے وہاں فاعل تھا اس کی طرح یعنی جیسے فاعل کے بغیر کلام پورا نہیں ہوتا، یہاں «يَا زَيْدُ» میں بھی صرف یا سے کلام پورا نہیں ہوگا بلکہ اس کے ساتھ کس کا جڑنا ضروری؟ زید کا جڑنا بھی ضروری ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تکرار کریں بھائی، اگر سمجھ نہ آئے میں پھر ان شاء اللہ اس کا تکرار آپ کو کروا دوں گا۔

ج: «فَإِنْ قِيلَ»، فان قیل اس کے ذریعے اعتراض کو ذکر کیا جاتا ہے: «فَإِنْ قِيلَ»، اگر یہ کہا جائے، «قَدْ نُقِضَ بِالنِّدَاءِ نَحْوُ يَا زَيْدُ»، کہ تحقیق یہ بات توڑ دی گئی ہے نداء کے ساتھ جیسے یا زید، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ «فَإِنْ قِيلَ»، اگر یہ اعتراض کیا جائے، یہ کہا جائے: «قَدْ نُقِضَ بِالنِّدَاءِ»، کہ یہ بات توڑ دی گئی ہے کس کے ساتھ؟ نداء کے، کیا معنی توڑ دی گئی ہے؟ اس پر اشکال کیا گیا ہے، اعتراض کیا گیا ہے۔ آپ نے ہمیں پیچھے کیا بتایا کلام کے لیے کیا ضروری؟ دو اسموں کا ہونا ضروری ہے یا ایک اسم اور ایک فعل کا، کہتے ہیں: «قَدْ نُقِضَ بِالنِّدَاءِ»، یہ بات توڑ دی گئی ہے نداء کے ساتھ، یعنی اس بات پر اعتراض کیا گیا ہے، اشکال کیا گیا ہے کس کے ساتھ؟ نداء یعنی یا زید کے ساتھ۔ کیا یا نہیں اشکال؟ کہ آپ نے ہمیں کہا دو اسم ہونے چاہییں یا ایک اسم اور ایک فعل ہونا چاہیے، حالانکہ یا زید اس کے ساتھ بھی کیا ہو رہا ہے؟ کلام پورا حاصل ہو رہا ہے۔

▪ قولہ: «فَإِنْ قِيلَ قَدْ نُقِضَ بِالنِّدَاءِ نَحْوُ يَا زَيْدُ» کی تشریح

«فَإِنْ قِيلَ قَدْ نُقِضَ بِالنِّدَاءِ نَحْوُ يَا زَيْدُ»، اگر یہ کہا جائے کہ یہ بات جو ہے اس پر اعتراض کیا گیا ہے نداء کے ساتھ جیسے یا زید، «قُلْنَا»، تو ہم جواب میں کہتے ہیں: «حَرْفُ النِّدَاءِ قَائِمٌ مَقَامَ أَدْعُو وَأَطْلُبُ، وَهُوَ الْفِعْلُ، فَلَا نَقْضَ عَلَيْهِ»، کہ حرفِ نداء جو ہے یعنی یا، قائم مقام ادعو وہ کس کے قائم مقام ہے؟ ادعو اطلبُ، ادعو اور اطلبُ کے، «وَهُوَ الْفِعْلُ»، اور یہ تو فعل ہے، «فَلَا نَقْضَ عَلَيْهِ»، لہٰذا اس پر کوئی اعتراض نہیں، اس پر یہ اعتراض کیا گیا تھا کیا؟ یا زید کے ساتھ، تو جواب دے دیا کہ یا کس کے قائم مقام ہے؟ ادعو اور اطلبُ کے اور وہ فعل ہے، «فَلَا نَقْضَ عَلَيْهِ»، لہٰذا اس بات پر کوئی اعتراض نہیں، نقض اعتراض کو کہتے ہیں بھائی۔

«وَإِذَا فَرَغْنَا مِنَ الْمُقَدِّمَةِ فَلْنَشْرَعْ فِي الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ»، اور جب ہم مقدمے سے فارغ ہو گئے، مقدمہ پورا ہوا بھائی، «فَلْنَشْرَعْ فِي الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ»، پس چاہیے کہ ہم شروع ہوں تین قسموں کے اندر۔ انہوں نے آپ کو بتلایا تھا نا شروع میں کہ ایک مقدمہ ہے اور تین اقسام ہیں، تو جب مقدمے سے ہم فارغ ہو گئے پس چاہیے کہ اب ہم شروع ہو جائیں تین قسموں کے اندر، «وَاللَّهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِينُ»، اور اللہ ہی توفیق دینے والے ہیں اور اللہ ہی مدد گار ہیں۔ موفق: توفیق دینے والے، معین: مدد گار، اور اللہ ہی توفیق دینے والے ہیں اور اللہ ہی مدد گار ہیں۔

▪ متن و فصل: الْقِسْمُ الْأَوَّلُ فِي الِاسْمِ، پہلی قسم اسم کے بارے میں

«الْقِسْمُ الْأَوَّلُ فِي الِاسْمِ»، پہلی قسم اسم کے بارے میں۔ تین قسمیں ہیں نا: ایک میں اسم کو بیان کریں گے، ایک میں فعل کو اور ایک میں حرف کو۔ تو کہتے ہیں: «الْقِسْمُ الْأَوَّلُ فِي الِاسْمِ»، پہلی قسم اسم کے بارے میں، «وَقَدْ مَرَّ تَعْرِيفُهُ»، اور تحقیق گزر گئی اسم کی تعریف، اسم کی تعریف

انہوں نے پیچھے ذکر کر دی تھی۔ «وَهُوَ يَنْقَسِمُ إِلَى الْمُعْرَبِ وَالْمَبْنِيِّ»، اور اسم جو ہے وہ تقسیم ہوتا ہے معرب اور مبنی کی طرف، «فَلْنَذْكُرْ أَحْكَامَهُ فِي بَابَيْنِ وَخَاتِمَةٍ»، پس چاہیے کہ ہم ذکر کریں اس اسم کے احکام کو فی بابین دو بابوں میں و خاتمۃ اور ایک خاتمے میں۔ تو دو باب اور ایک خاتمہ ذکر کریں گے، اس میں اسم کی بحث ہو گی ساری۔

تو اسم کی کتنی قسمیں ہوئیں؟ دو: معرب اور مبنی۔ اب اس کو ذکر کریں گے۔ «الْبَابُ الْأَوَّلُ فِي الِاسْمِ الْمُعْرَبِ»، پہلا باب اسمِ معرب کے بیان میں، «وَفِيهِ مُقَدِّمَةٌ وَثَلَاثَةُ مَقَاصِدَ وَخَاتِمَةٌ»، اور اس باب کے اندر ایک مقدمہ ہے و ثلاثۃ مقاصد اور تین مقاصد ہیں و خاتمۃ اور ایک خاتمہ، یہ عنوان آئیں گے بھائی۔

«أَمَّا الْمُقَدِّمَةُ فَفِيهَا فُصُولٌ»، باقی مقدمہ جو ہے ففیہا فصول تو اس میں کئی فصلیں ہیں، اس میں چار فصلیں ہیں اس میں وہ ذکر کریں گے بھائی۔ کیا بات کی انہوں نے؟ کہ ہم مقدمے سے فارغ ہو گئے، اب ہم تین قسمیں ذکر کریں گے۔ پہلی قسم کس کے بارے میں؟ اسم، اور پھر بتایا کہ اسم کی دو قسمیں ہیں: معرب اور مبنی، تو لہٰذا ہم اس کے احکام دو بابوں میں اور ایک خاتمے میں ذکر کریں گے، ٹھیک ہے؟ اس کے بعد پھر پہلا باب شروع کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلا باب اسمِ معرب کے بیان میں، معلوم ہوا دوسرا باب مبنی کے بیان میں ہو گا۔ اور اس باب کے اندر ایک مقدمہ ہے، تین مقاصد ہیں اور ایک خاتمہ۔ پھر اس مقدمے کے اندر جو ہیں کئی فصلیں ہیں، صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: «فَصْلٌ فِي تَعْرِيفِ الِاسْمِ الْمُعْرَبِ»، فصل، «فَصْلٌ»، ای ھٰذا فصلٌ یہ کیا ہے؟ فصل ہے فی تعریف الاسم المعرب اسمِ معرب کی تعریف میں، اسمِ معرب کہتے کس کو ہیں؟ نام تو ہم نے آپ کو بتا دیے کہ اسم دو قسم پر ہے: ایک معرب ہے اور ایک مبنی، تو معرب کہتے کس کو ہیں؟ اب وہ تعریف کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ»، معرب ہر ایسا اسم ہے «رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ» جس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو۔ رَكَّبَ کے معنی جوڑنا، ترکیب میں جو ترکیب کرنا یعنی آپس میں جوڑنا، ملانا۔ «وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ»، ہر وہ ایسا اسم ہے دیکھو اسمٍ نکرہ آیا، «رُكِّبَ» کیا آیا اس کے بعد؟ فعل، اور نکرہ کے بعد فعل آئے وہ کیا بتاتا ہے؟ اس کی صفت بنتا ہے، صفت بنتا ہے۔ تو کیسے ترجمہ کریں گے؟ «وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ»، معرب ہر ایسا اسم ہے، «رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ»، کہ جس کو جوڑا گیا ہو مع غیرہ اپنے غیر کے ساتھ۔ معرب وہ اسم ہے جس کو اپنے غیر یعنی اپنے علاوہ کسی دوسرے کسی دوسرے لفظ کے ساتھ کلمے کے ساتھ اس کو جوڑا گیا ہو۔

یاد رکھیے جوڑا گیا ہو اس طور پر کہ اس کا عامل بھی ساتھ ہو۔ معرب کسے کہتے ہیں؟ ہر وہ اسم جس کو کس کے ساتھ جوڑا گیا ہو؟ اپنے غیر کے ساتھ یعنی کسی دوسرے لفظ کے ساتھ اس کو جوڑا گیا ہو، لیکن اس طور پر کہ اس کا عامل بھی موجود ہو، کیا ہو؟ عامل بھی موجود ہو۔ ہاں یہ شرط یاد رکھنا یہ ضروری ہے، عامل بھی اس کا ساتھ موجود ہو، عامل بھی۔

▪ قولہ: «وَلَا يُشْبِهُ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ» کی تشریح

«وَلَا يُشْبِهُ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ»، اور نیز وہ مشابہ نہ ہو مبنی الاصل کے، مبنی الاصل کے وہ مشابہ نہ ہو۔ معرب کی کیا تعریف کی؟ ہر وہ ایسا اسم ہے جس کو کسی اپنے جس کو اپنے غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو اور وہ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔

مبنی الاصل کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «كَـ«الْحَرْفِ»، وَ«الْأَمْرِ الْحَاضِرِ»، وَ«الْمَاضِي»»، یعنی کہ حرف، امر حاضر، اور ماضی۔ یاد رکھو یہ مبنی الاصل صرف یہ تین چیزیں ہیں۔ مبنی الاصل جو اصلاً ذات کے اعتبار سے ہی مبنی ہیں وہ کتنی چیزیں ہیں؟ تین: ایک فعلِ امر ہے اور اسی طرح امر حاضر، فعلِ امر حاضر ہے، تمام حروف ہیں، اور فعلِ ماضی ہے، اور کیا ہے؟ تمام حروف، اور امر حاضر، اور فعلِ ماضی۔ یہ تین ہیں مبنی الاصل، یعنی اپنی ذات کے اعتبار سے یہ تینوں کیا ہیں؟ مبنی ہیں۔ لہٰذا آپ سے کوئی پوچھ لے بھائی مبنی الاصل کتنی چیزیں ہیں؟ آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ تین چیزیں: نمبر ایک تمام حروف، نمبر دو امر حاضر، اور نمبر تین فعلِ ماضی۔

اب دوبارہ سنو معرب کی تعریف: انہوں نے کہا معرب وہ ہے جس کو دوسرے کسی لفظ کے ساتھ دوسرے کلمے کے ساتھ جوڑا گیا ہو، اور میں نے کیا بتایا؟ یہ جوڑنا کیسا ہو کہ ساتھ اس کا عامل بھی موجود ہو جو اس میں عمل کر رہا ہے، جو اس کو رفع، نصب یا جر دے رہا ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ ہر وہ اسم ہے جس کو کیا کیا گیا ہو؟ بھائی زبان سے دہراؤنا، میں تکرار کروا رہا ہوں زبان سے دہرائیں تاکہ آپ کو یاد ہوتا جائے، معرب کسے کہتے ہیں؟ ہر وہ اسم جس کو کیا کیا گیا ہو؟

کسی دوسرے دوسرے اپنے غیر کے ساتھ یعنی دوسرے کلمے کے ساتھ جوڑا گیا ہو، اور میں نے کیا بتایا؟ جوڑنا ایسا ہو کہ ساتھ اس کا عامل بھی موجود ہو، اور نیز دوسری شرط کہ وہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہ ہو، یہ جو معرب جس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہے یہ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ اور مبنی الاصل کتنی چیزیں ہیں؟ تین۔ کون کون سے؟ تمام حروف، امر حاضر، اور فعلِ ماضی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا اب بات دوبارہ سنو بھائی: معرب وہ ہے جس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو، اور میں نے بتایا جوڑنا بھی کیسا ہو کہ ساتھ اس کا عامل بھی موجود ہو۔ لہٰذا میں آپ کے سامنے دو لفظ لکھتا ہوں: غلام، زید۔ غلام، زید۔ دیکھو غلام مضاف، زیدٍ مضاف الیہ۔ اب آپ پڑھیں اس کو ذرا، کیسے پڑھیں گے؟ غلامُ زیدٍ پڑھنا چاہتے ہیں؟ بھائی زیدٍ پہ تو جر پڑھا آپ نے، تنوین اور جرائے یا نہیں؟ کیوں ایا، جر کیوں ایا زیدٍ پر؟ کیونکہ غلام اس میں عمل کر رہا ہے، اس کا عامل موجود ہے، تو زیدٍ مجرور ہوا۔ تو دیکھو زیدٍ معرب ہے، اس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہے اور اس کا عامل بھی موجود ہے، اس کو جر کون دے رہا ہے؟ غلام، مضاف جر دے رہا ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور یہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں، مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں ہے، اس پر میں بعد میں بات کرتا ہوں کہ مشابہ نہ ہونے کا کیا معنی ہوتا ہے۔ تو زید ایک ایسا لفظ ہے جس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا عامل بھی موجود ہے اور یہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں، لہٰذا یہ معرب ہوا، اسی لیے آپ اس کو پڑھ رہے ہیں: غلامُ زیدٍ۔ جر پڑھ رہے ہیں یا نہیں پڑھ رہے؟

اچھا اب غلام پہ لفظ پہ ذرا آتے ہیں، یہ معرب ہے یا نہیں؟ یہ جو انہوں نے تعریف کی معرب کی، اس تعریف کے انہوں نے جو معرب کی تعریف کی اس کے مطابق غلام کا لفظ معرب نہیں، بلکہ اس وقت وہ مبنی ہے۔ جب معرب نہیں تو لازمی بات ہے دو ہی تو قسمیں ہیں پھر کیا ہو گا؟ مبنی۔ بھائی کس طرح؟ بھائی دیکھیے، غلام کا لفظ ٹھیک ہے زیدٍ کے ساتھ تو جڑا ہوا ہے، ترکیب تو ہے، جڑا ہوا ہے یا نہیں؟ ترکیب تو ہے، ترکیب کا معنی جڑا ہوا ہونا، جوڑنا۔ تو ترکیب تو ہے، لیکن میں نے کیا کہا تھا؟ ایسا جڑا ہوا ہو کہ ساتھ اس کا کیا ہو؟ عامل بھی ہو، یہاں غلام کے اندر کوئی عامل نہیں ہے۔ آپ پڑھ کیا پڑھنا چاہتے ہیں؟ غلامُ زیدٍ، میم پہ پیش پڑھنا چاہتے ہیں؟ کیوں پڑھیں گے؟ پیش خود بخود آتا ہے یا کسی عامل کی وجہ سے آتا ہے؟ عامل کی وجہ سے، یا تو وہ فاعل بن رہا ہو یا مبتدا ہو یا خبر ہو یا نائب فاعل ہو، اس پہ رفع ایا کرتا ہے ہم نے پڑھا ہے، رفع خود بخود نہیں آتا کوئی عامل ہوتا ہے اس کے لیے۔ آپ اس پر نصب پڑھنا چاہتے ہیں: غلامَ زیدٍ، بھائی نصب بھی نہیں پڑھ سکتے، نصب خود بخود آتا ہے یا کوئی مفعول وغیرہ بن رہا ہو اور عامل پیچھے کوئی ہو تو پھر وہ مفعول بنتا ہے؟ مفعول بن یعنی نصب بھی نہیں پڑھ سکتے کیونکہ نصب کے لیے بھی کیا چاہیے؟ عامل چاہیے۔ آپ اس پر جر پڑھنا چاہتے ہیں: غلامِ زیدٍ، بھائی کیوں پڑھیں گے آپ جر؟ جر کے لیے عامل چاہیے یا نہیں چاہیے؟ کوئی حرفِ جر وغیرہ تو پیچھے کوئی ہے ہی نہیں، کوئی مضاف تو پیچھے ہے نہیں جس کی وجہ سے اس پہ جرائے، معلوم ہوا غلام کے میم پر نہ پیش پڑھ سکتے ہیں، نہ زبر، نہ زیر، یعنی نہ ضمہ، نہ فتحہ اور نہ کسرہ، کیونکہ اس کا عامل نہیں ہے ساتھ، جڑا ہوا ہے ٹھیک ہے زید کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ تو پھر کیسے پڑھیں گے؟ اس کو ساکن اسی طرح پڑھو: غلام زیدٍ، غلام زیدٍ۔ نہ رفع پڑھ سکتے ہیں میم پہ، نہ نصب پڑھ سکتے ہیں اور نہ جر، صورت سمجھ میں آگئی۔

تو غلامِ زیدٍ کے اندر غلام مبنی ہے، لیکن اس میں معرب بننے کی صلاحیت ہے۔ اس وقت تو مبنی ہے لیکن معرب بننے کی یعنی اگر اس کے ساتھ اس کا عامل آ گیا تو وہ پھر اس پر رفع بھی آ سکتا ہے، نصب بھی آ سکتا ہے اور جر بھی۔ اگر آ جائے اگر جاء فعل آ جائے: «جَاءَ غُلَامُ زَيْدٍ»، اب دیکھو میم پر پیش آگئی یا نہیں آگئی؟ اور یہ فاعل بن گیا، تو دیکھا اب معرب بن گیا، پہلے کیا تھا؟ مبنی۔ تو معلوم ہوا غلام زیدٍ کے اندر اکیلا غلام لفظ جو ہے وہ مبنی ہے، ہاں البتہ اس میں معرب بننے کی صلاحیت ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو معرب کی انہوں نے کیا تعریف کی ذرا پھر دہراؤ: معرب وہ ہے جس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو اور میں نے بتایا ایک شرط یاد رکھنا ساتھ وہ کیا؟ اس کا عامل ساتھ ہو، اور دوسری شرط کیا کہ وہ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ اب یہ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو، یاد رکھو ہر مشابہت نہیں مراد، ہر مشابہت نہیں مراد، ورنہ مبنی الاصل کتنی چیزیں ہیں؟ تین: حروف، حروف لفظ ہیں یا نہیں؟ حروف کیا ہیں؟ لفظ ہیں، اور زید یہ بھی کیا ہے؟ لفظ، تو مشابہت آگئی یا نہیں آگئی ایک دونوں میں؟ تو مشابہت اگر اس طرح دیکھا جائے تو پھر تو ہر جو اسم ہے وہ مبنی کے مشابہ ہو جائے گا، تو ہر مشابہت نہیں مراد، کچھ خاص مشابہتیں مراد ہیں جو آپ اگلی کتابوں میں پڑھیں گے۔ ایک آدھی میں ذکر کر دیتا ہوں، ایک آدھی میں ذکر کر دیتا ہوں باقی آپ ان شاء اللہ اگلی کتابوں میں پڑھیں گے۔

بھائی مبنی الاصل تو تین چیزیں ہیں: تمام حروف، فعلِ امر حاضر، اور فعلِ ماضی۔ اسی طرح آپ نے پڑھا ہو گا اسمِ اشارہ بھی مبنی ہے، کیا ہے؟ تو جہ ہے سبق کی طرف؟ اسمِ اشارہ بھی کیا ہے؟ مبنی ہے۔ یہ کیسے مبنی ہوا بھائی؟ یہ مبنی الاصل تو ہے نہیں، معلوم ہوا یہ مبنی اس لیے کیونکہ یہ مبنی الاصل کے مشابہ ہے، ان جیسا ہے، اور جو مبنی الاصل کے مشابہ ہو گا وہ بھی کیا بن جائے گا؟ وہ بھی مبنی ہو گا۔ تو بھائی مجھے بتاؤ مبنی الاصل کتنی چیزیں ہیں؟ تین: تمام حروف، امر حاضر، اور فعلِ ماضی۔ ان میں سے کوئی اسمِ اشارہ ہے؟ اسمِ اشارہ نہیں، اور اسمِ اشارہ کے بارے میں بھی آپ نے پڑھا ہے وہ کیا ہے؟ مبنی، معلوم ہوا وہ ان میں سے تو نہیں،

معلوم ہوا ان کے وہ مشابہ ہے، ان کے مشابہ ہے۔ اور کس طرح مشابہ ہے؟ کہتے ہیں بھائی علماء لکھتے ہیں کہ یہ حرف کے مشابہ ہے۔ اسمِ اشارہ کس کے مشابہ؟ حرف کے۔ جیسے حرف محتاج ہے، حرف اکیلا اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے یا کسی دوسرے کلمے کو ملانا پڑے گا؟ حرف محتاج ہے اپنا معنی بتلانے میں کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کلمے کو جوڑا جائے، پھر اس کا معنی سمجھ میں آتا ہے، تو جیسے حرف محتاج ہے اسی طرح اسمِ اشارہ بھی محتاج ہوا، جب یہ بھی محتاج تو یہ اس کی طرح ہو گیا، جب یہ اس کی طرح ہوا تو وہ تو تھا مبنی الاصل یہ بھی کیا بن گیا؟ مبنی ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

محتاج کس طرح ہے؟ اسمِ اشارہ، دیکھو بھائی اسمِ اشارہ مثلاً میں کہتا ہوں: ھٰذا، میں نے کہا ھٰذا، آپ کو پتہ چلا ھٰذا کا کیا معنی ہے؟ یہ، آپ کو پتہ چلا میں نے کس کی طرف اشارہ کیا؟ نہیں، جب تک میں ہاتھ سے اشارہ کر کے نہ کہوں: «هٰذَا الْكِتَابُ»، میں نے کس کی طرف اشارہ کیا؟ کتاب کی طرف، اب آپ کو پتہ چلا ھٰذا سے مراد کتاب ہے۔ اگر میں قلم کی طرف اشارہ کر کے کہوں: «هٰذَا»، آپ سمجھ گئے اس ھٰذا سے کیا مراد ہے؟ قلم۔ دیوار، دیوار کو جدارٌ کہتے ہیں عربی میں، میں دیوار کی طرف اشارہ کر کے کہوں: «هٰذَا»، اب آپ سمجھ گئے ھٰذا سے کون مراد ہے؟ دیوار۔ دیکھا، تو ھٰذا کے لیے اشارۂ حسیہ چاہیے، سمجھ میں آیا؟ یعنی ظاہری ہاتھ سا اشارہ چاہیے پھر ہی پتہ چلتا ہے ھٰذا سے کیا مراد ہے، ویسے پتہ نہیں چلتا۔ تو ھٰذا اشارے کا محتاج ہوا یا نہیں؟ کہ ہاتھ کے ساتھ باقاعدہ اشارہ کیا جائے، یا آگے لفظوں کے اندر اس کے ساتھ اس کی صفت آجائے، میں ہاتھ سے اشارہ نہیں کرتا، میں کہتا ہوں: «هٰذَا الْكِتَابُ»، آپ سمجھ گئے یا نہیں ھٰذا سے کس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے؟ کتاب۔ میں عربی میں میں صرف آپ کے سامنے لکھ دیتا ہوں اشارہ نہیں کرتا: «هٰذَا الْقَلَمُ»، آپ سمجھ گئے اس ھٰذا سے اشارہ کس کی طرف؟ قلم کی طرف۔ دیکھو میں نے ہاتھ سے اشارہ نہیں کیا لیکن آگے لفظوں سے آپ کو پتہ چل گیا کہ ھٰذا سے اشارہ کس کی طرف؟ قلم۔ میں ہاتھ میں اشارہ کچھ بھی نہیں کرتا، خاموشی سے قلم سے لکھ دیتا ہوں آپ کی کتاب پر: «هٰذَا الْجِدَارُ»، آپ سمجھ گئے یا نہیں سمجھ گئے کہ یہ ھٰذا کے ذریعے اشارہ کس کی طرف ہے؟ دیوار کی طرف ہے۔ تو ھٰذا محتاج ہے کہ اس کے اس کے ذریعے مشارالیہ کا پتہ نہیں چلے گا جب تک ہاتھ سے اشارہ نہ کیا جائے، ہاتھ وغیرہ کسی طرح بھی اشارہ کر دیا جائے کوئی حسی حسی ظاہری اشارہ کر دیا جائے، یا آگے لفظوں میں اس کی باقاعدہ صفت آجائے پھر ہی پتہ چلتا ہے کہ ھٰذا سے کیا مراد ہے، ویسے پتہ نہیں چلتا۔ تو دیکھو ھٰذا محتاج ہوا یا نہیں؟ ھٰذا اس میں کیا کرنا پڑے گا؟ یا تو اشارہ کرنا پڑے گا یا آگے اس کی صفت لانا پڑے گی پھر ہی پتہ چلے گا کہ ھٰذا سے کیا مراد، تو ھٰذا محتاج ہوا۔ کس کی طرح ہو گیا؟ حرف کی طرح، حرف بھی کیا تھا؟ اپنا معنی بتانے میں محتاج، ھٰذا کے ذریعے بھی پتہ ھٰذا کا پتہ بھی تب چلے گا جب اگے اس کی صفت لائیں یا کوئی اشارہ حسیہ ہو، تو یہ حرف کی طرح ہوا اور حرف تو کیا تھے؟ مبنی الاصل، اسی لیے اسمِ اشارہ بھی کیا بن گیا؟ مبنی ہو گیا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس طرح کی کچھ خاص مشابہتیں مراد ہیں جیسے یہاں ھٰذا وہ محتاج ہونے میں حرف کی طرح ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی سب کو؟

تو کہتے ہیں مبنی الاصل جو ہے وہ تین چیزیں ہیں: حرف ہے، امر حاضر ہے اور ماضی ہے۔ «نَحْوُ: «زَيْدٌ» فِي «قَامَ زَيْدٌ» لَا «زَيْدٌ» وَحْدَهُ»۔ بھائی میں آپ کے سامنے ایک جملہ بولتا ہوں ادھر دیکھو: «قَامَ زَيْدٌ»، «قَامَ زَيْدٌ»، اس میں زیدٌ ترکیب میں ہے یا نہیں؟ قام کے ساتھ جوڑا ہے یا نہیں میں نے اس کو؟ تو زیدٌ ترکیب میں ہے، اور زیدٌ کا عامل بھی ہے یا نہیں ساتھ؟ قام اس کو فاعل قام کے لیے یہ بن رہا ہے یا نہیں بن رہا؟ تو دیکھو زیدٌ اس جملے پہ نظر رکھو: «قَامَ زَيْدٌ»، «قَامَ زَيْدٌ»، اس میں جو زیدٌ کا لفظ ہے یہ ترکیب میں بھی ہے اور اس کا عامل بھی ساتھ موجود ہے اور نیز یہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں، اس لیے یہ معرب ہے، اس لیے یہ کیا ہے؟ اور اسی لیے آپ کیا پڑھ رہے ہیں: «قَامَ زَيْدٌ»، زیدٌ پر کیا پڑھ رہے ہیں؟ رفع پڑھ رہے ہیں یا نہیں پڑھ رہے؟ کس کی وجہ سے ہے یہ؟ قام اس کا عامل جو موجود ہے وہ اس کو رفع دے رہا ہے، یہ اس کے لیے فاعل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا «قَامَ زَيْدٌ» کے اندر جو زیدٌ ہے وہ کیا ہے؟ معرب ہے۔ اکیلا زید ہوتا تو پھر معرب نہ ہوتا کیونکہ ترکیب میں ہی نہیں تھا، ہم نے تو کیا کہا تھا معرب کسے کہتے ہیں جو کس میں واقع ہو؟ ترکیب میں، تو اکیلا زید ہوتا تو ترکیب میں نہ ہوتا، جی۔ یہی بات ذکر کر رہے ہیں: «نَحْوُ: «زَيْدٌ»»، جیسے کہ زیدٌ کا لفظ، «فِي «قَامَ زَيْدٌ»»، کس جملے میں؟ قام زیدٌ کے اندر، «لَا «زَيْدٌ» وَحْدَهُ»، اکیلا زید نہیں، کیونکہ «لِعَدَمِ التَّرْكِيبِ»، کیونکہ ترکیب ہی نہیں ہے، ترکیب ہی نہیں ہے، جوڑا ہی نہیں گیا اکیلے زید کو کسی کے ساتھ جوڑا ہی نہیں گیا، قام زیدٌ میں تو جوڑا گیا ہے لیکن اگر قام میں سے قام نہ ہو صرف کیا ہو؟ زید، تو ترکیب ہے؟ اور ہم نے کیا کہا تھا معرب کہتے ہی کس کو ہیں جس کو کیا کیا گیا ہو؟ ترکیب میں جوڑا گیا ہو۔

▪ قولہ: «وَلَا «هٰؤُلَاءِ» کی تشریح

«وَلَا «هٰؤُلَاءِ» فِي «قَامَ هٰؤُلَاءِ» لِوُجُودِ الشَّبَهِ»۔ بھائی دیکھو ابھی میں نے آپ کو بتایا اسمِ اشارہ مبنی ہے، کیوں مبنی ہے؟ کیونکہ یہ حرف

کے مشابہ ہے، جیسے حرف اپنا معنی بتانے میں غیر کا محتاج اسی طرح اسمِ اشارہ بھی مشار الیہ کا محتاج۔ تو هٰؤُلَاءِ، هٰؤُلَاءِ اسمِ اشارہ ہے، اس کا یہ جمع کے لیے آتا ہے: یہ، هٰؤُلَاءِ یہ لوگ، یہ لوگ۔ هٰذا تو کیا ہے؟ مفرد، هٰذا کیا ہے؟ اور جمع کے لیے کیا کہیں گے؟ هٰؤُلَاءِ، معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ ایک چیز ہو ایک ہو تو کیا کہیں گے؟ ایک آدمی ہو تو کہیں گے هٰذا، اور بہت سارے ہوں تو کیا کہیں گے؟ هٰؤُلَاءِ، یہ۔ اچھا تو هٰؤُلَاءِ اسمِ اشارہ ہوا، اور ابھی میں نے بیان کیا اسمِ اشارہ کیا ہے؟ مبنی ہے، کیوں؟ کیونکہ یہ حرف کے مشابہ ہے، جیسے حرف اپنا معنی بتانے میں غیر کا محتاج اسی طرح اسمِ اشارہ بھی مشار الیہ کا محتاج۔ اب میں آپ کے سامنے کہتا ہوں: «قَامَ هٰؤُلَاءِ»، یہ لوگ کھڑے ہو گئے، «قَامَ هٰؤُلَاءِ»، یہ لوگ کھڑے ہو گئے، اب مجھے بتاؤ: هٰؤُلَاءِ قام کے ساتھ ترکیب میں آگیا یا نہیں آگیا؟ ترکیب میں آگیا، پہلی شرط پوری۔ ہم دیکھ رہے ہیں یہ معرب ہے یا نہیں، تو هٰؤُلَاءِ اس جملے کے اندر جو ہے ترکیب میں آرہا ہے یا نہیں آرہا؟ ترکیب میں آرہا ہے، پہلی شرط پوری۔ اور میں نے کہا تھا ترکیب بھی ایسی ہو کہ ساتھ اس کا عامل بھی ہو، تو یہاں قام عامل ہے یا نہیں؟ قام عامل ہے، هٰؤلاء اس کے لیے فاعل بن رہا ہے۔ لیکن تیسری شرط پوری نہیں، ہم نے کیا کہا تھا کہ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو، اور هٰؤُلَاءِ تو اسمِ اشارہ ہے اور اسمِ اشارہ بھی کس کس کے مشابہ ہے؟ مبنی الاصل کے، لہٰذا یہ بھی مبنی، لہٰذا یہ معرب نہیں بنے گا۔ «قَامَ هٰؤُلَاءِ» یہ معرب نہیں بلکہ یہ مبنی ہے، صورت سمجھ میں آگئی۔ «قَامَ زَيْدٌ» میں زیدٌ معرب ہے، لیکن «قَامَ هٰؤُلَاءِ» میں هٰؤُلَاءِ معرب نہیں بلکہ کیا ہے؟ مبنی ہے، کیوں مبنی ہے؟ مبنی الاصل کے مشابہ ہے، شاباش۔

کہتے ہیں: «وَلَا «هٰؤُلَاءِ» فِي «قَامَ هٰؤُلَاءِ»»، اور نہ هٰؤلاء کا لفظ قام هٰؤلاء جملے کے اندر، «لِوُجُودِ الشَّبَهِ»۔ بھائی شین کے نیچے زیر ڈلی ہوئی ہے آپ کی کتابوں میں؟ یہ غلط ہے، غلط ہے۔ ایک یاد رکھو ایک لفظ ہوتا ہے شِبْهٌ، ایک ہوتا ہے شَبَهٌ۔ شبهٌ کا معنی ہوتا ہے: مثل، شبهٌ کا کیا معنی؟ مثل، اور شَبَهٌ کا معنی ہوتا ہے: مشابہت، مشابہت۔ یہاں مشابہت کا معنی صحیح بنتا ہے: «لِوُجُودِ الشَّبَهِ»، مشابہت کے پائے جانے کی وجہ سے۔ وجود کا معنی پایا جانا، ہونا۔ «لِوُجُودِ الشَّبَهِ»، مشابہت کے پائے جانے کی وجہ سے، کیونکہ هٰؤلاء میں کیا ہے؟ مشابہت ہے اس کی حرف کے ساتھ۔

«وَيُسَمَّى مُتَمَكِّنًا»، اور اسمِ معرب کو اسمِ متمکن بھی کہتے ہیں۔ اسمِ معرب کو؟ اسمِ متمکن بھی کہتے ہیں۔ تمکن کا معنی جگہ دینا، جگہ دینا، تو چونکہ یہ بھی کیا کرتا ہے؟ اعراب کو جگہ دے دیتا ہے اس لیے اس کو اسمِ متمکن کہتے ہیں۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟ پورے سبق کا خلاصہ دوبارہ سن لیجیے مختصراً بھائی:

آج آپ نے یہ پڑھا، اج سب سے پہلے ایک اشکال ذکر کیا انہوں نے۔ اشکال یہ کیا کہ آپ نے کہا تھا کہ کلام کے لیے دو اسم چاہیے یا ایک اسم اور ایک فعل، ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ ایک اسم اور ایک حرف سے بھی کلام حاصل ہو رہا ہے: «يَا زَيْدُ»، یا حرف اور زید اسم، اس سے کلام حاصل ہو گیا۔ سب کے نزدیک یہ کلام ہے، اس کو نداء کہتے ہیں۔ تو جواب انہوں نے دے دیا تھا کہ بھائی یہ جو یا ہے یہ قائم مقام کس کے ہے؟ ادعو یا اطلبُ فعل کے ہے، تو لہٰذا ادعو فعل انا ضمیر اس کے اندر فاعل، تو کلام ایک فعل اور فاعل ایک فعل اور ایک اسم سے ہی حاصل ہو رہا ہے جیسا ہم نے کہا تھا، لہٰذا کوئی اشکال باقی نہ رہا، اشکال ختم ہو گیا۔

اس کے بعد پھر انہوں نے آپ کو بتلایا کہ اسم کی دو قسمیں ہیں: ایک معرب ہے اور ایک مبنی ہے۔ اور اس کا پھر معرب کا بیان شروع کر دیا اور بتلایا معرب کس کس کی معرب کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جو کس میں واقع ہو؟ ترکیب میں، جس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو، معرب کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جس کو کس میں واقع ہو؟ ترکیب میں، اور ایسی ترکیب کہ اس کے ساتھ اس کا عامل بھی ہو، اس اسم کا عامل بھی ہو، اور نیز وہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہ ہو، گویا تین شرطیں ہو گئیں۔ معرب وہ ہے جس میں تین شرطیں پائی جائیں: پہلی شرط یہ کہ وہ ترکیب میں واقع ہو یعنی غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو، دوسری شرط کیا؟ کہ اس کا عامل بھی اس کے ساتھ ہو، کہ تاکہ اس کی وجہ سے پھر رفع پڑھنا ہے یا نصب پڑھنا ہے یا جر پڑھنا ہے وہ بھی پتہ چلے، اور تیسری شرط کیا تھی؟ کہ وہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہ ہو، جب یہ تینوں شرطیں پوری ہوں گی تو پھر وہ معرب ہو گا۔ ان میں سے اگر ایک شرط بھی کم ہو گئی تو پھر وہ معرب نہیں بلکہ مبنی ہو گا، جیسے دیکھیے: «غُلَامُ زَيْدٍ»، اس میں زیدٍ جو ہے ترکیب میں بھی واقع ہے، اور ساتھ اس کا عامل بھی ہے غلام مضاف اس کو کیا دے رہا ہے؟ جر، اور یہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں، لہٰذا یہ معرب ہوا۔ لیکن غلام کا لفظ وہاں دوسری شرط نہیں پائی جا رہی: غلام زیدٍ، غلام ترکیب میں تو ہے لیکن اس کا عامل ساتھ موجود نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوا یہ مبنی ہے۔

اسی طرح اسی طرح «قَامَ هٰؤُلَاءِ»، «قَامَ هٰؤُلَاءِ» میں هٰؤلاء اسمِ اشارہ ہے، یہ ترکیب میں بھی واقع ہے پہلی شرط بھی پوری، اس کا عامل بھی ساتھ موجود ہے قام دوسری شرط بھی پوری، لیکن تیسری شرط پوری نہیں ہے یہاں پر، هٰؤلاء کی مشابہت ہم نے تو کہا تھا مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو اور هٰؤلاء تو اسمِ اشارہ ہے اور اسمِ اشارہ بھی کس کے مشابہ ہے؟ مبنی الاصل کے، لہٰذا یہ بھی مبنی، لہٰذا یہ معرب نہیں بنے گا۔ «قَامَ هٰؤُلَاءِ» یہ معرب نہیں بلکہ یہ مبنی ہے۔

صورت سمجھ میں آ گئی۔ «قَامَ زَيْدٌ» میں زیدٌ معرب ہے، لیکن «قَامَ هٰؤُلَاءِ» میں هٰؤُلَاءِ معرب نہیں بلکہ کیا ہے؟ مبنی ہے، کیوں مبنی ہے؟ مبنی الاصل کے مشابہ ہے، شاباش۔

اور معرب کا دوسرا نام کیا ہے؟ اسمِ متمکن۔ اور مبنی الاصل کتنی چیزیں ہیں؟ تین چیزیں ہیں: تمام حروف ہیں اور امر حاضر اور فعلِ ماضی۔

چلیے، بس بھائی بس۔ «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۹: فصل فی حکم الاسم المعرب: اعراب، عامل اور محلِ اعراب کا بیان

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۲—بتاریخ: ۱۰ ستمبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: حُكْمُهُ أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ اخْتِلَافًا لَفْظِيًّا، نَحْوُ: جَاءَنِي زَيْدٌ، وَرَأَيْتُ زَيْدًا، وَمَرَرْتُ بِزَيْدٍ، أَوْ تَقْدِيرِيًّا، نَحْوُ: جَاءَنِي مُوسَى، وَرَأَيْتُ مُوسَى، وَمَرَرْتُ بِمُوسَى۔

وَالْإِعْرَابُ مَا بِهِ يَخْتَلِفُ آخِرُ الْمُعْرَبِ، كَالضَّمَّةِ، وَالْفَتْحَةِ، وَالْكَسْرَةِ، وَالْوَاوِ، وَالْأَلِفِ، وَالْيَاءِ۔

وَإِعْرَابُ الِاسْمِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَنْوَاعٍ: رَفْعٌ، وَنَصْبٌ، وَجَرٌّ۔

وَالْعَامِلُ مَا بِهِ رَفْعٌ أَوْ نَصْبٌ أَوْ جَرٌّ۔

وَمَحَلُّ الْإِعْرَابِ مِنَ الِاسْمِ هُوَ الْحَرْفُ الْأَخِيرُ۔

مِثَالُ الْكُلِّ: نَحْوُ: «قَامَ زَيْدٌ»،فَقَامَ عَامِلٌ، وَزَيْدٌ مُعْرَبٌ، وَالضَّمَّةُ إِعْرَابٌ، وَالدَّالُ مَحَلُّ الْإِعْرَابِ۔

وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يُعْرَبُ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ إِلَّا الِاسْمُ الْمُتَمَكِّنُ، وَالْفِعْلُ الْمُضَارِعُ، وَسَيَجِيءُ حُكْمُهُ فِي الْقِسْمِ الثَّانِي، إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

اچھا بھائی، گزشتہ سبق کے اندر معرب کی بحث شروع ہوئی تھی بھائی۔ سب سے پہلے انہوں نے معرب کی تعریف کی کہ معرب کسے کہتے ہیں، انہوں نے آپ کو بتلایا کہ معرب وہ ہے جس کے اندر جس کے اندر تین شرطیں پائی جائیں:

پہلی شرط یہ کہ وہ ترکیب میں واقع ہو یعنی اس کے ساتھ کسی دوسرے کلمے کو جوڑا گیا ہو۔ دوسری شرط یہ کہ اس ترکیب میں اس کا عامل بھی ہو۔ اور تیسری شرط یہ کہ وہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہ ہو۔

اور مبنی الاصل تین چیزیں ہیں آپ نے پڑھا: نمبر ایک فعلِ ماضی ہے، نمبر دو امر حاضر معروف ہے، اور نمبر تین تمام حروف ہیں۔ یہ ہیں مبنی الاصل، اور ان کے جو مشابہ ہو گا وہ بھی کیا ہو گا؟ مبنی ہو گا، اور میں نے بتلایا تھا ہر مشابہت نہیں مراد بلکہ کچھ خاص مشابہتیں مراد ہیں جو آپ اگلی کتابوں میں پڑھیں گے۔ ایک مشابہت بطورِ مثال کے میں نے ذکر کر دی تھی کہ مثلاً اسمِ اشارہ جو ہے وہ بھی مبنی ہے، اسمِ اشارہ بھی کیا ہے؟ مبنی ہے، اور وہ مبنی کیوں ہے حالانکہ وہ تو مبنی الاصل نہیں؟ وہ دراصل ان مبنی الاصل کے مشابہ ہے بھائی، اور کیا مشابہت؟ میں نے بتایا تھا کہ وہ حرف کے مشابہ ہے محتاج ہونے میں۔ جس طرح حرف اپنا

معنی بتانے کے اندر محتاج ہے جب تک اس کے ساتھ کوئی دوسرا کلمہ نہیں ملے گا حرف کا معنی سمجھ میں نہیں آتا، تو حرف محتاج ہوا۔ اسی طرح اسمِ اشارہ بھی مشار الیہ کا محتاج ہے، ھٰذا، ھٰذا سے اشارہ تو کتاب کو بھی ہو سکتا ہے، قلم کو بھی ہو سکتا ہے، دیوار کو بھی ہو سکتا ہے اور چیزوں کو بھی ہو سکتا ہے۔ تو جب ھٰذا کہیں گے کیا چیز مراد ہے ہمیں پتہ نہیں چلے گا جب تک مشار الیہ کا پتہ نہ ہو۔ اور مشار الیہ کا پتہ کیسے چلے گا؟ یا تو باقاعدہ اشارۂ حسیہ کریں ہاتھ وغیرہ کسی چیز سے اشارہ کریں: «هٰذَا»، یہ چیز، پھر پتہ چلتا ہے کہ ھٰذا سے کتاب مراد ہے یا قلم مراد ہے، یا بعض اوقات اسی کے آگے لفظوں کے اندر وہ لفظ ذکر ہو جاتا ہے کون ہے مشار الیہ، مثلاً «هٰذَا الْكِتَابُ»، تو دیکھا آگے الکتاب لفظ جو آیا تو اس نے بتا دیا کہ ھٰذا کے ذریعے کس کی طرف اشارہ ہے؟ کتاب کی طرف۔ تو دیکھا اسمِ اشارہ بھی محتاج ہوا کس کا؟ مشار الیہ کا، جس طرح حرف محتاج تھا تو یہ بھی محتاج ہوا، یہ اس کی طرح ہوا اور جب یہ اس کی طرح ہوا وہ تو تھا مبنی الاصل تو یہ بھی کیا بن گیا؟ مبنی بن گیا بھائی، مبنی بن گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

تو لہٰذا «قَامَ زَيْدٌ»، اس کے اندر زید معرب ہے کیونکہ اس میں تینوں شرطیں پوری ہیں: یہ ترکیب میں بھی واقع ہے، قام کے ساتھ جوڑا گیا ہے یا نہیں اس کو بھائی؟ ترکیب بھی ہے، جوڑا بھی گیا ہے، اور نیز ساتھ اس کا عامل بھی موجود ہے قام اس کو رفع دے رہا ہے، اور تیسری شرط بھی پوری ہے کہ یہ مبنی الاصل کے مشابہ نہیں، اسی لیے اس پر رفع آیا: «قَامَ زَيْدٌ»۔ لیکن زید اکیلا لفظ ہو تو وہ معرب نہیں، معرب نہیں، کیونکہ جوڑا ہی نہیں گیا، پہلی شرط ہی کیا تھی؟ کہ کسی غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو، تو وہ اکیلا نہیں۔ تو وہ مبنی ہے لیکن اس میں معرب بننے کی صلاحیت ہے، وہ جب ترکیب میں آجائے گا، عامل کے ساتھ مل جائے گا تو کیا بن جائے گا؟ معرب۔

اور جبکہ هٰؤُلَاءِ، هٰؤُلَاءِ اسمِ اشارہ ہے جمع کے لیے، قریب کے لیے، وہ «قَامَ هٰؤُلَاءِ»، بے شک ترکیب میں واقع ہوا، اس پہلی شرط بھی پوری ترکیب میں ہے، اور دوسری شرط بھی پوری: کیا؟ عامل بھی ساتھ ہے۔ لیکن تیسری شرط نہیں پوری کہ یہ مبنی الاصل کے مشابہ نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن یہ تو مشابہ ہے، لہٰذا اس لیے یہ معرب نہیں بلکہ یہ کیا ہے؟ مبنی ہے بھائی۔

اب آگے اس کا حکم بیان کرنے لگے ہیں، معرب کی تعریف آپ کو سمجھ میں آگئی، اب اس کا حکم بیان کرنے لگے ہیں کہ اس کا حکم کیا ہے؟ تو کہتے ہیں: «فَصْلٌ»، ای ھٰذا فصلٌ، میں نے آپ کو بتایا کہ یہ فصلٌ کیا ہے؟ خبر ہے، اس کا مبتدا محذوف ہے: یہ فصل ہے۔ اب حکم بیان کر رہے ہیں: «حُكْمُهُ»، یہ ہا ضمیر راجع ہے معرب کو، معرب کا حکم یہ ہے: «أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ»، کہ بدلتا ہے اس کا آخر، «بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ»، یہ باسببیہ ہے ای بسبب اختلاف العوامل، عوامل کے بدلنے کے سبب سے، عوامل کے بدلنے کی وجہ سے، تو معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے عوامل کے بدلنے کی وجہ سے، «اخْتِلَافًا لَفْظِيًّا»، یہ بدلنا یا تو لفظاً ہو گا: «نَحْوُ: «جَاءَنِي زَيْدٌ»، وَ «رَأَيْتُ زَيْدًا»، وَ «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»»، «أَوْ تَقْدِيرِيًّا»، یا یہ بدلنا تقدیراً ہو گا: «نَحْوُ: «جَاءَنِي مُوسَى»، وَ «رَأَيْتُ مُوسَى»، وَ «مَرَرْتُ بِمُوسَى»»۔

بھائی حکم پتہ چل گیا آپ کو معرب کا؟ معرب کا کیا حکم ہے؟ کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا ہے۔ مثلاً دیکھیے بھائی، میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ»، زیدٌ کے آخر دال پر اس وقت آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ رفع: زیدٌ۔ «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، اب زیداً پر کیا ہے؟ نصب ہے، پہلے رفع تھا اب نصب ہے۔ «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»، میں زید پر گزرا، اب زید پر کیا ہے؟ کسرہ آیا، تو دیکھا عوامل کے بدلنے سے معرب کا آخر بدل رہا ہے۔ کبھی عامل اگر رفع والا ہے تو اس پر رفع ائے گا، عامل اگر نصب والا ہے تو اس پر نصب، اور عامل اگر جر والا ہے تو اس پر جر، یہ ہے آخر کے بدلنے کا معنی بھائی کہ اس کا آخر بدلتا ہے یعنی اس پر اعراب بدلتے ہیں بھائی۔

اور پھر یہ بدلنا یاد رکھو دو قسم پر ہے: کبھی بدلنا لفظاً ہو گا اور کبھی تقدیراً ہو گا۔ لفظاً کا یہ معنی کہ اس پر باقاعدہ تلفظ سے ہی پتہ چل جائے گا، تلفظ سے ہی پتہ چل جائے گا۔ دیکھو تلفظ سے ہی فرق آئے گا باقاعدہ تلفظ میں: «جَاءَنِي زَيْدٌ»، «رَأَيْتُ زَيْدًا»، «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»، دیکھا رفع، نصب، جر سننے سے ہی پتہ چل رہا ہے یا نہیں چل رہا آپ کو؟ تو دیکھا یہ اختلاف ہے یعنی یہ بدلنا ہے لفظوں کے اندر۔ اور لفظوں سے کیا مراد ہے؟ یعنی تلفظ میں، کس میں؟ تلفظ، یعنی زبان سے بولتے ہی آپ کو پتہ چل جاتا ہے اس وقت اس پر رفع پڑھا جا رہا ہے یا اس پر نصب پڑھا جا رہا ہے یا اس پر جر پڑھا جا رہا ہے، یہ ہے اختلافِ لفظی۔ اختلافِ لفظی کا کیا معنی؟ تلفظ میں بدل رہا ہے، تلفظ میں بدل رہا ہے، سننے سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ اس وقت اس پر کیا پڑھا جا رہا ہے: رفع، نصب یا جر، یہ ہے اختلافِ لفظی۔ کیا معنی اختلافِ لفظی کا بیان کرو بھائی؟ کہ تلفظ میں اختلاف آ رہا ہو، تلفظ بدل رہا ہو۔

اور ایک ہے اختلافِ تقدیری۔ تقدیراً بدلتا ہے، تقدیراً کا معنی ہے فرض کر لینا، کیا معنی؟ فرض کر لینا۔ میں نے کہا: «جَاءَنِي مُوسَى»، اس وقت یہ مرفوع ہے۔ «رَأَيْتُ مُوسَى»، اس وقت منصوب ہے۔ «مَرَرْتُ بِمُوسَى»، اس وقت کیا ہے؟ مجرور ہے۔ لیکن تینوں حالتوں میں ایک جیسا ہے، اخر

کوئی بدل رہا ہے؟ نہیں، حالانکہ معرب کا آخر تو کیا ہے؟ بدلتا ہے، تو جواب یہ کہ یہ معرب ہی ہے، ہاں اس کا اختلاف جو ہے وہ اس کا بدل اس کے اختلاف کو ہم فرض کر لیتے ہیں، کیا کر لیتے ہیں؟ فرض کر لیتے ہیں۔ تو «جَاءَنِي مُوسَى»، اس وقت موسیٰ پر کیا ہے؟ رفع، لیکن لفظوں میں ہے، تلفظ میں ہے یا فرض کر لیا گیا ہے؟ فرض کر لیا۔ تو یہ معنی ہے تقدیراً گا کہ وہاں کوئی مانع ہوتا ہے جس کی وجہ سے اعراب آ نہیں سکتا، اگر وہ مانع نہ ہوتا تو اعراب آ جاتا۔ اور موسیٰ کے آخر میں کیا ہے؟ الفِ مقصورہ، اور الف پر کوئی زبر، زیر، پیش آ سکتے ہیں؟ نہیں، تو یہ مانع موجود ہے، یہ مانع اگر نہ ہوتا تو رفع آ جاتا یا نہ آ جاتا؟ نصب آ جاتا یا نہ آتا؟ جر آتا یا نہ آتا؟ تینوں اعراب اس پر آ جاتے، لیکن یہاں مانع کیا ہے؟ آخر میں کیا آیا؟ الفِ مقصورہ آ رہا ہے، تو ہم نے فرض کر لیا: «جَاءَنِي مُوسَى»، تقدیراً ہم کہتے ہیں یہ مرفوع ہے یعنی فرض کر لیا کہ اس وقت اس پر کیا ہے؟ رفع۔ «رَأَيْتُ مُوسَى»، تقدیراً اس وقت اس پر نصب ہے یعنی ہم نے کیا فرض کر لیا ہے اس پر کون سی حرکت آ گئی ہے اب؟ حرکت کون سی آ گئی؟ نصب آ گیا ہے۔ «مَرَرْتُ بِمُوسَى»، یہاں جر تقدیری ہے یعنی جر ہم نے فرض کر لیا ہے اس وقت اس وقت اس پر کیا ہے؟ جر ہے۔ معلوم ہوا معرب وہ ہے جس کا اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے عوامل کے بدلنے سے، عامل اگر رفع والا ہے تو اس پر رفع آئے گا، عامل اگر نصب والا ہے تو اس پر نصب آئے گا، عامل اگر جر والا ہے تو اس پر کیا آئے گا؟ جر آئے گا۔ اور یہ آخر کا بدلنا لفظاً بھی ہو سکتا ہے اور تقدیراً بھی۔ لفظاً کا کیا معنی؟ کہ باقاعدہ تلفظ سے ہی پتہ چل رہا ہے، بدل رہا ہے: «جَاءَنِي زَيْدٌ»، «رَأَيْتُ زَيْدًا»، «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»، باقاعدہ تلفظ سنتے ہی آپ کو پتہ چل جاتا ہے اس وقت اس پہ رفع پڑھ رہے ہیں، نصب پڑھ رہے ہیں یا جر۔ تو یہ اختلاف یا تو لفظاً ہو گا یعنی تلفظ کے اعتبار سے ہو گا، «أَوْ تَقْدِيرِيًّا»، یا کیا ہو گا؟ تقدیراً یعنی فرض کر لیا گیا کیونکہ وہاں مانع موجود ہے، وہ مانع نہ ہوتا تو پھر اس پر رفع بھی آ جاتا، نصب بھی آ جاتا اور جر بھی آ جاتا۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

اب دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں: «حُكْمُهُ»، معرب کا حکم یہ ہے: «أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ»، کہ اس کا آخر بدلتا ہے، آخر مختلف ہوتا ہے یعنی آخر بدلتا ہے، «بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ»، یہ باسببیہ ہے ای بسبب اختلاف العوامل، عوامل کے بدلنے کے سبب سے، عوامل کے بدلنے کی وجہ سے۔ تو معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے عوامل کے بدلنے کی وجہ سے، «اخْتِلَافًا لَفْظِيًّا»، یہ بدلنا یا تو لفظاً ہو گا: «نَحْوُ: «جَاءَنِي زَيْدٌ»، وَ«رَأَيْتُ زَيْدًا»، وَ«مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»»، «أَوْ تَقْدِيرِيًّا»، یا یہ بدلنا تقدیراً ہو گا: «نَحْوُ: «جَاءَنِي مُوسَى»، وَ«رَأَيْتُ مُوسَى»، وَ«مَرَرْتُ بِمُوسَى»»، جی۔

▪ قولہ: «وَالْإِعْرَابُ مَا بِهِ يَخْتَلِفُ آخِرُ الْمُعْرَبِ» کی تشریح

«وَالْإِعْرَابُ مَا بِهِ يَخْتَلِفُ آخِرُ الْمُعْرَبِ»۔ اب اعراب کی تعریف کرنے لگے ہیں: اعراب کسے کہتے ہیں؟ معرب کی تعریف بھی بیان کر دی، اس کا حکم بھی بیان کر دیا کہ اس کا آخر بدلتا ہے یعنی اس پر اعراب بدلتا ہے، اب بتلانے لگے ہیں اعراب کسے کہتے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَالْإِعْرَابُ مَا»، اعراب جو ہے ماوہ چیز ہے، «بِهِ يَخْتَلِفُ آخِرُ الْمُعْرَبِ»، جس کے ساتھ بدلتا ہے معرب کا آخر۔ اعراب وہ چیز ہے جس کے ساتھ معرب کا آخر بدلتا ہے۔ آگے بتلا رہے ہیں جیسے «كَالضَّمَّةِ»، جیسے ضمہ ہے، «وَالْفَتْحَةِ»، اور فتحہ ہے، «وَالْكَسْرَةِ»، اور کسرہ ہے، «وَالْوَاوِ، وَالْأَلِفِ، وَالْيَاءِ»، اور واؤ ہے، اور الف ہے، اور یا ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں بھائی نحو میر وغیرہ کے اندر کہ وہ ۱۶ قسمیں اعراب کے اعتبار سے، اس میں آپ نے پڑھا تھا بعض لفظوں پر اعراب جو ہے اعراب بالحرکۃ آتا ہے، بعضوں پر اعراب بالحروف آتا ہے۔

اعراب بالحرکۃ: حرکت بدلتی ہے: «جَاءَنِي زَيْدٌ»، «رَأَيْتُ زَيْدًا»، «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»، صرف آخر میں حرکت بدل رہی ہے: رفع، نصب اور جر، جی۔ اور بعض اوقات اعراب بدلتا ہے حروف کے بدلنے کی صورت میں: «جَاءَنِي أَبُوكَ»، دیکھو ابو کا واؤ کے ساتھ ہے، «رَأَيْتُ أَبَاكَ»، دیکھو الف کے ساتھ ہے، «مَرَرْتُ بِأَبِيكَ»، دیکھو یا کے ساتھ ہے۔ تو اعراب کا بدلنا یا تو حرکت کے بدلنے سے ہو گا، وہ حرکت بدلے گی: ضمہ، فتحہ یا کسرہ کی، یا اعراب کا بدلنا کس کے ساتھ ہو گا؟ حروف کے ساتھ، حروف کی صورت میں، اور وہ حروف کیا ہو سکتے ہیں؟ واؤ بھی ہو سکتے ہیں، الف بھی ہو سکتا ہے اور یا بھی۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی؟

دوبارہ دیکھیے، کہتے ہیں: «وَالْإِعْرَابُ مَا بِهِ يَخْتَلِفُ آخِرُ الْمُعْرَبِ»، اعراب وہ چیز ہے کہ جس کے ساتھ بدلتا ہے معرب کا آخر، «كَالضَّمَّةِ وَالْفَتْحَةِ وَالْكَسْرَةِ»، جیسے ضمہ ہے، فتحہ ہے اور کسرہ ہے، «وَالْوَاوِ»، واؤ مجرور پڑھنا کیونکہ یہ سب کاف کے نیچے ہیں: «كَالضَّمَّةِ»، کاف حرفِ جر ہے نا، جر دے رہا ہے، اور الضمۃ بھی مجرور، والفتحۃ اسی پر عطف ہے وہ بھی مجرور، والکسرۃ وہ بھی مجرور، والواو والالف والیاء سارے مجرور ہیں، اور جیسے کہ واؤ ہے اور الف ہے اور یا ہے۔

«وَإِعْرَابُ الِاسْمِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَنْوَاعٍ: رَفْعٌ، وَنَصْبٌ، وَجَرٌّ»۔ اور اسم کا اعراب، واعراب الاسم اسم کا اعراب «عَلَى ثَلَاثَةِ أَنْوَاعٍ»، تین قسم پر ہے، اس کی تین قسمیں ہیں: رفع، نصب اور جر، تین قسمیں ہیں۔ کبھی رفع آئے گا اسم پر، کبھی نصب آئے گا، اور کبھی جر آئے گا۔ ہاں فعل کے اندر جر نہیں آتا، فعل کے اندر فعلِ مضارع میں رفع بھی آتا ہے، نصب بھی آتا ہے، لیکن جر کے بجائے کیا آتا ہے وہاں؟ جزم آتا ہے، جزم بھائی۔ تو کہتے ہیں اسم کا اعراب تین قسم پر ہے: رفع، نصب اور جر۔

■ قولہ: «وَالْعَامِلُ مَا بِهِ رَفْعٌ أَوْ نَصْبٌ أَوْ جَرٌّ» کی تشریح

«وَالْعَامِلُ مَا بِهِ رَفْعٌ أَوْ نَصْبٌ أَوْ جَرٌّ»۔ بھائی پہلے یہ سمجھ لیں: اوپر آیا تھا کالضمۃ والفتحۃ والکسرۃ، اور آگے اب آیا: «رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ»، یہ اور نام آگئے۔ یاد رکھو یہاں تین طرح کے نام ہیں، کتنے طرح کے نام ہیں؟ ان حرکتوں کے یا ان کے یہ اعراب کے تین طرح حرکت اور اعراب کے تین طرح کے نام ہیں:

نمبر ایک: ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ، آخر میں تا نہیں ملی ہوئی۔ ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ۔ دوسرا نام ہے انہی کے ساتھ تا ملا دو: ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ۔ اور تیسرا ہے: رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ۔

کتنی قسم کے نام؟ تین: نمبر ایک کیا؟ ضمٌّ، فتحٌ، کسرٌ۔ دوسرا: ضمۃٌ، فتحۃٌ، کسرۃٌ۔ اور تیسرا: رفعٌ، نصبٌ اور جرٌّ۔

یہ تین نام ہیں، ان میں فرق اچھی طرح سمجھ لو بھائی، فرق اچھی طرح۔ یاد رکھیے: ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ جو بغیر تا کے ہیں، بغیر تا کے، یہ خاص ہیں مبنی کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ مبنی کے ساتھ۔ مثلاً هٰؤُلَاءِ، یہ هٰؤلاء کی آخر میں ہمزہ کے نیچے زیر ہے، یہ کوئی اعراب نہیں ہے، یہ مبنی کی آخر کی حرکت ہے، کیا ہے؟ حرکت ہے، یہ اعراب نہیں، یہ اسی طرح رہے گا چاہے یہ مرفوع ہو، چاہے منصوب ہو، چاہے مجرور ہو، اس اخری ہمزہ کے نیچے کیا ائے گا؟ هٰؤُلَاءِ، اس اخری ہمزہ میں کیا ائے گا نیچے؟ کسرہ ہی رہے گا۔ تو اس کو کہیں گے یہ مبنی علی الکسر ہے، مبنی علی الکسر ہے۔ تو یہ معلوم ہوا یہ ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ یہ کس کی حرکت بیان کرنے کے لیے آتے ہیں؟ مبنی کی، کس کی حرکت؟ مبنی کی حرکت بیان کرنے کے لیے آتے ہیں۔

اور دوسرا نام ہے ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ، یہ معرب اور مبنی دونوں کے لیے استعمال ہو جاتے ہیں، معرب کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے اور مبنی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

اور تیسرا نام ہے رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ، وہ معرب کے ساتھ خاص ہے، کس کے ساتھ؟ معرب: «جَاءَنِي زَيْدٌ»، آپ کہیں گے زیدٌ مرفوع ہے، اس پر رفع ہے۔ «رَأَيْتُ زَيْدًا»، زید پر نصب ہے۔ «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»، زید پر کیا ہے؟ جر ہے بھائی۔

فرق سمجھ میں آگیا؟ کتنی قسم کے نام؟ تین: رفع ضمٌّ، فتحٌ، کسرٌ، اور ضمۃٌ، فتحۃٌ، کسرۃٌ، اور رفعٌ، نصبٌ، جرٌّ۔ پہلا بغیر تا کے جو ہے ضمٌّ، فتحٌ، کسرٌ وہ کس کے ساتھ خاص؟ مبنی کے ساتھ، مبنی کی حرکت بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ دوسرا جو ہے تا کے ساتھ ضمۃٌ، فتحۃٌ، کسرۃٌ وہ معرب اور مبنی دونوں کے لیے استعمال ہو جاتا ہے، معرب کے لیے بھی استعمال کر لیتے ہیں اور مبنی کے لیے بھی۔ اور تیسرا جو ہے رفعٌ، نصبٌ، جرٌّ وہ کس کے ساتھ خاص؟ وہ معرب کے ساتھ اس کی حرکت بیان کرنے کے لیے۔

بھائی اعراب بھی بیان کر دیا، اعراب بھی بیان کر دیا۔ اب عامل بیان کرنے لگے ہیں کہ عامل بھائی جس کی وجہ سے رفع، نصب یا جر آتا ہے، وہ بیان کرنے لگے ہیں عامل کسے کہتے ہیں: کہتے ہیں: «وَالْعَامِلُ مَا بِهِ رَفْعٌ أَوْ نَصْبٌ أَوْ جَرٌّ»، عامل ماوہ چیز ہے بہ رفعٌ جس کی وجہ سے رفع ہو، اونصبٌ یا نصب ہو، اوجرٌ یا جر ہو۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ»، زیدٌ پر کیا ہے؟ رفع، تو عامل کون؟ کون رفع دے رہا ہے؟ جاء، جاء فعل جو ہے۔ «رَأَيْتُ زَيْدًا»، زید پر اس وقت نصب ہے، تو کون عامل ہے؟ رأیتُ۔ اور «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»، زید پر کسرہ ہے، کون جر دے رہا ہے؟ با ہے، با جارہ جو ہے با جارہ نے عمل کیا اور اس کو جر دیا، تو زیدٍ مجرور ہے بھائی مجرور۔ تو کہتے ہیں: «وَالْعَامِلُ مَا بِهِ رَفْعٌ أَوْ نَصْبٌ أَوْ جَرٌّ»، عامل وہ چیز ہے جس کی وجہ سے رفع ہو یا نصب ہو یا جر ہو۔

■ قولہ: «وَمَحَلُّ الْإِعْرَابِ مِنَ الِاسْمِ هُوَ الْحَرْف...» کی تشریح

«وَمَحَلُّ الْإِعْرَابِ مِنَ الِاسْمِ هُوَ الْحَرْفُ الْأَخِيرُ»۔ اچھا بھائی مجھے یہ بتایئے: رفع، نصب یا جر معرب پر آتا ہے، تو کہاں پر آتا ہے؟ شروع

میں، درمیان میں یا آخر میں؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ»، رفع زا پہ آیا، یا پہ یا دال پر سب سے؟ سب سے آخر میں دال پر آیا، تو یہ جو آخری حرف ہے نا یہ ہے محلِ اعراب۔ اس پر یہ محل کا معنی جگہ، محلِ اعراب: اعراب کی جگہ، تو اس پر اعراب آیا کرتا ہے، وہی بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَمَحَلُّ الْإِعْرَابِ مِنَ الِاسْمِ هُوَ الْحَرْفُ الْأَخِيرُ»، اور اعراب کی جگہ اسم میں ھو الحرف الاخیر وہ کیا ہے؟ آخری حرف ہے۔

«مِثَالُ الْكُلِّ: نَحْوُ: «قَامَ زَيْدٌ»»۔ مثال الکل ان سب کی مثال، ان سب کی مثال، بھائی دیکھیے: ادھر دیکھیے، معرب کا بھی ذکر ہوا، اعراب کا بھی ذکر ہوا، اور عامل کا بھی ذکر ہوا، اور محلِ اعراب بھی ذکر ہوا۔ ان سب کی مثال اب ذکر کرنے لگے ہیں تو کہتے ہیں: مثال الکل ان سب کی مثال: «نَحْوُ: «قَامَ زَيْدٌ»»، «قَامَ زَيْدٌ»، جی اس میں معرب کیا؟ زیدٌ ہے۔ اعراب کیا ہے؟ رفع ہے۔ اچھا عامل کون ہے؟ قام، قام کیا ہے؟ عامل ہے، اور محلِ اعراب کیا ہے؟ دال ہے، شاباش۔ تو کہتے ہیں: «فَقَامَ عَامِلٌ»، تو قام جو ہے وہ عامل ہے، «وَزَيْدٌ مُعْرَبٌ»، اور زید کیا ہے؟ معرب ہے، «وَالضَّمَّةُ إِعْرَابٌ»، اور ضمہ اعراب ہے، «وَالدَّالُ مَحَلُّ الْإِعْرَابِ»، اور دال کیا ہے؟ محلِ اعراب ہے۔

«وَاعْلَمْ»، یہاں سے ایک چھوٹی سی بات بیان کرنے لگے ہیں، کہتے ہیں بھائی دیکھیے یاد رکھیے معرب جو ہیں معرب جس پر اعراب آتا ہے، اعراب ظاہر ہوتا ہے، اعراب ظاہر ہوتا ہے، وہ دو چیزیں ہیں کلامِ عرب میں صرف: ایک اسمِ متمکن ہے جو ابھی پیچھے گزرا، وہی معرب اس کا کیا نام تھا؟ اسمِ متمکن، ایک وہ اسمِ متمکن ہے، اور ایک فعلِ مضارع ہے۔ فعلِ مضارع جو ہے اس پر بھی اعراب آئے گا، اور اسمِ متمکن پر بھی اعراب ائے گا، باقی کسی بھی چیز پر اعراب ظاہر نہیں ہو گا۔

تو کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يُعْرَبُ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ إِلَّا الِاسْمُ الْمُتَمَكِّنُ، وَالْفِعْلُ الْمُضَارِعُ»، اور جان لے کہ اعراب نہیں دیا جاتا کہ کلامِ عرب کے اندر مگر اسمِ متمکن پر، والفعل المضارع اور کس کو؟ اور فعلِ مضارع کو۔

▪ قولہ: «وَسَيَجِيءُ حُكْمُهُ فِي الْقِسْمِ الثَّانِي، إِنْ...» کی تشریح

«وَسَيَجِيءُ حُكْمُهُ فِي الْقِسْمِ الثَّانِي، إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى»۔ «وَسَيَجِيءُ»، سین مستقبل کے ساتھ خاص کر دیتا ہے اور قریب کے لیے: «وَسَيَجِيءُ»، اور عنقریب آجائے گا «حُكْمُهُ» اس کا حکم، کس کا حکم؟ فعلِ مضارع کا، اسمِ متمکن یا معرب کا حکم تو بیان کر چکے ہیں یہ پہلے ہی، تو کس کا حکم اجائے گا؟ فعلِ مضارع کا۔ تو کہتے ہیں اور عنقریب فعلِ مضارع کا حکم آجائے گا دوسری قسم میں، «إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى»، اگر اللہ نے چاہا۔ تو یہ قسمِ اول چل رہی ہے، اس میں اسمِ معرب کا بیان ہے، اور قسمِ ثانی کے اندر فعل کا بیان ہو گا تو وہاں فعلِ مضارع کا بھی بیان آجائے گا، اور قسمِ ثالث میں تو حروف کا حروف کی بحث آئے گی بھائی، حروف کی بحث۔

چلیے، بس بھائی اج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ تو یہ اس کا حکم بھی آپ نے یاد کرنا ہے معرب کا، اور عربی لفظ یاد کرنے ہیں، عربی لفظ بھائی۔ اور اعراب کسے کہتے ہیں یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیے، عامل کسے کہتے ہیں، محلِ اعراب وغیرہ بھائی۔

چلیے، بس بھائی۔ «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۱۰: فصل فی اصناف اعراب الاسم (پہلی تا چوتھی صنفِ اعراب کا بیان)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۳—بتاریخ: ۱۱ ستمبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ فِي أَصْنَافِ إِعْرَابِ الِاسْمِ، وَهِيَ تِسْعَةُ أَصْنَافٍ:

الْأَوَّلُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالضَّمَّةِ، وَالنَّصْبُ بِالْفَتْحَةِ، وَالْجَرُّ بِالْكَسْرَةِ، وَيُخْتَصُّ بِالْمُفْرَدِ الْمُنْصَرِفِ الصَّحِيحِ، وَهُوَ عِنْدَ النُّحَاةِ: مَا لَا يَكُونُ فِي آخِرِهِ حَرْفُ عِلَّةٍ، كَزَيْدٍ، وَبِالْجَارِي مَجْرَى الصَّحِيحِ، وَهُوَ مَا يَكُونُ فِي آخِرِهِ وَاوٌ أَوْ يَاءٌ، مَا قَبْلَهُمَا سَاكِنٌ، كَدَلْوٍ وَظَبْيٍ، وَبِالْجَمْعِ الْمُكَسَّرِ الْمُنْصَرِفِ، كَرِجَالٍ، تَقُولُ: جَاءَنِي زَيْدٌ وَدَلْوٌ وَظَبْيٌ وَرِجَالٌ، وَرَأَيْتُ زَيْدًا وَدَلْوًا وَظَبْيًا وَرِجَالًا، وَمَرَرْتُ بِزَيْدٍ وَدَلْوٍ وَظَبْيٍ وَرِجَالٍ۔

الثَّانِي: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالضَّمَّةِ، وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْكَسْرَةِ، وَيُخْتَصُّ بِجَمْعِ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمِ، تَقُولُ: هُنَّ مُسْلِمَاتٌ، وَرَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ، وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ۔

الثَّالِثُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالضَّمَّةِ، وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْفَتْحَةِ، وَيُخْتَصُّ بِغَيْرِ الْمُنْصَرِفِ، كَعُمَرَ، تَقُولُ: جَاءَنِي عُمَرُ، وَرَأَيْتُ عُمَرَ، وَمَرَرْتُ بِعُمَرَ۔

الرَّابِعُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالْوَاوِ، وَالنَّصْبُ بِالْأَلِفِ، وَالْجَرُّ بِالْيَاءِ، وَيُخْتَصُّ بِالْأَسْمَاءِ السِّتَّةِ مُكَبَّرَةً، مُوَحَّدَةً، مُضَافَةً إِلَى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، وَهِيَ: أَخُوكَ، وَأَبُوكَ، وَهَنُوكَ، وَحَمُوكِ، وَفُوكَ، وَذُو مَالٍ، تَقُولُ: جَاءَنِي أَخُوكَ، وَرَأَيْتُ أَخَاكَ، وَمَرَرْتُ بِأَخِيكَ، وَكَذَا الْبَوَاقِي۔

بھائی، اسم معرب کی بحث شروع ہوئی تھی۔ معرب کی انہوں نے تعریف کی اور آپ کو بتلایا کہ اسم معرب کسے کہتے ہیں: وہ اسم جس کو دوسرے اسم کے ساتھ جوڑا گیا ہو، یعنی ترکیب میں واقع ہو، اور دوسری شرط میں نے ذکر کی تھی کہ ساتھ اس کا عامل بھی ہو، اور تیسری شرط یہ کہ وہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہ ہو۔ یہ تینوں شرطیں جب پوری ہوں گی تو یہ معرب ہو گا، اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری نہ ہوئی یا دو یا تینوں ہی شرطیں پوری نہ ہوئیں تو اس صورت میں وہ معرب نہیں ہو گا بلکہ مبنی ہو گا بھائی۔

اور معرب کا حکم بھی انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا ہے: اگر رفع والا عامل آئے گا تو اس پر رفع آجائے گا، نصب والا عامل آئے گا تو اس پر نصب آئے گا، جر والا عامل آئے گا تو اس پر جر آجائے گا، جر آجائے گا۔ اس کے بعد انہوں نے اعراب کی بھی تعریف کر دی، عامل کی بھی تعریف کر دی، محلِ اعراب کے بھی محلِ اعراب کے بارے میں بھی آپ کو بتلا دیا۔

اب اعراب کی قسمیں، اعراب کے اعتبار سے یہ معرب کتنی قسم پر ہے وہ قسمیں بیان کریں گے بھائی۔ آپ نے نحو میر کے اندر آپ نے پڑھا ہو گا کہ اعراب کے اعتبار سے اسم کی ۱۶ قسمیں ہیں، معرب کی ۱۶ قسمیں، یاد ہیں کہ نہیں بھائی؟ وہ ۱۶ قسمیں ہیں، اور لیکن یہ ان ۱۶ کو لپیٹ کر اس کی ۹ قسمیں بنا دیں گے بھائی، ۹ قسمیں۔ تو یہی ذکر کر رہے ہیں بھائی:

▪ متن و فصل: فَصْلٌ فِي أَصْنَافِ إِعْرَابِ الِاسْمِ، یہ فصل ہے، اصناف بم...

«فَصْلٌ فِي أَصْنَافِ إِعْرَابِ الِاسْمِ»، یہ فصل ہے، اصناف بمعنی اقسام کے ہے، اسم کے اعراب کی اقسام میں، یہ فصل ہے اسم کے اعراب کی اقسام میں یعنی اس کی قسموں کے بیان میں، «وَهِيَ تِسْعَةُ أَصْنَافٍ»، اور یہ نو قسمیں ہیں، دیکھو وہ ۱۶ کی کتنی بنا دیں گے؟ نو قسمیں بنا دیں گے۔

«الْأَوَّلُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالضَّمَّةِ»، پہلی قسم یہ ہے کہ رفع جو ہے اس کا ضمہ کے ساتھ آئے، «وَالنَّصْبُ بِالْفَتْحَةِ»، اور نصب فتحہ کے ساتھ آئے، «وَالْجَرُّ بِالْكَسْرَةِ»، اور جر کسرہ کے ساتھ آئے۔ معلوم ہوا تینوں قسم کے اعراب اس پر آتے ہیں اس قسم نے: حالتِ رفعی میں ضمہ آئے گا، حالتِ نصبی میں فتحہ آئے گا، اور حالتِ جری میں کسرہ آئے گا۔ اور یہ کس کے کس میں آئے گا؟ کہتے ہیں: «وَيُخْتَصُّ بِالْمُفْرَدِ الْمُنْصَرِفِ الصَّحِيحِ»، اور یہ قسم خاص ہے مفرد منصرف صحیح کے ساتھ، مفرد منصرف صحیح۔ بھائی مفرد کہا، اس کے ذریعے تثنیہ اور جمع کو نکال دیا، تثنیہ اور جمع کا یہ اعراب نہیں وہ اس قسم کے اندر داخل نہیں۔ منصرف کہا، منصرف کے ذریعے غیر منصرف کو نکال دیا بھائی، کیونکہ غیر منصرف کا یہ اعراب نہیں وہ آگے آئے گا۔ الصحیح، صحیح کے ذریعے ناقص کو نکال دیا، کس کو نکال دیا؟ ناقص کو نکال دیا۔

لیکن یاد رکھنا بھائی، یہ صحیح سے مراد نحوی صحیح ہے، وہ جو علمِ صرف میں آپ نے پڑھا تھا صحیح وہ صحیح مراد نہیں۔ تو ایک صحیح ہے علمِ نحو والوں کے نزدیک، ایک صحیح ہے علمِ صرف والوں کے نزدیک۔ علمِ صرف میں آپ نے پڑھا تھا صحیح کسے کہتے ہیں؟ جس کا فا، عین، لام کے مقابلے میں کوئی حرفِ علت بھی نہ ہو، ہمزہ بھی نہ ہو، اور تضعیف بھی نہ ہو یعنی دو حرف ایک جنس والے بھی نہ ہوں۔ تو وہ صحیح ہے علمائے صرف کے نزدیک۔ لیکن یاد رکھو نحوی جو ہے نحوی نے بحث کرنی ہوتی ہے اعراب سے، کس سے؟ اعراب سے کہ اعراب کیا ئے گا اسم پر، اور اعراب اتا ہے آخری حرف پر، لہٰذا وہ صرف آخری حرف کو دیکھیں گے۔ اگر آخری حرف کی جگہ کوئی حرفِ علت ہے تو وہ صحیح نہیں، اور اگر حرفِ علت نہیں چاہے شروع اور درمیان میں بے شک ہو لیکن آخر میں حرفِ علت نہیں ہے تو وہ صحیح ہے۔ تو نحویوں کے نزدیک صحیح کسے کہتے ہیں جس کے آخر میں حرفِ علت نہ ہو، اور صرفیوں کے نزدیک صحیح کسے کہتے تھے جس میں فا، عین، لام تینوں کے مقابلے میں نہ حرفِ علت ہو، نہ ہمزہ ہو اور نہ دو حرف ایک جنس کے ہوں بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَيُخْتَصُّ بِالْمُفْرَدِ الْمُنْصَرِفِ الصَّحِيحِ»، اور یہ قسم خاص ہے مفرد منصرف صحیح کے ساتھ، «وَهُوَ عِنْدَ النُّحَاةِ»، خود دیکھیے بتلا رہے ہیں: اور صحیح جو ہے نحویوں کے نزدیک، «مَا لَا يَكُونُ فِي آخِرِهِ حَرْفُ عِلَّةٍ»، وہ اسم ہے کہ نہ ہو اس کے آخر میں حرفِ علت، ما سے مراد ہے اسم، وہ معرب ہے وہ اسم ہے کہ اس کے آخر میں حرفِ علت نہ ہو، «كَـ«زَيْدٍ»»، جیسے کہ زید کا لفظ بھائی۔

تو یہ اعراب خاص ہوا کس کے ساتھ؟ مفرد منصرف صحیح۔ یہ نام یاد کرتے جائیں، یہ ابھی میں تکرار بھی کرواؤں گا اور سنوں گا بھی بھائی۔ اور یہ تو یہ خاص ہے مفرد منصرف صحیح کے ساتھ۔

آگے دیکھیے: «وَبِالْجَارِي مَجْرَى الصَّحِيحِ»، اور جو جاری مجرائے صحیح ہے بھائی۔ جاری مجرائے صحیح یعنی قائم مقام صحیح ہے، صحیح صحیح تو نہیں لیکن صحیح کے قائم مقام ہے۔ بھائی جاری مجرائے صحیح کسے کہتے ہیں؟ یاد رکھو، ابھی انہوں نے آپ کو بتایا کہ نحویوں کے نزدیک صحیح وہ ہے جس کے آخر میں حرفِ علت نہ آئے۔ جاری مجرائے صحیح میں آخر میں حرفِ علت ائے گا، جب آخر میں حرفِ علت ایا تو وہ صحیح ہے؟ صحیح تو نہیں، صحیح تو وہ تھا جس کے آخر میں حرفِ علت نہ ائے، تو جب آخر میں حرفِ علت آجائے تو وہ صحیح تو نہیں۔ لیکن ایک صورت میں اس پر یہ تینوں اعراب پڑھنا آسان ہوتے ہیں کہ وہ جو آخر میں حرفِ

علت آرہا ہے اس سے ما قبل والا حرف ساکن ہو۔ آخر میں کیا ہے؟ حرفِ علت: واؤ یا یا ہے، لیکن اس واؤ یا یا سے ما قبل کیا ہے؟ ایسا حرف ہے جو ساکن ہے، جیسے دَلْوٌ اور ظَبْيٌ۔ دَلْوٌ، دیکھو آخر میں واؤ آرہا ہے تو معلوم ہوا یہ صحیح تو نہیں، صحیح تو نہیں لیکن یہ قائم مقام صحیح کے ہے یعنی اسی کی طرح ہے، اسی جیسا ہے۔ اس لیے کیونکہ آخر میں جو واؤ یا یا، واؤ سے ما قبل ہے لام اور وہ لام کیا ہے؟ ساکن ہے۔ اسی طرح ظَبْيٌ کے آخر میں یا آگئی، جب یا آئی معلوم ہوا یہ صحیح تو نہیں، لیکن یہ قائم مقام صحیح ہے کیونکہ اس یا سے ما قبل کیا ہے؟ با، اور با کیا ہے؟ ساکن ہے۔ تو معلوم ہوا جاری مجرائے صحیح وہ اسمِ معرب ہے جس کے آخر میں حرفِ علت ہو یعنی واؤ یا یا، اور ما قبل اس کا ساکن ہو۔

چونکہ واؤ یا یا پر ویسے تو اعراب کا پڑھنا مشکل، لیکن ما قبل میں جب سکون آگیا تو اب اس پر اعراب کا پڑھنا آسان ہوا، اب اس پر یہ تینوں قسم کے اعراب آسکتے ہیں: «جَاءَنِي دَلْوٌ وَظَبْيٌ»، «رَأَيْتُ دَلْوًا وَظَبْيًا»، «مَرَرْتُ بِدَلْوٍ وَظَبْيٍ» بھائی۔ تو اب اعراب اس پر تینوں طرح کے اور یہی اعراب ائیں گے جو کس پر ارہے تھے؟ مفرد منصرف صحیح پر، تو جاری مجرائے صحیح پہ بھی اسی طرح ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَبِالْجَارِي مَجْرَى الصَّحِيحِ»، اور وہ جو قائم مقام ہے صحیح کے اس کے ساتھ یہ اعراب کی قسم خاص ہے۔ بھائی جاری مجرائے صحیح کسے کہتے ہیں؟ میں نے آپ کو سمجھا دیا: آخر میں حرفِ علت ہو اور ما قبل اس کا ساکن ہو۔ خود تعریف کر رہے ہیں: «وَهُوَ مَا يَكُونُ فِي آخِرِهِ وَاوٌ أَوْ يَاءٌ، مَا قَبْلَهُمَا سَاكِنٌ»، سب کی کتابوں میں ما قبلہما ہے؟ ماقبلہا ہونا چاہیے ویسے بھائی، ماقبلہا۔ سمجھ میں آیا؟ کہ وہ ایسا اسم ہے فی اخرہ واو او یاء اس کے آخر میں ایسا واؤ ہو، یہ واوٌ او یاءٌ موصوف، اور ما قبلہما ساکنٌ اس کی صفت، اور موصوف صفت کا ترجمہ کرتے ہوئے موصوف سے پہلے کیا لفظ لے آتے ہیں؟ ایسا، نکرہ کے اندر ایسا یا ایسی۔ کہ وہ اسم ہے کہ اس کے آخر میں ایسا واؤ یا ایسی یا ہو، ماقبلہا ساکنٌ کہ اس واؤ یا یا کا ما قبل کیا ہو؟ ساکن ہو، «كَ«دَلْوٍ» وَ«ظَبْيٍ»»، جیسے کہ دَلْوٌ اور ظَبْيٌ۔ دَلْوٌ واوی ہے، آخر میں واؤ آیا تو ایک واوی کی مثال ذکر کر دی، اور ظَبْيٌ کے آخر میں یا ہے تو ایک یائی کی مثال ذکر کر دی۔ دَلْوٌ کا معنی ہے ڈول، اور ظَبْيٌ کا معنی ہے ہرن۔

تو جاری مجرائے صحیح کسے کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں واؤ یا یا ہو اور ما قبل اس کا ساکن ہو۔

یہاں ایک اور فائدہ یاد رکھیے گا: ہر وہ اسم جس کے آخر میں واوِ مشدد یا یائے مشدد آئے، وہ بھی جاری مجرائے صحیح ہوتا ہے۔ ہر وہ اسم جس کے آخر میں واؤ مشدد آجائے یا یا مشدد آجائے، یا مشدد آجائے مثلاً جیسے لَاهُورِيٌّ، بَاكِسْتَانِيٌّ، تو یہ لاہوریٌّ کیا ہے؟ جاری مجرائے صحیح، اور اسی طرح پاکستانی کیا ہے؟ جاری مجرائے صحیح۔ اسی طرح مَدْعُوٌّ، یہ بھی کیا ہے؟ جاری مجرائے صحیح، کیونکہ آخر میں واوِ مشدد آیا۔ اسی طرح مَرْمِيٌّ، یہ بھی کیا ہے؟ جاری مجرائے صحیح، کیونکہ آخر میں یائے مشدد آئی۔ تو بات سمجھ میں آئی بھائی؟ ہر وہ اسم جس کے آخر میں کیا آئے؟ واؤ مشدد یا یا مشدد، وہ بھی کیا ہو گا؟ جاری مجرائے صحیح ہو گا۔ بھائی تعریف آپ منطبق کر کے دیکھ لیں، جاری مجرائے صحیح کسے کہتے تھے؟ جس کے آخر میں واؤ ہو یا یا اور ان کا ما قبل ساکن ہو۔ تو یاد رکھیے جو حرفِ مشدد ہوتا ہے یہ دو حروف ہوتے ہیں: لاہوریٌّ، یہ یا مشدد ہے تو دراصل دو یا ہیں: لاہوریْ یُن۔ تو حرفِ مشدد دراصل دو حروف ہوتے ہیں اور ان میں سے پہلا کیا ہوتا ہے؟ ساکن ہوتا ہے اور دوسرے پر حرکت ہوتی ہے۔ جیسے لاہوریٌّ، لاہوریْ یُن، دیکھا پہلی یا ساکن اور دوسری پر حرکت ہے۔ تو یا آخر میں کیا آئی؟ یائے متحرک اور ما قبل اس کا ساکن ہے۔ اسی طرح مَدْعُوٌّ، یہ یہ دراصل آخر میں یہ جو واؤ مشدد ہے یہ دراصل دو واؤ ہیں، اور دوسرے پر تو حرکت ہے لیکن پہلے پر پہلا کیا ہے؟ ساکن ہے: مَدْعُوْ وُن، تو اسی میں ادغام ہوا ہے مدعوٌّ۔ تو حاصل کیا ہوا؟ ہر وہ اسم جس کے آخر میں واؤ یا یا مشدد آجائیں وہ کیا ہوتے ہیں؟ جاری مجرائے صحیح ہو گا، اور اس پر بھی تینوں طرح کے اعراب آئیں گے: «جَاءَنِي لَاهُورِيٌّ»، «رَأَيْتُ لَاهُورِيًّا»، «مَرَرْتُ بِلَاهُورِيٍّ»، صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ جاری مجرائے صحیح ہے بھائی۔ تو یہ یاد رکھنا کہ اس طرح کے اسم جگہ جگہ آتے ہیں جس کے آخر میں واؤ یا یا مشدد ہوتی ہے بھائی، تو وہ اس پر تینوں طرح کے اعراب بالحرکۃ آئیں گے اور لفظاً آئیں گے یعنی اس پر آپ با قاعدہ تلفظ کریں گے۔

جی، تو یہ اعراب خاص ہوا مفرد منصرف صحیح کے ساتھ اور جاری مجرائے صحیح کے ساتھ۔

▪ قولہ: «وَبِالْجَمْعِ الْمُكَسَّرِ الْمُنْصَرِفِ» کی تشریح

«وَبِالْجَمْعِ الْمُكَسَّرِ الْمُنْصَرِفِ»، اور یہ اعراب خاص ہے جمع مکسر منصرف کے ساتھ۔ جمع مکسر منصرف: جمع کہا، مفرد اور تثنیہ کو نکال دیا۔ مکسر کہا، جمع سالم کو نکال دیا۔ آپ نے پڑھا ہے بھائی ایک جمع مکسر ہے ایک جمع سالم ہے۔ جمع سالم سالم سلامتی سے ہے، یعنی اس میں مفرد کا وزن سلامت رہتا ہے، جمع میں بھی مفرد کا وزن سلامت رہتا ہے۔ مثلاً بھائی: مُسْلِمُونَ، مُسْلِمُونَ یہ کس کی جمع؟ مُسْلِمٌ کی۔ مُسْلِمُونَ، دیکھو مسلمون کس کی جمع ہے؟ مسلمٌ

کی، کیا جمع ہے؟ مسلمون۔ اس کے آخر سے واؤ اور نون ذرا ختم کرو: مسلمٌ، پورا کا پورا موجود ہے یا نہیں اس کے شروع میں؟ دیکھا، تو اس کو کہتے ہیں جمع سالم، وہ مفرد کا پورا وزن جمع میں بھی برقرار ہے۔ اسی مسلمٌ کے آخر میں واؤ نون لگا دو کیا بن گیا؟ مسلمون، تو دیکھو وہ پورا مسلمون کے اندر وہ مسلمٌ پورا سلامت ہے۔ اس کو کہتے ہیں جمع سلامت یا جمع سالم کہتے ہیں۔ یا اسی طرح مسلمۃٌ کی جمع اتی ہے مُسْلِمَاتٌ، مُسْلِمَاتٌ، تو مسلماتٌ یہ بھی جمع سلامت ہے بھائی، سمجھ میں ایا بھائی؟ جمع سلامت ہے، اس میں دیکھو وہ مسلمۃ کا وزن پورا موجود ہے، آخر میں الف تا آ گئی۔ تو یہ جو الف تا کے ساتھ جمع ائے اور واؤ نون کے ساتھ جمع ائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ جمع سلامت کہتے ہیں۔

تو مکسر کہہ دیا، تو اس کے ذریعے جمع سالم کو نکال دیا۔ جمع ہو لیکن کون سی جمع ہو؟ سالم نہ ہو بلکہ مکسر۔ مکسر، مکسر کا معنی ہے توڑی ہوئی، توڑی ہوئی، یعنی وہ جمع جس میں مفرد کا وزن توڑ دیا گیا ہو، مفرد کا وزن بالکل بدل دیا گیا ہو، مفرد اب وہاں موجود نہیں اپنی صورت میں۔ جیسے رَجُلٌ کی جمع اتی ہے رِجَالٌ، رَجُلٌ کی جمع رِجَالٌ۔ دیکھو رَجُلٌ اور رِجَالٌ بالکل الگ الگ وزن ہے: رجلٌ کا وزن رجالٌ میں اکر بالکل توڑ دیا گیا، ختم کر دیا گیا۔ رجلٌ میں را پر زبر تھی، رجالٌ میں را کے نیچے زیر ہے۔ رجلٌ میں جیم پہ پیش تھا، رجالٌ میں جیم پر زبر ہے۔ اور رجلٌ میں جیم کے بعد لام تھا، رجالٌ میں جیم کے بعد الف ا رہا ہے۔ تو دیکھو سارا وزن توڑ دیا گیا، تو یہ جمع سلامت نہیں بلکہ اس کو کیا کہتے ہیں؟ جمع مکسر کہتے ہیں۔ تو مکسر کے ذریعے جمع سالم کو نکال دیا، اور المنصرف منصرف کے ذریعے غیر منصرف کو نکال دیا کیونکہ اس کے اعراب اور طرح کا ہے وہ اگے اجائے گا۔ تو معلوم ہوا یہ اعراب خاص ہے کس کے ساتھ بھائی؟ جمع مکسر منصرف کے ساتھ، «كَـ«رِجَالٍ» »، جیسے کہ رجالٌ بھائی۔

معلوم ہوا تین قسموں کے ساتھ یہ اعراب خاص ہے، تینوں میں یہ اعراب اسی طرح ائے گا: رفع ضمہ کے ساتھ، نصب فتحہ کے ساتھ، اور جر کسرہ کے ساتھ ائے گا۔ اب سب کی مثالیں ذکر کرنے لگے ہیں: «تَقُولُ»، اپ کہتے ہیں: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَدَلْوٌ وَظَبْيٌ وَرِجَالٌ»، ایا میرے پاس زید اور دلوٌ اور ظبیٌ اور رجالٌ۔ تو دیکھا، زیدٌ یہ کس کی مثال ائی؟ مفرد منصرف صحیح، اور دلوٌ اور ظبیٌ جاری مجرائے صحیح کی مثال، اور دو مثالیں کیوں ذکر کیں؟ ایک واوی ہے اور ایک یائی ہے۔ اور رجالٌ یہ کس کی مثال ذکر کر دی؟ جمع مکسر منصرف۔ تو یہ حالتِ رفعی میں دیکھو سب پہ ضمہ ا رہا ہے۔ «وَرَأَيْتُ زَيْدًا وَدَلْوًا وَظَبْيًا وَرِجَالًا»، تو دیکھو یہاں پر یہ سارے سب میں نصب جو ہے وہ فتحہ کے ساتھ ا رہا ہے۔ «وَمَرَرْتُ بِزَيْدٍ وَدَلْوٍ وَظَبْيٍ وَرِجَالٍ»، اور یہاں دیکھیے جر سب کے اندر کسرہ کے ساتھ ا رہا ہے۔

بھائی یہ پہلے اعراب کی قسم، پہلی قسم کا اعراب کیا ذکر ہوا؟ دہراؤ بھائی میرے ساتھ، پہلی قسم کا اعراب کیا ذکر ہوا؟ رفع کس کے ساتھ؟ ضمہ کے ساتھ۔ نصب کس کے ساتھ؟ فتحہ کے ساتھ۔ اور جر کس کے ساتھ؟ کسرہ کے ساتھ۔ اور یہ کتنی قسموں میں ائے گا یہ اعراب؟ تین قسموں میں: نمبر ایک مفرد منصرف صحیح، نمبر دو جاری مجرائے صحیح، اور نمبر تین جمع مکسر منصرف، شاباش بھائی۔

اب دوسری قسم: «الثَّانِي: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالضَّمَّةِ، وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْكَسْرَةِ»۔ دوسری قسم یہ ہے کہ رفع ضمہ کے ساتھ ہو، «وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْكَسْرَةِ»، اور نصب اور جر دونوں کسرہ کے ساتھ ہوں۔ معلوم ہوا یہاں پر نصب بھی کسرہ کی صورت میں ائے گا اور جر بھی کس صورت میں ائے گا؟ کسرہ کی صورت میں ائے گا۔ «وَيُخْتَصُّ بِجَمْعِ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمِ»، اور یہ اعراب خاص ہے جمع مؤنث سالم کے ساتھ۔ جمع ہو مفرد تثنیہ کو نکال دیا، مؤنث کہا مذکر کو نکال دیا، مؤنث سالم کہا تو جمع مذکر سالم کو نکال دیا۔ «تَقُولُ»، اپ کہتے ہیں اب مثال ذکر کرنے لگے ہیں: «هُنَّ مُسْلِمَاتٌ»، دیکھو رفع کس کے ساتھ ایا؟ ضمہ کے ساتھ۔ «وَرَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ»، اور نصب کس کے ساتھ ایا؟ کسرہ کے ساتھ۔ «رَأَيْتُ مُسْلِمَاتًا» نہیں کہنا بلکہ «رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ»، تو اس کا نصب کس صورت میں اتا ہے؟ کسرہ۔ تو اب اپ سے کوئی اس کا اعراب پوچھے: «رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ»، یہ مسلماتٍ کا کیا اعراب ہے؟ تو اس کے نیچے زیر دیکھ کر یہ نہ کہہ دینا یہ مجرور ہے، بلکہ کہنا یہ منصوب ہے، اس کا نصب اتا ہی اس شکل میں ہے بھائی، سمجھ میں ایا بھائی؟ تو یہ کیا ہے اس وقت؟ منصوب ہے، نصب ہے، جر نہیں ہے، اس کا نصب اتا ہی کس شکل میں ہے؟ کسرہ کی صورت میں۔ بات سمجھ میں اگئی بھائی؟ تو «رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ»، «وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ»، اور جر بھی اس کا کسرہ کی صورت میں ہے۔ تو «هُنَّ مُسْلِمَاتٌ»، «وَرَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ»، «وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ»، یہ دوسری قسم تھی۔

▪ قولہ: «الثَّالِثُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالضَّمَّةِ، و...» کی تشریح

«الثَّالِثُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالضَّمَّةِ، وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْفَتْحَةِ»۔ تیسری قسم وہ ہے کہ رفع ائے ضمہ کے ساتھ، اور نصب اور جر دونوں

فتحہ کے ساتھ ائیں۔ پہلے کیا تھا؟ نصب اور جر دونوں کسرہ کی صورت میں تھے، اب نصب اور جر دونوں فتحہ کی صورت میں ائیں گے۔ «وَيُخْتَصُّ بِغَيْرِ الْمُنْصَرِفِ»، اور یہ اعراب خاص ہے کس کے ساتھ؟ غیر منصرف کے ساتھ۔ غیر منصرف بھائی وہ معرب جس میں غیر منصرف ہونے کے دو سبب پائے جائیں، یا ایک سبب جو قائم مقام دو کے ہو وہ پایا جائے، اور اس کے بارے میں خوب بڑی تفصیل اگے انے والی ہے، اگے انے والی ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں یہ اعراب خاص ہے غیر منصرف کے ساتھ، «كَ«عُمَرَ»»، جیسے کہ لفظِ عمر ہے۔

یاد رکھیے غیر منصرف جو ہے نا غیر منصرف، اس پر کسرہ بھی نہیں اتا اور اس پر تنوین بھی نہیں اتی۔ کسرہ بھی نہیں اور تنوین بھی نہیں۔ «تَقُولُ»، اپ کہتے ہیں: «جَاءَنِي عُمَرُ»، دیکھا رفع ارہا ہے، لیکن عمرٌ نہیں تنوین نہیں ائے گی، بغیر تنوین کے رفع ائے گا: «جَاءَنِي عُمَرُ»، دیکھو رفع ایا ضمہ کے ساتھ۔ «وَرَأَيْتُ عُمَرَ»، اور یہ نصب ایا بھائی، کس کے ساتھ؟ فتحہ کے ساتھ۔ «وَمَرَرْتُ بِعُمَرَ»، باجارہ داخل ہو رہی ہے لیکن پھر بھی عمر پر فتحہ ارہا ہے، تو یہ اب اپ سے کوئی پوچھے: «مَرَرْتُ بِعُمَرَ»، یہ عمر کا اعراب بتاؤ، تو اپ فتحہ کو دیکھ کر یہ نہ کہہ دینا یہ منصوب ہے، بلکہ اس پر کیا داخل ہو رہی ہے؟ با، تو یہ مجرور ہے۔ ہاں اس کا جر اتا ہی اس شکل میں ہے، یہ شکل زبر والی ہے لیکن دراصل یہ کیا ہے؟ جر ہے، یہ کیا ہے؟ جر ہے۔ تو اپ سے کوئی پوچھے: «مَرَرْتُ بِعُمَرَ»، یہ عمر کا اعراب کیا؟ اپ نے اپ نے دیکھ لیا اس پر با داخل ہو رہی ہے تو یہ نہ کہہ دینا یہ اس پر اخر میں فتحہ ہے تو اپ کہہ دیں منصوب ہے بلکہ کیا کہیں گے؟ یہ مجرور ہے۔ اگر وہ کہے گا اخر میں پھر زبر کیوں پڑھ رہے ہو؟ اپ کہیں گے اس کا جر اتا ہی کس شکل میں ہے؟ فتحہ کی صورت میں اتا ہے بھائی، ہے یہ جر ہی بھائی، جر ہی ہے۔

اچھا بھائی ذرا جلدی جلدی پھر ساروں کو دہراؤ بھائی، ہم تکرار کر رہے ہیں تاکہ ساتھ ساتھ کچھ یاد بھی ہو تا جائے۔ اعراب کے اعتبار سے معرب کی کتنی قسم پر ہے؟ اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ نو قسمیں اعراب بھائی، نو قسمیں۔ پہلی قسم کا رفع کس کے ساتھ ائے گا؟ ضمہ کے ساتھ، نصب کس کے ساتھ؟ فتحہ کے ساتھ، اور جر کسرہ کے ساتھ، اور یہ کتنی قسموں میں ائے گا یہ اعراب؟ تین قسموں میں: نمبر ایک مفرد منصرف صحیح، نمبر دو جاری مجرائے صحیح، اور نمبر تین جمع مکسر منصرف۔ دوسری قسم تھی اعراب کی کہ رفع تو ائے گا ضمہ کے ساتھ لیکن نصب اور جر دونوں ائیں گے کسرہ کے ساتھ، اور یہ کس کے ساتھ خاص ہے؟ جمع مؤنث سالم کے ساتھ، شاباش۔ اور تیسری قسم یہ ہے کہ رفع ائے گا ضمہ کے ساتھ اور نصب جر ائے گا فتحہ کے ساتھ، اور یہ کس کے ساتھ خاص ہے؟ غیر منصرف کے ساتھ، شاباش۔

«الرَّابِعُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالْوَاوِ، وَالنَّصْبُ بِالْأَلِفِ، وَالْجَرُّ بِالْيَاءِ»۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ رفع ائے گا واؤ کے ساتھ، اور نصب ائے گا الف کے ساتھ، اور جر ائے گی یا کے ساتھ، جر ائے گا۔ تو پہلے دیکھو اعراب بالحرکۃ کو ذکر کر دیا، وہاں صرف حرکتیں بدل رہی تھیں واؤ الف یا نہیں ارہے تھے۔ اب اعراب کی وہ صورتیں ذکر کر رہے ہیں جہاں پر اعراب حروف کی صورت میں اتا ہے: رفع کی صورت میں واؤ اتا ہے، نصب کی صورت میں الف اتا ہے، اور جر کی صورت میں یا اتی ہے۔ «وَيُخْتَصُّ بِالْأَسْمَاءِ السِّتَّةِ مُكَبَّرَةً، مُوَحَّدَةً، مُضَافَةً إِلَى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ»، اور یہ اعراب خاص ہے اسماء ستہ کے ساتھ، چھ اسم ہیں ان کے ساتھ خاص ہے، چھ اسم۔ یہ اگے ذکر کریں گے: «وَهِيَ: أَخُوكَ، وَأَبُوكَ، وَهَنُوكَ، وَحَمُوكِ، وَفُوكَ، وَذُو مَالٍ»، یہ چھ اسم ہیں۔

تو یہ اعراب خاص ہے کس کے ساتھ؟ اسماء ستہ کے ساتھ، «مُكَبَّرَةً»، اس حال میں کہ یہ مکبر ہوں۔ یعنی مصغر نہ ہوں، ان کی تصغیر نہ ہو، تصغیر نہیں تو وہ پھر اسمِ مکبر کہلاتا ہے، سمجھ میں ایا بھائی؟ تصغیر نہ ہو۔ «مُوَحَّدَةً»، اور اس حال میں کہ مفرد ہوں، موحد ایک ہوں یعنی مفرد ہوں، اس کے ذریعے ان کے تثنیہ اور جمع کو نکال دیا۔ یہ اسم ہوں اور تثنیہ اور جمع ہوں یا ان کی تصغیر ہو اس کا اعراب اور ہو گا، اور تیسری شرط ہے «مُضَافَةً»، یہ اسم کیا ہوں؟ مضاف ہو رہے ہوں، اگر مضاف نہیں وہ بھی اس سے نکل گئے، یہ اسم بے شک ہوں لیکن اگر مضاف نہیں ہو رہا اس کا اعراب اور ہو گا یہ اعراب نہیں ہو گا، مضاف ہو۔ اور نیز یہ بھی بتلا دیا مضاف ہو یاء متکلم کے علاوہ کی طرف، یاء متکلم کی طرف یہ مضاف نہ ہوں، سمجھ میں ایا بھائی؟ یاء متکلم کی طرف اگر ان کا اعراب اگر یہ مضاف ہوئے پھر ان کا اعراب اور ہو گا اگے وہ قسم بھی انے والی ہے۔ مثلاً اخٌ ہے، یا کی طرف مضاف ہو جائے: اَخِي، میرا بھائی، «جَاءَنِي أَخِي»، «رَأَيْتُ أَخِي»، «مَرَرْتُ بِأَخِي»، تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہے، کوئی تبدیلی ارہی ہے؟ کوئی تبدیلی نہیں، اعراب تقدیری ہے، سمجھ میں ایا بھائی؟ تو لہٰذا یہ مضاف تو ہوں لیکن یا کی طرف مضاف نہ ہوں، کسی بھی اور چیز کی طرف مضاف ہو جائیں۔

اور وہ اسماء یہ ہیں: «وَهِيَ: أَخُوكَ»، اخ بھائی کو کہتے ہیں بھائی۔ «وَأَبُوكَ»، اب باپ کو کہتے ہیں۔ «وَهَنُوكَ»، ہن ہن یاد رکھیے وہ چیز ہے جس کا ذکر کرنا عیب ہو، وہ چیز جس کا ذکر ہر وہ چیز جس کا ذکر کرنا عیب ہو، سمجھ میں ایا؟ ہر وہ چیز جس کا ذکر عیب ہو اس کو ہن کہتے ہیں، اسی لیے شرمگاہ کو بھی ہن کہتے

ہیں کیونکہ اس کا ذکر بھی کیا ہے؟ قبیح ہے ناپسندیدہ۔ «وَحَمُوكِ»، حمو کی، دیکھو باقیوں میں کاف پر زبر ہے مذکر کی ضمیر ہے اور حمو کی میں مؤنث کی ضمیر تھا اس کی طرف اضافت کر رہے ہیں۔ وجہ اس کی یہ کہ حَمٌ جو ہے ناحَمٌ، مرد عورت کا نکاح ہو جائے کیا بن گئے؟ میاں بیوی بن گئے۔ جب ان دونوں میں نکاح والا رشتہ آگیا تو مرد کی طرف سے جو اس کے رشتہ دار ہیں وہ عورت کے بھی رشتہ دار بن گئے یا نہیں بن گئے؟ تو یہ جو رشتہ دار بن گئے مرد کی طرف سے عورت کے، یہ عورت کے حَمٌ کہلاتے ہیں، کیا کہلاتے ہیں؟ حَمٌ، اسی لیے مؤنث کی ضمیر ذکر کی: حَمُوكِ، عورت کے عورت کا حَمٌ۔ اور بعضوں نے کہا کہ نہیں، خاوند کی طرف سے جو رشتہ دار بن جائیں بیوی کے وہ بھی اس کے لیے حَمٌ، اور بیوی کی طرف سے جو رشتہ دار بن جائیں خاوند کے وہ خاوند کے حَمٌ کہلاتے ہیں، تو دونوں طرف سے دونوں طرف پر حَمٌ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس صورت میں پھر حَمُوكِ کہنا ضروری نہیں، پھر حَمُوكَ بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ پھر بیوی کی طرف سے خاوند کے بھی تو رشتہ دار بن گئے وہ بھی کیا ہیں خاوند کے؟ حَمٌ ہوئے، تو حَمُوكَ، اس صورت میں پھر حَمُوكَ بھی پڑھ سکتے ہیں، تفصیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

«وَفُوكَ»، فُوكَ، فوکَ معنی ہے اپ کا منہ، یہ وہی فم ہے، منہ کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ فَمٌ، فَمٌ، تو یہ اصل میں تھا: فَوَهٌ، فَوَهٌ، پھر ہا کو حذف کر دیا گیا اس کے اخر سے تو گیارہ گیا؟ فَوٌ، پھر اس واؤ کو میم سے بدل دیا گیا کیونکہ واؤ بھی ہے شفوی، میم بھی ہے شفوی۔ شفوی کیا معنی؟ شَفَةٌ ہونٹ کو کہتے ہیں نا، واؤ ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے: واؤ، اپ ادا کر کے دیکھیں ہونٹوں سے، میم میم بھی کس سے ادا ہوتا ہے؟ ہونٹوں سے، سمجھ میں ایا بھائی؟ دیکھیے: واؤ، صرف ہونٹوں سے ادا ہوا، میم، صرف کہاں سے ادا ہوا؟ ہونٹوں، تو دونوں شفوی ہیں یعنی ہونٹوں سے ادا ہوتے ہیں، لہٰذا واؤ کو کس سے بدل دیا گیا؟ میم سے بدل دیا گیا، لہٰذا فَمٌ کہہ دیتے ہیں: فم۔ اور اضافت کے وقت بعض اوقات پھر وہی واؤ واپس اجاتا ہے تو پھر فَمُوكَ یہ بھی کہہ دیتے ہیں اور فُوكَ یہ بھی کہہ دیتے ہیں، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

▪ قولہ: «وَذُو مَالٍ» کی تشریح

«وَذُو مَالٍ»، ذومال، ذومال کا معنی ہے مال والا۔ مذکر کے لیے کہتے ہیں: ذومال، اور مؤنث کے لیے کہتے ہیں: ذاتُ مالٍ، مال والی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو ذو۔ تو یہ ہیں اسماء ستہ بھائی، اور دیکھو ان میں سے کوئی تصغیر نہیں تو یہ مکبر ہوئے، یہ کیا ہوئے؟ مکبر ہوئے۔ اور نیز یہ مفرد ہیں سارے بھائی، کوئی اس میں تثنیہ ہے؟ تثنیہ بھی نہیں اور جمع بھی نہیں، اور نیز یہ سارے مضاف ہو رہے ہیں بھائی، مضاف ہو رہے ہیں کوئی بھی بغیر اضافت کے نہیں، اور مضاف بھی کس کی طرف ہیں؟ یاء متکلم کے علاوہ کی طرف ہیں، تو اس صورت کے اندر ان کا رفع کس کے ساتھ ائے گا؟ واؤ کے ساتھ، اور نصب کس کے ساتھ ائے گا؟ الف کے ساتھ، اور جر کس کے ساتھ ائے گا؟ یا کے ساتھ۔

مثال ذکر کرنے لگے ہیں: «تَقُولُ»، مثلاً اپ کہتے ہیں: «جَاءَنِي أَخُوكَ»، دیکھو اخوکَ واؤ کے ساتھ حالتِ رفعی میں ایا، «وَرَأَيْتُ أَخَاكَ»، یہ حالتِ نصبی کے اندر الف کے ساتھ ایا، «وَمَرَرْتُ بِأَخِيكَ»، اور دیکھو حالتِ جری میں یا کے ساتھ ایا، «وَكَذَا الْبَوَاقِي»، اور اسی طرح باقی بھی ہیں۔ مصنف فرماتے ہیں میں نے تو صرف اخوکَ، اخاکَ، اخیکَ صرف یہ اخ اخ کی مثال ذکر کر دی اور یہ تو چھ ہیں، لیکن باقی چھ باقی پانچ بھی اسی طرح ہیں۔ حالتِ رفعی میں کس کے ساتھ ائیں گے؟ واؤ کے ساتھ، حالتِ نصبی میں الف کے ساتھ، اور حالتِ جری میں یا کے ساتھ۔

جی اب ذرا پھر مجھے بتایئے بھائی: چوتھی قسم اعراب کی، رفع کس کے ساتھ ائے گا؟ واؤ کے ساتھ۔ نصب کس کے ساتھ ائے گا؟ الف کے ساتھ۔ اور جر کس کے ساتھ ائے گا؟ یا کے ساتھ ائے گا بھائی، یا کے ساتھ۔ اور یہ اعراب خاص ہے کس کے ساتھ؟ اسماء ستہ کے ساتھ، اگے پوری بات کریں، پوری بات کریں: اسماء ستہ مکبرہ، موحدہ، مضافہ الی غیر یاء المتکلم، ساری شرطیں اپ نے ذکر کرنی ہیں، ان میں سے ایک بھی شرط اگر نہ پائی گئی تو پھر یہ اعراب کی یہ قسم نہیں ہو گی بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس بھائی یہ اج اتنا ہی پڑھتے ہیں۔ جی، پھر دہرا لو ذرا، جلدی جلدی دہرا لو بھائی، جتنا زبان سے ہو سکے ان چیزوں کو دہرایا کرو، اتنی ہی اپ کو ازبر ہوتی جائیں گی۔ اعراب کے اعتبار سے کتنی قسمیں؟ نو قسمیں۔ پہلی قسم کا رفع کس کے ساتھ؟ ضمہ کے ساتھ، نصب فتحہ کے ساتھ، اور جر کسرہ کے ساتھ، اور یہ کتنی قسموں میں ائے گا؟ تین قسمیں: نمبر ایک مفرد منصرف صحیح، پورا پورا نام لینا ہے، ایک بھی لفظ اپ چھوڑیں گے تو اس کا مطلب ہے وہ اعراب کی صورت بدل جائے گی۔ تو مفرد منصرف صحیح، نمبر دو جاری مجرائے صحیح، نمبر تین جمع مکسر منصرف۔ دوسری قسم کا رفع کس کے ساتھ؟ ضمہ کے ساتھ، اور نصب اور جر کسرہ کے ساتھ، اور یہ اعراب خاص ہے کس کے ساتھ؟ جمع مؤنث سالم کے ساتھ، شاباش۔ اور تیسری قسم کا اعراب: رفع ضمہ کے ساتھ، اور نصب اور جر فتحہ کے

ساتھ، اور یہ کس کے ساتھ خاص ہے؟ غیر منصرف کے ساتھ، شاباش۔ اور چوتھی قسم کا رفع واؤ کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ، اور جر یا کے ساتھ، اور یہ اعراب خاص ہے کس کے ساتھ؟ اسماء ستہ مکبرہ، موحدہ، مضافہ الی غیر یاء المتکلم کے ساتھ۔

چلیے بس بھائی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۱۱: اصنافِ اعرابِ اسم: پانچویں، چھٹی اور ساتویں صنف (اسمائے ستہ مکبرہ، تثنیہ و جمع)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۵—بتاریخ: ۱۴ ستمبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

اَلْخَامِسُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالْأَلِفِ، وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْيَاءِ الْمَفْتُوحِ مَا قَبْلَهَا، وَيُخْتَصُّ بِالْمُثَنَّى، وَكِلَا مُضَافًا إِلَى مُضْمَرٍ، وَاثْنَانِ وَاثْنَتَانِ.

اَلسَّادِسُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالْوَاوِ الْمَضْمُومِ مَا قَبْلَهَا، وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْيَاءِ الْمَكْسُورِ مَا قَبْلَهَا، وَيُخْتَصُّ بِجَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ نَحْوُ مُسْلِمُونَ، وَأُولُو، وَعِشْرُونَ مَعَ أَخَوَاتِهَا. تَقُولُ: جَاءَنِي مُسْلِمُونَ وَعِشْرُونَ وَأُولُو مَالٍ، وَرَأَيْتُ مُسْلِمِينَ وَعِشْرِينَ وَأُولِي مَالٍ، وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ وَعِشْرِينَ وَأُولِي مَالٍ.

وَاعْلَمْ أَنَّ نُونَ التَّثْنِيَةِ مَكْسُورَةٌ أَبَدًا، وَنُونَ جَمْعِ السَّلَامَةِ مَفْتُوحَةٌ أَبَدًا، وَكِلَاهُمَا تَسْقُطَانِ عِنْدَ الْإِضَافَةِ، تَقُولُ: جَاءَنِي غُلَامَا زَيْدٍ وَمُسْلِمُو مِصْرَ.

اَلسَّابِعُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيرِ الضَّمَّةِ، وَالنَّصْبُ بِتَقْدِيرِ الْفَتْحَةِ، وَالْجَرُّ بِتَقْدِيرِ الْكَسْرَةِ، وَيُخْتَصُّ بِالْمَقْصُورِ، وَهُوَ مَا فِي آخِرِهِ أَلِفٌ مَقْصُورَةٌ، كَعَصًا، وَبِالْمُضَافِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ غَيْرَ جَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ.

بحث یہ چل رہی تھی کہ معرب کی اعراب کے اعتبار سے نو قسمیں ہیں بھئی، نو قسمیں۔ پہلی قسم وہ ہے جس کا رفع ضمہ کے ساتھ، نصب فتحہ کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ آتا ہے اور اس میں تین قسمیں داخل ہیں: نمبر ایک مفرد منصرف صحیح، نمبر دو جاری مجریٰ صحیح، نمبر تین جمع مکسر منصرف۔

اس کے بعد دوسری قسم آئی تھی جس کا رفع ضمہ کے ساتھ، نصب اور جر کسرہ کے ساتھ اور یہ اعراب خاص تھا کس کے ساتھ؟ جمع مؤنث سالم۔

اور تیسری قسم وہ تھی کہ رفع اس کا ضمہ کے ساتھ اور نصب اور جر دونوں فتحہ کے ساتھ، اور یہ اعراب خاص ہے کس کے ساتھ؟ غیر منصرف کے ساتھ۔

اور اس کے بعد چوتھی قسم یہ کہ رفع واؤ کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ اور جر یا کے ساتھ، اور یہ آپ نے پڑھا تھا خاص ہے کس کے ساتھ؟ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم۔ شاباش!

آج ہم پانچویں قسم پڑھیں گے بھئی۔اَلْخَامِسُ: پانچویں قسم یہ ہے:أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالْأَلِفِ کہ رفع کس کے ساتھ آئے گا؟ الف کے ساتھ۔ وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْيَاءِ الْمَفْتُوحِ مَا قَبْلَهَا، اور نصب اور جر ایسی یا کے ساتھ، بِالْيَاءِ ایسی یا کے ساتھ، الْمَفْتُوحِ مَا قَبْلَهَا جس کا ما قبل مفتوح ہو۔

بھئی دیکھیے: رَجُلَانِ اور رَجُلَيْنِ، اس مثال کو ذہن میں رکھیں۔ رَجُلَانِ: دیکھو تثنیہ ہے، اس کا اعراب حالتِ رفعی میں الف کے ساتھ، اور حالتِ نصبی اور جری میں رَجُلَيْنِ ایسی یا، دیکھو یا ہے اور یا سے ما قبل لام پر کیا ہے؟ فتحہ ہے، تو ایسی یا جس کا ما قبل کیا ہو گا؟ مفتوح ہو گا۔ آگے اگلی جو قسم آ رہی ہے: مُسْلِمِينَ، وہاں یا سے ما قبل مکسور ہے، یا سے ما قبل کسرہ ہے، لیکن اس قسم کے اندر یا سے ما قبل فتحہ ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: اَلْخَامِسُ أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالْأَلِفِ پانچویں قسم یہ ہے کہ رفع الف کے ساتھ ہو، وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْيَاءِ الْمَفْتُوحِ مَا قَبْلَهَا اور نصب اور جر ایسی یا کے ساتھ کہ اس کا ما قبل مفتوح ہو، اس یا کا ما قبل مفتوح ہو یعنی اس پر ما قبل والے حرف پر فتحہ ہو۔

وَيُخْتَصُّ بِالْمُثَنَّى اور یہ اعراب خاص ہے تثنیہ کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ تثنیہ۔ تثنیہ بھئی وہ ہے جس کے آخر میں ہم الف نون بڑھا دیتے ہیں مفرد کے آخر میں، الف نون۔ رَجُلٌ سے رَجُلَانِ، دیکھو الف نون بڑھا دیا آخر میں، اور رَجُلٌ کا معنی تھا ایک آدمی، رَجُلَانِ کا کیا معنی؟ دو آدمی۔ لہٰذا یہ اعراب خاص ہے تثنیہ کے ساتھ۔

وَكِلَا اور كِلَا کے ساتھ، مُضَافًا إِلَى مُضْمَرٍ اس حال میں کہ وہ كِلَا مضاف ہو مُضْمَرٍ ضمیر کی طرف۔ کس کی طرف؟ ضمیر کی طرف۔ یاد رکھیے یہ كِلَا بطورِ تاکید کے استعمال ہوتا ہے، بطورِ تاکید کے، اور یہ کبھی کبھار مضاف ہوتا ہے ضمیر کی طرف، کبھی اسمِ ظاہر کی طرف۔ کبھی کس کی طرف مضاف ہوتا ہے؟ ضمیر، اور کبھی کبھار اسمِ ظاہر کی طرف۔

اسمِ ظاہر کسے کہتے ہیں؟ یاد رکھو جو ضمیر نہیں وہ اسم اسمِ ظاہر ہے۔ یہ ضمیر کے مقابلے میں ہے۔ هُوَ ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر؟ ضمیر ہے۔ اَنْتَ اسمِ ظاہر ہے کہ ضمیر؟ اَنْتَ ضمیر ہے بھئی۔ ضمیریں نہیں جانتے بھئی، کیوں پریشان ہو گئے ہو؟ اَنْتَ کیا ہے؟ ضمیر۔ اَنَا کیا ہے؟ ضمیر۔ هِيَ کیا ہے؟ ضمیر۔ اور جو ضمیر نہیں وہ اسم اسمِ ظاہر ہے۔ اب آپ سے کوئی پوچھے: جِدَارٌ، دیوار کو کہتے ہیں، جدار ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ آپ فوراً کہیں گے اسمِ ظاہر ہے، کیونکہ ضمیر نہیں۔ یا تو ضمیر ہو گی یا کیا ہو گا؟ اسمِ ظاہر۔ تو ضمیر کے علاوہ جتنے اسم ہیں وہ سارے کیا ہیں؟ اسمِ ظاہر ہیں۔

لہٰذا آپ مجھے بتائیے: كِتَابٌ ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ اسمِ ظاہر ہے۔ اور قَلَمٌ ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ اسمِ ظاہر ہے بھئی۔ اور نَحْنُ ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ ضمیر ہے۔ اور اَنْتُمَا ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ ضمیر ہے۔ سمجھ میں آ گیا بھئی؟ تو اسمِ ظاہر کس کے مقابلے میں ہے؟ ضمیر کے مقابلے میں۔ یا تو اسم ضمیر ہو گا یا کیا ہو گا؟ اسمِ ظاہر۔ جو ضمیر نہیں وہ اسمِ ظاہر ہے بھئی۔

تو یہ كِلَا کبھی مضاف ہوتا ہے ضمیر کی طرف اور کبھی مضاف ہوتا ہے کس کی طرف؟ اسمِ ظاہر کی طرف۔ اور یہاں یہ قید بڑھا رہے ہیں کہ وَكِلَا مُضَافًا إِلَى مُضْمَرٍ كِلَا اس حال میں کہ وہ مضاف ہو کس کی طرف؟ ضمیر کی طرف۔ تو اس صورت میں اس کا یہ اعراب ہے کہ حالتِ رفعی میں کس کے ساتھ؟ الف کے ساتھ، اور حالتِ نصبی جری میں یا ما قبل مفتوح بھئی، یا ما قبل مفتوح۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ مثلاً میں کہتا ہوں: جَاءَنِي الرَّجُلَانِ كِلَاهُمَا، دیکھو یہ تاکید کے طور پر آیا۔ جَاءَنِي الرَّجُلَانِ آئے میرے پاس وہ دو آدمی، كِلَاهُمَا دونوں۔ جَاءَنِي الرَّجُلَانِ كِلَاهُمَا میرے پاس وہ دونوں آدمی آئے، یوں ترجمہ کریں گے۔ معنی سمجھ میں آ رہا ہے؟

تو دیکھیے جَاءَنِي الرَّجُلَانِ، اَلرَّجُلَانِ تثنیہ ہے، اس کا بھی یہی اعراب حالتِ رفعی میں الف کے ساتھ، کیونکہ یہ فاعل بن رہا ہے نا اس وقت اور فاعل پر کیا آتا ہے؟ رفع۔ جَاءَنِي میرے پاس آئے، کون آئے؟ اَلرَّجُلَانِ، دیکھو یہ جَاءَ کا فاعل ہے، یہ آنے کا فعل کس نے کیا؟ اَلرَّجُلَانِ، یہ فاعل ہے اور فاعل پر کیا آتا ہے؟ رفع۔ تو اس پر اور یہ ہے تثنیہ، اور تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ۔ تو جَاءَنِي الرَّجُلَانِ، تو اب آپ سے کوئی پوچھے یہ الرَّجُلَانِ کا اعراب کیا ہے؟ جَاءَنِي الرَّجُلَانِ، تو نون کے نیچے زیر دیکھ کر یہ نہ کہہ دینا کہ یہ تو مکسور ہے۔ نہیں بھئی! یہ دیکھنا آپ کہ یہ نو قسموں میں سے کون سی قسم ہے، آپ غور کریں دیکھیں آپ کو پتہ لگ جائے گا یہ تو تثنیہ ہے اور تثنیہ کا اعراب اس وقت تثنیہ کس کے ساتھ آ رہا ہے؟ الف کے ساتھ، معلوم ہوا یہ مرفوع ہے، کیونکہ ہم نے پڑھا تھا کہ تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف، اور نصب اور جر کس کے ساتھ آتا ہے؟ یا ما قبل مفتوح کے ساتھ۔ تو جَاءَنِي الرَّجُلَانِ كِلَاهُمَا، دیکھو كِلَاهُمَا بھی اسی طرح آیا، كِلَا الف کے ساتھ آیا۔

اور میں کہتا ہوں: رَأَيْتُ الرَّجُلَيْنِ كِلَيْهِمَا، دیکھو اَلرَّجُلَيْنِ یہ بھی کس کے ساتھ آیا حالتِ نصبی میں؟ یا ما قبل مفتوح، اور كِلَيْهِمَا یہ بھی دیکھو یا ہے كِلَيْ اور اس سے پہلے لام پر کیا ہے؟ فتحہ، تو یا ما قبل مفتوح ہے، اور كِلَيْهِمَا دیکھو ضمیر کی طرف مضاف ہو رہا ہے، ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ اور مَرَرْتُ بِالرَّجُلَيْنِ كِلَيْهِمَا، دیکھا یہاں بھی اسی طرح ہے۔ تو معلوم ہوا کہ كِلَا جب مضاف ہو ضمیر کی طرف تو اس وقت حالتِ رفعی میں الف کے ساتھ اور نصبی جری میں یا ما قبل مفتوح۔

اور یاد رکھیے كِلْتَا کا بھی یہی اعراب ہے۔ كِلْتَا، مذکر کے لیے كِلَا استعمال ہوتا ہے اور مؤنث کے لیے كِلْتَا استعمال ہوتا ہے: كِلْتَاهُمَا، كِلْتَيْهِمَا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

اور یاد رکھیے، یاد رکھیے یہ وہ صورت ہے جب كِلَا مضاف ہو ضمیر کی طرف۔ اگر كِلَا مضاف ہو اسمِ ظاہر کی طرف، مثلاً كِلَا الرَّجُلَيْنِ، دیکھو کس کی طرف مضاف ہے؟ اسمِ ظاہر کی طرف۔ جَاءَنِي كِلَا الرَّجُلَيْنِ۔ تو یاد رکھو جب یہ كِلَا مضاف ہو اسمِ ظاہر کی طرف جیسے كِلَا الرَّجُلَيْنِ، تو اس صورت میں تینوں حالتوں میں یہ اسی طرح رہے گا اور اس کا اعراب تقدیری ہو گا۔ کیا ہو گا؟ تقدیری۔ ہاں پھر یہ قسم نہیں ہو گی، جب اسمِ ظاہر کی طرف مضاف ہو تو پھر اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری، اور پھر یہ پانچویں قسم نہیں ہو گی کیونکہ پانچویں قسم میں تو کہہ دیا کہ جب كِلَا مضاف ہو کس کی طرف؟ ضمیر کی طرف۔ تو وہ تینوں حالتوں میں پھر وہ تقدیری ہو گا: جَاءَنِي كِلَا الرَّجُلَيْنِ، رَأَيْتُ كِلَا الرَّجُلَيْنِ، مَرَرْتُ بِكِلَا الرَّجُلَيْنِ۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو کہتے ہیں: وَكِلَا أَوْ كِلَا مُضَافًا إِلَى مُضْمَرٍ یا كِلَا جو اس حال میں کہ وہ مضاف ہو ضمیر کی طرف۔ میں نے بتایا آپ کو کہ كِلَا بھی اسی طرح ہے اور اس کی مؤنث كِلْتَا بھی اسی طرح ہے، اس کا بھی وہ بھی یہی قسم ہے، اس کا بھی یہی اعراب ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ كِلَا کو ذکر کیا، كِلْتَا کو مؤنث کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ جواب یہ کہ مذکر اصل ہے اور مؤنث اس کی فرع ہے، یعنی یوں کہو اس کے تابع ہے، اس کے کیا ہے؟ تابع ہے۔ تو جب اصل کو ذکر کر دیا تو تابع خود بخود آگیا کیونکہ وہ تو اسی کے تابع ہے، جیسا كِلَا کا اعراب ویسا ہی کس کا اعراب؟ كِلْتَا کا۔ جب كِلَا آگیا معلوم ہوا كِلْتَا کا بھی یہی اعراب ہے۔

وَاثْنَانِ وَاثْنَتَانِ اور اسی طرح یہ اعراب ہے اثنانِ اور اثنتانِ کا بھی۔ اِثْنَانِ مذکر کے لیے دو، دو مذکر، اور اِثْنَتَانِ مؤنث کے لیے، اس کا معنی بھی دو۔ ان کا بھی یہی اعراب ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ مثلاً آپ کہتے ہیں: جَاءَنِي اثْنَانِ، رَأَيْتُ اثْنَيْنِ، مَرَرْتُ بِاثْنَيْنِ، دیکھا؟ حالتِ رفعی میں الف کے ساتھ، حالتِ نصبی جری میں یا ما قبل مفتوح کے ساتھ۔

اس پر آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ پیچھے تثنیہ کو تو ذکر کر دیا تھا، پھر دوبارہ یہ اثنانِ اور اثنتانِ کو کیوں ذکر کر رہے ہیں؟ اعتراض سمجھ میں آیا؟ تثنیہ کا پیچھے ذکر آگیا یا نہیں؟ تو آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا تثنیہ کا تو پیچھے ذکر ہو گیا تھا، پھر یہ اثنانِ اور اثنتانِ کو کیوں ذکر کیا؟ جواب: یاد رکھنا یہ اثنانِ اور اثنتانِ تثنیہ نہیں ہیں بھئی! کس نے کہا یہ تثنیہ ہیں؟ تثنیہ تو وہ ہوتا ہے جس کا کوئی مفرد ہوتا ہے اور اس مفرد کے آخر میں پھر الف نون کا اضافہ کرو تو وہ تثنیہ بن جاتا ہے، جیسے رَجُلٌ اسی کے آخر میں الف نون لگایا کیا بن گیا؟ رَجُلَانِ۔ تو دیکھا ایک رَجُلٌ الگ تھا اس کے آخر میں الف نون لگایا، اور رَجُلٌ استعمال ہوتا ہے یا نہیں کلامِ عرب میں؟ رَجُلٌ بھی استعمال ہوتا ہے، اسی کے آخر میں الف نون کا اضافہ کر دیا تو کیا بن گیا؟ تثنیہ بن گیا۔ لیکن اثنانِ اور اثنتانِ تثنیہ نہیں ہیں، ان کے آخر سے الف نون ہٹائیں: اِثْنٌ، اِثْنٌ کبھی استعمال ہوتا ہے عربی کے اندر؟ نہیں بھئی، اس کا مفرد نہیں ہے۔ سمجھ میں آیا؟ ہاں معنی بے شک اس کا دو ہے، اثنانِ اور اثنتانِ کا معنی بے شک دو ہے، لیکن اصطلاح اصطلاح میں تثنیہ وہ ہے جس کے آخر میں الف نون کا اضافہ کیا جائے، وہ مفرد بھی استعمال ہوتا ہو اور الف نون کا اضافہ کر کے پھر اس سے تثنیہ بنا لیا جائے، اور اثنانِ اور اثنتانِ ایسے نہیں ہیں کہ ان کو بغیر الف نون کے تو ان کو تو استعمال ہی نہیں کرتے، حالانکہ ایک مفرد کا ہونا ضروری جس کے آخر میں کیا بڑھایا جائے؟ الف اور نون۔ جواب سمجھ میں آگیا بھئی؟ لہٰذا یہ تثنیہ نہیں، معنی بے شک ان کا دو ہے لیکن یہ تثنیہ نہیں بھئی۔

اب پھر اعتراض آپ کے ذہن میں ایک اور اعتراض آئے گا کہ یہاں اثنانِ، اثنتانِ یہ مؤنث کو کیوں ذکر کیا؟ اثنانِ کہہ دیتے تو مذکر آجاتا تو مؤنث تو اس کے تابع ہے، اس کی فرع ہے، وہ خود بخود آجاتی، اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں؟ اعتراض سمجھ میں آیا؟ جواب یہ کہ نہیں بھئی، یہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اعتراض نہیں ہے، ہونا بھی یہ چاہیے، مذکر کا ذکر ہوا ہے تو ساتھ اس کے علیحدہ مؤنث کا بھی ذکر ہو۔ پیچھے اعتراض بنتا تھا کہ كِلَا کے ساتھ كِلْتَا کو کیوں نہیں ذکر کیا حالانکہ وہ مؤنث ہے؟ وہاں ہم اعتراض بنا ہم نے جواب دے دیا کہ چونکہ مذکر اصل ہے مؤنث اس کے فرع ہے لہٰذا تابع ہے لہٰذا اس لیے جب مذکر کا ذکر آگیا تو گویا مؤنث کا بھی ذکر آگیا، وہاں ہم نے جواب دے دیا تھا، اور یہاں اعتراض یہ محلِ اعتراض نہیں ہے، ہونا بھی یہی چاہیے کہ کیا دونوں کو ذکر کرنا چاہیے، پیچھے کیوں نہیں کیا؟ وہاں ہم نے وجہ بتا دی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے سب کی مثال ذکر کرنے لگے ہیں۔تَقُولُ آپ کہتے ہیں:جَاءَنِي الزَّجُلَانِ كِلَاهُمَا وَاثْنَانِ وَاثْنَتَانِ۔ جَاءَنِي الزَّجُلَانِ: الزَّجُلَانِ کیا ہے؟ تثنیہ، دیکھو الف کے ساتھ آیا حالتِ رفعی میں، فاعل بن رہا ہے۔كِلَاهُمَا الف کے ساتھ آیا، ضمیر کی طرف مضاف ہے۔اِثْنَانِ الف کے ساتھ اور اِثْنَتَانِ بھی الف۔جَاءَنِي الزَّجُلَانِ كِلَاهُمَا وَاثْنَانِ وَاثْنَتَانِ، وَرَأَيْتُ الزَّجُلَيْنِ كِلَيْهِمَا وَاثْنَيْنِ وَاثْنَتَيْنِ، یہاں دیکھیے سب حالتِ نصبی میں ہیں اور اعراب کیا ہے؟ یا ما قبل مفتوح ہے۔وَمَرَرْتُ بِالزَّجُلَيْنِ كِلَيْهِمَا وَاثْنَيْنِ وَاثْنَتَيْنِ، اور دیکھیے اور یہ مجرور ہیں اور حالتِ جری میں بھی کیا ہے؟ یا ما قبل مفتوح ہے بھئی۔

اَلسَّادِسُ چھٹی قسم:أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالْوَاوِ الْمَضْمُومِ مَا قَبْلَهَا، چھٹی قسم یہ ہے:أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالْوَاوِ کہ رفع ہو ایسے واؤ کے ساتھ الْمَضْمُومِ مَا قَبْلَهَا جس کا ما قبل کیا ہو؟ مضموم ہو۔جیسے مُسْلِمُونَ، دیکھو واؤ ہے اور واؤ سے ما قبل میم پر کیا ہے؟ ضمہ ہے، تو یہ واؤ ما قبل مضموم، اور حالتِ نصبی جری میں کیا کہتے ہیں؟ مُسْلِمِينَ، یا ما قبل مکسور ہے، یہی بیان کریں گے۔

کہتے ہیں:وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْيَاءِ الْمَكْسُورِ مَا قَبْلَهَا اور نصب اور جر جو ہے ایسی یا کے ساتھ کہ جس کا ما قبل مکسور ہو، وَيُخْتَصُّ بِجَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ اور یہ اعراب خاص ہے جمع مذکر سالم کے ساتھ۔جمع مذکر سالم وہ جس میں مفرد کا وزن سالم رہتا ہے۔مُسْلِمٌ سے کیا بنا؟ مُسْلِمُونَ، دیکھو اسی مسلم کے آخر میں واؤ نون ملا دیا تو مسلمون بن گیا۔تو مفرد کا وزن جمع میں بھی آکر سلامت ہے، ٹوٹا نہیں۔جبکہ پہلے مثال گزری تھی:رَجُلٌ کی جمع کیا؟ رِجَالٌ، دیکھا اس میں رجل کا لفظ نہیں، صورت ہی پوری بدل گئی۔یہاں پوری صورت نہیں بدلی، صرف آخر میں کیا ہوا ہے؟ مسلمون میں واؤ نون کا اضافہ، تو یہ جمع مذکر سالم ہے۔

تو کہتے ہیں:وَيُخْتَصُّ بِجَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ اور یہ اعراب خاص ہے جمع مذکر سالم کے ساتھ،نَحْوُ مُسْلِمُونَ وَأُولُو وَعِشْرُونَ مَعَ أَخَوَاتِهَا۔ اچھا،نَحْوُ مُسْلِمُونَ یہ مثال ذکر کر دی جیسے کہ مسلمون ہے جمع مذکر سالم۔وَأُولُو، اس کا عطف ہے جمع مذکر سالم پر، اور یہ اعراب پیچھے کیا بتایا؟ یہ اعراب خاص ہے بِجَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ وَأُولُو اور کس کے ساتھ خاص ہے؟ أُولُو کے ساتھ۔

أُولُو، بھئی أُولُو جمع ہے ذُو کی مِنْ غَيْرِ لَفْظِهِ یعنی معنی کے اعتبار سے اس کی جمع ہے، لفظوں کے اعتبار سے اس کی جمع نہیں۔ذُو، ذُو کا کیا معنی؟ مثلاً آپ کہتے ہیں:ذُو مَالٍ، مال والا۔ذو مال کا کیا معنی؟ مال والا۔اور جمع ہوں تو پھر کہیں گے:أُولُو مَالٍ، مال والے۔کیا کہیں گے؟ أُولُو مَالٍ۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ تو یعنی یہ معنی کے اعتبار سے جمع ہے اس کی، لفظوں کے اعتبار سے جمع نہیں بھئی۔ذُو میں تو ذال اور واؤ تھا، یہاں کہیں ہے ذال اور واؤ؟ تو یہ لفظ الگ ہے لیکن معنی اس کی جمع والا ادا کرتا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو أُولُو کا بھی یہ ہے اعراب:أُولُو، حالتِ رفعی میں کہیں گے أُولُو مَالٍ، حالتِ نصبی جری میں کیا کہیں گے؟ یا ما قبل مکسور بناؤ بھئی:أُولِي مَالٍ۔ دیکھو أُولُو مَالٍ، واؤ ما قبل مضموم ہے یا نہیں اُولو کے اندر؟ واؤ اور ما قبل لام پر کیا ہے؟ ضمہ۔حالتِ نصبی جری میں لے جاؤ اس کو:أُولِي مَالٍ، یا ما قبل مکسور۔بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو یہ اعراب خاص ہے جمع مذکر سالم کے ساتھ اور أُولُو کے ساتھ،وَعِشْرُونَ مَعَ أَخَوَاتِهَا اور عِشْرُونَ ساتھ اپنی اخوات کے، اپنی بہنوں کے۔ عِشْرُونَ کس کو کہتے ہیں؟ بیس کو۔عِشْرُونَ کا بھی یہی اعراب۔اس کی جو بہنیں ہیں، بہنیں کہا، اخوات کہا۔جو ثَلَاثُونَ، أَرْبَعُونَ، خَمْسُونَ، چالیس، پچاس، ساٹھ، ستر، اسی، نوے عربی میں کیسے کہیں گے؟ ثَلَاثُونَ، أَرْبَعُونَ، خَمْسُونَ، سِتُّونَ، سَبْعُونَ، ثَمَانُونَ، تِسْعُونَ۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ ہیں اس کے اخوات۔ بھئی ان کو اخوات کیوں کہا عِشْرُونَ کے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ عِشْرُونَ ہے کلمۃٌ، کلمہ ہے یا نہیں؟ عِشْرُونَ کلمہ ہے اور ثَلَاثُونَ بھی کیا ہے؟ کلمہ، اور کلمہ کے آخر میں تا آرہی ہے یعنی گول تا، سمجھ میں آیا، مؤنث۔تو جب کلمہ ہے تو مؤنث ہوا اور جب مؤنث ہوا تو آپس میں یہ بھائی ہوئے یا بہنیں ہو گئیں گویا کہ؟ بہنیں ہو گئیں، جیسے بہنیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں یہ کلمات بھی کیا ہیں ایک دوسرے کے مشابہ۔تو کہتے ہیں:وَعِشْرُونَ مَعَ أَخَوَاتِهَا اور عِشْرُونَ جو اس کی بہنیں ہیں، لیکن ترجمہ یوں نہ کرو، یوں ترجمہ کرو:وَعِشْرُونَ مَعَ أَخَوَاتِهَا اور عِشْرُونَ ساتھ اس کے جو مشابہ ہیں، اس جیسے کلمات ہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ میں نے ذکر کر دیا کہ بہنیں کیوں کہہ دیا، کیونکہ جیسے بہنیں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں اسی طرح یہ لفظ بھی کیا ہیں، یہ کلمے بھی ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

تو یہ اعراب کس کس کے ساتھ ہوا خاص؟ جمع مذکر سالم،أُولُو اور عِشْرُونَ مَعَ أَخَوَاتِهَا۔ تَقُولُ اب دیکھو حالتِ رفعی میں دیکھنا، سب میں واؤ ما قبل مضموم ہو گا۔تَقُولُ: جَاءَنِي مُسْلِمُونَ وَعِشْرُونَ وَأُولُو مَالٍ۔ دیکھو مسلمون واؤ نون کے ساتھ، عشرون واؤ نون ما قبل مضموم ہے، اور اُولو میں بھی اسی طرح واؤ ما قبل مضموم ہے۔

اب حالتِ نصبی میں کس کے ساتھ آئیں گے؟ یا ما قبل مکسور: وَرَأَيْتُ مُسْلِمِينَ وَعِشْرِينَ وَأُولِي مَالٍ۔ اور حالتِ جری میں بھی کس کے ساتھ آئیں گے؟ یا ما قبل مکسور: وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ، دیکھو باجارہ داخل ہو رہی ہے، جر دے رہی ہے۔ رَأَيْتُ مُسْلِمِينَ کے اندر یہ مفعول بن رہے تھے اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ اب ان پر کیا داخل ہو رہی ہے؟ با، اور با کیا ہے؟ جر دیتی ہے تو یہ مجرور ہیں: وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ وَعِشْرِينَ وَأُولِي مَالٍ۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

یہاں ایک نکتہ یاد رکھنا بھئی: أُولُو، دیکھو أُولُو لفظ لکھا ہوا ہے آپ کے سامنے: أُولُو۔ آپ ذرا غور کریں أُولُو میں جو شروع میں الف یعنی ہمزہ ہے اس کے بعد بھی ایک واؤ ہے، اور حالانکہ اس واؤ کو پڑھ نہیں رہے ہم۔ أُولُو پڑھ رہا ہوں یا اُلُو پڑھ رہا ہوں؟ اُلُو۔ دیکھو معلوم ہوا یہ پہلا واؤ جو ہے اس کو ہم پڑھ نہیں رہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے اس کو کیوں لکھا جاتا ہے؟ جب اس کو پڑھا نہیں جاتا، اگر یہ واؤ پڑھا جاتا تو یوں پڑھنا چاہیے تھا: أُولُو مَالٍ، لیکن ہم کیا پڑھ رہے ہیں؟ أُولُو مَالٍ، ہم تو اس کو پڑھتے نہیں ہیں، عرب اس کو پڑھتے نہیں ہیں، تو سوال پیدا ہوتا ہے اس کو کیوں لکھا جاتا ہے؟ تو جواب یاد رکھنا۔ بھئی دیکھیے أُولُو کے بارے میں آپ نے پڑھ لیا، حالتِ رفعی میں کیسے پڑھیں گے؟ أُولُو مَالٍ۔ اور حالتِ نصبی جری میں کیسے پڑھیں گے؟ أُولِي مَالٍ۔ اچھا یہ أُولِي میں سے واؤ کو ذرا پہلا واؤ جو لکھنے میں ہے اس واؤ کو اگر ہٹا دیں اور آپ أُولِي لکھیں، کیسے لکھیں گے؟ الف یعنی ہمزہ ہے شروع میں، پھر لام اور پھر یا۔ تو اگر اعراب نہیں ہوں گے تو یوں لگے گا یہ إِلَى لکھا ہوا ہے، کیا لکھا ہوا ہے؟ إِلَى۔ اسی طرح ہے نا، الف لام یا: إِلَى۔ تو چونکہ أُولِي حالتِ نصبی جری میں لکھا جائے تو اس کی مشابہت ہے إِلَى کے ساتھ، تو کسی پڑھنے والے سے کوئی پڑھنے والا غلطی سے کہیں اس کو إِلَى نہ پڑھ جائے، تو اس کے دونوں میں فرق کرنے کے لیے إِلَى اور أُولِي میں، حالتِ نصبی جری میں واؤ کو لکھا جاتا ہے ساتھ۔ اب دیکھو اب لکھا أُولِي واؤ کے ساتھ، اور إِلَى ہے بغیر واؤ کے، تو دیکھتے ہی پڑھتے ہی دیکھتے ہی فوراً کتاب میں لکھا ہوا ہے دیکھتے ہی پتہ چل جائے گا کہ یہ کیا لکھا ہے؟ أُولِي لکھا ہوا ہے، إِلَى نہیں، کیونکہ إِلَى میں تو الف کے بعد لام آتا ہے پھر یا آتی ہے اور أُولِي میں الف کے بعد واؤ لکھ دیا۔ تو حالتِ نصبی جری میں واؤ لکھا گیا تاکہ إِلَى سے فرق ہو جائے، اور جب حالتِ نصبی جری میں واؤ لکھا گیا تو حالتِ رفعی کے اندر بھی واؤ کا اضافہ کر دیا تاکہ ساری حالتیں ایک ہی جیسی رہیں ان میں کوئی فرق نہ رہے، یہ نہیں کہ بعض حالتوں میں واؤ لکھنا ہے بعض میں نہیں لکھنا۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

آگے دیکھیے بھئی: وَاعْلَمْ أَنَّ نُونَ التَّثْنِيَةِ مَكْسُورَةٌ أَبَدًا، وَنُونَ جَمْعِ السَّلَامَةِ مَفْتُوحَةٌ أَبَدًا اور جان لے تو کہ نونِ تثنیہ جو ہوتا ہے مَكْسُورَةٌ أَبَدًا وہ ہمیشہ مکسور ہوتا ہے، وَنُونَ جَمْعِ السَّلَامَةِ اور جمع سلامت کا نون جو ہوتا ہے مَفْتُوحَةٌ أَبَدًا وہ ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔ بھئی دیکھیے: رَجُلَانِ یہ نون تثنیہ والا ہے، مُسْلِمُونَ یہ نون کون سا ہے؟ یہ جمع والا ہے۔ لیکن دیکھو رَجُلَانِ نون کے نیچے کیا پڑھ رہے ہیں؟ زیر پڑھ رہے ہیں۔ تو دیکھو معلوم ہوا تثنیہ والا نون ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مکسور: جَاءَنِي رَجُلَانِ، رَأَيْتُ رَجُلَيْنِ۔ دیکھو حالتِ رفعی ہو یا نصبی ہو، جری ہو، نونِ تثنیہ کے نیچے ہمیشہ کیا آتا ہے؟ زیر یعنی وہ مکسور ہوتا ہے، اور نونِ جمع مذکر سالم پر ہمیشہ زبر آتا ہے: مُسْلِمُونَ دیکھو نون مفتوح ہے، اور مُسْلِمِينَ حالتِ نصبی جری میں بھی نون کیا ہے؟ مفتوح ہے۔ سمجھ میں آئی بات بھئی؟

تو یہی بات بیان کر رہے ہیں کہ نونِ تثنیہ جو ہے مَكْسُورَةٌ أَبَدًا وہ مکسور ہوتا ہے ہمیشہ، وَنُونَ جَمْعِ السَّلَامَةِ مَفْتُوحَةٌ أَبَدًا اور جمع سلامت کا نون ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔ اور یہ اعراب نہیں ہے ان کے اوپر جو آرہا ہے، یہ نون پر جو کسرہ آرہا ہے تثنیہ میں اور نون پر جو فتحہ آرہا ہے جمع مذکر، یہ اعراب نہیں ہے یہ ان کی حرکت ہے، کیا ہے؟ حرکت۔ اعراب تو ما قبل والا حرف ہے واؤ، یا، الف، یا جو آرہا ہے۔

وَكِلَاهُمَا تَسْقُطَانِ عِنْدَ الْإِضَافَةِ اور یہ دونوں اضافت کے وقت گر جاتے ہیں۔ جب تثنیہ کی اضافت کی جائے تو نونِ تثنیہ گر جاتا ہے، نونِ تثنیہ۔ مثلاً بھئی، کتاب کی تثنیہ کیا آئے گی؟ كِتَابَانِ، اور اس کی اب اضافت کرو زرازید کی طرف: كِتَابَانِ زَيْدٍ، اور پھر نون کو درمیان سے گرا دو کیا بن گیا؟ كِتَابَا زَيْدٍ۔ سمجھ میں آیا؟ تو دیکھو جب بھی اس کی اضافت ہو گی آگے مضاف الیہ جب بھی آئے گا تو یہ تثنیہ والا نون گر جائے گا، اگر کوئی اس کو لکھتا ہے یا پڑھتا ہے وہ غلط کر رہا ہے، کلامِ عرب میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ نون گر جاتا ہے۔ تو كِتَابَانِ زَيْدٍ نہیں کہیں گے کبھی بھی بلکہ کیا کہیں گے؟ كِتَابَا زَيْدٍ۔ اسی طرح جو نونِ جمع ہوتا ہے وہ بھی جب اضافت کی صورت میں یعنی جب مضاف بنتا ہے تو گر جاتا ہے، مثلاً بھئی مُسْلِمُونَ، اس کی اضافت کرو زرا مصر کی طرف، مصر شہر کو کہتے ہیں، تو کیسے پڑھیں گے؟ مُسْلِمُو مِصْرَ، وہ نون گر جائے گا بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَكِلَاهُمَا تَسْقُطَانِ عِنْدَ الْإِضَافَةِ اور یہ دونوں جو ہیں نون، یعنی کون سے نون؟ ایک نونِ تثنیہ اور ایک نونِ جمع، یہ دونوں تَسْقُطَانِ ساقط ہو جاتے ہیں یعنی گر جاتے ہیں عِنْدَ الْإِضَافَةِ اضافت کے وقت۔ تَقُولُ آپ یوں کہتے ہیں: جَاءَنِي غُلَامَا زَيْدٍ وَمُسْلِمُو مِصْرَ آئے میرے

پاس زید کے دو غلام اور شہر کے مسلمان۔ تو دیکھو دونوں میں نون کیا ہے؟ اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ معلوم ہوا تثنیہ کا جب مضاف بنے گا اس کا نون گر جائے گا اور اسی طرح جمع مذکر سالم جب مضاف بنے گا تو اس کا نون گر جائے گا بھئی۔

اب ذرا پہلے پچھلے دہرالو بھئی، دہرالو بھئی۔ بار بار ان کا تکرار کیا کرو، دہرایا کرو، خوب پختہ ازبر ہو جائیں۔ پانچویں قسم پڑھی آپ نے آج، پانچویں قسم کا اعراب کیا تھا؟ رفع الف کے ساتھ، نصب اور جر یا ما قبل مفتوح کے ساتھ، اور یہ اعراب تین چیزوں کے ساتھ آئے گا: نمبر ایک تثنیہ، تین اسموں کا، نمبر ایک تثنیہ، نمبر دو کِلا، پوری بات کریں کِلا جبکہ وہ مضاف ہو کس کی طرف؟ ضمیر کی طرف، اور اسی طرح اثنانِ اور اثنتانِ کا یہی اعراب ہے۔ اور چھٹی قسم آپ نے پڑھی کہ اس کا رفع کس کے ساتھ؟ واوٗ ما قبل مضموم، اور نصب اور جر کس کے ساتھ آئے گا؟ یا ما قبل مکسور، اور یہ اعراب بھی تین چیزوں کے ساتھ تین قسم کے اسموں کے ساتھ خاص ہیں: نمبر ایک جمع مذکر سالم، نمبر دو عِشْرُونَ مَعَ أَخَوَاتِهَا، اور نمبر تین أُولُو کے ساتھ، أُولُو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

آگے دیکھیے بھئی: اَلسَّابِعُ: ساتویں قسم جو ہے: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيرِ الضَّمَّةِ، وَالنَّصْبُ بِتَقْدِيرِ الْفَتْحَةِ، وَالْجَرُّ بِتَقْدِيرِ الْكَسْرَةِ کہ رفع جو آئے گا وہ تقدیرِ ضمہ کے ساتھ آئے گا، وَالنَّصْبُ بِتَقْدِيرِ الْفَتْحَةِ اور نصب تقدیرِ فتحہ کے ساتھ، وَالْجَرُّ بِتَقْدِيرِ الْكَسْرَةِ اور جر تقدیرِ کسرہ کے ساتھ۔ تقدیر کا معنی ہے فرض کر لینا، یعنی یہاں پر لفظوں کے اندر رفع نہیں نظر آئے گا آپ کو، لفظوں کے اندر رفع نہیں نظر آئے گا، نصب نظر نہیں آئے گا اور کسرہ نظر نہیں آئے گا بھئی، کسرہ نظر نہیں آئے گا۔

بھئی اب پہلے اعراب جو گزرے ابھی تک ان میں آپ دیکھ رہے تھے حالتِ رفعی اور نصبی جری وغیرہ میں فرق آتا تھا، تلفظ سے ہی پتہ چل جاتا تھا۔ مُسْلِمُونَ: میں کون سی حالت پڑھ رہا ہوں؟ حالتِ رفعی ہے۔ مُسْلِمِينَ: سنتے ہی آپ کو پتہ چل گیا معلوم ہوا یہ کون سی حالت ہے؟ حالتِ نصبی ہے یا حالتِ جری ہے۔ رَجُلَانِ: سنتے سے ہی پتہ چل رہا ہے کون سی حالت ہے؟ حالتِ رفعی۔ رَجُلَيْنِ: کون سی حالت ہے؟ حالتِ نصبی یا جری۔ اَبُوکَ: بتایئے بھئی کون سی حالت ہے؟ حالتِ رفعی۔ اَبَاکَ: حالتِ نصبی۔ اَبِيکَ: حالتِ جری۔ زَيْدٌ: کون سی حالت ہے؟ حالتِ رفعی۔ زَيْدًا: حالتِ نصبی۔ زَيْدٍ: حالتِ جری۔ دیکھو ابھی تک جتنی قسمیں گزری تھیں ان میں اعراب کا باقاعدہ اعراب لفظی تھا، اعراب کیا تھا؟ لفظی۔ لفظی کا کیا معنی؟ کہ باقاعدہ تلفظ سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ دیکھو میں صرف تلفظ کر رہا ہوں زبان سے اور آپ کو پتہ چلتا جا رہا ہے کہ اس پر اس وقت رفع پڑھا جا رہا ہے یا نصب یا جر، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اعرابِ لفظی کہتے ہیں۔ تو ابھی تک جتنی قسمیں گزریں ان کے اندر اعرابِ لفظی تھا یعنی باقاعدہ تلفظ سے ہی رفع اور نصب جر وغیرہ میں فرق ہو جاتا تھا۔ اب اعراب کی وہ قسمیں آئیں جو تقدیری ہیں، جو تقدیری ہیں، یعنی وہاں پر تلفظ سے فرق کا پتہ نہیں چلے گا۔ تلفظ سے حالتِ رفعی میں کچھ اور آئے، حالتِ نصبی میں کچھ اور آئے، حالتِ جری میں کچھ اور آئے، تلفظ سے ہی پتہ چل جائے ایسا نہیں ہو گا۔

تو یہاں تبدیلی تو آئے گی لیکن تقدیراً آئے گی، یعنی ہم فرض کر لیں گے کہ تبدیلی آگئی ہے، اگرچہ بظاہر لفظوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، لیکن ہم کیا فرض کر لیں گے؟ تبدیلی آچکی، حالتِ رفعی میں کچھ اور تھا، حالتِ نصبی جری میں کچھ اور ہے۔

تو یہی بیان کر رہے ہیں کہ ساتویں قسم یہ ہے: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيرِ الضَّمَّةِ کہ رفع تقدیرِ ضمہ کے ساتھ ہو گا، نصب تقدیرِ فتحہ کے ساتھ اور جر تقدیرِ کسرہ کے ساتھ۔ یعنی یوں کہیں کہ ساتویں قسم کے تینوں اعراب تقدیراً ہوں گے، کیا ہوں گے؟ تقدیراً ہوں گے یعنی رفع بھی تقدیراً ہو گا، نصب بھی تقدیراً اور جر بھی تقدیراً ہو گا بھئی۔ تقدیراً کا معنی ہے فرض کر لینا، گویا فرض کر لیں گے اس کی حالت بدلتی جا رہی ہے، بدل تو بظاہر نہیں رہی لیکن فرض کیا کر لیں گے؟ بدل رہی ہے۔ تو کہتے ہیں رفع تقدیرِ ضمہ کے ساتھ ہو گا، نصب تقدیرِ فتحہ کے ساتھ اور جر تقدیرِ کسرہ کے ساتھ۔

وَيُخْتَصُّ بِالْمَقْصُورِ اور اعراب کی یہ قسم خاص ہے اسمِ مقصور کے ساتھ۔ بھئی اسمِ مقصور کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: وَهُوَ مَا فِي آخِرِهِ أَلِفٌ مَقْصُورَةٌ وہ ہے جس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہو۔ کیا ہو؟ الفِ مقصورہ ہو بھئی۔ یاد رکھیے ایک الفِ مقصورہ ہے، ایک الفِ ممدودہ ہے۔ یہ جو عام الف ہوتا ہے اس کو الفِ مقصورہ کہتے ہیں، مقصورہ قصر سے ہے، چھوٹا، چھوٹا الف ہے، یہ عام الف۔ اور ایک الفِ ممدودہ ہوتا ہے جس کو لمبا کرتے ہیں، قرآن میں بھی آپ دیکھتے ہیں بعض الف ہوتے ہیں ان کے اوپر باقاعدہ مد لکھا ہوتا ہے جن کو خوب لمبا کرنا ہوتا ہے، تو وہ الفِ ممدودہ جو ہے وہ الف ہے جس کے بعد ہمزہ آئے۔ الفِ ممدودہ کون سا ہے؟ جس کے بعد ہمزہ آئے۔ جیسے اِسْرَائِيلَ، بنی اسرائیل، قرآن میں آپ دیکھتے ہیں: اِسْرَا، را کے بعد الف ہے یا نہیں؟ اور اس الف کے بعد کیا ہے؟ ہمزہ: اِسْرَائِيلَ۔ اسی لیے اس الف پر مد ڈلا ہو گا اس کو خوب لمبا کرتے ہیں: اِسْرَائِيلَ۔ یہ ہے الفِ ممدودہ، خوب لمبا کرنا، اور باقی جو عام الف ہیں جو عام الف ہیں اس کو کیا کہتے ہیں؟ الفِ مقصورہ کہتے ہیں۔ تو اسمِ مقصور اس کو کہیں گے جس کے آخر میں کیا ہو؟ الفِ مقصورہ ہو جیسے مُوسَى، دیکھو عام سا الف ہے، لمبا تو نہیں کرنا پڑتا نا، تو عام الف۔ تو جَاءَنِي مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى۔

تو انہوں نے آپ کو بتلا دیا بھئی کہ اسمِ مقصور وہ ہے کہ جس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہو بھئی، الفِ مقصورہ یعنی عام الف ہو یعنی الفِ ممدودہ نہ ہو۔ تو جس اسم کے آخر میں الفِ مقصورہ ہو انہوں نے آپ کو بتایا کہ اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہو گا: رفع بھی تقدیری، نصب بھی تقدیری اور جر بھی تقدیری۔ رفع ہو گا تقدیرِ ضمہ کے ساتھ یعنی فرض کر لو جب حالتِ رفعی میں ہے تو فرض کر لو اس پر ضمہ آ گیا ہے، اور نصب جو ہے تقدیرِ فتحہ کے ساتھ ہو گا جب حالتِ نصبی میں ہو تو فرض کر لو کہ اس پر فتحہ آ گیا ہے، اور جب حالتِ جری میں ہو تو فرض کر لو کہ اس پر کسرہ آ چکا ہے۔ جیسے دیکھیے مُوسَى، اس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہے، دیکھو عام الف ہے، لمبا الف اس کو لمبا نہیں کرنا زیادہ بھئی، یہ الفِ مقصورہ عام الف، مُوسَى۔ اب آپ کہتے ہیں: جَاءَنِي مُوسَى، یہاں یہ فاعل بن رہا ہے، مرفوع ہے۔ رَأَيْتُ مُوسَى، یہاں یہ مفعول بن رہا ہے، منصوب ہے۔ اور مَرَرْتُ بِمُوسَى، یہاں یہ مجرور ہے، باجارہ اس پر داخل ہے۔ تینوں حالتوں میں یہ یکساں ہے: جَاءَنِي مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى۔ تو یہ تو بدل نہیں رہا، تو معرب تو وہ ہے جس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا ہے، تو یہ تو بدل نہیں رہا، پھر یہ کیسے معرب؟ تو جواب دے دیا کہ بھئی فرض کر لو یہ بدل رہا ہے۔ کیا کر لو؟ فرض کر لو۔ جب حالتِ رفعی میں ہے فرض کر لو اس پر ضمہ آ چکا ہے، جب حالتِ نصبی میں ہو فرض کر لو اس پر فتحہ آ چکا ہے، اور جب حالتِ جری میں ہو تو فرض کر لو اس پر کسرہ آ چکا ہے۔ اس لیے کیونکہ یہاں ایک مانع موجود ہے۔ وہ کیا؟ الف ہے آخر میں، الف، اور الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، نہ اس پر زبر آ سکتا ہے، نہ زیر، نہ پیش۔ تو اس مجبوری کی وجہ سے اعراب ظاہر نہیں ہو رہا بھئی، اگر یہ مجبوری نہ ہوتی یہاں الف نہ ہوتا تو اعراب کیا ہو جاتا؟ ظاہر ہو جاتا بھئی۔ تو لہٰذا یہاں ایک مانع ہے، ایک رکاوٹ موجود ہے، اس رکاوٹ کی وجہ سے اعراب ظاہر نہیں ہو رہا، لہٰذا آپ فرض کر لیں کہ حالت بدل رہی ہے، اگرچہ بدل نہیں رہی حقیقت میں لیکن فرض کر لیں کہ حالت بدل رہی ہے، حالت بدل رہی ہے۔

تو کہتے ہیں: وَيُخْتَصُّ بِالْمَقْصُورِ اور اعراب کی یہ قسم خاص ہے اسمِ مقصور کے ساتھ، وَهُوَ مَا فِي آخِرِهِ أَلِفٌ مَقْصُورَةٌ اور وہ اسم ہے کہ جس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہو، كَعَصًا۔ بھئی آپ کی کتابوں میں ہو سکتا ہے عَصَا ہو، یاد رکھیے عَصَا نہیں، یہ عَصًا لفظ ہے، صاد کے اوپر تنوین ہونی چاہیے، دو زبر ہونے چاہیے: عَصًا۔ جیسے کہ عَصًا ہے، یہ کیا ہے؟ اسمِ مقصور ہے، یہ کیا ہے؟ اسمِ مقصور ہے۔ کیا لفظ؟ عَصًا۔ آپ کہیں گے عَصًا، عصا کے آخر میں تو تنوین ہے الف تو ہے ہی نہیں؟ عصا کے آخر میں اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ آپ کہیں گے عصا کے آخر میں تو تنوین ہے الف تو ہے ہی نہیں، اور بات تو چل رہی ہے کس کی؟ اسمِ مقصور کی، اور اسمِ مقصور کسے کہتے ہیں جس کے آخر میں الف ہو، الف ہو بھئی۔ اچھا، تو آپ کہیں گے یہاں تو الف ہے نہیں، یہاں تو آخر میں تنوین ہے، تو ہم کہیں گے جواب میں کہ یہاں الف موجود ہے تقدیراً۔ الف کیا ہے؟ تقدیراً موجود ہے یعنی فرض کر لو موجود ہے یہاں پر، فرض کر لو موجود ہے۔ تو دراصل وہ تو وہ اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گرا ہے تو یوں سمجھیں گویا ابھی بھی موجود ہے، یوں فرض کر لیں کہ ابھی بھی موجود ہے بھئی۔

اور کس طرح وہ الف گرا؟ تو یاد رکھیے پہلے دو تین مقدمات سمجھ لیں، ان شاء اللہ پوری بات آپ کو سمجھ میں آ جائے گی۔ سب سے پہلے یہ یاد رکھیے کہ یہ جو تنوین ہے یہ نونِ ساکن کا نام ہے۔ تنوین نونِ ساکن کو کہتے ہیں، نونِ ساکن کا نام ہے۔ کس طرح؟ دیکھیے میں آپ کے سامنے ایک لفظ لکھوں گا آپ نے اس کو پڑھنا ہے: میں نے لکھی زاء، یاء، دال، اور دال کے اوپر دو پیش ڈال دیے، کیا لکھا؟ ز، ی، د، اور دال کے اوپر دو پیش ڈال دیے۔ اب میں آپ سے کہتا ہوں پڑھو اس کو، آپ پڑھیں کیا پڑھیں گے؟ زَيْدٌ۔ سوال: بھئی یہ آخر میں نون کہاں سے پڑھ رہے ہو؟ میں نے تو کوئی نون نہیں لکھا، میں نے تو ز، ی، د لکھی ہے اور دال کے اوپر دو پیش ڈالے ہیں اور آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ زَيْدٌ، دیکھو زبان سے ادا کریں: زَيْدٌ، آخر میں نون پڑھ رہے ہیں آپ بھئی، یہ نون کہاں سے آیا؟ تو جواب آپ دیں گے کہ یہ جو آخر میں تنوین ہے یہ نونِ ساکن کا نام، یہ تنوین نونِ ساکن ہے، تنوین نونِ ساکن کا نام ہے، تو یہ نون جو ہے یہ وہ تنوین ہم پڑھ رہے ہیں: زَيْدٌ۔ تو معلوم ہوا تنوین کس چیز کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا نام ہے۔

دوسری بات، دوسری بات آپ نے صرف کے اندر ضابطہ پڑھا ہو گا کہ واؤ یا یا متحرک ہوں اور ما قبل فتحہ ہو تو ان کو تو اس واؤ یا یا کو الف سے بدلتے ہیں۔ واؤ یا یا متحرک ہوں یعنی ان پر حرکت ہو، ساکن نہ ہوں، کوئی بھی حرکت ہو، ضمہ ہو، فتحہ ہو یا کسرہ، جو بھی حرکت ہو، واؤ اور یا ہیں متحرک اور ما قبل والے حرف پر فتحہ ہونا چاہیے، زبر ہونی چاہیے، تو اس واؤ اور یا کو الف سے بدلتے ہیں۔ جیسے قَالَ، اصل میں کیا تھا؟ قَوَلَ۔ دیکھو واؤ متحرک ہے اس پر حرکت ہے اور اس سے ما قبل قاف پر کیا ہے؟ زبر، تو اس واؤ کو کس سے بدل دیا؟ الف سے، کیا بن گیا؟ قَالَ۔ اسی طرح بَاعَ، اصل میں کیا تھا؟ بَيَعَ۔ یا متحرک ہے اور ما قبل با پر کیا ہے؟ فتحہ، اور قانون ہے کہ واؤ یا یا متحرک ہوں اور ما قبل کیا ہو؟ فتحہ ہو، اس کو کس سے بدلتے ہیں؟ الف سے، تو اس بَيَعَ کی یا کو کس سے بدل دیا؟ الف سے، کیا بن گیا؟ بَاعَ بن گیا بھئی، بَاعَ بن گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو پہلی بات کیا ہوئی کہ تنوین نونِ ساکن کا نام ہے۔ دوسری بات کیا ہوئی کہ واؤ اور یا متحرک ہوں اور ما قبل فتحہ ہو تو اس کو الف سے بدل دیتے ہیں۔

تیسری بات یاد رکھیے بھئی، تیسری بات یہ کہ جب دو ساکن اکٹھے ہو جائیں، جب دو ساکن اکٹھے ہو جائیں تو پھر دیکھو کہ ان میں سے پہلا ساکن جو ہے وہ حرفِ مدہ تو نہیں؟ اگر پہلا ساکن حرفِ مدہ ہو تو پھر اس کو گرا دیں گے، حذف کر دیں گے۔ کیا ضابطہ؟ اگر دو ساکن اکٹھے ہو جائیں اور پہلا ساکن کیا ہو؟ حرفِ مدہ ہو، سمجھ میں آئی بات، تو اس حرفِ مدہ کو کیا کریں گے؟ گرا دیں گے، جبکہ اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ ہو۔ ایک ہوتا ہے اجتماعِ ساکنین علی حدہ اور ایک اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ۔ یہ تو صرف کی باتیں ہیں، چلیے میں پھر بیان کر دیتا ہوں۔ اجتماعِ ساکنین علی حدہ جائز ہوتا ہے، وہاں دو ساکن آتے ہیں لیکن ان کا پڑھنا جائز ہوتا ہے، اور اس میں ضروری ہے کہ پہلا ساکن حرفِ مدہ ہو اور ثانی ساکن مدغم ہو۔ ثانی ساکن مدغم ہو جیسے فَارٌّ، فَارٌّ الف بھی ساکن اور فا، دورا آخر میں آ رہی ہیں، یہ جو راء مشدد ہے یہ کتنی راہیں؟ دو، جو حرفِ مشدد ہوتا ہے وہ دو حرف ہوتے ہیں دراصل۔ تو فَارٌّ الف بھی ساکن اور پہلی را بھی ساکن، تو یہ دو ساکن اکٹھے ہو گئے، یہ اجتماعِ ساکنین ہے، دو ساکنوں کا جمع ہونا ہے، لیکن یہ علی حدہ ہے، یہ جائز ہے، لہٰذا اس کو اسی طرح پڑھیں گے: فَارٌّ۔ اور بعض اوقات دو ساکن جمع ہوتے ہیں لیکن ان کا جمع ہونا جائز نہیں ہوتا بھئی دو ساکنوں کا، تو اس کے علاوہ جتنی صورتیں ہیں وہ اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ کی ہیں۔ تو اجتماعِ ساکنین علی حدہ کیا کہ پہلا ساکن حرفِ مدہ ہو اور ثانی کیا ہو؟ مدغم ہو یعنی اس کا ادغام ہوا ہو، اس پر شد ہو۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

اچھا، اب پہلے یہ سمجھ لیں کہ حرفِ مدہ کسے کہتے ہیں؟ یاد رکھیے: واؤ، الف، یا، ان سے ماقبل اگر ماقبل والے حرف کی حرکت ان کے موافق ہو تو ان کو حرفِ مدہ کہتے ہیں۔ مثلاً الف سے پہلے والے حرف پر زبر ہو جیسے قَالَ، دیکھو الف ہے درمیان میں اور الف سے پہلے کیا ہے؟ قاف پر زبر، تو اس الف کو حرفِ مدہ کہیں گے، کیا کہیں گے؟ مدہ۔ مد کا معنی ہے کھینچنا، کھینچنا، یہ اسی فتحہ کو کھینچ کر لمبا کر دیتا ہے الف۔ بھئی دیکھیے، ذرا الف کے بغیر پڑھو: قاف ہے اس پر بھی زبر ہے اور لام ہے اس پر بھی زبر ہے، کیسے پڑھیں گے؟ قَلَ، دیکھو قاف پر زبر اور لام پر بھی زبر: قَلَ۔ اب درمیان میں ذرا الف لے آؤ، اب اس کو ذرا پڑھو: قَالَ، کیا فرق پڑا؟ اس الف نے کیا فائدہ دیا؟ اسی قاف کے زبر کو کھینچ کر لمبا کر دیا، پہلے تھا قَلَ، اب ہے قَالَ۔ دیکھو اسی زبر کو کیا کر رہے ہیں آپ؟ کھینچ کر لمبا کر رہے ہیں، یہ فائدہ کون دے رہا ہے؟ الف۔ اسی لیے الف سے پہلے جب فتحہ ہو تو الف کو حرفِ مدہ کہتے ہیں، اور الف سے پہلے ہمیشہ ہی فتحہ آتا ہے، وہاں تو اور کوئی صورت آئے گی ہی نہیں۔ ہاں واؤ اور یا میں معاملہ مختلف ہے، وہاں واؤ کے موافق ہے ضمہ یعنی پیش، واؤ سے ماقبل اگر پیش ہو تو اس کو حرفِ مدہ کہیں گے، اگر پیش نہ ہو یعنی زبر ہو، فتحہ ہو ماقبل والے حرف پر تو اس کو حرفِ مدہ نہیں کہیں گے، حرفِ لین کہیں گے: لام، یا، نون، حرفِ لین۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو حرفِ مدہ کسے کہتے ہیں؟ الف سے قبل جب کیا ہو؟ فتحہ۔ واؤ سے قبل ضمہ یعنی پیش ہو، اور یا سے ماقبل کسرہ ہو یعنی زیر ہو۔ ان کو حروفِ مدہ کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ اپنے سے ماقبل والی حرکت کو کھینچ کر لمبا کر دیتے ہیں، جیسے مُسْلِمُونَ اس سے ذرا واؤ کو نکال دو: مُسْلِمُنَ، اسی میں اب واؤ لے آؤ: مُسْلِمُونَ، اسی ضمہ کو دیکھو اب آپ کھینچ کر لمبا کر رہے ہیں، ضمہ پہلے بھی تھا اب صرف کیا کر رہے ہیں اس کو؟ لمبا کر رہے ہیں: مُسْلِمُونَ۔ یا اور مثال لے لو، یا کی مثال لے لو، جیسے مِنْ لفظِ مِن ہے، میم کے نیچے زیر ہے اور آگے نون ہے: مِن، اب درمیان میں ذرا یا بڑھا دو: مِین، بس، کیا فائدہ ہوا؟ یا نے اسی کسرہ کو کھینچ کر لمبا کر دیا، تو واؤ، الف اور یا ان سے ماقبل کی حرکت اگر ان کے موافق ہو یعنی الف سے ماقبل کیا ہو؟ فتحہ، واؤ سے ماقبل کیا ہو؟ ضمہ، اور یا سے ماقبل کسرہ ہو تو ان کو حرفِ مدہ کہتے ہیں، اور الف سے پہلے تو ہمیشہ ہی فتحہ آتا ہے وہاں تو اور کوئی صورت آئے گی نہیں۔ ہاں واؤ اور یا میں اور صورت بھی آ سکتی ہے کہ ماقبل میں فتحہ وغیرہ فتحہ بھی آ سکتا ہے، تو پھر اس صورت میں اگر واؤ سے ماقبل ضمہ نہیں ہے بلکہ فتحہ ہے تو پھر اس کو حرفِ لین کہیں گے، اور اسی طرح یا سے ماقبل اگر کسرہ نہیں ہے بلکہ فتحہ ہے تو اس کو حرفِ لین کہیں گے، لین، جیسے دیکھو بھئی: مَوْتٌ، درمیان میں واؤ ہے اور ماقبل والے حرف پر فتحہ ہے تو اس واؤ کو حرفِ مدہ نہیں کہیں گے بلکہ حرفِ لین کہیں گے، اور اسی طرح جیسے خَیْرٌ دیکھو یا سے ماقبل خا پر کیا ہے؟ فتحہ ہے تو اس یا کو حرفِ مدہ نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ حرفِ لین کہیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو حرفِ مدہ، مد کا معنی ہے کھینچنا، لمبا کرنا، تو یہ جب حروفِ مدہ ہوں تو پھر یہ کیا فائدہ دیتے ہیں؟ اپنے سے ماقبل کی حرکت کو کھینچ کر لمبا کر دیتے ہیں، اور اگر ان کے ماقبل کی حرکت ان کے موافق نہ ہو تو پھر ان کو حرفِ مدہ نہیں کہتے بلکہ حرفِ لین کہتے ہیں، جیسے دیکھو بھئی: نَوْمٌ، نون، واؤ، میم۔ واؤ سے ماقبل کیا ہے؟ نون، اور نون پر کیا ہے؟ فتحہ، تو یہ واؤ حرفِ مدہ ہے یا حرفِ لین ہے؟ حرفِ لین ہے۔ جب یہ حرفِ لین ہے معلوم ہوا حرفِ مدہ نہیں، مد کسے کہتے تھے؟ کیونکہ وہ حرکت کو کھینچ کر لمبا کرتا تھا، جب یہ مدہ ہی نہیں ہے تو حرکت کو کھینچ کر لمبا بھی نہیں کریں گے، لہٰذا نَوْوْوْم پڑھنا ٹھیک نہیں بلکہ کیا پڑھیں گے؟ نَوْم۔ اسی لیے اکثر مؤذن حضرات بھئی فجر کی اذان میں غلطی کرتے ہیں اور کس طرح اذان دیتے ہیں: اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْوْوْم، خوب لمبا کرتے ہیں۔ بھئی خوب لمبا کیوں کر رہے ہو؟ یہ واؤ تو حرفِ مدہ ہے ہی نہیں، یہ تو کیا ہے؟ حرفِ لین ہے، لہٰذا اس کو لمبا نہیں کرنا چاہیے، عرب کی اذانیں آپ سن لیں بھئی، عرب کی اذان، وہ اس لفظ کو بڑا مختصر ادا کریں گے: اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْم۔ دیکھا، مختصر سا ادا کر دیں گے، طریقہ سمجھ میں آیا بھئی؟ کیونکہ یہ حرفِ مدہ ہی نہیں

ہے بھئی۔

تو حرفِ مدہ کسے کہتے ہیں؟ واؤ، الف اور یا جب ان سے ما قبل کی حرکت ان کے موافق ہو، موافق ہونے کا کیا معنی؟ الف سے پہلے فتحہ ہو، واؤ سے ما قبل ضمہ ہو اور یا سے ما قبل کسرہ ہو، اور یہ بھی میں نے بتایا الف سے پہلے تو ہو گا ہی فتحہ لیکن واؤ اور یا میں کسرہ اور ضمہ کی جگہ فتحہ بھی آ سکتا ہے۔

تو کتنی باتیں ہوئیں؟ پہلی بات کہ تنوین نونِ ساکن کا نام ہے۔ دوسری بات کہ واؤ اور یا متحرک ہوں اور ما قبل فتحہ ہو تو اس کو کس سے بدلتے ہیں؟ الف سے بدلتے ہیں۔ تیسری بات یہ میں نے بیان کی کہ اجتماعِ ساکنین دو قسم پر ہے: ایک اجتماعِ ساکنین علی حدہ اور ایک اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ۔ اجتماعِ ساکنین علی حدہ یہ جائز ہے اور اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ یہ جائز نہیں۔ اجتماعِ ساکنین علی حدہ جو جائز ہے وہ کون سا ہے؟ کہ اول ساکن، دو ساکن اکٹھے ہو جائیں اور اول ساکن حرفِ مدہ ہو اور ثانی ساکن کیا ہو؟ مدغم ہو، اس کا ادغام ہوا ہو یعنی دو حرف ہوں، مشدد ہو وہ بھئی، جیسے فَارٌّ، دیکھا الف بھی ساکن اور پہلی را بھی ساکن، یہ راء مشدد کتنی را ہیں؟ دو، اور پہلی را کیا ہے؟ ساکن، تو الف بھی ساکن اور را بھی، دو ساکن اکٹھے ہو گئے لیکن یہ اجتماعِ ساکنین علی حدہ ہے کیونکہ دونوں شرطیں پوری: پہلی شرط کیا کہ اول ساکن حرفِ مدہ ہو، یہاں بھی الف کیا ہے؟ ما قبل فتحہ، تو الف کیا ہے حرفِ مدہ، اور ثانی ساکن کیا ہے؟ مدغم ہے، اس کا ادغام ہوا ہے ایک اور را کے اندر بھئی۔ اور ایک ہے اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ، تو جو اس کے علاوہ ساکنین کے جمع ہونے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ ہے، وہاں پر وہاں پر پھر اگر وہ دو ساکنوں میں سے پہلا حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیں گے۔ اگر دو ساکن اکٹھے ہوئے اور ہوا اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ تو دیکھو پہلا ساکن حرفِ مدہ ہے یا حرفِ مدہ نہیں؟ اگر پہلا ساکن حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیں گے، اور اگر پہلا ساکن حرفِ مدہ نہیں تو پھر اس کو حرکت دے دیں گے اور عموماً کسرہ والی حرکت دیتے ہیں، اسی لیے آپ نے قانون پڑھا ہے: اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ کہ ساکن کو جب حرکت دی جاتی ہے تو کون سی حرکت دی جاتی ہے؟ کسرہ والی۔

جیسے دیکھیے، جیسے لَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ آپ پڑھتے ہیں: لَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ، دیکھو لَمْ نَجْعَلْ، لَم نے جزم دیا تو نَجْعَلْ کا لام ساکن ہے، اور آگے ہے اَلْأَرْضَ، اور آپ جانتے ہیں کہ الف لام جو ہوتا ہے تعریف والا اس کا ہمزہ وصلی ہے، درمیانِ عبارت میں گر جاتا ہے، تو اَلْأَرْضَ ہمزہ شروع والا گر گیا، اب آگے لام ساکن ہے، اَلْأَرْضَ، لام بھی ساکن، تو لَمْ نَجْعَلْ یہ لام بھی ساکن اور آگے اَلْأَرْضَ جو آ رہا تھا اس کا تو ہمزہ گر گیا تو لام بھی کیا ہے؟ ساکن، تو دو ساکن اکٹھے ہو گئے اور ان میں سے اول حرفِ مدہ ہے؟ دونوں لام ساکن اکٹھے ہوئے ہیں تو پہلا بھی لام ہے، وہ واؤ، الف یا یا تو ہے ہی نہیں، حرفِ مدہ ہے ہی نہیں۔ جب حرفِ مدہ نہ ہو اولِ ساکن تو پھر اس کو کسرہ والی حرکت دے دیتے ہیں، اسی لیے لام کو کسرہ والی حرکت دے دی: لَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ۔ تو یہ لام کو کسرہ والی حرکت دی، تو ضابطہ سمجھ میں آیا کہ جب اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ ہو تو پھر دیکھو کہ دو ساکنوں میں سے پہلا ساکن حرفِ مدہ ہے یا حرفِ مدہ نہیں؟ اگر حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دو تو اجتماعِ ساکنین ختم ہو جائے گا، ایک گر گیا ایک رہ گیا، اور اگر پہلا ساکن حرفِ مدہ نہیں تو پھر اس کو کون سی حرکت دے دو؟ کسرہ والی حرکت دے دو، اب بھی اجتماعِ ساکنین ختم ہو گیا، ایک کو آپ نے حرکت دے دی ایک ساکن رہ گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اب دیکھیے بھئی، پھر سن لو دوبارہ ایک دفعہ۔ چند باتیں میں نے ذکر کیں، بات چل رہی تھی عَصًا، عَصًا، آپ کے ذہن میں اشکال آیا کہ یہ اسمِ مقصور کی مثال ہے اور اسمِ مقصور تو اس کو کہتے ہیں جس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہو یعنی الف ہو، تو یہاں تو عَصًا یہاں تو تنوین ہے آخر میں الف ہے ہی نہیں، تو میں نے بتایا کہ پہلے دو تین چیزیں یاد رکھیں: نمبر ایک کہ تنوین جو ہے وہ نونِ ساکن کا نام ہے۔ دوسری بات یہ کہ واؤ یا یا متحرک ہوں اور ما قبل والے حرف پر فتحہ ہو تو ان کو کس سے بدلتے ہیں؟ الف سے بدلتے ہیں۔ تیسری بات یہ ذکر کی کہ حرفِ مدہ کسے کہتے ہیں؟ واؤ، الف اور یا جبکہ ان کے ما قبل ان کی حرکتیں ما قبل والے حرف کی حرکت ان کے موافق ہو تو ان کو حرفِ مدہ کہتے ہیں، اور چوتھی بات یہ ذکر کی کہ اجتماعِ ساکنین دو قسم پر ہے: ایک علی حدہ وہ جائز ہے اور ایک علی غیر حدہ وہ جائز نہیں، جب اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ ہو تو پھر یہ دو ساکنوں میں سے دیکھو اول کیا ہے؟ اگر حرفِ مدہ ہے تو اس کو گرا دو، جب ایک ساکن گر گیا تو ایک رہ گیا تو مسئلہ کا حل ہو گیا، اور دوسری صورت یہ کہ اگر پہلا اگر پہلا حرفِ مدہ نہیں تو پھر اس کو کسرہ والی حرکت دے دو اور جب اس کو آپ نے حرکت دے دی تو اب صرف ایک ساکن رہ گیا تو مسئلہ حل ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اب دیکھیے بات چل رہی تھی کہ عَصًا، بات یہ کی میں نے آپ کو بتلایا کہ عَصًا میں الف تقدیراً موجود ہے، عَصًا میں الف تقدیراً موجود ہے بھئی، کس طرح تقدیراً موجود ہے؟ بھئی دیکھیے یہ اصل میں تھا عَصَوٌ، واوی ہے واوی ہے، آخر میں واؤ تھا۔ توجہ ہے؟ عصا لاٹھی کو کہتے ہیں، لاٹھی، تو یہ اصل میں تھا عَصَوٌ۔ اب دیکھو واؤ متحرک ہے اور ما قبل صاد پہ کیا ہے؟ فتحہ ہے، لہٰذا اس واؤ کو کس سے بدل دیا؟ الف سے، الف سے، اور اس واؤ پر تنوین بھی تھی اور تنوین کس چیز کا نام ہے؟ نونِ ساکن، عَصَوٌ تھا نا تو تنوین بھی تھی، وہ نونِ ساکن وہ تو ابھی بھی موجود ہے، اور اس واؤ کو کس سے بدل دیا؟ الف سے، تو اب کیا بن گیا؟

عَصَانْ۔ توجہ ہے؟ واؤ پر واؤ اور آخر میں کیا تھی؟ تنوین بھی تھی، اور تنوین کس کا نام؟ نونِ ساکن، وہ نونِ ساکن تو اپنی جگہ ہے اور اس واؤ کو کس سے بدل دیا؟ الف سے، تو الف بھی ساکن نون بھی ساکن، کیا بن گیا؟ عَصَانْ، تو یہ کون سا اجتماعِ ساکنین ہوا علی حدہ یا علی غیر حدہ؟ علی غیر حدہ۔ علی حدہ میں تو ضروری تھا کہ اول ساکن حرفِ مدہ ہو، ٹھیک ہے یہاں پر اول ساکن عَصَانْ الف ہے وہ حرفِ مدہ ہے، لیکن دوسری شرط پوری نہیں کہ ثانی ساکن کو کیا ہونا چاہیے؟ مدغم ہونا چاہیے، وہ تو نونِ ساکن ہے وہاں تو کوئی ادغام نہیں ہے، کوئی شد نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوا یہ اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ ہے۔ اور جب اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ ہو تو پھر کیا کرتے ہیں؟ اگر اول ساکن حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، تو اس الف کو گرا دیا تو کیا رہ گیا؟ عَصًا، دیکھا؟ اب بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو یہاں تو اسی لیے میں نے کہا کَعَصًا، یہ صاد پر تنوین ہونی چاہیے بھئی، تنوین: کَعَصًا، اور یہاں پر الف کیا ہے؟ تقدیراً ابھی بھی موجود ہے۔ یوں سمجھو فرض کر لو ابھی بھی موجود ہے، صرف ایک مجبوری کی وجہ سے گرا اور وہ مجبوری کیا تھی؟ اجتماعِ ساکنین آرہا تھا، اجتماعِ ساکنین کس کے درمیان؟ الف اور نونِ تنوین کے نونِ تنوین کے درمیان بھئی، تو وہ الف گر گیا۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟ تو عَصًا اصل میں اسمِ مقصور ہے، اس کے آخر میں کیا موجود ہے؟ الف موجود ہے، کیا موجود ہے؟ الف موجود ہے اور تقدیراً ہے، فرض کر لو اگرچہ اس وقت گر چکا ہے لیکن یوں کہیں اگرچہ گر چکا ہے لیکن آپ یوں سمجھیں گویا ابھی بھی موجود ہے، یوں فرض کر لیں ابھی بھی موجود ہے۔ کیوں فرض کر لیں؟ کیونکہ بھئی وہ مجبوری کی بنا پر گرا اور نہ تو یہاں الف موجود ہے بھئی، حقیقت میں موجود تھا یا نہیں تھا؟ حقیقت میں موجود تھا، صرف اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گر گیا وہ۔ تو یہ تو یہ الف تقدیراً یہاں موجود ہے۔

ہاں اگر اس پر الف لام آجائے تو پھر یہ الف نہیں گرتا جیسے اَلْعَصَا، اب اَلْعَصًا نہیں پڑھیں گے: اَلْعَصَا، اب دیکھو الف ہے، کیوں؟ کیونکہ الف لام اور تنوین جمع نہیں ہوتے، جب الف لام آیا آخر سے تنوین گر گئی۔ تو اصل میں کیا تھا؟ عَصَوٌ، اب اس پر ذرا الف لام لے آؤ: اَلْعَصَوُ، تنوین گر گئی۔ اَلْعَصَوُ اب واؤ ما قبل فتحہ اس کو کس سے بدلا؟ الف سے: اَلْعَصَا، اب تنوین ہے نہیں لہٰذا وہ الف گرے گا بھی نہیں۔

اسی طرح مَعْنًى لفظ ہے: اَلْمَعْنَى، جب اس پر الف لام نہ ہو تو پڑھیں گے مَعْنًى، اصل میں کیا تھا؟ وہ یائی ہے: مَعْنَىٌ، عصا تو واوی ہے ناواؤ تھا آخر میں، اور معنیٰ کیا ہے یائی: مَعْنَىٌ، پھر یا کو ما قبل فتحہ کی وجہ سے کس سے بدلا؟ الف سے، کیا بن گیا؟ مَعْنَانْ، اور پھر الف اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گر گیا کیا بن گیا؟ مَعْنًى، لہٰذا مَعْنًى پر الف لام نہ ہو تو تنوین کے ساتھ پڑھیں گے، اور اگر اور اگر اس پر الف لام ہو تو پھر الف نہیں گرے گا، پھر کیسے پڑھیں گے؟ اَلْمَعْنَى۔

اسی طرح ہے فَتًى، فا، تا دو نقطوں والی ہے اور یا ہے اور تا پر تنوین ڈال دیں دو زبریں: فَتًى، فا، تا اور یا، اصل میں کیا تھا؟ فَتَىٌ، پھر یا کس سے بدلی الف سے کیا بنا؟ فَتَانْ، پھر الف اجتماعِ ساکنین سے گر گیا کیا بن گیا؟ فَتًى، اور اگر الف لام داخل ہو تو پھر یا نہیں پھر الف نہیں گرے گا کیسے پڑھیں گے؟ اَلْفَتَى، تو فتیٰ فتن نوجوان کو کہتے ہیں بھئی، جوان کو، جوان کو۔ سمجھ میں آئی بات؟ اچھا جی۔

تو کہتے ہیں یہ خاص ہے اسمِ مقصور کے ساتھ، وَهُوَ مَا فِي آخِرِهِ أَلِفٌ مَقْصُورَةٌ اور وہ اسم ہے کہ جس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہو کَعَصًا جیسے کہ عَصًا ہے۔ تو یہ اس کے ساتھ اعراب خاص ہے۔

وَبِالْمُضَافِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ اور اس اسم کے ساتھ جو مضاف ہو یائے متکلم کی طرف، غَيْرَ جَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ اس حال میں کہ وہ جمع مذکر سالم کے علاوہ ہو۔ وہ اسم جو مضاف ہو کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف۔ چلیے بس کرتے ہیں بھئی، باقی پھر پڑھیں گے اگلے سبق میں۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۲: اصنافِ اعرابِ اسم: آٹھویں اور نویں صنف (اسمِ مقصور، منقوص اور تقدیری اعراب)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۶—بتاریخ: ۱۵ ستمبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَبِالْمُضَافِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ غَيْرَ جَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ، كَغُلَامِي. تَقُولُ: جَاءَنِي عَصًا وَغُلَامِي، وَرَأَيْتُ عَصًا وَغُلَامِي، وَمَرَرْتُ بِعَصًا وَغُلَامِي.

اَلسَّامِنُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيرِ الضَّمَّةِ، وَالْجَرُّ بِتَقْدِيرِ الْكَسْرَةِ، وَالنَّصْبُ بِالْفَتْحَةِ لَفْظًا، وَيُخْتَصُّ بِالْمَنْقُوصِ.

اَلتَّاسِعُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيرِ الْوَاوِ، وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْيَاءِ لَفْظًا، وَيُخْتَصُّ بِجَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ مُضَافًا إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، تَقُولُ: جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ. تَقْدِيرُهُ مُسْلِمُوِيَ، اِجْتَمَعَتِ الْوَاوُ وَالْيَاءُ، وَالْأُولَى مِنْهُمَا سَاكِنَةٌ، فَقُلِبَتِ الْوَاوُ يَاءً، وَأُدْغِمَتِ الْيَاءُ فِي الْيَاءِ، وَأُبْدِلَتِ الضَّمَّةُ بِالْكَسْرَةِ لِمُنَاسَبَةِ الْيَاءِ، فَصَارَ مُسْلِمِيَّ. وَرَأَيْتُ مُسْلِمِيَّ، وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمِيَّ.

اچھا بھئی، اعراب کے اعتبار سے اسم کی اقسام ہم پڑھ رہے ہیں اور یہ ساتویں قسم اس وقت بیان ہو رہی ہے بھئی، ساتویں قسم۔

ساتویں قسم میں انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ساتویں قسم یہ ہے کہ اس کا رفع تقدیرِ ضمہ کے ساتھ ہو، نصب تقدیرِ فتحہ کے ساتھ ہو، اور جر تقدیرِ کسرہ کے ساتھ ہو۔ معلوم ہوا اس قسم کے اندر تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری آئے گا، یعنی آخر بدلے گا نہیں، تقدیراً رفع، نصب، جر ہو گا۔ اور تقدیراً کا کیا معنی میں نے بتلایا تھا؟ فرض کر کے، فرض کر لیا جائے گا حالت بدل رہی ہے بھئی، اگرچہ درحقیقت بدل نہیں رہی لفظوں کے اعتبار سے بھئی، لیکن فرض تو اس کو کہہ دیتے ہیں تقدیراً بدل رہی ہے حالت، تقدیراً اس وقت اس پر رفع ہے، اس وقت اس پر نصب ہے، اس وقت اس پر جر ہے۔

اور بتلایا تھا یہ اعراب خاص ہے اسمِ مقصور کے ساتھ بھئی، اسمِ مقصور۔ اور اسمِ مقصور میں نے آپ کو بتلایا کہ وہ اسم ہے جس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہو، الفِ مقصورہ۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ الف دو قسم پر ہے: ایک الفِ مقصورہ اور ایک الفِ ممدودہ۔ الفِ مقصورہ یہ عام الف بھئی، جس کو زیادہ لمبا نہیں کرنا پڑتا، یہ الفِ مقصورہ کہلاتا ہے۔ اور بعض اوقات الفِ ممدودہ ہوتا ہے اور وہ عموماً کہ الف کے بعد ہمزہ آجائے، تو اس الف کو پھر خوب لمبا کیا جاتا ہے بھئی، جیسے قرآن میں بھی ہے: بَنِي إِسْرَائِيلَ، اب یہ إِسْرَائِيلَ، را کے بعد الف اور الف کے بعد ہمزہ، تو اس الف کو خوب لمبا کرتے ہیں اس طرح کے الف کو۔

تو وہ اسم ہے اسمِ مقصور جس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہو، کَعَصًا جیسے کہ عَصًا ہے۔ اور اس پر میں نے بتلایا تھا آپ کو، آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا عَصًا، عصا کے آخر میں تو الف ہم پڑھ ہی نہیں رہے، تنوین آ رہی ہے: عَصًا، عَصًا۔ تو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ الف تقدیراً یہاں موجود ہے اور اجتماعِ

ساکنین کی وجہ سے گر گیا ہے، اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے اگرچہ گر چکا ہے اس وقت لیکن تقدیراً موجود ہے یعنی فرض کر لیا جائے گا کہ الف ابھی بھی کیا ہے؟ موجود ہے۔

اور اصل میں یہ کیا تھا؟ عَصَوٌ، واوی ہے واوی ہے، آخر میں واؤ تھا۔ تو یہ اصل میں تھا عَصَوٌ۔ اب دیکھو واؤ متحرک ہے اور ما قبل صاد پہ کیا ہے؟ فتحہ ہے، لہٰذا اس واؤ کو کس سے بدل دیا؟ الف سے، الف سے، اور اس واؤ پر تنوین بھی تھی اور تنوین کس چیز کا نام ہے؟ نونِ ساکن، عَصَوٌ تھا نا تو تنوین بھی تھی، وہ نونِ ساکن وہ تو ابھی بھی موجود ہے، اور اس واؤ کو کس سے بدل دیا؟ الف سے، تو اب کیا بن گیا؟ عَصَانْ۔ واؤ پر واؤ اور آخر میں کیا تھی؟ تنوین بھی تھی، اور تنوین کس کا نام؟ نونِ ساکن، وہ نونِ ساکن تو اپنی جگہ ہے اور اس واؤ کو کس سے بدل دیا؟ الف سے، تو الف بھی ساکن نون بھی ساکن، کیا بن گیا؟ عَصَانْ۔ تو یہ کون سا اجتماعِ ساکنین ہوا؟ علی حدہ یا علی غیر حدہ؟ علی غیر حدہ۔ علی حدہ میں تو ضروری تھا کہ اول ساکن حرفِ مدہ ہو، ٹھیک ہے یہاں پر اول ساکن عَصَانْ الف ہے وہ حرفِ مدہ ہے، لیکن دوسری شرط پوری نہیں کہ ثانی ساکن کو کیا ہونا چاہیے؟ مدغم ہونا چاہیے، وہ تو نونِ ساکن ہے وہاں تو کوئی ادغام نہیں ہے، کوئی شد نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوا یہ اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ ہے۔ اور جب اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ ہو تو پھر کیا کرتے ہیں؟ اگر اول ساکن حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، تو اس الف کو گرا دیا، تو کیا رہ گیا؟ عَصًا، دیکھا؟ اب بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو یہاں تو اسی لیے میں نے کہا کَعَصًا، یہ صاد پر تنوین ہونی چاہیے بھئی، تنوین: کَعَصًا، اور یہاں پر الف کیا ہے؟ تقدیراً ابھی بھی موجود ہے، یوں سمجھو فرض کر لو ابھی بھی موجود ہے، صرف ایک مجبوری کی وجہ سے گرا اور وہ مجبوری کیا تھی؟ اجتماعِ ساکنین آرہا تھا، اجتماعِ ساکنین کس کے درمیان؟ الف اور نونِ تنوین کے درمیان بھئی، تو وہ الف گر گیا۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟ تو عَصًا اصل میں اسمِ مقصور ہے، اس کے آخر میں کیا موجود ہے؟ الف موجود ہے اور تقدیراً ہے، فرض کر لو اگرچہ اس وقت گر چکا ہے لیکن یوں سمجھیں گویا ابھی بھی موجود ہے، یوں فرض کر لیں ابھی بھی موجود ہے۔ کیوں فرض کر لیں؟ کیونکہ بھئی وہ مجبوری کی بنا پر گرا اور نہ تو یہاں الف موجود ہے بھئی، حقیقت میں موجود تھا یا نہیں تھا؟ حقیقت میں موجود تھا، صرف اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گر گیا وہ۔ تو یہ الف تقدیراً یہاں موجود ہے۔

ہاں اگر اس پر الف لام آجائے تو پھر یہ الف نہیں گرتا جیسے اَلْعَصَا، اب اَلْعَصًا نہیں پڑھیں گے: اَلْعَصَا، اب دیکھو الف ہے، کیوں؟ کیونکہ الف لام اور تنوین جمع نہیں ہوتے، جب الف لام آیا آخر سے تنوین گر گئی۔ تو اصل میں کیا تھا؟ عَصَوٌ، اب اس پر ذرا الف لام لے آؤ: اَلْعَصَوُ، تنوین گر گئی۔ اَلْعَصَوُ، اب واؤ ما قبل فتحہ اس کو کس سے بدلا؟ الف سے: اَلْعَصَا، اب تنوین ہے نہیں لہٰذا وہ الف گرے گا بھی نہیں۔

اور بھی میں نے مثالیں ذکر کی تھیں جیسے مَعْنًى، الف لام ہو تو پڑھیں گے اَلْمَعْنَى، اور اگر الف لام نہ ہو تو کیا پڑھیں گے؟ مَعْنًى۔ تو آپ یہ نہ کہیں کہ یہ اسمِ مقصور نہیں ہے، مَعْنًى یہ بھی اسمِ مقصور ہے البتہ کیا کہیں گے؟ الف کیا ہے یہاں پر؟ تقدیراً موجود ہے۔ اسی طرح فَتًى، الف لام ہو تو پڑھتے ہیں اَلْفَتَى، اور ویسے پڑھتے ہیں فَتًى، فتی کا معنی جوان بھئی، فا، تا دو نقطوں والی اور یا اس کے ساتھ لکھتے ہیں، تو یہ جوان کو کہتے ہیں۔ تو یہ اب الف لام آئے گا تو اس کو پڑھیں گے اَلْفَتَى، اور اگر الف لام نہیں ہوگا تو کیا پڑھیں گے؟ فَتًى۔ اور آپ سے کوئی پوچھے یہ کون سی قسم ہے؟ آپ فوراً کہیں گے یہ اسمِ مقصور ہے، اور وہ اگر اشکال کرے کہ اس کے آخر میں تو الف ہے ہی نہیں تو آپ کیا جواب دیں گے کہ الف تقدیراً موجود ہے بھئی۔

اسی لیے انہوں نے کہا کَعَصًا بھئی، کَعَصًا۔ ہاں اگر اس پر الف لام ہوتا تو پھر اس کو ہم اَلْعَصَا پڑھتے: کَالْعَصَا۔ تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوگا: جَاءَنِي اگر الف لام کے بغیر پڑھتے ہیں جَاءَنِي عَصًا، رَأَيْتُ عَصًا، وَمَرَرْتُ بِعَصًا۔ اور اگر الف لام ہو پھر وہ الف ظاہر ہوگا: جَاءَنِي الْعَصَا، رَأَيْتُ الْعَصَا، وَمَرَرْتُ بِالْعَصَا۔

وَبِالْمُضَافِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ اور یہ اعراب خاص ہے اس اسم کے ساتھ جو مضاف ہو رہا ہو إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف بھئی۔ بھئی متکلم کے لیے یا کی ضمیر آتی ہے، مثلاً كِتَابٌ، میں کہنا چاہتا ہوں میری کتاب تو کیا کہوں گا؟ كِتَابِي، كِتَابِي۔ تو وہ اسم جو مضاف ہو رہا ہو یائے متکلم کی طرف، غَيْرَ جَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ، یہ حال ہے بھئی، اس حال میں کہ وہ جمع مذکر سالم کے علاوہ ہو۔ وہ جو اسم مضاف ہو رہا ہے دیکھیے یہ ایک اسم ہے، اس کے بعد یا آرہی ہے، یہ اسم اس یا کی طرف کیا ہو رہا ہے؟ مضاف، لیکن یہ اسم جو یا کی طرف مضاف ہے جمع مذکر سالم کے علاوہ کوئی اور اسم ہونا چاہیے۔

سمجھ میں آیا بھئی؟ اول کیا ہے؟ وہ اسم، پھر اس کے بعد کیا ہے؟ یا۔ تو اس یا سے جو ما قبل اسم جو آیا یہ کوئی بھی اسم ہو سوائے کس کے؟ جمع مذکر سالم۔ جمع مذکر سالم نہ ہو، وہ اگر یا کی طرف مضاف ہو رہا ہو اس کا یہ اعراب نہیں ہے، وہ آگے نویں قسم میں وہ بیان کریں گے اس کو بھئی۔ تو جمع مذکر سالم کے علاوہ کوئی اسم جب مضاف ہو یائے متکلم کی طرف تو اس کا بھی اعراب اسی طرح ہے یعنی تینوں حالتوں میں تقدیری ہے: رفع تقدیرِ ضمہ کے ساتھ، نصب تقدیرِ فتحہ کے

ساتھ، اور جر تقدیرِ کسرہ کے ساتھ، جیسے غُلَامِي یاکِتَابِي۔ تو غلام کس کی طرف مضاف ہے؟ یائے متکلم کی طرف، تو یہ تینوں حالتوں میں اسی طرح رہے گا: جَاءَنِي غُلَامِي، رَأَيْتُ غُلَامِي، مَرَرْتُ بِغُلَامِي۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ غُلَامِي کے میم کے نیچے جو ہم زیر پڑھ رہے ہیں یہ اعراب نہیں ہے، یہ حرکت ہے اس کی، کیونکہ یا ہے اس کے بعد اور یا اپنے سے ماقبل کیا چاہتی ہے؟ کسرہ، اس لیے اس پر کسرہ ہم پڑھ رہے ہیں میم پر، یہ اعراب نہیں ہے، اسی لیے کہا تینوں حالتوں میں اس کا اعراب کیا ہوگا؟ تقدیری ہوگا بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَبِالْمُضَافِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ اور وہ اسم جو مضاف ہو رہا ہو یائے متکلم کی طرف، غَيْرَ جَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ اس حال میں کہ وہ جمع مذکر سالم کے علاوہ ہو، كَغُلَامِي جیسے کہ غُلَامِي بھئی۔ تَقُولُ: جَاءَنِي عَصَا وَغُلَامِي۔

اچھا یہ ایک عبارت کی بات یاد رکھیں، جگہ جگہ یہ عبارت اس طرح آرہی ہے: جَاءَنِي عَصَا وَغُلَامِي، اس کو اب اس طرح نہیں پڑھنا: جَاءَنِي عَصًا وَغُلَامِي، یوں نہیں پڑھنا۔ یہ واؤ سے پہلے عَصًا، عصا کے آخر میں کیا پڑھ رہے ہیں ہم؟ تنوین، نونِ ساکن ہے، اور اس نونِ ساکن کے بعد واؤ آرہا ہے، سمجھ میں آیا؟ تو یہ عبارتوں میں جگہ جگہ آرہا ہے، یاد رکھیے ایک ضابطہ بھئی صرف کا کہ حروفِ یرملون سے پہلے اگر نونِ ساکن آجائے تو اس کو اسی حرف کی جنس سے بدل کر اس میں ادغام کیا جاتا ہے بھئی۔ کس سے پہلے؟ حروفِ یرملون: یا، را، میم، لام، واؤ، نون۔ ان سے پہلے اگر نونِ ساکن آجائے، ان چھ سے پہلے نونِ ساکن آجائے تو اس نون کو بھی اسی بعد والے جو حرف آرہا ہے اسی جیسا بنا دیں گے، اس میں بدل دیں گے اور پھر اس کا ادغام کر دیں گے۔ تو يَرْمُلُونَ: یا، را، میم، لام، واؤ، نون۔ اچھا، اب یہاں دیکھیے بھئی: جَاءَنِي عَصًا وَغُلَامِي، واؤ آگیا بھئی، وَغُلَامِي، اور واؤ حروفِ یرملون میں سے ہے کہ نہیں ہے؟ یرملون، دیکھو واؤ آرہا ہے، یہ اس میں سے ہے واؤ، اور اس واؤ سے پہلے نونِ ساکن آرہا ہے: عَصًا۔ تو اس نون کو بھی اسی حرف کی جنس سے بدلتے ہیں تو اس نون کو واؤ سے بدلا اور اس کا واؤ میں ادغام کر دیا، تو کیسے پڑھیں گے؟ جَاءَنِي عَصَوَّغُلَامِي، جَاءَنِي عَصَوَّغُلَامِي، وَرَأَيْتُ عَصَوَّغُلَامِي، وَمَرَرْتُ بِعَصَوَّغُلَامِي۔ تو یہ عبارت میں اس طرح بہت زیادہ آتا ہے۔

جیسے اور پچھلی مثال نکال لیں بھئی پچھلے صفحے پر آیا تھا، پہلی قسم کی مثال آئی تھی: جَاءَنِي زَيْدٌ وَدَلْوٌ وَظَبْيٌ وَرِجَالٌ، مل گئی مثال؟ وَرَأَيْتُ زَيْدًا وَدَلْوًا وَظَبْيًا وَرِجَالًا، وَمَرَرْتُ بِزَيْدٍ وَدَلْوٍ وَظَبْيٍ وَرِجَالٍ، طریقہ سمجھ میں آگیا بھئی؟

اچھا اب آیئے سبق پر۔ تو جَاءَنِي عَصًا وَغُلَامِي، وَرَأَيْتُ عَصًا وَغُلَامِي، وَمَرَرْتُ بِعَصًا وَغُلَامِي۔

اَلسَّامِنُ: آٹھویں قسم آگئی، آٹھویں قسم۔ آٹھویں قسم یہ ہے: اَلسَّامِنُ آٹھویں قسم یہ ہے: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيرِ الضَّمَّةِ کہ رفع جو ہوگا وہ تقدیرِ ضمہ کے ساتھ ہوگا، وَالْجَرُّ بِتَقْدِيرِ الْكَسْرَةِ اور جر تقدیرِ کسرہ کے ساتھ ہوگا، وَالنَّصْبُ بِالْفَتْحَةِ لَفْظًا اور نصب فتحہ کے ساتھ ہوگا، فتحہ لفظی کے ساتھ ہوگا بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ لفظ یعنی اس پر باقاعدہ ہم تلفظ کریں گے۔ بھئی ساتویں قسم میں تو رفع بھی تقدیری تھا، نصب بھی تقدیری تھا، جر بھی تقدیری تھا، لیکن آٹھویں قسم میں نصب لفظی ہوگا: رفع بھی تقدیری، جر بھی تقدیری، لیکن نصب کیا ہوگا؟ لفظی۔ لفظی کا کیا معنی؟ میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں، ہاں کہ ہم اس پر باقاعدہ تلفظ کریں گے، سننے سے ہی پتہ چل جائے گا کہ اس پر کیا پڑھ رہے ہیں؟ نصب۔ ورنہ باقیوں میں دیکھو تقدیراً تھا: جَاءَنِي الْعَصَا، رَأَيْتُ الْعَصَا، مَرَرْتُ بِالْعَصَا، کوئی کہیں تلفظ ہو رہا ہے کسی اعراب پہ؟ نہیں: جَاءَنِي غُلَامِي، رَأَيْتُ غُلَامِي، مَرَرْتُ بِغُلَامِي، دیکھو کہیں اعراب پر تلفظ نہیں ہو رہا تو ان کا تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری۔ لیکن یہ جو اگلی قسم ہے آٹھویں اس کے اندر نصب کیا آئے گا؟ لفظی یعنی اس پر تلفظ کریں گے، بولنے سے ہی پتہ چل جائے گا، واضح فرق ہوگا، اور البتہ رفع اور جر کیا ہوگا؟ تقدیری ہوگا بھئی۔

وَيُخْتَصُّ بِالْمَنْقُوصِ اور یہ اعراب خاص ہے اسمِ منقوص کے ساتھ، اسمِ منقوص کے۔ اسمِ منقوص، یہ لفظ پر ہی غور کر لیں: ن، ق، ص، کیا بن رہا ہے؟ نقص یعنی ناقص، یعنی یہ ناقص ہوگا، یہ کیا ہوگا؟ ناقص ہے بھئی، لیکن عام ناقص نہیں ہے، وہ والا ناقص جس کے آخر میں یا ہو اور یا سے ماقبل کسرہ ہو، جیسے قَاضِي۔ قاضی کے آخر میں کیا ہے؟ یا، اور یا سے ماقبل کیا ہے؟ کسرہ ہے، اس کو کہتے ہیں اسمِ منقوص۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اسمِ منقوص۔

تو کہتے ہیں یہ اعراب خاص ہے بالمنقوص اسمِ منقوص کے ساتھ، خود بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں: وَهُوَ مَا فِي آخِرِهِ يَاءٌ مَّا قَبْلَهَا مَكْسُورٌ اور وہ اسم ہے کہ اس کے آخر میں یاءٌ ایسی یا ہو مَا قَبْلَهَا مَكْسُورٌ جس کا ماقبل کیا ہو؟ مکسور ہو، كَالْقَاضِي جیسے کہ قَاضِي۔ تَقُولُ آپ کہتے ہیں: جَاءَنِي الْقَاضِي، دیکھو اَلْقَاضِي جَاءَ کے لیے فاعل بن رہا ہے اور فاعل پر کیا پڑھتے ہیں؟ رفع، لیکن میں پڑھ رہا ہوں جَاءَنِي الْقَاضِي، قَاضِيْ نہیں پڑھ رہا، یا پر میں پیش نہیں پڑھ رہا کیونکہ اس کا رفع کیا ہے؟ تقدیراً ہے۔ یاد رکھیے یہ جو یا ہے نا یا، اس پر رفع پڑھنا بھی ثقیل ہے، دشوار ہے، مشکل ہے، اور اس پر

کسرہ پڑھنا بھی دشوار ہے۔ ہاں فتحہ پڑھنا آسان ہے، فتحہ۔ تو لہٰذا اس پر فتحہ جب آئے گا وہ پڑھیں گے، رفع بھی تقدیری ہو گا اور جر بھی کیا ہو گا؟ تقدیری۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یا پر، یا پر کیا پڑھنا دشوار ہے؟ ضمہ بھی اور کسرہ بھی، اور کیا پڑھنا آسان؟ فتحہ، لہٰذا فتحہ آئے گا بھئی۔

تو جَاءَنِي الْقَاضِي، دیکھا یہاں مرفوع ہے لیکن اعراب تقدیراً ہے، وَرَأَيْتُ الْقَاضِيَ یہاں قاضی مفعول بن رہا ہے اور مفعول پر نصب آتا ہے اور نصب تو اس یا پر پڑھا جا سکتا ہے اس لیے یا پر نصب آیا: رَأَيْتُ الْقَاضِيَ، وَمَرَرْتُ بِالْقَاضِي، دیکھو بِالْقَاضِي یہ یا کے نیچے زیر نہیں ہے کیونکہ یا کے اوپر کسرہ کیا ہے؟ ثقیل ہے۔ تو رفع بھی تقدیری اور جر بھی تقدیری اور نصب کیا ہے؟ لفظی ہے بھئی۔

اَلتَّاسِعُ: نویں قسم یہ ہے: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيرِ الْوَاوِ کہ رفع جو ہے وہ تقدیرِ واؤ کے ساتھ ہو گا۔ اب یہاں حرکت نہیں مقدر بلکہ واؤ، حروف، کچھ اعراب پڑھے نا آپ نے، کچھ اعراب حرکتوں کی صورت میں آتے ہیں: زَيْدٌ، زَيْدًا، زَيْدٍ، اور کچھ اعراب جو ہے وہ حروف کے ساتھ آتے ہیں: اَبُوكَ، اَبَاكَ، اَبِيكَ۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اب تو اب تقدیری اعراب ہے لیکن وہ جس میں حروف مقدر ہیں، حرکت مقدر نہیں۔ تو أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيرِ الْوَاوِ کہ رفع جو ہے تقدیرِ واؤ کے ساتھ ہو گا، وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْيَاءِ لَفْظًا اور نصب اور جر یا کے ساتھ کہ لفظوں کے اعتبار سے، سمجھ میں آیا بھئی؟ وہ یا ملفوظ ہو گی یعنی اس پر تلفظ ہو گا۔

بھئی دیکھیے، انہوں نے آپ کو ساتویں قسم میں بتایا تھا کوئی بھی اسم مضاف ہو یائے متکلم کی طرف علاوہ جمع مذکر سالم کے تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری، تو وہاں دیکھو علاوہ جمع مذکر سالم کے، جمع مذکر سالم کو نکال دیا تھا۔ اب اس کو بیان کرنے لگے ہیں: اگر جمع مذکر سالم مضاف ہو یا کی طرف یائے متکلم کی طرف تو اس کا یہ اعراب ہے یہ جو نویں قسم ہم پڑھ رہے ہیں بھئی، اور اس میں رٹا لگانے کی ضرورت نہیں، آپ خود دیکھ لیں۔

دیکھیے: جَاءَنِي مُسْلِمُونَ، اسی مسلمون کے ساتھ اب یا ملاؤ: مُسْلِمُونَ اور آگے یا ملا دی، اور یہ نون اضافت کی وجہ سے گر گیا کیونکہ آپ نے ابھی پڑھا تھا پچھلے سبق میں کہ نونِ تثنیہ اور جمع کیا ہے؟ اضافت کی صورت میں گر جاتا ہے، تو کیا بن گیا؟ مُسْلِمُوِ۔ اب دیکھیے اس کلمے کے آخر میں اس مرکب کے آخر میں واؤ اور یا جمع ہو گئے: مُسْلِمُوِ، سب سے آخر میں یا ہے اور یا سے ما قبل کیا ہے؟ واؤ ہے، واؤ اور یا جمع ہو گئے: مُسْلِمُوِ۔ اور یاد رکھنا ضابطہ ہے کہ واؤ اور یا جب اکٹھے ہو جائیں لفظ کے آخر میں، اور پہلا ان میں ساکن ہو، واؤ اور یا جمع ہو جائیں چاہے واؤ پہلے آئے چاہے یا پہلے آئے، لیکن جو پہلا ہو وہ کیا ہو؟ ساکن ہو، تو پھر اس صورت میں اس واؤ کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کر دیتے ہیں۔ چاہے واؤ پہلے آئے چاہے بعد میں آئے جہاں بھی ہے، واؤ کو بھی یا کر کے یا میں کیا کر دیتے ہیں؟ ادغام کر دیتے ہیں۔ تو یہاں بھی دیکھیے مُسْلِمُوِ، اس میں واؤ اور یا جمع ہو گئے اور ما قبل میں واؤ ہے اور واؤ کیا ہے؟ ساکن ہے، تو اس واؤ کو بھی یا کیا اور یا میں ادغام کر دیا، اب بن گیا مُسْلِمُيَّ، مُسْلِمُوِ سے کیا بن گیا؟ مُسْلِمُيَّ۔ ضابطہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ پھر یا اپنے سے ما قبل ضمہ چاہتی ہے یا کسرہ چاہتی ہے؟ یا کے مناسب کیا ہے؟ کسرہ، واؤ کے مناسب ضمہ ہے، تو یا یہاں یا آئی ہے اور یا سے ما قبل ضمہ آ رہا ہے، تو حالانکہ یا کی مناسبت کسرہ کے ساتھ، اس لیے ما قبل میم کے ضمہ کو کس سے بدل دیا گیا؟ کسرہ سے، کیا بن گیا؟ مُسْلِمِيَّ، مُسْلِمِيَّ۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

مُسْلِمِيَّ، اب اس کو تینوں حالتوں میں ہم اسی طرح پڑھیں گے: جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ، دیکھو حالتِ رفعی ہے، رَأَيْتُ مُسْلِمِيَّ، حالتِ نصبی ہے مفعول ہے، مَرَرْتُ بِمُسْلِمِيَّ، مجرور ہے کیونکہ باجارہ داخل ہو رہا ہے۔ سمجھ میں آئی بات بھئی؟ جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ، رَأَيْتُ مُسْلِمِيَّ، مَرَرْتُ بِمُسْلِمِيَّ۔ اب آپ اس میں خود غور کر لیں کہ اعراب کون سی حالت میں تقدیری ہے، کون سی حالت میں لفظی ہے۔ لفظی کا کیا معنی؟ جس پر ہم کیا کر رہے ہوں؟ تلفظ کر رہے ہوں، زبان سے ادا کر رہے ہوں۔

آپ خود دیکھیں گے کہ حالتِ رفعی میں واؤ تقدیری ہے، حالتِ نصبی جری میں اعراب تقدیری نہیں، کیسے؟ جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ، تو مُسْلِمِيَّ میں آخر میں یا ہے اور اس سے ما قبل کیا ہے؟ مسلمون، وہی مسلمون ہے نا، اسی کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ یا کی طرف۔ سمجھ میں آیا؟ ابھی تو آپ کو پورے بتلایا تھا کس طرح یہ بنا ہے: مسلمون کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ یا کی طرف، نون گر گیا، پھر واؤ اور یا میں اکٹھے ہوئے، واؤ ساکن تھا، واؤ کو بھی یا کر کے یا میں کیا کر دیا؟ ادغام کر دیا۔ اچھا تو معلوم ہوا اس مُسْلِمِيَّ کے اندر پہلا لفظ مسلمون ہے اور دوسرا لفظ کیا ہے؟ یا ہے، اور مسلمون کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واؤ کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ واؤ۔ اور اس وقت مُسْلِمِيَّ میں کہیں واؤ پڑھ رہا ہوں؟ نہیں پڑھ رہا، معلوم ہوا واؤ تقدیراً ہے، اس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں کوئی واؤ پر؟ نہیں، تو لہٰذا کیا کہو گے؟ مُسْلِمِيَّ، حالتِ رفعی میں ہو جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ، آپ سے پوچھے اس کا کوئی اعراب کیا ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ یہ مرفوع ہے تقدیرِ واؤ کے ساتھ۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ جَاءَ کا فاعل بن رہا ہے، اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے، اس پر رفع پڑھتے ہیں، اور تقدیرِ واؤ کیوں

کہتے ہو؟ اس لیے کیونکہ واؤ یہاں ہے ہی نہیں، ہم اس پر تلفظ ہی نہیں کر رہے، تو جب تلفظ اعراب تو دو ہی ہیں: یا لفظی ہو گا یا تقدیری ہو گا، جب لفظی نہیں ہے اس پر ہم تلفظ نہیں کر رہے تو پھر کیا ہوا؟ تقدیری۔ تو جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ، یہ مرفوع ہے تقدیرِ واؤ کے ساتھ۔

اچھا، رَأَيْتُ مُسْلِمِيَّ، اب کوئی آپ سے پوچھے کہ اس کا اعراب کیا ہے؟ رَأَيْتُ مُسْلِمِيَّ، مُسْلِمِيَّ کیا ہے؟ پہلا لفظ کیا؟ مسلمون، اور دوسرا کیا ہے؟ یا، یہ دونوں مضاف اب اکٹھے ہو گئے ہیں لیکن میں الگ الگ کر کے آپ کو بتا رہا ہوں تا کہ آپ کو بات سمجھ میں آجائے، مسلمیہ میں ایک مسلمون لفظ ہے اور دوسرا کیا ہے؟ یا ہے۔ اچھا اور اس وقت یہ کون سی حالت میں آرہا ہے؟ رَأَيْتُ مُسْلِمِيَّ، حالتِ نصبی ہے، مفعول ہے۔ رَأَيْتُ میں نے دیکھا، دیکھنے والا متکلم فاعل، اور مسلمیہ کیا ہے؟ مفعول ہے، بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ اور مسلمون حالتِ نصبی جری میں کس کے ساتھ آتا ہے؟ یا کے ساتھ آتا ہے، یا ما قبل مکسور۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ مسلمون کا اعراب یاد ہے کل آپ نے پڑھا تھا؟ حالتِ رفعی میں واؤ ما قبل مضموم، حالتِ نصبی جری میں یا ما قبل مکسور۔

اچھا تو جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ، رَأَيْتُ مُسْلِمِيَّ، اب مجھے آپ بتایئے: رَأَيْتُ کے لیے مسلمیہ کیا بن رہا ہے؟ مفعول، معلوم ہوا یہاں پر مسلمون نہیں ہے بلکہ مسلمین ہے، کیا ہے؟ مسلمین، اور مسلمین کے پھر نون آخر سے گر گیا اور یا کی طرف اضافت ہوئی اور تو دو یا خود اکٹھی ہو گئیں، دو یا کیا ہوئیں؟ اکٹھی، تو یا کا یا میں کیا کر دیا؟ ادغام، کیا بن گیا؟ مُسْلِمِيَّ۔ تو وہ یا اس پر ابھی بھی ہم تلفظ کر رہے ہیں، گری ہے وہ کوئی یا؟ اس کا ادغام ہوا ہے لیکن گری تو نہیں، موجود ہے یا نہیں؟ اس پر تلفظ کر رہے ہیں یا نہیں؟ میں مُسْلِمِيَّ دو یا پڑھ رہا ہوں یا نہیں؟ یہ جو ادغام ہوتا ہے یہ دراصل کتنی یا کتنے حروف ہوتے ہیں؟ یہ دو حروف ہوتے ہیں ان کا ادغام ہوا۔ تو اس یا پر تو معلوم ہوا مسلمون کا نصب کس کے ساتھ آتا ہے؟ یا کے ساتھ، اور اس یا پر میں اس وقت تلفظ کر رہا ہوں یا نہیں مسلمیہ کے اندر؟ تلفظ میں اس پر کر رہا ہوں، کیا کر رہا ہوں؟ تلفظ، لہٰذا اس کو یہ نہ کہنا یہ اعراب تقدیری ہے بلکہ یہ اعراب کون سا ہے؟ لفظی ہے۔ معلوم ہوا جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ، واؤ کیا ہے یہاں؟ تقدیراً ہے، لیکن رَأَيْتُ مُسْلِمِيَّ اس کا اعراب کون سا ہے؟ لفظی ہے، اور اسی طرح مَرَرْتُ بِمُسْلِمِيَّ اس میں بھی کیا ہے؟ حالتِ جری میں مسلمون کس کے ساتھ آتا ہے؟ مسلمین، یا کے ساتھ آتا ہے، اور اس وقت بھی یا ہے یا نہیں؟ ہاں تو اسی لیے انہوں نے کہا کہ دوبارہ دیکھیں کتاب پر: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيرِ الْوَاوِ کہ رفع کس کے ساتھ ہو گا؟ تقدیرِ واؤ کے ساتھ، وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْيَاءِ لَفْظًا اور نصب اور جر کس کے ساتھ ہو گا؟ یا کے ساتھ لفظوں کے اعتبار سے یعنی تلفظ ہو گا اس پر باقاعدہ بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ غور کر لیا آپ نے؟

سمجھ میں آیا؟ تو یہ مضاف ہے اور یا ضمیر آگے یہ جو دیکھو: جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ، جَاءَ فعل ہے، آگے مسلمیہ اس کے لیے کیا بن رہا ہے؟ فاعل، اور مسلمیہ میں ایک مضاف ہے ایک مضاف الیہ، مضاف الیہ تو ہے یا، وہ تو مضاف الیہ تو ہمیشہ مجرور ہوتا ہے، ہاں یہ مسلمون جو شروع میں اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے نا اس کا اعراب ہم دیکھ رہے ہیں، یہ مسلمون یہ جو جمع مذکر سالم ہے مضاف ہو رہا ہے کس کی طرف؟ یائے متکلم، وہ یا تو مجرور ہی ہے، ہم اس کی بات نہیں کر رہے، ہم اس وقت یہ جو اس کی طرف مضاف ہو رہا ہے نا مسلمون اس کی بات کر رہے ہیں، اور اس کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ حالتِ رفعی میں واؤ، حالتِ نصبی جری میں یا۔ اور جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ، یہاں کوئی واؤ نہیں، لہٰذا ہم کیا کہیں گے؟ رفع ہے تقدیرِ واؤ۔ لیکن نصب اور جر تو اس کا مسلمون کا آتا ہی کس کے ساتھ ہے؟ یا سے: مسلمین، اور وہ یا ابھی بھی موجود ہے نون گرا کر اسی یا کا ہم نے دوسری یا میں کیا کر دیا؟ ادغام کیا ہے، اس کو گرایا تو نہیں، لہٰذا اسی لیے حالتِ نصبی جری میں کیا کہیں گے؟ یا لفظی ہے یعنی اس پر ہم باقاعدہ کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی اب اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيرِ الْوَاوِ وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ بِالْيَاءِ لَفْظًا، رفع جو ہے تقدیرِ واؤ کے ساتھ اور نصب اور جر یائے لفظی کے ساتھ، وَيُخْتَصُّ بِجَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ مُضَافًا إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ اور یہ اعراب خاص ہے جمع مذکر سالم کے ساتھ اس حال میں کہ وہ مضاف ہو رہا ہو یائے متکلم کی طرف۔ تَقُولُ: جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ، آپ کہتے ہیں جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ۔ میں نے آپ کو بتایا یہ مسلمیہ کس طرح بنا ہے وہ سارا بیان کرنے لگے ہیں: کہتے ہیں تَقْدِيرُهُ مُسْلِمُوِيَ، اس کی تقدیر کیا ہے؟ یہ اصل میں مسلموِیَ تھا، اِجْتَمَعَتِ الْوَاوُ وَالْيَاءُ، جمع ہو گئے واؤ اور یا، وَالْأُولَى مِنْهُمَا سَاكِنَةٌ اور ان میں سے پہلا کیا ہے؟ ساکن، اور میں نے بھی آپ کو بتایا تھا واؤ اور یا جمع ہو جائیں چاہے واؤ پہلے ہو چاہے یا پہلے ہو، جب جمع ہو جائیں آخر میں اور اول کیا ہو؟ پہلا حرف ساکن ہو، تو کہتے ہیں: وَالْأُولَى مِنْهُمَا سَاكِنَةٌ پہلا حرف جو ہے ان دونوں میں سے ساکن تھا، فَقُلِبَتِ الْوَاوُ يَاءً تو واؤ کو پلٹ دیا گیا یا سے یعنی واؤ کو بدل دیا گیا یا کے ساتھ، وَأُدْغِمَتِ الْيَاءُ فِي الْيَاءِ اور ادغام کر دیا گیا یا کا یا میں، تو مُسْلِمُوِيَ ہوا، مُسْلِمُوِيَ سے کیا بن گیا؟ میم کا پیش تو ابھی نہیں بدلا نا، میم کا ضمہ تو ابھی ہے، ابھی تو واؤ کو یا کر کے یا میں ادغام، اور پھر وَأُبْدِلَتِ الضَّمَّةُ بِالْكَسْرَةِ اور پھر اس ضمہ کو کس سے بدل دیا گیا؟ کسرہ، لِمُنَاسَبَةِ الْيَاءِ یا کی مناسبت کی وجہ سے کیونکہ یا کسرے کو چاہتی ہے، فَصَارَ مُسْلِمِيَّ تو کیا بن گیا؟ مُسْلِمِيَّ۔ وَرَأَيْتُ مُسْلِمِيَّ یہ حالتِ نصبی میں دیکھو یا آرہی ہے، وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمِيَّ یہ حالتِ جری میں ہے دیکھو با داخل ہوئی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یاد رکھو مجرور دنیا میں صرف دو ہی ہیں: ایک مضاف الیہ اور ایک جس پر حرفِ جر داخل ہو۔ جب ایک لفظ پر حرفِ جر داخل ہو گیا ہے تو آپ نے اس کو ہمیشہ کوئی بھی پوچھے اس کا اعراب کیا ہے، چاہے اس پر پیش پڑھ رہے ہوں، زبر پڑھ رہے ہوں، زیر پڑھ رہے ہوں، کچھ بھی پڑھ رہے ہوں آپ نے اس کو نہیں دیکھنا، آپ نے صرف یہ دیکھنا ہے اس پر کیا داخل ہے؟ حرفِ جر، آپ نے فوراً کہنا ہے یہ مجرور ہے، یہ کیا ہے؟ مجرور ہے۔ ہاں آگے اس پر اگر پیش پڑھ رہے ہیں یا زبر پڑھ رہے ہیں یا زیر پڑھ رہے ہیں تو ہو سکتا ہے وہ لفظ مبنی ہو، کیا ہو؟ مبنی، اور مبنی پر تو اعراب آتا ہی نہیں لہٰذا وہ اس کی حرکت ہو گی، اعراب نہیں ہو گا، یا ہو سکتا ہے اگر زبر ہے ہو سکتا ہے وہ غیر منصرف ہو: مَرَرْتُ بِعُمَرَ۔ تو اس آپ سے کوئی پوچھے عمر کا اعراب کیا ہے؟ آپ فوراً کیا کہیں گے؟ مجرور ہے، اور کیوں مجرور ہے؟ اس پر کیا داخل ہے؟ باجارہ۔ سمجھ میں آیا؟ تو بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ جس پر بھی حرفِ جر داخل ہو، جس لفظ پر بھی، اور آپ سے کوئی پوچھ لے اس کا اعراب کیا ہے آپ فوراً کیا کہیں گے؟ یہ مجرور ہے۔ یا اسی طرح جو مضاف الیہ ہو جیسے مسلمیہ کے اندر یا کیا ہے؟ مضاف الیہ، اس کا کوئی اعراب آپ سے پوچھے کہ اس یا کا کیا اعراب ہے آپ فوراً کہیں گے یہ مجرور ہے، البتہ یہ مبنی ہے کیونکہ ضمیر ہے اور ضمیر کس میں سے ہے؟ مبنیات میں سے ہے بھئی۔

تو حاصلِ کلام کیا؟ فاعل جہاں اور جو فاعل بن رہا ہو وہ ہمیشہ مرفوع ہو گا بھئی، فاعل ہمیشہ، تو فاعل پر ہمیشہ رفع، مفعول پر ہمیشہ نصب، اور جس پر حرفِ جر داخل ہو اس پر ہمیشہ جر، یا اسی طرح جو مضاف الیہ ہو ہمیشہ اس پر بھی کیا؟ جر بھئی، بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

اچھا اب آیئے بھئی، وہ نو قسمیں ذرا جلدی جلدی دوبارہ دہرا لیں بھئی، یہ خوب پختہ ہونی چاہئیں، ہر وقت آپ کو یاد ہونی چاہئیں بھئی یہ اعراب، معرب کے اعتبار سے تقریباً ساری بڑی قسمیں انہوں نے ذکر کر دیں بھئی۔

پہلی قسم کا رفع کس کے ساتھ تھا؟ ضمہ کے ساتھ، نصب فتحہ کے ساتھ، اور جر کسرہ کے ساتھ، اور یہ اعراب خاص ہے کس کے ساتھ؟ مفرد منصرف صحیح۔ مفرد منصرف صحیح، مفرد کہا تثنیہ اور جمع کو نکال دیا، منصرف کہا غیر منصرف کو نکال دیا، صحیح کہا ناقص کو نکال دیا بھئی۔ اور میں نے آپ کو بتایا تھا ایک صرفی صحیح ہوتا ہے ایک نحوی صحیح ہے، اور صرفی صحیح کیا تھا جس میں کوئی حرفِ اصلی حرفِ علت بھی نہ ہو اور دو حرف ایک جنس کے بھی نہ ہوں اور کوئی حرفِ اصلی ہمزہ بھی نہ ہو، دیکھو تین قیدیں تھیں اس کے اندر، لیکن نحوی صحیح یہ نہیں، نحوی نے بحث کرنی ہے اعراب سے، اور اعراب آتا ہے آخری حرف پر، لہٰذا نحویوں کے نزدیک صحیح وہ ہے جس کے آخر میں حرفِ علت نہ ہو، حرفِ علت نہ ہو۔ سمجھ میں آیا؟ اچھا تو یہ اعراب خاص ہوا مفرد منصرف صحیح کے ساتھ، اور کس کے ساتھ؟ جاری مجریٰ صحیح۔ جاری مجریٰ صحیح کسے کہتے ہیں؟ کہ وہ اسم جس کے آخر میں واؤ یا یا ہو اور ما قبل اس کا ساکن ہو، شاباش! اور نیز یہ اعراب خاص ہے کس کے ساتھ؟ جمع مکسر منصرف کے ساتھ۔ جمع مکسر کہا جمع سالم یعنی مسلمون کو نکال دیا، اور منصرف کہا غیر منصرف کو نکال دیا جیسے رجالٌ۔

اور اس کے بعد دوسری قسم تھی کہ رفع کس کے ساتھ آئے گا؟ ضمہ کے ساتھ، اور نصب اور جر کسرہ کے ساتھ: جَاءَنِي مُسْلِمَاتٌ، رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ، مُسْلِمَاتًا نہیں پڑھنا، اس کا نصب آتا ہی کس شکل میں ہے؟ کسرہ کی صورت میں، لہٰذا آپ سے کوئی پوچھ لے رَأَيْتُ مُسْلِمَاتِ آپ سے کوئی پوچھ لے یہ مجرور کیوں ہے مُسْلِمَاتٍ؟ آپ فوراً کہنا یہ مجرور نہیں ہے، یہ کیا ہے؟ منصوب ہے، مجرور کیوں نہیں؟ کیونکہ اس پہ کوئی حرفِ جر نہیں داخل ہو رہا اور اس سے پہلے کوئی مضاف بھی نہیں، یہ مفعول بن رہا ہے، تو یہ مفعول بن رہا ہے تو لہٰذا یہ منصوب ہے۔ پھر وہ کہے اگر کہ اس پر کسرہ کیوں پڑھ رہے ہو اگر یہ منصوب ہے؟ آپ کیا کہیں گے کہ یہ نصب ہی ہے، یہ نصب ہی ہے، ہاں اس کی صورت کس جیسی ہے؟ کسرہ جیسی ہے لیکن یہ کسرہ نہیں ہے، یہ نصب ہے، اس کا نصب آتا ہی اس طرح ہے: جَاءَنِي مُسْلِمَاتٌ، رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ، مَرَرْتُ بِ مُسْلِمَاتٍ۔

اور تیسری قسم وہ ہے جس کا رفع کس کے ساتھ آئے؟ ضمہ کے ساتھ، اور نصب اور جر فتحہ کے ساتھ، اور یہ اعراب خاص ہے کس کے ساتھ؟ غیر منصرف کے ساتھ: جَاءَنِي عُمَرُ، میں نے آپ کو بتایا تھا غیر منصرف پر تنوین بھی نہیں آتی اور کسرہ بھی نہیں: جَاءَنِي عُمَرُ، رَأَيْتُ عُمَرَ، مَرَرْتُ بِعُمَرَ۔ اب اگر آپ سے کوئی پوچھ لے بھئی مَرَرْتُ بِعُمَرَ یہ منصوب کیوں ہے؟ تو آپ فوراً جواب میں کیا کہیں گے؟ یہ منصوب نہیں ہے، یہ مجرور ہے کیونکہ اس پر باجارہ داخل ہو رہی ہے: مَرَرْتُ بِعُمَرَ، سمجھ میں آئی بات بھئی؟ تو پھر اگر وہ کہے کہ اس پر پھر آپ نصب کیوں پڑھ رہے ہیں؟ آپ کیا کہیں گے نصب نہیں ہے، یہ جر ہے اور اس کا جر آتا ہی کس صورت میں ہے؟ فتحہ کی صورت میں ہے بھئی۔

اور چوتھی قسم تھی جس کا اعراب آپ نے پڑھا: رفع کس کے ساتھ؟ واؤ کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ، اور جر یا کے ساتھ آئے گا، اور یہ اعراب خاص ہے کس کے ساتھ؟ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم۔ یہ ساری قیدیں ذکر کرنی ہیں: اسمائے ستہ ہوں، مکبرہ ہوں یعنی ان کی تصغیر نہ ہو، موحدہ ہوں یعنی ان کا مفرد ہو ان کی تثنیہ جمع نہ ہو، اور نیز وہ مضاف بھی ہوں اور مضاف بھی کس کی طرف ہوں؟ یائے متکلم کے علاوہ کی طرف، کسی اور لفظ کی طرف مضاف ہوں۔ سمجھ میں آیا؟ تو جَاءَنِي اَبُوكَ، رَأَيْتُ اَبَاكَ، وَمَرَرْتُ بِاَبِيكَ۔

اور پانچویں قسم جو ہے کہ رفع اس کا کس کے ساتھ آئے گا؟ الف کے ساتھ، اور نصب اور جر کس کے ساتھ آئے گا؟ یا ایسی یا جس کا ما قبل مفتوح ہو یعنی اس پر فتحہ ہو۔ اور یہ اعراب تین چیزوں کے ساتھ خاص تھا: تثنیہ کے ساتھ، اور کِلا جب مضاف ہو کس کی طرف؟ ضمیر کی طرف، اور اثنانِ اور اثنتانِ۔ تو رفع الف کے ساتھ اور نصب اور جر یا ما قبل مفتوح کے ساتھ، جیسے جَاءَنِي رَجُلَانِ، رَأَيْتُ رَجُلَيْنِ، مَرَرْتُ بِرَجُلَيْنِ۔

اور چھٹی قسم جو ہے اس کا رفع کس کے ساتھ آئے گا؟ واؤ ایسا واؤ جس کا ما قبل مضموم ہو، اور نصب اور جر ایسی یا جس کا ما قبل مکسور ہو، اور یہ بھی تین چیزوں کے ساتھ خاص ہے تین قسموں کے ساتھ: نمبر ایک جمع مذکر سالم، اور أُولُو کے ساتھ، اور عِشْرُونَ مَعَ أَخَوَاتِهَا کے ساتھ بھئی۔

اور اس کے بعد تقدیری اعراب شروع ہوئے تھے کہ ساتویں قسم یہ ہے کہ رفع بھی تقدیری ہو گا، نصب بھی تقدیری اور جر بھی تقدیری، اور یہ دو قسموں کے اندر آئے گا: ایک اسمِ مقصور جس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہو، اور میں نے آپ کو بتایا الفِ مقصورہ کبھی لفظوں میں ہوتا ہے کبھی تقدیراً ہوتا ہے، اور نیز یہ اعراب خاص ہے وہ اسم جو مضاف ہو رہا ہو یائے متکلم کی طرف علاوہ جمع مذکر سالم کے، جیسے غُلَامِي۔

اور آٹھویں قسم وہ ہے کہ جس کا جس کا رفع بھی تقدیری ہو گا اور رفع یعنی رفع ہو گا تقدیرِ ضمہ کے ساتھ، اور نصب فتحہ لفظی کے ساتھ، اور جر تقدیرِ کسرہ کے ساتھ، اور یہ اعراب خاص ہے اسمِ منقوص کے ساتھ۔ اسمِ مقصور اور اسمِ منقوص ان میں عموماً تشابہ لگ جاتا ہے تو اسمِ مقصور جس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہو، اسمِ منقوص میں نے بتایا ناقص سے ہے دیکھون، ق، ص آ رہا ہے، ناقص سے ہے معلوم ہوا اس کے آخر میں حرفِ علت ہو گا، اور اسمِ منقوص وہ ہے جس کے آخر میں یا ہو اور ما قبل کیا ہو؟ کسرہ ہو جیسے قَاضِي۔ تو کیا کہیں گے؟ جَاءَنِي الْقَاضِي، رَأَيْتُ الْقَاضِيَ، اور مَرَرْتُ بِالْقَاضِي۔

اور نویں قسم وہ ہے کہ اس کا رفع تقدیرِ واؤ کے ساتھ اور نصب اور جر یائے لفظی کے ساتھ ہو گا، اور یہ اعراب کس کے ساتھ خاص ہے؟ جمع مذکر سالم جب وہ مضاف ہو کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف بھئی۔ چلیے بس بھائی، کافی ہے آج کے لیے، بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۳: فصل فی المنصرف وغیر المنصرف: اسبابِ منعِ صرف کے نو اسباب اور عدل کا بیان

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۷—بتاریخ: ۱۶ ستمبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلِاسْمُ الْمُعْرَبُ عَلَى نَوْعَيْنِ: مُنْصَرِفٌ، وَهُوَ مَا لَيْسَ فِيهِ سَبَبَانِ أَوْ وَاحِدٌ يَقُومُ مَقَامَهُمَا مِنَ الْأَسْبَابِ التِّسْعَةِ، كَزَيْدٍ، وَيُسَمَّى الِاسْمَ الْمُتَمَكِّنَ، وَحُكْمُهُ أَنْ يَدْخُلَهُ الْحَرَكَاتُ الثَّلَاثُ مَعَ التَّنْوِينِ، تَقُولُ: جَاءَنِي زَيْدٌ، وَرَأَيْتُ زَيْدًا، وَمَرَرْتُ بِزَيْدٍ.

وَغَيْرُ مُنْصَرِفٍ: وَهُوَ مَا فِيهِ سَبَبَانِ أَوْ وَاحِدٌ مِنْهَا يَقُومُ مَقَامَهُمَا، وَالْأَسْبَابُ التِّسْعَةُ هِيَ: اَلْعَدْلُ، وَالْوَصْفُ، وَالتَّأْنِيثُ، وَالْمَعْرِفَةُ، وَالْعُجْمَةُ، وَالْجَمْعُ، وَالتَّرْكِيبُ، وَالْأَلِفُ وَالنُّونُ الزَّائِدَتَانِ، وَوَزْنُ الْفِعْلِ. وَحُكْمُهُ أَنْ لَا يَدْخُلَهُ الْكَسْرَةُ وَالتَّنْوِينُ، وَيَكُونُ فِي مَوْضِعِ الْجَرِّ مَفْتُوحًا أَبَدًا، تَقُولُ: جَاءَنِي أَحْمَدُ، وَرَأَيْتُ أَحْمَدَ، وَمَرَرْتُ بِأَحْمَدَ.

أَمَّا الْعَدْلُ: فَهُوَ تَغَيُّرُ اللَّفْظِ مِنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ إِلَى صِيغَةٍ أُخْرَى تَحْقِيقًا أَوْ تَقْدِيرًا، وَلَا يَجْتَمِعُ مَعَ وَزْنِ الْفِعْلِ أَصْلًا، وَيَجْتَمِعُ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ.

بھئی انہوں نے آپ کو پہلے بتایا تھا کہ اسم دو قسم پر ہے: یا معرب ہو گا یا مبنی ہو گا۔ اب پھر معرب کی تقسیم کر رہے ہیں کہ معرب جو ہے وہ دو قسم پر ہے: یا وہ منصرف ہو گا یا غیر منصرف ہو گا بھئی، غیر منصرف۔

غیر منصرف وہ معرب ہے جس میں دو اسبابِ منعِ صرف پائے جائیں، یا کوئی ایک ایسا سببِ منعِ صرف ہو جو دو کے قائم مقام ہو۔ غیر منصرف وہ ہے جس میں دو اسبابِ منعِ صرف پائے جائیں یا کوئی ایک ایسا پایا جائے جو دو کے قائم مقام ہو۔ اور جو ایسا نہیں وہ منصرف ہے۔ اس سے آپ کو منصرف کا بھی پتہ چل گیا، منصرف کیا کون سا معرب ہوا؟ جس میں دو سبب منعِ صرف کے نہ ہوں، یا ایک جو دو کے قائم مقام ہو وہ نہ ہو بھئی، وہ نہ ہو۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ ہاں آسان سی بات ہے۔

کہتے ہیں: فَصْلٌ: أَيْ هَذَا فَصْلٌ، میں نے آپ کو بتایا تھا کہ یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے کہ یہ فصل ہے۔ کہتے ہیں: اَلِاسْمُ الْمُعْرَبُ عَلَى نَوْعَيْنِ، اس کو کیسے پڑھیں گے؟ اَلِاسْمُ نہ پڑھنا، اَلِاسْمُ نہ پڑھنا، کیونکہ اسم کا ہمزہ وصلی ہے، اسم کا ہمزہ وصلی۔ اور اسی طرح اَلْ، الف لام جو ہے اس کا بھی ہمزہ کیا ہوتا ہے؟ وصلی، اور ہمزہ وصلی درمیانِ عبارت میں گر جاتا ہے، اس کو اگر پڑھا جائے تو یہ غلطی ہے۔ لہٰذا اَلِاسْمُ اگر یوں پڑھیں گے یہ تو آپ نے

اَلِاسْمُ، الف لام والا ہمزہ تو درمیانِ عبارت میں ہے یا شروع عبارت میں ہے؟ وہ تو شروع میں ہے، وہ تو رہے گا، سمجھ میں آیا جب آپ ما قبل کے ساتھ نہیں جوڑ رہے نا اس کو اس سے پڑھ رہے ہیں تو اَلْ کا الف لام کا ہمزہ کیا ہے؟ وصلی، لیکن یہ ابھی گرے گا نہیں، ہاں یہ بیچ میں آجاتا اس سے ما قبل بھی کوئی لفظ ہوتا تو پھر یہ بھی گر جاتا۔ ہاں اِسْمُ کا ہمزہ وصلی ہے اور وہ درمیان میں آگیا تو وہ گر جائے گا۔ تو اب اَلْ کا الف لام کا لام بھی ساکن، آگے اسم میں سے ہمزہ تو گر گیا سین بھی ساکن، سین بھی ساکن، تو لام بھی ساکن سین بھی ساکن تو دو ساکن جمع ہو گئے، تو اب ایک کو حرکت دینا پڑے گی تو اور وہ لام کو حرکت دیں گے اول کو، اور اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ بِالْكَسْرِ، ضابطہ کیا ہے؟ اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ بِالْكَسْرِ، ساکن کو جب حرفِ ساکن کو جب حرکت دی جاتی ہے تو اس کو کسرہ والی حرکت دیتے ہیں۔ لہٰذا لام کو کسرہ دیا تو اَلِاسْمُ کیا بن گیا؟ اَلِاسْمُ، لیکن اب تیز پڑھیں گے کسی کو پتہ نہیں چلے گا آپ لام کے نیچے کسرہ پڑھ رہے ہیں یا ہمزہ کے نیچے کسرہ پڑھ رہے ہیں، پتہ ہی نہیں چلے گا۔

تو کہتے ہیں: اَلِاسْمُ الْمُعْرَبُ عَلَى نَوْعَيْنِ، اسمِ معرب جو ہے دو قسم پر ہے: مُنْصَرِفٌ ایک منصرف ہے، اور دوسطروں کے بعد آرہا ہے: وَغَيْرُ مُنْصَرِفٍ اور دوسرا کیا ہے؟ غیر منصرف ہے بھئی۔ مل گیا بھائی غیر منصرف؟ دوسطروں کے بعد آرہا ہے، یہ دو قسم پر ہے: ایک منصرف ہے اور دوسرا غیر منصرف ہے۔ اب بیچ میں منصرف کی تعریف کر رہے ہیں۔ میں نے آپ کو کیا بتایا؟ منصرف کیا کسے کہتے ہیں؟ وہ اسمِ معرب ہے جس میں دو اسبابِ منعِ صرف نہ ہوں، یا کوئی ایک ایسا نہ ہو جو دو کے قائم مقام، جو نہ ہو وہ منصرف، اور جس میں ایسا ہو یعنی دو اسبابِ منعِ صرف ہوں یا ایک سبب ہو جو دو کے قائم مقام وہ موجود ہو تو وہ کیا ہے؟ وہ غیر منصرف ہے۔

تو کہتے ہیں خود بتلا رہے ہیں: مُنْصَرِفٌ، وَهُوَ مَا لَيْسَ فِيهِ سَبَبَانِ وہ ہے، وہ اسمِ معرب ہے کہ نہ ہو اس کے اندر، مَا سے مراد ہے اسمِ معرب کیونکہ اسی کی بات چل رہی ہے نا، کہتے ہیں وہ منصرف وہ اسمِ معرب ہے: لَيْسَ فِيهِ سَبَبَانِ جس میں دو سبب نہ ہوں، سَبَبَانِ تثنیہ آیا، جس میں دو سبب نہ ہوں، أَوْ وَاحِدٌ يَقُومُ مَقَامَهُمَا یا ایک جو دو کے قائم مقام ہو وہ نہ ہو، مِنَ الْأَسْبَابِ التِّسْعَةِ نو اسباب میں سے۔ بھئی اسبابِ منعِ صرف نو ہیں۔ یہ جس کلمے کے اندر دو جمع ہو جائیں، کل کتنے ہیں؟ نو۔ ان نو میں سے اگر کسی کلمے کے اندر دو آجائیں تو پھر وہ کیا بن جاتا ہے؟ منصرف نہیں رہتا بلکہ غیر منصرف، اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو دو کے قائم مقام ہیں تو وہ ایک بھی آجائے لیکن وہ تو کس کے قائم مقام ہے؟ دو کے، تو بھی وہ کلمہ کیا بن جائے گا؟ غیر منصرف بن جائے گا۔ اسی لیے کہا: مِنَ الْأَسْبَابِ التِّسْعَةِ کتنے اسباب میں سے؟ نو۔

اچھا بھئی، میں نے آپ کو کل بتایا تھا کہ حروفِ یرملون سے پہلے کیا آجائے؟ نونِ ساکن، تو اس نون کو بھی اسی اگلے حرف کی جنس سے بدل کر اس میں ادغام کرتے ہیں۔ تو یہاں کیا آیا؟ أَوْ وَاحِدٌ يَقُومُ، اصل میں کیا تھا؟ وَاحِدٌ يَقُومُ، وَاحِدٌ کے آخر میں کیا آرہی ہے؟ تنوین، اور تنوین کس چیز کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا نام ہے، اور اس کے بعد کیا آرہی ہے؟ یا، اور یا حروفِ یرملون میں سے ہے یا نہیں؟ یرملون: یا، را، میم، لام، واؤ، نون، ان میں سے ایک دیکھو یا بھی ہے۔ تو یا سے پہلے نونِ ساکن آگیا تو اس نون کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کیا تو کیسے پڑھیں گے؟ وَاحِدٌ يَّقُومُ، سمجھ میں آیا بھئی؟

دوبارہ تعریف دیکھیں منصرف کی، کہتے ہیں: وَهُوَ مَا لَيْسَ فِيهِ سَبَبَانِ أَوْ وَاحِدٌ يَقُومُ مَقَامَهُمَا مِنَ الْأَسْبَابِ التِّسْعَةِ وہ اسمِ معرب ہے کہ نہ ہو اس کے اندر دو سبب، یا ایک جو دو کے قائم مقام ہو وہ نہ ہو نو اسبابِ منعِ صرف میں سے۔ دوبارہ ترجمہ: منصرف وہ اسم ہے جس میں نو اسبابِ منعِ صرف میں سے کوئی دو سبب نہ ہوں یا کوئی ایک جو دو کے قائم مقام ہو وہ نہ ہو، كَزَيْدٍ جیسے کہ زید بھئی۔

وَيُسَمَّى الِاسْمَ الْمُتَمَكِّنَ، دیکھا؟ وَيُسَمَّى الِاسْمَ، اب اَلِاسْمَ بھی نہیں پڑھنا، الف لام والا ہمزہ بھی گر گیا کیونکہ بیچ میں آگیا۔ وَيُسَمَّى الِاسْمَ الْمُتَمَكِّنَ اور اس کو کیا کہتے ہیں منصرف کو؟ اسمِ متمکن بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہ اعراب کو جگہ دے دیتا ہے، تمکن کا کیا معنی؟ جگہ دینا، کیونکہ اعراب کو جگہ دے دیتا ہے۔

وَحُكْمُهُ أَنْ يَدْخُلَهُ الْحَرَكَاتُ الثَّلَاثُ مَعَ التَّنْوِينِ اور منصرف کا حکم، حُكْمُهُ ہا ضمیر کس کو راجع؟ منصرف کو۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ وَحُكْمُهُ، میں نے کہا ہا ضمیر، آپ کہیں گے ضمیر تو ہو ہے یہاں پر: حُكْمُهُ، کیا ہے؟ ہو ضمیر ہے، ہاں عموماً طلباء سے یہ غلطی ہوتی ہے بھئی، ہو نہیں اس کو پڑھنا، اس کو ہا پڑھنا ہے کیونکہ یہ ایک حرف ہے، یہ کیا ہے؟ ایک حرف ہے، اور جب ایک حرف کا نام لینا ہو تو اس کا وہ نام لیتے ہیں وہ جو حروفِ تہجی میں اس کا نام تھا: الف، با، تا، ثا، جیم وغیرہ میں سے، اور یہ اس کا کیا نام ہے؟ ہا ہے، سمجھ میں آیا؟ جیسے دیکھو آپ نے ترکیب پڑھی ہو گی کچھ نہ کچھ اولیٰ کے اندر بھی، ترکیب کرتے ہیں بسم اللہ کی، کیسے کرتے ہیں ترکیب؟ بَاءٌ جَارَّةٌ يَا بَاءُ حَرْفُ جَرٍّ۔ بھئی با کیوں کہتے ہو؟ بِسْمِ یہ کیوں نہیں کہتے؟ بی جارہ، کوئی بھی بی جارہ نہیں کہتا، کیوں نہیں کہتا؟ کیونکہ یہ بی یہ تو ایک حرف ہے اور جب ایک حرف ہو تو اس کا نام لینا ہو تو وہ نام لیتے ہیں جو الف با تا ثا کے اندر تھا، اور الف با تا ثا کے اندر اس کا کیا نام

ہے؟ باہے، سمجھ میں آئی بات؟ تو جب ایک حرف ہو اس کا نام لینا ہو تو وہ نام لیتے ہیں جو وہ حروفِ تہجی الف با تا ثا وغیرہ کے اندر جو اس کا نام ہوتا ہے۔ تو حُكْمُهُ اس کے اندر رہا ضمیر ہے، ہا ضمیر، اور یہ کس کو راجع؟ منصرف کو۔ منصرف کا حکم بیان ہو رہا ہے، منصرف کا حکم یہ ہے: أَنْ يَدْخُلَهُ الْحَرَكَاتُ الثَّلَاثُ کہ اس پر تین حرکتیں داخل ہوتی ہیں۔

تین حرکتیں داخل ہوتی ہیں، غیر منصرف میں ایسا نہیں۔ غیر منصرف کا ابھی آپ نے اعراب پڑھا تھا، نو قسمیں پڑھیں یا نہیں پڑھیں؟ غیر منصرف کا رفع کس کے ساتھ آتا تھا؟ ضمہ کے ساتھ: جَاءَنِي عُمَرُ، اور نصب اور جر دونوں کس کے ساتھ آتے تھے؟ فتحہ، دیکھا؟ تو ضمہ بھی آرہا ہے فتحہ بھی، کسرہ آ ہی نہیں رہا، تو تین حرکتیں اس پہ آتی ہیں یا دو حرکتیں؟ اعراب تو تینوں آتے ہیں، اعراب کی بات نہیں کر رہا، حرکتیں کتنی آتی ہیں؟ ایک ضمہ والی اور نصبی جری میں فتحہ، کسرہ آیا کہیں؟ نہیں، تو ضمہ اور فتحہ آتا ہے اس پر، ضمہ اور فتحہ آتا ہے کسرہ نہیں، تو معلوم ہوا اس پر تینوں حرکتیں داخل نہیں، لیکن منصرف پر تینوں حرکتیں کیا ہیں؟ داخل ہوتی ہیں، اسی لیے کہا: وَحُكْمُهُ أَنْ يَدْخُلَهُ الْحَرَكَاتُ الثَّلَاثُ اور حکم منصرف کا یہ ہے کہ اس پر تینوں حرکتیں داخل اس پر تین حرکتیں داخل ہوتی ہیں، مَعَ التَّنْوِينِ ساتھ کس کے؟ تنوین کے۔ اور یاد رکھو غیر منصرف پر تنوین نہیں آتی: جَاءَنِي عُمَرُ، میں نے نہیں کہا، تنوین نہیں پڑھی کیونکہ تنوین آتی ہی نہیں غیر منصرف پر۔ اور ویسے زید ہوتا تو میں یوں کہتا: جَاءَنِي زَيْدٌ، دیکھو اس پہ تنوین آرہی ہے۔ سمجھ میں آئی بات؟ تو غیر منصرف پر کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں، جبکہ منصرف پر یہ دونوں آتی ہیں۔

تو کہتے ہیں منصرف کا حکم: أَنْ يَدْخُلَهُ الْحَرَكَاتُ الثَّلَاثُ مَعَ التَّنْوِينِ کہ اس پر داخل ہوتی ہیں تین حرکتیں مع التنوین تنوین کے ساتھ۔ تَقُولُ آپ کہتے ہیں، اب مثال ذکر کرنے لگے ہیں کہ مثال کے طور پر آپ یوں کہتے ہیں: جَاءَنِي زَيْدٌ، وَرَأَيْتُ زَيْدًا، وَمَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ تو زَيْدٌ دیکھو رفع آیا ضمہ آیا تنوین کے ساتھ، وَرَأَيْتُ زَيْدًا فتحہ آیا تنوین کے ساتھ، وَمَرَرْتُ بِزَيْدٍ کسرہ آیا کس کے ساتھ؟ تنوین کے ساتھ، تو یہ منصرف ہے۔

وَغَيْرُ مُنْصَرِفٍ اور دوسری قسم غیر منصرف ہے معرب کی: وَهُوَ مَا فِيهِ سَبَبَانِ أَوْ وَاحِدٌ مِنْهَا يَقُومُ مَقَامَهُمَا اور وہ اسم معرب ہے جس کے اندر دو سبب ہوں، أَوْ وَاحِدٌ مِنْهَا یہ مِنْهَا کی ضمیر راجع ہے وہ جو اسبابِ تسعہ گزرا تھا، دیکھو مِنْهَا، ہا یہ بھی ہا ضمیر ہے، حُكْمُهُ میں بھی ہا ضمیر تھی، مِنْهَا کے ساتھ بھی کیا ہے؟ ہا ضمیر ہے، تو نام ایک ہی جیسا ہے دونوں کا لیکن ایک مذکر کی ہے اور ایک مؤنث کی ہے۔ دیکھو مِنْهَا کی ہا ضمیر کے نیچے نو نمبر لکھا ہے اور وہ اسبابِ تسعہ کے نیچے بھی نو نمبر لکھا ہے، معلوم ہوا یہ ضمیر اس کو راجع ہے۔ تو کہتے ہیں غیر منصرف وہ اسم معرب ہے فِيهِ سَبَبَانِ جس میں کوئی سے دو سبب ہوں، أَوْ وَاحِدٌ مِنْهَا یا ان نو میں سے ایک ہو، وَاحِدٌ ایک ہو مِنْهَا ان نو میں سے، يَقُومُ مَقَامَهُمَا جو ان دو کے قائم مقام ہو۔

وَالْأَسْبَابُ التِّسْعَةُ هِيَ اور وہ نو اسباب یہ ہیں بھئی، اب بیان کرنے لگے ہیں: وَالْأَسْبَابُ التِّسْعَةُ هِيَ: اَلْعَدْلُ، وَالْوَصْفُ، وَالتَّأْنِيثُ، وَالْمَعْرِفَةُ، وَالْعُجْمَةُ، وَالْجَمْعُ، وَالتَّرْكِيبُ، وَالْأَلِفُ وَالنُّونُ الزَّائِدَتَانِ، وَوَزْنُ الْفِعْلِ۔ یہ ہیں اسبابِ منعِ صرف نو بھئی: عدل ہے، وصف ہے، تانیث ہے، معرفہ ہے، عجمہ ہے، عین پہ پیش پڑھنا: عُجْمَہ، اور جمع ہے، ترکیب ہے، اور وَالْأَلِفُ وَالنُّونُ الزَّائِدَتَانِ اور وہ الف اور نون جو زائد ہوں یعنی اصلی نہ ہوں، حرفِ اصلی نہ ہوں، وہ الف اور نون جو زائد ہوں، وَوَزْنُ الْفِعْلِ اور وزنِ فعل ہے۔ آگے ان سب کو تفصیل سے بیان کرنے لگے ہیں، یہ نو اسبابِ منعِ صرف ہیں بھئی، یہ آپ کو یاد ہونے چاہئیں، کوئی پوچھ لے آپ سے اسبابِ منعِ صرف کون سے ہیں آپ فوراً بیان کر سکیں۔

وَحُكْمُهُ اور حکم اس کا، کس کا؟ غیر منصرف کا، اور غیر منصرف کا حکم یہ ہے: أَنْ لَا يَدْخُلَهُ الْكَسْرَةُ وَالتَّنْوِينُ کہ داخل نہیں ہوتا اس پر کسرہ اور تنوین، وَيَكُونُ فِي مَوْضِعِ الْجَرِّ مَفْتُوحًا أَبَدًا اور یہ ہوگا فِي مَوْضِعِ الْجَرِّ، موضع: جگہ، فِي مَوْضِعِ الْجَرِّ جر کے مقام میں، مَفْتُوحًا أَبَدًا ہمیشہ مفتوح ہوگا۔ جر کے مقام میں بھی یہ کیا ہوگا؟ مفتوح ہوگا۔ مفتوح کہنا، مفتوح کہنا، منصوب نہیں کہنا، جیسے دیکھو: مَرَرْتُ بِعُمَرَ، مَرَرْتُ بِعُمَرَ، عمر پر فتحہ آرہا ہے یا نہیں؟ فتحہ، تو اس کو کیا کہیں گے؟ مفتوح ہے۔ تو حرکت کے اعتبار سے یہ مفتوح ہے، اعراب اگر کوئی آپ سے پوچھ لے اس کا اعراب کیا ہے؟ ہاں، مَرَرْتُ بِعُمَرَ، مجرور ہے کیونکہ باجارہ داخل ہو رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہے تو مجرور، اس پر اگرچہ حرکت فتحہ والی ہے لیکن یہ دراصل یہ دراصل نصب نہیں ہے بلکہ یہ کیا ہے؟ جر ہے، اس کا جر آتا ہی کس شکل میں ہے؟ فتحہ کی صورت میں آتا ہے۔ اسی لیے کہا: وَيَكُونُ فِي مَوْضِعِ الْجَرِّ مَفْتُوحًا أَبَدًا اور یہ جر کے مقام میں بھی مفتوح ہوگا ہمیشہ۔

تَقُولُ آپ کہتے ہیں، دیکھا اب مثال کے طور پر مثالیں ذکر کر رہے ہیں مثلاً کہ آپ عربی میں یوں کہتے ہیں: جَاءَنِي أَحْمَدُ، وَرَأَيْتُ أَحْمَدَ، وَمَرَرْتُ بِأَحْمَدَ۔ جَاءَنِي أَحْمَدُ یہ غیر منصرف ہے، دیکھو تنوین نہیں آئی، تنوین نہیں آئی۔ وَرَأَيْتُ أَحْمَدَ یہ مفعول ہے تو دیکھو نصب آیا لیکن تنوین نہیں،

وَمَرَرْتُ بِأَحْمَدَ۔ اب مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ یہ احمد کا کیا اعراب ہے؟ مجرور ہے۔ کیسے پتہ چلا مجرور ہے؟ باجارہ اس پر داخل ہوئی ہے، لیکن اس پر تو ہم زبر پڑھ رہے ہیں؟ شاباش! اس کا جر آتا ہی اس شکل میں ہے، یہ دراصل جر ہی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ منصرف کو بھی بیان کر دیا، غیر منصرف کو بھی، اسبابِ منعِ صرف بھی بیان کر دیے یہ والے نو ہیں ان کے نام ذکر کر دیے اور مثال بھی دے دی۔ اب وہ اسبابِ منعِ صرف بال تفصیل بیان کرنے لگے ہیں، جو نو تھے ہر ایک کے بارے میں پوری پوری تفصیل آپ کو بتانے لگے ہیں، تو ان میں سب سے پہلا کیا تھا؟ عدل، وہی ذکر کرنے لگے ہیں۔

کہتے ہیں: أَمَّا الْعَدْلُ تو عدل جو ہے: فَهُوَ تَغَيُّرُ اللَّفْظِ مِنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ إِلَى صِيغَةٍ أُخْرَى تَحْقِيقًا أَوْ تَقْدِيرًا۔ بھئی پہلے سمجھ لیں: یاد رکھیے عدل کہتے عدل کا معنی ہے پھیرنا، کیا معنی ہے؟ پھیرنا۔ مثلاً دیکھیے یہ ایک صیغہ ہے، یہ ایک صیغہ ہے، اور یہ اس کی قانونی شکل ہے یعنی صرفی قوانین لگائے، صیغے کی صورت کس طرح بنتی ہے؟ کون سے قوانین جاری ہوتے ہیں؟ صرفی قوانین۔ صرفی قوانین تقاضا کرتے ہیں کہ اس صیغے کی یہ صورت ہونی چاہیے، جیسے قَالَ اصل میں کیا تھا؟ قَوَلَ، تو اصل میں تو قَوَلَ تھا لیکن قانون لگ گیا صرفی کہ واؤ یا متحرک اور ما قبل فتحہ ہو کس سے بدلتے ہیں؟ الف سے، تو قَالَ۔ تو یہ قَالَ قانونی شکل ہے، قانون جس کا تقاضا کر رہا تھا، سمجھ میں آئی بات؟ تو اگر اس کے بجائے آپ کوئی اور صورت دے دیں تو پھر وہ قانون کے مطابق ہو گی یا قانون کے خلاف ہو گی؟ قانون کے خلاف، لیکن اس وقت قَالَ کیا ہے؟ قانون کے مطابق ہے، سمجھ میں آیا؟ تو دیکھو ایک لفظ تھا، قانون کے مطابق اس کی یہ صورت ہونی چاہیے صیغہ یوں ہونا چاہیے قانون کے مطابق، لیکن عرب اس کو کیا کرتے ہیں؟ اس کو پھیر کر اس کو ایک نئی شکل دے دیتے ہیں، وہ قانون کے مطابق نہیں ہے، قانون کے مطابق تو یہ پہلی شکل تھی، تو اس کو پھیر کر کیا بنا دیا؟ ایک نئی صورت دے دی، کیا دے دی؟ ایک نئی صورت دے دی، تو یہ ہے عدل۔ دیکھو انہوں نے پھیر دیا اس کو ایک نئی صورت کی طرف، بات سمجھ میں آگئی؟ تو عدل کا کیا معنی؟ پھیرنا، اور کیا کس چیز کو پھیرنا؟ صیغے کو، اس کے کس سے؟ قانونی صورت سے دوسری صورت کی طرف، یہ کیا کہلاتا ہے؟ عدل۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: أَمَّا الْعَدْلُ فَهُوَ تَغَيُّرُ اللَّفْظِ وہ لفظ کا بدلنا ہے، تغیر کا معنی بدلنا، فَهُوَ تَغَيُّرُ اللَّفْظِ وہ لفظ کا بدلنا ہے مِنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ اصلی صیغے سے، اصلی صیغے سے کیا مراد ہے؟ وہ صیغہ جس کا قانون تقاضا کر رہا ہو کہ قانون کے مطابق یہ صورت ہونی چاہیے، وہ کیا ہے؟ صیغہ اصلی۔ تو وہ بدلنا ہے لفظ کا صیغہ اصلیہ سے إِلَى صِيغَةٍ أُخْرَى دوسرے صیغے کی طرف، تَحْقِيقًا أَوْ تَقْدِيرًا تحقیقی طور پر یا تقدیری طور پر۔

بھئی یاد رکھو عدل کی دو قسمیں ہیں: عدل کا معنی سمجھ میں آگیا؟ کیا معنی؟ پھیرنا، اور صیغہ اصلیہ سے کیا مراد ہے؟ وہ صیغہ جس کا قانون تقاضا کر رہا ہے جو قانون کے مطابق ہے۔ اس صیغے سے پھیر کر دوسرا صیغہ بنا دینا اس کو یعنی دوسری صورت اس کو دے دینا، دوسری صورت دے دینا۔ یہ یاد رکھیے یہ عدل دو قسم پر ہے: ایک عدلِ تحقیقی ہے اور ایک عدلِ تقدیری ہے۔

عدلِ تحقیقی وہ ہے جس کی ہمارے پاس دلیل موجود ہو کہ یہ صیغہ اصل میں یہ تھا، صیغہ اصل میں اس کی صورت اصل میں یوں تھی، پھر عربوں نے اس کو پھیر کر یہ نئی صورت دے دی ہے تو دیکھو ایک ہوئی پہلے والی صورت، ایک ہوئی بعد والی صورت، یہ پہلے والی صورت سے پھیر کر کون سی صورت دے دی؟ بعد والی، تو کوئی دلیل چاہیے یا نہیں چاہیے؟ دلیل چاہیے، تو اگر دلیل موجود ہو کہ دیکھو یہ دلیل ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ پہلے یہ تھا اب اس کو یہ بنا دیا گیا، اگر دلیل موجود ہے تو اس کو کہتے ہیں عدلِ تحقیقی۔ اور اگر دلیل موجود نہ ہو تو اس کو کہتے ہیں عدلِ تقدیری۔ تقدیر کا معنی فرض کر لینا، یہاں عدل فرض کر لیا، دلیل ہے نہیں ہمارے پاس لیکن ہم نے فرض کر لیا کہ پہلے صورت یہ تھی بعد میں صورت یہ والی بنا دی دوسری صورت، بات سمجھ میں آگئی؟ تو عدل کی کتنی قسمیں؟ دو ہیں: ایک تَحْقِيقِيٌّ اور ایک تَقْدِيرِيٌّ۔ تحقیقی عدل وہ جس کی ہمارے پاس دلیل موجود ہو، اور عدلِ تقدیری وہ جس کی ہمارے پاس دلیل موجود نہ ہو۔

تو کہتے ہیں دوبارہ تعریف دیکھ لیجیے: کہتے ہیں: أَمَّا الْعَدْلُ فَهُوَ تَغَيُّرُ اللَّفْظِ مِنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ إِلَى صِيغَةٍ أُخْرَى تَحْقِيقًا أَوْ تَقْدِيرًا، عدل وہ لفظ کا بدل جانا ہے صیغہ اصلیہ سے دوسرے صیغے کی طرف تحقیقی طور پر یا تقدیری طور پر۔

اچھا بھئی تفصیل یاد رکھو، آپ کہیں گے یہ کیا بات ہوئی؟ بعض میں ہمارے پاس دلیل موجود ہے بعض میں ہمارے پاس دلیل بھی نہیں موجود؟ بھئی بعض لفظ ایسے ہیں ہمارے پاس دلیل موجود نہیں، لیکن پھر بھی نحوی علماء فرماتے ہیں، علمائے نحو فرماتے ہیں کہ یہاں عدل ہوا ہے، یہاں کیا ہوا ہے؟ اس لفظ کے اندر، اس معرب کے اندر دوسرا سبب عدل ہے۔ بھئی کیا دلیل ہے عدل ہے اس لفظ کے اندر؟ پہلے یہ صورت تھی اب یہ صورت بن گئی ہے، دلیل کوئی نہیں ہوتی لیکن وہ کیا فرماتے ہیں؟ اس میں کیا ہوا ہے؟ عدل ہوا ہے، ایک سبب مان لیتے ہیں۔

بھئی وجہ یہ ہے، یاد رکھو کہ عربی زبان تو پہلے تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور اس سے پہلے بھی کون سی زبان لوگ بولتے تھے عرب میں؟ عربی زبان بولتے تھے، لیکن یہ جو علمِ صرف اور علمِ نحو وغیرہ ہیں یہ علوم بعد میں علماء نے ایجاد ان کو وجود دیا بھئی، اللہ نے ان کے دلوں میں یہ باتیں ڈال دیں اور یہ علوم انہوں نے مدون کیے بھئی۔ پہلے علمِ نحو اور علمِ صرف نہیں تھے، عربوں کو مثلاً دیکھو علمِ نحو میں قانون آپ نے پڑھا ہے نحو کے اندر: اَلْفَاعِلُ مَرْفُوعٌ، فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، اس پر رفع پڑھتے ہیں۔ عربوں کو اس قانون کا پتہ نہیں تھا کیونکہ یہ تو علمِ نحو کا قانون ہے اور پہلے کیا علمِ نحو تھا؟ علمِ نحو تو بعد میں مدون ہوا، تو علمِ نحو نہیں تھا لیکن عرب پھر بھی فاعل پر ہمیشہ رفع پڑھا کرتے تھے، زبان ان کی تھی ان کو پتہ تھا تو وہ کیا کرتے تھے؟ فاعل پر ہمیشہ رفع۔ وَالْمَفْعُولُ مَنْصُوبٌ یہ ضابطہ ہے یا نہیں؟ مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب، یہ قانون پہلے عربوں کو پتہ نہیں تھا لیکن وہ ہر مفعول پر کیا پڑھتے تھے؟ نصب ہی پڑھا کرتے تھے، اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے نحو کا قانون ہے، عربوں نے یہ قانون نہیں پڑھا تھا لیکن وہ مضاف الیہ پر ہمیشہ کیا پڑھتے تھے؟ جر ہی پڑھا کرتے تھے۔

تو شروع میں یہ علمِ نحو مدون نہیں تھا، علمِ صرف بھی، اور پھر ان کی ضرورت پیش آئی، قرآن اور حدیث کو صحیح طریقے سے پڑھنے کے لیے اور اس کا معنی سمجھنے کے لیے ان علوم کی ضرورت پڑی۔ عربوں کو تو پتہ عربوں کو تو پتہ تھا وہ فاعل پہ رفع پڑھتے تھے مفعول پہ نصب پڑھتے تھے، لیکن بعد میں جب اسلام پھیلتا گیا اور قوموں کے اندر اب انہوں اب ان کو ان کے سامنے عربی کے الفاظ لکھ دیں ان کو تو نہیں پتہ چلے گا کس پر رفع پڑھنا ہے، کس پر نصب پڑھنا ہے، کس پہ جر پڑھنا ہے۔ پہلے یہ جو زبر، زیر، پیش ہیں یہ بھی نہیں تھے، یہ بھی بعد میں علمائے اسلام نے کیا کیا؟ یہ انہوں نے بنائے لوگوں کی آسانی کے لیے۔ دیکھو آج ہمارا بچہ عربی کے ایک لفظ اسے نہیں آتا لیکن قرآن وہ بہترین پڑھتا ہے کیونکہ اس پر وہ زبر، زیر، پیش وغیرہ یہ سب چیزیں ڈلی ہوئی ہیں۔ یہ کس نے کیا؟ علمائے اسلام، اللہ نے ان کو منتخب کیا تھا قرآن کی اس خدمت کے لیے، انہوں نے اپنی زندگیاں گزار دیں کہ کس طرح آسان سے آسان صورت ہو جائے کہ لوگ قرآن کو پڑھ سکیں، چاہے ان کو عربی آتی ہو چاہے نہ آتی ہو۔ عربوں کے سامنے عربی لکھیں گے چاہے زبر زیر پیش نہ ہو وہ پھر بھی اس کو صحیح پڑھتا چلا جائے گا، صورت سمجھ میں، لیکن عجمی جو غیر عرب ہیں ان کے لیے دیکھو یہ اعراب کی وجہ سے کتنی سہولت ہو گئی بھئی۔

تو علمائے نحو نے یہ علمِ نحو جو ہے مدون کیا اور یہ اس علم کو ترتیب دیا۔ اب انہوں نے دیکھا کہ عرب جب بولتے ہیں تو کچھ لفظ ایسے ہیں جن پر وہ کسرہ اور تنوین نہیں پڑھتے، یہ جو غیر منصرف جس کا بعد میں انہوں نے نام رکھا، عرب کو غیر منصرف کا کچھ پتہ نہیں تھا غیر منصرف کسے کہتے ہیں، عرب کے سامنے آپ ذکر کر دیتے وہ کہتا مجھے کیا پتہ غیر منصرف کسے کہتے ہیں، لیکن وہ غیر منصرف پر کبھی بھی کسرہ اور تنوین نہیں پڑھتے تھے، پڑھتے ٹھیک تھے لیکن مطلب یہ کیونکہ اس وقت اب علمِ نحو مدون ہی نہیں ہوا تھا، بات سمجھ بھی آ رہی ہے کہ نہیں؟ تو علمائے نحو اب عربی زبان کے قوانین بنا رہے ہیں بھئی کہ یہاں پر زیر آتا زیر آئے گا، یہاں زبر آئے گا، یہاں اس طرح پڑھیں گے، یہاں اس طرح پڑھیں گے، عربوں کی زبان دیکھتے جا رہے ہیں اور قوانین بناتے جا رہے ہیں بھئی، قوانین۔ عمریں گزار دیں انہوں نے ان قوانین کو، ہم تو آسانی سے پڑھ لیتے ہیں ایک سال کے اندر پوری آپ ہدایۃ النحو پڑھ لیتے ہیں اور پورے قوانین یاد کر لیتے ہیں، اور ان قوانین کو یہ صورت دینے میں علماء نے اپنی زندگیاں گزار دیں بھئی۔ ایک ایک کلامِ عرب کے اشعار ان کے دیکھتے، ان کے اور چیزیں دیکھتے کہ یہ کس طرح کہاں زبر پڑھتے ہیں، کہاں زیر پڑھتے ہیں، کیسے، پھر قوانین بنائے کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے، مفعول منصوب ہوتا ہے، مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے، حال پہ نصب آتا ہے، تمیز پہ بھی نصب آتا ہے، اس طرح انہوں نے سارے اور سمجھ میں آیا، یہ قوانین انہوں نے ترتیب دیے بھئی۔

تو انہوں نے جب وہ یہ علمِ نحو کی تدوین کر رہے تھے، اس میں انہوں نے عربوں کی زبان میں غور و فکر کر رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ عرب جو ہیں بعض الفاظ ایسے ہیں اس پر کسرہ بھی نہیں پڑھتے اور تنوین بھی نہیں پڑھتے، یہ جو غیر منصرف تھے، یہ لفظ ان کو ملے۔ تو اب انہوں نے غور شروع کیا کہ یہ عرب اس پہ کسرہ اور تنوین کیوں نہیں پڑھتے؟ جَاءَنِي عُمَرُ کیوں نہیں کہتے؟ جَاءَنِي عُمَرُ کیوں کہتے ہیں؟ مَرَرْتُ بِعُمَرَ کیوں کہتے ہیں؟ مَرَرْتُ بِعُمَرٍ کیوں نہیں کہتے؟ کوئی قانون چاہیے نا، عام لوگوں کو بھی تاکہ پتہ چلے۔ چنانچہ انہوں نے غور و فکر کرتے کرتے بالآخر یہ قانون بنایا کہ غیر منصرف عرب اس کو پڑھتے ہیں جس میں دو سبب ہوں، کس کے؟ اسبابِ منعِ صرف میں سے، اور یا کوئی ایک سبب ہو جو قائم مقام دو کے ہو، یہ ضابطہ انہوں نے بنا دیا کہ یہ اسبابِ منعِ صرف ہیں، ان میں سے دو جس لفظ میں آئیں گے معلوم ہوا وہ غیر منصرف ہے اس پہ کسرہ اور تنوین نہیں پڑھنا، عرب بھی اس پہ کسرہ اور تنوین نہیں پڑھتے۔ اور یہ ایک ایسا سبب آ جائے جو دو کے قائم مقام ہو تو اس پر بھی کسرہ اور تنوین نہیں پڑھنا کیونکہ عرب بھی اس پر کسرہ اور تنوین نہیں پڑھتے، کسرہ اور تنوین نہیں پڑھتے۔

اب انہوں نے سارے یہ قانون بنایا اور ساری عربی زبان کے لفظ وہ دیکھتے جا رہے ہیں، سارے اس قانون پہ پورا اتر رہے ہیں۔ جس کو بھی دیکھا عرب اس

کو غیر منصرف پڑھتے ہیں، دیکھتے تو اس میں دو سبب منعِ صرف کے ہوتے، یا ایک سبب کس کا ہوتا؟ ایک دو کے قائم مقام ہوتا۔ لیکن کچھ لفظ ان کو ایسے ملے کہ اس میں ایک ہی سبب تھا، لیکن عرب اس کو غیر منصرف پڑھتے تھے! بہت غور کیا، بہت غور کیا کہ ان کے اندر کیا وجہ ہے؟ دوسرا سبب کیا ہے؟ سبب تو ایک ہے اور ایک سبب سے غیر منصرف نہیں بنتا، ایک سبب سے تو غیر منصرف تو بہت غور و فکر کیا لیکن دوسرا سبب مل ہی نہیں رہا، ہے ہی نہیں وہاں پر، تو مجبور ہو کر انہوں نے کہا اپنے قانون کو بچانے کے لیے، قانون ان کا کیا تھا؟ غیر منصرف کس کو پڑھیں گے؟ جس میں دو سبب ہوں یا ایک قائم مقام دو کے، تو اپنے قانون کو بچانے کے لیے انہوں نے کہا اس میں دوسرا سبب عدل ہے، عدل کو فرض کر لیا وہاں پر۔ کیا کر لیا؟ عدل کو فرض کر لیا۔ دلیل کوئی نہیں تھی، لیکن عدل کو وہاں فرض کر لیا۔ جب عدل وہاں مان لیا، ایک سبب تو پہلے بھی موجود تھا، دوسرا یہ عدل مان لیا، کتنے سبب ہو گئے؟ دو، اب ہاں دیکھو اب بات ٹھیک بن گئی، اب بات ٹھیک بن گئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا یہ اپنے قانون کو بچانے کے لیے انہوں نے عدل کو فرض کر لیا، اور اتنا پیارا قانون بنا دیا کہ اب سارے عربی زبان کے لفظ جتنے لفظ ہیں سارے قانون کے اندر آ گئے۔ غیر منصرف وہی ہو گا جس میں دو اسباب منعِ صرف کے ہوں گے یا ایک سبب قائم مقام دو کے ہو گا، اور سارے لفظ دیکھے سب کے اندر اسی طرح تھا، چند لفظ جو تھے جن کے اندر یہ دو سبب نہیں تھے وہاں کیا مان لیا؟ عدل مان لیا، بات ٹھیک ہو گئی بھئی۔ تو یہ اس کے لیے انہوں نے عمریں گزاریں اور پھر یہ قوانین بنائے بھئی، اور اتنے پیارے اور حسین قوانین بنائے کہ پوری عربی زبان یوں لگتا ہے جیسے ان قانونوں کو دیکھ کر بنائی گئی ہے، حالانکہ قانون بعد میں ہے عربی زبان تو پہلے ہے، بات سمجھ میں آئی بھئی۔

اسی لیے کہا کہ وہ لفظ کا بدلنا ہے صیغہ اصلیہ سے دوسرے صیغے کی طرف تحقیقی طور پر یا تقدیری طور پر، تقدیراً بھئی۔

وَلَا يَجْتَمِعُ مَعَ وَزْنِ الْفِعْلِ أَصْلًا، اور یہ جمع نہیں ہوتا عدل جو ہے جمع نہیں ہوتا، يَجْتَمِعُ کے اندر هُوَ ضمیر جو راجع ہے عدل کو، دیکھو یجتمع کے نیچے بھی دو ہے عدل کے نیچے بھی کیا لکھا ہے؟ دو، تو یہ ضمیر اس کو لوٹ رہی ہے، اور یہ عدل جمع نہیں ہوتا مَعَ وَزْنِ الْفِعْلِ کس کے ساتھ؟ وزنِ فعل کے ساتھ أَصْلًا ای قطعاً، قطعی طور پر یعنی کبھی بھی، کبھی بھی یہ وزنِ فعل کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ بھئی کیا وجہ ہے؟ بھئی دیکھیے اسبابِ منعِ صرف میں سے ایک وزنِ فعل بھی اوپر آپ نے پڑھا، نواں سبب کیا ذکر کیا؟ وزنِ فعل۔ لیکن جس یاد رکھو جس لفظ کے اندر عدل ہو گا وہاں وزنِ فعل نہیں ہو گا، اور جہاں وزنِ فعل ہو گا جس لفظ میں وہاں عدل نہیں ہو گا۔ دونوں نے جمع ہونا ہے یا نہیں؟ دو جمع ہوں دو اسبابِ منعِ صرف جمع ہوں گے تو لفظ کیا بنے گا؟ غیر منصرف بنے گا نا، ویسے تو نہیں بنے گا، دو اسبابِ منعِ صرف جمع ہوں گے، لیکن جو دو بھی اکٹھے ہوتے ہیں ہم غور کیا کہ جہاں عدل آتا ہے جس لفظ میں ایک سبب عدل ہے دوسرا کوئی اور ہو سکتا ہے لیکن وزنِ فعل دوسرا سبب نہیں ہو گا، اور جس لفظ میں ایک سبب وزنِ فعل ہے دوسرا سبب کچھ اور ہو گا لیکن کبھی بھی عدل نہیں ہو گا۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ وزنِ فعل کے ساتھ جمع کیوں نہیں ہوتا؟ وجہ یہ کہ عدل کے چھ وزن ہیں بس، عدل کے کتنے وزن؟ چھ وزن، اور فعل کے اپنے اوزان ہیں، آپ نے گردانیں پڑھی ہیں: ماضی، مضارع، امر، نہی وغیرہ یہ ساری گردانیں پڑھی ہیں آپ نے، تو فعل کے اوزان معلوم ہیں یا نہیں آپ کو؟ یہ سارے فعل کے اوزان ہیں اور ان میں سے کوئی وزن بھی عدل کا نہیں ہے، عدل کے اپنے وزن فعل کے جب دونوں کے وزن ہی الگ الگ ہیں تو پھر کیسے اکٹھے ہو سکتے ہیں؟ ایک وزن آئے گا تو لازمی بات ہے دوسرا نہیں آ سکتا، اور دوسرا وزن آتا ہے تو لازمی بات ہے پہلا وزن نہیں آ سکتا، اس لیے یہ دونوں اکٹھے بھی نہیں ہوتے۔ عدل کے چھ اوزان ہیں، کون سے چھ اوزان؟ یہ آپ کے حاشیے میں شعر دیے ہوئے ہیں بھئی: اوزانِ عدل رابتمامے توشش شمار مل گیا؟ اوپر حاشیہ ہے، میری کتاب میں تین نمبر حاشیہ ہے: وَلَا يَجْتَمِعُ مَعَ وَزْنِ الْفِعْلِ، مل گیا؟ اسی میں آگے آ رہا ہے: اوزانِ عدل رابتمامے توشش شمار اوزانِ عدل جو ہیں ان کو تو بتمامے پورے طور پر توشش شمار چھ شمار کر، اوزانِ عدل پورے کے ان کو کتنا شمار کر؟ چھ ہیں، کون کون سے؟ شعر چل رہا ہے بھئی: مَفْعَلْ فُعَلْ مثالھما مَثْلَثْ عُمَرْ مَفْعَلْ جیسے مَثْلَثْ، فُعَلْ جیسے عُمَرْ۔ فَعْلَسْتْ ہمچو اَمْسِ فُعَالَسْتْ چوں ثُلَاثْ فَعْلْ جیسے اَمْسْ، فُعَالْ چوں ثُلَاثْ۔ دیگر فَعَال دان تو قَطَامِ وفِعْل سِحْر بس یہاں تک شعر ہے، دو شعر ہیں بھئی۔ دوبارہ سن لیں: اوزانِ عدل رابتمامے توشش شمار مَفْعَلْ فُعَلْ مثالھما مَثْلَثْ عُمَرْ فَعْلَسْتْ ہمچو اَمْسِ فُعَالَسْتْ چوں ثُلَاثْ دیگر فَعَال دان تو قَطَامِ وفِعْل سِحْر

دیکھیے پہلا وزن ذکر کیا: مَفْعَلْ، آگے مثال بھی ذکر کر دی: مَثْلَثْ۔ دوسرا وزن ہے: فُعَلْ، اس کی مثال بھی ہے: عُمَرْ فُعَلْ۔ اگلا وزن ہے: فَعْلْ، عین ساکن ہے: فَعْلْ جیسے اَمْسْ۔ اگلا وزن ہے: فُعَالْ چوں ثُلَاثْ۔ اگلا وزن ہے: فَعَالْ، فا پہ اب زبر ہے: فَعَالْ جیسے قَطَامِ۔ اگلا وزن ہے: فِعْلْ، فا کے نیچے کسرہ ہے عین ساکن: فِعْلْ جیسے سِحْر۔ یہ چھ وزن ہیں، مثالیں بھی سب کی ساتھ ذکر کر دیں۔ کون سے وزن ہیں؟ مَفْعَلْ، فُعَلْ اور فَعْلْ، فُعَالْ اور فَعَالْ، اور فِعْلْ۔ ان کو آپ بے شک ترتیب دے کر الگ لکھ لیں پھر اس کو یاد کر لیں۔ پہلے مَفْعَلْ ہے، ایک وزن کیا؟ مَفْعَلْ، دوسرا کر لیں فُعَالْ، تیسرا

کرلیں فَعَالْ، ایک جیسے اکٹھے کرلیں نا: مَفْعَلْ، فُعَالْ اور فَعَالْ، یہ تین ہوگئے۔ آگے فُعَلْ اور فَعْلْ اور فِعْلْ۔ ان میں فُعَلْ میں عین پہ زبر ہے، اگلے دو میں عین ساکن ہے: فَعْلْ اور فِعْلْ۔ تو کیا اوزان ہوئے؟ مَفْعَلْ، فُعَالْ اور فَعَالْ، اور فُعَلْ، اور فَعْلْ اور فِعْلْ، یہ چھ اوزان ہیں، اور آپ مجھے بتایئے مَفْعَلْ وزن افعال میں کبھی آپ نے پڑھا کہ شروع میں میم آرہا ہو؟ مَفْعَلْ، نہیں، کوئی فعل ایسا ہم نے نہیں پڑھا جس کے شروع میں کیا آرہا ہو؟ میم آرہا ہو۔ فُعَالْ وزن پر بھی کوئی فعل نہیں، جتنی گردانیں ہیں آپ اس میں غور کرلیں۔ فَعَالْ وزن پر بھی کوئی فعل نہیں، فُعَلْ وزن پر بھی کوئی فعل نہیں، فُعِلَ تو ہے: ضُرِبَ، فُعِلَ تو ہے لیکن فُعَلْ وزن پر کوئی نہیں۔ اور فَعْلْ اور فِعْلْ کہ عین ساکن ہو ایسا بھی کوئی فعل ہم نے کبھی نہیں پڑھا، تو یہ اس کے اوزان ہیں اور یہ ان میں سے کوئی بھی فعل والا وزن نہیں اس لیے یہ فعل کے ساتھ جمع بھی نہیں ہوتے۔ تو اگر یہ شعر یاد کرلیں اچھی بات ہے نہیں تو کم از کم یہ چھ اوزان آپ کو یاد ہونے چاہئیں بھئی۔

اسی لیے کہا: وَلَا يَجْتَمِعُ مَعَ وَزْنِ الْفِعْلِ أَصْلًا اور یہ جمع نہیں ہوتا وزنِ فعل کے ساتھ قطعی طور پر، اصلاً قطعی طور پر یعنی کبھی بھی، وَيَجْتَمِعُ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ اور جمع ہو جاتا ہے علمیت کے ساتھ۔ چلیے بس کرتے ہیں، باقی پھر اگلے سبق میں پڑھیں گے۔

خلاصہ کلام یہ کہ عدل کا معنی ہے پھیرنا، اور پھیرنا یعنی لفظ کو صیغہ اصلیہ سے پھیر کر اس کو نیا نئی صورت دے دینا، نیا صیغہ بنا دینا، اور یہ دو قسم پر ہے: ایک عدلِ تحقیقی اور ایک عدلِ تقدیری۔ عدلِ تحقیقی وہ ہے جس میں ہمارے پاس باقاعدہ دلیل موجود ہو کہ پہلے یہ تھا اب یہ بن گیا ہے نیا صیغہ، کیا موجود ہو باقاعدہ؟ دلیل موجود ہو، بغیر دلیل کے نہ ہو، یہ ہے عدلِ تحقیقی۔ اور دوسرا ہے عدلِ تقدیری جس کی ہمارے پاس کوئی دلیل موجود نہ ہو، نحویوں نے اپنے ضابطے کو بچانے کے لیے اس میں کس کو فرض کرلیا؟ عدل کو، تو وہ عدلِ تقدیری ہے۔ اور پھر آپ نے یہ پڑھا کہ یہ وزنِ فعل کے ساتھ کبھی بھی جمع نہیں ہوتا اس لیے کیونکہ عدل کے اپنے اوزان ہیں، جہاں جہاں جن لفظوں میں بھی عدل ہوا ہو گا آپ دیکھیں گے وہ ان چھ وزنوں میں سے کوئی وزن ہو گا، ہر جگہ عدل نہیں ہو گا، جہاں بھی عدل ہوا ہو گا کس میں ہو گا؟ ان یہ جو چھ مَفْعَلْ، فُعَالْ اور فَعَالْ، اور فُعَلْ، اور فِعْلْ اور فَعْلْ یہ جو چھ وزن ہیں وہ لفظ اسی وزن پر ہوں گے، وہ لفظ اسی وزن پر ہوں گے جن کے اندر کیا مانا گیا؟ عدل مانا گیا، ان کے علاوہ کوئی نہیں ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جیسے دیکھو عُمَرُ کے اندر عدل مانتے ہیں اور یہ اوزانِ عدل میں سے ہے یا نہیں؟ دیکھا: عُمَرُ، فُعَلْ۔ تو جہاں جہاں بھی عدل ہو گا وہ انہی چھ اوزان میں سے وہ لفظ ہو گا اس کے علاوہ نہیں ہو گا بھئی۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۴: اسبابِ منعِ صرف: عدلِ تحقیقی و تقدیری اور وصف کا بیان

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۸—بتاریخ: ۱۷ ستمبر ۲۰۱۴ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

وَيَجْتَمِعُ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ كَعُمَرَ وَزُفَرَ، وَمَعَ الْوَصْفِ كَثُلَاثَ وَمَثْلَثَ وَأُخَرَ وَجُمَعَ۔ اچھا بھائی، اسبابِ منعِ صرف ہم پڑھ رہے تھے، آپ نے پڑھا اسبابِ منعِ صرف نو ہیں بھائی۔ اور ان نو میں سے اب ہر ایک کی تفصیل بیان کرنے لگے مصنف، تو سب سے پہلے عدل کو ذکر کیا۔ اور آپ نے پڑھا کہ عدل وہ لفظ کا بدلنا ہے صیغہ اصلیہ سے دوسرے صیغے کی طرف یعنی ایک نئی صورت اختیار کر لینا۔ صیغہ اصلیہ سے مراد ہے وہ صیغہ جس کا قانون تقاضا کر رہا ہو، قانون کے مطابق یہ صورت ہونی چاہیے تھی، لیکن اس سے نکل کر اس نے ایک نئی صورت اختیار کر لی۔

اور پھر یہ دو قسم پر ہے: ایک عدلِ تحقیقی اور ایک عدلِ تقدیری۔ عدلِ تحقیقی جس کی ہمارے پاس دلیل موجود ہو، اور عدلِ تقدیری جس کی ہمارے پاس دلیل موجود نہ ہو۔ نحویوں نے اپنے ضابطے کو بچانے کے لیے بعض لفظوں میں یہ عدل فرض کر لیا، کیونکہ ضابطہ یہ تھا کہ غیر منصرف وہ ہو گا جس میں دو سبب منعِ صرف کے ہوں یا ایک ایسا سبب ہو جو قائم مقام ہو دو کے۔ تو بعض عربی لفظوں میں صرف ایک ہی سبب مل رہا تھا، تو وہ مجبور ہو گئے کہ اس میں دوسرا سبب ہونا چاہیے کیونکہ باقی سارے لفظ ضابطے پہ پورے آ رہے تھے۔ چند لفظ تھے وہ پورے نہیں اتر رہے تھے، تو اس لیے انہوں نے اس میں کیا فرض کر لیا؟ عدل کو فرض کر لیا، تو یہ کیا ہوا؟ عدلِ تقدیری، اور اس میں دلیل کوئی نہیں بھائی، دلیل کوئی نہیں۔

جیسے مثلاً بھائی عُمَرُ ہے۔ اب عُمَرُ کے اندر نحویوں نے غور کیا کہ اس میں دو سبب کیا ہیں منعِ صرف کے؟ بہت غور کیا، لیکن ایک ہی سبب تھا علمیت کہ یہ علم ہے، نام ہے۔ لیکن ایک سبب کی وجہ سے تو کوئی غیر منصرف لفظ نہیں بنتا بلکہ اس کے لیے تو کتنے سبب چاہیے؟ دو چاہیے۔ دوسرا بہت تلاش کیا، بہت کوشش کی لیکن دوسرا سبب اس میں نہ اس کے اندر تانیث ہے، نہ اس کے اندر وصفیت ہے وغیرہ، نہ الف نون زائدتان ہے دیکھو عُمَرُ کے اندر، تانیث بھی نہیں اور وصفیت بھی نہیں اور الف نون زائدتان وغیرہ، سارے سببوں کو کوشش کر لی کہ دیکھ لیا کہ اس میں ہے یا نہیں۔ لیکن اس میں ایک ہی علمیت کے علاوہ اور کوئی سبب ہی نہیں ہے، تو نحویوں کا ضابطہ ٹوٹ رہا تھا، تو مجبور ہوئے اور انہوں نے کیا کہا؟ اس کے اندر دوسرا سبب کیا ہے؟ عدل ہے۔ بس عدل کو اس میں مان لیا۔ دلیل کیا؟ دلیل کوئی نہیں۔ معلوم ہوا اس میں عدلِ تقدیری ہے، کیونکہ دلیل کوئی نہیں، بس اپنے قانون کو بچانے کے لیے مان لیا۔

اور کہا کہ عُمَرُ اصل میں تھا عَامِرٌ، اور پھر اس سے دیکھو عَامِرٌ، فَاعِلٌ اسمِ فاعل کا وزن ہے، ضابطے کے مطابق ہے، اور پھر اس عَامِرٌ سے ایک نیا وزن کیا بنا لیا عربوں نے؟ عُمَرُ۔ تو یہ دیکھو یہ معدول ہوا، اس سے پھیرا گیا، عدل ہوا یہاں پر، پہلے ایک وزن تھا پھر ایک نیا وزن اس کو دے دیا، تو عُمَرُ کس سے بنا ہے؟ عَامِرٌ سے۔ اور دلیل کیا ہے؟ دلیل کوئی بھی نہیں۔ بس اس میں عدل کو مان لیا کہ یہ اصل میں کیا تھا؟ عَامِرٌ تھا، دلیل کوئی نہیں۔

اسی طرح زُفَرُ بھائی، زُفَرُ یہ بھی نام ہے۔ اس میں بھی غور کیا کہ دوسرا سبب کیا ہے؟ ایک تو علمیت، دوسرا سبب مل نہیں رہا تھا، تو مجبور ہو کر کہا کہ یہ اصل میں زَافِرٌ تھا، اور پھر عدل ہوا اور کیا بن گیا؟ زُفَرُ بن گیا، دیکھو نیا وزن۔

اب دیکھیے، غیر منصرف وہ ہو گا جس میں کوئی ایک سبب دو کے قائم مقام ہو یا دو سبب پائے جائیں۔ جب دو سبب پائے گئے معلوم ہوا ایک کے ساتھ دوسرا جمع ہوا، ایک سبب کے ساتھ دوسرا جمع ہوا، تو یہ عدل کس کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ ایک سبب تو عدل ہو گا، دوسرا بھی چاہیے یا نہیں؟ صرف عدل کی وجہ سے تو غیر منصرف نہیں بنے گا کلمہ، تو وہ بتلانے لگے ہیں، کہتے ہیں: وَيَجْتَمِعُ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ یہ عدل علمیت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے، جمع

ہو جاتا ہے، جیسے عُمَرُ: کَعُمَرَ وَزُفَرَ جیسے عُمَرُ اور زُفَرُ۔ ان میں دیکھو ایک سبب علمیت ہے دونوں میں اور دوسرا سبب عدل ہے۔ تو دو سبب آئے اس لیے یہ غیر منصرف ہیں، اور غیر منصرف پر کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں۔ تو کاف جارہ عُمَرُ پر داخل ہے، تو کَعُمَرٍ یوں نہیں پڑھنا، اگرچہ کاف جارہ داخل ہے بلکہ کیا پڑھیں گے؟ کَعُمَرَ، اور تنوین بھی نہیں اور کسرہ بھی نہیں۔ اب اگر آپ سے کوئی پوچھے عُمَرَ یہ منصوب کیوں ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ ہاں، یہ منصوب نہیں ہے، یہ مجرور ہے۔ پھر وہ اگر کہے کہ اس پر آپ زبر کیوں پڑھ رہے ہیں؟ نصب کیوں پڑھ رہے ہیں؟ آپ کہیں گے یہ نصب نہیں ہے، یہ جر ہے۔ اس کا جر آتا ہی کس صورت میں ہے؟ فتحہ کی صورت میں آتا ہے۔

تو کہتے ہیں: وَيَجْتَمِعُ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ اور عدل جو ہے یہ جمع ہو جاتا ہے علمیت کے ساتھ، کَعُمَرَ وَزُفَرَ جیسے عُمَرُ اور زُفَرُ۔ وَمَعَ الْوَصْفِ اور یہ وصف کے ساتھ بھی جمع ہو جاتا ہے، وصف کے ساتھ بھی۔ بعض لفظوں میں ایک سبب عدل ہو گا دوسرا کیا ہو گا؟ وصف، صفت ہو گی، كَثُلَاثَ وَمَثْلَثَ جیسے ثُلَاثَ اور مَثْلَثَ، وَأُخَرَ وَجُمَعَ اور أُخَرَ اور جُمَعَ۔

بھائی یاد رکھیے، عُمَرُ اور زُفَرُ ان دونوں میں عدلِ تقدیری ہے کیونکہ ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں، لیکن آگے جو ثُلَاثَ آیا اور مَثْلَثَ آیا اور أُخَرَ آیا اور جُمَعَ آیا ان سب میں عدلِ تحقیقی ہے یعنی ہمارے پاس دلیل بھی موجود ہے، دلیل بھی موجود ہے۔

یاد رکھیے ثُلَاثَ کا معنی ہے تین اور تین، دو دفعہ کہنا ہے: تین اور تین۔ ثُلَاثَ کا کیا معنی؟ تین اور تین، ہاں ایک دفعہ تین نہیں بولنا، دو دفعہ بولنا۔ ثُلَاثَ کا معنی ہے تین اور تین۔ اسی طرح مَثْلَثَ کا معنی بھی ہے تین اور تین۔ اور یہ ایک سے لے کر دس تک اسی طرح بولا جاتا ہے، اسی طرح استعمال ہوتا ہے: أُحَادُ، ثُنَاءُ، ثُلَاثُ، رُبَاعُ، خُمَاسُ، سُدَاسُ، سُبَاعُ، ثُمَانُ، تُسَاعُ اور عُشَارُ۔ اور معنی بھی اسی طرح دو مرتبہ کریں گے: أُحَادُ معنی ایک ایک، ثُنَاءُ دو اور دو، ثُلَاثُ تین اور تین، رُبَاعُ چار اور چار، خُمَاسُ پانچ اور پانچ، سُدَاسُ چھ اور چھ، سُبَاعُ سات اور سات، ثُمَانُ آٹھ اور آٹھ، تُسَاعُ نو اور نو اور عُشَارُ دس اور دس بھائی۔

اسی طرح یہ مَثْلَثَ بھی ہے، مَثْلَثَ کا معنی تین اور تین، اور یہ بھی اسی طرح ایک سے لے کر دس تک اسی طرح استعمال ہوتے ہیں جیسے: مَوْحَدُ ایک ایک، مَثْنَى دو اور دو۔ مَوْحَدُ اور مَثْنَى۔ ان میں مَثْنَى اصل میں کیا تھا؟ مَثْنَىٌ، یا متحرک ماقبل نون پر فتحہ، اور یا متحرک ماقبل فتحہ ہو اس کو کس سے بدلتے ہیں؟ الف سے، تو اس لیے مَثْنَى ہو گیا۔ تو مَثْنَى کا کیا معنی؟ دو اور دو۔ اور مَثْلَثُ تین اور تین، مَرْبَعُ چار اور چار، مَخْمَسُ پانچ اور پانچ، مَسْدَسُ چھ اور چھ، مَسْبَعُ سات اور سات، مَثْمَنُ آٹھ اور آٹھ اور مَتْسَعُ نو اور نو اور مَعْشَرُ دس اور دس بھائی۔ اور یہ تقسیم وغیرہ کے موقع پر اس طرح یہ لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں، اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں: وہ سب میرے پاس دو اور دو کر کے آئے۔ دو اور دو کر کے آئے، دیکھا؟ دو دفعہ بول رہا ہوں یا نہیں؟ ہاں، یا مثلاً میں کہتا ہوں: یہ پیسے طلبہ میں تقسیم کر دو اور دو اور دو روپے ہر طالب علم کو دے دو۔ بولتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح استعمال کرتے ہیں، تو یہ تقسیم وغیرہ کے موقع پر اس طرح استعمال ہوتا ہے۔

تو ان دونوں میں عدل ہوا ہے، ثُلَاثَ میں بھی اور مَثْلَثَ میں بھی۔ ثُلَاثَ میں عدل ہوا ہے اور مَثْلَثَ میں، دلیل کیا؟ دلیل سنو بھائی۔ دلیل یہ کہ ثُلَاثَ ایک لفظ ہے، اور جب لفظ ایک ہو تو معنی بھی ایک ہوتا ہے۔ جب لفظ ایک ہو تو معنی بھی ایک ہوتا ہے: جیسے ثَلَاثَةٌ، اس ثَلَاثَةٌ کا کیا معنی؟ تین۔ أَرْبَعَةٌ کا کیا معنی؟ چار۔ خَمْسَةٌ کا کیا معنی؟ پانچ۔ تو دیکھو ثَلَاثَةٌ ایک لفظ تو معنی بھی ایک: تین۔ أَرْبَعَةٌ ایک لفظ تو معنی بھی ایک یعنی چار۔ ایک ہی معنی ہے یا دو تین معنی ہیں؟ ایک ہے۔ جی، ایک ہے۔

لہٰذا ثُلَاثَ لفظ ایک ہے اور معنی ہیں دو، کیونکہ آپ اس کا معنی کیا کرتے ہیں ثُلَاثَ کا؟ تین اور تین، دیکھو دو دفعہ تین آپ بول رہے ہیں۔ لفظ ایک ہے اور معنی دو کر رہے ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اصل میں تھا ثَلَاثَةٌ اور ثَلَاثَةٌ دو دفعہ۔ ثَلَاثَةٌ اور ثَلَاثَةٌ، تین اور تین۔ پھر اس ثَلَاثَةٌ اور ثَلَاثَةٌ دونوں سے ایک نئی صورت بنالی: ثُلَاثَ، ایک ہی لفظ بنالیا اور معنی اب بھی وہی ہے: تین اور تین۔ تو معلوم ہوا ثُلَاثَ کس سے معدول ہے؟ کس سے پھیر کر بنایا گیا ہے؟ ثَلَاثَةٌ سے پھیر کر، اور دلیل موجود ہے یا دلیل موجود نہیں؟ دلیل موجود۔ کیا دلیل ہے؟ کہ ثُلَاثَ کا معنی ہے تین اور تین، یعنی دو معنی آرہے ہیں اور حالانکہ لفظ کے دو معنی نہیں ہوتے بلکہ ایک ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح معلوم ہوا مَثْلَثَ بھی اصل میں ثَلَاثَةٌ اور ثَلَاثَةٌ تھا، اور پھر اس سے پھیر کر کیا بنا دیا گیا؟ مَثْلَثَ۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ تو یہ عدلِ تحقیقی ہے۔

وَأُخَرَ، اچھا وَأُخَرَ۔ یاد رکھیے یہ اسمِ تفضیل ہے۔ آپ ذرا گردان پڑھیے بھائی، آپ نے گردان پڑھی ہے: وَأَفْعَلُ التَّفْضِيلِ الْمُذَكَّرُ مِنْهُ أَضْرَبُ، وَالْجَمْعُ أَضَارِبُ، وَالْمُؤَنَّثُ مِنْهُ ضُرْبَى، ضُرْبَيَاتٌ، ضُرَبٌ۔ یہ وہی دیکھو ضُرَبٌ اور أُخَرُ، وہی وزن ہے یا نہیں بھائی؟ اس وقت بھائی تنوین نہیں

آئے گی، غیر منصرف ہے، اور رفع نہیں آرہا أُخَرَ پر کیونکہ یہ کاف جارہ کے تحت ہیں سارے: كَثُلَاثَ دیکھو کاف جارہ داخل ہے، تو یہ سارے مجرور ہیں، سمجھ میں آئی بات بھائی؟ تو یہ ضُرَبٌ اور أُخَرُ وہی وزن ہے یا نہیں؟ اور ضُرَبٌ یہ کون سا صیغہ ہے؟ وَالْمُؤَنَّثُ مِنْهُ ضُرْبَى، ضُرْبَيَاتٌ یہ ضُرْبَى کی جمع آ گئی ضُرْبَيَاتٌ، اور ضُرَبٌ یہ بھی جمع ہے، یہ بھی کیا ہے؟ جمع، کس کی؟ ضُرْبَى کی، ضُرْبَى کی۔ تو یہ اسمِ تفضیل ہوا۔

معلوم ہوا آخَرُ اسمِ تفضیل، آخَرُ بروزنِ أَضْرَبُ اور أَفْعَلُ۔ اور اس کے أَضْرَبُ کی مؤنث کیا؟ ضُرْبَى۔ تو آخَرُ کی مؤنث کیا آئے گی؟ أُخْرَى، کیا آئے گی؟ أُخْرَى۔ اور اس أُخْرَى کی جمع کیا آئے گی؟ أُخَرُ بروزنِ ضُرَبٌ۔ گردانِ ذہن میں ہے کہ بھول گئے ہیں بھائی؟ وَأَفْعَلُ التَّفْضِيلِ الْمُذَكَّرُ مِنْهُ أَضْرَبُ، اور اسی کی پھر آگے مؤنث کیا ہے؟ ضُرْبَى، اور اسی ضُرْبَى کی جمع آخر میں کیا آرہی ہے؟ ضُرَبٌ، ضُرْبَيَاتٌ اس کو چھوڑ دیں، ضُرَبٌ۔ تو معلوم ہوا أَضْرَبُ کی مؤنث کیا؟ یوں کہو: أَفْعَلُ جو اسمِ تفضیل ہے، أَفْعَلُ وزن، اس کی مؤنث کیا آتی ہے؟ فُعْلَى، اور فُعْلَى کی جمع کیا آتی ہے؟ فُعَلُ، کیا آتی ہے؟ فُعَلُ آتی ہے۔

دوبارہ دہرائیں اس کو بھائی: آخَرُ اسمِ تفضیل، اس کی جمع کیا آتی ہے؟ اس میں بلکہ یوں کہو: أَفْعَلُ اسمِ تفضیل، اس کی مؤنث کیا آتی ہے؟ فُعْلَى، اور فُعْلَى کی جمع کیا آتی ہے؟ فُعَلُ آتی ہے، کیا آتی ہے؟ فُعَلُ، فا پہ پیش عین پہ زبر پڑھو: فُعَلُ۔ اب یہاں معلوم ہوا یہ أُخَرُ جمع ہے، کس کی جمع؟ اب واپس چلیں پیچھے کی طرف: أَفْعَلُ کی مؤنث تھی فُعْلَى، اور اس فُعْلَى کی جمع فُعَلُ۔ اب ہم فُعَلُ سے پیچھے کو جاتے ہیں: فُعَلُ جمع ہے کس کی؟ فُعْلَى کی، اور فُعْلَى مؤنث ہے کس کی؟ أَفْعَلُ کی۔ تو یہاں بھی اسی طرح کرو: أُخَرُ یہ جمع ہے کس کی؟ أُخْرَى کی، اور أُخْرَى مؤنث ہے کس کی؟ آخَرُ کی، کس کی؟ آخَرُ کی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ معلوم ہوا یہ اسمِ تفضیل ہے۔ یہ کیا ہے؟ اسمِ تفضیل ہے۔

اور اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے آپ نے پڑھے ہوں گے، ہدایت النحو میں بھی آگے وہ بیان کریں گے۔ یاد رکھو یہ جو اسمِ تفضیل ہے نا أَضْرَبُ، یہ اس کے جو بھی صیغے ہیں، ان کے استعمال کے تین طریقے ہیں: یا ان پر الف لام داخل کر کے استعمال کرتے ہیں: اَلْأَضْرَبُ، ہمیشہ جب بھی استعمال ہو گا یا تو اس کے اوپر الف لام داخل ہو گا، یا اس کے ساتھ مِنْ استعمال ہو گا: أَضْرَبُ مِنْ، مثلاً عَمْرٌو أَضْرَبُ مِنْ زَيْدٍ، عمرو جو ہے وہ زید سے زیادہ پٹائی کرنے والا ہے۔ تو اسمِ تفضیل پر یا تو الف لام داخل کر کے استعمال کرتے ہیں، یا اس کے ساتھ مِنْ آتا ہے، یا اس کی اضافت ہوتی ہے: زَيْدٌ أَضْرَبُ الْقَوْمِ، زید ان لوگوں میں سب سے زیادہ پٹائی کرنے والا ہے۔

تو یہ معلوم ہوا اسمِ تفضیل کے استعمال کے کتنے طریقے؟ تین طریقے: نمبر ایک الف لام کے ساتھ، نمبر دو مِنْ کے ساتھ، نمبر تین اضافت کے ساتھ کہ مضاف ہو گا آگے مضاف الیہ آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو تین طریقے ہیں، اور حالانکہ یہ أُخَرُ ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ بھی استعمال نہیں، کسی کے ساتھ بھی استعمال نہیں۔ معلوم ہوا یہ ان تین طریقوں میں سے کسی سے پھیرا گیا ہے، تین طریقوں سے پھیرا گیا۔ معلوم ہوا یہ اصل میں تھا اَلْأُخَرُ، پھر اس کو أُخَرُ کر دیا گیا، تو پھیر دیا یا نہیں؟ اَلْأُخَرُ کو کیا کر دیا؟ أُخَرُ کر دیا۔ یا یہ اصل میں تھا أُخَرُ مِنْ، پھر اس کو پھیر کر کیا بنا دیا؟ أُخَرُ بنا دیا، تو پھیر دیا یا نہیں؟ صورت بدل گئی یا نہیں؟ ساتھ مِنْ تھا وہ ختم ہوا۔

اور تیسرا ہے اضافت، اس سے معدول نہیں مانتے۔ اضافت جو ہے اس کا یہاں اعتبار نہیں کرتے، تو اس سے یہ معدول نہیں مانا۔ سوال پیدا ہوتا ہے: اضافت کا کیوں اعتبار یہاں نہیں کیا جاتا؟ آپ کہتے ہیں کہ یہ أُخَرُ معدول ہے أُخَرُ مِنْ سے یا اَلْأُخَرُ سے، اور اضافت والی صورت سے یہ معدول نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ بھائی، وجہ یاد رکھیں کہ اضافت کے جو لوازم ہیں وہ غیر انصراف کے منافی ہیں۔ اضافت کے جو لوازم ہیں، اضافت کے ساتھ جو چیزیں لازم ہیں وہ غیر انصراف کے منافی ہیں۔ وہ ہوں تو غیر انصراف نہیں ہو سکتا، یعنی اضافت والی صورت ہو تو غیر انصراف نہیں آسکتا، غیر انصراف ہو تو وہ اضافت والی صورت نہیں ہو سکتی۔

اس لیے کیونکہ اگر اس کو معدول مانا جائے اضافت سے، اور پھر مضاف کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا۔ تو بھائی اگر مضاف کو حذف کیا جائے، اضافت کو ختم کیا جائے تو اس کے عوض تین چیزوں میں سے ایک چیز لانا پڑے گی: یا تو اسی جیسی ایک اور اضافت لانا پڑے گی: أَضْرَبُ الْقَوْمِ، آپ اَلْقَوْمِ کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو آگے ایک اور اضافت لانا پڑے گی: لفظِ أَضْرَبُ اور أَضْرَبُ الْقَوْمِ، دیکھا؟ آپ پہلے أَضْرَبُ سے اَلْقَوْمِ کو حذف کیا لیکن پھر کیا کرنا پڑا؟ ایک اور اضافت کو آگے لانا پڑا، یعنی اضافت ختم کریں تو اسی جیسی اضافت ایک اور آگے لانا پڑے گی، یا اضافت کو ختم کریں تو لفظ پر تنوین آجاتی ہے اس کے عوض میں۔

جیسے میں نے آپ کو بتایا ہے، جیسے یاد رکھیے: كُلٌّ کا لفظ ہمیشہ مضاف استعمال ہوتا ہے، کل کا معنی ہے سارا، کس چیز کا سارا؟ آگے مضاف الیہ چاہیے۔ آگے کیا چاہیے؟ مضاف الیہ چاہیے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں: كُلُّهُمْ، وہ سارے کے سارے۔ تو كُلٌّ کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ مضاف الیہ چاہیے۔ تو اس مضاف الیہ کو اگر

آپ حذف کرتے ہیں تو اس کے عوض پھر کُلٌّ پر تنوین آجاتی ہے، مثلاً کلام ہے: جَاءَنِي كُلُّهُمْ، میرے پاس وہ سارے آئے۔ اب آپ هُمْ کو کیا کرتے ہیں؟ حذف کرتے ہیں تو یوں کہیں گے: جَاءَنِي كُلٌّ، دیکھا؟ مضاف الیہ کو حذف کیا تو اس کے عوض کیا لے آئے؟ تنوین لے آئے۔

اور یا مضاف الیہ کو حذف کیا جائے تو وہ لفظ مبنی بن جاتا ہے، جیسے آپ آگے چل کر پڑھیں گے قَبْلُ اور بَعْدُ میں۔ قَبْلُ کا معنی پہلے، بَعْدُ کا معنی بعد میں، بھائی کس سے پہلے؟ کس کے بعد میں؟ ان کے لیے بھی ہمیشہ مضاف الیہ چاہیے۔ اور ان کے مضاف الیہ کو جب حذف کیا جائے اور وہ نیت میں مراد ہو تو یہ پھر مبنی علی الضم ہوتے ہیں۔ مثلاً میں کہنا چاہتا تھا: جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلَ عَمْرٍو، آیا میرے پاس زید عمرو سے پہلے، اب میں عَمْرٍو کو حذف کرتا ہوں تو یوں کہوں گا: جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلُ، تو دیکھا؟ قَبْلُ اب مبنی بن گیا۔ معرب نہیں، معرب ہوتا تو قَبْلُ دیکھو تنوین آتی، تنوین نہیں آرہی، معلوم ہوا یہ کیا بن چکا ہے؟ مبنی بن چکا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اضافت کو ختم کریں تو تین چیزوں میں سے ایک چیز کرنا پڑے گی: یا تو اسی جیسی اضافت اور لانا پڑے گی، یا اس کے عوض تنوین لانا پڑے گی، یا بدلے میں وہ لفظ کیا بن جائے گا؟ مبنی بن جائے گا، اور یہ چیزیں غیر انصراف کے منافی ہیں بھائی، کیونکہ اضافت کیا ہے؟ اضافت بھی غیر منصرف ہونے کے منافی ہے، کیونکہ اضافت کی صورت میں تو غیر منصرف پر بھی کسرہ آجاتا ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ اور مبنی بن جائے گا ایک صورت میں، مبنی ہونا بھی غیر منصرف ہونے کے منافی ہے کیونکہ غیر منصرف تو معرب ہوا کرتا ہے تو ایک صورت میں یہ کیا بن جاتا ہے؟ مبنی بن جاتا ہے۔ اور ایک صورت میں اس پر تنوین آجاتی ہے اور وہ بھی غیر انصراف کے منافی ہے کیونکہ غیر منصرف پر تو تنوین نہیں آتی بھائی۔

لہٰذا اسی لیے انہوں نے کہا کہ یہ جو أُخَرُ ہے یہ معدول ہے یا تو أُخَرُ مِنْ سے یا اَلْأُخَرُ سے، اضافت والی صورت سے معدول نہیں ہے، کیونکہ حذفِ اضافت کے ساتھ جو چیزیں لازم ہیں وہ غیر انصراف کے منافی ہیں بھائی، اس لیے اس سے معدول نہیں مانتے اور کہتے ہیں یہ باقی دو صورتوں میں سے کسی ایک سے معدول ہے بھائی۔ اس لیے یہاں تین طریقے تھے نا، اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے، معلوم ہوا یہ ان تین میں سے پھیر کر یہ أُخَرُ بنا ہے، لیکن ان تین میں سے پھر اضافت کا اعتبار نہیں کرتے، باقی دو صورتوں میں سے کسی ایک سے پھیر کر یہ بنا ہے۔ معلوم ہوا یہ أُخَرُ یا تو اَلْأُخَرُ تھا، یا یہ أُخَرُ مِنْ تھا، اور اس سے معدول ہوا، پھیرا گیا اور یہ صورت بن گئی۔

اور یہی دلیل ہے، یہ دلیل ہے۔ بات یہ چل رہی تھی نا میں نے آپ کو ذکر کیا تھا کہ ان میں عدلِ تحقیقی ہے، کیا ہے؟ عدلِ تحقیقی ہے، اور عدل کا معنی ہوتا ہے پھرنا، اور عدلِ تحقیقی کس کو کہتے ہیں جہاں پر پھیرنے کی کوئی دلیل بھی ہو، عدل کی کوئی دلیل بھی ہو۔ اور دلیل کیا؟ یہی جو میں نے ابھی اتنی لمبی تقریر کی کہ یہ اسمِ تفضیل ہے، کیونکہ أُخَرُ جمع ہے کس کی؟ أُخْرَى کی، اور أُخْرَى مؤنث ہے کس کی؟ آخَرُ کی، اور آخَرُ کیا ہے؟ اسمِ تفضیل، اور اسمِ تفضیل کے استعمال کے کتنے طریقے؟ تین طریقے: یا الف لام کے ساتھ، یا مِنْ کے ساتھ، یا اضافت کے ساتھ، اور یہ ان میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں آیا، معلوم ہوا یہ ان میں سے پھیر کر بنا ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟

جب یہ پتہ چل گیا یہ اسمِ تفضیل ہے تو اسمِ تفضیل کے تو یہی استعمال کے طریقے ہیں، ان کے بغیر ہم نے پورے کلامِ عرب کو چھان مارا، کہیں اس کے بغیر بھی ہمیں مل جائے؟ نہیں، ہر جگہ جہاں بھی اسمِ تفضیل آیا وہ انہی تین طریقوں کے ساتھ میں سے کسی ایک کے ساتھ استعمال ہوا ہوگا: یا اس پر الف لام ہوگا، یا اس کے ساتھ مِنْ ہوگا، یا اس کے آگے مضاف الیہ آرہا ہوگا، لیکن أُخَرُ میں ان تین میں سے کوئی بھی صورت نہیں ہے، معلوم ہوا یہ ہے تو اسمِ تفضیل تو یہ ان میں سے پھیر کر بنایا گیا ہے، تو دلیل آگئی یا نہیں؟ کیا دلیل کہ یہ اسمِ تفضیل ہے، اور تین میں سے کسی بھی طریقے سے استعمال نہیں ہوا، معلوم ہوا ان میں سے پھیر کر بنایا گیا ہے، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

وَجُمَعَ: جُمَعُ یاد رکھیے یہ جمع ہے جَمْعَاءُ کی: جیم، میم، عین، الف اور پھر ہمزہ: جَمْعَاءُ۔ تو جُمَعُ کس کی جمع؟ جَمْعَاءُ کی، جَمْعَاءُ کی۔ یہ یوں کہو: یہ جُمَعُ فُعَلُ وزن ہے، کیا وزن ہے؟ فُعَلُ، اور فُعَلُ یہ جمع ہوتی ہے فَعْلَاءُ کی، یہ جُمَعُ صیغہ جمع ہوتی ہے کس کی؟ فَعْلَاءُ کی۔ یہ فُعَلُ وزن جمع ہوتی ہے فَعْلَاءُ کی، ابھی میں نے آپ کو بتایا: جُمَعُ کس کی جمع؟ جَمْعَاءُ کی، جیم پر زبر پڑھنا ہے۔ تو جُمَعُ بروزنِ فُعَلُ، اور یہ جمع ہے کس کی؟ جَمْعَاءُ یعنی فَعْلَاءُ۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی کہ جُمَعُ یہ کس کی جمع؟ جَمْعَاءُ کی؟

اور یاد رکھیے یہ جو جَمْعَاءُ ہے نا جَمْعَاءُ، یہ صیغہ دو طرح پر آتا ہے: یا تو یہ جو فَعْلَاءُ وزن ہوتا ہے، یہ أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث بھی یہ آتی ہے، أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث بھی یہ صیغہ آتا ہے، اور اسمِ محض بھی یہ آتا ہے، یہ فَعْلَاءُ وزن۔ یہ فَعْلَاءُ وزن یہ أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث بھی یہی آتی ہے یہی وزن آتا ہے، جیسے أَحْمَرُ، یہ أَفْعَلُ صفتی ہے، اس کی مؤنث آتی ہے حَمْرَاءُ، سمجھ میں آیا بھائی؟ میں ہمزہ پر پیش پڑھ رہا ہوں تاکہ واضح آپ کو پتہ چلے بھائی۔ تو أَحْمَرُ

کی مؤنث کیا آتی ہے؟ حَمْرَاءُ، اور حَمْرَاءُ کی جمع آتی ہے حُمْرٌ، میم ساکن ہے، حا پر پیش ہے۔ أَحْمَرُ أَفْعَلُ صفتی ہے اور اس کی مؤنث کیا آتی ہے؟ حَمْرَاءُ، اور حَمْرَاءُ کی جمع کیا آتی ہے؟ حُمْرٌ۔

اب أَفْعَلُ صفتی آیا چلو وہ بھی آپ کو بتادوں۔ یاد رکھو أَفْعَلُ وزن اسمِ تفضیل کے لیے بھی آتا ہے اور صفت کے لیے بھی یہ وزن آتا ہے، صفتِ مشبہ کا بھی یہ وزن آتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: أَضْرَبُ، کون سا وزن ہے؟ أَفْعَلُ، اور یہ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ تفضیل ہے۔ تو دیکھا اسمِ تفضیل کا وزن بھی أَفْعَلُ آتا ہے۔ اور صفتِ مشبہ کا بھی یہ وزن آتا ہے، جیسے کالے رنگ کو کیا کہتے ہیں؟ کالی چیز کو: اَسْوَدُ، کون سا وزن ہے؟ وہی أَفْعَلُ ہے، أَضْرَبُ کا بھی وہی أَفْعَلُ وزن اور اَسْوَدُ کا بھی وہی وزن۔ اور أَضْرَبُ کا کیا معنی تھا؟ زیادہ پٹائی کرنے والا، زیادہ مارنے والا۔ اور اَسْوَدُ کا کیا معنی؟ ہاں، اس کا معنی زیادہ کالے کے نہیں کرنے کیونکہ اس میں تفضیل نہیں ہے، زیادہ پٹائی کرنے والا یہ زیادہ والا معنی کیوں آرہا تھا؟ کیونکہ اس میں تفضیل تھا، لیکن اَسْوَدُ تو اسمِ تفضیل نہیں لہٰذا اس کا معنی صرف کریں گے کالا، یا یوں کہیں سیاہ۔ اسی طرح اَبْیَضُ، یہ بھی صفتِ مشبہ ہے، اسمِ تفضیل نہیں، تو اَبْیَضُ کا کیا معنی ہوگا؟ سفید، زیادہ سفید نہیں کیونکہ اسمِ تفضیلیہ نہیں ہے بھائی۔ معلوم ہوا أَفْعَلُ وزن صفتِ مشبہ میں بھی آتا ہے اور اسمِ تفضیل کا بھی آتا ہے۔

تو یہ جو صفتِ مشبہ آتا ہے أَفْعَلُ وزن پر، اس کی مؤنث کیا آتی ہے؟ فَعْلَاءُ۔ وہ صیغے ذہن میں رکھو: أَحْمَرُ کی مؤنث کیا؟ حَمْرَاءُ، اور حَمْرَاءُ کی جمع کیا؟ حُمْرٌ۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تفصیل کیا بیان کی کہ أَفْعَلُ وزن اسمِ تفضیل کے علاوہ اور کس کے لیے آتا ہے؟ صفتِ مشبہ کے لیے بھی آتا ہے، صفتِ مشبہ کے لیے بھی آتا ہے۔ معلوم ہوا صفتِ مشبہ کی مؤنث بھی فَعْلَاءُ وزن آتا ہے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ تھک تو نہیں گئے؟ بات آسان سی ہے میں آپ کو چونکہ چاہتا ہوں اچھی طرح سمجھ جائیں اس لیے بار بار تکرار کروا رہا ہوں۔

معلوم ہوا، بات اس وقت ہم کر رہے ہیں جُمَعُ کی، اور یہ جُمَعُ صیغہ جمع ہے جَمْعَاءُ کی، کس کی؟ جَمْعَاءُ کی۔ اور یہ جَمْعَاءُ کون سا وزن ہے؟ فَعْلَاءُ، اور فَعْلَاءُ وزن أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث میں بھی آتا ہے، أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث کیا آتی ہے؟ فَعْلَاءُ۔ أَحْمَرُ کی مؤنث کیا آئی تھی؟ حَمْرَاءُ، معلوم ہوا یہ أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث میں بھی یہ وزن ہوتا ہے۔ اور نیز یہ اسمِ محض کے طور پر بھی عربی میں آتا ہے جیسے صَحْرَاءُ۔ صحرا جانتے ہو یا نہیں؟ اردو میں بھی صحرا کہتے ہیں، تو عربی میں کیا لفظ ہے؟ صَحْرَاءُ، الف اور ہمزہ ہے آخر میں۔ اور صَحْرَاءُ یہ کوئی صفت نہیں ہے، یہ تو وہ ریت جہاں ہر طرف ریت ہی ریت ہو تو اس جگہ کو صحرا کہتے ہیں بھائی، سمجھ میں آئی بات؟ تو یہ صفت نہیں ہے، یہ اسمِ محض ہے، صرف ایک اسم ہے، ایک چیز کا نام ہے۔ تو معلوم ہوا فَعْلَاءُ وزن اسمِ محض بھی آتا ہے اور أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث بھی آتا ہے، یہ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھو جُمَعُ یہ بات جُمَعُ کے اندر طے ہے کہ یہ جمع ہے جَمْعَاءُ کی، اور جَمْعَاءُ وزن ہے فَعْلَاءُ، اور یہ فَعْلَاءُ دو طرح پر آتا ہے کلامِ عرب میں: کبھی فَعْلَاءُ کیا ہوتا ہے؟ أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث، اور کبھی یہ اسمِ محض ہوتا ہے۔ تو دونوں احتمال ہم اس میں کر کے دیکھ لیتے ہیں۔ اگر یہ أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث مانا جائے اس کو، صفتِ مشبہ کی مؤنث اگر اس کو مانیں تو پھر اس جَمْعَاءُ کی جمع آگے وہ فُعْلٌ وزن آتی ہے، فُعَلٌ نہیں آتی۔ وہ مثال ذہن میں رکھو: أَحْمَرُ کی مؤنث کیا؟ حَمْرَاءُ، اور حَمْرَاءُ کی آگے جمع کیا آتی ہے؟ حُمْرٌ۔ کیا وزن نکالو حُمْرٌ کا؟ فُعْلٌ، اور فُعْلٌ میں فا پر پیش ہے اور عین ساکن ہے یا متحرک ہے؟ عین ساکن ہے۔ معلوم ہوا وہ فَعْلَاءُ جو صفتِ مشبہ یا أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث ہو اس کی جمع فُعْلٌ آیا کرتی ہے، فُعَلٌ نہیں آتی۔ اور حالانکہ یہ تو جُمَعُ ہے، میم پہ زبر ہے درمیان میں، حالانکہ فُعْلٌ میں عین کیا ہے؟ ساکن، تو یہ فُعْلٌ وزن تو نہیں، یہ تو فُعَلٌ وزن ہے۔

اور اگر اس جَمْعَاءُ کو اسمِ محض مانا جائے، صَحْرَاءُ کی طرح ہے، تو صَحْرَاءُ کی جمع تو صَحْرَاوَاتٌ اور صَحَارَى آتی ہے۔ کیا آتی ہے؟ صَحْرَاوَاتٌ اور صَحَارَى، یعنی فَعْلَاوَاتٌ یا فَعَالَى۔ تو یہ جُمَعُ جو ہے، جمع ہے کس کی؟ جَمْعَاءُ کی۔ اور اس جَمْعَاءُ میں دو احتمال: یا تو یہ جَمْعَاءُ أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث ہے یا اسمِ محض۔ اب اگر اس کو أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث مانو تو اس کی جمع کیا آنی چاہیے تھی؟ جُمْعٌ آنی چاہیے تھی، جُمَعٌ نہیں: فُعَلٌ۔ اور اگر اس کو اسمِ محض مانیں تو اس کی جمع صَحَارَى اور صَحْرَاوَاتٌ، فَعَالَى اور فَعْلَاوَاتٌ، تو اس کی جمع جَمَاعَى اور صَحْرَاوَاتٌ کے وزن پر جَمْعَاوَاتٌ آنی چاہیے تھی، کیا ہونا چاہیے تھا؟ یہی احتمال ہے نا، اور تو کوئی احتمال نہیں؟

اور مجھے آپ بتائیے: یہ جُمَعٌ ہے؟ نہیں، یہ جَمَاعَى ہے؟ نہیں، یہ جَمْعَاوَاتٌ ہے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ ان میں سے کسی سے معدول ہو کر، اس کو پھیرا گیا ہے، معدول کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا یہ اصل میں یا تو جُمْعٌ تھا، پھر نیا وزن کیا بنا دیا؟ جُمَعُ۔ اور یا یہ معلوم ہوا یہ جَمَاعَى تھا اور پھر جُمَعُ بنا دیا جو اس وقت ہے، یا یہ اصل میں جَمْعَاوَاتٌ تھا اور پھر اس کو جُمَعُ بنا دیا جو اس وقت ہے۔ تو معلوم ہوا عدل ہے یا نہیں اس کے اندر؟ عدل ہے۔

خلاصہ کلام پھر سمجھ لو کہ جُمَعُ جو ہے، یہ غیر منصرف ہے، اس کے اندر ایک سبب وصفیت ہے، اور دوسرا سبب عدل ہے، اور عدل بھی عدلِ تحقیقی ہے

ہمارے پاس اس کی دلیل بھی موجود ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ جُمَعُ جو ہے جمع ہے جَمْعَاءُ کی، اور جَمْعَاءُ یا تو صفتِ مشبہ ہے یا اسمِ محض۔ اگر اس کو صفتِ مشبہ مانتے ہو تو اس جَمْعَاءُ کی جمع لفظِ جُمَعُ نہیں آنی چاہیے تھی، کیا آنی چاہیے تھی؟ جُمْعٌ آنی چاہیے تھی، اور اگر اس کو اسمِ محض مانتے ہو تو پھر اس صورت میں اس کی جمع لفظِ جُمَعُ نہیں آنی چاہیے بلکہ کیا آنی چاہیے؟ جَمَاعَی یا جَمْعَاوَاتٌ آنی چاہیے، اور نہ تو یہ جُمْعٌ ہے، نہ یہ جَمَاعَی ہے، نہ یہ جَمْعَاوَاتٌ ہے، معلوم ہوا یہ ان تین میں سے کسی سے پھیر کر اس کو بنایا گیا ہے۔ اگر صفتِ مشبہ ہے تو پھر معلوم ہوا اس کو جُمْعٌ سے پھیرا گیا ہے، اور اگر یہ اسمِ محض ہے تو پھر کس سے پھیرا گیا ہے؟ جَمَاعَی یا جَمْعَاوَاتٌ سے۔ دلیل آگئی سمجھ میں یا نہیں بھائی؟ لہٰذا اس میں عدلِ تحقیقی ہے بھائی۔

اور اس دوران میں نے ایک فائدہ بھی آپ کو ذکر کر دیا کہ أَفْعَلُ وزن جو ہے وہ اسمِ تفضیل کے ساتھ ساتھ صفتِ مشبہ میں بھی آتا ہے، اور اس کو أَفْعَلُ صفتی کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ أَفْعَلُ صفتی کہتے ہیں، جیسے اَبْیَضُ، اَسْوَدُ وغیرہ بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَيَجْتَمِعُ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ كَعُمَرَ وَزُفَرَ، وَمَعَ الْوَصْفِ كَثُلَاثَ وَمَثْلَثَ وَأُخَرَ وَجُمَعَ، اور یہ عدل جمع ہو جاتا ہے علمیت کے ساتھ بھی جیسے کہ عُمَرُ اور زُفَرُ میں، کہ اس میں کس کے ساتھ جمع ہے؟ عُمَرُ میں دو سبب: ایک کیا؟ علمیت اور ایک عدل، اور زُفَرُ میں بھی دو سبب: ایک علمیت اور ایک عدل۔ اور وصف کے ساتھ بھی یہ جمع ہو جاتا ہے جیسے ثُلَاثَ اور مَثْلَثَ، ثُلَاثَ میں ایک سبب کیا؟ عدل اور ایک سبب وصف ہے۔ بات چل رہی ہے نا: وَمَعَ الْوَصْفِ یہ سب وصف کی مثالیں ہیں ان سب میں: ثُلَاثَ، مَثْلَثَ، أُخَرَ، جُمَعَ، ان سب میں ایک سبب وصف ہے اور دوسرا سبب ان سب میں کیا ہے؟ عدل ہے۔ بات اچھی طرح سب کو سمجھ میں آگئی بھائی؟

ثُلَاثَ اور مَثْلَثَ میں کیا دلیل ہے ہمارے پاس کہ عدل ہوا ہے؟ کیا دلیل ہے کہ یہ اصل میں ثَلَاثَةٌ تھا؟ لفظ کا ایک معنی ہوتا ہے اور اس کے کتنے معنی ہم کر رہے ہیں؟ دو، معلوم ہوا یہ پہلے لفظ بھی دو ہی تھے: ثَلَاثَةٌ اور ثَلَاثَةٌ، پھر پھیر کر کیا بنا لیا؟ ایک لفظ بنا لیا گیا۔ اسی طرح مَثْلَثَ بھی اصل میں کیا تھا؟ ثَلَاثَةٌ اور ثَلَاثَةٌ تھا بھائی۔

أُخَرَ میں ہمارے پاس کیا دلیل ہے کہ یہاں عدل ہوا ہے؟ یہ اسمِ تفضیل ہے، اس کی مؤنث کی جمع ہے، اور اسمِ تفضیل کے استعمال کے کتنے طریقے؟ تین طریقے، ان تین میں سے یہ کوئی بھی نہیں یہاں پر، معلوم ہوا یہ ان میں سے پھیر کر بنایا گیا ہے، عدل ہوا ہے۔ اور ان تین میں سے پھر میں نے بتایا: صرف الف لام والی صورت اور مِنْ والی صورت، ان میں سے کسی ایک سے پھیرا گیا ہے، اضافت کا اعتبار نہیں کرتے کہ اس سے پھیرا گیا کیونکہ اضافت خود کیا ہے؟ غیر انصراف کے منافی ہے، اضافت کی وجہ سے غیر منصرف بھی کس کے حکم میں ہو جاتا ہے؟ منصرف کے حکم میں ہو جاتا ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں۔

اور جُمَعَ، اس کے اندر کیا دلیل ہے ہمارے پاس کہ عدل ہوا ہے؟ کیونکہ یہ لفظِ جُمَعُ صیغہ جمع ہے جَمْعَاءُ کی، اور جَمْعَاءُ یا تو صفتِ مشبہ ہے یا پھر یہ اسمِ محض ہے۔ اگر یہ صفتِ مشبہ ہے تو پھر اس کی جمع اس جَمْعَاءُ کی جمع، یعنی لفظِ جُمَعُ نہیں آنی چاہیے تھی بلکہ کیا آنی چاہیے تھی؟ جُمْعٌ آنی چاہیے تھی، اور اگر اس کو اسمِ محض مانیں تو پھر اس کو کیا ہونا چاہیے تھا؟ جَمَاعَی یا جَمْعَاوَاتٌ ہونا چاہیے تھا، اور ان میں سے کوئی بھی نہیں، معلوم ہوا یہ ان میں سے کسی ایک سے پھیر کر جُمَعُ بنایا گیا ہے۔ اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۵: اسبابِ منعِ صرف: شرطِ وصف اور تانیث بالتاء و تانیثِ معنوی کا بیان

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۸—بتاریخ: ۱۸ ستمبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

أَمَّا الْوَصْفُ: فَلَا يَجْتَمِعُ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ أَصْلًا، وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ وَصْفًا فِي أَصْلِ الْوَضْعِ، فَأَسْوَدُ وَأَرْقَمُ غَيْرُ مُنْصَرِفَيْنِ وَإِنْ صَارَا اسْمَيْنِ لِلْحَيَّةِ لِإِصَالَتِهِمَا فِي الْوَصْفِيَّةِ. وَأَرْبَعٌ فِي: مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ مُنْصَرِفٌ مَعَ أَنَّهُ صِفَةٌ وَوَزْنُ الْفِعْلِ لِعَدَمِ الْإِصَالَةِ فِي الْوَصْفِيَّةِ.

أَمَّا التَّأْنِيثُ: فَالتَّأْنِيثُ بِالتَّاءِ فَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ عَلَمًا كَطَلْحَةَ، وَكَذَلِكَ الْمَعْنَوِيُّ، ثُمَّ الْمَعْنَوِيُّ إِنْ كَانَ ثُلَاثِيًّا سَاكِنَ الْأَوْسَطِ غَيْرَ أَعْجَمِيٍّ يَجُوزُ صَرْفُهُ لِأَجْلِ الْخِفَّةِ وَتَرْكُهُ لِوُجُودِ السَّبَبَيْنِ كَهِنْدٍ، وَإِلَّا يَجِبُ مَنْعُهُ كَزَيْنَبَ وَسَقَرَ وَمَاهَ وَجُورَ.

اسبابِ منعِ صرف ہم پڑھ رہے تھے، سب سے پہلا سبب جو آپ نے پڑھا وہ عدل ہے، اور آپ نے پڑھا کہ عدل کسے کہتے ہیں کہ لفظ کو پھیر نا صیغہ اصلیہ سے دوسرے صیغہ کی طرف، اور یہ دو قسم پر ہے: عدلِ تحقیقی اور عدلِ تقدیری۔ اور عدلِ تحقیقی وہ جس کی ہمارے پاس دلیل موجود ہو، عدلِ تقدیری وہ جس کی ہمارے پاس کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

اور انہوں نے آپ کو پھر یہ بھی بتایا کہ یہ وزنِ فعل کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہوتا، اور میں نے وجہ بتلائی تھی کیونکہ عدل کے اپنے اوزان ہیں اور فعل کے اپنے اوزان، دونوں اوزان الگ ہیں جب وزن ہی الگ ہیں تو معلوم ہوا کبھی جمع نہیں ہوسکتے۔ اور یہ البتہ جمع ہو جاتا ہے علمیت کے ساتھ بھی عدل اور وصف کے ساتھ بھی۔

اب ہم دوسرا سبب وصف پڑھیں گے بھئی، وصف۔ تو کہتے ہیں: أَمَّا الْوَصْفُ فَلَا يَجْتَمِعُ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ أَصْلًا، تو وصف جو ہے پس وہ جمع نہیں ہوتا مَعَ الْعَلَمِيَّةِ علمیت کے ساتھ أَصْلًا ای قطعاً، قطعی طور پر، یعنی کبھی بھی وصف علمیت کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وصف جو ہے وہ ذاتِ مبہم پر دلالت کرتا ہے اور علم جو ہے وہ ذاتِ معین پر دلالت کرتا ہے، تو اگر یہ دونوں جمع ہوں گے تو اس کا تو معنی یہ ہوا کہ ایک ہی ذات ہے وہ مبہم بھی ہے اور معین بھی ہے، اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی ذات مبہم بھی ہو اور معین بھی ہو، لہٰذا اس لیے یہ دونوں کبھی جمع بھی نہیں ہو سکتے۔ جہاں وصف آئے گا معلوم ہوا ذات مبہم ہے، سو علم نہیں، اور جہاں علم آئے گا معلوم ہوا ذات معین ہے، تو پھر وصف یعنی ذات مبہم نہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

مثلاً دیکھیے بھئی، میں کہتا ہوں زید، آپ کے ایک ساتھی کا نام ہے زید، تو زید میں کیا ہے؟ علمیت ہے۔ تو جیسے ہی دیکھو میں زید کہتا ہوں فوراً وہ معین ساتھی آپ کے ذہن میں آجاتا ہے، اور ایک ہے صفت وصف بھئی، مثلاً شُجَاعٌ، بہادر۔ اب میں جب کہتا ہوں شُجَاعٌ، کوئی معین آپ کے ذہن میں آیا؟ کوئی معین نہیں، یہ شجاع زید بھی ہو سکتا ہے، یہ شجاع عمر بھی ہو سکتا ہے، یہ شجاع بکر بھی ہو سکتا ہے، یہ شجاع خالد بھی ہو سکتا ہے بھئی۔ تو سمجھ میں آیا؟ تو دیکھا وصف

کیا ہے؟ ذاتِ مبہم پر دلالت کر رہا ہے، اس کو جس کی صفت آپ بنانا چاہیں آپ بنا سکتے ہیں، اور جبکہ علم جو ہے وہ ذاتِ معین پر دلالت کرتا ہے، جیسے ہی علم کسی کا ذکر کریں فوراً اسی کا تصور ذہن میں آتا ہے، کسی دوسرے کا تصور ذہن میں نہیں آتا بھئی۔

اسی لیے کہا: أَمَّا الْوَصْفُ فَلَا يَجْتَمِعُ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ أَصْلًا باقی وصف جو ہے پس وہ جمع نہیں ہوتا علمیت کے ساتھ قطعی طور پر۔

وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ وَصْفًا اچھا لیکن اس یہ جو وصف ہے یہ سبب بنے گا غیر انصراف کا، غیر منصرف ہونے کا یہ سبب بنے گا، لیکن اس کے لیے ایک شرط ہے، شرط پوری ہو گی تو یہ سبب بنے گا، یہ مؤثر بھی ہو گا، اپنا اثر بھی دکھائے گا، اور اگر شرط پوری نہ ہوئی تو پھر بے شک وصف ہو لیکن یہ مؤثر نہیں ہو گا یعنی غیر منصرف کا سبب غیر منصرف ہونے کا سبب نہیں بنے گا۔

اور شرط اس کی کیا ہے؟ شرط اس کی یہ ہے کہ وہ جو وصف ہے وہ اصلِ وضع کے اعتبار سے وصف ہونا چاہیے: اصلِ وضع، یعنی اس کا معنی ہوتا ہے مقرر کرنا، وضع کا کیا معنی ہے؟ مقرر کرنا۔ دیکھیے ہر زبان والے زبان والوں نے چیزوں کے نام مقرر کر رکھے ہیں، اور اسی کو استعمال کرتے ہیں دوسرا فوراً سمجھ جاتا ہے کہ یہ فلاں چیز ذکر کر رہا ہے۔ مثلاً یہ جو مثلاً یہ دیوار ہے اردو میں ہم اس کو اردو والوں نے اس کا نام دیوار مقرر کیا ہے، اس کو دیوار کہتے ہیں جس پر یہ چھت ہے، اور عربی والے اس کو جِدَارٌ کہتے ہیں۔ اب عرب کے سامنے دیوار کہو اس کو کچھ پتہ نہیں چلے گا کیونکہ انہوں نے یہ لفظ سنا ہی نہیں، کبھی مقرر ہی نہیں کیے کسی چیز کے لیے، لیکن اردو والا سمجھ جائے گا کہ کس چیز کو یہ ذکر کر رہے ہیں، اور عرب والے کے سامنے جدار کہو وہ فوراً سمجھ جائے گا لیکن اردو والا نہیں سمجھے گا کیونکہ اردو میں کبھی جدار لفظ استعمال ہوا ہی نہیں ہو، یہ لفظ انہوں نے کسی معنی کے لیے مقرر کیا ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ جو مقرر کرنا ہے ایک لفظ کو کسی معنی کے لیے یہ اس کو وضع کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ وضع، تو وضع کا کیا معنی ہوا؟ مقرر کرنا۔

تو وصف کے اندر وصف غیر انصراف کا سبب بنے گا لیکن اس کے لیے شرط ہے، شرط یہ کہ وہ اصلِ وضع میں وصف ہونا چاہیے۔ یعنی جب اس کو اس لفظ کو مقرر کیا گیا تھا ایک معنی کے لیے تو اس وقت ہی اس کو بطورِ وصف کے اس کو مقرر کیا گیا ہو، کس طور پر؟ یہ یوں کہو آسان لفظوں میں: شروع سے ہی یہ لفظ بطورِ وصف کے بنایا گیا ہو، شروع سے ہی کیا بنایا گیا ہو؟ یہ لفظ بطورِ وصف کے۔ ایک تو یہ ہے نا کہ لفظ کو بنایا لیکن وصف کے طور پر نہیں کہ وصف کے لیے نہیں، جیسے دیکھو مثال سے بات سمجھ میں آئے گی۔

جیسے أَرْبَعٌ کا عدد وضع تھا شروع میں عربوں نے اس کو مقرر کیا چار کے عدد کے لیے۔ ایک کے لیے کیا مقرر کیا؟ وَاحِدٌ، دو کے لیے کیا مقرر کیا؟ اِثْنَانِ، تین کے لیے کیا مقرر کیا؟ ثَلَاثَةٌ، چار کے لیے کیا مقرر کیا؟ أَرْبَعَةٌ۔ تو یہ جو لفظ مقرر کیے انہوں نے یہ عدد کے لیے مقرر کیے، عدد کے لیے وضع کیے۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ بطورِ وصف کے نہیں وضع، ان کو وضع وصف کے لیے نہیں کیا گیا بلکہ کس لیے؟ عدد کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اب اگر یہ بعد میں کہیں پر یہ وصف بن بھی جائیں، وصف کے طور پر ان کو استعمال بھی کر لیا جائے تو یہ غیر انصراف کا سبب نہیں بنیں گے۔

جیسے اس کی مثال انہوں نے دی ہے: مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ، مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ، یہ دوسری تیسری سطر میں آرہا ہے: مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ۔ مَرَرْتُ: میں گزرا، بِنِسْوَةٍ: عورتوں پر، أَرْبَعٍ: چار، میں چار عورتوں پر گزرا، میں چار عورتوں پر گزرا۔ اب دیکھیے نِسْوَةٍ ہے موصوف اور أَرْبَعٍ ہے اس کی صفت، تو اب دیکھیے یہاں پر أَرْبَعٍ یہ أَرْبَعَةٌ کا لفظ جو ہے بطورِ صفت کے آرہا ہے یعنی بطورِ وصف کے ہے، بطورِ وصف کے ہے۔ اور أَرْبَعٍ پر آپ غور کریں اس میں دو سبب موجود ہیں: ایک وزنِ فعل ہے، أَرْبَعَ: أَكْرَمَ وزن ہے یا نہیں بھئی؟ أَكْرَمَ، تو یہ فعل والا وزن بھی ہے اور نیز وصفیت بھی ہے، یہ وصف بھی ہے، لیکن یہ وصفیت مؤثر نہیں، یہ غیر منصرف نہیں پڑھیں گے اس کو، أَرْبَعٍ: مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ پڑھیں گے۔ اگر وصفیت مؤثر ہوتی، اپنا اثر دکھاتی یہاں پر تو اس کو تو کیا ہونا چاہیے تھا؟ غیر منصرف، کیونکہ ایک وزنِ فعل ہے اور ایک وصف ہے اور دو سبب آگئے، اور جب دو سبب آجائیں کلمہ کیا بن جاتا ہے؟ غیر منصرف، اور غیر منصرف پر تو کسرہ اور تنوین نہیں آتے، لہٰذا یہ مجرور ہے کیونکہ اس کا موصوف مجرور ہے تو صفت بھی کیا ہوتی ہے؟ مجرور، لیکن غیر منصرف کا جر کس کے ساتھ آتا ہے؟ فتحہ کے ساتھ، تو یوں کہنا چاہیے تھا: مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعَ، سمجھ میں آیا؟ لیکن ہم أَرْبَعَ نہیں پڑھ رہے، کیا پڑھ رہے ہیں؟ أَرْبَعٍ۔

آپ کہیں گے دو سبب تو ہیں پھر یہ غیر منصرف کیوں نہیں؟ بھئی دو سبب نہیں، ایک ہی سبب ہے، ایک ہی سبب وزنِ فعل ہے، وصفیت نہیں ہے، یعنی وہ والی وصفیت نہیں ہے جو غیر انصراف کا سبب بنتی ہے، یا یوں کہو وصفیت تو ہے لیکن مؤثر نہیں، اثر دکھانے والی نہیں ہے، یہ اثر نہیں دکھا رہی اپنا، کیوں نہیں اثر دکھا رہی؟ کیونکہ یہ لفظ اصلِ وضع میں وصف نہیں تھا، یہاں پر تو یہ وصف کے طور پر استعمال ہوا ہے لیکن اصلِ وضع میں یہ وصف نہیں تھا، اس کو تو عدد کے لیے وضع کیا گیا تھا وصف کے طور پر نہیں، یہ چار کے عدد کے لیے وضع تھا، یہاں پر بے شک اگرچہ اس وقت یہ صفت ہے وصف ہے لیکن یہ وصفیت اس وقت

معتبر نہیں، یہ وصفیت اس وقت مؤثر نہیں یعنی غیر منصرف کا سبب بننے کے اندر یہ مؤثر نہیں ہے اپنا اثر نہیں دکھائے گی۔ لہٰذا یوں کہیں گے: أَرْبَعِ میں ایک ہی سبب اس وقت پایا جارہا ہے اور وہ ہے وزنِ فعل، اور ایک سبب کی وجہ سے تو لفظ غیر منصرف نہیں بنتا، اور وصفیت بے شک ہے لیکن وہ مؤثر نہیں اپنا اثر نہیں دکھائے گی، یا یوں کہو وہ والی وصفیت نہیں ہے جو کس کے لیے چاہیے تھی؟ غیر منصرف بننے کے لیے چاہیے تھی، وہ وصفیت نہیں ہے اور وہ وصفیت کون سی تھی کہ لفظ اصلِ وضع میں کیا ہونا چاہیے؟

وصف ہونا چاہیے، اور یہ اصلِ وضع میں وصف نہیں، اصلِ وضع میں تو یہ کس کے لیے ہے؟ عدد کے لیے، اس وقت بے شک بطورِ وصف کے استعمال ہوا ہے۔ بات سب اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ وَصْفًا فِي أَصْلِ الْوَضْعِ، اور اس وصف کی شرط جو ہے وہ یہ ہے کہ أَنْ يَكُونَ وَصْفًا فِي أَصْلِ الْوَضْعِ کہ وہ وصف ہونا چاہیے اصلِ وضع کے اندر، فَأَسْوَدُ وَأَرْقَمُ غَيْرُ مُنْصَرِفَيْنِ وَإِنْ صَارَا اسْمَيْنِ لِلْحَيَّةِ، تو کہتے ہیں اسود اور ارقم کے لفظ غیر منصرف ہیں، بھئی یاد رکھیے: اسود کا لفظ عربوں نے وضع کیا تھا ہر کالی چیز کے لیے، کس کے لیے؟ ہر کالی چیز کے لیے، یوں کہیے اس کو بطورِ وصف کے وضع کیا تھا، کوئی مثلاً کتاب بھی کالی ہے تو وہ کہیں گے هٰذَا اَسْوَدُ، اور اگر قلم بھی کالا ہے وہ کیا کہیں گے؟ هٰذَا اَسْوَدُ، معلوم ہوا اس کو بطورِ وصف کے وضع کیا گیا ہے اس لفظ کو بطورِ وصف کے وضع کیا گیا ہے۔ پھر بعد میں پھر بعد میں یہ ایک سانپ کا نام بن گیا، کالے رنگ کا سانپ تھا اس کا نام ہی کیا پڑ گیا؟ اسود۔ اب دیکھو اگرچہ اس وقت اسم بن گیا ہے یہ سانپ کا لیکن اصلِ وضع میں کیا تھا؟ وصف تھا، لہٰذا یہ وصفیت ابھی بھی مؤثر ہوگی۔ اب آپ سانپ کو کہیں گے وہ کالا سانپ اپ کو نظر آیا تو اپ کہیں گے: هٰذَا اَسْوَدُ، هٰذَا اَسْوَدُ، سمجھ میں آیا بھئی؟

تو دیکھو ایک اس میں وزنِ فعل ہے: أَسْوَدُ: أَكْرَمُ، وزن ہے یا نہیں فعل کا؟ وزنِ فعل ہے، اور دوسرا وصفیت ہے، وصفیت۔ اگرچہ اس وقت بطورِ وصف کے ہم استعمال ہی نہیں کر رہے، اس وقت اسم کے طور پر استعمال ہو رہا ہے اسمِ محض، وہ سانپ کی قسم کا نام پڑ گیا ہے بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ لیکن اصلِ وضع کے اعتبار تو وصف تھا تو وصفیت اب بھی معتبر ہوگی تو اس میں دو سبب آگئے: ایک وزنِ فعل اور ایک وصفیت، لہٰذا یہ غیر منصرف ہوگا۔

فَأَسْوَدُ وَأَرْقَمُ، ارقم کہتے ہیں چتکبری چیز کو، ارقم کہتے ہیں چتکبرے سانپ کو، کوئی ایسا سانپ جس کے اوپر سیاہی اور سفیدی ملی جلی ہوئی ہو، ملی جلی ہو، کہیں سے کالا ہے کہیں سے سفید، کہیں سے کالا ہے کہیں سے سفید، اس کو کیا کہتے ہیں؟ چتکبرا۔ تو عربوں نے یہ ارقم کا لفظ ہر چتکبری چیز کے لیے وضع کیا تھا، جو بھی اس طرح کی چیز ہوتی کہیں سے کالی ہے کہیں سے سفید، کہیں سے کالی ہے کہیں سے سفید، اس کو وہ کیا کہتے تھے؟ ارقم کہتے تھے، لیکن بعد میں یہ ایک سانپ کی قسم کا نام ہی پڑ گیا، لیکن اصلِ وضع میں تو یہ وصف تھا ارقم، لہٰذا اب بے شک سانپ کا نام پڑ گیا ہے یہ پھر بھی غیر منصرف ہوگا، اور اس میں دو سبب کون سے ہوں گے؟ ایک وزنِ فعل اور ایک وصف۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے وصف کیسے؟ یہ تو اس وقت اسم ہے، نام کے طور پر استعمال ہو رہا ہے سانپ کی ایک قسم کا، تو وصفیت تو ہے ہی نہیں؟ آپ جواب میں فوراً کہیں گے کہ اس وقت بے شک نہیں ہے لیکن اصلِ وضع میں یہ کیا تھا؟ وصف تھا، تو جو اصلِ وضع کے اندر تھا اس کا اعتبار ابھی بھی کریں گے۔ سمجھ میں آئی بات؟ تو لہٰذا دو سبب ہوگئے، وزنِ فعل بھی آگیا، وصف بھی آگیا، لہٰذا اس کو کیا پڑھیں گے؟ غیر منصرف پڑھیں گے، اور اس پر کسرہ بھی نہیں آئے گا اور تنوین بھی نہیں آئے گی۔

تو کہتے ہیں: فَأَسْوَدُ وَأَرْقَمُ غَيْرُ مُنْصَرِفَيْنِ تو اسود اور ارقم جو ہیں یہ دونوں لفظ غیر منصرف ہیں، وَإِنْ صَارَا اسْمَيْنِ لِلْحَيَّةِ، حَيَّہ سانپ کو کہتے ہیں، اگرچہ وَإِنْ صَارَا اگرچہ یہ ہوگئے ہیں اسْمَيْنِ دو نام لِلْحَيَّةِ سانپ کے لیے، اگرچہ یہ سانپ کے لیے نام بن گئے ہیں پھر بھی، لِإِصَالَتِهِمَا فِي الْوَصْفِيَّةِ بوجہ اصل ہونے ان دونوں کے فی الوصفیۃ وصفیت میں، کیونکہ وصفیت کے اندر یہ دونوں کیا ہیں؟ اصل ہیں، ان کو اصل میں وضع ہی کس لیے کیا گیا تھا؟ بطورِ وصف کے۔

وَأَرْبَعٌ فِي: مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ مُنْصَرِفٌ، اور اربع کا جو لفظ ہے اس جملے میں کون سا جملہ؟ مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ، اس میں یہ جو اربع کا لفظ ہے مُنْصَرِفٌ یہ کیا ہے؟ منصرف ہے، مَعَ أَنَّهُ صِفَةٌ وَوَزْنُ الْفِعْلِ باوجود اس کے کہ یہ صفت بھی ہے اور وزنِ فعل اس وقت صفت ہے یا نہیں؟ اور وزنِ فعل بھی ہے، لیکن یہ صفت مؤثر نہیں، کیوں نہیں مؤثر؟ لِعَدَمِ الْإِصَالَةِ فِي الْوَصْفِيَّةِ، بوجہ اصل نہ ہونے کے وصفیت میں، اس وجہ سے کہ یہ وصفیت میں اصل نہیں ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

آگے دیکھیے: أَمَّا التَّأْنِيثُ، اب تیسرا سبب آگیا غیر انصراف کا بھئی، تیسرا سبب، اور وہ تانیث ہے، مؤنث ہونا بھئی، تانیث۔ پہلا کیا تھا؟ عدل، دوسرا

وصف، تیسرا تانیث آ گئی۔

یاد رکھیے تانیث جو ہے نا یہ دو قسم کی ہے: ایک تانیثِ لفظی ہے اور ایک تانیثِ معنوی۔ تانیثِ لفظی دیکھو نام سے ہی پتہ چل رہا ہے، لفظی کیا معنی؟ جس پر تلفظ کیا جائے یعنی لفظوں میں کوئی ایسی علامت ہو گی جو تانیث پر دلالت کر رہی ہو گی یعنی تانیث کی علامت اس میں پائی جائے گی جس پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہوں گے۔ اور تانیثِ معنوی جو معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے لیکن لفظوں میں کوئی تانیث والی علامت نہیں۔ تو تانیث دو قسم پر ہوئی: ایک تانیثِ لفظی اور ایک تانیثِ معنوی۔

اور پھر یاد رکھیے یہ تانیثِ لفظی جو ہے نا جس میں علامتِ تانیث پر باقاعدہ ہم تلفظ کرتے ہیں تو یہ علامتیں تین ہیں: ایک تو گول تا جس پر وقف کریں تو ہا بن جاتی ہے: قَائِمَةٌ، یہ گول تا، یہ کیا ہے؟ تانیث کی علامت، اور اسی پر وقف کریں تو کیا بنے گا؟ قَائِمَهْ۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ گول تا جو وقف کی صورت میں ہا بن جاتی ہے، یہ تانیث کی علامت۔ اسی طرح تانیث کی علامت ایک الفِ مقصورہ بھی ہے، ایک الف ہے جو صرف تانیث کی علامت کے طور پر آتا ہے اور جس لفظ کے ساتھ وہ آئے گا وہ لفظ مؤنث ہو گا کیونکہ وہ الف کون سا ہے؟ تانیث والا ہے، جیسے یہ گول تا جس لفظ کے ساتھ آئی معلوم ہوا وہ کیا ہے؟ مؤنث ہے بھئی۔ تو ایک الفِ مقصورہ ہے، اور اسی طرح ایک الفِ ممدودہ ہے۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا فرق دونوں میں الفِ مقصورہ کسے کہتے ہیں اور الفِ ممدودہ کسے کہتے ہیں، میں نے بتایا تھا یہ عام الف جو ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ الفِ مقصورہ، اور الفِ ممدودہ جس میں الف کو خوب لمبا کیا جاتا ہے وہ الف ہے جس کے بعد ہمزہ آ گیا ہوتا ہے، تو وہ کیا ہے؟ الفِ ممدودہ۔ تو تانیثِ لفظی کی تین علامتیں ہیں: ایک تا، اور ایک الفِ مقصورہ، اور ایک الفِ ممدودہ۔

اور تانیثِ معنوی، تانیثِ معنوی وہ ہے جو جس میں تانیث والی کوئی علامت نہیں لیکن وہ نام ہے مؤنث کا، جیسے زَيْنَبُ۔ اب زینب کے اندر آخر میں کوئی گول تا ہے؟ نہیں، الفِ مقصورہ ہے؟ نہیں، وہ بھی اس کے آخر میں نہیں ہے، اور کیا اس کے آخر میں الفِ ممدودہ ہے؟ نہیں، تو دیکھو تانیث والی کوئی علامت نہیں اس لفظ کے آخر میں، لیکن پھر بھی یہ مؤنث ہے کیونکہ یہ مؤنث کا نام ہے، کس ذات کا نام ہے؟ مؤنث کا، تو یہاں تانیث جو ہے وہ معنوی ہے معنی کے اعتبار سے ہے کیونکہ یہ مؤنث کا نام ہے لیکن لفظوں کے اعتبار سے تانیث نہیں ہے۔ یا اسی طرح تانیثِ معنوی دوسری ہے کہ وہ لفظ مؤنثِ سماعی ہو، سماع کا معنی سننا، مؤنثِ سماعی یاد رکھیے عرب کچھ لفظ استعمال کرتے ہیں ان میں تانیث والی کوئی علامت نہیں ہوتی لیکن عرب اس کو مؤنث ہی استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً دَارٌ کا لفظ ہے، دار گھر کو کہتے ہیں، تو عرب کبھی یہ نہیں کہے گا: هٰذَا دَارٌ، بلکہ کہے گا: هٰذِهٖ دَارٌ، مؤنث اس کو استعمال کرے گا۔ تو یہ جو مؤنث جس میں تانیث والی کوئی علامت نہیں لیکن عربوں سے ہم نے اس کو سنا ہو کہ وہ اس کو مؤنث استعمال کرتے ہیں اس کو مؤنثِ سماعی کہتے ہیں یعنی مؤنث ہے جو سننا ہے ہم نے عربوں سے کہ یہ اس کو مؤنث استعمال کرتے ہیں ورنہ بظاہر ہمیں اس میں کوئی تانیث والی علامت نظر نہیں آ رہی بھئی، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مؤنثِ سماعی کہتے ہیں۔ تو یہ ایک تانیث ہوئی۔ تو گویا تانیثِ معنوی دو قسم کی ہو گئی: ایک وہ مؤنث جو کسی مؤنث ذات کا نام ہو، اور دوسرا کیا ہے؟ مؤنثِ سماعی ہے، عربوں سے ہم نے اس کو مؤنث سنا ہے ورنہ بظاہر کوئی تانیث والی علامت نہیں ہے۔

تانیث کتنی قسم پر؟ دو قسم پر: ایک لفظی، ایک معنوی۔ لفظی جس کے آخر میں گول تا آئے، یا الفِ مقصورہ آئے، یا الفِ ممدودہ، اور تانیثِ معنوی یا تو وہ مؤنثِ سماعی ہو گا یا مؤنث کا نام ہو گا بھئی۔ اب ان کو بیان کرنے لگے ہیں:

کہتے ہیں: أَمَّا التَّأْنِيثُ بِالتَّاءِ فَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ عَلَمًا كَطَلْحَةَ، باقی تانیث بالتاء جو ہے تا کے ساتھ جو تانیث ہے فَشَرْطُهُ، اچھا بھئی یہ جو تا کے یہ تانیث ہے تا کے ساتھ، یہ غیر انصراف کا سبب بنے گی: قَائِمَةٌ، گول تا لگا دی ساتھ، یہ کیا بنے گی؟ غیر انصراف کا سبب بنے گی، لیکن ہر وقت نہیں، اس کے لیے بھی ایک شرط ہے، شرط پوری ہو گی تو یہ والی تانیث غیر منصرف ہونے کا سبب بنے گی آپ اس کو شمار کریں گے، لیکن اگر یہ وہ شرط پوری نہیں تو پھر یہ غیر منصرف ہونے میں مؤثر بھی نہیں یعنی اپنا اثر پھر نہیں دکھائے گی۔ اور شرط کیا ہے؟ کہتے ہیں: فَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ عَلَمًا، تانیث بالتاء جو ہے اس کی شرط یہ ہے أَنْ يَكُونَ عَلَمًا کہ وہ لفظ کیا ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے، كَطَلْحَةَ جیسے کہ طلحہ ہے۔ دیکھیے كَطَلْحَةَ یہ کاف جارہ داخل ہوا اور طلحہ کا اعراب آپ سے کوئی پوچھ لے آپ کیا کہیں گے؟ مجرور ہے کیونکہ جس پر حرفِ جر داخل ہو اس پر کیا پڑھتے ہیں؟ جر، تو وہ مجرور ہے۔ پھر اگر وہ آپ سے کہتا ہے کہ بھئی یہ تا پر تو آپ زبر پڑھ رہے ہیں، آپ کہیں گے نہیں، یہ جر ہی ہے لیکن غیر منصرف کا جر آتا ہی اس فتحہ کی صورت میں ہے۔ تو معلوم ہوا تانیث بالتاء میں شرط کیا ہے کہ وہ لفظ کیا ہونا چاہیے؟ علم۔

بھئی کیا وجہ ہے؟ یہ علم ہونے کی شرط کیوں لگاتے ہیں تانیث بالتاء میں؟ کہتے ہیں بھئی اس لیے، اس لیے کہ یہ تا کبھی آ جاتی ہے کبھی گر جاتی ہے، کبھی آپ لفظ استعمال کرتے ہیں قَائِمَةٌ اور کبھی تا کو ہٹا دیتے ہیں مذکر کے لیے کیا کہتے ہیں؟ قَائِمٌ۔ تو یہ تا کبھی آتی ہے کبھی گر جاتی ہے، معلوم ہوا یہ تا پکی نہیں اس لفظ

کے ساتھ پکی جڑی ہوئی نہیں، تو لہٰذا یہ غیر منصرف ہونے کا سبب نہیں بنے گی، غیر منصرف ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ تا پکی جڑی ہوئی ہو اس لفظ کے ساتھ، مضبوط ہو تبھی وہ مؤثر بن کے مؤثر بنے گی غیر منصرف ہونے کے اندر، اور پکی جڑنے کے لیے کیا ضروری؟ کہ وہ لفظ علم ہو، کیا ہو؟ علم ہو۔ اور آپ جانتے ہیں علم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی، اس میں اگر تا کے ساتھ علم رکھا ہے اب اس تا کو گرائیں گے نہیں، جیسے مثلاً کسی آدمی یا کسی عورت کا نام آپ نے قَائِمَةٌ رکھ دیا، کیا رکھ دیا؟ قَائِمَةٌ۔ اب جب قائمۃ پورا اس کا نام رکھا ہے تو اب اس کو قائمۃ ہی تو اس میں سے اب اس تا کو گرائیں گے نہیں کیونکہ یہ کیا بن گیا؟ اس کا نام بن گیا، اور نام میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جاتی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی اچھی طرح؟ یہ تانیث بالتاء میں علم ہونے کی شرط کیوں لگائی تا کہ یہ تا کیا ہے؟ پکی جڑ جائے، جدا نہ ہو سکے۔ پھر یہ سبب بنے گی غیر منصرف ہونے کا، جیسے طلحہ کے اندر دیکھا آپ نے یہ تا پکی جڑی ہوئی ہے اب اس کو آپ جدا نہیں کر سکتے، آپ طَلْحٌ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ نام ہے اور نام میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جاتی۔

وَكَذَلِكَ الْمَعْنَوِيُّ اور اسی طرح تانیثِ معنوی بھی ہے، تانیثِ معنوی بھی ہے، جیسے بھئی زَيْنَبُ، دیکھو اس میں بھی علم ہونے کی شرط ہے، كَذٰلِكَ وہ بھی اسی طرح ہے یعنی اس میں بھی کیا شرط ہے؟ علم ہونا چاہیے جیسے زینب کیا ہے؟ علم ہے، نام ہے بھئی عورت کا۔ تو لہٰذا تانیث مؤثر ہو گی لیکن اس کے لیے کیا شرط ضروری؟ علم ہو، علم ہو گی تو وہ تانیث اس کو شمار کرنا، اگر علم نہیں تو پھر وہ تانیث غیر منصرف ہونے کا سبب نہیں بنے گی پھر اس کو شمار بھی نہیں کریں گے۔

کہتے ہیں: وَكَذَلِكَ الْمَعْنَوِيُّ ثُمَّ الْمَعْنَوِيُّ إِنْ كَانَ ثُلَاثِيًّا سَاكِنَ الْأَوْسَطِ غَيْرَ أَعْجَمِيٍّ يَجُوزُ صَرْفُهُ، چلو اس مقام کو دوسرے انداز میں سمجھو بھئی، یاد رکھیے، یاد رکھیے: تانیثِ معنوی غیر انصراف کا سبب بنے گی لیکن شرط کیا؟ علمیت، اس میں بھی وہی شرط ہے نا جو تانیث بالتاء میں تھی، شرط کیا؟ علمیت۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ اس میں ایک شرط نہیں ضروری، اس میں دو شرطوں کا ہونا ضروری ہے، کتنی شرطوں کا؟ دو شرطوں کا: نمبر ایک یہ کہ وہ لفظ علم ہونا چاہیے جو ابھی ہم نے بیان کر دیا، پہلی شرط پہلے بھی بیان ہو چکی کہ وہ علم ہونا چاہیے، دوسری شرط یہ کہ وہ لفظ جس میں تانیثِ معنوی آئی ہے تین حروف سے زیادہ ہونا چاہیے، تین حروف سے زیادہ ہونا چاہیے۔ اگر تین سے حروف سے زیادہ نہیں بلکہ تین حروف پر مشتمل ہے تو پھر کم از کم درمیان والا حرف متحرک ہونا چاہیے، درمیان والا حرف متحرک۔ اور اگر درمیان والا حرف متحرک بھی نہیں تو پھر اس صورت کے اندر یہ لفظ عجمی کم از کم ہونا چاہیے، کیا ہونا چاہیے؟ عجمی۔ یہ ساری دوسری شرط کی تفصیل چل رہی ہے۔

پہلی شرط تانیثِ معنوی کی غیر منصرف ہونے کا سبب بنے گی، پہلی شرط کیا؟ وہ کیا ہو؟ علم ہو۔ دوسری شرط میں تفصیل آگئی کہ تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور ہونی چاہیے: یا تو وہ لفظ کیا ہو؟ تین حرف سے زیادہ ہو، اگر تین سے زیادہ نہیں تین پر ہی تین حروف ہی ہیں اس کے تو پھر کم از کم درمیان والا حرف کیا ہونا چاہیے؟ متحرک ہونا چاہیے، ساکن نہیں ہونا چاہیے، اور اگر درمیان والا ساکن ہے یہ چیز بھی پوری نہیں تو پھر کم از کم یہ لفظ عجمی ہونا چاہیے یعنی عرب عربی لفظ نہیں ہونا چاہیے کسی دوسری زبان کا لفظ ہونا چاہیے۔ تو یہ جب پوری ہو جائیں گی تو پھر یہ تانیثِ معنوی غیر انصراف کا سبب بنے گی، اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی رہ پہلی پوری نہ ہوئی یعنی علم نہ ہوا، یہ دوسری شرط پوری نہ ہوئی کہ تین ہی حروف ہیں اور درمیان والا ساکن بھی ہے، درمیان والا ساکن بھی ہے عربی لفظ ہے اور تین حروف ہیں اور درمیان والا ساکن بھی ہے تو پھر تو پھر اس میں یاد رکھو اس کو منصرف بھی پڑھ سکتے ہیں، غیر منصرف بھی پڑھ سکتے ہیں۔

بات سمجھ میں آئی کہ مشکل ہو گئی؟ پھر سمجھو، پھر سمجھو: غیر منصرف تانیثِ معنوی غیر انصراف کا سبب بنے گی لیکن اس کے لیے کتنی شرطیں ضروری؟ دو شرطیں، دو شرطیں۔ دوسری شرط میں تین چیزیں آگئی تھیں نا، دو شرطیں ضروری: پہلی شرط کیا کہ وہ کیا ہو؟ علم ہو، پہلی شرط کیا؟ علم ہو، اور دوسری شرط یہ کہ اس وہ لفظ جو ہے وہ تین حروف سے زیادہ پر مشتمل ہو۔ یہ دوسری شرط ہی چل رہی ہے، اگر تین سے زیادہ پر نہیں مشتمل تو پھر اگر تین پر ہی مشتمل ہے پھر کیا ہو؟ تو پھر کم از کم درمیان والا حرف کیا ہونا چاہیے؟ متحرک ہونا چاہیے۔

تو تانیثِ معنوی غیر انصراف کا سبب بنے گی اور اس کے لیے دو شرطیں ہیں: پہلی شرط کیا کہ وہ لفظ کیا ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے۔ دوسری شرط اس میں تفصیل تھی کہ تین چیزوں میں سے ایک ضرور ہونی چاہیے: یا تو وہ لفظ کیا ہونا چاہیے؟ تین حرف سے زیادہ یعنی چار یا پانچ حرفوں پر مشتمل ہونا چاہیے، اگر ایسا نہیں تو پھر کم از کم کیا ہو؟ درمیان والا حرف متحرک ہو۔ دوبارہ سنیں: تانیثِ معنوی غیر انصراف کا سبب بنے گی لیکن اس کے لیے دو شرطیں ہیں: پہلی شرط کیا کہ وہ لفظ کیا ہونا چاہیے؟ وہ علم ہونا چاہیے، نام ہونا چاہیے، اور دوسری شرط یہ دوسری شرط میں تفصیل ہے بھئی کہ یا تو وہ لفظ کم از کم کیا ہو؟ تین حروف سے زیادہ ہو جیسے زَيْنَبُ، جیسے زینب، اس میں دیکھو علمیت بھی ہے اور تین حروف سے زیادہ ہیں: ز، ی، ن، ب، چار حروف ہیں تو یہ غیر منصرف ہے، دونوں شرطیں پوری ہو گئیں۔ اور اگر چار تین سے زیادہ حروف نہیں تو پھر کم از کم درمیان والا حرف کیا ہونا چاہیے؟ متحرک ہونا چاہیے، لہٰذا سَقَرُ، تو یہ جہنم کا نام ہے، اور دیکھیے پہلی شرط بھی پوری علم ہے، جہنم کا نام، علمیت بھی ہے، اور دوسری شرط کی تفصیل تھی کہ تین حروف سے زائد ہو، یہ تو تین حروف سے زائد نہیں، پھر کم از کم

دوسری بات کیا پوری ہو؟ کہ درمیان والا متحرک، اور یہاں یہ بات پوری ہو رہی ہے درمیان والا کیا ہے؟

متحرک ہے، اس لیے بھی تو یہ علمیت بھی آگئی اور یہ تانیثِ معنوی جو مؤثر ہے یہ بھی آگئی تو یہ بھی کیا ہے؟ غیر منصرف ہو جائے گا، تو یہ تانیث مؤثر ہوئی غیر انصراف کا سبب بنے گی کیونکہ شرط پوری ہو رہی ہے، دونوں شرطیں پوری ہو رہی ہیں: علمیت بھی ہے اور درمیان والا حرف متحرک بھی ہے تین حروف کے ہونے کے بعد۔ اور اگر درمیان والا حرف متحرک نہیں تو پھر کم از کم کیا ہونا چاہیے؟ عجمی لفظ ہونا چاہیے کسی دوسری زبان کا ہو عرب کا نہ ہو، جیسے مَاہْ بھئی یامَاہَ وَجُورَ، یہ مثال آگے وہ ذکر کریں گے جیسے مَاہَ وَجُورَ۔ دیکھیے بھئی یہ مَاہْ یہ بھی ایک شہر یا قلعے کا نام ہے، جُورْ یہ بھی ایک شہر یا قلعے کا نام ہے۔ اب شہر کا نام ہے تو مؤنث ہوا، تو یہ نام یہ علم ہے، یہ دونوں کیا ہیں؟ علم، مل گیا آپ کو مَاہَ وَجُورَ؟ دیکھو یہ دونوں علم ہیں اور یہ شہروں کے نام مؤنث ہوتے ہیں، شہروں کے نام کیا ہوتے ہیں؟ مؤنث۔ تو اب ایک سبب تو علمیت آگئی، دوسرا سبب تانیثِ معنوی آ رہی ہے کیونکہ تانیثِ لفظی تو ہے نہیں، تانیثِ معنوی ہے کیونکہ شہروں کے نام کیا ہوتے ہیں؟ مؤنث ہوتے ہیں تو یہ تانیث آگئی تانیثِ معنوی آئی، لیکن تانیثِ معنوی تو مؤثر ہو گی کب کہ اس کے اندر کتنی شرطیں ہوں؟ دو شرطیں پوری ہوں، تو وہ پہلی شرط پوری ہو گئی کیا؟

یہ علم ہے، دوسری شرط تھی کہ کم از کم تین سے کہ وہ لفظ تین سے زیادہ حروف پر مشتمل ہو، یہ تین سے زیادہ پر مشتمل نہیں، اچھا اگر تین سے زیادہ پر نہیں مشتمل تو پھر کم از کم درمیان والا حرف متحرک ہونا چاہیے وہ بھی ہم نے دیکھا وہ بھی نہیں پورا بھئی درمیان والا تو ایک میں الف ہے ایک میں واؤ ہے دونوں ساکن ہیں، پھر ہم نے کہا کہ کم از کم وہ لفظ کیا ہونا چاہیے؟ عجمی ہونا چاہیے اور یہ لفظ بھی کیا ہیں؟ عجمی ہیں، یہ عربوں کے نام نہیں ہیں یہ کسی عجمی علاقے کے دو شہر تھے یا دو قلعے تھے ان کے نام ہیں، تو یہ تیسری شرط یہ صورت پوری ہو گئی۔ تو علمیت بھی آگئی اور دوسری شرط بھی پوری ہو گئی، لہٰذا اب یہ لفظ غیر منصرف ہیں: ایک علمیت، ایک تانیث، اور تانیث کون سی تفصیل بیان ہو گئی؟ تانیثِ معنوی ہے اور لفظ کیا ہیں؟ عجمی ہیں۔

اور اگر ان میں سے کوئی یہ جو دوسری شرط میں تفصیل آئی نا کہ تین سے زیادہ حروف ہوں، یا تین ہوں تو درمیان والا متحرک ہو، یا کم از کم لفظ کیا ہو؟ اگر درمیان والا متحرک نہیں تو لفظ عجمی ہونا چاہیے، اگر ان میں سے کوئی چیز پوری نہ ہو، کوئی چیز پوری نہ ہو تو پھر اس لفظ کو منصرف پڑھنا بھی جائز، غیر منصرف پڑھنا بھی جائز۔ شرط دوسری پوری ہو جائے گی پھر تو غیر منصرف پڑھنا واجب ہو گا، جیسے یہ لفظ آئے تھے: سَقَرُ، مَاہُ، جُورُ، زَیْنَبُ، ان کو غیر منصرف ہی پڑھیں گے منصرف نہیں پڑھیں گے، لیکن اگر ان میں سے کوئی دوسری شرط پوری نہیں ہوتی تو پھر اس صورت میں منصرف پڑھنا بھی جائز، غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے بھئی۔ اچھی طرح صورت سمجھ میں آگئی؟

جیسے دیکھیے بھئی: هِنْدٌ، ہند نام ہے عورت کا، عرب میں عام قدیم نام ہے، عام استعمال ہوتا تھا: ہند، ہ، ن، د۔ اور اس میں دیکھیں آپ جب عورت کا نام ہے تو پہلے تو یہ بتائیں یہ تانیثِ معنوی ہے یا تانیثِ لفظی ہے؟ ہند عورت کا نام ہے، یہ تانیثِ معنوی ہے۔ اور تانیثِ معنوی کے لیے کتنی شرطیں تھیں؟ پہلی کیا تھی؟ علم، یہ علم ہے کہ نہیں؟ یہ عورت کا نام ہے علم بھی ہے۔ دوسری شرط کیا تھی کہ کم از کم تین حرف سے زائد ہو، یہ شرط اس میں پوری نہیں۔ ہم نے کہا تھا اگر تین سے زائد نہیں تو پھر کم از کم تین سے زائد نہیں اور تین حروف پر مشتمل ہے تو کم از کم درمیان والا حرف کیا ہو؟ متحرک، وہ بھی یہاں پر نہیں ہے نون ساکن ہے۔ پھر ہم نے کہا تھا اگر یہ بھی شرط پوری نہیں ہے تو پھر کم از کم کیا لفظ ہونا چاہیے؟ عجمی، یہ عجمی بھی نہیں ہے یہ تو عربوں کا نام ہے عرب استعمال کرتے ہیں۔ تو کوئی بھی دوسری شرط پوری نہیں، جب دوسری شرط کا کوئی حصہ پورا نہیں ہوا تو پھر اس لفظ کو منصرف پڑھنا بھی جائز اور غیر منصرف پڑھنا بھی جائز۔ اگر دوسری شرط میں سے کوئی حصہ پورا ہو جاتا، کوئی جز پورا ہو جاتا تو پھر اس صورت میں اس کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہوتا، لیکن پوری دوسری شرط پوری نہیں تو اب اس کو غیر منصرف پڑھنا واجب نہیں یعنی لازم نہیں لازم نہیں، آپ اس کو غیر منصرف بھی پڑھیں تو بھی ٹھیک، آپ اس کو منصرف پڑھیں تو بھی ٹھیک۔ سمجھ میں آئی بات؟

بھئی دیکھیے یہ جو لفظ ہے نا یہ جو غیر منصرف پڑھتے ہیں، غیر منصرف پر کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں اتی، کسرہ بھی نہیں اور تنوین بھی نہیں اتی، یہ اس وجہ سے کہ کسرہ بھی ثقیل ہے اور تنوین بھی ثقیل ہے یعنی اس کی ادائیگی زبان سے مشکل ہے، کسرہ کی بھئی رفع، نصب، یوں کہیں: ضمہ، فتحہ، کسرہ، تین حرکتیں ہیں، تین حرکتیں، ان میں فتحہ وہ خفیف ہے، ہلکی حرکت ہے، جبکہ باقی ضمہ اور کسرہ کیا ہیں؟ ثقیل۔ اچھا تو یاد رکھیے جو کسی لفظ کو غیر منصرف پڑھا جاتا ہے اس وجہ سے غیر منصرف پڑھا جاتا ہے اور اس پر کسرہ اور تنوین نہیں اتے اس لیے کیونکہ کسرہ اور تنوین ثقیل ہیں، اور لفظ جب غیر منصرف ہے اس میں دو سبب آگئے ہیں غیر انصراف والے، کتنے سبب ائے ہیں غیر منصرف میں؟ غیر منصرف ہو گا وہ جس میں کتنے سبب ائیں گے؟ دو، جب اس میں اور یہ جتنے غیر انصراف کے سبب ہیں ان کی وجہ سے لفظ میں ثقل پیدا ہوتا ہے، اس کی ادائیگی زبان پر مشکل ہو جاتی ہے۔ جب لفظ کے اندر دو سبب اگئے تو معلوم ہوا لفظ میں کافی ثقل ا

چکا ہے، ایک سبب نہیں ایا بلکہ کتنے اگئے؟ دو۔ غیر منصرف کس کو کہیں گے جس میں کتنے سبب ائیں؟

دو، تو جب دو سبب اگئے اور ہر سبب ہے ثقیل اس کی وجہ سے لفظ میں ثقل اجاتا ہے دشواری اجاتی ہے زبان پر ادائیگی کے اندر، تو لفظ میں جب ایک سبب ایا اس میں کچھ دشواری اگئی، ثقل اگیا، پھر دوسرا لفظ دوسرا سبب بھی اس میں موجود ہے تو اور ثقل ایا ہے اس کے اندر اور زیادہ ثقل موجود ہے، تو لفظ پہلے ہی بہت ثقیل ہو چکا ہے اب اس پر کسرہ اور تنوین نہیں لائیں گے ورنہ بہت ثقیل ہو جائے گا وہ لفظ بھئی، کیونکہ کسرہ بھی ثقیل اور تنوین بھی کیا ہے؟ ثقیل، کیونکہ تنوین نونِ ساکن کا نام ہے اور معلوم ہوا جب نونِ ساکن اجائے گا حروف بڑھ جائیں گے، اور اپ بتایئے تھوڑے حروف والے لفظ کو ادا کرنا اسان ہوتا ہے یا زیادہ حروف والے لفظ کو؟ تھوڑے حروف والے، تنوین ائے گی پھر تو ایک اور نونِ ساکن بڑھ جائے گا اور اسی طرح کسرہ بھی ثقیل ہے، تو یہ جو غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین کس لیے نہیں اتا؟ کیونکہ اس لفظ میں پہلے ہی ثقل اچکا ہے، اب مزید ثقل اس میں نہیں لائیں گے کہ تاکہ بہت زیادہ ثقل نہ اجائے، سمجھ میں ایا بھئی؟ یعنی زبان پر اس کی ادائیگی زیادہ ہی دشوار نہ ہو جائے بھئی۔

لہٰذا تانیثِ معنوی کے اندر یہ شرطیں لگا دیں، کیونکہ یہ وہ چیزیں ہیں جس کی وجہ سے لفظ میں ثقل پیدا ہو گا۔ اسبابِ منعِ صرف جو ہیں ان کی وجہ سے لفظ میں کیا اتا ہے؟ ثقل، اور اگر ایک لفظ ہے اس میں صرف تانیثِ معنوی ہے، علمیت ہے اور تانیثِ معنوی، یہ یوں کہیں ایک لفظ میں تانیثِ معنوی ہے تو معنی کے اعتبار سے تانیث اس میں پائی جا رہی ہے، تانیث کی کوئی علامت ائی ہے؟ نہیں، تانیث کی جب علامت نہیں ائی تو معلوم ہوا اس میں ثقل نہیں ہے۔ بے شک مؤنث کا نام ہے لیکن اس میں ثقل نہیں، تو ہم نے شرط لگا دی کہ کم از کم چار حروف پر مشتمل ہو، تین پر نہ ہو، تین والے کی ادائیگی اسان ہوتی ہے، چار والے پر چار یا پانچ پر مشتمل ہو گا تو کیا ہو گا اس کی ادائیگی؟ مشکل، یہ ہم نے ثقل کے لیے شرط لگائی کیونکہ اسبابِ منعِ صرف سے کیا اتا ہے لفظ کے اندر؟ ثقل اتا ہے، تو ہم نے کہا یہ کم از کم جب تانیثِ معنوی ہے، بھئی تانیثِ معنوی تو صرف معنی کے اعتبار سے تانیث ہے، لفظوں میں تو کوئی تانیث والی علامت نہیں، جب معنی لفظوں کے اندر تانیث والی کوئی علامت نہیں تو لفظ کے اندر ابھی ثقل نہیں ایا، حالانکہ اسبابِ منعِ صرف تو لفظ میں کیا پیدا کرتے ہیں؟ ثقل، لیکن یہاں تو صرف معنوی تانیث ہے یہاں تو ابھی بھی کوئی ثقل نہیں ایا، لہٰذا ہم نے ان تین میں سے کہا ایک شرط پوری ہونی چاہیے، جب وہ ایک پوری ہو جائے گی اب ثقل اجائے گا اور یہ مؤثر ہو گی اور پھر دو ثقل جب جمع ہو گئے تو لفظ کو کیا بنا دیں گے؟ غیر منصرف بنا دیں گے بھئی۔

تو ہم پہلی شرط کیا لگائی؟ علم ہونے کی، پہلی شرط علم ہونے کی، اور دوسری شرط میں تفصیل تھی، اس میں پہلی شرط کیا تھی؟ تین حروف سے زائد، یہ تین سے زائد کی شرط کیوں لگائی تاکہ لفظ میں کیونکہ صرف تانیثِ معنوی ہے تو تین سے زائد حروف ہوں گے تو اب ثقل اجائے گا، پہلے تو کوئی علامت ائی ہی نہیں کہ ثقل اتا، لہٰذا تین سے زائد حروف ہوں گے تو لفظ میں کیا اجائے گا؟ ثقل۔ اچھا تین سے اگر زائد نہیں تین ہی حروف پر مشتمل ہے وہ کلمہ تو پھر درمیان والا لفظ متحرک کم از کم ہونا چاہیے، اس سے بھی ثقل اجائے گا۔ اپ مجھے بتائیں سکون کی ادائیگی اسان ہوتی ہے یا حرکت کی ادائیگی اسان ہوتی ہے؟ ضَرَبَ یہ اسان ضَرَبْ پڑھنا اسان یا زَرْبْ پڑھنا اسان؟ زَرْبْ پڑھنا اسان، جہاں سکون ہو سکون کی ادائیگی کیا ہوتی ہے؟ اسان ہوتی ہے، زبان سے اسانی سے ادا ہو جاتا ہے، تو ہم نے شرط لگا دی کم اگر تین حروف ہیں ابھی بھی ثقل نہیں ہے لہٰذا کم از کم درمیان والا حرف متحرک ہو تاکہ کیا اجائے لفظ کے اندر؟ ثقل اجائے، اور اگر پھر بھی ثقل درمیان والا حرف بھی متحرک نہیں ہے وہ بھی ساکن ہے تو پھر کم از کم لفظ عجمی ہونا چاہیے، عربی نہیں ہونا چاہیے تاکہ ثقل اجائے۔ اپ مجھے بتایئے اپ کے لیے اپنی زبان کا لفظ ادا کرنا اسان ہوتا ہے یا کسی دوسری زبان کا؟

اپنی زبان کا لفظ ادا کرنا اسان، دوسرے کی زبان کا لفظ ادا کریں گے وہ اپ کو ثقیل لگے گا، تو ہم نے بھی تیسری شرط یہ لگا دی کہ وہ لفظ عجمی ہونا چاہیے، جب عجمی ہو گا تو ثقل اجائے گا یعنی عربوں کے لیے اس کی ادائیگی مشکل ہو جائے گی، تو یہ جو تین شرطیں لگائیں یہ کس لیے لگائیں تاکہ لفظ میں کیا اجائے؟ ثقل ا جائے۔ جب ثقل اجائے گا اب یہ سبب بنے گا غیر انصراف کا کہ لفظ میں ایک علمیت والا ثقل بھی ہے اور لفظ میں تانیثِ معنوی کی ان شرطیں پوری ہیں تو اس کا ثقل بھی اگیا، اب اس کو غیر منصرف ہونا چاہیے، اب اس پر کسرہ اور تنوین نہیں ائے کیونکہ پہلے ہی دو ثقل اچکے ہیں تو تیسرا بھی ثقل اجائے گا تو پھر تو بہت مشکل ہو جائے گا لفظ کی بہت مشکل ہو جائے گی لفظ کی ادائیگی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں اگئی؟ یہ غیر انصراف کے سبب جو ہیں یہ لفظ میں کیا پیدا کرتے ہیں؟

ثقل پیدا کرتے ہیں، اور تانیثِ معنوی کے اندر تو کوئی علامت نہیں تانیث والی، لہٰذا صرف اس کے انے سے ثقل نہیں ائے گا بلکہ اس کے لیے اس کے لیے تین چیزوں میں سے ایک چیز کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ لفظ میں ثقل پیدا ہو جائے: یا تو تین حروف سے زائد ہو، یا تین پر مشتمل ہے تو درمیان والا متحرک

ہو، اس سے بھی ثقل اجائے گا، اور اگر تین درمیان والا ساکن ہے تو پھر کم از کم لفظ کیا ہونا چاہیے؟ عجمی، جب عجمی ہو گا تو عربوں کے لیے اس کو پڑھنا دشوار ہو گا ثقیل ہو گا۔ صورت سمجھ میں اگئی؟

لہٰذا ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک چیز پوری ہو جائے گی تو لفظ میں ثقل اگیا، اب اس کو غیر منصرف ہی پڑھنا پڑے گا منصرف نہیں پڑھ سکتے، کسرہ اور تنوین اس پر کیونکہ ثقل اچکا ہے اور کسرہ اور تنوین پڑھو گے پھر تو اور ثقل اجائے گا، لہٰذا غیر منصرف پڑھو اور کسرہ اور تنوین اس پر نہ لاؤ۔ صورت سمجھ میں اگئی؟ لیکن اگر ان تین میں سے کوئی بھی چیز پوری نہیں ہے معلوم ہوا لفظ میں ثقل نہیں ایا، جب ثقل نہیں ایا تو اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز، منصرف پڑھنا بھی جائز کیونکہ لفظ ابھی بھی خفیف ہے، ہلکا ہے، زبان پر اس کی ادائیگی دشوار نہیں۔ اور چاہو تو اس کو غیر منصرف بھی پڑھ سکتے ہو کیونکہ بہر حال دو سبب تو موجود ہیں: ایک علمیت، ایک تانیثِ معنوی، جیسے هِنْدٌ، ہند دیکھو اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز، کیوں؟ علمیت ہے بے شک، تانیثِ معنوی بھی ہے، لیکن تانیثِ معنوی کے اندر وہ دوسری شرط کے اندر تفصیل تھی تین چیزوں میں سے ایک کا ہونا ضروری، ان میں سے کوئی بھی یہاں نہیں، جب کوئی بھی نہیں معلوم ہوا اس کے اندر ثقل نہیں ایا، جب ثقل نہیں ایا تو غیر منصرف پر تو کسرہ اور تنوین نہیں اتا کس وجہ سے کہ اس میں پہلے سے ثقل ہوتا ہے، تو معلوم ہوا اس میں تو پہلے سے ثقل نہیں ہے لہٰذا کسرہ اور تنوین پڑھو، اور کیا پڑھو؟ منصرف پڑھو اس کو، وہ پڑھنا بھی جائز۔ اور اگر اپ چاہیں تو اس کو غیر منصرف بھی پڑھ سکتے ہیں کیونکہ بہر حال دو سبب تو ہیں: ایک علمیت ہے اور ایک تانیثِ معنوی ہے بھئی، تو دونوں پڑھنا جائز۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی چیز پوری ہو جائے گی پھر غیر منصرف پڑھنا ہی واجب ہے، پھر اپ اس کو منصرف نہیں پڑھ سکتے۔

وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو، یاد رکھیے یہ إِلَّا سے پہلے اگر واؤ اجائے نا: وَإِلَّا، تو یہ دراصل ہے: إِنْ لَا، یہ إِلَّا وہ استثنیٰ والا نہیں ہے، یہ کیا ہے؟ إِنْ لَا، اور اگر ایسا نہ ہو۔ إِن شرطیہ ہے اور اگے لاہے: أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ، اور اگر ایسا نہ ہو۔ تو یاد رکھو جب بھی إِلَّا سے پہلے کیا اجائے؟ واؤ، تو یہ إِلَّا استثنیٰ والا نہیں ہے بلکہ دراصل یہ کیا ہے؟ إِنْ لَا، یعنی پورا ایک کلام جملہ یہاں محذوف ہے: أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ، اور اگر ایسا نہ ہو۔ کیا معنی ایسا نہ ہو؟ وہ ساروں کی نفی کر رہے ہیں: ثلاثی بھی نہ ہو یا تو ثلاثی ہی نہ ہو، رباعی ہو، یا ساکن الاوسط نہ ہو یعنی درمیان والا متحرک ہو، یا غیر عجمی نہ ہو یعنی عجمی ہو، تو پھر يَجِبُ مَنْعُهُ تو پھر اس کی منعِ صرف واجب ہے، اس کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے، كَزَيْنَبَ جیسے کہ زینب۔ اس میں بتایئے کون سی صورت پوری ہو رہی ہے؟ زینب، تین حروف سے زائد ہیں، علمیت بھی ہے اور پھر تانیثِ معنوی ہے مؤنث کا نام ہے تو ہم نے کہا تھا اس میں کم از کم تین حروف سے زائد ہونا، اور یہ تین حروف سے زائد معلوم ہوا اس میں ثقل اگیا ہے، جب ثقل اگیا ہے اب اس پر کسرہ اور تنوین جائز نہیں، اس پر ہر حال میں اس کو کیا پڑھو؟ غیر منصرف ہی پڑھو، منصرف پڑھنا جائز نہیں، جیسے كَزَيْنَبَ، دیکھا کاف جارہ ہے اور زینب پر فتحہ پڑھ رہے ہیں کیونکہ یہ کیا ہے؟ غیر منصرف، اس کا یہ مجرور ہے اس وقت اس کا جر اتا ہی فتحہ کی صورت میں ہے۔

وَسَقَرَ یہ بھی اسی طرح ہے، اس میں دیکھو کون سی شرط پہلی یہ تین سے زائد تو نہیں، تین پر ہے، پھر کیا کہا تھا ہم نے کم از کم درمیان والا متحرک، جب متحرک ہوا ثقل اگیا یا نہیں اگیا؟ جب ثقل اگیا اب کسرہ اور تنوین نہیں لانے، کسرہ اور تنوین نہیں لانے، لہٰذا غیر منصرف پڑھو، کسرہ اور تنوین لاؤ گے پھر تو اپ منصرف پڑھ رہے ہیں، منصرف تو نہیں پڑھیں گے بلکہ کیا پڑھیں گے؟ غیر منصرف۔

وَمَاهَ وَجُورَ یہ سارے مجرور ہیں اسی زینب پر عطف ہے اور زینب مجرور تھا اس پر کاف جارہ داخل تھا، تو یہ سارے بھی کیا ہیں؟ مجرور، اور غیر منصرف کا جر اتا ہی کس صورت میں ہے؟ فتحہ، اس لیے سب پہ فتحہ پڑھ رہے ہیں: سَقَرَ وَمَاهَ وَجُورَ۔ تو یہ ماہ و جور دیکھیے یہ تین سے زائد نہیں، پھر ہم نے کہا تھا کم از کم درمیان والا کیا ہو؟ متحرک، وہ بھی نہیں ہے یہاں پر، پھر ہم نے کہا تھا یہ لفظ کم از کم کیا ہوں؟ عجمی، اور یہ عجمی لفظ ہیں۔ جب عجمی ہیں تو ثقل اگیا یا نہیں؟ جب ثقل اگیا اب کسرہ اور تنوین نہیں لانا ورنہ اور زیادہ ثقل اجائے گا، جب کسرہ اور تنوین نہیں لانا معلوم ہوا منصرف نہیں پڑھنا، کیا پڑھنا؟ غیر منصرف ہی پڑھنا۔

چلیے بس کرتے ہیں، بس بھائی بس۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔ اچھی طرح تکرار کریں، کوئی بات سمجھ میں نہ ائی ہو تو پھر پوچھ لیجئے گا، اور انشاء اللہ میں پھر بھی اس کا تکرار کروادوں گا بھائی۔

سبق نمبر ۱۶: اسبابِ منعِ صرف: تانیث بالالف المقصورہ والممدودہ، معرفہ اور عجمہ کے شرائط

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۹—بتاریخ: ۲۱ ستمبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَالتَّأْنِيثُ بِالْأَلِفِ الْمَقْصُورَةِ كَحُبْلَى وَالْمَمْدُودَةِ كَحَمْرَاءَ مُمْتَنِعٌ صَرْفُهُمَا الْبَتَّةَ، لِأَنَّ الْأَلِفَ قَائِمٌ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ: التَّأْنِيثُ وَلُزُومُهُ.

أَمَّا الْمَعْرِفَةُ: فَلَا يُعْتَبَرُ فِي مَنْعِ الصَّرْفِ مِنْهَا إِلَّا الْعَلَمِيَّةُ، وَتَجْتَمِعُ مَعَ غَيْرِ الْوَصْفِ.

أَمَّا الْعُجْمَةُ: فَشَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ عَلَمًا فِي الْعُجْمَةِ، وَزَائِدَةً عَلَى ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ كَإِبْرَاهِيمَ، أَوْ ثُلَاثِيًّا مُتَحَرِّكَ الْأَوْسَطِ كَشَتَرَ، فَلِجَامٌ مُنْصَرِفٌ لِعَدَمِ الْعَلَمِيَّةِ، وَنُوحٌ مُنْصَرِفٌ لِسُكُونِ الْأَوْسَطِ.

اچھا بھئی، گزشتہ سبق میں ہم تانیث کے بارے میں پڑھ رہے تھے، اسبابِ منعِ صرف میں سے تیسرا سبب جو یہ ذکر کر رہے ہیں وہ تانیث ہے بھئی۔ اور تانیث جو ہے میں نے آپ کو بتلایا تھا دو قسم پر ہے: ایک تانیثِ لفظی اور ایک تانیثِ معنوی۔ تانیثِ لفظی وہ ہے جہاں لفظوں کے اندر کوئی تانیث کی علامت موجود ہو، یعنی اس پر ہم باقاعدہ تلفظ کرتے ہوں، اور تانیثِ معنوی وہ ہے جہاں لفظوں کے اندر تانیث کی کوئی علامت نہیں کہ جس پر ہم تلفظ کریں بھئی۔ تو تانیث دو قسم کی ہوئی: ایک لفظی اور ایک معنوی۔

لفظی پھر بتلایا تھا کہ تین قسم پر ہے: ایک تانیث بالتاء ہے، وہ گول تا آخر میں جو آتی ہے اور وقف کی صورت میں ہا بن جاتی ہے۔ اور دوسرا ہے تانیث بالالف المقصورۃ، اور تیسری ہے تانیث بالالف الممدودۃ۔ تو الفِ مقصورہ اور الفِ ممدودہ میں میں نے آپ کو فرق بتلایا تھا: الفِ مقصورہ یہ عام الف جو آتا ہے یہ کیا کہلاتا ہے؟ الفِ مقصورہ، اور دوسرا الفِ ممدودہ ہے کہ جس میں الف کے بعد پھر ہمزہ بھی آتا ہے اور اس میں الف کو خوب لمبا کیا جاتا ہے کھینچ کر۔ تو یہ تانیثِ لفظی کی تین قسمیں ہو گئیں: تانیث بالتاء، تانیث بالالف المقصورۃ اور تانیث بالالف الممدودۃ۔

جبکہ تانیثِ معنوی میں کوئی علامت نہیں ہو گی تانیث والی، اور وہ پھر یا مؤنث کا نام ہو گا یا پھر مؤنثِ سماعی ہو گا یعنی عربوں سے ہم نے اس لفظ کو مؤنث ہی سنا ہے، عرب جب بھی اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں مؤنث ہی استعمال کرتے ہیں، تو یہ تانیثِ معنوی۔ جیسے جیسے مؤنث کا نام ہو جیسے زَيْنَبُ، اب اس میں نہ تا ہے آخر کے اندر، نہ الفِ مقصورہ ہے، نہ الفِ ممدودہ ہے، لیکن یہ مؤنث کا نام ہے بھئی، تو یہ کیا ہے؟ مؤنث ہوا۔ اور اسی طرح بعض لفظ ایسے ہیں کہ عربوں سے ہم نے مؤنث ہی سنے ہیں جیسے دَارٌ کا لفظ، د، ا، ر بمعنی گھر، اور عرب کیا کہیں گے؟ هٰذِهٖ دَارٌ، هٰذَا دَارٌ نہیں کہتے بلکہ هٰذِهٖ دَارٌ مؤنث استعمال کرتے ہیں اس کو، حالانکہ اس کے آخر میں بھی نہ تا ہے، نہ الفِ مقصورہ ہے اور نہ الفِ ممدودہ، تو یہ مؤنثِ سماعی کہلاتا ہے۔

اس کے بعد ان کی تفصیل بیان کر رہے تھے مصنف کہ تانیث بالتاء جو ہے وہ سبب بنے گی غیر انصراف کا، اور مؤثر ہو گی یعنی اپنا اثر دکھائے گی جب کہ شرط پوری ہو، اور شرط جو ہے اس کے اندر علمیت ہے۔ تانیث بالتاء میں شرط کیا ہے؟ علمیت کہ وہ علم ہو بھئی۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ جو تا ہے

لفظ کے ساتھ جو یہ کبھی جڑ جاتی ہے کبھی الگ ہو جاتی ہے، حالانکہ غیر انصراف کے لیے کہ ایک مضبوط سبب چاہیے بھئی۔ تو یہ تا تو کبھی جڑ جاتی ہے کبھی الگ ہو جاتی ہے: ضَارِبٌ، ضَارِبَةٌ دیکھو، کبھی تا ہے کبھی تا نہیں ہے، کبھی قَائِمَةٌ ہے کبھی قَائِمٌ ہے، کبھی فَاتِحَةٌ ہے کبھی فَاتِحٌ ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ تا الگ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کے لیے علم ہونے کی شرط لگائی تاکہ یہ تا پکی جڑ جائے کیونکہ علم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی بھئی، نام جیسا ہوتا ہے اس کو اسی طرح رکھا جاتا ہے۔ تو جب کسی کا نام ہی رکھ دیا گیا اب یہ تا اس لفظ سے جدا نہیں ہو سکتی اور کیونکہ نام میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔

تو تانیث بالتاء میں کیا شرط ہوئی کہ اس کو علم ہونا چاہیے بھئی۔ اگر علم نہیں پھر یہ تانیث بالتاء جو ہے یہ مؤثر بھی نہیں ہوگی اپنا اثر نہیں دکھائے گی، غیر انصراف کا سبب نہیں بنے گی۔

اور دوسرا معنوی جو ہے تانیثِ معنوی اس کے اندر میں نے بڑی لمبی تفصیل ذکر کی تھی بھئی۔ تانیثِ معنوی کے اندر دو شرطیں آپ نے پڑھی تھیں بھئی: ایک وہی پہلی شرط کہ وہ کیا ہونا چاہیے وہ لفظ؟ علم ہونا چاہیے، اور دوسری شرط کے اندر تفصیل تھی کہ تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز پوری ہو جائے تو پھر اس کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہو جائے گا۔ تین شرطیں کیا تھیں کہ وہ لفظ کیا ہونا چاہیے کم از کم؟ تین حرف سے زائد ہونا چاہیے، اور اگر تین حرف سے زائد نہیں تین والا ہے تو پھر کم از کم درمیان والا حرف متحرک ہونا چاہیے، اور اگر درمیان والا حرف بھی متحرک نہیں ہے تو پھر اس صورت میں اس لفظ کو کیا ہونا چاہیے؟ عجمی ہونا چاہیے۔ تو ان میں سے یہ تین میں سے جو بھی صورت پائی جائے اور ایک پہلی شرط بھی پوری ہو اور یہ والی بھی پوری ہو جائے تو پھر اس صورت میں اس لفظ کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہوگا، واجب ہوگا۔ جیسے زینب، زینب کے اندر تانیثِ معنوی ہے اور تانیثِ معنوی کے غیر انصراف کا سبب بننے کے لیے ہم نے کیا شرط ذکر کی کہ علمیت ہو، علمیت ہے زینب نام ہے، اور دوسری شرط کیا تھی کہ تین حروف سے زائد ہو، دیکھا تو اس میں تو چار حروف ہیں تین سے زائد ہیں، لہٰذا اب اس کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے، جَاءَتْنِي زَيْنَبُ، زَيْنَبٌ نہیں پڑھ سکتے بھئی، تنوین نہیں پڑھ سکتے اور کسرہ بھی نہیں پڑھ سکتے۔

یا دوسری مثال مثلاً سَقَرُ، سَقَرُ، اب سقر یہ علم ہے نام ہے جہنم کا، اور پہلی شرط پوری، دوسری شرط کیا تھی کہ یہ تین حرف سے زائد ہو، دوسری شرط تھی کہ تین حروف سے زائد ہو، وہ نہیں ہے، تو دوسری صورت کیا تھی کہ پھر کم از کم اگر تین پر مشتمل ہے تو درمیان والا کیا ہونا چاہیے؟ متحرک، اور وہ متحرک ہے تو یہ دوسری شرط بھی پوری ہو گئی، لہٰذا اس کو بھی غیر منصرف پڑھنا واجب ہے بھئی۔

اور تیسری مثال جیسے مَاهْ اور جُوزْ بھئی، مَاهْ اور جُوزْ یہ بھی قلعوں کے یا شہر کے نام ہیں دونوں الگ الگ، ماہ ایک نام ہے جو رالگ نام ہے، اور اس میں دیکھیے پہلی شرط پوری یہ علم ہیں اور دوسری شرط کی پہلی چیز تو پوری نہیں ہو رہی کہ تین حروف سے کیا ہونا چاہیے؟ زائد، اگر زائد نہیں تو پھر ہم نے کہا تھا کم از کم درمیان والا متحرک ہو لیکن وہ بھی یہاں پر متحرک نہیں ہے، تیسری صورت یہ تھی کہ شرط یہ تھی کہ پھر اس کے اندر کیا ہو؟ عجمی ہونا چاہیے، اور وہ شرط یہاں پوری یہ عجمی شہروں یا قلعوں کے نام ہیں عرب کے نام نہیں، لہٰذا یہ دوسری شرط پوری ہو گئی اس کی آخری صورت، لہٰذا یہ بھی کیا ہوگا؟ غیر منصرف پڑھنا اس کو واجب ہے، غیر منصرف پڑھنا واجب ہے واجب ہے۔

تو پہلی شرط بھی پوری ہو اور دوسری کی کوئی ایک چیز پائی جائے تو پھر اس لفظ کو غیر منصرف پڑھنا واجب، اور اگر پہلی شرط تو پوری ہو رہی ہے لیکن دوسری کوئی چیز پوری نہیں ہو رہی، نہ وہ تین سے زائد ہے نہ درمیان والا متحرک ہے اور نہ وہ عجمی ہے بلکہ وہ تو کیا ہے؟ عربی لفظ ہے، جیسے هِنْدٌ، ہند، تو لہٰذا اس جیسے لفظ میں جس میں صرف ایک شرط پوری ہو رہی ہے تانیثِ معنوی بھی ہے اور علمیت بھی ہے لیکن دوسری شرط کے اندر تفصیل تھی تین چیزوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ان میں سے کوئی بھی یہاں نہیں، تو اس قسم کے لفظ میں پھر اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز اور غیر منصرف پڑھنا بھی جائز۔ لہٰذا ہند کو آپ غیر منصرف پڑھنا چاہتے ہیں پڑھ سکتے ہیں: جَاءَتْنِي هِنْدُ، رَأَيْتُ هِنْدَ، مَرَرْتُ بِهِنْدَ، غیر منصرف بھی پڑھ سکتے ہیں اس لیے کیونکہ دو سبب تو بہر حال اس میں پائے جا رہے ہیں، کون سے دو سبب ہیں؟ ایک علمیت ہے، ایک تانیث ہے، اور چاہیں تو آپ اس کو منصرف پڑھ دیں: جَاءَتْنِي هِنْدٌ، رَأَيْتُ هِنْدًا، مَرَرْتُ بِهِنْدٍ، منصرف پڑھ لیا۔ کیوں پڑھا منصرف؟ اس لیے کیونکہ لفظ خفیف ہے، لفظ خفیف ہے ہلکا ہے، کیونکہ غیر منصرف کے اندر یہ جو دو سبب آجاتے ہیں ان کی وجہ سے لفظ میں ثقل آجاتا ہے، اور کسرہ اور تنوین اس لیے نہیں لاتے کہ وہ مزید ثقیل نہ ہو جائے، اور ہند تو خفیف ہے لہٰذا اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز ہے۔

معلوم ہوا تانیثِ معنوی میں دوسری شرط پائی جائے گی تو اس کو غیر منصرف پڑھنا واجب، اور اگر دوسری شرط نہیں پائی جاتی تو پھر اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز اور غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے۔

تانیث بالتاء کا بیان بھی گزر گیا، تانیثِ معنوی کا بیان بھی ہو گیا، اب تانیث بالالف المقصورۃ اور تانیث بالالف الممدودۃ رہ گئی وہ بیان کرنے لگے ہیں:

یادرکھو یہ تانیث بالالف جو ہے چاہے الفِ مقصورہ ہو چاہے الفِ ممدودہ ہو یہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہے، لہٰذا جس لفظ کے آخر میں تانیث والا الف آ جائے چاہے الفِ مقصورہ ہو چاہے الفِ ممدودہ ہو وہ غیر منصرف ہو گا اس کو غیر منصرف پڑھیں گے کیونکہ یہ تانیث بالالف کیا ہے؟ خود دو سببوں کے قائم مقام ہے۔

تو کہتے ہیں: وَالتَّأْنِيثُ بِالْأَلِفِ الْمَقْصُورَةِ كَحُبْلَى اور وہ تانیث جو الفِ مقصورہ کے ساتھ ہو كَحُبْلَى جیسے حُبْلَى، دیکھو یہ الفِ مقصورہ ہے۔ وَالْمَمْدُودَةِ كَحَمْرَاءَ اور وہ تانیث جو الفِ ممدودہ کے ساتھ ہو كَحَمْرَاءَ جیسے کہ حمراء، تو دیکھو الف کے بعد ہمزہ آرہا ہے تو یہ الفِ ممدودہ ہے۔ یہ جو الف تانیث چاہے الفِ مقصورہ کے ساتھ ہو یا الفِ ممدودہ کے ساتھ: مُمْتَنِعٌ صَرْفُهُمَا، ان کی ان دونوں کی صرف ممتنع ہے، یعنی ان کو منصرف پڑھنا ممتنع ہے ممتنع ہے، الْبَتَّةَ قطعی طور پر، یعنی ان کو قطعی طور پر غیر منصرف ہی پڑھیں گے، غیر منصرف ہی پڑھیں گے بھئی۔

لِأَنَّ الْأَلِفَ قَائِمٌ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ اس لیے کیونکہ یہ الف جو ہے تانیث والا یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے، بھئی کون سے دو سبب؟ کہتے ہیں: التَّأْنِيثُ وَلُزُومُهُ، ایک تانیث ہے ایک لزومِ تانیث ہے، یا لُزُومُهُ کی ہا ضمیر تانیث کو راجع، ایک تانیث اور ایک لزومِ تانیث۔ لزوم کا معنی لازم ہونا، یعنی جس لفظ کے ساتھ یہ الف آ جائے گا اس کے ساتھ تانیث لازم ہے، اس سے جدا نہیں ہوتی، یعنی یوں کہو آسان لفظوں میں: جس لفظ کے آخر میں یہ تانیث والا الف آئے گا جب یہ آ جائے پھر وہ لفظ مؤنث ہی ہو گا، ایسا نہیں ہو سکتا یہ الف بھی ہو اور وہ لفظ مؤنث نہ ہو تانیث اس سے جدا ہو جائے، نہیں نہیں، جب بھی یہ الف آئے گا وہ لفظ کیا ہو گا؟ مؤنث ہی ہو گا، اس سے تانیث جدا ہو جائے یہ ممکن نہیں ہے۔ تو اسی لیے کہا یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے: ایک تانیث اور ایک لزومِ تانیث یعنی اس سے تانیث کبھی جدا نہیں ہو سکتی۔

أَمَّا الْمَعْرِفَةُ: فَلَا يُعْتَبَرُ فِي مَنْعِ الصَّرْفِ مِنْهَا إِلَّا الْعَلَمِيَّةُ، معرفہ بھئی، بھئی معرفہ کی کئی قسمیں آپ نے پڑھی ہیں: آپ نے پڑھا ہے اسمِ اشارہ جو ہے یہ بھی کیا ہے؟ معرفہ، اسمِ موصول بھی کیا ہے؟ معرفہ، تمام ضمیریں بھی کیا ہیں؟ وہ بھی معرفہ ہیں، اور اسی طرح آپ نے پڑھا ہے علم جو ہوتا ہے کسی کا نام یہ بھی کیا ہے؟ معرفہ، اسی طرح معرف باللام یعنی وہ لفظ جس پر الف لام داخل ہو جائے تو وہ بھی معرفہ، اور ان میں سے کسی کی طرف جو مضاف ہو جائے وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ معرفہ ہوتا ہے۔

تو ان میں سے صرف جو علم ہے وہ سبب بنے گا غیر انصراف کا، باقی باقی اسمِ اشارہ وغیرہ، اسمِ موصول وغیرہ وہ سبب نہیں بنیں گے۔ صرف علم سبب بنے گا۔ تو معرفہ میں کیا معتبر ہے؟ صرف علمیت معتبر ہے بھئی، علمیت۔ بھئی باقی کیوں نہیں سبب بنیں گے؟ بھئی دیکھیے باقی تین جو ہیں وہ تو مبنی ہیں: ضمیریں بھی مبنی، اسمِ اشارہ بھی مبنی، اسمِ موصول بھی مبنی۔ غیر منصرف ہونا معرب جو ہے وہ غیر منصرف ہوا کرتا ہے مبنی تو اس کی تو حالت برقرار رہتی ہے ہر جگہ پر۔ لہٰذا جب وہ تین مبنی ہیں وہ تو ویسے ہی نکل گئے۔ باقی کیا رہ گیا؟ معرفہ اور علم اور معرف باللام اور جو ان میں سے کسی کی طرف مضاف، تو اس میں سے معرف باللام بھی نکل گیا اور مضاف بھی نکل وہ جو مضاف ہو رہا ہو ان میں سے کسی کی طرف وہ بھی نکل گیا، اس لیے کیونکہ آگے چل کر یہ آپ کو بتائیں گے کہ غیر منصرف پر بھی جب الف لام داخل ہو جائے یا اس کی اضافت آگے کسی لفظ کی طرف ہو جائے یعنی وہ مضاف بن جائے تو اس صورت میں وہ منصرف کے حکم میں ہو جاتا ہے یعنی اس پر پھر کسرہ آ جاتا ہے، تنوین تو نہیں آسکتی کیونکہ مضاف پر تنوین داخل نہیں ہوتی اور الف لام کے ساتھ بھی تنوین نہیں آتی، تنوین تو اس پر نہیں آئے گی لیکن کسرہ بہر حال آسکتا ہے یعنی یہ منصرف کے حکم میں ہو گیا۔ معلوم ہوا الف لام یوں کہو لامِ تعریف اور اضافت یہ غیر منصرف کو کس کے حکم میں کر دیتے ہیں؟ منصرف کے حکم میں کر دیتے ہیں۔ تو لہٰذا یہ دونوں بھی نکل گئے۔ تین رہ گئے تھے نا: علم اور معرف باللام اور جو ان کی میں سے کسی کی طرف مضاف، ان میں سے معرف باللام بھی نکل گیا کیونکہ وہ تو غیر انصراف کے خلاف ہے، وہ تو غیر منصرف کو بھی کیا بنا دیتا ہے؟ منصرف کے حکم، اضافت بھی نکل گئی کیونکہ وہ بھی کیا کرتی ہے غیر منصرف کو کس کے حکم میں کر دیتی ہے؟ منصرف کے حکم میں کر دیتی ہے، تو یہ دو چیزیں تو غیر انصراف کے منافی ہیں، لہٰذا اب صرف علم ہونا رہ گیا، اسی لیے کہا کہ معرفہ میں سے صرف کون سبب بنے گا؟ علم بنے گا۔

کہتے ہیں: أَمَّا الْمَعْرِفَةُ فَلَا يُعْتَبَرُ فِي مَنْعِ الصَّرْفِ مِنْهَا باقی معرفہ جو ہے پس معتبر نہیں ہے غیر منصرف ہونے میں اس معرفہ میں سے إِلَّا الْعَلَمِيَّةُ مگر علم ہونا۔ علمیت، بھئی دیکھیے علم ہوتا ہے نام، علم کسے کہتے ہیں؟ نام۔ اور عربی میں جب کسی لفظ سے مصدر بنانا ہو تو اس کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ملا دیتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟ اس کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ملا دیتے ہیں تو وہ مصدر بن جاتا ہے، تو اب یہ علمیت، علم سے کیا بن گیا؟ علمیت، علم کا معنی نام اور علمیت کا معنی نام ہونا، علم ہونا، دیکھو مصدر بن گیا، مصدر کے آخر میں نا آتا ہے، تو علمیت کا کیا معنی؟ نام ہونا یعنی علم ہونا۔

وَتَجْتَمِعُ مَعَ غَيْرِ الْوَصْفِ اور یہ علمیت جمع ہو جاتی ہے وصف کے علاوہ کے ساتھ۔ بھئی علمیت عدل کے ساتھ بھی جمع ہو جائے گی، علمیت تانیث

کے ساتھ بھی جمع ہو جائے گی، اور اسی طرح علمیت عجمہ وغیرہ کے ساتھ بھی جمع ہو جائے گی، علمیت الف نون زائدتان کے ساتھ بھی جمع ہو جائے گی، تو باقیوں کے ساتھ یہ علمیت جمع ہو سکتی ہے جتنے سبب ہیں غیر انصراف کے، لیکن وصف کے ساتھ نہیں جمع ہو سکتی۔ ایسا نہیں ہو سکتا ایک لفظ آئے آپ اس میں کہیں کہ غیر انصراف کے دو سبب ہیں: ایک اس میں علم ہے، ایک وصف ہے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ علم اور وصف دونوں ایک ہی لفظ کے اندر اکٹھے نہیں ہو سکتے، غیر انصراف کا سبب بنیں اور اکٹھے ہو جائیں۔ اور اس کی کیا وجہ؟ میں پہلے وجہ ذکر کر چکا ہوں، وصف کے اندر یہ ذکر ایا تھا، اس لیے کیونکہ وصف دلالت کرتا ہے ذاتِ مبہم پر اور علم دلالت کرتا ہے ذاتِ معین پر، اور ایک ہی چیز معین بھی ہو اور مبہم بھی ہو ایسا نہیں ہو سکتا، اگر معین ہے تو مبہم نہیں، اور اگر مبہم ہے تو معین نہیں۔ تو لہٰذا یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

أَمَّا الْعُجْمَةُ: فَشَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ عَلَمًا فِي الْعُجْمَةِ، وَزَائِدَةً عَلَى ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ كَإِبْرَاهِيمَ، أَوْ ثُلَاثِيًّا مُتَحَرِّكَ الْأَوْسَطِ كَشَتَرَ۔

اب عجمہ ایا، عجمہ کا معنی ہے عجمی ہونا، عجمہ کا کیا معنی؟ عجمی ہونا، یعنی وہ لفظ عربی نہ ہو غیر عربی ہو، کسی دوسری زبان کا۔ اور یہ پانچواں سبب ذکر کر رہے ہیں غیر انصراف کا بھئی: پہلا کیا تھا؟ عدل، دوسرا وصف، تیسرا تانیث، چوتھا معرفہ، اور پانچواں عجمہ۔ تو عجمہ یہ بھی سبب بنے گا غیر انصراف کا، غیر منصرف کا، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ عجمی زبان میں بھی علم ہونا چاہیے، دیکھیے خود بتلا رہے ہیں: أَمَّا الْعُجْمَةُ فَشَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ عَلَمًا فِي الْعُجْمَةِ، تو عجمہ کی شرط یہ ہے یعنی اس کے مؤثر ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہونا چاہیے عجمی زبان میں بھی، یعنی دیکھیے بھئی یہ ایک لفظ ہے، یہ پہلے مثلاً اردو میں استعمال ہو رہا ہے، عربی لفظ نہیں ہے کس زبان کا ہے؟ اردو کا، اس کو آپ لے گئے اٹھا کر کہاں پر؟ عربی زبان کے اندر۔ تو شرط کیا ہے؟ یہ عجمہ غیر انصراف کا سبب بنے گا، مؤثر ہو گا، اپنا اثر دکھائے گا، لیکن شرط پوری ہونی چاہیے اور وہ شرط کیا؟ کہ عجمی زبان میں بھی یہ کسی کا علم ہو، معلوم ہوا اردو میں بھی یہ کسی کا نام تھا، آپ اس کو کہاں لے گئے؟ عربی میں، وہاں بھی کسی کا نام نام اب استعمال کر رہے ہیں نام کے طور پر، تو یہ مؤثر ہو گا۔

لیکن یہ یاد رکھو انہوں نے کہا نا کہ عجمی زبان میں بھی کیا ہونا چاہیے؟ علم، علم، لیکن یہ شرط یہ نہیں ضروری، ضروری یہ ہے کہ عربی میں جب پہلی دفعہ استعمال ہو تو بطورِ علم کے ہو۔ اردو سے ایک لفظ لے گئے کہاں لے گئے؟ عربی میں لے گئے، لیکن عربی میں پہلے استعمال ہی کس طریقے پر کر رہے ہیں؟ علم کے طور پر، یعنی اردو سے عربی میں لے گئے کسی کا نام رکھا ہے وہاں، ویسے نہیں استعمال کر رہے یہ لفظ، جب نام رکھا ہے تو نام کے اندر کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی، جب تبدیلی نہیں ہو گی تو لفظ تو اردو کا ہے تو عربوں کے لیے اس کی زبان پر ادائیگی دشوار ہو گی، جب دشوار ہو گی تو ثقل اگیا یا نہیں اگیا؟ ثقل اگیا، جب ثقل اگیا علمیت بھی ہے اس کا بھی ثقل، عجمہ کا بھی ثقل، دو سبب دو ثقل اگئے، لہٰذا اب اس کو کیا پڑھو؟ غیر منصرف پڑھو، یعنی تیسرا ثقل نہ لاؤ کسرہ اور تنوین والا۔ صورت سمجھ میں اگئی؟ تو معلوم ہوا یہ ضروری نہیں ہے کہ عجمی زبان کے اندر بھی وہ علم ہو، بلکہ ضروری یہ ہے کہ عربی میں جب اولاً استعمال ہو کس طریقے پر ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے تاکہ اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو بھئی۔

تو ایک شرط یہ کہ وہ علم ہونا چاہیے عجمی زبان میں، وَزَائِدَةً عَلَى ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ دوسری شرط یہ کہ وہ تین حروف سے زائد ہونا چاہیے، تین حروف سے زائد ہونا چاہیے جیسے ابراہیم ہے، ابراہیم۔ اب ابراہیم دیکھو غیر منصرف ہے، غیر منصرف، اسی لیے اس پر کاف جارہ داخل ہے اور کاف جارہ کیا کرتا ہے؟ جر دے دیتا ہے، تو ہونا کیا چاہیے تھا؟ اِبْرَاہِیْمِ، لیکن اپ دیکھ رہے ہیں تنوین بھی نہیں ارہی اور کسرہ بھی نہیں ارہا، معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ غیر منصرف ہے: اِبْرَاہِیْمَ۔ اب اگر اپ سے کوئی پوچھے بھئی یہ ابراہیم پر اپ نصب کیوں پڑھ رہے ہیں؟ اپ کیا جواب میں کہیں گے کہ یہ نصب نہیں ہے، یہ جر ہے، یہ مجرور ہے اس وقت کیونکہ کاف جارہ داخل ہوا، اور ہم نے نحو میں پڑھا ہے جس پر حرفِ جر داخل ہو جائے وہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور ہوتا ہے کبھی بھی منصوب نہیں، جب یہ مجرور ہے تو پھر وہ اپ سے سوال کرے گا اچھا بھئی پھر اس پر زبر کیوں فتحہ کیوں پڑھ رہے ہو؟ اپ کہیں گے یہ فتحہ نہیں ہے یہ جر ہی ہے، غیر منصرف کی جر اتا ہی اس صورت میں ہے۔

أَوْ ثُلَاثِيًّا مُتَحَرِّكَ الْأَوْسَطِ كَشَتَرَ، یا تین حروف والا ہو تو کیا ہونا چاہیے؟ ایسا ثلاثی ہو ایسا تین حرف والا لفظ ہو متحرک الاوسط جس کا درمیان والا حرف کیا ہو؟ متحرک ہو كَشَتَرَ جیسے کہ شتر۔ اب شتر یہ بھی ایک قلعے کا نام ہے اور یہ عجمی نام ہے، عجمی نام ہے، تو شتر ایک قلعے کا نام ہے اور عربی میں ایا لیکن بطورِ علم کے استعمال ہوا قلعے کے نام کے طور پر، لہٰذا عجمہ مؤثر ہوا: ایک تو اس میں علمیت ہے اور دوسرا عجمہ ہے۔ اور عجمہ کے مؤثر ہونے کے لیے پہلی شرط کیا تھی؟ علم ہونا چاہیے، علم بھی ہے۔ دوسری شرط یہ تھی کہ تین حروف سے زائد ہو، یا تین والا ہو تو کم از کم درمیان والا متحرک ہو، اور یہاں پر بھی درمیان والا حرف متحرک ہے اس لیے غیر منصرف۔

فَلِجَامٌ مُنْصَرِفٌ لِعَدَمِ الْعَلَمِيَّةِ پس لجام، لجام بھی گھوڑے کی لگام ہوتی ہے، لگام، اور یہ فارسی لفظ ہے اور یہ لفظ چلا گیا عربی زبان میں، عرب بھی وہی یہی لفظ استعمال کرنے لگے، لیکن اپنی زبان کے مطابق اس میں تبدیلی کر دی، اب وہ لگام عربی نہیں بلکہ وہ لِجَامٌ بولتے ہیں، کیا بولتے ہیں؟ لِجَامٌ، لام کے نیچے زیر ہے۔ تو اب ان کے لیے ادائیگی اسان ہو گئی، لہٰذا ثقل نہیں ایا، تو یہاں عجمہ کی شرائط نہیں پوری: کیا شرط تھی پہلی؟ علم ہونا، یہ تو علم ہے ہی نہیں، اس گھوڑے کی لگام ہے وہ بھی لجام ہے، دوسرے کی لگام ہے وہ بھی لجام ہے، تیسرے کی لگام ہے وہ بھی کیا ہے؟ لجام، تو معلوم ہوا یہ علم نہیں اور ہم نے تو عجمہ کے مؤثر ہونے کے لیے کیا شرط لگائی تھی؟ علم ہونا چاہیے: فَلِجَامٌ مُنْصَرِفٌ لِعَدَمِ الْعَلَمِيَّةِ پس لجام کا لفظ منصرف ہے علم نہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ اس میں علمیت نہیں ہے۔

وَنُوحٌ مُنْصَرِفٌ لِسُكُونِ الْأَوْسَطِ اور نوح کا لفظ بھی منصرف ہے درمیان والے حرف کے ساکن ہونے کی وجہ سے۔ اب نوح علیہ السلام وہ تو وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے گزرے ہیں، معلوم ہوا نوح کا لفظ کیا ہے؟ عجمی ہے یا عربی ہے؟ عجمی ہے، معلوم ہوا اس میں عجمہ ہے، عجمہ کے مؤثر ہونے کے لیے پہلی شرط کیا تھی؟ علم ہونا چاہیے، یہ بھی کیا ہے؟ علم ہے۔ دوسری شرط کیا تھی؟ تین حروف سے زائد، یہ تین حروف سے تو زائد نہیں، پھر کہا تھا اگر تین حروف والا ہے تو درمیان والا کیا ہونا چاہیے؟ متحرک، اس میں بھی درمیان والا حرف متحرک نہیں ہے تو اس کے اندر درمیان والا حرف متحرک نہیں ہے بلکہ ساکن ہے، لہٰذا دوسری شرط پوری نہ ہوئی اور جب دوسری شرط پوری نہ ہوئی تو اب عجمہ ہے اس کے اندر لیکن وہ مؤثر نہیں یعنی غیر انصراف کا سبب نہیں بنے گا، بلکہ اس کو کیا پڑھا جائے گا؟ منصرف ہی پڑھا جائے گا: نُوحٌ، دیکھو تنوین پڑھی جا رہی ہے۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۷: اسبابِ منعِ صرف: جمع منتہی الجموع، ترکیبِ مزجی اور الف ونونِ زائدتان

ہدایۃ النحو صفحہ: ۲۰—بتاریخ: ۲۲ ستمبر ۲۰۱۴ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

أَمَّا الْجَمْعُ: فَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ عَلَى صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ، وَهُوَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَ أَلِفِ الْجَمْعِ حَرْفَانِ كَمَسَاجِدَ، أَوْ حَرْفٌ مُشَدَّدٌ مِثْلُ دَوَابَّ، أَوْ ثَلَاثَةُ أَحْرُفٍ أَوْسَطُهَا سَاكِنٌ غَيْرُ قَابِلٍ لِلْهَاءِ كَمَصَابِيحَ، فَصَيَاقِلَةٌ وَفَرَازِنَةٌ مُنْصَرِفٌ لِقَبُولِهِمَا الْهَاءَ، وَهُوَ أَيْضًا قَائِمٌ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ: الْجَمْعِيَّةُ وَلُزُومُهَا.

أَمَّا التَّرْكِيبُ: فَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ عَلَمًا بِلَا إِضَافَةٍ وَلَا إِسْنَادٍ كَبَعْلَبَكَّ، فَعَبْدُ اللَّهِ مُنْصَرِفٌ، وَمَعْدِي كَرِبَ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ، وَشَابَ قَرْنَاهَا مَبْنِيٌّ.

أَمَّا الْأَلِفُ وَالنُّونُ الزَّائِدَتَانِ: إِنْ كَانَتَا فِي اسْمٍ فَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ عَلَمًا كَعِمْرَانَ وَعُثْمَانَ، فَسَعْدَانُ اسْمُ نَبْتٍ مُنْصَرِفٌ لِعَدَمِ الْعَلَمِيَّةِ، وَإِنْ كَانَتَا فِي صِفَةٍ فَشَرْطُهُ أَنْ لَا يَكُونَ مُؤَنَّثُهُ عَلَى فَعْلَانَةَ كَسَكْرَانَ، فَنَدْمَانُ مُنْصَرِفٌ لِوُجُودِ نَدْمَانَةٍ.

اسبابِ منعِ صرف بیان ہو رہے ہیں، سب سے پہلے انہوں نے عدل کے بارے میں بتلایا، پھر وصف کے بارے میں بتلایا، اور اس کے بعد تانیث، معرفہ اور عجمہ کا بیان ہوا بھئی۔ آج ہم جمع کے بارے میں پڑھیں گے بھئی۔ آپ نے پڑھا تھا اسبابِ منعِ صرف میں سے ایک کیا ہے؟ ایک سبب جمع ہے۔

کہتے ہیں: أَمَّا الْجَمْعُ تو باقی جمع جو ہے: فَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ عَلَى صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ، تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ منتہی الجموع کے صیغہ پر ہو۔ منتہی الجموع کے صیغہ پر ہو یعنی جمع کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ جمع منتہی الجموع کے صیغے پر ہو بھئی۔

بھئی منتہی الجموع کسے کہتے ہیں؟ خود بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں: وَهُوَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَ أَلِفِ الْجَمْعِ حَرْفَانِ، اور وہ یہ کہ الفِ جمع کے بعد دو حرف آئیں بھئی، كَمَسَاجِدَ جیسے مساجد بھئی۔ دیکھیے یہ مساجد کس کی جمع ہے؟ مسجد کی، مسجد کی۔ تو مسجد کی جمع ہے، تو مسجد میں دیکھیے میم کے بعد سین ہے اور سین کے بعد جیم ہے، جیم ہے، اور پھر کیا کیا گیا؟ اس سین کے بعد الف کا اضافہ کر دیا گیا۔ تو یہ جمع کے اندر الف کا اضافہ کیا جا رہا ہے تو یہ الفِ جمع ہے بھئی۔ کس کے لیے الف لے کر آئے ہیں ہم؟ جمع کے لیے۔ تو یہ الفِ جمع ہے، اور انہوں نے کیا کہا کہ الفِ جمع کے بعد کتنے حروف آنے چاہئیں؟ دو حروف، تو مساجد دیکھو الفِ جمع کے بعد جیم بھی ہے اور دال بھی ہے، دو حروف آ گئے۔ تو یہ منتہی الجموع کا صیغہ ہے بھئی۔

اور یاد رکھیے یہ آپ کو آگے چل کر بتائیں گے کہ یہ جو جمع ہے یہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہے بھئی، لہٰذا جب یہ آ جائے تو پھر وہ لفظ یہ سبب آ جائے تو پھر وہ لفظ غیر منصرف ہو گا بھئی، یعنی پھر وہاں دوسرا سبب تلاش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ سبب خود کیا ہے؟ دو سببوں کے قائم مقام ہے بھئی۔ اسی لیے كَمَسَاجِدَ اس پر کاف جارہ داخل ہے، اور اس کے باوجود اس پر کسرہ بھی نہیں آ رہا اور تنوین بھی نہیں آ رہی بلکہ كَمَسَاجِدَ۔

تو کہتے ہیں منتہی الجموع وہ ہے صیغہ کہ اس کے میں الفِ جمع کے بعد کتنے حروف آئیں؟ دو حروف آئیں جیسے کہ مساجد۔

أَوْ حَرْفٌ مُشَدَّدٌ مِثْلُ دَوَابَّ، یاالفِ جمع کے بعد کوئی حرفِ مشدد آجائے جیسے دَوَابَّ۔ اب یہاں پر دیکھیے دَوَابَّ الفِ جمع کے بعد بامشدد آ رہی ہے، تو یہ حرفِ مشدد بھی دراصل کتنے حروف ہوتے ہیں؟ دو حروف ہوتے ہیں۔ تو یہ دو حروف ہوتے ہیں، تو اس کو مصنف نے صراحتاً ذکر کر دیا کہ حرفِ مشدد آجائے الف کے بعد تو یہ بھی کیا ہے؟ منتہی الجموع کا صیغہ ہے اور یہ دراصل دو حروف ہی ہیں بھئی۔ تو مِثْلُ دَوَابَّ دیکھیے اس پر بھی کسرہ بھی نہیں آیا اور تنوین بھی نہیں آئی۔

أَوْ ثَلَاثَةُ أَحْرُفٍ أَوْسَطُهَا سَاكِنٌ، یاالفِ جمع کے بعد تین ایسے حروف ہوں أَوْسَطُهَا سَاكِنٌ کہ ان کا درمیان ساکن ہو۔ الفِ جمع کے بعد کتنے حروف آئیں؟ تین حروف، لیکن ان تین میں سے جو درمیان والا ہو وہ ساکن ہو، غَيْرَ قَابِلٍ لِلْهَاءِ، اس حال میں کہ وہ جمع جو ہے غیر قابل للھاء، ہا کو قبول کرنے والی نہ ہو۔ قابل: قبول کرنے والا، غیر قابل للھاء وہ ہا کو قبول کرنے والی نہ ہو بھئی، وہ نہ ہو۔ كَمَصَابِيحَ جیسے مصابیح، یہ جمع ہے مصباح کی، جیسے اوپر دَوَابُّ جمع تھی دَابَّةٌ کی بھئی، تو مصابیح جمع ہے مصباح کی اور مصباح چراغ کو کہتے ہیں۔ اور دَابَّةٌ زمین پر چلنے والی ہر چیز جو ہے دابہ بھئی، اور بعد میں یہ چوپایوں کے ساتھ خاص ہو گیا۔ تو جیسے مصابیح بھئی، اس میں دیکھیے یہ جمع ہے مصباح کی، درمیان میں الفِ جمع لے کر آئے اور الفِ جمع کے بعد کتنے حروف ہیں؟ تین حروف ہیں: با، یا اور حا، اور ان تین میں سے جو درمیان والا ہے یعنی یا وہ ساکن ہے بھئی، ساکن ہے۔

اور نیز ایک شرط انہوں نے اور بھی ذکر کر دی کہ وہ ہا کو قبول نہ کرے بھئی، ہا کو قبول نہ کرے۔ یاد رکھیے ہا سے مراد گول تا ہے، گول تا جو حالتِ وقف میں ہا بن جاتی ہے، جیسے قَائِمَةٌ، اسی کو وقف کریں اس پر کیا بنے گا؟ قَائِمَهْ، تو دیکھو یہ گول تا کس سے بدل گئی وقف کی صورت میں؟ ہا کے ساتھ بدل گئی، تو یہ وہ ہا مراد ہے یعنی وہ گول تا بھئی۔

تو گویا یوں کہیں جمع کی شرط کیا ہوئی کہ کون سا صیغہ ہونا چاہیے؟ منتہی الجموع کا صیغہ ہونا چاہیے، اور منتہی الجموع کا صیغہ کیا ہے کہ الفِ جمع کے بعد دو حرف ہوں، یا حرفِ مشدد ہو، یا تین حرف ہوں جن میں درمیان والا ساکن ہو، اور ایک اور شرط بھی ذکر کر دی کہ وہ ہا کو قبول نہ کرتا ہو بھئی۔ وہ جو وزن آیا ہے اس وہ ہا کو قبول نہ کرتا ہو، اگر اس کے ساتھ وہ تھا یعنی گول تا، گول تا اگر وہ جڑ جاتی ہے کسی صورت میں تو پھر اس صورت میں وہ غیر منصرف نہیں رہے گا بھئی، سمجھ میں آئی بات؟ پھر وہ غیر منصرف نہیں رہے گا۔ اس لیے کیونکہ آخر میں اگر تا جڑ جائے تو پھر یہ مفرد کے ساتھ اس کی مشابہت ہو جاتی ہے، کیونکہ آخر میں یہ جو تا آئی تو یہ تا کس لیے آیا کرتی ہے؟ مفرد کے مفرد کے اوزان میں یہ گول تا آیا کرتی ہے، تو اگر اس صیغے کے آخر میں کیا جڑ جاتی ہو؟ تا جڑ جاتی ہو تو اس کی مشابہت کس کے ساتھ ہوئی؟ مفرد کے ساتھ، اور یہ تو تھی جمع اور مشابہت آگئی مفرد کے ساتھ، تو اس لیے اب وہ جمع جو ہے اپنا اثر نہیں دکھائے گی بھئی، صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

غَيْرَ قَابِلٍ لِلْهَاءِ اس حال میں کہ وہ جمع ہا کے قابل نہ ہو، وہ جمع ہا کے قابل نہ ہو۔ یاد رکھیے یہ غَيْرَ قَابِلٍ لِلْهَاءِ یہ حال ہے جمع سے، کس سے؟ ہاں یہ جو يَكُونَ پیچھے آیا تھا: فَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ عَلَى صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ، تو اس جمع کی شرط یہ ہے کہ أَنْ يَكُونَ کہ وہ جمع جو ہے، يَكُونَ کے اندر ضمیر ہے جو کس کو راجع؟ جمع کو، کہ وہ جمع جو ہے عَلَى صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ کس صیغہ پر ہو؟ منتہی الجموع کے صیغہ پر ہو، اس حال میں غَيْرَ قَابِلٍ لِلْهَاءِ کہ وہ جمع ہا کو قبول کرنے والی نہ ہو۔ تو یہ حال ہے کس سے؟ يَكُونَ کے اندر هُوَ ضمیر جو کس کو راجع؟ جمع کو راجع۔ تو گویا یہ دو شرطیں ذکر کر دیں: ایک تو یہ کہ وہ جمع کس صیغے پر ہو؟ منتہی الجموع، اور نیز دوسری شرط گویا یہ ہو گئی کہ وہ جمع ہا کو قبول کرنے والی نہ ہو، تو دو شرطیں ہو گئیں۔

تو انہوں نے آپ کو بتلایا کہ جمع جو ہے وہ بھی غیر انصراف کا سبب ہے اور دو سببوں کے قائم مقام ہے، دو سببوں کے قائم مقام، لیکن اس کی شرط انہوں نے یہ ذکر کی کہ منتہی الجموع کا صیغہ ہو اس حال میں کہ وہ ہا کو قبول نہ کرتا ہو، گویا دو شرطیں ذکر کر دیں: ایک شرط تو یہ کہ وہ صیغہ کون سا ہونا چاہیے؟ منتہی الجموع والا، اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس ہا کو بھی قبول نہ کی کر قبول کرنے والا نہ ہو یعنی ہا سے کیا مراد ہے؟ وہ تائے تانیث مراد ہے تا جو وقف کی صورت میں کیا بن جاتی ہے؟ ہا بن جاتی ہے۔ تو دوسری شرط یہ ہو گئی کہ وہ ہا کو بھی قبول کرنے والی نہ وہ جمع ہا کو بھی قبول نہ کرے بھئی۔

وجہ اس کی یہ کیونکہ یہ جو ہا جو ہے آخر میں آجائے یعنی آخر میں تائے تانیث آجائے تو اس صورت میں یہ تائے تانیث مفرد میں آیا کرتی ہے۔ یہ تائے تانیث کس میں آتی ہے؟ مفرد، اور مفرد اور جمع تو ایک دوسرے کی ضد ہیں، جو مفرد ہے وہ جمع نہیں، جو جمع ہے وہ مفرد نہیں۔ تو یہاں سبب بن رہا تھا جمع، اور وہ جمع جب اس میں تائے تانیث آگئی تو اس کی مشابہت مفرد کے ساتھ ہو گئی، تو جمع والی جانب کمزور ہو گئی، جب جمع والی جانب کمزور ہو گئی اب یہ غیر انصراف کا سبب نہیں بنے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ایک لفظ تھا کس وزن پر آرہا ہے؟ منتہی الجموع کے وزن پر، تو لہٰذا اب یہ غیر منصرف ہو گا، لیکن اگر یہ تا کو قبول کر

لیتا ہے تو اس نے تو کس جیسے کس کی مشابہت اختیار کر لی؟ مفرد کی مشابہت اختیار کر لی، تو کون سی جانب کمزور ہوئی؟ جمع والی جانب کمزور ہو گئی، اور جمع ہی نے تو کیا بننا تھا؟ غیر انصراف کا سبب، جب وہ جانب کمزور ہو گئی تو اب یہ غیر انصراف کا سبب نہیں بنے گی بلکہ وہ لفظ کیا رہے گا؟ منصرف رہے گا، وجہ اچھی طرح سمجھ میں آ گئی بھئی؟

فَصَيَاقِلَةٌ وَفَرَازِنَةٌ مُنْصَرِفٌ، تو صَيَاقِلَه اور فَرَازِنَه کا لفظ دیکھو منصرف ہے، صیاقلہ اور فرازنہ کا لفظ منصرف ہے، لِقَبُولِهِمَا الْهَاءَ اس وجہ سے کہ یہ دونوں کس کو قبول کر لیتے ہیں؟ ہا کو قبول کر لیتے ہیں، ہا کو قبول کر لیتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: فَصَيَاقِلَةٌ وَفَرَازِنَةٌ مُنْصَرِفٌ لِقَبُولِهِمَا الْهَاءَ، تو صیاقلہ اور فرازنہ کا لفظ جو ہے منصرف ہے اس وجہ سے کہ یہ دونوں قبول کر لیتے ہیں ہا کو۔

وَهُوَ أَيْضًا قَائِمٌ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ اور یہ جمع جو ہے یہ بھی دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ میں نے تو آپ کو پہلے بتایا تھا لیکن مصنف نے تو ابھی آپ کو نہیں بتایا تھا کہ یہ جمع کیا ہے؟ دو سببوں کے قائم مقام ہے، وہ اب بیان کر دیا۔ کہتے ہیں: وَهُوَ أَيْضًا قَائِمٌ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ اور یہ جمع بھی دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ وہ دو سبب کیا ہیں؟ تانیث میں پڑھا تھا: تانیث دو سببوں کے قائم مقام ہے: ایک تانیث اور ایک لزومِ تانیث بھئی، یہاں بھی اسی طرح ہے: الْجَمْعِيَّةُ وَلُزُومُهَا، ایک جمع ہونا اور ایک یوں کہو جمعیت اور ایک لزوم جمعیت کہ جمع اس کے ساتھ لازم ہے۔

بھئی دیکھیے اردو میں تو ایسا ہوتا ہے ایک لفظ ہے اس کی ایک آگے جمع آ جاتی ہے یا دو قسم کی جمعیں آ جائیں گی، لیکن عربی میں ایسا دیکھیں گے آپ کہ ایک لفظ کی ایک جمع آ جاتی ہے، پھر آگے اس جمع کی جمع آ جاتی ہے، پھر آگے اس جمع کی آگے کیا آ جاتی ہے؟ جمع آ جاتی ہے، تو بعض اوقات یہ سلسلہ دو تین تک چلا جاتا ہے اور جمع کی جمع اور پھر جمع کی جمع آگے آتی چلی جاتی ہے، صورت سمجھ میں آ رہی ہے بھئی؟ تو یہ جو منتہی الجموع کا صیغہ ہے، منتہی الجموع کا صیغہ یہ جو ابھی ذکر کیا: الفِ جمع کے بعد دو حرف ہوں یا ایک حرفِ مشدد ہو یا تین حروف ہوں جن کا درمیان والا حرف ساکن ہو، یہ جو ہے یہ عموماً جو ہے دوسرے درجے میں آتی ہے، کس درجے میں آتی ہے؟ دوسرے درجے میں آ جاتی ہے، کبھی پہلے میں بھی آ جاتی ہے لیکن عموماً کہاں آتی ہے؟ دوسرے درجے میں اتی ہے: پہلے ایک لفظ کی ایک جمع آئے گی اور پھر اگلی جمع کیا آ جائے گی؟ جمع منتہی الجموع آ جائے گی۔

اور دیکھیے بھئی ایک لفظ کی جب جمع اتی ہے تو اپ خود دیکھتے ہیں اس کی اس کا صیغہ بدل جاتا ہے، مفرد کا وزن ٹوٹ جاتا ہے۔ مفرد کا وزن اپ نے پڑھا ہی نہیں: ایک جمع سالم ہے ایک جمع مکسر ہے، جمع سالم جس کے اندر مفرد کا وزن سلامت رہتا ہے اور جمع مکسر جس کے اندر مفرد کا وزن ٹوٹ جاتا ہے، جیسے رَجُلٌ کی جمع رِجَالٌ، رجل میں دیکھو را پر زبر ہے رجال میں را کے نیچے زیر ہے، دیکھو معلوم ہوا وزن خراب ہو گیا وزن بدل گیا ٹوٹ گیا بھئی، اور رجل میں جیم پر پیش ہے رجال میں جیم پر زبر ہے، اور رجل میں جیم کے بعد لام ہے اور رجال میں جیم کے بعد الف یا الفِ جمع آ گیا، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو دیکھو ایک لفظ کی میں نے بتایا یہ منتہی الجموع جو ہے یہ پہلے درجے میں بھی اجاتی ہے لیکن عموماً کس درجے میں اتی ہے؟ دوسرے درجے میں اتی ہے بھئی، دوسرے درجے میں اتی ہے۔ مثلاً ایک مفرد تھا اس کی جمع ائی، جب جمع ائی تو مفرد کا وزن کیا ہوا؟ ٹوٹ گیا، پھر اس جمع کی اگے جمع ائی تو اس میں اس جمع کا وزن ٹوٹ جائے گا۔ اب کس کی جمع ا رہی ہے؟ جمع کی جمع، تو اس پہلی جمع کا وزن اگلی جمع میں کیا ہو گا؟ ٹوٹ جائے گا۔ پھر مثلاً اس جمع کی اگے جمع اتی ہے تو اس دوسری جمع کا وزن اس تیسری جمع میں جا کر ٹوٹ جائے گا، صورت سمجھ میں ارہی ہے؟ تو وزن اس طرح ٹوٹتا چلا جائے گا یعنی بدلتا جائے گا نیا نیا وزن اتا جائے گا۔

لیکن یہ جو جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہے یہ جب ایک دفعہ اجائے تو اس سے اگے پھر جمع کا وزن ٹوٹتا نہیں۔ اس سے اگے پھر جمع کا وزن نہیں ٹوٹے گا، اسی کی اگے جمع سالم اجائے گی، کیا اجائے گی؟ اور جمع سالم میں تو وزن نہیں ٹوٹتا، اور ہم تو بات کس کی کر رہے ہیں کہ وزن ٹوٹے، تو لہٰذا اس کو منتہی الجموع کہتے ہیں جس پر جموں کی انتہا ہو رہی ہے، منتہیٰ جہاں پر انتہا ہو رہی ہے۔ تو منتہی الجموع وہ جس پر جمعوں کی انتہا ہو رہی ہے، کیا معنی انتہا ہو رہی ہے؟ یعنی اس سے اگے کوئی نیا وزن نہیں ائے گا، یہ ٹوٹے گا نہیں یہ وزن، اسی سے اگے جمع سلامت تو اسکتی ہے لیکن جمع مکسر اگے چاہے یہ پہلے درجے پہ اجائے اگے پھر وزن نہیں ٹوٹے گا اگے جمع سالم اسکتی ہے جمع مکسر نہیں، چاہے دوسرے نمبر پر اجائے اگے جمع سالم اسکتی ہے جمع مکسر نہیں اسکتی، بات سمجھ میں اگئی؟

لہٰذا معلوم ہوا کہ جمع منتہی الجموع جو ہے اس کا وزن پھر دوبارہ ٹوٹتا نہیں، ٹوٹتا، گویا اس کی اگے جمع تکسیر نہیں اسکتی، جمع سالم اسکتی ہے جمع تکسیر نہیں اسکتی۔ یہاں تک بات سمجھ میں اگئی؟

اب اس مقام کو سمجھو بھئی، یہ مشکل مقام ہے کوئی بھی اپ سے سوال پوچھ سکتا ہے اپ پر اعتراض کر سکتا ہے اپ کے ذہن میں جواب ہونا چاہیے: انہوں نے کہا: وَهُوَ أَيْضًا قَائِمٌ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ، یہ جو جمع ہے یہ جو منتہی الجموع والی یہ بھی کیا ہے؟ دو سببوں کے قائم مقام، بھئی وہ دو سبب کیا ہیں؟ کہتے ہیں: الْجَمْعِيَّةُ وَلُزُومُهَا، وَامْتِنَاعُ أَنْ يُجْمَعَ مَرَّةً أُخْرَى، ایک تو جمعیت اور ایک لزومِ جمعیت، اور ایک ممتنع ہونا اس بات کا کہ أَنْ يُجْمَعَ مَرَّةً أُخْرَى

یعنی یہ ممتنع ہے یہ ممتنع یعنی ناممکن ہے کہہ لیں یا منع ہے کہ أَنْ يُجْمَعَ مَرَّةً أُخْرَى کہ پھر ایک مرتبہ اس کی جمع لائی جائے، کون سی جمع؟ جمع التکسیر، جمعِ تکسیر، معلوم ہوا اگے اس کا جمع تکسیر انا ممتنع ہے پھر جمع تکسیر اگے نہیں اۓ گی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے انہوں نے ہمیں کہا کہ یہ منتہی الجموع کا جو صیغہ ہے ایا اور یہ والی جو جمع ہے یہ خود دو سببوں کے قائم مقام، وہ دو سبب کیا ہیں؟ اگے دو سبب بیان کرنے چاہئیں، انہوں نے تین بیان کر دیے! اعتراض سمجھ میں ایا؟ یہ کس کے قائم مقام ہے؟ دو سببوں کے، تو کتنے سبب اگے ذکر ہونے چاہئیں؟ دو، انہوں نے تین ذکر کر دیے: الْجَمْعِيَّةُ: ایک، وَلُزُومُهَا: دو، وَامْتِنَاعُ أَنْ يُجْمَعَ مَرَّةً أُخْرَى جَمْعَ التَّكْسِيرِ: یہ تیسرا، تین بیان کر دیے! اشکال سمجھ میں ایا؟ تو کوئی بھی اپ سے یہ اشکال کر سکتا ہے اپ پر اعتراض کر سکتا ہے کہ انہوں نے تو دو سبب کہے یہ تین کیسے بیان کر رہے ہیں؟ تو یاد رکھنا یہ جو لُزُومُهَا کے بعد وَامْتِنَاعُ ارہا ہے یہ عطفِ تفسیری ہے، یہ کیا ہے؟ یہ لُزُومُهَا کے لیے عطفِ تفسیری ہے۔

عطفِ تفسیری یاد رکھیے اس کو کہتے ہیں جس میں اگے انے والا معطوف، جو پہلے اتا ہے اس کو کہتے ہیں معطوف علیہ، اس پر عطف کیا جا رہا ہے، اور بعد والے کو کہتے ہیں معطوف، تو یہاں پر امتناع کا عطف ہے لزوم پر، تو لُزُومُهَا ہوا معطوف علیہ اور امتناع کیا ہوا؟ معطوف۔ تو عطفِ تفسیری اس کو کہتے ہیں جس میں معطوف جو ہوتا ہے معطوف کون سا ہے؟ امتناع، معطوف وہ تفسیر بیان کرتا ہے معطوف علیہ کی، یعنی اسی کا معنی بیان کرتا ہے، اسی کی تفسیر کرتا ہے یعنی اسی کا معنی بیان کرتا ہے۔ وہ کوئی الگ چیز نہیں ہوتی اسی معطوف علیہ کا معنی ذکر کیا جاتا ہے لیکن کس صورت میں؟ عطف کی صورت میں، کس صورت میں؟ عطف کی صورت میں ذکر کر دیا جاتا ہے۔ تو یہ وَامْتِنَاعُ أَنْ يُجْمَعَ مَرَّةً أُخْرَى جَمْعَ التَّكْسِيرِ یہ تفسیر ہے، یہ معنی ذکر ہو بیان ہو رہا ہے کس کا؟ لُزُومُهَا کا، کس کا؟ تو یہ الگ چیز ہے ہی نہیں اسی لزوم کا معنی بیان ہوا، تو چیزیں وہی دو ہیں: الْجَمْعِيَّةُ وَلُزُومُهَا، سبب وہی دو ہیں بھئی: ایک جمعیت اور ایک لزومِ جمعیت۔ لزومِ جمعیت کا معنی بیان کر دیا، کیا معنی جمعیت لازم ہے اس کے ساتھ؟ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ جو جمع اگئی، کون سی جمع ائی ہے ابھی؟ یہ جو ابھی جمع اگئی کون سی جمع؟ منتہی الجموع، یہ والی جو جمع اگئی یہ اب اس کے ساتھ لازم ہو گئی، اگے پھر یہ ٹوٹ کر نیا وزن نہیں اۓ گا۔ تو دیکھو ایک ہی بات ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟ اس جمع کے لازم ہونے کا کیا معنی؟ بھئی ایک لفظ تھا اس کی ایک جمع ائی پھر دوسری جمع ائی پھر تیسری جمع اگئی، مثلاً یہ منتہی الجموع اگئی تیسرے درجے میں، تو یہ جمعیت اس لفظ کے ساتھ اب لازم ہے یعنی یہ وزن اب اس لفظ کے ساتھ لازم ہو گیا جو تیسرے نمبر پر ایا، اب دوبارہ یہ وزن ٹوٹ کر نیا وزن نہیں، جب نیا وزن نہیں اۓ گا معلوم ہوا یہ وزن اس کے ساتھ اب لازم ہو گیا، معنی سمجھ میں اگیا؟ یہ معنی ہے لُزُومُهَا کا کہ جمعیت اس کے ساتھ لازم ہے، کیا معنی کہ یہ جمعیت اس کے ساتھ لازم ہے اور یہ بات ممتنع ہے کہ ایک مرتبہ پھر اس کی اگے جمع تکسیر لائی جائے یعنی جمع مکسر لائی جائے۔

یہ جگہ اچھی طرح سمجھ میں اگئی کہ امتناع ان یجمع مرۃ اخری جمع التکسیر یہ کیا ہے؟ عطفِ تفسیری ہے، کس کے لیے؟ لزومھا کے لیے۔ کیا معنی عطفِ تفسیری؟ کہ یہ معطوف کیا کر رہا ہے؟ اسی معطوف علیہ کا معنی بیان کر رہا ہے، اسی کی تفسیر بیان کر رہا ہے اور اس عطف کو کیا کہتے ہیں؟ عطفِ تفسیری۔ تو کہتے ہیں یہ جمع بھی دو سببوں کے قائم مقام ہے: الجمعیۃ ولزومھا، ایک جمع ہونا اور ایک لزومِ جمعیت، اور لزومِ جمعیت کیا ہے کہتے ہیں: وامتناع ان یجمع مرۃ اخری جمع التکسیر، وہ ممتنع ہونا ہے اس بات کا کہ ایک مرتبہ پھر اس کی جمع تکسیر لائی جائے، فَكَأَنَّهُ جُمِعَ مَرَّتَيْنِ تو گویا یہ اسی طرح ہے کہ اس کی جمع لائی گئی ہو دو مرتبہ، اس کی جمع لائی گئی ہو دو مرتبہ۔

بھئی میں نے اپ کو بتایا یہ جمع منتہی الجموع کا صیغہ عموماً دوسرے درجے میں اتا ہے، کبھی پہلے میں بھی اجاتا ہے کبھی تیسرے میں بھی اجائے گا لیکن عموماً کس میں اۓ گا؟ دوسرے درجے میں اۓ گا، معلوم ہوا لفظ کی پہلے ایک جمع اۓ گی پھر اس کا اس جمع سے اگے دوسرا وزن جمع کا کیا اۓ گا؟ جمع منتہی الجموع کا وزن اۓ گا، تو یہ کس درجے میں اتی ہے؟ دوسرے درجے میں اتی ہے، تو جب دوسرے درجے میں ارہی ہے تو یہ عموماً اتی دوسرے درجے میں ہے، کس میں ہے؟ جب دوسرے درجے میں ائی تو گویا کہ دو مرتبہ جمع کیا گیا لفظ کو: پہلے مفرد تھا ایک جمع اگئی، تو ایک مرتبہ جمع اگئی یا نہیں اگئی؟ پھر دوبارہ جمع کے اگے جمع ائی وہ جمع منتہی الجموع اگئی، تو کتنے درجے میں ائی؟ دوسرے، گویا لفظ کو کتنی دفعہ جمع کیا گیا؟ دو مرتبہ، جب دو مرتبہ جمع کیا گیا تو گویا ایک مرتبہ جمع وہ ایک سبب بن گئی اور دوسری مرتبہ جمع دوسرا سبب بن گئی، صورت سمجھ میں اگئی بھئی؟ یہ معنی ہے: فَكَأَنَّهُ جُمِعَ مَرَّتَيْنِ، تو گویا کہ اس کو جمع کیا گیا ہے مَرَّتَيْنِ کتنی مرتبہ؟ دو مرتبہ۔ اور میں نے بتایا یہ ضروری نہیں ہے دوسرے ہی درجے میں یہ جمع اۓ، پہلے میں بھی اجاتی ہے لیکن عموماً کس درجے میں اتی ہے؟ دوسرے درجے میں اتی ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں اگئی؟ معلوم ہوا جمع سبب بنے گی غیر منصرف ہونے کا، اور اس کی شرط کیا ہے کہ صیغہ کون سا ہو؟ منتہی الجموع والا، اور نیز وہ ہا کو قبول نہ کرے کیونکہ اگر ہا کو قبول کرے گا تو اس کی مشابہت کس کے ساتھ ہو گئی؟ مفرد کے ساتھ، اور حالانکہ یہ تو جمع ہے اس نے سبب بننا ہے، جب اس کی مفرد کے ساتھ مشابہت اجائے گی تو پھر وہ جمع والی جانب اس کی کیا ہو جائے گی؟ کمزور ہو جائے گی تو پھر یہ اثر نہیں دکھائے گی اپنا اور وہ لفظ غیر منصرف نہیں ہو گا۔ تو دو شرطیں ہو گئیں: ایک تو یہ کہ صیغہ کون سا ہو منتہی الجموع، اور نیز دوسری شرط کیا کہ وہ ہا کو قبول نہ کرتا ہو۔

اگلا سبب دیکھیے، کہتے ہیں: أَمَّا التَّرْكِيبُ، اگلا سبب اگیا ترکیب بھئی۔ ترکیب کا معنی ہے جوڑنا: رَكَّبَ يُرَكِّبُ تَرْكِيبًا، اور ترکیب اسے کہتے ہیں کہ دو لفظوں کو جوڑ کر ایک بنالیا جائے، دو لفظوں کو جوڑ کر ایک بنالیا جائے۔ جیسے اگے مثال ائے گی: بَعْلَبَكَّ: بعل یہ بت کا نام تھا اور بکا ایک ادمی کا نام تھا، لیکن ان پھر ان دونوں کو جوڑ کر ایک نام بنالیا گیا، اور جس علاقے میں یہ تھا اس شہر کی اس نے ایک شہر کی اس نے بنیاد رکھی ایک بستی کی، تو اس بستی کا نام ہی بعلبک پڑ گیا، کیا نام پڑ گیا؟ بعلبک۔ تو دیکھو بعلبک میں دو لفظوں کو جوڑ کر ایک لفظ بنالیا گیا، تو یہ ہے ترکیب بھئی، ترکیب۔

تو کہتے ہیں: أَمَّا التَّرْكِيبُ فَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ عَلَمًا، باقی ترکیب جو ہے فَشَرْطُهُ تو اس کی شرط یہ ہے أَنْ يَكُونَ عَلَمًا کہ علم ہونا چاہیے، وہ جو دو لفظوں کو جوڑ کر ملایا گیا ہے ان لفظ اب اس کو کیا ہونا چاہیے؟ اس مرکب کو علم ہونا چاہیے، بِلَا إِضَافَةٍ وَلَا إِسْنَادٍ بغیر اضافت کے اور بغیر اسناد کے، یعنی دیکھیے بھئی یہ دو لفظوں کو جوڑ کر ملایا ہے اور جوڑ کر کسی کا نام رکھا گیا ہے، نام رکھا گیا ہے، لیکن یہ جو دو لفظوں کو جوڑا گیا ان دو لفظوں کے درمیان اضافت نہ ہو کہ پہلا لفظ مضاف بن رہا ہو اور دوسرا مضاف الیہ، ایسا نہیں ہونا چاہیے: بِلَا إِضَافَةٍ بغیر اضافت کے ہو، وَلَا إِسْنَادٍ اور ان دونوں میں اسناد بھی نہ ہو یعنی یہ پورا جملہ بھی نہ ہو کیونکہ اسناد ہو جہاں اجاتی ہے وہ کیا ہوتا ہے پورا جملہ: زَيْدٌ قَائِمٌ دیکھو قائم کا اسناد ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف، تو کیونکہ پھر یہ جملہ بن جائے گا۔

تو اب ترکیب کی کیا شرط انہوں نے بیان کی کہ وہ مضاف کہ وہ علم ہو کہ وہ کیا ہو؟ علم ہو اور بغیر اضافت اور بغیر اسناد کے۔ سوال یہ ان دونوں کی نفی کیوں کی؟ اضافت بھی نہیں ہونی چاہیے، اسناد بھی نہیں ہونا چاہیے، کیا وجہ ہے؟ کہتے ہیں وجہ اس کی یہ بھئی اس لیے کیونکہ اضافت اپ کو میں نے پہلے بھی بتلایا تھا کہ یہ غیر منصرف پر بھی الف لام داخل ہو جائے تو وہ کس کے حکم میں ہو جاتا ہے؟ منصرف یعنی اس پر کسرہ اجاتا ہے، تنوین تو نہیں اسکتی کیونکہ مضاف پر تنوین داخل نہیں ہوتی اور الف لام کے ساتھ بھی تنوین جمع نہیں ہوتی، اور نیز اسی طرح اگر غیر منصرف مضاف بن جائے اس کی اضافت کر دی جائے اگے کسی لفظ کی طرف تو اس صورت میں بھی یہ منصرف کے حکم میں ہو جاتا ہے یعنی اس پر پھر کسرہ اجاتا ہے، تو معلوم تو اسی لیے انہوں نے کہا کہ ان دو لفظوں میں اضافت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اضافت تو غیر انصراف کے منافی ہے، اضافت جب اجائے گی پھر تو وہ کس کے حکم میں ہو جاتا ہے؟ منصرف، اسی لیے کہا وہ دو لفظ جن کو جوڑا گیا ہے ان کے درمیان اضافت نہ ہو، اور نیز کہا اسناد بھی نہ ہو، وجہ اس کی یہ کہ جب اسناد اجائے گی تو معلوم ہوا یہ پورا جملہ ہے اور جملہ یاد رکھیے مبنی ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ مبنی، حتیٰ کہ بعض علماء نے تو فرمایا کہ جملہ مبنی الاصل ہے۔ جملہ کیا ہے؟ اپ نے پڑھا تھا مبنی الاصل کتنی چیزیں ہیں؟ تمام حروف ہیں اور فعلِ ماضی ہے اور فعلِ امر حاضر ہے: تمام حروف، فعلِ ماضی اور فعلِ امر حاضر بھئی۔ اپ نے پڑھا یہ مبنی الاصل ہیں، لیکن بعض علماء کیا فرماتے ہیں کہ جملہ بھی کیا ہے؟ مبنی الاصل۔ تو لہٰذا یہ کہتے ہیں کہ اسناد بھی نہ ہو اس مرکب کے درمیان اس لیے کیونکہ اگر اس میں اسناد ہوئی تو وہ تو جملہ ہو گا اور جب جملہ ہو گا تو پھر وہ کیا ہو گا؟ مبنی، اور ہماری بحث تو معرب کے اندر چل رہی ہے، مبنی کا باب تو اگے انے والا ہے اور تو یہ غیر منصرف معرب ہوتا ہے یا مبنی ہوتا ہے؟ معرب ہوتا ہے، تو وہ تو پھر مبنی بن جائے گا بھئی، اس لیے اسناد نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اسناد ہو گی تو وہ کیا بن جائے گا؟ جملہ، اور جملہ کیا ہوتا ہے؟ مبنی یعنی یہ مبنی بن جائے گا۔

تو کہتے ہیں: أَمَّا التَّرْكِيبُ فَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ عَلَمًا بِلَا إِضَافَةٍ وَلَا إِسْنَادٍ، تو ترکیب جو ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو بلا اضافت ولا اسناد بغیر اضافت کے اور بغیر اسناد کے، كَبَعْلَبَكَّ جیسے بعلبک۔ تو دیکھیے میں نے بتایا کہ یہ بعل بت کا نام تھا اور بکا ادمی کا نام تھا اور ان دونوں کو جوڑ کر کیا بنالیا گیا؟ بعلبک شہر کا نام۔

فَعَبْدُ اللَّهِ مُنْصَرِفٌ، پس عبد اللہ کا لفظ منصرف ہے۔ عبد اللہ بھئی ایک ادمی کا نام اپ رکھتے ہیں عبد اللہ، لفظِ عبد اور لفظِ اللہ ان دونوں کو جوڑ کر ایک مرکب بنالیا، ترکیب اگئی یا نہیں اگئی؟ ترکیب کا بھی کیا معنی تھا؟ جوڑنا، اور ان دونوں لفظوں کو جوڑ کر ایک شخص کا نام رکھ دیا، عبد اللہ نام استعمال کرتے ہیں یا نہیں کرتے اپ؟ عبد اللہ، تو دیکھو یہ مرکب ہے، تو لہٰذا ترکیب اگئی، اور ترکیب کی شرط کیا تھی؟ علم ہونا چاہیے، علم بھی ہے عبد اللہ بھی کیا ہے؟ کسی کا نام ہے، تو اس کو غیر منصرف ہونا چاہیے، لیکن غیر منصرف نہیں، کیوں نہیں غیر منصرف بھئی؟ کیونکہ اس میں اضافت ہے بھئی، عبد کا اضافت ہو رہی ہے لفظِ اللہ کی طرف بھئی۔ اسی لیے کہا: فَعَبْدُ اللَّهِ مُنْصَرِفٌ تو عبد اللہ منصرف ہے، وَمَعْدِي كَرِبَ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ اور معدی کرب کیا ہے؟ غیر منصرف ہے، یہ بھی دو لفظ معدی اور کرب کو ملایا بھئی، کیونکہ اس میں اضافت بھی نہیں ہے اور اسناد بھی نہیں ہے بھئی۔

وَشَابَ قَرْنَاهَا مَبْنِيٌّ، اور شاب قرناھا یہ مبنی ہے۔ بھئی شَابَ يَشِيبُ کا معنی سفید ہونا، قَرْنٌ کہتے ہیں بالوں کی مینڈھی بھئی، عورتیں بالوں کو رسی کی طرح جو بنالیتی ہیں بالوں کی چوٹی اس کو کیا کہتے ہیں؟ قرن، اور یہ تثنیہ ہے: قَرْنَانِ، قَرْنٌ الف نون ساتھ ملایا: قَرْنَانِ، اور ہا کی طرف اضافت کر دی تو نون اضافت سے گر گیا: قَرْنَاهَا۔ شَابَ قَرْنَاهَا: سفید ہو گئیں اس کی دونوں چوٹیاں، اس عورت کی دونوں مینڈھیاں یا دونوں چوٹیاں کیا ہیں؟ سفید ہو گئیں۔

اب دیکھیے شَابَ فعل اور قَرْنَاهَا اس کے لیے فاعل، تو یہاں اسناد آگیا، اب یہ بھئی کوئی عورت تھی اس کے بالوں کی یہ دونوں چوٹیاں سفید ہوگئی تھیں تو کسی نے ذکر کسی عورت نے یہ بات کہہ دی: شاب قرناھا، اس کی دونوں چوٹیاں سفید ہوگئی ہیں، بس اس کا نام ہی یہ پڑ گیا، اب سارے اس کو کیا کہتے تھے؟ شاب قرناھا، نام پڑ گیا اس کا۔ تو دیکھو اس سارے شَابَ الگ لفظ قَرْنَاهَا الگ لفظ، لیکن اس سارے کو جوڑ کر اس کا نام رکھ دیا گیا اور تو ترکیب اگئی، اور ترکیب میں شرط کیا تھی؟ علمیت بھی پائی جارہی ہے، لیکن یہاں پر اسناد موجود ہے اور ہم نے تو کیا کہا تھا؟ اسناد موجود نہ ہو، جب اسناد موجود ہے پھر تو یہ معرب رہا ہی نہیں، جملہ بن گیا اور جملہ کیا ہوتا ہے؟ مبنی ہوتا ہے تو یہ مبنی ہے۔ تو کہتے ہیں: وَشَابَ قَرْنَاهَا مَبْنِيٌّ، اور شاب قرناھا کیا ہے؟ مبنی ہے بھئی۔

أَمَّا الْأَلِفُ وَالنُّونُ الزَّائِدَتَانِ إِنْ كَانَتَا فِي اسْمٍ فَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ عَلَمًا، ترکیب کا بیان بھی مکمل ہوا، اب الف نون زائدتان کا بیان ایا بھئی، الف نون زائدتان۔ اچھا بھئی الف نون زائدتان بھئی یہ کسی لفظ کے اخر میں الف نون زائد کر دیے بڑھا دیے جاتے ہیں، اس لیے ان کو کیا کہتے ہیں؟ الف نون زائدتان، تو یہ زائد ہوتے ہیں حرفِ اصلی سے، حرفِ اصلی نہیں ہوتے زائد ہوتے ہیں۔ اور یہ الف نون زائدتان غیر انصراف کا سبب بنیں گے، لیکن اس میں کی بھی شرط ہے، شرط پوری ہوگی تو یہ سبب بنیں گے، اگر شرط پوری نہیں تو پھر بے شک یہ اجائیں ان کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوگا۔

تو تفصیل یاد رکھیے کہ یہ الف نون زائدتان ہیں یا تو یہ اسمِ محض کے اندر ائیں گے یا صفت کے اندر ائیں گے، کس کے اندر ائیں گے؟ یا تو اسمِ محض، ایک اسم ہے صفت نہیں ہے یا تو اس کے اندر الف نون زائدتان ائیں گے یا کس کے اخر میں ائیں گے؟ صفت کے اخر میں ائیں گے۔ اگر اسمِ محض کے اخر میں الف نون زائدتان اتے ہیں تو وہ پھر علم ہونا چاہیے، کیا ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے۔ کیا بات میں نے کی؟ کہ یہ الف نون زائدتان سبب بنیں گے غیر انصراف کا، لیکن کب؟ جب ان کی شرط پوری ہو، شرط پوری ہو، اور شرط کیا ہے؟ میں نے تفصیل بتائی کہ یہ کس میں اتے ہیں؟ کبھی اسم میں اتے ہیں الف نون زائدتان کبھی کس میں اتے ہیں؟ صفت میں۔ اگر اسم میں یہ ارہے ہیں تو یہ غیر انصراف کا سبب بنیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ علم ہونا چاہیے، وہ اسم کیا ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے۔ اور اگر یہ صفت میں ارہے ہیں الف نون زائدتان تو یہ الف نون زائدتان سبب بنیں گے غیر انصراف کا جبکہ شرط پوری ہو، اور شرط کیا کہ اس لفظ کی مؤنث فَعْلَانَةٌ وزن پر نہیں انی چاہیے۔ اگر اسم میں ائیں تو پھر کیا شرط کہ وہ علم ہونا چاہیے، اور صفت میں ائیں تو بھی سبب بنیں گے لیکن پھر کیا شرط ہے کہ اس صفت کی مؤنث فَعْلَانَةٌ وزن پر نہیں انی چاہیے، اگر ائے گی پھر یہ مؤثر نہیں ہوگا اپنا اثر نہیں دکھائے گا، بات سمجھ میں اگئی؟

دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں: أَمَّا الْأَلِفُ وَالنُّونُ الزَّائِدَتَانِ باقی وہ الف اور نون جو زائدتان ہیں، إِنْ كَانَتَا فِي اسْمٍ اگر یہ دونوں کس میں ہوں الف نون زائدتان؟ اسم میں ہوں، فَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ عَلَمًا تو شرط اس کی یہ ہے أَنْ يَكُونَ عَلَمًا کہ وہ علم ہو، كَعِمْرَانَ وَعُثْمَانَ جیسے عمران اور عثمان۔ بھئی دیکھیے عمران وہی ع، م، ر کے اخر میں الف نون زائدتان اگئے، عثمان میں بھی اسی طرح ہے، اور یہ دونوں بھئی اسم ہیں، صفات نہیں۔ اور اسم کے اندر الف نون زائدتان اجائیں تو اس کے مؤثر ہونے کے لیے کیا شرط تھی؟ علم ہونا، اور یہ عمران اور عثمان یہ بھی کیا ہیں؟ علم ہیں، لہٰذا یہ غیر منصرف تھے، اسی لیے كَعِمْرَانَ کاف جارہ داخل ہے لیکن عمران پر کسرہ بھی نہیں اور تنوین بھی نہیں، اسی طرح عثمان پر بھی کسرہ بھی نہیں اور تنوین بھی نہیں۔

فَسَعْدَانٌ اسْمُ نَبْتٍ مُنْصَرِفٌ، اور سعدان جو ہے یہ ایک پودے کا نام ہے، نبت کسے کہتے ہیں؟ پودے کو، تو یہ منصرف ہے لِعَدَمِ الْعَلَمِيَّةِ علمیت نہ ہونے کی وجہ سے۔ سعدان بھی بھئی یہ اسمِ محض اور اس کے اخر میں کیا کس کا اضافہ کر دیا؟ الف نون زائدتان کا اضافہ کر دیا گیا، تو یہ ایک پودے کا نام ہے لیکن اس میں علمیت نہیں ہے اس لیے یہ کیا ہے؟ منصرف، ہم نے تو کیا کہا تھا؟ علم ہونا چاہیے اگر اسم کے اندر الف نون زائدتان ائیں۔

فَسَعْدَانٌ اسْمُ نَبْتٍ، تو سعدان ایک پودے کا نام ہے، اپ کے ذہن میں اشکال ائے گا کہ جب یہ پودے کا نام ہے پھر تو یہ علم ہوا، اشکال سمجھ میں ا رہا ہے؟ اپ نے کیا کہا تھا کہ اسمِ محض کے اندر اگر الف نون زائدتان ائیں تو کیا شرط ہے؟ علم ہونا چاہیے، تو سعدان بھی ایک پودے کا نام ہے، جب نام ہے تو نام کو کیا کہتے ہیں عربی میں؟ علم کہتے ہیں، تو یہ علمیت والی شرط تو پوری ہے، لیکن یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ اس میں علمیت نہیں؟ بھئی یاد رکھو علم جو ہوتا ہے نا کسی معین ذات پہ دلالت کرتا ہے، کس پر دلالت کرتا ہے؟ معین ذات پہ۔ مثلاً اپ کا ایک ساتھی ہے زید، ایک ہے بکر، ایک ہے خالد، ایک ہے یوسف، میں نے جیسے ہی زید کا نام لیا اپ کے ذہن میں فوراً کس کا تصور ایا؟ زید کا ہی ایا۔ میں نے جیسے ہی خالد کا نام لیا اپ کے ذہن میں خالد ہی کا تصور ایا، زید یا یوسف وغیرہ کا تصور نہیں، دیکھو یہ ایک یہ اس معین ذات پہ دلالت کر رہا ہے، یہ کیا کر رہا ہے؟ اس معین ذات پر دلالت کر رہا ہے معین ذات پر۔ جبکہ سعدان اس طرح نہیں ہے، سعدان ایک پودے کا نام ہے، وہ پودا ایک پودا اپ کے دائیں طرف لگا ہے، ایک سامنے لگا ہوا ہے، ایک بائیں طرف لگا ہوا ہے، کوئی اپ سے پوچھے دائیں طرف والے پودے کے بارے میں یہ کون سا پودا ہے؟ اپ کہیں گے: سَعْدَانٌ، سامنے لگا ہے پوچھے گا یہ کون سا ہے؟ اپ کہیں گے: سَعْدَانٌ، تیسری طرف لگا ہے اس کا کیا نام ہے؟ وہ اپ بھی کہیں گے: سَعْدَانٌ، دیکھو سب پہ سعدان بول رہے ہیں یا نہیں؟ جبکہ زید، عمر، بکر دو یا تین ادمیوں پہ بولا جاتا ہے یا

ایک ایک ہی فرد کا نام ہے؟ یہ ایک ایک ہی فرد کا نام ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں تو یہ وہ یہ علم نہیں ہے بھئی، علم نہیں ہے، پودے کا نام ضرور ہے اس کا اسم ضرور ہے لیکن اس کا علم نہیں، اگر علم ہوتا تو کسی ایک معین اس پہ دلالت کرتا، دوسرے اور تیسرے پہ یہ دلالت نہ کرتا، صورت سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: فَسَعْدَانٌ اسْمُ نَبْتٍ مُنْصَرِفٌ لِعَدَمِ الْعَلَمِيَّةِ، یہ منصرف ہے کس وجہ سے؟ علمیت کے نہ ہونے کی وجہ سے۔

وَإِنْ كَانَتَا فِي صِفَةٍ، اور اگر یہ الف نون زائدتان کسی صفت کے اندر اجائیں: فَشَرْطُهُ أَنْ لَا يَكُونَ مُؤَنَّثُهُ عَلَى فَعْلَانَةَ، تو اس کی شرط اس کے مؤثر ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس اسم کی جو ہے مؤنث اس صفت کی جو ہے مؤنث فَعْلَانَةٌ وزن پر نہ ائے، كَسَكْرَانَ جیسے کہ سکران۔ بھئی سکران کہتے ہیں مدہوش کو جو نشے میں ہو۔ اب سکران کے اخر میں کیا ارہا ہے؟ الف نون، اور یہ الف نون صفت میں ارہا ہے اسم میں نہیں، تو یہ غیر انصراف کا سبب بنے گا یا نہیں بنے گا؟ تو اپ غور کرلیں: سکران کی مؤنث سکرانہ اتی ہے یا نہیں؟ ہم نے دیکھا نہیں سکران کی مؤنث سکرانہ نہیں اتی، شرط پوری ہوگئی، ہم نے بھی کیا کہا تھا کہ صفت میں کیا ائے؟ الف نون زائدتان، تو وہ مؤثر ہوگا، سبب بنے گا، اس لفظ کو غیر منصرف بنادے گا جبکہ شرط پوری ہو، اور شرط کیا کہ مؤنث فَعْلَانَةٌ وزن پر نہ ائے، اس کی بھی مؤنث فَعْلَانَةٌ وزن پر نہیں اتی، لہٰذا یہ كَسَكْرَانَ اس کو اپ نے غیر منصرف پڑھنا ہے کیونکہ اس صفت میں کیا ہے؟ شرط پوری ہے۔

فَنَدْمَانٌ مُنْصَرِفٌ لِوُجُودِ نَدْمَانَةٍ، جبکہ ندمان کا لفظ منصرف ہے لِوُجُودِ نَدْمَانَةٍ، ندمانہ کے پائے جانے کی وجہ سے، کیونکہ اس ندمان کی مؤنث کیا اتی ہے؟ نَدْمَانَةٌ، ندمانۃ اتی ہے، تو لہٰذا ندمان کے اخر میں بھی الف نون زائدتان لیکن یہ مؤثر نہیں ہوں گے، الف نون زائدتان تو ہیں لیکن اپنا اثر نہیں دکھائیں گے یعنی غیر انصراف کا سبب نہیں بنیں گے، کیوں نہیں بنیں گے؟ کیونکہ یہ دونوں صفت میں ارہے ہیں اور صفت کے اندر کیا شرط تھی کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ وزن پر نہ ائے، حالانکہ اس کی مؤنث تو فَعْلَانَةٌ: نَدْمَانَةٌ ارہی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چلو بھئی اب شروع سے ذرا جلدی جلدی ہم سارے دہرا لیتے ہیں جتنے اب تک پڑھے ہیں بھئی:

اسبابِ منعِ صرف میں سب سے پہلے اپ نے عدل کے بارے میں پڑھا، عدل کسے کہتے تھے کہ کسی لفظ کو پھیرنا اس کے صیغہ اصلیہ سے دوسرے صیغہ کی طرف، اور یہ دو قسم پر ہے: ایک عدلِ تحقیقی اور ایک عدلِ تقدیری۔ عدلِ تحقیقی وہ ہے جس کی ہمارے پاس دلیل موجود ہو، عدلِ تقدیری وہ ہے جس کی ہمارے پاس کوئی دلیل موجود نہ ہو، اور اپ نے پڑھا تھا یہ وزنِ فعل کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا عدل کیونکہ عدل کے اپنے اوزان اور وزنِ اور فعل کے اپنے اوزان، اور نیز یہ کس کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے؟ علم کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے جیسے عمر اور زفر، اور نیز یہ وصف کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے جیسے ثلاث اور مثلث، اخر اور جمع وغیرہ۔

اس کے بعد دوسرا اپ نے وصف پڑھا تھا، وصف جو ہے یہ غیر انصراف کا سبب بنتا ہے اور یہ اپ نے پڑھا کہ یہ علم کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا، کیوں؟ کیونکہ وصف دلالت کرتا ہے ذاتِ مبہم پر اور علم دلالت کرتا ہے ذاتِ معین پر، تو دونوں ایک دوسرے کے ایک دوسرے کی ضد ہیں جمع ہو ہی نہیں سکتے۔ اور پھر وصف جو ہے اس کے لیے اپ نے شرط پڑھی تھی کہ وصف جو ہے مؤثر ہوگا بشرطیکہ اصلِ وضع میں کیا ہو وہ لفظ؟ اصلِ وضع کے اعتبار سے وہ وصف ہونا چاہیے یعنی اس کو جب بنایا ہی گیا تھا کس طور پر بنایا گیا تھا؟ اس لفظ کو بطورِ وصف کے۔ اگر اس کو بنایا تو وصف کے طور پر نہ گیا ہو وضع تو وصف کے طور پر نہیں کیا لیکن بعد میں وصف کے طور پر استعمال ہونے لگا تو یہ بعد کا اعتبار نہیں ہے بلکہ کس کا اعتبار ہے؟ اصلِ وضع کا ہے۔ لہٰذا مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ دیکھو نِسْوَةٍ أَرْبَعٍ، اربعین اس کی صفت ہے تو دیکھو وصفیت بھی ایک سبب وصفیت اگئی، اور دوسرا سبب وزنِ فعل ہے: أَرْبَعَ: أَكْرَمَ وزن ہے بھئی، تو دونوں سبب پائے جا رہے ہیں لیکن پھر بھی اپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ کسرہ بھی پڑھ رہے ہیں اور تنوین بھی پڑھ رہے ہیں، بھئی کیا وجہ ہے دو سبب تو ہیں؟ بھئی وجہ یہ ٹھیک ہے دو سبب ہیں لیکن یہ دوسرا سبب مؤثر نہیں، یہ اپنا اثر نہیں دکھائے گا کیونکہ اصلِ وضع میں اربع کا لفظ وصف کے لیے نہیں وضع بلکہ یہ تو کس کے لیے وضع ہے؟ عدد کے لیے، تو اس وقت وصفیت اگرچہ ہے بھی لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا، تو اسان لفظوں میں اب یوں ہی کہو اس کے اندر ایک ہی سبب ہے، دوسرا سبب ہے ہی نہیں کیونکہ اس کی شرط نہیں پوری، جب شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں، جیسے وضو نماز کے لیے شرط ہے وضو نہیں تو نماز بھی نہیں، ایک ادمی بغیر وضو کے اتا ہے اور اکر دیکھو اسی طرح اللہ اکبر کہتا ہے، قیام بھی کرتا ہے، قرات بھی کرتا ہے، رکوع، سجدہ سارا کچھ کرلیتا ہے لیکن اپ مجھے بتائیے کیا اس کی نماز ہوئی؟ نماز نہیں ہوئی کیونکہ شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں۔

اس کے بعد تیسرا سبب جو ہم نے پڑھا تھا وہ تانیث تھا بھئی، تانیث اپ کو میں نے بتایا دو قسم پر ہے: ایک تانیثِ لفظی اور ایک تانیثِ معنوی۔ تانیثِ لفظی جو ہے وہ تین قسم پر ہے: تانیث بالتاء یا تانیث بالالف المقصورۃ اور تانیث بالالف الممدودۃ، جبکہ تانیثِ معنوی وہ ہے جس کے اندر لفظوں کے اندر کوئی کسی قسم کی

علامت نہ ہو۔ اس میں سے اپ نے پڑھا کہ تانیث بالالف جو ہے وہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہے: ایک تانیث اور ایک لزومِ تانیث، جبکہ تانیث بالتاء اس کے اندر شرط ہے کہ وہ کیا ہو؟ علم ہو تا کہ یہ تا اس لفظ سے جدا نہ ہو سکے، اور تانیثِ معنوی کے اندر دو شرطیں تھیں بھئی: ایک شرط کیا تھی کہ وہ لفظ کیا ہو؟ علم ہونا چاہیے، اور دوسری شرط یہ کہ تین باتوں میں سے ایک بات پوری ہو: وہ لفظ کیا ہو؟ تین حروف سے زائد ہو، یا اگر تین پر ہے تو درمیان والا متحرک ہو، اور اگر درمیان والا متحرک بھی نہیں ہے تو پھر کم از کم کیا ہو؟ عجمی ہونا چاہیے، تو اگر یہ دونوں شرطیں پوری ہوں علمیت والی شرط بھی پوری اور یہ تین میں سے کوئی ایک بات بھی پوری ہو تو اس لفظ کو غیر منصرف پڑھنا واجب، اور اگر ان پہلی شرط علمیت والی تو پوری ہے دوسری شرط میں سے کوئی حصہ بھی پورا نہیں ہو رہا تو پھر اس کو منصرف بھی پڑھ سکتے ہیں اور غیر منصرف بھی پڑھ سکتے ہیں۔

اس کے بعد اسبابِ منعِ صرف میں سے ہم نے معرفہ پڑھا تھا، اور اپ نے پڑھا تھا کہ معرفہ کی پانچ چھ قسموں میں سے صرف علم جو ہے وہ سبب بنے گا غیر انصراف کا، اس لیے کیونکہ باقی اسباب باقی جو معرفہ ہیں وہ کچھ تو مبنی ہیں اور یہ تو معرب کی قسم چل رہی ہے، اور کچھ وہ ہیں جن میں اضافت ہے یا الف لام ائے گا، اور اضافت اور الف لام یہ دونوں تو کیا ہیں؟ غیر انصراف کے منافی ہیں، غیر منصرف پر بھی الف لام اجائے تو وہ کس کے حکم میں ہو جاتا ہے؟ منصرف کے، تو اضافت اور الف لام کیا ہیں؟ غیر انصراف کے منافی ہیں، تو صرف علمیت رہ گئی تو وہ علم رہ گیا تھا تو اس لیے ہم نے کہا کہ علمیت جو ہے وہ سبب بنے گی، اور یہ بھی اپ نے پڑھا کہ یہ علمیت وصف کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی کیونکہ علم دلالت کرتا ہے ذاتِ معین پر اور وصف دلالت کرتا ہے ذاتِ مبہم پر۔

اس کے بعد عجمہ کے بارے میں اپ نے پڑھا تھا کہ عجمہ بھی سبب بنے گا غیر انصراف کا، لیکن اس کے لیے بھی شرط تھی ایک شرط بھئی، ایک تو یہ کہ عجمی زبان میں بھی کیا ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے، اور دوسری شرط کیا کہ تین حروف سے زائد ہو، اور اگر تین سے زائد نہیں تو پھر درمیان والا حرف کیا ہونا چاہیے؟ متحرک ہونا چاہیے، اور میں نے اپ کو بتایا تھا عجمی زبان میں علم ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ کیا ضروری ہے کہ عربی میں جب پہلی دفعہ استعمال ہو تو بطورِ علم کے استعمال ہو تا کہ اس میں تبدیلی نہ ہو سکے، جب تبدیلی نہیں ہو گی تو عربوں کے لیے اس کی ادائیگی دشوار ہو گی۔

اس کے بعد اج ہم نے اسبابِ منعِ صرف میں سے جمع پڑھی، اور جمع جو ہے اپ نے پڑھا کہ یہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہے، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ صیغہ کون سا ہو؟ منتہی الجموع والا، اور نیز وہ ہا کو قبول نہ کرتا ہو۔ اور اس کے بعد پھر اپ نے ترکیب پڑھی، اور ترکیب کے بارے میں پڑھا کہ وہ غیر انصراف کا سبب بنے گی لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو، کیا ہو؟ علم ہو اور کیسا علم ہو؟ بغیر اس میں اضافت بھی نہ ہو اور اسناد بھی نہ ہو، اس لیے کیونکہ اضافت غیر انصراف کے منافی ہے اور اسناد کی صورت میں تو وہ مبنی بن جائے گا اور غیر منصرف تو معرب کی قسم ہے وہ تو بحث ہی سے نکل جائے گا۔

اس کے بعد الف نون زائدتان کے بارے میں پڑھا کہ الف نون زائدتان یا تو یہ کس کے اندر ائیں گے؟ اسم میں ائیں گے یا صفت میں، اگر اسم میں ائیں تو شرط کیا؟ کہ علم ہونا چاہیے، اور اگر صفت میں ائیں تو پھر شرط کیا ہے کہ فَعْلَانَةٌ وزن پر اس اسم کی مؤنث نہ اتی ہو تو پھر یہ اپنا اثر دکھائے گا۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۸: اسبابِ منعِ صرف: وزنِ فعل کے شرائط اور اسبابِ تسعہ کا اجمالی خلاصہ

ہدایۃ النحو صفحہ: ۲۱—بتاریخ: ۲۳ ستمبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

أَمَّا وَزْنُ الْفِعْلِ: فَشَرْطُهُ أَنْ يُخْتَصَّ بِالْفِعْلِ، وَلَا يُوجَدُ فِي الِاسْمِ إِلَّا مَنْقُولًا عَنِ الْفِعْلِ كَشَمَّرَ وَضُرِبَ، وَإِنْ لَمْ يُخْتَصَّ بِهِ فَيَجِبُ أَنْ يَكُونَ فِي أَوَّلِهِ إِحْدَى حُرُوفِ الْمُضَارَعَةِ، وَلَا يَدْخُلُهُ الْهَاءُ، كَأَحْمَدَ، وَيَشْكُرَ، وَتَغْلِبَ، وَنَرْجِسَ۔

اسبابِ منعِ صرف ہم پڑھ رہے ہیں بھائی۔ آج اسبابِ منعِ صرف میں سے آخری سبب وزنِ فعل ذکر کریں گے بھائی۔ وزنِ فعل نام سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ وہ اسم کس وزن پر ہو گا؟ فعل کے وزن پر ہو گا بھائی۔ اچھا تو یہ وزنِ فعل یہ بھی سبب بنے گا غیر انصراف کا، لیکن اس کے لیے بھی شرائط ہیں بھائی، شرائط۔ تو پہلے وہ سمجھ لیجیے۔

یاد رکھیے: وزنِ فعل سبب بنے گا غیر انصراف کا، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ وزن خاص ہونا چاہیے فعل کے ساتھ۔ وہ وزن صرف فعل میں پایا جانا چاہیے، اسم میں نہ پایا جائے۔ تو وہ وزن خاص ہو کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ۔ اس پر سوال آپ کے ذہن میں آئے گا، سوال یہ کہ ایک وزن جب وہ فعل کے ساتھ خاص ہے، فعل کے ساتھ خاص ہونے کا معنی یہ کہ یہ وزن اسم میں نہیں پایا جا رہا، جب اسم میں وزن نہیں پایا جا رہا یہ والا تو پھر یہ غیر انصراف کا سبب کیسے بنے گا؟ کیونکہ غیر منصرف تو اسم ہوا کرتا ہے، فعل تو نہیں بھائی! غیر منصرف تو کون ہوتا ہے؟ اسم، اور آپ کہہ رہے ہیں یہ وزن خاص ہو فعل کے ساتھ، جب خاص ہے تو اس کا مطلب ہے اسم میں وہ پایا نہیں جاتا، جب پایا ہی نہیں جا رہا، آ ہی نہیں رہا اسم میں، تو یہ سبب کیسے بنے گا؟ کہتے ہیں: نہیں بھائی، معنی یہ ہے کہ وہ وزن ہے تو خاص فعل کے ساتھ، اسم میں بھی اگر وہ استعمال ہو گا، آئے گا تو پھر وہ فعل ہی سے نقل ہو کر آیا ہو گا، خود اسم کے اندر اپنا ذاتی وزن وہ نہیں ہو گا بلکہ کہاں سے نقل ہو کر آیا ہے؟ فعل کے ساتھ۔

جیسے مثلاً دیکھیے بھائی، جیسے کَرَّمَ، یہ وزن خاص ہے فعل کے ساتھ، اسم میں یہ وزن نہیں پایا جاتا، لیکن آپ ایک آدمی کا نام رکھ دیتے ہیں کَرَّمَ، جب نام رکھا تو نام تو علم ہوتا ہے، اسم ہوتا ہے، تو دیکھو یہ اسم میں آ گیا یہ وزن، لیکن کہاں سے نقل ہو کے آیا یہ؟ فعل سے نقل ہو کر آیا، خود اسم کے اندر یہ وزن نہیں تھا بھائی، بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: أَمَّا وَزْنُ الْفِعْلِ باقی وزنِ فعل جو ہے فَشَرْطُهُ تو اس کی شرط یہ ہے أَنْ يُخْتَصَّ بِالْفِعْلِ کہ وہ وزن خاص ہو فعل کے ساتھ وَلَا يُوجَدُ فِي الِاسْمِ اور وہ اسم میں نہ پایا جائے إِلَّا مَنْقُولًا عَنِ الْفِعْلِ مگر یہ کہ اس کو نقل کیا گیا ہو کہاں سے؟ فعل سے، یعنی فعل سے نقل کر کے پھر اسم میں پایا جا سکتا ہے، ویسے اسم میں نہیں۔ كَشَمَّرَ وَضُرِبَ جیسے شَمَّرَ بھائی اور ضُرِبَ۔ تو شَمَّرَ یہ وزن فَعَّلَ وزن، فَعَّلَ جس میں عین مشدد ہے، یہ وزن اسم میں نہیں آتا، تو یہ کسی نے اپنے گھوڑے وغیرہ کا نام رکھا تھا، لیکن کہاں سے نقل کر کے؟ فعل سے۔ یہ اسی طرح ضُرِبَ، فُعِلَ، یہ فُعِلَ وزن یہ اسم میں نہیں پایا جاتا بھائی، یہ وزن خاص ہے کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ۔ سو یہ بھی اب کسی کا نام وغیرہ رکھ دیں، ایک آدمی کی پٹائی ہوئی آپ نے اس کا نام ہی کیا رکھ دیا باقاعدہ؟ ضُرِبَ۔ تو دیکھا یہ اس کا اب نام اسم ہے، تو یہ کہاں سے آیا نقل ہو کر؟ فعل سے۔

تو یہ تو ایک صورت تھی کہ وزنِ فعل سبب بنے گا غیر انصراف کا، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ وزن کس کے ساتھ خاص ہو؟ فعل کے ساتھ۔ اور اگر ایسا نہ ہو یعنی وہ وزن ہے تو وزنِ فعل لیکن فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے، اسم میں بھی وہ وزن پایا جاتا ہے۔ پہلی صورت تو کیا تھی؟ وہ وزن خاص تھا کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ، اسم میں پایا ہی نہیں جاتا تھا، اگر اسم میں آتا بھی تھا کہاں سے نقل ہو کر آتا؟ فعل سے۔ دوسری صورت یہ کہ ایک ایسا وزن ہے جو فعل کا وزن ہے اور اسم میں بھی وہی وزن پایا جاتا ہے، جیسے دیکھو أَكْرَمَ یہ فعل ہے أَفْعَلَ وزن، تو أَفْعَلَ یہ فعل کا وزن ہے، لیکن اسی وزن پر اسمِ تفضیل بھی آتا ہے آپ نے پڑھا ہے: أَضْرَبُ، دیکھو وہی أَكْرَمَ وزن ہے یعنی أَضْرَبُ، اور أَضْرَبُ کیا ہے؟ اسمِ تفضیل۔ یا اسی طرح صفتِ مشبہ بھی اسی وزن پر آتی ہے جیسے أَسْوَدُ یا أَبْيَضُ۔ معلوم ہوا یہ أَفْعَلُ وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ وزنِ فعل ہے، وزن تو فعل کا ہے لیکن فعل کے ساتھ خاص نہیں، فعل میں بھی یہ وزن پایا جاتا ہے اور اسم میں بھی پایا جاتا ہے، تو اگر ایسی صورت ہو کہ وہ وزن فعل کے ساتھ ساتھ اسم میں بھی پایا جاتا ہو پھر دوسری شرط پوری ہونی چاہیے۔

دوسری شرط یہ کہ پھر اس وزن کے شروع میں حروفِ مضارع جو ہیں ان میں سے کوئی حرف ہونا چاہیے، اور مضارع کے شروع میں کون کون سے حروف آتے ہیں؟ یا ہے، تا ہے، حمزہ ہے اور نون، اور ان کا مجموعہ کیا ہے؟ أَتَيْنَ۔ تو معلوم ہوا اگر ایسا وزن ہے جو فعل کے ساتھ ساتھ اسم میں بھی پایا جاتا ہے تو اس میں پھر شرط یہ ہے کہ اس کے شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف ہونا چاہیے۔ اور نیز دوسری شرط بھی آپ کو بتائیں گے کہ دوسری شرط یہ کہ اس کے ساتھ ہا نہ ملتی ہو کسی بھی حالت میں یعنی گول تا، ہا سے کیا مراد ہے؟ گول تا جو ہوتی ہے وہ نہ ملتی ہو تانیث والی۔

تو ایک اگر وہ وزن عام ہو اسم میں بھی پایا جائے فعل میں بھی پایا جائے پھر کیا ہے؟ پھر یوں کہیں، اگر وہ وزن فعل میں بھی پایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسم میں بھی پایا جاتا ہے تو پھر اس میں دو شرطیں ہیں: ایک شرط یہ کہ اس کے شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف ہو، اور دوسری شرط یہ کہ وہ ہا کو بھی قبول نہ کرتا ہو یعنی اس کی مؤنث بنائیں تو اس کے آخر میں تا نہ آتی ہو بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟

کہتے ہیں: وَإِنْ لَمْ يُخْتَصَّ بِهِ اور اگر وہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے، کیا معنی خاص نہیں ہے؟ یعنی فعل میں پایا تو جاتا ہے لیکن اسی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اسم میں بھی وہ وزن پایا جاتا ہے فَيَجِبُ أَنْ يَكُونَ فِي أَوَّلِهِ تو پھر واجب ہے کہ ہو اس کے شروع میں، اس وزنِ فعل کے شروع میں إِحْدَى حُرُوفِ الْمُضَارَعَةِ حروفِ مضارع میں سے کوئی ایک، یعنی أَتَيْنَ میں سے کوئی ایک حرف ہو، حمزہ ہو یا تا ہو یا یاء ہو یا نون ہو، نیز دوسری شرط: وَلَا يَدْخُلُهُ الْهَاءُ اور نیز اس پر ہا بھی داخل نہ ہوتی ہو، اور میں نے بتایا ہا سے کیا مراد ہے؟ وہ گول تا ہے کیونکہ وہ حالتِ وقف میں کیا بن جاتی ہے؟ ہا بن جاتی ہے، جیسے قَائِمَةٌ اسی پر وقف کریں: قَائِمَهْ، تو دیکھیے وہ ہا بن گئی۔

كَأَحْمَدَ وَيَشْكُرَ وَتَغْلِبَ وَنَرْجِسَ چار مثالیں ذکر کر دیں: احمد کے شروع میں حمزہ ہے، یشکر کے شروع میں یا ہے، تغلب کے شروع میں تا ہے اور نرجس کے شروع میں نون ہے، تو یہ چار مثالیں۔ اور دیکھیے یہ أَفْعَلُ وزن ہے بھائی، أَفْعَلُ احمد کا، اور أَفْعَلُ وزن یہ فعل کے ساتھ ساتھ اسم میں بھی پایا جاتا ہے، اگر وہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہ ہو یعنی فعل کے ساتھ ساتھ اسم میں بھی پایا جائے تو پھر کتنی شرطیں ہیں؟ دو: ایک تو شروع میں کیا ہے؟ حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی آئے، احمد کے شروع میں بھی أَتَيْنَ میں سے ایک حرف آ رہا ہے، اور دوسری شرط کیا تھی؟ وہ ہا کو بھی قبول نہ کرے، لہٰذا اس کی مؤنث بھی أَحْمَدَةٌ نہیں آتی تو یہ بھی ہا کو قبول نہیں کرتا بھائی۔

اور اسی طرح يَشْكُرُ ہے بھائی، اور تَغْلِبُ ہے اور نَرْجِسُ ہے، تو دیکھیے ان سب کے شروع میں حرفِ مضارع بھی ہے اور یہ ہا کو قبول بھی نہیں کرتے، لہٰذا یہ سب غیر منصرف ہیں، لہٰذا ان پر کافِ جارہ داخل ہو رہا ہے اور وہ جر دیتا ہے لیکن اس کے باوجود ان پر فتحہ آئے گا، کسرہ اور تنوین نہیں: كَأَحْمَدَ، وَيَشْكُرَ، وَتَغْلِبَ، وَنَرْجِسَ۔

فَيَعْمَلُنْ مُنْصَرِفٌ تو يَعْمَلُنْ کہتے ہیں منصرف ہے، يَعْمَلُنْ کا لفظ کیا ہے؟ منصرف۔ بھائی یہ کیوں منصرف ہے؟ بھائی اس میں وہ شرطیں پوری نہیں، دیکھیے شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کیا ہے؟ یا، يَعْمَلُنْ یہ فعل نہیں ہے تنوین آ رہی ہے اور تنوین کس کا خاصہ ہے؟ اسم کا، تو یہ اسم میں بھی وزن آیا، تو یہ وزن اسم میں بھی پایا جاتا ہے تو پھر کیا ضروری تھا؟ وزنِ فعل ہو، فعل کے ساتھ ساتھ اسم میں بھی پایا جائے تو شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی آنا چاہیے اور اس کے شروع میں کیا حروفِ أَتَيْنَ میں سے یا موجود ہے، اور دوسری شرط کیا تھی؟ کہ یہ ہا کو قبول نہ کرے، لیکن یہ شرط یہاں پوری نہیں، یہ ہا کو قبول کر لیتا ہے۔ يَعْمَلُنْ کہتے ہیں بہت کام کرنے والا اونٹ، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مثلاً جَمَلٌ يَعْمَلٌ، بہت کام کرنے والا اونٹ، اور اسی کی مؤنث کیا آتی ہے؟ يَعْمَلَةٌ، نَاقَةٌ يَعْمَلَةٌ، بہت کام کرنے والی اونٹنی، تو دیکھو یہ تو ہا کو قبول کر رہا ہے یعنی گول تا کو قبول کر رہا ہے، اور ہم نے تو کیا کہا تھا یہ ہا کو قبول نہ کرے۔

تو کہتے ہیں: فَيَعْمَلُنْ مُنْصَرِفٌ تو يَعْمَلُنْ منصرف ہے لِقَبُولِهَا الْهَا ہا کو قبول کرنے کی وجہ سے، كَقَوْلِهِمْ جیسے کہ عربوں کا قول ہے: نَاقَةٌ يَعْمَلَةٌ بہت کام کرنے والی اونٹنی، ناقہ اونٹنی کو کہتے ہیں۔

اچھا بھائی یہ اسبابِ صرف مکمل ہوئے، بھائی سب کو دہرالیں، بھائی سب کو جلدی جلدی دہرالیا کرو، خوب پختہ کرتے جاؤ ان کو بھائی، خوب پختہ۔ اسبابِ منعِ صرف میں سب سے پہلے آپ نے عدل پڑھا، عدل کا معنی ہوتا ہے پھیرنا، اور اصطلاح میں کسے کہتے ہیں؟ کہ لفظ کو پھیرنا اس کے صیغۂ اصلیہ سے دوسرے صیغے کی طرف، اور صیغۂ اصلیہ کسے کہتے ہیں؟ جس کا قانون تقاضا کر رہا ہو، اس سے پھیر کر ایک نیا وزن بنالینا، اور یہ دو قسم پر ہے: عدلِ تحقیقی اور عدلِ تقدیری۔ عدلِ تحقیقی اسے کہتے ہیں جس کی ہمارے پاس کوئی دلیل موجود ہو، عدلِ تقدیری وہ ہے جس کی ہمارے پاس کوئی دلیل موجود نہ ہو بھائی۔ اور پھر آپ نے پڑھا تھا کہ یہ وزنِ فعل کے ساتھ جمع نہیں ہوتا کیونکہ عدل کے اپنے چھ اوزان ہیں اور فعل کے اپنے اوزان، تو یہ جمع نہیں ہوتے، ہاں البتہ یہ علم کے ساتھ بھی جمع ہو جاتا ہے یہ عدل اور وصف کے ساتھ بھی۔ علم کے ساتھ جمع ہو جیسے عُمَرُ اور زُفَرُ، اور وصف کے ساتھ جمع ہو جیسے ثُلَاثُ اور مَثْلَثُ اور جُمَعُ اور أُخَرُ۔

اس کے بعد آپ نے وصف کے بارے میں پڑھا کہ وہ علم کے ساتھ جمع نہیں ہوتا، وجہ میں نے اس کی آپ کو بتلائی تھی کہ وصف جو ہے وہ ذاتِ مبہم پر دلالت کرتا ہے اور علم جو ہے ذاتِ معین پر دلالت کرتا ہے، تو یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے اس لیے کیونکہ مبہم ہونا اور معین ہونا ایک دوسرے کی ضد ہیں، ایک آئے گی چیز تو دوسری نہیں آسکتی۔ اور پھر آپ نے پڑھا تھا کہ وصف سبب بنے گا غیر انصراف کا لیکن اس کے لیے شرط ہے کہ وہ اصلِ وضع میں کیا ہونا چاہیے؟ وصف ہونا چاہیے، اگر اصلِ وضع میں وہ وصف نہیں تھا بعد میں اگر وہ وصف بن بھی جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں وہ اثر نہیں دکھائے گا۔

اور اس کے بعد آپ نے تانیث کے بارے میں پڑھا، تانیث میں نے آپ کو بتلایا کہ دو قسم پر ہے: ایک تانیثِ لفظی اور ایک تانیثِ معنوی۔ تانیثِ لفظی وہ ہے جہاں لفظوں میں تانیث کی علامت ہو یعنی باقاعدہ ہم اس پر کیا کریں؟ تلفظ کریں، لفظی کا معنی جس پر تلفظ کیا جائے، سننے سے ہی دوسرے کو پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے آخر میں یہ حرف پڑھ رہا ہے: قَائِمَةٌ، دیکھو سننے سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ آخر میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ تا پڑھ رہا ہوں۔ تو یہ تانیثِ لفظی ہے اور اس کی میں نے بتلایا تین قسمیں ہیں: یا تو یہ تا کے ساتھ آئے گی تانیثِ لفظی، یا الفِ مقصورہ کے ساتھ، یا الفِ ممدودہ کے ساتھ۔ جبکہ دوسری تانیثِ معنوی ہے اور اس کی میں نے بتلایا دو صورتیں بنتی ہیں تانیثِ معنوی، یعنی لفظوں میں تو کوئی تانیث والی علامت نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے، اور اس کی دو صورتیں: یا تو وہ مؤنث کا نام ہوگا، یا عرب اس کو کیسا استعمال کرتے ہیں؟ مؤنث استعمال کرتے ہیں یعنی مؤنثِ سماعی ہے، ہم نے عربوں سے سنا ہے اسی طرح ہے تو یہ سماع پر موقوف ہے، کوئی یہاں پر علامت وغیرہ تانیث کی نہیں۔

تو ان میں سے آپ نے پڑھا تھا کہ التانیث بالالف المقصورہ اور التانیث بالالف الممدودہ جو ہے یہ دو سببوں کے قائم مقام ہیں، ان میں کوئی شرط نہیں ہے اور یہ دو سببوں کے قائم مقام ہیں: ایک تانیث، دوسرا لزومِ تانیث بھائی۔ جبکہ تانیث بالتاء کے اندر شرط ہے کہ وہ علم ہونا چاہیے، اور تانیثِ معنوی کے اندر دو شرطیں ہیں: ایک شرط یوں کہیں، تانیثِ معنوی جو ہے یہ بھی سبب بنے گی غیر انصراف کا، لیکن ایک صورت میں اس کو وجوباً سبب بنے گی، ایک صورت میں وجوباً سبب بنے گی غیر انصراف کا اور ایک صورت میں وجوباً نہیں ہوگا، وجوباً کے لیے کہ غیر منصرف ہونے کا سبب بنے وجوباً وہ اس کی دو شرطیں ہیں: کہ وہ جس لفظ میں تانیثِ معنوی ہے وہ کیا ہونا چاہیے؟ اس میں وہ علم ہونا چاہیے، علم ہونا چاہیے، اور دوسری شرط کیا کہ تین حروف سے زائد ہو، اگر تین سے زائد نہیں تو پھر درمیان والا متحرک ہو، اور اگر درمیان والا متحرک بھی نہیں ہے تو پھر کم از کم لفظ عجمی ہونا چاہیے بھائی، عجمی ہونا چاہیے۔

تو جب ان میں سے یہ دو شرطیں پوری ہو جائیں گی تو اب تانیث اپنا اثر دکھائے گی اور لفظ کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہوگا، لیکن اگر یہ دوسری شرط کے تین حصوں میں سے کوئی بھی صورت پوری نہ ہوئی یعنی تین حروف سے وہ زائد بھی نہیں، تانیث دوبارہ سنو: تانیثِ معنوی بھی ہے اس میں اور اس کے لیے پہلی شرط کیا تھی؟ علم ہو، اور دوسری شرط کیا تھی؟ کہ تین حروف سے زائد، یہ بھی نہیں پوری، اور دوسری درمیان والا متحرک وہ بھی نہیں ہے، تیسرا عجمی ہو، عجمی بھی نہیں ہے، تو جب ایسے لفظ آجائے تو پھر اس کے اندر اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز اور غیر منصرف پڑھنا بھی جائز۔ غیر منصرف پڑھنا کیوں جائز؟ کیونکہ دو سبب تو بہر حال پائے جا رہے ہیں: ایک علمیت ہے اور دوسرا تانیثِ معنوی ہے، تو دو سبب تو ہیں۔ اور لیکن اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز کیونکہ جب دوسری شرط پوری نہیں تو لفظ کے اندر ثقل نہیں آیا ہے، جب ثقل نہیں آیا تو لفظ خفیف ہے، جب خفیف ہے تو اس پر کسرہ پڑھنا بھی جائز اور تنوین پڑھنا بھی جائز ہے۔

اس کے بعد معرفہ تھا، معرفہ جو ہے وہ سبب بنتا ہے غیر انصراف کا، اور اس میں سے معرفہ میں سے صرف علمیت معتبر ہے، باقی معرفہ جو ہیں اس کی قسمیں وہ معتبر نہیں وہ سبب نہیں بنیں گی، اور آپ نے یہ بھی پڑھا کہ یہ وصف کے علاوہ باقیوں کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد عجمہ پڑھا آپ نے، اسبابِ منعِ صرف میں سے ایک عجمہ ہے بھائی، اور عجمہ کے لیے آپ نے شرط پڑھی کہ وہ عجمی زبان میں بھی کیا ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے، اور دوسری شرط یہ کہ وہ تین حروف سے زائد ہو اور اگر زائد نہیں ہے تو پھر کم از کم درمیان والا حرف متحرک ہونا چاہیے۔

اس کے بعد اسبابِ منعِ صرف میں سے آپ نے جمع پڑھا، جمع کے اندر آپ نے پڑھا تھا کہ یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے بھائی جمع: ایک جمعیت اور ایک لزومِ جمعیت بھائی، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ صیغہ منتہی الجموع کے وزن پر ہو بھائی، وہ جمع کس وزن پر ہو؟ جمع منتہی الجموع کے وزن پر ہو، اور جمع منتہی الجموع کے اوزان انہوں نے آپ کو بتلا دیے کہ الفِ جمع کے بعد دو حرف آجائیں جیسے مَسَاجِدُ، یا ایک حرفِ مشدد آجائے جیسے دَوَابُّ، اور یا تین حروف آجائیں جن میں سے درمیان والا ساکن ہو جیسے مَصَابِيحُ بھائی، اور نیز دوسری شرط یہ کہ یہ ہا کو بھی قبول نہ کرتا ہو، اس لیے کیونکہ اگر یہ ہا کو قبول کرے گا تو اس کی مشابہت کس کے ساتھ آجائے گی؟ مفرد کے ساتھ، جب مفرد کے ساتھ مشابہت آگئی تو جمع والی جانب کیا ہوئی؟ کمزور، لہٰذا اس لیے پھر یہ سبب نہیں بنے گا۔

اس کے بعد اسبابِ منعِ صرف میں سے آپ نے ترکیب پڑھی، ترکیب کا معنی تھا جوڑنا یعنی دو یا زائد حروف کو جوڑ کر ایک لفظ بنا لیا جائے، اور ترکیب کے لیے شرط یہ تھی کہ وہ لفظ علم ہونا چاہیے، جن دو تین لفظوں کو آپ نے جوڑا ہے اس کو وہ کیا ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے، لیکن اس میں اضافت بھی نہ ہو اور اسناد بھی نہ ہو، کیونکہ اگر اضافت ہو گی اضافت تو غیر انصراف کے منافی ہے وہ تو غیر منصرف کو بھی کیا بنا دیتی ہے؟ منصرف بنا دیتی ہے، اور اسناد بھی نہیں ہونا چاہیے اس لیے کیونکہ اسناد آئے گا تو جملہ بن جائے گا اور جملہ تو مبنی ہوتا ہے، اور ہماری بحث تو معرب کے بارے میں چل رہی ہے کیونکہ غیر منصرف معرب ہوا کرتا ہے مبنی نہیں ہوتا بھائی۔

اس کے بعد الف نون زائدتان کے بارے میں پڑھا آپ نے، کہ الف نون زائدتان یہ بھی سبب بنیں گے غیر انصراف کا، اور یہ الف نون زائدتان کبھی اسمِ محض میں آئیں گے کبھی وصف میں۔ اگر اسمِ محض میں آئیں تو پھر اس میں علمیت شرط ہے جیسے عِمْرَانُ اور عُثْمَانُ، اور اگر علمیت نہ ہو پھر یہ سبب نہیں بنیں گے جیسے سَعْدَانٌ اس میں الف نون زائدتان ہے لیکن یہ شرط پوری نہیں علم نہیں ہے تو یہ منصرف ہے۔ اور اگر صفت کے اندر یہ الف نون زائدتان آئے تو اس میں شرط یہ ہے کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ وزن پر نہیں آنی چاہیے، اگر فَعْلَانَةٌ وزن پر اس اسم کی مؤنث آتی ہو جیسے نَدْمَانٌ بھائی، ندمان کی مؤنث نَدْمَانَةٌ آتی ہے ہم نے تو کہا تھا نہیں آنی چاہیے اور یہ تو آرہی ہے لہٰذا شرط پوری نہیں، جب شرط پوری نہیں تو نَدْمَانٌ غیر منصرف نہیں بلکہ منصرف ہو گا بھائی۔ تو ندمان کا معنی ہوتا ہے ہم نشین بھائی یا اسی طرح یہ ندامت سے بھی، شرمندہ بھی، اس کا معنی ندامت کے بھی آتے ہیں اور ہم نشین کے بھی۔

اس کے بعد ہم نے آج وزنِ فعل کے بارے میں پڑھا، وزنِ فعل آپ نے پڑھا کہ یہ بھی سبب بنے گا غیر انصراف کا لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ وزن خاص ہونا چاہیے فعل کے ساتھ، اگر اسم میں بھی پایا جائے تو کہاں سے نقل ہو کر آئے؟ فعل سے۔ اور اگر وہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ فعل کے ساتھ ساتھ اسم میں بھی وہ وزن پایا جاتا ہے تو پھر دو شرطیں پوری ہونی چاہئیں: ایک کیا کہ اس کے شروع میں کیا حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف ہو، اور دوسری شرط کیا کہ وہ ہا کو بھی قبول نہ کرتا ہو بھائی۔

اب آگے دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: وَاعْلَمْ أَنَّ كُلَّ مَا شُرِطَ فِيهِ الْعَلَمِيَّةُ، اب واپسی کے اسباب بیان کرنے لگے ہیں، واپسی کے، کہ اب غیر منصرف کو پھر کیسے منصرف بنا سکتے ہیں؟ اس کی کیا صورت ہے؟ غیر منصرف کو مثلاً کوئی اسم تھا اس کے اندر کتنے سبب آگئے؟ دو سبب، تو وہ کیا بن جائے گا؟ غیر منصرف۔ اب غیر منصرف کو واپس منصرف کیسے بنائیں گے؟ وہ اب آپ کو بتلائیں گے بھائی، بات سمجھ میں آگئی سب کو؟

بھائی دیکھیے یہ جو اسبابِ منعِ صرف ہیں نا آپ نے پڑھے اسبابِ منعِ صرف، کچھ وہ ہیں جن میں علمیت شرط تھی، کچھ وہ ہیں جن میں علمیت شرط تو نہیں البتہ ان کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے۔ کچھ کیا ہیں؟ کچھ میں علمیت شرط تھی اور کچھ وہ ہیں جن میں علمیت شرط تو نہیں لیکن ان کے ساتھ علمیت جمع ہو جاتی ہے۔ اب علمیت کس کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے؟ شرط نہیں ہے اور جمع ہو جاتی ہے تو وہ آپ سارے پر دیکھ لیں غور کر لیجیے بھائی: ایک عدل ہے ایک وزنِ فعل ہے۔ عدل میں کوئی شرط نہیں تھی علم ہونے کی، عدل کے اندر علمیت کی شرط نہیں، یہ لکھا تھا علم کے ساتھ یہ جمع ہو جاتا ہے لیکن شرط نہیں ذکر کی گئی، اور اسی طرح وزنِ فعل کے اندر بھی یہ شرط ذکر نہیں کہ علم ہونا ضروری، یہ شرط نہیں۔ ہاں البتہ ان کے ساتھ علمیت جمع ہو جاتی ہے۔ تو دیکھیے ایک لفظ تھا اس کے اندر علمیت بھی تھی اور اس میں عدل بھی تھا۔ کون سے دو سبب ہیں ایک لفظ ہے؟ ایک علمیت، ایک عدل۔ بھائی عدل کے لیے علمیت شرط تو نہیں لیکن جمع تو ہو جاتی ہے نا اس کے ساتھ، تو جیسے عُمَرُ بھائی اس میں دو سبب کیا ہیں؟ عدل بھی ہے اور علمیت، تو اس میں سے علمیت کو ختم کر دو تو یہ منصرف بن جائے گا۔ کیا کر دو؟ علمیت جب ختم کر دو گے ایک سبب ختم ہو جائے گا اور ایک سبب رہ جائے گا عدل، اور ایک سبب کی وجہ سے تو لفظ غیر منصرف نہیں بنتا۔

مثلاً عُمَرُ ہے، عُمَرُ ایک آدمی کا نام ہے، متعین آدمی کا، تو پھر اس صورت میں غیر منصرف۔ اگر آپ دو تین کا اکٹھا ہی نام رکھ دیتے ہیں: یہ بھی عمر، یہ بھی عمر، یہ بھی عمر، تو اس صورت میں یا در کھیے علم تو وہ ہوتا ہے جو معین ذات پر دلالت کرے، اب جب تین چار کا نام آپ نے اکٹھا ہی عمر رکھ دیا تو اب میں کہتا ہوں میرے پاس عمر آیا تھا، آپ کو پتہ چلا کون سا والا آیا تھا؟ نہیں پتہ چلے گا کیونکہ ساروں کا نام آپ نے کیا رکھا ہے؟ عمر۔ تو دیکھا علمیت ختم ہو گئی، علم تو دلالت کرتا ہے ذاتِ معین پر اور یہ تو ذاتِ معین پر دلالت نہیں کر رہا، تو علمیت ختم ہو گئی۔ جب علمیت ختم ہوئی کتنے سبب رہ گئے؟ ایک رہ گیا، اور ایک کی وجہ سے وہ غیر منصرف نہیں بنتا، لہٰذا پھر یوں کہیں گے: جَاءَنِي مَثَلًا جَاءَنِي عُمَرٌ آخَرُ، میرے پاس دوسرا عمر آیا تھا یہ والا عمر نہیں، تو عُمَرٌ پڑھ رہا ہوں، دیکھا؟ اگر غیر منصرف ہوتا تو کیا پڑھتا؟ عُمَرُ، جَاءَنِي عُمَرُ، پھر تنوین نہ آتی، لیکن اب میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ جَاءَنِي عُمَرٌ آخَرُ، رَأَيْتُ اگر ایک کا نام ہے تو میں پڑھوں گا رَأَيْتُ عُمَرَ غیر منصرف، اور اگر میں نے کئی آدمیوں کا نام رکھا ہے علمیت ختم کر دی ہے تو کیسے پڑھوں گا؟ رَأَيْتُ عُمَرًا آخَرَ، اب تنوین آ جائے گی، اور اگر غیر منصرف ہو دیکھو جر کی حالت میں یوں پڑھوں گا: مَرَرْتُ بِعُمَرَ، مَرَرْتُ بِعُمَرَ، لیکن اگر میں نے علمیت ختم کر دی تو کیسے پڑھوں گا؟ مَرَرْتُ بِعُمَرٍ آخَرَ، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ اچھی طرح؟

یا اسی طرح أَحْمَدُ، احمد میں کیا دو سبب ہیں؟ وزنِ فعل اور ایک علمیت، اس میں بھی اسی طرح ہے: جَاءَنِي أَحْمَدُ غیر منصرف، رَأَيْتُ أَحْمَدَ غیر منصرف، مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ یہ بھی کیا ہے؟ غیر منصرف۔ اب اس میں سے علمیت ذرا ختم کر دو: جَاءَنِي أَحْمَدُ آخَرُ، رَأَيْتُ أَحْمَدًا آخَرَ، مَرَرْتُ بِأَحْمَدٍ آخَرِيْ، دیکھا؟ یہ آخر کا لفظ بتلا رہا ہے کہ علمیت ختم ہو چکی ہے، میں کہتا ہوں جَاءَنِي أَحْمَدُ آخَرُ، میرے پاس دوسرا احمد آیا تھا، معلوم ہوا ایک اور بھی احمد ہے، تو علمیت نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو ان دو میں علمیت شرط نہیں، جمع ہو جاتی ہے ان کے ساتھ، ایک عدل ہے اور ایک وزنِ فعل ہے۔

اچھا کچھ وہ سبب تھے جن کے اندر علمیت شرط تھی، وہ کون کون سے تھے؟ ذرا ہر ایک کو دیکھتے جاؤ: عدل؟ نہیں بھائی عدل تو نہیں تھا، وصف؟ وصف کے ساتھ تو علمیت جمع ہی نہیں ہو سکتی یہ بھی نہیں، تیسرا کیا تھا؟ تانیث بالتاء، ہاں اس میں علمیت شرط تھی، اور نیز تانیثِ معنوی اس کے اندر بھی کیا تھی؟ علمیت شرط تھی۔ اور کیا آگے؟ معرفہ تو خود علمیت ہے، اس سے آگے کیا تھا؟ عجمہ میں بھی علمیت شرط تھی، جمع کے اندر کوئی علمیت کی شرط نہیں تھی، اس سے آگے چلیں؟ ترکیب کے اندر بھی علمیت شرط تھی، اور اسی طرح الف نون زائدتان، الف نون زائدتان اگر اسم میں آئیں تو پھر کیا ہے؟ علمیت شرط تھی، یہ سارے جن میں علمیت شرط ہے۔

تو ایک اسم آیا، اس میں تانیث بھی تھی، تانیث بالتاء، مثال ایک ذکر کر رہا ہوں، یہ ساروں میں یہی صورت ہے۔ علمیت بھی ایک سبب یہ ہو گا اور ایک سبب ان میں علمیت ہے، ایک سبب کیا ہے؟ علمیت، کیونکہ علمیت ان کے لیے شرط ہے نا، مثلاً قَائِمَةٌ یہ میں نے ایک عورت کا نام رکھ دیا قَائِمَةٌ، تو دیکھو تانیث بالتاء بھی ہے اور دوسری شرط تھی کہ علم ہونا چاہیے علم بھی ہے کہ یہ کیا کیا ہے ایک عورت کا نام رکھ دیا ہے، تو یوں کہیں گے: جَاءَتْنِي قَائِمَةٌ، تنوین نہیں آئے گی، رَأَيْتُ قَائِمَةَ، مَرَرْتُ بِقَائِمَةَ۔ تو دو سبب کیا ہیں قائمہ میں؟ ایک تانیث ہے اور دوسرا علمیت۔ اب اس میں سے علمیت ذرا ختم کر دو، علمیت ختم کر دو، جب آپ علمیت ختم کریں گے اب اس اسم میں کتنے سبب باقی رہ گئے؟ نہیں، اب ایک بھی باقی نہ رہا۔ پچھلا جو عدل اور وزنِ فعل کے ساتھ علمیت آئی تھی وہاں علمیت ختم کرتے تھے تو عدل باقی رہ جاتا تھا اور وزنِ فعل باقی رہ جاتا تھا، عُمَرُ میں سے علمیت ختم کرو تو عدل باقی رہ گیا ایک سبب، اور اسی طرح وزنِ فعل أَحْمَدُ اس سے علمیت ختم کر دو تو پھر ایک سبب باقی رہ گیا۔

لیکن یہ والے جو سبب ذکر ہو رہے ہیں جن میں علمیت شرط ہے ان میں سے جب آپ علمیت کو ختم کریں گے تو علمیت تو ختم ہو گئی وہ دوسرا سبب وہ بھی ختم ہوا، بھائی وہ کیوں ختم ہوا؟ وجہ یہ کہ اس کے لیے علمیت شرط تھی، اور جب شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں، وضو نہیں تو نماز بھی نہیں بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ ہاں وہ سبب بے شک وہ چیز ان میں بے شک ہے: قَائِمَةٌ میں نے اس میں سے علمیت کیا کر دی؟ ختم، اب تانیث بے شک ہے لیکن ہم ہر تانیث کی بات کر رہے ہیں یا وہ تانیث جو مؤثر بھی ہو، اثر بھی دکھائے؟ وہ تانیث جو اثر بھی دکھائے ہم تو اس کی بات کر رہے ہیں جو غیر انصراف کا سبب بنے، تو بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا وہ اسباب جن کے اندر علمیت شرط تھی جب اس میں سے ہم علمیت کو ختم کریں گے تو وہ دوسرا سبب بھی غیر مؤثر ہو جائے گا، وہ اپنا اثر نہیں دکھائے گا یعنی یوں کہیں وہ دوسرا سبب بھی ختم ہو جائے گا۔ اب قَائِمَةٌ جب اس میں سے میں نے علمیت ختم کر دی اب بے شک اس میں تانیث بالتاء باقی ہے لیکن یہ تانیث بالتاء سبب نہیں بن رہی، یہ مؤثر ہی نہیں، اس کا اثر ہی کوئی نہیں کیونکہ اس کے لیے تو شرط کیا تھی؟ علمیت، جب شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں لہٰذا یہ مؤثر نہیں اثر نہیں دکھائے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟

اب دیکھیے یہ سارا یہی خود بھی بیان کریں گے: وَاعْلَمْ تو جان لے أَنَّ كُلَّ مَا شُرِطَ فِيهِ الْعَلَمِيَّةُ کہ ہر وہ، ما سے مراد سبب ہے، اسبابِ منعِ صرف

کا جو سبب ذکر ہو: وَاعْلَمْ تو جان لے أَنَّ كُلَّ مَا شُرِطَ فِيهِ الْعَلَمِيَّةُ ہر وہ سبب جس کے اندر علم ہونے کی شرط لگائی گئی ہے، وہ کون کون سے ہیں جن میں علم ہونے کی شرط ہے؟ وہ خود بیان کر رہے ہیں: وَهُوَ الْمُؤَنَّثُ بِالتَّاءِ وہ مؤنث بالتاء ہے وَالْمَعْنَوِيُّ اور مؤنثِ معنوی ہے وَالْعُجْمَةُ اور عجمہ ہے وَالتَّرْكِيبُ اور ترکیب ہے وَالِاسْمُ الَّذِي فِيهِ الْأَلِفُ وَالنُّونُ الزَّائِدَتَانِ اور وہ اسم ہے جس کے اندر الف اور نون زائدتان ہیں، ان میں کیا ہے؟ علمیت شرط ہے۔ أَوْ لَمْ يُشْتَرَطْ یا ہر وہ سبب جس میں علمیت کی شرط نہیں ہے، لَمْ يُشْتَرَطْ فِيهِ ذٰلِكَ کہ اس میں علمیت کی شرط نہیں ہے وَاجْتَمَعَ مَعَ سَبَبٍ وَاحِدٍ فَقَطْ اور وہ جمع ہو گئی علمیت وہاں ایک سبب کے ساتھ صرف۔

اب ایک لفظ ہے اس میں علمیت آئی اور ساتھ صرف عدل آیا اور کوئی سبب نہیں، تو دو سبب کون کون سے ہوئے؟ علمیت اور عدل، تو جب علمیت ختم ہو جائے گی کتنا سبب رہ جائے گا؟ ایک۔ اگر تین سبب جمع ہوتے، کتنے جمع ہوتے؟ تین، تو علمیت ختم بھی ہو جاتی پھر بھی لفظ نے غیر منصرف رہنا تھا کیونکہ دو سبب تو پھر بھی موجود ہیں، اسی لیے انہوں نے کہا: وَاجْتَمَعَ مَعَ سَبَبٍ وَاحِدٍ اور جمع ہو جائے وہ علمیت ایک ہی سبب کے ساتھ، یعنی جن میں علمیت شرط نہیں ہے کون کون ہیں؟ عدل اور وزنِ فعل، تو ان میں علمیت شرط نہیں اور یہاں پر علمیت آگئی ایک ہی سبب کے ساتھ، اور وہ کیا؟ علمیت آگئی اور ایک سبب اس کو بنالو نا یہ جو دو ذکر ہوئے: علمیت اور عدل، اور دوسری صورت علمیت اور وزنِ فعل، صرف یہ آئے ہیں، اب علمیت ختم کرو گے ایک لفظ ہے اس میں علمیت بھی ہے اور عدل بھی ہے تو علمیت جمع ہوئی ہے ایک سبب کے ساتھ، تو علمیت ختم کرو گے تو کتنے سبب رہ جائیں گے؟ ایک۔ اور اگر علمیت کے ساتھ علمیت بھی ہوتا، عدل بھی ہوتا اور فرض کرو فرض کرو کوئی ایک اور سبب بھی ہوتا تو کتنے سبب تھے؟ تین، جب تین تھے تین میں سے آپ علمیت کو ختم بھی کر دیتے پھر بھی کتنے سبب رہ جاتے؟ دو، پھر تو اس نے غیر منصرف ہی پڑھنا تھا، غیر منصرف ہی باقی رہنا تھا، اور ہم تو بات کر رہے ہیں کہ غیر منصرف کیا بن جائے؟ منصرف، معلوم ہوا علم جمع ہو گا ایک سبب کے ساتھ، دو کے ساتھ نہیں، دو کے ساتھ آیا پھر چاہے اس میں سے علمیت ختم بھی کر دو وہ پھر بھی کیا رہے گا؟ غیر منصرف، اور ہم کس کی بات کر رہے ہیں؟ منصرف کہ وہ منصرف بن جائے، اور منصرف کب بنے گا؟ جب علمیت کے ساتھ ایک سبب آیا ہو، اب علمیت کو ختم کریں گے تو کتنے باقی رہ جائیں گے؟ ایک، تو لفظ کیا بن جائے گا؟ منصرف۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

یہ معنی ہے: وَاجْتَمَعَ مَعَ سَبَبٍ وَاحِدٍ اور وہ جمع ہو جائے علمیت ایک ہی سبب کے ساتھ صرف، وَهُوَ الْعَلَمُ الْمَعْدُولُ وَوَزْنُ الْفِعْلِ اور وہ کیا ہے؟ جن میں علمیت شرط نہیں اور جمع ہو جاتی ہے ایک ہی سبب کے ساتھ: وَهُوَ الْعَلَمُ الْمَعْدُولُ وہ علم ہے جس میں عدل کیا گیا ہو، علمیت بھی دیکھو آگئی اور اس میں معدول جس میں عدل کیا گیا ہے، جیسے عُمَرُ اس میں عدل ہے یا نہیں؟ جب عدل ہے تو اس کو کہیں گے اسمِ معدول، کیا کہیں گے؟ یہ اسمِ معدول ہے، اور یہ علم بھی ہے تو اب یوں کہو یہ علمِ معدول ہے، یہ کیا ہے؟ علم، تو یہ دیکھا اس لیے کہا: وَهُوَ الْعَلَمُ الْمَعْدُولُ وہ علمِ معدول ہے وَوَزْنُ الْفِعْلِ اور کیا ہے؟ وزنِ فعل ہے۔ یہ دو ان میں علمیت شرط، دوبارہ ادھر سنو، ان دو میں علمیت شرط نہیں اور علمیت جمع ہو گئی ان میں سے ایک سبب کے ساتھ، تو جب علمیت کو ختم کریں گے تو باقی کتنا رہ جائے گا؟ ایک، تو وہ کیا بن جائے گا؟ منصرف۔

اسی لیے کہا یہ سارے اسماء جو ہیں کچھ میں علمیت کیا تھی؟ شرط، کچھ میں علمیت شرط نہیں تھی۔ تو جب ان میں علمیت آگئی چاہے شرط ہے چاہے شرط نہیں، ان میں جب علمیت آگئی اس کو پھر کیا بنا دو؟ علمیت ختم کر دو یعنی اس کو نکرہ بنا دو، جب علمیت ختم ہو گی تو کیا بن جائے گا؟ علم تو معرفہ کی قسم ہے نا، جب علمیت نکالو گے تو کیا رہ جائے گا؟ نکرہ رہ جائے گا، تو اسی لیے کہا: إِذَا نُكِّرَ صُرِفَ جب ان کو نکرہ بنا دیا جائے گا تو یہ منصرف ہو جائیں گے۔ جب ان کو کیا بنا دیا جائے؟ نکرہ، کیا معنی ہے نکرہ بنانے کا؟ یعنی علمیت ختم کر دی۔ لفظ معرفہ ہو گا یا نکرہ، دو ہی صورتیں ہیں نا، یا معرفہ ہو گا یا نکرہ، اور معرفہ ہے مثلاً علم، جب آپ نے علمیت ختم کر دی تو یہ معرفہ سے نکل کے کس میں چلا گیا؟ نکرہ بن گیا بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں نُكِّرَ سے کیا مراد ہے؟ اس میں سے علمیت ختم کرنا۔ تو کہتے ہیں اسی لیے: إِذَا نُكِّرَ صُرِفَ جب ان کو نکرہ بنا دیا جائے تو یہ منصرف ہو جائیں گے۔

اور میں نے کیا تفصیل بتائی؟ جن میں علمیت شرط تھی وہ بھی منصرف بن جائیں گے جب علمیت ختم کر دو، کچھ میں علمیت شرط نہیں تھی وہاں سے بھی علمیت ختم کرو تو کیا بن جائیں گے؟ منصرف، دونوں منصرف بنیں گے لیکن دونوں میں فرق آئے گا۔ فرق کیا؟ جن میں علمیت شرط تھی وہ بغیر کسی سبب کے رہ گئے، کیونکہ علمیت ختم، علمیت تو آپ نے ختم کی اور علمیت دوسرے سبب کے لیے بھی شرط تھی تو شرط ختم تو مشروط بھی ختم، تو دوسرا سبب بھی کیا ہوا؟ ختم۔ معلوم ہوا وہ بغیر کسی سبب کے رہ گئے اور عدل اور وزنِ فعل ان میں تو علمیت شرط نہیں تھی، اس میں سے علمیت ختم بھی کر دو ایک سبب تو باقی رہ گیا۔ تو نکرہ سب بن جائیں گے لیکن کچھ وہ ہیں جو ایک سبب کے ساتھ رہ جائیں گے باقی اور کچھ وہ ہیں جن میں پھر کوئی بھی سبب نہیں رہے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: إِذَا نُكِّرَ صُرِفَ جب اس کو نکرہ بنا دیا جائے تو یہ منصرف ہو جائے گا، أَمَّا فِي الْقِسْمِ الْأَوَّلِ فَلِبَقَاءِ الِاسْمِ بِلَا سَبَبٍ باقی پہلی

قسم کے اندر، پہلی قسم کون سی تھی جس میں علمیت شرط تھی، وہ منصرف بن جائے گا: فَلِبَقَاءِ الِاسْمِ بِلَا سَبَبٍ اس وجہ سے کہ اسم باقی رہ گیا بغیر کسی سبب کے۔ علمیت آپ نے ختم کی اور دوسرا سبب خود ختم ہو گیا، کیوں ختم ہوا؟ کیونکہ شرط ختم، جب شرط ختم تو مشروط بھی ختم، اسی لیے کہا: أَمَّا فِي الْقِسْمِ الْأَوَّلِ فَلِبَقَاءِ الِاسْمِ بِلَا سَبَبٍ باقی پہلی قسم کے اندر اس اسم کا باقی رہ جانا بغیر کسی سبب کے، وَأَمَّا فِي الثَّانِي فَلِبَقَائِهِ عَلَى سَبَبٍ وَاحِدٍ اور باقی دوسری قسم میں وہ اسم کے باقی رہنے کی وجہ سے ایک ہی سبب پر، وہ ایک ہی سبب رہ گیا، وہ کس میں تھا؟ عدل اور وزنِ فعل میں۔ بات بھی سب کو سمجھ میں آئی کہ مشکل ہے؟ کچھ اسباب میں علمیت شرط، کچھ میں علمیت جمع تو ساتھ ہو جاتی ہے لیکن شرط نہیں، جن میں علمیت شرط اس میں سے جب علمیت کو ختم کریں گے تو دوسرا سبب بھی کیا ہو جائے گا؟ ختم، تو اسم منصرف بن گیا لیکن اب اس میں کوئی ایک سبب ہے یا دونوں ہی ختم ہو گئے؟ دونوں ہی ختم، تو اسم منصرف بن گیا بغیر کسی سبب کے یعنی اس میں اب کوئی بھی سببِ غیر انصراف باقی نہیں، اور کچھ کے اندر علمیت شرط تو نہیں تھی البتہ جمع ہو جاتی تھی اس میں سے جب علمیت ختم کریں گے تو اسم منصرف بن جائے گا لیکن ابھی بھی اس میں ایک سبب باقی رہے گا۔

یہ معنی ہے: وَأَمَّا فِي الثَّانِي فَلِبَقَائِهِ عَلَى سَبَبٍ وَاحِدٍ اور باقی دوسرے کے اندر وہ اسم کے باقی رہنے کی وجہ سے ایک ہی سبب پر، تَقُولُ آپ کہتے ہیں: جَاءَنِي طَلْحَةُ دیکھو غیر منصرف پڑھ رہا ہوں کیونکہ علم ہے، اور آپ کہتے ہیں: وَطَلْحَةٌ آخَرُ ای جَاءَنِي طَلْحَةٌ آخَرُ، یہ آخر کا لفظ کیا بتلا رہا ہے؟ میرے پاس دوسرا طلحہ آیا تھا، معلوم ہوا دو یا تین یا چار کا نام آپ نے کیا رکھا ہے؟ طلحہ۔ تو علم تو معین ذات پر دلالت کر رہا ہے اب یہ معین ذات پر دلالت نہیں کر رہا تو معلوم ہوا آپ نے علمیت ختم کر دی، جب علمیت ختم کر دی تو طلحہ کیا بن گیا؟ منصرف، اسی لیے کہا: جَاءَنِي طَلْحَةٌ آخَرُ، تنوین آ گئی۔ اور اب آپ مجھے بتائیے طَلْحَةٌ کے اندر علمیت آپ نے ختم کر دی اور دوسرا سبب کیا تھا؟ تانیث بالتاء، وہ بھی اب سبب نہیں، وہ بھی ختم ہوئی۔ تانیث بے شک ہے لیکن ہم ہر تانیث کی بات نہیں کر رہے ہم تو وہ تانیث جو غیر منصرف ہونے کے اندر مؤثر بھی ہو، اور وہ کیا تھا کہ تانیث بالتاء کے لیے کیا شرط تھی؟ علمیت، جب علمیت ختم تو تانیث بالتاء بھی غیر مؤثر ہو گئی، تانیث بے شک ہے لیکن غیر مؤثر ہے یعنی کوئی سبب نہیں بن رہی۔

وَقَامَ عُمَرُ دیکھا غیر منصرف ہے، علم ہے، پھر علمیت ختم کر دی: عُمَرٌ آخَرُ، یوں کہتے ہیں: قَامَ عُمَرٌ آخَرُ، دیکھو علمیت ختم تو یہ منصرف بن گیا، اور اب اس میں ایک سبب ہے عدل کیونکہ عدل میں شرط نہیں تھی علمیت۔

وَضَرَبَ أَحْمَدُ یہ غیر منصرف ہے علمیت ابھی ہے، اب علمیت ختم کرو: وَأَحْمَدٌ آخَرُ ای ضَرَبَ أَحْمَدٌ آخَرُ، یہ وزنِ فعل کی مثال، ایک سبب ابھی اس میں باقی ہے۔

بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟ مشکل تو نہیں؟ آسان بحث ہے، اتنی لمبی میں نے اس بار بار تکرار کروایا اس کا اچھی طرح تکرار کرو، اگر پھر بھی کوئی مشکل لگے تو پھر مجھے بتائیے۔

کچھ میں ایک سبب باقی رہ جائے گا، کچھ میں ایک بھی سبب باقی نہیں رہے گا۔ ایک سبب کس میں رہے گا؟ عدل اور وزنِ فعل، یہ یوں کہو وہ اسباب جن میں علمیت شرط نہیں، اور کچھ میں کوئی بھی سبب نہیں رہے گا یہ کون سے اسباب ہیں جن میں علمیت شرط تھی۔

چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۹: غیر منصرف پر کسرہ داخل ہونے کی صورتیں اور آغازِ المقصد الأول فی المرفوعات

ہدایۃ النحو صفحہ: ۲۲—بتاریخ: ۲۷ ستمبر ۲۰۱۴ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَكُلُّ مَا لَا يَنْصَرِفُ إِذَا أُضِيفَ أَوْ دَخَلَهُ اللَّامُ فَدَخَلَهُ الْكَسْرَةُ، نَحْوُ: مَرَرْتُ بِأَحْمَدِكُمْ، وَبِالْأَحْمَدِ۔
الْمَقْصَدُ الْأَوَّلُ فِي الْمَرْفُوعَاتِ: الْأَسْمَاءُ الْمَرْفُوعَاتُ ثَمَانِيَةُ أَقْسَامٍ: الْفَاعِلُ، وَمَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، وَالْمُبْتَدَأُ، وَالْخَبَرُ، وَخَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا، وَاسْمُ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا، وَاسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ، وَخَبَرُ لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔

گزشتہ سبق میں اسبابِ منعِ صرف کا بیان چل رہا تھا، اور اس کے بعد آخر میں انہوں نے آپ کو بتلایا کہ ایک اسم جو غیر منصرف ہو اس کو پھر منصرف کیسے بنائیں گے؟ اس کو منصرف کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ تو انہوں نے آپ کو بتلایا کہ جہاں ایک سبب علمیت ہو، جس اسم میں دو اسبابِ منعِ صرف میں سے ایک سبب کیا ہو؟ علمیت ہو، تو اس میں سے اگر اس علمیت کو ختم کر دیا جائے تو اس صورت میں پھر وہ لفظ جو ہے منصرف بن جائے گا، منصرف بن جائے گا۔

لیکن اس میں پھر دو صورتیں تھیں: بعض میں علمیت کی شرط تھی، بعض میں علمیت کی شرط نہیں تھی، ویسے علمیت ایک سبب کے ساتھ جمع ہو جاتی تھی۔ تو جن میں علمیت شرط تھی اس میں سے بھی علمیت کو ختم کریں گے وہ منصرف بن جائے گا، جس میں علمیت شرط نہیں تھی اس میں سے بھی علمیت کو ختم کریں گے تو وہ بھی منصرف بن جائے گا، لیکن دونوں میں فرق یہ ہو گا کہ وہ جن میں علمیت شرط تھی جب آپ نے اس میں سے علمیت ختم کر دی تو علمیت کے ساتھ وہ دوسرا سبب بھی ختم ہوا، اب وہ مؤثر نہ رہا، تو وہ لفظ منصرف ہے اور اس وقت اس میں ایک بھی سبب غیر انصراف کا نہیں ہے۔ اور وہ جن میں علمیت شرط نہیں تھی البتہ علمیت جمع ہو گئی تھی ایک اور سبب کے ساتھ، اس میں سے جب علمیت ختم کریں گے تو وہ لفظ منصرف بن جائے گا لیکن اب بھی اس میں غیر انصراف کا ایک سبب باقی ہے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

اور اس کی مثال انہوں نے ذکر کی تھی مثلاً علمیت کیسے ختم کرتے ہیں؟ بھائی دیکھیے علم جو ہوتا ہے وہ ذاتِ معین پر دلالت کرتا ہے، آپ اگر دو، چار یا چھ کا نام اکٹھا ہی مثلاً طلحہ رکھ دیتے ہیں تو معلوم ہوا اب طلحہ میں علمیت نہیں ہے۔ اس لیے کیونکہ علم تو وہ ہے جو ایک معین ذات پر دلالت کرتا ہے، جیسے ہی اس کا نام لیں فوراً وہ ذہن میں آ جائے، لیکن یہاں جب آپ نے چار چھ کا نام طلحہ رکھا ہے اب میں آپ سے کہوں طلحہ آیا، کوئی آپ کو پتہ چلا ان میں سے کون سا والا آیا ہے؟ نہیں، تو دیکھو یہ معین ذات پر اب دلالت نہیں کر رہا، جب معین ذات پر دلالت نہیں کر رہا معلوم ہوا علمیت ختم ہو چکی ہے، کیونکہ علم تو وہ ہوتا ہے جو معین ذات پر دلالت کرتا ہے، اسی لیے انہوں نے کہا اس کی مثال کیا ذکر کی؟ جَاءَنِي طَلْحَةٌ آخَرُ، یہ آخر کا لفظ لا کر بتلا دیا کہ یہ ایک کا نام نہیں، کئیوں کا نام ہے، جماعت کا ایک نام ہے، میرے پاس دوسرا طلحہ آیا تھا، معلوم ہوا اور بھی کوئی طلحہ ہے، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

اب آگے دیکھیے مصنف فرماتے ہیں: وَكُلُّ مَا لَا يَنْصَرِفُ إِذَا أُضِيفَ أَوْ دَخَلَهُ اللَّامُ فَدَخَلَهُ الْكَسْرَةُ، اور ہر وہ اسم جو غیر منصرف ہوتا ہے إِذَا أُضِيفَ جب اس کی اضافت کر دی جائے أَوْ دَخَلَهُ اللَّامُ یا اس پر لامِ تعریف یعنی الف لام داخل ہو جائے فَدَخَلَهُ الْكَسْرَةُ تو اس پر کسرہ داخل ہو جائے گا۔

بھائی یاد رکھیے: غیر منصرف کی جب اضافت کر دی جائے یعنی مضاف بنایا جائے، مضاف الیہ نہیں بلکہ مضاف، جب اس کو مضاف بنا دیا جائے یا غیر منصرف پر جب الف لام داخل ہو جائے تو پھر اس صورت میں اس پر کسرہ داخل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ غیر منصرف پر تو کسرہ داخل نہیں ہوتا تھا، لیکن جب اس کی اضافت ہو جائے یا الف لام داخل ہو جائے تو اس پر پھر کسرہ بھی آسکتا ہے۔ تو اب کسرہ آگیا، تنوین تو آنہیں سکتی کیونکہ مضاف پر تنوین نہیں آتی، اضافت کی وجہ سے تنوین ویسے ہی گر جاتی ہے تو تنوین تو نہیں آسکتی، اور الف لام کی وجہ سے بھی تنوین گر جاتی ہے، تو غیر منصرف پر یہی دو چیزیں نہیں آتی تھیں نا: ایک کسرہ نہیں آتا تھا اور ایک تنوین نہیں آتی تھی۔ تنوین تو ابھی بھی نہیں آئے گی کیونکہ مضاف پر تنوین نہیں آتی اور جو معرف باللام ہوتا ہے اس پر بھی تنوین نہیں آتی، البتہ کسرہ اس پر آجائے گا اگر ما قبل میں کوئی حرفِ جر ہو تو پھر اس پر کسرہ آجائے گا۔

اب سوال پیدا یہ ہوتا ہے: کیا یہ منصرف بن گیا جب اس پر الف لام آیا یا اس کی اضافت کر دی تو کیا یہ منصرف بن گیا ہے اب؟ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء فرماتے ہیں: ہاں یہ منصرف بن گیا، کیا بن گیا؟ منصرف۔ جبکہ بعض کہتے ہیں: نہیں، منصرف نہیں بنا، ہے اب بھی غیر منصرف، لیکن منصرف کے حکم میں آگیا، وہی منصرف والا حکم اس پر لگ گیا، کیا حکم لگا؟ منصرف پر کسرہ آتا تھا اس پر بھی کیا آگیا؟ کسرہ آگیا، صورت سمجھ میں آگئی؟

بھائی اس کی وجہ کیا ہے کہ جب غیر منصرف مضاف بن جائے یا معرف باللام بن جائے تو اس پر کسرہ آجاتا ہے؟ پہلے کسرہ نہیں آسکتا تھا اور یہ دو چیزیں آ جائیں تو پھر کسرہ آجائے گا، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو یاد رکھنا: تو سب سے پہلے یہ یاد رکھو کہ یہ اضافت اور الف لام یہ اسم کے بڑے خاصے ہیں، یہ اسم کے بڑے خاصے ہیں۔ آپ نے اسم کے بہت سے خاصے کتاب کی ابتدا میں پڑھے بھائی: اسم کے بہت سے خاصے پڑھے مثلاً اضافت ہے، لامِ تعریف ہے، جر کا داخل ہونا، تنوین کا اس پر آنا، اس کی تثنیہ ہونا، اس کی جمع بننا، اس کی صفت، تصغیر وغیرہ، یہ سارے کس کے خاصے تھے؟ اسم کے خاصے تھے۔ تو یاد رکھیے ان سارے خاصوں میں سے اضافت اور الف لام کا داخل ہونا یہ اسم کے بڑے خاصے ہیں، ان سب میں سے اضافت اور الف لام کیا ہیں؟ اسم کے بڑے خاصے ہیں، ان کو اسم کے بڑے خاصے کہا جاتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے: یہ اسم کے بڑے خاصے کیوں ہیں؟ تو علمائے نحو فرماتے ہیں کہ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ اضافت اور الف لام مدلولِ اسم کو بدل دیتے ہیں، اس لیے اسم کے بڑے خاصے کہلاتے ہیں۔ کون دو بڑے خاصے کہلاتے ہیں؟ اضافت اور الف لام، یہ اسم کے بڑے خاصے کہلاتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے یہ بڑے خاصے کیوں کہلاتے ہیں؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ کیا کرتے ہیں؟ مدلولِ اسم کو بدل دیتے ہیں۔ مدلول جس پر اسم دلالت کر رہا ہو، مثلاً میں نے کہا: زید، آپ کے ذہن میں کون سا ساتھی آیا ہے جس کا کیا نام ہے؟ زید، تو وہ جو اس کی ذات ہے وہ ہوئی مدلول، جیسے ہی میں زید کہوں گا اس نے اس پر دلالت کر دی آپ کے ذہن میں فوراً آگیا۔ یا مثلاً میں کہتا ہوں: قلم، دیکھو قلم کی فوراً آپ کے ذہن میں صورت آگئی، تو لفظِ قلم ہوا دال، دلالت کر رہا ہے، اور کس پہ کر رہا ہے؟ وہ جو قلم جس کے ذریعے لکھتے ہیں اس پر کر رہا ہے تو وہ کیا ہوا؟ مدلول، جس پر وہ دلالت کرے، جس پر کیا کرے؟ دلالت کرے۔ تو علماء فرماتے ہیں کہ یہ مدلولِ اسم کو بدل دیتا ہے جس پر اسم دلالت کر رہا ہوتا ہے۔

مثلاً دیکھیے مثال سے وضاحت ہو گی: مثلاً میرے پاس پانچ غلام سامنے کھڑے ہیں، میں نے کہا: غُلَامٌ، دیکھو اس لفظِ غلام پہلے فرد پر بھی بولا جا رہا ہے، سارے پانچوں غلام ہیں نا تو پہلا بھی کیا ہے؟ غلام، دوسرا ہے اس کو بھی یہ کہا جا سکتا ہے: غُلَامٌ، کیونکہ وہ بھی کیا ہے؟ غلام، تیسرے کو بھی کیا کہا جا سکتا ہے؟ غلام، چوتھے کو بھی غلام، پانچویں کو بھی غلام، تو معلوم ہوا دیکھو غلام کے مدلول یہ سارے افراد غلام کا مدلول ہیں، غلام ان سب پر کیا کر رہا ہے؟ دلالت کر رہا ہے، پہلا بھی مراد ہو سکتا ہے، دوسرا بھی، تیسرا بھی، چوتھا بھی اور پانچواں بھی، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کیا ہے؟ غلام۔

اب دیکھنا مدلول بدل جائے گا: میں اضافت کر دیتا ہوں: غُلَامُ زَيْدٍ، زید کا غلام، اور ان پانچ میں سے زید کا غلام تو صرف ایک ہے، تو لہٰذا اب دیکھو غلام پانچوں میں سے ہر ایک پر بولا جا سکتا تھا لیکن غُلَامُ زَيْدٍ اضافت کی، مدلول بدل گیا، اب پانچوں پہ نہیں بولا جا سکتا، اب کتنے پر بولا جا سکتا ہے؟ صرف ایک پر، دیکھو مدلول بدلا یا نہیں؟ پہلے مدلول پانچوں تھے اب مدلول ایک ہے، اور یہ کس وجہ سے تبدیلی آئی؟ اضافت کی وجہ سے۔ اسی طرح الف لام کی وجہ سے بھی مدلول بدل جاتا ہے: غلام نکرہ تھا تو سارے یہ افراد پانچوں افراد پر غلام کا لفظ بولا جا سکتا ہے، لیکن اس پر ذرا الف لام داخل کر دو: اَلْغُلَامُ، الف لام آجائے معلوم ہوا کوئی خاص متعین غلام مراد ہے، تو وہ خاص متعین ایک غلام ان میں سے جو ہے وہ مراد ہوا، دیکھو مدلول بدل گیا، پہلے پانچوں غلام تھے مدلول اب

صرف وہ ایک متعین غلام جو ہے اس کا مدلول ہے، تو دیکھو اضافت اور الف لام کی وجہ سے اسم کا مدلول بدل جاتا ہے، اضافت اور الف لام کی وجہ سے اسم کا مدلول بدل جاتا ہے، تو یہ اسم کے بڑے خاصے ہیں یہ دونوں بھائی، بڑے خاصے ہیں۔

اب یاد رکھو، یہ جو لفظ کو ہم غیر منصرف پڑھتے ہیں، میں نے اس کی وجہ بتلائی تھی کہ اس وجہ سے کہ یہ دو سبب جب آجاتے ہیں تو وہ اسم زبان پر ثقیل ہو جاتا ہے، اس کی ادائیگی زبان پر دشوار ہو جاتی ہے، اور جب زبان پر ادائیگی دشوار ہے تو اب عرب اس پر کسرہ اور تنوین نہیں پڑھتے کیونکہ کسرہ ثقیل حرکت ہے، بڑی ثقیل حرکت ہے، اور اسی طرح تنوین تو نونِ ساکن کا نام ہے، میں آپ کو بتلا چکا ہوں۔ تنوین کس چیز کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا نام ہے، یعنی ایک اور حرف آگیا نونِ ساکن بھی آخر میں، اور اب مجھے بتایئے تھوڑے حروف والے لفظ کی ادائیگی آسان ہوتی ہے یا زیادہ حروف والے لفظ کی؟ تھوڑے حروف والے کی، تو دیکھو تنوین کی وجہ سے تو ایک اور حرف بڑھ رہا ہے یعنی آخر میں نونِ ساکن بڑھ رہا ہے، تو معلوم ہوا کسرہ بھی ثقیل اور تنوین بھی ثقیل، تو جب لفظ کے اندر پہلے ہی دو سبب آچکے ہیں تو اب پھر کسرہ اور تنوین نہیں لائیں گے ورنہ پھر لفظ میں اور ثقل پیدا ہو جائے گا اور اس کی ادائیگی بڑی دشوار ہو جائے گی، اسی لیے جب دو سبب آجاتے ہیں تو پھر اس کے بعد عرب اس پر کسرہ اور تنوین نہیں پڑھتے، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اب یاد رکھو: آپ اگلی کتابوں میں پڑھیں گے کہ یہ جو دو سبب آجاتے ہیں اسم کے اندر تو اس اسم کی مشابہت ہو جاتی ہے فعل کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ مشابہت ہو جاتی ہے، اور فعل پر تو کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں آتی، کیونکہ جر وہ حرفِ جر کی وجہ سے آتا ہے اور فعل پر تو حرفِ جر داخل نہیں، اور فعل پر تنوین بھی کبھی نہیں آتی آپ نے خود دیکھا ہے، گردانیں پڑھی ہیں کوئی تنوین آتی ہے فعل پر؟ فعل پر تنوین بھی نہیں آتی اور جر بھی نہیں آتا یعنی کسرہ کی جگہ اس پر کیا آتا ہے؟ جزم آتا ہے، کیا آتا ہے؟ جزم آتا ہے، تو لہٰذا فعل پر تنوین بھی نہیں آتی، فعل پر کسرہ بھی نہیں آتا، اس لیے کیونکہ فعل ثقیل ہوتا ہے، وجہ یہ کہ فعل کی گردان ہوتی ہے، صیغے بدلتے ہیں، اس میں اور حروف آتے جاتے ہیں، تو اگر کسرہ اور تنوین بھی آجائیں تو ثقل در ثقل آجائے گا، لفظ کی ادائیگی بڑی مشکل ہو جائے گی، لہٰذا اس پر کسرہ اور تنوین آتے ہی نہیں، تو لہٰذا جب اسم کے اندر بھی جب دو سبب آگئے تو اس کی مشابہت ہو گئی فعل کے ساتھ، کس کے ساتھ ہو گئی؟ فعل کے ساتھ مشابہت ہو گئی۔

اب یہ مشابہت کس طرح ہو گئی فعل کے ساتھ بھائی؟ کہتے ہیں بھائی دیکھو اس میں جیسے اسم میں یہ دو سبب آئے اسی طرح فعل میں بھی دو چیزیں ہوتی ہیں، دو فرعیتیں ہوتی ہیں، بہر حال زیادہ تفصیل میں نہیں جاتا بحث مشکل ہو جائے گی انشاء اللہ اگلی کتابوں میں آپ پڑھیں گے، ٹھیک ہے؟ کہ فعل میں بھی دو فرعیتیں ہوتی ہیں تو اسم میں بھی دو سبب آگئے، دو فرعیتیں آگئیں تو یہ اس جیسا ہو گیا، اور جب اس جیسا ہوا تو فعل پر تو کسرہ اور تنوین نہیں آتے لہٰذا اب اس اسم پر بھی کسرہ اور تنوین نہیں آئیں گے، معلوم ہوا اسم پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے غیر منصرف پر، کیوں نہیں آتے؟ کیونکہ اس کی مشابہت کس کے ساتھ آگئی؟ فعل کے ساتھ آگئی، اور کس وجہ سے مشابہت آئی؟ میں نے بتلایا بس اتنا یاد رکھیں کہ بس اس کی فعل کے ساتھ مشابہت آئی اور کیسے آئی وہ اگلی کتابوں میں آپ پڑھ لیں گے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس کی مشابہت آجاتی ہے فعل کے ساتھ، اور فعل پر تو کسرہ اور تنوین نہیں آتے لہٰذا اب اس اسم پر بھی کسرہ اور تنوین نہیں آئیں گے، صورت سمجھ میں آگئی۔

اب دیکھو جب ایک اسم غیر منصرف تھا انہوں نے آپ کو کیا بتلایا کہ غیر منصرف پر جب اس کی اضافت کر دی جائے یا اس پر کیا داخل ہو جائے؟ الف لام، تو اس پر پھر کسرہ بھی آجاتا ہے، کسرہ، وجہ اس کی یہ اب سنو اب آپ کو بات سمجھ میں آئے گی، کہ دیکھو جب اسم پر الف لام آگیا یا اس کی اضافت ہو گئی تو اضافت اور الف لام تو اسم کے بڑے خاصے ہیں، کیا شمار ہوتے ہیں؟ اسم کے بڑے خاصے شمار ہوتے ہیں، تو یہ جو اسم تھا غیر منصرف تھا اس کی مشابہت کس کے ساتھ تھی؟ فعل کے ساتھ، تو جہ ہے سبق کی طرف؟ یہ جو اسم غیر منصرف جس پر ابھی الف لام یا اضافت ہم کریں گے ابھی نہیں کی، یہ جو اسم غیر منصرف تھا اس کی مشابہت کس کے ساتھ تھی؟ فعل، لیکن جب اس کی اضافت کر دی یا اس پر الف لام آگیا تو الف لام اور اضافت تو اسم کے بڑے خاصے ہیں تو وہ مشابہت کمزور ہو گئی، اب اس کے یہ اسم والی جہت راجح ہو گئی۔ پہلے کون سی جانب راجح تھی؟ فعل والی جانب، اس کے ساتھ مشابہت راجح تھی، لیکن اب تو اسم کے بڑے خاصے آگئے، الف لام آگیا یا اضافت آگئی بھائی، تو لہٰذا یہ اسم والی جانب راجح ہو گئی، اس میں قوت آگئی، جب قوت آگئی تو لہٰذا وہ مشابہت کمزور پڑ گئی تو اب اس پر کسرہ آسکتا ہے، تنوین بھی آجاتی لیکن تنوین تو اضافت کی وجہ سے ویسے ہی گر جاتی ہے اور الف لام کی وجہ سے بھی تنوین گر جاتی ہے، البتہ کسرہ چونکہ آسکتا تھا تو وہ کسرہ آگیا، تقریر سمجھ میں آگئی؟

حاصلِ کلام کیا ہوا؟ الف لام اور اضافت اسم کے بڑے خاصے ہیں اور یہ جو غیر منصرف ہوتا ہے اس کو غیر منصرف پڑھا جاتا ہے کیونکہ مشابہت کس کے

ساتھ؟ فعل کے ساتھ، لیکن جب اس پر اسم کے بڑے خاصے آ گئے تو وہ مشابہت والی جانب کمزور ہو گئی اور اسم والی جانب قوی ہو گئی، اسم والی جانب قوی ہو گئی اور جب اسم والی جانب قوی ہوئی تو اسم پر تو کسرہ بھی آتا ہے اور تنوین، لہٰذا اب اس پر کسرہ آ جائے گا، تنوین تو مانع موجود ہے تنوین تو نہیں آ سکتی لیکن کم از کم کسرہ آ جائے گا، تقریر سمجھ میں آ گئی۔

اب دیکھیے پھر کتاب پر: وَكُلُّ مَا لَا يَنْصَرِفُ اور ہر وہ اسم جو منصرف نہیں ہوتا یعنی غیر منصرف ہوتا ہے إِذَا أُضِيفَ جب اس کی اضافت کر دی جائے أَوْ دَخَلَهُ اللَّامُ یا اس پر لامِ تعریف داخل ہو جائے فَدَخَلَهُ الْكَسْرَةُ تو اس پر کسرہ داخل ہو جاتا ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر: مَرَرْتُ بِأَحْمَدِكُمْ، دیکھو احمد غیر منصرف تھا بھائی: جَاءَنِي أَحْمَدُ، رَأَيْتُ أَحْمَدَ، مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ، کیا تھا؟ غیر منصرف، لیکن اب اس کی اضافت کر دی کم ضمیر آخر میں آ گئی: میں تمہارے احمد پر سے گزرا، تو أَحْمَدِكُمْ، مَرَرْتُ بِأَحْمَدِكُمْ کسرہ آ گیا، یا بِالْأَحْمَدِ ای مَرَرْتُ بِالْأَحْمَدِ، تو دیکھو با کی وجہ سے الف لام آ گیا تو اب کسرہ آ گیا بھائی، سمجھ میں آئی بات؟

بھائی آپ مجھے بتائیے: غیر منصرف پر جر آ سکتا ہے یا نہیں آ سکتا؟ شاباش! جر آ سکتا ہے، جر تو آتا ہے بھائی، جب حرفِ جر غیر منصرف پر آئے گا تو جر تو آئے گا، ہاں اب دوسرا سوال: غیر منصرف پر کسرہ آتا ہے یا نہیں؟ کسرہ نہیں آتا بھائی، شاباش! تو جر اور کسرہ میں فرق سمجھ آ رہا ہے؟ کسرہ بے شک نہیں آ رہا، فتحہ آ رہا ہے: مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ، تو آپ کیا کہیں گے یہ اس وقت مجرور ہے تو جر تو آئے گا لیکن جر وہ صورت میں کس کی ہو گا؟ فتحہ کی صورت میں ہو گا، تو آپ نے صرف یہ کہنا ہے اس پر کسرہ نہیں آ سکتا، یہ نہ کہنا اس پہ جر نہیں آ سکتا، جر تو اس پر آ رہا ہے، یہ جر ہی تو ہے صورت صرف فتحہ والی ہے، بات سمجھ میں آ گئی۔

اب دیکھیے آگے بھائی، اب مرفوعات شروع ہو رہے ہیں۔ الْمَقْصَدُ الْأَوَّلُ فِي الْمَرْفُوعَاتِ: پہلا مقصد مرفوعات کے بیان میں، بھائی جن پر رفع آئے گا، رفع آئے گا۔ اور رفع آپ نے پڑھا کبھی رفع ضمہ کی صورت میں آتا ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ، اور کبھی رفع واؤ کی صورت میں آئے گا: جَاءَنِي أَبُوكَ، اور کبھی رفع الف کی صورت میں آئے گا: جَاءَنِي رَجُلَانِ یہ مرفوع ہے، اسی طرح جَاءَنِي مُسْلِمُونَ یہاں بھی رفع کس کی صورت میں ہے؟ واؤ کی صورت میں۔ معلوم ہوا رفع جو ہے ضمہ کی صورت میں بھی آ سکتا ہے، رفع جو ہے واؤ کی صورت میں بھی آ سکتا ہے، اور رفع جو ہے الف کی صورت میں بھی آ سکتا ہے، اور کبھی رفع تقدیراً بھی آتا ہے: جَاءَنِي الْقَاضِي، رَأَيْتُ الْقَاضِيَ، مَرَرْتُ بِالْقَاضِي، تو جَاءَنِي الْقَاضِي دیکھو قاضی فاعل ہے لیکن اعراب کون سا اس کا؟ تقدیری، تو ضمہ معلوم ہوا کبھی تقدیری ہوتا ہے اور کبھی لفظی ہوتا ہے۔

لفظی یعنی اس پر ہم باقاعدہ تلفظ کرتے ہیں، جو ابھی مثالیں گزریں جَاءَنِي زَيْدٌ سننے سے ہی تلفظ سے ہی آپ کو پتہ چل رہا ہے یا نہیں میں اس پر ضمہ پڑھ رہا ہوں؟ تو اس کو لفظی کہیں گے یعنی اس پر ہم تلفظ کرتے ہیں۔ جَاءَنِي أَبُوكَ تو یہ کون سا ہے؟ لفظی ہے یا تقدیراً ہے؟ لفظی ہے۔ اور جَاءَنِي رَجُلَانِ یہاں بھی کون سا ہے؟ لفظی ہے، الف پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ اور جَاءَنِي مُسْلِمُونَ یہاں پر بھی رفع کیا ہے؟ لفظی ہے یعنی اس پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔

تو اب اس مقصد کے اندر مرفوعات بیان کریں گے۔ اب یاد رکھنا اب ترکیب کی باتیں شروع ہو رہی ہیں، اور خوب تکرار کرنا ہے ان چیزوں کا، انشاء اللہ یہ چیزیں آپ نے سمجھ لیں اچھی طرح اور یاد کر لیں، آپ کے لیے عبارت بالکل آسان ہو جائے گی، کوئی عبارت دے دیں گے آپ ذرا بھی پریشان نہیں ہوں گے، آرام سے اعراب نکال لیں گے۔ کیونکہ اعراب تو تین ہی ہیں: یا رفع آئے گا، یا نصب آئے گا، یا جر آئے گا۔ تو آپ کو عبارت دے دی جائے آپ اس میں دیکھ لیں گے ایک ایک اسم کو دیکھتے جاؤ: کس پہ رفع پڑھنا ہے، کس پہ جر پڑھنا ہے، کس پہ فتحہ پڑھنا ہے، پھر اسی کو روانی سے پڑھ دو، طریقہ سمجھ میں آیا عبارت کس طرح حل کی جاتی ہے؟ ایک ایک اسم کا اعراب نکال لیتے ہیں کہ یہ مرفوع ہے یا منصوب ہے یا مجرور، ایک لفظ کا پتہ چل گیا پھر اس سے اگلے لفظ میں چلے جاؤ اس کو بھی دیکھ لو، پھر تیسرے کو دیکھ لو، چوتھے کو دیکھ لو، اور پھر روانی سے سارے کو پڑھ دو۔

تو اب سب سے پہلے یہ مرفوعات بیان کریں گے، یہ جو چیزیں بیان کریں گے یاد رکھنا یہ عبارت میں آئیں تو ان پر آپ نے رفع پڑھنا ہے۔ مثلاً مبتدا ہے یا جیسے فاعل ہے، فاعل ہے، تو آپ جب بھی فاعل آپ کو پتہ چل جائے یہ لفظ فاعل بن رہا ہے تو اس کا اعراب بھی ساتھ ہی آپ کو پتہ چل جائے گا، معلوم ہوا اس پہ کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ رفع والا۔ پھر آپ اس میں غور کریں گے، غور کریں گے کہ یہ لفظ معرب ہے یا مبنی ہے؟ یہ ہے تو فاعل اور فاعل پر کیا پڑھا جاتا ہے؟ رفع، لیکن رفع یاد رکھو ایک رفع ہو گا مبنی پر، ایک رفع ہو گا معرب پر۔

تو ایک رفع جو ہے کس پر آئے گا؟ مبنی پر، اور ایک کس پر آئے گا؟ معرب پر۔ یاد رکھو مبنی تو وہ ہے جس کی حالت بدلتی ہی نہیں ہے، چاہے رفع ہو چاہے

نصب ہو چاہے جر ہو بر قرار رہتا ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اس نے جوں کا توں رہنا ہے جیسا وہ ہے، تو اس میں اس کے لیے ہم کہتے ہیں: یہ مرفوع ہے محلاً، محل یعنی جگہ، عربی میں محل کا کیا معنی ہے؟ جگہ، تو محلاً یہ مرفوع ہے، کیا معنی؟ اس جگہ کے اعتبار سے یہ مرفوع ہے، مثلاً میں کہتا ہوں: جَاءَنِي هٰؤُلَاءِ، آئے میرے پاس یہ لوگ، اب هٰؤُلَاءِ کیا ہے؟ اسمِ اشارہ، اور اسمِ اشارہ مبنیات میں سے ہے، تو یہ حالتِ رفعی ہو، نصبی ہو، جری ہو، تینوں صورتوں میں هٰؤُلَاءِ ہمزہ کے نیچے کسرہ ہی رہے گا، کیونکہ یہ مبنی ہے، مبنی کی صورت نہیں بدلتی، چاہے یہ رفع کے مقام میں آئے چاہے یہ نصب والی جگہ پر آئے چاہے جر والی جگہ پہ، تو پھر اس کا اعراب کیسے بتائیں گے کہ یہ محلاً مرفوع ہے یا محلاً منصوب ہے یا محلاً مجرور، یعنی محلاً مرفوع کا کیا معنی؟ جگہ کے اعتبار سے یہ مرفوع ہے، یہ جگہ رفع والی ہے جہاں پر یہ آرہا ہے کیونکہ یہ فاعل بن رہا ہے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو یہ فاعل کی جگہ آرہا ہے تو جگہ کے اعتبار سے یہ مرفوع ہے، یعنی اگر یہاں کوئی معرب ہوتا تو رفع ظاہر بھی ہو جاتا، لیکن چونکہ یہ مبنی ہے رفع ظاہر نہیں، تو مبنی کے لیے ہمیشہ اعراب کس طرح بتلاتے ہیں؟ محلاً۔

لہٰذا جو بھی لفظ آئے سب سے پہلے آپ نے یہ دیکھنا ہے: یہ مبنی ہے یا معرب؟ اگر مبنی ہو تو پھر آپ سمجھ جائیں کہ اس نے جیسا یہ ہے اس نے ایسا ہی رہنا ہے، اور چاہے اس پر رفع آرہا ہو تو آپ کہیں گے مرفوع محلاً، نصب آرہا ہو تو آپ کیا کہیں گے؟ منصوب محلاً، اور جر والی جگہ ہو تو کیا کہیں گے؟ مجرور محلاً، یعنی یہ جگہ کے اعتبار سے مجرور ہے یا منصوب ہے یا مرفوع ہے۔ اور اگر وہ معرب ہو لفظ تو معرب کا اعراب تو دو ہی طرح ہوتا ہے آپ نے پڑھا ہے: کبھی لفظاً ہوتا ہے یعنی اس پر ہم باقاعدہ تلفظ کرتے ہیں، کبھی تقدیراً ہوتا ہے، وہ نو قسمیں جو انہوں نے ان سولہ کو نو میں بند کر دیا تھا ابھی صاحبِ ہدایہ نے آپ کو بتلایا تھا نو قسمیں ہیں، ان نو میں سے پھر آپ غور کر لیا کریں کہ اس پہ رفع کون سا والا آئے گا؟ یہ کون سی قسم ہے ان میں سے؟ اگر وہ کیا ہو؟ مفرد منصرف صحیح ہو تو آپ سمجھ جائیں اس پر رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ ضمہ کے ساتھ، تنوین آتی ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ اور اگر وہ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یائے متکلم والا ہے تو پھر آپ سمجھ جائیں یہ ہے تو مرفوع تو اس کو واؤ کے ساتھ پڑھنا ہے: جَاءَنِي أَبُوكَ۔ اور اگر وہ کس میں سے ہو مثلاً اسمِ منقوص ہے جس کے آخر میں یا اور یا سے ماقبل کسرہ ہو تو سمجھ جائیں یہ مرفوع تو ہے لیکن اس کا اعراب تقدیراً ہے: جَاءَنِي الْقَاضِي، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھو جب بھی کوئی عبارت میں اسم آئے گا، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ آپ نے عبارت کو کس طرح حل کرنا ہے وہ بیان کر رہا ہوں، جب بھی عبارت میں کوئی دیکھنے لگیں ایک ایک اسم کا اعراب نکالتے جاؤ ایک ایک اسم کا، اور پھر سارے کو کیا کر دو؟ روانی سے پڑھ دو۔ مثلاً میں کہتا ہوں: زَيْدٌ قَائِمٌ، دیکھیے زَيْدٌ پر میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ رفع، کیوں رفع پڑھ رہا ہوں؟ کیونکہ یہ مبتدا ہے، اور مبتدا پر ابھی بتلائیں گے آپ کو کہ مبتدا مرفوع ہوتا ہے، تو میں نے ان نو قسموں میں غور کیا کہ اس پر آنا تو رفع ہی ہے، یہ کون سی قسم ہے ان نو میں سے؟ تو دیکھا یہ مفرد منصرف صحیح تھا اور اس کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ ضمہ کے ساتھ، تو میں نے پڑھا: زَيْدٌ۔ آگے لفظ قَائِمٌ دیکھا تو میں نے دیکھا یہ خبر بنے گی کیونکہ مبتدا کے لیے کیا چاہیے؟ یہ خبر، اور یہ پورا جملہ بن رہا ہے مل کر اور بات پوری ہو رہی ہے اس کے اندر، اور خبر بھی آپ کو یہ بتلائیں گے مرفوعات میں سے ہے، جب مرفوعات میں سے ہے تو اس پر اتنا تو طے ہو گیا پڑھنا رفع ہی ہے، اب کون سا رفع پڑھیں؟ تو پہلے غور کریں یہ مبنی ہے یا معرب ہے؟ دیکھا تو مبنی نہیں ہے، مبنی ہوتا تو مرفوع محلاً ہوتا، مبنی نہیں معلوم ہوا یہ معرب ہے، جب معرب ہے اب اس پہ غور کرو ان نو قسموں میں سے یہ کون سی قسم ہے؟ ہم نے اس پر بھی غور کیا تو پتہ چلا یہ مفرد منصرف صحیح ہے، اس پر بھی رفع ضمہ کے ساتھ آتا ہے، اس لیے ہم نے پڑھا: قَائِمٌ، زَيْدٌ قَائِمٌ، صورت سمجھ میں آگئی۔

اچھا اور مثلاً دوسری مثال لو: الرَّجُلَانِ غُلَامَانِ، الرَّجُلَانِ غُلَامَانِ، دیکھو الرَّجُلَانِ، آپ نے دیکھا الرَّجُلَانِ غُلَامَانِ وہ دو آدمی غلام ہیں، الرَّجُلَانِ یہ کیا بن رہا ہے؟ مبتدا، اور مبتدا پر کیا ہوتا ہے؟ رفع، اور رفع دیکھا سب سے پہلے اتنا پتہ چل گیا یہ مرفوع ہو گا، اور آگے غُلَامَانِ یہ کیا اس کی خبر، معلوم ہوا اس پر بھی رفع ہی آئے گا کیونکہ خبر بھی کس میں سے ہے؟ مرفوعات میں سے۔ اب آپ غور کر لیں دونوں میں کہ سب سے پہلے الرَّجُلَانِ کو دیکھیں یہ کہ یہ مبنی ہے یا معرب؟ دیکھا تو مبنی تو یہ نہیں ہے، تو پھر دیکھیں وہ نو قسموں میں سے یہ کون سی قسم ہے؟ ہم نے غور کیا یہ نو قسموں میں سے کون سی قسم ہے؟ تثنیہ ہے، کیا ہے؟ تثنیہ، اور تثنیہ تو پڑھنا تو رفع ہی ہے، تو ان نو قسموں میں سے ہم نے دیکھا یہ تثنیہ ہے اور تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ، تو لہٰذا اسی لیے دیکھو یہاں الف ہے: الرَّجُلَانِ، الف پر میں تلفظ کر رہا ہوں یا نہیں کر رہا؟ جی، اور غُلَامَانِ اس کو دیکھا یہ بھی مبنی تو نہیں ہے، مبنی ہوتا تو اعراب محلاً آتا، معرب ہے تو معرب میں دیکھ لو پھر اعراب لفظی ہے یا تقدیری ہے؟ ہم نے غور کیا یہ ان نو قسموں میں سے کون سی قسم ہے؟ دیکھا یہ بھی تثنیہ ہے، اور تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف، لہٰذا اسی لیے غُلَامَانِ کہا، غُلَامَيْنِ نہیں کہا: الرَّجُلَانِ غُلَامَانِ۔

معلوم ہوا رفع کی تین ہی صورتیں ہیں: جو بھی اسم آئے گا وہ یا مرفوع ہو گا یا منصوب ہو گا یا مجرور، یہی تین صورتیں ہیں نا۔ اور رفع محلاً بھی ہو سکتا ہے، رفع لفظاً بھی ہو سکتا ہے، رفع تقدیراً بھی ہو سکتا ہے، تین ہی قسمیں ہیں: رفع میں کتنی حالتیں ہیں؟ تین: یا محلاً، یا لفظاً، یا تقدیراً۔ محلاً کس میں آئے گا؟ مبنی میں،

اور لفظاً اور تقدیراً کس میں آئیں گے؟ معرب میں آئیں گے بھائی، آسان سی بات ہے۔ اسی طرح نصب بھی تین طرح ہی آتا ہے: یا وہ محلاً ہو گا یا لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا، وہ آپ نے نکالنا ہے کہ کون سا اس پہ پڑھنا ہے، آپ کو اتنا پتہ چل جائے اس پہ پڑھنا نصب ہے، یہ مفعول بن رہا ہے اس پہ تو نصب ہی پڑھنا ہے، جب نصب پڑھنا ہے تو نصب کی تو تین ہی صورتیں بنتی ہیں: یا محلاً ہوتا ہے اگر مبنی ہو، اور اگر معرب ہو پھر یا لفظاً ہوتا ہے یا تقدیراً ہوتا ہے، وہ نو قسموں میں غور کر کے آپ نے پھر نکالنا ہے کہ یہاں پر لفظاً آئے گا نصب یا تقدیراً آئے گا، کون سی قسم ہے یہ ان میں سے، صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو معلوم ہوا رفع کبھی کیا ہوتا ہے؟ محلاً، رفع کبھی لفظاً، اور رفع کبھی تقدیراً ہوتا ہے، دیکھو کتنا آسان ہو گیا اب آپ کے لیے عبارت میں اعراب نکالنا۔ غور کریں گے کہ یہ مرفوعات میں سے ہم نے پڑھا تھا یا منصوبات میں سے پڑھا تھا یا مجرورات میں سے، اور پھر اتنا پتہ چل جائے کہ اس پہ رفع پڑھنا ہے تو آپ غور کر لیں کہ اس پر کون سی صورت آئے گی یہاں: محلاً آئے گا رفع یا لفظاً آئے گا یا تقدیراً آئے گا۔

تو مرفوعات کے اندر دیکھو جو چیزیں یہ ذکر کرنے لگے ہیں کتاب کے اندر، ان میں سے جو بھی عبارت میں آ جائے آپ کو پتہ لگ جائے کہ یہ تو مبتدا ہے، آپ فوراً سمجھ جائیں اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع، پھر آگے غور کر لیں کہ رفع محلاً پڑھنا ہے یا رفع لفظاً ہو گا یا رفع تقدیراً ہو گا؟ یا اسی طرح اگر مثلاً اس میں خبر ہے، خبر آ گئی تو آپ کو پتہ چل گیا جب یہ خبر ہے تو اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے، تو پھر دیکھ لیں کہ یہ مبنی ہے یا معرب؟ مبنی ہے تو رفع کون سا آئے گا؟ محلاً، اور اگر معرب ہے تو لفظاً یا تقدیراً آئے گا بھائی۔

اب دیکھیے کتاب پر بھائی: اَلْمَقْصَدُ الْأَوَّلُ فِي الْمَرْفُوعَاتِ پہلا مقصد مرفوعات میں یعنی ای فی بیان المرفوعات، کس کے بیان میں؟ مرفوعات کے بیان میں، یعنی وہ اسم جو مرفوع ہوتے ہیں۔ اب وہ آٹھ ہیں وہ بتلانے لگے ہیں، کہتے ہیں: اَلْأَسْمَاءُ الْمَرْفُوعَاتُ ثَمَانِيَةُ أَقْسَامٍ وہ اسم جو مرفوع ہوتے ہیں وہ آٹھ قسم پر ہیں: اَلْفَاعِلُ نمبر ایک کیا ہے؟ فاعل، جہاں فاعل آ جائے آپ سمجھ جائیں اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع۔ وَمَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ اور وہ مفعول جس کا فاعل ذکر نہ ہو یعنی نائب الفاعل جس کو ہم کیا کہتے ہیں؟ نائب الفاعل، وہ مفعول جس کا فاعل ذکر نہ ہو، دیکھیے بھائی: میں کہتا ہوں: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ اس کے لیے فاعل اور عَمْرًا کیا ہے؟ مفعول ہے۔ تو دیکھو زَيْدٌ فاعل ہے اور فاعل پر کیا پڑھتے ہیں؟ رفع، آگے عَمْرًا مفعول آ رہا ہے اور اس مفعول کا فاعل عبارت میں ذکر ہے یا ذکر نہیں؟ عمر کی پٹائی کس نے کی؟ زید نے، دیکھو زید ذکر ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، تو یہ مفعول مالم یسم فاعلہ نہیں ہے بلکہ اس کا تو فاعل ذکر ہے بھائی، بلکہ کبھی آپ دیکھتے ہیں فعل کو مجہول لے کر آتے ہیں: ضَرَبَ کو بدل دیا کس سے؟ ضُرِبَ سے، فاعل کو حذف کر لیا اور عَمْرٌو کو کیا کیا؟ اس کا نائب فاعل بنا دیا: ضُرِبَ عَمْرٌو، عمر کی پٹائی کی گئی، بھائی کس نے کی پٹائی؟ ہے تو یہ ابھی بھی مفعول ہی لیکن اس کو اصطلاح میں کیا کہتے ہیں؟ مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، وہ مفعول جس کا فاعل ذکر نہیں، فاعل ذکر نہیں، تو یہ مرفوع فعل کا اسناد اس کی طرف ہے کیونکہ فعلِ مجہول ہے: عمر کی پٹائی کی گئی، لیکن کس نے کی؟ کون ہے پٹائی کرنے والا؟ فاعل کون اس ضرب کا؟ وہ اس جملے میں ذکر نہیں، لہٰذا اس کو کیا کہتے ہیں؟ مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ جس کے فاعل کو ذکر نہیں کیا گیا۔ تو یہ بھی مرفوع ہوتا ہے، دیکھو پہلے زَيْدٌ مرفوع تھا کیونکہ فعلِ معروف تھا پیچھے: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، فعلِ معروف فاعل کو رفع دیتا ہے اور فعلِ مجہول نائب الفاعل یعنی وہ جو مفعول تھا پہلے اس کو رفع دیتا ہے اور فاعل کو حذف کر لیا جاتا ہے اس کو ذکر نہیں کیا جاتا بھائی۔

تو کہتے ہیں آٹھ قسمیں یہ ہیں: نمبر ایک فاعل ہے، وَمَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ اور دوسرا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے یعنی نائب الفاعل ہے، وَالْمُبْتَدَأُ اور تیسرا مرفوعات میں سے وہ مبتدا ہے، جب آپ کو پتہ چل جائے یہ لفظ مبتدا ہے تو آپ نے ہمیشہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع، اور پھر رفع کی کون سی حالت ہے: محلاً، لفظاً یا تقدیراً وہ آپ نے پھر خود غور کر لینا ہے۔ وَالْخَبَرُ اور چوتھا مرفوعات میں سے وہ خبر ہے، خبر جب آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ لفظ کیا بن رہا ہے؟ خبر، تو اس پر رفع ہی پڑھنا ہے، پھر اس میں آپ غور کر لیں کہ رفع کون سا پڑھنا ہے: محلاً یا لفظاً یا تقدیراً۔ وَخَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا، «إِنَّ» اور اس کے جو مشابہ کلمات ہیں ان کی خبر، یہ بھی مرفوع ہوتی ہے۔ وَاسْمُ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا، كَانَ اور اس کے جو مشابہ ہیں ان کا اسم: «إِنَّ» کی خبر اور كَانَ کا اسم۔ وَاسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ اور اسم ما اور لا کا، وہ ما اور لا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ جو کس کے مشابہ ہیں؟ لَيْسَ، وہ ما اور لا جو لیس کے مشابہ ہیں ان کا اسم بھی کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا، اس پر رفع پڑھنا ہے۔ وَخَبَرُ لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ اور خبر اس لا کی الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ جو کس لیے ہو؟ نفیِ جنس، یعنی لا نفیِ جنس کی خبر، یہ آٹھ ہیں مرفوعات۔ یہ جب عبارت میں آئیں آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ لفظ یا تو مبتدا ہے یا خبر ہے یا یہ «إِنَّ» کی خبر ہے یا كَانَ کا اسم ہے یا یہ ما و لا کا اسم ہے یا لا نفیِ جنس کی خبر ہے، تو بس آپ نے اس پر رفع پڑھنا ہے، پھر غور کر لینا ہے رفع آئے گا کون سا یہاں پر: دیکھ لیں یہ مبنی ہے یا معرب ہے؟ اگر مبنی ہو تو سمجھ جائیں رفع محلاً ہے اور اگر معرب ہو تو پھر دیکھیں لفظی آئے گا یا تقدیری وہ نو قسموں میں غور کر لیں، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

اَلْمَقْصَدُ الْأَوَّلُ فِي الْمَرْفُوعَاتِ

فاعل، تنازعِ فعلین، نائب فاعل، مبتدا و خبر، عملی تراکیب اور نواسخ کے مرفوعات (اسباق ۲۰ تا ۵۳)

سبق نمبر ۲۰: المقصد الأول في المرفوعات—فصل الفاعل: فاعل کی تعریف اور بنیادی احکام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۲۲—بتاریخ: ۲۸ ستمبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: الْفَاعِلُ كُلُّ اسْمٍ قَبْلَهُ فِعْلٌ أَوْ صِفَةٌ أُسْنِدَ إِلَيْهِ عَلَى مَعْنَى أَنَّهُ قَامَ بِهِ لَا وَقَعَ عَلَيْهِ، نَحْوُ: قَامَ زَيْدٌ، وَزَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًا، وَمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا۔

گزشتہ سبق میں مرفوعات کی بحث ہم نے شروع کی تھی، یعنی وہ چیزیں جو عبارت میں، وہ اسماء جو عبارت میں آجائیں تو ان پر رفع پڑھا جائے گا، ان کا ذکر ہوا تھا، اور مصنف نے آپ کو بتلایا تھا کہ مرفوعات جو ہیں وہ آٹھ قسم کے ہیں، اور ان میں سے پہلی قسم فاعل ذکر ہوئی تھی۔

میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مرفوعات وہ اسماء جن پر رفع آئے، اور رفع کبھی محلاً آتا ہے، کبھی لفظاً آتا ہے، کبھی تقدیراً آتا ہے۔ محلاً رفع جو ہے وہ مبنی میں آتا ہے، اور لفظاً اور تقدیراً یہ معرب کے اندر آتا ہے۔ وہ نو قسمیں ابھی جو مصنف نے غیر منصرف سے پہلے ذکر کی تھیں ان میں آپ نے پڑھا کہ بعض کا اعراب لفظاً ہے یعنی اس پر باقاعدہ ہم تلفظ کرتے ہیں، تلفظ کرنے سے ہی رفع، نصب، جر کا فرق ہو جاتا ہے، سننے والے کو پتہ چل جاتا ہے یہ اس وقت اس پر رفع پڑھ رہا ہے یا نصب پڑھ رہا ہے یا جر پڑھ رہا ہے۔

اور بعضوں کا اعراب ان میں سے تقدیراً تھا یعنی لفظوں کے اعتبار سے ان میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی، البتہ تقدیراً ان میں تبدیلی آتی تھی یعنی فرض کر لیتے تھے ہم کہ اس میں تبدیلی آرہی ہے، کہیں رفع آرہا ہے، کہیں نصب آرہا ہے، کہیں جر آرہا ہے۔

تو رفع کتنی قسم پر آئے گا؟ کبھی محلاً ہو گا، کبھی لفظاً ہو گا، اور کبھی تقدیراً۔ محلاً کس کے اندر؟ مبنی کے اندر، اور معرب ہو تو پھر وہ لفظاً ہو گا یا تقدیراً، وہ آپ نے پھر غور کرنا ہے یہ نو قسموں میں سے کون سی قسم ہے۔ تو ان میں سے دیکھ کر آپ اعراب کا پتہ چلائیں گے کہ اس پر لفظاً اعراب آنا ہے یا تقدیراً آنا ہے۔

تو انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ مرفوعات آٹھ ہیں بھائی، ان کے نام انہوں نے گنوا دیے، اب ہر قسم کی تفصیل بیان کریں گے بھائی، مفصل بحث کریں گے ہر قسم کے بارے میں۔ تو سب سے پہلے وہ فاعل کے بارے میں بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں: الْفَاعِلُ كُلُّ اسْمٍ قَبْلَهُ فِعْلٌ أَوْ صِفَةٌ أُسْنِدَ إِلَيْهِ عَلَى مَعْنَى أَنَّهُ قَامَ بِهِ لَا وَقَعَ عَلَيْهِ، کہ فاعل ہر ایسا اسم ہے جس سے پہلے ایسا فعل یا ایسی صفت ہو جس کا اسناد اس کی طرف ہو، اس معنی پر کہ وہ فعل یا صفت اس کے ساتھ قائم ہو، اس پر واقع نہ ہو۔

اب یہ ساری بھائی یہاں ترکیب کی باتیں آگئیں، ترکیب بھی ہم بھائی ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ چلاتے رہیں گے اور اس طرح آپ کی مشق بھی ہوتی چلی جائے گی بھائی، انشاء اللہ کتاب کے اختتام تک اچھی خاصی ترکیب کا طریقہ آپ جان لیں گے۔ ترکیب بہت ضروری ہے بھائی، ترکیب آپ کو آتی ہے تو آپ کو کوئی بھی عربی کتاب دے دی جائے آپ بہترین عبارت پڑھ سکتے ہیں بھائی، حل کر سکتے ہیں اسے۔

یادرکھیے بھائی: ہر فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے، اور ہر فعلِ مجہول کے لیے نائب الفاعل چاہیے یعنی مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ چاہیے، اسی کا نام نائب الفاعل ہے۔ تو ہر فعل کے لیے یا فاعل چاہیے یا نائب الفاعل چاہیے، فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے تو فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ فعل آجائے فعلِ معروف اور آگے فاعل نہ آئے، اسی طرح ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ فعلِ مجہول آجائے اور آگے اس کا نائب الفاعل نہ آئے بھائی۔

اور پھر یہ جو فاعل ہے یا نائب الفاعل ہے، کبھی یہ ضمیر کی صورت میں ہوں گے اور کبھی اسمِ ظاہر ہو گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں: ضَرَبَ، آگے کوئی اسم نہیں اور ضَرَبَ کے لیے تو فاعل چاہیے، تو اسی کے اندر ضمیر نکالتے ہیں: هُوَ، وہ اس کے لیے فاعل ہے۔ اور کبھی اسمِ ظاہر آگے آجاتا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ، اب یہ زَيْدٌ فاعل ہے اور ضَرَبَ کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہے، کیونکہ اس کے لیے ایک فاعل چاہیے تھا اور وہ آگے اسمِ ظاہر آگیا تو اب اس کے اندر ضمیر نہیں، فاعل ایک ہی آئے گا، دو یا تین نہیں آسکتے، جب ایک فاعل آگے آرہا ہے اسمِ ظاہر تو پھر ضمیر نہیں ہے اس کے اندر۔

اچھا بھائی اسمِ ضمیر اور اسمِ ظاہر آیا، میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ کچھ تو ضمیریں ہیں جو آپ نے پڑھی ہیں: هُوَ، هُمَا، هُمْ، هِيَ، هُمَا، هُنَّ وغیرہ، أَنَا، نَحْنُ، أَنْتَ، أَنْتُمَا، أَنْتُمْ، یہ ضمیریں ہیں، اور جو اسم ضمیر نہیں اس کو کہیں گے اسمِ ظاہر ہے۔ تو اسمِ ظاہر ضمیر کے مقابلے میں ہے، جو ضمیر نہیں وہ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر ہے، اور جو اسمِ ظاہر نہیں وہ کیا ہو گا؟ ضمیر ہو گی۔ اب آپ مجھے بتائیے: نَحْنُ ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ ضمیر ہے، شاباش! أَنْتَ ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ ضمیر ہے۔ كِتَابٌ ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ اسمِ ظاہر ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ ضمیر اور اسمِ ظاہر کا فرق سمجھ میں آگیا؟

تو ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، اور وہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ اگر ضمیر فاعل ہے تو پھر اسمِ ظاہر فاعل نہیں آسکتا، اور اگر اسمِ ظاہر فاعل ہے تو ضمیر فاعل نہیں آسکتی، کیونکہ ایک فاعل ہے۔ اور فاعل یا نائب فاعل یہ دونوں مرفوع ہوا کرتے ہیں، فاعل پر بھی رفع آئے گا اور نائب الفاعل پر بھی کیا آئے گا؟ رفع۔ جب آپ کو کوئی بتلا دے کہ یہ فاعل ہے ساتھ ہی آپ ایک اور بات فوراً سمجھ جائیں کہ اس پر رفع پڑھنا ہے۔ جب آپ کو کوئی بتا دے یہ نائب الفاعل ہے فوراً آپ سمجھ گئے کہ اس پہ کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے، کیونکہ نائب الفاعل بھی مرفوعات میں سے ہے انہوں نے آپ کو بتلایا بھائی۔

تو گویا ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، کیا کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ فعل آجائے اور فاعل یا نائب فاعل نہ آئے؟ نہیں، ایسا کبھی بھی نہیں، جب بھی فعل آئے گا وہ ہمیشہ کس کا تقاضا کرے گا؟ فاعل یا نائب فاعل کا، فعلِ معروف ہے تو فاعل کا تقاضا کرے گا، فعلِ مجہول ہے تو نائب فاعل کا تقاضا کرے گا۔ آسان لفظوں میں یوں کہو کہ فعل ہر حال میں ایک اسم کو رفع دینا چاہتا ہے، فعل ہر حال میں ایک اسم کو رفع دینا چاہتا ہے، اور جس اسم کو یہ رفع دے وہ اس کا فاعل کہلاتا ہے اگر یہ فعلِ معروف ہے، اور اگر اس نے اسم کو رفع تو دیا ہے لیکن یہ فعلِ مجہول ہے تو پھر اس کو اس کا نائب الفاعل کہتے ہیں۔

تو معلوم ہوا فعلِ معروف بھی ایک اسم کو رفع دے گا، فعلِ مجہول بھی ایک اسم کو رفع دے گا، فعلِ معروف میں وہ جس کو رفع دے اسے اس کا فاعل کہیں گے اور فعلِ مجہول میں جس کو وہ رفع دے اسے اس کا نائب الفاعل کہیں گے، بات سمجھ میں آگئی۔ اور یہ فاعل اور نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتے ہیں اور اسمِ ظاہر بھی۔ ضمیر فاعل یا نائب فاعل آگئی تو پھر آگے اسمِ ظاہر نہیں آئے گا، اور اگر اسمِ ظاہر فاعل یا نائب فاعل آرہا ہے تو پھر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل کی ضمیر نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو فعل کا فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی آسکتا ہے۔

دیکھیے: ضَرَبَ زَيْدٌ، کوئی آپ سے پوچھے ترکیب کرو، کیا ترکیب کریں گے؟ ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ فاعل، اعراب بھی بتانا ہے آپ نے، ہر اسم کا اعراب نکالتے جائیں پوری عبارت حل ہو جاتی ہے۔ آپ عبارت پڑھ رہے ہیں، جو اسم آتا جائے اس کا کیا کرتے جائیں؟ اعراب نکالتے جائیں: اس کا رفع ہے، نصب ہے یا جر۔ تو لہٰذا ضَرَبَ زَيْدٌ اس کی آپ ترکیب کر رہے تھے: ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ مرفوع، پھر مرفوع، منصوب، مجرور جو بھی آپ نے بیان کرنا ہے پھر بتاؤ یہ محلاً ہے یا لفظاً ہے یا تقدیراً ہے؟ مرفوع لفظاً، شاباش! زَيْدٌ دیکھو رفع پر میں تلفظ کر رہا ہوں، سننے سے ہی آپ کو پتہ چل رہا ہے: زَيْدًا اب میں کس پر تلفظ کر رہا ہوں؟ نصب پر، زَيْدٍ اب میں کس پر تلفظ کر رہا ہوں؟ جر پر، دیکھو سننے سے ہی آپ کو پتہ چلتا جا رہا ہے، یہ ہے اعرابِ لفظی۔ تو ضَرَبَ زَيْدٌ کی پھر ترکیب کریں: ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ۔

اب آپ سے کوئی کہے: ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل، آپ فوراً کہیں: نہیں بھائی نہیں، اس کے اندر ضمیر نہیں ہو سکتی، کیونکہ آگے ایک اسمِ ظاہر آرہا ہے، اور فعل نے ایک ہی اسم کو رفع دینا ہوتا ہے، جب آگے اسمِ ظاہر کو یہ رفع دے رہا ہے وہ اس کا فاعل ہے تو پھر اس کے اندر ضمیر نہیں نکالیں گے ورنہ تو کتنے فاعل بن جائیں گے؟ دو، اور دو تو فاعل نہیں ہو سکتے، ایک ہی فاعل ہو گا، عطف کے ذریعے ہو سکتے ہیں: ضَرَبَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو

وَبَكْرٌ، لیکن وہ بھی دراصل وہ عطف کے ذریعے ایک ہی بن جاتے ہیں، ان میں آپس میں پہلے عطف ہوتا ہے اور پھر وہ فاعل بنتے ہیں تو فاعل ایک ہی ہوتا ہے، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو فعل کا فاعل یا نائب فاعل جو ہے وہ ایک اسم ہوگا جس کو وہ رفع دے گا، اور آپ کو میں نے ابھی بتایا فعلِ معروف کس کو رفع دے گا؟ فاعل کو، فعلِ مجہول کس کو رفع دے گا؟ نائب فاعل کو۔ وہ بھی اسی طرح ہے مثلاً: ضُرِبَ عَمْرٌو، ترکیب کریں گے بھائی، کیا ترکیب ہوگی؟ آپ بتایئے بھائی: ضُرِبَ فعلِ مجہول، عَمْرٌو نائب فاعل، اعراب بھائی: مرفوع لفظاً، شاباش! ضُرِبَ فعلِ مجہول، عَمْرٌو مرفوع لفظاً نائب الفاعل، فعل اپنے نائب الفاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے بھائی؟ ترکیب بہت آسان ہے، بس تھوڑی سی آپ ذرا توجہ رکھیں، یہ جو باتیں میں آپ کو بتا رہا ہوں ان کا تکرار کرتے رہیں انشاء اللہ آپ دیکھیں گے ترکیب تو کوئی مشکل ہے ہی نہیں بھائی۔

اچھا حاصلِ کلام کیا ہوا؟ ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری ہے، فعل آجائے اور فاعل یا نائب فاعل نہ آئے ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا، جب بھی فعل آئے گا وہ ہمیشہ کس کا تقاضا کرے گا؟ فاعل یا نائب فاعل کا۔ فاعل کا تقاضا کون سا فعل کرے گا؟ فعلِ معروف، نائب الفاعل کا تقاضا کون سا کرے گا؟ فعلِ مجہول بھائی۔ اور یہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ ضَرَبَ اس کے اندر کیا فاعل ہے؟ هُوَ، اور ضُرِبَ اس کے اندر نائب الفاعل کیا ہے؟ اس میں بھی هُوَ ہے۔

اب ایک اور بات یاد رکھنا: فاعل یا نائب فاعل جس کو فعل نے رفع دینا ہے وہ ہمیشہ فعل کے بعد آئیں گے، کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتے۔ اگر ایک اسم فعل پر مقدم ہے اور کوئی آپ سے کہتا ہے کہ یہ جو بعد میں فعل آرہا ہے یہ اس کے لیے فاعل ہے، نہیں بھائی ایسا نہیں، فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ کس کے بعد آئیں گے؟ فعل کے بعد آئیں گے، فعل پر مقدم نہیں ہو سکتے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ فعل جب بھی آئے گا وہ ایک اسم کو رفع دے گا اور وہ اسم اس کا فاعل یا نائب الفاعل کہلائے گا، اور وہ فاعل اور نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد ہوں گے، کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتے۔ اگر ایک اسم فعل پر مقدم ہے وہ کچھ اور تو ترکیب میں بن سکتا ہے فاعل یا نائب فاعل نہیں بن سکتا۔

مثلاً اب وہی ترکیب، پہلے ترکیب تھی: ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ زَيْدٌ، اب اسی ترکیب کو ذرا الٹ دیں: زَيْدٌ ضَرَبَ، پہلے کیا تھا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ، اس میں زید کیا تھا؟ فاعل تھا، مرفوع لفظاً تھا۔ اب دوسری ترکیب ہے: زَيْدٌ ضَرَبَ، آپ سے کوئی پوچھے اس زَيْدٌ ضَرَبَ کی ترکیب کرو، آپ کیسے ترکیب کریں گے؟ ہاں اب یہ زَيْدٌ مرفوع ہے لیکن یہ مبتدا بن رہا ہے، یہ ضَرَبَ کا فاعل نہیں کیونکہ فاعل جو ہے کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہوتا، یہ تو مقدم ہو رہا ہے، تو ترکیب یوں ہوگی: زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، آپ نے پڑھا یہ جو آٹھ قسمیں انہوں نے آپ کو مرفوعات کی گنوائیں ان میں ایک مبتدا بھی تھا وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے، تو یہاں کیسے پڑھیں گے؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، آپ سے کوئی پوچھ لے مرفوع کیوں ہے یہ؟ آپ فوراً کیا کہیں گے؟ مبتدا ہے، مبتدا ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے۔

آپ سے کوئی پوچھ لے یہ لفظاً آپ نے کیوں کہا؟ آپ فوراً کہیں گے: اس کے رفع پر میں تلفظ کر رہا ہوں: زَيْدٌ، نصب ہوتا تو میں پڑھتا: زَيْدًا، جر ہوتا تو میں پڑھتا: زَيْدٍ، تو اس کا اعراب لفظی ہے، یہ نو قسموں میں سے کیا ہے؟ مفرد منصرف صحیح ہے بھائی جس کا اعراب تینوں حالتوں میں لفظی ہوتا ہے۔ تو اب ترکیب ہم کر رہے تھے زَيْدٌ ضَرَبَ کی: زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، آگے ترکیب کیسے ہوگی؟ ضَرَبَ فعل، خبر تو بنے گی لیکن پہلے اس کی اپنی ترکیب تو کریں بھائی: ضَرَبَ فعل، آگے؟ شاباش! اس کے اندر هُوَ ضمیر، اس ضمیر کا بھی اعراب مجھے بتا دو: اس کے اندر هُوَ ضمیر آگئی اس کا اعراب بتاؤ: مرفوع، کیوں مرفوع بھائی؟ وہ فاعل بن رہا ہے بھائی، هُوَ ضمیر جو اس کے اندر ہے وہ فاعل ہے، اور آپ نے ابھی پڑھا کہ فاعل پر ہمیشہ رفع پڑھتے ہیں وہ مرفوع ہوتا ہے۔

اچھا مرفوع تو ہے، کون سا مرفوع ہے هُوَ ضمیر؟ محلاً، شاباش! تو ضَرَبَ فعل، هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اب آپ سے کوئی پوچھ لے یہ هُوَ ضمیر مرفوع کیوں؟ آپ فوراً کیا جواب دیں گے؟ کیونکہ یہ فاعل ہے اور فاعل پر ہمیشہ رفع پڑھتے ہیں وہ مرفوع ہوتا ہے، اور کوئی آپ سے پوچھ لے یہ محلاً کیوں کہا آپ نے؟ آپ فوراً کیا کہیں گے؟ کیونکہ یہ مبنی ہے اور مبنی کا اعراب لفظاً نہیں ہوتا بلکہ محلاً ہوتا ہے۔

تو دوبارہ سنو: زَيْدٌ ضَرَبَ، زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، ضَرَبَ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اچھا یاد رکھو یہ جو ضمیر ہوتی ہے نا ضمیر غائب کی، اس کا مرجع دیکھنا پڑتا ہے، یہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ هُوَ وہ، بھائی یہ وہ سے کون مراد ہے؟ مرجع چاہیے بھائی، کس کی طرف اشارہ ہے؟ اس کو مرجع کہتے ہیں جس کی طرف اشارہ ہو، سمجھ میں آئی بات بھائی؟ تو ضمیریں آپ نے پڑھا ہے تین قسم کی ہیں: کچھ غائب کی ضمیریں ہیں: هُوَ، هُمَا، هُمْ، هِيَ، هُمَا،

هُنَّ، یہ غائب کی ضمیریں ہیں، کچھ مخاطب کی ضمیریں ہیں: أَنْتَ، أَنْتُمَا، أَنْتُمْ، أَنْتِ، أَنْتُمَا، أَنْتُنَّ، اور کچھ متکلم کی ضمیریں ہیں: أَنَا اور نَحْنُ وغیرہ بھائی۔

تو یاد رکھنا یہ جو تین قسم کی ضمیریں ہیں غائب کی، مخاطب کی اور متکلم کی، ان میں سے صرف غائب کی ضمیر کا مرجع ہوتا ہے، مخاطب اور متکلم کی ضمیر کا مرجع نہیں ہوتا۔ کس کا مرجع ہوتا ہے؟ غائب کی، کیوں؟ کیونکہ غائب کی ضمیر کا معنی ہے وہ، بھائی کون وہ؟ پتہ چلنا چاہیے زید مراد ہے، عمر مراد ہے، بکر مراد ہے، کون مراد ہے بھائی اس سے؟ کیا چاہیے اس کے لیے؟ مرجع چاہیے، کس طرف کو یہ ضمیر لوٹ رہی ہے، کس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے؟ جبکہ مخاطب اور متکلم کی ضمیر کا مرجع نہیں تلاش کیا جاتا، کیوں؟ کیونکہ متکلم تو وہ ہوتا ہے جو بات کرنے والا ہے، مخاطب وہ ہے جو اس کے سامنے موجود ہے، تو جب بات کرنے والا اور جس سے بات کی جا رہی ہے دونوں آمنے سامنے موجود ہیں تو یہاں پر میں کہتا ہوں: أَنَا، میں بات کر رہا ہوں اور میں أَنَا کہتا ہوں کیا اس أَنَا میں کوئی شک اور شبہ ہے کہ اس سے کون مراد ہے؟ نہیں، یہ تو بات کرنے والا ہی مراد ہے جو بات کر رہا ہے، اور أَنْتَ سے جو میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے جس سے میں بات کر رہا ہوں وہ مراد ہے، اس میں بھی کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں۔

تو متکلم اور مخاطب کی ضمیر کا مرجع نہیں ہوتا اس لیے کیونکہ وہاں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہوتا، متکلم خود بات کرنے والا ہے سب کو پتہ ہے یہ متکلم ہے، أَنَا سے یہی مراد ہے، مخاطب جو اس کے سامنے ہے وہ اس سے مراد ہے، ہاں البتہ هُوَ ضمیر وہ، بھائی کون وہ؟ اس کے لیے مرجع چاہیے۔ تو ضمیریں کتنی قسم کی؟ تین: ایک غائب کی، مخاطب کی اور متکلم کی، اور مرجع صرف کس کا ہوتا ہے؟ غائب کی ضمیر کے لیے مرجع چاہیے، مخاطب اور متکلم کی ضمیر کے لیے مرجع تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بھائی، ان کے لیے مرجع نہیں ہوتا۔

اچھا ہم ترکیب کر رہے تھے زَيْدٌ ضَرَبَ کی: زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، ضَرَبَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو لوٹ رہی ہے زَيْدٌ کو، کس کو لوٹ رہی ہے؟ زَيْدٌ کو لوٹ رہی ہے، اور پھر ضَرَبَ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ، فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر ہمیشہ جملہ بنتا ہے، تو ضَرَبَ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی مبتدا کی، خبر ہوئی، تو دیکھو پورا جملہ خبر بن رہا ہے، پورا جملہ۔ اب آپ سے کوئی پوچھے یہ جو ضَرَبَ ہے اس کا کیا اعراب ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ یہ پورا جملہ خبر بن رہا ہے اور خبر کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ خبر بھی مرفوعات میں سے ہے تو آپ کہیں گے یہ جملہ مرفوع ہے، فعل نہیں کہنا فعل نہیں مرفوع، پورا جملہ مرفوع ہے۔

فعل اپنے فاعل وغیرہ سے مل کر جملہ بنے گا اور جملہ بن کے پھر وہ کیا ہو گا؟ مرفوع۔ تو اب آپ سے کوئی پوچھے یہ جو ضَرَبَ جملہ ہے اس کا اعراب کیا ہے؟ آپ فوراً کیا کہیں گے؟ مرفوع ہے۔ اب اگر وہ آپ سے پوچھ لیتا ہے کون سا مرفوع ہے: لفظاً ہے، تقدیراً ہے یا محلاً ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ جملے کا اعراب میں نے آپ کو بتایا تھا کہ جملہ مبنی ہے، جملہ کیا ہے؟ مبنی، میں نے آپ کو بتایا تھا کہ جملہ مبنیات میں سے ہے، حتیٰ کہ بعض علماء نے تو کہا کہ جملہ مبنی الاصل ہے، آپ نے پڑھا مبنی الاصل تین چیزیں ہیں: تمام حروف، فعلِ ماضی اور فعلِ امر، تو تین چیزیں ہیں دیکھو: حروف ہیں تمام اور فعلِ ماضی ہے اور فعلِ امر ہے، اس میں دیکھو جملے کا ذکر نہیں تو یہ تین مبنی الاصل ہیں، لیکن بعض علماء کہتے ہیں نہیں جملہ بھی کیا ہے؟ مبنی الاصل ہے، جبکہ دیگر علماء فرماتے ہیں نہیں جملہ مبنی تو ہے لیکن مبنی الاصل نہیں، جب یہ مبنی ہے تو اس کا اعراب کس طرح بتائیں گے؟ محلاً۔

لہٰذا زَيْدٌ ضَرَبَ کے اندر صرف یہ ضَرَبَ کا فعل نہیں خبر بن رہا بلکہ پورا جملہ یہ اپنے فاعل سے ملا اور پھر یہ خبر بنا، تو یہ جملہ ہوا اور جملے کا اعراب کیسے ہوتا ہے؟ محلاً ہوتا ہے، تو یہ پھر اس طرح مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آ رہی ہے بھائی؟ ترکیب بڑی دلچسپ چیز ہے بھائی، سیکھ لیں گے بڑی آسانی ہو جائے گی، بڑی آسانی بھائی۔ خلاصہ پھر سن لو، میں بار بار تکرار کرواؤں گا بھائی، خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لو: آپ نے پڑھا ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے اور وہ فاعل یا نائب فاعل اس پر ہمیشہ کون سا اعراب آئے گا؟ رفع والا، اور وہ فاعل یا نائب فاعل جو ہے ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے، لیکن چاہیے ایک ہی فاعل یا نائب فاعل، دو تین نہیں، لہٰذا جب ایک فاعل کو اس فعل نے رفع دے دیا تو پھر آگے دوسرا فاعل نہیں آ سکتا، بات سمجھ میں آ گئی؟

عطف کے ذریعے آ سکتا ہے، بغیر عطف کے نہیں آتا بھائی۔ اور فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، اگر فاعل یا نائب فاعل ضمیر ہوئی تو پھر اسمِ ظاہر آگے فاعل یا نائب فاعل نہیں بنے گا، اور اگر فاعل یا نائب فاعل اسمِ ظاہر ہوا تو پھر ضمیر اس کے لیے نہیں نکالنی پڑے گی، اور پھر میں نے آپ کو یہ بات بھی بتائی کہ فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آتا ہے، کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، اسی لیے آپ نے کہا: ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ فعل اور زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کے لیے فاعل، لیکن اسی زید کو جب میں نے مقدم کیا: زَيْدٌ ضَرَبَ، تو آپ نے اس کو پھر فاعل نہیں بنایا بلکہ کیا بنایا؟ مبتدا بنایا۔ تو مفعول وغیرہ فعل پر مقدم ہو جاتے ہیں لیکن فاعل یا نائب فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتے، بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

اب مجھے بتایئے: ترکیب کر رہا ہے ایک طالب علم: ضَرَبَ زَيْدٌ، وہ کہتا ہے: ضَرَبَ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، آپ فوراً کیا کہیں گے؟ کہ نہیں یہ ترکیب صحیح نہیں، کیوں نہیں صحیح؟ کیونکہ آگے زید ہے اس پر بھی آپ رفع پڑھ رہے ہیں اور رفع معلوم ہوا یہاں فعل نے دیا ہے اور تو کوئی لفظ ہے نہیں، جب فعل نے اس کو رفع دیا ہے فعل تو صرف اپنے فاعل یا نائب فاعل کو رفع دیتا ہے معلوم ہوا اس کو آپ فاعل بنا رہے ہیں، اور جب فاعل اس کو بنا دیا تو اب هُوَ ضمیر نہیں نکالیں گے، بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اب ایک اور چھوٹی سی اور بات یاد رکھو: یاد رکھیے جس طرح فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اسی طرح صفت کے صیغے جو ہیں، صفت کے صیغے: اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل اور مبالغے کے صیغے، اسمِ فاعل جیسے ضَارِبٌ، اسمِ مفعول جیسے مَضْرُوبٌ، صفتِ مشبہ جیسے شَرِيفٌ، كَرِيمٌ، اسمِ تفضیل جیسے أَضْرَبُ، اور جو مبالغے کے صیغے ہیں مثلاً ضَرَّابٌ وغیرہ، یہ صفت کے صیغے ہیں: اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل اور مبالغے کے صیغے، جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، بغیر فاعل یا نائب فاعل کے فعل نہیں آسکتا، اسی طرح یہ صفت کے صیغے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیں گے، بغیر فاعل یا نائب فاعل کے یہ نہیں آئیں گے بھائی۔

بھائی ایک ہوتا ہے فاعل، ایک ہوتا ہے اسمِ فاعل، دونوں میں فرق ہے: فاعل وہ ہے جس کو فعل نے رفع دیا ہو آگے: ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ فاعل ہے، اسمِ فاعل نہیں، اسمِ فاعل، اسمِ مفعول وہ مخصوص وزن ہے جو آپ نے گردانوں میں پڑھا: ضَارِبٌ، یہ اسمِ فاعل ہے، ضَارِبٌ کیا ہے؟ اسمِ فاعل، اور ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ فاعل ہے، تو فرق سمجھ میں آیا؟ فاعل کیا ہوتا ہے جس کو فعل رفع دیتا ہے، اور اسمِ فاعل وہ مخصوص وزن جو کس میں پڑھا آپ نے؟ گردان میں، کون سا وزن؟ ضَارِبٌ۔

ایک ہوتا ہے مفعول، ایک ہوتا ہے اسمِ مفعول، اور مفعول وہ ہے جس کو فعل نصب دے: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، یہ عَمْرًا کیا ہے؟ مفعول ہے، اسمِ مفعول نہیں، اسمِ مفعول وہ مخصوص وزن کا نام ہے جو کس میں پڑھا آپ نے؟ گردانوں میں، کون سا وزن ہے؟ مَضْرُوبٌ، مَفْعُولٌ، تو فاعل اور اسمِ فاعل فرق سمجھ میں آگیا؟ مفعول اور اسمِ مفعول فرق سمجھ میں آیا؟ ہاں تو اب میں فاعل یا مفعول کی بات نہیں کر رہا، میں اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل اور مبالغے کے صیغے، یہ صفت کے صیغے ہیں، اور یہ بھی اپنے فعل کی طرح عمل کرتے ہیں۔

ضَارِبٌ، ضَرَبَ سے بنا ہے اور ضَرَبَ ہمیشہ کس کا تقاضا کرتا تھا؟ فاعل کا، تو یہ ضَارِبٌ بھی فاعل کا تقاضا کرے گا، اس کے لیے بھی فاعل چاہیے، اور اسی کی طرح وہ فاعل کبھی ضمیر بھی ہو سکتی تھی اور کبھی اسمِ ظاہر بھی، یہاں بھی اس ضَارِبٌ کے لیے بھی فاعل چاہیے، وہ فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اسی کے اندر اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے، اور اس کے فاعل پر بھی رفع آئے گا، صورت سمجھ میں آگئی؟ جیسے ضَرَبَ کے فاعل پر کیا آتا تھا؟ رفع آتا تھا۔

اچھا تو اسمِ مفعول مثلاً مَضْرُوبٌ، یہ فعلِ مجہول سے بنتا ہے: ضُرِبَ سے، اور ضُرِبَ کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ نائب الفاعل، تو مَضْرُوبٌ کے لیے بھی ہمیشہ نائب الفاعل چاہیے۔ شَرِيفٌ صفتِ مشبہ ہے اس کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اسمِ تفضیل ہے: أَضْرَبُ، اس کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اور مبالغے کے صیغے بھی اس کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، بات سمجھ میں آگئی۔ معلوم ہوا یہ صفت کے صیغے بھی اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہیں جس فعل سے بنے ہوں گے، اگر یہ فعلِ معروف سے بنے ہیں تو ان کے لیے فاعل چاہیے، اگر فعلِ مجہول سے بنے ہیں تو اس کے لیے نائب الفاعل، بلکہ آسان لفظوں میں یوں کہو کہ اسمِ مفعول جو ہے ان میں سے اس کے لیے نائب الفاعل چاہیے اور باقی صفت کے صیغوں کے لیے فاعل چاہیے۔ اور فاعل جیسے فعل کا فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی آسکتا ہے، اسی طرح صفت کے صیغوں کا فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔

مثلاً میں اب آپ سے ترکیب پوچھتا ہوں: زَيْدٌ ضَارِبٌ، ترکیب کریں: زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، ضَارِبٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، تو اس کے آگے کوئی اسم آرہا ہے؟ نہیں، آگے اسمِ ظاہر تو کوئی نہیں، اب اسی کے اندر کیا نکالنا پڑے گی؟ ضمیر، اسی کے اندر ضمیر: هُوَ ضمیر، اب اس ضمیر کا اعراب بتاؤ: مرفوع محلاً، مرفوع کیوں؟ کیونکہ وہ فاعل ہے ضَارِبٌ کے لیے، اور محلاً کیوں کہا آپ نے؟ کیونکہ مبنی ہے اس کا اعراب محلاً آتا ہے، اور یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زَيْدٌ کو لوٹ رہی ہے، دیکھو زید بھی مفرد مذکر، ضمیر هُوَ بھی کون سی ہے؟ مفرد مذکر، ضمیر اور مرجع میں دیکھو مطابقت بھی ہے، آپ نے یہ بھی غور کرنا ہے کہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت۔ لہٰذا ضَارِبٌ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، بات سمجھ میں آگئی؟ اس میں دیکھو ضَارِبٌ نے کس کو رفع دیا؟ ضمیر کو، کبھی یہ اسمِ ظاہر کو بھی رفع دے گا جیسے ضَرَبَ کرتا تھا: ضَرَبَ کبھی هُوَ ضمیر کو رفع دیتا تھا اور کبھی آگے آنے والے اسمِ ظاہر کو، یہ بھی اسی طرح کرے گا۔

دوسری ترکیب: زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ، زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ، اب کوئی آپ سے ترکیب پوچھے: زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، ضَارِبٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، خبر ہے، لفظاً اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ آگے بھائی: أَبُوهُ، اب یاد رکھو جس اسم کے ساتھ بھی ضمیر آجائے وہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ بنتے ہیں: أَبُوهُ دیکھو ہا ضمیر ساتھ ملی ہوئی ہے تو یہ کیا بن گئے؟ مضاف اور مضاف الیہ، ہاں أَبُو کا اعراب: مرفوع لفظاً مضاف، واؤ پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، اور ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل کس کے لیے؟ ضَارِبٌ کے لیے، اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اب آپ سے کوئی پوچھے پہلے تو تھا زَيْدٌ ضَارِبٌ، آپ نے ضَارِبٌ میں هُوَ ضمیر نکالی تھی، اب ہے زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ، اب آپ سے کوئی کہے ضَارِبٌ کے اندر هُوَ ضمیر، آپ فوراً کیا کہیں گے؟ نہیں، فاعل ایک آیا کرتا ہے، جب یہ آگے أَبُو کو رفع دے رہا ہے وہ اس کا فاعل ہے تو اب ضَارِبٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہے بھائی ضَارِبٌ کے اندر۔ تو دیکھو اب مجھے بتاؤ أَبُوهُ، یہ أَبُو، اب اسم ظاہر ہے یا ضمیر ہے؟ اسم ظاہر ہے۔ تو زَيْدٌ ضَارِبٌ میں جو ضَارِبٌ آیا اس نے ضمیر کو رفع دیا تھا اور زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ میں ضَارِبٌ نے اسم ظاہر کو رفع دیا ہے، تو دیکھا یہ صفت کے صیغے بھی کس کی طرح عمل کرتے ہیں؟ اپنے فعل کی طرح، اگر جیسے فعل کبھی ضمیر کو رفع دیتا ہے اور کبھی اسم ظاہر کو، اسی طرح یہ بھی ضمیر کو کبھی رفع دیتے ہیں اور کبھی اسم ظاہر کو رفع دیتے ہیں، صورت سمجھ میں آگئی۔

اب صرف دو چھوٹی چھوٹی ترکیبیں ذرا جلدی جلدی کر لیجیے بھائی: زَيْدٌ مَضْرُوبٌ، زَيْدٌ کا اعراب: مرفوع لفظاً مبتدا، مَضْرُوبٌ مرفوع لفظاً خبر، صیغہ اسم مفعول، مَضْرُوبٌ کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل چاہیے، آگے کوئی لفظ ہے نائب الفاعل؟ نہیں، تو اسی کے اندر کیا نکالیں گے؟ هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب الفاعل، اسم مفعول اپنے نائب الفاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا: زَيْدٌ مَضْرُوبٌ، زید کی پٹائی کی گئی ہے۔

اب دوسری ترکیب کرو: زَيْدٌ مَضْرُوبٌ أَبُوهُ، اچھا پہلے وہ جو ایک ترکیب آئی تھی اس کا ترجمہ تو کر لیں: زَيْدٌ ضَارِبٌ کیا معنی تھا؟ زید پٹائی کرنے والا ہے، اور دوسرا تھا: زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ، اس کا کیا معنی ہو گا؟ زید کہ اس کا باپ پٹائی کرنے والا ہے، فرق سمجھ میں آیا بھائی؟ اب یہاں پر بھی: زَيْدٌ مَضْرُوبٌ، زید کہ اس کی پٹائی کی گئی ہے، اور زَيْدٌ مَضْرُوبٌ أَبُوهُ اس کا کیا معنی ہو گا؟ زید کہ پٹائی کی گئی ہے اس کے باپ کی، ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، مَضْرُوبٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم مفعول، أَبُو مرفوع لفظاً مضاف نائب الفاعل، اور ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر نائب الفاعل کس کے لیے؟ مَضْرُوبٌ کے لیے، تو اسم مفعول اپنے نائب الفاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ترکیب سمجھ میں آرہی ہے بھائی؟ ہاں یہ آسان باتیں ہیں ترکیب کی کہ ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، وہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے، اور وہ ہمیشہ فعل کے بعد آئیں گے کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں، جب فعل پر مقدم ہو گئے تو وہ کچھ اور تو بن سکتے ہیں فاعل یا نائب فاعل نہیں، اور صفت کے صیغے بھی اپنے فعل جیسا ہی عمل کرتے ہیں اور وہ بھی فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرتے ہیں، اور وہ صفت کے صیغے کون سے ہیں؟ اسم فاعل ہے، اسم مفعول ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسم تفضیل ہے اور مبالغے کے صیغے ہیں، ان میں سے اسم مفعول نائب الفاعل کا تقاضا کرتا ہے اور باقی سارے کس کا تقاضا کرتے ہیں؟ فاعل کا تقاضا کرتے ہیں۔

اور پھر میں نے آپ کو فرق بھی بتلایا کہ ایک ہوتا ہے فاعل، ایک ہے اسم فاعل، اور فاعل وہ ہے جس کو فعل یا صفت کا صیغہ کیا کرے؟ رفع دے، اور اسم فاعل وہ مخصوص وزن جو آپ نے گردانوں میں پڑھا ہے۔ اسی طرح ایک ہے مفعول اور ایک ہے اسم مفعول، اور مفعول کسے کہتے ہیں؟ جسے فعل یا صفت کا صیغہ نصب دے، صرف فعل نصب دیتا ہے یا صفت کے صیغے بھی اسی طرح نصب دیتے ہیں؟ صفت کے صیغے بھی، صرف فعل رفع دیتا ہے یا صفت کے صیغے بھی اسی طرح رفع دیتے ہیں؟ صفت کے صیغے بھی۔ اسی لیے میں نے کہا فاعل وہ ہے کہ جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے، اور مفعول وہ ہے جس کو فعل یا صفت کا صیغہ نصب دے، اور اسم فاعل کیا ہے؟ وہ مخصوص وزن جو کس میں پڑھا ہم نے؟ گردان میں، وہ مخصوص صیغہ، اور اسم مفعول کسے کہتے ہیں؟ وہ مخصوص صیغہ جو کس میں پڑھا ہم نے؟ گردان میں پڑھا بھائی۔

چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۱: مرفوعات کی آٹھ اقسام کا اجمالی تعارف اور فاعل کے تفصیلی مسائل

ہدایۃ النحو صفحہ: ۲۲—بتاریخ: ۲۹ ستمبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلْفَاعِلُ كُلُّ اسْمٍ قَبْلَهُ فِعْلٌ أَوْ صِفَةٌ أُسْنِدَ إِلَيْهِ عَلَى مَعْنَى أَنَّهُ قَامَ بِهِ لَا وَقَعَ عَلَيْهِ، نَحْوُ: قَامَ زَيْدٌ، وَزَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًا، وَمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا۔

مرفوعات کے بارے میں کل ہم نے تفصیلاً پڑھنا شروع کیا تھا بھائی۔ اور میں نے کچھ ترکیب کی باتیں آپ کے سامنے ذکر کی تھیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے بھائی۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ فعل تو آجائے اور آگے فاعل یا نائب فاعل نہ آئے۔ تو فعل کے آنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے کس کو تلاش کرنا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل کو۔ فعل معروف کے لیے فاعل چاہیے اور فعل مجہول کے لیے نائب فاعل چاہیے۔ اور یہ فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آتا ہے، کبھی بھی اس پر مقدم نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر ایک لفظ فعل پر مقدم ہو رہا ہے، تو وہ کبھی بھی فاعل یا نائب فاعل نہیں بنے گا۔ اور نیز یہ فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسم ظاہر بھی آسکتا ہے۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ» تو دیکھو یہاں «زَيْدٌ» اسم ظاہر ہے فاعل، اور اگر صرف ہوتا «ضَرَبَ» تو پھر اس کے اندر ضمیر ہوتی۔

اور فعل کا فاعل یا نائب فاعل ایک ہی ہو گا۔ اگر آگے اسم ظاہر آگیا تو پھر اس فعل کے اندر ضمیر نہیں، اور اگر فعل کے ساتھ یا اس کے اندر ضمیر آگئی تو پھر اس کے بعد آگے اسم ظاہر فاعل نہیں آئے گا بھائی، نہیں آئے گا۔

اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو صفت کے صیغے ہیں، کون کون سے ہیں؟ اسم فاعل ہے، اسم مفعول ہے، صفت مشبہ ہے، اسم تفضیل ہے، اور مبالغے کے صیغے ہیں۔ دہراؤ بھائی، نمبر ایک کیا ہے؟ اسم فاعل۔ نمبر دو؟ اسم مفعول۔ نمبر تین؟ صفت مشبہ، جیسے «شَرِيفٌ»، «كَرِيمٌ» وغیرہ۔ اور اسم تفضیل ہے، اور مبالغے کے صیغے، جیسے «ضَارِبٌ» کا معنی ہے پٹائی کرنے والا، تو اسی سے مبالغے کا صیغہ بنا لیتے ہیں «ضَرَّابٌ»، بہت پٹائی کرنے والا۔ تو یہ جو صفت کے صیغے ہیں، یہ بھی بالکل اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہیں۔

یعنی اگر فعل جو ہے وہ فاعل کو رفع دیتا ہے، تو یہ بھی کس کو چاہیں گے؟ فاعل کو چاہیں گے اور اس کو رفع دیں گے۔ اور اگر جس فعل سے بنے ہیں اگر وہ فعل مجہول تھا تو وہ تو نائب فاعل کو رفع دیتا تھا، تو یہ بھی کس کو رفع دیں گے؟ نائب فاعل کو۔ تو پھر ان میں تفصیل یاد رکھو کہ کون فاعل کا تقاضا کرے گا اور کون نائب الفاعل کا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ صرف اسم مفعول جو ہے وہ کس کا تقاضا کرے گا؟ نائب الفاعل کا۔ جبکہ باقی اسم فاعل، صفت مشبہ، اسم تفضیل اور مبالغے کے صیغے، یہ کس کا تقاضا کریں گے؟ یہ فاعل کا، یہ سارے فاعل کا تقاضا کریں گے۔ اور فعل کے لیے جیسے فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسم ظاہر بھی، تو ان کے لیے بھی فاعل جو ہے وہ یا نائب الفاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی۔

تو میں نے آپ کو بتایا تھا کہ جب فعل آجائے آپ نے فوراً کس کو تلاش کرنا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل کو۔ تو یہ صفت کے صیغے بھی جب آجائیں تو آپ نے فوراً اس کے لیے کن کو تلاش کرنا ہے؟ فاعل کو یا نائب فاعل کو۔ اور جیسے فاعل یا نائب فاعل فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، اسی طرح ان کے لیے بھی جو فاعل یا نائب

فاعل ہو گا ان صفت کے صیغوں کے لیے، وہ بھی کبھی ان پر مقدم نہیں ہو گا۔ مفعول جو ہوتا ہے یا اور معمول ہوتے ہیں وہ فعل پر مقدم ہو جاتے ہیں، لیکن فاعل یا نائب فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہوتے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، تو «ضَرَبَ» فعل، «زَيْدٌ» فاعل اور «عَمْرًا» مفعول۔ یہ مفعول فعل پر مقدم ہو سکتا ہے: «عَمْرًا ضَرَبَ زَيْدٌ»، لیکن خود «زَيْدٌ» وہ مقدم نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ فاعل یا نائب فاعل ہے۔ یہ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ صرف فاعل یا نائب فاعل مقدم نہیں ہو سکتے فعل پر، باقی جو اس کے معمول ہیں جن میں وہ عمل کر رہا ہے، وہ مقدم ہو سکتے ہیں بھائی۔

میں نے آپ کو فرق بھی بتلایا تھا کہ ایک ہے فاعل، ایک ہے اسم فاعل۔ اور ایک ہے مفعول، اور ایک ہے اسم مفعول، دونوں میں فرق ہے۔ فاعل کسے کہتے ہیں؟ جس کو فعل رفع دے۔ جس کو فعل رفع دے، اور اسی طرح جس کو صفت رفع دے، کیونکہ صفت بھی رفع دیتی ہے یا نہیں دیتی؟ تو فاعل وہ ہے جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے۔ اور اسم فاعل؟ وہ مخصوص وزن جو گردان میں ہم نے پڑھا، یعنی وہ مخصوص صیغہ ہے جس کو ہم نے گردان میں پڑھا، جیسے «ضَارِبٌ»، «فَاتِحٌ»، «مُكْرِمٌ»، «مُقَرِّمٌ» وغیرہ۔ اور پھر فرق بتلایا تھا مفعول اور اسم مفعول کا۔ مفعول کسے کہتے ہیں؟ جس کو فعل یا صفت کا صیغہ نصب دے۔ اور اسم مفعول کسے کہتے ہیں؟ وہ مخصوص صیغہ جو ہم نے گردان میں پڑھا، وہ مخصوص صیغہ بھائی۔ جیسے «مَضْرُوبٌ» ہے، «مُكْرَمٌ» ہے، «مُقَرَّمٌ» ہے وغیرہ بھائی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ اور وہ ترکیب میں نے ذکر کی تھی، تو یہ ہم مرفوعات پڑھ رہے ہیں۔ جب ایک لفظ کے بارے میں کوئی آپ کو بتلا دے کہ یہ فاعل بن رہا ہے، جیسے ہی اس نے یہ کہا ایک اور بات کا خود بخود آپ کو پتہ چل گیا، وہ کیا؟ ایک جملہ تھا اس میں ایک لفظ تھا، کسی نے آپ کو بتایا یا آپ کو خود پتہ چل گیا کہ یہ کیا بن رہا ہے؟ فاعل۔ تو فوراً ہی آپ کو اس کے اعراب کا بھی پتہ چل گیا کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے، کیونکہ ہم نے پڑھا تھا فاعل مرفوعات میں سے ہے بھائی۔ تو اس پر رفع پڑھنا ہے۔ پھر اس میں آپ نے غور کرنا ہے کیونکہ رفع تو تین قسم پر آتا ہے: کبھی محلاً آتا ہے، کبھی لفظاً آتا ہے، اور کبھی تقدیراً۔ تو پھر آپ نے غور کرنا ہے کہ اس پر کون سا آئے گا؟ لہٰذا پہلے یہ دیکھ لیں کہ یہ مبنی ہے یا معرب ہے؟ اگر پتہ چل جائے کہ یہ مبنی ہے تو معلوم ہوا کون سا رفع آئے گا؟ محلاً، یعنی وہ مرفوع محلاً ہو گا بھائی، مرفوع ہو گا محلاً۔ اور اگر وہ معرب ہے تو پھر غور کر لیں وہ جو سولہ قسمیں نحو میر میں پڑھی تھیں یا جو نو قسمیں اس ہدایت النحو میں پڑھی ہیں، ان میں سے کون سی قسم ہے؟ اور اس کا رفع تقدیراً آتا ہے یا لفظاً آتا ہے، وہاں سے پھر آپ کو پتہ چل جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو اب آپ کو معلوم ہو گیا کہ فاعل کسے کہتے ہیں؟ جس کو فعل رفع دے یا کون رفع دے؟ صفت کا صیغہ رفع دے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اب دیکھیے کتاب پر بھائی: «فَصْلٌ» أَيْ: هَذَا فَصْلٌ، یہ فصل ہے۔ «اَلْفَاعِلُ كُلُّ اسْمٍ» فاعل ہر ایسا اسم ہے، «قَبْلَهُ فِعْلٌ أَوْ صِفَةٌ» جس سے پہلے کیا ہو؟ فعل یا صفت۔ دیکھا! فاعل سے پہلے ہو گا فعل یا فاعل سے پہلے ہو گی صفت، کیونکہ فاعل کبھی بھی فعل یا اپنی صفت پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے کہا: فاعل ہر ایسا اسم ہے «قَبْلَهُ فِعْلٌ أَوْ صِفَةٌ» جس سے پہلے ایسا فعل یا ایسی صفت ہو «أُسْنِدَ إِلَيْهِ» جس کا اسناد اس اسم کی طرف ہے۔ دیکھو «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ» فعل، اس کا اسناد کس کی طرف ہو رہا ہے؟ «زَيْدٌ» کی طرف۔ تو یہ جو فاعل یا نائب فاعل ہوتا ہے اس کی طرف فعل یا صفت کا اسناد ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ اسناد ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا: فاعل ہر ایسا اسم ہے جس سے پہلے ایسا فعل یا ایسی صفت ہو «أُسْنِدَ إِلَيْهِ» جس کا اسناد اس کی طرف ہو رہا ہو۔ «عَلَى مَعْنَى أَنَّهُ قَامَ بِهِ» اس معنی پر کہ وہ فعل یا صفت اس کے ساتھ قائم ہو، «لَا وَقَعَ عَلَيْهِ» اس پر واقع نہیں۔ یہ نائب الفاعل کو نکالنے کے لیے یہ قید بڑھائی، یہ نائب الفاعل کو۔ «لَا وَقَعَ عَلَيْهِ» بھائی دیکھیے!

ایک ہے «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ» کا اسناد کس کی طرف؟ «زَيْدٌ» کی طرف۔ اور ایک ہے «ضُرِبَ عَمْرٌو»، «ضُرِبَ» کا اسناد کس کی طرف؟ «عَمْرٌو» کی طرف۔ تو فعل معروف کا اسناد ہوتا ہے فاعل کی طرف، اور فعل مجہول کا اسناد ہوتا ہے نائب الفاعل کی طرف، نائب الفاعل کی طرف۔ اور ہم جو یہ تعریف پڑھ رہے ہیں یہ فاعل کی پڑھ رہے ہیں یا نائب الفاعل کی؟ فاعل کی پڑھ رہے ہیں۔ تو جب انہوں نے کہا کہ ہر وہ اسم ہو جس سے پہلے فعل یا صفت آئے اور اس فعل یا صفت کا اسناد ہو رہا ہو اس اسم کی طرف، تو اس میں تو فاعل کے ساتھ ساتھ نائب الفاعل بھی داخل ہو گیا۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، زید کا اسناد کس کی طرف؟ زید کی طرف، یہ تو ٹھیک ہے فاعل ہے۔ لیکن «ضُرِبَ عَمْرٌو»، اس میں عمرو کی طرف، اور عمرو فاعل ہے یا نائب فاعل ہے؟ نائب فاعل ہے۔ تو حالانکہ تعریف اس پر صادق آ رہی ہے۔ «ضُرِبَ عَمْرٌو»، اس میں عمرو پر نظر رکھو، یہ نائب فاعل ہے نا۔ فاعل کی تعریف ذرا اس پر لگاؤ: فاعل ہر وہ ایسا اسم ہے جس سے پہلے کیا آئے؟ فعل، اور «ضُرِبَ عَمْرٌو»، اس میں عمرو سے پہلے بھی کیا ہے؟ فعل۔ اور آگے کیا پڑھا؟ اس فعل کا اسناد ہو اس کی طرف، تو عمرو کی طرف بھی کیا ہے؟ «ضُرِبَ» کا اسناد۔ تو دیکھو ابھی تعریف کے اندر کون داخل ہو رہا ہے؟ فاعل کے ساتھ نائب الفاعل بھی داخل ہو رہا ہے،

اور اس کو تو نکالنا ہے ہم نے، ہم تو اس کی تعریف نہیں کر رہے۔ تو اسی لیے کہا: کہ اس معنی میں کہ فعل اس کے ساتھ قائم ہو، اس پر واقع نہ ہو۔

تو اب جب یہ قید لگادی: فعل اس کے ساتھ قائم ہو، اس پر واقع نہ ہو، تو وہ نائب الفاعل نکل گیا، کیونکہ فعل اس پر واقع ہوتا ہے، اس کے ساتھ قائم نہیں۔ دیکھو «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ» کا اسناد کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ تو زید اس کے لیے کیا ہوا؟ فاعل، اور کس طور پر ہے؟ کہ اس کے ساتھ فعل قائم ہے۔ یہ زید کے ساتھ فعل قائم ہے۔ یہ ضرب کس نے لگائی؟ زید نے۔ زید نہ ہوتا یہ والی ضرب ہوتی؟ نہ۔ دیکھا! اس فعل کا قیام ہی زید کے ساتھ ہے، یہ زید کی صفت ہے، زید نہ ہوتا تو یہ والی ضرب بھی نہ ہوتی بھائی۔ تو یہ اس معنی میں کہ فعل اس کے ساتھ قائم ہے، یعنی اس کی وجہ سے اس کا وجود ہے، اور فعل اس پر واقع نہیں ہے۔ زید کے ساتھ قائم تو ہے فعل، اس پر واقع نہیں۔ ہاں، دوسرا «ضُرِبَ عَمْرٌو»، یہاں عمرو کیا ہے؟ ایک اسم ہے۔ اس اسم سے پہلے کیا آرہا ہے؟ فعل آرہا ہے، اور تعریف میں بھی کیا پڑھا تھا؟ فاعل ہر ایسا اسم ہے جس سے پہلے کیا ہو؟ فعل ہو۔ اور اس «ضُرِبَ عَمْرٌو» میں عمرو کی طرف «ضُرِبَ» کا اسناد بھی ہے۔ لیکن فعل اس کے ساتھ قائم نہیں، یہ ضرب عمرو نہیں لگا رہا، ضرب تو اس پر واقع ہو رہی ہے، کیا ہو رہی ہے؟ واقع ہو رہی ہے۔ تو فاعل جو ہوتا ہے اس کے ساتھ فعل کا قیام ہوتا ہے یعنی فعل اس کے ساتھ قائم ہے، یعنی اس کی صفت ہے، وہ ہے تو یہ فعل ہے، وہ نہیں تو یہ فعل بھی نہیں۔ زید نہیں تو یہ ضرب بھی نہیں ہے کیونکہ یہ ضرب تو لگائی ہی زید نے ہے، جب زید نہیں تو یہ والی ضرب بھی نہیں۔ جبکہ نائب الفاعل میں فعل اس کے ساتھ قائم نہیں ہوتا، فعل اس پر واقع ہوتا ہے۔ «ضُرِبَ عَمْرٌو»، اس میں عمرو کی پٹائی کی گئی، تو ضرب اس عمرو پر واقع ہو رہی ہے، عمرو لگا نہیں رہا۔ تو یہ عمرو کے ساتھ فعل قائم نہیں ہے بلکہ اس پر واقع ہو رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا اب تعریف کو پوری طرح سمجھ لیں: دیکھو «ضَرَبَ زَيْدٌ»، اس جملے پہ نظر رکھنا۔ اور اس میں فاعل کون ہے؟ «زَيْدٌ»۔ اسی طرح «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ»، یہ «أَبُوهُ» کو رفع کون دے رہا ہے؟ «قَائِمٌ»، کیونکہ «قَائِمٌ» صفت کا صیغہ ہے نا، جیسے «ضَارِبٌ» اور صفت کا صیغہ بھی کیا چاہتا ہے؟ فاعل چاہتا ہے۔ تو آپ سے اگر کوئی پوچھے یہ «أَبُوهُ» کو رفع کس نے دیا، آپ کیا کہیں گے؟ «قَائِمٌ» نے، کیونکہ «قَائِمٌ» کے لیے فاعل چاہیے تھا تو یہ «أَبُوهُ» کو کیا کر رہا ہے؟ رفع۔ کیونکہ فاعل کو یہ صفت کا صیغہ رفع دیتا ہے جیسے فعل اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے۔

تو دیکھیے: «ضَرَبَ زَيْدٌ»، اس میں «زَيْدٌ» کیا ہے؟ فاعل۔ اور «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ»، اس جملے میں «أَبُوهُ» کیا ہے؟ فاعل ہے، «قَائِمٌ» کے لیے فاعل ہے۔ تو ان دو مثالوں کو ذرا نظر میں رکھنا اور پھر یہ تعریف ذرا پڑھو، آپ کو تعریف سمجھ میں آئے گی۔ جملے ذہن میں ہیں؟ کون سے دو جملے؟ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، اس میں زید سے پہلے فعل ہے۔ اور «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ»، اس میں «أَبُوهُ» سے پہلے کیا ہے؟ صفت ہے، اسم فاعل ہے یعنی صفت ہے۔ تو فعل جیسے فاعل کو رفع دیتا ہے اسی طرح صفت کا صیغہ بھی کیا کرتا ہے؟ اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے۔ تو یہ دونوں مثالیں ذہن میں رکھو۔ پہلی مثال میں سے کس پہ نظر رکھو؟ زید پر، «ضَرَبَ زَيْدٌ» میں زید۔ دیکھو انہوں نے کہا: «اَلْفَاعِلُ كُلُّ اسْمٍ»، فاعل ہر ایسا اسم ہے «قَبْلَهُ فِعْلٌ» جس سے پہلے کیا ہو؟ فعل، جیسے «ضَرَبَ زَيْدٌ»، زید سے پہلے کیا ہے؟ فعل ہے۔ «أَوْ صِفَةٌ» یا اس سے پہلے کیا ہو؟ صفت ہو، کیسے۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ»، اس «أَبُوهُ» سے پہلے کیا ہے؟ صفت ہے۔ تو فاعل ہر ایسا اسم ہے جس سے پہلے فعل ہو یا صفت، اور اس فعل یا صفت کا اس کی طرف اسناد ہو۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، زید سے پہلے کیا ہے؟ فعل، اور اس فعل کا زید کی طرف اسناد۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ»، یہ «أَبُوهُ» سے پہلے کیا ہے؟ صفت، اور اس صفت کا اس کی طرف کیا ہے؟ اسناد ہے۔ تعریف سمجھ میں آ رہی ہے؟ «عَلَى مَعْنَى أَنَّهُ قَامَ بِهِ»، اس معنی پر کہ وہ فعل یا صفت اس کے ساتھ قائم ہو، «لَا وَقَعَ عَلَيْهِ» اس پر واقع نہ ہو۔ تو دیکھو یہ دونوں پر تعریف صادق آرہی ہے۔ تو معلوم ہوا «ضَرَبَ زَيْدٌ» میں فاعل کون ہے؟ زید، کیونکہ اس سے پہلے فعل ہے اور اس فعل کا اس کی طرف اسناد ہو رہا ہے اور وہ فعل اس کے ساتھ قائم ہے اس پر واقع نہیں۔ اور اسی طرح «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ»، اس میں یہ کیا ہے؟ فاعل ہے، کیونکہ اس سے پہلے صفت ہے «قَائِمٌ» اور اس صفت کا اسناد ہے «أَبُوهُ» کی طرف اور یہ صفت اس کے ساتھ قائم ہے، یہ کھڑا ہونے والا کون ہے؟ «أَبُوهُ»، زید کا باپ ہے۔ یہ اس کے ساتھ یہ قیام قائم ہے، اس پر واقع نہیں ہے۔ تعریف سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «اَلْفَاعِلُ كُلُّ اسْمٍ قَبْلَهُ فِعْلٌ أَوْ صِفَةٌ أُسْنِدَ إِلَيْهِ»، فاعل ہر ایسا اسم ہے جس سے پہلے فعل ہو یا جس سے پہلے صفت ہو، «أُسْنِدَ إِلَيْهِ» جن کا اس کی طرف اسناد ہو، «عَلَى مَعْنَى أَنَّهُ قَامَ بِهِ» اس معنی پر کہ وہ فعل یا صفت اس کے ساتھ قائم ہو، «لَا وَقَعَ عَلَيْهِ» اس پر واقع نہ ہو۔ تو یہ «لَا وَقَعَ عَلَيْهِ» کی قید کے ذریعے کس کو نکالا؟ نائب الفاعل کو۔ کہ فعل اس کے ساتھ قائم ہو اور اس پر واقع نہ ہو، اس کے ذریعے نائب الفاعل کو نکال دیا بھائی۔

▪ قولہ: «نَحْوُ: قَامَ زَيْدٌ» کی تشریح

«نَحْوُ: قَامَ زَيْدٌ»، جیسے «قَامَ زَيْدٌ»، ایک مثال۔ «وَزَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًا»، دوسری مثال۔ «وَمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، تیسری مثال۔ یہ تین مثالیں ذکر کر دیں، صاحبِ ہدایت النحو نے آپ کو شروع میں بتایا تھا کہ میں کیا کروں گا؟ مثالیں جہاں ہر مسئلے میں مثالیں ذکر کروں گا، دیکھو یہاں انہوں نے تین مثالیں ذکر کر دیں، آگے بھی مثالیں ذکر کرتے چلے جائیں گے۔

ترکیب کیجیے بھائی: «قَامَ زَيْدٌ»۔ جی! اعراب بھائی، جو اسم آجائے آپ نے اس کا اعراب نکالنا ہے، ترکیب اسی طرح ہو گی۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً۔ مرفوع کیوں ہے؟ کیونکہ یہ فاعل ہے۔ مرفوع کیونکہ یہ فاعل ہے اور فاعل پر کیا پڑھتے ہیں؟ رفع۔ لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ رفع پہ تلفظ کر کے دکھاؤ: «زَيْدٌ»۔ نصب پہ تلفظ کر کے دکھاؤ: «زَيْدًا»۔ جر پہ تلفظ کرو: «زَيْدٍ»۔ دیکھا! تو یہاں رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ پھر فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو دیکھو «زَيْدٌ» ایک یہ فاعل ہے، یہ ایک اسم ہے، اس سے پہلے فعل ہے «قَامَ»، اور اس فعل کا اس کی طرف اسناد ہو رہا ہے اور وہ فعل اس کے ساتھ قائم ہے، اس پر واقع نہیں ہے۔ یہ زید ہے تو یہ والا قیام ہے، زید نہیں تو یہ قیام بھی نہیں۔

«وَزَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًا»، جی اس کی ترکیب کیجیے: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے اور مبتدا پر ہمیشہ کیا آتا ہے؟ رفع آتا ہے۔ لفظاً کیوں کہا آپ نے؟ ہم اس کے رفع پر تلفظ کر رہے ہیں۔ یہ صرف یہ نہ کہنا ہم اس پر تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ تو «زَيْدٌ»، اس پر میں تلفظ کر رہا ہوں یا نہیں؟ تو اس لفظ پر بھی تلفظ کر رہا ہوں، بات اس لفظ کے تلفظ کی نہیں ہو رہی، اس کے اعراب پر ہم کیا کر رہے ہیں با قاعدہ؟ تلفظ۔ تو یوں کہیں: اس کے رفع پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں۔

آگے: «ضَارِبٌ»، اعراب سب سے پہلے: مرفوع لفظاً، دیکھو «ضَارِبٌ»، پڑھ رہے ہیں یا نہیں بھائی؟ مرفوع لفظاً اسم فاعل۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ فاعل سے تو پہلے فعل یا صفت کا صیغہ ہونا ضروری ہے۔ «ضَارِبٌ» سے پہلے کوئی فعل ہے؟ اس سے پہلے کوئی صفت ہے؟ نہیں، پھر؟ بھائی دیکھیے مبتدا آ گیا، مبتدا کس کو چاہتا ہے؟ خبر، اور خبر بھی کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ تو یہ خبر ہے، اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔ تو «ضَارِبٌ» مرفوع لفظاً۔ مرفوع کیوں ہے؟ خبر ہے، اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: «ضَارِبٌ»۔ نصب پر ذرا تلفظ کرو: «ضَارِبًا»۔ جر پہ کرو: «ضَارِبٍ»۔ تو دیکھو اس کے اعراب پر با قاعدہ ہم تلفظ کرتے ہیں، تو رفع پر یہاں تلفظ ہو رہا ہے۔

آگے چلیں بھائی: جب یہ آ گیا اسم فاعل، اب فوراً کیا چاہیے؟ صفت کا صیغہ جب آجائے تو اس کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اور یہ کون سا صفت کا صیغہ ہے؟ اسم فاعل ہے، اور اسم فاعل کے لیے کیا چاہیے ہوتا ہے فاعل یا نائب فاعل؟ اسم فاعل کے لیے نام سے ہی پتہ چل رہا ہے: اسم فاعل! اسم فاعل کا اسناد فاعل کی طرف ہوتا ہے، اسم مفعول کا اسناد مفعول کی طرف یعنی نائب فاعل کی طرف ہوتا ہے، نام سے ہی پتہ چل رہا ہے۔ تو کون سا صیغہ آیا؟ اسم فاعل۔ جب فعل معروف آجائے فوراً کس کو تلاش کرتے ہو؟ فاعل کو۔ تو اسم فاعل بھی جب آجائے فوراً کس کو تلاش کرو؟ فاعل کو۔ تو اب اس کا فاعل ہمیں چاہیے۔ اب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی۔ آگے دیکھ لو، کسی اسم کو یہ رفع دے رہا ہے یا نہیں؟ اگر یہ رفع دے رہا ہے تو فاعل مل گیا، پھر اس میں ضمیر نکالنے کی ضرورت نہیں، اور اگر آگے اسم ظاہر کوئی نہیں جس کو یہ رفع دے رہا ہو تو پھر اسی کے اندر کیا نکالیں گے؟ ضمیر۔

جی تو «ضَارِبٌ» مرفوع لفظاً اسم فاعل، آگے۔ «أَبُو» کا اعراب، ہر ایک لفظ کا اعراب چاہیے: «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، کیونکہ میں نے بتایا تھا جس اسم کے ساتھ بھی ضمیر آجائے «أَبُوهُ»، تو جس اسم کے ساتھ بھی ضمیر آجائے جیسے اس کے ساتھ ہا ضمیر ملی ہوئی ہے تو وہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ بنتے ہیں۔ فعل کے ساتھ ضمیر آئے اس کی بات نہیں کر رہا، اسم کے ساتھ کیا آجائے؟ ضمیر متصل، جڑی ہوئی ضمیر آجائے تو وہ ہمیشہ کیا ہوں گے؟ مضاف اور مضاف الیہ۔ تو «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ شاباش! یہ کیا بن رہا ہے؟ فاعل۔ کس کے لیے؟ «ضَارِبٌ» اسم فاعل کے لیے۔ اور لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں بھائی: «أَبُوهُ»۔ منصوب ہوتا تو پڑھتے «أَبَاهُ»، مجرور ہوتا تو پڑھتے «أَبِيهِ»۔ تو اس کا رفع واؤ کے ساتھ آتا ہے اور اس واؤ پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، سننے سے ہی دوسرے کو پتہ چل جاتا ہے۔

تو «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف۔ «هُ» ضمیر: اعراب؟ مرفوع محلاً؟ مرفوع محلاً، ہا پر ہم پیش پڑھ رہے ہیں، اس لیے؟ نہیں بھائی نہیں، پہلے لفظ پہ غور کیا کرو یہ لفظ ہے کیا چیز؟ مضاف الیہ ہے۔ ہاں اتنا تو پتہ چل گیا یہ ہا ضمیر مضاف الیہ ہے، اور مضاف الیہ نے کیا ہونا ہے ہر حال میں؟ مجرور۔ مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ بھائی مجرور دو ہی ہیں دنیا کے اندر، بس یاد رکھنا: ایک مضاف الیہ، ایک جس پر حرف جر داخل ہو۔ تو یہ مضاف الیہ ہے لہٰذا یہ کیا ہوا؟ مجرور۔ لیکن مجرور تو پھر

تین قسم پر ہے: کبھی محلاً ہو گا، کبھی لفظاً ہو گا، اور کبھی تقدیراً، وہ بھی تو غور کرنا ہے آپ نے۔ تو یہ کون سا ہو گا مجرور؟ محلاً۔ کیوں؟ محلاً کیوں کہہ رہے ہو؟ ہاں یہ کیا ہے، شاباش، یہ مبنی ہے، یہ مبنی ہے ضمیر ہے، اور ضمیر مبنیات میں سے ہے اور مبنی کا اعراب کس طرح آیا کرتا ہے؟ محلاً۔ جب آپ کو پتہ چل گیا یہ مجرور ہے محلاً، معلوم ہوا جو اس پر ہم پیش پڑھ رہے ہیں وہ اعراب نہیں ہے، وہ اس کی حرکت ہے۔ کیونکہ مبنی پر تو اعراب ظاہر ہی نہیں ہوتا۔ تو یہ مجرور محلاً مضاف الیہ۔ آپ کہیں گے ہم اس پر پیش پڑھ رہے ہیں، بھائی یہ پیش اس کی حرکت ہے، یہ اعراب نہیں ہے بھائی، اور ما قبل میں واؤ تھا اس لیے ہم نے اس پر ضمہ پڑھا: «أَبُوهُ»۔ اگر ما قبل میں یا ہوتی تو ہم اس کو پڑھتے «أَبِيهِ»، پھر زیر پڑھ دیتے اس پر۔ تو یہ اس کی حرکت ہے، اعراب نہیں ہے۔ تو کیا ہوا؟ «أَبُوهُ» مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ «ضَارِبٌ» کے لیے۔

جی اور «عَمْرًا» اعراب بھائی: منصوب لفظاً «عَمْرًا»۔ مرفوع ہوتا تو «عَمْرٌو»، مجرور ہوتا تو «عَمْرٍو»، دیکھا تلفظ سے ہی فرق ہو رہا ہے۔ تو یہ منصوب ہوا لفظاً۔ منصوب کیوں؟ مفعول بن رہا ہے بھائی۔ اب اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر، اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ کیا ہوا؟ فعل ہوتا تو جملہ کہتے ہم، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ ہو کر خبر، لیکن یہ جو صفت کے صیغے ہیں یہ جملہ نہیں بنتے یہ مفرد ہوتے ہیں، لیکن ان کے لیے فاعل یا نائب فاعل تو آتا ہے لہٰذا ان کو شبہ جملہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ شبہ جملہ۔ تو اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آئی بھائی؟ یہ مبتدا خبر ہیں نا اور مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہوتا ہے۔

اب آپ سے کوئی پوچھے جلدی جلدی مجھے بتاؤ: «زَيْدٌ» کیوں مرفوع؟ مبتدا ہے۔ اچھا خبر کیا ہے اس جملے کی؟ اس مبتدا کی خبر کیا ہے؟ «ضَارِبٌ»، بلکہ یوں کہو: «ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًا» یہ ساری کیا ہے؟ یہ خبر ہے۔ لیکن بالخصوص اس میں سے پھر «ضَارِبٌ» جو ہے، یوں کہو: اس کی خبر «ضَارِبٌ» کیا ہے؟ اس کی خبر ہے۔ اچھا پھر یہ «أَبُوهُ» کیوں مرفوع ہے؟ فاعل ہے «ضَارِبٌ» کے لیے، لہٰذا آپ سے کوئی پوچھ لے یہ «أَبُوهُ» کو رفع کس نے دیا؟ آپ فوراً کیا کہیں گے؟ «ضَارِبٌ» نے۔ آپ سے کوئی پوچھے یہ «عَمْرًا» کو نصب کس نے دیا؟ فوراً کیا کہیں گے؟ «ضَارِبٌ» نے، کس نے؟ «ضَارِبٌ» نے۔ دیکھا! «ضَارِبٌ» صیغہ صفت کا ہے، لیکن یہ بالکل «ضَرَبَ» جیسا عمل کر رہا ہے: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، «ضَرَبَ» نے ایک فاعل کو رفع دیا «عَمْرًا» کو کیا دیا؟ نصب۔ تو جیسے فعل اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور اپنے مفعول کو نصب، صفت کے صیغے بھی وہی عمل کرتے ہیں بھائی۔ دیکھو اسی «ضَرَبَ» سے «ضَارِبٌ» بنا ہے، تو لہٰذا اس نے بھی ایک فاعل کو رفع دیا اور ایک مفعول کو نصب دیا، کس کی طرح؟ «ضَرَبَ» کی طرح بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟

اب ان دو مثالوں کو دیکھو: پہلی مثال ہے، پہلی مثال میں کون فاعل؟ «زَيْدٌ»۔ یہ ایک اسم ہے، اس سے پہلے فعل آیا اور اس فعل کا اس کی طرف اسناد ہے اس معنی پر کہ یہ فعل اس کے ساتھ قائم ہے، اس پر واقع نہیں۔ اگلی مثال میں: «زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًا»، اس میں فاعل کون ہے؟ اس مثال میں فاعل کون ہے؟ «أَبُوهُ»۔ اب «أَبُوهُ» پہ ذرا نظر رکھو اور وہ تعریف اس پہ لگاؤ: «أَبُوهُ» ایک اسم ہے اور اس سے پہلے کیا ہے؟ صفت ہے، اور اس صفت کا اس کی طرف اسناد ہے اس معنی پر کہ وہ صفت اس کے ساتھ قائم ہے، اس پر واقع نہیں۔ دیکھو ضرب لگانے والا کون ہے؟ «أَبُوهُ»، زید کا باپ۔ تو دیکھو وہ ضرب اس کے ساتھ قائم ہے، اس پر واقع نہیں، واقع تو عمرو پر ہو رہی ہے یہ ضرب۔ تعریف سمجھ میں آگئی بھائی؟

▪ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب

اگلی مثال: «وَمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»۔ جی «مَا ضَرَبَ» ترکیب کرو، «مَا ضَرَبَ» فعل نفی ہے نا، ما نفی کے لیے آتا ہے۔ تو «مَا ضَرَبَ» فعل نفی۔ اچھا آگے: «زَيْدٌ» اعراب؟ مرفوع لفظاً شاباش۔ کیوں مرفوع؟ فاعل بنے گا۔ اور لفظاً کیوں کہا؟ ہم اس کے رفع پر تلفظ کر رہے ہیں شاباش۔ اور «عَمْرًا» اعراب بھائی: منصوب لفظاً۔ منصوب کیوں؟ مفعول بن رہا ہے۔ اور لفظاً کیوں کہا؟ اس کے نصب پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ نصب پر تلفظ کر رہے ہیں ہم اس کے۔ تو فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «مَا ضَرَبَ» پٹائی نہیں کی «زَيْدٌ» زید نے «عَمْرًا» کس کی؟ زید نے عمرو کی پٹائی نہیں کی۔ پچھلے جملے کا بھی معنی کر لو: «قَامَ زَيْدٌ»، زید کھڑا ہوا۔ «قَامَ زَيْدٌ»، زید کھڑا ہوا۔ اگلے جملے کا بھی معنی کر لو: «زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًا»، زید، ترجمہ کریں بھائی، ترجمہ کریں۔ ہاں شاباش! دیکھو «ضَارِبٌ أَبُوهُ»، اتنا پتہ چل گیا یہ پٹائی زید نے نہیں کی، کس نے کی ہے؟ اس کے ابو نے۔ اب ترجمہ یوں کر لو: «زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًا»، زید کے پٹائی کرنے والا ہے اس کا باپ عمرو کی، یا زید کہ پٹائی کی اس کے باپ نے عمرو کی۔

آگے سنیے: «وَكُلُّ فِعْلٍ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ فَاعِلٍ»، ہر فعل کے لیے ضروری ہے فاعل کا ہونا۔ میں نے بھی آپ کو بتلایا تھا فعل آتے ہی فوراً کس کو تلاش

کرو؟ فاعل کو یا نائب فاعل کو۔ اب چونکہ صرف فاعل کی بات چل رہی ہے اس لیے نائب الفاعل کو ذکر نہیں کر رہے۔ کہتے ہیں ہر فعل کے لیے ضروری ہے «مِنْ فَاعِلٍ» کس کا ہونا؟ فاعل کا ہونا، ایسا فاعل «مَرْفُوعٍ» جو ہمیشہ کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا، اس پر رفع آئے گا کیونکہ فاعل پر رفع آیا کرتا ہے۔ «مُظْهَرٍ» اور کیا ہو گا وہ؟ اسم ظاہر ہو گا، میں نے آپ کو بتلایا تھا فعل یا صفت کا فاعل جو ہے اسم ظاہر بھی آسکتا ہے اور ضمیر بھی آسکتی ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَكُلُّ فِعْلٍ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ فَاعِلٍ مَرْفُوعٍ مُظْهَرٍ»، ضروری ہے ہر فعل کے لیے ایسے فاعل کا ہونا جو مرفوع ہو اور مظہر ہو یعنی اسم ظاہر ہو، «كَ: ذَهَبَ زَيْدٌ» جیسے «ذَهَبَ زَيْدٌ»۔ جی ترکیب کیجیے «ذَهَبَ زَيْدٌ»: «ذَهَبَ» فعل، «زَيْدٌ» اعراب بھائی: مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ۔ تو ہر فعل کے لیے ایسے فاعل کا ہونا ضروری ہے جو مرفوع اور مظہر ہو، «أَوْ مُضْمَرٍ بَارِزٍ» یا ضمیر ہو بارز یعنی ظاہر بھائی۔

بھائی دیکھیے! یہ جو ضمیر ہے نا ضمیر، یہ کبھی فعل کے اندر چھپی ہوئی ہو گی، اس کو کہیں گے ضمیر مستتر بھائی، کیا کہیں گے؟ ضمیر مستتر۔ «ضَرَبَ» کے اندر کون سی ضمیر چھپی ہوئی ہے؟ «هُوَ»، تو یہ ضمیر ظاہر نہیں ہے۔ ض، ر، ب، یہ تو فعل کا اپنا مادہ ہے، یہ تو فعل کے اپنے حروف ہیں، آگے کوئی ضمیر والا حرف جڑا ہوا ہے؟ نہیں، تو یہ ہوئی ضمیر مستتر، کیا ہوئی؟ ضمیر مستتر۔ اور بعض صیغوں کے اندر یہ ضمیر بارز ہوتی ہے ظاہر یعنی ہوتی ہے، جیسے «ضَرَبَ»، اگلا صیغہ کیا ہے؟ «ضَرَبَا»، دیکھو آخر میں یہ الف آگیا۔ یہ الف کیا ہے؟ تثنیہ کی ضمیر ہے تثنیہ مذکر غائب کی۔ تو یہ ضمیر بارز ہے، یہ چھپی نہیں ہوئی «ضَرَبَا»، دیکھو سنتے ہی آپ کو پتہ چل رہا ہے یا نہیں بھائی؟ تو یہ ضمیر کون سی ہوئی؟ بارز۔ اس کا کیا معنی؟ ظاہر۔ مستتر کا معنی؟ چھپی ہوئی۔ تو فعل کا فاعل، فعل کے لیے فاعل ضرور چاہیے، وہ فاعل اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے اور ضمیر بھی، اور وہ ضمیر بارز بھی ہو سکتی ہے اور مستتر بھی ہو سکتی ہے۔

تو کہتے ہیں ہر فعل کے لیے ایسے فاعل کا ہونا ضروری جو مرفوع ہو اور مظہر ہو یعنی اسم ظاہر ہو، «أَوْ مُضْمَرٍ بَارِزٍ» یا ایسی ضمیر ہو جو بارز ہو، «كَ: ضَرَبْتُ زَيْدًا»، دیکھو «ضَرَبْتُ» کے اندر یہ تا ضمیر ظاہر ہے، بارز ہے۔ «أَوْ مُسْتَتِرٍ» یا وہ ضمیر کیا ہو گی؟ ضمیر چھپی ہوئی ہو گی، «كَ: زَيْدٌ ذَهَبَ»، دیکھو «ذَهَبَ» کے اندر ضمیر چھپی ہوئی ہے۔

اب ترکیب کیجیے: «ضَرَبْتُ زَيْدًا»۔ شاباش! «ضَرَبْتُ» فعل بافاعل، جب فاعل کی ضمیر فعل کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو اس کو تعبیر کیا کریں؟ فعل بافاعل۔ اب آپ سے کوئی پوچھے فاعل کیا ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ کون سی ضمیر؟ تا ضمیر۔ ہاں اس کو «تُ» نہیں پڑھنا کبھی بھی، «تُ» نہیں پڑھنا۔ جب ایک حرف پر کوئی اسم مشتمل ہو تو اس کا وہ نام لیتے ہیں جو الف با تا کے اندر ہوتا ہے، تو یہ الف با تا میں سے کون سا حرف ہے؟ تا، تو یوں کہیں: تا ضمیر بھائی، تا ضمیر۔ اچھا اس تا کا مجھے اعراب بتاؤ بھائی: مرفوع لفظاً شاباش۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے اور فاعل ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ بھائی یہ ضمیر نہیں؟ کیا ہے؟ یہ ضمیر ہے، کیا ہے؟ ضمیر۔ اور ضمیر کس میں سے؟ مبنیات میں سے، کس میں سے؟ مبنیات میں سے۔ اور مبنی کا اعراب کس طرح آتا ہے؟ محلاً۔ تو مرفوع ہے محلاً، یہ «ضَرَبْتُ» میں تا ضمیر مرفوع محلاً۔ اچھا پھر اس پر یہ پیش کیوں پڑھ رہے ہیں؟ ابھی جواب میں نے دیا تھا ابھی چند منٹ پہلے: ہاں یہ اس کی کیا ہے؟ حرکت۔

اگر یہی صیغہ ہوتا «ضَرَبْتِ زَيْدًا»، دیکھو مونث کا صیغہ میں لے آیا، تو کیا ترکیب کرتے؟ «ضَرَبْتِ» فعل بافاعل، اس کے اندر تا ضمیر، دی ضمیر نہیں کہنا، ہاں تا ضمیر اس کا فاعل۔ اعراب کیا ہے اس تا کا؟ پھر وہی بات، پھر وہی بات! مجرور کیوں؟ جب آپ نے کہہ دیا یہ فاعل ہے بات ہی ختم ہو گئی۔ جیسے ہی آپ نے کہا یہ فاعل ہے فوراً ایک اور بات پتہ چل گئی، اعراب کیا ہے؟ کہ رفع ہی ہے ہر حال میں، اس کی حرکت کو چھوڑ دیں آپ۔ تو جیسے ہی آپ نے کہا یہ تا ضمیر کیا ہے؟ فاعل، تو کیا پتہ چل گیا؟ مرفوع ہے۔ اب غور کرو: مرفوع کون سا ہے محلاً ہے، تقدیراً ہے یا لفظاً ہے؟ اب غور کرو معرب ہے یا مبنی ہے؟ دیکھا تو یہ مبنی ہے۔ تو کیا کہیں گے؟ مرفوع محلاً ہے، اور یہ جو تا کے نیچے زیر تھی وہ کیا ہے؟ وہ اس کی حرکت ہے اعراب نہیں ہے، اور اسی طرح «ضَرَبْتُ» میں یہ تا پر جو پیش ہے یہ کیا ہے؟ حرکت ہے، اور «زَيْدًا» کیا ہے؟ منصوب لفظاً مفعول۔ تو فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

اور جیسے «زَيْدٌ ذَهَبَ»، اس کی ترکیب کرو جلدی سے بھائی: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «ذَهَبَ» فعل بافاعل شاباش۔ اور جب فعل آگیا فوراً کس کو تلاش کرو؟ فاعل۔ آگے کوئی لفظ ہے؟ نہیں، پھر کیا کریں گے؟ اسی کے اندر «هُوَ» ضمیر، اعراب اس کا بھی بتاؤ، جو بھی اسم آتا جائے اس کا اعراب نکالتے جاؤ چاہے ضمیر آئے چاہے کچھ بھی ہے۔ مرفوع محلاً۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے شاباش، اور وہ «هُوَ» ضمیر کس کو راجع؟ زید کو۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے بھائی؟

تو معلوم ہوا ہر فعل کے لیے فاعل کا ہونا ضروری اور وہ فاعل ہمیشہ مرفوع ہو گا، اور وہ اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے، ضمیر بارز بھی ہو سکتا ہے، اور ضمیر مستتر بھی ہو سکتا ہے۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۲: فعلِ متعدی ولازم کا فرق اور فاعل کے ظاہر و مضمر ہونے کے احکام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۲۳—بتاریخ: ۳۰ ستمبر ۲۰۱۴ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مُتَعَدِّيًا كَانَ لَهُ مَفْعُولٌ بِهِ أَيْضًا، نَحْوُ: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، وَإِنْ كَانَ الْفَاعِلُ مُظْهَرًا وُحِّدَ الْفِعْلُ أَبَدًا، نَحْوُ: ضَرَبَ زَيْدٌ، وَضَرَبَ الزَّيْدَانِ، وَضَرَبَ الزَّيْدُونَ، وَإِنْ كَانَ مُضْمَرًا وُحِّدَ لِلْوَاحِدِ نَحْوُ: زَيْدٌ ضَرَبَ، وَثُنِّيَ لِلْمُثَنَّى نَحْوُ: الزَّيْدَانِ ضَرَبَا، وَجُمِعَ لِلْجَمْعِ نَحْوُ: الزَّيْدُونَ ضَرَبُوا۔

ہم فاعل کے بارے میں بحث پڑھ رہے تھے، آیئے ذرا پہلے گزشتہ باتوں کا ترکیب سے متعلق جو باتیں ہم نے پڑھیں ان کا پھر تکرار کر لیتے ہیں بھائی۔ آپ کو میں نے بتلایا کہ فعل جو ہے ہمیشہ کس کا تقاضا کرتا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل کا۔ بھائی دیکھو، فعل معروف فاعل کا تقاضا کرتا ہے اور فعل مجہول نائب فاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ تو جب میں صرف فعل کہوں تو فعل تو معروف بھی ہو سکتا ہے اور مجہول بھی، تو دونوں کو شامل ہوا۔ لہٰذا جواب میں آپ نے کہنا ہے کہ فعل فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ پھر اس میں سے اگر میں فعل معروف کا صرف ذکر کروں تو آپ نے بتانا ہے کہ وہ فاعل کا تقاضا کرتا ہے، اور صرف فعل مجہول کا اگر میں ذکر کروں تو پھر آپ نے کہنا ہے کہ وہ نائب فاعل کا تقاضا کرتا ہے، لیکن جب صرف فعل کہوں تو دونوں آپ نے ذکر کرنے ہیں۔

تو میں نے آپ کو بتلایا فعل جب بھی آئے گا وہ ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرے گا۔ فعل معروف ہوا تو وہ فاعل کا تقاضا کرے گا، اور اگر وہ فعل مجہول ہوا تو وہ نائب فاعل کا تقاضا کرے گا۔ اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آئیں گے، فعل پر کبھی بھی مقدم نہیں ہو سکتے۔ اگر فاعل یا نائب فاعل کو آپ فعل پر مقدم کر دیتے ہیں، پھر وہ فاعل یا نائب فاعل نہیں رہے گا، وہ ترکیب کے اعتبار سے مبتدا وغیرہ تو بن سکتا ہے لیکن فاعل یا نائب فاعل نہیں بن سکتا کیونکہ وہ کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہوتا بھائی۔

اور اس کے بعد پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ جب ایک لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ فاعل ہے یا نائب فاعل ہے، تو دوسری بات بھی فوراً آپ کو پتہ چل جانی چاہیے اور وہ کیا؟ کہ یہ مرفوع ہے، اس پر رفع پڑھنا ہے۔ اور پھر اس کے بعد آپ نے جب یہ تو پتہ چل گیا کہ یہ فاعل ہے اور اس پر رفع پڑھنا ہے، اب آپ نے پھر غور کرنا ہے کہ بھائی رفع کی تو تین صورتیں ہیں: کبھی محلاً ہوتا ہے، کبھی لفظاً ہوتا ہے، اور کبھی تقدیراً۔ تو کون سا اس پہ آئے گا؟ تو اس کے لیے فوراً پھر یہ غور کر لیں کہ یہ معرب ہے یا مبنی؟ اگر مبنی ہے تو پھر مرفوع ہو گا محلاً بھائی۔ یعنی اس کی حرکت اسی طرح رہے گی جیسا وہ تھا، محلاً ہم کہیں گے مرفوع ہے۔

محل کا کیا معنی؟ جگہ۔ یعنی جگہ کے اعتبار سے یہ مرفوع ہے، یہ جگہ رفع والی ہے۔ اگر یہاں معرب آتا تو اس پر رفع ظاہر بھی ہو جاتا، لیکن یہ چونکہ مبنی ہے تو اس پر اعراب ظاہر نہیں ہو گا۔ تو مبنی کے آخر میں جو زبر، زیر، پیش وغیرہ آئے اس کو مبنی کی حرکت کہتے ہیں، مبنی کا اعراب نہیں کہتے کیونکہ مبنی پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔ تو فعل کے بعد آپ نے فاعل تلاش کرنا ہے، اور جب آپ کو پتہ چل جائے یہ فاعل ہے تو پھر سمجھ گئے آپ کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع۔ اور پھر رفع کبھی محلاً ہو گا، کبھی لفظاً ہو گا، اور کبھی تقدیراً۔ مبنی ہو تو رفع محلاً ہو گا، اگر معرب ہے تو رفع لفظاً بھی ہو سکتا ہے اور تقدیراً بھی ہو سکتا ہے، وہ جو نحو میر میں

آپ نے سولہ قسموں میں پڑھا یا جو اسی ہدایت النحو میں آپ نے نو قسمیں پڑھیں، ان میں آپ نے غور کرنا ہے کہ کون سی قسم ہے یہ اور اس پر کون سا اعراب آئے گا، لفظاً آئے گا یا تقدیراً آئے گا بھائی۔

اور اس کے بعد یہ بھی آپ کو بتلایا تھا کہ فعل کا فاعل یا نائب فاعل ایک ہی اسم ہوتا ہے، دو یا تین نہیں ہوتے۔ اگر دو یا تین آگے آرہے ہیں ان کے درمیان حرف عطف ہوگا تو حرف عطف ان کو ایک بنا دیتا ہے، بغیر حرف عطف کے فعل کا ایک ہی فاعل یا نائب فاعل آئے گا۔ اور وہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ اسم ظاہر کسے کہتے ہیں؟ جو ضمیر نہ ہو، جو اسم ضمیر نہ ہو وہ اسم ظاہر ہے۔ لہٰذا «هَذَا» یہ اسم ظاہر ہے کہ ضمیر ہے؟ یہ اسم اشارہ ہے، تو معلوم ہوا ضمیر نہیں، جب ضمیر نہیں تو کیا ہے؟ اسم ظاہر ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ «جِدَارٌ» یہ اسم ظاہر ہے، «قَلَمٌ» یہ بھی اسم ظاہر ہے، «كِتَابٌ» اسم ظاہر ہے۔ «أَنَا» یہ ضمیر ہے، «نَحْنُ» یہ ضمیر ہے۔ تو اسم ظاہر ضمیر کے مقابلے میں ہے، اسم اگر ضمیر ہے تو اسم ظاہر نہیں اور اگر اسم ظاہر ہے تو ضمیر نہیں ہے بھائی۔

لہٰذا فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسم ظاہر بھی آسکتا ہے لیکن آئے گا ایک ہی۔ اگر ضمیر آگئی تو پھر آگے اسم ظاہر اس کا فاعل یا نائب فاعل نہیں آسکتا، اور اگر آگے اسم ظاہر آرہا ہے فاعل یا نائب فاعل تو پھر فعل کے ساتھ کوئی ضمیر نہیں ہوگی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آتا ہے۔

یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ فعل اپنے بعد ایک اسم کو رفع دینا چاہتا ہے ہر حال میں۔ فعل اپنے بعد ایک اسم کو رفع دینا چاہتا ہے، تو اگر وہ فعل معروف ہے تو جس کو وہ رفع دے گا وہ اس کا فاعل کہلائے گا، اور اگر وہ فعل مجہول ہے تو جس کو وہ رفع دے گا وہ نائب فاعل کہلائے گا۔ اور فاعل یا نائب فاعل کو جب فعل نے رفع دے دیا، آگے وہ کسی اور کو رفع نہیں دے گا۔ تو فعل جب جملے میں آجائے، قیمتی بات یاد رکھنا قیمتی بات بتلا رہا ہوں بھائی: فعل جب جملے میں آجائے تو آپ نے فوراً کس کو تلاش کرنا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل کو، اور اس پر کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ رفع والا۔ اور جب فعل نے فاعل یا نائب فاعل کو رفع دے دیا، آگے جتنے لفظ اس جملے کے اندر آئیں گے وہ منصوب یا مجرور ہوں گے، مرفوع نہیں ہوں گے۔ مرفوع ایک ہی آنا تھا فعل کے بعد، وہ گزر گیا وہ فاعل یا نائب فاعل تھا، باقی جتنے آئیں گے وہ کیا ہوں گے؟ منصوب یا مجرور۔

اور مجرور تو صرف دو ہی ہیں، کون سے دو؟ ایک جس پر حرف جر داخل ہو اور ایک مضاف الیہ۔ تو یہ دو ہی مجرور ہیں، لہٰذا مرفوع کو بھی آپ نے الگ کر لیا، مجرور کا بھی آپ کو پتہ چل جائے گا، باقی سارے کیا ہوں گے؟ منصوب ہوں گے منصوب۔ ہاں اب ان میں آپ نے پہچاننا ہوگا کہ یہ منصوب کیوں ہے، یہ مفعول بن رہا ہے، یا حال بن رہا ہے، یا تمیز وغیرہ بن رہا ہے جو منصوبات آگے آنے والے ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فعل کے آنے کے بعد مرفوع صرف کون ہوگا؟ فاعل یا نائب فاعل۔ اور جب ایک دفعہ فاعل یا نائب فاعل کا آپ کو پتہ چل جائے تو باقی سب پر یا نصب پڑھنا ہے یا جر، اور جر بھی آپ پہچان لیں گے: مضاف الیہ پر جر پڑھنا ہے اور جس پر حرف جر داخل ہے، باقی سب پر کیا پڑھنا ہے؟ نصب پڑھنا ہے۔

اس کے بعد میں نے آپ کو یہ بات بتلائی تھی کہ جس طرح فعل عمل کرتا ہے اسی طرح صفت کا صیغہ بھی عمل کرتا ہے۔ اور صفت کے صیغے کون کون سے ہیں؟ میں نے بتلایا تھا آپ کو: نمبر ایک اسم فاعل، نمبر دو اسم مفعول، نمبر تین صفت مشبہ۔ صفت، فا پہ زبر پڑھنا ہے، «صِفَةٌ»۔ عربی میں صفت گول تا کے ساتھ لکھتے ہیں، سمجھ میں آیا؟ «صِفَةٌ»۔ اور گول تا سے ماقبل والے حرف پر پورے کلام عرب میں آپ دیکھ لیں آپ کو زبر ملے گا۔ تو «صِفَةٌ» کے آخر میں بھی کیا آرہی ہے؟ گول تا، اور گول تا سے پہلے کیا ہے؟ فا، تو فا پر کیا پڑھیں گے؟ زبر۔ تو اسی لیے میں نے کہا «صِفَةٌ» پڑھو، صفت نہیں فا کو ساکن نہیں پڑھنا۔

تو تیسرے نمبر پر کون ہوا؟ صفت مشبہ۔ اور چوتھے نمبر پر اسم تفضیل، اور پانچویں نمبر پر مبالغے کے صیغے۔ تو یہ سارے بھی جب بھی آجائیں یہ کس کا تقاضا کریں گے؟ فاعل کا یا نائب فاعل کا۔ پھر میں نے بتایا تھا فاعل کا ان میں سے تقاضا کون کرے گا اور نائب فاعل کا کون تقاضا کرے گا؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اسم مفعول جو ہے ان میں سے وہ نائب فاعل کا تقاضا کرے گا، اس کو رفع دے گا۔ جبکہ باقی چاروں جو ہیں فاعل کا تقاضا کریں گے اور اس فاعل کو رفع دیں گے۔ اور جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی تھی اور اسم ظاہر بھی، اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے جو فاعل یا نائب فاعل آئے گا وہ انہی کے اندر ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور آگے اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔

اور جیسے فعل صرف ایک فاعل چاہتا تھا یا صرف ایک نائب فاعل چاہتا تھا، چاہے وہ ضمیر کی صورت میں آئے چاہے اسم ظاہر، اور جب ایک آگیا چاہے ضمیر آئی چاہے اسم ظاہر تو پھر دوسرا نہیں آئے گا۔ مثلاً اگر ضمیر آگئی ہے فاعل یا نائب فاعل تو پھر آگے اسم ظاہر نہیں آئے گا، اور اسم ظاہر فاعل یا نائب فاعل آگیا تو

پھر ضمیر نہیں ہو گی۔ اسی طرح صفت کے صیغوں میں بھی ہے، وہ بھی ایک ہی فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کریں گے اور اس کو رفع دیں گے۔ اگر وہ ضمیر ہوئی تو پھر آگے اسم ظاہر نہیں ہو گا اس کا فاعل یا نائب فاعل، اور اگر وہ اسم ظاہر ہوا آگے جو فاعل یا نائب فاعل ہے تو پھر ان کے اندر ضمیر نہیں ہو گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

لہٰذا «ضَرَبَ زَيْدٌ»، آپ سے کوئی پوچھے یہ «زَيْدٌ» کو رفع کون دے رہا ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ «ضَرَبَ»۔ یہ اس کے لیے کیا بن رہا ہے؟ فاعل بن رہا ہے۔ اور اسی طرح اگر آپ سے کوئی پوچھے «زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ»، یہ «أَبُوهُ» کو رفع کون دے رہا ہے؟ تو آپ کیا کہیں گے؟ «ضَارِبٌ» رفع دے رہا ہے کیونکہ یہ صفت کا صیغہ ہے، اور ہم نے پڑھا ہے صفت کا صیغہ بھی کس کی طرح کا عمل کرتا ہے؟ اپنے فعل کی طرح عمل کرتا ہے۔ تو دیکھا یہ ہے ان کا فاعل۔

اور «ضَرَبَ زَيْدٌ»، دیکھو «زَيْدٌ» فاعل ہے اور فعل سے پہلے آیا ہے یا فعل کے بعد آیا؟ فعل کے بعد۔ اور «زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ»، یہ «أَبُوهُ» یہ «ضَارِبٌ» سے پہلے آیا ہے یا اس کے بعد آیا ہے؟ یہ اس کے بعد آیا ہے، دیکھو فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل یا صفت کے صیغے کے بعد آئے گا۔ تو معلوم ہوا فاعل وہ ہو گا جس سے پہلے کیا ہو؟ فعل ہو یا صفت کا صیغہ ہو، اور اس فعل یا صفت کے صیغے کا اسناد اس اسم کی طرف ہو رہا ہو، اور کس معنی میں؟ فاعل کی تعریف آپ نے کیا پڑھی؟ کہ وہ اس کے ساتھ قائم ہو، وہ اسناد ہو اس معنی میں کہ وہ فعل یا صفت اس اسم کے ساتھ قائم ہو، اس پر واقع نہ ہو۔ تو اس پر واقع نہ ہو اس قید کے ذریعے نائب فاعل کو نکال دیا کیونکہ یہاں ابھی ہم صرف فاعل کے بارے میں پڑھ رہے ہیں۔ نائب فاعل میں اس پر فعل واقع ہو گا، اور فاعل کے اندر فعل اس پر واقع نہیں بلکہ اس کے ساتھ قائم ہو گا، وہ اس فعل کو سرانجام دینے والا ہے یا وہ فعل اس کی صفت ہے، وہ نہ ہو تا تو وہ فعل یا صفت بھی نہ ہوتی۔

اور پھر آپ نے یہ بھی پڑھا کہ فعل کا فاعل ضمیر ہو تو وہ ضمیر بارز بھی ہو سکتی ہے اور مستتر بھی۔ بارز کا کیا معنی؟ ظاہر۔ یعنی ظاہر ہو گی اس کو ہم پڑھ رہے ہیں بھائی، پڑھنے سے ہی پتہ چل رہا ہے سننے سے ہی پتہ چل رہا ہے۔ یا پھر وہ ضمیر مستتر ہو گی، اس فعل یا صفت کے صیغے میں چھپی ہوئی ہو گی بھائی۔ اور اسی طرح نائب فاعل بھی ہے، وہ بھی ضمیر بارز بھی ہو سکتا ہے اور ضمیر مستتر بھی ہو سکتا ہے۔

دیکھیے، ماضی کے اندر ہم دیکھ لیتے ہیں ایک ایک صیغے کے اندر کہ فاعل کون سی ضمیر ہے۔ سب سے پہلے مثلاً «ضَرَبَ»، اس کے اندر کون سی ضمیر؟ «هُوَ» ضمیر ہے، تو وہ اس کا فاعل ہے۔ اور یہ ضمیر بارز ہے یا مستتر ہے؟ مستتر ہے، اس کے اندر چھپی ہوئی ہے، ض، ر، ب، آگے تو کوئی حرف آ ہی نہیں رہا۔ تو ضمیر اسی کے اندر ہی چھپی ہوئی ہے، آگے کوئی اور حرف ہوتا تو ہم کہتے یہ ضمیر ہے اور فاعل ہے اور بارز ہے ظاہر ہے، لیکن یہاں تو اور کوئی حرف ہی نہیں تو ضمیر اس کے اندر چھپی ہوئی ہے۔

اگلے صیغے پہ آیئے: «ضَرَبَا»، تثنیہ والا صیغہ۔ اس میں دیکھیے آخر میں الف آ رہا ہے۔ آپ سے اگر کوئی پوچھے «ضَرَبَا» کے اندر بھائی آپ بتایئے، «ضَرَبَا» کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ شاباش، یہ الف ہے، آپ نے «هُمَا» نہیں کہنا بھائی۔ «ضَرَبَا» کے اندر، ہاں نحو میں بعض اوقات طلبہ کو ابتدائی طلبہ ہوتے ہیں تو ان کو سمجھانے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ «ضَرَبَا» کے اندر «هُمَا» ضمیر ہے، «ضَرَبُوا» کے اندر «هُمْ» ضمیر ہے، لیکن اب آپ نے اس طرح نہیں کہنا۔ آپ کو میں نے بنیادی بات بتلا دی کہ «ضَرَبَ» کے اندر تو «هُوَ» ضمیر ہے، لیکن «ضَرَبَا» کے آخر میں یہ جو الف آ رہا ہے یہ ضمیر ہے، یہ کیا ہے؟ ضمیر ہے۔ اور «ضَرَبَا» کون سا صیغہ؟ تثنیہ مذکر غائب، تو یوں کہیں گے یہ جو الف ہے یہ تثنیہ مذکر غائب کی ضمیر ہے، کون سی ضمیر ہے؟ تثنیہ مذکر غائب کی ضمیر ہے، وہ دو آدمی۔

اور «ضَرَبُوا» اس کے اندر فاعل کیا ہے؟ اس میں «هُمْ» نہیں ہے بلکہ یہ واؤ ہے، اور یہ واؤ کون سی ضمیر ہے؟ جمع مذکر غائب کی ضمیر ہے۔ تو «ضَرَبَا» کے اندر بھی ضمیر بارز، «ضَرَبُوا» کے اندر بھی دیکھو واؤ آ رہا ہے ضمیر بارز ہے۔

اگلا صیغہ آیا: «ضَرَبَتْ»۔ اس کے بارے میں بس تھوڑا یہ باقیوں سے مختلف ہے، اس میں یاد رکھنا یہ جو «ضَرَبَتْ» کے اندر تا ہے، تا آخر میں یہ لمبی تا ہے، یہ یاد رکھنا یہ ضمیر نہیں ہے۔ باقی جتنے صیغے آ رہے ہیں ان کے آخر میں الف آ جائے یا واؤ آ جائے یا تا آ جائے یا نون آ جائے وہ سب ضمیریں ہوں گی، لیکن یہ «ضَرَبَتْ» کے اندر جو تا آ رہی ہے یہ ضمیر نہیں ہے۔ یہ تانیث کی علامت ہے، مونث کی علامت۔ یہ تا ہمیں صرف اتنا بتلا رہی ہے کہ اس فعل کو کرنے والی کوئی مونث ذات ہے، کوئی مذکر نہیں، یعنی اس فعل کا اسناد مذکر کی طرف نہیں ہو رہا بلکہ کس کی طرف ہو رہا ہے؟ مونث کی طرف ہو رہا ہے۔ یہ کون بتلاتی ہے؟ یہ والی تا۔ تو «ضَرَبَتْ» جب اس کے اندر یہ تا ضمیر نہیں، تو معلوم ہوا ضمیر اس کے اندر پھر چھپی ہوئی ہے کیونکہ اور تو کوئی حرف ہے ہی نہیں، ض، ر،

ب، ت، چار ہی حروف تھے اور چار میں سے تا کیا ہے؟ وہ تانیث کی علامت ہے اور باقی تو ض، ر، ب رہ گئے اور وہ تو فعل کا اپنا مادہ ہے «ضَرْبٌ» سے فعل بنا ہے۔ تو وہ فعل کا مادہ، تو کوئی اور آگے حرف ہی نہیں ہے جس کو ہم کہیں ضمیر ہے، تو ظاہر سی بات ہے پھر ضمیر اسی کے اندر چھپی ہوئی ہے یعنی اس میں ضمیر مستتر ہے، اور کون سی ضمیر ہے؟ «هِيَ» ضمیر، واحد مونث غائب کی ضمیر بھائی، «هِيَ»۔

اگلا صیغہ دیکھیے: «ضَرَبَتَا»۔ اس کے اندر یاد رکھیے یہ وہی «ضَرَبَتْ» ہے، اسی کے آخر میں الف آ گیا: «ضَرَبَتَا»۔ لہٰذا اس میں تا وہی تانیث والی ہے، آگے جو الف ہے یہ ضمیر ہے بھائی۔ یہ کیا ہے؟ ضمیر ہے، اور کون سی ضمیر ہے، یہ صیغہ کون سا ہے؟ تثنیہ مونث غائب، تو یہ الف کون سی ضمیر ہو گی؟ تثنیہ مونث غائب کی ضمیر ہے۔ آپ کہیں گے پیچھے «ضَرَبَا» میں الف آیا تھا وہ تثنیہ مذکر غائب کی ضمیر تھی، یہ جو الف آیا تثنیہ مونث غائب کی ضمیر ہے؟ ہاں بھائی وہ اور ضمیر تھی یہ اور ضمیر ہے بھائی، اس سے پہلے تا آ رہی ہے وہی آپ کو بتلا دیتی ہے فرق دونوں کے اندر۔

اس کے بعد اگلا صیغہ کیا ہے؟ «ضَرَبْنَ»۔ یہ «ضَرَبْنَ» کے اندر نون جو ہے یہ جمع مونث غائب کی ضمیر ہے، اور ضمیر بارز ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟

اور «ضَرَبْتَ»، اس کے آخر میں تا آ رہا ہے اور یہ تا کیا ہے؟ یہ ضمیر ہے، کلمہ ہے، اسم ہے، اور اس کا آپ نے نام لینا ہے تو «تَ» نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ تا کہیں گے، وہ جو الف با تا حروف تہجی میں اس کا نام ہے۔ تو «ضَرَبْتَ» کے اندر تا ضمیر ہے اور کون سی ضمیر ہے؟ واحد مذکر حاضر، اور ضمیر بارز ہے یا مستتر ہے؟ بارز ہے یعنی ظاہر ہے، چھپی نہیں ہوئی یہ تابا قاعدہ آپ کو نظر آ رہی ہے آپ اس کو پڑھ رہے ہیں بھائی۔

اگلا صیغہ کیا ہے؟ «ضَرَبْتُمَا»۔ تو «ضَرَبْتُمَا» کے اندر یہ «تُمَا» کیا ہے؟ ضمیر ہے، کون سی؟ تثنیہ مذکر حاضر، اور بارز ہے کہ مستتر ہے؟ بارز ہے ظاہر ہے بھائی۔ اور «ضَرَبْتُمْ» کے اندر تم ضمیر ہے اور کون سی ضمیر ہے؟ جمع مذکر حاضر کی، اور بارز ہے کہ مستتر ہے؟ بارز ہے بھائی ظاہر ہے یہ چھپی نہیں ہوئی۔ اور «ضَرَبْتِ»، اس میں پھر تا ضمیر کہیں گے، «تِ» نہیں کہنا بھائی، کیونکہ یہ ایک حرف ہے تو اس کا نام وہی لیں گے، تو یہ «ضَرَبْتِ» کے اندر بھی تا ضمیر ہے اور یہ کون سی ضمیر ہے؟ بارز ہے، اور ہے کون سی؟ واحد مونث حاضر کی۔ پھر «ضَرَبْتُمَا»، «تُمَا» ضمیر، کون سی ضمیر ہے؟ تثنیہ مونث حاضر کی۔ اچھا، اور پھر اگلا «ضَرَبْتُنَّ»، اس کے اندر یہ «تُنَّ» ضمیر ہے اور کون سی ضمیر ہے؟ جمع مونث حاضر کی۔ اور اس کے بعد ہے «ضَرَبْتُ»، یہ کون سی ضمیر ہے؟ واحد متکلم کی، اور اس کا نام کیا ہے؟ تا ضمیر، یہ بھی «ضَرَبْتَ» میں بھی تا ضمیر، «ضَرَبْتِ» میں بھی تا ضمیر، «ضَرَبْتُ» میں بھی تا ضمیر ہے بھائی، اور بارز ہے کہ مستتر ہے؟ بارز۔ اور «ضَرَبْنَا» اس کے اندر نا ضمیر ہے، یہ بھی ضمیر بارز ہے بھائی، ضمیر بارز ہے۔

اب ذرا مضارع میں بھی کر لیں۔ «يَضْرِبُ» فعل کا مادہ کیا ہے اصل میں؟ ض، ر، ب۔ «يَضْرِبُ» آخر میں کیا آ رہی ہے؟ با، آگے کوئی حرف ہے؟ نہیں، معلوم ہوا اس میں کون سی ضمیر ہے؟ «هُوَ»، اور وہ مستتر ہے، چھپی ہوئی ہے اس کے اندر آگے کوئی حرف نہیں۔ «يَضْرِبَانِ» اس کے اندر یہ الف ہے، الف، اور یہ جو نون ہے یہ اعرابی کہلاتا ہے، کیا کہلاتا ہے؟ نون اعرابی۔ جیسے اسم کے اندر تنوین آتی ہے نا، یہاں پر بھی یہ کس کے درجے میں ہے؟ تنوین کے درجے میں ہے بھائی۔ «يَضْرِبُونَ» اس کے اندر واؤ ہے اور نون اعرابی ہے۔ اگلا صیغہ «تَضْرِبُ»، اس کے اندر «هِيَ»، اس میں بھی ض، ر، با کے بعد کوئی اور حرف آخر میں نہیں جڑا ہوا، «تَضْرِبُ» آخر میں با آ رہی ہے، یہ تو فعل کی ہے با، آگے کوئی اسم جڑا ہوا نہیں، معلوم ہوا اس میں کون سی ضمیر؟ «هِيَ» ضمیر۔ «تَضْرِبَانِ» اس کے اندر الف ہے اور نون کون سا ہے؟ نون اعرابی۔ «يَضْرِبْنَ» اس کے اندر یہ نون ضمیر ہے، یہ نون اعرابی نہیں ہے، یہ نون کیا ہے؟ ضمیر۔ یہ جمع مونث کے جو صیغے ہیں نا، «ضَرَبْنَ» ماضی میں جو آیا تھا، «ضَرَبْنَ» یہ نون کیا ہے؟ ضمیر ہے۔ اسی طرح مضارع کے اندر «يَضْرِبْنَ» یہ نون کیا ہے؟ ضمیر۔ اسی طرح آگے جمع مونث حاضر کا صیغہ آئے گا «تَضْرِبْنَ»، وہ بھی کیا ہے؟ جمع مونث کی ضمیر ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور یاد رکھنا، مضارع کے سارے صیغے معرب ہیں سوائے جمع مونث کے دو صیغوں کے، وہ مبنی ہیں۔ کون کون سے؟ «يَضْرِبْنَ» اور «تَضْرِبْنَ»، یہ دو مبنی ہیں، باقی سارے صیغے کیا ہیں؟ معرب ہیں۔ یہ خیر آگے فعل کی بحث میں آئے گا لیکن بہر حال یہ چھوٹی سی بات ابھی سے ذہن نشین کر لیں، کہ مضارع کے چودہ صیغوں میں سے بارہ صیغے معرب اور دو صیغے مبنی۔ کون کون سے؟ «يَضْرِبْنَ» اور «تَضْرِبْنَ»۔ اسی لیے آپ نے گردان پڑھی تھی: «لَمْ يَضْرِبْ»، دیکھو آخر میں جزم آ رہا ہے، آخر بدل رہا ہے معلوم ہوا یہ صیغہ کیا ہے؟ معرب ہے۔ «لَمْ يَضْرِبَا»، دیکھو نون آخر سے گر گیا، تبدیلی آ گئی معلوم ہوا یہ صیغہ بھی معرب ہے، معرب کے آخر میں کیا آتی ہے؟ تبدیلی۔ اچھا آگے: «لَمْ يَضْرِبُوا»، دیکھو یہاں بھی نون گر گیا معلوم ہوا یہ صیغہ بھی معرب۔ «لَمْ تَضْرِبْ»، دیکھا آخر میں سے پیش گر گئی معلوم ہوا یہ بھی معرب۔ «لَمْ تَضْرِبَا»، اس کے آخر سے بھی نون گر گیا معلوم ہوا یہ بھی معرب۔ اگلا صیغہ کیا ہے؟ «لَمْ يَضْرِبْنَ»، اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، یہ پہلے «يَضْرِبْنَ» تھا اسی پر لم آ گیا اب بھی اسی طرح ہے «لَمْ يَضْرِبْنَ»، معلوم ہوا یہ کیا ہے؟

مبنی، اس میں کوئی تبدیلی نہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا آگے دیکھیے بھائی، ہم مضارع کے صیغے حل کر رہے تھے، تو «یَضْرِبْنَ» میں نون کیا ہے؟ ضمیر، اور کون سی ضمیر ہے؟ بارز کہ مستتر؟ بارز ہے۔ اگلے صیغے پر آیئے: «تَضْرِبُ»، اس کے اندر بارز ہے مستتر ہے؟ «تَضْرِبُ»، آخر میں کیا آرہا ہے؟ ض، ر، اور با۔ شروع میں تا ہے، لیکن تا ضمیر نہیں ہو سکتی، کیوں نہیں ہو سکتی؟ کیونکہ اگر تا کو ضمیر بناتے ہو تو ضمیر تو فاعل کی ہے، کون سی یہاں چاہیے؟ فاعل، تو یہ تو فعل پر مقدم ہو جائے گا حالانکہ کبھی بھی فاعل فعل پر مقدم نہیں ہوتا، فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہوتا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تا علامت مضارع ہے، اور حاضر مذکر کے لیے بھی یہی استعمال ہوتی ہے، لیکن آگے فاعل اور چاہیے اور وہ فاعل «تَضْرِبُ»، ض، ر، با کے بعد کوئی ضمیر نہیں ہمیں نظر آرہی، معلوم ہوا وہ اسی صیغے کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ تو صیغہ کون سا ہے؟ واحد مذکر حاضر کا، تو اس کے مطابق ضمیر نکال لیں گے، کون سی ضمیر اس کے اندر چھپی ہوئی ہے؟ «أَنْتَ»۔ «تَضْرِبُ» کا کیا معنی تھا؟ آپ پٹائی کرتے ہیں۔ تو آپ کے لیے کیا استعمال ہوتا ہے عربی میں؟ «أَنْتَ»، تو معلوم ہوا اس کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ «أَنْتَ» ہے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

اگلا صیغہ کیا ہے؟ «تَضْرِبَانِ»، اس کے اندر بھی نون اعرابی اور ما قبل میں جو الف ہے وہ کیا ہے؟ تثنیہ مذکر حاضر کی ضمیر۔ پھر آگے آگیا: «تَضْرِبُونَ»، اس کے اندر بھی نون اعرابی اور ضمیر کون سی؟ واؤ ہے۔ اس سے اگلا صیغہ آیا «تَضْرِبِينَ»، «تَضْرِبِينَ»، اس میں بھی نون اعرابی اور یہ جو یا ہے، «تَضْرِبِينَ» با اور نون کے درمیان جو یا ہے، یہ کیا ہے؟ یہ ضمیر ہے، اور بارز ہے یا مستتر ہے؟ بارز ہے بھائی، ظاہر ہے ہم اس کو پڑھ رہے ہیں با قاعدہ۔ اگلا صیغہ کیا؟ «تَضْرِبَانِ»، اس میں بھی کیا ہے؟ الف ضمیر اور نون اعرابی۔ «یَضْرِبْنَ» اس کے اندر کیا ہے فاعل؟ یہ نون ضمیر ہے، معلوم ہوا یہ نون اعرابی نہیں۔ اگلا صیغہ: «أَضْرِبُ»، اس کے اندر؟ اس میں «أَنَا» ہے، یہ الف کو نہیں فاعل بنا سکتے، کیوں نہیں بنا سکتے؟ یہ جو ہمزہ ہے شروع میں الف کی صورت میں، کیونکہ یہ تو فعل پر مقدم ہے اور ضمیر جو ہم نکال رہے ہیں وہ فاعل کی نکال رہے ہیں اور فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ «نَضْرِبُ» کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ «نَحْنُ» ضمیر ہے، یہ نون ضمیر نہیں یہ علامت مضارع ہے۔ تو «أَضْرِبُ» اور «نَضْرِبُ» ان میں ضمیر بارز ہے کہ مستتر ہے؟ ضمیر مستتر ہے چھپی ہوئی ہے آگے کوئی حرف ظاہر نہیں ہے بھائی۔ سب صیغوں میں پہچان ہو گئی ضمیروں کی بھائی؟

تو معلوم ہوا، فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی، اور ضمیر پھر وہ مستتر بھی ہو سکتی ہے اور بارز بھی ہو سکتی ہے۔

اب دیکھیے آگے بھائی دیکھیے، کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مُتَعَدِّيًا كَانَ لَهُ مَفْعُولٌ بِهِ أَيْضًا»، اور اگر فعل متعدی ہو تو اس کے لیے مفعول بہ بھی ہوتا ہے، اگر فعل متعدی ہو تو اس کے لیے مفعول بہ بھی ہو گا، «نَحْوُ: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، تو دیکھو «ضَرَبَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً اس کا فاعل، اور «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ تو دیکھو یہ فعل متعدی ہے یہ مفعول کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ بھائی یاد رکھو فعل دو قسم پر ہے: ایک فعل لازم، ایک فعل متعدی۔ فعل لازم وہ ہے جو فاعل پر بات جہاں پوری ہو جائے، مفعول کا وہ تقاضا نہ کرے، اور ایک فعل متعدی ہے جو فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول کا بھی تقاضا کرتا ہے، مفعول کا بھی تقاضا کرتا ہے۔

دیکھیے آپ خود غور کر لیں کہ کیسے پتہ چلائیں گے کوئی فعل لازم ہے یا کوئی فعل متعدی؟ بھائی دیکھیے، مثلاً میں کہتا ہوں، آپ اس فعل پر غور کر لیا کریں آپ کو سمجھ میں بات آجائے گی کہ اس کے لیے مفعول چاہیے یا نہیں چاہیے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «ضَرَبَ زَيْدٌ»، زید نے پٹائی کی۔ اب آپ مجھے بتایئے، بغیر مضروب کے پٹائی پائی جا سکتی ہے؟ نہیں۔ پٹائی تو ہو گی ہی تب جب ایک ضارب ہو تو دوسرا کیا ہو؟ مضروب ہو۔ جب مضروب ضرور چاہیے، ضارب تو فاعل بن جائے گا اور مضروب کیا بنے گا؟ مفعول، معلوم ہوا اس فعل کے لیے کیا چاہیے؟ مفعول چاہیے یہ فعل متعدی ہے۔

اسی طرح «أَكَلَ زَيْدٌ»، ہمزہ ہے، کاف چھوٹا، پھر لام، «أَكَلَ زَيْدٌ»، زید نے کھایا۔ اب آپ مجھے بتایئے، اکل یعنی کھانے کا فعل بغیر ماکول کے ہو سکتا ہے؟ کوئی چیز ایسی نہ ہو جسے کھایا جائے اور پھر بھی کھانے کا فعل پایا جائے؟ نہیں بھائی، کھانے کا فعل تب ہی ہو سکتا ہے جب کوئی کھائی جانے والی چیز بھی ہو۔ اگر کوئی کھائی جانے والی چیز ہی نہیں تو کھانے کا فعل بھی نہیں ہو سکتا، تو یہ بھی معلوم ہوا کیا ہے؟ فعل متعدی، «أَكَلَ» فعل متعدی ہے۔ اسی طرح شرب ہے پینا، آپ مجھے بتایئے، پینے کا فعل بغیر پانی یا شربت وغیرہ کے یا کسی چیز پی جانے والی چیز کے بغیر ہو سکتا ہے؟ نہیں، پینا تب ہی پایا جائے گا جب کوئی چیز پی جائے گی، تو معلوم ہوا یہ بھی کیا ہے؟ شرب بھی کیا ہے؟ فعل متعدی ہے اور اس کے لیے مفعول چاہیے۔

جبکہ بعض فعل لازم ہوتے ہیں ان کے لیے مفعول کی ضرورت نہیں ہوتی، جیسے «فَرَّ زَيْدٌ»، زید بھاگا، زید بھاگا۔ دیکھو یہاں زید فعل کون سا کر رہا ہے؟ بھاگنے والا، اور اس کے لیے کسی مفعول کی ضرورت نہیں۔ ضرب کے لیے مضروب کی ضرورت ہے، بھاگنے کے لیے کسی مفعول کی ضرورت نہیں، شرب

کے لیے مفعول کی ضرورت ہے، بھاگنے کے لیے کسی مفعول کی ضرورت نہیں، یا جیسے دوسری مثال لے لیں فعل لازم کی: «جَلَسَ زَيْدٌ»، زید بیٹھ گیا۔ اب «جَلَسَ» کے لیے کسی مفعول کی ضرورت نہیں ہے، یہ بغیر مفعول کے ہے۔

اور آسان بھائی یاد رکھیں، ایک اور علامت ذکر کر دیتا ہوں جس سے بات آپ کے لیے بہت آسان ہو جائے گی: فعل لازم اور فعل متعدی میں فرق یہ ہے کہ فعل متعدی کا آپ اردو میں ترجمہ کریں نا تو «نے» کا لفظ آئے گا، کیا آئے گا؟ «نے»۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، زید نے مارا، دیکھا «نے» آیا یا نہیں؟ «أَكَلَ زَيْدٌ»، زید نے کھایا، دیکھا کیا آیا؟ «نے»۔ بس آسان بات ہے، تو جہاں بھی فعل متعدی آئے گا آپ جب اس کا ترجمہ کریں اور پھر غور کریں اس میں «نے» کا لفظ آرہا ہے یا نہیں، آپ اگر دیکھیں «نے» کا لفظ ہے تو پھر وہ کیا ہو گا؟ فعل متعدی ہو گا بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔ جبکہ جہاں «نے» نہیں معلوم ہو اوہ فعل لازم ہے۔ «فَرَّ زَيْدٌ»، زید بھاگا، کہیں «نے» کا لفظ آیا؟ نہیں، معلوم ہوا فعل لازم ہے۔ «جَلَسَ زَيْدٌ»، زید بیٹھا، کوئی «نے» کا لفظ آیا؟ نہیں، معلوم ہوا یہ کون سا فعل؟ فعل لازم ہے۔ اب آپ مجھے بتائیے یہ فعل لازم ہے یا فعل متعدی ہے: «قَرَأْتُ»، اس کا کیا ترجمہ ہو گا؟ میں نے پڑھا۔ تو یہ فعل لازم ہے یا متعدی ہے؟ فعل متعدی، کیسے پتہ چلا؟ «نے» آرہا ہے ترجمے میں۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

اچھا تو یہی بات کر رہے ہیں بھائی، کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مُتَعَدِّيًا كَانَ لَهُ مَفْعُولٌ بِهِ أَيْضًا»، اور اگر فعل متعدی ہو تو اس کے لیے مفعول بہ بھی ہو گا، «نَحْوُ: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، جیسے مارا زید نے عمرو کو۔

▪ قولہ: «وَإِنْ كَانَ الْفَاعِلُ مُظْهَرًا وُحِّدَ الْفِعْلُ...» کی تشریح

«وَإِنْ كَانَ الْفَاعِلُ مُظْهَرًا وُحِّدَ الْفِعْلُ أَبَدًا»، یہاں سے ایک بڑی قیمتی بات بتلا رہے ہیں، یاد رکھو: آپ نے ابھی پڑھا، فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسم ظاہر بھی آسکتا ہے، یہ بات سمجھ میں آگئی؟ اب تفصیل یاد رکھو: کیا بات ہوئی؟ کہ فعل کا فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسم ظاہر بھی، اور ضمیر آئے گی تو وہ اسی فعل کے اندر چھپی ہوئی ہو گی یا اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہو گی، «ضَرَبَ» کے اندر چھپی ہوئی ہے، «ضَرَبَا» کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ تو فاعل کی ضمیر جب بھی آئے گی وہ فعل کے اندر چھپی ہوئی ہو گی یا فعل کے ساتھ جڑی ہوئی ہو گی، اور اسم ظاہر وہ تو ظاہر سی بات ہے آگے الگ آئے گا۔ تو فعل کا فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔

اب یاد رکھو، ماضی کے اور مضارع کے چودہ صیغے آپ نے پڑھے ہیں، ان میں آپ نے دیکھا بعضوں کے ساتھ ضمیریں جڑی ہوئی ہیں۔ یاد رکھو جس فعل کے ساتھ ضمیر جڑی ہوئی ہو معلوم ہو اوہ اس کا فاعل ہے، اب آگے اسم ظاہر کی طرف جانے کی ضرورت نہیں، اسم ظاہر کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، آپ نے کیا تلاش کرنا تھا؟ فاعل، اور فاعل تو اسی کے ساتھ کیا جڑی ہوئی ہے؟ ضمیر۔ جب ضمیر جڑی ہوئی ہے تو آگے اسم ظاہر میں فاعل کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ فاعل ایک ہی چاہیے تھا اور وہ ضمیر کی صورت میں آگیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کہ ماضی اور مضارع کے بعض صیغوں میں کیا ہے؟ فعل کے ساتھ ہی ضمیر جڑی ہوئی، جب ایسا صیغہ آپ کے سامنے آجائے جس کے ساتھ ضمیر جڑی ہوئی ہے فاعل والی، تو اب آپ کو آگے اسم ظاہر کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ سمجھ جائیں یہی فاعل ہے، اب آگے جو بھی آئیں گے یا وہ منصوب ہوں گے یا کیا ہوں گے؟ مجرور ہوں گے، کیونکہ فاعل مرفوع ہوتا ہے اور وہ تو ساتھ ضمیر آگئی، باقی سارے منصوب ہیں یا مجرور ہیں۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا۔

اب آیئے ذرا غور کرتے ہیں کہ چودہ صیغوں میں سے کن صیغوں کے اندر ضمیر ساتھ جڑی ہوئی ہے اور کن صیغوں کے اندر ضمیر چھپی ہوئی ہے؟ جن صیغوں کے اندر ضمیر چھپی ہوئی ہے اس میں آگے اسم ظاہر آسکتا ہے فاعل، اور وہ کون سے صیغے ہیں؟ یاد رکھو پہلا اور چوتھا صیغہ، یعنی واحد مذکر غائب اور واحد مونث غائب، یعنی «ضَرَبَ» اور «ضَرَبَتْ»، اور اسی طرح مضارع میں «يَضْرِبُ» اور «تَضْرِبُ»۔ یہ جو پہلا اور چوتھا صیغہ ہیں ان کا فاعل اسم ظاہر آسکتا ہے کیونکہ ان کے اندر ضمیر مستتر ہے، ان کے اندر ضمیر مستتر ہے۔

تو یاد رکھو، یہ جو صرف پہلا اور چوتھا صیغہ ہے ان کا فاعل اسم ظاہر آسکتا ہے، باقی سارے جو ہیں ان کا فاعل ہمیشہ ضمیر ہو گی اور وہ پھر ضمیر بارز بھی ہو سکتی ہے اور ضمیر مستتر بھی ہو سکتی ہے۔ بعض صیغوں میں آپ کو ضمیر بارز ملے گی، بعض کے اندر چھپی ہوئی ہو گی ضمیر مستتر ہو گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جیسے «أَضْرِبُ» کے اندر کون سی ضمیر چھپی ہوئی ہے؟ «أَنَا»، «نَضْرِبُ» کے اندر «نَحْنُ»، تو ضمیر ظاہر بھی ہو سکتی ہے اور مستتر بھی ہو سکتی ہے لیکن بس اتنا یاد رکھیں کہ پہلا اور چوتھا صیغہ یعنی واحد مذکر غائب کا صیغہ اور واحد مونث غائب کا صیغہ، صرف یہ دو صیغے ہیں جن کا فاعل اسم ظاہر آگے آسکتا ہے، باقی بارہ

صیغوں میں سے کوئی صیغہ آجائے تو آپ کو کیا چاہیے تھا؟ فاعل یا نائب فاعل، وہ اسی کے ساتھ بارز ضمیر ہو گی یا اسی کے اندر چھپی ہوئی مستتر ضمیر ہو گی، آگے اسم ظاہر کے اندر اس کے فاعل کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کتنے صیغوں کے لیے اسم ظاہر فاعل آسکتا ہے؟ دو صیغوں کے لیے، کون سے؟ پہلا اور چوتھا۔ پہلا کون سا ہے؟ واحد مذکر غائب، چوتھا کون سا ہے؟ واحد مونث غائب ہے۔ باقی جو بارہ صیغے ہیں ان کے اندر فاعل ہمیشہ کس صورت میں ہو گا؟ ضمیر کی صورت میں، اور وہ ضمیر بارز بھی ہو سکتی ہے اور مستتر بھی ہو سکتی ہے۔ پھر دہراؤ، اسم ظاہر کتنے صیغوں کے لیے فاعل یا نائب فاعل بن سکتا ہے؟ دو صیغے، پہلا اور چوتھا۔ اور پہلے اور چوتھے صیغے پہ ذرا غور کرو دونوں مفرد کے صیغے ہیں، پہلا صیغہ بھی مفرد مذکر غائب، چوتھا صیغہ بھی مفرد مونث غائب کا صیغہ، دونوں مفرد کے صیغے ہیں۔ اس سے ایک اور ضابطے کا آپ کو پتہ چل گیا کہ فاعل جب بھی اسم ظاہر آرہا ہو، فعل مفرد کا ہو گا۔

فاعل یا نائب فاعل جب بھی کیا آرہا ہو؟ اسم ظاہر۔ بھائی فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسم ظاہر بھی آسکتا ہے نا، اگر فاعل یا نائب فاعل آپ کو پتہ چل گیا کون آرہا ہے؟ اسم ظاہر آرہا ہے، آگے کوئی لفظ ہے وہ فاعل بن رہا ہے، تو فعل ہمیشہ پیچھے جو فعل آیا ہو گا وہ مفرد کا ہو گا، کیونکہ ہم نے پڑھا صرف دو صیغے ہیں جن کا فاعل اسم ظاہر آسکتا ہے، اور اسم ظاہر اس وقت آرہا ہے تو پیچھے فعل انہی دو میں سے کوئی ہو گا اور وہ کون سا ہو گا؟ پہلا ہو گا یا چوتھا، اور یہ دونوں کون سے فعل ہیں؟ مفرد کے ہیں۔ معلوم ہوا فاعل جب بھی اسم ظاہر ہو گا، فعل ہمیشہ کیا آئے گا؟ مفرد آئے گا۔

مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں: زید نے پٹائی کی، تو زید اسم ظاہر ہے تو میں کیسے کہوں گا؟ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، دیکھو «زَيْدٌ» اسم ظاہر ہے کہ ضمیر ہے؟ اسم ظاہر ہے، اور اسم ظاہر جب بھی فاعل ہو فعل کو کیا لاتے ہیں؟ مفرد، تو دیکھو «ضَرَبَ» مفرد پہلا صیغہ ہے۔ اسی زید کو تثنیہ ذرا بنا دو: «الزَّيْدَانِ»، آپ کہنا چاہتے ہیں وہ جو دو زید ہیں انہوں نے پٹائی کی، کیسے کہیں گے؟ «ضَرَبَ الزَّيْدَانِ»۔ «ضَرَبَ» مفرد کا صیغہ رکھنا ہے کیونکہ «الزَّيْدَانِ» کیا ہے؟ ضمیر ہے یا اسم ظاہر ہے؟ اسم ظاہر ہے، اور اسم ظاہر جب بھی فاعل ہو فعل ہمیشہ پہلا آئے گا یا چوتھا، اور پہلا اور چوتھا تو کیا ہیں؟ مفرد، تو «ضَرَبَ الزَّيْدَانِ»۔ «ضَرَبَا» تثنیہ والا فعل نہیں لانا، کیونکہ «ضَرَبَا» لائیں گے اس میں تو الف فاعل بن جائے گا، یہ «الزَّيْدَانِ» تو پھر فاعل نہیں بن سکتا۔ ہم نے تو کیا کہا ہے فاعل کس کو ہونا چاہیے؟ اسم ظاہر۔ جب بھی اسم ظاہر فاعل ہو گا فعل ہمیشہ کیا رہے گا؟ مفرد رہے گا۔

اسی طرح زید کی ذرا جمع لے آؤ: «ضَرَبَ الزَّيْدُونَ»، تو «الزَّيْدُونَ» فاعل ہے، اور یہ بتایئے مجھے، اسم ظاہر ہے یا ضمیر ہے؟ اسم ظاہر ہے، اور اسم ظاہر جب بھی فاعل ہو فعل ہمیشہ کیا رہتا ہے؟ مفرد رہتا ہے، لہٰذا پیچھے «ضَرَبَ» کہیں گے: «ضَرَبَ الزَّيْدُونَ»، «ضَرَبُوا» نہیں کہیں گے کیونکہ اگر «ضَرَبُوا» کہہ دیا پھر تو اس کے اندر واؤ ضمیر فاعل بن گئی اور ہم نے تو کیا کہا تھا واؤ نہیں فاعل بلکہ کون ہے؟ «الزَّيْدُونَ» اسم ظاہر ہے۔ معلوم ہوا اسم ظاہر جب بھی فاعل بنے گا، فعل ہمیشہ کیا رہے گا؟ مفرد رہے گا، چاہے وہ اسم ظاہر جو ہے جو آگے فاعل بن رہا ہے وہ چاہے مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، آپ نے یہ نہیں دیکھنا، آپ نے صرف اتنا دیکھنا ہے یہ اسم ظاہر ہے اور یہ فاعل یا نائب فاعل بن رہا ہے، جب یہ اسم ظاہر فاعل یا نائب فاعل ہے فعل کو ہمیشہ کیا لانا ہے؟ مفرد۔ معلوم ہوا: «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ الزَّيْدَانِ»، «ضَرَبَ الزَّيْدُونَ»، ہر جگہ «ضَرَبَ» ہی آرہا ہے، بات سب کو سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے یہی بات بیان کر رہے ہیں: «وَإِنْ كَانَ الْفَاعِلُ مُظْهَرًا» اور اگر فاعل جو ہے وہ اسم ظاہر ہو، «وُحِّدَ الْفِعْلُ أَبَدًا» تو فعل کو واحد لائیں گے ہمیشہ یعنی مفرد لائیں گے، «نَحْوُ: ضَرَبَ زَيْدٌ» جیسے «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «وَضَرَبَ الزَّيْدَانِ» دیکھو اسم ظاہر تثنیہ ہے لیکن فعل پھر بھی مفرد ہے، «وَضَرَبَ الزَّيْدُونَ» دیکھو اسم ظاہر جمع ہے لیکن فعل پھر بھی کیا ہے؟ مفرد۔ ترکیب کیجیے بھائی: «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ» فعل، «زَيْدٌ» اعراب بتاؤ بھائی: مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ۔

■ قولہ: «ضَرَبَ الزَّيْدَانِ» کی تشریح

«ضَرَبَ الزَّيْدَانِ» یہ ترکیب کریں بھائی: «ضَرَبَ» فعل، «الزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً، نون کے نیچے تو میں زیر پڑھ رہا ہوں؟ شاباش، یہ تو نون کی ویسے حرکت ہے کیونکہ «الزَّيْدَانِ» تثنیہ ہے، بھائی یہ فاعل بن رہا ہے اتنا تو آپ کو پتہ ہے، جب فاعل بن رہا ہے تو اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع، اور رفع کی کتنی صورتیں ہیں؟ یا محلاً ہوتا ہے یا تقدیراً ہوتا ہے یا لفظاً ہوتا ہے، اور یہ «الزَّيْدَانِ» یہ تو تثنیہ ہے یہ تو مبنی نہیں ہے، اور تثنیہ کا اعراب رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف، اور نصب اور جر کس کے ساتھ؟ یا، تو دیکھو یہ الف کے ساتھ آرہا ہے اور اس الف کو ہم پڑھ بھی رہے ہیں تلفظ کر رہے ہیں، تو اعراب کون سا ہوا؟

لفظی ہوا، مرفوع ہے لفظاً، تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ۔

« ضَرَبَ الزَّيْدُونَ » اس کی ترکیب کریں: « ضَرَبَ » فعل، « الزَّيْدُونَ » مرفوع لفظاً، مرفوع کیوں ہے؟ فاعل بن رہا ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے، اور لفظاً کیوں ہے؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ یہ مت کہنا کہ ہم تلفظ کر رہے ہیں، لفظ کے تلفظ کی بات نہیں کر رہے کہ لفظ کو ہم نے زبان سے ادا کیا ہے، ہم رفع کی بات کر رہے ہیں کہ رفع کو زبان سے ہم نے ادا کیا ہے، تو کیا کہیں گے؟ « الزَّيْدُونَ » مرفوع لفظاً۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ اور لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کیا ہے اس کا رفع؟ یہ واؤ ہے، حالت جمع مذکر سالم ہے نا، جمع مذکر سالم حالت رفعی میں کس کے ساتھ آتا ہے؟ واؤ، اور حالت نصبی جری میں یا کے ساتھ، اور ہم یہاں پر واؤ پر تلفظ کر رہے ہیں: « الزَّيْدُونَ »۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

خلاصہ سبق پھر سن لیں بھائی، چند باتیں ہی آج ہوئیں بھائی: ایک تو آپ نے یہ پڑھا، ماضی اور مضارع کے چودہ صیغوں میں کہ کون سے صیغوں کے اندر ضمیر بارز آرہی ہے اور کون سے صیغوں میں ضمیر مستتر آرہی ہے، اور پھر آپ نے یہ بھی پڑھا کہ ہر فعل کے لیے ایک ہی فاعل چاہیے وہ ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی۔ اور جب ضمیر فاعل آجائے تو پھر اسم ظاہر فاعل نہیں آسکتا، اور جب اسم ظاہر فاعل آجائے تو پھر ضمیر فاعل نہیں آسکتی۔ اور آپ نے یہ بھی پڑھا کہ یہ چودہ صیغوں میں سے صرف دو صیغے ہیں جن میں فاعل اسم ظاہر آسکتا ہے، یہ دو اگر عبارت میں آجائیں تو پھر آپ آگے اسم ظاہر میں غور کریں کوئی اسم ظاہر اس کا فاعل تو نہیں بن رہا، اگر بن رہا ہو تو اس کو فاعل بنا دیں ورنہ اسی کے اندر پھر ضمیر نکال لیں ان دو صیغوں سے۔ ان دو صیغوں کے علاوہ باقی بارہ صیغوں میں سے کوئی صیغہ آجائے تو پھر آپ کو فاعل آگے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، وہ اسی کے ساتھ جڑی ہوئی یا اسی کے اندر چھپی ہوئی ضمیر ہو گی۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ اور باقی آگے جو لفظ آئیں گے وہ منصوب ہوں گے یا مجرور ہوں گے بھائی، کیونکہ فعل کے آنے کے بعد صرف ایک مرفوع آیا کرتا ہے جو اس کا فاعل یا نائب فاعل ہوتا ہے، باقی سب کیا ہوتے ہیں؟ منصوب اور مجرور۔ اور آپ نے یہ بھی پڑھا کہ فعل کبھی لازم ہوتا ہے اور کبھی متعدی ہوتا ہے۔ متعدی وہ فعل ہے جس کے لیے مفعول چاہیے اور فعل لازم جس کے لیے مفعول نہیں چاہیے، اور اردو میں متعدی کی پہچان میں نے بتائی کہ اس کے آخر میں کیا لفظ آتا ہے؟ « نے » کا لفظ آتا ہے۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۳: فاعل ضمیر اور اسمِ ظاہر ہونے کے قواعد اور جملہ فعلیہ کی عملی تراکیب

ہدایۃ النحو صفحہ: ۲۳—بتاریخ: ۱۲ اکتوبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَإِنْ كَانَ مُضْمَرًا وُحِّدَ لِلْوَاحِدِ نَحْوُ زَيْدٌ ضَرَبَ، وَثُنِّيَ لِلْمُثَنَّى نَحْوُ الزَّيْدَانِ ضَرَبَا، وَجُمِعَ لِلْجَمْعِ نَحْوُ الزَّيْدُونَ ضَرَبُوا، وَإِنْ كَانَ الْفَاعِلُ مُؤَنَّثًا حَقِيقِيًّا، وَهُوَ مَا بِإِزَائِهِ ذَكَرٌ مِنَ الْحَيَوَانِ، أُنِّثَ الْفِعْلُ أَبَدًا إِنْ لَمْ تَفْصِلْ بَيْنَ الْفِعْلِ وَالْفَاعِلِ نَحْوُ قَامَتْ هِنْدٌ۔

فاعل کی بحث چل رہی ہے بھائی۔ تو مرفوعات میں سب سے پہلے انہوں نے فاعل کو ذکر کیا۔ جب آپ کو پتہ لگ جائے یا آپ کو کوئی بتادے کہ یہ فاعل ہے یہ لفظ، تو اس کے ساتھ ہی ایک دوسری بات کا بھی آپ کو خود بخود پتہ چل جاتا ہے، اور وہ کیا؟ کہ یہ مرفوع ہو گا، اس پر رفع پڑھنا ہے۔ اور پھر رفع کبھی محلاً ہوتا ہے، کبھی لفظاً ہوتا ہے، اور کبھی تقدیراً، وہ آپ نے پھر غور کرنا ہے۔ اگر وہ لفظ مبنی ہو تو پھر محلاً رفع آئے گا، اور اگر وہ معرب ہے پھر وہ جو نو قسمیں پیچھے ذکر ہوئیں ان میں سے غور کر لیں گے یہ کون سی قسم ہے، اس کا اعراب لفظی آئے گا یا تقدیری آئے گا بھائی۔

اور نیز میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے ہمیشہ، اسی طرح صفت کے صیغے کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے بھائی۔ تو جب فعل آجائے آپ نے سب سے پہلے فاعل کو تلاش کرنا ہے اگر وہ فعل معروف ہو۔ اور اگر فعل مجہول ہو تو پھر اس کے آنے کے بعد سب سے پہلے آپ نے نائب الفاعل کو تلاش کرنا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ فعل تو آجائے اور آگے اس کا فاعل یا نائب فاعل نہ آئے بھائی۔

اور نیز اسی طرح صفت کا صیغہ جب آجائے تو ہمیشہ آپ نے اس کے لیے فاعل یا نائب فاعل تلاش کرنا ہے، اور صفت کے صیغے کون کون سے ہیں؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا: اسمِ فاعل ہے، اسمِ مفعول ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسمِ تفضیل ہے، اور مبالغے کے صیغے ہیں۔ اور ان سب کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اور پھر میں نے بتلایا تھا کہ ان میں سے صرف اسمِ مفعول جو ہے اس کے لیے نائب الفاعل چاہیے، اور باقی سب کے لیے فاعل چاہیے بھائی۔

اور میں نے آپ کو فرق بھی بتلایا تھا کہ ایک ہوتا ہے فاعل اور ایک ہے اسمِ فاعل، دونوں میں فرق ہے۔ فاعل کسے کہتے ہیں؟ جس کی تعریف آپ نے پڑھ لی: جس سے پہلے فعل ہو یا صفت کا صیغہ ہو، اور وہ فعل یا صفت کا صیغہ اسے رفع دے رہا ہو، اس کے ساتھ قائم ہو، اس پر واقع نہ ہو بھائی۔ واقع نہ ہو، اس کے ذریعے نائب الفاعل کو نکال دیا بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ ہے فاعل۔ جبکہ اسمِ فاعل وہ مخصوص صیغے کا نام ہے جو آپ نے گردان میں پڑھا، یعنی: «ضَارِبٌ»، «فَاتِحٌ»، «مُكْرِمٌ»، «مُقَرِّمٌ»، «مُكْتَسِبٌ» وغیرہ بھائی۔

اور دوسرا ایک ہے مفعول اور ایک ہے اسمِ مفعول۔ اسمِ مفعول آپ نے پڑھا وہ مخصوص صیغے کا نام ہے جو گردان میں آپ نے پڑھا بھائی: «مَضْرُوبٌ»، «مَفْتُوحٌ»، «مُكْرَمٌ»، «مُقَرَّمٌ»، «مُكْتَسَبٌ» وغیرہ بھائی، تو یہ اسمِ مفعول ہیں۔ جبکہ ایک مفعول ہوتا ہے جس پر آگے جس کی تفصیل بھی آجائے گی، جس پر فاعل کا فعل واقع ہوتا ہے اور وہ منصوب ہوتا ہے، منصوب ہوتا ہے۔

اور اس کے بعد ترکیب کی کئی قیمتی باتیں آپ نے پڑھیں بھائی۔ ایک تو یہ بات گزر گئی کہ ہر فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل، اسی طرح ہر صفت کے صیغے کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے بھائی۔ اور یہ فاعل یا نائب فاعل جو ہے، ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ اسمِ ظاہر کسے کہتے ہیں؟ وہ میں نے آپ کو بتلایا تھا، اسمِ ظاہر کس کے مقابلے میں ہے؟ اسمِ ضمیر کے مقابلے میں۔ تو ہر اسم یا ضمیر ہو گی یا اسمِ ظاہر ہو گا۔ اگر وہ ضمیر نہیں تو آپ سمجھ جائیں کہ یہ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر ہے۔ اسم ہے، اور ضمیر نہیں ہے تو پھر اس کو کیا کہیں گے؟ اسمِ ظاہر کہیں گے بھائی، ظاہر۔

اور اگر فاعل یا نائب فاعل ضمیر ہے، تو وہ ضمیر جو ہے وہ مستتر بھی ہو سکتی ہے، یعنی فعل کے اندر ہی چھپی ہوئی ہو، اور بارز بھی ہو سکتی ہے، یعنی فعل کے ساتھ ہی کوئی حرف وغیرہ کی صورت میں وہ آ رہی ہو اور اس پر باقاعدہ آپ تلفظ کر رہے ہوں۔ جیسے «ضَرَبَا»، اس کے آخر میں یہ الف کیا ہے؟ ضمیرِ بارز ہے۔ «ضَرَبُوا»، اس میں واؤ ضمیرِ بارز ہے۔ سمجھ میں آئی بات؟ ہاں البتہ «ضَرَبَتْ»، یہ جو چوتھا صیغہ ہے یعنی واحد مونث کا، اس کے ساتھ جو تا ملی ہوتی ہے یہ ضمیر نہیں ہے، یہ صرف مونث کی علامت ہے۔ یہ صرف اتنا بتلاتی ہے کہ اس فعل کا اسناد کسی مونث کی طرف ہو رہا ہے، مذکر کی طرف نہیں ہو رہا بھائی۔ باقی جتنے حروف آپ کو یہ فعلِ ماضی میں ملیں گے وہ سب ضمیریں ہیں اور ضمیرِ بارز ہیں بھائی۔

اور اسی طرح میں نے آپ کو فعلِ مضارع کے اندر بھی ضمیروں کی پہچان کروائی تھی، اور بتلایا تھا کہ فعلِ مضارع کے اندر یہ جو آخر میں نون آتا ہے صیغے کے آخر میں، یہ سارے نونِ اعرابی ہیں سوائے دو صیغوں کے، اور وہ کون سے دو صیغے ہیں؟ جمع مونث کے جو دو صیغے ہیں: «یَضْرِبْنَ» اور «تَضْرِبْنَ»۔ اور یہ دو صیغے فعلِ مضارع کے اندر مبنی ہیں جبکہ باقی کیا ہیں؟ معرب ہیں۔ اسی لیے آپ گردانیں بھی کرتے ہیں: «لَمْ یَضْرِبْ»، دیکھو لم آخر میں جزم دے رہا ہے۔ «لَمْ یَضْرِبَا»، دیکھو آخر سے نونِ اعرابی کو گرا رہا ہے، اور تبدیلی صرف کس میں آیا کرتی ہے؟ معرب میں تبدیلی آتی ہے عامل کی وجہ سے۔ تو ان سب کے آخر میں آپ دیکھیں گے کسی کے آخر میں جزم آ رہا ہے، کسی کے آخر سے نونِ اعرابی گر رہا ہے، لیکن ان دو صیغوں میں کوئی تبدیلی نہیں آتی: «لَمْ یَضْرِبْنَ»، «لَمْ تَضْرِبْنَ»، دیکھو ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، سمجھ میں آئی بات؟ جی، تو یہ دو صیغے مبنی ہیں۔ یا اسی طرح «لَنْ یَضْرِبَ»، دیکھو آخر میں نصب آ رہا ہے عامل کی وجہ سے۔ «لَنْ یَضْرِبَا»، اس میں دیکھو نونِ اعرابی گر رہا ہے۔ لیکن ان دو صیغوں میں یہاں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئے گی: «لَنْ یَضْرِبْنَ»، «لَنْ تَضْرِبْنَ»، دیکھا، یہ دو صیغے کیا ہیں؟ مبنی ہیں بھائی، باقی معرب ہیں۔

اور اس کے بعد آپ نے یہ بھی پڑھا کہ فعل کبھی کبھار فعلِ لازم ہو گا اور کبھی فعلِ متعدی۔ فعلِ لازم وہ ہے جہاں صرف فاعل سے مل کر بات پوری ہو جائے، جبکہ فعلِ متعدی وہ ہے جہاں فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول کی بھی ضرورت ہو بھائی۔ یعنی آپ خود اس فعل کے مفہوم پہ غور کر لیں، جیسے «زَیْدٌ بھاگا»، دیکھو کسی مفعول کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر آپ کہتے ہیں «زَیْدٌ نے کِھَایَا»، بھائی کیا کھایا؟ کوئی چیز چاہیے، کوئی ماکول چیز جسے کھایا جائے، تو معلوم ہوا اس کے لیے مفعول چاہیے بھائی، مفعول۔ اور پھر بعض اوقات ایک مفعول چاہیے ہوتا ہے، بعض اوقات دو اور بعض اوقات تین چاہیے ہوتے ہیں، لیکن بہر حال عام افعال میں عموماً ایک ہی مفعول آتا ہے۔ «ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا»، زید نے عمر کی پٹائی کی، اب کسی اور مفعول کی ضرورت نہیں بات پوری ہو گئی، ایک مضروب چاہیے تھا اس کا ذکر آ گیا بھائی۔

اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ فعل جب بھی آئے فاعل یا نائب فاعل کو تلاش کرنا ہے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا فعل تو آئے آگے فاعل یا نائب فاعل نہ آئے۔ ان کو حذف ہم نہیں کر سکتے، یہ خود بھی آپ کو آگے بتائیں گے بھائی، فاعل کو حذف نہیں کر سکتے۔ البتہ مفعول فضلہ ہوتا ہے، زائد چیز ہوتی ہے، اس کو حذف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن عبارت سے حذف ہو گا، عبارت سے حذف ہو گا اور مراد ہو گا، اس کا ارادہ ہو گا۔ سمجھ میں آئی بات؟ جیسے «ضَرَبَ زَیْدٌ»، زید نے پٹائی کی، کس کی کی؟ کوئی نہ کوئی مضروب ضرور ہے، یہ نہیں کہ مضروب ہی کوئی نہیں ہے، وہ مراد ہے یہاں پر، لیکن لفظوں کے اندر صرف اس کو حذف کر دیا۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو اس کو حذف کر دیا، محذوف ہے۔

اس کے بعد ایک اور بات آپ نے پڑھی تھی کہ فعل کا فاعل جب بھی اسمِ ظاہر ہو گا، فعل ہمیشہ مفرد رہے گا۔ وہ اسمِ ظاہر چاہے مفرد ہو، چاہے تثنیہ ہو، چاہے جمع ہو، اس سے ہماری بحث نہیں، وہ جو کچھ بھی ہے لیکن ہے تو اسمِ ظاہر۔ تو جب وہ اسمِ ظاہر ہے فاعل یا نائب فاعل، تو فعل کو ہمیشہ کیا رکھیں گے؟ مفرد رکھیں گے، جیسے «ضَرَبَ زَیْدٌ»، «ضَرَبَ الزَّیْدَانِ»، «ضَرَبَ الزَّیْدُونَ»۔

دیکھو «الزَّیْدَانِ» میں الف لام اس کے اوپر لے آئے، کیوں لائے؟ اس لیے کہ «زَیْدٌ» ایک تھا تو یہ علم ہے، اور علم کیا ہوتا ہے؟ معرفہ۔ اور جب آپ نے دو، تین یا چار کا نام رکھ دیا تو علمیت تو ختم ہو گئی۔ علم تو وہ ہوتا ہے نا جو کسی معین ذات پر دلالت کرے، معرفہ وہ ہوتا ہے جو کسی معین ذات پر دلالت کرتا ہے۔ تو جب آپ نے دو یا تین یا چار کا نام رکھا تو علمیت ختم ہو گئی وہ نکرہ بن گیا۔ جب نکرہ بن گیا تو پھر اسی لیے اس پر الف لام لے آئے تاکہ معرفہ بن

جائے: «الزَّيْدَانِ»، «الزَّيْدُونَ»، دیکھو دونوں پر الف لام لائے کیونکہ یہ زیادہ کا نام ہوا تو علمیت ختم، جب علمیت ختم تو یہ نکرہ بن گئے، تو ان کو پھر معرفہ بنانے کے لیے اب ان پر کیا لے آئے؟ الف لام تعریف والا لے آئے، یہ پھر معرفہ بن گئے۔ «الزَّيْدَانِ»: وہ دو زید، «الزَّيْدُونَ»: وہ سب زید، سمجھ میں آئی بات؟

تو جب فاعل اسمِ ظاہر ہو گا، چاہے مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، فعل کو ہمیشہ واحد لے کر آئیں گے۔ اور اس سے آپ کو ایک اور بات بھی پتہ چل گئی کہ معلوم ہوا صرف پہلا اور چوتھا صیغہ جو ہیں ان کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے، باقی کسی کے لیے فاعل اسمِ ظاہر نہیں، کیونکہ باقی سب کے ساتھ تو ضمیریں جڑی ہوئی ہیں۔ باقی سب کے ساتھ ضمیریں جڑی ہوئی ہیں، دیکھیے: «ضَرَبَ» یہ پہلا ہے، اس کے ساتھ کوئی ضمیر آگے جڑی ہوئی نہیں۔ «ضَرَبَتْ» اس کے ساتھ بھی یہ تا تانیث والی ہے، آگے کوئی فاعل کی ضمیر نہیں۔ جبکہ باقی صیغے دیکھ لیں، دوسرا دیکھیں: «ضَرَبَا»، الف آرہا ہے۔ «ضَرَبُوا»، واؤ آرہا ہے۔ آگے «ضَرَبَتْ» کے بعد «ضَرَبْنَا»، یہاں الف آرہا ہے۔ «ضَرَبْنَ»، اس کے اندر نون آرہا ہے۔ «ضَرَبْتَ»، اس میں تا آرہی ہے۔ «ضَرَبْتُمَا»، تو یہ دیکھو باقی سب کے ساتھ ضمیریں آرہی ہیں اور وہ فاعل کی ضمیریں ہیں، اور فاعل تو ایک ہی آیا کرتا ہے، دو یا تین تو نہیں آتے۔ تو جب یہ ضمیریں فاعل ہیں تو معلوم ہوا آگے اسمِ ظاہر اب فاعل نہیں آسکتا کیونکہ ایک ہی فاعل آنا تھا وہ آگیا۔

اس سے ایک اور بات آپ کو سمجھ میں آگئی کہ یہ دو صیغے یعنی پہلا ہو واحد مذکر غائب کا یا چوتھا صیغہ واحد مونث غائب، یہ دو صیغے جب عبارت میں آجائیں تو پھر آپ آگے تلاش کریں، کہیں ان کا فاعل کوئی اسمِ ظاہر تو نہیں آرہا؟ کیونکہ انہی دو کا فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے اور کسی کا تو فاعل اسمِ ظاہر نہیں آسکتا۔ تو ان دو میں سے کوئی صیغہ عبارت میں آجائے تو اگلے لفظوں میں تلاش کریں کہیں اس کا فاعل کوئی اسمِ ظاہر تو نہیں آرہا، اگر آجائے تو ٹھیک، اگر آگے کوئی فاعل اسمِ ظاہر نہیں تو پھر انہی کے اندر کیا نکال لیں گے؟ ضمیر نکال لیں گے۔

تو باقی بارہ صیغوں میں تو آپ کو آگے جانے کی ضرورت ہی نہیں، باقی بارہ صیغے آگئے تو فاعل کی انہی کے ساتھ ضمیر جڑی ہوئی ہو گی، اس میں آگے اسمِ ظاہر کو تلاش کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ دو صیغے جب آجائیں تو پھر آگے آپ کو فاعل یا نائب فاعل دیکھنا پڑے گا، کوئی اسمِ ظاہر تو نہیں ہے جس کو یہ رفع دے رہا ہو؟ اگر وہ ہے تو پھر ان میں ضمیر نہیں ہو گی، اور اگر آگے اسمِ ظاہر نہیں تو پھر انہی کے اندر فاعل یا نائب فاعل کی ضمیر نکالیں گے۔ ضابطہ سمجھ میں آیا؟ پہلا صیغہ آئے یا چوتھا، تو آگے تلاش کریں کس کو؟ فاعل اسمِ ظاہر کو۔ اور اگر ان کے علاوہ کوئی اور صیغہ آئے، پھر آگے تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں، انہی میں ضمیر ہو گی۔ تو یہ دو صیغے آئیں تو آگے فاعل اسمِ ظاہر تلاش کریں، اور اگر آگے اسمِ ظاہر کوئی نہیں مرفوع، کوئی ایسا فاعل نہیں ہے تو پھر انہی کے اندر کیا نکال لیں گے؟ فاعل۔ تو دیکھو ترکیب اور آسان ہو گئی آپ کے لیے۔

اب فعل کے لیے فاعل، جیسے ہی فعل آئے کس کو تلاش کرنا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل کو۔ اور ان دو کے علاوہ کوئی اور بارہ صیغوں میں سے کوئی بھی آیا تو پھر آگے تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں، انہی کے ساتھ ضمیر جڑی ہوئی۔ ہاں پہلا یا چوتھا صیغہ آیا تو اب اگلے جملے کے اندر جو لفظ آرہے ہیں ان میں غور کر لو کوئی فاعل تو نہیں۔ اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہی بات انہوں نے کی تھی کہ اگر فاعل اسمِ ظاہر ہو تو فعل «وُحِّدَ الْفِعْلُ أَبَدًا»، فعل کو ہمیشہ واحد لائیں گے جیسے: «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ الزَّيْدَانِ»، اور «ضَرَبَ الزَّيْدُونَ»۔ «وَإِنْ كَانَ مُضْمَرًا»، اور اگر فاعل کیا ہو؟ ضمیر ہو، «وُحِّدَ لِلْوَاحِدِ»، تو فعل کو واحد لائیں گے واحد ضمیر کے لیے، واحد کی ضمیر کے لیے فعل کو واحد لائیں گے، «نَحْوُ: زَيْدٌ ضَرَبَ»۔

ترکیب کریں بھائی: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ شاباش، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، نہیں بھائی یہ «ضَرَبَ» کے لیے فاعل بن رہا ہے۔ پھر؟ کوئی اعتراض کر دیتا ہے کہ بھئی یہ تو «ضَرَبَ» کے لیے فاعل بن رہا ہے، کیا جواب دیں گے آپ؟ شاباش، فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہوتا، وہ کچھ اور تو بن سکتا ہے لیکن فاعل نہیں بن سکتا۔ مفعول بھی مقدم ہو سکتا ہے لیکن مفعول تو منصوب ہوتا ہے اور آپ تو «زَيْدٌ» پر کیا پڑھ رہے ہیں؟ رفع، معلوم ہوا یہ مفعول بھی نہیں ہے، تو پھر اس کو کیا بنائیں گے؟ مبتدا۔ تو «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «ضَرَبَ»؟ «ضَرَبَ» فعل، «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ شاباش، «ضَرَبَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل، جو کس کو راجع ہے؟ «زَيْدٌ» کو۔ تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ تو یہ «ضَرَبَ» پورا جملہ خبر ہے۔ اس کا اعراب کیا ہے؟ خبر ہے، جب میں نے خبر کہہ دیا آپ سمجھ گئے: مرفوع ہے، خبر مرفوع ہوا کرتی ہے آگے تفصیل بھی آجائے گی۔ تو یہ مرفوع اور کون سا مرفوع ہے؟ محلاً۔ کیوں محلاً؟ کیونکہ جملہ ہے، اور جملہ کس میں سے؟ مبنیات میں سے، حتیٰ کہ بعض علماء تو کیا فرماتے ہیں یہ مبنی الاصل ہے بھائی۔ تو مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو واحد کے لیے واحد ضمیر تھی تو «ضَرَبَ» واحد کا فعل لائے۔

▪ قولہ: «وَثُنِّيَ لِلْمُثَنَّى» کی تشریح

«وَثُنِّيَ لِلْمُثَنَّى»، اور فعل کو تثنیہ لائیں گے تثنیہ کی ضمیر کے لیے، «نَحْوُ: الزَّيْدَانِ ضَرَبَا»۔ ترکیب کیجیے: «الزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ شاباش، «الزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ بھئی لفظاً کیسے؟ «الزَّيْدَانِ» نون کے نیچے کسرہ پڑھ رہا ہوں میں؟ یہ اس کی حرکت ہے شاباش، پھر اعراب کیا ہے؟ الف ہے، کیونکہ تثنیہ کا اعراب حالتِ رفعی میں الف ہوتا ہے اور حالتِ نصبی جری میں یا ہوتی ہے، تو یہ الف ہے اور اس پر ہم تلفظ بھی کر رہے ہیں: «الزَّيْدَانِ»۔ تو یہ مرفوع لفظاً مبتدا، آگے؟ «ضَرَبَا» فعل بافاعل، جب ضمیر ساتھ جڑی ہوئی ہو تو یوں تعبیر کرتے ہیں: «ضَرَبَا» فعل بافاعل۔ اب فاعل الگ بھی کر کے بتادو: الف ضمیر تثنیہ مذکر غائب کی ضمیر۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا ضمیر غائب کی آئے تو اس کا مرجع بھی تلاش کرنا ہے۔ مرجع صرف غائب کی ضمیر کا ہوتا ہے، متکلم اور مخاطب کی ضمیر کا مرجع نہیں ہوتا۔ آپ مخاطب یا متکلم کی ضمیر آجائے، «أَنَا» یا «نَحْنُ» وغیرہ اس جیسی کوئی بھی ضمیر آجائے، یا «ضَرَبْتُ» یہ تا ضمیر متکلم کی ہے، «ضَرَبْنَا» یہ نا ضمیر متکلم کی، کوئی آپ سے پوچھ لے ان کا مرجع بتاؤ، آپ فوراً کیا جواب دیں گے؟ ان کا مرجع نہیں تلاش، متکلم تو بات کرنے والا ہے اس میں کیا التباس ہے، اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں، جو بات کر رہا ہے وہ متکلم ہے۔ اور مخاطب کون ہوتا ہے؟ وہ اس کے سامنے ہوتا ہے جس سے وہ بات کر رہا ہے، تو لہٰذا ان دونوں میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا۔ ہاں «هُوَ»، «هُمَا»، «هُمْ»، «هِيَ» وغیرہ آگئے تو اس کا تو معنی ہے «وہ»، «هُوَ» کا معنی وہ مرد، بھئی کون مرد؟ مرجع چاہیے، زید ہے، عمر ہے، بکر ہے، کون مراد ہے؟ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو مرجع صرف کس ضمیر کا تلاش کیا جاتا ہے؟ غائب کی، اور مخاطب اور متکلم کی ضمیر کا مرجع تلاش نہیں کیا جاتا بھائی۔

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں یاد رکھو، آپ کی زبردست اور بہترین ترکیب ہو جائے گی بھائی انشاء اللہ۔ ابھی سے آپ اچھی بھلی اب ترکیب آپ کو آگئی حالانکہ تین چار سبق ہوئے ہیں ترکیب کے صرف بھائی، ٹھیک ہے؟ ہاں اور یہ انشاء اللہ جیسے جیسے ہم آگے جاتے چلتے جائیں گے ساتھ ساتھ ترکیب بھی چلائیں گے، انشاء اللہ آپ کی بہترین ترکیب ہو جائے گی، اور سال کے اختتام سے پہلے ہی انشاء اللہ آپ خود ساری عبارت تیار کر سکیں گے بھائی۔ عبارت کیسے حل ہوتی ہے؟ آپ کو بس لفظوں کا معنی آنا چاہیے، لغت ساتھ رکھیں لفظوں کا معنی دیکھ لیں، اس کے بعد غور کریں کہ کیا بات کر رہے ہیں، اور کہاں جملہ پورا ہو رہا ہے، اور جملہ اسمیہ ہے جملہ فعلیہ ہے۔ جملہ اسمیہ ہے تو اس میں تو ایک مبتدا ہوتا ہے ایک خبر ہوتی ہے، اور مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے خبر بھی مرفوع۔ جملہ فعلیہ ہے تو فعل کے بعد کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے اور وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے، اور وہ فعل پر مقدم بھی نہیں ہوتا، اور آگے پھر کیا آئے گا؟ مفعول آجائیں گے یا مجرور آئیں گے۔ اور مجرور تو صرف دو ہی ہیں بھائی: ایک مضاف الیہ اور دوسرا جس پر حرفِ جر داخل ہو بھائی۔ انشاء اللہ بس یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں جمع ہوتی جائیں گی، آپ دیکھیں گے ساری ترکیب آپ کے لیے آسان ہو گئی۔

تو «ضَرَبَا» فعل بافاعل، الف ضمیر تثنیہ مذکر غائب کی ضمیر جو راجع ہے کس کو؟ «الزَّيْدَانِ» کو۔ یاد رکھیے یہ جو اسمِ ظاہر ہوتا ہے نا یہ غائب کے درجے میں ہوتا ہے، کس کے درجے میں؟ غائب کے درجے میں۔ تو «الزَّيْدَانِ» کیا ہے؟ اسمِ ظاہر، اور یہ کس کے درجے میں؟ غائب، لہٰذا اس کے لیے ضمیر بھی کون سی لے کر آئے؟ تثنیہ مذکر غائب کی ضمیر لے کر آئے۔ کیوں غائب کے درجے میں ہوتا ہے؟ بھئی دیکھیے نا، ایک ہے متکلم، ایک ہے مخاطب، ایک ہے غائب۔ متکلم جب بات کرتا ہے وہ اپنا نام نہیں لیتا، مثلاً بات کرنے والا اگر خالد ہے، وہ یہ نہیں کہے گا: «خالد نے آج کھانا کھایا»، خالد ہی بات کر رہا ہے اور کیا کہے گا؟ وہ بتانا چاہتا ہے کھانا کھانے کا، اپنے بارے میں کہ کھانا کھالیا ہے، وہ کیا کہے گا: «خالد نے کھانا کھایا» یا یوں کہے گا: «میں نے کھانا کھالیا»؟ میں نے۔ اپنے لیے متکلم ہمیشہ ضمیر استعمال کرتا ہے، اسمِ ظاہر استعمال نہیں کرتا۔ مخاطب ہے، مخاطب کا بھی نام نہیں لیا جاتا، اس سے ضمیر استعمال ہوتی ہے: «آپ کا کیا حال ہے؟»، «آپ کیا کر رہے ہیں؟»، دیکھو یہ لفظِ آپ کیا ہے؟ ضمیر ہے۔ یہ نام لیا جاتا ہے اس کا نام مثلاً سامنے عمر بیٹھا ہے اور میں اس کا حال پوچھوں تو میں کیا کہوں گا: «عمر کا کیا حال ہے؟» یا میں پوچھوں گا: «آپ کا کیا حال ہے؟» دیکھا، تو متکلم اپنا نام بھی نہیں لیتا، ضمیر کے ذریعے اپنے آپ کو ذکر کرتا ہے، مخاطب کا بھی نام نہیں لیتا، کس کے ساتھ ذکر کرتا ہے؟ ضمیر کے ساتھ۔ ہاں غائب کے لیے کبھی ضمیر لاتے ہیں کبھی اس کا نام لاتے ہیں۔ سمجھ میں آیا؟ ایک دفعہ نام ذکر کر دیں گے، مثلاً «زید آج میرے پاس آیا تھا»، معلوم ہوا زید غائب ہے، زید اس وقت موجود نہیں تو میں نے کہا «زید آیا تھا»۔ ایک دفعہ ذکر ہو گیا آپ کو پتہ چل گیا، اب پھر میں بار بار نام بھی نہیں ذکر کروں گا، اس کے لیے بھی پھر ضمیر استعمال کرتا چلا جاؤں گا۔ تو دیکھو نام کس کا ذکر ہوتا ہے؟ متکلم کا، مخاطب کا یا غائب کا؟ غائب کا۔ تو یہ دیکھا اسمِ ظاہر ہے، نام کیا ہے؟ اسمِ ظاہر ہے ضمیر تو نہیں ہے، تو یہ اسمِ ظاہر کس کے درجے میں ہے؟ غائب کے درجے میں ہے۔

«وَجُمِعَ لِلْجَمْعِ»، اور جمع کے لیے جمع کی ضمیر کے لیے فعل کو بھی جمع لائیں گے، «نَحْوُ: الزَّيْدُونَ ضَرَبُوا»۔ ترکیب کیجیے بھائی: «الزَّيْدُونَ»

مرفوع لفظاً مبتدا۔ شاباش، «الزَّيْدُونَ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے شاباش۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ رفع کیا ہے اس کا؟ واؤ ہے شاباش بھائی، اور حالتِ نصبی جری میں کیا آنا تھا؟ یا آنی تھی کیونکہ جمع مذکر سالم ہے۔ «الزَّيْدُونَ ضَرَبُوا»، جی تو آگے ترکیب کیجیے: «ضَرَبُوا» فعل بافاعل، واؤ ضمیر جمع مذکر غائب کی۔ اعراب کیا ہے اس کا؟ مرفوع محلاً فاعل۔ کیوں؟ کیونکہ فاعل بن رہا ہے، فاعل «ضَرَبُوا» کے لیے اس میں یہ واؤ ضمیر فاعل ہے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو یہ مرفوع ہے۔ اور کون سا مرفوع ہے؟ محلاً۔ کیوں ہے؟ کیونکہ ضمیر ہے اور ضمیر مبنیات میں سے ہے، اور مبنی کا اعراب ہمیشہ کیسے آتا ہے؟ محلاً آتا ہے بھائی۔ اور یہ ضمیر راجع کس کو ہے؟ «الزَّيْدُونَ» کو، اور دیکھ لو ضمیر مرجع میں مطابقت بھی ہے یا نہیں؟ وہ بھی جمع مذکر ہے اور یہ بھی جمع مذکر غائب بھائی۔ تو «ضَرَبُوا» کے اندر واؤ ضمیر مرفوع محلاً ہے، اسی طرح «ضَرَبَا» کے اندر جو الف ہے یہ بھی کیا ہے مرفوع محلاً، اسی طرح «ضَرَبَ» کے اندر جو «هُوَ» ہے وہ بھی کیا تھی مرفوع محلاً ہے بھائی۔

تو معلوم ہوا، فاعل اسمِ ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ واحد آئے گا، اور فاعل ضمیر ہو تو پھر واحد کی ضمیر کے لیے فعل واحد، تثنیہ کے لیے تثنیہ اور جمع کے لیے جمع آئے گا بھائی۔

▪ قولہ: «وَإِنْ كَانَ الْفَاعِلُ مُؤَنَّثًا حَقِيقِيًّا» کی تشریح

«وَإِنْ كَانَ الْفَاعِلُ مُؤَنَّثًا حَقِيقِيًّا»، اور اگر فاعل مونثِ حقیقی ہو، بھائی یاد رکھیے ضابطہ پہلے سمجھ لیں پھر کتاب پر دیکھتے ہیں۔ فاعل اگر مونثِ حقیقی ہو تو فعل اس کے لیے جو فعل لائیں گے وہ فعل مونث لائیں گے، جبکہ فاعل اور فعل کے درمیان کوئی فصل نہ آئے، کوئی اور لفظ نہ آجائے جو ان کو آپس میں ایک دوسرے سے دور کر دے۔

اور مونثِ حقیقی کسے کہتے ہیں؟ بھائی مونثِ حقیقی وہ ہے جس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان موجود ہو۔ مثلاً بھائی، مثلاً «امْرَأَةٌ»، اس کے مقابلے میں «رَجُلٌ» ہے، مذکر حیوان ہے، تو یہ «امْرَأَةٌ» کیا ہے؟ مونثِ حقیقی ہے۔ اسی طرح «نَاقَةٌ»، ناقہ اونٹنی کو کہتے ہیں، اس کے مقابلے میں کیا ہے؟ «جَمَلٌ» ہے بھائی، سمجھ میں آئی بات؟ تو معلوم ہوا اس کے مقابلے میں مذکر حیوان ہے، تو یہ کیا ہوئی مونثِ حقیقی۔ تو مونثِ حقیقی وہ ہے جس کے مقابلے میں مذکر حیوان ہو، اور مونثِ غیر حقیقی وہ ہوا جس کے مقابلے میں مذکر حیوان نہ ہو۔ جیسے «دَارٌ»، یہ لفظ عربی میں مونث استعمال ہوتا ہے لیکن کیا اس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان ہے؟ نہیں، لہٰذا معلوم ہوا یہ کون سا ہے؟ مونثِ غیر حقیقی ہے۔ یا «شَمْسٌ» کا لفظ، شمس سورج کو کہتے ہیں اور یہ بھی عربی میں مونث استعمال ہوتا ہے لیکن یہ مونثِ غیر حقیقی ہے کیونکہ اس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان نہیں۔

لیکن ابھی ہم بات کر رہے ہیں صرف مونثِ حقیقی کی: فعل کا فاعل کون آیا ہے؟ مونثِ حقیقی ہے آگے۔ تو پہلے فعل آگیا، پھر فاعل کون آیا؟ مونثِ حقیقی، تو اس فعل کو بھی مونث لے کر آئیں گے، مونث لائیں گے۔ جیسے میں کہنا چاہتا ہوں «ہند نے پٹائی کی»، ہند یہ عورتوں کا نام تھا قدیم عرب کے اندر عام استعمال ہوتا تھا بھائی، ہند عورتوں کا نام ہے عربی میں۔ تو ہند نے پٹائی کی، مونثِ حقیقی فاعل آرہا ہے تو کیا کہوں گا: «ضَرَبَ هِنْدٌ» یا «ضَرَبَتْ هِنْدٌ»؟ «ضَرَبَتْ هِنْدٌ»، کیونکہ ضابطہ ابھی آپ نے پڑھ لیا: جب فعل کے بعد کون آرہا ہے؟ مونثِ حقیقی فاعل ہے اور درمیان میں فعل کے اور اس مونثِ حقیقی کے درمیان یعنی فاعل کے درمیان کوئی اور لفظ نہیں آرہا، «ضَرَبَتْ هِنْدٌ»، «ضَرَبَتْ» کے بعد کوئی اور لفظ ہے «هِنْدٌ» سے پہلے؟ نہیں، جب کوئی اور لفظ درمیان میں نہیں ہے تو پھر فعل کو مونث لائیں گے کس کے لیے؟ مونثِ حقیقی کے لیے: «ضَرَبَتْ هِنْدٌ»۔

لیکن اگر درمیان میں فصل آگیا، مثلاً «الْيَوْمَ»، الیوم کا معنی آج، یہ درمیان میں لے آئیں مثلاً، تو اب آپ کو اختیار ہے، چاہے فعل کو مذکر لائیں چاہے مونث لائیں: «ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ»، یہ بھی آپ کہہ سکتے ہیں، اور «ضَرَبَ الْيَوْمَ هِنْدٌ»، یوں بھی آپ کہہ سکتے ہیں۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ اگر فعل کا فاعل کون ہو؟ مونثِ حقیقی، تو پھر آپ دیکھ لیں کہ فعل اور فاعل کے درمیان فصل یعنی جدائی ہے کسی اور لفظ کی یا جدائی نہیں ہے؟ اگر جدائی نہیں ہے، درمیان میں کوئی لفظ نہیں تو فعل کو مونث ہی لانا پڑے گا، «ضَرَبَتْ هِنْدٌ» ہی کہہ سکتے ہیں، «ضَرَبَ هِنْدٌ» نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اگر درمیان میں فصل آجائے، کوئی لفظ اور بیچ میں آجائے تو پھر آپ کو اختیار ہے چاہے فعل کو مذکر لائیں چاہے مونث: «ضَرَبَ الْيَوْمَ هِنْدٌ» یوں بھی کہہ سکتے ہیں، اور «ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ» اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں، صورت سمجھ میں آگئی؟

جبکہ مونثِ غیر حقیقی میں فصل ہو یا نہ ہو آپ کو اختیار ہے، کیونکہ وہ مونثِ غیر حقیقی ہے اس کے لیے فعل مذکر لائیں یا مونث لائیں دونوں آپ لا سکتے

ہیں۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں، میں کہنا چاہتا ہوں کہ سورج طلوع ہوا، «طَلَعَ» کا معنی ہے طلوع ہونے، تو اس کے لیے میں فعل کو مذکر بھی لا سکتا ہوں اور مونث بھی، چاہے فصل ہو چاہے فصل نہ ہو، مثلاً میں کہہ سکتا ہوں «طَلَعَ الشَّمْسُ»، اور چاہوں تو یوں بھی کہہ سکتا ہوں «طَلَعَتِ الشَّمْسُ»۔ دیکھو درمیان میں کوئی فصل نہیں پھر بھی فعل کی تذکیر و تانیث میں آپ کو اختیار ہے، لیکن مونثِ حقیقی کے اندر اختیار صرف کس وقت ہو گا؟ جب درمیان میں فصل آ جائے، اگر فصل نہیں تو پھر فعل کو مونث ہی لائیں گے، ضابطہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟

اب ترجمہ بس دیکھ لیجیے: کہتے ہیں «وَإِنْ كَانَ الْفَاعِلُ مُؤَنَّثًا حَقِيقِيًّا»، اور اگر فاعل جو ہے وہ مونثِ حقیقی ہو، مونثِ حقیقی کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ مَا بِإِزَائِهِ ذَكَرٌ مِنَ الْحَيَوَانِ»، اور وہ ہے کہ جس کے مقابلے میں، «إِزَاءٌ» کا معنی مقابلے میں، اس کے برابر میں، «وَهُوَ مَا بِإِزَائِهِ» وہ ہے کہ جس کے مقابلے میں «ذَكَرٌ» مذکر ہو «مِنَ الْحَيَوَانِ» کس میں سے؟ حیوان، کوئی مذکر حیوان ہو۔ «وَهُوَ مَا بِإِزَائِهِ ذَكَرٌ مِنَ الْحَيَوَانِ»، مونثِ حقیقی وہ ہے کہ جس کے مقابلے میں «ذَكَرٌ مِنَ الْحَيَوَانِ» مذکر حیوان ہو، ذکر کسے کہتے ہیں؟ مذکر کو بھائی، نر کو، نر کو۔ تو کہتے ہیں پھر اب یہ درمیان میں تو صرف مونثِ حقیقی بتلایا نا: «وَهُوَ مَا بِإِزَائِهِ ذَكَرٌ مِنَ الْحَيَوَانِ» کہ مونثِ حقیقی وہ ہے جس کے مقابلے میں مذکر حیوان ہو۔ ذرا اس کو درمیان سے نکال دیں اب، پیچھے دوبارہ پڑھیں: «وَإِنْ كَانَ الْفَاعِلُ مُؤَنَّثًا حَقِيقِيًّا»، اور اگر فاعل مونثِ حقیقی ہو، «أُنِّثَ الْفِعْلُ أَبَدًا»، تو فعل کو مونث لایا جائے گا ہمیشہ، کب؟ «إِنْ لَمْ تَفْصِلْ بَيْنَ الْفِعْلِ وَالْفَاعِلِ»، اگر آپ جدائی نہ کریں فعل اور فاعل کے درمیان یعنی کوئی اور لفظ نہ آئے، «نَحْوُ: قَامَتْ هِنْدٌ»، دیکھو «قَامَتْ» مونث لائے بھائی، یہاں «قَامَ هِنْدٌ» نہیں کہہ سکتے بھائی کیونکہ فاعل کون ہے؟ مونثِ حقیقی ہے۔

▪ قولہ: «وَإِنْ فَصَلْتَ» کی تشریح

«وَإِنْ فَصَلْتَ»، اور اگر آپ جدائی کر دیں، «فَلَكَ الْخِيَارُ»، تو پھر آپ کو اختیار ہے، خیار کا کیا معنی؟ اختیار ہے۔ «فَلَكَ الْخِيَارُ فِي التَّذْكِيرِ وَالتَّأْنِيثِ»، تو آپ کو اختیار ہے فعل کو مذکر لانے میں اور مونث لانے میں، «نَحْوُ: ضَرَبَ الْيَوْمَ هِنْدٌ»، دیکھا الیوم بیچ میں آیا تو «ضَرَبَ» فعل مذکر لے لا سکتے ہیں آپ: «ضَرَبَ الْيَوْمَ هِنْدٌ»، ہند نے آج پٹائی کی۔ «وَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ: ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ»، اور اگر آپ چاہیں تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں: «ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ»۔

«وَكَذَلِكَ فِي الْمُؤَنَّثِ الْغَيْرِ الْحَقِيقِيِّ»، اور اسی طرح ہے مونثِ غیر حقیقی میں بھی۔ کس طرح؟ یہ جو ابھی پہلے ذکر ہوا، فعل کو مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مونث بھی، چاہے فصل ہو چاہے فصل نہ ہو، «نَحْوُ: طَلَعَتِ الشَّمْسُ»، سورج طلوع ہوا، «وَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ: طَلَعَ الشَّمْسُ»، اور اگر آپ چاہیں تو یوں کہیں: «طَلَعَ الشَّمْسُ»، یعنی مذکر فعل لے آئیں۔

«هَذَا إِذَا كَانَ الْفِعْلُ مُسْنَدًا إِلَى الْمُظْهَرِ»، کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب فعل جو ہے اس کا اسناد کیا گیا ہو اسمِ ظاہر کی طرف۔ دیکھو فاعل جب مونثِ غیر حقیقی ہو آپ نے کیا پڑھا؟ فاعل کون ہو؟ مونثِ غیر حقیقی، تو فعل میں آپ کو اختیار، چاہے مذکر لائیں چاہے مونث، لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ فاعل آگے جو مونثِ غیر حقیقی آ رہا ہے وہ اسمِ ظاہر ہے، وہ کیا ہے؟ ظاہر ہے۔ اور اگر فعل کا اسناد آپ ضمیر کی طرف کر رہے ہیں اور وہ ضمیر لوٹ رہی ہے کس کی طرف؟ مونثِ غیر حقیقی کی طرف، تو اب فعل کا فاعل ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ ضمیر، اور یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ مونثِ غیر حقیقی کو، تو پھر فعل کو مونث ہی لائیں گے کیونکہ وہ مونث ہے اور اس کی طرف مونث کی ضمیر ہی ہمیں چاہیے، مذکر کی ضمیر نہیں لوٹ سکتی اس کی طرف اور مونث کی ضمیر تو مونث فعل میں آتی ہے، مذکر فعل میں نہیں آتی بھائی۔ اسی لیے کہا: «وَإِنْ كَانَ مُسْنَدًا إِلَى الْمُضْمَرِ أُنِّثَ أَبَدًا»، اور اگر فعل کا اسناد ہو ضمیر کی طرف تو فعل کو مونث لایا جائے گا ہمیشہ، «نَحْوُ: الشَّمْسُ طَلَعَتْ»۔

ترکیب کیجیے، ترکیب بھائی، پچھلے جملوں کی پہلے کریں: «قَامَتْ هِنْدٌ»۔ «قَامَتْ» فعل، دیکھ لیں دو میں سے ہے یا بارہ میں سے ہے؟ دو میں سے۔ جب بھی فعل آئے فوراً غور کرو دو صیغوں میں سے ہے یا بارہ میں سے ہے؟ دو میں سے، دو کون سے صیغے مراد ہیں؟ واحد مذکر غائب اور واحد مونث غائب، یعنی پہلا اور چوتھا۔ تو یہ ان دو میں سے ہے یا باقی بارہ صیغوں میں سے ہے؟ دو میں سے۔ جب دو میں سے ہے اب آپ آگے بھی فاعل تلاش کر لیں کوئی اسمِ ظاہر تو نہیں آ رہا؟ اگر ان بارہ میں سے ہوتا پھر آگے آپ کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں تھی، اسی میں ضمیر ہوتی، تو یہ کس میں سے ہے؟ دو میں سے۔ جب دو میں سے ہے آگے اسمِ ظاہر آنے کا بھی امکان ابھی ہے، تو ہم تلاش کرتے ہیں، آگے کوئی لفظ آ رہا ہے فاعل بھائی؟ جی، یہ «هِنْدٌ» کیا ہے اس کے لیے؟ فاعل۔

اعراب بتایئے: مرفوع لفظاً فاعل، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھاؤ رفع پہ: «هِنْدٌ»۔ اس کے ذر انصب پہ تلفظ کرو: «هِنْدًا»، جر پہ کرو: «هِنْدٍ»، دیکھا تلفظ سے ہی پتہ چل رہا ہے، تو «قَامَتْ هِنْدٌ»۔

اچھا بھائی ایک آدمی نے آپ پہ اشکال کر دیا: بھائی «هِنْدٌ» کیسے فاعل بن گیا «قَامَتْ» کے لیے؟ «قَامَتْ» کے ساتھ تو تا ضمیر فاعل کی ملی ہوئی ہے؟ ہاں، آپ فوراً کیا جواب دیں گے؟ یہ تا مونث کی علامت ہے، یہ ضمیر نہیں ہے بھائی۔ دوسرا ایک اور طالب علم آپ پہ اعتراض کرتا ہے: «قَامَتْ» کے اندر ضمیر ہے وہ فاعل ہے تو «هِنْدٌ» کیسے فاعل بن گیا؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟ کہ یہاں اسمِ ظاہر فاعل ہے، ایک فاعل چاہیے تھا اور وہ آ گیا آگے، تو پھر اس صورت میں اب اس کے اندر ضمیر نہیں ہو گی ورنہ کتنے فاعل بن جائیں گے؟ دو، حالانکہ دو فاعل نہیں ہوتے ایک ہی ہوتا ہے۔ اگر دو آگے آتے بھی ان میں حرفِ عطف وغیرہ ہوتا، اور پھر حرفِ عطف ان کو کیا کر دیتا ہے؟ جوڑ کر ایک ہی بنا دیتا ہے۔

آگے ترکیب کر رہے تھے ہم بھائی: «ضَرَبَ الْيَوْمَ هِنْدٌ»، جی ترکیب کیجیے: «ضَرَبَ» فعل بھائی، کس میں سے ہے، دو میں سے یا بارہ میں سے؟ دو میں سے، اسمِ ظاہر آگے آ سکتا ہے؟ آ سکتا ہے، ہم تلاش کرتے ہیں بھائی، پٹائی کی بھائی، پٹائی کی۔ آگے جی تلاش کیجیے، اب بتایئے: «الْيَوْمَ» کا معنی ہوتا ہے آج، جی، یہ «الْيَوْمَ» اس کے لیے فاعل ہے؟ بتایئے، غور کریں، کیوں نہیں؟ آسان سی بات ہے بھائی۔ میں کہتا ہوں یہ «الْيَوْمَ» اس کے لیے فاعل ہے، آپ مجھے کیا جواب دیں گے؟ ایک ہی آ سکتا ہے، میں نے کب دو بنائے ہیں؟ «هِنْدٌ» کیوں ہے؟ وجہ مجھے بتاؤ نا، وجہ میں پوچھ رہا ہوں، «الْيَوْمَ» کو کیوں نہیں بناتے فاعل؟ نہیں، ایک طالب علم اشکال کرتا ہے، وہ کہتا ہے «ضَرَبَ الْيَوْمُ هِنْدًا»، آپ اس کو کیا کہیں گے؟ جواب چاہیے، جواب مجھے۔ بھائی آپ کہیں گے آپ خود غور کر لیں: «ضَرَبَ» کا معنی ہے پٹائی کرنا، اور «الْيَوْمَ» کا معنی ہے آج، اس کا مطلب ہے آج کے دن نے پٹائی کی ہے؟ دن کبھی کسی کی پٹائی کرتا ہے؟ نہیں، وہ فعل کو دیکھ لو، یہ فعل یہ یوم تو کر ہی نہیں سکتا، کون کر سکتا ہے؟ آگے ہند جو انسان کا ذکر آ رہا ہے وہ پٹائی کر سکتا ہے، اس لیے وہ فاعل ہوا، اور «الْيَوْمَ» پھر کیا ہے؟ آپ کہیں گے کہ یہ زمانہ ہے، زمانہ، آج کا دن یہ کیا ہے؟ زمانہ، اور جو زمانہ ہوتا ہے وہ کیا بنتا ہے؟ مفعول فیہ بنتا ہے، مفعول فیہ، ظرف ہے، اور مفعول فیہ۔

ہوتا ہے، منصوب ہوتا ہے، اس پر نصب آتا ہے، یہ آگے ساری تفصیلات آنے والی ہیں بھائی۔ تو بہر حال یہاں بھی تھوڑی تھوڑی چیزیں میں ذکر کرتا جاؤں گا تا کہ پہلے سے ہی آپ کو یاد ہو جائیں بھائی۔ جی اب ترکیب کیجیے: «ضَرَبَ» فعل، جی آگے، اعراب بتاؤ «الْيَوْمَ» کا: منصوب لفظاً۔ منصوب کیوں؟ مفعول فیہ ہے ظرف ہے شاباش، اور اعراب کون سا ہے؟ لفظاً۔ یہ کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «الْيَوْمَ»۔ جر پہ ذرا تلفظ کریں: «الْيَوْمِ»، نصب پہ کریں: «الْيَوْمَ»، دیکھا ہر اعراب پر آپ تلفظ کر رہے ہیں تو اس کا اعراب لفظاً ہے۔ آگے «هِنْدٌ»؟ مرفوع لفظاً فاعل، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ جی اب سمیٹیے بھائی سب کو: فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو پٹائی کس نے کی؟ ہند نے کی، اور کس زمانے میں کی؟ آج کے دن میں بھائی۔ تو «ضَرَبَ الْيَوْمَ هِنْدٌ»: آج ہند نے پٹائی کی۔

▪ قولہ: «ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ» کی تشریح

«ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ» اگلا جملہ ہے، اس کی بھی یہی ترکیب: «ضَرَبَتْ» فعل، «الْيَوْمَ» منصوب لفظاً مفعول فیہ، اور «هِنْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

«طَلَعَتِ الشَّمْسُ»، اس کی ترکیب کریں: «طَلَعَتْ» فعل، «الشَّمْسُ» مرفوع لفظاً فاعل۔ کیوں مرفوع؟ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اچھا «طَلَعَتْ» مونث کیوں آیا بھائی؟ مونث ہے، اس کا فاعل مونث ہے یعنی مونثِ غیر حقیقی، غیر حقیقی کہنے کی ضرورت نہیں ہے بس اتنا کہہ دو اس کا فاعل کیا ہے؟ مونث ہے، تو بس فعل کو مونث لے کر آئے ہم۔ اچھا، تو دیکھو طلوع ہوا، کون طلوع ہوا؟ یہ طلوع ہونے والا عمل کس کا ہے؟ سورج، تو یہ فاعل بن رہا ہے، تو آپ نے معنی پہ بھی غور کرنا ہے اس سے آپ کو فاعل مفعول کا خود ہی پتہ چل جائے گا کہ یہ فاعل اس فعل کا ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو سکتا۔ اور آپ «طَلَعَ الشَّمْسُ» بھی کہہ سکتے ہیں، اس کی بھی وہی ترکیب بھائی: «طَلَعَ» فعل، «الشَّمْسُ» مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، دونوں کی ایک ہی ترکیب ہے۔

«وَإِنْ كَانَ مُسْنَدًا إِلَى الْمُضْمَرِ»، اور اگر فعل کا اسناد ضمیر کی طرف ہو اور وہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ کسی مونث ذات کو، مونث کی ضمیر کی طرف ہے تو «أُنِّثَ أَبَدًا»، فعل کو مونث لائیں گے ہمیشہ، «نَحْوُ: الشَّمْسُ طَلَعَتْ»۔ ترکیب کیجیے: «الشَّمْسُ» مبتدا، اعراب بھائی، ہم اعراب حل

کر رہے ہیں: «الشَّمْسُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «الشَّمْسُ»، جی آگے۔ «طَلَعَتْ» فعل بافاعل، شاباش، کیونکہ اسی کے اندر ہے ضمیر آگے کوئی اسمِ ظاہر نہیں ہے، تو اس کو کس طرح ذکر کرنا ہے؟ فعل بافاعل۔ جی آگے، فاعل تو بتایا ہی نہیں وہ بھی بتانا ہے پھر الگ کر کے: «هِيَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ کون سی ضمیر؟ «هِيَ» ضمیر، ہاں یہ تا آرہی ہے بتلا رہی ہے کہ ضمیر کوئی یا فاعل جو بھی ہے مونث ہو گا، «هِيَ» ضمیر۔ «هِيَ» کا اعراب بتاؤ: مرفوع محلاً۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ اور محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے ضمیر ہے۔ اور «هِيَ» ضمیر، اس کو لوٹاؤ بھی بھائی، غائب کی ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ «الشَّمْسُ» کو۔ بھائی شمس کو کیسے لوٹ رہی ہے، ضمیر مرجع میں مطابقت ہے؟ جی مطابقت ہے، کیونکہ ابھی میں نے آپ کو بتایا شمس کا لفظ عربی میں مونث استعمال ہوتا ہے، مونثِ غیر حقیقی کی بات کر رہے تھے نا؟ تو اس کی مثال ذکر کی آپ کو بتایا انہوں نے کہ یہ مونث استعمال ہوتا ہے، تو «هِيَ» ضمیر ہی لوٹائیں گے۔ اب مذکر کی ضمیر نہیں لوٹا سکتے کیونکہ شمس کا لفظ کس طرح استعمال ہوتا ہے؟ مونث۔ ہاں شمس سے پہلے یعنی مونثِ غیر حقیقی سے پہلے فعل آئے تو وہ فعل مذکر مونث آپ لا سکتے ہیں کیونکہ آگے وہ لفظ خود آرہا ہے جو مونث ہے، تو وہاں کسی قسم کا اشتباہ نہیں، لیکن جب ضمیر لوٹانی ہے تو ضمیر مذکر کے لیے مذکر کی ہو گی اور مونث کے لیے مونث کی ہو گی، اس میں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ مونثِ حقیقی ہے یا غیر حقیقی ہے، بس جب مونث ہے چاہے حقیقی ہے چاہے غیر حقیقی، ضمیر اس کے لیے ہمیں کون سی چاہیے؟ مونث والی، اسی لیے «طَلَعَتْ» کہا، «الشَّمْسُ طَلَعَ» نہیں کہا، «الشَّمْسُ طَلَعَتْ» کہا بھائی۔

«وَجَمْعُ التَّكْسِيرِ كَالْمُؤَنَّثِ الْغَيْرِ الْحَقِيقِيِّ»، اچھا اب اور ضابطہ آپ کو بتلا رہے ہیں بھائی۔ اب آپ نے پڑھا: فعل کا فاعل جب اسمِ ظاہر آئے، اسمِ ظاہر، تو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ واحد رکھتے ہیں۔ اور یہ جو آگے اسمِ ظاہر آیا یہ تو مفرد بھی ہو سکتا ہے، تثنیہ بھی ہو سکتا ہے اور جمع بھی ہو سکتا ہے، اس سے ہمیں غرض نہیں فعل ہمیشہ کیا آئے گا؟ واحد۔ لیکن اب ایک اور فائدہ بتانا چاہتے ہیں: اگر فاعل جمع آرہا ہے اور ہے جمع مکسر، جمع مکسر کسے کہتے ہیں؟ جس میں واحد کا وزن جمع میں آکر ٹوٹ جائے جیسے «رَجُلٌ» کی جمع «رِجَالٌ» آگئی۔ تو پھر اس صورت میں یاد رکھو، یہ جمع مکسر جو ہے یہ بھی مونثِ غیر حقیقی کی طرح ہے۔ کس کی طرح ہے؟ مونثِ غیر حقیقی کی طرح ہے، یعنی اس سے پہلے جو فعل آیا جیسے مونثِ غیر حقیقی میں وہ فعل مذکر بھی ہو سکتا ہے اور مونث، تو یہ «الرِّجَالُ» جو جمع مکسر ہے اس کے لیے بھی ماقبل میں فعل مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مونث بھی۔ تو کیا کہیں گے؟ «الرِّجَالُ» کو فاعل بناؤ اور ماقبل میں فعل لے آؤ، کیسے کہیں گے؟ وہی مونثِ غیر حقیقی کی طرح کرو، وہاں فعل «طَلَعَ» تھا نا، طلوع ہونے کا فعل تو انسان نہیں کر سکتا، ہاں طلا کا ایک معنی اوپر چڑھنے کے بھی آتے ہیں وہ معنی کر لیں، لیکن آپ «ضَرَبَ» کا فعل استعمال کریں اس کو چھوڑیں: «ضَرَبَ الرِّجَالُ»، اور دوسری صورت: «ضَرَبَتِ الرِّجَالُ»، صورت سمجھ میں آگئی؟ کیا کیا کہہ سکتے ہیں؟ «ضَرَبَ الرِّجَالُ» اور «ضَرَبَتِ الرِّجَالُ»۔ یا «قَامَ يَقُومُ» کے معنی کھڑے ہونے کے، تو کیا کہیں گے؟ «قَامَ الرِّجَالُ» یا «قَامَتِ الرِّجَالُ»، شاباش بھائی۔

اچھا «قَامَ الرِّجَالُ» تو بات واضح ہے، یا «ضَرَبَ الرِّجَالُ»، «ضَرَبَ» فعل بھی مذکر آگے «الرِّجَالُ» بھی کون ہیں؟ مذکر۔ یہ مونث کیوں لا سکتے ہیں: «قَامَتِ الرِّجَالُ» یا «ضَرَبَتِ الرِّجَالُ»؟ یاد رکھو، یہ جو جمع ہوتی ہے ناجمع، یہ بتاویلِ «جَمَاعَةٌ» کے واحد مونث کے حکم میں ہوتی ہے، کس کے؟ جمع بتاویلِ «جَمَاعَةٌ» کے، کس تاویل میں؟ «جَمَاعَةٌ» کی تاویل میں کیا ہوتی ہے؟ واحد مونث۔ بھائی جمع کا اطلاق کم از کم کتنے افراد پر ہوتا ہے؟ تین، اور اس سے پھر زائد پر، تو کم سے کم تین افراد۔ جب تین افراد ہو گئے تو ایک جماعت بن گئی یا نہیں بن گئی؟ جماعت بن گئی۔ اور جماعت کا لفظ آپ عربی میں لکھیں، اردو میں تو لمبی تا لکھتے ہیں جماعت کے آخر میں، لیکن جماعت کا لفظ عربی میں آپ دیکھیں گے اس کے آخر میں گول تا ہے: «جَمَاعَةٌ»، وہ مفرد ہے، اس کی جمع آتی ہے «جَمَاعَاتٌ»۔ تو «جَمَاعَةٌ» کا لفظ کیا ہے؟ مفرد ہے، اور مذکر ہے کہ مونث ہے؟ مونث ہے، آخر میں کون سی تا جڑی ہوئی ہے؟ تائے تانیث گول تا جڑی ہوئی ہے۔ تو «جَمَاعَةٌ» کا لفظ واحد مونث ہے، لہٰذا جمع جب آگئی تو یہ کس کی تاویل میں ہو گئی؟ جماعت کی، اور جماعت کیا ہے؟ واحد مونث، لہٰذا اس کی طرف آپ دیکھیں گے عموماً ضمیر بھی واحد مونث کی لوٹاتے ہیں۔

ضمیر لوٹانی ہے، کون سی لوٹائیں گے؟ واحد مونث۔ جمع کی بھی لوٹائیں گے، جمع کی بھی لوٹا سکتے ہیں لیکن عموماً آپ کیا دیکھیں گے کہ واحد مونث کی بھی اکثر جگہ ضمیر لوٹائی ہو گی، تو اگر آپ سے کوئی آپ پر اشکال کر دے کہ واحد مونث کی ضمیر، پیچھے «الرِّجَالُ» جمع کا ذکر آرہا ہے اور آگے آپ ضمیر کیا استعمال کر رہے ہیں؟ واحد مونث کی استعمال کر رہے ہیں، وہ لوٹا رہے ہیں، یہ تو ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں، ضمیر تو ہے واحد مونث کی اور پیچھے مرجع کیا ہے؟ جمع مذکر، تو آپ کیا جواب دیں گے؟ کہ یہ جمع کس کی تاویل میں ہے؟ «جَمَاعَةٌ» کی تاویل میں، تو یہ بتاویلِ «جَمَاعَةٌ» کس کے حکم میں؟ واحد مونث کے حکم میں، جب یہ واحد مونث ہے تو ضمیر بھی ہم کون سی لوٹا رہے ہیں؟ واحد مونث ہی کی لوٹا رہے ہیں، لہٰذا آپ کہہ سکتے ہیں: «الرِّجَالُ قَامَتْ»۔

■ قولہ: «الرِّجَالُ قَامَتْ» کی تشریح

«الرِّجَالُ قَامَتْ»، ترکیب کریں: «الرِّجَالُ» مرفوع لفظاً مبتدا، اور «قَامَتْ» فعل بافاعل، اس کے اندر «هِيَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، کس کو راجع ہے؟ «الرِّجَالُ» کو۔ سوال پیدا ہوتا ہے «الرِّجَالُ» تو جمع مذکر ہے اور ضمیر کون سی ہے؟ واحد مونث، کیا جواب دیں گے؟ کہ یہ «الرِّجَالُ» جمع ہے اور بتاویلِ «جَمَاعَةٌ» ہے، اور کس کے حکم میں؟ واحد مونث کے حکم میں، جب یہ واحد مونث ضمیر بھی ہم کون سی لوٹا رہے ہیں؟ «هِيَ» ضمیر واحد مونث کی ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا اب دوبارہ ایئے کتاب پر بھائی، انہوں نے کہا «وَجَمْعُ التَّكْسِيرِ كَالْمُؤَنَّثِ الْغَيْرِ الْحَقِيقِيِّ»، جمع تکسیر یعنی جمع مکسر کس کی طرح ہے؟ مونثِ غیر حقیقی کی طرح۔ کیا معنی مونثِ غیر حقیقی کی طرح ہے؟ جیسے اس کے لیے اس سے پہلے فعل آئے تو مذکر لانا بھی جائز اور مونث لانا بھی جائز: «طَلَعَتِ الشَّمْسُ» کہنا بھی جائز اور «طَلَعَ الشَّمْسُ» کہنا بھی جائز، تو یہ جمع مکسر بھی اسی کی طرح ہے، لہٰذا «تَقُولُ: قَامَ الرِّجَالُ»، دیکھو فعل مذکر لائے، «وَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ: قَامَتِ الرِّجَالُ»، تو «قَامَ الرِّجَالُ» بھی اور «قَامَتِ الرِّجَالُ» بھی بھائی۔

«وَالرِّجَالُ قَامَتْ»، یہ تو میں ابھی ترکیب ذکر کر رہا تھا: «الرِّجَالُ قَامَتْ»، «الرِّجَالُ» مرفوع لفظاً مبتدا، «قَامَتْ» فعل، «هِيَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، کس کو راجع؟ «الرِّجَالُ» کو۔ سوال پیدا ہوتا ہے «الرِّجَالُ» تو جمع مذکر ہے اور ضمیر کون سی واحد مونث؟ کیا جواب دیں گے؟ کہ یہ جمع جو «الرِّجَالُ» ہے یہ بتاویلِ «جَمَاعَةٌ» کے کس کے حکم میں؟ واحد مونث کے حکم میں، لہٰذا ضمیر بھی ہم نے کون سی لوٹا دی؟ واحد مونث کی۔ تو «الرِّجَالُ قَامَتْ» کہہ سکتے ہیں، «وَيَجُوزُ فِيهِ: الرِّجَالُ قَامُوا»، اور اس میں یہ بھی جائز ہے: «الرِّجَالُ قَامُوا»۔ اب ترکیب کیجیے: «الرِّجَالُ» مرفوع لفظاً مبتدا، «قَامُوا» فعل بافاعل شاباش، آگے فاعل بھی بتاؤ: واؤ ضمیر مرفوع محلاً فاعل، اور کون سی ضمیر ہے؟ جمع مذکر غائب کی، اور غائب کی ضمیر کا مرجع چاہیے تو یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ «الرِّجَالُ» کو۔ تو ضمیر بھی جمع مذکر کی اور مرجع بھی کیا ہے؟ جمع مذکر، تو لہٰذا آپ «الرِّجَالُ قَامُوا» یہ بھی کہہ سکتے ہیں گویا، اور «الرِّجَالُ قَامَتْ»۔ «الرِّجَالُ قَامَتْ» کیوں کہا؟ کیونکہ جمع بتاویلِ «جَمَاعَةٌ» کے واحد مونث کے حکم میں۔ اور «الرِّجَالُ قَامُوا» کیوں کہا؟ کیونکہ وہ بھی جمع مذکر اور ضمیر بھی جمع مذکر کی ہے۔

تو انہوں نے آپ کو بتایا کہ جمع مکسر کے لیے فعل کو مذکر بھی لاسکتے ہیں اور مونث بھی: «قَامَ الرِّجَالُ» اور «قَامَتِ الرِّجَالُ» دونوں کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح یاد رکھیے جمع مونث سالم کا بھی یہی حکم ہے: «مُؤْمِنَاتٌ»، یہ کیا ہے؟ جمع مونث سالم، «مُؤْمِنَةٌ» کی جمع کیا ہے؟ «مُؤْمِنَاتٌ»۔ اس کا بھی یہی حکم ہے جمع مکسر کی طرح، یعنی فعل کو مذکر بھی لاسکتے ہیں اور مونث بھی: «قَامَ الْمُؤْمِنَاتُ»، «قَامَ» فعل مذکر لانا بھی جائز، اور «قَامَتِ الْمُؤْمِنَاتُ» مونث لانا بھی جائز، مونث لانا بھی جائز۔

ہاں جمع مذکر سالم میں ایسا نہیں ہے، اس کے لیے فعل مونث نہیں لاسکتے۔ مثلاً «مُؤْمِنٌ» کی جمع کیا ہے؟ «مُؤْمِنُونَ»، تو «قَامَ الْمُؤْمِنُونَ» یہ تو آپ کہہ سکتے ہیں، «قَامَ» فعل، «الْمُؤْمِنُونَ» اس کے لیے فاعل ہے، صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ اور «الْمُؤْمِنُونَ» اسمِ ظاہر ہے تو اس کے لیے فعل ہمیشہ کیا آئے گا؟ واحد، تو «قَامَ الْمُؤْمِنُونَ»، لیکن یہاں «قَامَتِ الْمُؤْمِنُونَ» نہیں کہہ سکتے، اس لیے کیونکہ یہ جو جمع ہے «الْمُؤْمِنُونَ» یہ کون سی جمع ہے؟ جمع مذکر سالم، اس میں واؤ آرہا ہے اور یہ واؤ کون سی جمع میں آتا ہے؟ مذکر سالم، تو چونکہ اس کے اندر مذکر والی ایک علامت آگئی ہے باقاعدہ لہٰذا اب فعل کو ما قبل میں مونث نہیں لاسکتے۔ «قَامَ الرِّجَالُ»، «قَامَتِ الرِّجَالُ»، وہاں «الرِّجَالُ» میں کوئی مذکر والی علامت آئی تھی لفظِ «الرِّجَالُ» میں؟ مذکر والی کوئی علامت نہیں، تو وہاں فعل کو مذکر لانا بھی جائز مونث لانا بھی جائز، لیکن «الْمُؤْمِنُونَ» یہ بھی جمع ہے جمع مذکر سالم، اس میں کس کی علامت آگئی؟ مذکر والی۔ جب علامت آگئی تو اب «قَامَ الْمُؤْمِنُونَ» تو کہہ سکتے ہیں، «قَامَتِ الْمُؤْمِنُونَ» نہیں کہہ سکتے۔

ہاں البتہ اگر جمع مذکر سالم ایسی ہے جس کا مفرد مونث تھا، پھر آپ اس میں بھی یوں کر سکتے ہیں۔ کون سی جمع مذکر سالم میں؟ جس کا مفرد مونث تھا، جیسے «سَنَةٌ»، سال کو کہتے ہیں، اس کی جمع آتی ہے «سِنُونَ»۔ اب یہ بھی واؤ نون کے ساتھ ہے، جمع مذکر ہے اور جمع مذکر سالم ہے، یا اسی طرح «أَرْضٌ»، ارض زمین، «أَرْضٌ» کی جمع آتی ہے «أَرَضُونَ»۔ دونوں کون سی ہیں؟ «سِنُونَ» اور «أَرَضُونَ»، جمع مذکر سالم ہیں لیکن دونوں کا مفرد کیا ہے؟ مونث ہے۔ «أَرْضٌ» کا لفظ عربی میں مونث استعمال ہوتا ہے، «سَنَةٌ» کے آخر میں تو با قاعدہ کیا ہے؟ گول تا ہے۔ تو یہ ایسی جمع مذکر سالم جس کا مفرد کیا ہو؟ مونث، اس میں بھی پھر آپ فعل کو مذکر بھی لاسکتے ہیں اور مونث بھی، لیکن اگر اس کا مفرد بھی مذکر ہے پھر فعل مذکر ہی لائیں گے اس کو مونث نہیں لاسکتے۔

■ قولہ: «وَيَجِبُ تَقْدِيمُ الْفَاعِلِ عَلَى الْمَفْعُولِ إ...» کی تشریح

«وَيَجِبُ تَقْدِيمُ الْفَاعِلِ عَلَى الْمَفْعُولِ إِذَا كَانَا مَقْصُورَيْنِ وَخِفْتَ اللَّبْسَ»، اچھا یاد رکھیے فاعل پر رفع آتا ہے، مفعول پر کیا آتا ہے؟ نصب۔ لہٰذا چاہے آپ فاعل کو پہلے ذکر کریں چاہے مفعول کو پہلے ذکر کر دیں، کوئی حرج نہیں: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، «ضَرَبَ» فعل ہے، «زَيْدٌ» فاعل ہے اور «عَمْرًا» کیا ہے؟ مفعول، کس کو آپ نے پہلے ذکر کیا؟ فاعل کو۔ اور آپ چاہیں تو مفعول پہلے لے آئیں: «ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ»۔ تو چاہے فاعل کو مقدم کر دیں چاہے مفعول کو مقدم کر دیں، کوئی حرج نہیں کیونکہ ان کا اعراب بتلا دے گا کہ کون فاعل ہے کون مفعول ہے: «ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ»، «عَمْرًا» پر نصب ہی بتلا رہا ہے یہ فاعل نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ مفعول، اور «زَيْدٌ» کا رفع بتلا رہا ہے کہ یہ کیا ہے؟ فاعل۔

تو یہ تو وہ صورت ہے کہ جب اعراب کے ذریعے دونوں کا فرق پتہ چل رہا ہو تو آپ چاہے فاعل کو مقدم کریں چاہے مفعول کو۔ لیکن اگر کوئی ایسا مقام آیا کہ جہاں مثلاً دونوں کا اعراب تقدیری ہے، دونوں کا اعراب تقدیری ہے یا اعراب ظاہر نہیں ہو رہا، تو پھر فاعل کو مقدم کریں گے اور مفعول کو موخر کریں گے ورنہ التباس لازم آئے گا، پتہ ہی نہیں چلے گا کہ کون فاعل ہے اور کون مفعول۔ مثلاً آپ کہنا چاہتے ہیں «موسیٰ نے عیسیٰ کی پٹائی کی»، تو کیا کہیں گے؟ «ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى»۔ اب دیکھو موسیٰ پر بھی اعراب تقدیری کیونکہ یہ اسمِ مقصور ہے اور اس پر تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوتا ہے، تو اس کا رفع دیکھو تقدیری۔ اور عیسیٰ وہ بھی اسمِ مقصور ہے، آخر میں الفِ مقصورہ آ رہا ہے تو اس کا اعراب وہ اس وقت منصوب ہے لیکن نصب بھی اس پر کیا آتا ہے؟ تقدیراً۔ تو اعراب تو ظاہر ہی نہیں ہو رہا، لہٰذا اب موسیٰ کو جب آپ نے مقدم کر دیا، اس کو مقدم کرنے سے ہی پتہ چل گیا یہ موسیٰ ضرب لگانے والا ہے اور عیسیٰ جو بعد میں آ رہا ہے اس پر ضرب لگی ہے۔ اگر آپ ترتیب الٹ دیں: «ضَرَبَ عِيسَى مُوسَى»، تو پھر تو کسی کو پتہ نہیں چل رہا کیونکہ اعراب تو ظاہر ہوتا نہیں، تو اب وہ کیا سمجھے گا؟ شاید عیسیٰ نے کس کی پٹائی کی ہے؟ موسیٰ کی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو فعل کے بعد چاہے آپ فاعل کو لے آئیں چاہے مفعول کو مقدم کر کے لے آئیں، لیکن اس صورت میں جب دونوں میں التباس کا خطرہ نہ ہو، دونوں کا آپس میں خلط ہونے کا ملنے جلنے کا خطرہ نہ ہو، اشتباہ کا خطرہ نہ ہو، لیکن جہاں اشتباہ کا خطرہ ہو وہاں پر کیا ضروری ہے؟ فاعل کو مقدم کریں گے اور مفعول کو موخر۔ جس لفظ کو مقدم کر دیں گے اس سے ہی پتہ چل جائے گا یہ فاعل ہے، اور جس کو موخر کریں گے اس کا یہ موخر ہونا ہی بتلا دے گا کہ یہ مفعول ہے۔

ہاں اگر اعراب تو ہے تقدیری، اعراب دونوں پر تقدیری ہے لیکن اشتباہ نہیں ہے تو پھر آپ جس کو چاہیں مرضی مقدم کر دیں۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں کہ زید نے امرود کھایا، اور امرود کو عربی میں کہتے ہیں «كُمَّثْرَى»، یہ آگے لفظ آ رہا ہے ایک دو سطروں کے بعد، «كُمَّثْرَى»، ثاسا کن ہے ثا پر۔ تو اب بتائیے: موسیٰ نے امرود کھایا، یا عیسیٰ نے امرود کھایا، یا یحییٰ نے امرود کھایا، تو کیا کہیں گے؟ «أَكَلَ يَحْيَى الْكُمَّثْرَى»۔ یحییٰ کا اعراب بھی تقدیری اور کمثریٰ کا اعراب بھی تقدیری، لیکن چاہے آپ کمثریٰ کو مقدم کریں چاہے موخر کریں، کوئی اشتباہ نہیں ہوتا، آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: «أَكَلَ يَحْيَى الْكُمَّثْرَى»، اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: «أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى»۔ اشتباہ نہیں، کیونکہ کھانے کا فعل یحییٰ ہی کر سکتا ہے لہٰذا معلوم ہوا وہی فاعل ہے، اور کس کو کھایا جاتا ہے؟ امرود کو، تو وہ مفعول ہی بنے گا۔ یہاں یہ شبہ نہیں آ سکتا ہو سکتا ہے امرود نے کس کو کھا لیا ہو؟ یحییٰ کو، یہاں تو التباس کا خطرہ ہی نہیں ہے بھائی۔ لہٰذا جب چاہے تو کوئی نہ کوئی ایسی چیز ہو جس سے پتہ چل رہا ہو کہ یہ فاعل ہے اور یہ مفعول تو پھر التباس کا خطرہ نہیں ہے، پھر جس کو چاہے مقدم کریں اور جس کو چاہے موخر کریں۔ لیکن اگر التباس کا خطرہ ہے، پتہ نہیں چلتا لفظوں وغیرہ سے اور کوئی معنی وغیرہ سے، تو پھر فاعل ہی کو مقدم رکھیں گے اور مفعول کو موخر، مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟

تو کہتے ہیں «وَيَجِبُ تَقْدِيمُ الْفَاعِلِ عَلَى الْمَفْعُولِ»، اور واجب ہے فاعل کو مقدم کرنا مفعول پر «إِذَا كَانَا مَقْصُورَيْنِ وَخِفْتَ اللَّبْسَ»، جبکہ دونوں کیا ہوں؟ اسمِ مقصور ہوں اور آپ کو خوف ہو لبس یعنی التباس کا دونوں کے مل جانے کا، «نَحْوُ: ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى»، تو اس کے اندر دیکھو معلوم ہوا موسیٰ فاعل اور عیسیٰ مفعول ہے کیونکہ اور کوئی چیز نہیں بتلانے والی کہ فاعل کون ہے مفعول کون ہے، دونوں کا اعراب تقدیری ہے، تو جس کو آپ مقدم کر رہے ہیں معلوم ہوا وہ فاعل ہے اور دوسرا مفعول۔

■ قولہ: «وَيَجُوزُ تَقْدِيمُ الْمَفْعُولِ عَلَى الْفَاعِلِ» کی تشریح

«وَيَجُوزُ تَقْدِيمُ الْمَفْعُولِ عَلَى الْفَاعِلِ»، اور یہ بھی جائز ہے کہ مفعول کو مقدم کر دیا جائے فاعل پر «إِنْ لَمْ تَخَفِ اللَّبْسَ»، اگر آپ کو

التباس کا خطرہ نہ ہو، کوئی بھی چیز آپ کو بتلا رہی ہے یہ فاعل اور یہ مفعول ہے پھر جس کو مرضی مقدم کر دیں بھائی، «نَحْوُ: أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى»، کھایا امرود کو یحییٰ نے، «وَضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ»۔ دیکھا دونوں جملوں کے اندر مفعول کو کیا کیا گیا ہے؟ فاعل پر مقدم کیا گیا ہے۔

لیکن پہلے میں کیا ہے؟ قرینہ۔ کہتے ہیں، یاد رکھنا قرینے کی تعریف، بلکہ یہ تعریف لکھ لیں: «اَلْقَرِينَةُ»، بس چھوٹا سا ہے یہیں پر لکھ لیں اپنی کاپی میں: «اَلْقَرِينَةُ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ»۔ «اَلْقَرِينَةُ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ»، قرینہ وہ چیز ہے جو مطلوب اور مراد کی طرف اشارہ کرے۔ قرینہ وہ چیز ہے جو مطلوب اور مراد کی طرف اشارہ کرے، سمجھ میں آئی بات؟

بھائی دیکھیے، میں نے آپ سے کہا: «أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى»، میں کیا کہنا چاہتا ہوں کہ یحییٰ نے امرود کو کھایا یا امرود نے یحییٰ کو کھایا؟ یحییٰ نے امرود کو۔ ہاں یہ میری مراد یہ ہے کہ یحییٰ نے کھایا ہے اور کس کو کھایا؟ امرود کو۔ اور یہاں پر لفظوں میں تو کوئی قرینہ نہیں، لفظوں سے فاعل مفعول کا پتہ نہیں چل رہا کیونکہ دونوں اسمِ مقصور ہیں دونوں پر اعراب تقدیری ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے آپ کو خود بخود پتہ چل رہا ہے کہ امرود فاعل نہیں بن سکتا کیونکہ وہ کھانے کا فعل وہ سرانجام نہیں دے سکتا، ہاں یحییٰ فاعل بن سکتا ہے اور امرود کیا ہو سکتا ہے؟ مفعول، تو یہ ہے قرینہ معنویہ۔ لفظوں میں کوئی قرینہ نہیں، یعنی کسی چیز کے تلفظ سے پتہ چل رہا ہے کون فاعل ہے یا مفعول ہے؟ تلفظ سے نہیں پتہ چل رہا ہاں معنی سے پتہ چل رہا ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ قرینہ معنوی۔ تو یہاں قرینہ معنویہ ہے، یہاں دیکھو التباس کا خطرہ نہیں۔ کیوں نہیں التباس کا خطرہ؟ کیونکہ قرینہ معنویہ موجود ہے، اور قرینہ کسے کہتے ہیں؟ وہ چیز جو کس کی طرف اشارہ کرے؟ مطلوب اور مراد کی طرف، اور یہاں کس چیز سے آپ کو میری مراد کا پتہ چل رہا ہے کہ کھایا گیا ہے امرود کو اور کھانے والا کون ہے؟ یحییٰ، قرینہ معنویہ کیا ہے؟ کیونکہ امرود ہی کو کھایا جاتا ہے، امرود کسی کو نہیں کھاتا، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ قرینہ معنوی۔ قرینہ لفظیہ نہیں، لفظوں میں کسی چیز سے یعنی اعراب سے پتہ نہیں چل رہا۔

اور آگے «ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ»، یہاں «عَمْرًا» میں نصب اور «زَيْدٌ» پر رفع بتلا رہا ہے کہ «عَمْرًا» کیا ہے؟ مفعول، اور «زَيْدٌ» کیا ہے؟ فاعل، تو یہاں قرینہ کون سا ہے؟ لفظی ہے یا معنوی ہے؟ لفظی ہے، یہ لفظوں تلفظ ہمیں بتلا رہا ہے کہ یہاں جس کی پٹائی ہوئی وہ عمر ہے اور جس نے پٹائی کی وہ کون ہے؟ زید۔ تو قرینہ کسے کہتے ہیں؟ وہ چیز جو مراد کی طرف اشارہ کرے۔ میں آپ سے بات کر رہا ہوں نا، تو میں جو جملہ کہتا ہوں میں اس جملے کے ذریعے کس معنی کا ارادہ کر رہا ہوں، وہ معنی جس جو چیز آپ کو بتلائے گی اس کو کہیں گے قرینہ، صورت سمجھ میں آگئی؟ قرینہ کہیں گے اس کو کہ یہ کہنے والا کیا کہنا چاہتا ہے، اس کی مراد کیا ہے، یہ کس چیز کا ارادہ کر رہا ہے۔ میں نے کہا «أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى»، میری کیا مراد ہے؟ میں کیا کہنا چاہتا ہوں، آپ سمجھ گئے یا نہیں سمجھ گئے؟ جی، تو یہ جو چیز اس مراد کی طرف اشارہ کرے، جو بھی چیز اس کی طرف اشارہ کرے جس سے آپ کو وہ چیز بات سمجھ میں آجائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ قرینہ کہتے ہیں، اور یہاں کون سا قرینہ ہے؟ کوئی لفظوں میں ہے تلفظ میں ہے یا معنی کے اعتبار سے ہے؟ معنی کے اعتبار سے، تو اس کو کیا کہیں گے؟ قرینہ معنوی۔ اور میں نے آپ سے کہا «ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ»، میں کیا آپ کو بتانا چاہتا ہوں؟ پٹائی عمر نے کی ہے یا زید نے کی ہے؟ تو میری مراد کیا ہوئی کہ زید پٹائی کرنے والا ہے اور کس کی پٹائی کی ہے؟ عمر کی، اور یہ میری مراد پر کس چیز سے آپ کو پتہ چل رہا ہے میری مراد کا؟ قرینے سے، اور قرینہ یہاں پر کیا ہے؟ تلفظ، کیا معنی لفظی ہے؟ تلفظ بتلا رہا ہے «عَمْرًا» یہ جو نصب پر میں تلفظ کر رہا ہوں اور «زَيْدٌ» یہ جو رفع پر میں تلفظ کر رہا ہوں، یہ تلفظ یہ ہے وہ قرینہ جو میری مراد پر کیا کر رہا ہے؟ دلالت کر رہا ہے، آپ کو بتلا رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو قرینہ کسے کہتے ہیں؟ وہ چیز جو مراد اور مطلوب کی طرف اشارہ کر دے اور اس کے بارے میں بتلا دے، وہ لفظی بھی ہو سکتا ہے اور معنوی بھی ہو سکتا ہے۔

■ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب

ترکیب کیجیے بھائی: «ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى»، جی: «ضَرَبَ» فعل، «مُوسَى» مرفوع تقدیراً فاعل، ہاں مرفوع تقدیراً کہنا ہے محلاً نہیں کیونکہ یہ مبنی نہیں ہے، لیکن اعراب تو ظاہر نہیں ہو رہا تو آپ نو قسموں میں چلے گئے اور آپ نے دیکھا کہ اس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہے، اور جس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہو اسے کیا کہتے ہیں؟ اسمِ مقصور، اور اس کا اعراب تینوں حالتوں میں کیا ہوتا ہے؟ تقدیری، تو رفع بھی تقدیری، تو مرفوع تقدیراً فاعل۔ اور آگے؟ «عِيسَى» منصوب تقدیراً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، پٹائی کی موسیٰ نے عیسیٰ کی۔

اگلے جملے کی ترکیب کریں: «أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى»۔ «أَكَلَ» فعل، «الْكُمَّثْرَى» منصوب تقدیراً مفعول بہ شاباش، «يَحْيَى» مرفوع تقدیراً فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

«وَضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ»، جی: «ضَرَبَ» فعل، «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا شاباش بھائی۔ دیکھا ترکیب کوئی مشکل ہے بھائی؟ بالکل آسان، آپ جیسے جیسے آگے جائیں گے آپ بڑے بڑے جملوں کی انشاء اللہ ترکیب کرتے جائیں گے بھائی انشاء اللہ، سمجھ میں آیا؟ عبارت میں خود بھی کبھی غور کیا کرو، کوئی بات کبھی پوچھنی ہو پوچھا کرو، ہاں تو کوشش کرنے سے ہی آپ سیکھیں گے خود کوشش کرتے چلے جائیں بھائی۔

آگے دیکھیے: «وَيَجُوزُ حَذْفُ الْفِعْلِ حَيْثُ كَانَتْ قَرِينَةٌ»، بھائی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ فعل جب بھی آجائے آپ نے کس کو تلاش کرنا ہے؟ فاعل۔ کیا ایسا کبھی ہو سکتا ہے فعل آجائے اور آگے فاعل یا نائب فاعل نہ آئے؟ نہیں، جب بھی فعل آئے گا اس کے ساتھ فاعل یا نائب فاعل کا آنا ضروری، معلوم ہوا فعل موجود ہو اور فاعل یا نائب فاعل کو آپ حذف کر لیں یہ جائز نہیں۔ فعل موجود ہو اور فاعل یا نائب فاعل کو آپ کیا کر لیں؟ حذف کر لیں، یہ جائز نہیں ہے کیونکہ فعل جب بھی آئے گا اس کے ساتھ کس کا آنا ضروری؟ فاعل کا آنا ضروری ہے، یہ نہیں ہو سکتا فعل آجائے اور فاعل یا نائب فاعل نہ آئے، لہٰذا فعل جب آئے تو پھر فاعل یا نائب فاعل کو حذف کرنا جائز نہیں ہے۔

ہاں اس کا برعکس کر سکتے ہیں: فعل کو حذف کر لیں اور فاعل یا نائب فاعل کو ذکر کریں، کس کو حذف کر دیں؟ فعل کو، اور کس کو ذکر کریں؟ فاعل یا نائب فاعل کو، لیکن یہ بھی وہاں پر، فعل کو وہاں حذف کرنا جائز ہے جہاں قرینہ موجود ہو۔ فاعل کو تو کسی صورت حذف نہیں کر سکتے قرینے وغیرہ کسی چیز کو نہیں دیکھنا بس فاعل کو حذف نہیں کر سکتے، فعل جب آیا ہے تو فاعل یا نائب فاعل کو ذکر کرنا ضروری ہے، لیکن اس کا برعکس کر سکتے ہیں جبکہ قرینہ موجود ہو: کیا؟ فاعل یا نائب فاعل کو ذکر کریں اور فعل کو کیا کر دیں؟ حذف کر دیں، کب حذف کر دیں؟ جب کوئی قرینہ موجود ہو کیونکہ سننے والے کو بھی تو پتہ چلے کہ یہاں یہ والا فعل مراد ہے۔ «زَيْدٌ» میں کہتا ہوں، اب «زَيْدٌ» فاعل ذکر کر رہا ہوں فعل کیا ہے آپ کو کبھی بھی نہیں پتہ چلے گا کیونکہ قرینہ ہی کوئی نہیں ہے، «ضَرَبَ زَيْدٌ» ہے یا «أَكَلَ زَيْدٌ» ہے یا «شَرِبَ زَيْدٌ» ہے، کوئی بھی فعل ہو سکتا ہے تو قرینہ ضرور چاہیے پھر آپ فعل کو حذف کر سکتے ہیں۔

مثلاً آپ نے مجھ سے پوچھا: «مَنْ ضَرَبَ؟» کس نے پٹائی کی؟ میں نے کہا: «زَيْدٌ»۔ معلوم ہوا پورا کلام کیا ہے؟ «ضَرَبَ زَيْدٌ»۔ دیکھو آپ کا سوال قرینہ ہے، سوال میں کیا کون سا فعل تھا؟ «ضَرَبَ»، آپ نے پوچھا تھا نا «مَنْ ضَرَبَ؟» کس نے پٹائی کی؟ معلوم ہوا میں بھی کس چیز کا بتا رہا ہوں؟ پٹائی ہی کا بتا رہا ہوں: «ضَرَبَ زَيْدٌ»۔ میں نے تو صرف کیا کہا؟ «زَيْدٌ»، لیکن معلوم ہوا پورا کلام کیا ہے؟ «ضَرَبَ زَيْدٌ»۔ تو دیکھو قرینہ تھا یا نہیں؟ قرینہ کیا تھا؟ وہ آپ کا سوال قرینہ تھا، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَيَجُوزُ حَذْفُ الْفِعْلِ حَيْثُ كَانَتْ قَرِينَةٌ»، اور جائز ہے فعل کو حذف کرنا جہاں پر قرینہ ہو۔ «حَيْثُ كَانَتْ قَرِينَةٌ»، یاد رکھیے یہ «كَانَ» افعالِ ناقصہ میں سے ہے، یہ ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر، یہ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب۔ لیکن کبھی کبھار یہ «كَانَ» تامہ بھی آتا ہے، اور «كَانَ» تامہ «ثَبَتَ» کے معنی میں ہوتا ہے، اور یہ صرف فاعل کو چاہتا ہے پھر اسم خبر کی ضرورت نہیں، یعنی صرف فاعل پر بات پوری ہو جائے گی۔ تو یہاں یہ «كَانَ» تامہ ہے بمعنی «ثَبَتَ» کے، یعنی «ثَبَتَ قَرِينَةٌ» جہاں پر کیا ثابت ہو جائے؟ قرینہ، یا یوں کہیں «حَيْثُ وُجِدَتْ قَرِينَةٌ» جہاں پر قرینہ پایا جائے۔ تو کہتے ہیں فعل کو حذف کرنا بھی جائز ہے جہاں پر قرینہ پایا جائے، «نَحْوُ: زَيْدٌ»، جیسے کہ «زَيْدٌ»، کون سا «زَيْدٌ»؟ «فِي جَوَابِ مَنْ قَالَ: مَنْ ضَرَبَ؟»، اس شخص کے جواب میں جس نے یہ کہا تھا، کیا کہا تھا؟ «مَنْ ضَرَبَ؟» کس نے پٹائی کی؟ ایک شخص نے کیا کہا تھا: «مَنْ ضَرَبَ؟» کس نے پٹائی کی؟ اس کے جواب میں آپ نے کیا کہا: «زَيْدٌ»۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ «نَحْوُ: زَيْدٌ فِي جَوَابِ مَنْ قَالَ: مَنْ ضَرَبَ؟»، جیسے زید کا لفظ اس شخص کے جواب میں جس نے کہا تھا: «مَنْ ضَرَبَ؟» کس نے پٹائی کی؟ جب اس نے کہا نا «مَنْ ضَرَبَ؟» کس نے پٹائی کی؟ معلوم ہوا اتنا تو اس کو پتہ ہے فعل ضرب والا ہی ہوا ہے، لیکن کس نے کیا ہے یہ اس کو پتہ نہیں ہے، تو میں نے بھی جواب میں کیا کہا: «زَيْدٌ»، کیونکہ اتنا تو پتہ ہے فعل کون سا ہوا ہے: «ضَرَبَ»۔

■ قولہ: «وَكَذَا يَجُوزُ حَذْفُ الْفِعْلِ وَالْفَاعِلِ مَعًا» کی تشریح

«وَكَذَا يَجُوزُ حَذْفُ الْفِعْلِ وَالْفَاعِلِ مَعًا»، ہاں بھائی فعل اور فاعل دونوں کو اکٹھا بھی حذف کر سکتے ہو۔ مثلاً آپ نے مجھ سے پوچھا: «أَجَاءَ زَيْدٌ؟»، «جَاءَ يَجِيءُ» کے معنی آنا اور ہمزہ استفہام کے لیے ہوتا ہے، «أَجَاءَ زَيْدٌ؟» کیا زید آگیا ہے؟ میں کہتا ہوں: «نَعَمْ»، ہاں۔ مجھے تو کہنا چاہیے

تھا «نَعَمْ جَاءَ زَيْدٌ»، لیکن میں نے «جَاءَ» کو بھی حذف کر دیا اور «زَيْدٌ» کو بھی۔ فعل اور فاعل دونوں کو اکٹھا بھی حذف کر سکتے ہیں جب کیا موجود ہو؟ قرینہ، اور یہاں قرینہ کیا تھا؟ آپ کا سوال، آپ نے سوال ہی یہی پوچھا تھا، زید ہی کے بارے میں پوچھا تھا اور آنے ہی کے بارے میں پوچھا تھا: «أَجَاءَ زَيْدٌ؟»، صورت سمجھ میں آگئی۔

«وَكَذَا يَجُوزُ حَذْفُ الْفِعْلِ وَالْفَاعِلِ مَعًا»، اور جائز ہے حذف کرنا فعل اور فاعل کو معاً اکٹھا ہی، «كَنَعَمْ»، جیسے کہ نعم کا لفظ «فِي جَوَابِ مَنْ قَالَ: أَقَامَ زَيْدٌ؟»، اس شخص کے جواب میں جس نے یہ کہا تھا: «أَقَامَ زَيْدٌ؟» کیا زید کھڑا ہو گیا ہے؟ صورت سمجھ میں آگئی۔

«وَقَدْ يُحْذَفُ الْفَاعِلُ وَيُقَامُ الْمَفْعُولُ مَقَامَهُ»، ہاں اب دوسری بات کر رہے ہیں۔ بھائی یاد رکھیے کبھی کبھی فاعل کو بھی حذف کرتے ہیں، آپ کہیں گے ابھی تو آپ نے ہمیں بتایا تھا کہ فاعل کو کبھی بھی حذف نہیں کرتے، بھائی یہ فعلِ مجہول کی بات ہو رہی ہے، فعلِ مجہول میں کیا کیا جاتا ہے؟ فاعل کو حذف کر کے مفعول کو اس کا قائم مقام بناتے ہیں۔ جب قائم مقام بنا دیا اب فاعل کو حذف کرنا جائز ہے اور وہ صرف فعلِ مجہول میں ہو گا فعلِ معروف میں نہیں، تو جب قائم مقام اس کا آگیا یعنی اس کا نائب آگیا، نائب آگیا تو گویا وہ خود ابھی بھی موجود ہے جب اس کا نائب موجود ہے، تو یہ صرف کس میں ہو گا؟ فعلِ مجہول میں کیونکہ اس میں فاعل کو ذکر کیا ہی نہیں جاتا۔

تو کہتے ہیں «وَقَدْ يُحْذَفُ الْفَاعِلُ»، اور کبھی کبھار فاعل کو حذف کر لیتے ہیں، «وَيُقَامُ الْمَفْعُولُ مَقَامَهُ»، اور قائم مقام کر دیتے ہیں اس کا مفعول کو، «إِذَا كَانَ الْفِعْلُ مَجْهُولًا»، جبکہ فعل کون سا ہو؟ مجہول، «نَحْوُ: ضُرِبَ زَيْدٌ»، جیسے «ضُرِبَ زَيْدٌ»۔ «وَهُوَ الْقِسْمُ الثَّانِي مِنَ الْمَرْفُوعَاتِ»، اور یہ مرفوعات کی قسمِ ثانی ہے، یعنی یہ نائب الفاعل ہے: «ضُرِبَ زَيْدٌ»، یہ کیا ہے؟ ترکیب کرو: «ضُرِبَ زَيْدٌ»، «ضُرِبَ» فعلِ مجہول، جی «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً نائب الفاعل، فعل اپنے نائب الفاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔ «ضُرِبَ زَيْدٌ» ترجمہ کریں: زید کی پٹائی کی گئی۔ تو یہ نائب الفاعل ہوا، «وَهُوَ الْقِسْمُ الثَّانِي مِنَ الْمَرْفُوعَاتِ»، اور نائب الفاعل جو ہے وہ مرفوعات کی دوسری قسم ہے، ابھی ہم پہلی قسم پڑھ رہے ہیں اور کس کو بیان ہو رہا ہے ابھی؟ فاعل، دوسری قسم آگے آئے گی نائب الفاعل ہے وہ دوسری قسم ہے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۴: فصل فی تنازع الفعلین: تنازعِ فعلین کی تعریف اور بصریین و کوفیین کا اختلاف

ہدایۃ النحو صفحہ: ۲۵—بتاریخ: ۲ نومبر ۲۰۱۴ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: إِذَا تَنَازَعَ الْفِعْلَانِ فِي اسْمٍ ظَاهِرٍ بَعْدَهُمَا، أَيْ: أَرَادَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الْفِعْلَيْنِ أَنْ يَعْمَلَ فِي ذٰلِكَ الِاسْمِ، فَهٰذَا إِنَّمَا يَكُونُ عَلَى أَرْبَعَةِ أَقْسَامٍ: الْأَوَّلُ: أَنْ يَتَنَازَعَا فِي الْفَاعِلِيَّةِ فَقَطْ، نَحْوُ: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ الثَّانِي: أَنْ يَتَنَازَعَا فِي الْمَفْعُولِيَّةِ فَقَطْ، نَحْوُ: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ الثَّالِثُ: أَنْ يَتَنَازَعَا فِي الْفَاعِلِيَّةِ وَالْمَفْعُولِيَّةِ، وَيَقْتَضِي الْأَوَّلُ الْفَاعِلَ وَالثَّانِي الْمَفْعُولَ، نَحْوُ: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ الرَّابِعُ: عَكْسُهُ، نَحْوُ: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔

اس فصل میں مصنف رحمہ اللہ تنازعِ فعلین کو بیان کریں گے۔ تنازع کا معنی ہے جھگڑنا۔ تنازعِ فعلین یعنی دو فعل جھگڑا کرتے ہیں۔ مثلاً ایک اسم ظاہر آیا اور اس اسم ظاہر سے پہلے دو فعل آئے۔ ہر فعل چاہتا ہے کہ یہ میرا معمول بنے، میں اس کے اندر عمل کروں اور اس کو رفع یا نصب دوں۔ دو فعل آئے ہیں اور اس کے بعد کیا آیا ہے؟ ایک اسم ظاہر۔ اسم ظاہر کسے کہتے ہیں؟ میں نے بتایا تھا، اسم ظاہر ضمیر کے مقابلے میں ہے، جو ضمیر نہیں وہ کیا ہے؟ اسم ظاہر۔ جو اسم بھی ہے، وہ اگر ضمیر نہیں تو پھر اسم ظاہر ہے بھائی۔ تو دو فعل آئے اور ان دو فعلوں کے بعد ایک اسم ظاہر آرہا ہے، اور ہر فعل کیا چاہتا ہے کہ میں اس اسم ظاہر میں عمل کروں۔ تو یہ ہے تنازعِ فعلین، دو فعلوں کا جھگڑنا بھائی۔

اور یاد رکھیے، اس میں پھر چار صورتیں بنتی ہیں، چار صورتیں۔ پہلی صورت یہ کہ دونوں فعل تقاضا کرتے ہیں کہ آگے آنے والا اسم ان کے لیے فاعل بنے۔ دونوں کیا چاہتے ہیں کہ آگے آنے والا اسم ان کے لیے فاعل بنے۔ پہلا فعل چاہتا ہے کہ میں عمل کروں یہ میرے لیے فاعل بنے، دوسرا فعل چاہتا ہے میں اس میں عمل کروں اور یہ میرے لیے فاعل بنے۔ اور کبھی جھگڑا مفعول ہونے میں ہو گا۔ پہلا فعل چاہتا ہے یہ آگے آنے والا اسم ظاہر میرے لیے مفعول بنے، میں اس میں عمل کروں، دوسرا فعل چاہتا ہے کہ میں اس میں عمل کروں اور یہ میرے لیے مفعول بنے۔

اور کبھی مختلف جہتیں ہوں گی بھائی۔ پہلا فعل تو چاہتا ہے میرے لیے فاعل بنے اور دوسرا فعل کیا چاہتا ہے میرے لیے مفعول بنے، یہ تیسری صورت ہو گئی۔ کیا صورت ہوئی؟ پہلا چاہتا ہے میرے لیے فاعل، دوسرا چاہتا ہے میرے لیے مفعول بنے۔ اور چوتھی صورت اس کے برعکس ہے، پہلا چاہتا ہے میرے لیے مفعول بنے اور دوسرا چاہتا ہے میرے لیے فاعل بنے۔ صورتیں سمجھ میں آگئیں؟ تنازعِ فعلین کی کتنی صورتیں ہیں؟ چار۔ پہلی صورت کیا کہ دونوں فعل کس کا تقاضا کر رہے ہیں؟ فاعل کا، کہ آگے آنے والا اسم ظاہر ان کے لیے فاعل بنے۔ دوسری صورت کیا؟ دونوں کس چیز کا تقاضا کر رہے ہیں؟ مفعول کا، کہ آگے آنے والا اسم ظاہر ان کے لیے مفعول بنے۔ تیسری صورت کہ پہلا چاہتا ہے میرے لیے فاعل بنے، دوسرا چاہتا ہے میرے لیے مفعول بنے۔ اور کبھی اس کا برعکس ہو گا چوتھی صورت میں کہ پہلا چاہتا ہے میرے لیے مفعول بنے اور دوسرا چاہتا ہے میرے لیے فاعل بنے بھائی۔

تو دیکھیے اب کتاب پر: «فَصْلٌ» یعنی «هٰذَا فَصْلٌ»، یہ فصل ہے۔ «إِذَا تَنَازَعَ الْفِعْلَانِ فِي اسْمٍ ظَاهِرٍ بَعْدَهُمَا»، جب جھگڑا کریں دو فعل ایک ایسے اسم ظاہر میں جو ان دونوں فعلوں کے بعد آئے۔ «أَيْ: أَرَادَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الْفِعْلَيْنِ»، جھگڑا کریں کا کیا معنی؟ یعنی ارادہ کرے ہر ایک ان دو فعلوں میں سے، «أَنْ يَعْمَلَ فِي ذٰلِكَ الِاسْمِ»، کہ وہ عمل کرے اس اسم میں۔ تو کہتے ہیں: «فَهٰذَا إِنَّمَا يَكُونُ عَلَى أَرْبَعَةِ أَقْسَامٍ»، تو یہ جو ہے چار قسم پر ہو گا۔ «الْأَوَّلُ: أَنْ يَتَنَازَعَا فِي الْفَاعِلِيَّةِ فَقَطْ»۔ اچھا بھائی، چار صورتیں ہیں، ذرا یہ کاپی پر لکھیں، آپ کو سمجھ میں آجائے، پھر آپ یہ مثالیں خود بنا سکتے ہیں، رٹا لگانے کی ضرورت نہیں بھائی۔

بھائی یاد رکھیے، پہلا فعل جو یہ استعمال کریں گے وہ ہو گا «ضَرَبَ» کا مثالوں کے اندر۔ ویسے تو کوئی بھی دو فعل ہو سکتے ہیں جن میں یہ تنازع ہو سکتا ہے، کسی بھی قسم کے، لیکن یہاں یہ مثالوں میں پہلا فعل «ضَرَبَ» سے استعمال کریں گے اور دوسرا «أَكْرَمَ» سے۔ اب ہم «ضَرَبَ» سے ایک فعل بنا لیتے ہیں جو فاعل کا تقاضا کرے، اور دیکھیے «ضَرَبَ» فعل ہے، یہ ایک فاعل کا تقاضا کرتا ہے، ایک مفعول کا۔ «ضَرَبْتُ»، میں نے پٹائی کی۔ تو کوئی مضروب چاہیے یا نہیں چاہیے؟ بغیر کبھی مضروب کے ضرب پائی جا سکتی ہے؟ نہیں، تو مضروب بھی چاہیے۔ تو مثلاً «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، اب دیکھو «ضَرَبْتُ» میں تا ضمیر فاعل کی ملی ہوئی ہے ساتھ، اور آگے «زَيْدًا» کیا بن رہا ہے؟ مفعول بن رہا ہے۔

تو اس زید کو ذرا یہاں سے ہٹائیں۔ «ضَرَبْتُ»، یہ کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا، فاعل تو ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اب دوسری مثال بنا لو جس میں یہ فاعل کا تقاضا کرے اور مفعول ساتھ جڑا ہوا ہو۔ «ضَرَبَنِي زَيْدٌ»۔ «ضَرَبَ» فعل، نون وقایہ کا، اور یا ضمیر متکلم کی۔ «ضَرَبَنِي»، یہ صیغہ کوئی آپ نے پورا کہیں گردانوں میں پڑھا؟ دیکھو «ضَرَبْتُ» آپ نے پڑھا تھا، وہ فاعل ساتھ جڑا ہوا تھا، فاعل فعل کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو «ضَرَبَنِي» کے اندر یاد رکھو یہ نون وقایہ ہے۔ نون وقایہ جانتے ہو بھائی؟ یاد رکھو نونِ وقایہ، اس کا معنی حفاظت کرنا، بچانا۔ آپ نے پڑھا ہے کہ ماضی مبنی علی الفتح ہوتی ہے، اس کا آخر کیا ہوتا ہے؟ مبنی ہوتا ہے بھائی۔

مثلاً اب میں کہنا چاہتا ہوں زید نے میری پٹائی کی، اب «ضَرَبَ زَيْدٌ»، زید نے پٹائی کی، اور مفعول کے لیے میں متکلم کی ضمیر لانا چاہتا ہوں۔ زید نے پٹائی کی اور کس کی پٹائی کی ہے؟ میری کی ہے۔ اب اگر میں «ضَرَبَ» کے ساتھ یا ضمیر جوڑتا ہوں تو کہنا پڑے گا «ضَرَبِي زَيْدٌ»۔ حالانکہ با کے نیچے تو کسرہ آرہا ہے، حالانکہ با کے نیچے کسرہ نہیں آنا چاہیے کیونکہ ماضی کا آخر کیا ہوتا ہے؟ مبنی، اور مبنی کا آخر بدلتا نہیں ہے۔ اب معلوم ہوا «ضَرَبَ» کی با پر زبر کو برقرار رکھنا ہے ہر حال میں۔ لیکن آخر میں جب میں یا جوڑتا ہوں، یا اپنے سے ماقبل ہمیشہ کیا چاہتی ہے؟ کسرہ چاہتی ہے۔ لہٰذا اب کیا کیا جائے کہ ماضی کا آخر بھی بچ جائے اور یا سے ماقبل کسرہ بھی آجائے؟ اب یہ ایک وقت میں ایک ہی چیز ہو سکتی ہے، دونوں تو ہو نہیں سکتیں۔ ماضی کا آخر کیا رکھتے ہو؟ مبنی علی الفتح، تو یا سے ماقبل کسرہ نہیں آسکتا۔ اور اگر یا سے ماقبل کسرہ لاتے ہو تو ماضی تو آخر میں مبنی تھی، وہ تو بدلنا پڑے گا آپ کو۔ تو دونوں چیزیں نہیں ہو سکتیں، تو پھر اس کے لیے درمیان میں ایک نون لے آتے ہیں۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ نونِ وقایہ۔ اب اس کو یوں پڑھیں گے: «ضَرَبَنِي زَيْدٌ»۔

تو دیکھو، اب یا سے ماقبل نون آیا، اس نون کو کسرہ دے دیا ہم نے، تو دونوں چیزوں پر اب عمل ہو گیا۔ «ضَرَبَ» کے آخر میں جو با تھی وہ اسی طرح با پر فتحہ ہے، تو ماضی اسی طرح مبنی علی الفتح باقی رہ گئی، اور یا سے ماقبل کسرہ بھی آگیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ نونِ وقایہ۔ اس کا کیا معنی بتایا میں نے؟ حفاظت کرنا۔ دیکھو اس نے ماضی کے آخر کی حفاظت کر لی، اس کو نہیں بدلنا پڑا۔ «ضَرَبَ» کی با پر جو حرکت تھی اس کو بدلنا نہیں پڑا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور یاد رکھنا یہ نونِ وقایہ صرف فعل کے ساتھ جڑا کرتا ہے، اسم کے ساتھ نہیں جڑتا۔

اچھا، پہلی مثال کیا لکھی آپ نے؟ «ضَرَبْتُ زَيْدًا»۔ یہ مثالوں کو خوب اچھی طرح سمجھ لو، آپ نے اسی سے آگے تنازعِ فعلین کی مثالیں بنانی ہیں۔ «ضَرَبْتُ» کیسا فعل ہے؟ اس کے ساتھ کون جڑا ہوا ہے؟ فاعل کی تا ضمیر ساتھ جڑی ہوئی ہے، آگے «زَيْدًا» کیا ہے اس کے لیے؟ مفعول ہے۔ تو اگر صرف «ضَرَبْتُ» کہوں تو یہ مفعول کا تقاضا کرے گا۔ اچھا، اب فاعل والی مثال بناؤ: «ضَرَبَنِي زَيْدٌ»۔ دیکھو «ضَرَبَ» فعل ہے، نون وقایہ کا، اور یا ضمیر کیا ہے؟ متکلم کی مفعول بن رہی ہے۔ تو معلوم ہوا یہ آگے زید اس کے لیے کیا بنے گا؟ فاعل۔ تو «ضَرَبَنِي» اس فعل کے ساتھ مفعول جڑا ہوا ہے اور یہ کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا تقاضا کر رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب دوسرا فعل یہ استعمال کریں گے «أَكْرَمَ» کا۔ اس سے ایک مثال بناؤ بھائی ذرا «أَكْرَمَ» سے، جس میں «أَكْرَمَ» کا فعل مفعول کا تقاضا کرے، فاعل اس کے ساتھ جڑا ہوا ہو۔ کون سا فعل ہو؟ «أَكْرَمَ» کا، اور فاعل اس کے ساتھ جوڑ دو: «أَكْرَمْتُ»، اور مفعول کا یہ تقاضا کر رہا ہے، کیا مثال بن گئی؟

«أَكْرَمْتُ زَيْدًا» ۔صورت بھی سمجھ میں آرہی ہے سب کو؟ دوسری مثال اسی «أَكْرَمَ» سے بناؤ جس میں مفعول ساتھ جڑا ہو اور فاعل اس کا آگے آرہا ہو: «أَكْرَمَنِي زَيْدٌ» ۔تو دیکھو «أَكْرَمَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر مفعول۔ آپ سے کوئی پوچھ لے اس یا ضمیر کا اعراب بتاؤ، کیا کہیں گے آپ؟ بلکہ پہلے ساروں کی دوبارہ ترکیب دیکھو بھائی۔

■ قولہ: «ضَرَبْتُ زَيْدًا» کی تشریح

«ضَرَبْتُ زَيْدًا» ،ترکیب کیا کریں گے؟ «ضَرَبْتُ» فعل بافاعل، اب اس میں فاعل بھی بتادو، کیا ہے فاعل؟ تا ضمیر فاعل ہے۔اس فاعل کا اعراب بتاؤ؟ فاعل جب بھی آپ کو کہا جائے آپ فوراً سمجھ جائیں رفع پڑھنا ہے اس پر، یہ ہے مرفوع، اور مرفوع تو تین طرح پر ہے بھائی: کبھی محلاً ہوتا ہے، کبھی لفظاً ہوتا ہے، کبھی تقدیراً۔ محلاً یہ صرف مبنی کے لیے آتا ہے، لفظاً اور تقدیراً یہ کس میں ہوتا ہے؟ معرب کے اندر ہوتا ہے۔ لفظاً کا کیا معنی کہ اس اعراب پر ہم باقاعدہ کیا کرتے ہیں؟ تلفظ کرتے ہیں۔اب مجھے بتایئے، «ضَرَبْتُ زَيْدًا» ، «ضَرَبْتُ» فعل بافاعل، اور اس کے اندر تا ضمیر فاعل ہے، اس ضمیر کا اعراب کوئی آپ سے پوچھ لے کیا کہیں گے؟ مرفوع محلاً۔ بھائی یہ ضمیر ہے، ضمیر کس میں سے ہے؟ مبنیات میں سے ہے، یہ تو میں نے آپ کو بتایا تھا لیکن اتنی ایک مہینے کی چھٹیاں گزار کے آئے ہیں اس لیے لگتا ہے ذہن سے نکل گئیں چیزیں بھائی۔

بھائی میں نے آپ کو بتایا تھا، یہ جو ضمیر پر جو زبر زیر پیش وغیرہ کچھ پڑھتے ہیں یہ اس کی حرکت ہے، یہ اعراب نہیں ہے، کیونکہ یہ تو مبنی ہے اور مبنی پر اعراب نہیں آیا کرتا بھائی، ظاہر نہیں ہوتا۔ تو سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ کیا ہے؟ تا ضمیر مرفوع محلاً۔ یہ محلاً کیوں ہے؟ کیونکہ مبنی ہے، مبنی پر اعراب لفظوں میں آ ہی نہیں سکتا، تو مرفوع ہے محلاً۔ اچھا، اور «زَيْدًا» کیا ہے؟ منصوب لفظاً مفعول بہ۔ لفظاً کیا معنی؟ ہم اس پر تلفظ کر رہے ہیں نصب پر، دیکھو «زَيْدًا» ، سننے سے ہی پتہ چل گیا میں نے زبر پڑھا اس پر، «زَيْدٍ» ، سننے سے ہی آپ کو پتہ چل گیا میں نے زیر پڑھا اس پر، «زَيْدٌ» ، سننے سے ہی کیا پتہ چل گیا کہ میں نے اس پر پیش پڑھا ہے، ضمہ پڑھا ہے تنوین کے ساتھ۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

لہٰذا معلوم ہوا، مبنی کا اعراب کیسے بتائیں گے؟ محلاً۔ اور معرب کا اعراب کبھی لفظاً ہوگا یعنی اس پر ہم تلفظ کریں گے باقاعدہ زبان سے، سننے سے ہی اعراب کا پتہ چلے گا، اور کبھی تقدیراً ہوگا۔ تو «زَيْدًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ تو فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر کیا بنا؟ جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اسی میں اگر میں یوں کہوں: «ضَرَبْتَ زَيْدًا» ، «ضَرَبْتَ» کی کیا ترکیب ہوگی؟ «ضَرَبْتَ» فعل بافاعل، تا ضمیر کیا بنے گا اس کے لیے؟ فاعل بنے گا، اعراب اس کا بتاؤ؟ تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل بنے گی۔ فاعل کے بارے میں یاد رکھیں بھائی، جب فاعل آپ کہہ دیں، فاعل کہتے ہی فوراً دوسری بات کا بھی آپ کو پتہ چل جانا چاہیے کہ اس کا اعراب کیا ہے؟ رفع ہے، ہر حال میں اس پر اب رفع آنا ہے، ہاں وہ رفع پھر آپ نے غور کرنا ہے، محلاً ہے یا لفظاً ہے یا تقدیراً۔ اگر مبنی ہو تو کیا کہو؟ محلاً، اور اگر معرب ہے تو پھر دیکھو اس پر رفع پہ اعراب تلفظ کر رہے ہیں یا نہیں، اگر تلفظ کر رہے ہیں تو وہ لفظاً ہے، اگر تلفظ نہیں کر رہے اور معرب ہے تو پھر رفع کس قسم کا ہے؟ تقدیراً ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

لہٰذا «ضَرَبْتَ» فعل بافاعل، تا ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً فاعل۔ «ضَرَبْتِ» ؟ فعل بافاعل، آگے تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اور اگر آپ سے کوئی کہے «ضَرَبْتِ» تا کے نیچے تو زیر ہے اور آپ تو کہہ رہے ہیں مرفوع، کیا جواب دیں گے؟ یہ اس کی حرکت ہے بھائی، یہ کوئی اعراب نہیں ہے، یہ ضمیر کی اپنی حرکت ہے۔ «ضَرَبْتَ» کے اندر اگر کوئی آپ سے کہے تا پر تو زبر ہے، آپ مرفوع کیسے کہہ رہے ہو، آپ کیا جواب دیں گے؟ یہ اس کی حرکت ہے بھائی، یہ تو مبنی ہے، اس پر تو اعراب آ ہی نہیں سکتا، زبر زیر پیش تو ظاہر ہی نہیں ہوگا اس پر، یہ اس کی اپنی حرکت ہے، اعراب نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا، اب آیئے وہ جملوں پر جو میں نے لکھوایا آپ کو۔ «ضَرَبْتَ زَيْدًا» ، «ضَرَبْتَ» فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، اور «زَيْدًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اور «ضَرَبَنِي زَيْدٌ» ،ذرا اس جملے کی ترکیب کریں: «ضَرَبَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر متکلم کی، اعراب بتاؤ بھائی؟ منصوب محلاً مفعول بہ، کیونکہ فاعل تو آگے «زَيْدٌ» آرہا ہے، تو یہ مفعول ہے، منصوب محلاً مفعول بہ ہے۔ یہ نہ کہیں آپ «ضَرَبَنِيَ» یا پر اب زبر پڑھیں گے، نہیں بھائی یہ تو مبنی ہے، مبنی پر تو اعراب ظاہر نہیں ہوتا، اس پر تو اعراب آئے گا ہی کس طرح؟ محلاً۔ تو «ضَرَبَنِي» میں یا ضمیر کیا ہے؟ منصوب محلاً ہے مفعول بہ ہے۔ آگے «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر کیا ہوا؟ جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اگلا جملہ کیا تھا؟ «أَكْرَمْتُ زَيْدًا» ۔ترکیب کریں: «أَكْرَمْتُ» فعل بافاعل، اب اس کے اندر فاعل بتاؤ؟ تا ضمیر، اعراب بتاؤ؟ مرفوع محلاً فاعل۔ اچھا

آگے چلیے، «زَيْدًا»، اعراب سب سے پہلے بتایا کرو: منصوب لفظاً، تلفظ کر رہے ہیں ہم اس پر، مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اگلے جملے پہ جایئے بھائی: «أَكْرَمَنِي زَيْدٌ»۔ «أَكْرَمَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر متکلم کی منصوب محلاً مفعول بہ، آگے «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہ چار فعل ہم استعمال کریں گے۔

اب آیئے بھائی، مثالیں بناتے ہیں ہم ان کی۔ مثلاً دیکھیے، پہلی صورت کیا تھی تنازعِ فعلین کے اندر کہ دونوں فعل کس کا تقاضا کریں گے؟ فاعل کا تقاضا کریں گے۔ پہلا فعل پکڑو بھائی جو فاعل کا تقاضا کر رہا ہو، یہ جو آپ کو چار مثالیں میں نے دکھوائیں اس میں سے: «ضَرَبَنِي»، یہ آگے فاعل کا تقاضا کر رہا ہے۔ اچھا، دوسرا فعل بھی وہ لے آؤ جو فاعل کا تقاضا کرے: «أَكْرَمَنِي»۔ تو یوں کہیں گے: «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»۔ توجہ ہے مثال پہ؟ «ضَرَبَنِي»، یہ فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا۔ «أَكْرَمَنِي»، یہ بھی کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا۔ دونوں کے مفعول تو ساتھ جڑے ہوئے ہیں، «ضَرَبَنِي» کے ساتھ یا جڑی ہوئی ہے، «أَكْرَمَنِي» کے ساتھ بھی یا، تو مفعول دونوں کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، فاعل کا تقاضا کر رہے ہیں۔ آگے «زَيْدٌ» ایک لفظ آ رہا ہے۔ «ضَرَبَنِي» چاہتا ہے یہ میرے لیے فاعل بنے، «أَكْرَمَنِي» چاہتا ہے یہ میرے لیے فاعل بنے۔ تو یہ ہے پہلی صورت۔

دوسری صورت: دونوں مفعول کا تقاضا کریں، دونوں فعل۔ ان چار مثالوں میں سے وہ مثالیں پکڑ لو بھائی: «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا»۔ «ضَرَبْتُ» چاہتا ہے یہ «زَيْدًا» میرے لیے مفعول بنے اور «أَكْرَمْتُ» چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعول بنے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تیسری صورت: پہلا فاعل کا تقاضا کرے اور دوسرا مفعول کا تقاضا کرے۔ پہلا فاعل کا تقاضا کرے، کون سا ہے؟ «ضَرَبَنِي»۔ اور دوسرا مفعول کا تقاضا کرے: «أَكْرَمْتُ»۔ تو «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا»۔ «ضَرَبَنِي» کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، اور «أَكْرَمْتُ» مفعول کا۔ تو دونوں جھگڑ رہے ہیں لیکن پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہے اور دوسرا مفعول کا۔

چوتھی صورت: اس کا عکس کر دو، پہلا مفعول کا تقاضا کرے اور دوسرا فاعل کا تقاضا کرے۔ پہلا مفعول کا تقاضا کرے: «ضَرَبْتُ»، اور دوسرا فاعل کا تقاضا کرے: «أَكْرَمَنِي»۔ تو «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»۔ «ضَرَبْتُ» کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا، اور «أَكْرَمَنِي» فاعل کا۔ تو پہلا مفعول کا تقاضا کر رہا ہے، دوسرا فاعل کا، تو ان دونوں میں جھگڑا ہے بھائی۔

دوبارہ دیکھیے بھائی: «إِذَا تَنَازَعَ الْفِعْلَانِ فِي اسْمٍ ظَاهِرٍ بَعْدَهُمَا»، جب جھگڑا کریں دو فعل ایک ایسے اسم ظاہر کے بارے میں جو ان دونوں فعلوں کے بعد آ رہا ہو، یعنی ارادہ کرتا ہے دونوں فعلوں میں سے ہر ایک، ہر ایک یہ ارادہ کر رہا ہے کہ وہ عمل کرے اس اسم کے اندر، «فَهٰذَا إِنَّمَا يَكُونُ عَلَى أَرْبَعَةِ أَقْسَامٍ»، تو یہ چار صورت پر ہو گا، چار قسم پر ہو گا یہ تنازع، جھگڑا۔ «الْأَوَّلُ: أَنْ يَتَنَازَعَا فِي الْفَاعِلِيَّةِ فَقَطْ»، پہلی صورت یہ ہے کہ یہ دونوں جھگڑا کریں گے صرف فاعل ہونے میں، کہ ایک چاہتا ہے میرے لیے فاعل ہو اور دوسرا چاہتا ہے میرے لیے فاعل ہو۔ نحو: «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»۔ دیکھو «ضَرَبَنِي» یا مفعول کی ملی ہوئی ہے، «أَكْرَمَنِي» اس کے ساتھ بھی یا مفعول کی ملی ہوئی ہے، اب «زَيْدٌ» میں جھگڑا ہے، «ضَرَبَ» چاہتا ہے یہ میرے لیے فاعل بنے اور «أَكْرَمَ» چاہتا ہے میرے لیے فاعل بنے۔ «الثَّانِي: أَنْ يَتَنَازَعَا فِي الْمَفْعُولِيَّةِ فَقَطْ»، دوسری صورت یہ ہے کہ یہ دونوں صرف مفعول ہونے میں جھگڑا کریں، نحو: «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا»۔ «ضَرَبْتُ» چاہتا ہے یہ «زَيْدًا» میرے لیے مفعول بنے، «أَكْرَمْتُ» چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعول بنے۔

▪ قولہ: «الثَّالِثُ: أَنْ يَتَنَازَعَا فِي الْفَاعِلِيَّةِ...» کی تشریح

«الثَّالِثُ: أَنْ يَتَنَازَعَا فِي الْفَاعِلِيَّةِ وَالْمَفْعُولِيَّةِ»، تیسری صورت یہ ہے کہ یہ دونوں فاعل اور مفعول ہونے میں جھگڑا کریں، «وَيَقْتَضِي الْأَوَّلُ الْفَاعِلَ وَالثَّانِي الْمَفْعُولَ»، اور پہلا فاعل کا تقاضا کرے اور دوسرا مفعول کا تقاضا کرے، نحو: «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا»۔ «ضَرَبَنِي» کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، اور «أَكْرَمْتُ» مفعول کا۔ «الرَّابِعُ: عَكْسُهُ»، اور چوتھی صورت جو ہے اس تیسری صورت کے برعکس ہے، نحو: «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»۔ «ضَرَبْتُ» کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا، اور «أَكْرَمَنِي» فاعل کا، تو پہلا مفعول کا تقاضا کر رہا ہے، دوسرا فاعل کا، تو ان دونوں میں جھگڑا ہے بھائی۔

«وَاعْلَمْ أَنَّ فِي جَمِيعِ هٰذِهِ الْأَقْسَامِ يَجُوزُ إِعْمَالُ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ وَإِعْمَالُ الْفِعْلِ الثَّانِي، خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ فِي الصُّورَةِ الْأُولَى

وَالثَّالِثَةِ أَنْ يُعْمَلَ الثَّانِي »۔ اب تفصیلِ مسئلہ یاد رکھیے۔ دیکھیے تنازعِ فعلین میں نے آپ کو بتلایا کسے کہتے ہیں کہ دو فعل آئیں اور ان دونوں فعلوں کے بعد ایک اسم ظاہر آئے اور یہ دونوں فعل جھگڑا کر رہے ہیں اس اسم ظاہر میں عمل کرنے کے بارے میں، پہلا فعل عمل کرنا چاہتا ہے تو دوسرا فعل بھی اس میں عمل کرنا چاہتا ہے بھائی۔ تو یاد رکھیے جمہور علمائے نحو کے نزدیک، جمہور کا کیا معنی؟ اکثر۔ جمہور یعنی اکثر۔ جمہور علمائے نحو کے نزدیک پہلے کو عامل بنانا بھی جائز، دوسرے کو عامل بنانا بھی جائز۔ چاہے آپ پہلے کو عامل بنادیں اس اسم ظاہر میں، چاہے آپ دوسرے فعل کو اس میں عامل بنادیں، دونوں جائز ہیں۔

البتہ یہاں دو اختلاف ہیں بھائی، دو اختلاف ہیں۔ ایک اختلاف ہے جمہور کا امام فرا کے ساتھ، امام فرا بہت بڑے نحوی گزرے ہیں بھائی۔ تو جمہور کا اختلاف ہے کس کے ساتھ؟ امام فرا کے ساتھ۔ اور یہ اختلاف ہے جواز اور عدمِ جواز کا۔ بعض صورتوں کو امام فرا فرماتے ہیں یہ صورت جائز ہی نہیں ہے، جبکہ جمہور کہتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے۔ تو یہ اختلاف کس قسم کا ہے؟ جواز اور عدمِ جواز کا۔ امام فرا بعض صورتوں میں کیا فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہی نہیں، اور جمہور کیا فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے۔ تو یہ کس قسم کا اختلاف ہوا؟ جواز اور عدمِ جواز کا۔

جبکہ دوسرا اختلاف پھر جمہور کا آپس میں ہے بھائی، جمہور کے اندر پھر نحویوں کی دو پارٹیاں ہیں بھائی، دو گروہ ہیں نحویوں کے: ایک بصرہ والے نحوی ہیں، ایک کوفہ والے نحوی بھائی۔ یہ بصرہ اور کوفہ بڑے علمی مراکز تھے بھائی، تو ان کے نحویوں میں کچھ مسائل کے اندر آپس میں اختلاف تھا، کوئی تقریباً ایک سو دس یا سوا سو کے لگ بھگ کل مسائل ہیں جن میں یہ اختلاف کرتے تھے بھائی، اور باقاعدہ دلائل تھے ہر ایک کے اپنے خاص دلائل تھے بھائی۔ تو پھر جمہور میں یہ ان دونوں میں آپس میں اختلاف ہے، لیکن یہ اختلاف ہے اولیٰ اور غیر اولیٰ کا۔ جمہور کے نزدیک یہ تو جائز ہے چاہے پہلے کو عامل بنادو چاہے دوسرے کو، امام فرا تو فرماتے تھے بعض صورتوں میں پہلے ہی کو عامل بنانا پڑے گا دوسرے کو عامل بنا ہی نہیں سکتے، وہ اختلاف تھا جواز اور عدمِ جواز کا، بعض صورتوں کو جمہور جائز کہہ رہے ہیں تو امام فرانا جائز کہہ رہے ہیں۔

لیکن یہ دوسرا اختلاف جو ہے جمہور کا آپس میں، یہ کوفہ اور بصرہ والوں میں، یہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے۔ عمل تو جمہور کا اس پر تو اتفاق ہے دونوں کو عمل دے سکتے ہیں، لیکن کس کو عمل دینا اولیٰ ہے، بہتر ہے؟ پہلے کو عامل بنانا بہتر یا دوسرے کو عامل بنانا بہتر ہے؟ تو اس میں پھر اختلاف ہے، لیکن یہ اختلاف جواز یا عدمِ جواز کا نہیں ہے۔ جائز دونوں کہتے ہیں، چاہے پہلے کو عامل بناؤ چاہے دوسرے کو عامل بناؤ، اختلاف صرف کس چیز میں ہے؟ اولیٰ اور غیر اولیٰ میں کہ بہتر کیا ہے، کس کو عامل بنایا جائے؟ بعض کہتے ہیں پہلے کو عامل بنانا بہتر ہے، بعض کہتے ہیں دوسرے کو عامل بنانا بہتر ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ دیکھیے اب یہی بیان کریں گے بھائی۔

کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ»، تو جان لے، «أَنَّ فِي جَمِيعِ هٰذِهِ الْأَقْسَامِ»، کہ ان تمام صورتوں کے اندر، ان تمام قسموں کے اندر، «يَجُوزُ إِعْمَالُ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ وَإِعْمَالُ الْفِعْلِ الثَّانِي»، جائز ہے پہلے فعل کو عمل دینا اور دوسرے فعل کو عمل دینا، یہ دونوں جائز ہیں۔ «خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ»، بخلاف امام فرا کے یعنی وہ اختلاف کرتے ہیں، «فِي الصُّورَةِ الْأُولَى وَالثَّالِثَةِ»، کس میں؟ پہلی صورت میں اور تیسری صورت میں، «أَنْ يُعْمَلَ الثَّانِي»، یہ کہ عمل دیا جائے ثانی کو۔ یعنی وہ فرماتے ہیں نہیں، ثانی کو عمل نہیں دیں گے بلکہ کس کو عمل دیں گے؟ ثانی کو عمل دینے میں، دیکھیے ترجمے پہ نظر رکھیں: «خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ فِي الصُّورَةِ الْأُولَى وَالثَّالِثَةِ أَنْ يُعْمَلَ الثَّانِي»، بخلاف امام فرا کے پہلی اور تیسری صورت میں یہ کہ عمل دیا جائے دوسرے فعل کو، اس میں وہ اختلاف کرتے ہیں کہ دوسرے کو عمل نہیں دیں گے بلکہ پہلی اور تیسری صورت میں عامل کس کو بنانا پڑے گا؟ پہلے فعل ہی کو عامل بنانا پڑے گا، دوسرے کو عامل بنانا جائز ہی نہیں ہے بھائی۔

اچھا، پہلی اور تیسری صورت ذرا نکالو۔ پہلی صورت میں وہ کیا فرماتے ہیں؟ پہلی مثال کیا ہے؟ «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»۔ اس میں دیکھو، وہ فرماتے ہیں دوسرے کو عامل نہیں بنا سکتے، پہلے ہی کو عامل بنانا پڑے گا۔ اب مجھے بتائیے، پہلا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھا ذرا تیسری صورت پہ آؤ: «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا»۔ یہاں بھی پہلا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا۔ معلوم ہوا وہ دو صورتیں جن میں پہلا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہو، وہ فرماتے ہیں پہلے ہی کو عامل بنانا پڑے گا، دوسرے کو عامل نہیں بنانا۔

اب ذرا باقی دو صورتوں کو دیکھ لیں: دوسری صورت میں پہلا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا»، مفعول کا۔ اور چوتھی میں بھی: «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»، پہلا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا۔ یعنی پہلا مفعول کا تقاضا کر رہا ہو تو اس صورت میں وہ فرماتے ہیں ٹھیک ہے دوسرے کو عامل بنا سکتے ہو۔ دوسری صورت اور چوتھی صورت، دونوں میں پہلا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا، اور اس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہاں اس میں آپ دوسرے کو بھی عامل بنا سکتے ہیں، پہلے کو بھی عامل بنا سکتے ہیں۔ لیکن وہ دو صورتیں جن میں پہلا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا یعنی پہلی صورت اور تیسری

صورت، ان دونوں میں پہلا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، وہ فرماتے ہیں جب پہلا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو اسی کو عامل بنانا پڑے گا، دوسرے والے کو عامل نہیں بنا سکتے۔ اب صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

امام فرا اختلاف کرتے ہیں کون کون سی صورت میں؟ پہلی اور تیسری۔ یعنی اب الفاظِ دیگر یوں کہو کہ جس میں پہلا کس کا تقاضا کر رہا ہو؟ فاعل کا، تو وہ کیا فرماتے ہیں کس کو عامل بناؤ؟ پہلے ہی کو عامل بنانا پڑے گا جب وہ فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، دوسرے کو عامل نہیں بنا سکتے۔ اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: «خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ فِي الصُّورَةِ الْأُولَى وَالثَّالِثَةِ أَنْ يُعْمَلَ الثَّانِي»، بخلاف امام فرا کے پہلی اور تیسری صورت میں یہ کہ عمل دیا جائے دوسرے فعل کو، اس میں یہ اختلاف کرتے ہیں کہ دوسرے کو عمل نہیں دیں گے۔

اور دلیل، باقاعدہ دلائل کے ساتھ ہمارے ائمہ بات کرتے ہیں بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَدَلِيلُهُ لُزُومُ أَحَدِ الْأَمْرَيْنِ: إِمَّا حَذْفُ الْفَاعِلِ، أَوِ الْإِضْمَارُ قَبْلَ الذِّكْرِ، وَكِلَاهُمَا مَحْذُورَانِ»۔ وہ فرماتے ہیں دیکھو، پہلی اور تیسری صورت میں پہلا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، اور اسی کو عامل بنانا پڑے گا۔ اگر آپ اس کو عامل نہیں بناتے، کس کو بناتے ہیں؟ دوسرے کو، تو پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا تھا، تو یا تو اس کے اندر آپ ضمیر لائیں گے فاعل کی، یا آپ کو فاعل کو سرے سے حذف، محذوف ہی ماننا پڑے گا۔ کیا کرنا پڑے گا؟ وہ مثال پہ ذرا نظر رکھو، کدھر ہے مثال پہلی؟ «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»۔ دیکھیے وہ فرماتے ہیں: «ضَرَبَ» کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا۔ کس کو اپنا فاعل بنانا چاہتا ہے؟ «زَيْدٌ» کو۔ اگر آپ «ضَرَبَ» کے لیے «زَيْدٌ» کو فاعل نہیں بناتے تو پھر یا تو آپ کو اس میں فاعل کی ضمیر ماننا پڑے گی، یا سرے سے فاعل کو ہی محذوف ماننا پڑے گا، اس کا فاعل ذکر ہی نہیں، دو ہی صورتیں ہیں نا۔

یا کیا مان لو اس کے اندر؟ ضمیر، یا یوں کہو فاعل محذوف ہے، کیونکہ فاعل تو آگے ایک ہی آ رہا تھا وہ تو آپ نے کس کے لیے بنا دیا؟ دوسرے کے لیے۔ جب دوسرے فعل کے لیے فاعل بنا دیا تو کہنا پڑے گا پہلے فعل کا فاعل محذوف ہے، ذکر ہی نہیں، یا اس کے اندر کیا موجود ہے؟ فاعل کی ضمیر۔ دو ہی صورتیں بنتی ہیں۔ لہٰذا جب آپ نے دوسرے کو عامل بنایا اور حالانکہ صورت یہ ہے کہ پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، تو آپ کو کہنا پڑے گا یا تو اس کا فاعل محذوف ہے سرے سے عبارت میں ذکر ہی نہیں کیا گیا، اور یا پھر اس کے اندر فاعل کی ضمیر، اور دونوں صورتیں وہ فرماتے ہیں جائز نہیں۔ فاعل کو محذوف ماننا بھی جائز نہیں اور یہاں پر اس کی ضمیر ماننا بھی جائز نہیں۔

محذوف ماننا کیوں نہیں صحیح فعل کے فاعل کو؟ بھائی میں نے آپ کو ضابطہ بتلایا تھا: فعل کے لیے ہمیشہ فاعل ضرور چاہیے، فعل معروف کے لیے فاعل اور فعل مجہول کے لیے نائب فاعل۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ فعل تو آجائے اور آگے اس کا فاعل یا نائب فاعل نہ آئے۔ معلوم ہوا فاعل کو تو حذف کر ہی نہیں سکتے، بلکہ صاحبِ کتاب نے، صاحبِ ہدایت النحو نے خود آپ کو بتلایا تھا کہ صرف فاعل کو نہیں حذف کر سکتے، فعل اور فاعل دونوں کو ملا کر حذف کرنا چاہیں آپ کر سکتے ہیں، مثلاً کسی نے آپ سے پوچھا: «أَقَامَ زَيْدٌ؟»، کیا زید کھڑا ہے؟ آپ نے کہا: «نَعَمْ»، ہاں۔ کہنا تو چاہیے تھا «نَعَمْ، قَامَ زَيْدٌ»، لیکن آپ نے «قَامَ» فعل اور «زَيْدٌ» فاعل دونوں کو اکٹھا حذف کر لیا۔ تو فعل اور فاعل دونوں کو تو اکٹھا حذف کیا جا سکتا ہے لیکن فعل کو باقی رکھیں اور فاعل کو حذف کر لیں، یہ جائز نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو وہ فرماتے ہیں پہلی صورت پر تو عمل ہو نہیں سکتا۔ کیا کیا جائے کہ فاعل کو محذوف مانیں؟ پہلا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، تو جب آپ نے عامل کس کو بنا دیا ہے؟ دوسرے کو، تو پہلے کے لیے یا فاعل کو محذوف ماننا پڑے گا اور فاعل کو تو محذوف نہیں مان سکتے، یا فاعل کی ضمیر اس کے اندر ماننا پڑے گی۔ «ضَرَبَنِي» کے اندر کون سی ضمیر ہے «ضَرَبَ» کے اندر؟ «هُوَ»، اور یہ «هُوَ» ضمیر کس کو راجع؟ کہتے ہیں یہ وہ زید کو راجع جو آگے آ رہا ہے، کس کو راجع؟ زید کو۔ تو ضمیر پہلے آگئی اور مرجع بعد میں آیا، حالانکہ مرجع پہلے آیا کرتا ہے ضمیر اس کے بعد آیا کرتی ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو وہ فرماتے ہیں اگر دوسرے کو عامل بناؤ گے، پہلے کو نہیں بناؤ گے، تو پھر دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور لازم آئے گی: پہلے فعل کے لیے فاعل کو محذوف ماننا پڑے گا اور وہ تو جائز ہی نہیں، یا پھر اس کے اندر فاعل کی ضمیر ماننا پڑے گی اور ضمیر پہلے آگئی اور مرجع بعد میں، وہ زید مرجع وہ تو بعد میں آ رہا ہے «أَكْرَمَنِي» کے بعد جا کر آ رہا ہے، تو ضمیر پہلے آگئی اور مرجع بعد میں آگیا، اور اس کو کہتے ہیں اضمار قبل الذکر۔

اضمار یعنی ضمیر کو لانا قبل الذکر اس کے مرجع کے ذکر سے پہلے ہی، اور یہ جائز نہیں بھائی۔ یہ جائز نہیں بھائی، مرجع پہلے آتا ہے، ضمیر اس کے بعد میں آتی ہے۔ اب میں آپ سے کہتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ»، میرے پاس زید آیا تھا تو میں نے اس کا اکرام کیا۔ اب دیکھو ضمیر میں نے لوٹا دی، پہلے زید کا ذکر ہو گیا پھر میں نے کہا «فَأَكْرَمْتُهُ»، تو میں نے اس کا کیا کیا؟ اکرام کیا۔ اب آپ کو بات بھی سمجھ میں آ رہی ہے، آپ مجھ سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ اس ضمیر سے کون مراد ہے؟ ابھی میں زید کی تو بات کر رہا تھا، اس سے کون مراد ہے؟ زید ہی مراد ہے۔ لیکن اگر پیچھے زید ذکر نہ ہوتا اور میں آپ سے کہتا:

«أَكْرَمْتُهُ»، میں نے اس کا اکرام کیا، آپ فوراً پوچھیں گے بھائی کون؟ کون مراد ہے اس سے بھائی، آپ کس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو وہ کیا فرماتے ہیں امام فرا؟ کہ اگر آپ دوسرے کو عامل بناتے ہیں تو پھر پہلا تو فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، تو پھر کیا کرنا پڑے گا؟ یا فاعل کو محذوف ماننا پڑے گا یا اس کی ضمیر۔ محذوف بھی نہیں مان سکتے، کیوں؟ کیونکہ فعل کو باقی رکھا جائے اور فاعل کو حذف کر لیا جائے، یہ تو جائز ہی نہیں۔ یا پھر کیا ماننا پڑے گا؟ ضمیر ماننا پڑے گی، اگر محذوف نہیں مانتے تو ضمیر مان لو، اور یہاں ضمیر بھی مانو گے تو کیا خرابی لازم آئے گی؟ اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، اور اضمار قبل الذکر تو جائز نہیں۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: «وَدَلِيلُهُ»، اور امام فرا کی دلیل جو ہے، «لُزُومُ أَحَدِ الْأَمْرَيْنِ»، دو چیزوں میں سے ایک کا لازم آنا ہے اگر آپ کیا کرتے ہیں؟ دوسرے کو عامل بناتے ہیں پہلی اور تیسری صورت میں۔ وہ کیا فرما رہے تھے کس کو عامل بنانا پڑے گا؟ پہلے کو۔ اور اگر آپ اے جمہور کیا کرتے ہو، دوسرے کو عامل بناتے ہو تو دو چیزوں میں سے ایک بات ضرور لازم آئے گی: «إِمَّا حَذْفُ الْفَاعِلِ»، یا تو فاعل کا حذف کرنا، «أَوِ الْإِضْمَارُ قَبْلَ الذِّكْرِ»، یا اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، دو میں سے ایک کام تو ضرور ہو گا، یا حذف ہو گا یا اضمار قبل الذکر ہو گا، «وَكِلَاهُمَا مَحْذُورَانِ»، اور یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں، یہ جائز نہیں ہیں۔ محذور کا معنی ممنوع۔ «وَكِلَاهُمَا مَحْذُورَانِ»، اور یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں۔

جمہور جواب دیتے ہیں پھر امام فرا کو بھائی۔ جمہور کے نزدیک دونوں کو عامل بنا سکتے ہیں، پہلے کو بھی اور دوسرے کو۔ اور امام فرا کو جواب دیتے ہیں جمہور کہ دوسرے کو بھی عامل بنایا جا سکتا ہے، اور آپ نے کیا کہا تھا کہ دوسرے کو عامل بناؤ گے تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آئے گی؟ تو جواب یہ کہ حذف والی صورت ہے، وہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ فاعل کو حذف کر لیا جائے یہ جائز نہیں، ہاں ضمیر لے آئیں گے، کیا لے آئیں گے؟ پہلے کے اندر فاعل کی ضمیر لے آئیں گے، اور آپ نے کیا کہا تھا کہ اس صورت میں کیا خرابی لازم آئے گی؟ اضمار قبل الذکر، تو جواب جمہور دیتے ہیں کہ اضمار قبل الذکر یہاں پر جائز ہے۔

اضمار قبل الذکر یہاں پر جائز ہے۔ یاد رکھو بھائی، آپ اگلی کتابوں میں پڑھیں گے: پانچ مقامات پر اضمار قبل الذکر جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ اضمار قبل الذکر جائز ہے کتنے مقامات پر؟ پانچ مقامات پر کہ ضمیر پہلے لے آؤ اور مرجع بعد میں، پانچ مقامات پر جائز ہے۔ تو جمہور جواب دیتے ہیں کہ یہاں ہم ضمیر مان لیں گے پہلے فعل کے اندر، اور یہاں پر اضمار قبل الذکر جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ کس شرط پر؟ تفسیر، یعنی آگے اس کی تفسیر آ جائے۔ مثلاً دیکھیے، یہ کیا مثال تھی؟ «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»۔ اچھا، یہ «زَيْدٌ» کو فاعل کس کے لیے بنایا؟ دوسرے کے لیے نا، امام فرا کو جواب دے رہے ہیں۔ «زَيْدٌ» کو کس کے لیے فاعل بنایا؟ دوسرے یعنی «أَكْرَمَنِي» کے لیے، «أَكْرَمَ» کے لیے فاعل بنا دیا۔ اور «ضَرَبَنِي»، اس «ضَرَبَ» کے اندر کیا مان لی؟ ضمیر، اور یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو۔ تو دیکھو، «ضَرَبَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر آ گئی، یہ ہوا اضمار قبل الذکر۔ لیکن آگے تفسیر بھی آ رہی ہے کہ نہیں کہ «هُوَ» سے کون مراد ہے؟ زید، ایک لفظ کے بعد ہی آ رہا ہے زید۔ تو یہ ہے اضمار قبل الذکر لیکن ساتھ کیا آ رہی ہے اس کی؟ تفسیر بھی آ رہی ہے کہ «هُوَ» سے کون مراد ہے، پتہ چل گیا کون مراد ہے؟ زید۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اضمار قبل الذکر بشرطِ تفسیر کہ آگے تفسیر بھی آ جائے کہ ضمیر سے کون مراد ہے اس سے بھائی۔

ورنہ تو ضمیر مبہم تھی، پتہ ہی نہ چلتا، تو آگے کیا آ گئی اس کی؟ تفسیر آ گئی کہ اس ضمیر سے زید مراد ہے بھائی۔ تو جمہور کیا جواب دیتے ہیں کہ پانچ جگہ پر اضمار قبل الذکر بشرطِ تفسیر جائز ہے، اور ان پانچ جگہوں میں سے ایک تنازعِ فعلین کا باب ہے۔ کون سا باب ہے؟ تنازعِ فعلین، اور یہ بھی کون سا باب ہم پڑھ رہے ہیں؟ تنازعِ فعلین۔ تو لہٰذا یہاں پر اضمار قبل الذکر پہلے میں ضمیر مان لو اور آگے کیا آ رہی ہے اس کی؟ تفسیر، تو یہ اضمار قبل الذکر بشرطِ تفسیر ہوا، اور یہ یہاں تنازعِ فعلین میں جائز ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اضمار قبل الذکر جائز ہے یہاں تنازعِ فعلین کے باب میں بشرطِ تفسیر۔

تو یہ کون سا اختلاف تھا بھائی؟ جواز اور عدمِ جواز کا۔ اسی کو کہتے ہیں: «وَهٰذَا فِي الْجَوَازِ»، اور یہ اختلاف کس میں تھا؟ جواز میں، جمہور کے نزدیک یہ صورت جائز، امام فرا کے نزدیک جائز نہیں۔ «وَأَمَّا الِاخْتِيَارُ»، دوسرا اختلاف کیا تھا؟ کہ پسندیدہ کون سا ہے، بہتر کون سا ہے، پہلے کو عامل بنائیں یا، جمہور باقی جمہور تو فرماتے ہیں چاہے پہلے کو عامل بناؤ یہ بھی صحیح، دوسرے کو عامل بناؤ یہ بھی صحیح، لیکن بہتر کیا ہے، کس کو عامل بنایا جائے؟ تو اس مسئلے کے متعلق، میں نے بتایا کہ دو گروہ ہیں نحویوں کے۔ یاد رکھو ادھر دیکھیے بھائی: بصرہ کے نحوی فرماتے ہیں کہ دوسرے کو عامل بناؤ: «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»، یہ «زَيْدٌ» کو کس کے لیے فاعل بناؤ؟ «أَكْرَمَنِي» کے لیے۔ کیوں فاعل بناؤ؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ «أَكْرَمَ» اس کے قریب ہے۔ اس کا پڑوسی ہے، جب اس کے قریب ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کو عامل بنایا جائے، اور «ضَرَبَ» کے اندر کیا مان لو؟ اس کی ضمیر مان لو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو ایک دلیل کیا ہوئی ان کی بصرہ والوں کی؟ قریب ہے، اس کا پڑوسی ہے، اور دوسری دلیل یہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ فعل کے فوراً بعد فاعل آنا چاہیے۔ فعل کے فوراً بعد کس کو آنا چاہیے؟ فاعل کو۔ تو «أَكْرَمَنِي»، اس کے فوراً بعد کیا آرہا ہے؟ «زَيْدٌ»، تو اصل پر عمل ہو گیا۔ اصل بھی کیا ہے؟ فعل آتے ہی فوراً کس کا تقاضا کرتا ہے؟ فاعل کا، لہٰذا فاعل کو اس کے ساتھ جڑا ہونا چاہیے، درمیان میں فاصلہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر آپ اس کو فاعل بنا دیں «ضَرَبَنِي» کے لیے، تو درمیان میں «ضَرَبَنِي» اور «زَيْدٌ» کے درمیان کون آ گیا؟ «أَكْرَمَنِي»، تو دونوں جڑے ہوئے ہیں یا فاصلہ آ گیا بیچ میں؟ اور اصل کیا ہے کہ فعل کے فوراً بعد کون آنا چاہیے؟ فاعل، درمیان میں فاصلہ نہیں ہونا چاہیے۔

لہٰذا دو دلیلیں ہوئیں بصرہ والوں کی: ایک کیا دلیل ہوئی؟ قریب ہے، «أَكْرَمَنِي» فعل کے قریب ہے، لہٰذا اس کو عامل بناؤ۔ اور دوسری دلیل کیا؟ تاکہ اصل پر عمل ہو جائے، کیونکہ اصل کیا ہے؟ فعل کے فوراً بعد کس کو آنا چاہیے؟ فاعل کو آنا چاہیے، درمیان میں فصل اور جدائی نہیں ہونی چاہیے۔ تو کہتے ہیں: «وَأَمَّا الِاخْتِيَارُ»، اور باقی اختیار میں، پسندیدہ ہونے میں، «فَفِيهِ خِلَافُ الْبَصْرِيِّينَ»، تو اس میں اختلاف ہے کس کا؟ بصرہ والوں کا، «فَإِنَّهُمْ يَخْتَارُونَ إِعْمَالَ الْفِعْلِ الثَّانِي»، پس وہ اختیار کرتے ہیں فعل ثانی کو عمل دینے کو، «اعْتِبَارًا لِلْقُرْبِ وَالْجِوَارِ»، قریب ہونے اور پڑوسی ہونے کا اعتبار کرتے ہوئے۔ قرب اور جوار کا ایک معنی بھائی، یہ لفظ جوار بھی ہے جیم کے نیچے کسرہ بھی صحیح، اور جوار جیم پر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں۔ تو جوار کا معنی پڑوس بھائی، قرب اور جوار کا ایک معنی ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ قریب ہونا، پڑوسی ہونا۔ تو وہ اختیار کرتے ہیں فعل ثانی کو عمل دینے کو قرب و جوار کی وجہ سے، پڑوسی ہونے کی وجہ سے۔

▪ قولہ: «وَالْكُوفِيُّونَ يَخْتَارُونَ إِعْمَالَ الْفِعْلِ...» کی تشریح

«وَالْكُوفِيُّونَ يَخْتَارُونَ إِعْمَالَ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ»، اور کوفہ والے جو ہیں وہ اختیار کرتے ہیں فعل اول، پہلے فعل کو عمل دینے کو، «مُرَاعَاةً لِلتَّقْدِيمِ وَالِاسْتِحْقَاقِ»، رعایت کرتے ہوئے مقدم کرنے کی اور مستحق ہونے کی، کہ یہ مقدم ہے بھائی۔ کوفہ والے کہتے ہیں کہ پہلے کو عامل بناؤ، ان کی بھی دو دلیلیں بھائی: ایک دلیل یہ کہ وہ پہلے آیا ہے اور جو پہلے آئے وہ پہلے پائے بھائی، وہ زیادہ حقدار ہے، لہٰذا کس کو عامل بنانا چاہیے؟ پہلے کو، جو پہلے آیا ہے وہ مستحق ہے کہ اس کو عامل بنایا جائے بھائی۔ اور دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر سے بھی ہم بچ جائیں گے۔ کس سے بچ جائیں گے؟ اضمار قبل الذکر سے بھی ہم بچ جائیں گے بھائی۔

کس طرح اضمار قبل الذکر سے ہم بچیں گے؟ ذرا وہ مثال پہ نظر رکھو: «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»۔ کوفہ والے کیا کہتے ہیں کس کو عامل بناؤ؟ پہلے یعنی «ضَرَبَ» کو عامل بناؤ، تو یہ «زَيْدٌ» کا تعلق کس سے ہو گیا؟ «ضَرَبَ» سے۔ لہٰذا «ضَرَبَ» کو آپ نے عامل بنا دیا تو «أَكْرَمَ» کے اندر کیا ماننا پڑے گی؟ ضمیر ماننا پڑے گی۔ تو اضمار قبل الذکر سے ہم بچ جائیں گے۔ سوال پیدا ہوتا ہے اضمار قبل الذکر تو پھر بھی لازم آ رہا ہے، ذرا آپ اس مثال پہ نظر رکھیں: «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»، اس میں لفظِ «زَيْدٌ» میں عامل کون؟ «ضَرَبَنِي»۔ «أَكْرَمَنِي» میں کیا نکال لی؟ ضمیر۔ اب آپ مجھے بتائیے، یہ ضمیر پہلے ہے یا زید پہلے ہے؟ کتاب میں کھولو وہ مثال کھولو: «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»، یہ «زَيْدٌ» میں عامل کون؟ «ضَرَبَنِي»، اور «أَكْرَمَ» میں پھر کیا نکال لی؟ ضمیر۔ اب مجھے بتاؤ ضمیر پہلے آ رہی ہے یا لفظِ زید پہلے آ رہا ہے؟ ضمیر پہلے آ رہی ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے بھائی، آپ نے اے کوفہ والے نحویو آپ نے کیا کہا؟ کہ اس صورت میں ہم اضمار قبل الذکر سے بچ جائیں گے، اضمار قبل الذکر سے تو ہم پھر بھی نہیں بچ سکتے، چاہے پہلے کو عامل بنا دو پھر بھی «أَكْرَمَ» پہلے آ رہا ہے تو ضمیر اس کے اندر ہے وہ بھی پہلے آ گئی اور «زَيْدٌ» تو بعد میں ہے، تو اضمار قبل الذکر سے بچے یا ابھی بھی اضمار قبل الذکر ہے؟ ابھی بھی اضمار قبل الذکر ہے۔

تو جواب یاد رکھنا کہ بھائی، جب یہ «زَيْدٌ» کا تعلق کس سے جڑ گیا؟ «ضَرَبَ» سے، یہ اس کے لیے فاعل بن گیا۔ جب اس کے ساتھ جڑ گیا تو یہ دیکھنے میں تو اس وقت بظاہر تو یہ «أَكْرَمَ» کے بعد ہے، لیکن در حقیقت یہ «ضَرَبَنِي» کے فوراً بعد ہے۔ گویا اصل کلام یوں بن گیا: «ضَرَبَنِي زَيْدٌ وَأَكْرَمَنِي»۔ جب آپ نے اس «زَيْدٌ» کو فاعل بنایا کس کے لیے؟ «ضَرَبَ» کے لیے، «ضَرَبَ» کے لیے جب فاعل بنایا، تو اس وقت «زَيْدٌ» کا اس سے تعلق جڑ گیا، جب اس سے جڑ گیا تو دیکھنے میں تو «زَيْدٌ» اگرچہ وہ آخر میں ہے لیکن در حقیقت اس کا مقام کہاں پر ہے؟ مرتبے کے اعتبار سے یہ کہاں ہے اس وقت؟ «ضَرَبَنِي» کے فوراً بعد آ رہا ہے۔ تو گویا عبارت کیسے بن گئی؟ «ضَرَبَنِي زَيْدٌ وَأَكْرَمَنِي»، تو اب دیکھیے اضمار قبل الذکر رہا؟ نہیں، لہٰذا وہ کوفہ والے کہتے

ہیں: پہلے کو عامل بنادو گے تو ہم ایک تو اس صورت میں جو پہلے آئے وہ پہلے پائے، وہ مقدم ہے لہٰذا اس کو عامل بنانا چاہیے، اور دوسری کیا دلیل ہے ان کی؟ اس صورت میں ہم اضمار قبل الذکر سے بھی بچ جائیں گے بھائی۔ اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟

تو خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ یہاں دو اختلاف ہیں: ایک اختلاف امام فرا کے ساتھ ہے جمہور کا، اور امام فرا دو صورتوں میں فرماتے ہیں کہ پہلے ہی کو عامل بنائیں گے، دوسرے کو عامل نہیں بناسکتے، اور وہ کون سی دو صورتیں ہیں؟ جس میں پہلا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا۔ امام فرا فرماتے ہیں یہاں جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہے اسی کو عامل بنائیں گے، دوسرے کو عامل نہیں، کیونکہ اگر آپ دوسرے کو عامل بناتے ہیں تو پہلے کے اندر یا تو فاعل کو محذوف ماننا پڑے گا یا اس کی ضمیر ماننا پڑے گی، اور فاعل کو محذوف ماننا بھی صحیح نہیں، اور اگر ضمیر مانتے ہو تو پھر اضمار قبل الذکر لازم آئے گا اور وہ بھی جائز نہیں ہے۔

جمہور جواب میں کہتے ہیں کہ ہم حذف والی صورت نہیں اختیار کرتے، حذفِ فاعل تو ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں ہے، البتہ اس صورت میں ہم کیا مان لیتے ہیں؟ پہلے میں ضمیر مان لیتے ہیں، اور آپ نے کیا کہا تھا کیا خرابی پھر آئے گی؟ اضمار قبل الذکر، تو جواب دیا کہ اضمار قبل الذکر تنازعِ فعلین کے باب میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو پانچ جگہیں ہیں کلامِ عرب میں جہاں اضمار قبل الذکر بشرطِ تفسیر جائز ہے، ہر جگہ پر جائز نہیں، لیکن ان پانچ جگہوں میں سے ایک جگہ کون سی ہے؟ تنازعِ فعلین والی، لہٰذا یہاں جائز ہے، تو ضمیر اگرچہ پہلے آگئی لیکن تفسیر کی شرط کے ساتھ، تفسیر کی شرط پوری ہو رہی ہے، ضمیر اگرچہ پہلے آئی ہے لیکن اگلے ہی ایک دو لفظوں کے بعد کیا آرہی ہے اس کی؟ تفسیر آرہی ہے کہ اس سے کون مراد ہے۔

جبکہ دوسرا اختلاف کوفہ اور بصرہ والوں کا ہے: بصرہ والے کہتے ہیں کہ دوسرے کو عمل دیا جائے گا کیونکہ وہ قریب ہے، پڑوسی ہے، اور نیز اصل بھی یہ ہے کہ فعل کے فوراً بعد کس کو آنا چاہیے؟ فاعل، تاکہ دونوں آپس میں ملے ہوئے ہوں، جبکہ بصرہ والے کہتے ہیں کہ نہیں، پہلے کو عامل بنائیں گے کیونکہ وہ مقدم ہے، وہ مستحق ہے، جو پہلے آیا ہے اس کا استحقاق زیادہ ہے اس کو عامل بنایا جائے، اور نیز اس لیے کہ اس صورت میں ہم اضمار قبل الذکر سے بھی بچ جائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

یہ معنی ہے: «وَالْكُوفِيُّونَ يَخْتَارُونَ إِعْمَالَ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ مُرَاعَاةً لِلتَّقْدِيمِ وَالِاسْتِحْقَاقِ»، اور کوفہ والے جو ہیں وہ اختیار کرتے ہیں فعل اول کو عمل دینے کو تقدیم اور استحقاق کی رعایت رکھتے ہوئے۔ چلیے بس بھائی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۲۵: تنازعِ فعلین: مذہبِ بصریین (فعلِ ثانی کو عمل دینے) کے قواعد اور مثالیں

ہدایۃ النحو صفحہ: ۲۶—بتاریخ: ۳ نومبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَإِنْ أَعْمَلْتَ الثَّانِيَ فَانْظُرْ إِنْ كَانَ الْفِعْلُ الْأَوَّلُ يَقْتَضِي الْفَاعِلَ أَضْمَرْتَهُ فِي الْأَوَّلِ، كَمَا تَقُولُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، وَضَرَبَانِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ، وَضَرَبُونِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ۔ وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، وَضَرَبَانِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ، وَضَرَبُونِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ۔

گزشتہ سبق میں ہم نے تنازعِ فعلین کا مسئلہ پڑھنا شروع کیا تھا۔ آپ نے پڑھا کہ تنازعِ فعلین کسے کہتے ہیں؟ کہ جب دو فعل آپس میں جھگڑا کریں ایک ایسے اسم ظاہر کے بارے میں جو ان دونوں کے بعد آرہا ہو، اور ہر فعل چاہتا ہے کہ وہ اس اسم ظاہر کے اندر عمل کرے اور اس کو اپنا معمول بنائے، تو یہ ہے تنازعِ فعلین۔ اور پھر یہاں آپ نے پڑھا کہ چار صورتیں بنتی ہیں بھائی: ایک صورت یہ کہ دونوں فعل اپنے بعد آنے والے اسم کو فاعل بنانا چاہتے ہیں کہ وہ ان کے لیے فاعل بنے۔ دوسری صورت یہ کہ دونوں تقاضا کرتے ہیں کہ وہ اسم ظاہر ان کے لیے مفعول بنے۔ تیسری صورت یہ کہ پہلا فعل چاہتا ہے یہ میرے لیے فاعل بنے اور دوسرا فعل چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعول بنے۔ اور چوتھی صورت اس تیسری صورت کے برعکس ہے کہ پہلا فعل چاہتا ہے میرے لیے مفعول بنے اور دوسرا فعل چاہتا ہے کہ میرے لیے فاعل بنے۔ تو یہ چار صورتیں ہیں بھائی۔

اور اس کی مثالوں سے میں نے وضاحت کی تھی، آپ نے کاپی پر لکھے تھے افعال بھائی، جس سے آپ کو پتہ چل گیا کہ کون سا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہے اور کون سا فعل مفعول کا، اور اس سے پھر آپ خود مثالیں بنا سکتے ہیں ان سب کی۔ اس کے بعد میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہاں دو قسم کے اختلاف ہیں: ایک اختلاف جواز اور عدمِ جواز کا ہے، وہ امام فرا کا ہے جمہور کے ساتھ، یعنی اکثر نحویوں کے ساتھ۔ جمہور نحویوں کے نزدیک یہ چاروں صورتوں میں پہلے فعل کو عامل بنانا بھی جائز اور دوسرے فعل کو عامل بنانا بھی جائز ہے، جبکہ امام فرا فرماتے ہیں کہ وہ صورتیں جن میں پہلا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہو، یعنی پہلی اور تیسری صورت جو ہے جس میں پہلا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، وہاں پہلے ہی کو عامل بنائیں گے، دوسرے کو عامل نہیں بنا سکتے۔

اس لیے کیونکہ اگر آپ یہاں دوسرے کو عامل بناتے ہیں تو پہلے فعل کے لیے تو فاعل چاہیے تھا، تو اس فاعل کو یا تو محذوف ماننا پڑے گا یا اس کے لیے ضمیر لانا پڑے گی، اور فاعل کو تو محذوف کرنا جائز نہیں، فعل ذکر ہو اور اس کا فاعل ذکر نہ ہو یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ جائز نہیں۔ تو معلوم ہوا حذف جائز نہیں، اور اگر آپ حذف نہیں کرتے، ضمیر لاتے ہیں، تو اس صورت میں ضمیر پہلے آگئی اور مرجع بعد میں آیا، تو یہ اضمار قبل الذکر ہوا، اور اضمار قبل الذکر بھی جائز نہیں ہے، پہلے مرجع آیا کرتا ہے اس کے بعد اس کی ضمیر آیا کرتی ہے۔

جمہور جواب دیتے ہیں کہ یہ جائز ہے، اور یہاں حذف تو ہم بھی کہتے ہیں جائز نہیں ہے، تو ہم فعل کو محذوف نہیں مانتے بلکہ اضمار قبل الذکر پر عمل کرتے ہیں یعنی یہاں پہلے فعل میں فاعل کی ضمیر لے آتے ہیں۔ اور جو آپ نے کہا کہ اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، تو جواب اس کا دیا کہ کلامِ عرب میں پانچ جگہیں ایسی

ہیں جہاں پر اضمار قبل الذکر جائز ہے، اور ان پانچ جگہوں میں سے ایک تنازعِ فعلین کا مقام ہے بھائی۔ تو یہ بھی تنازعِ فعلین ہی کا مسئلہ ہم پڑھ رہے ہیں تو پہلے فعل میں ضمیر لے آئیں گے، تو اگرچہ اضمار قبل الذکر ہو گا لیکن اس مقام پر یعنی تنازعِ فعلین کے باب میں یہ جائز ہے۔

اور دوسرا اختلاف جو تھا وہ جمہور کا آپس میں تھا، میں نے بتلایا جمہور نحویوں کے اندر پھر دو گروہ ہیں: ایک بصرہ والے نحوی ہیں، ایک کوفہ والے نحوی ہیں، یہ بہت سے مسائل میں آپس میں اختلاف کرتے ہیں، تو ان میں پھر اختلاف ہے لیکن وہ اختلاف جواز اور عدمِ جواز کا نہیں ہے بلکہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے کہ بہتر کیا ہے؟ عامل بنانا تو دونوں کو جائز، پہلے فعل کو بھی اور دوسرے کو بھی، لیکن بہتر کیا ہے؟ کس فعل کو عامل بنایا جائے، پہلے کو یا دوسرے کو؟ تو بصرہ والے کہتے ہیں کہ دوسرے فعل کو عامل بنایا جائے گا، اور کوفہ والے کہتے ہیں کہ پہلے فعل کو عامل بنایا جائے گا۔ دونوں کی دو دلیلیں میں نے ذکر کی تھیں: ایک ایک کتاب میں ذکر ہے اور ایک ایک زائد دلیل میں نے ذکر کی تھی۔

بصرہ والے کیا کہتے ہیں؟ دوسرے فعل کو عامل بناؤ، اس لیے کیونکہ دوسرا فعل اس اسم ظاہر کے قریب ہے، اور جو قریب ہے جب قریب ہے تو اس کا پڑوسی ہوا تو یہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کو عامل بنایا جائے، یہ ایک دلیل۔ اور دوسری دلیل یہ کہ اس صورت میں جب دوسرا فعل عامل ہو گا تو اس کے ساتھ فاعل ملا ہوا ہو گا تو اصل پر عمل ہو جائے گا بھائی، اور اصل بھی کیا ہے؟ فعل کے فوراً بعد فاعل کو آنا چاہیے۔ اگر آپ پہلے فعل کو عامل بناتے ہیں تو پہلے فعل اور اس اسم ظاہر کے درمیان فاصلہ آ گیا، دوسرا فعل آ گیا، تو اصل پر عمل نہ ہو سکا، حالانکہ بہتر کیا ہے کس پر عمل کیا جائے؟ اصل پر، کہ فاعل فعل کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ تو ایک دلیل قرب وجوار ہے، پڑوسی ہے، اور دوسری دلیل یہ کہ اس صورت میں اصل پر عمل ہو جائے گا جبکہ آپ دوسرے فعل کو عامل بنائیں گے۔

جبکہ کوفہ والے نحوی کہتے ہیں کہ پہلے فعل کو عامل بنانا بہتر ہے، اس لیے کیونکہ وہ پہلے آیا ہے، اور جو پہلے آئے وہ پہلے پائے، اس کا حق بنتا ہے لہٰذا اس کو عامل بنایا جائے، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں ہم اضمار قبل الذکر سے بھی بچ جائیں گے۔ اس لیے کہ مثلاً آپ کہتے ہیں: «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»۔ تو «ضَرَبَ» کو جب آپ نے عامل بنایا، تو یہ «زَيْدٌ» کو رفع کس نے دیا؟ «ضَرَبَ» نے، اور آگے «أَكْرَمَ» کے اندر پھر زید کی ضمیر لے آؤ۔ تو اس پر اضمار قبل الذکر لازم نہیں آئے گا، تو بظاہر پھر بھی آپ کو شبہ لگے گا کہ اضمار قبل الذکر تو ابھی بھی ہے اس لیے کیونکہ «أَكْرَمَ» کا فعل زید سے مقدم ہے، تو «هُوَ» ضمیر اس کے اندر بھی لاؤ تو ضمیر پہلے اور زید اس کے بعد۔

جواب میں نے کل آپ کو بتلا دیا تھا کہ زید کا لفظ، اس کا تعلق کس سے جڑ چکا؟ پہلے فعل سے، اور جب پہلے فعل سے جڑ چکا اور پہلے فعل کو اس میں عامل بنا دیا تو زید لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ «أَكْرَمَ» سے مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے یہ «أَكْرَمَ» پر مقدم ہے اور «ضَرَبَ» کے بعد ہے۔ گویا در حقیقت عبارت یوں ہے: «ضَرَبَنِي زَيْدٌ وَأَكْرَمَنِي»۔ تو زید کا لفظ بظاہر اس وقت اگرچہ «أَكْرَمَ» کے بعد ہے لیکن در حقیقت کیا ہے؟ وہ «أَكْرَمَ» سے پہلے اور «ضَرَبَ» کے بعد ہے بھائی۔ تو جب رتبے کے اعتبار سے یہ مقدم ہے تو یہاں اضمار قبل الذکر بھی لازم نہیں آیا۔ یہاں تک بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

اب آگے سبق سمجھنے سے پہلے دو تین باتیں یاد رکھیں بھائی۔ ایک تو کل میں نے ضابطہ ذکر کیا تھا کہ اضمار قبل الذکر کلامِ عرب میں پانچ جگہ جائز ہے، اور ان میں سے ایک مقام کون سا ہے؟ تنازعِ فعلین کا باب ہے بھائی۔ اس میں اب تھوڑی سی تفصیل اور یاد رکھیں: یاد رکھیے، یہ اضمار یوں کہیں، جامع کلام یوں ہے کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں، یعنی جو عمدہ ہے بھائی، جو اعلیٰ ہے، اس میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ ہر چیز میں نہیں۔ اور عمدہ کون ہوتا ہے کلام کے اندر؟ مسند الیہ ہوتا ہے یا مسند بھائی؟ «زَيْدٌ قَائِمٌ»، اس میں کون عمدہ ہے؟ زید، یا جو اس پر ہم قیام کا حکم لگا رہے ہیں؟ زید، مسند الیہ کیا ہوتا ہے کلام میں؟ عمدہ ہوتا ہے۔

اور اسی طرح فاعل بھی کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، یہ زید کیا ہے؟ مسند الیہ۔ «ضُرِبَ عَمْرٌو»، یہ عمرو، یہ نائب الفاعل یہ بھی کیا ہے؟ مسند الیہ۔ تو یہ کلام میں عمدہ ہیں بھائی۔ تو وہ ضابطہ اب اس طرح آپ نے یاد رکھنا ہے: کہ اضمار قبل الذکر، میں نے بتلایا تھا کہ کلامِ عرب میں پانچ جگہ علماء نے تلاش کیا اور دیکھا کہ پانچ جگہوں پر عرب کیا کرتے ہیں؟ اضمار قبل الذکر کر لیتے ہیں، اور پھر اس کے لیے انہوں نے جو ضابطہ بنایا وہ یہ کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ عمدہ سے کیا مراد ہے؟ مسند الیہ بھائی، مسند الیہ، یعنی فاعل یا نائب فاعل ہونا چاہیے، مفعول وغیرہ میں نہیں جائز بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو ضابطہ دہراؤ بھائی، زبان سے دہراؤ اس سے چیز پکی ہوتی ہے، کیا ضابطہ ہوا؟ کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ تو عمدہ کے اندر، یعنی مسند الیہ جو ہے، اس میں اگر ذکر بیشک بعد میں آ رہا ہو لیکن آپ اس کی ضمیر پہلے لا سکتے ہیں بھائی۔ ضمیر پہلے لا سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ آگے تفسیر آنی چاہیے، اس «هُوَ» ضمیر سے کون مراد ہے، یعنی وہ مرجع بعد میں ذکر بھی ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو کیا ضابطہ ہوا؟ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ

تفسیر بھائی، بشرطِ تفسیر۔

یہ ضابطہ یاد رہے گا؟ پھر دہراؤ: اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ اضمار قبل الذکر کس میں جائز ہے؟ عمدہ میں، یعنی مسند الیہ میں، یعنی فاعل یا نائب فاعل میں، مفعول کے اندر جائز نہیں۔ لیکن کیا شرط ہے؟ بشرطِ تفسیر، کہ آگے فوراً اس کی کیا آنی چاہیے؟ تفسیر آنی چاہیے کہ یہ جو «هُوَ» یا «هُمَا» یا «هُمْ» ضمیر آرہی ہے اس کا مرجع کیا ہے، اس سے کون مراد ہے، وہ آگے تفسیر آنی چاہیے بھائی۔ تو یہ ضابطہ ہے، اور یہ ضابطہ کتنی جگہ جاری ہوتا ہے، کہاں پر؟ پانچ جگہیں ہیں جن میں سے ایک کون سا باب ہے؟ تنازعِ فعلین کا باب ہے بھائی۔

اس کے بعد دوسری بات یہ یاد رکھیں، ترکیب کی بات میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں بھائی، کہ فعل کا فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسم ظاہر بھی آسکتا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ فعل جو ہے وہ جب بھی آئے گا وہ ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرے گا۔ اگر فعل معروف ہوا تو فاعل کا تقاضا کرے گا، اور اگر فعل مجہول ہوا تو نائب فاعل کا تقاضا کرے گا۔ تو بہر حال فعل جب بھی آئے، چاہے معروف ہو چاہے مجہول ہو، وہ دو چیزوں میں سے ایک کا تقاضا ضرور کرے گا: یا فاعل کا یا نائب فاعل کا۔ لہٰذا فعل کے آنے کے فوراً بعد آپ نے ترکیب میں فاعل یا نائب فاعل کو تلاش کرنا ہے جس کو فعل رفع دیتا ہے۔

فاعل اور نائب فاعل پر ہمیشہ کیا آتا ہے؟ رفع۔ جب آپ کو ایک چیز کا پتہ چل جائے کہ یہ لفظ فاعل ہے یا نائب فاعل ہے، تو ساتھ ہی دوسری کس بات کا پتہ چل جاتا ہے؟ کہ یہ مرفوع ہے، اس پر رفع پڑھنا ہے، اور پھر وہ رفع جو ہے وہ محلاً بھی ہو سکتا ہے، تقدیراً بھی ہو سکتا ہے اور لفظاً بھی۔ محلاً رفع کس کے اندر آتا ہے؟ مبنی کے اندر۔ مبنی پر ہر اعراب محلاً ہی آتا ہے، چاہے رفع ہو چاہے نصب ہو چاہے جر ہو، جبکہ معرب جو ہے اس پر اعراب تقدیراً بھی ہو سکتا ہے اور لفظاً بھی۔ تقدیراً کیا معنی؟ یعنی لفظوں میں نہ ہو، اور لفظاً کیا معنی؟ کہ باقاعدہ تلفظ میں اعراب پر ہم تلفظ بھی کریں، تلفظ سے ہی فرق پتہ چل رہا ہو بھائی۔

تو ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ یہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے، اور پھر یہ ضابطہ بھی بتلایا تھا آپ کو کہ فعل کا فاعل یا نائب فاعل جب اسم ظاہر ہو تو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں۔ جب فعل کا فاعل یا نائب فاعل اسم ظاہر ہو تو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد رکھتے ہیں۔ فاعل کی ابھی بحث پیچھے گزری اس کے اندر یہ ضابطہ ذکر ہوا تھا کہ فعل کا فاعل جب اسم ظاہر ہو تو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں، ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں۔

چند باتیں جو پہلے گزر چکی ہیں ان کا ایک مرتبہ پھر ہم تکرار کر لیتے ہیں مختصر سا بھائی۔ آپ نے پڑھا تھا کہ ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے، فعل معروف ہے تو فاعل چاہیے، فعل مجہول ہے تو نائب فاعل۔ یعنی فعل کے لیے، جب میں نے فعل کہا تو یہ فعل معروف کو بھی شامل ہوا اور فعل مجہول کو بھی۔ تو فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ پھر دیکھیں گے وہ فعل معروف ہے یا مجہول، معروف ہے تو اس کے لیے فاعل چاہیے، مجہول ہے تو اس کے لیے نائب فاعل چاہیے۔ تو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا فعل تو آجائے اور اس کا آگے فاعل یا نائب فاعل نہ آئے بھائی۔ تو آپ نے فعل کے آنے کے فوراً بعد فاعل یا نائب فاعل کو تلاش کرنا ہے، اور یہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔

اور میں نے بتایا تھا اسم ظاہر یہ ضمیر کے مقابلے میں ہے، جو بھی ضمیر ہے وہ اسم ظاہر نہیں ہے، اور جو ضمیر نہیں ہے لیکن ہے اسم، وہ دراصل اسم ظاہر ہے بھائی۔ تو اسم ظاہر کس کے مقابلے میں ہے؟ ضمیر کے مقابلے میں ہے۔ اور پھر ہم نے یہ بھی پڑھا تھا کہ چودہ صیغوں میں سے صرف دو صیغے ایسے ہیں جن کا فاعل اسم ظاہر بھی آسکتا ہے اور ضمیر بھی آسکتی ہے، جبکہ باقی بارہ صیغے جو ہیں ان کا فاعل ہمیشہ انہی کے ساتھ ملی ہوئی ضمیر ہو گی یا اسی فعل کے اندر چھپی ہوئی ضمیر ہو گی۔ وہ دو صیغے جن کا فاعل اسم ظاہر آسکتا ہے وہ کون کون سے ہیں؟ «ضَرَبَ» اور «ضَرَبَتْ»، یعنی پہلا اور چوتھا صیغہ، یعنی واحد مذکر غائب کا صیغہ اور واحد مؤنث غائب کا صیغہ۔ یہ دو صیغے ہیں جن کا فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسم ظاہر بھی۔

تو جب آپ کو پتہ چل جائے کہ آگے کوئی اسم ظاہر ہے وہ فاعل آرہا ہے، تو ما قبل میں وہ فعل ہمیشہ یا پہلا صیغہ ہو گا یا چوتھا، ان کے علاوہ کوئی صیغہ نہیں ہو سکتا۔ تو پہلا اور چوتھا صیغہ آئے تو آپ جملے میں آگے تلاش کریں کہ کوئی اسم ظاہر تو اس کا فاعل نہیں بن رہا؟ اگر آگے اسم ظاہر فاعل بن رہا ہو تو پھر اس پہلے اور چوتھے صیغے کے اندر ضمیر نہیں ہو گی کیونکہ ایک فاعل چاہیے تھا وہ آگے آگیا، اور اگر آگے کوئی اسم ظاہر نہیں ہے تو پھر انہی کے اندر کیا ہو گی؟ ضمیر۔ جبکہ پہلے اور چوتھے صیغے کے علاوہ یعنی واحد مذکر غائب، واحد مؤنث غائب، ان دو صیغوں کے علاوہ باقی جتنے صیغے ہیں ان سب میں فاعل کیا ہو گا ہمیشہ؟ ضمیر ہی ہو گی، وہاں اسم ظاہر کو تلاش کرنے کی پھر ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ ان کا فاعل اسم ظاہر نہیں آتا، اسم ظاہر صرف پہلے اور چوتھے صیغے کا فاعل آسکتا ہے۔ صورت یہاں تک سمجھ میں آگئی؟

اس سے ایک اور بات کا آپ کو پتہ چل گیا کہ فاعل جب اسم ظاہر ہو گا، فعل ہمیشہ مفرد کا آئے گا کیونکہ پہلا اور چوتھا صیغہ کون سے ہیں؟ دونوں مفرد کے

صیغے ہیں، تو فاعل چاہے مفرد ہو جو اسم ظاہر آگے آرہا ہے فاعل، وہ چاہے مفرد ہو چاہے تثنیہ ہو چاہے جمع، اس کو آپ نے نہیں دیکھنا، وہ جو کچھ بھی ہے، دراصل ہے تو اسم ظاہر، تو فعل ہمیشہ مفرد رہے گا۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں زید نے پٹائی کی، کیا کہوں گا؟ «ضَرَبَ زَيْدٌ»۔ میں کہنا چاہتا ہوں وہ جو دو زید ہیں انہوں نے پٹائی کی، کیا کہوں گا؟ «ضَرَبَ الزَّيْدَانِ»۔ دیکھا فعل ابھی بھی مفرد ہی ہے۔ میں کہنا چاہتا ہوں وہ سب جو زید ہیں انہوں نے پٹائی کی، کیا کہوں گا؟ «ضَرَبَ الزَّيْدُونَ»۔ ملا کر کیسے پڑھیں گے؟ «ضَرَبَ الزَّيْدُونَ»۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو معلوم ہوا اسم ظاہر جب فاعل ہو، چاہے وہ مفرد ہو چاہے تثنیہ ہو چاہے جمع ہو، فاعل تو اسم ظاہر ہے، جب اسم ظاہر ہے فعل ہمیشہ کیا رہے گا؟ مفرد رہے گا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اب مصنف جو ہیں، مصنف دو مذاہب جمہور کے انہوں نے ذکر کیے: ایک بصرہ والوں کا، ایک کوفہ والوں کا۔ بصرہ والے کیا کہتے ہیں؟ فعل ثانی کو عامل بنائیں گے۔ کوفہ والے کیا کہتے ہیں؟ یعنی بصرہ والے کہتے ہیں فعل ثانی کو عامل بنانا بہتر ہے، پہلے کو بھی بنا سکتے ہو عامل لیکن ثانی کو بنانا بہتر ہے کہ وہ عامل بنے۔ جبکہ کوفہ والے کیا کہتے ہیں کہ پہلے کو عامل بنانا بہتر ہے کیونکہ وہ پہلے آیا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی۔ اب مصنف دونوں مذاہب کو تفصیل سے ذکر کریں گے اور سب کی مثالیں ذکر کریں گے بھائی، سب کی مثالیں۔ تو سب سے پہلے یہ بصرہ والوں کے مذہب کو ذکر کریں گے بھائی، بصرہ والوں کے مذہب کو۔ بصرہ والے کیا کہتے ہیں؟ فعل ثانی کو عامل بنائیں گے۔ تو وہ ذکر کریں گے اور مثالیں بھی دیں گے۔ ہم پہلے کاپی پر اس کی مثالیں حل کریں گے، کاپی آپ کے سامنے ہو بھائی، قلم آپ کے ہاتھ میں ہو، آپ نے لکھنا ہے اور پھر خود صورت بنانی ہے کہ کس طرح یہ صیغے کی شکل کون سی آئے گی کہاں پر بھائی۔

دو لفظ یہ استعمال کریں گے وہ بھی پہلے ذرا سمجھ لو: ایک لفظ یہ استعمال کریں گے متوافقین، یعنی دونوں متوافق ہوں۔ اور ایک لفظ استعمال کریں گے متخالفین، کہ دونوں فعل متخالف ہوں۔ متوافقین کا معنی یہ ہو گا کہ ایک فعل جس چیز کا تقاضا کر رہا ہے دوسرا بھی اسی کا تقاضا کر رہا ہے، یعنی اگر پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہے تو دوسرا بھی فاعل کا، اور اگر ایک مفعول کا تقاضا کر رہا ہے تو دوسرا بھی مفعول کا۔ جب دونوں کا تقاضا ایک ہے تو یہ کیا کہلائیں گے یہ دونوں فعل؟ یہ متوافقین ہیں، یعنی تقاضے میں متوافقین ہیں، دونوں ایک چیز کا تقاضا کر رہے ہیں۔ اور جب وہ کہیں متخالفین، تو متخالفین کا کیا معنی کہ دونوں فعل تقاضے کے اندر ایک دوسرے کے مخالف ہیں: ایک اگر فاعل کا تقاضا کر رہا ہے تو دوسرا مفعول کا تقاضا کر رہا ہے، اور اگر ایک مفعول کا تقاضا کر رہا ہے تو دوسرا فاعل کا تقاضا کر رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو سب سے پہلے یہ بصرہ والوں کا مذہب ذکر کرنے لگے ہیں، لہٰذا مثال لکھیے اپنے سامنے کاپی پر بھائی۔ جی، وہ دونوں فعل پہلی صورت ذکر کریں گے کہ عامل کس کو بنانا؟ ثانی کو عامل بنانا ہے، اور پہلا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہے۔ پہلے ذرا مثال لکھیں: «ضَرَبَنِي»، میں نے آپ کو مثالیں کل لکھوائی تھیں نا، «ضَرَبَنِي» یہ کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ یہ مفعول ساتھ ملا ہوا ہے، یہ فاعل کا تقاضا کر رہا ہے۔ اور «أَكْرَمَنِي»، دوسرا فعل «أَكْرَمَنِي»، یہ «أَكْرَمَ» بھی کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، اور یا ضمیر مفعول کی ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اور اگر میں کہوں دونوں فعل مفعول کا تقاضا کر رہے ہیں تو پھر کیا کہیں گے؟ «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ»۔ دیکھو «ضَرَبْتُ» کے ساتھ تا ضمیر فاعل کی ملی ہوئی ہے، جب فاعل کی ضمیر ساتھ ہے تو آگے تو یہ فاعل پھر نہیں آئے گا، آگے کس کا تقاضا کرے گا؟ مفعول کا۔ «أَكْرَمْتُ»، اور اس فعل کے ساتھ بھی تا ضمیر فاعل کی ملی ہوئی ہے، لہٰذا معلوم ہوا فاعل ساتھ آگیا، اب کس کا تقاضا کرے گا؟ مفعول کا تقاضا کرے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

اب صورت بنانی ہے ہم نے کہ پہلا فعل تقاضا کرے گا فاعل کا: «ضَرَبَنِي» اور «ضَرَبْتُ»، «أَكْرَمَنِي» اور «أَكْرَمْتُ»، ان فعلوں کو آپ نے استعمال کرنا ہے اور مثالیں خود بنانی ہیں آپ نے۔ پہلا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، اور دونوں فعل متوافقین ہیں۔ اب مجھے بتائیے کیا مثال بنے گی؟ پہلا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، اور یہ بھی بتا دیا دونوں فعل متوافق ہیں، متوافق ہونے کا کیا معنی تھا؟ ایک جس کا تقاضا کر رہا ہے دوسرا بھی اسی کا، اور ایک تو آپ کو بتا دیا پہلا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، اور دونوں متوافق ہیں، معلوم ہوا دوسرا بھی فاعل کا تقاضا کر رہا ہے۔ جملہ لکھیں جس میں دونوں فعل فاعل کا تقاضا کریں، یعنی دونوں متوافقین ہوں: «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي»، آگے زید لکھیں جی۔

یہ مثالیں میں لکھواؤں گا اور پھر آپ نے اس میں کانٹ چھانٹ بھی کرتے جانا ہے اور صیغے کو برابر کرتے جانا ہے، اعراب کو برابر کرتے جانا ہے، ٹھیک ہے بھائی؟ جی، اس کے ساتھ نمبر ایک مثال لکھ دیں، اس کے شروع میں ایک لکھ دیں تاکہ پتہ چلے۔ اور کیا لکھا آپ نے؟ «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»۔ کس کا مذہب بیان ہو رہا ہے؟ بصریین کا، اور بصریین کیا کہتے ہیں کس کو عامل بناؤ؟ فعل ثانی کو، معلوم ہوا اس «زَيْدٌ» کو رفع کون دے رہا ہے اس وقت؟ «أَكْرَمَ»۔ یہ فعل زید کے اندر عامل ہے، تو پہلے کے اندر کیا ماننا پڑے گی؟ ضمیر مانیں گے یا فاعل کو محذوف مانیں گے؟ ضمیر ماننا پڑے گی، اور زید مفرد ہے تثنیہ ہے یا جمع ہے؟ مفرد ہے، تو پہلے فعل میں مفرد کی ضمیر چاہیے، اور مفرد کی ضمیر کس فعل میں ہوتی ہے؟ «ضَرَبَ» میں۔ تو معلوم ہوا یہ جملہ ہمارا ٹھیک

بن گیا: « ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ »۔ تو « ضَرَبَ » کے اندر « هُوَ » ضمیر ہے، اور « هُوَ » ضمیر یہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو۔

اب آپ پر کوئی اشکال کرے یہ تو اضمار قبل الذکر ہوا، ضمیر پہلے ہے مرجع زید بعد میں ہے، آپ کیا جواب دیں گے؟ کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے، عمدہ یعنی مسند الیہ میں یعنی فاعل اور نائب فاعل، تو اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر، اور ان میں سے ایک جگہ کون سی ہے؟ تنازعِ فعلین، اور یہ مثال تنازعِ فعلین کی ہے، اور ضمیر پہلے آگئی اضمار قبل الذکر ہوا لیکن تفسیر آگے آرہی ہے، « ضَرَبَ » کے اندر « هُوَ » ضمیر آئی تھی اس « هُوَ » سے کون مراد ہے؟ آگے زید تفسیر آگئی فوراً، تو اضمار قبل الذکر ہے اور عمدہ میں ہے، ضمیر کس کی پہلے لائے ہو، فاعل کی یا مفعول کی؟ فاعل کی ضمیر کے، تو دیکھو یہ اضمار قبل الذکر لا رہے ہیں ہم اور کس کے اندر لا رہے ہیں؟ عمدہ یعنی فاعل کے اندر، اور آگے اس کی تفسیر بھی آرہی ہے، لہٰذا معلوم ہوا یہ جائز ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

دوسری مثال: یہی فعل لکھیں، اب آپ زید کو تثنیہ کر دیں۔ لکھیں بھائی: « ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ »۔ اب الف لام بھی لے کر آئیں گے زید پر، میں نے آپ کو بتلایا تھا اس لیے کیونکہ زید جو ہے یہ علم ہے، معرفہ ہے۔ معرفہ کسے کہتے ہیں جو کسی معین ذات پر دلالت کرے، لیکن جب دو تین یا چار کا نام رکھ دیا زید تو اب میں کہتا ہوں میرے پاس زید آیا تھا، آپ کو پتہ چلا کون سا زید آیا؟ نہیں، اب نہیں پتہ چلے گا کیونکہ تین چار کا نام ہے، تو معلوم ہوا یہ نکرہ بن گیا ہے۔ جب نکرہ بن گیا تو اب اس کو پھر معرفہ بنانے کے لیے اب ہم اس پر کیا لے آئے؟ الف لام، اب یہ معرفہ بن گیا۔ اچھا، اب مجھے بتایئے، کیا لکھا؟ « ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ »۔ اب مجھے بتایئے، « الزَّيْدَانِ »، یہ کون سی حالت میں ہے، مرفوع ہے منصوب ہے یا مجرور ہے؟ نون کے نیچے تو میں زیر پڑھ رہا ہوں بھائی، یہ اس کی حرکت ہے، یہ مرفوع ہے، کیا ہے؟ مرفوع۔ آپ کو کیسے پتہ چلا مرفوع؟ فاعل تو بن رہا ہے، اور یہ لفظ سننے سے ہی پتہ چل جاتا ہے آپ اس پر رفع پڑھ رہے ہیں، کیسے؟ کیونکہ یہ تثنیہ ہے، تثنیہ کا اعراب حالتِ رفعی میں کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ، اور حالتِ نصبی جری میں یا۔ تو یہاں پر آپ الف پڑھ رہے ہیں: « الزَّيْدَانِ »۔ اگر یہ ہوتا « الزَّيْدَيْنِ » تو معلوم ہوتا یہ منصوب ہے یا مجرور، لیکن اس وقت آپ الف پڑھ رہے ہیں، معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ مرفوع ہے۔ اور اس کو رفع کون دے رہا ہے؟ « أَكْرَمَ »، دوسرا فعل « أَكْرَمَنِي »، یہ « أَكْرَمَ » فعل اس کو رفع دے رہا ہے، یہ اس کے لیے فاعل ہے۔

جب یہ اس کے لیے فاعل ہے تو پہلے فعل میں پھر کیا کرتے ہیں؟ ضمیر لاتے ہیں۔ جی، تو « الزَّيْدَانِ » مفرد ہے، تثنیہ ہے یا جمع ہے؟ تثنیہ، معلوم ہوا پہلے فعل میں ہمیں تثنیہ والی ضمیر چاہیے، اور « ضَرَبَ » کے اندر تو « هُوَ » ضمیر آسکتی ہے تثنیہ والی نہیں، لہٰذا تثنیہ والا صیغہ لاؤ غائب کا ہی: « ضَرَبَا »۔ جی، اب اس کو بدل دو بھائی، اس فعل کو کاٹ کر اس کی جگہ لکھ دو: « ضَرَبَانِي »۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے بھائی؟ یہ رٹا لگانے کی ضرورت نہیں ہے، یہ مثالیں آپ خود بنا سکتے ہیں۔ کیا بن گیا جملہ؟ « ضَرَبَانِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ »۔ سوال بھائی: « الزَّيْدَانِ » تثنیہ ہے، اور « أَكْرَمَ » تو آپ مفرد کا فعل لے کر آئے ہیں جو عمل کر رہا ہے اس کے اندر جس کے لیے یہ فاعل ہے؟ شاباش، « الزَّيْدَانِ » کیا ہے؟ اسم ظاہر، اور اسم ظاہر جب فاعل ہو تو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد، اس لیے « أَكْرَمَ » اس کو نہیں بدلنا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ وہ پہلا یا چوتھا صیغہ ہو سکتا ہے اور کوئی صیغہ نہیں، تو پہلا صیغہ وہ مفرد ہی رہے گا، لیکن دوسرے میں ہمیں ضمیر لانی ہے، اور ضمیر تو آپ نے پڑھا ہے مرجع کے مطابق ہوا کرتی ہے، اور ہمیں تثنیہ کی ضمیر چاہیے تھی وہ « ضَرَبَ » کے اندر نہیں ہے کس کے اندر ہے؟ « ضَرَبَا » تثنیہ کے صیغے میں ہے، تو کیا بن گیا جملہ؟ « ضَرَبَانِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ »۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب پھر یہی جملہ لکھو: « ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي »، اور آگے اسم ظاہر کو جمع لے آؤ ذرا: « الزَّيْدُونَ »۔ اچھا، « الزَّيْدُونَ »، یہ آپ نے واؤ کے ساتھ لکھا، یہ واؤ بتلا رہا ہے یہ کون سی حالت میں ہے؟ حالتِ رفعی میں ہے، جمع مذکر سالم ہے نا مسلمون کی طرح ہے۔ اس کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واؤ کے ساتھ، اور نصب اور جر یا کے ساتھ۔ تو یہ واؤ کے ساتھ ہے، مرفوع ہے۔ اچھا، اس کو رفع کون دے رہا ہے، اس میں عمل کون کر رہا ہے؟ « أَكْرَمَ » عمل کر رہا ہے، اور « أَكْرَمَ » کو پھر کون سا صیغہ لائیں گے، مفرد تثنیہ یا جمع؟ مفرد ہی، کیوں مفرد رکھیں گے؟ کیونکہ فاعل اسم ظاہر ہے، وہ چاہے تثنیہ ہو چاہے جمع ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہے تو اسم ظاہر، لہٰذا فعل کو ہمیشہ کیا رکھیں گے؟ مفرد۔ تو « أَكْرَمَ » کو ہم نے اسی طرح مفرد رکھا، لیکن پہلے فعل میں پھر کیا کرنا پڑے گا؟ ضمیر لانا پڑے گی، اور ہمیں کون سی ضمیر اس وقت چاہیے؟ مفرد کی، تثنیہ کی یا جمع کی؟ جمع کی ضمیر چاہیے، تو وہ فعل لے کر آؤ شروع میں جس میں جمع والی ضمیر ہو، وہ کون سا فعل ہے؟ « ضَرَبُوا »، شاباش۔ تو یہاں کیا بن جائے گا؟ « ضَرَبَ » کی جگہ کاٹ کر « ضَرَبُوا » کریں: « ضَرَبُونِي »۔ کیا بن گیا جملہ؟ « ضَرَبُونِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ »۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور یہ کون سی صورت تھی؟ دونوں فعل متوافق ہیں، دونوں فاعل کا تقاضا کر رہے تھے، ہم نے ثانی کو عامل بنایا اور پہلے میں کیا لے آئے؟ ضمیر، اور اگرچہ یہ اضمار قبل الذکر ہے لیکن اضمار قبل الذکر ہے کس کے اندر؟ ضمیر کس کی لا رہے ہو؟ فاعل کی،

تو یہ اضمار قبل الذکر کس میں ہے؟ عمدہ میں ہے اور آگے اس کی کیا آرہی ہے؟ تفسیر، تو اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر، اور دونوں فعل کون سے ہیں؟ متوافقین۔

اب دیکھیے ذرا کتاب پر بھائی، کہتے ہیں: «فَإِنْ أَعْمَلْتَ الثَّانِيَ»، اگر آپ نے عمل دیا فعل ثانی کو، یعنی کس کے مذہب پر عمل کیا؟ بصرہ والوں کے۔ تو کہتے ہیں اگر آپ نے فعل ثانی کو عمل دیا: «فَانْظُرْ»، تو آپ دیکھ لیجیے، «إِنْ كَانَ الْفِعْلُ الْأَوَّلُ يَقْتَضِي الْفَاعِلَ»، کہ اگر فعل اول جو ہے وہ تقاضا کر رہا ہے کس کا؟ فاعل کا، فعل اول اگر تقاضا کر رہا ہے فاعل کا: «أَضْمَرْتَهُ فِي الْأَوَّلِ»، تو پھر آپ اس پہلے فعل میں کیا کریں گے؟ فاعل کی ضمیر لائیں گے، «كَمَا تَقُولُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ»، جیسے کہ آپ کہتے ہیں دو متوافق افعال میں۔ اب دیکھو وہی مثالیں جو آپ نے لکھی تھیں وہی ترتیب سے آئیں گی: «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»، یہ «زَيْدٌ» کو رفع کس نے دیا؟ «أَكْرَمَ» نے، اور «ضَرَبَ» نے کس کو رفع دیا؟ «هُوَ»، شاباش، «ضَرَبَ» کے اندر ہی ضمیر ہے۔ فاعل تو ہر حال میں چاہیے، تو «زَيْدٌ» کو تو رفع کس نے دیا؟ «أَكْرَمَ» نے، تو «ضَرَبَ» کے لیے بھی فاعل چاہیے یا نہیں؟ وہ اسی کے اندر کیا ہے؟ ضمیر ہے، اور اس ضمیر کا کوئی اعراب آپ سے پوچھ لے، اس «هُوَ» ضمیر کا کیا اعراب ہے، آپ کیا کہیں گے؟ مرفوع محلاً، کیونکہ فاعل ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

پہلے اور باقی مثالیں بھی کر لو: دوسری مثال: «وَضَرَبَانِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ «الزَّيْدَانِ» کو رفع کس نے دیا؟ «أَكْرَمَ» نے، اور «ضَرَبَا» نے الف کو رفع دیا۔ «وَضَرَبُونِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ»، دیکھو یہ «الزَّيْدُونَ» کو رفع کس نے دیا؟ «أَكْرَمَ» نے، اور «ضَرَبُوا» نے اس واؤ کو، اور یہ واؤ کون سی ضمیر ہے؟ جمع مذکر غائب، یعنی یہ «هُمْ» ہی کی طرح ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب ذرا ترکیب بھی کر لو بھائی، ترکیب بھی ہم ساتھ ساتھ کر رہے ہیں۔ پہلے جملے کی ترکیب کرو: «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»۔ «ضَرَبَ» فعل، ہاں اب اس کے اندر فاعل کی ضمیر بھی تو ہم نے نکالی ہوئی ہے، «ضَرَبَ» فعل، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع، کون سا مرفوع؟ مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو راجع ہے کس کو؟ زید کو، اور یہ کیا ہے؟ اضمار قبل الذکر عمدہ میں بشرطِ تفسیر، اور یہ تنازعِ فعلین کے باب ہے بھائی۔ نون وقایہ کا، یا ضمیر اعراب بھائی؟ منصوب محلاً مفعول بہ، کیونکہ ضمیر ہے اور ضمیر مبنیات میں سے اور مبنی کا اعراب ہمیشہ محلاً بتاتے ہیں۔ تو یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ واؤ حرفِ عطف، «أَكْرَمَ» فعل، اب اس کے لیے فاعل چاہیے، اب وہ اس کے اندر ضمیر نہیں نکالنی کیونکہ آگے یہ زید اس کا فاعل آرہا ہے، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، اور «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً اس «أَكْرَمَ» کے لیے فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اسی طرح «ضَرَبَنِي» بھی فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر کیا بنا تھا؟ جملہ فعلیہ خبریہ۔

دوسرے جملے کی ترکیب کریں: «ضَرَبَانِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ»۔ جی، «ضَرَبَا» فعل بافاعل، جب فعل کے ساتھ ہی فاعل کی ضمیر ہو یا اس کے اندر چھپی ہوئی ہو تو تعبیریوں کیا کریں: فعل بافاعل۔ تو «ضَرَبَا» فعل بافاعل، اب کوئی پوچھے آپ سے فاعل کیا ہے اس میں، آپ کیا کہیں گے؟ الف۔ کوئی صاحب آپ سے پوچھے اس الف کا اعراب بتاؤ؟ مرفوع محلاً، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے، شاباش۔ آگے نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ واؤ حرفِ عطف، «أَكْرَمَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «الزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً، سننے سے ہی پتہ چل رہا ہے میں الف پڑھ رہا ہوں، تثنیہ میں الف کس کی علامت ہوتا ہے؟ رفع کی، تو یہ اعراب لفظی ہے۔ «الزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اگلے جملے پہ آیئے: «ضَرَبُونِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ»۔ جی، «ضَرَبُوا» فعل بافاعل، آگے اس کا فاعل کون؟ واؤ ضمیر۔ جی، کون سی ضمیر ہے یہ؟ جمع مذکر غائب۔ اس کا اعراب بتاؤ بھائی؟ مرفوع محلاً، مرفوع کیوں ہے؟ فاعل ہے۔ محلاً کیوں کہہ رہے ہو؟ مبنیات میں سے ہے، اس کی حرکت کو آپ نے نہیں دیکھنا۔

کبھی بھی، بس یہ دیکھنا ہے کہ یہ مبنی ہے تو محلاً کہا کرو۔ تو آگے نون وقایہ ہے اور یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ بن رہی ہے، اور فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اور یہ واؤ ضمیر کس کو راجع ہے؟ «الزَّيْدُونَ» کو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح «ضَرَبَانِي» کے اندر بھی الف ضمیر کس کو راجع تھی؟ «الزَّيْدَانِ» کو راجع تھی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اگر آپ سے کوئی اب پھر پوچھے یہ تو اضمار قبل الذکر ہوا، ضمیر پہلے مرجع بعد میں، آپ فوراً جواب میں کیا کہیں کہ یہ اضمار قبل الذکر ہے عمدہ کے اندر بشرطِ تفسیر، اور باب کون سا ہے؟ تنازعِ فعلین کا، اس لیے یہ جائز ہے۔

آگے: « وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ » ۔ واوٗ حرفِ عطف، « أَكْرَمَ » فعل، نون وقایہ کا، آگے یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، « الزَّيْدُونَ » فاعل۔ اعراب بھائی؟ مرفوع لفظاً۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ رفع پہ تلفظ کر کے دکھاؤ: « الزَّيْدُونَ » ۔ نصب اور جر پہ ذرا تلفظ کرو: « الزَّيْدِينَ » ، شاباش بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ وہ صورت تھی جب دونوں فعل کیا تھے؟ متوافق تھے۔

اب دوسری صورت بناؤ بھائی۔ پھر وہی جملہ لکھو اپنے سامنے: « ضَرَبَنِي » ، نہیں ٹھہرو، عامل کس کو بنانا ہے ہم نے؟ دوسرے کو۔ بصرہ والوں کا مذہب چل رہا ہے نا، عامل تو ہر حال میں دوسرے کو بنانا ہے۔ تو اب یوں کرو کہ دوسرا مفعول کا تقاضا کرے، کس کا تقاضا کرے؟ مفعول کا۔ پہلی صورت گزر گئی ناجن میں سب دوسرا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا تھا، « أَكْرَمَ » سارے پہلی تینوں مثالوں میں « أَكْرَمَ » آیا تھا اور وہ فاعل کا تقاضا کر رہا تھا۔ اب وہ مثالیں ہم کریں گے جس میں دوسرا مفعول کا تقاضا کرے اور پہلا، پہلے کو اسی طرح برقرار رکھنا ہے۔ پہلا کس کا تقاضا کر رہا تھا شروع میں؟ فاعل کا، اب بھی کس کا تقاضا کرے گا؟ فاعل کا۔ لیکن پہلی تین مثالوں میں فعل متوافقین تھے، توجہ ہے؟ پہلی تینوں مثالوں میں فعل متوافقین تھے، پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا تھا اور عامل کس کو بنایا تھا؟ دوسرے کو، لیکن فعل تھے دونوں متوافق۔ جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہے تو متوافق کب بنیں گے؟ جب دوسرا بھی فاعل کا تقاضا کرے۔ تو اس لیے ان مثالوں میں آپ نے دیکھا دونوں فعل فاعل کا تقاضا کر رہے ہیں۔

اب وہی صورت بناؤ، پہلا فاعل ہی کا تقاضا کرے گا لیکن فعل متخالفین ہوں گے۔ جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہے تو متخالف کیسے بنے گا دوسرا؟ وہ مفعول کا تقاضا کرے گا، اور اس کو عامل بھی بنانا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھا، اب لکھو بھائی: « ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ » ، بس آپ ابھی لکھیں، ابھی ہم نے اس کو ٹھیک کرنا ہے بھائی، سارا ٹھیک کرنا ہے۔ پہلے نے کس کا تقاضا کرنا ہے؟ فاعل کا، وہ تو اسی طرح رکھو « ضَرَبَنِي » ۔ دوسرا « أَكْرَمَنِي » ، یہ تو فاعل کا تقاضا کر رہا ہے اور ہمیں تو کون سا فعل چاہیے؟ جو مفعول کا تقاضا کرے، وہ مفعول والا فعل لاؤ بھائی، وہ کیا تھا؟ « أَكْرَمْتُ » ۔ لہٰذا « أَكْرَمَنِي » کو ختم کرو، « أَكْرَمْتُ » کرو۔

اب دیکھو « أَكْرَمْتُ » کے ساتھ فاعل ملا ہوا ہے، آگے کون چاہیے؟ مفعول چاہیے۔ اچھا، اب کیا بن گیا: « ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدٌ » ۔ اب عامل کس کو بنانا ہے؟ دوسرے کو، اور دوسرا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا، تو لہٰذا یہ دوسرا عمل کرے گا اور زید اس کے لیے مفعول بن جائے گا۔ اور مفعول پر کون سا اعراب آتا ہے؟ نصب آتا ہے، لہٰذا اس کو بھی منصوب بنا دو: « زَيْدًا » ، الف بھی لکھو آگے، « زَيْدًا » ۔ ٹھیک ہے بھائی؟ مثال سمجھ میں آگئی؟ پہلا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہے اور فعل کس قسم کے ہیں؟ متخالفین۔ تو معلوم ہوا دوسرا مفعول کا تقاضا کرے گا اور ہم نے عامل کس کو بنایا؟ دوسرے کو۔ تو کیا بن گیا: « ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا » ۔

اچھا، جب دوسرے کو آپ نے عامل بنایا تو پہلے میں کیا کریں گے؟ ضمیر لائیں گے کہ نہیں؟ ضمیر لائیں گے۔ پہلے میں کیا کریں گے؟ ضمیر لائیں گے بھائی۔ آپ کہیں گے وہ تو مفعول بن رہا ہے، بھائی وہ دوسرے فعل کے لیے مفعول بن رہا ہے، پہلے کے لیے تو فاعل ہی بن رہا ہے، کیا بن رہا ہے؟ فاعل۔ تو ضمیر ہم کس کی لا رہے ہیں پہلے؟ فاعل ہی کی لائیں گے۔ تو اضمار قبل الذکر کس میں ہو گا؟ عمدہ میں، اور اضمار قبل الذکر عمدہ میں بشرطِ تفسیر تنازعِ فعلین میں جائز ہے یا نہیں جائز؟ جائز ہے، لہٰذا پہلے میں فاعل کی ضمیر مان لو، لیکن یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ لفظِ زید کو۔ آپ یہ نہ دیکھیں کہ لفظِ زید مفعول بن رہا ہے، بھائی وہ مفعول « أَكْرَمْتُ » کے لیے بن رہا ہے، « ضَرَبَ » کے لیے نہیں بن رہا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو « ضَرَبَ » کے اندر فاعل ہی کی ہم ضمیر لا رہے ہیں، کوئی مفعول کی ضمیر نہیں۔ مفعول کی ضمیر تو یا ضمیر متکلم کی ساتھ الگ ملی ہوئی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ بھی اضمار قبل الذکر کس میں ہے؟ عمدہ میں ہے اور بشرطِ تفسیر ہے اور تنازعِ فعلین میں ہے، لہٰذا جائز ہے بھائی۔

اچھا، تو « زَيْدًا » مفرد ہے، تثنیہ ہے یا جمع ہے؟ مفرد ہے، تو مفرد کی ضمیر ہمیں پہلے فعل میں چاہیے، اور وہ کون سا صیغہ ہو گا؟ « ضَرَبَ » ہی ہو گا، تو لہٰذا معلوم ہوا جملہ ہمارا صحیح ہے۔ کیا بنا جملہ؟ « ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا » ۔ جی، اب دوسری مثال لکھو، اب یہ « أَكْرَمْتُ » فعل ہی ذکر کرتے جانا سب جگہ بھائی: « ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ » ، آگے « الزَّيْدَانِ » وہ ہے « الزَّيْدَانِ » ، اس میں عامل کس کو بنانا ہے؟ دوسرے کو، اور دوسرا اس کو رفع دے گا یا نصب دے گا؟ نصب دے گا، اس کے لیے مفعول بنے گا، اور تثنیہ کا نصب کس طرح آتا ہے؟ « الزَّيْدَيْنِ » ۔ تو یہاں بھی ہمیں تثنیہ کی نصبی حالت چاہیے، تو « الزَّيْدَانِ » کے بجائے کیا ہو گا؟ « الزَّيْدَيْنِ » ۔ آپ سے کوئی پوچھے اس « الزَّيْدَيْنِ » کو نصب کس نے دیا؟ آپ کہیں گے « أَكْرَمْتُ » نے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور پہلے فعل میں پھر ضمیر چاہیے ہمیں جو اس کی طرف لوٹے، اور یہ «الزَّيْدَيْنِ» لفظ تو کیا ہے؟ تثنیہ، لہٰذا پہلا فعل کون سا لاؤ گے؟ تثنیہ والا، کیا کہیں گے؟ «ضَرَبَانِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ»۔ جملہ بن گیا بھائی؟ «ضَرَبَنِي» کے بجائے کیا کر دیا آپ نے؟ «ضَرَبَانِي»۔ تو جملہ کیا بنا؟ «ضَرَبَانِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ»۔ اب اگلا جملہ لکھیں بھائی، اور اب اسم ظاہر جمع لے کر آئیں: جملہ پہلے اسی طرح لکھیں تاکہ آپ کو سمجھ میں آئے: «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ»، آگے کیا لکھیں گے، «الزَّيْدُونَ» یا «الزَّيْدِينَ»؟ «الزَّيْدِينَ»۔ کیوں لکھیں گے «الزَّيْدِينَ»؟ کیونکہ «أَكْرَمْتُ» اس میں عمل کر رہا ہے، اور «أَكْرَمْتُ» اس کو رفع دے سکتا ہے کوئی؟ نہیں، وہ تو تا ضمیر کو رفع دے رہا ہے، لہٰذا اس کو کیا دے گا وہ؟ نصب۔ فعل کا فاعل بھائی ایک ہی آیا کرتا ہے نا، تو «أَكْرَمْتُ» کی تا ضمیر کیا ہے؟ فاعل، جب اس کو اس نے رفع دے دیا آگے کسی اور کو وہ رفع دے سکتا ہے؟ نہیں، ایک فاعل چاہیے تھا وہ آگیا، آگے وہ نصب ہی دے سکتا ہے بھائی۔ تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ مفعول۔ اور جمع مذکر سالم ہے مسلمون کی طرح ہے، اور اس کا نصب جر کس کے ساتھ آتا ہے؟ یا کے ساتھ۔ کیا کہتے ہیں؟ مسلمین، تو یہاں بھی کیا پڑھیں گے؟ «الزَّيْدِينَ»۔ «أَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ»، صورت سمجھ میں آگئی؟

اور یہ جمع ہے، تو پہلے فعل میں ہمیں جمع کی ضمیر چاہیے جو اس کی طرف لوٹے، اور وہ کس فعل میں ہے: «ضَرَبَ» میں، «ضَرَبَا» میں کہ «ضَرَبُوا» میں؟ «ضَرَبُوا» میں، تو اس «ضَرَبَ» کو کاٹ کر «ضَرَبُوا» کر دیں، کیا بن گیا؟ «ضَرَبُونِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے کتاب پر بھائی: «وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ»، اور متخالفین کے اندر آپ یوں کہیں گے: «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا»۔ جی، آپ کی بھی پہلی مثال یہی تھی جو ابھی آپ نے کاپی پر لکھی۔ اور دوسری مثال کیا تھی؟ «وَضَرَبَانِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ»، اور تیسری مثال ہے: «وَضَرَبُونِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ»۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

اب اس کی کوئی آپ سے ترکیب پوچھے، کیسے ترکیب کریں گے؟ «ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا»۔ «ضَرَبَ» فعل بافاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔ واؤ حرفِ عطف، «أَكْرَمْتُ» فعل بافاعل ہے، اس میں فاعل بتاؤ مجھے؟ تا ضمیر۔ تو نہیں کہنا کبھی بھی، میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ نام کم از کم کتنے حروف پر مشتمل ہوتا ہے؟ تین پر۔ جیسے بسم اللہ کی ترکیب آپ سے کوئی پوچھے، آپ کیا کہتے ہیں: بی جارہ کہتے ہیں یا با جارہ کہتے ہیں؟ دیکھا جب نام لیتے ہیں تو اگر کوئی ایک حرف ہو تو وہ جو حروفِ تہجی کے اندر آیا ہے اس کا نام وہ ذکر کرتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ «أَكْرَمْتُ» کے آخر میں جو حرف ہے اس کو کیا کہتے ہیں وہاں حروفِ تہجی میں؟ تا کہتے ہیں۔ تو یہ تا ضمیر فاعل۔ اب اگر آپ سے کوئی پوچھے اس کا اعراب بتاؤ؟ مرفوع محلاً، لفظاً نہ کہنا کہ اس پر پیش پڑھ رہے ہیں تو آپ کہیں یہ مرفوع لفظاً ہے، نہیں بھائی یہ ضمیر ہے، اور ضمیر کیا ہوتی ہے؟ مبنی، اور مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً۔ تو پھر اگر کوئی کہے اس پر پیش پڑھ تو رہے ہیں آپ، تو آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ یہ اس کی حرکت ہے بھائی۔

«أَكْرَمْتَ»، یہ دوسرا صیغہ ہے «أَكْرَمْتَ»، اس میں بھی تا ضمیر کا کیسا اعراب بتائیں گے؟ مرفوع محلاً۔ اگرچہ تا پر زبر ہے لیکن یہ اعراب نہیں ہے، یہ اس تا کی حرکت ہے۔ «أَكْرَمْتِ»، اس کے اندر بھی کوئی آپ سے پوچھے یہ تا ضمیر کا اعراب کیا ہے، آپ کیا کہیں گے؟ مرفوع محلاً، کیونکہ فاعل ہے۔ وہ کہے گا اس پر تو زیر ہے، آپ کیا کہیں گے؟ یہ اس کی حرکت ہے، یہ مبنی ہے، مبنی پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو «أَكْرَمْتُ» فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، آگے «زَيْدًا»، اعراب سب سے پہلے بتایا کرو: منصوب لفظاً، دیکھو تلفظ سے ہی پتہ چل رہا ہے «زَيْدًا»، «زَيْدٍ» جر کا بھی تلفظ سے ہی پتہ چل رہا ہے، «زَيْدٌ» تلفظ سے فرق ہو رہا ہے یا نہیں؟ تو یہ اعراب لفظی ہے۔ «زَيْدًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

■ قولہ: «ضَرَبَانِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ» کی تشریح

«ضَرَبَانِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ»۔ «ضَرَبَا» فعل بافاعل، الف ضمیر مرفوع محلاً فاعل، کس کو راجع؟ «الزَّيْدَيْنِ» کو۔ آگے نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ»: واؤ حرفِ عطف، «أَكْرَمْتُ» فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، آگے «الزَّيْدَيْنِ» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «وَضَرَبُونِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ»۔ «ضَرَبُوا» فعل بافاعل ہے، اس میں فاعل کون؟ واؤ ضمیر۔ اور اعراب اس کا؟ مرفوع محلاً، شاباش۔ اور کس کو راجع؟ «الزَّيْدِينَ» کو۔ تو یہ

تو اضمار قبل الذکر ہوا؟ یہ عمدہ میں ہے، فاعل کے اندر اضمار قبل، فاعل کی ضمیر پہلے آئی ہے کوئی مفعول کی ضمیر پہلے نہیں آئی، اور عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر، آگے اس واؤ سے کون مراد ہے؟ «الزَّيْدِينَ» مراد ہے۔ نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ واؤ حرفِ عطف، «أَكْرَمْتُ» فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، «الزَّيْدِينَ» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اب آگے بھائی، آگے کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ الْأَوَّلُ يَقْتَضِي الْمَفْعُولَ وَلَمْ يَكُنِ الْفِعْلَانِ مِنْ أَفْعَالِ الْقُلُوبِ حَذَفْتَ الْمَفْعُولَ مِنَ الْفِعْلِ»، اور اگر پہلا فعل مفعول کا تقاضا کر رہا ہو اور وہ دو فعل افعالِ قلوب میں سے بھی نہیں ہیں، افعالِ قلوب یہ آگے چل کر آپ کو بتائیں گے، کچھ وہ افعال ہیں جن کا تعلق دل سے ہوتا ہے تو ان کو کیا کہتے ہیں؟ افعالِ قلوب۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «حَسِبْتُ زَيْدًا عَالِمًا»، میں نے زید کو عالم خیال کیا، میں نے زید کے بارے میں گمان کیا کہ وہ عالم ہے۔ اب مجھے بتایئے، یہ گمان کرنا، اس میں کوئی عمل کرنا پڑتا ہے یا دل ہی دل میں خیال کرنا پڑتا ہے؟ دل ہی دل میں، تو یہ وہ افعال ہیں جن کا تعلق دل سے ہے، دل ہی میں ہوتے ہیں، خارج میں نہیں۔ ویسے تو خارج میں آپ کہتے ہیں «شَرِبْتُ»، میں نے پانی پیا، تو دیکھو آپ کو منہ سے پانی پینا پڑتا ہے۔ «كَتَبْتُ»، میں نے لکھا، ہاتھ سے لکھنا پڑتا ہے۔ «مَشَيْتُ»، میں چلا، دیکھو چلنا پاؤں سے پڑتا ہے۔ تو باقی افعال تو اعضاء و جوارح وغیرہ ان سے ہوتے ہیں لیکن یہ کچھ افعال ہیں جن کا تعلق صرف کس سے ہے؟ دل سے ہے، ان کو کیا کہتے ہیں؟ افعالِ قلوب۔ آگے تفصیل آجائے گی، ویسے سمجھانے کے لیے آپ کو کہہ رہا ہوں، اور یہ دو مفعول چاہتے ہیں، کتنے مفعول چاہتے ہیں؟ دو مفعول چاہتے ہیں۔

ان کے اندر آپ کو آگے چل کر بتائیں گے کہ ان میں مفعول کو حذف نہیں کر سکتے، مفعول کو حذف نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ان کی کہتے ہیں ہم بات نہیں کر رہے، ان کو حذف نہیں کر سکتے وہ آگے ذکر آرہا ہے، لیکن باقیوں میں مفعول کو کیا کر لو؟ حذف کر لو، کیا کر لو؟ حذف کر لو۔ یاد رکھو فاعل جو ہے نا کلام کے اندر عمدہ ہے، اس کو حذف نہیں کر سکتے۔ ابھی آپ کو میں نے بتایا: فعل آجائے اس کے فوراً بعد کون آنا چاہیے؟ فاعل۔ ایسا کر سکتے ہیں فاعل کو حذف کر دیں اور فعل کو باقی رکھیں؟ نہیں، ایسا نہیں کر سکتے، فاعل کو حذف نہیں کر سکتے۔ لیکن مفعول فضلہ ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ فضلہ، زائد چیز ہوتا ہے۔ اس کو حذف بھی کر دو تو کوئی حرج نہیں۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، زید نے کس کی پٹائی کی؟ عمرو کی۔ اب اس عمرو کو حذف کر دیں: «ضَرَبَ زَيْدٌ»، زید نے پٹائی کی، تو آپ کہیں گے بغیر مضروب کے ضرب کیسے ہو سکتی ہے؟ نہیں بھائی یہ معنی نہیں کہ مضروب کوئی ہے ہی نہیں، لفظوں سے ہم نے صرف کیا کر لیا؟ عمرو کو حذف کیا ہے، ورنہ پٹائی پھر بھی کیا کہیں گے؟ مثلاً دیکھو، آپ کو پتہ ہے کہ کسی نے عمرو کی پٹائی کی ہے۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کس نے پٹائی کی ہے؟ میں نے کہا «ضَرَبَ زَيْدٌ»، کس نے پٹائی کی؟ زید نے۔ اور باقی تو آپ کو پتہ ہے کس کی پٹائی ہوئی ہے، عمرو کی، اس لیے میں نے اس کو حذف کر دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو مفعول کو حذف بھی لفظوں سے کر سکتے ہیں جب کوئی اور قرینہ وغیرہ ہو جس سے پتہ چل رہا ہو اس کا، لیکن فاعل کو لفظوں سے حذف نہیں کر سکتے آپ۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ کیونکہ مفعول فضلہ ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ فضلہ۔

اب دوسری مثالیں بنائیں بھائی، جلدی جلدی کاپی پہ لکھیں بھائی۔ پہلی چھ مثالوں کے اندر آپ نے دیکھا تھا پہلا فعل سب میں کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، اور ان چھ مثالوں میں سے پہلی تین متوافقین تھیں، کیا معنی تھا؟ یعنی جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہے تو دوسرا بھی فاعل کا، اور اگلی تین مثالیں متخالفین تھیں، پہلا تو فاعل ہی کا تقاضا کر رہا ہے لیکن معلوم ہوا دوسرا مفعول کا تقاضا کر رہا ہے۔ یہی صورتیں اب یہاں بھی ہم بنائیں گے بھائی، لیکن اب صورت وہ بنائیں گے کہ پہلا مفعول کا تقاضا کرے، اور پہلا مفعول کا تقاضا کرے وہ کون سا فعل میں نے لکھوایا آپ کو؟ «ضَرَبْتُ»۔ اس کے ساتھ تا ضمیر فاعل کی ملی ہوئی ہے، معلوم ہوا یہ کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا۔ تو لکھیں بھائی: «ضَرَبْتُ»۔

واؤ لکھیں، ابھی دوسرا فعل نہ لکھیں: «ضَرَبْتُ وَ»، اچھا اگر دونوں فعل متوافقین کی پہلے تین مثالیں کر لیتے ہیں، متوافقین اب کیسے بنیں گے؟ دوسرا بھی کس کا تقاضا کرے؟ مفعول کا، تو وہ بھی کون سا فعل لاؤ؟ «أَكْرَمْتُ»۔ جی، لکھیں: «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ»، آگے زید لکھو بھائی۔ لکھ دیا؟ «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدٌ»۔ اب بتایئے، عامل کس کو بنانا ہے؟ ابھی وہی بصرہ والوں کا مذہب چل رہا ہے نا، اب اگلی چھ مثالیں آئیں گی جن میں پہلا کس کا تقاضا کرے گا؟ مفعول کا، اور دوسرا وہ مفعول کا بھی تقاضا کر سکتا ہے اور فاعل کا۔ اگر وہ بھی مفعول کا تقاضا کرے تو دونوں کیا ہو گئے؟ متوافقین، اور اگر وہ فاعل کا تقاضا کرے اور پہلا تو مفعول کا کر رہا ہے تو دونوں کیا بن جائیں گے؟ متخالف۔ تو پہلے ہم متوافقین والی صورت کر لیتے ہیں۔ «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدٌ»، اچھا اس زید میں کس نے عمل کیا؟ «أَكْرَمْتُ» نے، اور «أَكْرَمْتُ» اس کو رفع دے گا یا نصب دے گا؟ نصب دے گا، تو «زَيْدًا» کر دیں۔ «أَكْرَمْتُ زَيْدًا»۔

اور پہلے میں اب کیا کریں گے؟ ضمیر مانیں گے؟ «ضَرَبْتُهُ»، کیا بن گیا؟ «ضَرَبْتُهُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا»۔ اچھا، اب ترکیب کرو: «ضَرَبْتُ» فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، آگے ہا ضمیر، ہو نہیں پڑھنا، اکثر لوگ اس کو ہو پڑھتے ہیں یا ہی پڑھتے ہیں جو حرکت ہوتی ہے، یہ ہا پر جو پیش ہے یہ اس کی حرکت ہے۔ ایک حرف پر یہ مشتمل ہے، جب ایک حرف پر مشتمل ہے تو وہ جو الف با تا میں اس حرف کا نام ہے وہ نام لو، کیا ہے؟ ہا ہے۔ تو یہ ہا ضمیر، اعراب بتاؤ؟ منصوب محلاً مفعول بہ، کیونکہ فاعل گزر گیا، فعل کا ایک ہی فاعل آتا ہے۔ تو ہا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو لوٹ رہی ہے، معلوم ہوا یہ تو اضمار قبل الذکر ہوا، اور اضمار قبل الذکر آپ یہ عمدہ میں کر رہے ہیں یا مفعول میں کر رہے ہیں؟ مفعول میں، مفعول میں تو ہم نے کب کہا تھا جائز ہے؟ مفعول میں تو نہیں جائز۔ لہٰذا مفعول کو یہاں حذف کر دیں گے، کیونکہ مفعول کو حذف کرنا جائز ہے آپ پڑھ چکے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ وہ فضلہ ہے زائد چیز ہے، فاعل کو تو نہیں حذف کر سکتے تھے اس لیے پہلے فعلوں میں ہم ضمیریں لے کر آئے اس کو حذف نہیں کر سکتے تھے، پہلی چھ مثالوں میں ہم ضمیریں لائے، لیکن اب کیا کر سکتے ہیں؟ مفعول کو حذف کر سکتے ہیں۔ اور اگر آپ ضمیر لائیں تو پھر کیا خرابی لازم آئے گی؟ اضمار قبل الذکر مفعول کے اندر ہو جائے گا اور وہ تو جائز نہیں ہے بھائی۔ لہٰذا «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا»۔

جی، آگے دوسری مثال بنائیں: «الزَّيْدَانِ» تثنیہ کریں: «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَانِ»۔ «ضَرَبْتُ»، «أَكْرَمْتُ»، عامل کس کو بنایا؟ دوسرے کو، اور اس نے زیدان کو رفع دے گا، نصب دے گا یا جر دے گا؟ نصب دے گا، اس کے لیے مفعول بنے گا، لہٰذا حالتِ نصبی بنا دو: «الزَّيْدَيْنِ»۔ اور پہلے کے لیے کیا کریں گے؟ مفعول کو حذف مانیں گے، ضمیر نہیں لا سکتے کیونکہ ضمیر تو پھر کس کی ہے؟ مفعول کی، اور پھر کیا خرابی لازم آئے گی؟ اضمار قبل الذکر مفعول میں اور وہ تو جائز نہیں، لہٰذا حذف کر دیں گے۔ تو کیا پڑھیں گے؟ «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ»۔ پہلا جملہ بھی اسی طرح تھا: «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا»، دوسرا بھی اسی طرح ہے: «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ»۔ تیسرا بھی اسی طرح بن جائے گا: «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ»۔ اس «الزَّيْدِينَ» کو نصب کس نے دیا؟ «أَكْرَمْتُ» نے، اور «ضَرَبْتُ» کے مفعول کدھر گیا؟ اس کو حذف کر دیا، ورنہ کون سی ضمیر ہوتی؟ «هُمْ» ہوتی لیکن وہ لا نہیں سکتے تھے ہم۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں اب دیکھیے کتاب پر: «وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ الْأَوَّلُ يَقْتَضِي الْمَفْعُولَ وَلَمْ يَكُنِ الْفِعْلَانِ مِنْ أَفْعَالِ الْقُلُوبِ حَذَفْتَ الْمَفْعُولَ مِنَ الْفِعْلِ»، اور اگر پہلا فعل جو ہے وہ مفعول کا تقاضا کرے اور وہ دو فعل افعالِ قلوب میں سے بھی نہیں ہیں جن میں جھگڑا ہے تو آپ مفعول کو حذف کر لیں گے اس فعل میں سے، «كَمَا تَقُولُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ»، جیسے آپ کہیں گے دونوں متوافق افعال میں: «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا»، اور «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ»، اور «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ»۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ ان سب میں کیا کیا ہے؟ پہلے فعل میں سے مفعول کو حذف کر دیا ہے۔

▪ قولہ: «وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ» کی تشریح

«وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ»، اور متخالفین میں کیسے کہیں گے؟ متخالفین کا کیا معنی؟ پہلا تو مفعول ہی کا تقاضا کر رہا ہے وہ آپ کو شروع میں بتا چکے ہیں: «وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ الْأَوَّلُ يَقْتَضِي الْمَفْعُولَ»، پہلے نے تو مفعول ہی کا تقاضا کرنا ہے لیکن ہیں دونوں فعل متخالف، معلوم ہوا دوسرا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اب یہ مثالیں ذرا لکھو جلدی جلدی بھائی: پہلا مفعول کا تقاضا کرے وہ کون سا فعل ہے؟ «ضَرَبْتُ»۔ دوسرا فاعل کا تقاضا کرے وہ کون سا فعل ہے؟ «أَكْرَمَنِي»۔ آگے زید لکھو۔ دونوں فعل کیا ہیں؟ متخالفین: پہلا مفعول کا تقاضا کرتا رہے گا ان مثالوں میں جبکہ ثانی مخالف ہے وہ فاعل کا اب تقاضا کرے گا۔ اچھا، عامل کس کو بنایا؟ دوسرے کو، تو وہ فاعل کا تقاضا کر رہا تھا وہ زید کو رفع دے گا، اور پہلے کے لیے اب کیا کریں گے؟ مفعول کو حذف ہی کریں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ورنہ کیا خرابی لازم آئے گی؟ اضمار قبل الذکر لازم آئے گا بھائی۔

اچھا، اب دوسری مثال بناؤ اور اس میں «الزَّيْدَانِ» کرو: «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ»۔ اس «الزَّيْدَانِ» کو رفع کس نے دیا؟ «أَكْرَمَ» نے، اور «ضَرَبْتُ» کے لیے مفعول کو حذف کر دیا۔ جمع والی مثال بناؤ: «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ»۔ مثالیں سمجھ میں آگئیں؟ اچھی طرح؟ دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں: «وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ»، اور وہ صورت جس میں وہ دو افعال جو باہم ایک دوسرے کے مخالف ہوں آپ یوں کہیں گے: «ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ»۔ دیکھو یہ زید مرفوع ہے، اس کو رفع کون دے رہا ہے؟ «أَكْرَمَ» دے رہا ہے۔ «وَضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ»، «وَضَرَبْتُ

وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ »۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟

«وَإِنْ كَانَ الْفِعْلَانِ مِنْ أَفْعَالِ الْقُلُوبِ »، اور اگر وہ دونوں فعل کس میں سے ہوئے؟ افعالِ قلوب میں سے ہوئے۔ افعالِ قلوب کے بارے میں، میں نے بتایا تھا مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں، مفعول کو حذف نہیں کرسکتے۔ اور جب حذف بھی نہیں کرسکتے اور ضمیر بھی نہیں لاسکتے کیونکہ ضمیر لائیں گے تو کیا خرابی آئے گی؟ اضمار قبل الذکر۔ حذف بھی نہیں کرسکتے، ضمیر بھی نہیں لاسکتے، تو پھر تیسری صورت یہ ہے کہ اس مفعول کو ظاہر کرنا پڑے گا یعنی اس کے لیے دوبارہ اسم ظاہر لانا پڑے گا۔ پہلے فعل کے لیے الگ لانا پڑے گا، جب آپ نے کس کو عامل بنایا ہے؟ ثانی کو تو عامل دوسرے میں بنادیا، تو پھر پہلے کے لیے مفعول کو حذف بھی نہیں کرسکتے کیونکہ یہ کون سے افعال ہیں؟ افعالِ قلوب۔ اور ضمیر بھی نہیں لاسکتے کیونکہ پھر مفعول کے اندر تو اضمار قبل الذکر جائز نہیں، تو حذف بھی نہیں جائز ہوا اور ضمیر بھی جائز نہ ہوئی، تیسری صورت کیا رہ گئی؟ اسم ظاہر ہی دوبارہ لے کر آؤ۔ اس کے لیے الگ تھا تو اس کے لیے الگ لے آؤ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ الْفِعْلَانِ مِنْ أَفْعَالِ الْقُلُوبِ يَجِبُ إِظْهَارُ الْمَفْعُولِ لِلْفِعْلِ الْأَوَّلِ »، اور اگر وہ دو فعل جو جھگڑا کر رہے ہیں وہ افعالِ قلوب میں سے ہیں تو واجب ہے مفعول کو ظاہر کرنا فعل اول کے لیے، «كَمَا تَقُولُ »، جیسے آپ کہتے ہیں، جی یہ مثال ذرا کاپی پہ لکھیں اور بات ذرا واضح ہو جائے گی: جو میں لکھوا رہا ہوں وہ لکھیں بھائی، کتاب کو ابھی نہ دیکھیں: «حَسِبَنِي »، کیا «حَسِبَنِي » لکھ لیا؟ تھوڑا سا فاصلہ پھر چھوڑ دیں: «وَحَسِبْتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا »۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا دیکھیے بھائی، کیا لکھا؟ «حَسِبَنِي وَحَسِبْتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا »۔ کتاب میں دیکھیں، پہلے «حَسِبَنِي » کے بعد بھی ایک «مُنْطَلِقًا » آرہا ہے، وہ آپ نے نہیں لکھنا ابھی کاپی پر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اس کے لیے بس جگہ چھوڑ دیں، میں مثال آپ کو سمجھا رہا ہوں۔ کیا لکھا آپ نے؟ «حَسِبَنِي وَحَسِبْتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا »۔ اچھا یہ دیکھو «حَسِبَ » افعالِ قلوب میں سے ہے، میں نے گمان کیا، میں نے خیال کیا۔ اور یاد رکھو یہ دو مفعول چاہتا ہے، کتنے مفعول؟ افعالِ قلوب ہیں یہ دو مفعول چاہتے ہیں۔ ذرا دوسرے پہ نظر رکھو: «حَسِبْتُ »، یہ فعل جو ہے اس کے اندر فاعل کی ضمیر ہے، تا ضمیر ہے۔ آگے «زَيْدًا » اس کے لیے کیا ہے، اس کو عامل بنایا نا، فعل ثانی بصرہ والوں کا مذہب پڑھ رہے ہیں وہ عامل کس کو بناتے ہیں؟ دوسرے کو۔ تو «زَيْدًا » اس کے لیے کیا ہے؟ مفعول اول، اور «مُنْطَلِقًا » یہ ہے اس کے لیے مفعول ثانی۔ «حَسِبْتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا »، انطلق کے معنی ہوتے ہیں چلنے کے، روانہ ہونے کے، جانے کے۔ «حَسِبْتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا »، میں نے گمان کیا کہ زید چلنے والا ہے، زید کیا ہے؟ جانے والا ہے، روانہ ہو رہا ہے، یا یوں کہیں: «حَسِبْتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا »، میں نے خیال کیا کہ زید روانہ ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے، یہ «مُنْطَلِقًا » جو ہے نا آخر میں، اس میں تنازعِ فعلین ہے۔ «حَسِبْتُ » چاہتا ہے میں اس میں عمل کروں اور اس کو اپنے لیے کیا بناؤں؟ مفعول بناؤں، اور پہلا فعل جو آیا «حَسِبَنِي »، بلکہ یوں کریں: یہ «زَيْدًا » اور «مُنْطَلِقًا » دونوں کے اندر جھگڑا ہے، کس میں؟ «زَيْدًا » اور «مُنْطَلِقًا » دونوں میں جھگڑا ہے۔ «حَسِبَنِي » پہلا فعل چاہتا ہے میں ان دونوں میں عمل کروں، اور «حَسِبْتُ » چاہتا ہے میں ان دونوں میں عمل کروں۔ عامل کس کو بنایا آپ نے؟ دوسرے فعل کو۔ تو «حَسِبْتُ » کے اندر فاعل کی ضمیر ملی ہوئی ہے، معلوم ہوا یہ آگے دو مفعول چاہتا ہے کیونکہ افعالِ قلوب میں سے ہے، اور فاعل تو ایک ہی آیا کرتا ہے وہ ساتھ ضمیر آگئی، آگے مفعول آتا ہے اور ہے یہ افعالِ قلوب میں سے، وہ ایک مفعول نہیں چاہتے کتنے چاہتے ہیں؟ دو۔ تو «زَيْدًا » کو اس نے بنالیا مفعول اول، اور «مُنْطَلِقًا » کو کیا بنایا؟ مفعول ثانی۔

اب پہلے فعل کی طرف آجاؤ: «حَسِبَنِي »، یہ ایک فاعل کو چاہتا ہے اور دو مفعول چاہے گا، کس میں سے ہے؟ افعالِ قلوب میں سے ہے نا۔ یہ کیا کرتا ہے افعالِ قلوب؟ یہ ایک فاعل چاہتا ہے اور دو مفعول چاہتا ہے۔ فاعل یہ چاہتا تھا آگے جو زید آرہا تھا، یہ چاہتا تھا میں اس کو اپنے لیے فاعل بناؤں، اور «حَسِبْتُ » چاہتا تھا میں اس کو اپنے لیے مفعول بناؤں، اور آپ نے کس کو عمل دے دیا؟ فعل ثانی کو۔ تو پھر اس کے اندر ضمیر لے آئیں گے، تو «حَسِبَ » کے اندر کون سی ضمیر آگئی؟ فاعل کی، جو کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ تو سوال پیدا ہوا یہ تو اضمار قبل الذکر ہے، جواب کیا دیں گے؟ عمدہ میں جائز ہے، کون سی ضمیر لائے ہو، فاعل کی یا مفعول کی؟ فاعل کی، ہاں تو یہ عمدہ میں جائز ہے۔ لہٰذا «حَسِبَ » کے اندر «هُوَ » ضمیر فاعل کی، جو کس کو راجع؟ زید کو۔ اچھا، اور «حَسِبَنِي » کا فاعل تو ہو گیا چلو، لیکن مفعول کتنے چاہتا ہے یہ؟ دو۔ ایک تو یہ یا ضمیر مفعول کی جڑی ہوئی ہے ساتھ، اور دوسرا مفعول وہ «مُنْطَلِقًا » میں جھگڑا تھا، «حَسِبْتُ » چاہتا تھا میرا مفعول ثانی بنے اور «حَسِبَ » چاہتا ہے میرا مفعول ثانی بنے۔ تو کس کو آپ نے عامل بنایا؟ دوسرے کو، تو وہ اس کے لیے مفعول بن گیا۔

اب اس کے لیے ایک مفعول تو ضرور چاہیے، تو حذف کر دیں آپ؟ حذف تو جائز نہیں کیونکہ یہ کس میں سے ہے؟ افعالِ قلوب میں سے۔ ضمیر لے آئیں آپ؟ کہتے ہیں ضمیر بھی نہیں لا سکتے کیونکہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے، مفعول کی ضمیر میں تو یہ جائز نہیں، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو پھر تیسری صورت یہی رہ گئی اس «مُنْطَلِقًا» کو اس کے لیے دوبارہ ظاہر کر دو۔ تو اسی لیے یہاں دوسرا «مُنْطَلِقًا» لے آئے: «حَسِبَنِي مُنْطَلِقًا وَحَسِبْتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا»۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے اب دوبارہ عبارت دیکھ لیجیے: «وَإِنْ كَانَ الْفِعْلَانِ مِنْ أَفْعَالِ الْقُلُوبِ يَجِبُ إِظْهَارُ الْمَفْعُولِ لِلْفِعْلِ الْأَوَّلِ كَمَا تَقُولُ: حَسِبَنِي مُنْطَلِقًا وَحَسِبْتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا»۔ «حَسِبَنِي مُنْطَلِقًا»، «حَسِبَ» کے اندر فاعل کی ضمیر کس کو راجع؟ زید کو۔ تو «حَسِبَنِي» زید نے گمان کیا میرے بارے میں «مُنْطَلِقًا» کہ میں جانے والا ہوں، «وَحَسِبْتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا»، اور میں نے زید کے بارے میں گمان کیا کہ وہ جانے والا ہے۔ تو انہوں نے کیا کہا: «يَجِبُ إِظْهَارُ الْمَفْعُولِ»، مفعول کو ظاہر کرنا واجب ہے کس کے لیے؟ فعل اول کے لیے، کیوں؟ وجہ ذکر کر رہے ہیں: «إِذْ لَا يَجُوزُ حَذْفُ الْمَفْعُولِ مِنْ أَفْعَالِ الْقُلُوبِ»، اس لیے کیونکہ جائز نہیں ہے مفعول کو حذف کرنا افعالِ قلوب میں سے، «وَلَا إِضْمَارُهُ قَبْلَ الذِّكْرِ»، اور نیز یہ اضمار کا عطف ہے حذف پر: «لَا يَجُوزُ حَذْفُ الْمَفْعُولِ»، حذفِ مفعول بھی جائز نہیں افعالِ قلوب میں، «وَلَا يَجُوزُ إِضْمَارُ الْمَفْعُولِ قَبْلَ الذِّكْرِ»، اور مفعول کی ضمیر کو ذکر سے پہلے لانا بھی جائز نہیں ہے۔ «هٰذَا مَذْهَبُ الْبَصْرِيِّينَ»، یہ مذہب ہے کس کا؟ بصریین کا۔

یہ یاد رکھو یہ لفظ بصریین بھی ہے اور بصرِیین بھی ہے۔ اصل میں بصرہ جیسے ایک شہر کا نام تھا، اسی طرح بصرہ ایک بڑے علاقے کا بھی نام تھا، بڑے علاقے کا۔ جیسے دیکھ لو لاہور شہر کا بھی نام ہے اور لاہور ایک پورے ضلعے کا بھی نام ہے جس میں گاؤں بھی آ جاتے ہیں بہت سارے، ہے یا نہیں بھائی اسی طرح؟ تو لاہور شہر کا بھی نام اور لاہور ضلعے کا بھی نام۔ اسی طرح بصرہ ایک بڑے علاقے کا بھی نام تھا اور شہر کا بھی نام تھا۔ تو اس علاقے والے جو ہوتے تھے ان کو کہتے تھے بصریین، ان کی طرف نسبت میں بصریین کہتے تھے، با کے فتحہ کے ساتھ۔ تو اب شہر والوں کو بھی بصریین کہیں تو فرق ہی نہیں پتہ چلے گا، لہٰذا اس کے لیے پھر کسرہ پڑھتے ہیں، کیا پڑھتے ہیں؟ بصرِیین۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو بصرِیین پڑھتے ہیں، بہر حال مجھے بصریین لفظ ہی پسند ہے، میں اسی طرح پڑھ دیتا ہوں، آپ یاد رکھیں وجہ بھائی۔

تو کہتے ہیں: «هٰذَا مَذْهَبُ الْبَصْرِيِّينَ»، یہ مذہب ہے کس کا؟ بصرہ والوں کا یعنی بصرہ کے جو علمائے نحو تھے۔ تو یہ «إِضْمَارُ الْمَفْعُولِ» اس کا عطف کس پر ہے؟ «حَذْفُ الْمَفْعُولِ» پر۔ پیچھے آیا نا اسی سطر کے شروع میں: «لَا يَجُوزُ حَذْفُ الْمَفْعُولِ»، اسی پر عطف ہے آگے «إِضْمَارُ الْمَفْعُولِ» کا بھی۔ تو حذف المفعول کو اٹھائیں، اس کی جگہ اِضمار المفعول رکھ دیں: «لَا يَجُوزُ إِضْمَارُ الْمَفْعُولِ قَبْلَ الذِّكْرِ»۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟ تو معلوم ہوا افعالِ قلوب میں سے حذفِ مفعول یہ بھی جائز نہیں، اور مفعول میں اضمار قبل الذکر یہ بھی جائز نہیں۔

بھائی حذف پر عطف ہے اضمار کا، کیا جائز نہیں ہے؟ حذفِ مفعول، یہ بھی جائز نہیں۔ اب اس کو ہٹا دو: اِضمار المفعول، «وَلَا يَجُوزُ إِضْمَارُ الْمَفْعُولِ قَبْلَ الذِّكْرِ»۔ اضمار، اضمر کا معنی ہے ضمیر لانا، اور جائز نہیں ہے مفعول کی ضمیر لانا قبل الذکر، یعنی یوں کہو مفعول میں اضمار قبل الذکر جائز نہیں۔ سمجھ میں آ گیا؟ بھائی اضمار قبل الذکر میں ذکر سے مراد مرجع کا ذکر ہوتا ہے۔ دیکھو پہلے مرجع آتا ہے، پھر ضمیر آتی ہے «هُوَ»۔ معلوم ہوا «هُوَ» کس کو لوٹ رہی ہے؟ «هُوَ» سے یہ زید مراد ہے جس کا ابھی جس کی ابھی بات چل رہی تھی۔ اگر پیچھے زید کا ذکر ہی نہیں، آپ فوراً کہہ دیں «هُوَ قَائِمٌ»، سامنے والے کو کچھ پتہ چلے گا «هُوَ» سے کون مراد ہے؟ یہ «هُوَ» سے تو زید بھی مراد ہو سکتا ہے، عمرو بھی ہو سکتا ہے، بکر بھی ہو سکتا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو پہلے مرجع کا ذکر کرتے ہیں، پھر کس کو لاتے ہیں؟ ضمیر کو۔ اور اگر آپ مرجع کو نہیں لائے اور ضمیر لے آئے ہیں تو یہ اضمار ہے، ضمیر کا لانا ہے قبل الذکر، یعنی قبل ذکر المرجع، مرجع کے ذکر سے پہلے، اور یہ جائز نہیں ہے۔ ہاں عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر پانچ جگہوں پر۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔ چلیے بس بھائی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۲۶: تنازعِ فعلین: مذہبِ کوفیین (فعلِ اول کو عمل دینے) کے قواعد اور تطبیق

ہدایۃ النحو صفحہ: ۲۷—بتاریخ: ۴ نومبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَأَمَّا إِنْ أَعْمَلْتَ الْفِعْلَ الْأَوَّلَ عَلَى مَذْهَبِ الْكُوفِيِّينَ: فَانْظُرْ، إِنْ كَانَ الْفِعْلُ الثَّانِي يَقْتَضِي الْفَاعِلَ أَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الْفِعْلِ الثَّانِي، كَمَا تَقُولُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، وَضَرَبَنِي وَأَكْرَمَانِي الزَّيْدَانِ، وَضَرَبَنِي وَأَكْرَمُونِي الزَّيْدُونَ.

وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، وَضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ، وَضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ.

وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ الثَّانِي يَقْتَضِي الْمَفْعُولَ، وَلَمْ يَكُنِ الْفِعْلَانِ مِنْ أَفْعَالِ الْقُلُوبِ: جَازَ فِيهِ الْوَجْهَانِ: حَذْفُ الْمَفْعُولِ وَالْإِضْمَارُ، وَالثَّانِي هُوَ الْمُخْتَارُ لِيَكُونَ الْمَلْفُوظُ مُطَابِقًا لِلْمُرَادِ. أَمَّا الْحَذْفُ: فَكَمَا تَقُولُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، وَضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ، وَضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ. وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، وَضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ، وَضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ. وَأَمَّا الْإِضْمَارُ: فَكَمَا تَقُولُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُهُ زَيْدًا، وَضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُهُمَا الزَّيْدَيْنِ، وَضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُهُمُ الزَّيْدِينَ. وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُهُ زَيْدٌ، وَضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُهُمَا الزَّيْدَانِ، وَضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُهُمُ الزَّيْدُونَ.

تنازعِ فعلین کی بحث ہم پڑھ رہے تھے بھئی۔ آپ نے پڑھا کہ تنازعِ فعلین اسے کہتے ہیں کہ دو فعل آپس میں جھگڑا کریں ایک ایسے اسمِ ظاہر کے بارے میں جو ان دونوں کے بعد آئے، اور دونوں میں سے ہر فعل چاہتا ہے کہ وہ اس اسمِ ظاہر کے اندر عمل کرے اور اس کو اپنا معمول بنائے۔ اس میں ایک اور بات یاد رکھیے گا بھئی کہ تنازعِ فعلین یہ ضروری نہیں کہ تنازع کرنے والے صرف دو فعل ہوں، بلکہ کم از کم دو ضرور ہوں گے، اور زیادہ بھی ہو سکتے ہیں بھئی، تین بھی ہو سکتے ہیں، چار بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ سارے جھگڑ رہے ہیں کس کے بارے میں؟ ایک ایسے اسمِ ظاہر کے بارے میں جو ان کے بعد آ رہا ہے۔ لیکن چونکہ کم سے کم دو تو ضرور چاہیے اس لیے صاحبِ کتاب نے دو والی مثال ذکر کر دی بھئی۔ اور باقی سب کے اندر وہی صورت ہو گی، وہی ضابطے لگیں گے جو اب تک آپ نے پڑھے بھئی کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں تو جائز ہو گا لیکن غیر عمدہ میں جائز نہیں ہو گا بھئی۔

اور یہ بھی یاد رکھیے کہ یہ تنازعِ فعلین صرف فعل کے اندر نہیں ہو گا، آپ نے فاعل کی بحث میں پڑھا تھا: فاعل کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جس سے پہلے فعل یا شبہ فعل ہو اور اس فعل یا شبہ فعل کا اس کی طرف اسناد ہو اس طریقے پر کہ وہ فعل یا شبہ فعل اس کے ساتھ قائم ہو، اس پر واقع نہ ہو۔ اور وہاں میں نے آپ

کو بتلایا تھا کہ جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری، اسی طرح صفت کے جو صیغے ہیں ان کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری ہے بھئی، یعنی اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل، مبالغے کے صیغے وغیرہ بھئی۔ تو یاد رکھیے یہ تنازعِ فعلین بھی صرف افعال کے اندر نہیں بھئی بلکہ صفت کے صیغوں میں بھی یہ تنازع ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بھی کس کا تقاضا کرتے ہیں؟ فاعل یا نائب فاعل کا۔ تو صفت کے صیغے بھی ہو سکتے ہیں وہ بھی آپس میں ان کا تنازع ہو سکتا ہے، اس میں بھی پھر یہی صورت اختیار کریں گے جس طرح یہاں پر انہوں نے بیان کر دیا کہ فاعل کی ضمیروں میں اضمار قبل الذکر جائز ہو گا اور باقیوں کے اندر اضمار قبل الذکر جائز نہیں ہو گا بھئی، جائز نہیں ہو گا۔

تو سوال پیدا ہوتا ہے انہوں نے صرف افعال کو کیوں ذکر کیا، صفت کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ وجہ یہ ہے کہ اصل عمل کے اندر فعل ہے اور باقی وہ صفت کے صیغے تو فعل ہی سے بنتے ہیں، لہٰذا جب فعل کی بات کر دی تو پتہ چل گیا جب فعل کا یہ حکم ہے تو اس سے بننے والے جو صفت کے صیغے ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے، اس لیے ان کو ذکر نہیں کیا۔

تو آپ نے پڑھا تھا تنازعِ فعلین کے اندر چار صورتیں بنتی ہیں: یا تو دونوں فعل فاعل کا تقاضا کریں گے، یا دونوں مفعول کا تقاضا کریں گے، یا پہلا فاعل کا دوسرا مفعول کا، یا پہلا مفعول کا اور دوسرا فاعل کا، چار صورتیں۔ اور پھر آپ نے پڑھا کہ یہاں دو قسم کے اختلاف ہیں: ایک اختلاف جواز اور عدمِ جواز کا ہے وہ امام فراء کا ہے جمہور کے ساتھ۔ امام فراء فرماتے ہیں وہ صورتیں جن کے اندر پہلے جس میں پہلا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہو اس میں پہلے ہی کو عامل بنائیں گے، دوسرے کو عامل نہیں بنا سکتے، اس لیے کیونکہ اگر آپ پہلے کو عامل نہیں بناتے دوسرے کو عامل بناتے ہیں تو پہلے کے لیے فاعل کو یا تو محذوف ماننا پڑے گا اور فاعل کو تو محذوف ماننا جائز نہیں، اور یا پھر فاعل کی ضمیر لانا پڑے گی اور یہ تو اس صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آئے گا اور اضمار قبل الذکر بھی جائز نہیں۔ جمہور جواب دیتے ہیں کہ ہاں حذف والی صورت تو ہم بھی اختیار نہیں کرتے، حذفِ فاعل تو جائز نہیں البتہ فاعل کی یہاں ضمیر لائیں گے، اور آپ نے کیا کہا کہ اس صورت میں کیا لازم آتا ہے؟ اضمار قبل الذکر، تو جواب دیا تھا کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر بھئی، اور پانچ جگہیں ہیں جہاں پر ایسا ہے اور ان پانچ میں سے ایک تنازعِ فعلین کا باب بھی ہے بھئی۔

دوسرا اختلاف تھا کوفہ والے اور بصرہ والے نحویوں کے درمیان۔ میں نے بتایا یہ نحویوں کے دو بڑے گروہ تھے بھئی، بڑے بڑے ائمہ دونوں کے اندر گزرے ہیں نحو کے اور یہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں کوئی تقریباً سو سے کچھ اوپر مسائل ہیں جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ تو یہاں پر بصرہ والے نحوی کہتے ہیں کہ فعلِ ثانی کو عمل دیں گے۔ کس کو عمل دیں گے؟ فعلِ ثانی کو، اس لیے کیونکہ وہ قریب ہے اور پڑوسی ہے اور نیز اصل بھی یہ ہے کہ فعل کے فوراً بعد کس کو آنا چاہیے؟ فاعل کو، تو اس صورت میں دوسرے کو جب عامل بنائیں گے تو فعل اور فاعل اکٹھے ہو جائیں گے، اصل پر عمل ہو جائے گا۔ جبکہ کوفہ والے نحوی کہتے ہیں کہ پہلے فعل کو عامل بنائیں گے اس لیے کیونکہ وہ مقدم ہے وہ زیادہ مستحق ہے، پہلے آیا ہے اور جو پہلے آئے وہ پہلے پائے بھئی، اور نیز دوسری دلیل یہ کہ اس صورت میں ہم اضمار قبل الذکر سے بھی بچ جائیں گے، اگرچہ اضمار قبل الذکر جائز ہے لیکن اگر اس سے بچ جائے انسان تو یہ زیادہ بہتر ہے بھئی، زیادہ بہتر ہے۔

اس کے بعد کل کے سبق میں ہم نے تفصیل پڑھی تھی بصرہ کے نحویوں کے مذہب کی، اور بصرہ والے کس کو عامل بناتے تھے؟ دوسرے فعل کو۔ جب دوسرے فعل کو عامل بنایا ہے تو پہلے کے اندر دیکھو کہ وہ فاعل کا تقاضا کر رہا ہے یا مفعول کا، اگر فاعل کا تقاضا کر رہا ہے تو فاعل کی ضمیر لے آؤ، اور اگر وہ مفعول کا تقاضا کر رہا ہے تو مفعول کو حذف کر دیں گے کیونکہ اس کی ضمیر نہیں لا سکتے، اس کی اگر ضمیر لائیں گے پھر تو کیا خرابی لازم آئے گی؟ اضمار قبل الذکر غیر عمدہ میں ہو جائے گا اور اضمار قبل الذکر تو صرف عمدہ میں جائز ہے، غیر عمدہ میں جائز نہیں ہے بھئی۔

اور افعالِ قلوب کے اندر بھی بتلایا تھا، میں نے بتایا تھا افعالِ قلوب وہ جن وہ افعال جن کا تعلق قلب سے ہے بھئی، یہ کچھ اصطلاحی افعال ہیں، یہ نہیں کہ جس فعل کا تعلق بھی قلب سے ہو آپ اس کو فوراً کہہ دیں یہ افعالِ قلوب میں سے ہے، نہیں، یہ کچھ اصطلاحی افعال ہیں لیکن ان کا تعلق بھی ہے قلب ہی سے جیسے میں نے بتایا تھا: حَسِبْتُ زَيْدًا عَالِمًا، میں نے زید کو عالم خیال کیا، عالم ہونے کا گمان کیا۔ اب دیکھو گمان کرنے کا تعلق صرف دل سے ہے، ظاہری اعضاء سے کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ تو یہ افعالِ قلوب ہیں اور جن کو علمائے نحو نے شمار کیا ہے اپنی کتابوں کے اندر وہ ذکر کرتے ہیں آگے اس کی باقاعدہ کتاب کے اندر بھی یہاں ہدایۃ النحو میں بھی تفصیل آ جائے گی، اور یہ دو مفعولوں کا تقاضا کرتے ہیں، ان کے ایک مفعول کو حذف کر دیا جائے اور ایک پر اکتفا کر لیا جائے یہ جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر افعالِ قلوب کے اندر افعالِ قلوب ہوں تو پھر وہاں پر کیا صورت تھی؟ مذہب کس کا چل رہا ہے؟ بصرہ والوں کا، اور آپ نے کیا پڑھا ثانی کو جب عامل بنایا اور پہلا مفعول کا تقاضا کر رہا ہے تو مفعول کو حذف کر لیتے ہیں بشرطیکہ وہ پہلا فعل افعالِ قلوب میں سے نہ ہو، اگر افعالِ قلوب میں سے ہے پھر تو حذف نہیں کر سکتے، تو حذف بھی نہیں کر سکتے، ضمیر بھی نہیں لا سکتے کیونکہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر غیر عمدہ میں ہو گا، تو جب حذف بھی نہیں کر سکتے

ضمیر بھی نہیں لاسکتے تو تیسری صورت صرف یہی رہ گئی کہ اسی اسم کو دوبارہ ظاہر کریں یعنی دوبارہ لے کر آئیں بھئی، جیسے مثال گزری تھی: حَسِبَنِي مُنْطَلِقًا وَحَسِبْتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا بھئی۔

اب ہم کوفہ والے نحویوں کا مذہب پڑھیں گے بھئی۔

اب دیکھیے کتاب پر: وَأَمَّا إِنْ أَعْمَلْتَ الْفِعْلَ الْأَوَّلَ اور باقی اگر آپ عمل دیں پہلے فعل کو عَلَى مَذْهَبِ الْكُوفِيِّينَ کوفہ والوں کے مذہب پر، فَانْظُرْ تو آپ دیکھیے: إِنْ كَانَ الْفِعْلُ الثَّانِي يَقْتَضِي الْفَاعِلَ اگر فعلِ ثانی فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، عمل کس کو دیا؟ پہلے کو، اور دوسرے فعل کو دیکھو کہ وہ اگر فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، أَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الْفِعْلِ الثَّانِي تو آپ تو آپ ضمیر لائیں گے فاعل کی فعلِ ثانی میں، كَمَا تَقُولُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ جیسے آپ کہتے ہیں دونوں متوافق افعال میں۔

جی مثال لکھیے بھئی کاپی پر بھئی، مثال لکھیے خود حل کریں، ایک ایک بات آپ کو رٹا لگانے کی ضرورت نہیں بھئی۔ کس کا مذہب ذکر ہو رہا ہے؟ کوفہ والوں کا، اور کوفہ والے کس کو عامل بناتے ہیں؟ پہلے کو عامل بناتے ہیں۔ اور دوسرا اگر فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، دوسرا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، اور دونوں فعل یہ بھی بتا دیا متوافق ہیں، کیا معنی؟ دونوں معلوم ہوا پہلا بھی کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، تو وہ فعل لاؤ جو دونوں فاعل کا تقاضا کر رہے ہوں۔ کیا مثال لکھی؟

ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ

شاباش! ضَرَبَنِي یہ بھی فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، أَكْرَمَنِي بھی فاعل کا تقاضا کر رہا ہے۔ عامل کس کو بنایا؟ پہلے کو، یعنی ضَرَبَنِي کو۔ اچھا اور پھر أَكْرَمَنِي کے اندر کیا کریں گے؟ فاعل کی فاعل تو اس کے لیے ہر حال میں چاہیے تو وہ اس کے اندر پھر ضمیر لے کر آئیں گے، ضمیر لے کر آئیں گے۔ اب ایک اور بات یہاں سمجھ لیں: جملہ مثال کیا بنی؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، یہ زید دیکھنے میں تو أَكْرَمَنِي کے بعد ہے لیکن درحقیقت یہ کس کے اس میں عامل کون ہے؟ ضَرَبَنِي، تو یہ ضَرَبَنِي کے بعد ہے۔ درحقیقت یہ کہاں پر ہے؟ ضَرَبَنِي کے بعد، گویا اصل کلام یوں ہے: ضَرَبَنِي زَيْدٌ وَأَكْرَمَنِي۔ تو لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ اس وقت زید مؤخر ہے کس سے؟ أَكْرَمَنِي سے، لیکن رتبے کے اعتبار سے اس سے مقدم ہے، کیوں مقدم ہے؟ کیونکہ یہ کس کے لیے فاعل بن چکا؟ ضَرَبَنِي کے لیے، اس کا تعلق اس سے جڑ چکا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا جب یہ زید لفظوں کے اعتبار سے بے شک مؤخر، تو زید لفظوں کے اعتبار سے بے شک مؤخر لیکن رتبے کے اعتبار سے اکرم سے مقدم، اب اکرم کے اندر جو هُو ضمیر آئی تو یہ اضمار قبل الذکر بھی نہیں۔ کیونکہ یہ هُو ضمیر ہے اور یہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو، زید لفظوں میں بے شک آخر میں آپ کو نظر آرہا ہے لیکن درحقیقت کہاں ہے؟ اکرم سے پہلے، جب وہ اکرم سے پہلے ہے تو اضمار قبل الذکر ہوا؟ نہیں، تو گویا اضمار قبل الذکر ہے ہی نہیں، صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ یوں کہو اضمار قبل الذکر لفظاً ہے رتبۃً نہیں ہے، رتبے کے اعتبار سے نہیں ہے بھئی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

جی اگلی مثال بنائیے بھئی، اس میں اسمِ ظاہر کو تثنیہ لے کر آنا ہے۔ وہی اسی طرح پہلے پورا جملہ لکھو:

ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَانِي الزَّيْدَانِ

اب لفظوں کو بھی ہم ٹھیک کریں گے، صیغوں کو بھی بدلیں گے، لیکن بہرحال پہلے وہی لکھ لیں تاکہ آپ کو بات سمجھ میں آجائے۔ جی اَلزَّيْدَانِ کس حالت میں ہے؟ حالتِ رفعی میں ہے کیونکہ تثنیہ ہے اور تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ، اور نصب اور جر یا کے ساتھ۔ اچھا اور اس میں عامل کون؟ ضَرَبَ، اور ضَرَبَ نے اس کو اپنے لیے کیا بنایا؟ فاعل، تو فاعل ہوتا بھی مرفوع ہے لہٰذا یہ اسی طرح ٹھیک ہے اَلزَّيْدَانِ، اَلزَّيْدَيْنِ بنانے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ فاعل بن رہا ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے تو اس کا رفع الف کے ساتھ صحیح ہے بھئی۔ تو ضَرَبَنِي عامل ہوا اَلزَّيْدَانِ میں، اور أَكْرَمَنِي کے لیے پھر کیا کریں گے؟ فاعل تو چاہیے اور وہ ضمیر کس کو لوٹے گی؟ اَلزَّيْدَانِ تثنیہ کو لوٹے گی، اور أَكْرَمَنِي میں تو مفرد کی ضمیر ہے تو صیغہ بدلو تثنیہ والا لاؤ: أَكْرَمَا، أَكْرَمَ، أَكْرَمَا، أَكْرَمُوا، أَكْرَمَتْ گردان آپ کو یاد ہے بھئی، تو دوسرا صیغہ أَكْرَمَا لے آؤ تو کیا بن جائے گا؟ أَكْرَمَانِي۔ تو کیا بن گیا کلام؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَانِي الزَّيْدَانِ۔

جی اب جمع لے آؤ، اسی اسمِ ظاہر کو جمع لاؤ، پھر وہی مثال:

ضَرَبَنِي وَأَكْرَمُونِي الزَّيْدُونَ

جی اَلزَّيْدُونَ کے اندر عامل کون؟ ضَرَبَ، ضَرَبَ نے اس کو رفع دیا کہ نصب؟ رفع دیا، کیوں رفع دیا؟ کیونکہ اس کے لیے فاعل ہے اور یہ کون سا صیغہ ہے؟ جمع مذکر سالم، اور اس جمع مذکر سالم کا رفع آتا ہی کس کے ساتھ ہے؟ واؤ کے ساتھ، تو اَلزَّيْدُونَ یہ واؤ کے ساتھ صحیح ہے۔ اگر نصب اور جر لانا ہوتا پھر کیا کہتے؟ اَلزَّيْدِينَ، مُسْلِمِينَ، اَلزَّيْدِينَ، صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو اس میں اَلزَّيْدُونَ میں عامل کون؟ ضَرَبَ۔ تو اَكْرَمَ کے اندر ضمیر چاہیے اور ضمیر کس کو لوٹے گی؟ اَلزَّيْدُونَ کو، اور اَلزَّيْدُونَ جمع ہے تو ہمیں اَكْرَمَ میں کون سی فاعل کی ضمیر چاہیے؟ جمع، اور وہ کون سے صیغے میں ہے؟ أَكْرَمُوا، أَكْرَمَ، أَكْرَمَا، أَكْرَمُوا، تو لہٰذا أَكْرَمُوا کر دیں بھئی: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمُونِي الزَّيْدُونَ۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھنا یہ جو آپ نے مثالیں بنائیں بعینہٖ یہی آگے کتاب میں بھی آرہی ہیں، ان کے ساتھ تقابل کرتے جانا۔ دوبارہ دیکھیے، کہتے ہیں: وَأَمَّا إِنْ أَعْمَلْتَ الْفِعْلَ الْأَوَّلَ عَلَى مَذْهَبِ الْكُوفِيِّينَ کتاب پر بھئی، اور باقی اگر آپ عمل دیں پہلے فعل کو کوفہ والوں کے مذہب پر، فَانْظُرْ تو آپ دیکھیے: إِنْ كَانَ الْفِعْلُ الثَّانِي يَقْتَضِي الْفَاعِلَ اگر فعلِ ثانی فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، کون فعلِ ثانی؟ أَكْرَمَ، فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، أَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الْفِعْلِ الثَّانِي تو آپ فاعل کی ضمیر لائیں گے کس میں؟ فعلِ ثانی میں، كَمَا تَقُولُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ جیسے آپ کہتے ہیں دونوں متوافق افعال میں، یعنی معلوم ہوا دوسرا تو تقاضا کس کا کر رہا ہے؟ فاعل کا، اور دونوں کیا ہیں؟ متوافق، معلوم ہوا پہلا بھی کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَانِي الزَّيْدَانِ، ضَرَبَنِي وَأَكْرَمُونِي الزَّيْدُونَ، دیکھا بھئی؟ وہی مثالیں آگئیں، وہی مثالیں آگئیں۔

اب اگلی مثالیں پہلے کاپی پر کر لیں بھئی۔ اب متخالفین والی صورت آگئی، کون سی صورت بیان ہو رہی ہے؟ متخالفین۔ عامل کس کو بنانا ہے؟ پہلے کو، اور دوسرا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ انہوں نے آپ کو پہلے بتا دیا: فاعل کا، تو دوسرا اسی طرح فاعل کا تقاضا کرے وہی صیغہ، اور پہلا اس کے مخالف لے آؤ، وہ کس کا تقاضا کرے؟ مفعول کا تقاضا کرے۔ اور مفعول کا تقاضا کون سا ہم نے ذکر کیا تھا فعل؟ مفعول کا جو تقاضا کرے، جو مثالیں کل سے آپ لکھ رہے ہیں، کون سا ہے؟ ضَرَبَنِي کی جگہ کیا لے آؤ؟ ضَرَبْتُ۔ نہیں توجہ سبق کی طرف؟ دیکھو بات چل رہی ہے عامل کس کو بنانا ہے؟ پہلے کو، اور انہوں نے آپ کو بتا دیا فعلِ ثانی کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا۔ فعلِ ثانی فاعل کا تقاضا کر رہا ہے اور دونوں فعل متوافق ہیں، کیا معنی؟ دونوں فاعل کا، وہ مثالیں گزر گئیں۔ اور اب صورت ہے وہی دوسرا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، اور دونوں فعل متخالف ہیں تو جب دوسرا فاعل کا تقاضا کر رہا ہے تو پہلے کو اس کا مخالف بنا دو، وہ کس کا تقاضا کرے؟ مفعول کا تقاضا کرے، اور جس کو آپ نے عامل بھی بنانا ہے، کیا بنائیں گے؟ عامل۔ تو یہ مفعول کا جو تقاضا کر رہا ہے اسی کو عامل بنائیں گے، لیکن ابھی مثالیں وہ چل رہی ہیں جس میں دوسرا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو۔ جی تو پہلا فعل مفعول کا تقاضا کرے وہ کون سا تھا صیغہ؟ ضَرَبْتُ، جی: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ لکھ لیا بھئی؟ اچھا، دوسرا کس کا تقاضا کر رہا ہے أَكْرَمَنِي؟ فاعل کا۔ پہلا کون سا صیغہ ہے؟ ضَرَبْتُ، یہ کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا۔ عامل کس کو بنایا؟ پہلے کو، یعنی ضَرَبْتُ کو۔ پہلے کے ساتھ تو فاعل جڑا ہوا ہے تو آگے کیا چاہیے؟ مفعول، اور پھر یہ اس کو کیا کرے گا؟ نصب دے گا کیونکہ مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تو نصب دے دیں: زَيْدًا، لکھ لیا بھائی؟ اور پھر دوسرے میں کیا کریں گے؟ فاعل کی ضمیر لائیں گے۔ تو اب یہ نہ کہنا کہ آگے زیدًا تو مفعول ہے، ہم زیدًا کی بات کب کر رہے ہیں؟ جو ہم نے ضمیر لانی ہے فعل میں وہ فاعل کی لا رہے ہیں یا مفعول کی؟ فاعل کی لا رہے ہیں، اور فاعل کی ضمیر کیا ہے؟ هُوَ ضمیر مستتر ہے جو زید کی طرف لوٹ رہی ہے۔

جی اب زید کو تثنیہ کریں: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَانِي الزَّيْدَيْنِ، اَلزَّيْدَيْنِ کو نصب کس نے دیا؟ ضَرَبْتُ نے، کیونکہ پہلا فعل مفعول چاہتا تھا اور عامل بھی پہلے کو بنایا تو اس نے اَلزَّيْدَيْنِ کو حالتِ نصبی میں کر دیا، اور أَكْرَمَا کے اندر فاعل کی تثنیہ والی ضمیر الف آگئی۔ اسی طرح جمع لائیں: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمُونِي الزَّيْدِينَ، اَلزَّيْدِينَ کو نصب کس نے دیا؟ ضَرَبْتُ نے، اور أَكْرَمُوا کے اندر فاعل کی جمع والی ضمیر واؤ آگئی۔

اب آگے دیکھیے کتاب پر: وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ الثَّانِي يَقْتَضِي الْمَفْعُولَ، اور اگر دوسرا فعل جو ہے وہ مفعول کا تقاضا کر رہا ہو، عامل کس کو بنایا ہے؟ پہلے بتایا بھائی، پہلے فعل کو کیونکہ کوفہ والوں کا مذہب بیان ہو رہا ہے، اور دوسرا فعل اب کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا۔ وَلَمْ يَكُنِ الْفِعْلَانِ مِنْ أَفْعَالِ الْقُلُوبِ اور یہ دونوں فعل افعالِ قلوب میں سے نہیں ہیں، افعالِ قلوب کی تفصیل آگے بیان کرنے والے ہیں تو بتلا دیا کہ صورت کون سی ہے کہ دوسرا فعل

کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا، اور یہ دونوں افعال افعالِ قلوب میں سے نہیں ہیں تو جَازَ فِيهِ الْوَجْهَانِ تو اس کے اندر دونوں وجہیں جائز ہیں: حَذْفُ الْمَفْعُولِ مفعول کو حذف کرنا بھی، وَالْإِضْمَارُ اور اس کی ضمیر لانا بھی۔

عامل کس کو بنایا؟ پہلے کو، اور دوسرا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا۔ تو یہ دوسرا جو مفعول کا تقاضا کر رہا ہے اس میں دو صورتیں جائز ہیں: آپ چاہیں تو مفعول کو حذف کر دیں کیونکہ مفعول کیا ہوتا ہے؟ فضلہ ہوتا ہے، زائد چیز ہے، اس کے بغیر بھی کلام پورا ہو جاتا ہے۔ اور آپ چاہیں تو مفعول کی ضمیر لے آئیں۔ تو دوسرے فعل کے لیے مفعول کو حذف کرنا بھی جائز اور اس کی ضمیر لانا بھی جائز ہے۔ یہ معنی ہے: جَازَ فِيهِ الْوَجْهَانِ حَذْفُ الْمَفْعُولِ وَالْإِضْمَارُ۔

وَالثَّانِي هُوَ الْمُخْتَارُ اور دوسری صورت وہ پسندیدہ ہے، ان دو وجہوں میں سے کون سی دو وجہیں؟ ایک تو کیا مفعول کو حذف کر لینا، دوسری صورت مفعول کی ضمیر لے آنا۔ مفعول کی ضمیر لانا یعنی یہ دوسری صورت جو ہے یہ پسندیدہ ہے کہ مفعول کی ضمیر لے آئیں بھئی۔ کیوں؟ لِيَكُونَ الْمَلْفُوظُ مُطَابِقًا لِلْمُرَادِ تاکہ وہ جو ملفوظ ہے وہ مراد کے مطابق ہو جائے، ملفوظ وہ کلام جس پر آپ نے تلفظ کیا ہے وہ کس کے مطابق ہو جائے؟ آپ کی مراد کے، مراد یعنی جس کا ارادہ کیا جائے جو مقصد ہو۔

بھئی دیکھیے میں آپ کو کہنا چاہتا تھا: ضَرَبْتُ زَيْدًا، میں نے کس کی پٹائی کی؟ زید کی، لیکن میں چاہوں تو زید کے لفظ کو حذف بھی کر سکتا ہوں کیونکہ وہ مفعول بہ ہے اور مفعول فضلہ ہوتا ہے اس کو حذف کرنا جائز ہے، تو میں کہہ سکتا ہوں: ضَرَبْتُ۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو میں ضَرَبْتُ زَيْدًا بھی کہہ سکتا ہوں اور ضَرَبْتُ بھی کہہ سکتا ہوں۔ یا بلکہ اور مثال بنائیں: میں نے آپ سے کہا: جَاءَنِي زَيْدٌ وَضَرَبْتُهُ، میرے پاس زید آیا اور میں نے اس کی پٹائی کی۔ یہ جو دوسرا فعل آیا ضَرَبْتُ اس کے ساتھ میں نے مفعول کی ضمیر جوڑ دی: ضَرَبْتُهُ، یہ ہا ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو۔ لیکن یہ مفعول کی ضمیر ہے اور مفعول کو حذف کرنا بھی جائز ہے، لہٰذا میں یوں بھی کہہ سکتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ وَضَرَبْتُ، میرے پاس زید آیا اور میں نے پٹائی کی۔ اب دیکھیے چاہے میں ہا ضمیر ساتھ ذکر کروں چاہے نہ کروں، دونوں صورتوں میں میرا ارادہ کیا ہے؟ میں کیا بتلانا چاہتا ہوں؟ میں نے زید کی ہی پٹائی کی ہے یا میں نے کسی اور کی پٹائی کی ہے؟ زید ہی کی پٹائی کی ہے، تو میری مراد دونوں صورتوں میں یہی ہے کہ میں نے زید کی، مراد یعنی جس معنی کا میں ارادہ کر رہا ہوں، میں آپ کو کیا بتلانا چاہتا ہوں؟ میں نے پٹائی کس کی کی ہے؟ زید کی کی ہے۔ تو اگر میں کہوں گا: جَاءَنِي زَيْدٌ وَضَرَبْتُهُ، تو آپ کو فوراً پتہ چل گیا کہ پیچھے تو صرف زید کا ذکر آیا تھا معلوم ہوا یہ ہا ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو لوٹ رہی ہے، معلوم ہوا پٹائی بھی زید ہی کی ہوئی ہے کسی اور کی نہیں، لیکن اگر میں اس ہا ضمیر کو حذف کر دوں اور یوں کہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ وَضَرَبْتُ، تو آپ کے دل میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ پتہ نہیں یہ پٹائی کس کی کی ہے، زید تو آیا لیکن ضَرَبْتُ آپ جو کہہ رہے ہیں میں نے پٹائی کی، پتہ نہیں یہ زید کی کی ہے یا عمر کی؟ کیونکہ ضمیر تو ہے نہیں، ساتھ ضمیر ہوتی پھر تو بات پکی ہو جاتی پتہ لگ جاتا یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو۔ تو جب آپ نے مفعول کو حذف کر دیا تو اب شبہ آ گیا، التباس آ گیا، پتہ نہیں مفعول کون ہے؟ زید ہے یا کوئی اور ہے۔ تو کون سی صورت زیادہ واضح ہے؟ جس میں ضمیر لائی جائے، تاکہ آپ جو لفظ ادا کر رہے ہیں زبان سے وہ آپ کی مراد کے مطابق ہو جائیں، اس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے: وَالثَّانِي هُوَ الْمُخْتَارُ لِيَكُونَ الْمَلْفُوظُ مُطَابِقًا لِلْمُرَادِ، اور دوسری صورت پسندیدہ ہے، ضمیر کا لانا تاکہ وہ جو ملفوظ ہیں وہ الفاظ ہیں وہ مطابق ہو جائیں مراد کے۔

اب مثالیں ذکر کر رہے ہیں: أَمَّا الْحَذْفُ فَكَمَا تَقُولُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، وَضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ، وَضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ، یہ حذف والی صورتیں آ گئیں۔ اور متخالفین میں: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ، ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ۔ اور اضمار والی صورت میں: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُهُ زَيْدًا، ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُهُمَا الزَّيْدَيْنِ، ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُهُمُ الزَّيْدِينَ، اور متخالفین میں: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُهُ زَيْدٌ، ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُهُمَا الزَّيْدَانِ، ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُهُمُ الزَّيْدُونَ۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۷: تنازعِ فعلین میں افعالِ قلوب کا حکم اور بابِ تنازع کی تکمیل

ہدایۃ النحو صفحہ: ۲۹—بتاریخ: ۵ نومبر ۲۰۱۴ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَأَمَّا إِذَا كَانَ الْفِعْلَانِ مِنْ أَفْعَالِ الْقُلُوبِ فَلَا بُدَّ مِنْ إِظْهَارِ الْمَفْعُولِ كَمَا تَقُولُ: حَسِبَنِي وَحَسِبْتُهُمَا مُنْطَلِقَيْنِ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا، وَذٰلِكَ لِأَنَّ حَسِبَنِي وَحَسِبْتُهُمَا تَنَازَعَا فِي مُنْطَلِقًا وَأَعْمَلْتَ الْأَوَّلَ وَهُوَ حَسِبَنِي وَأَظْهَرْتَ الْمَفْعُولَ فِي الثَّانِي۔

تنازعِ فعلین کی بحث چل رہی ہے۔ آپ نے پڑھا کہ تنازعِ فعلین اسے کہتے ہیں کہ دو فعل جھگڑا کریں ایک ایسے اسمِ ظاہر کے بارے میں جو ان دونوں کے بعد آرہا ہو، اور ہر فعل چاہتا ہے کہ وہ عامل بنے اور اس اسمِ ظاہر میں عمل کرے۔ اور اس کی پھر چار صورتیں بنتی تھیں: یا تو دونوں فعل تقاضا کریں گے کہ وہ اسمِ ظاہر ان کے لیے فاعل بنے، یا دونوں تقاضا کریں گے کہ یہ اسمِ ظاہر ان کے لیے مفعول بنے، یا پہلا تقاضا کرے گا کہ فاعل بنے اور دوسرا تقاضا کرے گا کہ اس کے لیے مفعول بنے، یا اس کا برعکس ہوگا کہ پہلا تقاضا کرے گا کہ اس کے لیے وہ اسمِ ظاہر مفعول بنے اور دوسرا تقاضا کرے گا کہ وہ اسمِ ظاہر اس کے لیے فاعل بنے۔ چار صورتیں۔

اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ تنازعِ فعلین دو فعلوں کا تنازع ہے بھائی، تو دو فعل ہونا ہی ضروری نہیں، دو سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں، لیکن کم از کم کتنے ہوں گے اس میں؟ دو، تو اس لیے اس کو ذکر کر دیا۔ اور نیز یہ تنازع صرف فعل ہی میں نہیں ضروری، بلکہ یہ صفت کے صیغوں میں بھی ہو سکتا ہے بھائی، کہ دو صفت کے صیغے کیا کریں؟ آپس میں جھگڑا کریں ایک ایسے اسمِ ظاہر کے بارے میں جو ان دونوں کے بعد آرہا ہو بھائی۔ کیونکہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جس طرح فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری، اسی طرح جو صفت کے صیغے ہیں یعنی اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ اور اسمِ تفضیل اور مبالغے کے صیغے وغیرہ، ان کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری ہے بھائی۔

اور گزشتہ اسباق کے اندر میں نے آپ کو فرق بھی بتلایا تھا کہ ایک ہوتا ہے فاعل، ایک ہے اسمِ فاعل۔ اسی طرح ایک ہے مفعول اور ایک ہے اسمِ مفعول۔ ان دونوں میں فرق یاد ہے بھائی؟ فاعل کسے کہتے ہیں؟ جسے فعل یا صفت کا صیغہ رفع دیتا ہے۔ جبکہ اسمِ فاعل جو ہے، وہ؟ ہاں وہ جو مخصوص صیغہ جو گردان میں آپ نے پڑھا، «ضَارِبٌ»، «فَاتِحٌ» وغیرہ۔ اور اسی طرح ایک ہے مفعول اور ایک ہے اسمِ مفعول، اور مفعول وہ ہے جسے فعل یا صفت کا صیغہ نصب دیتا ہے، اور اسمِ مفعول وہ مخصوص صیغہ جو آپ نے گردان میں پڑھا یعنی «مَضْرُوبٌ»، «مَفْتُوحٌ» وغیرہ بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو یہ ہے تنازعِ فعلین۔ اور یہاں میں نے پھر آپ کو بتلایا تھا کہ دو قسم کے اختلاف ہیں: ایک اختلاف ہے جواز اور عدمِ جواز کا، اور وہ اختلاف ہے امام فرا کا جمہور نحویوں کے ساتھ یعنی اکثر نحویوں کے ساتھ۔ امام فرا فرماتے ہیں کہ وہ صورتیں جن میں پہلا فعل فاعل کا تقاضا کرے تو پہلے ہی کو عامل بنانا جائز ہے، دوسرے فعل کو عامل نہیں بنا سکتے۔ اس لیے کیونکہ اگر دوسرے کو عامل بناتے ہیں تو پھر پہلے فعل کے لیے فاعل کو یا تو محذوف ماننا پڑے گا یا اس کے لیے فاعل کی ضمیر لانا پڑے گی، اور دونوں ہی درست نہیں ہیں۔ اس لیے کیونکہ فاعل کو حذف نہیں کر سکتے اور نیز افعال کی ضمیر بھی نہیں لا سکتے، اگر ضمیر لائیں گے تو یہ تو اضمار قبل الذکر ہوگا اور اضمار قبل الذکر بھی جائز نہیں۔ تو حذفِ فاعل بھی جائز نہیں اور اضمار قبل الذکر بھی جائز نہیں۔

جبکہ جمہور کہتے ہیں کہ نہیں، دونوں کو عامل بنا سکتے ہیں پہلے فعل کو بھی اور دوسرے فعل کو بھی۔ اور آپ نے کیا کہا، دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آئے گی: یا تو فاعل کو محذوف ماننا پڑے گا یا اضمار قبل الذکر، تو ہم دوسری صورت کو اختیار کرتے ہیں۔ فاعل کو حذف کرنا، وہ تو ہم بھی کہتے ہیں جائز نہیں ہے، ہاں فاعل کی ضمیر لائیں گے یہاں پر، اور اس صورت میں آپ نے کہا اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں بشرطِ تفسیر جائز ہے، اور وہ پانچ مقامات ہیں بھائی، پانچ مقامات، جہاں پر عمدہ میں اضمار قبل الذکر جائز ہے بشرطِ تفسیر، اور ان پانچ جگہوں میں سے ایک تنازعِ فعلین کا باب ہے بھائی۔ تو اضمار قبل الذکر جائز ہے یہاں، اور کس کے اندر؟ عمدہ میں۔ عمدہ سے کیا مراد؟ جو مسند الیہ ہے یعنی فاعل یا نائب فاعل جو ہے، یعنی مفعول وغیرہ میں تو ہم بھی کہتے ہیں اضمار قبل الذکر نہیں جائز، لیکن عمدہ یعنی فاعل یا نائب فاعل میں کیا ہے اضمار قبل الذکر؟ جائز ہے یعنی مسند الیہ میں بھائی۔

اس کے بعد دوسرا اختلاف جو تھا وہ جمہور نحویوں کا آپس میں تھا: ایک بصرہ والے نحوی ہیں، ایک کوفہ والے نحوی۔ بصرہ والے نحوی کہتے ہیں کہ ثانی کو عامل بنانا بہتر ہے، جبکہ کوفہ والے کہتے ہیں پہلے فعل کو عامل بنانا بہتر ہے۔ اس پہ تو دونوں کا اتفاق ہے کہ چاہے پہلے کو عامل بناؤ تو بھی صحیح، دوسرے کو عامل بناؤ تو بھی صحیح، لیکن بہتر کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ تو بصرہ والے کہتے ہیں ثانی کو عامل بنانا بہتر ہے اور کوفہ والے کہتے ہیں پہلے کو عامل بنانا بہتر ہے، اور مثالیں سب کی گزر گئیں بھائی۔

آخر میں ہم کوفہ والوں کا مذہب پڑھ رہے تھے جو پہلے فعل کو عامل بناتے ہیں۔ پہلے فعل کو جب ہم نے عامل بنا دیا تو دوسرا فعل یا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو گا یا مفعول کا۔ اگر فاعل کا تقاضا کر رہا ہے پھر فاعل کی ضمیر لے آئیں گے کیونکہ فاعل کے بغیر تو فعل نہیں آتا بھائی، تو فاعل تو ضرور چاہیے، تو دوسرے کلمے میں فاعل کی ضمیر لے آئیں گے۔ اور اگر دوسرا مفعول کا تقاضا کر رہا تھا تو مفعول کو حذف کرنا بھی جائز کیونکہ مفعول کیا ہوتا ہے؟ فضلہ ہوتا ہے، زائد چیز ہوتی ہے، اور مفعول کی ضمیر لانا بھی جائز۔ مفعول کو حذف کرنا بھی جائز اور اس کی ضمیر لانا بھی جائز ہے، دونوں صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں، لیکن ان دونوں میں سے بہتر کیا ہے، حذف کیا جائے یا ضمیر لائی جائے؟ ضمیر لائی جائے بھائی مفعول کی، تاکہ بات پوری طرح واضح رہے، کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے بھائی۔

اب آگے آپ کو بتلا رہے ہیں، یہی کوفہ والوں کا مذہب بیان ہو رہا ہے، اور یہ دونوں فعل اگر کہتے ہیں افعالِ قلوب میں سے ہوں۔ یہ جو دو فعل جھگڑ رہے ہیں جن میں تنازع ہے، کس کے بارے میں؟ ایک ایسے اسمِ ظاہر کے بارے میں جو ان دونوں کے بعد آ رہا ہے، یہ دونوں فعل اگر افعالِ قلوب میں سے ہیں۔ افعالِ قلوب میں نے بتلایا تھا کہ یہ کچھ اصطلاحی افعال ہیں جن کا تعلق قلب سے ہے، دل سے ہے۔ اس میں اعضا وغیرہ سے کچھ نہیں کرنا پڑتا بلکہ یہ کس میں ہیں، ان کا تعلق کس سے ہے صرف؟ دل سے ہے بھائی، جیسے «حَسِبْتُ زَيْدًا عَالِمًا»، میں نے زید کو عالم خیال کیا، میں نے زید کے بارے میں عالم ہونے کا گمان کیا، تو دیکھو یہ گمان کرنا صرف دل میں ہے بھائی۔ تو یہ افعال جو ہیں یہ افعالِ قلوب کہلاتے ہیں اور ان کی آگے تفصیل اس کتاب میں بھی آ جائے گی۔ اور یہ بھی افعال ہیں اور ہر فعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل، تو ان کے لیے بھی فاعل آئے گا۔ لیکن یہ ساتھ ساتھ دو مفعول بھی ان کے لیے ضرور آئیں گے، دو مفعول بھی اس کے لیے آئیں گے بھائی۔ سمجھ میں آئی بات بھائی؟ تو ان کے لیے دو مفعول بھی آئیں گے آگے۔

اب اگر یہ جو دو فعل جن میں تنازع ہوا ہے یہ افعالِ قلوب میں سے ہیں، تو افعالِ قلوب کے مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں، آپ پڑھ چکے بصرہ والوں کے مذہب کی تفصیل میں بھائی۔ افعالِ قلوب کے مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں ہے بھائی۔ کوفہ والوں کا مذہب بیان ہو رہا ہے بھائی اور یہ کس کو عامل بناتے ہیں؟ پہلے فعل کو، اور دوسرے فعل کے لیے اگر فاعل چاہیے تو اس کی ضمیر لاتے ہیں، اور مفعول چاہیے تو مفعول میں حذف بھی جائز اور اس کی ضمیر لانا بھی جائز۔ لیکن اگر یہ دو افعال جو ہیں افعالِ قلوب میں سے ہیں اور دوسرا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا، تو مفعول اس کو حذف بھی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ کیا ہیں؟ افعالِ قلوب ہیں، اور اس کی ضمیر بھی نہیں لا سکتے جب حذف بھی نہیں کر سکتے، ضمیر بھی نہیں لا سکتے، تو تیسری صورت یہی ہے کہ اس کو پھر اسمِ ظاہر کی صورت میں لانا پڑے گا۔ کس صورت میں؟ اسمِ ظاہر کی صورت میں۔

یہ دونوں جھگڑا کرنے والے فعل کس قسم کے ہیں؟ افعالِ قلوب میں سے، اور دوسرا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا۔ تو پہلے تو بتایا تھا ابھی کوفہ والوں کے مذہب میں کہ جب دوسرا فعل مفعول کا تقاضا کر رہا ہو اسے حذف کرنا بھی جائز اور اس کی ضمیر لانا بھی جائز، لیکن اگر یہ دو فعل افعالِ قلوب میں سے ہیں اور دوسرا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا، تو مفعول کو تو حذف کرنا بھی جائز تھا اور اس کی ضمیر لانا بھی جائز، لیکن یہ افعالِ قلوب ہیں، یہاں پر اس کو حذف بھی نہیں کر سکتے اور اس کی ضمیر بھی نہیں لا سکتے۔ جب حذف بھی نہیں کر سکتے، ضمیر بھی نہیں لا سکتے تو تیسری صورت پھر یہی بچتی ہے کہ اس اسمِ ظاہر کو دوبارہ لے آتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے اب کتاب پر بھائی: «وَأَمَّا إِذَا كَانَ الْفِعْلَانِ مِنْ أَفْعَالِ الْقُلُوبِ»، اور باقی جب وہ دو فعل جو ہیں وہ افعالِ قلوب میں سے ہوں، «فَلَا

بُدَّ مِنْ إِظْهَارِ الْمَفْعُولِ»، توضروری ہے مفعول کو ظاہر کرنا یعنی کس صورت میں لانا؟ اسم ظاہر کی صورت میں، «كَمَا تَقُولُ»، جیسے کہ آپ کہتے ہیں: «حَسِبَنِي وَحَسِبْتُهُمَا مُنْطَلِقَيْنِ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا»۔

اچھا بھائی، یہ مثال اب کاپیوں پہ ذرا لکھیں بھائی۔ کاپیوں پر لکھیں بھائی پھر آپ کو یہ بات پوری طرح سمجھ میں آئے گی بھائی۔ یہ مثال کاپیوں میں لکھیے بھائی: ایک سطر میں یہ پوری مثال لکھ لیجیے: «حَسِبَنِي وَحَسِبْتُهُمَا مُنْطَلِقَيْنِ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا»۔ لکھ لیا بھائی؟ یہ جس طرح کتاب میں اسی طرح پورا لکھ لیا؟ اچھا، اب اس سے نچلی سطر میں جو جس طرح میں لکھواؤں وہ لکھیں۔ «حَسِبَنِي» کے نیچے «حَسِبَنِي» لکھیں، اور آگے لکھیں «وَحَسِبْتُ»۔ کیا لکھا؟ «حَسِبَنِي وَحَسِبْتُ»۔ آگے «الزَّيْدَانِ» کے نیچے «الزَّيْدَانِ» لکھیں، جگہ خالی چھوڑ دیں، «الزَّيْدَانِ» کے نیچے «الزَّيْدَانِ» لکھیں، اور «مُنْطَلِقًا» کے نیچے «مُنْطَلِقًا» لکھیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کیا کیا چھوڑا آپ نے؟ «حَسِبْتُهُمَا»، یہ ہما ضمیر چھوڑ دی اور «مُنْطَلِقَيْنِ» کا لفظ چھوڑ دیا۔ باقی لکھ لیا؟ کیا لکھا: «حَسِبَنِي وَحَسِبْتُ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے یہ کیسے بنا بھائی۔ دیکھیے «حَسِبَنِي» اور «حَسِبْتُ»، یہ دو فعل آئے۔ اور یہ «الزَّيْدَانِ» میں اور «مُنْطَلِقًا» میں جھگڑا کر رہے ہیں۔ «حَسِبَنِي» چاہتا ہے کہ «الزَّيْدَانِ» اور «مُنْطَلِقًا» دونوں میں خود عمل کروں، اور «حَسِبْتُ» چاہتا ہے کہ «الزَّيْدَانِ» اور «مُنْطَلِقًا» دونوں میں عمل کروں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ دونوں فعل جھگڑ رہے ہیں دونوں اسم ظاہر کے بارے میں۔ اب عامل کس کو بنائیں گے، کس کا مذہب بیان ہو رہا ہے؟ کوفہ والوں کا، تو عامل کس کو بنائیں گے؟ فعلِ اول کو۔ تو «حَسِبَنِي»، یہ افعالِ قلوب میں سے ہے، اور افعالِ قلوب میں نے ابھی بتلایا ایک فاعل کا تقاضا کرتے ہیں اور دو مفعولوں کا۔ تو «حَسِبَنِي»، یہ فاعل کا بھی تقاضا کر رہا ہے اور ایک مفعول یا ضمیر ساتھ ملی ہوئی ہے، ایک دوسرے مفعول کا بھی یہ تقاضا کر رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو «الزَّيْدَانِ»، یہ اس کے لیے فاعل بن گیا۔ اور فاعل پر کون سا اعراب آتا ہے؟ رفع، اور «الزَّيْدَانِ» بھی کون سی حالت میں ہے؟ رفعی حالت میں الف کے ساتھ ہے۔ تو یہ فاعل بن گیا «حَسِبَنِي» کے لیے۔ اور «حَسِبَنِي» ایک مفعول تو ساتھ جڑا ہوا ہے، دوسرے مفعول کا بھی تقاضا کر رہا ہے تو «مُنْطَلِقًا» کیا بنے گا اس کے لیے؟ مفعول، اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تو لہٰذا اس پر نصب آگیا «مُنْطَلِقًا»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب آیئے «حَسِبْتُ» پر۔ «حَسِبْتُ»، یہ بھی افعالِ قلوب میں سے ہے، یہ بھی ایک فاعل چاہتا ہے اور دو مفعول چاہتا ہے، دو مفعول چاہتا ہے۔ فاعل تو اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے تا ضمیر، اور مفعول دو چاہییں، دو مفعول چاہییں۔ تو آگے یہ چاہتا تھا «الزَّيْدَانِ» کو اپنا مفعولِ اول بنائے اور «مُنْطَلِقًا» کو مفعولِ ثانی بنائے، لیکن اس میں تو عامل کون بن گیا؟ «حَسِبَنِي» یعنی پہلا فعل بن گیا۔ تو لہٰذا اس کے لیے ایک مفعول چاہیے، اس کے لیے دو مفعول چاہییں تو پہلے مفعول کی ہم اس کے ساتھ ضمیر لے آتے ہیں۔ پہلے مفعول کی ضمیر لے آتے ہیں اور پہلا مفعول کون ہے؟ پہلا یہ کس کا تقاضا کر رہا تھا مفعول بنانے کا؟ «الزَّيْدَانِ» کو، تو «الزَّيْدَانِ» کو تو اس کے لیے مفعول بنایا نہیں، لہٰذا اس کی ضمیر لے آؤ، اور وہ کتنے ہیں؟ تثنیہ، وہ تثنیہ ہے، وہ تثنیہ ہے تو لہٰذا تثنیہ کی ضمیر ساتھ جوڑ دو: «حَسِبْتُهُمَا»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو «حَسِبْتُهُمَا»، فاعل بھی آگیا، ایک مفعول بھی آگیا، اب دوسرا مفعول چاہیے اور وہ کیا ہے؟ وہ آگے «مُنْطَلِقًا»، اب اس میں جھگڑا ابھی بھی باقی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی پوری تفصیل اچھی طرح؟

تو اب باقی تنازع تو طے ہو گیا، ہم نے عامل پہلے فعل کو بنایا، اس نے «الزَّيْدَانِ» کو اپنے لیے فاعل بنایا اور «مُنْطَلِقًا» کو اپنے لیے مفعولِ ثانی بنا لیا۔ اور «حَسِبْتُ» کے ساتھ فاعل جڑا ہوا تھا وہ دو مفعول چاہتا تھا، فاعل تو اس کے ساتھ آگیا اور مفعولِ اول کی ہم کیا لے آئے؟ ضمیر لے آئے۔ اب دوسرا مفعول اس کے لیے چاہیے بھائی۔ تو گویا خلاصۂ کلام یہ ہوا، «حَسِبَنِي» اور کاپی پہ نظر رکھو بھائی، کاپی پہ نظر رکھو، خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ «حَسِبَنِي» اور «حَسِبْتُهُمَا» کا جھگڑا باقی ہے، کس کے اندر؟ «مُنْطَلِقًا» میں۔ کس میں؟ «مُنْطَلِقًا» میں۔ یہی باقی تفصیل تو میں نے سمجھا دی کہ کس طرح کس کو ہم نے عمل دیا اور کیا کیا۔ اب صرف کیا رہ گیا؟ «مُنْطَلِقًا» میں جھگڑا ہے، «حَسِبَنِي» چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعول بنے اور «حَسِبْتُهُمَا» چاہتا تھا کہ یہ میرے لیے مفعول بنے، لیکن ہم نے کس کے لیے مفعول بنا دیا؟ «حَسِبَنِي» کے لیے مفعول بنا دیا۔ تو «حَسِبْتُهُمَا» کے لیے اب مفعولِ ثانی چاہیے۔

اب اس میں ایک صورت تو یہ تھی کہ یا تو اس مفعول کو حذف کر لیا جائے یا اس کی ضمیر لے آئیں۔ اب مفعولِ ثانی کو ہم حذف کر سکتے ہیں؟ نہیں کر سکتے، کیوں نہیں کر سکتے؟ کیونکہ یہ افعالِ قلوب میں سے ہے، تو معلوم ہوا حذف کی صورت تو ختم ہو گئی۔ دوسری صورت کیا رہ گئی؟ ضمیر لے آئیں۔ لہٰذا ہم ضمیر لے کر آتے ہیں، کیا ضمیر لائیں؟ بھائی بات یہ چل رہی ہے دوبارہ ادھر توجہ کرو: «حَسِبْتُهُمَا» کے لیے کیا چاہیے؟ مفعولِ ثانی چاہیے۔ آگے آنے والا

« مُنْطَلِقًا » تو اس کے لیے مفعول ہم نے نہیں بنایا، اس میں تو عامل کس کو بنا دیا؟ اس میں پہلے فعل کو عامل بنا دیا، تو اس دوسرے کے لیے بھی دوسرا مفعول چاہیے یا نہیں؟ « حَسِبْتُ » کے لیے بھی دوسرا مفعول چاہیے، اور مفعول کے اندر آپ نے پڑھا تھا، افعالِ قلوب کے علاوہ میں کیا صورتیں تھیں؟ ابھی کوفہ والوں کے مذہب میں اگر فعلِ ثانی مفعول کا تقاضا کر رہا ہو تو اس کو کیا کرتے ہیں؟ اس کو حذف کرنا بھی جائز تھا اور اس کی ضمیر لانا بھی جائز، ذہن میں آیا؟ کوفہ والوں کا مذہب ابھی بیان ہوا تھا افعالِ قلوب سے پہلے، کہ عمل دیا تھا پہلے فعل کو اور دوسرا فعل کس کا تقاضا کر رہا تھا؟ مفعول کا، تو اس میں مفعول کو حذف کرنا بھی جائز تھا اور اس کی ضمیر لانا بھی جائز تھا۔ وہ ہم یہاں بھی ذرا کر کے دیکھتے ہیں کہ یہ کون سی صورت انہوں نے تو کیا بتایا کہ ہمیں کیا لانا پڑے گا؟ اسمِ ظاہر، اسمِ ظاہر، تو یہ اسمِ ظاہر کیوں لانا پڑے گا اس کو سمجھنے کے لیے ساری صورتوں کا اطلاق کر کے دیکھیں گے کہ یہ صورت بھی نہیں بنتی، یہ بھی نہیں بنتی، یہ بھی نہیں بنتی، بالآخر ہمیں پھر کیا کرنا پڑے گا؟ اسمِ ظاہر لانا پڑے گا، وہ آخر میں ہم لائیں گے۔ پہلے ہم اور کوششیں کر کے دیکھتے ہیں اور صورتیں بن سکتی ہیں یا نہیں۔

تو پہلی کیا صورت؟ مفعول کو کیا کر لو؟ حذف کر لو، لیکن آپ پڑھ چکے یہ تو افعالِ قلوب ہیں اس میں تو مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں، لہٰذا حذف والی صورت ختم ہوئی۔ دوسری صورت کیا تھی؟ مفعول کی کیا لے آؤ؟ ضمیر لے آؤ۔ تو اب ہم ضمیر لا کر دیکھتے ہیں کہ مسئلہ ضمیر سے حل ہوتا ہے یا نہیں ہوتا، لیکن آپ دیکھیں گے ضمیر سے بھی مسئلہ حل نہیں ہو گا، بالآخر ہمیں کس کو لانا پڑے گا؟ اسمِ ظاہر کو، وہ آخر میں ہم دیکھیں گے۔ تو پہلے ضمیر لاتے ہیں۔ اچھا، یہ ضمیر جو ہم لائیں گے یہ کس کو لوٹے گی؟ ہاں شاباش، یہ ضمیر « مُنْطَلِقًا » کو لوٹے گی کیونکہ یہ اس میں جھگڑ رہا تھا نا، یہ اس کو اپنا مفعول بنانا چاہتا تھا لیکن ہم نے کس کے لیے مفعول بنا دیا؟ « حَسِبَنِي » کے لیے، تو لہٰذا اب ایسی ضمیر لے آؤ جو کس کو لوٹے؟ « مُنْطَلِقًا » کو لوٹے، اور « مُنْطَلِقًا » تو ہے مفرد، لہٰذا یہاں پر مفرد کی ضمیر لائیں گے اور مفعول کی ضمیر لائیں گے، اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تو یہاں ضمیر لائیں گے « إِيَّاهُ » ۔ کون سی ضمیر لائیں گے؟ « إِيَّاهُ » ، آپ نے پڑھا ہے۔

اچھا تو یاد رکھیے بھائی، ضمیریں جو ہیں وہ دو قسم پر ہیں بھائی: یا متصل ہوں گی یا منفصل ہوں گی بھائی۔ متصل وہ ضمیر ہے جو ما قبل کے لفظ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اور منفصل جو کسی کے ساتھ جڑی ہوئی نہ ہو وہ منفصل ہے بھائی۔ اور متصل جو ضمیر ہوتی ہے یا وہ مرفوع ہو گی یا منصوب ہو گی یا مجرور ہو گی بھائی۔ مرفوع کی مثال مثلاً میں کہتا ہوں « ضَرَبْتُ » ، تو « ضَرَبْتُ » کے اندر یہ تا ضمیر کیا ہے؟ متکلم کی ضمیر ہے اور یہ مرفوع ہے کیونکہ یہ فاعل بن رہی ہے، تو یہ ہوئی مرفوعِ متصل۔ مرفوع ہے، کیوں ہے؟ کیونکہ فاعل ہے، اور متصل ہے « ضَرَبَ » کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ تو « ضَرَبْتُ » ہوئی ضمیرِ مرفوع متصل۔ اور کبھی ضمیر جو ہوتی ہے منصوب متصل ہوتی ہے، اسی طرح مرفوعِ متصل کی طرح اسی طرح ایک ضمیرِ منصوب متصل ہوتی ہے جیسے « ضَرَبَنِي » ۔ « ضَرَبَ » فعل، اس کے اندر « هُوَ » ضمیر فاعل کی، نون وقایہ، اور یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، تو دیکھو یہ بھی متکلم کی ضمیر ہے۔ « ضَرَبْتُ » میں بھی متکلم کی ضمیر تھی وہ تا ضمیر لیکن وہ مرفوع متصل، اور « ضَرَبَنِي » کے اندر بھی متکلم کی ضمیر ہے یہ یا، لیکن یہ منصوب متصل ہے، منصوب متصل۔ اور اسی طرح کبھی ضمیر متصل جو ہے وہ مجرور ہوا کرتی ہے جیسے « كِتَابِي » ، میری کتاب، یعنی کتاب مضاف یا ضمیر مضاف الیہ، اور مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور، تو یہ یا ضمیر مجرور محلاً ہے، « كِتَابِي » ، یہ یا ضمیر کیا ہے؟ مجرور محلاً کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ تو معلوم ہوا یہ ضمیرِ متصل کبھی مرفوع ہوتی ہے، کبھی منصوب ہوتی ہے اور کبھی مجرور ہوتی ہے۔

اور اسی طرح دوسری قسم ہے ضمیرِ منفصل بھائی۔ ضمیرِ منفصل جو ہے وہ مرفوع بھی ہوتی ہے اور منصوب بھی، لیکن مجرور نہیں ہوتی۔ ضمیرِ متصل تو مرفوع بھی تھی، منصوب بھی تھی اور مجرور بھی، لیکن جو منفصل ہوتی ہے وہ صرف مرفوع ہو گی یا منصوب ہو گی، وہ مجرور نہیں ہے بھائی۔ ضمیرِ منفصل ہو اور مرفوع ہو، جیسے « أَنَا » ، نحو « أَنَا قَائِمٌ » ، یہ « أَنَا » کیا ہے؟ مبتدا ہے، اور مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوا کرتا ہے تو یہ مرفوع منفصل ہے، کسی اور لفظ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے؟ نہیں، یہ اکیلی ہے تو یہ ضمیرِ مرفوع منفصل ہے۔ اور کبھی منصوب منفصل ہو گی جیسے « إِيَّايَ » ، تو « إِيَّايَ » یہ کیا ہے؟ ضمیرِ منفصل ہے اور منصوب ہے۔ تو یاد رکھو یہ جو ضمیروں کی قسمیں ہیں اولاً صورت یہ ہے اولاً یہ ہے کہ ضمیرِ متصل استعمال کی جاتی ہے۔ اگر ضمیرِ متصل استعمال نہ ہو سکے تو پھر منفصل کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اولاً کس کو استعمال کیا جائے گا؟ ضمیرِ متصل کو، اور اگر متصل استعمال نہ ہو سکے کسی وجہ سے تو پھر کون سی ضمیر استعمال کر لی جاتی ہے؟ منفصل استعمال کر لی جاتی ہے۔

جیسے مثلاً میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ میں کھڑا ہوں تو کیا کہوں گا؟ « أَنَا قَائِمٌ » ، یہ « أَنَا » مرفوع منفصل میں لایا۔ مرفوع ہے کیونکہ مبتدا ہے اور منفصل ہے۔ متصل کیوں نہیں لایا؟ اس لیے کیونکہ اس سے ما قبل میں کوئی لفظ ہی نہیں ہے جس سے یہ جڑے، تو مجبوری ہو گئی، متصل نہیں استعمال ہو سکتی، کون سی اب استعمال کرنا پڑے گی؟ منفصل استعمال کرنا پڑے گی۔ تو موقع کے مطابق ضمیر استعمال کی جاتی ہے۔ اولاً کس کو استعمال کرتے ہیں؟ متصل کو، متصل

نہ ہو سکے تو پھر منفصل کو۔ اور متصل جب استعمال کرنا ہے تو اس کا بھی موقع دیکھنا ہے: رفع والا مقام ہے تو مرفوع متصل استعمال کرو، اگر نصب والا مقام ہے تو منصوب متصل استعمال کرو، اور اگر جر والا مقام ہے تو مجرور متصل استعمال کریں گے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اگر منفصل استعمال کرنا پڑی تو اس میں بھی دو صورتیں ہیں: یا وہ ضمیرِ مرفوع منفصل ہو گی یا منصوب منفصل ہو گی۔ اگر رفع والا مقام ہو اور ضمیرِ منفصل لانا پڑی تو مرفوع منفصل ضمیر لانا، اور اگر نصب والا مقام ہو اور ضمیرِ منفصل لانا چاہتے ہیں تو کون سی ضمیر لائیں گے؟ منصوب منفصل۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تفصیل آگے کتاب کے اندر آجائے گی، مختصراً میں نے بیان کر دیا۔

اب آیئے بھائی اپنی اس مثال پر: «حَسِبَنِي وَحَسِبْتُهُمَا الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا»، وہ جو کاپی میں ہم نے مثال نیچے لکھوائی بھائی۔ اب «حَسِبْتُهُمَا» کیا چاہتا ہے؟ اس کے ساتھ فاعل بھی آگیا اور ایک مفعول آگیا جبکہ دوسرا مفعول بھی چاہیے، مفعول چاہیے اور ہم ضمیر لانا چاہتے ہیں تو کون سی ضمیر لائیں گے؟ مفرد کی لائیں گے کیونکہ «مُنْطَلِقًا» مفرد ہے، تو ضمیر بھی کون سی لائیں گے؟ مفرد کی، کیونکہ ضمیر کس کے مرجع کے مطابق ہونی چاہیے۔ اور لیکن مفعول کی ضمیر ہے تو منصوب ضمیر لائیں گے، کون سی لائیں گے؟ ضمیرِ منصوب لائیں گے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ ہم نے یہاں مفعولِ ثانی لانا ہے اس کو حذف تو کرنا جائز نہیں تھا، اب ضمیر لانے کی کوشش ہم کر رہے ہیں۔ اور ضمیر کون سی لاؤ گے؟ مفرد کی لائیں گے تاکہ ضمیر کس کے مطابق ہو جائے؟ مرجع کے مطابق ہو جائے۔ اور مفرد کی ضمیر ہو تو وہ تو منفصل بھی ہو سکتی ہے اور متصل بھی، منصوب بھی ہو سکتی ہے، مرفوع بھی ہو سکتی ہے اور مجرور بھی۔ تو کون سی ضمیر لائیں گے؟ منصوب، کیونکہ یہ مفعول بنے گا، تو ضمیرِ منصوب لائیں گے۔ اور متصل لائیں گے کہ منفصل؟ اولاً کس کی کوشش کریں گے؟ متصل کی، لیکن متصل یہاں ہم لا نہیں سکتے، «حَسِبْتُهُمَا»، پہلے ہی ہما ضمیر ایک آکر جڑ چکی ہے، اب دوسری ضمیر جڑ نہیں سکتی۔ جب دوسری نہیں جڑ سکتی تو پھر منفصل لانا پڑے گی، اور منصوب منفصل کون سی ہے جو کس کو لوٹے؟ «مُنْطَلِقًا» کو، اور ضمیر میں نے آپ کو بتلایا تھا لوٹتی ہے صرف غائب والی، یعنی مرجع صرف کس ضمیر کا ہوتا ہے؟ غائب کی ضمیر کا۔ مخاطب اور متکلم کی ضمیر کا مرجع نہیں تلاش کیا جاتا، یاد ہے بات کہ بھول چکے ہیں بھائی؟

میں نے آپ کو بتلایا تھا ضمیریں تین قسم پر ہیں: یا متکلم کی ہو گی یا مخاطب کی ہو گی یا غائب کی۔ متکلم تو ہے بات کرنے والا، میں بات کر رہا ہوں، میں آپ سے کہتا ہوں «أَنَا قَائِمٌ»، میں کھڑا ہوں، آپ کو کوئی شبہ ہوا کہ پتہ نہیں اس «أَنَا» سے کون مراد ہے؟ نہیں، جو بات کر رہا ہے وہی مراد ہے «أَنَا» سے۔ میں نے آپ سے کہا «أَنْتَ قَائِمٌ»، آپ کھڑے ہیں، کوئی شبہ ہوا کہ یہ کس کو کہہ رہے ہیں؟ نہیں، «أَنْتَ» سے معلوم ہوا مخاطب ہی مراد ہے۔ لیکن جب میں آپ سے کہتا ہوں «هُوَ قَائِمٌ»، وہ کھڑا ہے، اب نہیں پتہ چل رہا کہ «هُوَ» سے کون مراد ہے تو اس کے لیے مرجع چاہیے۔ تو معلوم ہوا متکلم کی ضمیر کے لیے بھی مرجع کی ضرورت نہیں، مخاطب کی ضمیر کے لیے بھی مرجع کی ضرورت نہیں، مرجع صرف کس کا ہوتا ہے؟ غائب کی ضمیر کا۔ اور یہاں ہم ضمیر لوٹانا چاہتے ہیں «مُنْطَلِقًا» کو تو کون سی ضمیر لائیں گے؟ غائب کی، متکلم کی یا مخاطب کی؟ غائب کی ضمیر لائیں گے کیونکہ مرجع کس کا ہوا کرتا ہے؟ غائب کی ضمیر کا مرجع ہوتا ہے، مخاطب کی ضمیر کا تو مرجع نہیں ہوتا، متکلم کی ضمیر کا بھی مرجع نہیں ہوتا۔ ضمیر کسی کو لوٹانی ہے ہمیشہ کون سی لوٹاتے ہیں؟ غائب کی، تو لہٰذا ہم غائب کی ضمیر یہاں لائیں گے، اور غائب کی ضمیر کون سی چاہیے؟ مفرد والی چاہیے، اور کس کو لوٹنی چاہیے؟ «مُنْطَلِقًا» کو لوٹنی چاہیے، مفرد کی ضمیر لائیں گے۔ اور منصوب لائیں گے یا مرفوع یا مجرور؟ منصوب کیوں لائیں گے؟ کیونکہ یہ مفعول بننا ہے اس نے۔ اور ضمیرِ متصل لانے کی ہم نے کوشش کی لیکن یہاں ہما ضمیر پہلے ہی جڑ چکی ہے اب متصل ضمیر لانے کی صورت نہیں تو کون سی لائیں گے؟ منصوب منفصل، منصوب منفصل غائب کی ضمیر اور وہ ہے «إِيَّاهُ»۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ «إِيَّاهُ»۔ تو یہاں ذرا «إِيَّاهُ» لکھیں بھائی اب ذرا اس کو پڑھیں، چھوٹا سا لکھ لیں اوپر کر کے «إِيَّاهُ»: «حَسِبَنِي وَحَسِبْتُهُمَا إِيَّاهُ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا»۔ لکھ لیا بھائی؟ اچھا۔

اب یاد رکھنا ایک بات: یہ جو افعالِ قلوب کے دو مفعول ہوتے ہیں ان کا ایک دوسرے کے مطابق ہونا ضروری ہے مفرد اور تثنیہ اور جمع ہونے میں۔ اگر مفعولِ اول مفرد ہے تو مفعولِ ثانی کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ مفرد۔ اگر مفعولِ اول ان کا تثنیہ ہے تو مفعولِ ثانی کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ تثنیہ۔ اور اگر مفعولِ اول جو ہے وہ جمع ہے تو مفعولِ ثانی کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ جمع ہونا چاہیے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «حَسِبْتُ زَيْدًا عَالِمًا»۔ «حَسِبْتُ»، کیا معنی؟ میں نے گمان کیا، کس کے بارے میں؟ زید کے بارے میں کہ وہ کیا ہے؟ عالم ہے، تو «زَيْدًا» ہوا مفعولِ اول اور «عَالِمًا» ہوا مفعولِ ثانی۔ کیا میں یوں کہہ سکتا ہوں: «حَسِبْتُ زَيْدًا عَالِمِينَ»؟ میں نے گمان کیا کہ زید بہت سارے عالم ہیں، بات بنتی ہے؟ نہیں، ان دونوں میں اتحاد ہوتا ہے مفعولِ اول میں اور مفعولِ ثانی میں، یہ جو افعالِ قلوب کے مفعولِ اول اور مفعولِ ثانی ہیں ان میں کیا ہوتا ہے؟ اتحاد، ایک ہی ذات مراد ہوا کرتی ہے۔ اور اگر وہ مفرد ہے تو دونوں مفرد ہوں گے، اگر وہ تثنیہ ہے تو دونوں کیا ہوں گے؟ تثنیہ، اور اگر وہ جمع ہے تو دونوں کیا ہوں گے؟ جمع، کیونکہ دونوں کی ذات کیا ہوتی ہے؟ متحد ہوتی ہے، ایک ہی چیز۔ «حَسِبْتُ زَيْدًا عَالِمًا»، زید ایک ذات ہے اور عالم سے وہی ذات مراد ہے یا کوئی اور ذات اس وقت مراد ہے؟ وہی ذات مراد ہے، تو اتحاد ہے یا نہیں دونوں میں؟ تو

دونوں میں اتحاد ہوا کرتا ہے۔ اور اگر میں کہتا ہوں دو زید ہیں، میں کہتا ہوں: «حَسِبْتُ الزَّيْدَيْنِ عَالِمَيْنِ»، میں نے ان دو زیدوں کے بارے میں کیا گمان کیا کہ وہ عالم ہیں، دونوں عالم ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو دیکھو یہ دو عالم وہی دو زید ہی ہیں کوئی اور نہیں، اور وہ تثنیہ تو یہ بھی کیا ہے؟ تثنیہ۔ اب کئی زید ہیں میں کہتا ہوں: «حَسِبْتُ الزَّيْدِينَ عَالِمِينَ»، میں نے گمان کیا کہ وہ سارے زید کیا ہیں؟ عالم، تو وہ سارے زید ہیں تو عالمین بھی کیا لائیں گے؟ جمع ہی لائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حاصلِ کلام کیا ہوا کہ افعالِ قلوب کے یہ جو مفعول ہوتے ہیں ان دونوں کا مفرد، تثنیہ اور جمع ہونے میں ایک دوسرے کے مطابق ہونا ضروری، یہ بات سمجھ میں آگئی؟

اب ذرا اس جملے پہ آؤ: «حَسِبَنِي وَحَسِبْتُهُمَا إِيَّاهُ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا»، لکھ لیا بھائی؟ اچھا اب دیکھیے: «حَسِبَنِي»، «حَسِبَ» کا فاعل کون؟ «الزَّيْدَانِ»، اور «حَسِبَنِي» مفعول کون؟ مفعولِ اول یا ضمیر، اور یا ضمیر واحد متکلم کی ہے۔ تو آگے «مُنْطَلِقًا» جو آگے آرہا تھا جس میں ہم نے اس کو عامل بنایا وہ بھی کیا ہے؟ واحد، مفرد ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اب دوسرے «حَسِبْتُهُمَا» پہ آؤ، «حَسِبْتُهُمَا إِيَّاهُ»، «حَسِبْتُ» کے اندر تا ضمیر فاعل کی اور ہما کیا ہے؟ مفعولِ اول، اور «إِيَّاهُ» کیا ہے؟ مفعولِ ثانی، مفعولِ ثانی۔ تو کیا خرابی لازم آئی؟ ہما مفعولِ اول یہ تثنیہ ہے، اور «إِيَّاهُ» مفعولِ ثانی مفرد ہے، حالانکہ دونوں مفعولوں کا ایک دوسرے کے مطابق ہونا ضروری تھا۔ تو خرابی سمجھ میں آئی؟ ہم ضمیر لائے، ضمیر اور مرجع میں ہم نے مطابقت کر دی، مرجع مفرد تھا ضمیر بھی کون سی لائے؟ مفرد کی، لیکن خرابی کیا آگئی؟ دونوں مفعولوں میں مطابقت نہ رہی، پہلا مفعول تثنیہ اور دوسرا مفعول مفرد، خرابی سمجھ میں آگئی؟

اچھا چلو ہم یوں کر لیتے ہیں: تثنیہ کی ضمیر لے آتے ہیں تاکہ دونوں مفعول ایک جیسے ہو جائیں، تو «إِيَّاهُ» کے بجائے ہم لے آتے ہیں «إِيَّاهُمَا»۔ کیا لے آئے؟ «إِيَّاهُمَا»۔ اب بات ٹھیک ہو گئی: «حَسِبْتُهُمَا»، یہ ہما ضمیر مفعولِ اول بھی کیا ہے؟ تثنیہ، اور «إِيَّاهُمَا» مفعولِ ثانی بھی کیا ہے؟ تثنیہ۔ یہاں بات ٹھیک بن گئی، لیکن اب اور خرابی آگئی۔ کیا خرابی آئی؟ ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہ رہی۔ ضمیر کیا؟ «إِيَّاهُمَا» تثنیہ والی، اور لوٹ کس کو رہی ہے؟ «مُنْطَلِقًا» کو، اور وہ کیا ہے؟ مفرد، تو ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہ رہی۔ تو معلوم ہوا ضمیر لانے کی بھی گنجائش نہیں، اگر ہم مرجع کی رعایت رکھتے ہیں تو مفعولِ اول کے ساتھ مطابقت نہیں رہتی، اور اگر ہم مفعولِ اول کے ساتھ مطابقت کرتے ہیں تو پھر مرجع کی رعایت نہیں رہتی، اس کے ساتھ مطابقت نہیں رہتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا جب یہ مفعولِ ثانی کو حذف کرنا بھی ٹھیک نہ رہا اور ضمیر لانے کی بھی گنجائش نہ رہی تو اب اس کو دوبارہ اسمِ ظاہر کی صورت میں لائیں گے۔ تو لہٰذا یہاں دوبارہ منطلق لائیں گے، کیا لائیں گے؟ منطلق، اور منطلق پہلا مفعول کیا ہے «حَسِبْتُهُمَا»؟ تثنیہ ہے تو منطلق کی بھی تثنیہ بنا دو، کیا بن گیا؟ منطلقان، کیا بنا؟ منطلقان، اور پھر اس کو اس پر نصب بھی لے آؤ بھائی، یہ تو حالتِ رفعی میں ہے، تثنیہ کا رفع الف کے ساتھ آتا ہے نصب اور جر کس کے ساتھ آتا ہے؟ یا کے ساتھ، لہٰذا منطلقان کو کس سے بدل دو؟ منطلقین، کس سے بدل دو؟ منطلقین، تو کیا بن گیا: «حَسِبْتُهُمَا مُنْطَلِقَيْنِ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

پورا کلام کیا ہوا: «حَسِبَنِي وَحَسِبْتُهُمَا مُنْطَلِقَيْنِ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا»۔ مسئلہ پورا اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟ کس کا مذہب پڑھ رہے تھے؟ کوفہ والوں کا۔ عامل کس کو بنانا؟ فعلِ اول کو۔ اور جب دونوں فعل افعالِ قلوب میں سے ہوں اور فعلِ ثانی کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا، تو اس مفعول کو حذف کرنا بھی جائز نہیں، ضمیر لانے کی بھی گنجائش نہیں، تو آخری صورت کیا رہ جائے گی کہ اس کو کس صورت میں لائیں گے؟ اسمِ ظاہر کی صورت میں۔ اسی لیے انہوں نے کتاب میں لکھا تھا: «حَسِبَنِي وَحَسِبْتُهُمَا مُنْطَلِقَيْنِ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا»۔ اچھی طرح مثال سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے کتاب پر دوبارہ بھائی: «وَأَمَّا إِذَا كَانَ الْفِعْلَانِ مِنْ أَفْعَالِ الْقُلُوبِ»، اور باقی جب وہ دو فعل جو ہیں وہ افعالِ قلوب میں سے ہوں، «فَلَا بُدَّ مِنْ إِظْهَارِ الْمَفْعُولِ»، تو ضروری ہے مفعول کو ظاہر کرنا یعنی اسمِ ظاہر کی صورت میں لانا، «كَمَا تَقُولُ»، جیسے کہ آپ کہتے ہیں: «حَسِبَنِي وَحَسِبْتُهُمَا مُنْطَلِقَيْنِ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا»، «وَذٰلِكَ»، اور یہ اس وجہ سے، یہ مفعول کو کس صورت میں ہم لائے ہیں؟ اسمِ ظاہر کی صورت میں، یہ اس وجہ سے «لِأَنَّ حَسِبَنِي وَحَسِبْتُهُمَا تَنَازَعَا فِي مُنْطَلِقًا»، کہ «حَسِبَنِي» جو پہلا فعل ہے اور «حَسِبْتُهُمَا» جو دوسرا فعل ہے تنازعا ان دونوں نے جھگڑا کیا فی منطلقاً کس کے بارے میں؟ منطلقاً لفظ کے بارے میں، «وَأَعْمَلْتَ الْأَوَّلَ»، اور آپ نے کس کو عمل دیا؟ پہلے کو، «وَهُوَ حَسِبَنِي»، اور وہ پہلا فعل «حَسِبَنِي» ہے اس کو آپ نے عمل دیا، «وَأَظْهَرْتَ الْمَفْعُولَ فِي الثَّانِي»، اور آپ نے مفعول کو ظاہر کیا دوسرے فعل میں یعنی کس میں؟ «حَسِبْتُهُمَا» میں، اس کے لیے ایک مفعول کو کیا کیا؟ ظاہر کیا یعنی منطلقین جو لے کر آئے اس کے لیے مفعول کو ظاہر کیا۔

▪ قولہ: «فَإِنْ حَذَفْتَ مُنْطَلِقَيْنِ» کی تشریح

«فَإِنْ حَذَفْتَ مُنْطَلِقَيْنِ»، اگر آپ کیا کر لیں، منطلقین کو حذف کر لیں، بھائی جو میں نے خرابیاں بتلائی تھیں وہ ذکر کرنے لگے ہیں کہ حذف کر نہیں سکتے اور اگر ضمیر لائیں تو ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں رہے گی یا دونوں مفعولوں میں مطابقت نہ رہے گی بھائی، وہ ذکر کرنے لگے ہیں، تو کہتے ہیں: «فَإِنْ حَذَفْتَ مُنْطَلِقَيْنِ»، اگر آپ منطلقین کو حذف کر لیں، «وَقُلْتَ»، اور یوں کہیں: «حَسِبَنِي وَحَسِبْتُهُمَا الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا»، یوں کہیں۔ کس کو حذف کر لیا؟ منطلقین کو۔ «يَلْزَمُ الِاقْتِصَارُ عَلَى أَحَدِ الْمَفْعُولَيْنِ فِي أَفْعَالِ الْقُلُوبِ»، تو لازم آئے گا اکتفا کرنا، اقتصار کا کیا معنی؟ اکتفا کرنا، تو لازم آئے گا اکتفا کرنا دو مفعولوں میں سے ایک پر افعالِ قلوب میں، تو گویا آپ افعالِ قلوب کے اندر دو مفعولوں میں سے کس پر اکتفا کر رہے ہیں؟ ایک ہی مفعول پر، ایک کو حذف کر رہے ہیں ایک پر اکتفا کر رہے ہیں، اور یہ تو افعالِ قلوب میں جائز نہیں ہے بھائی، «وَهُوَ غَيْرُ جَائِزٍ»، اور یہ جائز نہیں ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟

اچھا ایک اور بات بھی آپ کو بتلا دوں: «الِاقْتِصَارُ عَلَى أَحَدِ الْمَفْعُولَيْنِ»، اس کے اوپر ایک نون لکھا ہوا ہے لمبا سا۔ یاد رکھیے یہ نون عبارت ہے نسخے سے۔ پہلے زمانے میں کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں، ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں اور اسی طرح نقل ہوتی تھیں، تو بعض نسخوں کے اندر ہمیں یہ عبارت ملتی ہے «يَلْزَمُ الِاقْتِصَارُ عَلَى أَحَدِ الْمَفْعُولَيْنِ»، اور بعض نسخوں میں دیکھیے وہی کنارے پر بھی نون لکھا ہوا ہے اور «حَذْفُ الْمَفْعُولِ الثَّانِي»، تو بعض نسخوں میں یہ عبارت ہے: نون کے نیچے جو ہے عبارت «الِاقْتِصَارُ عَلَى أَحَدِ الْمَفْعُولَيْنِ»، اس سارے کی بجائے ہمیں بعض نسخوں میں کون سی عبارت ملتی ہے؟ «حَذْفُ الْمَفْعُولِ الثَّانِي»۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ کتابوں میں جگہ جگہ اس طرح آپ کو عبارت ملے گی، اوپر نون لکھا ہو گا اور حاشیے میں بھی پھر وہ کنارے پر بھی نون لکھا ہو گا، بتلانا کیا چاہتے ہیں کہ بعض نسخوں میں یہ والا لفظ آیا ہے اس کتاب کے اور بعض نسخوں میں یہ والا لفظ ملا ہے یعنی نقل کرنے والے کسی سے غلطی ہوئی ہے یا کیا ہوا تو وہ تبدیلی بھی بتلا دیتے ہیں کہ یہ اس طرح کے نسخوں میں فرق آیا ہے کچھ، لیکن معنی بہر حال ایک ہی ہے دونوں کا۔

«وَإِنْ أَضْمَرْتَ»، اچھا معلوم ہوا حذف تو جائز نہیں اب ضمیر لاتے ہیں، ضمیر لانے کی صورت میں کہتے ہیں: «وَإِنْ أَضْمَرْتَ»، اور اگر آپ ضمیر لائیں، «فَلَا يَخْلُو مِنْ أَنْ تُضْمِرَ مُفْرَدًا»، تو یہ خالی نہیں ہے اس بات سے کہ یا تو آپ ضمیر لائیں گے مفرداً، کون سی ضمیر لائیں گے؟ مفرد کی ضمیر لائیں گے، فلا یخلو یہ بات خالی نہیں یعنی دو ہی صورتیں ہیں نا یا تو آپ مفرد کی لائیں گے یا تثنیہ کی، تیسری تو کوئی صورت نہیں۔ تو یہ معنی ہے «فَلَا يَخْلُو»، یہ بات خالی نہیں کہ یا تو آپ ضمیر لائیں گے مفرد کی، «وَتَقُولَ»، اور آپ یوں کہیں گے: «حَسِبَنِي وَحَسِبْتُهُمَا إِيَّاهُ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا»، تو کون سی مفرد کی ضمیر لائے؟ «إِيَّاهُ»۔ «وَحِينَئِذٍ لَا يَكُونُ الْمَفْعُولُ الثَّانِي مُطَابِقًا لِلْمَفْعُولِ الْأَوَّلِ»، اور اس وقت پھر مفعولِ ثانی وہ مطابق نہ ہو گا کس کے مفعولِ اول کے۔ مفعولِ ثانی کون؟ «إِيَّاهُ»، اور مفعولِ اول کون؟ «هُمَا»، تو «إِيَّاهُ» «هُمَا» کے مطابق نہ ہو گا، تو کہتے ہیں: «وَحِينَئِذٍ لَا يَكُونُ الْمَفْعُولُ الثَّانِي مُطَابِقًا لِلْمَفْعُولِ الْأَوَّلِ»، اور اس وقت مفعولِ ثانی جو ہے وہ مفعولِ اول کے مطابق نہ رہے گا، بھائی مفعولِ اول کون؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ هُمَا»، وہ جو وہ ہما ضمیر ہے «فِي قَوْلِكَ حَسِبْتُهُمَا»، آپ کے قول «حَسِبْتُهُمَا» میں، جو «حَسِبْتُهُمَا» کے اندر کون ہے مفعولِ ثانی؟ مفعولِ اول ہما ہے۔ «وَلَا يَجُوزُ ذٰلِكَ»، اور یہ جائز نہیں ہے کہ دونوں مفعول ایک دوسرے کے مطابق نہ ہوں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یا یوں کہیں یہ جائز نہیں ہے، کیا جائز نہیں ہے؟ کہ مفعولِ ثانی مفعولِ اول کے مطابق نہ ہو۔

«أَوْ أَنْ تُضْمِرَ مُثَنًّى»، یا آپ کون سی ضمیر لائیں گے؟ تثنیہ کی ضمیر لائیں گے، «وَتَقُولَ»، اور یوں کہیں گے: «حَسِبَنِي وَحَسِبْتُهُمَا إِيَّاهُمَا الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا»، اس صورت میں کیا خرابی لازم آئے گی؟ ہاں ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہ رہے گی، وہی بیان کرنے لگے ہیں: «وَحِينَئِذٍ يَلْزَمُ عَوْدُ الضَّمِيرِ الْمُثَنَّى إِلَى اللَّفْظِ الْمُفْرَدِ»، اور اس وقت لازم آئے گا لوٹنا تثنیہ کی ضمیر کا مفرد کے لفظ کی طرف، اور وہ مفرد کا لفظ کون سا ہے؟ «وَهُوَ مُنْطَلِقًا»، وہ منطلقا کا لفظ ہے «الَّذِي وَقَعَ فِيهِ التَّنَازُعُ»، جس کے اندر جھگڑا ہوا ہے، تو اس کی طرف تثنیہ کی ضمیر کو لوٹانا لازم آئے گا، «وَهٰذَا أَيْضًا لَا يَجُوزُ»، اور یہ بھی جائز نہیں ہے۔ «وَإِذَا لَمْ يَجُزِ الْحَذْفُ وَالْإِضْمَارُ كَمَا عَرَفْتَ»، اور جب حذف بھی جائز نہیں ہے اور ضمیر کا لانا بھی جائز نہیں ہے کما عرفت جیسے کہ آپ نے جان لیا، «وَجَبَ الْإِظْهَارُ»، تو پھر اظہار واجب ہے یعنی اسمِ ظاہر کا لانا واجب ہے بھائی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۸: فصل مفعول مالم یسم فاعلہ: نائب فاعل کی تعریف، شرائط اور احکام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۰—بتاریخ: ۱۱ نومبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، وَهُوَ كُلُّ مَفْعُولٍ حُذِفَ فَاعِلُهُ وَأُقِيمَ هُوَ مَقَامَهُ، نَحْوُ: ضُرِبَ زَيْدٌ، وَحُكْمُهُ فِي تَوْحِيدِ فِعْلِهِ وَتَثْنِيَتِهِ وَجَمْعِهِ وَتَذْكِيرِهِ وَتَأْنِيثِهِ عَلَى قِيَاسِ مَا عَرَفْتَ فِي الْفَاعِلِ.

آج ہم مفعول مالم یسم فاعلہ کے بارے میں پڑھیں گے بھائی۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے ذہن میں فاعل کی جو بحث گزری تھی، تنازعِ فعلین سے پہلے، وہ آپ کے ذہن میں ہو بھائی۔ تو وہاں پر جب مقصدِ اول شروع ہوا تھا مرفوعات میں، انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اسمائے مرفوعہ جو ہیں وہ آٹھ ہیں بھائی: فاعل ہے، مفعول مالم یسم فاعلہ ہے، مبتدا ہے، خبر ہے، ان کی خبر ہے، اس طرح کان کا اسم ہے، اور ماولا مشبہتین بلیس کا اسم ہے، اور لا نفی جنس کی خبر بھائی۔ یہ آٹھ مرفوعات ہیں۔ جب کسی لفظ کے بارے میں جملے میں آپ کو یہ پتہ چل جائے کہ ان آٹھ میں سے وہ کوئی چیز بن رہا ہے، یا وہ فاعل ہے، یا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے، یا مبتدا ہے، یا خبر ہے وغیرہ، تو جیسے ہی آپ کو یہ پتہ چلے کہ یہ ان آٹھ چیزوں میں سے کوئی چیز ہے، فوراً ہی ایک دوسری چیز کا بھی آپ کو پتہ لگ جانا چاہیے، اور وہ کیا؟ کہ ان پر رفع پڑھنا ہے، کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔

اور پھر اس میں آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ رفع جو ہے وہ تین طور پر ہو سکتا ہے: کبھی رفع جو ہے وہ محلاً ہوتا ہے، کبھی رفع جو ہے وہ تقدیراً ہوتا ہے، اور کبھی رفع لفظاً ہوتا ہے۔ تو پڑھنا اس پر آئے گا رفع ہی، البتہ وہ رفع محلاً بھی ہو سکتا ہے، تقدیراً بھی ہو سکتا ہے اور لفظاً بھی ہو سکتا ہے۔ جس قسم کا لفظ ہو گا، اسی کے مطابق وہی رفع کی وہ صورت وہاں بنے گی بھائی۔ مثلاً اگر وہ لفظ مبنی ہے، تو پھر اس پر وہ کیا ہو گا؟ محلاً مرفوع ہو گا۔ مبنی تو مبنی ہے، اس کی حالت تو بدلنی نہیں، حالت وہی ہے لیکن ہم کیا کہیں گے؟ یہ مرفوع ہے، کس طرح مرفوع ہے؟ محلاً، کہ یہ کیا ہے؟ مرفوع ہے۔ لفظوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

جبکہ اگر وہ لفظ معرب ہو، تو پھر وہ لفظاً بھی مرفوع ہو سکتا ہے اور تقدیراً بھی۔ لفظاً مرفوع ہونے کا معنی میں نے کیا بتلایا تھا؟ کہ ہم باقاعدہ اس کے رفع پر تلفظ کرتے ہیں، سننے سے ہی دوسرے کو پتہ لگ جاتا ہے کہ اس پر اس وقت رفع پڑھا جا رہا ہے، جیسے مثلاً «زَيْدٌ»، «زَيْدًا»، «زَيْدٍ»، دیکھو ہر حرکت سننے سے ہی پتہ چل رہی ہے۔ «زَيْدٌ»، یہ رفع کون سا ہے؟ لفظاً ہے۔ تو معرب جو ہے اس پر کبھی رفع لفظاً آتا ہے اور کبھی تقدیراً آتا ہے۔ لفظاً کا کیا معنی؟ یعنی اس کے رفع پر یعنی اس کے اعراب پر باقاعدہ ہم کیا کرتے ہیں؟ تلفظ کرتے ہیں۔ اور تقدیراً؟ تقدیراً کا معنی ہے فرض کر لیا بھائی۔ بعض معرب ایسے ہیں کہ وہاں پر کوئی مانع موجود ہوتا ہے کہ وہ اعراب کو آنے نہیں دیتا۔

وہ اعراب کو آنے نہیں دیتا، تو اس مانع کی وجہ سے اعراب اس پر ظاہر نہیں ہو سکتا، لیکن اس کو فرض کر لیا جاتا ہے کہ یہ کیا ہے؟ مرفوع ہے کہ اس پر رفع ہے اس وقت، رفع آ چکا ہے باقاعدہ۔ «قَدَّرَ يُقَدِّرُ تَقْدِيرًا» کا معنی ہوتا ہے فرض کرنا۔ تو سوال آپ کے ذہن میں آئے گا کہ مبنی کے بارے میں کہتے ہیں محلاً جب اعراب نہیں پڑھ سکتے اس پر، اور معرب میں جب اعراب نہیں پڑھ سکتے تو اس کے لیے لفظ استعمال کرتے ہیں تقدیراً، کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ بھائی کہ مبنی کے اندر کوئی مانع نہیں ہوتا۔ سمجھ میں آئی بات؟ وہاں مانع کوئی نہیں ہوتا، مثلاً «هٰؤُلَاءِ»، اسمِ اشارہ ہے قریب کے لیے جمع، «هٰؤُلَاءِ»، دیکھو آخر میں کیا

ہے؟ ہمزہ، اور ہمزہ کے نیچے ہے زیر۔ اب بتایئے، ہمزہ پر زبر، زیر، پیش وغیرہ پڑھنے میں کوئی مانع ہے؟ مانع کوئی بھی نہیں، تو مبنی میں مانع کوئی نہیں ہوتا، لیکن پھر بھی اس کی حرکت برقرار رہتی ہے کیونکہ وہ مبنی ہے، تو اس پر کہتے ہیں کہ محلاً یہ کیا ہے؟ مرفوع ہے۔

جبکہ معرب پر رفع ظاہر ہوتا ہے، ہاں کوئی مانع آجائے کہ وہ رفع کو آنے ہی نہیں دے رہا، نصب یا جر کو آنے ہی نہیں دے رہا تو پھر فرض کر لیا جاتا ہے، اس کا اعراب کس طرح بتاتے ہیں؟ تقدیراً بتلاتے ہیں کیونکہ وہ مانع ہے، وہ مانع نہ ہوتا تو آپ اس پر اعراب پڑھتے باقاعدہ۔ مثلاً دیکھیے بھائی: مثلاً «جَاءَ مُوسٰی»، اب موسیٰ کے آخر میں الفِ مقصورہ ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، الف پر تو کوئی حرکت آ ہی نہیں سکتی، تو یہاں دیکھو یہ مانع آگیا، اگر یہ مانع نہ ہوتا تو اس پر کیا ہوتا باقاعدہ لفظاً رفع آجاتا۔ تو معرب میں کیا ہوتا ہے؟ مانع موجود ہوتا ہے جبکہ مبنی میں عموماً کوئی مانع نہیں ہوتا بھائی۔

تو اسی طرح جیسے رفع کبھی محلاً ہوتا ہے، کبھی لفظاً ہوتا ہے اور کبھی تقدیراً، اسی طرح نصب کی بھی یہی تین صورتیں بنیں گی: نصب کبھی محلاً ہوگا، کبھی لفظاً ہوگا اور کبھی تقدیراً۔ نصب محلاً کس میں ہوگا؟ مبنی میں، اور لفظاً اور تقدیراً کس میں ہوگا؟ معرب میں۔ اسی طرح جر کی بھی یہی تین صورتیں بنیں گی: جر کبھی محلاً ہوگا، کبھی لفظاً ہوگا اور کبھی تقدیراً ہوگا۔ محلاً کس میں آئے گا جر؟ مبنی میں، اور لفظاً اور تقدیراً معرب میں آئے گا بھائی۔ اب کس معرب میں لفظاً آئے گا اور کس میں تقدیراً آئے گا، تو اس کے لیے وہ جو نحو میر میں آپ نے سولہ قسمیں پڑھی تھیں، وہاں آپ کو بتلایا تھا کس کا اعراب لفظاً ہے تینوں صورتوں میں ہے یا بعض صورتوں میں ہے، اور بعض لفظ ایسے ہیں جن کا اعراب ہمیشہ تقدیراً ہوتا ہے تینوں حالتوں میں، بعض کا ایک حالت میں وغیرہ بھائی، آپ نے تفصیل پڑھی تھی۔ یا انہی کو صاحب ہدایت النحو نے کچھ صفحات پہلے نو قسمیں بنا دیا تھا بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جو وہ پیچھے گزری: مفرد منصرف صحیح، جاری مجریٰ صحیح، جمع مؤنث سالم وغیرہ بھائی۔

اچھا تو بحث ہم پڑھ رہے تھے آج مفعول مالم یسم فاعلہ کی، لیکن میں نے بتایا کہ اس سے پہلے فاعل کی بحث آپ کے ذہن میں ہونی چاہیے بھائی۔ فاعل اگر سمجھ میں آگیا ہے تو نائب فاعل کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں بھائی، یہ مفعول مالم یسم فاعلہ اسی کو نائب الفاعل کہتے ہیں، یہ فاعل کا کیا ہے؟ نائب ہے۔ تو جب فاعل اگر سمجھ میں آگیا ہے تو نائب الفاعل کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں۔ فاعل کسے کہتے تھے؟ ہر وہ اسم جس سے پہلے فعل ہو یا صفت کا صیغہ ہو، اور اس فعل یا صفت کے صیغے کا اس کی طرف اسناد ہو کس طور پر کہ وہ فعل یا صفت اس کے ساتھ قائم ہو، اس پر واقع نہ ہو۔ مثلاً «ضَرَبَ زَيْدٌ»، یہ «زَيْدٌ» کو رفع کون دے رہا ہے؟ «ضَرَبَ»، تو دیکھو «زَيْدٌ» ایک اسم ہے، اس سے پہلے ایک فعل آیا اور یہ فعل اس کو رفع دے رہا ہے، اس فعل کا اس کی طرف اسناد ہے، اور یہ ضرب زید پر واقع ہوئی ہے یا زید کے ساتھ قائم ہے؟ زید کے ساتھ قائم ہے، یہ ضرب زید نے لگائی ہے، اگر وہ نہ ہوتا تو یہ ضرب بھی نہ ہوتی بھائی، اس کا وجود ہی نہ ہوتا۔

قائم ہونے کا معنی یہ کہ اس کی وجہ سے اس کا وجود ہے، وہ نہ ہوتا تو اس کا وجود بھی نہ ہوتا۔ زید نہ ہوتا تو یہ والی ضرب بھی نہ ہوتی بھائی۔ آپ کہیں گے عمرو ضرب لگا دیتا، ضرب کا تو پھر بھی وجود ہوتا، بھائی وہ اور ضرب تھی، وہ عمرو والی ضرب تو ہوتی، زید والی ضرب تو نہ ہوتی بھائی۔ تو یہ ضرب جو زید نے لگائی ہے اس کا وجود زید کی وجہ سے ہے، تو یہ فعل یا یوں کہیں یہ ضرب زید کی وجہ سے قائم ہے بھائی۔ اور کبھی کبھار صفت کا صیغہ ہوتا ہے جس کے لیے فاعل آتا ہے، تو میں نے آپ کو بتایا تھا کہ جس طرح فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری، اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری ہے بھائی۔ ان باتوں کا میں کئی مرتبہ تکرار کروا چکا ہوں لیکن یہ ترکیب کی بنیادی باتیں ہیں، ان کا بار بار ہم تکرار کرتے رہیں گے سارا سال ان شاء اللہ تاکہ آپ کے ذہن میں بالکل جم جائیں بھائی۔ سمجھ میں آئی بات؟ ہاں جتنی مرتبہ اس کو دہرایا جائے گا آپ کے ذہن میں جم جائے گی پھر ہر وقت ذہن میں رہے گی، آپ کوئی عبارت پڑھنے لگیں گے آپ کے ذہن میں ہوگا تو اس کے مطابق آپ بہترین عبارت پڑھتے چلے جائیں گے۔ تو بار بار ہم تکرار کرتے رہیں گے ان ساری چیزوں کا بھائی۔

تو ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ اور صفت کے صیغے کون سے میں نے آپ کو بتلایا تھا؟ اسمِ فاعل ہے، اسمِ مفعول ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسمِ تفضیل ہے اور مبالغے کے صیغے ہیں۔ تو ان کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اور ان میں سے میں نے آپ کو بتلایا تھا اسمِ مفعول جو ہے اس کے لیے نائب الفاعل چاہیے، باقی سب کے لیے فاعل چاہیے ہوتا ہے، فاعل چاہیے ہوتا ہے۔ اور فاعل اور اسمِ فاعل کی بات آئی تو میں نے فرق بتلایا تھا آپ کو کہ ایک ہے فاعل، ایک ہے اسمِ فاعل، ایک ہے مفعول اور ایک ہے اسمِ مفعول۔ ان میں کیا فرق ہے؟ فاعل وہ ہے جس سے پہلے کیا ہو، ابھی آپ نے تعریف پڑھی، فعل یا صفت کا صیغہ ہو اور اس کی طرف اس کا اسناد ہو اور وہ اس کے ساتھ قائم ہو، اس پر واقع نہ ہو بھائی۔ اور جبکہ اسمِ فاعل جو ہے وہ مخصوص صیغہ جو آپ نے گردانوں میں پڑھا، «ضَارِبٌ»، «فَاتِحٌ»، «مَانِعٌ»، «مُكْرِمٌ»، «مُسْتَخْرِجٌ» وغیرہ، وہ ہے اسمِ فاعل بھائی۔ اور اسی طرح ایک ہے مفعول، اور ایک ہے اسمِ مفعول، اور مفعول کے آگے باقاعدہ تعریف آجائے گی لیکن

یہاں آسان لفظوں میں سمجھو: مفعول وہ ہے جس کو فعل یا صفت کا صیغہ نصب دیتا ہے، نصب دیتا ہے، اور فعل اس پر واقع ہوتا ہے، اس کے ساتھ قائم نہیں ہوتا بھائی، قائم نہیں ہوتا۔

جبکہ اسمِ مفعول جو ہے وہ اس مخصوص صیغے کا نام ہے جو آپ نے گردانوں کے اندر پڑھا: «مَضْرُوبٌ»، «مَفْتُوحٌ»، «مُكْرَمٌ»، «مُسْتَخْرَجٌ» وغیرہ بھائی۔ فرق سمجھ میں آیا؟ جی، تو یہ جو صفت کے صیغے ہیں یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل اور مبالغے کے صیغے، ان کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اور اسمِ مفعول کے لیے نائب الفاعل چاہیے اور باقیوں کے لیے فاعل چاہیے۔ ہمارے ہاں جب عموماً ترکیب کروائی جاتی ہے، فعل کے لیے تو فاعل یا نائب فاعل طالبِ علم تلاش کرتا ہے، جبکہ صفت کا صیغہ آئے تو اس کے لیے وہ فاعل یا نائب فاعل تلاش نہیں کرتا، حالانکہ وہ بہت ضروری ہے، بنیادی ترکیب جو ہے وہ اسی سے درست ہوگی اگر اس کو یہ معلوم ہو کہ صفت کا صیغہ جب آجائے تو اس کے لیے بھی فعل کی طرح فاعل یا نائب فاعل کو تلاش کرنا ہے بھائی۔ اور فاعل یا نائب الفاعل ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے۔ معلوم ہوا اس سے کہ فعل ہمیشہ چاہتا ہے کسی اسم کو رفع دے، صفت کا صیغہ ہمیشہ چاہتا ہے کسی اسم کو رفع دے، اور جس کو یہ رفع دیتے ہیں وہ ان کا فاعل ہوتا ہے یا نائب الفاعل، اور وہ ایک ہی آتا ہے، دو یا تین نہیں ہوں گے۔

حرفِ عطف کے ذریعے زیادہ آسکتے ہیں لیکن وہ عطف کے ذریعے پھر ایک بن جاتے ہیں اور تو گویا فاعل یا نائب فاعل ایک ہی ہوتا ہے، دو یا تین نہیں ہوتے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ اور یہ فاعل یا نائب فاعل جو ہے ہمیشہ فعل یا صفت کے صیغے کے بعد آئے گا، اس پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، یہ «زَيْدٌ» «ضَرَبَ» کے بعد آرہا ہے، لہٰذا «ضَرَبَ» اس کو رفع دے سکتا ہے، اپنے لیے فاعل بنا سکتا ہے۔ لیکن اسی زید کو اگر «ضَرَبَ» پر مقدم کر دیں تو پھر یہ فاعل نہیں بن سکتا، اس پر کوئی اور یہ ترکیب کے اعتبار سے کچھ مبتدا وغیرہ تو بن سکتا ہے لیکن فعل کے لیے فاعل نہیں بن سکتا، کیونکہ فاعل یا نائب الفاعل ہمیشہ فعل اور یا صفت کے صیغے کے بعد آتے ہیں بھائی، بعد آتے ہیں۔

اور پھر یہ فاعل یا نائب فاعل جو ہیں یاد رکھیں ضمیر بھی ہو سکتے ہیں اور اسمِ ظاہر بھی۔ اسمِ ظاہر کسے کہتے ہیں میں نے بتلایا تھا کہ اسمِ ظاہر جو ہے یہ اسمِ ضمیر کے مقابلے میں ہے۔ جو بھی اسم ہے وہ یا تو ضمیر ہوگا یا اسمِ ظاہر۔ آپ اس میں غور کر لیں، ضمیریں آپ نے پڑھی ہوئی ہیں کہ وہ ضمیر ہے یا نہیں؟ ہے اسم؟ تو پھر کیا غور کریں کہ ضمیر ہے یا ضمیر نہیں؟ اگر ضمیر ہے تو معلوم ہوا پھر یہ اسمِ ظاہر نہیں ہے، یہ ضمیر ہے۔ اور اگر ضمیر نہیں ہے تو پھر یہ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر ہے بھائی، اسمِ ظاہر ہے۔ تو فعل یا صفت کے صیغے کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی آسکتا ہے۔ اور پھر وہ ضمیر بارز بھی ہو سکتی ہے اور مستتر بھی۔ بارز کا معنی ظاہر، مستتر کا معنی چھپی ہوئی۔ اسی فعل کے اندر بعض اوقات ضمیر چھپی ہوئی ہوتی ہے، بعض اوقات اسی فعل کے ساتھ ضمیر جڑی ہوئی ہوتی ہے، ظاہر ہوتی ہے، بارز ہوتی ہے، جیسے «ضَرَبْتَ»، دیکھو یہ آخر میں تا کیا ہے؟ بارز ہے، ضمیرِ بارز۔ جبکہ «ضَرَبَ» کے آخر میں کوئی حرف نہیں جڑا ہوا تو اسی کے اندر ضمیرِ مستتر ہوگی بھائی۔ تو فعل کے لیے فاعل جو ہے وہ ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔

اب یاد رکھو، پہلے بھی میں ذکر کر چکا ہوں، پھر یاد رکھیں کہ جب اسمِ ظاہر فاعل ہو تو فعل ہمیشہ مفرد، یا یوں کہیں کہ اسمِ ظاہر جو ہے وہ صرف پہلے یا چوتھا صیغہ جو ہے ان کے لیے اسمِ ظاہر فاعل یا نائب فاعل بن سکتا ہے، باقی اور کسی صیغے کے لیے نہیں۔ پہلا اور چوتھا صیغہ کون سا؟ یعنی واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب۔ ان دو صیغوں کے لیے فاعل یا نائب فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے، باقی بارہ صیغوں کے اندر فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ ضمیر ہوگی۔ ہاں پھر وہ ضمیر بارز بھی ہو سکتی ہے اور مستتر بھی، لیکن ہوگی ضمیر ہی۔ لہٰذا جب بھی کوئی فعل آئے تو آپ نے سب سے پہلے فوراً دیکھنا ہے کہ ان بارہ صیغوں میں سے ہے یا دو صیغوں میں سے ہے؟ اگر بارہ صیغوں میں سے ہے تو فاعل کو آگے تلاش کرنے کی نہیں ضرورت، وہ اسی کے ساتھ ضمیر جڑی ہوئی ہوگی یا اسی کے اندر ضمیر چھپی ہوئی ہوگی۔ لیکن اگر دو صیغے ان دو صیغوں میں سے کوئی ہو یعنی پہلا یا چوتھا صیغہ، تو پھر فاعل انہی کے اندر ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور آگے اسمِ ظاہر بھی، لیکن ہوگا ایک ہی۔ اگر آگے اسمِ ظاہر فاعل آرہا ہے تو ان کے اندر ضمیر نہیں ہوگی کیونکہ فاعل یا نائب فاعل ایک چاہیے تھا، وہ آگیا ہے۔

اور اگر آگے کوئی اسمِ ظاہر نہیں آرہا تو پھر انہی کے اندر کیا مان لیں گے؟ ضمیر، کیونکہ وہ فاعل یا نائب فاعل تو ضرور چاہیے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا فعل آجائے اور اس کا فاعل یا نائب فاعل نہ آئے بھائی، اسی طرح صفت کا صیغہ آجائے اور اس کا فاعل یا نائب فاعل نہ آئے، ایسا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اگر آگے اسمِ ظاہر کوئی نہیں تو پھر اسی فعل کے اندر کیا ماننی پڑے گی؟ ضمیر بھائی، یعنی ایک ایسا اسم جس کو یہ فعل رفع دے رہا ہوگا۔ اس سے آپ کو ایک اور بات کا بھی پتہ چل گیا، ایک اور بات، میں نے کیا بات بتلائی؟ کون سے فعل ہیں جن کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتے ہیں؟ پہلا اور چوتھا، اور پہلے اور چوتھے صیغے پہ آپ غور کریں یہ دونوں مفرد کے صیغے ہیں۔ پہلا ہے واحد مذکر غائب کا، دوسرا ہے واحد مؤنث غائب کا، دونوں مفرد کے صیغے ہیں۔ تو اس سے ایک اور بات آپ کو پتہ چل گئی کہ فاعل جب اسمِ ظاہر ہو تو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں یعنی پہلا یا چوتھا صیغہ۔ چاہے وہ فاعل مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، خود وہ اسمِ ظاہر کیا ہو، چاہے مفرد ہو، چاہے

تثنیہ ہو یا جمع ہو، اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تو لہٰذا اگر «زَيْدٌ» فاعل ہو تو کیسے کہیں گے؟ «ضَرَبَ زَيْدٌ»۔ اگر «الزَّيْدَانِ» فاعل ہو پھر بھی اسی طرح کہیں گے: «ضَرَبَ الزَّيْدَانِ»۔ اور اگر «الزَّيْدُونَ» فاعل ہو تو بھی اسی طرح فعل ہمیشہ مفرد ہی رہے گا: «ضَرَبَ الزَّيْدُونَ»۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اسمِ ظاہر چاہے مفرد ہو، چاہے تثنیہ ہو، چاہے جمع ہو، اس کے لیے فعل ہمیشہ مفرد ہی رہے گا، مفرد ہی رہے گا۔

ہاں اگر فاعل جو ہے یا نائب الفاعل وہ ضمیر ہو تو پھر فعل اسی کے مطابق آئے گا۔ مفرد کے لیے مفرد، مثلاً «هُوَ» ضمیر ہے فاعل یا نائب فاعل، تو فعل کیا لائیں گے؟ «ضَرَبَ» مفرد۔ تثنیہ کی ضمیر ہو وہ فاعل بن رہی ہے تو اس کے لیے کیا کہیں گے؟ «ضَرَبَا»۔ اگر جمع کی ہو تو کیا کہیں گے؟ «ضَرَبُوا»۔ واحد مؤنث کی ہو تو «ضَرَبَتْ»۔ تثنیہ مؤنث کی ہو تو «ضَرَبَتَا»۔ جمع کی ہو تو «ضَرَبْنَ»۔ تو معلوم ہوا ضمیر کے مطابق ضمیر مفرد، تثنیہ یا جمع ہو تو فعل اسی کے مطابق مفرد، تثنیہ یا جمع لائیں گے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

اور پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ صفت کے صیغے بعینہٖ فعل کی طرح عمل کرتے ہیں جس فعل سے یہ بنے ہوتے ہیں۔ اگر وہ فعل صرف فاعل کو رفع دیتا ہے مفعول کی وہاں ضرورت ہی نہیں، کیونکہ آپ جانتے ہیں بعض فعل ایسے ہیں ان کے لیے مفعول کی ضرورت نہیں ہوتی، بعض ایسے ہیں ان کے لیے ایک مفعول چاہیے ہوتا ہے، بعض ایسے ہوتے ہیں ان کے لیے دو مفعول چاہییں، بعض ایسے ہوتے ہیں جن کے لیے تین مفعول چاہیے ہوتے ہیں بھائی۔ مثلاً «ضَرَبَ»، پٹائی کی، تو اس کے لیے کوئی مضروب چاہیے کہ نہیں چاہیے بھائی؟ بغیر مضروب کے ضرب ہی نہیں ہو سکتی، اور ایک ہی مضروب سے ضرب واقع ہو جائے گی یا دو تین چار کا ہونا ضروری ہے؟ ایک ہی مفعول کافی ہے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، تو یہ بات پوری ہو گئی۔

لیکن بعض اوقات مفعول دو چاہیے ہوتے ہیں بھائی، دو چاہیے ہوتے ہیں۔ مثلاً بھائی میں آپ سے کہتا ہوں: میں نے اس بچے کا نام زید رکھا۔ «سَمَّيْتُ»، سمّی یسمّی کا معنی ہوتا ہے نام رکھنا، «سَمَّيْتُ»، میں نے نام رکھا اس بچے کا، «الطِّفْلَ»، «سَمَّيْتُ الطِّفْلَ»، دیکھو ایک مفعول آ گیا۔ متکلم تو کیا ہے، فاعل بن رہا ہے، اور آگے وہ بچہ وہ کیا بن رہا ہے؟ مفعول۔ میں نے نام رکھا اس بچے کا، بات ابھی پوری ہوئی؟ بات ابھی بھی پوری نہیں ہوئی، معلوم ہوا ایک اور مفعول چاہیے، تو کیا بن جائے گا؟ «زَيْدًا»، وہ دوسرا مفعول منصوب آئے گا: «سَمَّيْتُ الطِّفْلَ زَيْدًا»۔ تو معلوم ہوا یہ سمّی کتنے مفعول چاہتا ہے؟ دو مفعول چاہتا ہے بھائی، دو مفعول چاہتا ہے۔

اور پھر فعلِ مجہول میں کیا کیا جاتا ہے بھائی؟ مفعول کو اٹھا کر کیا بنا دیا جاتا ہے؟ فاعل کو حذف کر لیا جاتا ہے اور مفعول کو کیا بنا دیتے ہیں؟ نائب الفاعل۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں زید کی پٹائی کی گئی، تو کیا کہوں گا؟ «ضُرِبَ زَيْدٌ»۔ اب آپ سے کوئی پوچھے یہ «زَيْدٌ» کو رفع کون دے رہا ہے؟ آپ فوراً کیا کہیں گے؟ «ضُرِبَ»، یہ جو فعلِ مجہول ہے، اور «زَيْدٌ» اس کے لیے کیا بن رہا ہے؟ نائب الفاعل بن رہا ہے کیونکہ فعل اس پر واقع ہو رہا ہے، اس کے ساتھ قائم نہیں ہے بھائی: «ضُرِبَ زَيْدٌ»۔ تو لہٰذا اسی «سَمَّيْتُ الطِّفْلَ زَيْدًا»، اس کو بھی اب ہم نے اس جملے میں دیکھو: «سَمَّيْتُ» فعل با فاعل ہے، «الطِّفْلَ» مفعولِ اول ہے، «زَيْدًا» کیا ہے؟ مفعولِ ثانی ہے۔ تو فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اسی میں اگر ہم فعلِ مجہول بنانا چاہیں تو فاعل کو حذف کر دیتے ہیں فاعل کو، تو فعلِ مجہول لے آؤ بھائی: «سُمِّيَ»۔ اور «سُمِّيَ» کیوں لائے؟ بھائی دیکھیے، «سَمَّيْتُ» ہے نا «سَمَّيْتُ»، تو آپ یہ نہ کہیں «سُمِّيتُ» لائیں گے، کیونکہ متکلم جو ہے وہ تو کیا ہے؟ فاعل ہے، مفعول تو نہیں ہے، اور فعلِ مجہول کا اسناد تو کس کی طرف کیا جاتا ہے؟ مفعول جو ہوتا ہے، نائب الفاعل جو بنتا ہے۔ فعلِ مجہول کا اسناد کس کی طرف ہوتا ہے؟ نائب الفاعل، اور نائب الفاعل در حقیقت کون ہے، فاعل ہے یا مفعول ہے؟ در حقیقت وہ کیا ہے؟ مفعول ہے، اس پر ضرب واقع ہوئی ہے، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو لہٰذا اب میں نے کیا کرنا ہے؟ «سَمَّيْتُ الطِّفْلَ زَيْدًا»، ان دو مفعولوں میں سے ایک کو میں کیا بناؤں گا؟ پہلے کو نائب الفاعل بناؤں گا، نائب الفاعل، اور فاعل کو کیا کر دیں گے؟ حذف۔ تو یہ متکلم کی ضمیر ہم نے نکالنی ہے اور فعل کا اسناد اب ہم نے طفل کی طرف کرنا ہے، «الطِّفْلَ»۔ تو «الطِّفْلُ» ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ اسمِ ظاہر ہے، اور اسمِ ظاہر کی طرف ہم نے اسناد کرنا ہے کس کا؟ فعلِ مجہول کا، تو کون سا فعل لائیں گے؟ «الطِّفْلُ» مذکر ہے مؤنث ہے؟ مذکر ہے، جب مذکر ہے تو اسمِ ظاہر ہے، اسمِ ظاہر کے لیے تو دو ہی فعل استعمال ہوتے ہیں: یا پہلا یا چوتھا، اور یہ مؤنث تو ہے نہیں چوتھا نہیں آئے گا تو پھر کون سا استعمال ہو گا؟ پہلا، تو لہٰذا کہیں گے: «سُمِّيَ الطِّفْلُ زَيْدًا»۔ اور دوسرا مفعول اسی طرح رہے گا، اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، وہ پہلے بھی مفعول تھا ابھی بھی کیا ہے؟ مفعول ہے۔ نام رکھا گیا اس بچے کا، کیا رکھا گیا نام؟ زید۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو لہٰذا یہ عبارتوں میں «سُمِّيَ» یا «يُسَمَّى» یہ مجہول استعمال ہوتا ہے اور اس کے بعد ایک مفعول بھی ہوتا ہے تو آپ پریشان نہ ہوں کہ «سُمِّيَ»

ہے تو یہ تو فعلِ مجہول ہے، پھر آگے مفعول کیسے آگیا؟ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ آگے مفعول کیسے آگیا؟ بلکہ آپ فوراً سمجھ جائیں کہ اس کے لیے تو دو مفعول چاہیے تھے، ایک مفعول تو نائب الفاعل بن گیا ہے اور دوسرا مفعول اسی طرح مفعول ہے، منصوب ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور پھر وہ جو پہلا مفعول ہوتا ہے ناجو نائب الفاعل، وہ عموماً اسی کے اندر ضمیر ہوتی ہے۔ ابھی ہم نے جو مثال بنائی: «سُمِّيَ الطِّفْلُ زَيْدًا»، یہاں تو نائب الفاعل کیا تھا؟ ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ «الطِّفْلُ»، یہ نائب الفاعل اسمِ ظاہر ہے، لیکن کبھی عموماً ہوتا ہے اسی کے اندر ضمیر ہی ہوتی ہے، مثلاً «سُمِّيَ زَيْدًا»، کیسے پڑھتے ہیں؟ «سُمِّيَ زَيْدًا»، تو «سُمِّيَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر نکالنی پڑے گی کیونکہ نائب الفاعل تو ضرور چاہیے، کوئی فعل بغیر فاعل کے یا نائب الفاعل کے نہیں آسکتا، تو کیسے پڑھیں گے: «سُمِّيَ زَيْدًا»۔

ترکیب کیسے کریں گے؟ «سُمِّيَ» فعلِ مجہول، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر، اعراب بتاؤ؟ مرفوع محلاً شاباش۔ مرفوع کیوں؟ نائب الفاعل ہے، فعلِ مجہول ہے۔ نائب الفاعل اور محلاً کیوں؟ مبنی ہے کیونکہ ضمیر ہے، تو یہ اس کے لیے نائب الفاعل، اور «زَيْدًا» اس کا اعراب بتاؤ؟ منصوب لفظاً مفعول بہ۔ فعل اپنے نائب الفاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ ترکیب کی چھوٹی چھوٹی باتیں میں بار بار بس تکرار کرواتا رہوں گا کہ آپ کے ذہن میں بیٹھ جائیں بھائی۔ اچھی طرح بات سب کو سمجھ میں آگئی؟

اور میں نے آپ کو بتلایا کہ صفت کے صیغے بالکل اپنے فعل کی طرح عمل کرتے ہیں۔ یعنی اگر فعل جو تھا ایک فاعل کو رفع دے رہا تھا اور ایک مفعول کو نصب دے رہا تھا، تو یہ بھی کیا کریں گے؟ ایک فاعل کو رفع دیں گے اور ایک مفعول کو نصب۔ اور اگر فعل ایک فاعل کو رفع دے رہا تھا اور دو مفعولوں کو نصب دے رہا تھا، تو صفت کا صیغہ بھی کیا کرے گا؟ ایک فاعل کو رفع دے گا اور دو مفعولوں کو نصب، بالکل اسی کی طرح۔ اور اگر فعل جو تھا فعلِ مجہول تھا، تو فعلِ مجہول تو نائب الفاعل کو رفع دیتا ہے تو صفت کا صیغہ بھی کس کو رفع دے گا؟ نائب الفاعل کو بھائی، نائب الفاعل کو، جیسے اسمِ مفعول ہے، یہ فعلِ مجہول سے بنتا ہے، سمجھ میں آئی بات؟ تو لہٰذا یہ نائب الفاعل کو رفع دے گا۔

لہٰذا آپ کے سامنے ترکیب ہو، آپ کے سامنے جملہ ہو: «زَيْدٌ ضَارِبٌ»، آپ سے کوئی کہے ترکیب کرو، تو عموماً طلبہ یوں ترکیب کرتے ہیں: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «ضَارِبٌ» مرفوع لفظاً خبر۔ نہیں بھائی، یہ تو پوری ترکیب آپ نے نہیں کی، «ضَارِبٌ» تو صفت کا صیغہ ہے، اور صفت کا صیغہ جب بھی آئے گا اس کے لیے ہمیشہ کیا تلاش کرنا ہے؟ فاعل کو تلاش کرنا ہے یا نائب الفاعل کو۔ تو یوں کریں گے ترکیب: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، کوئی آپ سے پوچھے یہ مرفوع کیوں؟ آپ فوراً کیا کہیں گے؟ کیونکہ مبتدا ہے، اور لفظاً کیوں کہا؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں۔ تو یوں نہیں کہنا اس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اس پر تو مراد ہوا لفظ، اور لفظ تو کہتے ہی اس کو ہیں جس پر تلفظ کیا جاتا ہے، تو زید تو لفظ ہے۔ ہم بات کر رہے ہیں اعراب پر باقاعدہ تلفظ ہو، تو یوں کہیں رفع پر کیا ہوتا ہے اس کے؟ تلفظ۔ «زَيْدٌ»، دیکھو سننے سے ہی پتہ چل گیا رفع ہے۔ تو یہ ہے مرفوع لفظاً مبتدا، اور «ضَارِبٌ» مرفوع لفظاً اسمِ فاعل، اور اس کے آگے تو کوئی اور اسم ہے نہیں، معلوم ہوا اسی کے اندر ضمیر ہے، تو اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو لوٹ رہی ہے «هُوَ» ضمیر؟ زید کو۔ دیکھو «زَيْدٌ ضَارِبٌ»، اس میں ضارب کون ہے؟ پتہ چل رہا ہے یا نہیں جملے سے ہی؟ کون ہے ضارب؟ زید ہی ہے، تو یہ «هُوَ» ضارب کی ضمیر کس کو لوٹے گی؟ ضارب میں جو ضمیر ہے وہ زید کو لوٹے گی، مرفوع محلاً ہے وہ فاعل ہے، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو گا، کیا ہو گا؟ شبہ جملہ۔ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے ملتا ہے تو جملہ بن جاتا ہے، لیکن صفت کا صیغہ جب اپنے فاعل یا نائب فاعل سے ملتا ہے تو وہ جملہ نہیں بنتا، وہ مفرد کا مفرد ہی رہتا ہے، اس کو شبہ جملہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ شبہ جملہ یعنی جملے کے جو مشابہ ہے، جملے جیسا ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح آپ نے فاعل کے بارے میں پڑھا تھا کہ فاعل اگر مؤنثِ حقیقی ہو تو فعل کو مؤنث لائیں گے جبکہ فعل اور فاعل کے درمیان فصل یعنی جدائی نہ ہو۔ فاعل اگر کون ہو؟ مؤنثِ حقیقی ہو۔ مؤنثِ حقیقی کسے کہتے تھے؟ جس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان ہو بھائی، جیسے «نَاقَةٌ» اونٹنی، اس کے مقابلے میں «جَمَلٌ» ہے اونٹ بھائی، یا جیسے «امْرَأَةٌ» عورت، اس کے مقابلے میں کیا ہے؟ «رَجُلٌ» ہے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وہ مؤنث جس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان ہو، اس کو مؤنثِ حقیقی کہتے ہیں، اور مؤنثِ حقیقی کی طرف اگر آپ نے فعل کا اسناد کرنا ہے تو کون سا فعل لائیں گے؟ مذکر والا صیغہ لائیں گے یا مؤنث والا؟ سمجھ میں آیا؟ مؤنثِ حقیقی ہے اور اسمِ ظاہر ہے، جب اسمِ ظاہر ہے تو پہلا یا چوتھا صیغہ ہی آئے گا، اور تو کوئی نہیں آسکتا، تو ان میں سے تو یہ تو مذکر بھی ہے، مؤنث بھی ہے، کون سا لے کر آئیں؟ «ضَرَبَ» کہیں یا «ضَرَبَتْ» کہیں گے؟ آگے مثلاً «امْرَأَةٌ» ہے، تو فاعل کون ہوا؟ مؤنثِ حقیقی۔ جب فاعل مؤنثِ حقیقی ہو تو فعل بھی مؤنث لاتے ہیں، تو کیا کہیں گے: «ضَرَبَتِ امْرَأَةٌ»۔ لیکن اگر درمیان میں فصل آجائے فعل کے اور فاعل کے درمیان، پھر اس کے لیے مذکر فعل بھی لاسکتے ہیں، مثلاً «ضَرَبَتْ» اور «امْرَأَةٌ» کے درمیان «الْيَوْمَ» آگیا: «ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ»، تو یہاں «الْيَوْمَ» جب

فصل آ گیا تو اب آپ اس میں مذکر فعل بھی استعمال کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں: «ضَرَبَ الْيَوْمَ هِنْدٌ»۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور اگر فاعل مؤنثِ غیر حقیقی ہو یعنی وہ لفظ جس کے مقابلے میں وہ چیز ایسی ہو کہ اس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان نہ ہو، جیسے «شَمْسٌ» کا لفظ ہے۔ شمس عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے، سورج بھائی، شمس، لیکن اس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان نہیں، تو معلوم ہوا یہ مؤنث تو ہے لیکن مؤنثِ غیر حقیقی ہے۔ تو اس کے لیے پھر فعل کو مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی: «طَلَعَ الشَّمْسُ» سورج طلوع ہوا، اور «طَلَعَتِ الشَّمْسُ» مؤنث کا بھی لا سکتے ہیں، صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہاں فصل کی بھی نہیں ضرورت، دونوں فعل لا سکتے ہیں، جبکہ مؤنثِ حقیقی میں فصل ہو گا تو مذکر فعل لا سکتے ہیں، اگر فصل نہیں تو پھر مؤنث فعل ہی لانا پڑے گا بھائی۔

اور اگر ان کی طرف ضمیر لوٹانی پڑے پھر؟ کہتے ہیں پھر بھائی مذکر کے لیے مذکر اور مؤنث کے لیے مؤنث بھائی۔ شمس کی طرف ضمیر لوٹانی ہے تو مؤنث ضمیر ہی چاہیے، اور مؤنث ضمیر تو مؤنث فعل میں ہوا کرتی ہے مذکر صیغے میں نہیں، لہٰذا مؤنث صیغہ لائیں گے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟ جی، تو یہ تھی ساری فاعل کے بارے میں بحث جو ہم نے کی تھی، کچھ نئی چیزیں بھی اس کے اندر آ گئیں۔

اب دیکھیے بھائی کتاب پر بھائی: «فَصْلٌ»، یعنی «هٰذَا فَصْلٌ»، یہ خبر ہے بھائی، مبتدا محذوف ہے، یہ فصل ہے: «مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ»۔ یاد رکھیے یہ اسم «مَا» سے مراد ہے فعل۔ ما سے کیا مراد ہے؟ فعل۔ «مَفْعُولُ مَا»، مفعول اس فعل کا، «لَمْ يُسَمَّ»، کہ ذکر نہیں کیا گیا، «فَاعِلُهُ»، اس فعل کے فاعل کو۔ بھائی دیکھیے: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، پٹائی کس نے کی؟ زید نے، اور کس کی کی؟ عمرو کی۔ تو «عَمْرًا» ایسا مفعول ہے جس کا فاعل ذکر ہے، اور ہم تو کیا کہہ رہے ہیں؟ ایسا مفعول ایسے فعل کا مفعول جس کا فاعل ذکر نہ ہو، فاعل ذکر نہ ہو، تو لہٰذا وہ فعلِ مجہول میں ہو گا، کیسے؟ «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، اب ہم فعلِ مجہول بناتے ہیں تو فاعل کو حذف کرو، زید کو اٹھا کر ختم کر دیا اور کیا کہیں گے؟ «ضُرِبَ عَمْرٌو»، کیونکہ نائب الفاعل یہ بن جائے گا، صورت سمجھ میں آ گئی؟ اب بتاؤ جملے کا کیا معنی ہوا؟ عمرو کی پٹائی کی گئی۔ تو «ضُرِبَ عَمْرٌو»، معنی کیا ہوا «ضُرِبَ عَمْرٌو» کا؟ عمرو کی پٹائی کی گئی۔ تو دیکھو «ضُرِبَ عَمْرٌو»، یہاں عمرو کی پٹائی کی، بھائی کس نے کی؟ یہ ذکر ہے اس جملے میں؟ یہ ذکر نہیں ہے، تو معلوم ہوا «ضُرِبَ» ایسا فعل ہے جس کے فاعل کو ذکر نہیں کیا گیا، کس نے کی ہے یہ پٹائی؟ ہاں جس پر واقع ہوئی ہے اس کو ذکر کیا گیا ہے۔ سمجھ میں آئی بات؟ تو دیکھا، ایسا فعل، «مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ» کا ترجمہ سمجھا رہا ہوں: ما ایسا فعل، «لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ»، جس کے فاعل کو ذکر نہیں کیا گیا، معلوم ہوا کون سا فعل مراد ہے؟ فعلِ مجہول مراد ہے۔ تو مفعول مالم یسم فاعلہ، ایسا فعل جس کے فاعل کو ذکر نہ کیا گیا ہو یعنی فعلِ مجہول، اس کی جگہ فعلِ مجہول ذرا رکھ دو: مفعولُ فعلٍ مجهولٍ، فعلِ مجہول کا مفعول، وہی نائب الفاعل ہے نا، وہی کیا ہے؟ نائب الفاعل ہے۔

■ قولہ: «ضُرِبَ عَمْرٌو» کی تشریح

«ضُرِبَ عَمْرٌو»، مجھے یہ بتاؤ یہ ضرب عمرو نے لگائی ہے یا وہ مفعول ہے اس پر ضرب واقع ہوئی ہے؟ تو وہ ہے تو مفعول ہی بھائی، لیکن اس وقت ہم نے کیا کیا ہے؟ اس کو فاعل کا نائب بنا دیا ہے، لیکن ہے تو وہ مفعول۔ یہی تو بات کر رہے ہیں: مفعول مالم یسم فاعلہ، ایسے فعل کا مفعول جس کے فاعل کو ذکر نہ کیا گیا ہو یعنی فعلِ مجہول کا مفعول۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ بھائی مفعول مالم یسم فاعلہ، کیا ترجمہ ہوا؟ مفعول ایسے فعل کا جس کے فاعل کو ذکر نہ کیا گیا ہو، اور وہ کون سا فعل ہوتا ہے؟ فعلِ مجہول۔ تو «مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ»، وہ فعل جس کے فاعل کو ذکر نہ کیا گیا ہو، اس سے مراد ہوا فعلِ مجہول۔ اس سارے کو اٹھاؤ اس کی جگہ کیا رکھ دو؟ فعلِ مجہول: مفعولُ فعلٍ مجهولٍ، فعلِ مجہول کا مفعول۔ اب بات سمجھ میں آ گئی؟ ہاں یہ ویسے آپ کو سمجھا رہا تھا بھائی بات۔ تو مفعول مالم یسم فاعلہ مفعول ایسے فعل کا جس کے فاعل کو ذکر نہ کیا گیا ہو، یہ دوسرے نمبر پر تھا مرفوعات میں۔

بھائی یہ کہتے کس کو ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ كُلُّ مَفْعُولٍ»، وہ ہر ایسا مفعول ہے، «حُذِفَ فَاعِلُهُ»، جس کے فاعل کو کیا کر لیا جائے؟ حذف کر لیا جائے، بھائی دیکھو «كُلُّ مَفْعُولٍ» نکرہ ہے اور اس کے بعد «حُذِفَ» فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے میں نے آپ کو بتلایا تھا وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں نکرہ میں، تو «كُلُّ مَفْعُولٍ» یہ بھی ہے نکرہ، تو ایسا یا ایسی کا لفظ لائیں گے: «وَهُوَ كُلُّ مَفْعُولٍ»، وہ ہر ایسا مفعول ہے، «حُذِفَ فَاعِلُهُ»، جس کے فاعل کو حذف کر لیا جائے، «وَأُقِيمَ هُوَ مَقَامَهُ»، اور اس کو اس کا قائم مقام کر دیا جائے یعنی نائب بنا دیا جائے، نحو: «ضُرِبَ زَيْدٌ»، جیسے «ضُرِبَ زَيْدٌ»۔ ترکیب کیا ہو گی؟ «ضُرِبَ» فعل، «زَيْدٌ»

مرفوع لفظاً نائب الفاعل، فعل اپنے نائب الفاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

«وَحُكْمُهُ فِي تَوْحِيدِ فِعْلِهِ وَتَثْنِيَتِهِ وَجَمْعِهِ وَتَذْكِيرِهِ وَتَأْنِيثِهِ عَلَى قِيَاسِ مَا عَرَفْتَ فِي الْفَاعِلِ»، اور اس کا حکم، کس کا حکم؟ یہ نائب الفاعل کا، اس کا حکم «فِي تَوْحِيدِ فِعْلِهِ»، اس کے فعل کے مفرد لانے میں، واحد لانے میں، «وَتَثْنِيَتِهِ»، اور تثنیہ لانے میں، «وَجَمْعِهِ»، اور جمع لانے میں، «وَتَذْكِيرِهِ»، اور اس کے مذکر لانے میں، «وَتَأْنِيثِهِ»، اور مؤنث لانے میں، «عَلَى قِيَاسِ مَا عَرَفْتَ فِي الْفَاعِلِ»، اسی طریقے پر ہے جو آپ نے جان لیا فاعل میں، جیسے فاعل میں آپ نے پڑھا تھا: کبھی فعل کو مفرد رکھتے ہیں، کبھی فعل کو تثنیہ لاتے ہیں، کبھی فعل کو جمع، کبھی فعل مذکر والا لاتے ہیں، کبھی فعل مؤنث والا، جو ابھی میں نے ساری تفصیل بیان کر دی۔ فعل کو مفرد کب رکھتے ہیں؟ جب اس کا فاعل کیا ہو؟ اسم ظاہر ہو۔ فعل کو مفرد، تثنیہ اور جمع کس کے لیے رکھتے ہیں؟ جب فاعل یا نائب فاعل ضمیر ہو بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس کے لیے تثنیہ، جمع بھی آئے گا، مفرد بھی کبھی آئے گا۔ اور فعل کو مذکر لاتے ہیں اور کبھی مؤنث لاتے ہیں، فعل کو مؤنث کب لاتے ہیں؟ جب اس کا فاعل کیا ہو؟ مؤنثِ حقیقی ہو یا اس کا فاعل مؤنثِ غیر حقیقی ہو، اور پھر ان کے لیے کبھی مذکر کا فعل بھی استعمال ہو جاتا ہے، آپ نے تفصیل جیسے پڑھی۔ بعینہٖ کہتے ہیں وہی تفصیل کس کے اندر ہے؟ مفعول مالم یسم فاعلہ کے اندر بھی ہے۔

مثلاً دیکھیے بھائی: «ضُرِبَ زَيْدٌ»، «ضُرِبَ» کا اسناد کس کی طرف ہے؟ «زَيْدٌ»، اور «زَيْدٌ» کیا ہے؟ اسم ظاہر، اور اسم ظاہر نائب الفاعل ہو تو فعل کو ہمیشہ کیا رکھیں گے؟ مفرد۔ اگر نائب الفاعل «الزَّيْدَانِ» ہوتا تو بھی کیا کہتے آپ؟ «ضُرِبَ الزَّيْدَانِ»، دیکھا فعل وہی مفرد رہتا۔ اگر نائب الفاعل جمع ہوتا «الزَّيْدُونَ» تو بھی فعل کو کیا رکھتے؟ مفرد رکھتے: «ضُرِبَ الزَّيْدُونَ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اگر نائب الفاعل مؤنثِ حقیقی ہوتا تو فعل کو کیا رکھتے؟ مؤنث لے کر آتے، جیسے «ضُرِبَتْ هِنْدٌ»، ہند کی پٹائی کی گئی، «ضُرِبَتْ» فعل، «هِنْدٌ» مرفوع لفظاً نائب الفاعل، فعل اپنے نائب الفاعل سے مل کر کیا ہوا؟ جملہ فعلیہ۔ اچھا اور اگر درمیان میں فصل آجائے تو پھر فعل کو مذکر بھی لا سکتے ہیں: «ضُرِبَ الْيَوْمَ هِنْدٌ»۔ «ضُرِبَ» فعل، «الْيَوْمَ» منصوب لفظاً مفعول فیہ، ظرف ہے یہ، اور «هِنْدٌ» کیا ہے؟ نائب الفاعل مرفوع لفظاً، فعل اپنے نائب الفاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور اسی طرح مثلاً میں نے کہا: «هَدَمَ زَيْدٌ الدَّارَ»، «هَدَمَ زَيْدٌ»، زید نے گرایا، «هَدَمَ يَهْدِمُ» کے معنیٰ گرا دینے کے، «الدَّارَ»، اس گھر کو، زید نے وہ گھر گرا دیا۔ یاد رکھیے «الدَّارُ» عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے، دار کیا ہے؟ مؤنث۔ اب میں زید کو حذف کرتا ہوں، فعلِ مجہول لاتا ہوں اور اس کا اسناد میں کس کی طرف کرنا چاہتا ہوں؟ دار کی طرف، اور دار تو کیا ہے؟ مؤنثِ سماعی ہے، تو اب آپ غور کر لیں، اس کی طرف ہم نے فعلِ مجہول کا اسناد کرنا ہے، کس کا؟ زید کو میں حذف کر لوں گا اور فعل کون سا لاؤں گا؟ فعلِ مجہول، اور دار کو میں نائب الفاعل بنانا چاہتا ہوں، اور «الدَّارُ» کیا ہے؟ مؤنثِ سماعی ہے۔ اب غور کریں یہ مؤنثِ حقیقی ہے یا غیر حقیقی؟ «الدَّارُ» کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان ہے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ مؤنثِ غیر حقیقی ہے۔ تو لہٰذا کیا کریں گے؟ جب مؤنثِ غیر حقیقی ہو فعل کو مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی، لہٰذا کیا کہیں گے؟ «هُدِمَ الدَّارُ»، اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں: «هُدِمَتِ الدَّارُ»، «هُدِمَتْ» بھی لا سکتے ہیں اور «هُدِمَ» بھی لا سکتے ہیں۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ «هُدِمَ» فعل، «الدَّارُ» مرفوع لفظاً نائب الفاعل، اس گھر کو گرا دیا گیا، یا یوں کہہ سکتے ہیں: «هُدِمَتِ الدَّارُ»، «هُدِمَتْ» فعل، «الدَّارُ» مرفوع لفظاً نائب الفاعل، اس گھر کو گرا دیا گیا، ترجمہ وہی ہو گا بھائی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

یہی بات کر رہے ہیں: «وَحُكْمُهُ»، کہ مفعول مالم یسم فاعلہ کا حکم، «فِي تَوْحِيدِ فِعْلِهِ»، اس کے فعل کے مفرد لانے میں، «وَتَثْنِيَتِهِ»، تثنیہ لانے میں، «وَجَمْعِهِ»، اور اس کے جمع لانے میں، «وَتَذْكِيرِهِ»، اور اس کو مذکر لانے میں، «وَتَأْنِيثِهِ»، اور اس کو مؤنث لانے میں، «عَلَى قِيَاسِ مَا عَرَفْتَ فِي الْفَاعِلِ»، اسی طریقے پر ہے جو آپ نے کس میں جانا؟ فاعل کے اندر جانا بھائی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھائی؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۲۹: فصل المبتدأ والخبر: مبتدا اور خبر کی تعریف اور عاملِ معنوی کا بیان

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۰—بتاریخ: ۱۷ نومبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ هُمَا اسْمَانِ مُجَرَّدَانِ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ، أَحَدُهُمَا مُسْنَدٌ إِلَيْهِ وَيُسَمَّى الْمُبْتَدَأَ، وَالثَّانِي مُسْنَدٌ بِهِ وَيُسَمَّى الْخَبَرَ، نَحْوُ: زَيْدٌ قَائِمٌ۔

آج ہم مرفوعات میں سے مبتدا اور خبر کے بارے میں پڑھیں گے بھائی۔ مرفوعات آپ نے پڑھے کہ آٹھ ہیں بھائی، انہوں نے آپ کو بتلایا کہ وہ آٹھ ہیں، اور یعنی ان آٹھ چیزوں میں سے کوئی عبارت کے اندر آجائے اور آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ فاعل ہے، یا یہ نائب الفاعل ہے، یا یہ مبتدا ہے، یا یہ خبر ہے، تو ان سب پر آپ نے رفع پڑھنا ہے بھائی، رفع پڑھنا ہے۔ اور رفع جو ہے وہ آپ نے پڑھا کہ وہ تقدیراً بھی ہو سکتا ہے، وہ لفظاً بھی ہو سکتا ہے، اور محلاً بھی ہو سکتا ہے، تو جس قسم کا لفظ ہو گا، اسی قسم کا اس پر رفع آئے گا بھائی، رفع آئے گا۔ تو آج مرفوعات میں سے تیسری اور چوتھی چیز یعنی مبتدا اور خبر کے بارے میں ہم پڑھیں گے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے ہر مرفوع کو الگ فصل میں ذکر کیا۔ دیکھو فاعل کے لیے الگ فصل لائے تھے، اور مفعول مالم یسم فاعلہ کے لیے الگ فصل لے کر آئے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مبتدا اور خبر دونوں کو اکٹھا ایک ہی فصل میں کیوں ذکر کیا، ان کے لیے الگ الگ فصل کیوں نہیں بنائی؟ تو جواب یہ کہ چونکہ مبتدا اور خبر ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں، جہاں مبتدا آتا ہے وہاں خبر آتی ہے اور جہاں خبر ہوتی ہے وہاں مبتدا ہوتا ہے، تو اس لیے چونکہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں تو ان دونوں کو اکٹھا ذکر کیا۔ اور نیز اس لیے کیونکہ ان دونوں میں عامل ایک ہی چیز ہے اور وہ معنوی ہے تو یہ دونوں کا عامل کے اندر بھی اشتراک ہوا۔ مبتدا کے اندر جیسے عامل معنوی ہوتا ہے، اسی طرح خبر میں بھی عامل معنوی ہوتا ہے بھائی، تو اس لیے ان کو اکٹھا ذکر کیا۔

تو یہ مبتدا اور خبر کہتے کس کو ہیں؟ آپ کو بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں: «اَلْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ هُمَا اسْمَانِ»، مبتدا اور خبر جو ہیں، ہمایہ دو جو ہیں، «اسْمَانِ»، دو ایسے اسم ہیں، «مُجَرَّدَانِ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ»، جو عوامل لفظیہ سے خالی ہوتے ہیں۔ یعنی ان میں جو عمل کرنے والا عامل ہے وہ لفظ نہیں ہوتا بلکہ وہ معنوی ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ معنوی ہوتا ہے۔ بھائی باقی تو آپ نے پڑھے نا کہ فاعل کو فعل رفع دیتا ہے، «ضَرَبَ زَيْدٌ»، تو زید کو کس نے رفع دیا؟ «ضَرَبَ» نے، اور «ضَرَبَ» فعل ہے، اور فعل لفظ ہے یا نہیں؟ لفظ جس پر انسان تلفظ کرتا ہے، بولتا ہے۔ میں نے کہا «ضَرَبَ»، سنا یا نہیں آپ نے؟ تو دیکھو «ضَرَبَ» پر میں تلفظ کر رہا ہوں۔ اب میں نے کہا «ضَرَبَ زَيْدٌ»، آپ سے کوئی پوچھے زید پر رفع کیوں پڑھ رہے ہو، آپ کیا کہیں گے؟ فاعل ہے، تو اس کے اندر عامل کون ہوا؟ «ضَرَبَ» فعل ہوا، اور «ضَرَبَ» لفظ ہے یا لفظ نہیں ہے؟ لفظ ہے بھائی، کیونکہ آپ نے پڑھا تھا کہ لفظ جو ہے جس پر انسان تلفظ کرے وہ لفظ ہے، اور پھر اس کا کبھی معنی ہوتا ہے اور کبھی معنی نہیں ہوتا۔ اگر معنی ہو تو اس کو کلمہ کہتے ہیں، «اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ»، کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو مفرد معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو، مقرر کیا گیا ہو۔ معلوم ہوا لفظ کا معنی ہو تو وہ کلمہ کہلائے گا، اگر اس کا معنی کوئی نہیں تو وہ کلمہ نہیں کہلائے گا بھائی۔

جیسے مثلاً آپ اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں، مثلاً روٹی شوٹی، بولتے ہیں یا نہیں؟ بعض اوقات ایک لفظ کے ساتھ دوسرا لفظ ویسے ہی ملا دیتے ہیں، یا چائے شائے، تو چائے تو ٹھیک ہے آپ اردو میں کہتے ہیں، شائے تو ویسے ہی آپ نے ملا دیا، تو یہ شائے ایسا لفظ ہے جس کا کوئی معنی نہیں۔ یہ لفظ تو ہے لیکن کلمہ نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ روٹی شوٹی یا روٹی ووٹی، تو یہ روٹی تو کلمہ ہے کیونکہ اس کا معنی ہے، لیکن ساتھ دوسرا لفظ جو آپ ملا رہے ہیں وہ لفظ تو ہے لیکن کلمہ نہیں ہے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھیے، انہوں نے کہا کہ مبتدا اور خبر، ہما وہ دونوں اسمان وہ دو ایسے اسم ہیں مجردان عن العوامل اللفظیۃ جو عواملِ لفظیہ سے خالی ہوتے ہیں۔

فاعل کے اندر عامل لفظ تھا، جیسے «ضَرَبَ زَيْدٌ»، اس میں «زَيْدٌ» کون؟ فاعل، اس کے اندر عامل کون؟ «ضَرَبَ»، اور «ضَرَبَ» کیا ہے؟ لفظ۔ اسی طرح آپ نے ترکیب وغیرہ کچھ پڑھی ہو گی پہلے: «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، تو دیکھو «زَيْدًا» کو نصب کون دے رہا ہے؟ «إِنَّ»، اور «إِنَّ» کیا ہے؟ لفظ، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو عامل جو ہوتا ہے وہ لفظ ہوا کرتا ہے، لیکن مبتدا اور خبر میں کوئی لفظ نہیں عامل، بلکہ ان کے اندر ایک معنوی چیز عامل ہے یعنی معنی عامل ہے، کیا عامل ہے؟ معنی عامل ہے، تو وہ لفظ نہیں ہے یعنی اس پر ہم تلفظ نہیں کرتے۔ تو کہتے ہیں مبتدا اور خبر دو ایسے اسم ہیں مجردان عن العوامل اللفظیۃ جو خالی ہوتے ہیں عواملِ لفظیہ سے، «أَحَدُهُمَا مُسْنَدٌ إِلَيْهِ وَيُسَمَّى الْمُبْتَدَأَ»، ان دونوں میں سے ایک مسند الیہ ہوتا ہے اور اس کو مبتدا کہتے ہیں، «وَالثَّانِي مُسْنَدٌ بِهِ وَيُسَمَّى الْخَبَرَ»، اور دوسرا ان میں مسند بہ ہوتا ہے اور اسے خبر کہتے ہیں۔

بھائی دیکھیے، مبتدا جو ہوتا ہے نا مبتدا، اس کی طرف آپ خبر کا اسناد کرتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟ اسناد۔ مثلاً میں نے کہا: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، تو دیکھو زید ہے مبتدا اور «قَائِمٌ» ہے اس کی خبر، اور یہ خبر کا میں نے اسناد کیا ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ زید ایک آدمی کا نام ہے اور «قَائِمٌ» کا معنی کیا ہے؟ کھڑا ہوا جو بھی ہے، تو وہ زید اکیلا زید کہیں، دوسرے کو بات کہے گا بھائی کیا بات کرنا چاہتے ہو، آپ بات پوری تو کریں، میں بار بار زید کہتا رہوں، کچھ آپ کو پتہ چلے گا میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟ نہیں۔ اکیلا میں قائمٌ کہتا رہوں، آپ کو نہیں پتہ چلے گا۔ لیکن جب ان دونوں کو آپ جوڑ دیں گے، «زَيْدٌ قَائِمٌ»، اب آپ کو پتہ چل گیا کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں کہ زید کھڑا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو دونوں کو آپ جوڑ دیتے ہیں، یہ ہے آپ درمیان میں اسناد لے آئے۔ کیا لے آئے؟ اسناد لے آئے، تو یہ اصطلاح میں اس کو پھر اسناد کہتے ہیں، یہ جو دونوں کو آپس میں ربط دے دیتے ہیں، جوڑ دیتے ہیں۔ جیسے دیکھو بھائی، میاں بیوی ہیں، خاوند پہلے ایک لڑکا تھا اور بیوی ایک لڑکی تھی، لیکن یہ میاں بیوی ان کو کوئی نہیں کہتا تھا شادی سے پہلے، لیکن جب دونوں نے آپس میں نکاح کر لیا، اب عقد آگیا یعنی درمیان میں، اب ان میں ربط آگیا، عقد آگیا، اب یہ کہلائے گا اس لڑکی کا خاوند اور یہ لڑکی کہلائے گی اس کی بیوی، تو دونوں میں ربط آگیا۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح مبتدا اور خبر آپس میں جڑ جاتے ہیں، ان میں ربط آجاتا ہے، جب ربط آجاتا ہے تو ایک کہلاتا ہے مبتدا اور دوسرا کیا کہلاتا ہے؟ خبر کہلاتا ہے، صورت سمجھ میں آگئی۔

یا جیسے استاد شاگرد ہے، استاد ایک انسان ہے، شاگرد بھی ایک انسان ہے، لیکن ویسے دو آدمی ہوں تو ان کو استاد شاگرد کوئی نہیں کہتا، لیکن جب استاد کے پاس وہ شاگرد، طالبِ علم اس کے پاس پڑھتا ہے تو دونوں میں ایک تعلق اور ربط آگیا یا نہیں آگیا؟ اب وہ استاد کہلاتا ہے اور دوسرا کیا کہلاتا ہے؟ شاگرد۔ تو یہ ربط، اسی طرح دو لفظ تھے، ایک زید لفظ تھا، ایک قائمٌ تھا، اس کو کوئی بھی مبتدا خبر نہیں کہتا، لیکن جب دونوں آپس میں جڑ گئے، جڑ گئے یعنی آپ نے جو قائمٌ کہا یہ ہر ایک کا قائم ہونا، کھڑا ہونا مراد نہیں ہے، کس کا کھڑا ہونا مراد ہے؟ زید کا، ان میں ربط آگیا تو اب کیا کہلائیں گے؟ مبتدا اور خبر۔ تو اس کو اصطلاح میں کہتے ہیں اسناد آگیا، ان کے درمیان کیا آگیا؟ اسناد، یعنی یہ خبر کا اسناد کر دیا کس کی طرف؟ مبتدا کی طرف، یعنی اس پر حکم لگا دیا، کیا لگا دیا؟ اس پر آپ نے حکم لگا دیا، آسان لفظوں میں یوں کہو، آسان لفظوں میں: مبتدا وہ ہوتا ہے جس کے بارے میں بات کی جائے جملہ اسمیہ کے اندر۔

ایک جملہ فعلیہ ہے، ایک جملہ اسمیہ ہے۔ جملہ اسمیہ کی ہم بات کر رہے ہیں، مبتدا خبر کی بحث چل رہی ہے۔ مبتدا وہ ہوتا ہے جس کے بارے میں بات کی جائے، اور جو بات ہوتی ہے وہ خبر کہلاتی ہے۔ اب آپ اردو میں بھی آسانی سے کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا: زید مر گیا ہے، کس کے بارے میں بات کی؟ زید کے بارے میں، وہ ہوا مبتدا، اور کیا بات کی؟ مر گیا ہے، یہ ہوئی اس کی خبر۔ میں کہتا ہوں: زید کھڑا ہے، کس کے بارے میں بات کی؟ زید کے بارے میں، اور کیا بات کی؟ وہ کھڑا ہے، یہ خبر ہو گئی۔ یہ اسی طرح اور مثال لے لیں: میں آج گھر گیا، کس کے بارے میں بات کی میں نے؟ اپنے بارے میں، تو میں کیا ہوا؟ مبتدا، اور آگے بات کیا کی؟ گھر جانے کی، وہ کیا ہوئی؟ خبر ہوئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مبتدا کسے کہتے ہیں؟ جس کے بارے میں بات کی جائے، اور جو بات کی جائے وہ کیا ہوتی ہے؟ خبر ہوتی ہے۔

یوں کہیں، جو بات کی گئی ہے، میں نے مثلاً کہا: زید گھر چلا گیا۔ اب گھر جانا یہ عمرو کا بھی فعل ہو سکتا تھا، یہ عمرو بھی کر سکتا تھا، بکر بھی کر سکتا ہے، خالد بھی

کر سکتا ہے، لیکن یہ گھر جانے کی بات جو میں کر رہا ہوں یہ ان کے بارے میں کر رہا ہوں یا صرف زید کے بارے میں؟ صرف میں زید کے بارے میں کر رہا ہوں، تو یوں کہیں گے گویا میں نے زید پر یہ حکم لگا دیا ہے، کیا حکم لگایا کہ وہ گھر چلا گیا۔ تو یہی جو بات کی جاتی ہے کسی کے بارے میں، یہ خبر ہوتی ہے اور یوں کہتے ہیں کہ اس چیز کا اس بات کا اس پر حکم لگا دیا گیا ہے، کیا کہتے ہیں؟ اس پر حکم لگا دیا گیا، بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو یہ آسان بس اصطلاحی الفاظ ہیں، نحو میں یہ آپ کو بتائیں گے کہ اس پر حکم لگایا گیا، کیا معنی حکم لگایا گیا ہے؟ یعنی اس کے بارے میں بات کی گئی ہے، یہ بات اس سے متعلق ہے، کسی اور سے متعلق نہیں ہے، یہ اس کے بارے میں کی گئی ہے۔

اچھا تو جس کے بارے میں بات کی وہ ہوا مبتدا، اور جو بات کی وہ کیا ہے؟ خبر ہے۔ گویا وہ بات کا آپ نے حکم لگا دیا ہے کس پر؟ مبتدا پر، کس پر لگایا ہے؟ مبتدا پر حکم لگایا۔ تو یہ جو حکم لگایا، یہ جو بات کی آپ نے اس شخص کے بارے میں، تو یہ کہیں گے کہ اس کا آپ نے اسناد کر دیا ہے اس کی طرف، کیا کر دیا ہے؟ «زَيْدٌ قَائِمٌ»، یہ «قَائِمٌ» کا کیا کر دیا ہے؟ اسناد کر دیا ان میں ربط آ گیا۔ تو جس کا اسناد کیا گیا ہے وہ ہے مسند بہ، اسے کیا کہتے ہیں؟ مسند بہ کہتے ہیں یا صرف مسند بھی بول دیتے ہیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو وہ مسند، اور جس کے بارے میں بات کی گئی وہ ہوا مسند الیہ، اس کی طرف اسناد کیا گیا، اس پر یہ حکم لگایا گیا ہے کسی اور کے بارے میں نہیں، تو وہ ہوا مسند الیہ، اور جو بات کی گئی وہ ہے مسند بہ بھائی یا مسند کہہ لیں۔ تو مبتدا کیا ہو گا؟ مسند الیہ، اور خبر کیا ہو گی؟ مسند ہو گی۔

تو کہتے ہیں مبتدا اور خبر وہ دو ایسے اسم ہیں جو خالی ہوتے ہیں عوامل لفظیہ سے، عوامل لفظیہ سے خالی ہونے کا کیا معنی؟ کہ ان میں کوئی لفظ عامل نہیں ہوتا۔ آپ سے کوئی پوچھے مبتدا مرفوع ہے، کس نے عمل کیا؟ تو وہاں کوئی اور لفظ ہے ہی نہیں جس کے بارے میں آپ کہیں اس نے عمل کیا، وہاں تو صرف مبتدا ہے اور کون ہے؟ خبر ہے۔ کوئی اور لفظ ہے ہی نہیں، تو کہیں گے کہ ان میں عامل لفظ کوئی نہیں ہے بلکہ ان میں عامل معنی ہے یا یوں کہیں ایک معنوی چیز ہے۔ تو کہتے ہیں یہ دونوں عوامل لفظیہ سے خالی ہوتے ہیں، جب عامل معنوی ہوا تو لفظی عامل سے یہ کیا ہو گئے دونوں؟ خالی ہیں، وہ نہیں ہیں ان میں۔ «أَحَدُهُمَا مُسْنَدٌ إِلَيْهِ وَيُسَمَّى الْمُبْتَدَأَ»، ان دونوں میں سے ایک مسند الیہ ہوتا ہے اور اس کو مبتدا کہتے ہیں۔ عبارت پہ نظر ہے بھائی؟ میں نے گزشتہ سبق میں آپ کو بتایا تھا کہ سمّی دو مفعول چاہتا ہے: «سَمَّيْتُ الطِّفْلَ زَيْدًا»، میں نے نام رکھا، دیکھو فاعل تو آ گیا، کس کا نام رکھا؟ «الطِّفْلَ»، اس بچے کا، کیا نام رکھا؟ ایک اور مفعول چاہیے: «زَيْدًا»، میں نے اس بچے کا نام زید رکھا، تو «سَمَّيْتُ الطِّفْلَ زَيْدًا»۔ ترکیب کیا ہو گی؟ «سَمَّيْتُ» فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، «الطِّفْلَ» منصوب لفظاً مفعولِ اول، اور «زَيْدًا» منصوب لفظاً مفعولِ ثانی۔ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ کیا ترجمہ ہوا «سَمَّيْتُ الطِّفْلَ زَيْدًا»؟ میں نے نام رکھا اس بچے کا زید۔

تو معلوم ہوا دیکھا، سمّی کتنے مفعول چاہتا ہے؟ دو مفعول چاہتا ہے۔ اور پھر اسی کو جب مجہول استعمال کرتے ہیں تو مجہول میں فعلِ مجہول جب لایا جائے تو ایک مفعول کو کیا بنا دیتے ہیں؟ نائب الفاعل، لہٰذا «وَيُسَمَّى الْمُبْتَدَأَ»، مبتدا پر نصب پڑھنا ہے آپ نے، اور «يُسَمَّى» کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے جو اس کا نائب الفاعل ہے، کیا ہے؟ نائب الفاعل، اور وہ پہلے کیا تھا؟ مفعول تھا، وہ مفعولِ اول تھا اور یہ «الْمُبْتَدَأَ» کیا تھا؟ مفعولِ ثانی تھا، لیکن پھر فاعل کو حذف کر کے اس پہلے مفعول کو نائب الفاعل بنا دیا، اور یہ ضمیر راجع ہے مسند الیہ کی طرف۔ «وَيُسَمَّى»، اور وہ جو مسند الیہ ہے اس کو کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ مبتدا۔ ترجمہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟ ترکیب بھی سمجھ میں آ گئی؟ تو کیا ترکیب ہو گی؟ «وَيُسَمَّى الْمُبْتَدَأَ»، «يُسَمَّى» فعلِ مجہول، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً نائب الفاعل، فعلِ مجہول ہے نا اس کے لیے فاعل نہیں بلکہ کیا چاہیے؟ نائب الفاعل۔ اور «الْمُبْتَدَأَ» مفعول، فعلِ مجہول اپنے نائب الفاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ اور کہتے ہیں اسے، کیا کہتے ہیں؟ مبتدا۔ ترکیب اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

■ قولہ: «وَيُسَمَّى الْمُبْتَدَأَ» کی تشریح

«وَيُسَمَّى الْمُبْتَدَأَ»، اور اسے مبتدا کہتے ہیں، «وَالثَّانِي مُسْنَدٌ بِهِ وَيُسَمَّى الْخَبَرَ»، اور دوسرا ان میں سے مسند بہ ہوتا ہے یعنی اس کا اسناد کیا جاتا ہے، مسند الیہ جس کی طرف اسناد کیا جائے، جس کی بات کی جائے، اور مسند بہ وہ چیز وہ لفظ جس کا اسناد کیا گیا یعنی وہ بات جو بات کی گئی، تو وہ مسند بہ ہے، «وَيُسَمَّى الْخَبَرَ»، اور اسے خبر کہتے ہیں، نحو: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، جیسے «زَيْدٌ قَائِمٌ»۔ ترکیب کیجیے بھائی: اعراب بھائی، ہم عبارت حل کر رہے ہیں، آپ نے اعراب سب سے ضروری ہے، اعراب بتاتے جانا ہے: «زَيْدٌ»، سننے سے پتہ چل رہا ہے یا نہیں میں پیش پڑھ رہا ہوں، معلوم ہوا رفع کس قسم کا ہے، لفظاً ہے کہ تقدیراً ہے؟ لفظاً ہے: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ اب مجھے آپ بتائیے، مرفوع کیوں کہہ رہے ہو بھائی اس کو؟ مبتدا ہے، اچھا لفظاً کیوں کہہ رہے ہو؟ اس کے رفع پر، اس کے اعراب پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ ہاں رفع پر، اس کے اعراب پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، رفع پر تلفظ کر کے دکھاؤ: «زَيْدٌ»،

اگر اسی پہ نصب ہوتا تو نصب پہ تلفظ کرو: «زَيْدًا»، اور جر پہ: «زَيْدٍ»، معلوم ہوا اس کا اعراب تینوں حالتوں میں لفظی ہوتا ہے یعنی اس پر تلفظ ہوتا ہے۔ تو «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ آگے چلیے، ترکیب کیجیے: «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً خبر۔ اچھا مرفوع کیوں؟ خبر ہے، اور ہم نے پڑھا کہ خبر بھی مرفوعات میں سے ہے۔ اچھا لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں یعنی سننے سے ہی پتہ چل رہا ہے رفع کا: «قَائِمٌ»، نصب ہوتا تو «قَائِمًا»، اور جر ہوتا تو «قَائِمٍ»، تو مرفوع لفظاً۔

اچھا اور بھائی یہ صفت کا صیغہ آیا، میں نے آپ کو پہلے بتایا تھا کہ فعل جب بھی آجائے اس کے لیے ہمیشہ آپ نے فاعل یا نائب فاعل تلاش کرنا ہے، کبھی ایسا نہیں ہو سکتا فعلِ معروف یا فعلِ مجہول آجائے اور آگے اس کا فاعل یا نائب فاعل نہ آئے، وہ ہمیشہ آپ نے تلاش کرنا ہے۔ اور اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ اور صفت کے صیغے میں نے بتلائے کون کون سے ہیں: اسمِ فاعل ہے، اسمِ مفعول ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسمِ تفضیل ہے اور مبالغے کے صیغے بھائی، تو یہ صفت کے صیغے، اور «قَائِمٌ» کون سا صفت کا صیغہ ہے؟ اسمِ فاعل۔ تو طلبہ عموماً اس کی ترکیب کرتے ہی نہیں حالانکہ وہ بہت ضروری ہے، تو اسمِ فاعل کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے ہوتا ہے۔ بھائی صفت کے جو صیغے میں نے بتائے نا اسمِ فاعل، یہ ترکیب کی باتیں میں بتا رہا ہوں، یہ آپ نے یاد رکھنی ہیں ایک ایک بات، اس کا ہم تکرار کریں گے، اور اب ترکیب اور زیادہ میں لے کر آؤں گا، آپ نے ترکیب کرنی ہے تاکہ ہدایت النحو ختم ہو تو آپ بہترین ترکیب کر سکیں بھائی، بہترین عبارت پڑھ سکیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

تو صفت کے صیغے جو ہیں ان میں سے اسمِ مفعول جو ہے یعنی مضروبٌ، مفتوحٌ وغیرہ وہ جو مخصوص صیغہ ہے، اس کے لیے نائب الفاعل چاہیے، باقیوں کے لیے فاعل چاہیے، یعنی اسمِ فاعل کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل، صفتِ مشبہ کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل، اسمِ تفضیل کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل، اور مبالغے کے صیغے کے لیے بھی فاعل چاہیے، عموماً فاعل ہی ہو گا بس آپ ابھی یہ یاد رکھیں، آگے تفصیل آپ جب آپ کی بنیاد صحیح بن گئی پھر آگے مزید باتیں آئیں گی وہ بھی آپ سمجھ سکیں گے۔ تو «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً، ترکیب یوں کریں گے: «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، ابھی اس کو خبر نہ بنائیے، اس کی ترکیب کر لیں، صیغہ اسمِ فاعل، اس میں فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، اور آگے کوئی لفظ آرہا ہے؟ نہیں، تو پھر کیا کریں گے؟ اسی کے اندر ضمیر ماننا پڑے گی، فاعل یا نائب فاعل تو ضرور چاہیے، فعل کے آگے فاعل یا نائب فاعل نہیں ہوتا تو پھر اسی میں کیا نکالتے ہیں؟ ضمیر نکالتے ہیں۔ تو «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر، کون سی ضمیر؟ «هُوَ» ضمیر، اعراب اس کا: مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ وہ فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے، محلاً کیوں کہہ رہے ہو؟ کیونکہ ضمیر ہے اور ضمیر مبنیات میں سے ہے۔

تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر اب اس کو کہیں گے شبہ جملہ، کیا ہوا؟ شبہ جملہ۔ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے ملتا ہے تو جملہ بنتا ہے، لیکن صفت کا صیغہ جب اپنے فاعل یا نائب فاعل سے ملتا ہے تو جملہ نہیں بنتا، مفرد کا مفرد ہی رہتا ہے، تو اس کو پھر کیا کہتے ہیں؟ شبہ جملہ، جملے جیسا ہے، جملہ نہیں۔ تو یہ شبہ جملہ ہوا، شبہ جملہ ہو کر یہ کیا ہوئی زید کی؟ خبر۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اچھی طرح ترکیب سمجھ میں آگئی بھائی؟ اچھا یہ ترکیب اب ہم کرتے جائیں گے تو آپ نے سب چیزوں کو یاد رکھنا ہے ان شاء اللہ، بہت آسان ہے، بہت آسان بھائی۔

اب مجھے بتائیے: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، کس کے بارے میں بات کی؟ زید کے بارے میں، تو زید ہوا مبتدا، اور کیا بات کی؟ «قَائِمٌ»، معلوم ہوا یہ کیا ہوئی؟ خبر، اور کس کا اسناد کس کی طرف کیا؟ کھڑے ہونے کا، «قَائِمٌ» کا اسناد کیا زید کی طرف۔ تو جس کا اسناد کیا جائے وہ ہے مسند، اور جس کی طرف کیا گیا اسناد وہ ہے مسند الیہ، مسند الیہ اس کی طرف اسناد کیا گیا ہے، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ ترجمے سے بھی پتہ چل جاتا ہے۔

■ قولہ: «وَالْعَامِلُ فِيهِمَا مَعْنَوِيٌّ» کی تشریح

«وَالْعَامِلُ فِيهِمَا مَعْنَوِيٌّ»، اور عامل ان دونوں کے اندر معنوی ہوتا ہے یعنی مبتدا میں بھی اور خبر میں بھی، لفظ نہیں ہوتا۔ بھائی وہ عاملِ معنوی ان میں کیا چیز ہے؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ الِابْتِدَاءُ»، وہ ابتدا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ابتدا، وہ معنوی چیز جو اس مبتدا میں بھی عامل اور خبر میں بھی عامل ہے وہ ہے ابتدا۔ ابتدا کسے کہتے ہیں؟ آسان تعریف ہے بھائی یاد رکھو: ابتدا یہ ہے کہ اسم خالی ہو عاملِ لفظی سے اس طور پر، اس طریقے پر کہ اس کی طرف کسی کا اسناد ہو یا اس کا اسناد کسی کی طرف ہو، دو ہی صورتیں ہیں نا یا اس کی طرف اسناد ہو گا یا اس کا کیا ہو گا؟ اسناد ہو گا۔ تو ابتدا کسے کہتے ہیں؟ اسم کا عواملِ لفظیہ سے خالی ہونا اس طریقے پر کہ اس کی طرف کسی کا اسناد ہو یا اس کا اسناد کسی کی طرف ہو۔ یہ ہے ابتدا۔ دوبارہ دہرائیں، ابتدا کسے کہتے ہیں؟ اسم کا خالی ہونا عواملِ لفظیہ سے۔

تعریف اب صادق بھی کریں، دیکھیں: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، اس پہ ہم نے تعریف صادق کرنی ہے کہ ان میں عامل ابتدا ہے یا نہیں۔ زید، اس میں عاملِ لفظی ہے کوئی؟ نہیں، «قَائِمٌ» خبر ہے، اس میں کوئی عاملِ لفظی ہے؟ نہیں، تو یہ دیکھو یہ دونوں خالی ہیں کس سے؟ عاملِ لفظی سے۔ اس طور پر کہ اس کی طرف کیا ہے؟ اسناد، اس کی طرف اسناد ہو، کون آگیا؟ ان دونوں میں سے کس کی طرف اسناد ہے؟ زید کی طرف، دیکھا معلوم ہوا اس میں ابتدا عامل ہے۔ یا اس کا اسناد کسی کی طرف ہو، وہ کون ہے؟ «قَائِمٌ»، معلوم ہوا یہ خبر، اس کا اسناد ہو رہا ہے، تو معلوم ہوا اس میں بھی کون عامل؟ ابتدا۔ تو ابتدا کسے کہتے ہیں؟ اسم کا عواملِ لفظیہ سے خالی ہونا اس طریقے پر کہ اس کا اسناد کسی کی طرف ہو رہا ہو، معلوم ہوا یہ خبر آگئی، یا اس کی طرف کسی کا اسناد ہو اور وہ کون ہے؟ مبتدا، دونوں میں یہ ابتدا عامل ہے۔ تو یہ عوامل سے خالی ہونا۔

تو کہتے ہیں «وَالْعَامِلُ فِيهِمَا مَعْنَوِيٌّ»، اور عامل ان دونوں میں معنوی ہے، «وَهُوَ الِابْتِدَاءُ»، اور وہ ابتدا ہے، «وَأَصْلُ الْمُبْتَدَإِ أَنْ يَكُونَ مَعْرِفَةً وَأَصْلُ الْخَبَرِ أَنْ يَكُونَ نَكِرَةً»، اور اصل مبتدا کی یہ ہے کہ وہ معرفہ ہونا چاہیے اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونی چاہیے۔ مبتدا میں اصل کیا ہے، وہ کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ ہونا چاہیے۔ اصل، کیا معنی اصل؟ یعنی جو بہتر ہے اس میں اور جس کا دلیل تقاضا کر رہی ہو، اسے کہتے ہیں اصل۔ مبتدا میں اصل کیا ہے کہ اس کو کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ، یعنی مبتدا میں اصل ہے، کیا معنی اصل ہے؟ یعنی بہتر ہے اور دلیل اس کا تقاضا کرتی ہے کہ مبتدا کو کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ۔ اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ کیا ہونی چاہیے؟ نکرہ، کیا معنی اصل ہے؟ یعنی جو اس میں بہتر ہے، خبر میں بہتر ہے اور جس کا دلیل تقاضا کرتی ہے کہ خبر کو نکرہ ہونا چاہیے، اور دلیل تقاضا یہ کرتی ہے کہ مبتدا کو کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ، تو اس لیے انہوں نے کہا کہ مبتدا میں اصل کیا ہے معرفہ ہونا، اور خبر میں اصل کیا ہے نکرہ ہونا۔

معرفہ بھائی آپ پڑھ چکے کہ معرفہ پانچ چھ چیزیں ہیں بھائی، پانچ چھ چیزیں۔ نحو میر وغیرہ میں آپ نے پڑھی ہوں گی، کیا کیا ہیں؟ تمام ضمیریں ہیں، معرفہ ہیں، اسمائے اشارہ ہیں وہ بھی معرفہ ہیں، اور اسمائے موصولہ جو اسمِ موصول ہیں وہ بھی کیا ہیں؟ معرفہ، معرف باللام جس اسم پر الف لام آجائے وہ بھی کیا ہے؟ معرفہ، اور اسی طرح علم یعنی کسی کا نام ہو وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ معرفہ۔ اور ان پانچ جو ہوئے، اسمِ ضمیر، اسمِ اشارہ، اسمِ موصول، معرف باللام اور علم، ان کی طرف کوئی اسم مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ بن جاتا ہے۔ کتنے ہو گئے؟ چھ، اور ساتواں معرفہ نداسے، «يَا رَجُلُ»، یہ رجل پر جو یا حرفِ ندا داخل ہوا، رجل پر رجل دیکھو یہ ضمیر بھی نہیں، یہ اسمِ اشارہ بھی نہیں، یہ اسمِ موصول بھی نہیں، یہ کسی کا نام بھی نہیں، یہ ان پانچ میں سے کسی کی طرف مضاف بھی نہیں، لیکن پھر بھی جب اس پر یا حرفِ ندا داخل ہوا تو جیسے الف لام کی وجہ سے نکرہ کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ، اسی طرح یہ حرفِ ندا کی وجہ سے بھی وہ لفظ کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ تو یہ رجل کا لفظ «يَا رَجُلُ»، یہ رجل کا لفظ اس وقت کیا ہے؟ معرفہ، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ معرفہ ب النداء۔ یہ تو قسمیں آگے آئیں گی۔

تو اصل میں معرفہ کہتے ہیں جس کی آپ کو پہچان ہو، جو متعین ہو۔ آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا نام زید ہے، ایک ساتھی ہے اس کا نام عبد اللہ ہے، ایک ساتھی ہے اس کا نام بکر ہے، میں نے کہا زید میرے پاس آیا تھا، جیسے ہی میں نے کہا زید، آپ فوراً سمجھ گئے یا نہیں کون سا ساتھی مراد ہے؟ تو آپ کا ذہن فوراً زید کی طرف جائے گا، عبد اللہ یا خالد کی طرف نہیں جائے گا۔ تو معرفہ معرفت سے ہے، معرفت کسے کہتے ہیں؟ پہچان کو، تو جس کی آپ کو پہچان ہوتی ہے، جو متعین ہوتا ہے۔

تو مبتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہونا چاہیے یعنی اس کی پہچان ہو آپ کو۔ بھائی کیوں، کیا وجہ ہے؟ پہچان کیوں ہونی چاہیے؟ وجہ یہ کہ آگے خبر آنے والی ہے، کیا آنے والی ہے؟ خبر، اور خبر کو آسان لفظوں میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے کیا بتایا؟ بات۔ اس کے آگے بات کرنے لگے ہیں، تو اگر آپ کو مبتدا کا پتہ ہو گا تو اس کی بات کرنے سے سننے والے کو کسی چیز کا علم ہو سکے گا۔ مثلاً آپ کو زید کا پتہ ہے، اب میں کہتا ہوں کہ زید کل میرے گھر آیا تھا، اب آپ کو پتہ چل گیا یعنی کس کی بات ہو رہی ہے اور کیا بات ہو رہی ہے۔ مثلاً کئی غلام ہیں، ان میں سے ایک غلام بڑا محنتی ہے، میں نے آپ سے کہا: ایک غلام بڑا محنتی ہے، آپ کو پتہ چلا کس غلام کی میں نے بات کی؟ آپ کو پتہ ہی نہیں چلا۔ تو مبتدا جو ہوتا ہے نا وہ معرفہ ہونا چاہیے، اصل یہ ہے، اصل یہ ہے اس کا کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ ہونا چاہیے یعنی اس کی آپ کو پہچان ہونی چاہیے، کیونکہ آگے اس کی خبر آنے والی ہے یعنی اس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے، تو اگر آپ کو اس مبتدا کا پتہ ہی نہیں ہو گا تو بات کا فائدہ بھی آپ کو نہیں ہو گا، اور اگر آپ کو مبتدا کا پتہ ہو گا تو بات کا آپ کو فائدہ بھی حاصل ہو گا، ایک نئی بات معلوم ہو جائے گی۔ تو لہٰذا مبتدا میں اصل کیا ہے وہ کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ، اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونی چاہیے بھائی، نکرہ، کیونکہ وہ آپ دوسرے کو بتلانا چاہتے ہیں، اس کو پہلے اس کو پتہ نہ ہو بلکہ بعد میں اس کو پتہ چلے۔ چلیے باقی تفصیل تو کتابوں میں آگے آجائے گی، بس آسان سی بات یہاں صرف اتنی یاد رکھیں۔

تو مبتدا میں اصل کیا ہے کہ وہ کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ، اور خبر میں اصل کیا ہے کہ وہ کیا ہونی چاہیے؟ نکرہ۔ ایک اور اصل بھی یاد رکھیں: انہوں نے مبتدا کی

بھی ایک اصل آپ کو بتادی کہ وہ معرفہ ہونا چاہیے، خبر کی بھی ایک اصل بتادی کہ وہ نکرہ ہو، ایک اور اصل بھی یاد رکھیں: مبتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ مقدم ہونا چاہیے اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ مؤخر ہونی چاہیے، کیونکہ مبتدا کے بارے میں بات کرنی ہے تو وہ جس کے بارے میں بات کرنی ہے اس کو پہلے ذکر ہونا چاہیے اور پھر بات آگے بعد میں ذکر ہونی چاہیے۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟ تو مبتدا میں اصل کیا ہے معرفہ ہو اور نیز وہ مقدم ہو، اور خبر میں اصل کیا ہے کہ وہ نکرہ ہو اور مؤخر ہو بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَأَصْلُ الْمُبْتَدَإِ أَنْ يَكُونَ مَعْرِفَةً»، اور اصل مبتدا میں یہ ہے کہ وہ معرفہ ہونا چاہیے، «وَأَصْلُ الْخَبَرِ أَنْ يَكُونَ نَكِرَةً»، اور اصل خبر میں یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونی چاہیے۔

چلیے بس بھائی، اس وقت فی الحال صرف اتنا ہی رکھتے ہیں اس کو، اور کل سے آپ کے پاس کاپی بھی ساتھ ساتھ ہو بھائی، ترکیبیں ہم کریں گے، خوب ترکیبیں ساتھ چلائیں گے۔ مبتدا خبر، کیونکہ یہ تو ترکیب میں سب سے اہم ہیں، ہر جگہ ہی جملہ کبھی اسمیہ آتا ہے، جملہ فعلیہ آتا ہے، جملہ اسمیہ میں مبتدا خبر ہوتے ہیں، تو لہٰذا آپ کو ترکیب آنی چاہیے بھائی۔ مبتدا خبر کی ترکیب آپ کو اچھی طرح آجائے گی پھر آگے جو مبتدا کے بارے میں یہ مزید تفصیل بیان کریں گے وہ بھی آپ کو فائدہ ہو گا بھائی۔ کم از کم اتنا تو آپ کو پتہ چل گیا، کوئی آپ کو بتادے کسی لفظ کے بارے میں: یہ کیا ہے؟ مبتدا، دوسری بات فوراً آپ سمجھ جائیں گے کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے، صورت سمجھ میں آگئی۔

ہاں رفع کی صورتیں مختلف ہیں، وہ آپ نے وہ رفع کی صورتیں مختلف، کبھی وہ کس طرح ہوتا ہے؟ محلاً ہوتا ہے، کبھی تقدیراً اور کبھی لفظاً ہوتا ہے۔ محلاً کس میں ہوتا ہے؟ مبنیات میں، اور معرب کے اندر کبھی لفظاً ہوتا ہے اور کبھی تقدیراً ہوتا ہے۔ تقدیراً کہاں آئے گا، لفظاً کہاں آئے گا، وہ جو نحو میر میں سولہ قسمیں آپ نے پڑھی ہیں وہاں سے آپ کو پتہ چلے گا کہ غور کرنا پڑے گا یہ کون سی قسم ہے، اس پر کس طرح رفع آیا کرتا ہے۔ بعض میں تقدیراً رفع آتا ہے جیسے اسمِ مقصور ہے، جس کے آخر میں الفِ مقصورہ آئے، موسیٰ، عیسیٰ، اس پر آخر میں تو الف ہے، اس پر تو رفع لفظاً نہیں آسکتا تو رفع کیسے آئے گا؟ تقدیراً آئے گا۔ اور بعض اوقات رفع لفظاً آتا ہے کہ اس پر آپ باقاعدہ کیا کرتے ہیں؟ تلفظ، لیکن وہ تلفظ وہ بھی بعض اوقات وہ رفع پیش کی صورت میں آتا ہے: «زَيْدٌ»، سمجھ میں آیا؟ رفع ضمہ کی صورت میں آیا ہے: «زَيْدٌ»، اور کبھی رفع الف کے ساتھ آتا ہے اور وہ کس میں آتا ہے؟ تثنیہ وغیرہ میں، «جَاءَنِي رَجُلَانِ»، یہ رجلان الف کے ساتھ ہے معلوم ہوا یہ مرفوع ہے کیونکہ اس کا رفع ضمہ کے ساتھ نہیں آتا بلکہ کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ، اور بعض اوقات رفع جو ہے وہ واؤ کے ساتھ آتا ہے: «جَاءَنِي مُسْلِمُونَ»، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہ رفع کبھی ضمہ کی صورت میں آئے گا، کبھی الف کی صورت میں، اور کبھی واؤ کی صورت میں بھائی۔ چلیے کل سے ہم ان شاء اللہ اس میں اور مزید کل تو ترکیب ہی کریں گے ساری ان شاء اللہ تعالیٰ بھائی، ایک دو دن مبتدا خبر کی ترکیبیں کرلیں گے، آپ کو طریقہ آجائے گا پھر آگے چلیں گے ان شاء اللہ۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۰: مبتدا و خبر کے بنیادی ضوابط اور جملہ اسمیہ کی عملی ترکیب کا آغاز

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۰—بتاریخ: ۱۸ نومبر ۲۰۱۴ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ہم نے مبتدا اور خبر کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ آپ نے پڑھا کہ مبتدا اور خبر یہ دونوں بھی مرفوعات میں سے ہیں، یعنی ان دونوں پر بھی کون سا اعراب آئے گا؟ رفع کا اعراب آئے گا، رفع آئے گا بھئی۔

اور مبتدا اور خبر کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مبتدا اور خبر دو ایسے اسم ہیں جو عوامل لفظیہ سے خالی ہوتے ہیں، اور ان میں سے ایک مسند الیہ ہوتا ہے یعنی جس کی طرف اسناد کیا گیا ہو، اور ایک مسند بہ ہوتا ہے یعنی جس کا اسناد کیا گیا ہو۔ تو جس کی طرف اسناد کیا گیا ہو وہ مبتدا ہے، اور جس کا اسناد کیا گیا ہو وہ خبر ہے بھئی، وہ خبر ہے۔ جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ، تو زید کی طرف قائم کا اسناد ہو رہا ہے تو زید مبتدا ہے، اور قائم جو ہے اس کا اسناد ہو رہا ہے زید کی طرف تو یہ خبر ہے بھئی۔ تو ان دونوں پر کون سا اعراب آئے گا؟ رفع پڑھیں گے، رفع آئے گا بھئی۔

اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ آسان لفظوں میں یوں کہیے کہ جملہ اسمیہ کے اندر وہ جس کے بارے میں بات کی جائے اسے کہتے ہیں مبتدا، اور جو بات کی جائے اسے خبر کہتے ہیں، خبر کہتے ہیں۔ تو ورنہ تو مبتدا بھی ایک لفظ ہے، خبر بھی ایک لفظ ہے، اگر ان میں ربط نہیں تو دونوں الگ الگ لفظ ہیں جملہ پورا نہیں۔ لیکن جب ان دونوں کو آپ نے ربط دے دیا یعنی مبتدا پر وہ خبر والا حکم لگا دیا تو دونوں میں اسناد آ گیا، تو مبتدا اب کیا ہے؟ وہ مسند الیہ ہے اس کی طرف اسناد کیا گیا ہے، اور خبر مسند بہ ہے یعنی اس کا اسناد کیا گیا ہے۔ تو بس آپ نے آسان طریقے سے یوں پہچاننا ہے مبتدا اور خبر کو جملہ اسمیہ میں۔ میں جملہ اسمیہ کی بات کر رہا ہوں، جملہ فعلیہ کی بات نہیں، جملہ اسمیہ جس کا پہلا جز اسم ہوا کرتا ہے جبکہ جملہ فعلیہ جس کا پہلا جز کیا ہوتا ہے؟ فعل ہوا کرتا ہے۔

تو جملہ اسمیہ کے اندر وہ چیز جس کے بارے میں بات کی جائے وہ ہو گا مبتدا اور جو بات کی جائے وہ ہو گی خبر ہو گی بھئی۔

اور آپ نے پڑھا تھا کہ مبتدا اور خبر کے اندر عامل جو ہے وہ معنوی ہوتا ہے، یعنی کوئی لفظ نہیں ہوتا، آپ سے کوئی پوچھے کہ کون سا لفظ اس مبتدا میں یا اس خبر میں عامل ہے؟ تو آپ کہیں گے مبتدا اور خبر میں لفظ عامل نہیں ہوتا، ان میں عاملِ لفظی نہیں ہے بلکہ عاملِ معنوی ہے، ایک معنوی چیز ہے معنوی چیز بھئی، اور وہ کیا؟ وہ ابتداء ہے۔ اور ابتداء کے بارے میں آپ نے پڑھا: ابتداء کسے کہتے ہیں کہ اسم کا خالی ہونا عاملِ لفظی سے اس طور پر کہ اس کی طرف کسی کا اسناد ہو یا اس کا اسناد کسی کی طرف ہو، یہ کیا ہے؟ ابتداء۔ تو اب صرف مبتدا اور خبر رہ گئے ان میں ابتداء عامل ہے اور کسی کے اندر ابتداء عامل نہیں ہے۔

کیا تعریف پڑھی ابتداء کی؟ اسم کا خالی ہونا عاملِ لفظی سے اس طور پر کہ اس کی طرف کسی کا اسناد ہو، یہ تعریف کس پر صادق آئی؟ مبتدا، کہ وہ خالی۔ اور یا اس کا اسناد کسی کی طرف ہو رہا ہو، اسم کا خالی ہونا عاملِ لفظی سے اس طور پر کہ اس کا اسناد کسی کی طرف ہو رہا ہو تو یہ کس میں کون داخل ہوا؟ خبر داخل، اس کا اسناد کسی کی طرف ہو، بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

تو یہ ہے ابتداء۔ اور پھر آپ نے یہ بھی پڑھا تھا کہ مبتدا کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہونا چاہیے، معرفہ ہونا چاہیے، اور خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونی چاہیے۔ نیز اسی طرح مبتدا کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ مقدم ہو گا، اور خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ مؤخر ہو گی مؤخر ہو گی۔ مبتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو گا اس لیے کیونکہ معرفہ وہ ہے جو کسی معین اور معلوم ذات پر دلالت کرتا ہے یعنی جس کی آپ کو پہچان ہوتی ہے، پہچان ہوتی ہے۔ میں نے مثلاً آپ کا ایک ساتھی ہے زید، میں آپ سے کہتا ہوں کہ زید میرے پاس کل آیا تھا، آپ فوراً سمجھ گئے کہ کس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے؟ زید وہ جو ایک

متعین ساتھی ہے آپ کا اس کے بارے میں بات ہو رہی ہے۔ تو مبتدا متعین ہو گا، معرفہ ہو گا، پھر ہی اس پر آپ حکم لگائیں گے یعنی اس کی کوئی بات کریں گے تو دوسرے کو فائدہ حاصل ہو گا یعنی کوئی بات اس کو معلوم ہو گی، بات سمجھ میں آ گئی؟ اگر معرفہ نہیں ہے اس کی پہچان نہیں ہے تو پھر اس کو کوئی فائدہ بھی نہیں ہو گا۔

مثلاً میں کہتا ہوں: کوئی آدمی، کوئی آدمی کھڑا ہو گا۔ دیکھا؟ کوئی آدمی کھڑا ہو گا۔ اب کوئی آدمی کون ہے؟ کوئی تعین ہی نہیں ہے، تو اس بات کا فائدہ ہی نہیں، صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ یا میں کہتا ہوں: کوئی غلام محنتی ہے، اب اس بات کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ہاں میں کہتا ہوں: وہ غلام محنتی ہے، اب آپ کو فائدہ ہوا پتہ چل گیا وہ والا غلام کس قسم کا ہے؟ محنتی ہے۔ بات سمجھ میں آئی بھئی؟ متعین کے بارے میں بات ہو گی تو کلام کا فائدہ بھی ہو گا۔

تو معلوم ہوا مبتدا میں اصل کیا ہے؟ معرفہ ہونا چاہیے، اس کی پہچان ہونی چاہیے، جب میں نے کہا وہ غلام دیکھو اس کی طرف اشارہ کر دیا تو آپ کو پہچان ہو گئی کہ اس آدمی کی بات ہو رہی ہے، اس غلام کی بات ہو رہی ہے کہ یہ کیا ہے؟ محنتی ہے۔ تو لہٰذا مبتدا کا معرفہ ہونا ضروری، مبتدا کو معرفہ ہونا چاہیے پھر ہی کلام کا فائدہ ہو گا بھئی۔ لہٰذا اسی لیے مبتدا کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہونا چاہیے، اور خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونی چاہیے کیونکہ وہ خبر کسے کہتے ہیں؟ وہ جو بات آپ کر رہے ہیں، وہ بات نکرہ ہو یعنی جس کی پہچان نہ ہو، جس کا دوسرے کو پتہ نہ ہو، اگر پتہ نہیں ہے تو پھر ہی کلام کا کیا ہو گا؟ فائدہ ہو گا، آسان لفظوں میں آپ کو سمجھانے کے لیے تعبیر کر رہا ہوں بھئی۔

اور اسی طرح مبتدا جو ہے اصل اس کے اندر یہ ہے کہ وہ مقدم ہو اور خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ مؤخر ہو، اس لیے کیونکہ جب مثلاً میں نے کہا کہ زید کھڑا ہے، زید کھڑا ہے تو زید ہے مبتدا اور کھڑا ہے اس کی خبر ہے، تو مبتدا یاد رکھیے یہ موصوف کے درجے میں ہوتا ہے، بھئی میں نے زید کی ایک صفت اور وصف آپ کے سامنے بیان کیا یا نہیں کیا کہ زید کیا ہے؟ کھڑا ہے یعنی وہ قیام کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے۔ تو مبتدا موصوف کے درجے میں ہوتا ہے اور خبر جو ہوتی ہے وہ اس کی صفت کے درجے میں ہوتی ہے، اور موصوف مقدم ہوتا ہے اور صفت مؤخر ہوتی ہے، اس لیے مبتدا میں اصل یہ ہے کہ اس کو مقدم ہونا چاہیے اور خبر میں اصل یہ ہے کہ مؤخر ہونی چاہیے۔

تو اب آگے ہم بھئی ترکیب کو بھی ساتھ ساتھ چلائیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے لیے ترکیب بہت آسان ہو جائے گی اور آپ کی ترکیب کی بنیاد بن جائے گی اور بہت سی ایسی رائج غلطیاں جو طلباء کے اندر ہیں ان کا آپ کو علم ہو جائے گا ان سے آپ بچ جائیں گے بھئی۔

تو ترکیب میں بھئی یاد رکھیے ابھی آپ نے پڑھ لیا کہ مبتدا کیا ہے؟ معرفہ ہو گا۔ مبتدا میں اصل کیا ہے کہ وہ معرفہ ہونا چاہیے اور خبر میں اصل کیا ہے کہ وہ نکرہ ہونی چاہیے، تو لہٰذا اب آپ کو معرفہ اور نکرہ کی پہچان ہونی چاہیے، پھر ہی ترکیب آپ جلدی کر سکیں گے، آسانی سے سیکھ سکیں گے۔ اور معرفہ آپ پڑھ چکے کل بھی میں نے آپ کو بتلایا تھا، معرفہ کل کتنے ہیں؟ سات ہیں: تمام ضمیریں ہیں، اسمائے اشارہ ہیں، اسمائے موصولہ ہیں، اور علم ہے کسی کا نام جو ہوتا ہے، اسی طرح معرف باللام ہے جس پر الف لام آ جائے، یا ان پانچ میں سے کسی کی طرف جو مضاف ہو مثلاً غُلَامُهُ دیکھو ہا ضمیر کی طرف غلام کا لفظ مضاف ہے، غلام تو خود نکرہ ہے لیکن جب ہا ضمیر کی طرف مضاف ہوا اب کیا بن گیا؟ معرفہ۔ یا اسی طرح غُلَامُ هٰذَا جب هٰذَا اسم اشارہ کی طرف مضاف ہوا تو اسم اشارہ تو معرفہ تھا تو غلام کا لفظ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ۔ یا غُلَامُ الَّذِي ضَرَبَكَ دیکھو الذی کی طرف غلام کا لفظ مضاف ہوا اور الذی تو اسم موصول ہے معرفہ ہے تو غلام کا لفظ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ۔ یا مثلاً میں کہتا ہوں غُلَامُ الرَّجُلِ اس آدمی کا غلام، اب یہ دیکھو یہ بھی متعین ہوا، صورت سمجھ میں آ رہی ہے بھئی؟ یا غُلَامُ زَيْدٍ میں کہتا ہوں زید کا غلام، تو دیکھو ویسے میں نے غلام کہا، نہ یہ ضمیر ہے، نہ یہ اسم اشارہ ہے، نہ یہ اسم موصول ہے، نہ یہ کسی کا نام ہے، نہ یہ نہ اس پر الف لام داخل ہے، نہ یہ ان میں سے کسی کی طرف مضاف ہے تو یہ نکرہ ہے۔ تو نکرہ کو اس طرح آپ نے پہچاننا ہے کہ آپ دیکھ لیں یہ ضمیر تو نہیں، یہ اسم اشارہ تو نہیں، یہ اسم موصول تو نہیں، اس پر الف لام تو نہیں داخل، اور یہ کسی کا نام تو نہیں، تو یہ آپ سمجھ جائیں کہ یہ کیا ہے؟ نکرہ ہے بھئی نکرہ ہے۔

اور نکرہ وہ ہے جو کسی غیر معین ذات پر دلالت کرتا ہے یعنی جو متعین نہیں ہوتی، آسان لفظوں میں جس کی آپ کو پہچان نہیں ہوتی بھئی، جبکہ معرفہ وہ ہے جو کسی معین ذات پر دلالت کرتا ہے یعنی جس کی آپ کو پہچان ہوتی ہے۔ مثلاً میں نے کہا: اَلرَّجُلُ، وہ آدمی، کسی متعین آدمی کی طرف اشارہ کیا، آپ سمجھ گئے کہ نہیں سمجھے کہ کس کی بات کرنے لگا ہوں؟ آپ سمجھ گئے کیونکہ متعین تھا، آپ کو معلوم تھا بھئی۔ یا مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: زَيْدٌ، وہ زید آپ کے ایک ساتھی کا نام ہے، آپ فوراً سمجھ گئے کہ یہ کس کے بارے میں بات ہو رہی ہے؟ زید کے بارے میں ہو رہی ہے، آپ کے جو دوسرے ساتھی ہیں عبد اللہ، بکر، خالد وغیرہ ان کے بارے میں بات نہیں ہو رہی۔ اسی طرح جب میں کہتا ہوں: هُوَ، هُو ضمیر کسی متعین کی طرف لوٹے گی، آپ فوراً سمجھ گئے کہ هُو سے کون مراد ہے، کس کی بات کی جا رہی ہے۔ یا اسم اشارہ ہے میں کہتا ہوں: هٰذَا، ایک چیز کی طرف میں نے اشارہ کر دیا، آپ فوراً سمجھ گئے کہ اس کی بات ہونے لگی ہے

کسی دوسری چیز کی بات نہیں ہو رہی بھئی۔ یا اسم موصول ہے: اَلَّذِي ضَرَبَكَ، وہ آدمی جس نے آپ کی پٹائی کی تھی، جَاءَنِي وہ میرے پاس آیا، تو جب میں نے کہا الذی ضربک، وہ آدمی جس نے آپ کی پٹائی کی تھی، آپ فوراً سمجھ گئے کہ کس آدمی کی بات ہو رہی ہے۔ تفصیل سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو معرفہ کسے کہتے ہیں جس کی جو جس کی پہچان ہوتی ہے سننے والے کو اور وہ متعین ہوتا ہے بھئی، جبکہ نکرہ وہ ہے جو متعین نہیں ہوتا، غیر متعین پر دلالت کرتا ہے غیر متعین پر۔

لہٰذا اب آپ کو ترکیب آگے آپ نے سیکھنی ہے تو معرفہ اور نکرہ کی آپ کو پہچان ہونی چاہیے: معرفہ، معرفہ کتنے ہیں کل؟ سات ہیں۔ کون کون سے ہیں؟ ضمیریں ہیں، اسمائے اشارہ ہیں، اسمائے موصولہ ہیں، معرف باللام ہے یعنی جس پر الف لام آ جائے، اور علم ہے کسی کا نام ہو، یا ان کی طرف کوئی لفظ کوئی نکرہ کیا ہو رہا ہو؟ مضاف ہو وہ بھی معرفہ، اور اسی طرح ایک معرفہ بالنداء ہے وہ نکرہ جس پر کیا داخل ہو جائے؟ حرفِ نداء، تو جیسے الف لام کی وجہ سے کوئی لفظ معرفہ بن جاتا ہے یا حرفِ نداء کی وجہ سے بھی وہ معرفہ بن جاتا ہے، لیکن وہ وہ ہماری اس وقت بحث سے خارج ہے اس کو ہم نہیں ذکر کریں گے کیونکہ یہاں مبتدا اور خبر کی بحث کر رہے ہیں تو وہ جس پر حرفِ نداء داخل ہو وہ منادیٰ ہوتا ہے وہ مبتدا یا خبر نہیں بنتا بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو یہ معرفہ کی قسمیں اب ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونی چاہئیں، اور نیز آپ کو میں نے بتایا تھا کہ یہ جو اعراب ہوتا ہے رفع ہو، نصب ہو یا جر، یہ محلاً بھی ہو سکتا ہے، یہ لفظاً بھی ہو سکتا ہے اور تقدیراً بھی ہو سکتا ہے۔ محلاً کس کے اندر آئے گا؟ مبنی میں، مبنی میں، اور لفظاً اور تقدیراً کس کے اندر اعراب آئے گا؟ معرب کے اندر۔ تو لہٰذا اب آپ کو مبنی کی بھی پہچان ہونی چاہیے، پھر ہی ترکیب کا فائدہ آپ کو ہو گا۔ اور مبنیات آگے چل کر صاحبِ ہدایۃ النحو بھی آپ کو بتلائیں گے کہ مبنیات جو ہیں وہ آٹھ ہیں لیکن یاد رکھیے تین عام استعمال ہوتے ہیں ان میں سے، وہ تو ابھی سے آپ کو معلوم ہونے چاہئیں، آگے وہ آٹھ بھی ذکر ہو جائیں گے کون کون سے آٹھ ہیں مبنیات، لیکن کم از کم تین وہ تو ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونے چاہئیں اور وہ وہی ہیں جو پہلے تین معرفہ میں گزرے: تمام ضمیریں مبنیات ہیں، اسمائے اشارہ مبنی ہیں اور اسمائے موصولہ یہ کیا ہیں؟ مبنی ہیں۔ ضمیریں جانتے ہو یا نہیں جانتے؟ آپ پڑھ چکے ہیں بھئی ان کے بارے میں: هُوَ، هُمَا، هُمْ وغیرہ۔ اور اسمائے اشارہ: هٰذَا، هٰذَانِ، تِلْكَ وغیرہ بھئی، یہ کیا ہیں؟ اسمائے اشارہ: أُولَئِكَ، هَؤُلَاءِ یہ سب اسمائے اشارہ ہیں بھئی اور یہ بھی ان کا اعراب آپ نے محلاً بتانا ہے۔ اور اسمائے موصولہ: اَلَّذِي، اَللَّذَانِ، اسی طرح اَلَّتِي، اَللَّتَانِ وغیرہ، یہ سب کیا ہیں؟ اسمائے موصولہ۔ یہ آ جائیں تو ان کا اعراب آپ نے کس طرح بتانا ہے؟ محلاً، یعنی یہاں لفظاً یا تقدیراً اعراب نہیں ہو گا، لفظوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

تو معلوم ہوا خلاصہ یہ کہ جملہ اسمیہ ہو آپ کے پاس اور جملہ اسمیہ تو اس کے دو جز ہوں گے: ایک مبتدا ہو گا اور ایک خبر، مبتدا اور خبر۔ یاد رکھیے جملہ اسمیہ چاہے اس جملے میں دس لفظ ہوں چاہے بیس لفظ ہوں، مل ملا کر دو حصے بن جائیں گے: ایک مبتدا اور ایک خبر۔ کچھ لفظ مبتدا کی طرف ہو جائیں گے اور کچھ کس کی طرف ہو جائیں گے؟ خبر کی طرف، تو بالآخر جب ان کو ملا لیں گے آپ تو دو ہی حصے بنیں گے: ایک کیا کہلائے گا؟ مبتدا، اور دوسرا کیا کہلائے گا؟ خبر کہلائے گا بھئی۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی؟ جملہ اسمیہ میں کتنے حصے بنیں گے؟ دو: نمبر ایک مبتدا، نمبر دو خبر۔ مبتدا جس کے بارے میں بات کی جائے اور خبر وہ جو بات کی جائے بھئی۔

لہٰذا آپ کے پاس دو اسم ہیں اور ان دو اسموں سے پورا جملہ بن رہا ہے، اور ان میں سے ایک معرفہ ہے اور ایک نکرہ ہے تو یاد رکھو ابھی آپ نے پڑھا: مبتدا میں اصل کیا ہے؟ معرفہ ہونا، اور خبر میں اصل کیا ہے؟ نکرہ ہونا۔ تو دو اسم ہیں آپ کے پاس، ان دونوں سے پورا جملہ بن رہا ہے بات پوری ہو رہی ہے تو جو معرفہ ہے اس کو بناؤ مبتدا اور جو نکرہ ہے اس کو بناؤ خبر۔ جیسے مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں، لکھیے بھئی ترکیب کیجیے بھئی کاپی پر، کاپیاں آپ کے پاس ہوں اور یہ مثالیں ساتھ ساتھ حل کرتے جائیں بھئی:

اَللّٰهُ أَحَدٌ

دیکھیے، اب پہلے مجھے یہ بتائیے یہ پورا جملہ ہے یا جملہ نہیں؟ اس کا ذرا معنی کرو، ترجمہ کرو: اللہ ایک ہے، دیکھو بات پوری ہے کہ پوری نہیں؟ پوری ہے، معلوم ہوا یہ جملہ ہے۔ اور یہاں کوئی فعل آیا؟ نہیں، بلکہ شروع میں اسم ہے، معلوم ہوا یہ کون سا جملہ ہے؟ جملہ اسمیہ ہے۔ اور میں نے آپ کو بتایا جملہ اسمیہ ہو اور آپ کو پتہ چل جائے کہ پورا جملہ ہے اور دو لفظ ہوں، ایک معرفہ ہو ایک نکرہ ہو تو معرفہ کو کیا بناؤ؟ مبتدا، اور نکرہ کو کیا بناؤ؟ خبر۔ اب بتائیے لفظِ اللہ یہ معرفہ ہے کہ نکرہ ہے؟ معرفہ ہے، کیونکہ یہ علم ہے، نام ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کا بھئی، تو یہ معرفہ ہوا۔ اور اَحَدٌ کے بارے میں بتاؤ، یہ معرفہ ہے کہ نکرہ ہے؟ یہ ضمیر ہے؟ غور کرو ذرا، ضمیر ہے؟ هُوَ، هُمَا، هُمْ میں سے کچھ ہے؟ نہیں، پھر غور کرو یہ اسم اشارہ تو نہیں؟ هٰذَا، هٰذَانِ وغیرہ بھئی، یہ اسم اشارہ بھی نہیں ہے۔ اچھا اسم موصول ہو گا؟ اَلَّذِي، اَلَّتِي وغیرہ، یہ وہ بھی نہیں ہے۔ اَحَدٌ یہ کسی کا نام ہے؟ نام بھی نہیں۔ اچھا اس پر الف لام داخل ہے؟ الف لام بھی

داخل نہیں۔ اچھا یہ آگے کسی معرفہ کی طرف مضاف تو نہیں ہو رہا؟ اس کے بعد کوئی ضمیر یا اسم اشارہ یا اسم موصول یا علم یا معرف باللام تو نہیں آ رہا؟ تو یہ ان میں سے کسی کی طرف مضاف بھی نہیں، آگے کوئی مضاف الیہ آ رہا ہے؟ نہیں آ رہا، تو یہ ان میں سے کسی کی طرف مضاف بھی نہیں ہے، تو معلوم ہوا یہ نکرہ ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لفظ کے بارے میں کیا غور کریں کہ یہ ضمیر تو نہیں، یہ اسم اشارہ تو نہیں، یہ اسم موصول تو نہیں، یہ علم تو نہیں، یہ معرف باللام تو نہیں ہے، یا اس کے آگے تو کوئی معرفہ نہیں آ رہا اس کے ساتھ جڑا ہوا جو مضاف الیہ بن رہا ہو اس کے لیے؟ تو سمجھ جائیں پھر یہ کیا ہے؟ نکرہ ہے۔

اب ہمارے پاس دو لفظ ہیں: ایک لفظ ہے معرفہ اور ایک ہے نکرہ، اور آپ نے ابھی بتایا اس کا کیا معنی ہے؟ اللہ ایک ہے، معلوم ہوا جملہ پورا ہے، بات پوری ہے، اور پہلا جز کیا ہے؟ اسم ہے، اسم ہے تو معلوم ہوا اب ان میں سے ایک کو مبتدا بنائیں گے اور ایک کو کیا بنائیں گے؟ خبر، کیونکہ جملہ اسمیہ تبھی پورا ہوتا ہے جب مبتدا بھی موجود ہو اور خبر بھی موجود ہو۔ اب آپ غور کریں اس کے اندر جو معرفہ ہو اس کو بنا دیں مبتدا اور جو نکرہ ہو اس کو کیا بنا دیں؟ خبر، تو کس کو مبتدا بنائیں گے؟ لفظِ اللہ کو، اور خبر کسے بنائیں گے؟ اَحَدٌ کو۔ اچھا اب ترکیب کر کے مجھے بتائیے بھئی، ترکیب کیجیے بھئی:

لفظِ اللہ: مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش! لفظِ اللہ مرفوع لفظاً مبتدا۔ آپ نے تین چیزیں کہیں: مرفوع، لفظاً، مبتدا۔ تینوں کا مجھے جواب دینا ہے آپ نے کیوں کہا، بغیر سوچے نہیں بولنا، آپ نے بتانا ہے وجہ بتانی ہو گی آپ جو کچھ کہیں گے۔ پہلے آپ نے مرفوع کہا، مرفوع کیوں کہا، منصوب یا مجرور کیوں نہیں کہا؟ شاباش، کیونکہ مبتدا ہے اور مبتدا ہم نے پڑھا ہے وہ کس میں سے ہے؟ مرفوعات میں سے ہے، اس پر رفع آتا ہے۔ دوسری بات کا جواب دیں: آپ نے کہا مرفوع لفظاً، لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ ذرا تلفظ رفع کا اس پر کر کے دکھائیے: اَللّٰہُ، دیکھو یہ ہا پر کیا پڑھ رہے ہیں؟ رفع، پیش پڑھ رہے ہیں، تو مرفوع لفظاً۔ اور پھر آپ نے کہا یہ مبتدا ہے، کیسے آپ کو پتہ چلا کہ یہ مبتدا ہے؟ مبتدا ہے ہاں کیونکہ ہمارے پاس دو اسم ہیں اور ان دونوں سے بات پوری ہو رہی ہے جملہ پورا ہو رہا ہے، اور دونوں اسم ہیں معلوم ہوا یہ پورا جملہ ہے یعنی جملہ اسمیہ ہے اور جملہ اسمیہ کے تو دو ہی جز ہوتے ہیں: ایک مبتدا ہوتا ہے اور ایک خبر ہوتی ہے، یہ دونوں ہوتے ہیں تو بات پوری ہوتی ہے اور یہاں بھی بات پوری ہو رہی ہے معلوم ہوا دونوں موجود ہیں، تو ایک کو مبتدا بنانا پڑے گا ایک کو کیا بنائیں گے؟ خبر، اور مبتدا کس کو بناتے ہیں؟ جو معرفہ ہوتا ہے، اور خبر کسے بناتے ہیں؟ جو نکرہ ہو، تو یہ معرفہ تھا اس لیے اس کو مبتدا بنایا۔

آگے بھئی ترکیب کیجیے: اَحَدٌ: مرفوع لفظاً خبر، شاباش! اَحَدٌ مرفوع لفظاً خبر۔ مرفوع کیوں کہا آپ نے؟ کیونکہ خبر ہے اور خبر پر ہمیشہ کون سا اعراب آتا ہے؟ رفع۔ اور لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ یہ نہ کہنا اس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اس پر اس سے تو مراد احد لفظ ہے اور لفظ تو کہتے ہی اس اسے ہیں جس پر تلفظ کیا جاتا ہے، بلکہ بات ہم کر رہے ہیں اعراب کی کہ یعنی اس کے اعراب پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں اور اعراب کون سا ہے اس پر؟ رفع: اَحَدٌ، دیکھو میں رفع سننے سے ہی آپ کو پتہ چل گیا: اَحَدٌ۔ نصب پڑھوں گا آپ کو سننے سے ہی پتہ چل جائے گا: اَحَدًا، اَحَدٍ، اَحَدِ میں کون سا اعراب پڑھ رہا ہوں؟ جر، دیکھو سننے سے ہی آپ کو پتہ چل رہا ہے، تو یہاں پر بھی رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں تو یہ ہوا مرفوع لفظاً، اور خبر آپ نے کہا، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ خبر ہے؟ ہاں کیونکہ یہ جملہ اسمیہ ہے اور جملہ اسمیہ کے اندر مبتدا گزر چکا ہے اور باقی کیا چاہیے؟ خبر، اور آگے تو اور کوئی لفظ ہے نہیں تو ظاہر سی بات ہے یہی کیا بنے گی؟ خبر، اس لیے۔

اب اس کو دیکھو آپ کو دونوں لفظوں کے اعراب کا پتہ چل گیا، مثلاً آپ کتاب کی عبارت پر حل کر رہے ہیں اس کا معنی سمجھتے جا رہے ہیں اور اعراب نکالتے جا رہے ہیں، تو جب سارے لفظوں کا اعراب آپ کو پتہ چل جائے اب اس کو روانی سے پڑھ دیا کریں، اب اس پورے جملے کو روانی سے پڑھ دیں بھئی: اَللّٰہُ أَحَدٌ، دیکھا بھئی؟ ترکیب آپ نے کر لی، تو مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو اس میں مسند الیہ کون؟ لفظِ اللہ، اور مسند بہ کون؟ اَحَدٌ۔ آسان لفظوں میں کس کے بارے میں بات کی گئی؟ اللہ کے بارے میں، اور کیا بات کی گئی؟ کہ وہ ایک ہے، تو جس کے بارے میں بات کی گئی وہ وہ بنے گا مبتدا، اور جو بات کی گئی وہ خبر ہے یعنی یوں کہو کہ اللہ کی ذات پر احد ہونے کا حکم لگایا گیا یعنی یہ بات بتلائی گئی کہ اللہ ایک ہے، بات سمجھ میں آ گئی۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی:

هُوَ رَجُلٌ

دیکھو یاد رکھو، بعض اوقات ترکیب سے ترجمے کا پتہ چلے گا اور کبھی ترجمے سے آپ کو ترکیب کا پتہ چلے گا، کبھی ترکیب سے کس کا پتہ چلے گا؟ ترجمے کا، یعنی ترکیب آئے گی تو ترجمہ صحیح ہو گا، ترکیب صحیح نہیں کر رہے تو ترجمہ بھی صحیح نہیں، تو کبھی ترکیب کا پتہ آپ کو چل جائے گا اس سے آپ پھر ترجمہ حل کر لیں گے کہ یہ معنی بنتا ہے ترکیب کے مطابق، اور کبھی ترجمے کا پہلے ہی پتہ چل جائے گا اس جملے کو دیکھتے ہی سنتے ہی اور اس ترکیب سے ترجمے کا پتہ چل جائے گا اور ترجمے

سے پھر آپ کو ترکیب بھی سمجھ میں آجائے گی۔ مثلاً دیکھیے کیا لکھا: هُوَ رَجُلٌ، اب مجھے بتایئے اس کا کیا معنی ہے؟ وہ ایک آدمی ہے، وہ آدمی ہے، تو یہ پورا جملہ ہے؟ اب جی ترکیب کیجیے بھئی:

هُوَ: اعراب سب سے پہلے اعراب بتانا ہے: هُوَ مرفوع محلاً مبتدا، اچھا اب بتا آپ نے تین لفظ کہے: مرفوع، محلاً، مبتدا۔ مرفوع کیوں کہا؟ مبتدا بنے گا اور مبتدا کس میں سے ہے؟ مرفوعات میں سے ہے۔ محلاً آپ نے کہا، محلاً کیوں کہا؟ کیونکہ یہ کیا ہے؟ ضمیر ہے اور ضمیر کس میں سے ہے؟ مبنیات میں سے، اس پر اعراب محلاً آتا ہے۔ تیسری بات آپ نے کہی کہ یہ مبتدا ہے، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مبتدا ہے؟ ہاں کیونکہ ہمارے پاس هُوَ رَجُلٌ ایک جملہ ہے جس میں دو ہی لفظ ہیں اور ان دو میں سے یہ معرفہ ہے اور دوسرا نکرہ ہے، اور تو پھر اس صورت میں کیا کرتے ہیں؟ معرفہ کو مبتدا بناتے ہیں، اور یہ معرفہ ہے کیونکہ معرفہ کی اقسام میں آپ نے ضمیریں پڑھا ہے بھئی، تو مرفوع محلاً مبتدا۔

اور رَجُلٌ کا اعراب بتاؤ بھئی: مرفوع لفظاً خبر، مرفوع کیوں کہا؟ کیونکہ خبر ہے اور خبر مرفوعات میں سے ہے۔ لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ ذرا تلفظ کرو: رَجُلٌ، نصب پر ذرا تلفظ کرو: رَجُلًا، جر پر کرو بھئی: رَجُلٍ، دیکھو سننے سے ہی پتہ چل رہا ہے تو یہ مرفوع لفظاً خبر۔ آپ نے کہا یہ خبر ہے، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ خبر ہے؟ ہاں کیونکہ جملہ اسمیہ ہے اور مبتدا گزر چکا ہے تو اب کون رہ گئی؟ خبر، اور نیز اس لیے کیونکہ یہ نکرہ ہے، نکرہ ہے، یہ ضمیر بھی نہیں، یہ اسم اشارہ بھی نہیں ہے، یہ اسم موصول بھی نہیں ہے، یہ کسی کا نام بھی نہیں، اور یہ معرف باللام بھی نہیں ہے، اور نیز آگے اس کے آگے کوئی مضاف الیہ معرفہ بھی نہیں آرہا جس کی طرف مضاف ہو کر یہ معرفہ بن جاتا، تو یہ معرفہ کی کوئی بھی قسم نہیں تو معلوم ہوا پھر کیا ہے؟ نکرہ ہے۔ تو لہٰذا دو اسم تھے: ایک معرفہ تھا ایک نکرہ، معرفہ کو ہم نے مبتدا بنایا اور نکرہ کو خبر۔ اب آپ نے ایک ایک لفظ کا اعراب نکال لیا، اب اس کو روانی سے پڑھیں: هُوَ رَجُلٌ، ترجمہ کیجیے: وہ آدمی ہے، وہ آدمی ہے۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی:

هَذَا زَيْدٌ

ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے آپ کو؟ ترجمہ سمجھ میں آئے گا ترکیب بھی سمجھ میں آجائے گی، ترجمہ کیا ہے؟ یہ زید ہے، معلوم ہوا جملہ پورا ہے۔ جب جملہ پورا ہے اور فعل تو آیا نہیں اسم ہی آرہے ہیں، معلوم ہوا کون سا جملہ بنے گا؟ جملہ اسمیہ، اور کتنے لفظ ہیں یہاں پر؟ دو ہی لفظ ہیں، اور جملہ اسمیہ میں تو ایک مبتدا ہوتا ہے ایک خبر، تو لہٰذا ایک مبتدا بنے گا اور ایک کیا بنے گا؟ خبر بنے گی۔ اور اب بتایئے بھئی حل کیجیے عبارت بھئی، اعراب بتایئے: هٰذَا پہلے اعراب بتاؤ: مرفوع محلاً مبتدا۔ اب بتایئے بھئی مرفوع کیوں؟ شاباش، کیونکہ یہ مبتدا ہے، اور محلاً کیوں کہا؟ شاباش، کیونکہ یہ اسم اشارہ ہے مبنیات میں سے اس کا اعراب محلاً آتا ہے تو مرفوع محلاً، اور یہ کیا ہے؟ مبتدا۔

اور آگے چلیے: زَيْدٌ، اعراب اس کا بتایئے: مرفوع لفظاً خبر، شاباش! مبتدا گزر گیا تھا اب خبر آگے رہ گئی تو مرفوع لفظاً خبر۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، تلفظ کر کے دکھایئے: زَيْدٌ، نصب پر تلفظ کریں: زَيْدًا، جر پہ کریں: زَيْدٍ، تو دیکھو اس کا اعراب لفظاً ہوتا ہے تینوں حالتوں میں، معلوم ہوا یہ مفرد منصرف صحیح ہے بھئی۔

ایک ایک لفظ کا آپ نے اعراب نکال لیا، اب اس کو جملے کو روانی سے پڑھ دیں: هَذَا زَيْدٌ، ترجمہ کیجیے: یہ زید ہے، یہ زید ہے۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ تو لہٰذا اس میں آپ کو معرفہ اور نکرہ کی پہچان ہونی چاہیے بھئی۔ لہٰذا معرفہ کی قسمیں کل اچھی طرح یاد کر کے آئیں، ان کے اوپر نظر ڈال کر آئیں بھئی، گزشتہ جو جس کتاب میں بھی آپ نے پڑھا تھا یا کسی بھی کتاب میں آپ کو مل جائیں وہاں دیکھ لیں ان کی مثالیں دیکھ لیں کہ یہ معرفہ ہیں: ضمیریں، اسمائے اشارہ وغیرہ۔ اور نیز آپ کو مبنی بھی ہر وقت ذہن میں ہونا چاہیے، مبنی تو زیادہ ہیں لیکن کم از کم تین ہر وقت ذہن میں ہوں جہاں بھی آئیں فوراً پہچان جائیں، اور وہ بڑے آسان ہیں، کون کون سے ہیں تین؟ تمام ضمیریں ہیں، ضمیر جب آجائے آپ سمجھ جائیں تو مبنی ہے، یا اسی طرح اسم اشارہ آجائے آپ سمجھ جائیں مبنی ہے تو اسم اشارہ پہ بھی نظر ڈال کر آئیں کل کہ کون کون سے ہوتے ہیں اسمائے اشارہ، اور اسمائے موصولہ پہ بھی نظر ڈال کے آئیں کہ کون کون سے ہوتے ہیں اسم موصول، تو یہ تین جب بھی آجائیں آپ نے ان کا اعراب ہمیشہ محلاً بتلانا ہے، لفظاً یا تقدیراً نہیں بتلانا بھئی۔

ترکیب سمجھ میں آگئی؟ تو هَذَا زَيْدٌ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا بھئی، جملہ اسمیہ۔ تو آسان لفظوں میں مبتدا وہ جس کے بارے میں بات

کی جائے اور خبر وہ جو بات کی جائے بھئی، جو بات کی جائے۔

ترکیب ہماری ساتھ ساتھ چلتی رہے گی بھئی اسباق کے ساتھ ساتھ، اور کبھی ترکیب کے سبق شروع ہو جائیں گے، کبھی کتاب میں سے ہم سبق شروع کر دیں گے اور جو جو چیزیں پڑھتے جائیں گے کوشش کرتے جائیں گے کچھ کچھ مثالوں کے ساتھ اس کی ترکیب کرتے رہیں، انشاءاللہ جب تک کتاب مکمل ہو گی آپ کو بہترین ترکیب آ جائے گی بھئی۔ یہی ترکیبیں جو شروع میں آپ کو بڑی مشکل معلوم ہو گی لیکن دو چار دن ہی گزریں گے آپ دیکھیں گے کہ یہ تو بڑی آسان ہے اس میں کوئی مشکل ہے ہی نہیں، اور اس طرح کی ترکیبیں جہاں کہیں بھی آئیں گی آپ آسانی سے کرتے چلے جائیں گے، لیکن طریقہ یاد رکھنا بھئی: یہاں جن جن جملوں کی میں ترکیب کرواؤں آپ سے وہ آپ نے پھر بند کر کے نہیں رکھنا بلکہ اس کو وہ ترکیبیں پھر تین چار ساتھی مل کر بیٹھا کریں اس کا تکرار کیا کریں، ایک ساتھی ایک جملے کی ترکیب پوری کرے جو جس طرح میں نے کروائی ہو اور باقی ساتھی سنیں، اگر کہیں کمی آئے تو اس کو بتائیں بھئی، اور پھر دوسرا ساتھی دوسرے جملے کی پوری ترکیب کرے اور باقی ساتھی سنیں جہاں کہیں وہ غلطی کرے یا وہ کچھ بھول جائے رہ جائے باقی ساتھی اس کو بتائیں بھئی۔ تو اس طرح آپ نے وہ سارے جملوں کی بیٹھ کر ان کا ان کی ان سارے جملوں کا آپ نے بیٹھ کر تکرار کرنا ہے یعنی ان کی پھر دوبارہ ترکیب کرنی ہے۔ تو صرف یہ نہیں کہ مجھ سے سنا اور کاپی بند کر دی پھر فائدہ کم ہو گا بھئی، ہاں اس طریقے سے آپ چلیں گے یہاں بھی ترکیب کریں پھر اس کا تکرار بھی کریں، انشاءاللہ آپ دیکھیں گے دنوں کے اندر آپ کی ترکیب بہتر سے بہتر ہوتی چلی جائے گی بھئی، دنوں کے اندر۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۱: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط اول: اعرابِ لفظی، تقدیری اور محلی)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۰— بتاریخ: ۲۳ نومبر ۲۰۱۴ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

ہم مبتدا اور خبر کی بحث پڑھ رہے تھے بھائی۔ آج بھی ہم ترکیب کر لیں گے۔ آپ نے پڑھا کہ جملہ اسمیہ جو ہے اس میں دو چیزیں ہوتی ہیں: ایک مبتدا اور ایک خبر۔ یعنی جتنے بھی لفظ آئیں جملہ اسمیہ کے اندر، مل ملا کر بالآخر دو چیزیں آخر میں بنیں گی: ایک مبتدا اور ایک خبر۔ اور آپ نے پڑھا کہ مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی مرفوع ہوتی ہے۔ جب آپ کو یہ پتہ چل جائے یا کوئی آپ کو بتا دے کہ یہ مبتدا ہے یا یہ خبر ہے، تو ساتھ ہی دوسری بات کا بھی آپ کو فوراً علم ہو جاتا ہے کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے، رفع پڑھنا ہے۔

اور پھر رفع آپ نے پڑھا کبھی «مَحَلًّا» ہوتا ہے، کبھی «لَفْظًا» ہوتا ہے اور کبھی «تَقْدِيرًا» ہوتا ہے۔ رفع جو ہے وہ مبنی کے اندر آتا ہے «مَحَلًّا»، اور «لَفْظًا» اور «تَقْدِيرًا» جو ہے وہ معرب کے اندر آتا ہے۔ اور کس معرب میں «لَفْظًا» آئے گا اور کس میں «تَقْدِيرًا» آئے گا، وہ نحو میر کی سولہ قسمیں آپ کو یاد ہونی چاہئیں، یا یہ جو ہدایت النحو میں انہوں نے نو قسمیں آپ کو گنوائیں، ان سولہ کو سمیٹ کر کتنی قسمیں بنا دیا؟ نو قسمیں بنا دیا اعراب کے اعتبار سے۔ تو یہ آپ کو ہر وقت ذہن میں ہوں گی تو آپ کو فوراً پتہ چل جائے گا کہ اس اسم پر جو کہ معرب ہے «لَفْظًا» رفع آئے گا یا «تَقْدِيرًا» آئے گا۔

اور «لَفْظًا» رفع کا کیا معنی ہے؟ کہ اس کے رفع پر ہم باقاعدہ کیا کرتے ہیں تلفظ، یعنی سننے سے ہی دوسرے کو پتہ چل جاتا ہے کہ اس وقت اس پر رفع پڑھا جا رہا ہے، یا نصب ہے یا جر ہے بھائی۔ تو اس طرح کا جو اعراب ہو جس سے تلفظ باقاعدہ اعراب پر ہو اسے اعرابِ لفظی کہتے ہیں۔ اگر مبنی ہو تو اس کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ «مَحَلًّا»، کیونکہ مبنی پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا، اس کی جو آخر میں جو حرکت ہے وہ مبنی کی حرکت کہلائے گی اس کو اعراب نہیں کہتے اور وہ بدلتی نہیں ہے۔ لیکن وہاں پر پھر کیسے بتاتے ہیں؟ کہ یہ مرفوع ہے «مَحَلًّا»، یا منصوب ہے «مَحَلًّا»، یا مجرور ہے «مَحَلًّا»۔ محل یعنی جگہ جگہ، یعنی جگہ کے اعتبار سے یہ مرفوع ہے، یہ جگہ تو رفع والی ہے لیکن یہ مبنی ہے اس لیے اس پر اعراب ظاہر نہیں ہو رہا۔ «مَحَلًّا» کا معنی سمجھ میں آیا بھائی؟

اور پھر آپ نے یہ بھی پڑھا کہ مبتدا کے اندر اصل یہ ہے کہ معرفہ ہو، اور خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو، اور یہ بھی آپ نے پڑھا کہ مبتدا کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ مقدم ہو گا اور خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ مؤخر ہو گی بھائی، مؤخر ہو گی۔ تو جب آپ نے پڑھ لیا کہ مبتدا کے اندر اصل معرفہ ہونا ہے اور خبر کے اندر نکرہ ہونا، تو اب آپ کو معرفہ کی پہچان ہونی چاہیے بھائی۔ اور وہ یقیناً آپ کو یاد ہو گی، کئی دفعہ ہم تکرار کر چکے ہیں کہ معرفہ جو ہیں کتنے ہیں؟ سات ہیں۔ نمبر ایک کیا ہیں؟ تمام ضمیریں ہیں، اور اسی طرح اسمائے اشارہ ہیں، اور اسمائے موصولہ ہیں، اور علم ہے، اور معرف باللام ہے، اور ان میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو، اور اسی طرح معرفہ بالنداہے بھائی۔

اور نیز یہ آپ نے اعراب کے بارے میں بھی پڑھ لیا کہ اعراب کبھی «مَحَلًّا» آتا ہے، کبھی «لَفْظًا» اور کبھی «تَقْدِيرًا» آتا ہے۔ اور «مَحَلًّا» جو ہے مبنی کے اندر آتا ہے جبکہ «لَفْظًا» اور «تَقْدِيرًا» معرب کے اندر۔ تو لہٰذا اب آپ کو مبنی کی بھی پہچان ہونی چاہیے بھائی۔ مبنیات تو آگے چل کر صاحبِ ہدایت النحو آپ کو بتائیں گے کہ سات آٹھ ہیں، لیکن تین جو عام استعمال ہوتے ہیں وہ ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونے چاہئیں، اور وہ کون کون سے ہیں؟ تمام ضمیریں ہیں، اسمائے اشارہ ہیں اور اسمائے موصولہ ہیں بھائی۔ یہ تین تو ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونے چاہئیں۔ تو لہٰذا ضمیر آ جائے یا اسمِ اشارہ آ جائے یا اسمِ موصول آ جائے تو اس پر جو بھی اعراب آپ نے بتانا ہے ہمیشہ «مَحَلًّا» بتانا ہے، اس کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئے گی بھائی۔

اور پھر آپ نے ایک دو ترکیبیں بھی کی تھیں۔ پہلی ترکیب کیا تھی؟ «اَللّٰهُ أَحَدٌ»۔ لفظِ «اَللّٰهُ» مرفوع «لَفْظًا» مبتدا، «أَحَدٌ» مرفوع «لَفْظًا» خبر۔ اعراب آپ نے ہر ایک لفظ کا بتانا ہے بھائی۔ اور مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ پھر اس کو روانی سے پڑھیں گے جملے کو، جب ایک ایک لفظ کا اعراب ہم حل کر لیں پھر اسے روانی سے پڑھیں گے تو کیا بنا؟ «اَللّٰهُ أَحَدٌ»، اللہ ایک ہے، اللہ یکتا ہے۔

اب یاد رکھیے، ترکیب کو تھوڑا بڑھاتے ہیں بھائی، اب ساتھ موصوف صفت کی ترکیب بھی شامل کر لیتے ہیں۔ آپ نے پڑھا ہے کہ جو اعراب موصوف پر آتا ہے وہی اعراب صفت پر بھی آتا ہے۔ موصوف اگر مرفوع ہو تو صفت بھی مرفوع ہوتی ہے، موصوف اگر منصوب ہو تو صفت بھی منصوب ہوتی ہے، اور موصوف اگر مجرور ہو تو صفت بھی مجرور ہوتی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ موصوف پر اگر موصوف اور صفت مثلاً دونوں پر رفع ہے تو مرفوع تو دونوں ہوں گے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایک پر رفع «لَفْظًا» ہے تو دوسرے پر بھی رفع «لَفْظًا» آئے، یا ایک پر رفع «مَحَلًّا» ہے تو دوسرے پر بھی رفع «مَحَلًّا» آئے، یہ نہیں ضروری۔ آئے گا رفع ہی دونوں پر، لیکن رفع ہر لفظ کے مطابق آئے گا۔ اگر وہ مبنی ہوا تو پھر اس پر رفع کس طرح کا آئے گا؟ «مَحَلًّا»، اور صفت اگر معرب ہوئی تو اس پر پھر رفع «لَفْظًا» یا «تَقْدِيرًا» آئے گا۔ ہاں دونوں پر آئے گا رفع، یعنی اعراب ایک جیسا ہی ہو گا بھائی۔ جب موصوف مرفوع ہے تو صفت بھی مرفوع آئے گی۔

تو موصوف صفت کی ترکیب بھی آج ساتھ شامل کر لیتے ہیں۔ بھائی، یاد رکھیے ضابطہ کہ ایک معرفہ کے بعد اگر پھر کوئی معرفہ آجائے، چاہے ایک آئے، دو آئیں، تین آئیں، چار آئیں، تو یہ سارے آپس میں موصوف صفت بنیں گے۔ پہلے کو موصوف بنائیں گے اور باقیوں کو اس کی صفت بنالیں گے بھائی۔ کیا ضابطہ ہوا؟ اگر کئی معرفہ اکٹھے آجائیں تو پہلے کو کیا بناؤ؟ موصوف، اور باقیوں کو صفت بنایئے۔ اسی طرح یاد رکھیے اگر کئی نکرہ اکٹھے آجائیں چاہے دو ہوں، تین ہوں، چار ہوں، پانچ ہوں، تو پہلے کو عموماً کیا بنائیں گے؟ موصوف، اور باقی نکرہ اس کی صفت بنیں گے بشرطیکہ آخری نکرہ کے بعد کوئی معرفہ نہ آئے۔ کئی نکرہ اکٹھے آجائیں تو پہلے کو کیا بنائیں گے؟ موصوف، اور باقیوں کو صفت، بشرطیکہ جو آخری نکرہ آرہا ہے اس کے بعد کوئی معرفہ نہ آئے، یعنی ضمیر، اسمِ اشارہ، اسمِ موصول وغیرہ ان میں سے کوئی نہ آئے۔ اگر آخری نکرہ کے بعد کوئی معرفہ آگیا پھر عموماً وہ مضاف و مضاف الیہ بنیں گے سارے آپس میں، موصوف صفت نہیں بنیں گے بھائی۔ ضابطہ سمجھ میں آیا؟ کیا ضابطہ ہوا؟ اگر کئی معرفہ اکٹھے آئیں تو وہ آپس میں موصوف صفت، اور اگر کئی نکرہ اکٹھے آئیں تو وہ بھی موصوف صفت، بشرطیکہ آخری نکرہ کے بعد کوئی معرفہ نہ آئے۔ اگر کوئی معرفہ آخر میں آگیا تو پھر یہ آپس میں کیا بنیں گے؟ مضاف و مضاف الیہ بنیں گے بھائی، مضاف اور مضاف الیہ۔

اور پھر موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرنا ہے؟ یاد رکھیے، ترجمہ موصوف صفت کا، موصوف صفت کا ترجمہ ایسا کرنا ہے کہ پورا جملہ نہیں ہے وہ، تو اس کے مطابق ہی ترجمہ ہو گا بھائی۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «اَلرَّجُلُ الْعَالِمُ»، «اَلرَّجُلُ الْعَالِمُ»، تو دیکھو «اَلرَّجُلُ» معرفہ ہے، اس پر الف لام داخل، «اَلْعَالِمُ» پر بھی کیا داخل؟ الف لام، وہ بھی معرفہ، اور ہم نے ضابطہ پڑھا ہے کہ دو معرفہ اکٹھے آئیں تو عموماً وہ کیا ہوں گے؟ موصوف صفت۔ ہاں ایک اور بات یاد رکھنا، یہ جتنے ضابطے ترکیب کے میں بیان کروں گا یہ کلی نہیں ہیں، ہر جگہ ایسا ہی نہیں ہو گا۔ بعض اوقات وہ دو معرفہ اکٹھے آئے ہیں وہ مبتدا خبر بھی ہو سکتے ہیں، ایک مبتدا ہو گا اور دوسرا کیا ہو گی؟ خبر ہو گی۔ لیکن یہ جو ضابطے میں ذکر کر رہا ہوں اس سے آپ کی اکثر مثالیں حل ہو جائیں گی۔ کہیں ایسا ہو گا کہ دونوں معرفہ ہیں اور مبتدا خبر بن رہے ہیں، عموماً کیا بنیں گے؟ موصوف صفت۔ تو یہ ضابطے جتنے ذکر ہوں گے اکثری ہیں، کلی نہیں ہیں بھائی، کلی نہیں ہیں۔

تو مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں، موصوف صفت لے کر آتا ہوں: «رَجُلٌ شُجَاعٌ»۔ «رَجُلٌ» بھی نکرہ دیکھو، یہ ضمیر بھی نہیں، یہ اسمِ اشارہ بھی نہیں، یہ اسمِ موصول بھی نہیں، یہ علم کسی کا نام بھی نہیں ہے، یہ معرف باللام بھی نہیں اور ان میں سے کسی کی طرف مضاف بھی نہیں، تو معلوم ہوا یہ نکرہ ہے۔ اور آگے «شُجَاعٌ» وہ بھی اسی طرح ہے، وہ نکرہ ہے، تو معلوم ہوا یہ دونوں آپس میں کیا بنیں گے؟ موصوف صفت۔ تو «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، تو اس کا ترجمہ کیسے کریں گے؟ یاد رکھیے پہلے، موصوف صفت کے ترجمے کا طریقہ میں پہلے بھی ایک دو مرتبہ ذکر کر چکا ہوں کہ عربی کے اندر صفت مؤخر ہوتی ہے، «رَجُلٌ» دیکھو موصوف ہے اور «شُجَاعٌ» اس کی صفت بعد میں آرہی ہے۔ لیکن اردو کے اندر صفت مقدم ہوتی ہے، تو «رَجُلٌ شُجَاعٌ» اردو میں اس کا کیا ترجمہ کریں گے؟ بہادر آدمی، بہادر آدمی۔ یہ نہیں ترجمہ کرنا آپ نے: وہ بہادر آدمی ہے، یہ تو آپ نے پورا جملہ بنا دیا بھائی! سمجھ میں آئی بات؟ جملہ وہ ہوتا ہے جس میں بات پوری ہو جاتی ہے حالانکہ یہاں بات پوری نہیں ہے، یہاں صرف موصوف صفت ہیں۔ تو ترجمہ اس کا «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، اس کا کیا ترجمہ ہو گا؟ بہادر آدمی۔ دیکھو بات پوری نہیں ہے، سننے والا فوراً کہے گا: ہاں بھائی، بات تو پوری کریں، بہادر آدمی کو کیا ہوا؟ تو یہ جملہ پورا نہیں ہے۔ تو «رَجُلٌ» موصوف ہے اور «شُجَاعٌ» اس کی صفت ہے، تو ترجمہ کیسے ہو گا؟ بہادر آدمی۔ دیکھو «شُجَاعٌ» کا معنی تھا بہادر، اور «رَجُلٌ» کا معنی تھا آدمی یا مرد، اور وہ مقدم تھا عربی میں اور «شُجَاعٌ» کا لفظ مؤخر تھا، لیکن اردو میں آپ نے بہادر کو کیا کر دیا ہے؟ مقدم کر دیا ہے، اور آدمی کے لفظ کو مؤخر کر دیا ہے، تو بہادر آدمی۔

موصوف صفت کا ایک تو یہ طریقہ ہے ترجمے کا کہ صفت کو کیا کر دو اردو میں؟ موصوف پر مقدم کر دو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے نکرہ کے اندر کہ اردو میں بھی آپ عربی کی طرح رکھیں یعنی موصوف کو مقدم ہی رکھیں، صفت کو اردو میں بھی مؤخر ہی رکھیں لیکن موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آؤ۔ کس سے پہلے؟ موصوف سے پہلے۔ تو دوسرا ترجمہ اب اس کا کیا ہو گا؟ «رَجُلٌ شُجَاعٌ»: ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ اب یہ «ہے» کی وجہ سے آپ دھوکے میں نہ پڑ جانا کہ شاید یہ تو پورا جملہ ہے، نہیں، ہرگز نہیں، ابھی بھی پورا جملہ نہیں ہے۔ ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے، کوئی پوری بات کی میں نے؟ کوئی بات سمجھ میں آئی میں کیا کہنا چاہتا تھا؟ نہیں، بس ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا جو کہ بہادر ہے، آگے اس کو کیا ہوا؟ وہ بات ہے ہی نہیں، جملہ پورا نہیں۔ مثلاً میں یوں کہتا ہوں، اب جملہ پورا ہو گا دیکھیے، مثال کے طور پر میں کہتا ہوں: ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے، ایک ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے میرا دوست ہے۔ اب دیکھو بات پوری ہو گئی، اب آپ کو بات سمجھ میں آ گئی۔ پہلے کیا تھا: ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے، تو سننے والا فوراً کہے گا: ہاں بھائی، بات تو پوری کریں، تو اب بات پوری ہو گئی: ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے میرا دوست ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ تو تھا نکرہ کے اندر۔ معرفہ کے اندر بھی وہی طریقہ ہے، مثلاً اسی کو اب ہم معرفہ بنا دیتے ہیں: «اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ»۔ «اَلرَّجُلُ» پر بھی الف لام داخل، «اَلشُّجَاعُ» پر بھی الف لام داخل، تو یہ موصوف صفت ہیں، اور موصوف صفت کا ایک تو وہی طریقہ جو پہلے ذکر ہوا کہ صفت کو کیا کر دو؟ مقدم کر دو۔ تو «رَجُلٌ شُجَاعٌ» بغیر الف لام کے، یعنی جب نکرہ تھے کیا ترجمہ کیا تھا؟ بہادر آدمی۔ اچھا، «اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ» اس کا بھی اسی طرح ترجمہ کرو کیا ہو گا؟ اب آپ کہیں گے: بہادر آدمی، تو بھائی فرق کیا ہوا دونوں کے اندر؟ «رَجُلٌ شُجَاعٌ» اس کا ترجمہ بھی آپ نے کیا: بہادر آدمی، اور «اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ» کا ترجمہ بھی آپ کیا کر رہے ہیں؟ بہادر آدمی۔ فرق ہونا چاہیے معرفہ اور نکرہ کے اندر۔ بھائی دیکھیے معرفہ معرفت سے ہے، معرفت کا کیا معنی؟ پہچان، جس کی آپ کو پہچان ہوتی ہے، جو متعین ہوتا ہے۔ تو لہٰذا اس میں عموماً «وہ» کا لفظ بڑھا دیا کرو: «اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ»، وہ بہادر آدمی۔ دیکھو کسی معین شخص کی طرف اشارہ ہو گیا۔ کسی معین شخص کی طرف اشارہ ہوا تو دیکھو یہ متعین ہے بھائی۔ اب فرق سمجھ میں آیا؟ «رَجُلٌ شُجَاعٌ» کیا معنی؟ نکرہ ہے: «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، بہادر آدمی، اور «اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ»: وہ بہادر آدمی۔

اور نکرہ کے اندر دوسرا طریقہ کیا تھا؟ «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، پہلا طریقہ ذکر کرو ذرا: «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، بہادر آدمی۔ دوسرا طریقہ ذکر کرو «رَجُلٌ شُجَاعٌ»: ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ معرفہ کے اندر پہلا طریقہ ذکر کرو «اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ»: وہ بہادر آدمی۔ دوسرا طریقہ معرفہ کے اندر: نکرہ میں، معرفہ کے اندر دوسرا طریقہ: موصوف کو مقدم ہی رکھیں اردو میں بھی اور صفت کو مؤخر ہی رکھیں جیسے عربی میں ہے، لیکن نکرہ میں کیا لفظ لائے تھے؟ ایسا یا ایسی، معرفہ میں «وہ» کا لفظ لے آئیں، وہ، تاکہ معین کی طرف اشارہ ہو جائے۔ کیا ترجمہ ہو گا؟ وہ آدمی جو کہ بہادر ہے۔ اب آئے گا پورا، اب دیکھو بات یہاں پوری نہیں، اس لفظِ «ہے» کی وجہ سے پھر یہ دھوکے میں آپ نہ پڑنا کہ یہ تو شاید پورا جملہ ہے، نہیں بھائی، پوری بات کہاں ہے یہاں؟ وہ آدمی جو کہ بہادر ہے، سننے والا فوراً کہے گا: ہاں کیا ہوا اس کو؟ اب بات تو پوری کریں۔ تو آپ پھر کہیں گے: میرا ساتھی ہے۔ وہ آدمی جو کہ بہادر ہے میرا ساتھی ہے۔ اب بات پوری ہو گئی۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ اردو میں کیا کرتے ہیں؟ صفت کو مقدم کرتے ہیں، اور دوسرا طریقہ کیا ہے؟ نکرہ کے اندر موصوف سے پہلے کیا لے آؤ؟ ایسا یا ایسی، اور معرفہ کے اندر کیا لفظ لے آؤ؟ وہ کا لفظ لے آئے۔ اچھی طرح بات سمجھ میں آ گئی؟

جی اب ہم ترکیبیں کچھ کر لیتے ہیں لیکن ایک اور ضابطہ بھی یاد رکھ لینا۔ یاد رکھو جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آ جائے تو وہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ بنیں گے۔ کیا ضابطہ ہوا؟ جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آ جائے، کوئی ضمیر جڑی ہوئی آ جائے تو وہ دونوں آپس میں کیا بنیں گے؟ مضاف و مضاف الیہ بنیں گے بھائی۔ فعل کی بات نہیں کر رہا، فعل کے ساتھ تو جڑی ہوئی ضمیر آتی ہے وہ فاعل کی ہوتی ہے، اسی طرح فعل کے ساتھ جڑی ہوئی ضمیر آتی ہے وہ مفعول کی بھی ہوتی ہے۔ تو اسم کے ساتھ جب بھی ضمیرِ متصل آ جائے تو وہ آپس میں کیا بنیں گے؟ مضاف اور مضاف الیہ بنیں گے، اور مضاف اور مضاف الیہ کا ترجمہ آتا ہے یا نہیں آتا؟ کہ اردو میں مضاف الیہ کو مقدم کر دیتے ہیں اور مضاف کو مؤخر اور درمیان میں کا، کے، کی وغیرہ لفظ لے آتے ہیں۔ عموماً، ہر جگہ تو ایسا نہیں ہوتا لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «کِتَابُ زَیْدٍ»، یہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ ہیں تو کیا ترجمہ ہو گا «کِتَابُ زَیْدٍ»؟ زید کی کتاب۔ دیکھو زید مضاف الیہ تھا اس کو آپ نے اردو میں مقدم کر دیا اور کتاب مضاف تھا اس کو مؤخر کر دیا اور درمیان میں کی کا لفظ بڑھا دیا: زید کی کتاب۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا؟

اچھا اب کچھ ترکیبیں کیجیے، لکھیے بھائی: «اَلسُّلْطَانُ عَادِلٌ»، «اَلسُّلْطَانُ عَادِلٌ»۔ یاد رکھو جب دو اسم آپ کے پاس ہوں اور ایک معرفہ ہو اور ایک نکرہ ہے اور پورا جملہ بن رہا ہے تو ہمیشہ معرفہ کو کیا بناتے ہیں؟ مبتدا، اور نکرہ کو کیا بناتے ہیں؟ خبر، کیونکہ مبتدا کے اندر اصل کیا ہے؟ معرفہ ہو، اور خبر

کے اندر اصل کیا ہے؟ نکرہ ہو۔ چلیں جی، اب ترکیب شروع کیجیے بھائی۔ اعراب ہر لفظ کا بتانا ہے۔ «اَلسُّلْطَانُ» مرفوع «لَفْظًا» مبتدا۔ اب آپ مجھے بتائیے ایک ایک چیز کی وجہ: مرفوع کیوں کہا آپ نے؟ کیونکہ یہ مبتدا ہے۔ «لَفْظًا» کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، شاباش۔ رفع پہ ذرا تلفظ کرو: «اَلسُّلْطَانُ»۔ نصب پہ تلفظ کریں: «اَلسُّلْطَانَ»۔ جر پہ تلفظ کریں: «اَلسُّلْطَانِ»۔ دیکھا، معلوم ہوا اس کا اعراب تینوں حالتوں میں «لَفْظًا» آتا ہے۔ تو «اَلسُّلْطَانُ» مرفوع «لَفْظًا» مبتدا۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مبتدا ہے؟ ہاں، کیونکہ ہمارے پاس دو لفظ تھے اور ان دونوں سے پورا جملہ بن رہا ہے، اور دونوں اسم ہیں تو ظاہر سی بات ہے کہ کون سا جملہ بنے گا؟ جملہ اسمیہ بنے گا بھائی۔ جملہ فعلیہ کے اندر تو پہلا جز کیا ہوتا ہے؟ فعل، تو یہ جملہ اسمیہ بنے گا، اور جملہ اسمیہ میں تو دو ہی چیزیں ہوتی ہیں: ایک ہوتا ہے مبتدا اور ایک ہوتی ہے خبر، اور مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی مرفوع ہوتی ہے، اور مبتدا کے اندر اصل ہے معرفہ ہونا اور خبر کے اندر اصل ہے نکرہ ہونا۔ تو دو لفظ ہیں، ایک معرفہ ہے ہمارے پاس ایک نکرہ ہے، تو معرفہ کو کیا بنا دیں گے؟ مبتدا بنا دیں گے۔ جی آگے کیجیے: «اَلسُّلْطَانُ» مرفوع «لَفْظًا» مبتدا۔

«عَادِلٌ»، شاباش، اعراب سب سے پہلے: «عَادِلٌ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسم فاعل۔ جی، «هُوَ» ضمیر اس کا فاعل، شاباش۔ میں نے بتایا تھا جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری، اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں، اسم فاعل ہے، اسم مفعول ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسم تفضیل ہے اور مبالغے کے صیغے ہیں، ان کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ تو «عَادِلٌ» دیکھو «عَادِلٌ»، «فَاتِحٌ»، «مَانِعٌ»، دیکھو اسی اسم فاعل ہے، دیکھو اسی وزن پر آ رہا ہے۔ تو «عَادِلٌ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسم فاعل۔ اچھا، پہلے یہ بتائیے مرفوع کیوں کہا آپ نے؟ کیونکہ اس نے خبر بننی ہے، یہ خبر ہے بھائی، خبر ہے۔ اعراب کی وجہ کیا ہے رفع کی؟ کیونکہ یہ کیا ہے؟ خبر ہے، اور خبر پر رفع پڑھتے ہیں۔ پھر آپ نے کہا مرفوع «لَفْظًا»، اس لفظاً کہنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھاؤ: «عَادِلٌ»۔ نصب پہ کرو: «عَادِلًا»۔ جر پہ کریں: «عَادِلٍ»۔ معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کا اعراب «لَفْظًا» آتے ہیں: رفع بھی، نصب بھی اور جر بھی۔ تو «عَادِلٌ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسم فاعل۔

جی آگے: اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل بھائی، اس کا فاعل۔ اچھا، مرفوع کیوں کہا «هُوَ» ضمیر کو؟ کیونکہ فاعل ہے، اور فاعل ہم پڑھ چکے کس میں سے ہے؟ مرفوعات میں سے۔ «مَحَلًّا» کیوں کہا؟ شاباش، کیونکہ «هُوَ» ضمیر ہے، اور ضمیر پر اعراب کیا ہے؟ «مَحَلًّا» آتا ہے۔ «هُوَ» مرفوع «مَحَلًّا» فاعل۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ، اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے ملتا ہے تو جملہ بنتا ہے، لیکن یہ صفت کے صیغے اپنے فاعل یا نائب فاعل سے ملیں تو بھی یہ مفرد ہی رہتے ہیں تو اس میں پھر کیا کہتے ہیں؟ شبہ جملہ کہتے ہیں۔ تو یہ شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب ایک ایک لفظ کا آپ نے اعراب نکال لیا، اب اس کو روانی سے پڑھ دو: «اَلسُّلْطَانُ عَادِلٌ»۔ ترجمہ کیجیے: وہ بادشاہ جو کہ عادل ہے، اس کو کیا ہوا؟ بات تو پوری نہیں۔ وہ بادشاہ جو کہ عادل ہے، یہ تو آپ نے موصوف صفت والا ترجمہ کیا، اور ترکیب آپ نے کوئی موصوف صفت بنائے یہاں پر؟ کوئی موصوف تھا، آگے اس کی صفت آئی؟ آپ نے تو ایک کو بنایا مبتدا، دوسرے کو کیا بنایا؟ خبر، اور ترجمہ آپ کون سا کر رہے ہیں؟ موصوف صفت، نہیں، مبتدا خبر والا ترجمہ کرو: بادشاہ عادل ہے، بادشاہ عادل ہے۔ دیکھو بات پوری ہو گئی کہ نہیں؟ اور اگر آپ کہیں: وہ بادشاہ جو کہ عادل ہے، دوسرا کہے گا: ہاں اس کو کیا ہوا؟ بات تو پوری کریں۔ لیکن آپ نے کیا کہا: بادشاہ عادل ہے، بات پوری ہو گئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لیکن ابھی بھی ایک کمی ہے۔ آپ نے ترجمہ کیا: بادشاہ عادل ہے، حالانکہ «اَلسُّلْطَانُ» الف لام آیا، اور الف لام کسی لفظ پہ داخل ہوا سے کیا بنا دیتا ہے؟ معرفہ، اور معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین ذات پر دلالت کرتا ہے، جس کی پہچان ہوتی ہے۔ تو اس کا ترجمہ پھر «وہ» ساتھ ملائیں گے: وہ بادشاہ، کسی معین بادشاہ کی طرف اشارہ ہوا، وہ بادشاہ عادل ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

«اَلْجَبَلُ»، ہاں لفظ بولو کس کی بات کر رہے ہو؟ «اَلْجَبَلُ» مرفوع «لَفْظًا» مبتدا۔ مرفوع کیوں کہا؟ مبتدا ہے، اور مبتدا مرفوع ہوا کرتا ہے۔ «لَفْظًا» کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھائیے: «اَلْجَبَلُ»، شاباش۔ تو یہ مرفوع «لَفْظًا» مبتدا۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مبتدا ہے؟ کیونکہ ہمارے پاس دو اسم ہیں اور ان دونوں سے مل کر بات پوری ہو رہی ہے، اور ان میں سے ایک معرفہ ہے اور ایک نکرہ ہے تو معرفہ کو کیا بنائیں گے؟ مبتدا، اور نکرہ کو کیا بنائیں گے؟ خبر۔ جی آگے: «عَظِيمٌ» مرفوع «لَفْظًا» خبر۔ مرفوع کیوں؟ خبر، شاباش، خبر پر رفع آتا ہے۔ «لَفْظًا» کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھائیے: «عَظِيمٌ»۔ نصب پہ ذرا تلفظ کرو: «عَظِيمًا»۔ جر پہ کیجیے: «عَظِيمٍ»، شاباش، معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کے اعراب «لَفْظًا» آتے ہیں: رفع بھی، نصب بھی اور جر بھی۔ اور «عَظِيمٌ» بھائی آپ نے کہا مرفوع «لَفْظًا» خبر، بھائی «عَظِيمٌ» بر وزنِ شریف ہے، شریف، اور شریف کیا ہے؟ صفتِ مشبہ ہے، صفتِ مشبہ۔ یہ صفتِ مشبہ کا سب سے مشہور وزن یہی ہے، تو شریف، فعیل وزن آ جائے آپ

فوراً سمجھ جایا کریں یہ صفتِ مشبہ ہے، اور صفتِ مشبہ تو صفت کا صیغہ ہے اور صفت کے صیغے کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، تو لہٰذا وہ بھی نکالیں بھائی۔ «عَظِيمٌ» مرفوع «لَفْظًا» صفتِ مشبہ۔ آگے: «هِيَ» کیوں؟ «هُوَ» ضمیر، ہاں، «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل، جی۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ «مَحَلًّا» کیوں کہا؟ ضمیر ہے، شاباش، ضمیر ہے۔ اچھا، مرفوع «مَحَلًّا» فاعل، صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر، شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ایک ایک لفظ کا اعراب پتہ چل گیا، روانی سے پڑھو: «اَلْجَبَلُ عَظِيمٌ»۔ ترجمہ کیجیے: وہ پہاڑ بڑا ہے، وہ پہاڑ بڑا ہے، شاباش، دیکھا۔ وہ پہاڑ، دیکھا، «اَلْجَبَلُ» آیا نا کسی معین پہاڑ کی طرف اشارہ ہے، وہ مراد ہے، تو «اَلْجَبَلُ» وہ پہاڑ «عَظِيمٌ» بڑا ہے بھائی۔ چلیے بس بھائی، بس کریں، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۳۲: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط دوم: موصوف صفت اور مضاف مضاف الیہ کی مشق)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۰—بتاریخ: ۲۴ نومبر ۲۰۱۴ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ہم ترکیب کر رہے تھے بھائی، مبتدا خبر کی یعنی جملہ اسمیہ کی۔ اور ساتھ ساتھ میں نے بتلایا تھا کہ موصوف صفت کی ترکیب کیسے کریں گے اور اس کا ترجمہ کیسے کریں گے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا ضابطہ کہ دو یا زیادہ معرفہ اکٹھے آجائیں تو وہ عموماً کیا بنیں گے؟ موصوف صفت۔ اور میں نے یہ بھی بتایا تھا یہ جو میں ضابطے بیان کروں گا یہ اکثری ہیں، کلی نہیں۔ تو ہر جگہ یہی ترکیب نہیں ہو گی لیکن بہر حال اس کے ذریعے اکثر مثالیں آپ کی حل ہو جائیں گی، آپ کو طریقہ آجائے گا، آپ کی بنیاد بن جائے گی۔ تو کئی معرفہ اگر اکٹھے آجائیں تو پہلے کو موصوف بنائیں گے اور دوسرے کو صفت، یا اسی طرح زیادہ ہیں تو وہ باقی سب کیا بن جائیں گے؟ پہلا موصوف بنے گا اور باقی اس کی صفت بن جائیں گے۔

اسی طرح اگر کئی نکرہ اکٹھے آجائیں تو پہلے کو موصوف بنائیں گے اور باقیوں کو اس کی صفت بنائیں گے۔ اگر دو ہیں تو پہلا موصوف، دوسرا صفت۔ اگر تین ہیں تو پہلا موصوف اور باقی دو صفت۔ اور اس میں البتہ ایک شرط یہ ہے کہ آخری نکرہ جو آرہا ہو اس کے بعد کوئی معرفہ نہ ہو۔ اگر آخر میں کوئی معرفہ آگیا تو پھر یہ موصوف صفت نہیں بنیں گے بلکہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ بنیں گے بھائی۔

اور پھر اس موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کریں گے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ عربی کے اندر صفت مؤخر ہوتی ہے لیکن اردو کے اندر صفت مقدم ہوتی ہے۔ لہٰذا موصوف صفت کے ترجمے کا ایک طریقہ یہ ہے، پہلے نکرہ کا سن لیں: موصوف صفت کا ایک طریقہ یہ کہ آپ صفت کو اردو میں مقدم کر دیں، جیسے «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، «رَجُلٌ» موصوف ہے اور «شُجَاعٌ» اس کی صفت ہے۔ تو پہلا ترجمہ اس کا کیا کریں گے؟ اردو میں کس طرح کریں گے؟ بہادر آدمی۔ دیکھو بہادر کو آدمی پر اردو میں مقدم کر دیا بھائی۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ موصوف جیسے عربی میں مقدم ہے اور صفت مؤخر ہے، اردو میں بھی آپ اسی طرح رکھیں، البتہ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آئیں بھائی۔ تو «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، ایک ترجمہ ہوا: بہادر آدمی، اور دوسرے طریقے کے مطابق ترجمہ کیا ہو گا؟ ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے بھائی۔ اور میں نے بتایا تھا یہ «ہے» کی وجہ سے آپ دھوکے میں نہ پڑ جائیں کہ یہ تو شاید جملہ بن گیا، نہیں بھائی، یہ جملہ ابھی بھی نہیں بنا، آپ خود غور کر لیں: ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے، سننے والا پھر فوراً کہے گا: ہاں بھائی، بات تو پوری کریں، کیا ہوا اس کو؟

اور معرفہ کے اندر بھی، معرفہ کے اندر البتہ وہ چونکہ متعین ذات پر دلالت کرتا ہے لہٰذا وہاں لفظِ «وہ» لے آئیں گے۔ تو «اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ»، کیا ترجمہ کریں گے؟ بہادر کو آدمی پر مقدم کریں اور شروع میں وہ لے آئیں تاکہ متعین کی طرف اشارہ ہو جائے: وہ بہادر آدمی، وہ بہادر آدمی۔ اور دوسرا طریقہ معرفہ میں اسی طرح، موصوف کو مقدم ہی رکھیں اردو میں بھی، اور البتہ اس سے پہلے وہ کا لفظ لے آئیں، نکرہ میں ایسا یا ایسی کا لفظ لائے تھے، معرفہ میں وہ کا: «اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ»، وہ آدمی جو کہ بہادر ہے۔ نکرہ میں کیا کہتے تھے؟ ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ فرق سمجھ میں آیا بھائی؟ اور موصوف صفت ہوں تو آپ نے پورے جملے کا ترجمہ نہیں بنانا اس کو، اور پورا جملہ ہو تو پھر وہاں جملے والا ترجمہ کرنا ہے کہ بات پوری ہو جائے بھائی، بات پوری ہو جائے۔

کیونکہ میں نے آپ کو بتایا تھا مبتدا اور خبر کے بارے میں کہ آسان لفظوں میں یوں کہیں کہ مبتدا وہ ہے جس کے بارے میں بات کی جائے اور خبر وہ ہے جو بات کی جائے۔ زید کھڑا ہے، کس کے بارے میں بات کی؟ زید کے بارے میں، تو زید ہوا مبتدا، اور کھڑا ہے یہ اس کی، یہ بات کی ہے تو یہ خبر ہوئی بھائی۔ اور

آپ نے یہ بھی پڑھا کہ مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی مرفوع ہوتی ہے۔ اب تک ہم چار مرفوعات پڑھ چکے بھائی: سب سے پہلے آپ نے فاعل کے بارے میں پڑھا، وہ بھی مرفوع ہوتا ہے، پھر مفعول مالم یسم فاعلہ یعنی کہ نائب الفاعل، وہ بھی آپ نے پڑھا مرفوع ہوتا ہے، اسی طرح مبتدا اور خبر بھی کیا ہوتے ہیں؟ مرفوع۔ تو جب آپ کو کسی لفظ کے بارے میں پتہ چل جائے کہ یہ فاعل ہے، یا نائب فاعل ہے، یا مبتدا ہے، یا خبر ہے، تو ساتھ ہی ایک دوسری بات بھی آپ کو فوراً پتہ چل جانی چاہیے کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔

اور رفع ہو، یا نصب ہو، یا جر ہو، وہ تین طرح ہو سکتا ہے: وہ «مَحَلًّا» بھی ہو سکتا ہے، وہ «لَفْظًا» بھی ہو سکتا ہے اور وہ «تَقْدِيرًا» بھی ہو سکتا ہے۔ تو اس لفظ میں آپ نے غور کرنا ہے کہ وہ مبنی ہے یا معرب ہے۔ جو اسم آپ کے سامنے آیا وہ معرب ہے یا مبنی ہے؟ اگر مبنی ہو تو اس کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ «مَحَلًّا»، کیونکہ مبنی پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا، اس کی جو آخر میں جو حرکت ہے وہ مبنی کی حرکت کہلائے گی اس کو اعراب نہیں کہتے اور وہ بدلتی نہیں ہے۔ لیکن وہاں پر پھر کیسے بتلاتے ہیں؟ کہ یہ مرفوع ہے «مَحَلًّا»، یا منصوب ہے «مَحَلًّا»، یا مجرور ہے «مَحَلًّا»۔ محل یعنی جگہ جگہ، یعنی جگہ کے اعتبار سے یہ مرفوع ہے، یہ جگہ تو رفع والی ہے لیکن یہ مبنی ہے اس لیے اس پر اعراب ظاہر نہیں ہو رہا۔ «مَحَلًّا» کا معنی سمجھ میں آیا بھائی؟

اور اگر معرب ہے تو پھر وہ نحو میر کی سولہ قسمیں یا جو آپ نے ہدایت النحو میں نو قسمیں انہوں نے بنائیں وہ یاد ہونی چاہییں۔ ان سے آپ کو پتہ چلے گا کہ کس پر اعراب «لَفْظًا» آئے گا معرب پر اور کس پر «تَقْدِيرًا» آئے گا۔ مثلاً زید ہے، یہ مفرد منصرف صحیح ہے اور مفرد منصرف صحیح پر رفع بھی «لَفْظًا» آتا ہے، نصب بھی «لَفْظًا» آتا ہے اور جر بھی «لَفْظًا» آتا ہے، جیسے: «جَاءَنِي زَيْدٌ»، «رَأَيْتُ زَيْدًا»، «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»۔ تو «زَيْدٌ»، «زَيْدًا»، «زَيْدٍ» دیکھو سننے سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ اس پر آپ رفع پڑھ رہے ہیں، نصب پڑھ رہے ہیں یا جر، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اعرابِ لفظی بھائی۔ یا جیسے تثنیہ کے اندر ہے: «رَجُلَانِ»، «رَجُلَيْنِ»۔ «رَجُلَانِ» سننے سے ہی پتہ چل گیا کہ یہ مرفوع ہے، اور «رَجُلَيْنِ» سننے سے ہی پتہ چل گیا کہ یہ منصوب یا مجرور ہے۔ یا جیسے اسی طرح «مُسْلِمُونَ» ہے: «مُسْلِمُونَ» اور «مُسْلِمِينَ»۔ «مُسْلِمُونَ» لفظ سنتے ہی پتہ چل گیا کہ اس پر کیا پڑھا جا رہا ہے؟ رفع بھائی، اور رفع کیا ہے اس کا؟ واؤ ہے واؤ۔ اور «مُسْلِمِينَ» سننے سے ہی پتہ چل گیا کہ یہ منصوب ہے یا مجرور ہے بھائی، مجرور ہے۔

اور بعضوں کے اندر پھر اعراب «تَقْدِيرًا» آتا ہے جیسے آپ پڑھ چکے: «مُوسَى»، «جَاءَنِي مُوسَى»، «رَأَيْتُ مُوسَى»، «مَرَرْتُ بِمُوسَى»۔ تو اس کو کہتے ہیں پھر اعراب تقدیری ہے، تقدیری ہے۔ اور یہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں پھر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ مبنی میں بھی آخر بدلتا نہیں ہے وہاں کہتے ہیں اعراب «مَحَلًّا» ہے، اور معرب کے اندر بھی بعض اوقات اعراب ظاہر نہیں ہوتا اور وہاں کہتے ہیں «تَقْدِيرًا» ہے۔ تو یہ ایک میں وہی چیز ہے، ایک جگہ کہتے ہیں «مَحَلًّا» اور دوسری جگہ کہتے ہیں «تَقْدِيرًا»، تو یہ کیا وجہ فرق کیوں کیا جاتا ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا بھائی کہ مبنی کی تو حالت بدلتی ہی نہیں ہے، اس پر وہاں کوئی مانع نہیں ہوتا، کسی قسم کا کوئی مانع نہیں ہوتا جیسے «هٰؤُلَاءِ»، یہ قریب کے لیے اسم اشارہ ہے، مذکر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث کے لیے بھی۔ «هٰؤُلَاءِ» یعنی یہ سب۔ تو «هٰؤُلَاءِ» کے آخر میں دیکھو ہمزہ ہے، اب ہمزہ پر تو رفع بھی پڑھا جا سکتا ہے، نصب بھی پڑھا جا سکتا ہے، جر بھی پڑھا جا سکتا ہے بھائی۔ لیکن اس کے باوجود اس پر اس کی حرکت برقرار رہتی ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، تو دیکھو یہاں کوئی مانع نہیں، پھر بھی اس پر اعراب ظاہر نہیں ہو رہا۔ ورنہ تو پڑھا جا سکتا: «هٰؤُلَاءُ» یا «هٰؤُلَاءَ» یا «هٰؤُلَاءِ»، اگر دیکھا جائے تو ہمزہ پہ پڑھ رہا ہوں یعنی میں تینوں، تو بظاہر کوئی مانع نہیں لیکن یہ بدلتا نہیں، یہ اسی طرح رہے گا «هٰؤُلَاءِ»، چاہے مرفوع ہو، چاہے منصوب ہو، چاہے مجرور ہو۔

اور جبکہ معرب کے اندر جب اس کی حالت نہیں بدلتی تو وہاں کوئی مانع ہوتا ہے، کوئی چیز ایسی ہوتی ہے جو اعراب کو آنے ہی نہیں دے رہی، اگر وہ چیز نہ ہوتی تو اعراب ظاہر ہو جاتا۔ جیسے «جَاءَ مُوسَى»، «رَأَيْتُ مُوسَى»، «مَرَرْتُ بِمُوسَى»، یہاں آخر میں کیا ہے؟ الفِ مقصورہ ہے، الف آ رہا ہے یعنی، الف آخر میں آ رہا ہے۔ اور الف تو آپ جانتے ہیں کہ وہ ساکن ہوتا ہے اس پر تو کوئی حرکت آتی ہی نہیں ہے۔ جس پر حرکت آتی ہے وہ ہمزہ ہوتا ہے، الف نہیں بھائی۔ تو الف تو ہوتا ہی ساکن ہے، تو یہاں یہ مانع آ گیا، تو اس لیے یہ معرب میں، معرب میں اعراب ہمیشہ ظاہر ہوتا ہے اِلّا یہ کہ وہاں کوئی مانع آ جائے جیسے اس میں آیا بھائی۔ یا جیسے «جَاءَنِي الْقَاضِي»، «رَأَيْتُ الْقَاضِيَ»، «مَرَرْتُ بِالْقَاضِي»، یہاں پر بھی دیکھو حالتِ رفعی میں بھی اعراب تقدیری ہے اور حالتِ جری میں بھی اعراب تقدیری ہے۔ کیوں؟ کیونکہ «جَاءَنِي الْقَاضِي» آخر میں یا آ رہی ہے، اور یا پر پیش پڑھنا بھی ثقیل اور یا پر کسرہ پڑھنا بھی ثقیل ہے۔ تو اس وجہ سے دیکھو یہ مانع ہے بھائی، مانع آ گئی چیز۔ ہاں فتحہ پڑھنا ثقیل نہیں ہے وہ آ جاتا ہے: «رَأَيْتُ الْقَاضِيَ»۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو خلاصۂ کلام کیا ہوا کہ جو بھی اسم آتا جائے آپ اس کا اعراب نکالتے جائیں بھائی۔ تو کچھ اسم وہ آپ نے پڑھ لیے جن پر رفع آتا ہے: وہ فاعل ہے،

نائب الفاعل ہے، مبتدا ہے اور خبر، ان پر رفع آیا کرتا ہے۔ اور رفع پھر «مَحَلًّا» بھی ہو سکتا ہے اگر وہ مبنی ہو، اور اگر وہ معرب ہے تو پھر «لَفْظًا» ہو گا یا «تَقْدِیرًا» ہو گا، وہ پھر آپ نے پہچاننا ہے کہ اس پر کون سا آئے گا بھائی رفع، «مَحَلًّا» آئے گا، یا «لَفْظًا» آئے گا یا «تَقْدِیرًا»۔ تو «مَحَلًّا» رفع کس پر آتا ہے؟ مبنی پر، تو لہٰذا اب آپ کو مبنی کی پہچان ہونی چاہیے۔ مبنیات تو یہ آگے بیان کریں گے کہ سات آٹھ بیان کریں گے، لیکن کم از کم تین مبنی ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونے چاہییں بھائی، اور وہ تین مبنی کون کون سے ہیں؟ اسمِ اشارہ ہے، تمام ضمیریں ہیں اور اسمائے موصولہ ہیں بھائی۔ تو اسمِ اشارہ آجائے تو یہ مبنی ہے، ضمیر آجائے تو یہ بھی مبنی ہے، اور اسمِ موصول آجائے تو یہ بھی مبنی ہے۔ تو ان پر اعراب کون سا بتائیں گے آپ؟ «مَحَلًّا» بتائیں گے کہ محل یعنی جگہ کے اعتبار سے یہاں رفع، یہ جگہ رفع والی ہے۔ تو لہٰذا ان کی آپ کو پہچان ہونی چاہیے، اور نیز معرفہ اور نکرہ کی بھی آپ کو پہچان ہونی چاہیے۔ کیونکہ آپ نے موصوف صفت کا ترجمہ کرنا ہے یا مبتدا خبر بنانا ہے تو وہاں معرفہ کی ضرورت پیش آئے گی آپ کو اور نکرہ کی۔ تو وہ بھی ہر وقت آپ کے ذہن میں ہوں اور ان کا ہم بار بار تکرار کرتے رہیں گے۔

تو معرفہ کیا پڑھا؟ نمبر ایک کیا ہے؟ تمام ضمیریں ہیں، نمبر دو اسمائے اشارہ، نمبر تین اسمائے موصولہ، نمبر چار علم کسی کا نام جو ہو زید، بکر وغیرہ، اور نمبر پانچ معرف باللام جس پر الف لام داخل ہو: «اَلرَّجُلُ»، «اَلْغُلَامُ»، اور ان پانچ میں سے کسی ایک کی طرف جو لفظ مضاف ہو جائے وہ بھی معرفہ بن جاتا ہے جیسے «غُلَامُ زَیْدٍ»۔ تو دیکھو غلام جب زید یعنی علم کی طرف مضاف ہوا تو کیا بن گیا؟ معرفہ۔ یا «غُلَامُهُ»، دیکھو یہاں ہا ضمیر کی طرف مضاف ہو گیا، یا «غُلَامُ هٰذَا» اس کا غلام، تو یہاں بھی کیا ہوا؟ معرفہ بن گیا اضافت کی وجہ سے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے بھائی؟

تو ضابطہ کیا ذکر کیا میں نے؟ کہ اگر دو یا زیادہ معرفہ اکٹھے آجائیں تو اول کو کیا بناؤ؟ موصوف، اور باقیوں کو کیا بناؤ؟ صفت۔ اور اسی طرح اگر کئی نکرہ اکٹھے آجائیں تو پہلے کو بناؤ موصوف اور بعد میں اگر ایک ہی نکرہ ہے تو اس کو صفت بنا دو، اگر زیادہ ہیں تو سب کو بنا دو صفات، صفتِ اول، صفتِ ثانی، صفتِ ثالث بھائی۔ اور ان کے ترجمہ کرنے کا میں نے طریقہ بھی بیان کر دیا بھائی۔ اور پھر ایک اور چھوٹا سا ضابطہ لیکن بڑا ہی قیمتی میں نے ذکر کیا تھا گزشتہ سبق میں کہ جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے تو وہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ بنیں گے۔ «غُلَامُهُ»، دیکھو غلام کے ساتھ کون سی ضمیر آگئی؟ ضمیرِ متصل ہے، جڑی ہوئی ہے اس کے ساتھ، تو یہ آپس میں کیا بنیں گے؟ مضاف اور مضاف الیہ بنیں گے بھائی۔ اور مضاف جو ہے، مضاف پر تو عامل کو دیکھیں گے، اس کے مطابق اعراب آئے گا۔ مضاف پر رفع بھی آسکتا ہے، نصب بھی آسکتا ہے اور جر۔ لیکن مضاف الیہ جو ہے جو بعد میں آرہا ہے، مضاف الیہ ہے، وہ آپ جانتے ہیں کہ وہ ہمیشہ مجرور ہوتا ہے، تو اس پر جر ہی آئے گا ہر حال میں۔ ہاں وہ جر «مَحَلًّا» بھی ہو سکتا ہے، «لَفْظًا» بھی ہو سکتا ہے اور «تَقْدِیرًا» بھی ہو سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یا اسی طرح مثلاً میں کہتا ہوں: «کِتَابِي»، دیکھو کتاب ہے اور اس کے ساتھ، کتاب ایک اسم ہے اور اس کے ساتھ یا ضمیر، یعنی ضمیرِ متصل آگئی، تو یہ آپس میں کیا بنیں گے؟ مضاف اور مضاف الیہ بنیں گے بھائی، مضاف اور مضاف الیہ۔

اچھا، آیئے اب ہم کچھ ترکیبیں کر لیتے ہیں۔ اگلا جملہ لکھیے بھائی، ترکیب کیجیے: «هٰؤُلَاءِ»، اس میں ہا پر کھڑی زبر آئے گا اور جو واؤ ساتھ لکھا ہے اس پر ہمزہ لکھیں گے۔ یہ واؤ ہے صورت میں لیکن دراصل یہ ہمزہ ہے بھائی۔ عربی میں ہمزہ کی کتابت سب سے مشکل ہے، کبھی اس کو الف کی صورت میں لکھتے ہیں، کبھی واؤ کی صورت میں لکھتے ہیں، کبھی یا کی صورت میں لکھتے ہیں بھائی۔ اور اس کے لیے باقاعدہ ضابطے اور قوانین ہیں اس کے مطابق جہاں آئے گا اس کے مطابق اسے لکھیں گے بھائی۔ ایک ضابطہ ان میں سے یہ ہے کہ اس اسم پر جو حرکت ہوتی ہے اس کے مطابق اسے لکھا جاتا ہے، تو «هٰؤُلَاءِ» ہمزہ پر کیا ہے؟ پیش، اور پیش کے مناسب الف ہے، واؤ ہے کہ یا ہے؟ واؤ پیش کے مناسب ہے، تو اس کو لہٰذا یہاں دیکھیں آپ واؤ کی صورت میں لکھا گیا اس کو۔ اچھا: «هٰؤُلَاءِ نِسَاءٌ»، نون، سین، الف اور ہمزہ، «نِسَاءٌ»، اس لفظِ نساء کا کیا معنی؟ عورتیں۔ اچھا جی، اب ترکیب کیجیے آپ بھائی۔

«هٰؤُلَاءِ» مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا، شاباش۔ «مَحَلًّا» کیوں کہا؟ مبنی ہے، کیا ہے مبنیات میں سے یہ؟ اسمِ اشارہ، یہ اسمِ اشارہ ہے، شاباش بھائی۔ اور آپ نے نساء کو کیوں نہیں مبتدا بنایا، «هٰؤُلَاءِ» کو کیوں مبتدا بنایا؟ مبتدا خبر میں بہتر یہ ہے کہ مبتدا مقدم ہو اور خبر مؤخر، اور مبتدا دیکھو معرفہ ہوتا ہے، «هٰؤُلَاءِ» اسمِ اشارہ ہے اور اسمِ اشارہ کیا ہے؟ معرفہ۔ اور نساء، یہ ضمیر ہے؟ نہیں، یہ اسمِ اشارہ ہے؟ نہیں، یہ اسمِ موصول ہے؟ اسمِ موصول بھی نہیں ہے، کسی کا نام ہے؟ نام بھی نہیں ہے، اس پر الف لام داخل ہے؟ الف لام بھی داخل نہیں، اور یہ کسی کی طرف مضاف بھی نہیں ہو رہا، اس کے آگے کوئی مضاف الیہ نہیں۔ تو معلوم ہوا یہ معرفہ نہیں، یہ نکرہ ہے۔ تو دو اسم ہیں ہمارے پاس، ایک معرفہ ہے اور ایک نکرہ ہے، تو پھر اس صورت میں کیا کرتے ہیں؟ معرفہ جو ہو اس کو جب کہ پورا جملہ ہو تو پھر معرفہ کو مبتدا بناتے ہیں اور نکرہ کو اس کی خبر، کیونکہ مبتدا میں اصل ہے معرفہ ہونا اور خبر میں اصل ہے نکرہ ہونا، نیز مبتدا میں اصل ہے مقدم ہونا اور خبر میں اصل ہے مؤخر ہونا بھائی۔ جی، تو «هٰؤُلَاءِ» مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا، آگے؟

«نِسَاءٌ» مرفوع «لَفْظًا» خبر، شاباش۔ مرفوع کیوں بھائی؟ کیونکہ یہ خبر ہے اور خبر پر کیا آتا ہے؟ رفع۔ «لَفْظًا» کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، تلفظ کر کے دکھاؤ رفع پر: «نِسَاءٌ»۔ نصب پر تلفظ کریں: «نِسَاءً»۔ اور جر پہ تلفظ کریں: «نِسَاءٍ»۔ معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کے اعراب آسکتے ہیں اور اس وقت تو رفع پڑھنا ہے کیونکہ یہ خبر ہے بھائی۔ جی، تو ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے نکال لیا، اب اس جملے کو روانی سے پڑھ دیجیے: «هٰؤُلَاءِ نِسَاءٌ»۔ ترجمہ کیجیے بھائی: یہ سب عورتیں ہیں، یہ سب عورتیں ہیں۔ سوال: بھائی آپ نے ان کو مبتدا خبر بنایا، ان کو موصوف صفت کیوں نہیں بناتے؟ اگر کوئی آپ پہ اشکال کر دے کہ ان کو موصوف صفت کیوں نہیں بناتے؟ تو یاد رکھنا بھائی، آگے صاحبِ ہدایت النحو بھی بیان کریں گے یہ ساری چیزیں کہ بھائی موصوف صفت میں مطابقت ضروری ہے، اگر موصوف معرفہ ہو تو صفت بھی کیا ہوتی ہے؟ معرفہ، اور اگر موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ ہوتی ہے۔ اور «هٰؤُلَاءِ» تو ہے معرفہ، اور نساء کیا ہے؟ نکرہ، تو یہ آپس میں موصوف صفت نہیں بن سکتے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ جی، تو «هٰؤُلَاءِ نِسَاءٌ»: یہ سب عورتیں ہیں۔

اگر فرض کرو اس پر الف لام ہوتا: «هٰؤُلَاءِ النِّسَاءُ»، الف لام آتا، «اَلنِّسَاءُ» ہوتا، تو پھر یہ آپس میں کیا بنتے؟ موصوف صفت بن سکتے تھے، اور موصوف صفت بنتے۔ اور پھر ترجمہ کیا کرتے؟ بھائی وہ ایک ضابطہ جو ابھی میں نے ضابطہ کیا کہ صفت کو کیا کرتے ہیں اردو میں؟ مقدم کر دیتے ہیں، یا موصوف سے پہلے معرفہ میں کیا لے آتے ہیں؟ وہ کا لفظ، وہ ہر جگہ نہیں چلے گا ضابطہ، خاص طور پر یہ اسمِ اشارہ کے اندر۔ تو یہاں لفظوں کے مطابق ترجمہ کر لیں: «هٰؤُلَاءِ النِّسَاءُ»، یہ سب عورتیں، بس۔ بات پوری نہیں ہے، ادھوری ہے کیونکہ موصوف صفت ہیں، مبتدا خبر نہیں ہیں۔ تو «هٰؤُلَاءِ النِّسَاءُ» یہ موصوف صفت ہیں، کیا ترجمہ ہو گا؟ یہ سب عورتیں، اسمِ اشارہ ہے قریب کے لیے۔ تو کیا ترجمہ ہوتا موصوف صفت کا؟ یہ سب عورتیں، ان کو کیا ہوا؟ بات ہے ہی نہیں پوری۔ لیکن اس وقت کیا ترجمہ ہو گا اگر یہ جو مبتدا خبر میں ہے؟ یہ سب عورتیں ہیں۔ کس کے بارے میں بات کی؟ یہ سب، یہ سب۔ اور کیا خبر دی؟ کہ یہ عورتیں ہیں، یہ خبر ہے، اور یہ بات بتلائی گئی ہے۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے بھائی؟ مبتدا وہ ہوتا ہے جس کے بارے میں بات کی جائے اور خبر وہ ہوتی ہے جو بات کی جائے۔ تو اس میں مبتدا کون؟ «هٰؤُلَاءِ»، یہ سب، اس کے بارے میں بات کی گئی کہ یہ سب جو ہیں، «نِسَاءٌ»، کیا خبر دی گئی؟ عورتیں ہیں۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے بھائی، اچھی طرح؟

اگلی ترکیب کیجیے بھائی: «هٰؤُلَاءِ رِجَالٌ»، «هٰؤُلَاءِ رِجَالٌ»۔ اعراب میں لفظوں کے عموماً نہیں بتاؤں گا، اعراب آپ نے بتانے ہوں گے بھائی۔ اچھا بھائی، اب آپ کیجیے ترکیب بھائی۔ «هٰؤُلَاءِ» مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا، شاباش۔ «هٰؤُلَاءِ» مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ «مَحَلًّا» کیوں کہا؟ اسمِ اشارہ، لیکن یوں کہنا مبنی ہے، یہ کیا ہے؟ مبنی ہے۔ اچھا، اور آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مبتدا ہے؟ کیونکہ ہمارے پاس دو لفظ ہیں اور ان دو لفظوں سے پورا جملہ بن رہا ہے اور ان میں سے ایک معرفہ ہے اور ایک نکرہ ہے، تو معرفہ جو ہے وہ اس کو کیا بناتے ہیں؟ جو پہلے آیا ہے اس کو مبتدا بناتے ہیں بھائی۔ آگے بھائی: مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا، آگے؟ «رِجَالٌ» مرفوع «لَفْظًا» خبر۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے، شاباش، خبر پر رفع آتا ہے ہمیشہ۔ «لَفْظًا» کیوں کہا؟ ہم اس کے رفع پر تلفظ کر رہے ہیں۔ ذرا اس کے رفع پر تلفظ کرو: «رِجَالٌ»۔ نصب پہ تلفظ کریں: «رِجَالًا»۔ جر پہ تلفظ کریں: «رِجَالٍ»۔ معلوم ہوا کہ اس پر تینوں طرح کے اعراب جو ہیں وہ لفظی ہیں بھائی، اس وقت تو اس پر رفع ہے تو یہ مرفوع «لَفْظًا» خبر۔ اب ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے نکال لیا، اب پورے جملے کو روانی سے پڑھ دیں بھائی: «هٰؤُلَاءِ رِجَالٌ»۔ ترجمہ کیجیے اب بھائی: یہ سب مرد ہیں، یہ سب مرد ہیں۔ تو کس کے بارے میں بات کی؟ یہ سب جو ہیں، اور کیا بات کی؟ کہ مرد ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ آپ نے خود اس کو، مبتدا خبر کا جب آپ کو پتہ چل گیا پھر ترجمے کا بھی آپ کو سارا پتہ چل گیا۔ اور یہ بھی پتہ چل گیا کس کے بارے میں بات کی گئی؟ جو مبتدا ہے اس کے بارے میں بات کی گئی ہے اور وہ کیا ہے؟ «هٰؤُلَاءِ»، یہ سب، اور کیا بات کی گئی؟ خبر کو دیکھ لو: «رِجَالٌ»، کہ یہ مرد ہیں بھائی۔

اچھا بھائی، اگر کوئی آپ کو کہہ دے یہ تو مبتدا خبر نہیں ہے موصوف صفت ہیں، آپ کیا جواب دیں گے؟ موصوف صفت میں آپس میں مطابقت ہوتی ہے، ایک معرفہ ہو تو دوسرا بھی معرفہ ہوتا ہے اور اگر ایک نکرہ ہو تو دوسرا بھی نکرہ ہوتا ہے۔ یہاں «هٰؤُلَاءِ» یہ اسمِ اشارہ ہے اور یہ تو معرفہ ہے، اور «رِجَالٌ» یہ نہ ضمیر ہے، نہ اسمِ اشارہ ہے، نہ اسمِ موصول ہے، نہ کسی کا نام ہے، نہ اس پر الف لام داخل ہے اور نہ ان میں سے کسی کی طرف یہ مضاف ہے، تو یہ نکرہ ہے۔ تو ایک معرفہ لفظ ہے، ایک نکرہ ہے، یہ آپس میں موصوف صفت بن ہی نہیں سکتے۔ موصوف اگر معرفہ ہو تو صفت بھی معرفہ، موصوف اگر نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ ہوتی ہے بھائی۔ جی روانی سے پڑھ لیا آپ نے اس کو: «هٰؤُلَاءِ رِجَالٌ»۔ اچھا، ترجمہ کیجیے: یہ سب مرد ہیں۔ فرض کیجیے اگر یہاں رجال کے بجائے «اَلرِّجَالُ» ہوتا، اس پر الف لام داخل ہوتا: «هٰؤُلَاءِ الرِّجَالُ»، اس کا کیا ترجمہ کرتے آپ؟ کیا ترجمہ ہو گا؟ یہ سب مرد۔ دیکھو بات ادھوری ہے، یہ سب مرد، ان کو کیا ہوا؟ بات ہی نہیں پوری۔ اور جملہ ہے تو اب کیا ترجمہ کر رہے ہیں؟ یہ سب مرد ہیں، دیکھو اب «ہیں» آیا تو جملہ پورا ہو گیا۔ یہ سب مرد،

اور اگر موصوف صفت تو پھر کیا ترجمہ؟ یہ سب مرد، آگے ان کو کیا ہوا وہ خبر ہے ہی نہیں یہاں پر۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ»، «زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ»۔ چلیے جی، آپ کیجیے ترکیب بھائی۔ پہلے اعراب بتائیں۔ شاباش: «زَيْدٌ» مرفوع «لَفْظًا» مبتدا۔ پہلے اعراب بتایا کریں مرفوع «لَفْظًا»، پھر بتایا کریں مبتدا ہے۔ تو «زَيْدٌ» مرفوع «لَفْظًا» مبتدا۔ اچھا، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ مبتدا ہے، شاباش، کیونکہ یہ مبتدا ہے۔ اب بتائیں «لَفْظًا» کیوں کہا آپ نے؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ یہ نہیں کہنا اس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اس سے تو اشارہ ہو جائے گا لفظ کی طرف، اور لفظ تو کہتے ہی اسے ہیں جس پر کیا کیا جائے؟ تلفظ کیا جائے۔ زید تو ایک لفظ ہے اس پر تو تلفظ ہو گا ہی، لفظ نہیں کہنا بلکہ ہم بات کس کی کر رہے ہیں؟ اعراب کی، کہ اعراب پر ہم باقاعدہ کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں: «زَيْدٌ»، «زَيْدًا»، «زَيْدٍ»، دیکھو تینوں طرح اعراب اس پر آتے ہیں۔ تو «زَيْدٌ» مرفوع «لَفْظًا» مبتدا۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مبتدا بنے گا؟ کیونکہ ہمارے پاس پورے جملے میں تین لفظ ہیں اور اس میں زید علم ہے، یہ معرفہ ہے۔ رجل بھی نکرہ اور عالم بھی کیا ہے؟ نکرہ ہے، کیونکہ نہ وہ ضمیر ہیں، نہ اسمِ اشارہ ہیں، نہ اسمِ موصول ہیں، نہ علم ہیں، نہ معرف باللام ہیں۔ تو جب معرفہ اور نکرہ ہوں مبتدا خبر بن رہے ہیں تو اس میں سے جو معرفہ ہوتا ہے اس کو کیا بناتے ہیں؟ مبتدا، تو زید معرفہ ہے اس لیے اس کو مبتدا بنایا۔ آگے ترکیب کیجیے بھائی۔

«رَجُلٌ»، اعراب بھائی، سب سے پہلے اعراب بتایا کرو: «رَجُلٌ» مرفوع «لَفْظًا» موصوف، شاباش۔ مرفوع «لَفْظًا» موصوف۔ اچھا، آپ نے تین لفظ کہے: مرفوع ہے، «لَفْظًا» ہے اور موصوف ہے۔ ہر ایک کی وجہ آپ کو ذکر کرنا پڑے گی بھائی کہ پتہ چلے آپ بات کو سمجھتے جا رہے ہیں۔ مرفوع کیوں؟ مرفوع کیوں، اس کے «لَفْظًا» کی وجہ نہیں پوچھ رہا، مرفوع کیوں کہا آپ نے؟ کیونکہ یہ خبر ہے، مبتدا گزر چکا ہے لہٰذا اب اس کے لیے کیا چاہیے؟ خبر چاہیے، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، تو مرفوع۔ «لَفْظًا» کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، تلفظ کر کے دکھاؤ: «رَجُلٌ»۔ نصب پہ تلفظ کرو: «رَجُلًا»۔ جر پہ تلفظ کریں: «رَجُلٍ»، شاباش، معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کے اعراب آتے ہیں۔ تو «رَجُلٌ» مرفوع «لَفْظًا» موصوف۔ آپ نے موصوف بھی کہا اس کو بھائی، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ ہاں، وہ ضابطہ جو میں نے بتایا تھا کہ دو یا تین یا چار نکرہ اکٹھے آ جائیں اور ان کے بعد کوئی معرفہ نہ ہو تو پھر پہلے کو کیا بناؤ؟ موصوف، اور باقیوں کو کیا بناؤ؟ اس کی صفت بناؤ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ صفت نہ کہو، صفت اردو میں کہتے ہیں، عربی میں «صِفَةٌ»، یعنی فا پر زبر پڑھنا ہے کیونکہ آخر میں عربی میں صفت کا لفظ گول تا کے ساتھ لکھتے ہیں۔ اردو میں تو لمبی تا لکھتے ہیں نا لیکن عربی میں گول تا لکھتے ہیں، اور گول تا سے ماقبل والے حرف پر ہمیشہ فتحہ آتا ہے، ہمیشہ زبر آتا ہے پورے کلامِ عرب میں دیکھ لیں۔ جہاں بھی گول تا ہو گی اس سے پہلے کیا ہو گا؟ حرف پر زبر، توصفت۔ تو دو نکرہ اکٹھے آئے تو پہلے کو بنایا موصوف اور باقیوں کو اس کی صفت۔ تو «رَجُلٌ» مرفوع «لَفْظًا» موصوف۔

آگے: «عَالِمٌ»، اعراب سب سے پہلے اعراب بتاؤ بھائی: «عَالِمٌ» مرفوع «لَفْظًا» صفت۔ مرفوع کیوں «عَالِمٌ» بھائی؟ شاباش، کیونکہ موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، موصوف پر رفع ہو تو صفت پر بھی رفع، موصوف پر اگر نصب ہو تو صفت پر بھی نصب، موصوف پر اگر جر ہو تو صفت پر بھی جر۔ ہاں دونوں کا ایک جیسا ہونا ضروری نہیں، یعنی ایک پر اعراب «لَفْظًا» ہے تو دوسرے پر بھی «لَفْظًا» ہو یہ ضروری نہیں، آئے گا دونوں پر اعراب ایک ہی جیسا۔ ایک پر رفع ہے تو دوسرے پر بھی رفع ہی ہو گا، لیکن ہو سکتا ہے ایک پر رفع کون سا ہو؟ «مَحَلًّا»، دوسرے پر کیا ہو؟ «لَفْظًا» یا «تَقْدِيرًا» ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو رفع ہو گا، رفع، یعنی اعراب ایک جیسا ہونا ضروری ہے، اعراب کی قسم ایک جیسی ہونی ضروری نہیں، وہ تو جس طرح کا لفظ ہو گا اس طرح کا اعراب آئے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو «عَالِمٌ» مرفوع «لَفْظًا» صفت۔ بھائی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ صفت کے جو صیغے ہیں، صفت کے صیغے، ان کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ بھائی جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ چاہیے، جب بھی فعل آجائے آپ نے فوراً کس کو تلاش کرنا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ اسی طرح صفت کا صیغہ بھی آجائے، فوراً آپ نے کیا تلاش کرنا ہے اس کے لیے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ اور صفت کے صیغے کون کون سے ہیں؟ اسمِ فاعل ہے، اسمِ مفعول ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسمِ تفضیل ہے اور مبالغے کے صیغے، تو ان کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ پھر ان صفت کے صیغوں کے اندر میں نے بتایا تھا اسمِ مفعول جو ہے اس کے لیے نائب الفاعل چاہیے اور باقیوں کے لیے عموماً کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے بھائی، فاعل۔

تو «عَالِمٌ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل۔ جی اب اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، کیونکہ اسمِ فاعل ہے تو اس کے لیے فاعل چاہیے، اور آگے تو کوئی لفظ آ نہیں رہا، «عَالِمٌ» کے بعد کوئی لفظ نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا پھر اسی کے اندر کیا نکالیں گے؟ فاعل کی ضمیر نکالیں گے کیونکہ فاعل تو ہر حال میں چاہیے، تو اس کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ شاباش، «هُوَ» ضمیر ہے اس کے اندر اس کا فاعل۔ اب اس «هُوَ» ضمیر کا بھی اعراب، جو بھی اسم آتا جائے اس کا اعراب نکالتے جائیں، اس «هُوَ» ضمیر کا اعراب بتائیں: «هُوَ» مرفوع «مَحَلًّا» فاعل، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے اور فاعل ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ «لَفْظًا» کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ ذرا: «هُوَ»، آپ تو زبر پڑھ رہے ہیں؟ ہاں، «مَحَلًّا»، یہ کیا ہے؟ «مَحَلًّا» ہے،

یہ آپ غلطی کریں گے، یاد رکھو غلطی کے بعد جو اصلاح ہوتی ہے اس کا فائدہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ تو «هُوَ» مرفوع «مَحَلًّا» فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ «مَحَلًّا» کیوں؟ کیونکہ «هُوَ» ضمیر ہے، اور ضمیر کس میں سے؟ مبنیات میں سے، تو یہ فاعل ہوا۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو گا۔ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنتا ہے لیکن صفت کے صیغے اپنے فاعل یا نائب فاعل وغیرہ جتنی چیزوں سے بھی یہ مل جائیں لیکن یہ مفرد کے مفرد ہی رہتے ہیں تو ان کو پھر کیا کہتے ہیں؟ شبہ جملہ۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت۔ اب آگے سمیٹتے جاؤ: موصوف صفت مل کر یہ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ایک ایک لفظ کا اعراب پتہ چل گیا، اب اس کو روانی سے پڑھو بھائی: «زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ»۔ یہاں ایک اور ضابطہ بھی لگے گا بھائی، آپ صرف میں پڑھ چکے ہیں: یرملون والا قاعدہ۔ اس یرملون کے اندر کیا پڑھا، قاعدہ کیا تھا؟ کہ نونِ ساکن کے بعد یہ حروفِ یرملون آجائیں یعنی یا، را، میم، لام، واؤ، نون، کس کے بعد یہ آئیں؟ نونِ ساکن کے بعد، تو اس نون کو بھی اسی حرف کی جنس سے بدل کر اس میں ادغام کریں گے۔ تو «زَيْدٌ»، آخر میں نون ہے یا نہیں تنوین والا؟ تنوین والا نون ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ تنوین نونِ ساکن کا نام ہے، سمجھ میں آیا؟ نونِ ساکن، کس طرح؟ دیکھو میں آپ کے سامنے لکھتا ہوں: زا، یا، دال، اور دال پر میں نے دو پیش ڈال دیے۔ اب اس کو پڑھیں ذرا: «زَيْدٌ»۔ بھائی یہ نون کہاں سے آپ پڑھ رہے ہیں؟ میں نے تو صرف زا، یا، دال لکھی ہے، تو آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ یہ نون کیا ہے؟ وہ تنوین ہے جو اوپر آپ نے دو پیش ڈالے ہیں: «زَيْدٌ»، تو تنوین کس چیز کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا نام ہے۔ تو «زَيْدٌ» دیکھو تنوین والا نونِ ساکن آیا اور اس کے بعد رجل کی را آگئی، تو نونِ ساکن کے بعد را آگئی اور را کس میں سے ہے؟ حروفِ یرملون، اس میں را بھی ہے، تو اس نون کو بھی را کر کے کیا کریں گے؟ را میں ادغام کریں گے، تو کیسے پڑھیں گے؟ «زَيْدُ الرَّجُلُ عَالِمٌ»، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو دیکھو ایک ایک لفظ کا اعراب پتہ چل گیا، اب آپ نے اس کو روانی سے پڑھ دیا: «زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ»۔ اب اس کا ذرا ترجمہ بھی کر دیں بھائی۔ موصوف صفت میں سے صفت کو اٹھا کر مقدم کر دو موصوف پر: «رَجُلٌ عَالِمٌ»، کیا ترجمہ کریں؟ پہلے موصوف صفت کا ترجمہ کر لیں، «رَجُلٌ عَالِمٌ»، کیا ترجمہ ہو گا؟ عالم آدمی، عالم مرد۔ تو کیا ترجمہ بن جائے گا «زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ»؟ زید عالم مرد ہے، زید عالم آدمی ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے بھائی؟ اچھا، اور دوسرا طریقہ کر لیں موصوف صفت کے ترجمے والا، نکرہ میں دوسرا طریقہ کیا تھا؟ ایسا یا ایسی کا لفظ لے آئیں، تو «رَجُلٌ عَالِمٌ» کا پہلے ترجمہ کرو: ایسا آدمی جو کہ عالم ہے۔ اب پورا کر دیں: زید ایسا آدمی ہے جو کہ عالم ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟ ہاں، تو دونوں طریقے یاد رکھیں، بہت سی جگہ ایک طریقہ فائدہ دے گا اور بعض جگہ دوسرا طریقہ آپ کو فائدہ دے گا، ترجمہ بہتر ہو جائے گا۔ چلیے بس کرتے ہیں بھائی، بس بھائی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۳۳: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط سوم: اسمائے اشارہ اور ضمائر کی تراکیب)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۰—بتاریخ: ۳۰ نومبر ۲۰۱۴ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

ہم مبتدا اور خبر کی ترکیب کر رہے تھے، آپ نے پڑھا کہ مبتدا بھی مرفوعات میں سے ہے اور خبر بھی مرفوعات میں سے ہے۔ اور مبتدا آسان لفظوں میں وہ ہے جس کے بارے میں بات کی جائے، اور خبر وہ جو بات کی جائے۔ اور جب کسی لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ مبتدا ہے یا خبر ہے، تو دوسری ایک اور بات کا بھی فوراً ہی آپ کو پتہ چل جاتا ہے اور وہ کیا؟ کہ اس پر رفع پڑھنا ہے، کیونکہ مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی مرفوع ہوتی ہے۔

پھر رفع کون سا پڑھنا ہے؟ کیونکہ رفع کبھی تو «مَحَلًّا» آتا ہے، کبھی «لَفْظًا» ہوتا ہے اور کبھی «تَقْدِیرًا» ہوتا ہے۔ تو اس کے لیے آپ نے غور کرنا ہے کہ یہ مبنی ہے یا معرب ہے۔ اگر مبنی ہے پھر تو اس پر اعراب «مَحَلًّا» آتا ہے، چاہے رفع ہو، نصب ہو یا جر۔ تو بات تو یہاں چل رہی ہے مبتدا اور خبر کی، تو وہ مرفوع ہوگا «مَحَلًّا» بھائی اگر وہ مبنی ہے۔ اور اگر معرب ہے تو پھر وہ سولہ قسمیں جو آپ نے نحو میر میں پڑھیں، یا وہ جو نو قسمیں آپ کے لیے بنائیں صاحبِ ہدایت النحو نے انہی سولہ کی نو قسمیں بنا دیں، تو ان میں پھر آپ غور کریں گے کہ یہ کون سی قسم ہے، اس پر اعراب «لَفْظًا» آتا ہے یا اعراب «تَقْدِیرًا» ہوتا ہے۔ اعراب «لَفْظًا» آتا ہے جیسے مفرد منصرف صحیح ہے، جبکہ «تَقْدِیرًا» اعراب آئے گا جس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہو یا جو اسمِ منقوص ہو جیسے قاضی، کہ اس پر بھی رفع اور جر «تَقْدِیرًا» آتا ہے۔

لہٰذا مبنی پر اعراب «مَحَلًّا» آتا ہے تو آپ کو مبنی کی پہچان ہونی چاہیے، اور مبنیات تو کل آٹھ ہیں لیکن اس میں سے تین کم از کم عام استعمال ہوتے ہیں اور ہر وقت آپ کو یاد ہونے چاہییں، وہ تین کیا ہیں؟ تمام ضمیریں ہیں، اسمائے اشارہ ہیں اور اسمائے موصولہ ہیں۔ اسی طرح میں نے آپ کو بتایا تھا اگر دو لفظ ہیں اور دو لفظوں سے جملہ پورا ہو رہا ہے اور ان میں سے ایک معرفہ ہے اور ایک نکرہ ہے، تو معرفہ کو مبتدا بنائیں اور نکرہ کو خبر، کیونکہ مبتدا میں اصل ہے معرفہ ہونا اور خبر میں اصل ہے نکرہ ہونا۔ لہٰذا آپ کو معرفہ نکرہ کی بھی پہچان ہونی چاہیے، آپ نے پڑھا ہے کہ معرفہ کل سات ہیں: نمبر ایک جو ہے تمام ضمیریں ہیں، نمبر دو اسمائے اشارہ ہیں، نمبر تین اسمائے موصولہ ہیں، نمبر چار علم ہے، نمبر پانچ معرف باللام یعنی جس پر الف لام داخل ہو جائے، اور نمبر چھ جو ان کی طرف کوئی اسم مضاف ہو جائے ان پانچ میں سے کسی کی طرف، اور نمبر سات معرفہ بالنداء ہے، لیکن معرفہ بالنداء وہ یہاں پر بحث نہیں کیونکہ ہم مبتدا اور خبر کی بحث پڑھ رہے ہیں بھائی۔

اس کے بعد آپ نے موصوف صفت کی ترکیب شروع کی تھی، میں نے آپ کو بتلایا تھا اگر کئی نکرہ اکٹھے آجائیں تو پھر پہلے کو موصوف بنائیں گے اور باقی سب کو اس کی صفت بنائیں گے، لیکن شرط یہ ہے کہ سب سے آخری نکرہ کے بعد کوئی معرفہ نہ آئے، اگر آخر میں معرفہ آگیا تو پھر یہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ بنیں گے، موصوف صفت نہیں بنیں گے۔ اور اگر معرفہ دو یا تین یا چار اکٹھے آجائیں تو اس صورت میں پہلے کو بنائیں گے موصوف اور باقیوں کو کیا بنائیں گے؟ صفت۔ عام طور پر میں نے بتلایا تھا یہ ضابطے کلی نہیں ہیں بلکہ اکثری ہیں، اس سے آپ کی اکثر مثالیں حل ہو جائیں گی اور آپ کی ترکیب کی بنیاد بن جائے گی، آپ کو طریقہ آجائے گا۔

اور پھر موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرنا ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ عربی میں صفت مؤخر ہوتی ہے لیکن اردو میں صفت مقدم ہوتی ہے۔ تو ایک طریقہ تو موصوف صفت کے ترجمے کا یہ ہے اردو میں کہ اس موصوف کو مؤخر کر دیں اور اس کی صفت کو اس پر مقدم کر دیں۔ جیسے «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، «رَجُلٌ»

نکرہ ہے تو «شُجَاعٌ» اس کی صفت بھی نکرہ ہے، کیونکہ موصوف صفت میں تعریف اور تنکیر کے اندر مطابقت ضروری ہے، موصوف اگر معرفہ ہو تو صفت بھی معرفہ ہو گی، موصوف اگر نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ ہو گی۔ تو «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، «رَجُلٌ» کا معنی مرد یعنی آدمی، اور «شُجَاعٌ» کا معنی بہادر۔ تو عربی میں دیکھیں مرد لفظ جو ہے موصوف مقدم ہے اور بہادر یعنی صفت مؤخر، لیکن اردو میں کیا کر دیں گے؟ صفت کو مقدم کر دیں گے اور کیا کہیں گے؟ بہادر آدمی، بہادر آدمی۔

اور معرفہ کے اندر چونکہ وہ متعین ذات پر دلالت کرتا ہے، معرفہ معرفت سے ہے، پہچان سے ہے یعنی جس کی پہچان ہوتی ہے، بولنے والے اور سننے والے دونوں کو اس کی پہچان ہوتی ہے، متعین ہوتا ہے، تو وہ جیسے میں کہتا ہوں: «اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ»، دونوں پر الف لام آ گیا۔ تو اب اس میں بھی اسی طرح ہے: بہادر آدمی، لیکن یہ تو وہی نکرہ والا ترجمہ ہوا، تو میں نے بتلایا تھا کہ معرفہ میں پھر شروع میں کون سا لفظ بڑھا دو؟ عموماً «وہ» کا لفظ بڑھا دیں: وہ بہادر آدمی۔ دیکھا، اب کسی متعین کی طرف اشارہ ہوا بھائی۔ یہ تو پہلا طریقہ تھا موصوف صفت کے ترجمے کے کہ صفت کو مقدم کر دیں اردو کے اندر۔ دوسرا طریقہ یہ ہے اردو میں موصوف صفت کے ترجمے کا کہ موصوف کو مقدم ہی رکھیں اور صفت کو مؤخر ہی رکھیں، البتہ نکرہ کے اندر موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آئیں اور معرفہ کے اندر موصوف سے پہلے وہ کا لفظ لے آئیں۔

دیکھیے اب «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، اب ترجمہ کریں کیا ترجمہ ہو گا؟ ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ اور معرفہ کا کریں: «اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ»، وہ آدمی جو کہ بہادر ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟ دیکھیے یہ پورا جملہ نہیں ہے، موصوف صفت ہے تو آپ نے اس کا موصوف صفت والا ہی ترجمہ کرنا ہے، اور اگر پورا جملہ ہے تو پھر پورے جملے کا ترجمہ ہونا چاہیے کہ بات پوری ہو جائے۔ مثلاً کیا ترجمہ کیا آپ نے «رَجُلٌ شُجَاعٌ»؟ پہلا کیا طریقہ ہے؟ بہادر آدمی۔ «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، بہادر آدمی۔ اور «اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ» اس کا کیا ترجمہ ہو گا؟ وہ بہادر آدمی یا وہ آدمی جو کہ بہادر ہے۔

اب ذرا ترجمہ کر کے دکھانا بھائی: «اَلرَّجُلُ شُجَاعٌ»، «اَلرَّجُلُ شُجَاعٌ»، جی یہ موصوف صفت ہیں یا مبتدا خبر ہیں؟ «اَلرَّجُلُ شُجَاعٌ»، توجہ ہے سبق کی طرف؟ پھر کیا غور کر رہے ہیں؟ «اَلرَّجُلُ شُجَاعٌ»۔ «اَلرَّجُلُ» پر کیا داخل ہے؟ الف لام، «شُجَاعٌ» پر الف لام ہے؟ نہیں، تو پہلا لفظ تو ہے معرفہ، دوسرے کو ہم دیکھ لیتے ہیں وہ معرفہ ہے یا نہیں؟ دیکھا یہ معرفہ سارے دیکھ لیے کہ ان میں سے تو کوئی نہیں: «شُجَاعٌ»، کیا یہ ضمیر ہے؟ ضمیر نہیں، اچھا تو دوسرا معرفہ ہے اسم اشارہ، کیا «شُجَاعٌ» اسم اشارہ ہے؟ یہ اسم اشارہ بھی نہیں ہے، تیسرا معرفہ کیا ہے؟ اسم موصول، تو کیا «شُجَاعٌ» اسم موصول ہے؟ یہ اسم موصول بھی نہیں ہے، پھر اس کے بعد دیکھ لیں اگلا معرفہ ہے علم کسی کا نام، تو «شُجَاعٌ» کسی کا نام ہے؟ نہیں یہ نام بھی نہیں، اچھا اس کے بعد دیکھ لیں کیا اس پر الف لام داخل ہے؟ نہیں یہ معرف باللام بھی نہیں، اچھا ان پانچ میں سے کسی کی طرف یہ مضاف ہے؟ اس کے آگے تو کوئی مضاف الیہ نہیں آ رہا، یہ کسی کی طرف مضاف بھی نہیں، تو معلوم ہوا یہ نکرہ ہی ہے۔

کیا ہے؟ نکرہ۔ طریقہ سمجھ میں آیا معرفہ نکرہ کو کیسے پہچاننا ہے؟ جو لفظ ہے اس کو دیکھ لیں کہ یہ معرفہ کی پانچ چھ قسموں میں سے کوئی قسم تو نہیں ہے، یہ کہیں اسم اشارہ تو نہیں؟ یہ ضمیر تو نہیں؟ یہ اسم موصول تو نہیں؟ یہ کسی کا نام تو نہیں؟ یہ معرف باللام تو نہیں یا ان میں سے کسی کی طرف مضاف تو نہیں ہے؟ جب یہ سب چیزیں آپ دیکھ لیں گے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ معرفہ ہے یا معرفہ نہیں۔ تو «شُجَاعٌ» ان میں سے کوئی بھی نہیں، معلوم ہوا وہ نکرہ ہے۔ تو اب ہمارے پاس دو لفظ ہیں: ایک معرفہ ہے ایک نکرہ ہے: «اَلرَّجُلُ شُجَاعٌ»۔ تو معلوم ہوا موصوف صفت تو یہ نہیں بن سکتے کیونکہ موصوف صفت میں تو مطابقت ضروری ہے، ایک نکرہ ہو تو دوسرا بھی نکرہ، اور اگر ایک معرفہ ہو تو دوسرا بھی کیا ہوتا ہے؟ معرفہ ہوتا ہے۔ یہاں ایک معرفہ ہے اور ایک نکرہ ہے، تو پھر معلوم ہوا یہ پورا جملہ ہے: ایک معرفہ، ایک نکرہ، اور ایک کو بنا لیں گے مبتدا، اور کس کو بنائیں گے؟ جو معرفہ ہے، اور خبر کسے بنائیں گے؟ جو نکرہ ہے۔ تو لہٰذا اب ترجمہ کریں: «اَلرَّجُلُ شُجَاعٌ»، وہ آدمی بہادر ہے، اب پوری بات ہو گئی۔ پہلے تھا: بہادر آدمی، دیکھیں بات پوری نہیں، یا پہلے تھا: وہ بہادر آدمی، تب بھی بات پوری نہیں، یا ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے، یہاں بھی بات پوری نہیں، یا ترجمہ تھا: وہ آدمی جو کہ بہادر ہے، بھائی اس کو کیا ہوا؟ آگے بات ہی نہیں ہے تو وہ بھی دیکھیں جملہ نہیں تھا، لیکن اب جملہ پورا ہے۔ «اَلرَّجُلُ شُجَاعٌ»، «اَلرَّجُلُ» کوئی متعین آدمی ہے کیونکہ اس پر الف لام داخل ہے اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے، تو کیا ترجمہ کریں گے؟ وہ آدمی «شُجَاعٌ» بہادر ہے۔ آپ نے کسی متعین آدمی کی طرف اشارہ کر کے اپنے ساتھی کو بتلایا: وہ آدمی بہادر ہے، بات پوری ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟ دیکھیں بات پوری ہو گئی۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

موصوف صفت کا آپ نے ترکیب میں خیال رکھنا ہے کہ دونوں نکرہ ہیں موصوف صفت بناؤ بشرطیکہ آخر میں کوئی معرفہ نہ آ رہا ہو اس کے فوراً بعد، اور اگر دونوں معرفہ ہیں تو پھر تو موصوف صفت ہی بنیں گے، اور اگر ایک معرفہ ہے ایک نکرہ ہے تو پھر موصوف صفت نہیں بن سکتے۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا؟ جی،

اب کیجیے ترکیب بھائی، اگلا جملہ لکھیے: «زَيْدٌ الْعَالِمُ كَاتِبٌ»، «زَيْدٌ الْعَالِمُ كَاتِبٌ»۔ اعراب آپ نے مجھے بتانے ہیں بھائی: «زَيْدٌ الْعَالِمُ كَاتِبٌ»۔ چلیے جی، اب ترکیب شروع کریں بھائی۔

«زَيْدٌ» مرفوع «لَفْظًا» مبتدا۔ اب سب کی وجہ بتانی پڑے گی: مرفوع کیوں؟ مبتدا بن رہا ہے، شاباش، اور مبتدا کس میں سے ہے؟ مرفوعات میں سے، تو اس پر رفع آئے گا۔ آپ نے کہا «لَفْظًا»، اس لفظاً کہنے کی کیا وجہ ہے؟ کیونکہ اس کے رفع پر آپ باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھایئے: «زَيْدٌ»۔ نصب پہ تلفظ کریں: «زَيْدًا»۔ جر پہ کریں: «زَيْدٍ»۔ دیکھیں سننے سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ اس پر رفع پڑھ رہا ہے، نصب پڑھ رہا ہے یا جر پڑھ رہا ہے تو اس کا اعراب کون سا ہے؟ لفظی۔ تو «زَيْدٌ» مرفوع «لَفْظًا» مبتدا۔ آپ نے مبتدا کہا بھائی، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مبتدا ہے؟ کیونکہ یہ سارے لفظ موصوف صفت تو بن نہیں سکتے، کیوں نہیں بن سکتے؟ کیونکہ بعض معرفہ ہیں اور بعض نکرہ ہیں اور پورا جملہ ہے، اور پورے جملے کے اندر جب معرفہ اور نکرہ ہوں تو معرفہ کو کیا بناتے ہیں پہلے کو؟ مبتدا، اور نکرہ کو کیا بناتے ہیں؟ خبر۔ اچھا، آپ نے مبتدا کہا، شاباش، یہ ہے مبتدا ہی، لیکن ہمارے ہاں جو طریقہ رائج ہے مبتدا کے ساتھ جتنی چیزیں ہوتی ہیں جوڑنی وہ جوڑی جاتی ہیں پھر کہتے ہیں یہ مبتدا۔ اصل میں تو یہی لفظ مبتدا ہے لیکن باقیوں کو بھی ساتھ جوڑ دیں بھائی، کیسے؟ موصوف، ہاں شاباش، «زَيْدٌ» موصوف، پھر یہ موصوف اپنی صفت سے مل کر مبتدا بنے گا۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟ دراصل صرف زید ہی مبتدا ہے، عالم اس کی صفت ہے، لیکن یہاں ترکیب کا یہ طریقہ رائج ہے چلیں اسی طرح ہم کر لیتے ہیں۔

تو «زَيْدٌ» مرفوع «لَفْظًا» موصوف۔ اب آپ مجھے جواب دیجیے موصوف کیوں کہا آپ نے؟ کیونکہ آگے اس کی صفت آ رہی ہے۔ کیسے پتہ چلا یہ صفت ہے اس کی؟ بھائی ابھی ضابطے میں نے جو لکھوائے، ضابطہ کیا پڑھا؟ دو یا تین یا چار معرفہ اکٹھے آ جائیں تو پہلے کو بناؤ موصوف اور باقیوں کو اس کی صفت۔ تو زید بھی معرفہ، کون سی قسم ہے زید معرفہ کی؟ علم ہے، نام ہے۔ «اَلْعَالِمُ»، یہ کون سا معرفہ ہے؟ یہ معرف باللام ہے، یہ بھی معرفہ ہے۔ تو «اَلْعَالِمُ» اعراب بتایئے: «اَلْعَالِمُ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسم فاعل، شاباش۔ مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسم فاعل، جی۔ مرفوع کیوں؟ مجرور یا منصوب کیوں نہیں کہتے؟ آپ نے مرفوع کہا، کیوں کہا مرفوع؟ شاباش، موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، جو موصوف پر اعراب آئے اس کی صفت پر بھی وہی اعراب آتا ہے۔ جب موصوف مرفوع تھا تو ظاہر سی بات ہے اس کی ساری صفتوں پر کون سا اعراب آئے گا؟ رفع ہی آئے گا۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟ دیکھو «زَيْدٌ» میں آپ سے پوچھا تھا مرفوع کیوں، وہاں آپ نے کہا تھا مبتدا ہے، اور «اَلْعَالِمُ» میں آپ سے پوچھا کہ مرفوع کیوں تو آپ نے یہ نہیں کہنا مبتدا ہے بلکہ یہ کیا ہے اس کی؟ صفت ہے، اس کا موصوف مرفوع تھا تو صفت بھی کیا ہو گی؟ مرفوع۔

تو «اَلْعَالِمُ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسم فاعل۔ «لَفْظًا» کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھایئے: «اَلْعَالِمُ»۔ نصب پہ تلفظ کریں: «اَلْعَالِمَ»۔ جر پہ ذرا کریں: «اَلْعَالِمِ»۔ اب تنوین نہیں آ رہی کسی حالت میں بھی کیونکہ آپ جانتے ہیں، پڑھ چکے ہیں کہ تنوین اور الف لام اکٹھے نہیں ہوتے، الف لام آ جائے تو تنوین چلی جائے گی اور الف لام نہ ہو تو پھر تنوین آ جائے گی بھائی، اِلّا یہ کہ وہ لفظ غیر منصرف ہو پھر تنوین نہیں آتی بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو «اَلْعَالِمُ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسم فاعل۔ عالم فاتح وزن ہے، صیغہ اسم فاعل، اور اسم فاعل جب بھی آ جائے اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے کیونکہ صفت کے صیغے بھی فعل کی طرح عمل کرتے ہیں، اور فعلِ معروف جب بھی آتا ہے وہ کس کا تقاضا کرتا ہے؟ فاعل کا، فعلِ مجہول جب بھی آتا ہے وہ کس کا تقاضا کرتا ہے؟ نائب الفاعل کا۔ تو اسی طرح صفت کے صیغے بھی فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کریں گے۔

اور صفت کے صیغے کون کون سے ہیں؟ اسم فاعل ہے، اسم مفعول ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسم تفضیل ہے اور مبالغے کے صیغے ہیں۔ تو اسم فاعل، اسم مفعول، صفتِ مشبہ، اسم تفضیل اور مبالغے کے صیغے، ان میں سے میں نے آپ کو بتایا تھا سب کے لیے فاعل چاہیے، صرف اسم مفعول جو ہے وہ فعلِ مجہول سے بنا ہے اور فعلِ مجہول کے لیے تو کیا چاہیے ہوتا تھا؟ نائب الفاعل، تو اسم مفعول اس کے لیے بھی کیا چاہیے ہو گا؟ نائب الفاعل، باقیوں کے لیے فاعل چاہیے۔ اچھا بھائی ایک پہلے کافی پہلے میں نے بات ذکر کی تھی کہ ایک ہوتا ہے فاعل، ایک ہوتا ہے اسم فاعل، دونوں میں فرق یاد ہے بھائی؟ فاعل کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جو کس کے بعد آئے؟ فعل کے بعد یا صفت کے صیغے کے بعد، اور وہ فعل یا صفت کا صیغہ اسے رفع دے اس طور پر کہ وہ فعل یا صفت اس کے ساتھ قائم ہو، اس پر واقع نہ ہو۔ فاعل کی آپ نے تعریف مرفوعات میں پہلے نمبر پر فاعل تھا وہ آپ نے پڑھا تھا۔ اچھا یہ تو تھا فاعل جسے فعل یا صفت کا صیغہ رفع دیتا ہے اور فعل کی اسناد اس کی طرف ہوتی ہے۔ تو اسم فاعل پھر کسے کہتے ہیں؟ وہ جو گردان میں مخصوص صیغہ پڑھا آپ نے: ضارب، فاتح، مانع، مکرم، مکتسب، مستخرج، یہ سارے کیا ہیں؟ اسم فاعل ہیں۔

اچھا اب مجھے بتایئے مفعول کسے کہتے ہیں اور اسم مفعول کسے کہتے ہیں؟ مفعول وہ ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو اور یہ منصوب ہوتا ہے، جبکہ اسم مفعول کسے

کہتے ہیں؟ وہ جو مخصوص صیغہ گردانوں میں پڑھا آپ نے: مضروب، مفتوح، مکرم، مستخرج، مکتسب، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو لہٰذا «اَلْعَالِمُ» ہوا صیغہ اسمِ فاعل اور اب اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، اور فاعل پھر اسی کے اندر کیا ہوتی ہے عموماً؟ چھپی ہوئی ضمیر ہوتی ہے۔ جی، «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں ہے وہ؟ کیونکہ وہ فاعل ہے، اور فاعل پہلے مرفوعات میں سے پہلا کون تھا؟ فاعل تھا، تو یہ مرفوع ہے۔ مرفوع «مَحَلًّا» کیوں کہا؟ کیونکہ «هُوَ» ضمیر ہے، مبنیات میں سے ہے، اور مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ «مَحَلًّا»۔ تو «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل۔ جی، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر صفت ہوئی کس کے لیے؟ موصوف کے لیے۔

یاد رکھنا، یہ ابھی فی الحال یوں ہی ترکیب چلائیں، ورنہ اصل ترکیب یہاں اور ہوگی: زید ہے مبتدا موصوف، اور یہ جو «اَلْعَالِمُ» پر الف لام ہے نا یہ اسمِ موصول ہے، کیا ہے؟ اسمِ موصول، اور عالم اس کا صلہ ہے، موصول صلہ مل کر یہ صفت ہوئی کس کی؟ زید کی۔ تو زید بھی معرفہ، اور الف لام اسمِ موصول بھی کس میں سے ہے؟ معرفہ میں سے۔ لیکن بہر حال ابھی آپ کو میں گہرائی میں نہیں لے کے جاؤں گا، آپ کے لیے مشکل ہو جائے گا، بس آپ فی الحال یوں ہی کریں۔ آگے کچھ ترکیبیں جب ہم کر لیں گے تو پھر آپ کو یہ ترکیب جس پر میں لے آؤں گا، بس اب فی الحال جو آپ نے ترکیب کر دی ٹھیک ہے کہ بات یعنی مطلب ہے آپ کو سمجھ میں آ رہی ہے۔ تو «اَلْعَالِمُ» مرفوع «لَفْظًا» ہوا، یہ صفت ہوئی۔ اب سمیٹیں: موصوف صفت مل کر مبتدا، موصوف صفت مل کر مبتدا۔ دیکھا، موصوف «زَيْدٌ» اس پر تنوین آ رہی ہے اور «اَلْعَالِمُ» یہ صفت ہے اس پر تنوین نہیں آ رہی بھائی۔ تو موصوف پر تنوین آئے تو ضروری نہیں صفت پر بھی تنوین آئے، وہ تو ان کے لفظ کے مطابق آئے گا۔ ہاں موصوف پر رفع ہو تو صفت پر بھی کیا آئے گا؟ رفع، ہاں وہ رفع ان کے لفظوں کے مطابق ہو گا۔ موصوف اگر مبنی ہے تو اس پر رفع آئے گا «مَحَلًّا»، اور صفت اگر معرب ہے تو اس پر رفع «لَفْظًا» بھی ہو سکتا ہے اور «تَقْدِيرًا» بھی۔ ہاں آئے گا رفع ہی: موصوف اگر مرفوع ہوا تو صفت بھی مرفوع، موصوف اگر منصوب ہے تو صفت بھی منصوب، اور موصوف اگر مجرور ہے تو صفت بھی مجرور۔

اچھا، تو موصوف صفت مل کر ہوئے مبتدا، آگے؟ «كَاتِبٌ»، اعراب سب سے پہلے بتایا کرو: «كَاتِبٌ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل، شاباش۔ «كَاتِبٌ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے اور خبر پر بھی کیا پڑھا جاتا ہے؟ رفع۔ اور «لَفْظًا» کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھائیے رفع پر: «كَاتِبٌ»۔ نصب پہ ذرا کریں تلفظ: «كَاتِبًا»۔ جر پہ ذرا تلفظ کریں: «كَاتِبٍ»۔ دیکھا، سننے سے ہی پتہ چل رہا ہے، تلفظ سے ہی دوسرے کو پتہ چل جاتا ہے۔ جی تو «كَاتِبٌ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل۔ «هُوَ» ضمیر اس کے اندر جو کہ مرفوع ہے، مرفوع «مَحَلًّا»۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ وہ یہ «كَاتِبٌ» کے لیے فاعل ہے، «مَحَلًّا» کیوں کہا؟ کیونکہ یہ ضمیر ہے «هُوَ»، اور ضمیر کس میں سے ہے؟ مبنیات میں سے۔ بھائی آپ نے کہا «هُوَ» مرفوع، «هُوَ» واؤ پر تو میں زبر پڑھ رہا ہوں یہ تو منصوب ہے بھائی؟ کیا جواب دیں گے کوئی اشکال کر دے؟ بار بار تو میں یہ اشکال بھی کر رہا ہوں اور جواب بھی دیتا ہوں۔ ہاں یہ اس کا اعراب نہیں ہے، یہ اس کی حرکت ہے، یہ تو مبنی ہے اعراب تو اس پہ آ ہی نہیں سکتا، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو «هُوَ» مرفوع «مَحَلًّا» فاعل۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ، فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے ملتا ہے تو کیا بنتا ہے؟ جملہ، لیکن صفت کے صیغے اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر یا اور بھی جو چیزیں بھی اس کے ساتھ آ جائیں وہ مفرد کا مفرد ہی رہتا ہے، تو لہٰذا اس کو پھر کیا کہتے ہیں؟ شبہ جملہ۔ شبہ جملہ ہو کر خبر۔ اب مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ترکیب سمجھ میں آگئی؟ ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے نکال لیا، اب اس کو ذرا روانی سے پڑھ دو: «زَيْدٌ الْعَالِمُ كَاتِبٌ»۔ دیکھو، ہاں اب یہ پڑھنا کیسے ہے وہ سیکھ لو بھائی: «زَيْدٌ»، زید کے آخر میں کیا آ رہی ہے؟ تنوین، اور تنوین کس چیز کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا، تنوین کس چیز کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا، گویا زید کے آخر میں نونِ ساکن آ رہا ہے۔ «اَلْعَالِمُ»، اس کلمے کے اندر آپ نے پڑھا ہے کہ یہ الف لام کے اندر یہ ہمزہ وصلی ہے، ہمزۂ وصلی درمیانِ عبارت میں گر جاتا ہے، شروع میں ہو تو پڑھیں گے «اَلْعَالِمُ»، لیکن یہ شروع میں ہے یا درمیان میں ہے ہمزہ؟ درمیان میں۔ «اَلْعَالِمُ» کا ہمزہ درمیان میں ہے اور درمیان میں یہ ہمزہ گر گیا، جب یہ گر گیا تو آگے لام ساکن ہے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اس سے پہلے نون ساکن تھا، آگے لام ساکن ہے، تو دو ساکن اکٹھے ہو گئے لہٰذا اب مجبوراً ایک کو حرکت دینی پڑے گی، اور قاعدہ ہے کہ «اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ فَيُحَرَّكُ بِالْكَسْرِ»، تو لہٰذا نون کو کسرہ والی حرکت دے دیں گے، کیسے پڑھیں گے؟ «زَيْدُ نِ الْعَالِمُ»، طریقہ سمجھ میں آیا؟ نون اور لام تھے نا، نون کے نیچے کسرہ دے دو اور لام سے ملاؤ: «نِ الْ»، «زَيْدُ نِ الْعَالِمُ»، طریقہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ جی: «زَيْدُ نِ الْعَالِمُ كَاتِبٌ»، جو بھی آپ نے اعراب بتایا وہ واضح پڑھیں: «زَيْدُ نِ الْعَالِمُ كَاتِبٌ»۔

جی اب ترجمہ بھی کر دیں بھائی، ایک ایک لفظ کا آپ نے ترکیب بھی کر دی، معنی بھی آپ کو پتہ ہے۔ پہلے موصوف صفت والے کو الگ الگ ترجمہ کر لیا کریں: «زَيْدُ نِ الْعَالِمُ»، اس کا کیا ترجمہ ہوا؟ یہ معرفہ ہیں نکرہ ہیں دونوں؟ معرفہ، اور معرفہ کے موصوف صفت کے ترجمے کے دو طریقے میں نے بتائے تھے آپ کو، کون کون سے؟ صفت کو مقدم کرو بھائی موصوف پر: عالم زید، صورت سمجھ میں آ گئی؟ شروع میں وہ کا لفظ بھی لاتے ہیں: وہ عالم زید، لیکن یہاں

ضرورت نہیں ہے، میں نے بتایا تھا یہ ضابطے کلی نہیں ہیں۔ بھائی یہاں وہ لانے کی کیوں نہیں ضرورت؟ بیشک لے بھی آئیں پھر بھی ٹھیک ہے، لیکن یہاں اس لیے کیونکہ نام بیچ میں آرہا ہے، جب نام لے لیا تو وہ کسی متعین کی طرف اشارہ خود ہی پتہ چل گیا کہ اس متعین کی طرف اشارہ ہے، اب وہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں، لیکن لانا بھی چاہیں تو لے آئیں، تو کیا ترجمہ ہوگا؟ وہ عالم زید، یا عالم زید، جو بھی ترجمہ آپ کر لیں۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟ یا دوسرا ترجمہ کریں موصوف صفت والا: وہ زید جو کہ عالم ہے «کَاتِبٌ» وہ کاتب ہے۔ وہ زید جو کہ عالم ہے کاتب ہے۔ یا دوسرا ترجمہ پہلا والا آسان تھا، وہ بہتر تھا: وہ عالم زید کاتب ہے، یا یوں کہیں: عالم زید کاتب ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «هٰذَا جَبَلٌ صَغِيرٌ»، ص کے ساتھ صغیر۔ صاد کا ایک دندانہ ہوتا ہے بھائی یاد رکھو، کتابت سیکھنی چاہیے طلبہ کو بھائی، کتابت سے لکھنے کے ضابطوں کا پتہ چل جاتا ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ صاد کے بعد ایک دندانہ لکھیں، صاد کا ایک دندانہ ہوتا ہے پھر غین لکھیں جی: صغیر۔ اچھا، جبل آپ جانتے ہیں کسے کہتے ہیں؟ پہاڑ کو، اور صغیر کا کیا معنی ہے؟ چھوٹا، جی۔ اب جی آپ کیجیے ترکیب بھائی۔ «هٰذَا» مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا، ایک ایک بات آپ کو بتانی پڑے گی آپ نے کیا کہا ہے۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا بن رہا ہے، شاباش۔ «لَفْظًا» کیوں؟ اس کے رفع پر تلفظ کر رہے ہیں؟ «هٰذَا» مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا، شاباش، مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ «مَحَلًّا» کیوں؟ یہ اسم اشارہ ہے، مبنی ہے۔ جی، مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا۔

آگے: «جَبَلٌ» مرفوع «لَفْظًا» موصوف۔ «جَبَلٌ» مرفوع «لَفْظًا» موصوف۔ جب مرفوع کیوں بھائی «جَبَلٌ»؟ کیونکہ مبتدا گزر چکا ہے اس کے بعد جو آگے آئے گا وہ کیا ہے؟ خبر ہے، تو یہ خبر بن رہا ہے تو مرفوع ہے۔ موصوف کہنے سے اعراب کا پتہ نہیں چلتا کیونکہ موصوف تو کچھ بھی ہو سکتا ہے، مرفوع بھی ہو سکتا ہے، منصوب بھی ہو سکتا ہے، مجرور بھی، ہاں جب آپ کہتے ہیں نا یہ خبر ہے اب اعراب کا بھی پتہ چل گیا کیونکہ خبر کس میں سے ہے؟ مرفوعات میں سے۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ تو «جَبَلٌ» مرفوع «لَفْظًا» موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، خبر ہے۔ «لَفْظًا» کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، شاباش۔ موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ کیونکہ ہم نے ضابطہ پڑھا ہے دو یا تین یا چار نکرہ اکٹھے آجائیں اور آخری نکرہ کے بعد کوئی معرفہ نہ آئے تو پھر یہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت، تو یہاں ایک اور نکرہ بھی آرہا ہے اور اس کے بعد کوئی معرفہ بھی نہیں تو معلوم ہوا یہ آپس میں موصوف صفت بنیں گے۔

آگے: «صَغِيرٌ» مرفوع «لَفْظًا» صفت۔ آپ نے تین لفظ کہے، تینوں کی وجہ بتانا پڑے گی: مرفوع کیوں؟ شاباش، اس کا موصوف مرفوع تھا تو صفت پر بھی کیا آئے گا؟ رفع آئے گا۔ صفت پر بھی رفع آئے گا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے سب کو؟ موصوف پر جو اعراب ہوتا ہے وہی اعراب کس پہ ہوتا ہے؟ صفت پر، مطابقت ہوتی ہے۔ تو موصوف مرفوع تھا تو اس پر بھی رفع۔ اچھا مرفوع آپ نے «لَفْظًا» کہا، «لَفْظًا» کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، ذرا رفع پہ تلفظ اس کے کر کے دکھایئے: «صَغِيرٌ»۔ نصب پہ تلفظ کریں: «صَغِيرًا»۔ جر پہ کیجیے: «صَغِيرٍ»، معلوم ہوا اس پر جو بھی اعراب آتا ہے وہ «لَفْظًا» آتا ہے، اس وقت تو رفع ہے تو یہ ہوا مرفوع «لَفْظًا»۔ مرفوع «لَفْظًا»، تیسرا لفظ آپ نے کیا کہا تھا؟ صفت ہے۔ بھائی میں نے آپ کو پہلے بتلایا تھا کہ صفت کا صیغہ آجائے تو پہلے اس کی بھی پوری ترکیب کرنی ہے پھر اس کو جو بنانا ہے بنائیں۔ تو یہ «صَغِيرٌ»، شريفٌ، یہ کیا ہے؟ یہ صفتِ مشبہ ہے: فعیل، شریف، عظیم، جلیل، دیکھو یہ سارے صفتِ مشبہ ہیں، یہ فعیل وزن سب سے مشہور وزن ہے صفتِ مشبہ کا: شريفٌ، كريمٌ، بخيلٌ، جليلٌ، عليمٌ، سميعٌ، یہ سارے کیا ہیں؟ وہی وزن تو ہے۔ تو لہٰذا یہ کیا ہے؟ «صَغِيرٌ» مرفوع «لَفْظًا» صفتِ مشبہ۔

جی، جب صفتِ مشبہ کہہ دیا اب اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، فاعل بتایئے: آگے تو کوئی لفظ ہے نہیں، تو اسی کے اندر «هُوَ» ضمیر، اس کا اعراب بتاؤ: «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ صغیر کے لیے فاعل ہے اور فاعل مرفوعات میں سے ہے، ہم پڑھ چکے ہیں۔ «مَحَلًّا» کیوں کہا؟ کیونکہ «هُوَ» ضمیر ہے بھائی، «هُوَ» پر تو نصب پڑھ رہا ہوں میں؟ ہاں وہ اس کی حرکت ہے، یہ مبنی ہے اس پہ اعراب آتا ہی نہیں، ظاہر ہی نہیں ہوتا، تو مرفوع «مَحَلًّا» اس کے لیے فاعل۔ تو صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، شاباش۔ صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، آگے سمیٹتے جائیں اب: موصوف اپنی صفت سے مل کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے ابھی مجھے بتایا تھا، اب اس کو ذرا پورے جملے کو روانی سے پڑھ دیں: «هٰذَا جَبَلٌ صَغِيرٌ»۔ ترجمہ کیجیے: یہ چھوٹا پہاڑ ہے۔ ہاں پہلے موصوف صفت کا ترجمہ کریں: «جَبَلٌ صَغِيرٌ»، چھوٹا پہاڑ، صفت کو مقدم کر دیا: چھوٹا پہاڑ۔ اب سارے کا ترجمہ کریں: «هٰذَا جَبَلٌ صَغِيرٌ»، یہ چھوٹا پہاڑ ہے، پورا جملہ ہے نا، مبتدا خبر ہے، پوری بات ہے: یہ چھوٹا پہاڑ ہے۔ دیکھا ترجمہ آگیا بھائی؟ چلیے بس بھائی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۳۴: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط چہارم: مرکبِ توصیفی اور مرکبِ اضافی کی مشق)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۰—بتاریخ: ۱۰ دسمبر ۲۰۱۴ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

مبتدا خبر کی ترکیب چل رہی تھی، آپ نے پڑھا مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی مرفوع ہوتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ موصوف صفت کی ترکیب بھی میں نے ملادی اور آپ کو بتلایا کہ موصوف اور صفت میں مطابقت ہوتی ہے، موصوف اگر معرفہ ہو تو صفت بھی معرفہ ہو گی اور اگر موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ ہو گی۔ اور لہٰذا آپ کو معرفہ کی پہچان ہونی چاہیے، کون کون سے ہیں معرفہ وہ آپ پڑھ چکے بھائی، گزشتہ سبق میں بھی اس کی تفصیل آگئی تھی۔

اس کے بعد موصوف صفت کے ترجمہ کرنے کا طریقہ بتایا تھا، بھائی جہاں صرف موصوف صفت ہوں گے وہاں جملہ پورا نہیں ہو گا، بات پوری نہیں ہو گی۔ ہاں جہاں مبتدا خبر ہوں گے وہاں جملہ پورا ہو گا، بات پوری ہو گی۔ جیسے آپ کہتے ہیں «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، کیا ترجمہ ہو گا؟ بہادر آدمی، اور یہ دونوں نکرہ ہیں تو دوسرا ترجمہ کیا ہو گا؟ ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے، اس کو کیا ہوا؟ ابھی بات پوری نہیں۔ اور اگر یہ معرفہ ہو «اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ»، پھر کیا ترجمہ کریں گے؟ وہ بہادر آدمی۔ اور دوسرا ترجمہ کیا کریں گے؟ وہ آدمی جو کہ بہادر ہے۔ یہ موصوف صفت والے ترجمے تھے۔ اور اگر یہ پورا جملہ ہوتا: «اَلرَّجُلُ شُجَاعٌ»، «اَلرَّجُلُ» معرفہ، «شُجَاعٌ» نکرہ، معلوم ہوا یہ تو پورا جملہ ہے، مبتدا خبر ہیں۔ اب کیا ترجمہ ہو گا «اَلرَّجُلُ شُجَاعٌ»؟ «اَلرَّجُلُ»، کیا معنی؟ وہ آدمی، «شُجَاعٌ» بہادر ہے، وہ آدمی بہادر ہے، دیکھو یہاں بات پوری ہے۔ پہلے تھا: «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، بہادر آدمی، اس کو کیا ہوا؟ کوئی خبر نہیں تھی، لیکن اب بتایا: وہ آدمی وہ کیا ہے؟ بہادر ہے، پورا جملہ ہے۔ طریقہ آگیا اچھی طرح؟

جی اب آگے لکھیے بھائی، ترکیبیں کرتے جایئے جلدی جلدی بھائی: «هٰذَا قَلَمٌ»، «هٰذَا قَلَمٌ»۔ کیجیے ترکیب بھائی۔ «هٰذَا» مرفوع «لَفْظًا»؟ نہیں، «مَحَلًّا»، «هٰذَا» مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، شاباش، مبتدا ہے یہ۔ «لَفْظًا» کیوں نہیں؟ «مَحَلًّا» کیوں کہا آپ نے؟ یہ اسمِ اشارہ ہے، اور اسمِ اشارہ مبنیات میں سے ہے اور مبنی کا اعراب «مَحَلًّا» آتا ہے۔ یعنی محل، جگہ کے اعتبار سے وہ مرفوع یا منصوب یا مجرور ہوتا ہے۔ تو مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا بنا۔ مبتدا کیوں کہا آپ نے بھائی؟ ہمارے پاس دو لفظ ہیں اور ان سے جملہ پورا ہو رہا ہے اور ان میں سے ایک معرفہ ہے اور ایک نکرہ ہے، تو ہم نے معرفہ کو کیا بنا دیا؟ مبتدا، کیونکہ «هٰذَا» اسمِ اشارہ ہے اور اسمِ اشارہ کس میں سے ہے؟ معرفہ ہوتا ہے، جی۔

قلم، آگے ترکیب کیجیے: «قَلَمٌ» مرفوع «لَفْظًا» خبر، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے، خبر پر رفع آتا ہے۔ «لَفْظًا» کیوں؟ اس کے رفع پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، تلفظ کر کے دکھایئے: «قَلَمٌ»۔ فتحہ پر تلفظ کریں: «قَلَمًا»۔ جر پہ ذرا کریں: «قَلَمٍ»، دیکھا معلوم ہوا اس پہ تینوں طرح کا اعراب «لَفْظًا» آتا ہے یعنی تلفظ سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ اب دونوں لفظوں کا اعراب بتا دیا، روانی سے پورا جملہ پڑھ لو: «هٰذَا قَلَمٌ»۔ ترجمہ کیجیے: یہ قلم ہے، دیکھو پوری بات ہے: یہ قلم ہے۔ اور اگر یہ ہوتا «هٰذَا الْقَلَمُ»، الف لام ہوتا قلم پر، تو پھر کیا ترجمہ ہوتا؟ «هٰذَا الْقَلَمُ»، یہ قلم، بھائی اس کو کیا ہوا؟ آگے بات ہی نہیں، یہ قلم، سمجھ میں آئی بات بھائی؟ موصوف صفت اور مبتدا خبر کے ترجمے میں فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ موصوف صفت صرف ہوں گے تو پھر جملہ پورا نہیں، بات پوری نہیں، اور اگر مبتدا خبر ہیں تو پھر بات پوری ہے۔

اب دوسرا جملہ لکھیں، اب الف لام لے آئیں قلم پر: «هٰذَا الْقَلَمُ جَمِيلٌ» ۔ جیم، یا، دال اور یا مشدد جید، لیکن جمیل کریں: «هٰذَا الْقَلَمُ جَمِيلٌ» ۔ چلیے جی، آپ کیجیے ترکیب بھائی۔ «هٰذَا» مرفوع «مَحَلًّا» موصوف۔ «هٰذَا» مرفوع «مَحَلًّا» موصوف، آگے کیجیے ترکیب بھائی: «اَلْقَلَمُ» مرفوع «لَفْظًا» صفت۔ «هٰذَا» مرفوع «مَحَلًّا» موصوف، «اَلْقَلَمُ» مرفوع «لَفْظًا» صفت۔ اچھا، اب آپ نے موصوف بنایا، آپ کو موصوف کیوں کہا آپ نے اسے؟ ہمارے پاس دو کلمے ہیں، وہ دونوں معرفہ ہیں۔ ہاں کیونکہ ہم نے ضابطہ پڑھا ہے دو یا تین یا چار معرفہ اکٹھے آ جائیں تو پہلے کو کیا بناتے ہیں؟ موصوف، اور دوسرے کو صفت۔ تو ہمارے پاس دو معرفہ آ گئے: «هٰذَا» بھی معرفہ، «اَلْقَلَمُ» بھی کیا ہے؟ معرفہ، تو دونوں کیا بنیں گے؟ موصوف صفت۔

تو «هٰذَا» مرفوع «مَحَلًّا» موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ اس نے مبتدا بننا ہے، اور «مَحَلًّا» کیوں؟ کیونکہ یہ مبنی ہے۔ اور موصوف کیوں؟ کیونکہ یہ معرفہ ہے اور اس کے بعد پھر ایک اور معرفہ آ رہا ہے۔ آگے کیجیے ترکیب: «اَلْقَلَمُ» مرفوع «لَفْظًا» صفت۔ یہ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ وہاں آپ نے کہا تھا مبتدا ہے اور یہاں میں پوچھ رہا ہوں مرفوع کیوں تو آپ کیا جواب دے رہے ہیں؟ کیونکہ یہ صفت ہے، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، شاباش۔ تو مرفوع «لَفْظًا» صفت۔ مرفوع کیونکہ صفت ہے، «لَفْظًا» کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «اَلْقَلَمُ» ۔ نصب پہ تلفظ کریں: «اَلْقَلَمَ» ۔ جر پہ تلفظ کریں: «اَلْقَلَمِ» ، معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کا اعراب «لَفْظًا» آتا ہے یعنی اس پر ہم تلفظ کرتے ہیں با قاعدہ۔

تو یہ مرفوع «لَفْظًا» صفت۔ موصوف صفت مل کر مبتدا، موصوف صفت مل کر مبتدا، حالانکہ دراصل مبتدا صرف «هٰذَا» ہے اور «اَلْقَلَمُ» کیا ہے اس کی صفت ہے، بہر حال جو ہمارے ہاں رائج ہے چلو اسی طرح کرتے ہیں لیکن آپ نے یاد رکھنا ہے۔ تو موصوف صفت مل کر مبتدا، آگے؟ «جَمِيلٌ» مرفوع «لَفْظًا» صفتِ مشبہ، شاباش! «جَمِيلٌ» مرفوع «لَفْظًا» صفتِ مشبہ۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، شاباش، اور خبر پر رفع آتا ہے تو یہ مرفوع۔ «لَفْظًا» کیوں؟ اس کے رفع پر ہم با قاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «جَمِيلٌ» ۔ نصب پہ ذرا تلفظ کیجیے: «جَمِيلًا» ۔ جر پہ تلفظ کیجیے: «جَمِيلٍ» ، معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کا اعراب «لَفْظًا» آتا ہے۔ اور پھر آپ نے کہا صفتِ مشبہ، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ صفتِ مشبہ ہے؟ کیونکہ یہ فعیل وزن ہے، فَعِیل وزن صفتِ مشبہ کے کئی اوزان ہیں لیکن یہ وزن تو سب سے مشہور ہے بھائی: فعیل، شریف۔ تو مرفوع «لَفْظًا» صفتِ مشبہ۔

اب صفتِ مشبہ آپ نے کہہ دیا تو معلوم ہوا یہ صفت کا صیغہ ہے، اس کے لیے پھر کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ آگے کوئی لفظ ہے اور؟ نہیں، تو پھر کیا کریں گے؟ اسی کے اندر ضمیر نکالیں گے، نکالیں بھائی: «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل۔ «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع «مَحَلًّا» اس کے اندر اس کا فاعل، جی۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ «مَحَلًّا» کیوں؟ کیونکہ «هُوَ» ضمیر ہے، مبنی ہے، اور مبنی پر اعراب «مَحَلًّا» آتا ہے۔ تو مرفوع «مَحَلًّا» اس کے لیے فاعل۔ صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اچھا، اب روانی سے پڑھ دیجیے، ایک ایک لفظ کا اعراب پتہ چل گیا: «هٰذَا الْقَلَمُ جَمِيلٌ» ۔ «هٰذَا الْقَلَمُ جَمِيلٌ» ، ترجمہ کیجیے: «هٰذَا الْقَلَمُ» یہ قلم، «جَمِيلٌ» خوبصورت ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ «هٰذَا الْقَلَمُ جَمِيلٌ» ، یہ قلم خوبصورت ہے۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «هُوَ أُسْتَاذٌ» ، «هُوَ أُسْتَاذٌ» ۔ جی، آپ کیجیے ترکیب بھائی۔ «هُوَ» مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ «لَفْظًا» کیوں نہیں؟ «هُوَ» مرفوع «مَحَلًّا» ، ہاں مرفوع «مَحَلًّا» ۔ «هُوَ» مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا، آگے: «أُسْتَاذٌ» مرفوع «لَفْظًا» اس کی خبر، شاباش۔ «أُسْتَاذٌ» مرفوع «لَفْظًا» خبر۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے اور خبر پر کیا آتا ہے؟ رفع۔ «لَفْظًا» کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «أُسْتَاذٌ» ۔ نصب پہ تلفظ کریں: «أُسْتَاذًا» ۔ جر پہ تلفظ کریں: «أُسْتَاذٍ» ، شاباش بھائی۔ تو مرفوع «لَفْظًا» خبر۔ اب جوڑیے ان کو، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے اب پڑھ دیجیے پورے جملے کو: «هُوَ أُسْتَاذٌ» ، «هُوَ أُسْتَاذٌ» ، ترجمہ کیجیے: وہ استاد ہے، وہ استاد ہے، شاباش۔

اگلا جملہ لکھیے: «هُوَ أُسْتَاذُنَا» ، «هُوَ أُسْتَاذُنَا» ۔ چلیے جی، اب پھر ترکیب کیجیے آپ۔ «هُوَ» مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا، شاباش۔ «هُوَ» مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ «مَحَلًّا» کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے، مبنیات میں سے ہے۔ اچھا تو مرفوع «مَحَلًّا» مبتدا، آگے: «أُسْتَاذُنَا» ، غور کر رہے ہیں لفظ پر؟ میں نے ایک ضابطہ آپ کو لکھوایا تھا: جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آ جائے وہاں کیا ترکیب کرنی ہے؟ مضاف اور مضاف الیہ کی۔ ضابطہ یاد آیا؟ جس اسم، فعل کی بات نہیں کر رہا، فعل کے ساتھ فاعل کی ضمیر بھی جڑ سکتی ہے مفعول کی بھی، اسم کی بات کر رہا ہوں۔ اسم کے ساتھ جب ضمیر جڑی ہوئی آ جائے تو وہ کیا بنیں گے؟ مضاف اور مضاف الیہ بنیں گے، جی اب اس سے حل کیجیے اس کو۔ «أُسْتَاذُ» مرفوع «لَفْظًا» مضاف،

شاباش! «أُسْتَاذُنَا»، اس میں سے «أُسْتَاذُ» مرفوع «لَفْظًا» مضاف۔

مرفوع کیوں؟ کیونکہ اس نے خبر بننا ہے، یہ کیا ہے؟ کیونکہ یہ خبر ہے، کیا ہے؟ خبر ہے۔ «لَفْظًا» کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: «أُسْتَاذُ»۔ اچھا، اور مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ کیونکہ جب بھی کسی اسم کے ساتھ ضمیر متصل ہو تو وہ مضاف اور مضاف الیہ بنتے ہیں، تو جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے تو وہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ بنتے ہیں، جی۔ تو «أُسْتَاذُ» مرفوع «لَفْظًا» مضاف، آگے چلیے: «نَا» ضمیر مجرور «مَحَلًّا» مضاف الیہ، شاباش۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے، خبر تو گزر گئی، مضاف اور مضاف الیہ دونوں مل کر خبر بنیں گے آپ کی بات ٹھیک ہے، لیکن ناضمیر کا اعراب مجھے بتاؤ بھائی: مجرور «مَحَلًّا»، مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔

بھائی مجرور دنیا میں دو ہی چیزیں ہیں: ایک جس پر کیا داخل ہو؟ حرفِ جر، اور دوسرا کون؟ مضاف الیہ، مضاف نہیں، کون؟ مضاف الیہ۔ جب مضاف الیہ آپ نے کہہ دیا اعراب خود بخود پتہ چل گیا بھائی، جیسے مبتدا کہتے ہی کس کا پتہ چلتا ہے؟ مرفوع ہونے کا، خبر کہتے ہی کس کا پتہ چلتا ہے؟ مرفوع ہونے کا، فاعل کہتے ہی کس کا پتہ چلتا ہے؟ مرفوع ہونے کا۔ اسی طرح جب مضاف الیہ کہہ دیا تو پھر اعراب کا بھی پتہ چل گیا کہ وہ مجرور ہے، جی اب بتائیے: ناضمیر مجرور «مَحَلًّا»، شاباش، ناضمیر مجرور «مَحَلًّا» مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے، شاباش۔ «مَحَلًّا» کیوں؟ کیونکہ یہ مبنی ہے ضمیر ہے۔ تو مجرور «مَحَلًّا» مضاف الیہ۔ اب سمیٹیے بھائی: مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے نکال لیا، اب اس کو روانی سے پڑھ دیں جملے کو: «هُوَ أُسْتَاذُنَا»، «هُوَ أُسْتَاذُنَا»، ترجمہ کیجیے: وہ ہمارے استاد ہیں، ہاں وہ ہمارے استاد ہیں۔ معنی سمجھ میں آگیا بھائی؟ «أُسْتَاذُنَا»، ہمارا استاد۔

ہاں ایک شبہ آپ کے ذہن میں یہاں آئے گا: «أُسْتَاذُنَا»، استاد مضاف کس کی طرف مضاف؟ ناضمیر کی طرف، اور ضمیر کس میں سے ہے؟ معرفہ میں سے، اور ان پانچ میں سے کسی کی طرف جو مضاف ہوتا تھا وہ بھی کیا بن جاتا تھا؟ معرفہ، تو «أُسْتَاذُنَا» یہ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ۔ «أُسْتَاذُنَا» آپ خود غور کر لیں: ہمارا استاد، اب یہ ہر استاد پہ بولا جائے گا یا جو صرف آپ کا استاد ہے اس کو کہیں گے؟ جو صرف آپ کا استاد ہے اس کو۔ لفظِ استاد، یہ تو ہر استاد پر صادق آئے گا کہ وہ استاد ہے، لیکن «أُسْتَاذُنَا» ہمارا استاد اب یہ کوئی خاص استاد آپ کا، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ اس کی طرف اشارہ ہوا کہ یہ استاد ہمارا۔ اور تو یہ معرفہ بن گیا، استاد کا لفظ بھی اب کیا بن گیا؟ معرفہ۔ تو «هُوَ» بھی معرفہ، ضمیر یعنی، اور «أُسْتَاذُنَا» بھی آگے کیا آگیا؟ معرفہ آگیا۔ تو لہٰذا ان کو کیا بننا چاہیے؟ موصوف صفت۔ اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ «هُوَ» ضمیر بھی کیا تھی؟ معرفہ، اور استاد کا لفظ بھی مضاف ہونے کے بعد کیا بن گیا؟ معرفہ۔

تو جواب یاد رکھنا کہ جو ضمیر ہوتی ہے یہ نہ موصوف بنتی ہے نہ صفت بنتی ہے۔ ضمیر کیا ہے؟ نہ موصوف بنتی ہے، نہ صفت بنتی ہے۔ لہٰذا اگر یہ بھی «هُوَ» معرفہ تو اس کو موصوف بنانا پڑے گا اور «أُسْتَاذُنَا» کو اس کی صفت بنانا پڑے گا حالانکہ ضمیر تو موصوف نہیں بنتی بھائی، ضابطہ سمجھ میں آیا؟ الضمیر لا یوصف ولا یوصف بہ، ضمیر نہ تو موصوف بنتی ہے اور نہ صفت بنتی ہے بھائی، تو لہٰذا موصوف صفت نہیں بن سکتے۔ تو ترجمہ آپ نے کر لیا: «هُوَ أُسْتَاذُنَا»، وہ ہمارے استاد ہیں۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «ذٰلِكَ الْمُسَافِرُ حَاضِرٌ»، «ذٰلِكَ الْمُسَافِرُ حَاضِرٌ»۔ چلیے جی، ترکیب کیجیے: «ذٰلِكَ» مرفوع «مَحَلًّا» موصوف۔ «ذٰلِكَ» مرفوع «مَحَلًّا» موصوف، شاباش۔ ترکیب بہت آسان ہے بھائی، تھوڑا سا آپ توجہ کریں گے انشاء اللہ چند دن میں آپ بہترین ترکیب کرنے لگیں گے۔ ہم ہدایت النحو بھی چلائیں گے ساتھ ساتھ اور کبھی کبھی یہ ترکیب والے سبق بھی بیچ میں، جو کچھ وہ بیان کرتے جائیں گے مرفوعات، منصوبات، مجرورات وہ ساتھ ساتھ ہم چلائیں گے تھوڑے تھوڑے۔ انشاء اللہ جب ہدایت النحو ختم ہو گی آپ کی ترکیب بھی بہترین ہو جائے گی بھائی، بس دعا کریں کہ کوئی رکاوٹ نہ آئے بھائی، اللہ تعالیٰ آسانی سے پورا کرنے کی توفیق دیں۔ جی دوبارہ کیجیے ترکیب: «ذٰلِكَ الْمُسَافِرُ حَاضِرٌ»۔ «ذٰلِكَ» مرفوع «مَحَلًّا» موصوف، «ذٰلِكَ» مرفوع «مَحَلًّا» موصوف۔ مرفوع کیوں بھائی؟ مبتدا بن رہا ہے، ہاں یہ مبتدا ہے: مرفوع «مَحَلًّا» موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے، مبتدا ہے اور مبتدا پر رفع آتا ہے بھائی۔ دیکھا وہ مرفوعات ذہن میں رکھنے ہیں جو آپ نے ہدایت النحو میں پڑھے ہیں۔ سمجھ میں آیا؟ مرفوعات صرف وہ ہیں، ان میں کوئی موصوف کا ذکر نہیں آیا۔ تو مرفوع «مَحَلًّا» ہوا۔ پھر «مَحَلًّا» کیوں کہا؟ کیونکہ اسمِ اشارہ ہے، مبنی ہے، شاباش۔

موصوف کیسے ہے یہ آپ کو کیسے پتہ چلا؟ جب دو کلمے اکٹھے آجائیں معرفہ، ہاں جب دو معرفہ اکٹھے آجائیں تو اول کو موصوف بناتے ہیں عموماً اور ثانی کو صفت۔ تو مرفوع «مَحَلًّا» موصوف۔ آگے: «اَلْمُسَافِرُ» مرفوع «لَفْظًا» صفت۔ مسافر کون سا صیغہ ہے بھائی؟ اسمِ فاعل، شاباش، اسمِ فاعل ہے، کس باب سے ہے؟ بابِ مفاعلہ سے ہے، مقاتلٌ وزن، مسافرٌ، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ اسمِ فاعل ہے بابِ مفاعلہ سے۔ جی، «اَلْمُسَافِرُ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ

اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ «لَفْظًا» کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «اَلْمُسَافِرُ»۔ نصب پہ تلفظ کریں: «اَلْمُسَافِرَ»۔ جر پہ تلفظ کریں: «اَلْمُسَافِرِ»، معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کا اعراب «لَفْظًا» آتا ہے یعنی اس پر ہم تلفظ کرتے ہیں با قاعدہ۔

تو یہ مرفوع «لَفْظًا» اسمِ فاعل۔ آگے کیجیے: اسمِ فاعل جب کہہ دیا تو ترکیب پوری کرو اس کی، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل، «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کے اندر اس کا فاعل، جی۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت ہوئی، اور موصوف صفت مل کر مبتدا، موصوف صفت مل کر مبتدا، جی۔ آگے: «حَاضِرٌ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل۔ «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل، «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کے اندر اس کا فاعل۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، اس میں فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے نکال لیا، اب ذرا روانی سے پڑھو اس پورے جملے کو: «ذٰلِكَ الْمُسَافِرُ حَاضِرٌ»، «ذٰلِكَ الْمُسَافِرُ حَاضِرٌ»۔ ترجمہ کیجیے: وہ مسافر حاضر ہے، وہ مسافر حاضر ہے۔ کسی خاص مسافر کی بات چل رہی تھی نا، تو اس کی طرف اشارہ کیا کہ وہ جس کی بات چل رہی تھی وہ مسافر حاضر ہے، معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟

اگلا جملہ لکھیے: عمرو۔ یہ لفظ عمرو بھی عمر کی طرح لکھتے ہیں لیکن آخر میں واؤ ڈال دیتے ہیں تاکہ فرق ہو جائے، لکھ لیا بھائی؟ عین، میم، را اور واؤ۔ تو یہ واؤ کس لیے ڈالتے ہیں آخر میں؟ تاکہ عمر سے فرق ہو جائے بھائی۔ پہلے زمانے میں جب عربی لکھتے تھے شروع میں تو اس پر زیریں زبریں، زیر زبر پیش وغیرہ نہیں تھی بھائی، یہ بعد میں علمائے اسلام نے یہ چیزیں ان کو وجود دیا، تو عرب جب لکھا کرتے تھے تو وہ واؤ کے ذریعے فرق کرتے تھے۔ عمر کے آخر میں واؤ نہیں تو عمرو کے آخر میں کیا ڈال دیا؟ واؤ بھائی، تو اس سے وہ پہچانتے تھے کیونکہ زیر زبر تو اس وقت تھی نہیں بھائی ابھی۔ تو کیا لکھا؟ عمرو۔ آگے لکھیں: «اَلتَّاجِرُ»، اس کے بعد رجل، کریم: «عَمْرٌو التَّاجِرُ رَجُلٌ كَرِيمٌ»۔

جی کس کی باری ہے ترکیب کی بھائی؟ کیجیے بھائی: یاد رکھیے لفظِ عمر، یہ غیر منصرف ہے، اس پر کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں آتی: «جَاءَنِي عُمَرُ»، تنوین نہیں ہے، عمرٌ نہیں کہنا، «جَاءَنِي عُمَرُ»، «رَأَيْتُ عُمَرَ»، «مَرَرْتُ بِعُمَرَ»، عمرٍ نہیں کہنا، اس پر کسرہ نہیں آتا، اس پر نصب، تو اس کا کسرہ آتا ہی نصب کی صورت میں ہے، تو اس کا جر بھی «لَفْظًا» ہے۔ اور یہ لفظِ عمرو، اس پر تنوین بھی آتی ہے اور تینوں اعراب بھی آتے ہیں: «عَمْرٌو»، «عَمْرًا»، «عَمْرٍو»، جی پڑھیے جی: «عَمْرٌو»، کیا سوچ رہے ہیں بھائی؟ «عَمْرٌو» مرفوع «لَفْظًا» مبتدا، شاباش! «عَمْرٌو» مرفوع «لَفْظًا» مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ «لَفْظًا» کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «عَمْرٌو»۔ نصب پہ کرو: «عَمْرًا»۔ جر پہ کرو: «عَمْرٍو»، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو «عَمْرٌو» مرفوع «لَفْظًا» کیا بنا؟ موصوف، شاباش! کیسے پتہ چلا آپ کو یہ موصوف ہے؟ کیونکہ دو کلمے آ رہے ہیں، دو معرفہ اکٹھے آ رہے ہیں، دو معرفہ تو پہلے کو کیا بنائیں گے؟ موصوف اور دوسرے کو صفت۔

تو موصوف ہوا، آگے: «اَلتَّاجِرُ» مرفوع «لَفْظًا» صفت، شاباش! «اَلتَّاجِرُ» مرفوع «لَفْظًا» صفت ہے لیکن پہلے کیا بناؤ؟ یہ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ فاعل، ہاں مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں ہے یہ؟ کیونکہ موصوف کی صفت ہے اور مبتدا مرفوع تھا تو اس کی صفت بھی کیا ہو گی؟ مرفوع، کیونکہ موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ «لَفْظًا» کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، شاباش۔ تو مرفوع «لَفْظًا» اسمِ فاعل، آگے کیجیے اس کی ترکیب: اس کے اندر «هُوَ» ضمیر، اس کا اعراب بتاؤ بھائی، جو بھی اسم آتا جائے اس کا اعراب بتاتے جاؤ ساری عبارت حل ہو جائے گی: «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت ہوئی۔ «اَلتَّاجِرُ» اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مبتدا، شاباش۔

آگے: «رَجُلٌ» مرفوع «لَفْظًا» موصوف، شاباش۔ «رَجُلٌ» مرفوع «لَفْظًا» موصوف۔ مرفوع کیوں کہا آپ نے؟ کیونکہ موصوف ہے، خبر ہے یہ، مبتدا گزر گیا اب کس نے آنا تھا؟ خبر نے۔ تو «رَجُلٌ» مرفوع «لَفْظًا» موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ «لَفْظًا» کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: «رَجُلٌ»، «رَجُلًا»، «رَجُلٍ»، تینوں طرح کا اعراب اس پر «لَفْظًا» آتا ہے۔ موصوف کیوں کہا آپ نے اس کو؟ کیونکہ دو نکرہ آ رہے ہیں اور ان کے بعد کوئی معرفہ نہیں ہے تو لہٰذا پہلا موصوف بنے گا اور دوسرا اس کی صفت۔ تو «رَجُلٌ» مرفوع «لَفْظًا» موصوف۔ آگے: «كَرِيمٌ» مرفوع «لَفْظًا» صفتِ مشبہ، شریف وزن ہے، «كَرِيمٌ» مرفوع «لَفْظًا» صفتِ مشبہ۔ مرفوع کیوں کہا؟ صفت ہے، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، موصوف پر رفع تھا رجل پر تو کریم پر بھی کیا آئے گا؟ رفع۔ تو مرفوع، «لَفْظًا» کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے

دکھاؤ: «كَرِيمٌ»، «كَرِيمًا»، «كَرِيمٍ»، معلوم ہوا اس پر بھی تینوں طرح کا اعراب آتا ہے بھائی «لَفْظًا»۔

تو مرفوع «لَفْظًا» صفتِ مشبہ، آگے: «هُوَ» ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل، اعراب اس کا بھائی: «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں ہے؟ کیونکہ فاعل ہے، اور فاعل پر ہمیشہ کیا آتا ہے؟ رفع۔ «مَحَلًّا» کیوں کہتے ہو؟ کیونکہ مبنی ہے ضمیر ہے۔ تو صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر رجل کے لیے صفت۔ موصوف صفت مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے نکال لیا، اب اس کو ذرا روانی سے پڑھ دیں: «عَمْرٌو التَّاجِرُ رَجُلٌ كَرِيمٌ»۔ ہاں دیکھو وہ ضابطہ میں نے گزشتہ سبق میں بتایا تھا: «عَمْرٌو»، آخر میں کیا آرہا ہے؟ آخر میں تنوین ہے «عَمْرٌو»، اور تنوین کس کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا نام، گویا عمرو کے آخر میں نونِ ساکن ہے، اور «اَلتَّاجِرُ» اس میں جو الف لام ہے اس میں سے ہمزہ گر گیا، ہمزۂ وصلی ہے۔ تو اب لام بھی ساکن اور ما قبل میں عمرو کا نون بھی ساکن، تو دو ساکن اکٹھے ہو گئے تو ایک کو حرکت دینی ہے اور «اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ فَيُحَرَّكُ بِالْكَسْرِ»، اس کو کسرہ کی حرکت دیں گے، کیسے پڑھیں گے؟ «عَمْرُ نِ التَّاجِرُ رَجُلٌ كَرِيمٌ»، «عَمْرُ نِ التَّاجِرُ رَجُلٌ كَرِيمٌ»۔

ترجمہ کیجیے: موصوف صفت کا ایک ایک کا ترجمہ پہلے کر لو، «عَمْرُ نِ التَّاجِرُ»، اس کا ترجمہ کرو: وہ تاجر عمرو، عمر نہیں عمرو، میم ساکن ہے: وہ تاجر عمرو۔ کریم کا معنی معزز، «رَجُلٌ كَرِيمٌ»، اب ذرا رجل کریم کا ترجمہ کرو: کریم کا معنی معزز ہے، تو «رَجُلٌ كَرِيمٌ» یعنی معزز آدمی۔ دیکھا «رَجُلٌ كَرِيمٌ» کا معنی ہوا معزز آدمی، اور «عَمْرُ نِ التَّاجِرُ» کا کیا معنی ہوا؟ وہ تاجر عمرو۔ اب جوڑ کے جملہ بنالو: وہ تاجر عمرو معزز آدمی ہے، معزز آدمی ہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟ موصوف صفت کا ترجمہ کر کے پھر پورا پورا جملہ بنالیا کرو۔ اور یہاں پر وہ کہنے کی بھی نہیں ضرورت، چلو بڑھا دیا آپ نے ٹھیک ہے، وہ بھی ٹھیک ہے: وہ تاجر عمرو معزز آدمی ہے۔ ورنہ عمرو جب نام لے لیا نا تو وہ پہلے ہی متعین ہے وہاں وہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں: تاجر عمرو معزز آدمی ہے۔ یا یوں بھی کہہ لیں دوسرا طریقہ کیا تھا موصوف صفت کے ترجمے کا؟ وہ عمرو جو کہ تاجر ہے معزز آدمی ہے، وہ عمرو جو کہ تاجر ہے معزز آدمی ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ طریقہ سمجھ میں آ گیا بھائی اچھی طرح؟ چلیے بس بھائی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۳۵: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط پنجم: مشار الیہ اور متعلقات کی تراکیب)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۰—بتاریخ: ۲ دسمبر ۲۰۱۴ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

آپ نے ترکیب کے اندر پڑھا کہ جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے تو وہاں ہمیشہ کیا ترکیب کریں گے؟ مضاف اور مضاف الیہ کی ترکیب ہوگی۔ اسی طرح میں نے آپ کو بتایا تھا کہ معرفہ کے بعد معرفہ آجائے تو وہ آپس میں موصوف صفت بنیں گے، اور ایک نکرہ کے بعد آگے اور نکرہ آجائیں تو وہ بھی سارے آپس میں موصوف صفت بنیں گے بشرطیکہ آخر میں کوئی معرفہ نہ آئے۔ اگر آخر میں معرفہ آجائے، یا یوں کہیں نکرہ کے بعد اگر معرفہ آجائے تو وہ پھر آپس میں عموماً مضاف اور مضاف الیہ بنتے ہیں بھائی۔

اب آگے ترکیب کیجیے، لکھیے بھائی: «ذٰلِكَ الرَّجُلُ بَخِيلٌ»، «ذٰلِكَ الرَّجُلُ» اس کے بعد «بَخِيلٌ»۔ چلیے بھائی، ترکیب کیجیے: «ذٰلِكَ» مرفوع «مَحَلًّا» موصوف۔ شاباش! «ذٰلِكَ» مرفوع «مَحَلًّا» موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ مبتدا ہے، شاباش۔ «مَحَلًّا» کیوں کہا؟ کیونکہ اسمِ اشارہ ہے، اسمِ اشارہ مبنیات میں سے ہے اور مبنی کا اعراب «مَحَلًّا» ہوتا ہے۔ موصوف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ ہمارے پاس دو معرفہ آرہے ہیں۔ ہاں ہمارے پاس دو معرفہ آئے اور جب معرفہ دو یا زیادہ آجائیں تو پہلے کو موصوف بناتے ہیں اور باقیوں کو اس کی صفت۔ ہاں کل ایک ضابطہ میں نے آپ سے ذکر کیا تھا کہ ضمیر جو ہے وہ معرفہ ہے لیکن وہ نہ موصوف بنتی ہے اور نہ کسی کی صفت بنتی ہے، یہ یاد رکھنا ہمیشہ۔ ضمیر نہ موصوف بنتی ہے اور نہ صفت بنتی ہے بھائی۔ تو «ذٰلِكَ» مرفوع «مَحَلًّا» موصوف۔

آگے کیجیے: «اَلرَّجُلُ» مرفوع «لَفْظًا» صفت۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے، اور پوری بات کیا کریں: موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ «لَفْظًا» کیوں کہا؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ دیکھا آپ نے بھائی؟ موصوف کا اعراب ہے «مَحَلًّا» اور صفت کا اعراب ہے «لَفْظًا»، تو اس میں اختلاف ہو سکتا ہے، وہ لفظ کے مطابق آئے گا، جس طرح کا لفظ ہوگا اسی طرح کا اعراب آئے گا، مبنی ہوگا تو «مَحَلًّا»، معرب ہوگا تو «لَفْظًا» یا «تَقْدِيرًا»۔ تو اس میں دونوں کی موصوف صفت کی مطابقت نہیں ضروری کہ موصوف اگر «مَحَلًّا» اس کا اعراب ہے تو صفت کا بھی اعراب «مَحَلًّا» ہونا چاہیے، ایسا نہیں ہے۔ ہاں ایک مرفوع ہے تو دوسرے کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ مرفوع، پھر چاہے وہ ایک مرفوع «مَحَلًّا» ہو، دوسرا «لَفْظًا» ہو، یا ایک «تَقْدِيرًا» ہو اور دوسرا «مَحَلًّا» ہو، وہ جیسے بھی ہو بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں تو مرفوع، منصوب اور مجرور ہونے میں مناسبت ضروری ہے بھائی۔

جی تو کیجیے ترکیب: «اَلرَّجُلُ» مرفوع «لَفْظًا» صفت۔ موصوف صفت مل کر مبتدا، موصوف صفت مل کر مبتدا ہوا۔ آگے: «بَخِيلٌ» مرفوع «لَفْظًا» صفتِ مشبہ، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ «لَفْظًا» کیوں؟ اس کے رفع پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھائیے: «بَخِيلٌ»۔ جی، نصب پہ تلفظ کریں: «بَخِيلًا»۔ جر پہ تلفظ کریں: «بَخِيلٍ»، دیکھا اس پر تینوں طرح کا اعراب «لَفْظًا» آتا ہے یعنی تلفظ سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ اس پر آپ رفع پڑھ رہے ہیں یا نصب پڑھ رہے ہیں یا جر پڑھ رہے ہیں۔ تو یہ مرفوع «لَفْظًا» بھائی، اور صفتِ مشبہ، کیونکہ یہ فعیل وزن ہے، شریفٌ وزن ہے۔

آگے کیجیے: «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل، ہاں اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ وہ فاعل ہے۔ «مَحَلًّا» کیوں؟ کیونکہ ضمیر مبنیات میں سے ہے۔ آگے: صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ

ہو کر خبر، مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ جی اب روانی سے پڑھ دیجیے: «ذٰلِكَ الرَّجُلُ بَخِيلٌ»۔ «ذٰلِكَ الرَّجُلُ بَخِيلٌ»، ترجمہ کیجیے: وہ مرد بخیل ہے، وہ آدمی بخیل ہے۔ موصوف صفت ہے «ذٰلِكَ الرَّجُلُ»، اس کا ترجمہ کیا: وہ آدمی، اور «بَخِيلٌ» بخیل ہے۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «قَلَمُهُ جَيِّدٌ»، «قَلَمُهُ» اس کے بعد «جَيِّدٌ»، جیم، یا مشدد اور دال۔ جی اب آپ ترکیب کیجیے بھائی: «قَلَمُ» مرفوع «لَفْظًا» موصوف؟ کیوں موصوف؟ ضمیر اس کی صفت بنے گی؟ میں نے ابھی بتایا ضمیر نہ موصوف بنتی ہے نہ صفت بنتی ہے۔ «قَلَمُ» مرفوع «لَفْظًا» مبتدا تو ہے لیکن آگے بھی تو بتائیں بھائی: «قَلَمُ» مرفوع «لَفْظًا» مضاف۔ میں نے آپ کو بتایا تھا جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے وہ آپس میں کیا بنیں گے؟ مضاف اور مضاف الیہ، وہ ضابطے ذہن میں ہر وقت رکھیں سارے بھائی۔ «قَلَمُ» مرفوع «لَفْظًا» مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا بنے گا۔ اور «لَفْظًا» کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: «قَلَمُ»، دیکھا میم پہ پیش پڑھ رہے ہیں۔ اور مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ آگے مضاف الیہ آرہا ہے ہا ضمیر۔ کیسے پتہ چلا مضاف الیہ ہے؟ ابھی ضابطہ میں نے بتایا بھائی کہ جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے تو وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف اور مضاف الیہ۔

جی آگے چلیے: «هَاء» ضمیر۔ شاباش، اس کو اکثر لوگ ہو پڑھتے ہیں: «قَلَمُهُ» ہے نا تو وہ کہتے ہیں ہو ضمیر، بھائی ہو نہیں، جو ایک حرف ہوتا ہے اس کا وہ نام لو جو الف با تا میں تھا، جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی کہ بسم اللہ، جب کسی سے ترکیب پوچھیں گے تو کہے گا با جارہ، بھائی بی جارہ کیوں نہیں کہتا؟ بسم اللہ ہے تو بی جارہ کیوں نہیں کہتا؟ کیونکہ یہ ایک حرف ہے اور ایک حرف کا جب نام لیا جاتا ہے تو وہ نام لیتے ہیں، یا یوں کہیں وہ کلمہ جو ایک حرف پر مشتمل ہو، جب اس کا نام لیتے ہیں تو وہ نام لیا جاتا ہے جو حروفِ تہجی میں ہے اس کا: الف، با، تا، ثا، جیم، حا، جو بھی نام ہے۔ تو یہ کون سا حرف ہے یہاں؟ ہا ہے، ہا۔ تو ہا ضمیر۔ ہاں اب بتائیے کیا بتایا اعراب آپ نے اس کا؟ ہا ضمیر مرفوع «مَحَلًّا»؟ مضاف الیہ بھائی، مرفوع کیوں؟ جب آپ نے مضاف الیہ کہہ دیا پھر تو آپ کو اعراب کا پتہ چل جانا چاہیے تھا، پھر کیسے آپ مرفوع کہہ رہے ہیں اس کو؟

ہاں شاباش، ہا ضمیر مجرور «مَحَلًّا» مضاف الیہ۔ یہ مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔ «مَحَلًّا» کیوں کہا؟ ضمیر ہے، مبنیات میں سے ہے۔ اگر کوئی آپ پر اعتراض کر دے: «قَلَمُهُ»، ہا پر تو ہم پیش پڑھ رہے ہیں، یہ تو مرفوع ہے، تو آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ یہ اس کی حرکت ہے۔ ہاں یہ اس کی حرکت ہے، ما قبل میں پیش تھی اس لیے اس پہ پیش پڑھ دی، ما قبل میں زیر ہوتا تو اس پہ زیر پڑھ دیتے: «قَلَمِهِ»، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اس کی حرکت ہے، یہ اعراب ہے ہی نہیں۔ تو یہ مجرور «مَحَلًّا» مضاف الیہ۔ جی اب سمیٹیے: مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا۔ آگے: «جَيِّدٌ» مرفوع «لَفْظًا» خبر۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ اور «لَفْظًا» کیوں؟ اس کے رفع پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، شاباش۔

یاد رکھیے یہ بھی صفتِ مشبہ ہے، یہ بھی کیا ہے؟ صفتِ مشبہ ہے۔ تو صفتِ مشبہ ہے، ترکیب کریں: «جَيِّدٌ» مرفوع «لَفْظًا» صفتِ مشبہ۔ آگے: «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل۔ «هُوَ» ضمیر مرفوع کیوں کہا اس کو؟ کیونکہ فاعل ہے اور فاعل مرفوعات میں سے ہے ہم پڑھ چکے بھائی۔ اور «مَحَلًّا» کیوں کہا؟ کیونکہ ضمیر ہے، مبنیات میں سے ہے۔ صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب روانی سے پڑھ دیں ایک ایک لفظ کا اعراب پتہ چل گیا: «قَلَمُهُ جَيِّدٌ»۔ «قَلَمُهُ جَيِّدٌ»، جی ترجمہ کیجیے، جید کا معنی عمدہ، اعلیٰ۔ وہ قلم اعلیٰ ہے؟ اس کا قلم اعلیٰ ہے۔ مضاف اور مضاف الیہ ہیں بھائی، اس کے مطابق ترجمہ کرو: «قَلَمِي»، کیا معنی؟ میرا قلم، اور «قَلَمُهُ»، اس کا قلم۔ «قَلَمُ زَيْدٍ»، زید کا قلم۔ مضاف اور مضاف الیہ ہے تو اس کے مطابق ترجمہ کرو بھائی: «قَلَمُهُ جَيِّدٌ»، اس کا قلم اعلیٰ ہے، عمدہ ہے۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «تِلْمِيذِي غَائِبٌ»۔ تلمیذ: تا دو نقطوں والی ہے، لام، میم، یا اور ذال۔ تلمیذ، اور آخر میں یا ہے: «تِلْمِيذِي»، آگے لکھیے «غَائِبٌ»۔ ترکیب بہت آسان ہے، چند دن آپ کریں گے انشاء اللہ آپ کہیں گے ترکیب تو بہت آسان ہے، یہ ابھی آپ کی مشق نہیں ہے بھائی، مشق نہیں ہے۔ جی اب آپ کیجیے ترکیب بھائی: تلمیذ کہتے ہیں شاگرد کو اور یا ضمیر متکلم کی ہے۔ «تِلْمِيذِي»، معنی کیا ہے تلمیذی کا؟ میرا شاگرد، میرا شاگرد۔ جی، تلمیذ مرفوع «لَفْظًا»؟ جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آئے وہ آپس میں کیا بنیں گے؟ مضاف اور مضاف الیہ۔ دوبارہ بولیں: تلمیذ مرفوع «لَفْظًا» مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ «لَفْظًا» کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ ذرا کر کے دکھاؤ: تلمیذ و کیسے پڑھ رہے ہو آپ؟ یا نہیں ہے آگے؟ پھر یا کو کیسے پڑھو گے؟ «تِلْمِيذِي»، پڑھنا تو اسی طرح ہے۔

آپ بتائیے: تلمیذ مرفوع «مَحَلًّا» مضاف؟ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ «مَحَلًّا» کیوں؟ آپ کہتے ہیں گویا مبنی ہے، یہ کیا ہے؟ مبنی تو ابھی تک میں نے تین ہی یاد کروائے ہیں آپ کو: یہ ضمیر ہے؟ ضمیر بھی نہیں ہے۔ اسمِ اشارہ ہو گا؟ اسمِ اشارہ بھی نہیں ہے یہ۔ اس میں اسمِ موصول ہے؟ اسمِ موصول بھی نہیں۔

پھر؟ مرفوع «لَفْظًا» ؟ رفع پر کیسے تلفظ کر رہے ہو، ذرا کر کے مجھے دکھاؤ یہاں پہ رفع پہ تلفظ کر کے دکھاؤ! اعراب تقدیری، وہ اعراب کی سولہ قسمیں آپ کے ذہن میں ہونی چاہییں جو نحو میر میں پڑھی تھیں، یا جو نو قسمیں صاحب ہدایت النحو نے بتائیں، اس میں آپ نے پڑھا تھا: جو اسم بھی، علاوہ جمع مذکر سالم کے، جب یا ضمیر کی طرف مضاف ہو گا اس کا اعراب تینوں حالتوں میں کیا ہو گا؟ تقدیری ہو گا۔ یہاں بھی یا ضمیر کی طرف یہ مضاف ہے تو اس کا اعراب کیا ہو گا؟ تقدیری، جی شاباش۔

تو تلمیذ مرفوع «تَقْدِيرًا» ، مرفوع تو ہے ہی یہ کیونکہ یہ کیا ہے؟ مبتدا ہے، اور پھر کون سا اعراب ہے؟ «تَقْدِيرًا» ۔ کیوں «تَقْدِيرًا» ہے؟ کیونکہ یا ضمیر کی طرف یہ مضاف ہے۔ اور پھر آگے؟ مرفوع «تَقْدِيرًا» آگے بولیں: مبتدا تو ہے، میں نے کیا بتایا تھا ضابطہ؟ پھر بھول گئے، ابھی پچھلی ترکیب میں گزرا: مضاف، جس اسم کے ساتھ ضمیرِ متصل آئے تو کیا ترکیب کرنی ہے؟ مضاف اور مضاف الیہ کی ترکیب کرنی ہے آپ نے۔ تو یہ تلمیذ مرفوع «تَقْدِيرًا» مضاف۔ ترکیب سمجھ میں آئی بھائی؟ آگے چلیں: یا ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» مضاف الیہ؟ مرفوع کیوں؟ مجرور «مَحَلًّا» ، ہاں شاباش، مجرور «مَحَلًّا» مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ پر ہمیشہ جر آتا ہے تو مجرور۔ «مَحَلًّا» کیوں کہا؟ کیونکہ ضمیر ہے، مبنی ہے، شاباش۔ مضاف الیہ ہے بھائی، جی آگے اس کو سمیٹیں: مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا۔

آگے: «غَائِبٌ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل۔ جی شاباش، مرفوع کیوں؟ کیونکہ شاباش یہ خبر ہے۔ «لَفْظًا» کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اس لیے مرفوع «لَفْظًا» ہے، ذرا رفع پہ تلفظ کر کے دکھاؤ: «غَائِبٌ» ۔ نصب پہ کرو: «غَائِبًا» ۔ جر پہ کریں: «غَائِبٍ» ، شاباش۔ تو مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل۔ آگے: «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں ہے وہ؟ کیونکہ فاعل ہے اور فاعل مرفوعات میں سے ہے۔ «مَحَلًّا» کیوں کہا؟ کیونکہ مبنیات میں سے ہے، شاباش۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مبتدا کے لیے خبر۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیے اب ہر لفظ کا اعراب پتہ چل گیا: «تِلْمِيذِي غَائِبٌ» ۔ «تِلْمِيذِي غَائِبٌ» ، ترجمہ کیجیے: میرا شاگرد غائب ہے۔ میرا شاگرد غائب ہے، جب مبتدا خبر آ گئے تو پورا جملہ ہے، پورا جملہ اس کے مطابق ترجمہ کرنا ہے۔ موصوف صفت آئیں تو موصوف صفت والا ترجمہ کرنا ہے۔ «تِلْمِيذِي غَائِبٌ» ، میرا شاگرد غائب ہے۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: زید، رجل، عالم، فاضل، یعنی ضاد کے ساتھ، کاتب، شاعر۔ لکھ لیا بھائی؟ زید، رجل، عالم، فاضل، کاتب، شاعر، اعراب آپ نے بتانے ہیں بھائی۔ جی کیجیے ترکیب بھائی: زید مرفوع «لَفْظًا» ، شاباش، کوئی مشکل نہیں ہے، سب ضابطے آپ پڑھ چکے ہیں بھائی۔ زید مرفوع «لَفْظًا» موصوف؟ شاباش، زید مرفوع «لَفْظًا» موصوف ہے، اچھا جی، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ «لَفْظًا» کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ موصوف، آپ کو کیسے پتہ چلا؟ اس کے بعد تو سارے نکرہ آ رہے ہیں، کوئی معرفہ ہے ہی نہیں! کون سا ہے معرفہ مجھے بتائیں؟ رجل معرفہ کی کون سی قسم ہے مجھے یہ بتائیں؟ رجل کسی کی طرف مضاف ہو رہا ہے آگے معرفہ کی طرف؟ آگے کوئی معرفہ ہے ہی نہیں جس کی طرف یہ مضاف ہو، معرفہ آتا پھر ہم کہتے مضاف ہے۔ اور پھر رجل خود معرفہ ہے؟ نہیں، یہ مضاف بھی نہیں ہو رہا اور خود بھی نہیں معرفہ، نہ یہ ضمیر ہے، نہ یہ اسمِ اشارہ ہے، نہ یہ اسمِ موصول ہے، نہ یہ معرف باللام ہے، نہ یہ کسی کا نام ہے، نہ کسی معرفہ کی طرف مضاف ہے، تو یہ تو نکرہ ہے! پھر کیسے آپ موصوف صفت کہہ رہے ہیں؟ موصوف صفت میں تو مطابقت ہوتی ہے، موصوف معرفہ ہو تو صفت بھی معرفہ ہوتی ہے۔

زید مرفوع «لَفْظًا» مبتدا، ہاں «زَيْدٌ» مرفوع «لَفْظًا» مبتدا، شاباش۔ بات سمجھ میں آ گئی سب کو؟ ہاں آپ نے غور کرنا ہے موصوف صفت کیسے بن رہے ہیں۔ تو «زَيْدٌ» مرفوع «لَفْظًا» مبتدا۔ آگے: «رَجُلٌ» مرفوع «لَفْظًا» موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ «لَفْظًا» کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «رَجُلٌ» ۔ نصب پہ تلفظ کریں: «رَجُلًا» ۔ جر پہ کریں: «رَجُلٍ» ، دیکھا اس پر تینوں طرح کا اعراب «لَفْظًا» آتا ہے۔ جی، موصوف کیسے آپ نے کہا؟ کیونکہ ہمارے پاس جملے ہیں ان میں کئی نکرہ آ رہے ہیں۔ ہاں کئی نکرہ اکٹھے آ رہے ہیں اور پھر ان کو، یہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت، بشرطیکہ آخر میں معرفہ نہ ہو، اور آخر میں کوئی معرفہ نہیں آ رہا، آخر میں نہ ضمیر ہے، نہ اسمِ اشارہ ہے، نہ معرف باللام ہے، نہ علم ہے، نہ اسمِ موصول ہے وغیرہ۔ تو «رَجُلٌ» مرفوع «لَفْظًا» موصوف۔

آگے: «عَالِمٌ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ صفت بن رہی ہے، پوری بات کریں: موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ ہاں کیونکہ یہ صفت ہے رجل کی، اور رجل مرفوع ہے تو یہ بھی کیا ہو گا؟ مرفوع، کیونکہ موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ تو «عَالِمٌ» مرفوع، «لَفْظًا» کیوں کہا؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ صیغہ اسمِ فاعل، جی مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل۔ آگے: «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا

فاعل، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل، شاباش۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، صفتِ اول۔ جی، کیونکہ آگے کئی صفتیں آرہی ہیں بھائی۔ آگے: «فَاضِلٌ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل۔ فاضل مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت بن رہی ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ «لَفْظًا» کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ آگے: اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفتِ ثانی۔

جی آگے: «كَاتِبٌ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل۔ کاتب مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفتِ ثالث۔ آگے: «شَاعِرٌ» مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل۔ شاعر مرفوع «لَفْظًا» صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، موصوف پر رفع تھا تو ان پر بھی کیا آئے گا؟ رفع آئے گا۔ اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفتِ رابع بھائی، جی۔

موصوف، اب لپیٹیں سب کو، ہاں موصوف اپنی چاروں صفتوں سے مل کر مبتدا کے لیے خبر بن گئی۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ جی ایک ایک لفظ کا آپ نے اعراب نکال لیا، اب اس کو روانی سے پڑھیں: آپ نے کہا «زَيْدٌ الرَّجُلُ»، یہ تو الف لام ہوتا تب یوں پڑھتے! «زَيْدٌ»، نونِ ساکن تھا پھر دو لام بھی اگلا ساکن آجاتا تو نون کو کسرہ دے دیتے۔ «زَيْدٌ رَجُلٌ»، اب یرملون والا قانون لگے گا، یرملون کا قانون میں نے آپ کو بتایا تھا: یا، را، میم، لام، واؤ، نون، اس سے پہلے اگر نونِ ساکن آجائے تو اس نون کو بھی اسی حرف کی جنس سے بدل کر اس میں کیا کرتے ہیں؟ ادغام کرتے ہیں۔ تو نون کے بعد را آ رہی ہے رجل کی، زید کے آخر میں تنوین کا نونِ ساکن ہے اور اس کے بعد کیا ہے؟ را، تو نون کو بھی را کر کے را میں ادغام کریں گے، کیسے پڑھیں گے؟ «زَيْدُرْ رَجُلٌ»، پڑھیں: «زَيْدٌ رَجُلٌ»۔ تنوین تو تب گرتی اگر اس پر الف لام ہوتا یا اس کے آگے مضاف الیہ ہوتا۔ پڑھیں: «زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ كَاتِبٌ شَاعِرٌ»۔ شاباش: «زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ كَاتِبٌ شَاعِرٌ»۔ بات سب کو اب سمجھ میں آرہی ہے بھائی؟

جی اب اس کا ترجمہ کریں بھائی: پہلے موصوف صفت کا ترجمہ کرلیں، «رَجُلٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ كَاتِبٌ شَاعِرٌ»، صرف اس کا ترجمہ کرو: پہلی صفت سے شروع کرو: عالم، فاضل، کاتب، شاعر آدمی۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ ساری صفتیں مقدم کر دیں ہم نے آدمی رجل کے لفظ پر: عالم، فاضل، کاتب، شاعر آدمی، یا یوں کہیں: عالم، فاضل، کاتب، شاعر مرد۔ ہاں اب اس کو خبر بنا دو زید کے لیے: زید عالم، فاضل، کاتب، شاعر مرد ہے، یا یوں کہیں: زید عالم، فاضل، کاتب، شاعر آدمی ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ دوسرا ترجمہ کریں بھائی، دوسرے موصوف صفت کے دوسرے ترجمے کا طریقہ میں نے بتایا تھا آپ کو: نکرہ میں کیا طریقہ تھا؟ موصوف کو مقدم ہی رکھیں اور اس سے پہلے کیا لے آئیں؟ ایسا۔ رجل ایسا آدمی، عالم، فاضل، کاتب، شاعر جو کہ عالم، فاضل، کاتب، شاعر ہے۔ اب کریں پورا ترجمہ: زید ایسا آدمی ہے جو کہ عالم، فاضل، کاتب، شاعر ہے۔ دیکھو اب پوری بات ہے۔ زید ایسا آدمی ہے جو کہ عالم، فاضل، شاعر، کاتب ہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟

اگلا جملہ لکھیے: «كِتَابُكَ ثَمِينٌ»۔ «كِتَابُكَ» اس کے بعد «ثَمِينٌ»، ثا کے ساتھ: ثا، میم، یا، نون: «كِتَابُكَ ثَمِينٌ»۔ جی ترکیب کیجیے بھائی: «كِتَابُ» مرفوع «لَفْظًا» مضاف، شاباش۔ «كِتَابُ» مرفوع «لَفْظًا» مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ «لَفْظًا» کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ مضاف کیسے آپ کو پتہ چلا؟ جس اسم کے ساتھ ضمیر متصل ہو۔ ہاں جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے تو وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف اور مضاف الیہ بنتے ہیں۔ تو «كِتَابُ» مرفوع «لَفْظًا» مضاف، شاباش۔ آگے: کاف ضمیر مجرور «مَحَلًّا» مضاف الیہ۔ کاف ضمیر مجرور «مَحَلًّا» مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے، شاباش۔ دیکھا؟ ترکیب اس طرح آسان ہے بھائی، دو تین آپ نے جملے کیے اب آپ کو ترکیب کا طریقہ آتا جا رہا ہے۔ تو مجرور «مَحَلًّا» مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ «مَحَلًّا» کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے اور ضمیر کس میں سے ہے؟ مبنیات میں سے۔ جی اب سمیٹیے: مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا، شاباش۔

آگے: «ثَمِينٌ» مرفوع «لَفْظًا» صفتِ مشبہ۔ ہاں ثمین کا معنی مہنگا ہونا، کوئی مہنگی چیز ہو۔ تو «ثَمِينٌ» مرفوع «لَفْظًا» صفتِ مشبہ، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ «لَفْظًا» کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «ثَمِينٌ»۔ نصب پہ کریں: «ثَمِينًا»۔ جر پہ کریں: «ثَمِينٍ»، معلوم ہوا اس پہ تینوں طرح کے اعراب «لَفْظًا» آتے ہیں بھائی یعنی اس کو ہم تلفظ کرتے ہیں۔ تو مرفوع «لَفْظًا» صفتِ مشبہ، کیونکہ یہ کون سا وزن ہے؟ فعیل وزن ہے، فعیل بھائی، شریف۔ جی، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع «مَحَلًّا» اس کا فاعل۔

مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے اور فاعل پر رفع ہی آتا ہے۔ «مَحَلًّا» کیوں؟ ضمیر ہے مبنیات میں سے ہے۔ توصفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، اب روانی سے پڑھ دیں پورے جملے کو: «كِتَابُكَ ثَمِينٌ»۔ «كِتَابُكَ ثَمِينٌ»، ترجمہ کیجیے: «كِتَابُكَ» کا ایک ایک حصے کا پہلے ترجمہ کرو: «كِتَابِي»، کیا ترجمہ؟ میری کتاب۔ «كِتَابُهُ»، اس کی کتاب۔ «كِتَابُكَ»، آپ کی کتاب، تمہاری کتاب۔ «كِتَابُكَ ثَمِينٌ»، آپ کی کتاب مہنگی ہے۔ ہاں «كِتَابُكَ ثَمِينٌ»، آپ کی کتاب مہنگی ہے، آپ کی کتاب مہنگی ہے۔

طریقہ سمجھ میں آرہا ہے بھائی؟ ترکیب بہت آسان ہے، چند جملے آپ کریں گے، آپ کو ابھی طریقہ نہیں آتا، آپ دیکھتے جائیں گے یہ تو بڑی آسان ہے۔ کیسے اعراب نکالنا ہے ایک ایک لفظ کا: رفع کس پہ پڑھنا ہے، نصب کس پہ پڑھنا ہے، جر کس پہ پڑھنا ہے، ایک ایک لفظ کا اعراب نکالتے جائیں اور پھر ساری عبارت کو روانی سے پڑھ دیں۔ اور اس میں ضروری ہے آپ کو ترجمے، لفظوں کا ترجمہ پتہ ہو۔ ترجمہ ہو گا معلوم ہو گا تو کبھی ایسا ہوتا ہے ترجمے سے ترکیب سمجھ میں آتی ہے، ترجمے کا پتہ ہو گا تو آپ کو ترکیب بھی سمجھ میں آجائے گی۔ جب آپ کو پتہ ہے «كِتَابُكَ ثَمِينٌ»، آپ کی کتاب مہنگی ہے، ترجمے کا اگر آپ کو پتہ ہے تو آپ سمجھ گئے یہ تو پورا جملہ ہے، اور فعل تو ہے کوئی نہیں معلوم ہوا جملہ اسمیہ ہے، اور جملہ اسمیہ کے تو دو جزو ہوتے ہیں: ایک ہوتا ہے مبتدا اور ایک ہوتی ہے خبر، تو اس کے مطابق آپ ترکیب کر لیں گے۔ اور کبھی کبھار ترکیب سے ترجمے کا پتہ چلتا ہے، کیونکہ ترکیب بدلے گی تو ترجمہ بدل جائے گا، صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا آپ کو ایک ایک لفظ کا معنی پتہ ہو، اس کے بعد آپ آرام سے ترکیب کر سکتے ہیں۔ تو اس طرح ایک ایک لفظ کا اعراب نکالتے جائیں اور پھر پوری عبارت کو روانی سے پڑھ دیں بھائی۔ یہ تو ابھی ہم چھوٹے چھوٹے جملے کر رہے ہیں، جوں جوں آگے جائیں گے آپ دیکھیں گے بڑے بڑے جملے ہیں، ترکیب کوئی مشکل ہی نہیں ہے، پورے کا آپ ترجمہ بھی سمجھیں گے، اس کا معنی بھی کریں گے، اس کا اعراب بھی نکالیں گے انشاء اللہ۔ چلیے بس بھائی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۳۶: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط ششم: مطابقتِ مبتدا و خبر اور تانیث کے احکام)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۰—بتاریخ: ۲ دسمبر ۲۰۱۴ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

ہم مبتدا اور خبر کی ترکیب کر رہے تھے۔ اگلا جملہ لکھیے بھائی: «زَيْنَبُ قَائِمَةٌ»۔ زینب، زا کے ساتھ۔ قائمہ، آخر میں گول تا ہے۔ «زَيْنَبُ قَائِمَةٌ»۔ چلیے جی، ترکیب کیجیے۔

«زَيْنَبُ»: مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ مبتدا بن رہا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھایئے: «زَيْنَبُ»۔ تنوین کیوں نہیں لائے اس پر؟ یاد رکھیے یہ غیر منصرف ہے۔ غیر منصرف پر کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں آتی۔ اور غیر منصرف وہ اسم جس کے اندر اسبابِ منعِ صرف میں سے دو سبب ہوں، یا کوئی ایک ایسا سبب ہو جو دو کے قائم مقام ہو۔ تو اس میں دو سبب کیا ہیں؟ ایک علمیت ہے، نام ہے، اور ایک تانیثِ معنوی ہے، یہ مؤنث کا نام ہے، تو تانیث ہے۔ ایک علمیت اور ایک تانیث۔ لہٰذا «زَيْنَبُ» نہیں پڑھنا بلکہ «زَيْنَبُ»۔ حالتِ نصبی میں کیسے پڑھیں گے؟ «زَيْنَبَ»۔ اور اگر یہ مجرور ہو تو پھر کیسے پڑھیں گے؟ پھر بھی «زَيْنَبَ» پڑھیں گے، شاباش۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

اچھا، اگر یہ ہوتا «زَيْنَبَ» منصوب، تو اعراب کیسے بتاتے؟ منصوب لفظاً، دیکھو نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں «زَيْنَبَ»۔ اور اگر یہ مجرور ہوتا پھر کیسے اعراب بتاتے؟ مجرور لفظاً: «زَيْنَبَ» مجرور لفظاً۔ مجرور لفظاً کیوں؟ اس کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں شاباش: «زَيْنَبَ»۔ آپ کہیں گے جر تو ہے ہی نہیں، نصب ہے؟ نہیں، یہ نصب نہیں ہے، یہ اس کا جر آتا ہی کس صورت میں ہے؟ فتحہ کی صورت میں۔ صورت فتحہ کی ہے لیکن اس پر آپ تلفظ کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے؟ «زَيْنَبَ»، اس فتحہ پر آپ باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ تو غیر منصرف جو ہوتا ہے، وہ مجرور لفظاً کہیں گے اس کو، مجرور لفظاً، وہاں تقدیراً نہیں کہنا آپ نے۔ تو «زَيْنَبُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔

آگے: «قَائِمَةٌ»: مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ شاباش، مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر بن رہی ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھایئے: «قَائِمَةٌ»۔ نصب پر تلفظ کیجیے: «قَائِمَةً»۔ جر پر تلفظ کیجیے: «قَائِمَةٍ»۔ معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کا اعراب لفظی آتا ہے، یعنی اس پر ہم تلفظ کرتے ہیں، سننے سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ تو صیغہ اسمِ فاعل ہوا، آگے۔ «هِيَ» ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل، شاباش! اس کے اندر «هِيَ» ضمیر، اعراب اس کا؟ مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ دیکھا، کیونکہ یہ مؤنث کا صیغہ ہے تو اس کے اندر «هُوَ» کی ضمیر نہیں نکالنی بلکہ «هِيَ»، اور وہ بھی کیا: «هِيَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ مرفوع آپ کہہ رہے ہیں بھائی، «هِيَ» میں تو یا پر زبر پڑھ رہا ہوں، یہ تو منصوب ہے؟ شاباش، یہ اعراب نہیں یہ اس کی حرکت ہے کیونکہ یہ مبنی ہے، یہ اسی طرح رہتا ہے۔ تو «هِيَ» مرفوع محلاً فاعل۔

اب سمیٹیے اس کو: اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب پورے جملے کو روانی سے پڑھ دو: «زَيْنَبُ قَائِمَةٌ»۔ ترجمہ کیجیے: زینب کھڑی ہے۔ شاباش، دیکھو بات پوری ہے: زینب کھڑی ہے۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «الْكِتَابُ مَوْجُودٌ»۔ «الْكِتَابُ مَوْجُودٌ»۔ چلیے جی، اب آپ ترکیب کیجیے۔

▪ قولہ: «الْكِتَابُ» کی تشریح

«الْكِتَابُ»: مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش! «الْكِتَابُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «الْكِتَابُ»۔ تنوین کیوں نہیں آئی اس پر؟ ہاں، اس پر الف لام داخل ہے اور الف لام اور تنوین اکٹھے نہیں ہوتے۔ تنوین ہو تو معلوم ہوا الف لام نہیں ہے، اور اگر الف لام آجائے پھر تنوین نہیں رہتی۔ تو «الْكِتَابُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔

آگے: «مَوْجُودٌ»: مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ مفعول، شاباش! «مَوْجُودٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ مفعول۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ رفع پر ذرا تلفظ کر کے دکھائیں: «مَوْجُودٌ»۔ نصب پر تلفظ کریں: «مَوْجُودًا»۔ جر پر ذرا تلفظ کریں: «مَوْجُودٍ»۔ معلوم ہوا اس کا بھی اعراب تینوں طرح لفظاً ہی آتا ہے: رفع بھی لفظاً، نصب بھی لفظاً، اور جر بھی لفظاً، یعنی ہم اس پر تلفظ کرتے ہیں۔ صیغہ اسمِ مفعول، آگے۔

اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب الفاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ وہ نائب الفاعل بن رہا ہے۔ بھائی، میں نے آپ کو بتایا تھا فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے، اور فعلِ مجہول کے لیے نائب الفاعل۔ اور صفت کے صیغے اپنے فعل کی طرح عمل کرتے ہیں جس سے وہ بنے ہوں۔ اسمِ فاعل وہ فعلِ معروف سے بنتا ہے تو اس میں فاعل چاہیے، اور اسمِ مفعول کس سے بنتا ہے؟ فعلِ مجہول سے، اور فعلِ مجہول کے لیے کیا چاہیے تھا؟ نائب الفاعل، تو اس کے لیے بھی کیا چاہیے؟ نائب الفاعل۔ تو لہٰذا یوں کہو: «مَوْجُودٌ» کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب الفاعل، اس کا نائب الفاعل جی۔ اسمِ مفعول اپنے نائب الفاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تو اب روانی سے پڑھ لیں پورے جملے کو: «الْكِتَابُ مَوْجُودٌ»۔ جی، ترجمہ کیجیے: کتاب موجود ہے۔ بھائی، «الْكِتَابُ» کہا، «الْكِتَابُ» معرفہ ہے اور معرفہ کسی معین ذات پر دلالت کرتا ہے جس کی آپ کو معرفت ہوتی ہے، پہچان ہوتی ہے۔ تو کیسے ترجمہ کریں گے بھائی؟ وہ کتاب، ہاں وہ کتاب۔ کسی معین کتاب، آپ کے اور میرے درمیان بات چل رہی ہے، کسی کتاب کا ذکر ہو رہا تھا تو میں نے آپ کو کہا، آپ نے کہا وہ کتاب مجھے نہیں مل رہی، میں نے کہا وہ کتاب موجود ہے میرے پاس، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو کسی معین، وہ ہاتھ سے اشارہ نہیں مراد۔ جب میں نے کہا وہ کتاب موجود ہے، تھوڑی دیر پہلے کتاب کا ذکر چل رہا تھا، میں نے کہا وہ کتاب موجود ہے، آپ سمجھ گئے یعنی کون سی کتاب مراد ہے؟ ہاں، جس کی ابھی بات چل رہی تھی۔ تو یہ وہ اشارہ کر دیا اس کی طرف جس کی بات چل رہی تھی۔ تو «الْكِتَابُ مَوْجُودٌ»: وہ کتاب موجود ہے۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «غُلَامِي رَجُلٌ أَمِينٌ»۔ «غُلَامِي رَجُلٌ أَمِينٌ»۔ چلیے جی، ترکیب کیجیے بھائی۔

«غُلَامِي»: غلام مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش! مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ مرفوعات آٹھ ہم نے پڑھے ہیں ان میں سے ایک کیا ہے؟ مبتدا، تو یہ مرفوع ہے۔ لفظاً کیوں کہا آپ نے؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، ذرا کر کے دکھاؤ: «غُلَامِي»۔ یا نہیں جڑی ہوئی ساتھ اس کے؟ کیسے پڑھیں گے میم پر پیش اور آگے یا بھی پڑھنی ہے ہم نے؟ «غُلَامِي»، کہاں ہے پیش؟ رفع کی تو تین چار صورتیں ہیں رفع کی: رفع کبھی پیش کی صورت میں آتا ہے، رفع کبھی الف کی صورت میں آتا ہے جیسے تثنیہ میں ہے، رفع کبھی واؤ کی صورت میں آتا ہے جیسے مسلمون میں ہے۔ تو یہاں تو نہ پیش پڑھ سکتے ہیں «غُلَامِي»، نہ پیش ہے، نہ الف ہے، نہ واؤ ہے، تو لفظاً کی تو کوئی صورت یہاں ہے ہی نہیں۔ پھر؟

اس کا رفع تقدیری ہے۔ ہاں، وہ سولہ قسموں میں آپ نے پڑھا تھا: جو اسم بھی، علاوہ جمع مذکر سالم کے، جب مضاف ہو کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف، تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔ رفع بھی تقدیری، نصب بھی تقدیری، جر بھی تقدیری۔ تو یہ یا کی طرف مضاف ہے یا نہیں؟ ہاں۔ تو غلام، دوبارہ بتایئے اب ترکیب کیجیے: غلام مرفوع تقدیراً مضاف۔ پیش نہ پڑھیں نا، جو حرکت پڑھ رہے تھے اس پر وہی پڑھیں: غلامی، یا کے ساتھ ہے نا، یا کو ذرا ختم کر دیں بس: «غُلَامِي»۔ میم کے نیچے صرف زیر پڑھیں، میم کو لمبا نہ کریں: «غُلَامِ»۔ شاباش! غلام مرفوع تقدیراً مضاف۔

مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ مبتدا ہے۔ تقدیراً کیوں؟ کیونکہ یہ یائے ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ پھر آپ نے کہا مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا مضاف ہے یہ؟ شاباش، جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے، زبان سے دہراؤ: جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف اور مضاف الیہ بنتے ہیں۔ جی، تو یہ مضاف ہوا۔ آگے ترکیب کیجیے، اگلے ضمیر پہ آیئے: یائے ضمیر مرفوع محلاً مضاف الیہ۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ بن رہا ہے؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور ہوتا ہے، پھر کیوں نہیں غور کر رہے پہلے اعراب پر؟ یائے ضمیر مجرور محلاً، شاباش! بس جب آپ کو اتنا پتہ چل گیا یہ مضاف الیہ ہے تو ساتھ ہی دوسری بات کا خود بخود پتہ چل گیا بھائی۔ تو یائے ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ محلاً

کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے، مبنیات میں سے ہے۔ جی، اب جوڑیے ان کو: غلام مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا، شاباش!

بات سمجھ میں آگئی؟ بس میں نے آپ کو کئی دفعہ بتایا ہے کہ یہ ہمارے ہاں یوں کہتے ہیں: مضاف اپنے مضاف الیہ سے، یا موصوف اپنی صفت سے مل کر کیا ہوا؟ مبتدا۔ دراصل مبتدا صرف وہ پہلا لفظ ہوتا ہے، بعد والے وہ یا مضاف الیہ ہوتا ہے یا صفت ہوتی ہے، لیکن چونکہ وہ مبتدا ہی کے ساتھ سارے متعلق ہیں اس لیے سارے کو ہی کیا کہہ دیتے ہیں؟ مبتدا کہہ دیتے ہیں۔ تو «غُلَامِي» مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا۔

آگے: «رَجُلٌ»: مرفوع لفظاً موصوف، شاباش! «رَجُلٌ» مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھایئے: «رَجُلٌ»۔ آپ نے کہا موصوف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ کیونکہ دو نکرہ اکٹھے آگئے اور ان کے بعد کوئی معرفہ نہیں ہے تو یہ آپس میں کیا بنیں گے؟ موصوف صفت۔ جی، آگے۔

«أَمِينٌ»: مرفوع لفظاً صفت۔ پھر غور کر لیں: مرفوع لفظاً صفتِ مشبہ، شاباش! امین، فعیل، شریف دیکھو، کریم، یہ عام سب سے وزن ہے، یہ یاد کر لو بھائی یاد کر لو، بار بار آرہا ہے۔ تو «أَمِينٌ» مرفوع لفظاً صفتِ مشبہ۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے، پوری بات کریں، کیونکہ یہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ موصوف مرفوع تھا لہٰذا صفت بھی کیا ہوگی؟ مرفوع ہوگی۔ لفظاً کیوں کہا؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، تلفظ کر کے دکھایئے: «أَمِينٌ»۔ آگے کیجیے ترکیب: «هُوَ» ضمیر اس کا فاعل۔ اعراب بھائی: «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ محلاً کیوں کہا؟ کیونکہ مبنیات میں سے ہے، شاباش!

صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت۔ موصوف صفت مل کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، شاباش! ایک ایک لفظ کا اعراب آپ کو پتہ چل گیا، عبارت حل ہوگئی۔ اب اس کو پڑھ لیں روانی سے بس: «غُلَامِي رَجُلٌ أَمِينٌ»۔ ترجمہ کیجیے: غلامی کا پہلے ایک ایک حصے کا الگ ترجمہ کر لو، غلامی: میرا غلام۔ اچھا، اب اس کا دوسرے کا الگ کرو: رجل امین، صرف اس کا ترجمہ کرو موصوف صفت ہیں: دیانت دار آدمی، امانت دار آدمی۔ اب ملا دو پورے جملے کو، جملہ بنا دو اس سے: میرا غلام امین آدمی ہے، یا میرا غلام دیانت دار آدمی ہے، یا میرا غلام ایسا آدمی ہے جو کہ دیانت دار ہے، امانت دار ہے، جو بھی ترجمہ کر لیں۔ معنی سمجھ میں آگیا بھائی؟

اگلا جملہ لکھیے: «الرَّجُلَانِ كَاتِبَانِ»۔ «الرَّجُلَانِ كَاتِبَانِ»۔ چلیے جی، ترکیب کیجیے بھائی۔

■ قولہ: «الرَّجُلَانِ» کی تشریح

«الرَّجُلَانِ»: مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش! «الرَّجُلَانِ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا بن رہا ہے۔ بھائی، میں تو اس پہ زیر پڑھ رہا ہوں: «الرَّجُلَانِ»؟ ہاں، اس کا رفع، یہ تثنیہ ہے سولہ قسموں میں سے تثنیہ، اور اس کا رفع کس کے ساتھ آتا تھا؟ الف کے ساتھ، اور الف ہے یا نہیں: «الرَّجُلَانِ»؟ تو مرفوع لفظاً، جی مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش بھائی!

آگے: «كَاتِبَانِ»: مرفوع لفظاً خبر۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے، شاباش! لفظاً کیسے ہے؟ «الرَّجُلَانِ»، «رَجُلَيْنِ»، «كَاتِبَانِ»، «كَاتِبَيْنِ»۔ جی، اب بتایئے مجھے، کیا خرابی نظر آرہی ہے آپ کو؟ غور کرو بھائی غور کرو، کیا خرابی نظر آرہی ہے؟ دیکھو، یہ پورا جملہ ہے، اتنا میں نے آپ کو بتا دیا ہے، یہ کیا ہے؟ جملہ ہے۔ معلوم ہوا یہ موصوف صفت تو ہے نہیں، موصوف صفت بھی اگر ہوتے تو «الرَّجُلَانِ» مرفوع تھا تو کاتبین نہیں ہونا چاہیے تھا، الکاتبان ہونا چاہیے تھا۔ وہ بھی تثنیہ ہے وہ بھی تثنیہ ہے، دونوں کا رفع کس کے ساتھ آئے گا ظاہر سی بات ہے؟ الف کے ساتھ۔ تو یہ پورا جملہ ہے، اور جملے میں ایک معرفہ ہے اور ایک نکرہ ہے، اور معرفہ کو کیا بناتے ہیں؟ مبتدا، اور نکرہ کو کیا بناتے ہیں؟ خبر، اور خبر بھی کیا ہوتی ہے؟ مرفوع ہی ہوتی ہے، خبر بھی کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ لہٰذا اس کو مرفوع ہی ہونا چاہیے، کیا ہونا چاہیے؟ مرفوع ہی۔ تو مرفوع کیسے ہوگا؟ اس کو حالتِ رفعی میں لے جاؤ کاتبین کو: «كَاتِبَانِ»، شاباش! کیا ہوگا؟ «كَاتِبَانِ»۔ منصوب ہوتا تو کیا ہوتا؟ کاتبین۔ اور اسی طرح مجرور ہوتا تو بھی کیا ہوتا؟ کاتبین۔ اور ہمیں یہاں کیا چاہیے؟ رفع ہر حال میں، کیونکہ یہ کیا ہے؟ خبر، اور خبر کیونکہ مرفوع ہوتی ہے تو کس طرح ہوتا؟ کاتبان۔ معلوم ہوا یہ جس ساتھی نے جملہ بنایا اس سے غلطی ہوئی یا لکھنے والے سے غلطی ہوئی، کیونکہ یہ تو ہر حال میں خبر ہے، جب خبر ہے تو خبر نے تو ہونا ہی کیا ہے؟ مرفوع۔ منصوب یا مجرور ہو سکتی ہے؟ نہیں، تو کاتبین تو منصوب یا مجرور حالت میں اس طرح آتا ہے، حالتِ رفعی میں یہ «كَاتِبَانِ» ہونا چاہیے، کیا ہونا چاہیے؟ «كَاتِبَانِ»۔ تثنیہ کا اعراب یاد کرو بھائی، تثنیہ کا کیا اعراب ہے؟ رفع کس کے ساتھ؟ الف۔

نصب اور جر؟ یا۔ اور ہمیں کیا چاہیے یہاں؟ رفع چاہیے۔ کیوں رفع چاہیے؟ کیونکہ یہ خبر ہے ظاہر سی بات ہے۔ جب خبر کہہ دیا، ساتھ ہی ایک اور بات قطعی طور پر طے ہو گئی کہ اس پر آنا کیا ہے؟ رفع ہی آنا ہے، اور اس لفظ کا رفع کس طرح آتا ہے؟ یہ تثنیہ ہے اس کا رفع الف کے ساتھ آتا ہے، اس پر پیش وغیرہ تو نہیں آتی الف آتا ہے، اور وہ الف نہیں ہے، ہونا چاہیے ہر حال میں، تو کیا ہو گا؟ «كَاتِبَانِ»، شاباش! معلوم ہوا یہ کتابت وغیرہ کی کوئی غلطی ہے لہٰذا۔

جی، اب آگے کیجیے: «كَاتِبَانِ»: مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، کیونکہ کاتب کی تثنیہ ہے نا: مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ آگے: اسمِ فاعل آ گیا اس میں کیا کرتے ہیں پھر؟ ضمیر نکالتے ہیں، آگے تو کوئی نہیں ہے اسم جو اس کا فاعل بنے، فاعل تو ہمیں ہر حال میں چاہیے۔ یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا فعل یا صفت کا صیغہ آئے اور اس کے لیے فاعل یا نائب الفاعل نہ آئے، تو لہٰذا آگے تو کوئی نہیں اسی کے اندر ہمیں نکالنا ہے، اب کون سی ضمیر نکالیں گے؟ تثنیہ کی ضمیر نکالیں گے کیونکہ تثنیہ کا صیغہ ہے، «هُوَ» یا «هِيَ» نہیں نکالیں گے بلکہ «هُمَا»۔

فعل کے اندر جو الف آتا تھا نا: «ضَرَبَ ضَرَبَا»، وہ الف ہی تثنیہ کی ضمیر ہوتی تھی، وہاں «هُمَا» نہیں کہتے تھے بلکہ کیا کہتے تھے؟ الف، تثنیہ کی ضمیر فاعل ہے، لیکن یہ جو صفت کے صیغوں میں الف آتا ہے یہ ضمیر نہیں ہوتی، یہ تثنیہ کی علامت ہے بس۔ «كَاتِبٌ»، تثنیہ بناؤ: «كَاتِبَانِ»، یہ الف جو آ گیا یہ تثنیہ کی ضمیر نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ علامت ہے تثنیہ کی بس۔ سوال پیدا ہوتا ہے یہ کیوں نہیں، اس کو ضمیر کیوں نہیں کہتے؟ فعل میں جو الف آتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ضمیر کہتے ہیں، اور تثنیہ کے اندر جو الف آتا ہے اس کو ضمیر نہیں کہتے اس کو کیا کہتے ہیں؟ یہ صرف تثنیہ کی علامت ہے یہ ضمیر نہیں ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ کہ ضمیر تو مبنی ہوتی ہے اور مبنی کیا ہے؟ اس کی حالت برقرار رہتی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، حالانکہ «كَاتِبَانِ» حالتِ رفعی میں اور حالتِ نصبی جری میں وہی الف کس سے بدل گیا؟ یا سے: «كَاتِبَيْنِ»، یہ وہی الف کس سے بدل گیا؟ یا سے۔ معلوم ہوا وہ ضمیر نہیں، اگر ضمیر ہوتی تو صورت نہ بدلتی، یہ صورت بدل رہی ہے معلوم ہوا یہ ضمیر نہیں ہے۔ یہ دلیل یاد رکھنا بھائی، یہ پھر فرق آپ کو سمجھ میں آئے گا۔ فعل میں جو الف ہوتا ہے یا واؤ ہوتا ہے وہ ضمیر، وہ ضمیر ہوتی ہے، اور صفت کے صیغوں میں جو الف آئے یا یائے ضمیر آئے یا اسی طرح واؤ آئے «مُسْلِمُونَ» میں جیسے ہے، یہ ضمیریں نہیں ہیں بلکہ یہ کیا ہیں؟ یہ علامتیں ہیں، تثنیہ یا جمع کی علامتیں ہیں۔

تو اس کے اندر «هُمَا» ضمیر، اس کا اعراب بتاؤ «هُمَا» ضمیر کا: «هُمَا» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ ہاں، «هُمَا» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ وہ فاعل ہے۔ کیونکہ فاعل ہے اور فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے۔ اور محلاً کیوں کہا؟ کیونکہ وہ ضمیر ہے اور ضمیر مبنیات میں سے ہے، شاباش! اب سمیٹیے: اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر بنی۔ ہاں، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب روانی سے پورے جملے کو پڑھ دیں: «الرَّجُلَانِ كَاتِبَانِ»۔ یا کو الف سے بدل دیا تھا؟ جی ہاں: «الرَّجُلَانِ كَاتِبَانِ»۔ ترجمہ کیجیے: وہ دو مرد کاتب ہیں۔ کسی معین دو مردوں کی طرف اشارہ ہے۔ اگر ہوتا نا «رَجُلَانِ كَاتِبَانِ»، تو معلوم ہوا کوئی غیر معین آدمی ہیں پھر یہ موصوف صفت بن جاتے اور جملہ بھی نہ رہتا، لیکن اگر صورت سمجھ میں آ گئی تو اب یہاں پر کیا ہو رہا ہے؟ الف لام آیا تو کسی معین دو مردوں، وہ دو مرد جو ہیں وہ کاتب ہیں، وہ دو مرد کاتب ہیں۔

اگلا جملہ لکھیے: «الِامْرَأَةُ الْعَاقِلَةُ مَوْجُودَةٌ»۔ الف لکھیں، الف پھر لام الف لکھیں، یہ جو لام الف ہے نا اس کے اندر الف کے نیچے ہمزہ ڈال دیں، ہاں اور پھر میم را، پھر الف لکھیں اس کے اوپر ہمزہ ڈال دیں، الف کے اوپر ہمزہ ڈالنا ہے اور پھر گول تا لکھیں: «الِامْرَأَةُ»۔ «الْعَاقِلَةُ»: قاف دو نقطوں والا ہے، لام ہے اور پھر گول تا ہے۔ «الْعَاقِلَةُ»۔ «مَوْجُودَةٌ»: آخر میں گول تا ہے۔ چلیے جی، ترکیب کیجیے بھائی۔

▪ قولہ: «الِامْرَأَةُ» کی تشریح

«الِامْرَأَةُ»: مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: «الِامْرَأَةُ»۔ مبتدا، آگے۔ «الْعَاقِلَةُ»: مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ میں نے کیا ضابطہ لکھوایا تھا؟ پھر ضابطے بھول گئے لگتا ہے۔ کیا ضابطہ تھا؟ ہاں بھائی، آپ بتاؤ: جب دو معرفہ یا زیادہ معرفہ آ جائیں تو ان میں سے پہلا موصوف بنے گا اور دوسرا صفت۔ مجھے بتاؤ دونوں اسموں پر الف لام آ رہے ہیں، اتنی واضح علامت ہے معرفہ کی، آپ پھر کیسے غلطی کرتے ہو؟ یہ لگتا ہے تکرار نہ کرنے کی وجہ سے، ورنہ یہ ترکیب اب تک آپ بڑی تیزی سے کرتے اگر آپ تکرار کر رہے ہوتے سبق کا۔ میرا خیال میں ترکیب جتنے دنوں سے چل رہی ہے میں کروا کے جاتا ہوں پھر آپ اس کو ہاتھ نہیں لگاتے کہ بس گزر گئی۔

جی: «الِامْرَأَةُ»: مرفوع لفظاً موصوف۔ «الْعَاقِلَةُ»: مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ «الِامْرَأَةُ» مرفوع لفظاً موصوف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا

ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ موصوف کیوں؟ کیونکہ جب دو معرفہ اکٹھے آ جائیں تو پہلا موصوف بنتا ہے اور دوسرا صفت، موصوف۔ آگے۔ «اَلْعَاقِلَةُ»: مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ صفت ہے، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، جی۔ مؤنث کی ضمیر، صیغہ مؤنث کا ہے: «هِيَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت۔ موصوف صفت مل کر مبتدا۔

آگے: «مَوْجُودَةٌ»: مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ مفعول، جی۔ «هِيَ» ضمیر اس کے اندر اس کا نائب الفاعل۔ یہ «مَوْجُودَةٌ» مرفوع کیوں کہا اس کو؟ یہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں کہا؟ ہم اس کے رفع پر تلفظ کر رہے ہیں۔ اور اس کے اندر «هِيَ» ضمیر اس کا نائب الفاعل، وہ کیا ہے اعراب اس کا؟ مرفوع فاعل یعنی نائب الفاعل ہونے کی وجہ سے۔ اور محلاً؟ کیونکہ مبنی ہے۔ پھر اسمِ مفعول اپنے نائب الفاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب پہلے روانی سے پڑھ دیجیے: «اَلِامْرَأَةُ اَلْعَاقِلَةُ مَوْجُودَةٌ»۔ ترجمہ کیجیے: وہ عقل مند عورت موجود ہے۔ شاباش، وہ عاقلہ عورت موجود ہے یا وہ عقل مند عورت موجود ہے۔ سمجھ میں آیا؟ پہلے مبتدا کا صرف ترجمہ کر کے دیکھ لیا کرو: «اَلِامْرَأَةُ اَلْعَاقِلَةُ»، کیا ترجمہ ہو گا؟ وہ عقل مند عورت، کیونکہ معرفہ ہے نا متعین کی طرف اشارہ ہے، وہ عقل مند عورت، دیکھو صفت کو موصوف پر مقدم کر دیا۔ وہ عقل مند عورت، «مَوْجُودَةٌ»: موجود ہے۔ وہ عقل مند عورت موجود ہے بھائی۔

ترکیب ہماری ساتھ ساتھ چلتی رہے گی بھائی اسباق کے ساتھ ساتھ، اور کبھی ترکیب کے سبق شروع ہو جائیں گے، کبھی کتاب میں سے ہم سبق شروع کر دیں گے۔ اور جو چیزیں پڑھتے جائیں گے کوشش کرتے جائیں گے کچھ کچھ مثالوں کے ساتھ اس کی ترکیب کرتے رہیں، ان شاء اللہ جب تک کتاب مکمل ہو گی آپ کو بہترین ترکیب آ جائے گی بھائی۔ یہی ترکیبیں جو شروع میں آپ کو بڑی مشکل معلوم ہوں گی، لیکن دو چار دن ہی گزریں گے آپ دیکھیں گے کہ یہ تو بڑی آسان ہے، اس میں کوئی مشکل ہے ہی نہیں، اور اس طرح کی ترکیبیں جہاں کہیں بھی آئیں گی آپ آسانی سے کرتے چلے جائیں گے۔

لیکن طریقہ یاد رکھنا بھائی: یہاں جن جملوں کی میں ترکیب کرواؤں آپ سے، وہ آپ نے پھر بند کر کے نہیں رکھنا بلکہ اس کو وہ ترکیبیں پھر تین چار ساتھی مل کر بیٹھا کریں، اس کا تکرار کیا کریں، ایک ساتھی ایک جملے کی ترکیب پوری کرے جو جس طرح میں نے کروائی ہو، اور باقی ساتھی سنیں، اگر کہیں کمی آئے تو اس کو بتائیں بھائی۔ اور پھر دوسرا ساتھی دوسرے جملے کی پوری ترکیب کرے اور باقی ساتھی سنیں، جہاں کہیں وہ غلطی کرے یا وہ کچھ بھول جائے رہ جائے تو باقی ساتھی اس کو بتائیں بھائی۔ تو اس طرح آپ نے وہ سارے جملوں کی بیٹھ کر ان کا ان کی ان سارے جملوں کا آپ نے بیٹھ کر تکرار کرنا ہے، یعنی ان کی پھر دوبارہ ترکیب کرنی ہے۔

تو صرف یہ نہیں کہ مجھ سے سنا اور کاپی بند کر دی، پھر فائدہ کم ہو گا بھائی۔ ہاں، اس طریقے سے آپ چلیں گے، یہاں بھی ترکیب کریں پھر اس کا تکرار بھی کریں، ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے دنوں کے اندر آپ کی ترکیب بہتر سے بہتر ہوتی چلی جائے گی بھائی، دنوں کے اندر۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۷: جملہ اسمیہ وفعلیہ کی عملی تراکیب (قسط ہفتم: مفاعیل اور متعلقات کی مشق)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۰—بتاریخ: ۸ دسمبر ۲۰۱۴ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

مبتدا اور خبر کی ترکیب ہم کر رہے تھے۔ آپ نے پڑھا کہ مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی مرفوع۔ جیسے ہی کسی لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ مبتدا ہے، ساتھ ہی ایک دوسری بات کا بھی آپ کو پتہ چل جاتا ہے کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔ اور اسی طرح جب کسی لفظ کے بارے میں پتہ چل جائے کہ یہ خبر ہے، تو ساتھ ہی ایک دوسری بات کا بھی پتہ چل جاتا ہے کہ اس پر رفع پڑھنا ہے، یہ مرفوع ہے بھائی، مرفوع۔

اور اس کے ساتھ ساتھ میں نے موصوف صفت کی بھی ترکیب آپ کو کروائی۔ آپ نے پڑھا کہ دو معرفہ یا زیادہ معرفہ اکٹھے آجائیں تو پہلے کو موصوف بنائیں گے اور باقیوں کو صفت، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر موصوف مرفوع ہوگا تو صفت بھی مرفوع ہوگی، اگر موصوف منصوب ہوگا تو صفت بھی منصوب ہوگی، اور اگر موصوف مجرور ہو تو صفت بھی مجرور ہوگی بھائی۔

تو معرفہ کی صفت ہمیشہ معرفہ ہی آتی ہے، جبکہ نکرہ کی صفت نکرہ آتی ہے۔ تو اگر دو، تین یا چار نکرہ اکٹھے آجائیں اور ان کے بعد کوئی معرفہ نہ آرہا ہو، تو یہ بھی آپس میں عموماً موصوف صفت بنتے ہیں۔ تو پہلے نکرہ کو موصوف بناتے ہیں اور بعد والوں کو صفت۔ اور اگر آخر میں کوئی معرفہ آجائے، مثلاً کوئی ضمیر آ گئی، اسمِ موصول آگیا وغیرہ، تو پھر یہ موصوف صفت نہیں بنیں گے بلکہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ بنیں گے۔ پہلا مضاف بنے گا اگلے کے لیے اور اگلا لفظ پہلے کے لیے مضاف الیہ ہوگا اور اگلے لفظ کے لیے مضاف بنے گا، اس طرح بھائی۔

اور پھر موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرنا ہے؟ میں نے آپ کو طریقہ بتلایا کہ اردو میں صفت مقدم ہوتی ہے، لہٰذا عربی میں جو صفت ہے، جو مؤخر ہے، اس کو اردو ترجمے میں مقدم کر دیں۔ جیسے «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، کیا ترجمہ کریں گے؟ بہادر آدمی، بہادر آدمی۔ اور معرفہ کے اندر «الرَّجُلُ الشُّجَاعُ»، اس میں کیسے ترجمہ کریں گے؟ وہ بہادر آدمی، کسی متعین کی طرف اشارہ ہوگا بھائی، متعین کی طرف۔ دوسرا طریقہ اردو میں موصوف صفت کے ترجمے کا یہ ہے کہ عربی میں موصوف مقدم تھا، آپ اردو میں بھی اس کو مقدم رکھیں، اور صفت مؤخر تھی، اردو میں بھی صفت کو مؤخر ہی رکھیں، مقدم نہ کریں۔ البتہ نکرہ کے اندر موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آئیں: «رَجُلٌ شُجَاعٌ»، کیا ترجمہ ہوگا؟ ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ اور «الرَّجُلُ الشُّجَاعُ» معرفہ ہو تو اس میں ایسا یا ایسی کا لفظ نہ لائیں بلکہ موصوف سے پہلے وہ کا لفظ لے آئیں: «الرَّجُلُ الشُّجَاعُ»، کیا ترجمہ ہوگا؟ وہ آدمی جو کہ بہادر ہے۔ یہ ابھی صرف موصوف صفت ہیں، خبر نہیں کہ اس کو کیا ہوا، وہ خبر آگے ہے بھائی۔

اسی طرح میں نے ایک ضابطہ آپ کو لکھوایا تھا کہ جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے تو وہ آپس میں کیا بنیں گے؟ مضاف اور مضاف الیہ بنیں گے، اور مضاف الیہ پر ہمیشہ کون سا اعراب آئے گا؟ جر آئے گا، مضاف الیہ مجرور، کیونکہ مجرور دو ہی ہیں: ایک وہ جس پر حرفِ جر داخل ہو جائے اور ایک مضاف الیہ۔ تو جیسے ہی آپ کو پتہ چلے کسی لفظ کے بارے میں کہ یہ مضاف الیہ ہے، ساتھ ہی دوسری بات پتہ چل جائے گی کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ جر پڑھنا ہے۔

اور پھر یہ جو رفع ہے، نصب ہے، جر ہے، میں نے بتلایا تھا کہ یہ محلاً بھی ہو سکتا ہے، یہ لفظاً بھی ہو سکتا ہے، یہ تقدیراً بھی ہو سکتا ہے۔ محلاً رفع، نصب اور جر یہ کس میں آئے گا؟ مبنیات میں۔ تو آپ کو مبنیات کی پہچان ہونی چاہیے، البتہ ان میں سے تین جو ہیں وہ تو بہت ہی عام استعمال ہوتے ہیں، وہ ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونے چاہئیں۔ ان میں سے پہلا کیا ہے؟ تمام ضمیریں ہیں، دوسرے نمبر پر اسمائے اشارہ ہیں، تیسرے نمبر پر اسمائے موصولہ ہیں بھائی۔

اسی طرح معرفہ اور نکرہ کی بھی آپ کو پہچان ہونی چاہیے، تو معرفہ کل کتنے ہیں؟ سات ہیں۔ نمبر ایک: تمام ضمیریں، نمبر دو: اسمائے اشارہ، نمبر تین: اسمائے موصولہ، یہ تین تو وہی ہیں جو مبنی میں نے آپ کو بتلائے۔ اور چوتھے نمبر پر علم ہے، پانچویں پر معرف باللام یعنی جس پر الف لام آئے، اور چھٹے نمبر پر جو ان میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو، اور اسی طرح معرفہ بالنداء ہے بھائی۔ تو آپ کو معرفہ کی بھی پہچان ہونی چاہیے، جو بھی لفظ آئے آپ اس کو دیکھ لیا کریں پہلے کہ یہ معرب ہے یا مبنی ہے، اور پھر دیکھ لیا کریں یہ معرفہ ہے یا نکرہ ہے، یعنی کہیں یہ ضمیر تو نہیں، اسمِ اشارہ تو نہیں، اسمِ موصول تو نہیں وغیرہ، یہ چیزیں دیکھ لیں اور پھر اس کے بعد باقی ترکیب اس کے بعد کریں بھائی۔

اسی طرح اس سے پہلے ہم جملہ فعلیہ کی ترکیب کر چکے ہیں بھائی۔ جہاں فاعل کی بات آئی تھی وہاں میں نے آپ کو جملہ فعلیہ کی ترکیب بتلائی تھی کہ آپ نے پڑھا تھا فاعل کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جس سے پہلے کیا آئے؟ فعل ہو یا صفت کا صیغہ ہو، اور اس فعل یا صفت کے صیغے کا اسناد ہو اس لفظ کی طرف اس طور پر کہ یہ اسم اس کے ساتھ وہ فعل یا صفت قائم ہو، اس پر واقع نہ ہو۔ تو لہٰذا فعل کے لیے ہمیشہ فاعل چاہیے، یہ فعلِ معروف میں ہے، جبکہ فعلِ مجہول کے لیے نائب الفاعل چاہیے بھائی۔ اور فاعل بھی مرفوع ہوتا ہے اور نائب الفاعل بھی مرفوع ہوتا ہے۔ آسان لفظوں میں یوں کہو: ہر فعل چاہتا ہے کہ کسی اسم کو رفع دے، اسی طرح ہر صفت چاہتی ہے کہ کسی اسم کو رفع دے، اور جس کو یہ رفع دیتے ہیں وہ یا تو ان کا فاعل ہو گا یا نائب الفاعل۔ فاعل ہو گا فعلِ معروف کے لیے، یا اسمِ فاعل کے لیے، یا صفتِ مشبہ کے لیے، یا اسمِ تفضیل کے لیے، یا مبالغے کے صیغے کے لیے۔ جبکہ نائب الفاعل کس کے لیے ہو گا؟ فعلِ مجہول کے لیے اور اسی طرح اسمِ مفعول کے لیے بھائی۔

تو لہٰذا ہر فعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب الفاعل ہوتا ہے۔ صفت کے بھی ہر صیغے کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب الفاعل ہوتا ہے۔ اور صفت کے صیغے کون کون سے ہیں؟ اسمِ فاعل ہے، اور اسمِ مفعول ہے، اور صفتِ مشبہ ہے، اور اسمِ تفضیل ہے، اور مبالغے کے صیغے ہیں۔ یہی چیزیں جو میں دہرا رہا ہوں بار بار، ان کا آپ نے ہر روز تکرار کرنا ہے، بالکل آپ کو زبانی یاد ہوں بھائی۔ معرفہ کون کون سے ہیں، مبنی کون کون سے تین معروف مشہور مبنی ہیں، وہ آپ کے ذہن میں ہوں، یہ جو میں ضابطے لکھوا رہا ہوں ان کا ہر روز تکرار کرنا ہے۔ جن جملوں کی ہم ترکیب کر لیا کریں آپ نے اس کی بیٹھ کر ترکیب کرنی ہے، بلکہ اپنی طرف سے کچھ زائد بھی کوشش کیا کریں، کچھ جملے خود بنا کر اس کی آپس میں ترکیب کیا کریں بھائی۔ جتنی مشق کریں گے اتنی جلدی آپ سیکھ لیں گے، تو یہ ساری چیزیں جو میں ذکر کر رہا ہوں یہ مبتدا خبر کی جو بحث چل رہی ہے کتاب میں اس کے اندر مصنف بھی ذکر کریں گے۔ تو یہ جب سب چیزیں آپ کے ذہن میں ہوں گی وہ سبق سمجھنا آپ کے لیے آسان ہو جائے گا بھائی۔

تو ہر فعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب الفاعل ہوتا ہے۔ فعلِ معروف کے لیے فاعل، فعلِ مجہول کے لیے نائب الفاعل۔ اچھا، ان میں فعل کے صیغوں میں پھر کون کون سی ضمیر ہو گی بھائی؟ کون کون سی ضمیر ہو گی؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا فعلِ ماضی کے اندر بھی: «ضَرَبَ» کے اندر، اس کے اندر کون سی ضمیر ہو گی؟ فاعل کی ضمیر «هُوَ» ہو گی۔ اور «ضُرِبَ» فعلِ مجہول ہو تو اس کے اندر نائب الفاعل اس کے اندر بھی «هُوَ» ضمیر نائب الفاعل ہو گی، بات سمجھ میں آ گئی؟ اچھا، فعل، دوسرا «ضَرَبَ» کے بعد «ضَرَبَا»، دوسرا صیغہ ماضی کا، اس میں فاعل کیا ہے؟ یہ الف ہے، الف۔ یہاں «هُمَا» نہیں کہنا بھائی، ہو سکتا ہے آپ کو سمجھانے کے لیے اساتذہ نے شروع میں کہا ہو کہ «هُمَا» ضمیر ہے، لیکن «هُمَا» ضمیر نہیں، یہ جو الف ہے یہ کیا ہے؟ ضمیر ہے۔ اس کا کوئی اعراب آپ سے پوچھ لے، آپ کیا کہیں گے؟ یہ مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ البتہ یہ مرفوع محلاً ہے کیونکہ مبنی ہے، ضمیر ہے بھائی۔

تو «ضَرَبَا» کے اندر یہ الف ضمیر، کون سی ضمیر ہے؟ جو نسا صیغہ ہو وہی بول دیا کریں۔ «ضَرَبَ ضَرَبَا»، یہ «ضَرَبَا» کون سا صیغہ ہے؟ تثنیہ مذکر غائب، تو لہٰذا یہ الف ضمیر بھی کون سی ہے؟ تثنیہ مذکر غائب کی۔ «ضَرَبُوا» کے اندر یہ واؤ ضمیر ہے فاعل بھائی، اور کون سی ضمیر ہے؟ جمع مذکر غائب۔ «ضَرَبَتْ» یاد رکھیے اس صیغے کے اندر بس تھوڑا سا یاد رکھنا ہے آپ نے کہ یہ تا فاعل نہیں ہے، یہ صرف تانیث کی علامت ہے۔ اس کے اندر «هِيَ» ضمیر ہے، کیا ہے؟ «هِيَ» ضمیر ہے مؤنث کی بھائی۔ اور «ضَرَبَتَا»، اس کے اندر بھی یہ جو تا آ رہی ہے وہی والی تا ہے، البتہ آگے الف کیا ہے؟ ضمیر ہے، فاعل ہے، اور کون سی ضمیر ہے یہ؟ تثنیہ مؤنث غائب۔ «ضَرَبَا» والا الف اور تھا، یہ الف اور ہے، یہ مؤنث کی ضمیر ہے وہ مذکر کی ضمیر۔

اس کے بعد اگلا صیغہ آیا: «ضَرَبْنَ»، اس کے اندر نون ضمیر، کون سی ضمیر ہے؟ جمع مؤنث غائب۔ اگلا صیغہ: «ضَرَبْتَ»، اس کے اندر تا ضمیر، تا زبر کے ساتھ نہیں کہنا، صرف تا حرف، کیوں؟ کیونکہ یہ ایک حرف ہے اور جو کلمہ ایک حرف پر مشتمل ہو اس کا وہ نام لیتے ہیں جو حروفِ تہجی الف با تا ثا کے اندر تھا۔ اور «ضَرَبْتَ» کے آخر میں یہ کون سا حرف آ رہا ہے؟ تا آ رہی ہے بھائی: الف، با، تا، تو یہ تا ضمیر ہے اور کون سی ضمیر ہے؟ واحد مذکر حاضر۔ «ضَرَبْتُمَا»،

اس کے اندر «تُمَا» ضمیر، کون سی ضمیر ہے؟ تثنیہ مذکر حاضر۔ «ضَرَبْتُمْ» کے اندر تم ضمیر ہے، جمع مذکر حاضر۔ «ضَرَبْتِ» کے اندر پھر تا کہنا ہے، تی نہیں کہنا بھائی، عموماً طلبہ تی کہتے ہیں تی ضمیر، نہیں بھائی، تا ضمیر اور یہ کون سی ضمیر ہے؟ واحد مؤنث حاضر، جو صیغہ وہی ضمیر ہے۔ «ضَرَبْتُمَا»، یہ کون سی ضمیر ہے؟ تثنیہ، ہاں معلوم ہوا یہ «تُمَا» ضمیر مشترک ہے بھائی: «ضَرَبْتَ ضَرَبْتُمَا»، اب یہاں بھی آیا «ضَرَبْتِ ضَرَبْتُمَا»، تو یہ تثنیہ مذکر حاضر کے لیے بھی اور تثنیہ مؤنث حاضر کے لیے بھی۔ «ضَرَبْتُنَّ» میں «تُنَّ» ضمیر ہے، کون سی ضمیر ہے؟ جمع مؤنث حاضر۔ اور «ضَرَبْتُ» میں تا ضمیر ہے، کون سی ضمیر ہے؟ واحد متکلم۔ اور «ضَرَبْنَا» میں نا ضمیر ہے، کون سی ضمیر؟ جمع متکلم۔

تو یہ جتنی ضمیریں ذکر ہوئیں «ضَرَبَ» سے لے کر «ضَرَبْنَا» تک ماضی کے سارے صیغوں میں، یہ ساری فاعل کی ضمیریں ہیں کیونکہ کس صیغے میں آئیں؟ فعلِ معروف کے اندر آئی ہیں، فعلِ معروف۔ جبکہ ماضی مجہول کے اندر یہی ساری ضمیریں نائب الفاعل کی ہیں۔ ماضی معلوم میں کس کی تھیں؟ فاعل کی، کیونکہ فعلِ معروف کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل۔ اور ماضی مجہول میں یہ ساری ضمیریں کس کی ہوں گی؟ نائب الفاعل کی ہوں گی کیونکہ فعلِ مجہول کس کو رفع دیتا ہے؟ نائب الفاعل کو۔ لہٰذا «ضُرِبَ» کے اندر کون سی ضمیر ہے نائب الفاعل؟ «هُوَ»۔ «ضُرِبَا» تثنیہ میں؟ الف۔ «ضُرِبُوا» میں؟ واؤ۔ «ضُرِبَتْ» میں؟ یہاں تا نہیں وہی «هِيَ» ضمیر۔ اور «ضُرِبَتَا» میں؟ الف۔ «ضُرِبْنَ»؟ نون۔ «ضُرِبْتَ»؟ تا۔ «ضُرِبْتُمَا»؟ «تُمَا» ضمیر۔ «ضُرِبْتُمْ»؟ اس میں تم ضمیر۔ «ضُرِبْتِ»؟ تا ضمیر۔ «ضُرِبْتُمَا»؟ پھر «تُمَا» ضمیر۔ «ضُرِبْتُنَّ»؟ اس میں «تُنَّ» ضمیر۔ «ضُرِبْتُ»؟ تا ضمیر۔ «ضُرِبْنَا»؟ نا ضمیر بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

اچھا، یہ تو ماضی کی بات تھی۔ ماضی میں آپ نے دیکھا «ضَرَبْتَ»، اس میں کون سی ضمیر؟ تا۔ «ضَرَبْتِ»، اس میں بھی تا۔ «ضَرَبْتُ»، اس میں بھی تا ضمیر ہے، تا ضمیر ہے۔ تو تینوں کا نام کیا ہے؟ وہی کیونکہ یہ تا حرف جو ہے وہی نام لیں گے جو کلمہ ہے، ایک حرف پر مشتمل ہے تو الف با تا۔ ہاں، ان میں آپ فرق کرنا چاہتے ہیں، فرق کرنا چاہتے ہیں: «ضَرَبْتَ» میں بھی تا، «ضَرَبْتِ» میں بھی تا، «ضَرَبْتُ» میں بھی تا، فرق کرنا چاہتے ہیں تو پھر خاص نام لینا چاہتے ہیں۔ کیا نام لینا چاہتے ہیں؟ یہ تا تو مشترک نام ہوا تینوں کا نام ہے، پہلا بھی تا «ضَرَبْتَ» بھی تا، «ضَرَبْتِ» بھی تا، «ضَرَبْتُ» بھی تا۔ اگر ان کا الگ الگ نام لینا چاہتے ہیں تو پھر جو حرف ہے اس پر جو حرکت ہے، اسی جیسے دو حرف آگے اور ملا دو۔ مثلاً «ضَرَبْتُ»، تا پر کیا ہے؟ پیش۔ اب آپ اس کا نام لینا چاہتے ہیں، اگر آپ کہتے ہیں تا، تو اس میں تو وہ تینوں کس میں آجاتی ہیں، آپ اس کا خاص نام لینا چاہتے ہیں تو تا پر پیش ہے اور پیش کے مناسب الف ہے، واؤ ہے، یا حرفِ یا ہے؟ پیش کے؟ پیش کے ساتھ، ضمہ کے ساتھ کس کی مناسبت ہے؟ الف کی، واؤ کی یا یائے حرف کی؟ واؤ کی، تو دو واؤ ساتھ ملا دو، تو بن گیا «تووْ»، کیا بن گیا؟ «تووْ»۔ دیکھو تین حروف کر لو کیونکہ نام کم از کم تین حروف پر مشتمل ہوتا ہے۔

جب آپ اس کا نام لیتے تھے نا، پہلا نام میں نے کیا بتایا «ضَرَبْتَ» میں کون سی ضمیر ہے؟ تا، کیسے لکھتے ہیں؟ ت، ا، ء: تاء، دیکھو تین حروف ہیں یا نہیں؟ تو ایک نام جب کسی چیز کا لیا جاتا ہے وہ کم از کم تین حروف پر مشتمل ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی اب اس کا خاص نام ہم لینا چاہتے ہیں تا کے اوپر پیش ہے «ضَرَبْتُ» میں تا پر پیش، تو دو اور حرف ساتھ ملا دو، اور پیش کے مناسب کیا ہے؟ واؤ، تو کتنے حروف ہو گئے؟ تین۔ اب آپ سے کوئی پوچھے «ضَرَبْتُ» کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ آپ کہہ سکتے ہیں تا، اور آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں «تووْ»۔ کیا کہہ سکتے ہیں؟ «تووْ» ضمیر بھی کہہ سکتے ہیں واؤ دو واؤ ساتھ ملا دیے اور پھر ان کا ادغام کر دیا، کیونکہ ایک جنس کے حروف میں کیا کرتے ہیں؟ ادغام کرتے ہیں۔ اور «ضَرَبْتِ»، اس کے اندر کوئی پوچھے کون سی ضمیر ہے؟ تو آپ اگر عام نام لینا چاہتے ہیں جو سب کا مشترک ہے تو کہہ دیں تا ضمیر ہے، اور اگر خاص نام لینا چاہتے ہیں تو تا کے نیچے زیر ہے، زیر کے مناسب کون سا حرفِ علت ہے؟ یا، تو دو یا ساتھ ملا دو: «تیی»، کیا بن گیا؟ «تیی»۔ اور وہ جو جس تا پر زبر ہے تو وہاں الف اور وہ اسی طرح رہے گا: «تَاءْ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو «ضَرَبْتَ» اور «ضَرَبْتِ» اور «ضَرَبْتُ»، اس کا عام نام کیا ہے یہ جو ضمیر آرہی ہے؟ تا ضمیر۔ اور اگر خاص نام لینا چاہیں ہر ایک کا الگ الگ تا کہ فرق ہو جائے، تو «ضَرَبْتُ» میں «تووْ»، «ضَرَبْتِ» میں «تیی»، اور «ضَرَبْتَ» میں «تَاءْ» بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

تو فعلِ معروف کے اندر فاعل کی ضمیریں تھیں اور فعلِ مجہول میں نائب الفاعل کی ضمیریں۔ اسی طرح مضارع کے اندر آجاؤ بھائی: «يَضْرِبُ» کے اندر کون سی ضمیر؟ «هُوَ» ضمیر۔ «يَضْرِبَانِ»، دیکھو یہ مضارع کے اندر جو نون آتا ہے نا آخر میں یہ نون اعرابی ہے، کیا ہے؟ نون اعرابی ہے، یہ ضمیر نہیں ہے، اس سے ماقبل میں ضمیر ہوتی ہے۔ صرف جو جمع مؤنث کے صیغے ہیں نا: «يَضْرِبْنَ»، «تَضْرِبْنَ»، اس میں یہ جو نون آرہا ہے یہ ضمیریں ہیں، باقی «يَضْرِبَانِ»، «يَضْرِبُونَ»، «تَضْرِبِينَ»، یہ ساری کیا ہیں؟ نون اعرابی ہیں۔ تو لہٰذا «يَضْرِبُ» میں کون سی ضمیر ہے فاعل کی؟ «هُوَ»۔ «يَضْرِبَانِ» میں؟ نون تو ہوا اعرابی اور فاعل کی ضمیر کون سی؟ الف ہے۔ «يَضْرِبُونَ» میں؟ نون اعرابی ہے اور ضمیر کون سی؟ واؤ ہے بھائی۔ اور «تَضْرِبُ» میں؟ «هِيَ» ضمیر، «تَضْرِبُ» کیونکہ ض، ر، ب یہ تو فعل کا اپنا مادہ ہے، آگے کوئی حرف ہے ہی نہیں تو اس کے اندر «هِيَ» ضمیر ہے۔ «تَضْرِبَانِ» میں؟ الف ضمیر ہے اور

نون اعرابی ہے۔ «یَضْرِبْنَ» میں؟ جمع کا صیغہ، مؤنث کا صیغہ، اس میں نون ضمیر ہے بھائی، اعرابی نہیں ہے۔ اور پھر «تَضْرِبُ» میں؟ «أَنْتَ» ضمیر، مخاطب کا صیغہ ہے وہی ضمیر نکالیں گے: «أَنْتَ» ضمیر ہے اس کے اندر۔ اور «تَضْرِبَانِ» میں؟ الف ہے۔ «تَضْرِبُونَ» میں؟ واؤ ہے۔ «تَضْرِبِينَ» میں؟ یا ہے۔ «تَضْرِبِينَ» میں یا ہے۔ پھر «تَضْرِبَانِ» میں؟ الف ہے۔ پھر «تَضْرِبْنَ» میں؟ نون ہے۔ پھر «أَضْرِبُ» میں؟ «أَنَا»، شاباش! کیونکہ ض، ر، ب تو فعل کا مادہ ہے، آگے کوئی حرف ہی نہیں جڑا ہوا، تو «أَضْرِبُ» میں «أَنَا»، اور «نَضْرِبُ» میں «نَحْنُ»۔ اور یہ ساری جو ضمیریں ذکر کیں یہ فاعل کی ضمیریں ہیں کیونکہ یہ فعلِ معروف ہے اور فعلِ معروف کے لیے کیا چاہیے ہوتا ہے؟ فاعل، تو یہ ساری فاعل کی ضمیریں ہیں۔

فعلِ مجہول میں یہی ضمیریں نائب الفاعل کی کہلائیں گی، نائب الفاعل ہوں گی۔ «یُضْرَبُ» میں نائب الفاعل کیا ہے؟ «هُوَ»۔ «یُضْرَبَانِ» میں؟ الف۔ «یُضْرَبُونَ» میں؟ واؤ۔ «تُضْرَبُ» میں؟ «هِيَ»۔ «تُضْرَبَانِ»؟ الف۔ «یُضْرَبْنَ»؟ نون۔ «تُضْرَبُ» میں؟ «تُضْرَبُ» میں «أَنْتَ»، جو صیغہ ہے اس کے مطابق «أَنْتَ» ضمیر۔ «تُضْرَبَانِ» میں؟ الف۔ «تُضْرَبُونَ» میں؟ واؤ۔ «تُضْرَبِينَ»؟ یا۔ «تُضْرَبَانِ»؟ الف۔ «تُضْرَبْنَ»؟ نون۔ «أُضْرَبُ»؟ «أَنَا»، فاعل ہے یا نائب الفاعل ہے؟ نائب الفاعل، کیونکہ فعلِ مجہول ہے بھائی، اور «نُضْرَبُ» میں؟ «نَحْنُ» ہے، شاباش! ضمیروں کی پہچان ہو گئی؟ فعلِ معروف میں کیا فاعل ہے اور فعلِ مجہول میں کیا نائب الفاعل ہے، آپ کو پتہ چل گیا۔

اس کے بعد میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ فعل جو ہیں وہ دو قسم پر ہیں: کچھ ایک فعلِ لازم ہے، ایک فعلِ متعدی۔ فعلِ لازم وہ ہے جہاں صرف فاعل پر بات پوری ہو جائے، اور فعلِ متعدی وہ ہے جہاں فاعل پر بات پوری نہیں ہوتی، معنی پورا نہیں ہوتا، اس کے لیے مفعول بھی چاہیے۔ فعلِ لازم میں صرف کس پر بات پوری ہو جاتی ہے؟ فاعل پر، اور فعلِ متعدی میں؟ مفعول بھی چاہیے، پھر کبھی ایک مفعول چاہیے ہوتا ہے، کبھی دو مفعول چاہیے ہوتے ہیں، اور کبھی تین مفعول چاہیے ہوتے ہیں۔ اور آپ اس فعل پہ غور کر لیا کریں آپ کو خود پتہ چل جائے گا، مثلاً میں کہتا ہوں: زید نے پٹائی کی۔ اب آپ بتائیے مجھے، ضرب بغیر مضروب کے ہو سکتی ہے؟ نہیں، تو معلوم ہوا مضروب ضرور چاہیے، ایک مفعول چاہیے بھائی۔ اور ایک ہی چاہیے، دو یا تین نہیں چاہیے، کیا پٹائی کے لیے دو یا تین کا ہونا ضروری ہے یا ایک ہی بہت ہے؟ ایک ہی ہو تو ضرب کا فعل پایا جائے گا: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، تو دیکھا ایک مفعول چاہیے تھا۔ ہاں، یہ مفعول فضلہ ہوتا ہے، کیا؟ فضلہ، ضاد کے ساتھ ہے، فضلہ زائد چیز ہے، تو اس کو کبھی عبارت میں ذکر کرتے ہیں، کبھی حذف کر دیتے ہیں۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»: زید نے پٹائی کی۔ عمراً کو ذکر نہیں کیا، اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ فعلِ لازم بن گیا، نہیں، فعلِ متعدی ہی ہے، سمجھ میں آیا؟ مفعول کو ذکر کرنے یا نہ کرنے کے ساتھ فعل کے لازم یا متعدی ہونے کا تعلق نہیں ہے، فعل کے مفہوم پہ آپ غور کر لیا کریں کہ اس فعل کے لیے مفعول چاہیے یا نہیں۔ آپ «ضَرَبَ» پہ صرف غور کر لیں، «ضَرَبَ» کے لیے ایک ضارب بھی چاہیے تبھی ضرب ہو سکتی ہے، اور ایک مضروب بھی چاہیے، صورت سمجھ میں آ گئی؟

اب آپ مجھے بتائیے، شرب، پینا، اس کے لیے ایک تو شارب چاہیے، پینے والا، اور کیا چاہیے؟ مشروب بھی چاہیے، بغیر مشروب کے کوئی شرب کر سکتا ہے؟ نہیں، کوئی پینے والی، پی جانے والی چیز ہو، چاہے پانی ہو، چاہے دودھ ہو، چاہے چائے ہو، کچھ نہ کچھ مشروب ہو گا پینے والا، پھر ہی یہ شرب کا فعل پایا جا سکتا ہے۔ تو فعلِ لازم کسے کہتے ہیں؟ جہاں فاعل پر بات پوری ہو جائے، اور فعلِ متعدی کسے کہتے ہیں؟ جہاں مفعول کو بھی وہ چاہے، اور آپ نے خود غور کرنا ہے کہ مفعول اس کے لیے چاہیے یا نہیں چاہیے؟ مثلاً میں کہتا ہوں: زید بھاگا، کسی مفعول کی ضرورت ہے؟ نہیں، بات پوری ہو گئی۔ زید کھڑا ہوا، کسی مفعول کی ضرورت ہے؟ نہیں، دیکھا، خود آپ غور کر لیں۔

زید نے عمرو کو، دیکھو بعض اوقات دو تین مفعول چاہیے ہوتے ہیں: زید نے عمرو کو بتایا، بات پوری ہو گئی یا ابھی بھی ادھوری ہے؟ ابھی بھی ادھوری ہے، کیا بتایا بھائی؟ بات تو پوری کریں! زید نے عمرو کو بتایا کہ خالد کھڑا ہے، دیکھو تین مفعول چاہیے۔ زید، بتانے والا کون؟ زید، وہ تو فاعل ہو گیا۔ کس کو بتایا؟ عمرو کو بتایا، ایک مفعول۔ کیا بتایا؟ کہ خالد، اور کیا بتایا خالد کو کیا ہے؟ کھڑا ہے، تو عمرو مفعول اول ہوا، خالد مفعول ثانی ہوا، اور قائم، کھڑا ہے، یہ کیا ہوا؟ مفعول ثالث ہوا، تو فعل کے آپ نے مفہوم پہ غور کرنا ہے۔ یہ نہیں دیکھنا کہ جملے میں مفعول ذکر ہے یا نہیں ہے، جملے میں چاہے ذکر ہو یا نہ ہو، بات سمجھ میں آ گئی؟ کیونکہ مفعول کیا ہوتا ہے؟ فضلہ، اس کو کیا کر لیتے ہیں بعض اوقات کلام سے؟ حذف بھی کر لیتے ہیں، تو حذف کرنے کا یہ معنی نہیں کہ وہ فعلِ لازم بن گیا، نہیں، مفعول ابھی بھی اس کا ہے، ہم نے لفظوں میں ذکر نہیں کیا کیونکہ آپ کو پتہ تھا۔ مثلاً آپ کو اتنا پتہ ہے کہ پٹائی عمرو کی ہوئی ہے، اتنا آپ کو پتہ ہے، اب آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کس نے پٹائی کی؟ میں آپ کو کہتا ہوں: «ضَرَبَ زَيْدٌ»، کس نے پٹائی کی؟ زید نے، اور یہ تو آپ کو پتہ تھا کس کی پٹائی کی ہے، عمرو کی، اس لیے میں نے اس کو ذکر نہیں کیا، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ معنی نہیں کہ مفعول اب اس کے لیے چاہیے ہی نہیں، مفعول محذوف ہے، ذکر نہیں ہے۔ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟ فعلِ لازم جہاں صرف فاعل پر بات پوری ہو جائے، اور فعلِ متعدی جہاں فاعل کے ساتھ ساتھ کون چاہیے؟ مفعول بھی چاہیے، اور مفعول کو کبھی کیا کر لیتے

ہیں؟ حذف بھی کر لیتے ہیں، لیکن معنی کے اندر وہ، نیت کے اندر وہ مراد ہوتا ہے، یہ نہیں کہ حذف کر لیا تو وہ مراد ہی نہیں، صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

اب ضابطہ یاد رکھنا، یہ چیزیں پہلے بھی میں بیان کر چکا ہوں پہلے بھی، ان سب کا آپ نے خوب اچھی طرح تکرار کرنا ہے بھائی۔ یاد رکھو، فعل کے آنے کے بعد صرف فاعل مرفوع آتا ہے، باقی سب منصوب آئیں گے یا مجرور آئیں گے، اور مجرور تو کتنے ہیں؟ دو: ایک جس پر حرفِ جر داخل ہو اور دوسرا مضاف الیہ۔ اور مرفوع کون ہو گا؟ فاعل یا نائب الفاعل ہوتا ہے۔ تو فعل کے آنے کے بعد فاعل یا نائب الفاعل مرفوع ہو گا، اگر کسی پر حرفِ جر داخل ہوا ہے یا وہ مضاف الیہ ہیں تو وہ مجرور ہوں گے، باقی سارے کیا ہوں گے؟ منصوب ہوں گے، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو فعل کے آنے کے بعد مرفوع صرف کون ہو گا؟ فاعل یا نائب الفاعل ہوتا ہے۔ باقی جب اس کا آپ کو پتہ چل گیا، جب آپ کو فاعل یا نائب الفاعل کا پتہ چل گیا کہ یہ والا لفظ فاعل یا نائب الفاعل بن رہا ہے، تو باقی جتنے لفظ ہیں اس جملے کے اندر اس میں اتنا آپ کو ضرور پتہ چل جانا چاہیے کہ باقیوں پہ رفع نہیں پڑھنا، نصب پڑھنا ہے یا جر پڑھنا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کس کا جب آپ کو پتہ چل جائے؟ فاعل کا یا نائب، فعلِ معروف ہو تو کس کا پتہ چل جائے؟ فاعل، باقی کیا ہوں گے سارے؟ منصوب یا مجرور۔ اور فعلِ مجہول کے آنے کے بعد جب آپ کو نائب الفاعل کا پتہ چل جائے، یہ کیا ہے؟ نائب الفاعل ہے، اس پر رفع پڑھنا ہے، تو باقی لفظوں کا اتنا پتہ چل گیا کہ ان پر رفع نہیں پڑھنا کیا پڑھنا ہے؟ وہ سارے کیا ہوں گے؟ مجرور ہوں گے یا منصوب ہوں گے۔

اس کے بعد آپ نے یہ بھی پڑھا تھا بھائی کہ یہ جو فعل کے لیے فاعل یا نائب الفاعل چاہیے، یہ ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ اور اسمِ ظاہر کسے کہتے ہیں؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا، جو بھی اسم ہو اور ضمیر نہ ہو وہ اسمِ ظاہر ہے۔ تو اسمِ ظاہر گویا ضمیر کے مقابلے میں ہے، کوئی بھی اسم آپ کے سامنے آجائے، ہو اسم، فعل یا حرف نہیں ہے اسم ہے، اور وہ اس میں پھر آپ دیکھ لیں وہ ضمیر ہے یا نہیں۔ اگر وہ ضمیر ہے تو اسمِ ظاہر معلوم ہوا یہ نہیں ہے، اور اگر وہ ضمیر نہیں تو وہ کیا ہو گا؟ اسمِ ظاہر ہو گا۔ مجھے بتائیے، کتاب ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ یہ ضمیر ہے، کتاب؟ ضمیر تو نہیں ہے، معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر ہے۔ قلم کیا ہے؟ اسمِ ظاہر ہے۔ کراسۃ، کاپی، یہ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر ہے۔ امرأۃ؟ اسمِ ظاہر ہے۔ رجل؟ اسمِ ظاہر ہے۔ انسان؟ اسمِ ظاہر ہے۔ زید؟ اسمِ ظاہر ہے۔ بکر؟ خالد؟ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ جو ضمیر نہیں وہ کیا ہے؟ اگر اسم ہے تو پھر اسمِ ظاہر ہے۔ تو فعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب الفاعل، یہ فاعل یا نائب الفاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔

اور ضمیر کس فعل میں آئے گی؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ماضی ہو، چاہے معروف ہو چاہے مجہول، مضارع ہو، معروف ہو یا مجہول، ان میں سے دو صیغے ایسے ہیں جن کے لیے فاعل یا نائب الفاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، اور وہ کون کون سے صیغے بتلائے تھے میں نے آپ کو؟ پہلا اور چوتھا صیغہ۔ پہلا صیغہ کون سا ہے؟ واحد مذکر غائب کا، اور چوتھا صیغہ کون سا ہے؟ واحد مؤنث غائب کا۔ یہ دو صیغے ہیں، ان کے لیے فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی آ سکتا ہے۔ باقی جو بارہ صیغے ہیں، چاہے ماضی معروف کے ہیں، چاہے ماضی مجہول کے ہیں، چاہے مضارع معروف کے ہیں، چاہے مضارع مجہول کے ہیں، ان بارہ صیغوں کے اندر فاعل یا نائب الفاعل ہمیشہ ضمیر ہو گی، جو اسی صیغے کے ساتھ اسی لفظ کے ساتھ اسی فعل کے ساتھ جڑی ہوئی ہو گی یا اس کے اندر چھپی ہوئی ہو گی بھائی۔

گویا خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اسمِ ظاہر کتنے صیغوں کے لیے فاعل بن سکتا ہے؟ دو صیغے: پہلے اور چوتھے۔ باقی بارہ صیغوں کے لیے اسمِ ظاہر فاعل یا نائب الفاعل نہیں بن سکتا۔ لہٰذا اگر پہلا یا چوتھا صیغہ آجائے تو پھر آپ جملے میں تلاش کریں کہ کوئی اسمِ ظاہر ان کے لیے فاعل ہے یا فاعل نہیں؟ اگر اسمِ ظاہر فاعل یا نائب الفاعل مل جائے تو اس کو تو فاعل یا نائب الفاعل بنا دیں گے اور پھر اس صیغے کے اندر ضمیر نہیں ہو گی کیونکہ فاعل یا نائب الفاعل ایک چاہیے تھا وہ آگے ہمیں مل گیا ہے اب اس کے اندر ضمیر نہیں۔ کتنے صیغوں میں؟ دو: پہلا اور چوتھا۔ اور اگر آپ کو آگے اسمِ ظاہر فاعل یا نائب الفاعل نہیں ملتا تو پھر اسی صیغے کے اندر فاعل یا نائب الفاعل کی ضمیر نکال لیں گے۔ جبکہ باقی بارہ صیغوں کے اندر فاعل یا نائب الفاعل کیا ہو گا ہمیشہ؟ ضمیر، اسی کے ساتھ متصل ہو گی ضمیر یا اسی کے اندر چھپی ہوئی ہو گی بھائی ضمیر، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو گویا بارہ صیغوں میں سے کوئی صیغہ آجائے تو آپ کو تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں فاعل یا نائب الفاعل کو، انہی کے اندر چھپی ہوئی ضمیر ہو گی یا اسی کے ساتھ جڑی ہوئی ضمیر۔ ہاں، پہلا یا چوتھا صیغہ آجائے پھر آپ کو ذرا تلاش کرنا پڑے گا کہ کہیں آگے کوئی اسمِ ظاہر تو نہیں اس کے لیے فاعل یا نائب الفاعل بن رہا؟ اگر بن رہا ہو اس کو بنا دیں اور فعل کے اندر ضمیر نہیں ہو گی، اور اگر نہیں بن آگے کوئی اسمِ ظاہر فاعل یا نائب الفاعل نہیں آرہا تو پھر اسی کے اندر کیا نکال لو؟ ضمیر نکال لو۔ چلیے، اب دو چار جملے ذرا ترکیب کے بھی کر لیں بھائی، اور پھر آگے ہم ترکیب بڑھاتے جائیں گے آہستہ آہستہ۔

جملہ لکھیے بھائی: «قَامَ زَيْدٌ»۔ «قَامَ زَيْدٌ»۔ چلیے بھائی، آپ ترکیب کیجیے۔

«قَامَ»: فعل۔ «زَيْدٌ»: اعراب پہلے، جو لفظ آئے اس کا اعراب: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً اس کا فاعل، شاباش! «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے بھائی۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ کر کے دکھاؤ: «زَيْدٌ»۔ نصب پہ کرو: «زَيْدًا»۔ جر پہ کریں: «زَيْدٍ»۔ معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کا اعراب لفظاً آتا ہے، ہم اس پر باقاعدہ تلفظ کرتے ہیں، سننے سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ اچھا، آپ نے کہا مرفوع لفظاً فاعل، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ فاعل ہے؟ کیونکہ اس سے پہلے فعل آرہا ہے اور فعل کون سا صیغہ ہے، بارہ میں سے ہے یا دو میں سے ہے؟ دو میں سے ہے، اور اس کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے، تو زید اس کے لیے فاعل بن سکتا ہے۔ ایک طالب علم نے آپ پر اشکال کر دیا، اعتراض کر دیا، وہ کہتا ہے نہیں، «قَامَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر آپ بھول گئے بھائی، ضرب، قاما، پہلا صیغہ اس کے اندر تو کون سی ضمیر ہوتی ہے؟ «هُوَ» ضمیر، تو وہ آپ نے نہیں نکالی؟ آپ کیا کہیں گے جواب میں؟ کہ بھائی، اس کے لیے ایک فاعل چاہیے تھا، فاعل ہمیشہ کتنے آئیں؟ فاعل یا نائب الفاعل ایک ہی آئے گا، ایک ہی اسم کو یہ رفع دے گا، دو یا تین کو رفع نہیں دے سکتا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو ایک فاعل آگے اسمِ ظاہر جب آگیا تو اب اس کے اندر ضمیر نہیں ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا پھر کیا کرتے؟ اسی کے اندر ضمیر نکالتے کیونکہ فاعل تو ضرور چاہیے اس کے لیے۔ تو «قَامَ» فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب روانی سے پڑھ دیں جملہ: «قَامَ زَيْدٌ»۔ ترجمہ کیجیے: زید کھڑا ہوا، ماضی کا صیغہ ہے۔ بھائی دیکھیے، معنی میں بھی غور کرتے رہا کریں ہمیشہ: زید کھڑا ہوا، کون کھڑا ہوا؟ زید، معلوم ہوا وہ فاعل ہے۔ دیکھا، ترجمے سے ہی آپ فاعل کا پتہ لگا لیا کریں۔ زید نے پٹائی کی، کس نے کی؟ زید نے، بس فاعل یہ ہو گیا، پتہ لگ گیا، وہیں سے ترجمے سے ہی آپ کو فاعل کا پتہ لگ جائے گا۔ خالد نے چائے پی، کس نے پی؟ خالد نے، فاعل کا پتہ لگ گیا بھائی جو فعل کرنے والا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو فعل کے ترجمے پہ بھی آپ نے نظر رکھنی ہے۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»۔ عمرو کے آخر میں واؤ لکھتے ہیں بھائی؟ جی واؤ لکھنا ہے، عمر سے تاکہ فرق ہو جائے۔ چلیے بھائی، اب آپ ترکیب کیجیے بھائی۔

«ضَرَبَ»: فعل۔ «زَيْدٌ»: مرفوع لفظاً فاعل، شاباش! «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «زَيْدٌ»۔ آگے۔ «عَمْرًا»: اعراب بھائی: منصوب لفظاً، شاباش! منصوب لفظاً مفعول بہ۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول ہے، شاباش، اور مفعول پر کیا آتا ہے؟ نصب، یہ ابھی صاحبِ ہدایت النحو بھی آگے چل کر آپ کو بتائیں گے۔ اور منصوب لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «عَمْرًا»، شاباش!

اب ایک اور بات یاد رکھنا کتابت کی، ایک بات یاد رکھنا: عمرو کے ساتھ واؤ لکھتے ہیں یا نہیں؟ لکھتے ہیں۔ کیوں لکھتے ہیں یہ واؤ؟ تاکہ عمر سے فرق ہو جائے، کس سے؟ عمر سے، کیونکہ اس میں بھی عین میم راہیں، عمرو میں بھی عین میم راہیں، اور پہلے ابتدا میں جب عربی لکھی جاتی تھی یہ زبر، زیر، پیش یہ تو بعد میں علمائے اسلام نے ان کو ترتیب دیا تاکہ لوگوں کو قرآن وغیرہ پڑھنے میں آسانی ہو، پہلے زیر زبر پیش نہیں، عرب تو اس کو دیکھتے خود ہی پڑھ لیتے تھے۔ تو انہوں نے پھر عمر اور عمرو میں فرق کرنے کے لیے کیا کیا؟ عمرو کے آخر میں واؤ بڑھا دی بھائی۔ تو لہٰذا حالتِ رفعی میں بھی واؤ لکھتے ہیں «عَمْرٌو»، واؤ لکھتے ہیں، حالتِ جری میں بھی واؤ لکھتے ہیں «عَمْرٍو»، اور حالتِ نصبی میں تو آپ جانتے ہیں کہ جب تنوین آرہی ہو آخر میں نصب ہو تو الف ڈالتے ہیں یا نہیں ڈالتے؟ الف لکھتے ہیں، تو لہٰذا حالتِ نصبی میں یہاں الف آجاتا ہے اور پھر واؤ نہیں لکھتے، پھر واؤ نہیں لکھتے۔ کیوں نہیں لکھتے؟ کیونکہ یہ الف ہی بتلا دیتا ہے کہ یہ عمر نہیں ہے، عمرو ہے، کیونکہ عمر تو غیر منصرف ہے اس پہ تو تنوین نہیں آتی، جب تنوین نہیں آتی تو الف آ ہی نہیں سکتا آخر میں، یہ الف ہی کیا کر دیتا ہے؟ بتلا دیتا ہے کہ یہ عمرو ہے۔ لہٰذا حالتِ نصبی میں ہے تو اب واؤ نہیں لکھنا، الف لکھنا ہے صرف بھائی۔

اچھا، ایک طالب علم نے آپ پہ اشکال کر دیا کہ «زَيْدٌ» بھی فاعل ہے، «عَمْرٌو» بھی فاعل ہے بھائی، آپ نے کیا کیا کہ ایک کو فاعل بنا دیا ایک کو مفعول بنا دیا، آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ فعل کے لیے صرف ایک فاعل چاہیے، وہ ایک ہو سکتا ہے، یا زید ہو سکتا ہے یا عمرو ہو سکتا ہے، دو فاعل نہیں ہو سکتے۔ عطف کے ذریعے ہو سکتے ہیں: «ضَرَبَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو وَبَكْرٌ وَخَالِدٌ»، لیکن وہ حرفِ عطف ان کو پھر ایک کر دیتا ہے جوڑ کر، کیا کر دیتا ہے؟ ایک کر دیتا ہے۔ تو «ضَرَبَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو»، تو «ضَرَبَ» زید کو رفع دے رہا ہے اور عمرو کا زید پر عطف ہو رہا ہے اس سے وہ معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وہاں بھی «ضَرَبَ» ایک ہی اسم کو رفع دے رہا ہے۔ جی، اب ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے نکال لیا، اب روانی سے پڑھیں: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»۔ ترجمہ کیجیے: مارا زید نے عمرو کو، پٹائی کی زید نے عمرو کی۔

اور میں نے آپ کو ایک فرق بھی بتلایا تھا فعلِ لازم اور فعلِ متعدی کا، اردو ترجمے سے بھی آپ کو پتہ چل جائے گا۔ فعلِ متعدی کا ترجمہ کریں گے تو نے کا

لفظ آئے گا: زید نے چائے پی، اب مجھے بتاؤ یہ پینا، یہ لازمی ہے یا متعدی ہے؟ متعدی، کس طرح؟ نے لفظ آرہا ہے: زید نے چائے پی۔ زید نے پٹائی کی، معلوم ہوا پٹائی کرنا کیا ہے؟ فعلِ متعدی ہے۔ زید بھاگا، اب مجھے بتاؤ بھاگنا فعلِ لازم ہے یا فعلِ متعدی؟ فعلِ لازم، کیونکہ نے نہیں آیا۔ بکر دوڑا، اب مجھے بتاؤ دوڑنا؟ فعلِ لازم ہے کیونکہ نے نہیں آرہا۔ عامر نے سبق یاد کیا، اب بتایئے یاد کرنا؟ متعدی، کیسے پتہ چلا؟ نے کا لفظ آرہا ہے، شاباش! بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں، تو یہ بھی ایک نشانی ہے، جی تو نے آئے گا اردو ترجمے میں۔

اچھا، سمیٹیے بھائی: فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، شاباش بھائی!

اگلا جملہ لکھیے: «ضَرَبَ بَكْرٌ خَالِدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ»۔ با، کاف، را: بکر۔ خالد۔ «يَوْمَ الْجُمُعَةِ»: آخر میں گول تا ہے۔ جی، اب ذرا مشکل ترکیب آگئی، چلیے کیجیے بھائی ترکیب بھائی۔ یاد رکھو بھائی، پہلے ہی بتا دیتا ہوں: جس لفظ میں جگہ یا زمانے والا معنی آجائے، وہ مفعول فیہ بنتا ہے، ظرف بنتا ہے۔ جس میں کیا آجائے؟ جگہ والا معنی یا زمانے والا معنی، جی تو وہ عموماً مفعول، ہمیشہ نہیں مفعول فیہ بنے گا، اکثر وہ مفعول فیہ بنے گا۔ چلیے جی، ترکیب کیجیے۔

«ضَرَبَ»: فعل۔ «بَكْرٌ»: اعراب بھائی: «بَكْرٌ» مرفوع لفظاً اس کا فاعل، شاباش! «بَكْرٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے اور فاعل مرفوعات میں سے ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «بَكْرٌ»۔ نصب پہ کریں: «بَكْرًا»۔ جر پہ کریں: «بَكْرٍ»۔ معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کے اعراب آتے ہیں لفظاً بھائی۔ اور آگے۔ «خَالِدًا»: اعراب بھائی: «خَالِدًا» منصوب لفظاً مفعول بہ، شاباش! منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول بہ ہے، فاعل گزر گیا، فاعل کے آنے کے بعد اب صرف منصوبات اور مجرورات ہی رہتے تھے، تو یہ منصوب مفعول بہ ہے۔ لفظاً کیوں کہا؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «خَالِدًا»۔ جی، اس کے رفع پہ ذرا تلفظ کریں: «خَالِدٌ»۔ اس کے ذرا جر پہ تلفظ کریں: «خَالِدٍ»۔ دیکھا، اس پہ تینوں طرح کا اعراب لفظاً آتا ہے۔ آگے۔

«يَوْمَ»: اعراب بھائی: «يَوْمَ» منصوب لفظاً مضاف، شاباش! مرفوع کیوں؟ مضاف کہنے سے تو اعراب کا پتہ نہیں چلتا، اعراب چاہیے اس کا۔ ایک ضابطہ میں نے ابھی آپ کو بتایا: فاعل کے آنے کے بعد آگے صرف کیا آئیں گے؟ منصوب یا مجرور، مرفوع تو نہیں آسکتا، معلوم ہوا یہ منصوب ہے یا مجرور، اور مجرور تو دو ہی ہیں: جس پر حرفِ جر داخل ہو یا جس پر مضاف آئے یعنی وہ مضاف الیہ بنے، نہ اس پر حرفِ جر داخل ہے نہ یہ مضاف الیہ بن رہا ہے، تو معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ منصوب۔ اور پھر ویسے بھی آپ غور کر لیں: یوم کس چیز کا نام ہے؟ دن، زمانے کا نام ہے، اور جو زمانہ ہوتا ہے یا جگہ ہو وہ کیا بنتا ہے؟ مفعول فیہ ہوتا ہے یعنی منصوب ہوتا ہے، جی۔ «يَوْمَ»: منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول فیہ ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ «يَوْمَ» اس کے نصب پر ہم کیا کر رہے ہیں باقاعدہ؟ تلفظ۔ «يَوْمَ الْجُمُعَةِ»، اس کے ذرا رفع پہ تلفظ کرو: «يَوْمُ الْجُمُعَةِ»، اس کے جر پہ کرو: «يَوْمِ الْجُمُعَةِ»، معلوم ہوا اس پہ اعراب تینوں طرح کے آسکتے ہیں، تو منصوب لفظاً مضاف۔ اب آپ سے کوئی پوچھے آپ کو کیسے پتہ چلا مضاف ہے؟ آپ کہیں گے یوم کا لفظ ہے نکرہ، اور اس کے بعد کیا آگیا؟ معرفہ، اور نکرہ کے بعد معرفہ ہے تو عموماً کیا بنتے ہیں؟ مضاف اور مضاف الیہ۔ اور اضافت کے بعد پھر یہ یوم کا لفظ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ۔ لیکن اب اکیلا یوم نہیں، «يَوْمَ الْجُمُعَةِ» اس میں جو یوم ہے وہ معرفہ ہے، اکیلا یوم کیا ہے؟ نکرہ ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو مضاف۔

آگے: «الْجُمُعَةِ»: اعراب: مجرور لفظاً مضاف الیہ، شاباش! «الْجُمُعَةِ» مجرور لفظاً، سمجھ میں آیا بھائی؟ مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ اب سمیٹتے جایئے: مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا کس کے لیے؟ «ضَرَبَ» فعل کے لیے۔ اب فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب دیکھا، ایک ایک لفظ کا اعراب نکال لیا، اس کو روانی سے پڑھ دیں ذرا: «ضَرَبَ بَكْرٌ خَالِدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ»۔

پتہ لگ گیا؟ لیکن پھر وہ ایک اعراب میں، ایک ضابطہ رہ گیا، میں نے آپ کو بتلایا تھا یر ملون والا ضابطہ: «خَالِدًا»، آخر میں کیا آرہا ہے؟ دال آرہی ہے آخر میں؟ تنوین ہے، تنوین کس چیز کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا۔ تو «خَالِدًا» کے آخر میں کیا آیا؟ نونِ ساکن، اور آگے کیا ہے؟ یوم کی یا، اور یا کس میں سے ہے؟ یر ملون میں سے ہے: ی، ر، م، ل، و، ن، ان سے پہلے اگر نونِ ساکن آجائے تو اس کو بھی انہی حرف کے، اسی حرف کی جنس سے بدل کر اس میں کیا کرتے ہیں؟ ادغام کرتے ہیں۔ تو «خَالِدًا» کا نون بھی یا سے بدل کر یا میں کیا کر دیں گے؟ ادغام کر دیں گے۔ کیسے پڑھیں گے؟ «ضَرَبَ بَكْرٌ خَالِدًا يَّوْمَ الْجُمُعَةِ»، طریقہ آگیا؟ پڑھیں: «ضَرَبَ بَكْرٌ خَالِدًا يَّوْمَ الْجُمُعَةِ»۔ جی، ترجمہ کیجیے: پٹائی کی بکر نے خالد کی جمعہ کے دن، ترجمہ سمجھ میں آگیا بھائی؟ چلیے بس کرتے ہیں، بس بھائی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۸: جملہ اسمیہ وفعلیہ کی عملی تراکیب (قسط ہشتم: فعل، فاعل اور مفعول بہ کی پہچان)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۰—بتاریخ: ۹ دسمبر ۲۰۱۴ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

مبتدا اور خبر کی ترکیب چل رہی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ گزشتہ سبق میں جملہ فعلیہ کی ترکیب کا بھی میں نے تکرار آپ کو دوبارہ شروع کروایا۔ اور آپ نے پڑھا کہ فعل جو ہے وہ دو قسم پر ہے: ایک فعلِ لازم اور ایک فعلِ متعدی۔ فعلِ لازم وہ ہے جہاں صرف فاعل پر بات پوری ہو جائے، جبکہ فعلِ متعدی وہ ہے جہاں فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول کا بھی وہ تقاضا کرے۔ اور پھر کبھی فعل ایک مفعول کا تقاضا کرتا ہے، کبھی دو کا تقاضا کرتا ہے، اور کبھی تین مفعولوں کا تقاضا کرتا ہے۔

اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ فعل کے مفہوم پر آپ غور کر لیں، اس کے مفہوم سے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اس کے لیے مفعول چاہیے یا نہیں چاہیے، اور ایک چاہیے یا دو چاہیے یا تین چاہیے بھائی۔ تو عام افعال جو ہوتے ہیں عموماً وہ ایک ہی مفعول کا تقاضا کرتے ہیں بھائی، عام طور پر۔ بعض افعال ہیں وہ دو کا تقاضا کرتے ہیں، جبکہ تین کا تقاضا کرنے والے بہت کم افعال ہیں۔ اور اردو میں بھی میں نے اس کی پہچان بتلائی تھی کہ اردو میں ترجمہ کریں گے تو فعلِ متعدی کے ترجمے میں نے کا لفظ آئے گا۔ تو نے کا لفظ اگر ترجمے میں آجائے تو سمجھ جائیں کہ یہ فعلِ متعدی ہے، اور اگر نے کا لفظ نہ آئے تو پھر وہ فعلِ لازم ہو گا یعنی وہاں مفعول کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد پھر آپ کو میں نے فعل کے مختلف صیغوں میں فاعل کی، فعلِ معروف کے اندر فاعل کی، اور فعلِ مجہول میں نائب الفاعل کی جو ضمیریں ہیں، ان کی بھی میں نے آپ کو پہچان کروائی۔ اور پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا کہ فعل کا فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ اور اسمِ ظاہر جو ہے، وہ صرف دو فعل ہیں جن کا فاعل یا نائب الفاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے، اور وہ کون کون سے صیغے ہیں؟ پہلا اور چوتھا صیغہ۔ ان کا فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ اگر آگے کوئی اسمِ ظاہر فاعل یا نائب الفاعل آجائے تو پھر ان کے اندر فاعل یا نائب الفاعل کی ضمیر نکالنے کی ضرورت نہیں، اور اگر آگے ان کا فاعل یا نائب الفاعل کوئی اسمِ ظاہر نہ آئے تو پھر انہی کے اندر فاعل یا نائب الفاعل کی ضمیر نکالیں گے: فعلِ معروف میں فاعل کی ضمیر اور فعلِ مجہول میں نائب الفاعل کی ضمیر بھائی۔

اور اسمِ ظاہر کسے کہتے ہیں؟ میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ اسمِ ظاہر جو ہے یہ اسمِ ضمیر کے مقابلے میں ہے۔ جو بھی اسم ہو، اگر وہ ضمیر نہیں ہے تو پھر اسمِ ظاہر ہو گا۔ مثلاً قلم یہ ضمیر نہیں ہے تو یہ کیا ہو گا؟ اسمِ ظاہر۔ جدار، دیوار کو کہتے ہیں، جدار، یہ ضمیر نہیں ہے معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر۔ تو جو بھی اسم ہے پہچاننا آسان سی بات ہے، دیکھ لو یہ ضمیر ہے یا نہیں۔ اگر ضمیر نہیں اور ہے اسم، تو پھر کیا ہو گا؟ اسمِ ظاہر ہو گا۔

تو اسمِ ظاہر صرف پہلے اور چوتھے صیغے کا فاعل بن سکتا ہے، باقی جو بارہ صیغے ہیں، چاہے ماضی معلوم کے ہیں چاہے ماضی مجہول کے ہیں، چاہے مضارع معلوم کے ہیں چاہے مضارع مجہول کے ہیں، ان بارہ صیغوں کے اندر فاعل یا نائب الفاعل ہمیشہ ضمیر ہو گی جو اسی فعل کے ساتھ جڑی ہوئی ہو گی، ضمیرِ بارز ہو گی، اور یا پھر اسی کے اندر چھپی ہوئی ضمیر ہو گی یعنی مستتر ہو گی بھائی۔

تو اسمِ ظاہر کتنے صیغوں کا فاعل بن سکتا ہے؟ دو: پہلا اور چوتھا۔ اور پہلے صیغے پر آپ غور کر لیں: واحد مذکر غائب، اور چوتھا صیغہ کیا ہے؟ واحد مؤنث غائب۔ تو دونوں مفرد کے صیغے ہیں۔ اس سے ایک اور بات کا بھی آپ کو پتہ چل گیا کہ فاعل جب بھی اسمِ ظاہر آئے گا، فعل ہمیشہ مفرد رہے گا۔ فاعل جب بھی اسمِ ظاہر آئے گا، فعل ہمیشہ کیا ہو گا؟ مفرد، یعنی پہلا یا چوتھا صیغہ ہو گا۔ پھر وہ اسمِ ظاہر خود چاہے مفرد ہو، چاہے تثنیہ ہو، چاہے جمع ہو، ہے تو اسمِ ظاہر، تو فعل پھر بھی مفرد ہی رہے گا۔

مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں: اس ایک زید نے پٹائی کی، میں کہوں گا: «ضَرَبَ زَيْدٌ»۔ اگر میں کہنا چاہتا ہوں: وہ جو دو زید ہیں انہوں نے پٹائی کی، تو میں کہوں گا: «ضَرَبَ الزَّيْدَانِ»۔ دیکھو، «ضَرَبَ» اب بھی مفرد کا مفرد ہے کیونکہ «الزَّيْدَانِ» چاہے تثنیہ ہے، ہے تو اسمِ ظاہر، اور اسمِ ظاہر جب فاعل ہو تو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر میں کہنا چاہتا ہوں: وہ جو کئی زید ہیں انہوں نے پٹائی کی، تو میں کیا کہوں گا؟ «ضَرَبَ الزَّيْدُونَ»۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو «ضَرَبَ» اب بھی مفرد کا مفرد ہی رہا، اگرچہ «الزَّيْدُونَ» فاعل ہے۔ تو آپ نے اسمِ ظاہر کو نہیں دیکھنا کہ وہ مفرد ہے، تثنیہ ہے یا جمع ہے۔ جب بھی اسمِ ظاہر فاعل یا نائب الفاعل ہو گا، فعل کو ہمیشہ مفرد رکھیں گے۔ ہاں، پھر صرف یہ ہے: مذکر کے لیے مذکر والا فعل لائیں گے یعنی پہلا صیغہ، اور مؤنث کے لیے مؤنث والا یعنی چوتھا صیغہ لائیں گے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

اور اسی طرح جملہ فعلیہ کی ترکیب میں ایک یہ ضابطہ بھی بتلایا تھا کہ فاعل یا نائب الفاعل جب بھی آئے گا، فعل کے بعد آئے گا۔ فاعل یا نائب الفاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، تو «ضَرَبَ» فعل، «زَيْدٌ» اس کے لیے فاعل۔ یا «ضُرِبَ عَمْرٌو»، «ضُرِبَ» فعلِ مجہول اور «عَمْرٌو» اس کے لیے نائب الفاعل ہے۔ تو یہ «زَيْدٌ» اور «عَمْرٌو»، یہ فعل پر مقدم نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ فاعل یا نائب الفاعل ہیں۔ جبکہ اور جو فعل کے معمول ہوتے ہیں، مفعول بہ ہوتا ہے، مفعول فیہ وغیرہ، وہ فعل پر مقدم ہو سکتے ہیں، لیکن فاعل یا نائب الفاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتے۔ تو ابھی جیسے میں نے آپ کو بتایا: «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ» فعل، «زَيْدٌ» اس کے لیے فاعل۔ اسی «زَيْدٌ» کو اٹھا کر ذرا «ضَرَبَ» پر مقدم کر دیں: «زَيْدٌ ضَرَبَ»، اب «زَيْدٌ» فاعل نہیں بن سکتا، ترکیب ہی بدل گئی ساری بھائی، اب کچھ اور تو ترکیب میں بن سکتا ہے جیسے یہاں پر یہ مبتدا بن جائے گا، لیکن فاعل نہیں بھائی۔ اور یہ بھی میں نے آپ کو بتایا تھا کہ فعل کے آنے کے بعد صرف فاعل یا نائب الفاعل مرفوع ہو گا، اور کوئی لفظ مرفوع نہیں ہو گا، اور جتنے معمول ہوں گے فعل کے وہ منصوب ہوں گے یا مجرور ہوں گے جن پر کہ حرفِ جر داخل ہو جائے گا یا وہ مضاف الیہ ہوں گے بھائی۔ تو معلوم ہوا فاعل یا نائب الفاعل کو فعل پر مقدم نہیں کر سکتے، جبکہ مفعول فیہ، مفعول بہ وغیرہ کو فعل پر مقدم کر سکتے ہیں۔

اب ہم ترکیب کر رہے تھے، جی کچھ اور جملوں کی ترکیبیں کر لیجیے بھائی۔ یاد رکھو، ترکیب جب بھی کرنے لگو آپ کو ایک ایک لفظ کا معنی آنا چاہیے، معنی آئے گا تو آپ ترکیب کر سکتے ہیں، معنی نہیں آتا تو ترکیب کیسے کریں گے بھائی؟ پھر ترکیب نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ایک ایک لفظ کا معنی آپ کو علم ہونا چاہیے جس جملے کی آپ ترکیب کر رہے ہیں۔ اور اس کے لیے لغت آپ کے پاس ہو اور لغت میں آپ وہ لفظ ڈھونڈیں، اس کا معنی ڈھونڈیں، جب ایک ایک لفظ کا معنی آپ کو پتہ چل گیا، اب کچھ نہ کچھ ترکیب کا اندازہ معنی سے بھی آپ کو ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ مثلاً آپ کے سامنے ایک جملہ لکھا ہوا ہے: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، معنی سمجھ میں آ رہا ہے آپ کو کہ پٹائی کی ہے، کس نے کی ہے؟ زید نے، معلوم ہوا زید کو فاعل بنانا ہے، اور کس کی کی ہے؟ عمرو کی، تو معلوم ہوا عمرو کو کیا بنائیں گے؟ مفعول۔ تو آپ کو معنی کا پتہ چل جائے تو ترکیب کا آپ کو اندازہ ہو جائے گا بھائی۔ تو بعض اوقات معنی سے ترکیب کا پتہ چلتا ہے، اور بعض اوقات ترکیب سے معنی کا پتہ چلتا ہے، کیونکہ ترکیب بدلتے ہیں تو معنی بدلتا ہے۔ جی اگلا جملہ لکھیے بھائی: «سَمِعْتُ صَوْتًا»۔ ص، و، اور لمبی تا دو نقطوں والی: «صَوْتًا»۔ چلیے جی، ترکیب کیجیے بھائی۔ صوت کا معنی ہے آواز۔

«سَمِعْتُ»: فعل بافاعل، شاباش! دیکھا، صیغے پر غور کر لیں، یہ پہلا یا چوتھا صیغہ ہے یا اس کے علاوہ ہے؟ اس کے علاوہ ہے، پہلا صیغہ بھی نہیں کیونکہ پہلا صیغہ تو «سَمِعَ» آتا ہے، چوتھا «سَمِعَتْ» آتا ہے، اور یہ کیا ہے؟ «سَمِعْتُ»، تو یہ معلوم ہوا ان کے علاوہ ہے۔ جب یہ دو میں سے نہیں ہے بلکہ بارہ میں سے ہے، تو بارہ جیسے ہی یہ پتہ چلے یہ بارہ صیغوں میں سے ہے، دو میں سے نہیں ہے، ساتھ ہی ایک اور بات کا بھی پتہ چل گیا کہ فاعل ضمیر ہو گی، اور وہ اسی کے ساتھ جڑی ہوئی ہو گی یا اس کے اندر چھپی ہوئی ہو گی بھائی۔ تو آگے کسی اسمِ ظاہر کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں اور یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ آگے کوئی اسمِ ظاہر تو اس کے لیے فاعل یا نائب الفاعل نہیں بن رہا، اسی کے ساتھ ضمیر ہو گی، جڑی ہوئی بارز ہو گی یا اس کے اندر چھپی ہوئی ہو گی بھائی۔ اور پھر اس کو جب فعل کے ساتھ ہی ضمیر ہو یا اس کے اندر چھپی ہوئی ضمیر ہو، تو اس کو یاد رکھیے ترکیب میں تعبیریوں کریں گے: فعل بافاعل، یعنی فعل فاعل کے ساتھ کیونکہ فاعل اسی کے ساتھ جڑا ہوا ہے یا اس کے اندر ہے۔ تو فعل بافاعل۔

جی، تو « سَمِعْتُ » فعل بافاعل۔ اب فاعل بھی بتادو: تاضمیر، شاباش! تاضمیر، اعراب بھی اس کا بتاؤ: تاضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، شاباش! تاضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ محلاً کیوں کہہ رہے ہو؟ کیونکہ ضمیر ہے اور ضمیر مبنیات میں سے ہے، اس کا اعراب محلاً آتا ہے۔ آپ پر کوئی اشکال کر دے بھائی آپ اس کو مرفوع محلاً کیسے کہہ رہے ہو، یہ تا پر تو باقاعدہ پیش آرہی ہے، رفع آرہا ہے؟ شاباش بھائی، یہ اس کی حرکت ہے بھائی یہ اعراب نہیں ہے، جیسے « سَمِعْتِ » یا « سَمِعْتَ »، ان کے اندر بھی یہ تا کیا ہے؟ فاعل ہے، تو ان کے نیچے تو زبر یا زیر ہے، « سَمِعْتَ » میں زبر، « سَمِعْتِ » میں زیر، تو وہ بھی دراصل ان کی حرکت ہے، وہ ہیں مرفوع ہی کیونکہ وہ کیا بن رہے ہیں؟ فاعل۔ تو تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل بھائی۔ یہ تو تا ضمیر آپ نے اس کا عام نام لیا، تا۔ اگر اس کا خاص نام لینا ہو تو « تُو » ضمیر، شاباش، « تُو » ضمیر بھائی، کیونکہ وہ کلمہ جو ایک حرف پر مشتمل ہو، چاہے اسم ہو چاہے حرف ہو، اس کا جب نام لیتے ہیں تو نام کم از کم تین حروف پر مشتمل ہوتا ہے۔ تو لہٰذا یہاں یہ نہیں کہیں گے تْ ضمیر، عموماً طلبہ بڑی غلطی کرتے ہیں اس کو کہتے ہیں تْ ضمیر، تْ نہیں بھائی۔ یہ جب ایک حرف پر کلمہ مشتمل ہے تو اس کا وہ نام لو جو حروفِ تہجی الف با تا ثا وغیرہ میں ہے، اور اس کا کیا نام ہے؟ تا ضمیر۔ اور اگر اس کا خاص نام لینا ہو تو « تُو » ضمیر۔ جی، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔

آگے: « صَوْتًا »: اعراب: منصوب لفظاً مفعول بہ۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ اس کے نصب پر تلفظ کر کے دکھایئے: « صَوْتًا »، شاباش! منصوب لفظاً مفعول بہ۔ ایک طالب علم آپ پر اشکال کر دیتا ہے: نہیں بھائی، یہ بھی فاعل ہے، مرفوع لفظاً « صَوْتٌ » پڑھو اس کو، آپ کیا جواب دیں گے اس کو؟ فعل ہمیشہ ایک فاعل چاہتا ہے، اور اگر اس کو فاعل بناتے ہو تو یہ تو اسم ظاہر ہے، ضمیر ہے یہ؟ « صَوْتٌ »؟ یہ تو ضمیر نہیں اسم ظاہر ہے، تو معلوم ہوا آپ اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہتے ہیں، اور اسم ظاہر جب بھی فاعل ہو فعل کون سا ہو گا ہمیشہ؟ پہلا صیغہ یا چوتھا صیغہ ہو گا، اور « سَمِعْتُ » تو پہلا صیغہ بھی نہیں ہے اور چوتھا بھی نہیں، لہٰذا اس کے لیے صوت تو فاعل بن ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ اسم ظاہر ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا یہ کیا بنے گا اب؟ مفعول۔ تو فعل آنے کے بعد جب آپ کو فاعل یا نائب الفاعل کا پتہ چل گیا، وہ ہوں گے مرفوع، باقی جتنے جملے میں آئیں گے وہ یا منصوب ہوں گے یا مجرور ہوں گے، مرفوع ہو ہی نہیں سکتے۔ تو « صَوْتًا » منصوب لفظاً مفعول بہ، شاباش!

جی، اب سمیٹیے سارے جملے کو: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ شاباش! فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب روانی سے پڑھ لیں، ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے نکال لیا: « سَمِعْتُ صَوْتًا »۔ « سَمِعْتُ صَوْتًا »، دیکھا، ترکیب سے اب آپ کو جملہ آپ نے صحیح طرح پڑھ لیا بھائی: « سَمِعْتُ صَوْتًا »۔ ترجمہ بھی اب کیجیے بھائی: میں نے آواز سنی، میں نے آواز سنی۔ کیونکہ « سَمِعْتُ » کا کیا معنی تھا؟ میں نے سنا، « سَمِعْتُ »: میں نے سنا، اور کس کو سنا؟ صوت: آواز کو، تو میں نے آواز سنی، ماضی کا ترجمہ کریں۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے بھائی؟ میں نے آواز سنی۔

اگلا جملہ لکھیے: « سَمِعَ زَيْدٌ صَوْتًا »۔ ص، و، اور لمبی تا بھائی: « سَمِعَ زَيْدٌ صَوْتًا »۔ چلیے جی، آپ ترکیب کیجیے بھائی۔

« سَمِعَ »: فعل بافاعل، شاباش! « سَمِعَ » فعل بافاعل، فاعل کیا؟ « هُوَ » ضمیر، اس کے اندر اعراب اس کا: « هُوَ » ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ ہاں، « سَمِعَ » فعل بافاعل، اس کے اندر « هُوَ » ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ محلاً کیوں کہا؟ کیونکہ ضمیر ہے، مبنیات میں سے ہے۔ « زَيْدٌ »: منصوب لفظاً مفعول بہ۔ اعراب: « زَيْدًا » منصوب لفظاً مفعول بہ، منصوب کیوں؟ مفعول بن رہا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھاؤ: « زَيْدًا »، ذرا اس کے رفع پہ تلفظ کرو: « زَيْدٌ »، ذرا اس کے جر پہ تلفظ کرو: « زَيْدٍ »، معلوم ہوا اس کا اعراب تینوں صورتوں میں لفظی ہوتا ہے۔ آگے بھائی: « صَوْتًا »: منصوب لفظاً مفعول ثانی۔ بھائی، پہلے فعل کے مفہوم پہ غور کرو، یہ کتنے مفعول چاہتا ہے؟ ایک۔ کتنے؟ ایک۔ اوپر والے جملے میں دیکھ لو ایک مفعول آیا تھا یا نہیں؟ اور بات پوری ہو گئی تھی کہ ادھوری تھی ابھی بھی؟ بات پوری ہو گئی تھی: میں نے آواز سنی، بس ایک مفعول چاہیے تھا، تو پھر؟

« سَمِعَ » فعل، « زَيْدٌ » مرفوع لفظاً فاعل۔ ہاں، شاباش! بھائی، یہ کتابت کی معلوم ہوا غلطی ہے یا جس ساتھی نے جملہ بنایا اس سے غلطی ہو گئی، آپ نے اپنے ضابطوں کو نظر میں رکھنا ہے اور اس کی بھی اصلاح کرتے جانا ہے۔ میں جان کر بعض اوقات غلط اعراب کے ساتھ لکھواؤں گا، آپ نے ان کو غور کر کے ٹھیک کرنا ہے۔ اگر آپ غلطی پکڑ لیتے ہیں اس کا مطلب ہے آپ کو ضابطے یاد ہوتے جا رہے ہیں، اگر آپ وہ ضابطے ذہن میں نہیں رکھیں گے تو غلطی میں پڑیں گے۔ تو معلوم ہوا جس شخص نے یہ جملہ بنایا، یہاں تو « زَيْدٌ » اور « صَوْتٌ »، ان میں سے ایک فاعل بنے گا اور ایک مفعول بنے گا، دونوں مفعول بن ہی نہیں سکتے۔ اور صوت ایک ہے مفعول، اگر بناتے بھی ہو ایک زید ہے ایک صوت ہے، تو مفعول تو ایک چاہیے، دوسرے کو یا مفعول فیہ بنانا پڑے گا، حالانکہ مفعول فیہ تو ظرف ہوتا ہے، زمانے یا جگہ کا نام، اور آواز نہ زمانے کا نام ہے اور نہ جگہ کا نام ہے۔ یا اسی طرح اور کوئی مفعول بن سکتا ہے، لیکن ان میں سے یہاں کوئی بھی

نہیں بن سکتا، تو لہٰذا معلوم ہوا اس کو کیا کریں گے؟ ترکیب غلط ہوئی بھائی۔

تو آپ نے لفظوں پر بھی غور کرنا ہے، لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ اب آپ کتاب میں غلطیاں نکالنا شروع کر دیں، نہیں، یہ عام کوئی آپ کا ساتھی جملہ بناتا ہے یا آپ بناتے ہیں تو آپ یہ ضابطے ذہن میں رکھیں گے تو آپ غلطی کریں گے ہی نہیں، جملہ خود ہی صحیح بنائیں گے۔ تو یہ غلط جملہ دراصل میں آپ کے، تاکہ آپ کا ذہن پوری طرح متوجہ ہو جائے بھائی۔

اچھا، اب کیجیے دوبارہ ترکیب کیجیے بھائی: «سَمِعَ»: فعل۔ «زَيْدٌ»: مرفوع لفظاً فاعل، شاباش! «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ «صَوْتًا»: منصوب لفظاً مفعول بہ، شاباش! «صَوْتًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول بہ ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ جی، اب سمیٹیے بھائی اس پورے جملے کو: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب روانی سے سارے جملے کو پڑھ دیں کیونکہ ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے نکال لیا: «سَمِعَ زَيْدٌ صَوْتًا»۔ «سَمِعَ زَيْدٌ صَوْتًا»، ترجمہ کیجیے: زید نے آواز سنی، زید نے آواز سنی۔ «سَمِعَ زَيْدٌ»: سنا زید نے، کس کو؟ «صَوْتًا»: آواز کو، سنا زید نے آواز کو۔ اب اس کو اردو میں آسان لفظوں میں بہترین ترتیب دے کر: زید نے آواز سنی، زید نے آواز سنی، شاباش بھائی! دیکھا، ترکیب ان شاء اللہ کوئی مشکل نہیں ہے، بس ہمت اور ارادہ اونچا رکھنا ہے، آپ دیکھیں گے بہترین ترکیب آپ کر رہے ہیں۔ اور بلکہ آپ ان قوانین کو اپنی جو کتابیں چل رہی ہیں وہاں بھی تھوڑی تھوڑی ترکیب کی کوشش کیا کریں بھائی۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «قَامَ زَيْدٌ الْعَالِمُ»۔ «قَامَ زَيْدٌ الْعَالِمُ»۔ چلیے بھائی، ترکیب کیجیے۔

«قَامَ»: فعل۔ «زَيْدٌ»: مرفوع لفظاً موصوف، شاباش! «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل بن رہا ہے، شاباش! اور لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور آپ نے کہا موصوف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ کیونکہ دو اسم آ رہے ہیں اور دونوں معرفہ ہیں۔ کیونکہ دو اسم ہیں اور دونوں معرفہ ہیں، اور پھر جب دو معرفہ اکٹھے آجائیں، دو معرفہ جب اکٹھے آجائیں تو پہلے کو موصوف بناتے ہیں اور دوسرے کو صفت۔ ایک طالب علم نے آپ پر اعتراض کر دیا اور کہنے لگا کہ نہیں، زید فاعل ہے اور العالم یہ مفعول بہ ہے، اس کو کیا جواب دیں گے آپ؟ آپ نے تو زید کو موصوف بنایا، العالم کو کیا بنایا؟ صفت بنایا۔ لیکن ایک طالب علم اشکال کر دیتا ہے کہ نہیں، زید فاعل ہے اور العالم صفت نہیں ہے وہ مفعول ہے، کیا جواب دیں گے؟

«قَامَ» کا کیا معنی؟ کھڑا ہوا، اٹھا۔ بھائی، فعل کے مفہوم پہ غور کر لو! یہ فعل مفعول چاہتا بھی ہے کہ نہیں چاہتا؟ «قَامَ زَيْدٌ»: زید کھڑا ہوا، کسی مفعول کی ضرورت ہے؟ «قَامَ زَيْدٌ»، زید کھڑا ہوا، کوئی نے کا لفظ آیا؟ نہیں، تو آپ جواب میں کہیں گے بھائی یہ «قَامَ» تو فعلِ لازم ہے، یہ تو مفعول کو چاہتا ہی نہیں ہے بھائی، لہٰذا مفعول آ ہی نہیں سکتا یہاں پر، لہٰذا اس العالم کو کیا کرنا پڑے گا؟ لفظِ زید کی صفت ہی بنانا پڑے گا۔

جی، کیجیے ترکیب بھائی: «قَامَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً موصوف۔ آگے۔ «الْعَالِمُ»: مرفوع لفظاً صفت، پورا ترکیب نہیں کر رہے آپ: مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل صفت۔ «الْعَالِمُ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ مرفوع کیوں؟ شاباش، کیونکہ موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، موصوف مرفوع تھا تو صفت بھی کیا ہوگی؟ مرفوع۔ تو «الْعَالِمُ» مرفوع، اور لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھائیے: «الْعَالِمُ»۔ نصب پر تلفظ کیجیے: «الْعَالِمَ»۔ جر پر تلفظ کیجیے: «الْعَالِمِ»، شاباش بھائی! تو «الْعَالِمُ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ آگے ترکیب کیجیے: «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ ہاں، تو وہ اس اسم فاعل کے لیے فاعل ہے۔ اسم فاعل اور، اور فاعل اور چیز ہے۔ «هُوَ» ضمیر کیا ہے؟ اس اسم فاعل کے لیے فاعل ہے۔ «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ آگے: اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر فاعل۔ موصوف صفت مل کر فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو معلوم ہوا اس جملے میں صرف دو چیزیں ہیں: ایک فعل ہے اور ایک اس کا فاعل ہے۔

اب روانی سے پڑھ دیں بھائی: «قَامَ زَيْدٌ الْعَالِمُ»۔ «قَامَ زَيْدُ نِالْعَالِمُ»، بھائی یہ نون بیچ میں کہاں سے آ گیا: «زَيْدُ نِالْعَالِمُ»؟ ہاں، یہ تنوین ہے، وہ تنوین کا نون تنوین کس چیز کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا، بات سمجھ میں آئی؟ دیکھو میں آپ کے سامنے لکھتا ہوں: ز، ی، د، اور اس کے اوپر دال پر میں دو پیش ڈال دیتا ہوں، آپ پڑھیں اس کو کیا پڑھیں گے؟ «زَيْدٌ»۔ بھائی یہ نون کہاں سے پڑھ رہے ہیں، میں نے تو ز، ی، د لکھا ہے؟ تو آپ جواب میں کہیں گے کہ یہ نون کیا ہے؟ وہ جو آپ نے تنوین لکھی ہے تو تنوین دراصل کس چیز کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا۔ تو وہ نون ساکن ہے، تو «زَيْدٌ» کے آخر میں نونِ ساکن آیا، اور «الْعَالِمُ» اس میں الف ہمزہ جو ہے، ہمزہ وہ وصلی ہے وہ گر گیا، اب نون بھی ماقبل میں ساکن آگے لام بھی ساکن، تو دو ساکن اکٹھے ہو گئے تو ایک کو حرکت

دیں گے پہلے کو، وَالسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ، ساکن کو جب حرکت دی جاتی ہے تو کسرے والی حرکت عام طور پر دیتے ہیں، تو کسرے والی حرکت دے دی نون کو تو کیا بن گیا؟ «زَيْدُ نِالْعَالِمُ» ۔ «قَامَ زَيْدُ نِالْعَالِمُ» ،جی ترجمہ کیجیے: کھڑا ہوا وہ زید جو کہ عالم ہے، یا صفت کو کیا کر دو اردو میں موصوف پر مقدم کر دو: عالم زید کھڑا ہوا۔ کیونکہ نام آ گیا نا، اب وہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں، وہ کس لیے آپ لاتے تھے وہ کا لفظ؟ تعین کے لیے، تو وہ کی اب ضرورت نہیں: عالم زید کھڑا ہوا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

چلیے بس کریں، ان سب جملوں کا آپ نے تکرار کرنا ہے اور ترکیب کریں آپس میں بیٹھ کر، اور بھی کوشش کیا کریں چند ایک جملے ملا کر تا کہ مشق زیادہ سے زیادہ آپ کی ہوتی جائے بھائی۔ اور کہیں مشکل پیش آئے تو مجھ سے پوچھ لیا کریں کسی جملے میں۔ ترکیب جتنی محنت کریں گے اتنی جلدی سیکھتے جائیں گے بھائی۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۳۹: جملہ اسمیہ وفعلیہ کی عملی تراکیب (قسط نہم: مفرد وجملہ کی تراکیب کا تقابل)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۰—بتاریخ: ۱۵ دسمبر ۲۰۱۴ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

اچھا بھائی، ہم ترکیب پڑھ رہے تھے۔

اور آپ نے پڑھا کہ جملہ اسمیہ کے اندر دو جز ہوتے ہیں: ایک جز کو کہتے ہیں مبتدا اور دوسرے جز کو خبر کہتے ہیں۔ مبتدا بھی مرفوعات میں سے ہے اور خبر بھی مرفوعات میں سے، تو جیسے ہی آپ کو کسی لفظ کے بارے میں پتہ چل جائے کہ یہ مبتدا ہے یا خبر ہے، تو دوسری بات بھی فوراً ہی پتہ چل جاتی ہے کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے بھائی، رفع پڑھنا ہے۔

اور رفع ہو یا نصب ہو یا جر ہو، یہ تین طرح آتا ہے: کبھی محلاً ہوتا ہے، کبھی لفظاً ہوتا ہے اور کبھی تقدیراً۔ محلاً جو رفع ہے وہ مبنی کے اندر آتا ہے، مبنی کی حالت نہیں بدلتی، البتہ محل یعنی جگہ کے اعتبار سے وہ مرفوع ہوتا ہے، منصوب ہوتا ہے یا مجرور ہوتا ہے۔ تو لہٰذا آپ کو مبنی کی پہچان ہونی چاہیے بھائی، اور میں نے بتلایا تھا کہ مبنیات تو آٹھ ہیں، لیکن ان میں سے تین مشہور ہیں، وہ ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونے چاہئیں، اور ان میں سے پہلا کیا ہے؟ تمام ضمیریں ہیں، اور دوسرا اسمائے اشارہ ہیں، اور تیسرا اسمائے موصولہ ہیں بھائی، اسمائے موصولہ۔

اس کے بعد کبھی اعراب جو ہے وہ لفظاً بھی آتا ہے اور کبھی تقدیراً بھی۔ لفظاً اعراب کا معنی یہ ہے کہ اس اعراب پر باقاعدہ ہم تلفظ کرتے ہیں، سننے سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ اس پر اس وقت رفع پڑھا جا رہا ہے یا نصب یا جر۔ اور بعض لفظوں میں اعراب تقدیراً آتا ہے، ظاہر نہیں ہوتا، تو یہ معرب کے اندر ہوگا، کبھی لفظاً اور کبھی تقدیراً۔

اور پھر کس پر لفظاً آئے گا اور کس پر تقدیراً آئے گا، تو یہ وہ نحو میر کی سولہ قسمیں آپ کو یاد ہونی چاہئیں، یا وہی قسمیں کہ ان کو صاحبِ ہدایت النحو نے اس کی نو قسمیں بنا دیں، وہ سولہ کو کتنے میں بند کر دیا؟ نو میں۔ تو وہ آپ کے ذہن میں ہونی چاہئیں، ان سے آپ کو اعراب کا پتہ چل جائے گا کہ کس پر کون سا اعراب پڑھنا ہے۔ مثلاً اسمِ مقصور جو ہے، یعنی جس کے آخر میں الفِ مقصورہ آئے، تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیراً ہوتا ہے: «جَاءَنِي مُوسَى»، «رَأَيْتُ مُوسَى»، «مَرَرْتُ بِمُوسَى»؛ کیونکہ اس کے آخر میں الف آ رہا ہے اور الف تو ساکن ہوتا ہے، اس پر حرکت آ ہی نہیں سکتی۔

اور اسی طرح اسمِ منقوص ہے جیسے قاضی: «جَاءَنِي الْقَاضِي»، «رَأَيْتُ الْقَاضِيَ»، «مَرَرْتُ بِالْقَاضِي»؛ تو اس پر نصب جو ہے وہ تو لفظاً آتا ہے: «رَأَيْتُ الْقَاضِيَ»، لیکن باقی رفع اور جر تقدیراً آتا ہے بھائی۔

اور اسی طرح جمع مذکر سالم کے علاوہ کوئی اسم بھی اگر مضاف ہو جائے کس کی طرف؟ یاءِ متکلم کی طرف، اس کا اعراب بھی تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے: «جَاءَنِي غُلَامِي»، «رَأَيْتُ غُلَامِي»، «مَرَرْتُ بِغُلَامِي»۔ تو یہاں غلام کا لفظ جو آ رہا ہے یہ یاء ضمیر کی طرف مضاف ہے، اور یہ غلام کا لفظ جمع مذکر سالم نہیں ہے، تو جمع مذکر سالم کے علاوہ کوئی بھی اسم یاء ضمیر کی طرف مضاف ہو تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے، تو لہٰذا غلام کا اعراب یہاں چاہے اس پر رفع ہو، چاہے نصب ہو، چاہے جر ہو، تقدیراً ہے۔ اور آگے جو یاء ضمیر ہے وہ مضاف الیہ ہے، وہ مجرور ہے، اور وہ چونکہ ضمیر ہے، مبنیات میں سے ہے، تو وہ مجرور محلاً ہے بھائی، مجرور محلاً۔

تو یہ مبتدا اور خبر۔ اور اسی طرح موصوف صفت کی ترکیب میں نے آپ کو بتلائی تھی کہ دو، تین یا چار معرفہ اکٹھے آجائیں تو وہ آپس میں موصوف صفت بنیں گے بھائی، پہلے کو بنائیں گے موصوف اور باقیوں کو صفت۔ اور تو معرفہ کی بھی آپ کو پہچان ہونی چاہیے بھائی، معرفہ۔ اور معرفہ کون کون سے ہیں؟ تمام ضمیریں ہیں، اور اسمائے اشارہ ہیں، اور اسمائے موصولہ ہیں، اور عَلَم ہے نام کسی کا، اور معرف باللام، اور ان پانچ میں سے کسی کی طرف کوئی اسم مضاف ہو جائے وہ بھی معرفہ بن جاتا ہے۔ اور اسی طرح معرفہ بالنداء بھی ہے کہ حرفِ نداء کی وجہ سے کوئی معرفہ لفظ بن جائے، لیکن وہ اس وقت ہماری بحث سے خارج ہے کیونکہ ہم مبتدا خبر کی ترکیب کر رہے ہیں بھائی۔

اور مبتدا خبر آسان لفظوں میں، میں نے بتایا تھا مبتدا وہ ہے جس کے بارے میں بات کی جائے اور خبر وہ ہے جو بات کی جائے بھائی۔ جملہ اسمیہ میں جتنے بھی لفظ ہوں، یاد رکھیے وہ سارے کچھ تو جڑ جائیں گے مبتدا کے ساتھ اور کچھ کس کے ساتھ جڑ جائیں گے؟ خبر کے ساتھ۔ بالآخر دو ہی جز بنیں گے: ایک مبتدا اور ایک خبر۔

اسی طرح اس کے ساتھ ساتھ ہم نے جملہ فعلیہ کی بھی ترکیب شروع کی تھی، اور میں نے آپ کو بتایا تھا کہ فعلِ معروف ہو یا فعلِ مجہول ہو، یہ ہمیشہ چاہتا ہے کسی ایک اسم کو رفع دے، اور صرف ایک اسم کو رفع دے گا، باقیوں کو نصب دے گا، تو رفع ایک کو ہی دے گا، وہ جب آجائے تو پھر باقی کسی پر رفع نہیں پڑھنا۔ تو جس کو یہ رفع دیتے ہیں اگر فعلِ معروف ہو تو وہ اس کا فاعل کہلاتا ہے، اور اگر فعلِ مجہول ہو تو وہ اس کا نائب الفاعل کہلاتا ہے۔

اور فاعل یا نائب فاعل ایک ہی اسم ہو گا، وہ ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ جو اسمِ ظاہر ہے یہ ضمیر کے مقابلے میں ہے۔ جو بھی اسم ہو اگر وہ ضمیر نہیں ہے تو پھر اسمِ ظاہر ہو گا۔ مثلاً قلم، یہ ضمیر نہیں ہے تو یہ کیا ہو گا؟ اسمِ ظاہر۔ «جِدَارٌ» دیوار کو کہتے ہیں، جدار، یہ ضمیر نہیں ہے، معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر۔ تو جو بھی اسم ہے پہچاننا آسان سی بات ہے، دیکھ لو یہ ضمیر ہے یا نہیں۔ اگر ضمیر نہیں اور ہے اسم، تو پھر کیا ہو گا؟ اسمِ ظاہر ہو گا۔ غلام کا لفظ ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ اسمِ ظاہر، جب ضمیر نہیں ہے تو کیا ہے؟ اسمِ ظاہر ہے بھائی۔ «كُرَّاسَةٌ» کراسہ کاپی کو کہتے ہیں، ضمیر نہیں تو کیا ہے؟ اسمِ ظاہر ہے بھائی، اسمِ ظاہر۔

اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے، لیکن اگر اسمِ ظاہر ہے تو پھر ضمیر نہیں ہو گی، اور اگر ضمیر ہے تو پھر اسمِ ظاہر نہیں ہو گا بھائی۔ اور اسمِ ظاہر آپ نے پڑھا تھا کہ پہلا اور چوتھا صیغہ، یعنی واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب، اس کے لیے فاعل یا نائب فاعل بن سکتا ہے اسمِ ظاہر۔ باقی جو بارہ صیغے ہیں ان کے لیے فاعل یا نائب فاعل کی ہمیشہ ضمیر ہو گی جو اسی فعل کے اندر چھپی ہوئی ہو گی یا اسی کے ساتھ جڑی ہوئی ہو گی بھائی، جڑی ہوئی ہو گی۔

اور تو پہلا اور چوتھا صیغہ ان کے لیے صرف فاعل یا نائب فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے، تو اگر آگے اسمِ ظاہر ہو تو یہ اس کو رفع دے دیں گے، اور اگر آگے اسمِ ظاہر نہ ہو ا ان کا فاعل یا نائب فاعل تو پھر انہی کے اندر کیا نکال لیں گے؟ ضمیر نکال لیں گے۔ اور یہ پہلا اور چوتھا صیغہ دونوں مفرد کے ہیں، پہلا کیا ہے صیغہ؟ واحد مذکر غائب، اور چوتھا ہے واحد مؤنث غائب۔ تو اس سے ایک اور بات کا بھی پتہ چل گیا کہ فاعل جب بھی اسمِ ظاہر آئے گا فعل ہمیشہ مفرد رہے گا، کیونکہ پہلا صیغہ ہو گا یا چوتھا صیغہ ہو گا اور وہ دونوں مفرد کے ہیں۔ اسمِ ظاہر خود چاہے واحد ہو، چاہے تثنیہ ہو، چاہے جمع ہو، اس سے ہماری بحث نہیں، ہے تو اسمِ ظاہر۔ مفرد ہو تو بھی کیا ہے؟ اسمِ ظاہر۔ تثنیہ ہو تو بھی اسمِ ظاہر، جمع ہو تو بھی اسمِ ظاہر۔ تو فعل ہمیشہ مفرد ہی رہے گا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد ایک ضابطہ اور بھی ذکر ہوا ترکیب کا کہ جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے تو وہ آپس میں کیا بنیں گے؟ مضاف مضاف الیہ بنیں گے۔ «كِتَابُهُ» کتاب مضاف، ہ ضمیر مضاف الیہ۔ «قَلَمُكَ» قلم مضاف، کاف ضمیر مضاف الیہ۔

اور اسی طرح کئی نکرہ اکٹھے آجائیں اور ان کے بعد کوئی معرفہ نہ ہو، تو پھر یہ نکرہ بھی آپس میں کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت، موصوف صفت بنتے ہیں بھائی۔

تو آگے چند جملے لکھیے بھائی، ترکیب کیجیے۔ تو آپ نے ترکیب میں معنی پر بھی غور کرنا ہے، سمجھ میں آئی بات بھائی؟ معنی سے بھی ترکیب کا اندازہ ہو گا اور یہ ضابطے بھی ذہن میں رکھیے۔

■ قولہ: «اِشْتَرَيْتُ» کی تشریح

«اِشْتَرَيْتُ» لکھیے بھائی اگلا جملہ: «اِشْتَرَيْتُ هٰذَا الْبَيْتَ»

«اِشْتَرَی» کے معنی ہوتے ہیں خریدنے کے بھائی، چلیے بھائی، ترکیب کیجیے۔ «اِشْتَرَیْتُ» فعل بافاعل، شاباش! میں نے آپ کو بتایا تھا فعل کے اندر اگر ضمیر چھپی ہوئی ہو فاعل یا نائب فاعل کی، یا اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہو، تو دونوں صورتوں میں تعبیر کس طرح کرنا ہے؟ فعل بافاعل بھائی۔ جی تو «اِشْتَرَیْتُ» فعل بافاعل، اب اس کے اندر فاعل بھی بتادو؟ تاضمیر، اعراب اس کا؟ تاضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اچھا بھائی، مرفوع کیوں کہا؟ کیونکہ فاعل ہے۔ محلاً کیوں کہا؟ کیونکہ ضمیر ہے، مبنیات میں سے ہے، شاباش۔

آگے «هٰذَا» موصوف، اعراب بھائی؟ مرفوع محلاً موصوف؟ شاباش، منصوب محلاً موصوف بھائی! کیونکہ فاعل جب مرفوع آگیا اب آگے کوئی مرفوع نہیں آسکتا جملہ فعلیہ کے اندر، تو «هٰذَا» منصوب محلاً موصوف۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ اس نے مفعول بننا ہے۔ محلاً کیوں کہہ رہے ہو؟ کیونکہ اسم اشارہ ہے اور اسم اشارہ مبنیات میں سے ہے اور مبنی کا اعراب محلاً آتا ہے۔ اور موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ ہمارے پاس دو لفظ آرہے ہیں اور وہ دونوں معرفہ ہیں۔ ہاں دو لفظ ہیں معرفہ ہیں، «هٰذَا» اسم اشارہ بھی معرفہ میں سے ہے اور «اَلْبَیْتَ» پر الف لام داخل ہے تو وہ بھی معرفہ، اور دو معرفہ آئیں تو عموماً کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت۔ لیکن میں نے آپ کو بتلایا ہے آپ نے بار بار معنی پر بھی غور کرنا ہے بھائی، دو معرفہ اکٹھے آجائیں تو آپ نے آنکھیں بند کر کے موصوف صفت نہیں بنانا، ہاں غور کرنا ہے، معنی میں بھی غور کرنا ہے کہ یہ موصوف صفت بنتے ہیں یا نہیں، عموماً موصوف صفت ہی بنیں گے لیکن کبھی کبھی موصوف صفت نہیں بھی بنیں گے، وہ آپ معنی پر غور کر لیں گے۔ موصوف صفت کا ترجمہ کر کے دیکھ لیا کریں یہ بنتے ہیں یا نہیں بنتے: «هٰذَا اَلْبَیْتَ» کیا ترجمہ ہوگا؟ یہ گھر یا یہ کمرہ، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ دیکھو ترجمہ صحیح ہو رہا ہے، معلوم ہوا موصوف صفت ہیں بھائی۔

تو «هٰذَا» منصوب محلاً موصوف۔ آگے اعراب پر لفظ تلفظ کیا کرو، اعراب کا لفظ پر: «اَلْبَیْتَ» منصوب لفظاً صفت۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، موصوف «هٰذَا» منصوب تھا تو صفت بھی کیا ہوگی؟ منصوب۔ اور لفظاً کیوں کہا؟ اس کے نصب پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ ذرا کر کے دکھایئے؟ «اَلْبَیْتَ»، رفع پہ اس کے تلفظ کرو؟ «اَلْبَیْتُ»، جر پہ تلفظ کرو؟ «اَلْبَیْتِ»، دیکھا تو یہ اس کا اعراب لفظاً ہے۔ دیکھا آپ نے؟ موصوف کا اعراب بھی نصب، صفت کا اعراب بھی نصب، کیونکہ اعراب دونوں کا ایک ہوتا ہے ہمیشہ۔ ہاں، موصوف تھا منصوب محلاً اور صفت ہے منصوب لفظاً، تو ایک محلاً ہے ایک لفظاً ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ تو اعراب ہر لفظ کے مطابق آئے گا جس قسم کا لفظ ہوگا۔ البتہ نصب دونوں پر ضروری ہے، جب موصوف منصوب ہے تو صفت بھی کیا ہوگی؟ منصوب ہوگی۔ جی، اب سمیٹیے بھائی: موصوف اپنی صفت سے مل کر مفعول ہوا «اِشْتَرَیْتُ» فعل کے لیے۔ «اِشْتَرَیْتُ» فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ایک ایک لفظ کا اعراب پتہ چل گیا، اب جملے کو روانی سے پڑھ دیں: «اِشْتَرَیْتُ هٰذَا اَلْبَیْتَ»۔ جی ترجمہ کیجیے؟ میں نے خریدا یہ گھر، یہ گھر میں نے خریدا۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «رَأَیْتُ اَلْقَاضِيَ اَلْیَوْمَ»

چلیے بھائی، ترکیب کیجیے آپ بھائی: «رَأَیْتُ» فعل بافاعل، شاباش۔ فاعل؟ تاضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ محلاً کیوں کہا؟ کیونکہ ضمیر ہے اور ضمیر مبنیات میں سے ہے۔ بھائی اس پر تو باقاعدہ لفظاً رفع آرہا ہے: «رَأَیْتُ»؟ یہ اس کی حرکت ہے بھائی، یہ اعراب نہیں ہے۔ تو یہ تاضمیر مرفوع محلاً فاعل بھائی۔ یہ تو تاضمیر آپ نے کہا، تو «رَأَیْتَ» مخاطب کے صیغے میں بھی تاضمیر، «رَأَیْتُ» متکلم کے صیغے میں بھی تاضمیر، اور «رَأَیْتِ» مؤنث مخاطب کے صیغے میں بھی تاضمیر، تو اس کا خاص نام کیا ہے «رَأَیْتُ»؟ «تُ» ضمیر، اگر کوئی آپ سے خاص نام پوچھ لے، اور «رَأَیْتِ» میں «تِ» اور «رَأَیْتَ» میں «تَ»۔ اچھا، تو «رَأَیْتُ» فعل بافاعل۔

آگے «اَلْقَاضِيَ» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ اچھا کیوں؟ منصوب لفظاً کیوں؟ لفظاً کیوں؟ کیونکہ یہ اسم منقوص ہے، قاضی کا اعراب پڑھا تھا یا نہیں؟ حالتِ جری میں اعراب تقدیراً، حالتِ رفعی میں بھی اعراب تقدیراً، اور حالتِ نصبی میں اعراب لفظاً۔ بھائی دیکھیے نا اس کے آخر، آپ خود ذہن میں ایک چیز بٹھالیں ان شاء اللہ پھر غلطی نہیں ہوگی کہ قاضی کے آخر میں یاء ہے۔ تو «اَلْقَاضِيُ» یاء پر ضمہ ثقیل ہے، اس سے ضمہ نہیں آتا، اور «اَلْقَاضِي» یاء پر کسرہ آئے یاء پر کسرہ بھی ثقیل ہے، مشکل ہے اس کی ادائیگی زبان سے۔ تو لہٰذا اس پر یاء ہے، یاء اور پیش تو ایک دوسرے کی ضد ہیں بھائی، یاء کی مناسبت کس کے ساتھ ہے؟ کسرہ کے ساتھ ہے، لیکن کسرہ بھی اس پر پڑھنا دشوار، پیش پڑھنا بھی دشوار، اس لیے یہ دونوں تو نہیں آئیں گے، اور فتحہ کی حرکت جو ہے وہ تو سب سے ہلکی ہے آسان ہے، وہ فتحہ اس پر آجائے گا۔ تو «اَلْقَاضِيَ» منصوب لفظاً مفعول بہ۔

ایک ہے «اَلْقَاضِيَ» اور ایک ہے «اَلْیَوْمَ»، الیوم کا معنی ہوتا ہے آج۔ یوم کا معنی ہوتا ہے دن، لیکن جب اس پر الف لام آجائے «اَلْیَوْمَ» تو اس

کا کیا معنی ہوتا ہے؟ آج۔ اب آپ بتاؤ موصوف صفت ہیں «اَلْقَاضِيَ» اور «اَلْيَوْمَ»؟ وہ قاضی جو آج ہے، جو آج کا دن ہے، یا یوں کہو آج کا دن قاضی، دیکھو موصوف صفت تو یہ بنتے ہی نہیں ہیں بھائی۔ وہ تو زمانے کا نام ہے۔ بھائی میں نے آپ کو بتلایا تھا فعل جب آجائے تو ایک مرفوع آئے گا جو اس کا فاعل یا نائب فاعل ہوگا، وہ گزر گیا تا ضمیر تھی، اور باقی سارے منصوبات اور مجرورات ہوں گے۔ اور ان میں سے بھی پھر مجرور کو پہچان لیں، مجرور تو دو ہی ہیں: ایک جس پر حرفِ جار داخل ہو اور ایک مضاف الیہ ہے۔ تو معلوم ہوا «اَلْقَاضِيَ» اور «اَلْيَوْمَ» ان پر حرفِ جار بھی نہیں داخل اور ان میں سے کوئی مضاف الیہ بھی نہیں تو مجرور بھی نہیں۔ مرفوع بھی نہیں ہوسکتے کیونکہ مرفوع ایک گزر گیا، دوسرا مرفوع تو نہیں آئے گا جملہ فعلیہ میں، اور مجرور بھی نہیں ہوسکتے تو تیسری کیا صورت رہ گئی؟ منصوب ہوں گے۔ اب پہچاننا ہے، جس لفظ میں زمانے یا جگہ والا معنی پایا جائے اور آج یہ کس کا نام ہے؟ زمانے کا نام ہے۔ تو جس میں جگہ یا زمانے والا معنی پایا جائے وہ مفعول فیہ بنتا ہے، یعنی ظرف بنتا ہے۔

جی تو «اَلْقَاضِيَ» منصوب لفظاً مفعول بہ، اور «اَلْيَوْمَ» منصوب لفظاً مفعول فیہ۔ جی، تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب روانی سے ذرا پڑھ دیں اس کو بھائی: «رَأَيْتُ الْقَاضِيَ الْيَوْمَ»۔ ہر ایک کے اعراب کی وجہ بھی میں نے بتادی بھائی۔ اب ترجمہ کیجیے؟ «رَأَيْتُ الْقَاضِيَ الْيَوْمَ» میں نے دیکھا قاضی کو آج، آج میں نے قاضی کو دیکھا۔ بلکہ «اَلْقَاضِيَ» معرفہ ہے، کسی متعین قاضی کی طرف اشارہ ہو رہا ہے: آج میں نے اس قاضی کو دیکھا۔ مطلب آپ کے اور میرے درمیان ایک قاضی کی بات چل رہی ہے تو آپ بیچ میں مجھے کہتے ہیں آج میں نے پھر اس قاضی کو دیکھا، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «بَاعَ زَيْدٌ غُلَامِي»

چلیے جی، ترکیب کیجیے بھائی۔ «بَاعَ» کے معنی، «بَاعَ يَبِيعُ بَيْعًا» کے معنی ہوتے ہیں بیچنے کے۔ «بَاعَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل، شاباش! آگے «غُلَامِي»، اس کے اندر پہلے غلام: غلام منصوب تقدیراً مضاف، آگے یاء ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ ہوا۔ ترجمے پر غور کرو: بیچا زید نے میرا غلام، زید نے میرے غلام کو بیچا۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب روانی سے پڑھ دیں: «بَاعَ زَيْدٌ غُلَامِي»۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «عَرَفَ زَيْدٌ رَجُلَيْنِ»

چلیے بھائی، ترکیب کیجیے بھائی، «عَرَفَ» کے معنی ہوتے ہیں پہچاننے کے۔ «عَرَفَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ آگے «رَجُلَيْنِ» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ تثنیہ کا اعراب یاد ہے کس طرح آتا ہے؟ حالتِ رفعی میں الف کے ساتھ «رَجُلَانِ»، اور نصبی جری میں یاء کے ساتھ «رَجُلَيْنِ»۔ تو «رَجُلَيْنِ» اس کا اعراب کون سا ہوگا؟ منصوب لفظاً مفعول بہ۔ اگر کوئی اشکال کرے «رَجُلَيْنِ» یہ تو مجرور ہے، دیکھو نون کے نیچے زیر ہے، آپ کیا جواب دیں گے؟ کہ یہ مفعول بہ بن رہا ہے اور اس کا نصب یاء کے ساتھ آتا ہے، نون کی حرکت اس کا اعراب نہیں ہے بلکہ اعراب یاء ہے۔

جی اب سمیٹیے: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیے: «عَرَفَ زَيْدٌ رَجُلَيْنِ»۔ آخر میں زید کے کیا آرہا ہے؟ نونِ ساکن تنوین ہے، اور آگے را ہے، اور را یر ملون میں سے ہے، تو نون کو بھی را کر کے را میں ادغام کریں گے تو کیا بن گیا؟ «عَرَفَ زَيْدٌ الرَّجُلَيْنِ» (عَرَفَ زَيْدُرَّجُلَيْنِ)۔ ترجمہ کیجیے: پہچان لیا زید نے دو آدمیوں کو۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو یہ روزانہ میں بار بار ان چیزوں کا تکرار کروا رہا ہوں، جتنی دفعہ تکرار ہوگا اتنی آپ کے ذہن میں بات بیٹھتی جائے گی، تو آپ بھی ان کا بار بار تکرار کریں۔ آپس میں بیٹھیں، ان جملوں کی ترکیب دوبارہ کریں اور پوری پوری بات دوبارہ کیا کریں، زبان سے دہرایا کرو پوری بات، جتنی دفعہ دہراؤ گے ذہن میں بیٹھتی جائے گی، پختہ سے پختہ تر ہوتی چلی جائے گی۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ ضابطے جو میں بتاتا ہوں، یہ ضابطوں کا بھی تکرار کیا کریں، بیٹھا کریں سارے ضابطے آپس میں دہرایا کریں، چلیے بس۔ وَهٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۰: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط دہم: خبر جب جملہ اسمیہ یا فعلیہ واقع ہو)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۰—بتاریخ: ۱۶ دسمبر ۲۰۱۴ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

آپ نے جملہ اسمیہ کی ترکیب بھی پڑھی اور جملہ فعلیہ کی ترکیب بھی۔ جملہ اسمیہ کے اندر آپ نے پڑھا کہ ایک مبتدا ہوتا ہے اور ایک خبر بھائی، جبکہ جملہ فعلیہ کے اندر فعل اور اس کے لیے فاعل چاہیے بھائی۔ اور مبتدا خبر میں سے مبتدا اور خبر دونوں مرفوع ہوتے ہیں، اسی طرح جملہ فعلیہ کے اندر جو فاعل یا نائب فاعل ہو وہ بھی مرفوع ہوتا ہے۔

اب تھوڑی اور ترکیب کی گہرائی میں ہم جائیں گے۔ یاد رکھیے، یاد رکھیے بھائی: مبتدا کی خبر ابھی تک جو آپ نے پڑھی وہ مفرد تھی، «زَيْدٌ قَائِمٌ» یا «زَيْدٌ رَجُلٌ»۔ تو دیکھو ابھی تک جو ترکیب آپ نے پڑھی خبر جو تھی وہ مفرد تھی، ایک لفظ ہوتا تھا وہ خبر بنتی تھی، یا موصوف صفت ہوتے تھے وہ خبر بنتے۔ اب آگے یاد رکھیے کبھی کبھار مبتدا کی خبر پورا جملہ ہوتا ہے۔ ایک تو مبتدا آیا، پھر آگے جو خبر آ رہی ہے وہ کیا ہوتی ہے؟ پورا جملہ ہو گی، اور جملہ تو دو قسم پر ہے: یا جملہ اسمیہ ہے یا جملہ فعلیہ۔ تو آگے خبر پھر وہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتی ہے اور جملہ فعلیہ۔ اگر خبر جملہ اسمیہ ہوئی تو پھر اس کے اندر ایک مبتدا آئے گا، ایک خبر آئے گی، پھر وہ آپس میں مل کر پھر خبر بنیں گے مبتدائے اول کے لیے۔

صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ کبھی کبھار مبتدا کی خبر کیا ہوتی ہے؟ پورا جملہ۔ اور وہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے وہ خبر اور جملہ فعلیہ بھی۔ اگر وہ خبر جملہ اسمیہ ہے تو جملہ اسمیہ کے اندر تو دو جز ہوتے ہیں: ایک ہوتا ہے مبتدا اور ایک خبر۔ تو لہٰذا اس خبر کے اندر ایک مبتدا آئے گا اور ایک خبر آئے گی، پھر وہ مبتدا اور خبر مل کر پھر پہلے مبتدا کے لیے کیا بن جائیں گے؟ خبر بن جائیں گے۔ اسی طرح مبتدا کی خبر کبھی کبھار جملہ فعلیہ ہو گی، اور جملہ فعلیہ کے اندر کیا ہوتا ہے؟ فعل ہوتا ہے اور اس کا فاعل یا نائب الفاعل۔ تو پھر فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر پھر یہ خبر بنے گا مبتدا کے لیے بھائی۔

صورت سمجھ میں آ گئی؟ اب اس میں ایک اور بات بھی یاد رکھیے۔ یاد رکھیے جملہ مستقل ہوتا ہے، اس میں بات پوری ہوتی ہے: «زَيْدٌ رَجُلٌ»، زید مرد ہے، دیکھو بات پوری ہے۔ جب جملہ پورا ہے، اس میں بات پوری ہے، وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں، اس کو کسی کے ساتھ جڑنے کی ضرورت نہیں۔ مفرد تو ہوا ہے نا، مفرد میں تو بات پوری نہیں ہوتی، اس کے لیے ایک دوسرا جز چاہیے ہوتا ہے تاکہ اس سے مل کر بات پوری ہو جائے۔ میں صرف زید کہوں، آپ کہیں گے کیا ہوا زید کو؟ میں صرف رجل کہوں، آپ کہیں گے کیا ہے رجل کو؟ لیکن جب میں کہوں گا «زَيْدٌ رَجُلٌ»، اب آپ کو بات پوری سمجھ میں آ گئی کہ زید مرد ہے، زید آدمی ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو مفرد ہے وہ تو اس سے تو بات پوری واضح نہیں ہوتی، اس کے لیے تو دوسرا جز چاہیے ہوتا ہے جس سے مل کر بات پوری ہو جائے، لیکن جملہ، جملے کے اندر تو بات پوری ہوتی ہے اور وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں، «زَيْدٌ رَجُلٌ» کسی اور لفظ کی ضرورت ہے یہاں؟ کسی اور کے ساتھ جڑنے کا یہ محتاج ہے؟ نہیں، بات پوری ہے اس کے اندر۔

لیکن آپ نے ابھی پڑھا، مبتدا کی خبر کیا ہوتی ہے بعض اوقات؟ پورا جملہ۔ جب پورا جملہ ہے اس پورے جملے کو آپ جوڑ رہے ہیں پہلے مبتدا کے ساتھ۔ وہ جو خبر ہے جملہ اسمیہ یا جملہ فعلیہ، اس پورے جملے کو آپ کس سے جوڑ رہے ہیں؟ پہلے مبتدا کے ساتھ جوڑ رہے ہیں، حالانکہ یہ جملہ تو جڑنے کا محتاج نہیں تھا۔ تو جب آپ اس کو جوڑ رہے ہیں اس مبتدا کے ساتھ تو درمیان میں ربط چاہیے، کیا چاہیے؟ ربط چاہیے بھائی، جوڑ چاہیے۔ جیسے ایک ریل کا انجن ہوتا ہے اور پیچھے بہت سارے ڈبے ہوتے ہیں، تو ریل کے انجن اور ڈبوں میں کیا چاہیے؟ جوڑ چاہیے، ربط چاہیے، پھر ہی پوری ساری ریل گاڑی چلے گی۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح

جب مبتدا کی خبر پورا جملہ ہے اور جملہ تو مستقل وہ تو کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں لیکن آپ اس کو خبر بنا رہے ہیں، آپ اس کو جوڑ رہے ہیں مبتدا کے ساتھ، تو درمیان میں کیا چاہیے؟ ربط چاہیے۔ یاد رکھیے وہ چیز جو ان میں ربط دے اس کو عائد کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ عائد کہتے ہیں: ع، ا، ء، د، عائد، تو اس کو عائد کہتے ہیں۔

اور تو جب بھی خبر جملہ اسمیہ ہو یا جملہ فعلیہ ہو تو اس میں ایک عائد ہو گا، ایک چیز ہو گی جو لوٹ رہی ہو گی کس کی طرف؟ مبتدائے اول کی طرف۔ یعنی وہ ربط دے رہی ہو گی، جوڑ بنا رہی ہو گی ان دونوں کے درمیان۔ اور یہ جو عائد ہے اس کی بہت سی صورتیں ہیں، بہت سی صورتیں، لیکن سب سے عام صورت جو زیادہ استعمال ہوتی ہے وہ یہ کہ اس جملے کے اندر جو خبر بن رہا ہے، جملہ اسمیہ ہے یا جملہ فعلیہ اور بن کیا رہا ہے؟ خبر، اس کے اندر کوئی غائب کی ضمیر ہو گی جو لوٹ رہی ہو گی مبتدا کی طرف۔

میں نے آپ کو پہلے بتایا تھا کہ ضمیریں تین قسم پر ہیں: یا متکلم کی ضمیر ہوتی ہے، یا مخاطب کی ہوتی ہے، یا غائب کی۔ اور ان تین میں سے صرف غائب کی ضمیر کے لیے مرجع چاہیے، متکلم اور مخاطب کی ضمیر کے لیے مرجع نہیں چاہیے۔ میں آپ سے کہتا ہوں «أَنَا قَائِمٌ»، تو دیکھو «أَنَا»، انا سے میری ذات مراد ہے، اس میں کسی قسم کا شبہ ہوا کہ انا سے کون مراد ہے؟ نہیں، آپ فوراً سمجھ گئے کہ انا سے یہ اپنے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ اور اسی طرح اگر میں آپ سے کہتا ہوں «أَنْتَ قَائِمٌ»، آپ کھڑے ہیں، تو کیا انت میں کوئی شبہ آیا کہ اس سے کون مراد ہے؟ نہیں، سننے والا فوراً سمجھ گیا کہ اس سے میں مراد ہوں بھائی، جو سننے والا ہے وہ مراد۔ تو متکلم اور مخاطب کی ضمیر میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا، کیونکہ متکلم بات کرنے والا ہوتا ہے اور مخاطب اس کے سامنے موجود ہوتا ہے، تو دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں، تو انا انت یعنی متکلم اور مخاطب وغیرہ کی ضمیروں میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہوتا۔ لیکن غائب کی ضمیر ہے «هُوَ»، میں کہتا ہوں «هُوَ قَائِمٌ»، آپ حیران ہوں گے کہ پتہ نہیں ہوا سے کون مراد ہے، تو اس کے لیے مرجع چاہیے بھائی، ہوا سے کون مراد ہے؟ زید مراد ہے، عمرو مراد ہے، بکر مراد ہے، خالد مراد ہے، کوئی اور چیز مراد ہے؟ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو مرجع صرف کس کے لیے چاہیے؟ غائب کے لیے۔ تو یاد رکھیں ہمیشہ آپ نے مرجع جب بھی کوئی پوچھے ضمیر کا، تو صرف غائب کی ضمیر کا مرجع ہوا کرتا ہے، متکلم اور مخاطب کی ضمیر کا مرجع نہیں، متکلم بات کرنے والا ہوتا ہے، مخاطب اس کے سامنے ہوتا ہے، وہاں کوئی اشتباہ نہیں، کوئی شک وشبہ نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

لہٰذا جملہ مستقل ہے وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں، لیکن آپ اس کو جوڑ رہے ہیں پہلے مبتدا کے ساتھ اور اس کے لیے خبر بنا رہے ہیں تو درمیان میں ربط چاہیے، اور وہ چیز جو ربط دینے والی ہو وہ عائد کہلاتی ہے۔ اور عائد کی کئی صورتیں ہیں، لیکن سب سے زیادہ عام استعمال ہونے والی صورت کیا ہے کہ وہ جملہ جو خبر بن رہا ہے اس کے اندر کوئی غائب کی ضمیر ہو گی جو کس کی طرف لوٹ رہی ہو گی؟ مبتدا کی طرف۔ اور پھر ضمیر اور مرجع میں مطابقت بھی ہونی چاہیے بھائی، اگر پہلا مبتدا مفرد تھا، مذکر تھا، تو ضمیر بھی کون سی چاہیے اگلے جملے میں؟ مفرد مذکر کی چاہیے۔ اگر وہ مبتدا جو ہے مفرد مؤنث ہے تو پھر ضمیر کون سی چاہیے جملے میں؟ واحد مؤنث کی ضمیر چاہیے بھائی۔ تو جس قسم کا مبتدا ہو گا اسی قسم کی ضمیر چاہیے آگے آنے والے جملے میں جو کہ خبر بن رہا ہے۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ ضمیر جب مبتدائے اول کی طرف لوٹے گی تو درمیان میں ربط آ جائے گا، جوڑ آ جائے گا۔

چلیے اب کچھ ترکیبیں کر لیجیے بھائی، ساتھ ساتھ اور چیزیں بھی میں بتاتا رہوں گا اور ترکیبیں بھی اس کے مطابق ہم کرتے رہیں گے بھائی۔

پہلے ترکیب لکھیے: «قَامَ زَيْدٌ» اب تو اب ترکیب میں کافی بہتر ہو گئے ہیں، ذرا جلدی جلدی ترکیب کیجیے۔ جی کیجیے ترکیب بھائی: «قَامَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل بن رہا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ جی اب روانی سے پڑھیے: «قَامَ زَيْدٌ»۔ ترجمہ کیجیے: زید کھڑا ہے یا زید کھڑا ہوا، موقع کے مطابق ہو گا۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «زَيْدٌ قَامَ» چلیے بھائی، اب اس جملے کی ترکیب کیجیے بھائی: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش! «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ آپ نے اس کو مبتدا بنایا، ایک طالب علم نے فوراً اعتراض کر دیا کہ یہ مبتدا نہیں ہے یہ قام کے لیے فاعل ہے، تو آپ جواب کیا دیں گے؟ کہ فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آتا ہے اس پر مقدم نہیں ہو سکتا، مفعول وغیرہ مقدم ہو سکتے ہیں لیکن فاعل نہیں مقدم ہو سکتا۔ اور یہ قام تو فعلِ لازم ہے اس کے لیے تو مفعول چاہیے ہی نہیں ہوتا، تو لہٰذا مفعول بھی نہیں بنا سکتے کیونکہ قام کے لیے مفعول نہیں چاہیے، یہ فعلِ لازمی ہے اس کے لیے مفعول نہیں ہوتا۔ تو «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ آگے: «قَامَ» فعلِ ماضی ہے اور ماضی مبنی ہے، آپ نے پڑھا یا نہیں؟ ہدایت النحو میں آپ نے پڑھا کہ مبنی الاصل کتنی چیزیں ہیں؟ تین چیزیں ہیں: فعلِ ماضی، فعلِ امر حاضر، اور تمام حروف بھائی، یہ مبنی الاصل ہیں بھائی۔ تو لہٰذا مبنی جو ہوتا ہے اس پر اعراب کس طرح آتا ہے؟ محلاً۔ تو «قَامَ» پورا جملہ جب بن جائے پھر اعراب بتانا۔ «قَامَ» فعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنیات میں سے ہے۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ لیکن یاد رکھو خبر آپ نہیں بنا سکتے اس کو، اب کیا کریں بھائی؟ مبتدا ایک گزر چکا، آپ قام کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ خبر۔ اور قام

کیا ہے، مفرد ہے یا پورا جملہ ہے؟ پورا جملہ ہے، جملہ فعلیہ ہے یا نہیں؟ اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں کیا چاہیے؟ ربط چاہیے، عائد چاہیے، آپ جب تک ربط نہیں دیں گے آپ اس کو خبر نہیں بنا سکتے۔ ربط دیں: کہ وہ «هُوَ» ضمیر جو ہے آپ صرف اتنا بتادیں یہ «هُوَ» ضمیر جو ہے وہ عائد ہے، وہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو، اور اب یہ بھی دیکھ لیں «هُوَ» ضمیر ہے مفرد مذکر کی اور کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو اور وہ بھی کیا ہے؟ مفرد مذکر، تو یہ مرجع صحیح ہوا، معلوم ہوا یہ ضمیر لوٹ سکتی ہے زید کو تو یہ اس کو لوٹ رہی ہے۔ اور تو یہ عائد آگیا، ربط آگیا۔ تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب آپ سے کوئی پوچھتا ہے کہ اس قام جملے کا اعراب بتاؤ، آپ فوراً بتادیں یہ کیا بن رہا ہے؟ خبر، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، تو اس کا اعراب کیا ہے؟ مرفوع محلاً، کیونکہ جملہ ہے اور جملہ مبنیات میں سے ہے۔ تو یہ مرفوع محلاً ہے خبر بھائی۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «عَمْرٌو ضَرَبَ أَبُوهُ بَكْرًا» چلیے بھائی، ترکیب کیجیے بھائی: «عَمْرٌو» مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش! «عَمْرٌو» مرفوع لفظاً مبتدا۔ آگے: «ضَرَبَ» فعل بافاعل، فاعل بتاؤ؟ «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، واؤ کے ساتھ اس کا رفع آتا ہے: «أَبُوهُ»، واؤ پر تلفظ کر رہے ہیں، تو «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف۔ آگے ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، کیونکہ مبنی ہے۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل ہوا ضرب کے لیے۔ «بَكْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ، کیونکہ فاعل کے بعد جب فاعل آجائے پھر آگے مرفوعات نہیں آتے، منصوبات آتے ہیں: «بَكْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، نہیں بھائی! خبر یہ نہیں بن سکتا یہ جملہ، کیوں نہیں بن سکتا بھائی؟ ربط نہیں دیا، جملے کو بغیر ربط کے جوڑ ہی نہیں سکتے کسی چیز سے، ربط چاہیے ہمیں! ربط بتائیں بھائی: ہا ضمیر، «أَبُوهُ»، یہ ہا ضمیر غائب کی ہے اور لوٹانی کس کو ہے؟ عمرو کو، عمرو کیا ہے؟ مفرد مذکر، تو ہا ضمیر بھی مفرد مذکر کی ضمیر ہے تو یہ ربط آگیا، یہ اس کی طرف لوٹ رہی ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جی ربط آگیا، تو پھر یہ پورا جملہ فعلیہ اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیں: «عَمْرٌو ضَرَبَ أَبُوهُ بَكْرًا»۔ طریقہ آگیا سمجھ میں بھائی؟ اب ترجمہ کرو بھائی: عمرو، پٹائی کی اس کے باپ نے بکر کی، یعنی عمرو کے باپ نے بکر کی پٹائی کی۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «زَيْدٌ قَائِمٌ» چلیے بھائی، ترکیب کیجیے بھائی: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، آگے «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: «قَائِمٌ»۔ اسمِ فاعل ہوا، آگے اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور وہ لوٹ رہی ہے زید کو، اس نے ربط دے دیا۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیں: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، ترجمہ کیجیے: زید کھڑا ہے۔

اگلا جملہ لکھیے: «عَمْرٌو ذَاهِبٌ» کیجیے ترکیب بھائی: «عَمْرٌو» مرفوع لفظاً مبتدا، «ذَاهِبٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل خبر، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو لوٹ رہی ہے عمرو کو۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیے: «عَمْرٌو ذَاهِبٌ»، ترجمہ: عمرو جا رہا ہے۔

اگلا جملہ لکھیے: «بَكْرٌ آكِلٌ» کیجیے ترکیب بھائی: «بَكْرٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «آكِلٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو لوٹ رہی ہے بکر کو۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیے: «بَكْرٌ آكِلٌ»، ترجمہ کیجیے: بکر کھا رہا ہے۔

تو مشق کریں اس کی خوب، جتنی زیادہ مشق کر سکتے ہیں بھائی کریں، اپنی طرف سے جملے بنائیں، کہیں مشکل پیش آتی ہے مجھ سے پوچھیں اور ترکیب کریں، یہ ضابطے بڑھتے جائیں گے آہستہ آہستہ اور ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے ترکیب کوئی مشکل ہے ہی نہیں بھائی۔ چلیے بس بھائی، وَهٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۱: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط یازدہم: جملہ خبریہ اور عائد / ربط کے قواعد)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۰—بتاریخ: ۱۷ دسمبر ۲۰۱۴ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا کہ بعض اوقات مبتدا کی خبر جو ہے وہ جملہ ہوتی ہے بھائی۔ تو پورا جملہ کیا بنتا ہے؟ مبتدا کی خبر بنتا ہے۔ اور وہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ فعلیہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اگر وہ جملہ اسمیہ ہے تو پھر جملہ اسمیہ کے اندر ایک مبتدا ہوتا ہے اور ایک خبر وہ اس میں آئے گی، اور اگر وہ جملہ فعلیہ ہے تو وہاں پر فعل کے ساتھ ساتھ فاعل یا نائب فاعل بھی آئے گا بھائی۔

اور میں نے آپ کو بتلایا کہ جملہ مستقل ہوتا ہے، اس میں بات پوری ہوتی ہے، وہ کسی اور لفظ کے ساتھ جوڑنے کا محتاج نہیں، لیکن جب اس کو خبر بنایا جائے تو آپ اس کو جوڑ رہے ہیں مبتدا کے ساتھ۔ تو جب جملے کو جوڑ رہے ہیں مبتدا کے ساتھ تو اب درمیان میں ربط چاہیے، اور جو چیز ربط دے اس کو عائد کہتے ہیں عائد۔

اور وہ عائد اس کی کئی صورتیں ہیں، لیکن سب سے عام استعمال ہونے والی صورت کیا ہے؟ کہ کوئی غائب کی ضمیر ہو گی جو اس مبتدا کی طرف لوٹے۔ تو اسی فعل کے اندر ضمیر ہونا ضروری نہیں، بلکہ پورے جملے کے اندر کیا ہونی چاہیے؟ کوئی ضمیر ہونی چاہیے، چاہے وہ فاعل بن رہی ہو، چاہے مفعول بن رہی ہو، کچھ بھی بن رہی ہو، لیکن بہر حال کوئی ضمیر چاہیے جو اس مبتدا کی طرف لوٹے۔

تو لہٰذا جو بھی غائب کی ضمیر آئے، آپ کو اس کا مرجع تلاش کرنا ہے اب۔ یہ ترکیب میں سب سے ضروری چیز ہے، عموماً طلبہ اس کی طرف توجہ نہیں دیتے، اور جس کی وجہ سے ترکیب میں مشکل پیش آتی ہے۔ تو جب بھی غائب کی ضمیر آئے، اس کا مرجع تلاش کرنا ہے کہ یہ «هُوَ» ہے، یا «هُمَا» ہے، یا «هُمْ» ہے، یا «هِيَ» ہے، وغیرہ جو بھی غائب کی ضمیر آئے، آپ نے دیکھنا ہے کہ یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے، اس کا مرجع کیا ہے۔

اور نیز یہ بھی میں نے آپ کو بتایا کہ جس طرح جملے کو کسی چیز سے جوڑنے کے لیے ربط اور عائد چاہیے، اسی طرح جو شبہ جملہ ہے، یعنی جو صفت وغیرہ کا صیغہ آئے اور وہ اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر کیا بنتا ہے؟ شبہ جملہ، اس کو بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو تو درمیان میں عائد کا ہونا ضروری ہے بھائی۔ تو جملے کو بھی کسی چیز سے جوڑیں تو کیا ضروری ہے اس میں؟ عائد کا ہونا، اور شبہ جملہ کو بھی کسی چیز سے جوڑیں تو عائد کا ہونا ضروری ہے بھائی۔

ابھی تک آپ نے جتنی ترکیبیں کیں ان کے اندر ہم نے عائد کو نہیں دیکھا کیونکہ ابھی آپ ابتدائی ترکیب ابھی سیکھ رہے ہیں لیکن اب یہ ضابطہ آپ نے پڑھ لیا، اب جب بھی شبہ جملہ کو کسی سے جوڑنا ہے یا جملے کو کسی سے جوڑنا ہے تو آپ نے عائد ضرور بتلانا ہے بھائی، عائد ضرور بتلانا ہے۔ لہٰذا جملہ یا شبہ جملہ، چاہے وہ خبر بنے، چاہے وہ صلہ بنے، چاہے وہ حال بنے، اور چاہے صفت بنے، تو جس چیز سے جوڑ رہے ہیں، اس کے ساتھ اس کا ربط ضروری ہے۔

لہٰذا اگر جملہ خبر بنے، تو خبر کو کس سے جوڑا جاتا ہے؟ مبتدا سے، لہٰذا عائد ہونا ضروری ہے جو مبتدا کو لوٹے۔ اور اگر جملہ جو ہے وہ صفت بن رہا ہے، تو صفت کو کس سے جوڑا جاتا ہے؟ موصوف کے ساتھ، تو اس میں موصوف کی طرف لوٹنے والی ایک ضمیر ہو۔ اور اگر جملہ جو ہے وہ حال بن رہا ہے، تو حال کو ذوالحال سے جوڑا جاتا ہے، تو اس میں ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو ذوالحال کی طرف لوٹے۔ اور جملہ جب صلہ بن رہا ہو تو صلے کو موصول سے جوڑا جاتا ہے، تو اس میں ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو موصول کی طرف لوٹے بھائی۔

اب آگے کچھ اور ترکیبیں کیجیے بھائی، لکھیے: «خَالِدٌ أَخُوكَ»۔ جی، ترکیب کیجیے بھائی شروع۔ طلبہ نے ترکیب شروع کی: «خَالِدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا ہے۔ آپ نے فرمایا: شاباش! «خَالِدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: «خَالِدٌ»۔ جی آگے؟ طلبہ نے کہا: «أَخُو» مضاف ہے۔ آپ نے فرمایا: اعراب بھائی؟ طلبہ نے کہا: مرفوع لفظاً مضاف ہے۔ فرمایا: «أَخُو» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے شاباش! لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کیا ہے اس کا رفع؟ واؤ ہے شاباش۔ اور نصب اس کا کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ، اور جر؟ یا کے ساتھ۔

آگے، اور مضاف آپ نے کہا، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ طلبہ نے کہا: جس اسم کے ساتھ ضمیر متصل ہو۔ فرمایا: ہاں، جس اسم کے ساتھ، فعل کی بات نہیں کر رہا میں بار بار کہتا ہوں بھائی توجہ رکھنی ہے آپ نے، فعل نہیں بلکہ اسم، فعل کے ساتھ تو فاعل بھی آسکتی ہے ضمیر، فعل کے ساتھ تو مفعول کی بھی ضمیر آسکتی ہے، یہاں اسم کے ساتھ جب ضمیر متصل آجائے تو وہ مضاف اور مضاف الیہ بنتے ہیں۔ تو «أَخُو» مرفوع لفظاً مضاف، آگے؟ طلبہ نے کہا: کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ ہے۔

فرمایا: ہاں، کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ محلاً کیوں کہہ رہے ہو؟ کیونکہ ضمیر ہے، اور ضمیر کس میں سے ہے؟ مبنیات میں سے ہے۔ جی، اب سمیٹیے! مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا کے لیے خبر، ہاں، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اب کوئی طالب علم آپ پر اشکال کر دیتا ہے، وہ کہتا ہے «أَخُوكَ» اس کو آپ نے خبر بنایا اور عائد کوئی نہیں بتلایا، آپ کیا جواب دیں گے؟ طلبہ نے کہا: کاف ضمیر۔ آپ نے فرمایا: پھر وہی بات! پھر وہی بات کر رہے ہیں، کہہ رہے ہیں کاف ضمیر! مرجع صرف غائب کی ضمیر کا ہوا کرتا ہے، صرف غائب کی! بھائی آسان سی بات ہے، آپ کہیں «أَخُوكَ» نہ یہ جملہ ہے، نہ شبہ جملہ ہے۔ جملہ ہوتا تو عائد چاہیے ہوتا، شبہ جملہ ہوتا تو عائد چاہیے تھا، تو یہ نہ جملہ ہے نہ شبہ جملہ ہے، لہٰذا یہاں عائد کی کیا ضرورت ہے بھائی! بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیے: «خَالِدٌ أَخُوكَ»۔ جی ترجمہ کیجیے: خالد آپ کا بھائی ہے۔ کیا مشکل ہے، کیوں کس سوچ میں پڑے ہو، «خَالِدٌ أَخُوكَ»، کیجیے ترجمہ، کیا مشکل ہے؟ کس کی بات کر رہے ہیں؟ مبتدا وہ جس کے بارے میں بات کی جائے اور خبر وہ جو بات کہی جائے۔ کس کی بات ہو رہی ہے؟ خالد مبتدا کی، وہ کون ہے؟ خالد۔ اور کیا بات ہو رہی ہے؟ آپ کا بھائی ہے۔ کریں اب اس کو پورا کر دیں: خالد آپ کا بھائی ہے۔ جب مبتدا بھی آگئے، خبر بھی آگئے، تو بات پوری ہوگئی۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ «خَالِدٌ أَخُوكَ»، خالد آپ کا بھائی ہے۔

اگلا جملہ لکھیے: «الرَّجُلَانِ قَائِمَانِ»۔ جی، ترکیب کیجیے بھائی! طلبہ نے کہا: «الرَّجُلَانِ» منصوب ہے۔ فرمایا: منصوب کیوں؟ اب بتائیے! طلبہ نے کہا: «الرَّجُلَانِ» مرفوع لفظاً مبتدا ہے۔ فرمایا: بھائی میں تو ایسا لفظ بھی نہیں استعمال کرتا جس کا معنی آپ کو نہ آتا ہو، پھر آپ سوچ میں پڑ جاتے ہیں؟ الرجل کا معنی آتا ہے یا نہیں آتا؟ آتا ہے۔ پھر «الرَّجُلَانِ» یہ بھی آپ کو پتہ ہے کہ نہیں کہ یہ تثنیہ ہے؟ یہ بھی پتہ ہے۔ اور ترکیب ہم کس کی کر رہے ہیں؟ مبتدا اور خبر کی، پھر کیا سوچ رہے ہو بھائی؟ ہاں، کریں ترکیب!

طلبہ نے کہا: «الرَّجُلَانِ» مرفوع لفظاً مبتدا ہے۔ فرمایا: ہاں، کیوں اتنا لمبا اتنی دیر سوچتے ہو بھائی، کوئی مشکل نہیں ہے۔ «الرَّجُلَانِ» مرفوع لفظاً مبتدا، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ «الرَّجُلَانِ»، میں تو نون پر زیر پڑھ رہا ہوں؟ طلبہ نے کہا: یہ تو حرکت ہے اس کی۔ فرمایا: ہاں پھر رفع کدھر ہے؟ تثنیہ کا رفع الف کے ساتھ آتا ہے، «الرَّجُلَانِ»۔ منصوب یا مجرور ہوتا تو کیسے پڑھتے؟ «الرَّجُلَيْنِ»، معلوم ہوا اس کا اعراب تینوں حالتوں میں لفظی ہے، اس پر باقاعدہ ہم تلفظ کرتے ہیں، یہ الف اور یا ہے، اس کو ہم پڑھتے ہیں۔

تو «الرَّجُلَانِ» مرفوع لفظاً مبتدا، آگے؟ طلبہ نے کہا: «قَائِمَانِ» مرفوع لفظاً خبر ہے۔ فرمایا: «قَائِمَانِ» مرفوع لفظاً خبر، پوری ترکیب نہیں کر رہے۔ «قَائِمَانِ» کون سا صیغہ ہے؟ طلبہ نے کہا: تثنیہ کا۔ فرمایا: تثنیہ تو ہے، صیغہ کون سا؟ «قَائِمٌ» یہ کون سا صیغہ ہے؟ صیغہ بتاؤ مجھے۔ طلبہ نے کہا: صیغہ اسم فاعل ہے۔ فرمایا: ہاں، اسم فاعل، اور اسی کے الف نون لگا دیا، «قَائِمَانِ»، یہ کیا ہے؟ تثنیہ، تو وہی اسم فاعل ہے یہ۔ تو «قَائِمَانِ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل ہے۔

اور مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھائیے: «قَائِمَانِ»۔ ذرا نصب اور جر پہ تلفظ کریں: «قَائِمَيْنِ»، دیکھا سننے سے ہی دوسرے کو پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ رفع نہیں پڑھ رہا، نصب یا جر پڑھ رہا ہے۔ تو «قَائِمَانِ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، آگے؟

طلبہ نے کہا: « هُوَ » ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل ہے۔ فرمایا: « هُوَ » ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل؟ بھائی « هُوَ » ضمیر، آپ بتایئے بھائی؟ شاباش، تثنیہ کا صیغہ ہے تو تثنیہ کی ضمیر اس میں نکالو گے بھائی۔

اور میں نے آپ کو بتایا تھا کہ فعل کے اندر جو الف آتا ہے، « ضَرَبَا »، یہ فعل میں جو الف آتا ہے یہ تثنیہ کی ضمیر ہوتی ہے، لیکن اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ صفت کے صیغوں میں جو الف آتا ہے، وہ ضمیر نہیں ہوتی وہ صرف تثنیہ کی علامت ہے، وہ کیا ہے؟ تثنیہ کی علامت ہے۔ اور پتہ کیسے چلا کہ یہ ضمیر نہیں ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ حالت نصبی جری میں بدل جاتی ہے، « قَائِمَيْنِ »، وہی الف کس سے بدل گیا؟ یا سے۔ اگر یہ ضمیر ہوتی، ضمیر تو مبنی ہے اس میں تو کوئی تبدیلی نہیں آتی، اس کا بدلنا ہی بتلا رہا ہے کہ یہ ضمیر نہیں یہ صرف کیا ہے؟ تثنیہ کی علامت ہے۔

اگر میں آپ سے کہتا « ضَرَبَا » ترکیب کرو، آپ کیا کہیں گے؟ « ضَرَبَا » فعل با فاعل، اور فاعل کیا ہے؟ الف ضمیر۔ لیکن یہاں پر میں آپ سے پوچھ رہا ہوں « قَائِمَانِ »، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ صیغہ اسم فاعل، لیکن اس میں الف کو فاعل نہیں کہنا بلکہ اس کے اندر ضمیر الگ نکالنی ہے، کون سی ضمیر؟ شاباش، « هُمَا » ضمیر۔ « قَائِمَانِ » صیغہ اسم فاعل اور اس کے اندر « هُمَا » ضمیر، اس کا اعراب بتاؤ! طلبہ نے کہا: مرفوع محلاً اس کا فاعل ہے۔ فرمایا: مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ وہ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے اور ضمیر مبنیات میں سے ہے، جی آگے؟

طلبہ نے کہا: صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہے۔ فرمایا: صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، ہاں بھائی اب بتایئے، خبر بن سکتی ہے یہ؟ جب تک عائد نہیں بتاؤ گے شبہ جملہ خبر نہیں بن سکتا، شبہ جملہ کسی سے نہیں جڑ سکتا، یا اسی طرح جملہ ہو تو وہ بھی جب تک عائد نہیں بتلاؤ گے کسی سے نہیں جڑ سکتا۔ تو « هُمَا » ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ طلبہ نے کہا: « الرَّجُلَانِ » کو۔ فرمایا: ہاں یہ عائد آ گیا، « هُمَا » ضمیر لوٹ رہی ہے « الرَّجُلَانِ » کو۔

میں نے بتایا غائب کی جو ضمیر ہے اس کا مرجع تلاش کرو بھائی، تو یہ لوٹ رہی ہے « الرَّجُلَانِ » کو۔ اور یہ بھی دیکھ لیا کرو لوٹ سکتی ہے یا نہیں، ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہے یا نہیں؟ « هُمَا » بھی تثنیہ مذکر، « الرَّجُلَانِ » بھی کیا ہے؟ تثنیہ مذکر ہے۔ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہے، یہی ضمیر لوٹے گی تو یہ عائد آ گیا۔ اب سمیٹیے! طلبہ نے کہا: صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہے۔ فرمایا: اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو بھائی: « الرَّجُلَانِ قَائِمَانِ »۔

ترجمہ کیجیے! طلبہ نے کہا: وہ دو مرد کھڑے ہیں۔ فرمایا: شاباش! دیکھا یہ ترجمہ اب آپ کو ترجمے کا طریقہ بھی آ گیا۔ اگر کوئی اور طالب علم سے کہیں ترجمہ کریں، وہ کرے گا دو آدمی کھڑے ہیں، نہیں بھائی، دو آدمی یہ تو آپ نکرہ والا ترجمہ کر رہے ہیں۔ معرفہ کے لیے کیا لفظ لے کر آؤ، متعین کی طرف اشارہ کرو: وہ دو آدمی۔ مثلاً میرے اور آپ کے درمیان دو آدمیوں کی بات چل رہی تھی اور میں نے پھر آپ کو بتایا وہ دو آدمی کھڑے ہیں۔ یہ نہیں کہ میں ہاتھ سے اشارہ کر رہا ہوں، ہاتھ سے اشارہ نہیں، « الرَّجُلَانِ » یہ الف لام کیا کر رہا ہے؟ اس کی طرف اشارہ کہ وہ جن دو کی بات ابھی چل رہی تھی، وہ دو آدمی کھڑے ہیں۔ تو « الرَّجُلَانِ قَائِمَانِ »، وہ دو آدمی کھڑے ہیں۔

جی، اگلا جملہ لکھیے: « غُلَامِي كَاتِبٌ »۔ چلیے بھائی، ترکیب کیجیے بھائی! طلبہ نے کہا: « غُلَامِي » مرفوع تقدیراً مبتدا ہے۔ فرمایا: پوری بات نہیں کی آپ نے، « غُلَامِي » مرفوع تقدیراً، آگے؟ طلبہ نے کہا: مضاف ہے۔ فرمایا: شاباش! « غُلَامِي » مرفوع تقدیراً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ تقدیراً کیوں کہا؟ طلبہ نے کہا: کیونکہ اس کا اعراب تقدیری ہے۔ فرمایا: تقدیراً کیوں کہا؟ ہم نے پڑھا ہے کوئی بھی اسم جب مضاف ہو علاوہ جمع مذکر سالم کے کس کی طرف؟ یا کی طرف، اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔

تو یہ بھی مضاف ہو رہا ہے اس لیے اس کا اعراب بھی چاہے رفع ہوتا، چاہے اس پہ نصب ہوتا، چاہے جر۔ تو « غُلَامِي » مرفوع تقدیراً مضاف۔ آپ نے کہا مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ طلبہ نے کہا: کیونکہ اس کے بعد ضمیر متصل آ رہی ہے۔ فرمایا: ہاں، کیونکہ اس اسم کے ساتھ ضمیر متصل آ رہی ہے، اور جب اسم کے ساتھ ضمیر متصل آئے تو کیا بنتے ہیں؟ مضاف اور مضاف الیہ۔ جی، تو « غُلَامِي » مرفوع تقدیراً مضاف، آگے؟ طلبہ نے کہا: یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ ہے۔

فرمایا: ہاں، یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ جب آپ کو پتہ چل جائے یہ مضاف الیہ ہے، ساتھ ہی دوسری کس بات کا پتہ چل جاتا ہے؟ کہ اس پر جر پڑھنا ہے۔ تو مجرور، محلاً کیوں کہا؟ کیونکہ ضمیر ہے، مبنیات میں سے ہے۔ سمیٹیے اب! مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا،

آگے؟ طلبہ نے کہا: «كَاتِبٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل ہے۔ فرمایا: «كَاتِبٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، جی مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «كَاتِبٌ»۔ نصب پہ کیجیے تلفظ: «كَاتِبًا»۔ جر پہ تلفظ کیجیے: «كَاتِبٍ»۔

معلوم ہوا اس کا اعراب تینوں حالتوں میں لفظی ہوتا ہے۔ صیغہ اسم فاعل، آگے؟ طلبہ نے کہا: «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل ہے۔ فرمایا: «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنیات میں سے ہے۔ جی، اب آگے؟ طلبہ نے کہا: «كَاتِبٌ» صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہے۔ فرمایا: ہاں بھائی، یہ خبر بن سکتی ہے؟ نہیں بن سکتی بھائی۔ خرابی کیا ہے، کیوں نہیں بن سکتی یہ خبر؟ ایک بات آپ بتانا بھول گئے کہ «هُوَ» ضمیر لوٹ رہی ہے غلام کو، کس کو؟ یعنی مبتدا کو۔

یہ ربط نہیں دیا تھا آپ نے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو «كَاتِبٌ» صیغہ اسم فاعل ہے، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر اس کا فاعل ہے، اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ عائد آپ نے بتا دیا اس سے خبر بن گئی۔ پھر مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب روانی سے پڑھ دو پورے جملے کو! طلبہ نے پڑھا: «غُلَامِي كَاتِبٌ»۔ فرمایا: «غُلَامِي كَاتِبٌ»، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے نکال لیا، اب اس کو روانی سے پڑھ دیا: «غُلَامِي كَاتِبٌ»۔ ترجمہ کیجیے: میرا غلام لکھنے والا ہے، میرا غلام کاتب ہے۔

ترکیب سمجھ میں آئی بھائی؟ ہاں، آپ نے یہ دیکھا ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہے یا نہیں؟ «هُوَ» ضمیر آپ نے لی، اور کس کو لوٹی؟ غلام کو۔ اور غلام بھی کیا ہے؟ واحد مذکر ہے۔ ضمیر بھی واحد مذکر، مرجع بھی واحد مذکر، تو لہٰذا ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہے، لہٰذا معلوم ہوا آپ نے عائد درست بتلایا بھائی۔ اگلا جملہ لکھیے: «عِيسَى رَجُلٌ شَرِيفٌ»۔ چلیے بھائی، ترکیب کیجیے! طلبہ نے کہا: «عِيسَى» مرفوع تقدیراً مبتدا ہے۔ فرمایا: شاباش! «عِيسَى» مرفوع تقدیراً مبتدا، مرفوع کیوں؟ کیونکہ اس نے مبتدا بننا ہے۔ تقدیراً کیوں کہا؟

طلبہ نے کہا: یہ اسم مقصور ہے۔ فرمایا: یہ اسم مقصور ہے، اسم مقصور اسے کہتے ہیں جس کے آخر میں الف آئے، اور اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔ تو مرفوع تقدیراً مبتدا۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مبتدا ہے؟ طلبہ نے کہا: موصوف ہے۔ فرمایا: جی؟ موصوف ہے؟ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ جو کہو گے، جواب دینا پڑے گا، کہ آپ نے بغیر سوچے سمجھے بات نہیں کی۔ میں نے بتایا جب بھی کوئی جملہ آئے سب سے پہلے کن کو الگ کرو؟ معرفہ اور نکرہ، اور اسی طرح مبنی اور معرب، یہ دو چیزیں تو اولاً آپ نے دیکھنی ہوتی ہیں۔

انہی سے فیصلہ ہو جاتا ہے کس کو مبتدا، کس کو خبر بنانا ہے، کس کو موصوف بنانا ہے، کس کو صفت بنانا ہے وغیرہ بھائی۔ طلبہ نے کہا: «عِيسَى» مبتدا ہے۔ فرمایا: کیوں، مبتدا کیوں ہے؟ آسان سی بات ہے بس مجھے سمجھا دو۔ ہمارے پاس تین لفظ ہیں اور ان سے مل کر جملہ پورا ہو رہا ہے، اور اس میں ہم نے دیکھا کہ «عِيسَى» یہ نام ہے، یہ معرفہ ہے، «رَجُلٌ» بھی نکرہ، «شَرِيفٌ» بھی نکرہ، اور مبتدا میں اصل کیا ہے؟ معرفہ، اور خبر میں اصل کیا ہے؟ نکرہ، تو لہٰذا معرفہ کو کیا بنائیں گے؟ مبتدا، اور نکرہ کو خبر۔ آسان سی بات ہے بھائی!

تو «عِيسَى» مرفوع تقدیراً مبتدا، آگے؟ طلبہ نے کہا: «رَجُلٌ» مرفوع لفظاً موصوف ہے۔ فرمایا: «رَجُلٌ» مرفوع لفظاً موصوف، مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، تلفظ کر کے دکھایئے: «رَجُلٌ» شاباش۔ اور موصوف کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ طلبہ نے کہا: ہمارے پاس دو نکرہ آرہے ہیں۔ فرمایا: ہاں، جب ہمارے پاس دو یا زیادہ نکرہ آجائیں بشرطیکہ آخر میں کوئی معرفہ نہ آئے تو پھر یہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ موصوف اور صفت۔ تو پہلے کو موصوف بنایا، آگے؟

طلبہ نے کہا: «شَرِيفٌ» مرفوع لفظاً صفت مشبہ ہے۔ فرمایا: شاباش! «شَرِيفٌ» مرفوع لفظاً صفت مشبہ، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے، اور موصوف اور صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، موصوف مرفوع تھا تو صفت بھی مرفوع ہوگی۔ لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «شَرِيفٌ»۔ پھر کیا بتایا آپ نے؟ صفت مشبہ ہے یہ بھائی شاباش، کیونکہ فعیل وزن ہے جو سب سے عام استعمال ہوتا ہے صفت مشبہ میں۔ آگے؟ طلبہ نے کہا: «هُوَ» ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل ہے۔

فرمایا: «هُوَ» ضمیر، اعراب اس کا؟ طلبہ نے کہا: مرفوع محلاً۔ فرمایا: ہاں، «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، جی مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ ضمیر مبنیات میں سے ہے، شاباش۔ جی آگے؟ طلبہ نے کہا: اور وہ لوٹ رہا ہے موصوف کو۔ فرمایا: ہاں! «هُوَ» ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ رجل موصوف کو! جس سے جوڑنا ہے، اس کی طرف ضمیر لوٹے گی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو «هُوَ» ضمیر رجل کو لوٹ رہی ہے، موصوف کو۔ صفت مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، ربط آگیا۔

موصوف اور صفت مل کر؟ خبر بن گئے مبتدا کے لیے، اور مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو: «عِيسَى رَجُلٌ شَرِيفٌ»۔ ترجمہ کیجیے! طلبہ نے کہا: عیسیٰ شریف مرد ہے۔ فرمایا: عیسیٰ شریف آدمی ہے؟ نہیں بھائی، یہ ترجمہ نہیں ہو گا۔ عربی کا شریف الگ ہے، اردو میں تو شریف کا اور معنی کرتے ہیں۔ عربی میں شریف کا معنی ہوتا ہے معزز، شرف والا، یہ شرف سے ہے نا، شرف والا یعنی معزز آدمی۔ تو عیسیٰ معزز آدمی ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟ عیسیٰ معزز آدمی ہے۔

ایک اور جملہ کر لیجیے بھائی: «مُسْلِمِيَّ مُجْتَهِدُونَ»۔ چلیے بھائی، ترکیب کیجیے! طلبہ نے کہا: «مُسْلِمِيَّ» مرفوع تقدیراً مضاف ہے۔ فرمایا: کوئی مشکل نہیں بھائی، جی جلدی جلدی کریں، ہاں! طلبہ نے کہا: مرفوع تقدیراً مبتدا ہے۔ فرمایا: چلو یہ ترکیب آپ نے پھر حل کر کے مجھے کل بتانی ہے بھائی، ٹھیک ہے بھائی؟ ہاں یہ آپ نے حل کر کے مجھے کل یہ ترکیب سنانی ہے۔ بس یہ اب آپ غور کریں، حل کریں، مجھے کل بتائیے۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۲: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط دوازدہم: پیچیدہ جملوں کی تحلیل وترکیب)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۰—بتاریخ: ۲۱ دسمبر ۲۰۱۴ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

مبتدا اور خبر کی ترکیب ہم کر رہے تھے۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ مبتدا کی خبر کبھی کبھار جملہ ہوتی ہے، اور وہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتی ہے اور جملہ فعلیہ بھی۔ جملہ اسمیہ ہو تو اس میں پھر مبتدا اور خبر آئیں گے، اور جملہ فعلیہ ہو تو اس میں فعل کے ساتھ ساتھ فاعل یا نائب فاعل آئے گا۔

اور پھر یہ بھی میں نے آپ کو بتلایا کہ جملہ مفہوم کے اعتبار سے مستقل ہوتا ہے، اس میں معنی پورا ہوتا ہے، بات پوری ہوتی ہے، وہ کسی اور لفظ کے ساتھ جڑنے کا محتاج نہیں، لیکن جب آپ اس کو مبتدا کی خبر بنا رہے ہیں تو آپ اس کو مبتدا سے جوڑ رہے ہیں، لہٰذا دونوں میں ربط چاہیے، اور وہ چیز جو ربط دے اس کو عائد کہتے ہیں۔ اور عائد کی کئی صورتیں ہیں، ایک صورت ابھی تک آپ نے پڑھی کہ اس جملے میں جو خبر بن رہا ہے اس میں کوئی غائب کی ضمیر ہونی چاہیے جو مبتدا کی طرف لوٹے۔ کیونکہ مرجع صرف غائب کی ضمیر کا ہوا کرتا ہے۔

متکلم تو بات کرنے والا ہوتا ہے اور مخاطب اس کے سامنے ہوتا ہے، تو متکلم اور مخاطب کی ضمیروں میں کوئی اشتباہ نہیں، لیکن غائب کی ضمیر میں اشتباہ ہوتا ہے کہ اس سے کون مراد ہے، مثلاً «هُوَ» کہا، یا «هُمَا» کہا، یا «هُمْ» کہا، یا «هِيَ» وغیرہ کہا، تو اس سے کون مراد ہے؟ تو اس کے لیے مرجع چاہیے بھائی، مرجع چاہیے۔ تو غائب کی کوئی ضمیر ہونی چاہیے جو اس مبتدا کی طرف لوٹے بھائی۔

اسی طرح جملہ کبھی کبھار صفت بھی بنتا ہے، تو جب جملہ صفت بن رہا ہے تو آپ اس کو موصوف سے جوڑ رہے ہیں، تو اس میں کوئی ضمیر ہونی چاہیے جو موصوف کو لوٹے۔ اور اسی طرح جملہ صلہ بھی بنتا ہے، اور صلے کو جوڑا جاتا ہے موصول سے، تو اس میں کوئی ضمیر چاہیے جو موصول کو لوٹے۔ اور اسی طرح جملہ جو ہے حال بنتا ہے، اور حال کو ذوالحال سے جوڑتے ہیں، تو اس میں ضمیر چاہیے جو ذوالحال کی طرف لوٹے۔

اور جیسے جملے کے اندر عائد کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح جو شبہ جملہ ہے اس میں بھی عائد کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا شبہ جملہ کو بھی چاہے آپ خبر بنائیں، چاہے آپ صفت بنائیں، چاہے آپ حال بنائیں، چاہے آپ صلہ بنائیں۔ تمام صورتوں میں اس میں عائد چاہیے، اور عائد کی عام صورت کون سی پڑھی ابھی تک آپ نے؟ کوئی غائب کی ضمیر ہو جو اس چیز کی طرف لوٹے جس کے ساتھ آپ اسے جوڑ رہے ہیں بھائی۔

اب گزشتہ سبق میں، بندہ نے ایک ترکیب آپ کو دی تھی، وہ حل کی ہے بھائی کہ حل نہیں ہوئی؟ جی، کیجیے بھائی: «مُسْلِمِيَّ مُجْتَهِدُونَ»۔ طلبہ نے ترکیب شروع کی: «مُسْلِمِيَّ» مرفوع تقدیراً مبتدا ہے۔

فرمایا: بھائی دیکھیے، وہ جو نو قسمیں آپ نے ہدایت النحو میں پڑھیں، اعراب کے اعتبار سے اسمِ معرب کی کتنی قسمیں ہیں؟ نو قسمیں ہیں۔ نو قسموں میں انہوں نے آپ کو بتلائی تھیں: مفرد منصرف صحیح، اور جمع مکسر منصرف وغیرہ، تو وہ نو قسمیں آپ نے دہرانی ہیں۔ اس میں آخری قسم جو آپ نے پڑھی تھی کہ جب جمع مذکر سالم مضاف ہو یائے متکلم کی طرف، تو اس کا رفع تقدیری ہوتا ہے، اور نصب اور جر لفظی ہوتا ہے۔

تو یہ اصل میں ہے: «مُسْلِمُونَ»، یہ جو «مُسْلِمِيَّ» ہے، اصل میں کیا ہے؟ «مُسْلِمُونَ»، اور آگے یا متکلم کی بھی مل گئی: «مُسْلِمُونَ يَ»۔ پھر نون اضافت سے گر گیا تو کیا رہ گیا؟ «مُسْلِمُو يَ»، کیونکہ تثنیہ اور جمع کا نون اضافت کی وجہ سے گر جاتا ہے۔ تو «مُسْلِمُو يَ» ہوا، پھر واؤ اور یا کلمے کے

آخر میں جب اکٹھے ہو جائیں، واؤ اور یا جمع ہو جائیں، تو واؤ کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کیا کرتے ہیں، چاہے واؤ پہلے ہو چاہے بعد میں ہو یہ نہیں دیکھنا، بس واؤ اور یا جب جمع ہو جائیں تو واؤ کو یا کر کے یا میں ادغام کرتے ہیں۔

لہٰذا «مُسْلِمُو يَ»، یہ واؤ اور یا اکٹھے ہوئے تو واؤ کو یا کر کے یا میں ادغام کیا، تو «مُسْلِمُيَّ»۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ «مُسْلِمُيَّ» ہوا، پھر یا اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے، تو لہٰذا یہ جو میم کا ضمہ تھا اس کو کسرہ سے بدل دیا، کیا بن گیا؟ «مُسْلِمِيَّ»۔ جی، اب بتائیے مجھے، اب ترکیب کیجیے بھائی!

طلبہ نے کہا: «مُسْلِمِيَّ» مرفوع تقدیراً مبتدا ہے۔ فرمایا: ہاں، «مُسْلِمِي» ایک یا کو الگ رہنے دو، وہ مضاف الیہ بنے گی۔ تو «مُسْلِمِي» مرفوع تقدیراً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ مبتدا ہے۔ اور تقدیراً کیوں؟ کیونکہ یہ جمع مذکر سالم ہے جو مضاف ہو رہا ہے یائے متکلم کی طرف، اور اس صورت میں اس کا رفع تقدیراً ہوتا ہے، تو یہ مرفوع تقدیراً ہوا۔ اور مضاف آپ نے کہا، آپ کو کیسے پتہ چلا مضاف ہے؟ جس اسم کے ساتھ ضمیر متصل آجائے تو وہ مضاف اور مضاف الیہ بنتے ہیں، تو یہ مضاف ہوا۔

آگے، یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ تو یا پر تو میں زبر پڑھ رہا ہوں: «مُسْلِمِيَّ»؟ شاباش، یہ اس کی حرکت ہے، یہ اعراب نہیں کیونکہ یا تو ضمیر ہے۔ تو یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا۔ آگے کیجیے ترکیب! طلبہ نے کہا: «مُجْتَهِدُونَ» مرفوع ہے۔ فرمایا: مجتہد اسم فاعل ہے، کون سا باب ہے یہ؟ کون سا صیغہ ہے؟ اسم فاعل ہے جمع، اور مجتہد کون سا وزن ہے؟ مفتعل، «مُجْتَهِدٌ» بروزنِ «مُفْتَعِلٌ»، تو «مُجْتَهِدُونَ» بروزنِ «مُفْتَعِلُونَ»۔ تو مفتعل وزن ہے یہ اسم فاعل ہے بابِ افتعال سے، اور مجتہد کا معنی ہوتا ہے محنتی۔

جی کیجیے ترکیب! طلبہ نے کہا: «مُجْتَهِدُونَ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل ہے۔ فرمایا: شاباش! «مُجْتَهِدُونَ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ کیا ہے اس کا رفع؟ واؤ ہے، کیونکہ جمع مذکر سالم ہے۔ صیغہ اسم فاعل، آگے؟ طلبہ نے کہا: «هُوَ» ضمیر اس کے اندر ہے۔ فرمایا: صیغے کے مطابق ضمیر ہو گی، جمع کا صیغہ ہے تو «هُمْ» ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل، اس کا اعراب بھائی؟ مرفوع محلاً اس کا فاعل۔

جی، جو لوٹ رہی ہے «مُسْلِمِي» کی طرف جو مبتدا ہے۔ وہ «مُسْلِمُونَ» تھا نا، اور اس وقت حالتِ تقدیری اعراب ہے اس کا، تو وہ بھی جمع مذکر ہے اور یہ «هُمْ» ضمیر بھی جمع مذکر، ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہے۔ تو یہ انہوں نے عائد بتلا دیا، ربط دے دیا۔ تو اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیں: «مُسْلِمِيَّ مُجْتَهِدُونَ»۔ ترجمہ کیجیے: مسلم کا معنی ہے فرمانبردار، «مُسْلِمِيَّ» میرے فرمانبردار، «مُجْتَهِدُونَ» وہ محنتی ہیں، میرے فرمانبردار محنتی ہیں۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «قَرَأْتُ كُتُبًا جَيِّدَةً»۔ «قَرَأْتُ كُتُبًا جَيِّدَةً»، کتب کتاب کی جمع، جیم یا مشدد اور دال اور آخر میں گول تا ہے بھائی: «جَيِّدَةً»۔ «قَرَأْتُ كُتُبًا جَيِّدَةً»۔ یاد رکھیے، ایک ضابطہ بھی یاد رکھنا: جمع بتاویلِ جماعت کے واحد مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے۔ جمع جماعت کی تاویل میں واحد مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے۔ کس کے حکم میں؟ واحد مؤنث کے حکم میں۔ دوبارہ دہرائیں: جمع بتاویلِ جماعت کے واحد مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے۔

بھائی دیکھیے، یہ جو جمع ہے نا جمع، اس کو عموماً آپ دیکھیں گے عربی میں اس کی صفت واحد مؤنث لاتے ہیں۔ ایک لفظ جمع ہو گا، جیسے «كُتُبٌ»، یہ جمع ہے کس کی؟ کتاب کی۔ اور اس کی صفت آگے آرہی ہے «جَيِّدَةٌ»، اور «جَيِّدَةٌ» یہ تو واحد مؤنث ہے! تو کتب کا لفظ جمع اور اس کی صفت واحد مؤنث، تو کوئی آپ پر اشکال کر دے گا کہ جمع کی صفت بھی کیا ہونی چاہیے؟ جمع ہونی چاہیے، تو یہ واحد مؤنث کیوں؟ تو آپ کیا کہیں گے کہ جمع جماعت کی تاویل میں واحد مؤنث کے حکم میں ہے۔

بھائی دیکھیے، جمع کے کم از کم کتنے افراد ہوتے ہیں، جمع کا اطلاق کم از کم کتنے پر ہوتا ہے؟ تین یا زیادہ پر۔ جب وہ تین یا زیادہ ہوئے تو ایک جماعت بن گئی، اور جماعت کا لفظ آپ عربی میں لکھیں تو گول تا آخر میں آتی ہے، عربی میں گول تا، تو جماعت کا لفظ مفرد ہے اور مؤنث بھی ہے: واحد مؤنث۔ لہٰذا اس کی صفت بھی عموماً کیا لاتے ہیں؟ واحد مؤنث، اور عموماً اس کی طرف ضمیر بھی کون سی لوٹاتے ہیں؟ واحد مؤنث کی، کیونکہ یہ کیا بن گئی ہے؟ ایک جماعت بن گئی ہے۔

تو اب دہرائیں وہ ضابطہ کیا ہوا؟ جمع جماعت کی تاویل میں واحد مؤنث کے حکم میں ہے، تو اس کی صفت بھی عموماً کیا آتی ہے؟ واحد مؤنث، اور اس کی طرف ضمیر بھی عموماً کون سی لوٹاتے ہیں؟ واحد مؤنث کی۔ ہر جگہ نہیں، جمع کی صفت جمع بھی آجائے گی، اس کی طرف جمع کی ضمیر بھی لوٹا دیں گے، لیکن زیادہ تر آپ دیکھیں گے کہ اس کی صفت کیا لاتے ہیں عربی میں؟ واحد مؤنث، ضمیر بھی کون سی لوٹاتے ہیں؟ واحد مؤنث کی۔ ہاں، جمع مذکر سالم ہے نا، اس کی طرف نہیں،

« مُسْلِمُونَ » اس میں واؤ آرہا ہے جو جمع مذکر کی علامت ہے، لہٰذا اب مذکر والی علامت چونکہ آگئی اب واحد مؤنث کی ضمیر اس کو نہیں لوٹائیں گے۔ باقی جتنی جمعیں ہیں وہ جماعت کی تاویل میں کر لیتے ہیں۔

جی اب ترکیب کیجیے آپ بھائی: « قَرَأْتُ كُتُبًا جَيِّدَةً »۔ طلبہ نے کہا: « قَرَأْتُ » فعل بافاعل ہے۔ فرمایا: شاباش! « قَرَأْتُ » فعل بافاعل، اس کا فاعل بتایئے؟ تاء ضمیر۔ اعراب اس کا؟ تاء ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل ہے۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں نہیں کہا؟ مرفوع محلاً، تو یہ جو تا پر پیش ہے یہ اس کی حرکت ہے، یہ اعراب نہیں ہے۔ تو تاء ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل ہے، آگے؟

طلبہ نے کہا: « كُتُبًا » مرفوع لفظاً موصوف ہے۔ فرمایا: مرفوع کیوں؟ طلبہ نے کہا: خبر بنے گی۔ فرمایا: خبر کدھر، جملہ فعلیہ چل رہا ہے! جملہ اسمیہ ہو وہاں خبر آتی ہے۔ طلبہ نے کہا: منصوب لفظاً۔ فرمایا: شاباش! میں نے بتایا کہ جملہ فعلیہ میں فاعل جب مرفوع آگیا، اس کے بعد پھر مرفوع نہیں آئے گا، صرف آگے منصوب یا مجرور آئیں گے، ضابطے ذہن میں رکھیں بھائی۔ تو « كُتُبًا » منصوب لفظاً موصوف، منصوب کیوں بھائی؟ کیونکہ یہ مفعول بہ بنے گا۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: « كُتُبًا » شاباش۔

آگے، « جَيِّدَةً »، یاد رکھیے یہ بھی صفتِ مشبہ ہے بھائی۔ تو « جَيِّدَةً » منصوب لفظاً صفتِ مشبہ، منصوب کیوں یہ؟ کیونکہ صفت ہے، اور موصوف اور صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، موصوف منصوب تھا تو صفت بھی منصوب ہوگی۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: « جَيِّدَةً » شاباش۔ صفتِ مشبہ، آگے؟ طلبہ نے کہا: « هُوَ » ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل ہے۔ فرمایا: صیغے کو بھی دیکھا کریں بھائی، اس کے مطابق ضمیر اس میں ہوتی ہے۔ صیغہ کون سا ہے؟ واحد مؤنث ہے تو ضمیر بھی وہی نکالو: « هِيَ » ضمیر اس میں نکالیں گے غائب کی بھائی۔

« هِيَ » ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، جو لوٹ رہی ہے موصوف « كُتُبًا » کی طرف، کیونکہ یہ صفت آپ بنا رہے ہیں بھائی اور صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے۔ « هِيَ » ضمیر جو لوٹ رہی ہے « كُتُبًا » کی طرف، بھائی « كُتُبًا » کو ضمیر کیسے لوٹ سکتی ہے، « كُتُبًا » جمع ہے اور « هِيَ » واحد مؤنث ہے؟ طلبہ نے کہا: جمع بتاویلِ جماعت کے واحد مؤنث کے حکم میں ہے۔ فرمایا: ہاں، جمع جماعت کی تاویل میں واحد مؤنث کے حکم میں ہے، تو ضمیر بھی کون سی لوٹا دی؟ واحد مؤنث کی۔ تو یہ انہوں نے عائد بتا دیا۔ صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف اور صفت مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیے: « قَرَأْتُ كُتُبًا جَيِّدَةً »۔ ترجمہ کیجیے: میں نے عمدہ کتابیں پڑھیں۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: « النِّسَاءُ قَائِمَاتٌ »۔ چلیے جی، اب آپ ترکیب کیجیے! طلبہ نے کہا: « النِّسَاءُ » مرفوع لفظاً مبتدا ہے۔ فرمایا: شاباش! « النِّسَاءُ » مرفوع لفظاً مبتدا، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: « النِّسَاءُ »۔ آگے؟ طلبہ نے کہا: « قَائِمَاتٌ » مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل ہے۔ فرمایا: شاباش! « قَائِمَاتٌ » مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: « قَائِمَاتٌ »۔ صیغہ اسم فاعل، آگے؟

طلبہ نے کہا: اس کے اندر جمع مؤنث کا صیغہ ہے تو « هُنَّ » ضمیر ہے۔ فرمایا: ہاں، تو اس کے اندر « هُنَّ » ضمیر، اس کا اعراب بتاؤ؟ مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ شبہ جملہ کو آپ نے خبر کیسے بنا دیا بھائی، عائد نہیں بتایا؟ اب بتاؤ عائد کیا ہے؟ « هُنَّ » ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ « النِّسَاءَ » کو، عائد بتا دیا آپ نے۔ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہے: « هُنَّ » بھی جمع مؤنث، « النِّسَاءُ » بھی جمع مؤنث ہے۔ تو یہ عائد آگیا۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیں: « النِّسَاءُ قَائِمَاتٌ »۔ ترجمہ کیجیے: وہ سب عورتیں کھڑی ہیں۔ بھائی چھینکو تو الحمد للہ کہا کرو اور سب ساتھی پھر جواب دیا کریں بھائی، کہو الحمد للہ، یرحمک اللہ، سنت کو اپناؤ بھائی اس کو اپناؤ۔

اگلا جملہ لکھیے: « النِّسَاءُ قَائِمَةٌ »۔ چلیے بھائی، ترکیب کیجیے بھائی! طلبہ نے کہا: « النِّسَاءُ » مرفوع لفظاً مبتدا ہے۔ فرمایا: « النِّسَاءُ » مرفوع لفظاً مبتدا، آگے؟ طلبہ نے کہا: « قَائِمَةٌ » مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل ہے۔ فرمایا: شاباش! « قَائِمَةٌ » مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: « قَائِمَةٌ »۔ صیغہ اسم فاعل، آگے؟ طلبہ نے کہا: « هِيَ » ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل ہے۔ فرمایا: شاباش، اس کے اندر « هِيَ » ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو لوٹ رہی ہے « النِّسَاءَ » کو۔

بھائی ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے، « النِّسَاءُ » ہے جمع مؤنث اور « هِيَ » ہے واحد مؤنث؟ طلبہ نے کہا: جمع بتاویلِ جماعت کے واحد مؤنث ہے۔ فرمایا: ہاں! یہ النساء جمع ہے اور یہ جماعت کی تاویل میں ہے، تو یہ واحد مؤنث ہے اور اس کی طرف پھر کون سی ضمیر لوٹا سکتے ہیں؟ واحد مؤنث کی لوٹا سکتے

ہیں۔ پچھلی مثال میں دیکھا تھا جمع کی ضمیر لوٹائی تھی اور اب کون سی لوٹا دی؟ واحد مؤنث کی، دونوں صحیح ہیں: جمع کی لوٹائی کیونکہ ہے ہی جمع، اور واحد کی لوٹائی کیونکہ یہ کس تاویل میں ہے؟ جماعت کی تاویل میں، اور جماعت کیا ہے؟ واحد مؤنث۔ تو یہ عائد انہوں نے بتلا دیا۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیے: «النِّسَاءُ قَائِمَةٌ»۔ ترجمہ کیجیے: وہ عورتیں کھڑی ہیں، ترجمہ وہی ہو گا۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «الرِّجَالُ كَاتِبُونَ»۔ جی، ترکیب کیجیے! طلبہ نے کہا: «الرِّجَالُ» مرفوع لفظاً مبتدا ہے۔ فرمایا: «الرِّجَالُ» مرفوع لفظاً مبتدا، آگے؟ طلبہ نے کہا: «كَاتِبُونَ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل ہے۔ فرمایا: شاباش! «كَاتِبُونَ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل بھائی، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اس کا رفع واؤ کے ساتھ آتا ہے، تو واؤ پر ہم اس وقت تلفظ کر رہے ہیں۔ صیغہ اسم فاعل، آگے؟

طلبہ نے کہا: «هُمْ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو لوٹ رہی ہے «الرِّجَالُ» کو۔ فرمایا: شاباش! اور جو لوٹ رہی ہے کس کو؟ الرجال کو۔ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہے: «الرِّجَالُ» بھی جمع مذکر اور «هُمْ» ضمیر بھی جمع مذکر ہے۔ تو یہ عائد انہوں نے بتلا دیا، ربط آ گیا۔ تو اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیے: «الرِّجَالُ كَاتِبُونَ»۔ ترجمہ کیجیے: وہ مرد لکھ رہے ہیں، یا وہ مرد لکھنے والے ہیں۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «الرِّجَالُ كَاتِبَةٌ»۔ چلیے بھائی، ترکیب کیجیے آپ بھائی! طلبہ نے کہا: «الرِّجَالُ» مرفوع لفظاً مبتدا ہے۔ فرمایا: «الرِّجَالُ» مرفوع لفظاً مبتدا، آگے؟ طلبہ نے کہا: «كَاتِبَةٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل ہے۔ فرمایا: «كَاتِبَةٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: «كَاتِبَةٌ»۔ صیغہ اسم فاعل، آگے؟

طلبہ نے کہا: «هِيَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل ہے۔ فرمایا: شاباش! اس کے اندر «هِيَ» ضمیر مرفوع محلاً کیونکہ وہ فاعل ہے، اور واحد مؤنث کی ضمیر کیوں؟ کیونکہ صیغہ جو ہو گا وہی ضمیر ہو گی اس کے اندر تو واحد مؤنث کی ضمیر۔ آگے، اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ ہاں بھائی، یہ خبر بن سکتی ہے الرجال کے لیے؟ عائد بتلائیں: «هِيَ» ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ الرجال کو۔

سوال: الرجال یہ تو مذکر ہیں، اور نیز یہ تو جمع ہے، اور «هِيَ» تو واحد مؤنث ہے؟ تو کیا جواب دیں گے؟ کہ یہ جمع ہے بتاویلِ جماعت، جب کئی مرد ہو گئے تو ایک جماعت بن گئی، اور جماعت کا لفظ کیا ہے؟ واحد مؤنث، تو ضمیر بھی کون سی لوٹا دی؟ واحد مؤنث کی لوٹا دی شاباش، یہ عائد آ گیا۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیے: «الرِّجَالُ كَاتِبَةٌ»۔ ترجمہ کیجیے: وہ مرد لکھنے والے ہیں، ترجمہ وہی ہو گا، ترجمہ نہیں بدلے گا، ضمیر مفرد کی لوٹائی تو آپ معنی بھی مفرد والا کر دیں، نہیں۔ «الرِّجَالُ كَاتِبَةٌ»، وہ مرد لکھنے والے ہیں، یا وہ مرد لکھ رہے ہیں۔

اچھا بھائی، ان ترکیبوں کی مشق کرو بھائی خوب اچھی طرح، اور روزانہ کچھ ترکیبیں خود کیا کرو، میں کرواؤں یا نہ کرواؤں، آپ نے دو چار ترکیبیں ہر روز کرنی ہیں، بیٹھ جایا کریں، دو یا تین جملے گزشتہ جو میں کروا چکا ہوں انہی کی ترکیبیں کریں ٹھیک ہے بھائی؟ پہلے یہ آپ عائد نہیں بتلاتے تھے، اب انہی جملوں کی ترکیبیں کریں اور عائد بھی بتلایا کریں بھائی۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۳: نکرہ کے مبتدا واقع ہونے کی صورتیں اور مسوغاتِ ابتداء بالنکرہ

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۱—بتاریخ: ۲۲ دسمبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَالنَّكِرَةُ إِذَا وُصِفَتْ جَازَ أَنْ تَقَعَ مُبْتَدَأً، نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ﴾، وَكَذَا إِذَا تُخُصِّصَتْ بِوَجْهٍ آخَرَ، نَحْوُ: أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ، وَمَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ، وَشَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ، وَفِي الدَّارِ رَجُلٌ، وَسَلَامٌ عَلَيْكَ.

مبتدا اور خبر کی بحث ہم پڑھ رہے تھے۔ آپ نے پڑھا کہ مبتدا اور خبر دو ایسے اسم ہیں جو عوامل لفظیہ سے خالی ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک مسند الیہ ہوتا ہے اور اس کو مبتدا کہتے ہیں، اور ایک مسند بہ ہوتا ہے اور اس کو خبر کہتے ہیں۔

اور آپ نے یہ بھی پڑھا کہ ان دونوں میں عامل، یعنی مبتدا اور خبر میں عامل معنوی ہے لفظی نہیں۔ کوئی لفظ ان کے اندر عامل نہیں ہوتا جیسے «ضَرَبَ زَيْدٌ»، یہ زید فاعل ہے اس میں «ضَرَبَ» کا لفظ عامل ہے، اس نے کیا کیا ہے کہ زید کو رفع دی ہے۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، زید کیا ہے؟ فاعل۔ کوئی آپ سے پوچھے اس کو رفع کس نے دی؟ آپ کیا کہیں گے: «ضَرَبَ» فعل نے۔ تو دیکھو یہ فاعل جو ہے اس کے اندر عامل ایک لفظ ہے اور وہ کون سا لفظ؟ «ضَرَبَ»۔

لیکن مبتدا اور خبر ایسے نہیں ہیں، ان میں کوئی لفظ عامل نہیں ہوتا بلکہ ان میں معنی عامل ہوتا ہے، ایک معنوی چیز ہے اور وہ معنوی چیز کیا ہے؟ ابتداء۔ وہ ابتداء ان میں عامل ہے۔ اور ابتداء میں نے آپ کو بتلایا تھا کسے کہتے ہیں؟ کہ کسی اسم کا خالی ہونا عاملِ لفظی سے اس طور پر کہ اس کی طرف کسی کا اسناد ہو، یا اس کا اسناد کسی کی طرف ہو۔ تو جب یہ تعریف کی تو صرف مبتدا اور خبر اس میں داخل ہوئے، باقی سب معمولات اس میں سے نکل گئے بھائی۔

اور آپ نے پھر یہ بھی پڑھا کہ مبتدا میں اصل کیا ہے کہ وہ معرفہ ہونا چاہیے، اور نیز میں نے بتایا تھا مبتدا میں اصل یہ بھی ہے کہ وہ مقدم ہونا چاہیے۔ اور خبر میں اصل کیا ہے کہ وہ نکرہ ہو اور وہ مؤخر ہو، تو دونوں اصلیں میں نے بتادیں: مبتدا میں اصل ہے معرفہ ہو اور دوسری اصل ہے کہ مقدم ہو۔ اور خبر میں اصل کیا ہے کہ وہ نکرہ ہو اور دوسری اصل کیا ہے کہ وہ مؤخر ہو۔

اس کے بعد مبتدا اور خبر کی ترکیب ہم نے کی بھائی، اور آپ نے پڑھا کہ مبتدا پر بھی رفع آئے گا اور خبر پر بھی رفع آئے گا۔ اور پھر خبر کبھی کبھار کیا ہوتی ہے؟ جملہ ہوتی ہے، اور جملے کو جب آپ مبتدا سے جوڑ رہے ہیں تو اس میں عائد چاہیے، کوئی ربط دینے والی چیز چاہیے، اور عائد کی سب سے عام صورت کیا ہے؟ کوئی غائب کی ضمیر ہو جو مبتدا کی طرف لوٹے۔ جملہ کسی چیز سے جوڑنا ہو تو عائد چاہیے ہوتا ہے، اسی طرح شبہ جملہ کو بھی جب کسی چیز سے جوڑنا ہو تو عائد چاہیے ہوتا ہے۔

تو اب آگے کہتے ہیں: «وَالنَّكِرَةُ إِذَا وُصِفَتْ جَازَ أَنْ تَقَعَ مُبْتَدَأً»۔ انہوں نے آپ کو بتلایا کہ مبتدا میں اصل کیا ہے کہ وہ کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ۔ تو سوال پیدا ہوا کہ کیا نکرہ مبتدا نہیں بن سکتا؟ تو بتلانے لگے ہیں آپ کو کہ نہیں بھائی، نکرہ صرف عام نکرہ ہو تو پھر تو وہ مبتدا نہیں بن سکتا، البتہ نکرہ کے اندر اگر تخصیص آجائے تو پھر وہ بھی مبتدا بن سکتا ہے۔ کیا آجائے؟ تخصیص آجائے تو وہ بھی مبتدا بن سکتا ہے۔

تخصیص کہتے ہیں کہ لفظ میں جو احتمالات ہیں ان احتمالات کو کم کرنا یا دیگر احتمالات کو ختم کر دینا اور احتمال رہے ہی نہ۔ مثلاً دیکھیے بھائی، میں لفظ «غُلَامٌ» بولتا ہوں، دیکھو نکرہ ہے۔ اب فرض کریں دنیا کے اندر ایک لاکھ غلام ہیں، تو ہر ایک کو آپ کہہ سکتے ہیں یہ بھی غلام ہے، یہ بھی غلام ہے، یہ بھی غلام ہے، تو کتنے احتمال آ گئے اس غلام میں؟ ایک لاکھ، کیونکہ ہر ایک پر صادق آ سکتا ہے، ایک لاکھ افراد ہیں تو ہر ایک کیا ہے؟ غلام، تو کتنے احتمال ہو گئے؟ ایک لاکھ۔

لیکن فرض کریں ان میں سے اہل ایمان جو ہیں، مومن غلام جو ہیں، وہ صرف دس ہزار ہیں، کتنے ہیں؟ دس ہزار۔ تو جب میں کہتا ہوں «غُلَامٌ مُؤْمِنٌ»، مومن غلام، میں صفت لے آیا غلام کی، اب بتایئے، وہ ایک لاکھ غلام تھے، کیا اب یہ ساروں پر صادق آئے گا «غُلَامٌ مُؤْمِنٌ»؟ نہیں، بلکہ صرف کتنے پر صادق آئے گا؟ اب صرف دس ہزار پر۔ تو دیکھو اس میں صفت لانے کی وجہ سے احتمالات کیا ہو گئے؟ کم ہو گئے۔

تو جب احتمالات کم ہوئے تو اب یہ نکرہ معرفہ کے قریب ہو گیا۔ معرفہ تو نہ بنا لیکن معرفہ کے قریب ہو گیا۔ دیکھو معرفہ کسے کہتے تھے؟ جو کسی معین ذات پر دلالت کرتا ہے، مثلاً میں نے کہا زید، آپ کے تین چار ساتھی ہیں ان میں سے ایک کا نام زید ہے، جب میں نے کہا زید، آپ کے ذہن میں کس کی صورت آئی؟ زید ہی کی صورت آئی، یعنی ایک معین ذات کی صورت آئی، کسی دوسرے کی صورت نہیں آئی۔ تو معرفہ جو ہے وہ معین ذات پر دلالت کرتا ہے، اس میں اور احتمالات ہوتے ہی نہیں۔

اور یہ غلام کا لفظ جب اس کی صفت نہیں تھی تو اس میں کتنے احتمالات تھے؟ ایک لاکھ احتمالات تھے، تو معرفہ میں تو ایک ہی احتمال ہوتا ہے دوسرا احتمال ہوتا ہی نہیں، زید سے زید ہی مراد ہے کوئی عمرو اور بکر مراد نہیں۔ تو لہٰذا یہ نکرہ معرفہ سے بہت دور تھا، لیکن جب اس میں احتمالات کم ہو گئے، جیسے جیسے احتمالات کم ہوتے جائیں گے یہ معرفہ کے قریب آتا جائے گا۔ تو جتنے احتمالات کم ہوتے جائیں گے یہ معرفہ کے قریب آتا جائے گا۔ لہٰذا جب ہم صفت لے کر آئے، «غُلَامٌ مُؤْمِنٌ»، تو احتمالات کیا ہوئے؟ کم ہو گئے۔ جب کم ہوئے تو یہ نکرہ کس کے قریب آ گیا؟ معرفہ کے قریب آ گیا۔

اور ضابطہ ہے: «قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ» ہوا کرتی ہے، جو چیز جس چیز کے قریب ہو اسی کے حکم میں ہوتی ہے، اسی کے درجے میں ہوتی ہے۔ جو چیز جس چیز کے قریب ہو اسی کے حکم میں ہوتی ہے، اسی کے درجے میں ہوتی ہے۔ تو لہٰذا یہ نکرہ معرفہ بنا تو نہیں لیکن معرفہ کے کیا ہوا؟ قریب ہو گیا۔ جب معرفہ کے قریب ہوا تو معرفہ کے درجے میں ہوا، جب معرفہ کے درجے میں ہوا تو مبتدا بن سکتا ہے، لہٰذا اب یہ نکرہ مخصصہ بھی مبتدا بن سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

دیکھو مثال سے اس کی اور وضاحت ہو جائے گی، جیسے دیکھو بادشاہ ہوتا ہے یا گورنر ہوتا ہے، بادشاہ یا گورنر، اور ان کا سیکرٹری ہوتا ہے، یاد رکھو یہ جو ان کا سیکرٹری ہوتا ہے وہ بھی اس کا بھی انہی کی طرح حکم چلتا ہے، کیونکہ بادشاہ کے پاس جس نے ملنے بھی جانا ہے، براہ راست تو نہیں جا سکتا، کس سے وقت لینا پڑے گا؟ سیکرٹری سے وقت لینا پڑے گا، اور وہ ملاقات کروائے گا تو ملاقات ہو سکتی ہے، وہ نہیں کرواتا تو ملاقات بہت مشکل ہے۔ تو لہٰذا یہ سیکرٹری اس کا حکم بھی پھر کس کی طرح چلتا ہے؟ بادشاہ کی طرح، لوگ اس سے ڈرتے ہیں، اس کی بات مانتے ہیں، اس کے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ تو دیکھو، سیکرٹری بادشاہ کے قریب ہے تو یہ بھی کس کی طرح ہے گویا؟ بادشاہ ہی کی طرح ہے۔ تو «قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ» ہوتی ہے۔ ضابطہ یاد کر لیں بھائی: «قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ» ہوتی ہے، جو چیز جس چیز کے قریب ہو اسی کے حکم میں ہوتی ہے، اسی کی طرح ہوتی ہے۔

تو یہاں پر بھی جب نکرہ کے اندر احتمالات کم ہو گئے، یہ معرفہ تو نہ بنا لیکن معرفہ کے قریب ہو گیا، اور جب قریب ہو گیا تو «قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ» ہوتی ہے، تو یہ نکرہ بھی کس کے حکم میں ہو گیا؟ معرفہ کے حکم میں۔ جب معرفہ کے حکم میں ہوا تو معرفہ تو مبتدا بنتا ہے، لہٰذا اب یہ بھی کیا بن سکتا ہے؟ مبتدا بن سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «وَالنَّكِرَةُ إِذَا وُصِفَتْ جَازَ أَنْ تَقَعَ مُبْتَدَأً»، اور نکرہ کی جب صفت لائی جائے تو جائز ہے کہ یہ بھی مبتدا واقع ہو جائے، «نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ﴾» ۔ «وَلَعَبْدٌ»، واؤ ہے عطف کے لیے، اور لام ہے تاکید کے لیے۔ جیسے ان اور ان سے کلام میں تاکید پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح لام بھی کس لیے آتا ہے؟ تاکید کے لیے۔ اور آگے «عَبْدٌ» یہ مبتدا ہے، یہ کیا ہے؟ مبتدا، اسی لیے مرفوع ہے اور مرفوع کون سا ہے؟ لفظاً۔ اور «عَبْدٌ» یہ تو ضمیر نہیں، اس میں اشارہ بھی نہیں، اس میں موصول بھی نہیں، کسی کا نام بھی نہیں، اس پر الف لام بھی نہیں، اور یہ ان میں سے کسی کی طرف مضاف بھی نہیں، تو سوال پیدا ہوا یہ تو نکرہ ہے «عَبْدٌ»، اور جب نکرہ ہے تو یہ مبتدا کیسے بن گیا؟ تو جواب یہ ابھی صاحبِ ہدایہ نے آپ کو بتا دیا کہ نکرہ کی جب صفت لائی جائے تو پھر وہ مبتدا بن سکتا ہے، اور یہاں بھی «عَبْدٌ» کی صفت کیا لائی گئی؟ «مُؤْمِنٌ»۔ تو لہٰذا «عَبْدٌ» موصوف مرفوع

تھا تو «مُؤْمِنٌ» صفت بھی کیا آئی؟ مرفوع آئی۔ تو «عَبْدٌ مُؤْمِنٌ» کیا ہوا؟ مبتدا، اور «خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ» یہ خبر ہے بھائی۔ «وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ»، اور البتہ مومن غلام جو ہے وہ مشرک سے بہتر ہے۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟

▪ قولہ: «وَكَذَا إِذَا تُخُصِّصَتْ بِوَجْهٍ آخَرَ» کی تشریح

«وَكَذَا إِذَا تُخُصِّصَتْ بِوَجْهٍ آخَرَ»، اور اسی طرح جب نکرہ میں تخصیص پیدا کر دی جائے کسی دوسرے طریقے سے۔ بھائی یاد رکھیے، ایک طریقہ انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ نکرہ مبتدا بن سکتا ہے جب اس میں تخصیص پیدا کر دی جائے، اور تخصیص کا ایک طریقہ انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ نکرہ کی صفت لے آؤ تو اس میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے، اور اسی طرح اگر کسی اور طریقے سے نکرہ کے اندر تخصیص پیدا کر دی جائے تو وہ بھی مبتدا بن سکتا ہے، کیونکہ جب نکرہ میں تخصیص پیدا ہو جائے گی تو وہ کس کے قریب ہو جائے گا؟ معرفہ کے، اور «قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ» ہوتی ہے، تو لہٰذا وہ بھی پھر مبتدا بن سکتا ہے۔ اور تخصیص کے اور کون کون سے طریقے ہیں اب وہ آپ کو بتانے لگے ہیں۔ تو یاد رکھیے بھائی، یہ بلکہ نام لکھ لیں بھائی، نام لکھ لیں اپنی کاپیوں پر: تخصیص کے چھ طریقے ہیں بھائی۔

تخصیص کے چھ طریقے ہیں: نمبر ایک: «تَخْصِيصٌ بِالصِّفَةِ»۔ نمبر دو: «تَخْصِيصٌ بِعِلْمِ الْمُتَكَلِّمِ»۔ نمبر تین: «تَخْصِيصٌ بِالْعُمُومِ»۔ نمبر چار: «تَخْصِيصٌ بِالْعُدُولِ مِنَ الْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ إِلَى الْجُمْلَةِ الِاسْمِيَّةِ»۔ نمبر پانچ: «تَخْصِيصٌ بِتَقْدِيمِ الْخَبَرِ»۔ نمبر چھ: «تَخْصِيصٌ بِنِسْبَةٍ إِلَى الْمُتَكَلِّمِ»۔

لکھ لیا بھائی؟ یہ ہیں تخصیص کے چھ طریقے بھائی: پہلا طریقہ کیا؟ «تَخْصِيصٌ بِالصِّفَةِ»، دوسرا ہے «تَخْصِيصٌ بِعِلْمِ الْمُتَكَلِّمِ»، تیسرا ہے «تَخْصِيصٌ بِالْعُمُومِ»، چوتھا ہے «تَخْصِيصٌ بِالْعُدُولِ مِنَ الْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ إِلَى الْجُمْلَةِ الِاسْمِيَّةِ»، اگلا طریقہ ہے «تَخْصِيصٌ بِتَقْدِيمِ الْخَبَرِ»، اور آخری طریقہ ہے «تَخْصِيصٌ بِنِسْبَةٍ إِلَى الْمُتَكَلِّمِ»۔ یہ چھ طریقے ہیں۔ تو ان چھ طریقوں میں سے کسی طریقے کے ذریعے بھی اگر نکرہ میں کیا پیدا کر دی جائے؟ تخصیص، تو پھر وہ مبتدا بن سکتا ہے بھائی۔ ایک طریقہ آپ نے پڑھ لیا تخصیص بالصفت والا کہ نکرہ کی صفت لے آؤ تو پھر اس میں تخصیص آ جائے گی اور وہ مبتدا بن سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَكَذَا إِذَا تُخُصِّصَتْ بِوَجْهٍ آخَرَ نَحْوُ: أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ، وَمَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ، وَشَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ، وَفِي الدَّارِ رَجُلٌ، وَسَلَامٌ عَلَيْكَ»۔ اب وہ طریقوں کے نام نہیں لیں گے، میں نے آپ کو نام لکھوا دیے، صاحبِ ہدایت النحو مثالیں ذکر کر دیں گے۔ جیسے دیکھو بھائی: «أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ»، یہ ہے دوسرے کی مثال «تَخْصِيصٌ بِعِلْمِ الْمُتَكَلِّمِ» کی۔ اور اگلی مثال ہے «وَمَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ»، یہ ہے «تَخْصِيصٌ بِالْعُمُومِ» کی مثال۔ «وَشَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ»، یہ ہے «تَخْصِيصٌ بِالْعُدُولِ مِنَ الْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ إِلَى الْجُمْلَةِ الِاسْمِيَّةِ» کی مثال۔ «وَفِي الدَّارِ رَجُلٌ»، یہ ہے «تَخْصِيصٌ بِتَقْدِيمِ الْخَبَرِ» کی مثال۔ «وَسَلَامٌ عَلَيْكَ»، یہ ہے «تَخْصِيصٌ بِنِسْبَةٍ إِلَى الْمُتَكَلِّمِ» کی مثال۔ جس ترتیب سے میں نے لکھوائے اسی ترتیب سے یہ مثالیں ہیں بھائی۔

اب آیئے ذرا پہلی مثال پر: «أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ»۔ یہ کون سی تخصیص ہے؟ «تَخْصِيصٌ بِعِلْمِ الْمُتَكَلِّمِ»۔ یہاں تخصیص آئی ہے متکلم کے علم کی وجہ سے۔ کس کی وجہ سے؟ جو بات کرنے والا ہے اس کو علم ہے اس وجہ سے تخصیص آ گئی۔ کس طرح علم ہے؟ بھائی یاد رکھیے یہ وہاں پر آئے گی جہاں ہمزۂ استفہام استعمال ہوا ام متصلہ کے ساتھ۔ ہمزۂ استفہام کس کے ساتھ؟ ام متصلہ کے ساتھ۔ بھائی دیکھیے ذرا اس مثال کو دیکھو: «أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ»۔ «أَرَجُلٌ»، رجل تو آدمی کو کہتے ہیں، یہ جو ہمزہ شروع میں آیا نا «أَ»، یہ استفہام کے لیے ہے سوال کے لیے، اس کا کیا معنی ہے؟ کیا، کیا۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو یہ کیا ہے؟ ہمزۂ استفہام ہے، اور اس کے ساتھ آگے دیکھیے ام کا لفظ آ رہا ہے: «أَمْ»۔ یہ ام جو ہے یاد رکھیے دو قسم پر ہے: ایک ام متصلہ ہے اور ایک ام منقطعہ ہے۔ متصلہ جڑا ہوا، منقطعہ کٹا ہوا۔ یہ دو قسمیں ہیں ام کی، ام ایک متصلہ ہے اور ایک منقطعہ۔ یہ صاحبِ ہدایت النحو آگے کتاب میں جا کر تفصیل اس کی بیان کریں گے۔ تو یہاں میں صرف ام متصلہ کو بیان کر دیتا ہوں۔

یہاں کیا یہ تخصیص کہاں آئے گی تخصیص بعلم المتکلم؟ جہاں ہمزۂ استفہام آئے کس کے ساتھ؟ ام متصلہ کے ساتھ۔ دہرائیں بھائی زبان سے: تخصیص بعلم المتکلم کہاں آتی ہے جہاں کیا آئے؟ ہمزۂ استفہام کس کے ساتھ؟ ام متصلہ کے ساتھ۔ دیکھو ہمزۂ استفہام بھی ہے اس جملے میں اور ام متصلہ بھی ہے، تو جہاں

بھی ہمزۂ استفہام اِم متصلہ کے ساتھ آئے گا تو وہاں کیا آجائے گی؟ تخصیص آجائے گی، اور کس کی وجہ سے؟ متکلم کے علم کی وجہ سے کہ اس کو علم ہے۔ یاد رکھیے یہ اِم متصلہ جو ہے نا اس کے ذریعے دو چیزوں میں سے ایک کی تعیین کا سوال کیا جاتا ہے کہ متعین کر دو ان میں سے کون سا ہے، مجھے پتہ نہیں، ہیں یہی دو لیکن ان دو میں سے کون سا ہے مجھے پتہ نہیں۔ جیسے دیکھیے اس شخص نے سوال کیا: «أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ»، کیا آدمی ہے گھر میں یا عورت؟

تو دیکھو یہ ہمزۂ استفہام آیا اِم متصلہ کے ساتھ، اور معلوم ہوا متکلم جو ہے اس کو اتنا پتہ ہے کہ گھر کے اندر مرد یا عورت ہی میں سے کوئی ہے، کوئی تیسری چیز بکری، گائے، بیل وغیرہ کوئی چیز اور کوئی چیز نہیں ہے، انہی دو میں سے ایک چیز ہے۔ اتنا اس کو پتہ ہے لیکن ان دو میں سے علی التعیین اس کو پتہ نہیں ہے کہ مرد ہے یا عورت۔ اب وہ یہ سوال کر رہا ہے کہ ذرا آپ تعیین کر کے مجھے بتا دیں کہ مرد ہے یا عورت۔

لہٰذا اگر کسی نے آپ سے سوال کیا: «أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ»، کیا گھر میں آدمی ہے یا عورت؟ آپ جواب میں کہیں نعم، ہاں، تو یہ جواب صحیح نہیں ہے آپ کا۔ نعم یہاں جواب میں نہیں لا سکتے کیونکہ نعم کا کیا معنی ہے؟ ہاں۔ گویا آپ اس کی تائید کر رہے ہیں کہ ہاں مرد یا عورت ہی میں سے کوئی ہے۔ بھائی یہ اس نے پوچھا ہی نہیں، یہ تو اس کو خود پتہ ہے کہ مرد یا عورت میں سے ہے، تو پھر ہاں کہنے کا کیا معنی؟ بلکہ یہاں تعیین کر کے جواب دینا پڑے گا کہ «رَجُلٌ» یا «امْرَأَةٌ» کہنا پڑے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اِم متصلہ جو ہے اس کے جواب میں نعم نہیں آتا بلکہ کیا آتا ہے؟ تعیین کی جاتی ہے کسی ایک چیز کی تعیین۔

نعم کیوں نہیں آتا اس کے جواب میں؟ کیونکہ نعم کا مطلب ہے ہاں، یعنی دو چیزوں میں سے ایک چیز ہے، تو یہ تو اس کو پہلے ہی پتہ ہے اس کا سوال ہی بتلا رہا ہے کہ اتنا اس کو پتہ ہے کہ ہیں انہی دو چیزوں میں سے کوئی تیسری چیز نہیں۔ تو اس سے کوئی فائدہ ہو گا اس کو نعم کہیں گے؟ نہیں، یہ بات تو اس کو پہلے بھی پتہ تھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ہمزۂ استفہام مع اِم متصلہ کے ساتھ جب بھی آئے گا وہاں کیا آجائے گی؟ تخصیص، اور یہ تخصیص کس وجہ سے آئی؟ متکلم کے علم کی وجہ سے کہ متکلم کو علم ہے اسے پتہ ہے انہی دو چیزوں میں سے کوئی ایک ہے تیسری کوئی چیز نہیں، اب وہ صرف تعیین چاہتا ہے کہ تعیین کر دو کون سی چیز ہے ان میں سے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

لہٰذا یہ جو ہمزۂ استفہام کے بعد «رَجُلٌ» آرہا ہے، یہ ہے مبتدا، یہ کیا ہے؟ مبتدا، اور «أَمِ امْرَأَةٌ» یہ اس کا اسی پر عطف ہے بھائی۔ تو یہ «رَجُلٌ» مبتدا ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے مبتدا بن گیا؟ تو آپ کیا جواب دیں گے کہ یہاں اس نکرہ میں کیا آگئی ہے؟ تخصیص، اور کس کی وجہ سے؟ متکلم کے علم کی وجہ سے۔

اگلی مثال دیکھیے: «وَمَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ»۔ ما نفی کے لیے ہے، «أَحَدٌ» مبتدا ہے اور «خَيْرٌ مِنْكَ» اس کی خبر ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ «أَحَدٌ» یہ تو نکرہ ہے، یہ نہ ضمیر ہے، نہ اسم اشارہ ہے، نہ اسم موصول ہے، نہ نام ہے کسی کا، نہ معرف باللام ہے، نہ ان میں سے کسی کی طرف مضاف ہے، تو یہ تو نکرہ ہے یہ کیسے مبتدا بن گیا؟ تو آپ کیا جواب دیں گے کہ یہاں تخصیص آئی کس کی وجہ سے؟ عموم کی وجہ سے، کس کی وجہ سے؟ عموم کی وجہ سے۔

تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھائی تخصیص اور عموم تو ایک دوسرے کی ضد ہیں، جہاں تخصیص ہے وہاں عموم نہیں جہاں عموم ہے وہاں تخصیص نہیں، پھر کیا معنی؟ تخصیص آئی عموم کی وجہ سے یہ تو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ بھائی دیکھو جیسے میں نے غلام کا لفظ بولا تھا، کتنے غلاموں پر صادق آرہا تھا؟ ایک لاکھ غلام تھے ہر ایک پر صادق آرہا ہے، تو دیکھو ایک لاکھ احتمالات، گویا اس میں عموم تھا، غلام میں کیا تھا؟ عموم تھا، اور پھر جب میں نے کہا «غُلَامٌ مُؤْمِنٌ» اب کتنے پر صادق آرہا ہے؟ دس ہزار پر، تو اب دیکھو تخصیص آگئی، کیا آگئی؟ تخصیص۔ تو عموم اور تخصیص تو ایک دوسرے کی ضد ہیں، عموم کا مطلب ہے زیادہ افراد ہوں اور تخصیص کا معنی افراد کم ہوتے چلے جائیں، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تو ایک دوسرے کی ضد ہیں، تو کیا معنی تخصیص بالعموم کا؟ تو جواب یاد رکھنا کہ بھائی تخصیص کی تعریف آپ بھول گئے شاید، ہم نے کیا تعریف کی تھی تخصیص کی؟ دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کرنا، دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کر دینا، یہ ہے تخصیص۔ اور یہاں اور سب احتمالات ختم ہو گئے اس لیے تخصیص آگئی۔

دیکھو ذرا اور وضاحت کرتا ہوں، فرض کریں آپ کے درجے میں چالیس لڑکے ہیں، چالیس لڑکے ہیں۔ میں آپ سے کہتا ہوں: «أَحَدٌ مِنْهُمْ خَيْرٌ مِنْكَ»، ان میں سے ایک جو ہے وہ آپ سے بہتر ہے۔ کون سا ایک بہتر ہے میں نے تعیین نہیں کی، البتہ ایک آپ ہیں اور انتالیس ساتھی اور بھی ہیں آپ کے، تو کوئی ایک ان انتالیس میں سے میں نے کیا کہا آپ سے بہتر ہے، اور وہ کوئی ایک پہلا بھی ہو سکتا ہے، دوسرا بھی ہو سکتا ہے، تیسرا، چوتھا، پانچواں، چھٹا، ساتواں، گویا اس «أَحَدٌ مِنْهُمْ» میں انتالیس احتمال ہیں۔

میں نے کیا کہا: ان میں سے کوئی ایک آپ سے بہتر ہے، تعیین کی کون سا والا؟ نہیں، اور آپ کے علاوہ کتنے ساتھی ہیں؟ انتالیس، تو ہر ایک میں احتمال ہے

کہ نہیں کہ ہو سکتا ہے یہ پہلا والا ہو، یا یہ دوسرا ہو، یا تیسرا ہو، تو گویا «أَحَدٌ مِنْهُمْ» میں کتنے احتمال آ گئے؟ انتالیس احتمال آ گئے، کتنے آ گئے؟ انتالیس احتمال آ گئے۔

اب میں یوں کرتا ہوں، اس پر حرفِ نفی لے آتا ہوں، میں کہتا ہوں: «مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ»، ان میں سے کوئی ایک بھی آپ سے افضل نہیں ہے۔ دیکھو «أَحَدٌ» نکرہ تھا میں اس پر نفی لے آیا، اور نکرہ پر نفی آ جائے تو اس میں عموم آ جاتا ہے۔ پہلے «أَحَدٌ» میں کتنے احتمال تھے؟ انتالیس، اب جب میں نے کہا «مَا أَحَدٌ» کوئی ایک بھی نہیں ہے، گویا میں نے ان ساروں کو اکٹھا کیا ان کی ایک ہی گٹھڑی بنائی یا ایک ہی پیکٹ بنایا اور سب کی اکٹھی نفی کر دی، کوئی ان میں سے کوئی ایک بھی آپ سے افضل نہیں ہے۔ اب اس میں اور کوئی احتمال ہے ہی نہیں، ساروں کو میں اکٹھا کیا کر رہا ہوں؟ رد کر رہا ہوں، سب سے کیا کر رہا ہوں اکٹھی؟ نفی، سب سے اکٹھی نفی کر رہا ہوں۔ تو پہلے اس «أَحَدٌ» میں انتالیس احتمال تھے اب ایک ہی احتمال ہے اور تو احتمال ہی ختم ہو گئے، ساروں کی اکٹھے میں نے کیا کر دی؟ نفی کر دی۔

صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو دیکھو تخصیص کی بھی میں نے کیا تعریف کی تھی: دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کرنا، اور جب نکرہ پر نفی آ جائے تو دیگر احتمالات سارے کیا ہو جاتے ہیں؟ ختم، ساروں کی اکٹھی نفی ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ اب اس میں دو، تین یا چار احتمال ہیں، ساروں کی کیا کر دی؟ نفی کر دی، ایک ہی معنی بن گیا سب کا اکٹھے ہی نفی کر دی۔ تو نکرہ جب تحت النفی آ جائے یعنی نکرہ کے اوپر کیا داخل ہو جائے؟ حرفِ نفی، اس میں کیا پیدا ہو جاتا ہے؟ عموم، جب عموم پیدا ہوا تو باقی احتمالات ختم ہو گئے، اور تخصیص بھی کسے کہتے تھے: دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کر دینا، تو کیا آ گئی؟ تخصیص آ گئی، جب تخصیص آ گئی تو اب اس کا مبتدا بننا صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو «مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ»، مایہ حرفِ نفی ہے مشابہ بلیس، «أَحَدٌ» یہ ہے مبتدا اور «خَيْرٌ مِنْكَ» اس کی خبر ہے۔ یہ یاد رکھیے یہ بنو تمیم کے مذہب پر یہ مثال ذکر کی مصنف نے، جبکہ باقی عرب کے نزدیک «مَا أَحَدٌ خَيْرًا مِنْكَ» ہوتا ہے، مامشابہ بلیس اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور اپنی خبر کو نصب دیتا ہے، «أَحَدٌ» اس پر رفع آئے گا اور «خَيْرًا» اس پر نصب آئے گا، لیکن بنو تمیم والے اس ما کو عامل بناتے ہی نہیں وہ عمل کرتے ہی نہیں، لہٰذا «أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ» یہ مبتدا خبر تھے ما کے آنے کے بعد بھی کیا ہیں؟ مبتدا اور خبر ہی ہیں۔ تو «أَحَدٌ» مبتدا ہے اور «خَيْرٌ مِنْكَ» اس کی خبر ہے، کوئی ایک بھی تم سے افضل نہیں ہے، تم سے بہتر نہیں ہے۔

▪ قولہ: «وَشَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ» کی تشریح

«وَشَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ»، یہ چوتھی قسم آ گئی بھائی: «تَخْصِيصٌ بِالْعُدُولِ مِنَ الْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ إِلَى الْجُمْلَةِ الِاسْمِيَّةِ»۔ اصل میں یوں تھا کلام: «أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ»، اس «شَرٌّ» کو بعد میں لے آؤ، «أَهَرَّ» کو مقدم کر دو: «أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ»۔ «أَهَرَّ» بھنکوایا شر نے ہی ذاناب کچلی کے دانتوں والے کو، یعنی کتے کو۔ کس کو؟ کتے کو۔

اچھا اس کا معنی سمجھ لیں پہلے: یاد رکھیے «أَهَرَّ» یہ ہریر سے ہے، ہا دو آنکھوں والی، را، یا، را۔ یہ کتے کے بھونکنا ہے کتے کی آواز ہے، لیکن یہ عام آواز نہیں۔ کبھی اگر آپ نے مشاہدہ کیا ہو شدید سردی کے دنوں میں کتا جب اس کو شدید سردی لگتی ہے وہ جہاں کہیں اپنی جگہ پر جھاڑیوں وغیرہ میں بیٹھا ہوا ہے اور شدید سردی ہو، تو وہ ایک لمبی سی چیخ کی طرح چلانے کی آواز وہ نکالتا ہے بھائی، بھونکتا نہیں ہے بلکہ چلانے کے جیسی آواز، کبھی غور کیا ہے؟ لمبی آواز ہوتی ہے، بھونکنے جیسی نہیں۔ یا جیسے اور دیکھ لیں، کتے کو کوئی مارے اور کتا ڈر جاتا ہے تو وہ ایک لمبی آواز نکالتے ہوئے بھاگ جاتا ہے۔

تو یہ جو لمبی چلانے کی یا چیخنے کی سی آواز کتا نکالتا ہے اس کو ہریر کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ ہریر۔ اور یاد رکھیے یہ آواز کتا اس وقت نکالتا ہے جب کوئی اتنی بڑی تکلیف ہو جس کا وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ جس کا مقابلہ کر رہا ہے تب تو وہ بھونکے گا یا غرائے گا، لیکن جب وہ بھاگنے لگا ہے تو کس طرح کی آواز نکالے گا؟ چلانے کی سی آواز نکالے گا لمبی سی اور بھاگے گا۔ تو یہ اس موقع پر کتا آواز نکالتا ہے جب ایسا شر ہو جس کا وہ مقابلہ نہ کر سکے، اس کو ہریر کہتے ہیں۔

اور اب دوسرا لفظ سمجھ لیں: «ذَا نَابٍ»۔ ذومال، کیا معنی ذومال کا؟ مال والا۔ اسی طرح ہے ذوناب، اور ناب کچلی کے دانت کو کہتے ہیں۔ بھائی یہ آپ اپنے سامنے والے چار دانت اوپر کے جو ہیں سامنے والے چار دانت، ان کے دائیں اور بائیں جو پانچواں چھٹا دانت ہے دونوں طرف، یہ نوک دار ہیں بھائی، ان کو کہتے

ہیں کچلی کے دانت۔ تو ذوناب سے کون مراد ہے؟ کچلی کے دانتوں والا، اور مراد اس سے کتا ہے، کتے کو ذوناب کہتے ہیں۔ اور یہاں پر حالتِ نصبی میں ہے: «ذَا نَابٍ»۔

تو دیکھیے اب آیئے جملے پر: «شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ»، شر ہی نے بھنکوایا کتے کو۔ یہ کس موقع پر بولتے ہیں؟ جب کوئی بہت بڑا شر ہو کہ جب کتا اس کا مقابلہ نہ کر سکے، یا اسی طرح کوئی انسان بھی ہو اس پر بڑی تکلیف آجائے اتنی بڑی آفت تکلیف آجائے کہ وہ اس کا مقابلہ نہ کر سکے تو عرب اس موقع پر کہتے ہیں: «شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ»، شر ہی نے کتے کو بھنکوایا ہے، یعنی ایسا اتنا بڑا شر ہے کہ یہ شخص اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

تو یہ اصل میں تھا «أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ»، بھنکوایا شر نے کتے کو۔ پھر کیا کیا گیا؟ «أَهَرَّ» فعل، «شَرٌّ» اس کے لیے فاعل، اور «ذَا نَابٍ» اس کے لیے مفعول، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ۔ پھر اس «شَرٌّ» کو اٹھا کر جو کہ فاعل تھا اس «أَهَرَّ» پر مقدم کر دیا گیا، اور فاعل تو کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، لیکن اس کو اٹھا کر مقدم کر دیا، جب مقدم کیا اب یہ فاعل نہ رہا اب یہ مبتدا بن گیا، کیا بن گیا؟ مبتدا۔ اور «أَهَرَّ» کے اندر اب ضمیر نکالنی پڑی: «هُوَ» ضمیر جو لوٹ رہی ہے «شَرٌّ» کو۔

تو اب ترکیب کیا ہوئی؟ «شَرٌّ» مرفوع لفظاً مبتدا، «أَهَرَّ» فعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو راجع ہے «شَرٌّ» کو یہ عائد آگیا، اور «ذَا» منصوب لفظاً مضاف، «نَابٍ» مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول ہوا «أَهَرَّ» کے لیے۔ «أَهَرَّ» فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، اور عائد ہم نے بتا دیا، تو دیکھو پورا جملہ خبر ہے۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اب آپ سے کوئی پوچھے کہ «أَهَرَّ ذَا نَابٍ» اس پورے جملے کا کیا اعراب ہے؟ آپ کہیں گے کہ یہ پورا جملہ مرفوع ہے، کیوں مرفوع ہے؟ کیونکہ یہ خبر ہے، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، لیکن یہ مرفوع محلاً ہے، کیوں محلاً ہے؟ کیونکہ یہ جملہ ہے اور جملہ بھی مبنیات میں سے ہے۔ تو لہٰذا یہ پورا جملہ خبر بن رہا ہے۔

تو اس جملے کا معنی ہوتا ہے کہ شر ہی نے کتے کو بھنکوایا۔ بھائی پہلے معنی کیا تھا؟ «أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ»، بھنکوایا شر نے کتے کو۔ اب شر کو مقدم کر دیا اب معنی ہوا، اب تخصیص آگئی: شر ہی نے کتے کو بھنکوایا۔ تخصیص آئی یا نہیں آئی؟ اب یہ معنی نہیں کرنا شر نے کتے کو بھنکوایا، اب معنی کیا ہے: شر ہی نے، معلوم ہوا اور کسی چیز نے نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تخصیص آگئی اس کے اندر۔ لہٰذا اس لیے «شَرٌّ»، کوئی آپ سے سوال کرے «شَرٌّ» تو نکرہ ہے تو یہ کیسے مبتدا بن گیا؟ آپ کیا کہیں گے کہ اس میں تخصیص آگئی ہے، کس طرح تخصیص آئی ہے کہ یہ جملہ فعلیہ تھا پہلے، «شَرٌّ» مؤخر تھا، «أَهَرَّ» مقدم تھا یہ فاعل بن رہا تھا یہ جملہ فعلیہ تھا، اب یہ کیا بن رہا ہے؟ جملہ اسمیہ، «شَرٌّ» مبتدا ہے اور «أَهَرَّ ذَا نَابٍ» اس کی خبر، اور اس جو عدول کیا جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف تو اس کے اندر تخصیص آگئی بھائی۔ چلیے بس کرتے ہیں، بس باقی پھر پڑھیں گے ان شاء اللہ۔ خوب تکرار کرو بھائی اس کا، خوب تکرار کرو، یہ ذرا مشکل جگہ ہے۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۴: تقدیمِ خبر بر مبتدا اور معرفہ و نکرہ کے اجتماع کے احکام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۱—بتاریخ: ۲۳ دسمبر ۲۰۱۴ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَفِي الدَّارِ رَجُلٌ، وَسَلَامٌ عَلَيْكَ، وَإِنْ كَانَ أَحَدُ الِاسْمَيْنِ مَعْرِفَةً وَالْآخَرُ نَكِرَةً فَاجْعَلِ الْمَعْرِفَةَ مُبْتَدَأً وَالنَّكِرَةَ خَبَرًا الْبَتَّةَ كَمَا مَرَّ، وَإِنْ كَانَا مَعْرِفَتَيْنِ فَاجْعَلْ أَيَّهُمَا شِئْتَ مُبْتَدَأً وَالْآخَرَ خَبَرًا، نَحْوُ: اللّٰهُ تَعَالَى إِلٰهُنَا، وَمُحَمَّدٌ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَآدَمُ أَبُونَا عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ۔

گزشتہ سبق میں آپ پڑھ رہے تھے کہ مبتدا کے اندر اصل ہے معرفہ ہونا اور خبر کے اندر اصل ہے نکرہ ہونا۔ اور نکرہ جو ہے وہ بھی مبتدا بن سکتا ہے بشرطیکہ اس میں تخصیص پیدا کر دی جائے، اور تخصیص کے چھ طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ کیا ہے؟ «تَخْصِيصٌ بِالصِّفَةِ» کہ نکرہ کی صفت لے آؤ تو اس سے اس میں تخصیص پیدا ہو جائے گی۔ اور دوسرا طریقہ تخصیص کا ہے «تَخْصِيصٌ بِعِلْمِ الْمُتَكَلِّمِ»، اور یہ تخصیص کہاں پر آتی ہے؟ جہاں پر ہمزۂ استفہام آجائے ام متصلہ کے ساتھ۔ اور تیسرا مقام جب نکرہ تحت النفی آجائے تو اس کی وجہ سے عموم پیدا ہو جائے گا اور یہ «تَخْصِيصٌ بِالْعُمُومِ» ہے۔

اور اس پر سوال پیدا ہوا تھا کہ تخصیص اور عموم تو ایک دوسرے کی ضد ہیں، تو عموم کے ذریعے کیسے تخصیص پیدا ہوئی؟ تو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ تخصیص کی تعریف یاد رکھیں: تخصیص کہتے ہیں دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کرنا۔ اور جب نکرہ تحت النفی آئے گا تو وہاں دیگر احتمالات بالکل ختم ہو گئے، تو اس وجہ سے وہاں عموم آیا اور باقی احتمالات ختم ہوئے، اور اس وجہ سے اس میں تخصیص آگئی تو اس کا مبتدا بننا صحیح ہے۔ اور چوتھا طریقہ تخصیص کا تھا «تَخْصِيصٌ بِالْعُدُولِ مِنَ الْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ إِلَى الْجُمْلَةِ الِاسْمِيَّةِ»، اور اس کی مثال تھی «شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ»۔

آج پانچواں طریقہ ہم پڑھیں گے تخصیص کا۔ تخصیص کا پانچواں طریقہ ہے «تَخْصِيصٌ بِتَقْدِيمِ الْخَبَرِ»، خبر کو مقدم کرنے سے تخصیص آجائے، جیسے «وَفِي الدَّارِ رَجُلٌ»۔ فی حرفِ جر، الدار مجرور، جار مجرور مل کر یہ خبرِ مقدم ہے، اور «رَجُلٌ» یہ مبتدائے مؤخر ہے۔

یاد رکھیے جو جار اور مجرور ہیں، یہ خبر تو بن سکتے ہیں مبتدا نہیں بن سکتے۔ اسی طرح ان، کان وغیرہ جو آئیں گے آگے آپ پڑھیں گے، ان کے بعد بھی بعض اوقات جار مجرور آجاتے ہیں، تو یاد رکھنا ان کے بعد بھی اگر جار مجرور آئے تو اس کو ان کی خبرِ مقدم بنانا ہے، اس کو ان کا اسم نہیں بنانا۔ اسی طرح یہاں بھی جار مجرور آیا، مقدم یہ ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کو مبتدا بنائیں، بلکہ یہ خبر بن سکتے ہیں مبتدا نہیں بن سکتے، تو ان کو کیا بناؤ؟ خبرِ مقدم، اور «رَجُلٌ» کو مبتدائے مؤخر بھائی۔

ترکیب بھی سمجھ لیں اس کی بھائی: «فِي الدَّارِ رَجُلٌ»۔ فی جارہ، الدار اسم مجرور ہے، مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر حرفِ جر داخل ہوا ہے۔ اور کون سا مجرور؟ مجرور لفظاً۔ جار اور مجرور یاد رکھیے ہمیشہ متعلق ہوتے ہیں کسی فعل سے متعلق ہوں گے یا صفت وغیرہ کے صیغے سے، تو یہاں فعل وغیرہ تو ہے نہیں تو محذوف نکالنا پڑے گا، اور سب سے عام جو ہے وہ «ثَبَتَ» نکال لیتے ہیں، تو کیا بن گیا؟ «ثَبَتَ فِي الدَّارِ رَجُلٌ»۔

تو فی الدار متعلق ہوا کس سے؟ «ثَبَتَ» سے، اور «ثَبَتَ» فعل آ گیا اور ہر فعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل۔ تو اس کے لیے بھی فاعل چاہیے، اور آگے تو فاعل ہے کوئی نہیں تو اسی کے اندر ضمیر: «هُوَ» ضمیر۔ اور «هُوَ» ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ شاباش، کیونکہ خبر ہے، خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے، تو اس کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے «رَجُلٌ» کو۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ «هُوَ» ضمیر پہلے اور «رَجُلٌ» مرجع بعد میں، تو یہ تو اضمار قبل الذکر ہوا، یعنی مرجع سے پہلے ہی ضمیر کو لے آنا اور یہ تو جائز نہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں تنازع فعلین کے باب میں کہ اضمار قبل الذکر جائز نہیں ہے، ہاں تنازع فعلین کے اندر وہ جائز تھا بھائی۔ تو یہاں پر بھی اشکال ہوا کہ یہ تو اضمار قبل الذکر لازم آیا، ضمیر پہلے آئی اور اس کا مرجع جو «رَجُلٌ» ہے وہ بعد میں آ رہا ہے؟

تو یاد رکھیے، اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہاں رجل لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ مؤخر ہے لیکن وہ مبتدا ہے اور مبتدا کا درجہ کہاں ہوتا ہے؟ پہلے ہوتا ہے، تو درجے کے اعتبار سے یہ مقدم ہے۔ لہٰذا لفظاً تو اگرچہ اضمار قبل الذکر ہے لیکن رتبۃً اضمار قبل الذکر نہیں ہے، لہٰذا یہ درست ہے بھائی۔

تو «ثَبَتَ» فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی، اور «رَجُلٌ» یہ مبتدائے مؤخر۔ اب آپ سے کوئی پوچھے «ثَبَتَ فِي الدَّارِ» اس جملے کا اعراب بتاؤ، آپ کیا جواب دیں گے؟ یہ پورا جملہ کیا بن رہا ہے؟ خبر، اور خبر کا کیا اعراب ہوتا ہے؟ مرفوع۔ تو یہ «ثَبَتَ فِي الدَّارِ» پورا جملہ مرفوع ہے، یہ نہ کہنا صرف «ثَبَتَ» مرفوع ہے، «ثَبَتَ» نہیں مرفوع، پورا جملہ مرفوع ہے خبر ہونے کی بنا پر۔ تو یہ مرفوع اور کون سا مرفوع ہو گا؟ محلاً، کیونکہ جملہ ہے اور جملہ مبنیات میں سے ہے۔

اور ہم نے تو «ثَبَتَ» نکالا، یاد رکھیے آپ صفت کا صیغہ «ثَابِتٌ» بھی نکال سکتے ہیں۔ فعل بھی نکال سکتے ہیں اور «ثَابِتٌ» صیغہ بھی نکال سکتے ہیں۔ تو «ثَابِتٌ» صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر اس کا فاعل جو راجع ہے «رَجُلٌ» مبتدائے مؤخر کو۔ تو اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق یعنی جار مجرور سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب جب آپ نے «ثَابِتٌ» نکالا نا، تو یہاں دیکھو «ثَابِتٌ» پر میں باقاعدہ رفع پڑھ رہا ہوں۔ «ثَبَتَ فِي الدَّارِ» جب «ثَبَتَ» نکالا تھا تو پورا جملہ محلاً مرفوع تھا، لیکن «ثَابِتٌ» یہ مفرد خبر بن رہی ہے تو اس پر باقاعدہ وہ رفع ظاہر ہو گا۔ تو «ثَابِتًا» نہیں کہنا، «ثَابِتٍ» نہیں کہنا، بلکہ کیا نکالنا ہے؟ «ثَابِتٌ»، کیونکہ «ثَابِتٌ» کیا ہے؟ خبر ہے۔

▪ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح

«زَيْدٌ قَائِمٌ» تھا یا نہیں بھائی؟ تو یہ «قَائِمٌ» کی طرح کیا ہے؟ «ثَابِتٌ» بھی اسم فاعل ہے اور اس پر کیا آیا؟ رفع آیا۔ تو یہ خبر ہے، ہاں صرف فرق یہ ہے: «ثَبَتَ» جب نکالا تھا تو یہ جملہ بنا تھا، اور «ثَابِتٌ» نکالا ہے تو شبہ جملہ ہے یعنی مفرد ہے، جملہ نہیں ہے، شبہ جملہ ہے۔

«وَسَلَامٌ عَلَيْكَ»، جی یہ اگلا طریقہ آ گیا۔ اچھا، تو یہ جو گزرا «وَفِي الدَّارِ رَجُلٌ»، اس میں دیکھیے خبرِ مقدم، خبر کو مقدم کرنے کی وجہ سے رجل میں کیا آ گئی؟ تخصیص آ گئی۔ بھائی یاد رکھیے ایک ضابطہ ہے مشہور: «تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ»۔ یہ ضابطہ آپ کو یاد ہونا چاہیے، جگہ جگہ آپ کو کام آئے گا۔ تقدیم، مقدم کرنا اس چیز کو حقہ التاخیر جس کا حق کیا تھا؟ مؤخر ہونا۔ جس کو مؤخر ہونا چاہیے تھا اس کو مقدم کرنا، «يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ»، یہ حصر کا فائدہ دیتا ہے، قصر کا فائدہ دیتا ہے، اور تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔

حصر، قصر، تخصیص، تینوں کا ایک معنی ہے، اس لیے میں نے تینوں لفظ ذکر کر دیے تاکہ آپ کو یاد رہے۔ تو قصر اس کا معنی بھی تخصیص، اور حصر بند کرنا تخصیص کرنا، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو ضابطہ کیا ذکر ہوا: «تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ»۔ اس چیز کو مقدم کر دینا جس کا حق مؤخر کرنا تھا، یہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ حصر، قصر، اور تخصیص کا۔ تو یہاں پر بھی خبر کا مقام کیا تھا، اس کو مقدم ہونا چاہیے تھا یا مبتدا سے مؤخر ہونا چاہیے تھا؟ اس کو مؤخر ہونا چاہیے تھا، لیکن کیا کر دیا گیا؟ مقدم۔ جب مقدم کیا تو تقدیم ما حقہ التاخیر آ گیا، وہ چیز جس کا حق مؤخر کرنا تھا اس کو مقدم کر دیا گیا اور اس صورت میں یہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ حصر، قصر اور تخصیص کا، تو اس کی وجہ سے تخصیص آ گئی۔ جب تخصیص آ گئی تو اب رجل کا مبتدا بننا صحیح ہے۔ ضابطہ سمجھ میں آیا بھائی؟

«وَسَلَامٌ عَلَيْكَ»، یہ چھٹا طریقہ تخصیص کا۔ یہ ہے «تَخْصِيصٌ بِنِسْبَةٍ إِلَى الْمُتَكَلِّمِ»، متکلم کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے تخصیص

آ گئی بھائی۔ یاد رکھیے یہ اصل میں تھا: «سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَيْكَ»، یہ جملہ فعلیہ تھا: «سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَيْكَ»۔ «سَلَّمْتُ» فعل با فاعل، اور آگے «سَلَامًا» یہ مفعول مطلق ہے۔ آپ نے پڑھا ہو گا: وہ مصدر جو ما قبل فعل کے معنی میں ہو اسے مفعول مطلق کہتے ہیں، جیسے «ضَرَبْتُ ضَرْبًا»، تو یہ لفظِ «ضَرْبًا» کیا ہے؟ مصدر، اور اس سے پہلے کیا آیا؟ فعل، اور یہ مصدر اسی کے ہم معنی ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول مطلق، اور اس پر کیا پڑھتے ہیں؟ نصب پڑھتے ہیں۔ تو یہ اصل میں کیا تھا: «سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَيْكَ»۔ پھر «سَلَّمْتُ» کو حذف کر دیا اور کیا رہ گیا؟ «سَلَامًا عَلَيْكَ»۔

پھر «سَلَامًا عَلَيْكَ»، یہ «سَلَامًا» کا نصب بتلا رہا ہے کہ یہ جملہ فعلیہ تھا۔ فعل کو حذف کیا یا نہیں کیا آپ نے؟ تو یہ جملہ فعلیہ ہے، «سَلَامًا» کا نصب بتلا رہا ہے کیونکہ مفعول مطلق ہے۔ پھر اس کو «سَلَامٌ عَلَيْكَ» کر دیا گیا تا کہ یہ جملہ اسمیہ بن جائے، کیا بن جائے؟ جملہ اسمیہ۔ کیونکہ جملہ فعلیہ جو ہے حدوث پر دلالت کرتا ہے، اور جملہ اسمیہ جو ہے ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے۔

جملہ فعلیہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ حدوث پر۔ حدوث کا معنی ہوتا ہے ایک چیز کا ہونا، پہلے نہیں تھی اور پھر ہوئی اور پھر گزر بھی گئی۔ «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، میں نے زید کی پٹائی کی، معلوم ہوا پہلے ضرب نہیں تھی ایک زمانے میں، پھر میں نے پٹائی کی اور پھر وہ گزر بھی گئی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو ایک چیز کا ہونا جو پہلے نہ ہو، پھر ہو اور گزر جائے، یہ ہے حدوث۔ تو «سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَيْكَ»، پھر اس میں سے «سَلَّمْتُ» حذف کیا تو کیا رہ گیا؟ «سَلَامًا عَلَيْكَ»۔ «سَلَامًا عَلَيْكَ» جملہ فعلیہ ہے اور جملہ فعلیہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ حدوث پر، معلوم ہوا مخاطب دوسرے سامنے والے کو سلام کر رہا ہے اور کیا کہتا ہے: میری طرف سے تم پر سلامتی ہو، تم پر سلامتی ہو۔ اور کون سا جملہ لایا؟ جملہ فعلیہ، اور جملہ فعلیہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ حدوث پر، معلوم ہوا پہلے سلامتی نہیں تھی، سلامتی آئی، ہو اور پھر گزر گئی۔

جبکہ اس کے مقابلے میں جملہ اسمیہ وہ ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔ کس پر؟ ثبوت پر۔ جیسے میں کہتا ہوں «زَيْدٌ قَائِمٌ»، یہ کون سا جملہ ہے؟ جملہ اسمیہ، اور یہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ ثبوت پر، یہ اتنا بتا رہا ہے زید کے لیے قیام ثابت ہے۔ یہ نہیں بتا رہا کہ پہلے نہیں تھا پھر آیا اور پھر ختم بھی ہو گیا، نہیں۔ صرف اتنا بتا رہا ہے زید کے لیے کیا ثابت ہے؟ قیام ثابت ہے۔ جملہ فعلیہ میں ذکر تھا: «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، معلوم ہوا پہلے ضرب نہیں تھی، پھر میں نے ضرب لگائی اور پھر ضرب گزر گئی۔ تو وہ حدوث پر دلالت کرتا ہے، لیکن جملہ اسمیہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ ثبوت پر۔ ایک چیز «زَيْدٌ قَائِمٌ»، زید کے لیے کس چیز کا ثبوت ہے؟ قیام کا۔ پہلے تھا کہ نہیں تھا؟ کوئی ذکر نہیں۔ بعد میں ختم ہو گیا کہ ہے؟ کوئی ذکر نہیں، صرف اتنا ذکر کیا کہ زید کے لیے کس چیز کا ثبوت ہے؟ قیام کا۔

اور پھر یہی جملہ اسمیہ بعض اوقات دوام پر بھی دلالت کرتا ہے، کس پر؟ دوام پر۔ جیسے «زَيْدٌ طَوِيلٌ»، زید لمبے قد والا ہے، زید لمبا ہے۔ اب بتائیے، لمبا قد جب کسی کا ہو تو یہ تھوڑی دیر رہتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے یا مسلسل رہتا ہے پھر؟ مسلسل، دوام کے ساتھ رہتا ہے۔ تو دیکھو جملہ اسمیہ پھر کبھی کبھار دوام پر بھی دلالت کرتا ہے۔ تو یہ بھی چونکہ دعا ہے اور دعا میں کیا بہتر ہے کہ انسان دوسرے پر سلامتی کی دعا دے تو مسلسل دائمی سلامتی کی دعا دے یا تھوڑی دیر کی سلامتی کی دعا دے؟ دائمی، کہ ہمیشہ تم پر کیا ہو؟ سلامتی ہو۔

لہٰذا جملہ فعلیہ دلالت کرتا ہے کس پر؟ حدوث پر، اور جملہ اسمیہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ ثبوت اور دوام پر، ثبوت اور دوام پر۔ لہٰذا یہ تھا «سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَيْكَ»، «سَلَّمْتُ» حذف ہو گیا، کیا رہ گیا؟ «سَلَامًا عَلَيْكَ»۔ کس پر دلالت کر رہا ہے یہ «سَلَامًا»؟ حدوث پر، «سَلَامًا» بتلا رہا ہے کہ یہ کون سا جملہ تھا؟ جملہ فعلیہ۔ تو اس کو بدل دیا گیا، «سَلَامٌ عَلَيْكَ» کر دیا گیا، تو «سَلَامٌ» ہوا مبتدا اور «عَلَيْكَ» ہوئی اس کی خبر۔ تو جملہ فعلیہ کے بجائے کون سا جملہ بنا دیا گیا اس کو؟ جملہ اسمیہ، کس لیے؟ تا کہ حدوث کے بجائے کس پر دلالت کرے؟ ثبوت اور دوام پر، کہ جو میں تمہیں سلامتی کی دعا دے رہا ہوں یہ تھوڑی دیر کے لیے نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے ہے، تم پر ہمیشہ کے لیے سلامتی ہو۔

صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور یہاں تخصیص کیوں آئی کہ یہ سلامتی ہر ایک کی طرف سے ہے یا متکلم کی طرف سے ہے؟ یہ دعا اس کو ہر ایک دے رہا ہے یا متکلم دے رہا ہے؟ متکلم دے رہا ہے، تو اس وجہ سے یہاں پر کیا آ گئی؟ تخصیص آ گئی: «سَلَامٌ عَلَيْكَ» میں کیا آ گئی؟ تخصیص آ گئی، حالانکہ سلام نکرہ ہے۔ لیکن بہر حال اس میں ایک عام ضابطہ یہ ہے کہ مقامِ دعا اور بد دعا میں نکرہ بھی مبتدا بن سکتا ہے۔ مقامِ دعا اور بد دعا میں نکرہ بھی کیا بن سکتا ہے؟ مبتدا، تو یہ بھی چونکہ مقامِ دعا ہے: «سَلَامٌ عَلَيْكَ»، اس لیے سلام نکرہ یہ مبتدا بن رہا ہے۔

اور یہ دعا کس کی طرف سے ہے؟ متکلم کی طرف سے ہے، تو اس کی طرف نسبت ہونے کی وجہ سے اس میں تخصیص آ گئی کہ سلامتی ہو علیک تم پر، یہ سلامتی ہو کس کی طرف سے؟ متکلم کی طرف سے۔ یہ تھے تخصیص کے چھ طریقے۔ یہاں تک سب کو بات سمجھ میں آ گئی؟

ترکیب کیا ہو گی؟ «سَلَامٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «عَلَيْكَ»، علی جارہ، کاف ضمیر مجرور محلاً۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر حرفِ جر «عَلَى» داخل ہوا ہے۔ تو جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہو گا «ثَابِتٌ» سے، «ثَابِتٌ» صیغہ اسم فاعل، مرفوع لفظاً، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ «عَلَيْكَ» اسی سے متعلق ہو رہا ہے، تو یہ «ثَابِتٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر جو لوٹ رہی ہے «سَلَامٌ» مبتدا کو۔ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق یعنی جار مجرور سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ دعا ہے، لہٰذا لفظاً تو یہ خبر ہے لفظوں کے اعتبار سے یہ خبر ہے جملہ خبریہ ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے جملہ انشائیہ ہے، جملہ انشائیہ ہے۔

▪ قولہ: «وَإِنْ كَانَ أَحَدُ الِاسْمَيْنِ مَعْرِفَةً وَالْآ...» کی تشریح

«وَإِنْ كَانَ أَحَدُ الِاسْمَيْنِ مَعْرِفَةً وَالْآخَرُ نَكِرَةً»، بھائی میں نے آپ کو بتلایا اوپر صاحب ہدایت النحو نے بھی آپ کو بتایا کہ مبتدا میں اصل کیا ہے؟ معرفہ ہونا، اور خبر میں اصل کیا ہے؟ نکرہ ہونا۔ تو لہٰذا آپ کے پاس اگر دو اسم ہوں اور ان سے مل کر بات پوری ہو رہی ہے جملہ پورا ہے، اور ان میں سے ایک معرفہ ہے اور ایک نکرہ ہے، تو یاد رکھو ہمیشہ معرفہ کو مبتدا بنانا اور نکرہ کو کیا بنانا؟ خبر بنانا۔

یہی بات بیان کر رہے ہیں: «وَإِنْ كَانَ أَحَدُ الِاسْمَيْنِ مَعْرِفَةً وَالْآخَرُ نَكِرَةً فَاجْعَلِ الْمَعْرِفَةَ مُبْتَدَأً وَالنَّكِرَةَ خَبَرًا الْبَتَّةَ كَمَا مَرَّ»، اور اگر دو اسموں میں سے ایک جو ہے معرفہ ہو اور دوسرا نکرہ ہو تو بنا دے معرفہ کو مبتدا اور نکرہ کو خبر قطعی طور پر، جیسے کہ بات گزر گئی ہم نے اوپر آپ کو بتلایا بھی تھا کہ مبتدا میں اصل کیا ہے؟ معرفہ ہونا اور خبر میں اصل ہے نکرہ ہونا۔

«وَإِنْ كَانَا مَعْرِفَتَيْنِ»، اب دوسری صورت: بھائی آپ کے پاس ایک کلام ہے دو لفظوں سے مل کر بن رہا ہے اور وہ ان سے مل کر بات پوری ہو رہی ہے پورا جملہ ہے اور دونوں معرفہ ہیں، دونوں لفظ کیا ہیں؟ معرفہ۔ تو پھر کس کو مبتدا بنائیں، کس کو خبر بنائیں؟ کہتے ہیں بھائی جس کو چاہے آپ مبتدا بنا دیں کیونکہ دونوں معرفہ ہیں، اور جس کو چاہے خبر بنا دیں۔ دونوں جب معرفہ ہیں تو جس کو چاہے مبتدا بنا دیں جس کو چاہے خبر، لیکن جس کو مبتدا بنانا ہے اس کو مقدم رکھنا، جس کو مبتدا بنانا ہے اس کو مقدم رکھنا اور جس کو خبر بنانا ہے اس کو مؤخر۔

وجہ یہ کہ فرض کریں اگر آپ چاہتے ہیں جی دونوں معرفہ ہیں میں بعد والے کو کیا بناتا ہوں؟ مبتدا، اور جو پہلے آیا اس کو کیا بناتا ہوں؟ خبر۔ تو سننے والے کو تو نہیں پتہ چلے گا، وہ تو دونوں لفظ معرفہ ہیں دونوں مبتدا بن سکتے ہیں، وہ تو یہی سمجھے گا شاید پہلا لفظ کیا ہے؟ مبتدا ہے اور دوسرا کیا ہے؟ خبر، کیونکہ مبتدا میں اصل ہے مقدم ہونا اور خبر میں اصل ہے مؤخر ہونا، تو وہ پہلے کو مبتدا سمجھے گا۔ اور کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جس سے فرق کیا جا سکے دونوں میں، لہٰذا جب دونوں لفظ معرفہ ہوں آپ جس کو چاہے مبتدا بنائیں جس کو چاہے خبر بنائیں، لیکن جس کو بھی مبتدا بنانا چاہتے ہیں اس کو کیا کر دیں؟ مقدم کر دیں اور دوسرے کو مؤخر کر دیں۔

تو کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَا مَعْرِفَتَيْنِ فَاجْعَلْ أَيَّهُمَا شِئْتَ مُبْتَدَأً وَالْآخَرَ خَبَرًا»، اور اگر دونوں اسم معرفہ ہوں تو بنا دے ان دونوں میں سے جس کو چاہے مبتدا اور دوسرے کو خبر، «نَحْوُ: اللّٰهُ تَعَالَى إِلٰهُنَا»۔ آپ کے پاس دو لفظ ہیں بھائی: اللہ تعالیٰ اور الہنا۔ اور جس کو چاہے مبتدا بنائیں، لیکن جس کو مبتدا بنائیں اس کو مقدم کر دیا، تو اللہ تعالیٰ یہ کیا ہے؟ مبتدا، اور الہنا اس کی خبر، الہنا اس کی خبر۔

ترکیب کیسے ہو گی؟ لفظِ اللہ مرفوع لفظاً، آگے «تَعَالَى» فعل آیا۔ بھائی میں نے آپ کو ایک ضابطہ بتلایا تھا: نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے۔ شروع کتاب میں کئی جگہ یہ ضابطہ ذکر ہوا، خصوصاً کلمہ کی تعریف میں بھی «الْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ»، تو وہاں پر بھی میں نے ذکر کیا تھا: نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنتا ہے۔ اور معرفہ کے بعد اگر فعل آ جائے تو وہ عموماً اس کے لیے حال بنتا ہے۔ اور لفظِ اللہ کیا ہے؟ معرفہ، کیونکہ علم ہے، بلکہ لفظِ اللہ علی الاطلاق أعرف المعارف ہے، تمام معرفہ میں سے سب سے زیادہ تعریف کس کے اندر ہے؟ لفظِ اللہ کے اندر ہے، تو یہ أعرف المعارف ہے بھائی۔

سمجھ میں آیا؟ امام سیبویہ بھائی بہت بڑے نحو کے امام گزرے ہیں بھائی، وفات کے بعد ان کو خواب میں کسی نے دیکھا اور پوچھا کہ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو جواب میں فرمانے لگے کہ اللہ نے میری مغفرت فرما دی۔ پوچھا کس بات پر اللہ نے آپ کی مغفرت فرمائی؟ تو فرمانے لگے کہ میں اس بات کا قائل تھا کہ لفظِ اللہ علی الاطلاق أعرف المعارف ہے، اس میں تمام معرفوں سے زیادہ تعریف سب سے زیادہ معرفہ کون سا ہے بڑا جس میں تعریف سب سے

زیادہ ہے؟ وہ لفظِ اللہ ہے، میں چونکہ اس بات کا قائل تھا اس لیے اس بات پر اللہ نے میری مغفرت فرمادی بھائی۔

تو لفظِ اللہ تو یہ معرفہ ہے اور معرفہ کے بعد «تَعَالَى» یہ فعل آگیا، اور معرفہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ حال۔ تو لفظِ اللہ کو ابھی مبتدا نہ بنائیں ابھی کیا کہیں؟ یہ ذوالحال ہے۔ لفظِ اللہ مرفوع لفظاً ذوالحال، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ ذوالحال، آگے «تَعَالَى» فعل۔ «تَعَالَى» فعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر فعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، تو اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو راجع ہے ذوالحال کو، یہ عائد ہم نے بتلادیا کیونکہ یہ جملہ حال بنے گا اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑا جائے درمیان میں کیا ضروری ہے؟ عائد اور ربط کا ہونا ضروری ہے۔ تو «هُوَ» ضمیر راجع ہے ذوالحال کو، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر مبتدا۔

اور «إِلٰهُنَا»، جی اب آگے آپ ترکیب کیجیے بتایئے بھائی: الہ معبود، نا ضمیر ہے۔ اعراب بتاؤ: «إِلٰهُ» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: «إِلٰهُ»۔ اور مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا؟ جس اسم کے ساتھ بھی کیا آجائے؟ ضمیر متصل، تو مضاف ہوا۔ نا ضمیر کا اعراب بتاؤ بھائی: مجرور محلاً مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے مبنیات میں سے ہے۔ تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اب دیکھیے، لفظِ اللہ بھی معرفہ، الہنا یہاں بھی الہ لفظ کس کی طرف مضاف ہے؟ ضمیر کی طرف، اور ضمیر کی طرف جو لفظ مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ، تو دونوں معرفہ ہیں۔ لفظِ اللہ بھی معرفہ اور الہنا بھی معرفہ۔ تو جس کو مبتدا بنائیں گے اس کو مقدم رکھیں گے، اور الہنا کو جس کو خبر بنایا تو اس کو مؤخر رکھا۔ آپ چاہتے ہیں الہنا کو مبتدا بنائیں تو اس کو مقدم کرنا پڑے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

■ قولہ: «وَمُحَمَّدٌ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَس...» کی تشریح

«وَمُحَمَّدٌ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»۔ جی، دیکھیے لفظِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی معرفہ، اور «نَبِيُّنَا» یہ بھی کیا ہے؟ معرفہ۔ ترکیب کیجیے بھائی جلدی جلدی کیجیے: «مُحَمَّدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور «نَبِيُّنَا»، «نَبِيٌّ» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا مضاف ہے؟ اس اسم کے ساتھ ضمیر متصل جڑی ہوئی ہے تو مضاف۔ اور نا ضمیر کا اعراب بتاؤ: مجرور محلاً مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ محلاً کیوں؟ ضمیر ہے مبنیات میں سے ہے۔ تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

«اللّٰهُ تَعَالَى إِلٰهُنَا»، اللہ تعالیٰ ہمارے معبود ہیں، «وَمُحَمَّدٌ نَبِيُّنَا»، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیغمبر ہیں۔ «وَآدَمُ أَبُونَا عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ»، اور حضرت آدم علیہ السلام ہمارے باپ ہیں۔ تو «آدَمُ» اعراب بھائی؟ مرفوع لفظاً مبتدا، اس پر تنوین نہیں آئی کیونکہ یہ غیر منصرف ہے۔ غیر منصرف کے دو اسباب کیا؟ ایک تو یہ نام ہے، علمیت ہے، دوسرا عجمہ ہے عجمی نام ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام تو سب سے پہلے بھیجے گئے، اور اس وقت ابھی عربی زبان کا وجود ہی نہیں تھا جب وہ آئے بھائی، عربی زبان تو بہت بعد میں بنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کے بعد بھائی۔ تو یہ عجمی نام ہے۔ تو مرفوع لفظاً مبتدا۔

«أَبُونَا»، جی اعراب سب سے پہلے بھائی: «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کیا ہے اس کا رفع؟ واؤ ہے، کیونکہ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یائے متکلم۔ تو یہ مضاف، نا ضمیر کا اعراب: مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ دو اسم ہوں ایک معرفہ اور ایک نکرہ ہو تو کس کو مبتدا بناؤ؟ معرفہ کو، اور دوسرے کو خبر۔ اور اگر دونوں معرفہ ہوں تو جس کو چاہے مبتدا بنادیں لیکن جس کو مبتدا بنائیں اس کو مقدم رکھیں۔

■ قولہ: «وَقَدْ يَكُونُ الْخَبَرُ جُمْلَةً اسْمِيَّةً» کی تشریح

«وَقَدْ يَكُونُ الْخَبَرُ جُمْلَةً اسْمِيَّةً»، اور کبھی کبھار خبر وہ جملہ اسمیہ ہوتی ہے، میں نے آپ کو بتایا تھا کبھی کبھار خبر کیا ہوتی ہے؟ جملہ ہوتی ہے، اور

وہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ فعلیہ بھی۔ یہ دیکھو دونوں بیان کریں گے۔ کہتے ہیں: «وَقَدْ يَكُونُ الْخَبَرُ جُمْلَةً اسْمِيَّةً نَحْوُ: زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ»، اور کبھی کبھار خبر جو ہے وہ جملہ اسمیہ ہوتی ہے، «أَوْ فِعْلِيَّةً نَحْوُ: زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ»، یا کبھی کبھار خبر جملہ فعلیہ ہوتی ہے جیسے «زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ»، «أَوْ شَرْطِيَّةً نَحْوُ: زَيْدٌ إِنْ جَاءَنِي فَأَكْرَمْتُهُ»، یا خبر کبھی کبھار جملہ شرطیہ ہوتی ہے، «أَوْ ظَرْفِيَّةً نَحْوُ: زَيْدٌ خَلْفَكَ وَعَمْرٌو فِي الدَّارِ»، یا خبر کبھی کبھار جملہ ظرفیہ ہوتی ہے بھائی۔

تو خبر کبھی کبھار جملہ ہوتی ہے، پھر وہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتی ہے، جملہ فعلیہ بھی، جملہ شرطیہ بھی، اور جملہ ظرفیہ بھی۔ اب ترکیب آپ نے کرنی ہے بھائی: «زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ»، جملہ اسمیہ ہے۔ ترکیب کیجیے بھائی جلدی جلدی: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، آگے «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدائے ثانی ہے۔ اور مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا مضاف ہے؟ اس کے ساتھ ضمیر متصل آ رہی ہے یہ ہا ضمیر ہے۔ آگے ہا ضمیر کا اعراب بتاؤ: ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدائے ثانی، شاباش۔

آگے «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ جی، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل جو لوٹ رہا ہے «أَبُوهُ» کی طرف۔ شاباش! «قَائِمٌ» کو ہم نے «أَبُوهُ» سے جوڑنا ہے کہ «زَيْدٌ» سے جوڑنا ہے؟ «قَائِمٌ» «أَبُوهُ» کی خبر ہے، پھر یہ پورا جملہ خبر کس کی بنے گا؟ «زَيْدٌ» کی، تو لہٰذا «قَائِمٌ» کے اندر «هُوَ» ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ «أَبُوهُ» کو۔ تو صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، عائد ہم نے بتا دیا کہ «هُوَ» ضمیر تھی، تو خبر۔ اب «أَبُوهُ» مبتدا اپنی خبر «قَائِمٌ» سے ملا، تو مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر خبر کس کے لیے؟ «زَيْدٌ» کے لیے۔

کیسے «زَيْدٌ»، پورے جملے کو آپ خبر بنا رہے ہیں اور کوئی ربط دیا آپ نے؟ پورے جملے کو ربط نہیں دیا «زَيْدٌ» کے ساتھ بھی جوڑنا ہے یا نہیں جوڑنا؟ جملے اور شبہ جملے کو جب بھی کسی سے جوڑنا ہو کیا چاہیے درمیان میں؟ ربط، عائد چاہیے، اور عموماً کس صورت میں ہوتا ہے؟ غائب کی ضمیر ہوتی ہے، بتایئے اب! ہا ضمیر، ہاں یہ «أَبُوهُ»، یہ ہا ضمیر آپ کو نظر آئی کہ نہیں بھائی؟ یہ کیوں لے کر آئے یہاں پر؟ اگر یہ ضمیر نہ ہوتی ربط ہی نہیں آنا تھا، جڑنا ہی نہیں تھا جملہ۔ یہ ہا ضمیر یہاں نہ ہوتی تو یہ جملہ خبر بن ہی نہیں سکتا تھا اس کے لیے، تو یہ ہا ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ یہ «أَبُوهُ» کے آخر میں جو ہا ضمیر ہے یہ لوٹ رہی ہے «زَيْدٌ» کو۔

اور دیکھو ہا ضمیر بھی مفرد مذکر اور زید بھی کیا ہے؟ مفرد مذکر، لہٰذا ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہے۔ تو لہٰذا یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔ اب آپ سے کوئی پوچھے «أَبُوهُ قَائِمٌ» اس پورے جملے کا اعراب بتاؤ، کیا جواب دیں گے؟ مرفوع محلاً۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے یہ جملہ، اور محلاً کیوں؟ کیونکہ جملہ ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ خبر ہونے کی بنا پر یہ مرفوع محلاً ہے، یہ «أَبُوهُ» پر رفع اس وجہ سے نہیں آیا، «قَائِمٌ» پر رفع اس وجہ سے نہیں وہ ان کا اپنا رفع ہے مبتدا خبر ہونے کی بنا پر، خبر ہونے کی بنا پر وہ رفع یہاں نہیں ہے وہ محلاً مرفوع ہے یہ۔

اچھی طرح ترکیب سمجھ میں آ گئی؟ اب ذرا معنی بھی کر دو بھائی: «زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ»۔ زید کہ اس کا باپ کھڑا ہے، زید کہ کھڑا ہے اس کا والد، یعنی آسان لفظوں میں کہو: زید کے والد کھڑے ہیں۔ اور قائم کون ہے؟ اس کا باپ، اور قائم میں ضمیر بھی کس کو لوٹی تھی؟ «أَبُوهُ» کو۔

▪ قولہ: «أَوْ فِعْلِيَّةً» کی تشریح

«أَوْ فِعْلِيَّةً»، یا کبھی کبھار خبر کیا ہو گی؟ جملہ فعلیہ جیسے «زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ»۔ چلیے جی، ترکیب کیجیے: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ آگے «قَامَ» فعل، «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے «قَامَ» کے لیے، اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں اور رفع اس کا کیا ہے؟ واؤ۔ «أَبُو» واؤ بتلا رہا ہے کہ یہ مرفوع ہے۔ مضاف ہے، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ جس اسم کے ساتھ ضمیر متصل آ جائے تو وہ مضاف اور مضاف الیہ بنتے ہیں۔ تو ہا ضمیر کا بھی اعراب بتاؤ: مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل «قَامَ» فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر کس کے لیے؟ زید کے لیے۔

ہاں بتایئے بھائی، یہ جملہ فعلیہ زید کے لیے خبر بن سکتا ہے؟ ہا ضمیر لوٹے گی زید کو۔ شاباش، انہوں نے عائد نہیں بتلایا تھا اب بتا دیا، جملے کو جب جوڑنا ہے بغیر عائد کے نہیں، یہ اسی لیے یہ ہا ضمیر لے کر آئے اس کے بغیر بات بنتی ہی نہیں ہے۔ تو یہ ہا ضمیر لوٹ رہی ہے مبتدا کو، تو «قَامَ أَبُوهُ» پورا جملہ اس کے اندر

ہمیں ایک ضمیر چاہیے تھی اور وہ ضمیر کیا ہے؟ «أَبُوهُ» کے آخر میں ہا ضمیر، جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ مبتدا کو۔ تو یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اب آپ سے کوئی پوچھے «قَامَ أَبُوهُ» اس پورے جملے کا اعراب بتاؤ، آپ کیا کہیں گے؟ مرفوع محلاً۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، اور محلاً کیوں؟ کیونکہ جملہ ہے۔ تو یہ نہ کہنا کہ «قَامَ» مرفوع ہے، «قَامَ» نہیں مرفوع، «قَامَ أَبُوهُ» پورا جملہ مرفوع ہے، پورا جملہ کیا ہے؟ مرفوع ہے خبر ہونے کی بنا پر۔

ترجمہ کرو: «زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ»، زید کے کھڑا ہوا اس کا والد، یعنی آسان لفظوں میں کہو: زید کے والد کھڑے ہوئے۔ زید کے کھڑے ہونے کی بات نہیں ہو رہی، زید کو ویسے ذکر کیا ہے، کس کے کھڑے ہونے کی بات ذکر ہو رہی ہے؟ اس کے والد کے کھڑے ہونے کی۔ پچھلے جملے میں بھی اسی طرح تھا: «زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ»، زید کہ کھڑا ہے اس کا باپ، زید ویسے ذکر کر دیا، بتلانا کیا مقصد ہے کہ زید کا باپ کھڑا ہے۔

اب ترکیب سمجھ میں آ رہی ہے بھائی؟ دیکھا، اب یہ آگے ہم چلتے جائیں گے ترکیب بڑھتی جائے گی، وہ ضابطوں پر کبھی کبھی ان کو تکرار کرتے رہنا، آپ دیکھتے جائیں گے آپ کی ترکیب بہتر سے بہتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اب جو بات ہو گی آپ کے سر کے اوپر سے نہیں گزرے گی، سمجھ آئے گی کم از کم آپ کو۔ تو یہ ضابطے ان کا تکرار بھی کرتے رہو اور یہ جو آج ترکیبیں ہوئیں ان کو بھی خوب اچھی طرح دہراؤ بھائی۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۵: اقسامِ خبر: خبر کا جملہ اسمیہ، فعلیہ، شرطیہ اور ظرفیہ ہونا

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۲—بتاریخ: ۲۴ دسمبر ۲۰۱۴ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

أَوْ شَرْطِيَّةً، نَحْوُ: زَيْدٌ إِنْ جَاءَنِي فَأَكْرَمْتُهُ، أَوْ ظَرْفِيَّةً، نَحْوُ: زَيْدٌ خَلْفَكَ، وَعَمْرٌو فِي الدَّارِ، وَالظَّرْفُ مُتَعَلِّقٌ بِجُمْلَةٍ عِنْدَ الْأَكْثَرِ، وَهِيَ: اسْتَقَرَّ، مَثَلًا تَقُولُ: زَيْدٌ فِي الدَّارِ، تَقْدِيرُهُ: زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ.

مبتدا خبر کی بحث چل رہی ہے۔ صاحبِ ہدایۃ النحو نے آپ کو بتلایا کہ کبھی کبھار مبتدا کی خبر جملہ ہوتی ہے، اور وہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتی ہے، جملہ فعلیہ بھی، جملہ شرطیہ بھی اور جملہ ظرفیہ بھی۔ اور جملہ اسمیہ اس کی مثال بھی گزر گئی: «زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ»، اور جملہ فعلیہ: «زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ»، یہ مثال بھی گزر گئی۔ اب آگے بتلا رہے ہیں: اور کبھی کبھار مبتدا کی خبر جملہ شرطیہ ہو گی، نحو: «زَيْدٌ إِنْ جَاءَنِي فَأَكْرَمْتُهُ»۔

اب ترکیب سنیے بھئی، ترکیب کیسے ہو گی؟ یاد رکھیے، جو جملہ شرطیہ ہوتا ہے اس میں دو جملے ہوتے ہیں۔ ایک جز کو، پہلے جز کو شرط کہتے ہیں، دوسرے جز کو جزا کہتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «إِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ»، «إِنْ تَضْرِبْ» اگر آپ پٹائی کریں گے، «أَضْرِبْ» تو میں بھی پٹائی کروں گا۔ تو دیکھو، «إِنْ تَضْرِبْ» اگر آپ پٹائی کریں گے، یہ ایک جملہ؛ اور «أَضْرِبْ» تو میں پٹائی کروں گا، یہ دوسرا جملہ۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہاں پر بھی اب یہ پورا جملہ شرطیہ، یہ خبر بنے گا مبتدا کے لیے۔

ترکیب یوں ہو گی: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «إِنْ» حرفِ شرط۔ «جَاءَ» فعل، اور اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو۔ تو یہ دیکھا عائد آگیا بھئی۔ عائد ضروری تھا یا نہیں جملے میں خبر ہو تو؟ تو «جَاءَ» فعل، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ نون وقایہ۔ یا ضمیر اعراب بھئی، منصوب محلاً مفعول بہ؛ کیونکہ مفعول ہے اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، اور محلاً کیوں؟ کیونکہ یہ ضمیر ہے۔

اور یہ نون کیا ہے؟ یہ نونِ وقایہ ہے۔ میں نے آپ کو پہلے بھی بتلایا تھا، شاید غالباً ذکر کیا ہو گا نونِ وقایہ کے بارے میں بھئی۔ تو یہ جو نون ہے، یہ نونِ وقایہ ہے بھئی۔ وقایہ کا معنیٰ: بچانا، حفاظت کرنا۔ بھئی دیکھیے، «جَاءَ» یہ ماضی ہے، اور ماضی کیا ہوتی ہے؟ مبنی علی الفتح۔ اور اس کے بعد یا ضمیر ہم اس کو مفعول بنانا چاہتے ہیں۔ مثلاً دوسری مثال سے سمجھو: «ضَرَبَ»۔ «ضَرَبَ»، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر فاعل، پٹائی کی اس نے۔ اب متکلم کہنا چاہتا ہے کہ اس نے میری پٹائی کی، اس نے میری۔ تو اب میرے کے لیے یا ضمیر لائے گا۔ اب یا ضمیر کو «ضَرَبَ» کے ساتھ جوڑیں تو کہنا پڑے گا «ضَرَبِي»، کیا کہنا پڑے گا؟ «ضَرَبِي»۔ تو «ضَرَبِي» کہنا پڑے گا، کیونکہ یا اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے، یا اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے۔ لیکن «ضَرَبَ» تو ماضی ہے اور ماضی جو ہے وہ مبنی علی الفتح ہوتی ہے، ماضی کیا ہوتی ہے؟ مبنی علی الفتح۔

تو یا ضمیر اور یہ یا اپنے سے ماقبل کیا چاہتی ہے؟ کسرہ۔ لیکن یہاں «ضَرَبِي» ہم یہ با پر کسرہ نہیں لا سکتے کیونکہ «ضَرَبَ» ماضی ہے اور ماضی کیا ہوتی ہے؟ مبنی ہوتی ہے، آپ نے پڑھا ہے بھئی۔ ماضی کیا ہے؟ مبنی ہے۔ آپ نے پڑھا تھا بھئی، مبنی الاصل تین چیزیں ہیں: فعلِ ماضی، تمام حروف اور امر حاضر معروف۔ تو اور امر حاضر بھئی۔ تو یہ تین چیزیں، یہ تو مبنی الاصل ہیں، تو ماضی بھی کیا ہوئی؟ مبنی الاصل۔ لہٰذا «ضَرَبَ» یہ «ضَرَبَ» کی با پر فتحہ ہی رہے گا، اس کو کسرہ

نہیں دے سکتے۔ اب کیا کریں؟ ماقبل میں ہے «ضَرَبَ» اور مابعد میں کیا ہے؟ یا، اور «ضَرَبَ» کی با پر زیر آ نہیں سکتی اور یا اپنے سے ماقبل ہر حال میں کیا چاہتی ہے؟ کسرہ چاہتی ہے بھئی۔

لہٰذا اب اس کا حل یوں کیا گیا کہ یا اور با کے درمیان نون لے آئے، یا یوں کہیں: اس فعلِ ماضی اور یا کے درمیان کیا لے آئے؟ نون لے آئے، اور اس نون کو کسرہ دے دیا۔ اب دونوں مسئلے حل ہو گئے: ماضی اسی طرح اپنی حالت پر برقرار رہی اور یا اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی تھی وہ کسرہ بھی آ گیا۔ تو اس نون کو کیا کہتے ہیں؟ نونِ وقایہ۔ وقایہ کا معنٰی حفاظت کرنا، بچانا۔ اس نون نے بھی کیا کیا؟ ماضی کے آخر کو بچا لیا، اس کو اسی طرح برقرار رکھا، کسرہ آنے سے اس کو بچا لیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ نونِ وقایہ ہے، یہ بڑھاتے ہیں صرف اس لیے بھئی۔

تو «جَاءَ» فعل، اب دوبارہ سنیں بھئی: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «إِنْ» حرفِ شرط۔ «جَاءَ» فعل، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو راجع ہے زید کو، یہ عائد آ گیا بھئی۔ نون وقایہ کا۔ یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہٖ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے مل کر شرط۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے مل کر شرط۔ فاجزائیہ، یہ جزا پر داخل ہوتی ہے۔ فاجزائیہ۔ «أَكْرَمْتُ» فعل بافاعل، اور اس کے اندر فاعل کیا ہے؟ تا ضمیر، اس کا اعراب: مرفوع محلاً۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے۔ اور اگر کوئی کہے: اس پر تو ضمہ باقاعدہ لفظوں میں آپ پڑھ رہے ہیں «فَأَكْرَمْتُ»، تو آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ یہ اس کی حرکت ہے، یہ اعراب نہیں ہے، یہ تو ضمیر ہے، ضمیر تو مبنی ہے۔ تو یہ تا ضمیر ہے۔ اور اگر اس کا خاص نام لینا ہو تو کیا نام لیں گے؟ تُو ضمیر بھئی، تُو ضمیر اس کا فاعل۔

اور آگے ہا ضمیر، ہاں ہا کہیں گے، شاباش! عموماً طلبہ اس کو «هُو» پڑھتے ہیں «فَأَكْرَمْتُهُ»، چونکہ اس پر ہا پر اس پر پیش ہم پڑھ رہے ہیں تو ترکیب میں بھی کیا کہتے ہیں: «هُو» ضمیر مفعول بہٖ، حالانکہ «هُو» ضمیر نہیں۔ میں نے بتایا تھا کہ نام کم از کم کتنے حروف پر مشتمل ہوتا ہے؟ تین پر۔ سمجھ میں آئی بات؟ نام کم از کم تین حروف پر مشتمل ہوتا ہے اور «هُو» یہ تو آپ ایک حرف پڑھ رہے ہیں۔ تو لہٰذا جب ایک حرف پر کوئی کلمہ مشتمل ہو جیسے یہ ہا، تو اس کا وہ نام لیتے ہیں جو الف، با، تا، ثا حروفِ تہجی میں ہے، اور حروفِ تہجی میں اس حرف کا کیا نام ہے؟ ہا ہے۔ صورت سمجھ جیسے میں مثال ذکر کرتا ہوں تاکہ بات اور واضح ہو جائے، بار بار آپ کے سامنے ذکر کرتا ہوں تاکہ یہ چیزیں آپ کے ذہن نشین ہو جائیں۔ جیسے بسم اللہ کی ترکیب کسی سے کرواؤ تو وہ کہتا ہے، وہ کس طرح شروع کرتا ہے؟ باجارہ۔ بھئی، بِ جارہ کیوں نہیں کہتے؟ اس لیے کیونکہ بِ یہ ایک حرف ہے اور اس کا نام لینا ہے تو نام کم از کم کتنے حروف پر مشتمل ہوتا ہے؟ تین پر۔ تو پھر کون سا نام لیتے ہیں؟ وہ جو حروفِ تہجی الف، با، تا میں ہے اس کا نام، اور وہاں اس کا نام با ہے تو کس طرح کہتے ہیں؟ باجارہ۔

تو یہ ہا ضمیر، «فَأَكْرَمْتُهُ» کے آخر میں ہا ضمیر، اس کا اعراب بتاؤ بھئی۔ منصوب محلاً۔ مرفوع کیوں نہیں؟ کیونکہ فعل کے آنے کے بعد مرفوع ایک ہی آ سکتا ہے اور وہ کیا تھا؟ فاعل، اور وہ گزر گیا۔ اب باقی آگے سارے منصوبات یا مجرورات ہوں گے۔ تو یہ منصوب محلاً مفعول بہٖ۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ، فعل فعلیہ خبریہ ہو کر جزا۔ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا۔ شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر خبر۔ نظر ہے ترکیب پہ؟ «إِنْ جَاءَنِي» یہ کیا تھا؟ شرط۔ «فَأَكْرَمْتُهُ» یہ کیا ہوئی؟ جزا۔ شرط اور جزا مل کر یہ خبر ہوئی، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ زید مبتدا کے لیے۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی بھئی؟

■ قولہ: «أَوْ ظَرْفِيَّةً» کی تشریح

«أَوْ ظَرْفِيَّةً» یا وہ مبتدا کی خبر کبھی جملہ ظرفیہ ہو گا، نحو مثال کے طور پر: «زَيْدٌ خَلْفَكَ»، زید آپ کے پیچھے ہے۔ یا پہلے پچھلے جملے کا ترجمہ سنیں: «إِنْ جَاءَنِي زَيْدٌ»، «زَيْدٌ إِنْ جَاءَنِي فَأَكْرَمْتُهُ»، زید اگر وہ میرے پاس آیا «فَأَكْرَمْتُهُ» تو میں اس کا اکرام کروں گا؛ زید اگر وہ میرے پاس آیا تو میں اس کا اکرام کروں گا۔ کون آیا میرے پاس؟ زید۔ «جَاءَ» ضمیر کس کو لوٹ رہی تھی؟ زید کو۔ تو آسان لفظوں میں یوں کہو: اگر زید میرے پاس آیا تو میں اس کا اکرام کروں گا۔

اچھا، اور کبھی کبھار مبتدا کی خبر جملہ ظرفیہ ہوتی ہے، نحو: «زَيْدٌ خَلْفَكَ»، زید آپ کے پیچھے ہے، «وَعَمْرٌو فِي الدَّارِ» اور عمرو گھر میں ہے، دو جملے ذکر کیے بھئی مصنف نے۔ جملہ ظرفیہ کسے کہتے ہیں، پہلے یہ سمجھ لیں۔ یاد رکھیے، جملہ ظرفیہ وہ جملہ جس کا ایک جز ظرف ہو۔ جملہ ظرفیہ وہ ہے جس کا ایک جز کیا ہو؟ ظرف ہو۔ ایک جز ظرف ہو۔ اور یاد رکھیے، ظرف، ظرف وہ جس میں جگہ، ظرف جگہ اور مکان کے لیے بولتے ہیں۔ ظرف کسے کہتے ہیں؟ جگہ اور

مکان کے لیے بھئی، جگہ اور مکان جو ہے وہ ظرف ہے بھئی۔ اسی طرح یاد رکھو، جار مجرور کو بھی مجازاً ظرف کہتے ہیں۔ جار مجرور کو بھی مجازاً کیا کہتے ہیں؟ ظرف۔ ایک تو ظرفِ حقیقی ہے، جس میں کون سا معنیٰ ہو؟ جگہ یا مکان، جس میں بھی جگہ اور مکان والا معنیٰ ہے وہ عموماً ظرف ہی بنتا ہے بھئی۔

جگہ اور زمانہ، جگہ اور زمانہ۔ دیکھو بھئی، «ضَرَبْتُ زَيْدًا» میں نے زید کی پٹائی کی۔ یہ جو پٹائی ہے، کسی زمانے میں ہوئی ہو گی کہ نہیں؟ آپ مجھے بتایئے، کسی نہ کسی زمانے میں ہوئی۔ تو اور اسی طرح کسی نہ کسی جگہ پر ہوئی ہو گی، یا میں نے اس کی سڑک پر پٹائی کی، یا گھر پر پٹائی کی، یا مدرسے میں پٹائی کی، کوئی نہ کوئی جگہ بھی چاہیے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جس چیز میں جگہ اور زمانے والا معنیٰ پایا جائے اسے کیا کہتے ہیں؟ ظرف کہتے ہیں۔ ظرف کا اصل معنیٰ ہوتا ہے برتن، برتن۔ تو یہ جو فعل ہوا، اس کے لیے جس زمانے میں ہوا وہ زمانہ اس کے لیے کیا ہے؟ ظرف ہے۔ جیسے برتن کے اندر ایک چیز ہوتی ہے، اسی طرح وہ فعل بھی کیا ہے؟ اس زمانے کے اندر ہے۔ اسی طرح جیسے ایک برتن کے اندر کوئی چیز ہوتی ہے، اسی طرح وہ جگہ جہاں پٹائی ہوئی وہ جگہ بھی کیا ہے؟ اس ضرب کے لیے برتن کی طرح ہے، اس جگہ میں کیا ہوئی ہے؟ پٹائی ہوئی ہے۔ تو وہ جگہ بھی کیا ہوئی؟ ظرف ہوئی، اس فعل کے لیے ظرف۔ اسی طرح وہ زمانہ بھی کیا ہوا؟ اس فعل کے لیے ظرف۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو جو زمانہ اور جگہ ہے، یہ اس کو ظرف کہتے ہیں، اور یہ تو حقیقتاً ظرف ہے۔ جگہ اور زمانہ کیا ہیں؟ حقیقتاً ظرف۔ بھئی، جیسے برتن کے اندر چیز ہوتی ہے، تو جو بھی آپ فعل کریں گے کسی نہ کسی زمانے میں ہو گا، تو وہ زمانہ اس کے لیے کیا ہے؟ ظرف ہے، برتن کی طرح ہے، اس نے اس کو گھیرا ہوا ہے، اس کے اندر ہے وہ فعل۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح جو بھی آپ فعل کریں وہ کسی نہ کسی جگہ پر کریں گے، تو وہ جگہ کیا ہوئی اس کے لیے؟ ظرف ہوئی، اس نے جیسے برتن نے ایک چیز کو گھیرا ہوتا ہے اپنے اندر، اسی طرح اس جگہ نے بھی کیا کیا ہے؟ اس فعل کو اپنے اندر گھیرا ہوا ہے۔ تو یہ جو جگہ اور زمانہ ہے، یہ تو ظرفِ حقیقی ہیں۔ یہ کیا ہیں؟ ہر فعل کے لیے جگہ بھی چاہیے اور زمانہ بھی چاہیے، تو یہ ظرفِ حقیقی ہیں۔ اور جبکہ جار مجرور، ان کو مجازاً ظرف کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ مجازاً ظرف کہتے ہیں۔

مجازاً کیوں کہتے ہیں؟ چلیے، آپ کے لیے وجہ ذکر کر دیتا ہوں اگر یاد رہ جائے آپ کو۔ بھئی، یاد رکھو، یہ جو ظرف ہوتا ہے نا، اس کے لیے ہمیشہ عامل چاہیے۔ ظرف کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ عامل چاہیے۔ «ضَرَبْتُ الْيَوْمَ»، «اَلْيَوْمَ» زمانے کا نام ہے۔ یوم کا معنیٰ ہوتا ہے دن، اور «اَلْيَوْمَ» کا معنیٰ ہے آج۔ جب الف لام آجائے تو اس کا معنیٰ ہے آج۔ تو «ضَرَبْتُ الْيَوْمَ» میں نے آج پٹائی کی۔ معلوم ہوا یہ آج کا دن ظرف ہے، کس کے لیے؟ اس پٹائی کے لیے جو میں ذکر کر رہا ہوں۔ اسی کے اندر اندر یہ پٹائی ہوئی ہے، اس سے باہر پٹائی نہیں ہوئی۔ تو یہ ظرف کی طرح اس دن نے اس پٹائی کے فعل کو گھیرا ہوا ہے، اسی کے اندر وہ پٹائی ہوئی ہے۔ تو اب دیکھیے، «اَلْيَوْمَ» یہ کیا بنے گا؟ مفعول فیہ بنے گا۔ کیا بنے گا؟ مفعول فیہ بنے گا۔ اور مفعول فیہ، اس کے لیے کوئی عامل چاہیے یا خود بخود بن جاتا ہے؟ اس کے لیے یہ «ضَرَبْتُ» فعل عامل ہے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ اس کے لیے یہ فعل کیا ہے؟ عامل ہے۔ تو ہر ظرف کے لیے عامل چاہیے تب ہی وہ ظرف بنے گا۔

▪ قولہ: «ضَرَبْتُ الْيَوْمَ» کی تشریح

«ضَرَبْتُ الْيَوْمَ» میں نے پٹائی کی آج کے دن۔ اب آپ سے کوئی پوچھے: یہ «اَلْيَوْمَ» منصوب کیوں ہے؟ آپ کہیں گے: مفعول فیہ ہے یعنی ظرف بن رہا ہے۔ کس کے لیے؟ «ضَرَبْتُ» کے لیے، تو اس کے لیے کیا چاہیے؟ عامل، اور وہ کون ہے؟ «ضَرَبْتُ»۔ تو ہر ظرف کے لیے کیا چاہیے؟ عامل چاہیے۔ اسی طرح ہر جار مجرور کے لیے بھی متعلق چاہیے۔ جار مجرور متعلق ہوتے ہیں یعنی جڑتے ہیں، اور کسی نہ کسی چیز سے جڑیں گے تو وہ ان کا متعلق ہوا جس سے یہ جڑیں گے۔ تو جار مجرور جب بھی آئیں گے، ان کے لیے ہمیشہ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی چیز سے جڑیں گے، متعلق ہوں گے۔ تو اور جس چیز سے جڑیں گے وہ کیا ہے؟ متعلق ہے، متعلق، جس سے وہ جڑ گئے ہیں، جس سے وہ لٹک گئے ہیں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تعلق کا معنیٰ ہے جڑ جانا، لٹک جانا۔ تو جار مجرور ہمیشہ کسی نہ کسی سے جڑیں گے جو ان میں عامل ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو ظرف کے لیے بھی ہمیشہ جیسے عامل چاہیے، اسی طرح جار مجرور کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ متعلق چاہیے۔ کیا چاہیے؟ متعلق۔ میں بتلا یہ رہا ہوں نا، یہ جار مجرور کو بھی ظرف کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ مجازاً کہتے ہیں۔ حقیقتاً تو یہ ظرف نہیں لیکن ان کو بھی کیا کہتے ہیں؟ مجازاً ظرف۔ کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ جار مجرور ظرف کی طرح ہیں۔ کس طرح ظرف کی طرح ہے؟ کہتے ہیں: جیسے ہر ظرف کے لیے کیا چاہیے؟ عامل، اسی طرح ہر جار مجرور کے لیے بھی کیا چاہیے؟ متعلق چاہیے۔ تو اس جیسے ہوئے یا نہیں؟ ہر ظرف کے لیے کیا چاہیے؟ عامل، اسی طرح ہر جار مجرور کے لیے کیا چاہیے؟ متعلق چاہیے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو گویا

جار مجرور کس کی طرح ہیں؟ ظرف کی طرح۔

اور ظرف جو ہے وہ یاد رکھو، وہ ہے جار مجرور کی طرح۔ ظرف کس کی طرح ہے؟ جار مجرور کی طرح۔ کس طرح؟ یہ جو ظرف ہوتا ہے نا ظرف، یہ جار مجرور کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ ظرف کس معنیٰ میں ہوتا ہے؟ جار مجرور کے۔ کس طرح؟ «ضَرَبْتُ الْيَوْمَ»، یہ کس معنیٰ میں ہے؟ «أَيْ ضَرَبْتُ فِي الْيَوْمِ»، میں نے آج کے دن میں اس کی پٹائی کی۔ تو «ضَرَبْتُ الْيَوْمَ»، یہ «اَلْيَوْمَ» کس معنیٰ میں ہے؟ «فِي الْيَوْمِ» جار مجرور کے معنیٰ میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو گویا ایک ہے ظرف اور ایک ہے جار مجرور، دونوں ایک دوسرے جیسے ہیں۔ جار مجرور کس جیسا ہے؟ ظرف جیسا۔ کس طرح؟ جیسے ظرف کے لیے کیا چاہیے تھا؟ عامل، جار مجرور کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ متعلق۔ اور ظرف جو ہے وہ جار مجرور کی طرح ہے، کس طرح جار مجرور کی طرح ہے؟ کہ ظرف ہر ظرف کس معنیٰ میں ہوتا ہے؟ جار مجرور کے معنیٰ میں ہوتا ہے، جیسے «ضَرَبْتُ الْيَوْمَ»، یہ کس معنیٰ میں ہے؟ «ضَرَبْتُ فِي الْيَوْمِ» جار مجرور کے معنیٰ میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جار مجرور ہوا ظرف کی طرح اور ظرف ہوا جار مجرور کی طرح۔ جب دونوں ایک دوسرے جیسے ہوئے تو لہٰذا جار مجرور کو بھی کیا کہہ دیتے ہیں؟ مجازاً ظرف کہہ دیتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو مصنف نے یہاں اسی لیے دو مثالیں ذکر کیں: «زَيْدٌ خَلْفَكَ»۔ پہلے جملہ ظرفیہ کسے کہتے ہیں، میں نے ابھی بتایا: جس کا ایک جز کیا ہو؟ ظرف ہو۔ اور ظرف کتنی قسم پر؟ دو: ایک ظرفِ حقیقی، ظرفِ حقیقی کسے کہتے ہیں؟ جو زمانے یا جگہ کا نام ہو، وہ کیا ہے؟ ظرفِ حقیقی۔ اور ایک ظرفِ مجازی ہے، وہ کسے کہتے ہیں؟ جار مجرور کو۔ تو مصنف نے دو مثالیں ذکر کر دیں: ایک وہ جملہ جس کا ایک جز ظرفِ حقیقی ہے: «زَيْدٌ خَلْفَكَ»، زید آپ کے پیچھے ہے۔ اور یہ پیچھے، آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر، نیچے یہ سب جگہیں ہیں یا نہیں بھئی؟ تو یہ دیکھو یہ ظرفِ حقیقی کی مثال ہے: «زَيْدٌ خَلْفَكَ»۔ اور «وَعَمْرٌو فِي الدَّارِ» یہ دوسرا جملہ ہے، اس میں کون سا ظرف ذکر کر دیا؟ ظرفِ مجازی یعنی جار مجرور کو۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

اب ترکیب کریں گے اس کی بھئی: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «خَلْفَكَ»، «خَلْفَ» جگہ کا نام ہے، جگہ، پیچھے، ظرف ہے۔ ظرف کسے کہتے ہیں؟ جگہ یا زمانہ، اور یہ تو جگہ ہے، جگہ ہے۔ اب بتایئے، اعراب بتاؤ: منصوب لفظاً۔ ظرف ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مفعول فیہ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ اور مفعول فیہ کا کیا اعراب ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، تو یہ بھی کیا ہے؟ منصوب ہے، اور «خَلْفَ» زبر پڑھ رہے ہو یا نہیں پڑھ رہے؟ تو کون سا منصوب؟ منصوب لفظاً، منصوب لفظاً۔ تو «خَلْفَ» منصوب لفظاً، ظرف تو ہے، آگے ترکیب بتاؤ: منصوب لفظاً۔

بھئی، اب ترکیب اچھی خاصی آپ کو آگئی ہے، دماغ لڑاؤ ذرا، غور کرو، غور کرو، حل کرو، کوئی مشکل نہیں ہے۔ زور لگاؤ گے انشاء اللہ ہر چیز حل ہو جائے گی، محنت کرو گے۔ ہاں، «خَلْفَ» پہلے بتاؤ، «خَلْفَ» بتاؤ: «خَلْفَ» منصوب لفظاً مضاف، مضاف آپ نہیں کہہ رہے تھے بھئی۔ جس اسم کے، خلف فعل تو نہیں ہے، جگہ کا نام ہے پیچھے، اور جگہ یہ کیا ہے؟ اسم ہے، فعل نہیں ہے، اور ہر جس اسم کے ساتھ بھی ضمیر متصل آجائے وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ تو «خَلْفَ» منصوب لفظاً مضاف، کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ، مفعول فیہ ہی بنانا پڑے گا، ظرف ہے نا؟ اور ہر مفعول فیہ یعنی ظرف کے لیے کیا چاہیے؟ عامل، اور یہاں کوئی عامل ہے؟ عامل نہیں ہے، صرف مبتدا ہے، تو عامل ہمیں محذوف نکالنا پڑے گا؛ کیونکہ عامل تو ہر حال میں چاہیے، ویسے تو ظرف بنتا نہیں ہے۔

■ قولہ: «ضَرَبْتُ الْيَوْمَ» کی تشریح

«ضَرَبْتُ الْيَوْمَ»، آپ «ضَرَبْتُ» کو ذکر کریں یا نہ کریں، «اَلْيَوْمَ» کو جب بھی آپ مفعول فیہ بنائیں، مفعول فیہ کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ عامل۔ کس نے اس کو نصب دیا بھئی؟ نصب خود آتا ہے یا کسی عامل کی وجہ سے آتا ہے؟ عامل کی وجہ سے، جو بھی اعراب آئے گا کسی عامل کی وجہ سے آئے گا، وہ تو ہمیں ضرور چاہیے، اور وہ تو یہاں پر ہے نہیں، لہٰذا ہمیں کیا کرنا پڑے گا؟ محذوف نکالنا پڑے گا۔ سمجھ میں آئی بات؟ اور پھر محذوف جو نکالتے ہیں وہ سب سے عام استعمال جو ہونے والا ہے یا «ثَبَتَ» نکال لیتے ہیں یا «ثَابِتٌ» نکال لیتے ہیں۔ جار مجرور کتنی چیزوں سے متعلق ہوتا ہے، یہ انشاء اللہ پھر آگے کتاب میں کسی وقت موقع ہوا تو میں انشاء اللہ وہاں بیان کروں گا، بس آپ اتنا یاد رکھیں: جار مجرور، بلکہ ایک چیز تو ضروری ہے اس کو ذکر کیے بغیر چارہ نہیں، یاد رکھیے، یاد رکھیے یہ جو جار مجرور ہے نا، جار مجرور، جار مجرور یہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ضرور متعلق ہو گا۔ جب بھی کلام میں آئے گا، آٹھ چیزوں میں سے۔

اچھا، چلیں یہ پھر میرا خیال میں اگلے سبق میں ذکر کروں گا۔ بس اتنا یاد رکھیں، یہ ظرف کے لیے عامل چاہیے بھئی، عامل چاہیے، اور وہ آپ «ثَبَتَ» فعل بھی نکال سکتے ہیں اور «ثَابِتٌ» صیغہ اسمِ فاعل بھی نکال سکتے ہیں؛ کیونکہ عامل تو ہر حال میں چاہیے اور تو کوئی عامل ہے نہیں یہاں، تو وہ محذوف نکالنا پڑے گا۔

تو یہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا، کس کے لیے؟ کس کے لیے؟ «ثَبَتَ» فعل کے لیے۔ اب ترکیب پھر کرنی پڑے گی: «ثَبَتَ» فعل، اس کے لیے فاعل چاہیے یا نہیں چاہیے؟ «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، خبر، کیا بنے گا؟ خبر۔ لیکن یہ تو خبر نہیں بن سکتا، جملے کو کیسے خبر بنا رہے ہو آپ بھئی؟ جلدی بولو! ہاں، آپ نے ربط نہیں دیا بھئی، ربط دینا ضروری تھا۔ تو «ثَبَتَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو۔ تو یہ عائد آ گیا، تو فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو اگر آپ سے کوئی پوچھ لے «ثَبَتَ خَلْفَكَ» اس پورے جملے کا اعراب بتاؤ، آپ کیا کہیں گے؟ مرفوع۔ کیوں؟ خبر ہے۔ اور کون سا مرفوع ہے؟ محلاً، شاباش بھئی، شاباش!

اچھا، اب ایک اور ترکیب ذرا کرو: «اَلزَّيْدَانِ» اگر یہاں پر ہوتا، کیا ہوتا؟ «اَلزَّيْدَانِ خَلْفَكَ»۔ چلیے، ترکیب کیجیے بھئی «اَلزَّيْدَانِ» کے ساتھ۔ شاباش! «اَلزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، شاباش۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ بھئی، «اَلزَّيْدَانِ» میں تو نون پر زیر پڑھ رہا ہوں؟ یہ نون کی حرکت ہے، پھر اعراب کیا ہے اس کا؟ الف ہے، شاباش! تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف، اور وہ الف ہم پڑھ رہے ہیں «اَلزَّيْدَانِ»۔ اگر حالتِ نصبی یا جری ہوتی تو کیا پڑھتے؟ «اَلزَّيْدَيْنِ»۔ تو «اَلزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش! جلدی جلدی آگے ترکیب کریں۔ اعراب: مرفوع؟ کیوں، مرفوع کیوں؟ ابھی ہم نے ترکیب کی ہے، ابھی ترکیب کی ہے کہ یہ ظرف ہے ظرف! منصوب لفظاً مضاف۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ ظرف ہے یا یوں کہیں مفعول فیہ ہے۔ اچھا، لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ جس اسم کے ساتھ ضمیر متصل آ جائے تو وہ آپس میں مضاف مضاف الیہ بنتے ہیں۔ جی آگے، کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، شاباش سمیٹیے! شاباش! مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا، کس کے لیے؟ جار مجرور ہو وہ متعلق ہوتا ہے اور یہ تو مفعول فیہ بن رہا ہے، جی۔ یہ مفعول فیہ ہوا کس کے لیے؟ «ثَبَتَ» بھی نکال سکتے ہیں اور «ثَابِتٌ» بھی۔ «ثَبَتَ» نکالیں گے تو جملہ بنے گا کیونکہ فعل اپنے فاعل سے مل کر کیا بنتا ہے؟ جملہ، اور «ثَابِتٌ» نکالیں گے تو «ثَابِتٌ» تو مفرد ہے، اس میں فاعل ہے تو وہ شبہ جملہ بنے گا۔ ہاں، نکالیں بھئی یہ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ مفعول فیہ ہوا کس کے لیے؟ «ثَبَتَ» فعل کے لیے، شاباش! «ثَبَتَ» فعل بافاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو لوٹ رہی ہے الزیدان کو۔

«اَلزَّيْدَانِ» ہے تثنیہ، ضمیر کون سی لوٹا رہے ہو؟ «هُوَ» مفرد کی! یہ تو ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں، ہمیں مطابقت چاہیے۔ «هُمَا» ضمیر کدھر ہے؟ «ثَبَتَ» کے اندر تو «هُمَا» نہیں ہوتی۔ وہ فعل لے کر آؤ جس میں «هُمَا» ضمیر ہو۔ ماضی کی گردان آتی ہے کہ وہ بھی بھول گئے؟ ہاں، پھر تو کیا فعل نکالیں گے؟ «ثَبَتَا»۔ کیوں نکالا «ثَبَتَا» اگر کوئی پوچھ لے؟ کیونکہ ہمیں کون سی ضمیر چاہیے؟ تثنیہ، کیونکہ ہم نے عائد بتلانا ہے اور وہ مبتدا تثنیہ ہے تو ضمیر بھی تثنیہ۔ تو «ثَبَتَا» فعل، شاباش! فاعل بتاؤ۔ پھر «هُمَا» ضمیر! میں نے ایک ایک فعل میں ضمیر بتلائی تھی۔ فعل کے اندر جو الف ہوتا ہے وہ فاعل ہوتا ہے، صفت کے صیغے میں جو الف ہو وہ فاعل نہیں، وہ تثنیہ اور جمع کی علامت ہوتا ہے۔ تو «ثَبَتَا» فعل، الف ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ الزیدان کو، جی۔ شاباش! فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، شاباش!

اور اگر ہم «ثَابِتٌ» نکالتے تو پھر کیسے ہوتی ترکیب بھئی؟ اب آپ ترکیب کیجیے: «زَيْدٌ خَلْفَكَ»، اسی ترکیب کو آپ نے کرنا ہے، تثنیہ نہیں ہے اب، «زَيْدٌ خَلْفَكَ»، اور آپ نے اب «ثَبَتَ» نہیں نکالنا، کیا نکالنا ہے؟ «ثَابِتٌ» نکالنا ہے، چلیے کیجیے! شاباش، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، آگے: «خَلْفَ» منصوب لفظاً مضاف، کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا کس کے لیے؟ مفعول فیہ ہوا «ثَابِتٌ» صیغہ اسمِ فاعل کے لیے۔ اب اس کی ترکیب کرو۔ ہاں، «ثَابِتٌ» صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو راجع ہے کس کو؟ زید کو، یہ انہوں نے عائد بتا دیا، اور «هُوَ» زید کو لوٹ سکتی ہے کہ نہیں؟ «هُوَ» ضمیر بھی مفرد مذکر، زید بھی کیا ہے؟ مفرد مذکر، جی ضمیر مرجع میں مطابقت ہے۔ جی، اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ بھی تو ہے، اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

دیکھا، جملہ تھا جب «ثَبَتَ خَلْفَكَ»، وہ محلاً مرفوع تھا، توجہ ہے؟ «ثَبَتَ خَلْفَكَ» اس کا اعراب میں نے آپ سے پوچھا تھا، آپ نے کیا بتایا تھا؟ مرفوع محلاً۔ کیوں مرفوع؟ خبر، اور محلاً کیوں؟ جملہ ہے۔ لیکن «ثَابِتٌ» اس پر لفظاً آپ نے مرفوع کیا۔ وہ جملہ تھا، جملہ مبنی ہوتا ہے اس لیے وہ محلاً مرفوع تھا، اور «ثَابِتٌ» تو شبہ جملہ ہے، جملہ تو نہیں ہے، جب جملہ نہیں ہے مفرد کا مفرد ہے، جب مفرد ہے تو اس پر کیا ہو گا؟ اعراب ظاہر ہو گا، یہ تو مبنی نہیں ہے، اور یہ «ثَابِتٌ» کیا بن رہا ہے دراصل؟ خبر بن رہا ہے، کیا بن رہا ہے؟ خبر۔ وہاں پورا جملہ خبر بن رہا تھا، یہاں «ثَابِتٌ» اکیلا خبر بن رہا ہے، جب اکیلا خبر بن رہا ہے تو اس پر اعراب آئے گا، اور کیا پڑھا آپ نے؟ «ثَابِتٌ» پڑھا۔ اگر نصب والی جگہ ہوتی تو آپ پڑھتے «ثَابِتًا»، اگر جر والی جگہ ہوتی تو کیا پڑھتے؟ «ثَابِتٍ»،

لیکن آپ نے کیا پڑھا؟ «ثَابِتٌ»، کیوں پڑھا؟ کیونکہ خبر ہے اور خبر بھی کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، اور کون سی مرفوع ہے یہ؟ یہ لفظاً، کیونکہ «ثَابِتٌ» رفع پر ہم باقاعدہ کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ۔ اگر یہی ثابت یہاں حال بن رہا ہوتا تو حال کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تو آپ «ثَابِتٌ» نہ کہتے، کیا کہتے؟ «ثَابِتًا» کہتے، صورت سمجھ میں آگئی؟

اب آپ ترکیب کیجیے بھئی، اب آپ نے اسی «ثَابِتٌ» کو نکالنا ہے اور «اَلزَّيْدَانِ خَلْفَكَ» تثنیہ کے ساتھ بھئی، بالکل یہی ترکیب ہے، شاباش! شاباش، «اَلزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً مبتدا، آگے: منصوب لفظاً مضاف، ہاں بننا مفعول فیہ ہی ہے لیکن وہ بعد میں بتائیں، منصوب لفظاً مضاف، آگے: کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، شاباش! شاباش، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ کس کے لیے؟ یہ مفعول فیہ ہوا «ثَابِتٌ» صیغہ اسمِ فاعل کے لیے، آگے: «ثَابِتٌ» میں «هُمَا» ضمیر کیسے آگئی؟ شاباش! ہمیں «هُمَا» ضمیر چاہیے کیونکہ ہم نے اس کو کس سے جوڑنا ہے؟ «اَلزَّيْدَانِ» تثنیہ سے، تو کیا نکالیں گے؟ «ثَابِتَانِ»، اور «ثَابِتَانِ» کون سا صیغہ ہے؟ تثنیہ کا ہے، اور تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف، اسی لیے ہم مرفوع لائے۔ اگر یہاں حال بناتے تو پھر کیا نکالتے؟ «ثَابِتَيْنِ»، کیونکہ حال کیا ہوتا ہے؟ منصوب، لیکن یہ تو خبر ہے اور خبر مرفوع ہوتی ہے، اس لیے ہم سامنے «ثَابِتَانِ» نکالا، اور «ثَابِتَانِ» کے اندر «هُمَا» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ «اَلزَّيْدَانِ» کو۔ تو یہ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، شاباش! ترکیب سمجھ میں آگئی؟ ہر ظرف کے لیے کیا چاہیے؟ عامل۔

▪ قولہ: «وَعَمْرٌو فِي الدَّارِ» کی تشریح

«وَعَمْرٌو فِي الدَّارِ»، یہی بالکل یہی صورت ہے جار مجرور کے لیے بھی۔ جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے، یہ متعلق ہوتے ہیں اور ان کے لیے جس سے متعلق ہوتے ہیں وہ کیا ہے؟ متعلق۔ اور اسی طرح «ثَابِتٌ» بھی نکال سکتے ہیں اور «ثَبَتَ» بھی، جی ترکیب کیجیے بھئی: «عَمْرٌو» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «فِي» جارہ۔ «الدَّارِ» مجرور لفظاً۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے؟ «ثَبَتَ» فعل کے ساتھ؛ کیونکہ ہمیشہ ان کے لیے متعلق چاہیے، اور یہاں تو اور کوئی ہے نہیں، لہٰذا «ثَبَتَ» محذوف نکالیں گے۔ «ثَبَتَ» فعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو راجع ہے عمرو کو۔ «ثَبَتَ» فعل اپنے فاعل اور متعلق سے، وہاں کیا تھا پچھلے جملے میں؟ «ثَبَتَ» فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر، یہاں کہیں گے: «ثَبَتَ» فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر کیا ہوا؟ جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اسی طرح اس کو «ثَابِتٌ» بھی نکال سکتے ہیں، کس طرح ہوگی ترکیب؟ «عَمْرٌو» مرفوع لفظاً مبتدا، «فِي» جارہ، «الدَّارِ» مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ «ثَابِتٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ عمرو کو۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ «زَيْدٌ خَلْفَكَ» زید آپ کے پیچھے ہے، «وَعَمْرٌو فِي الدَّارِ» عمرو گھر میں ہے۔

شاباش! دیکھا بھئی، ترکیب کی آپ کی بنیاد ماشاء اللہ بنتی جا رہی ہے۔ جو بھی چیز آپ کر رہے ہیں سمجھ کر کر رہے ہیں بھئی۔ انشاء اللہ یہ اب کچھ سبق میرا خیال ہے جار مجرور کی بھی تھوڑی سی ترکیب کر لیتے ہیں، زیادہ نہیں تھوڑی مختصر، کم از کم طریقہ آجائے تاکہ ہم جوں جوں آگے چلتے جائیں، آپ ترکیبیں ساتھ ساتھ خود حل کرتے جائیں بھئی۔ انشاء اللہ یہ پوری کتاب میں اگر اللہ نے توفیق دے دی اور یہ مشق ہو گئی اس طریقے سے تو بڑی بہترین ترکیب آجائے گی اور آپ کے لیے کتاب کی عبارت پڑھنا بہت آسان ہو جائے گا۔ چلیے بس بھئی، ھذا ھو المرام، واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۴۶: جار مجرور اور ظرف کی عملی ترکیب (قسط اول: متعلق اور ظرفِ مستقر ولغو)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۲—بتاریخ: ۲۸ دسمبر ۲۰۱۴ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

آج ہم جار مجرور کی ترکیب پڑھیں گے بھائی۔

یاد رکھیے! جار مجرور جب بھی کلام میں آجائیں وہ کسی چیز کے ساتھ متعلق ہونا چاہتے ہیں۔ جار مجرور ہمیشہ کسی سے متعلق ہوتے ہیں، اور کس سے متعلق ہوں گے؟ تو یاد رکھیے کہ جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ متعلق ہوں گے۔ اور وہ آٹھ چیزیں ہر وقت آپ کو یاد ہونی چاہئیں، وہ ایسا نہیں ہے کہ سبق کے لیے یاد ہوئیں یا امتحان کے لیے یاد ہوئیں یا کسی اور، نہیں نہیں۔ وہ ہر وقت آپ کے ذہن میں ہوں کیونکہ آپ جب بھی عربی پڑھیں گے، لکھیں گے، تو وہاں آپ کو اس کی ضرورت پیش آئے گی بھائی۔ جو بھی کتاب آپ اٹھا کر پڑھیں گے، آپ کو اس کی ضرورت پیش آئے گی، تو وہ ہر وقت ذہن میں ہونی چاہئیں۔

تو جار مجرور جب بھی کلام میں آئے گا، آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ضرور متعلق ہو گا۔ وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں: نمبر ایک ہے فِعْل۔ نمبر ایک ہے فِعْل (ف،ع،ل)۔ نمبر دو مَصْدَر۔ نمبر دو مَصْدَر۔ دکھاؤ بھائی، مَصْدَر کیسے لکھا آپ نے؟ ذرا قریب کرو۔ ہاں، شاباش! آپ نے کیسے لکھا ہے بھائی؟ ہاں، ٹھیک ہے۔ آپ دکھاؤ بھائی، ہاں، شاباش، ص کا اپنا ایک دندانہ ہوتا ہے، شاباش۔ نمبر تین ہے اِسْمِ فَاعِل۔ نمبر تین اِسْمِ فَاعِل۔ نمبر چار اِسْمِ مَفْعُول، اِسْمِ مَفْعُول۔ نمبر پانچ صِفَتِ مُشَبَّہ، نمبر پانچ صِفَتِ مُشَبَّہ۔ نمبر چھ اِسْمِ تَفْضِیل۔ اِسْمِ تَفْضِیل، ض کے ساتھ ہے بھائی۔ اِسْمِ تَفْضِیل، ض کا ایک اپنا دندانہ ہو گا، پھر ایک ی کا دندانہ ہو گا بھائی، تَفْضِیل۔ نمبر سات ہے مبالغے کا صیغہ، مبالغے کا صیغہ، ضَرَّابٌ وغیرہ۔ اور نمبر آٹھ ہے اِسْمِ فِعْل، نمبر آٹھ ہے اِسْمِ فِعْل۔ آپ نے پڑھا ہو گا، نیز صاحبِ ہدایۃ النحو بھی آپ کو بتلائیں گے کہ بعض اوقات اسم جو ہے، بعض اسم ایسے ہیں جو فعل والا معنیٰ ادا کرتے ہیں، تو ان کو کیا کہتے ہیں؟ اسمِ فعل۔ ہیں اسم، لیکن معنیٰ کس کی طرح، عمل کس کی طرح؟ فعل کی طرح بھائی۔

تو جار مجرور جب بھی کلام کے اندر آئیں، آٹھ چیزوں میں سے ایک کے ساتھ ضرور متعلق ہوں گے۔ وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں: نمبر ایک ہے فِعْل، نمبر دو ہے مَصْدَر، نمبر تین اِسْمِ فَاعِل، نمبر چار اِسْمِ مَفْعُول، نمبر پانچ صِفَتِ مُشَبَّہ، نمبر چھ اِسْمِ تَفْضِیل، نمبر سات مبالغے کے صیغے، اور نمبر آٹھ اِسْمِ فِعْل۔

تو اگر جملے میں ان میں سے کوئی ایک موجود ہو تو جار مجرور اس سے متعلق ہو جائے گا۔ اور اگر ان میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو جملے کے اندر تو پھر جو ہے مَحْذُوف نکالنا پڑے گا۔ کیونکہ انہوں نے متعلق تو ہر حال میں ہونا ہے، اور ان کا مُتَعَلَّق، جس سے یہ متعلق ہوتے ہیں، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُتَعَلَّق۔ تو یہ آٹھ چیزیں متعلق ہیں بھائی، متعلقات۔ تو ان آٹھ میں سے اگر کوئی کلام میں ہو تو فَبِهَا، اچھی بات ہے، جار مجرور اس سے جڑ جائے گا۔ اور اگر ان میں سے کوئی بھی موجود نہیں، تو چاہیے تو ہر حال میں، تو پھر کیا کرنا پڑے گا؟ محذوف نکالنا پڑے گا، محذوف نکالنا پڑے گا۔

اب یاد رکھیے، جار مجرور کا متعلق اگر جملے میں مذکور ہے، تو اس جار مجرور، میں نے آپ کو بتایا تھا بھائی، جار مجرور کو بھی ظرف کہتے ہیں مجازاً۔ جار مجرور کو بھی کیا کہتے ہیں؟ ظرف کہتے ہیں۔ تو اگر جار مجرور کا متعلق جملے میں مذکور ہو، تو اس کو ظَرْفِ لَغْو کہتے ہیں۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ ظَرْفِ لَغْو (ل،غ،و)۔ اس

کو ظَرْفِ لَغْو کہتے ہیں۔ اور اگر جار مجرور کا متعلق محذوف ہو، تو پھر اس جار مجرور کو ظَرْفِ مُسْتَقَرّ کہتے ہیں۔ متعلق اگر محذوف ہو تو جار مجرور کو ظَرْفِ مُسْتَقَرّ (م، س، ت ہے دو نقطوں والی، ق ہے دو نقطوں والا اور ر مشدد ہے، مُسْتَقَرٌّ، مُسْتَقَرٌّ)۔

جار مجرور کا متعلق اگر جملے میں مذکور ہو تو اسے کیا کہتے ہیں؟ ظَرْفِ لَغْو، اور اگر متعلق محذوف ہو تو اسے ظَرْفِ مُسْتَقَرّ، ظَرْفِ مُسْتَقَرٌّ۔

اچھا، اس کے بعد ایک اور بات یاد رکھیے! وہ جو محذوف ہے متعلق، جس کو نکالنا ہے، ذکر کرنا ہے، یاد رکھیے اسے اَفْعَالِ عَامَّہ میں سے نکالنا بھی جائز ہے اور اَفْعَالِ خَاصَّہ سے نکالنا بھی جائز ہے۔ یعنی وہ افعالِ عامہ میں سے بھی آپ ذکر کر سکتے ہیں، افعالِ خاصہ۔ اور افعالِ عامہ مشہور چار ہیں، یہ لکھ لیں بھائی: افعالِ عامہ مشہور چار ہیں، مشہور چار ہیں۔ نمبر ایک: کَوْن (چھوٹا ک، و، ن)، کَوْن۔ اسی سے وہ فعلِ ناقص استعمال ہوتا ہے کَانَ، کَانَ۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ نمبر ایک کَوْن۔ نمبر دو: ثُبُوت، ثُبُوت ث کے ساتھ۔ نمبر تین: حُصُول، حُصُول (ح، ص، و، ل)، حُصُول۔ اور نمبر چار جو ہے وُجُود بھائی، وُجُود۔

ان سب کا معنیٰ ہے ہونا، ہونا۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ کَوْن کا معنیٰ بھی ہونا، ثُبُوت کا معنیٰ بھی ہونا، حُصُول کا معنیٰ بھی ہونا اور وُجُود کا معنیٰ بھی ہونا۔ ان کو افعالِ عامہ کہتے ہیں، کیونکہ ہر فعل میں ان کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ کیا کہتے ہیں؟ افعالِ عامہ، کیونکہ ہر فعل میں ان کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ دیکھیے آپ خود غور کر لیں۔ «ضَرَبْتُ زَيْدًا» میں نے زید کی پٹائی کی، تو بتائیے مجھے، «ضَرَبْتُ زَيْدًا» اس میں کسی چیز کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اس میں ضرب کا ثبوت ہے۔ اس میں کسی چیز کا وجود ہے کہ نہیں؟ وجود اس میں ضرب کا وجود ہے۔ اسی طرح اس میں ضرب کا حصول ہے، اسی طرح اس میں ضرب کا کون ہے یعنی اس کا ہونا۔ تو دیکھو، کیونکہ کون، ثبوت، حصول، وجود، سب کا کیا معنیٰ ہے؟ ہونا۔ تو کسی چیز کا اس میں دیکھو ہونا پایا گیا۔

اسی طرح کوئی اور کوئی اور فعل آپ پکڑ لیں: «قَرَأْتُ كِتَابًا»، اب دیکھو «قَرَأْتُ» اس میں کسی چیز کا ثبوت ہے، کس چیز کا؟ قراءت کا، پڑھنے کا۔ اور اسی طرح اس میں قراءت کا حصول ہے، اور اسی طرح اس میں قراءت کا وجود ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ اسی طرح میں مثلاً کہتا ہوں «شَرِبْتُ»، «شَرِبْتُ الْمَاءَ»، تو دیکھو شرب، شرب پینا، اس میں کسی چیز کا ہونا ہے، اس میں کسی چیز کا حصول ہے، شرب پیا گیا، اس میں کسی چیز کا ایک فعل کا وجود ہے۔ تو اس فعل کا اس میں وجود بھی ہوتا ہے، حصول بھی، کون بھی، ثبوت بھی، کیونکہ ان کا کیا معنیٰ ہے کون، ثبوت، وجود، حصول؟ ہونا۔ تو یہ دیکھو «قَرَأْتُ»، دیکھو ایک چیز کا ہونا ہے، کس چیز کا ہونا ہے؟ قراءت کا۔ «ضَرَبْتُ»، اس میں بھی کسی چیز کا ہونا، کس چیز کا ہونا؟ ضرب کا۔ اسی طرح «شَرِبْتُ»، اس میں بھی کسی چیز کا ہونا ہے۔ ہر فعل میں اسی طرح ہے ان کا معنیٰ پایا جائے گا۔

جبکہ ان کے علاوہ باقی افعال اَفْعَالِ خَاصَّہ کہلاتے ہیں۔ یہ تھے افعالِ عامہ یعنی عام ہیں، ہر فعل میں ان کا معنیٰ پایا جاتا ہے، اور باقی افعال کیا کہلاتے ہیں؟ افعالِ خاصہ۔ ان کا معنیٰ ہر فعل میں نہیں پایا جائے گا۔ مثلاً دیکھیے، شرب، شرب کا کیا معنیٰ؟ پینا، پینا۔ اب بتائیے، «قَرَأْتُ كِتَابًا»، اس «قَرَأْتُ» میں کوئی شرب والا معنیٰ ہے؟ نہیں۔ اور شرب میں «قَرَأْتُ» والا معنیٰ تھا؟ نہیں۔ اچھا، «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، اب اس «ضَرَبْتُ» میں کوئی شرب والا معنیٰ ہے؟ نہیں۔ کوئی قراءت والا معنیٰ ہے؟ نہیں۔ لیکن وجود، ثبوت، حصول اور کون ہر ایک میں پایا جا رہا ہے۔ تو باقی سارے افعال کیا کہلاتے ہیں؟ افعالِ خاصہ۔ وہ چار کیا ہیں؟ افعالِ عامہ جو مشہور ہیں۔

اسی طرح صاحبِ ہدایۃ النحو آپ کو بتائیں گے: «اسْتَقَرَّ»، «اسْتَقَرَّ»۔ وہ افعالِ عامہ میں سے کیا نکالیں گے؟ «اسْتَقَرَّ»۔ تو استقرار کا معنیٰ بھی ہونا کسی چیز کا۔ لیکن بہر حال مشہور یہ زیادہ چار ہیں، میں نے یہ ذکر کر دیے، تو اور بھی بعض ہیں بھائی۔ یہ مشہور ہیں زیادہ۔

اب ان میں سے جو ان کا متعلق آپ نے محذوف نکالنا ہے، مثلاً میں کہتا ہوں: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «فِي» جارہ، «الدَّارِ» مجرور لفظاً۔ جار مجرور مل کر اب دیکھیے اس جملے میں آپ غور کریں، «فِي الدَّارِ» یہ تو جار مجرور ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی فعل ہے؟ ان کے علاوہ تو صرف زید کا لفظ ہے، وہ تو فعل نہیں ہے، فعل بھی نہیں ہے۔ مصدر؟ مصدر بھی کوئی نہیں، زید تو نام ہے۔ اور ان کے علاوہ کوئی اسمِ فاعل ہے؟ «ضَارِبٌ»، «فَاتِحٌ» وغیرہ، وہ بھی نہیں ہے۔ اسمِ مفعول؟ «مَضْرُوبٌ»، «مَفْتُوحٌ»، وہ بھی نہیں ہے۔ اچھا، صفتِ مشبہ ہو گی؟ صفتِ مشبہ بھی نہیں اس جملے میں۔ اسمِ تفضیل ہے کوئی؟ «أَضْرَبُ»، «أَفْتَحُ»، «أَمْنَعُ»، کوئی بھی نہیں ہے۔ مبالغے کا کوئی صیغہ ہے؟ «ضَرَّابٌ» وغیرہ، «صِدِّيقٌ»، نہیں، کوئی بھی مبالغے والا بھی نہیں۔ اور اسی طرح اسمِ فعل بھی نہیں، اور چاہیے تو ہمیں ضرور کیونکہ جار مجرور آیا ہے، انہوں نے متعلق ہونا ہے، تو اب ہمیں محذوف نکالنا پڑے گا۔ اور معلوم ہوا یہ جار مجرور ظرفِ مستقر ہیں۔ کیا ہیں؟ ظرفِ مستقر۔ یہاں ان کا عامل موجود تھا، عامل چلا گیا اور انہوں نے اس کی جگہ پر قرار پکڑ لیا تو یہ ظرفِ مستقر۔

اور عامل اب ہم نے نکالنا ہے جس سے یہ متعلق یہ متعلق ان کا جو ہے، تو یہ افعالِ عامہ میں سے نکال عام طور پر افعالِ عامہ میں سے نکالتے ہیں۔ افعالِ خاصہ میں سے بھی نکال سکتے ہیں موقع محل کے مطابق بھائی، لیکن عموماً کس سے نکالتے ہیں؟ افعالِ عامہ میں سے نکال لیتے ہیں۔ تو بہر حال بات میں نے اب ذکر کر دی، کوئی افعالِ عامہ میں سے ذکر کر دے گا، کوئی افعالِ خاصہ میں سے ذکر کر دے گا، تو پریشان نہیں ہونا، بس طریقہ آپ کو آنا چاہیے بھائی۔

اب افعالِ عامہ میں سے فعل بھی نکال سکتے ہیں اور صفت کا صیغہ بھی نکال سکتے ہیں۔ مثلاً کَوْن، پہلا جو تھا پہلا (ک، و، ن)، کَوْن، اس سے چاہیں تو فعل کا صیغہ نکال لیں: «كَانَ»، «أَيْ: زَيْدٌ كَانَ فِي الدَّارِ»۔ «كَانَ»، اور «كَانَ» فعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ کیونکہ یہ خبر خبر ہے، اور اس جار مجرور نے اس سے متعلق ہو کر پھر یہ سارا کیا بنے گا؟ خبر، اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے۔ تو اس کے اندر فعل آ گیا اور فعل کے لیے فاعل ضرور چاہیے تو «هُوَ» ضمیر ہے اور وہ لوٹ رہی ہے کس کو؟ زید کو۔ اور پھر اس یہ فعل «كَانَ» فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ اب آپ سے کوئی پوچھ لے «كَانَ فِي الدَّارِ» یہ کون سا جملہ، اس جملے کا محلِ اعراب کیا ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ اس کا اعراب کیا ہے اس جملے کا؟ مرفوع، اور کون سا مرفوع؟ محلاً، کیونکہ جملہ ہے، مبنی ہے بھائی۔ تو یہ جو مرفوع آپ کہتے ہیں، میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا، یہ نہ کہنا یہ صرف «كَانَ» مرفوع ہے، نہیں نہیں نہیں، «كَانَ» نہیں، بلکہ پورا جملہ کیا ہے؟ مرفوع ہے، پورا جملہ مرفوع ہے بھائی۔

یہ تو ہم نے فعل نکالا: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، «فِي الدَّارِ» کو کس سے جوڑا؟ «كَانَ» سے، فعل نکالا۔ آپ چاہیں تو اسمِ فاعل نکال لیں: «كَائِنٌ»۔ «كَانَ» کی گردان کیسے ہو گی؟ «كَانَ يَكُونُ كَوْنًا فَهُوَ كَائِنٌ»، تو آپ چاہیں «كَائِنٌ» نکال لیں، «كَائِنٌ» کس وزن پر ہے؟ وہی «ضَارِبٌ»، «فَاتِحٌ»، اسمِ فاعل نکال لیا۔ اور یہ جار مجرور اس سے متعلق ہو جائیں گے، اور اسمِ فاعل کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل، تو اس کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے، جو صیغہ ہو گا اس کے مطابق ضمیر۔ اگر آپ کو تثنیہ کی ضمیر چاہیے تو پھر «كَائِنَانِ» نکالیں، اور فعل کون سا نکالیں پھر؟ «كَانَا»، «كَانَا» الف کے ساتھ، صورت سمجھ میں؟ جمع ہو تو «كَانُوا»، اور اسمِ فاعل اگر جمع نکالنا ہو وہ کیا نکالیں گے؟ «كَائِنُونَ»، صورت سمجھ میں آ رہی ہے بھائی؟

تو پھر فرق صرف کیا تھا؟ «كَانَ» اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ بنے گا، جبکہ «كَائِنٌ» وغیرہ یہ کیا ہیں؟ شبہ جملہ بنیں گے، یہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ۔ اور جملے کو بھی جوڑنے کے لیے ربط اور عائد چاہیے، اور شبہ جملہ کو بھی جوڑنے کے لیے ربط اور عائد چاہیے۔ تو دیکھا؟ کَوْن، کَوْن تھا افعالِ عامہ میں سے، آپ چاہیں اس سے فعل نکال لیں «كَانَ»، چاہے اس سے کیا نکال لیں؟ اسمِ فاعل یعنی «كَائِنٌ»۔ دوسرا افعالِ عامہ میں سے کیا ہے؟ ثُبُوت، اس سے بھی چاہیں تو آپ فعل نکال لیں «ثَبَتَ»، اور آپ چاہیں تو کیا نکال لیں؟ «ثَابِتٌ»۔ مثلاً فعل نکالتے ہیں ہم: «زَيْدٌ ثَبَتَ فِي الدَّارِ»۔ اور اگر آپ صفت کا صیغہ نکالیں تو کیا نکالیں گے؟ «زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ»۔ تیسرا کیا ہے؟ حُصُول۔ تو آپ فعل نکال لیں چاہیں حصول سے یعنی «حَصَلَ»، «زَيْدٌ حَصَلَ فِي الدَّارِ»، یا آپ چاہیں تو اسمِ فاعل نکال لیں: «زَيْدٌ حَاصِلٌ فِي الدَّارِ»۔

اور اسی طرح وُجُود، لیکن وجود میں فرق یہ ہے کہ آپ نے باقی جو فعل ہیں وہ فعل نکالیں گے تو فعلِ معروف نکالیں گے، جیسے کَوْن سے کیا نکالا تھا فعلِ معروف؟ «كَانَ»، ثُبُوت سے «ثَبَتَ»، اور حُصُول سے «حَصَلَ»، لیکن وُجُود سے جب فعل نکالیں گے تو فعلِ مجہول نکالیں گے: «وُجِدَ»، «ضُرِبَ»، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ «فُعِلَ» وزن ہے «فُعِلَ» وزن۔ تو «وُجِدَ»، «أَيْ: زَيْدٌ وُجِدَ فِي الدَّارِ»، اور «وُجِدَ» کے اندر کون سی ضمیر؟ «هُوَ»، وہ اس کا فاعل نہیں بلکہ نائب الفاعل، کیونکہ فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل چاہیے ہوتا ہے۔ اور اگر آپ اس سے صفت کا صیغہ نکالنا چاہتے ہیں تو باقیوں سے آپ نے کیا نکالا تھا؟ اسمِ فاعل، اس سے اسمِ مفعول نکالیں گے کیونکہ فعلِ مجہول سے کیا بنتا ہے؟ اسمِ مفعول بنتا ہے، تو کیا نکالیں گے؟ «مَوْجُودٌ»، «زَيْدٌ مَوْجُودٌ فِي الدَّارِ»۔ دیکھا، سب کا معنیٰ ایک ہے یا نہیں؟ «زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ»، «زَيْدٌ مَوْجُودٌ فِي الدَّارِ»، «زَيْدٌ حَاصِلٌ فِي الدَّارِ»، «زَيْدٌ كَائِنٌ فِي الدَّارِ»، بات سمجھ میں آ گئی؟

افعالِ عامہ مشہور کتنے ہیں؟ چار: نمبر ایک کَوْن، نمبر دو ثُبُوت، نمبر تین حُصُول، نمبر چار وُجُود۔ اور ان سے آپ چاہیں تو فعل نکال لیں اور چاہیں تو صفت کا صیغہ۔ فعل نکالیں گے تو کون سا فعل؟ فعلِ معروف نکالیں گے، لیکن وجود کے لیے فعلِ مجہول نکالیں گے اگر وہ آپ نے نکالنا ہے، اور اگر صفت کا صیغہ نکالنا ہے تو پہلے تین کے لیے اسمِ فاعل نکالیں گے اور آخری وجود کے لیے اسمِ مفعول «مَوْجُودٌ» نکالیں گے۔

اب ترکیب کیجیے بھائی۔ جی، جملہ لکھیے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ»۔ «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ»۔ «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» لکھ لیا بھائی؟ کیسے لکھا، مجھے بھی دکھاؤ ذرا۔ «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ»، یہ الف نہیں آئے گا، یہ تو اللہ آپ نے لکھ دیا۔ ہاں، صرف الف کو گرا دینا، ٹھیک ہے؟ اور پہلے لام کے نیچے زیر لکھ دیں تاکہ وضاحت ہو جائے: «اَلْحَمْدُ

لِلّٰهِ » ۔ بعض طلبہ غلطی کرتے ہیں ایک تیسرا لام بھی شروع میں ملا دیتے ہیں، سمجھ میں آئی بات؟ تین لام نہیں آئیں گے، اسی طرح جیسے لفظِ اللہ میں دو لام ہیں اور ایک ہا ہے آخر میں، وہی لکھیں گے بس شروع میں الف نہیں آئے گا بھائی، « اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ » ۔

اچھا، اب ترکیب کیجیے بھائی، شروع کیجیے! « اَلْحَمْدُ » مرفوع لفظاً مبتدا۔ آگے؟ لام جارہ، لفظِ اللہ مجرور لفظاً۔ مجرور کیوں بھائی؟ لفظِ اللہ مجرور کیوں ہے؟ کیونکہ اس پر حرفِ جر داخل ہوا ہے اور حرفِ جر کیا ہے، جس پر داخل ہوتا ہے اسے جر دیتا ہے۔ جی، جار مجرور، اب دیکھیے جار مجرور نے متعلق ہونا ہے کسی سے، اور یہاں مبتدا تو گزرا ہے اور اس کے علاوہ نہ فعل ہے، نہ مصدر ہے، نہ اسمِ فاعل ہے، نہ اسمِ مفعول ہے، نہ صفتِ مشبہ ہے، نہ اسمِ تفضیل ہے، نہ مبالغے کا صیغہ ہے، اور نہ اسمِ فعل، تو ہمیں محذوف نکالنا پڑے گا۔ جی! جار مجرور مل کر متعلق ہوئے « ثَبَتَ » فعل کے ساتھ۔ « ثَبَتَ » فعل، « هُوَ » ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، مرفوع کیوں ہے؟ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے، مبنیات میں سے ہے اسم۔ اور یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ « اَلْحَمْدُ » مبتدا کو، شاباش! انہوں نے عائد بھی بتا دیا، ربط آ گیا بھائی۔ « ثَبَتَ » فعل اپنے فاعل اور متعلق (متعلق کیا ہے؟ « لِلّٰهِ » یہ جار مجرور) سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ مبتدا کے لیے۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

« اَلْحَمْدُ » ، حمد پر الف لام ہے، اس کا اور یہ الف لام استغراقی یا جنسی ہے، تو استغراقی تمام تعریفیں « لِلّٰهِ » کس کے لیے ہیں؟ اللہ کے لیے۔ تو دیکھو آپ نے « ثَبَتَ » نکالا، اور ثبوت کا کیا معنیٰ میں نے بتایا تھا؟ ہونا۔ تو دیکھو حمد اللہ کے لیے ہے، یہ ہونا سے کیا ہے؟ ہے۔ یہ اسی سے ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ حمد اللہ کے لیے ہے، یا یوں کہو حمد اللہ کے لیے ثابت ہے۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: « اَلشَّمْسُ فِي السَّمَاءِ » ۔ « اَلشَّمْسُ فِي السَّمَاءِ » (الف لام ہے شروع میں، پھر س، م، الف اور ہمزہ)، « اَلشَّمْسُ فِي السَّمَاءِ » ۔ چلیے بھائی، آپ ترکیب کیجیے۔ « اَلشَّمْسُ » مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش! « اَلشَّمْسُ » مرفوع لفظاً مبتدا۔ آگے؟ « فِي » جارہ، جی آگے؟ « السَّمَاءِ » مجرور لفظاً، شاباش! « السَّمَاءِ » مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر « فِي » جارہ داخل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھایئے: « السَّمَاءِ » ، شاباش! جی، اب کیجیے آگے! جار مجرور مل کر متعلق ہوئے « ثَبَتَ » فعل کے ساتھ؟ « ثَبَتَ » فعل، « هُوَ » ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو لوٹ رہی ہے « اَلشَّمْسُ » کو؟ بھائی، « اَلشَّمْسُ » کا لفظ عربی میں مؤنثِ سماعی ہے یعنی عرب اس کو مؤنث استعمال کرتے ہیں۔ فاعل کی بحث میں مصنف نے مثالیں مثال ذکر کی تھی، میں نے وہاں بھی آپ کو بتایا تھا کہ شمس کا لفظ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے، اسی طرح دار کا لفظ بھی کیا ہے عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے، تو اس کے لیے ہمیں مؤنث کی ضمیر چاہیے۔ « ثَبَتَتْ » ، شاباش! دیکھا؟ « ثَبَتَ » میں تو « هُوَ » ضمیر تھی، ہمیں ایسا فعل چاہیے، نکالنا ہم نے اپنی مرضی سے ہے، تو ہم وہ فعل نکالیں گے جس میں « هِيَ » ضمیر ہو، اور « هِيَ » ضمیر تو چوتھے صیغے میں ہوتی ہے، تو « ثَبَتَ ثَبَتَا ثَبَتُوا ثَبَتَتْ » ، تو « ثَبَتَتْ » فعل، شاباش! « ثَبَتَتْ » فعل، اس کے اندر « هِيَ » ضمیر، اس کا اعراب بتاؤ: مرفوع محلاً، کیونکہ فاعل ہے، جو لوٹ رہی ہے « اَلشَّمْسُ » کو۔ اب ضمیر اور مرجع میں مطابقت آ گئی اور انہوں نے ربط بھی دے دیا، عائد بھی بتلا دیا۔ آگے اب کیجیے! « ثَبَتَتْ » فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

جی، اب روانی سے پڑھ دیجیے: « اَلشَّمْسُ فِي السَّمَاءِ » ۔ ترجمہ کیجیے: سورج آسمان میں ہے بھائی۔ « فِي السَّمَاءِ » آسمان میں، اور کس کی بات ہم کر رہے ہیں، مبتدا کون ہے؟ « اَلشَّمْسُ » ، اس کی بات کر رہے ہیں۔ تو سورج آسمان میں ہے، یہ « ہے » کہاں سے آیا؟ وہی « ثَبَتَتْ » جو آپ نے نکالا بھائی۔

چلیے جی، اب آپ کیجیے ترکیب۔ یہی ترکیب کیجیے ذرا دوبارہ، اب آپ نے اسمِ فاعل نکالنا ہے۔ جی! « اَلشَّمْسُ » مرفوع لفظاً مبتدا، جلدی جلدی کریں اب تو آ گئی ترکیب۔ « فِي » جارہ، رامشد دہے، « فِي » جارہ۔ « السَّمَاءِ » مجرور لفظاً۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ حرفِ جر داخل ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، شاباش! کر کے دکھایئے: « السَّمَاءِ » ۔ جی، سمیٹیے اب! جار مجرور مل کر متعلق ہوئے « ثَابِتٌ » صیغہ اسمِ فاعل؟ صیغہ اسمِ فاعل، ہاں، اس کا بھی اعراب بتاؤ: « ثَابِتٌ » مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے، یہ کیا ہے؟ خبر مرفوع ہوتی ہے۔ جی، تو صیغہ اسمِ فاعل، اچھا آگے؟ « ثَابِتٌ » میں « هِيَ » ضمیر کب ہوتی ہے؟ وہ صیغہ لاؤ جس میں مؤنث کی ضمیر ہو۔ کیا مشکل ہے بھائی، کیوں سوچ میں ڈوب گئے؟ آپ بتایئے بھائی: « ثَابِتَةٌ » ، صرف بولتا مؤنث والی مثلاً « ضَارِبٌ » پٹائی کرنے والا، « ضَارِبَةٌ » پٹائی کرنے والی، اسمِ فاعل کی گردان آپ نے پڑھی ہے بھائی؟ تو « ثَابِتَةٌ » مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر « هِيَ » ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو لوٹ رہی ہے « اَلشَّمْسُ » کو، شاباش! عائد بھی انہوں نے بتلا دیا۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر او ہو! « ثَابِتَةٌ » ہے، جملہ کہاں سے ہوا؟ ہاں، شبہ جملہ ہو کر خبر بنی مبتدا کی، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ

ہوا۔ جی، روانی سے پڑھیے: «اَلشَّمْسُ فِي السَّمَاءِ»۔ ترجمہ کیجیے: وہی ترجمہ ہو گا بھائی، آسمان میں سورج جو لفظ لکھے ہوئے ہیں نا صرف ان کا ترجمہ کر دو: «اَلشَّمْسُ فِي السَّمَاءِ» سورج آسمان میں ہے بھائی۔ کیوں سوچ میں ڈوب گئے؟ «ثَبَتَتْ» میں بھی وہی معنیٰ تھا، «ثَابِتَةٌ» میں بھی وہی معنیٰ۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

اگلا جملہ لکھیے: «خَتَمَ اللّٰهُ»۔ «خَتَمَ» (خ، ت دو نقطوں والی اور م)، «خَتَمَ»۔ «خَتَمَ اللّٰهُ»، «خَتَمَ» آگے لفظِ اللہ بھائی، «عَلَى»، «عَلَى»، «قُلُوبِهِمْ»، «قُلُوبِهِمْ»۔ چلیے جی، آپ ترکیب کیجیے بھائی! «خَتَمَ» فعل، لفظِ اللہ مرفوع لفظاً اس کا فاعل۔ میں نے بتایا تھا پہلا اور چوتھا صیغہ صرف ان کا فاعل اسمِ ظاہر آ سکتا ہے، باقی بارہ صیغوں کا فاعل ہمیشہ ضمیر ہو گی، اور «خَتَمَ» بھی کون سا صیغہ ہے؟ پہلا صیغہ، تو اس لیے لفظِ اللہ یہ اسمِ ظاہر ہے، یہ فاعل بنے گا اس کے لیے۔ آگے بھائی: «عَلَى» جارہ، «قُلُوبِ» مجرور لفظاً مضاف۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ ہاں، جس اسم کے ساتھ ضمیر متصلہ آ جائے تو وہ مضاف مضاف الیہ بنتے ہیں، تو «قُلُوبِ» مجرور لفظاً مضاف۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر حرفِ جر داخل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: «قُلُوبِ»، دیکھا؟ جی، آگے بھائی! «هِمْ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ تو «هِمْ» ضمیر نہ پڑھنا، «هِمْ» کوئی ضمیر نہیں ہے، یہ صرف ماقبل میں کسرہ تھا اس لیے اس پر حرکت کون سی پڑھ دی؟ کسرے کی «قُلُوبِهِمْ»، تو الگ جب کرو گے تو پھر وہی «هُمْ» پڑھو۔ «هُمْ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ یہ ضمیر ہے، مبنیات میں سے ہے۔ سمیٹیے اب بھائی! مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا «عَلَى» جارہ کے لیے۔ جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا «ثَبَتَ» فعل کے؟ جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا کس سے؟ آپ بتایئے بھائی، آپ بتایئے بھائی: «خَتَمَ» فعل۔

بھئی میں نے بتایا تھا آٹھ چیزوں میں سے کسی سے متعلق ہو گا، وہ عبارت میں ذکر نہ ہوں تو پھر آپ کو کیا کرنا پڑے گا؟ محذوف نکالنا پڑے گا، اور اگر وہ موجود ہیں تو پہلے ان سے جوڑنے کی کوشش کریں، جڑتا ہے یا نہیں۔ اچھا، جڑنے کی بھی ایک بات یاد رکھنا، مثلاً جملے میں ایک فعل بھی آ رہا ہے، ایک اسمِ فاعل بھی ہے اور جار مجرور ہے۔ اب پہچانیں گے کیسے، کس سے یہ جڑے گا؟ یہ تو فعل سے بھی جڑ سکتا ہے فعل بھی موجود ہے، یہ اسمِ فاعل سے بھی جڑ سکتا ہے وہ بھی موجود ہے، اور فرض کرو اس میں مفعول بھی ایک موجود ہے، تو پہچانیں گے کیسے کہ یہ کس سے جڑ رہا ہے؟ کیونکہ یہ تینوں سے جڑ سکتا ہے۔ تو اس وقت پھر یاد رکھو طریقہ یہ ہے کہ وہ جو جار مجرور ہیں، جیسے یہاں پر کیا ہے جار مجرور؟ «عَلَى قُلُوبِهِمْ»، پورا پورا، صرف قلوب پہ داخل ہے یا یہ سارے مجموعے پہ داخل ہو رہا ہے؟ تو اس سارے کو پکڑ لیں «عَلَى قُلُوبِهِمْ» جار مجرور کو پکڑ لیں، اور جس سے جوڑنا چاہتے ہیں صرف اس کو پکڑ لیں، باقی جملے کے لفظ دس ہوں یا پندرہ ہوں یا بیس ہوں ساروں کو ختم کر دیں، صرف کن کو پکڑ لیں؟ جار مجرور جس کو جوڑنا ہے، اور جس سے جوڑنا آپ دیکھنا چاہتے ہیں یہ اس سے جڑ رہا ہے یا اس سے جڑ رہا ہے یا اس سے جڑ رہا ہے، تو ایک ایک کے ساتھ باری باری اس کو جوڑ کر دیکھیں۔ تو کس کو جوڑنا ہے؟ «عَلَى قُلُوبِهِمْ» کو، اور کس سے آپ دیکھنا چاہتے ہیں؟ مثلاً یہاں «خَتَمَ» ہے، تو صرف ان دو کو پکڑیں، اب کیا بن گیا؟ «خَتَمَ عَلَى قُلُوبِهِمْ»۔ اب ترجمہ کر کے دیکھو: «خَتَمَ» مہر لگانا، «خَتَمَ» مہر لگائی «عَلَى قُلُوبِهِمْ» ان کے دلوں پر، جڑ رہا ہے یا نہیں جڑ رہا؟ معنیٰ صحیح بنے گا، آپ خود غور کر لیں گے، بات سمجھ میں آئی بھائی؟ تو «خَتَمَ عَلَى قُلُوبِهِمْ» کیا معنیٰ؟ مہر لگائی ان کے دلوں پر، معلوم ہوا یہ اسی سے جڑ رہا ہے۔

جی، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے؟ «خَتَمَ» فعل کے ساتھ۔ اب سمیٹیے بھائی! «خَتَمَ» فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب روانی سے پڑھیے بھائی: «خَتَمَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ»۔ ترجمہ کیجیے: مہر لگائی اللہ نے ان کے دلوں پر، ہاں، اللہ نے مہر لگائی ان کے دلوں پر۔

اگلا جملہ لکھیے بھائی: «اشْتَرَيْتُ هٰذِهِ الدَّارَ مِنْ زَيْدٍ» (ز، ی، د)۔ چلیے بھائی، ترکیب کیجیے بھائی، جلدی جلدی ذرا کریں بھائی، اب تو آپ ترکیب کے ماشاء اللہ ماہر ہوتے جا رہے ہیں بھائی۔ «اشْتَرَيْتُ» فعل با فاعل، ت ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ آگے؟ «هٰذِهِ» مضاف؟ اعراب مجرور لفظاً؟ چلیے بھائی، بس بھائی بس بھائی، باقی یہ ترکیب آپ نے حل کر کے لانی ہے، ہر ایک سے میں پوچھوں گا اور الگ الگ کرنی ہے، ایک دوسرے کو نہیں بتانی، یہ حل کر کے لائیں کل بھائی۔ اور مغرب کے بعد یا عشاء کے بعد بھی ان شاء اللہ پھر سبق پڑھیں گے، ٹھیک ہے؟ چلیے، بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۷: جار مجرور اور ظرف کی عملی ترکیب (قسط دوم: افعالِ عامہ اور تقدیرِ متعلق)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۲—بتاریخ: ۶ جنوری ۲۰۱۵ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں ہم نے جار مجرور کی ترکیب شروع کی تھی، اور آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ جار مجرور جب بھی کلام میں آجائیں وہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ متعلق ہوں گے، اور وہ آٹھ چیزیں ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونی چاہئیں۔ وہ آٹھ چیزیں یاد ہیں؟ نمبر ایک: فِعْل، نمبر دو: مَصْدَر، نمبر تین: اِسْمِ فَاعِل، نمبر چار: اِسْمِ مَفْعُول، نمبر پانچ: صِفَتِ مُشَبَّہ، نمبر چھ: اِسْمِ تَفْضِیل، نمبر سات: مبالغے کے صیغے، اور نمبر آٹھ: اِسْمِ فِعْل۔ یہ آٹھ چیزیں ہر وقت ذہن میں ہوں بھئی۔ تو جب بھی جار مجرور کلام میں آئے گا وہ ان آٹھ میں سے کسی ایک سے ضرور متعلق ہو گا۔ اگر جملے کے اندر ان میں سے کوئی ایک موجود ہے تو جار مجرور اس سے متعلق ہو جائے گا، اور اگر جملے میں ان میں سے کوئی بھی موجود نہیں تو پھر ہمیں محذوف نکالنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آئی بھئی؟

اور جار مجرور کو میں نے بتایا تھا ظرف کہتے ہیں مجازاً۔ اور ان کا متعلَّق جو ہے، یہ خود تو کیا ہیں؟ متعلِّق، اور جس سے جڑیں گے وہ ہے متعلَّق۔ تو ان کا متعلَّق اگر کلام کے اندر ذکر ہو تو ان کو کہتے ہیں ظرفِ لغو۔ ان کو کیا کہتے ہیں؟ ظرفِ لغو۔ اور اگر ان کا متعلَّق محذوف نکالنا پڑے تو پھر ان کو کہتے ہیں ظرفِ مستقر بھئی، ظرفِ مستقر۔ تو یہ جو ظرف ہے اس نے بھی اپنے متعلَّق کی جگہ پر قرار پکڑا ہوا ہے۔ «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، اصل میں کیا تھا؟ «زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ»، تو «ثَابِتٌ» چلا گیا اور یہ «فِي الدَّارِ» نے اس کی جگہ پر قرار پکڑ لیا، تو اس لیے یہ کیا ہے؟ ظرفِ مستقر ہے بھئی، ظرفِ مستقر۔ اور اگر اپنے عامل کی جگہ پر، اپنے متعلَّق کی جگہ پر قرار نہیں پکڑا تو پھر وہ ظرفِ لغو ہے۔

اور پھر میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ یہ جو محذوف نکالیں گے، یہ افعالِ عامہ میں سے بھی نکال سکتے ہیں اور افعالِ خاصہ میں سے بھی۔ اور افعالِ عامہ مشہور چار ہیں، مشہور چار۔ اور وہ کون کون سے ہیں؟ کَوْن، ثُبُوت، حُصُول اور وُجُود۔ تو ان سے فعل بھی نکال سکتے ہیں اور صفت کا صیغہ بھی نکال سکتے ہیں۔ تو کَوْن سے اگر فعل نکالنا ہو تو عموماً کیا نکالتے ہیں؟ «كَانَ»، اور اگر صفت کا صیغہ نکالنا ہو تو «كَائِنٌ»۔ اور ثُبُوت سے اگر فعل نکالنا ہو تو «ثَبَتَ»، اور اگر صفت کا صیغہ نکالنا ہو تو «ثَابِتٌ»۔ اور حُصُول سے اگر فعل نکالنا ہو تو «حَصَلَ»، اور اگر صفت کا صیغہ نکالنا ہو تو «حَاصِلٌ»۔ اور وُجُود میں البتہ فرق پڑے گا کہ وہاں پر فعلِ مجہول نکالنا ہے اور صفت کا صیغہ اسمِ فاعل نہیں نکالنا بلکہ اسمِ مفعول۔ تو «زَيْدٌ فِي الدَّارِ» اَی «زَيْدٌ» وجود سے بنائیں: «زَيْدٌ وُجِدَ فِي الدَّارِ»، «زَيْدٌ وُجِدَ فِي الدَّارِ»۔ یا اگر صفت کا صیغہ نکالنا ہے تو «زَيْدٌ مَوْجُودٌ فِي الدَّارِ»، اسمِ مفعول نکالیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

اس کے بعد ایک ضابطہ جو پہلے بھی ذکر ہو چکا وہ بھی یاد رکھیں بھئی۔ یاد رکھیے: نکرہ کے بعد اگر فعل آجائے تو وہ فعل عموماً اس نکرہ کے لیے صفت بنے گا۔ کیا بنے گا؟ صفت۔ کس کے بعد اگر فعل آئے؟ نکرہ کے بعد اگر فعل آجائے۔ کیونکہ فعل، ہاں، ایک بات رہ گئی۔ یہ جو افعالِ عامہ نکال رہے ہیں آپ، «ثَبَتَ» بھی نکال سکتے ہیں «ثَابِتٌ» بھی، اور «كَانَ» بھی نکال سکتے ہیں «كَائِنٌ» بھی، «حَصَلَ» بھی نکال سکتے ہیں «حَاصِلٌ» بھی، «وُجِدَ» بھی نکال سکتے ہیں اور «مَوْجُودٌ»۔ لیکن فرق یہ ہے، جب فعل نکالیں گے تو فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل وغیرہ سے مل کر جملہ بنے گا، لیکن صفت کا صیغہ نکالیں گے تو وہ جملہ نہیں بنے گا، وہ مفرد کا مفرد ہی رہے گا، تو وہ، اسے پھر شبہ جملہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ شبہ جملہ۔ یاد رکھو! فعل کے ساتھ جب فاعل یا نائب فاعل ملتا ہے اور جتنی بھی چیزیں مل جائیں تو وہ جملہ بنتا ہے، لیکن یہ جو صفت کے صیغے ہیں ان کے ساتھ چاہے ہزار چیزیں جڑ جائیں یہ پھر بھی مفرد کے مفرد ہی رہتے ہیں۔ تو لہٰذا اس کو پھر جملہ نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ شبہ جملہ کہیں گے، شبہ جملہ۔

اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ صفت کے صیغے کے لیے بھی فعل کی طرح فاعل یا نائب فاعل چاہیے ہوتا ہے۔ اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے ہوتا ہے؟ فاعل۔ اور اسمِ مفعول کے لیے؟ نائب الفاعل چاہیے ہوتا ہے۔ تو وہ ضابطہ میں ذکر کر رہا تھا ابھی، کہ نکرہ، نکرہ کے بعد اگر فعل آجائے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے عموماً؟ صفت بنتا ہے۔ کس طرح صفت بنے گا؟ فعل کے، جب فعل آیا نکرہ کے بعد تو وہ فعل اس کے لیے پھر کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ وہ پورا جملہ بنے گا اور پھر پورا جملہ ہو کر وہ اس نکرہ کی صفت بنے گا۔ کیا بنے گا؟ صفت۔ اس سے ایک اور بات کا بھی پتہ چل گیا کہ جملہ جو ہے وہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ جملہ کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ جملے کے اپنے اندر خود چاہے دس معرفہ آرہے ہوں، لیکن جب پورا جملہ بن گیا اب وہ کس کے حکم میں ہے؟ نکرہ کے۔ جملے کے اندر تو معرفہ کئی موجود ہیں لیکن جب پورا جملہ بن گیا اب وہ معرفہ نہ رہا، اب کیا بن گیا؟ نکرہ۔ اور جب نکرہ بن گیا تو نکرہ کے بعد نکرہ آگیا۔ نکرہ کے بعد فعل تھا نا؟ جی۔ وہ فعل کیا بن گیا؟ جملہ، اور جملہ بھی کیا؟ نکرہ۔ تو یہ بھی نکرہ ہوا اور ما قبل میں بھی کیا آیا تھا؟ نکرہ۔ تو لہٰذا جب نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو وہ کیا بنتے ہیں آپس میں؟ موصوف صفت بنتے ہیں، تو یہ بھی موصوف صفت بنیں گے۔

جبکہ معرفہ کے بعد اگر فعل آجائے تو وہ عموماً اس سے حال بنتا ہے۔ کیا بنتا ہے؟ حال بنتا ہے۔ وہ جو معرفہ ہے، وجہ کیوں حال کیوں بنے گا؟ کیونکہ ما قبل میں آیا معرفہ اور مابعد میں کیا آیا؟ فعل، اور فعل کیا بنے گا؟ جملہ، اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ۔ تو ما قبل میں ہے معرفہ اور یہ ہے نکرہ، تو نکرہ تو معرفہ کی صفت نہیں بن سکتا، تو صفت نہیں بنے گا، پھر کیا بناتے ہیں اس کو؟ حال بناتے ہیں۔ اسی لیے «قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ»، لفظِ «اللهُ» کے بعد «تَعَالَىٰ»، یہ فعل آگیا۔ «تَعَالَىٰ» کیا ہے؟ فعل، بابِ تَفَاعُل ہے۔ بابِ تفاعل۔ تو یہ فعل آیا تو اس کو پھر کیا بناتے ہیں؟ حال بناتے ہیں۔ لفظِ «اللهُ» کو ذوالحال اور «تَعَالَىٰ» کو اس سے حال بناتے ہیں بھئی۔

تو ضابطہ سمجھ میں آیا؟ کیا؟ نکرہ کے بعد اگر فعل آئے تو عموماً کیا بنے گا اس کے لیے؟ صفت۔ اور معرفہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے حال بنے گا۔ اور بالکل اسی طرح ہے جار مجرور بھی۔ نکرہ کے بعد اگر جار مجرور آجائیں، کس کے بعد؟ نکرہ کے بعد، اور وہ جار مجرور کسی سے جڑ نہ رہا ہو، یہ بھی یاد رکھنا ساتھ، کہ نکرہ کے بعد کون آئے؟ جار مجرور، اور وہ جار مجرور کسی سے جڑ نہ رہا ہو تو پھر وہ بھی اس نکرہ کے لیے صفت بنے گا۔ بات سمجھ میں آئی؟ کون آئے نکرہ کے بعد؟ جار مجرور، اور وہ جار مجرور کسی سے جڑ نہ رہا ہو یعنی محذوف نکالنا پڑے آپ کے لیے اس کے متعلَّق کو، تو پھر وہ بھی عموماً کیا بنتا ہے اس نکرہ کے لیے؟ صفت بنتا ہے۔ اور معرفہ میں بعینہٖ اسی طرح، معرفہ کے بعد اگر جار مجرور آئے اور وہ کسی سے جڑ نہ رہا ہو تو پھر وہ اس معرفہ سے حال بنے گا۔ کیا بنے گا؟ حال بنے گا۔ ضابطہ سمجھ میں آیا؟ معلوم ہوا نکرہ کے بعد فعل آجائے یا جار مجرور آجائے اور وہ کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو یہ دونوں نکرہ کے لیے صفت بنتے ہیں۔ اور معرفہ کے بعد اگر فعل آجائے یا جار مجرور آجائے اور وہ جار مجرور کسی سے نہ جڑ رہا ہو، محذوف نکالنا پڑے اس کا متعلَّق، تو وہ فعل یا وہ جار مجرور اس معرفہ کے لیے حال بنیں گے بھئی۔ ضابطہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟ چلیے اب کچھ ترکیبیں کر لیجیے بھئی۔

اچھا، گزشتہ ترکیب میں نے دی تھی کوئی؟ جی، کیا ترکیب تھی؟ جملہ ذرا پڑھیں۔ «اِشْتَرَيْتُ هٰذِهِ الدَّارَ مِنْ زَيْدٍ»۔ «اِشْتَرَيْتُ»، اچھا بھئی میں نے ترکیب دی تھی پچھلے سبق میں «اِشْتَرَيْتُ هٰذِهِ الدَّارَ مِنْ زَيْدٍ»۔ چلیے بھئی، ترکیب کیجیے بھئی، آپ حل کیے ہیں بھئی؟ کوشش کی ہے حل کرنے کی؟ ہاں، چلیں کیجیے بھئی۔ «اِشْتَرَيْتُ» کا معنی آتا ہے کہ نہیں آتا؟ ہاں، «اِشْتَرَيْتُ» کا معنی خریدنے کے بھی اور بیچنے کے بھی، دونوں معنی ہیں اس کے۔ لیکن زیادہ تر یہ استعمال خریدنے کے لیے ہوتا ہے۔

■ قولہ: «اِشْتَرَيْتُ» کی تشریح

«اِشْتَرَيْتُ» فعل بافاعل، تاضمیر اس کا فاعل، تاضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ وہ فاعل ہے۔ کیونکہ فاعل ہے، شاباش۔ محلاً کیوں کہا؟ کیونکہ وہ ضمیر ہے۔ کیونکہ ضمیر ہے مبنیات میں سے، بھئی تاپر تو میں پیش باقاعدہ پڑھ رہا ہوں، پھر آپ محلاً کیوں کہہ رہے ہیں، لفظاً کیوں نہیں کہتے؟ ہاں، یہ اس کی حرکت ہے، یہ اس کا اعراب نہیں ہے بھئی۔ آگے: «هٰذِهِ» منصوب محلاً موصوف۔ منصوب کیوں؟ جی؟ شاباش۔ یہ منصوب محلاً موصوف، منصوب محلاً موصوف۔ منصوب کیوں؟ فعل کے بعد، ہاں فاعل مرفوع، ہاں اب آگے مفعول آئے گا، شاباش، یہ مفعول بنے گا، کیونکہ فاعل گزر گیا۔ فعل کے آنے کے بعد صرف فاعل یا نائب فاعل مرفوع ہوتے ہیں، پھر آگے سارے آگے منصوبات یا مجرورات ہوتے ہیں۔ تو لہٰذا مرفوع تو یہ ہو نہیں سکتا، یا یہ منصوب ہے یا یہ مجرور ہے۔ اور مجرور تو صرف دو ہی ہیں، جس پر حرفِ جر داخل ہو یا جس پر مضاف آئے، یعنی مضاف الیہ ہو وہ، اور نہ اس پر حرفِ جر داخل ہے اور نہ اس سے پہلے کوئی مضاف گزرا ہے، تو یہ مضاف الیہ بھی نہیں اور حرفِ جر بھی اس پر داخل نہیں، تو لہٰذا یہ مجرور نہیں بلکہ منصوب ہے، مفعول بہ بنے گا۔ اچھا، منصوب

محلاً کیوں کہا آپ نے؟ ہاں، یہ اسمِ اشارہ ہے اور اسمِ اشارہ کیا ہے؟ کس میں سے ہے؟ مبنیات۔ مبنیات تین چار چیزیں میں نے ذکر کی تھیں: نمبر ایک، تمام، ترتیب سے، تمام ضمیریں ہیں۔ نمبر دو: اسمائے اشارہ ہیں۔ نمبر تین: اسمائے موصولہ۔ یہ تو ہر وقت آپ کے ذہن میں ہوں: تمام ضمیریں، اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ، یہ مبنیات میں سے ہیں، ان کا اعراب ہمیشہ محلاً بتلانا ہے۔ تو «هٰذِهِ» منصوب محلاً موصوف۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ ہمارے پاس دو لفظ آ رہے ہیں اور وہ دونوں معرفہ ہیں۔ شاباش، دونوں معرفہ ہیں اور جب دو معرفہ اکٹھے آجائیں تو عموماً پہلے کو موصوف بناتے ہیں اور بعد میں جتنے بھی معرفہ ہوں وہ اس کی صفت بنتے ہیں۔ تو «هٰذِهِ» منصوب محلاً موصوف، آگے۔ «الدَّارَ» منصوب لفظاً صفت، ہاں «الدَّارَ» منصوب لفظاً صفت۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ صفت بن رہا ہے۔ کیونکہ صفت ہے اور صفت موصوف کا اعراب ایک ہوتا ہے، موصوف منصوب تھا تو صفت بھی منصوب ہو گی۔ اور آگے کیا کہا؟ کون سا منصوب ہے؟ لفظاً، لفظاً کیوں کہا؟ اس کے نصب پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، ذرا کر کے دکھائیے: «الدَّارَ»۔ جی، جر پہ ذرا تلفظ کریں: «الدَّارِ»۔ ذرا پیش پر، ضمے پر تلفظ کریں: «الدَّارُ»۔ تو یہ «الدَّارَ» منصوب لفظاً صفت، جی۔ موصوف صفت مل کر مفعول بہ، شاباش، موصوف صفت مل کر مفعول بہ، کیونکہ آگے اب جار مجرور الگ آنے والے ہیں تو ان کو سمیٹ دیا۔ موصوف صفت مل کر مفعول بہ۔ آگے۔ «مِنْ» جارہ، «زَيْدٍ» مجرور لفظاً، بس پھر بس دوبارہ مجرور کہنے کی ضرورت نہیں۔ «زَيْدٍ» مجرور لفظاً۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر حرفِ جر داخل ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس پر حرفِ جر داخل ہوا اور وہ جر دیتا ہے تو یہ مجرور ہوا۔ لفظاً کیوں کہا؟ اس کے جر پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ اس کے جر پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھائیے: «زَيْدٍ»، «زَيْدٍ»، شاباش، تو مجرور لفظاً۔ جی، اب سمیٹیے۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «اِشْتَرَيْتُ» فعل کے۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے؟ «اِشْتَرَيْتُ» فعل سے۔ میں نے کیا بتایا تھا؟ جار مجرور کتنی چیزوں سے متعلق ہونا چاہتا ہے؟ آٹھ میں سے کسی ایک چیز کے ساتھ، ان میں سے کوئی چیز تھی؟ ان آٹھ چیزوں میں سے کیا چیز گزری یہاں پر؟ فعل، تو اس فعل سے ہم جوڑ کر دیکھتے ہیں، اور میں نے جوڑنے کا طریقہ بھی بتایا تھا، کس طرح جوڑ کر دیکھیں گے؟ صرف متعلَّق کو پکڑیں اور متعلِّق یعنی جار مجرور کو پکڑیں، باقی لفظوں کو ختم کر دیں۔ متعلَّق کون ہے یہاں پر؟ «اِشْتَرَيْتُ»، اور متعلِّق کون ہے؟ «مِنْ زَيْدٍ»، باقی لفظوں کو ختم کر دیں: «اِشْتَرَيْتُ مِنْ زَيْدٍ»، اور ترجمہ کر کے دیکھیں اس کا ذرا: «اِشْتَرَيْتُ مِنْ زَيْدٍ»۔ میں نے خریدا زید سے۔ میں نے خریدا زید سے، بات صحیح بن رہی ہے کہ نہیں بن رہی؟ صحیح بن رہی ہے، معلوم ہوا ہم صحیح جوڑ رہے ہیں۔ بعض اوقات آپ جوڑیں گے آپ کو خود پتہ لگ جائے گا یہ تو معنی ہی نہیں صحیح بن رہا، اس سے جڑ ہی نہیں سکتا، تو یہ ترجمہ کر کے دیکھ لیا کرو۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو «اِشْتَرَيْتُ مِنْ زَيْدٍ»، «اِشْتَرَيْتُ» میں نے خریدا، «مِنْ زَيْدٍ» زید سے، ترجمہ صحیح ہو رہا ہے؟ معلوم ہوا یہ اسی سے جڑے گا بھئی۔ تو جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «اِشْتَرَيْتُ» فعل سے۔ اب سمیٹیے بھئی سارے کو۔ فعل اپنے فاعل سب سے پہلے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ہاں، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب اس کو ذرا روانی سے پڑھ دو، ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے نکال لیا۔ «اِشْتَرَيْتُ هٰذِهِ الدَّارَ مِنْ زَيْدٍ»۔ «اِشْتَرَيْتُ هٰذِهِ الدَّارَ مِنْ زَيْدٍ»، ترجمہ کیجیے۔ میں نے زید سے اس گھر کو خریدا۔ ہاں، «اِشْتَرَيْتُ» میں نے خریدا، «هٰذِهِ الدَّارَ» یہ گھر، «مِنْ زَيْدٍ» زید سے، میں نے یہ گھر زید سے خریدا۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھئی؟ اب یہاں ایک اور اشکال ہوتا ہے، «هٰذِهِ» یہ تو مؤنث کا اسمِ اشارہ ہے، «هٰذَا» مذکر کے لیے اور «هٰذِهِ» مؤنث کے لیے، اور «الدَّارَ» یہاں یہ تو مذکر ہے تو یہ تو موصوف صفت میں مطابقت نہیں، کیا جواب دیں گے؟ ہاں، یہ «الدَّارَ» اگرچہ اس میں آخر میں گول تا نہیں ہے، مؤنث کی کوئی علامت نہیں ہے، لیکن عرب اس کو کس طرح استعمال کرتے ہیں؟ مؤنث ہی استعمال کرتے ہیں، ہم نے عربوں سے مؤنث ہی اس کو سنا ہے، اس کو کہتے ہیں مؤنثِ سماعی۔ تو لہٰذا یہاں مطابقت ہے، موصوف، موصوف اگر مؤنث ہے تو صفت بھی کیا ہے؟ مؤنث ہے بھئی، شاباش۔

تو موصوف صفت میں اعراب میں بھی مطابقت ہوتی ہے، موصوف اگر مرفوع ہو تو صفت بھی مرفوع، موصوف اگر منصوب ہو تو صفت بھی منصوب، موصوف اگر مجرور ہو تو صفت بھی مجرور۔ نیز تذکیر و تانیث میں بھی مطابقت ہوتی ہے، موصوف مذکر تو صفت بھی مذکر، موصوف مؤنث تو صفت بھی مؤنث۔ اور واحد، تثنیہ، جمع ہونے میں بھی مطابقت ہوتی ہے، موصوف اگر مفرد ہو تو صفت بھی مفرد ہو گی، موصوف اگر تثنیہ تو صفت بھی تثنیہ، موصوف اگر جمع تو صفت بھی جمع۔ ہاں، ایک اور ضابطہ آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ جمع بتاویلِ جماعتٍ کے کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث، لہٰذا اگر موصوف جمع ہو، موصوف کیا ہو؟ جمع ہو، تو اس کی صفت واحد مؤنث آسکتی ہے، جیسے پیچھے مثال گزری تھی: «كُتُبًا جَيِّدَةً»۔ «كُتُبًا» کیا تھا؟ جمع، اور «جَيِّدَةً» واحد مؤنث۔ تو جواب آپ نے وہاں کیا دیا تھا؟ کہ یہ جمع بتاویلِ جماعتٍ کے کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث، جب یہ واحد مؤنث ہے تو صفت بھی «جَيِّدَةٌ» واحد مؤنث لے آئے۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی: «اَلْمَاءُ يَجْرِي عَلَى الْأَرْضِ»۔ «اَلْمَاءُ»، «اَلْمَاءُ يَجْرِي»، یا، جیم، را اور پھر یا، «يَجْرِي عَلَى الْأَرْضِ»، «عَلَى»

اور «اَلْأَرْضِ» ۔ «اَلْمَاءُ يَجْرِي عَلَى الْأَرْضِ» ۔ چلیے بھئی آپ ترکیب کیجیے۔ جَرَىٰ يَجْرِي کے معنی ہوتے ہیں بہنا، بہنا، جیسے پانی کیا ہے زمین پر بہتا ہے۔ اچھا جی، کیجیے بھئی، ترکیب کیجیے۔ «اَلْمَاءُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «اَلْمَاءُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «اَلْمَاءُ» ۔ «اَلْمَاءُ» ۔ جی شاباش، تو «اَلْمَاءُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ آگے۔ «يَجْرِي» فعل ہے فعل ہے، جَرَىٰ يَجْرِي۔ «يَجْرِي» فعل، آگے، ہاں بھئی آپ کیجیے۔ «عَلَى» اچھا «عَلَى» جارہ، «اَلْأَرْضِ» مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «يَجْرِي» فعل کے۔ جار مجرور مل کر متعلق «يَجْرِي» فعل کے، اور؟ «يَجْرِي» فعل اپنے ہوا ضمیر جو کہ اس کا فاعل، ہاں ہوا ضمیر پہلے تو آپ نے نہیں بتائی، بھئی جب بھی فعل آئے سب سے پہلے کس کو تلاش کرنا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل کو۔ یہ فعلِ معروف ہے، اس کے لیے تو فاعل چاہیے ہو گا۔ تو لہٰذا یوں کہیں: «يَجْرِي» فعل بافاعل۔ چلیے اب کیجیے ترکیب بھئی، دوبارہ شروع سے کریں۔ «اَلْمَاءُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «اَلْمَاءُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «يَجْرِي» فعل بافاعل۔ «يَجْرِي» فعل بافاعل، جی، فاعل اب بتایئے۔ ہوا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ «يَجْرِي» کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ کیونکہ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے، شاباش۔ آگے۔ «عَلَى» حرفِ جارہ، «عَلَى» جارہ، «اَلْأَرْضِ» مجرور، کون سا مجرور؟ لفظاً۔ ہاں، «اَلْأَرْضِ» مجرور لفظاً، جی، مجرور کیوں؟ کیونکہ حرفِ جر داخل ہے۔ کیونکہ حرفِ جر داخل ہے۔ لفظاً کیوں؟ ہم اس کے جر پر تلفظ کر رہے ہیں۔ ہم اس کے جر پر تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: «اَلْأَرْضِ» ، «اَلْأَرْضِ» ، جی، سمیٹیے اب۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «يَجْرِي» فعل سے۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «يَجْرِي» فعل کے ساتھ، بھئی جوڑ کر دیکھیں ذرا جڑتا ہے یا نہیں؟ «يَجْرِي» بہتا ہے، «عَلَى اَلْأَرْضِ» زمین پر، جڑ رہا ہے یا نہیں جڑ رہا؟ جی؟ بتایئے، اتنی کوئی مشکل بات ہے؟ معنی صحیح ہو رہا ہے یا غلط ہو رہا ہے؟ بہتا ہے زمین پر۔ ہاں، جڑ رہا ہے، سوچ میں کیوں ڈوب جاتے ہو؟ بھئی آسان سی بات ہے: بہتا ہے زمین پر، چیز جڑ رہا ہے، تو یہ اس سے جڑ جائے گا، شاباش۔

فعل اپنے فاعل، فعل اپنے فاعل اور اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ ہاں، «يَجْرِي» کے اندر «هُوَ» ضمیر لوٹ رہی ہے «اَلْمَاءُ» کو، یہ انہوں نے عائد بتلا دیا، کیونکہ میں نے بتایا تھا جب خبر جملہ ہو یا شبہ جملہ ہو تو پھر عائد کا ہونا ضروری، جس چیز سے بھی آپ اس کو جوڑ رہے ہیں۔ تو «هُوَ» ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ «اَلْمَاءُ» کو، اور ضمیر مرجع میں مطابقت ہے وہ بھی دیکھنا ہے: «هُوَ» ضمیر بھی مفرد مذکر، «اَلْمَاءُ» بھی مفرد مذکر، دونوں میں مطابقت بھی ہے۔ تو یہ عائد بتلا دیا، ربط آ گیا، اب یہ خبر بن سکتی ہے۔ تو فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ «يَجْرِي عَلَى اَلْأَرْضِ» یہ جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی، اور پھر مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ، اب اس جملہ اسمیہ بنے گا، تو خبر کیا آئی؟ جملہ فعلیہ۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اچھا، اب روانی سے اس کو پڑھ دیجیے پورے جملے کو۔ «اَلْمَاءُ يَجْرِي عَلَى اَلْأَرْضِ» ۔ «اَلْمَاءُ يَجْرِي عَلَى اَلْأَرْضِ» ، جی، ترجمہ کیجیے۔ پانی زمین پر بہتا ہے۔ پانی زمین پر بہتا ہے، معنی سمجھ میں آیا بھئی؟ اب آپ سے اگر کوئی پوچھ لے: «يَجْرِي عَلَى اَلْأَرْضِ» اس پورے جملے کا اعراب بتاؤ، آپ کیا بتائیں گے؟ مرفوع محلاً۔ مرفوع محلاً، مرفوع کیوں؟ شاباش، کیونکہ یہ خبر ہے، اور محلاً کیوں؟ جملہ ہے۔ کیونکہ جملہ ہے اور جملہ بھی کس میں سے ہے؟ مبنیات میں سے، حتیٰ کہ بعض علماء نے تو کہا یہ مبنی الاصل ہے، لیکن جمہور کے نزدیک مبنی الاصل نہیں، مبنی ضرور ہے لیکن مبنی الاصل نہیں، مبنی الاصل صرف تین چیزیں ہیں: فعلِ ماضی، فعلِ امر حاضر معروف اور تمام حروف بھئی۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی بھئی؟

اگلا جملہ لکھیے بھئی: «زَيْنَبُ فِي الدَّارِ» ۔ «زَيْنَبُ فِي الدَّارِ» ، «فِي الدَّارِ» ۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے بھئی۔ «زَيْنَبُ» مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش۔ «زَيْنَبُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، تلفظ کر کے دکھایئے: «زَيْنَبُ» ، «زَيْنَبُ» ۔ سوال پیدا ہوتا ہے تنوین کیوں نہیں پڑھی: «زَيْنَبٌ» ، تنوین کیوں نہیں لائے؟ معرفہ پر تنوین نہیں آتی؟ «زَيْدٌ» ، «زَيْدٌ» بھی تو معرفہ ہے، اس پر تو تنوین آتی ہے۔ آپ بتایئے: ہاں، یہ غیر منصرف ہے، غیر منصرف ہے۔ اور اسبابِ منعِ صرف کیا کیا ہیں اس کے اندر؟ ایک علمیت ہے، نام ہے، یہ تو سب سے آسان ہوتا ہے، علمیت۔ اور دوسرا؟ تانیث ہے، یہ مؤنث کا نام ہے، دو سبب آ گئے، لہٰذا اور جو غیر منصرف ہوتا ہے اس پر کسرہ بھی نہیں آتا، تنوین بھی نہیں آتی۔ جی، تو «زَيْنَبُ» مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش۔ آگے بھئی: «فِي» جارہ، «الدَّارِ» مجرور، پوری بات کیا کریں بھئی، اب کیوں ادھوری کرتے ہیں؟ «الدَّارِ» مجرور لفظاً۔ ہاں، «الدَّارِ» مجرور لفظاً۔ اب سمیٹیے: جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «ثَبَتَتْ» فعل سے۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے؟ «ثَبَتَتْ» فعل سے۔ بھئی میں نے آپ کو ایک ضابطہ بتلایا تھا، وہ ضابطہ کیا تھا؟ نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، اور معرفہ کے بعد جار مجرور آئے تو اس کے لیے حال۔ لیکن یہاں ہم آپ کو کوئی کہہ دے حال کیوں نہیں بناتے؟ حال کیوں نہیں بناتے؟ تو وجہ یہ کہ یہ پورا جملہ ہے۔ کیا ہے؟ پورا جملہ ہے، اور اگر ہم اس کو حال بنا دیں پھر تو مبتدا تو آ جائے گا، خبر کدھر گئی؟ «زَيْنَبُ» زینب، اس حال میں کہ «فِي الدَّارِ» وہ کہاں ہے؟ گھر میں، آگے کیا بات ہوئی؟ بات تو ہے ہی نہیں، خبر تو ہے ہی نہیں یہاں پر، لہٰذا یہاں پر یہ

ایسا نہیں کریں گے بلکہ یہاں اس کو کیا بنائیں گے؟ خبر۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ ہاں، وہ ضابطہ بھی آپ کو جگہ، بعض جگہ وہ کام آئے گا اور یہ کہ معرفہ کے بعد جار مجرور آئے، کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو اس کے لیے کیا بنے گا؟ حال، وہاں پھر اگر وہ مبتدا خبر ہیں تو خبر الگ آرہی ہوگی، یہاں تو اور کوئی خبر ہی نہیں ہے، لہٰذا اس کو حال نہیں بنائیں گے، اس کو کیا بنائیں گے؟ خبر بنائیں گے کیونکہ بات پوری ہے: «زَيْنَبُ فِي الدَّارِ»، زینب کہاں پر ہے؟ گھر میں ہے۔ ہاں، میں نے بتایا تھا معنی میں بھی غور کیا کرو، کچھ معنی سے ترکیب کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ زینب گھر میں ہے۔ جب گھر میں زینب، کس کی بات کی؟ زینب کی، اور کیا بات کی؟ کہ گھر میں ہے، معلوم ہوا جس کی بات کی وہ بنے گا مبتدا اور جو بات کی وہ کیا بنے گی؟ خبر، اور اگر حال بناتے ہیں تو ذوالحال حال سے مل کے مبتدا بن جائے گا، آگے خبر بھی تو چاہیے ہمیں، تو پھر تو ادھوری بات ہے۔ تو آپ نے کس میں غور کرنا ہے؟ معنی میں بھی غور کرنا ہے، اس سے ترکیب حل ہوگی۔ جی، تو «فِي الدَّارِ» جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے؟ «ثَبَتَتْ» فعل، «ثَبَتَتْ»، اچھا شاباش، اب انہوں نے بدل لیا، پہلے «ثَبَتَ» کہا تھا، اب «ثَبَتَتْ»، دیکھا؟ ترکیب میں آپ غور کریں گے آپ کو خود اپنی غلطیوں کا اندازہ ہوگا، اب ماشاء اللہ ترکیب اپنی ہی غلطی کو بھی پکڑ لینا فوراً سوچ کر، معلوم ہوا ترکیب آپ کی بہتر ہوتی جارہی ہے۔ تو جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «ثَبَتَتْ» فعل کے ساتھ، شاباش۔ آگے۔ «ثَبَتَتْ» فعل بافاعل، جس میں، جب فعل کے ساتھ جڑی ہوئی ہو ضمیر یا اس کے اندر چھپی ہوئی ہو تو تعبیر کس سے کرنا ہے؟ فعل بافاعل، تو «ثَبَتَتْ» فعل بافاعل۔ اب آپ سے کوئی پوچھے فاعل کیا ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ «هِيَ» ضمیر، اس کا اعراب بھئی: «هِيَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ ہاں، «هِيَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ کیونکہ فاعل ہے، شاباش۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے۔ کیونکہ مبنی ہے، اور کس کو لوٹ رہی ہے یہ ضمیر؟ زینب کو، دیکھا انہوں نے عائد بھی بتلا دیا، اور ضمیر مرجع میں مطابقت بھی دیکھنی ہے: زینب مفرد مؤنث، ایک عورت ہے نا، اس کا نام ہے، مفرد مؤنث، اور «هِيَ» ضمیر بھی کون سی؟ مفرد مؤنث، تو معلوم ہوا ضمیر مرجع میں بھی مطابقت ہے، یہ ضمیر اس کو لوٹ سکتی ہے۔ اب آگے: فعل اپنے فاعل اور اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ ہاں، اچھا دیکھیں انہوں نے «فِي الدَّارِ» کے لیے «ثَبَتَتْ» فعل نکالا کیونکہ «فِي الدَّارِ» کیا ہے؟ جار مجرور، اور جار مجرور نے کتنی چیزوں سے متعلق ہونا ہوتا ہے؟ آٹھ میں سے ایک سے، اور ان آٹھ میں سے کوئی ایک بھی یہاں پر نہیں ہے۔ زینب تو ہے مبتدا، اس کے علاوہ، اس کے علاوہ نہ کوئی فعل ہے یہاں پر، نہ کوئی مصدر ہے، نہ اسمِ فاعل کوئی آیا، نہ اسمِ مفعول آیا، نہ صفتِ مشبہ، نہ اسمِ تفضیل، نہ کوئی مبالغے کا صیغہ اور نہ اسمِ فعل، اور جڑنا تو اس نے ضرور ہے، تو لہٰذا اس مجبوراً ہمیں کیا کرنا پڑا؟ محذوف نکالنا پڑا۔ تو معلوم ہوا یہ «فِي الدَّارِ» یہ ظرفِ لغو ہے یا ظرفِ مستقر ہے؟ ظرفِ مستقر ہے کیونکہ اس کا عامل کیا ہے؟ اس کا متعلَّق کیا ہے؟ محذوف ہے، یعنی اس نے اس کی جگہ پہ قرار پکڑا ہوا ہے۔ تو یہ متعلق ہوئے «ثَبَتَتْ» سے، «ثَبَتَتْ» فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب آپ سے کوئی پوچھ لے «ثَبَتَتْ فِي الدَّارِ» یہ جملہ ہے جملہ فعلیہ، اس کا اعراب بھی ہمیں بتا دو، تو آپ کیا کہیں گے؟ مرفوع محلاً، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر بن رہا ہے۔ ہاں، کیونکہ یہ پورا جملہ خبر کی جگہ آرہا ہے اور خبر پر کون سا اعراب ہوتا ہے؟ رفع، تو یہ مرفوع ہے۔ تو یہ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ اب روانی سے پڑھیے۔ «زَيْنَبُ فِي الدَّارِ»۔ «زَيْنَبُ فِي الدَّارِ»، ترجمہ کیجیے۔ زینب گھر میں ہے۔ زینب گھر میں ہے، شاباش۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی: «زَيْدٌ يَمْشِي فِي السُّوقِ»۔ «زَيْدٌ»، «يَمْشِي»، «يَمْشِي فِي السُّوقِ»، «فِي» اور «السُّوقِ»، الف، لام، سین، واؤ اور قاف دو نقطوں والا۔ «زَيْدٌ يَمْشِي فِي السُّوقِ»۔ مَشَىٰ يَمْشِي کا معنی ہوتا ہے چلنا، پیدل چلنا۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ ہاں، مبتدا ہے اور اس کے رفع پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ آگے۔ «يَمْشِي» فعل بافاعل۔ «يَمْشِي» فعل بافاعل۔ «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ ہاں، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، آگے۔ «فِي» حرفِ جر، «فِي» جارہ، «السُّوقِ» مجرور لفظاً، سُوق بازار کو کہتے ہیں، «السُّوقِ» مجرور لفظاً۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر حرفِ جر داخل ہے۔ کیونکہ حرفِ جر داخل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے جر پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ اس کے جر پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، شاباش۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «يَمْشِي» فعل کے۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «يَمْشِي» فعل کے ساتھ، بھئی جڑتے بھی ہیں یا نہیں؟ متعلَّق کون ہے؟ «يَمْشِي»، اور متعلِّق کون ہے؟ «فِي السُّوقِ»، ذرا ان کو الگ کر دو: «يَمْشِي فِي السُّوقِ»، چل رہا ہے بازار میں، جڑ رہا ہے کہ نہیں جڑ رہا؟ معنی صحیح ہو رہا ہے؟ ہاں، معلوم ہوا یہ اسی سے جڑ جائے گا۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «يَمْشِي» فعل کے ساتھ، اب؟ «يَمْشِي» کی ضمیر لوٹ رہی ہے زید مبتدا کو۔ ہاں، «يَمْشِي» کی ضمیر لوٹ رہی ہے زید مبتدا کو، یہ انہوں نے عائد بتلا دیا، اب یہ جملہ خبر بن سکتا ہے۔ «يَمْشِي» اپنے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ «يَمْشِي» فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ

خبر یہ ہوا، اب روانی سے پڑھ دیں۔ «زَيْدٌ يَمْشِي فِي السُّوقِ»۔ «زَيْدٌ يَمْشِي»، «زَيْدٌ» کے آخر میں کیا ہے؟ تنوین۔ تنوین یعنی نونِ ساکن ہے، اور اس کے بعد کیا ہے؟ یا، تو یا سے ماقبل نونِ ساکن آگیا اور آپ نے ضابطہ پڑھا ہے کہ حروفِ يَرْمُلُونَ یعنی یا، را، میم، لام، واؤ، نون، ان سے پہلے نونِ ساکن آئے تو اس نون کو بھی اسی حرف کی جنس سے بدل کر اس میں ادغام کرتے ہیں۔ تو وہ نون بھی یا ہو کر یا میں ادغام ہو جائے گا، تو کیسے پڑھیں گے؟ «زَيْدٌ يَّمْشِي فِي السُّوقِ»۔ «زَيْدٌ يَّمْشِي فِي السُّوقِ»، دیکھا یہ قرآن میں جب آپ پڑھتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں، یہ اسی انہی ضابطوں کے ساتھ لفظوں کو ملایا جاتا ہے۔ ہاں، پھر وہاں پر کیا کیا جاتا ہے؟ وہاں پھر وہ شد، زبر وغیرہ یہ چیزیں ڈال دیتے ہیں جس سے پڑھنے والے کو پتہ چلتا ہے، اگرچہ اس نے یہ ضابطے نہیں پڑھے ہوتے لیکن پھر وہ ان اعراب کے ذریعے، وہ جو حرکتیں اوپر لگی ہوتی ہیں ان سے پہچانتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ اب آپ کو تو پتہ ہے اس کو کیا پڑھنا ہے: «زَيْدٌ يَّمْشِي فِي السُّوقِ»، لیکن جس کو ضابطے کا نہیں پتہ وہ تو «زَيْدٌ يَمْشِي» پڑھے گا، تو پھر کیا کرتے ہیں؟ یا کے اوپر شد ڈال دیتے ہیں۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھئی؟ جی، یہ یہی ضابطے سارے۔ علمائے نحو پر اللہ کروڑہا رحمتیں نازل فرمائیں بھئی، کتنا آسان کر دیا انہوں نے اس عربی، عربی پڑھنے کو، سمجھنے کو، تمام لوگوں کے لیے بھئی۔ «زَيْدٌ يَمْشِي فِي السُّوقِ»، زید بازار میں چل رہا ہے۔

اگلا جملہ لکھیے: «جَاءَنِي قَاضِيَانِ مِنْ لَاهُورَ»۔ «جَاءَنِي قَاضِيَانِ»، قاضی نہیں ہے، قاضی، ضاد کے ساتھ، اسی کی تثنیہ، «قَاضِيَانِ مِنْ لَاهُورَ»، «مِنْ لَاهُورَ»۔ «جَاءَنِي قَاضِيَانِ»، «جَاءَنِي قَاضِيَانِ مِنْ لَاهُورَ»۔ «جَاءَ» کا معنی ہوتا ہے آنا، آنا۔ چلیے یہ ترکیب آپ نے حل کرنی ہے بھئی، اگلے سبق میں میں آپ سے پوچھوں گا بھئی، ہر ایک الگ الگ حل کرے اس کو بھئی۔ چلیے بس بھئی: هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۸: جار مجرور اور ظرف کی عملی ترکیب (قسط سوم: ظرفِ لغو اور ظرفِ مستقر کی مشق)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۲—بتاریخ: ۶ جنوری ۲۰۱۵ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

اچھا بھائی، ہم جار مجرور کی ترکیب کر رہے تھے۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ جار مجرور جب بھی کلام میں آجائیں وہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ متعلق ہوں گے، اور وہ آٹھ چیزیں کیا ہیں؟ نمبر ایک: فعل، نمبر دو: مصدر، نمبر تین: اِسْمِ فَاعِل، نمبر چار: اِسْمِ مَفْعُول، نمبر پانچ: صِفَتِ مُشَبَّہ، نمبر چھ: اِسْمِ تَفْضِیل، نمبر سات: مبالغے کے صیغے، اور نمبر آٹھ: اِسْمِ فِعْل بھائی۔ تو اگر ان میں سے کوئی عبارت میں ذکر ہو اور جار مجرور اس سے جڑے تو اس سے جوڑ دیں گے، اور اگر ان میں سے کوئی بھی عبارت کے اندر ذکر نہ ہو تو پھر محذوف نکالنا پڑے گا بھائی۔

اور جار مجرور کا متعلق اگر عبارت میں ذکر ہو تو اسے ظرفِ لغو کہتے ہیں، اور اگر محذوف ہو تو اسے ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔ اور جو محذوف نکالیں وہ اَفْعَالِ عَامَّہ میں سے بھی نکال سکتے ہیں اور اَفْعَالِ خَاصَّہ میں سے بھی۔ اَفْعَالِ عَامَّہ مشہور چار ہیں بھائی، کَون، ثُبُوت، وُجُود اور حُصُول۔ جبکہ باقی افعال جو ہیں وہ اَفْعَالِ خَاصَّہ کہلاتے ہیں۔ یہ اَفْعَالِ عَامَّہ اس لیے کہلاتے ہیں کیونکہ ہر فعل کے اندر ان کا معنی پایا جاتا ہے، اور ان چاروں کا معنی ہے ہونا۔ کَون، ثُبُوت، وُجُود اور حُصُول، سب کا معنی ہے ہونا۔

اور ان میں سے پھر آپ فعل بھی نکال سکتے ہیں اور صفت کا صیغہ بھی نکال سکتے ہیں۔ البتہ فرق اتنا ہے کہ وُجُود جو ہے اس کے اندر فِعْلِ مَجْہُول نکالنا پڑے گا جبکہ باقیوں کے اندر فِعْلِ مَعْرُوف۔ اور اگر صفت کا صیغہ نکالیں تو باقیوں میں اِسْمِ فَاعِل نکالیں گے اور جبکہ وُجُود کے اندر اِسْمِ مَفْعُول نکالیں گے بھائی۔

اس کے بعد گزشتہ سبق میں میں نے ایک اور ضابطہ بھی ذکر کیا تھا کہ اگر نکرہ کے بعد فعل آجائے یا نکرہ کے بعد جار مجرور آئے اور وہ کسی سے نہ جڑ رہا ہو، تو وہ اس نکرہ کے لیے صفت بنیں گے۔ وہ فعل بھی کیا بنے گا؟ جملہ ہو کر صفت بنے گا، اور جار مجرور بھی محذوف سے متعلق ہو کر اس کے لیے صفت بن جائیں گے۔ اور اگر معرفہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے حال بنے گا، اور اسی طرح معرفہ کے بعد اگر جار مجرور آئے اور وہ کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو وہ بھی اس سے حال بنے گا بھائی حال۔

اس کے بعد ہم ترکیب کر رہے تھے، میں نے ایک ترکیب آپ کو لکھوائی تھی گزشتہ سبق میں بھائی، وہ حل کی ہے بھائی؟ چلیے بھائی، ترکیب کیجیے۔ کیا جملہ تھا؟ «جَاءَنِي قَاضِيَانِ مِنْ لَاهُورَ»۔ چلیے بھائی، ترکیب کیجیے۔

«جَاءَ» فِعْل۔ نون وقایہ۔ «يَا» ضمیر متکلم، اعراب اس کا؟ مَرْفُوع مَحَلًّا؟ یا ضمیر مَرْفُوع مَحَلًّا؟ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل بن رہا ہے؟ آپ نے جتنی بھی گردانیں پڑھیں ان میں کوئی «جَاءَنِي» صیغہ آیا تھا؟ مثلاً «ضَرَبَنِي»، «ضَرَبَنِي» کوئی صیغہ آیا ہے بھائی؟ پھر؟ «جَاءَ» یہ تو فِعْلِ مَاضِي ہے اور یہ «يَا» ضمیر، یہ تو متکلم کی ہے۔ «جَاءَ» صیغہ ہے غائب کا اور «يَا» ضمیر کس کی ہے؟ متکلم کی، تو یہ اس کے لیے مفعول تو بن سکتی ہے، فاعل نہیں بھائی۔ «يَا» ضمیر مَنْصُوب مَحَلًّا۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول ہے، اور محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے۔

آگے، جی کیجیے ترکیب بھائی، دوبارہ شروع سے کریں بھائی۔ «جَاءَ» فِعْل، نون وقایہ، «یَا» ضمیر متکلم کی مَنْصُوب مَحَلًّا۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ مَفْعُول بِہ بن رہا ہے اور مَفْعُول بِہ منصوب ہوتا ہے، جی۔ «قَاضِيَانِ» مَرْفُوع لَفْظًا فَاعِل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ «قَاضِيَانِ» میں تو نون کے نیچے زیر پڑھ رہا ہوں؟ ہاں، یہ تثنیہ ہے، اس کا رفع الف کے ساتھ آتا ہے جبکہ نصب اور جر یا کے ساتھ۔ تو یہ مَرْفُوع لَفْظًا فَاعِل۔

آگے، «مِنْ» جَارَّہ، «لَاهُورَ» مَجْرُور لَفْظًا۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر «مِنْ» جَارَّہ داخل ہے۔ لفظاً؟ کیونکہ اس کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ کر کے دکھائیے؟ «مِنْ لَاهُورٍ»؟ یاد رکھو، یہ جتنے شہروں وغیرہ کے نام ہیں، ملکوں کے نام ہیں، یہ غَيْر مُنْصَرِف ہوتے ہیں۔ عموماً یہ سب کیا ہیں؟ غَيْر مُنْصَرِف ہیں بھائی۔ ایک تو ان میں علمیت ہے سبب اور دوسرا تانیث ہے، تانیث۔ سمجھ میں آئی بات؟ تو یہ «بُقْعَةٌ» کی تاویل میں ہے۔ یہ چلیں یہ بات تو آگے آجائے گی۔ بس اتنا، بقعہ جگہ کو کہتے ہیں، تو شہر بھی کیا ہے؟ جگہ کا نام، ملک بھی کیا ہے؟ جگہ کا نام، اور «بُقْعَةٌ»، باہے، قاف دو نقطوں والا، عین اور گول تا، «بُقْعَةٌ»۔ تو اس میں دیکھو گول تا آخر میں آرہی ہے۔ اور «بُقْعَةٌ» کا کیا معنی؟ جگہ، زمین کا ایک ٹکڑا۔ تو یہ جگہ، اس اعتبار سے، «بُقْعَةٌ» کے اعتبار سے دیکھو اس کے آخر میں گول تا آرہی ہے، تانیث بھی آگئی اور نیز علمیت بھی ہے، تو دو سبب آگئے اور اس کی وجہ سے یہ کیا بن گیا؟ غَيْر مُنْصَرِف بھائی۔ اب آپ بتائیے مجھے، کیسے پڑھیں گے اس کو بھائی؟ «مِنْ لَا» کیسے؟ «مِنْ لَاهُورَ»، کیونکہ غَيْر مُنْصَرِف ہے۔ غَيْر مُنْصَرِف کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ ضمہ کے ساتھ، اور نصب اور جر کس کے ساتھ آتا ہے؟ فتحہ کے ساتھ۔ تو لہٰذا «مِنْ لَاهُورَ»۔ اب بتائیے بھائی، آپ کو پتہ چل گیا «مِنْ لَاهُورَ» پڑھنا ہے۔ اب اعراب بتاؤ دوبارہ، «لَاهُورَ»؟ مَجْرُور مَحَلًّا اب ہو گیا بھائی؟ اچھا، مجرور کیوں؟ کیونکہ «مِنْ» جَارَّہ داخل ہے، ٹھیک ہے، اور محلاً کیوں؟ آپ بتائیے؟ مَجْرُور تَقْدِيرًا؟ ہاں، آپ بتائیے بھائی؟ لفظاً لفظاً! «مِنْ لَاهُورَ»، آپ کو پتہ چلا ہے یا نہیں میں نے کیا پڑھا ہے؟ زبر پڑھی ہے یا نہیں؟ زبر کا پتہ چل رہا ہے یا نہیں چل رہا؟ مبنی میں تو پتہ ہی نہیں چلتا اعراب کا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ «جَاءَنِي هٰؤُلَاءِ»، «رَأَيْتُ هٰؤُلَاءِ»، «مَرَرْتُ بِهٰؤُلَاءِ»، تینوں صورتوں میں ایک جیسی حرکت، ایک جیسی حالت رہتی ہے۔ جبکہ معرب، معرب کے اندر آپ نے پڑھا، کچھ ایک میں اعراب تقدیری آتا ہے جیسے «جَاءَنِي مُوسَى»، «رَأَيْتُ مُوسَى»، «مَرَرْتُ بِمُوسَى»، تو وہاں اعراب تقدیری کہتے ہیں۔ تو یہ مبنی تو ہے نہیں، معرب ہے، اور معرب میں اعراب یا لفظاً آتا ہے یا تقدیراً۔ اور یہاں پر اگر یہ مضموم ہوتا، مرفوع ہوتا تو کیسے پڑھتے؟ «لَاهُوُ»، اور نصب ہوتا تو کیسے پڑھتے؟ «لَاهُوَ»، اور جر کیسے پڑھتے؟ «لَاهُوِ»، تو دیکھو فرق آرہا ہے یا نہیں آرہا؟ «لَاهُوَ» پڑھنے سے پتہ چل گیا کہ اس پر رفع نہیں ہے، رفع نہیں ہے۔ اس نصب پر باقاعدہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اس کا یہ اس پر جر جو ہے آتا ہی نصب کی صورت میں ہے اور یہ اعراب لفظی ہے، یہ تو میں کئی دفعہ بتا چکا ہوں آپ کو بھائی۔ تو یہ اعراب کیا ہے؟ لفظی ہے، اس پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ لیکن یہ نہ کہیں یہ منصوب ہے «لَاهُوَ»، منصوب نہیں مجرور، اس کا جر آتا ہی اس شکل میں ہے۔ جیسے «قَاضِيَانِ» پیچھے گزرا، اس کے آخر میں کسرہ تھا لیکن آپ نے کیا کہا؟ مرفوع ہے، کیوں مرفوع؟ کیونکہ اس کا رفع آتا ہی الف کی صورت میں ہے، الف تو ہوتا ہے، نون پہ تو زیر نون تو اعراب ہے ہی نہیں نون پر، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اسی طرح غَيْر مُنْصَرِف پر جر آتا ہی کس شکل میں ہے؟ فتحہ کی صورت میں، اور اس پر آپ تلفظ کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے؟ تو لہٰذا معلوم ہوا اعراب کون سا ہے؟ لفظاً ہے، اور یہ منصوب نہیں ہے، مجرور ہی ہے، اس کا جر جر کی شکل ہی یہ ہے اس کی۔ تو اب بتائیے، «لَاهُورَ»؟ مَجْرُور لَفْظًا، شاباش۔

اب سمیٹیے، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «جَاءَ» فِعْل کے، جار مجرور، یہ کہہ رہے ہیں بھائی، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «جَاءَ» فِعْل کے ساتھ۔ «جَاءَ» کا کیا معنی ہوتا ہے؟ آنا۔ اچھا، اور میں نے بتایا تھا طریقہ کیا ہے دیکھنے کا جڑ رہا ہے یا نہیں جڑ رہا؟ متعلق یعنی جار مجرور کو پکڑو اور متعلق، متعلق کون ہے؟ «مِنْ لَاهُورَ»، اور متعلق کون ہے؟ «جَاءَ»، اور اب ذرا ترجمہ کرو، «جَاءَ مِنْ لَاهُورَ»، وہ آیا «مِنْ لَاهُورَ»، لاہور سے، ترجمہ صحیح بن رہا ہے یا غلط ہے؟ صحیح بن رہا ہے بھائی، معلوم ہوا یہ اسی سے جڑے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جی، تو جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «جَاءَ» فِعْل کے ساتھ۔ اب سمیٹیے سب کو۔ «جَاءَ» فِعْل اپنے فاعل اور مَفْعُول بِہ اور متعلق، اس کو بھی تو جوڑا ہے آپ نے، تو «جَاءَ» فِعْل اپنے فاعل اور مَفْعُول بِہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب روانی سے سب کو پڑھ دو: «جَاءَنِي قَاضِيَانِ مِنْ لَاهُورَ»۔ معنی کیا ہوا؟ ترجمہ کیجیے: «جَاءَنِي» میرے پاس، میرے پاس لاہور سے دو قاضی آئے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟

اگلا جملہ لکھیے: «أَكْرَمْتُ رَجُلًا مِنْ قُرَيْشٍ»، «مِنْ قُرَيْشٍ»۔ چلیے بھائی، ترکیب کیجیے آپ۔ «أَكْرَمْتُ» فِعْل بَا فَاعِل، «تَا» ضمیر مَرْفُوع مَحَلًّا اس کا فاعل، شاباش۔ آگے، «رَجُلًا» مَنْصُوب لَفْظًا مَفْعُول بِہ۔ منصوب کیوں؟ مَفْعُول بِہ ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، جی۔ آگے، «مِنْ» جَارَّہ، «قُرَيْشٍ» مَجْرُور لَفْظًا، جی۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «أَكْرَمْتُ» فِعْل کے ساتھ،

کیونکہ جار مجرور کسی نہ کسی چیز سے متعلق ہوتا ہے اور کتنی چیزیں ہیں وہ؟ آٹھ ہیں، نمبر ایک: فعل، نمبر دو: مصدر، نمبر تین: اِسْمِ فَاعِل، نمبر چار: اِسْمِ مَفْعُول، نمبر پانچ: صِفَتِ مُشَبَّہ، نمبر چھ: اِسْمِ تَفْضِیل، نمبر سات: مبالغے کے صیغے، اور نمبر آٹھ: اِسْمِ فِعْل۔ تو ان میں سے ایک فعل یہاں موجود ہے اور وہ کیا ہے؟ «أَكْرَمْتُ»۔ اب ہم نے دیکھنا ہے کہ یہ اس سے جڑتا ہے یا نہیں جڑتا۔ متعلق کون ہے؟ «مِنْ قُرَيْشٍ»، اور متعلق کس کو آپ بنانا چاہتے ہیں؟ «أَكْرَمْتُ»۔ ذرا ان دو کو الگ کرو: «أَكْرَمْتُ مِنْ قُرَيْشٍ»۔ «أَكْرَمْتُ» میں نے اکرام کیا، «مِنْ قُرَيْشٍ» قریش سے، میں نے اکرام کیا قریش سے۔ ہاں، بتایئے، جڑ رہا ہے؟ معنی صحیح بن رہا ہے؟ کچھ سمجھ میں آرہا ہے آپ کو؟ جڑ رہا ہے کہ نہیں جڑ رہا مجھے یہ بتایئے آپ بھائی؟ نہیں جڑ رہا، معنی ہی نہیں صحیح بن رہا۔ «أَكْرَمْتُ مِنْ قُرَيْشٍ»، میں نے اکرام کیا، کس سے؟ قریش سے، یہ تو کوئی بات ہی نہیں بنتی بھائی۔

اچھا، معلوم ہوا یہ اس سے متعلق نہیں۔ یہ کہہ رہے ہیں جی یہ جار مجرور متعلق ہوگا «رَجُلٌ» سے۔ «رَجُلٌ» مجھے بتایئے فعل ہے؟ فعل نہیں۔ اچھا، مصدر ہوگا؟ مصدر بھی نہیں ہے۔ اِسْمِ فَاعِل ہے؟ «ضَارِبٌ»، «فَاتِحٌ»، «مَانِعٌ» جیسا؟ وہ بھی نہیں ہے۔ اِسْمِ مَفْعُول ہے؟ «مَضْرُوبٌ»، «مَفْتُوحٌ» وغیرہ؟ وہ بھی نہیں۔ اسم تفضیل بھی نہیں ہے یہ «أَضْرَبُ» وغیرہ، مبالغے کا صیغہ بھی نہیں، صِفَتِ مُشَبَّہ بھی نہیں۔ رجل تو ذات کا نام ہے۔ ہاں، اب کیا کریں گے؟ اچھا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «ثَبَتَ» سے، کیوں کیا کرنا کیا بنائیں گے آپ اس کو پھر؟ میں نے ضابطے بتائے وہ ضابطے ذہن میں نہیں ہیں؟ ابھی میں نے سارے ضابطے ذکر کیے۔ کیا کریں گے بھائی؟ کیا بنائیں گے؟ حال؟ حال کیوں بنائیں گے؟ جار مجرور جب کس کے بعد آئیں؟ معرفہ، معرفہ کے بعد آئیں اور کسی سے نہ جڑ رہے ہوں تو حال بنتے ہیں۔ معرفہ کیا آیا ہے یہاں پر؟ رجل معرفہ ہے؟ یہ ضمیر ہے؟ اسم اشارہ ہے؟ اسم موصول ہے؟ کسی کا نام ہے؟ پھر؟ ہاں، تو نکرہ کے بعد جار مجرور آئے اور کسی سے نہ جڑ رہے ہو، یہ بھی کسی سے نہیں جڑ رہا تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، شاباش۔

تو «رَجُلًا» مَنْصُوب لَفْظًا مَوْصُوف۔ «مِنْ» جَارّہ، «قُرَيْشٍ» مَجْرُور لَفْظًا۔ جار مجرور مل کر موصوف کی صفت؟ صفت نہیں صفت تو بنے گی لیکن براہ راست نہیں، اس نے متعلق تو ضرور ہونا ہے، ہر حال میں ہونا ہے، جو کچھ بھی بنانا چاہتے ہو پہلے متعلق کرو۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے؟ «ثَبَتَ» فعل سے۔ کس سے متعلق؟ «ثَبَتَ» فعل۔ اب کیجیے ترکیب۔ «ثَبَتَ» فِعْل، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مَرْفُوع مَحَلًّا اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق، «ثَبَتَ» فِعْل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت۔ آپ پورے جملے کو صفت بنانا چاہتے ہیں، ہاں آپ بتایئے بھائی یہ صفت بن سکتا ہے؟ عائد نہیں آپ نے بتلایا، جملے کو جس جملہ اور شبہ جملہ جس سے بھی جوڑنا ہو اس کے لیے کیا چاہیے؟ عائد۔ انہوں نے عائد نہیں بتایا تھا، اب بتایئے: «هُوَ» ضمیر مَرْفُوع مَحَلًّا جو لوٹ رہی ہے «أَكْرَمْتُ» فعل کو؟ فعل کی طرف ضمیر لوٹا رہے ہو! جوڑنا ہے «رَجُلًا» سے اور لوٹا دی ضمیر کس کو؟ فعل کو! «هُوَ» ضمیر کس کو لوٹے گی؟ «رَجُلًا» کو بھائی «رَجُلًا» کو، یہ عائد آگیا۔ تو فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مَفْعُول بِہ۔ اب سمیٹ دیں سب کو: «أَكْرَمْتُ» فِعْل اپنے فاعل اور مَفْعُول بِہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب روانی سے اس کو پڑھ دیں: «أَكْرَمْتُ رَجُلًا مِنْ قُرَيْشٍ»۔ شاباش۔ اب اگر آپ سے کوئی پوچھے: «ثَبَتَ مِنْ قُرَيْشٍ» اس جملہ، یہ جو جملہ فعلیہ آیا تھا درمیان میں اس کا کیا اعراب ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ «ثَبَتَ مِنْ قُرَيْشٍ» کیا اعراب ہوگا؟ مَرْفُوع مَحَلًّا؟ مرفوع کیوں؟ خبر کا ذکر کب جملہ مبتدا خبر کوئی آئے ہیں یہاں پر؟ مبتدا خبر الگ قسم ہے جملے کی، یہاں تو نہ مبتدا گزرا ہی نہیں ہے تو خبر کہاں سے بن گئی؟ ہاں، آپ بتایئے اعراب بھائی؟ مَنْصُوب مَحَلًّا، شاباش۔ منصوب کیوں؟ صفت ہے، کیونکہ یہ «رَجُلًا» کی صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، موصوف کیا تھا؟ منصوب، تو صفت بھی کیا ہوگی؟ منصوب ہوگی۔ ترجمہ اب کیجیے اس کا بھائی: میں نے اکرام کیا دو مردوں کا قریش کے؟ آپ کریں ترجمہ بھائی: میں نے اکرام کیا مرد کا قریش سے، جی۔ آپ کریں ترجمہ: دو مرد کدھر ہیں؟ قریش کے مردوں کا اکرام کیا، جمع کدھر ہے یہاں پر؟ بھائی میں نے تو موصوف صفت کے ترجمے کا بھی طریقہ بتایا تھا، بس چند دن گزر گئے تو سب نکل گیا ذہن سے۔ میں نے اکرام کیا، یہ نکرہ ہے نا تو نکرہ والے میں کیا طریقہ تھا؟ کیا لفظ لے آؤ موصوف سے پہلے؟ ایسا یا ایسی۔ «أَكْرَمْتُ» میں نے اکرام کیا، «رَجُلًا مِنْ قُرَيْشٍ» ایسے آدمی کا «مِنْ قُرَيْشٍ» جو کس قبیلے سے ہے؟ جو قبیلہ قریش سے ہے، یعنی قریشی ہے۔ یعنی میں نے ایک آسان لفظوں میں یوں کہو: میں نے ایک قریشی آدمی کا اکرام کیا۔ ترجمہ سمجھ میں آیا بھائی؟

اب آپ ترکیب کیجیے بھائی، اسی جملے کی ترکیب کریں دوبارہ، اور اب آپ نے «ثَبَتَ» نہیں نکالنا، صفت کا صیغہ نکالنا ہے، چلیے۔ «أَكْرَمْتُ» فِعْل بَافَاعِل، «تَا» ضمیر مَرْفُوع مَحَلًّا اس کا فاعل، «رَجُلًا» مَنْصُوب لَفْظًا مَوْصُوف، شاباش۔ جی آگے، «مِنْ» جَارّہ، «قُرَيْشٍ» مَجْرُور لَفْظًا، جار مجرور بغیر متعلق ہوئے کچھ نہیں ہوتے۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «ثَابِتٌ» صیغہ اِسْمِ فَاعِل کے ساتھ، شاباش۔ «ثَابِتٌ» صیغہ اِسْمِ فَاعِل، «هُوَ» ضمیر مَرْفُوع مَحَلًّا اس کے اندر اس کا فاعل جو لوٹ رہی ہے «رَجُلًا» موصوف کو۔ اچھا، «هُوَ» ضمیر رجل کو، ضمیر مرجع میں مطابقت ہے؟ رجل بھی مفرد مذکر، «هُوَ» ضمیر بھی مفرد مذکر، معلوم ہوا یہ ضمیر لوٹ سکتی ہے اس کو، شاباش۔ اب سمیٹیے بھائی۔ «ثَابِتٌ» صیغہ اِسْمِ فَاعِل اپنے

فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، شبہ جملہ ہو کر صفت۔ بھائی «ثَابِتٌ مِنْ قُرَيْشٍ»، تو جہ ہے سبق کی طرف؟ «ثَابِتٌ مِنْ قُرَيْشٍ» اس کو آپ کس کی صفت بنا رہے ہیں؟ «رَجُلًا» کی۔ یہ کیسی صفت ہے؟ موصوف ہے منصوب «رَجُلًا» اور صفت ہے «ثَابِتٌ» مرفوع، مرفوع! حالانکہ موصوف صفت میں مطابقت ہوتی ہے اعراب کے اندر بھی۔ تو اب کیا کریں گے؟ آپ «رَجُلًا» کی صفت بنا رہے ہیں «ثَابِتٌ» کو، «رَجُلًا» منصوب ہے، «ثَابِتٌ» مرفوع ہے، یہ تو موصوف صفت بن ہی نہیں سکتے۔ اب کیا کریں گے؟ جی آپ بتائیے کیا کریں گے؟ «ثَابِتًا»! ہاں آسان سی بات ہے بھائی، یہ «ثَابِتٌ» آپ نے نکالا ہے تو منصوب نکال دو، معلوم ہوا آپ نے مرفوع نکال کر غلطی کی، تو کیا نکالو؟ «ثَابِتًا»۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ اب «ثَابِتًا» مَنْصُوب لَفْظًا صیغہ اِسْمِ فَاعِل۔ اب آپ سے کوئی پوچھے منصوب کیوں؟ آپ کیا کہیں گے؟ صفت ہے، اور صفت ہے «رَجُلًا» کی، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ تو «ثَابِتًا» صیغہ اِسْمِ فَاعِل جس کے اندر «هُوَ» ضمیر جو لوٹ رہی ہے رجل کو، صیغہ اِسْمِ فَاعِل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مَفْعُول بِہ، فعل اپنے فاعل اور مَفْعُول بِہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ وہی ہو گا جو «ثَبَتَ مِنْ قُرَيْشٍ» میں تھا: «أَكْرَمْتُ رَجُلًا ثَابِتًا مِنْ قُرَيْشٍ»۔ ترجمہ کیا ہو گا؟ میں نے اکرام کیا ایسے آدمی کا جو قبیلہ قریش سے ہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟

تو جب آپ نے «ثَبَتَ» نکالا تھا تو وہ تھا مَنْصُوب مَحَلًّا، اور جب آپ نے ثابت نکالا تو یہ تو مفرد ہے جملہ نہیں، جملہ تو مبنی ہوتا ہے، جب یہ مفرد ہے اور معرب ہے تو اس پر اعراب بھی آئے گا اسی کے مطابق، تو اب «ثَابِتٌ» یہاں نہیں نکالیں گے بلکہ کیا نکالیں گے؟ «ثَابِتًا»۔ ہاں، «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، یہاں کیا ترکیب کی تھی؟ جار مجرور مل کر کس سے متعلق ہیں؟ «ثَابِتٌ» سے، وہاں مرفوع نکالا تھا «ثَابِتٌ»، کیوں؟ کیونکہ وہ خبر تھی، «زَيْدٌ» تھا مبتدا اور «ثَابِتٌ فِي الدَّارِ» کیا تھی؟ خبر۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

چلیں ایک اور ترکیب کر لیں بھائی: «اَلرَّجُلَانِ فِي الْمَسْجِدِ جَالِسَانِ»، «فِي الْمَسْجِدِ جَالِسَانِ»۔ چلیے بھائی، ترکیب کیجیے آپ بھائی۔ «اَلرَّجُلَانِ» مَرْفُوع لَفْظًا مُبْتَدَا۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ «اَلرَّجُلَانِ» یہاں تو میں تو زیر پڑھ رہا ہوں؟ ہاں یہ تثنیہ ہے، اس کا رفع الف کے ساتھ آتا ہے اور الف پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، «اَلرَّجُلَانِ»، شاباش۔ آگے، «فِي» جَارّہ، «اَلْمَسْجِدِ» مَجْرُور لَفْظًا۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پہ حرفِ جر داخل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں باقاعدہ، تلفظ کر کے دکھائیے؟ «اَلْمَسْجِدِ»، جی شاباش۔ کرتے جائیے ترکیب۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «ثَبَتَا» فعل کے ساتھ، شاباش۔ «ثَبَتَا» سے کیوں متعلق کیا آپ نے؟ وجہ کیا؟ «ثَبَتَا» فعل، شاباش، «ثَبَتَا» تثنیہ کا صیغہ آپ نے نکالا۔ جی، سمیٹیے بھائی، کیجیے ترکیب کرتے جائیے۔ «ثَبَتَا» فعل، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «ثَبَتَا» فعل کے ساتھ، «ثَبَتَا» تثنیہ کا صیغہ، فعل، اس کے اندر الف ضمیر مَرْفُوع مَحَلًّا اس کا فاعل، جی۔ بھائی سوال یہ پیدا ہوتا ہے آپ نے جار مجرور کے لیے محذوف کیوں نکالا؟ آپ بتائیے بھائی، جار مجرور کے لیے محذوف کیوں نکالا انہوں نے؟ بھائی، جار مجرور نے متعلق ہونا ہے آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ، وہ آٹھ چیزیں ذرا دہراؤ پھر بھائی: نمبر ایک فعل، تو یہاں کوئی فعل ہے؟ نہیں، «اَلرَّجُلَانِ» یہ تو مبتدا گزر گیا، اس کے علاوہ کوئی فعل ہے؟ نہیں، اچھا، اور پھر مصدر کوئی ہے؟ مصدر بھی نہیں، اِسْمِ فَاعِل؟ «جَالِسٌ»، «ضَارِبٌ»، یہ اِسْمِ فَاعِل ہے کہ نہیں ہے بھائی؟ جالس کا معنی بیٹھنے والا، بیٹھا ہوا، تو یہ اِسْمِ فَاعِل موجود ہے، تو آپ نے اس سے کیوں نہیں جوڑ کر دیکھا اس کو؟ مقدم سے بھی متعلق ہو سکتے ہیں، مؤخر سے بھی متعلق ہو سکتے ہیں، بعد والے آنے والے بعد میں آنے والے لفظ سے بھی متعلق ہو سکتے ہیں بھائی۔ ہاں ہو گا ان کے پاس پاس ہی، یا ان سے پہلے ہو گا یا ان کے بعد ہو گا بھائی۔ تو جوڑ کر دیکھیں۔ «جَالِسَانِ» ادھر جوڑ کر دیکھیں اور ترتیب دے دیں، جار مجرور کو ذرا مؤخر کر دیں: «جَالِسَانِ فِي الْمَسْجِدِ»، بیٹھے ہوئے «فِي الْمَسْجِدِ»، کس میں؟ مسجد میں، جڑ رہا ہے یا نہیں جڑ رہا؟ جڑ رہا ہے، شاباش۔ تو یہ جار مجرور مل کر متعلق ہوں گے «جَالِسَانِ» کے ساتھ۔ اب کیجیے ترکیب آگے: «جَالِسَانِ» مَرْفُوع لَفْظًا صیغہ اِسْمِ فَاعِل، جی۔ «هُمَا» ضمیر مَرْفُوع مَحَلًّا اس کے اندر اس کا فاعل جو لوٹ رہی ہے «اَلرَّجُلَانِ» کو، شاباش، یہ انہوں نے عائد بتلا دیا۔ کرتے جائیے ترکیب: «هُمَا» ضمیر لوٹ رہی ہے «اَلرَّجُلَانِ» مبتدا کو، جی۔ «جَالِسَانِ» صیغہ اِسْمِ فَاعِل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ٹھیک ہے، ترتیب ذرا خود ذہن میں دے دیا کریں: «اَلرَّجُلَانِ جَالِسَانِ فِي الْمَسْجِدِ»۔ «جَالِسَانِ» کی جگہ آپ کیا نکالتے تھے؟ «ثَابِتَانِ» نکالتے تھے یا نہیں نکالتے تھے؟ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو وہ اب جب «جَالِسَانِ» خود موجود ہے تو اب «ثَابِتَانِ» نکالنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ تو ہم تب نکالتے تھے جب ان کا متعلق عبارت میں نہیں ہوتا تھا۔ تو یہ مذکور ہے، لہٰذا معلوم ہوا یہ «فِي الْمَسْجِدِ» یہ ظرفِ لغو ہے یا ظرفِ مستقر ہے؟ ظرفِ لغو ہے کیونکہ ان کا متعلق عبارت میں ذکر ہے۔ اگر محذوف ہو تو پھر یہ ظرفِ مستقر کہلاتے ہیں، اور اگر ذکر ہو تو ظرفِ لغو۔ تو «جَالِسَانِ» صیغہ اِسْمِ فَاعِل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا

خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ عائد انہوں نے بتلا دیا تھا ورنہ شبہ جملہ خبر نہ بن سکتا اگر عائد نہ ہوتا تو۔ ترجمہ کیجیے، پہلے روانی سے پڑھ دیں: «اَلرَّجُلَانِ فِي الْمَسْجِدِ جَالِسَانِ»۔ ترجمہ کیجیے: وہ دو مرد مسجد میں بیٹھے ہیں، «اَلرَّجُلَانِ» الف لام آیا معلوم ہوا کوئی دو خاص آدمی ہیں تو کیا کہیں گے وہ دو، وہ دو مرد «فِي الْمَسْجِدِ جَالِسَانِ» مسجد میں بیٹھے ہیں، اردو میں ترتیب دے دیں: وہ دو مرد مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ طریقہ سمجھ میں آ رہا ہے بھائی؟ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۹: خبرِ ظرفی کا متعلق جملہ یا اسمِ فاعل ہونے میں نحویوں کا مسلک اور تعددِ خبر

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۲—بتاریخ: ۷ جنوری ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَالظَّرْفُ مُتَعَلِّقٌ بِجُمْلَةٍ عِنْدَ الْأَكْثَرِ، وَهِيَ: اسْتَقَرَّ مَثَلًا، تَقُولُ: زَيْدٌ فِي الدَّارِ، تَقْدِيرُهُ: زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ، وَلَا بُدَّ فِي الْجُمْلَةِ مِنْ ضَمِيرٍ يَعُودُ إِلَى الْمُبْتَدَأِ، كَالْهَاءِ فِيمَا مَرَّ، وَيَجُوزُ حَذْفُهُ عِنْدَ وُجُودِ قَرِينَةٍ۔

مبتدا اور خبر کی بحث چل رہی ہے بھائی، اور درمیان میں اس بحث کو سمجھنے کے لیے ترکیب ضروری تھی، تو کافی سبق ہمارے ترکیب کے بھی ہو گئے، اور کچھ تھوڑی بہت الحمدللہ بنیاد آپ کی بن گئی، اب جو بات ہوتی ہے کم از کم آپ کو وہ سمجھ میں آتی ہے بھائی۔

گزشتہ سبق کے اندر کتاب میں صاحب ہدایت النحو نے آپ کو بتلایا تھا کہ مبتدا کی خبر کبھی کبھار جملہ ہوتی ہے، اور وہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے، جملہ فعلیہ بھی ہو سکتا ہے، جملہ ظرفیہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ شرطیہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور ان سب کی مثالیں بھی انہوں نے ذکر کیں، اور ان کی ترکیب بھی ہم نے کر لی۔ اور اسی طرح جملہ ظرفیہ کے اندر میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ظرف دو قسم پر ہے: ایک ظرفِ حقیقی اور ایک ظرفِ مجازی۔ ظرفِ حقیقی جس میں جگہ والا معنی ہو یا زمانے والا معنی ہو، وہ ظرفِ حقیقی ہے۔

اور بتلایا تھا کہ ظرف کا کیا معنی ہوتا ہے؟ برتن۔ تو ہر فعل کے لیے کوئی زمانہ بھی چاہیے اور کوئی جگہ بھی۔ جو بھی چاہے آپ نے ضرب لگائی، چاہے آپ نے کھانا کھایا، چاہے آپ نے پانی پیا، تو کوئی نہ کوئی جگہ ہو گی جہاں یہ فعل کیا اور کوئی نہ کوئی وقت ہو گا بھائی۔ تو لہٰذا یہ جو زمانہ اور جگہ ہے، اس کو ظرف کہتے ہیں۔ ظرف کا اصل معنی ہوتا ہے برتن، جیسے برتن نے کیا کیا ہوتا ہے، اپنے اندر جو چیز ہوتی ہے اس کو گھیرا ہوتا ہے، وہ چیز اس کے اندر ہوتی ہے۔ اسی طرح جو بھی فعل کیا جائے، وہ جگہ نے اس کو گھیرا ہوتا ہے، اس جگہ کے اندر وہ فعل ہوتا ہے۔ جیسے پٹائی کی گھر کے اندر، تو دیکھو گھر نے اس فعل کو کیا کیا ہوا ہے؟ گھیرا، ظرف ہے۔ اور نیز وہ پٹائی کی دن کے وقت، تو دیکھو دن نے کیا کیا ہے؟ اس پٹائی کو گھیرا ہوا ہے۔ تو اس کو ظرف کہتے ہیں۔ اور اسی طرح جار مجرور جو ہے، اس کو مجازاً ظرف کہتے ہیں۔ اس کو مجازاً ظرف کہتے ہیں؛ کیونکہ ظرفِ حقیقی اور جار مجرور دونوں ایک دوسرے جیسے ہیں۔ ظرفِ حقیقی جار مجرور کی طرح ہے؛ کیونکہ وہ اسی کے معنی میں ہوتا ہے، جیسے: ضَرَبْتُ الْيَوْمَ، اَلْيَوْمَ کا کیا معنی؟ آج، ضَرَبْتُ الْيَوْمَ، میں نے آج پٹائی کی، یہ کس معنی میں ہے؟ ضَرَبْتُ فِي الْيَوْمِ، میں نے آج کے دن میں پٹائی کی۔ تو دیکھا، ظرف اَلْيَوْمَ کس معنی میں ہے؟ فِي الْيَوْمِ، جار مجرور کے معنی میں ہے۔ اور جار مجرور جو ہوتا ہے، وہ ظرفِ حقیقی کی طرح ہوتا ہے۔ کس طرح؟ کہ جیسے ظرفِ حقیقی کے لیے عامل ضرور چاہیے، وہ تبھی مفعول فیہ بنے گا نا، کیونکہ وہ اس پر نصب تبھی آئے گا۔ تو جیسے اس کے لیے عامل کا ہونا ضروری ہوتا ہے، اسی طرح جار مجرور کے لیے بھی متعلق کا ہونا ضروری ہے۔ تو ظرفِ حقیقی ہوا جار مجرور کی طرح، اور جار مجرور ہوئے ظرفِ حقیقی کی طرح، تو دونوں ایک دوسرے جیسے ہیں، اسی لیے جار مجرور کو بھی مجازاً ظرف کہتے ہیں بھائی، بات سمجھ میں آ گئی۔

تو اب آگے صاحبِ ہدایت النحو آپ کو بتلا رہے ہیں: وَالظَّرْفُ مُتَعَلِّقٌ بِجُمْلَةٍ عِنْدَ الْأَكْثَرِ، اور ظرف جو ہوتا ہے وہ کسی جملے سے متعلق ہوتا ہے عِنْدَ الْأَكْثَرِ، اکثر نحویوں کے نزدیک بھائی۔ بھائی آپ نے ترکیب کی تھی: زَيْدٌ خَلْفَكَ، کیسے ترکیب کی تھی؟ زَيْدٌ ثَبَتَ خَلْفَكَ؛ کیونکہ خَلْفَ کیا ہے؟

مفعول فیہ ہے، اور مفعول فیہ کے لیے کیا چاہیے؟ عامل چاہیے، تو لہٰذا عامل تو ضرور چاہیے، ویسے تو مفعول فیہ نہیں بن سکتا، تو وہ عامل میں نے بتایا تھا: ثَبَتَ بھی نکال سکتے ہو، یعنی فعل بھی، اور ثَابِتٌ بھی نکال سکتے ہو۔ اسی طرح: عَمْرٌو فِي الدَّارِ، اس میں بھی ترکیب میں آپ نے پڑھا تھا: عَمْرٌو ثَبَتَ فِي الدَّارِ بھی کہہ سکتے ہیں، اور عَمْرٌو ثَابِتٌ فِي الدَّارِ بھی ترکیب کر سکتے ہیں آپ۔ اور پھر بلکہ مزید تفصیل بتلائی تھی میں نے آپ کو کہ یہ جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے ضرور متعلق ہوں گے: وہ فعل بھی ہو سکتا ہے، وہ مصدر بھی ہو سکتا ہے، وہ اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول یا صفتِ مشبہ یا اسمِ تفضیل یا مبالغے کا صیغہ یا اسمِ فعل بھی ہو سکتا ہے۔

البتہ فرق یہ تھا کہ عَمْرٌو ثَبَتَ فِي الدَّارِ کہیں، تو یہ ثَبَتَ فِي الدَّارِ کیا بنے گا؟ جملہ۔ کیا بنے گا؟ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر کیا بنتا ہے؟ جملہ۔ اور اگر آپ نکالتے ہیں: عَمْرٌو ثَابِتٌ فِي الدَّارِ، تو یہ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ، تو یہ ثَابِتٌ لفظ مفرد ہے، اسمِ فاعل ہے، تو اس صورت میں یہ جملہ نہیں بنتا بلکہ کیا بنتا ہے؟ شبہ جملہ۔ اور میں نے بتایا تھا دونوں آپ نکال سکتے ہیں، فعل بھی نکال سکتے ہیں اور صفت کا صیغہ بھی نکال سکتے ہیں، لیکن فرق کیا بتلا دیا دونوں میں؟ کہ فعل نکالو گے تو وہ جملہ بنے گا، اور صفت کا صیغہ نکالو گے تو شبہ جملہ، یعنی مفرد ہی رہے گا، جملہ نہیں بنے گا۔ اب صاحب ہدایت النحو بتلا رہے ہیں: وَالظَّرْفُ مُتَعَلِّقٌ بِجُمْلَةٍ عِنْدَ الْأَكْثَرِ، اور ظرف کسی جملے سے متعلق ہوتا ہے اکثر نحویوں کے نزدیک۔ کیا معنی اکثر کے نزدیک جملے سے متعلق ہوتا ہے؟ یعنی فعل نکالیں گے، اکثر نحویوں کے نزدیک فعل نکالیں گے، صفت کا صیغہ نہیں۔ لیکن بہر حال دونوں طرف نحوی حضرات گئے ہیں، البتہ اکثر نحوی کس طرف گئے ہیں کہ کیا نکالو؟ فعل نکالو یہاں پر، صفت کا صیغہ نہ نکالو بھائی۔ یعنی فعل نکالنا بہتر ہے۔

تو کہتے ہیں، معنی اب سمجھ میں آ رہا ہے: وَالظَّرْفُ، ظرف سے کیا مراد ہے؟ ظرفِ حقیقی بھی مراد ہے اور ظرفِ مجازی بھی۔ تو وہ متعلق ہوتا ہے بِجُمْلَةٍ، کس کے ساتھ؟ جملے کے ساتھ، عِنْدَ الْأَكْثَرِ، کن کے نزدیک؟ اکثر نحویوں کے نزدیک۔ کیا معنی؟ زَيْدٌ ثَابِتٌ خَلْفَكَ نہ نکالو بلکہ زَيْدٌ ثَبَتَ، فعل نکالو، یہ معنی ہے کہ ظرف متعلق ہوتا ہے جملے کے ساتھ عند الاکثر۔ وَهِيَ: اسْتَقَرَّ مَثَلًا، اور وہ اسْتَقَرَّ ہے مثال کے طور پر۔ میں نے بتایا تھا، جو محذوف نکالیں گے وہ افعالِ عامہ میں سے بھی نکال سکتے ہیں اور افعالِ خاصہ۔ افعالِ عامہ مشہور چار ہیں، کون؟ ثبوت، وجود، اور حصول۔ اور باقی افعال کیا ہیں؟ افعالِ خاصہ۔ لہٰذا کون سے کیا نکال سکتے ہو؟ كَانَ۔ ثبوت سے: ثَبَتَ۔ حصول سے: حَصَلَ۔ اور وجود سے: وُجِدَ، وُجِدَ۔ جبکہ صاحب ہدایت النحو اسی کی طرح ایک اور لفظ آپ کو بتلا رہے ہیں: وَهِيَ: اسْتَقَرَّ مَثَلًا، اور وہ جملہ کیا ہے؟ اسْتَقَرَّ ہے مثال کے طور پر۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اسْتَقَرَّ کا بھی وہی معنی ہے جو کون، ثبوت، حصول، وجود کا ہے۔ اسْتَقَرَّ کا معنی ہے: قرار پکڑنا۔ زَيْدٌ فِي الدَّارِ، أَيْ: زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ، زید نے گھر میں قرار پکڑا، یعنی زید گھر میں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو اس کا بھی وہی معنی ہے۔ وَهِيَ: اسْتَقَرَّ مَثَلًا، اور وہ جملہ جو ہے اسْتَقَرَّ ہے مثال کے طور پر، یعنی یہ بھی آپ نکال سکتے ہیں، یہ بھی افعالِ عامہ میں سے ہے۔ اور اسی طرح دیکھیں، اسْتَقَرَّ کے نیچے بین السطور کیا لکھا ہے؟ وَمِثْلُ: ثَبَتَ، وَحَصَلَ، وَكَانَ، وَغَيْرُ ذٰلِكَ۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ وہی یہ تو اسْتَقَرَّ کا بھی وہی معنی ہے۔

مَثَلًا تَقُولُ: مثال کے طور پر آپ کہتے ہیں: زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ تَقْدِيرُهُ: زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ، اس کلام کی تقدیر کیا ہے؟ زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ۔ چلیے جی، ترکیب کیجیے جلدی جلدی بھائی۔ زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ، انہوں نے تقدیر نکال تو دی ہے کہ یہ ہے۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش، آگے؟ اسْتَقَرَّ فعل، ہاں چلیں اس کے ساتھ ہی کر لیں، وہی بات ہے، محذوف نکالنا ہے، جی محذوف بھی یہی نکالنا ہے، تو اسْتَقَرَّ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل جو لوٹ رہا ہے زید مبتدا کو۔ ہاں شاباش، اسْتَقَرَّ دیکھو پہلا صیغہ ہے، اس میں هُوَ ضمیر ہو گی، اور یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو، یہ انہوں نے دیکھو عائد بھی بتلا دیا؛ کیونکہ جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہے، درمیان میں کیا چاہیے؟ عائد چاہیے، ربط چاہیے، اور ضمیر اور مرجع میں مطابقت بھی ہے، هُوَ ضمیر بھی مفرد مذکر اور زید بھی کیا ہے؟ مفرد مذکر۔ تو اسْتَقَرَّ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو لوٹ رہا ہے زید کو۔ اور یہ مرفوع محلاً کیوں ہے هُوَ؟ کیونکہ ضمیر ہے۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ اور محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر مبنیات میں سے ہے، شاباش۔ آگے؟ فِي جارہ، اَلدَّارِ مجرور لفظاً، اَلدَّارِ اعراب پڑھا کرو، اَلدَّارِ مجرور لفظاً، مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پہ حرفِ جر داخل ہے۔ جی اب سمیٹیے، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اسْتَقَرَّ فعل کے ساتھ، جی، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر۔ شاباش، اسْتَقَرَّ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ مبتدا زید کے لیے، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ اور اس اسْتَقَرَّ کی جگہ اور کیا نکال سکتے ہیں؟ ثَبَتَ بھی، حَصَلَ بھی، اور كَانَ بھی، اور وُجِدَ بھی۔

وَلَا بُدَّ فِي الْجُمْلَةِ مِنْ ضَمِيرٍ يَعُودُ إِلَى الْمُبْتَدَأِ، اور وَلَا بُدَّ، اور ضروری ہے فِي الْجُمْلَةِ اس جملے میں مِنْ ضَمِيرٍ ایک ایسی ضمیر کا

ہونا یَعُودُ إِلَى الْمُبْتَدَأِ جو کس کی طرف لوٹ رہی ہو؟ مبتدا کی طرف۔ دیکھا، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہے، جب وہ خبر بن رہا ہے تو اس جملے میں کسی ضمیر کا ہونا ضروری جو کس کی طرف لوٹے؟ مبتدا کی طرف۔ كَالْهَاءِ، جیسے کہ ہا تھی فِيمَا مَرَّ، ان مثالوں میں جو گزر گئیں۔ بھائی پیچھے مثالیں انہوں نے، ان سب جملوں میں اسی طرح ہے، بہر حال پہلے دو جملے دیکھ لیں: ایک آیا تھا جملہ اسمیہ کی مثال انہوں نے دی تھی: زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ، تو أَبُوهُ، أَبُوهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ کیا تھا؟ خبر، اور اس میں کون سی ضمیر عائد تھی؟ ہا، یہ أَبُوهُ کے آخر میں ہا ضمیر ہے۔ عموماً طلبہ میں نے بتایا تھا اس کو 'ہُو' پڑھتے ہیں، کیا پڑھتے ہیں؟ 'ہُو'، لیکن صاحبِ ہدایت النحو بھی دیکھو آگے کیا بتلا رہے ہیں: كَالْهَاءِ، جیسے کہ ہا ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ جب کلمہ ایک حرف پر مشتمل ہو اور اس کا نام لینا ہو، تو نام تو کم از کم کتنے حروف پر مشتمل ہوتا ہے؟ تین پر، تو لہٰذا وہ نام لیتے ہیں جو کس میں تھا؟ حروفِ تہجی میں۔ جیسے بِسْمِ اللهِ کی ترکیب کسی سے کرواؤ تو وہ فوراً کیا کہتا ہے؟ باجارہ۔ بھائی باجارہ کیوں کہتے ہو، بی جارہ کیوں نہیں کہتے؟ شروع میں تو 'بِ' آرہا ہے، جواب یہ کہ بایہ جو ہے 'بِ'، یہ تو ایک حرف ہے، یہ کلمہ ہی ایک حرف پر مشتمل ہے، اور جب اس کا نام لینا ہے تو وہ نام لیں گے جو کس میں ہے؟ حروفِ تہجی میں۔ تو اسی لیے انہوں نے کہا: كَالْهَاءِ فِيمَا مَرَّ، جیسے ہا ضمیر تھی ان مثالوں میں جو گزر گئیں۔

وَيَجُوزُ حَذْفُهُ عِنْدَ وُجُودِ قَرِينَةٍ، اور جائز ہے اس ضمیر کو حذف کرنا بھی عِنْدَ وُجُودِ قَرِينَةٍ، جب قرینہ پایا جائے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا قرینہ کسے کہتے ہیں؟ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ، میں نے یہ تعریف آپ کو باقاعدہ لکھوائی تھی بھائی، اور میں نے کہا تھا اس کو یاد کریں، یہ قرینہ کا لفظ جگہ جگہ عبارتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قرینہ کسے کہتے ہیں؟ وہ چیز جو مطلوب اور مقصود کی طرف کیا کر رہی ہو؟ اشارہ۔ جو آپ کا مقصد ہے اس کی طرف ایک چیز اشارہ کر رہی ہے، تو لہٰذا آپ نے ضمیر کو کیا کر دیا؟ حذف کر دیا۔ جب دوسرے کو بات سمجھ میں آرہی ہے تو آپ نے کیا کر دیا اس ضمیر کو؟ حذف، کیونکہ کیا موجود ہے؟ قرینہ۔ قرینہ کبھی لفظوں میں ہوتا ہے، کبھی ویسے ہی معنوی طور پر قرینہ کوئی چیز ہوتی ہے جس سے بات سمجھ میں آرہی ہوتی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو وَيَجُوزُ حَذْفُهُ عِنْدَ وُجُودِ قَرِينَةٍ، وہ جو ضمیر تھی جو کیا بن رہی ہے؟ عائد، اس کو حذف کرنا بھی جائز ہے عِنْدَ وُجُودِ قَرِينَةٍ، جب کیا پایا جائے؟ قرینہ پایا جائے، یعنی کوئی ایسی چیز ہو جس سے پتہ چل رہا ہو تو پھر اس کو حذف بھی کر سکتے ہیں۔

نَحْوُ: مثال کے طور پر: اَلسَّمْنُ مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ۔ سَمْن کہتے ہیں گھی کو بھائی، گھی، تیل۔ اَلسَّمْنُ مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ، گھی دو من ایک درہم کا ہے۔ اَلسَّمْنُ، گھی، مَنَوَانِ، دو من، بِدِرْهَمٍ، کتنے کا ہے؟ ایک درہم کا ہے۔ یہ با جو ہے، با، با کے کئی معانی آپ نے پڑھے ہوں گے، شرح مائۃ عامل کے اندر بھی پڑھا ہے، شاید معنی اس کا ذکر ہو گا، با کبھی کبھار عوض کے لیے آتی ہے یا بدلے کے لیے آتی ہے: مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ، دو من ایک درہم کے بدلے میں۔ ایک درہم دو گے تو کتنا گھی ملے گا؟ دو من، تو یہ دو من کس کے بدلے میں ہے؟ ایک درہم کے بدلے میں ہے، یہ بدلے والا معنی کون ادا کر رہا ہے؟ یہ با ادا کر رہی ہے، با کے بہت سے معنی آتے ہیں۔

اچھا، اب اس ترکیب پہ غور کرنا بھائی۔ ترکیب کون سی ذکر کر رہے ہیں؟ کہ مبتدا کی خبر جملہ ہے، اور جملے کو تو مبتدا سے جوڑنے کے لیے کیا ضروری؟ عائد، اور اس عائد کو قرینے کی وجہ سے کیا کر دیا گیا؟ حذف کر دیا گیا۔ تو دیکھو، اَلسَّمْنُ ہے مبتدا، اور مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ یہ پورا جملہ ہے۔ مَنَوَانِ مبتدا ہے اور بِدِرْهَمٍ اس کی خبر ہے، یہ مبتدا خبر مل کر پورا جملہ اسمیہ ہو کر پھر یہ خبر ہوئی کس کی؟ اَلسَّمْنُ کی۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ اب پوری ترکیب کرتے ہیں، دیکھیے کیسے ترکیب ہو گی، آپ سنتے جائیں لیکن اب آپ کو بات سمجھ میں آئے گی: دیکھو، اَلسَّمْنُ مرفوع لفظاً مبتدا، مبتدائے اول۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تو یہ مبتدا۔ آگے: مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ، اس نے کیا بننا ہے؟ پورا جملہ۔ یہ خبر ہے نا، لیکن پورا جملہ۔ جب جملہ ہے تو پھر اس میں کیا آئیں گے دوبارہ؟ مبتدا خبر آئیں گے، یا کبھی جملہ فعلیہ بھی ہوتا ہے، لیکن یہاں تو مبتدا خبر دوبارہ آرہے ہیں۔ تو پھر: مَنَوَانِ، اعراب بتاؤ؟ مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش، مرفوع لفظاً مبتدا، مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے، مبتدائے ثانی۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ مَنَوَانِ، میں تو نون کے نیچے زیر پڑھ رہا ہوں بھائی؟ یہ اس کی حرکت ہے، اس کا رفع کیا ہے؟ الف، یہ تثنیہ کا الف ہے بھائی، تو یہ مرفوع لفظاً مبتدا۔ اور بِدِرْهَمٍ، باجارہ، اَلدِّرْهَمِ مجرور، یہ کیا بنے گی ساری اس کی؟ خبر بنے گی اس مبتدائے ثانی کی، پھر مبتدائے ثانی اپنی خبر سے مل کر پورا جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر بنے گا کس کے لیے؟ اَلسَّمْنُ کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب مجھے بتائیے، مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ یہ کیا ہے؟ پورا جملہ۔ اس کے اندر کوئی ضمیر ہے جو اَلسَّمْنُ کو لوٹے؟ اس میں تو کوئی ضمیر ہے ہی نہیں، مَنَوَانِ تو خود تثنیہ ہے، اور آگے بِدِرْهَمٍ وہاں بھی کوئی ضمیر ہمیں نظر نہیں آرہی، یہ با تو حرف ہے اور درہم تو ضمیر نہیں ہے، تو دیکھو ضمیر نہیں ہے، حالانکہ کیا ضروری تھا؟ عائد کا ہونا ضروری تھا، تو وہ عائد محذوف ہے، وہ عائد کیا ہے؟ محذوف ہے۔ کیوں؟ کیونکہ قرینہ موجود ہے۔ قرینہ کیا ہے؟ دیکھو، مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ کا ذرا معنی

کرو: مَنَوَانِ، دو من، بِدِرْهَمٍ، کتنے کے بدلے میں؟ ایک درہم کے بدلے میں۔ یعنی یوں کہو آسان لفظوں میں: دو من ایک درہم کا، دو من ایک درہم کے ہیں، دو من ایک درہم کے ہیں۔ بھائی کس چیز کے دو من؟ روئی کے دو من؟ پھلوں کے دو من؟ گندم کے دو من؟ کچھ ذکر ہے؟ کچھ ذکر نہیں، صرف مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ پہ نظر رکھو، اَلسَّمْنُ کو ذرا چھوڑ دو، دو من ایک درہم کے ہیں، بھائی کس چیز کے دو من؟ قرینہ موجود ہے، یہ مَنَوَانِ سے پہلے کون سا لفظ گزرا؟ اَلسَّمْنُ، گھی۔ معلوم ہوا یہ دو من گھی کے مراد ہیں، کسی اور چیز کے مراد نہیں، تو یہ قرینہ موجود تھا، جب قرینہ موجود تھا تو اس ضمیر کو کیا کر لیا؟ حذف کر لیا کہ یہ دو من کس کے ہیں؟ گھی کے ہیں، اور وہ ضمیر وہ کیا تھا یہاں؟ جس کو حذف کیا وہ ہے: مِنْهُ۔ دو من مِنْهُ، کس میں سے؟ اس گھی میں سے، مِنْهُ، اس گھی میں سے دو من کس کے، کتنے کے بدلے ہیں؟ ایک درہم کے بدلے، بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو وہ مِنْهُ، وہ دو من مِنْهُ، کس میں سے ہیں؟ گھی میں سے، تو یہ مِنْهُ کو کیوں حذف کر دیا؟ کیونکہ گھی کا بھی ذکر گزرا تھا، لہٰذا مِنْهُ کہ یہ دو من اس گھی میں سے ہیں، یہ اس گھی میں سے اس لفظ کو کیا کر دیا؟ حذف کر دیا۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟

اب پوری ترکیب سنو بھائی: اَلسَّمْنُ مرفوع لفظاً مبتدا، مبتدائے اول۔ مَنَوَانِ مرفوع لفظاً، اچھا، دوسری بات: مَنَوَانِ معرفہ ہے کہ نکرہ ہے؟ یہ ضمیر ہے؟ نہیں۔ اس میں اشارہ ہے؟ نہیں۔ اچھا، اس میں موصول ہے؟ نہیں۔ اچھا، پھر یہ کسی کا نام ہے؟ نام بھی نہیں۔ اس پر الف لام داخل ہے؟ الف لام بھی اس پر داخل نہیں۔ اور ان میں سے کسی کی طرف مضاف ہے؟ نہیں، اس کی کسی کی طرف مضاف بھی نہیں۔ معلوم ہوا یہ نکرہ ہے، یہ کیا ہے؟ نکرہ ہے، نکرہ ہے۔ تو پھر اشکال ہوا، ابھی آپ نے گزشتہ سے پیوستہ سبق میں پڑھا تھا کہ نکرہ مبتدا نہیں بن سکتا، اس میں کیا ضروری ہے؟ تخصیص ضروری ہے۔ دیکھو، اب جب ترکیب آپ پوری کریں گے نا، سارے اشکالات ختم ہوتے چلے جائیں گے۔

اچھا، اور ایک ضابطہ میں نے آپ کو بتایا تھا، عبارت گویا پوری کیسے ہے؟ مَنَوَانِ مِنْهُ بِدِرْهَمٍ، مِنْهُ کو کیوں حذف کر دیا؟ کیونکہ قرینہ موجود ہے۔ اچھا، اور مَنَوَانِ ہے نکرہ، اور نکرہ کے بعد آیا مِنْهُ، جار مجرور، اور جار مجرور جب نکرہ کے بعد آئیں عموماً اس کے لیے کیا بنتے ہیں؟ صفت، معرفہ کے بعد آئیں تو عموماً کیا بنتے ہیں؟ حال، حال بنتے ہیں۔ تو مَنَوَانِ کے بعد مِنْهُ آیا، تو یہ صفت بنے گا کس کے لیے؟ مَنَوَانِ کے لیے، صفت بنے گا۔ توجہ ہے؟ وہ مِنْهُ کیا بنے گا مَنَوَانِ کے لیے؟ صفت۔ تو مَنَوَانِ ہوا موصوف اور مِنْهُ ہوئی اس کی صفت، موصوف صفت مل کر کیا بن گیا؟ مبتدا۔ اشکال ختم ہوا، اشکال کیا تھا؟ مَنَوَانِ تو نکرہ ہے، نکرہ تو مبتدا نہیں بن سکتا، اس میں کیا چاہیے؟ تخصیص۔ جواب یہ کہ مِنْهُ اس کی صفت ہے، محذوف ہے، اور نکرہ میں تخصیص کے چھ طریقوں میں سے پہلا طریقہ کیا تھا کہ اس کی کیا آ جائے؟ صفت آ جائے: وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ، آیا تھا کہ نہیں؟ عبد کی صفت کیا آئی تھی؟ مؤمن، اس لیے وہ نکرہ ہونے کے باوجود مبتدا بن گیا، تو اس کی بھی صفت کیا ہے؟ محذوف ہے مِنْهُ، تو یہ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو لہٰذا اور یہ جو بِدِرْهَمٍ ہے نا: مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ، اس نے تو خبر ہی بننا ہے، کیا بننا ہے؟ خبر، تو وہ مِنْهُ صفت بنے گا مَنَوَانِ کے لیے۔ اب ترکیب کیا ہوئی؟ مَنَوَانِ مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، یہ جو الف ہے اس پر تلفظ کر رہے ہیں۔ اور موصوف کیوں؟ کیونکہ نکرہ کے بعد کیا آ رہا ہے؟ جار مجرور مِنْهُ، مِنْهُ محذوف ہم نے نکال لیا۔ اچھا، اب اس کی ترکیب کریں: مِنْ جارہ، مِنْهُ کی بھی ترکیب کریں: مِنْ جارہ، اور ہا ضمیر مجرور محلاً، مجرور کیوں؟ کیونکہ مِنْ حرفِ جر داخل ہے۔ اور محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے۔ جار مجرور مل کر اب کیا کرنا ہے؟ مَنَوَانِ کے لیے صفت بنانا ہے، کیسے بناؤ گے؟ متعلق ضرور چاہیے، خود بخود نہیں بنے گی، کل کی مثالیں گزریں اس کی بھائی، تو کیسے؟ مِنْهُ متعلق ہو گا کس سے؟ محذوف نکال لو، ابھی افعالِ عامہ بتائے تھے، صاحبِ کتاب نے بھی بتا دیے، میں نے بھی بتائے: ثَبَتَا نکال لو۔ تو مِنْهُ متعلق ہوا کس سے؟ ثَبَتَا فعل سے۔ ثَبَتَا فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق جو ہے نا مِنْهُ، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت۔ صفت کیسے بناتے ہو بھائی، ربط دیا نہیں، جملے کو تو جس سے بھی جوڑنا ہے ربط دینا ہے، هُوَ ضمیر اس کو لوٹ اس کے اندر شاباش، کس کو لوٹ رہی ہے؟ مَنَوَانِ کو۔ بھائی مَنَوَانِ تو تثنیہ ہے اور ثَبَتَ کے اندر تو هُوَ ضمیر لوٹا رہے ہو، مفرد کی ضمیر تثنیہ کو کیسے لوٹائی آپ نے؟ شاباش، ثَبَتَا تثنیہ کا ہی صیغہ نکالیں گے، صورت سمجھ میں آ گئی؟ ثَبَتَا فعل، تثنیہ کا صیغہ فعل، اس کے اندر الف ضمیر تثنیہ کی فاعل، اس کا اعراب کیا ہے؟ مرفوع محلاً، اور وہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ مَنَوَانِ کو، یہ عائد آ گیا۔ ثَبَتَا فعل اپنے فاعل اور متعلق مِنْهُ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مبتدا۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

اچھا، اور یہ جو مِنْهُ کی ہا ضمیر تھی، یہ کس کو لوٹائی؟ اَلسَّمْنُ کو، یہ وہ عائد ہے۔ مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ اس پورے جملے میں ایک ضمیر ہمیں چاہیے تھی جو کس کو لوٹے؟ اَلسَّمْنُ کو، اور مِنْهُ والی یہ ہا ضمیر یہ وہ عائد ہے، یہ ربط دے رہا ہے کس سے؟ اَلسَّمْنُ سے۔ خیر ابھی اس ابھی یہ پہلے ہم یہ پورا جملہ کریں گے دوسرا والا۔ بِدِرْهَمٍ، اب اس کی ترکیب پر آئیں بھائی: با جارہ، دِرْهَمٍ مجرور لفظاً۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ حرفِ جر داخل ہے۔ حرفِ جر اپنے مجرور سے مل کر متعلق کس

سے؟ خبر بنانا ہے، خبر بنانا ہے اب اس کو، کوئی فعل ہے یہاں پر؟ کوئی مصدر ہے؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مبالغے کے صیغہ یا اسمِ فعل؟ کوئی بھی نہیں، تو پھر ہمیں کیا کرنا پڑے گا؟ محذوف نکالنا پڑے گا۔ اب نکالیں محذوف: ثَبَتَا فعل، کیا نکالا؟ ثَبَتَا۔ ثَبَتَا فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور بِدِرْهَمٍ کیا ہے اس سے متعلق، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر، جلدی جلدی بتایئے، جملہ فعلیہ، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ بھائی خبر کیسے بھائی، جملے کو آپ جوڑ رہے ہو کس سے؟ ثَبَتَا نکالیں گے شاباش؛ کیونکہ ہمیں عائد چاہیے، اور ثَبَتَ میں هُوَ ضمیر تھی، اچھا بِدِرْهَمٍ کو کس سے جوڑنا تھا؟ مَنَوَانِ سے، اور مَنَوَانِ تثنیہ ہے تو ہمیں بھی کون سی ضمیر چاہیے؟ تثنیہ، تو ثَبَتَ نہیں نکالیں گے بلکہ ثَبَتَا۔ تو بِدِرْهَمٍ متعلق ہوا ثَبَتَا فعل کے ساتھ، اس میں الف ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ مَنَوَانِ کو۔ مِنْهُ کو بھی مَنَوَانِ سے جوڑا تھا لیکن وہ اس کی صفت بنی تھی، اور یہ کیا ہے اس کی؟ خبر۔ جس کو بھی جوڑنا ہے بہر حال عائد ہمیں ضرور چاہیے، جملے میں بھی اور شبہ جملہ میں بھی۔ تو ثَبَتَا فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ مَنَوَانِ کے لیے۔ مَنَوَانِ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ اَلسَّمْنُ کے لیے، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو گھی: اَلسَّمْنُ مَنَوَانِ مِنْهُ بِدِرْهَمٍ، گھی جو ہے، دو من مِنْهُ اس میں سے بِدِرْهَمٍ ایک درہم کے بدلے ہے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ تو یہاں دیکھو مِنْهُ کو حذف کر دیا؛ کیونکہ قرینہ موجود تھا کہ ابھی سمن کا ذکر ہوا ہے، معلوم ہوا یہ دو من کس کے ذکر ہو رہے ہیں؟ سمن کے۔

اسی طرح اگلا جملہ دیکھیے: اَلْبُرُّ الْكُرُّ بِسِتِّينَ دِرْهَمًا۔ بُرّ کہتے ہیں گندم کو، اَلْبُرُّ، گندم جو ہے، اَلْكُرُّ، کر، یاد رکھیے یہ گندم وغیرہ ماپنے کا ایک پیمانہ ہے۔ جیسے ہے ناسیر ہے، دو سیر، یا کلو، دو کلو، دس کلو، یہ پیمانے ہیں۔ لیکن یہ وزن ہے، اور قدیم زمانے میں گندم کو کا وزن نہیں کرتے تھے، اس کو ایک برتن میں ماپ کر بیچا جاتا تھا۔ آج کل بھی بعض دیہات میں، بعض جگہوں میں وہ طریقہ رائج ہے، گندم وغیرہ کو تولتے نہیں ہیں بلکہ کیا کرتے ہیں؟ وہ برتن، یہ ایک برتن بھر کے اتنے کا ہے، دو لوگے تو اتنے کے، تین لوگے تو اتنے کے۔ جیسے دودھ ہے، دودھ کو کیا کرتے ہیں؟ تولتے نہیں ہیں، وہ ایک برتن میں ماپتے ہیں، لیٹر، ایک لیٹر اتنے کا، دو لیٹر اتنے، تین لیٹر اتنے۔ تو یہاں اسی طرح یہ کُرّ جو ہے نا، یہ گندم ماپنے، گندم وغیرہ ماپ یہ غلے کو ماپنے کا ایک پیمانہ تھا، اور بہت بڑا پیمانہ ہے، سمجھ میں آیا؟ کئی من، کئی من کے برابر ہے یہ بھائی یہ کُرّ بھائی۔ تو گندم جو: اَلْبُرُّ الْكُرُّ، گندم جو ہے ایک کُرّ جو ہے مقدار اس کی بِسِتِّينَ دِرْهَمًا، ساٹھ درہم کی ہے۔ ایک کُرّ گندم کتنے کی ہے؟ ساٹھ درہم کی ہے۔

اب اس میں دیکھو، ترکیب پہلے سمجھ لو: اَلْبُرُّ ہے مبتدا، اَلْبُرُّ ہے مبتدا، اور اَلْكُرُّ بِسِتِّينَ دِرْهَمًا یہ پورا جملہ ہے اور یہ خبر ہے، پورا جملہ۔ کس کی خبر ہے؟ اَلْبُرُّ کی۔ اور جب یہ پورا جملہ ہے تو یا تو جملہ اسمیہ ہو گا یا جملہ فعلیہ، اور یہ جملہ فعلیہ تو ہے نہیں، فعل تو نہیں ہے یہاں، معلوم ہوا یہ جملہ اسمیہ ہے۔ جب یہ جملہ اسمیہ ہے تو پھر اس میں کیا آئے گا؟ مبتدا اور خبر۔ اور جب مبتدا اور خبر ہیں، پورا جملہ ہے، تو جملے کو مبتدائے اول سے جوڑنے کے لیے کیا ضروری؟ عائد، اور عائد یہاں پر کوئی نہیں۔ اَلْكُرُّ، یہ بھی دیکھو ضمیر نہیں ہے، بِسِتِّينَ دِرْهَمًا، اس میں بھی کوئی ضمیر نہیں، تو معلوم ہوا عائد محذوف ہے، عائد کیا ہے؟ محذوف ہے۔ دیکھو یہاں بھی وہی معنی: جو خبر ہے صرف اس پہ نظر رکھو: اَلْكُرُّ، ایک کُرّ مقدار جو ہے بِسِتِّينَ دِرْهَمًا، کتنے کا ہے؟ ساٹھ درہم کا۔ بھائی کس چیز کے؟ کُرّ تو گندم کا بھی ہو سکتا ہے، کُرّ تو چنے کا بھی ہو سکتا ہے، کُرّ تو مکئی وغیرہ کا بھی ہو سکتا ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ لیکن یہاں کُرّ کس کا مراد ہے؟ بُرّ یعنی گندم کا؛ کیونکہ ابھی اس سے پہلے کون سا لفظ گزرا ہے؟ بُرّ، بُرّ کا لفظ یعنی گندم کا لفظ گزرا ہے، تو لہٰذا اصل میں تھا: اَلْكُرُّ مِنْهُ، ایک کُرّ کس میں سے؟ گندم میں سے، بِسِتِّينَ دِرْهَمًا، وہ کتنے کا ہے؟ ساٹھ کا۔ لیکن وہ مِنْهُ کو کیوں حذف کر دیا؟ قرینہ موجود ہے، ابھی اَلْبُرُّ گزرا تھا، معلوم ہوا یہ کُرّ بھی اسی کا ذکر ہو رہا ہے، کسی اور غلے کا ذکر نہیں ہو رہا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اب یہاں اسی طرح ترکیب کریں گے، چلیے بھائی: اَلْبُرُّ مرفوع لفظاً مبتدائے اول۔ آگے: اَلْكُرُّ مرفوع لفظاً، اور اس کے بعد مِنْهُ بھی نکالنا ہے ہم نے، مِنْهُ۔ اور اَلْكُرُّ نکرہ ہے معرفہ ہے؟ معرفہ، اور اس کے بعد مِنْهُ نکالا جار مجرور، اور معرفہ کے بعد جار مجرور آئے اور کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو وہ عموماً کیا بنتا ہے اس سے؟ حال۔ تو یوں ہو گا: اَلْكُرُّ مرفوع لفظاً ذوالحال۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ ذوالحال کیوں؟ کیونکہ اس کے بعد کیا آرہا ہے؟ جار مجرور حال آرہا ہے۔ مِنْ جارہ، ہا ضمیر مجرور محلاً، جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ اَلْبُرُّ کو، یہ وہ عائد ہے جو محذوف ہے قرینے کی وجہ سے۔ تو ہا ضمیر راجع ہے بُرّ کو بھائی۔ جی، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَبَتَ فعل کے ساتھ، شاباش۔ ثَبَتَ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ اَلْكُرَّ کو، اور كُرٌّ بھی مفرد مذکر، اور هُوَ ضمیر بھی مفرد مذکر، لہٰذا اب یہاں فعل کو بدلنے کی نہیں ضرورت۔ تو ثَبَتَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال۔ ذوالحال اپنے حال سے مل کر مبتدائے ثانی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا، آگے: بِسِتِّینَ دِرْهَمًا، باجارہ، سِتِّینَ، یاد رکھو یہ جو عدد ہے نا سِتِّینَ، کہتے ہیں ساٹھ۔ عدد ساٹھ، بھائی کیا چیز ساٹھ؟ ساٹھ تو کتابیں بھی ہو سکتی ہیں، قلم بھی ہو سکتے ہیں، ساٹھ طالبِ علم بھی ہو سکتے ہیں، ساٹھ تو کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے۔ تو یہ جو عدد ہوتا ہے نا، اس میں ابہام ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ ابہام۔ تو اس کے لیے پھر آگے تمیز لاتے ہیں جس سے ابہام کو ختم کرتے ہیں کہ یہ ساٹھ کیا چیزیں ہیں، تو آگے آیا: دِرْهَمًا، ساٹھ کیا ہیں؟ درہم۔ تو لہٰذا یہ جو عدد ہے اس کو ہم کہیں گے ممیّز، اور یہ جو جس نے ابہام کو دور کیا، دِرْهَمًا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ تمیز، جس نے ابہام دور کر دیا۔ یہ خیر آگے اور بھی پھر بھی ایسی ترکیبیں آ جائیں گی، بہر حال یہاں صرف اتنا ہی یاد رکھیں کہ یہ عدد کیا بنتا ہے؟ ممیّز، اور آگے کیا آتی ہے؟ تمیز جو اس کے ابہام کو دور کیا، یہ ساٹھ کوئی اور چیز نہیں مراد، کیا مراد ہیں؟ درہم۔

تو باجارہ، سِتِّینَ، اعراب بتاؤ سب سے پہلے؟ مجرور لفظاً، مجرور لفظاً۔ بھائی یہ مُسْلِمُونَ کی طرح ہے: سِتُّونَ، سِتُّونَ، ساٹھ۔ مُسْلِمُونَ حالتِ رفعی میں کس کے ساتھ آتا ہے؟ واؤ کے ساتھ، اور حالتِ نصبی جری میں؟ یا۔ تو یہاں پر بھی سِتُّونَ تھا اصل میں، ساٹھ، سِتُّونَ، اور حالتِ رفعی میں۔ پھر باجارہ داخل ہوئی تو کیا بن گیا؟ سِتِّینَ، تو یا آ گئی، اور یا پڑھ رہے ہیں ہم کہ نہیں پڑھ رہے؟ تو یہ مجرور ہوا لفظاً۔ تو باجارہ، سِتِّینَ مجرور لفظاً ممیّز، اور دِرْهَمًا منصوب لفظاً تمیز۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ تمیز ہے، تمیز کیا ہوتی ہے؟ منصوب ہوتی ہے، یہ آگے آجائے گا ذکر بھائی۔ تو یہ منصوب لفظاً تمیز۔ ممیّز اپنی تمیز سے مل کر مجرور باجارہ کے لیے۔ جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق کس سے؟ ثَبَتَ سے، کس سے؟ ثَبَتَ۔ ثَبَتَ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ یہ بِسِتِّینَ دِرْهَمًا کس کی خبر ہے؟ اَلْكُرُّ کی، تو اس سے جوڑنا ہے، تو هُوَ ضمیر لوٹ رہی ہے اَلْكُرُّ کو۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا اَلْكُرُّ جو ہے۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ اَلْبُرُّ کے لیے، اور عائد بتلایا تھا یا نہیں؟ وہ مِنْهُ کی ہا ضمیر تھی، تو یہ خبر۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کہ نہیں سمجھ میں آئی؟ اچھی طرح؟

دوبارہ یہی ترکیبیں بھائی، چلیں آپ یہ دوبارہ ترکیبیں کریں دونوں، اور اب آپ نے ثَبَتَا نہیں نکالنا، اب آپ نے صفت کا صیغہ ذرا نکالنا ہے۔ تو اب صفت کا صیغہ ثَابِتٌ وغیرہ نکالنا ہے، چلیے کیجیے جلدی ترکیب بھائی: اَلسَّمْنُ مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ، جی۔ اَلسَّمْنُ مرفوع لفظاً مبتدا، اَلسَّمْنُ مرفوع لفظاً مبتدا۔ مَنَوَانِ مرفوع لفظاً مبتدا، ہاں مِنْهُ بھی نکالنا ہے، مَنَوَانِ مرفوع لفظاً موصوف۔ مِنْ جارہ، ہاں مِنْهُ کو نکال لیا، مِنْ جارہ، ہا ضمیر مجرور محلاً جو کس کو راجع؟ سمن کو، یہ عائد آ گیا، آگے اب جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتَانِ، شاباش، ثَابِتَانِ مرفوع لفظاً، ثَابِتَانِ صیغہ اسمِ فاعل مرفوع لفظاً، اس کے اندر هُمَا ضمیر اس کا فاعل جو لوٹ رہی ہے مَنَوَانِ کو، ہاں هُمَا ضمیر جو لوٹ رہی ہے کس کو؟ مَنَوَانِ کو۔ ثَابِتَانِ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مبتدا۔ آگے: باجارہ، دِرْهَمٍ مجرور لفظاً، جی، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل، آگے: ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل هُوَ ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل جو، ثَابِتَانِ، ہاں شاباش، دیکھا، ثَابِتَانِ نکالیں گے؛ کیونکہ ہم نے اس کو کس سے جوڑنا ہے؟ مَنَوَانِ کے ساتھ، اس کی خبر ہے یہ۔ تو ثَابِتَانِ صیغہ اسمِ فاعل هُمَا ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل مرفوع محلاً جو کس کو راجع؟ مَنَوَانِ کو۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ اَلسَّمْنُ کے لیے، اور وہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔

جی، اگلا جملہ بھی کیجیے: اَلْبُرُّ الْكُرُّ بِسِتِّینَ دِرْهَمًا، اس میں بھی اب آپ نے صفت کا صیغہ نکالنا ہے: اَلْبُرُّ مرفوع لفظاً مبتدا، اَلْبُرُّ مرفوع لفظاً مبتدا۔ اَلْكُرُّ مرفوع لفظاً موصوف، اَلْكُرُّ مرفوع لفظاً موصوف نہ کہیں، مِنْهُ کو کیا بناؤ گے؟ معرفہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ کیا بنتا ہے؟ ہاں، تو اَلْكُرُّ مرفوع لفظاً ذوالحال۔ مِنْ جارہ، ہا ضمیر مجرور محلاً جو لوٹ رہی ہے اَلْبُرُّ کو، یہ عائد آ گیا جی۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل، اعراب بھائی ثَابِتٌ کے ساتھ متعلق، ثَابِتٌ، هُوَ ضمیر اس کے اندر اس کا مرفوع، ثَابِتٌ کا اعراب بتاؤ؟ مرفوع لفظاً، مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ اسمِ فاعل بن رہا ہے، اسمِ فاعل بن رہا ہے تو اسمِ فاعل مرفوع ہوتا ہے؟ کیا بنے گا بھائی؟ حال، حال بنے گا، اور حال کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، حال کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ دیکھا، جو اعراب پڑھو گے اس اعراب کی وجہ چاہیے بھائی، یہ میں بتلانا یہ چاہتا تھا اس لیے ساری ترکیب آپ سے دوبارہ کروائی۔ ثَابِتٌ نہیں نکالیں گے، ثَابِتًا، ہاں ثَابِتًا نکالیں گے، منصوب بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو ثَابِتًا منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً جو کس کو راجع؟ اَلْكُرُّ کو، اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال۔ ذوالحال اپنے حال سے مل کر مبتدا، مبتدائے ثانی۔ اور آگے بِسِتِّینَ دِرْهَمًا اس کو کس سے جوڑیں گے؟ اس کے لیے، اس کے لیے ثَابِتٌ نکالیں گے، کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، وہ جو پہلے مِنْهُ کے بعد ثَابِتًا نکالا تھا وہ حال تھا اس لیے ثَابِتًا نکالا، اور یہ جو ثَابِتٌ بِسِتِّینَ دِرْهَمًا ہے یہ کیا ہے؟ خبر ہے، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ اچھی طرح بات سب کو سمجھ میں آ گئی بھائی؟ آگے دیکھیے، بس بھائی وہ ہو گئی ترکیب۔

وَقَدْ يَتَقَدَّمُ الْخَبَرُ عَلَى الْمُبْتَدَأِ، اور کبھی کبھار مقدم ہو جاتی ہے خبر مبتدا پر، یعنی ہونا تو یہ چاہیے پہلے مبتدا آئے اور پھر اس کے بعد خبر، لیکن کبھی کبھار خبر مبتدا پر مقدم ہو جاتی ہے، اس سے پہلے آجاتی ہے، نَحْوُ: جیسے مثال کے طور پر: فِي الدَّارِ زَيْدٌ، گھر میں زید ہے۔ تو اور میں نے آپ کو بتایا تھا، جار مجرور یہ کبھی بھی مبتدا نہیں بن سکتے، یہ ہمیشہ کیا بنتے ہیں؟ خبر تو بن سکتے ہیں، مبتدا نہیں، اور یہ تو آرہے ہیں شروع میں، معلوم ہوا یہ خبر ہیں، مقدم ہو گئے ہیں۔ اب کیجیے، فِي الدَّارِ زَيْدٌ ترکیب کیجیے جلدی بھائی: فِي جارہ، اَلدَّارِ مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر خبرِ مقدم، جار مجرور ویسے تھوڑی خبر بنے گی، جار مجرور کے لیے متعلق ہمیشہ نکالا کرو، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَبَتَ فعل کے، ثَبَتَ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو لوٹ رہی ہے اَلدَّارِ، اس کے اندر ثَبَتَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ دار کو؟ ثَبَتَ هُوَ، اور هُوَ سے بھی کون مراد ہے؟ گھر، ثَبَتَ دَارٌ، یعنی گھر ثابت ہے فِي الدَّارِ کس میں؟ گھر میں، ہاں هُوَ ضمیر کس کو لوٹائیں؟ زید کو، ہاں یہ خبر ہے اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا، اور مبتدا کون ہے یہاں پر؟ زید ہے، تو هُوَ ضمیر لوٹ رہی ہے کس کو؟ زید کو۔ اس پر اشکال ہوا، یہ تو اضمار قبل الذکر آگیا، پہلے مرجع آتا ہے پھر اس کے بعد ضمیر آتی ہے، تو هُوَ ضمیر اور زید ہے مرجع، تو ضمیر پہلے ہے کیونکہ فِي الدَّارِ سے پہلے کیا نکالا؟ ثَبَتَ، تو ضمیر هُوَ پہلے آگئی اور زید تو کیا ہے؟ بعد میں، تو یہ کیا ہوا؟ اضمار قبل الذکر، تو جواب میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ بھائی زید اگرچہ اس وقت لفظوں میں مؤخر ہے لیکن رتبہ کیا ہے اس کا؟ زید کا مقام کہاں تھا، اصل میں یہ کہاں ہونا چاہیے؟ مقدم، اصل میں یوں ہونا چاہیے: زَيْدٌ ثَبَتَ فِي الدَّارِ، تو رتبے کے اعتبار سے زید کیا ہے؟ مقدم؛ کیونکہ مبتدا ہے، مبتدا پہلے آتا ہے، خبر بعد میں آتی ہے، تو لہٰذا رتبۃً زید مقدم ہے، لہٰذا اضمار قبل الذکر لفظاً تو ہے رتبۃً نہیں ہے، اور یہ جائز ہے۔ تو هُوَ ضمیر راجع ہے زید کو، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبرِ مقدم، اور زَيْدٌ مرفوع لفظاً یہ مبتدائے مؤخر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو فِي الدَّارِ زَيْدٌ، گھر میں زید ہے۔

وَيَجُوزُ لِلْمُبْتَدَإِ الْوَاحِدِ أَخْبَارٌ كَثِيرَةٌ، اور جائز ہے ایک ہی مبتدا کے لیے أَخْبَارٌ كَثِيرَةٌ، بہت سی خبریں، ایک ہی مبتدا کی بہت سی خبریں بھی آسکتی ہیں، نَحْوُ: مثال کے طور پر: زَيْدٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ عَاقِلٌ۔ تو ترکیب کیسے ہو گی؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا۔ عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبرِ اول۔ اور اسی طرح: فَاضِلٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید، دیکھو عائد میں بتلاتا جا رہا ہوں ساتھ ساتھ، جو لوٹ رہی ہے زید کو، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبرِ ثانی۔ عَاقِلٌ مرفوع صیغہ اسمِ عاقل مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تو مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو، تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبرِ ثالث، تیسری خبر۔ مبتدا اپنی تینوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھائی؟

یہاں ایک اور گہری بات یاد رکھنا، اگر یہاں رجل کا لفظ ہوتا نا: زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ عَاقِلٌ، پھر ترکیب بدل جانی تھی، کس طرح؟ ہاں پھر موصوف صفت بننے تھے۔ لیکن یہاں دیکھو: عَالِمٌ فَاضِلٌ عَاقِلٌ، آپ کو میں نے ضابطہ بتایا تھا کہ کئی نکرہ اکٹھے آجائیں تو وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت، بشرطیکہ ان کے بعد کوئی معرفہ نہ آئے، تو دیکھو زَيْدٌ تو ہے مبتدا، آگے عَالِمٌ، فَاضِلٌ، عَاقِلٌ یہ سارے خبر کی جگہ میں آرہے ہیں، تو عَالِمٌ بھی نکرہ، فَاضِلٌ بھی نکرہ، عَاقِلٌ بھی نکرہ، تو آپ تو کہیں گے کہ عَالِمٌ کو کیا بناؤ؟ موصوف، اور فَاضِلٌ، عَاقِلٌ کو اس کے لیے صفت۔ نہیں بھائی، وجہ یہ کہ عَالِمٌ صفت کا صیغہ ہے، عَالِمٌ جس کو آپ موصوف بنانا چاہتے ہیں وہ کون سا صیغہ ہے؟ صفت، وہ موصوف نہیں بن سکتا، وہ صفت تو بن سکتا ہے، موصوف نہیں بن سکتا۔ ہاں اگر رجل ہوتا، ذات، اب رجل تو صفت کا صیغہ نہیں ہے، وہ تو ذات کا نام ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو پھر وہ موصوف بنتا، اور یہ عَالِمٌ، فَاضِلٌ، عَاقِلٌ اس کی صفتِ اول، صفتِ ثانی اور صفتِ ثالث بنتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو عَالِمٌ کو موصوف کیوں نہیں بنایا؟ کیونکہ وہ صفت کا صیغہ ہے اور صفت کا صیغہ موصوف نہیں بنتا، ہاں ذات آجاتی وہ موصوف بن جاتی۔ تو عَالِمٌ صفت کی موصوف کیوں نہیں؟ کیونکہ صفت کا صیغہ ہے، لہٰذا مجبوراً عَالِمٌ کو خبرِ اول بنانا پڑا، فَاضِلٌ کو خبرِ ثانی بنانا پڑا، اور عَاقِلٌ کو خبرِ ثالث بنانا۔

اب دوبارہ ترکیب کرو: زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ عَاقِلٌ: زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے، خبر ہے۔ اور موصوف کیوں؟ کیونکہ اس کے بعد صفتیں آرہی ہیں۔ عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ خبر کہاں سے بن رہی ہے، خبر تو رَجُلٌ تھی، صفت ہے، ہاں یہ صفت ہے، اب وجہ بدل گئی، موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا

فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ ہاں رَجُلٌ کو؛ کیونکہ یہ اس کے ساتھ ہم نے جوڑنا ہے، اس کی صفت بن رہی ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ فَاضِلٌ میں بھی اب ضمیر کس کو لوٹے گی؟ رَجُلٌ کو، اور عَاقِلٌ میں بھی ضمیر کس کو لوٹے گی؟ رَجُلٌ؛ کیونکہ جس سے جوڑنا ہے اس کے ساتھ اس کی طرف ضمیر لوٹائیں گے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ تو رَجُلٌ موصوف ہوا، عَالِمٌ، فَاضِلٌ، عَاقِلٌ اس کی تین صفتیں ہوئیں، موصوف اپنی تینوں صفات سے مل کر یہ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اچھی طرح ترکیب سمجھ میں آگئی بھائی؟

دیکھا، ترکیب سمجھ میں آتی جارہی ہے؟ ایک ایک بات سمجھ میں آئی ہے یا اوپر سے گزری ہے؟ دیکھا، ترکیب آپ کو آئے گی تو ایک ایک بات سمجھ میں آتی جائے گی، کتاب پڑھنے کا لطف ہی بڑھتا جائے گا، آپ کو وجہ پتہ چلتی جائے گی۔ ان شاء اللہ ابھی تو ہم کتاب کے شروع میں ہیں، جوں جوں آگے چلتے جائیں گے آپ کی ترکیب ان شاء اللہ زبردست ہوتی چلی جائے گی بھائی، پھر کوئی مشکل نہیں، کوئی عبارت دے دی جائے گی آپ آرام سے اس کو پڑھ لیں گے، بس لفظوں کا معنی آتا ہو آپ کو، لغت پاس ہو، لفظوں کا معنی آتا ہو، صیغوں کا پتہ چلتا ہو، صرف آتی ہو، اور پھر ترکیب سے آپ فوراً بتاتے جائیں گے یہاں کون سا اعراب پڑھنا ہے، یہاں کون سا اعراب پڑھنا ہے، پوری عبارت آپ بہترین پڑھ سکیں گے بھائی۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۰: مبتدا کی قسمِ ثانی (صفت بعد از نفی واستفہام) اور دخولِ فاء در خبرِ مبتدا

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۲—بتاریخ: ۷ جنوری ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَاعْلَمْ أَنَّ لَهُمْ قِسْمًا آخَرَ مِنَ الْمُبْتَدَإِ لَيْسَ مُسْنَدًا إِلَيْهِ، وَهُوَ صِفَةٌ وَقَعَتْ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ نَحْوُ: مَا قَائِمٌ زَيْدٌ، أَوْ بَعْدَ حَرْفِ الِاسْتِفْهَامِ نَحْوُ: أَقَائِمٌ زَيْدٌ، بِشَرْطِ أَنْ تَرْفَعَ تِلْكَ الصِّفَةُ اسْمًا ظَاهِرًا نَحْوُ: مَا قَائِمٌ الزَّيْدَانِ، وَأَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ، بِخِلَافِ: مَا قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ.

مبتدا اور خبر کی بحث چل رہی ہے۔ انہوں نے آپ کو بتلایا کہ مبتدا جو ہوتا ہے وہ مسند الیہ ہوتا ہے اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مسند بہ ہوتی ہے۔ اور آسان لفظوں میں میں نے بتلایا تھا کہ مبتدا وہ ہے جس کے بارے میں بات کی جائے اور خبر وہ جو بات کی جائے وہ خبر ہے بھائی۔ آج آپ کو یہ مبتدا کی ایک اور قسم بتلائیں گے جس میں مبتدا مسند الیہ نہیں ہو گا بلکہ وہ مسند ہو گا۔ کیا ہو گا؟ مسند بہ ہو گا، وہ مبتدا ہو گا بھائی۔ اور آسان لفظوں میں میں نے بتلایا تھا مبتدا وہ ہے جس کی بات کی جائے اور جو بات کی جائے وہ خبر، لیکن یہاں پر اس قسم کے اندر وہ جو بات کی جائے گی وہ کیا ہو گی؟ مبتدا ہو گی۔ یعنی وہ مسند بہ جو ہے وہ کیا ہو گا؟ مبتدا ہو گا بھائی، بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو کہتے ہیں «وَاعْلَمْ» اور تو جان لے «أَنَّ لَهُمْ قِسْمًا آخَرَ مِنَ الْمُبْتَدَإِ» کہ نحویوں کے نزدیک ایک اور قسم ہے مبتدا کی «لَيْسَ مُسْنَدًا إِلَيْهِ» جو کہ مسند الیہ نہیں ہوتا، نحویوں کے نزدیک بھائی ایک اور قسم ہے مبتدا کی جو کہ مسند الیہ نہیں ہوتا۔ وہ کیا ہے بھائی؟ کہتے ہیں «وَهُوَ صِفَةٌ وَقَعَتْ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ»، دیکھیے «صِفَةٌ» آیا نکرہ، «صِفَةٌ» کیا ہے؟ نکرہ، اور اس کے بعد «وَقَعَتْ» فعل آیا اور میں نے بتلایا تھا نکرہ کے بعد فعل آئے تو عموماً اس کے لیے صفت بنتا ہے۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے نکرہ کے اندر ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں۔ تو کہتے ہیں «وَهُوَ صِفَةٌ» وہ مبتدا جو ہے ایسی صفت ہے «وَقَعَتْ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ» جو کس کے بعد واقع ہو؟ حرف نفی کے بعد، یعنی اس سے پہلے حرف نفی آئے، «نَحْوُ» مثال کے طور پر: «مَا قَائِمٌ زَيْدٌ»۔ تو یہ دیکھو اس مثال میں «قَائِمٌ» یہ ہے مبتدا بھائی، یہ کیا ہے؟ مبتدا، اور یہ صفت کا صیغہ ہے۔ کون سا صیغہ ہے؟ صفت کا صیغہ ہے، اسم فاعل ہے بھائی، اور کس کے بعد آ رہا ہے؟ «مَا» حرف نفی جو ہے اس کے بعد آ رہا ہے۔

تو کہتے ہیں «وَهُوَ صِفَةٌ وَقَعَتْ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ» وہ ایسی صفت ہے جو واقع ہو حرف نفی کے بعد «أَوْ بَعْدَ حَرْفِ الِاسْتِفْهَامِ» یا کس کے بعد ہو؟ حرف استفہام، یعنی سوال کے لیے جو حروف استعمال ہوتے ہیں اس کے بعد آئے «نَحْوُ» مثال کے طور پر: «أَقَائِمٌ زَيْدٌ»۔ تو دیکھیے «قَائِمٌ» یہ ہے مبتدا بھائی «قَائِمٌ»، اور یہ صفت کا صیغہ ہے اور کس کے بعد واقع ہو رہا ہے؟ حرف استفہام، یہ جو ہمزہ ہے شروع میں یہ استفہام کے لیے ہے سوال کے لیے ہے۔ تو «أَقَائِمٌ زَيْدٌ» کیا زید کھڑا ہے؟

تو کہتے ہیں گویا کہ ایسی صفت ہے جو حرف نفی کے بعد واقع ہو یا حرف استفہام کے بعد واقع ہو «بِشَرْطِ أَنْ تَرْفَعَ تِلْكَ الصِّفَةُ اسْمًا ظَاهِرًا» اس شرط کے ساتھ کہ رفع دے وہ صفت «اسْمًا ظَاهِرًا» کس کو؟ اسم ظاہر کو، اسم ظاہر کو۔ گویا، گویا تین شرطیں ہو گئیں اس مبتدا کے لیے۔ پہلی شرط یہ

کہ وہ صیغہ صفت کا ہونا چاہیے، کون سا صیغہ ہو؟ صفت کا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد آئے اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ صفت کا صیغہ کسی اسم ظاہر کو رفع دے، کسی اسم ظاہر کو رفع دے۔

میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ صفت کے صیغے بھی فعل کی طرح عمل کرتے ہیں۔ جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری جس کو وہ رفع دے، اسی طرح صفت کے صیغے کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری ہے جس کو وہ رفع دے۔ اور فعل کے بارے میں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ فعل ضمیر کو بھی رفع دے سکتا ہے اور اسم ظاہر کو بھی۔ اور اسم ظاہر کسے کہتے ہیں؟ میں نے بتایا تھا اسم ظاہر وہ اسم ہے جو کس کے مقابلے میں ہو؟ ضمیر، وہ اسم اور ضمیر نہ ہو تو پھر وہ اسم ظاہر ہے۔ جیسے زید، یہ ضمیر نہیں اسم ہے تو جب ضمیر نہیں ہے تو پھر اسم ظاہر ہے۔ کتاب، کتاب اسم ہے اور ضمیر نہیں ہے جب ضمیر نہیں ہے تو پھر کون سا اسم ہے؟ اسم ظاہر۔ قلم، جدار، جو بھی مثال آپ دیکھ لیں، وہ اسم اور ضمیر نہ ہو تو پھر وہ اسم ظاہر ہے بھائی۔

تو وہ صفت اسم ظاہر کو رفع دے رہی ہو۔ میں نے آپ کو بتایا تھا فعل جو ہے ضمیر کو بھی رفع دے سکتا ہے اور اسم ظاہر کو بھی۔ «ضَرَبَ» آگے کوئی اسم ظاہر نہیں اور فاعل تو ضرور چاہیے تو اسی کے اندر کیا نکالتے ہیں؟ «هُوَ» ضمیر۔ لیکن اگر اسم ظاہر آ گیا ہے «ضَرَبَ زَيْدٌ»، اب یہ «زَيْدٌ» کو کون رفع دے رہا ہے؟ «ضَرَبَ»، یہ «ضَرَبَ» کے لیے کیا بن رہا ہے؟ فاعل۔ تو اب «ضَرَبَ» کے اندر ضمیر نہیں کیونکہ فاعل ایک ہی ہوتا ہے، جب یہ اسم ظاہر کو رفع دے تو ضمیر کو رفع نہیں دے گا اور جب ضمیر کو رفع دے تو اسم ظاہر کو رفع نہیں دے گا۔

نیز میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اسم ظاہر جو ہے وہ فاعل بن سکتا ہے صرف دو فعل ہیں، دو صیغے ہیں ان کے لیے فاعل بن سکتا ہے۔ اور وہ کون کون سے صیغے ہیں؟ پہلا اور چوتھا، یعنی واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب، یہ دو صیغے ہیں ان کے لیے فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے انہی کے اندر اور آگے اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ باقی جو بارہ صیغے ہیں فعل کے ان میں فاعل ہمیشہ ضمیر ہوتی ہے، وہ کبھی اسی فعل کے اندر چھپی ہوئی ہو گی اور کبھی اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہو گی۔ اسی کے اندر چھپی ہوئی ہو گی کبھی جیسے «تَضْرِبُ»، «تَضْرِبُ» اس کے اندر «أَنْتَ» ضمیر چھپی ہوئی ہے، اور کبھی ساتھ جڑی ہوئی ہو گی «ضَرَبْتَ»، دیکھو یہ تا ضمیر کیا ہے؟ اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ تو بہر حال ہو گی اسی فعل کے ساتھ ہی ضمیر ہو گی، اس کے ساتھ جڑی ہوئی بارز ہو گی یا اسی کے اندر مستتر ہو گی چھپی ہوئی ہو گی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آئی؟

اس سے ایک اور بات کا بھی آپ کو پتہ چل گیا کہ فاعل جب بھی اسم ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں کیونکہ اسم ظاہر کتنے صیغوں کے لیے فاعل بن سکتا ہے؟ دو، پہلا اور چوتھا اور دونوں مفرد کے صیغے ہیں۔ پہلا بھی مفرد کا صیغہ اور چوتھا بھی مفرد کا، معلوم ہوا اسم ظاہر جب بھی فاعل بنے گا فعل ہمیشہ کیا ہو گا؟ مفرد ہو گا، مفرد۔ چاہے وہ اسم ظاہر مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، اس سے کوئی بحث نہیں ہماری، ہے تو اسم ظاہر، لہٰذا «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ الزَّيْدَانِ»، «ضَرَبَ الزَّيْدُونَ»۔ تو دیکھو «زَيْدٌ» یا «الزَّيْدَانِ» یا «الزَّيْدُونَ»، چاہے مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، ہے تو اسم ظاہر، جب اسم ظاہر ہے فعل کو ہمیشہ کیا رکھنا ہے؟ مفرد رکھنا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور اسی طرح صفت کے صیغوں میں بھی ہے۔ صفت کے صیغے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل کو چاہیں گے اور اس کو رفع دیں گے اور وہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ آگے اگر اسم ظاہر آ رہا ہے جس کو یہ صفت کا صیغہ رفع دے رہا ہو تو پھر اس صفت کے صیغے میں ضمیر نہیں، اور اگر آگے اسم ظاہر نہیں ہے تو فاعل یا نائب فاعل تو ضرور چاہیے تو پھر اسی کے اندر کیا نکال لیں گے؟ ضمیر نکال لیں گے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے ساری؟

اور نیز جیسے جب اسم ظاہر فاعل ہوتا ہے فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد رکھتے ہیں، اسی طرح جب فاعل اسم ظاہر ہو تو صفت کو بھی ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں۔ فاعل جب کیا ہو؟ اسم ظاہر ہو، چاہے وہ مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، جو بھی ہو، ہے تو اسم ظاہر، تو صفت کا صیغہ ہمیشہ کیا ہو گا؟ مفرد۔ اگر صفت کا صیغہ تثنیہ یا جمع کا ہے تو پھر اس کا مطلب ہے وہ ضمیر کو رفع دے رہا ہے، اسم ظاہر کو رفع نہیں دے رہا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

اب دیکھیے انہوں نے کیا کہا کہ مبتدا کی ایک اور قسم ہے جو مسند الیہ نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ مسند بہ ہے، اور وہ کیا ایک ایسی صفت جو کس کے بعد آئے؟ حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد، اور شرط کیا ہے؟ وہ کسی اسم ظاہر کو رفع دے۔ اور اسم ظاہر کو معلوم ہوا وہ تبھی رفع دے گا جب صفت کا صیغہ مفرد کا ہو گا، تثنیہ یا جمع کا ہو تو پھر وہ رفع نہیں دے گا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے بھائی؟

دیکھیے ہم ترکیب کرتے ہیں مثلاً «نَحْوُ: مَا قَائِمٌ الزَّيْدَانِ»۔ یاد رکھیں نحوی دراصل مجبور ہو گئے، مبتدا تو ہمیشہ مسند الیہ ہوتا ہے، مبتدا ہمیشہ مسند الیہ ہوتا ہے، لیکن کچھ مثالیں ان کو ایسی ملیں کلام عرب کے اندر جہاں وہ مسند الیہ کو مبتدا بنانا چاہتے ہیں لیکن بات بنتی نہیں، مجبور ہو کر انہوں نے مسند بہ کو ہی کیا

قرار دے دیا؟ مبتدا قرار دے دیا۔ دیکھیے مثالوں سے وضاحت ہو گی: «مَا قَائِمٌ الزَّيْدَانِ»، «مَا» حرف نفی۔ اب ہم پہلے وہ ترکیب کرتے ہیں، میں نے آپ کو ضابطہ بتایا تھا جب آپ کے پاس دو اسم ہوں، ایک معرفہ ہو اور ایک نکرہ ہو اور ان سے مل کر بات پوری ہو رہی ہو جملہ پورا ہو تو معرفہ کو کیا بناؤ؟ مبتدا، اور نکرہ کو کیا بناؤ؟ خبر۔ اب دیکھیے نحوی مجبور کیوں ہوئے؟ انہوں نے دیکھیے ترکیب سنیے بھائی: «مَا» حرف نفی، «قَائِمٌ» کو ہم کوشش کرتے ہیں خبر مقدم بنا لیتے ہیں کیونکہ نکرہ ہے اور «الزَّيْدَانِ» کو کیا بناتے ہیں؟ مبتدائے مؤخر۔ یہ مبتدا کی قسم ثانی نہیں، وہی پہلے طریقے سے ہم حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو «قَائِمٌ» کو کیا بناتے ہیں؟ کیونکہ نکرہ ہے خبر مقدم، اور «الزَّيْدَانِ» کو کیا بنا لیتے ہیں؟ مبتدائے مؤخر۔ دیکھو «مَا» حرف نفی، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور وہ «هُوَ» اس نے تو بننا ہے خبر تو «هُوَ» ضمیر کس کو لوٹے گی خبر میں؟ «الزَّيْدَانِ» کو، لیکن یہاں ضمیر نہیں لوٹ سکتی کیونکہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے، ضمیر کون سی ہے؟ «هُوَ» مفرد مذکر، اور «الزَّيْدَانِ» کیا ہے؟ تثنیہ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو لہٰذا یہ خبر مقدم، یہ «قَائِمَانِ» ہوتا پھر تو بات بن جاتی، یہ تو کیا ہے؟ «قَائِمٌ»۔ تو «الزَّيْدَانِ» کو اگر بناتے ہیں مبتدائے مؤخر تو «قَائِمٌ» میں ایک ضمیر چاہیے جو کس کو لوٹے؟ مبتدائے مؤخر کو، اور کوئی ضمیر ہے؟ نہیں، «هُمَا» والی ضمیر ہمیں تثنیہ کی ضمیر چاہیے، کوئی ضمیر نہیں، لہٰذا مجبور ہو گئے اور انہوں نے کہا یہ «قَائِمٌ» ہی مبتدا ہے۔ وجہ سمجھ میں آ گئی؟

اب ترکیب دوسری، جو اس کو انہوں نے مبتدائے ثانی بنایا، یہ «قَائِمٌ» کو اب مبتدا بناتے ہیں کس طرح: «مَا» حرف نفی، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ کیا ہے؟ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ جس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور اس کے لیے فاعل چاہیے، «الزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً اس کے لیے فاعل۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر یہ ایسا مبتدا ہوا جس کی کوئی خبر نہیں۔ ترکیب سمجھ میں آئی بھائی؟ یہ مبتدا کی وہ قسم ہے جس کی کوئی خبر نہیں ہوتی بھائی۔ ہاں، یہ جو «الزَّيْدَانِ» ہے یہ کیا ہے؟ یہ خبر ہے یا یہ فاعل ہے اس کے لیے؟ ابھی ابھی میں نے ترکیب کی، یہ تو اس کے لیے فاعل ہے۔ ہاں، یہ قائم مقام خبر کے ہے، نحوی حضرات پھر کیا کہتے ہیں؟ قائم مقام خبر کے، خبر کے درجے میں ہے، خبر نہیں ہے کیونکہ ابھی تو ہم نے ترکیب کی: «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل اور «الزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً اس کے لیے فاعل۔ «الزَّيْدَانِ» کیوں مرفوع ہے؟ خبر ہونے کی بناء پر نہیں بلکہ کس بناء پر؟ فاعل ہونے کی، تو یہ تو فاعل ہے لیکن قائم مقام کس کے ہے؟ خبر، خبر کے قائم مقام ہے حقیقت میں یہ خبر نہیں۔ تو گویا «قَائِمٌ» یہ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر کوئی نہیں بھائی، ہاں قائم مقام خبر ہے خود خبر نہیں ہے بھائی۔ ترکیب سمجھ میں آئی بھائی؟

اور دیکھیے اس میں وہ ساری شرطیں پوری ہیں، انہوں نے کہا تھا صیغہ صفت کا ہونا چاہیے، «قَائِمٌ» بھی کیا ہے؟ صفت کا ہے، اسم فاعل ہے۔ اور حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد ہونا چاہیے، یہ «قَائِمٌ» بھی کس کے بعد ہے؟ «مَا» جو حرف نفی ہے اس کے بعد ہے۔ اور نیز شرط یہ تھی کہ یہ اسم ظاہر کو رفع دے اور یہ بھی «الزَّيْدَانِ» جو اسم ظاہر ہے اس کو رفع دے رہا ہے۔ اور نیز «الزَّيْدَانِ» اگرچہ تثنیہ ہے لیکن ہے تو اسم ظاہر اور جب اسم ظاہر فاعل ہو تو صفت کو کیا رکھتے ہیں ہمیشہ؟ مفرد رکھتے ہیں، اسی لیے «قَائِمٌ» بھی کیا ہے؟ مفرد ہے۔ تو لہٰذا «قَائِمٌ» کو خبر مقدم ہم نہیں بنا سکتے، کیوں نہیں بنا سکتے؟ کیونکہ اس میں ہمیں تثنیہ کی ضمیر چاہیے کیونکہ خبر کو کس سے جوڑا جاتا ہے؟ «الزَّيْدَانِ» کو اب مبتدائے مؤخر بنانا چاہتے ہیں نا تو نہیں بنا سکتے، کیوں نہیں بنا سکتے؟ کیونکہ «قَائِمٌ» میں ہمیں تثنیہ کی ضمیر نہیں مل رہی کہ اس کو خبر مقدم قرار دے دیں اور «الزَّيْدَانِ» کو مبتدائے مؤخر، تو مجبور ہو کر نحویوں نے کیا کہا؟ یہ «قَائِمٌ» خود ہی مبتدا ہے اور «الزَّيْدَانِ» کو یہ کیا کر رہا ہے؟ رفع دے رہا ہے اور یہ اس کے قائم مقام خبر کے ہے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی بھائی؟

اچھا دوبارہ ترکیب سنیے بھائی: «مَا» حرف نفی، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ «الزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً اس کے لیے فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے، لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع جو الف ہے اس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور یہ فاعل ہوا «قَائِمٌ» کے لیے اور قائم مقام خبر کے۔ اسم فاعل اپنے فاعل اور قائم مقام خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی؟

■ قولہ: «وَأَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ» کی تشریح

«وَأَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ»، اس میں بھی وہی ترکیب: ہمزہ استفہام کے لیے، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ «الزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً فاعل کس کے لیے؟ «قَائِمٌ» کے لیے، اور قائم مقام خبر کے۔ اسم فاعل اپنے فاعل اور قائم مقام خبر سے مل کر جملہ، جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا کیونکہ استفہام ہے جملہ انشائیہ، بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟

«بِخِلَافِ: مَا قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ»، بخلاف کس کے؟ «مَا قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ» کے، کہ یہ وہ نہیں ہے یعنی اس میں ایسا نہیں ہے۔ یعنی اس میں «قَائِمَانِ»، دیکھیے اس میں شرطیں پوری ہیں یا نہیں؟ «قَائِمَانِ» صیغہ کون سا ہے؟ صفت کا ہے، اور کس کے بعد ہے؟ حرف نفی کے بعد، دوسری شرط بھی پوری۔ تیسری شرط تھی کہ یہ اسم ظاہر کو رفع دے لیکن یہ «قَائِمَانِ»، «الزَّيْدَانِ» کو رفع نہیں دے رہا۔ کیوں نہیں دے رہا رفع؟ ضمیر ہے، اسم ظاہر کو کیوں نہیں رفع دے رہا؟ آپ سے کوئی پوچھ لے یہ اسم ظاہر کو رفع کیوں نہیں دے رہا، اس کے لیے فاعل کیوں نہیں بنا سکتے؟ آپ کیا جواب دیں گے؟ ابھی تو میں نے بتلایا کئی دفعہ بھائی، کیونکہ اسم ظاہر جب فاعل ہو تو صفت کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد رکھتے ہیں اور یہ تو «قَائِمَانِ» تثنیہ ہے بھائی۔ تو لہٰذا یہ تیسری شرط نہیں پوری کہ یہ اسم ظاہر کو رفع نہیں دے رہا اور اس مبتدا کی قسم ثانی میں تو شرط تھی کہ یہ کیا کرے؟ اسم ظاہر کو رفع دے۔

تو یہاں کیا کریں گے پھر؟ یہاں اسی طرح «قَائِمَانِ» کو خبر مقدم بنائیں گے اور «الزَّيْدَانِ» کو مبتدائے مؤخر۔ دیکھیے ترکیب اس طرح ہوگی: «مَا» حرف نفی، «قَائِمَانِ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ خبر مقدم ہے، کیونکہ خبر مقدم ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں جو الف ہے۔ اور اس کے لیے فاعل چاہیے، فاعل کیا ہے؟ میں نے بتایا تھا فعل کے اندر جو الف آئے وہ فاعل ہوتا ہے، صفت کے صیغوں میں جو الف اور واؤ آئیں وہ فاعل نہیں وہ صرف تثنیہ اور جمع کی علامت ہوتے ہیں کیونکہ اگر ضمیر ہوتی تو یہ حالت نصبی میں «قَائِمَيْنِ» وہ الف کس سے بدل گیا؟ یا سے، حالانکہ ضمیر تو مبنی ہوتی ہے اس میں تو کوئی تبدیلی نہیں آتی، معلوم ہوا یہ الف ضمیر نہیں ہے یہ صرف تثنیہ کی علامت ہے۔ تو «قَائِمَانِ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر «هُمَا» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ «الزَّيْدَانِ» کو، اب دیکھو ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہے۔ تو «قَائِمَانِ» صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر مقدم، اور ہم نے عائد بھی بتلا دیا «هُمَا» ضمیر جو لوٹ رہی ہے زیدان۔ اور «الزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً مبتدائے مؤخر۔ پچھلی مثالوں میں «الزَّيْدَانِ» مرفوع تھا فاعل ہونے کی بناء پر اور یہاں مرفوع ہے مبتدائے مؤخر، مبتدائے مؤخر ہونے کی بناء پر، تو یہ مبتدائے مؤخر اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

اور اگر، اگر اسم ظاہر بھی مفرد ہو کیا ہو؟ انہوں نے تو مثالیں بنائیں نا «الزَّيْدَانِ» تثنیہ آرہا ہے، چاہے جمع ہو پھر بھی یہی صورت بنے گی۔ مثلاً «مَا قَائِمٌ الزَّيْدَانِ» تھا اسی میں ہو جائے گا «مَا قَائِمٌ الزَّيْدُونَ»، «أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ» اس میں کیا ہو جائے گا؟ «أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ»، بالکل وہی ترکیب جو میں نے ذکر کر دی۔ اور «مَا قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ» اس میں اگر «الزَّيْدُونَ» ہوتا تو کیا ہوتا؟ «مَا قَائِمُونَ الزَّيْدُونَ»، کیونکہ «قَائِمُونَ» کے اندر وہی جمع کی ضمیر ہم نے لانی ہوگی تو وہ بھی بدل جائے گا «مَا قَائِمُونَ الزَّيْدُونَ»۔

اور اگر فاعل جو اسم ظاہر ہے وہ مفرد ہو جیسے پہلی مثال میں آیا تھا: «مَا قَائِمٌ زَيْدٌ» یا «أَقَائِمٌ زَيْدٌ»، اس میں دونوں ترکیبیں جائز ہیں۔ آپ چاہیں مبتدا کی قسم اول بنالیں اس کو اور چاہیں تو اس کو مبتدا کی قسم ثانی۔ پہلے ہم مبتدا کی قسم اول بنا لیتے ہیں، کس طرح: «مَا قَائِمٌ زَيْدٌ»، «قَائِمٌ» کو بناتے ہیں خبر مقدم اور «زَيْدٌ» کو بناتے ہیں مبتدائے مؤخر۔ «مَا» حرف نفی، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، وہ «هُوَ» کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو، ضمیر مرجع میں مطابقت ہے؟ جی مطابقت ہے، لہٰذا یہاں کوئی مسئلہ نہیں۔ تو اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر مقدم، اور «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً یہ ہے مبتدائے مؤخر۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا: «مَا قَائِمٌ زَيْدٌ» زید کھڑا نہیں ہے۔

اب اسی میں ہم دوسری ترکیب کر لیتے ہیں بھائی کہ مبتدا کی قسم ثانی بھی اس کو بنا سکتے ہیں یا نہیں بنا سکتے؟ دیکھو شرطیں ساری پوری ہیں: صیغہ کون سا ہے؟ صفت کا «قَائِمٌ»، اور کس کے بعد ہے؟ حرف نفی کے بعد «مَا» کے بعد ہے، اور تیسری شرط کیا؟ اسم ظاہر کو یہ رفع بھی دے اور «قَائِمٌ» یہ «زَيْدٌ» کو رفع دے سکتا ہے یا نہیں؟ فاعل جب اسم ظاہر ہو تو صفت کا صیغہ کیا ہوگا؟ مفرد، تو «قَائِمٌ» بھی مفرد ہے یہ «زَيْدٌ» کو رفع دے سکتا ہے یا نہیں دے سکتا؟ دے سکتا ہے۔ «قَائِمٌ»، «زَيْدٌ» کو بھی رفع دے سکتا ہے، «الزَّيْدَانِ» کو بھی رفع دے سکتا ہے، «الزَّيْدُونَ» کو بھی رفع دے سکتا ہے۔ لیکن اگر یہی «قَائِمَانِ» یا «قَائِمُونَ» ہوتا پھر یہ اسم ظاہر کو رفع نہیں دے سکتا، تو یہ اسم ظاہر کو بھی رفع دے سکتا ہے۔

ترکیب اب ہم کرتے ہیں: «مَا» حرف نفی، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ مبتدا ہے قسم ثانی، اور «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً اس کے لیے فاعل قائم مقام خبر کے۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر یہ کیا ہوا؟ مبتدا، مبتدا کی قسم ثانی، اور «زَيْدٌ» وہ کیا ہے؟ اس کے لیے قائم مقام خبر کے، تو مبتدا اپنے قائم مقام خبر سے مل کر کیا ہوا؟ جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

لہٰذا جب صفت کا صیغہ مفرد ہو اور اسم ظاہر تثنیہ یا جمع ہو، صفت کا صیغہ مفرد اور اسم ظاہر تثنیہ یا جمع ہو پھر تو وہ مبتدا کی قسم ثانی ہی بنے گی کیونکہ خبر مقدم ہم بنا نہیں سکتے۔ اور اگر صفت کا صیغہ بھی مفرد ہو اور اسم ظاہر بھی کیا ہو؟ مفرد، تو اس میں دونوں ترکیبیں جائز: «قَائِمٌ» کو خبر مقدم بھی بنا سکتے ہو اور مبتدا

کی قسم ثانی بھی بناسکتے ہیں۔ اور اگر دونوں، صفت کا صیغہ اور اسم ظاہر دونوں تثنیہ یا جمع ہوں جیسے «مَا قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ» یا «مَا قَائِمُونَ الزَّيْدُونَ» تو پھر وہ مبتدا کی قسم اول ہی وہاں بنے گی، یعنی وہاں یہ صفت کا صیغہ خبر مقدم ہی بنے گا وہاں پھر وہ یہ مبتدا کی قسم ثانی نہیں بنے گا۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ بات اچھی طرح ساری سمجھ میں آگئی بھائی؟

اب دوبارہ ذرا بس ترجمہ دیکھ لیں اور پھر خلاصہ کلام بھی سمجھ لیں بھائی: «وَاعْلَمْ أَنَّ لَهُمْ قِسْمًا آخَرَ مِنَ الْمُبْتَدَإِ لَيْسَ مُسْنَدًا إِلَيْهِ» جان لے تو کہ نحویوں کے نزدیک مبتدا کی ایک اور قسم بھی ہے «لَيْسَ مُسْنَدًا إِلَيْهِ» کہ وہ مسند الیہ نہیں ہے یعنی مسند بہ ہے۔ «وَهُوَ صِفَةٌ وَقَعَتْ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ نَحْوُ: مَا قَائِمٌ زَيْدٌ» اور وہ ایسی صفت ہے جو واقع ہو حرف نفی کے بعد جیسے «مَا قَائِمٌ زَيْدٌ»، «أَوْ بَعْدَ حَرْفِ الِاسْتِفْهَامِ» یا حرف استفہام کے بعد واقع ہو «نَحْوُ: أَقَائِمٌ زَيْدٌ»، «بِشَرْطِ أَنْ تَرْفَعَ تِلْكَ الصِّفَةُ اسْمًا ظَاهِرًا» بہ ایں شرط کہ رفع دے وہ صفت ایک اسم ظاہر کو «نَحْوُ: مَا قَائِمٌ الزَّيْدَانِ، وَأَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ، بِخِلَافِ: مَا قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ» بخلاف «مَا قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ» کے کہ اس میں صفت کا صیغہ اسم ظاہر کو رفع نہیں دے رہا۔

تو خلاصہ کلام کیا ہوا؟ کہ اگر حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد صفت کا صیغہ ہو اور آگے اسم ظاہر مفرد ہو، صفت کا صیغہ بھی مفرد اور اسم ظاہر بھی مفرد تو اس میں دونوں ترکیبیں جائز: «قَائِمٌ» کو وغیرہ کو جو صفت کا صیغہ ہے اس کو خبر مقدم بھی بناسکتے ہیں اور مبتدا کی قسم ثانی بھی بناسکتے ہیں۔ اور اگر حرف نفی کے بعد جو صفت کا صیغہ ہے وہ مفرد ہے اور آگے اسم ظاہر جو ہے وہ تثنیہ یا جمع ہے تو پھر یہ مبتدا کی قسم ثانی ہی بنے گی، یہ صفت کا صیغہ کیا بنے گا؟ مبتدا کی قسم ثانی، اور آگے اسم ظاہر اس کے لیے فاعل بنے گا۔ اور اگر صفت کا صیغہ بھی تثنیہ ہو اور آگے اسم ظاہر بھی تثنیہ، یا صفت کا صیغہ بھی جمع ہو اور اسم ظاہر بھی جمع تو پھر اس میں وہی ترکیب ہو گی پہلے جو آپ کرتے تھے کہ صفت کے صیغے کو خبر مقدم بنائیں گے اور اسم، وہ جو اسم ظاہر مؤخر ہے وہ مبتدائے مؤخر بنے گا بھائی۔ بات اچھی طرح سب کو سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۵۱: فصل خبر اِنّ وأخواتھا: حروفِ مشبہہ بالفعل کی خبر کے احکام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۳—بتاریخ: ۹ فروری ۲۰۱۵ء

متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا، وَهِيَ: أَنَّ، وَكَأَنَّ، وَلٰكِنَّ، وَلَيْتَ، وَلَعَلَّ۔ فَهٰذِهِ الْحُرُوفُ تَدْخُلُ عَلَى الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ فَتَنْصِبُ الْمُبْتَدَأَ وَيُسَمَّى اسْمَ إِنَّ، وَتَرْفَعُ الْخَبَرَ وَيُسَمَّى خَبَرَ إِنَّ۔ فَخَبَرُ إِنَّ هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُولِهَا، نَحْوُ: إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔

مرفوعات کی بحث چل رہی ہے اور مرفوعات میں سب سے پہلے آپ نے فاعل کے بارے میں پڑھا، اور مصنف نے آپ کو بتلایا فاعل کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جس سے پہلے فعل ہو یا صفت کا صیغہ ہو، اور اس فعل یا صفت کے صیغے کا اس کی طرف اسناد ہو رہا ہو، اس طور پر کہ وہ فعل یا صفت اس کے ساتھ قائم ہو، اس پر واقع نہ ہو بھائی۔ یہ تھا فاعل۔ یعنی آسان لفظوں میں فاعل وہ ہے جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دیتا ہے، اور وہ ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے لیکن ہو گا ایک ہی۔ اور فاعل جو ہوتا ہے وہ کبھی بھی فعل یا صفت کے صیغے پر مقدم نہیں ہوتا۔ مفعول مقدم ہو سکتا ہے لیکن فاعل کبھی بھی مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور فعل کا فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی، اور اسم ظاہر مفرد بھی ہو سکتا ہے، تثنیہ بھی اور جمع بھی۔ لیکن جب بھی اسم ظاہر فاعل ہو گا تو فعل یا صفت کا صیغہ ہمیشہ مفرد رہے گا بھائی، کبھی بھی تثنیہ اور جمع نہیں ہو گا بھائی۔

اس کے بعد آپ نے مبتدا اور خبر کے بارے میں پڑھا۔ آپ نے پڑھا کہ مبتدا اور خبر جو ہیں وہ دو ایسے اسم ہیں جو عوامل لفظیہ سے خالی ہوتے ہیں، ان میں کوئی لفظ عمل کرنے والا نہیں بلکہ ان میں عمل جو چیز کرتی ہے وہ معنیٰ ہے، ایک معنوی چیز ہے اور وہ معنوی چیز اس کا کیا نام ہے؟ ابتداء۔ اور ابتداء کسے کہتے ہیں؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اسم کا خالی ہونا عاملِ لفظی سے اس طور پر کہ یہ مسند الیہ ہو یا مسند بہ، یعنی اس کی طرف کسی کا اسناد ہو یا اس کا اسناد کسی کی طرف ہو، اور عاملِ لفظی کوئی نہیں۔ تو معلوم ہوا اس میں عامل کون ہے؟ ابتداء ہے، عامل ابتداء ہے۔ تو صرف اب مبتدا خبر رہ گئے باقی سب نکل گئے کیونکہ باقیوں کے اندر عامل کوئی لفظ ہوتا ہے۔ « ضَرَبَ زَيْدٌ »، یہ زید کو رفع کس نے دیا؟ « ضَرَبَ » نے، اور « ضَرَبَ » لفظ ہے۔ لیکن مبتدا اور خبر میں جو عمل کرتا ہے اور رفع دیتا ہے وہ لفظ نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ ابتداء ہے، معنوی چیز ہے بھائی۔ اور وہ کیا کہ یہ مسند الیہ بن رہا ہے یا مسند بہ بن رہا ہے بھائی۔

اور اس کے بعد آپ نے یہ بھی پڑھا تھا کہ مبتدا کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو اور نیز وہ مقدم ہو، اور خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو اور نیز مؤخر ہو۔ اور پھر اس پر سوال پیدا ہوا کہ کیا نکرہ مبتدا نہیں بن سکتا؟ آپ نے ہمیں کیا بتایا کہ مبتدا میں اصل کیا ہے؟ معرفہ ہونا۔ تو کیا نکرہ مبتدا نہیں بن سکتا؟ تو صاحبِ کتاب نے، صاحبِ ہدایت النحو نے آپ کو بتلایا تھا کہ نکرہ بھی مبتدا بن سکتا ہے بشرطیکہ اس میں تخصیص آجائے، اور تخصیص کے چھ طریقے ہیں بھائی، چھ طریقے۔ ان میں سے مثلاً ایک طریقہ کیا تھا؟ تخصیص بالصفت کہ اس نکرہ کی کیا لے آؤ؟ صفت لے آؤ، اور اس صفت کی وجہ سے اس میں کیا آجائے گی؟ تخصیص، لہٰذا پھر وہ مبتدا بن سکتا ہے۔ اسی طرح تخصیص کا ایک طریقہ تھا تخصیص بعلم المتکلم، اور وہ کہاں پر آتی تھی؟ جہاں ہمزۂ استفہام آئے ام متصلہ کے ساتھ۔ ہمزۂ استفہام آئے ام متصلہ کے ساتھ۔ اور اسی طرح تخصیص کا ایک طریقہ تھا کہ نکرہ تحت النفی آئے، نکرہ تحت النفی آئے تو اس سے بھی کیا آجائے

گی اس میں؟ تخصیص آجائے گی۔ اور اسی طرح ایک تخصیص کا طریقہ تھا تخصیص بالعدول من الجملۃ الفعلیۃ الی الجملۃ الاسمیۃ۔ اور اسی طرح تخصیص بنسبۃ الی المتکلم، جیسے «سَلَامٌ عَلَيْكَ»، تو یہ سلام کس کی طرف سے ہے؟ متکلم کی طرف سے، تو اس وجہ سے اس میں تخصیص آگئی۔

اس کے بعد انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ اگر دو اسم ہوں آپ کے پاس اور ان سے بات پوری ہو رہی ہے اور ان میں سے ایک معرفہ ہے ایک نکرہ ہے، تو معرفہ کو کیا بناؤ؟ مبتدا، اور نکرہ کو کیا بناؤ؟ خبر۔ اور اگر دونوں اسم معرفہ ہیں اور ان سے بات پوری ہو رہی ہے تو جس کو مرضی مبتدا بنا دیں، لیکن جس کو مبتدا بنانا ہے اس کو مقدم کر دیں اور جس کو خبر بنانا ہے اسے مؤخر کر دیں۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کو یہ بھی بتایا کہ مبتدا کی خبر کبھی کبھار پورا جملہ ہوتی ہے، اور وہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتی ہے، جملہ فعلیہ بھی، جملہ شرطیہ بھی اور جملہ ظرفیہ بھی۔

اور جملہ ظرفیہ کسے کہتے ہیں؟ میں نے بتایا تھا جس کا ایک جزء ظرف ہو، وہ ظرفِ حقیقی بھی ہو سکتا ہے اور ظرفِ مجازی بھی۔ ظرفِ حقیقی جس میں زمانے یا مکان والا معنیٰ پایا جائے، «ضَرَبْتُ زَيْدًا الْيَوْمَ»، یہ «الْيَوْمَ» کیا ہے؟ آج، یہ زمانے کا نام ہے۔ «ضَرَبْتُ زَيْدًا أَمَامَ عَمْرٍو»، میں نے زید کی پٹائی کی «أَمَامَ عَمْرٍو»، کس کے سامنے؟ عمرو کے سامنے، اور یہ عمرو کے سامنے یہ جگہ ہے یا نہیں بھائی؟ عمرو کے سامنے تا حدِ جہاں تک اس کی نظر جا رہی ہے یہ ساری اس کے سامنے کا علاقہ یہ جگہ ہے، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ جگہ یا زمانہ، یہ ہے ظرفِ حقیقی۔ کیونکہ جو بھی فعل ہو گا کسی نہ کسی زمانے میں ہو گا اور کسی نہ کسی جگہ ہو گا۔ آپ نے پانی پیا، یقیناً یہ کوئی زمانہ ہو گا صبح، دوپہر، شام، ماضی، حال، مستقبل، کوئی نہ کوئی زمانہ ہو گا۔ اور نیز کوئی جگہ ہو گی جہاں آپ نے یہ پانی پیا، تو ہر فعل کے لیے کیا چاہیے؟ زمانہ بھی اور جگہ بھی، تو یہ ظرف ہیں یہ حقیقی۔ اور ظرف میں نے بتایا تھا ظرف اصل میں کہتے ہیں برتن کو، برتن کو، جیسے برتن کے اندر پانی پڑا ہو یا کوئی بھی چیز پڑی ہو، برتن نے اس کو گھیرا ہوتا ہے اس کا احاطہ کیا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ زمانہ جس کے اندر فعل ہوا یا یہ جگہ جس جگہ پر فعل ہوا، اس جگہ نے اور اس زمانے نے کیا کیا ہے اس فعل کو؟ گھیرا ہوا ہے، تو یہ ظرفِ حقیقی ہے۔ اور اسی طرح میں نے بتایا تھا جار مجرور اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ مجازاً ظرف کہتے ہیں، مجازاً ظرف کہتے ہیں۔

مجازاً ظرف کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ جار مجرور ظرفِ حقیقی کی طرح اور ظرفِ حقیقی جار مجرور کی طرح، دونوں ایک دوسرے کی طرح ہیں، جب دونوں ایک دوسرے کی طرح ہیں تو اس لحاظ سے جار مجرور کو بھی کیا کہہ دیتے ہیں؟ ظرف کہہ دیتے ہیں، یہ اسی کی طرح ہی ہے، اسی کی طرح ہی ہے۔ اچھا، تو جملہ ظرفیہ وہ ہے جس کا ایک جزء کیا ہو؟ ظرف ہو۔ وہ ظرفِ حقیقی بھی ہو سکتا ہے جیسے «زَيْدٌ خَلْفَكَ»، اور ظرفِ مجازی بھی ہو سکتا ہے یعنی جار مجرور بھی ہو سکتا ہے جیسے «عَمْرٌو فِي الدَّارِ»۔ اور پھر یہ بھی آپ نے پڑھا تھا میں نے آپ کو بتلایا تھا ترکیب کروائی تھی آپ کو کہ جار مجرور کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ کوئی متعلق چاہیے، اور جار مجرور کتنی چیزوں سے متعلق ہو سکتے ہیں؟ آٹھ چیزوں سے متعلق ہو سکتے ہیں۔ یا تو وہ متعلق ہوں گے فعل کے ساتھ، یا مصدر، یا اسمِ فاعل، یا اسمِ مفعول، یا صفتِ مشبہ، یا اسمِ تفضیل، یا مبالغے کا صیغہ، اور اسمِ فعل، یہ آٹھ چیزیں ہیں۔ جار مجرور ان میں سے کسی آٹھ ان آٹھ میں سے کسی ایک کے ساتھ متعلق ہو گا۔ اگر ان میں سے کوئی ایک جملے میں موجود ہے اور جار مجرور اس سے جڑ رہا ہے تو اس سے جوڑ دیں گے، اور اگر جملے میں ان میں سے کوئی نہیں موجود یا موجود تو ہے لیکن جار مجرور اس سے جڑ ہی نہیں رہا تو پھر اس کے لیے کیا کریں گے؟ محذوف نکالیں گے۔ تو جار مجرور کو چاہے آپ خبر بنائیں، چاہے آپ اس کو حال بنائیں، چاہے آپ اس کو صفت بنائیں، چاہے آپ اس کو موصول کا صلہ، جو کچھ بھی بنانا ہے لیکن پہلے اس کے لیے متعلق نکالنا پڑے گا، پھر اس کے بعد حال بھی بنائیں صفت بھی بنا سکتے ہیں سب کچھ۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

اور ضابطہ بھی میں نے آپ کو ایک بتلایا تھا کہ نکرہ کے بعد اگر فعل آجائے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، اور معرفہ کے بعد فعل آجائے تو وہ عموماً اس کے لیے حال بنتا ہے۔ اسی طرح نکرہ کے بعد اگر جار مجرور آجائے تو وہ اس کے لیے صفت بنے گا، اور معرفہ کے بعد جار مجرور آجائے اور کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو وہ اس کے لیے عموماً حال بنے گا۔ بات سمجھ میں آئی؟ لگتا ہے چھٹیوں میں سارا کچھ بھلا کے آگئے ہو۔ نکرہ کے بعد فعل آئے یا جار مجرور آئے اور کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو یہ دونوں کیا بنیں گے اس نکرہ کے لیے؟ صفت۔ اور معرفہ کے بعد اگر فعل آئے اور ایسا جار مجرور آئے جو کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو یہ بھی اس کے لیے کیا بنیں گے؟ صفت بنیں گے، صفت بنیں گے۔

اور آپ نے یہ بھی پڑھا تھا کہ جملہ من حیث الجملہ مستقل ہے کیونکہ اس میں بات پوری ہے، وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں لیکن آپ اس کو کسی سے جوڑ رہے ہیں جیسے انہوں نے بتایا کہ مبتدا کی خبر کبھی کبھار جملہ بھی ہوتی ہے، تو اس جملے کو آپ کیا بنا رہے ہیں؟ مبتدا کی خبر، گویا آپ اسے مبتدا سے جوڑ رہے ہیں۔ اور جملہ تو کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں لیکن آپ جوڑ رہے ہیں تو پھر کیا ضروری؟ عائد کا، یعنی ربط دینے والی کوئی چیز موجود ہو جسے عائد کہتے ہیں، اور عائد کی سب سے عام صورت میں نے بتلائی تھی وہ کیا ہے؟ کہ جملے میں کوئی غائب کی ضمیر ہونی چاہیے جو کس کی طرف لوٹے؟ مبتدا کی طرف لوٹے بھائی، مبتدا کی طرف۔

اور نیز یہ عائد کو کبھی کبھار حذف بھی کر دیتے ہیں جب قرینہ موجود ہو۔ قرینہ کیا معنی؟ کوئی چیز ہو جو بتلا رہی ہو، کوئی ایسی چیز جو اس کا پتہ بتلا رہی ہو تو پھر اس کو حذف کرنا بھی جائز ہے۔

جیسے مثال گزری تھی: «اَلسَّمْنُ مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ»۔ «اَلسَّمْنُ» ہے مبتدا، اور «مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ» یہ پورا جملہ ہے اور یہ اس کی خبر بن رہا ہے۔ تو «اَلسَّمْنُ»، گھی، یہ تو مبتدا ہے۔ اور اگلا جملہ کیا ہے؟ «مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ»، دو من ایک درہم کے، دو من ایک درہم کے ہیں۔ سوال پیدا ہوا کس چیز کے دو من بھائی؟ تو بھائی ابھی ماقبل میں ذکر کس کا ہوا تھا؟ گھی کا، معلوم ہوا یہ دو من گھی ہی کے ہیں کسی اور چیز کے نہیں، اسی لیے یہاں سے «مِنْهُ» کو حذف کر دیا، کہ «اَلسَّمْنُ مَنَوَانِ» کہ گھی دو من «مِنْهُ» کس میں سے؟ اس گھی میں سے «بِدِرْهَمٍ» کس کے بدلے ہیں؟ ایک درہم کے بدلے، تو اس «مِنْهُ» کو حذف کر دیا کیونکہ قرینہ موجود ہے۔ قرینہ کیا ہے؟ ابھی تو لفظ گزرا ہے ساتھ ہی، سمن کا لفظ گزرا ہے وہ بتلا رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ کبھی کبھار خبر مبتدا پر مقدم بھی ہو جاتی ہے جیسے «فِي الدَّارِ زَيْدٌ»۔ اور آپ نے یہ بھی پڑھا کہ ایک ہی مبتدا کی بہت سی خبریں بھی آسکتی ہیں جیسے «زَيْدٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ عَاقِلٌ»۔ تو «زَيْدٌ» مبتدا ہے، «عَالِمٌ» یہ کیا ہے؟ شبہ جملہ ہو کر، «عَالِمٌ» صیغہ اسمِ فاعل اس کے اندر «هُوَ» ضمیر جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو، کیونکہ جیسے جملے کو جوڑنے کے لیے عائد کا ہونا ضروری شبہ جملہ کو بھی جوڑنے کے لیے عائد کا، جی تو «عَالِمٌ» صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبرِ اول۔ اسی طرح «فَاضِلٌ» وہ بھی شبہ جملہ ہو کر خبرِ ثانی۔ «عَاقِلٌ»، ان سب میں ضمیریں نکالتے جانا ہے، وہ «عَاقِلٌ» کیا ہے؟ شبہ جملہ ہو کر خبرِ ثالث۔ مبتدا اپنی تینوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

سوال پیدا ہوتا ہے یہ «عَالِمٌ»، «فَاضِلٌ»، «عَاقِلٌ» یہ سارے نکرہ ہیں، اور جب سارے نکرہ ہیں تو پہلے نکرہ کو کیا بنا دیتے ہیں؟ موصوف، اور باقیوں کو اس کی صفت۔ تو موصوف صفت کیوں نہیں بنایا؟ جواب یہ کہ «عَالِمٌ» صفت کا صیغہ ہے، یہ موصوف نہیں بن سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ تو خود صفت بنتا ہے، یہ موصوف نہیں بنے گا، یہ خود کسی کی صفت بنے گا۔ تو ہاں اگر یہاں ایک لفظ ہوتا «رَجُلٌ» وہ تو صفت کا صیغہ نہیں ہے تو وہ موصوف بن جاتا اور «عَالِمٌ» اس کی صفتِ اول، «فَاضِلٌ» صفتِ ثانی اور «عَاقِلٌ» صفتِ ثالث۔ اور اس صورت میں جب «رَجُلٌ» ہوتا تو «عَالِمٌ» اس کو ہم زید سے جوڑ رہے ہیں یا رجل سے جوڑ رہے ہیں؟ ابھی زید سے جوڑ رہے ہیں، «زَيْدٌ» جو اس وقت کتاب میں ہے: «زَيْدٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ عَاقِلٌ»، یہ «عَالِمٌ» کو ہم کس سے جوڑ رہے ہیں؟ زید سے، کیونکہ یہ اس کی خبر ہے اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے۔ «فَاضِلٌ» کو بھی کس سے جوڑ رہے ہیں؟ زید سے، یہ اس کی خبر ہے۔ «عَاقِلٌ» کو بھی کس سے جوڑ رہے ہیں؟ زید سے، یہ اس کی خبر ہے۔ تو لہٰذا ان میں جو ضمیر نکالیں گے وہ کس کو لوٹائیں گے؟ زید کی طرف۔ لیکن اگر «رَجُلٌ» ہوتا یہاں تو یہ «عَالِمٌ»، «فَاضِلٌ»، «عَاقِلٌ» یہ تو رجل کی صفت ہوتی، تو یہ جب اس کی صفت ہے تو صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے، تو پھر اس صورت میں «عَالِمٌ» کی ضمیر کس کو لوٹاتے؟ رجل کو، یہ اس کی شبہ جملہ ہو کر صفتِ اول۔ «فَاضِلٌ» کی ضمیر بھی کس کو لوٹاتے؟ رجل کو، یہ اس کی صفتِ ثانی۔ اور «عَاقِلٌ» کی ضمیر بھی کس کو لوٹاتے؟ رجل کو، یہ اس کی کیا ہوتی؟ صفتِ ثالث۔ پھر موصوف اپنی تینوں صفتوں سے مل کر یہ خبر کس کی؟ زید کی ہے۔

اس پر آپ کے ذہن میں سوال پیدا ہو گا کہ زید کی طرف تو کوئی ضمیر نہیں لوٹائی، ساری ضمیریں تو کس کو لوٹا دیں؟ رجل کو، تو زید کی تو کوئی ضمیر ہی نہیں لوٹائی، عائد تو ہے ہی نہیں؟ جواب: ہم نے کب کہا ہے عائد کا ہر جگہ ہونا ضروری ہے؟ عائد کہاں پر ہو گا؟ جب خبر جملہ ہو یا شبہ جملہ ہو۔ جب خبر کیا ہو؟ جملہ ہو یا شبہ جملہ۔ اور «زَيْدٌ رَجُلٌ» یہ خبر کیا بن رہی ہے؟ «رَجُلٌ»، خبر کیا بن رہی ہے؟ «رَجُلٌ»۔ «عَالِمٌ»، «فَاضِلٌ»، «عَاقِلٌ» تو کیا ہیں؟ وہ تو رجل کی صفت ہے اس کو تو چھوڑ دو، خبر کون ہے اس وقت؟ رجل ہے، اور رجل جملہ ہے؟ نہیں۔ شبہ جملہ ہے؟ نہیں، تو جب جملہ اور شبہ جملہ نہیں ہے تو پھر عائد کیوں ڈھونڈتے ہو؟ عائد تو کہاں چاہیے تھا؟ جہاں جملہ پورا خبر بنے یا شبہ جملہ۔ ہاں جب رجل نہیں تھا تو «عَالِمٌ» خود خبر بن رہا تھا، اور «عَالِمٌ» تو کیا ہے؟ شبہ جملہ، اور شبہ جملہ کو جب جوڑنا ہو تو کیا چاہیے؟ عائد چاہیے، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

اللہ، اللہ! لگتا ہے بھائی چھٹیوں میں سارا کچھ بھلا کر آگئے ہو، چلو پھر ساتھ ساتھ تھوڑا کرتے ہیں ان شاء اللہ ربط پھر ہو جائے گا۔ تو مبتدا خبر کی بات گزر گئی بھائی۔ مرفوعات آپ نے تین پڑھ لیے، ایک مرفوع کیا ہے؟ فاعل، بلکہ چار پڑھ لیے، چار۔ ایک پڑھا فاعل، ایک اسی طرح ہے نائب الفاعل، وہ بھی پڑھا یا نہیں پڑھا بھائی؟ نائب الفاعل وہ بھی مرفوع ہوتا ہے۔ پھر مبتدا یہ بھی کیا ہے؟ مرفوع، خبر بھی کیا ہے؟ مرفوع، چار مرفوعات پڑھ لیے۔ اور کل آٹھ تھے انہوں نے بتلایا تھا آپ کو، تو آج ہم پانچواں پڑھ رہے ہیں۔ پانچواں مرفوع کیا ہے؟ بتلا رہے ہیں: «خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا»، اِن اور اس کی جو اخوات اس کی جو بہنیں ہیں، یعنی جو اس کے مشابہ حروف ہیں، اِن اور اس کے جو مشابہ حروف ہیں ان کی جو خبر ہے، بھائی آپ پڑھتے ہیں: «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، توجہ ہے ادھر؟

«إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، اِن کیا کر رہا ہے؟ «زَيْدًا» جو اس کا اسم ہے اس کو نصب دے رہا ہے، اور ہم اس وقت منصوبات کی بحث پڑھ رہے ہیں یا مرفوعات کی؟ مرفوعات کی، تو لہٰذا اسم کو نہیں ذکر کیا، ہاں «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، اس میں «قَائِمٌ» کیا ہے اِن کی؟ خبر، اور اس پر کیا پڑھ رہے ہو؟ رفع، معلوم ہوا اِن کی خبر کس میں سے ہے؟ مرفوعات میں سے، اسی لیے خبر کہا: «خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا»، اِن اور اس کے جو مشابہ ہیں ان کی خبر، وہ بھی مرفوعات میں سے ہے۔

«وَهِيَ»، بھائی وہ اس کے مشابہ اس کی بہنیں کون ہیں یا اس کے مشابہ حروف کون سے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهِيَ»، اور وہ حروف یہ ہیں۔ بھائی میں نے آپ کو ضابطہ بتلایا تھا یاد ہے کہ جمع بتاویلِ جماعت کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث۔ جمع بتاویلِ جماعت کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث، واحد مؤنث۔ کیونکہ جب کئی افراد ہوئے تو کیا بن گئی؟ ایک جماعت، اور جماعت کا لفظ عربی میں کیسے لکھتے ہیں؟ گول تا کے ساتھ۔ گول تا مفرد کے ساتھ مفرد مؤنث کی علامت ہے نا، تو یہ جماعت ہوئی مفرد مؤنث، لہٰذا اس کی طرف ضمیر بھی کون سی لوٹاتے ہیں؟ مفرد مؤنث۔ تو دیکھو «أَخَوَاتٌ»، اس کے جو مشابہ حروف ہیں جو اس کی بہنیں ہیں وہ کون ہیں؟ «وَهِيَ»، اور وہ یہ ہیں، دیکھو «هِيَ» ضمیر لوٹا دی اخوات کی طرف، وہ مشابہ حروف۔ کوئی اعتراض سمجھ میں آ رہا ہے؟ کہ اخوات تو کیا ہے؟ جمع، اخت کی جمع ہے نا، اخت کسے کہتے ہیں؟ بہن کو، اخوات اس کی جمع۔ اور آگے «وَهِيَ»، «هِيَ» ضمیر، اور لفظِ وہ، اس سے کون مراد ہے؟ یہ اخوات مراد ہیں، تو یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ اخوات کو، اور اخوات تو جمع ہے، تو سوال پیدا ہوا جمع کی طرف یہ مفرد کی ضمیر کیسے لوٹا دی؟ تو جواب کیا؟ کہ یہ جمع بتاویلِ جماعت کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث، لہٰذا اور «هِيَ» بھی واحد مؤنث کی ضمیر ہے لہٰذا ان کی طرف لوٹا دی، ٹھیک ہے۔ تو واحد مؤنث کی ضمیر بھی لوٹاتے ہیں اور جمع مؤنث کی بھی لوٹاتے ہیں، سمجھ میں آئی بات؟ جمع تو ہے ہی تو جمع کی تو لوٹانا ٹھیک ہے، مفرد پہ اشکال ہوتا ہے وہ جواب میں نے دے دیا۔

■ متن و فصل: فَصْلٌ: خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا، اِن اور اس کے جو مشابہ حروف

«فَصْلٌ: خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا»، اِن اور اس کے جو مشابہ حروف۔ بھائی یاد رکھو یہ جو حروف ہیں نا، حروف، حرف، یہ عربی میں زیادہ تر مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ آپ کہنا چاہتے ہیں واو حرفِ عطف ہے، یہ واو کی طرف اشارہ کر کے کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یہ حرفِ عطف ہے، تو آپ یہ نہیں کہیں گے «هُوَ حَرْفُ عَطْفٍ»، کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یہ حرفِ عطف ہے، تو «هُوَ» نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ «هِيَ»، صورت سمجھ میں آئی؟ تو یہ جو حروف ہیں نا حروف، یہ عربی میں مذکر بھی استعمال ہوتے ہیں، یہ نہیں کہ آپ کہیں «هُوَ حَرْفُ عَطْفٍ» کہنا غلط ہے، غلط نہیں ہے، میں بات کر رہا ہوں زیادہ استعمال کی۔ حروف یاد رکھو، حروف جو ہیں یہ مذکر بھی استعمال ہوتے ہیں اور مؤنث بھی۔ ان کی طرف مذکر ضمیر بھی لوٹاتے ہیں اور مؤنث بھی، لیکن زیادہ تر کیا کرتے ہیں؟ مؤنث ضمیر لوٹاتے ہیں، زیادہ تر مؤنث استعمال کرتے ہیں۔ تو اِن کیا ہے؟ حرف، تو جو اس کے مشابہ ہوئے وہ اس کے بھائی کہیں گے یا اس کی بہنیں کہیں گے ان کو؟ بہنیں، کیونکہ ان کو کیا شمار کرتے ہیں زیادہ تر؟ مؤنث۔ اور چونکہ بہنیں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں ایک دوسرے جیسی ہوتی ہیں اس لیے یہ حروف بھی چونکہ ایک دوسرے جیسے ہیں عمل کے اندر تو ان کو کیا کہا؟ یہ اس کی بہنیں ہیں۔

تو کہتے ہیں: «خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا»، اِن اور اس کے جو مشابہ حروف ہیں ان کی خبر، ان کی خبر وہ کس میں سے؟ مرفوعات میں سے۔ اسم کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ اِن کے اسم کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ کیونکہ وہ منصوبات میں سے ہے، ہم منصوبات کی بحث نہیں پڑھ رہے، منصوبات میں جا کے وہاں پھر ذکر کریں گے اِن کا اسم۔ یہ مرفوعات کی بحث چل رہی ہے یہاں خبر کو ذکر کیا۔ تو کہتے ہیں اِن اور اس کے جو مشابہ ہیں ان کی خبر۔ بھائی اِن کے مشابہ حروف کون سے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهِيَ: أَنَّ، وَكَأَنَّ، وَلَكِنَّ، وَلَيْتَ، وَلَعَلَّ»، وہ ان، کان، لاکن، لیت اور لعل ہیں، یہ سارے، تو کل چھ ہیں: اِن، ان، کان، لاکن، لیت، لعل، یہ چھ ہیں۔

«فَهٰذِهِ الْحُرُوفُ تَدْخُلُ عَلَى الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ»، یہ حروف داخل ہوتے ہیں کس پر؟ مبتدا پر، «وَالْخَبَرِ»، اور خبر پر۔ یہ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں یعنی جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں، مثلاً تھا «زَيْدٌ قَائِمٌ»۔ جملہ اسمیہ یاد ہے کہ جملہ اسمیہ بھی بھول گئے؟ جملہ اسمیہ جس کا پہلا جزء اسم ہو، جملہ فعلیہ جس کا پہلا جزء فعل ہو۔ تو جملہ اسمیہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، «زَيْدٌ» مبتدا اور «قَائِمٌ» اس کی خبر۔ اس پر یہ داخل ہوتے ہیں جملہ اسمیہ پر، مثلاً اب اس پر کیا لے آؤ؟ «إِنَّ»، یہ کیا کرے گا؟ مبتدا کو نصب دے گا اور خبر کو رفع، اب کیا پڑھیں گے؟ «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»۔ اسی طرح «أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، اسی طرح آگے کیا ہے؟ «كَأَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، اور «لٰكِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، «لَيْتَ زَيْدًا قَائِمٌ»، «لَعَلَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، تو یہ سارے اپنے اسم کو نصب دیتے ہیں اور خبر کو رفع، اور کس پر داخل ہوتے ہیں؟ مبتدا اور خبر پر۔ یہی اب ذکر کرنے لگے ہیں، کہتے ہیں: «فَهٰذِهِ الْحُرُوفُ تَدْخُلُ عَلَى الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ»، تو یہ جو حروف ہیں، پھر وہی ضابطہ ذکر ہوا جو ابھی میں نے اوپر کہا تھا: «هٰذِهِ»، «هٰذَا» کس کے لیے اشارہ ہے؟ واحد مذکر کا، اور «هٰذِهِ»

واحد مؤنث، اور «اَلْحُرُوفُ» یہ تو جمع ہے، تو جمع کے لیے واحد مؤنث کا اسم اشارہ کیوں لائے؟ کیونکہ جمع بتاویلِ جماعت کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث۔ «فَهٰذِهِ الْحُرُوفُ»، تو یہ جو حروف ہیں، «تَدْخُلُ عَلَى الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ»، یہ داخل ہوتے ہیں مبتدا اور خبر پر، «فَتَنْصِبُ الْمُبْتَدَأَ»، تو یہ نصب دیتے ہیں کس کو؟ مبتدا کو، اور آگے چل کر بتائیں گے اور خبر کو کیا دیتے ہیں؟ رفع۔ ادھر دیکھو بھائی، یہ کس پر داخل ہوتے ہیں؟ مبتدا اور خبر پر، مبتدا کو کیا دیں گے؟ نصب، اور خبر کو رفع۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا، جب پہلے تو تھے یہ مبتدا اور خبر: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، لیکن جب ان پر یہ حروف داخل ہو گئے اب ان کو مبتدا اور خبر نہیں کہیں گے بلکہ جو مبتدا تھا اس کو کہیں گے یہ اِن کا اسم ہے، یہ کیا ہے؟ اِن کا اسم، اور خبر کو کہیں گے یہ اِن کی خبر ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟ پہلے کیا نام تھا؟ مبتدا اور خبر، اب مبتدا کا کیا نام بن گیا؟ اِن کا اسم، اس کو اب مبتدا نہیں کہنا بلکہ اِن کا اسم، اور خبر کو اِن کی خبر، یہی بتا رہے ہیں۔

کہتے ہیں: «فَتَنْصِبُ الْمُبْتَدَأَ»، تو یہ مبتدا کو نصب دیتے ہیں، «وَيُسَمَّى اسْمَ إِنَّ»، اور اس کو اِن کا اسم کہتے ہیں، «وَتَرْفَعُ الْخَبَرَ»، اور یہ خبر کو رفع دیتے ہیں، «وَيُسَمَّى خَبَرَ إِنَّ»، اور اس خبر کو اب اِن کی خبر کہتے ہیں۔ کہتے ہیں: «فَخَبَرُ إِنَّ هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُولِهَا»، تو اِن کی جو خبر ہے وہ مسند ہوتی ہے بعد دخولہا، ان حروف کے داخل ہونے کے بعد۔ کیا معنی؟ بھائی ادھر دیکھو، مبتدا اور خبر، توجہ ہے؟ مبتدا ہوتا ہے مسند الیہ اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مسند بہ، مسند بہ اسی کو مسند بھی کہہ دیتے ہیں، بہ کو عموماً لفظوں میں ذکر نہیں کرتے، تو مبتدا ہوا مسند الیہ اور خبر ہوئی مسند۔ اس پر کیا داخل ہوا؟ «إِنَّ»، اب جو مبتدا ہے وہ کیا کہلائے گا؟ اِن کا اسم، اور خبر کیا کہلائے گی؟ اِن کی خبر۔

تو آگے آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ یہ جو خبر ہے یہ اِن کے آنے کے بعد یہ اِن کی خبر جو ہے یہ مسند ہو گی، کیا ہو گی؟ مسند ہو گی۔ سوال پیدا ہوتا ہے یہ تو پہلے بھی مسند تھی۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ «زَيْدٌ قَائِمٌ»، یہ «قَائِمٌ» کیا تھا؟ مسند ہے یا نہیں؟ مسند ہے۔ اب کہہ رہے ہیں اِن جب آ گیا تو اب یہ جو خبر ہے یہ پھر مسند ہے، سوال: یہ تو پہلے بھی مسند تھی، اِن کے داخل ہونے سے پہلے بھی یہ کیا تھی؟ مسند، اِن کے داخل ہونے کے بعد بھی ظاہر سی بات ہے یہ کیا ہے؟ مسند، تو یہ بتانے کی کیا ضرورت ہے کہ اِن کے داخل ہونے کے بعد یہ خبر کیا ہوتی ہے؟ مسند، تو جواب یہ کہ بھائی جب اِن آیا تو وہ پہلا اسناد ختم ہوا اب نیا اسناد آ گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اِن جب آیا تو پہلا اسناد کیا ہوا؟ ختم۔ پہلے مبتدا مرفوع تھا، کیوں؟ کیونکہ مسند الیہ تھا، کیا تھا؟ مسند الیہ، مسند الیہ تھا کس اعتبار سے؟ کہ مبتدا ہے، اور خبر مسند تھی کس اعتبار سے؟ کہ یہ مبتدا کی خبر ہے۔ اب یہ مبتدا کی خبر نہیں ہے بلکہ اِن کے اسم کی خبر ہے، اور مبتدا کیا بن چکا؟ اِن کا اسم، تو وہ اسناد جو مبتدا اور خبر میں تھا وہ چلا گیا، اب نیا اسناد آ گیا ہے۔ اب جو اِن کا اسم ہے یہ بھی مسند الیہ ہے لیکن یہ وہ پہلے والا مسند الیہ نہیں ہے، یہ نیا اسناد آیا نیا مسند الیہ ہے، اور اِن کی خبر جو ہے اسناد نیا آیا تو وہ مسند ہے لیکن وہ پہلے والی مسند نہیں ہے یہ نیا اسناد آیا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ بس مطلب یہ ہے کہنے کا کہ وہ اسناد چلا گیا، یہ نیا اسناد ہے۔

اچھا، تو کہتے ہیں: «فَخَبَرُ إِنَّ هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُولِهَا»، تو اِن کی جو خبر ہوتی ہے وہ مسند ہوتی ہے اِن کے داخل ہونے کے بعد، «نَحْوُ: إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، جیسے مثال کے طور پر «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»۔ ترکیب کیجیے بھائی: «إِنَّ» حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، یا آسان یوں کر لو: «إِنَّ» حرفِ مشبہ بالفعل، اور «زَيْدًا»؟ شاباش، «زَيْدًا» منصوب لفظاً اس کا اسم۔ «قَائِمٌ»؟ شاباش، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ اچھا، پہلے دوبارہ چلو: «إِنَّ» حرفِ مشبہ بالفعل، «زَيْدًا» منصوب لفظاً اِن کا اسم۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ اِن کا اسم ہے، اِن کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے۔ لفظاً کیوں کہا آپ نے؟ کیونکہ اس کے نصب پر باقاعدہ، اس کے نصب پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ، کر کے دکھائیے: «زَيْدًا»، دیکھا؟ نصب پڑھ رہے ہیں، زبر پڑھ رہے ہیں۔

آگے «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، شاباش! «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ اِن کی خبر ہے، اب یہ نہیں کہنا خبر ہے بلکہ کیا کہو گے؟ اِن کی خبر، کیونکہ یہ اِن کی خبر ہے، مرفوع لفظاً۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر باقاعدہ، اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھائیے: «قَائِمٌ»، تو یہ خبر، اور صیغہ اسمِ فاعل۔ آگے؟ «هُوَ» ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل۔ اعراب؟ اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ وہ اس کا فاعل ہے، شاباش! یہ اسمِ فاعل ہے اور وہ فاعل ہے، فرق سمجھ میں آ رہا ہے؟ اسمِ فاعل اس مخصوص صیغے کا نام ہے، اور فاعل جس کو وہ فعل یا صفت کا صیغہ کیا کرے؟ رفع دے۔ ہاں، تو «هُوَ» مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ آگے؟ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر اِن کی خبر۔ بھائی یہ «قَائِمٌ» آپ بتائیے، یہ اِن کی خبر بن سکتا ہے؟ ہاں، «هُوَ» شاباش، عائد نہیں بتایا تھا، اور «هُوَ» ضمیر اِن کو نہیں لوٹانی، اِن حرف ہے، حرف کی طرف ضمیر کبھی نہیں لوٹتی، یاد رکھنا ہمیشہ۔ اِن کی خبر کو اِن سے نہیں جوڑتے، اِن کے اسم کے ساتھ جوڑتے ہیں، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو «هُوَ» ضمیر کس کو لوٹے گی؟ زید یعنی اِن کے اسم کو، تو «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو راجع ہے اِن کے اسم کو، تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر اِن کی خبر۔ اِن اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ پھر وہی اسمیہ ہو گا، جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ کیونکہ اِن تو حرف ہے نا، حرف کا تو اعتبار نہیں کرنا، آگے کون ہے؟ زید، اسم ہے یا نہیں؟ تو پہلا جزء کیا ہوا؟ اسم، تو یہ جملہ اسمیہ ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

▪ قولہ: «وَحُكْمُهُ فِي كَوْنِهِ مُفْرَدًا أَوْ جُمْلَةً أَ...» کی تشریح

«وَحُكْمُهُ فِي كَوْنِهِ مُفْرَدًا أَوْ جُمْلَةً أَوْ مَعْرِفَةً أَوْ نَكِرَةً كَحُكْمِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ»، اور اِن کی جو خبر ہے اس کا حکم، «حُكْمُهُ»، «ہٗ» ضمیر کس کو راجع؟ اِن کی خبر کو، سمجھ میں آئی بات؟ «وَحُكْمُهُ»، اور اِن کی خبر کا حکم، «فِي كَوْنِهِ»، کس چیز میں؟ «مُفْرَدًا»، مفرد ہونے میں، «أَوْ جُمْلَةً»، یا جملہ ہونے میں، «أَوْ مَعْرِفَةً أَوْ نَكِرَةً»، یا معرفہ یا نکرہ ہونے میں، «كَحُكْمِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ»، اسی طرح ہے جیسے کہ مبتدا کی خبر کا حکم ہوتا ہے۔ بھائی مبتدا کی خبر میں جو تفصیل آپ نے پڑھی تھی کہ مبتدا کی خبر کبھی مفرد بھی ہو سکتی ہے: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، اور کبھی جملہ بھی ہو سکتی ہے: «زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ»، اور پھر جملہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے، جملہ فعلیہ، جملہ شرطیہ اور جملہ ظرفیہ۔ اسی طرح اِن کے جو اسم ہے اس کی جو خبر ہے، یوں کہو اِن کی جو خبر ہے وہ بھی اسی طرح ہو سکتی ہے، مفرد بھی ہو سکتی ہے اور جملہ بھی، اور پھر جملہ اسمیہ بھی، فعلیہ بھی، شرطیہ بھی اور ظرفیہ بھی، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اسی طرح معرفہ اور نکرہ ہونے میں بھی، جیسے مبتدا کی خبر اصل یہ ہے نکرہ ہونی چاہیے لیکن کبھی کبھار مبتدا کی خبر معرفہ بھی آجاتی ہے، اسی طرح اِن کی خبر جو ہے وہ کیا ہونی چاہیے؟ نکرہ، لیکن کبھی کبھار معرفہ بھی آسکتی ہے۔ اسی لیے کہا: «وَحُكْمُهُ فِي كَوْنِهِ مُفْرَدًا أَوْ جُمْلَةً أَوْ مَعْرِفَةً أَوْ نَكِرَةً كَحُكْمِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ»، اِن کی خبر کا حکم اس کے مفرد یا جملہ ہونے میں، یا معرفہ یا نکرہ ہونے میں مبتدا کے خبر کے حکم کی طرح ہے۔

«وَلَا يَجُوزُ تَقْدِيمُ أَخْبَارِهَا عَلَى أَسْمَائِهَا»، اچھا بھائی، مبتدا میں آپ نے پڑھا تھا کہ مبتدا کی خبر کو مبتدا پر مقدم کر سکتے ہیں، «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، میں نے آپ کو بتایا تھا یہ جو جار مجرور ہوتا ہے یہ خبر بنتے ہیں یہ مبتدا کبھی بھی نہیں بنتے، تو «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، ترکیب کیا ہو گی؟ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «فِي» جارہ، «الدَّارِ» مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «ثَبَتَ» فعل سے، «ثَبَتَ» فعل اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور یہ لوٹ رہی ہے، عائد بتاؤ کس کو؟ زید کو، تو فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ، «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»۔ نیز اسی میں آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: «فِي الدَّارِ زَيْدٌ»، آپ نے خبر کو کیا کر دیا؟ مقدم۔ یہ «فِي الدَّارِ» جار مجرور ہے اور جار مجرور مبتدا کبھی بھی نہیں بنتا ہمیشہ کیا بنتے ہیں؟ خبر، تو معلوم ہوا زید جو مؤخر ہے وہ ہے مبتدا اور «فِي الدَّارِ» کیا ہے؟ خبر۔ اور خبر کیسے بنے گا؟ خود ہی براہِ راست یا اسی طرح «ثَبَتَ» نکالنا پڑے گا؟ «ثَبَتَ» نکالنا پڑے گا کیونکہ جار مجرور کو جو کچھ بھی بنانا ہے پہلے اس کا متعلق نکالو پھر بناؤ، صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھا، تو یہ خبر ہوئی۔ کس طرح؟ «فِي الدَّارِ زَيْدٌ»، «فِي» جارہ، «الدَّارِ» مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «ثَبَتَ» فعل، «ثَبَتَ» فعل اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو۔ زید تو مؤخر ہے اور ضمیر پہلے آگئی، ضمیر پہلے مرجع بعد میں حالانکہ مرجع پہلے آتا ہے ضمیر بعد میں آیا کرتی ہے، کیا جواب دیں گے؟ ہاں، یہ زید اگرچہ لفظوں میں مؤخر ہے لیکن مقام اور رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے کیونکہ مبتدا ہے اور مبتدا کا مقام کیا ہے؟ خبر پر پہلے ہوتا ہے، تو لہٰذا یہ اضمار قبل الذکر تو ہے لیکن رتبۃً نہیں ہے اور یہ جائز ہے۔ ہاں، اگر ہر لحاظ سے اضمار قبل الذکر ہو تا رتبۃً وغیرہ کے اعتبار سے پھر جائز نہیں ہونا تھا سوائے وہ چند جگہیں جو آپ نے ان میں سے ایک تنازعِ فعلین پڑھ لیا تھا۔

تو آپ نے مبتدا کی خبر کے بارے میں کیا پڑھا؟ مبتدا کی خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا بھی جائز ہے، لیکن یاد رکھو اِن کے اندر جائز نہیں ہے۔ اِن کی خبر کو اِن کے اسم پر مقدم کر دیں یہ جائز نہیں۔ مثلاً «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، اب آپ یوں کہنا چاہتے ہیں: «إِنَّ قَائِمٌ زَيْدًا»، آپ اسم کو مؤخر کرتے ہیں اور خبر کو مقدم، یہ جائز نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ مبتدا خبر میں خبر کو مقدم کرنا جائز تھا لیکن اِن کے اندر اِن کی خبر کو اِن کے اسم پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں، دیکھیے یہی کہہ رہے ہیں: «وَلَا يَجُوزُ تَقْدِيمُ أَخْبَارِهَا عَلَى أَسْمَائِهَا»، اور جائز نہیں ہے، «قَدَّمَ يُقَدِّمُ تَقْدِيمٌ» کا معنیٰ آگے کرنا، مقدم کرنا، اور جائز نہیں ہے مقدم کرنا کس کو؟ «أَخْبَارِهَا»، اِن کی خبروں کو، «عَلَى أَسْمَائِهَا»، کس پر؟ اِن کے اسموں پر، «إِلَّا إِذَا كَانَ ظَرْفًا»، مگر جس وقت کہ خبر ظرف ہو، پھر جائز ہے، جب خبر کیا ہو؟ ظرف، چاہے ظرفِ حقیقی ہو چاہے ظرفِ مجازی۔ ظرفِ حقیقی کسے کہتے ہیں؟ جس میں جگہ یا زمانے والا معنیٰ پایا جائے، اور ظرفِ مجازی کسے کہتے ہیں؟ جار مجرور کو، کس کو؟ جار مجرور کو۔

معلوم ہوا اِن کی خبر اگر جار مجرور ہو یا ظرفِ حقیقی ہو تو اس کو اِن کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہے، ویسے جائز نہیں۔ لہٰذا آپ کہہ سکتے ہیں «إِنَّ زَيْدًا فِي الدَّارِ»، اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: «إِنَّ فِي الدَّارِ زَيْدًا»، اب اسم پر ہے نا تو اسم پر نصب بھی آپ نے پڑھنا ہے: «إِنَّ فِي الدَّارِ زَيْدًا»، یہ «زَيْدًا» کا نصب کیا بتلا رہا ہے؟ کہ یہ اِن کا اسم مؤخر ہے، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ اور ویسے بھی یہ «فِي الدَّارِ» ہے اِن کے بعد، اور میں نے آپ کو بتایا یہ جار مجرور کبھی بھی مبتدا نہیں بن سکتے بلکہ کیا بنتے ہیں؟ خبر، تو یہ اِن کی خبر تو بن سکتے ہیں اِن کا اسم نہیں بن سکتے۔ بات سمجھ میں آئی؟ کیا ضابطہ ذکر کیا

کہ مبتدا کی خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا جائز ہے لیکن اِن کی خبر کو اِن کے اسم پر مقدم کرنا جائز نہیں، صرف کس وقت جائز ہے؟ جب اِن کی خبر ظرف ہو، چاہے ظرفِ حقیقی ہو چاہے ظرفِ مجازی، تو پھر اس کو اِن کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہے۔ بلکہ پھر ہمیشہ مقدم ہی کرتے ہیں، جب اِن کی خبر کیا ہو؟ ظرف ہو تو اس کو اِن کے اسم پر ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مقدم۔ بہت ہی قلیل کبھی آپ کو مل جائے گا کہ اِن کی خبر کیا ہے؟ ظرف ہے اور اِن کے اسم سے مؤخر ہے، بلکہ جب بھی اِن کی خبر کیا آئے گی؟ ظرف، تو اس کو آپ دیکھیں گے وہ ہمیشہ کیا ہے؟ اپنے اسم پر مقدم ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا «إِنَّ زَيْدًا فِي الدَّارِ»، یہ کلام آپ کو بہت کم ملے گا، ہاں «إِنَّ فِي الدَّارِ زَيْدًا»، یہ آپ کو عام ملے گا ہر جگہ پر، صورت سمجھ میں آگئی؟

پھر اس میں ایک اور بات بھی یاد رکھیں۔ اِن کا اسم معرفہ بھی ہو سکتا ہے اور نکرہ بھی۔ تو اِن کا اسم اگر نکرہ ہو، تو جبہ ہے پوری؟ اِن کا اسم اگر کیا ہو؟ نکرہ، اور خبر ہو ظرف، تو خبر کو اس اِن کے اسم پر مقدم کرنا واجب ہے۔ اِن کا اسم کیا ہو؟ نکرہ، اور خبر کیا ہو؟ ظرف، تو اس ظرف کو اِن کے اسم پر مقدم کرنا واجب ہے۔ لہٰذا «إِنَّ رَجُلًا فِي الدَّارِ»، یہ کہنا صحیح نہیں۔ «رَجُلًا» نکرہ ہے نا؟ کیونکہ کیا اس پر الف لام ہے؟ نہیں، یہ ضمیر ہے؟ نہیں، اسمِ اشارہ ہے؟ نہیں، تو یہ معرفہ کی ساری قسمیں آپ دیکھ لیں یہ ان میں سے کوئی نہیں، معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ نکرہ۔ اور جب اِن کا اسم نکرہ ہو اور آگے خبر کیا ہے؟ «فِي الدَّارِ» ظرف، تو اس کو اِن کے اسم پر مقدم کرنا واجب، تو لہٰذا صحیح کیسے کہیں گے؟ «إِنَّ فِي الدَّارِ رَجُلًا»، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اِن کا اسم اگر نکرہ ہو اور خبر کیا ہو؟ ظرف ہو، تو اس خبر کو اِن کے اسم پر مقدم کرنا واجب ہے۔ اور اگر اِن کا اسم معرفہ ہو اور خبر کیا ہو؟ ظرف، تو پھر واجب نہیں ہے، پھر آپ مقدم بھی کر لیں ٹھیک ہے اور مؤخر کر لیں تو بھی ٹھیک، لیکن زیادہ تر کیا ہے؟ مقدم ہی کرتے ہیں پھر بھی، صورت سمجھ میں آگئی؟ مثلاً «إِنَّ زَيْدًا فِي الدَّارِ»، یہ بہت کم ہو گا بلکہ کیا کہیں گے؟ «إِنَّ فِي الدَّارِ زَيْدًا»۔ تو اِن کا اسم معرفہ ہو تو خبر کو مقدم کرنا بھی جائز، مؤخر کرنا بھی جائز، لیکن زیادہ بہتر کیا ہے؟ مقدم کرو خبر کو۔ اور اگر اِن کا اسم نکرہ ہو تو اور خبر ظرف ہو تو خبر کو مقدم کرنا واجب ہے: «إِنَّ رَجُلًا فِي الدَّارِ» یہ کہنا صحیح نہیں بلکہ کیا کہیں گے؟ «إِنَّ فِي الدَّارِ رَجُلًا»۔

تو دوبارہ دیکھیے، کہتے ہیں: «وَلَا يَجُوزُ تَقْدِيمُ أَخْبَارِهَا عَلَى أَسْمَائِهَا»، اور اِن کی خبروں کو اِن کے اسموں پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے، «إِلَّا إِذَا كَانَ ظَرْفًا»، مگر جس وقت کہ خبر کیا ہو؟ ظرف ہو، «نَحْوُ: إِنَّ فِي الدَّارِ زَيْدًا»، «إِنَّ فِي الدَّارِ زَيْدًا»، دیکھا؟ خبر ظرف ہے تو اس کو مقدم کر دیا۔ ترکیب کیجیے: «إِنَّ فِي الدَّارِ زَيْدًا»، «إِنَّ» حرفِ مشبہ بالفعل، «فِي» جارہ، «الدَّارِ» مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «ثَبَتَ»، شاباش! بالکل، جب بھی جار مجرور آئے متعلق ضرور کرنا ہے پھر جو بھی بنے وہ، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «ثَبَتَ» فعل اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «هُوَ» کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید، بھائی زید تو مؤخر ہے؟ ہاں، رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے اور یہ جائز ہے۔ تو اور «هُوَ» اور زید ضمیر مرجع میں مطابقت ہے کہ نہیں؟ زید بھی مفرد مذکر اور «هُوَ» ضمیر بھی مفرد مذکر۔ تو فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر اِن کی خبرِ مقدم، اور «زَيْدًا» منصوب لفظاً اسمِ مؤخر۔ اِن اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں جائز نہیں ہے اِن کی خبروں کو اِن کے اسموں پر مقدم کرنا مگر جب کہ خبر ظرف ہو جیسے «إِنَّ فِي الدَّارِ زَيْدًا»۔ «لِمَجَالِ التَّوَسُّعِ فِي الظُّرُوفِ»، اس لیے کیونکہ ظروف میں وسعت ہے، ظروف میں کیا ہے؟ وسعت۔ «مَجَالٌ»، «جَالَ يَجُولُ جَوَلَانًا» کا معنی ہوتا ہے گھومنا، سمجھ میں آیا؟ آپ اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں بھائی آپ آج کل کدھر گھومتے رہتے ہیں نظر نہیں آتے، تو «جَالَ يَجُولُ جَوَلَانًا» کا معنی گھومنا، اور اسی سے «مَجَالٌ» ظرف کا صیغہ ہے۔ «قَالَ يَقُولُ قَوْلًا» اسی سے کیا ہے؟ ظرف کیا تھا پڑھا؟ ظرف کیا پڑھا تھا بھائی؟ «قَالَ يَقُولُ قَوْلًا فَهُوَ قَائِلٌ، وَقِيلَ يُقَالُ قَوْلًا فَذَاكَ مَقُولٌ، لَمْ يَقُلْ لَمْ يُقَلْ، لَا يَقُولُ لَا يُقَالُ، لَنْ يَقُولَ لَنْ يُقَالَ، اَلْأَمْرُ مِنْهُ قُلْ لِتُقَلْ وَالنَّهْيُ عَنْهُ لَا تَقُلْ لَا تُقَلْ لَا يَقُلْ لَا يُقَلْ، وَالظَّرْفُ مِنْهُ مَقَالٌ»، «مَجَالٌ»، دیکھو وہی صیغہ ہے۔ کون سا صیغہ ہے؟ ظرف، یعنی گھومنے کی جگہ۔ مجال کا کیا معنی ہوا؟ گھومنے کی جگہ۔ «لِمَجَالِ التَّوَسُّعِ»، اس لیے کیونکہ گھومنے کی جگہوں میں وسعت ہے، «فِي الظُّرُوفِ»، کس کے اندر؟ ظروف۔ بھائی دیکھیے، یہ ہے اِن کا اسم اور یہ ہے اِن کی خبر۔ اِن کی خبر اگر غیر ظرف ہو، تو جبہ ہے؟ اِن کی خبر اگر کیا ہو؟ غیر ظرف، تو اِن کے اسم پر اس کو مقدم نہیں کر سکتے لیکن اگر خبر کیا ہو؟ ظرف، تو پھر اس کو مقدم کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوا خبر جب ظرف ہو تو اس کے گھومنے کی جگہوں میں وسعت ہے، یہ بعد میں بھی آسکتی ہے، شروع میں بھی آسکتی ہے، تو گھومنے کی جگہیں زیادہ ہو گئیں یا نہیں؟ اور جب ظرف نہ ہو تو پھر گھومنے کی جگہوں میں وسعت نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے «لِمَجَالِ التَّوَسُّعِ فِي الظُّرُوفِ»، اس لیے کیونکہ ظروف کے اندر ظروف کے گھومنے کی جگہوں میں وسعت ہے، ان کے گھومنے کی جگہیں وسیع ہیں۔

بھائی کیا وجہ ہے ظروف کے اندر وسعت کیوں ہے باقی چیزوں میں وسعت نہیں؟ بھائی وجہ وہی جو میں نے ابھی آپ کو بتایا۔ دنیا کا کوئی بھی فعل ہو چاہے آپ کھانا کھائیں، چاہے بھاگیں، چاہے دیکھیں، چاہے سنیں، چاہے پڑھیں، چاہے لکھیں، ہر ایک کے لیے کوئی نہ کوئی زمانہ بھی ہو گا اور کوئی نہ کوئی جگہ۔ تو ہر فعل کے لیے ظرف ضرور چاہیے، ظرفِ زمان بھی چاہیے اور ظرفِ مکان۔ گویا ہر فعل کا ظرف کے ساتھ تعلق ہے، ہر فعل کا کیا ہے؟ تعلق ہے۔ یعنی قریبی رشتہ داری ہے، کیا ہے؟ قریبی رشتہ داری۔ اور قریبی رشتہ دار جب آپ کے بھی گھر میں آئے تو پورے گھر میں اندر تمام کمروں میں جانے کی اجازت ہوتی ہے یا نہیں ہوتی اسے؟ اجازت ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی غیر اجنبی شخص آئے تو اسے صرف بیٹھک میں بٹھاتے ہیں اسے پورے گھر میں گھومنے کی اجازت نہیں، تو لہٰذا یہ جو ظرف ہوتے ہیں یہ قریبی محرم رشتہ دار کی طرح ہیں لہٰذا ان کے گھومنے کی جگہ ان کو ہر طرح کی آزادی ہے، یہ بعد میں بھی آسکتے ہیں اِن کے اسم کے بعد بھی اور اِن کے اسم سے پہلے بھی، لیکن باقی خبریں آئیں ان کا یہ حکم نہیں، وہ بعد میں تو آسکتی ہیں مقدم نہیں ہو سکتیں، وجہ سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے «لِمَجَالِ التَّوَسُّعِ فِي الظُّرُوفِ»، ظروف کے گھومنے کی جگہوں میں وسعت ہونے کی وجہ سے۔ چلیے بس بھائی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۵۲: فصل اسم کان وأخواتھا: افعالِ ناقصہ کے اسم اور عمل کے احکام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۳—بتاریخ: ۱۰ فروری ۲۰۱۵ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اِسْمُ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا، وَهِيَ: صَارَ، وَأَصْبَحَ، وَأَمْسَى، وَأَضْحَى، وَظَلَّ، وَبَاتَ، وَرَاحَ، وَآضَ، وَعَادَ، وَغَدَا، وَمَا زَالَ، وَمَا بَرِحَ، وَمَا فَتِئَ، وَمَا انْفَكَّ، وَمَا دَامَ، وَلَيْسَ۔ فَهٰذِهِ الْأَفْعَالُ تَدْخُلُ أَيْضًا عَلَى الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ فَتَرْفَعُ الْمُبْتَدَأَ وَيُسَمَّى اسْمَ كَانَ، وَتَنْصِبُ الْخَبَرَ وَيُسَمَّى خَبَرَ كَانَ۔

مرفوعات کی بحث چل رہی ہے، آپ نے پڑھا کہ فاعل بھی مرفوع ہوتا ہے، نائب الفاعل بھی مرفوع ہوتا ہے، مبتدا اور خبر یہ دونوں بھی مرفوع ہیں، اور اسی طرح اِن کی جو خبر ہے وہ بھی مرفوع ہے۔ اب چھٹی قسم ہم پڑھیں گے بھائی، تو چھٹی قسم کے مرفوعات، وہ کون ہیں؟ کہتے ہیں: «اِسْمُ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا»، کان اور اس کے جو مشابہ کلمات ہیں ان کا اسم بھائی۔ بھائی اِن کی خبر مرفوع تھی، اور کان کا اسم مرفوع ہوتا ہے۔ یعنی یہ اِن کے برعکس ہیں، اِن کیا عمل کرتا تھا؟ اسم کو نصب اور خبر کو رفع، جبکہ کان جو افعالِ ناقصہ ہیں وہ برعکس عمل کرتے ہیں، وہ اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور خبر کو نصب۔ تو معلوم ہوا کان کا اسم مرفوع ہے یا خبر مرفوع ہے؟ کان کا اسم مرفوع ہے، اور ہم بھی کس کی بحث کر رہے ہیں اس وقت؟ مرفوعات کی، اس لیے کان کا اسم کہا۔ «اِسْمُ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا»، کان اور اس کے جو مشابہ کلمات ہیں ان کا اسم بھائی۔

وہ کان کے مشابہ کلمات کون کون سے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهِيَ»، وہ یہ ہیں: «صَارَ، وَأَصْبَحَ، وَأَمْسَى، وَأَضْحَى، وَظَلَّ، وَبَاتَ، وَرَاحَ، وَآضَ، وَعَادَ، وَغَدَا، وَمَا زَالَ، وَمَا بَرِحَ، وَمَا فَتِئَ، وَمَا انْفَكَّ، وَمَا دَامَ، وَلَيْسَ»۔ تو یہ کل سترہ ہیں بھائی، سترہ۔ کان ہے، اور اس کے بعد صار ہے، اصبح، امسیٰ، اور اسی طرح اضحیٰ، ظل، بات، راح، آض، عاد، غدا، مازال، مابرح، مافتئ، من فک، مادام ہے اور لیس ہے، یہ ہیں بھائی سترہ۔ یہ افعالِ ناقصہ کہلاتے ہیں، کیا کہلاتے ہیں؟ افعالِ ناقصہ۔ تو ان کا عمل اِن کے برعکس ہے، اِن اپنے اسم کو نصب دیتا تھا اور خبر کو رفع، جبکہ یہ کیا کرتے ہیں؟ اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔ اور نیز اِن وغیرہ جو تھے وہ حروف تھے، جبکہ یہ کان وغیرہ یہ افعال ہیں، یہ کیا ہیں؟ افعالِ ناقصہ۔

تو اِن بھی داخل ہوتا ہے جملہ اسمیہ پر، اور جملہ اسمیہ میں کیا کیا ہوتے ہیں؟ ایک مبتدا ہوتا ہے اور ایک خبر۔ تو اِن وغیرہ بھی داخل ہوتے ہیں جملہ اسمیہ پر، اور یہ افعالِ ناقصہ یہ بھی داخل ہوتے ہیں جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں۔ لیکن اِن ہے حرف، تو اس حرف کے داخل ہونے سے اس جملے پر کوئی فرق اور نہیں پڑے گا، وہ پہلے بھی جملہ اسمیہ تھا بعد میں بھی کیا رہے گا؟ جملہ اسمیہ۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ»، یہ بھی کیا ہے؟ جملہ اسمیہ، اور «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، یہ بھی کیا ہے؟ جملہ اسمیہ۔ لیکن کان جو ہے کان وغیرہ یہ افعال ہیں، لہٰذا یہ جب جملہ اسمیہ پر داخل ہوں گے اب ان کے داخل ہونے کے بعد وہ جملہ فعلیہ ہو گا، کیا ہو گا؟ جملہ فعلیہ۔ «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، یہ کیا ہے؟ جملہ اسمیہ، لیکن اگر کان آجائے: «كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا»، اسم پر رفع اور خبر پر نصب، «كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا»، یہ اب کیا بنے گا؟ جملہ فعلیہ بنے گا، صورت سمجھ میں آگئی۔

اور ان میں سے ہر ایک کا معنیٰ کیا ہے؟ یاد رکھیے یہ آگے افعال کی بحث آئے گی وہاں تفصیل سے آپ کو ایک ایک کا معنیٰ بتائیں گے، تو ابھی معنیٰ کے ذکر کی ضرورت نہیں لہٰذا ہم بھی اس کو چھوڑ دیتے ہیں، وہیں پر معنیٰ ذکر کریں گے کہ کان کا کیا معنیٰ ہے، صار کا کیا معنیٰ ہے، اصبح کا کیا معنیٰ ہے، وہ ہر ایک کو بیان کریں

گے تو وہیں پر یہ بحث ہم بھی کر لیں گے۔ تو کہتے ہیں: «فَهٰذِهِ الْأَفْعَالُ تَدْخُلُ أَيْضًا عَلَى الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ»، یہ افعال جو ہیں یہ بھی داخل ہوتے ہیں مبتدا اور خبر پر۔ ایضاً کا معنیٰ بھی۔ تو «فَهٰذِهِ الْأَفْعَالُ تَدْخُلُ أَيْضًا عَلَى الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ»، تو یہ افعال بھی داخل ہوتے ہیں مبتدا اور خبر پر، «فَتَرْفَعُ الْمُبْتَدَأَ»، تو یہ رفع دیتے ہیں مبتدا کو، «وَيُسَمَّى اسْمَ كَانَ»، اور اس مبتدا کو اب کیا کہتے ہیں؟ کان کا اسم۔

دیکھو ادھر دیکھیے: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، «زَيْدٌ» ہے، ترکیب کیجیے: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو، مبتدا کو۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ اب اس پر ذرا کان لے آؤ: «كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا»، کان فعل، فعلِ ناقص، اور «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً کان کا اسم۔ ہاں یہ کان افعالِ ناقصہ میں سے ہے، کس میں سے؟ افعالِ ناقصہ۔ یہ ایک اسم چاہتا ہے، باقی فعل جو ہیں ناباقی فعل، ان میں فاعل چاہیے ہوتا ہے، جس کو وہ رفع دیتے ہیں اس کو اس فعل کا فاعل کہتے ہیں۔ لیکن یہ جو افعالِ ناقصہ جس کو رفع دیتے ہیں اس کو ان کا اسم کہتے ہیں، فاعل نہیں۔ ہاں صاحبِ کافیہ اس کو فاعل کہتے ہیں، اگلے سال آپ کافیہ پڑھیں گے، اپنی اپنی اصطلاح ہے۔ تو صاحبِ کافیہ ان کو کیا کہتے ہیں؟ وہ عام افعال کی طرح یہ افعالِ ناقصہ کے لیے بھی جس کو یہ رفع دیں اس کو کیا کہتے ہیں؟ اس کا فاعل، لیکن عام نحوی کیا ہیں؟ اس کو ان کا اسم کہتے ہیں فاعل نہیں کہتے۔ تو صرف اصطلاح کا فرق ہے باقی عمل وغیرہ تو اسی طرح ہے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو «كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا»، کان فعلِ ناقص۔ آگے «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً کان کا اسم۔ «قَائِمًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ کان کی خبر ہے، اور کان کی خبر کیا ہوتی ہے؟ منصوب۔ اور صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو، کس کو؟ زید کو۔ کیونکہ کان کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ کان کے اسم سے۔ مبتدا کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا کے ساتھ۔ اِن کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ اِن کے اسم سے۔ اور کان کی خبر کو کس سے جوڑیں گے؟ کان کے اسم کے ساتھ جوڑیں گے، تو اس کے اندر «هُوَ» ضمیر راجع ہے کان کے اسم یعنی زید کو۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، کان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، کیونکہ کان فعل ہے نا تو جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

تو «زَيْدٌ قَائِمٌ» کا معنیٰ تھا زید کھڑا ہے۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ»، ترجمہ کریں بھائی آسان سی بات ہے: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، زید کھڑا ہے۔ لیکن جب میں نے کہا «كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا»، اب ترجمہ ہو گا زید کھڑا تھا۔ «كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا»، زید کھڑا تھا، دیکھو کان نے اپنا اثر دے دیا۔ پہلے تھا زید کھڑا ہے، اور اب کیا معنیٰ ہے؟ زید کھڑا تھا۔ «وَيَجُوزُ فِي الْكُلِّ تَقْدِيمُ أَخْبَارِهَا عَلَى أَسْمَائِهَا»، اچھا بھائی اِن میں آپ نے پڑھا تھا، اِن کی خبر کو اِن کے اسم پر مقدم کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے؟ سبق یاد ہے کل کا کہ تکرار کیا ہے بھائی؟ ہاں، اِن کی خبر کو اِن کے اسم پر آپ نے پڑھا تھا مقدم نہیں کر سکتے، ہاں وہ ظرف ہو اگر خبر تو پھر مقدم کر سکتے ہیں۔ اور اس میں بھی میں نے تفصیل بتائی تھی کہ اگر اِن کا اسم نکرہ ہو تو پھر وہ جو خبر ہے اس کو مقدم کرنا واجب، وہ جو ظرف ہے اس کو مقدم کرنا واجب، اور اگر معرفہ ہو تو پھر مقدم کرنا جائز ہے، مقدم بھی کر سکتے ہیں اور مؤخر بھی۔ اور میں نے بتایا تھا اِن کی خبر جو ہو جب ظرف ہو، کیا ہو؟ ظرف، تو اس کو ہمیشہ مقدم کرتے ہیں چاہے اسم نکرہ ہو چاہے معرفہ۔ ہمیشہ اس کو مقدم کرتے ہیں، بہت ہی قلیل آپ کو ملے گا کہ اِن کی خبر ظرف ہو اور اس کو مقدم نہ کیا گیا ہو، ہمیشہ جب بھی ظرف ہو گی کیا ملے گی آپ کو؟ مقدم ہی ملے گی۔

اب کان کے بارے میں بتانے لگے ہیں کہ یہ جو افعالِ ناقصہ ہیں ایک ان کا اسم ہے، ادھر ہے توجہ؟ یہ افعالِ ناقصہ کا ایک اسم ہے اور ایک ان کی خبر، تو کیا ان کی خبر کو ان کے اسم پر مقدم کر سکتے ہیں؟ یعنی جملہ تھا «كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا»، کیا اس «قَائِمًا» کو زید پر مقدم کر سکتے ہیں، یوں کہہ سکتے ہیں: «كَانَ قَائِمًا زَيْدٌ»؟ کہتے ہیں ہاں بھائی، ان کی خبر کو ان کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہے، صورت سمجھ میں آ گئی۔ تو کہتے ہیں: «وَيَجُوزُ فِي الْكُلِّ»، اور جائز ہے ان سب میں، یعنی یہ جتنے افعالِ ناقصہ اوپر گزرے ہیں ان سب میں، کیا جائز ہے؟ «تَقْدِيمُ أَخْبَارِهَا عَلَى أَسْمَائِهَا»، مقدم کرنا ان کی خبروں کو ان کے اسموں پر، ان سب میں جائز ہے۔ «نَحْوُ: كَانَ قَائِمًا زَيْدٌ»، جیسے کہ «كَانَ قَائِمًا زَيْدٌ»۔ ترکیب کیجیے: کان فعل از افعالِ ناقصہ، «قَائِمًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ منصوب کیوں؟ کان کی خبر ہے، ہاں کان کی خبر، بھائی یہاں آپ کو اعراب سے بھی فرق پتہ چل جائے گا۔ جس پر رفع آ رہا ہو سمجھ جائیں وہ کان کا اسم ہے، جس پہ نصب آ رہا ہو سمجھ جائیں وہ کان کی خبر ہے، تو یہ خبر ہے مقدم ہے۔ «قَائِمًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ کان کی خبرِ مقدم ہے۔ اور اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو۔ بھائی زید تو بعد میں آ رہا ہے، یہ تو ضمیر پہلے اور مرجع بعد میں حالانکہ ہونا کیا چاہیے؟ مرجع پہلے اور ضمیر بعد میں ہونی چاہیے، جواب کیا دیں گے؟ ہاں، زید رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے کیونکہ اس کا اصل مقام کہاں ہے؟ «قَائِمًا» سے پہلے ہے، «كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا» ہے اصل میں، تو لہٰذا یہ اضمار قبل الذکر پورے طور پر نہیں ہے صرف لفظاً ہے رتبۃً نہیں ہے تو یہ جائز ہے۔ تو صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبرِ مقدم کان کی، اور «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً اسمِ مؤخر کان کا۔ کان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ

ہوا، معنیٰ وہی ہے کہ زید کھڑا تھا، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں ان سب کے اندر ان کی خبروں کو ان کے اسموں پر مقدم کرنا جائز ہے، «وَعَلَى نَفْسِ الْأَفْعَالِ أَيْضًا فِي التِّسْعَةِ الْأُوَلِ»، اور پہلے نو میں نفسِ افعال پر خبر کو مقدم کرنا بھی جائز ہے۔ بھائی ادھر دیکھیے، اصل میں کیا تھا: «كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا»۔ پہلے آپ کو انہوں نے بتادیا کہ یہ جو کان کی خبر ہے اس کو کان کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہے: «كَانَ قَائِمًا زَيْدٌ»۔ اور یہ صرف کان میں جائز ہے یا تمام افعالِ ناقصہ میں جائز ہے؟ انہوں نے آپ کو بتایا: «وَيَجُوزُ فِي الْكُلِّ»، ساروں میں جائز ہے۔ جتنے بھی ہیں یہ سترہ کے سترہ، ان کی خبروں کو آپ کیا کرسکتے ہیں؟ ان کے اسم پر مقدم کرسکتے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کیا ان کی خبر جو ہے، خبر، اس کو نفسِ فعل پر بھی مقدم کرسکتے ہیں یا نہیں؟ «كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا»، یہ «قَائِمًا» کو زید پر تو مقدم کرسکتے ہیں، کیا کان پر بھی مقدم کرسکتے ہیں؟ یوں کہہ سکتے ہیں: «قَائِمًا كَانَ زَيْدٌ»؟ صورت سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں ہاں، پہلے نو جو ہیں، کس میں؟ پہلے نو، لیکن محشی حضرات علماء یہاں فرماتے ہیں کہ یہ معلوم ہوا یہ کسی لکھنے والے کی غلطی ہے، پہلے نو میں نہیں پہلے گیارہ کے اندر۔ کس کے اندر؟ پہلے گیارہ کے اندر خبر کو نفسِ فعل پر مقدم کرنا بھی جائز ہے۔ «قَائِمًا كَانَ زَيْدٌ»، صورت سمجھ میں آگئی۔

تو خبر کو کس پر مقدم کیا؟ اسم پر نہیں بلکہ نفسِ خود فعل پر بھی مقدم کر دیا جائے ان کی خبر کو، یہ کتنے میں جائز ہے؟ پہلے گیارہ میں۔ اور باقی اگلے جو پانچ ہیں جن کے شروع میں ما آتا ہے: مازال، مابرح، مافتئ، من فک، مادام، یہ جو پانچ ہیں ان میں خبر کو ان پر مقدم نہیں کرسکتے۔ مثلاً «مَا زَالَ زَيْدٌ قَائِمًا»، یہ تو اصل ترکیب ہے: «مَا زَالَ زَيْدٌ قَائِمًا»۔ اب یہاں «قَائِمًا» کو زید پر تو مقدم کرسکتے ہیں: «مَا زَالَ قَائِمًا زَيْدٌ»، لیکن «قَائِمًا» کو مازال پر مقدم نہیں کرسکتے، یوں نہیں کہہ سکتے: «قَائِمًا مَا زَالَ زَيْدٌ»، یوں نہیں کہہ سکتے، صورت سمجھ میں آگئی۔ تو پہلے گیارہ میں خبر کو نفسِ فعل پر بھی کیا کرسکتے ہیں؟ مقدم کرسکتے ہیں، لیکن جن کے شروع میں ما ہے ان پر خبر کو مقدم نہیں، اور جو لیس ہے آخری اس میں اختلاف ہے۔ بعض نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ لیس کی خبر کو لیس پر مقدم کرسکتے ہیں اور «قَائِمًا لَيْسَ زَيْدٌ» کہہ سکتے ہیں، اور بعض کہتے ہیں نہیں، لیس میں بھی خبر کو لیس پر مقدم نہیں کرسکتے، صورت سمجھ میں آگئی۔

تو دیکھیے اب عبارت بھائی، دوبارہ دیکھیے: «وَيَجُوزُ فِي الْكُلِّ تَقْدِيمُ أَخْبَارِهَا عَلَى أَسْمَائِهَا»، اور ان سب کے اندر یعنی سترہ جو ہیں ان سب سترہ کے سترہ میں جائز ہے ان کی خبروں کو ان کے اسموں پر مقدم کرنا جیسے «كَانَ قَائِمًا زَيْدٌ»۔ «وَعَلَى نَفْسِ الْأَفْعَالِ أَيْضًا فِي التِّسْعَةِ الْأُوَلِ»، اور نفسِ افعال پر مقدم کرنا بھی جائز ہے پہلے نو میں۔ اول جمع ہے اولیٰ کی، پہلے نو میں نفسِ افعال پر بھی خبر کو مقدم کرنا جائز، لیکن میں نے بتایا یہ کاتب کی غلطی، کتنے میں؟ پہلے گیارہ میں جو ہے، یعنی کان سے لے کر غدا تک، ان سب میں خبر کو نفسِ افعال پر مقدم کرنا بھی جائز ہے۔ نحو مثال کے طور پر: «قَائِمًا كَانَ زَيْدٌ»۔ ترکیب کیجیے: «قَائِمًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ منصوب کیوں؟ کان کی خبر ہے، شاباش۔ اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو۔ اشکال ہوا زید تو مؤخر ہے؟ جواب: وہ رتبے کے اعتبار سے اس پر مقدم ہے، یہ اصل میں مؤخر ہے اس سے۔ اچھا، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر کان کی خبر، اور «زَيْدٌ» کان کا اسم، تو یہ خبرِ مقدم، کان فعلِ ناقص ہوا اور «زَيْدٌ» اس کا اسمِ مؤخر۔ کان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ «قَائِمًا» مقدم ہے تو آپ یہ نہ کہیں کہ یہ «قَائِمًا» جملہ اسمیہ بن گیا کیونکہ اسم مقدم ہے، نہیں نہیں، لفظوں میں مقدم ہے اصل مقام تو اس کا کہاں ہے؟ مؤخر ہے، «كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا» ہے، تو اصل میں تو کان مقدم ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا یہ جملہ فعلیہ ہے۔

تو کہتے ہیں پہلے گیارہ کے اندر ان کی خبروں کو نفسِ افعال پر مقدم کرنا بھی جائز ہے۔ «وَلَا يَجُوزُ ذٰلِكَ فِيمَا فِي أَوَّلِهِ مَا»، اور یہ جائز نہیں ہے ان افعال میں جن کے شروع میں ما ہے۔ «فَلَا يُقَالُ»، لہٰذا یوں نہیں کہا جائے گا: «قَائِمًا مَا زَالَ زَيْدٌ»۔ جن کے شروع میں ما ہے ان میں خبر کو نفسِ فعل پر مقدم کرنا جائز نہیں، لہٰذا یوں نہیں کہا جائے گا: «قَائِمًا مَا زَالَ زَيْدٌ»۔ ترکیب کیجیے: «قَائِمًا مَا زَالَ زَيْدٌ»؟ اوہو نہیں، کوئی آپ سے کہے اس کی ترکیب کرو «قَائِمًا مَا زَالَ زَيْدٌ»، آپ کہیں گے یہ جملہ ہی غلط ہے تو ترکیب کہاں سے کروں؟ بات سمجھ میں آگئی؟ خود کہا یا نہیں «فَلَا يُقَالُ»، ایسا نہیں کہیں گے، لہٰذا آپ سے کوئی کہے اس کی ترکیب کرو آپ کہیں گے نہیں بھائی، یہ عربی اعتبار سے عبارت ہی صحیح نہیں ہے اس کی ترکیب بھی صحیح نہیں، ترکیب کی ہی نہیں جائے گی۔ «وَفِي لَيْسَ خِلَافٌ»، اور لیس کے اندر کیا ہے؟ اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں خبر کو اس پر مقدم کرسکتے ہیں اور بعض کہتے ہیں خبر کو اس پر مقدم نہیں کرسکتے۔

اچھا بھائی، یہ فعلِ ناقص ہے تو فعل ہی نا، ہاں لیکن فرق کیا؟ باقی افعال جس کو رفع دیتے ہیں اس کو ان کا فاعل کہتے ہیں۔ «جَاءَ زَيْدٌ»، یہ «زَيْدٌ» کیا

ہے جاء کے لیے؟ فاعل، تو باقی افعال جس کو رفع دیتے ہیں اس کو کہتے ہیں ان کا فاعل، اور یہ افعالِ ناقصہ جس کو رفع دیتے ہیں ان کو اس کا اسم کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ اسم کہتے ہیں۔ اور باقی فعل جس کو نصب دیتے ہیں ان کو اس کا مفعول کہتے ہیں: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، «ضَرَبَ» نے زید کو رفع دیا تو یہ اس کا اسم نہیں کہلاتا بلکہ فاعل، اور «عَمْرًا» کو «ضَرَبَ» نے نصب دیا یہ اس کی خبر نہیں کہلاتی بلکہ مفعول کہلاتا ہے، صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ توجہ ہے سبق کی طرف؟ تو کان بھی اسی طرح ہے، جیسے «ضَرَبَ» نے ایک اسم کو رفع دیا اور ایک کو کیا کیا؟ نصب دیا، کان نے بھی کیا کیا؟ ایک اسم کو رفع دیا ایک کو نصب، لیکن صرف فرق اصطلاح کا ہے۔ کان جس کو رفع دیتا ہے اس کو کان کا اسم کہتے ہیں، اور باقی افعال جس کو رفع دیتے ہیں ان کو اس فعل کا فاعل کہتے ہیں۔ اور کان جس کو نصب دیتا ہے اس کو کان کی خبر کہتے ہیں، باقی افعال جس کو نصب دیتے ہیں ان کو ان کا مفعول کہتے ہیں۔

اور باقی افعال کے اندر آپ نے پڑھا تھا کیا فاعل کو ان پر مقدم کر سکتے ہیں؟ «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، کیا زید «ضَرَبَ» پر مقدم ہو سکتا ہے؟ نہیں، باقی افعال میں فاعل فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، فعل جب بھی آئے فاعل جب بھی آئے گا فعل کے بعد آئے گا، فعل پر کبھی بھی مقدم نہیں۔ اسی طرح افعالِ ناقصہ کے اندر بھی ہے، ان کا اسم جب بھی آئے گا وہ فعلِ ناقص کے بعد آئے گا اس پر مقدم نہیں، اس لیے انہوں نے ذکر بھی نہیں کیا، انہوں نے خبر کے مقدم ہونے کی بات تو کی اسم کے مقدم ہونے کی بات نہیں کی، کیونکہ جیسے باقی افعال کا فاعل ان پر مقدم نہیں ہو سکتا کان کا اسم وہ بھی فاعل کے درجے میں ہے لہٰذا وہ بھی کان وغیرہ پر کبھی بھی مقدم نہیں ہو سکتا۔ ہاں باقی افعال میں مفعول مقدم ہو سکتا تھا: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، یوں کہہ سکتے ہو: «عَمْرًا ضَرَبَ زَيْدٌ»۔ جب وہاں پر مفعول کو مقدم کر سکتے تھے تو یہاں پر بھی کیا کر سکتے ہیں؟ خبر کو پہلے گیارہ میں مقدم کر سکتے ہیں، صورت سمجھ میں آگئی۔ اور باقی پانچ میں نہیں کر سکتے، بھائی ان میں کیوں نہیں کر سکتے؟ بھائی وجہ یہ کہ ان سب کے شروع میں ما ہے، اور ما چاہتا ہے کہ میں سب سے پہلے آؤں مجھ پر کوئی چیز مقدم نہ ہو، اس وجہ سے وہ مانع بن جاتا ہے، رکاوٹ بن جاتا ہے، وہ نہیں آنے دیتا۔ جو باقیوں جن میں ما نہیں وہاں رکاوٹ نہیں تو وہ مقدم ہو جاتی ہے خبر، اور جہاں پر ما ہے تو ما کیا ہے؟ وہ رکاوٹ بن جاتا ہے، صورت سمجھ میں آگئی۔

▪ قولہ: «وَفِي لَيْسَ خِلَافٌ» کی تشریح

«وَفِي لَيْسَ خِلَافٌ»، اور لیس کے اندر اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں اس میں بھی خبر مقدم ہو سکتی ہے اور بعض کہتے ہیں مقدم نہیں ہو سکتی۔ «وَبَاقِي الْكَلَامِ فِي هٰذِهِ الْأَفْعَالِ يَجِيءُ فِي الْقِسْمِ الثَّانِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى»، اور باقی کا جو کلام ہے یعنی باقی کی جو باتیں ہیں ان افعالِ ناقصہ کے بارے میں وہ کہاں پر آئے گی؟ قسمِ ثانی میں۔ یہاں قسمِ اول پڑھ رہے ہیں نا، کتاب میں تین قسمیں ہیں: قسمِ اول میں اسم کی بحث ہے، ساری ابھی تک دیکھو اسم کی بحث چل رہی ہے، اسم، رفع، نصب، جر وغیرہ یہ۔ آگے قسمِ ثانی میں فعل کی بحث آئے گی اور قسمِ ثالث میں حروف کی بحث آئے گی، تو یہ افعالِ ناقصہ قسمِ ثانی میں ذکر کریں گے یعنی کس میں؟ فعل کی بحثوں میں۔ یہ معنی ہے کہ باقی کا کلام جو ہے ان افعال کے بارے میں وہ ان شاء اللہ تعالیٰ قسمِ ثانی کے اندر آجائے گا، وہاں ان کا معنیٰ بھی بیان کریں گے اور تفصیل بھی بیان کریں گے، یہاں صرف اتنا بتایا کہ ان کا اسم کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، اور ہماری بحث بھی کس کے بارے میں چل رہی ہے؟ مرفوعات کے بارے میں، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا، میں نے آپ کو ضابطہ بتایا تھا کہ جمع بتاویلِ جماعت کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث، اسی لیے آپ جگہ جگہ اس کی مثالیں آپ کو ملیں گی۔ جیسے آیا: «هٰذِهِ الْأَفْعَالُ»، «هٰذِهِ» کیا ہے؟ واحد مؤنث کا اسمِ اشارہ ہے، اور «اَلْأَفْعَالُ» جمع ہے، تو یہ جمع ہے لیکن اس کے لیے واحد مؤنث استعمال کیا اسمِ اشارہ، کیونکہ جمع بتاویلِ جماعت کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث کے، تو اس کے لیے واحد مؤنث کا اسمِ اشارہ استعمال کیا بھائی۔ چلیے بس بھائی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۵۳: فصل اسم ماولا المشبھتین بلیس، اسم لا النفی الجنس اور آغازِ منصوبات (مفعولِ مطلق)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۴—بتاریخ: ۱۵ فروری ۲۰۱۵ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اِسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ، وَهُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُولِهِمَا، نَحْوُ: مَا زَيْدٌ قَائِمًا، وَلَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ. وَيَخْتَصُّ لَا بِالنَّكِرَةِ، وَيَعُمُّ مَا بِالْمَعْرِفَةِ وَالنَّكِرَةِ.

مرفوعات کی بحث چل رہی ہے بھائی۔ اب تک ہم چھ مرفوعات پڑھ چکے۔ مرفوعات میں سب سے پہلے ہم نے فاعل کے بارے میں پڑھا بھائی، اور فاعل کسے کہتے تھے؟ وہ اسم جس سے پہلے فعل یا صفت کا صیغہ ہو، اور اس فعل یا صفت کے صیغے کا اسناد ہو اس اسم کی طرف اس طور پر کہ وہ فعل یا صفت اس اسم کے ساتھ قائم ہو، اس پر واقع نہ ہو۔ اور اگر اس پر واقع ہو تو پھر وہ نائب الفاعل ہے، وہ کیا ہے؟ نائب الفاعل۔ جس میں فعل کا اسناد ہوتا ہے اسم کی طرف، لیکن فعل اس پر واقع ہوتا ہے، جیسے: ضُرِبَ زَيْدٌ، یہ ضرب کس پر واقع ہوئی ہے؟ زید پر۔ تو یہ نائب الفاعل، یہ مرفوعات میں سے دوسرا تھا جو ہم نے پڑھا۔

اس کے بعد تیسرے اور چوتھے نمبر پر ہم نے مبتدا اور خبر کے بارے میں پڑھا، یہ بھی مرفوعات میں سے ہیں۔ اور اس کے بعد ہم نے اِنَّ کی خبر، وہ بھی کس میں سے؟ مرفوعات میں سے۔ اور اس کے بعد كَانَ کا اسم، وہ بھی کس میں سے ہے؟ مرفوعات میں سے۔ تو چھ گزر گئے، آج ہم ساتواں اور آٹھواں، جو آخری دو ہیں وہ پڑھیں گے۔

تو کہتے ہیں: اِسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ۔ اسم اس ما اور لا کا، اِسْمُ مَا وَلَا، ما اور لا کا اسم، وہ ما اور لا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ جو مشابہ ہیں لیس کے ساتھ۔ جو کس کے ساتھ مشابہ ہیں؟ لیس کے ساتھ۔ بھائی لیس اوپر آیا تھا افعال ناقصہ میں سے، آخری نمبر پر کیا، ستر ہواں کیا تھا؟ لَيْسَ۔ اور مثلاً آپ کہتے ہیں: زَيْدٌ قَائِمٌ، زید کھڑا ہے۔ اب اس پر ذرا لیس لے آئیں، کیسے پڑھیں گے؟ لَيْسَ زَيْدٌ قَائِمًا، لَيْسَ زَيْدٌ قَائِمًا۔ لیس نے کیا عمل کیا؟ اپنے اسم کو رفع دیا، اپنی خبر کو نصب دیا، اور معنی میں کیا عمل کیا؟ نفی پیدا کر دی۔ زَيْدٌ قَائِمٌ کا معنی تھا زید کھڑا ہے، اور لَيْسَ زَيْدٌ قَائِمًا کا معنی ہے زید کھڑا نہیں ہے۔

تو یہ ما اور لا جو ہیں، یہ بھی لیس کے ساتھ مشابہ ہیں۔ کیا معنی مشابہ ہیں؟ یعنی یہ بھی اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور اپنی خبر کو نصب دیتے ہیں، اور نیز جیسے لیس کیا کرتا تھا؟ معنی میں نفی لے آتا تھا، تو یہ بھی معنی میں کیا لے آتے ہیں؟ نفی لے آتے ہیں۔ جیسے آپ کہتے ہیں، جیسے انہوں نے مثال ذکر کی: مَا زَيْدٌ قَائِمًا۔ دیکھو، مانے کیا عمل کیا؟ زَيْدٌ کو رفع دیا اور قَائِمًا کو نصب دیا، تو یہ لیس جیسا عمل کیا، اور نیز معنی میں بھی عمل کیا۔ زَيْدٌ قَائِمٌ کا معنی تو تھا زید کھڑا ہے، لیکن مَا زَيْدٌ قَائِمًا کا معنی ہے زید کھڑا نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اسی طرح لا بھی ہے: لَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ، کوئی آدمی بھی آپ سے افضل نہیں ہے۔ تو دیکھو معنی کے اندر نفی پیدا کر دی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے اِسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ، اس ما اور لا کا اسم، الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ جو دونوں مشابہ ہیں لیس کے ساتھ۔ تو الْمُشَبَّهَتَيْنِ اس کا ہمزہ وصلی ہے جو شروع میں ہے الف لام کا، وہ گر جائے گا۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ اِسْمُ مَا وَلِلْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ۔ لا ہے نا لا، لا کے آخر

میں الف، آگے ہے الْمُشَبَّهَتَيْنِ، اس کا ہمزہ شروع کا گر گیا، آگے لام ساکن، اور ما قبل میں لا کا الف ساکن۔ لا کے آخر میں کیا ہے؟ الف۔ اور الْمُشَبَّهَتَيْنِ کا ہمزہ تو گر گیا، آگے لام ساکن، تو الف بھی ساکن اور لام بھی ساکن، تو دو ساکن جمع ہو گئے۔ تو ایسی صورت میں اوّل اگر حرف مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں۔ الف بھی کیا ہے؟ حرف مدہ۔ اگر حرف مدہ نہ ہوتا تو ہم اس کو حرکت دے دیتے، کیا کرتے؟ اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ، کسرے کی حرکت دے دیتے، لیکن یہاں تو دو ساکنوں میں سے ایک اوّل کیا ہے؟ حرف مدہ، اس صورت میں حرف مدہ کو گرا دیتے ہیں۔ تو اب کیسے پڑھیں گے؟ لِلْمُشَبَّهَتَيْنِ۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

کیا مثال ہے اس کی؟ دیکھو، قَالَ يَقُولُ قَوْلًا، اسی سے اسم فاعل، اسی سے امر کیا ہے؟ قُلْ، قُلْ۔ قُلْ کس سے بنا؟ تَقُولُ سے، تَقُولُ سے۔ تا گرا دی اور آخر میں لام کو جزم دے دیا، کیا بن گیا؟ قُولْ، واؤ بھی ساکن، لام بھی ساکن، اجتماع ساکنین آیا، اوّل حرف مدہ تھا اور اس کو گرا دیا۔ حرف مدہ کسے کہتے ہیں؟ واؤ، الف، یا۔ لیکن ہر وقت نہیں، واؤ سے پہلے اگر پیش ہو اور یا سے پہلے اگر زیر ہو اور الف سے پہلے زبر، اور الف سے تو پہلے ہمیشہ زبر ہی ہوتا ہے۔ ہاں یا اور واؤ سے پہلے حرکت دوسری بھی آ سکتی ہے۔ مثلاً یا سے پہلے ضروری نہیں زیر آئے، یا سے پہلے زبر بھی آ سکتا ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ جیسے مَيْتٌ، صورت سمجھ میں آ گئی؟ یا سے پہلے زبر ہے یا نہیں ہے؟ مَيْتٌ۔ يالَيْسَ، لَيْسَ میں یا ہے یا نہیں درمیان میں؟ اس سے پہلے کیا ہے؟ زبر۔ لیکن اگر اس سے پہلے زیر ہوتا تو اس یا کو ہم حرف مدہ کہتے، لیکن زبر ہو پھر حرف مدہ نہیں کہتے۔ اور واؤ کے مناسب کیا ہے؟ ضمہ۔ تو واؤ ساکن سے ما قبل اگر ضمہ ہو تو اس واؤ کو حرف مدہ کہتے ہیں۔ مد کا معنی ہوتا ہے لمبا کرنا، کھینچنا۔ واؤ سے پہلے ضمہ ہو گا تو واؤ کیا کام کرے گا؟ اسی ضمہ کو لمبا کر دے گا۔ جیسے مثلاً مَفْعُولٌ، مَفْعُولٌ، یہ واؤ سے ما قبل کیا ہے؟ ضمہ۔ اس واؤ کو ذرا ہٹاؤ، کیا بنا؟ مَفْعُلٌ، واؤ کو ذرا گرا دو، کیا ہے؟ مَفْعُلٌ۔ دیکھو وہی ضمہ ابھی بھی آپ پڑھ رہے ہیں لیکن مختصر کر کے: مَفْعُلٌ۔ اب پھر واؤ واپس لے آؤ: مَفْعُولٌ، اب اسی ضمہ کو لمبا کر دیا۔ تو اس واؤ کو حرف مدہ کہتے ہیں، کیونکہ مد کا کیا معنی ہے؟ کھینچنا، لمبا کرنا۔ جب واؤ سے ما قبل ضمہ ہو تو واؤ کو حرف مدہ کہتے ہیں، کیونکہ اس کا کیا فائدہ ہوتا ہے؟ یہ اس ضمہ کو کھینچ کر لمبا کر دیتا ہے۔ اسی طرح یا سے ما قبل کسرہ ہو تو یا کیا فائدہ دیتی ہے؟ اس کسرے کو کھینچ کر لمبا کر دیتی ہے، جیسے مُسْلِمِينَ، مُسْلِمِينَ، یا کی وجہ سے یہ میم کا کسرہ کیا ہوا؟ لمبا ہو گیا۔ اسی طرح الف سے پہلے جب زبر ہوتا ہے، الف اس زبر کو کیا کر دیتا ہے؟ لمبا۔ تو ان کو کیا کہتے ہیں؟ حرف مدہ۔ لیکن اگر یا اور واؤ سے پہلے حرکت ان کے موافق نہ ہو تو پھر ان کو حرف مدہ نہیں کہتے۔ واؤ سے ما قبل کیا چاہیے؟ ضمہ، تو اس کو حرف مدہ کہیں گے۔ لیکن واؤ سے ما قبل اگر کیا ہو؟ زبر ہو، فتحہ ہو، تو پھر اس کو حرف مدہ نہیں کہتے، مثلاً مَوْتٌ، اب اس واؤ کو حرف مدہ نہیں کہیں گے، یا مَيْتٌ، یا سے ما قبل زبر ہے تو اس کو حرف مدہ نہیں کہیں گے، بلکہ اس وقت پھر اس کو حرف لین کہیں گے، لام، یا، نون، حرفِ لین بھائی، حرفِ لین، لام کے نیچے زیر، حرفِ لین۔ اور پھر اس صورت میں آواز کو لمبا بھی نہیں کریں گے، لہٰذا مَوْتٌ، مَوْت لمبا نہیں کریں گے، کیونکہ یہ واؤ لمبا کرنے کا فائدہ ہی نہیں دے رہا، یہ حرف مدہ ہے ہی نہیں یہاں پر۔ مَيْتٌ میں یا کو لمبا نہیں کریں گے، مَيْتٌ نہیں نہیں، کیوں؟ کیونکہ یہاں حرف مدہ ہے ہی نہیں، یہ صورت سمجھ میں آ گئی؟ لہٰذا اسی لیے فجر کی اذان میں بہت سے مؤذن غلطی کرتے ہیں، کیا؟ اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ، نَوْم، یہ واؤ سے ما قبل کیا ہے نون پر؟ زبر ہے، تو یہ واؤ حرف مدہ نہیں، جب مدہ نہیں یہ زبر کو لمبا بھی نہیں کرے گا، لیکن مؤذن حضرات کیا پڑھتے ہیں؟ اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْوْمِ، لمبا کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ واؤ تو حرف مدہ ہے ہی نہیں۔ لہٰذا جب آپ عرب کی اذان سنیں گے، آپ اس میں دیکھیں گے کہ اس نَوْم کے لفظ کو وہ بڑا ہی مختصر پڑھتے ہیں: اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ، مختصر سا پڑھیں گے، کیونکہ یہ حرف مدہ ہی نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو قَالَ يَقُولُ سے امر کیا آیا؟ قُلْ۔ قُلْ اصل میں کیا تھا؟ تَقُولُ سے بنا ہے، تا گرا دی، لام کو آخر میں جزم دیا، قُولْ ہوا، پھر واؤ اجتماع ساکنین کی وجہ سے گر گیا، کیا بنا؟ قُلْ۔ تو جب دو ساکن اکٹھے ہوں اور ان میں پہلا حرف مدہ ہو تو پھر اس حرف مدہ کو گرا دیتے ہیں۔ یہاں بھی ایسے تھا: وَلِلْمُشَبِّ، اصل میں تھا لام کے بعد الف، اور اس کے بعد ہمزہ گر گیا، پھر اگلا لام ساکن، تو کیا ہے؟ لَالْمُشَبَّهَتَيْنِ، الف ہے بھی نا، لام الف پھر لام ساکن، لَالْمُشَبَّهَتَيْنِ، تو الف بھی ساکن اور آگے لام بھی ساکن، تو اجتماع ساکنین آیا اور ان میں سے پہلا کیا تھا؟ حرف مدہ، الف جس سے پہلے زبر ہے، تو وہ گر گیا، تو کیا بنا؟ لِلْمُشَبِّ، یہ معنی، تو اس طرح پڑھیں گے: اِسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ، وہ ما اور لا جو لیس کے مشابہ ہیں ان کا اسم۔

بھئی ہم بات کس کی پڑھ رہے ہیں؟ مرفوعات کے بارے میں پڑھ رہے ہیں، اور لیس کیا عمل کرتا تھا؟ کس کو رفع دیتا تھا؟ اپنے اسم کو، خبر کو تو وہ نصب دیتا تھا۔ تو اسی لیے پچھلی قسم کے اندر بھی آپ نے پڑھا تھا، كَانَ کا اسم مرفوعات میں سے ہے، اسی طرح ما اور لا کا اسم مرفوعات میں سے ہے، خبر نہیں ہے۔ اس لیے انہوں نے کہا: ما اور لا، وہ ما اور لا جو لیس کے مشابہ ہیں، ان کا اسم، وَهُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ، اور وہ ان کا اسم مسند الیہ ہوتا ہے بَعْدَ دُخُولِهِمَا ان دونوں کے، یعنی ما اور لا جب داخل ہو جائیں تو پھر ان کا اسم کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ ہوتا ہے۔ جیسے: نَحْوُ: مَا زَيْدٌ قَائِمًا، زید کھڑا نہیں ہے۔ وَلَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ،

اور کوئی آدمی آپ سے افضل نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

وَيَخْتَصُّ لَا بِالنَّكِرَةِ وَيَعُمُّ مَا بِالْمَعْرِفَةِ وَالنَّكِرَةِ، یہاں سے دونوں میں فرق بیان کر رہے ہیں، کہ بھئی دونوں ہیں تو لیس کی طرح، یعنی اپنے اسم کو رفع دیں گے اور خبر کو نصب، اور نیز معنی میں نفی پیدا کر دیں گے، لیکن دونوں میں فرق ہے، وہ فرق یہ کہ يَخْتَصُّ لَا بِالنَّكِرَةِ، لا خاص ہے نکرہ کے ساتھ، لا یعنی نکرہ پہ داخل ہو گا، معرفہ پہ نہیں۔ اسی لیے مثال کیا ذکر کی؟ لَا رَجُلٌ، تو دیکھو یہ رَجُلٌ کیا ہے؟ نکرہ ہے۔ کیسے نکرہ ہے؟ اس پر کوئی الف لام داخل ہے؟ نہیں۔ کیا یہ ضمیر ہے؟ اسم اشارہ ہے؟ الف لام بھی اس پر نہیں، کسی کا نام بھی نہیں، وغیرہ جتنی معرفہ کی قسمیں آپ دیکھ رہے ہیں ان میں سے یہ کوئی نہیں، معلوم ہوا یہ نکرہ ہے۔ اور نکرہ پر کیا داخل ہوا؟ لَا۔ تو دیکھو یہ لا جو ہے، یہ صرف نکرہ پہ داخل ہوتا ہے، اسی کے ساتھ خاص ہے، جبکہ ما جو ہے وہ عام ہے، وہ نکرہ پر بھی داخل ہو سکتا ہے اور معرفہ پر بھی۔ مَا زَيْدٌ قَائِمًا، یہ ما دیکھو زید پر داخل ہوا، اور زید کیا ہے؟ نام، معرفہ ہے، علم ہے۔ تو ما معرفہ پر بھی داخل ہو سکتا ہے، یعنی اس کے بعد معرفہ بھی آسکتا ہے اور نکرہ بھی، لیکن لا کے بعد ہمیشہ کیا آئے گا؟ نکرہ آئے گا۔ یہ معنی ہے: وَيَخْتَصُّ لَا بِالنَّكِرَةِ، اور لا جو ہے وہ خاص ہے نکرہ کے ساتھ، وَيَعُمُّ مَا بِالْمَعْرِفَةِ وَالنَّكِرَةِ، اور ما عام ہے معرفہ اور نکرہ کے ساتھ، یعنی وہ معرفہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اور نکرہ کے ساتھ بھی۔

ایک اور فرق بھی ہے دونوں میں، وہ یہ کہ مالیس جیسا عمل کرتا ہے، یہ عام ہے کلام عرب میں۔ آپ بھی کوئی جملہ بنانا چاہیں اور اس پہ ما کو استعمال کرنا چاہیں، تو آپ بھی کر سکتے ہیں، اس کے اسم پر رفع پڑھ لیجیے گا اور خبر پر نصب۔ لیکن لا جو ہے، یہ بہت قلیل استعمال ہوتا ہے، بہت قلیل۔ حتی کہ علماء نے لکھا ہے کہ یہ لا عمل کرتا ہے نکرہ میں لیکن یہ بڑا ہی شاذ ہے۔ بہت ہی قلیل کلام عرب میں استعمال ہوتا ہے۔ حتی کہ حتی کہ آپ اس جیسا کلام کرنا چاہیں، لا کو استعمال کرنا چاہیں، کہتے ہیں نہیں، آپ کے لیے گنجائش نہیں۔ بس جہاں جہاں ہم نے عربوں سے سنا ہے اسی میں لا کا جہاں انہوں نے استعمال کیا ہے، ٹھیک ہے۔ آپ اس پر قیاس کر کے آپ اس جیسا جملہ ذکر کرنا چاہتے ہیں جس میں کیا استعمال کریں؟ لا، اور اسم کو ذکر کریں نکرہ، کہتے ہیں نہیں نہیں۔ اتنا قلیل استعمال ہوا ہے کہ یہ اپنے مورد پر بند ہے۔ جہاں جہاں ہم نے عربوں سے سنا ہے بس وہی جملے ہیں۔ آپ اور جملوں کو اس پر قیاس کرتے ہوئے لا کو استعمال نہیں کر سکتے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا اب ترکیب کر لیجیے بھائی: مَا زَيْدٌ قَائِمًا۔ ما، مامشابہ بلیس۔ زَيْدٌ، جلدی کیجیے بھائی، اب تو آپ ترکیب جلدی کریں بھائی، ماہر ہوں گے۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً، ما کا اسم۔ بھائی مرفوع کیوں؟ مبتدا پہلے تھا، جب ما آگیا، اب اس مبتدا کا کیا نام بن گیا؟ مامشابہ بلیس کا اسم، اور خبر اس کا کیا نام بن گیا؟ مامشابہ بلیس کی خبر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جی، تو زَيْدٌ مرفوع لفظاً مامشابہ بلیس کا اسم۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ مامشابہ بلیس کا اسم ہے اور وہ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے۔ اچھا، اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: زَيْدٌ، دیکھو سنتے سے ہی پتہ چل گیا کہ آپ ضمہ پڑھ رہے ہیں۔ قَائِمًا، اعراب جلدی بھائی، منصوب لفظاً، صیغہ اسم فاعل، شاباش! منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ مامشابہ بلیس کی خبر ہے اور وہ اپنی خبر کو نصب دیتا ہے، تو اس لیے یہ منصوب ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ جس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھایئے: قَائِمًا۔ جی آگے کیجیے، صیغہ اسم فاعل، آگے۔ شاباش! هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ زید کو۔ کیوں، زید کو کیوں راجع؟ کیونکہ مامشابہ بلیس کی خبر کو اس مامشابہ بلیس کے اسم کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ خود ما کی طرف نہیں ضمیر لوٹانی کیونکہ وہ تو حرف ہے بھائی، اور حرف کی طرف ضمیر نہیں لوٹتی۔ تو قَائِمًا اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو راجع ہے زید کو، یہ آپ نے عائد بتلا دیا۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مامشابہ بلیس کی خبر۔ مامشابہ بلیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوا، جملہ اسمیہ یا جملہ فعلیہ؟ جملہ اسمیہ ہوا، کوئی فعل آیا یہاں شروع میں؟ نہیں، ہاں وہ لَيْسَ، كَانَ وہ فعل تھے، اگر وہ ہوتے تو پھر ہم کیا کہتے؟ جملہ فعلیہ۔ تو یہ تو حرف ہے، حرف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو جملہ اسمیہ خبریہ ہوا: مَا زَيْدٌ قَائِمًا۔ ترجمہ کیا ہے؟ زید کھڑا نہیں ہے۔

وَلَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ، چلیے جی اب اس کی ترکیب کیجیے۔ لَا، لا مامشابہ بلیس۔ رَجُلٌ مرفوع لفظاً اس کا اسم، جی مرفوع کیوں؟ کیونکہ لا مامشابہ بلیس کا اسم ہے۔ لفظاً کیوں؟ جس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: رَجُلٌ۔ جی آگے، أَفْضَلَ، اعراب بھائی، جی، منصوب لفظاً، ہاں اوپر زبر نظر بھی آرہی ہے آپ کو، منصوب لفظاً، آگے۔ جی، منصوب لفظاً صیغہ اسم تفضیل۔ منصوب لفظاً صیغہ اسم تفضیل۔ آپ نے گردان یاد ہے یا بھول گئے بھائی؟ ضَرَبَ يَضْرِبُ ضَرْبًا فَهُوَ ضَارِبٌ سے، وَأَفْعَلُ التَّفْضِيلِ الْمُذَكَّرُ مِنْهُ أَضْرَبُ، أَفْضَلُ، دیکھو وہی وزن ہے۔ اور لیکن یہ ہے أَفْضَلَ، منصوب ہے، منصوب کیوں؟ کیونکہ لا مامشابہ بلیس کی خبر ہے، تو أَفْضَلَ منصوب لفظاً صیغہ اسم تفضیل۔ اور میں نے بتایا تھا کہ اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل اور مبالغے کے صیغے، ان کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ یہ فعل کی طرح ہوتے ہیں۔ فعل کے لیے جیسے ہمیشہ فاعل چاہیے یا نائب فاعل، فعل معروف ہو تو فاعل

چاہیے، فعل مجہول ہو تو نائب فاعل۔ اسی طرح صفت کے صیغوں میں بھی فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ کس کے لیے فاعل چاہیے، کس کے لیے نائب فاعل؟ میں نے بتایا تھا کہ اسم مفعول کے لیے نائب فاعل چاہیے، باقیوں کے لیے فاعل چاہیے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو أَفْضَلَ کے لیے، اسم تفضیل ہے، اس کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل۔ اب بتایئے، آگے کوئی فاعل آرہا ہے؟ کوئی ایسا اسم آپ کو آگے نظر آرہا ہے جو مرفوع ہو، جس کو اس نے رفع دیا ہو؟ آگے تو کوئی نہیں۔ پھر کیا کرتے ہیں؟ اسی کے اندر ضمیر نکالتے ہیں، نکالیے بھائی، اس کے اندر هُوَ ضمیر۔ اس کا اعراب بتاؤ: مرفوع محلاً۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے اس کا، شاباش! اور محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے۔ تو اس هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو راجع ہے کس کو؟ رجل کو بھائی، جی۔ اور ضمیر مرجع میں مطابقت بھی دیکھ لیا کریں، ضمیر بھی مفرد مذکر، رجل کا لفظ بھی کیا ہے؟ مفرد مذکر۔ تو هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ آگے مِنْكَ، میں نے آپ کو ترکیب کروائی تھی بھائی، جار مجرور کی ترکیب۔ جار مجرور جب بھی کلام میں آئے، آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے ضرور متعلق ہو گا: نمبر ایک فعل، نمبر دو مصدر، نمبر تین اسم فاعل، نمبر چار اسم مفعول، نمبر پانچ صفت مشبہ، نمبر چھ اسم تفضیل، نمبر سات مبالغے کے صیغے، اور نمبر آٹھ اسم فعل۔ دوبارہ دہراؤ بھائی، جار مجرور جب بھی کلام میں آئے آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ضرور متعلق ہوں گے: نمبر ایک فعل، نمبر دو مصدر، نمبر تین اسم فاعل، نمبر چار اسم مفعول، نمبر پانچ صفت مشبہ، نمبر چھ اسم تفضیل، نمبر سات مبالغے کے صیغے، اور نمبر آٹھ اسم فعل۔ یاد ہے کہ بھول گئے بھائی؟ ہاں پھر دو ہرائیں، ان کو بار بار دہرایا کرو، یہ ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونے چاہئیں، کیونکہ ترکیب میں ان کا ذہن میں ہونا ضروری ہے، کیونکہ ترکیب میں ہر جگہ جار مجرور آتے ہیں یا نہیں آتے؟ تقریباً ہر جملے میں جار مجرور آتے ہیں، اور یہ آٹھ چیزیں آپ کے ذہن میں ہوں گی تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ان میں سے کسی کے ساتھ جوڑنا ہے، اور پھر ڈھونڈیں گے کہ ان میں سے کوئی ہے یہاں پر یا نہیں۔ تو آگے آرہا ہے مِنْكَ، کیا ہے؟ جار مجرور، اور جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے جڑتا ہے، ان میں سے کوئی ہے یہاں پر؟ جی، کیا چیز ہے؟ أَفْضَلَ اسم تفضیل ہے، شاباش، معلوم ہوا یہ اس کے ساتھ جڑے گا۔ اور ویسے بھی آپ آگے پڑھیں گے، صاحب کتاب آپ کو بتلائیں گے، اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں: یا یہ مِنْ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے یہاں پر ہے: أَفْضَلَ مِنْكَ، یا اس پر الف لام داخل ہوتا ہے: اَلْأَفْضَلُ، یا اس کی اضافت ہوتی ہے آگے مضاف الیہ آتا ہے۔ تین طریقوں میں سے ایک میں ضرور آئے گا، ایک میں ضرور استعمال ہو گا۔ تو یہ مِنْ کے ساتھ استعمال ہے، تو مِنْ حرفِ، مِنْ جَارَّہ، کاف ضمیر مجرور، مجرور کون سا؟ مجرور محلاً۔ محلاً کیوں؟ مجرور کیوں پہلے یہ بتایئے؟ کیونکہ مِنْ جَارَّہ داخل ہے، وہ جر دیتا ہے۔ محلاً کیوں کہہ رہے ہو؟ کیونکہ ضمیر ہے، ضمیر کس میں سے ہے؟ مبنیات میں سے۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ تو جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے؟ أَفْضَلَ اسم تفضیل۔ أَفْضَلَ اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ وہ صفت کے جتنے صیغے میں نے ذکر کیے ہیں نا وہ سارے کیا بنیں گے؟ شبہ جملہ۔ تو یہ شبہ جملہ ہو کر خبر۔ لَا مشابہ بلیس وہ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا: لَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

سوال: أَفْضَلَ کیوں کہا، أَفْضَلًا مِنْكَ تنوین کیوں نہیں لائے؟ أَفْضَلًا، تنوین کیوں نہیں لائے؟ کیونکہ یہ اسم تفضیل غیر منصرف ہے، غیر منصرف ہے یہ، سمجھ میں آیا؟ اسم تفضیل جگہ جگہ کلام میں عام استعمال ہو گا، تو یہ غیر منصرف عموماً استعمال ہو گا، ہاں الف لام اس پر آجائے تو پھر کسرہ آئے گا ویسے نہیں۔ تو یہ غیر منصرف ہے، اور آپ نے پڑھا ہے غیر منصرف پر کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں، اس لیے تنوین نہیں آئی ورنہ تنوین آنی تھی۔ اور تو یہ غیر منصرف ہے۔ بھئی غیر منصرف تو وہ ہے جس میں دو اسبابِ منع صرف ہوں، یا ایک سبب دو کے قائم مقام ہو۔ ایک سبب دو کے قائم مقام ہو وہ تو صرف دو ہیں، کون کون سے؟ جمع منتہی الجموع ہے، اس کا وزن، اور الفِ تانیث ہے۔ تانیث والا الف خود بھی، وہ بھی کیا ہے؟ دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ تو باقی تو سب کے لیے دو سبب الگ الگ چاہئیں، تو یہاں کون سے دو سبب ہیں؟ یہ تو جمع منتہی الجموع کا وزن بھی نہیں اور اس کے آخر میں تو کوئی الف بھی نہیں ہے تانیث والا۔ کون سے دو سبب ہیں؟ نمبر ایک: وزنِ فعل ہے، أَفْضَلَ، أَكْرَمَ، أَكْرَمَ پڑھا ہے یا نہیں آپ نے؟ آخری حرف کو نہ دیکھو باقی کو دیکھو، أَفْضَلَ، أَكْرَمَ، وہی وزن بن رہا ہے یا نہیں؟ اچھا تو ایک تو وزن فعل ہے، دوسرا صفت ہے، صفت۔ آپ نے پڑھا تھا یا نہیں، اسباب منع صرف میں سے ایک صفت بھی ہے، نعت بھی ہے، یاد ہے کہ بھول گیا؟ جی ہاں، اس میں آپ نے پڑھا تھا کہ اصل وضع میں صفت ہونی چاہیے، اس لیے مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ، یہ أَرْبَعٍ کا لفظ غیر منصرف نہیں ہے، کیونکہ أَرْبَعَةٌ کا لفظ عدد کے لیے وضع ہے اصل میں، صفت کے لیے وضع نہیں، تو اصل وضع۔ تو صفت بھی ایک سبب ہے غیر انصراف کا، اور افضل تو ہے ہی صفت کا صیغہ، یہ تو وضع ہی کس کے لیے ہے؟ صفت کے۔ تو دو سبب کون کون سے ہوئے؟ ایک وزن فعل اور ایک وصفیت، وصفیت۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ اسم تفضیل تو بہت عام استعمال ہوتا ہے، سمجھ میں آئی بات؟ تو یہ ہمیشہ ہی غیر منصرف ہو گا۔ کبھی کبھی اس پر الف لام آجائے گا یا اس کی اضافت بھی ہو گی، لیکن زیادہ تر یہ مِنْ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، سمجھ میں آیا؟ تو یہ غیر منصرف پڑھنا ہے آپ نے، اس پر کسرہ اور تنوین نہیں پڑھنی، جیسے یہاں پر ہے: أَفْضَلَ مِنْكَ۔ اگر یہ غیر منصرف نہ ہوتا تو أَفْضَلًا مِنْكَ ہونا چاہیے تھا بھائی۔ جی، اب پھر بتایئے مجھے، أَفْضَلَ اس پر کسرہ اور، اس پر تنوین کیوں نہیں آئی؟

کیونکہ غیر منصرف ہے۔ کون سے دو اسباب ہیں منع صرف کے؟ وزن فعل اور وصفیت۔

اچھا، اب مجھے ایک اور سوال کا جواب دیجیے: لَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ۔ آپ نے پڑھا ہے کہ اِنَّ اور اَنَّ، اسی طرح کَانَ اور افعال ناقصہ، اور اسی طرح ما اور لا مشابہ بلیس، یہ سارے کس پر داخل ہوتے ہیں؟ مبتدا اور خبر پر، کس پر داخل ہوتے ہیں؟ اور یہ، تو بعض ان میں سے اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور خبر کو نصب، اور بعض اسم کو نصب دیتے ہیں اور خبر کو رفع۔ لیکن بہر حال ان کا اسم مبتدا کے درجے میں ہوتا ہے اور ان کی خبر مبتدا کی خبر کے درجے میں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جیسے: مَا زَيْدٌ قَائِمًا، اب یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ مامشابہ بلیس کا اسم، لیکن یہ مبتدا ہی کے درجے میں ہے، سمجھ میں آیا؟ کیونکہ یہ پہلے تھا بھی کیا؟ مبتدا ہی تھا نا، تو یہ اسی کی طرح ہے، اسی کے احکامات یہاں بھی جاری ہوں گے، اور قَائِمًا پہلے کس کی خبر تھی؟ مبتدا۔ اب اگرچہ مامشابہ بلیس کی خبر ہے لیکن یہ مبتدا کی خبر کے درجے میں ہی ہے اور اس میں بھی وہی قوانین جاری ہوں گے جو کس کے اندر تھے؟ مبتدا کی خبر۔ تو لَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ، اس میں رَجُلٌ کیا ہے؟ لامشابہ بلیس کا اسم ہے، لیکن یہ کس کے درجے میں؟ مبتدا کے درجے میں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اشکال ہوتا ہے کہ رَجُلٌ کیسے مبتدا بن سکتا تھا؟ یہ تو نکرہ ہے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ مبتدا کے لیے تو کیا ہو، اصل کیا ہے اس کے اندر؟ معرفہ ہونا۔ ہاں نکرہ مبتدا بن سکتا ہے بشرطیکہ اس میں تخصیص آجائے، اور تخصیص کے چھ طریقے تھے، ان میں سے کوئی ایک طریقہ یہاں پر نظر آیا آپ کو؟ کون سا طریقہ؟ کہ نکرہ تحت النفی آگیا۔ نکرہ تحت النفی آگیا، دیکھو رَجُلٌ کے اوپر لا داخل ہو گیا، یعنی اور اس کا کیا نام تھا؟ تخصیص بالعموم، تخصیص بالعموم۔ آپ نے پڑھا تھا کہ نکرہ جب تحت النفی آجائے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: أَحَدٌ مِنْهُمْ أَفْضَلُ مِنْكَ، أَحَدٌ مِنْهُمْ، مثلاً جماعت میں دس لڑکے ہیں، میں کہتا ہوں ان میں سے کوئی ایک آپ سے افضل ہے، تو کیا کہوں گا؟ أَحَدٌ مِنْهُمْ، ان میں سے کوئی ایک، أَفْضَلُ مِنْكَ، آپ سے افضل ہے۔ اب اس میں کتنے احتمال؟ دس۔ أَحَدٌ میں دس میں سے ایک افضل ہے نا، ہو سکتا ہے یہ پہلے نمبر والا ہو، یہ ہو سکتا ہے دوسرے والا ہو، تیسرے والا ہو، چوتھا ہو، تو أَحَدٌ میں کتنے احتمال؟ دس۔ لیکن جب اس کے اوپر نفی آ گئی: مَا أَحَدٌ خَيْرًا مِنْكَ، ان میں سے کوئی ایک بھی آپ سے افضل نہیں ہے، اب کتنے احتمال؟ اب سارے احتمال ختم ہو گئے، گویا سارے دس کے دس طلباء کی ایک گٹھڑی بنا کر اکٹھی ان کی نفی کر دی کہ ان میں سے کوئی بھی آپ سے افضل نہیں۔ تو أَحَدٌ مِنْهُمْ اس میں کتنے احتمال تھے؟ دس۔ اور مَا أَحَدٌ اس کے اندر ایک ہی احتمال ہے، اور کوئی احتمال نہیں، یہ سب کی اکٹھی نفی کر رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں بھی اسی طرح لَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ، کوئی مرد بھی آپ سے افضل نہیں ہے۔ اگر لا نہ ہوتا تو کیوں، کیسے ہوتا؟ رَجُلٌ أَفْضَلُ مِنْكَ، ایک آدمی آپ سے بہتر ہے، ایک مرد آپ سے بہتر ہے۔ دنیا میں فرض کریں ایک ارب مرد ہیں، کتنے؟ اور میں نے کہا: رَجُلٌ أَفْضَلُ، ایک مرد آپ سے افضل ہے، اب یہ پہلا مرد بھی ہو سکتا ہے، دوسرا بھی، تیسرا بھی، تو اس رجل میں کتنے احتمال؟ ایک ارب احتمال آگئے۔ اور جب میں نے کہا: لَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ، کوئی مرد آپ سے افضل نہیں ہے، گویا میں نے ان ساروں کی اکٹھی نفی کر دی، تو ایک ہی احتمال ہے یہاں پر کہ اکٹھی سب کی نفی ہو رہی ہے، وہ سارے احتمالات ختم ہو گئے۔ تو احتمالات، باقی احتمالات کو ختم کرنا یا باقی احتمالات کو کم کرنا، اسی کا نام تو تخصیص تھا۔ تخصیص کسے کہتے تھے؟ باقی احتمالات کو ختم کرنا یا ان کو کم کرنا۔ تو یہاں پر بھی جب لَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ کہا، باقی احتمالات کیا ہوئے؟ ختم۔ تو یہاں تخصیص آگئی، تو اس کو کہتے ہیں تخصیص بالعموم۔ کس کی وجہ سے تخصیص آئی؟ عموم۔ لَا رَجُلٌ نے ہر مرد کو اپنے دامن میں لے کر سب کی اکٹھی نفی کر دی، عموم آیا، سارے مرد اس میں آگئے اور اکٹھی سب کی کیا ہو گئی؟ نفی۔ یہ ہے تخصیص بالعموم۔ بات سمجھ میں آگئی؟ رَجُلٌ میں کتنے فرض کرو احتمال تھے؟ ایک ارب۔ اور لَا رَجُلٌ اس میں ایک ہی احتمال ہے، عموم آیا، اس نے ساروں کو اپنے دامن میں لیا اور سب کی اکٹھی نفی کر دی۔

آگے دیکھیے بھائی: فَصْلٌ: خَبَرُ لَا لِنَفْيِ الْجِنْسِ، وَهُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُولِهَا، نَحْوُ: لَا رَجُلَ قَائِمٌ۔ آٹھواں مرفوع آگیا، آخری، مرفوعات میں سے آخری۔ آٹھواں مرفوع کیا ہے؟ کہتے ہیں: خَبَرُ لَا، اس لا کی خبر، لِنَفْيِ الْجِنْسِ جو کس لیے ہو؟ نفی جنس کے لیے ہو۔ اصل میں یہاں الجنس سے پہلے صفت کا لفظ محذوف ہے: خَبَرُ لَا لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ۔ توجہ ہے؟ خَبَرُ لَا لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ، کیونکہ یہ جو لا ہے، یہ جنس کی نفی نہیں کرتا، جنس کی، جنس سے صفت کی نفی کرتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: لَا رَجُلَ قَائِمٌ، کیا معنی؟ کوئی آدمی کھڑا نہیں۔ اب آپ مجھے بتائیے، میں نے آدمیوں کی نفی کی کہ کوئی آدمی موجود ہی نہیں ہے، یا میں نے آدمیوں سے قیام کی صفت کی نفی کی؟ قیام کی صفت کی نفی کی، تو یہ جو لا ہوتا ہے، یہ جنس کی نفی نہیں کرتا کہ یہ والی جنس موجود ہی نہیں ہے، بلکہ یہ اس جنس سے کیا کرتا ہے؟ صفت کی نفی کرتا ہے، جیسے: لَا رَجُلَ قَائِمٌ، اس نے جنس رجل کی نفی نہیں کی کہ جنس رجل دنیا میں ہے ہی نہیں کوئی، بلکہ کیا، کس چیز کی نفی کی؟ جنس رجل سے ایک صفت، اور وہ صفت کون سی ہے؟ قیام، اس کے قیام کی نفی کی کہ کوئی مرد کھڑا نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لیکن چونکہ لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ، اس میں بات ذرا لمبی ہو جاتی تھی تو اس کو مختصر کرنے کے لیے صفت کے لفظ کو کیا کر دیا جاتا ہے؟ حذف، کہ لائے نفی جنس کہتے ہیں، البتہ پتہ سب کو ہوتا ہے کہ نفی جنس کے لیے نہیں ہوتا بلکہ نفی صفت جنس کے لیے ہوتا ہے۔

تو اور لائے نفی جنس، بھائی پہلے آیا تھا ما اور لا مشابہ بلیس، ان کی خبر مرفوع ہوتی ہے یا ان کا اسم؟ ان کا اسم مرفوع ہے۔ اور لیکن یہ جو لائے نفی جنس ہے، اس کی خبر مرفوع ہوتی ہے، اس کی خبر پر رفع آتا ہے، اسی لیے کہا: خَبَرُ لَا لِنَفْيِ الْجِنْسِ، لائے نفی جنس کی خبر، وَهُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُولِهَا، اور مجھے بتایئے، اسم ہو تو وہ مسند الیہ ہوتا ہے اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مسند۔ یہی بات ذکر کر رہے ہیں: وَهُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُولِهَا، اور لائے نفی جنس کی خبر وہ مسند ہوتی ہے لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد، نَحْوُ: لَا رَجُلَ قَائِمٌ، جیسے لَا رَجُلَ قَائِمٌ، کوئی مرد کھڑا نہیں ہے۔ جی ترکیب کیجیے، لَا لائے نفی جنس، رَجُلَ، رَجُلَ یاد رکھیے مبنی علی الفتح۔ یہ لائے نفی جنس ابھی اس کی تفصیل آگے آئے گی، یہ بات کر رہے ہیں ابھی صرف لائے نفی جنس کی خبر کی، خبر کی بات کی ہے انہوں نے، ہم کس بحث اس وقت کس کی چل رہی ہے؟ مرفوعات، اور دیکھو: لَا رَجُلَ قَائِمٌ، یہ قَائِمٌ خبر ہے اور یہ کیا ہے؟ مرفوع۔ تو انہوں نے صرف اس کی بات کی، آگے لائے نفی جنس کا اسم، وہ کبھی کبھار مبنی بھی ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ وہ آگے چل کر آپ کو بتائیں گے، جب منصوبات کی بات آئے گی وہاں چل کر آپ کو بتائیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لَا رَجُلَ قَائِمٌ، تو لَا لائے نفی جنس، رَجُلَ، منصوب نہیں، مبنی، مبنی علی الفتح، فتح ہے نا، آخر میں زبر ہے، مبنی ہے اس پر یہ، تو مبنی علی الفتح لائے نفی جنس کا اسم، قَائِمٌ مرفوع لفظاً۔ تو وہ لَا رَجُلَ مبنی ہے، مبنی ہے، اور قَائِمٌ مرفوع لفظاً۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ لائے نفی جنس کی خبر ہے، اور ہم مرفوعات کی بحث پڑھ رہے ہیں اور لائے نفی جنس کی خبر بھی کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ تو مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ رجل، یعنی یوں کہیں، لائے نفی جنس کے اسم کو، کس کو راجع؟ اور ضمیر مرجع میں مطابقت ہے، رجل بھی مفرد مذکر، هُوَ ضمیر بھی مفرد مذکر۔ تو صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر لائے نفی جنس کی خبر۔ لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ اچھی طرح؟

اچھا، سوال: سوال یہ: لَا رَجُلَ قَائِمٌ، اس پہ دیکھیے بھائی، دیکھیے قَائِمٌ کو کہا مرفوع لفظاً، تو سوال پیدا ہوتا ہے رَجُلَ، رَجُلَ اس کو کیا کہا انہوں نے؟ مبنی علی الفتح۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے، اس کو منصوب لفظاً کیوں نہیں کہا؟ اس کو منصوب لفظاً کیوں نہیں کہتے؟ قَائِمٌ کو مرفوع لفظاً کہہ رہے ہو اور رَجُلَ کو منصوب لفظاً نہیں کہہ رہے بلکہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ مبنی علی الفتح۔ جواب یہ کہ رَجُلَ منصوب نہیں ہے بلکہ یہ مبنی ہے، کیونکہ اگر یہ معرب ہوتا، معرب ہوتا، منصوب لفظاً ہوتا تو پھر لَا رَجُلًا تنوین آنی چاہیے تھی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور تنوین تو یہاں نہیں آئی، لَا رَجُلًا، لَا رَجُلَ آیا ہے یہاں پر، معلوم ہوا یہ معرب نہیں ہے، اس وقت مبنی ہے۔ سمجھ میں آیا؟ مبنی پر تنوین نہیں آتی، تو یہ کیا ہے؟ معلوم ہوا مبنی ہے، معرب نہیں ہے، لہٰذا اس کو مبنی علی الفتح کہیں گے، منصوب لفظاً نہیں کہیں گے۔ وجہ سمجھ میں آئی؟ کیا وجہ؟ منصوب لفظاً ہم کیوں نہیں کہہ رہے؟ کیونکہ یہ مبنی ہے۔ کیسے پتہ چلا آپ کو مبنی ہے؟ کیونکہ اس پر تنوین نہیں آ رہی، تو جہ ہے؟ کیونکہ اس پر اگر تنوین آتی تو پتہ چلتے، تو پتہ چل جاتا یہ معرب ہی ہے اور ہم کہتے منصوب لفظاً، لیکن تنوین نہیں آرہی، معلوم ہوا یہ معرب ہے ہی نہیں اس وقت، یہ کیا ہے؟ مبنی۔ اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اوپر لَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ، وہاں أَفْضَلَ پر تنوین نہیں تھی، اس کو آپ نے منصوب لفظاً ہی کہا، اور لَا رَجُلَ کے اندر رَجُلَ کو مبنی علی الفتح کہہ رہے ہیں، یا تو دونوں کو کیا کہیں؟ منصوب لفظاً کہیں، یا دونوں کو مبنی علی الفتح کہیں، دونوں میں فرق کیوں کر رہے ہیں؟ سوال سمجھ میں آیا؟ جواب یہ کہ لَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ، وہاں أَفْضَلَ کو ہم نے مبنی نہیں کہا، وہ معرب ہی ہے، مبنی نہیں ہے۔ وہاں جو تنوین نہیں آئی، صرف اس وجہ سے کہ وہ غیر منصرف ہے بھائی، غیر منصرف۔ تو وہاں مانع تنوین یہ چیز موجود تھی، اس لیے تنوین نہیں آئی، جبکہ رَجُلَ، رَجُلَ تو غیر منصرف نہیں ہے، ضابطے کے مطابق اگر یہ منصوب ہوتا تو اس پر کیا آنی چاہیے تھی؟ تنوین آنی چاہیے تھی بھائی، لَا رَجُلًا ہونا چاہیے تھا، لیکن تنوین نہیں آرہی، بات سمجھ میں آگئی؟ غیر منصرف میں تو دو اسباب منع صرف ہوتے ہیں نا، رجل میں تو کوئی دو اسباب منع صرف نہیں ہیں، کوئی ایک بھی نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو اس میں دو اسباب منع صرف نہیں اور پھر بھی اس پر تنوین نہیں آرہی، معلوم ہوا یہ اس وقت معرب ہے ہی نہیں بلکہ کیا ہے؟ مبنی ہے، اس لیے ہم نے بھی کہا کہ رَجُلَ مبنی علی الفتح لائے نفی جنس کا اسم، اور قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اور وہ پھر شبہ جملہ ہو کر لائے نفی جنس کی خبر۔ اچھی طرح فرق سمجھ میں آگیا؟ أَفْضَلَ میں کیا کہنا ہے؟ منصوب لفظاً، اور رَجُلَ میں کیا کہنا ہے؟ مبنی علی الفتح بھائی۔

آگے دیکھیے بھائی: اَلْمَقْصَدُ الثَّانِي فِي الْمَنْصُوبَاتِ، دوسرا مقصد ہے منصوبات کے بیان میں۔ مقصدِ اوّل مکمل ہوا، اس میں کیا بیان ہوئے؟ مرفوعات۔ کتنے مرفوعات ہوئے؟ آٹھ۔ اب منصوبات بیان ہونے لگے ہیں، کہتے ہیں: اَلْمَقْصَدُ الثَّانِي فِي الْمَنْصُوبَاتِ، دوسرا مقصد منصوبات کے بارے میں ہے۔ اَلْأَسْمَاءُ الْمَنْصُوبَةُ اثْنَا عَشَرَ قِسْمًا، اسمائے منصوبہ، وہ اسم جو منصوب ہوتے ہیں، اثْنَا عَشَرَ قِسْمًا، وہ کتنی قسم پر ہیں؟ بارہ قسم کے ہیں۔ وہ بارہ کون کون سے ہیں؟ اَلْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ، وَبِهِ، وَفِيهِ، وَلَهُ، وَمَعَهُ، وَالْحَالُ، وَالتَّمْيِيزُ، وَالْمُسْتَثْنَى، وَاسْمُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا،

وَخَبَرُ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا، وَالْمَنْصُوبُ بِلَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ، وَخَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ۔ یہ ہیں بارہ بھائی۔ نمبر ایک کیا ہے؟ اَلْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ۔ آگے دوسرا، بِهِ جو ہے نا، اس سے یہ ہے اصل میں اَلْمَفْعُولُ بِهِ، اس کو بار بار ذکر نہیں کر رہے کیونکہ ایک دفعہ ذکر کر دیا، اَلْمَفْعُولُ بِهِ۔ تیسرا ہے: اَلْمَفْعُولُ فِيهِ۔ تیسرا ہے مفعول لہ، چوتھا ہے مفعول، نہیں پانچواں، پہلا کیا ہے؟ مفعول مطلق، دوسرا ہے مفعول بہ، تیسرا ہے مفعول فیہ، چوتھا ہے مفعول لہ، پانچواں ہے مفعول معہ، چھٹا ہے حال، ساتواں ہے تمیز، آٹھواں ہے مستثنیٰ، نواں ہے اِنَّ اور اس کے مشابہ حروف جو ہیں ان کا اسم، یہ منصوب ہوتا ہے، اور دسواں ہے كَانَ اور اس کے جو مشابہ افعال ہیں ان کی خبر، وہ بھی منصوب ہوتی ہے، اور گیارہواں ہے وَالْمَنْصُوبُ بِلَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ، لائے نفی جنس کا منصوب، اور وَخَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ، اور ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر۔ یہ ہیں منصوبات بھائی، یہ بارہ ہیں۔ اب آگے ان کی تفصیل بیان کرنے لگے ہیں، کہتے ہیں:

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ: وَهُوَ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى...

فَصْلٌ: اَلْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ: وَهُوَ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى فِعْلٍ مَذْكُورٍ قَبْلَهُ۔ سب سے پہلے مفعول مطلق بیان کرنے لگے ہیں۔ بھائی آپ کو جب کلام میں کسی لفظ کے بارے میں پتہ چل جائے کہ یہ مفعول مطلق ہے، ساتھ ہی ایک اور بات کا بھی فوراً پتہ چل جانا چاہیے کہ اس پر کون سے، کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ نصب پڑھنا ہے، یہ منصوب ہو گا۔ تو سب سے پہلے ان میں مفعول مطلق ہے، بھائی مفعول مطلق کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: وَهُوَ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى فِعْلٍ مَذْكُورٍ قَبْلَهُ، وَهُوَ مَصْدَرٌ، وہ ایسا مصدر ہے، دیکھیے مصدر نکرہ ہے، مصدر نکرہ کس طرح ہے؟ کیونکہ یہ ضمیر بھی نہیں ہے، یہ اسم اشارہ بھی نہیں ہے، یہ اسم موصول بھی نہیں ہے، یہ کسی کا نام بھی نہیں ہے زید، عمر، بکر کی طرح، اور نیز اس پر الف لام بھی داخل نہیں، اور یہ ان میں سے کسی کی طرف مضاف بھی نہیں، تو یہ نکرہ ہوا۔ اور نکرہ کے بعد بِمَعْنَى جار مجرور آیا، جار مجرور، اور جار مجرور اگر نکرہ کے بعد آئیں اور کسی سے نہ جڑ رہے ہوں تو وہ اس نکرہ کے لیے صفت بنتے ہیں۔ تو معلوم ہوا مصدر ہوا موصوف اور بِمَعْنَى ہوا اس کی صفت، اور موصوف صفت جب نکرہ ہوں تو اس کے ترجمہ کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ صفت کو کیا کر دو؟ موصوف پر اردو میں مقدم کر دو: رَجُلٌ شُجَاعٌ، اردو میں کیا ترجمہ کریں گے؟ بہادر آدمی۔ اور دوسرا طریقہ کیا ہے؟ ایسا یا ایسی کا لفظ لے آؤ اور موصوف کو اردو میں بھی مقدم ہی رکھو، بہادر کو مؤخر کر دو: رَجُلٌ دیکھو مقدم ہے نا، تو اردو میں بھی اس کو مقدم رکھو: ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہو گا: وَهُوَ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى کہ مفعول مطلق وہ ایسا مصدر ہے بِمَعْنَى فِعْلٍ جو کس معنی میں ہو؟ جو فعل کے معنی میں ہو۔ کون سا فعل؟ فِعْلٍ مَذْكُورٍ قَبْلَهُ، ایسا فعل جو اس مصدر سے پہلے مذکور ہو، اس مصدر سے پہلے اس کا ذکر کیا گیا ہو۔

آسان لفظوں میں پہلے سمجھ لو بھائی، یاد رکھو مفعول مطلق یہ مصدر کا نام ہے، کس کا نام ہے؟ مصدر۔ اور اس سے پہلے اسی کا ہم معنی فعل ہو گا۔ توجہ ہے؟ یہ مصدر ہے، اس کو مفعول مطلق کہیں گے، کب؟ جب اس سے پہلے اسی کا ہم معنی فعل گزرا ہو اسی جملے میں، اسی جملے میں، جیسے: ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا، ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا۔ تو دیکھو، ضَرَبْتُ زَيْدًا، میں نے زید کی پٹائی کی، آگے پھر آیا: ضَرْبًا، اور ضَرَبَ گردان پڑھیں ضَرَبَ کی، ضَرَبَ يَضْرِبُ ضَرْبًا، یہ ضَرْب دیکھو مصدر ہے، تو ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا، آخر میں مصدر آرہا ہے اور اس مصدر سے قبل اسی جملے میں کیا ہے؟ ضَرَبْتُ کا فعل گزرا ہے یا نہیں گزرا؟ تو یہ دیکھو یہ مفعول مطلق ہے معلوم ہوا، اور اسی لیے منصوب ہے: ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا۔ زَيْدًا کو چلو نکال دو ذرا: ضَرَبْتُ ضَرْبًا۔ یہ ضَرْبًا کیوں آپ سے کوئی پوچھ لے یہ کیوں منصوب ہے؟ آپ فوراً کیا کہیں گے؟ یہ مفعول مطلق ہے۔ وہ کہیں گے مفعول مطلق کسے کہتے ہیں؟ آپ فوراً کہیں گے: وہ مصدر جس سے پہلے اسی کا ہم معنی فعل۔ ضرب کا معنی بھی پٹائی کرنا اور ضَرَبْتُ کا بھی کیا معنی ہے؟ پٹائی کرنا، دیکھا اسی کا ہم معنی فعل گزرا۔ تو وہ مصدر جس سے ماقبل اس جملے میں اسی کا ہم معنی فعل گزرا ہو، تو اس مصدر کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول مطلق، اور وہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔

اور پھر یہ بھی یاد رکھنا کہ دونوں کا معنی ایک ہونا ضروری ہے، باب چاہے الگ الگ ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، مادہ الگ الگ ہو اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ معنی ایک ہونا چاہیے، ضَرَبْتُ کا معنی بھی پٹائی کرنا اور ضَرْبًا کا معنی بھی پٹائی کرنا۔ اگر باب الگ الگ ہوں لیکن معنی ایک ہو کوئی فرق نہیں پڑتا، جیسے آگے مثال آئے گی صاحبِ ہدایہ خود ذکر کریں گے: أَنْبَتَ نَبَاتًا۔ أَنْبَتَ، کون سا صیغہ ہے، کس باب سے ہے؟ أَنْبَتَ، شاباش! بابِ افعال سے، أَنْبَتَ، أَكْرَمَ، أَنْبَتَ بروزنِ أَكْرَمَ، سمجھ میں آیا؟ یہ تا، تا اس باب کا مادہ ہے، یہ تا مخاطب کی ضمیر نہیں ہے، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ نَبَتَ، نون، با، تا، یہ اس کا مادہ ہے جیسے أَكْرَمَ میں مادہ کیا ہے؟ کاف، را، میم۔ تو أَنْبَتَ میں مادہ کیا؟ نون، با، تا، أَنْبَتَ۔ مخاطب والی ضمیر جو ہے وہ الگ آئے گی آگے اگر آپ گردان پڑھیں گے: أَنْبَتَ أَنْبَتَا أَنْبَتُوا أَنْبَتَتْ أَنْبَتَتَا أَنْبَتْنَ أَنْبَتَّ، دیکھا؟ تا مشدد ہو گئی، دوسری تا بھی آئی اور آپس میں دونوں کا کیا ہو گیا؟

ادغام۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ أَنْبَتَ تو وہ الگ، تو یہ نَبَتَ کی تا اپنی ہے۔ تو أَنْبَتَ، کون سا صیغہ، کس باب سے؟ بابِ افعال سے، ماضی کا صیغہ ہے، اور بابِ افعال مجھے بتایئے، ثلاثی مجرد ہے یا ثلاثی مزید فیہ ہے؟ ثلاثی مزید فیہ ہے۔ اور آگے ہے نَبَاتًا: أَنْبَتَ نَبَاتًا، صاحبِ ہدایۃ النحو مثال ذکر کریں گے، تو نَبَاتًا وہ مجرد سے ہے، کس سے ہے؟ مجرد سے۔ تو أَنْبَتَ نَبَاتًا، اور یہ نَبَاتًا کوئی آپ سے پوچھے یہ منصوب کیوں؟ آپ فوراً کیا کہیں گے؟ یہ مفعول مطلق ہے، نَبَاتًا کیا ہے؟ یہ مصدر ہے، مفعول مطلق ہے۔ تو مفعول مطلق کسے کہتے ہیں؟ جس سے پہلے، وہ مصدر جس سے پہلے اسی کا ہم معنی فعل ہو۔ تو نَبَاتًا سے پہلے بھی کیا ہے؟ أَنْبَتَ۔ تو وہ اشکال کرے گا کہ بھائی دونوں کا باب الگ الگ ہے، نَبَاتًا تو ثلاثی مجرد سے ہے اور أَنْبَتَ کس سے ہے؟ ثلاثی مزید فیہ سے ہے۔ آپ جواب میں فوراً کہیں کہ بھائی معنی ایک ہونا چاہیے، باب الگ الگ ہوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا، اور أَنْبَتَ اور نَبَات دونوں کا ایک ہی معنی ہے اگانا۔ تو دونوں کا ایک ہی معنی ہے اگانا بھائی، تو معنی ایک ہونا چاہیے۔ معلوم ہوا باب الگ الگ ہوں کوئی فرق نہیں پڑتا، بلکہ اصل کیا ہے؟ معنی ایک ہونا چاہیے۔

نیز بعض اوقات باب کا ہی فرق نہیں ہوتا، بالکل مادہ ہی الگ الگ ہوتا ہے، جیسے: قَعَدْتُ جُلُوسًا۔ قَعَدَ کے معنی بھی بیٹھنا، قعود کہتے ہیں بیٹھنے کو، جلوس بھی عربی میں کہتے ہیں بیٹھنے کو۔ تو قعود کا معنی بھی بیٹھنا، جلوس کا معنی بھی بیٹھنا، دونوں کا معنی بیٹھنا۔ اب آپ کہتے ہیں: قَعَدْتُ جُلُوسًا، آپ سے کوئی پوچھے یہ جُلُوسًا منصوب کیوں ہے؟ آپ کہیں گے یہ مفعول مطلق ہے۔ بھائی مفعول مطلق کسے کہتے ہیں؟ آپ کہیں گے وہ مصدر جس سے ماقبل اسی کا ہم معنی فعل۔ تو جُلُوسًا سے ماقبل کیا ہے؟ قَعَدْتُ، اور جلوس کا معنی بھی بیٹھنا اور قَعَدْتُ قعود سے ہے، اس کا معنی بھی بیٹھنا۔ تو دیکھو جلوس سے پہلے ایسا فعل ہے جو اسی کا ہم معنی ہے۔ اس پر وہ اشکال کرے گا کہ بھائی دونوں کا مادہ ہی الگ الگ ہے، قعود کا مادہ ہے قاف، عین، دال، اور جلوس کا مادہ ہے جیم، لام، سین، تو دونوں کا مادہ ہی الگ ہے، یہ کیسے مفعول مطلق ہوا؟ آپ کہیں گے کہ مادے کے بدلنے سے، مادے کے مختلف ہونے سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ دونوں کا معنی کیا ہے؟ ایک ہونا چاہیے، اور قعود کا معنی بھی بیٹھنا، جلوس کا معنی بھی بیٹھنا، تو دونوں کا معنی ایک ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے اب کتاب پر دوبارہ: اَلْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ: وَهُوَ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى فِعْلٍ مَذْكُورٍ قَبْلَهُ۔ دیکھو مَصْدَرٌ موصوف ہے اور بِمَعْنَى کیا ہے اس کی صفت، اور فِعْلٍ یہ بھی موصوف ہے اور مَذْكُورٍ قَبْلَهُ کیا ہے اس کی صفت۔ تو لہٰذا فعل کے لفظ سے پہلے بھی میں ایسا لاؤں، ایسا کا لفظ لاؤں گا اردو ترجمے میں، اور مصدر سے پہلے بھی کیا لاؤں گا؟ ایسا۔ تو کہتے ہیں: وَهُوَ مَصْدَرٌ کہ مفعول مطلق وہ ایسا مصدر ہے بِمَعْنَى فِعْلٍ مَذْكُورٍ قَبْلَهُ جو ایسے فعل کے معنی میں ہو مذکور قبلہ، جو اس مصدر سے پہلے ذکر ہو، اس سے پہلے مذکور ہو۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

وَيُذْكَرُ لِلتَّأْكِيدِ، اب یہ فائدے ذکر کرنے لگے ہیں۔ اچھا مفعول مطلق کی پہچان ہو گئی، کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جس سے ماقبل اسی کا ہم معنی فعل، اور اس مصدر پر پھر کون سا اعراب پڑھیں گے؟ نصب پڑھیں گے، کیونکہ مفعول مطلق بنے گا۔ اب اس کے فائدے، مقاصد ذکر کرنے لگے ہیں کہ یہ مفعول مطلق کلام میں کیوں لاتے ہیں؟ تین فائدے بتلائیں گے بڑے بڑے، تین فائدے۔ پہلا فائدہ یہ، کہتے ہیں: وَيُذْكَرُ لِلتَّأْكِيدِ، کہ اس مفعول مطلق کو ذکر کیا جاتا ہے تاکید کے لیے، كَ «ضَرَبْتُ ضَرْبًا»۔ بھائی دیکھو مثال سے بات واضح ہو گی۔ میں نے آپ سے کہا: ضَرَبْتُ زَيْدًا، میں نے زید کی پٹائی کی۔ آپ کے ذہن میں شبہ آسکتا ہے کہ زید تو بڑا آدمی ہے، معلوم ہوا اس کی پٹائی نہیں کی ہو گی، اس کو زبردست طریقے سے ڈانٹا ہو گا، اور خوب ڈانٹا چونکہ، تو اس ڈانٹ کو ہی پٹائی کے درجے میں فرض کر لیا اور کہہ دیا ضَرَبْتُ زَيْدًا۔ توجہ ہے؟ میں نے آپ سے کیا کہا؟ ضَرَبْتُ زَيْدًا، آپ کے ذہن میں کیا خیال آسکتا ہے کہ ہو سکتا ہے پٹائی نہیں کی ہو گی، اس کو اچھی طرح ڈانٹا ہو گا، لیکن اسی ڈانٹ کو کس سے تعبیر کر دیا؟ پٹائی سے، گویا اتنا ڈانٹا یوں سمجھو پٹائی ہی کر دی بھائی۔ پٹائی کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ دوسرے کو تنبیہ کرنا، تو زبردست ڈانٹ بھی وہی کام کر رہی ہے، تو زبردست ڈانٹ کو کس سے تعبیر کر دیا؟ پٹائی سے، اور میں نے کیا کہا؟ ضَرَبْتُ زَيْدًا۔ تو جب میں کہوں نا ضَرَبْتُ زَيْدًا تو آپ کے ذہن میں یہ خیال آسکتا ہے، چونکہ مجھے پتہ ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ خیال آسکتا ہے کہ ہو سکتا ہے میں نے پٹائی نہ کی ہو بلکہ کیا کیا ہو؟ صرف ڈانٹا ہو، میں اس خیال کو ابھی سے ختم کر دیتا ہوں، میں کہتا ہوں: ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا۔ آگے جو ضَرْبًا آیا یہ کیا ہے؟ یہ مفعول مطلق، یہ اسی فعل کو میں تاکید پیدا کر دیتا ہے، یعنی اس کو پکا کر دیتا ہے، کیا کر دیتا ہے؟ پکا کر دیتا ہے۔ اب اب آپ ضرب کا معنی، پہلے آپ ضرب کا کیا معنی لے سکتے تھے؟ ڈانٹ، لیکن آگے اب جو ضَرْبًا آیا اس نے اسی ضرب ہی کو پکا کر دیا، معلوم ہوا ضرب سے ضرب ہی مراد ہے، ڈانٹنا مراد نہیں ہے۔ یہ کس نے بتایا؟ آگے جو مفعول مطلق آیا۔ تو یوں کہو آسان لفظوں میں: مفعول مطلق مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے، کیا کر دیتا ہے؟ مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے۔ بھائی ایک کلام کا حقیقی معنی ہوتا ہے، لفظ کا ایک مجازی معنی ہوتا ہے۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا کا حقیقی معنی کیا؟ میں نے زید کی پٹائی کی، اور آپ کے ذہن میں خیال آسکتا ہے کہ میں نے پٹائی نہیں کی بلکہ اس کو ڈانٹا، تو آپ ضَرَبْتُ زَيْدًا کا کیا معنی لے سکتے ہیں؟ مجازی معنی، یہ ضروری نہیں آپ یہ معنی لیں، لیکن ہو سکتا ہے آپ کے ذہن میں یہ خیال آجائے کہ ضَرَبْتُ زَيْدًا کا کیا معنی ہے؟ میں نے زید کو اچھی طرح ڈانٹا، تو یہ اس کا حقیقی معنی ہوا یا مجازی؟ مجازی، حقیقی معنی

تو یہ نہیں ہے، ضَرَبْتُ زَيْدًا کا معنی تو کیا ہے؟ پٹائی کرنا، لیکن آپ اس کا مجازی معنی لے سکتے ہیں، آپ کے ذہن میں آسکتا ہے۔ لیکن جب میں آگے مفعول مطلق لے آؤں گا، وہ مفعول مطلق کیا فائدہ دیتا ہے؟ تاکید، تاکید کا کیا معنی ہوتا ہے؟ پکا کرنا، وہ اسی مصدر کو، اسی فعل کو پکا کر دے گا، یعنی مجاز کے احتمال کو ختم کر دے گا۔ اب اس کا مجازی معنی آپ نہیں لے سکتے بلکہ حقیقی معنی ہی کرنا پڑے گا۔ یہ فائدہ کس نے دیا؟ مفعول مطلق نے۔ اس نے کیا کر دیا؟ حقیقی معنی کو پکا کر دیا، مجاز کے احتمال کو ختم۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اب تقریر کا خلاصہ پھر سمجھو۔

میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے زید کی پٹائی کی، اب اگر میں کہوں نا ضَرَبْتُ زَيْدًا تو ہو سکتا ہے آپ میں سے کسی کے ذہن میں آجائے یہ بات، سب کے ذہنوں میں بے شک نہ آئے، کسی کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ ہو سکتا ہے زید کی پٹائی نہیں کی ہو گی، اس کا اچھا، اس کو اچھی طرح ڈانٹا۔ تو ہو سکتا ہے کوئی اس کا ضَرَبْتُ زَيْدًا جو میں بات کر رہا ہوں، اس کا حقیقی معنی نہ لے بلکہ کون سا معنی لے لے؟ مجازی معنی۔ میں اس مجازی معنی کو ابھی سے ختم کرنا چاہتا ہوں تاکہ کوئی مجازی معنی کر ہی نہ سکے، میں اس کے ساتھ مفعول مطلق لے آتا ہوں، اب میں کہتا ہوں: ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا، اب کوئی اس کا مجازی معنی نہیں کر سکتا، اگر کرتا ہے غلط کرتا ہے، معلوم ہوا اس کو ضابطوں کا پتہ نہیں ہے، ضَرَبْتُ سے یہاں ضَرَبْتُ ہی مراد ہے، یہاں ڈانٹنا مراد نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہ ہے بلاغت کا اس میں نکتہ بھائی، مفعول مطلق کو ذکر کیا جاتا ہے تاکید کے لیے: وَيُذْكَرُ لِلتَّأْكِيدِ كَ «ضَرَبْتُ ضَرْبًا»، اور اس کو ذکر کیا جاتا ہے کس لیے؟ تاکید کے لیے، جیسے: ضَرَبْتُ ضَرْبًا۔ تاکید کا کیا معنی؟ اس فعل کو وہ پکا کر دیتا ہے، کیا معنی پکا کرتا ہے؟ مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے، اگر وہ نہ لاتے تو اس میں مجاز کا بھی احتمال ہو سکتا تھا۔ چنانچہ صاحب قدوری بھائی، صلوٰۃ العیدین، عید کی نماز کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ کہ پھر اس کے بعد امام کیا پڑھے گا، نماز شروع کرنے کے بعد؟ سورۂ فاتحہ پڑھے گا، وَسُورَةً مَعَهَا اور اس کے ساتھ کوئی سورت، ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً، پھر تکبیر کہے گا، تَكْبِيرَةً یہ مفعول مطلق آگے ذکر کیا: ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً، کس لیے؟ اسی مجاز کے احتمال کو ختم کرنے کے لیے، کہ یہاں پر اللہ اکبر ہی کہنا پڑے گا، اللہ اکبر کی جگہ الرحمن اکبر، الرحمن اکبر وغیرہ دوسرے لفظ نہیں بول سکتے، تو تو يُكَبِّرُ بول کر اللہ اکبر ہی مراد ہے، کوئی مجازی معنی الرحمن اکبر وغیرہ مراد نہیں ہے۔ یہ کس کے ذریعے بتلایا؟ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً، یہ جو آگے مفعول مطلق ذکر کیا بھائی، اس نے مجاز کے احتمال کو ختم کر دیا، يُكَبِّرُ تکبیر، تکبیر سے تکبیر ہی مراد ہے، اللہ اکبر ہی مراد ہے، الرحمن اکبر وغیرہ مراد نہیں ہے۔ یہ مجاز کا احتمال کس نے ختم کیا؟ تَكْبِيرَةً کے لفظ نے۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں مفعول مطلق وہ ایسا مصدر ہے جو ایسے فعل کے معنی میں ہو جو اس مصدر سے پہلے مذکور ہو، وَيُذْكَرُ لِلتَّأْكِيدِ، اور مفعول مطلق کو ذکر کیا جاتا ہے تاکید کے لیے، یعنی اس فعل کو پکا کرنے کے لیے كَ «ضَرَبْتُ ضَرْبًا»، أَوْ لِبَيَانِ النَّوْعِ، اور یا کبھی کبھار مفعول مطلق کو ذکر کیا جاتا ہے نوع بیان کرنے کے لیے، قسم بیان کرنے کے لیے، جیسے: نَحْوُ: جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ۔ میں کہتا ہوں: جَلَسْتُ، میں بیٹھا، اب بیٹھنا کئی طریقے پر ہو سکتا ہے، تو سمجھ میں آیا بھائی بیٹھنا؟ تو میں بتلانا چاہتا ہوں ایک خاص طریقے پر میں بیٹھا، تو میں مفعول مطلق کا، کے ذریعے اس کو بیان کروں گا، کیسے؟ جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ، میں بیٹھا قاری کے بیٹھنے کی طرح۔ جس طرح قاری حضرات بیٹھتے ہیں میں بھی اس طرح بیٹھا، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یاد رکھو، یہ جِلْسَةَ، یہ جِلْسَةَ یہ مصدر ہے بھائی مصدر ہے۔ مصدر کے کئی اوزان ہوتے ہیں، جیسے: جُلُوسٌ یہ بھی مصدر ہے، جَلْسَةٌ یہ بھی کیا ہے؟ مصدر ہے، جِلْسَةٌ یہ بھی کیا ہے؟ مصدر ہے۔ جی تو جَلَسْتُ میں بیٹھا، جِلْسَةَ الْقَارِئِ کس طرح؟ قاری کے بیٹھنے کی طرح۔ تو دیکھو میں نے بیٹھنے کی ایک خاص قسم ذکر کی اور یہ قسم کس کے ذریعے بیان کی؟ مفعول مطلق کے ذریعے: جِلْسَةَ الْقَارِئِ، یہ کیا ہے؟ مفعول مطلق ہے، اور اس سے پہلے کیا ہے جِلْسَةَ سے پہلے؟ دیکھو اسی کا ہم معنی فعل، تو یہ مفعول مطلق ہے اور اس پر نصب آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: أَوْ لِبَيَانِ النَّوْعِ، کہ مفعول مطلق کو ذکر کیا جاتا ہے نوع بیان کرنے کے لیے، یعنی قسم بیان کرنے کے لیے، جیسے: جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ، میں بیٹھا قاری کے بیٹھنے کی طرح۔

أَوْ لِبَيَانِ الْعَدَدِ، یا کبھی کبھار مفعول مطلق کو ذکر کیا جاتا ہے عدد بیان کرنے کے لیے، تعداد بیان کرنے کے لیے۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں جَلَسْتُ، میں بیٹھا، اب بیٹھنا ایک دفعہ بھی ہو سکتا ہے، دو دفعہ بھی بیٹھ سکتے ہیں، انسان کئی دفعہ بھی بیٹھ سکتا ہے، تو میں بتلانا چاہتا ہوں کہ میں ایک دفعہ بیٹھا، تو کیا کہوں گا؟ جَلَسْتُ جَلْسَةً، جَلَسْتُ جَلْسَةً کا کیا معنی؟ میں ایک مرتبہ بیٹھا۔ صورت سمجھ میں، اوپر بھائی آیا تھا: ضَرَبْتُ ضَرْبًا، ترجمہ کریں ذرا اس کا: ضَرَبْتُ ضَرْبًا، میں نے پٹائی کی، آگے ضَرْبًا کا دوبارہ ترجمہ نہ کرنا پٹائی کرنا، میں نے پٹائی، بعض ترجمہ یوں کرتے ہیں: ضَرَبْتُ ضَرْبًا، میں نے پٹائی کی پٹائی کرنا، نہیں بھائی نہیں، سمجھ میں آئی بات؟ اردو میں نہیں آپ نے اس کو دوبارہ ذکر کرنا، بس ضَرَبْتُ ضَرْبًا کا کیا معنی؟ میں نے پٹائی کی۔ اچھا اسی طرح: جَلَسْتُ جَلْسَةً، جَلَسْتُ کا معنی میں بیٹھا اور جَلْسَةً کا معنی ہے بیٹھنا، تو جَلَسْتُ جَلْسَةً کا ترجمہ بعض حضرات کس طرح کرتے ہیں؟ جَلَسْتُ جَلْسَةً، میں

بیٹھا بیٹھنا، نہیں بھائی یہ بیٹھنا یہ کیا معنی؟ بس ایک ہی ترجمہ کریں: جَلَسْتُ جَلْسَةً، اور یہ کس لیے آیا ہے؟ عدد بیان کرنے کے لیے، میں ایک دفعہ بیٹھا تو: جَلَسْتُ جَلْسَةً۔ یہ جَلْسَةً کیا ہے؟ مفعول مطلق، اور اسی لیے یہ منصوب ہے، اور یہ کیا بیان کرنے کے لیے آیا ہے؟ عدد، یہ کیا بتلا رہا ہے میں کتنی دفعہ بیٹھا؟ ایک۔ اب اگر میں کہنا چاہتا ہوں میں دو دفعہ بیٹھا تو میں یوں کہوں گا: جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ، اسی جَلْسَةً کی تثنیہ ہے، جَلْسَةٌ، جَلْسَتَانِ حالتِ رفعی میں الف کے ساتھ آتا ہے تثنیہ، اور حالتِ نصبی جری میں یا، جَلْسَتَيْنِ، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور یہ بھی جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ، ادھر ہے توجہ؟ جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ، یہ جَلْسَتَيْنِ کیا ہے؟ مفعول مطلق ہے، اور مفعول مطلق کیا ہوتا ہے؟ اعراب کون سا ہوتا ہے؟ منصوب، اور تثنیہ کا نصب کس کے ساتھ آتا ہے؟ ہاں نصب اور جر یا کے ساتھ، اسی لیے جَلْسَتَيْنِ کہا، جَلْسَتَانِ نہیں کہا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ، کیا معنی؟ میں دو مرتبہ بیٹھا۔ اچھا، أَوْ جَلَسَاتٍ، یوں کہیں گے: جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ، میں کئی دفعہ بیٹھا: جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ، یہ اسی جَلْسَةً کی تثنیہ اور جمع استعمال کر رہے ہیں: جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ، میں کئی مرتبہ بیٹھا۔ میں کئی دفعہ بیٹھا، کیا کہیں گے؟ جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ۔ سوال: یہ جَلَسَاتٍ کیا ہے؟ آپ کہیں گے یہ مفعول مطلق ہے۔ تو مفعول مطلق تو منصوب ہوتا ہے، جَلَسَاتٍ یہ مجرور کیوں پڑھ رہے ہو؟ شاباش! اس کا نصب آتا ہی کسرہ کی صورت میں ہے، یہ اس وقت منصوب ہے۔ جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ، یہ جَلَسَاتٍ کیا ہے؟ منصوب ہے، اس کا نصب آتا ہی کس طرح ہے؟ کسرہ، زیر کی شکل میں آتا ہے۔ وہ نو قسمیں یاد ہیں؟ اعراب کے اعتبار سے صاحبِ ہدایۃ النحو نے شروع میں بتائی تھیں۔ غیر منصرف، اس کا کسرہ زبر کی صورت میں آتا ہے، اس کا کسرہ آتا ہی کس صورت میں ہے؟ زبر کی صورت میں۔ اور مُسْلِمَاتٍ جمع مؤنث سالم، اس کا فتحہ کس کی صورت میں آتا ہے؟ کسرہ کی صورت، یعنی دونوں ایک دوسرے کے برعکس ہیں۔ غیر منصرف پر بھی پیش آتا ہے، ہاں تنوین نہیں آتی، پیش آتا ہے، اور مسلمات پر بھی، جمع مؤنث سالم ہے اس پر بھی پیش آتا ہے۔ لیکن غیر منصرف اس پر زبر تو آئے گا، زیر نہیں، اور جمع مؤنث سالم میں اس میں زیر تو آئے گی، زبر نہیں آئے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو غیر منصرف میں زبر اور زیر دونوں زبر کی صورت میں آئیں گی، اور جمع مؤنث سالم میں دونوں زیر کی صورت میں آئیں گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا جَلَسَاتًا یوں نہیں کہنا، یہ بہت بڑی غلطی ہے اگر آپ نے یوں کہا، کیونکہ اس کا فتحہ آتا ہی کس صورت میں ہے؟ زیر۔ لہٰذا آپ سے کوئی پوچھے: جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ، اس جَلَسَاتٍ کا اعراب بتاؤ، آپ کیا کہیں گے؟ منصوب لفظاً ہے، یہ مجرور نہیں ہے، منصوب ہے۔ سوال: لفظاً کیسے؟ جواب یہ کہ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ بھئی تلفظ تو ہم کسرہ پہ کر رہے ہیں؟ بھئی یہ کسرہ نہیں ہے، یہ نصب ہے، اس کی شکل کس جیسی ہے؟ کسرہ جیسی ہے، یہ ہے نصب ہی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ منصوب لفظاً ہے: جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ، میں کئی دفعہ بیٹھا، صورت سمجھ میں آگئی۔

اچھا جی، کتنے فائدے ذکر کر دیے؟ تین فائدے ذکر کر دیے۔ پہلا: مفعول مطلق ذکر کرتے ہیں تاکید کے لیے، کیا معنی؟ مجاز کے احتمال کو ختم کرنے کے لیے۔ دوسرا: نوع، قسم بیان، کسی چیز کی قسم بیان، کسی فعل کی قسم بیان کرنا چاہتے ہیں تو مفعول مطلق استعمال کریں، اور کبھی کبھار عدد بیان کرنے کے لیے۔ تو دیکھیے، نوع بیان کے، نوع بیان کرنے کے لیے مصدر کا وزن آیا: جِلْسَةٌ، فِعْلَةٌ، جِلْسَةٌ کا کیا وزن ہے؟ فِعْلَةٌ، یہ نوع بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ اور عدد بیان کرنے کے لیے: جَلْسَةٌ، فَعْلَةٌ، فا پر زبر ہے۔ تو یاد رکھیے یہ تین طرح کے مصدر ہیں۔ علم الصیغہ آپ پڑھ رہے ہیں؟ جی ہاں، اس کے آخر میں بھی یہ مصنف آپ کو بتلائیں گے کہ مصدر کے تین وزن ہیں اس طرح کے مصدروں کے: ایک وزن ہے فَعْلَةٌ، ایک ہے فِعْلَةٌ، ایک ہے فُعْلَةٌ۔ اسی فا پر زبر، زیر، پیش، تین حرکتیں ہیں تو تین قسمیں بن گئیں۔ اور یہ جو فُعْلَةٌ وزن ہے نا، یہ مقدار بیان کرنے کے لیے آتا ہے، کون سا؟ فُعْلَةٌ فا پر اگر پیش ہو، جیسے لُقْمَةٌ، اردو میں بھی آپ کہتے ہیں میں نے ایک لقمہ کھانا کھایا، تو لقمہ: فُعْلَةٌ، لُقْمَةٌ، دیکھو ایک مخصوص مقدار، خوراک کی ایک مقدار ہے جو ایک دفعہ میں آپ منہ میں کھاتے ہیں، اس کو تو یہ کیا ہے؟ فُعْلَةٌ وزن۔ اسی طرح عربی میں استعمال ہوتا ہے: أُكْلَةٌ، ہمزہ، کاف چھوٹا، لام، میم اور گول تا: أُكْلَةٌ، أُكْلَةٌ کہتے ہیں خوراک کو، ایک دفعہ کی جو خوراک ہے اس کو کہتے ہیں أُكْلَةٌ۔ تو معلوم ہوا فُعْلَةٌ وزن آتا ہے کس لیے؟ خاص مقدار بیان کرنے کے لیے۔ فُعْلَةٌ وزن کس لیے آتا ہے؟ خاص مقدار بیان کرنے کے لیے۔ اور فِعْلَةٌ وزن آتا ہے خاص قسم بیان کرنے کے لیے، جیسے: جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ، فِعْلَةَ الْقَارِئِ، تو یہ فِعْلَةٌ، جِلْسَةٌ وزن ہے۔ تو یہ فِعْلَةٌ وزن کس لیے آتا ہے؟ خاص قسم بیان کرنے کے لیے۔ اور یہ فَعْلَةٌ وزن: جَلَسْتُ جَلْسَةً، فَعْلَةٌ وزن آتا ہے عدد بیان کرنے کے لیے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو فَعْلَةٌ، فَعْلَتَانِ اور فَعَلَاتٌ، صورت سمجھ میں آگئی۔

وَيَكُونُ مِنْ غَيْرِ لَفْظِ الْفِعْلِ الْمَذْكُورِ، اور کبھی کبھار یہ مفعول مطلق جو ہوتا ہے، فعل مذکور کے لفظ سے غیر ہوتا ہے۔ توجہ ہے ادھر؟ یہ ہے فعل، اس کے بعد آرہا ہے یہ مفعول مطلق، اور یہ مفعول مطلق جو ہے ماقبل کے فعل کے لفظ سے علاوہ ہے، اس کے لفظ سے علاوہ ہے، یعنی اس جیسا لفظ نہیں یعنی اس جیسا باب نہیں، جیسے: أَنْبَتَ نَبَاتًا، یہ نَبَاتًا اور أَنْبَتَ کا باب ایک ہے یا الگ الگ ہیں؟ الگ الگ ہیں۔ تو یہی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ کبھی کبھار مفعول مطلق میں لفظ صرف لفظ الگ ہوتے ہیں اور کبھی کبھار بالکل مادہ ہی کیا ہوتا ہے؟ الگ، لیکن دونوں کا معنی کیا ہوتا ہے؟ ایک۔ یہ معنی ہے: وَيَكُونُ مِنْ غَيْرِ

لَفْظِ الْفِعْلِ الْمَذْكُورِ، اور یہ جو کبھی کبھار یہ مفعول مطلق جو ہے فعل مذکور کے لفظ سے غیر ہوتا ہے، نَحْوُ: قَعَدْتُ جُلُوسًا، جیسے: قَعَدْتُ، میں بیٹھا، قَعَدْتُ جُلُوسًا۔

اچھا، قَعَدْتُ جُلُوسًا کا کیا ترجمہ کریں گے؟ میں بیٹھا۔ لیکن یاد رکھنا، یہ مثال اس صورت میں صحیح ہے جب قعود اور جلوس کا ایک معنی ہو۔ بعض علماء نے دونوں میں فرق کیا ہے، وہ کہتے ہیں اگر کوئی کھڑا ہو اور بیٹھ جائے، تو کھڑے ہونے کے بعد جو بیٹھا جائے اس کو کہتے ہیں قعود، اور جلوس وہ کوئی لیٹا ہوا تھا اور اٹھ کر بیٹھ گیا تو اس کو کہتے ہیں جلوس۔ تو دونوں میں فرق آ گیا یا نہیں؟ قعود وہ بیٹھنا جو قیام کے بعد ہو، اور جلوس وہ بیٹھنا جو لیٹنے کے بعد ہو، تو دونوں میں فرق آ گیا۔ اگر ان کی بات کو لیا جائے تو پھر یہ مثال درست نہیں بنتی، کیونکہ ہم نے تو کہا تھا معنی ایک ہونا چاہیے حالانکہ دونوں کا تو معنی الگ، لیکن عموماً یاد رکھیے دونوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں، قعود کا معنی بھی بیٹھنا اور جلوس کا معنی بھی بیٹھنا، لہٰذا یہ مثال اس کے مطابق درست ہے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

وَأَنْبَتَ نَبَاتًا، اور أَنْبَتَ نَبَاتًا بھائی، یہ دوسری مثال، اس میں دونوں کا باب الگ ہے، ایک ثلاثی مجرد سے ہے ایک ثلاثی مزید، اور قَعَدْتُ جُلُوسًا میں دونوں کا مادہ ہی الگ الگ ہے، البتہ معنی ایک ہی ہے بھائی۔ اچھا بھائی ترکیب بھی کر لیں جلدی جلدی بھائی: ضَرَبْتُ ضَرْبًا۔ شاباش، ضَرَبْتُ فعل بافاعل، تاجلدی جلدی کیجیے، تاضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، شاباش! آگے ضَرْبًا مفعول مطلق، اعراب سب سے پہلے، ہاں منصوب لفظاً، منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول مطلق ہے۔ اچھا اب سمیٹیے: فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ، جی ترکیب کیجیے: جَلَسْتُ فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے مبنیات میں سے۔ آگے جِلْسَةَ الْقَارِئِ، جی، اعراب، پہلے اعراب پھر مضاف بتاؤ: منصوب لفظاً مضاف، منصوب لفظاً مضاف۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول مطلق ہے، شاباش! لفظاً کیوں؟ اس کے نصب جِلْسَةَ دیکھو ہم نصب پر تلفظ کر رہے ہیں، اور مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا مضاف ہے؟ کیونکہ نکرہ کے بعد معرفہ آیا، جِلْسَةَ یہ ہے نکرہ، یہ ضمیر بھی نہیں، اسم اشارہ وغیرہ کچھ بھی نہیں، اور الْقَارِئِ یہ اس پر الف لام داخل ہے یہ کیا ہے؟ معرفہ۔ تو نکرہ کے بعد کیا ہے؟ معرفہ، عموماً کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ، تو مضاف۔ آگے الْقَارِئِ مجرور، کون سا مجرور؟ جی، مجرور تقدیراً، شاباش شاباش! بھائی کیوں مجرور تقدیراً کیوں؟ یہ کس کی طرح ہے؟ قاضی، قَاضٍ، قَارِئٍ دیکھا؟ تو یہ اسم منقوص ہے، اور اسم منقوص کا اعراب کیا پڑھا تھا؟ ضمہ بھی تقدیری اور کسرہ بھی تقدیری، ہاں فتحہ لفظی۔ فتحہ کیونکہ اس کے آخر میں ہے یا، اور یا پر زبر تو آ سکتا ہے، پیش اور زیر نہیں، کیونکہ پیش بھی یا پر ثقیل اور زیر بھی یا پر ثقیل۔ تو اور یہاں پر یہ مجرور تقدیراً، مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ، مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور، اتنا تو پتہ چل گیا یہ مجرور ہے، اور پھر جر اس کا کس طرح آتا ہے؟ تقدیراً، وہ آپ نے نو قسموں میں پڑھا ہے، تو لہٰذا کیا کہیں گے؟ مجرور تقدیراً مضاف الیہ۔ آگے مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول مطلق بنے گا نا، تو یہ مفعول مطلق ہوا، فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

آگے جی: جَلَسْتُ جَلْسَةً، جَلَسْتُ فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جَلْسَةً منصوب لفظاً مفعول مطلق، شاباش! فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، شاباش۔

آگے: جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ، جَلَسْتُ فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جَلْسَتَيْنِ منصوب لفظاً مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔

جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ، جَلَسْتُ فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جَلَسَاتٍ منصوب لفظاً، ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، منصوب لفظاً مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

قَعَدْتُ جُلُوسًا، قَعَدْتُ فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جُلُوسًا منصوب لفظاً مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔

أَنْبَتَ نَبَاتًا، أَنْبَتَ فعل، ہاں یوں کہنا، أَنْبَتَ فعل بافاعل، أَنْبَتَ فعل بافاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر، پہلا صیغہ ہے نا، أَكْرَمَ اس وزن پر ہے تو هُوَ ہوتی ہے اس میں، تو أَنْبَتَ فعل بافاعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ فعل کے لیے فاعل ضرور چاہیے، کبھی بھی فعل آ جائے اس کا فاعل یا نائب فاعل نہ آئے، بات پوری نہیں، ترکیب معلوم ہوا آپ کی درست نہیں۔ تو أَنْبَتَ فعل بافاعل، هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور نَبَاتًا منصوب لفظاً

مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

اَلْمَقْصَدُ الثَّانِي فِي الْمَنْصُوبَاتِ

مفاعیلِ خمسہ، تحذیر، اشتغال، منادیٰ، حال، تمیز، مستثنیٰ اور نواسخ کے منصوبات (اسباق ۵۴ تا ۶۸)

سبق نمبر ۵۴: المقصد الثاني في المنصوبات—مفعولِ مطلق کے عامل کے حذفِ جوازی و وجوبی کے مقامات

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۶—بتاریخ: ۱۶ فروری ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَقَدْ يُحْذَفُ فِعْلُهُ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ جَوَازًا كَقَوْلِكَ لِلْقَادِمِ خَيْرَ مَقْدَمٍ أَيْ قَدِمْتَ قُدُوْمًا خَيْرَ مَقْدَمٍ وَوُجُوْبًا سِمَاعًا نَحْوُ سَقْيًا وَشُكْرًا وَحَمْدًا وَرَعْيًا أَيْ سَقَاكَ اللهُ سَقْيًا وَشَكَرْتُكَ شُكْرًا وَحَمِدْتُكَ حَمْدًا وَرَعَاكَ اللهُ رَعْيًا۔

گزشتہ سبق میں ہم نے منصوبات کی بحث شروع کی تھی اور صاحبِ ہدایۃ النحو نے آپ کو بتلایا تھا کہ منصوبات جو ہیں وہ بارہ ہیں بھائی، بارہ۔ اور ان بارہ میں سے سب سے پہلے ہم نے مفعولِ مطلق کے بارے میں پڑھنا شروع کیا۔ آپ نے پڑھا کہ مفعولِ مطلق وہ مصدر کا نام ہے، ایسا مصدر کہ جس سے پہلے اسی کا ہم معنی فعل ہو بھائی، اسی کا ہم معنی فعل ہو۔ اور تو دونوں کا ہم معنی ہونا ضروری ہے، باب بھی الگ ہو سکتے ہیں اور دونوں کا مادہ بھی الگ ہو سکتا ہے، البتہ معنی ایک ہی ہو گا دونوں کا۔ تو یہ مفعولِ مطلق ہے اور یہ منصوب ہوتا ہے، اس پر نصب آئے گا۔ اور اس کے فائدے کیا ہیں؟ تین فائدے انہوں نے آپ کو بتلائے بھائی، کہ کبھی کبھار مفعولِ مطلق کو ذکر کیا جاتا ہے تاکید کے لیے۔ کیا معنی تاکید؟ یعنی مجاز کے احتمال کو ختم کرنے کے لیے، جیسے: ضَرَبْتُ ضَرْبًا۔ اس ضَرْبًا نے آ کر بتلا دیا کہ ضَرَبْتُ سے ضرب ہی مراد ہے، ڈانٹنا وغیرہ مراد نہیں۔

اور اسی طرح کبھی آپ مثلاً کہتے ہیں کبھی کبھار یہ نوع بیان کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے: جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ، میں بیٹھا قاری کی طرح۔ اور کبھی کبھار یہ عدد بیان کرنے کے لیے، اس فعل کا عدد بیان کرتا ہے کہ یہ فعل ایک مرتبہ ہوا، دو مرتبہ ہوا یا تین مرتبہ، جیسے: جَلَسْتُ جَلْسَةً، جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ اور جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ۔

اب آگے آپ کو بتلا رہے ہیں: وَقَدْ يُحْذَفُ فِعْلُهُ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ۔ ذکر یہ کر رہے ہیں کہ بھائی ایک ہے مفعولِ مطلق اور ایک ہے ما قبل اس کا فعل جو اسی کا ہم معنی فعل ہے، اور وہ فعل عمل کر رہا ہے اور اس مفعولِ مطلق کو نصب دے رہا ہے۔ تو کیا اس ما قبل والے فعل کو حذف کر سکتے ہیں؟ مفعولِ مطلق کو باقی رکھیں اور اس کے فعل کو حذف؟ تو کہتے ہیں: ہاں بھائی، اس کے فعل کو حذف کر سکتے ہیں، اور یہ حذف کرنا دو قسم پر ہے: کبھی حذف کرنا جائز ہوتا ہے اور بعض اوقات حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔ اس فعل کا حذف بعض اوقات واجب ہوتا ہے۔

تو بعض اوقات اس فعل کا حذف جائز ہوتا ہے اور یہ کہاں ہو گا؟ کہتے ہیں: جہاں قرینہ موجود ہو۔ کیا موجود ہو؟ قرینہ موجود ہو، کوئی قرینہ ہو، کوئی چیز ایسی ہو جو بتلا رہی ہو کہ یہاں پر یہ والا فعل حذف ہے۔ جب وہ چیز موجود ہے تو آپ اس کو ذکر نہ بھی کریں سننے والے کو خود بخود پتہ چل جاتا ہے، تو آپ کیا کر سکتے ہیں؟ اس کو حذف کر سکتے ہیں۔ جیسے کوئی مہمان آیا آپ کے پاس، آپ نے کہا: خَيْرَ مَقْدَمٍ، خَيْرَ مَقْدَمٍ۔ اصل میں کلام تھا: قَدِمْتَ قُدُوْمًا خَيْرَ

مَقْدَمٍ۔ توجہ ہے؟ذرا دیکھ لیں عبارت بھائی:قَدِمْتَ قُدُوْمًا خَيْرَ مَقْدَمٍ۔ تو کس طرح ہے ترکیب؟قَدِمْتَ، قَدِمْتَ فعل بافاعل،قَدِمْتَ فعل بافاعل اور تاضمیر، توجہ نہیں میرا خیال سبق کی طرف؟

بھئی یہ ذکر یہ کر رہے ہیں کہ کبھی کبھار مفعولِ مطلق کے فعل کو حذف کر، حذف کیا جاسکتا ہے اور یہ حذف کرنا جائز ہے، کس وقت؟جب کوئی قرینہ موجود ہو۔ قرینہ کسے کہتے تھے؟میں نے تعریف آپ کو لکھوائی تھی:اَلْقَرِيْنَةُ هُوَ أَمْرٌ يُشِيْرُ إِلَى الْمَطْلُوْبِ۔ قرینہ وہ چیز ہے جو مطلوب کی طرف اشارہ کرے، جو مقصود کی طرف اشارہ کرے۔ آپ کہنا چاہتے تھے:قَدِمْتَ قُدُوْمًا خَيْرَ مَقْدَمٍ۔ توجہ ہے؟ایک شخص آپ کے پاس آیا اور آپ کہنا چاہتے تھے: قَدِمْتَ قُدُوْمًا خَيْرَ مَقْدَمٍ۔ قَدِمْتَ کا معنی ہے: آپ تشریف لائے، آپ آئے۔ معنی سمجھ میں آیا؟تو اب آپ اس قَدِمْتَ کو حذف کر لیتے ہیں، کیوں حذف کرتے ہیں؟ کیونکہ وہ آپ کے سام، وہ سب کے سامنے آیا ہے، اندر آیا ہے، تو اس کا آنا ہی اس کا آنا سامنے ہے سب کے، اس کا ہاں سب کے سامنے ہے، یا اس کے وہ اس کو بھی پتہ ہے میں ابھی آیا ہوں۔ تو یہاں لہٰذا قَدِمْتَ، آپ آئے ہیں، یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تو اس کو آپ نے کیا کر لیا؟ حذف۔ تو قرینہ کوئی بھی ایسی چیز ہو جو اس فعل کے بارے میں بتلا رہی ہو تو آپ اس کو حذف کر سکتے ہیں۔

تو مثلاً دیکھو وہ آپ کے پاس آیا، کوئی شخص آیا، آپ نے کہا:خَيْرَ مَقْدَمٍ، خَيْرَ مَقْدَمٍ، یہ آپ نے کہا۔ اور اصل میں پورا کلام یوں تھا:قَدِمْتَ قُدُوْمًا خَيْرَ مَقْدَمٍ۔ ترکیب کیسے ہوگی؟قَدِمْتَ فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل،قُدُوْمًا منصوب لفظاً موصوف، منصوب لفظاً موصوف، کیونکہ قُدُوْمًا ہے نکرہ اور آگے خَيْرَ مَقْدَمٍ یہ بھی کیا ہے؟ نکرہ، اور نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو وہ اس کی عموماً کیا بنتا ہے؟صفت۔ تو یہ قُدُوْمًا منصوب ہے، کیوں منصوب ہے؟ کیونکہ مفعولِ مطلق ہے بھائی، مفعولِ مطلق، اور آگے اس کی صفت آگئی، جب یہ منصوب ہے تو اس کی صفت بھی کیا ہوگی؟ منصوب۔ تو قُدُوْمًا منصوب لفظاً موصوف۔ منصوب کیوں ہے؟مفعولِ مطلق ہے۔ اور موصوف کیسے آپ کو پتہ چلا؟ کیونکہ نکرہ کے بعد نکرہ آیا۔ آگے دیکھو:خَيْرَ مَقْدَمٍ، خَيْرَ مضاف ہے،مَقْدَمٍ مضاف الیہ۔ تو یاد رکھنا یہ خَيْرَ یہ بھی نکرہ اور مَقْدَمٍ یہ بھی نکرہ، اور نکرہ کی نکرہ کی طرف اضافت ہو تو وہ نکرہ ہی رہتا ہے۔ نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو جائے تو وہ معرفہ بنتا ہے، لیکن اگر نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو وہ نکرہ ہی رہتا ہے۔ تو خَيْرَ مَقْدَمٍ اگرچہ مضاف مضاف الیہ ہیں لیکن یہ ہے نکرہ ہی، تو لہٰذا یہ قُدُوْمًا کے لیے کیا بنے گا؟صفت۔

تو قُدُوْمًا منصوب لفظاً موصوف، خَيْرَ منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ مضاف، اور مَقْدَمٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے، مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے، اور لفظاً ہے اس کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر صفت ہوئی کس کے لیے؟قُدُوْمًا کے لیے۔ موصوف صفت مل کر یہ مفعولِ مطلق۔ فعل اپنے فاعل اور مفعولِ مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بھائی جیسے اردو میں بھی ہے، مہمان آتا ہے آپ اس کو کیا کہتے ہیں؟خوش آمدید، آپ خیر سے تشریف لائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ اسی طرح کا جملہ ہے، تو عرب اس طرح کہتے ہیں بھائی۔ تو اب دیکھیے کلام پورا یہ تھا:قَدِمْتَ قُدُوْمًا خَيْرَ مَقْدَمٍ، لیکن آپ نے صرف کیا کہا؟ خَيْرَ مَقْدَمٍ۔ تو یاد رکھو یہ خَيْرَ مَقْدَمٍ یہ صفت ہے، کس کی؟قُدُوْمًا کی، اور قُدُوْمًا کیا تھا؟مفعولِ مطلق۔ تو گویا یوں کہیں گے:خَيْرَ مَقْدَمٍ یہ مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے۔

خَيْرَ مَقْدَمٍ یہ مفعولِ مطلق ہے۔ یہ خود ہے یا اس سے ماقبل موصوف محذوف وہ ہے مفعولِ مطلق؟ اس سے ماقبل جو قُدُوْمًا آیا تھا وہ کیا تھا؟ وہ مفعولِ مطلق ہے، یہ تو اس کی صفت۔ اس کو حذف کر دیا اور صفت کو اس کا قائم مقام کر دیا، تو اصل میں مفعولِ مطلق کون ہے؟ وہ قُدُوْمًا، وہ جو محذوف ہے، تو یوں کوئی آپ سے پوچھے یا آپ کسی کو بتائیں تو یوں بتائیں گے کہ یہ خَيْرَ مَقْدَمٍ مفعولِ مطلق ہے کس اعتبار سے؟ موصوفِ محذوف کے اعتبار سے۔ دہرائیں زبان سے: یہ مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے۔ پھر دہرائیں: یہ مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے۔ تو یہاں پر دیکھو قَدِمْتَ قُدُوْمًا سارے کو حذف کر لیا گیا، کس لیے؟ کیونکہ قرینہ موجود تھا۔ قرینہ کیا تھا؟ کہ وہ شخص سب کے سامنے ابھی آیا ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو آنا معلوم تھا تو اس کو حذف کر دیا۔

تو کہتے ہیں:وَقَدْ يُحْذَفُ فِعْلُهُ، اور کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے فِعْلُهُ، اس مفعولِ مطلق کے فعل کو،لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ، کس وجہ سے؟ قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے،جَوَازًا، اور یہ حذف کرنا کس طرح ہوتا ہے؟ جوازاً ہوتا ہے،أَيْ حَذْفًا جَوَازًا۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟وَقَدْ يُحْذَفُ فِعْلُهُ، اور کبھی کبھار اس کے فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے،حَذْفًا جَوَازًا، کس قسم کا حذف؟ جوازی حذف ہوتا ہے۔ کیا بتلانا چاہتا ہوں؟ کہ یہ جَوَازًا، جَوَازًا یہ بھی مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ کیا؟جَوَازًا اس کا موصوف کیا ہے؟حَذْفًا، اور وہ حَذْفًا مفعولِ مطلق ہے، اس کا

فعل کون سا ہے؟ وَقَدْ يُحْذَفُ، پیچھے آیا ہے یا نہیں؟ تو ذرا حَذْفًا کو نکال لو: وَقَدْ يُحْذَفُ فِعْلُهُ، اور کبھی کبھار اس کے فعل کو کیا کر لیا جاتا ہے؟ حذف کر دیا جاتا ہے۔ کیوں حذف کیا جاتا ہے؟ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ، قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے، حَذْفًا جَوَازًا، کس قسم کا حذف؟ جوازی حذف۔ تو حَذْفًا کیا ہے؟ مصدر، اور ما قبل میں يُحْذَفُ اسی کا ہم معنی فعل گزرا ہے یا نہیں گزرا؟ اور وہ مصدر جس کے ما قبل اسی کا ہم معنی فعل ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعولِ مطلق، اور وہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تو یہ حَذْفًا بھی کیا ہے؟ منصوب، اور آگے جَوَازًا اس کی صفت بھی منصوب۔ اس حَذْفًا کو کیا کر دیا؟ حذف کر دیا، اور جَوَازًا کو اس کا قائم مقام کر دیا۔ تو جَوَازًا کوئی آپ سے پوچھے یہ جَوَازًا کیا ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ یہ مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے۔ دیکھا تو یہاں دو مثالیں آ گئیں اس کی۔

كَقَوْلِكَ لِلْقَادِمِ، جیسے کہ آپ کا کہنا لِلْقَادِمِ آنے والے سے، قادم آنے والا، جیسے کہ آپ کا کہنا آنے والے سے، کیا کہتے ہیں آپ اس کو؟ خَيْرَ مَقْدَمٍ، یہ کہتے ہیں۔ أَيْ قَدِمْتَ قُدُوْمًا خَيْرَ مَقْدَمٍ، یعنی آپ کا آنا خیر والا ہے، آپ خیر کے ساتھ آئے ہیں۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟ وَوُجُوْبًا، یہ اس کا عطف کس پر ہے؟ جَوَازًا پر، اور کبھی کبھار وہ حذف وجوباً ہوتا ہے، یعنی واجب ہوتا ہے۔ مفعولِ مطلق کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے۔ سِمَاعًا، لیکن یہ واجب کہاں ہو گا؟ کہتے ہیں: یہ سِمَاعًا سماع پر موقوف ہے۔ اس کا کوئی ضابطہ نہیں، بس جہاں جہاں ہم نے عربوں سے سنا ہے وہاں پر حذف ہم بھی کریں گے، کوئی ضابطہ کوئی نہیں۔ بھائی جس کا ضابطہ نہ ہو نا ضابطہ، اول یا تو علماء غور و فکر کرتے ہیں کلامِ عرب میں اور پھر اس سے ضابطہ بنا لیتے ہیں، جیسے فاعل پر رفع آئے گا، فاعل پر پیش پڑھیں گے، رفع آئے گا، یہ علماء نے کس طرح یہ کہا؟ انہوں نے کلامِ عرب میں غور کیا، انہوں نے دیکھا عرب کے کلام میں جہاں جہاں بھی فاعل آ رہا ہے اس پر وہ رفع پڑھتے ہیں، معلوم ہوا فاعل کلامِ عرب میں کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔

ایک عربی بولنے والا آدمی ہو، پیدائش عرب کی ہو، اس سے کہیں نا کہ فاعل مرفوع ہو گا، منصوب ہو گا، مجرور ہو گا، تو وہ حیران ہو کر آپ کو دیکھے گا: بھائی مرفوع کسے کہتے ہیں؟ منصوب کسے کہتے ہیں؟ مجرور کسے کہتے ہیں؟ یعنی جس نے پڑھا نہیں ہے، کیونکہ یہ تو علمِ نحو کی اصطلاحات ہیں، تو اس کو مرفوع کا بھی نہیں پتہ، منصوب کا بھی نہیں پتہ اور مجرور، یہ اصطلاحی معنی کا نہیں پتہ ہو گا اس کو۔ لیکن وہ جب بھی پڑھے گا فاعل پر ہمیشہ رفع پڑھے گا، وہ جب بھی باتیں کر رہا ہو گا جہاں مفعول آئے گا اس پر کیا بولے گا؟ نصب، اور جہاں بھی مضاف الیہ مضاف الیہ آئے گا اس پر کیا پڑھے گا؟ جر۔ بھائی اس کو مرفوع کا بھی نہیں پتہ، منصوب کا بھی نہیں پتہ، مجرور کا بھی نہیں پتہ، لیکن اعراب وہ صحیح پڑھتا جا رہا ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ دیکھو تو یہ عرب کی عرب زبان تو پہلے تھی لیکن یہ ضابطے اس طرح مدون نہیں تھے، البتہ وہ بولتے اسی طرح تھے، انہی ضابطوں کے مطابق ساری ان کی گفتگو ہوتی تھی، اور پھر علماء نے غور کر کر کے ایک ایک ضابطہ معلوم کیا اور یہ اس طرح علمِ نحو کو ترتیب دیا، تو اللہ تعالیٰ ان تمام علماء کے کروڑہا درجات بلند فرمائے بھائی، انہوں نے کتنا آسان کر دیا! اب دیکھیے غور کرتے رہے مثالوں میں اور ایک آسان سا ضابطہ ہمیں بتا دیا کہ اَلْفَاعِلُ مَرْفُوْعٌ، فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ اب آپ جتنے جملے بناتے جائیں بے فکر ہو کر: ضَرَبَ زَيْدٌ، شَرِبَ عَمْرٌو، قَالَ خَالِدٌ، دیکھو رفع پڑھتے جا رہے ہیں آپ سکون سے۔

تو یہ ضابطے ہیں، اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے علماء غور کرتے ہیں لیکن کوئی ضابطہ نہیں بن پاتا، کوئی ضابطہ نہیں بن پاتا۔ غور کرتے ہیں، ضابطہ نہیں بن پاتا کہ مثلاً کلامِ عرب میں ایک چیز ہے، مثلاً دیکھو یہ مثال سامنے ہے آپ کے، کوئی عرب ہے وہ آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہے گا تو یوں کہے گا: شُكْرًا۔ جب بھی وہ آپ کا شکریہ ادا کرے گا کیا کہے گا؟ شُكْرًا، تو اصل میں تو ہے: شَكَرْتُكَ شُكْرًا، شَكَرْتُكَ شُكْرًا، میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لیکن وہ شَكَرْتُكَ اس فعل اور مفعول کو ذکر نہیں کرتا بلکہ صرف کیا کہتا ہے؟ شُكْرًا، صرف مفعولِ مطلق ذکر کرتا ہے۔ اب علماء نے غور کیا کہ یہ کیوں حذف کیوں کرتے ہیں؟ جتنے بھی عرب، عربوں سے سنا گیا، ان کے کلام کو دیکھا گیا، ہر ایک نے شُكْرًا ہی کہا، کسی ایک نے بھی شَكَرْتُكَ کو ساتھ ذکر نہیں کیا۔ معلوم ہوا اس شُكْرًا کے سے ما قبل جو فعل ہے، شَكَرْتُكَ، اس کو حذف کرنا واجب ہے، لازم ہے۔ اگر لازم نہ ہوتا کوئی ایک عرب تو ذکر کر دیتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کوئی بھی ذکر نہیں کرتا، سب صرف کیا کہتے ہیں؟ شُكْرًا کہتے ہیں، معلوم ہوا یہ حذف کرنا واجب ہے، واجب نہ ہوتا کوئی ایک تو ذکر کرتا۔ اچھا واجب کیوں ہے؟ ضابطہ کیا ہے؟ وہ کون سی جگہ ہے جہاں پر حذف کرنا واجب ہے تاکہ ہم بھی ان جیسی جگہوں پر حذف کریں؟ غور کیا لیکن کوئی ضابطہ نہیں بن پاتا بھائی، تو اس کو پھر وہ کہتے ہیں سماعی ہے، کیا کہتے ہیں؟ سماعی، یعنی سننے پر موقوف ہے، عربوں سے ہم نے اسی طرح سنا ہے، ضابطہ نہیں کوئی اس کا، کوئی ضابطہ نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

گویا مفعولِ مطلق جو ہے اس کے فعل کا حذف دو قسم پر ہے: یہ حذف جوازاً بھی ہو سکتا ہے اور وجوباً۔ جوازاً کہاں ہو گا؟ جہاں کوئی قرینہ موجود ہو۔ اور وجوباً کہاں ہو گا؟ کہتے ہیں: وہ سماع پر موقوف ہے، اس میں وہ سماع پر موقوف ہے، کچھ جگہیں ہیں اور کوئی ضابطہ وغیرہ نہیں ہے۔ یہ معنی ہے: وَوُجُوْبًا سِمَاعًا، اور یہ حذف وجوباً ہو گا اور سماع پر موقوف ہے، نَحْوُ سَقْيًا وَشُكْرًا وَحَمْدًا وَرَعْيًا۔ جیسے سَقْيًا، یہ آگے سب کی مثالیں، پورا پورا جملہ بھی دیا ہوا ہے:

سَقْيًا، شُكْرًا، حَمْدًا، رَعْيًا۔ آگے ہے: أَيْ سَقَاكَ اللهُ سَقْيًا، یہ سَقْيًا اصل میں کیا تھا جو پہلے گزرا؟ سَقَاكَ اللهُ سَقْيًا۔ اللہ آپ کو سیراب کرے، عرب کسی کو دعا دیتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟ سَقْيًا۔ یہ نہیں کہتے سَقَاكَ اللهُ سَقْيًا، کہنا تو یوں چاہیے سَقَاكَ اللهُ سَقْيًا لیکن وہ ہمیشہ کیا کہتے ہیں؟ سَقْيًا، کبھی بھی سَقَاكَ اللهُ کو ساتھ ذکر نہیں کرتے۔ معلوم ہوا اس مفعولِ مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے اور کوئی ضابطہ نہیں اس کا، بس ہم کچھ جگہیں ہیں جہاں پر ہم نے عربوں سے سنا ہے وہ اسی طرح حذف کرتے ہیں اور یہ ان میں سے ایک مقام ہے بھائی، تو ہم بھی اس میں حذف ہی کریں گے، ظاہر کریں گے تو یہ غلط ہو گا، درست نہیں بھائی۔

تو سَقْيًا، کوئی دعا دیتا ہے کسی کو، اللہ آپ کو سیراب کرے، کیا کہتے ہیں عرب؟ سَقْيًا، سَقْيًا کہیں گے، بس۔ کسی کا شکریہ ادا کرنا ہو تو کیا کہیں گے؟ شُكْرًا۔ کسی کی تعریف کرنی ہو تو کہتے ہیں: حَمْدًا، اصل میں ہے: حَمِدْتُكَ حَمْدًا، میں آپ کی تعریف کرتا ہوں، میں نے آپ کی تعریف کی، صورت سمجھ میں آگئی؟ میں آپ کی تعریف کرتا ہوں، تو کیا کہیں گے؟ حَمْدًا کہیں گے، حَمِدْتُكَ حَمْدًا نہیں، دیکھا اس کے فعل کو، مفعولِ مطلق تو موجود ہے لیکن اس کے فعل کو حذف کیا، اور ہر جگہ ہمیشہ حذف کرتے ہیں، معلوم ہوا یہ حذف واجب ہے۔ وَرَعْيًا، اسی طرح رَعْيًا یہ بھی دعا ہے۔ عرب نے جب کسی کو دعا دینی ہو کہ اللہ آپ کی حفاظت کرے، اللہ آپ کی رعایت کرے، یعنی اللہ آپ کی حفاظت کرے، تو کہتے ہیں: رَعْيًا، اور اصل کلام کیا ہے؟ رَعَاكَ اللهُ رَعْيًا، اللہ آپ کی حفاظت کرے۔ جتنے بھی عرب ہیں ہم سے ہم نے رَعْيًا ہی سنا ہے، کسی نے بھی رَعَاكَ اللهُ رَعْيًا پورا ذکر نہیں کیا، معلوم ہوا اس کے فعل کو حذف کرنا بھی واجب ہے اور ضابطہ کوئی نہیں۔ معلوم ہوا ان کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے لیکن ضابطہ نہیں ہے، یہ کس پر موقوف ہے؟ سماع پر، تو یہ حذف وجوبی اور سماعی ہے بھائی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اچھا اب مجھے بتایئے: سَقْيًا کی ترکیب کریں، کوئی آپ سے کہے: سَقْيًا کی ترکیب کرو، کیسے کریں گے؟ ہاں سَقْيًا، آپ یوں کہیں گے: سَقْيًا مفعولِ مطلق ہے باعتبار، مفعولِ مطلق ہے فعلِ محذوف کے لیے، یہاں تو موصوف نہیں ہے نا، یہاں سیدھا یہ مفعولِ مطلق ہے کس کے لیے؟ فعلِ محذوف کے لیے، اور کلام اصل میں کیا تھا؟ سَقَاكَ اللهُ سَقْيًا۔ جی اب کیجیے ترکیب: سَقَاكَ، جی سَقَا فعل، کاف ضمیر، ہاں؟ معنی پر غور نہیں کرتے آپ؟ سیراب کرے، کون سیراب کرے؟ اللہ، تو فاعل لفظِ اللہ آگے آرہا ہے بھائی، اور کس کو کرے؟ آپ کو، یہ مخاطب کی ضمیر کیا ہے؟ مفعول ہے۔ تو جی کیجیے: سَقَا فعل، کاف ضمیر اعراب بتاؤ؟ منصوب محلاً مفعول بہ، لفظِ اللہ فاعل، اعراب بھائی؟ مرفوع لفظاً فاعل، اور سَقْيًا منصوب لفظاً مفعولِ مطلق۔ فعل اپنے فاعل، مفعول اور مفعولِ مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ، فعلیہ انشائیہ ہوا، دعا ہے نا دعا، دعا کس کی قسم میں سے ہے؟ انشائیہ۔

اچھا کوئی آپ سے پوچھے: شُكْرًا، یہ کیا ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ کہ یہ مفعولِ مطلق ہے اور اس کا فعل محذوف ہے، اور پورا کلام کس طرح ہے؟ شَكَرْتُكَ شُكْرًا۔ ترکیب کیجیے: شَكَرْتُ فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، اور شُكْرًا منصوب لفظاً مفعولِ مطلق۔ فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعولِ مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ، فعلیہ، فعلیہ انشائیہ ہوا۔ تو لفظاً خبر یہ ہے، ویسے انشائیہ ہے، انشائے شکر ہے، انشائے شکر ہے بھائی، جی۔ اسی طرح حَمِدْتُكَ حَمْدًا ہے اور رَعَاكَ اللهُ رَعْيًا، ان میں بھی اسی طرح ترکیب ہو گی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ کیا سمجھے آپ؟ مفعولِ مطلق کے فعل کو کبھی کبھار حذف کیا جاتا ہے جبکہ قرینہ موجود ہو۔ نہیں، اس سے پہلے یوں کہیں، اور یہ حذف دو قسم پر ہے: ایک جوازاً ہے، ایک وجوباً ہے۔ جوازاً کہاں ہو گا؟ جہاں، جب کوئی قرینہ موجود ہو تو پھر حذف کرنا بھی جائز، ذکر کرنا بھی جائز۔ سمجھ میں آیا؟ ذکر کر، ذکر بھی، آپ کوئی آیا آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں: قَدِمْتَ قُدُوْمًا خَيْرَ مَقْدَمٍ، اور آپ حذف کرنا چاہیں تو حذف بھی کر سکتے ہیں اور کیا کہہ سکتے ہیں: خَيْرَ مَقْدَمٍ، تو یہ حذف کرنا جائز ہے، واجب نہیں۔ اور بعض جگہیں ہیں وہاں پر حذف کرنا واجب ہے، اور وہ جگہیں کون سی ہیں؟ کہتے ہیں سماع پر موقوف ہے، کوئی ضابطہ نہیں۔ اور جیسے اس کی کیا مثال ہے؟ سَقْيًا، شُكْرًا، حَمْدًا اور رَعْيًا۔ تو دیکھا آج آپ کو پتہ چل گیا یہ جو عرب شُكْرًا شُكْرًا بولتے ہیں یہ کیا ہے دراصل؟ مفعولِ مطلق ہے، اور یہ منصوب اسی لیے ہے کیونکہ مفعولِ مطلق ہے اور مفعولِ مطلق کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے۔

▪ متن وفصل: فَصْلٌ: اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ وَهُوَ اسْمُ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ...

فَصْلٌ: اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ وَهُوَ اسْمُ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ كَ: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، وَقَدْ يَتَقَدَّمُ عَلَى الْفَاعِلِ كَ: ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ، وَقَدْ يُحْذَفُ فِعْلُهُ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ جَوَازًا۔

اب منصوبات میں سے دوسری قسم آگئی، وہ مفعول بہ ہے بھائی۔ مفعولِ مطلق گزر گیا، اب مفعول، مفعول بہ۔ مفعول بہ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: وَهُوَ اسْمُ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ، هُوَ اسْمُ مَا وہ اس چیز کا نام ہے، وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔ مفعول بہ وہ اس چیز کا نام ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، كَ: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ بھائی زید نے پٹائی کی عمرو کی، تو زید کی پٹائی کس پر واقع ہوئی؟ عمرو پر، تو یہ عمرو کیا ہے؟ مفعول بہ۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، پٹائی کس نے کی؟ زید نے، اور کس کی کی؟ عمرو کی، تو عمرو کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، تو دیکھو یہ وہ اسم جس پر فاعل کا فعل واقع ہوا ہے۔

تو کہتے ہیں: اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ وَهُوَ اسْمُ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ، وہ نام ہے اس چیز کا، وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، كَ: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، جیسے کہ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ كَ: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، جی ترکیب کیجیے ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا: ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظًا فاعل، عَمْرًا منصوب لفظًا مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو مفعول بہ کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جس پر فاعل کا، اس چیز کا نام ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔

وَقَدْ يَتَقَدَّمُ عَلَى الْفَاعِلِ، اور کبھی کبھار یہ مفعول بہ فاعل پر بھی مقدم ہو جاتا ہے، كَ: ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ، جیسے کہ ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ۔ دیکھیے وہی سارا کچھ ہے لیکن عَمْرًا جو مفعول تھا اس کو فاعل یعنی زید پر مقدم کر دیا۔ تو فاعل ہونا، اصل تو کیا ہے؟ فاعل مقدم ہوتا ہے اور مفعول بہ مؤخر، لیکن مفعول کو بھی کیا کیا جا سکتا ہے؟ فاعل پر مقدم، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بھائی۔ ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ، ترکیب کیجیے: ضَرَبَ فعل، عَمْرًا منصوب لفظًا مفعول بہ، زَيْدٌ مرفوع لفظًا فاعل۔ فعل اپنے فاعل مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

وَقَدْ يُحْذَفُ فِعْلُهُ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ جَوَازًا، اور کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے اس مفعول بہ کے فعل کو لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ کسی قرینے کی وجہ سے، جَوَازًا اور یہ حذف کرنا جوازی ہوتا ہے یعنی جائز ہوتا ہے، یعنی نہ کریں تو بھی درست اور حذف کر لیں تو بھی درست، نَحْوُ زَيْدًا جیسے زَيْدًا۔ زَيْدًا، دیکھو میں نصب پڑھ رہا ہوں، توجہ ہے ادھر؟ زَيْدًا، نصب پڑھ رہا ہوں۔ بھائی یہ مفعول بہ ہے اور مفعول بہ منصوب ہوتا ہے اس لیے میں نصب کے ساتھ پڑھ رہا ہوں: زَيْدًا۔ اور اس کا فعل محذوف ہے اس کو حذف کر لیا، اور کیوں حذف کیا؟ کیونکہ قرینہ موجود تھا۔ مثلاً آپ نے مجھ سے پوچھا: مَنْ أَضْرِبُ؟ میں کس کی پٹائی کروں؟ آپ نے مجھ سے کیا پوچھا؟ مَنْ أَضْرِبُ؟ میں نے آپ کو پٹائی کا کہا تھا کہ پٹائی کریں، آپ نے پوچھا: مَنْ أَضْرِبُ؟ میں کس کی پٹائی کروں؟ میں نے کہا: زَيْدًا۔ اصل میں کلام تھا: اِضْرِبْ زَيْدًا، تو زید کی پٹائی کر۔ لیکن میں نے اِضْرِبْ کو حذف کر دیا، کیوں؟ کیونکہ قرینہ، وہ سوال میں أَضْرِبُ آیا تھا یا نہیں ابھی؟ ضرب کا ذکر آیا تھا، آپ نے سوال میں ضرب ہی کا تو پوچھا تھا: مَنْ أَضْرِبُ؟ میں کس کی پٹائی کروں؟ تو میں نے کیا کہا: زَيْدًا۔ ہاں میں یوں بھی کہہ سکتا ہوں: اِضْرِبْ زَيْدًا، اور میں یوں بھی کہہ سکتا ہوں: زَيْدًا، تو یہ حذف واجب نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔ تو یہاں اِضْرِبْ میں اشتباہ نہیں کیونکہ آپ کا سوال بھی کس چیز کے بارے میں تھا؟ پٹائی کرنے کے بارے میں ہی تھا، اور معلوم ہوا یہاں پر بھی ضرب والا فعل ہی محذوف ہے، زَيْدًا أَيْ اِضْرِبْ زَيْدًا۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

نَحْوُ زَيْدًا، جیسے زَيْدًا، فِي جَوَابِ مَنْ قَالَ، اس شخص کے جواب میں جس نے کہا تھا: مَنْ أَضْرِبُ؟ کہ میں کس کی پٹائی کروں؟ مَنْ أَضْرِبُ؟ میں نے کہا تھا پٹائی کرو، آپ نے کہا: مَنْ أَضْرِبُ؟ میں کس کی پٹائی کروں؟ میں جواب میں کیا کہا میں نے؟ زَيْدًا۔ یہ زَيْدًا کیوں منصوب ہے؟ مفعول بہ ہے، اور اس کے فعل کو میں نے حذف کر دیا، کیوں حذف کیا؟ قرینہ موجود تھا۔ کیا قرینہ؟ یہ آپ نے ابھی سوال ہی کیا تھا مجھ سے: مَنْ أَضْرِبُ؟ وہاں پر ضرب کا ذکر آیا ہے یا نہیں؟ جی، تو پتہ چلا بات ضرب کی ہی چل رہی ہے، البتہ کس کی ضرب ہو اس کا پتہ نہیں تھا، تو میں نے بتلا دیا کس کی ضرب ہونی چاہیے؟ زید کی، تو اصل میں ہے: اِضْرِبْ زَيْدًا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ترکیب کیجیے اِضْرِبْ زَيْدًا: اِضْرِبْ فعل امر، جی انت ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، اور زَيْدًا منصوب لفظًا مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ، امر ہے امر ہے اِضْرِبْ زَيْدًا، جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ زید کی پٹائی کر، یہ میں کوئی بات آپ کو نہیں بتلا رہا بلکہ ایک حکم دے رہا ہوں، تو یہ جملہ انشائیہ ہے۔ جیسے ابھی ماقبل میں گزرا تھا شَكْرًا لَكَ، جیسے شُكْرًا، وہاں پر میں آپ کو کوئی خبر نہیں، بات نہیں بتلا رہا تھا کہ میں نے آپ کا شکریہ ادا کیا، بلکہ میں شکریے کو وجود دے رہا تھا، آپ کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی میں حکم دے رہا، یہ حکم ہے، تو امر ہے اور امر جو ہے وہ انشاء کے قبیل سے ہے۔

اچھا یہ کس کی ترکیب کی آپ نے؟ اِضْرِبْ زَيْدًا، کون سا جملہ ہوا؟ جملہ انشائیہ۔ اچھا دوسرے جملے کی ترکیب کرو، آپ نے پوچھا تھا: مَنْ أَضْرِبُ؟ مَنْ أَضْرِبُ؟ ترکیب کیجیے۔ یاد رکھو مَنْ یہ استفہامیہ ہے، سوال کے لیے ہے نا، مَنْ أَضْرِبُ؟ میں کس کی پٹائی کروں؟ تو یہ مَنْ کون سا ہے؟ استفہامیہ،

اور یادرکھو یہاں اس وقت یہ مفعول بہ بن رہا ہے۔ آپ خود غور کرلیں: أَضْرِبُ میں پٹائی کروں، مَنْ کس کی، میں پٹائی کروں مَنْ کس کی، دیکھو مفعول بن رہا ہے یا نہیں بن رہا؟ جی، تو یہ ضرب یعنی جس پر ضرب واقع ہو اس کا آپ پوچھ رہے ہیں مَنْ کے ذریعے، تو یہ وہی ہے۔ تو مَنْ، مَنْ تو مبنی ہے نا مبنی ہے، منصوب محلاً مفعول بہ، مَنْ استفہامیہ منصوب محلاً مفعول بہ مقدم، اور أَضْرِبُ فعل بافاعل، انا ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ مقدم سے مل کر جملہ جملہ، جملہ استفہامیہ، ہاں استفہام ہے، جملہ فعلیہ استفہامیہ، استفہامیہ تو ہوا ٹھیک ہے، انشاء یا خبر یہ بتاؤ؟ جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، جملہ فعلیہ ہے نا وہ مفعول مقدم کیا ہوا ہے، مَنْ جو ہے مفعول ہے اصل میں، صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا جی، یہ معنی ہے اب دوبارہ دیکھیے، کہتے ہیں: وَقَدْ يُحْذَفُ فِعْلُهُ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ جَوَازًا، اور کبھی کبھار مفعول بہ کے فعل کو حذف کرلیا جاتا ہے قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے جوازاً، اور یہ حذف کرنا جوازی ہوتا ہے، جائز ہوتا ہے، یعنی نہ کریں تو بھی درست اور حذف کرلیں تو بھی درست، نَحْوُ زَيْدًا، جیسے کہ زَيْدًا، یہ مفعول بہ ہے اور اس کے فعل کو کیا کرلیا گیا؟ حذف۔ یہ زَيْدًا جو کہاں آیا؟ فِي جَوَابِ مَنْ قَالَ، یہ اس شخص کے جواب میں آیا تھا جس نے کہا: مَنْ أَضْرِبُ؟ کہ میں کس کی پٹائی کروں؟ جی، تو یہ حذف کیسا تھا؟ جوازی۔

وَوُجُوْبًا، اور کبھی کبھار مفعول بہ کے فعل کو حذف کیا جاتا ہے وجوباً، وجوبی طور پر، فِي أَرْبَعَةِ مَوَاضِعَ، کتنی جگہوں میں؟ چار جگہوں میں حذف کرنا واجب ہے۔ ایک جگہ جوازی اور چار جگہیں وجوبی۔ جوازی کہاں، جوازاً حذف کہاں جائز؟ جہاں قرینہ ہو۔ اور وجوباً وہ کون سی جگہیں ہیں وہ آگے ذکر کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: اَلْأَوَّلُ سِمَاعِيٌّ، پہلی جگہ جو ہے وہ سماعی ہے۔ بھائی ادھر دیکھیے، بتایا مفعول بہ کا فعل حذف کیا جاسکتا ہے اور یہ حذف دو قسم پر ہے: نمبر ایک جوازاً، اور یہ جوازاً کہاں ہوگا؟ جہاں قرینہ ہو۔ اور دوسری جگہ وجوباً ہے حذف کرنا، وہاں حذف کرنا واجب ہے، آپ فعل کو ذکر نہیں کرسکتے، اگر ذکر کریں گے تو آپ غلط کررہے ہیں، کلامِ عرب میں کے اعتبار سے غلط ہی کررہے ہیں آپ، صورت سمجھ میں آئی؟ تو یہ دوسری جگہ وجوباً ہے۔ ہاں اور یہ وجوباً پھر کتنی قسم پر ہے؟ یہ کن جگہوں پر وجوباً ہے؟ کہتے ہیں: وہ چار جگہیں ہیں، کتنی ہیں؟ چار۔ ان چار میں سے ایک جگہ سماعی ہے، کیا معنی سماعی ابھی میں نے اتنی لمبی تقریر کی تھی؟ جہاں جس کا تعلق سننے سے ہے، کوئی ضابطہ وغیرہ وہاں پر نہیں۔ تو ایک جگہ سماعی ہے چار میں سے اور تین قیاسی ہیں، تین کیا ہیں؟ قیاسی، یعنی آپ بھی اسی پر قیاس کرتے ہوئے اس جیسی جگہوں پر حذف کرنا آپ کے لیے بھی واجب ہوگا۔ کتنی جگہیں ہیں وجوبی حذف کی؟ چار، چار میں سے ایک کیا ہے؟ سماعی، سماعی کیا معنی؟ سننے سے ہم نے سنا اس طرح ہے، کوئی ضابطہ وغیرہ ہم نہیں بنا سکے، کوئی ضابطہ نہیں۔ اور تین جگہیں کیا ہیں؟ قیاسی، یعنی باقاعدہ ہم نے ضابطہ بنالیا، آپ کے پاس بھی ان جیسی کوئی جگہ آئے ان تین جیسی تو آپ پر بھی کے لیے بھی اس فعل کو حذف کرنا واجب ہوگا کیونکہ وہ قیاسی ہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں ان چار جگہوں میں سے: اَلْأَوَّلُ سِمَاعِيٌّ، پہلی جگہ سماعی ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر: اِمْرَأً وَنَفْسَهُ، پہلی مثال، وَانْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ، دوسری مثال، أَهْلًا وَسَهْلًا، تیسری مثال۔ یہ سماعی ہیں۔ وَالْبَوَاقِي قِيَاسِيَّةٌ، اور باقی تین جگہیں قیاسی ہیں۔

اِمْرَأً وَنَفْسَهُ، اصل میں کلام یوں ہے، یہ اِمْرَأً یہ منصوب ہے، مفعول بہ ہے، اور نَفْسَهُ یہ اس پر عطف ہے اور تو اِمْرَأً ہوا معطوف علیہ۔ امرؤ کسے کہتے ہیں؟ آدمی کو، اور امرأۃ عورت کو۔ تو یہ جو پہلے آئے اس کو کیا کہتے ہیں؟ اِمْرَأً وَنَفْسَهُ، واؤ حرفِ عطف ہے، تو اِمْرَأً یہ کیا ہے؟ معطوف علیہ، اس پر عطف کیا گیا ہے، معطوف علیہ اس پر عطف کیا گیا ہے، اور نَفْسَهُ یہ کیا ہے؟ معطوف۔ تو اور آپ نے پڑھا ہے معطوف کا وہی اعراب ہوتا ہے جو معطوف علیہ، تو اِمْرَأً منصوب تو نَفْسَهُ بھی منصوب۔ اور یہ پھر یہ معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر یہ مفعول ہے أُتْرُكْ فعل کے لیے۔ أُتْرُكْ چھوڑ دے، تَرَكَ يَتْرُكُ کے معنی ہیں چھوڑنا، اسی سے فعلِ امر ہے أُتْرُكْ چھوڑ دے، تا دو نقطوں والی، را اور چھوٹا کاف، تَرَكَ، چھوڑنا۔ بھائی آپ اردو میں بھی کہتے ہیں، کوئی ساتھی آپس میں جھگڑ رہے ہوں یا کوئی ساتھی دوسرے کو تنگ کررہا ہو یا کوئی اور وجہ ہو، آپ اس کو کہتے ہیں: بھائی چھوڑو بھائی اس کو جانے دو، بات کو چھوڑ دو، بات کو ختم کر دو، آپ کہتے ہیں یا نہیں کہتے؟ تو عربی میں کہتے ہیں: اِمْرَأً وَنَفْسَهُ، أَيْ أُتْرُكِ امْرَأً وَنَفْسَهُ، آدمی کو اور اس کی جان کو چھوڑ دو۔ أُتْرُكْ چھوڑ دو اِمْرَأً آدمی کو وَنَفْسَهُ اور اس کی جان، آدمی اور اس کی ذات کو چھوڑ دو، یعنی اس آدمی کو چھوڑ دو، جانے دو بس۔ لیکن عرب کبھی بھی أُتْرُكْ نہیں بولتے ساتھ بلکہ ہمیشہ کیا کہتے ہیں؟ اِمْرَأً وَنَفْسَهُ۔ اصل کلام تو ہے: أُتْرُكِ امْرَأً وَنَفْسَهُ، آدمی اور اس کی، یعنی آدمی اور اس کی جان کو چھوڑ دو، یہ تو لفظی معنی ہے، بامحاورہ اردو میں تو یوں ہی کہیں گے نا: بس اس آدمی کو چھوڑ دو، جانے دو۔ تو عرب کبھی بھی أُتْرُكْ ساتھ ذکر نہیں کرتے، معلوم ہوا اس أُتْرُكْ کو حذف کرنا واجب ہے۔ یعنی اِمْرَأً وَنَفْسَهُ یہ ایسا مفعول، مفعول بہ ہے جس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، اور ضابطہ کیا؟ ضابطہ کوئی نہیں، سماعی، ہم نے عربوں سے اسی طرح سنا ہے، کوئی ضابطہ ہماری سمجھ میں ابھی تک نہیں آیا، وہ اس پر اس کے کبھی بھی اس کے فعل کو ذکر نہیں کرتے۔

■ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب

ترکیب کیجیے: أَتْرُكْ فعلِ امر، انت ضمیر اس کے اندر، چھوڑ تو چھوڑ دینا، فعلِ امر ہے، أَتْرُكْ فعلِ امر، انت ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، اِمْرَأً منصوب لفظاً معطوف علیہ، منصوب کیوں؟ مفعول بہ ہے، اور لفظاً کیوں؟ نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، معطوف علیہ ہوا، اور واؤ حرفِ عطف، نَفْسَهُ، نَفْسَ اعراب منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ معطوف ہے، کیونکہ یہ معطوف ہے اور معطوف علیہ اور معطوف کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، نَفْسَ۔ مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ ہاں جس اسم کے ساتھ بھی کیا جڑی ہوئی ہو؟ ضمیر، وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ بنتے ہیں، تو یہ مضاف ہوا۔ آگے؟ ہاں شاباش، ہو نہیں کہا آپ نے یہ اچھا کیا، معلوم ہوا اتنا آپ کو پتہ چل گیا، عموماً طلباء اس کو کیا پڑھتے ہیں؟ جو حرکت جیسی ہوتی ہے اسی طرح پڑھ دیتے ہیں: ہو ضمیر، یہ زیر ہو تو کہتے ہیں: ہی ضمیر، نہیں بھائی، یہ ایک حرف ہے، ایک حرف پر جو اسم مشتمل ہو اس کا وہ نام لیتے ہیں جو حروفِ تہجی میں تھا، اور وہاں یہ ہا ہے بھائی۔ تو ہا، اعراب بتاؤ؟ ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے، محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے، شاباش۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر معطوف، معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر مفعول بہ ہوا أَتْرُكْ فعل کے لیے۔ أَتْرُكْ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ، جملہ فعلیہ، امر ہے، جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

وَانْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ، وَانْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ، تو یاد رکھیے وَانْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ یہ قرآن کی آیت ہے، قرآن کا حصہ ہے اور یہ عیسائیوں کو خطاب ہے، عیسائیوں سے کہا جا رہا ہے۔ بھائی اسلام تو ہمیں بڑا آسان اور سیدھا سادھا عقیدہ دیتا ہے جس میں کوئی مشکل نہیں، اور کیا بتلاتا ہے اسلام؟ کہ اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے، اور جبکہ عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام اور جبرائیل علیہ السلام، یہ تینوں خدا ہیں، اور بعض مریم کو ملاتے ہیں ساتھ، تو یہ تینوں خدا ہیں اور یہ تینوں دراصل ایک ہیں۔ یہ تینوں دراصل ایک ہیں، تو یہ تینوں ایک ہے اور ایک دراصل تین ہیں، ہم کہتے ہیں یہ کیا معنی ہوا؟ ایک تین اور تین ایک کیسے ہو سکتا ہے؟ جو ایک ہے وہ تین نہیں اور جو تین ہے وہ ایک نہیں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہاں یہ بات تو ہماری سمجھ میں بھی آج تک نہیں آئی لیکن ہے اسی طرح، ایک تین ہے اور تین ایک۔ ان کے آج کل کے بھی دور کے مناظرے، بعض بڑے بڑے مناظرے، ان میں وہ ان کے پادری وغیرہ بڑی طویل بحث کے بعد بالآخر خود اس بات کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ ہاں بات ایسی ہی ہے، یہ عقیدہ ہماری سمجھ میں بھی آج تک نہیں آیا کہ تین ایک کیسے ہو سکتا ہے اور ایک تین کیسے ہو سکتا ہے، لیکن بہر حال ہے اسی طرح، بس تعصب کی وجہ سے اپنے اس عقیدے پر جمے ہوئے ہیں۔ جبکہ اس کے مقابلے میں قرآن نے، اسلام نے ہمیں کتنا سیدھا عقیدہ دیا کہ اللہ ایک ہے، معبودِ حقیقی ایک ہے، وہی خالق ہے، وہی رازق ہے، وہی سب کچھ کرنے والا ہے بھائی۔

تو لہٰذا تو یہ جو عیسائیوں کا عقیدہ ہے، تین کو ایک کہتے ہیں اور ایک کو تین، یہ اس کو کہتے ہیں تثلیث۔ تثلیث، سمجھ میں آیا بھائی؟ تثلیث، وہی ثلاثہ سے ہے تثلیث۔ تو اس عقیدے کا کیا نام ہوا؟ تثلیث، تو یہ تثلیث ہے۔ تو قرآن میں ان سے کہا گیا: اِنْتَهُوْا عَنِ التَّثْلِيْثِ، انتہیٰ کے معنی ہیں باز آجانا، باز آجاؤ اے عیسائیو! عَنِ التَّثْلِيْثِ تثلیث سے، اے عیسائیو، اللہ کیا فرما رہے ہیں؟ اے عیسائیو، عقیدۂ تثلیث سے باز آجاؤ۔ اور آگے ہے: خَيْرًا لَّكُمْ، اس کا فعل محذوف ہے: أَيِ اقْصِدُوْا خَيْرًا لَّكُمْ، قَصَدَ يَقْصِدُ کے معنی ہیں ارادہ کرنا، اور تم ارادہ کرو خَيْرًا لَّكُمْ اس چیز کا جو تمہارے لیے بہتر ہے، یعنی اسلام کا۔ کس کی طرف آجاؤ؟ اسلام۔ تو قرآن میں عیسائیوں کا جو عقیدۂ تثلیث ہے، عیسائیوں کو کیا کہا گیا؟ عیسائیوں کا جو عقیدۂ تثلیث ہے تو قرآن میں ان کو کیا کہا گیا؟ اِنْتَهُوْا، اِنْتَهُوْا عَنِ التَّثْلِيْثِ، عَنِ التَّثْلِيْثِ محذوف ہے بھائی، تو اِنْتَهُوْا تم باز آجاؤ، کس چیز سے؟ عقیدۂ تثلیث سے، تین کو ایک اور ایک کو تین کہنا چھوڑ دو۔ اور آگے ہے: خَيْرًا لَّكُمْ، اور یہ کلام کس طرح ہے دراصل؟ وَاقْصِدُوْا خَيْرًا لَّكُمْ، اور تم ارادہ کرو خَيْرًا اس چیز کا جو بہتر ہے لَّكُمْ تمہارے لیے، یعنی اسلام کا۔

تو مقامِ استشہاد ہے یہاں پر: خَيْرًا، یہ خَيْرًا منصوب ہے، مفعول بہ ہے بھائی، مفعول بہ، اور یہ مفعول بہ ہے کس فعل کے لیے؟ فعلِ محذوف کے لیے: اِقْصِدُوْا خَيْرًا لَّكُمْ، اِقْصِدُوْا فعلِ امر ہے، تم لوگ کیا کرو؟ ارادہ کرو۔ سمجھ میں آیا؟ اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟ تو اِنْتَهُوْا، تم باز آجاؤ کس چیز سے؟ تثلیث سے، عَنِ التَّثْلِيْثِ وہ محذوف ہے۔ اور خَيْرًا لَّكُمْ یہ مفعول بہ ہے، اس کا فعل محذوف ہے: اِقْصِدُوْا خَيْرًا لَّكُمْ، ارادہ کرو تم لوگ اس چیز کا جو تمہارے لیے بہتر ہے۔ تو مقامِ استشہاد میں نے بتایا کیا ہے؟ خَيْرًا، اس کے فعل کو حذف کر، حذف کیا گیا بھائی۔ تو اس کے، تو اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، اور کیا ضابطہ ہے؟ کوئی ضابطہ نہیں، یہ کس پر موقوف ہے؟ سماع پر، اسی طرح ہم نے سنا ہے بھائی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِنْتَهُوْا، تم باز آجاؤ، اس کے لیے وہ جو عَنِ التَّثْلِيْثِ کو محذوف نکالا، کس چیز سے باز آؤ؟ تثلیث سے، اور خَيْرًا کے لیے مفعول، خَيْرًا کے لیے فعل الگ نکالا، اس خَيْرًا کو اِنْتَهُوْا کے لیے ہی مفعول کیوں نہیں بنا دیتے؟ سوال، اشکال سمجھ میں آیا؟ تو جواب یہ کہ وہ مفعول نہیں چاہتا،

مفعول نہیں چاہتا بھائی، وہ مفعول نہیں، اسی لیے اِنْتَهُوْا عَنِ التَّثْلِيْثِ، عَنْ درمیان میں لے کر آیا، عَنْ درمیان میں لاتے ہیں بھائی۔ اور نیز اگر یہ بن بھی جاتا تو پھر معنی خراب ہو جاتا بھائی، کس طرح؟ اے عیسائیو، اِنْتَهُوْا تم کیا کرو؟ باز آجاؤ۔ کس چیز سے؟ خَيْرًا لَّكُمْ جو تمہارے لیے بہتر ہے، اے عیسائیو، جو چیز تمہارے لیے بہتر ہے اس سے کیا کرو؟ باز آجاؤ، یہ کوئی بات بنتی ہے؟ تو اس صورت میں معنی ہی صحیح نہیں رہتا، اسی لیے اِنْتَهُوْا کے لیے عَنِ التَّثْلِيْثِ محذوف نکالیں گے اور خَيْرًا کے لیے فعل محذوف نکالیں گے: اِقْصِدُوْا خَيْرًا لَّكُمْ۔

اگلی مثال ہے: وَأَهْلًا وَسَهْلًا، عربوں سے بھی آپ نے سنا ہے جب کوئی مہمان آتا ہے وہ کیا کہتے ہیں؟ أَهْلًا وَسَهْلًا۔ تو آج آپ کو پتہ چل گیا کہ یہ أَهْلًا یہ بھی مفعول بہ ہے اور سَهْلًا یہ بھی کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، اور ان کے فعل کو حذف کیا جاتا ہے اور اس کا حذف واجب ہے۔ واجب ہے، کیوں؟ واجب کیسے ہے، آپ کو کیسے پتہ چلا؟ نہیں، واجب کیسے ہے؟ اگر کوئی آپ سے پوچھ لے کیسے واجب ہے تو آپ کیا جواب دیں گے؟ ہاں ہم نے عربوں سے کبھی آج تک نہیں سنا کہ انہوں نے پورا جملہ بولا ہو بلکہ ہمیشہ کیا کہتے ہیں؟ أَهْلًا وَسَهْلًا، حالانکہ پورا جملہ یوں ہے: أَتَيْتَ أَهْلًا وَوَطِئْتَ سَهْلًا، أَتَيْتَ أَهْلًا وَوَطِئْتَ سَهْلًا، لیکن کبھی کسی سے آپ یہ پورا جملہ نہیں سنیں گے، جس سے بھی سنیں گے کیا وہ کہے گا؟ أَهْلًا وَسَهْلًا کہے گا، أَهْلًا وَسَهْلًا۔

اچھا تو أَهْلًا یہ مفعول بہ ہے اور اس کا فعل کیا ہے؟ محذوف۔ اہل کس کو کہتے ہیں؟ گھر والے۔ جب کوئی مہمان آتا ہے عرب اس کو کہتے ہیں: أَهْلًا، أَيْ أَتَيْتَ أَهْلًا، أَتَى يَأْتِي کے معنی ہوتے ہیں آنا، أَتَيْتَ تو آیا ہے أَهْلًا، کہاں پر؟ گھر والوں میں۔ بھئی مہمان آیا آپ کے گھر آیا، اردو میں بھی آپ کہتے ہیں آپ کے پاس کوئی مہمان آئے آپ اس کو کیا کہتے ہیں؟ اس کو اپنا گھر ہی سمجھے گا، کوئی آپ کی تکلی، یہاں تکلیف نہیں ہو گی، جس چیز کی ضرورت ہو آپ ہمیں فوراً بتائیے گا، اس کو اپنے گھر کی طرح ہی سمجھیں، آپ کہتے ہیں یا نہیں کہتے مہمان کو؟ تو یہ عرب بھی یہی کہہ رہے ہیں: أَهْلًا، مہمان آیا اس کو کیا کہا؟ أَتَيْتَ أَهْلًا، تو آیا ہے أَهْلًا گھر والوں میں، یعنی یہ آپ کا ہی گھر ہے تو گھر والوں میں ہی آیا ہے۔ اور آگے ہے: سَهْلًا، سَهل کہتے ہیں نرم کو، نرم، اور اس کے لیے ایک فعل ہے: وَطِئْتَ، وَطِئَ يَطَأُ کے معنی ہوتے ہیں روندنا، وَطِئَ يَطَأُ کے معنی روندنا، اسی سے وَطِئَ، کیسے ہو گی گردان؟ وَطِئَ، وَطِئَا، وَطِئُوْا، وَطِئَتْ، وَطِئَتَا، وَطِئْنَ، وَطِئْتَ، وَطِئْتَ، دیکھو ہمزہ ہے اور ما قبل کسرہ ہے طا کے نیچے، اور اسی ہمزہ سے ما قبل کسرہ ہو تو ہمزہ کو یا سے بدلنا جائز ہے، تو کیا پڑھیں گے؟ وَطِيْتَ، تو وَطِئْتَ بھی پڑھ سکتے ہیں اور وَطِيْتَ، اور وَطِئَ کا معنی روندنا، یعنی قدم اوپر رکھنا۔ تو وَطِئْتَ سَهْلًا، تو نے نرم زمین کو روندا ہے یعنی نرم زمین پر قدم رکھا ہے، یعنی یہ جگہ آپ کے لیے نرمی والی ہے، سختی والی نہیں، یہاں آپ کو سہولت اور آرام ہی ملے گا، تکلیف نہیں ملے گی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

تو أَهْلًا وَسَهْلًا، جی تو أَهْلًا وَسَهْلًا یہ کیا ہیں؟ مفعول بہ ہیں بھائی۔ ترکیب کریں: أَتَيْتَ أَهْلًا، أَتَيْتَ فعل بافاعل، أَهْلًا منصوب لفظاً مفعول بہ، واؤ حرفِ عطف، وَطِئْتَ سَهْلًا، وَطِئْتَ فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، سَهْلًا منصوب لفظاً مفعول، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبر۔ تو کہتے ہیں: وَالْبَوَاقِي قِيَاسِيَّةٌ، اور باقی تین کیا ہیں؟ قیاسی۔ خلاصۂ کلام کیا ہوا؟ کہ مفعول بہ وہ نام ہے اس چیز کا جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔ اور یہ کبھی کبھار فاعل پر بھی مقدم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے فعل کو حذف کر، اس کے فعل کو حذف کیا جا سکتا ہے اور یہ حذف دو قسم پر ہے: کبھی یہ حذف جوازی ہوتا ہے اور کبھی وجوباً۔ جوازی کہاں ہو گا، جوازاً؟ جہاں قرینہ موجود ہو۔ اور وجوباً چار جگہیں ہیں، ان چار میں سے ایک جگہ ہم نے پڑھ لی اور وہ کون سی ہے؟ سماعی ہے، یعنی وہاں کوئی ضابطہ وغیرہ نہیں، ہم نے عربوں سے اسی طرح سنا ہے وہ ان مقامات پر مفعول بہ کو صرف ذکر کرتے ہیں، اس کے فعل کو ذکر نہیں، کوئی ایک بھی ذکر نہیں کرتا، معلوم ہوا یہ حذف واجب ہے بھائی۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۵: فصل المفعول بہ: مفعول بہ کی تعریف، حذفِ عامل اور تحذیر (اِیَّاکَ وغیرہ) کے احکام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۷—بتاریخ: ۱۷ فروری ۲۰۱۵ء

متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

اَلثَّانِي التَّحْذِيرُ، وَهُوَ مَعْمُولٌ بِتَقْدِيرِ: اِتَّقِ، تَحْذِيرًا مِمَّا بَعْدَهُ، نَحْوُ: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، أَصْلُهُ: اِتَّقِكَ وَالْأَسَدَ، أَوْ ذُكِرَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ مُكَرَّرًا، نَحْوُ: اَلطَّرِيقَ الطَّرِيقَ۔

گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ مفعولِ مطلق جو ہے اس کو کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے اور یہ حذف دو قسم پر ہے: کبھی یہ حذف جوازاً ہوتا ہے اور کبھی حذف وجوباً ہوتا ہے۔ جوازاً حذف وہاں ہو گا جہاں پر کوئی قرینہ موجود ہو اور وجوباً حذف جو ہے وہ بعض جگہ ہو گا اور وہ سماع پر موقوف ہے، وہ عربوں سے ہم نے اسی طرح سنا ہے، اس کا کوئی ضابطہ وغیرہ نہیں ہے، جیسے: شُكْرًا، حَمْدًا، رَعْيًا وغیرہ بھائی۔

اس کے بعد مفعول بہ کی بحث شروع ہوئی تھی اور آپ نے پڑھا کہ مفعول بہ وہ نام ہے اس چیز کا جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، فاعل کا فعل واقع ہو۔ جیسے: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، تو یہ عَمْرًا کیا ہے؟ مفعول بہ۔ اور کبھی کبھار یہ مفعول بہ فاعل پر مقدم ہو جاتا ہے۔ اصل میں تو مفعول بہ فاعل کے بعد آنا چاہیے بھائی۔ پہلے فاعل، کیونکہ ہر فعل کے لیے کیا ضروری؟ فاعل ضرور چاہیے۔ مفعول بہ کو ذکر کریں یا نہ کریں، اس کو بعض اوقات حذف بھی کر لیتے ہیں لیکن فاعل کا ذکر ضروری ہوتا ہے اور مفعول بہ کا درجہ اس کے بعد ہے تو اس کو بعد میں ذکر کرتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھار یہ مفعول بہ کیا ہے فاعل پر مقدم بھی ہو جاتا ہے اور یہ جائز ہے، اس سے معنی میں فرق نہیں آئے گا۔

تو کبھی کبھار اس کو فاعل پر مقدم بھی کر دیتے ہیں اور کبھی کبھار اس مفعول بہ کے فعل کو حذف بھی کر لیتے ہیں اور یہ حذف دو قسم پر ہے: کبھی یہ حذف جوازاً ہوتا ہے اور کبھی وجوباً۔ جوازاً حذف وہاں ہو گا جہاں کوئی قرینہ موجود ہو۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں: ضَرَبْتُ زَيْدًا، تو میں صرف زَيْدًا بھی کہہ سکتا ہوں، زَيْدًا بھی۔ ضَرَبْتُ، اصل میں تو کیا تھا؟ ضَرَبْتُ زَيْدًا، میں نے زید کی پٹائی کی۔ میں نے زید کی پٹائی کی۔ میں یہ آپ سے کہنا چاہتا ہوں: میں نے زید کی پٹائی کی۔ لیکن آپ کو پہلے سے ہی پتا ہے کہ فعل جو ہوا ہے وہ ضرب والا ہوا ہے لیکن آپ کو یہ نہیں پتا پٹائی ہوئی کس کی ہے؟ تو آپ نے مجھ سے پوچھا: مَنْ ضَرَبْتَ؟ آپ نے کس کی پٹائی کی؟ تو مجھے جواب میں کیا کہنا چاہیے؟ ضَرَبْتُ زَيْدًا۔ لیکن میں ضَرَبْتُ زَيْدًا نہیں کہتا، میں صرف کہتا ہوں: زَيْدًا، تو یہ بھی جائز ہے۔ کیونکہ ضرب کا ذکر تو سوال میں آپ کے آ گیا تھا، آپ نے پوچھا ہی کس کے بارے میں تھا؟ ضرب کے بارے میں کہ مَنْ ضَرَبْتَ؟ آپ نے کس کی پٹائی کی ہے؟ تو صرف کس کا علم نہیں تھا؟ مضروب کا پتا نہیں تھا اور فعل کا یعنی ضرب کا علم تھا تو میں نے ضرب کو حذف کر دیا اور جواب میں صرف کیا کہا؟ زَيْدًا۔ تو جب قرینہ موجود ہو، مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا جائز ہے۔

تو یہ جوازاً۔ اور بعض جگہ یہ جو حذف ہو گا یہ وجوباً ہو گا اور وجوباً آپ نے پڑھا چار جگہیں ہیں بھائی۔ ان چار میں سے پہلی جگہ سماعی ہے، وَالْبَوَاقِي قِيَاسِيَّةٌ، اور باقی جگہیں قیاسی ہیں۔ تو پہلی جگہ جو ہے وہ سماعی ہے اور وہ ہم نے پڑھ لی تھی جیسے اس کی کچھ مثالیں انہوں نے ذکر کر دیں: اَمْرَأً وَنَفْسَهُ، اور:

وَانْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ، اور: أَهْلًا وَسَهْلًا بھائی۔

اب جو باقی قیاسی ہیں آج ہم ان کے بارے میں پڑھیں گے بھائی۔ تو کہتے ہیں بھائی: وَالْبَوَاقِي قِيَاسِيَّةٌ، اور باقی قیاسی ہیں بھائی۔ یعنی باقی تین جگہیں، چار میں سے ایک تو ہوئی سماعی اور تین کیا ہیں؟ قیاسی ہیں۔ اب وہ گنوانے لگے ہیں وہ تین قسمیں، تو کہتے ہیں: اَلثَّانِي التَّحْذِيرُ، دوسری قسم جو ہے وہ تحذیر ہے۔ کون سی جگہیں بیان ہو رہی ہیں؟ قیاسی۔ کون سی، کس چیز کی قیاسی جگہیں؟ جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کر لیں۔ مفعول بہ کو باقی رکھتے ہیں اور اس کے فعل کو حذف کر لیتے ہیں اور یہ حذف کون سا ہے؟ وجوباً ہے یعنی حذف کرنا واجب ہے، اگر ذکر کرتے ہیں تو غلط کرتے ہیں آپ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اگر ذکر کرتے ہیں تو یہ عربی اعتبار سے آپ غلطی کرتے ہیں۔

تو ان وجوبی جگہوں میں سے دوسری جگہ تحذیر ہے۔ تحذیر ہے۔ تحذیر کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: وَهُوَ مَعْمُولٌ بِتَقْدِيرِ اِتَّقِ، تحذیر جو ہے وہ اسم ہے جو معمول ہو اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ۔ کس کی تقدیر کے ساتھ؟ اِتَّقِ کی تقدیر یعنی اِتَّقِ کا لفظ وہاں مقدر ہو اور کس لیے ہے؟ تَحْذِيرًا مِمَّا بَعْدَهُ، حَذَّرَ يُحَذِّرُ تَحْذِيرًا کا معنی ہوتا ہے ڈرانا۔ تَحْذِيرًا مِمَّا بَعْدَهُ، مابعد سے ڈرانے کے لیے، جو اس کے مابعد ہے اس سے ڈرانے کے لیے۔ نَحْوُ: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، جیسے: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ۔

بھئی تحذیر کا معنی ہوتا ہے ڈرانا کسی کو اور آپ اردو میں بھی اسی طرح کہتے ہیں۔ مثلاً آپ کا ساتھی کہیں کھڑا ہے اور اس کے قریب ہی پاؤں کے پاس آپ کو سانپ نظر آیا تو آپ فوراً اس کو متنبہ کریں گے، اس کو ڈرائیں گے، اس کو بچائیں گے، کس طرح؟ اس کو کیا کہیں گے؟ آپ اس کو یہ نہیں کہیں گے سانپ سے بچو سانپ سے بچو، بلکہ آپ اس کو کہیں گے: سانپ سانپ! تو جس چیز سے ڈرا رہے ہیں اس کو آپ ذکر کریں گے، پوری لمبی بات نہیں کریں گے کیونکہ اتنا وقت ہی نہیں ہے کہ آپ پوری لمبی بات کریں۔ آپ لمبی بات کریں گے تو اتنی دیر میں تو سانپ اس کو کاٹ لے گا بھائی۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، عربی زبان میں بھی اسی طرح ہے کہ جب کسی کو کسی چیز سے ڈرانا ہو یا اس سے بچانا ہو تو وہاں پر فعل کو حذف کر لیتے ہیں۔ جیسے آپ نے فعل کو حذف کر لیا، آپ نے کیا کہا اس سے؟ سانپ سانپ کہا لیکن یہ نہیں کہا کہ تم سانپ سے بچو، تم سانپ سے بچو، دیکھا؟ وہ بچنے کے فعل کو کیا کر لیا؟ حذف کر لیا کیونکہ وقت ہی اتنا نہیں ہے، کیونکہ اگر آپ اس کو ذکر کریں گے اتنی دیر میں تو سانپ اسے کاٹ لے گا بھائی۔

تو یہاں پر بھی عربی زبان میں بھی اسی طرح اس کو حذف کر لیتے ہیں اور اسی لیے انہوں نے کہا کہ تحذیر: وَهُوَ مَعْمُولٌ، وہ اسم ہے جو معمول ہو، بِتَقْدِيرِ اِتَّقِ، کس تقدیر کے ساتھ؟ اِتَّقِ۔ یعنی وہاں اِتَّقِ کا لفظ مقدر ہو، اِتَّقِ یا اِتَّقِ جیسا کوئی لفظ کیا ہو؟ مقدر ہو۔ وہ معمول ہوتا ہے اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ۔ کیوں؟ تَحْذِيرًا مِمَّا بَعْدَهُ، ڈرانے کے لیے مِمَّا اس چیز سے بَعْدَهُ جو اس کے بعد ہو۔

اچھا، بِتَقْدِيرِ اِتَّقِ تَحْذِيرًا مِمَّا بَعْدَهُ، اس کے مابعد سے ڈرانے کے لیے، نَحْوُ: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، جیسے: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ۔ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، أَصْلُهُ: اِتَّقِكَ وَالْأَسَدَ، اصل کلام یوں ہے، اصل اس کی یوں ہے: اِتَّقِ، تو بچا، اِتَّقِ، تو بچا۔ آگے کاف ضمیر مفعول کی آگئی اپنے آپ کو، اے مخاطب! اِتَّقِكَ، تو اپنے آپ کو بچا۔ کس سے؟ عَنِ الْأَسَدِ، وہ یہاں محذوف ہے بھائی۔ اِتَّقِكَ عَنِ الْأَسَدِ، تو اپنے آپ کو بچا شیر سے۔ اور آگے ہے: وَالْأَسَدَ، یہاں بھی اسی طرح ہے: وَاتَّقِ الْأَسَدَ عَنْ نَفْسِكَ، اور تو شیر کو بچا اپنے آپ سے۔ تو اپنے آپ کو شیر سے بچا اور شیر کو اپنے آپ سے بچا۔

یہ لفظی، کس طرح ہے اصل میں کلام؟ اِتَّقِكَ عَنِ الْأَسَدِ وَاتَّقِ الْأَسَدَ، یہ جو دوسرا أَسَدَ آرہا ہے نا وَالْأَسَدَ، یہ اصل میں کیا ہے؟ وَاتَّقِ الْأَسَدَ عَنْ نَفْسِكَ، اور شیر کو بچا عَنْ نَفْسِكَ، کس سے؟ اپنے نفس، اپنے آپ سے۔ بات سمجھ بھی آئی کہ نہیں؟ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، یہ صاحب ہدایۃ النحو نے مختصر کر دیا کلام کو۔ اصل پورا کلام کیا ہے؟ اِتَّقِكَ عَنِ الْأَسَدِ، تو بچا اپنے آپ کو عَنِ الْأَسَدِ کس سے؟ شیر سے۔ اور جو وَالْأَسَدَ آگے ہے وہ اس طرح ہے: وَاتَّقِ الْأَسَدَ، اور تو بچا شیر کو، عَنْ نَفْسِكَ، کس سے؟ اپنے نفس سے، اپنے آپ سے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا، تو پہلے میں سے: اِتَّقِكَ عَنِ الْأَسَدِ، اس عَنِ الْأَسَدِ کو حذف کر لیا گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اگلے میں: وَاتَّقِ الْأَسَدَ عَنْ نَفْسِكَ، وہاں سے بھی جار مجرور کو حذف کر لیا، عَنْ نَفْسِكَ۔ پہلے میں سے بھی جار مجرور کو حذف کر لیا واؤ سے ماقبل بھی اور واؤ کے مابعد۔ واؤ سے ماقبل جار مجرور کیا تھا؟ عَنِ الْأَسَدِ، وہ حذف کر دیا جار مجرور۔ اور واؤ کے مابعد جار مجرور کیا تھا؟ عَنْ نَفْسِكَ، اس جار مجرور کو بھی کیا کر لیا؟ حذف کر لیا۔ کیا رہ گیا؟ اِتَّقِكَ وَاتَّقِ الْأَسَدَ۔ پھر، تو کیا رہ گیا؟ اِتَّقِكَ وَاتَّقِ الْأَسَدَ۔ اب پھر دونوں میں سے اِتَّقِ فعل کو بھی حذف کر لیا۔ کیا کر لیا؟ فعل کو بھی حذف کر لیا۔ تو کیا رہ گیا؟ كَ وَالْأَسَدَ، کیا رہ گیا؟ كَ وَالْأَسَدَ۔ لیکن كَ، یہ جو كَ رہ گیا یہ تو ضمیرِ متصل ہے، اکیلا تو اس طرح كَ استعمال ہوتا ہی نہیں، کبھی آپ نے سنا ہے عربوں سے اس طرح؟ ہاں، تو اس کی جگہ پھر ضمیرِ منفصل لے آئے کیونکہ آپ نے پڑھا ہے کچھ ضمیریں متصل ہیں اور کچھ منفصل۔ اور یہ کون سی ضمیر تھی؟ یہ کیا بن رہی تھی ترکیب میں؟

اِتَّقِكَ، مفعول بن رہی تھی۔ اِتَّقِ فعل تھا، اَنْتَ ضمیر اس کے اندر فاعل اور کاف ضمیر مفعول، تو یہ مفعول کی ضمیر ہے اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ تو یہ ضمیرِ متصل منصوب تھی تو اس کی جگہ ضمیرِ منصوب منفصل لے آئیں گے، کیا لے آئیں گے؟ کاف کی جگہ کون سی ضمیر لے آئیں گے؟ ضمیرِ منفصل۔ یہ متصل ہے نا، اِتَّقِكَ، یہ کاف اِتَّقِ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اکیلی یہ آتی ہی نہیں اور یہ ہے کون سی؟ منصوب، اور مخاطب کی ضمیر ہے۔ تو مخاطب ہی کی ہم ضمیر لائیں گے اور وہ بھی منصوب ہو گی لیکن متصل نہیں ہو گی بلکہ منفصل۔ منفصل کیوں ہو گی؟ کیونکہ اِتَّقِ کو تو آپ نے حذف کر دیا، جب حذف کر دیا اب تو متصل نہیں آسکتی، اب تو کون سی آئے گی؟ منفصل ہی آئے گی، تو وہ پھر إِيَّاكَ ہے، کیا ہے؟ إِيَّاكَ۔ تو کیا بن گیا؟ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ۔ کلام سمجھ میں آیا سارا؟

إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، اصل میں پورا کلام کیا تھا؟ اب دہرائیں بھائی: اِتَّقِكَ عَنِ الْأَسَدِ وَاتَّقِ الْأَسَدَ عَنْ نَفْسِكَ۔ پھر ما قبل میں بھی جار مجرور تھا مابعد میں بھی جار مجرور تھا، دونوں کو حذف کیا۔ ما قبل میں کیا تھا؟ عَنِ الْأَسَدِ، مابعد میں کیا تھا؟ عَنْ نَفْسِكَ، یہ دونوں حذف ہوئے، کیا رہ گیا؟ اِتَّقِكَ وَاتَّقِ الْأَسَدَ۔ پھر دونوں سے اِتَّقِ کو بھی حذف کر دیا کیونکہ یہ تحذیر کا موقع ہے، کسی کو آپ ڈرا رہے ہیں، خطرہ بالکل اس کے سر پر ہے، اگر آپ لمبی بات کریں گے جب تک وہ مصیبت اس پر واقع ہو جائے گی، لہٰذا آپ فعل کو بھی حذف کر کے مختصر اً کلام کرنا چاہتے ہیں تو اِتَّقِ کو حذف کر دیا۔ تو کہنا کیا چاہیے تھا؟ كَ وَالْأَسَدَ، لیکن كَ تو ضمیرِ متصل ہے وہ تو الگ آتی ہی نہیں ہے تو اسی کو کس سے بدل دیں گے؟ ضمیرِ منفصل سے، جو اکیلی رہ سکے، ہو منصوب ہی لیکن اکیلی رہ سکے۔ تو وہ کون سی ہے پھر؟ إِيَّاكَ، یہ بھی دیکھو وہی ضمیر ہے، وہ بھی مخاطب کی ضمیر تھی مفرد مذکر کی، یہ بھی مفرد مذکر کی ضمیر ہے، البتہ وہ متصل تھی اور یہ منفصل ہے، اور وہ بھی منصوب تھی یہ بھی منصوب ہے۔ تو إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو إِيَّاكَ، یہ کیا ہے؟ یہ وہ مفعول بہ ہے جس کے فعل اِتَّقِ کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا۔ کیوں حذف کیا گیا؟ جس کے فعل کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا، کس لیے؟ تَحْذِيرًا مِمَّا بَعْدَهُ، جو اس کے بعد ہے اس سے بچانے کے لیے۔ اور إِيَّاكَ کے بعد آگے کیا آرہا ہے؟ وَالْأَسَدَ، تو یہ اسد شیر کا ذکر آرہا ہے تو اس کو کس سے بچانے کے لیے؟ شیر سے۔ تو إِيَّاكَ سے کون مراد ہے؟ مخاطب۔ تو یہ مخاطب ہے جس کو آپ کس سے بچانا چاہتے ہیں؟ شیر سے، جس کا ذکر اس کے بعد میں ہے یعنی وَالْأَسَدَ، جس کا ذکر إِيَّاكَ کے بعد میں آرہا ہے۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟

دوبارہ دیکھیں ترجمہ: کہتے ہیں: وَهُوَ مَعْمُولٌ بِتَقْدِيرِ اِتَّقِ، وہ اسم ہے جو معمول ہوتا ہے اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ، یعنی وہاں اِتَّقِ کا لفظ مقدر ہوتا ہے۔ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، یہاں کون سا فعل مقدر ہے؟ اِتَّقِ، یہی ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وہ جو ہے وہ اسم ہے جو معمول ہوتا ہے اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ، کیوں؟ تَحْذِيرًا، ڈرانے کے لیے، مِمَّا، اس چیز سے، بَعْدَهُ، جو اس کے بعد آرہی ہے۔ جیسے إِيَّاكَ کے بعد کس کا ذکر آرہا ہے؟ شیر کا، اس شیر سے ڈرانے کے لیے۔ اور اس میں ہمیشہ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ اسی طرح کہیں گے، یعنی: اِتَّقِكَ وَاتَّقِ الْأَسَدَ، یوں کبھی بھی آپ عرب سے نہیں سنیں گے۔ کسی عرب سے ہم نے آج تک نہیں سنا، معلوم ہوا اس اِتَّقِ کو حذف کرنا واجب ہے بھائی۔

نَحْوُ: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، جیسے: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، أَصْلُهُ: اِتَّقِكَ وَالْأَسَدَ، اصل میں تھا یہ اِتَّقِكَ وَالْأَسَدَ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ترکیب کیجیے: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، جی، بلکہ پورے جملے کی کر لیں۔ اِتَّقِكَ عَنِ الْأَسَدِ وَاتَّقِ الْأَسَدَ عَنْ نَفْسِكَ، جی۔ آسان ہے ترکیب بھائی۔ اِتَّقِ، فعلِ امر ہے فعل بافاعل۔ تو اِتَّقِ فعل، اَنْتَ ضمیر، اعراب بھائی؟ مرفوع محلاً اس کا فاعل، کاف ضمیر منصوب محلاً ضمیر ہے، منصوب محلاً مفعول بہ، عَنْ جارّہ، اَلْأَسَدِ مجرور، مجرور کون سا؟ مجرور لفظاً۔ اچھا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے، کس سے؟ اِتَّقِ، فعل ہے یا نہیں؟ میں نے بتایا تھا جار مجرور کتنی چیزوں سے متعلق ہوتا ہے؟ آٹھ سے، اور وہ آٹھ چیزیں کون سی ہیں؟ نمبر ایک: فعل، نمبر دو: مصدر، نمبر تین: اسمِ فاعل، نمبر چار: اسمِ مفعول، اور صفتِ مشبہ، اور اسمِ تفضیل، اور اور مبالغے کے صیغے، اور اور اسمِ فعل۔ ان آٹھ میں سے کوئی چیز ہے یہاں پر؟ جی، اِتَّقِ فعل ہے، اور پھر آپ نے یہ بھی دیکھنا ہے یہ اس سے جڑتا ہے یا نہیں جڑتا؟ جڑتا ہے یا، اور اس کا طریقہ میں نے بتایا تھا کہ جس سے جوڑنا ہے اس کو پکڑیں اور جس کو جوڑنا ہے اس کو پکڑیں۔ کس سے جوڑنا ہے؟ اِتَّقِ سے، اور کس کو جوڑنا ہے؟ عَنِ الْأَسَدِ، اب ذرا جوڑو: اِتَّقِ عَنِ الْأَسَدِ، ترجمہ کرو ذرا: اِتَّقِ تو بچ عَنِ الْأَسَدِ شیر سے۔ ترجمہ صحیح ہو رہا ہے؟ معلوم ہوا یہ اس سے جڑ رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یاد رکھیں یہ جو باہے نا، با حروفِ جارہ میں سے با، یہ تو تقریباً ہر فعل کے ساتھ جڑ جاتی ہے۔ باقی افعال میں آپ عموماً آپ اس طرح جوڑ کر ترجمہ کریں گے تو ترجمہ ٹھیک ہو جائے گا، جس سے جڑے گا اس کے ساتھ ترجمہ ٹھیک ہو جائے گا آپ سمجھ جائیں گے، ٹھیک ہے؟ ہاں، اور بعض اوقات ترجمہ اردو کے اعتبار سے ٹھیک نہیں ہو گا، وہ ایسا بھی بعض جگہ ہو گا لیکن بہر حال عربی میں اس کے ساتھ وہی استعمال ہوتا ہے۔ سمجھ میں آگئی صورت؟

جیسے میں کہتا ہوں: اِشْتَرَيْتُ مِنْ زَيْدٍ، اِشْتَرَيْتُ میں نے خریدا، مِنْ زَيْدٍ کس سے؟ زید سے۔ جڑ رہا ہے یا نہیں جڑ رہا؟ جڑ رہا ہے، میں نے زید سے خریدا۔ تو اِشْتَرَيْتُ کے ساتھ مِنْ استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح بِعْتُ کے ساتھ بھی مِنْ استعمال ہوتا ہے بَاعَ يَبِيعُ کے ساتھ۔ بِعْتُ مِنْ زَيْدٍ، بِعْتُ

میں نے بیچا، میں نے کوئی چیز بیچی مثلاً کتاب بیچی: بِعْتُ کِتَابًا مِنْ زَیْدٍ، کس کے کس کو بیچی؟ زید کو۔ تو تو بھی اسی طرح کہیں گے: بِعْتُ کِتَابًا میں نے کتاب بیچی مِنْ زَیْدٍ کس کو؟ زید کو۔ میں نے کتاب زید کو بیچی، لیکن اس کا جب بھی یاد رکھیں ترجمہ کریں مِنْ زَیْدٍ جس کے ہاتھ کوئی چیز بیچی جائے تو یوں ترجمہ کریں: بِعْتُ کِتَابًا میں نے کتاب بیچی مِنْ زَیْدٍ زید کو یوں نہ کہیں، زید کے ہاتھ، میں نے کتاب بیچی زید کے ہاتھ۔ سمجھ میں آگئی صورت؟ کیونکہ بعض جگہ اگر آپ اس طرح کا ترجمہ کریں گے تو ترجمہ درست نہیں بنے گا، معنی خراب ہو جائے گا، یوں لگے گا یوں معلوم ہو گا جیسے آپ نے زید ہی کو بیچا ہے پکڑ کر۔ کس کو بیچا ہے؟ ہاں، وہ مثالیں آئیں گی آپ خود غور کریں گے آپ کو پتا لگ جائے گا۔ تو اگر اس کا ترجمہ کریں میں نے بیچا، اچھا ذرا کتاب کو نکال دو خود یہیں پر دیکھ لو: بِعْتُ کِتَابًا مِنْ زَیْدٍ، میں نے کتاب بیچی زید کو، پچھلا ترجمہ کریں میں نے کتاب بیچی زید کو، ذرا کتاب کو مفعول ہے نا مفعول کو تو حذف بھی کر لیتے ہیں، تو اب کرو: بِعْتُ مِنْ زَیْدٍ، میں نے بیچا زید کو، دیکھو یوں لگ رہا ہے جیسے زید کو ہی آپ نے پکڑ کر بیچ دیا ہے۔ لہٰذا یہ مِنْ جس پر داخل ہوتا ہے وہ آدمی ہوتا ہے جس کے ہاتھ آپ چیز فروخت کرتے ہیں، ٹھیک ہے؟ تو لہٰذا وہاں ترجمہ یوں کریں: بِعْتُ مِنْ زَیْدٍ، میں نے زید کے ہاتھ فروخت کی، زید کے ہاتھ بیچی۔

اب بات میں کر رہا تھا کہ جار مجرور کو جس سے جوڑنا ہو اس کے ساتھ جوڑ کر دیکھیں، آپ دیکھیں ترجمے سے ہی پتا چل جائے گا۔ لیکن یہاں بعض اوقات ترجمہ صحیح نہیں بنے گا جیسے: بِعْتُ مِنْ زَیْدٍ، میں نے بیچا زید سے، دیکھو ترجمہ اردو میں صحیح نہیں بن رہا لیکن پھر بھی بَاعَ کا صلہ مِنْ ہی آتا ہے۔ اسی طرح عربی میں بولتے ہیں۔ تو آپ نے جب بھی دیکھنا ہے کہنے کا مقصد یہ ہے جار مجرور جب کلام میں آجائیں آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ضرور متعلق ہوں گے، ان آٹھ میں سے کوئی ایک موجود ہو یا دو تین موجود ہوں تو ہر ایک کے ساتھ باری باری جوڑ کر ترجمہ کریں، آپ دیکھیں جس کے ساتھ وہ جڑ رہا ہو گا اس کے ساتھ ترجمہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اور اگر دو یا تین کے ساتھ ترجمہ ٹھیک ہوتا ہے پھر جس کے ساتھ آپ کو مناسب لگے اس کے ساتھ جوڑ دیں اور جن کے ساتھ نہیں جڑ رہا وہاں ترجمہ ٹھیک نہیں ہو گا عموماً۔ لیکن بعض اوقات جڑ رہا ہو گا اور اردو کے اعتبار سے ترجمہ صحیح نہیں لیکن جڑا اسی کے ساتھ رہا ہو گا جیسے بِعْتُ مِنْ زَیْدٍ۔ اردو کے اعتبار سے ترجمہ بنتا ہے: بِعْتُ مِنْ زَیْدٍ، میں نے زید سے بیچا، مِنْ کا معنی سے ہوتا ہے نا؟ بِعْتُ مِنْ زَیْدٍ میں نے زید سے بیچا۔ تو دیکھو اردو کے اعتبار سے ترجمہ صحیح نہیں تو آپ یہ نہ کہیں کہ یہ مِنْ زَیْدٍ بِعْتُ سے نہیں جڑ رہا، نہیں، یہ اسی بَاعَ کے ساتھ جڑ رہا ہے لیکن اردو میں پھر اس کا ترجمہ کیسے کریں گے؟ بِعْتُ مِنْ زَیْدٍ میں نے بیچا زید کے ہاتھ، یا یوں ترجمہ کر لیں: میں نے بیچا زید پر، میں نے بیچا اس کتاب کو زید پر، تو یوں بھی ترجمہ کر سکتے ہیں۔

اچھا جی، ہم ترکیب کر رہے تھے: اِتَّقِ عَنْ زَیْدٍ، تو بچ یا تو بچا اپنے آپ کو عَنْ زَیْدٍ، کس سے؟ اوہ، اِتَّقِ اِتَّقِ عَنِ الْأَسَدِ، تو بچا اپنے آپ کو کس سے؟ شیر سے۔ جڑ رہا ہے یا نہیں جڑ رہا؟ یہاں معنی صحیح ہو رہا ہے۔ تو اِتَّقِ فعل، اَنْتَ ضمیر تھا اس کے اندر مرفوع محلاً فاعل، کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، عَنِ الْأَسَدِ، عَنْ جارّہ، اَلْأَسَدِ مجرور لفظاً۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر حرفِ جر داخل ہے۔ جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ اِتَّقِ فعل سے۔ اِتَّقِ فعل اپنے فاعل، مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ، کیونکہ امر ہے نا، اِتَّقِ تو بچ، امر ہے۔ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ، کیونکہ آگے پھر ایک اور جملہ بھی آرہا ہے، اس کا اس پر عطف ہے۔ اور وہ کیا ہے؟ وَاتَّقِ الْأَسَدَ عَنْ نَفْسِكَ۔ اِتَّقِ پھر واؤ حرفِ عطف، اِتَّقِ فعل، اَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، اَلْأَسَدَ منصوب لفظاً، توجہ ہے؟ منصوب لفظاً مفعول بہ، عَنْ جارّہ، نَفْسِكَ مجرور، جی؟ نَفْسِكَ، نَفْسِ مجرور لفظاً مضاف، شاباش۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پہ حرفِ جر داخل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اور مضاف آپ کو کیسے پتا چلا مضاف ہے؟ ہاں شاباش، جس اسم کے ساتھ ضمیرِ متصل ہے تو وہ کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ تو نَفْسِ مجرور لفظاً مضاف، کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے۔ تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا عَنْ جارہ کے لیے۔ جار مجرور مل کر متعلق اِتَّقِ فعل کے ساتھ متعلق ہوئے۔ اِتَّقِ فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دو جملے ہیں بھائی اصل میں۔

اور یہ جو پہلا جملہ ہے نا چلیے آپ کو یہ بھی بتا دوں، اِتَّقِكَ، اِتَّقِكَ، تو یہ اِتَّقِكَ بھی دراصل اِتَّقِ نَفْسَكَ ہے۔ اِتَّقِ نَفْسَكَ عَنِ الْأَسَدِ وَاتَّقِ الْأَسَدَ عَنْ نَفْسِكَ، تو یہاں نفس کا لفظ لے کر آتے ہیں۔ اِتَّقِ، انہوں نے تو ذکر کر دیا نا اِتَّقِكَ، مختصرات کی کیونکہ یہ کتاب ابتدائی طلبہ کے لیے ہے ان کو سمجھانے کے لیے، چلیں آپ کو میں بتا دیتا ہوں۔ اِتَّقِكَ، تو اپنے آپ کو بچا، یوں عربی میں نہیں کہتے، عربی میں کہتے ہیں: اِتَّقِ نَفْسَكَ، تو اپنے آپ کو بچا، اپنے نفس کو بچا۔ ایسے موقع پر نفس کا لفظ درمیان میں لے آتے ہیں۔ کیوں لے آتے ہیں؟ بھائی وجہ یہ، وجہ یہ کہ اِتَّقِكَ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں آپ کو: تو اپنے آپ کو بچا، تو کیا کہوں گا؟ اِتَّقِكَ، اِتَّقِكَ، لیکن یہ یوں نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ اِتَّقِ نَفْسَكَ۔ بھائی کیوں، اِتَّقِكَ کیوں نہیں کہہ سکتے؟ وجہ یہ کہ اِتَّقِ اس کے اندر ضمیر کون سی؟ اَنْتَ، تو اَنْتَ مخاطب کی ضمیر ہے یعنی مخاطب اِتَّقِ کا فاعل ہے۔ مخاطب کیا ہے؟ فاعل ہے۔ بچنے کا فعل کرنے والا کون؟ مخاطب، تو اَنْتَ ضمیر بھی مخاطب کی اور آگے کاف ضمیر مفعول کی وہ بھی اس سے بھی کون مراد؟ مخاطب۔ تو اِتَّقِكَ اس کے اندر اَنْتَ ضمیر فاعل کی وہ بھی مخاطب، کاف ضمیر

مفعول کی وہ بھی مخاطب، اور فاعل اور مفعول ایک ہی ذات ہو یہ پسندیدہ نہیں۔ کیونکہ دونوں الگ الگ ہونے چاہئیں۔ فاعل ہوتا ہے فعل کو سرانجام دینے والا اور مفعول وہ ہوتا ہے جس پر وہ فعل واقع ہوتا ہے تو دونوں کو کیا ہونا چاہیے؟ الگ الگ ہونا چاہیے۔ ایک ہے اثر ڈالنے والا، ایک دوسری ذات ہے اثر کو قبول کرنے والی، تو مؤثِّر اور مؤثَّر دونوں کو کیا ہونا چاہیے؟ الگ۔ لیکن اگر آپ کہیں اِتَّقِكَ تو اس میں تو آپ نے فاعل کی بھی فاعل بھی مخاطب، مفعول بھی کون؟ مخاطب، اور یہ پسندیدہ نہیں تو پھر اس میں کیا کر لیا جاتا ہے؟ درمیان میں بس نفس کے لفظ کو بڑھا دیتے ہیں: اِتَّقِ نَفْسَكَ، تو بچا نَفْسَكَ اپنی جان کو، اپنی ذات کو۔ تو اب تھوڑا سا فرق آ گیا۔ اگرچہ معنی اب بھی وہی ہے، صورت اب بھی وہی ہے لیکن بہر حال نفس کا ایک لفظ بڑھنے سے کچھ کیا آ گیا؟ کچھ فرق آ گیا۔ تو نفس کا لفظ بڑھا دیتے ہیں اور اِتَّقِكَ یوں نہیں کہتے بلکہ کیا کہتے ہیں؟ اِتَّقِ نَفْسَكَ، فرق کرنے کے لیے۔ باقی تفصیل آپ اگلے سال میں پڑھ لیں گے، زیادہ میں گہرائی میں نہیں لے کر جاتا آپ کے لیے بات اور مشکل ہو جائے گی، بس اتنا یاد رکھیں۔ تو اِتَّقِكَ بھی اصل میں کیا تھا؟ اِتَّقِ نَفْسَكَ بھائی۔ تو لہٰذا اگر آپ سے کوئی پوچھے إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ اس کی ترکیب کیجیے تو آپ پھر کیا کہیں گے کہ یہ اصل میں پورا کلام کس طرح ہے؟ اِتَّقِ نَفْسَكَ عَنِ الْأَسَدِ وَاتَّقِ الْأَسَدَ عَنْ نَفْسِكَ۔ پھر ترکیب آپ کر دیں گے بھائی۔

آگے دیکھیے کتاب پر: أَوْ ذُكِرَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ، بھائی ابھی اوپر گزرا حَذَّرَ يُحَذِّرُ تَحْذِيرًا کون سا باب ہے؟ بابِ تفعیل ہے، تو اسی سے مُحَذَّرٌ مِنْهُ، جس سے ڈرایا جائے۔ میں نے آپ سے کہا: سانپ سانپ! تو میں ہوا مُحَذِّر، ڈرانے والا، آپ ہوئے مُحَذَّر، جس کو میں نے ڈرایا، اور سانپ ہوا مُحَذَّرٌ مِنْهُ، جس سے ڈرایا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یا اوپر والی مثال میں جیسے مُحَذَّرٌ مِنْهُ کیا تھا؟ اسد، شیر، شیر سے ڈرایا جا رہا تھا۔ تو تحذیر کی دوسری صورت یہ ہے: أَوْ ذُكِرَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ مُكَرَّرًا، یا ذکر کیا جائے مُحَذَّرٌ مِنْهُ کو مکرر، یعنی تکرار کے ساتھ یعنی دو دفعہ۔ کتنی مرتبہ؟ دو دفعہ۔ نَحْوُ، مثال کے طور پر: اَلطَّرِيقَ الطَّرِيقَ، قاف دونوں قاف دونوں یہ الطریق دونوں مفتوح ہیں بھائی۔ جیسے اردو میں ابھی مثال میں نے ذکر کی، آپ کا ساتھی ہے اس کے پاؤں کے پاس سانپ آپ کو نظر آیا، آپ فوراً کیا کہتے ہیں؟ سانپ سانپ! دو دفعہ کہہ دیتے ہیں۔ تو اسی طرح عربی میں بھی کیا کہتے ہیں؟ اسی لفظ جس سے مُحَذَّرٌ مِنْهُ، جس سے ڈرایا جا رہا ہے اس کو کتنی دفعہ ذکر کر دیتے ہیں؟ دو مرتبہ۔ اور یاد رکھو اِتَّقِ فعلِ امر ہے: تو بچا، یا تو بچ جا، تو یہ ضروری نہیں اِتَّقِ ہی کا لفظ ہو، اس جیسا کوئی بھی لفظ نکالا جا سکتا ہے موقع محل کے مطابق وہ محذوف ہوتا ہے وہاں پر۔ مثلاً بھائی، اور جیسے اَلطَّرِيقَ الطَّرِيقَ، طریق راستے کو کہتے ہیں، کوئی ساتھی راستے پر جا رہا ہے، اس کی توجہ نہیں اور اس کا خیال نہیں کہ یہ راستہ تو بڑا خوفناک ہے اور اس پر آگے اس کو خطرہ پیش آ سکتا ہے تو آپ اس کو کیا کہتے ہیں؟ اَلطَّرِيقَ الطَّرِيقَ، یعنی: اِتَّقِ الطَّرِيقَ الطَّرِيقَ، اس راستے سے اِتَّقِ الطَّرِيقَ الطَّرِيقَ، اس راستے سے تو بچ جا یعنی اس پر نہ جا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اَلطَّرِيقَ الطَّرِيقَ، ترکیب کریں: اصل میں کلام کیا ہے؟ اِتَّقِ الطَّرِيقَ الطَّرِيقَ، جی۔ اِتَّقِ، فعلِ امر، اَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اَلطَّرِيقَ، منصوب لفظاً مفعول بہ، کیونکہ ہماری بحث ہی اس وقت کس کی چل رہی ہے؟ مفعول بہ کی، تو یہ مفعول بہ ہے اور یاد رکھو پہلے اس کو مؤکد بنا لو۔ ایک ہی لفظ کو دو دفعہ ذکر کیا جائے نا تو پہلے کو کہتے ہیں مؤکد اور دوسرے کو کہتے ہیں تاکید۔ دوسرے کو کیا کہتے ہیں؟ تاکید، یعنی اس تاکید کا معنی پکا کرنا۔ یہ دوسرا لفظ آ کر اس پہلے لفظ کو پکا کر دیتا ہے، پختہ کر دیتا ہے۔ تو ترکیب یوں ہو گی: اِتَّقِ فعل، اَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، اَلطَّرِيقَ منصوب لفظاً مؤکد، اور اَلطَّرِيقَ منصوب لفظاً تاکید۔ اچھا، جو پہلا اَلطَّرِيقَ ہے منصوب لفظاً، کوئی آپ سے پوچھ لے یہ کیوں منصوب ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ مفعول بہ ہے، شاباش۔ اور دوسرا اَلطَّرِيقَ کوئی آپ سے پوچھ لے یہ کیوں منصوب ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ کہ یہ تاکید ہے، یہاں دیکھا؟ دوسرا جواب دینا ہے، یہ نہیں کہنا یہ مفعول ہے، مفعول تو پہلا ہے۔ یہ تاکید ہے اور مؤکد اور تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ تو مؤکد اپنی تاکید سے مل کر یہ مفعول بہ ہوا فعل کے لیے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی؟

اسی کی اور مثالیں: دو ساتھی آپ کے کھیل رہے ہیں، ان کے قریب ہی کوئی دو چار ماہ کا چھوٹا سا بچہ لیٹا ہوا تھا کسی نے لٹایا، اب ان کا خیال نہیں کہ تو یہ نہ ہو کسی ان میں سے کسی کا پاؤں اس پر پڑ جائے تو آپ فوراً پکار کر ان کو کہتے ہیں: اَلصَّبِيَّ الصَّبِيَّ، یعنی بچے سے بچو، بچے کو اپنے آپ سے بچے سے دور ہو جاؤ، بچے سے دور ہو۔ تو دیکھا دو دفعہ کہا: اَلصَّبِيَّ الصَّبِيَّ، اس میں بھی اسی طرح کی ترکیب ہو گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یا اس جیسا کوئی لفظ فعلِ امر والا نکال لیں گے۔

اچھا، اور یہ اسی طرح ہے، خطبہ آپ سنتے ہیں جمعے کے خطبے میں، آپ سنتے ہیں: «اللهَ اللهَ فِي أَصْحَابِي»، «اللهَ اللهَ فِي أَصْحَابِي»، یعنی کیا معنی؟ اللہ سے ڈرو فِي أَصْحَابِي، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں لوگوں سے: اللہ سے ڈرو فِي أَصْحَابِي، میرے صحابہ کے بارے میں، یعنی ان کو برا مت کہنا بھائی کبھی بھی۔ تو یہ کیا ہے، آپ سے اگر کوئی پوچھ لے یہ خطبے میں «اللهَ اللهَ» یہ دو دفعہ منصوب آ رہا ہے، تو ترکیب پوچھ لے تو آپ کیا کہیں

گے؟ کہ یہ تحذیر کے قبیل سے ہے، تحذیر سے، اور یہاں فعل محذوف ہے اور پہلا لفظِ اللہ مفعول بنے گا اس کے لیے اور دوسرا لفظِ اللہ اس کی تاکید بنے گا۔ اور کیا فعل یہاں نکالیں گے مثلاً؟ اِتَّقُوا، اِتَّقِ واحد کا صیغہ ہے نا، اِتَّقِ اِتَّقِیَا اِتَّقُوا، گردان یاد ہے کہ نہیں؟ بھول گئے بھائی۔ کیا گردان پڑھی آپ، کون سا فعل پڑھا آپ نے؟ ناقص، اِتَّقَی ہی پڑھا ہے؟ جی؟ ناقص میں ناقص میں بابِ افتعال ہے۔ ناقص میں کون سا گردان کون سی گردان پڑھی آپ نے؟ رَمَی یَرْمِي تو مجرد سے ہے۔ ابھی مجرد پڑھ رہے ہیں؟ اچھا۔ وہاں بھی اسی طرح ہے: اِرْمِ اِرْمِیَا اِرْمُوا، یہاں بھی: اِتَّقِ اِتَّقِیَا اِتَّقُوا، صورت سمجھ میں آگئی؟ البتہ وہ مجرد سے ہے اور یہ بابِ افتعال سے ہے بھائی بابِ افتعال سے۔ کہ اِتَّقُوا، اے لوگو تم ڈرو اللہ سے فِي أَصْحَابِي، کس کے بارے میں؟ میرے صحابہ کے بارے میں یعنی ان کے بارے میں بری بات مت کرنا۔

تو معلوم ہوا تحذیر کی دو صورتیں ہیں: یا تو ایک صورت یہ ہے: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، اور دوسری صورت کیا ہے: أَوْ ذُكِرَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ مُكَرَّرًا، کہ مُحَذَّرٌ مِنْهُ کو جس چیز سے ڈرایا جا رہا ہے اس کو مکرر ذکر کیا جائے جیسے: اَلطَّرِيقَ الطَّرِيقَ۔ چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۵۶: ما أضمر عامله علی شریطة التفسیر (اشتغال) کے قواعد اور امثلہ

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۷—بتاریخ: ۱۸ فروری ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

اَلثَّالِثُ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ، وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ بَعْدَهُ فِعْلٌ أَوْ شِبْهُهُ يَشْتَغِلُ ذٰلِكَ الْفِعْلُ عَنْ ذٰلِكَ الِاسْمِ بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ بِحَيْثُ لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ هُوَ أَوْ مُنَاسِبُهُ لَنَصَبَهُ، نَحْوُ: زَيْدًا ضَرَبْتُهُ، فَإِنَّ زَيْدًا مَنْصُوبٌ بِفِعْلٍ مَحْذُوفٍ مُضْمَرٍ وَهُوَ ضَرَبْتُ، يُفَسِّرُهُ الْفِعْلُ الْمَذْكُورُ بَعْدَهُ وَهُوَ ضَرَبْتُهُ، وَلِهٰذَا الْبَابِ فُرُوعٌ كَثِيرَةٌ۔

صاحبِ ہدایت النحو وہ جگہیں بیان کر رہے ہیں جہاں پر مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور انہوں نے آپ کو بتلایا کہ وہ چار جگہیں ہیں۔ اور ان چار میں سے ایک پہلی جگہ جو ہے وہ سماعی ہے، سماع پر موقوف ہے کوئی ضابطہ نہیں، جبکہ باقی تین جگہیں قیاسی ہیں۔ یعنی وہاں پر آپ بھی اسی قانون کے مطابق اس فعل کو حذف کریں گے اور مفعول بہ کو ذکر کریں گے۔

اور ان قیاسی تین جگہوں میں سے پہلی جگہ جو ہے وہ تحذیر ہے، اور تحذیر کل آپ نے پڑھا کہ وہ اسم ہے جو «اِتَّقِ» کی تقدیر کے ساتھ معمول ہو، یعنی وہاں «اِتَّقِ» یا «اِتَّقِ» جیسا کوئی فعل محذوف ہوتا ہے، اور کس لیے؟ مابعد سے ڈرانے کے لیے جیسے «إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ»۔ تو یہاں یہ مخاطب جو ہے اس کو ڈرانا ہے مابعد یعنی «اَلْأَسَدَ» سے جس کا آگے بعد میں ذکر آرہا ہے۔

اور «إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ» اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اس کی اصل کیا ہے؟ «اِتَّقِ نَفْسَكَ عَنِ الْأَسَدِ وَاتَّقِ الْأَسَدَ عَنْ نَفْسِكَ»، تو اصل یہ ہے۔ پھر دونوں طرف سے جار مجرور کو حذف کر دیا گیا تو «اِتَّقِ نَفْسَكَ وَاتَّقِ الْأَسَدَ» یہ دورہ گئے۔ پھر ان میں سے بھی «اِتَّقِ» فعل کو حذف کر دیا گیا تو «إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ» باقی رہ گیا بھائی۔

یہ دوسری صورت تھی تحذیر کی کہ جس میں محذر منہ کو مکرر ذکر کیا جائے، یعنی وہ چیز جس سے ڈرایا جا رہا ہے اس کو مکرر ذکر کیا جائے۔ جیسے اس کی مثال انہوں نے ذکر کی «اَلطَّرِيقَ» مکرر۔ تو یہ جو پہلا «اَلطَّرِيقَ» ہے اس کا فعل محذوف ہے، اور جو دوسرا لفظ آتا ہے وہ پہلے کی تاکید ہوتا ہے اور اس کا بھی وہی اعراب جو پہلے کا ہے۔ اور یہ قیاسی ہے، یعنی ایسی کوئی بھی جگہ آجائے جہاں کسی کو ڈرانا یا بچانا مقصود ہو آپ اس طرح کا کلام استعمال کر سکتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ مثلاً دیوار گرنے لگی ہے، آپ کا ساتھی کھڑا ہے، تو آپ فوراً کہہ سکتے ہیں «اَلْجِدَارَ» مکرر۔ دیکھا؟ تو جو بھی اس طرح ہو تو دونوں طریقوں میں سے جو بھی طریقہ اختیار کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔

اب وہ چار جگہیں جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے ان میں سے تیسری قسم آج ہم پڑھیں گے، اور یہ جو قیاسی میں سے دوسری جگہ ہے۔ قیاسی کل تین ہیں تو ان میں سے دوسری جگہ ہے۔ تو کہتے ہیں: «اَلثَّالِثُ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»۔ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ»، وہ اسم کہ جس کے عامل کو مقدر کر لیا جائے، «أُضْمِرَ» مقدر کر لیا جائے، وہ اسم جس کے عامل کو مقدر کر لیا جائے «عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»، شریطہ اور

شرط کا ایک معنی ہے، ای «عَلَى شَرْطِ التَّفْسِيرِ»، کس شرط پر؟ تفسیر کی شرط پر کہ آگے اس کی تفسیر آئے۔ بھائی دیکھیے، یہ ایک اسم ہے اور یہ کیا بن رہا ہے؟ مفعول بہ، اور اس سے ما قبل کیا ہے اس کا فعل۔ آپ اس کے فعل کو حذف کر لیتے ہیں، کس شرط پر؟ کہ آگے اسی کی تفسیر آ رہی ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو جب آگے تفسیر آ رہی ہے تو اب اس فعل کی ضرورت نہ رہی، تو لہٰذا اس کو کیا کر دیا گیا؟ حذف کر دیا گیا۔ یہ معنی ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»، وہ اسم ہے کہ جس کے عامل کو مقدر کر لیا جائے تفسیر کی شرط پر۔ تو یہ تو اس کا نام انہوں نے ذکر کیا «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»۔ بھائی دیکھیے، قیاسی جگہیں چل رہی ہیں، پہلی جگہ کون سی ہے؟ تحذیر، دوسری ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»۔

بھائی یہ کہتے کس کو ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ» وہ ہر ایسا اسم ہے «بَعْدَهُ فِعْلٌ» جس کے بعد کیا ہو؟ فعل ہو «أَوْ شِبْهُهُ» یا شبہ فعل ہو، «يَشْتَغِلُ ذٰلِكَ الْفِعْلُ عَنْ ذٰلِكَ الِاسْمِ»، اشتغل کا صلہ آگے آ رہا ہے «عَنْ»، اور اشتغل کا معنی ہوتا ہے مشغول ہونا، اور اشتغل کا صلہ جب «عَنْ» آ جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے اعراض کرنا، منہ موڑنا۔ کہ وہ ہر ایسا اسم ہے جس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو، اور اعراض کر رہا ہو یعنی منہ موڑ رہا ہو وہ فعل اس اسم سے، کیوں؟ «بِضَمِيرِهِ» اس کی ضمیر کی وجہ سے «أَوْ مُتَعَلِّقِهِ» یا اس اسم کے متعلق کی وجہ سے، کیونکہ وہ فعل اس کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کر رہا ہے تو اب اس اسم میں عمل نہیں کر سکتا، «بِحَيْثُ» اس طور پر «لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ هُوَ» کہ اگر اس اسم پر اسی فعل کو مسلط کر دیں «أَوْ مُنَاسِبُهُ» یا اس فعل کے کسی مناسب کو «لَنَصَبَهُ» تو وہ اس کو نصب دے۔

بھائی دیکھیے، اس کی وضاحت مثالوں سے ہو گی بھائی۔ اپنے سامنے کاپی پر یہ دو مثالیں لکھ لیجیے بھائی۔ اچھا بھائی پہلی مثال لکھیے: «زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»، «زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»، اور اس سے نیچے دوسری مثال لکھیے: «زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، «زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔ لکھ لیں بھائی دونوں مثالیں؟ اچھا اب دیکھیے پہلی مثال پر ذرا آئیے: «زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»۔ اب یہ «زَيْدًا» منصوب ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں کون سا فعل عمل کر رہا ہے؟ کس وجہ سے یہ منصوب ہے؟ تو ہم نے دیکھا اس کے بعد ایک «ضَرَبْتُ» فعل آ رہا ہے، تو ہم اس کو عامل بنانا چاہتے ہیں «زَيْدًا» میں تاکہ وہ عامل بن جائے اور «زَيْدًا» اس کے لیے مفعول بن جائے۔ ہم بنانا چاہتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ جو بعد میں «ضَرَبْتُ» آ رہا ہے یہ «زَيْدًا» میں عمل نہیں کر سکتا۔ کیوں نہیں عمل کر سکتا؟ وجہ اس کی یہ کہ «ضَرَبْتُ» کے لیے ایک مفعول چاہیے، اور وہ اس کے ساتھ ہا ضمیر جڑی ہوئی ہے۔

بھائی دیکھیے، پٹائی کرنا، ضرب کا کیا معنی ہے؟ پٹائی کرنا۔ دیکھو ضرب کا فعل کب پایا جائے گا؟ جب ایک ضارب بھی ہو پٹائی کرنے والا ہو، اور ایک مضروب ہو، تو پھر ہی ضرب کا فعل پایا جائے گا۔ کبھی ایسا ہو سکتا ہے صرف پٹائی کرنے والا ہو اور مضروب کوئی نہ ہو؟ پٹائی ہو سکتی ہے؟ پٹائی ہو ہی نہیں سکتی جب تک ایک ضارب کے ساتھ ساتھ کیا نہ ہو؟ مضروب۔ اور کیا ایک ہی مضروب سے پٹائی پائی جائے گی یا دو یا تین کا ہونا ضروری؟ ایک ہی کافی ہے بھائی۔ دو یا تین ہوں ٹھیک ہے ان میں بھی ضرب تو آ گئی، لیکن ایک سے بھی ضرب کا وجود پایا جائے گا یا نہیں پایا جائے گا؟ ضرب کا وجود پایا جائے گا۔ معلوم ہوا ضرب کے لیے ایک ہی مفعول چاہیے اور اس سے فعل کا وجود آ جاتا ہے۔ بھائی ایک مضروب ہو، آپ ہوں ضارب اور وہ ہو مضروب، آپ اس کی پٹائی کریں، ضرب کا فعل پایا گیا یا نہیں پایا گیا؟ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ضرب کا فعل نہیں پایا گیا دو یا تین ہونے چاہیے تھے مضروب؟ نہیں، ضرب کا فعل تو پایا گیا۔ ضرب کا معنی ہوتا ہے پٹائی کرنا اور پٹائی کے لیے ایک ضارب چاہیے تو ایک مضروب۔ جیسے اکل، ہمزہ کاف لام، اکل کا معنی ہے کھانا۔ کھانے کے لیے کیا چاہیے؟ ایک عاقل کھانے والا چاہیے اور ایک ماکول وہ چیز جس کو کھایا جائے۔ تو ایک بھی چیز ماکول پائی جائے تو کھانے کا فعل پایا جائے گا۔ لیکن کوئی چیز ماکول ہو ہی نہ تو کھانے کا فعل ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ کسی کو کہیں میں نے کھایا لیکن ماکول کوئی چیز نہیں تھی، وہ کہے گا یہ کیسے ہو ہی نہیں سکتا، اکل کا فعل تو ماکول کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ اکل تو کہتے ہی کس کو ہیں جس میں کسی چیز کو کھایا جائے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو ضرب کہتے ہی کس کو ہیں جس میں کسی کی پٹائی کی جائے، تو ایک ہی مضروب ہو اس سے پٹائی کا فعل پایا جائے گا۔ لہٰذا معلوم ہوا «ضَرَبْتُ» کے لیے کتنے مفعول چاہئیں؟ ایک چاہیے، دو یا تین کی ضرورت نہیں۔

تو اس «زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»، «زَيْدًا» منصوب ہے، اس کے بعد «ضَرَبْتُهُ» آ رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ «ضَرَبْتُ» جو بعد میں آ رہا ہے کیا کرے؟ زید میں عمل کرے اور اس کو نصب دے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ «ضَرَبْتُهُ» اس کے ساتھ تو ہا ضمیر جڑی ہوئی ہے، اور وہ ضمیر بھی زید ہی کو لوٹ رہی ہے، کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید۔ تو «ضَرَبْتُ» کے لیے تو ایک مفعول چاہیے تھا، وہ تو ضمیر ساتھ جڑی ہوئی ہے، لہٰذا وہ «زَيْدًا» میں عمل نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ ایک مفعول چاہتا تھا اور وہ آ چکا ہے بات پوری ہو چکی ہے۔ تو دیکھو زید ایک اسم ہے جس کے بعد ایک فعل آ رہا ہے، اور وہ فعل اس زید سے اعراض کر رہا ہے، اس میں عمل نہیں کر رہا، یعنی اس سے منہ موڑ رہا ہے۔ کیوں منہ موڑ رہا ہے؟ کیوں نہیں عمل کر رہا اس میں؟ توجہ ہے؟ مثال پر نظر ہے؟ یہ «زَيْدًا» ایک اسم

ہے، اس اسم کے بعد کیا ہے؟ فعل، اور وہ فعل اس «زَيْدًا» میں عمل کر رہا ہے کہ اس سے منہ موڑ رہا ہے؟ منہ موڑ رہا ہے۔ کیوں منہ موڑ رہا ہے؟ کیونکہ وہ اس کی ضمیر میں عمل کر رہا ہے، کیا کر رہا ہے؟ اس کی ضمیر میں عمل کر رہا ہے۔

ہاں، اگر اسی فعل کو ہم زید پر مسلط کریں تو وہ اس کو نصب دے سکتا ہے۔ کس طرح؟ اس زید سے پہلے ایک اور «ضَرَبْتُ» نکال لو: «ضَرَبْتُ زَيْدًا»۔ اور سب سے پہلے ذرا بعد والے کا ترجمہ کر لو، یہ «زَيْدًا» کو ذرا ہٹا دو، «ضَرَبْتُهُ» کیا معنی؟ میں نے پٹائی کی اس کی، اس سے کون مراد ہے؟ زید۔ معلوم ہوا میں نے کس کی پٹائی کی؟ زید کی۔ اچھا اب اس «زَيْدًا» سے پہلے ذرا ایک «ضَرَبْتُ» نکالیں، «ضَرَبْتُ» نکال لیا، تو اب یہ «زَيْدًا» اس کے لیے کیا بن گیا؟ مفعول۔ تو «ضَرَبْتُ زَيْدًا» کا کیا معنی ہوا؟ میں نے زید کی پٹائی کی، اور «ضَرَبْتُهُ» کا بھی کیا معنی تھا؟ میں نے زید کی پٹائی کی۔ معلوم ہوا اسی «ضَرَبْتُ» کو ہم ما قبل میں نکال سکتے ہیں، معنی صحیح رہتا ہے۔

تو اب مقامِ استشہاد یہ «زَيْدًا» ہے بھائی۔ بات چل رہی ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»، اس اسم کی جس کے عامل یعنی فعل کو کیا کر لیا جائے؟ حذف کر لیا جائے کس شرط پر؟ تفسیر کی شرط پر۔ تو دیکھو یہ «زَيْدًا» کا فعل جو «ضَرَبْتُ» تھا اس کو حذف کر لیا گیا، کیوں حذف کر لیا گیا؟ کیونکہ آگے اس کی تفسیر آ رہی تھی بھائی۔ آگے اس کی تفسیر آ رہی تھی بھائی، اس کی تفسیر ہم لائے ہی اسی وجہ سے تاکہ اس فعل کو کیا کر دیں؟ حذف کر دیں۔ اصل میں تو تھا «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، اصل میں کیا تھا؟ صرف یہ تھا «ضَرَبْتُ زَيْدًا»۔ پھر ہم نے اس «ضَرَبْتُ» کو حذف کیا، کیوں حذف کیا؟ کیونکہ ہم آگے کیا لانا چاہتے ہیں؟ اس کی تفسیر لانا چاہتے ہیں، چنانچہ آگے ہم نے «ضَرَبْتُهُ» لے آئے بھائی۔ جب تفسیر آ گئی تو اب مفسَّر کو نہیں لا سکتے کیونکہ اس کو تو ہم نے حذف ہی کس لیے کیا تھا تاکہ آگے اس کی تفسیر لائیں، اب اس کو نہیں لا سکتے۔ تو اب «زَيْدًا» منصوب رہ گیا، اس کا فعل محذوف ہے اور اس کے بعد ایک فعل آ رہا ہے، اور وہ فعل اس سے منہ موڑ رہا ہے کیونکہ وہ اس کی ضمیر میں عمل کر رہا ہے، لیکن اگر اسی فعل کو اس اسم پر کیا کر دیں؟ مسلط کر دیں اس سے پہلے نکال لیں یعنی اس پر مسلط کر دیں تو وہ کیا کر سکتا ہے؟ اسے نصب دے سکتا ہے، اور معنی میں کوئی خرابی آئی؟ نہیں، «ضَرَبْتُهُ» کا بھی معنی ہے زید کی پٹائی کی اور «ضَرَبْتُ زَيْدًا» کا بھی کیا معنی؟ میں نے زید کی پٹائی کی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو ترکیب کیسے کریں گے؟ «زَيْدًا» منصوب لفظاً مفعول بہ ہے فعلِ مقدر «ضَرَبْتُ» کے لیے، اور وہ فعلِ مقدر کیا ہے؟ «ضَرَبْتُ»۔ اور اس کی کیا ترکیب ہو گی؟ «ضَرَبْتُ» فعل با فاعل اور اس کے اندر تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفسِّر۔ کیا بن گیا؟ مفسَّر، جملہ فعلیہ ہوا اور یہ مفسِّر ہے۔ آگے «ضَرَبْتُهُ»: «ضَرَبْتُ» فعل با فاعل، اس کے اندر تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور یہ ہا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر تفسیر، بس یہ ترکیب ہو گئی۔ تو اس مثال میں «زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»، «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» وہ کون ہے؟ «زَيْدًا» ہے، یہ جو منصوب ہے۔ اس کے عامل کو کیا کر لیا گیا؟ مقدر، کس شرط پر؟ تفسیر کی شرط پر کہ آگے ہم اس کی کیا لا رہے ہیں؟ تفسیر۔ تو یہ «زَيْدًا» ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»۔

دوسری مثال پر آیئے: «زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔ یہ بھی اسی طرح ہے، «زَيْدًا» منصوب ہے، اور منصوب ہے اور اس کے بعد کیا آ رہا ہے؟ فعل ہے۔ کتاب کی عبارت پر نظر ہے؟ کس کو کہتے تھے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»؟ «وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ بَعْدَهُ فِعْلٌ»، ہر وہ ایسا اسم ہے جس کے بعد کیا ہو؟ فعل ہو۔ تو دیکھو پہلی مثال میں بھی «زَيْدًا» ایک اسم ہے اور اس کے بعد «ضَرَبْتُهُ» فعل ہے۔ دوسری مثال میں بھی دیکھو «زَيْدًا» ایک اسم ہے اور «ضَرَبْتُ» اس کے بعد فعل ہے۔ اچھا اب آیئے دوسری مثال پر: «زَيْدًا» منصوب لفظاً ہے اور اس کے بعد ایک فعل آ رہا ہے، اب اس فعل کو ہم کس پر مسلط کرنا چاہتے ہیں؟ زید پر تاکہ یہ اس کو نصب دے، لیکن ہم مسلط نہیں کر سکتے، کیوں نہیں کر سکتے؟ ابھی وجہ ذکر کی پہلی مثال میں، کیونکہ «ضَرَبْتُ» ایک مفعول چاہتا ہے، اور اس کے بعد «غُلَامَهُ» یہ غلام کیا آ رہا ہے؟ یہ مفعول آ رہا ہے، تو یہ «زَيْدًا» کو مفعول نہیں بنا سکتا کیونکہ اس کے لیے ایک مفعول چاہیے تھا اور وہ آگے آ رہا ہے تو دوسرے کو مفعول نہیں بنا سکتے۔

پھر ہم کیا کرتے تھے؟ اسی فعل کو ما قبل والے اسم پر مسلط کرتے تھے، ہم اس کو یہاں مسلط کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کو بھی مسلط نہیں کر سکتے، کیونکہ اس صورت میں معنی خراب ہو جائے گا۔ کس طرح معنی خراب ہو گا؟ دیکھیے، ذرا بعد والے جملے پر نظر رکھو: «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، میں نے پٹائی کی «غُلَامَهُ» ای غلامِ زید، کس کی؟ زید کے غلام کی۔ معلوم ہوا پٹائی زید کی ہوئی ہے کہ زید کے غلام کی ہوئی ہے؟ زید کے غلام کی پٹائی ہوئی ہے، اور اگر ما قبل میں ہم اسی فعل کو نکال لیں «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، تو «ضَرَبْتُ زَيْدًا» کا تو معنی ہو گا زید کی پٹائی ہوئی ہے، تو یہ تو معنی نہ رہا، یہ تو میں نہیں کہنا چاہتا، میں تو کیا کہنا چاہتا تھا؟ میں نے کس کی پٹائی کی ہے؟ زید کے غلام کی پٹائی کی ہے۔ معلوم ہوا یہاں «ضَرَبْتُ» کو مسلط نہیں کر سکتے، کیونکہ معنی صحیح نہیں رہتا، ما بعد جملے کا مطلب ہے کہ

زید کے غلام کی پٹائی ہوئی اور ما قبل کا معنی بن جائے گا زید کی پٹائی ہوئی، حالانکہ وہ تو اسی کی تفسیر بیان کر رہا ہے وہ کوئی الگ جملہ نہیں۔ پھر کیا کریں؟ کہتے ہیں اگر اسی فعل کو مسلط نہیں کر سکتے تو اس کے کسی مناسب کو مسلط کرو، اس کے مناسب کو مسلط کرو اور وہ نصب دے سکے۔

تو وہ اس کا مناسب یہاں ہے «أَهَنْتُ»۔ میں نے اہانت کی، «أَهَنْتُ زَيْدًا» میں نے زید کی اہانت کی «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» میں نے اس کے غلام کی پٹائی کی۔ بھائی دیکھیے، جو بڑا آدمی ہو گا جو طاقتور آدمی ہو گا اس کے غلام یا ملازم کو بھی کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ دنیا میں بھی آپ ایسا دیکھتے ہیں یا نہیں دیکھتے بھائی؟ جو طاقتور آدمی ہے اس کے غلام یا ملازم کو بھی کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا کیونکہ سب لوگ اس سے ڈرتے ہیں، اور اگر کوئی اس کے غلام یا ملازم کو ہاتھ لگائے تو وہ اس کو اپنی اہانت اور اپنی تذلیل سمجھتا ہے اور پھر وہ بھی مقابلے پر اتر آتا ہے۔ آپ عام دیکھتے ہوں گے اسی طرح بھائی، سمجھ میں آئی بات؟ تو لہٰذا جب آپ نے کہا «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» میں نے کس کی پٹائی کی؟ زید کے غلام کی، تو معلوم ہوا آپ نے کیا کی ہے؟ زید کی اہانت کی ہے، اس کی تذلیل کی ہے، معلوم ہوا آپ نے اس کو بڑا نہیں سمجھا، اگر آپ اس کو بڑا سمجھتے تو کبھی آپ کی جرات نہ ہوتی کہ اس کے غلام کو ہاتھ لگاتے۔ تو جب آپ نے اس کے غلام کی پٹائی کی تو گویا کیا کر دی؟ اس کی اہانت کر دی، اس کی تذلیل کر دی، تو لہٰذا یہاں پر «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» اس کا مناسب کیا ہے؟ «أَهَنْتُ زَيْدًا»، میں نے زید کی اہانت کی، کس طرح اہانت کی؟ «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» میں نے اس کے غلام کی پٹائی کی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور اچھا یہاں دوسرا یہ دیکھیے: پچھلی مثال میں تھا «ضَرَبْتُهُ»، یہ فعل کس میں مشغول تھا؟ اسی اسم کی ضمیر میں، ہا ضمیر کس کو لوٹ رہی تھی؟ زید کو، تو یہ فعل کس میں مشغول تھا؟ اسی اسم کی ضمیر میں جس کے فعل کو مقدر کیا گیا تھا۔ دوسرے میں دیکھیں «زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، یہاں جو ما بعد والا فعل ہے وہ ما قبل جو اسم آیا تھا اس اسم کی ضمیر میں نہیں مشغول بلکہ اس کے متعلق میں مشغول ہے۔ زید کا غلام زید سے متعلق ہے یا نہیں؟ اس کا زید سے تعلق ہے کہ تعلق نہیں ہے؟ تعلق ہے۔ تو یہاں پر فعل کس میں مشغول ہے؟ وہ جو ما قبل میں اسم آیا ہے اس کے متعلق میں، «غُلَامَهُ» اس زید کا، غلام کس کا ہے؟ زید کا، اور غلام جب زید کا ہے تو غلام زید کے ساتھ تعلق ہے کہ تعلق نہیں؟ تو پچھلی مثال میں تو «ضَرَبْتُ» فعل مشغول تھا اس زید کی ضمیر میں، اور اس مثال میں یہ «ضَرَبْتُ» کس میں مشغول ہے؟ زید کے متعلق میں۔ اور اسی فعل کو تو یہاں ہم مسلط نہیں کر سکتے البتہ اس کے مناسب ایک اور فعل وہ کیا ہے؟ «أَهَنْتُ»۔ کیونکہ «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» میں نے اس کے غلام کی پٹائی کی، اس کے مناسب کیا فعل ہے؟ معلوم ہوا میں نے کیا کی؟ زید کی اہانت کی، تو «أَهَنْتُ» فعل یہاں معلوم ہوا محذوف ہے۔

تو ترکیب پھر کس طرح ہو گی؟ «زَيْدًا» منصوب لفظاً مفعول بہ ہے فعلِ مقدر «أَهَنْتُ» کے لیے، اور «أَهَنْتُ» فعل با فاعل اور تا ضمیر اس میں مرفوع محلاً فاعل، اور فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفسِّر۔ اور آگے «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» اس کی تفسیر، اور اس کی ترکیب کیا ہو گی؟ «ضَرَبْتُ» فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «غُلَامَ» منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ مفعول بہ ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اور مضاف کیوں؟ ضمیرِ متصل ہے اس کے ساتھ، اور پھر اس کا اعراب بتاؤ؟ ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے، محلاً کیوں؟ ضمیر ہے۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ ہوا «ضَرَبْتُ» فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر تفسیر۔ سمجھ میں آئی بات؟ «زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، مقامِ استشہاد کیا ہے؟ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کون ہے اس میں؟ «زَيْدًا»، کون ہے؟ «زَيْدًا»، اس کے عامل کو کیا کر لیا گیا؟ مقدر، کیوں کیا گیا مقدر؟ اس شرط پر مقدر کیا گیا کہ آگے اس کی کیا آ رہی ہے؟ تفسیر آ رہی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور نیز یہاں تو فعل مقدر تھا نا: «ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ» اور «أَهَنْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، دونوں میں کیا مقدر نکالا؟ فعل۔ کبھی کبھار شبہ فعل بھی مقدر نکالتے ہیں موقع محل کے مطابق، کیونکہ آپ کو میں نے بتایا ہے کہ شبہ فعل بھی کس کی طرح عمل کرتا ہے؟ فعل کی طرح، وہی اسم فاعل اسم مفعول وغیرہ یہ بھی کس کی طرح عمل کرتے ہیں؟ فعل کی طرح ہی عمل کرتے ہیں، تو وہ بھی بعض جملوں میں وہ محذوف ہوں گے موقع محل کے مطابق جس قسم کا جملہ ہو بھائی۔ مثلاً اس اسم کے بعد اگر اسم فاعل یا اسم مفعول وغیرہ ہے اور وہ اس میں عمل نہیں کر سکتا، کیوں نہیں عمل کر سکتا؟ کیونکہ وہ اس کی ضمیر میں یا اس کے متعلق میں مشغول ہے، تو پھر ما قبل میں وہی شبہ فعل ما قبل میں محذوف نکال لیں گے یا اس کا کوئی مناسب جو ہے وہ محذوف نکال لیں گے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اب دوبارہ دیکھیے کتاب پر عبارت بھائی، اور ان دو مثالوں پر بھی نظر رکھنا پھر آپ کو عبارت سمجھ میں آئے گی۔ کہتے ہیں: «اَلثَّالِثُ» تیسری قسم جو ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»، وہ اسم ہے کہ جس کے عامل کو مقدر کر لیا جائے «عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کس شرط پر؟ تفسیر کی شرط پر۔ بھائی کسے کہتے ہیں؟ اب تعریف لگانا بھائی: «وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ» وہ ہر ایسا اسم ہے، دونوں مثالوں میں جو «زَيْدًا» ہے نا اس میں نظر رکھنا، وہ ہر ایسا

اسم ہے «بَعْدَهُ فِعْلٌ أَوْ شِبْهُهُ» جس کے بعد کیا ہو؟ فعل یا شبہ فعل ہو۔ دونوں میں آپ دیکھیں «زَيْدًا» کے بعد کیا ہے؟ فعل ہے، فعل یا شبہ فعل ہے۔ دونوں کے بعد ایسا فعل یا شبہ فعل ہے: «يَشْتَغِلُ ذٰلِكَ الْفِعْلُ عَنْ ذٰلِكَ الِاسْمِ» کہ اعراض کر رہا ہو، منہ موڑ رہا ہو وہ فعل اس اسم سے۔ کیوں؟ منہ کیوں موڑ رہا ہے؟ «بِضَمِيرِهِ» اس کی ضمیر کی وجہ سے، یہ کس میں تھا؟ پہلی مثال میں۔ «أَوْ مُتَعَلِّقِهِ» یا اس کے متعلق کی وجہ سے منہ موڑ رہا ہے، یہ کس مثال میں تھا؟ دوسری مثال میں۔ «بِحَيْثُ» اس طور پر «لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ هُوَ» اگر مسلط کر دیا جائے علیہ اس اسم پر «هُوَ» اسی فعل کو، یہ کس میں تھا؟ پہلی مثال میں اسی فعل کو مسلط کیا تھا دوسری میں اس کے مناسب کو، تو یہی ذکر کر رہے ہیں: اس طور پر «لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ هُوَ» اگر مسلط کر دیا جائے اس اسم پر اسی مابعد والے فعل کو «أَوْ مُنَاسِبُهُ» یا اس کے مناسب کو «لَنَصَبَهُ» تو وہ البتہ اس کو نصب دے۔ «نَحْوُ: زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»، جیسے «زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»۔

▪ قولہ: «فَإِنَّ زَيْدًا مَنْصُوبٌ بِفِعْلٍ مَحْذُوفٍ مُضْمَرٍ» کی تشریح

«فَإِنَّ زَيْدًا مَنْصُوبٌ بِفِعْلٍ مَحْذُوفٍ مُضْمَرٍ»، پس بے شک زید کا لفظ جو ہے وہ منصوب ہے ایک ایسے فعل کی وجہ سے جو محذوف ہے مضمر ہے مقدر ہے «وَهُوَ ضَرَبْتُ»، اور وہ کیا ہے؟ وہ محذوف فعل «ضَرَبْتُ» ہے، «يُفَسِّرُهُ الْفِعْلُ الْمَذْكُورُ بَعْدَهُ»، اور اس «ضَرَبْتُ» کی تفسیر کر رہا ہے وہ فعل جو اس کے بعد مذکور ہے۔ بعد بھی وہی «ضَرَبْتُ» ہے، تو اس محذوف «ضَرَبْتُ» کی تفسیر یہی والا دوسرا «ضَرَبْتُ» کر رہا ہے۔ توجہ ہے؟ زید کے بعد ایک «ضَرَبْتُ» ہے اور زید سے پہلے ایک «ضَرَبْتُ» محذوف، تو یہ جو بعد والا «ضَرَبْتُ» ہے وہ جو محذوف «ضَرَبْتُ» تھا اس کی تفسیر کر رہا ہے، یہ معنی ہے۔ تو «يُفَسِّرُهُ الْفِعْلُ الْمَذْكُورُ بَعْدَهُ»، اس «ضَرَبْتُ» کی تفسیر یہ والا فعل کر رہا ہے جو اس اسم کے بعد مذکور ہے، اور وہ کون سا فعل مذکور ہے؟ «وَهُوَ ضَرَبْتُهُ»، وہ «ضَرَبْتُهُ» کا فعل ہے۔

«وَلِهٰذَا الْبَابِ فُرُوعٌ كَثِيرَةٌ»، اور اس باب کی بہت سی فروعات ہیں بھائی۔ فرع اصل میں کہتے ہیں شاخ کو، درخت کی شاخیں نہیں ہوتیں بھائی؟ تو جیسے ایک تنے سے بہت سی شاخیں نکلتی ہیں، اسی طرح وہ فرما رہے ہیں کہ اس باب کی بہت سی فروعات ہیں، بہت سی شاخیں نکلتی ہیں، یعنی اس سے بہت سے مسائل نکلتے ہیں، اس قسم کے بہت سے نحوی مسائل ہیں جو اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں جس میں معمول کے فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے اور بعد میں آنے والا فعل کیا کرتا ہے؟ اس کی تفسیر کرتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یوں کر لیں ترجمہ: «وَلِهٰذَا الْبَابِ فُرُوعٌ كَثِيرَةٌ»، اس باب کی بہت سی قسمیں ہیں۔ یہاں تو انہوں نے مختصر ایک بات ذکر کر دی کہ ایک اسم ہو اور وہ مفعول بہ ہو گا، کیا ہو گا؟ مفعول بہ ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ یہ مفعول بہ ہی ہو، مفعول فیہ وغیرہ بھی ہو سکتا ہے، لیکن سب کو ذکر نہیں کیا باقیوں کی طرف صرف اشارہ کر دیا کہ «وَلِهٰذَا الْبَابِ فُرُوعٌ كَثِيرَةٌ»، اس باب کی بہت سی فروعات ہیں اور قسمیں ہیں جو آپ اگلی کتابوں میں پڑھ لیں گے۔ بس اتنا یہاں اچھی طرح سمجھ لیں کہ مفعول بہ میں بھی ایسا ہوتا ہے اور اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے، کیونکہ آگے آنے والا فعل اس کی تفسیر کر رہا ہوتا ہے۔ تو لہٰذا اب یہاں پہلے فعل کو ذکر نہیں کر سکتے، کیوں نہیں ذکر کر سکتے؟ کیونکہ دوسرے فعل کو لائے ہی اس شرط پر ہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ اس فعلِ محذوف کی تفسیر، تو اس کو حذف کریں گے تو تفسیر لائے ہیں، یا آگے آپ تفسیر لائے ہی کس وجہ سے ہیں؟ کیونکہ پہلے فعل کو آپ نے کیا کر لیا؟ حذف۔ تو اس کو حذف کیا اسی شرط پر کہ آگے ہم کیا کریں گے؟ اس کی تفسیر۔ جب اس کو حذف ہی اس لیے کیا ہے کہ آگے ہم تفسیر لے آئیں تو اب اس کو ذکر کرنا جائز نہیں، بات سمجھ میں آگئی۔ عبارت حل ہو گئی ساری؟ وہ دو مثالوں پر نظر رکھنا اور پھر اس کی عبارت کو پڑھتے جانا، دیکھنا ساری عبارت حل ہو جائے گی بھائی، حل ہو جائے گی۔

«بِحَيْثُ لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ هُوَ» ہاں، وہ فعل یا شبہ فعل اس سے اعراض کر رہا ہے۔ کیوں اعراض کر رہا ہے؟ کیونکہ اس کی ضمیر میں یا اس کے متعلق میں عمل کر رہا ہے، اس کی وجہ سے۔ لیکن اس طور پر ہے کہ اگر اسی فعل کو اس پر مسلط کر دیں یا اس کے مناسب کو تو وہ اس کو نصب دے سکے۔ چلیے بس بھائی: «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۵۷: فصل المنادیٰ: منادیٰ کی اقسام، اعراب اور یائے متکلم کی طرف مضاف منادیٰ

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۸—بتاریخ: ۲۲ فروری ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

اَلرَّابِعُ الْمُنَادَى، وَهُوَ اسْمٌ مَدْعُوٌّ بِحَرْفِ النِّدَاءِ لَفْظًا، نَحْوُ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ، أَيْ: أَدْعُو عَبْدَ اللّٰهِ، وَحَرْفُ النِّدَاءِ قَائِمٌ مَقَامَ أَدْعُو، وَحُرُوفُ النِّدَاءِ خَمْسَةٌ: يَا، وَأَيَا، وَهَيَا، وَأَيْ، وَالْهَمْزَةُ الْمَفْتُوحَةُ، وَقَدْ يُحْذَفُ حَرْفُ النِّدَاءِ لَفْظًا، نَحْوُ: يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔

اچھا بھائی! گزشتہ سے پیوستہ سبق کے اندر ہم نے مفعول بہ کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا، اور صاحبِ کتاب نے آپ کو بتلایا کہ مفعول بہ اس چیز کا نام ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہوتا ہے، جیسے «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»۔ یہ زید کی ضرب کس پر واقع ہوئی ہے؟ عمرو پر، تو یہ عمرو جو ہے مفعول بہ ہے بھائی۔ اور یہ مفعول بہ جو ہے اس کا فعل جو ہے اس کو حذف کیا جا سکتا ہے اور یہ حذف دو قسم پر ہے: بعض اوقات یہ حذف جائز ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ فعل کا حذف واجب ہوتا ہے۔

فعل کا حذف جائز وہاں ہوتا ہے جہاں پر کوئی قرینہ موجود ہو، کوئی چیز ہو جو بتلا رہی ہو کہ یہاں پر یہ والا فعل حذف ہے، تو پھر فعل کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ویسے ہی اس کا پتہ چل جائے گا تو اس کو حذف بھی کیا جا سکتا ہے اور ذکر کرنا چاہیں تو ذکر بھی کر سکتے ہیں، دونوں جائز ہیں بھائی۔ اور بعض جگہیں وہ ہیں کہ جہاں پر فعل کو حذف کرنا واجب ہے، وہاں اگر آپ فعل کو حذف نہیں کرتے بلکہ ذکر کرتے ہیں تو یہ آپ کلامِ عرب کے اعتبار سے غلطی کر رہے ہیں بھائی۔ تو وہ جو جگہیں جہاں پر حذف کرنا واجب ہے وہ چار جگہیں ہیں۔

ان چار میں سے پہلی جگہ سماعی ہے، یعنی جو سماع پر، سننے پر موقوف ہے، عربوں سے ہم نے اسی طرح سنا ہے، اس کا ضابطہ کیا ہے؟ کس ضابطے کے تحت؟ تو ضابطہ کوئی نہیں۔ تو اس کی مثال انہوں نے ذکر کی تھی «اِمْرَأً وَنَفْسَهُ»، اور اسی طرح «وَانْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ»، اور اسی طرح «أَهْلًا وَسَهْلًا»۔ اور اس کے بعد باقی جو قسمیں تھیں تین، وہ قیاسی ہیں بھائی، قیاسی۔ یعنی ان جیسی جگہوں پر آپ کے لیے بھی اس فعل کو حذف کرنا واجب ہو گا بھائی۔

تو ان میں سے پہلی جگہ جو تھی وہ تحذیر تھی، تحذیر آپ نے پڑھا تھا وہ معمول ہوتا ہے «اِتَّقِ» کی تقدیر کے ساتھ، یعنی وہاں «اِتَّقِ» یا «اِتَّقِ» جیسا کوئی لفظ محذوف ہوتا ہے اور وہاں مابعد سے ڈرانا مقصد ہوتا ہے، جیسے «إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ»۔ یہ «إِيَّاكَ» کیا ہے؟ یہ وہ معمول ہے جس کے فعل «اِتَّقِ» کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا۔ کس سے ڈرانا مقصد ہے؟ «وَالْأَسَدَ»، یہ جو آگے اسد کا ذکر آ رہا ہے شیر، اس سے ڈرانا مقصد ہے بھائی۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ محذر منہ کو مکرر ذکر کیا جائے، یعنی وہ چیز جس سے ڈرایا جا رہا ہے اس کو دو دفعہ ذکر کیا جائے، جیسے «اَلطَّرِيقَ» مکرر۔ اور یہ جو دو دفعہ ذکر ہوتا ہے ان میں سے پہلا جو ہے یہ وہ مفعول بہ ہے جس کے فعل کو کیا کر لیا گیا؟ حذف، اور دوسرا اسی کے لیے تاکید ہے، اور مؤکد اور تاکید کا اعراب ایک جیسا ہوتا ہے۔ تو پہلے میں اگر آپ سے کوئی پوچھے یہ منصوب کیوں؟ تو آپ کہیں گے یہ مفعول بہ ہے۔ اور دوسرے میں اگر کوئی پوچھے یہ منصوب کیوں؟ تو آپ کیا کہیں گے؟ یہ تاکید ہے، اور مؤکد اور تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے۔

تیسری قسم جس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے وہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے، وہ اسم ہے جس کے عامل کو مقدر کر لیا جائے تفسیر کی شرط پر، یعنی آگے اس کی تفسیر لائی جائے، اس فعل کو حذف کر کے آگے اس کی تفسیر لائی جائے بھائی۔ تو وہ تیسری قسم ہوئی، کیا نام ہوا؟ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»۔ بھائی یہ کہتے کس کو ہیں؟ کہتے ہیں وہ ہر وہ ایسا اسم جس کے بعد آگے فعل آرہا ہو یا شبہ فعل، اور وہ فعل یا شبہ فعل اسی اسم کی ضمیر میں یا اس کے متعلق کے اندر مشغول ہو، جب اس میں مشغول ہے تو اس اسم سے اعراض کر رہا ہے، اس سے منہ موڑ رہا ہے، اس میں عمل نہیں کر رہا، تو اس کے لیے پھر دوسرا فعل مقدر نکالنا پڑے گا۔ کبھی وہی فعل مقدر نکالنا پڑتا ہے اور کبھی اس کا مناسب۔ جیسے دو مثالیں میں نے ذکر کی تھیں وہ ذہن میں رکھیں تو پھر پوری بات آپ کو سمجھ میں آجائے گی: پہلی مثال «زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»، یہ «زَيْدًا» یہ ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»۔ دیکھو «زَيْدًا» ایک اسم ہے اور اس کے بعد ایک فعل ہے «ضَرَبْتُهُ»، اور وہ «ضَرَبْتُ» اسی اسم یعنی زید کی ضمیر میں مشغول ہے، تو وہ فعل یا تو زید میں عمل کر سکتا ہے یا اس کی ضمیر میں عمل کر سکتا ہے، ایک وقت میں دونوں کے اندر تو عمل نہیں کر سکتا۔ تو لہٰذا اب یہ «ضَرَبْتُهُ» جو ہے جب یہ آگے ہا ضمیر ہے یہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو۔ تو اب وہ تعریف اس پر لگائیں: «زَيْدًا» یہ ایک اسم ہے جس سے ماقبل فعل کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کیا گیا۔ کس شرط پر؟ کہ آگے اس کی کیا آرہی ہے؟ تفسیر۔

کہتے کس کو ہیں؟ کہتے ہیں «زَيْدًا» مثلاً ایک اسم ہے، اس کے بعد کیا آرہا ہے؟ فعل، اور وہ فعل اس زید میں عمل نہیں کر رہا، اس سے منہ موڑ رہا ہے۔ کیوں منہ موڑ رہا ہے؟ کیونکہ وہ اس کی ضمیر میں عمل کر رہا ہے، اس طور پر کہ اگر اسی فعل کو اس اسم پر مسلط کریں تو وہ اسے نصب دے سکے۔ یہاں ماقبل میں «ضَرَبْتُ» نکال لیں تو وہ اس کو نصب دے سکتا ہے اور معنی وہی رہتا ہے۔ ماقبل میں ہے «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، کیا معنی ہوا؟ میں نے زید کی پٹائی کی، اور مابعد میں تھا «ضَرَبْتُهُ»، اس کا بھی کیا معنی تھا؟ میں نے زید کی پٹائی کی۔ تو دیکھو معنی وہی ہے معنی میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی، معلوم ہوا اسی فعل کو مسلط کر سکتے ہیں اور وہ اس کو نصب دے سکتا ہے۔ لیکن بعض جگہ اسی فعل کو مسلط نہیں کر سکتے تو پھر اس کے مناسب کوئی اور فعل مسلط کریں وہ اسے نصب دے سکے، جیسے دوسری مثال میں نے ذکر کی تھی: «زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔ یہ «زَيْدًا» ایک اسم ہے، یہ ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»۔ یہ «زَيْدًا» ایک اسم ہے، اس کے بعد «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، «ضَرَبْتُ» ایک فعل آرہا ہے اور وہ فعل اس زید کی ضمیر میں مشغول ہے یا اس کے متعلق میں مشغول ہے؟ متعلق «غُلَامَهُ»، زید کا غلام۔ زید کے غلام کا زید کے ساتھ تعلق ہے یا نہیں ہے؟ زید کا غلام ہے، تو یہ «ضَرَبْتُ» جو ہے زید کے بعد جو آرہا ہے یہ زید کے متعلق یعنی اس کے غلام میں عمل کر رہا ہے اور اس وجہ سے یہ زید کو نصب نہیں دے سکتا جو ماقبل میں زید گزرا۔

اگر اسی فعل کو ماقبل میں مسلط کریں، مثلاً اسی «ضَرَبْتُ» کو مسلط کر کے دیکھیں، کیا کلام بن گیا؟ «ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔ مابعد میں کیا تھا «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، اس کا کیا معنی تھا؟ پٹائی کس کی ہوئی ہے؟ زید کے غلام کی، اور ماقبل میں ہم نے «ضَرَبْتُ» نکالا «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، اس سے تو پتہ چل رہا ہے زید کی پٹائی ہوئی ہے، حالانکہ یہ تو مقصد ہی نہیں ہے، معلوم ہوا اسی فعل کو یہاں مسلط نہیں کر سکتے۔ پھر کیا کریں؟ اس کے مناسب کوئی اور فعل مسلط کریں، کوئی اور فعل یہاں نکال لیں گے اور وہ مثلاً یہاں پر کیا ہے؟ «أَهَنْتُ»۔ کیونکہ جب زید کے غلام کی پٹائی کی تو معلوم ہوا زید کی اہانت کی، اس کی تذلیل کی، تو یہاں پر وہ کون سا فعل ہے؟ «أَهَنْتُ»۔ میں نے اہانت کی زید کی، کیا اہانت کی؟ «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» میں نے اس کے غلام کی پٹائی کی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو وہ مقامات چل رہے ہیں جہاں پر مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ تین جگہیں گزر گئیں: پہلی سماعی تھی، دوسری تحذیر ہے، تیسری «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے، اب ہم چوتھی جگہ پڑھیں گے۔ تو کہتے ہیں: «اَلرَّابِعُ الْمُنَادَى»، چوتھی جگہ جو ہے وہ منادیٰ ہے۔ منادیٰ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ اسْمٌ مَدْعُوٌّ بِحَرْفِ النِّدَاءِ لَفْظًا»، وہ ایسا اسم ہے جس کو پکارا جائے حرفِ ندا کے ساتھ لفظاً، اور وہ حرفِ ندا کس حیثیت سے ہو؟ لفظوں کے اندر موجود ہو۔ جیسے مثلاً دیکھیے بھائی: «نَحْوُ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ»، «يَا عَبْدَ اللّٰهِ» یہ ہے مثال۔ تو اس میں عبد اللہ جو ہے یہ منادیٰ ہے، اس کو ندا دی گئی: اے عبد اللہ! اردو میں کیسے کہیں گے؟ اے عبد اللہ! تو دیکھیے عبد اللہ، تو یہ عبد کا لفظ منصوب ہے، مفعول بہ ہے بھائی یہ، اور اس سے پہلے فعل تھا «أَدْعُو»، میں پکارتا ہوں، میں پکار رہا ہوں۔ اصل میں تھا «أَدْعُو عَبْدَ اللّٰهِ»، میں کس کو آواز دے رہا ہوں؟ عبد اللہ کو۔ پھر «أَدْعُو» کو حذف کر لیا گیا اور اس کی جگہ کیا لے آئے؟ یا حرفِ ندا لے آئے، تو حرفِ ندا اس فعل کا قائم مقام ہے۔

اسی لیے انہوں نے کہا، کتاب میں دیکھیں انہوں نے کیا کہا: «نَحْوُ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ، أَيْ: أَدْعُو عَبْدَ اللّٰهِ»، یعنی میں آواز دے رہا ہوں عبد اللہ کو، میں پکار رہا ہوں عبد اللہ کو۔ اور اس «أَدْعُو» کو حذف کر لیا گیا اور یا حرفِ ندا کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا۔ تو یہ جس پر حرفِ ندا داخل ہو اس کو منادیٰ کہتے

ہیں۔ تو «يَا عَبْدَ اللّٰهِ» اس میں منادیٰ کون ہے؟ عبد اللہ۔ اور یہ عبد اللہ کو نصب کون دے رہا ہے؟ یہ یا نصب دے رہی ہے یا «أَدْعُو» فعل نصب دے رہا ہے؟ «أَدْعُو»، اور اس «أَدْعُو» کو حذف کر لیا گیا اور اس کو حذف کرنا واجب ہے۔ آپ یہاں یوں نہیں کہہ سکتے «أَدْعُو عَبْدَ اللّٰهِ»، ہاں کہہ سکتے ہیں لیکن پھر اس کو منادیٰ نہیں کہیں گے، ہم تو بات منادیٰ کی کر رہے ہیں۔ جب آپ اس کو منادیٰ بنائیں گے تو حرفِ ندا لانا پڑے گا، اور حرفِ ندا جب لائیں گے تو «أَدْعُو» کو کیا کرنا پڑے گا؟ حذف کرنا پڑے گا، واجب ہے۔ تو معلوم ہوا منادیٰ وہ مفعول بہ ہے جس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔

ترکیب کیسے ہو گی؟ «يَا عَبْدَ اللّٰهِ» اس کی ترکیب کرو: یا حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے، اب ترکیب کرو: «أَدْعُو» فعل، انا ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «عَبْدَ» منصوب لفظاً مضاف، اور لفظِ اللہ مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ اچھا «عَبْدَ» منصوب کیوں ہے؟ کیونکہ مفعول بہ ہے۔ لفظِ اللہ مجرور کیوں ہے؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مفعول بہ ہوا «أَدْعُو» فعل کے لیے، «أَدْعُو» فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ خبر یہ نہیں، انشا ہے۔ جملہ خبر یہ تو اس کو کہتے ہیں جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے، اور وہ آپ کو کوئی بات سنائے تو آپ اس کو کہہ سکتے ہیں یہ سچ بول رہا ہے یا جھوٹ بول رہا ہے، اور یہاں تو کوئی بات نہیں سنائی جا رہی یہاں تو کسی کو متوجہ کیا جا رہا ہے، مثلاً میں کسی کو آواز دیتا ہوں اے زید! مجھے کوئی نہیں کہہ سکتا یہ سچ بول رہا ہے یا جھوٹ بول رہا ہے، کیونکہ میں نے کوئی بات ہی نہیں کی میں نے تو صرف اس کو اپنی طرف کیا کیا ہے؟ متوجہ کر رہا ہوں، ندا دے رہا ہوں۔ تو لہٰذا اس کو اسی لیے ندا کس قبیل سے ہے؟ انشا۔ تو «أَدْعُو عَبْدَ اللّٰهِ» یہ کون سا جملہ ہوا؟ جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

دوبارہ تعریف سنیں بھائی: چوتھی قسم منادیٰ ہے، «وَهُوَ اسْمٌ مَدْعُوٌّ بِحَرْفِ النِّدَاءِ لَفْظًا»، وہ ایسا اسم ہے جس کو پکارا جائے حرفِ ندا کے ساتھ لفظاً، لفظوں میں ہوتا ہے وہ یا حرفِ ندا۔ «نَحْوُ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ، أَيْ: أَدْعُو عَبْدَ اللّٰهِ، وَحَرْفُ النِّدَاءِ قَائِمٌ مَقَامَ أَدْعُو»، اور حرفِ ندا جو ہے وہ قائم مقام ہوتا ہے «أَدْعُو» فعل کے۔ «وَحُرُوفُ النِّدَاءِ خَمْسَةٌ»، اور حروفِ ندا پانچ ہیں بھائی: «يَا، وَأَيَا، وَهَيَا، وَأَيْ، وَالْهَمْزَةُ الْمَفْتُوحَةُ»۔ بھائی یہ پانچ حروفِ ندا ہیں، ان کے ساتھ ندا عرب دیتے ہیں: کبھی کہیں گے «يَا عَبْدَ اللّٰهِ» یا کے ساتھ، کبھی کہیں گے «أَيَا عَبْدَ اللّٰهِ» ایا کے ساتھ، کبھی «هَيَا» کہیں گے «هَيَا عَبْدَ اللّٰهِ»، اور کبھی «أَيْ» کہیں گے پکارنے کے لیے «أَيْ عَبْدَ اللّٰهِ»، اور کبھی صرف ہمزۂ مفتوحہ صرف ہمزہ لے آئیں گے جس پر زبر ہو گی ہمزۂ مفتوحہ ہو گا «أَعَبْدَ اللّٰهِ»، تو یہ ہمزہ ندا کے لیے ہے۔

تو یہ پانچ ہیں بھائی۔ ان میں سے یاد رکھنا جن کے حروف تھوڑے وہ قریب کے لیے، جن کے حروف زیادہ وہ دور کے لیے، اور یا عام ہے قریب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے دور کے لیے بھی۔ زید آپ سے دور ہے تو آپ آواز دیں گے: «أَيَا زَيْدُ» یا آپ آواز دیں گے «هَيَا زَيْدُ»، یہ ایا اور حیا سے ہی پتہ چل گیا کہ زید آپ سے دور ہے۔ اگر قریب ہے تو کیسے کہیں گے؟ «أَيْ زَيْدُ» یا «أَزَيْدُ» جن میں حروف تھوڑے ہیں۔ اور یا، یا عام ہے قریب کے لیے بھی آپ کہہ سکتے ہیں «يَا زَيْدُ»، دور ہو پھر بھی آپ کہہ سکتے ہیں «يَا زَيْدُ»۔ اور ایک اور نکتہ یہاں یاد رکھیں: لفظِ اللہ کے ساتھ صرف یا حرفِ ندا استعمال ہوتا ہے باقی نہیں: «يَا اَللّٰهُ»۔ اللہ کو پکارتے ہیں آپ تو صرف کیا کہیں گے؟ یا کہیں گے، یہاں پر ایا، حیا، ای اور ہمزہ کو استعمال کرنا درست نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَحُرُوفُ النِّدَاءِ خَمْسَةٌ: يَا، وَأَيَا، وَهَيَا، وَأَيْ، وَالْهَمْزَةُ الْمَفْتُوحَةُ»، یہ پانچ ہیں۔ «وَقَدْ يُحْذَفُ حَرْفُ النِّدَاءِ لَفْظًا»، اور کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے حرفِ ندا کو لفظاً، لفظوں سے حذف کر لیا جاتا ہے البتہ ارادے میں ہوتا ہے، مراد وہ ہوتا ہے جیسے قرآن میں بھی آیا ہے: «نَحْوُ: يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا»، «أَيْ: يَا يُوسُفُ»۔ یوسف سے پہلے کیا لفظ محذوف ہے؟ یا۔ اور یہ بھی یاد رکھنا، حذف صرف یا کو کیا جاتا ہے اور کسی کو حذف نہیں کیا جاتا۔ جب کہہ دیا جائے حرفِ ندا محذوف ہے تو سمجھ جائیں یا محذوف ہے، کیونکہ ایا، حیا، ای اور ہمزہ کو حذف نہیں کیا جاتا۔ تو «يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا»، اے یوسف علیہ السلام! اس سے اعراض کرو، اس سے منہ موڑ لو یعنی اس کو چھوڑ دو۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟ تو یہاں پر حرفِ ندا محذوف ہے اور لفظِ یوسف منادیٰ ہے۔

▪ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّ الْمُنَادَى عَلَى أَقْسَامٍ» کی تشریح

«وَاعْلَمْ أَنَّ الْمُنَادَى عَلَى أَقْسَامٍ»، اور جان لے تو کہ منادیٰ جو ہے کئی قسم پر ہے، «فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا مَعْرِفَةً يُبْنَى عَلَى عَلَامَةِ الرَّفْعِ»، تو وہ مبنی ہو گا علامتِ رفع پر۔ اگر منادیٰ کیا ہو؟ مفرد ہو اور معرفہ ہو، تو وہ مبنی ہو گا کس پر؟ علامتِ رفع پر، «كَالضَّمَّةِ وَنَحْوِهَا» جیسے کہ ضمہ ہے اور ضمہ جیسے اور حروف ہیں جو علامتِ رفع ہیں۔ بھائی علامتِ رفع کیا کیا ہیں؟ رفع کی صورتیں کتنی ہیں؟ کبھی رفع کس کی صورت میں آتا ہے؟ ضمہ کی صورت

میں، «جَاءَنِي زَيْدٌ» دیکھو یہ زید کا رفع بتلا رہا ہے کہ یہ فاعل ہے، تو رفع کی ایک صورت کیا ہے؟ ضمہ۔ کبھی یہ رفع کس کی صورت میں ہوتا ہے؟ واؤ کی صورت میں، «جَاءَنِي مُسْلِمُونَ» دیکھو یہ واؤ بتلا رہا ہے کہ مسلمون جاء کے لیے فاعل ہے۔ اور کبھی کبھار یہ رفع کی علامت کیا ہوتی ہے؟ الف ہوتی ہے، «جَاءَنِي رَجُلَانِ» آئے میرے پاس کوئی دو آدمی بھائی۔ تو علامتِ رفع ضمہ کی صورت بھی ہو سکتا ہے اور واؤ بھی ہو سکتا ہے اور الف بھی۔ تو بہر حال جو بھی علامت ہو گی اس پر وہ مبنی ہو گا۔ منادیٰ مفرد معرفہ اس پر مبنی ہو گا۔

جیسے «يَا زَيْدُ»، تو دیکھو یہ «يَا زَيْدُ» میں زید کیا ہے؟ مبنی ہے، کس پر؟ علامتِ رفع کیا ہے یہاں؟ ضمہ، یہ مبنی علی الضم ہے۔ اور «يَا رَجُلُ» یہ بھی کیا ہے؟ مبنی علی الضم۔ «يَا زَيْدَانِ» یہ کیا ہے؟ مبنی علی الالف ہے۔ اور «يَا زَيْدُونَ» یہ کیا ہے؟ مبنی علی الواؤ ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو معلوم ہوا منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہو گا کس پر؟ علامتِ رفع پر، یعنی مبنی ہو گا کہنا یہ چاہتے ہیں۔ منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو وہ کیا ہو گا؟ مبنی ہو گا، اور علامتِ رفع پر مبنی ہو گا۔ ضابطہ آپ کو بتا دیا: کون سا منادیٰ؟ مفرد معرفہ۔ کیا معنی مفرد اور کیا معنی معرفہ؟ پہلے اس کو سمجھ لیں۔ یاد رکھو علمِ نحو کی کتابوں میں جب مفرد کا لفظ آئے تو وہ چار چیزوں کے مقابلے میں آسکتا ہے: کبھی ایک کے مقابلے میں آئے گا، کبھی دوسری کے، کبھی تیسری کے، کبھی چوتھی کے، وہ آپ نے موقع محل کے مطابق پہچاننا ہے کہ یہاں مفرد سے کون سا مفرد مراد ہے۔

کبھی کبھار یاد رکھو مفرد مرکب کے مقابلے میں آتا ہے، جب کہہ دیا جائے یہ مفرد ہے آپ سمجھ جائیں معلوم ہوا مرکب نہیں ہے۔ جیسے کلمہ کی تعریف پڑھی تھی آپ نے: «اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ»، دیکھا؟ یہاں یہ مفرد آیا تھا یہ کس کے مقابلے میں ہے؟ مرکب۔ وہ معنی مرکب نہ ہو بلکہ کیا ہو؟ مفرد ہو۔ اور اگر معنی کی صفت بنائیں تو معلوم ہوا وہ معنی مفرد ہو یعنی مرکب نہ ہو۔ تو کبھی کبھار مفرد آتا ہے کس کے مقابلے میں؟ مرکب کے مقابلے میں۔ اسی طرح کبھی مفرد تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں آتا ہے، جب آپ کو کہہ دیا جائے یہ مفرد ہے آپ سمجھ جاتے ہیں معلوم ہوا یہ تثنیہ اور جمع نہیں ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں «هُوَ» مفرد کی ضمیر ہے، آپ سمجھ گئے معلوم ہوا یہ تثنیہ اور جمع نہیں ہے۔ اور کبھی کبھار مفرد آتا ہے جملے کے مقابلے میں، جب کہہ دیا جائے یہ مفرد ہے معلوم ہوا کہ یہ جملہ نہیں ہے۔ اور کبھی کبھار مفرد جو ہے وہ مضاف اور مشابہ مضاف کے مقابلے میں آتا ہے، جب کہہ دیا جائے یہ مفرد ہے معلوم ہوا یہ مضاف بھی نہیں اور مشابہ مضاف بھی نہیں۔

دیکھیے آگے ایک دو سطریں چھوڑ کر ایک مثال آرہی ہے: «وَيُنْصَبُ إِنْ كَانَ مُضَافًا، نَحْوُ: يَا عَبْدَ اللهِ، أَوْ مُشَابِهًا لِلْمُضَافِ، نَحْوُ: يَا طَالِعًا جَبَلًا»۔ اب دیکھیے «يَا عَبْدَ اللهِ»، یا حرفِ ندا ہے اور عبد اللہ منادیٰ ہے، لیکن آپ اس میں دیکھ رہے ہیں عبد اللہ، عبد مضاف لفظ اللہ مضاف الیہ، تو اصل میں منادیٰ کون ہے؟ عبد ہے پہلا لفظ اور یہ مضاف ہو رہا ہے، تو منادیٰ کس قسم کا ہے؟ مضاف۔ اور آگے آرہا ہے مشابہ للمضاف جیسے «يَا طَالِعًا جَبَلًا»، اے پہاڑ پر چڑھنے والے! یہ ہے مشابہ مضاف۔ عبد اللہ میں عبد کا لفظ کیا تھا؟ مضاف، اور آگے «يَا طَالِعًا جَبَلًا» اس میں منادیٰ کون ہے؟ طالع، یہ مشابہ مضاف ہے۔ مضاف کا معنی پورا نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ مضاف الیہ نہ ملائیں۔ جیسے «غُلَامُ زَيْدٍ»، جب تک اس غلام کے ساتھ زید کا لفظ نہیں ملے گا بات پوری نہیں ہو گی۔ اسی طرح یاد رکھو ایک مشابہ مضاف ہوتا ہے، مشابہ مضاف اس میں وہ مضاف مضاف الیہ تو نہیں ہوتے آپس میں لیکن پہلا لفظ دوسرے لفظ کا محتاج ہوتا ہے اپنا معنی پورا ادا کرنے میں، جیسے «يَا طَالِعًا جَبَلًا»، طالع کا معنی چڑھنے والا، کس پر چڑھنے والا؟ جبل، پہاڑ پر۔ جب تک یہ جبلا کا لفظ ساتھ نہیں ملائیں گے معنی پورا نہیں ہو گا۔ تو یہ بھی کس کی طرح ہوئے؟ مضاف مضاف الیہ جیسے ہی ہوئے، تو اس کو کہتے ہیں مشابہ مضاف۔

تو لہٰذا منادیٰ کی بحث میں جب مفرد کا لفظ آجائے تو کس کو نکالنا مقصد ہوتا ہے؟ مضاف اور مشابہ مضاف کو۔ تو کہتے ہیں منادیٰ کئی قسم پر ہے: «فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا»، اگر منادیٰ کیا ہو؟ مفرد ہو، یعنی مضاف بھی نہ ہو اور مشابہ مضاف بھی نہ ہو۔ «مَعْرِفَةً»، اور مفرد بھی ہو معرفہ بھی ہو، یعنی نکرہ نہ ہو۔ بھائی یاد رکھو ایک قیمتی بات: آپ نے پڑھا ہے نکرہ پر جب الف لام داخل ہو جائے تو وہ اس کو معرفہ بنا دیتا ہے، جیسے رجل کا معنی کوئی آدمی لیکن اس پر الف لام لے آئیں «اَلرَّجُلُ» تو یہ اب کیا بن گیا؟ معرفہ۔ معلوم ہوا یہ الف لام آلۂ تعریف ہیں۔ اسی طرح یاد رکھنا یہ جو حرفِ ندا ہے یہ بھی آلۂ تعریف ہے، جس اسم پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے۔ جیسے رجل، رجل کا معنی کوئی آدمی، لیکن جب اس پر یا حرفِ ندا داخل ہوا «يَا رَجُلُ»، اے آدمی! اب مجھے بتائیے جب آپ اس طرح آواز دیں گے تو کسی متعین آدمی کو آواز دی یا کی وجہ سے یہ کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا ہے۔ تو انہوں نے کہا منادیٰ اگر مفرد معرفہ ہو تو مبنی ہو گا علامتِ رفع پر۔ مفرد کا معنی تو سمجھ میں آگیا کہ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، اور نیز معرفہ ہو تو یاد رکھیے معرفہ سے یہاں مراد عام ہے، چاہے قبل الندا وہ معرفہ ہو چاہے بعد الندا وہ معرفہ بن جائے۔ مثلاً «يَا زَيْدُ»، زید کسی کا نام ہے، علم ہے اور علم کیا ہے؟ معرفہ، تو زید کا لفظ ندا سے پہلے ہی معرفہ تھا۔ اور دوسری مثال رجل، رجل کا لفظ معرفہ ہے یا نکرہ؟ نکرہ، میں کہتا ہوں «يَا رَجُلُ» اب کیا بن گیا؟ معرفہ۔ تو معرفہ سے یہاں مراد عام ہے کہ معرفہ ہونا چاہیے، جب

وہ منادیٰ ہو تو معرفہ ہونا چاہیے۔

منادیٰ ہو تو معرفہ ہونا چاہیے۔ جیسے «يَا زَيْدُ»، بے شک پہلے سے معرفہ ہے کوئی حرج نہیں۔ ندا کے بعد بھی کیا ہے؟ معرفہ۔ ہم نے بھی معرفہ کی بات کی۔ «يَا رَجُلُ»، بے شک ندا سے پہلے نکرہ تھا لیکن اس وقت تو کیا ہے؟ معرفہ۔ تو منادیٰ کیا ہو؟ مفرد ہو اور معرفہ۔ معرفہ چاہے قبل الندا ہو چاہے بعد الندا، دونوں کو شامل ہے۔ جب منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو «يُبْنَى عَلَى عَلَامَةِ الرَّفْعِ»، تو وہ مبنی ہو گا کس پر؟ علامتِ رفع پر۔ علامتِ رفع کیا ہیں؟ کہتے ہیں: «كَالضَّمَّةِ وَنَحْوِهَا»، جیسے ضمہ ہے اور اس جیسے اور حروف، بین السطور دیا بھی ہوا ہے: «كَالْأَلِفِ وَالْوَاوِ»، جیسے الف اور واؤ۔ «نَحْوُ: يَا زَيْدُ»، مثال کے طور پر «يَا زَيْدُ»۔ اب مجھے بتائیے، یہ زید کیا ہے؟ مفرد بھی ہے اور معرفہ بھی ہے، اور جب منادیٰ یا بھی حرفِ ندا بھی داخل ہو گیا تو یہ منادیٰ ہوا، اور منادیٰ کس قسم کا ہے؟ مفرد ہے، معرفہ ہے، تو یہ کیا ہو گا؟ مبنی ہو گا کس پر؟ علامتِ رفع پر۔ اور علامتِ رفع زید پر رفع کس طرح آتا ہے؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ»، دیکھو ضمہ کی صورت میں آتا ہے، تو اسی پر مبنی ہو جائے گا۔ یا زید، بھائی پتہ کیسے چلا یہ مبنی ہے؟ اس کو معرب کیوں نہیں کہتے کہ یہ مرفوع ہے؟ مرفوع نہیں کہہ رہے بلکہ کیا کہہ رہے ہیں؟ مبنی علی الضم کہہ رہے ہیں۔ تو مرفوع کیوں نہیں کہتے؟ مرفوع کہو گے تو کہیں گے یہ معرب ہے۔ معرب جس پر رفع، نصب، جر وغیرہ ظاہر ہوتے ہیں، اور ایک ہے مبنی، مبنی کی حالت اسی طرح رہتی ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آتی۔

تو سوال پیدا ہوتا ہے: «يَا زَيْدُ»، اس زید اس پر ہم کیا پڑھ رہے ہیں؟ ضمہ، تو آپ اس کو مبنی کیوں کہہ رہے ہیں؟ آپ اس کو مرفوع کہہ دیں۔ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ جواب میں پہلے بھی ایک ذکر کر چکا ہوں اس طرح کا، کیا جواب؟ کہ بھائی اگر یہ معرب ہوتا تو اس پر تنوین آتی: «يَا زَيْدٌ»۔ تنوین نہیں آ رہی، معلوم ہوا یہ مبنی ہے۔ جیسے بھائی وہ ایک دو صفحے پیچھے مثال آئی تھی: «لَا رَجُلَ قَائِمٌ»۔ یہاں میں نے بتلایا تھا کہ یہ رجل جو ہے مبنی علی الفتح ہے، تو میں نے اشکال بھی ذکر کیا تھا کہ اس کو مبنی کیوں کہتے ہو؟ اوپر «أَفْضَلَ مِنْكَ» کا آیا تھا اس کو معرب ہی کہتے ہو اور وہاں کہتے ہو منصوب لفظاً، اور یہاں «لَا رَجُلَ» کے اندر کہتے ہو مبنی علی الفتح۔ تو وجہ کیا؟ میں نے بتلایا تھا کہ وہ تو غیر منصرف ہے اس لیے وہاں پر تنوین نہیں آئی، یہ رجل یہ تو غیر منصرف نہیں ہے، اگر یہ معرب ہوتا تو اس پر کیا آنی چاہیے تھی؟ تنوین۔ اسی طرح زید، اس پر بھی تنوین آنی چاہیے تھی اگر یہ معرب ہوتا۔ تنوین تو صرف کس پر نہیں آتی؟ معرب ہو اور تنوین نہ آئے یہ صرف کس میں ہوتا ہے؟ غیر منصرف میں، اور یہ تو غیر منصرف نہیں ہے بھائی۔ اس میں تو دو سبب نہیں ہیں علاماتِ منع صرف کے، تو اس پر تو تنوین آنی چاہیے تھی، تنوین نہیں آ رہی معلوم ہوا یہ معرب ہے ہی نہیں اس وقت بلکہ کیا بن چکا ہے؟ مبنی، کیونکہ مبنی پر تنوین نہیں آتی۔

بات سمجھ میں آ گئی: «يَا زَيْدُ»۔ اسی طرح دیکھیے «يَا رَجُلُ»۔ پہلی مثال ہے کہ منادیٰ ندا سے پہلے ہی کیا تھا؟ معرفہ تھا، اور «يَا رَجُلُ» وہ منادیٰ ہے جو ندا سے پہلے معرفہ نہیں تھا بلکہ ندا کے بعد کیا بن گیا؟ معرفہ۔ اور یہ دونوں مبنی ہیں ضمہ پر، مبنی علی الضم ہیں۔ اور «يَا زَيْدَانِ» یہ کیا ہے؟ مبنی علی الالف ہے، اور «يَا زَيْدُونَ» مبنی علی الواؤ ہے، یعنی جو بھی علامتِ رفع ہو گی تو اسی پر مبنی ہو جائے گا۔ اب آپ سے کوئی ترکیب کہے کہ ترکیب کرو «يَا زَيْدُ»، تو ترکیب یوں کریں گے بھائی: زید مبنی، زَید مبنی علی الضم ہے، اور مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً بتاتے ہیں۔ اور یہ منادیٰ کیا ہوتا ہے؟ آپ کو ابھی اوپر شروع میں بتایا تھا، یہ مفعول بہ ہے دراصل، اور اس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے اور وہ کیا ہوتا ہے؟ «أَدْعُو»، اور یہ حرفِ ندا اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔

تو یہاں پر یوں کہیں گے: یا حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے، «أَدْعُو» فعل انا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «زَيْدُ» مبنی علی الضم منصوب محلاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، شاباش! اور «يَا رَجُلُ»، اب اس کی ترکیب آپ کیجیے: یا حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے، «أَدْعُو» فعل انا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «رَجُلُ» مبنی علی الضم منصوب محلاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ تو یہ مبنی ہیں اس لیے ان پر نصب نہیں آ رہا، کیونکہ مبنی پر اعراب آتا ہی نہیں ہے، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ اور «يَا زَيْدَانِ» اس میں بھی اسی طرح ہو گا: یا حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے، «أَدْعُو» فعل انا ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «زَيْدَانِ» مبنی علی الالف منصوب محلاً۔ اب آپ پہ کوئی اشکال کر دے منصوب ہے تو «زَيْدَيْنِ» کیوں نہیں کہتے؟ کیونکہ تثنیہ کا نصب تو کس کے ساتھ آتا ہے؟ یا کے ساتھ، تو «زَيْدَيْنِ» کہنا چاہیے، آپ فوراً جواب میں کیا کہیں گے؟ یہ مبنی ہے بھائی، منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو یہ مبنی ہے۔

دوسرا اشکال: یہ منادیٰ مفرد معرفہ کب ہے؟ یہ تو تثنیہ معرفہ ہے، آپ تو کہہ رہے ہیں منادیٰ مفرد معرفہ جو ہو گا وہ ہو گا مبنی علامتِ رفع پر، یہ تو مفرد ہے ہی نہیں یہ تو تثنیہ ہے۔ کیا جواب دیں گے؟ ہم نے جو مفرد ذکر کیا تھا ہم نے وہ تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں نہیں ذکر کیا تھا، وہ مفرد کس کے مقابلے میں تھا؟ مضاف اور مشابہ مضاف کے، لہٰذا یہ بھی مفرد ہی ہے، یہ مضاف ہے؟ نہیں، مشابہ مضاف ہے؟ نہیں، تو یہ مفرد ہے بھائی۔ وہاں ہم نے مفرد کوئی تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں ذکر ہی نہیں کیا۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو یہ مبنی علی الالف ہے، منصوب محلاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ

فعلیہ انشائیہ۔ اسی طرح «یَا زَیْدُونَ» بھی ہے بھائی: یا حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے، «أَدْعُو» فعل انا ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، «زَیْدُونَ» مبنی علی الواؤ منصوب محلاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

■ قولہ: «وَیُخْفَضُ بِلَامِ الِاسْتِغَاثَةِ» کی تشریح

«وَیُخْفَضُ بِلَامِ الِاسْتِغَاثَةِ»، اور مجرور مکسور ہوتا ہے یعنی کسرہ دیا جاتا ہے، خفض کسرے کو کہتے ہیں۔ خفض کسے کہتے ہیں؟ کسرے کو۔ «وَیُخْفَضُ»، اور کسرہ دیا جاتا ہے یعنی مکسور ہوتا ہے منادیٰ «بِلَامِ الِاسْتِغَاثَةِ»، لامِ استغاثہ کی وجہ سے۔ منادیٰ مکسور ہوتا ہے یعنی اس پر کسرہ آتا ہے لامِ استغاثہ کی وجہ سے، یعنی جر آتا ہے اس پر جر۔ تو کہتے ہیں منادیٰ مجرور ہوتا ہے لامِ استغاثہ کی وجہ سے۔ بھائی یہاں دو تین لفظ سمجھ لیں۔ استغاثہ، استغاثہ کہتے ہیں فریاد کرنا۔ استغاثہ کا کیا معنی؟ فریاد کرنا، اظہارِ غم کرنا بھائی، دکھ کا اظہار کرنا۔ مثلاً آپ کا ایک ساتھی ہے بکر، اور وہ اس وقت سخت غم کی حالت میں ہے، دکھ میں ہے، تکلیف میں ہے، اور آپ آواز دیتے ہیں اپنے دوسرے ساتھی زید کو کہ وہ آکر اس کی تکلیف دور کرے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو آپ کا جو ساتھی ہے مثلاً بکر وہ ہے تکلیف میں، اور آپ جو ہیں اس کے لیے آپ فریاد کرنے والے ہیں تو آپ ہوئے مستغیث، فریاد کرنے والے۔ اور زید جس سے آپ نے فریاد کی وہ ہوا مستغاث، مستغاث اسم مفعول کا صیغہ ہے، مستغیث اسم فاعل کا۔ تو آپ ہیں آواز دینے والے، آپ کون ہوئے؟ مستغیث۔ اور کس کو آواز دی؟ زید کو، وہ کیا ہوا؟ مستغاث۔ اور جس کے لیے آواز دی یعنی جو بکر ہے وہ ہوا مستغاث لہ، جس کے لیے فریاد کی گئی۔

تو اب یاد رکھیے، جب کوئی تکلیف میں ہو اور اس کے لیے اس کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے کسی دوسرے کو ندا دی جائے تو اس کو استغاثہ کہتے ہیں۔ یہ بھی اسی ندا کی طرح ہے لیکن تھوڑا سا فرق ہے۔ بکر تکلیف میں تھا آپ نے زید کو آواز دی ہے، تو زید منادیٰ ہوا یا منادیٰ نہیں ہوا؟ منادیٰ ہوا، لیکن یہ عام قسم کی ندا ہے یا تھوڑا سا فرق ہے؟ تھوڑا فرق ہے کہ اس کی تکلیف دور کرنے کے لیے آپ اس کو آواز دے رہے ہیں، تو لہٰذا اس کو استغاثہ کہتے ہیں۔ اور اس میں تھوڑا فرق ہے، فرق یہ کہ اس صورت میں پھر لام بھی آجاتا ہے، کیا آجاتا ہے؟ لام۔ اور لام تو جارہ ہے، جر دیتا ہے، تو لہٰذا یہ لام جر دے گا اور منادیٰ مجرور ہو جائے گا۔ مثلاً میں کہوں گا، کس کو آواز دینی ہے؟ زید کو، اس پر میں لام جارہ داخل کروں گا اور کہوں گا: «یَا لَزَیْدٍ»۔ دیکھو زید پر میں نے لام جارہ داخل کیا اور زید پر اب جر آگیا، یہ معنی ہے «وَیُخْفَضُ بِلَامِ الِاسْتِغَاثَةِ»، اور منادیٰ مجرور ہو گا، مکسور ہو گا لامِ استغاثہ کی وجہ سے، «نَحْوُ: یَا لَزَیْدٍ»۔

سوال: بھائی لام جارہ کے نیچے تو کسرہ والی حرکت ہوتی ہے: «غُلَامٌ لِزَیْدٍ»، «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ»، «هٰذَا الْكِتَابُ لِزَیْدٍ»، تو یہاں آپ نے لام پر فتحہ پڑھا۔ جواب یہ کہ یہاں دو قسم کے لام آئیں گے: ایک لام مستغاث لہ پر داخل کرتے ہیں اور ایک لام مستغاث پر داخل کرتے ہیں۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ مستغاث کون ہے؟ جس کو آواز دی ہے، تو اس پر جو لام لائیں اس پر بھی لام لاتے ہیں، اور مستغاث لہ جس کے لیے یعنی وہ جو بکر ہے جس کی وجہ سے آپ پکار رہے ہیں اس پر بھی لام داخل کرتے ہیں، تو دونوں لاموں میں فرق کرنے کے لیے وہ جو مستغاث لہ پر لام آتا ہے اس کے نیچے اسی طرح کسرہ رکھتے ہیں لیکن مستغاث پر جو لام آتا ہے اس پر فتحہ والی حرکت پڑھتے ہیں۔ نصب نہیں، نصب تو اعراب ہے۔ رفع، نصب، جر یہ خاص ہے معرب کے ساتھ، اور ضم، فتح، کسر یہ خاص ہے مبنی کے ساتھ، اور ضمہ، فتحہ، کسرہ گول تا ساتھ جڑ جائے تو پھر یہ عام ہے یہ معرب کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور مبنی کے ساتھ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ تو مستغاث پر جو لام آتا ہے اس پر فتحہ پڑھتے ہیں اور مستغاث لہ پر جو لام آتا ہے اس پر کسرہ پڑھتے ہیں فرق کرنے کے لیے دونوں میں۔ مثلاً میں کہتا ہوں، زید کو آواز دی میں نے، کس کے لیے آواز دی؟ بکر کے لیے، میں کہتا ہوں: «یَا لَزَیْدٍ لِبَكْرٍ»۔ دیکھا؟ لام سے ہی آپ کو پتہ چل گیا کہ زید کون ہے؟ مستغاث ہے کیونکہ لام مفتوح ہے، اور بکر کون ہے؟ مستغاث لہ ہے کیونکہ اس کے لام کے نیچے کسرہ ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہ لام جارہ یہ جر دے گا: «یَا لَزَیْدٍ»۔

«وَیُفْتَحُ بِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا»، اور اس پر فتحہ بھی پڑھا جاتا ہے یعنی یہ منادیٰ مفتوح ہوتا ہے الفِ استغاثہ کے ساتھ ملانے کی وجہ سے۔ الحاق کا معنی ملانا۔ بھائی دیکھیے، بکر تکلیف میں ہے میں آواز دینا چاہتا ہوں زید کو، ایک صورت کیا تھی میں کیسے کہوں؟ «یَا لَزَیْدِ»۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ میں آخر میں الف بڑھادوں اور الف کے ساتھ وقف کے لیے ہا بھی بڑھا دیتے ہیں، اور جب الف آخر میں بڑھایا تو پھر شروع میں لام نہیں بڑھانا، «یَا لَزَیْدِ» تھا نا، اب لام نہیں بڑھانا کیونکہ لام چاہتا ہے میرے بعد زید کے آخر میں جر آئے اور آخر میں الف لے آؤ تو الف چاہتا ہے میرے سے قبل فتحہ آئے، تو دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا لام لاؤ گے تو الف نہیں لانا، الف لاؤ گے تو لام نہیں لانا۔ جب الف لے آئے تو الف کے ساتھ ہا بھی لے آتے ہیں گول ہا، اور یوں کہتے ہیں: «یَا زَیْدَاهْ»۔ عمرو تکلیف میں ہے، آواز آپ کس کو دے رہے ہیں؟ زید کو، کیسے دیتے ہیں؟ «یَا زَیْدَاهْ»۔ بھائی یہ الف کیوں بڑھاتے

ہیں؟ یہ ہا کیوں بڑھاتے ہیں؟ بھائی وجہ یہ کہ تکلیف کا اظہار کرنا ہے، غم کا مصیبت کا اظہار کر رہے ہیں، فریاد کر رہے ہیں اس سے مدد طلب کر رہے ہیں، تو آواز لمبی ہونی چاہیے۔ آواز لمبی ہونی چاہیے تاکہ دکھ کا اظہار ہو جائے اچھی طرح، اور پھر اس کے لیے الف آخر میں بڑھاتے ہیں اور پھر ساتھ ہا بھی بڑھا دیتے ہیں تاکہ اور بھی آواز لمبی ہو جائے: «يَا زَيْدَاهْ»۔ دیکھا؟ آواز اور بھی لمبی ہو گئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے «وَيُفْتَحُ بِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا»، اور منادیٰ مفتوح ہوتا ہے الفِ استغاثہ کے ساتھ ملانے کی وجہ سے، «نَحْوُ: يَا زَيْدَاهْ»۔

▪ قولہ: «وَيُنْصَبُ إِنْ كَانَ مُضَافًا» کی تشریح

«وَيُنْصَبُ إِنْ كَانَ مُضَافًا»، بھائی یہ درمیان میں استغاثہ کی بات گزر گئی۔ اب شروع میں آپ کو بتایا تھا منادیٰ اگر مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہو گا علامتِ رفع پر، اگر وہ مفرد نہ ہو کیا معنی؟ مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو، پھر کیا حکم ہے؟ اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ تو کہتے ہیں: «وَيُنْصَبُ»، اور منادیٰ منصوب ہو گا «إِنْ كَانَ مُضَافًا» اگر وہ مضاف ہو، «نَحْوُ: يَا عَبْدَ اللهِ»، جیسے «يَا عَبْدَ اللهِ»۔ ترکیب کیجیے: یا حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے، انا ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «عَبْدَ» منصوب لفظاً مضاف، یہ مبنی نہیں ہے یہ منصوب ہے، وہ «زَيْدُ» اور «رَجُلُ» کیا تھا؟ مبنی۔ تو یہ منصوب لفظاً مضاف، لفظِ اللہ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ ہوا «أَدْعُو» فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ تو کہتے ہیں منادیٰ منصوب ہو گا «إِنْ كَانَ مُضَافًا» اگر وہ مضاف ہو جیسے «يَا عَبْدَ اللهِ»، «أَوْ مُشَابِهًا لِلْمُضَافِ» یا وہ مشابہ للمضاف ہو، مضاف کے مشابہ ہو تو بھی وہ کیا ہو گا؟ منصوب۔ مشابہ مضاف کسے کہتے ہیں میں نے بتایا تھا کہ مضاف جس طرح اپنا معنی ادا کرنے میں، اپنا معنی پورا کرنے میں مضاف الیہ کا محتاج، اسی طرح بعض اوقات دو اسم ہوتے ہیں وہ آپس میں مضاف مضاف الیہ تو نہیں ہوتے لیکن ایک اسم اپنا معنی پورا ہونے میں دوسرے اسم کا محتاج ہوتا ہے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مشابہ مضاف۔ جیسے طالع کا لفظ ہے یہاں پر: «نَحْوُ: يَا طَالِعًا جَبَلًا»۔

ترکیب کیجیے: یا حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے، انا ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، اور «طَالِعًا» منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل، ہوا ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور «جَبَلًا» یہ منصوب لفظاً یہ مفعول ہے طالع کے لیے۔ چڑھنے والا، کس پر چڑھنے والا؟ پہاڑ پر۔ تو وہ جو آدمی ہے چڑھنے والا وہ ہوا فاعل اور پہاڑ ہوا مفعول، تو یہ جبلاً منصوب ہے کس بنا پر؟ مفعول ہے طالع کے لیے اور اس کے بغیر طالع کا معنی پورا نہیں ہوتا۔ تو اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مفعول بہ ہوا «أَدْعُو» فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

انہوں نے اوپر کہا تھا منادیٰ اگر مفرد معرفہ ہو تو مبنی ہو گا علامتِ رفع پر۔ مفرد اگر نہ ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو اس کا کیا حکم ہو گا؟ بتا دیا کہ منصوب ہو گا۔ اور اوپر انہوں نے کہا تھا اگر معرفہ ہو، بھائی اگر وہ معرفہ نہ ہو پھر؟ اب وہ بتانے لگے ہیں: کہتے ہیں «أَوْ نَكِرَةً غَيْرَ مُعَيَّنَةٍ»، یا منادیٰ کیا ہو؟ ایسا نکرہ ہو جو متعین نہ ہو تو بھی وہ منصوب ہو گا، سب کا عطف اسی پر ہے نا: «وَيُنْصَبُ إِنْ كَانَ مُضَافًا أَوْ مُشَابِهًا لِلْمُضَافِ أَوْ نَكِرَةً غَيْرَ مُعَيَّنَةٍ»۔ ان سب صورتوں میں کیا ہو گا؟ منصوب ہو گا۔ منادیٰ منصوب ہو گا اگر وہ مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو یا نکرہ غیر معینہ ہو۔ «كَقَوْلِ الْأَعْمَى»، اعمیٰ کہتے ہیں اندھے کو، نابینا جو ہے، جیسے اندھے کا یہ قول: «يَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي»، اے آدمی! میرا ہاتھ پکڑ لے۔ یہ جو «يَا رَجُلًا» ہے، یہ جو یا جس رجل پر داخل ہوا بھائی آپ کو میں نے بتایا کہ الف لام جب کسی لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے، اسی طرح یہ حرفِ ندا بھی جب کسی لفظ پر داخل ہوتے ہیں تو اس کو معرفہ بنا دیتے ہیں۔ سوال یہ کہ یہ تو پھر معرفہ ہو گیا، «يَا رَجُلُ» کیا بن گیا؟ معرفہ، لیکن یہ کس کی مثال ذکر کر رہے ہیں؟ نکرہ غیر معینہ کی۔ یہ کیا وجہ؟ ابھی آپ نے ہمیں ضابطہ بتایا کہ یا آلہ تعریف ہے، جیسے الف لام آلہ تعریف ہے، تو یا کی وجہ سے بھی لفظ کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ، تو رجل کو کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ۔ جواب: یہاں نہیں بنے گا معرفہ۔

پہلی مثال میں «يَا رَجُلُ» معرفہ بن گیا تھا، یہاں رجل معرفہ نہیں بنے گا۔ بھائی کیوں نہیں بنے گا؟ بھائی دیکھیے دونوں میں فرق ہے: پہلی ندا آپ نے دی تھی، ایک ایسے آدمی نے آواز دی تھی جس کو دکھائی دیتا ہے، اس نے آواز دی اے آدمی! اس نے کسی متعین کو آواز دی یا ویسے ہی آواز دے دی؟ اس کے سامنے کوئی آدمی گزر رہا تھا اس نے اس کو آواز دی تو وہ متعین ہے، اور متعین پر جو چیز دلالت کرے اس کو معرفہ کہتے ہیں۔ معرفہ کہتے ہی کس کو ہیں جو متعین پر دلالت کرے، تو وہاں «يَا رَجُلُ» میں جو رجل ہے وہ متعین ہے، کوئی عام ہر آدمی نہیں ہے۔ لیکن یہاں اندھا کہہ رہا ہے، اندھے کو تو کچھ پتہ نہیں آنکھیں بند ہیں، بینائی بیچارے کی ہے نہیں دکھائی نہیں دے رہا، وہ ویسے ہی پکارتا ہے کوئی بھی آدمی ہو جائے میرا ہاتھ پکڑ لے، «يَا رَجُلًا»، اے آدمی میرا ہاتھ پکڑ لے! اب ایک آدمی اس طرف جا رہا ہے ایک آدمی اس طرف جا رہا ہے، کسی متعین کو وہ آواز دے رہا ہے؟ نہیں، کوئی بھی ہو سکتا ہے کوئی بھی آدمی

ہو۔ تو معلوم ہوا یہاں پر «يَا رَجُلًا» وہ کہتا ہے لیکن یا حرفِ ندا اس پر داخل ہوا رجل پر لیکن پھر بھی وہ معرفہ نہیں بلکہ کیا ہے؟ نکرہ کا نکرہ ہی ہے۔ اسی لیے کہا: «أَوْ نَكِرَةً غَيْرَ مُعَيَّنَةٍ»، یا وہ کیا ہو؟ ایسا نکرہ ہو جو معین نہ ہو یعنی حرفِ ندا داخل ہونے کے باوجود متعین نہ ہو، وہ بھی منصوب ہو گا جیسے اندھے کا قول «يَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي»۔

■ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب

ترکیب کیجیے: یا حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے، «رَجُلًا» منصوب لفظاً مفعول بہ، نکرہ غیر معینہ ہے یہ تو آپ کو پتہ ہی ہے، تو منصوب لفظاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر ندا۔ یہ کیا ہے؟ ندا، آگے ہے جوابِ ندا۔ دیکھو آپ کسی کو پکارتے ہیں نا: اے زید! تمہارا کیا حال ہے؟ تو اے زید یہ ہے ندا، اور آگے جو بات کرتے ہیں اس کو کہتے ہیں جوابِ ندا۔ جو بھی بات آپ کر دیں وہ کیا ہے؟ جوابِ ندا۔ مثلاً آپ کہتے ہیں: اے زید! میرے لیے پانی لے آؤ، تو اے زید یہ کیا ہے؟ ندا، اور میرے لیے پانی لے آؤ یہ جوابِ ندا۔ اور بھی کوئی بات ہو جائے، مثلاً میں کہتا ہوں: اے بکر! کل میرے پاس خالد آیا تھا، تو اے بکر یہ کیا ہے؟ ندا، اور کل میرے پاس خالد آیا تھا یہ جوابِ ندا ہے۔ تو یاد رکھیے یہ جو جملہ انشائیہ ہوتا ہے نا یہ ندا ہوتا ہے، یعنی پہلا حصہ «يَا زَيْدُ»، «يَا عَبْدَ اللهِ»، یہ ہے انشا۔ آپ نے پڑھا ہے کہ ندا بھی انشا کی قسموں میں سے ہے، یہ پہلے حصے کی بات چل رہی ہے «يَا زَيْدُ» اس کی، آگے جوابِ ندا وہ الگ ہے، وہ جملہ انشائیہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ خبریہ بھی ہو سکتا ہے، وہ موقع محل کے مطابق ہے۔

تو ہم یوں کریں گے: «يَا رَجُلًا» یہ ہے ندا، اور «خُذْ بِيَدِي» جوابِ ندا۔ ندا جوابِ ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہوا، بس۔ یہ نہیں کہنا خبریہ ہوا، انشائیہ ہوا، بس صرف یہ کہو جملہ ندائیہ ہوا۔ اب کیجیے ترکیب: یا حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے، «أَدْعُو» فعل انا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «رَجُلًا» منصوب لفظاً مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر ندا۔ اور «خُذْ بِيَدِي»، میرا ہاتھ پکڑ لے، «خُذْ» فعلِ امر، انت ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر فاعل، «بِيَدِي»: باجارہ، «يَدِ» مجرور لفظاً مضاف، یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور باجارہ کے لیے، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا «خُذْ» فعلِ امر کے ساتھ۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جوابِ ندا، ندا اپنے جوابِ ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ حل ہو گیا بھائی: «وَيُخْفَضُ بِلَامِ الِاسْتِغَاثَةِ، نَحْوُ: يَا لَزَيْدٍ، وَيُفْتَحُ بِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا»، منادیٰ مفتوح ہو گا الفِ استغاثہ کے الف کے ساتھ جوڑنے کی وجہ سے، پھر مفتوح ہو گا۔ چلیے بس بھائی: «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۵۸: توابعِ منادیٰ، معرف باللام کی نداء، ترخیم، مندوب اور مفعول فیہ و مفعول لہ

ہدایۃ النحو صفحہ: ۳۸—بتاریخ: ۲۳ فروری ۲۰۱۵ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَإِنْ كَانَ مُعَرَّفًا بِاللَّامِ قِيلَ: يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ، وَيَا أَيَّتُهَا الْمَرْأَةُ. وَيَجُوزُ تَرْخِيمُ الْمُنَادَى وَهُوَ حَذْفٌ فِي آخِرِهِ لِلتَّخْفِيفِ كَمَا تَقُولُ فِي مَالِكٍ: يَا مَالِ، وَفِي مَنْصُورٍ: يَا مَنْصُ، وَفِي عُثْمَانَ: يَا عُثْمَ. وَيَجُوزُ فِي آخِرِ الْمُنَادَى الْمُرَخَّمِ الضَّمُّ وَالْحَرَكَةُ الْأَصْلِيَّةُ كَمَا تَقُولُ فِي: يَا حَارِسُ: يَا حَارُ، وَيَا حَارِ.

گزشتہ سبق میں ہم نے منادیٰ کے بارے میں پڑھنا شروع کیا۔ اور آپ نے پڑھا: منادیٰ وہ اسم ہے جس کو حرفِ ندا کے ساتھ پکارا جائے بھئی۔ جیسے: «يَا عَبْدَ اللهِ»۔ اور آپ نے پڑھا کہ یہ حرفِ ندا جو ہے وہ «أَدْعُو» کے قائم مقام ہے۔ «أَدْعُو» میں پکارتا ہوں، میں آواز دیتا ہوں، میں بلاتا ہوں۔ اور حروفِ ندا جو ہیں، آپ نے پڑھا پانچ ہیں: «يَا»، «أَيَا»، «هَيَا»، اور «أَيْ»، اور «هَمْزَةٌ مَفْتُوحَةٌ»۔ اور کبھی کبھار اس کو لفظوں سے حذف کر لیا جاتا ہے۔

پھر اس کے بعد انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ منادیٰ کئی قسم پر ہے۔ اگر منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہو گا علامتِ رفع پر، جیسے: «يَا زَيْدُ» اور «يَا رَجُلُ»، اور اسی طرح «يَا زَيْدَانِ» اور «يَا زَيْدُونَ»۔ تو منادیٰ مفرد معرفہ ہو، تب مبنی ہو گا علامتِ رفع پر۔ مفرد ہو، مفرد کہا کس کو نکال دیا؟ مضاف اور مشابہ مضاف کو، کیونکہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو وہ منصوب ہو گا، جیسے: «يَا عَبْدَ اللهِ» اور «يَا طَالِعًا جَبَلًا»۔ اور معرفہ کی بھی قید لگائی، مفرد معرفہ ہو، کیونکہ اگر معرفہ نہ ہو بلکہ نکرہ ہو تو بھی وہ منصوب ہو گا جیسے اندھے کا قول: «يَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي»، تو «يَا رَجُلًا» دیکھو کیا ہے؟ منصوب۔ معلوم ہوا منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو مبنی علی الضم ہو گا۔ اور اگر منادیٰ مضاف ہو، یا مشابہ مضاف ہو، یا نکرہ غیر معین ہو، تینوں صورتوں میں وہ منصوب ہو گا۔

اور درمیان میں آپ کو لامِ استغاثہ کے بارے میں بھی بتایا کہ کبھی کبھار منادیٰ پر لامِ استغاثہ بھی داخل کرتے ہیں، اور وہ وہاں جہاں آپ کسی کو آواز دیں فریاد کرتے ہوئے، اور اس پر لام داخل کرتے ہیں منادیٰ پر، تو وہ لام جارہ ہے تو وہ جر دے گا جیسے: «يَا لَزَيْدٍ»، «يَا لَزَيْدٍ»۔

اب آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ مُعَرَّفًا بِاللَّامِ قِيلَ: يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ، وَيَا أَيَّتُهَا الْمَرْأَةُ». اور اگر منادیٰ معرف باللام ہو یعنی اس پر الف لام داخل ہے، مثلاً «اَلرَّجُلُ» ہے۔ «اَلرَّجُلُ»، اس کو آپ ندا دینا چاہتے ہیں، اس پر حرفِ ندا داخل کرنا چاہتے ہیں۔ تو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ الف لام یہ آلۂ تعریف ہے۔ یہ کیا ہے؟ آلۂ تعریف، تعریف کا آلہ ہے، یعنی کسی لفظ کو معرفہ بنانا ہو تو اس کو استعمال کرتے ہیں۔ سمجھ میں آئی؟ جیسے قلم، قلم لکھنے کا آلہ ہے۔ آپ نے لکھنا ہو تو کسے استعمال کرتے ہیں؟ قلم کو۔ اسی طرح الف لام کیا ہے؟ آلۂ تعریف، یعنی معرفہ بنانے کا آلہ۔ کسی لفظ کو معرفہ بنانا ہو تو اس پر کس کو لے آتے ہیں؟ الف لام کو لے آتے ہیں۔ اور نیز اسی طرح یہ حروفِ ندا جو ہیں، یہ بھی آلۂ تعریف ہیں، یہ بھی جس لفظ پر داخل ہوتے ہیں اس کو کیا بنا دیتے ہیں؟ معرفہ بنا دیتے ہیں۔

تو گویا الف لام بھی آلۂ تعریف اور حرفِ ندا بھی آلۂ تعریف، اور یہ دونوں یا در کھیے جمع نہیں ہوتے۔ ایک ہی لفظ پر دونوں آلۂ تعریف جمع ہو جائیں، اکٹھے ہو جائیں، یہ درست نہیں ہے۔ مثلاً آپ «اَلرَّجُلُ» کو ندا دینا چاہتے ہیں تو «يَا اَلرَّجُلُ» یہ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ الف لام بھی آلۂ تعریف اور «يَا»

بھی آلۂ تعریف، اور یہ دونوں اکٹھے ہو جائیں، ایک ہی لفظ پر اکٹھے داخل ہوں، یہ درست نہیں ہے۔ تو اس صورت میں پھر یوں کرتے ہیں کہ درمیان میں فصل لے آتے ہیں۔ «یَا» اور الف لام کے درمیان کیا لے آتے ہیں؟ فصل۔ لہٰذا «یَا اَلرَّجُلُ» نہیں کہیں گے بلکہ کہیں گے: «یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ»، تو درمیان میں «أَیُّهَا» لے آئے۔ اور عورت ہو، مؤنث ہو، تو «یَا أَیَّتُهَا الْمَرْأَةُ»، تو درمیان میں «أَیَّتُهَا» لے آئے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو مذکر کے لیے کیسے کہیں گے؟ «یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ» اور مؤنث کے لیے «یَا أَیَّتُهَا الْمَرْأَةُ» بھئی۔ اب دیکھیے فصل آگیا، «یَا» اور الف لام کے درمیان «أَیُّهَا» اور «أَیَّتُهَا» درمیان میں آگئے۔

البتہ یاد رکھیے! لفظِ اللہ کی یہ خاصیت ہے، اس پر «یَا» داخل کرنا جائز ہے بھئی۔ اور وہاں اور میں نے آپ کو بتلایا تھا اور حروفِ ندا داخل نہیں ہو سکتے، صرف کون سا حرف لائیں گے؟ «یَا»، «یَا اَللهُ» کہیں گے۔ اور وہاں پر بھی الف لام موجود ہے لیکن پھر بھی وہاں پر کیا ہے؟ «یَا» حرفِ ندا اس پر داخل ہوتا ہے۔ یہ لفظِ اللہ کی خصوصیت ہے بھئی، لفظِ اللہ کی۔ پورے کلامِ عرب میں اور کوئی لفظ ایسا نہیں، یہ صرف کس کی خصوصیت ہے؟ لفظِ اللہ کی۔

اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس طرح جس ذات کا نام ہے، جس طرح وہ ذات سب سے جدا ہے، وہ سب کی خالق ہے اور تمام چیزیں کیا ہیں؟ اس کی مخلوق۔ اسی طرح اس کا یہ نام بھی سب سے جدا ہے اور اس کی وہ وہ خصوصیات ہیں جو کسی اور لفظ میں نہیں بھئی۔ چنانچہ اسی پر والد صاحب رحمہ اللہ، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ رحمہ اللہ، ان کی ایک عظیم کتاب ہے بھئی: «فَتْحُ اللهِ بِخَصَائِصِ اسْمِ اللهِ»، جس میں صرف لفظِ اللہ کے خصائص، اس کی خصوصیات جمع کی ہیں۔ دیکھیے، صرف اس ایک لفظ کی اس کتاب میں آٹھ سو سے زیادہ خصوصیات ذکر ہیں بھئی۔ آٹھ سو سے زیادہ علمی، نحوی، صرفی خصوصیات بھئی، بات سمجھ میں آگئی بھائی۔

تو صرف لفظِ اللہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں «یَا» اور الف لام جمع ہو جاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ مُعَرَّفًا بِاللَّامِ» اور اگر منادیٰ جو ہے وہ معرف باللام ہو، یعنی اس پر الف لام داخل ہو، «قِيلَ» تو یوں کہا جائے گا: «یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ»، اور مؤنث میں کہیں گے: «وَیَا أَیَّتُهَا الْمَرْأَةُ»۔

▪ قولہ: «یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ» کی تشریح

«یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ»، اس میں یاد رکھیے «یَا» اسی طرح قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے ہے، اور یہ «أَیُّهَا»، «هَا» جو درمیان میں آرہی ہے یہ ضمیر نہیں ہے۔ «أَیُّهَا» اور «أَیَّتُهَا» اس کے ساتھ جو «هَا» جڑی ہوئی ہے یہ ضمیر نہیں ہے بلکہ یہ تنبیہ کی «هَا» ہے، جیسے بھئی کسی حرفِ ندا کے ذریعے آپ کسی کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، «یَا زَیْدُ»، اے زید! کیا معنی ہوتا ہے؟ اس کو بلا رہے ہیں، اس کو اپنی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔ اسی طرح تنبیہ کے لیے «هَا» بھی عربی میں استعمال ہوتی ہے، تو یہ «هَا» بھی دوسرے کو تنبیہ، دوسرے کو متنبہ کرنے کے لیے۔ یہ ندا کے لیے تو نہیں لیکن متنبہ کرنے کے لیے ہے، بہر حال ندا میں بھی جیسے متوجہ کیا جاتا ہے، تو یہاں پر جیسے «یَا» کے ذریعے دوسرے کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، متنبہ کرتے ہیں، اسی طرح «هَا» کے ذریعے بھی دوسرے کو کیا کیا جاتا ہے؟ متنبہ کیا جاتا ہے۔ تو یہاں یہ «هَا» تنبیہ کی ہے بھئی۔ اور یاد رکھیے یہ «أَیُّ» موصوف ہے اور «اَلرَّجُلُ» اس کی صفت ہے۔ «أَیُّ» کیا ہے؟ موصوف۔ اور یہ «أَیُّ» یہ بھی مبنی علی الضم ہے۔ مبنی علی الضم ہے، تو یہ منصوب محلاً ہے مفعول بہ ہے۔ اور «اَلرَّجُلُ» اس کی صفت ہے اور وہ مرفوع لفظاً ہے۔ «اَلرَّجُلُ» کیا ہے؟ مرفوع لفظاً، مرفوع لفظاً ہے۔

اور سوال یہ، سوال یہ کہ یہ مرفوع کیوں ہے لفظاً؟ وہ تو منصوب اعراب کی بات چل رہی ہے نا، «أَیُّ» تو کیا ہے؟ مبنی، اور «اَلرَّجُلُ» کو میں کیا بتلا رہا ہوں؟ مرفوع، معلوم ہوا معرب ہے، معرب ہے۔ مرفوع لفظاً جب میں کہہ رہا ہوں، معلوم ہوا معرب، تو وہ ہوا مبنی اور یہ ہوا معرب۔ تو اور وہ منصوب محلاً ہے، توجہ ہے سبق کی طرف کہ نہیں؟ وہ کیا ہے؟ منصوب محلاً۔ تو اس کی صفت جب معرب ہے تو اس کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ منصوب ہونا چاہیے۔ وہ تو مبنی ہے نا، اس پر تو نصب نہیں آسکتا تھا «أَیُّ» پر، لیکن آگے «اَلرَّجُلُ» تو اس کی صفت ہے، وہ تو معرب ہے، جب وہ معرب ہے تو اس پہ کیا آسکتا ہے؟ نصب۔ تو اس پر نصب کیوں نہیں لائے؟ اس کو رفع، اس کو مرفوع لفظاً کیوں کہا آپ نے؟ مرفوع کیوں ہے؟ تو جواب یہ، جواب یہ کہ یہ اس کے لفظوں کے تابع ہے۔ کس کے تابع ہے؟ لفظ۔ لفظوں کے اعتبار سے «أَیُّ» پر ضمہ ہے، لہٰذا اس پر بھی کیا پڑھ لیا گیا؟ اس پر بھی عربی میں رفع پڑھا جاتا ہے۔ اس کے لفظوں کے دیکھتے ہوئے، اس کے محل کو نہیں۔ محل کے اعتبار سے وہ منصوب ہے، محل کو دیکھیں تو «اَلرَّجُلُ» کو کیا ہونا چاہیے؟ منصوب ہونا چاہیے، لیکن یہ منصوب ہے یا مرفوع ہے؟ مرفوع، معلوم ہوا کس کی رعایت رکھی گئی؟ لفظ کی۔ ایک ہے لفظ، «أَیُّ» کا لفظ دیکھیں تو ضمہ ہے، ہے مبنی لیکن لفظ ہے تو ضمہ، اور ضمہ کس جیسا

ہوتا ہے؟ رفع جیسا ہی ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ دونوں کی صورت ایک جیسی ہے۔ ہے بے شک یہ مبنی لیکن صورت تو رفع جیسی ہے، تو لہٰذا ایک اس کا یہ ہے لفظ اور ایک ہے اس کا محل۔ لفظ کے اعتبار سے یہ مبنی علی الضم ہے اور محل کے اعتبار سے یہ، مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً بتلاتے ہیں یا نہیں؟

میں کہتا ہوں «ضَرَبَ»، آپ ترکیب کیا کرتے ہیں؟ «ضَرَبَ» فعل، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً۔ «هُوَ» کو خود ذرا دیکھو مبنی علی الفتح ہے، واؤ پر زبر آرہا ہے یا نہیں؟ مبنی علی الفتح ہے، لیکن اعراب کیا بتلا رہے ہو؟ مرفوع۔ معلوم ہوا لفظوں کے اعتبار سے وہ مبنی علی الفتح، اور اعراب کے اعتبار سے، یعنی یوں کہو محل کے اعتبار سے، لفظوں کے اعتبار سے مبنی علی الفتح ہے، «هُوَ» کی بات کر رہا ہوں، لفظوں کے اعتبار سے مبنی علی الفتح، اور محل کے اعتبار سے مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے، کیا ہے؟ فاعل۔ تو لفظ اور چیز ہے، محل اور چیز۔ یہاں بھی اسی طرح ہے: «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ»، یہ «أَيُّ» لفظوں کے اعتبار سے مبنی علی الضم ہے اور محل کے اعتبار سے یہ منصوب ہے۔ کیوں منصوب ہے؟ مفعول بہ ہے، کس کے لیے؟ «أَدْعُو» فعلِ محذوف کے لیے۔ صورت سمجھ میں... تو «اَلرَّجُلُ» میں کس کی رعایت رکھتے ہیں عرب؟ لفظ کی رعایت رکھتے ہیں، محل کی رعایت نہیں۔ تو لفظوں پر محمول کرتے ہیں اور لفظوں کے اعتبار سے تو اس پر ضمہ ہے، تو ضمہ رفع جیسا ہے تو لہٰذا اس پر بھی کیا پڑھتے ہیں؟ رفع پڑھتے ہیں، «اَلرَّجُلُ» پر بھی رفع پڑھتے ہیں۔ چلیے، بہر حال یہ تفصیل اگلی کتابوں میں آجائے گی، ویسے میں نے کہا تھوڑی سی وضاحت آپ کے لیے کر دوں، شاید کبھی کام آجائے بھئی۔

«وَيَجُوزُ تَرْخِيمُ الْمُنَادَى»، اچھا! اب ترخیم کی بات آگئی بھئی۔ کہتے ہیں: «وَيَجُوزُ تَرْخِيمُ الْمُنَادَى»، اور منادیٰ کی ترخیم جائز ہے۔ ترخیم، بھئی ترخیم کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ حَذْفٌ فِي آخِرِهِ»، وہ حذف کرنا ہے منادیٰ کے آخر میں «لِلتَّخْفِيفِ»، تخفیف کے لیے، ہلکا بنانے کے لیے۔ بھئی بعض اوقات منادیٰ میں یوں کرتے ہیں کہ اس کے آخر سے ایک یا دو حرف ختم کر دیتے ہیں، اڑا دیتے ہیں، جیسے «يَا مَنْصُورُ»، توجہ ہے؟ آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا نام منصور ہے اور تو کہنا کیا چاہیے؟ «يَا مَنْصُورُ»، لیکن آپ اس کے آخر سے ایک دو حرف اڑا دیتے ہیں، واؤ اور را کو اڑا دیا، آپ کہتے ہیں «يَا مَنْصُ»۔ یا اسی طرح آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا نام مالک ہے، مالک بھئی، جیسے یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے: «كَمَا تَقُولُ فِي مَالِكٍ»، آپ کے ساتھی کا کیا نام ہے؟ مالک۔ اور آپ کو کہنا کیا چاہیے؟ «يَا مَالِكُ» ندا دیتے ہوئے، لیکن آپ کاف کو ختم کر دیتے ہیں: «يَا مَالِ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو منادیٰ کے آخر سے ایک یا دو حرف ختم کر دیے جاتے ہیں، اس کو ترخیم کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ ترخیم۔ «رَخَّمَ يُرَخِّمُ تَرْخِيمًا» کا معنی ہوتا ہے نرم کرنا، کسی چیز کو نرم کرنا۔ اور تو یہ حرف کیوں اڑاتے ہیں؟ کہتے ہیں تخفیف کرنے کے لیے، لفظ کو ہلکا بنانے کے لیے۔

آپ مجھے بتائیے، کسی لفظ کے حروف زیادہ ہوں، اس کی ادائیگی زبان سے آسان ہوگی یا جس کے حروف کم ہوں اس کی ادائیگی آسان ہوگی؟ ظاہر سی بات ہے، جتنے حروف کم ہوں گے لفظ کی ادائیگی زبان پر آسان ہوگی، اور جوں جوں حروف بڑھتے جائیں گے ادائیگی مشکل ہوتی جائے گی۔ تو لہٰذا آپ اس میں ایک یا دو حرفوں کو اڑا دیتے ہیں، کس لیے اڑاتے ہیں؟ اس لفظ کو ہلکا بنانے کے لیے۔ سوال یہ کہ لفظ کو کیوں ہلکا بناتے ہیں، کیا وجہ ہے؟ پورا نام کیوں نہیں لیتے؟ یعنی جائز ہے، یہ لازم نہیں ہے، آپ «يَا مَنْصُورُ» یوں بھی کہہ سکتے ہیں اور آپ «يَا مَنْصُ» یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ بھئی کیا وجہ ہے، یہ ترخیم کیوں کی جاتی ہے؟ میں نے بتایا تخفیف کے لیے، لفظ کو ہلکا بنانے کے لیے۔

بھئی وجہ یہ ہے، دیکھو! میں نے، میرا ایک ساتھی ہے اس کا نام زید ہے۔ میں نے اس سے کہا: اے زید! میرے لیے پانی لے آؤ۔ توجہ ہے؟ میں نے اس سے کیا کہا: اے زید، میرے لیے پانی لے آؤ۔ اب مجھے بتائیے، میں نے جو اس سے بات کی، دو چیزیں کہیں: ایک میں نے کہا «اے زید»، اور دوسرا میں نے کہا «پانی لے آؤ»۔ میرا مقصد کیا تھا؟ «اے زید» کہنا میرا مقصد تھا یا «پانی لے آؤ» کہنا میرا مقصد تھا؟ پانی لے آنا، میرا مقصد تو کیا تھا اس سے؟ کہ پانی لے آؤ۔ لیکن اس کو متوجہ کرنے کے لیے مجھے «اے زید» کہنا پڑا۔ تو «اے زید» یہ میرا مقصد نہیں، میرا مقصد کیا ہے؟ پانی لے آؤ۔ تو مقصد منادیٰ کے بعد آتا ہے۔ جو کلام مقصود ہوتا ہے وہ کس کے بعد آتا ہے؟ جب آپ کسی کو ندا دیتے ہیں، اس کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، آگے جو بات کرنی ہوتی ہے وہ ہے مقصود، جو بھی بات کریں آپ۔ تو وہ ہے مقصود۔ گویا یہ ندا مقصود ہے کہ وہ جوابِ ندا مقصود ہے؟ وہ جوابِ ندا جو آگے آرہا ہے وہ مقصود ہے۔ تو ندا درمیان میں آگئی، تو بات کرنے والا، ندا دینے والا جو ہے وہ چاہتا ہے کہ یہ منادیٰ جلدی سے جلدی گزرے اور میں اپنے مقصود کو بیان کروں۔ یہ جو ندا ہے، «يَا زَيْدُ»، جلدی سے جلدی یہ گزر جائے اور میں کیا کر دوں؟ جو بات میں نے کہنی ہے، جو مقصود ہے، جو جوابِ ندا ہے وہ میں کہہ ڈالوں۔ تو لہٰذا اس کو انسان چاہتا ہے مختصر کر دوں، تو اس سے کیا کرتے ہیں عرب پھر بعض اوقات ایک یا دو حروف کو حذف کر لیتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟

یہ معنی ہے: «وَيَجُوزُ تَرْخِيمُ الْمُنَادَى»، اور منادیٰ کی ترخیم جائز ہے۔ بھئی ترخیمِ منادیٰ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ حَذْفٌ فِي آخِرِهِ لِلتَّخْفِيفِ»، اور وہ منادیٰ کے آخر میں سے حذف کرنا ہے للتخفیف، کس لیے؟ تخفیف کے لیے، لفظ کو ہلکا بنانے کے لیے۔ «كَمَا تَقُولُ» جیسے آپ کہتے

ہیں «فِي مَالِكٍ» کس کے بارے میں؟ مالک کے بارے میں یوں کہتے ہیں: «يَا مَالُ»۔ اچھا! یاد رکھو، آپ نے اپنے ساتھی مالک کو آواز دینی ہے، آپ اس کو کہیں گے «يَا مَالِكُ»، کیونکہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے تو یہ مبنی علی الضم ہو گا: «يَا مَالِكُ»۔ اب آپ اس میں ترخیم کرنا چاہتے ہیں تو آخر سے کاف کو ختم کر دیں، اور یوں پڑھیں: «يَا مَالِ»۔ آپ نے لام پر کون سی حرکت پڑھی؟ وہی اصلی حرکت جو اس پر پہلے تھی۔ «يَا مَالِكُ»، اس میں لام پر کیا تھی؟ کسرہ ہے، زیر ہے۔ اعراب نہیں ہے، اس کی حرکت ہے، کیا ہے؟ حرکت۔ تو یہ آپ نے وہی حرکت پڑھی: «يَا مَالِ»۔ تو آپ چاہیں تو وہی اصلی حرکت پڑھیں جو پہلے سے، ترخیم کرنے کے بعد۔ اب پہلے تو کاف تھا نا آخر میں «يَا مَالِكُ»، اس کاف پر آپ ضمہ پڑھ رہے تھے کیونکہ منادیٰ مفرد معرفہ کیا ہوتا ہے؟ مبنی علی الضم۔ اب کاف کو تو ختم کر دیا، اب لام آخر میں آ گیا۔ تو اب اس لام پر کون سی حرکت، کس طرح اس کو پڑھیں گے؟ تو کہتے ہیں بھئی آپ چاہیں وہی حرکت پڑھیں جو پہلے تھی ترخیم سے پہلے، یعنی حرکتِ اصلی۔ اور ترخیم سے پہلے تو لام کے نیچے کیا تھا؟ کسرہ، تو «يَا مَالِ» یوں بھی آواز دے سکتے ہیں۔ اور آپ چاہیں تو یوں سمجھیں گویا کاف تھا ہی نہیں آخر میں۔ کاف آخر میں تھا ہی نہیں، یہ لفظ ہی «مَال» تھا، اور «مَال» یہ نام ہے گویا، وہی مالک کی جگہ نام ہی کیا ہے گویا؟ «مَال»۔ اور «مَال» مفرد معرفہ ہے، اور مفرد معرفہ منادیٰ ہو تو مبنی علی الضم، تو اس پر آپ مبنی علی الضم بھی پڑھ سکتے ہیں: «يَا مَالُ» یوں بھی کہہ سکتے ہیں اور «يَا مَالِ» یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ «يَا مَالِ» پڑھا کیوں؟ اسی حرکتِ اصلیہ کو پڑھا، اور «يَا مَالُ» کس... اس کو مبنی علی الضم پڑھا، گویا آخری حرف تھا ہی نہیں، یہ خود ہی کیا ہے؟ آخری حرف ہے۔

تو کہتے ہیں: «كَمَا تَقُولُ فِي مَالِكٍ: يَا مَالُ»، اور اسی طرح «يَا مَالِ» بھی کہہ سکتے ہیں۔ «وَفِي مَنْصُورٍ» اور منصور میں آپ کہتے ہیں: «يَا مَنْصُ»، کس کو حذف کیا؟ واؤ اور را۔ «وَفِي عُثْمَانَ» اور عثمان میں آپ کہتے ہیں: «يَا عُثْمُ»۔ «يَا عُثْمُ» کہا کیوں بھئی، میم پر پیش کیوں پڑھی؟ مبنی علی الضم پڑھا، گویا الف اور نون تھے ہی نہیں۔ اور کس طرح پڑھ سکتے ہیں؟ دوسرا کیسے پڑھ سکتے ہو؟ حرکتِ اصلی کیا ہے؟ «يَا عُثْمَانُ»، یہ تو اصل ہے، ہم اس کی بات نہیں کر رہے۔ ترخیم کر دی، الف نون ختم کر دیا، اب کس کس طرح پڑھ سکتے ہیں اس کو؟ «يَا عُثْمَ»، «يَا عُثْمَانُ»، میم پر کیا ہے اصل میں؟ فتحہ ہے، زبر، تو اسی طرح پڑھو «يَا عُثْمَ»۔ اور آپ چاہیں تو اس کو مبنی علی الضم پڑھیں، کیسے؟ «يَا عُثْمُ»۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ یہ معنی ہے کہ عثمان میں آپ «يَا عُثْمُ» پڑھیں یا «يَا عُثْمَ»۔

▪ قولہ: «وَيَجُوزُ فِي آخِرِ الْمُنَادَى الْمُرَخَّمِ» کی تشریح

«وَيَجُوزُ فِي آخِرِ الْمُنَادَى الْمُرَخَّمِ»، اور جائز ہے منادیٰ مرخم کے آخر میں۔ مرخم، وہ منادیٰ جس میں ترخیم کر لی گئی، آپ نے آخر سے ایک حرف کو اڑا دیا، ایک یا دو حرفوں کو، تو وہ کون سا منادیٰ ہے؟ منادیٰ مرخم۔ تو کہتے ہیں جائز ہے منادیٰ مرخم کے آخر میں، کیا جائز ہے؟ «الضَّمُّ» ضمہ پڑھنا بھی جائز «وَالْحَرَكَةُ الْأَصْلِيَّةُ» اور حرکتِ اصلی بھی۔ «كَمَا تَقُولُ فِي: يَا حَارِسُ: يَا حَارُ، وَيَا حَارِ»۔ «يَا حَارِ» پڑھا کیوں؟ حرکتِ اصلیہ اسی طرح رکھی، اور «يَا حَارُ» پڑھا؟ مبنی علی الضم کر دیا کیونکہ یہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے، گویا تھا ہی نہیں یوں سمجھا۔

«وَاعْلَمْ أَنَّ يَا مِنْ حُرُوفِ النِّدَاءِ قَدْ تُسْتَعْمَلُ فِي الْمَنْدُوبِ»، «وَاعْلَمْ» جان لے تو کہ «يَا» جو ہے «مِنْ حُرُوفِ النِّدَاءِ»، کس میں سے ہے؟ جو وہ «يَا» جو کس میں سے ہے؟ حروفِ ندا میں سے ہے، «قَدْ تُسْتَعْمَلُ فِي الْمَنْدُوبِ أَيْضًا» یہ کبھی کبھار مندوب میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ مندوب، وہ جس پر رویا جائے۔ مندوب؟ جس پر رویا جائے۔ تو مندوب کے بارے میں بھی «يَا» استعمال ہوتی ہے۔ بھئی مندوب کسے کہتے ہیں؟ خود بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَهُوَ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ بِيَا أَوْ وَا»، مندوب وہ ہے جس پر غم کا اظہار کیا جائے، «اَلْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ» جس پر کیا کیا جائے؟ غم کا اظہار کیا جائے، اس پر رویا جائے، «بِيَا» کس کے ساتھ؟ «يَا» کے ساتھ «أَوْ وَا» یا «وَا» کے ساتھ۔ «كَمَا يُقَالُ: يَا زَيْدَاهْ، وَوَا زَيْدَاهْ»۔

بھئی یاد رکھیے، مندوب وہ چیز جس پر رویا جائے، جس پر رویا جائے یعنی جس پر اظہارِ غم کیا جائے۔ مثلاً زید مر گیا، اب وہ جو رونے والا ہے وہ کیا کہتا ہے؟ «يَا زَيْدَاهْ»، زید کا اس پر اظہارِ غم کر رہا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ «يَا زَيْدَا» یا اسی طرح «وَا زَيْدَا»، بلکہ «يَا زَيْدُ» اور اسی طرح «وَا زَيْدُ»، دونوں طرح کہہ سکتا ہے۔ کس طرح؟ ہاں الف ہا نہ پڑھیں، الف ہا نہیں، ابھی اسی طرح منادیٰ بالکل اس کا مندوب منادیٰ کی طرح ہی ہے، مندوب کس کی طرح ہے؟ منادیٰ۔ ہاں منادیٰ میں یہ ہے کسی کو پکار کر اپنی طرف متوجہ کرنا مقصد ہوتا ہے، اور مندوب میں، زید تو مر چکا ہے، تو «يَا زَيْدُ» کہہ کر کوئی آپ زید کو اپنی طرف متوجہ کر رہے ہیں یا صرف اپنے غم کا اظہار کر رہے ہیں؟ غم کا اظہار کر رہے ہیں، تو آپ کہتے ہیں «يَا زَيْدُ» یا اسی طرح «يَا» کی جگہ «وَا» بھی

استعمال کرتے ہیں: «وَا زَيْدُ»۔ لیکن «يَا»، «يَا» تو ندا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اسی طرح مندوب کے لیے بھی، جبکہ «وَا» وہ صرف مندوب کے ساتھ خاص ہے، عرب صرف مندوب کے لیے «وَا» استعمال کرتے ہیں، ندا کے اندر «وَا» استعمال نہیں کرتے۔ لہٰذا مندوب میں آپ کیا کہہ سکتے ہیں؟ «يَا زَيْدُ» اور اسی طرح «وَا زَيْدُ»۔ اسی طرح یہ تو منادیٰ اگر وہ مندوب مفرد معرفہ ہے، اگر وہ مضاف ہو تو پھر کیا کہیں گے؟ عبد اللہ ہے مثلاً، مضاف ہے: «يَا عَبْدَ اللهِ»، «وَا عَبْدَ اللهِ»، بالکل اسی منادیٰ کی طرح ہے۔ تو مندوب وہ ہے جس پر رویا جائے۔ کیوں رویا جائے؟ کیونکہ وہ اب نہیں ہے، وہ ختم ہو چکا، وہ مر چکا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو اس میں «يَا» اور «وَا» استعمال کرتے ہیں۔ پھر یاد رکھیے، کسی چیز پر رونا دو طرح ہو سکتا ہے: کبھی کسی چیز کے نہ ہونے پر رویا جاتا ہے، کبھی کسی چیز کے ہونے پر رویا جاتا ہے۔ مثلاً زید پر ابھی میں نے مثال ذکر کی: «يَا زَيْدُ»، کیوں رویا جا رہا ہے؟ کیونکہ زید نہیں ہے، زید مر چکا ہے، تو نہ ہونے پر کبھی رویا جاتا ہے۔ اور کبھی کسی چیز کے ہونے پر رویا جاتا ہے، مثلاً کوئی مصیبت ہے تو مصیبت کے ہونے پر کیا ہے؟ انسان روتا ہے۔ پھر اس مندوب کے آخر میں، مندوب کے آخر میں کبھی الف اور ہا بھی بڑھا دیتے ہیں، الف اور ہا لگا دیتے ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ غم کا اظہار کرنا ہے اور غم کے اندر انسان چاہتا ہے اس کی آواز لمبی ہو تاکہ سب سنیں، سب کو پتہ چلے میرے غم کے بارے میں، میری تکلیف کے بارے میں۔ چنانچہ آخر میں کیا بڑھا دیتے ہیں؟ الف اور ہا۔ اور الف اپنے سے ماقبل کیا چاہتا ہے؟ فتحہ، تو پھر فتحہ بھی لے آتے ہیں، جیسے کیا کہیں گے؟ «يَا زَيْدَاهْ» اور «وَا زَيْدَاهْ»۔

تو کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ أَنَّ يَا مِنْ حُرُوفِ النِّدَاءِ قَدْ تُسْتَعْمَلُ فِي الْمَنْدُوبِ أَيْضًا»، جان لے تو کہ «يَا» جو ہے وہ حروفِ ندا میں سے ہے، کبھی کبھار اس کو اس مندوب میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مندوب کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ بِيَا أَوْ وَا»، کہ مندوب وہ ہے جس پر غم کا اظہار کیا جائے «يَا» یا «وَا» کے ساتھ، «اَلْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ بِيَا» «يَا» کے ساتھ «أَوْ وَا» یا «وَا» کے ساتھ، «كَمَا يُقَالُ: يَا زَيْدَاهْ، وَوَا زَيْدَاهْ»۔

▪ قولہ: «فَوَا مُخْتَصَّةٌ بِالْمَنْدُوبِ، وَيَا مُشْتَرَكَ...» کی تشریح

«فَوَا مُخْتَصَّةٌ بِالْمَنْدُوبِ، وَيَا مُشْتَرَكَةٌ بَيْنَ النِّدَاءِ وَالْمَنْدُوبِ»، تو «وَا» کا لفظ جو ہے وہ خاص ہے کس کے ساتھ؟ مندوب کے ساتھ، صرف اسی میں «وَا» کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ «وَيَا مُشْتَرَكَةٌ بَيْنَ النِّدَاءِ وَالْمَنْدُوبِ»، اور «يَا» مشترک ہے ندا اور مندوب، ندا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مندوب میں بھی۔ «وَحُكْمُهُ فِي الْإِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ مِثْلُ حُكْمِ الْمُنَادَى»، اور مندوب کا حکم جو ہے معرب اور مبنی ہونے میں «مِثْلُ حُكْمِ الْمُنَادَى» کس کی طرح ہے؟ منادیٰ کے حکم کی طرح ہے، جیسے وہاں منادیٰ کبھی مفرد معرفہ ہوتا تھا، یہ بھی کیا ہو سکتا ہے؟ مفرد معرفہ۔ وہاں جیسے منادیٰ منصوب ہوتا تھا، یہ بھی کیا ہو سکتا ہے؟ منصوب، جبکہ مضاف وغیرہ ہو۔

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلْمَفْعُولُ فِيهِ هُوَ اسْمُ مَا وَقَعَ فِعْلُ الْ...

فَصْلٌ: اَلْمَفْعُولُ فِيهِ هُوَ اسْمُ مَا وَقَعَ فِعْلُ الْفَاعِلِ فِيهِ مِنَ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ، وَيُسَمَّى ظَرْفًا، وَظُرُوفُ الزَّمَانِ عَلَى قِسْمَيْنِ: مُبْهَمٌ....

مفعول بہ کی بحث مکمل ہوئی۔ انہوں نے آپ کو بتلایا تھا مفعول بہ وہ اس چیز کا نام ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، جیسے «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، یہ «عَمْرًا» کیا ہے؟ مفعول بہ۔ اور یہ فاعل پر مقدم بھی ہو سکتا ہے، اور اس کے فعل کو حذف بھی کر سکتے ہیں، اور یہ حذف کبھی جائز ہوتا ہے اور کبھی واجب۔ حذف جائز کہاں ہو گا؟ جہاں قرینہ موجود ہو، پتہ چل رہا ہو کہ کون سا فعل ہے تو وہاں حذف کر دو، ویسے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ اور جہاں پتہ نہیں چل رہا معلوم ہوا قرینہ نہیں ہے، پھر آپ حذف نہیں کر سکتے۔ ہاں، کچھ جگہیں ہیں وہاں پر فعل کو حذف کرنا واجب ہے، کیونکہ ہم نے عربوں سے، عربوں کو اسی طرح سنا ہے، اور ہم نے غور کیا تو کچھ کے قوانین بن گئے، کچھ کے قوانین علماء بنانے میں کامیاب ہوئے، اور کچھ کا قانون سمجھ میں نہ آیا تو وہ جو جن کا قانون سمجھ میں نہ

آیا وہ کیا ہیں؟ سماعی۔ اور جن کا قانون، جن کے لیے، جن کے لیے علماء باقاعدہ قوانین بنانے میں کامیاب ہوئے اور پوری طرح بات واضح ہو گئی کہ ہاں، اس اس موقع پر عرب حذف کرتے ہیں اس قانون کی وجہ سے، تو ان کو کیا کہا؟ قیاسی کہا، اور وہ کتنے ہیں؟ تین۔ تو کل چار جگہیں ہیں: ایک سماعی اور تین قیاسی۔ سماعی تو جیسے: «أَهْلًا وَسَهْلًا»، «وَانْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ»، «امْرَأً وَنَفْسَهُ»۔ اور قیاسی جو تھے، اس میں ایک کیا تھا؟ تحذیر ہے، اور دوسرا «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»، اور تیسرا منادیٰ ہے بھئی۔ اور اسی منادیٰ کے اندر انہوں نے آپ کو مندوب کے بارے میں بھی آخر میں بتا دیا بھئی، اور منادیٰ میں ترخیم کی جاتی ہے وہ بھی آپ کو بتلایا۔

اب منصوبات میں سے تیسرا جو ہے مفعول فیہ ہے، اس کو بیان کرنے لگے ہیں۔ تو تیسرا منصوب جو ہے مفعول فیہ ہے، اور مفعول فیہ یہ آپ کو بتلائیں گے کہ وہ زمانے یا مکان کا نام ہے۔ مفعول فیہ کس کا نام ہے؟ زمانے کا یا مکان یعنی جگہ کا، جگہ کا۔ بھئی یاد رکھیے، جو بھی فعل کیا جائے اس کے لیے کوئی نہ کوئی زمانہ ہو گا اور کوئی نہ کوئی جگہ ہو گی۔ آپ نے زید کی پٹائی کی، تو یقیناً کوئی زمانہ ہو گا، یا صبح، دوپہر، شام، کوئی نہ کوئی وقت تو ہو گا۔ اور کوئی نہ کوئی جگہ ہو گی، مدرسے میں اس کی پٹائی کی، یا سڑک پر اس کی پٹائی کی، یا گھر پر اس کی پٹائی کی، کوئی نہ کوئی جگہ ہو گی۔ تو ہر فعل کے لیے کیا چاہیے؟ زمانہ بھی اور جگہ بھی۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول فیہ، اور نیز دوسرا نام اس کا ظرف ہے۔ ظرف۔

دیکھیے! خود بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں: «اَلْمَفْعُولُ فِيهِ»، مفعول فیہ جو ہے «هُوَ اسْمُ مَا» وہ نام ہے اس چیز کا «وَقَعَ فِعْلُ الْفَاعِلِ فِيهِ» جس میں فاعل کا فعل واقع ہو۔ تو جہ ہے؟ مفعول فیہ وہ اس چیز کا نام ہے جس میں فاعل کا فعل واقع ہو، «مِنَ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ»، یہ «مِنْ» بیان ہے «مَا» کا۔ پیچھے آیا تھا نا «وَهُوَ اسْمُ مَا»، اس چیز کا نام ہے۔ بھئی وہ کیا چیز ہے؟ کہتے ہیں: «مِنَ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ»، یعنی کہ زمانہ اور مکان۔ یہ «مِنْ» بیان ہے کس کا؟ «مَا» کا، «مَا» کا۔ تو یہ جس کا بیان ہے، یہ اکثر عبارتوں میں اس طرح استعمال ہوتا ہے، سمجھ میں آئی بات؟ «مَا» کا لفظ لے آتے ہیں اور پھر اس کے بعد «مِنْ» کے ساتھ اس کو بیان کیا جاتا ہے، کس کے ساتھ؟ «مِنْ» کے ساتھ اس کو بیان کیا جاتا ہے۔ تو پھر ترجمے میں آسان اور بہترین ترجمہ کرنے کے لیے طریقہ یہ ہے کہ یہ جو بیان ہوتا ہے نا «مِنْ» کے بعد، اس کو اٹھا کر اس لفظ «مَا» کی جگہ لے جائیں۔ «مِنْ» کے بعد کیا آیا؟ زمان اور مکان۔ یہ کس کا بیان ہے؟ لفظ «مَا» کا۔ اس کو اٹھا کر لے جائیں لفظ «مَا» کی جگہ۔ مفعول فیہ وہ نام ہے، پہلے کیا ترجمہ تھا؟ اس چیز کا۔ ہاں، اب وہ «مَا» تو ختم کر دیا، زمان اور مکان لے آؤ: وہ نام ہے اس زمانے یا اور مکان کا «وَقَعَ فِعْلُ الْفَاعِلِ فِيهِ» جس میں فاعل کا فعل... یعنی جس زمانے میں فاعل کا فعل ہو، جس جگہ میں فاعل کا فعل ہو، اس کو مفعول فیہ کہتے ہیں۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟

▪ قولہ: «وَيُسَمَّى ظَرْفًا» کی تشریح

«وَيُسَمَّى ظَرْفًا»، اور اس مفعول فیہ کو ظرف کہتے ہیں بھئی۔ «وَظُرُوفُ الزَّمَانِ عَلَى قِسْمَيْنِ»، اچھا! معلوم ہوا ظرف دو قسم پر ہو گیا بھئی: ایک ظرفِ زمان ہوا اور ایک ظرفِ مکان ہوا۔ ظرفِ زمان، نام سے ہی پتہ چل رہا ہے زمانے کا نام ہے۔ ظرفِ مکان، جگہ کا نام ہے۔ یاد رکھو یہ دو دو قسم پر ہیں: ظرفِ زمان بھی دو قسم پر اور ظرفِ مکان بھی۔ ظرفِ زمان کی دو قسمیں ہیں: ایک ظرفِ زمان مبہم ہے، ایک ظرفِ زمان محدود ہے۔ محدود جس کی کوئی حد ہو، کوئی حد بندی ہو۔ مبہم جس کی کوئی حد بندی نہ ہو۔ دیکھو مثالوں سے بات واضح ہو گی۔ بھئی دیکھو زمانے کے نام: دن، دن یہ بھی زمانے کا نام ہے، رات یہ بھی زمانے کا نام ہے، وقت یہ بھی زمانے کا نام ہے، زمانہ خود زمانہ، زمانہ بھی کیا ہے؟ زمانے کا نام ہے۔ اور اسی طرح سال، سال بھی کیا ہے؟ زمانے کا نام۔ ہفتہ، یہ بھی زمانے کا نام۔ مہینہ، یہ بھی زمانے کا نام۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو زمانہ کہ یہ جو یہ سب ظرف ہیں، ظرفِ زمان ہیں، لیکن آپ غور کریں یہ دو قسم کے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جن کی کوئی حد ہے اور کچھ وہ ہیں جن کی کوئی حد نہیں۔ جن کی حد ہے وہ ہوئے ظرفِ زمان محدود، اور جن کی کوئی حد نہیں وہ ہوئے ظرفِ زمان مبہم۔

جن کی حد ہے مثلاً دیکھو: دن، «يَوْم» کا لفظ، دن۔ دن کسے کہتے ہیں؟ صبح سے لے کر شام تک کا جو وقت ہے یہ ہے دن، اس کی حد ہے یا نہیں؟ حد ہے۔ رات کسے کہتے ہیں؟ شام سے لے کر صبح تک کا جو وقت ہے وہ کیا ہے؟ رات، دیکھو اس کی بھی حد ہے۔ مہینہ، مہینہ کسے کہتے ہیں؟ تیس دنوں کا نام ہے، دیکھو اس کی بھی حد ہے۔ ایک ہفتہ، یہ کسے کہتے ہیں؟ اس کی بھی حد ہے، کتنے دنوں پر مشتمل ہوتا ہے؟ سات دنوں پر۔ سال، سال بھی زمانہ ہے لیکن اس کی بھی حد ہے، کتنے مہینوں پر مشتمل ہوتا ہے؟ بارہ مہینوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ تو یہ دیکھا، یہ وہ ظرفِ زمان ہیں جن کی حد ہے، ان کو کہیں گے ظرفِ زمان محدود، یعنی جن کی حد ہے۔ اور دوسرا ہے ظرفِ زمان مبہم جس کی کوئی حد نہیں جیسے زمانہ، خود لفظِ زمانہ۔ زمانہ تھوڑا بھی ہو سکتا ہے زیادہ بھی ہو سکتا ہے، ایک دن ہو یہ بھی زمانہ ہے، سو سال ہوں یہ بھی کیا ہے؟ زمانہ، ہر ایک کو زمانہ کہتے ہیں۔ تو یہ ظرفِ زمان مبہم ہوا کیونکہ اس کی کوئی حد نہیں۔ اسی طرح وقت کا لفظ ہے، وقت۔ وقت

بھی مبہم ہے، ایک منٹ گزرے یہ بھی وقت ہے، سو سال گزر جائیں یہ بھی کیا ہے؟ وقت ہے، تو دیکھو اس کی کوئی حد نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا ظرفِ زمان کتنی قسم پر؟ دو قسم: مبہم جس کی کوئی حد نہ ہو جیسے وقت اور زمانہ، اور ظرفِ زمان محدود جس کی کوئی حد ہو جیسے سال، مہینہ، دن وغیرہ بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَظُرُوفُ الزَّمَانِ عَلَى قِسْمَيْنِ»، اور ظرفِ زمان دو قسم پر ہیں: «مُبْهَمٌ» ایک ظرفِ زمان مبہم ہے، «وَهُوَ مَا لَا يَكُونُ لَهُ حَدٌّ مُعَيَّنٌ»، اور وہ وہ ظرفِ زمان ہے کہ جس کی کوئی متعین حد نہ ہو، «كَدَهْرٍ وَحِينٍ»، جیسے دہر، دہر کا معنی ہے زمانہ، زمانہ، دیکھو اس کی کوئی حد نہیں۔ «وَحِينٍ» اور حین، حین کا معنی ہوتا ہے وقت۔ «وَمَحْدُودٌ» اور دوسرا ظرفِ زمان محدود ہے، «وَهُوَ مَا يَكُونُ لَهُ حَدٌّ مُعَيَّنٌ» وہ ظرفِ زمان ہے۔

بھئی دیکھو! «وَهُوَ مَا»، یہ جو «مَا» آرہا ہے نا «مَا»، یہ «مَا» موصولہ ہے۔ «مَا» کیا ہے؟ ما موصولہ، اور ما موصولہ معرفہ ہے۔ اسمِ موصول ہے نا، اسمِ موصول کس قسم، کس میں سے ہے؟ معرفہ میں سے، اور معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین چیز پر دلالت کرے۔ تو یہ اس «مَا» سے کیا مراد ہے؟ بھئی جس کی بات چل رہی ہے وہی مراد ہے۔ یہ کس کی بات چل رہی ہے؟ ظرفِ زمان کی۔ ظرفِ زمان، تو کہتے ہیں «وَهُوَ»، وہ ظرف... «وَهُوَ مَا»، وہ ظرفِ زمان ہے «يَكُونُ لَهُ حَدٌّ مُعَيَّنٌ» جس کی کوئی حد... تو یاد رکھو یہ «مَا» عبارتوں میں عام استعمال ہوتا ہے، اور «مَا» اس کا اردو میں ترجمہ کریں تو ترجمہ ہوگا «وہ جو کہ»، «مَا» وہ جو کہ «يَكُونُ لَهُ حَدٌّ مُعَيَّنٌ» جس کی کوئی متعین حد ہو۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ تو ما موصولہ کا یا اسمِ موصول کا ترجمہ ہم اردو میں کس طرح کرتے ہیں؟ «وہ جو کہ»۔ لیکن یہاں یہ معرفہ ہے اور یہ کسی معین چیز پر دلالت کر رہا ہوتا ہے، یعنی یوں سمجھیں یہ ہے دال اور جس پر یہ دلالت کر رہا ہے وہ ہوا مدلول۔ بھئی یہ معرفہ ہے نا، یہ دال، یہ جو لفظ ہے جو دلالت کر رہا ہے یہ معرفہ ہے، اور معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی متعین چیز پر دلالت کرے۔ معلوم ہوا اس «مَا» سے ہر چیز نہیں مراد، کوئی خاص چیز مراد ہے یہاں پر، وہ اس کا مدلول ہے، اور وہ مدلول کیا ہے یہاں؟ کس کی بات چل رہی ہے؟ ظرفِ زمان کی، معلوم ہوا اس «مَا» سے مراد ظرفِ زمان ہے۔ کیا مراد ہے؟ لہٰذا یہ جہاں بھی اس طرح کا لفظ آئے آپ اس کے مدلول کو اٹھا کر لے آیا کریں وہاں پر ترجمے میں۔ مثلاً اب ترجمہ یوں کرتا ہوں میں: «وَهُوَ مَا يَكُونُ لَهُ حَدٌّ مُعَيَّنٌ»، اگر میں «مَا» کا اپنا ترجمہ کروں نا تو یوں ہوگا: «وَهُوَ» اور وہ «مَا يَكُونُ لَهُ» وہ ہے کہ جس کی کوئی متعین حد ہو، وہ ہے جس کی کوئی متعین حد ہو۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ مدلول کو میں خود ہی اٹھا کر لے آؤں، وہ جو کہ، وہ جو کہ اس کی جگہ مدلول لے آتا ہوں۔ کس پہ دلالت کر رہا ہے؟ ظرفِ زمان۔ یوں کریں: «وَهُوَ مَا» اور وہ ظرفِ زمان ہے «يَكُونُ لَهُ حَدٌّ مُعَيَّنٌ» جس کی کوئی متعین حد ہو۔ تو دیکھا، مدلول کو وہاں پر اٹھا کر لے آیا کریں جس پر وہ دلالت کر رہا ہو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح ما موصولہ جگہ جگہ آئے گا، اور اس اسمِ موصول کے مدلول ہوتا ہے جس پر یہ کیا کرتا ہے؟ دلالت۔ توجہ ہے؟ یہ بار بار آئے گا، میں آگے بھی بار بار ذکر کروں گا، اس لیے اچھی طرح اس کو سمجھ لیں۔ یہ اسمِ موصول، اسمِ موصول جو ہوتا ہے ان کے کیا ہوتے ہیں؟ مدلول، کیونکہ یہ معرفہ ہے نا، کسی متعین چیز پر دلالت کر رہا ہے، تو کس پر دلالت کر رہا ہے وہ کیا ہوگا؟ مدلول۔ بھئی جیسے دیکھو میں نے کہا «زید»، کس کا تصور آپ کے ذہن میں آیا؟ زید کا۔ آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا نام عبد اللہ ہے، میں نے کہا «عبد الله»، جیسے ہی عبد اللہ کہا فوراً کس کی صورت آپ کے ذہن میں آئی؟ عبد اللہ کی۔ آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا نام خالد ہے، میں نے جیسے ہی کہا «خالد»، کس کی صورت ذہن میں آئی؟ خالد کی۔ تو دیکھو جب میں نے خالد کہا خالد کی صورت ذہن میں آئی، زید کی نہیں آئی۔ اور جب زید کہا تو زید کی صورت ذہن میں آئی، خالد کی نہیں، کیونکہ یہ لفظ اسی پر دلالت کر رہا ہے۔ یہ لفظ اس کی ذات پر، زید کا لفظ ذاتِ زید پہ دلالت کر رہا ہے، خالد کا لفظ ذاتِ خالد پہ دلالت کر رہا ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ «مَا» اسمِ موصول ہے، اس کا کوئی مدلول ہوگا جس پہ یہ دلالت کر رہا ہے، اور وہ متعین ہے، اور عبارت سے یہاں پتہ چل رہا ہے کہ کون مراد ہے یہاں۔ تو یہاں کون مراد ہے؟ ظرفِ زمان۔ گویا اسمِ موصول استعمال کیا لیکن اس سے مراد کون ہے وہ متعین چیز جو اس سے مراد ہے وہ؟ ظرفِ زمان ہے۔ تو اس ظرفِ زمان ہی کو لے آؤ اس اسمِ موصول کی جگہ اور اس کے ساتھ ترجمہ کر دو تو بہترین ترجمہ ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو دوبارہ ترجمہ سنیں، کہتے ہیں: «وَظُرُوفُ الزَّمَانِ عَلَى قِسْمَيْنِ»، ظروفِ زمان جو ہیں وہ دو قسم پر ہیں: «مُبْهَمٌ» ایک مبہم ہے، «وَهُوَ مَا لَا يَكُونُ لَهُ حَدٌّ مُعَيَّنٌ» وہ ظرفِ زمان ہے جس کی کوئی متعین حد نہ ہو، «كَدَهْرٍ وَحِينٍ» جیسے کہ دہر اور حین کا لفظ۔ دہر کا معنی؟ زمانہ، اور حین کا معنی؟ وقت۔ «وَمَحْدُودٌ» اور دوسری قسم ظرفِ زمان محدود ہے، «وَهُوَ مَا يَكُونُ لَهُ حَدٌّ مُعَيَّنٌ» اور وہ ظرفِ زمان ہے جس کی کوئی متعین حد ہو، «كَيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَشَهْرٍ وَسَنَةٍ»، جیسے «يَوْم» کا لفظ، یوم کا معنی دن، «وَلَيْلَةٍ» اور لیلہ کا لفظ، کیا معنی؟ رات، «وَشَهْرٍ» اور مہینہ، «وَسَنَةٍ» اور سال۔

▪ قولہ: «وَكُلُّهَا مَنْصُوبٌ بِتَقْدِيرِ فِي» کی تشریح

«وَكُلُّهَا مَنْصُوبٌ بِتَقْدِيرِ فِي»، اور یہ سارے کے سارے منصوب ہوتے ہیں «فِي» کی تقدیر کے ساتھ، یعنی «فِي» کا معنی وہاں مقدر ہوتا ہے۔ مثلاً دیکھیے بھئی: «ضَرَبْتُ زَيْدًا الْيَوْمَ»۔ «يَوْم» کا معنی ہوتا ہے دن اور اس پر الف لام لے آئے، «اَلْيَوْمَ»، تو اس کا معنی ہوتا ہے آج، آج۔ تو میں کہنا چاہتا ہوں: میں نے آج زید کی پٹائی کی، «ضَرَبْتُ زَيْدًا الْيَوْمَ»، یہ «اَلْيَوْمَ» منصوب ہے۔ کیوں؟ مفعول فیہ ہے کیونکہ یہ اس زمانے کا نام ہے جس میں یہ جو ضرب واقع ہوئی ہے، «ضَرَبْتُ زَيْدًا» جب ہوا ہے، اس زمانے کا نام ہے، کیا؟ «اَلْيَوْمَ»، یعنی آج کے دن میں ہوئی ہے۔ تو دیکھو «اَلْيَوْمَ» یہ مفعول فیہ ہے، ظرفِ زمان ہے، یہ منصوب ہے، کیونکہ ابھی انہوں نے آپ کو بتایا کہ ظرفِ زمان سارے کیا ہوتے ہیں؟ منصوب، چاہے مبہم ہو چاہے محدود ہو، چاہے مبہم ہو چاہے محدود دونوں کیا ہوتے ہیں؟ منصوب۔ اور یہ «اَلْيَوْمَ» یہ مبہم ہے یا محدود ہے؟ محدود ہے، کیونکہ آج کا دن صبح سے لے کر شام تک ہے، اس کی حد متعین ہے۔ تو یہ منصوب ہے اور منصوب ہے تقدیر «فِي» کے ساتھ یعنی «فِي» کا معنی یہاں مقدر ہے۔

توجہ ہے؟ «ضَرَبْتُ زَيْدًا الْيَوْمَ»، میں نے پٹائی کی زید کی آج، «أَيْ فِي الْيَوْمِ»، یعنی آج کے دن میں پٹائی کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی آج، آج تو بڑا المباوقت ہے، اس سارے میں پٹائی ہوتی رہی تھی یا آج کے دن میں کسی وقت پٹائی ہوئی ہے؟ آج کے دن میں کسی وقت پٹائی ہوئی ہے، تو یہاں کیا ہے؟ «فِي» کا معنی مقدر ہے۔ عبارت میں تو نہیں «ضَرَبْتُ زَيْدًا الْيَوْمَ»، «فِي» تو نہیں لیکن «فِي» کا معنی کیا ہے؟ «فِي» کا معنی یہاں پر مقدر ہے۔ «ضَرَبْتُ زَيْدًا الْيَوْمَ»، میں نے پٹائی کی زید کی آج، «أَيْ فِي الْيَوْمِ»، یعنی آج کے دن میں، تو «فِي» کا معنی کیا ہے یہاں پر؟ مقدر ہے۔

یہ معنی ہے: «وَكُلُّهَا مَنْصُوبٌ بِتَقْدِيرِ فِي»، اور یہ سارے کے سارے جو ہیں، کون سے سارے؟ ظرفِ زمان مبہم اور ظرفِ زمان محدود، یہ سارے منصوب ہوتے ہیں بتقدیر «فِي»، «فِي» کی تقدیر کے ساتھ۔ کیا معنی؟ «فِي» کا لفظ مقدر ہوتا ہے یا «فِي» کا معنی مقدر ہوتا ہے؟ «فِي» کا معنی وہاں مقدر ہوتا ہے، بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ «وَكُلُّهَا مَنْصُوبٌ» اور یہ سب منصوب ہوتے ہیں «بِتَقْدِيرِ فِي» تقدیر «فِي» کے ساتھ، یعنی «فِي» کا معنی وہاں مقدر ہوتا ہے۔ «تَقُولُ: صُمْتُ دَهْرًا»، آپ کہتے ہیں: «صُمْتُ دَهْرًا»۔ مثلاً آپ کہتے ہیں: «صُمْتُ دَهْرًا»، «صَامَ يَصُومُ» کا معنی ہے روزہ رکھنا۔ صوم عربی میں روزے کو کہتے ہیں۔ «صُمْتُ» میں نے روزہ رکھا۔ اچھا، «صُمْتُ» کون سا صیغہ ہے؟ شاباش! واحد متکلم، پوری بات کریں۔ واحد متکلم اور ہفت اقسام میں کیا ہے؟ کس وزن پر ہے؟ اس وزن پر لے جائیں، گردانوں میں کون سا صیغہ آپ نے اس جیسا پڑھا ہے؟ فوراً اس پر لے جائیں۔ بھئی میں نے آپ کو بتا دیا، فوراً آپ کو پہنچنا چاہیے تھا: «صَوْمٌ»، «صَوْمٌ»، حرفِ علت کہاں پر آرہا ہے؟ ص، و، م، حرفِ علت کہاں ہے؟ درمیان میں، اور حرفِ علت درمیان میں ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اجوف۔ معلوم ہوا یہ اجوف ہے، اجوف کی گردان اب آپ دیکھ لیں اجوف میں۔ آپ «صَامَ يَصُومُ»، «قَالَ يَقُولُ»، بالکل ایک جیسا وزن ہے، اسی میں آتا ہے آخر میں، «قَالَ» کی گردان یاد ہے: «قَالَ، قَالَا، قَالُوا، قَالَتْ، قَالَتَا، قُلْنَ، قُلْتَ، قُلْتُمَا، قُلْتُمْ، قُلْتِ، قُلْتُمَا، قُلْتُنَّ، قُلْتُ، قُلْنَا»۔ «قُلْتُ»، «صُمْتُ»، دیکھو ایک ہی وزن ہے۔

اچھا اب بتائیے، «صُمْتُ» اصل میں کیا تھا؟ «صَوَمْتُ»، شاباش! «قَوَلْتُ»، «صَوَمْتُ»، پھر واؤ متحرک ما قبل فتحہ اس کو اس سے الف سے بدلا: «صَامْتُ»، پھر الف بھی ساکن میم بھی ساکن، اجتماعِ ساکنین آیا، اور اس صورت میں اولِ ساکن کو کسرہ والی حرکت دیتے ہیں، کب؟ جبکہ پہلا حرفِ مدہ نہ ہو لیکن یہاں تو پہلا حرفِ مدہ ہے، الف کیا ہے؟ حرفِ مدہ۔ تو حرکت نہیں دینی، پھر اگر ان میں سے پہلا حرفِ مدہ ہو تو اس کو پھر گراتے ہیں، لہٰذا اس کو گرا دیا، کیا بن گیا؟ «صَمْتُ»، «صَمْتُ»۔ پھر صاد کو پیش والی علامت دی یہ بتلانے کے لیے کہ یہاں پر کون سا حرف حذف ہوا تھا؟ واؤ، اصل میں کیا تھا؟ واؤ، تو وہ واؤ پر دلالت کرنے کے لیے صاد کو پیش دے دی علامت، یعنی یہ بتلانے کے لیے کہ اس قبر کے اندر واؤ دفن ہے، یہاں ہم نے تختی لگا دی ضمہ والی۔ ضمہ والی تختی لگا دی کہ یہاں کیونکہ ضمہ کس کے مناسب؟ واؤ کے۔

اچھا جی! تو کہتے ہیں «صُمْتُ دَهْرًا»، میں نے روزہ رکھا «دَهْرًا» ایک زمانے تک۔ اب یہ «دَهْرًا» کون سا ظرفِ زمان ہے؟ مبہم، اور دیکھو منصوب ہے۔ «صُمْتُ دَهْرًا أَيْ فِي دَهْرٍ»، میں نے زمانے میں روزہ رکھا۔ «وَسَافَرْتُ شَهْرًا»، میں نے سفر کیا «شَهْرًا» مہینہ، «أَيْ فِي شَهْرٍ»، بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ خود دیکھیے کہہ رہے ہیں: «أَيْ فِي دَهْرٍ وَشَهْرٍ»، یعنی زمانے میں اور مہینے میں۔

▪ قولہ: «وَظُرُوفُ الْمَكَانِ كَذَلِكَ: مُبْهَمٌ...» کی تشریح

«وَظُرُوفُ الْمَكَانِ كَذَلِكَ: مُبْهَمٌ...»، اور ظرفِ مکان بھی اسی طرح ہیں: ایک مبہم ہے۔ اب ظرفِ مکان کی بات کرنے لگے ہیں۔ بھئی جس طرح ظرفِ زمان کی دو قسمیں ہیں نا، ایک مبہم اور ایک محدود۔ مبہم وہ جس کی کوئی حد نہ ہو اور محدود وہ جس کی کوئی حد ہو۔ اسی طرح ظرفِ مکان بھی دو قسم پر: ایک مبہم ہے جس کی کوئی حد نہ ہو، ایک محدود ہے جس کی کوئی حد ہو۔ محدود کی مثال دیکھو، مثلاً دیکھیے مسجد، مسجد کا ایک مخصوص جگہ ہوتی ہے، اس سے باہر کا حصہ مسجد نہیں کہلاتا، صرف اندر والا حصہ کیا کہلاتا ہے؟ مسجد۔ یا جیسے گھر ہے، دیکھو گھر کی چار دیواری ہوتی ہے، ایک مخصوص حصہ، یہ گھر کہلاتا ہے، اس کے باہر کی جگہ گھر نہیں کہلاتی۔ اسی طرح شہر ہے، شہر کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ملک ہے، ملک کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ سب ظرفِ مکان ہیں، جگہیں ہیں لیکن محدود ہیں، ان کی حد بندی ہے۔ اور کچھ جگہیں وہ ہیں جن کی کوئی حد نہیں، جیسے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر، نیچے۔ یہ بھی جگہیں ہیں۔ سامنے یعنی آگے اور پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر، نیچے، یہ سب کیا ہیں؟ جگہیں ہیں، لیکن ان کی کوئی حد نہیں۔ آپ کہیں گے حد تو ہے، سامنے کا مطلب ہے سامنے ہے، دائیں بائیں نہیں ہے چیز؟ نہیں نہیں، اس کی کوئی حد نہیں۔ میرے سامنے ایک چیز پانچ فٹ کے فاصلے پر پڑی ہو تو بھی میں کہوں گا یہ چیز میرے آگے ہے یا کہوں گا میرے سامنے ہے، دس میل دور ہو لیکن اسی طرف میرا چہرہ ہو تو میں کہوں گا وہ چیز میرے سامنے ہے، میرے آگے ہے۔ دیکھو کوئی حد ہے؟ ہزار میل دور بھی ہو گی تو میں کیا کہوں گا؟ وہ چیز میرے سامنے ہے، میرے آگے ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا ان کی کوئی حد نہیں۔ تو یہ ہوئے ظرفِ مکان مبہم۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اچھا، ظرفِ زمان مبہم ہو یا محدود، کس کی بات کر رہا ہوں؟ ظرفِ زمان، ظرفِ زمان جو پڑھ چکے ہیں ہم۔ ظرفِ زمان چاہے مبہم ہو چاہے محدود، دونوں منصوب ہوتے تھے تقدیرِ «فِي» کے ساتھ۔ لیکن ظرفِ مکان میں ایسا نہیں ہے۔ ظرفِ مکان مبہم ہو تو وہ منصوب ہو گا تقدیرِ «فِي» کے ساتھ۔ کون؟ ظرفِ مکان مبہم۔ اور جو ظرفِ مکان محدود ہے وہاں «فِي» کو لفظوں میں ذکر کرنا ضروری ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ظرفِ مکان مبہم ہو وہ بھی منصوب ہو گا کس کے ساتھ؟ تقدیرِ «فِي» کے ساتھ۔ لیکن جو ظرفِ مکان محدود ہے وہاں «فِي» مقدر نہیں بلکہ لفظوں میں اس کو ذکر کرنا ضروری ہے۔ «ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الدَّارِ»، میں نے زید کی پٹائی کی گھر میں۔ تو دیکھو «اَلدَّارُ»، دار گھر کو کہتے ہیں اور گھر کیا ہے؟ ظرفِ مکان محدود ہے، تو اس میں «فِي» کا لفظ لانا ضروری ہے: «ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الدَّارِ» یا «ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الْمَدْرَسَةِ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں، اگر ظرفِ مکان مبہم ہو وہ بھی منصوب ہو گا تقدیرِ «فِي» کے ساتھ، مثلاً «ضَرَبْتُ زَيْدًا أَمَامَكَ»، میں نے زید کی پٹائی کی «أَمَامَكَ» آپ کے سامنے۔ «فِي أَمَامِكَ» کہنا، نہیں کہیں گے بلکہ یہاں «فِي» مقدر ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں: «وَظُرُوفُ الْمَكَانِ كَذَلِكَ»، اور ظروفِ مکان بھی اسی طرح ہیں، یعنی دو قسمیں ہیں: «مُبْهَمٌ» ایک مبہم ہے، «وَهُوَ مَنْصُوبٌ أَيْضًا بِتَقْدِيرِ فِي» اور وہ بھی منصوب ہوتا ہے تقدیرِ «فِي» کے ساتھ، «ك: جَلَسْتُ خَلْفَكَ، وَأَمَامَكَ»، میں بیٹھا، «جَلَسْتُ خَلْفَكَ» میں آپ کے پیچھے بیٹھا۔ «جَلَسْتُ فِي خَلْفِكَ» نہیں کہیں گے بلکہ یہ بھی دیکھو منصوب ہے کس کے ساتھ؟ تقدیر «فِي» کے ساتھ۔ «جَلَسْتُ خَلْفَكَ» میں آپ کے پیچھے بیٹھا، یا یوں کہتے ہیں «جَلَسْتُ أَمَامَكَ» میں آپ کے سامنے بیٹھا، «فِي أَمَامِكَ» نہیں کہیں گے۔ اور دوسری قسم: «وَمَحْدُودٌ»، ظرفِ مکان محدود ہے، «وَهُوَ مَا لَا يَكُونُ مَنْصُوبًا بِتَقْدِيرِ فِي»، اور وہ ظرفِ زمان ہے... «وَهُوَ مَا»، «مَا» سے کیا مراد ہے؟ ظرفِ مکان، یہ اس پر دلالت کر رہا ہے تو ترجمے میں اسی کو لے آؤ: «وَهُوَ مَا» اور وہ ظرفِ مکان ہے «لَا يَكُونُ مَنْصُوبًا» جو منصوب نہیں ہوتا «بِتَقْدِيرِ فِي» تقدیرِ «فِي» کے ساتھ، «بَلْ لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ فِي فِيهِ»، بلکہ ضروری ہے «فِي» کا ذکر «فِيهِ» اس میں، ظرفِ مکان محدود میں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ بلکہ اس میں «فِي» کا ذکر ضروری ہے ظرفِ مکان محدود میں۔ «نَحْوُ: جَلَسْتُ فِي الدَّارِ»، مثال کے طور پر: «جَلَسْتُ فِي الدَّارِ»، میں بیٹھا «فِي الدَّارِ» گھر میں۔ «جَلَسْتُ الدَّارَ» یوں نہیں کہیں گے بلکہ «فِي الدَّارِ»، «جَلَسْتُ فِي الدَّارِ»، «فِي» لے کر آئیں گے۔ یا «جَلَسْتُ فِي السُّوقِ»، میں بیٹھا بازار میں، تو «جَلَسْتُ السُّوقَ» یوں نہیں کہیں گے بلکہ «فِي» کو باقاعدہ لائیں گے: «جَلَسْتُ فِي السُّوقِ»، اور اسی طرح «جَلَسْتُ فِي الْمَسْجِدِ»۔ تو کہتے ہیں: «نَحْوُ: جَلَسْتُ فِي الدَّارِ، وَفِي السُّوقِ، وَفِي الْمَسْجِدِ»، میں بیٹھا گھر میں اور بازار میں اور مسجد میں۔

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلْمَفْعُولُ لَهُ هُوَ اسْمُ مَا لِأَجْلِهِ يَقَعُ...

فَصْلٌ: اَلْمَفْعُولُ لَهُ هُوَ اسْمُ مَا لِأَجْلِهِ يَقَعُ الْفِعْلُ الْمَذْكُورُ قَبْلَهُ، وَيُنْصَبُ بِتَقْدِيرِ اللَّامِ نَحْوُ: ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا أَيْ لِلتَّأْدِيبِ، وَقَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا أَيْ لِلْجُبْنِ، وَعِنْدَ الزَّجَّاجِ هُوَ مَصْدَرٌ تَقْدِيرُهُ: أَدَّبْتُهُ تَأْدِيبًا، وَجَبُنْتُ جُبْنًا.

منصوبات میں سے چوتھی قسم ہے مفعول لہٗ۔ مفعول لہٗ، بھئی پہلے اس کو سمجھ لیں۔ یاد رکھیے، مفعول لہٗ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعل کو کیا جائے، فعل کو سرانجام دیا جائے۔ مثلاً میں نے زید کی پٹائی کی اس کو ادب سکھانے کے لیے، تو میں کہتا ہوں: «ضَرَبْتُ زَيْدًا تَأْدِيبًا»۔ «ضَرَبْتُ زَيْدًا» میں نے پٹائی کی زید کی، یہ پٹائی والا فعل میں نے کس لیے کیا تھا؟ ادب سکھانے کے لیے، تو یہ جو «تَأْدِيبًا» آگے آرہا ہے یہ مفعول لہٗ ہے۔ کیا ہے؟ اور آپ غور کریں یہ مصدر ہے، مصدر ہے۔ معلوم ہوا مفعول لہٗ مصدر کا نام ہے۔ کس کا نام ہے؟ وہ مصدر کا نام ہے جس کی وجہ سے ماقبل کے فعل کو کیا جائے۔ دیکھو: «ضَرَبْتُ زَيْدًا تَأْدِيبًا»، «تَأْدِيبًا» یہ کیا ہے؟ مفعول لہٗ، اور یہ مصدر ہے: «أَدَّبَ يُؤَدِّبُ تَأْدِيبًا»، تو یہ مصدر ہے۔ اور اس سے ماقبل ایک فعل آیا ہے «ضَرَبْتُ»، اور یہ تادیب، یہ جو ہے مفعول لہٗ یہ سبب ہے اس ماقبل والے فعل کا، اس کی وجہ سے وہ فعل کیا گیا۔ زید کی پٹائی کس لیے کی گئی؟ ادب سکھانے کے لیے۔ تو «ضَرَبْتُ زَيْدًا تَأْدِيبًا»، ذرا جملے پہ نظر ہے؟ «ضَرَبْتُ زَيْدًا» پہلے آرہا ہے اور «تَأْدِيبًا» بعد میں، تو «تَأْدِيبًا» ایک مصدر ہے اور یہ سبب ہے کس کا؟ ماقبل والے فعل کا، وہی ضرب، ماقبل والے فعل کا۔ تو یہ مفعول لہٗ ہے بھئی، صورت سمجھ میں آگئی۔

تو معلوم ہوا کہ مفعول لہٗ وہ بھی مصدر کا نام ہے اور مفعول مطلق وہ بھی مصدر کا نام ہے۔ «ضَرَبْتُ ضَرْبًا»، یہ «ضَرْبًا» کیا ہے؟ مفعول مطلق، اور «ضَرَبْتُ تَأْدِيبًا» یہ کیا ہے؟ مفعول لہٗ ہے۔ لیکن دونوں میں کیا فرق ہے؟ مفعول مطلق «ضَرَبْتُ ضَرْبًا»، وہ مصدر ہے لیکن اسی فعل کے معنی میں ہے جو ماقبل میں ہے۔ ماقبل میں فعل بھی «ضَرَبْتُ» اور یہ مصدر بھی کیا ہے؟ «ضَرْبًا»، دونوں کا معنی ایک ہے۔ اور جبکہ یہاں مفعول لہٗ میں ایسا نہیں ہے، «ضَرَبْتُ تَأْدِيبًا»، ضرب اور چیز ہے، ادب سکھانا اور چیز ہے، دونوں کا معنی الگ الگ ہے۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

تو اب دیکھیے کتاب پر: «فَصْلٌ: اَلْمَفْعُولُ لَهُ هُوَ اسْمُ مَا»، مفعول لہٗ جو ہے وہ اس چیز کا نام ہے «لِأَجْلِهِ» کہ اس کی وجہ سے «يَقَعُ الْفِعْلُ الْمَذْكُورُ قَبْلَهُ» واقع ہوتا ہے وہ فعل جو اس سے پہلے مذکور ہو۔ بھئی وہ جملہ ذہن میں رکھیں، بلکہ یہ آگے جملہ انہوں نے دیا ہوا ہے: «ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا»، اس جملے پہ نظر رکھیں۔ اس میں مفعول لہٗ کون ہے؟ «تَأْدِيبًا»، اس پہ نظر رکھنا، اور اس «تَأْدِيبًا» سے پہلے کیا ہے؟ ایک فعل مذکور ہے، اور وہ فعل اس اسی کی وجہ سے کیا گیا، اس تادیب کی وجہ سے وہ فعل کیا گیا یعنی اس ادب کو سکھانے کے لیے وہ فعل کیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب وہ ذرا پھر تعریف لگاؤ اور اس پہ بھی نظر رکھنا: «اَلْمَفْعُولُ لَهُ هُوَ اسْمُ مَا»، وہ اس چیز کا نام ہے، کون ہے اس جملے میں؟ «تَأْدِيبًا»، وہ اس چیز کا نام ہے «لِأَجْلِهِ» کہ اس کی وجہ سے یعنی اس تادیب کے لیے «يَقَعُ الْفِعْلُ الْمَذْكُورُ قَبْلَهُ» وہ فعل واقع ہو، وہ فعل ہو، وہ فعل واقع ہو یعنی ہو۔ وہ فعل ہو قبلہ جو اس مفعول سے، اس مفعول لہٗ سے پہلے فعل ہے وہ اسی کی وجہ سے واقع ہو، اسی کی وجہ سے وہ فعل پایا جائے۔ اسی کی وجہ سے وہ فعل پایا جائے، وہ فعل کیوں پایا گیا؟ وہ ضرب کیوں لگائی گئی؟ ادب سکھانے کے لیے۔ تو تھی تو یہ مفعول لہٗ اس کا اس کا سبب ہے، اس کا باعث ہے۔ ادب سکھانا نہ ہوتا تو پٹائی بھی نہ ہوتی، تو اس فعل کا سبب کیا ہے؟ ادب سکھانا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ «لِأَجْلِهِ» اس کی وجہ سے یعنی اس کے سبب سے، اس کے سبب سے۔ دوبارہ ترجمہ دیکھیں اور اس جملے پہ بھی نظر رکھنا اور تعریف پہ بھی: «اَلْمَفْعُولُ لَهُ هُوَ اسْمُ مَا»، مفعول لہٗ وہ نام ہے اس چیز کا، یعنی یوں کہیں اس مصدر کا «لِأَجْلِهِ يَقَعُ الْفِعْلُ الْمَذْكُورُ قَبْلَهُ» کہ پایا جائے وہ اس کی وجہ سے وہ فعل جو اس سے پہلے ہے، کہ اس سے پہلے جو فعل ہے وہ اس کی وجہ سے پایا جائے۔ وہ نہ ہوتا تو وہ فعل بھی نہ ہوتا، وہ ہے تو وہ فعل بھی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ «وَهُوَ اسْمُ مَا لِأَجْلِهِ يَقَعُ الْفِعْلُ الْمَذْكُورُ قَبْلَهُ»، وہ نام ہے اس چیز کا کہ اس کی وجہ سے اس سے ماقبل والا فعل پایا جائے۔

▪ قولہ: «وَيُنْصَبُ بِتَقْدِيرِ اللَّامِ» کی تشریح

«وَيُنْصَبُ بِتَقْدِيرِ اللَّامِ»، اور یہ منصوب ہوتا ہے تقدیرِ لام کے لام کے ساتھ یعنی یہاں لام مقدر ہوگا، لام کا معنی۔ کس طرح؟ بھئی سبب کے لیے

عربی میں لام استعمال کرتے ہیں، وجہ کے لیے، وجہ۔ «ضَرَبْتُهُ» اصل میں ہونا چاہیے تھا «ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيبِ»، میں نے اس کو اس کی پٹائی کی «لِلتَّأْدِيبِ» کس لیے؟ ادب سکھانے کے لیے، لیکن اس لام کو ختم کر دیتے ہیں اور «تَأْدِيبًا» کو منصوب کر دیتے ہیں، لیکن معنی وہی ہے پھر بھی۔ «ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيبِ» میں نے پٹائی اس کی کی تادیب، ادب سکھانے کے لیے، اور «ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا» یہاں بھی وہ لام کا معنی اسی طرح آئے گا: میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے۔

یہ معنی ہے: «وَيُنْصَبُ بِتَقْدِيرِ اللَّامِ»، اور یہ منصوب ہوتا ہے تقدیرِ لام کے ساتھ۔ «نَحْوُ: ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا»، میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، «أَيْ لِلتَّأْدِيبِ»۔ «وَقَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا»، قعد کے معنی بیٹھنے کے، «وَقَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ»، حرب کہتے ہیں جنگ کو اور جبن، جبن کہتے ہیں بزدلی کو۔ «وَقَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ»، اور میں بیٹھ گیا جنگ سے یعنی جنگ میں شرکت نہیں کی، میں جنگ سے بیٹھ گیا «جُبْنًا» بزدلی کی وجہ سے، «أَيْ لِلْجُبْنِ» کس وجہ سے؟ بزدلی کی وجہ سے۔

دو مثالیں ذکر کیں بھئی مفعول لہٗ کی: ایک «ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا» اور ایک «قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا»۔ دراصل اس میں اشارہ ہے مفعول لہٗ کی دو قسموں کی طرف۔ مفعول لہٗ کی یاد رکھیے دو قسمیں ہیں، دو قسمیں ہیں۔ ادھر دیکھیے بھئی، یہ ہے مفعول لہٗ اور یہ ہے اس سے ماقبل کا فعل: «ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا»۔ یہ «ضَرَبْتُهُ» کیا ہے؟ ماقبل کا فعل، اور یہ «تَأْدِيبًا» کیا ہے؟ مفعول لہٗ۔ اب آپ مجھے بتائیے، ماقبل کا فعل کیا ہے؟ پٹائی کرنا، اور مفعول لہٗ کیا ہے؟ ادب سکھانا۔ اب مجھے بتائیے، پہلے پٹائی ہوتی ہے کہ پہلے ادب آتا ہے؟ پٹائی ہوگی تو کیا آئے گا؟ ادب آئے گا۔ معلوم ہوا پٹائی مقدم اور ادب مؤخر ہے۔ معلوم ہوا ضرب پہلے ہے اور ادب سکھانا بعد میں ہے، جی ادب سکھانا اس کے بعد، ادب سکھانا اس کے بعد آئے گا۔ جی، اور دوسری مثال پہ ذرا نظر رکھیں: «قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا»، تو ماقبل میں فعل کیا ہے؟ قعود عن الحرب، جنگ سے بیٹھنا، اور مفعول مطلق کیا ہے؟ «جُبْنًا» یعنی بزدلی۔ اب مجھے بتائیے، جنگ سے بیٹھنا پہلے ہے کہ بزدلی پہلے سے ہے؟ بزدلی پہلے سے ہے، ہاں انسان شروع سے ہی بزدل ہے لازم ظاہر سی بات ہے، بزدلی اور بہادری تو یہ وصف ہے۔ معلوم ہوا بزدلی پہلے ہے اور جنگ سے بیٹھنا بعد میں ہے۔ اب آپ یہاں دیکھیں معاملہ برعکس ہے۔ پہلی مثال میں فعل مقدم تھا اور مفعول لہٗ مؤخر، دوسری مثال میں مفعول لہٗ مقدم ہے اور فعل قعود عن الحرب کیا ہے؟ مؤخر ہے۔

یعنی یوں کہیں: پہلی مثال میں «ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا»، ضرب لگے گی تو کیا آئے گا؟ ادب آئے گا۔ معلوم ہوا ضرب سبب ہے اور ادب مسبب ہے۔ ضرب سبب ہے، ضرب سبب ہے کس کے لیے؟ تادیب کے لیے۔ کون سبب ہے؟ فعل کہ وہ مصدر؟ فعل سبب ہے، ٹھیک ہے؟ دوسری مثال میں معاملہ برعکس ہے: بزدلی سبب ہے جنگ سے بیٹھنے کا۔ بزدلی تھی تو اس اس وجہ سے وہ جنگ سے بیٹھ گئے۔ تو بزدلی، وہ مصدر سبب ہے کس کا؟ ماقبل کے فعل کا۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ اچھی طرح؟ کہ مفعول لہٗ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس میں فعل سبب ہوتا ہے مفعول لہٗ کا، اور دوسری جس میں مفعول لہٗ سبب ہوتا ہے کس کا؟ فعل کا۔ اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: «وَقَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا»، اور میں بیٹھا جنگ سے بزدلی کی وجہ سے، «أَيْ لِلْجُبْنِ»۔ «وَعِنْدَ الزَّجَّاجِ هُوَ مَصْدَرٌ»، اور امام زجاج رحمہ اللہ جو ہیں ان کے نزدیک یہ مفعول لہٗ جو ہے مصدر ہوتا ہے، «تَقْدِيرُهُ: أَدَّبْتُهُ تَأْدِيبًا، وَجَبُنْتُ جُبْنًا»، اور اس کی تقدیر یوں ہوتی ہے: «أَدَّبْتُهُ تَأْدِيبًا، وَجَبُنْتُ جُبْنًا»۔ امام زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مفعول لہٗ کوئی چیز نہیں۔ مفعول لہٗ کوئی چیز نہیں، یہ وہی مفعول مطلق ہے۔ ہم نے تو کہا «ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا»، یہ «تَأْدِيبًا» کیا ہے؟ مفعول لہٗ۔ وہ فرماتے ہیں نہیں، یہ مفعول مطلق ہے۔ کس طرح مفعول مطلق ہے؟ کہتے ہیں بھئی اسی کا فعل مقدر ہے یہاں پر۔ یوں ہے کلام: «ضَرَبْتُهُ أَدَّبْتُهُ تَأْدِيبًا»، «أَدَّبْتُهُ تَأْدِيبًا»، تو «تَأْدِيبًا» مصدر ہے اور ماقبل میں اسی کا فعل ہے «أَدَّبْتُهُ»، اور وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول مطلق کہتے ہیں، تو ان کے نزدیک یہ مفعول مطلق ہے۔ اسی طرح وہ فرماتے ہیں «قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا»، یہ «جُبْنًا» بھی کیا ہے؟ مفعول مطلق ہے اور اس سے پہلے «جَبُنْتُ» کا فعل محذوف ہے: «قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ» میں جنگ سے بیٹھا «جَبُنْتُ جُبْنًا» میں بزدل ہوا، میں بزدل تھا، یا میں نے بزدلی دکھائی «جَبُنْتُ جُبْنًا»۔ تو دیکھو «جُبْنًا»، یہ ماقبل فعل «جَبُنْتُ» کے معنی میں ہے، اور جو مصدر ماقبل فعل کے معنی میں ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول مطلق۔ تو ان کے نزدیک مفعول لہٗ نہیں ہے بلکہ یہ دونوں کیا ہیں؟ مفعول مطلق۔ گویا ان کے نزدیک مفعول لہٗ کوئی چیز ہی نہیں ہے بلکہ وہ دراصل کیا بناتے ہیں اس کو؟ مفعول مطلق۔ لیکن جمہور کہتے ہیں نہیں، یہ مفعول مطلق نہیں ہے، یہ مفعول لہٗ ہے۔ یہ تو آپ نے تاویل کر کے ایک فعل کو یہاں محذوف نکالا، یہاں تو کوئی «أَدَّبْتُ» نہیں تھا آپ نے «أَدَّبْتُ» خود نکالا، یہاں تو کوئی «جَبُنْتُ» نہیں تھا آپ نے «جَبُنْتُ» خود نکالا، یہ تو آپ نے خود تاویل کی۔ اگر اس طرح تاویل کی جائے پھر تو کئی چیزیں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی اور ان کا

وجود ہی نہ رہے گا، جیسے یہاں آپ نے مفعول لہٗ کو بالکل ہی ختم ہی کر دیا کہ اس کا وجود ہی کوئی نہیں، وہ وہی مفعول مطلق ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

یہ معنی ہے: «وَعِنْدَ الزَّجَّاجِ هُوَ مَصْدَرٌ»، اور امام زجاج رحمہ اللہ کے نزدیک وہ مصدر ہے، جو مفعول لہٗ جو ہے وہ مصدر ہے، «تَقْدِيرُهُ: أَدَّبْتُهُ تَأْدِيبًا»، اس کی تقدیر کیا ہے؟ «أَدَّبْتُهُ تَأْدِيبًا»، یعنی تقدیرِ کلام یوں ہے: «وَجَبُنْتُ جُبْنًا»، یعنی وہ اس کو مفعول مطلق بناتے ہیں بھئی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی۔

اچھا! آج تو ہم نے ترکیب کی نہیں، بھول گئے۔ چلیے، جلدی جلدی کچھ جملوں کی ترکیب کر لیں بھئی۔ بھئی وہ منادیٰ کی ترکیب تو آگئی تھی آپ کو: «يَا» حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے ہوتا تھا، اور آگے منادیٰ مفرد معرفہ کیا ہوتا؟ مبنی علی الضم، اور منصوب محلاً مفعول بہ ہوتا تھا۔ تو «يَا مَالُ» آپ سے کوئی کہے کہ ترکیب کرو، آپ کیا کہیں گے؟ «يَا» حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے، «أَنَا» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور «مَالُ» مبنی علی الضم منصوب محلاً، کیونکہ مبنی ہے نا، منصوب محلاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

ہاں، مفعول فیہ میں کچھ ترکیبیں آئیں وہ ہم کر لیتے ہیں بھئی۔ جی کون سا جملہ آیا؟ «صُمْتُ دَهْرًا»، جی ترکیب کیجیے: «صُمْتُ» فعل بافاعل، فاعل بتایئے: «تُ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، آگے: «دَهْرًا» منصوب لفظاً مفعول فیہ بھئی، یہ مفعول فیہ ہے زمانے کا نام ہے، تو فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «دَهْرًا» یہ منصوب کیوں ہے؟ مفعول فیہ ہے اور اس پر نصب آتا ہے۔ «وَسَافَرْتُ شَهْرًا»، اس کی ترکیب کیجیے: «سَافَرْتُ» فعل بافاعل، «تُ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ بھئی مرفوع محلاً کیوں کہہ رہے ہو؟ تاپر تو با قاعدہ پیش میں پڑھ رہا ہوں۔ یہ اس کی حرکت ہے، شاباش! یہ اعراب نہیں ہے، جی مرفوع محلاً اس کا فاعل، آگے: «شَهْرًا» منصوب لفظاً مفعول فیہ۔ منصوب کیوں؟ مفعول فیہ ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

▪ قولہ: «جَلَسْتُ خَلْفَكَ» کی تشریح

«جَلَسْتُ خَلْفَكَ»، «جَلَسْتُ» فعل بافاعل، «تُ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «خَلْفَ» مضاف، اعراب بھئی، ہم اعراب حل کر رہے ہیں: «خَلْفَ» منصوب لفظاً مضاف۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ مفعول فیہ ہے اور کیونکہ جگہ کا نام ہے، اور لفظاً کیوں کہا؟ کیونکہ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں «خَلْفَ»۔ اور مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا مضاف ہے؟ ہاں، جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے وہ مضاف مضاف الیہ بنتے ہیں، تو یہ مضاف۔ آگے: «كَ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا «جَلَسْتُ» فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

آگے: «جَلَسْتُ فِي الدَّارِ»، «جَلَسْتُ» فعل بافاعل، «تُ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «فِي» جارہ، آگے: «اَلدَّارِ» مجرور لفظاً۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر حرفِ جر داخل ہے، شاباش! جار مجرور مل کر... اوہو! جار مجرور... ہاں، شاباش! یہ آپ نے اچھا کیا۔ یاد رکھیے، «فِي» جب آجائے تو پھر اس کو مفعول فیہ نہیں کہیں گے، مفعول فیہ تو منصوب ہوتا ہے۔ مفعول فیہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب، اور وہاں «فِي» کا معنی مقدر ہوتا ہے، خود «فِي» نہیں آئے گا۔ اگر «فِي» خود آجائے تو پھر وہ جار مجرور ہیں، جار مجرور ہے، اس کو مفعول فیہ نہیں کہیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو لہٰذا یہ «فِي الدَّارِ» اس کو مفعول فیہ نہیں کہنا، یہ معنی کے اعتبار سے بے شک مفعول فیہ ہے لیکن اصطلاح میں اب یہ مفعول فیہ نہیں، مفعول فیہ تو منصوب ہوتا ہے اور یہ کوئی منصوب ہے؟ نہیں۔ لہٰذا «فِي» جا... «فِي الدَّارِ» جار مجرور مل کر متعلق ہوں گے ہمیشہ، کیونکہ جار مجرور کے لیے ہمیشہ متعلق چاہیے، کتنی چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں ذرا دہراؤ بھئی؟ آٹھ۔ نمبر ایک فعل، نمبر دو مصدر، نمبر تین اسمِ فاعل، نمبر چار اسمِ مفعول، نمبر پانچ صفتِ مشبہ، نمبر چھ اسمِ تفضیل، نمبر سات مبالغے کے صیغے، اور نمبر آٹھ اسمِ فعل۔ ان میں سے کوئی چیز ہے یہاں؟ «جَلَسْتُ» فعل ہے، ذرا جڑتا ہے یا نہیں؟ جوڑ کے دیکھو: «جَلَسْتُ» میں بیٹھا «فِي الدَّارِ» گھر میں، صحیح ہو رہا ہے ترجمہ؟ صحیح ہو رہا ہے ترجمہ، یہ اسی سے جڑے گا، تو جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «جَلَسْتُ» فعل سے۔ آپ کیجیے، پوری کیجیے ترکیب: فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ طریقہ آگیا بھئی؟

آگے چلیے بھئی: «ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا»، «ضَرَبْتُ» فعل بافاعل، «تُ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، آگے: «هُ»... ہاں شاباش! «هُو» نہ پڑھنا بھئی، عموماً طلبہ «هُو» پڑھتے ہیں اس کو «ضَرَبْتُ هُو»، جیسی آواز ہے اسی طرح پڑھ دیتے ہیں، بلکہ کیا ہے یہ؟ «هَا» ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔

منصوب کیوں؟ مفعول ہے بھئی، اور محلاً کیوں کہا؟ کیونکہ ضمیر ہے، منصوب محلاً مفعول بہ۔ آگے: «تَأْدِيبًا» منصوب لفظاً مفعول لہٗ۔ بھئی منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول لہٗ ہے، اور مفعول لہٗ کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، تو منصوب لفظاً مفعول لہٗ۔ اب سمیٹیے بھئی: فعل اپنے فاعل... اوہو! یوں نہ کہو دونوں مفعول، فعل اپنے فاعل اور... ہاں آپ نے یوں کہا فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر، بھئی دونوں مفعولوں سے تو یوں لگتا ہے دونوں مفعول بہ ہیں، تو یوں نہ کہیں، دونوں الگ الگ قسمیں ہیں تو پورا پورا نام لیں: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول لہٗ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اور یہاں اگر «تَأْدِيبًا» کے بجائے «لِلتَّأْدِيبِ» ہوتا، پھر کیسے ترکیب کرتے؟ «ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيبِ»، لام جارہ... ہاں پھر اس میں مفعول لہٗ نہیں بننا تھا، جیسے اوپر تھا نا، اوپر والی مثال میں «فِي الدَّارِ»، وہ مفعول فیہ نہیں بنا تھا کیونکہ «فِي» خود آ گیا تھا۔ تو یہاں بھی جب لام خود آ جائے گا تو پھر یہ مفعول لہٗ نہ رہے گا، کیونکہ مفعول لہٗ تو منصوب ہوتا ہے۔ تو لام جارہ، «اَلتَّأْدِيبِ» مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «ضَرَبْتُ» فعل سے۔ فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

آگے: «قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا»، «قَعَدْتُ» فعل بافاعل، «تُ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «عَنْ» جارہ، «اَلْحَرْبِ» مجرور لفظاً، شاباش! جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «قَعَدْتُ» سے: میں بیٹھا «عَنِ الْحَرْبِ» جنگ سے، جڑ رہا ہے؟ ہاں بھئی، معنی صحیح ہو رہا ہے، جڑ رہا ہے بھئی۔ آگے: «جُبْنًا» منصوب لفظاً مفعول لہٗ، منصوب کیوں ہے؟ کیونکہ مفعول لہٗ ہے۔ جی اب سمیٹیے: فعل اپنے فاعل... ہاں، فعل اپنے فاعل اور متعلق اور مفعول لہٗ، جس طرح بھی جوڑ لیں، سب کو جوڑنا ہے، سمجھ میں آئی بات؟ آگے پیچھے نام کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق اور مفعول لہٗ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

▪ قولہ: «أَدَّبْتُهُ تَأْدِيبًا» کی تشریح

«أَدَّبْتُهُ تَأْدِيبًا»، ذرا اس کی ترکیب کریں بھئی: «أَدَّبْتُ» فعل بافاعل، «تُ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «هَا» ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، شاباش! «تَأْدِيبًا» منصوب لفظاً مفعول لہٗ؟ مفعول مطلق! جو مصدر کہ ماقبل کا فعل بھی اسی کے معنی میں ہو اس کو مفعول لہٗ کہتے ہیں؟ ہاں، اس کو مفعول مطلق کہتے ہیں، تو «تَأْدِيبًا» منصوب لفظاً مفعول مطلق۔ کوئی آپ سے پوچھے یہ منصوب کیوں؟ آپ کیا کہیں گے؟ یہ مفعول مطلق، اس مثال میں امام زجاج کی تاویل کے مطابق آپ ترکیب کر رہے ہیں، تو یہ مفعول مطلق ہوا۔ فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اسی طرح ہے «جَبُنْتُ جُبْنًا»، یہاں بھی «جُبْنًا» مفعول مطلق ہے بھئی۔ چلیے بس بھئی: هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۹: فصل المفعول معہ: واوِ معیت کے بعد منصوب ہونے کی شرائط اور صورتیں

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۴۱—بتاریخ: ۲۴ فروری ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلْمَفْعُولُ مَعَهُ هُوَ مَا يُذْكَرُ بَعْدَ الْوَاوِ بِمَعْنَى مَعَ لِمُصَاحَبَةِ مَعْمُولِ الْفِعْلِ، نَحْوُ: جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ، وَجِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا، أَيْ مَعَ الْجُبَّاتِ وَمَعَ زَيْدٍ.

گزشتہ سبق میں آپ نے مفعول فیہ کے بارے میں پڑھا اور اسی طرح مفعول لہ کے بارے میں۔ مفعول فیہ مصنف نے آپ کو بتلایا، وہ زمانے اور مکان کو کہتے ہیں بھئی، زمانے اور مکان کو۔ اور زمانہ اور مکان یہ دونوں دو دو قسم پر ہیں؛ یا تو یہ مبہم ہوں گے یا محدود ہوں گے۔ اور ظرفِ زمان مبہم ہو، وہ بھی منصوب ہوتا ہے، ظرفِ زمان محدود ہو، وہ بھی منصوب ہوتا ہے، تقدیر «فِی» کے ساتھ۔ اور جبکہ ظرفِ مکان، وہ بھی مبہم اور محدود ہوتا ہے، تو ظرفِ مکان مبہم جو ہے، وہ بھی منصوب ہو گا تقدیر «فِی» کے ساتھ۔ لیکن جو ظرفِ مکان محدود ہے، اس میں «فِی» کا لفظوں میں ذکر کرنا ضروری ہے، وہ مجرور ہو گا، اور پھر اس کو مفعول فیہ نہیں کہیں گے، بلکہ اصطلاح میں وہ کیا کہلائے گا؟ جار مجرور کہلائے گا بھئی۔

اس کے بعد آپ نے مفعول لہ کے بارے میں پڑھا بھئی۔ آپ نے پڑھا کہ مفعول لہ اس چیز کا نام ہے، یعنی اس مصدر کا نام ہے جس کی وجہ سے اس سے ماقبل جو فعل واقع ہوا ہے، اس کو کیا جائے۔ جیسے: «ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا»، میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے۔ تو «تَأْدِيبًا» یہ مفعول لہ ہے، اور یہ سبب ہے ماقبل میں جو فعل «ضَرَبْتُ» آیا بھئی۔ یہ ضرب کیوں لگائی گئی؟ ادب سکھانے کے لیے بھئی۔ اور اس کی دو قسمیں آپ نے پھر پڑھی تھیں بھئی۔ ایک مثال کیا ذکر کی؟ «ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا»، اور دوسری مثال کیا ذکر کی؟ «قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا»، میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے۔

تو دیکھیے پہلی مثال میں «ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا»، میں نے ضرب لگائی، کس لیے؟ ادب سکھانے کے لیے۔ تو فعل یعنی ضرب مقدم ہے اور مفعول لہ یعنی ادب کا حاصل ہونا مؤخر ہے۔ پٹائی ہو گی تو ادب سیکھے گا، تو پٹائی پہلے اور ادب کا سیکھنا اس کے بعد۔ تو اس میں دیکھیے وہ فعل سبب ہے اور مفعول لہ کیا ہے؟ اس کا مسبَّب ہے۔

جبکہ دوسری مثال میں، میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے، تو یہاں دیکھیے، ایک ہے جنگ سے بیٹھنا اور ایک ہے بزدلی۔ تو بزدلی پہلے ہے اور جنگ سے بیٹھنا اس کے بعد ہے۔ یہ نہیں کہ جنگ سے بیٹھا تو بزدل بن گیا، نہیں نہیں۔ بزدلی پہلے تھی، پہلے بزدل تھا، اور پھر اسی کی وجہ سے جنگ سے بیٹھ گیا، جنگ میں شرکت نہیں کی۔ تو یہاں پر دیکھیے، یہ میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے، «قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا»، یہ «جُبْنٌ»، یہ سبب ہے قعود عن الحرب کا۔ تو مفعول لہ وہ سبب ہے اور قعود عن الحرب وہ مسبَّب۔ یعنی پہلی مثال میں فعل سبب ہے اور مفعول لہ مسبَّب، اور دوسری مثال میں مفعول لہ وہ سبب ہے اور وہ فعل کیا ہے؟ مسبَّب ہے بھئی۔ جبکہ امام زجاجؒ فرماتے ہیں کہ مفعول لہ کوئی چیز نہیں، بلکہ وہ اس کو تاویل کر کے کیا بنا لیتے ہیں؟ مفعول مطلق ہی بناتے ہیں، اور اسی جیسا فعل ماقبل میں مقدر نکال لیتے ہیں بھئی۔

آگے اب دیکھیے بھئی، آج ہم مفعول معہ کے بارے میں پڑھیں گے۔ کہتے ہیں: «اَلْمَفْعُولُ مَعَهُ» کہ مفعول معہ جو ہے، «هُوَ» وہ اسم ہے، «مَا يُذْكَرُ بَعْدَ الْوَاوِ» جس کو ذکر کیا جائے واؤ کے بعد، وہ واؤ «بِمَعْنَى مَعَ» جو کس معنی میں ہو؟ مع کے معنی میں ہو۔ کس لیے ذکر کیا جائے واؤ بمعنی مع کے

بعد اس کو؟ «لِمُصَاحَبَةِ مَعْمُولِ الْفِعْلِ»، مصاحبت کا معنی ہوتا ہے: اکٹھا ہونا، ساتھ ہونا، یعنی زمانہ ایک ہونا، دونوں چیزوں کا زمانے میں فعل کے اندر اکٹھا ہونا، یعنی ایک ہی زمانے میں اس کو کرنا۔ یہ معنی ہے «لِمُصَاحَبَةِ مَعْمُولِ الْفِعْلِ»، معمولِ فعل کی مصاحبت کے لیے، یعنی اس کے ساتھ ہونے کے لیے، اکٹھا ہونے کے لیے۔

بھئی دیکھیے، مثال سے وضاحت ہو گی۔ مثال کیا انہوں نے ذکر کی؟ «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، ایک مثال ہے: «جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ»، اور دوسری ہے: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»۔ یاد رکھیے، «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا» یوں بھی پڑھ سکتے ہیں، «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ» یوں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یعنی زید پر رفع بھی پڑھنا جائز اور نصب پڑھنا بھی جائز۔ جب آپ اس پر رفع پڑھتے ہیں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، معلوم ہوا آپ زید کا عطف کر رہے ہیں، کس پر؟ یہ جو ما قبل میں فاعل کا ذکر آیا تھا، اور فاعل چونکہ مرفوع تھا تو زید کا لفظ بھی کیا ہے؟ مرفوع ہے۔ کیونکہ معطوف کا وہی اعراب ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا۔ اور ما قبل میں فعل آیا تھا «جِئْتُ»، میں آیا، تو یہ تا ضمیر کیا ہے؟ فاعل۔ اس پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں زید کا، تو یہ تو فاعل کی ضمیر ہے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ تو آگے معطوف بھی کیا ہو گا؟ مرفوع۔ البتہ مرفوع ہونے میں فرق ہے، فاعل مرفوع تھا محلاً، کیونکہ وہ ضمیر ہے، اور یہ کیا ہے؟ مرفوع لفظاً ہے، کیونکہ یہ معرب ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دوسری صورت یہ ہے کہ میں یوں کہہ سکتا ہوں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، میں زید کے ساتھ آیا۔ اس صورت میں یہ واؤ بمعنی «مَعَ» کے ہے، اور «زَيْدًا» مفعول معہ ہے بھئی، مفعول معہ ہے۔ تو کس طرح پڑھ سکتے ہیں اس کو؟ «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ» اور «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں بھئی، دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

تو «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، یہ جو واؤ ہے، یہ کس معنی میں ہے؟ واؤ بمعنی «مَعَ» کے ہے، اور «زَيْدًا» یہ منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول معہ ہے، اور مفعول معہ ابھی آپ کو انہوں نے بتلایا کہ منصوبات میں سے ہوتا ہے، اس پر کیا پڑھا جاتا ہے؟ نصب۔ تو اسی لیے «وَزَيْدًا»، یہ «زَيْدًا» کیا ہے؟ منصوب ہے۔ تو جب اس پر نصب پڑھا تو یہ مفعول معہ ہے۔

تو دونوں میں فرق کیا ہے؟ ایک ہے «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، ایک عطف کرتے ہیں آپ، ایک صورت یہ ہے، زید کو آپ نے معطوف بنایا۔ دوسری صورت یہ ہے: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، آپ زید کو مفعول معہ بناتے ہیں، تو دونوں میں کیا فرق ہے؟ فرق یہ ہے دونوں میں، یاد رکھیے کہ جب آپ نے واؤ کو عطف کے لیے بنایا، «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، تو یہ واؤ کون سا ہے؟ واوِ عاطفہ ہے، آپ نے اس کو عطف کے لیے بنایا۔ اور آپ آگے پڑھیں گے چل کر کہ واؤ مطلقِ جمع کے لیے آتا ہے، وہ صرف یہ بتلاتا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں اکٹھے ہیں اس فعل کے کرنے میں، یعنی جمع ہیں۔ دونوں اس فعل کے کرنے میں جمع ہیں۔ مثلاً کون سا فعل ہے ما قبل میں؟ آنے کا۔ تو معلوم ہوا آنے کا فعل میں نے بھی سر انجام دیا اور زید نے بھی سر انجام دیا۔ یہ فائدہ کون دے رہا ہے؟ واوِ عطف۔

بھئی دیکھیے نا، «جِئْتُ أَنَا»، اس کا تو معنی ہوا میں آیا، اور آگے «وَزَيْدٌ»، یہ واؤ نے کیا بتلایا؟ کہ اس آنے میں کون شریک ہے؟ زید بھی شریک ہے۔ اس واؤ نے جمع کرنے کا فائدہ دیا، کس کو؟ یہ جو آگے معطوف آ رہا ہے، اس کو جمع کر دیا، کس کے ساتھ جمع کیا؟ جو معطوف علیہ ہے، اس کے ساتھ جمع کر دیا، کس چیز میں؟ اس فعل میں جو ما قبل میں فعل ہے۔ یعنی اس فعل میں یہ دونوں جمع ہیں۔ معطوف علیہ کون ہے؟ فاعل، متکلم کی جو ضمیر ہے، وہ ہے فاعل، وہ اور یہ جو معطوف ہے، کون؟ زید۔

تو واوِ عطف نے کیا فائدہ دیا؟ کہ اس کے بعد جو معطوف ہے، وہ کس کے ساتھ شریک ہے؟ معطوف علیہ جو ما قبل میں ہے یعنی فاعل، اس کے ساتھ شریک ہے، کس چیز میں؟ وہ جو ما قبل میں فعل آیا تھا، جس کی نسبت اس کی طرف کی گئی تھی۔ اور ما قبل میں کون سا فعل ذکر ہے؟ آنے کا، یعنی میں آیا ہوں، اور معلوم ہوا اور کون آیا ہے؟ زید بھی آیا ہے۔ بھئی میں نے تو صرف «جِئْتُ»، میں آیا ہوں، یہ متکلم کی ضمیر ہے، لیکن یہ زید بھی آنے میں شریک ہے، اس کا پتہ کس نے بتلایا؟ یہ واؤ نے، یہ واوِ عطف نے۔ تو واوِ عطف کیا فائدہ دیتا ہے؟ معطوف کو جمع کر دیتا ہے، کس کے ساتھ؟ معطوف علیہ کے ساتھ، کس چیز میں؟ اس فعل میں، اس میں جمع کر دیتا ہے، یعنی جیسے اس معمول کے ساتھ فعل کا تعلق تھا یا اس نے وہ فعل کیا تھا، اسی طرح معطوف نے بھی یہ فعل کیا ہے، دونوں اس فعل کے کرنے میں جمع ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دوبارہ دہرائیں اس بات کو: واؤ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ مطلقِ جمع کا۔ واؤ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ واوِ عطف جو ہے، مطلقِ جمع کا فائدہ دیتا ہے۔ کیا معنی جمع؟ یعنی معطوف کو بھی جمع کر دیتا ہے، یعنی شریک کر دیتا ہے، کس کے ساتھ؟ معطوف علیہ کے ساتھ، کس چیز میں؟ اس فعل میں، کہ یعنی اس فعل کو دونوں

نے کیا ہے۔ معطوف علیہ نے جس طرح کیا ہے، اسی طرح معطوف نے بھی کیا ہے۔ آگے البتہ تفصیل نہیں بتلاتا یہ واوِ عطف، کہ بھئی آیا، ٹھیک ہے، آیا میں بھی ہوں، آیا زید بھی ہے، لیکن کیا دونوں اکٹھے آئے یا الگ الگ آئے؟ زید پہلے آیا اور میں بعد میں آیا، یا میں پہلے آیا اور زید بعد میں آیا؟ یہ تفصیل واؤ نہیں بتاتا، سب صورتوں کو وہ شامل ہے۔ وہ واؤ صرف اتنا بتا رہا ہے کہ یہ آنے کا فعل متکلم نے بھی کیا یعنی معطوف علیہ نے بھی کیا ہے، اور معطوف یعنی زید نے بھی کیا ہے، میں بھی آیا ہوں اور زید بھی آیا ہے، صرف اتنا بتایا واؤ نے۔ پھر اکٹھے یا الگ الگ، یا کون پہلے کون بعد میں، یہ تفصیل واؤ نہیں بتلاتا۔

تو ساری صورتیں اس میں آ گئیں۔ میں اور زید اکٹھے آئے ہوں، تب بھی میں کہہ سکتا ہوں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، دونوں اکٹھے آئے ہیں تو میں کہہ سکتا ہوں یا نہیں کہہ سکتا؟ کیونکہ «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ» کا کیا معنی؟ آنے میں میرے ساتھ کون شریک ہے؟ زید بھی، یعنی جیسے میں نے آنے کا فعل کیا، اسی طرح معطوف یعنی زید نے بھی آنے کا فعل کیا ہے۔ اور اسی کی ایک صورت کیا ہے؟ دونوں اکٹھے آئے ہوں۔ دوسری صورت یہ ہے دونوں الگ الگ آئے، تو بھی میں کہہ سکتا ہوں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، کیونکہ دونوں نے آنے کا فعل کیا یا نہیں کیا؟ میں پہلے آیا ہوں اور زید بعد میں آیا ہو، پھر بھی میں کہہ سکتا ہوں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»۔ زید پہلے آیا، میں بعد میں آیا، لیکن میں پھر بھی کہہ سکتا ہوں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»۔ کیونکہ «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ» کا مطلب یہ ہے: میں اور زید آئے۔ کوئی تفصیل آگے ہے کہ کون پہلے آیا یا کون بعد میں آیا، دونوں الگ آئے یا دونوں اکٹھے آئے؟ اس میں تو کوئی تفصیل ہی نہیں ہے، جب تفصیل ہی نہیں ہے تو معلوم ہوا سب، کوئی بھی صورت ہو، آپ کہہ سکتے ہیں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»۔ دونوں اکٹھے آئے ہوں، پھر بھی «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، میں اور زید آئے۔ دونوں الگ الگ آئے ہوں، تب بھی میں کہہ سکتا ہوں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، میں اور زید آئے، کیونکہ آنے کا فعل تو دونوں نے کیا ہے۔ زید پہلے آیا، میں بعد میں آیا، پھر بھی میں کہہ سکتا ہوں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، میں آیا اور زید آیا۔ اگرچہ لفظوں میں متکلم پہلے اور زید بعد میں، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، واؤ کوئی بتا رہا ہے کہ جو پہلے ہے وہ پہلے آیا ہے، جو بعد میں ہے وہ بعد میں آیا ہے؟ وہ تو صرف اتنا بتا رہا ہے دونوں نے یہ فعل کیا ہے۔ وہ کوئی تفصیل نہیں بتا رہا، ہاں اگر وہ تفصیل بتاتا نا، وہ کہتا جی جو معطوف علیہ ہے وہ پہلے آیا ہے اور معطوف بعد میں آیا ہے، تو پھر باقی صورتیں نکل جاتیں، لیکن یہاں تو وہ کوئی تفصیل ہی نہیں بتا رہا، وہ صرف اتنا بتا رہا ہے کہ یہ آنے کے فعل میں دونوں جمع ہیں، معطوف علیہ بھی اور معطوف بھی۔ جب دونوں جمع ہیں تو جمع ہونے کی جتنی بھی صورتیں ہوئیں وہ ساری اس کے اندر آ گئیں۔ اکٹھے آئے ہوں، پھر بھی کہہ سکتے ہیں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، الگ الگ آئے ہوں، تب بھی کہہ سکتے ہیں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»۔ زید پہلے ہے، میں بعد میں ہوں، پھر بھی میں کہہ سکتا ہوں بھئی: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، میں اور زید آئے ہیں، کیونکہ یہاں صرف آنے کی بات ہو رہی ہے، اور کوئی تفصیل یہاں پر ذکر ہی نہیں۔ اور اگر میں پہلے ہوں، زید بعد میں ہو، تو بھی میں کہہ سکتا ہوں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

میں آج آیا، زید دس سال پہلے آیا تھا، پھر بھی میں کہہ سکتا ہوں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، کہ میں اور زید آئے ہیں، کیونکہ آنے کا فعل دونوں نے کیا یا نہیں کیا؟ یہاں تو صرف اتنا ہی بیان ہو رہا ہے اور تفصیل تو ہے ہی نہیں کہ اکٹھے آئے ہیں، الگ آئے ہیں، تھوڑی دیر بعد آئے ہیں، زیادہ دیر بعد آئے ہیں، نہیں۔ صرف اتنا ہونا چاہیے، آنے کا فعل آپ نے بھی کیا ہو، آنے کا فعل زید نے بھی کیا ہو، تو آپ کہہ سکتے ہیں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، ساری صورتوں کو یہ شامل ہے، سب صورتوں میں یہ بولا جا سکتا ہے۔ معلوم ہوا واؤ صرف جمع کرنے کا فائدہ دیتا ہے، یعنی معطوف کو جمع کر دیتا ہے، کس کے ساتھ؟ معطوف علیہ کے ساتھ، اس فعل کے اندر جو ماقبل میں ذکر ہے۔

لیکن اگر میں یہ کہنا چاہوں، میں اور زید اکٹھے آئے ہیں، خاص طور پر میں صرف یہ بتلانا چاہتا ہوں، تو پھر یہ معنی «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ» سے ادا نہیں ہو گا، کیونکہ «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ» میں تو ساری صورتیں آ گئیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے، سننے والے کو یہ پتہ نہیں چلتا۔ میں نے کیا کہا؟ «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، آپ کو یہ پتہ نہیں چلا کہ اکٹھے آئے دونوں یا الگ الگ آئے، یا زید پہلے میں بعد میں، یا میں پہلے اور زید بعد میں، کوئی تفصیل آپ کو پتہ نہیں چلی، آپ کو صرف اتنا پتہ چل گیا، معلوم ہوا معیت کا فعل زید نے بھی کیا اور معلوم ہوا متکلم نے بھی معیت کا فعل کیا ہے، آنے کا فعل کیا ہے۔ لیکن جب میں کہوں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، یہ زید کو میں معطوف نہیں بناتا، بلکہ مفعول معہ بناتا ہوں، تو یہ واؤ بمعنی «مَعَ» کے ہوا اور زید کیا ہوا؟ مفعول معہ۔ تو یاد رکھیے، یہ مصاحبت کا فائدہ دیتا ہے۔ مصاحبت یعنی دونوں اکٹھے ہیں، دونوں کے فعل کرنے کا زمانہ ایک ہے، تو معنی ہو گا: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا أَيْ مَعَ زَيْدٍ»، میں آیا مع زید، زید کے ساتھ، یعنی دونوں اکٹھے آئے۔ تو دیکھیے، «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، اس نے ایک زائد فائدہ دیا، اس نے بتلا دیا کہ دونوں اکٹھے آئے ہیں، الگ الگ نہیں آئے۔ اور «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، وہ یہ فائدہ نہیں دے رہا تھا۔ اس میں، میں نے کہا آپ سے «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، آپ کے ذہن میں آ سکتا ہے ہو سکتا ہے دونوں اکٹھے آئے ہوں، تب آ جائے، بالکل ٹھیک ہے، یہ صورت بھی شامل ہے۔ آپ کے ذہن میں یہ بھی آ سکتا ہے بھئی ہو سکتا ہے دونوں الگ الگ آئے ہوں گے،

ہاں یہ بھی شامل ہے۔ لیکن جب میں کہوں «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، تو اس کا کیا معنی؟ اس کا معنی ہے دونوں اکٹھے آئے ہیں، یہاں الگ الگ والی بات نہیں۔ تو یہ واؤ بمعنی «مَعَ» یعنی معیت کا فائدہ دیتا ہے، ساتھ ہونے کا فائدہ دیتا ہے، اور مصاحبت کا فائدہ دیتا ہے۔ مصاحبت کیا معنی؟ ساتھ ہونا، اکٹھے ہونا، یعنی ایک ہی زمانے میں وہ فعل کرنا۔ معلوم ہوا جب میں نے کہا: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، معلوم ہوا ھیئت کا فعل میں نے بھی کیا، زید نے بھی کیا، اور ایک ہی زمانے میں کیا، یعنی اکٹھے ہی دونوں آئے ہیں، الگ الگ نہیں۔ یہ فائدہ کس نے دیا؟ یہ مفعول معہ نے دیا، عطف یہ فائدہ نہیں دیتا۔ اچھی طرح فرق سمجھ میں آ گیا؟

اب دوبارہ تعریف دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: «اَلْمَفْعُولُ مَعَهُ هُوَ مَا يُذْكَرُ بَعْدَ الْوَاوِ»، مفعول معہ وہ اسم ہے جس کو ذکر کیا جائے کس کے بعد؟ واؤ کے بعد، «بِمَعْنَى مَعَ»، اس واؤ کے بعد «بِمَعْنَى مَعَ» جو کس معنی میں ہو؟ «مَعَ» کے معنی میں ہو، «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»۔ اس میں ذرا اس مثال پہ نظر رکھو، یہ «زَيْدًا» کیا ہے؟ مفعول معہ، اور یہ کس کے بعد ہے؟ واؤ بمعنی «مَعَ»، یہ جو واؤ ہے، یہ «مَعَ» کے معنی میں ہے، «مَعَ» کا معنی ہے ساتھ ساتھ۔ «جِئْتُ أَنَا»، میں آیا، «وَزَيْدًا»، ساتھ زید کے۔ تو دیکھیے اب اس مثال پہ بھی نظر رکھنا اور یہ تعریف اس پر لگاؤ ذرا، کہ مفعول معہ «هُوَ مَا»، وہ اسم ہے، «يُذْكَرُ بَعْدَ الْوَاوِ بِمَعْنَى مَعَ»، جس کو ذکر کیا جائے اس واؤ کے بعد جو کس معنی میں ہو؟ جو «مَعَ» کے معنی میں ہو۔ کس لیے ذکر کیا جائے اس کو واؤ بمعنی «مَعَ» کے بعد؟ کیوں ذکر کیا گیا؟ «لِمُصَاحَبَةِ مَعْمُولِ الْفِعْلِ»، معمولِ فعل کی مصاحبت کے لیے، یعنی اس کے ساتھ ہونے کے لیے، دونوں کے زمانہ ایک ہونے کے لیے۔ دیکھو معمولِ فعل کون ہے؟ «جِئْتُ»، فاعل کون؟ تاضمیر۔ تاضمیر ہے، اس کا اعراب بتاؤ: مرفوع محلاً۔ مرفوع کیوں ہے؟ فاعل ہے۔ معلوم ہوا یہ «جَاءَ» کا فعل اس میں عمل کر رہا ہے، تو یہ تاضمیر ہوئی معمول، اور «جَاءَ» کا فعل کیا ہوا؟ عامل۔ تاضمیر کیا ہوئی؟ اعراب خود آتا ہے یا کوئی عامل چاہیے؟ عامل سے۔ اور آپ نے ابھی کیا بتائی؟ تاضمیر کیا ہے؟ مرفوع۔ معلوم ہوا یہ معمول ہے، اس میں کسی نے عمل کیا ہے، رفع دیا ہے، اور وہ کون ہے؟ فعل ہے۔ تو معلوم ہوا یہ فاعل جو ہے، یہ معمولِ فعل ہے۔ فاعل کیا ہے؟ معمولِ فعل۔ اسی طرح فعل کئی طرح عمل کرتا ہے، آپ نے پڑھا۔ فعل کبھی کیا کرتا ہے؟ رفع دیتا ہے، کس کو رفع دیتا ہے؟ فاعل کو، تو فاعل بھی ہوتا ہے معمول، فعل کا معمول ہوتا ہے۔ فعل مفعول کو نصب بھی دیتا ہے، «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، یہ «زَيْدًا» کیا ہے؟ منصوب ہے۔ تو اس میں بھی فعل نے عمل کیا یا نہیں کیا؟ تو یہ بھی معمولِ فعل ہے۔ اور کیا مثال؟ «ضَرَبْتُ ضَرْبًا»، یہ «ضَرْبًا» مفعول مطلق ہے، اس کو نصب کس نے دیا؟ «ضَرَبْتُ»، یہ بھی معمولِ فعل ہے۔ «ضَرَبْتُ تَأْدِيبًا»، یہ «تَأْدِيبًا» مفعول لہ ہے، اس کو نصب کس نے دیا؟ «ضَرَبْتُ» نے، تو یہ بھی کیا ہے؟ معمولِ فعل، یعنی جس میں فعل عمل کر رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو معمولِ فعل سے کیا مراد ہے؟ وہ اسم جس میں فعل کیا کر رہا ہو؟ عمل کر رہا ہو، وہ فاعل بھی ہو سکتا ہے، مفعول وغیرہ جو بھی ہو، وہ سب معمولِ فعل میں داخل ہیں۔

تو لہٰذا «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، اس میں یہ «زَيْدٌ»، یہ مفعول معہ ہے، اس کو اس واؤ کے بعد ذکر کیا گیا جو واؤ کس معنی میں ہے؟ «مَعَ» کے معنی میں ہے، اور کیوں اس کے بعد ذکر کیا گیا؟ «لِمُصَاحَبَةِ مَعْمُولِ الْفِعْلِ»، معمولِ فعل کی مصاحبت کے لیے۔ معمولِ فعل کون تھا؟ پیچھے کون تھا معمول؟ «جِئْتُ» کی تاضمیر جو تھی، وہ معمول۔ اس تا کے مصاحب ہے، اس کا ساتھی ہے، اکٹھا ہے اس کے ساتھ، یعنی ایک ہی زمانے میں یہ فعل کر رہا ہے۔ اگر واوِ عطف ہوتا تو وہاں مصاحبت والا معنی نہیں تھا، وہاں اتنا تو پتہ تھا آنے کا فعل میں نے بھی کیا اور زید نے بھی کیا، لیکن وہاں ایک ہی زمانے میں اور مصاحبت کا فائدہ نہیں تھا، لیکن یہ واؤ بمعنی «مَعَ» نے کس چیز کا فائدہ دیا؟ مصاحبت کا بھی فائدہ دیا، کہ یہ زید شریک ہے معمولِ فعل یعنی فاعل کے ساتھ، کس میں؟ اس فعل کے اندر۔ بات سمجھ بھی آ گئی کہ مشکل ہو گئی؟ سمجھ آئی؟ اچھی طرح؟ تم خاموش بیٹھے ہو، تمہیں نہیں سمجھ آئی لگتا ہے۔ نہیں حل ہوا؟

دوبارہ سمجھو، دوبارہ سمجھو۔ بھئی دیکھیے، میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں، میں آپ سے کہتا ہوں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، اس کی دو صورتیں ہیں؛ یا تو میں رفع کے ساتھ کہوں گا: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، یا میں کہوں گا: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، نصب کے ساتھ۔ رفع کے ساتھ کہوں گا تو اس کا مطلب ہے یہ واؤ کو میں نے عاطفہ بنایا اور زید کا عطف ہو رہا ہے فاعل پر، اور فاعل مرفوع ہوتا ہے تو معطوف جو زید ہے وہ بھی کیا ہے؟ مرفوع ہے۔ اور جب میں نے «وَزَيْدًا» پڑھا، تو یہ زید کو میں نے معلوم ہوا مفعول معہ بنایا ہے، اور یہ واؤ کس معنی میں ہے؟ «مَعَ» کے معنی میں۔ میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں میں اور زید اکٹھے آئے، میں اور زید اکٹھے آئے، تو میں اب آپ سے یہ نہیں کہوں گا: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، کیونکہ یہ صرف اتنا کہہ رہا ہے میں اور زید آئے ہیں، اکٹھے ہونے کا معنی ادا نہیں کر رہا۔ ہاں، لیکن جب میں کہوں گا «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، یہ اکٹھے ہونے کا معنی ادا کر رہا ہے، اس کا معنی یہ ہے میں اور زید اکٹھے آئے ہیں۔ جبکہ ماقبل میں جو جملہ تھا: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، اس کا معنی تھا میں اور زید آئے ہیں۔ وہ کسی طرح بھی آئے ہوں، چاہے الگ آئے ہوں، اکٹھے آئے ہوں، ساری صورتیں اس میں آ گئیں نا۔ جب میں نے کہا میں اور زید آئے، میں نے کوئی اکٹھے ہونے کی قید لگائی؟ میں نے کوئی الگ الگ آنے کی قید لگائی؟ جب قید نہیں ہے تو ساری صورتیں اس میں شامل ہو گئیں؟ صورت سمجھ میں آ گئی۔

مثلاً آپ مجھے کہتے ہیں، آپ مجھے کہتے ہیں: میں سائیکل پر آیا ہوں۔ آپ نے کوئی قید لگائی کب آئے ہیں؟ نہیں، آپ نے مجھے کہا میں سائیکل پر آیا ہوں، ہو سکتا ہے آپ صبح آئے ہوں، ہو سکتا ہے آپ شام کو آئے ہوں، ہو سکتا ہے آپ دوپہر کو آئے ہوں، ہو سکتا ہے آپ ایک دن پہلے آئے ہوں، ہو سکتا ہے آپ دو دن پہلے آئے ہوں، ساری صورتیں آگئیں یا نہیں آگئیں؟ جب قید نہ ہو، جب تفصیل نہ ہو، تو ساری صورتیں اس میں آجاتی ہیں۔ تو جب میں نے کہا «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، تو اس میں کوئی قید نہیں کہ ہم اکٹھے آئے یا الگ آئے یا جدا آئے، تو ساری صورتیں، یہ سارے احتمال اس میں آگئے۔ ہو سکتا ہے اکٹھے آئے ہوں، ہو سکتا ہے الگ آئے ہوں، ہو سکتا ہے میں پہلے ہوں زید بعد میں، ہو سکتا ہے زید پہلے ہو میں بعد میں ہوں۔ جیسے آپ نے کہا تھا میں سائیکل پر آیا ہوں، ہو سکتا ہے آپ شام کو آئے ہوں، ہو سکتا ہے صبح کو آئے ہوں، ہو سکتا ہے، ساری صورتیں آگئیں یا نہیں آگئیں؟ کیونکہ، ہاں اگر آپ یہ کہہ دیتے: میں صبح سائیکل پر آیا، اب باقی ساری صورتیں نکل گئیں، کیونکہ آپ نے صبح کا لفظ بڑھا دیا، قید بڑھا دی، تفصیل بڑھا دی۔ جوں جوں تفصیل بڑھائیں گے، باقی صورتیں نکلتی جائیں گی۔ صبح کا لفظ ہٹا دو، ہو سکتا ہے آپ شام کو آئے ہوں، ہو سکتا ہے دوپہر کو آئے ہوں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اسی طرح جب میں نے کہا نا: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، تو یہاں کوئی تفصیل نہیں ہے، کوئی قید نہیں ہے کہ اکٹھے آئے یا الگ آئے، یا پہلے کوئی آیا بعد میں کوئی آیا، جب کوئی قید نہیں تو ساری صورتیں آ گئیں؛ ہو سکتا ہے اکٹھے آئے ہوں، ہو سکتا ہے الگ ہوں، ہو سکتا ہے ایک پہلے ہو دوسرا بعد میں ہو۔ ساری صورتوں میں آپ کہہ سکتے ہیں، اکٹھے آئے ہوں آپ کہہ سکتے ہیں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، الگ الگ آئے ہوں تب بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ کوئی قید ہے ہی نہیں۔ آپ صبح بھی آئے ہوں تو آپ کہہ سکتے ہیں: میں سائیکل پر آیا، قید نہ لگائیں۔ آئے بے شک صبح ہیں لیکن قید نہیں لگا رہے اپنے کلام میں: میں آیا، تو سننے والے کو کوئی پتہ چلا کہ آپ صبح آئے ہیں؟ نہیں، وہ تو ذہن میں یہ سوچ، وہ یہ سوچ سکتا ہے آپ صبح آئے ہوں، ہو سکتا ہے وہ یہ سوچے آپ شام کو آئے ہیں، ہو سکتا ہے وہ یہ سوچے آپ دو دن پہلے آئے تھے، وہ کوئی بھی سوچ لے سکتا ہے، کیونکہ ساری صورتیں اس کے اندر داخل ہیں۔ اسی طرح جب میں نے کہا: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، تو اس میں کوئی قید نہیں کہ اکٹھے آئے ہیں یا الگ الگ آئے ہیں، ساری صورتیں اس میں داخل۔

لیکن جب میں کہتا ہوں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، تو یہ واؤ بمعنی «مَعَ» کے ہے، میں اور زید اکٹھے آئے ہیں۔ اب سننے والا یہ معنی نہیں کر سکتا کہ میں اور زید الگ الگ آئے، کیونکہ الگ الگ والے احتمال ہی نہیں، میں نے قید بڑھا دی، کیا قید بڑھائی؟ کہ ہم دونوں اکٹھے آئے ہیں۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟ تو جب آپ کسی کو کوئی بات بتلانا چاہیں کہ اس، یہ جو واؤ کا مابعد ہے، یہ معمولِ فعل کے ساتھ فعل کے کرنے میں شریک ہے ایک ہی زمانے کے اندر، تو پھر اس واؤ کو بمعنی «مَعَ» لے کر آؤ۔ اور جب آپ ایک زمانے کی قید نہیں لگانا چاہتے، تو واؤ کو کون سا بنالو؟ واؤ کو عاطفہ بنالو۔ تو لہٰذا جب میں کہوں «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں میں اور زید اکٹھے آئے ہیں، تو کیسے کہوں گا؟ «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»۔ اور میں آپ کو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں میں اور زید آئے، تو کیا کہوں گا؟ «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»۔ ہاں، اس میں پھر چاہے اکٹھے بھی آئیں، ساری صورتیں اس میں آگئیں، تفصیل ہے ہی نہیں۔ مثلاً میں چاہتا ہوں آپ کو پتہ نہ چلے کہ ہم اکٹھے آئے یا الگ الگ آئے، تو میں کہوں گا: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»۔ اور میں چاہتا ہوں نہیں نہیں، میں پکی بات کروں، پوری بات کروں، تاکہ آپ کل اس کا کوئی دوسرا معنی نہ سمجھنا، میں کہنا چاہتا ہوں ہم اکٹھے آئے تاکہ کل آپ یہ نہ کہیں دونوں الگ الگ آئے تھے، تو میں کیا کہوں گا؟ «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»۔ دونوں کلاموں میں فرق سمجھ میں آگیا؟

تو مفعول معہ کیا فائدہ دیتا ہے؟ کہ یہ جو واؤ کا مابعد ہے یعنی یہ جو مفعول معہ ہے، یہ معمولِ فعل کے ساتھ شریک ہے۔ اور صرف شریک ہے یا مصاحبت بھی ہے، ایک زمانہ بھی ہے؟ مصاحبت بھی ہے، ایک، بھئی «جِئْتُ»، دوبارہ سنو، «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، میں بھی آیا اور زید، تو زید میرے ساتھ آنے میں شریک ہے یا نہیں؟ دونوں اس فعل میں شریک ہیں، میں نے بھی آنے کا، یعنی مجیئت والا فعل کیا اور زید نے بھی آنے والا فعل کیا۔ اور «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، اس میں بھی زید میرے ساتھ شریک ہے۔ تو شرکت دونوں کے اندر ہے، دونوں کے اندر زید نے آنے کا فعل کیا، لیکن مصاحبت کس میں ہے؟ «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا» کی صورت میں مصاحبت ہے، اور «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ» میں مصاحبت کا احتمال ہے، ضروری نہیں، ہو سکتا ہے اکٹھے آئے ہوں، ہو سکتا ہے الگ آئے ہوں۔ اب فرق سمجھ میں آگیا؟ تو جب میں آپ کو کہنا چاہوں کہ یہ واؤ کے جو مابعد ہے، وہ میرے ساتھ مصاحب بھی ہے یعنی ایک ہی زمانے میں اس نے اکٹھا ہی یہ فعل کیا ہے، تو واؤ بمعنی «مَعَ» لاؤں گا میں، اور جب میں یہ نہ بتانا چاہوں تو واؤ عاطفہ لاؤں گا۔ اب اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟

دوبارہ اب تعریف دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: «اَلْمَفْعُولُ مَعَهُ هُوَ مَا يُذْكَرُ بَعْدَ الْوَاوِ بِمَعْنَى مَعَ»، مفعول معہ وہ اسم ہے یا وہ مفعول ہے جس کو ذکر کیا جائے اس واؤ کے بعد جو «مَعَ» کے معنی میں ہوتا ہے، اور کس لیے اس کو ذکر کیا جاتا ہے واؤ بمعنی «مَعَ» کے بعد؟ «لِمُصَاحَبَةِ مَعْمُولِ الْفِعْلِ»، معمولِ فعل کی مصاحبت کے لیے۔ معمولِ فعل کون ہے؟ فاعل ہے، سمجھ میں آئی؟ یہاں پر فاعل ہے بھئی۔ مصاحبت کا کیا معنی؟ یعنی وہ فعل کرنے کا زمانہ

دونوں کا ایک ہی ہے، اکٹھا ہی ہے۔

■ قولہ: «نَحْوُ: جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ» کی تشریح

«نَحْوُ: جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ»، «بَرْدٌ» کہتے ہیں سردی کو، اور «جُبَّاتٌ» جبہ کی جمع، «جُبَّةٌ» کی جمع ہے، اور جبہ لباس کا نام ہے جسے اردو میں چوغہ کہتے ہیں چوغہ۔ تو معنی کیا ہوا؟ «جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ»، آئی سردی جبوں کے ساتھ۔ یعنی سردی جبوں کے ساتھ آئی، کیا معنی؟ یعنی سردی کے ساتھ ہی کیا آگئے؟ جبے آگئے، اکٹھے دونوں کے آنے کا زمانہ ایک، ادھر سردی آئی ادھر ہی کیا آگئے؟ جبے بھی آگئے۔ تو یہ معنی ہے: «جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ»، آئی سردی جبوں کے ساتھ۔ «وَجِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، میں آیا زید کے ساتھ۔ خود آگے معنی کر رہے ہیں: «أَيْ مَعَ الْجُبَّاتِ وَمَعَ زَيْدٍ»، یعنی آئی سردی «مَعَ الْجُبَّاتِ»، جبوں کے ساتھ، اور آیا میں «مَعَ زَيْدٍ»، زید کے ساتھ۔

«فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا وَجَازَ الْعَطْفُ يَجُوزُ فِيهِ الْوَجْهَانِ»، اب یہاں یاد رکھنا بھئی، دو صورتیں بنیں گی۔ کتنی صورتیں؟ دو صورتیں۔ ایک صورت یہ کہ فعل لفظوں کے اندر ذکر ہو، جیسے «جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ»، «جَاءَ» ذکر تھا یا نہیں لفظوں میں؟ یا «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، یہ «جِئْتُ» فعل ذکر ہے۔ تو کبھی فعل لفظوں میں ذکر ہوتا ہے، کبھی فعل لفظوں میں ذکر نہیں ہوتا البتہ معنی کے اعتبار سے وہاں فعل ہوتا ہے، یعنی فعل کا معنی وہاں موجود ہوتا ہے۔ تو کتنی صورتیں؟ دو۔ ایک کیا؟ فعل لفظوں میں ذکر، دوسری صورت؟ فعل لفظوں کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ معنی کے اعتبار سے وہاں موجود ہے۔ اور دونوں کے اندر پھر، عطف جائز ہو گا یا عطف جائز نہیں، کل چار صورتیں ہو گئیں۔ دونوں میں عطف جائز ہو گا یا عطف جائز نہیں ہو گا۔ پہلی کیا صورت؟ فعل لفظوں میں ہو، تو پھر عطف جائز ہو گا یا عطف جائز نہیں، دو صورتیں ہو گئیں۔ اور دوسری صورت کہ فعل لفظوں میں نہیں ہے بلکہ صرف معنی کے اعتبار سے ہے، وہاں بھی عطف جائز ہو گا یا عطف جائز نہیں ہو گا، کل چار صورتیں ہوئیں۔

اب آپ کو یہ بتائیں گے کہ کہاں پر وہ جو واؤ کے مابعد ہے، اس کو مفعول معہ بنا سکتے ہیں یا نہیں بنا سکتے۔ اوپر تو مثال آئی تھی نا، اوپر تو دو مثالیں آئی تھیں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، میں اور زید آئے، «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، میں نے آپ کو بتایا اس کو کیا پڑھ سکتے ہیں؟ «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، اس واؤ کو عطف کے لیے بھی بنا سکتے ہیں اور اس واؤ کو بمعنی «مَعَ» کے بھی بنا سکتے ہیں۔ تو اب آپ کو یہ تفصیل بتانے لگے ہیں کہ یہ واؤ اس کو کہاں «مَعَ» کے معنی میں بنانا صحیح اور کہاں اس کو واؤ کے لیے بنانا صحیح ہے۔ تو بتلایا چار صورتیں ہیں، کبھی فعل لفظوں میں ہو گا اور عطف جائز ہو گا۔ فعل کیا ہو گا؟ لفظوں میں ہو گا، اور عطف جائز ہو گا۔

اچھا، ادھر توجہ کریں۔ جب فعل لفظوں میں ہو اور عطف جائز ہو، تو پھر جو واؤ کا مابعد ہے، اس کو معطوف بنانا بھی جائز یعنی عطف کرنا بھی جائز اور اس کو مفعول معہ بنانا بھی جائز، جیسے «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، اس مثال میں فعل لفظوں میں موجود ہے، «جِئْتُ»۔ فعل کیا ہے؟ لفظوں میں موجود ہے، اور زید کا عطف ماقبل پر جائز ہے۔ جب عطف جائز ہے تو اس کو عطف بھی کر سکتے ہیں، «وَزَيْدٌ» بھی پڑھ سکتے ہیں، اور اس کو مفعول معہ بنانا جائز، «وَزَيْدًا» بھی پڑھ سکتے ہیں۔ «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، فعل ہے یا نہیں لفظوں میں؟ کون سا فعل ہے؟ «جِئْتُ»، اور عطف بھی جائز ہے۔ جب عطف بھی جائز تو اس واؤ کو عطف کے لیے استعمال کر لیں اور «زَيْدٌ» پڑھ لیں، اور چاہیں تو اس واؤ کو کس معنی میں کر لیں؟ واؤ بمعنی «مَعَ» کے کر لیں اور مابعد کو مفعول معہ بنا لیں۔

دوسری صورت: فعل تو لفظوں میں موجود ہے لیکن عطف جائز نہیں، جب عطف جائز ہی نہیں ہے تو پھر نصب ہی پڑھنا، مفعول معہ بنانا۔

تیسری صورت: کہ فعل کیا ہے؟ لفظوں میں موجود نہیں ہے اور عطف جائز ہے۔ فعل لفظوں میں موجود نہیں ہے اور عطف جائز ہے، تو پھر عطف ہی کرنا۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

اور اگر فعل لفظوں میں نہیں ہے اور عطف بھی جائز نہیں ہے تو پھر نصب ہی پڑھیں گے۔ چلیے آگے یہ تفصیل آ رہی ہے بھئی، آپ پریشان نہ ہوں، یہ ساری تفصیل کتاب میں آ رہی ہے۔

■ قولہ: «فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا» کی تشریح

«فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا»، اگر فعل لفظوں کے اعتبار سے ہو، «وَجَازَ الْعَطْفُ»، اور عطف بھی جائز ہو، «يَجُوزُ فِيهِ الْوَجْهَانِ»، تو اس

میں دو وجہیں پڑھنا جائز ہیں: «اَلنَّصْبُ وَالرَّفْعُ»، نصب پڑھنا بھی جائز اور رفع پڑھنا بھی جائز۔ کیا معنی نصب پڑھنا؟ نصب پڑھیں گے یعنی مفعول معہ بنائیں گے، اور رفع پڑھیں گے معطوف بنائیں گے۔ جیسے ابھی مثال گزری: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا» اور «وَزَيْدٌ»، «وَزَيْدٌ» پڑھا رفع پڑھا معطوف بنانے کی وجہ سے، اور «وَزَيْدًا» پڑھا مفعول معہ بنانے کی وجہ سے۔ تو یہاں فعل لفظوں میں ہے اور عطف بھی جائز ہے۔ جب فعل لفظوں میں ہو اور عطف بھی جائز ہو تو پھر آپ کے لیے دونوں صورتیں پڑھنا جائز، آپ کہہ سکتے ہیں «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، آپ کہہ سکتے ہیں «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»۔ لیکن جب آپ کا ارادہ ہے نا کہ آپ نے مصاحبت بھی بتلانی ہے، پھر «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا» ہی پڑھیں گے۔ تو کہتے ہیں جب فعل لفظوں میں موجود ہو اور عطف بھی جائز ہو، «يَجُوزُ فِيهِ الْوَجْهَانِ»، تو اس میں دونوں وجہیں پڑھنا جائز ہیں: «اَلنَّصْبُ وَالرَّفْعُ»، نصب بھی اور رفع بھی، «نَحْوُ: جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا وَزَيْدٌ»، دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں بھئی۔

اچھا، ترکیب بھی کر لیں بھئی، ترکیب بھی کر لیں۔ پہلے اوپر والی مثال کریں: «جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ»، «جَاءَ» فعل، اعراب بھئی؟ ہاں، آیا، آنے کا فعل کس کا ہے؟ سردی کا ہے، تو وہ فاعل ہے۔ «جَاءَ» فعل، «الْبَرْدُ» مرفوع لفظاً فاعل، واؤ بمعنی «مَعَ» کے، اور «الْجُبَّاتِ»؟ «الْجُبَّاتِ»، اب پتہ چلے گا بھئی، ترکیب آتی ہے یا نہیں آتی آپ کو؟ مجرور لفظاً مضاف الیہ؟ کدھر ہے مضاف؟ مضاف الیہ تو بعد میں آتا ہے، پہلے مضاف آتا ہے نا، مضاف کدھر ہے؟ واؤ بمعنی «مَعَ»، واؤ تو حرف ہے، حرف تو مضاف مضاف الیہ نہیں بنتا۔ واؤ بمعنی «مَعَ» کے، «الْجُبَّاتِ»؟ آسان سی بات ہے، بحث ہی کس کی چل رہی ہے؟ مفعول معہ کی، معلوم ہوا مفعول معہ ہی کی یہ مثال ہے، اتنا تو پتہ ہے کہ نہیں پتہ؟ جب اتنا پتہ ہے تو واؤ بمعنی «مَعَ» کے ہے، یہ بات بھی قطعی طور پر ہے، اور «الْجُبَّاتِ» یہ منصوب ہے قطعی طور پر، کیونکہ یہ مفعول معہ ہے۔ آپ کہیں گے اس کے نیچے تو زیر آ رہی ہے، اس کا مطلب ہے آپ کو اعراب کے اعتبار سے اسم کی وہ قسمیں یاد ہی نہیں ہیں، اگر وہ یاد ہوتیں تو آپ ذرا بھی پریشان نہ ہوتے۔ «مُسْلِمَاتٌ»، «مُسْلِمَاتٍ»، ہاں، جمع مؤنث، «جُبَّةٌ» کی جمع ہے «جُبَّاتٌ»، دیکھو الف تا کے ساتھ، یہ جمع مؤنث سالم ہے، اور جمع مؤنث سالم کا نصب آتا ہی کسرہ کی صورت میں ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ اس وقت منصوب ہی ہے، لیکن کون سا منصوب ہے؟ لفظاً کہ تقدیراً؟ پھر وہی بات، کئی دفعہ میں بتا چکا ہوں۔ لفظاً ہی ہے، اس کا نصب آتا ہی کس کی صورت میں ہے؟ کسرہ، اور اس کسرہ پہ آپ تلفظ کر رہے ہیں یا نہیں؟ یہ خود بخود آ گیا یا نصب کی وجہ سے یہ حرکت آئی؟ نصب کی وجہ سے یہ حرکت، اور اس پر آپ تلفظ کر رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ ورنہ تو «جُبَّاتِ» تو نہیں پڑھنا ضروری۔ تو یہ جو حرکت آپ اس وقت پڑھ رہے ہیں، یہ اس کا نصب ہے، یہ آتا ہی اس شکل میں ہے۔ اسی طرح غیر منصرف، غیر منصرف کا جر آتا ہی کس کی صورت میں ہے؟ فتحہ کی صورت میں آتا ہے، اور اس کو مجرور لفظاً ہی کہیں گے۔ مجرور لفظاً ہی، بے شک جر صورتاً نہیں ہے لیکن فتحہ ہے، لیکن یہ فتحہ ہے، اس کا جر آتا ہی اس طرح ہے، یہ اس کا جر ہی ہے جو کس صورت میں ہے؟ فتحہ کی صورت میں۔ اسی طرح «الْجُبَّاتِ»، یہ اس کا فتحہ ہی ہے جو کس صورت میں ہے؟ کسرہ کی صورت میں، یہ منصوب لفظاً، منصوب لفظاً۔ تو «جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ»، «جَاءَ» فعل، «الْبَرْدُ» مرفوع لفظاً فاعل، اور واؤ بمعنی «مَعَ» کے، «الْجُبَّاتِ» منصوب لفظاً مفعول معہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول معہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ کیجیے: آئی سردی جبوں کے ساتھ، کوٹوں کے ساتھ، کوٹ بھی آ گئے ساتھ بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

«وَجِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، جی ترکیب کیجیے، یہ تھوڑی مختلف ترکیب ہے، دیکھیے۔ «جِئْتُ» فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ بھئی محلاً کیوں کہہ رہے ہو، تا پر پیش تو ہے؟ ہاں، یہ اس کی حرکت ہے، یہ اعراب نہیں۔ تو مرفوع محلاً اس کا فاعل ہے۔ اور آگے «أَنَا» ضمیر، بھئی یہ تا ضمیر بھی متکلم کی تھی، اور «أَنَا» بھی کیا ہے؟ متکلم کی ہے۔ تو یہ تاکید کے طور پر لے کر آئے ہیں۔ تو یہ جو تا ضمیر تھی وہ ہے مؤکَّد، اور یہ «أَنَا» ضمیر یہ اس کی تاکید، اور مؤکَّد اور تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ تو تا ضمیر مرفوع محلاً تھی، تو «أَنَا» ضمیر بھی کیا ہے؟ مرفوع، تو یہ بھی مرفوع ہے، البتہ یہ بھی محلاً ہی ہو گی کیونکہ یہ ضمیر ہے، اور ضمیر کیا ہوتی ہے؟ مبنی۔ تو یہ مرفوع محلاً اس کی تاکید۔ مؤکَّد اپنی تاکید سے مل کر یہ فاعل ہوا کس کا؟ «جِئْتُ» کا۔ یہ ہمارے ہاں ترکیب میں یوں کہتے ہیں: مؤکَّد اپنی تاکید سے مل کر فاعل ہوا۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔ تو حالانکہ فاعل تا ضمیر ہی ہے، یہ «أَنَا» فاعل نہیں ہے۔ یہ کس طرح ہمارے ہاں رائج یوں ہے تو ہم بھی اسی طرح کر لیتے ہیں، ورنہ تا ضمیر فاعل ہے، اور عربوں کی کتابوں میں آپ دیکھیں گے وہ صرف اتنا لکھتے ہیں: یہ تا ضمیر فاعل کی ہے اور یہ «أَنَا» کیا ہے؟ اس کی تاکید ہے، صورت سمجھ میں آ گئی۔ ہمارے ہاں ترکیب میں چونکہ سب کو جوڑتے ہیں، ملاتے ہیں، تو پھر یوں کہہ دیتے ہیں کہ مؤکَّد اپنی تاکید سے مل کر یہ کیا ہوا؟ فاعل ہوا۔

ہاں، لیکن ابھی اس کو فاعل نہ بناؤ۔ مؤکَّد اپنی تاکید سے مل کر، آگے ہم «وَزَيْدٌ» پڑھنا چاہتے ہیں ابھی، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اس کو کیا بناؤ؟ معطوف علیہ، اور واؤ حرفِ عطف، اور «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً معطوف۔ بھئی مرفوع کیوں؟ کیونکہ معطوف کا اعراب وہی ہوتا ہے جو معطوف علیہ، اور معطوف علیہ فاعل تھا، اور وہ فاعل تھا اور وہ مرفوع ہوتا ہے تو یہ بھی مرفوع۔ ہاں، البتہ وہ ضمیر تھی، وہ مرفوع تھا محلاً، اور یہ زید کا لفظ تو معرب ہے تو یہ مرفوع ہو گا لفظاً۔

اچھا، اب معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ دوبارہ سن لیں، دوبارہ سن لیں بھئی ترکیب: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، «جِئْتُ» فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاًمؤکَّد، «أَنَا» ضمیر مرفوع محلاًاس کی تاکید، اورمؤکَّد تاکید مل کر، ابھی بھی فاعل نہ بناؤ کیونکہ آگے عطف بھی کرنا ہے، مؤکَّد تاکید مل کر معطوف علیہ، واوٗ حرفِ عطف، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاًمعطوف، معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ ترجمہ کیجیے «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»: میں اور زید آئے۔

اب «وَزَيْدًا» کے ساتھ ذرا ہم ترکیب کرتے ہیں: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، اب ترکیب کیجیے: «جِئْتُ» فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاًمؤکَّد، «أَنَا» ضمیر مرفوع محلاً تاکید، مؤکَّد تاکید مل کر فاعل۔ پہلے ہم نے ان کو فاعل نہیں بنایا تھا، کیا بنایا تھا؟ معطوف علیہ، کیونکہ آگے معطوف آرہا تھا، اب تو کوئی معطوف نہیں آرہا، لہٰذا اب ان کو کیا بنادو؟ فاعل۔ تومؤکَّد تاکید مل کر فاعل، واوٗ بمعنی «مَعَ» کے، «زَيْدًا» منصوب لفظاًمفعول معہ۔ بھئی منصوب کیوں ہے؟ کیونکہ یہ مفعول معہ ہے، تو فعل اپنے فاعل اور مفعول معہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ ترجمہ کیجیے «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»: آیا میں ساتھ زید کے، اب بامحاورہ کریں: میں زید کے ساتھ آیا۔

یہاں یاد رکھیے، یہ «أَنَا» کیوں لے کر آئے؟ «أَنَا» کیوں لے کر آئے؟ یہ سمجھ لیں۔ تاضمیر، «جِئْتُ» میں تاضمیر متکلم کی موجود تھی، وہ فاعل ہے۔ «جِئْتُ» کا معنیٰ: میں آیا، اور «جِئْتُ أَنَا» کا معنیٰ بھی: میں آیا۔ تو یہ «أَنَا» کیوں لے کر آئے؟ تو وجہ یہ، وجہ یہ کہ آگے «وَزَيْدٌ» آرہا تھا، واوٗ اور زید، اور اس زید کا ہم عطف کرنا چاہتے ہیں تاضمیر پر۔ یعنی آیا متکلم بھی ہے اور کون آیا ہے؟ زید بھی، تو زید کا ہم عطف کرنا چاہتے ہیں کس پر؟ تاضمیر پر۔ لیکن یاد رکھو، یہ تاضمیر کمزور ہے، کیونکہ یہ ضمیرِ مرفوع متصل ہے، متصل ہے، جڑی ہوئی ہے۔ یہ ضمیر اکیلی نہیں رہ سکتی، کمزور ہے۔ کبھی آپ اس اکیلی یہ تاضمیر استعمال کرتے ہیں کلامِ عرب میں، پڑھا آپ نے کہیں؟ تو آیا ہو الگ؟ نہیں، تو الگ نہیں آتا بھئی، کیونکہ یہ ضمیر الگ نہیں رہ سکتی، یہ ضمیرِ متصل ہے، یہ کمزور ہے۔ جب یہ، اور زید؟ زید کا لفظ تو الگ رہ سکتا ہے یا نہیں؟ جیسے اس وقت بھی زید کا لفظ الگ ہے، تو وہ ہوا قوی، اور تاضمیر جو معطوف علیہ ہے وہ کمزور، تو قوی کا عطف کمزور پر نہیں ہو سکتا۔ پھر کیا کرتے ہیں؟ اسی تاکی، اسی ضمیر کی تاکید لے آتے ہیں، اور وہ تاکید آکر اس میں قوت پیدا کر دیتی ہے، اس میں طاقت آ جاتی ہے وہ، جب قوت آگئی اب اس پر عطف کر سکتے ہیں۔ تو یہ تاضمیر کی پھر تاکید کیا لے آئے؟ «أَنَا» ضمیر۔ تاضمیر مرفوع تھی، کیا تھی؟ مرفوع۔ لہٰذا اس کی تاکید بھی مرفوع ضمیر لائیں گے، مرفوع منفصل۔ یہ تاضمیر تو متصل ہے نا، آگے مرفوع منفصل لے آئیں گے، وہ ضمیر لے آئیں گے جو الگ رہ سکتی ہے، اور وہ کون سی ہے؟ مرفوع منفصل، اور وہ «أَنَا» کی ضمیر ہے۔ تاضمیر بھی متکلم کی اور «أَنَا» ضمیر بھی متکلم کی، تاضمیر بھی مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے، «أَنَا» ضمیر بھی مرفوع ہے کیونکہ یہ بھی مبتدا وغیرہ کے مقام میں اسی ضمیر کو استعمال کرتے ہیں یہ مرفوع، آپ نے وہ ضمیروں کی قسمیں آپ آگے ان شاء اللہ اس کتاب میں بھی پڑھ لیں گے کہ بعض اوقات ضمیر مرفوع ہوتی ہے، بعض اوقات منصوب ہوتی ہے، بعض اوقات مجرور، بعض اوقات متصل ہوتی ہے، بعض اوقات منفصل، اور تو جس قسم کا موقع ہو، اسی قسم کی ضمیر استعمال کی جاتی ہے۔ اگر رفع والا مقام ہے تو ضمیرِ مرفوع لانا، نصب والا مقام ہے تو ضمیرِ منصوب لے کر آنا۔ تو یہاں پر تاکید کس کی لانی ہے؟ فاعل کی ضمیر کی، اور فاعل کی ضمیر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، تو اس کی تاکید بھی کون سی ضمیر لائے؟ متکلم ہی کی لائے لیکن مرفوع لائے بھئی۔

تو اب جب مؤکَّد کے ساتھ اس کی، جب اس تاضمیر کی تاکید آگئی، اس میں قوت آگئی، اس کا ضعف ختم ہو گیا، اب اس پر عطف کرنا درست ہوا اور آگے «وَزَيْدٌ» کہا گیا۔ اگر یہ «أَنَا» کو ہٹادیں تو پھر زید کا عطف تاضمیر پر نہیں کریں گے۔ پھر زید کا عطف تاضمیر پر کیوں نہیں کریں گے؟ کیونکہ تاضمیر کیا ہے؟ ضعیف۔ صورت سمجھ میں آئی؟ لہٰذا اس پر عطف نہیں۔ ہاں، جب اس کی تاکید آجائے گی تو پھر عطف کر سکیں گے، اسی لیے یہ یہاں پر تاکید لائے ہیں۔ «نَحْوُ: جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا وَزَيْدٌ»، دیکھو یہاں یہ «أَنَا» لائے ہیں، کیونکہ انہوں نے اوپر کہہ دیا: «وَجَازَ الْعَطْفُ»، کہ عطف کیا ہو؟ جائز۔ یہ «أَنَا» ہے تو عطف جائز ہے، «أَنَا» کو ہٹادیں تو عطف جائز نہیں۔ اگلی مثال وہ ذکر کریں گے جس میں عطف جائز نہیں ہو گا، اس «أَنَا» کو ہٹادیں گے، جب «أَنَا» کو ہٹادیں گے تو عطف جائز نہیں، جب عطف جائز نہیں تو پھر وہاں نصب ہی پڑھیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دوبارہ دیکھیے، کہتے ہیں: «فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا وَجَازَ الْعَطْفُ»، اگر فعل لفظوں میں ہو اور عطف جائز ہو، «يَجُوزُ فِيهِ الْوَجْهَانِ»، تو اس میں دو وجہیں پڑھنا جائز ہیں: «اَلنَّصْبُ وَالرَّفْعُ»، نصب اور رفع، «نَحْوُ: جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا وَزَيْدٌ»، تو دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ عطف جائز ہے اس «أَنَا» ضمیر کی وجہ سے، اس کو ہٹادیں گے تو پھر عطف جائز نہیں، جیسے آگے خود بتلا رہے ہیں: «وَإِنْ لَمْ يَجُزِ الْعَطْفُ»، اور اگر عطف جائز نہ ہو، یعنی فعل تو لفظوں میں ہی ہے لیکن عطف جائز نہیں ہے، جب عطف جائز نہیں ہے: «تَعَيَّنَ النَّصْبُ»، تو پھر نصب ہی متعین ہے، پھر کیا پڑھنا؟ نصب ہی پڑھنا، وہی متعین ہے، «نَحْوُ: جِئْتُ وَزَيْدًا»، دیکھا؟ یہاں «وَزَيْدٌ» نہیں پڑھ سکتے۔ کیوں نہیں پڑھ سکتے؟ کیونکہ پھر تو عطف کر رہے ہیں آپ، اور

عطف تو یہاں جائز ہی نہیں ہے، جب عطف نہیں جائز تو پھر کیا کرو؟ نصب ہی پڑھو۔ یہ معنی ہے: «نَحْوُ: جِئْتُ وَزَيْدًا»۔ ترکیب کیجیے: «جِئْتُ» فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، واؤ بمعنی «مَعَ» کے، «زَيْدًا» منصوب لفظاً مفعول معہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول معہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

■ قولہ: «وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مَعْنًى» کی تشریح

«وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مَعْنًى»، اور اگر فعل معنی کے اعتبار سے ہو، یعنی لفظوں میں موجود نہ ہو، پچھلی مثالوں میں تو فعل لفظوں میں تھا «جِئْتُ»، اور بعض اوقات فعل لفظوں میں نہیں ہوتا، صرف معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مَعْنًى وَجَازَ الْعَطْفُ»، اور اگر فعل جو ہے وہ معنی کے اعتبار سے ہے اور عطف جائز ہے، «تَعَيَّنَ الْعَطْفُ»، تو پھر عطف متعین ہے۔ یعنی پھر مفعول معہ نہیں بنائیں گے، بلکہ عطف ہی کریں گے، کیا کریں گے؟ عطف ہی۔ جیسے نحو مثال کے طور پر: «مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو»، «مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو»، یہ یہاں معنی کے اعتبار سے فعل موجود ہے۔ مثلاً عرب کسی کو کہنا چاہتے ہیں نا کہ زید اور عمرو کیا کر رہے ہیں؟ تو عرب کیسے کہیں گے؟ «مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو»، عمرو اور زید کو کیا ہوا؟ یعنی وہ کیا کر رہے ہیں؟ تو اصل میں ہے: «مَا يَصْنَعُ زَيْدٌ وَعَمْرٌو»، زید اور عمرو کیا کر رہے ہیں؟ لیکن وہ «يَصْنَعُ» فعل ذکر نہیں کرتے، بس اسی طرح کہہ دیتے ہیں: «مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو»۔ تو یہاں دیکھو لفظوں کے اعتبار سے فعل نہیں، لیکن معنی کے اعتبار سے فعل موجود۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ یہاں لفظوں میں کوئی فعل «يَصْنَعُ» موجود ہے؟ نہیں، لیکن اس کا معنی موجود ہے، مراد ہے، مراد ہے یا نہیں؟ مراد ہے، تو معنی کے اعتبار سے فعل موجود ہے۔ جب لفظوں کے اعتبار سے فعل موجود نہیں تو پھر دو صورتیں ہوتی ہیں: عطف جائز ہوتا ہے یا عطف جائز نہیں، اور یہاں عطف جائز ہے، تو پھر عطف ہی کریں گے۔ کس طرح؟ لام جارہ ہے، «زَيْدٍ» مجرور ہے، اور اسی پر ہم عمرو کا عطف کرنا چاہتے ہیں۔ فعل لفظوں میں نہیں ہے بلکہ صرف کس اعتبار سے ہے؟ معنی کے اعتبار سے ہے، اور عطف جائز ہے کیونکہ آپ عمرو کا عطف کس پر کر رہے ہیں؟ زید پر، اور زید کوئی ضمیرِ متصل ہے؟ زید تو ضمیرِ متصل نہیں، اس پر تو عطف کرنا جائز ہے۔ بھئی ایک اسم کا دوسرے اسم پر عطف ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو وَبَكْرٌ وَخَالِدٌ»، عطف ہو رہا ہے یا نہیں سب کا ایک دوسرے پر؟ ایک اسم کا دوسرے اسم پر عطف ہوتا ہے، لیکن بعض جگہ کوئی رکاوٹ آجاتی ہے، جیسے میں نے بتایا «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، یہاں کیا رکاوٹ آئی تھی؟ کہ آپ زید کا عطف کس پر کرنا چاہتے ہیں؟ ضمیرِ متصل پر، اور ضمیرِ متصل تو ضعیف ہے، کمزور ہے، اکیلی رہ سکتی ہے؟ نہیں، وہ تو ہے ہی متصل، وہ تو آئے گی ہی جڑی ہوئی۔ تو جب وہ کمزور ہے تو اس وجہ سے زید کا عطف اس پر نہیں، تو لہٰذا پہلے تاکید لاتے ہیں تاکہ اس میں قوت پیدا ہو جائے، جب قوت پیدا ہو گئی اب کیا کر سکتے ہیں؟ اس پر عطف کر سکتے ہیں۔ جبکہ یہاں پر تو کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے، تو زید پر عمرو کا عطف ہو سکتا ہے۔ کس مثال میں؟ «مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو»، تو یہاں فعل لفظوں میں موجود ہے؟ نہیں، صرف معنی کے اعتبار سے ہے، اور عمرو کا عطف کس پر کرنا چاہتے ہیں؟ زید پر، اور عطف بھی جائز ہے، تو جب فعل اگر فعل صرف معنی کے اعتبار سے ہو یعنی لفظوں کے اعتبار سے نہ ہو اور عطف جائز ہو تو پھر عطف ہی کریں، «مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو» پڑھیں، «وَعَمْرًا» نہ پڑھیں۔ «وَعَمْرًا» پڑھتے ہیں تو گویا آپ واؤ کو بمعنی «مَعَ» کے کر رہے ہیں اور «عَمْرًا» کو کیا بنا رہے ہیں؟ مفعول معہ بنا رہے ہیں، اور مفعول معہ کی طرف یہاں جانے کی گنجائش نہیں، کیونکہ فعل لفظوں میں نہیں ہے، کیونکہ مفعول معہ میں عامل کون ہوتا ہے؟ فعل ہوتا ہے، کون ہوتا ہے؟ فعل۔ تو عامل اس کا لفظوں میں نہیں ہے تو اس کو اس کا معمول بھی نہ بنائیں، بلکہ یہاں پھر کیا کریں؟ عطف ہی کریں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

کیا بات ہوئی؟ عمرو کا عطف کرنا چاہتے ہیں، کس پر؟ زید پر۔ تو زید ہے مجرور، تو عمرو کو بھی کیا پڑھیں گے؟ مجرور، اور یہ زید کو جر کس نے دیا؟ لام جارہ نے، اور لام جارہ لفظوں میں موجود ہے۔ لام جارہ؟ لفظوں میں۔ تو گویا عامل لفظی ہوا، عامل کیا ہوا؟ لفظی۔ تو عطف کی صورت میں عامل لفظی ہوتا ہے، اور دوسری صورت یہ ہے آپ اس کو «وَعَمْرًا» پڑھنا چاہتے ہیں، جب «وَعَمْرًا» پڑھیں گے تو اس کے اندر عامل کون ہے؟ مفعول معہ میں عامل فعل ہوا کرتا ہے، تو آپ اگر «وَعَمْرًا» پڑھنا چاہتے ہیں تو مفعول معہ بنانا چاہتے ہیں، اور مفعول معہ میں عامل کون ہوتا ہے؟ فعل، اور فعل یہاں لفظوں کے اعتبار سے ہے یا معنی کے اعتبار سے؟ معنی کے اعتبار سے۔ تو اگر آپ «وَعَمْرًا» پڑھیں تو اس صورت میں معلوم ہوا آپ عاملِ معنوی بنانا چاہتے ہیں، عاملِ معنوی کی طرف جارہے ہیں، اور اگر آپ اس کو «عَمْرٍو» پڑھیں تو آپ عاملِ لفظی کو ہی اختیار کر رہے ہیں، کہ لفظوں میں وہ لام جارہ کیا ہے؟ موجود ہے۔ اور کون سی صورت بہتر ہے، عاملِ لفظی ہی مان لیا جائے یا عاملِ معنوی مان لیا جائے؟ عاملِ لفظی، جو خود لفظوں میں اس وقت باقاعدہ موجود ہے، اس کو اختیار، اس کی صورت کو اختیار کرنا بہتر ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو لہٰذا اس صورت میں پھر عاملِ معنوی کی طرف جانا جائز نہیں جب عاملِ لفظی موجود ہے، اور وہ کیا ہے؟ لام جارہ۔ اور «مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو» کیا معنی ہے؟ زید اور عمرو کیا کر رہے ہیں؟ تو لہٰذا یہاں عطف ہی جائز ہے، نصب نہیں جائز۔ کیوں نہیں جائز؟ کیونکہ جب عاملِ لفظی

پر عمل ہو سکتا ہے تو عاملِ معنوی کی طرف نہیں جائیں گے۔ تفصیل سمجھ بھی آ رہی ہے کہ نہیں؟ پھر بتاؤ مجھے، «وَعَمْرًا» پڑھیں تو کیا خرابی؟ آپ عاملِ معنوی کی طرف جا رہے ہیں، کیونکہ «عَمْرًا» مفعول معہ بنا رہے ہیں اور مفعول معہ میں عامل کون ہوتا ہے؟ فعل، اور فعل تو یہاں لفظوں میں موجود نہیں اور آپ اس کو کیا بنا رہے ہیں؟ عامل، تو گویا آپ ایک معنوی چیز کو عامل بنا رہے ہیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ عمرو کا عطف کریں، کس پر؟ زید پر، اور زید میں عامل کون؟ لام جارہ، وہ لفظوں میں موجود ہے۔ تو اگر آپ عطف کرتے ہیں تو عامل لفظی ہوتا ہے، اور مفعول معہ بناتے ہیں تو عامل معنوی ہوتا ہے، اور جب عاملِ لفظی موجود ہو تو عاملِ معنوی کی طرف جانے کی گنجائش نہیں ہے بھئی۔ اسی لیے کہا انہوں نے: «وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مَعْنًى وَجَازَ الْعَطْفُ تَعَيَّنَ الْعَطْفُ»، اور اگر فعل معنی کے اعتبار سے ہو اور عطف جائز ہو تو عطف ہی متعین ہے، وہاں مفعول معہ نہیں بنا سکتے، «نَحْوُ: مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو»۔

«وَإِنْ لَمْ يَجُزِ الْعَطْفُ»، اور اگر عطف جائز نہ ہو، کون سی صورت؟ فعل معنی کے اعتبار سے ہے یعنی لفظوں میں نہیں ہے، اور پہلے کیا تھا؟ فعل معنی کے اعتبار سے ہو اور عطف جائز ہو۔ اب ہے عطف جائز نہ ہو، یعنی فعل معنی کے اعتبار سے ہے اور عطف بھی جائز نہیں، «تَعَيَّنَ النَّصْبُ»، پھر نصب ہی متعین ہے، «نَحْوُ: مَا لَكَ وَزَيْدًا»، «مَا لَكَ وَزَيْدًا»۔ یہاں دیکھیے بھئی، یہ لام جارہ ہے، کاف مجرور متصل ضمیر ہے، کاف کیا ہے؟ مجرور متصل ضمیر۔ اور آگے «وَزَيْدًا» آ رہا ہے، اس زید کا عطف کاف ضمیر پر نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ ضمیرِ متصل ہے۔ ضمیرِ متصل۔ اوپر کیا آئی تھی؟ «جِئْتُ» میں بھی ضمیرِ متصل تھی، اور یہ «لَكَ» میں بھی کیا ہے؟ ضمیرِ متصل۔ لیکن دونوں میں فرق ہے، وہ ضمیرِ مرفوع متصل تھی کیونکہ فاعل تھی نا، اور یہ ضمیرِ مجرور ہے کیونکہ لام جارہ داخل ہو رہا ہے اور تو یہ ضمیر مجرور ہو گی، تو یہ مجرور متصل ہے۔ اور یاد رکھو، ضمیرِ مجرور متصل جو ہے، وہ جزوِ کلمہ کی طرح ہے۔ کس کی طرح ہے؟ کلمے کے جزو، اسی کے حصے کی طرح ہے۔ اس پر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ ضمیرِ مرفوع متصل «جِئْتُ»، اس میں آپ نے کہا تھا کہ یہ ضمیرِ مرفوع متصل کمزور ہے، کیا کہا تھا؟ کمزور ہے۔ اور یہاں کہہ رہے ہیں کہ یہ ضمیرِ مجرور متصل جزوِ کلمہ کی طرح ہے، یہاں یہ نہیں کہہ رہے یہ ضمیر کمزور ہے بلکہ کیا کہہ رہے ہیں؟ جزوِ کلمہ۔ دونوں تقریروں میں فرق کیوں کر رہے ہیں؟ وہ بھی ضمیرِ متصل، یہ بھی ضمیرِ متصل، تو دونوں جگہ کہہ دیں کہ یہ ضمیر کمزور ہے، لیکن آپ ایک جگہ کہہ رہے ہیں ضمیر کمزور ہے، اور دوسری جگہ یہ نہیں کہہ رہے کمزور ہے بلکہ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ جزوِ کلمہ کی طرح ہے، اس پر عطف سرے سے جائز ہی نہیں ہے۔ بھئی وجہ یہ کہ دونوں میں فرق ہے۔ فرق یہ کہ وہ جو مرفوع تھی نا مرفوع متصل، اس میں منفصل بھی آتی ہے، ایک ضمیرِ مرفوع متصل ہے تو ایک ضمیرِ مرفوع منفصل ہے۔ تو جب متصل کمزور ہے تو منفصل آ کر اس میں طاقت پیدا کر دے گی، کیونکہ مرفوع ضمیر متصل کے ساتھ ساتھ منفصل بھی ہوتی ہے۔ لیکن مجرور میں ایسا نہیں، ضمیرِ مجرور متصل تو ہے، مجرور منفصل ضمیر ہی کوئی نہیں کہ جو اس میں آ کر کیا پیدا کر دے؟ طاقت پیدا کر دے، اس کے ضعف کو دور کر دے۔ تو جب ضعف کو دور کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں تو ہمیں تقریر بدلنی پڑی، اب ہم یہ نہیں کہیں گے کہ یہ ضمیر کمزور ہے دوسری ضمیر لا کر اس میں کیا پیدا کر دو قوت، بلکہ کیا کہیں گے؟ یہ الگ ہو ہی نہیں سکتی، مجرور منفصل ہے ہی کوئی نہیں، یہ الگ آتی ہی نہیں ہے، معلوم ہوا یہ جزوِ کلمہ کی طرح ہے، کلمے کا جزو۔ جیسے زید: زا، یا، دال، زید میں زا بھی اس کا جزو، یا بھی اس کا جزو، دال بھی اس کا جزو۔ تو یہاں «لَكَ» میں بھی کاف ضمیر کیا ہے؟ جزوِ کلمہ، یعنی یہ لام کے جزو کی طرح ہے، اس سے الگ نہیں ہو سکتی۔ جب الگ نہیں ہو سکتی تو اس پر عطف جائز نہیں، کیونکہ جزوِ کلمہ پر عطف نہیں کیا جاتا، پورے کلمے پر عطف کیا جاتا ہے۔ آپ مجھے بتائیے: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»، یہ «عَمْرٌو» کا عطف میں نے کس پر کیا؟ زید پر، کیونکہ عمرو پورا کلمہ ہے تو زید بھی پورا کلمہ ہے، اس پہ عطف کروں گا۔ «عَمْرٌو» کا عطف زید کی صرف زا پہ کر دوں یا صرف یا پہ کر دوں یا صرف دال پہ کر دوں، یہ نہیں، کیونکہ کلمے کا عطف کس پر ہوتا ہے؟ کلمے پر ہوتا ہے، اس کے جزو پر نہیں ہوتا، پورے کلمے پر ہو گا۔ تو یہاں پر بھی یہ «مَا لَكَ وَزَيْدًا»، یہ زید کا عطف کاف ضمیر پر نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ ضمیرِ مجرور متصل ہے، اور یہ منفصل آتی نہیں، تو یہ جزوِ کلمہ کی طرح ہوئی، اور جزوِ کلمہ پر تو عطف صحیح نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہاں معلوم ہوا عطف نہیں کر سکتے، اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ جب عطف نہیں کر سکتے اب نصب ہی پڑھنا پڑے گا، کیونکہ اور صورت ہی نہ رہی۔ فعل معنی کے اعتبار سے ہے کہ نہیں ہے؟ فعل معنی کے اعتبار سے، یہاں عاملِ لفظی پر عمل ہو ہی نہیں سکتا تو پھر کیونکہ عطف جائز نہیں، تو پھر عاملِ معنوی کی طرف مجبوری ہے جانا پڑے گا، اور بہر حال عاملِ معنوی موجود تو ہے، لہٰذا «زَيْدًا» کو منصوب پڑھو اور اس کے اندر عامل کون ہے؟ وہ معنیٰ فعل ہے۔ بات سمجھ بھی آئی کہ ساری اوپر سے گزر گئی؟ نہیں سمجھ میں آئی؟ پھر سنو۔ یہ زید کا عطف کاف ضمیر پر ہو سکتا ہے؟ کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیونکہ کاف ضمیر جزوِ کلمہ کی طرح ہے، اور جزوِ کلمہ پر عطف نہیں ہوتا، پورے کلمے پر عطف ہوتا ہے۔ جب عطف نہیں جائز تو پھر کیا بناؤ؟ مفعول معہ بناؤ، اور کوئی اب صورت ہی نہیں۔ کیونکہ مفعول معہ بنائیں گے تو فعل معنی کے اعتبار سے یہاں موجود ہے، کیونکہ «مَا لَكَ وَزَيْدًا» اس کا کیا معنی ہے؟ آپ اور زید کیا کر رہے ہو؟ تو «تَصْنَعُ» فعل یہاں موجود ہے، اس کا معنی موجود ہے، آپ اور زید کیا کر رہے ہو؟ تو فعل موجود ہے، تو اب جب لفظی عامل نہیں ہو سکتا یہاں تو معنوی عامل پر تو کم از کم عمل کرنا پڑے گا اور تو کوئی صورت تیسری نہیں۔ یہ معنی ہے: «وَإِنْ لَمْ يَجُزِ الْعَطْفُ تَعَيَّنَ النَّصْبُ»، اور اگر عطف جائز نہ ہو تو نصب ہی متعین ہے۔ «نَحْوُ: مَا لَكَ وَزَيْدًا»، اسی طرح

«وَمَا شَأْنُكَ وَعَمْرًا»، یعنی تمہاری اور عمرو کی کیا حالت ہے یا تم اور عمرو کیا کر رہے ہو؟ «لِأَنَّ الْمَعْنَى مَا تَصْنَعُ»، اس لیے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے: «مَا تَصْنَعُ»، آپ کیا کر رہے ہیں۔ وہی فعل کا معنی بتا دیا جو میں ابھی تک آپ کو بتلا رہا تھا۔

تو «مَا شَأْنُكَ وَعَمْرًا»، اس میں بھی دیکھیں عمرو کا عطف کرنا چاہتے ہیں «شَأْنُكَ»، ہاں «شَأْنُكَ»، یہ آپس میں کیا بن رہے ہیں؟ «شَأْنُكَ»، شان کا معنی حال، حالت بھئی۔ «شَأْنُكَ» یہ آپس میں کیا بن رہے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ، کیونکہ شان اسم ہے اور جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ معلوم ہوا کاف ضمیر مضاف الیہ ہے، مجرور ہے، معلوم ہوا یہ مجرور متصل ہے۔ پہلی مثال تھی «لَكَ»، مجرور متصل ضمیر آئی تھی حرف کے ساتھ جڑی ہوئی، لام جارہ کے ساتھ، اب «شَأْنُكَ» میں کاف ضمیر مضاف الیہ ہے یعنی اسم کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ معلوم ہوا مجرور متصل ضمیر حرف کے ساتھ بھی جڑ سکتی ہے، حرفِ جر کے ساتھ، اور اسم کے ساتھ بھی مضاف الیہ ہو کر آسکتی ہے۔ تو یہاں پر بھی آپ عمرو کا عطف کس پر کرنا چاہتے ہیں؟ کاف ضمیر پر، اور یہ جائز نہیں ہے۔ کیوں نہیں جائز؟ کیونکہ یہ جزوِ کلمہ کی طرح ہے، اور جزوِ کلمہ پر تو عطف جائز نہیں۔ تو پھر دوسری صورت کیا ہے؟ اس پر نصب پڑھیں گے، اس کو مفعول معہ ہی بنائیں گے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی۔ تو «مَا لَكَ وَزَيْدًا» اور «مَا شَأْنُكَ وَعَمْرًا»، معنی سب کا ایک ہی ہے، تمہیں اور زید کو کیا ہوا یا تم اور زید کیا کر رہے ہو۔ «لِأَنَّ الْمَعْنَى مَا تَصْنَعُ»، اس لیے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے: «مَا تَصْنَعُ»، آپ کیا کر رہے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے: «مَا شَأْنُكَ وَعَمْرًا»، عمرو کا عطف کاف ضمیر پر نہیں کر سکتے، توجہ ہے؟ تو سوال پیدا ہوتا ہے پھر کاف ضمیر پہ عطف نہ کرو، شان پہ عطف کر دو! کس پہ عطف کر دو؟ شان پہ عطف کر دو! کہتے ہیں: نہیں بھئی، اس پہ عطف کریں گے تو معنی ہی خراب ہو جائے گا۔ بات ایک پوچھی جا رہی ہے، اس کی صورت ہی بدل جائے گی، کیونکہ شان کا کیا معنی ہے؟ حال۔ تو میں پوچھنا یہ چاہتا ہوں: «مَا شَأْنُكَ وَشَأْنُ عَمْرٍو»، آپ کا اور عمرو کا کیا حال ہے یعنی آپ دونوں کیا کر رہے ہو؟ اور اگر شان پر عطف کریں تو پھر یوں کلام بن جائے گا: «مَا شَأْنُكَ وَمَا عَمْرٌو»۔ بھئی یہ جو معطوف ہوتا ہے نا، معطوف علیہ کو اٹھا کر اس کی جگہ معطوف رکھ دیتے ہیں۔ کس کو؟ معطوف علیہ کو اٹھا کر اس کی جگہ معطوف رکھ دیتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»، یہ عمرو کا عطف کس پر ہے؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»، یہ عمرو کا عطف کس پر ہے؟ زید پر۔ تو یہ زید کو اٹھاؤ اور اس کی جگہ عمرو رکھ دو: «جَاءَنِي عَمْرٌو»۔ پہلا کیا تھا؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ»، زید بھی آیا، اور اب عمرو بھی رکھو وہاں پہ: «جَاءَنِي عَمْرٌو»، میرے پاس کون آیا؟ عمرو۔ تو دیکھا دونوں مجیئت میں شریک ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو معطوف کو اٹھا کر کہاں رکھ دیتے ہیں؟ معطوف علیہ کی جگہ پر، اور پھر ترجمہ واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً اب یہاں پر دیکھیے: «مَا شَأْنُكَ وَعَمْرًا»، میں عمرو کا عطف کرنا چاہتا ہوں کس پر؟ کاف پر۔ تو کلام یوں ہو گا، کاف کو ہٹاؤ اس کی جگہ ذرا عمرو رکھ دو: «شَأْنُ عَمْرٍو»، «مَا شَأْنُكَ وَمَا شَأْنُ عَمْرٍو»، آپ کی کیا شان ہے اور عمرو کی کیا شان ہے، یعنی آپ کی کیا حالت ہے، آپ اور عمرو دونوں کی کیا حالت ہے یعنی آپ دونوں کیا کر رہے ہو۔ تو ہم عمرو کا عطف کاف پہ کرنا چاہتے ہیں پھر معنی صحیح بنتا ہے، لیکن یہاں عطف جائز نہیں تو پھر مفعول معہ بنانا پڑا۔ اشکال آپ نے یہ کیا کہ یہ عمرو کا عطف آپ شان پہ کر دیں، ہم کہتے ہیں شان پہ کریں گے تو معنی ہی خراب ہو جائے گا، کس طرح؟ معطوف کو اٹھا کر ذرا معطوف علیہ کی جگہ رکھ دو، پہلا جب سوال کیا ہوا: «مَا شَأْنُكَ»، آپ کا کیا حال ہے؟ اور دوسرا معطوف کو اب لے کر آؤ، «شَأْنُكَ» اٹھائیں اور اس کی جگہ عمرو رکھ دیں: «مَا عَمْرٌو»، عمرو کون ہے؟ «مَا شَأْنُكَ»، آپ کا کیا حال ہے، «وَمَا عَمْرٌو»، اور عمرو کون ہے؟ سوال ہی بدل گیا۔ میں ایک کی حالت پوچھ رہا ہوں اور دوسرے کے بارے میں پوچھ رہا ہوں وہ کون ہے، حالانکہ یہ تو مقصد ہی نہیں۔ عرب یہ کلام اس طرح کرتے ہی نہیں، وہ کس موقع پر کرتے ہیں؟ جب دونوں کی حالت پوچھنی ہو: «مَا شَأْنُكَ وَعَمْرًا»، آپ اور عمرو دونوں کی کیا حالت ہے، کیا شان ہے، دونوں کیا کر رہے ہو؟ تو اس موقع پر عرب کہتے ہیں: «مَا شَأْنُكَ وَعَمْرًا»۔ اور اگر آپ کی بات مان لی جائے اور عمرو کا عطف کس پر مان لیا جائے؟ شان، تو پھر تو معنی یہ ہو جائے گا: آپ کی کیا شان ہے یعنی آپ کا کیا حال ہے، اور دوسری بات کیا ہو گی؟ عمرو کی حالت نہیں پوچھ رہے، عمرو کے بارے میں ہی پوچھ رہے ہیں کہ عمرو کون ہے؟ تو معنی خراب ہو گیا یا نہیں؟ عرب اس معنی کا ارادہ نہیں کرتے اس کلام کے ذریعے، بلکہ یہاں مقصد کیا ہوتا ہے؟ دونوں کی حالت پوچھنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟

سبق مکمل ہوا، اب صرف خلاصۂ کلام سمجھ لیں۔ آج آپ نے مفعول معہ کے بارے میں پڑھا کہ مفعول معہ وہ اسم ہے جو اس واؤ کے بعد آئے جو کس معنی میں ہوتا ہے؟ «مَعَ» کے معنی میں ہوتا ہے، اور اس کو اس واؤ کے بعد کیوں ذکر کرتے ہیں؟ کہ یہ بتلانے کے لیے کہ یہ معمولِ فعل کا مصاحب ہے، یعنی اس کے ساتھ ایک ہی زمانے میں یہ فعل کرنے والا ہے۔ اور اس میں پھر چار صورتیں بنتی تھیں: یا تو فعل لفظوں میں ہو گا یا فعل لفظوں میں نہیں ہو گا معنی کے اعتبار سے ہو گا۔ اگر فعل لفظوں میں ہے تو پھر دو صورتیں ہیں: یا عطف جائز ہو گا یا عطف جائز نہیں ہو گا۔ فعل اگر لفظوں میں ہو اور عطف بھی جائز ہو تو پھر دونوں وجہیں پڑھنا جائز، آپ عطف بھی کر سکتے ہیں اور آپ، یہ آپ یعنی یوں کہیں رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب یعنی مفعول معہ بھی اس کو بنا سکتے ہیں۔ اور اگر فعل

تو لفظوں میں ہے لیکن عطف جائز نہیں، پھر نصب ہی پڑھیں گے، مفعول معہ ہی بنائیں گے۔ تیسری صورت: فعل لفظوں میں نہیں ہے اور عطف جائز ہے، تو پھر عطف ہی کریں گے۔ اور چوتھی صورت: فعل لفظوں میں نہیں ہے اور عطف بھی جائز نہیں ہے، تو پھر نصب ہی پڑھیں گے اور مفعول معہ ہی بنائیں گے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

▪ قولہ: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ» کی تشریح

«جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ»، کیا معنی؟ میں اور زید آئے۔ «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا»، میں زید کے ساتھ آیا۔ اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۶۰: فصل الحال: حال اور ذوالحال کی تعریف، شرائط اور اقسام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۴۱—بتاریخ: ۲۸ فروری ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلْحَالُ: لَفْظٌ يَدُلُّ عَلَىٰ بَيَانِ هَيْئَةِ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ أَوْ كِلَيْهِمَا، نَحْوُ: جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا وَضَرَبْتُ زَيْدًا مَشْدُودًا وَلَقِيتُ عَمْرًا رَاكِبَيْنِ، وَقَدْ يَكُونُ الْفَاعِلُ مَعْنَوِيًّا نَحْوُ: زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا؛ لِأَنَّ مَعْنَاهُ زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ قَائِمًا.

گزشتہ سبق میں ہم نے مفعول معہ کے بارے میں پڑھا تھا، اور آپ نے پڑھا کہ مفعول معہ اس اسم کا نام ہے جو واؤ بمعنیٰ مع کے بعد ذکر کیا جاتا ہے، یہ بتلانے کے لیے کہ یہ اسم جو ہے مصاحب ہے معمولِ فعل کا۔ یعنی یہ بھی اس کے ساتھ اس فعل کے کرنے میں شریک ہے ایک ہی زمانے کے اندر۔ تو ایک ہے عطف اور ایک ہے مفعول معہ بھائی۔ عطف میں مثلاً میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»، «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو» تو معنیٰ اس کا یہ ہے کہ میرے پاس زید بھی آیا ہے اور میرے پاس عمرو بھی آیا ہے۔

لیکن یہ تفصیل نہیں کہ دونوں اکٹھے آئے ہیں یا علیحدہ علیحدہ آئے ہیں، اور یہ تمام صورتوں کو شامل ہوا۔ مثلاً میرے پاس زید اور عمرو اکٹھے آئے تھے، تب بھی میرا یہ کلام صحیح ہے، میں کہہ سکتا ہوں «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»۔ کیونکہ دونوں آئے ہیں یا نہیں آئے؟ میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں۔ زید میرے پاس آج آیا ہے، عمرو میرے پاس ایک مہینہ پہلے آیا تھا، میں پھر بھی کہہ سکتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»، میرے پاس زید اور عمرو آئے۔ آیا زید بھی ہے اور آیا عمرو بھی ہے۔ میں نے تو اکٹھے آنے یا علیحدہ آنے کی کوئی بات نہیں کی، لیکن یہ سب صورتیں اس کے اندر شامل ہیں۔ آپ خود غور کر لیں، آپ جو بھی صورت ذکر کریں گے آپ دیکھیں گے آپ کا کلام صادق ہے۔ مثلاً زید اور عمرو اکٹھے آئے تھے، تب بھی میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»، میرے پاس زید اور عمرو آئے، بالکل صحیح کلام ہے۔ الگ الگ آئے تھے، لیکن میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»، میرے پاس زید اور عمرو آئے، میرا کلام صحیح۔ جملے میں زید دیکھو پہلے اور عمرو بعد میں، اگرچہ واقع میں اس کے برعکس ہوا تھا، عمرو پہلے آیا تھا اور زید بعد میں، پھر بھی میرا کلام صحیح ہے، میں کہہ سکتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو» کہ میرے پاس زید اور عمرو آئے۔ میں نے تو یہ نہیں کہا کہ کون پہلے آیا، کون بعد میں، میں نے تو صرف اتنا بتایا کہ میرے پاس زید اور عمرو آئے تھے۔

تو معلوم ہوا عطف وہ کوئی تفصیل نہیں بیان کرتا، وہ تمام صورتوں کو شامل ہو جاتا ہے، اور عطف بھی جب واؤ کے ساتھ ہو، کس کے ساتھ؟ واؤ کے ساتھ۔ تو یعنی واؤ مطلقِ جمع کا فائدہ دیتا ہے، یعنی وہ معطوف علیہ کے ساتھ معطوف کو جمع کر دیتا ہے۔ کس چیز میں؟ اس فعل کے کرنے میں جو ماقبل میں فعل ہے، اس فعل کے اندر اس کو شریک کر دیتا ہے۔ جبکہ مفعول معہ جو ہے وہ مصاحبت کا فائدہ دیتا ہے، یعنی ایک زمانہ ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔

مثلاً میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا»، یہ «عَمْرًا» کو میں نے کیا بنایا؟ مفعول معہ۔ اب اس جملے کا معنیٰ یہ ہے کہ میرے پاس زید عمرو کے ساتھ آیا، یعنی دونوں اکٹھے آئے ہیں۔ اب زید آج آیا ہو اور عمرو ایک مہینہ پہلے آیا تھا تو پھر میرا یہ کلام نہیں صحیح بھائی۔ میرا کلام تو یہ بتلا رہا ہے کہ دونوں اکٹھے آئے ہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو لہٰذا جب آپ کا مقصد یہ اکٹھا ہونا بیان کرنا ہو، کہ دوسرے کو اکٹھے ہونے کا معنیٰ بھی سمجھ میں آجائے، تو پھر آپ مفعول معہ بنائیں گے۔ اور اگر آپ یہ نہیں بتلانا چاہتے، مطلقاً کلام کرنا چاہتے ہیں کہ جس میں دونوں شامل تو ہیں لیکن تفصیل نہ ہو، تو وہاں پھر آپ عطف والی صورت اختیار کریں گے۔ اور پھر آپ نے پڑھا تھا یہاں چار صورتیں ہیں: کہ بعض اوقات فعل لفظوں میں ہو گا، اور کبھی فعل لفظوں میں تو نہیں لیکن معنیٰ کے اعتبار سے ہو گا۔ جب فعل لفظوں کے اعتبار سے ہو اور پھر عطف جائز ہو گا یا عطف جائز نہیں؟ اگر فعل لفظوں میں ہو اور عطف بھی جائز ہو، پھر دونوں صورتیں جائز ہیں۔ جب عطف جائز ہے آپ چاہیں عطف کر لیں، اور فعل جب لفظوں میں ہے تو آپ مفعول معہ بھی بنا سکتے ہیں، یعنی رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی۔ اور اگر فعل تو لفظوں میں ہے لیکن عطف جائز نہیں، جب عطف نہیں جائز تو پھر کیا بنائیں گے؟ مفعول معہ ہی بنائیں گے، یعنی نصب ہی پڑھیں گے۔ اور اگر فعل معنیٰ کے اعتبار سے ہے، پھر دو صورتیں ہیں کہ عطف جائز ہو گا یا عطف جائز نہیں؟ اگر عطف جائز نہیں تو پھر یہاں مفعول معہ ہی بنائیں گے، اور اگر عطف جائز ہے تو پھر عطف ہی کریں گے، مفعول معہ یعنی عاملِ معنوی کی طرف نہیں جائیں گے بلکہ کس پر عمل کریں گے؟ عاملِ لفظی پر بھائی۔

تو یہ تفصیلاً یہ بات گزر بھی گئی تھی اور مثالیں بھی ذکر ہو گئی تھیں، خلاصہ میں نے دوبارہ ذکر کر دیا۔ اب آیئے اگلے سبق کی طرف: فَصْلٌ: اَلْحَالُ: لَفْظٌ يَدُلُّ عَلَىٰ بَيَانِ هَيْئَةِ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ أَوْ كِلَيْهِمَا. آج ہم حال کے بارے میں پڑھیں گے۔ منصوبات میں سے ایک حال ہے۔ حال، جب کسی لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ حال بن رہا ہے، یا کسی جملے کے بارے میں آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ حال بن رہا ہے، تو ساتھ ہی دوسری بات کا بھی فوراً آپ کو پتہ چل جانا چاہیے کہ اس پر کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ نصب پڑھنا ہے اگر یہ معرب ہے۔ اور اگر یہ مبنی ہے یا جملہ ہے تو پھر یہ محلاً منصوب ہے بھائی، محلاً منصوب۔

تو اب حال کہتے کسے ہیں؟ یاد رکھیے بھائی! حال وہ لفظ ہے جو فاعل یا مفعول یا دونوں کی حالت بیان کرے۔ حال کا لفظ ہی بتلا رہا ہے، حال حالت سے ہے، کیا کرتا ہے؟ ان کی حالت بیان کرتا ہے۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں: زید میرے پاس آیا اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ یعنی آتے ہوئے اس کی کیا حالت تھی؟ پیدل نہیں تھا بلکہ سواری کی حالت میں تھا۔ تو میں کہوں گا: «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»، «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»۔ «جَاءَنِي» آیا میرے پاس، کون؟ «زَيْدٌ»، اور آگے «رَاكِبًا» اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔

لیکن پھر یاد رکھو اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے عموماً «اس حال میں کہ وہ سوار تھا» یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ عام بامحاورہ کلام میں آپ کو یوں کبھی سننے کو ملے گا بھی نہیں: آیا زید میرے پاس اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ ہاں، بلکہ جب اردو میں کلام کرتے ہیں تو یوں کہیں گے: زید میرے پاس سوار ہو کر آیا۔ زید میرے پاس سوار ہو کر آیا، دیکھا؟ وہی معنیٰ ہے۔ لیکن اسی کو جب آپ عربی میں بیان کریں گے، کیسے بیان کریں گے؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»، اور اس کا لفظی ترجمہ کریں گے تو یوں کریں گے: زید میرے پاس آیا اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ اور کوئی آپ کو کہتا ہے اس کا بامحاورہ ترجمہ کرو، تو پھر وہ جو حال تھا وہ درمیان میں لے جائیں گے: زید میرے پاس سوار ہو کر آیا، یا سواری کرتے ہوئے آیا، دیکھا؟ تو یہ اس جملے کے بیچ میں لے جائیں گے۔ طریقہ آ گیا بھائی؟ تو بہر حال جس طرح آپ کو پسند آئے، آپ جس طرح ترجمہ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔

تو حال جو ہے وہ فاعل کی بھی حالت بیان کرنے کے لیے آتا ہے، کبھی وہ مفعول بہ کی حالت بیان کرنے کے لیے آئے گا، مفعول بہ کی، مثلاً: «رَأَيْتُ زَيْدًا رَاكِبًا»، میں نے دیکھا زید کو اس حال میں کہ وہ سوار تھا، یا بامحاورہ کیا ترجمہ کریں گے؟ میں نے زید کو سواری کرتے ہوئے دیکھا، یا اس جیسا اور بھی جو مناسب آپ کو لگے بھائی۔

اب دیکھیے، آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا: «رَأَيْتُ زَيْدًا رَاكِبًا»، «زَيْدًا» بھی منصوب، «رَاكِبًا» بھی منصوب۔ سوال: میں نے زید کو ذوالحال بنایا اور «رَاكِبًا» کو کیا بنایا؟ حال بنایا۔ سوال یہ موصوف صفت کیوں نہیں بنایا؟ حالانکہ دونوں منصوب ہیں، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، لیکن میں کیا بنا رہا ہوں؟ ایک کو ذوالحال ایک کو حال۔ جی، کوئی اشکال کرتا ہے آپ کیا جواب دیں گے؟ صفت بھی تو حالت بیان کرتی ہے: «رَأَيْتُ زَيْدًا رَاكِبًا»۔ آپ ترکیب کرتے ہیں۔ چلیے پہلے ذرا ترکیب کر لیں، دوبارہ دیکھتے ہیں بھائی۔

پہلا جملہ کیا تھا؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»، جی ترکیب کیجیے: «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر اعراب بھائی۔ آیا کون؟ زید، اور کس کے پاس آیا؟ میرے پاس، تو یہ مفعول بہ بنے گی ضمیر۔ تو «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل، فاعل ہے، لیکن پہلے آگے حال کو بھی جوڑنا ہے تو ہمارے ہاں جب ترکیب کرواتے ہیں پھر پہلے باقیوں کو جوڑتے ہیں پھر بتاتے ہیں یہ فاعل ہے۔ حالانکہ بات ایک ہی ہے۔ آپ چاہیں یوں کہہ دیں: یہ زید کیا ہے؟ فاعل، اور «رَاكِبًا» اس سے کیا ہے؟ حال ہے۔ لیکن جیسے یہاں رائج ہے طریقہ چلیں اسی طرح کر لیں بھائی: «جَاءَ» فعل، نون وقایہ کا، یا

ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «زَیْدٌ» مرفوع لفظاً ذوالحال، ہے تو فاعل ہی لیکن فاعل ملا کے پھر کہتے ہیں دونوں کو، تو ذوالحال ہوا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ کیونکہ رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ آگے: «رَاکِبًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اب بتایئے منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ حال ہے، اور حال کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ اچھا، لفظاً کیوں؟ کیونکہ نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ آگے کیجیے: منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، «ھُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ اسمِ فاعل کے لیے فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے مبنی ہے۔ جی آگے! جلدی جلدی کیجیے بھائی، اب تو ترکیب کے ماہر ہیں آپ! ہاں شاباش! یہ ضمیر جب بھی غائب کی ضمیر ہے اس کا مرجع تلاش کیا کریں، عبارت اس سے حل ہوتی ہے۔ اور یہ «رَاکِبًا» نے کیا بننا ہے؟ یہ کیا ہے؟ یہ حال ہے، اور حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے۔ ویسے بھی آپ معنیٰ میں بھی غور کر لیں: راکب، سوار، کون ہے سوار؟ زید۔ دیکھا؟ معلوم ہوا یہ «ھُوَ» زید کو جانی چاہیے، اس کی طرف لوٹنی چاہیے، راکب کون ہے؟ سوار۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو وہ جو لفظ ہوا کرے اسی پہ آپ غور کر لیا کریں، یہ لفظ کس کی صفت ہے؟ یہ راکب کون ہے؟ معلوم ہوا وہ زید ہے راکب، تو لہٰذا اسی کی طرف ضمیر لوٹے گی، اسی کی صفت ہے یہ۔ تو «رَاکِبًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، «ھُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید یعنی ذوالحال کو۔ بلکہ یہ بھی نہ کہیں زید، بس یوں کہیں: ذوالحال کو لوٹ رہی ہے، ذوالحال جو بھی ہے ہمیں اس سے غرض نہیں۔ کس کو لوٹ رہی ہے؟ ہاں ذوالحال کو لوٹ رہی ہے۔ ہاں ذوالحال اور یعنی ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہونی چاہیے بھائی۔ یہ بتانے کی نہیں ضرورت وہ کون ہے کون نہیں، بس اتنا کہہ دیں یہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ ذوالحال کو، اگرچہ وہی زید ہے۔

بعض اوقات اشکال پڑے گا اس لیے میں کہہ رہا ہوں کہ یہ تعبیر کر لیں، زیادہ عام ہے۔ بہر حال جو بھی آپ تعبیر اختیار کر لیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «جَاءَ رَاکِبًا»، «جَاءَ» فعل، «ھُوَ» ضمیر اس کے اندر ذوالحال ہے، اور آگے «رَاکِبًا» اس سے کیا ہے؟ حال، اور حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے، تو معلوم ہوا «رَاکِبًا» کے اندر «ھُوَ» ضمیر کس کو لوٹے گی؟ کون ہے ماقبل میں ذوالحال؟ توجہ ہے سبق کی طرف؟ چلو پہلے وہ ترکیب پوری کریں جو ابھی ہم کر رہے تھے۔ اچھا، «رَاکِبًا» کے اندر «ھُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ زید کو، یا یوں کہیں کس کو راجع؟ ذوالحال کو۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اسمِ فاعل کو بھی سمیٹنا ہے، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ «جَاءَ» فعل کے لیے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ہمارے ہاں یہ طریقہ رائج ہے، یہ مل کر یہ فاعل ہوا، حالانکہ فاعل صرف کون ہے؟ صرف زید ہے، اور «رَاکِبًا» کیا ہے؟ حال ہے۔ «جَاءَنِي زَیْدٌ رَاکِبًا» تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ کیونکہ حال کو تو ہم نے کس سے جوڑ دیا تھا؟ ذوالحال سے، اور وہ پھر کیا بن گیا تھا؟ فاعل۔ تو ماقبل میں ایک صرف فعل تھا، اس کا مفعول گزرا تھا، اب یہ فاعل بھی آگیا، تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

اچھا، بیان میں یہ کر رہا تھا کہ حال کے اندر جو ضمیر ہے اس کو کس کی طرف لوٹاتے ہیں؟ ذوالحال کی طرف۔ تو تعبیر یہ ہے کہ آپ اس کا نام نہ ذکر کریں کہ وہ زید ہے، عمرو ہے، بکر ہے یا کون ہے، بلکہ کیا کہیں؟ یہ ضمیر لوٹ رہی ہے ذوالحال کو۔ اگرچہ آپ یہ کہہ دیں زید کو لوٹ رہی ہے، بات آپ کی پھر بھی صحیح، لیکن بعض اوقات اشتباہ ہو گا، اشتباہ ہو گا۔ تو کم از کم پھر وہاں پر آپ یہ تعبیر اختیار کر لیں تو اشتباہ بھی نہیں ہو گا۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: «جَاءَ رَاکِبًا»، «جَاءَ رَاکِبًا» جی، «جَاءَ» کے بعد تو زید نہیں آیا، اور «جَاءَ» تو فعل ہے اور ہر فعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب الفاعل ضرور چاہیے، یہ فعلِ معروف ہے، فعلِ معروف کے لیے تو فاعل چاہیے ہوتا ہے، اس کے لیے فاعل چاہیے ہوتا ہے، اور تو اس کے لیے تو کوئی فاعل نہیں آرہا؟ فاعل تو مرفوع ہوتا ہے، آگے تو «رَاکِبًا» کیا آرہا ہے؟ منصوب، پھر کیا کریں گے؟ اسی «جَاءَ» کے اندر فاعل کی ضمیر ہو گی، فاعل کی ضمیر، کیونکہ پہلا صیغہ غائب کا ہے تو اس کے اندر ضمیر ہو گی، اور کون سی ضمیر؟ «ھُوَ» ضمیر۔ اور آگے «رَاکِبًا» کو اسی سے کیا بنائیں گے؟ حال۔ تو کیسے ترکیب ہو گی؟ «جَاءَ» فعل، «ھُوَ» ضمیر اس کے اندر، اعراب سب سے پہلے ہم اعراب حل کر رہے ہیں بھائی، مرفوع محلاً ذوالحال۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ ذوالحال ہے؟ کیونکہ آگے حال آرہا ہے اور اس کی ہیئت بیان کر رہا ہے، اور مفعول وغیرہ تو یہاں کوئی ہے نہیں، اور حال کس کی ہیئت بیان کرتا ہے؟ فاعل کی یا مفعول کی۔ تو «ھُوَ» ضمیر ذوالحال۔ آگے کیجیے ترکیب: «رَاکِبًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «ھُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ ذوالحال کو۔ ہاں اب دیکھا، اب آپ کہیں نہ «ھُوَ» ضمیر لوٹ رہی ہے «ھُوَ» ضمیر کو، تو سننے والا کہے گا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ حالانکہ بات آپ کی بالکل ٹھیک ہے، تو اس کے بجائے تعبیر ہی دوسری اختیار کر لیں۔ کہیں: «ھُوَ» ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ ذوالحال کو، اور ذوالحال وہی «ھُوَ» ہی ہے لیکن آپ نے صرف لفظ بدل لیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر فاعل ہوا، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ کہ نہیں سمجھ میں آئی؟ «جَاءَ رَاکِبًا»، کیا ترکیب ہوئی؟ «رَاکِبًا» کی کیا

ترکیب ہوئی؟ «رَاكِبًا» صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال جو «هُوَ» تھا، ذوالحال اپنے حال سے مل کر فاعل، تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

تو بات چل رہی ہے حال کی، انہوں نے آپ کو یہ آپ کو بتلائیں گے کہ حال وہ لفظ ہے جو فاعل کی حالت بیان کرے، یا مفعول کی حالت بیان کرے، یا دونوں کی حالت بیان کرے۔ میں نے ایک مثال ذکر کر دی: «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»، یہ «رَاكِبًا» کس کی حالت بیان کر رہا ہے؟ فاعل کی۔ دوسری مثال میں نے ذکر کی: «رَأَيْتُ زَيْدًا رَاكِبًا»، یہ «رَاكِبًا» کس کی حالت بیان کر رہا ہے؟ مفعول کی، مفعول بہ کی۔ ہاں آپ اس کو فاعل سے بھی حال بنا سکتے ہیں: «رَأَيْتُ» میں نے دیکھا زید کو، «رَاكِبًا» اس حال میں کہ میں سوار تھا۔ یہ «رَاكِبًا» کو کس سے حال بنا دیں؟ فاعل سے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو موقع محل کے مطابق ہوتا ہے۔

تو حال کبھی فاعل کی حالت بیان کرتا ہے، کبھی مفعول کی، اور کبھی دونوں کی حالت بیان کرتا ہے۔ مثلاً: «رَأَيْتُ زَيْدًا رَاكِبَيْنِ»، یہ مثال آگے آئے گی: «رَأَيْتُ زَيْدًا رَاكِبَيْنِ»، یہ «رَاكِبَيْنِ» دیکھیں، یہ حال ہے اور تثنیہ ہے۔ تثنیہ کیا تھا؟ راکب کے آخر میں کیا ملا دو؟ الف نون: «رَاكِبَانِ»، یہ حالتِ رفعی میں ہو گا، اور نصبی جری میں «رَاكِبَيْنِ»، اور حال بھی کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تو کس طرح پڑھیں گے؟ «رَاكِبَيْنِ»۔ اور ما قبل میں جملہ کیا تھا؟ «رَأَيْتُ زَيْدًا»، آگے «رَاكِبَيْنِ»۔ تو کس طرح ہو گی ترکیب؟ «رَأَيْتُ» فعل بافاعل اور تا ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً یہ کیا ہے؟ فاعل، لیکن پہلے کیا بنالو؟ ذوالحال کیونکہ آگے حال آرہا ہے۔ اور آگے «زَيْدًا» منصوب لفظاً مفعول ہے، اور اس کو بھی کیا بناؤ؟ ذوالحال۔ آگے: «رَاكِبَيْنِ»، «رَاكِبَيْنِ» منصوب لفظاً ہے یا تقدیراً ہے؟ تو «رَاكِبَيْنِ» یہ کیا ہے؟ منصوب ہے، اور منصوب کون سا لفظاً ہے یا تقدیراً ہے؟ لفظاً ہے بھائی۔ منصوب لفظاً کیسے؟ «رَاكِبَيْنِ» نون کے نیچے تو میں کسرہ پڑھ رہا ہوں؟ یہ اس کی حرکت ہے اور یہ تثنیہ کا اعراب، نصب کس کے ساتھ آتا ہے؟ یا کے ساتھ، اور اس یا پر ہم اس وقت تلفظ کر رہے ہیں: «رَاكِبَيْنِ»۔ تو «رَاكِبَيْنِ» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اور اس کے اندر «هُمَا» تثنیہ ہے نا تو تثنیہ والی ضمیر، اس کے اندر «هُمَا» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع کس کو لوٹ رہی ہے؟ ما قبل میں جو فاعل اور مفعول آئے، جو ذوالحال گزرے ہیں، کیا تھا جملہ؟ «رَأَيْتُ زَيْدًا رَاكِبَيْنِ» تو یہ «رَأَيْتُ» میں جو «تُ» یعنی متکلم کی ضمیر ہے اور آگے زید جو مفعول ہے تو یہ «هُمَا» ضمیر ان دونوں کی طرف لوٹ رہی ہے بھائی۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، اور ذوالحال اپنے حال سے مل کر ایک فاعل بن رہا ہے اور ایک مفعول، اور فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

اچھا میں نے آپ سے سوال یہ کیا تھا شروع میں: «رَأَيْتُ زَيْدًا رَاكِبًا»، آپ نے ابھی ترکیب کی تھی: «رَأَيْتُ» فعل بافاعل، «زَيْدًا» کیا ہے؟ ذوالحال، اور «رَاكِبًا» کو اس سے کیا بنایا تھا؟ حال۔ سوال یہ کہ «زَيْدًا» کو موصوف اور «رَاكِبًا» کو اس کی صفت کیوں نہیں بناتے؟ دونوں منصوب ہیں، دونوں کا اعراب ایک ہے، اور موصوف صفت کا اعراب بھی ایک ہوتا ہے۔ تو کیا جواب دیں گے اگر کوئی اشکال کرے؟ بھائی، موصوف صفت کا اعراب بھی ایک ہوتا ہے، اور نیز تعریف و تنکیر میں بھی ایک جیسے ہوتے ہیں۔ موصوف معرفہ ہو تو صفت بھی معرفہ، موصوف اگر نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ۔ اور یہاں زید معرفہ ہے، علم ہے، اور راکب؟ راکب، یہ نکرہ ہے، یہ ضمیر ہے کوئی؟ یہ ضمیر بھی نہیں، یہ اسمِ اشارہ بھی نہیں ہے، یہ اسمِ موصول بھی نہیں ہے، یہ کسی کا نام بھی نہیں، علم بھی نہیں ہے، اور یہ اس پر الف لام بھی نہیں داخل، اور ان میں سے کسی کی طرف یہ مضاف بھی نہیں۔ تو یہ نکرہ ہے، جب یہ نکرہ ہے تو لہٰذا یہ صفت نہیں بن سکتا۔ تو اس کو پھر کیا بنائیں گے؟ حال: «رَأَيْتُ زَيْدًا رَاكِبًا»۔

اور یہ بھی یاد رکھیں، یہ آگے چل کر آپ کو بتائیں گے کہ ذوالحال عموماً معرفہ ہوتا ہے اور حال عموماً نکرہ ہوتا ہے۔ حال کیا ہوتا ہے؟ نکرہ ہوتا ہے۔ اور اگر کبھی حال معرفہ کی صورت میں آ بھی جائے تو بھی اس میں تاویل کر کے اس کو نکرہ بنا لیتے ہیں۔ اگر حال کس شکل میں آجائے؟ معرفہ کی شکل میں آ بھی جائے، تو اس کو بھی تاویل کر کے نکرہ بنا لیتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَحْدَهُ»، آیا میرے پاس زید «وَحْدَهُ» اس حال میں کہ وہ اکیلا تھا۔ تو یہ «وَحْدَهُ»، «وَحْدَ» مضاف، «هُ» ضمیر مضاف الیہ، اور «هُ» ضمیر کیا ہے؟ معرفہ ہے۔ اور معرفہ کی طرف جو لفظ مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ، تو معلوم ہوا یہ «وَحْدَهُ» بھی کیا ہے اس وقت؟ معرفہ ہے، تو یہ حال معرفہ آیا۔ تو اس میں پھر تاویل کر کے علمائے نحو فرماتے ہیں کہ یہ «مُنْفَرِدًا» کے معنیٰ میں ہے۔ «وَحْدَهُ» کا معنیٰ بھی اکیلا، «مُنْفَرِدًا» کا معنیٰ بھی اکیلا۔ تو یہ «وَحْدَهُ» کس معنیٰ میں ہے؟ «مُنْفَرِدًا» کے معنیٰ میں ہے، حال ہے، اور حال تو نکرہ ہوتا ہے، تو تاویل کر کے انہوں نے اس کو نکرہ بنا لیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے کتاب پر بھائی: فَصْلٌ: أَيْ هٰذَا فَصْلٌ، یہ فصل ہے۔ اَلْحَالُ: لَفْظٌ: حال ایسا لفظ ہے، دیکھو «لفظ» نکرہ ہے، نکرہ کے بعد «يَدُلُّ»

فعل آیا، اور میں نے بتایا تھا نکرہ کے بعد فعل آجائے یا جار مجرور آجائے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتے ہیں؟ صفت۔ اور جبکہ معرفہ کے بعد اگر فعل آجائے یا جار مجرور آجائیں تو وہ عموماً اس سے حال بنتے ہیں، کیا بنتے ہیں؟ حال۔ تو یہ نکرہ کے بعد آئے تو صفت بنے گی، اور موصوف صفت کے ترجمے کا کیا طریقہ ہے؟ نکرہ میں موصوف سے پہلے کیا لفظ لے آؤ؟ «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ۔ تو کہتے ہیں: «اَلْحَالُ: لَفْظٌ» حال ایسا لفظ ہے، «يَدُلُّ عَلَىٰ بَيَانِ هَيْئَةِ الْفَاعِلِ» جو دلالت کرتا ہے فاعل کی ہیئت کے بیان پر، ہیئت حالت حالت، جو فاعل کی حالت بیان کرنے پر دلالت کرتا ہے، یعنی اس کی حالت بیان کرتا ہے، «أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ» یا مفعول بہ کی حالت بیان کرنے پر دلالت کرتا ہے، یعنی اس کی حالت بیان کرتا ہے، «أَوْ كِلَيْهِمَا» یا دونوں کی حالت بیان کرتا ہے، یعنی فاعل اور مفعول، «نَحْوُ: جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»۔

یہ تو ہم ترکیب ہم نے کر لی: «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»، دوبارہ جلدی سے کر لیجیے: «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً ذوالحال، «رَاكِبًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو، ذوالحال کو۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، دیکھا؟ شبہ جملہ کو بھی جوڑنے کے لیے ضمیر کی ضرورت پڑی۔ ذوالحال اپنے حال سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

دوسری مثال: «وَضَرَبْتُ زَيْدًا مَشْدُودًا»، میں نے زید کی پٹائی کی «مَشْدُودًا» اس حال میں کہ وہ بندھا ہوا تھا۔ جی ترکیب کیجیے، غور سے کرنی ہے آپ نے ترکیب بھائی! «ضَرَبْتُ» فعل بافاعل، جی، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، «زَيْدًا» منصوب لفظاً ذوالحال، «مَشْدُودًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ مفعول، شاباش! جی آگے: «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا نائب الفاعل، ہاں اس کا نائب الفاعل، اسمِ فاعل میں فاعل ہوتا ہے اور اسمِ مفعول میں نائب الفاعل، تو اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً نائب الفاعل جو کس کو راجع ہے؟ ذوالحال یعنی زید کو۔ اسمِ مفعول اپنے نائب الفاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر مفعول ہوا «ضَرَبْتُ» فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

▪ قولہ: «وَلَقِيتُ عَمْرًا رَاكِبَيْنِ» کی تشریح

«وَلَقِيتُ عَمْرًا رَاكِبَيْنِ»، میں نے ملاقات کی عمرو سے اس حال میں کہ ہم دونوں سوار تھے۔ ترکیب کیجیے: «لَقِيتُ» فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل اور یہ ذوالحال بھی ہے، آگے «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ اور یہ بھی ذوالحال ہے، «رَاكِبَيْنِ» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُمَا» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ فاعل اور ماقبل میں جو فاعل اور مفعول ذوالحال ہیں دونوں کی طرف لوٹ رہی ہے بھائی۔ اور وہ دونوں فاعل اور مفعول ذوالحال جو ہیں وہ اپنے حال سے مل کر کیا بن گئے؟ فاعل اور مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ چلیے بس کرتے ہیں، بس بھائی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۶۱: فاعلِ معنوی سے حال، ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط اور حالِ مؤکدہ

ہدایۃ النحو صفحہ: ۴۲—بتاریخ: ۱۱ مارچ ۲۰۱۵ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَقَدْ يَكُونُ الْفَاعِلُ مَعْنَوِيًّا نَحْوُ: زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا؛ لِأَنَّ مَعْنَاهُ: زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ قَائِمًا، وَكَذَا الْمَفْعُولُ بِهِ نَحْوُ: هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا؛ فَإِنَّ مَعْنَاهُ: الْمُشَارُ إِلَيْهِ قَائِمًا هُوَ زَيْدٌ.

گذشتہ سبق میں ہم نے حال کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ آپ نے پڑھا کہ حال بھی منصوبات میں سے ہے، لہٰذا جب کسی لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ حال بن رہا ہے تو ساتھ ہی اس کا اعراب بھی آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ نصب پڑھنا ہے بھئی۔ اور حال کسے کہتے ہیں؟ صاحبِ ہدایت النحو نے آپ کو بتایا کہ حال وہ لفظ ہے جو فاعل یا مفعول بہ یا دونوں کی حالت بیان کرے، یعنی آسان لفظوں میں یوں کہو کہ صاحبِ ہدایت النحو کے نزدیک ذوالحال کا فاعل یا مفعول بہ ہونا ضروری ہے، کیونکہ حال کی کیا تعریف کی کہ فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے اور جس کی حالت بیان کی جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ذوالحال۔ معلوم ہوا ذوالحال ہمیشہ کیا ہو گا؟ یا فاعل ہو گا یا مفعول بہ ہو گا۔

جیسے گذشتہ مثالوں میں آپ نے دیکھا: «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»، یہ «زَيْدٌ» کیا تھا؟ فاعل تھا «جَاءَ» کے لیے، اور «ضَرَبْتُ زَيْدًا مَشْدُودًا»، یہ زید کیا تھا یہاں پر؟ مفعول بہ تھا بھئی، اور «لَقِيتُ عَمْرًا رَاكِبَيْنِ»، یہاں «رَاكِبَيْنِ» فاعل اور مفعول دونوں سے حال بن رہا ہے۔ تو دیکھا معلوم ہوا ذوالحال ہمیشہ کیا ہو گا؟ یا فاعل ہو گا یا مفعول بہ ہو گا۔

یاد رکھیے یہ مذہب ہے صاحبِ کافیہ علامہ ابن حاجب رحمہ اللہ کا بھی اور اسی طرح صاحبِ ہدایت النحو وغیرہ نحوی حضرات کا، تو یہ بعض نحوی حضرات یہ کہتے ہیں کہ حال ہمیشہ فاعل یا مفعول بہ سے آئے گا، یعنی ذوالحال ہمیشہ کون ہو گا؟ یا فاعل ہو گا یا مفعول بہ ہو گا۔ لیکن ان کے مذہب پر اشکال ہوتا ہے کہ بہت سی جگہ پر حال آتا ہے ایک ایسی چیز سے جو نہ فاعل ہوتی ہے نہ مفعول بہ ہوتی ہے، جیسے: «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا»، یہاں دیکھیے: «هٰذَا زَيْدٌ» یہ زید ہے «قَائِمًا» اس حال میں کہ یہ کھڑا ہے۔ اب دیکھیے «هٰذَا» ہے مبتدا، «زَيْدٌ» ہے اس کی خبر، ترکیب پر نظر ہے؟ «هٰذَا زَيْدٌ» یہ زید ہے، تو «هٰذَا» ہے مبتدا اور «زَيْدٌ» ہے خبر، اسی لیے مرفوع ہے لفظاً، اور «قَائِمًا» اس زید سے حال بن رہا ہے، تو گویا دیکھو یہ حال «قَائِمًا» کس سے بنا؟ خبر سے، زید سے جو کہ خبر ہے۔ حالانکہ انہوں نے ہمیں کیا بتایا تھا کہ حال تو صرف کس سے آئے گا؟ یا فاعل سے آئے گا یا مفعول بہ سے، اور اس جملے کے اندر تو یہ خبر سے حال آ گیا، تو آپ کی بات تو درست نہ رہی۔

تو وہ جواب دیتے ہیں کہ بھئی یہ زید اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے خبر ہے لیکن یہ معنیٰ کے اعتبار سے مفعول بہ ہے۔ کس اعتبار سے؟ معنیٰ کے اعتبار سے مفعول بہ ہے، کیونکہ جب آپ نے کہا «هٰذَا» یہ، تو گویا آپ اشارہ کر رہے ہیں اور گویا فعل یہاں آ گیا اور وہ کیا؟ «أُشِيرُ» میں اشارہ کر رہا ہوں، یا «أُنَبِّهُ» میں متنبہ کر رہا ہوں آپ کو، کس پر؟ «زَيْدًا» زید پر، «أُشِيرُ زَيْدًا» میں کس کی طرف اشارہ کر رہا ہوں؟ زید کی طرف، تو «هٰذَا» کے ذریعے اشارہ ہوا اور آپ ہیں اشارہ کرنے والے جو بات کر رہے ہیں، اور اشارہ کیا کس کی طرف؟ زید کی طرف، تو زید کیا بن گیا؟ مفعول بہ بن گیا۔ تو وہ کہتے ہیں دیکھا، زید لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ خبر ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے مفعول بہ ہے بھئی۔

توجہ ہے؟ «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا»، کس کی بات چل رہی ہے؟ زید کی، زید یہاں خبر ہے اور اس سے کیا حال آرہا ہے؟ «قَائِمًا»، تو اشکال ہوا کہ اے صاحبِ کافیہ! اے صاحبِ ہدایت النحو! آپ نے تو ہمیں بتایا حال کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل کی یا مفعول بہ کی، اور یہ «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا»، اس میں زید سے حال آرہا ہے اور زید ترکیب میں اس وقت نہ فاعل بن رہا ہے اور نہ مفعول بہ بن رہا ہے، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ بھئی یہ لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ ٹھیک ہے نہ فاعل ہے نہ مفعول بہ ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ مفعول بہ ہے۔ کیونکہ جب آپ نے کہا «هٰذَا» تو گویا آپ اشارہ کر رہے ہیں اور یوں کہہ رہے ہیں: «أُشِيرُ زَيْدًا» میں کس کی طرف اشارہ کر رہا ہوں؟ زید کی طرف، تو معنیٰ کے اعتبار سے دیکھو یہاں «أُشِيرُ» فعل موجود ہے اور اس کے اعتبار سے زید کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، اور اس سے آگے «قَائِمًا» حال آیا، تو حال مفعول بہ سے آیا، کسی اور چیز سے نہیں آیا، جواب سمجھ میں آیا؟

گویا وہ کہنا یہ چاہتے ہیں صاحبِ کافیہ اور صاحبِ ہدایت النحو کہ حال ہمیشہ فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے گا لیکن وہ فاعل یا مفعول بہ لفظوں کے اعتبار سے ہونا ضروری نہیں، بعض اوقات معنیٰ کے اعتبار سے بھی وہ فاعل یا مفعول بہ ہوں گے، لفظوں کے اعتبار سے بے شک نہ ہوں لیکن کس اعتبار سے مفعول بہ ہوں گے؟ معنیٰ کے اعتبار سے، یا فاعل ہوں گے کس اعتبار سے؟ معنیٰ کے اعتبار سے، جیسے «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا»، لفظوں کے اعتبار سے زید خبر ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے کیا ہے یہ؟ مفعول بہ ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

صاحبِ کافیہ اور صاحبِ ہدایت النحو فرماتے ہیں کہ حال صرف اور صرف فاعل کی حالت بیان کرتا ہے یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے، چاہے وہ فاعل یا مفعول بہ لفظوں کے اعتبار سے ہوں چاہے وہ معنیٰ کے اعتبار سے ہوں، لیکن ہوں گے فاعل یا مفعول بہ ہی، انہی کی یہ حالت بیان کرے گا حال۔ جبکہ دیگر بعض بڑے نحوی حضرات جیسے ابن مالک رحمہ اللہ اور بڑے بڑے نحوی حضرات ہیں وہ فرماتے ہیں نہیں، حال فاعل یا مفعول بہ سے آنا ضروری نہیں بلکہ حال مطلقاً حالت بیان کرنے کے لیے آتا ہے اور وہ کسی چیز کی بھی حالت ہو سکتی ہے۔ تو «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا»، یہاں زید بے شک خبر ہے لیکن اس سے حال آسکتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک حال فاعل یا مفعول بہ سے آنا ضروری نہیں بلکہ مطلقاً کسی بھی چیز کی حالت بیان کرنے کے لیے حال آسکتا ہے، لہٰذا ان کے نزدیک کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

▪ قولہ: «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا» کی تشریح

«هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا»، صاحبِ ہدایت النحو پر اشکال ہوتا ہے کہ «هٰذَا زَيْدٌ» میں «زَيْدٌ» تو کیا ہے؟ خبر ہے، اس سے حال کیسے آیا؟ آپ نے تو ہمیں کہا تھا یہ صرف فاعل سے حال آتا ہے یا مفعول بہ سے۔ ان پر اشکال ہوتا ہے اور پھر وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ معنیٰ کے اعتبار سے مفعول بہ ہے، جبکہ ابن مالک رحمہ اللہ وغیرہ اور بڑے جو نحوی حضرات ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نہیں، کسی تاویل کی ضرورت نہیں، فاعل یا مفعول بہ سے نہیں آتا بلکہ حال مطلقاً کسی بھی چیز کی حالت بیان کرنے کے لیے آتا ہے، تو «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا»، تو زید بھی کیا ہے؟ خبر ہے اور اس سے کیا آگیا؟ حال آگیا، کوئی اشکال ہی نہیں، کیونکہ انہوں نے کہا ہی نہیں کہ فاعل یا مفعول بہ ہونا ضروری ہے، تو ان کے نزدیک اس میں کسی تاویل وغیرہ کی ضرورت نہیں۔

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ صاحبِ کافیہ اور علامہ ابن حاجب کو بعض اوقات تاویل کرنا پڑتی ہے کسی چیز کو فاعل یا مفعول بہ بنانے کے لیے تاکہ اس سے آگے حال کا آنا صحیح ہو جائے، تاویل کرنا پڑتی ہے۔ یہی بات آگے اب صاحبِ ہدایت النحو بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَقَدْ يَكُونُ الْفَاعِلُ مَعْنَوِيًّا»، اور کبھی کبھار فاعل جو ہوتا ہے معنوی ہوتا ہے، یعنی معنیٰ کے اعتبار سے فاعل ہوتا ہے، لفظوں کے اعتبار سے فاعل نہیں ہوتا۔ «نَحْوُ: زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا»، اب دیکھیے: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، «زَيْدٌ» ہے مبتدا، «فِي الدَّارِ» ہے اس کی خبر، اور «قَائِمًا» یہ حال ہے زید سے۔ «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا» زید گھر میں ہے اس حال میں کہ کھڑا ہے، یا یوں کہو زید گھر میں کھڑا ہے۔ اب یہاں اشکال ہوتا ہے: اے صاحبِ ہدایت النحو! یہ زید سے حال کیسے آگیا «قَائِمًا»، زید تو مبتدا ہے؟ تو وہ جواب دے رہے ہیں: «وَقَدْ يَكُونُ الْفَاعِلُ مَعْنَوِيًّا» کہ فاعل کبھی کبھار معنوی یعنی معنیٰ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ زید اگرچہ یہاں مبتدا ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ فاعل ہے۔ بھئی کس طرح فاعل ہے؟ کہتے ہیں دیکھیے، ترکیب یاد ہے بھول گئے جار مجرور کی؟ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «فِي» جارہ، «الدَّارِ» مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے؟ اچھا، آپ کہہ رہے ہیں جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «قَائِمًا» سے، ٹھیک ہے کیونکہ آپ نے پڑھا ہے جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک چیز سے ضرور متعلق ہوتا ہے، ان آٹھ میں سے ایک کیا ہے؟ اسمِ فاعل بھی ہے، لیکن پھر آپ اس طرح کریں گے تو پھر پھنس جائیں گے بھئی، کیوں؟ ٹھیک ہے «فِي الدَّارِ» تو متعلق ہو گیا «قَائِمًا» سے، سوال پیدا ہو گا یہ «قَائِمًا» کیوں منصوب ہے؟ آپ کہیں گے یہ حال ہے، اچھا ٹھیک ہے گویا «فِي الدَّارِ» کا تعلق حال سے ہے، یعنی حال کا جزء ہے، جس سے جڑ گیا نا

اسی کا جزء بن گیا، تو گویا «فِي الدَّارِ قَائِمًا» یہ سارا حال ہے، تو خبر کدھر گئی؟ اشکال سمجھ میں آیا بھئی؟

لہٰذا «فِي الدَّارِ» کو «قَائِمًا» سے نہیں جوڑیں گے، اگر آپ نے اس سے جوڑ دیا پھر تو صرف «زَيْدٌ» مبتدا آرہا ہے خبر ہے ہی کوئی نہیں، بات پوری ہی نہیں حالانکہ یہ تو پورا کلام ہے، مبتدا اور خبر ہوں گے تو بات پوری ہوگی، ان کے بغیر بات پوری ہی نہیں، یہ «قَائِمًا» بے شک نہ ہو لیکن «زَيْدٌ فِي الدَّارِ» ضرور ہونا چاہیے، یعنی مبتدا اور خبر ہونے چاہئیں۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو وہ ہمیں ضرور چاہیے، کلام پھر ہی پورا ہوگا اس کے بغیر کلام پورا ہی نہیں ہوتا، لہٰذا «فِي الدَّارِ» کو خبر ہی بنانا پڑے گا، اور جب خبر بنا رہے ہیں کس کو بنا رہے ہیں؟ «فِي الدَّارِ» کو، اور «قَائِمًا» کو کیا بنا رہے ہیں؟ حال۔ تو حال کو الگ رکھو وہ الگ چیز ہے، یہ صرف «فِي الدَّارِ» کو اب دیکھو۔

«زَيْدٌ» ہوا مبتدا، «قَائِمًا» ہوا حال، اور درمیان میں «فِي الدَّارِ» کیا ہے؟ خبر۔ اس خبر میں اس کے ساتھ کوئی فعل ہے؟ نہیں، اس میں فاعل بھی نہیں، اس میں مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مبالغے کا صیغہ یا مصدر کوئی بھی چیز نہیں ہے حالانکہ جار مجرور نے تو آٹھ چیزوں میں سے ایک سے ضرور جڑنا تھا، تو پھر کیا کرنا پڑے گا؟ محذوف نکالیں گے، اور محذوف کیا نکال سکتے ہیں؟ «ثَبَتَ» بھی نکال سکتے ہیں اور «ثَابِتٌ» بھی نکال سکتے ہیں، صفت کا صیغہ بھی نکال سکتے ہیں اور فعل بھی نکال سکتے ہیں۔ صفت کا صیغہ نکالیں گے تو شبہ جملہ بنے گا اور فعل نکالیں گے تو جملہ بنے گا، صورت سمجھ میں آگئی؟

اب کیجیے ترکیب: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «فِي» جارہ، «الدَّارِ» مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ «ثَبَتَ» فعل سے، «ثَبَتَ» فعل اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ جو زید کو راجع، یہ عائد آگیا۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، ہاں آگے «قَائِمًا» بھی ہے بھئی۔ تو لہٰذا «ثَبَتَ» کے اندر جو «هُوَ» ضمیر تھی وہ «ثَبَتَ» کے لیے فاعل ہے اور وہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو۔ توجہ ہے؟ «ثَبَتَ» کے اندر ضمیر ہے «هُوَ» کی، ثابت ہے «فِي الدَّارِ» گھر میں، یعنی گھر میں ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا نا: ثبوت، وجود، حصول سب کا کیا معنی ہے؟ ہونا۔ تو «ثَبَتَ فِي الدَّارِ» یعنی گھر میں ہے۔ گھر میں ثابت ہے یوں نہ کہو، یہ ثابت اردو میں نہیں استعمال اس طرح ہوتا، ویسے سمجھانے کے لیے بے شک آپ بول لیں لیکن بامحاورہ یوں کہیں گھر میں ہے یا گھر میں موجود ہے، جو بھی آپ کر لیں لیکن ثابت عموماً استعمال نہیں ہوتا، تو بے شک آپ کہہ بھی لیں حرج بھی کوئی نہیں۔ گھر میں ہے، کون ہے؟ یہ «هُوَ» کس کو لوٹ رہی تھی؟ زید کو، معلوم ہوا گھر میں کون ہے؟ زید۔

تو زید اس وقت اگرچہ مبتدا ہے لیکن «ثَبَتَ هُوَ»، ثابت ہے کون؟ زید، «هُوَ» سے مراد زید ہی ہے تو گویا زید معنٰی کے اعتبار سے فاعل ہے۔ توجہ ہے؟ فاعل تو اس وقت «هُوَ» ضمیر ہے، زید کا لفظ تو فاعل نہیں، زید کا لفظ تو مبتدا ہے لیکن یہ «هُوَ» زید ہی کو لوٹ رہی ہے تو معلوم ہوا ثابت کون ہے؟ زید ہی ہے، تو گویا یہی «ثَبَتَ» کا فاعل ہے تو گویا یہ معنٰی کے اعتبار سے فاعل ہے۔ توجہ ہے؟ اشکال کیا ہوا تھا کہ یہ زید سے حال آرہا ہے اور زید تو مبتدا ہے، تو جواب کیا کہ معنٰی کے اعتبار سے کیا ہے زید؟ فاعل۔ کس طرح معنٰی کے اعتبار سے فاعل کس طرح ہے؟ کیونکہ «ثَبَتَ فِي الدَّارِ» اور «ثَبَتَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر، اور «هُوَ» ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو، تو «هُوَ» ضمیر تو ہے فاعل اور اس «هُوَ» سے کون مراد؟ زید ہی تو مراد ہے، تو گویا زید ہی معنٰی کے اعتبار سے فاعل ہے۔ جواب سمجھ میں آیا بھئی؟

لہٰذا اب پوری ترکیب کریں بھئی، پوری ترکیب کس طرح ہوگی؟ «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا»، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «فِي» جارہ، «الدَّارِ» مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ «ثَبَتَ» فعل کے ساتھ، «ثَبَتَ» فعل اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل ہے اور یہ ہے ذوالحال، یہ «هُوَ» ضمیر کیا ہے؟ ذوالحال، اور «قَائِمًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ ذوالحال کو، حال کو کس سے جوڑا جاتا ہے؟ ذوالحال سے، تو «هُوَ» ضمیر راجع ہے ذوالحال کو، اور ذوالحال کون تھا؟ وہ جو «ثَبَتَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر تھی، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، اور «ثَبَتَ» کے اندر جو «هُوَ» ضمیر وہ ذوالحال تھی، تو وہ اپنے حال سے مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ «ثَبَتَ» فعل کے لیے۔ «ثَبَتَ» فعل اپنے فاعل اور متعلق یعنی جار مجرور سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر مبتدا کے لیے، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زید گھر میں ہے اس حال میں کہ وہ کھڑا ہے۔

▪ قولہ: «لِأَنَّ مَعْنَاهُ: زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ...» کی تشریح

«لِأَنَّ مَعْنَاهُ: زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ قَائِمًا»، اس لیے کیونکہ اس کلام کا معنی یہ ہے: «زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ». بھئی ہم نے «ثَبَتَ» فعل

نکالا، میں نے بتایا تھا افعالِ عامہ چار ہیں: ثبوت، وجود، حصول اور کون۔ ثبوت سے فعل آتا ہے «ثَبَتَ»، وجود سے «وُجِدَ»، حصول سے «حَصَلَ»، اور کون سے «كَانَ»، اور ان سب کا معنی ہے ہونا۔ میں نے بتایا تھا آپ کو کہ ان سے صفت کا صیغہ بھی آپ نکال سکتے ہیں اور فعل بھی: ثبوت سے «ثَبَتَ» فعل بھی نکال سکتے ہیں اور «ثَابِتٌ» بھی، وجود سے «وُجِدَ» فعلِ مجہول بھی نکال سکتے ہو اور اسم مفعول «مَوْجُودٌ» بھی نکال سکتے ہو، حصول سے «حَصَلَ» فعل بھی نکال سکتے ہو اور «حَاصِلٌ» اسم فاعل بھی، اور کون سے «كَانَ» اور «كَائِنٌ»، سب کا معنی ایک ہی ہے۔ یہ زیادہ تر عام استعمال ہوتے ہیں، اور اسی طرح ایک اور ہے لفظِ «اسْتَقَرَّ»، اور یہ بھی کس میں سے ہے؟ افعالِ عامہ میں سے، اس کا معنی بھی ہونا، قرار پکڑنا یعنی ہونا۔ انہوں نے دیکھا کہ لفظِ «اسْتَقَرَّ» ذکر کر دیا: «زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ قَائِمًا»، «اسْتَقَرَّ» اور «ثَبَتَ» کا ایک معنی ہے۔ ہم نے کیا ترکیب کی: «زَيْدٌ ثَبَتَ فِي الدَّارِ قَائِمًا»، اور انہوں نے کیا ذکر کر دیا: «زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ قَائِمًا».

کیسے پڑھیں گے؟ «زَيْدٌ» تو اس کے آخر میں تنوین ہے اور تنوین کس چیز کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا، اور آگے ہے «اسْتَقَرَّ» فعل، اور «اسْتَقَرَّ» فعل ہے یہ ثلاثی مزید فیہ میں سے، اس کا ہمزہ وصلی ہے، یہ ہمزہ گر جائے گا تو آگے سین ساکن ہے۔ «اسْتَقَرَّ» کا ہمزہ گر گیا آگے سین کیا ہے؟ ساکن، اور ما قبل میں «زَيْدٌ» تنوین کا نون ساکن ہے، تو نون اور سین دونوں ساکن اکٹھے ہو گئے، تو جب دو ساکن ہوں تو پہلے کو کون سی حرکت دیتے ہیں؟ کسرہ کی۔ «السَّاكِنُ إِذَا احْتَاجَ إِلَى التَّحْرِيكِ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ»، تو ان میں سے پہلے کو نون کو کسرہ والی حرکت دے دی تو کیا بن گیا: «زَيْدُ نِاسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ قَائِمًا».

تو لہٰذا جب دو ساکن جمع ہو جائیں، اگر ان میں پہلا حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، اور اگر اول حرفِ مدہ نہ ہو تو پہلے کو کسرہ والی حرکت دیتے ہیں۔ بھئی جیسے چار پانچ سبق پہلے مثال آئی تھی: «وَلِلْمُشَبَّهَتَيْنِ»، یہاں میں نے تفصیل بیان کی تھی: «فَصْلٌ: اِسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ»، نکالیں بھائی جلدی یہ سبق: «اِسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ»، جہاں منصوبات شروع ہونے والے ہیں اس کے پاس ہے، مل گیا بھائی؟ «اِسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ»، یہاں تو میں نے بتایا تھا: «اِسْمُ مَا وَلَا، اَلْمُشَبَّهَتَيْنِ» ہے، «لَا» کے آخر میں کیا ہے؟ الف، اور «اَلْمُشَبَّهَتَيْنِ» کے شروع میں کیا ہے؟ الف لام، الف لام کا ہمزہ بھی وصلی وہ گر گیا، «اَلْمُشَبَّهَتَيْنِ» میں سے ہمزہ گر گیا تو آگے لام ساکن ہے، اور پیچھے کیا تھا؟ «لَا»، «لَا» کا الف بھی ساکن، تو الف بھی ساکن آگے لام بھی ساکن، تو کیا بن گیا؟ «لَالْمُشَبَّهَتَيْنِ». پھر اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہ آیا، تو پھر اول کو یا تو حرکت دیتے ہیں یا اول حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں۔ یہاں اول کیا تھا؟ الف، اور یہ الف حرفِ مدہ ہے اس سے پہلے زبر ہے، واؤ سے پہلے پیش ہو تو وہ واؤ حرفِ مدہ ہے، یا سے ما قبل کسرہ ہو تو وہ یا کیا ہے؟ حرفِ مدہ، تو لہٰذا وہ گر جاتے ہیں، تو یہاں پر بھی الف گر گیا اور کیسے پڑھیں گے؟ «وَلِلْمُشَبَّهَتَيْنِ»، پہلے تو تھا نا «لَالْمُشَبَّهَتَيْنِ» الف بھی تھا، اب الف گر گیا کیسے پڑھیں گے؟ «وَلِلْمُشَبَّهَتَيْنِ». تو حرفِ مدہ کو گراتے ہیں اگر دو ساکن اکٹھے ہو جائیں اور ان میں سے پہلا کیا ہو؟ حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، اور اگر ان میں سے پہلا حرفِ مدہ نہیں ہے تو پھر پہلے کو کون سی حرکت دے دیتے ہیں؟ کسرہ والی جیسے «زَيْدُ نِاسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ قَائِمًا». چلیے اب آیئے سبق پر بھئی: «زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ قَائِمًا»، ترکیب اس کی بھی وہی ہو گی۔

ترکیب کیجیے: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «اسْتَقَرَّ» فعل، «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، اور وہی کیا ہے؟ ذوالحال ہے۔ «فِي» جارہ، «الدَّارِ» مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ «اسْتَقَرَّ» فعل کے ساتھ۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے بھئی؟ یہ «اسْتَقَرَّ» کو ہم نے نکالا ہی اس لیے کہ «فِي الدَّارِ» جار مجرور نے جڑنا تھا کسی نہ کسی کے ساتھ اور یہاں پر کوئی بھی نہیں تو ہمیں کیا نکالنا پڑا؟ «اسْتَقَرَّ»، چاہے «اسْتَقَرَّ» نکال لیں چاہے «ثَبَتَ» جیسے میں نے ذکر کیا تھا، بات ایک ہی ہے۔ آگے «قَائِمًا» منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ جو ذوالحال ہے اس کو لوٹ رہی ہے ضمیر، اور وہ ذوالحال کون تھا؟ «اسْتَقَرَّ» کے اندر «هُوَ» ضمیر تھی، تو اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر فاعل ہوا کس کے لیے؟ «اسْتَقَرَّ» کے لیے۔ «اسْتَقَرَّ» فعل اپنے فاعل اور متعلق، کون ہے متعلق؟ «فِي الدَّارِ»، ہاں تو یہ «فِي الدَّارِ» سے مل کر یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ معنیٰ اس کا بھی وہی ہے: زید گھر میں کھڑا ہوا ہے یا زید گھر میں ہے اس حال میں کہ وہ کھڑا ہے۔

تو انہوں نے کیا بتلایا آپ کو؟ «وَقَدْ يَكُونُ الْفَاعِلُ مَعْنَوِيًّا»، کبھی کبھار فاعل کس اعتبار سے ہوتا ہے؟ معنیٰ کے اعتبار سے ہوتا ہے جیسے «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا»، اس میں یہ زید معنیٰ کے اعتبار سے فاعل ہے «لِأَنَّ مَعْنَاهُ: زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ قَائِمًا»، اس لیے کیونکہ اس کا معنی کیا ہے؟ زید نے قرار پکڑا گھر میں اس حال میں کہ وہ کھڑا ہے، تو «اسْتَقَرَّ» کے اندر «هُوَ» ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو، تو گویا زید ہی کیا ہے معنیٰ کے اعتبار سے؟ فاعل ہے۔

▪ قولہ: «وَكَذَا الْمَفْعُولُ بِهِ» کی تشریح

«وَكَذَا الْمَفْعُولُ بِهِ»، اور اسی طرح مفعول بہ بھی ہے، یعنی کبھی کبھار معنٰی کے اعتبار سے مفعول بہ ہوتا ہے، لفظوں کے اعتبار سے مفعول بہ نہیں ہوتا۔ «نَحْوُ: هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا»، یہ زید ہے اس حال میں کہ یہ کھڑا ہے۔ یہ پھر وہی اشکال کا جواب، اشکال یہ ہوتا ہے کہ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ حال کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل کی یا مفعول بہ کی، حالانکہ یہاں پر «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا»، یہ «قَائِمًا» «زَيْدٌ» سے حال آرہا ہے اور «زَيْدٌ» تو خبر ہے، نہ یہ فاعل ہے نہ یہ مفعول بہ ہے، اور آپ نے تو کیا کہا تھا؟ حال کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ کی، اور یہ زید نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ۔ تو اسی کا جواب دے رہے ہیں کہ بھئی جیسے کبھی کبھار فاعل معنٰی کے اعتبار سے ہوتا ہے، اسی طرح کبھی کبھار مفعول بہ بھی معنٰی کے اعتبار سے ہوتا ہے، یہاں یہ جو زید ہے یہ مفعول بہ ہے کیونکہ «هٰذَا» کا کیا معنی ہے؟ یہ، یعنی آپ اشارہ کر رہے ہیں، تو گویا یہ فعل موجود ہے یہاں پر: «أُشِيرُ» میں اشارہ کر رہا ہوں «زَيْدًا» کس کی طرف؟ زید کی طرف، تو دیکھو یہ مفعول بہ ہے معنٰی کے اعتبار سے، لفظوں میں تو زید خبر ہے لیکن معنٰی کے اعتبار سے کیا ہے؟ مفعول بہ ہے۔

توجہ ہے؟ «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا»، یہ زید لفظوں کے اعتبار سے خبر لیکن معنٰی کے اعتبار سے مفعول بہ ہے بھئی۔ جی ترکیب کیجیے: «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا»، یہ کس معنٰی میں ہوا؟ «أُشِيرُ زَيْدًا قَائِمًا»، ہاں اب اس کی ترکیب کیجیے: «أُشِيرُ» فعل بافاعل، میں اشارہ کر رہا ہوں، متکلم کا صیغہ ہے، «أُشِيرُ» فعل با فاعل، اس کے اندر «أَنَا» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور لفظِ «زَيْدًا» منصوب لفظاً مفعول بہ ہے اور ذوالحال ہے، کیا ہے؟ ذوالحال ہے، تو پہلے حال کو جوڑ لیتے ہیں پھر اس کو مفعول بہ بنالیں گے، ہے بہر حال یہ مفعول بہ، ہمارے ہاں ترکیب یوں کرتے ہیں: پہلے اس سے کس کو جوڑتے ہیں؟ حال کو، پھر جا کر کہتے ہیں ذوالحال اپنے حال سے مل کر کیا ہوا؟ مفعول بہ ہوا۔ «زَيْدًا» منصوب لفظاً ذوالحال، منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول بہ ہے بھئی۔ اچھا، آگے «قَائِمًا» منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل، منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ حال ہے، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ ذوالحال کو یعنی «زَيْدًا» کو۔ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر مفعول بہ، اور «أُشِيرُ» فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا، معنٰی سمجھ میں آگیا؟ یہ ترکیب تھی کن کے مذہب پر؟ علامہ ابن حاجب جو صاحبِ کافیہ ہیں جنہوں نے کافیہ جیسی عظیم الشان کتاب لکھی اور اسی طرح صاحبِ ہدایت النحو وغیرہ نحویوں کا، جبکہ علامہ ابن مالک رحمہ اللہ وہ فرماتے ہیں کسی تاویل کی ضرورت نہیں: «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا»، «هٰذَا» مبتدا، «زَيْدٌ» خبر اور یہ ذوالحال ہے، اور «قَائِمًا» اس سے کیا ہے؟ حال ہے، کوئی فاعل یا مفعول بنانے کی ضرورت نہیں۔ تو وہ فرماتے ہیں کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، حال مطلقاً حالت بیان کرنے کے لیے آتا ہے، تو ان کے نزدیک ترکیب گویا یوں ہوئی: «هٰذَا» مبتدا، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً ذوالحال، اور اس سے «قَائِمًا» شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

تو کہتے ہیں: «وَكَذَا الْمَفْعُولُ بِهِ»، اور اسی طرح مفعول بہ بھی بعض اوقات معنٰی کے اعتبار سے ہوتا ہے: «نَحْوُ: هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا، فَإِنَّ مَعْنَاهُ: الْمُشَارُ إِلَيْهِ قَائِمًا هُوَ زَيْدٌ»، اس لیے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے: «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا»، اس کا معنی کیا ہے؟ «الْمُشَارُ إِلَيْهِ» وہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا «قَائِمًا» اس حال میں کہ وہ کھڑا ہے «هُوَ زَيْدٌ» وہ کون ہے؟ زید۔ اور اوپر نون لکھا ہوا ہے اس پوری عبارت پر، لمبا سا نون لکھا ہوا ہے، یہ نون عبارت ہے نسخے سے۔ بعض ہدایت النحو کے نسخوں میں یہ عبارت ہے: «الْمُشَارُ إِلَيْهِ قَائِمًا هُوَ زَيْدٌ»، اور بعض نسخوں میں یہ عبارت ہے جو کنارے پر دی ہوئی ہے: «أُشِيرُ وَأُنَبِّهُ زَيْدًا قَائِمًا»، وہی جو ابھی ہم نے ترکیب کی تھی، کنارے پر ملی کہ نہیں بھائی؟ بھائی اندر کی طرف جہاں جس طرف کتاب کی سلائی ہوئی ہے نا اس طرف اندر کی طرف آپ کنارے پر دیکھیں آپ کو یہ عبارت مل جائے گی، مل گئی بھائی؟ «أُشِيرُ وَأُنَبِّهُ زَيْدًا قَائِمًا»، تو بعض نسخوں میں یہ عبارت ہے اور بعض نسخوں میں «الْمُشَارُ إِلَيْهِ قَائِمًا هُوَ زَيْدٌ» والی عبارت ہے بھئی، اور ہم نے بھی ابھی ترکیب کر لی، کون سی کی؟ «أُشِيرُ زَيْدًا قَائِمًا»، چاہے آپ کر لیں «أُنَبِّهُ زَيْدًا قَائِمًا» بعینہٖ وہی ترکیب ہو گی۔

«وَالْعَامِلُ فِي الْحَالِ فِعْلٌ أَوْ مَعْنَى فِعْلٍ»، یہاں سے اب یہ بیان کر رہے ہیں کہ حال کے اندر عامل کون ہوتا ہے؟ توجہ ہے؟ یہ تو انہوں نے آپ کو بتا دیا کہ حال کس کی حالت بیان کرے گا؟ فاعل کی یا مفعول کی، لیکن حال پر خود بھی تو نصب آرہا ہے اور نصب تو بغیر وجہ کے نہیں آتا، تو یہ کس کی وجہ سے نصب آیا؟ ٹھیک ہے یہ حالت تو فاعل کی بیان کر رہا ہے، یہ حالت کس کی بیان کر رہا ہے؟ مفعول بہ کی، حالت تو ان کی بیان کر رہا ہے یہ بات تو ہمیں تسلیم ہے لیکن خود اس پہ جو نصب آیا وہ نصب کس عامل کی وجہ سے آیا؟ تو جواب دے رہے ہیں آپ کو بتلا رہے ہیں کہ حال میں جو عمل کرنے والی چیز ہوتی ہے وہ فعل ہوتا ہے، یا معنٰی فعل ہوتا ہے، فعل ہوتا ہے یا معنٰی فعل۔ معنٰی فعل سے کیا مراد ہے؟ وہ جو کئی چیزیں میں نے ذکر کی تھیں: اسم فاعل ہے، اسم مفعول ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسم تفضیل ہے، مبالغے کے صیغے وغیرہ، یہ سارے بھی کس معنٰی میں ہوتے ہیں؟ فعل کے معنٰی میں ہی ہوتے ہیں، فعل جیسا ہی یہ سارے عمل

کرتے ہیں، تو حال کے اندر عامل فعل بھی ہو سکتا ہے اور معنیٰ فعل یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا»، اس «قَائِمًا» کے اندر اس کو نصب کس نے دیا؟ اس میں عامل کون ہے؟ تو آپ کیا کہیں گے؟ کون سا فعل؟ «ثَبَتَ»، جو یہاں پر کیا ہے «ثَبَتَ»، یا جو صاحبِ کتاب نے نکالا «اسْتَقَرَّ»، جو بھی ذکر کر دیں، آپ کہہ دیں اس میں «ثَبَتَ» عامل ہے یا کیا کہہ دیں «اسْتَقَرَّ»، یا صفت کا صیغہ اسمِ فاعل بتا دیں اس میں «ثَابِتٌ» عامل ہے، معنیٰ سمجھ میں آیا بھائی؟

بلکہ آپ کو اور گہرائی میں لے جاؤں، یاد رکھو ابھی میں نے آپ کو کیا بتایا: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا»، اس «قَائِمًا» میں کون عامل؟ «ثَبَتَ» فعل، یا «ثَابِتٌ» ہے، یا «اسْتَقَرَّ»، جو بھی اس جیسا لفظ نکال لیں وہ عامل ہے۔ لیکن گہرائی میں لے جاؤں آپ کو، یاد رکھو یہاں کوئی «ثَبَتَ» نہیں ہے، یہاں کوئی «ثَابِتٌ» نہیں ہے، «ثَبَتَ» تھا ختم ہو چکا اس کی جگہ «فِي الدَّارِ» نے پکڑ لی۔ آپ کو میں نے بتایا تھا جار مجرور جو ہیں ان کے لیے ہمیشہ متعلق چاہیے، اور وہ متعلق آٹھ چیزوں میں سے ایک ہو گا، اگر وہ کلام میں موجود ہو تو یہ اس سے جڑ جائیں گے اور اس صورت میں ان کو ظرفِ لغو کہتے ہیں جب ان کا متعلق عبارت میں ذکر ہو، اور جب ان کا متعلق عبارت سے محذوف ہو تو پھر ان کو ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔ اور کیوں کہتے ہیں؟ کہ اس نے اس کی جگہ پر قرار پکڑا ہوا ہے، تو اصل میں یہ ظرفِ مستقِر ہونا چاہیے بھائی، ظرفِ مستقر وہ ظرف جس نے قرار پکڑا ہوا ہے اس کی جگہ پر۔ لہٰذا جو بھی عمل پہلے «ثَبَتَ» یا «ثَابِتٌ» کر رہا تھا اب یہ سارے عمل «فِي الدَّارِ» کر رہا ہے، «ثَبَتَ» چلا گیا اور «فِي الدَّارِ» نے اس کی جگہ لے لی، اور وہ سارے عمل جو «ثَبَتَ» کر رہا تھا اب کون کر رہا ہے؟ «فِي الدَّارِ» کر رہا ہے، اسی لیے اس کو ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔ اور «ثَبَتَ» کیا کیا عمل کر رہا تھا؟ وہ «هُوَ» ضمیر اس کے اندر تھی اس کو بھی رفع دے رہا تھا، وہ «هُوَ» ضمیر بھی اب «فِي الدَّارِ» میں چھپ گئی، اور اس کو رفع اب یہ «فِي الدَّارِ» دے رہا ہے یہ ظرفِ مستقر۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ یہ ویسے آپ کو بتلا رہا ہوں اگر کبھی آپ کے ذہن میں رہے کہ وہ «فِي الدَّارِ» یہ ظرفِ مستقر ہے، یہ اس کی جگہ لے چکا ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں بھائی: «وَالْعَامِلُ فِي الْحَالِ فِعْلٌ أَوْ مَعْنَى فِعْلٍ»، اور عامل جو ہوتا ہے حال کے اندر وہ فعل ہوتا ہے «أَوْ مَعْنَى فِعْلٍ» یا معنیٰ فعل ہوتا ہے، معنیٰ فعل سے کیا مراد ہے میں نے آپ کو بتلا دیا: اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مبالغے کے صیغے وغیرہ بھائی، تو وہ مراد ہیں بھائی۔

▪ قولہ: «وَالْحَالُ نَكِرَةٌ أَبَدًا وَذُو الْحَالِ مَعْرِف...» کی تشریح

«وَالْحَالُ نَكِرَةٌ أَبَدًا وَذُو الْحَالِ مَعْرِفَةٌ غَالِبًا»، اور حال جو ہوتا ہے وہ نکرہ ہوتا ہے ابداً یعنی ہمیشہ، اور ذوالحال جو ہوتا ہے وہ معرفہ ہوتا ہے غالباً یعنی اکثر اوقات۔ تو حال ہمیشہ نکرہ ہوتا ہے، جیسے ان مثالوں میں «قَائِمًا» کا لفظ آیا تھا یہ نکرہ تھا، اور اگر کبھی کبھار لفظوں کے اعتبار سے حال معرفہ نظر بھی آئے تو اس کو بھی تاویل کر کے نکرہ بنا لیا جاتا ہے۔ جیسے کل میں نے مثال ذکر کی تھی: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَحْدَهُ»، یہ «وَحْدَهُ» یہ مضاف اور مضاف الیہ ہیں اور یہ حال ہے، اور ضمیر کی طرف جو چیز مضاف ہو جائے وہ بھی معرفہ بن جاتی ہے، تو «وَحْدَ» کا لفظ کیا بن گیا؟ معرفہ، تو حال معرفہ بن گیا حالانکہ حال تو کیا ہوتا ہے؟ نکرہ ہوتا ہے، تو لہٰذا اس کو تاویل کر کے اب ہم کیا بنائیں گے؟ «مُنْفَرِدًا» کے معنیٰ میں ہے ہم کہیں گے، تو نکرہ بنا لیا۔

تو کہتے ہیں: «وَالْحَالُ نَكِرَةٌ أَبَدًا وَذُو الْحَالِ مَعْرِفَةٌ غَالِبًا»، اور حال جو ہے ہمیشہ نکرہ ہوتا ہے اور ذوالحال معرفہ ہوتا ہے غالباً، «كَمَا رَأَيْتَ فِي الْأَمْثِلَةِ الْمَذْكُورَةِ»، جیسا کہ آپ نے دیکھا مذکورہ مثالوں میں۔ «فَإِنْ كَانَ ذُو الْحَالِ نَكِرَةً يَجِبُ تَقْدِيمُ الْحَالِ عَلَيْهِ»، لیکن کبھی کبھار جو ہے ذوالحال نکرہ آ جاتا ہے، اور یاد رکھو یہ آگے آپ کو بتائیں گے جب ذوالحال نکرہ آئے تو حال کو اس پر مقدم کرنا واجب ہے۔ «جَاءَ زَيْدٌ رَاكِبًا»، «زَيْدٌ» ذوالحال اور «رَاكِبًا» اس سے حال، یہاں پر ذوالحال معرفہ ہے، اگر ذوالحال نکرہ ہو تو پھر حال کو مقدم کریں گے، مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں: «جَاءَ رَجُلٌ رَاكِبًا»، «رَجُلٌ» ہے ذوالحال اور «رَاكِبًا» کیا ہے اس سے حال، تو ذوالحال کون ہے؟ «رَجُلٌ»، اور وہ نکرہ ہے، اور جب ذوالحال نکرہ ہو تو حال کو مقدم کرنا واجب، لہٰذا یوں کہوں گا: «جَاءَ رَاكِبًا رَجُلٌ». طریقہ سمجھ میں آیا؟ «جَاءَ رَاكِبًا رَجُلٌ»، ترکیب اسی طرح ہو گی: «جَاءَ» فعل، «رَاكِبًا» کو بھی چھوڑ دیں، آگے «رَجُلٌ» مرفوع لفظاً فاعل ہے نا؟ ذوالحال ہوا، اب پھر «رَاكِبًا» پہ آ جائیں: «رَاكِبًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ ذوالحال کو، ذوالحال کون ہے؟ «رَجُلٌ». سوال: ضمیر پہلے آ گئی اور مرجع بعد میں آ رہا ہے، کیا جواب دیں گے؟ کہ لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ «رَجُلٌ» مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے کیا ہے؟ مقدم ہے، تو یہ اضمار قبل الذکر لفظاً تو ہے لیکن رتبۃً نہیں ہے، رتبے کے اعتبار سے نہیں اور یہ جائز ہے بھائی۔

ترکیب آ گئی؟ سوال پیدا ہوتا ہے: «جَاءَ رَاكِبًا رَجُلٌ»، یہ ذوالحال پر حال کو مقدم کرنے کی شرط کیوں لگائی گئی جبکہ ذوالحال نکرہ ہو؟ سوال سمجھ میں آیا؟ کیوں مقدم کیا جاتا ہے ذوالحال پر حال کو جب وہ نکرہ ہو؟ کون جب نکرہ ہو؟ ذوالحال، میں کہہ رہا ہوں ناتوجہ نہیں ہے سبق کی طرف۔ انہوں نے کیا قید لگائی؟ کہ جب ذوالحال نکرہ ہو تو پھر اس پر حال کو مقدم کرنا واجب۔ سوال یہ کہ یہ ذوالحال پر حال کو مقدم کرنا کیوں واجب ہوتا ہے جس وقت ذوالحال نکرہ ہو؟ تو وجہ اس کی یہ کہ حالتِ نصبی میں موصوف صفت کا شبہ پڑتا ہے، موصوف صفت معلوم ہوتے ہیں اگر آپ مقدم نہیں کریں گے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «رَأَيْتُ رَجُلًا رَاكِبًا»، میں نے ایک آدمی کو دیکھا «رَاكِبًا» اس حال میں کہ وہ سوار ہے، اب یہ «رَاكِبًا» کو میں حال بنانا چاہتا ہوں کس سے؟ «رَجُلًا» سے، تو «رَجُلًا» بھی منصوب، آگے «رَاكِبًا» بھی منصوب، «رَجُلًا» بھی نکرہ آگے «رَاكِبًا» بھی نکرہ ہے، تو جو بھی اس جملے کو دیکھے گا وہ کبھی بھی ان کو ذوالحال اور حال نہیں بنائے گا وہ ان کو موصوف صفت بنائے گا، کیونکہ «رَجُلًا» بھی نکرہ بھی ہے اور منصوب ہے اور آگے «رَاكِبًا» نکرہ بھی ہے اور منصوب ہے، تو بظاہر یوں ہی لگتا ہے یہ آپس میں موصوف صفت ہیں۔ لہٰذا چونکہ حالتِ نصبی میں موصوف صفت ہونے کا شبہ پڑتا ہے اس لیے حال کو مقدم کرنا واجب قرار دیا گیا۔ اب جب یوں کہا: «جَاءَ رَاكِبًا رَجُلٌ»، اب موصوف صفت کا شبہ نہیں کیونکہ صفت کبھی اپنے موصوف پر مقدم نہیں ہوتی، اب پتہ چل گیا کہ «رَاكِبًا» یہ حال ہے اور آگے جو «رَجُلٌ» یا «رَجُلًا» مفعول بہ ہے وہ ذوالحال ہے۔ وجہ سمجھ میں آ گئی؟

جب حالتِ نصبی کے اندر یہ ضابطہ بنا دیا گیا کہ ذوالحال پر حال کو مقدم کرنا ہے، تو حالتِ رفعی میں بھی یہی ضابطہ جاری کر دیا گیا تاکہ ہر جگہ ایک ہی جیسی صورت رہے، یہ نہیں کہ کہیں تو مقدم کرنا ضروری ہو اور کہیں مقدم کرنا ضروری نہ ہو بلکہ ذوالحال جب بھی نکرہ ہو حال کو اس پر ہمیشہ کیا کریں گے؟ مقدم کریں گے، اگرچہ التباس تو صرف کون سی صورت میں تھا موصوف صفت والا؟ ہاں جب ذوالحال بھی منصوب ہو، حال تو ہوتا ہی منصوب ہے، ذوالحال بھی اگر منصوب ہے تو پھر کیا شبہ پڑ سکتا تھا؟ موصوف صفت کا، لہٰذا حال کو مقدم کرنا واجب قرار دیا گیا، اور جب حالتِ نصبی کے اندر حال کو مقدم کرنا واجب قرار دیا گیا تو حالتِ رفعی کے اندر بھی حال کو مقدم کرنا واجب قرار دیا گیا تاکہ تمام صورتیں ایک جیسی ہو جائیں بھائی۔

تو کہتے ہیں: «فَإِنْ كَانَ ذُو الْحَالِ نَكِرَةً يَجِبُ تَقْدِيمُ الْحَالِ عَلَيْهِ»، اور اگر ذوالحال جو ہے وہ نکرہ ہو تو واجب ہے حال کو اس پر مقدم کرنا، «نَحْوُ: جَاءَنِي رَاكِبًا رَجُلٌ»، تو اس حال کو مقدم کرنا واجب ہے ذوالحال پر جیسے «جَاءَنِي رَاكِبًا رَجُلٌ». کیوں؟ کہتے ہیں: «لِئَلَّا تَلْتَبِسَ بِالصِّفَةِ فِي حَالَةِ النَّصْبِ»، تاکہ یہ حال اس کا التباس نہ آئے یعنی اشتباہ تاکہ اس کا نہ آئے صفت کے ساتھ «فِي حَالَةِ النَّصْبِ» حالتِ نصبی میں، «فِي مِثْلِ قَوْلِكَ: رَأَيْتُ رَجُلًا رَاكِبًا»، آپ کے اس جیسے قول میں: «رَأَيْتُ رَجُلًا رَاكِبًا». دیکھا اگر یوں لکھو گے تو «رَاكِبًا» کو اگر مقدم نہیں کرو گے تو موصوف صفت معلوم ہوں گے، اور جو بھی دیکھے گا وہ یہی سمجھے گا یہ آپس میں موصوف صفت ہیں، «رَجُلًا» موصوف ہے اور «رَاكِبًا» اس کی صفت ہے، لیکن «رَاكِبًا» کو جب مقدم کریں گے اب کوئی موصوف صفت والی ترکیب نہیں کرے گا کیونکہ صفت کبھی بھی موصوف پر مقدم نہیں ہوتی۔

اچھا اب اس کی ترکیب کیجیے: «رَأَيْتُ رَجُلًا رَاكِبًا»، «رَأَيْتُ» فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، آگے «رَجُلًا» منصوب لفظاً موصوف بنائیں گے یا ذوالحال بنائیں گے؟ موصوف، کیوں؟ ذوالحال کیوں نہیں بناتے؟ ہاں ذوالحال بھی نکرہ ہے اور حال بھی نکرہ ہے، پھر آپ ترکیب کر رہے ہیں کوئی آپ پر اشکال کر دے تو جواب تو آپ کے ذہن میں ہونا چاہیے نا! آپ کیا بنا رہے ہیں؟ «رَجُلًا» کو موصوف، «رَاكِبًا» کو اس کی صفت۔ سوال: «رَجُلًا» کو ذوالحال کیوں نہیں بناتے اور «رَاكِبًا» کو اس سے حال کیوں نہیں بناتے؟ جواب: یہ جو ابھی ضابطہ پڑھایا ہے ذکر کریں گے جواب میں کہ بھائی جب ذوالحال نکرہ ہو تو حال کو مقدم کرنا واجب، اور یہ تو مقدم نہیں کیا گیا لہٰذا معلوم ہوا یہ حال نہیں ہے بلکہ یہ کیا ہے؟ صفت ہی ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو «رَجُلًا» منصوب لفظاً موصوف، «رَاكِبًا» منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل، منصوب کیوں؟ کیونکہ صفت ہے، موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ تو «رَاكِبًا» منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ موصوف کو۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ چلیے بس کریں، بس بھائی! هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۶۲: حال کا جملہ خبریہ ہونا، واوِ حالیہ اور ضمیرِ راجع کے قواعد

ہدایۃ النحو صفحہ: ۴۲—بتاریخ: ۲ مارچ ۲۰۱۵ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَقَدْ تَكُونُ الْحَالُ جُمْلَةً خَبَرِيَّةً نَحْوُ: جَاءَنِي زَيْدٌ وَغُلَامُهُ رَاكِبٌ أَوْ يَرْكَبُ غُلَامُهُ، وَمِثَالُ مَا كَانَ عَامِلُهَا مَعْنَى الْفِعْلِ نَحْوُ: هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا مَعْنَاهُ: أُنَبِّهُ وَأُشِيرُ.

گذشتہ سبق میں ہم حال کے بارے میں پڑھ رہے تھے بھئی، اور آپ نے پڑھا کہ حال کے اندر جو عامل ہے، وہ فعل بھی ہو سکتا ہے اور معنیٰ فعل بھی ہو سکتا ہے۔ آپ نے پڑھا کہ حال جو ہے وہ فاعل یا مفعول کی ہیئت بیان کرنے کے لیے آتا ہے، اور فاعل یا مفعول کبھی لفظوں کے اعتبار سے ہوں گے اور کبھی کبھار معنیٰ کے اعتبار سے ہوں گے بھئی۔ اور نیز آپ نے یہ بھی پڑھا کہ حال کے اندر جو عامل ہوتا ہے وہ فعل ہوتا ہے یا معنیٰ فعل، کیا معنی معنیٰ فعل؟ یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مبالغے کے صیغے وغیرہ، یہ بھی عامل ہو سکتے ہیں حال کے اندر، یا فعل ہو گا یا یہ صفت کے صیغے بھئی۔

اور پھر آپ نے یہ بھی پڑھا کہ حال جو ہے وہ ہمیشہ نکرہ ہوتا ہے اور ذوالحال عموماً معرفہ ہوتا ہے، اگر حال کبھی معرفہ آ بھی جائے تو اس کو کس کی تاویل میں کر لیا جاتا ہے؟ نکرہ کی تاویل میں کر لیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد آپ نے یہ ضابطہ بھی پڑھا کہ ذوالحال جو ہے وہ عموماً ہوتا تو معرفہ ہے لیکن اگر کبھی ذوالحال نکرہ آ جائے تو پھر حال کو اس پر مقدم کرنا واجب ہے، اس لیے کیونکہ اگر حال کو اس پر مقدم نہیں کریں گے تو حالتِ نصبی میں کس چیز کا شبہ پڑے گا؟ موصوف صفت ہونے کا شبہ پڑے گا، کیونکہ حالتِ نصبی میں ذوالحال بھی منصوب اور حال تو ہوتا ہی منصوب ہے، تو دیکھنے والا بظاہر یہ سمجھے گا کہ شاید یہ آپس میں موصوف صفت ہیں، اس کا ذہن کبھی بھی حال والی ترکیب کی طرف نہیں جائے گا۔ لہٰذا حال کو مقدم کرنا واجب ہو گا، اور جب حال کو مقدم کر دیں گے اب کوئی بھی موصوف صفت والی ترکیب نہیں کرے گا کیونکہ صفت تو موصوف کے بعد آیا کرتی ہے اس پر کبھی مقدم نہیں ہوتی بھئی۔

اب آگے آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ کبھی کبھار حال جو ہے وہ جملہ خبریہ بھی ہوتا ہے۔ حال کیا ہوتا ہے؟ ابھی تو آپ نے جو جملے پڑھے، جو ترکیبیں پڑھیں: «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»، دیکھو یہ «رَاكِبًا» یہ حال بن رہا تھا، اور یہ جملہ ہے یا شبہ جملہ ہے؟ شبہ جملہ یا شبہ فعل کہہ لیں، تو یہ شبہ فعل ہے شبہ جملہ، لیکن کبھی کبھار حال جملہ بھی ہوتا ہے اور پھر وہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ فعلیہ بھی ہو سکتا ہے بھئی۔

اور حال اگر جملہ اسمیہ ہے تو جملہ اسمیہ میں پھر کیا آتے ہیں؟ ایک مبتدا اور ایک خبر، کیونکہ جملہ اسمیہ بنتا ہی کس سے ہے؟ مبتدا اور خبر سے، اور پورا جملہ اسمیہ کیا بن رہا ہو؟ حال، تو معلوم ہوا اس حال اس جملے کے اندر کیا ہو گا؟ ایک مبتدا ہو گا اور ایک خبر۔ اور اگر حال جو ہے جملہ فعلیہ بن رہا ہو تو جملہ فعلیہ کے اندر پھر کیا ہوتا ہے؟ فعل اور فاعل یا نائب فاعل، فعلِ معروف ہو گا تو فاعل چاہیے ہو گا اور فعلِ مجہول ہو گا تو نائب الفاعل ہو گا بھئی۔

اور آپ نے یہ بھی پڑھا کہ جملہ من حیث الجملہ مستقل ہوتا ہے، اس میں بات پوری ہوتی ہے: «زَيْدٌ قَائِمٌ» زید کھڑا ہے، یہ پورا جملہ ہے، تو یہ پورا جملہ اس میں بات پوری ہو رہی ہے، یہ کسی اور چیز سے جڑنے کا محتاج نہیں، لیکن جب آپ اس کو کسی چیز سے جوڑیں تو درمیان میں ربط چاہیے، اور وہ چیز جو ربط دے اس کو کیا کہتے ہیں؟ عائد کہتے ہیں بھئی۔ لہٰذا جب پورا جملہ حال بنے، چاہے وہ جملہ اسمیہ ہو چاہے وہ جملہ فعلیہ ہو، پورا جملہ کیا بن رہا ہے؟ حال، وہ جملہ اسمیہ بھی ہو

سکتا ہے اور جملہ فعلیہ بھی، اور جملہ ہے تو اس کو آپ کس سے جوڑ رہے ہیں؟ ذوالحال سے، اس پورے جملے کو آپ حال بنا رہے ہیں تو اس کو ذوالحال سے جوڑ رہے ہیں، تو درمیان میں کیا چاہیے؟ ربط چاہیے، عائد چاہیے بھئی۔

▪ قولہ: «وَقَدْ تَكُونُ الْحَالُ جُمْلَةً خَبَرِيَّةً» کی تشریح

«وَقَدْ تَكُونُ الْحَالُ جُمْلَةً خَبَرِيَّةً»، اور کبھی کبھار حال جو ہوتا ہے وہ جملہ خبریہ ہوتا ہے، نحو مثال کے طور پر: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَغُلَامُهُ رَاكِبٌ» یا «يَرْكَبُ غُلَامُهُ»، یہ دراصل دو مثالیں ہیں۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ» یہ ایک جملہ ہے، اس کے اندر یہ «زَيْدٌ» ذوالحال ہے، اور آگے «وَغُلَامُهُ رَاكِبٌ» یہ پورا جملہ کیا ہے اس سے؟ حال ہے، اور یہ جملہ اسمیہ ہے: «غُلَامُهُ» ہے مبتدا اور «رَاكِبٌ» ہے خبر، اور یہ پورا جملہ اسمیہ حال بن رہا ہے «زَيْدٌ» سے۔ اور جملہ اسمیہ جب حال ہو تو درمیان میں واؤ عموماً لاتے ہیں ربط دینے کے لیے، اس کو واؤ حالیہ کہتے ہیں۔ تو یہ جو «وَغُلَامُهُ رَاكِبٌ» میں واؤ آرہا ہے یہ واؤ حالیہ کہلاتا ہے بھئی، اور یہ جملہ اسمیہ ہو جب تو واؤ کا لانا پسندیدہ ہے بھئی۔

آگے «أَوْ يَرْكَبُ غُلَامُهُ»، یہ دوسری مثال ہے لیکن اس میں سے کچھ حصہ حذف کر دیا، ماقبل میں چونکہ وہ ذکر تھا اس لیے اس کو ذکر نہیں کیا، اصل میں کلام یوں ہے، ذکر کیا ہے؟ «أَوْ يَرْكَبُ غُلَامُهُ»، اس کو ذرا اٹھا کر رکھ دیں «غُلَامُهُ رَاكِبٌ» پر، واؤ بھی ختم کریں گے بھئی، تو اس کو رکھیں گے اس «وَغُلَامُهُ رَاكِبٌ» پر، کیا بن گیا کلام؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ يَرْكَبُ غُلَامُهُ». تو گویا دوسری مثال یہ ہے بھئی: ایک مثال ہو گئی «جَاءَنِي زَيْدٌ وَغُلَامُهُ رَاكِبٌ»، اس میں حال جملہ اسمیہ ہے، دوسری مثال بن گئی «جَاءَنِي زَيْدٌ يَرْكَبُ غُلَامُهُ»، اس میں «يَرْكَبُ غُلَامُهُ» یہ حال ہے اور یہ جملہ فعلیہ ہے بھئی، اور اس کے اندر میں نے بتلایا واؤ نہیں لائیں گے۔ یہ واؤ حالیہ جو ہے، وہ جملہ جو حال بنے اس کے شروع میں واؤ لاتے ہیں، لیکن اگر وہ جو حال جملہ بن رہا ہے اس میں جو فعل آئے وہ فعلِ مضارع ہو اور فعلِ مضارع مثبت ہو یعنی منفی نہ ہو، کوئی حرفِ نفی ساتھ ملا ہوا نہ ہو، مضارع مثبت ہو تو پھر واؤ نہیں لائیں گے بھئی، اسی لیے میں نے کہا: «جَاءَنِي زَيْدٌ يَرْكَبُ غُلَامُهُ»، «وَيَرْكَبُ غُلَامُهُ» کہنا صحیح نہیں۔

ترکیب کیجیے بھئی: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَغُلَامُهُ رَاكِبٌ»، «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً ذوالحال، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے، تو یہ ذوالحال ہوا۔ واؤ حالیہ، «غُلَامُ» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، «غُلَامُهُ» دیکھو میم پر ضمہ پڑھ رہے ہیں، اور مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ ہاں جس اسم کے ساتھ ضمیرِ متصل آجائے تو وہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ بنتے ہیں، تو «غُلَامُ» مرفوع لفظاً مضاف، ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا۔ اور ہاں، یہ ہا ضمیر لوٹ رہی ہے کس کو؟ زید کو، یہ ہے وہ عائد آگیا بھئی، اس کا غلام، کس کا غلام؟ زید کا غلام، تو یہ ہا ضمیر لوٹ رہی ہے زید کو، یہ عائد آگیا۔

آگے بھئی «رَاكِبٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے «غُلَامُهُ» کی، اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اور مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، آگے ہوا ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ غلام کو لوٹ رہی ہے، مبتدا غلام ہے کہ «غُلَامُهُ» کی ہا ضمیر ہے؟ اور غلام مفرد ہے، تثنیہ ہے، جمع ہے؟ مفرد ہے۔ تو غلام، بات سمجھ میں آگئی؟ یوں کہہ لیں ہا ضمیر مبتدا کو لوٹ رہی ہے، یا یوں کہہ لیں ہا ضمیر غلام کو لوٹ رہی ہے، یا یوں کہہ لیں ہا ضمیر «غُلَامُهُ» کو لوٹ رہی ہے، بات سب میں ایک ہی ہے، آپ کو پتہ ہے یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ لفظِ غلام کو، جو مضاف ہے۔ تو دونوں کو اکٹھا ذکر کر دیں بے شک مضاف اور مضاف الیہ کو اکٹھا کہ ہا ضمیر لوٹ رہی ہے کس کو؟ «غُلَامُهُ» کو، اور سننے والا سمجھ گیا کہ دراصل کس کو لوٹ رہی ہے؟ یہ جو مضاف ہے۔

بھئی «غُلَامُهُ» کو یہ ضمیر کیوں لوٹائی؟ زید کو کیوں نہیں لوٹاتے یہ «رَاكِبٌ» کی ہوا ضمیر؟ سوال پیدا ہوتا ہے نا، «غُلَامُهُ» کی ہا ضمیر تو ٹھیک ہے آپ نے زید کو لوٹا دی لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ایک ضمیر ایک چیز کو لوٹ رہی ہے تو دوسری یا تیسری یا چوتھی ضمیر اس کو لوٹ ہی نہیں سکتے، نہیں بھئی کئی بار جملے میں آتا ہے کہ دو تین ضمیریں آتی ہیں جو ایک ہی چیز کو لوٹ رہی ہوتی ہیں، یہ تو مختصر سا جملہ ہے لمبے لمبے جملے ہوتے ہیں کئی ضمیریں لوٹ رہی ہوتی ہیں۔ ہاں، یہ جو «رَاكِبٌ» ہے اس کو ہم نے خبر بنانا ہے کس کی؟ «غُلَامُهُ» مبتدا کے لیے، اور یہ اسم فاعل ہے «رَاكِبٌ» اور اسم فاعل کیا بنے گا؟ شبہ جملہ، اور شبہ جملہ کو بھی جب کسی چیز سے جوڑنا ہو تو کیا چاہیے؟ ربط چاہیے، اور اگر آپ یہ ضمیر «غُلَامُهُ» کو نہیں لوٹاتے پھر تو ربط ہی نہیں آئے گا پھر یہ خبر ہی نہیں بنا سکتے آپ اس کے لیے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو ہوا ضمیر جو لوٹ رہی ہے مبتدا کو، اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر فاعل ہوا «جَاءَ» فعل کے لیے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ کیجیے: آیا

میرے پاس زید اس حال میں کہ اس کا غلام سوار تھا۔

دوسری ترکیب کریں: یہ «وَغُلَامُهُ رَاكِبٌ» اس کو ذرا ہٹائیں اور «يَرْكَبُ غُلَامُهُ» اس کی جگہ رکھیں: «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً ذوالحال، فاعل تو ہے ہی لیکن آگے حال بھی آرہا ہے تو مرفوع لفظاً ذوالحال۔ آگے «يَرْكَبُ» فعل، «يَرْكَبُ غُلَامُهُ»، جی ترکیب کیا کر رہے ہیں؟ «يَرْكَبُ» فعل، اور؟ پہلے غور کیا کریں، اگر «يَرْكَبُ» میں ہوا ضمیر ہے تو فعل کے آنے کے بعد صرف فاعل مرفوع آسکتا ہے اور کوئی مرفوع نہیں آسکتا، اور آگے «غُلَامُهُ» تو غلام کا لفظ تو مرفوع آرہا ہے، معلوم ہوا وہ فاعل ہے اور «يَرْكَبُ» کے اندر ضمیر نہیں۔ سوال: ضمیر کیوں نہیں ہے؟ ضمیر بھی نکال لو «غُلَامُهُ» اس کو بھی مرفوع پڑھ لو، کیا جواب دیں گے؟ فاعل ایک ہی آتا ہے دو فاعل نہیں آتے، یا ہوا ضمیر ہے تو «غُلَامُهُ» نہیں ہوسکتا، اور اگر «غُلَامُهُ» فاعل ہے تو پھر اس کے اندر ہوا ضمیر نہیں ہوسکتی۔

تو «يَرْكَبُ» فعل، «غُلَامُ» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: «غُلَامُ»، اور مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا مضاف ہے؟ ہاں اسم کے ساتھ اگر ضمیر جڑی ہوئی ہو وہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ بنیں گے۔ تو «غُلَامُ» مرفوع لفظاً مضاف، آگے ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ بہت سے طلبہ اس کو کیا پڑھتے ہیں؟ ہو ضمیر، یا زیر ہو تو پڑھتے ہیں ہی ضمیر، نہیں بھئی! بلکہ ایک حرف پر کلمہ مشتمل ہو تو وہ نام لیتے ہیں جو حروفِ تہجی میں تھا، اور یہ حروفِ تہجی میں سے کون سا حرف ہے؟ ہا ہے بھئی، تو ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے، محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے شاباش، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل ہوا «يَرْكَبُ» کے لیے، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر حال۔

آپ پورے جملے کو حال بنا رہے ہیں، بغیر ربط دیے حال جملے کو نہیں بنا سکتے، ہاں «غُلَامُهُ» میں ہا ضمیر ہے وہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو، اس کا غلام، کس کا؟ زید کا غلام، تو یہ عائد آگیا۔ تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر فاعل ہوا «جَاءَ» فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، ترکیب سمجھ میں آگئی بھئی؟ ترجمہ کیجیے: «جَاءَنِي زَيْدٌ يَرْكَبُ غُلَامُهُ»، آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ سوار تھا اس کا غلام۔ دیکھو زید نہیں تھا سوار، اس کا غلام سوار تھا، کیسے پتہ چلا؟ کیونکہ یہ اس کا فاعل ہے «يَرْكَبُ»، معلوم ہوا یہ رکوب کرنے والا، سواری کرنے والا کون ہے؟ «غُلَامُهُ» اس کا غلام، یہ فاعل ہے بھئی۔ آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ اس کا غلام سوار تھا۔

مثلاً کوئی طالب علم آپ پر اشکال کر دیتا ہے کہ بھئی آپ نے پہلے پڑھا: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَغُلَامُهُ رَاكِبٌ»، پہلا جملہ، وہ کہتے ہیں نہیں بھئی یوں نہیں پڑھنا، یوں پڑھنا ہے: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَغُلَامَهُ رَاكِبٌ». کیوں پڑھنا ہے؟ کہتا ہے بھئی یہ «وَغُلَامَهُ رَاكِبٌ» کیا ہے؟ حال ہے، اور حال کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تو «غُلَامَهُ» منصوب پڑھو اس کو، آپ کیا جواب دیں گے؟ مکمل جملہ ہے، ہاں شاباش! یہ پورا جملہ حال بن رہا ہے، صرف غلام کا لفظ حال نہیں بن رہا، صرف غلام کا لفظ حال ہوتا تو اس میں نصب آسکتا تھا، لیکن جب پورا جملہ ہے تو پورا جملہ حال بنے گا اور جملہ کیا ہے؟ مبنی، تو معلوم ہوا یہ «غُلَامُهُ رَاكِبٌ» یہ پورا جملہ محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ حال ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور جملے کے اپنے اجزاء کے اعراب اپنی جگہ آئیں گے اور یہ جملہ اسمیہ ہے تو جملہ اسمیہ کے اندر کیا ہوتا ہے؟ مبتدا اور خبر، تو مبتدا بھی مرفوع ہوگا خبر بھی مرفوع ہوگی، البتہ خود یہ پورا جملہ محلاً منصوب ہے، حال ہے۔

اسی طرح کوئی طالب علم اشکال کرتا ہے آپ پر، کہتا ہے: «جَاءَنِي زَيْدٌ يَرْكَبُ غُلَامُهُ»، وہ کہتا ہے «يَرْكَبُ» نہیں پڑھنا «يَرْكَبَ غُلَامُهُ» پڑھنا ہے، منصوب پڑھو، کیونکہ یہ حال بن رہا ہے اور حال کیا ہوتا ہے؟ منصوب، آپ کیا جواب دیں گے؟ ہاں «يَرْكَبُ» صرف فعل یہ منصوب نہیں ہے بلکہ فعل اپنے فاعل کے ساتھ مل کر پورا جملہ ہو کر یہ حال ہے، یہ منصوب ہے اور جملہ تو مبنی ہوتا ہے تو یہ محلاً منصوب ہوگا بھئی، اس کے باقی لفظوں کے اعراب پر کوئی فرق نہیں آئے گا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: «وَمِثَالُ مَا كَانَ عَامِلُهَا مَعْنَى الْفِعْلِ»، اور مثال اس حال کی کہ جس کا عامل معنیٰ فعل ہو، جس میں معنیٰ فعل عامل ہو اس کی مثال ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں نحو مثال کے طور پر: «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا»، «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا»، بھئی یہ مثال اوپر بھی گزر چکی ہے کل ہم ترکیب کر چکے ہیں۔ سوال پیدا ہوا تھا یہاں کہ «زَيْدٌ» یہ تو خبر ہے، خبر سے تو «قَائِمًا» حال نہیں آسکتا، حال تو صرف کس سے آتا ہے؟ یا فاعل سے آتا ہے یا مفعول بہ سے، ان کی حالت بیان کرتا ہے، تو یہ خبر کی حالت کیسے بیان کر رہا ہے؟ تو انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کبھی کبھار معنیٰ کے اعتبار سے فاعل ہوتا ہے یا معنیٰ کے اعتبار سے مفعول بہ ہوتا ہے۔ جب آپ نے کہا «هٰذَا زَيْدٌ» یہ زید ہے، تو گویا آپ یوں کہہ رہے ہیں: «أُشِيرُ زَيْدًا» میں زید کی طرف اشارہ کر رہا ہوں، تو «هٰذَا زَيْدٌ»، زید بظاہر تو خبر ہے، «هٰذَا» مبتدا ہے اور زید اس کی خبر ہے، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے زید مفعول بہ ہے، «أُشِيرُ» میں اشارہ کر رہا ہوں، تو متکلم اشارہ کرنے والا وہ ہوا فاعل «أُشِيرُ» فعل کے لیے اور «زَيْدًا» کیا ہوا؟ مفعول بہ۔

تو کہتے ہیں مثال اس حال کی جس کے اندر عامل معنٰی فعل ہو وہ یہ ہے: «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا، مَعْنَاهُ: أُنَبِّهُ وَأُشِيرُ»، اس کا معنی کیا ہے؟ «أُنَبِّهُ» میں متنبہ کرتا ہوں، «وَأُشِيرُ» اور میں اشارہ کرتا ہوں، کوئی بھی فعل آپ نکال لیں۔ «أُنَبِّهُ زَيْدًا قَائِمًا»، تو دیکھو اس معنٰی کے اعتبار سے زید کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، یا «أُشِيرُ زَيْدًا قَائِمًا»، اس معنٰی کے اعتبار سے بھی زید کیا ہے؟ مفعول بہ ہے بھئی۔ تو «أُنَبِّهُ» میں بھی انا ضمیر متکلم کی فاعل ہے، «أُشِيرُ» میں بھی انا ضمیر متکلم کی فاعل ہے۔

▪ قولہ: «وَقَدْ يُحْذَفُ الْعَامِلُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ» کی تشریح

«وَقَدْ يُحْذَفُ الْعَامِلُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ»، اور کبھی کبھار حال کا جو عامل ہوتا ہے اس کو حذف کر لیا جاتا ہے قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے۔ بھئی قرینہ کسے کہتے ہیں؟ «هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ»، وہ چیز جو مطلوب کی طرف اشارہ کر دے، یعنی جس سے ایک چیز کا پتہ چل رہا ہو۔ آپ نے پڑھا حال کے اندر عامل کون ہوتا ہے؟ فعل یا معنٰی فعل، بعض اوقات اس فعل کو لفظوں سے حذف کر لیتے ہیں، اور کب؟ جب کوئی اور چیز ہو جو بتلا رہی ہو کہ یہاں عامل یہ لفظ ہے، جب دوسری چیز سے اس کا پتہ چل رہا ہے تو اس کو کیا کر لیتے ہیں؟ لفظوں سے حذف کر لیتے ہیں۔ تو جو بھی چیز اس کی طرف اشارہ کرے اس کو قرینہ کہتے ہیں، میں نے تعریف لکھوائی تھی: «الْقَرِينَةُ: هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ»، قرینہ وہ چیز ہے جو مطلوب کی طرف اشارہ کرے۔

کہتے ہیں: «وَقَدْ يُحْذَفُ الْعَامِلُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ»، اور کبھی کبھار حال کے عامل کو حذف کر دیا جاتا ہے قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے، «كَمَا تَقُولُ لِلْمُسَافِرِ: سَالِمًا غَانِمًا»، جیسے کہ آپ ایک مسافر سے کہتے ہیں: «سَالِمًا غَانِمًا»، سلامتی، اس حال میں کہ سلامتی کے ساتھ تم ہو، «غَانِمًا» اس حال میں کہ تم غنیمت والے ہو، غنیمت یعنی مراد فائدہ ہے، نفع۔ بھئی ایک شخص ہے آپ کا ایک ساتھی ہے وہ سفر پر جا رہا ہے، آپ اس سے کہتے ہیں: «سَالِمًا غَانِمًا»، «أَيْ تَرْجِعُ سَالِمًا غَانِمًا»، یعنی تم لوٹو سلامتی کے ساتھ اور غنیمت کے ساتھ یعنی نفع کے ساتھ۔ گویا آپ اس کو دعا دے رہے ہیں وہ سفر پر جا رہا ہے آپ اسے کیا کہتے ہیں؟ «سَالِمًا غَانِمًا»، کیا معنی «سَالِمًا غَانِمًا»؟ «أَيْ تَرْجِعُ سَالِمًا غَانِمًا»، یعنی تم واپس لوٹو سلامتی کے ساتھ اور نفع کے ساتھ۔ تو لفظی ترجمہ کیا ہوا؟ «تَرْجِعُ سَالِمًا غَانِمًا»، «تَرْجِعُ» آپ لوٹیں، «سَالِمًا» اس حال میں کہ سلامتی کے ساتھ ہوں، «غَانِمًا» اس حال میں کہ نفع والے ہوں، غنیمت والے ہوں۔

تو دیکھیے یہاں «تَرْجِعُ» آپ لوٹیں، اس فعل کو حذف کر دیا، یہ فعل عامل تھا «سَالِمًا» حال میں بھی اور «غَانِمًا» حال میں بھی، ان دونوں پر نصب آ رہا ہے نا، نصب کے لیے عامل چاہیے اور وہ عامل «تَرْجِعُ» فعل ہے لیکن آپ نے اس کو حذف کر لیا، آپ نے اس کو صرف اتنا کہا: «سَالِمًا غَانِمًا»، کیونکہ قرینہ موجود تھا، قرینہ کیا تھا؟ وہ سفر پر روانہ ہو رہا ہے بھئی، سفر پر روانہ ہونا ہی قرینہ ہے کہ معلوم ہوا آپ اس کو کیا کہہ رہے ہیں کہ سلامتی کے ساتھ واپس آنا بھئی، چونکہ سفر پر جا رہے ہو تو سلامتی کے ساتھ واپس آنا، یعنی اللہ تمہیں سلامتی کے ساتھ اور فائدے کے ساتھ واپس لے کر آئے، تو یہ گویا دعا ہے۔

یہ معنی ہے «كَمَا تَقُولُ لِلْمُسَافِرِ: سَالِمًا غَانِمًا»، جیسا کہ آپ مسافر سے کہتے ہیں «سَالِمًا غَانِمًا»، کیا معنی؟ «أَيْ تَرْجِعُ سَالِمًا غَانِمًا»، یعنی تو لوٹے اس حال میں کہ سلامتی والا ہو اور «غَانِمًا» اس حال میں کہ غنیمت والا ہو۔ ترکیب کیجیے بھئی: «تَرْجِعُ» فعل، فعل بافاعل، اس کے اندر کون سی ضمیر؟ ذرا غور بھی کرتے ہو یا ویسے ہی کرتے چلے جاتے ہو ترکیب؟ «تَرْجِعُ» تو لوٹے، انت ضمیر، «تَرْجِعُ» فعل بافاعل، اس کے اندر انت ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «سَالِمًا» منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل: سالم، فاعل، ضارب، راکب دیکھو سب کا ایک وزن ہے۔ تو «تَرْجِعُ» فعل بافاعل، انت ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر فاعل لیکن ابھی اس کو ذوالحال بناؤ، اسی سے حال ہے نا آگے، سلامتی کے ساتھ کون لوٹے؟ تو لوٹے، انت وہی، تو انت ذوالحال، مرفوع محلاً ذوالحال، آگے «سَالِمًا» منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر مرفوع کون سی ضمیر؟ اچھا ہاں، اب آپ کو ایک نیا ترکیب کا نکتہ بتلاؤں یاد رکھنا ہمیشہ۔

یاد رکھو، شبہ جملہ وغیرہ ہے اس کو آپ یا تو ضمیر سے جوڑیں گے یا اسم ظاہر سے جوڑیں گے۔ شبہ جملہ کو یا ضمیر سے جوڑیں گے یا اسم ظاہر سے، تو جہ ہے سبق کی طرف؟ ضمیر کے مقابلے میں ہے اسم ظاہر۔ میں پہلے آپ کو کئی دفعہ بتا چکا ہوں: جو بھی ضمیر نہیں لیکن ہے اسم اسے کیا کہیں گے؟ اسم ظاہر۔ «كِتَابٌ» یہ کیا ہے؟ اسم ظاہر، «قَلَمٌ» اسم ظاہر، «جِدَارٌ» اسم ظاہر، اور «يَدٌ» اسم ظاہر، اور «وَجْهٌ» اسم ظاہر، «قَدَمٌ» اسم ظاہر، جو بھی ضمیر نہیں ہے اور ہے اسم تو وہ کیا ہے؟ اسم ظاہر۔

توصفت کا صیغہ آتا ہے مثلاً، آپ اس کو یا تو اسم ظاہر سے جوڑیں گے یا ضمیر کے ساتھ۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»، یہ «رَاكِبًا» کس سے حال ہے؟ زید

سے، اور زید ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ اسمِ ظاہر، تو دیکھا «رَاكِبًا» کو آپ نے اسمِ ظاہر سے جوڑا، اور کبھی کبھار آپ اس صفت کے صیغے کو ضمیر سے جوڑتے ہیں۔ صفت کے صیغے کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ضمیر سے جوڑتے ہیں۔ مثلاً: «جَاءَ رَاكِبًا»، «جَاءَ رَاكِبًا» ترکیب کیا ہوگی؟ «جَاءَ» فعل بافاعل، اس کے اندر ہوا ضمیر مرفوع محلاً ذوالحال، آگے «رَاكِبًا» اس سے حال ہے، تو یہ «رَاكِبًا» کو آپ نے پہلے زید اسمِ ظاہر سے جوڑا تھا اور اس جملے میں «رَاكِبًا» کو ہوا ضمیر سے جوڑا ہے یعنی اس سے حال بنایا ہے۔ تو دیکھا، صفت کے صیغے کو کبھی آپ اسمِ ظاہر سے جوڑتے ہیں اور کبھی صفت کے صیغے کو ضمیر سے جوڑتے ہیں۔

اور یہ تو آپ کو علم ہی ہے کہ ضمیریں تین قسم کی ہیں: یا وہ غائب کی کوئی ضمیر ہوگی، یا مخاطب کی ضمیر ہوگی، یا متکلم کی ضمیر ہوگی، یعنی «هُوَ، هُمَا، هُمْ، هِيَ، هُمَا، هُنَّ» کوئی بھی ضمیر ہو سکتی ہے غائب کی، یا مخاطب کی کوئی ضمیر ہوگی: «أَنْتَ، أَنْتُمَا، أَنْتُمْ، أَنْتِ، أَنْتُمَا، أَنْتُنَّ» کوئی بھی ضمیر ہو سکتی ہے، اور یا پھر متکلم کی کوئی ضمیر ہوگی: «أَنَا» یا «نَحْنُ» وغیرہ، صورت سمجھ میں آگئی۔ وہ جو ضمیر کی کئی قسمیں آپ نے پڑھی ہوں گی یا آگے چل کے انشاء اللہ پڑھ لیں گے، بہر حال کوئی بھی ضمیر ہو سکتی ہے: غائب کی بھی، مخاطب کی بھی، اور متکلم کی بھی۔

جی اب پھر دہرائیں خلاصہ کلام: کہ صفت کے صیغے کو اسمِ ظاہر سے بھی جوڑ سکتے ہیں اور ضمیر سے بھی، اور ضمیریں تو تین قسم پر ہیں: یا غائب کی ہوگی یا مخاطب کی ہوگی یا متکلم کی ہوگی۔ تو یاد رکھیے، صفت کے صیغے کو جس قسم کی ضمیر سے آپ جوڑیں، صفت کے صیغے میں بھی وہی ضمیر نکالیں گے۔ توجہ ہے؟ کیا کہا میں نے؟ صفت کے صیغے کو جس قسم کی ضمیر سے جوڑیں، اس کے اندر اسی قسم کی ضمیر نکالیں گے۔

▪ قولہ: «أَنَا قَائِمٌ» کی تشریح

«أَنَا قَائِمٌ»، کیا کہیں گے؟ ترکیب کریں: «أَنَا» مرفوع محلاً مبتدا، «أَنَا قَائِمٌ» کیا معنی ہے؟ میں کھڑا ہوں، بات پوری ہے یا نہیں ہے؟ بات پوری ہے، معلوم ہوا پورا جملہ ہے، تو «أَنَا» مرفوع محلاً مبتدا، اور «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، حال کی بات نہیں کر رہا اب، عام ویسے ترکیب بیان کر رہا ہوں۔ «أَنَا» مرفوع محلاً مبتدا، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اور اس کے اندر اب اس «قَائِمٌ» کو کس سے جوڑ رہے ہو؟ «أَنَا» سے، اور «أَنَا» کون سی ضمیر ہے؟ متکلم کی ہے، اور میں نے آپ کو ابھی ضابطہ بتایا کہ صفت کے صیغے کو جس طرح کی ضمیر سے جوڑو اس کے اندر بھی اسی طرح کی ضمیر نکالو، تو اس «قَائِمٌ» میں ہوا ضمیر نہ نکالنا بلکہ کون سی نکالو؟ انا ہی ضمیر نکالو۔ «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، انا ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، صورت سمجھ میں آگئی؟ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

میں نے کہا «أَنَا قَائِمٌ»، اس «أَنَا قَائِمٌ» اس جملے کے اندر ذرا «قَائِمٌ» پہ نظر رکھو، آپ مجھے بتائیے یہ قائم کون ہے؟ ہوا وہ آدمی قائم ہے یا انا میں قائم ہوں؟ میں قائم ہوں، متکلم کہہ رہا ہے میں قائم ہوں، میں کھڑا ہوں، تو اس میں ضمیر بھی کون سی ہونی چاہیے؟ انا والی ہونی چاہیے، کیونکہ ہوا نکالیں گے تو اس کا کیا معنی؟ وہ کھڑا ہے، حالانکہ وہ یہ تو نہیں کہنا چاہتا، توجہ ہے؟ اچھا، اب آپ اشکال کریں گے کہ «أَنَا قَائِمٌ»، «أَنَا» ہے مبتدا، «قَائِمٌ» آپ نے اس کی کیا ترکیب کی؟ اس کے اندر انا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، آپ فوراً کہیں گے عائد نہیں بتلایا آپ نے! توجہ ہے؟ عائد کے بغیر تو شبہ جملہ کسی سے نہیں جڑتا، تو جواب اب یاد رکھو کہ یہ عائد کی دوسری قسم آگئی آج۔

پہلی قسم کیا عائد کی تھی؟ کہ کوئی غائب کی ضمیر ہو جو کس کو لوٹے؟ اس لفظ کی طرف لوٹے جس کے ساتھ آپ نے اس جملے یا شبہ جملہ کو جوڑنا ہے، ایک قسم وہ تھی اور اس میں غائب کی ضمیر ہوتی ہے، کیونکہ مرجع صرف غائب کی ضمیر کا ہوا کرتا ہے، متکلم اور مخاطب کی ضمیر کا مرجع نہیں ہوتا۔ کبھی کوئی آپ سے پوچھ لے کہ یہ انا ضمیر ہے یا نحن ہے یا انت ہے یا انتا ہے اور آپ سے کہے اس کا مرجع کیا ہے، اور آپ پھر ڈھونڈنا شروع کر دیں کہ اس کا مرجع کیا ہے، نہیں نہیں بھئی! انا تو متکلم بات کرنے والا ہے، متکلم اور مخاطب تو دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوتے ہیں، نہ متکلم میں کوئی شبہ اور نہ مخاطب میں کوئی شبہ۔ ہاں، میں کہتا ہوں «هُوَ قَائِمٌ» وہ کھڑا ہے، اب شبے والی بات ہے کہ یہ ہوا سے کون مراد ہے؟ زید بھی مراد ہو سکتا ہے، بکر بھی، خالد بھی، تو مرجع صرف کس کا دیکھا جاتا ہے؟ غائب کی ضمیر کا کہ پتہ چلے اس ہوا سے کون مراد ہے، متکلم اور مخاطب کی ضمیروں کا مرجع نہیں ہوتا بھئی، تلاش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے موجود ہیں۔

لہٰذا پہلی صورت عائد کی تھی کہ کوئی غائب کی ضمیر ہونی چاہیے اس جملے میں یا شبہ جملہ میں جو اس کی طرف لوٹ رہی ہو جس کے ساتھ اس جملے یا شبہ جملہ کو آپ جوڑ رہے ہیں۔ اگر جملہ یا شبہ جملہ آپ اس کو مبتدا سے جوڑ رہے ہیں تو اس میں کوئی ضمیر ہو جو مبتدا کو لوٹے، اگر جملہ یا شبہ جملہ کو آپ حال بنا رہے ہیں تو

اس میں کوئی ضمیر ہو جو ذوالحال کو لوٹے، اور جملہ یا شبہ جملہ کو آپ صفت بنا رہے ہیں تو اس میں کوئی ضمیر ہو جو موصوف کو لوٹے، اور اسی طرح جملے کو آپ صلہ بنا رہے ہیں تو اس میں کوئی ضمیر ہو جو اسمِ موصول کو لوٹے، صورت سمجھ میں آگئی؟ لیکن یہ کون سی ضمیر ہو گی؟ غائب کی ضمیر۔ اور اگر آپ جملے یا شبہ جملہ کو متکلم کی ضمیر سے جوڑتے ہیں تو پھر اس کے اندر بھی متکلم کی ضمیر ہونی چاہیے۔

اب میں نے آپ سے کہا: «أَنَا قَائِمٌ»، تو «قَائِمٌ» میں کون سی ضمیر نکالی؟ انا، تو یاد رکھیں یہ جو انا ہم نے اس کے اندر ضمیر نکالی یہ دوسری قسم کا عائد آگیا، یہ دوسری قسم کا عائد ہے بھئی۔ یعنی یوں کہو کہ جس اسم کے ساتھ ہم اس کو جوڑ رہے ہیں اس شبہ جملہ «قَائِمٌ» کو، کس سے جوڑ رہے ہیں؟ «أَنَا» سے، تو جس شبہ جملہ کو ہم جس اسم کے ساتھ جوڑ رہے ہیں وہ خود ہی اس کے اندر آگیا، تو یہ ربط آگیا! «قَائِمٌ» کے اندر ہے انا ضمیر، یہ نہ کہیں یہ انا ضمیر لوٹ رہی ہے انا ضمیر کی طرف، کیونکہ متکلم کی ضمیر کا مرجع تلاش نہیں کیا جاتا، پھر اس میں کیا جواب دیں گے؟ آپ کو میں نے کہا یہ دوسری قسم کا عائد ہے، کیا جواب دیں گے آپ؟ اگر کوئی پوچھے یہ کس طرح عائد ہے؟ آپ کہیں گے بھئی ہم اس «قَائِمٌ» کو کس سے جوڑ رہے ہیں؟ «أَنَا» سے، اور وہ انا خود اس کے اندر آ گیا تو ربط آگیا، جس سے جوڑ رہے ہیں وہ خود ہی اس کے اندر آگیا۔

یہ اسی طرح ہے جیسے قرآن میں ہے: «الْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ»، «الْحَاقَّةُ» ہے مبتدا، اور «مَا الْحَاقَّةُ» پورا جملہ کیا ہے اس کی خبر، تو سوال پیدا ہوتا ہے «مَا الْحَاقَّةُ» پورا جملہ ہے اور اس پورے جملے کو کس سے جوڑا گیا؟ مبتدا «الْحَاقَّةُ» سے، تو اس میں عائد کیا ہے؟ تو جواب یہ کہ بھئی «الْحَاقَّةُ» سے جوڑ رہے ہیں اور خود اسی جملے کے اندر لفظِ «الْحَاقَّةُ» آگیا، یعنی جس سے جوڑ رہے ہیں وہ خود اس کے اندر آگیا تو ربط آگیا کہ نہیں آیا بھئی؟ ربط آگیا، تو یہ دوسری قسم کا عائد آیا، یعنی جس سے جوڑا جا رہا ہو وہ خود ہی اس جملے یا شبہ جملہ میں آجائے تو ربط آجایا کرتا ہے۔

لہٰذا اب ترکیب کیا کریں گے؟ «أَنَا قَائِمٌ»، «أَنَا» مرفوع محلاً مبتدا، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر انا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، اس انا ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ اس کا مرجع نہیں ہوتا، پھر ربط کیسے آیا؟ جس سے ہم جوڑ رہے ہیں وہی اسم دوبارہ اس کے اندر آگیا تو ربط آگیا بھئی، صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ «أَنَا» سے ہی جوڑ رہے ہیں اور انا اس کے اندر آگیا۔ پھر «أَنَا» کے ساتھ جوڑ رہے ہیں تو انا ہی کا آنا ضروری نہیں، متکلم کی کوئی بھی ضمیر آ جائے، «ضَرَبْتُ» یہ تا ضمیر بھی کس کی ہے؟ متکلم کی، یہ بھی وہی انا ہے بھئی، لیکن وہ انا منفصل والی صورت ہے اور «ضَرَبْتُ» میں یہ جو تا ہے یہ متصل والی صورت ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو چیز دونوں ایک ہی ہے البتہ صورتیں الگ الگ ہیں۔

ایک متصل ہے تو ایک منفصل ہے، ہیں دونوں متکلم کی، تو لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ ما قبل میں انا آیا ہے تو آپ آگے بھی انا ہی تلاش کریں، بلکہ یوں دیکھیں: «أَنَا ضَرَبْتُ»، «أَنَا ضَرَبْتُ» جی کیا ترکیب کریں گے؟ «أَنَا» مرفوع محلاً مبتدا، «ضَرَبْتُ» فعل با فاعل، تا ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔ سوال: فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ ہوا اور جملے کو آپ «أَنَا» سے جوڑ رہے ہیں تو عائد چاہیے، جواب کیا؟ ہاں کہ اس کے اندر تا ضمیر یہی عائد ہے، تا ضمیر ہی عائد ہے۔ کس طرح عائد ہے؟ کیا یہ تا ضمیر «أَنَا» کو لوٹ رہی ہے؟ نہیں، آپ کیا کہیں گے؟ اس کو ہم جوڑ رہے ہیں متکلم کی ضمیر سے اور یہ تا ضمیر بھی کون سی ہے؟ متکلم کی، تو وہی اسم دوبارہ اس کے اندر آگیا تو دونوں میں کیا آگیا؟ ربط آگیا، صورت سمجھ میں آگئی۔

اسی طرح ترکیب کیجیے: «أَنْتَ قَائِمٌ»، «أَنْتَ» مرفوع محلاً مبتدا، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اور آگے؟ ہاں اس کے اندر انت ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔ کوئی آپ سے کہے یہ «قَائِمٌ» تو شبہ جملہ ہے اور آپ اس کو «أَنْتَ» سے جوڑ رہے ہیں، آپ نے عائد نہیں بتلایا تو آپ کہیں گے عائد کیا ہے؟ اسی کے اندر انت ضمیر جو آئی، اور اگر وہ کہے یہ انت ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے تو آپ کیا جواب میں کہیں گے؟ کہ یہ مخاطب کی ضمیر ہے، مخاطب کی ضمیر کا مرجع تلاش نہیں کیا جاتا، مخاطب سامنے موجود ہوتا ہے، مرجع صرف کس کا تلاش کرتے ہیں؟ غائب کی ضمیر کا۔ پھر وہ کہے گا پھر یہ عائد کیسے بن گیا؟ آپ کیا جواب دیں گے؟ ہاں کہ ہم جس ضمیر سے جوڑ رہے ہیں وہی ضمیر دوبارہ خود اسی جملے کے اندر آگئی، یعنی یوں کہیں ہم جس چیز کے ساتھ اس کو جوڑ رہے ہیں وہ چیز خود اسی جملے کے اندر آگئی تو دونوں میں کیا آگیا؟ ربط آگیا، بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اچھا تو ضمیریں تو تین قسم کی ہوئیں۔ تیسری کی بھی ذرا ترکیب کر لو: «هُوَ قَائِمٌ»، «هُوَ» مرفوع محلاً مبتدا، آگے «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر ہوا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ ہوا ضمیر کو، غائب کی ضمیر ہے اس کا مرجع ہوتا ہے، ہوا ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ ہوا ضمیر کو۔ لہٰذا دیکھا، جس کو بھی آپ کہیں گے وہ کہے گا یہ کیا بات کر رہے ہو؟ ہوا ضمیر ہوا ضمیر کو لوٹ رہی ہے، یہ تو بات ہی نہیں صحیح بنتی آپ کی! تو آپ میں نے

بتایا تھا اپنی تعبیر ذرا بدل لو، جن لفظوں سے اس کو بیان کر رہے ہو وہ بدل لو، باقی بات وہی ہے، کیا کہیں؟ ہاں ہوا ضمیر مبتدا کو لوٹ رہی ہے، اور مبتدا وہی ہوا تو ہے، تو آپ کہہ دیں ہوا ضمیر ہوا کو لوٹ رہی ہے ایک ہی بات ہے، آپ کہیں ہوا ضمیر مبتدا کو لوٹ رہی ہے ایک ہی بات ہے، لیکن ہوا ضمیر ہوا کو لوٹ رہی ہے یوں کہیں گے تو سننے والا اشکال کرے گا اور جب آپ کہیں گے ہوا ضمیر مبتدا کو لوٹ رہی ہے تو اب اشکال نہیں کرے گا، تو تعبیر بدل لیں، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو غائب کی ضمیر کا مرجع ہم تلاش کرتے ہیں بھئی، تو ہوا ضمیر لوٹ رہی ہے مبتدا کو، اور اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، صورت سمجھ میں آگئی۔

اب ایک اور بات یاد رکھو کہ یہ جو اسمِ ظاہر ہوتا ہے نا اسمِ ظاہر، جو بھی ضمیر نہیں اور اسم ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ اسمِ ظاہر، یاد رکھنا یہ اسمِ ظاہر غائب کے درجے میں ہوتا ہے۔ اسمِ ظاہر کس کے درجے میں ہوتا ہے؟ غائب کے درجے میں ہوتا ہے، لہٰذا اس کی طرف غائب کی ضمیر لوٹائی جاتی ہے: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، اور یہ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر ہے، آگے «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر ہوا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو، تو دیکھا یہ ہوا ضمیر لوٹ رہی ہے زید کو، کیونکہ زید کیا ہے؟ اسمِ ظاہر، اور اسمِ ظاہر کس کے درجے میں ہوتا ہے؟ غائب کے درجے میں، اس کی طرف غائب کی ضمیر ہی لوٹائی جاتی ہے۔

تو خلاصہ کلام کیا ہوا؟ صفت کے صیغے کو جس قسم کی ضمیر کے ساتھ جوڑا جائے، اس میں اسی قسم کی ضمیر نکالی جائے گی، اگر متکلم کی ضمیر سے اس کو صفت کے صیغے کو جوڑ رہے ہیں تو کون سی ضمیر نکالو؟ متکلم کی، اور اگر مخاطب کی ضمیر کے ساتھ اس کو جوڑ رہے ہو تو کون سی ضمیر اس میں نکالو؟ اس میں مخاطب کی ضمیر اس میں نکالو۔ اور ترکیب کر لیں ذرا: «أَنْتُمَا قَائِمَانِ»، تم دونوں کھڑے ہو، «أَنْتُمَا» مرفوع محلاً مبتدا، «قَائِمَانِ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، تثنیہ ہے نا اور تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف، اور اس الف پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، تو «قَائِمَانِ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر انتما ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور یہ عائد آگیا وہی اسم دوبارہ آگیا۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اب آپ سے کوئی پوچھے یہ «قَائِمَانِ» شبہ جملہ یہ خبر بن رہا ہے، اس میں عائد کیا ہے؟ کہیں اس میں عائد کی دوسری قسم آگئی، کون سی؟ کہ جس کے ساتھ ہم جوڑ رہے ہیں وہ اسم خود اسی کے اندر دوبارہ آگیا، اور جوڑ کس سے رہے ہیں؟ «أَنْتُمَا» سے، اور خود اس کے اندر اسم کون سا آگیا؟ انتما ہی آگیا۔ یا اور ترکیب کر لیں: «نَحْنُ قَائِمُونَ»، «نَحْنُ» مرفوع محلاً مبتدا، «قَائِمُونَ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر نحن ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ کوئی آپ سے کہے آپ نے عائد نہیں بتلایا، آپ کیا جواب دیں گے؟ کہ اس کے اندر جو نحن ضمیر ہے وہ عائد ہے کیونکہ وہ اسی کے ساتھ ہم جوڑ رہے ہیں اور وہی خود اس شبہ جملہ میں موجود ہے، صورت سمجھ میں آگئی۔

اور ترکیب کیجیے: «نَحْنُ ضَرَبْنَا»، «نَحْنُ» مرفوع محلاً مبتدا، «ضَرَبْنَا» فعل با فاعل، اب اس میں فاعل بتاؤ؟ نا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور یہی عائد بھی ہے کیونکہ یہ بھی جمع متکلم کی ضمیر اور جوڑ بھی کس سے رہے ہیں؟ جمع متکلم کی ضمیر سے، تو یہ عائد بھی آگیا۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، سمجھ میں آئی بات؟ تو معنیٰ میں بھی فرق پڑے گا، «ضَرَبْتُ» کا معنی ہے میں نے پٹائی کی، اور «أَنَا ضَرَبْتُ» کا معنی ہے میں نے ہی پٹائی کی، یعنی کسی اور نے نہیں کی، اور «ضَرَبْنَا» کا معنی ہے ہم نے پٹائی کی، کسی اور نے کی یا نہیں کی اس کا ذکر نہیں ہے، بس صرف اتنا ذکر ہے: «ضَرَبْنَا» ہم نے پٹائی کی، لیکن جب آپ کہیں: «نَحْنُ ضَرَبْنَا»، تو معنیٰ ہو گا ہم نے ہی پٹائی کی، معلوم ہوا کسی اور نے نہیں کی۔

صورت اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ جملہ یا شبہ جملہ کو جس قسم کی ضمیر سے جوڑا جائے، اس میں اسی قسم کی ضمیر عائد ہو گی یعنی وہ ربط دے گی۔ یہاں تک بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ اب ترکیب ذرا کیجیے: «تَرْجِعُ سَالِمًا غَانِمًا»، «تَرْجِعُ» فعل، فعل با فاعل، اس کے اندر انت ضمیر مرفوع محلاً ذوالحال، آگے «سَالِمًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر انت ضمیر، «سَالِمًا» کو آپ کس سے جوڑ رہے ہیں؟ انت ضمیر سے، تو اس میں بھی انت ہی ضمیر نکالیں گے، تو انت ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور یہی عائد ہے کیونکہ انت سے ہی جوڑ رہے ہیں اور آ بھی کون سی ضمیر گئی اس میں؟ انت ہی۔ تو اس میں فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، آگے پھر «غَانِمًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر انت ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اس میں فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ حالِ ثانی، دوسرا حال آیا، تو ذوالحال اپنے دونوں حالوں سے مل کر فاعل «تَرْجِعُ» کے لیے، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا لفظاً اور انشائیہ ہوا معناً۔

یعنی لفظوں کے اعتبار سے یہ خبر ہے اور معنیٰ کے اعتبار سے انشاء ہے، لفظوں کے اعتبار سے خبر ہے کیونکہ آپ نے پڑھا انشاء کی آٹھ دس قسمیں پڑھی ہیں: امر، وہ انشاء کی قسم ہے، نداء وہ بھی انشاء کی قسم ہے، قسم وہ بھی انشاء کی قسم ہے، نہی یہ بھی انشاء، تو یہ ان میں سے تو کوئی نہیں لہٰذا یہ لفظاً جملہ خبریہ ہے،

لیکن معنٰی کے اعتبار سے یہ جملہ انشائیہ ہے، کیونکہ یہ آپ اس مسافر کو دراصل دعا دے رہے ہیں کہ «تَرْجِعُ سَالِمًا غَانِمًا»، یعنی کہ اللہ آپ کو سلامتی اور فائدے کے ساتھ واپس لے کر آئے، تو دعا دے رہے ہیں اور دعا کیا ہے؟ انشاء ہے، تو اسی لیے میں نے کہا کہ یہ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا لفظًا یعنی لفظوں کے اعتبار سے جملہ خبریہ ہوا، اور انشائیہ ہوا معنًا، تو کیسے کہیں گے؟ جملہ فعلیہ خبریہ ہوا لفظًا اور انشائیہ ہوا معنًا، بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۶۳: فصل التمیز: تمیز کی تعریف، مقدار و غیر مقدار سے تمیز اور احکامِ تمیز

ہدایۃ النحو صفحہ: ۴۳—بتاریخ: ۳ مارچ ۲۰۱۵ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلتَّمْيِيْزُ هُوَ نَكِرَةٌ تُذْكَرُ بَعْدَ مِقْدَارٍ مِنْ عَدَدٍ أَوْ كَيْلٍ أَوْ وَزْنٍ أَوْ مَسَاحَةٍ أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا فِيْهِ إِبْهَامٌ تَرْفَعُ ذٰلِكَ الْإِبْهَامَ، نَحْوُ: عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا، وَقَفِيْزَانِ بُرًّا، وَمَنَوَانِ سَمْنًا، وَجَرِيْبَانِ قُطْنًا، وَعَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا.

منصوبات کی بحث چل رہی ہے اور آج ہم تمیز کے بارے میں پڑھیں گے۔ تو تمیز کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «اَلتَّمْيِيْزُ هُوَ نَكِرَةٌ تُذْكَرُ بَعْدَ مِقْدَارٍ» کہ تمیز وہ ایسا نکرہ ہے، دیکھو نکرہ، نکرہ کا لفظ نکرہ ہے، اس پر الف لام نہیں داخل، اور اس کے بعد «تُذْكَرُ» فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کی صفت ہوتا ہے، اور موصوف صفت کا ترجمہ نکرہ میں کیسے کرتے ہیں؟ نکرہ سے پہلے کیا لے آؤ؟ ایسا۔ تو کہتے ہیں: «اَلتَّمْيِيْزُ هُوَ نَكِرَةٌ»، تمیز ایسا نکرہ ہے، تمیز ایسا نکرہ ہے «تُذْكَرُ بَعْدَ مِقْدَارٍ» جس کو مقدار کے بعد ذکر کیا جائے، جس کو مقدار کے بعد ذکر کیا جائے، «مِنْ عَدَدٍ»، یہ «مِنْ» بیان ہے مقدار کا، یعنی کہ عدد، «أَوْ كَيْلٍ»، یا کیل، «أَوْ وَزْنٍ»، یا وزن، «أَوْ مَسَاحَةٍ»، یا پیمائش، «أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ»، یا اس کے علاوہ، «مِمَّا فِيْهِ إِبْهَامٌ»، جس کے اندر ابہام ہو، «تَرْفَعُ ذٰلِكَ الْإِبْهَامَ»، تو یہ تمیز اس سے اس ابہام کو دور کر دیتی ہے، «نَحْوُ عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا»، مثال کے طور پر: میرے پاس بیس درہم ہیں۔

بھئی، تمیز یاد رکھو، یہ کسی لفظ کے اندر ابہام ہو اس ابہام کو دور کرتی ہے۔ اور تعریف انہوں نے کیا کی؟ «اَلتَّمْيِيْزُ هُوَ نَكِرَةٌ»، تمیز کیا ہو گی؟ نکرہ، جیسے ماقبل میں حال کے بارے میں آیا تھا، حال ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ نکرہ ہوتا ہے، اور اگر بظاہر معرفہ ہو تو بھی اس کو تاویل کر کے کیا بنا لیتے ہیں؟ نکرہ بنا لیتے ہیں۔ جبکہ تمیز یہ ہمیشہ نکرہ ہو گی اور یہ ماقبل کے لفظ میں جو ابہام ہو گا اس ابہام کو دور کرے گی، یعنی ماقبل میں جو مقدار ذکر ہو تمیز آ کر اس ابہام کو کیا کر دے گی؟ دور کر دے گی۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: «عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ»، میرے پاس بیس ہیں۔ آپ کہیں گے بھئی کیا بیس ہیں، بات تو پوری کریں، بیس قلم ہیں، بیس کتابیں ہیں، بیس درہم ہیں، کیا چیز ہے بھئی؟ آپ نے بات پوری نہیں کی۔ میں پھر کہتا ہوں: «عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ»، میرے پاس بیس، تو دیکھو یہ «عِشْرُوْنَ» یہ ایک مقدار کا نام ہے، مقدار کا نام ہے، بیس ہے، تیس ہے، چالیس ہے، پچاس ہے، کوئی بھی مقدار ہو سکتی ہے۔

تو یہ ایک مقدار کا نام ہے اور اس کے اندر ابہام ہے کہ یہ مقدار کس چیز کی بیان ہو رہی ہے، تو اس کے آگے پھر تمیز آتی ہے اور وہ اس ابہام کو دور کر دیتی ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: «عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ كِتَابًا»، تو دیکھو یہ «كِتَابًا» کیا ہے؟ تمیز، اس نے «عِشْرُوْنَ» کے ابہام کو دور کر دیا، پتہ چل گیا کہ «عِشْرُوْنَ» سے مراد قلم نہیں مراد، «عِشْرُوْنَ» سے درہم نہیں مراد، بلکہ «عِشْرُوْنَ» سے کتابیں مراد ہیں بھئی۔

اور مقداریں، مقداریں وہ یہ پانچ قسم پر ہیں جو یہ ذکر کر رہے ہیں: یا تو وہ عدد ہو گا، یا کیل ہو گا، یا تو وہ عدد ہو گا یعنی گنا جاتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں بعض چیزوں کو گنا جاتا ہے، بعض چیزوں کو گن کر بیچا جاتا ہے، جیسے آپ انڈے لینے جاتے ہیں تو ایک درجن کے حساب سے آپ خریدتے ہیں، آپ کیلے لینے گئے، مالٹے لینے

گئے تو ایک درجن کے حساب سے ملتے ہیں، تو یہ درجن کیا ہے؟ عدد ہے، سمجھ میں آیا؟ تو بعض چیزوں کو گن کر بیچا جاتا ہے۔ «أَوْ كَيْلٍ»، کیل کہتے ہیں ماپنے کو، بھئی بعض چیزوں کو ماپ کر بیچا جاتا ہے، وزن نہیں کیا جاتا، ماپ کر بیچا جاتا ہے، جیسے دودھ ہے، آپ لینے جاتے ہیں ایک لیٹر لیتے ہیں یا دو لیٹر لیتے ہیں یا تین لیٹر، یہ کیا ہے؟ یہ ماپ کر، یہ ایک خاص برتن ہوتا ہے اس میں بھر کر وہ ایک پیمانہ دیتا ہے یا آپ دو پیمانے لیتے ہیں یا تین پیمانے لیتے ہیں، اور وہ برتن کیا ہے؟ لیٹر کہلاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو یہ خاص مقدار، یا اسی طرح بھئی گندم کا، گندم وغیرہ جو غلہ بیچا جاتا تھا قدیم طریقہ جواب بھی بعض دیہاتوں میں رائج ہے کہ آج کل تو اس کو تول کر بیچتے ہیں، پہلے ایک خاص برتن ہوتا تھا اس برتن میں اس کو ماپ کر ایک برتن اتنے کا، دو برتن اتنے کے ہیں، تین برتن اتنے کے، اس کو عربی میں قفیز کہتے ہیں، قفیز بھئی۔ تو عربی میں اس کو قفیز کہتے ہیں بھئی، تو اس کے ساتھ ماپ کر اس غلے کو، گندم وغیرہ کو بیچا جاتا تھا اور یہ بھی کیا ہے؟ کیل ہے، دیکھو وہ برتن کے اندر پیمائش کر کے اس کو ماپا جاتا تھا۔

اسی طرح ایک مقدار ہے وزن، بعض چیزوں کا وزن کیا جاتا ہے، آپ چینی لینے گئے وزن کر کے لیتے ہیں، تو وہ تول کر آپ خریدتے ہیں، ایک کلو لیتے ہیں، دو کلو یا تین کلو، تو یہ کس چیز کا نام ہے؟ وزن کا نام ہے۔ اور بعض چیزوں کی پیمائش کی جاتی ہے، مثلاً زمین ہے اس کی بھی پیمائش کی جاتی ہے، کتنی چوڑائی ہے، اتنی لمبائی ہے، یا اسی طرح کپڑا آپ خریدتے ہیں تو اس کی بھی پیمائش کر کے خریدتے ہیں کہ ایک گز لینا ہے، دو گز لینا ہے یا تین گز۔ تو یہ چار قسم کی مقداریں ہیں، اور پانچویں قسم وہ انہی میں اندازہ ہے، اندازہ لگانا۔

تو ان سب کے اندر دیکھو ابہام ہوتا ہے، آگے تمیز آکر اس ابہام کو دور کر دیتی ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں کہ میں نے بیس خریدے، عدد ذکر کیا، آپ کہیں گے بھئی عدد ذکر کر رہے ہیں، معدود یعنی تمیز کو تو آپ ذکر ہی نہیں کر رہے، کیا چیز مراد ہے بیس سے؟ آگے میں ذکر کر دیتا ہوں مثلاً کہ میں نے بیس کتابیں خریدیں، تو دیکھو اس نے آکر کیا کیا؟ اس عدد سے ابہام کو دور کر دیا۔ یا اسی طرح بعض اوقات ماپ، کسی چیز کو ماپتے ہیں اس میں ابہام ہوتا ہے، مثلاً آپ کہتے ہیں بیس لیٹر، اب بھئی بیس لیٹر کیا چیز ہے؟ دودھ بھی ہو سکتا ہے، پٹرول بھی ہو سکتا ہے، اس جیسی کوئی اور چیز بھی ہو سکتی ہے بہنے والی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ اسی طرح وزن کرتے ہیں، بیس کلو ہے یا تیس کلو ہے، بھئی کیا چیز ہے؟ چینی بھی ہو سکتی ہے، آٹا بھی ہو سکتا ہے، اس جیسی کوئی بھی چیز وزن والی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات چیزوں کی پیمائش کی جاتی ہے، آپ کہتے ہیں بیس گز، بھئی بیس گز سے کیا مراد ہے؟ کپڑا مراد ہے یا زمین مراد ہے یا کیا چیز مراد ہے؟ تو لہٰذا ان سب، یہ جتنی مقداریں ہیں ان کے اندر ان میں ابہام ہوتا ہے اور آگے ان کے بعد ایک نکرہ آتا ہے جو ان کے ابہام کو آکر دور کر دیتا ہے اور بتلا دیتا ہے کہ اس مقدار سے کون سی چیز مراد ہے، اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ تمیز کہتے ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: «اَلتَّمْيِيْزُ هُوَ نَكِرَةٌ تُذْكَرُ بَعْدَ مِقْدَارٍ»، تمیز وہ ایسا نکرہ ہے جس کو مقدار کے بعد ذکر کیا جائے، بھئی کون سی مقدار؟ کہتے ہیں: «مِنْ عَدَدٍ أَوْ كَيْلٍ أَوْ وَزْنٍ أَوْ مَسَاحَةٍ»، «مِنْ» بیان ہے کس کا؟ مقدار کا، اور اس کا ترجمہ یعنی کے ساتھ کرتے ہیں۔ تمیز وہ، دوبارہ سنیں بھئی، تمیز ایسا نکرہ ہے جس کو مقدار کے بعد ذکر کیا جائے یعنی کہ عدد اور کیل یعنی ماپ، «أَوْ وَزْنٍ»، یا وزن، «أَوْ مَسَاحَةٍ»، یا پیمائش، «أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ»، یا ان کے علاوہ، «مِمَّا فِيْهِ إِبْهَامٌ»، جس کے اندر ابہام ہو، «تَرْفَعُ ذٰلِكَ الْإِبْهَامَ»، اور تمیز کیا، وہ نکرہ کیا کرتا ہے؟ اس ابہام کو دور کر دیتا ہے، «نَحْوُ عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا»، میرے پاس بیس درہم ہیں۔

جی، ترکیب کیجیے: «عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا»، یاد رکھیے یہ «عِنْدَ» ظرف ہے ظرف، اور ہر ظرف کے لیے کیا چاہیے؟ عامل چاہیے، جیسے ہر جار مجرور کے لیے کیا چاہیے؟ متعلق چاہیے، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور ظرف کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ مفعول فیہ پڑھ چکے ہیں یا بھول گئے؟ ظرف کا کیا اعراب ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے۔ جی، اور یہاں ہے «عِنْدِيْ»، تو «عِنْدَ» منصوب تقدیراً مضاف، یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا، اس کے لیے بھی عامل چاہیے اور وہی آٹھ چیزوں میں سے کوئی ایک ہونی چاہیے اور یہاں کوئی بھی نہیں تو وہ محذوف نکالیں گے، تو یہ مفعول فیہ ہوا کس کے لیے؟ فعل محذوف «ثَبَتَ» کے لیے، «ثَبَتَ» کے لیے۔ اور «ثَبَتَ» فعل، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ «عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا» جو مبتدائے مؤخر ہے اس کی طرف راجع۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مقدم۔ تو جار مجرور اور ظرف یہ خبر تو بن سکتے ہیں ظرف مستقر ہو کر، یہ مبتدا نہیں بن سکتے، اور یہاں تو یہ شروع میں آیا تو پھر اس کو مبتدا نہیں بنانا بلکہ کیا بناؤ؟ خبر مقدم، تو یہ خبر مقدم۔ اور «عِشْرُوْنَ» مرفوع لفظاً ممیز، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ مبتدا ہے، شاباش، اچھا، اور ممیز کیوں کہا میں نے؟ کیونکہ اس کے بعد تمیز آرہی ہے، اس میں ابہام ہے، اس ابہام کو وہ تمیز آکر دور کرے گی، تو «عِشْرُوْنَ» مرفوع لفظاً ممیز، اور «دِرْهَمًا» منصوب لفظاً تمیز، منصوب کیوں؟ کیونکہ تمیز ہے اور تمیز کس میں سے ہے؟ منصوبات میں سے۔ آپ کو کوئی شخص بتا دے کہ یہ حال بن رہا ہے آپ سمجھ جاتے ہیں کہ کون سا اعراب پڑھنا ہے، نصب، اسی طرح جب آپ کو پتہ

چل جائے کہ یہ لفظ تمیز بن رہا ہے تو آپ کو فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ اس پر کون سا اعراب پڑھنا ہے، نصب۔ تو «دِرْهَمًا» منصوب لفظاً تمیز، ممیز اپنی تمیز کے ساتھ مل کر مبتدا، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی بھئی؟ «عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا»، میرے پاس بیس درہم ہیں بھئی۔

■ قولہ: «وَقَفِيْزَانِ بُرًّا» کی تشریح

«وَقَفِيْزَانِ بُرًّا»، أَيْ: «عِنْدِيْ قَفِيْزَانِ بُرًّا»، «عِنْدِيْ» کو بار بار نہیں ذکر کر رہے بھئی۔ ترکیب کیجیے: «عِنْدِيْ قَفِيْزَانِ بُرًّا»، جی، «عِنْدَ» منصوب تقدیراً مضاف، جی، یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا کس کے لیے؟ «ثَبَتَ» فعل کے لیے، «ثَبَتَ» فعل، جی، «ثَبَتَ» فعل اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ «قَفِيْزَانِ»، قفیز کسے کہتے ہیں؟ وہ پیمانہ، وہ پیمانہ، وہ جو برتن ہوتا تھا جس میں ماپ کر گندم اور غلے وغیرہ کو بیچا جاتا تھا اس کو کہتے ہیں قفیز، اور «قَفِيْزَانِ» یہ کیا ہے؟ اس کی تثنیہ ہے، تثنیہ ہے۔ تو ضمیر آپ کون سی لوٹا رہے ہیں؟ «هُوَ»، اور «قَفِيْزَانِ» کیا ہے؟ تثنیہ، اور ضمیر اور مرجع میں مطابقت بھی تو دیکھنی ہے تو ہمیں تو تثنیہ والی ضمیر چاہیے، کیا کریں گے؟ «ثَبَتَا»، شاباش، تثنیہ کا فعل نکال لیں گے، «ثَبَتَا» فعل، اس کے اندر الف ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ «قَفِيْزَانِ» مبتدائے مؤخر کو۔ اس پر اشکال ہو گا تو یہ تو ضمیر پہلے آگئی، مرجع بعد میں آیا، یہ تو اضمار قبل الذکر ہے، کیا جواب دیں گے؟ ہاں، کیونکہ یہ مبتدا ہے اور مبتدا کیا ہوتا ہے؟ رتبے کے اعتبار سے مقدم ہوتا ہے، اور «عِنْدِيْ» کیا ہے؟ خبر، اور خبر رتبے کے اعتبار سے مؤخر ہے، تو اگرچہ «قَفِيْزَانِ» لفظوں کے اعتبار سے «عِنْدِيْ» سے مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے اور لہٰذا اس لیے اس کی طرف ضمیر لوٹانا ٹھیک ہے بھئی۔

جی، آگے «قَفِيْزَانِ»، اچھا وہ ضمیر لوٹ رہی ہے «قَفِيْزَانِ» کو «ثَبَتَا» کے اندر، پھر فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مقدم، اور «قَفِيْزَانِ» مرفوع لفظاً ممیز، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ مبتدا ہے، اور لفظاً کیوں کہا؟ «قَفِيْزَانِ» میں تو جر پڑھ رہا ہوں؟ ہاں، اس کا اعراب الف کے ساتھ ہے، یہ رفع ہے، یہ نون کے نیچے حرکت ہے اعراب نہیں ہے، تو یہ مرفوع ہے اور ممیز ہے، دو پیمانے، بھئی کس چیز کے دو پیمانے؟ آگے «بُرًّا»، بُر گندم کو کہتے ہیں، کس کے؟ گندم کے دو پیمانے، «عِنْدِيْ قَفِيْزَانِ بُرًّا»، میرے پاس گندم کے دو پیمانے ہیں، دو قفیز ہیں۔ اچھا، تو «بُرًّا» منصوب لفظاً تمیز، منصوب کیوں؟ کیونکہ تمیز ہے اور تمیز منصوب ہوتی ہے، ممیز اپنی تمیز سے مل کر مبتدا، اور مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا، «عِنْدِيْ قَفِيْزَانِ بُرًّا»، ترجمہ کیجیے: میرے پاس دو قفیز گندم ہے، میرے پاس دو قفیز گندم ہے۔

«وَمَنَوَانِ سَمْنًا»، اس کو بھی اسی طرح کر لیجیے، «عِنْدِيْ مَنَوَانِ سَمْنًا»، جی، «عِنْدِيْ» منصوب تقدیراً مضاف، اور بہر حال یہ تو اب دیکھنا پڑے گا مجھے کہ «عِنْدَ» کہیں مبنی نہ ہو، «عِنْدَ» ظرف ہے نا، ظرف ہے، تو یہ مبنی، اگر مبنی ہوا، ہے تو ظرف ہی، تو ہے تو یہ منصوب ہی، تو اگر یہ مبنی ہوا تو پھر کیسے اعراب بتاؤ گے؟ محلاً، اور اگر معرب ہے تو تقدیراً، تو بہر حال یہ دیکھنا پڑے گا بھئی۔ تو «عِنْدِيْ» اعراب بھئی، «عِنْدِيْ» ہے نا، اسی طرح پڑھو، «عِنْدِيْ» منصوب تقدیراً مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول فیہ ہے، اچھا، اور منصوب تقدیراً کیوں؟ کیونکہ جو اسم بھی یا متکلم کی طرف مضاف ہو جائے اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے تو یہ منصوب تقدیراً ہے۔ آگے یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے، شاباش، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ، مفعول فیہ کس کے لیے؟ «ثَبَتَا» فعل کے لیے، «ثَبَتَا» فعل، ہاں آگے «مَنَوَانِ» تثنیہ آرہا ہے تو فعل بھی کون سا چاہیے؟ تثنیہ کی ضمیر چاہیے، وہ تثنیہ والا فعل لاؤ، «ثَبَتَا»، «ثَبَتَا» فعل، اس کے اندر الف ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ «مَنَوَانِ» جو مبتدائے مؤخر ہے اس کو راجع، جی، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مقدم۔ «مَنَوَانِ سَمْنًا»، اچھا جی «مَنَوَانِ»، «مَنَوَانِ» مرفوع لفظاً ممیز، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کیا ہے اس کا رفع؟ الف ہے، شاباش، اور ممیز آپ کو کیسے پتہ چلا ممیز ہے یہ؟ کیونکہ یہ مقدار ہے اور آگے تمیز آرہی ہے، اور «سَمْنًا» منصوب لفظاً تمیز، منصوب کیوں؟ تمیز ہے، ممیز اپنی تمیز سے مل کر مبتدا مؤخر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا، «عِنْدِيْ مَنَوَانِ سَمْنًا»، سمن گھی کو کہتے ہیں، میرے پاس دو من گھی ہے، «عِنْدِيْ»، میرے پاس، «مَنَوَانِ سَمْنًا»، دو من گھی ہے۔

«وَجَرِيْبَانِ قُطْنًا»، یہ بھی اسی طرح: «عِنْدِيْ جَرِيْبَانِ قُطْنًا»، ترکیب سمجھ میں آگئی بھئی؟ بعینہٖ وہی ترکیب ہے۔ اور قطن کہتے ہیں روئی کو بھی اور کپاس کو بھی، میرے پاس دو جریب کپاس ہے۔ جریب یہ زمین کی مقدار ہے، زمین کی مقدار، کتنی مقدار ہے؟ ساٹھ ذراع چوڑائی ہو اور ساٹھ ذراع لمبائی ہو تو یہ ایک جریب ہے بھئی، ایک جریب زمین۔ جریب آپ سنتے ہوں گے، بعض لوگ بولتے ہیں اور خصوصاً یہ افغانستان، ایران وغیرہ ان علاقوں میں

بھی اب بھی یہی طریقہ رائج ہے، یہاں تو ہے نا کنال ہے اور مرلہ ہے، کنال ہے اور اس کے بعد ایکڑ ہے اور اس کے بعد مربع ہے، تو یہ پیمائشیں چلتی ہیں، اور وہاں جریب چلتا ہے بھئی جریب، اور جریب کسے کہتے ہیں کہ زمین کتنی ہو؟ ساٹھ ذراع لمبائی اور ساٹھ ذراع چوڑائی ہو تو یہ ایک جریب ہے بھئی۔ اور ذراع آپ جانتے ہیں بھئی، ذراع کسے کہتے ہیں؟ ذراع شرعی گز کا نام ہے اور یہ ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے، ڈیڑھ فٹ کا، یعنی جو آج کل گز رائج ہے وہ تین فٹ کا ہوتا ہے یعنی وہ دو شرعی گز کے برابر ہے، سمجھ میں آئی بات؟ بلکہ آج کل تو میٹر رائج ہے، میٹر گز سے کوئی تین انچ بڑا ہوتا ہے، میٹر گز سے تین انچ بڑا اور گز دو ذراع کے برابر ہے بھئی، دو ذراع کے برابر۔ تو سمجھ گئے بھئی؟ ساٹھ ذراع کتنا بن گیا؟ فٹوں کے حساب سے ذرا بنائیں: ڈیڑھ فٹ اور ضرب ساٹھ، نوے فٹ، نوے فٹ چوڑائی اور نوے فٹ لمبائی، لیکن نہیں، یہ ذراع یہ تو شرعی ذراع کی بات چل رہی ہے، وہ ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے، جبکہ یہ جریب جو زمین کی پیائش میں جو گز استعمال ہوتا ہے وہ ملک کسریٰ کا ذراع ہوتا تھا، وہ اس عام شرعی ذراع سے تھوڑا سا بڑا ہوتا تھا، شرعی ذراع سے تھوڑا سا بڑا ہوتا تھا۔ شرعی ذراع کتنا؟ ڈیڑھ فٹ، بھئی یہ ایک متوسط درجے کا آدمی یہ اس کی کہنی سے لے کر، ہاتھ یوں کرے، کہنی سے لے کر انگلیاں سیدھی رکھے تو کہنیوں سے لے کر انگلیوں کے سرے تک یہ ڈیڑھ فٹ ہے تقریباً، یہ ایک شرعی گز بنتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کہاں سے کہاں تک؟ کہنی سے لے کر، کہنی کی ہڈی سے لے کر انگلیوں کے سرے تک یہ ایک ذراع ہے، اور ایک ذراع یہ چھ مٹھی کے برابر ہے، چھ مٹھی، آپ مٹھی بند کریں اور اس کو یوں رکھیں، پھر اس کے اوپر دوسری مٹھی رکھیں، ایک مٹھی میں کتنی انگلیاں؟ چار، دوسری میں کتنی ہو گئیں؟ چار اور، تو کتنی ہو گئیں؟ آٹھ، پھر اس کے اوپر تیسری مٹھی رکھیں، یہ کتنی ہو گئیں؟ بارہ، تو اس طرح چھ مٹھی رکھیں تو یہ بن جاتا ہے چوبیس انگل چوڑائی، گویا ایک ذراع کی لمبائی جو ہے وہ چوبیس انگل کے برابر ہے بھئی، تو یعنی چھ، چھ مٹھیاں، بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن جو ملک کسریٰ کا ذراع رائج تھا وہ سات مٹھی کے برابر تھا، تو اور ایک مٹھی میں چار انگلیاں تو سات چوکے اٹھائیس، تو شرعی گز جو ہے وہ چوبیس انگلی کے برابر لمبائی میں، چوبیس انگلیاں چوڑائی میں ہوں تو اس کے برابر ہے ایک شرعی گز، اور ملک کسریٰ والا ذراع کتنا تھا؟ اٹھائیس انگلی کے برابر بھئی، یعنی سات مٹھیاں رکھیں ایک دوسرے کے اوپر تو اتنی اس کی لمبائی تھی، تو یہ ملک کسریٰ کا ذراع مراد ہے، ساٹھ ذراع چوڑائی اور ساٹھ ذراع لمبائی ملک کسریٰ کے ذراع کے ساتھ تو یہ ایک جریب ہوا، تو یہ ہے جریب بھئی۔ تو کوئی شخص کیا کہتا ہے: «عِنْدِيْ جَرِيْبَانِ قُطْنًا»، میرے پاس دو جریب کپاس ہے، یعنی اتنی زمین میں میں نے کیا اگائی ہے؟ کپاس اگائی ہے بھئی۔

دیکھیے ساری مقداروں کی انہوں نے مثالیں ذکر کر دیں: «عِشْرُوْنَ» یہ عدد ہے، «قَفِيْزَانِ» یہ کیل ہے، پیمانہ ہے، «مَنَوَانِ» یہ وزن کا نام ہے من، من، اور «جَرِيْبَانِ» یہ کس کا نام ہے؟ پیائش کا نام ہے بھئی۔ اور پانچویں قسم ہے اندازہ بھئی: «وَعَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا»، اور کھجور پر اسی کے مثل مکھن ہے، زُبْدًا یا زُبْدًا یہ مکھن کو کہتے ہیں، «عَلَى التَّمْرَةِ»، کھجور پر، «مِثْلُهَا زُبْدًا»، اسی کے مثل مکھن ہے۔ عرب کے ہاں جب کوئی بڑا مہمان، خاص مہمان آتا تھا تو کیا کرتے تھے؟ کھجور کو کاٹ کر اس میں سے گٹھلی نکال کر اسی کے برابر، کھجور کے برابر اس پر، کھجور کو کھول کر رکھا اور اس پر اسی کے برابر مکھن رکھ دیا بھئی، تو اس طرح وہ یہ پلیٹ بھر کر مہمان کے سامنے، بڑے مہمان کے سامنے پیش کی جاتی تھی بھئی۔

■ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب

ترکیب کیجیے: «وَعَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا»، «عَلَى» جارہ، «اَلتَّمْرَةِ» مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «ثَبَتَ» فعل کے ساتھ، «ثَبَتَ» فعل اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ «مِثْلُهَا» کو جو مبتدائے مؤخر ہے اس کو راجع۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مقدم، اور «مِثْلُهَا زُبْدًا» یہ کیا ہے؟ مبتدائے مؤخر، اس میں بھی «مِثْلُ» ہے مبتدا اصل میں، کون ہے؟ «مِثْلُ»۔ جی، «مِثْلُهَا زُبْدًا» ترکیب کیجیے: «مِثْلُ» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، شاباش، لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا مضاف ہے؟ ہاں جس اسم کے ساتھ ضمیر متصل آجائے تو وہ مضاف مضاف الیہ بنتے ہیں، تو «مِثْلُ» مرفوع لفظاً مضاف، «هَا» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر ممیز، «زُبْدًا» منصوب لفظاً تمیز، ممیز اپنی تمیز سے مل کر مبتدا، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، «عَلَى التَّمْرَةِ»، کھجور پر، «مِثْلُهَا»، یہ «هَا» ضمیر راجع ہے تمرہ کو، کھجور پر کھجور ہی کے برابر «زُبْدًا»، مکھن ہے، کھجور پر کھجور کے برابر ہی مکھن ہے۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

«وَقَدْ يَكُوْنُ عَنْ غَيْرِ مِقْدَارٍ»، اور کبھی کبھار تمیز غیر مقدار سے بھی آجاتی ہے۔ یہ تو ساری مقداریں تھیں ناپانچ: عدد، کیل، وزن، مساحت اور اندازہ، اندازہ، یہ پانچ قسم کی مقداریں ہیں۔ دیکھو کھجور پر اسی کے برابر مکھن ہے یہ اندازے سے کہہ رہے ہیں نا کہ پورا برابر ہے اس کے، اندازہ ہے کہ اندازاً

اس کے برابر ہے، اس کے لگ بھگ ہی اس کا مکھن اس پر رکھا ہوا ہے۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ اور یہ کھجوریں بھی یہ کھجوریں نہیں ہوتیں یہ جو آپ کھاتے ہیں چھوٹی چھوٹی کھجوریں بھئی، عرب کے خاص بڑی بڑی کھجوریں ہوتی تھیں بھئی، یہ عام شاید تین چار کھجوریں ملائیں تو اتنی ایک کھجور بنے گی بھئی۔

تو دیکھیے یہ ساری مقداریں تھیں، «وَقَدْ يَكُوْنُ عَنْ غَيْرِ مِقْدَارٍ»، اور کبھی کبھار تمیز غیر مقدار سے بھی آجاتی ہے یعنی ایسی چیز سے جو مقدار نہیں ہوتی، «نَحْوُ: هٰذَا خَاتَمٌ حَدِيْدًا»، «هٰذَا خَاتَمٌ»، یہ انگوٹھی ہے۔ بھئی انگوٹھی تو لوہے کی بھی ہو سکتی ہے، چاندی کی بھی ہو سکتی ہے، سونے کی بھی ہو سکتی ہے، کس چیز کی ہے؟ اس میں ابہام تھا، تو آگے «حَدِيْدًا»، حدید لوہے کو کہتے ہیں، اس نے آکر اس ابہام کو کیا کر دیا؟ دور کر دیا، «هٰذَا خَاتَمٌ حَدِيْدًا»، یہ لوہے کی انگوٹھی ہے، تو یہ تمیز ہے بھئی خاتم سے۔ تو یہ خاتَم اور خاتِم دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں بھئی، تا پر زبر بھی اور زیر بھی، یہ انگوٹھی کو کہتے ہیں، «هٰذَا خَاتَمٌ حَدِيْدًا»، یہ لوہے کی انگوٹھی ہے۔

ترکیب کیجیے: «هٰذَا» مرفوع محلاً مبتدا، شاباش، «هٰذَا» مرفوع محلاً مبتدا۔ بھئی جار مجرور آئیں ناجار مجرور یا ظرف ہو تو وہ خبر مقدم بنتے ہیں، سمجھ میں آئی بات؟ اس لیے وہاں ہم نے خبر مقدم ان کو بنایا تھا کیونکہ وہ مبتدا بن ہی نہیں سکتے، جبکہ یہ «هٰذَا» یہ تو اسم ہے، معرفہ ہے، اسم اشارہ ہے، یہ مبتدا بن سکتا ہے بھئی، تو «هٰذَا» مرفوع محلاً مبتدا، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے، محلاً کیوں؟ مبنی ہے، اسم اشارہ ہے، ہاں تو «هٰذَا» مرفوع محلاً مبتدا، آگے «خَاتَمٌ» مرفوع لفظاً، صیغہ اسم فاعل یہاں نہ بنائیں بس اس انگوٹھی کا نام ہی کیا ہے؟ خاتم ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ ہاں اس کا نام ہی رکھ دیا گیا، اب نام رکھ دیا اب اس میں وہ والا معنی نہیں ہے اسم فاعل والا، جی، تو «خَاتَمٌ» مرفوع لفظاً ممیز، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، بھئی مبتدا آگیا نا تو اس کے لیے خبر بھی تو چاہیے، تو یہ خبر ہے اور یہ مرفوع ہے، اور ممیز کیوں؟ کیونکہ آگے تمیز آرہی ہے جو اس کے ابہام کو دور کر رہی ہے، اور «حَدِيْدًا» منصوب لفظاً تمیز، ممیز تمیز مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، «هٰذَا خَاتَمٌ حَدِيْدًا»، یہ لوہے کی انگوٹھی ہے۔

▪ قولہ: «وَسِوَارٌ ذَهَبًا» کی تشریح

«وَسِوَارٌ ذَهَبًا»، سوار کنگن کو کہتے ہیں بھئی، جو عورتیں پہنتی ہیں زینت کے لیے کنگن بھئی، اور اس کو سوار، اور ذہب کہتے ہیں سونے کو، أَيْ: «هٰذَا سِوَارٌ ذَهَبًا»، یہ سونے کا کنگن ہے۔ ترکیب کیجیے: «هٰذَا» مرفوع محلاً مبتدا، «سِوَارٌ» مرفوع لفظاً ممیز، «ذَهَبًا» منصوب لفظاً تمیز، منصوب کیوں؟ تمیز ہے، جی، ممیز تمیز مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بھئی آپ نے عائد کوئی نہیں بتلایا، خبر کیسے بنا دیا «سِوَارٌ ذَهَبًا» کو؟ جواب، کیا جواب دیں گے؟ آپ کہیں گے بھئی کہ عائد کی ضرورت پیش آتی ہے جب جملے یا شبہ جملہ کو کسی چیز سے جوڑنا ہو، اور یہ «سِوَارٌ ذَهَبًا» نہ یہ جملہ ہے اور نہ شبہ جملہ ہے، لہٰذا یہاں عائد کی کوئی ضرورت نہیں۔ تو «هٰذَا سِوَارٌ ذَهَبًا»، یہ سونے کا کنگن ہے۔

تو انہوں نے آپ کو بتلا دیا: تمیز وہ مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے اور کبھی کبھار غیر مقدار سے بھی تمیز آجاتی ہے، جیسے یہاں پر «خَاتَمٌ»، یہ کوئی مقدار نہیں ہے انگوٹھی، انگوٹھی تو ایک چیز کا نام ہے، لیکن پھر بھی اس میں ابہام تھا، «حَدِيْدًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ اسی طرح «سِوَارٌ»، سوار کنگن کو کہتے ہیں، اس میں کنگن یہ تو کسی مقدار کا نام نہیں ہے، یہ تو ایک چیز کا نام ہے لیکن پھر بھی اس میں ابہام تھا کہ یہ کنگن چاندی کا ہے، سونے کا ہے، لوہے کا ہے، کس چیز کا ہے؟ «ذَهَبًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا، تو یہ تمیز آئی، اور یہ تمیز کس سے ہے؟ مقدار سے ہے یا غیر مقدار سے؟ غیر مقدار سے ہے یہ، سمجھ میں آیا بھئی؟ بھئی جنت میں بھی جنتیوں کو کنگن پہنائے جائیں گے سونے، موتی، ہیرے، جواہرات وغیرہ کے بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ اللہ، اللہ ہم سب کو بغیر حساب کتاب کے جنت نصیب فرمائے بھئی۔ وہاں جنت میں ان شاء اللہ ہم آپ کی دعوت کریں گے، تو جب آپ دعوت میں آئیں گے آپ نے سونے، موتیوں کے اور ہیرے جواہرات کے کنگن پہنے ہوں گے بھئی، بڑے ہی حسین و جمیل بھئی۔ آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ مرد ہو اور کنگن پہنے ہو یہ تو عجیب لگے گا بھئی؟ نہیں بھئی، عجیب وہاں لگتا ہے جہاں عادت نہ ہو، جب سب نے پہنے ہوں، عادت ہو تو پھر وہ چیز عجیب نہیں لگتی، جیسے آپ دیکھ لیں بھئی، یہ آپ سب نے ہاتھوں پر گھڑی پہنی ہوئی ہے، یہ بھی تو کنگن جیسی چیز ہے ایک اور زینت والی بھی ہے، خوبصورت خوبصورت قسم کی لوگ پہنتے ہیں، لیکن چونکہ سب نے پہنی ہوتی ہے لہٰذا یہ ذرا بھی عجیب نہیں لگتی بھئی۔

تو کہتے ہیں تمیز کبھی کبھار مقدار سے آتی ہے اور کبھی غیر مقدار سے آتی ہے، «وَفِيْهِ الْخَفْضُ أَكْثَرُ»، اور اس کے اندر جر اکثر ہوتا ہے، یہ جو غیر مقدار سے تمیز آتی ہے نا تو اس میں اکثر جر پڑھتے ہیں یعنی یہ مضاف مضاف الیہ بن جاتے ہیں: «هٰذَا خَاتَمُ حَدِيْدًا»، عموماً ایسا نہیں استعمال ہو گا بلکہ مضاف

مضاف الیہ بنادیں گے: «هٰذَا خَاتَمُ حَدِيْدٍ»، اور «هٰذَا سِوَارُ ذَهَبٍ»، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور پھر ترکیب کیا ہوگی؟ «هٰذَا» مرفوع محلاً مبتدا، «خَاتَمُ» مرفوع لفظاً مضاف، اور «حَدِيْدٍ» مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو ترکیب اس طرح ہوگی، البتہ اتنا آپ کو پتہ ہے کہ یہ «حَدِيْدٍ» یہ خاتم سے ابہام کو دور کر رہا ہے یہ اس سے تمیز ہے، لیکن ترکیب کے اعتبار سے اس وقت یہ تمیز نہیں ہے، معنیٰ کے اعتبار سے تمیز ہے لیکن ترکیب کے اعتبار سے اب تمیز نہیں ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: «وَفِيْهِ الْخَفْضُ أَكْثَرُ»، اور اس کے اندر، یہ جو غیر مقدار سے تمیز آتی ہے، اس میں اکثر جر ہوتا ہے۔

«وَقَدْ يَقَعُ بَعْدَ الْجُمْلَةِ»، اور کبھی کبھار تمیز جملے کے بعد بھی واقع ہوتی ہے، پہلے تو انہوں نے کہا تھا نا کہ تمیز مقدار کے بعد آئے گی، اب کیا بتا رہے ہیں؟ کبھی کبھار تمیز کس کے بعد آئے گی؟ جملے کے بعد آئے گی، «لِرَفْعِ الْإِبْهَامِ عَنْ نِسْبَتِهَا»، تاکہ ابہام کو دور کرے، «لِرَفْعِ الْإِبْهَامِ»، تاکہ ابہام کو دور کرے «عَنْ نِسْبَتِهَا»، اس جملے کی نسبت سے، اس جملے کے اندر جو نسبت ہے اس نسبت کے اندر ابہام ہوتا ہے، اس سے تمیز آکر ابہام کو دور کر دیتی ہے۔ مثلاً بھئی میں نے کہا: «قَامَ زَيْدٌ»، زید کھڑا ہوا، تو یہ دیکھو «قَامَ» فعل ہے اور «زَيْدٌ» اس کے لیے فاعل، اور یہ «قَامَ» کی نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف، اسی کو اسناد کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ اسناد۔ یا اسی طرح میں کہتا ہوں: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، «زَيْدٌ» مبتدا ہے اور «قَائِمٌ» اس کی خبر، اور دونوں کے درمیان کیا ہے؟ اسناد ہے، دونوں اس کے ذریعے آپس میں جڑے ہوئے ہیں، تو اسناد اور یہ جو نسبت ہوتی ہے اس نسبت کے اندر کبھی کبھار ابہام ہوتا ہے تو تمیز آکر اس ابہام کو کیا کر دیتی ہے؟ دور کر دیتی ہے۔

یہ معنیٰ ہے، کہتے ہیں: «وَقَدْ يَقَعُ بَعْدَ الْجُمْلَةِ لِرَفْعِ الْإِبْهَامِ عَنْ نِسْبَتِهَا»، اور کبھی کبھار تمیز جملے کے بعد بھی واقع ہوتی ہے تاکہ اس کی نسبت کے اندر جو ابہام ہے اس کو دور کر دے، «نَحْوُ: طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، أَوْ عِلْمًا، أَوْ أَبًا»، یہ تین مثالیں ہیں دراصل، ایک ہے: «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»، دوسری میں کچھ لفظ حذف کر دیے کیونکہ ماقبل میں ذکر تھے، أَيْ: «طَابَ زَيْدٌ عِلْمًا»، اور تیسری مثال کیا ہے؟ «طَابَ زَيْدٌ أَبًا»، وہی «طَابَ زَيْدٌ» سب کے ساتھ جوڑتے جائیں، تین مثالیں بن گئیں: پہلی کیا؟ «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»، دوسری؟ «طَابَ زَيْدٌ عِلْمًا»، اور تیسری؟ «طَابَ زَيْدٌ أَبًا»، تو تین مثالیں ہیں۔ «طَابَ يَطِيْبُ» کے معنیٰ ہوتے ہیں خوش ہونے کے، «طَابَ زَيْدٌ»، زید خوش ہوا، بھئی کس اعتبار سے خوش ہوا؟ ابہام تھا، «نَفْسًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا کہ زید اپنی ذات کے اعتبار سے خوش ہوا، «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»، زید خوش ہوا «نَفْسًا»، ذات کے اعتبار سے، صورت سمجھ میں آگئی؟ یعنی زید کی ذات خوش ہوئی۔ یا اسی طرح «طَابَ زَيْدٌ عِلْمًا»، زید خوش ہوا، بھئی کس اعتبار سے خوش ہوا؟ «عِلْمًا»، اس تمیز نے آکر ابہام کو دور کر دیا کہ زید اپنے علم کے اعتبار سے خوش ہوا یعنی اس پر خوش ہوا کہ اس کے پاس علم ہے، یا «طَابَ زَيْدٌ أَبًا»، زید خوش ہوا، بھئی کس اعتبار سے خوش ہوا؟ «أَبًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا کہ زید خوش ہوا باپ ہونے کے اعتبار سے، یعنی خوش ہوا کہ وہ باپ ہے، یا یہ معنیٰ خوش ہوا کہ اس کا باپ ہے یعنی زندہ ہے، صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو دونوں معنیٰ کا اس میں احتمال ہے۔ تو زید خوش ہوا یعنی باپ ہونے کے اعتبار سے کہ وہ باپ ہے، تو دیکھا؟ اس نسبت میں ابہام تھا، تمیز نے آکر کیا کیا؟ اس ابہام کو دور کر دیا بھئی۔

■ قولہ: «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا» کی تشریح

«طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»، «طَابَ» ہے فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً کیا ہے؟ جی، نہیں، «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»، یہاں یاد رکھنا یہ «زَيْدٌ» اس کو ممیز نہ بنانا بھئی، اس میں نہیں ابہام، یہ تمیز نسبت سے ہے، نسبت سے ہے، ذات سے نہیں ہے، کسی نکرہ سے نہیں ہے، ماقبل میں، ماقبل میں وہ جو نکرہ ہوتا تھا اس میں ابہام ہوتا تھا، «عِشْرُوْنَ»، کیا ہے «عِشْرُوْنَ»؟ آگے «دِرْهَمًا» نے ابہام کو دور کیا۔ «قَفِيْزَانِ»، کیا چیز ہے دو قفیز بھئی؟ «بُرًّا» نے آکر کیا کیا؟ ابہام کو دور کیا۔ یا اسی طرح تھا «خَاتَمٌ»، انگوٹھی، بھئی کس چیز کی انگوٹھی ہے؟ «حَدِيْدًا» نے آکر کیا کیا؟ ابہام کو دور کیا۔ تو وہ ان چیزوں میں سے ابہام کو تمیز دور کر رہی تھی، یہاں زید کی ذات میں کوئی ابہام نہیں ہے بلکہ یہاں «طَابَ» خوش ہونے کی جو نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف، اس نسبت کے اندر ابہام ہے، تو یہ «نَفْسًا» کیا ہے؟ اس سے تمیز ہے بھئی، تو یہ نسبت سے تمیز ہے، تو «طَابَ» فعل ہے، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل ہے، اور «نَفْسًا» منصوب لفظاً یہ تمیز ہے، کس سے؟ جو «طَابَ» کی نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف اس نسبت سے یہ تمیز ہے بھئی، صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو فعل اپنے فاعل اور تمیز سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ یا اسی طرح «طَابَ زَيْدٌ عِلْمًا»، «طَابَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل، اور «عِلْمًا» نسبت سے تمیز، فعل اپنے فاعل اور تمیز سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، یا «طَابَ زَيْدٌ أَبًا»، فعل اپنے فاعل اور تمیز سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ باقی زیادہ تفصیل

ان شاء اللہ آپ اگلی کتابوں میں پڑھ لیں گے، تمیز کی بحث ذرا مشکل ہے لیکن بہر حال یہاں اتنا ہی سمجھ لیں، اتنا ہی یاد رکھیں۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ چلیے بس بھئی، ھذا ھو المرام، واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۶۴: فصل المستثنیٰ: حروفِ استثناء اور مستثنیٰ بِإِلَّا کے اعراب کا جامع نقشہ و تفصیل

ہدایۃ النحو صفحہ: ۴۳—بتاریخ: ۸ مارچ ۲۰۱۵ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلْمُسْتَثْنٰى لَفْظٌ يُذْكَرُ بَعْدَ إِلَّا وَأَخَوَاتِهَا لِيُعْلَمَ أَنَّهُ لَا يُنْسَبُ إِلَيْهِ مَا نُسِبَ إِلٰى مَا قَبْلَهَا، وَهُوَ عَلٰى قِسْمَيْنِ: مُتَّصِلٌ وَهُوَ مَا أُخْرِجَ عَنْ مُتَعَدِّدٍ بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا، نَحْوُ: جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا، وَمُنْقَطِعٌ وَهُوَ الْمَذْكُورُ بَعْدَ إِلَّا وَأَخَوَاتِهَا غَيْرَ مُخْرَجٍ عَنْ مُتَعَدِّدٍ لِعَدَمِ دُخُولِهِ فِي الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ، نَحْوُ: جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا۔

آج ہم مستثنیٰ کے بارے میں پڑھیں گے کہ مستثنیٰ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «اَلْمُسْتَثْنٰى لَفْظٌ يُذْكَرُ بَعْدَ إِلَّا وَأَخَوَاتِهَا» مستثنیٰ جو ہے وہ ایسا لفظ ہے جس کو ذکر کیا جائے إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد، یعنی اس کے مشابہ جو کلمات ہیں ان کے بعد۔ کس لیے اس کو ذکر کیا جاتا ہے إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد؟ «لِيُعْلَمَ أَنَّهُ لَا يُنْسَبُ إِلَيْهِ مَا نُسِبَ إِلٰى مَا قَبْلَهَا» تاکہ یہ جان لیا جائے کہ اس کی طرف نسبت نہیں ہو رہی اس چیز کی جس کی نسبت اس کے ماقبل کی طرف ہے بھائی۔

دیکھیے! مثال پر نظر رکھیں، پھر بات سمجھ میں آئے گی بھائی: «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»۔ «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»، آئے میرے پاس وہ لوگ۔ قوم کہتے ہیں مردوں کی جو جماعت ہو، جس میں صرف مرد ہوں اور القوم کہا تو معلوم ہوا کوئی خاص جماعت مراد ہے مردوں کی۔ تو آئے میرے پاس وہ لوگ سوائے زید کے۔ اس کلام سے کیا پتہ چلا کہ زید آیا ہے کہ نہیں آیا؟ معلوم ہوا زید نہیں آیا۔ توجہ رکھیں جملے پر، «جَاءَنِي الْقَوْمُ» آئے میرے پاس وہ لوگ سوائے زید کے، معلوم ہوا زید نہیں آیا۔

تو لفظِ إِلَّا پہ نظر رکھیں، دیکھیے إِلَّا کے مابعد ہے زید، یہ ہے مستثنیٰ۔ اس کی بات چل رہی ہے اس وقت: «اَلْمُسْتَثْنٰى لَفْظٌ يُذْكَرُ» یہ مستثنیٰ کی یہ تعریف کی جا رہی ہے۔ مستثنیٰ کسے کہتے ہیں جو کس کے بعد ذکر ہو؟ إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد، تو اس مثال کے اندر زید یہ مستثنیٰ ہے۔ اور ماقبل میں دیکھیے لوگوں کا ذکر ہے اور ان لوگوں کی طرف نسبت کی گئی آنے کی، «جَاءَنِي الْقَوْمُ» وہ لوگ کیا کیا انہوں نے؟ میرے پاس آئے۔ تو ان کی طرف آنے کی نسبت کی گئی، آنے کا فعل انہوں نے کیا۔ آنے کے فعل کی نسبت کی گئی ان لوگوں کی طرف، صورت سمجھ میں آگئی؟

اب اس تعریف پر ذرا آیئے۔ کہتے ہیں: «اَلْمُسْتَثْنٰى لَفْظٌ يُذْكَرُ بَعْدَ إِلَّا وَأَخَوَاتِهَا» مستثنیٰ وہ لفظ ہے جس کو ذکر کیا جائے إِلَّا اور اس کے مشابہ کلمات کے بعد، «لِيُعْلَمَ أَنَّهُ لَا يُنْسَبُ إِلَيْهِ مَا نُسِبَ إِلٰى مَا قَبْلَهَا» تاکہ یہ جان لیا جائے کہ اس کی طرف نسبت نہیں کی جا رہی وہ جس کی نسبت اس سے ماقبل کی طرف کی جا رہی ہے۔ اس سے ماقبل کون ہے؟ القوم۔ القوم کی طرف نسبت کس چیز کی کی جا رہی ہے؟ آنے کی، یعنی مجیء کی۔ تو اس کو إِلَّا کے بعد یہ بتلانے کے لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ جان لیا جائے کہ اس کی طرف اس آنے کی نسبت نہیں ہے جس آنے کی نسبت ماقبل والوں کی طرف تھی، یعنی ان کے لیے تو آنا ہے، اس کے لیے آنا نہیں، ان کے لیے تو آنے کی نسبت ہے، اس کی طرف آنے کی نسبت نہیں ہے۔ تو یہ کس نے بتایا؟ إِلَّا نے۔ تو یہ مستثنیٰ ہے

جو اس کے بعد ذکر ہوا، یعنی اس کو ان لوگوں میں سے نکال لیا گیا۔ آنے کی نسبت کی گئی کچھ لوگوں کی طرف، لیکن ان میں سے زید کو الگ کر لیا گیا کہ ان لوگوں کی طرف تو آنے کی نسبت ہے، یہ لوگ تو آئے ہیں لیکن خود زید نہیں آیا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تعریف سمجھ میں آ گئی بھائی؟

اب دوبارہ دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: «اَلْمُسْتَثْنٰى لَفْظٌ يُذْكَرُ بَعْدَ إِلَّا وَأَخَوَاتِهَا لِيُعْلَمَ أَنَّهُ لَا يُنْسَبُ إِلَيْهِ مَا نُسِبَ إِلٰى مَا قَبْلَهَا» مستثنیٰ ایسا لفظ ہے جس کو ذکر کیا جائے إِلَّا اور اس کے مشابہ کلمات کے بعد تاکہ یہ جان لیا جائے کہ اس کی طرف نسبت نہیں کی جا رہی، کس چیز کی نسبت؟ وہ جس کی نسبت اس سے ماقبل کی طرف کی جا رہی ہے، اور اس سے ماقبل کی طرف کس چیز کی نسبت تھی؟ آنے کی، یعنی مجیء کی۔

▪ قولہ: «وَهُوَ عَلٰى قِسْمَيْنِ» کی تشریح

«وَهُوَ عَلٰى قِسْمَيْنِ» اور یہ مستثنیٰ جو ہے دو قسم پر ہے: «مُتَّصِلٌ» ایک متصل ہے، اور ایک دو سطروں کے بعد آ رہا ہے: «وَمُنْقَطِعٌ» دوسری قسم کیا ہے؟ منقطع۔ ایک مستثنیٰ متصل ہے، ایک مستثنیٰ منقطع ہے بھائی۔ ان کو پہلے سمجھ لیں بھائی، آسان ہے بھائی۔ دیکھیے! ذرا اس جملے پہ پھر نظر رکھیں: «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»، وہ لوگ آئے مگر زید نہیں آیا۔ تو یہ زید کیا ہے؟ مستثنیٰ، اور یہ القوم ہے مستثنیٰ منہ۔ القوم کیا ہے؟ مستثنیٰ منہ۔ تو جو ماقبل میں ذکر ہوتا ہے اور جس کی طرف اس چیز کی نسبت ہو رہی ہے اس کو کہتے ہیں مستثنیٰ منہ، اور جو إِلَّا کے مابعد ذکر ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مستثنیٰ۔ ماقبل والے کو مستثنیٰ منہ اور مابعد والے کو مستثنیٰ۔ تو یہاں پر مثلاً وہ جملہ تھا «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»، مجھے بتایئے مستثنیٰ منہ کون ہے؟ القوم۔ مستثنیٰ منہ کون ہے؟ القوم، یہ ہے مستثنیٰ منہ۔

تو اگر مستثنیٰ پہلے تو مستثنیٰ منہ میں داخل تھا اور پھر إِلَّا نے آ کر اس کو اس میں سے نکال دیا، تو اس کو کہتے ہیں مستثنیٰ متصل۔ اور اگر پہلے سے ہی داخل نہیں تھا تو اس کو کہتے ہیں مستثنیٰ منقطع۔ مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں؟ کہ مستثنیٰ پہلے تو کس میں داخل تھا؟ مستثنیٰ منہ میں، اور پھر إِلَّا وغیرہ نے آ کر کیا کر دیا اس کو؟ اس میں سے نکال دیا۔ تو اس کو کیا کہیں گے؟ مستثنیٰ متصل۔ اور اگر پہلے سے داخل ہی نہیں تھا تو اس کو کیا کہیں گے؟ مستثنیٰ منقطع کہیں گے۔

مثلاً میرا اشارہ کچھ خاص لوگوں کی طرف تھا، بلکہ یوں کہیں: درجے کی مثال بنا لیں، طلبہ کی مثال بنا لیں، پھر آپ کو بات زیادہ واضح سمجھ میں آئے گی۔ تو مستثنیٰ اگر مستثنیٰ منہ میں پہلے داخل تھا تو وہ متصل ہے اور اگر داخل نہیں تھا تو وہ منقطع ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»، وہ لوگ میرے پاس آئے سوائے زید کے۔ تو القوم سے کچھ خاص لوگ مراد ہیں اور زید بھی انہی میں شامل تھا، زید بھی ان میں شامل تھا، پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو کیا کیا گیا؟ ان میں سے نکال لیا گیا۔ تو یہ مستثنیٰ متصل ہے۔ وہ لوگ آئے مگر زید نہیں آیا۔ تو زید کیا تھا؟ زید القوم میں پہلے داخل تھا، پھر إِلَّا کے ذریعے کیا کیا گیا اس کو؟ نکال لیا گیا۔ اور جب مستثنیٰ پہلے مستثنیٰ منہ میں داخل ہو اور پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکال لیا جائے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مستثنیٰ متصل کہتے ہیں۔ تو یہ کس کی مثال ہوئی؟ مستثنیٰ متصل کی: «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»۔

اور اگر مستثنیٰ پہلے سے داخل ہی نہیں ہے مستثنیٰ منہ میں تو اس کو مستثنیٰ منقطع کہتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا»، آئے میرے پاس وہ لوگ سوائے گدھے کے، یعنی گدھا نہیں آیا، وہ لوگ آئے لیکن گدھا نہیں آیا۔ اب مجھے آپ بتایئے، یہ حمار یہ القوم میں داخل تھا؟ نہیں، کیونکہ القوم میں نے آپ کو بتایا وہ مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں بھائی، اس میں عورتیں بھی نہیں شامل ہوتیں بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو مردوں کی جماعت، اور جب کہہ دیا القوم وہ لوگ، تو لوگوں کے اندر تو گدھا نہیں شامل، وہ اس کے اندر داخل ہی نہیں ہے۔ لیکن اس کو پھر بھی إِلَّا کے بعد ذکر کیا گیا، تو اس کو مستثنیٰ تو کہتے ہیں، مستثنیٰ تو کہتے ہیں لیکن یہ کون سا مستثنیٰ ہے؟ منقطع ہے۔ منقطع ہے، کیونکہ یہ حمار پہلے القوم کے اندر داخل ہی نہیں تھا۔ تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ مستثنیٰ اگر پہلے داخل تھا پھر نکالا گیا تو مستثنیٰ متصل، اور اگر پہلے داخل ہی نہیں تھا تو پھر اس کو مستثنیٰ منقطع کہتے ہیں۔

اور مثال واضح ہو گی بھائی طلبہ کی مثال بنا لیں۔ مثلاً زید درجہ ثانیہ میں پڑھتا ہے، میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ» آئے میرے پاس درجہ ثانیہ والے، اور زید بھی چونکہ ان میں سے ہے تو معلوم ہوا زید بھی آیا۔ لیکن ساتھ ہی میں کہہ دیتا ہوں: «إِلَّا زَيْدًا»، «جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ إِلَّا زَيْدًا»، میرے پاس درجہ ثانیہ والے طلبہ آئے سوائے زید کے۔ تو دیکھو! زید پہلے ان میں داخل تھا کیونکہ زید بھی کس میں پڑھتا ہے؟ درجہ ثانیہ میں پڑھتا ہے۔ تو دیکھو مستثنیٰ متصل کا پتہ چلانے کے لیے اس کا طریقہ یہ ہے، ذرا إِلَّا اور مستثنیٰ کو ختم کر دیا کریں۔ جملہ ابھی میں نے کیا کہا: «جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ إِلَّا زَيْدًا»، یہ «إِلَّا زَيْدًا» کو ذرا ختم کر دو، حرفِ استثناء کو اور مستثنیٰ کو ختم، صرف باقی کلام پہ نظر رکھو۔ میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي طَلَبَةُ

الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ »، میرے پاس کون سے درجے والے آئے؟ ثانیہ والے۔ آپ کیا سمجھے، زید آیا ہو گا کہ نہیں آیا ہو گا؟ ظاہر سی بات ہے، جب میں نے کہہ دیا میرے پاس درجہ ثانیہ والے آئے ہیں اور آپ کو پتہ ہے زید بھی کس میں پڑھتا ہے؟ درجہ ثانیہ میں پڑھتا ہے، تو ظاہر سی بات ہے باقی طلبہ کے ساتھ وہ بھی آیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا زید پہلے ان میں داخل تھا اور پھر إِلَّا کے ذریعے کیا کر لیا گیا؟ نکال لیا گیا۔ اب میں نے پورا کلام کہا: « جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ إِلَّا زَيْدًا »، اب دیکھو معلوم ہوا زید پہلے داخل تھا اور پھر إِلَّا کے ذریعے کیا کیا گیا؟ نکال لیا گیا۔ میرے پاس درجہ ثانیہ والے آئے مگر زید نہیں آیا۔ تو درجہ ثانیہ والوں کی طرف آنے کی نسبت ہے، زید کی طرف آنے کی نسبت نہیں ہے۔ اور زید پہلے ان میں داخل تھا، پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکال لیا گیا، معلوم ہوا یہ زید مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے؟ متصل ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور اگر پہلے سے داخل ہی نہ ہو تو پھر اس کو مستثنیٰ منقطع کہتے ہیں، منقطع کہتے ہیں۔ مثلاً میں نے کہا: « جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ »، میرے پاس درجہ ثانیہ والے آئے، لیکن زید تو رابعہ میں پڑھتا ہے، درجہ رابعہ میں پڑھتا ہے۔ جب میں نے کہا: « جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ »، آپ کیا سمجھے، زید آیا کہ نہیں آیا؟ نہیں آیا، کیونکہ میں نے تو صرف ثانیہ والوں کی بات کی ہے اور ثانیہ میں تو زید پڑھتا ہی نہیں، تو زید ان میں داخل ہی نہیں ہے۔ اور پھر میں آگے کہہ دیتا ہوں: « إِلَّا زَيْدًا »، تو یہ کون سا مستثنیٰ ہوا؟ یہ منقطع ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

معلوم ہوا کتاب میں جو مثال ذکر ہے: « جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا »، یہ مستثنیٰ متصل کی بھی مثال بن سکتی ہے اور یہی مثال مستثنیٰ منقطع کی بھی بن سکتی ہے۔ متصل کی مثال کب بنے گی؟ جب القوم، « جَاءَنِي الْقَوْمُ » آئے میرے پاس وہ لوگ، اور ان لوگوں سے ایک ایسی جماعت مراد ہو جس میں زید بھی شامل تھا۔ اور پھر میں نے إِلَّا کے ذریعے کیا کیا؟ نکال دیا۔ میرے پاس وہ لوگ آئے « إِلَّا زَيْدًا » سوائے کس کے؟ زید کے۔ تو دیکھو زید پہلے داخل تھا اور پھر إِلَّا کے ذریعے میں نے نکال دیا تو یہ مثال کس کی ہوئی؟ مستثنیٰ متصل کی۔ اور اگر القوم کے ذریعے ایسی جماعت اور ایسے لوگ مراد ہیں کہ زید تو ان میں داخل ہی نہیں تھا پہلے سے، میرے پاس وہ لوگ آئے اور زید تو ان میں تھا ہی نہیں، زید تو ان میں سے ہے ہی نہیں، اور پھر آگے میں کہتا ہوں: « إِلَّا زَيْدًا »، تو زید تو ان میں پہلے بھی داخل نہیں تھا، تو معلوم ہوا یہ کون سا مستثنیٰ ہے؟ منقطع ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا یہ « جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا » یہ مستثنیٰ متصل کی بھی مثال بن سکتی ہے جبکہ زید پہلے القوم میں داخل ہو، اور یہی مثال بن سکتی ہے مستثنیٰ منقطع کی بھی جبکہ زید ان میں پہلے داخل نہ ہو۔ لیکن علمائے نحو عموماً عموماً مستثنیٰ منقطع کی مثال ذکر کرتے ہیں: « جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا »، آئے میرے پاس وہ مرد « إِلَّا حِمَارًا » سوائے گدھے کے، سوائے حمار کے، تاکہ بالکل واضح بات ہو جائے، سننے سے ہی پتہ چل جائے کہ ماقبل میں تو القوم ذکر ہے اور القوم تو مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں اور مابعد میں حمار کا ذکر ہے اور حمار تو مردوں میں سے نہیں، معلوم ہوا وہ داخل ہی نہیں تھا پہلے، تاکہ خوب وضاحت ہو جائے۔ مستثنیٰ متصل اور منقطع کا پتہ چل گیا؟ متصل کسے کہتے ہیں؟ جو پہلے داخل تھا پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکال لیا گیا، اور جو پہلے داخل نہ ہو اور پھر إِلَّا کے بعد اس کو ذکر کیا جائے وہ کیا ہے؟ مستثنیٰ منقطع ہے۔

لہٰذا آپ جب بھی طلبہ سے پوچھیں گے: « جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا » کون سے مستثنیٰ کی مثال ہے؟ وہ ہمیشہ کہیں گے متصل کی، نہیں بھائی نہیں، میں نے آپ کو بتا دیا یہ متصل کی بھی مثال ہو سکتی ہے، یہ منقطع کی بھی مثال ہو سکتی ہے۔ سارا دارومدار القوم پر ہے یعنی مستثنیٰ منہ پر ہے۔ اگر یہ اس میں پہلے داخل تھا تو یہی کیا بن جائے گا؟ متصل، اور یہ اگر داخل نہیں تھا تو منقطع۔ جیسے میں نے ابھی بتایا: « جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ إِلَّا زَيْدًا »، اگر زید درجہ ثانیہ میں پڑھتا ہے تو یہ متصل کی مثال، اگر زید درجہ ثانیہ میں نہیں پڑھتا تو وہ تو ان ثانیہ والوں میں نہیں شامل، تو یہ پھر کس کی مثال؟ منقطع کی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: « وَهُوَ عَلٰى قِسْمَيْنِ » مستثنیٰ جو ہے دو قسم پر ہے: « مُتَّصِلٌ وَهُوَ مَا أُخْرِجَ عَنْ مُتَعَدِّدٍ بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا » ایک مستثنیٰ متصل ہے اور وہ ہے جس کو نکالا جائے متعدد میں سے، « بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا » کس کے ذریعے؟ إِلَّا اور اس جیسے مشابہ کلمات کے ذریعے اس کو نکالا جائے متعدد سے، « نَحْوُ: جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا » آئے میرے پاس وہ لوگ سوائے زید کے، یہ مستثنیٰ متصل ہے۔ « وَمُنْقَطِعٌ » دوسری قسم مستثنیٰ منقطع ہے، « وَهُوَ الْمَذْكُورُ بَعْدَ إِلَّا وَأَخَوَاتِهَا » وہ ہے جس کو ذکر کیا گیا ہو إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد، « غَيْرَ مُخْرَجٍ عَنْ مُتَعَدِّدٍ » اس حال میں کہ اس کو نکالا نہ گیا ہو متعدد سے، متعدد میں سے نکالا نہ گیا ہو۔ بھائی کیوں نہیں نکالا گیا؟ کہتے ہیں: « لِعَدَمِ دُخُولِهِ فِي الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ » اس لیے کیونکہ یہ داخل ہی نہیں تھا مستثنیٰ منہ میں۔ داخل ہوتا تو نکالا جاتا، جب داخل ہی نہیں تھا تو نکالنے کا کیا معنیٰ؟ لہٰذا نکالا بھی نہیں گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ « نَحْوُ:

جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا» مثال کے طور پر: آئے میرے پاس وہ لوگ سوائے گدھے کے۔

اچھا بھائی! ترکیب کیجیے بھائی: «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»۔ جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، شاباش! آگے۔ الْقَوْمُ مرفوع لفظاً مستثنیٰ منہ۔ آگے چونکہ مستثنیٰ آرہا ہے لہٰذا یہاں کیا کہہ دیتے ہیں؟ مستثنیٰ منہ۔ اچھا، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے بھائی، فاعل ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ جس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، شاباش! آگے إِلَّا حرفِ استثناء، آگے۔ زَيْدًا منصوب لفظاً مستثنیٰ۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ مستثنیٰ ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ جی اب سمیٹیے: تو زید منصوب لفظاً مستثنیٰ ہوا۔ اب مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر یہ فاعل ہوا جَاءَ فعل کے لیے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ بس ساروں کو ملا کر سمیٹتے ہیں ہمارے ہاں ترکیب میں، ورنہ یہ سمیٹنے کی بھی نہیں ضرورت بھائی، بس صرف اتنا پتہ اعراب ہم نے حل کرنا ہے کہ اس لفظ پر یہ اعراب ہے، اس پر یہ اعراب ہے کس وجہ سے آرہا ہے؟ کوئی آپ سے پوچھ لے القوم پر رفع پڑھ رہے ہیں کیوں پڑھ رہے ہیں؟ آپ بتادیں گے کہ یہ فاعل ہے۔ کوئی پوچھے آپ سے زیداً پر نصب پڑھ رہے ہیں کیوں پڑھ رہے ہیں؟ آپ فوراً کہیں گے کیونکہ یہ کیا ہے؟ مستثنیٰ ہے بھائی، مستثنیٰ ہے بھائی۔

تو چلیے اسی طرح کر لیجیے جیسے ہمارے ہاں رائج ہے: مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر یہ فاعل ہوا جَاءَ فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی بھائی؟

اگلا جملہ، اس کی بھی ترکیب کر لیجیے: «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا»۔ جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، الْقَوْمُ مرفوع لفظاً مستثنیٰ منہ، إِلَّا حرفِ استثناء، حِمَارًا منصوب لفظاً مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی بھائی؟ ہاں بس اصل چیز ہے اعراب کا پتہ چلنا کہ اس لفظ پر یہ اعراب کیوں آیا؟ تو القوم پر آپ کو پتہ چل رہا ہے کہ اس پر رفع پڑھنا ہے، کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے، اور حمار پر نصب پڑھنا ہے کیونکہ یہ مستثنیٰ ہے بھائی۔

اب آگے دیکھیے بھائی: «وَاعْلَمْ أَنَّ إِعْرَابَ الْمُسْتَثْنَى عَلَى أَرْبَعَةِ أَقْسَامٍ» جان لے تو کہ مستثنیٰ کا اعراب چار قسم پر ہے۔ اچھا یاد رکھیے، استثناء کے لیے گیارہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ کتنے الفاظ؟ گیارہ الفاظ بھائی۔ وہ کون کون سے ہیں؟ دیکھیے! یہ ایک دو سطروں کے بعد آرہا ہے: «بَعْدَ خَلَا وَعَدَا عِنْدَ الْأَكْثَرِ، أَوْ بَعْدَ مَا خَلَا وَمَا عَدَا» مل گئی عبارت بھائی؟ بھئی دو سطروں کے بعد آرہا ہے: «أَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا» عبارت مل گئی؟ «أَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا عِنْدَ الْأَكْثَرِ، أَوْ بَعْدَ مَا خَلَا وَمَا عَدَا وَلَيْسَ وَلَا يَكُونُ»۔ اچھا اسی طرح اسی طرح چھ سات سطروں کے بعد پھر آرہا ہے: «جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ، مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ، وَمَا رَأَيْتُ إِلَّا زَيْدًا، وَمَا مَرَرْتُ إِلَّا بِزَيْدٍ» مل گیا بھائی؟ اس کے بعد آگے ہے: «وَإِنْ كَانَ بَعْدَ غَيْرَ وَسِوًى وَسَوَاءٍ وَحَاشَا» مل گئی عبارت؟ ہاں، اب یاد رکھیے یہ استثناء کے لیے گیارہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں بھائی، گیارہ الفاظ۔

نمبر ایک ہے: إِلَّا، اور إِلَّا کے اندر تفصیل ہے جو میں آگے بیان کروں گا بھائی۔ إِلَّا کے اندر تفصیل ہے جو میں بیان کروں گا آگے، جبکہ باقی جو دس ہیں ان میں دیکھیے: خَلَا، مل گیا بھائی کیا لکھا ہوا تھا؟ خَلَا ہے، جہاں پہلے میں نے عبارت پڑھوائی تھی: خَلَا ہے، عَدَا ہے، مَا خَلَا ہے، مَا عَدَا ہے، لَيْسَ ہے اور لَا يَكُونُ۔ یہ جو چھ ہیں، ان چھ کے بعد مستثنیٰ منصوب ہو گا بھائی اکثر علمائے نحو کے نزدیک۔ ان کے بعد کیا ہو گا؟ کون سے چھ ہیں؟ خَلَا، عَدَا، مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَيْسَ اور لَا يَكُونُ۔ جبکہ وہ جو آخر میں آئے تھے: غَيْرَ، سِوًى، سَوَاءٍ اور حَاشَا، مل گیا بھائی؟ اور یہ چار جو ہیں ان کے بعد مستثنیٰ مجرور ہو گا اکثر کے نزدیک۔

تفصیل سمجھ میں آگئی؟ کتنے الفاظ استعمال ہوتے ہیں؟ گیارہ۔ گیارہ میں سے إِلَّا کے اندر تفصیل ہے جو میں ابھی بیان کروں گا، جبکہ باقی دس میں سے چھ جو ہیں پہلے: خَلَا، عَدَا، مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَيْسَ، لَا يَكُونُ، ان کے بعد مستثنیٰ اکثر کے نزدیک منصوب ہو گا، جبکہ غَيْرَ، سِوًى، سَوَاءٍ اور حَاشَا ان کے، ان چار کے بعد اکثر کے نزدیک مجرور ہو گا بھائی مجرور ہو گا۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟

■ مستثنیٰ بِإِلَّا کے اعراب کا جامع نقشہ اور تفصیل

اب إِلَّا کے اندر تفصیل ہے بھائی، یاد رکھیے، یاد رکھیے۔ تو مستثنیٰ بِإِلَّا کے اندر تفصیل ہے بھائی اور اس میں میرا ایک آسان سا نقشہ ہے وہ بنالیں، ان شاء اللہ پھر کبھی پریشانی نہیں ہو گی۔ إِلَّا کے بعد مستثنیٰ پر کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ طلبہ بڑے پریشان ہوتے ہیں بھائی اور یہ عام استعمال ہوتا ہے کلامِ عرب کے اندر۔ یہ میرا نقشہ ان شاء اللہ یاد کر لیجیے گا، کہیں ان شاء اللہ مشکل پیش نہیں آئے گی بھائی۔ سب سے پہلے اوپر لکھ لیجیے: مستثنیٰ، درمیان میں صفحے کے۔ نقشہ بنانا

ہے بھائی، صفحے کے درمیان میں سب سے اوپر، سب سے اوپر، سب سے اوپر صفحے کے اوپر، نیچے کی طرف ہم چلتے جائیں گے۔[1]

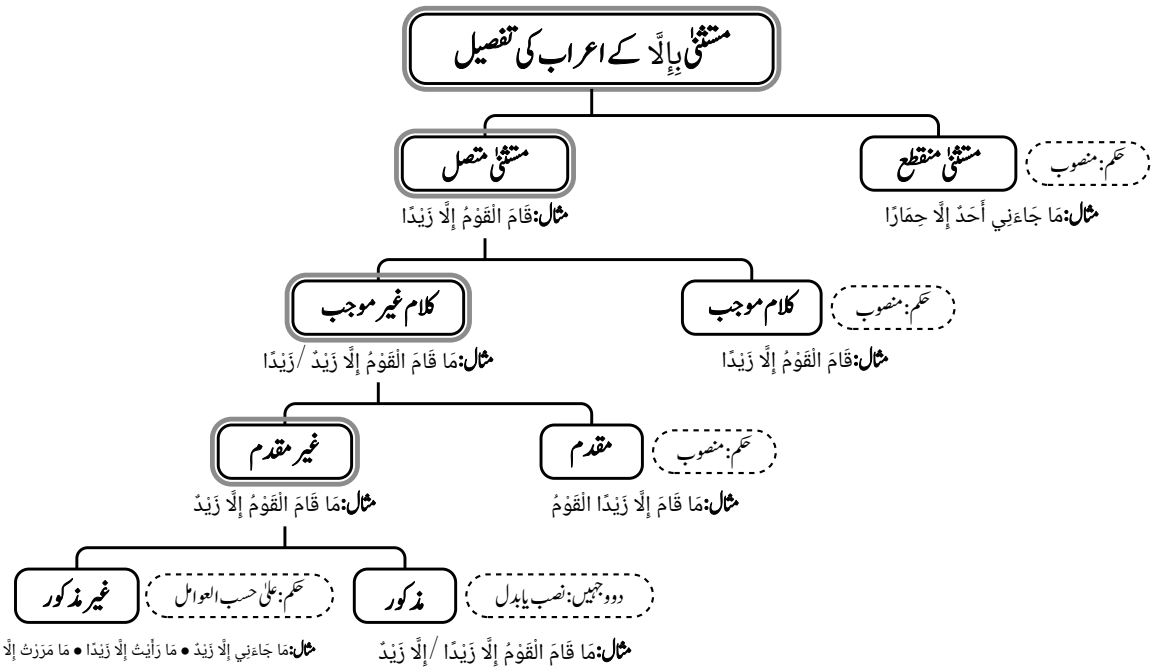
اچھا بھائی! صفحے کے اوپر سب سے اوپر عنوان دے دیں: «مستثنیٰ بِإِلَّا کے اعراب کی تفصیل»۔ مستثنیٰ بِإِلَّا، باکو إِلَّا کے الف کے ساتھ جڑ جائے گی، «بِإِلَّا»، دو الف نہیں لکھنے، ب، ا، ل، ایوں لکھنا ہے، اور پھر با کے ساتھ جو الف ہے وہ إِلَّا والا ہے، اس کے نیچے ہمزہ ڈال دیں بھائی۔ اس الف کے نچلے کنارے پر ہمزہ ڈال دیں، اسی ایک طرف باکا نقطہ ہے نا اور الف کے نیچے ہمزہ بھی ڈال دیں چھوٹی سی، الف کے نیچے یا زیر ڈال دیں یا ہمزہ ڈال دیں۔ اور لام پر شد بھی ڈال دیں، تاکہ «إِلَّا» لفظ پڑھا جائے: «مستثنیٰ بِإِلَّا کے اعراب کی تفصیل»۔

اوپر عنوان دے دیا؟ اب اس کے نیچے ایک سطر چھوڑ کر وہ سطر کے درمیان میں لکھ لیں: «مستثنیٰ»، مستثنیٰ۔ لکھ لیا بھائی؟ اچھا، اب اس سطر سے نیچے ایک سطر چھوڑ کر اس سے نچلی سطر میں تھوڑا دائیں طرف کر کے «منقطع» لکھیں اور مستثنیٰ کے یعنی دو قسمیں بنانی ہیں۔ دائیں طرف لکھ لیں، درمیان میں مستثنیٰ لکھانا، مستثنیٰ کے ایک سطر چھوڑ کر نیچے ایک لکیر میں «منقطع» لکھیں، یہ ایک قسم ہوئی، اور دور فاصلہ دے کر «متصل» دوسری قسم لکھیں۔

جی سب سے اوپر تھا مستثنیٰ، اب اس کی دو قسمیں نیچے بن گئیں: ایک کیا ہے؟ منقطع، ایک کیا ہے؟ متصل۔ دونوں کو لکیر کھینچ کر مستثنیٰ سے ملا دیں۔ منقطع سے بھی ایک لکیر کھینچیں مستثنیٰ تک، ہاں ٹھیک ہے ٹھیک ہے، بس، اور متصل سے بھی ایک لکیر کھینچیں مستثنیٰ تک۔ دیکھا! اوپر درمیان میں مستثنیٰ آ گیا، مستثنیٰ سے دو لکیریں جا رہی ہیں نیچے کی طرف، ایک دائیں طرف ایک بائیں طرف، اور دائیں طرف آپ نے لکھا منقطع اور بائیں طرف لکھا متصل۔ تو یہ کس کی تقسیم ہو رہی ہے؟ مستثنیٰ کی۔ دو قسمیں ہو گئیں: نمبر ایک منقطع، نمبر دو متصل۔ اب اسی طرح نیچے متصل کی تقسیم کرنی ہے، متصل کی، متصل کی پھر دو قسمیں ہیں: ایک

---

[1] حاشیہ—نقشہ تفصیلِ اعرابِ مستثنیٰ بِإِلَّا (افاداتِ استاذِ محترم حضرت مولانا محمد زہیر روحانی بازی مدظلہ العالی):



خلاصۂ احکام مع مثالیں

نمبر	قسم	اعراب/حکم	مثال
۱	مستثنیٰ منقطع	منصوب	مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا حِمَارًا
۲	متصل—کلام موجب	منصوب	قَامَ الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا
۳	غیر موجب—مقدم	منصوب	مَا قَامَ إِلَّا زَيْدًا الْقَوْمُ
۴	غیر موجب—غیر مقدم—مذکور	نصب یا بدل	مَا قَامَ الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا /إِلَّا زَيْدٌ
۵	غیر موجب—غیر مقدم—غیر مذکور	علیٰ حسب العوامل	مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ /مَا مَرَرْتُ إِلَّا بِزَيْدٍ

موجب، م، و، ج، ب، موجب، اور دوسری ہے غیر موجب، فاصلہ دے کر لکھیں بھائی: غیر موجب۔ ٹھیک ہے؟ اور یہ موجب اور غیر موجب ان کو لکیر کھینچ کر متصل سے جوڑ دیں۔

جی سمجھ میں آرہا ہے بھائی؟ مستثنیٰ کی دو قسمیں کون سی ہوئیں؟ منقطع اور متصل۔ پھر متصل کی دو قسمیں کیا ہو گئیں؟ موجب اور غیر موجب۔ اچھا، اب غیر موجب سے دو قسمیں بنیں گی، ایک پہ لکھیں: «مقدم»، مقدم، ایک قسم ہوئی مقدم، اور دوسری قسم ہوئی «غیر مقدم»، غیر مقدم۔ اب اس مقدم اور غیر مقدم کو بھی غیر موجب سے ملا دیں لکیریں کھینچ کر، ملا دیا؟ اب غیر مقدم کی تقسیم ہے پھر: ایک ہے «مذکور»، ایک ہے «غیر مذکور»۔ جی اب لکیریں کھینچ کر مذکور اور غیر مذکور کو غیر مقدم کے ساتھ ملا دیں۔ بنا لیا نقشہ؟ جی نقشہ تقریباً پورا ہوا بس تھوڑی سی تفصیل رہ گئی۔

بھائی اس نقشے میں دیکھیں، سب سے پہلے اوپر کیا ہے؟ مستثنیٰ۔ مستثنیٰ سے دو لکیریں جا رہی ہیں ایک دائیں ایک بائیں اور اس کی تقسیم ہو رہی ہے، ایک قسم کیا ہے؟ منقطع، دوسری قسم کیا ہے؟ متصل۔ پھر متصل سے دو لکیریں دائیں اور بائیں نیچے کی طرف جا رہی ہیں اس کی تقسیم ہو رہی ہے، ایک کیا ہے؟ موجب، جیم پر زبر پڑھنا ہے، موجب، اور دوسرا کیا ہے؟ غیر موجب۔ پھر غیر موجب کے نیچے سے دو لکیریں جا رہی ہیں دائیں اور بائیں کی طرف اس کی تقسیم ہو رہی ہے اور ان میں سے ایک کیا ہے؟ مقدم، اور دوسرا کیا ہے؟ غیر مقدم۔ پھر اس غیر مقدم کی آگے تقسیم ہو رہی ہے اور ایک کیا ہے؟ مذکور، اور دوسری قسم ہے غیر مذکور۔ نقشہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا بھائی؟

اچھا یاد رکھیے، اب تفصیل سمجھتے بھی جاؤ اس نقشے کو۔ جب بھی إِلَّا کے بعد کوئی لفظ مستثنیٰ آ جائے، اب اس پر کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ تو جلدی سے غور کر کے دیکھیں کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے؟ نقشے پہ نظر ہے؟ کیا دیکھو؟ منقطع ہے یا متصل۔ اگر منقطع ہو تو اس کو منصوب پڑھنا ہے، منقطع کے نیچے منصوب لکھ لیں۔ منقطع جہاں آپ نے لکھا تھا نا اس کے بالکل ساتھ جوڑ کے نیچے لکھیں: «منصوب»، تاکہ پتہ چلے یہ اسی کی بات ہو رہی ہے: منصوب۔ لکھ لیا؟ مستثنیٰ اگر إِلَّا کے بعد ہو تو سب سے پہلے کیا دیکھو کہ متصل ہے یا منقطع؟ اگر منقطع ہو تو سمجھ جائیں اس پر کیا پڑھنا ہے؟ منصوب، یہ منصوب ہو گا اس پر نصب پڑھنا ہے۔

اگر متصل ہو پھر دیکھو کہ یہ کلامِ موجب ہے یا غیر موجب ہے؟ اگر موجب ہو تو پھر پڑھنا ہے، پھر بھی منصوب ہو گا۔ موجب کے نیچے بھی منصوب لکھیں۔ اور اگر غیر موجب ہو کلام تو پھر اس میں دیکھیں گے کہ مستثنیٰ مقدم ہے مستثنیٰ منہ پر یا مقدم نہیں ہے؟

کلامِ موجب کسے کہتے ہیں یہ بھی یہاں سمجھ لیں۔ یاد رکھو! کلامِ موجب وہ ہے، یہ آگے صاحبِ ہدایۃ النحو بھی ذکر کریں گے، جس میں نہی، نفی اور استفہام نہ ہو، وہ ہے کلامِ موجب۔ کوئی بھی ایسا کلام جس میں نفی نہ ہو، مثلاً میں کہتا ہوں: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، زید کھڑا ہے، اس میں کوئی نفی ہے؟ زید کے لیے قیام کا ثبوت ہے یا نفی ہے؟ ثبوت ہے۔ اچھا، نفی اور نہی میں فرق جانتے ہو؟ نفی میں ایک چیز سے دوسری چیز کی نفی ہوتی ہے اور نہی میں حکم دیا جاتا ہے دوسرے کو: «لَا تَضْرِبْ زَيْدًا» تو زید کی پٹائی نہ کر، تو یہ «لَا تَضْرِبْ» کیا ہے؟ نہی ہے۔ اور «لَا يَضْرِبُ زَيْدٌ» زید پٹائی نہیں کر رہا، یہ کیا ہے؟ یہ نفی ہے۔ جس میں روکا جاتا ہے کسی کام سے وہ ہوتی ہے نہی، اور جس میں نہ ہونے کو بیان کیا جائے وہ ہوتی ہے نفی۔ «لَا يَضْرِبُ زَيْدٌ» زید پٹائی نہیں کر رہا، یہ میں کوئی حکم دے رہا ہوں یا ایک بات بتلا رہا ہوں؟ یہ میں ایک بات بتلا رہا ہوں آپ کو، معلوم ہوا یہ نفی ہے، یہ کیا ہے؟ نفی ہے۔ «مَا زَيْدٌ قَائِمًا» زید کھڑا نہیں ہے، یہ بھی کیا ہے؟ نفی ہے۔ اور میں آپ سے کہتا ہوں: «لَا تَضْرِبْ زَيْدًا»، یہ کیا ہے؟ یہ نہی ہے بھائی، نہی ہے۔ نفی میں آپ ایک چیز سے دوسری چیز کی نفی کرتے ہیں اور نہی میں کیا کرتے ہیں باقاعدہ ایک چیز سے روکتے ہیں، منع کرتے ہیں، حکم دیتے ہیں۔ وہ جو آپ نے نہی کی گردان پڑھی ہے وہ صیغے آئیں گے نہی کے اندر ہمیشہ جیسے «لَا تَضْرِبْ»۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ «لَا تَجْلِسْ» یہ کیا ہے؟ نہی، تو نہ بیٹھ، یہ بھی نہی ہے۔ «لَا تَقُمْ» تو کھڑا نہ ہو، «لَا تَقْرَأْ» تو نہ پڑھ، یہ سب کیا ہیں؟ نہی۔ تو نہی میں حکم دیا جاتا ہے، وہ گردان پڑھتے ہیں آپ باقاعدہ نہی کی صرف کے اندر بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو وہ ہے نہی۔

اور ایک ہے استفہام، استفہام کسے کہتے ہیں جس میں سوال ہوتا ہے کسی بات کا۔ تو لہٰذا کلامِ موجب وہ ہے جس میں نفی، نہی اور استفہام نہ ہو۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ» یہ کلامِ موجب ہے، یہ کیا ہے؟ کلامِ موجب ہے، کیوں؟ کیونکہ اس میں کوئی نفی ہے؟ زید کے لیے قیام کا ثبوت ہے یا نفی ہے؟ ثبوت ہے، اس میں کوئی نفی نہیں، اور کیا اس میں کسی کام سے روکا گیا ہے، نہی ہے؟ نہی بھی اس کے اندر نہیں۔ نفی بھی نہیں اور نہی بھی نہیں۔ اور استفہام ہے، کیا کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے یا بتلایا جا رہا ہے؟ بتلایا جا رہا ہے، سوال بھی نہیں ہے۔ تو جب کلام کے اندر نفی بھی نہ ہو، نہی بھی نہ ہو اور استفہام بھی نہ ہو تو وہ کلامِ موجب ہے، اور اگر نفی، نہی یا استفہام ہو تو وہ غیر موجب ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہ تقسیم تھی کہ مستثنیٰ جب بھی آئے سب سے پہلے یہ دیکھو کہ وہ منقطع ہے یا متصل؟ نقشے پہ نظر ہے؟ اگر منقطع ہو تو اس پر کیا پڑھنا؟ نصب۔ اگر وہ متصل ہے تو پھر غور کر لو فوراً جلدی سے اس میں کہ وہ کلامِ موجب ہے یا کلامِ غیر موجب؟ اگر کلامِ موجب ہو تو بھی مستثنیٰ پر کون سا اعراب پڑھنا؟ نصب ہی پڑھنا۔ اگر کلام غیر موجب ہے، یعنی نفی، نہی یا استفہام ہے تو پھر جلدی سے غور کرو اور دیکھو نقشے پہ نظر ہے بھائی؟ غیر موجب کے نیچے آگے اب کیا تقسیم ہوئی تھی؟ مقدم ہے یا غیر مقدم؟ بھائی یاد رکھو، یہ کبھی کبھار مستثنیٰ مقدم ہو جاتا ہے مستثنیٰ منہ پر۔ ابھی تو آپ نے پڑھا: «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»، مقدم کون تھا؟ مستثنیٰ مقدم تھا یا مستثنیٰ منہ پہلے آیا تھا؟ مستثنیٰ منہ پہلے آتا ہے اور مستثنیٰ بعد میں، لیکن کبھی کبھار مستثنیٰ مقدم ہو جاتا ہے کس پر؟ مستثنیٰ منہ پر۔ تو اس صورت میں بھی وہ منصوب ہو گا، نقشے میں کیا بنا ہے؟ غیر موجب کے نیچے کیا لکھا ہے؟ مقدم یا غیر مقدم۔ کیا معنی مقدم غیر مقدم؟ یعنی مستثنیٰ مقدم ہے مستثنیٰ منہ پر یا مقدم نہیں ہے؟ اگر مستثنیٰ مقدم ہے تو بھی منصوب ہو گا۔ مقدم کے نیچے منصوب لکھیں۔ لکھ لیا؟

اور اگر غیر مقدم ہے تو پھر دیکھیں گے کہ مستثنیٰ منہ عبارت میں مذکور ہے یا مذکور نہیں؟ اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہے تو نصب، اس کے نیچے لکھیں، مذکور کے نیچے لکھیں: «نصب یا بدل»، نصب بھی پڑھ سکتے ہیں بدل بھی: «نصب یا بدل»۔ بھائی مستثنیٰ منہ مذکور ہے تو مستثنیٰ پر نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور اس کو بدل بنانا بھی جائز ہے، یعنی جو اعراب مستثنیٰ منہ کا ہے وہی اعراب کس کا ہو گا؟ مستثنیٰ کا۔ مستثنیٰ کو بدل بھی بنا سکتے ہیں، مستثنیٰ پر نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اس صورت میں اور اس کو بدل بھی بنا سکتے ہیں۔ کس سے بدل ہو گا؟ مستثنیٰ منہ سے، اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو جو اعراب مستثنیٰ منہ کا ہو گا وہی کس کا ہو گا؟ مستثنیٰ یعنی بدل کا بھی ہو گا بھائی، بدل کا بھی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور اگر مستثنیٰ منہ غیر مذکور ہو تو اس کے نیچے لکھیں: «عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ»۔ «عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ» جب یعنی دیکھو مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو، مستثنیٰ تو إِلَّا کے بعد ہے لیکن مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے، تو پھر جو مستثنیٰ منہ کا اعراب تھا وہی اعراب کس پر آجائے گا؟ مستثنیٰ پر آجائے گا، اور جس قسم کا عامل ہو گا ماقبل میں وہی اعراب آجائے گا۔ اگر عامل چاہتا تھا رفع تو اس پر کیا آئے گا؟ رفع۔ اگر عامل چاہتا تھا نصب تو اس پر نصب آئے گا، اور اگر عامل جر والا تھا تو اس پر جر آئے گا۔ اسی لیے اس کا میں نے کیا اس کے نیچے کیا لکھوایا؟ «عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ»۔ تفصیل سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو خلاصۂ کلام پھر بیان کرنے لگا ہوں، اگر نقشہ صحیح نہیں بھی بنا پھر بھی میری تقریر کو اب توجہ سے سن لیں، آپ کو سارا سمجھ میں آجائے گا کہ جو إِلَّا کے بعد آئے کوئی لفظ، اس پر کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ تو سب سے پہلے اس میں یہ دیکھو کہ وہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع؟ اگر منقطع ہو تو اس پر کون سا اعراب پڑھنا؟ نصب پڑھ لینا، وہ منصوب ہو گا۔ اگر وہ متصل ہے تو پھر اس میں جلدی سے غور کر کے دیکھ لیں کہ وہ کلامِ موجب ہے یا غیر موجب؟ اگر کلامِ موجب ہے تو بھی اس صورت میں اس إِلَّا کے بعد جو لفظ آیا اس پر کیا پڑھو؟ نصب پڑھو، وہ منصوب ہو گا۔ اور اگر وہ کلام غیر موجب ہے یعنی نفی، نہی یا استفہام ہے تو پھر اس کے اندر غور کر لو کہ یہ جو مستثنیٰ جو ہے یہ مستثنیٰ منہ پر مقدم تو نہیں؟ اگر اس پر مقدم ہے تو پھر اس پر کیا پڑھنا؟ تو بھی اس پر نصب پڑھنا، یہ منصوب ہی ہو گا۔ اور اگر یہ اس پر مقدم نہیں تو پھر اس کے بعد آپ غور کر لیں کہ کلام میں مستثنیٰ منہ ذکر ہے یا اس کو حذف کر لیا گیا ہے؟ اگر ذکر ہے تو پھر اس صورت میں یہ جو إِلَّا کے بعد لفظ آیا اس پر نصب پڑھنا بھی جائز اور اس کو مستثنیٰ منہ جو ماقبل میں ذکر ہے اس سے بدل بنانا بھی جائز، یعنی جو اعراب اس پر ہو گا وہی اعراب اس پر بھی ہو گا۔ اور اگر مستثنیٰ مذکور نہیں ہے اس کو حذف کر لیا گیا ہے تو اس پر جو اعراب آنا تھا وہی اعراب اب کس پر آئے گا؟ مستثنیٰ پر آئے گا، یعنی اگر عامل رفع والا تھا تو اس پر رفع آئے گا، اگر عامل نصب والا تھا تو اس پر نصب آئے گا، اور اگر عامل جر والا تھا تو اس پر جر آئے گا۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟ دیکھو یہ ترکیب یہ ترتیب ہمیشہ یاد رکھنا، آپ کو کہیں مشکل پیش نہیں آئے گی بھائی، سمجھ میں آئی بات؟ سب سے پہلے فوراً کیا دیکھو؟ منقطع ہے یا متصل۔ منقطع ہو تو منصوب۔ متصل ہو تو پھر دیکھو موجب ہے یا غیر موجب۔ موجب ہو تو منصوب۔ غیر موجب ہو تو پھر دیکھو مقدم ہے یا غیر مقدم۔ مقدم ہو تو منصوب۔ غیر مقدم ہو تو پھر دیکھو کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہے یا مذکور نہیں؟ اگر مذکور ہو تو نصب بھی اور بدل بھی، اور اگر مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ نقشہ بھی اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟

اب اسی بات کو صاحبِ ہدایۃ النحو بھی بیان کریں گے، لیکن وہ ترتیب عموماً یاد نہیں رہتی۔ میرا یہ نقشہ ان شاء اللہ ذہن میں رکھیں، اس کی ترتیب ذہن میں رکھیں، کہیں پر مشکل پیش نہیں آئے گی۔ صاحبِ ہدایۃ النحو بھی وہ ساری تفصیل ذکر کریں گے تو وہ سارا ساری صورتیں اکٹھی ذکر کرتے ہیں اس لیے ان کو یاد کرنا مشکل ہے بھائی۔ میری ترتیب سے یاد کریں، ان شاء اللہ بڑی جلدی یاد ہو جائے گا۔ دیکھیے بھائی!

تفصیل سمجھ میں آگئی؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا استثناء کے لیے کتنے لفظ آتے ہیں؟ گیارہ۔ إِلَّا کے اندر تفصیل تھی، نقشہ بنوایا، تفصیل بیان کر دی، اور باقی دس میں سے چھ کے اندر منصوب اور چار کے اندر مجرور ہے۔ تو صاحبِ ہدایہ یہ ساری چیزیں اکٹھی بیان کریں گے، دیکھیے بھائی! کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ أَنَّ

إِعْرَابَ الْمُسْتَثْنٰى عَلٰى أَرْبَعَةِ أَقْسَامٍ» جان لے تو کہ مستثنیٰ کا اعراب چار قسم پر ہے: «فَإِنْ كَانَ مُتَّصِلًا» اگر مستثنیٰ متصل ہو، «وَقَعَ بَعْدَ إِلَّا» کس کے بعد؟ إِلَّا کے بعد ہو، «فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ» اور کلام موجب میں ہو، یہ ایک صورت ہم نے بیان کر دی، اس صورت میں کیا تھا؟ منصوب تھا۔ «أَوْ مُنْقَطِعًا» یا مستثنیٰ کیا ہو؟ منقطع ہو، «كَمَا مَرَّ» جیسے کہ مثال گزر گئی، دونوں کی مثال گزر گئی۔ «أَوْ مُنْقَطِعًا» یا منقطع ہو کما مر جیسے کہ ان کی مثالیں گزر گئیں، «أَوْ مُقَدَّمًا عَلَى الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ» یا مستثنیٰ کیا ہو مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو، «نَحْوُ: مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدًا أَحَدٌ»۔

اصل میں یوں تھا: «مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا»، میرے پاس کوئی نہیں آیا سوائے زید کے، لیکن پھر یہ احدٌ جو مستثنیٰ منہ تھا اس کو مؤخر کیا گیا تو زیداً جو مستثنیٰ تھا اس پر کیا ہوا؟ مقدم۔ تو اس پر اب نصب پڑھنا واجب ہے بھائی، واجب ہے۔ احدٌ تو فاعل ہے ناجَاءَ کے لیے اور زیداً پر کیا اعراب پڑھنا ہے؟ آپ نے فوراً غور کیا کہ دیکھا کہ یہ تو مستثنیٰ منہ پر مقدم ہے تو اس پر کیا پڑھیں گے؟ نصب۔

تو کہتے ہیں: کتنی قسمیں؟ مستثنیٰ کس میں آئے؟ کلامِ موجب میں آئے یا منقطع ہو، کتاب پر نظر ہے عبارت پر؟ کلامِ موجب میں آئے مستثنیٰ یا کیا ہو؟ منقطع ہو یا مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو۔ «أَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا عِنْدَ الْأَكْثَرِ» اور خَلَا اور عَدَا کے بعد ہو اکثر نحویوں کے نزدیک، «أَوْ بَعْدَ مَا خَلَا وَمَا عَدَا وَلَيْسَ وَلَا يَكُونُ» اور مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَيْسَ اور لَا يَكُونُ کے بعد آئے، جیسے: «نَحْوُ: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا، إِلٰى آخِرِهِ» آخر تک، «كَانَ مَنْصُوبًا» تو ان تمام صورتوں میں مستثنیٰ منصوب ہو گا۔ دیکھو نصب والی ساری صورتیں انہوں نے جمع کر دیں، کون سی؟ خَلَا اور عَدَا کے بعد بھی، مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَيْسَ اور لَا يَكُونُ ان کے بعد بھی تھا، اور وہ جو ہمارے نقشے میں تین صورتیں تھیں نصب والی کون کون سی؟ منقطع ہو، یا کلامِ موجب میں ہو، یا مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو، ان تمام صورتوں میں منصوب ہو گا۔

▪ قولہ: «وَإِنْ كَانَ بَعْدَ إِلَّا فِي كَلَامٍ غَيْرِ مُوجَبٍ» کی تشریح

«وَإِنْ كَانَ بَعْدَ إِلَّا فِي كَلَامٍ غَيْرِ مُوجَبٍ» اور اگر مستثنیٰ کس کے بعد ہو؟ إِلَّا کے بعد ہو کلامِ غیر موجب میں۔ بھائی کلامِ غیر موجب کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ كُلُّ كَلَامٍ يَكُونُ فِيهِ نَفْيٌ وَنَهْيٌ وَاسْتِفْهَامٌ» جس کے اندر نفی اور نہی اور استفہام ہو، جس میں نفی، نہی یا استفہام ہو۔ «وَالْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ مَذْكُورٌ» اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو۔ میں نے کیا بتایا تھا؟ کلام غیر موجب ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو کیا پڑھ سکتے ہیں؟ نصب، وہی بیان کرنے لگے ہیں، کہتے ہیں: «يَجُوزُ فِيهِ الْوَجْهَانِ: اَلنَّصْبُ وَالْبَدَلُ عَمَّا قَبْلَهَا» تو اس میں دو وجہیں پڑھنا جائز ہیں: نصب بھی اور ما قبل سے بدل بھی۔ «نَحْوُ: مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا وَإِلَّا زَيْدٌ»۔ دیکھو: «مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ»، یہ تھی عبارت آپ کے سامنے: «مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ»۔ سب سے پہلے آپ نے دیکھنا ہے کہ یہ زید پر کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ آپ سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے؟ میرے پاس کوئی نہیں آیا، سب کی نفی کر دی، تو اس میں تو سارے ہی لوگ آ گئے، کوئی بھی نہ رہا۔ زید کی بھی نفی ہو گئی وہ بھی نفی، پھر آگے جب کہا «إِلَّا زَيْدًا» سوائے کس کے؟ زید کے۔ تو معلوم ہوا اس کو ان میں سے جن سب کی نفی کی تھی اور سب کے اندر تو زید بھی آ گیا تھا، پھر اس کو إِلَّا کے ذریعے کیا کیا گیا ہے؟ نکالا گیا ہے۔ تو معلوم ہوا مستثنیٰ متصل ہے، مستثنیٰ متصل ہے۔ اور پھر دیکھا کہ مستثنیٰ کلامِ موجب میں ہے یا غیر موجب میں؟ «مَا جَاءَنِي أَحَدٌ» دیکھا کلام غیر موجب میں ہے۔ پھر دیکھا کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم تو نہیں؟ دیکھا نہیں مقدم بھی نہیں، احدٌ پہلے ہی ہے، زید بعد میں ہی ہے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو پھر دیکھا، اچھا آخری صورت آ گئی کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہے یا مذکور نہیں؟ دیکھا تو احدٌ مستثنیٰ منہ مذکور ہے۔ تو اس صورت میں ہم نے کیا پڑھا تھا؟ نصب بھی پڑھنا جائز، لہٰذا «إِلَّا زَيْدًا» بھی پڑھ سکتے ہیں، اور بدل بنانا بھی جائز۔ زید کو بدل بناؤ کس سے؟ احدٌ سے، اور احدٌ پر رفع تو زید پر بھی کیا پڑھو؟ رفع۔ لہٰذا دونوں طرح جائز ہے، آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: «مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا»، اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: «مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ»۔

تو کہتے ہیں: «نَحْوُ: مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا وَإِلَّا زَيْدٌ، وَإِنْ كَانَ مُفَرَّغًا» اور اگر مستثنیٰ مفرغ ہوا، بھائی مستثنیٰ مفرغ کا کیا معنی؟ باتصویر یہ صورت بتلا رہے ہیں: «بِأَنْ يَكُونَ بَعْدَ إِلَّا فِي كَلَامٍ غَيْرِ مُوجَبٍ وَالْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ غَيْرُ مَذْكُورٍ» بایں صورت کہ کس کے بعد ہو؟ إِلَّا کے بعد ہو کلامِ غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ غیر مذکور ہو۔ یاد رکھیے، ادھر دیکھیے بھائی: کلامِ غیر موجب ہے اور مستثنیٰ منہ مذکور نہیں، مستثنیٰ کس کے بعد ذکر ہے؟ إِلَّا کے بعد، توجہ ہے؟ مستثنیٰ کس کے بعد ذکر؟ إِلَّا کے بعد ہے، اور مستثنیٰ منہ اور کلام بھی کون سا؟ غیر موجب، اور مستثنیٰ منہ مذکور نہیں۔ تو اس کو کہتے ہیں مستثنیٰ مفرغ۔ مفرغ کا معنی فارغ کیا گیا، یعنی عامل کو فارغ کر دیا گیا ہے اب وہ مستثنیٰ میں عمل کرے گا۔ عامل نے تو عمل کرنا تھا مستثنیٰ منہ میں، عامل نے کس میں عمل کرنا تھا؟ مستثنیٰ منہ میں عمل کرنا تھا، لیکن مستثنیٰ منہ کو تو حذف کر دیا گیا تو اب عامل گویا مفرغ ہے، فارغ کیا گیا ہے، اب یہ کس کے اندر عمل کرے گا؟ مستثنیٰ میں۔

عمل کس میں کرنا تھا؟ مستثنیٰ منہ میں، وہ تو نہیں ہے تو اب کس میں عمل کرے گا؟ مستثنیٰ میں۔ تو معلوم ہوا مستثنیٰ مفرغ کسے کہتے ہیں؟ کہ مستثنیٰ إِلَّا کے بعد ہو اور کلام کون سا ہو؟ غیر موجب ہو، اور تیسری شرط کیا کہ مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو۔ تینوں باتیں سمجھ میں آ گئیں؟ تو پھر اس صورت میں کیا کریں گے؟ عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہو گا۔

یہی تفصیل بیان کر رہے ہیں: «وَإِنْ كَانَ مُفَرَّغًا» اور اگر مستثنیٰ جو ہے مفرغ ہو، «بِأَنْ يَكُونَ بَعْدَ إِلَّا فِي كَلَامٍ غَيْرِ مُوجَبٍ وَالْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ غَيْرُ مَذْكُورٍ» بایں صورت کہ کس کے بعد ہو؟ إِلَّا کے بعد ہو کلامِ غیر موجب میں اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو، «كَانَ إِعْرَابُهُ بِحَسَبِ الْعَوَامِلِ» تو مستثنیٰ کا اعراب عوامل کے مطابق ہو گا، «تَقُولُ: مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ» آپ کہتے ہیں: «مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ»، اصل میں تھا: «مَا جَاءَنِي أَحَدٌ»، لیکن احدٌ جَاءَ کا فاعل اس کو حذف کر دیا تو اب آگے زید فاعل بن جائے گا جَاءَ کے لیے: «مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ»۔ «وَمَا رَأَيْتُ إِلَّا زَيْدًا»، اصل میں تھا: «مَا رَأَيْتُ أَحَدًا»، میں نے کسی کو نہیں دیکھا سوائے زید، وہ احداً کو کیا کر دیا؟ حذف۔ تو اب وہ مفعول تھا تو اب زید مفعول بن جائے گا اس کی جگہ، تو مفعول منصوب ہوتا ہے، تو: «وَمَا رَأَيْتُ إِلَّا زَيْدًا»۔ «وَمَا مَرَرْتُ إِلَّا بِزَيْدٍ»، دیکھا اصل میں کیا تھا: «وَمَا مَرَرْتُ بِأَحَدٍ إِلَّا زَيْدٍ»، تو یہاں بأحدٍ، احد کو ہٹا دیا، مستثنیٰ منہ کو محذوف کیا تو باکس پر آ گئی؟ زید پر، اور جر دے گی: «وَمَا مَرَرْتُ إِلَّا بِزَيْدٍ»، میں نہیں گزرا مگر زید پر۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

ترکیب کیجیے۔ بھائی وہ جو پچھلا جملہ رہ گیا تھا: «وَيَجُوزُ فِيهِ الْوَجْهَانِ: اَلنَّصْبُ وَالْبَدَلُ عَمَّا قَبْلَهَا، نَحْوُ: مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا» جی اس کی ترکیب کیجیے۔ جی مَا جَاءَ، اکٹھا ہی ذکر کرو بھائی: مَا جَاءَ فعلِ منفی، ٹھہرو بھائی: «مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا وَإِلَّا زَيْدٌ» اس کی ترکیب پہلے کر لیتے ہیں بھائی۔ جی، مَا جَاءَ فعل، فعلِ منفی ہے بھائی تو اکٹھا ہی اسی طرح ذکر کر دو چاہے یوں کہہ دو: ما حرفِ نفی، جَاءَ فعل، چاہے اکٹھا ہی کہہ دو: مَا جَاءَ فعل، جی، فعلِ منفی ہے ظاہر سی بات ہے، تو مَا جَاءَ فعل، آگے۔ نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، أَحَدٌ مرفوع لفظاً مستثنیٰ منہ۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے شاباش! إِلَّا حرفِ استثناء، زَيْدًا منصوب لفظاً مستثنیٰ۔ منصوب کیوں؟ مستثنیٰ ہے۔ جی مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر فاعل ہوا مَا جَاءَ فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ دوسری صورت بدل بناتے ہیں بھائی: مَا جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، جی أَحَدٌ مرفوع لفظاً مبدل منہ، کیونکہ اب اس نے آگے بدل آئے گا، تو مبدل منہ، آگے إِلَّا حرفِ استثناء، زَيْدٌ مرفوع لفظاً بدل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ بدل ہے اور مبدل منہ اور بدل کا اعراب ایک ہوتا ہے، جی، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر فاعل ہوا فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی بھائی؟

آگے اگلے جملے تھے: «مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ»۔ مَا جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، إِلَّا حرفِ استثناء، زَيْدٌ مرفوع لفظاً فاعل۔ جی کیوں مرفوع؟ کیونکہ فاعل ہے، فاعل ہے بھائی عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِلِ۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ مستثنیٰ منہ نے فاعل بننا تھا لیکن وہ حذف، تو اب فاعل تو ضرور چاہیے ہر حال میں چاہیے، تو زیدٌ کیا بن گیا؟ فاعل۔ تو زیدٌ مرفوع لفظاً فاعل، جی فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

▪ قولہ: «وَمَا رَأَيْتُ إِلَّا زَيْدًا» کی تشریح

«وَمَا رَأَيْتُ إِلَّا زَيْدًا»۔ مَا رَأَيْتُ فعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، إِلَّا حرفِ استثناء، زَيْدًا منصوب لفظاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

«وَمَا مَرَرْتُ إِلَّا بِزَيْدٍ»۔ مَا مَرَرْتُ فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، إِلَّا حرفِ استثناء، باجارہ، زَيْدٍ مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مَرَرْتُ فعل، اسی طرح بھائی جیسے جار مجرور متعلق ہوتے تھے، تو جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مَرَرْتُ فعل کے ساتھ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں «مَا مَرَرْتُ» میں فعل با فاعل، اسی طرح «مَا رَأَيْتُ» میں بھی کیا کہیں گے: فعل با فاعل اور تا ضمیر فاعل پھر۔

«وَإِنْ كَانَ بَعْدَ غَيْرَ وَسِوٰى وَسَوَاءٍ وَحَاشَا» اور اگر مستثنیٰ جو ہے غَيْرَ، سِوٰى، سَوَاءٍ اور حَاشَا کے بعد ہو «عِنْدَ الْأَكْثَرِ كَانَ مَجْرُورًا» اکثر نحویوں کے نزدیک تو مستثنیٰ کیا ہو گا؟ مجرور ہو گا، «نَحْوُ: جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ» دیکھو «غَيْرَ زَيْدٍ»، یا «سِوٰى زَيْدٍ»،

«وَسَوَاءَ زَيْدٍ»، «وَحَاشَا زَيْدٍ»، تو ان تمام صورتوں میں یہ مجرور ہو گا بھائی مجرور ہو گا۔

صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو مستثنیٰ اگر غَيْرَ، سِوٰى، سَوَاءٍ اور حَاشَا کے بعد ہو تو اکثر نحویوں کے نزدیک مجرور ہو گا بھائی۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۶۵: لفظِ «غَیر» کا اعراب مستثنیٰ بِإِلَّا کے نقشے کے مطابق اور عملی تراکیب

ہدایۃ النحو صفحہ: ۴۵—بتاریخ: ۹ مارچ ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَاعْلَمْ أَنَّ إِعْرَابَ غَيْرٍ كَإِعْرَابِ الْمُسْتَثْنَى بِإِلَّا، تَقُولُ: جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ، وَغَيْرَ حِمَارٍ، وَمَا جَاءَنِي غَيْرَ زَيْدٍ الْقَوْمُ، وَمَا جَاءَنِي أَحَدٌ غَيْرُ زَيْدٍ وَغَيْرَ زَيْدٍ، وَمَا جَاءَنِي غَيْرُ زَيْدٍ، وَمَا رَأَيْتُ غَيْرَ زَيْدٍ، وَمَا مَرَرْتُ بِغَيْرِ زَيْدٍ۔

گزشتہ سبق میں ہم مُسْتَثْنٰی کے بارے میں پڑھ رہے تھے۔ آپ نے پڑھا کہ مُسْتَثْنٰی کے بارے میں گیارہ قسم کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں اور وہ گیارہ الفاظ کون کون سے ہیں؟ إِلَّا ہے، خَلَا ہے، عَدَا ہے، مَا خَلَا ہے، مَا عَدَا ہے، لَيْسَ ہے، لَا يَكُونُ ہے، غَيْرُ ہے، سِوَى ہے، سَوَاءٌ ہے اور حَاشَا، اور ان میں سے إِلَّا کے اندر تفصیل ہے، جبکہ باقیوں میں سے جو پہلے چھ ہیں یعنی خَلَا، عَدَا، مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَيْسَ، لَا يَكُونُ ان کے بعد مُسْتَثْنٰی منصوب ہوتا ہے، اور جبکہ باقی چار جو ہیں غَيْرُ، سِوَى، سَوَاءٌ اور حَاشَا ان کے بعد مُسْتَثْنٰی مجرور ہوتا ہے، جبکہ إِلَّا کے اندر تفصیل میں نے بیان کی تھی کہ إِلَّا کے بعد جو مُسْتَثْنٰی آرہا ہے اس پر کون سا اعراب پڑھنا ہے تو سب سے پہلے فوراً یہ غور کریں کہ یہ مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع ہے یا مُتَّصِل؟ اگر مُنْقَطِع ہو تو منصوب ہو گا۔ اگر مُتَّصِل ہو پھر غور کر لو کہ یہ کلامِ موجب ہے یا غیر موجب؟ اگر موجب ہو تو بھی منصوب پڑھو، اگر غیر موجب ہو تو پھر دیکھ لیں کہ مُسْتَثْنٰی مقدم ہے مُسْتَثْنٰی مِنْہ پر یا غیر مقدم ہے؟ اگر مقدم ہو تو بھی منصوب ہو گا، اور اگر غیر مقدم ہے تو پھر دیکھو کہ مُسْتَثْنٰی مِنْہ مذکور ہے یا غیر مذکور؟ اگر مُسْتَثْنٰی مِنْہ مذکور ہو تو پھر اس مُسْتَثْنٰی کے اندر نصب پڑھنا بھی جائز اور اس کو بدل بنانا بھی جائز، اور اگر مُسْتَثْنٰی مِنْہ مذکور نہ ہو تو پھر اس مُسْتَثْنٰی کا اعراب عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہو گا، یعنی اگر عامل اگر رفع دینا چاہتا ہے تو رفع آئے گا، نصب والا عامل ہو تو نصب آئے گا، اور جر والا ہو تو جر آئے گا۔

آج ہم غَيْرُ کے بارے میں پڑھیں گے بھائی، یہ غَيْرُ کا لفظ عبارتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ تو یاد رکھیے بھائی، آگے آپ کو صاحبِ ہدایۃ النحو بھی بتلائیں گے بھائی، ایک ہے لفظِ إِلَّا، ایک ہے لفظِ غَيْرُ۔ إِلَّا استثناء کے لیے وضع ہے۔ وضع کا کیا معنی؟ مقرر کرنا، میں نے بتلایا تھا وضع کا معنی ہے مقرر کرنا کہ ہر زبان والوں نے ایک لفظ کو کسی معنی کے لیے، کسی ذات کے لیے وہ مقرر کر لیتے ہیں، جیسے آپ اردو میں کہتے ہیں گلاس، فوراً ایک مخصوص پانی پینے والا برتن آپ کے ذہن میں آجاتا ہے، آپ کہتے ہیں پیالہ، فوراً ایک مخصوص برتن آپ کے ذہن میں آجاتا ہے، آپ کہتے ہیں پلیٹ، فوراً ایک مخصوص برتن آپ کے ذہن میں آ گیا، کیونکہ اردو میں ان مخصوص برتنوں کے لیے یہ لفظ وضع ہیں یعنی مقرر کیے گئے ہیں۔ ہاں، عرب کے سامنے یہ کہیں یہ لفظ تو اس کو کچھ ذہن میں نہیں آئے گا کیونکہ انہوں نے یہ لفظ مقرر نہیں کیے۔ تو یہ جو کسی لفظ کو کسی معنی کے لیے یا کسی ذات کے لیے مقرر کیا جاتا ہے اس کو کہتے ہیں وضع، مقرر کرنا۔

اچھا، تو یاد رکھیے یہ جو لفظِ إِلَّا ہے نا یہ استثناء کے لیے وضع ہے، اس کو کس کے لیے مقرر کیا گیا ہے؟ استثناء کے لیے کہ اس کے بعد مُسْتَثْنٰی آئے گا، مُسْتَثْنٰی آئے گا۔ اور غَيْرُ کا لفظ جو ہے یہ صفت کے لیے وضع ہے، کس لیے وضع ہے؟ یہ صفت کے لیے وضع ہے۔ یہ ماقبل کی، مثلاً میں کہتا ہوں: جَاءَنِي رَجُلٌ، میرے پاس ایک آدمی آیا، آپ کے ذہن میں شبہ آئے گا شاید زید آیا ہو گا۔ لہٰذا میں اس شبہے کو پہلے ہی ختم

کر دیتا ہوں اور کہتا ہوں: جَاءَنِي رَجُلٌ غَيْرُ زَيْدٍ، میرے پاس ایسا آدمی آیا جو زید کے علاوہ تھا، زید نہیں تھا۔ تو دیکھا، رَجُلٌ ہے موصوف اور غَيْرُ زَيْدٍ کیا ہے؟ صفت ہے اس کی، صورت سمجھ میں آ گئی۔

چلو، ترکیب والی بات آ گئی، ایک آدھی اور وہ بھی ذکر کر دیتا ہوں۔ یاد رکھیے یہ غَيْرُ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے، غَيْرُ ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مضاف، یہ مضاف الیہ چاہتا ہے، کیونکہ غیر کا معنی ہے علاوہ، علاوہ۔ بھئی کس کے علاوہ؟ چاہیے یا نہیں چاہیے؟ زید کے علاوہ، عمرو کے علاوہ، بکر کے علاوہ، درجہ ثانیہ والوں کے علاوہ، انسانوں کے علاوہ، کوئی بھی ہو سکتا ہے وہ مضاف الیہ بھائی۔ تو غَيْرُ ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مضاف، اور اس کے بعد کیا آتا ہے؟ مضاف الیہ۔ اور یہ غَيْرُ، یہ یہ ایک نکرہ کی صفت بنتا ہے، معرفہ کی صفت نہیں، معرفہ کی صفت نہیں۔ کیونکہ اس کے اندر ابہام ہوتا ہے، مثلاً دیکھیے بھائی، میں کہتا ہوں: زَيْدٌ، یہ ہے معرفہ، ایک اور لفظ ہے میرے پاس: غُلَامٌ، یہ کیا ہے؟ نکرہ ہے۔ غلام کا لفظ کیا ہے؟ نکرہ۔ میں اس غلام کی معرفہ کی طرف اضافت کر دوں اور یوں کہتا ہوں: غُلَامُ زَيْدٍ، زید کا غلام، دیکھو اب یہ ایک متعین غلام پر دلالت کر رہا ہے۔ پہلے غلام کا لفظ بولتے کسی بھی غلام کو آپ کہہ سکتے تھے: هٰذَا غُلَامٌ، یہ کیا ہے؟ غلام۔ لیکن جب میں نے کہہ دیا: غُلَامُ زَيْدٍ، اب ہر غلام کو نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ جو زید کا مخصوص غلام ہے صرف اسی پر یہ لفظ بولا جا رہا ہے۔ تو معلوم ہوا نکرہ جب اس کی اضافت معرفہ کی طرف ہو جائے تو وہ کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ بن جاتا ہے۔ غلام نکرہ تھا لیکن زید کی طرف اضافت ہوئی اب یہ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ۔

بات سمجھ میں، نکرہ اور معرفہ میں بھی فرق جانتے ہو یا بھول گئے بھائی؟ میں نے بتلایا تو تھا، معرفہ اسے کہتے ہیں جو کسی معین ذات پر دلالت کرے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ چاہے ایک چاہے ایک ہو، چاہے دو ہوں، چاہے دس ہوں، لیکن ہوں متعین۔ مثلاً میں کہتا ہوں: اَلرَّجُلُ، دیکھا، کسی متعین آدمی کی طرف میں نے اشارہ کیا، آپ کو بھی پتہ ہے، سمجھ میں آئی بات؟ ہاں اگر یہ کسی متعین آدمی کی طرف اشارہ نہیں ہو رہا، اس پر دلالت نہیں ہو رہی تو پھر یہ معرفہ نہیں ہے، بے شک آپ الف لام لے بھی آئیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن یہ استعمال ہی تب کرتے ہیں جب کسی معین کی طرف اشارہ کرنا ہو۔ مثلاً میں آپ سے زید کی بات کر رہا تھا، زید کی بات کر رہا تھا کہ کل میرے پاس زید آیا اور پھر ہم دونوں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے، اچانک میں آپ کو زید کی باتیں سنا رہا ہوں، ایک تیسرا آدمی ہمارے پاس آ کر بیٹھ گیا، مثلاً بکر آ گیا، اب میں اس سے چھپانا چاہتا ہوں، میں اور آپ چھپانا چاہتے ہیں کہ ہم زید کی بات کر رہے تھے، تو اب میں زید کا نام نہیں لوں گا بلکہ مثلاً میں اَلرَّجُلُ کا لفظ استعمال کر لیتا ہوں کہ پھر میں نے اس آدمی سے یوں یوں کہا، کہتے ہیں یا نہیں کہتے؟ تو تو اب میں اَلرَّجُلُ کا لفظ استعمال کرتا ہوں، میں نے اس آدمی سے کہا، اب بتائیے اَلرَّجُلُ جب میں بول رہا ہوں آپ کو پتہ چل رہا ہے یا نہیں پتہ چل رہا ہے کہ کون مراد ہے؟ دیکھا، تو یہ اَلرَّجُلُ معرفہ ہے، یہ اس متعین ذات پر جیسے یہاں پر اس وقت یہ کس پر دلالت کر رہا ہے؟ زید پر دلالت کر رہا ہے۔

تو معرفہ ہمیشہ کسی متعین ذات پر دلالت کرتا ہے، وہ چاہے ایک ہوں، چاہے دو ہوں یا زیادہ ہوں۔ کبھی دو متعین پر دلالت کرے گا، مثلاً میں اَلرَّجُلَانِ تثنیہ بولتا ہوں تو اس پر بھی الف لام ہے، معلوم ہوا کوئی دو خاص آدمی مراد ہیں تو وہ ان کی طرف اشارہ ہے۔ کبھی زیادہ ہوں گے جیسے کل مثال گزری تھی: اَلْقَوْمُ، قوم کسے کہتے ہیں؟ مردوں کی جماعت، تین سے لے کر دس تک، مردوں کی جماعت، تو اَلْقَوْمُ سے مراد کوئی خاص مردوں کی جماعت ہے، کوئی خاص مردوں کی جماعت ہے۔ تو دیکھو معرفہ کسی متعین ذات پر دلالت کرتا ہے، وہ ایک بھی ہو سکتا ہے، دو بھی ہو سکتے ہیں یا دو سے زیادہ بھی۔ اَلرَّجُلُ ہے تو دیکھو ایک ہے، یا زَيْدٌ ہے تو ایک ہے، اَلرَّجُلَانِ ہے تو کتنے پر دلالت؟ دو پر، اَلْقَوْمُ ہو تو دو سے زیادہ پر دلالت ہے۔ تو معرفہ متعین ذات پر دلالت کرتا ہے، اگر متعین ذات پر دلالت نہ کرے پھر وہ نکرہ ہی ہے، معرفہ نہیں ہے بھائی۔ اور نکرہ وہ غیر متعین ذات پر دلالت کرتا ہے بھائی، رَجُلٌ اس سے کوئی بھی آدمی مراد ہو سکتا ہے، غُلَامٌ اس سے کوئی بھی غلام مراد ہو سکتا ہے۔ تو جب نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف کر دی جائے تو وہ بھی معرفہ بن جاتا ہے، جیسے غُلَامٌ نکرہ تھا لیکن جب میں نے کہا غُلَامُ زَيْدٍ، زید کا غلام، دیکھو اب یہ ایک متعین غلام پر دلالت کر رہا ہے، پہلے غلام کا لفظ بولتے کسی بھی غلام کو آپ کہہ سکتے تھے: هٰذَا غُلَامٌ، یہ کیا ہے؟ غلام، لیکن جب میں نے کہہ دیا غُلَامُ زَيْدٍ اب ہر غلام کو نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ جو زید کا مخصوص غلام ہے صرف اسی پر یہ لفظ بولا جا رہا ہے۔ تو معلوم ہوا نکرہ جب اس کی اضافت معرفہ کی طرف ہو جائے تو وہ کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ بن جاتا ہے۔ غلام نکرہ تھا لیکن زید کی طرف اضافت ہوئی اب یہ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ۔ لیکن یہ جو غَيْرُ وغیرہ غَيْرُ ہے اور اس طرح کچھ اور الفاظ ہیں یہ معرفہ کی طرف مضاف ہو جائیں یہ پھر بھی نکرہ کے نکرہ ہی رہتے ہیں، ان کے یہ ان میں اتنا ابہام ہوتا ہے یہ معرفہ نہیں بنتے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

مثلاً میں، بات چلی تھی کہاں سے کہ غَيْرُ صفت کے لیے استعمال ہوتا ہے، یہ نکرہ کی صفت بنتا ہے: جَاءَنِي رَجُلٌ غَيْرُ زَيْدٍ۔ رَجُلٌ موصوف، غَيْرُ زَيْدٍ اس کی صفت۔ ترکیب کیسے ہو گی؟ جَاءَ، جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف ہے، اور مرفوع کیوں؟ کیونکہ

فاعل ہے، اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اور موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا؟ کیونکہ آگے نکرہ ہے نکرہ کے بعد نکرہ آرہا ہے، غَیْرُ زَیْدٍ یہ سارا کیا ہے؟ نکرہ ہے، یہ غَیْرُ کی اضافت زید کی طرف ہے اور زید ہے معرفہ، لیکن غَیْرُ کا لفظ معرفہ کی طرف مضاف ہو جائے پھر بھی یہ نکرہ کا نکرہ ہی رہتا ہے۔ تو رَجُلٌ ہوا مرفوع لفظاً موصوف، غَیْرُ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، موصوف مرفوع تھا تو صفت بھی مرفوع، اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: غَیْرُ، اور مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا؟ کیونکہ غَیْرُ کے بعد ہمیشہ کون آتا ہے؟ مضاف الیہ، یہ مضاف الیہ کا تقاضا کرتا ہے، ابھی میں نے آپ کو بتایا، تو مضاف، اور زَیْدٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ اچھا، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر صفت ہوئی رَجُلٌ کے لیے، موصوف صفت مل کر فاعل ہوا جَاءَ فعل کے لیے، تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ جَاءَنِي رَجُلٌ غَیْرُ زَیْدٍ، ترجمہ کیجیے: آیا میرے پاس ایک ایسا آدمی، نکرہ ہے نا تو وہ آیا میرے پاس ایسا آدمی غَیْرُ زَیْدٍ جو زید کے علاوہ ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

سوال پیدا ہوتا ہے یہ غَیْرُ کی زید کی طرف اضافت یعنی معرفہ کی طرف اضافت ہو جانے کے باوجود یہ نکرہ کیوں رہتا ہے؟ حالانکہ کوئی چیز معرفہ کی طرف مضاف ہو تو وہ بھی کیا بن جاتی ہے؟ معرفہ۔ تو یہ کیوں نکرہ رہتا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ اس میں ابہام بہت ہوتا ہے۔ میں نے کہا تھا غُلَامُ زَیْدٍ، کسی متعین غلام کی طرف اشارہ ہوا تھا یا نہیں ہوا تھا؟ اشارہ ہوا تھا۔ لیکن یہی چیز آپ غَیْرُ زَیْدٍ میں غور کریں، اشارہ نہیں ہوگا کسی متعین کی طرف۔ میں نے کہا غَیْرُ زَیْدٍ، زید کے علاوہ، کوئی متعین آدمی آپ کے ذہن میں آیا؟ نہیں، زید کے علاوہ تو ابو بکر بھی ہو سکتا ہے، خالد بھی ہو سکتا ہے، عمرو بھی ہو سکتا ہے، کوئی بھی ہو سکتا ہے دنیا کا انسان بھائی۔ تو کوئی تعیین آئی اضافت سے؟ کوئی تعیین نہیں آئی بھائی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو لہٰذا غیر کی اضافت اگر معرفہ کی طرف ہو جائے تو بھی وہ نکرہ کا نکرہ رہتا ہے اور اس لیے وہ نکرہ کی صفت بنتا ہے۔

تو بات یہ چل رہی تھی کہ لفظِ إِلَّا جو ہے یہ وضع ہے استثناء کے لیے، اس کو مقرر کیا گیا ہے استثناء کے لیے۔ البتہ کبھی کبھار یہ صفت کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ وضع ہے کس لیے؟ استثناء کے لیے، لیکن کبھی کبھار جب استثناء پر عمل ممکن نہ ہو تو پھر یہ کس لیے استعمال کر لیتے ہیں؟ صفت کے لیے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں غَیْرُ کا لفظ وہ وضع ہے صفت کے لیے، وہ کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے، اس کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ ماقبل کی صفت بنے۔ لیکن کبھی کبھار یہ استثناء کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔ جب صفت کے لیے نہ بنا سکیں تو کس لیے استعمال کر لیتے ہیں؟ استثناء کے لیے۔ تو گویا لفظ إِلَّا وضع ہوا استثناء کے لیے اور غَیْرُ وضع ہوا صفت کے لیے اور دونوں ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ إِلَّا وضع تو ہے استثناء کے لیے لیکن کبھی کس لیے استعمال کر لیتے ہیں؟ صفت کے لیے، اور غَیْرُ وضع تو ہے صفت کے لیے لیکن کبھی کبھار استثناء کے لیے استعمال کر لیتے ہیں بھائی۔

اب سوال پیدا یہ ہوتا ہے کہ یہ غَیْرُ پر اعراب پھر کون سا پڑھیں گے جب یہ استثناء کے لیے استعمال ہو؟ کیونکہ ہماری بحث چل رہی ہے مُسْتَثْنٰی کی، تو اس سے متعلق یہ بحث پہلے تھی وہ اس کو صاحبِ کتاب نے پہلے ذکر کیا کہ غَیْرُ پر اعراب کون سا پڑھیں گے؟ بھائی غَیْرُ کس لیے وضع ہے؟ صفت کے لیے۔ جب یہ صفت کے لیے استعمال ہو پھر تو اعراب میں کوئی مشکل نہیں، جو موصوف کا اعراب ہوگا وہی کس کا اعراب؟ صفت کا بھی۔ لیکن جب یہ استثناء کے لیے استعمال ہو پھر کون سا اعراب اس پر پڑھیں گے؟ سوال سمجھ میں آیا؟ اگر یہ صفت کے لیے ہو پھر تو موصوف والا اعراب آئے گا اس پر، اس میں تو کوئی شبہ نہیں۔ ہاں جب استثناء کے لیے ہو تو پھر اس پر کون سا اعراب آئے گا؟ اس پر رفع پڑھیں گے، نصب یا جر، کیا کریں گے؟ تو جواب اب آپ کو بتلانے لگے ہیں کہ یاد رکھیے جب غَیْرُ استثناء کے لیے استعمال ہو تو اس پر وہی اعراب پڑھنا جو إِلَّا کے بعد جو مُسْتَثْنٰی آتا تھا اس پر جو اعراب آتا تھا۔ اور مُسْتَثْنٰی إِلَّا کے اندر آپ نے تفصیل پڑھی تھی پورا نقشہ آپ کو میں نے بتلایا تھا اور ابھی ہم نے شروع میں اس کا تکرار بھی کیا: اگر مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع ہو تو اس پر نصب پڑھتے ہیں، اگر کلام موجب میں ہو تو بھی اس پر نصب پڑھتے ہیں، اگر وہ مُسْتَثْنٰی مِنْہ پر مقدم ہو تو بھی اس پر نصب پڑھتے ہیں، اگر مُسْتَثْنٰی مِنْہ غیر مذکور ہو تو اس پر نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور بدل بھی، اور اگر مُسْتَثْنٰی مِنْہ غیر مذکور ہو کلام غیر موجب میں تو پھر عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ۔ یہی تفصیل غَیْرُ کے اندر ہے، اب وہ جو مُسْتَثْنٰی والا اعراب ہے وہ کس پر پڑھیں گے؟ غَیْرُ پر، کس پر؟ غَیْرُ پر پڑھیں گے، جو کس پر جو اعراب کس پہ آتا تھا؟ مُسْتَثْنٰی پر آتا تھا۔ تو جہ ہے سبق کی طرف؟ مُسْتَثْنٰی کسے کہتے تھے؟ جو إِلَّا کے بعد آئے۔ تو إِلَّا کے بعد والے لفظ پہ جو اعراب ہوتا تھا وہ اعراب غَیْرُ

پر آئے گا، کب غَیْرُ پر کب آئے گا وہ اعراب؟ جب غَیْرُ کس لیے ہو؟ استثناء کے لیے ہو، صورت سمجھ میں آگئی۔[1]

اب دیکھیے بھائی کتاب پر: وَاعْلَمْ، جان لے تو، أَنَّ إِعْرَابَ غَيْرٍ كَإِعْرَابِ الْمُسْتَثْنَى بِإِلَّا، کہ غَیْرُ کا اعراب جو ہے كَإِعْرَابِ الْمُسْتَثْنَى بِإِلَّا، إِلَّا کے ساتھ جو مُسْتَثْنیٰ ہوتا ہے اس جیسے اعراب کی طرح ہے۔ غَیْرُ کا اعراب إِلَّا کے ساتھ جو مُسْتَثْنیٰ ہوتا ہے اس کے اعراب کی طرح ہے۔ تَقُولُ، آپ کہتے ہیں: جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ وَغَيْرَ حِمَارٍ، اچھا اب ذرا غور کریں ذرا جملوں پہ: جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ، غَيْرَ زَيْدٍ، اب یہ غَیْر پر کیا پڑھنا ہے؟ غَیْرَ پڑھنا ہے، غَیْرُ پڑھنا ہے یا غَیْرِ پڑھنا ہے بھائی؟ دیکھو غور کرتے ہیں ہم غور کرتے ہیں، سب سے پہلے دیکھو جملے پر غور کرو، مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہے یا مُنْقَطِع؟ ذرا غَیْرَ کی جگہ إِلَّا لے آؤ نا إِلَّا، جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا، اچھا إِلَّا زَيْدًا، اب بتائیے یہ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہے یا مُنْقَطِع ہے؟ یہ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہے، اور جب مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہو پھر غور کرنا ہے کہ کلام موجب ہے یا غیر موجب؟ مجھے بتائیے یہ کلام موجب ہے یا غیر موجب؟ جی غیر موجب میں تو نفی آتی ہے یا نہی آتی ہے یا استفہام ہوتا ہے، ان تین میں سے کوئی ہے؟ مَا جَاءَ کوئی مَا حرفِ نفی ہے؟ کوئی لَا تَضْرِبْ کوئی فعلِ نہی یہاں آیا؟ نہیں، اور اسی طرح سوال بھی نہیں، تو یہ معلوم ہوا کلامِ موجب ہے، اور کلامِ موجب کے اندر مُسْتَثْنیٰ پر کون سا اعراب آتا ہے؟ وہ جو نقشہ یاد ہے؟ نصب آتا ہے، تو گویا یہاں اگر إِلَّا ہوتا تو یوں پڑھتے: جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا، إِلَّا زَيْدًا، لیکن یہاں إِلَّا تو ہے نہیں، غَیْرَ ہے، تو وہ جو إِلَّا کے بعد زَيْدًا پر جو نصب آنا تھا اب وہ کس پر آجائے گا؟ غَیْرَ پر آجائے گا، اور تنوین نہیں آئے گی کیونکہ غَیْرَ مضاف ہے اور مضاف پر تو تنوین نہیں آتی، اور اگلا لفظ زَيْدٍ وہ مجرور ہوگا کیونکہ وہ تو مضاف الیہ ہے، تو کیا پڑھیں گے؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ، صورت سمجھ میں آگئی۔ دوسری مثال ابھی سے غَیْرَ زَيْدٍ کو اٹھائیں، غَیْرَ حِمَارٍ رکھیں: جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ حِمَارٍ، اب یہ غَیْر پہ کیا پڑھنا ہے آپ نے مجھے بتانا ہے: جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ حِمَارٍ، مجھے بتائیے مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہے یا مُنْقَطِع ہے؟ مُنْقَطِع ہے، اور مُسْتَثْنیٰ مُنْقَطِع کے اندر مُسْتَثْنیٰ کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ نصب ہوتا ہے تو وہی نصب غَیْر پر پڑھو: جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ حِمَارٍ، اور حِمَارٍ تو مجرور ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے، صورت سمجھ میں آگئی۔

وَمَا جَاءَنِي غَيْرَ زَيْدٍ الْقَوْمُ وَمَا جَاءَنِي أَحَدٌ غَيْرُ زَيْدٍ وَغَيْرَ زَيْدٍ۔ اچھا اب اس جملے پہ نظر رکھیں: وَمَا جَاءَنِي غَيْرَ زَيْدٍ الْقَوْمُ، توجہ ہے؟ بتائیے مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہے یا مُنْقَطِع ہے؟ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہے، اصل میں ہے: مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ، میرے پاس وہ لوگ نہیں آئے سوائے زید کے۔ اَلْقَوْمُ کو ذرا مقدم کریں غَیْرَ زَيْدٍ پر: مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ، اب مجھے بتائیے مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہے یا مُنْقَطِع ہے؟ وہ نقشہ ہے ذہن میں؟ اسی کے مطابق ترتیب سے ہم چل رہے ہیں۔ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہے یہاں کہ مُنْقَطِع ہے؟ مُتَّصِل ہے، مُتَّصِل ہے۔ پھر دیکھیں کلام موجب ہے یا غیر موجب ہے؟ مَا جَاءَ نفی ہے یہ غیر موجب ہے۔ غیر موجب ہو تو پھر دیکھو مُسْتَثْنیٰ مِنْہ پر مقدم ہے کہ غیر مقدم ہے؟ مقدم ہے، اور اگر مقدم ہو تو اس پر کیا پڑھتے ہیں؟ نصب پڑھتے ہیں، معلوم ہوا یہاں غَیْرَ پر کیا پڑھیں گے؟ نصب: وَمَا جَاءَنِي غَيْرَ زَيْدٍ الْقَوْمُ، غَیْرَ پڑھیں گے، ترکیب سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا یہ جو غَیْر پر پیش ڈلی ہوئی ہے یہ کتابت کی غلطی ہے بھائی، کیونکہ جب مُسْتَثْنیٰ مُسْتَثْنیٰ مِنْہ پر مقدم ہو تو اس پر نصب پڑھتے ہیں اور وہی اعراب یہاں کس پر پڑھنا ہے؟ غَیْرَ پر بھائی، اور یہ اَلْقَوْمُ یہ کیا ہے؟ فاعل ہے، یہ مُسْتَثْنیٰ مِنْہ ہے، یہ مؤخر ہے اور غَیْرَ زَيْدٍ یہ مقدم یہ مُسْتَثْنیٰ ہے بھائی۔

---

[1] **حاشیہ—نقشۂ تطبیقِ اعرابِ لفظِ «غَیْر» بر نقشۂ مستثنیٰ بِإِلَّا** (إِعْرَابُ غَيْرٍ كَإِعْرَابِ الْمُسْتَثْنَى بِإِلَّا):

لفظِ «غَیْر» کے اعراب کا خلاصہ و مثالیں (بر طرزِ مستثنیٰ بِإِلَّا)

نمبر	قسم	اعرابِ «غَیْر»	مثال
۱	مستثنیٰ منقطع	«غَیْرَ» منصوب	جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ حِمَارٍ
۲	متصل—کلام موجب	«غَیْرَ» منصوب	جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ
۳	غیر موجب—مقدم	«غَیْرَ» منصوب	وَمَا جَاءَنِي غَيْرَ زَيْدٍ الْقَوْمُ
۴	غیر موجب—غیر مقدم—مذکور	نصب یا بدل	مَا جَاءَنِي أَحَدٌ غَيْرَ زَيْدٍ / غَيْرُ زَيْدٍ
۵	غیر موجب—غیر مقدم—غیر مذکور	علیٰ حسبِ العوامل	مَا جَاءَنِي غَيْرُ زَيْدٍ / مَا مَرَرْتُ بِغَيْرِ زَيْدٍ

■ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب

اگلا جملہ دیکھیے: مَا جَاءَنِي أَحَدٌ غَيْرُ زَيْدٍ، مَا جَاءَنِي أَحَدٌ غَيْرُ زَيْدٍ، اب مجھے بتایئے مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہے کہ مُنْقَطِع ہے؟ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہے۔ اچھا پھر دیکھیے، کلام موجب ہے یا غیر موجب ہے؟ مَا جَاءَ نفی ہے، غیر موجب ہے۔ پھر دیکھیے مُسْتَثْنیٰ مُسْتَثْنیٰ مِنْہ پر مقدم ہے کہ غیر مقدم ہے؟ غیر مقدم، أَحَدٌ خود مقدم ہے تو یہ غیر مقدم ہوا۔ غیر مقدم ہو پھر دیکھیں مُسْتَثْنیٰ مِنْہ مذکور ہے یا مذکور نہیں؟ أَحَدٌ یہ کیا ہے؟ مذکور ہے: مَا جَاءَنِي أَحَدٌ، میرے پاس کوئی نہیں آیا، تو یہ أَحَدٌ کیا ہے؟ مذکور، اور جب مُسْتَثْنیٰ مِنْہ مذکور ہو کلامِ غیر موجب کے اندر تو پھر مُسْتَثْنیٰ بِإِلَّا پر کیا اعراب تھا؟ نصب بھی پڑھ سکتے تھے اور بدل بھی بنا، تو اس پر بھی غَيْرَ زَيْدٍ نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور ما قبل سے بدل یعنی أَحَدٌ سے بدل بھی بنا سکتے ہیں اور أَحَدٌ پر ہے رفع تو غَيْرُ پر بھی کیا پڑھیں؟ رفع، اسی لیے انہوں نے کہا: غَيْرُ زَيْدٍ وَغَيْرَ زَيْدٍ، دیکھو رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی۔ غَيْرُ رفع پڑھا کس وجہ سے؟ رفع کس لیے پڑھا؟ بدل بنایا، أَحَدٌ مرفوع ہے مبدل منہ اور بدل کا اعراب ایک ہوتا ہے، أَحَدٌ مرفوع ہے تو غَيْرُ بھی مرفوع، اور غَيْرَ زَيْدٍ نصب پڑھا کس وجہ سے؟ مُسْتَثْنیٰ ہونے کی وجہ سے، کس وجہ سے؟ ہاں، نصب تو پڑھا مُسْتَثْنیٰ ہونے کی وجہ سے اور رفع پڑھا بدل ہونے کی وجہ سے۔

وَمَا جَاءَنِي غَيْرُ زَيْدٍ، جی، مجھے بتایئے مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہے یا غیر متصل؟ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہے یا مُنْقَطِع ہے؟ مُتَّصِل ہے۔ پھر دیکھیں: وَمَا جَاءَنِي غَيْرُ زَيْدٍ، دیکھو یہاں مَا جَاءَنِي أَحَدٌ، اس أَحَدٌ کو حذف کر لیا، تو دیکھو مُسْتَثْنیٰ مِنْہ غیر مذکور ہے، اور جب مُسْتَثْنیٰ مِنْہ غیر مذکور ہو تو پھر مُسْتَثْنیٰ کا اعراب کیا ہوتا تھا؟ عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِل، عوامل کے مطابق جیسا عامل ہوتا تھا ویسا اعراب آتا تھا، تو یہاں پر بھی اگر غَيْر کی جگہ إِلَّا ہوتا تو پھر کیسے پڑھتے؟ غَيْر کی جگہ إِلَّا ہوتا: مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ پڑھتے کیونکہ زَيْدٌ نے جَاءَ کے لیے فاعل بننا تھا۔ توجہ ہے؟ جَاءَ فاعل چاہتا ہے یا نہیں؟ اور وہ أَحَدٌ وہ ختم کر دیا تو اب آگے فاعل تو ہر حال میں چاہیے تو فاعل اب کون بن جائے گا؟ زَيْدٌ، تو مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ، إِلَّا زَيْدٌ۔ معلوم ہوا اس صورت میں رفع پڑھتے ہیں ہم مُسْتَثْنیٰ پر، تو وہی رفع اب کس پر پڑھیں گے؟ غَيْرُ پر: مَا جَاءَنِي غَيْرُ زَيْدٍ۔ اسی طرح: وَمَا رَأَيْتُ غَيْرَ زَيْدٍ، یہ غَيْرَ زَيْدٍ مفعول ہے، إِلَّا ہو تا تو مَا رَأَيْتُ إِلَّا زَيْدًا پڑھتے، وَمَا مَرَرْتُ بِغَيْرِ زَيْدٍ، یہاں پر زَيْدٍ بِغَيْرِ پر باداخل ہے اور وہ کیا دے گی؟ جر دے گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جلدی جلدی اب ترکیب کیجیے بھائی:

جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ: جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، اَلْقَوْمُ مرفوع لفظاً فاعل، مرفوع لفظاً فاعل، آگے غَيْرَ منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ مُسْتَثْنیٰ ہونے کی بنا پر، کس بنا پر؟ وہی مُسْتَثْنیٰ والا اعراب پڑھ رہے ہیں نا اس پر ہم، تو یہ مُسْتَثْنیٰ ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور منصوب لفظاً مضاف اور زَيْدٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ... یا یوں کریں جیسے ہمارے ہاں رائج ہے: اَلْقَوْمُ کو پہلے بنائیں مُسْتَثْنیٰ مِنْہ اور غَيْرَ زَيْدٍ کو کیا بنائیں گے؟ مُسْتَثْنیٰ، اعراب وہی ہیں، پھر دوبارہ کریں: جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر مفعول بہ، اَلْقَوْمُ مرفوع لفظاً مُسْتَثْنیٰ مِنْہ، غَيْرَ منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں ہے؟ مُسْتَثْنیٰ ہے، زَيْدٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مُسْتَثْنیٰ، مُسْتَثْنیٰ مِنْہ اپنے مُسْتَثْنیٰ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

دوسری ترکیب کیجیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ حِمَارٍ، بالکل اسی طرح ہوگی: جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، اَلْقَوْمُ مرفوع لفظاً مُسْتَثْنیٰ مِنْہ، غَيْرَ منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ مُسْتَثْنیٰ ہے، آگے حِمَارٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مُسْتَثْنیٰ، مُسْتَثْنیٰ، مُسْتَثْنیٰ مِنْہ فاعل تو اَلْقَوْمُ گزرا تھا پیچھے بھائی، تو مُسْتَثْنیٰ مِنْہ اپنے مُسْتَثْنیٰ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

■ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب

اگلی مثال: وَمَا جَاءَنِي غَيْرَ زَيْدٍ الْقَوْمُ: مَا جَاءَ فعل فعلِ منفی، جی نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، جی غَيْرَ، ہاں غَيْرَ، غَيْرَ منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ ہاں کیونکہ یہ مُسْتَثْنیٰ مقدم ہے اور مُسْتَثْنیٰ مقدم ہو تو بھی وہ منصوب، تو غَيْرَ منصوب لفظاً مضاف، زَيْدٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مُسْتَثْنیٰ، مُسْتَثْنیٰ، آگے فاعل اَلْقَوْمُ، وہ جو مؤخر کیا ہے مُسْتَثْنیٰ مِنْہ کو، وہ فاعل ہے نا اسی کو تو مؤخر کیا ہے

ہم نے، تو یہ مُسْتَثْنٰی مِنْہ مقدم یہ تو یہ مُسْتَثْنٰی مقدم ہوا اور اَلْقَوْمُ مرفوع لفظاً مُسْتَثْنٰی مِنْہ، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے تو وہ مُسْتَثْنٰی مِنْہ ہے، تو مُسْتَثْنٰی مِنْہ مؤخر اپنے مُسْتَثْنٰی مقدم سے مل کر یہ فاعل، یا سیدھا یوں کہہ لیں: مُسْتَثْنٰی مِنْہ اپنے مُسْتَثْنٰی سے مل کر یہ فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

اگلی مثال: مَا جَاءَنِي أَحَدٌ غَيْرُ زَيْدٍ وَغَيْرَ زَيْدٍ، پہلے غَيْرُ زَيْدٍ کر لیں: جی، مَا جَاءَنِي أَحَدٌ غَيْرُ زَيْدٍ، جی: مَا جَاءَ فعلِ منفی، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، أَحَدٌ مرفوع لفظاً، آگے کیا پڑھنا ہے؟ غَيْرُ پڑھنا ہے، غَيْرَ پڑھنا ہے؟ غَيْرُ پڑھنا ہے تو پھر اسی کے مطابق ترکیب کرو: أَحَدٌ مرفوع لفظاً... رفع کیوں پڑھتے تھے؟ رفع کیوں پڑھتے تھے؟ یہ غَيْرُ پر رفع کیوں پڑھتے تھے؟ بدل ہونے کی بنا پر، کس بنا پر؟ تو بدل کے لیے ماقبل میں کون چاہیے؟ مبدل منہ چاہیے، تو مبدل منہ بناؤ اب یہاں مُسْتَثْنٰی مِنْہ نہیں بنانا، تو أَحَدٌ مرفوع لفظاً مبدل منہ، مرفوع کیوں؟ مبدل منہ کہنے سے اعراب کا پتہ نہیں چلے گا، مبدل منہ کہنے سے صرف اگلے لفظ کے اعراب کا اندازہ ہو جائے گا کہ اس پر بھی یہی اعراب آنا ہے، خود مبدل منہ کہنے سے اعراب کا پتہ نہیں کیونکہ مبدل منہ، سمجھ میں آئی بات؟ مبدل منہ منصوب بھی ہو سکتا ہے، یہ تو ضروری نہیں مرفوع ہو، ہاں تو مرفوع کیوں؟ ہاں فاعل ہونے، أَحَدٌ مرفوع لفظاً فاعل ہے، مبدل منہ، آگے غَيْرُ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ بدل ہے، شاباش دیکھا، بدل کہنے سے اعراب کا پتہ چل گیا کہ وہی اعراب ہے جو مبدل منہ کا تھا۔ اچھا، غَيْرُ مرفوع لفظاً مضاف، زَيْدٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر بدل، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

اب غَيْرَ زَيْدٍ کریں: مَا جَاءَنِي أَحَدٌ غَيْرَ زَيْدٍ: مَا جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، أَحَدٌ مرفوع لفظاً اب مُسْتَثْنٰی مِنْہ بنے گا، کیا بنے گا؟ کیونکہ آگے ہم مُسْتَثْنٰی والا اعراب پڑھ رہے ہیں نا، غَيْرَ پڑھ رہے ہیں، مُسْتَثْنٰی خود آ رہا ہے، تو أَحَدٌ مرفوع لفظاً مُسْتَثْنٰی مِنْہ، غَيْرَ منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ مُسْتَثْنٰی ہے، اور زَيْدٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مُسْتَثْنٰی، مُسْتَثْنٰی مِنْہ اپنے مُسْتَثْنٰی سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا، شاباش۔

مَا جَاءَنِي غَيْرُ زَيْدٍ: مَا جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، غَيْرُ... یہ آخری قسم آ گئی عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِل والی، یہ فاعل بنے گا، فاعل، اب عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِل ہے، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ مَا جَاءَنِي، یہ غَيْرُ زَيْدٍ فاعل ہے مَا جَاءَ کے لیے، تو مَا جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، غَيْرُ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے، وہ جو پہلے فاعل تھا أَحَدٌ وہ تو حذف ہو گیا، چلا گیا، اب یہ کیا بن گیا ہے؟ فاعل ہے، تو مرفوع لفظاً مضاف، زَيْدٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

آگے: وَمَا رَأَيْتُ غَيْرَ زَيْدٍ: مَا رَأَيْتُ فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، غَيْرَ منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول بہ ہے بھائی، غَيْرَ منصوب لفظاً مضاف، زَيْدٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

وَمَا مَرَرْتُ بِغَيْرِ زَيْدٍ: مَا مَرَرْتُ فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، باجارہ، غَيْرِ مجرور لفظاً مضاف، مجرور کیوں؟ کیونکہ باجارہ شاباش داخل ہے، تو لفظاً مضاف، مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا مضاف؟ کیونکہ غَيْرَ ہمیشہ اپنے بعد کیا چاہتا ہے؟ مضاف الیہ چاہتا ہے، تو غَيْرِ مضاف، زَيْدٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ، شاباش، دیکھا، غَيْرِ میں میں نے پوچھا مجرور کیوں، آپ نے کہا کیونکہ باجارہ داخل ہے، اور زَيْدٍ میں پوچھا مجرور کیوں تو آپ نے کہا کیونکہ یہ مضاف الیہ ہے، شاباش۔ تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور باجارہ کے لیے، باجارہ اپنے مجرور سے مل کر یہ متعلق ہوا کس سے؟ مَا مَرَرْتُ فعل کے ساتھ، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ٦٦: لفظِ « إِلَّا » اور « غَيْر » کا استثناء وصفت میں تبادلہ استعمال اور کنایاتِ عدد

ہدایۃ النحو صفحہ: ۴۵—بتاریخ: ۱۰ مارچ ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَاعْلَمْ أَنَّ لَفْظَةَ غَيْرٍ مَوْضُوعَةٌ لِلصِّفَةِ، وَقَدْ تُسْتَعْمَلُ لِلِاسْتِثْنَاءِ، كَمَا أَنَّ لَفْظَةَ إِلَّا مَوْضُوعَةٌ لِلِاسْتِثْنَاءِ، وَقَدْ تُسْتَعْمَلُ لِلصِّفَةِ، كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾، أَيْ: غَيْرُ اللَّهِ، وَكَذٰلِكَ قَوْلُكَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ.

مستثنیٰ کی بحث چل رہی ہے، اور آپ نے پڑھا تھا کہ مستثنیٰ ب « إِلَّا » کے اندر تفصیل ہے۔ « إِلَّا » کے بعد اگر مستثنیٰ آئے تو اس پر کیا اعراب پڑھنا ہے؟ میں نے بتلایا تھا سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع؟ اگر منقطع ہو تو منصوب ہو گا۔ اگر متصل ہو تو پھر دیکھو کہ کلام موجب ہے یا غیر موجب؟ اگر کلام موجب ہو تو بھی منصوب ہو گا، اور اگر غیر موجب ہو تو پھر دیکھیں کہ مستثنیٰ مقدم ہے یا غیر مقدم؟ اگر مقدم ہو تو بھی منصوب ہو گا، اور اگر مقدم نہ ہو تو پھر دیکھیں کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہے یا مذکور نہیں؟ اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو پھر اس مستثنیٰ پر نصب پڑھنا بھی جائز اور اس کو ما قبل سے بدل بنانا بھی جائز، اور اگر مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو مستثنیٰ پر جو اعراب آئے گا وہ علیٰ حسب العوامل ہو گا، یعنی جیسا عامل ہو گا اسی کے مطابق اعراب آئے گا؛ اگر رفع والا عامل ہے تو رفع آئے گا، نصب والا ہے تو نصب آئے گا، اور جر والا ہے تو جر آئے گا۔

اس کے بعد « غَيْرٌ » کے بارے میں بھی انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ « غَيْرٌ » اصل میں وضع ہے صفت کے لیے، لیکن یہ کبھی کبھار استعمال ہو جاتا ہے استثناء کے لیے، اور جب یہ استثناء کے لیے استعمال ہو گا تو اس پر کیا اعراب پڑھیں گے؟ جب صفت کے لیے استعمال ہو پھر تو وہی اعراب آئے گا جو موصوف کا تھا، لیکن اگر یہ استثناء کے لیے استعمال ہو « غَيْرٌ » کا لفظ تو پھر اس پر کون سا اعراب آئے گا؟ تو انہوں نے آپ کو بتلایا کہ « غَيْرٌ » پر وہی اعراب آئے گا جو مستثنیٰ ب « إِلَّا » کا اعراب تھا بھائی۔

اب آگے آپ کو بتلا رہے ہیں وہی بات جو میں نے آپ کو کل بتلائی تھی کہ « إِلَّا » اصل میں وضع ہے استثناء کے لیے، لیکن کبھی کبھار کس لیے استعمال ہوتا ہے؟ صفت کے لیے، اور اسی طرح « غَيْرٌ » اصل میں وضع ہے صفت کے لیے لیکن کبھی کبھار استثناء کے لیے استعمال ہو جاتا ہے، یعنی دونوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں بھائی۔

کہتے ہیں: « وَاعْلَمْ » جان لے تو، « أَنَّ لَفْظَةَ « غَيْرٍ » مَوْضُوعَةٌ لِلصِّفَةِ » کہ « غَيْرٌ » کا لفظ جو ہے اس کو وضع کیا گیا ہے صفت کے لیے، « وَقَدْ تُسْتَعْمَلُ لِلِاسْتِثْنَاءِ » اور کبھی کبھار اس کو استثناء کے لیے بھی استعمال کر لیتے ہیں، « كَمَا أَنَّ لَفْظَةَ « إِلَّا » مَوْضُوعَةٌ لِلِاسْتِثْنَاءِ » جیسے کہ « إِلَّا » کا لفظ اس کو وضع کیا گیا ہے استثناء کے لیے، « وَقَدْ تُسْتَعْمَلُ لِلصِّفَةِ » اور کبھی کبھار اس کو صفت کے لیے استعمال کر لیتے ہیں، « كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى » جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾، « لَوْ كَانَ » اگر ہوتے « فِيهِمَا » ان دونوں میں، یعنی زمین اور آسمان میں، اگر ان دونوں میں ہوتے « آلِهَةٌ » اور معبود « إِلَّا اللَّهُ » سوائے اللہ کے، « لَفَسَدَتَا » تو ان دونوں کا نظام فاسد ہو جاتا۔

اللہ فرمارہے ہیں کہ اس کائنات میں اور کوئی معبود نہیں سوائے میرے، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر اس کائنات میں اور بھی معبود ہوتے تو پھر اس زمین اور آسمان کا نظام فاسد ہو جاتا؛ کیونکہ ایک معبود چاہتا میں اس طرح کروں، دوسرا معبود چاہتا میں اس طرح کروں، تو لہٰذا یہ نظام چل ہی نہیں سکتا تھا بھائی۔ یہ خوبصورت اور حسین و جمیل نظام جو اللہ نے بنایا ہے، اور جو نہایت خوبصورتی سے یہ نظام جس طرح چل رہا ہے، اگر اور معبود ہوتے تو یہ نظام اس طرح چل ہی نہیں سکتا تھا۔ تو اللہ فرماتے ہیں قرآن میں: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾، اگر اس زمین اور آسمان کے اندر اور معبود ہوتے سوائے اللہ کے تو البتہ ان کا نظام فاسد ہو جاتا۔

بحث یہ چل رہی ہے کہ «إِلَّا» وضع ہے استثناء کے لیے لیکن کبھی کبھار صفت کے لیے استعمال ہو جاتا ہے، اور «غَيْرُ» وضع ہے صفت کے لیے اور کبھی کبھار استثناء کے لیے استعمال ہو جاتا ہے۔ جیسے یہ جو مثال ہے: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾، اس میں «إِلَّا» آیا اور «إِلَّا» اصل میں تو وضع ہے استثناء کے لیے، لیکن یہاں «إِلَّا» استثناء کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ «إِلَّا» صفت کے لیے ہے، یعنی «غَيْرُ» کے معنی میں ہے۔ کس معنی میں ہے؟ «غَيْرُ» کے معنی میں ہے بھائی، «غَيْرُ» کے معنی میں۔ اور میں نے آپ کو بتایا تھا «غَيْرُ» ہمیشہ مضاف الیہ چاہتا ہے، مضاف الیہ، اور «غَيْرُ» معرفہ کی طرف مضاف ہو جائے پھر بھی یہ کیا رہتا ہے؟ نکرہ رہتا ہے۔ تو یہ «آلِهَةٌ» پہلے آیا یہ بھی ہے نکرہ؛ کیونکہ یہ اسم اشارہ بھی نہیں، یہ اسم موصول بھی نہیں، اس پر الف لام بھی داخل نہیں، یہ کسی کا نام بھی نہیں وغیرہ، تو یہ نکرہ ہوا۔ اور اس کے بعد کیا آیا؟ «إِلَّا اللَّهُ»، اصل میں یہ کیا ہے؟ «غَيْرُ اللَّهِ»، «إِلَّا» کس معنی میں ہے؟ «غَيْرُ» کے معنی میں، اور «غَيْرُ» مضاف ہو لفظِ اللہ کی طرف، اور «غَيْرُ» لفظِ اللہ کی طرف مضاف ہو گا تو بھی کیا رہے گا؟ نکرہ ہی۔ تو «آلِهَةٌ» بھی نکرہ آگے «غَيْرُ اللَّهِ» صفت بھی نکرہ، تو یہ موصوف صفت بن جائیں گے۔ اگر ہوتے اس زمین اور آسمان میں اور معبودان «إِلَّا اللَّهُ» أَيْ «غَيْرُ اللَّهِ» علاوہ اللہ کے، سوائے اللہ کے، اللہ کے علاوہ اگر اور معبود ہوتے اس زمین اور آسمان میں «لَفَسَدَتَا» تو اس زمین اور آسمان کا نظام خراب ہو جاتا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو بحث کیا چل رہی ہے کہ یہاں یہ جو «إِلَّا» آیا یہ «إِلَّا» کس معنی میں ہے؟ «غَيْرُ» کے معنی میں ہے، یعنی صفت کے لیے ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے یہ کیوں «غَيْرُ» کے معنی میں ہے؟ وجہ یہ ہے اس کی کہ دیکھیے «إِلَّا» آتا ہے استثناء کے لیے، اور اس کے مابعد جو ہو گا وہ مستثنیٰ ہو گا، اور مستثنیٰ کی تو دو ہی قسمیں ہیں: یا وہ مستثنیٰ متصل ہوتا ہے یا مستثنیٰ منقطع ہوتا ہے۔ تو یہاں پر یہ لفظِ اللہ کو نہ مستثنیٰ متصل بنایا جا سکتا ہے، نہ مستثنیٰ منقطع بنایا جا سکتا ہے، اور مستثنیٰ کی تو یہی دو صورتیں ہیں: یا متصل ہو گا یا منقطع۔ جب یہ نہ متصل ہو سکتا ہے اور نہ منقطع، تو تیسری تو کوئی صورت ہی نہیں، تو معلوم ہوا یہ «إِلَّا» استثناء کے لیے ہے ہی نہیں؛ کیونکہ استثناء کے لیے ہوتا تو یا تو یہ استثنائِ متصل کے لیے ہوتا یا استثنائِ منقطع کے لیے ہوتا، دونوں نہیں ہو سکتے، معلوم ہوا یہ استثناء کے لیے ہے ہی نہیں بلکہ یہ کس لیے ہے؟ صفت کے لیے ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

اچھا، تو استثناء کے لیے یہ کیوں نہیں ہو سکتا؟ مستثنیٰ متصل کیوں نہیں ہو سکتا یا منقطع کیوں نہیں ہو سکتا؟ بھائی دیکھیے، یاد رکھیے، ماقبل میں جو «إِلَّا» سے ماقبل ذکر ہے وہ جمع ہے، «آلِهَةٌ» جمع ہے «إِلٰهٌ» کی، اور «إِلٰهٌ» معبود کو کہتے ہیں۔ آپ پڑھتے ہیں نا «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ»، یہ «إِلٰهٌ» کیا ہے؟ معبود، معبود، تو یہ «إِلٰهٌ» ہے اس کا معنی ہے معبود، اور اس «إِلٰهٌ» کی جمع عربی میں آتی ہے «آلِهَةٌ»۔ تو یہ «آلِهَةٌ» جمع ہے «إِلٰهٌ» کی، اور یہ نکرہ ہے، یہ کیا ہے؟ نکرہ۔ تو جب مستثنیٰ منہ جمع ہو اور نکرہ ہو اور اس کے بعد «إِلَّا» آئے تو وہ پھر ہمیشہ صفت کے معنی میں ہو گا؛ کیونکہ نہ وہاں مستثنیٰ متصل بنا سکتے ہیں نہ مستثنیٰ منقطع بنا سکتے ہیں۔ کب؟ جب «إِلَّا» سے ماقبل کیا ہو؟ جمع ہو اور نکرہ، تو جمعِ منکَّر ہو یعنی جمعِ منکَّر، ایسی جمع جو نکرہ ہو۔ تو جب بھی «إِلَّا» سے ماقبل جمعِ منکَّر آجائے تو پھر وہ «إِلَّا» «غَيْرُ» کے معنی میں ہو گا، صفت کے لیے ہو گا، استثناء کے لیے نہیں۔

اور کیوں نہیں بنا سکتے مستثنیٰ متصل اور منقطع؟ وجہ یہ ہے، میں نے آپ کو بتایا تھا «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»، تو جہ ہے؟ «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»، آپ مجھے یہ بتائیے یہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے؟ «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»؟ جی؟ بھائی دیکھیے، ہاں، ہم نے یہ مثال جو کی تھی مستثنیٰ متصل کی کی تھی، لیکن یاد رکھو آپ نے ویسے ہی آنکھیں بند کر کے نہیں کہنا کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ مستثنیٰ متصل کسے کہتے تھے؟ جو پہلے داخل تھا پھر «إِلَّا» کے ذریعے اس کو نکال دیا تو وہ ہے متصل، اور اگر پہلے داخل ہی نہیں تھا تو وہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ لہٰذا یہی مثال «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»، تو جہ ہے؟ «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»، آپ سے کوئی پوچھے یہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع؟ آپ جواب میں کہیں یہ مستثنیٰ متصل بھی ہو سکتا ہے یہ مستثنیٰ منقطع بھی ہو سکتا ہے۔ متصل کب ہو گا؟ اگر «الْقَوْمُ» سے ایسی جماعت مراد جس میں زید پہلے شامل تھا پھر کیا کیا گیا؟ نکال دیا، تو یہ متصل۔ اور اگر «الْقَوْمُ» سے ایسی جماعت مراد ہے جس میں زید پہلے داخل ہی نہیں تھا تو یہ تو پھر کون سا ہوا مستثنیٰ؟ منقطع۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع اس کا سارادار و مدار اس بات پر ہے کہ پہلے مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہے اور پھر « إِلَّا » نے آکر نکالا تو یہ متصل، اور اگر پہلے داخل نہیں تھا تو پھر یہ منقطع ہے۔ لیکن یہ تو وہیں پر طے ہو سکتا ہے نا جہاں آپ کو پتہ چلے کہ یہ پہلے داخل تھا یا پہلے داخل نہیں تھا۔ اگر آپ کو پتہ ہو گا تو آپ اس کو متصل بنائیں گے یا منقطع بنائیں گے، لیکن یہاں جب « إِلَّا » سے ماقبل جمعِ منکّر ہو وہاں یہ پتہ چل ہی نہیں سکتا کہ مابعد ماقبل میں داخل تھا یا داخل نہیں تھا، تو لہٰذا نہ اس کو متصل بنا سکتے ہیں اور نہ منقطع۔ اگر پتہ چل جائے پہلے داخل تھا تو متصل بنالیں، اگر داخل نہیں تھا تو کیا بنالیں؟ منقطع بنالیں، لیکن وہاں ایسا ہو ہی نہیں سکتا، پتہ چل ہی نہیں سکتا، لہٰذا نہ اس کو متصل بنا سکتے ہیں اور نہ منقطع، تو معلوم ہوا پھر « إِلَّا » کو استثناء کے معنی میں لیں گے ہی نہیں بلکہ کس معنی میں کرنا پڑے گا؟ « غَيْرُ » کے معنی میں لینا پڑے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھو، یہاں « آلِهَةٌ » آیا، اور « آلِهَةٌ » جمع ہے « إِلٰهٌ » کی، تو « آلِهَةٌ » کا کیا معنی ہوا؟ کئی معبود، کئی معبود۔ اب وہ کئی معبودان میں مابعد یعنی اللہ کی ذات اگر پہلے داخل تھی پھر « إِلَّا » کے ذریعے کیا کیا گیا؟ نکالا گیا تو ہم کہتے یہ متصل ہے، اور اگر پہلے سے داخل ہی نہیں تھی تو ہم پھر کہتے یہ مستثنیٰ منقطع ہے، لیکن یہاں یہ ہو ہی نہیں سکتا؛ کیونکہ یہ جمعِ منکّر ہے، جمعِ منکّر کے اندر اتنی صلاحیت ہی نہیں ہوتی کہ اس سے کسی چیز کا کیا کیا جائے؟ استثناء کیا جائے۔ تو لہٰذا لہٰذا یہ « إِلَّا » استثناء کے لیے نہیں ہے بلکہ کس معنی میں ہے؟ « غَيْرُ » کے معنی میں، یعنی صفت کے لیے ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو گویا ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ اس آیت کے اندر « إِلَّا » کس معنی میں ہے؟ « غَيْرُ » کے معنی میں، اور کس وجہ سے؟ اس کا سبب کیا ہے؟ مانع کیا ہے کہ « إِلَّا » کو استثناء کے لیے آپ نہیں بنا سکتے؟ کون سی چیز مانع بن گئی؟ کس چیز نے روک دیا؟ وہ ماقبل کے جمعِ منکّر ہونے نے۔ کس نے؟ ماقبل اس کے جمعِ منکّر آگئی، اس نے یہ مانع بن گئی، اس نے روک دیا کہ یہ « إِلَّا » استثناء کے لیے نہیں ہے بلکہ کس لیے ہے؟ صفت کے لیے ہے۔ تو معلوم ہوا یہاں مانع لفظی ہے، مانع کیا ہے؟ لفظی ہے، اور وہ لفظ کیا ہے؟ « آلِهَةٌ » کا لفظ ہے بھائی، نکرہ جو ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: « وَقَدْ تُسْتَعْمَلُ لِلصِّفَةِ » اور کبھی کبھار « إِلَّا » جو ہے صفت کے لیے استعمال ہوتا ہے، « كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى » جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾، اگر اس زمین اور آسمان میں اور معبود ہوتے سوائے اللہ کے « لَفَسَدَتَا » تو ان کا نظام فاسد ہو جاتا، « أَيْ: غَيْرُ اللَّهِ »، دیکھا؟ بتلادیا « إِلَّا اللَّهُ » کس معنی میں ہے؟ « غَيْرُ اللَّهِ »، یعنی کہ « غَيْرُ اللَّهِ » کے معنی۔ « وَكَذٰلِكَ قَوْلُكَ » اور اسی طرح آپ کا یہ قول بھی: « لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ »۔ یاد رکھیے « لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ » یہاں پر بھی « إِلَّا » صفت کے لیے ہے یعنی « غَيْرُ » کے معنی میں ہے، یہ استثناء کے لیے نہیں ہے، یعنی یہ کلمۂ توحید جو ہے اس میں بھی یہ « إِلَّا » کس لیے ہے؟ یہ صفت کے لیے ہے، استثناء کے لیے نہیں ہے بھائی۔

اس کی کیا وجہ ہے؟ تو وجہ اس کی یہ ہے کہ ماقبل میں وجہ تھی لفظی، اور یہاں پر وجہ ہے معنوی۔ یعنی یوں کہیں وہاں تھا مانع لفظی اور یہاں مانع معنوی ہے، یعنی یوں کہیں معنی ہے مانع؛ کیونکہ « إِلَّا » جو ہے اگر اس کو استثناء کے لیے لیں تو پھر یہ توحید کے خلاف ہے۔ کہ یہ کلمۂ توحید ہے بھائی، یہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ توحید کا فائدہ دیتا ہے، یہ بتلاتا ہے کہ اس کائنات کے اندر اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے بھائی، اور یہ معنی تبھی حاصل ہو گا جبکہ یہاں « إِلَّا » کو صفت کے لیے بنائیں۔ اگر اس « إِلَّا » کو استثناء کے لیے بنائیں تو پھر توحید پورے طور پر حاصل نہیں ہوتی، یہ توحید کے خلاف ہو جاتا ہے معنی بھائی۔ اگر « إِلَّا » کو کس لیے بنائیں؟ استثناء کے لیے، تو پھر یہ توحید کا فائدہ نہیں دے گا، کامل توحید کا فائدہ یہ کلمہ نہیں دے گا۔ کس طرح؟ دیکھیے بھائی۔

« لَا إِلٰهَ » کوئی معبود نہیں ہے « إِلَّا اللَّهُ » سوائے اللہ کے۔ اب کوئی الٰہ نہیں، کوئی معبود نہیں، تو ماقبل میں معبود کی نفی ہوئی اور « إِلَّا » کے مابعد اللہ کی ذات کا اثبات ہوا۔ ماقبل میں نفی ہوئی مابعد میں اثبات۔ اب یا تو آپ اس کو مستثنیٰ متصل بنائیں گے تو بھی معنی صحیح نہیں، توحید کے خلاف، یا آپ اس کو مستثنیٰ منقطع بنائیں گے تو بھی توحید کے خلاف۔ تو آپ اس کو مستثنیٰ متصل بنائیں تو بھی توحید کے خلاف، مستثنیٰ منقطع بنائیں تو بھی توحید کے خلاف۔ تو یہ نہ مستثنیٰ متصل ہو سکتا ہے اور نہ مستثنیٰ منقطع ہو سکتا ہے۔ ذرا آسان لفظوں میں یوں کہیے کہ ماقبل میں جن معبودوں کی نفی ہو رہی ہے یا تو اس سے مراد معبودانِ حق ہیں یا اس سے مراد معبودانِ باطل ہیں۔ اگر وہ معبود جن کی نفی کی گئی اگر اس سے معبودانِ حق مراد لیں تو بھی معنی توحید کے خلاف، اگر وہ معبود جن کی نفی کی گئی اگر اس سے معبودانِ باطلہ مراد لیں تو بھی یہ معنی توحید کے خلاف ہے بھائی۔ کس کی نفی ہو رہی ہے؟ معبودوں کی، کوئی معبود نہیں، تو کن معبودوں کی نفی ہو رہی ہے؟ معبودانِ حق کی یا معبودانِ باطل کی؟ دو ہی احتمال ہیں نا، تیسرا احتمال تو کوئی نہیں۔

اب دیکھیے مثلاً اگر یہ جن معبودان کی نفی ہو رہی ہے ان معبودوں سے مراد لے لیں معبودانِ حق، گویا ترجمہ یوں ہوا: « لَا إِلٰهَ » کوئی معبودِ برحق نہیں ہے « إِلَّا اللَّهُ » سوائے اللہ کے۔ کوئی معبودِ برحق نہیں ہے سوائے اللہ کے۔ تو دیکھیے نفی ہوئی معبودانِ برحق کی، اور « إِلَّا » کو آپ نے بنایا کس لیے؟ مستثنیٰ متصل کے لیے بن جائے گا۔ دیکھیے اللہ بھی معبودِ حقیقی، اللہ کیا ہیں؟ معبودِ حقیقی، « إِلَّا » کے مابعد آرہے ہیں نا معبودِ حقیقی، اور « إِلَّا » سے ماقبل جن معبودوں

کی نفی ہو رہی ہے ابھی میں نے بتایا اس میں دو احتمال: یا معبودانِ حق ہیں یا معبودانِ باطل۔ ہم پہلی صورت لے لیتے ہیں معبودانِ حق کی، کہ کن معبودوں کی نفی ہو رہی ہے؟ معبودانِ حق کی۔ تو ما قبل میں نفی ہوئی معبودانِ حق کی، کوئی معبودِ برحق نہیں سوائے کس کے؟ اللہ کے۔ تو تمام معبودانِ برحق کی نفی ہو گئی اور اللہ کی ذات کا اثبات ہو گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو ما قبل میں کون؟ معبودانِ برحق۔ تو « إِلَّا » ہوا استثنائِ متصل کے لیے، کس لیے ہوا؟ استثنائِ متصل کے لیے۔ کیوں؟ کیونکہ اللہ بھی معبودِ برحق، ما قبل میں بھی کن کی نفی؟ معبودانِ برحق کی، تو اللہ بھی کس میں سے؟ معبودانِ برحق میں سے۔ تو پہلے جب کہا کوئی معبودِ برحق نہیں، تمام معبودوں کی نفی ہو گئی، پھر ان میں سے اللہ کی ذات کو نکال کر کیا کر دیا گیا؟ اثبات کر دیا گیا۔ جیسے میں نے کہا تھا « مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا »، میرے پاس وہ لوگ نہیں آئے « إِلَّا زَيْدًا » سوائے کس کے؟ زید کے۔ تو جب میں نے کہا تھا وہ لوگ نہیں آئے میں نے زید کی بھی نفی کر دی، پھر « إِلَّا » کے ذریعے زید کا کیا کر دیا؟ اثبات۔ تو وہ کون سا مستثنیٰ تھا؟ مستثنیٰ متصل۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں بھی اسی طرح معبودانِ حق کی نفی ہو گئی اور پھر « إِلَّا » کے بعد کیا کیا گیا؟ اللہ کی ذات کا اثبات، تو مستثنیٰ کون سا ہوا؟ مستثنیٰ متصل ہوا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

لیکن یہ معنی توحید کے خلاف ہے۔ توحید کے خلاف اس طرح کہ ٹھیک ہے آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہوا: اللہ کے علاوہ اور کوئی معبودِ برحق نہیں۔ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبودِ برحق نہیں۔ تو گویا یہ مستثنیٰ متصل ہوا، مستثنیٰ متصل کسے کہتے تھے؟ کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں پہلے داخل ہو اور بعد میں « إِلَّا » کے ذریعے کیا کیا جائے؟ اس کو نکال دیا جائے۔ تو یہاں پر بھی اگرچہ تمام معبودانِ برحق کی نفی کر دی گئی اور یہ کہا گیا: کوئی معبودِ برحق نہیں سوائے کس کے؟ اللہ کے، یعنی اللہ کے علاوہ کوئی بھی معبودِ برحق نہیں، سب کی نفی کر دی، سب کی نفی کر دی یا نہیں کر دی؟ جی، اور یہی معنی مقصود ہے یا غیر مقصود؟ مقصد بھی یہی ہے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبودِ حقیقی نہیں صرف اللہ کی ذات ہے۔ لیکن یہ بن تو مستثنیٰ متصل گیا، اور مستثنیٰ متصل کسے کہتے تھے؟ جو پہلے داخل تھا پھر اس کو « إِلَّا » کے ذریعے نکال لیا گیا۔ تو یہاں پر آپ نے بھی کیا کیا؟ اللہ کے علاوہ باقی تمام معبودانِ برحق کی کیا کر دی؟ نفی کر دی۔ لیکن ایک لمحے کے لیے ان کو ماننا پڑا، معبودانِ برحق کو ماننا پڑا کہ اللہ ان میں داخل تھے پھر « إِلَّا » کے ذریعے کیا کر دیا گیا؟ نکال لیا گیا۔

مستثنیٰ متصل اسی کو کہتے ہیں نا جو پہلے داخل تھا پھر اس کو کیا کر لیا گیا ہو؟ نکال لیا گیا ہو۔ تو یہاں معبودان سے کون سے معبود مراد لیے؟ معبودانِ حق مراد لیے، تو جب آپ نے کہا « لَا إِلَهَ » کوئی بھی معبودانِ برحق میں سے نہیں ہے، کوئی معبودِ برحق نہیں ہے « إِلَّا اللَّهُ » سوائے اللہ کے، تو اللہ کی ذات بھی کیا ہے؟ معبودِ برحق، اور ما قبل میں نفی بھی کس کی؟ معبودانِ برحق کی، تو معلوم ہوا یہ مستثنیٰ متصل ہے۔ مستثنیٰ متصل ہے، مثلاً میں نے کہا تھا « مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا »، مستثنیٰ متصل کسے کہتے تھے؟ جو ما قبل میں پہلے داخل ہو اور پھر « إِلَّا » کے ذریعے کیا کر لیا جائے؟ نکال لیا جائے۔ تو یہاں پر بھی ما قبل میں بھی معبودانِ حق کا ذکر اور اللہ کی ذات بھی کیا ہے؟ معبودِ حقیقی ہے، تو یہ مستثنیٰ متصل والی صورت ہو گئی، کون سی صورت ہو گئی؟ مستثنیٰ متصل والی صورت ہوئی۔ اور مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں کہ « إِلَّا » کا مابعد پہلے ما قبل میں داخل تھا پھر « إِلَّا » کے ذریعے اس کو کیا کر لیا گیا؟ نکال لیا گیا۔ تو یہاں بھی اللہ کی ذات ما قبل میں پہلے داخل تھی اور پھر تمام معبودانِ حق کی جب نفی ہوئی، تمام معبودانِ حق کی تو نفی کر دی گئی لیکن اللہ کی ذات کا اثبات کر دیا گیا۔ اللہ کی ذات کا اثبات کیا گیا، تو یہ مستثنیٰ متصل ہوا کہ پہلے داخل تھے ما قبل میں پھر نکال کر ما قبل کی نفی کر دی گئی اور اللہ کی ذات کا اثبات کیا گیا، تو یہ مستثنیٰ متصل ہوا۔

کیا ہوا؟ مستثنیٰ متصل۔ اور مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں؟ تو گویا یہاں پر بھی اللہ کی ذات ما قبل میں جو معبودانِ برحق جن کی نفی کی گئی پہلے ان میں داخل تھی، پھر « إِلَّا » کے ذریعے اللہ کی ذات کا استثناء کیا گیا اور اثبات کیا گیا، تو ایک لمحے کے لیے ہی بہر حال اور معبودوں کو ماننا تو پڑا، اگرچہ بالفرض والمحال ہی ماننا پڑا کہ اللہ پہلے داخل تھے ان میں، پھر ان سب کی تو نفی کر دی گئی لیکن اللہ کی ذات کا ان سے نکال کر اللہ کی ذات کا اثبات کر دیا گیا۔ تو اور معبودوں کو اگرچہ آپ اس وقت نفی کر رہے ہیں لیکن ایک لمحے کے لیے ماننا پڑا یا نہیں ماننا پڑا؟ فرض کرنا پڑا یا نہیں کرنا پڑا؟ جبھی یہ صورت بنے گی نا کہ پہلے داخل تھے پھر « إِلَّا » کے ذریعے کیا کر دیا گیا؟ نکال لیا۔ تو پہلے داخل ہونے کی کیا صورت ہے کہ ایک لمحے کے لیے ماننا پڑے گا، اور یہ معنی توحید کے خلاف ہے مولانا؛ کیونکہ توحید تو یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں، ایک لمحے کے لیے بھی کسی اور کو معبود ماننا یہ بھی کیا ہے؟ توحید کے خلاف ہے بھائی۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ معلوم ہوا کہ یہاں مستثنیٰ متصل لینا درست نہیں، مستثنیٰ متصل لینا درست نہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو « آلِهَةٌ » جن کی نفی ہوئی ان سے آلہۂ حق مراد لینا صحیح نہیں۔ تو پھر دوسری صورت تو یہی ہے کہ آلہہ سے مراد آلہۂ باطلہ مراد دیے جائیں، معبودانِ باطل مراد لیے جائیں، اور اللہ تو معبودِ حقیقی ہے، اللہ کی ذات تو معبودانِ باطلہ میں سے نہیں، تو ان میں داخل ہی نہیں، جب داخل ہی نہیں تو یہ پھر مستثنیٰ منقطع بن جائے گا، مستثنیٰ منقطع بن جائے گا۔ تو چلو اب ہم ذرا اس کو مستثنیٰ منقطع بنا کر دیکھتے ہیں کہ کیا پھر معنی صحیح ہوتا ہے یا نہیں؟ تو اس صورت میں معنی یہ ہو جائے گا « لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ » کوئی معبودِ

باطل نہیں ہے « إِلَّا اللَّهُ » مگر اللہ معبودِ حقیقی موجود ہے۔ کوئی معبودِ باطل نہیں ہے مگر اللہ جو معبودِ حقیقی ہے وہ موجود ہے۔ تو کن معبودوں کی نفی ہوئی؟ معبودانِ باطلہ کی نفی ہوئی، اور کون سا مستثنیٰ ہوا؟ مستثنیٰ منقطع ہوا۔ تو مستثنیٰ منقطع ہوا اور معبودانِ باطلہ کی نفی ہو گئی، ٹھیک ہے کہ معبودانِ باطلہ کوئی بھی نہیں ہیں اور اللہ کی ذات کا اثبات ہوا۔ تو معبودانِ باطلہ کی تو نفی ہو گئی لیکن معبودانِ حق کی تو نفی نہیں ہوئی۔

■ قولہ: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ» کی تشریح

« لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ » اس میں تو صرف کیا بتلایا گیا، آلہہ سے کون سے آلہہ مراد لیے؟ معبودانِ باطل، گویا کہا گیا کوئی معبودِ باطل نہیں ہے، ٹھیک ہے معبودِ باطل تو نہیں ہے، لیکن معبودانِ حق اور ہیں یا اور نہیں ہیں اس کے بارے میں ان کی کوئی نفی کی گئی؟ توحید تو کیا ہے؟ توحید کیا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور معبودِ برحق بھی نہیں ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور ابھی آپ نے کیا معنی کیا کہ کوئی اور معبودِ باطل نہیں، تو ٹھیک ہے معبودِ باطل کی تو نفی ہو گئی لیکن توحید کیا ہے؟ توحید تو یہ ہے نا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ حقیقی بھی نہیں ہے، تو معبودِ باطلہ کی تو ٹھیک ہے یہاں نفی ہو گئی لیکن معبودانِ حق کی تو نفی نہیں ہوئی، ٹھیک ہے اللہ کی ذات کا اثبات ہوا اللہ معبودِ حقیقی ہے، لیکن اللہ کے ساتھ اور معبودِ حقیقی ہیں یا نہیں ہیں؟ ان کی تو نفی نہیں ہوئی، صرف معبودانِ باطل کی نفی ہوئی، معبودانِ حق کی تو نفی نہیں ہوئی، تو پھر تو معنی تو یہ نکلے گا ہو سکتا ہے اور معبودانِ حقیقی ہوں۔ معبودانِ باطل تو کوئی نہیں، ٹھیک ہے، اللہ معبودِ حقیقی ہیں، کس کی نفی کی آپ نے؟ معبودانِ باطل کی، معبودانِ حق کی نفی کی؟ نہیں، چاہیے کیا تھا کہ اللہ کے علاوہ باقی معبودانِ حق کی بھی کیا کرو؟ نفی کرو، اللہ کے علاوہ کوئی اور معبودِ حقیقی بھی نہیں ہے، یہ تھی توحید۔ لیکن اگر یہ مستثنیٰ منقطع بنائیں تو پھر یہ توحید حاصل نہیں ہوتی بھائی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ خلاصۂ کلام کیا ہوا کہ « لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ » اس میں « إِلَّا » کو استثنائِ متصل کے لیے بھی نہیں لے سکتے اور استثنائِ منقطع کے لیے بھی نہیں لے سکتے۔ کیوں نہیں لے سکتے؟ اس لیے کیونکہ اگر اس کو مستثنیٰ متصل بنانے کی کوشش کریں تو اس صورت میں آلہہ سے مراد آلہۂ برحق ہوں گے اور اس صورت میں مستثنیٰ متصل ہو گا، اور مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں جو پہلے ما قبل میں داخل ہو اور پھر اس کو نکالا جائے، تو گویا ایک لمحے کے لیے پہلے ماننا پڑے گا اور گویا اور معبودانِ برحق بھی ماننے پڑیں گے، چاہے ایک لمحے کے لیے ہی ہے، پھر اپ اگلے لمحے میں آپ فوراً ان کی نفی بھی کر دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبودِ حقیقی نہیں ہے، لیکن بہر حال ایک لمحے کے لیے تو ماننا پڑا کہ پہلے داخل ہیں اور پھر « إِلَّا » کے ذریعے کیا کیا گیا؟ نکالا گیا۔ تو جب پہلے داخل ہیں تو ماننا پڑا، جب ماننا پڑا تو یہ معنی تو توحید کے خلاف ہوا، پوری توحید اس سے حاصل نہیں، اور اگر اس آلہہ سے مراد کون سے آلہہ لیں؟ معبودانِ باطلہ مراد لیں تو پھر معبودانِ باطلہ کی تو نفی ہو جائے گی، معبودانِ برحق کی تو نفی نہ ہوئی، تو اس صورت میں معبودانِ حق کی نفی نہیں ہو گی حالانکہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبودِ حقیقی بھی نہیں ہے، سب کی نفی ضروری ہے بھائی۔

تو معلوم ہوا یہاں « إِلَّا » سے پہلے جمعِ منکّر تو نہیں، « إِلٰهٌ »، « إِلٰهٌ » یہ تو مفرد ہے جمع نہیں، ما قبل میں جمعِ منکّر تھی اس لیے وہاں « إِلَّا » کو « غَيْرُ » کے معنی میں لینا پڑا تو وہاں سبب لفظی تھا۔ یہاں جمعِ منکّر تو نہیں « إِلَّا » سے پہلے، لیکن یہاں مانع جو ہے وہ معنوی ہے بھائی۔ کیا معنوی چیز کیا ہے؟ کہ اس کو ہم « إِلَّا » کو استثناء کے لیے نہیں لے سکتے؛ کیونکہ « إِلَّا » کو استثناء کے لیے لیں گے تو دو ہی صورتیں ہیں: یا مستثنیٰ متصل بنائیں گے یا منقطع، متصل بنائیں تو بھی توحید کے خلاف معنی ہو جاتا ہے اور منقطع بنائیں تو بھی توحید کے خلاف معنی ہو جاتا ہے، تو لہٰذا معلوم ہوا اس « إِلَّا » کو « غَيْرُ » کے معنی میں لینا پڑے گا: « لَا إِلٰهَ غَيْرُ اللَّهِ »، اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود موجود نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام کیا ہوا؟ ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾، یہاں « إِلَّا » کو « غَيْرُ » کے معنی میں لیا گیا۔ کیوں؟ یہاں « إِلَّا » « غَيْرُ » کے معنی میں یعنی صفت کے لیے ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ کہ اس سے ما قبل جو ہے وہ « آلِهَةٌ » جمعِ منکّر ہے بھائی، جمع ہے اور نکرہ ہے، تو جمعِ منکّر ہے، اور جمعِ منکّر اس سے استثناء صحیح نہیں ہوتا۔ کیوں نہیں استثناء صحیح ہوتا؟ اس لیے کیونکہ استثناء کی تو دو ہی صورتیں ہیں: یا مستثنیٰ متصل ہوتا ہے یا مستثنیٰ منقطع ہوتا ہے۔ یہاں متصل تب بنائیں گے جب ہمیں پتہ ہو کہ پہلے اس میں داخل تھا پھر کیا کیا گیا؟ « إِلَّا » کے ذریعے نکالا گیا۔ اور منقطع تب ہو گا جب ہمیں یقینی طور پر پتہ ہو کہ یہ پہلے سے داخل ہی نہیں تھا، اور جمعِ منکّر کا معنی تو ہوتا ہے، مثلاً دیکھیے بھائی « رَجُلٌ » آدمی، « رِجَالٌ » کئی آدمی، میں کہنا چاہتا ہوں « جَاءَنِي رِجَالٌ » میرے پاس کچھ لوگ آئے « إِلَّا زَيْدًا » سوائے کس کے؟ زید کے۔ اب آپ « إِلَّا » کو آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ آپ « إِلَّا » کو استثناء کے لیے بنانا چاہتے ہیں اور زید کو مستثنیٰ بنانا چاہتے ہیں، تو مستثنیٰ کی تو دو ہی صورتیں ہیں: یا اس کو متصل بنا سکتے ہو یا منقطع بنا سکتے ہو۔ متصل کب بناؤ گے؟ متصل بنانے کا کیا معنی ہوتا ہے؟ جب پہلے داخل ہو، تو اس کا مطلب ہو گا کہ زید پہلے « رِجَالٌ » میں داخل تھا، یقینی طور پر آپ کو پتہ ہو، یقینی طور پر پتہ ہو کہ زید اس میں داخل تھا

پھر « إِلَّا » کے ذریعے کیا کیا گیا؟ نکالا گیا تو آپ کہیں گے یہ مستثنیٰ متصل ہے، اور جب آپ کو یقینی طور پر پتہ ہو کہ زید « رِجَالٌ » میں داخل نہیں تھا تو پھر آپ کہیں گے یہ مستثنیٰ منقطع ہے، لیکن یہاں پر یہ پتہ چل ہی نہیں سکتا کہ یقینی طور پر داخل ہے یا داخل نہیں۔ اس لیے کیونکہ « رِجَالٌ » جمع ہے « رَجُلٌ » کی اور « رِجَالٌ » ہے نکرہ، اور « رِجَالٌ » کا معنی ہے کچھ لوگ، کچھ آدمی۔

اب کچھ آدمی وہ تین چار کھڑے ہیں وہ بھی ہو سکتے ہیں، وہ چار پانچ چھ کھڑے ہیں وہ بھی کچھ آدمی ہیں، دوسری طرف بھی پانچ دس کھڑے ہیں وہ بھی ہو سکتے ہیں، تو وہ تو کوئی بھی کچھ لوگ ہو سکتے ہیں، تو آپ کوئی ایک مخصوص جماعت مراد ہوتی تو پھر آپ کو پتہ ہوتا کہ زید ان میں شامل ہے اور پھر نکالا گیا یا زید تو ان میں شامل ہی نہیں لہٰذا اس کو نکالا بھی نہیں گیا، تو مستثنیٰ متصل یا منقطع آپ بنا لیتے، لیکن یہاں جب وہ جماعت کی تعیین ہی نہیں ہے تو پھر آپ کس طرح کہیں گے کہ یہ اس میں داخل تھا پھر نکالا گیا یا داخل ہی نہیں تھا اس کے اندر؟ صورت سمجھ میں آ گئی؟ مثلاً میرے دائیں طرف دس آدمیوں کی ایک جماعت کھڑی ہے، میں ان کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ لوگ میرے پاس آئے « جَاءَنِي » تو اب میں « رِجَالٌ » نہیں کہوں گا « الرِّجَالُ » کہوں گا: « جَاءَنِي الرِّجَالُ »، میرے پاس یہ والے آدمی آئے، اور آپ کو پتہ ہے کہ زید ان میں داخل ہے، تو « جَاءَنِي الرِّجَالُ إِلَّا زَيْدًا »، اب آپ کہیں گے یہ مستثنیٰ متصل ہے؛ کیونکہ زید تو ان میں داخل تھا اور پھر آپ نے « إِلَّا » کے ذریعے کیا کیا ہے؟ نکال دیا۔ یا زید ان میں داخل ہی نہیں تھا یہ تو اور لوگ ہیں، تو اب میں نے کہا « جَاءَنِي الرِّجَالُ إِلَّا زَيْدًا »، آپ کہیں گے بھائی « الرِّجَالُ » سے یہ والی جماعت مراد ہے اور زید تو ان میں داخل ہی نہیں ہے، معلوم ہوا یہ کون سا مستثنیٰ ہے؟ مستثنیٰ منقطع ہے۔ تو لہٰذا ما قبل میں اس جماعت کی تعیین تو ہو، پتہ تو ہو، پھر ہی بتایا جا سکتا ہے کہ مابعد اس میں داخل تھا یا داخل نہیں۔ داخل تھا تو متصل بن جائے گا، نہیں تھا داخل تو منقطع بن جائے گا۔

اور اس کے بجائے اگر میں کہتا ہوں « جَاءَنِي رِجَالٌ إِلَّا زَيْدًا »، « رِجَالٌ » کا معنی تو ہے کچھ لوگ، میرے دائیں طرف دس آدمی کھڑے ہیں یہ بھی کچھ لوگ ہیں، بائیں طرف کھڑے ہیں دس آدمی یہ بھی کچھ لوگ ہیں، میرے سامنے دس آدمی کھڑے ہیں یہ بھی کچھ لوگ ہیں، تو ہر ایک یہ بھی رجال ہیں، وہ بھی رجال ہیں، یہ بھی رجال ہیں۔ اب میں کہتا ہوں « جَاءَنِي رِجَالٌ إِلَّا زَيْدًا »، اب رجال کی تعیین ہی نہیں یہ والی جماعت ہے، وہ والی جماعت ہے یا تیسری جماعت ہے، کون سی مراد ہے؟ جماعت کا پتہ چلے گا تو پھر آپ یہ بھی پتہ چلے کہ زید ان میں ہے یا نہیں آپ کو پتہ لگ جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ معلوم ہوا جمعِ منکّر سے استثناء صحیح نہیں؛ کیونکہ اس میں تعیین نہیں ہوتی، اور متصل یا منقطع بنانے کے لیے تو تعیین ضروری ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں بھی اسی طرح ہے: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾، تو « آلِهَةٌ » جمع ہے « إِلٰهٌ » کی، تو یہ جمع ہوئی کچھ معبود، اور کچھ معبود کون سے معبود؟ تعیین ہے نہیں۔ تو کچھ معبود کہ اس میں اللہ کی ذات پہلے داخل تھی یا داخل نہیں تھی، کس بنیاد پر متصل بنائیں یا منقطع بنائیں؟ وہ یہاں ممکن ہی نہیں ہے، تو لہٰذا مجبوراً پھر « إِلَّا » کو کس معنی میں لینا پڑا؟ « غَيْرُ » کے معنی میں لینا پڑا۔ تو یہاں مانع بن گیا، ایک مانع آ گیا جو « إِلَّا » کو استثناء کے لیے نہیں بننے دے رہا بلکہ « إِلَّا » کو « غَيْرُ » کے معنی میں کر رہا ہے، اور وہ مانع کیا ہے؟ لفظِ « آلِهَةٌ »، یعنی لفظی مانع ہے یہاں پر، کیا ہے؟ لفظی مانع ہے، اور « لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ » یہاں پر تو کوئی جمعِ منکّر نہیں ہے ما قبل میں « إِلَّا » سے پہلے، تو یہاں لفظی مانع نہیں ہے بلکہ معنوی مانع ہے، اور وہ کیا کہ یہاں نہ مستثنیٰ متصل بھی مراد نہیں لے سکتے اور مستثنیٰ منقطع بھی مراد نہیں لے سکتے۔ متصل کیوں نہیں مراد لے سکتے؟ کیونکہ اس صورت میں ما قبل میں جن معبودان کی نفی ہوئی وہ کون سے ہوں گے؟ معبودانِ برحق، تو پہلے اللہ کی ذات ان میں داخل تھی اور پھر « إِلَّا » کے ذریعے استثناء کیا گیا، تو ایک لمحے کے لیے معبودانِ برحق کو ماننا پڑے گا پھر ہی ان کی نفی ہو گی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ معنی کیا ہوا؟ توحید کے خلاف۔ اور اگر معبودانِ باطلہ مراد لیں تو پھر یہ مستثنیٰ منقطع بنے گا، لیکن وہ بھی نہیں لے سکتے؛ کیونکہ اس صورت میں معبودانِ باطلہ کی تو نفی ہو گئی، معبودانِ برحق کی بھی تو نفی چاہیے تھی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق بھی نہیں ہے، تو ان کی تو نفی نہ ہوئی، تو اس صورت میں یہ معنی بھی توحید کے خلاف توحید کے خلاف ہوا بھائی۔

تو ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ اس کے اندر بھی « إِلَّا » صفت کے لیے، اور « لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ » اس کے اندر بھی « إِلَّا » صفت کے لیے، لیکن وجہ الگ الگ ہے۔ پہلے میں « إِلَّا » کو استثناء کے لیے نہیں لے سکتے بلکہ کس لیے لینا پڑے گا؟ صفت کے لیے، اس کی وجہ لفظی ہے، اس کی وجہ لفظی ہے، اور وہ لفظی وجہ کیا؟ کہ « إِلَّا » سے پہلے جو لفظ ہے وہ جمعِ منکّر ہے، جمع ہے اور نکرہ ہے، « آلِهَةٌ » جمع ہے « إِلٰهٌ » کی، یہ جمع ہے اور نکرہ ہے، اور جو جمع ہو اور نکرہ ہو اس سے استثناء نہیں کیا جا سکتا۔ جب اس سے استثناء کیا ہی نہیں جا سکتا تو نہ مستثنیٰ متصل یہاں ہو سکتا ہے نہ مستثنیٰ منقطع؛ کیونکہ ما قبل میں کون ہے؟ جمع ہے اور وہ لفظ جمع ہے اور نکرہ ہے، اور جمعِ منکّر جو ہے اس سے استثناء نہیں کیا جا سکتا، نہ وہاں پر « إِلَّا » کو استثنائیِ متصل کے لیے بھی نہیں بنا سکتے اور استثنائیِ منقطع کے لیے بھی نہیں بنا سکتے۔ کیوں؟ وجہ یہ کہ مستثنیٰ متصل اسے کہیں گے کہ جہاں پہلے ایک چیز ما قبل میں داخل تھی اور پھر « إِلَّا » کے ذریعے کیا کر لیا گیا؟ نکال لیا گیا، اور مستثنیٰ منقطع اسے کہتے ہیں کہ جہاں ایک چیز پہلے سے ہی داخل نہ ہو تو وہ کیا ہے؟ مستثنیٰ منقطع۔ اگر ایک چیز پہلے داخل تھی اور پھر « إِلَّا » کے

ذریعے نکال دی گئی وہ کون سا استثناء ہوا؟ اگر ایک چیز پہلے داخل تھی اور پھر « إِلَّا » کے ذریعے اس کو نکال دیا گیا تو یہ کون سا مستثنیٰ ہوا؟ متصل، اور اگر پہلے داخل ہی نہیں تھی تو یہ کون سا مستثنیٰ ہوا؟ مستثنیٰ منقطع۔ تو معلوم ہوا مستثنیٰ متصل اور منقطع کا دار و مدار پہلے داخل ہے یا پہلے داخل نہیں اس پر ہے، اور یہ تبھی ہو سکتا ہے جب آپ کو یقینی طور پر پتہ ہو کہ پہلے داخل تھی اور پھر نکالا گیا ہے تو آپ اس کو مستثنیٰ متصل بنالیں گے، اور اگر یقینی طور پر پتہ ہو کہ یہ پہلے داخل تھی نہیں تو آپ اس کو کیا بنالیں گے؟ مستثنیٰ منقطع بنالیں گے۔ معلوم ہوا یقینی طور پر پہلے داخل تھی اور پھر نکالی گئی تو متصل، اگر یقینی طور پر پہلے داخل نہیں تھی تو مستثنیٰ منقطع، اگر یقینی طور پر پتہ ہی نہ ہو تو نہ مستثنیٰ متصل بنا سکتے ہیں نہ مستثنیٰ منقطع بنا سکتے ہیں، اور جمعِ منکّر، جمعِ منکّر جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی « رَجُلٌ » کی جمع ہے « رِجَالٌ »، « رِجَالٌ » جمع ہے اور نکرہ ہے اس پر الف لام نہیں اور تو جمعِ منکّر ہے، اور جمعِ منکّر جو ہے اس کا معنی تو « رِجَالٌ » کا معنی ہوا کچھ آدمی۔ اب « جَاءَنِي رِجَالٌ إِلَّا زَيْدًا »، میرے پاس کچھ لوگ آئے سوائے کس کے؟ زید کے، یہ زید کو اب نہ مستثنیٰ متصل بنا سکتے ہیں نہ منقطع۔ متصل تب بنتا اگر آپ کو یقینی طور پر پتہ ہو کہ جو ماقبل میں رجال کا ذکر ہے ان میں زید پہلے داخل تھا پھر اس کو کیا کیا گیا؟ نکالا گیا، لیکن یقینی طور پر پتہ ہی نہیں؛ کیونکہ رجال کا معنی ہے کچھ لوگ، بھائی کون سے والے لوگ؟ کوئی خاص جماعت ہو تو ہمیں پتہ لگ جائے زید ان میں تھا یا زید ان میں نہیں تھا، تو لہٰذا متصل یہاں نہیں بنا سکتے، اور اس کو مستثنیٰ منقطع بھی نہیں بنا سکتے؛ کیونکہ یقینی طور پر پتہ ہی نہیں ہے کہ ماقبل میں یہ پہلے داخل ہے یا پہلے داخل نہیں، تو لہٰذا پھر اس کو « غَيْرُ » کے معنی میں لینا پڑتا ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ اس کے اندر بھی « إِلَّا » سے پہلے کیا ہے؟ جمعِ منکّر ہے، اور جمعِ منکّر جو ہے اس کے اندر اتنا عموم نہیں ہوتا کہ اس سے استثناء کیا جا سکے، یعنی نہ وہاں پر مستثنیٰ متصل بنا سکتے ہیں اور نہ وہاں پر مستثنیٰ منقطع بنا سکتے ہیں، تو لہٰذا مجبوراً جب « إِلَّا » کو استثناء کے لیے ہم لے ہی نہیں سکتے تو اب اس کو کس معنی میں لینا پڑے گا؟ « غَيْرُ » کے معنی میں لینا پڑے گا بھائی، کہ ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ﴾ اگر اس زمین اور آسمان میں کچھ معبود ہوتے « إِلَّا اللَّهُ » أَيْ « غَيْرُ اللَّهِ »، « إِلَّا اللَّهُ » أَيْ « غَيْرُ اللَّهِ » اللہ کے علاوہ، « لَفَسَدَتَا » تو اس زمین اور آسمان کا نظام فاسد ہو جاتا۔

تو معلوم ہوا اس کے اندر جو یہاں پر « إِلَّا » کو ہم استثناء کے لیے نہیں لے سکتے اور مانع وہ لفظی ہے، لفظ ہے، مانع کیا چیز ہے؟ لفظ، کون سا لفظ؟ « آلِهَةٌ » کا لفظ، یعنی یوں کہیں یہاں پر کیا سبب ہے کہ « إِلَّا » کو آپ استثناء کے لیے نہیں لے سکتے؟ آپ کہیں گے یہاں مانع لفظی ہے، مانع کیا ہے؟ لفظی ہے۔ کس قسم کا مانع ہے؟ لفظی مانع ہے۔ لفظی مانع ہے، یعنی یہ لفظ ہے « آلِهَةٌ » کا لفظ ہے یہ جو جمعِ منکّر ہے، یہ « إِلَّا » کو استثناء کے لیے لینے نہیں دے رہا بلکہ اس کو کس معنی میں کرنا پڑے گا؟ « غَيْرُ » کے معنی میں کرنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو مانع یہاں پر کس قسم کا ہے؟ لفظی ہے بھائی، لفظی ہے۔

اور جبکہ « لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ »، « لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ » کے اندر بھی « إِلَّا » کو استثناء کے لیے نہیں لیں گے بلکہ « غَيْرُ » کے معنی میں لیں گے۔ بھائی اس کی کیا وجہ؟ یہاں تو ماقبل میں جمعِ منکّر نہیں ہے، یہاں تو « إِلٰهٌ » مفرد ہے، تو جواب یہ کہ یہاں نہ مستثنیٰ متصل ہم بنا سکتے ہیں نہ مستثنیٰ منقطع بنا سکتے ہیں؛ کیونکہ دونوں صورتیں توحید کے خلاف ہیں، حالانکہ یہ تو کلمۂ توحید ہے، یہ تو توحید کا فائدہ دیتا ہے، یہاں ادنیٰ سے ادنیٰ معمولی سے معمولی درجے کے اندر بھی خلافِ توحید بات نہیں ہے، خلافِ توحید بات نہیں، تو اگر ہم اس کو استثناء کے لیے بنالیں گے تو توحید پورے طور پر نہ آئے گی حالانکہ یہ تو کلمہ کس قسم کا فائدہ دے رہا ہے؟ پورے طور پر توحید کا فائدہ دے رہا ہے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔ تو لہٰذا یہاں « إِلَّا » کو استثناء کے لیے نہیں بنا سکتے؛ کیونکہ استثناء کے لیے بنائیں گے تو دو ہی صورتیں ہیں: یا مستثنیٰ متصل بنائیں گے یا مستثنیٰ منقطع۔

مستثنیٰ متصل اگر بنائیں تو مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں کہ جس میں مستثنیٰ ماقبل میں پہلے داخل تھا اور پھر « إِلَّا » کے ذریعے کیا کر لیا گیا؟ نکال لیا گیا، تو معلوم ہوا ماقبل میں ایسے معبودوں کا ذکر ہو گا جن میں پہلے اللہ کی ذات داخل ہو اور پھر ان معبودوں کی کیا کر دی جائے؟ نفی کر دی جائے، اور اللہ معبودِ حقیقی ہے، تو ماقبل میں یقیناً ایسے معبودوں کی نفی ہو رہی ہے جو کس قسم کے معبود ہوں گے؟ وہ بھی معبودانِ حقیقی ہوں گے، تبھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ مابعد جو ہے یعنی اللہ کی ذات ان میں داخل ہے اور پھر « إِلَّا » کے ذریعے کیا کیا گیا؟ استثناء کیا گیا۔ تو گویا اگرچہ یہ کہا جا رہا ہے « لَا إِلٰهَ » کوئی معبودِ حقیقی نہیں « إِلَّا اللَّهُ » سوائے اللہ کے، تو ماقبل میں معبودانِ حقیقی کی نفی ہو رہی ہے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبودِ حقیقی نہیں، اور استثناء آپ کون سا بنانا چاہتے ہیں؟ متصل۔ بات یہ چل رہی ہے نا کہ یہ « إِلَّا » کو استثناء کے لیے بنا ہی نہیں سکتے، نہ متصل کے لیے نہ منقطع۔ متصل کے لیے نہیں بنا سکتے اس کی کیا وجہ؟ منقطع کے لیے بھی نہیں بنا سکتے اس کی کیا وجہ؟ میں وہ بیان کر رہا ہوں، تو یہاں ہم یہاں « إِلَّا » کو مستثنیٰ متصل کے لیے، « إِلَّا » کو استثنائیِ متصل کے لیے نہیں بنا سکتے۔ کیوں نہیں بنا سکتے؟ کیونکہ یہ معنی توحید کے خلاف ہو گا۔ نیز اسی طرح « إِلَّا » کو استثنائیِ منقطع کے لیے بھی نہیں بنا سکتے؛ کیونکہ یہ بھی کس کے خلاف ہو گا؟ توحید کے خلاف۔ اب بیان میں یہ کر رہا ہوں کہ یہ استثنائیِ متصل بنائیں تو یہ کس طرح توحید کے خلاف ہوتا ہے؟ دیکھیے اس میں استثنائیِ متصل کسے کہتے ہیں جس میں مستثنیٰ ماقبل میں پہلے داخل ہو اور پھر کیا کیا جائے اس سے؟ نکالا جائے۔ تو اللہ کی ذات کس میں داخل ہو سکتی ہے؟ معبودانِ باطلہ میں یا معبودانِ حقیقیہ میں؟ ظاہر سی بات ہے اللہ کی ذات

معبودِ حقیقی ہے تو وہ کس میں داخل ہے؟ معبودانِ حقیقی ہی میں داخل ہو سکتی ہے، لہٰذا معلوم ہوا ما قبل میں جن معبودوں کی نفی ہو رہی ہے کہ کوئی معبود نہیں، یہ کون سے معبودوں کی نفی ہو رہی ہے؟ معبودانِ حقیقی کی، کوئی معبودِ حقیقی نہیں سوائے کس کے؟ اللہ کے، اور آپ کون سا استثناء بنانا چاہتے ہیں؟ مستثنیٰ متصل، تو معلوم ہوا ما قبل میں پہلے اللہ کی ذات ان میں داخل اور پھر « إِلَّا » کے ذریعے کیا کیا گیا؟ نکالا گیا، تو ما قبل میں کیا ہو رہی ہے؟ اس وقت معبودان تمام معبودانِ حقیقی کی نفی ہو رہی ہے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ اس وقت تمام معبودانِ حقیقی کی نفی ہو رہی ہے سوائے کس کے؟ اللہ کے، لیکن آپ بنانا کیا چاہتے ہیں؟ مستثنیٰ متصل، مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں کہ پہلے داخل ہو اور پھر « إِلَّا » کے ذریعے نکالا جائے، تو لہٰذا پہلے ایک لمحے کے لیے آپ کو ماننا پڑے گا کچھ اور معبودانِ حقیقی تھے، کچھ اور معبودانِ حقیقی ہیں اور ان میں اللہ کی ذات بھی شامل ہے، اور پھر آپ ان ساروں کی نفی کرتے ہیں اور اللہ کی ذات کا کیا کرتے ہیں؟ استثناء۔ تو ایک لمحے کے لیے داخل ماننا پڑے گا یا نہیں؟ اس کے بعد آپ کہیں گے « لَا إِلٰهَ » کوئی معبودِ حقیقی نہیں، اور استثناء کون سا لے رہے ہیں؟ متصل، متصل کسے کہتے ہیں جو پہلے داخل ہو اور پھر اس کا استثناء کیا جائے، تو پہلے داخل فرض کرنا پڑے گا یا نہیں؟ جی، تو ایک لمحے کے لیے فرض کرنا پڑے گا معبودانِ حقیقی اور ان کے اندر کون شامل؟ اللہ کی ذات بھی شامل، تو معبودانِ حقیقی تو آپ نے ایک لمحے کے لیے مان لیے، اگرچہ بطورِ فرض ہی کے ماننا پڑے، بعد میں تو آپ نے نفی کر دی کوئی بھی نہیں اور پھر اللہ کی ذات کا کیا کیا؟ استثناء، لیکن اس نفی سے پہلے کیا ماننا پڑا؟ معبودان کو ایک لمحے کے لیے فرض کرنا پڑا یا نہیں کرنا پڑا؟ کیونکہ متصل بنا رہے ہیں، متصل کہتے ہی اس کو ہیں جو پہلے داخل ہو اور پھر کیا کیا جائے؟ نکالا جائے۔ تو پہلے اللہ کی ذات کو اور معبودان میں داخل کریں گے پھر اس کے بعد کیا کریں گے؟ استثناء کریں گے تبھی مستثنیٰ متصل بن سکتا ہے ورنہ تو اور کوئی صورت نہیں، تو جب اور معبودان کو مانیں گے اگرچہ بطورِ فرض کے ایک لمحے کے لیے ہی ماننا پڑا تو توحید کے خلاف بات ہو گئی۔ اگرچہ اگلے ہی لمحے میں آپ نے کہہ دیا « لَا إِلٰهَ » کوئی معبودِ حقیقی نہیں، لیکن پہلے ان میں پہلے اللہ کی ذات کو داخل کرنے کے لیے ان کو ایک لمحے کے لیے ماننا پڑا اور یہ بات کیا ہو گئی؟ توحید کے خلاف ہو گئی، بات سمجھ میں آ گئی؟

تو معلوم ہوا یہاں « إِلَّا » کو استثنائیِ متصل کے لیے نہیں بنا سکتے، اور اس صورت میں ما قبل میں جن معبودان کی نفی ہو رہی ہے وہ کون سے معبود ماننا پڑیں گے؟ معبودانِ حقیقی، اور معبودانِ حقیقی تو استثناء متصل ہو گا، اللہ کی ذات کو داخل ماننا پڑے گا، چاہے ایک لمحے کے لیے فرض کرتے ہوئے جیسے ہی مانیں گے فوراً یہ بات کیا ہو جائے گی؟ توحید کے خلاف ہو جائے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور نیز اسی طرح یہ « لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ » میں ما قبل یہاں « إِلَّا » کو مستثنیٰ منقطع کے لیے بھی نہیں بنا سکتے؛ اس لیے کیونکہ مستثنیٰ منقطع کسے کہتے ہیں جو پہلے داخل نہ ہو، اور اللہ کی ذات تو ہے معبودِ حقیقی اور ما قبل میں بھی معبودوں کی نفی ہو رہی ہے، تو معلوم ہوا ما قبل میں کون سے معبودوں کی نفی ہو رہی ہے کہ اللہ کی ذات ان میں داخل نہ ہو؟ وہ یقیناً معبودانِ باطلہ ہیں، کون ہیں؟ معبودانِ باطلہ، تو اللہ کی ذات تو معبودِ حقیقی، ظاہر سی بات ہے وہ معبودانِ باطلہ میں داخل نہیں، تو لہٰذا « لَا إِلٰهَ » سے کون سے معبودوں کی نفی ہوئی؟ معبودانِ باطلہ کی، تو ٹھیک ہے یہ مستثنیٰ منقطع بن گیا، لیکن یہ معنی بھی توحید کے خلاف ہو گیا، کس طرح؟ کہ معنی یہ ہوا کوئی معبودِ باطل نہیں مگر اللہ معبودِ حقیقی ہے، تو نفی صرف کس کی ہوئی؟ معبودانِ باطلہ کی نفی ہوئی، معبودانِ حقیقیہ ہو سکتا ہے موجود ہوں، ان کی تو کوئی نفی نہ ہوئی، تو معبودانِ باطلہ کی نفی ہوئی معبودانِ حقیقیہ کی تو نفی نہ ہوئی، تو گویا اس کا تو معنی یہ ہوا کہ اس کلمے میں صرف اتنا کہا جا رہا ہے کہ معبودانِ باطلہ نہیں ہیں، یہ تو نہیں کہا جا رہا معبودانِ حقیقیہ نہیں ہیں۔ توجہ ہے؟ میں وہ معنی بیان کر رہا ہوں جو لیا جائے تو توحید کے خلاف بات چلی جاتی ہے، وہ بیان کر رہا ہوں کس طرح توحید کے خلاف جاتی ہے کہ « لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ » میں « إِلَّا » کو اگر کس لیے بنائیں؟ مستثنیٰ منقطع کے لیے بنائیں، تو معلوم ہوا ما قبل میں جو کہا گیا کوئی معبود نہیں، اس سے کون سے معبودوں کی نفی ہے؟ معبودانِ باطلہ کی، تو گویا صرف معبودانِ باطلہ کی نفی ہوئی، معبودانِ حقیقیہ کی نفی تو نہ ہوئی حالانکہ مقصد کیا ہے کہ کوئی معبود کوئی معبودِ حقیقی اللہ کے علاوہ نہیں ہے، تو معبودانِ حقیقیہ تو پھر ان کی تو نفی ہوتی ہی نہیں حالانکہ وہ نفی بھی تو چاہیے کہ اللہ کے علاوہ کسی قسم کا کوئی معبود نہیں ہے بھائی، تو پھر ہی پورے طور پر توحید آئے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

خلاصۂ کلام کیا ہوا کہ استثنائیِ متصل بنائیں « إِلَّا » کو کس لیے بنائیں؟ « إِلَّا » کو بنائیں استثنائیِ متصل کے لیے، تو اس صورت میں ما قبل میں معبودانِ حقیقیہ کی نفی ہوئی اور معنی یہ ہوا: اللہ کے علاوہ اور کوئی معبودِ حقیقی نہیں۔ بظاہر معنی صحیح لگتا ہے لیکن ذرا گہرائی میں جائیں تو دیکھیں گے یہ معنی توحید کے خلاف جا رہا ہے، پورے طور پر یہاں توحید نہیں ہے، کس طرح توحید نہیں ہے؟ کیونکہ آپ اس کو بنا رہے ہیں مستثنیٰ متصل، اور مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں جس میں مستثنیٰ پہلے ما قبل میں داخل ہو اور پھر بعد میں اس کا کیا کیا جائے؟ استثناء۔ تو معلوم ہوا ما قبل میں آپ کو ایک لمحے کے لیے معبودانِ حقیقیہ کو ماننا پڑے گا کہ ان میں اللہ کی ذات بھی شامل اور پھر ان سب کی نفی کرتے ہوئے اللہ کی ذات کا استثناء کریں گے، تو ایک لمحے کے لیے بطورِ فرض کے بھی جب ماننا پڑا تو توحید کے خلاف ہو گیا معنی، بات سمجھ میں آ گئی؟ اور اگر اس کو استثنائیِ منقطع کے لیے بنائیں تو اس صورت میں تو ما قبل میں معبودانِ باطلہ کی نفی ہوئی، معبودانِ حقیقیہ کی نفی تو نہ ہوئی حالانکہ معبودانِ حقیقیہ کی نفی کی بھی ضرورت ہے پھر ہی توحید حاصل ہو گی اس کے بغیر تو توحید حاصل نہیں ہوتی۔

کہ دو مثالیں ذکر کیں: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾، اور ایک « لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ »، دونوں کے اندر « إِلَّا » آیا اور یہ دونوں میں « إِلَّا » کو استثناء کے لیے دونوں میں « إِلَّا » جو ہے استثناء کے لیے نہیں ہے بلکہ « غَيْرُ » کے معنی میں ہے؛ کیونکہ دونوں میں مانع موجود ہے، « إِلَّا » کو ہم استثناء کے لیے نہیں بنا سکتے۔ پہلے میں مانع کیا ہے؟ لفظی، اور دوسرے میں مانع معنوی ہے کہ معنی صحیح نہیں رہتا، توحید پورے طور پر نہیں آتی اگر آپ « إِلَّا » کو استثناء کے لیے بنائیں۔ تو دونوں میں مانع ہے، کس چیز سے؟ « إِلَّا » کو استثناء کے لیے لینے سے۔ دونوں میں ہم نے « إِلَّا » کو استثناء کے لیے لیا ہے یا صفت کے لیے لیا؟ صفت، تو دونوں میں « إِلَّا » کو استثناء کے لیے نہیں لے سکتے، مانع موجود ہے۔ تو پہلے میں جو مانع موجود ہے وہ لفظی ہے کہ ما قبل میں کون سا لفظ ہے؟ جمعِ منکّر، اور دوسرے میں مانع کیا چیز ہے، « إِلَّا » کو استثناء کے لیے کیوں نہیں لے سکتے؟ ہاں، مانع معنوی چیز ہے یعنی معنی ہے، کہ میں خرابی آتی ہے، اور کیا خرابی آتی ہے کہ اگر « إِلَّا » کو استثناء کے لیے لیں تو پھر پورے طور پر یہاں توحید حاصل نہیں ہوتی حالانکہ یہ تو کلمۂ توحید ہے، یہ تو پورے طور پر توحید کا فائدہ دے رہا ہے، یہاں کسی بھی درجے میں غیر توحید نہیں، توحید کے خلاف نہیں بھائی، شرکت نہیں بھائی۔

چلیے، بس بھائی، هذا هو المرام، والله أعلم بحقيقة الكلام۔

سبق نمبر ۶۷: فصل خبر کان وأخواتھا اور فصل اسم إنّ وأخواتھا (تقدیم و تاخیر اور عطف کے مسائل)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۴۶—بتاریخ: ۲۲ مارچ ۲۰۱۵ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: خَبَرُ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُولِهَا نَحْوُ كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا، وَحُكْمُهُ كَحُكْمِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ إِلَّا أَنَّهُ يَجُوزُ تَقْدِيمُهُ عَلَى أَسْمَائِهَا مَعَ كَوْنِهِ مَعْرِفَةً بِخِلَافِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ، نَحْوُ: كَانَ الْقَائِمَ زَيْدٌ.

منصوبات کا بیان چل رہا ہے بھئی۔ اور صاحبِ ہدایۃ النحو نے آپ کو بتلایا تھا کہ منصوبات جو ہیں وہ بارہ ہیں بھئی بارہ۔ اور ان بارہ میں سے مفعولِ مطلق، مفعول بہ، مفعول فیہ، مفعول لہٗ، مفعول معہٗ، حال، تمیز اور مستثنیٰ جو ہے یہ ہم پڑھ چکے ہیں بھئی، آٹھ منصوبات پڑھ چکے ہیں۔ آج ہم منصوبات میں سے نواں منصوب پڑھیں گے، یعنی جس پر نصب آتا ہے بھئی۔

بات سمجھ میں آرہی ہے بھئی؟ کچھ آپ کو چیزیں مرفوعات بتلائی تھیں کہ جیسے مبتدا ہے، خبر ہے، فاعل ہے، نائب فاعل ہے وغیرہ۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب انہوں نے آپ کو یہ بتلا دیا یہ چیزیں مرفوع ہیں، تو جیسے ہی آپ کو عبارت میں پتہ چل جائے کہ ان میں سے کوئی یہ لفظ یہ بن رہا ہے تو اس پر رفع پڑھیے گا۔ مثلاً جیسے ہی پتہ چلے آپ کو کسی لفظ کے بارے میں کہ یہ مبتدا ہے تو دوسری فوراً دوسری بات کا بھی آپ کو پتہ چل جانا چاہیے کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے، رفع پڑھنا ہے۔

اور اسی طرح یہ جو منصوبات آپ کو بتلا رہے ہیں، یہ جیسے ہی آپ کو پتہ چلے کہ ان میں سے کوئی لفظ یہ بن رہا ہے تو فوراً آپ سمجھ جائیں کہ اب اس پر کیا پڑھنا ہے؟ نصب پڑھنا ہے۔ مثلاً آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ مفعولِ مطلق ہے، یا آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ حال ہے، یا آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ مفعول بہ ہے، تو ساتھ ہی ایک دوسری بات کا بھی پتہ چل جاتا ہے کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ نصب پڑھنا ہے۔ اور اسی طرح آگے مجرورات آئیں گے تو ان پر جر پڑھیں گے بھئی۔

تو مرفوعات پر ہمیشہ کیا آئے گا؟ رفع۔ منصوبات پر ہمیشہ؟ نصب۔ اور مجرورات پر ہمیشہ؟ جر۔ لیکن ان رفع، نصب اور جر کی صورتیں الگ الگ ہیں۔ کبھی رفع جو ہوتا ہے رفع، وہ محلاً آتا ہے، اور وہ کس میں آتا ہے؟ مبنی میں۔ اور اسی طرح نصب بھی کبھی کیا ہوتا ہے؟ محلاً، وہ بھی مبنی میں۔ اور اسی طرح جر بھی کبھی کیا ہوگا؟ محلاً۔ تو رفع، نصب اور جر یہ تینوں محلاً آتے ہیں کس کے اندر؟ مبنی کے اندر۔ جبکہ معرب میں جو ہے یہ اعراب لفظاً بھی آسکتے ہیں اور تقدیراً بھی آسکتے ہیں۔ تو لفظاً کہاں آئے گا اور تقدیراً کہاں آئے گا رفع، نصب اور جر؟ تو وہ سولہ قسمیں جو نحو میر میں آپ نے پڑھی تھیں یا جو اسی ہدایۃ النحو کے اندر جو نو قسمیں بتا دیں اعراب کے اعتبار سے، وہ آپ کے ذہن میں ہوں تو پھر آپ کو اس پہ پتہ چل جائے گا کہ کہاں رفع لفظاً آئے گا، کہاں رفع تقدیراً آئے گا۔ اسی طرح نصب بھی اور جر بھی، کہاں لفظاً آئیں گے اور کہاں تقدیراً۔

پھر رفع جب لفظاً ہو، رفع، تو اس کی بھی کئی صورتیں ہیں۔ کبھی رفع لفظاً ہو گا پیش کی صورت میں آئے گا: زَیْدٌ۔ پیش اور تنوین بھئی۔ اور کبھی یہی رفع الف کی صورت میں آئے گا جو تثنیہ میں ہے: رَجُلَانِ، یہ الف کیا ہے؟ رفع ہے۔ اور کبھی یہی رفع واؤ کی صورت میں آئے گا: مُسْلِمُونَ، یہ واؤ کیا ہے؟ رفع ہے بھئی۔

اور اسی طرح نصب کی بھی مختلف صورتیں، نصب جو لفظاً ہے جس پہ تلفظ ہوتا ہے، کبھی وہ نصب زبر کی صورت میں آئے گا، جیسے: زَیْدًا، دیکھو نصب ہے اور تنوین ہے بھئی۔ تو فتحہ اور تنوین کے ساتھ آئے گا۔ اور کبھی یہی نصب یاء کی صورت میں آئے گا، جیسے: رَجُلَیْنِ، اور جیسے: مُسْلِمِینَ، تثنیہ میں بھی اور جمع مذکر سالم میں بھی۔ اور کبھی یہی نصب کسرہ کی صورت میں بھی آتا ہے۔ ہوتا نصب ہی ہے لیکن صورت کس کی ہوتی ہے؟ کسرہ کی۔ اور وہ کس میں ہے؟ جمع مؤنث سالم: مُسْلِمَاتٌ، مُسْلِمَاتٍ۔ دیکھیے: جَاءَنِي مُسْلِمَاتٌ، ٹھیک ہے رفع تو پیش کے ساتھ آرہا ہے، لیکن نصب: رَأَیْتُ مُسْلِمَاتٍ۔ رَأَیْتُ یہ فعل بافاعل، اور آگے مُسْلِمَاتٍ ہے مفعول بہ، لیکن اس پر آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ کسرہ: رَأَیْتُ مُسْلِمَاتٍ۔ جر نہ کہنا، جر نہیں پڑھ رہے، یہ منصوب ہے، مجرور نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ منصوب ہے۔ ہاں اس نصب کی شکل ہی کیا ہے، یہ آتا ہی کس صورت میں ہے؟ کسرہ۔ تو یہ جمع مؤنث سالم کا نصب آتا ہی کس صورت میں ہے؟ کسرہ کی صورت میں آتا ہے۔ لہٰذا آپ سے کوئی پوچھے: رَأَیْتُ مُسْلِمَاتٍ، یہ مُسْلِمَاتٍ اس کا اعراب کیا ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ منصوب لفظاً ہے، منصوب لفظاً۔ وہ فوراً کہے گا بھئی اس پر تو آپ جر پڑھ رہے ہیں، آپ کہیے نہیں نہیں یہ جر نہیں ہے، یہ نصب ہی ہے البتہ نصب اس کا آتا ہی کس شکل میں ہے؟ کسرہ کی صورت میں آتا ہے۔

اسی طرح جر جو ہے، جر بھی کبھی کبھار کسرہ کی صورت میں جر ہوتا ہے: مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، یہ دیکھو زَیْدٍ کے نیچے کیا ہے؟ کسرہ ہے تنوین کے ساتھ۔ اور کبھی جر یاء کی صورت میں آتا ہے: رَجُلَیْنِ، مُسْلِمِینَ، یہ جر کیا ہے؟ یاء کی صورت میں ہے۔ اور کبھی یہی جر فتحہ کی صورت میں آتا ہے، کس صورت میں؟ فتحہ کی صورت میں، اور وہ غیر منصرف میں ہے کیونکہ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے: جَاءَنِي أَحْمَدُ، رَأَیْتُ أَحْمَدَ، مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ۔ تو آپ نے پڑھا مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ، آپ سے کوئی پوچھے یہ أَحْمَدَ کا اعراب کیا ہے؟ آپ کہیں گے یہ مجرور ہے لفظاً۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر باء جارہ داخل ہو رہی ہے اور باء جارہ کیا کرتی ہے؟ جر۔ معلوم ہوا یہ أَحْمَدَ کا لفظ مجرور ہے۔ کوئی آپ پر اشکال کر دیتا ہے کہ بھئی أَحْمَدَ اس پر تو آپ نصب پڑھ رہے ہیں یہ تو منصوب ہے، آپ فوراً کہیں گے نہیں نہیں یہ منصوب نہیں ہے، اس پر باء جارہ داخل ہے یہ مجرور ہے، ہاں اس کا جر آتا ہی فتحہ کی صورت میں ہے۔ کس صورت میں؟ فتحہ کی صورت فتحہ والی ہے لیکن ہے مجرور۔ اور کون سا مجرور ہے؟ لفظاً، باقاعدہ اس فتحہ پر ہم تلفظ کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے؟ تو یہ مجرور لفظاً ہے، جیسے مُسْلِمَاتٍ: رَأَیْتُ مُسْلِمَاتٍ، یہ مُسْلِمَاتٍ منصوب ہے اور کون سا منصوب ہے؟ لفظاً، کیونکہ تلفظ کر رہے ہیں ہم اس پر باقاعدہ، وہ جو کسرہ ہے اس پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ۔ وہ کسرہ صورت کسرہ جیسی ہے دراصل کیا ہے وہ؟ نصب، وہ نصب کی صورت ہی یہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو یہ منصوبات اب چل رہے ہیں۔ تو منصوبات میں سے نواں منصوب آج ہم پڑھیں گے اور وہ ہے كَانَ اور اس کے اخوات کی جو خبر ہے۔

مرفوعات میں انہوں نے آپ کو بتلایا تھا، کیا بتلایا تھا؟ کہ كَانَ، توجہ ہے سبق کی طرف؟ كَانَ ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر۔ كَانَ کیا ہے؟ افعالِ ناقصہ میں سے۔ کس میں سے؟ افعالِ ناقصہ۔ یہ ایک اسم چاہتا ہے، ایک خبر۔ اسم کو یہ دیتا ہے رفع اور خبر کو دیتا ہے یہ نصب۔ یہ كَانَ کس میں سے ہے؟ افعالِ ناقصہ، دیکھو یہ فعل ہے، یہ کیا ہے؟ فعل ہے۔ لہٰذا یہ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ بنے گا، جملہ اسمیہ نہیں کیونکہ كَانَ کیا ہے؟ فعلِ ناقص ہے، فعل ہے نا تو جب فعل شروع میں آجائے اس جملے کو کیا کہتے ہیں؟ جملہ فعلیہ۔ تو یہ جملہ فعلیہ بنے گا۔ اور یہ ایک اسم کو رفع دیتا ہے اور ایک اسم کو نصب دیتا ہے۔ رفع کس کو دیتا ہے؟ اپنے اسم کو، اور نصب کسے دیتا ہے؟ اپنی خبر کو، اپنی خبر کو۔

تو مرفوعات میں انہوں نے آپ کو بتلایا تھا كَانَ کا اسم بھی مرفوع ہوتا ہے۔ جیسے ہی آپ کو عبارت میں پتہ چلے کسی لفظ کے بارے میں کہ یہ كَانَ کا اسم ہے، ساتھ ہی دوسری بات بھی پتہ چل گئی کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع۔ اور اب آپ کو بتلا رہے ہیں منصوبات کے اندر كَانَ کی خبر، كَانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے۔ تو جیسے ہی کسی لفظ کے بارے میں آپ کو عبارت میں پتہ چل جائے کہ یہ كَانَ کی خبر ہے، فوراً ہی دوسری بات بھی آپ سمجھ گئے کہ اس پر کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ نصب پڑھنا ہے۔ ہاں نصب وہ محلاً بھی ہو سکتا ہے، لفظاً بھی ہو سکتا ہے اور تقدیراً بھی۔ محلاً کس میں ہو گا؟ مبنی میں۔ اور لفظاً اور تقدیراً کس میں؟ معرب میں۔ تو پھر کس پر اگر مبنی ہے تو محلاً بتا دیں، معرب ہے تو پھر دیکھیں کہ لفظاً ہے یا تقدیراً، وہ سولہ قسموں میں آپ غور کر لیں کون سی قسم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو فَصْلٌ: أَيْ هٰذَا فَصْلٌ، یہ فصل ہے۔ خَبَرُ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا: كَانَ اور اس کے جو اخوات ہیں، جو اس کے مشابہ کلمات ہیں ان کی خبر، وہ بھی کس میں سے ہے؟ منصوبات میں سے۔ هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُولِهَا: كَانَ کی خبر جو ہوتی ہے وہ مسند ہوتی ہے بَعْدَ دُخُولِهَا أَيْ بَعْدَ دُخُولِ كَانَ، کس کے داخل ہونے کے بعد؟ كَانَ کے داخل ہونے کے بعد۔ بھئی آپ نے پڑھا تھا کہ إِنَّ، أَنَّ وغیرہ یہ حروفِ مشبہ بالفعل یہ بھی مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، اسی پر کیا آگیا؟ إِنَّ۔ اب کیسے پڑھیں گے؟ إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ إِنَّ کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع دیتا ہے۔ اور كَانَ بھی، یہ بھی کس پر داخل ہوتے ہیں؟ مبتدا اور خبر پر۔ تو زَيْدٌ قَائِمٌ اسی پر كَانَ لے آئیں، کیسے پڑھیں گے؟ كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا۔ یہ إِنَّ کے برعکس عمل کرتا ہے، یہ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور اپنی خبر کو نصب دیتا ہے۔ تو لہٰذا اس کی خبر، اس کی خبر کس کی؟ كَانَ کی خبر، وہ تو پہلے بھی مسند تھی۔ زَيْدٌ قَائِمٌ تھا نا پہلے، پھر اس پر کیا آیا؟ كَانَ۔ تو زَيْدٌ قَائِمٌ کے اندر زَيْدٌ ہے مبتدا اور قَائِمٌ ہے خبر۔ مبتدا کا دوسرا نام کیا؟ مسند الیہ، اور خبر کا دوسرا نام کیا؟ مسند بہ۔ تو زَيْدٌ تو پہلے بھی مسند الیہ تھا اور قَائِمٌ تو پہلے بھی مسند بہ تھا۔ اب یہ کہہ رہے ہیں كَانَ جب آجائے گا تو یہ جو قَائِمٌ ہے یہ اب مسند بہ ہو گا۔ قَائِمٌ کیا ہو گا؟ مسند بہ۔ سوال پیدا ہوا، جو یہ پہلے بھی میں یہ اشکال ذکر کر چکا ہوں کہ یہ قَائِمٌ تو پہلے بھی تو مسند بہ تھا كَانَ کے آنے سے پہلے بھی مسند، تو یہ کیا معنی ہوا كَانَ کے آنے کے بعد یہ مسند بہ ہو گا؟ جواب یاد ہے یا بھول گئے؟ جواب یہ کہ بھئی وہ اسناد چلا گیا، یہ نیا اسناد آگیا۔ پہلے بھی ٹھیک ہے مسند بہ تھا، اب بھی کیا ہے؟ مسند بہ، لیکن وہ اسناد چلا گیا یہ نیا اسناد آگیا۔ جب نیا اسناد آیا تو اس لیے ہم اب ہم نے آپ کو بتایا کہ اب بھی یہ کیا ہے؟ مسند بہ ہی ہے۔ یہ معنی ہے، کہتے ہیں: هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُولِهَا کہ كَانَ کی جو خبر ہے وہ مسند ہوتی ہے كَانَ کے داخل ہونے کے بعد، نَحْوُ كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا جیسے كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا۔

■ عبارات و امثلہ کی عملی نحوی ترکیب

ترکیب کیجیے بھئی: كَانَ فعل از افعالِ ناقصہ، زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا اسم، مبتدا نہیں اب یہ كَانَ کا اسم بن گیا، پہلے مبتدا تھا، تو زَيْدٌ مرفوع لفظاً كَانَ کا اسم۔ سوال: مرفوع کیوں؟ کیونکہ كَانَ کا اسم ہے اور ہم نے پڑھا ہے كَانَ کا اسم کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: زَيْدٌ، دیکھا۔ آگے قَائِمًا، پوری ترکیب کریں: ہاں قَائِمًا منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ منصوب کیوں؟ ہاں شاباش یہ كَانَ کی خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھائیے: قَائِمًا، جی۔ تو منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ آگے: هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ كَانَ کے اسم، كَانَ کی خبر کو كَانَ کے اسم سے جوڑتے ہیں، كَانَ سے نہیں بلکہ کس سے؟ كَانَ کے اسم سے جوڑتے ہیں۔ قائم کون ہے؟ زید قائم ہے کہ كَانَ قائم ہے؟ زید قائم ہے، تو جو قائم ہے اسی کو ضمیر لوٹے گی۔ تو قَائِمًا کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید یعنی كَانَ کے اسم کو۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو هُوَ ضمیر کا اعراب کیا بتایا؟ مرفوع محلاً۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ محلاً کیوں کہا؟ کیونکہ ضمیر ہے۔ اور آپ نے یہ بھی بتایئے ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید، تو دیکھا آپ نے عائد بھی بتلا دیا کیونکہ جملہ اور شبہ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑا جائے درمیان میں کیا ضروری؟ ربط ضروری تو یہ عائد آگیا بھئی۔ تو اس میں فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر كَانَ کی خبر۔ كَانَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، کیونکہ كَانَ کیا ہے؟ فعل، تو کون سا جملہ بنے گا؟ جملہ فعلیہ خبریہ ہو گا۔ اب روانی سے پڑھ دیجیے: كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا، دیکھا۔ ترجمہ کیجیے: زید کھڑا تھا۔ زَيْدٌ قَائِمٌ اس کا معنی ہے زید کھڑا ہے، اور كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا اس کا معنی ہے زید کھڑا تھا۔

تو کہتے ہیں: وَحُكْمُهُ كَحُكْمِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ إِلَّا أَنَّهُ يَجُوزُ تَقْدِيمُهُ عَلَى أَسْمَائِهَا مَعَ كَوْنِهِ مَعْرِفَةً بِخِلَافِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ۔ اب یہاں سے آپ کو بتلا رہے ہیں کہ كَانَ کی خبر کا حکم کیا ہے؟ كَانَ کی خبر کا حکم کیا ہے؟ کہتے ہیں بھئی اس کی خبر بالکل اسی طرح ہے جیسے مبتدا کی خبر ہوتی تھی۔ مبتدا کی خبر میں ہم نے جو تفصیلات بیان کی تھیں وہی تھا ساری تفصیلات کس میں جاری ہوں گی؟ كَانَ کی خبر میں۔ لیکن ایک فرق ہے۔ مبتدا کی خبر میں آپ نے پڑھا تھا، مبتدا اور خبر میں آپ نے پڑھا تھا کہ مبتدا میں اصل ہے معرفہ ہونا اور خبر میں اصل ہے نکرہ ہونا۔ لہٰذا آپ کے پاس اگر دو اسم ہوں ایک معرفہ ہو اور ایک نکرہ ہو اور ان سے پورا جملہ بن رہا ہو تو مبتدا ہمیشہ کس کو بناؤ؟ معرفہ کو، اور خبر کس کو بناؤ؟ نکرہ کو بناؤ۔ اور اگر آپ کے پاس دونوں اسم معرفہ ہیں تو پھر کس کو مبتدا بنائیں گے اور کس کو خبر؟ انہوں نے آپ کو بتلایا تھا جب دونوں اسم معرفہ ہوں تو آپ جس کو مرضی مبتدا بنا دیں اور جس کو مرضی خبر، لیکن ایک شرط لگائی تھی: جس کو مبتدا بنانا ہے اس کو پہلے لاؤ اور جس کو خبر بنانا ہے اس کو بعد میں۔ وجہ اس کی یہ کہ مبتدا پر بھی رفع پڑھتے ہیں، خبر پر بھی رفع پڑھتے ہیں، تو اگر آپ خبر کو مقدم کر دیں گے تو سننے والے کو تو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ خبر مقدم ہوئی ہے، وہ تو یہی سمجھے گا یہ جو مقدم ہے یہ ہے مبتدا کیونکہ یہ معرفہ ہے، اور جو بعد میں آرہا ہے وہ بھی معرفہ ہے لیکن وہ کیا ہے؟ خبر ہے۔ تو لہٰذا مبتدا اور خبر میں آپ نے پڑھا تھا کہ مبتدا معرفہ ہوتا ہے اور اس کی خبر بھی اگر کیا ہو؟

معرفہ ہو تو اس خبر کو پھر آپ جس کو مرضی کیا کر دیں؟ مبتدا بنائیں لیکن مبتدا کو مقدم ہی رکھنا ہے اور خبر کو مؤخر ہی رکھنا ہے، اگر آپ ترتیب بدلیں گے تو پھر کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ لیکن كَانَ کے اندر یہ ایسا نہیں ہے۔ كَانَ کی خبر، كَانَ کا اسم تو ہو گا معرفہ کیونکہ وہ مبتدا تھا نا، وہی مبتدا كَانَ کا اسم بن گیا، تو كَانَ کا اسم کیا ہو گا؟ معرفہ۔ اور كَانَ کی خبر اگر معرفہ ہو تو اس کو كَانَ کے اسم پر مقدم کر سکتے ہیں۔ جیسے: زَيْدٌ الْقَائِمُ، زَيْدٌ الْقَائِمُ، ملا کر کیسے پڑھیں گے؟ زَيْدُ نِالْقَائِمُ۔ تو یہ زَيْدٌ ہے مبتدا اور الْقَائِمُ ہے اس کی خبر، زَيْدٌ بھی مرفوع اور الْقَائِمُ بھی مرفوع۔ اسی پر ہم كَانَ لے آتے ہیں: كَانَ زَيْدٌ الْقَائِمَ، اب فرق ہو گیا دونوں میں۔ زید پر ہے رفع کیونکہ كَانَ کا اسم ہے، الْقَائِمَ پر ہے نصب کیونکہ كَانَ کی خبر ہے۔ مبتدا میں کیا تھا؟ اس الْقَائِمَ کو زید پر مقدم نہیں کر سکتے کیونکہ زَيْدٌ بھی مرفوع، الْقَائِمُ بھی تو کیا تھا؟ مرفوع تھا، فرق ہی نہیں ہوتا تھا، لیکن كَانَ کے اندر فرق ہے۔ كَانَ کے اسم پر کیا پڑھتے ہیں؟ رفع: زَيْدٌ، كَانَ زَيْدٌ، تو رفع سنتے ہی پتہ چل گیا یہ كَانَ کا اسم ہے۔ اور الْقَائِمَ پر کیا پڑھ رہے ہیں؟ نصب، تو یہاں ایک فرق کرنے والی چیز موجود ہے۔ اب آپ مقدم مؤخر بھی کر دیں گے کوئی خرابی نہیں آئے گی، سننے والے کو پتہ چل جائے گا۔ آپ الْقَائِمَ کو ذرا مقدم کر دیں اور پڑھیں: كَانَ الْقَائِمَ زَيْدٌ۔ كَانَ الْقَائِمَ، الْقَائِمَ کا نصب سنتے ہی پتہ چل گیا کہ یہ دراصل کیا ہے؟ كَانَ کی خبر ہے، کیونکہ كَانَ کا اسم پر تو رفع آتا ہے اور اس پر تو نصب ہے، معلوم ہوا یہ كَانَ کا اسم نہیں ہے بلکہ كَانَ کی خبر ہے۔ تو لہٰذا كَانَ کی خبر کو كَانَ کے اسم پر مقدم کر سکتے ہیں۔ کیوں مقدم کر سکتے ہیں؟ کیونکہ دونوں میں فرق ہوتا ہے، اعراب کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔ ہاں اگر فرق نہیں ہوتا پھر یہاں بھی جائز نہیں ہو گا، کیونکہ پھر پتہ ہی نہیں چلے گا بھئی۔ جہاں فرق ہو گا وہاں جائز ہے۔ سمجھ میں آئی بات؟ اگر دونوں میں اعراب سے پتہ فرق کا پتہ چل رہا ہے تو پھر كَانَ کی خبر معرفہ ہونے کے باوجود اس کو کیا کر سکتے ہیں؟ كَانَ کے اسم پر مقدم کر سکتے ہیں۔ اگر دونوں میں فرق نہیں ہو رہا تو پھر كَانَ کی خبر جب معرفہ ہو تو پھر اس کو مؤخر ہی رکھیں گے۔ اور اگر كَانَ کا ایک اسم ہے وہ ہے معرفہ اور كَانَ کی خبر ہے نکرہ، کیا ہے؟ اسم تو معرفہ ہے اور خبر کیا ہے؟ نکرہ۔ کیا اب بھی مقدم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کہتے ہیں ہاں بھئی وہ تو مبتدا خبر میں بھی ہم نے آپ کو بتایا تھا کہ خبر کو کیا کر سکتے ہو؟ مبتدا پر مقدم، کیونکہ ایک معرفہ ایک نکرہ ہے۔ سننے سے ہی پتہ چل گیا یہ نکرہ ہے چاہے یہ مقدم ہے چاہے مؤخر ہے اس نے خبر ہی بننا ہے، اور جو معرفہ ہے چاہے وہ مقدم ہے چاہے مؤخر ہے اس نے کیا بننا ہے؟ مبتدا۔ تو دیکھا جب معرفہ اور نکرہ ہوں گے الگ الگ ہوں گے پھر تو فرق ہو جاتا ہے لہٰذا وہاں جائز تھا، وہ یہاں پر بھی جائز ہو گا: كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا، آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: كَانَ قَائِمًا زَيْدٌ، کیونکہ اعراب کا بھی فرق ہے اب اور معرفہ اور نکرہ ہونے سے بھی فرق ہو گیا۔

یہ معنی ہے: وَحُكْمُهُ كَحُكْمِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ اور كَانَ کی خبر کا حکم جو ہے وہ مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے، إِلَّا أَنَّهُ يَجُوزُ تَقْدِيمُهُ عَلَى أَسْمَائِهَا مَعَ كَوْنِهِ مَعْرِفَةً مگر یہ کہ جائز ہے كَانَ کی خبر کو مقدم کرنا عَلَى أَسْمَائِهَا کس پر؟ كَانَ کے اسموں پر، كَانَ کی خبر کو كَانَ کے اسموں پر مقدم کرنا جائز ہے، مَعَ كَوْنِهِ مَعْرِفَةً باوجود اس کے معرفہ ہونے کے، بِخِلَافِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ بخلاف مبتدا کی خبر کے کہ وہ جب معرفہ ہو تو اس کو مبتدا پر مقدم نہیں کر سکتے، نَحْوُ: كَانَ الْقَائِمَ زَيْدٌ۔

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: اِسْمُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ...

فَصْلٌ: اِسْمُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُولِهَا نَحْوُ إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔

منصوبات میں سے دسویں قسم آگئی بھئی، اور وہ إِنَّ اور اس کے جو اخوات، اس کے جو مشابہ کلمات ہیں ان کا اسم۔ إِنَّ کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے: زَيْدٌ قَائِمٌ، توجہ ہے سبق کی طرف؟ اس پر إِنَّ لے آؤ زَيْدٌ قَائِمٌ پر: إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ إِنَّ کا اسم کیا؟ منصوب۔ إِنَّ کی خبر کیا؟ مرفوع۔ ہم کس کے بارے میں پڑھ رہے ہیں؟ منصوبات کے بارے میں یا مرفوعات؟ منصوبات۔ تو کس کو ذکر کریں گے یہاں؟ إِنَّ کے اسم کو، شاباش۔ دیکھیے یہی کہہ رہے ہیں: اِسْمُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا: إِنَّ اور اس کے جو مشابہ کلمات ہیں ان کا اسم۔ هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُولِهَا: ان کا جو اسم ہوتا ہے وہ مسند الیہ ہوتا ہے بَعْدَ دُخُولِهَا ان کلمات کے داخل ہونے کے بعد۔ بھئی سوال پیدا ہوتا ہے کہ إِنَّ تو داخل ہوا زَيْدٌ قَائِمٌ پر، اور زَيْدٌ تو پہلے ہی مسند الیہ تھا، تو اب إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد یہ مسند الیہ ہو گا یہ کہنے کا کیا معنی؟ ابھی میں نے جواب ذکر کیا، کیا؟ کہ وہ پہلا اسناد چلا گیا یہ کیا ہے؟ نیا اسناد ہے، تو لہٰذا یہ اب بھی مسند الیہ ہی ہو گا۔ نَحْوُ إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، چلیے جی ترکیب کیجیے: إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، یوں کہہ لیں یا یوں کہہ لیں: إِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل۔ آگے: زَيْدًا منصوب لفظاً إِنَّ کا اسم۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ إِنَّ کا اسم ہے، شاباش۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، جی۔ آگے: قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔

مرفوع کیوں؟ کیونکہ إنَّ کی خبر ہے، اور إنَّ کی خبر مرفوعات میں سے ہے ہم پڑھ چکے ہیں۔ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ شاباش زید کو، کیونکہ إنَّ کی خبر کو إنَّ کے اسم سے جوڑتے ہیں۔ تو اس میں فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ إنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ یہ إنَّ ناحرف ہے حرف، اور تو اس کے آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جملہ پہلے بھی جملہ اسمیہ تھا اب بھی کیا رہے گا؟ جملہ اسمیہ، کیونکہ إنَّ داخل ہی کس پر ہوتا ہے؟ جملہ اسمیہ پر۔ تو پہلے بھی جملہ اسمیہ تھا، إنَّ کے آنے کے بعد بھی جملہ اسمیہ رہے گا، جبکہ کَانَ؟ کَانَ تو فعل ہے، وہ داخل تو جملہ اسمیہ پر ہوتا ہے لیکن خود تو فعل ہے، شروع میں یہ جب آ گیا تو اب وہ جملہ کون سا بن گیا؟ جملہ فعلیہ۔

▪ متن وفصل: فَصْلٌ: اَلْمَنْصُوبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ هُوَ...

فَصْلٌ: اَلْمَنْصُوبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُولِهَا يَلِيهَا نَكِرَةً مُضَافَةً نَحْوُ لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ أَوْ مُشَابِهًا لَهَا نَحْوُ لَا عِشْرِينَ دِرْهَمًا فِي الْكِيسِ.

گیارھواں منصوب بھئی، منصوبات کل کتنے؟ بارہ۔ بارہ میں سے گیارھویں قسم پڑھ رہے ہیں ہم بھئی۔ تو گیارھویں قسم میں کہتے ہیں کون سی ہے؟ کہتے ہیں: اَلْمَنْصُوبُ وہ جو منصوب ہوتا ہے بِلَا اس لا کی وجہ سے الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ وہ لا جو کس لیے ہو؟ نفی جنس کے لیے ہو۔

جیسے مثلاً میں کہتا ہوں ادھر دیکھیے بھئی: لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ لائے نفی جنس کی خبر مرفوعات میں سے ہے آپ مرفوعات میں پڑھ چکے ہیں۔ مرفوعات کل کتنے؟ آٹھ مرفوعات۔ مرفوعات کل آٹھ، منصوبات کتنے؟ بارہ۔ تو مرفوعات میں سے ایک کیا تھا؟ لائے نفی جنس کی خبر، لائے نفی جنس کی خبر۔ اور لائے نفی جنس میں نے بتلایا تھا یہ لائے نفی جنس، یہ جنس کی نفی کے لیے نہیں آتا بلکہ یہ جنس کی صفت کی نفی کے لیے آتا ہے۔ میں مثلاً میں کہتا ہوں: لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، کیا ترجمہ؟ گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے۔ تو میں نے آدمی کے وجود کی کوئی نفی نہیں کی کہ پوری دنیا میں کوئی انسان ہی نہیں ہے۔ لَا رَجُلَ: کوئی آدمی نہیں ہے، کیا مطلب؟ کیا میں کہنا چاہتا ہوں دنیا میں کوئی مرد ہے ہی نہیں؟ نہیں یہ نہیں کہنا چاہتا، میں کہنا یہ چاہتا ہوں فِي الدَّارِ کوئی رجل نہیں ہے اس وقت، فِي الدَّارِ، یعنی رجل رجل سے فِي الدَّارِ کی صفت کی نفی کر دی۔ گھر کے اندر آدمی گھر کے اندر ہو گا تو اس کی صفت کیا ہو گی؟ وہ فی الدار ہے، وہ کیا ہے؟ فی الدار ہے۔ تو جب میں نے کہا لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ تو میں نے رجل کی نفی کی کہ دنیا میں مرد ہی نہیں ہیں، یا میں نے آدمی سے فی الدار ہونے کی صفت کی نفی کی ہے؟ فی الدار ہونے کی صفت کی نفی کی ہے کہ فی الدار کوئی مرد نہیں ہے، یہ نہیں کہ مرد کوئی موجود ہی نہیں ہیں، مرد تو موجود ہیں لیکن کوئی فی الدار نہیں ہے۔ تو بتائیے یہ لائے نفی جنس، یہ جنس کی نفی کرتا ہے یا جنس سے صفت کی نفی کرتا ہے؟ جنس سے صفت کی نفی کرتا ہے۔ رجل ایک جنس ہے نا، تو یہ رجل کی نفی نہیں کر رہا کہ لَا رَجُلَ کہ دنیا میں کوئی مرد نہیں ہے، نہیں نہیں میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ مرد نہیں ہے، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کوئی مرد فی الدار نہیں ہے، غیر دار میں ہیں لیکن دار میں نہیں ہے، تو میں نے ایک صفت کی اس سے نفی کی ہے خود رجل کی نفی نہیں کی۔ تو معلوم ہوا یہ لائے نفی جنس نام سے تو یوں لگتا ہے شاید یہ جنس کی نفی کے لیے آتا ہے کہ جنس ہی نہیں ہے، لیکن یہ جنس کی نفی نہیں کرتا بلکہ یہ جنس سے صفت کی نفی کرتا ہے، تو یہاں مضاف محذوف ہے: أَيْ لَا لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ، تو یہ صفتِ جنس کی نفی کرتا ہے جنس کی نفی نہیں کرتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: اَلْمَنْصُوبُ وہ جو منصوب ہوتا ہے بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ اس لا کی وجہ سے جو نفی جنس کے لیے ہو بھئی۔

توجہ ہے سبق کی طرف؟ عبارت پہ ذرا نظر رکھیں۔ بات کس کی چل رہی ہے؟ منصوبات کی، منصوبات کی۔ اس سے ماقبل میں کہا تھا إنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے، اس سے ماقبل میں کہا تھا کَانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے، ٹھیک ہے؟ اور یہاں یہ کہنا چاہیے تھا لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے، تو یہاں کہنا چاہیے تھا لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے، کیسے کہنا چاہیے تھا؟ اِسْمُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، یوں کہنا چاہیے تھا نا؟ توجہ ہے؟ لائے نفی جنس کی خبر مرفوعات میں سے ہے آپ پڑھ چکے، تو معلوم ہوا منصوب کون ہوتا ہے؟ لائے نفی جنس کا اسم، وہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ تو کیا کہنا چاہیے تھا؟ اِسْمُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ: لائے نفی جنس کا اسم، لیکن انہوں نے کیا کہا؟ اسم نہیں بلکہ انہوں نے کہا: اَلْمَنْصُوبُ وہ جو منصوب ہوتا ہے کس کی وجہ سے؟ لائے نفی جنس، تو بھئی وہ تو لائے نفی جنس کا اسم ہوتا ہے تو یوں کہنا چاہیے لائے نفی جنس کا اسم وہ بھی منصوبات میں سے ہے۔ تو سوال سمجھ میں آیا کہ اسم کیوں نہیں کہا؟ منصوب کیوں کہا؟ تو جواب یاد رکھنا، وجہ یہ، ابھی آپ کو آگے یہ بتائیں گے کہ لائے نفی جنس جو ہے اس کا اسم وہ ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا۔ لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ

منصوب نہیں ہوتا، وہ مرفوع بھی ہو سکتا ہے، وہ مبنی علی الفتح بھی ہو سکتا ہے، وہ منصوب بھی ہو سکتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ منصوب بھی ہو سکتا ہے، مبنی علی الفتح بھی ہو سکتا ہے، مرفوع بھی ہو سکتا ہے، تو اس میں تینوں صورتیں آتی ہیں۔ تو اگر یوں کہہ دیتے لائے نفی جنس کا اسم تو پھر تو یوں لگتا ہمیشہ ہی اسم کیا ہوتا ہے؟ منصوب، حالانکہ ہمیشہ تو منصوب ہوتا ہی نہیں، تو اسی لیے کہا: اَلْمَنْصُوبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ وہ جو منصوب ہو کس کی وجہ سے؟ لائے نفی جنس کی وجہ سے، وہ بھی منصوبات میں سے ہے، وہ بھی کس میں سے ہے؟ منصوبات میں سے۔

اچھا وہ ہو گا کب؟ وہ آگے آپ کو بتلانے لگے ہیں کہ میں نے تو آپ کو بتا دیا کہ لائے نفی جنس کا اسم کبھی منصوب ہوتا ہے، کبھی مبنی علی الفتح ہوتا ہے، کبھی مرفوع ہوتا ہے، تو منصوب کب ہو گا وہ اب آپ کو آگے بتانے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: اَلْمَنْصُوبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ وہ جو منصوب ہوتا ہے لائے نفی جنس کی وجہ سے هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُولِهَا اور وہ کیا ہوتا ہے؟ وہ لائے نفی جنس وہ جو منصوب جو ہے وہ مسند الیہ ہوتا ہے، کیونکہ اسم ہے نا لائے نفی جنس کا، وہ مسند الیہ ہوتا ہے بَعْدَ دُخُولِهَا کس کے بعد؟ لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد۔ يَلِيهَا اس حال میں کہ وہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہو، وَلِيَ يَلِي کا معنی ہوتا ہے ملا ہونا، يَلِيهَا ملا ہوا ہو وہ، ہَا ضمیر راجع ہے لائے نفی جنس کو، وہ اسم ملا ہوا ہو کس کے ساتھ؟ لائے نفی جنس کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ نَكِرَةً اور اس حال میں کہ کیا ہو؟ نکرہ ہو۔ مُضَافَةً اور کیا ہو؟ مضاف ہو۔ نَحْوُ لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ جیسے لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ، أَوْ مُشَابِهًا لَهَا یا اس مضاف کے مشابہ ہو۔

توجہ ہے سبق کی طرف؟ میں نے آپ کو بتایا، توجہ سے سمجھ لیں اس کو، میں نے آپ کو بتلایا لائے نفی جنس کا اسم منصوب بھی ہو سکتا ہے، مبنی علی الفتح بھی ہو سکتا ہے، اور مرفوع بھی۔ اب یہ آپ کو بتانے لگے ہیں کہ منصوب کب ہو گا، پھر آپ کو بتائیں گے مبنی کب ہو گا، پھر آپ کو بتائیں گے مرفوع کب ہو گا، تو سب سے پہلے منصوب کی بات کر رہے ہیں کیونکہ ہماری بحث منصوبات کی چل رہی ہے، تو یہ اصل مقصد یہ ہے اس کا بیان کرنا۔ تو کہتے ہیں لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہو گا لیکن اس میں تین شرطیں پائی جائیں۔ لائے نفی جنس آیا، توجہ ہے؟ لائے نفی جنس عبارت میں آ رہا ہے اور اس کے بعد اسم آ رہا ہے ایک، اب اس اسم پر نصب بھی آ سکتا ہے، یہ مبنی علی الفتح بھی ہو سکتا ہے، اور اس پر رفع بھی آ سکتا ہے۔ یہ نصب کب اس پر پڑھنا ہے؟ تو کہتے ہیں یاد رکھنا اس کی تین شرطیں ہیں، تینوں شرطیں جب پوری ہو جائیں گی تو اس پر نصب پڑھ لینا، اگر تینوں میں سے ایک بھی شرط رہ گئی، پوری نہ ہوئی تو پھر اس صورت میں یا وہ مبنی علی الفتح ہو گا یا مرفوع ہو گا، منصوب نہیں ہو گا۔ منصوب ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ يَلِيهَا وہ اسم لا کے ساتھ ملا ہوا ہو یعنی درمیان میں فاصلہ نہ ہو، کوئی اور لفظ بیچ میں نہ آئے، لائے نفی جنس آئے اور اس کے فوراً بعد کیا اجائے؟ اس کا اسم اجائے، يَلِيهَا اس کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ اور دوسری شرط ذکر کی: نَكِرَةً وہ اسم نکرہ ہونا چاہیے معرفہ نہیں ہونا چاہیے۔ اور مُضَافَةً تیسری شرط ذکر کی: مضاف یا مشابہ مضاف ہونا چاہیے۔ وہ اسم کیا ہونا چاہیے؟ مضاف یا مشابہ مضاف۔ تو لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہو گا، کتنی شرطیں ہیں؟ تین۔ پہلی شرط کیا؟ ساتھ ملا ہوا ہو۔ دوسری شرط؟ نکرہ ہو۔ تیسری شرط؟ مضاف یا مشابہ مضاف ہو۔

اور آپ کو پتہ ہے میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا کوئی اسم جب معرفہ کی طرف مضاف ہو جائے تو وہ معرفہ بن جاتا ہے۔ غلام کا لفظ اس کو ضمیر معرفہ کتنے ہیں؟ ضمیریں ہیں، اسمائے اشارہ ہیں، اسمائے موصولہ ہیں، کسی کا نام ہے یعنی علم، اور اسی طرح معرف باللام جس پر الف لام ہو، یا ان میں سے کسی کی طرف مضاف ہو۔ تو ان یہ جو پہلے پانچ گزرے یہ ہیں معرفہ، ان کی طرف جو مضاف ہو جائے وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ معرفہ۔ تو غلام کا لفظ نکرہ لیکن ہا ضمیر ساتھ جوڑ دیں مضاف الیہ: غُلَامُهُ، یہ فوراً کیا بن گیا؟ معرفہ۔ اب غلام کا لفظ معرفہ ہے، اور اسم اشارہ کی طرف اضافت کر دیں: غُلَامُ هٰذَا، اب بھی غلام کا لفظ کیا بن گیا؟ معرفہ۔ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین ذات پہ دلالت کرے۔ میں نے کہا: غُلَامُهُ اس کا غلام، یعنی وہ جو زید ہے اس کا غلام، دیکھو معین غلام ایک آپ کے ذہن میں آیا۔ میں نے کہا: غُلَامُ هٰذَا یہ جو آدمی کھڑا ہے غُلَامُ هٰذَا اس کا غلام، دیکھو فوراً ایک معین غلام آپ کے ذہن میں آیا۔ یا میں کہتا ہوں: غُلَامُ زَيْدٍ، علم کی طرف اضافت کر دی، دیکھو ایک معین غلام آپ کے ذہن میں آیا۔ یا میں نے کہا: غُلَامُ الرَّجُلِ، اَلرَّجُلُ کا معنی تھا معین آدمی، وہ آدمی، کوئی متعین آدمی ہے، میں نے کہا غُلَامُ الرَّجُلِ اس آدمی کا غلام، دیکھو ایک معین غلام آپ کے ذہن میں آیا۔ تو جب کوئی اسم معرفہ کی طرف مضاف ہو جائے وہ کیا بنتا ہے؟ معرفہ بن جاتا ہے۔ لیکن اگر نکرہ کی طرف کوئی اسم مضاف ہو جائے تو وہ نکرہ ہی رہتا ہے: غُلَامُ رَجُلٍ، غُلَامُ مضاف، رَجُلٍ مضاف الیہ۔ تو آپ یہ نہ کہیں کہ غلام کی اضافت ہو گئی اب تو یہ معرفہ بن گیا، نہیں بھئی اضافت سے کوئی لفظ معرفہ نہیں بنتا، معرفہ کی طرف اضافت سے معرفہ بنتا ہے، اور یہاں غلام کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ رجل نکرہ کی طرف، لہٰذا یہ پہلے بھی نکرہ تھا اب بھی کیا ہے؟ نکرہ۔ ہاں تخصیص آ گئی اس کے اندر، کیا آ گئی؟ تخصیص۔ پہلے غلام دنیا میں مثلاً ایک لاکھ غلام تھے، ان میں سے پچاس ہزار مردوں کے غلام ہیں پچاس ہزار عورتوں کے، تو جب میں نے کہا تھا غُلَامٌ سارے

ایک لاکھ پر یہ بولا جارہا تھا سب کے سب غلام ہیں، لیکن جب میں نے اضافت کر دی: غُلَامُ رَجُلٍ، اب معرفہ تو نہ بنا لیکن تخصیص آگئی، اب یہ صرف کتنوں پر بولا جارہا ہے؟ پچاس ہزار پہ بولا جارہا ہے کیونکہ پچاس ہزار تو وہ غلام رجل نہیں ہیں وہ تو عورت کے غلام ہیں، تو تخصیص آگئی۔ تو نکرہ کی طرف اضافت سے کوئی لفظ معرفہ نہیں بنتا بلکہ صرف اس میں کیا اجاتی ہے؟ تخصیص آجاتی ہے۔

اچھا بات یہ چل رہی تھی انہوں نے کہا کہ لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہو گا تین شرطیں جب پوری ہوں گی، پہلی شرط کیا؟ کہ وہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہو درمیان میں فاصلہ نہ ہو، یعنی لائے نفی جنس کے ساتھ وہ اسم ملا ہوا ہو درمیان میں فاصلہ نہ ہو۔ دوسری شرط کیا؟ کہ وہ نکرہ ہونا چاہیے۔ تیسری شرط؟ مضاف یا مشابہ مضاف ہو، پوری بات کریں، مضاف یا مشابہ مضاف ہو۔ تو یہی بات کر رہے ہیں: بِلِيهَا اس حال میں کہ وہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہو، نَكِرَةً اس حال میں کہ نکرہ ہو، مُضَافَةً اور اس حال میں کہ مضاف ہو، آگے دو لفظوں کے بعد آرہا ہے: أَوْ مُشَابِهًا لَهَا یا مشابہ مضاف ہو۔ نَحْوُ لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ، دیکھیے شرطیں پوری ہیں یا نہیں؟ لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ، لا کے بعد غُلَامَ رَجُلٍ کا ذکر آرہا ہے، اب اس پر نصب پڑھنا ہے یا یہ مبنی علی الفتح ہو گا یا اس پر رفع پڑھیں گے؟ تو شرطیں دیکھیں، پہلی شرط: ساتھ ملا ہوا ہے؟ جی ہاں لا کے فوراً بعد غلام کا لفظ ہے۔ دوسری شرط: نکرہ ہے معرفہ ہے؟ نکرہ ہے، کیونکہ غلام کی اضافت رجل کی طرف ہوئی ہے نکرہ کی طرف ہوئی ہے اور نکرہ کی طرف اضافت سے لفظ نکرہ ہی رہتا ہے، تو غلام کا لفظ نکرہ بھی ہے۔ تیسری شرط کیا تھی؟ کہ مضاف ہونا چاہیے، غلام کا لفظ بھی کیا ہے؟ مضاف ہے۔ جب تینوں شرطیں پوری ہو گئیں تو اب یہ منصوب ہو گا، لہٰذا کیسے پڑھیں گے؟ لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔

جی اب تو آپ ترکیب کے ماہر ہو گئے بھئی، کیجیے ترکیب ذرا: لَا لائے نفی جنس، یوں کہا کریں تاکہ سنتے سے ہی پتہ چل جائے کہ یہ کون سا لا ہے، لائے نفی جنس۔ آگے: غُلَامَ منصوب لفظاً مضاف، شاباش۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور اس میں وہ تینوں شرطیں پوری ہیں۔ آگے منصوب لفظ اور لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: لَا غُلَامَ۔ اچھا بھئی تنوین کیوں نہیں پڑھ رہے لَا غُلَامًا؟ ہاں کیونکہ آگے اضافت ہو رہی ہے اور مضاف پر تنوین نہیں آتی، تو منصوب لفظاً مضاف۔ آگے: رَجُلٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے بھئی۔ لفظاً کیوں؟ اس کے جر پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ اچھا مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر لائے نفی جنس کا اسم۔ آگے: فِي جارہ، اَلدَّارِ مجرور لفظاً۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر حرفِ جر داخل ہے، شاباش۔ جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہو گا کس سے؟ شاباش، دیکھو غُلَامَ رَجُلٍ یہ تو مبتدا والی طرف چلا گیا یہ تو لا کا اسم بن گیا، اس کو چھوڑ دو، اس کے علاوہ فِي الدَّارِ ہے لفظ اور اسی کو تو ہم نے جوڑنا ہے، تو باقی کوئی اور لفظ ہے پورے جملے میں؟ اور کچھ ہے ہی نہیں، اور ہمیں تو آٹھ چیزوں میں سے ایک چیز چاہیے تھی جس سے اس جار مجرور نے جڑنا ہوتا ہے۔ میں نے بتایا تھا جار مجرور کتنی چیزوں سے جڑتا ہے؟ آٹھ چیزوں سے: نمبر ایک فعل، نمبر دو مصدر، نمبر تین اسم فاعل، نمبر چار اسم مفعول، نمبر پانچ صفت مشبہ، نمبر چھ اسم تفضیل، نمبر سات مبالغہ کے صیغے، اور نمبر آٹھ اسم فعل۔ یہ آٹھ چیزیں ہر وقت آپ کے ذہن میں ہوں کیونکہ جار مجرور نے جڑنا ہوتا ہے ہر جگہ جار مجرور آتے ہیں۔ دوبارہ ذرا دہراؤ: نمبر ایک فعل، نمبر دو مصدر، نمبر تین اسم فاعل، نمبر چار اسم مفعول، نمبر پانچ صفت مشبہ، نمبر چھ اسم تفضیل، نمبر سات مبالغہ کے صیغے، اور نمبر آٹھ اسم فعل۔ تو یہ آپ کو یاد ہونے چاہیے بھئی۔ جی تو جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَبَتَ شاباش، ثَبَتَ فعل سے۔ ثَبَتَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ غُلَامَ رَجُلٍ کو لوٹ رہا ہے، یا یوں کہیں لا کے اسم، لائے نفی جنس کے اسم کو، اور لائے نفی جنس کا اسم کیا ہے؟ غُلَامَ رَجُلٍ، یا صرف یوں کہہ دیں غلام ہے، رجل تو مضاف الیہ ہے نا اس وقت اسم کون ہے؟ غلام۔ تو بس بلکہ آسان لفظوں میں یوں کہیں یہ ضمیر لوٹ رہی ہے لائے نفی جنس کے اسم کو۔ اچھا دیکھا یہ آپ نے عائد بھی بتلا دیا، اب ربط آگیا۔ اب آگے کیجیے: فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر خبر۔ لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا، دیکھیے لا تو حرف ہے، لا تو حرف ہے، لا کی وجہ سے پہلے بھی جملہ اسمیہ تھا اب لا اوپر داخل ہو گیا تو لا سے کوئی تبدیلی نہیں آئی، لہٰذا ابھی بھی کیا ہے؟ جملہ اسمیہ ہے۔ تو لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔ روانی سے پڑھ دیجیے: لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ ترجمہ کیجیے: نہیں ہے کسی مرد کا غلام اس گھر میں، اس گھر میں کوئی مرد کا غلام نہیں ہے۔

اچھا یہ تو آپ نے ایک ترکیب کی۔ اب آپ سے کوئی پوچھے: ثَبَتَ فِي الدَّارِ ابھی آپ نے بنایا ہے یا نہیں؟ ثَبَتَ فِي الدَّارِ یہ کیا ہے؟ جملہ فعلیہ، توجہ ہے؟ جملہ فعلیہ۔ اس کا اعراب تو آپ نے بتایا ہی نہیں اس کا کیا اعراب ہو گا؟ جی؟ شاباش، یہ مرفوع محلاً ہے۔ مرفوع کیوں؟ کہ لائے نفی جنس کی خبر ہے اور ہم پڑھ چکے ہیں لائے نفی جنس کی خبر کس میں سے ہے؟ مرفوعات میں سے۔ لائے نفی جنس کا اسم وہ منصوب بھی ہو سکتا ہے، وہ مبنی علی الفتح بھی ہو سکتا ہے، مرفوع بھی ہو سکتا ہے، اس میں تو تین احتمال ہیں لیکن خبر ہمیشہ کیا ہو گی؟ مرفوع ہی ہو گی بھئی، تو وہ ثَبَتَ فِي الدَّارِ کیا ہے؟ مرفوع محلاً۔ اچھا مرفوع تو ہے

ٹھیک ہے، یہ محلاً کیوں کہہ رہے ہو؟ کیونکہ جملہ ہے اور جملہ مبنیات میں سے ہے تو اس کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً بتلاتے ہیں، شاباش۔

اچھا ذرا اس ثَبَتَ کی جگہ یہاں ثَابِتٌ نکالو: فِي جارہ، اَلدَّارِ مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل، ثَابِتٌ اعراب اس کا: مرفوع لفظاً، دیکھا اب مرفوع لفظاً۔ ثَبَتَ تھا مرفوع محلاً، اور ثَابِتٌ ہے مرفوع لفظاً، وہ جملہ تھا یہ مفرد ہے اور اسم ہے اس پر اعراب آئے گا۔ تو ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ لائے نفی جنس کی خبر ہے، بھئی وہ فِي الدَّارِ ثَابِتٌ سے جڑے گا اصل خبر کون ہے؟ ثَابِتٌ ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وہ اس سے جڑ رہا ہے، تو ثَابِتٌ مرفوع کیونکہ یہ لائے نفی جنس کی خبر ہے۔ ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ لائے نفی جنس کے اسم کو۔ ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

تو انہوں نے کہا تین شرطیں ہیں اس میں، ایک تو یہ کہ ساتھ ملا ہوا ہو، دوسری شرط کیا؟ نکرہ ہو، تیسری شرط کیا؟ مضاف ہو، آگے دیکھیے: أَوْ مُشَابِهًا لَهَا یا کیا ہو؟ مشابہ مضاف ہو۔ نَحْوُ لَا عِشْرِينَ دِرْهَمًا فِي الْكِيسِ۔ كِيس یہ یاد رکھیے یہ تھیلے کو کہتے ہیں، اسی طرح كِيس یہ بٹوے کو بھی کہتے ہیں۔ لَا عِشْرِينَ دِرْهَمًا فِي الْكِيسِ: بیس درہم بٹوے میں نہیں ہیں، بٹوے میں بیس درہم نہیں ہیں۔ اب دیکھیے: لَا عِشْرِينَ دِرْهَمًا، یہ لا کے بعد ایک اسم آرہا ہے، ہم نے اس کے اعراب کا پتہ چلانا ہے کہ اس پر اس پر نصب آئے گا، یا یہ مبنی علی الفتح ہو گا، یا یہ مرفوع ہو گا۔ تو شرطیں دیکھ لو، پہلی شرط: عِشْرِينَ یہ ساتھ ملا ہوا ہے؟ جی ہاں یہ لا کے ساتھ ملا ہوا ہے درمیان میں کوئی فاصلہ نہیں، کوئی اور لفظ نہیں۔ تو ملا ہوا ہے، پہلی شرط پوری۔ دوسری: نکرہ ہے معرفہ ہے؟ نکرہ ہے، کیونکہ یہ نہ ضمیر ہے، نہ یہ اسم اشارہ ہے، نہ یہ اسم موصول ہے، نہ یہ کسی کا نام ہے، اور نہ ان میں سے کسی کی طرف مضاف ہے، نہ اس پر الف لام وغیرہ بھئی۔ اچھا تو یہ نکرہ بھی ہے، دوسری شرط بھی پوری۔ تیسری شرط انہوں نے کہا تھا مضاف ہو یا مشابہ مضاف، یہ مضاف تو نہیں البتہ مشابہ مضاف ہے، کیا ہے؟ مشابہ مضاف۔ مشابہ مضاف کسے کہتے ہیں؟ یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے منادیٰ کی بحث میں، منادیٰ کی بحث میں کہ منادیٰ مفرد ہونا چاہیے، کیا معنی؟ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، تو پھر مبنی علی الضم ہو گا۔ تو مشابہ مضاف کسے کہتے ہیں؟ بھئی یاد رکھیے، یہ جو ایک ہوتا ہے مضاف اس کے آگے آتا ہے مضاف الیہ، یہ مضاف جو ہوتا ہے یہ مضاف الیہ کا محتاج ہوتا ہے، مضاف الیہ کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں ہوتا۔ سمجھ میں آئی بات؟ غُلَامُ زَيْدٍ، اگر میں صرف غُلَامُ کہوں اور ایک کہوں غُلَامُ زَيْدٍ دونوں میں فرق ہے یا ایک چیز ہیں؟ دونوں میں فرق ہیں۔ تو غُلَامُ زَيْدٍ کے اندر جب تک زید کا لفظ ساتھ نہیں ملاؤ گے وہ اس ذات پہ پوری طرح دلالت نہیں کرے گا۔ بھئی دیکھیے نا غلام زید یہ اس میرے سامنے کھڑا ہے، میں جب کہوں گا غُلَامُ زَيْدٍ یہ آپ کے ذہن میں آئے گا، ٹھیک ہے؟ لیکن اگر میں صرف کہوں غُلَامٌ تو کیا یہ ذہن میں ایا آپ کے؟ نہیں کوئی بھی غلام آسکتا ہے، تو لیکن میں تو یہی چاہتا ہوں یہ آپ کے ذہن میں آئے تو مجھے مضاف الیہ ساتھ ذکر کرنا پڑے گا پھر ہی یہ ائے گا۔ تو معلوم ہوا مضاف کا معنی کس کے ساتھ پورا ہوتا ہے؟ مضاف الیہ کے ساتھ مل کر اس کا معنی پورا ہوتا ہے، یعنی مضاف محتاج ہوتا ہے کس کا؟ مضاف الیہ کا۔ اسی طرح یاد رکھو بعض لفظ ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک ان کے ساتھ دوسرا لفظ نہ ملائیں ان کا معنی پورا نہیں ہوتا، تو یہ عِشْرِينَ بھی ایسا ہے، یہ اگرچہ مضاف تو نہیں لیکن یہ مضاف کے مشابہ ہے مضاف جیسا ہے، اس کے ساتھ جب تک ایک اور کلمہ نہیں ملاؤ گے اس کا معنی پورا نہیں ہو گا۔ مضاف کے ساتھ جب تک مضاف الیہ نہ ملا اس کا معنی پورا نہیں، اسی طرح یہ عِشْرِينَ ایک لفظ ہے یہ مشابہ مضاف ہے۔ کس طرح؟ مضاف کے مشابہ کس طرح؟ یعنی مضاف جیسے مضاف الیہ کا محتاج تھا یہ بھی کس کا ہے؟ ایک اور لفظ کا محتاج ہے اپنا معنی پورا ادا کرنے میں، کیونکہ عِشْرِينَ کا معنی ہے بیس، بھئی بیس کیا چیز؟ کتابیں بھی ہو سکتی ہیں، قلم بھی ہو سکتے ہیں، بیس طلبہ بھی ہو سکتے ہیں، جب تک اگلا لفظ نہیں آئے گا اس کا معنی پورا نہیں ہو گا، تو جب اگلا لفظ دِرْهَمًا آگیا اب معنی پورا ہو گیا، پتہ چل گیا بیس سے کیا مراد ہیں؟ بیس درہم مراد ہیں، تو عِشْرِينَ یہ مضاف تو نہیں لیکن مشابہ مضاف ہے، مضاف جیسا ہے، جب تک اگلا لفظ نہیں آتا اس کا معنی پورا نہیں ہوتا۔

اب دیکھیے بھئی دوبارہ: لَا عِشْرِينَ دِرْهَمًا فِي الْكِيسِ، یہ لا کے بعد عِشْرِينَ آیا، ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس پر کون سے اعراب پڑھیں گے، اس پر نصب پڑھیں گے یا مبنی علی الفتح ہو گا یا یہ مرفوع ہو گا؟ تو شرطیں دیکھ لو، پہلی شرط کیا؟ ساتھ ملا ہوا ہو، ملا ہوا ہے؟ جی ہاں ساتھ ملا ہوا ہے عِشْرِينَ کس کے ساتھ؟ لا کے ساتھ۔ دوسری شرط کیا؟ کہ نکرہ ہونا چاہیے، عِشْرِينَ بھی کیا ہے؟ نکرہ ہے۔ تیسری شرط؟ مضاف ہو یا مشابہ مضاف، یہ مضاف تو نہیں البتہ مشابہ مضاف ہے، تو تینوں شرطیں پوری لہٰذا یہ منصوب ہے۔ تو اصل میں تو تھا عِشْرُونَ واؤ نون کے ساتھ تھا، لیکن اب حالتِ نصبی میں کس کے ساتھ ہے؟ یاء، یہ مُسْلِمُونَ کی طرح ہے، تو یاء کے ساتھ آیا، تو یہ منصوب ہے۔ اور یہ میں نے تمیز کی بحث گزری تھی بھئی، وہاں ذکر آیا تھا کہ یہ عدد ہے مقدار ہے، اور مقدار کے اندر ابہام ہوتا ہے، آگے آنے والا لفظ کیا کرتا ہے؟ اس ابہام کو دور کرتا ہے اور اس کو تمیز کہتے ہیں، اور تمیز منصوبات میں سے ہے، اسی لیے دِرْهَمًا

کیا ہے؟ منصوب ہے، وہ تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ جوں جوں ہم آگے جائیں گے دیکھیے جو جو آپ پڑھتے جا رہے ہیں وہ ساری چیزیں آپ کو لاگو کرنا پڑیں گی آہستہ آہستہ۔

اب کیجیے ترکیب بھئی: لَا عِشْرِينَ دِرْهَمًا فِي الْكِيسِ۔ لَا لائے نفی جنس، عِشْرِينَ منصوب لفظاً ممیَّز، شاباش ممیَّز، ممیِّز نہیں پڑھنا، وہ تمیز جو ہے وہ ہے ممیِّز اسم فاعل، یہ ممیَّز ہے جس کو تمیز جس کے لیے آئے گی۔ تو عِشْرِينَ منصوب لفظاً ممیَّز، دِرْهَمًا منصوب لفظاً تمیز۔ اچھا عِشْرِينَ منصوب لفظاً ممیَّز، منصوب کیوں؟ کیونکہ لائے نفی جنس کا اسم ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اس کا نصب کیا ہے؟ یاء ہے، شاباش۔ منصوب لفظ ممیَّز، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ ممیَّز ہے؟ ہاں کیونکہ یہ مقدار ہے اور آگے اس کی تمیز آ رہی ہے، تو ممیَّز۔ آگے دِرْهَمًا منصوب لفظاً تمیز۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ تمیز ہے اور تمیز منصوبات میں سے ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تو منصوب لفظاً تمیز۔ ممیَّز تمیز مل کر لائے نفی جنس کا اسم۔ فِي جارہ، اَلْكِيسِ مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ جی، ثَبَتَا سے متعلق ہوئے شاباش، ثَبَتَا فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ لائے نفی جنس کے اسم کو۔ بھئی لائے نفی جنس کا اسم تو ہے عِشْرِينَ دِرْهَمًا: بیس درہم، بیس درہم ہیں تو وہ تو جمع ہے، ایک ہو تو مفرد، دو ہوں تو تثنیہ، تین یا زیادہ ہوں تو جمع، تو جمع ہے۔ تو اب یہ تو ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں، هُوَ ضمیر آپ لوٹا رہے ہیں جمع کو، جمع کی طرف تو جمع کی ضمیر لوٹاؤ، یا زیادہ تر واحد مؤنث کیونکہ جمع بتاویلِ جماعتٍ کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث، کیونکہ ایک جماعت بن گئی جب بہت سارے چیزیں ہو گئیں تو وہ اور جماعت کا لفظ کیا ہے عربی میں؟ واحد مؤنث ہے بھئی، جَمَاعَةٌ دیکھو گول تا کے ساتھ لکھتے ہیں تو یہ مؤنث ہے۔ تو لہٰذا ہمیں جمع مؤنث کی ضمیر چاہیے، تو جمع مؤنث والا صیغہ لے آؤ: ثَبَتَ، ثَبَتَا، ثَبَتُوا، ثَبَتَتْ بھئی، ثَبَتَتْ۔ تو جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَبَتَتْ فعل سے، ثَبَتَتْ فعل اس کے اندر ہِيَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ لائے نفی جنس کے اسم کو۔ اچھا فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر۔ لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اور اگر ثَبَتَتْ کے بجائے آپ صفت کا صیغہ نکالنا چاہیں تو کیا نکالیں گے؟ شاباش، ثَابِتَةٌ، کیونکہ واحد مؤنث کی ضمیر چاہیے، تو صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ ترکیب اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ بَعْدَ لَا نَكِرَةٌ مُفْرَدَةٌ تُبْنَى عَلَى الْفَتْحِ۔ اگر لا کے بعد، کس کے بعد؟ لا کے بعد۔ اب دیکھیے انہوں نے کتنی شرطیں پہلے ذکر کی تھیں؟ تین۔ پہلی شرط کیا تھی؟ ساتھ ملا ہوا ہو۔ اب آگے آپ کو بتائیں گے اگر ساتھ نہ ملا ہوا ہو پھر کیا کریں گے؟ دوسری شرط کیا تھی؟ نکرہ ہو، اگر نکرہ نہ ہو پھر کیا کریں گے؟ تیسری شرط کیا تھی؟ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو پھر کیا کریں گے؟ وہ صورتیں اب آ رہی ہیں بھئی، ان پہ اعراب ان کا بدل جائے گا۔ تو کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ بَعْدَ لَا نَكِرَةٌ مُفْرَدَةٌ اگر لا کے بعد ایسا نکرہ ہو جو مفرد ہو، کیا معنی مفرد ہو؟ یعنی مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو۔ میں نے آپ کو بتایا تھا مفرد کا لفظ علمِ نحو کے اندر کئی چیزوں کے مقابلے میں آتا ہے، کبھی مفرد بول کر کس کو نکال دیتے ہیں؟ جملے کو، جب کہہ دیا جائے یہ مفرد ہے تو مطلب ہے یہ جملہ نہیں۔ کبھی مفرد کس کے لیے بولتے ہیں؟ مرکب کے مقابلے میں، جب کہہ دیا جائے یہ مفرد ہے تو معلوم ہوا یہ مرکب نہیں۔ اور کبھی مفرد کس کے مقابلے میں؟ مضاف یا مشابہ مضاف، جب کہہ دیا جائے یہ مفرد ہے تو معلوم ہوا یہ مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے۔ اور کبھی بولا جائے مفرد ہے تو معنی یہ ہوتا ہے کہ یہ تثنیہ یا جمع نہیں ہے۔ تو یہاں جو مفرد آیا ہے یہ کس کے مقابلے میں ہے؟ کیونکہ ماقبل میں مضاف یا مشابہ مضاف کا ذکر ایا تھا تو یہ اس کے مقابلے میں، یعنی وہ تیسری شرط اگر پوری نہ ہو۔ لائے نفی جنس کا اسم ایا، کس کے بعد ایا؟ لا کے بعد، ساتھ بھی ملا ہوا ہے اور نکرہ بھی ہے لیکن مُفْرَدَةٌ لیکن کیا ہے؟ مفرد ہے یعنی مضاف مشابہ مضاف نہیں ہے، تُبْنَى عَلَى الْفَتْحِ تو وہ مبنی ہو گا کس پر؟ مبنی ہو گا فتح پر، نَحْوُ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، دیکھا رجل کا لفظ لا کے ساتھ جڑا ہوا ہے پہلی شرط پوری، دوسری شرط نکرہ بھی ہے، تیسری شرط کہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو وہ نہیں ہے، تو اب یہ مبنی علی الفتح ہے، کیا ہے؟ مبنی علی الفتح۔

سوال یہ کہ لَا رَجُلَ اس کو آپ مبنی علی الفتح کیوں کہہ رہے ہیں؟ ماقبل میں بھی اسی طرح تھا: لَا غُلَامَ، اس کو آپ منصوب کہہ رہے تھے اور اس کو کیا کہہ رہے ہو؟ مبنی علی الفتح۔ جواب یہ کہ دونوں میں فرق ہے، یہ لَا رَجُلَ پر تنوین نہیں آ رہی: لَا رَجُلَ۔ اگر یہ معرب ہوتا تو تنوین آنی چاہیے تھی کیونکہ غیر منصرف تو یہ ہے نہیں، غیر منصرف پر تنوین نہیں اتی معرب بھی ہوتا ہے اور تنوین بھی نہیں، اور ویسے تو باقی ہر لفظ پہ تنوین اتی ہے تو یہاں بھی لَا رَجُلَ پر بھی کیا آنی چاہیے؟ تنوین۔ تنوین نہیں آ رہی معلوم ہوا یہ مبنی ہے کیونکہ مبنی پر تنوین نہیں اتی۔ اور ماقبل میں آپ کہہ رہے تھے غلام پر بھی تنوین نہیں ہے، تو اس کا کیا جواب ہے؟ وہ میں بتا چکا ہوں کیونکہ وہ تو مضاف تھا بھئی وہاں تو وجہ موجود تھی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہ رجل کیا ہے؟ مبنی علی الفتح ہے۔ تو لَا لائے نفی جنس، رَجُلَ مبنی علی الفتح لائے نفی جنس کا اسم، فِي جارہ، اَلدَّارِ مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق ثَبَتَ فعل کے ساتھ، ثَبَتَ فعل اس کے اندر هُوَ ضمیر

مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ لائے نفی جنس کے اسم کو، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، ترجمہ کیجیے: کوئی مرد نہیں ہے فِي الدَّارِ اس گھر میں، اس گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔

وَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً اور اگر لائے نفی جنس کا اسم کیا ہو؟ معرفہ ہو یعنی نکرہ نہ ہو، أَوْ نَكِرَةً مَفْصُولًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا یا ایسا نکرہ ہو مَفْصُولًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا کہ اس نکرہ اور اس لا کے درمیان فصل کیا گیا ہو، جدائی کی گئی ہو، یعنی لا کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو، كَانَ مَرْفُوعًا تو پھر لائے نفی جنس کا وہ اسم کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا، وَيَجِبُ تَكْرِيرُ لَا اور پھر لا کا تکرار بھی واجب ہو گا، لا دو دفعہ آئے گا، مَعَ اسْمٍ آخَرَ ساتھ ایک اور اسم کے۔ ادھر دیکھیے بھئی، یہ لائے نفی جنس آیا اور اس کے ساتھ اسم آیا لیکن وہ اسم نکرہ نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ معرفہ ہے۔ تو اس صورت میں آگے ایک اور لا بھی آئے گا اور اس کا ایک اور اسم بھی ائے گا: لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ، لا کیا ہے؟ لائے نفی جنس، اور اس کے بعد زَيْدٌ نکرہ ہے یا معرفہ؟ زید آیا، معرفہ آیا۔ تو لا کے بعد معرفہ آیا، اور جب لا کے بعد معرفہ اجائے تو ایک اور لا بھی آگے ائے گا اور اس کے ساتھ ایک اور اسم بھی ائے گا، اسی لیے یوں کہیں گے: لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو، دیکھا آگے ایک اور لا بھی آیا اور ایک اور اسم بھی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور نیز یہ مرفوع ہو گا، کیا ہو گا؟ مرفوع: لَا زَيْدٌ، دیکھا میں اس پر رفع پڑھ رہا ہوں۔ ایک صورت یہ، لائے نفی جنس کا اگر اسم اگر معرفہ تو اس پر رفع بھی پڑھیں گے اور ساتھ آگے ایک اور لا بھی ائے گا اور ایک اور اس کا اسم بھی۔ اور اگر لائے نفی جنس کا اسم ہے تو نکرہ ہی لیکن درمیان میں فاصلہ آگیا، کیا آگیا؟ فاصلہ آگیا، تو بھی وہ مرفوع ہو گا۔ کیا ادھر ادھر دیکھیے، وہ فِي الدَّارِ کو ذرا مقدم کر دو: لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ، اب دیکھو لائے نفی جنس کا اسم ہے اور وہ آگے رجل آرہا ہے لیکن درمیان میں فاصلہ آگیا: لَا فِي الدَّارِ، یہ فی الدار درمیان میں آگیا۔ تو کیا ہو گا؟ رجل پر رفع پڑھیں گے اور ساتھ ایک اور لا بھی ائے گا اور لا کا ایک اور اسم بھی: لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ، لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَامْرَأَةٌ۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ لا دوبارہ شروع سے، لائے نفی جنس کا اسم اگر نکرہ اگر ساتھ ملا ہوا ہو شروع سے ساری صورتیں، لائے نفی جنس کا اسم اگر ساتھ ملا ہوا ہو اور نکرہ ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو وہ کیا ہو گا؟ منصوب۔ اور اگر لائے نفی جنس کا اسم ساتھ ملا ہوا تو ہے، نکرہ بھی ہے لیکن مضاف یا مشابہ مضاف نہیں تو پھر وہ مبنی علی الفتح ہو گا جیسے لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ اور اگر لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو یا نکرہ ہے لیکن درمیان میں کیا ہے؟ فصل ہے، تو دونوں صورتوں میں یہ دونوں کیا ہوں گے؟ مرفوع، اور ساتھ ایک اور لا بھی ائے گا اور لا کا ایک اور اسم بھی ائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے بھئی: کہتے ہیں: وَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً أَوْ نَكِرَةً مَفْصُولًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا اور اگر لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو یا ایسا نکرہ ہو کہ جدائی کی گئی ہو اس لا کے اس اسم کے درمیان اور اس کے لا کے درمیان، كَانَ مَرْفُوعًا تو ان دونوں صورتوں میں وہ کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا، وَيَجِبُ تَكْرِيرُ لَا مَعَ اسْمٍ آخَرَ اور واجب ہو گا لا کا تکرار یعنی لا کو دوبارہ لانا ایک اور اسم کے ساتھ۔ تَقُولُ آپ کہتے ہیں: لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو، جی اور یہ تھی معرفہ کی مثال، اور وَلَا فِيهَا رَجُلٌ، فِيهَا کے بجائے ہَا ضمیر اَلدَّارِ کو راجع کر دی، آپ اس کی جگہ اَلدَّارِ ہی رکھ دیں: لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ، وَلَا امْرَأَةٌ ہے نا، امْرَأَةٌ کا ہمزہ وصلی ہے اور ہمزہ وصلی کیا ہے درمیانِ عبارت میں گر جاتا ہے: لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَامْرَأَةٌ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

■ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب

ترکیب کیجیے: لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ لَا لائے نفی جنس، زَيْدٌ مرفوع لفظاً لائے نفی جنس کا اسم، فِي جارہ، اَلدَّارِ مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَبَتَ فعل سے، ثَبَتَ فعل هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور وَلَا عَمْرٌو: واوُ حرفِ عطف، اور یہ لا یہ اسی لا کا تکرار ہوا اور عَمْرٌو کا عطف ہے کس پر؟ زید پر ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر کیا ہوا؟ جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ وَلَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ: یہاں بھی اسی طرح لَا نفی جنس، فِي جارہ، اَلدَّارِ مجرور لفظاً، اور جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَبَتَ فعل سے، ثَبَتَ فعل اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ رجل کو۔ سوال یہ کہ یہ تو ضمیر پہلے آگئی مرجع بعد میں؟ جواب: کہ رتبے کے لفظوں کے اعتبار سے بے شک رجل مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے یہ مقدم ہے کیونکہ لا کا اسم ہے۔ اور رَجُلٌ مرفوع لفظاً لا کی خبر، صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ اور بلکہ معطوف علیہ بنائیں بھئی، آگے جی: رَجُلٌ مرفوع لفظاً لائے نفی جنس کا کا اسم ہے، لائے نفی جنس کا اسم، کیونکہ میں نے آپ کو بتلایا تھا یہ جار مجرور یہ خبر بن سکتے ہیں مبتدا کبھی بھی نہیں بن سکتے، تو جب مبتدا نہیں بن سکتے تو لائے نفی جنس کا اسم بھی مبتدا

کے درجے میں ہے، کَانَ کا اسم بھی مبتدا کے درجے میں ہے، إنَّ کا اسم بھی مبتدا کے درجے میں ہے، لہٰذا جار مجرور نہ کَانَ کا اسم بن سکتا ہے، نہ مبتدا بن سکتا ہے، نہ إنَّ کا اسم بن سکتا ہے، نہ لائے نفی جنس کا اسم، یہ ہمیشہ کیا بنیں گے؟ خبر ہی بنیں گے۔ تو فِيْهَا یہ ہے لائے نفی جنس کی خبرِ مقدم، اور رَجُلٌ کیا ہے؟ مرفوع اس کا اسمِ مؤخر، اور واؤ حرفِ عطف، اور یہ لا کیا ہے؟ اسی لا پر عطف اس کا تکرار آ گیا لا پر عطف، اور امْرَأَةٌ کا عطف کس پر ہے؟ رَجُلٌ پر، وہ مرفوع تھا تو یہ بھی مرفوع۔ تو معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر لائے نفی جنس کا اسم، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی بھئی؟

وَيَجُوزُ فِي مِثْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ خَمْسَةُ أَوْجُهٍ اور جائز ہے اس طرح کی مثالوں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ جیسی مثالوں میں: وَيَجُوزُ اور جائز ہے فِي مِثْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ جیسی مثالوں میں جائز ہے، کیا جائز ہے؟ خَمْسَةُ أَوْجُهٍ پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہیں، یعنی پانچ طرح اعراب پڑھنا جائز ہیں، پانچ صورتیں ہیں بھئی۔ پانچ صورتیں کیا ہیں؟ نمبر ایک: فَتْحُهُمَا دونوں پر فتحہ، نمبر دو: وَرَفْعُهُمَا دونوں پر رفع، وَفَتْحُ الْأَوَّلِ وَنَصْبُ الثَّانِي پہلے پر فتحہ دوسرے پر نصب، وَفَتْحُ الْأَوَّلِ وَرَفْعُ الثَّانِي پہلے پر فتحہ اور دوسرے پر رفع، وَرَفْعُ الْأَوَّلِ وَفَتْحُ الثَّانِي اور پہلے پر رفع اور دوسرے پر فتحہ۔ یہ پانچ صورتیں پڑھنا جائز، کس میں؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ جیسی مثالوں میں۔ بھئی کیا معنی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ جیسی مثالوں میں؟ کہتے ہیں بھئی وہ جگہ جہاں لا دو دفعہ آ رہا ہو، دیکھیے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ دیکھو لا کتنی دفعہ ہے؟ دو دفعہ۔ اور تو لا مکرر ہو حرفِ عطف کے ساتھ، اور لا کے بعد اس کا اسم نکرہ ساتھ جڑا ہوا ہو درمیان میں فاصلہ نہ ہو: لَا حَوْلَ دیکھو، لا کے ساتھ حول ساتھ ملا ہوا ہے اور نکرہ ہے، اور آگے لا کے ساتھ قوۃ ساتھ ملا ہوا ہے اور نکرہ بھی ہے اور ساتھ بھی ملا، تو ایسی جگہیں جہاں پر کیا ہو؟ لا کا تکرار ہو اور اس کا اسم نکرہ ہو اس کا دونوں جگہ ساتھ ملا ہوا اس کا بھی تکرار ہو۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ کیا کیسی جگہ؟ جہاں لا کا تکراریوں کہیں جہاں لا مکرر ہو، کیا ہو؟ لا مکرر ہو، اور اس کا اسم نکرہ اس کے ساتھ ملا ہوا وہ بھی مکرر ہو۔ تو ایسی جہاں بھی ایسی عبارت اجائے وہاں پر پانچ طرح اس کو پڑھنا جائز ہے، یعنی یہ لائے نفی جنس کا جو اسم ہے: لَا حَوْلَ اور لَا وَلَا قُوَّةَ، یہ حول اور قوت اس پر کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ کہتے ہیں پانچ طرح سے ان کو پڑھ سکتے ہیں آپ، پانچ طرح۔ وہ آگے بیان کرنے لگے ہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھئی؟

پانچ صورتیں ہیں، نمبر ایک کیا ہے؟ فَتْحُهُمَا۔ اچھا بھئی میں نے آپ کو شروع میں ایک بات بتلائی تھی کہ یہ تین طرح کے نام ہیں یہاں پر، تین طرح کے۔ ایک کیا ہے؟ رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ، یہ کس میں آتے ہیں؟ معرب میں: رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ۔ اور اگر دوسرا لفظ استعمال ہو: ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ، یہ خاص ہے مبنی کے ساتھ، کہتے ہیں مبنی علی الضم، فَتْحٌ تو کہتے ہیں مبنی علی الفتح، كَسْرٌ کہتے ہیں مبنی علی الکسر۔ تو ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ یہ کس کے ساتھ خاص؟ مبنی کے ساتھ۔ دوبارہ دہرائیں: رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ یہ کس کے ساتھ خاص؟ معرب کے ساتھ۔ جب کہہ دیا جائے یہ اس پر رفع ہے، سمجھ جائیں یہ معرب ہے۔ جب کہہ دیا جائے اس پر نصب ہے، سمجھ جائیں یہ کیا ہے؟ معرب۔ اور جب کہہ دیا جائے یہ جر ہے اس پر، تو سمجھ جائیں یہ کیا ہے؟ معرب۔ اور اگر ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ کا لفظ بولا جائے سمجھ جائیں یہ کیا ہے؟ مبنی۔ ابھی بتائیے ماقبل میں پچھلی مثالوں میں ذرا آؤ: لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ، یہ غلام کے بارے میں کیا کہا تھا؟ یہ منصوب ہے، کیا ہے؟ منصوب ہے۔ نصب کا لفظ بولا اس کے لیے، منصوب، منصوب کسے کہتے ہیں جس پر کیا ہو؟ نصب۔ تو نصب کا لفظ بول دیا، تو نصب کا لفظ سنتے ہی آپ کو پتہ چل گیا یہ مبنی ہے یا معرب ہے؟ یہ معرب ہے۔ اور اگلے میں کہا تھا مبنی علی الفتح، اب نصب نہیں بولا بلکہ کیا بولا؟ فتح، کیونکہ فتح۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ یہ کس کے ساتھ خاص؟ معرب کے ساتھ، اور ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ یہ کس کے ساتھ خاص؟ مبنی کے ساتھ۔ جبکہ اسی کے ساتھ گول تا ملا دیں: ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ، تو اب یہ دونوں کے ساتھ بولا جاتا ہے، معرب کے ساتھ بھی اور مبنی کے ساتھ بھی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ پھر ایک دفعہ دہرا لیں: رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ یہ کس کے ساتھ خاص؟ معرب کے ساتھ۔ ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ یہ کس کے ساتھ خاص؟ مبنی کے ساتھ۔ اور ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ یہ کس کے ساتھ خاص؟ یہ دونوں کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اب آپ نے دیکھو پہچاننا ہے، انہوں نے کہا اس میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ جیسی جگہوں میں پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہے یعنی ان پر پانچ طرح کے حرکتیں یا اعراب پڑھنا جائز ہے۔ اور اس سے کون سی جگہیں مراد ہیں؟ جہاں پر لا کیا ہو؟ مکرر ہو، اور اس کے ساتھ اس کا اسم نکرہ ساتھ ملا ہوا وہ بھی کیا ہو؟ مکرر ہو۔ اور تو پانچ جگہیں، پہلی جگہ کیا ہے؟ فَتْحُهُمَا: دونوں پر کیا پڑھو؟ فتحہ پڑھو۔ کون سا ہے؟ معلوم ہوا مبنی ہوں گے، کیا ہوں گے؟ مبنی۔ رَفْعٌ، نَصْبٌ معرب میں تو نَصْبٌ لفظ بول رہے تھے، مبنی میں ہے ضَمٌّ، فَتْحٌ، وہ فتح، تو یہاں بھی کیا آیا؟ فَتْحُهُمَا: دونوں پر کیا ہو گا؟ فتحہ۔ جب معلوم ہوا فتحہ پڑھنا ہے تو زبر پڑھنی ہے اور ساتھ تنوین نہیں پڑھنی، جیسے لَا رَجُلَ پیچھے گزرا لَا رَجُلَ مبنی تھا اس لیے اس پر تنوین نہیں، یہاں پر بھی معلوم ہوا تنوین نہیں آئے گی۔ کیسے پڑھیں گے؟ پڑھیں ذرا دونوں پر فتحہ پڑھیں: شاباش، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، لَا حَوْلًا وَلَا قُوَّةً تنوین نہیں پڑھنی، ورنہ تو یہ منصوب ہو جائیں

گے، ہم نے منصوب نہیں کہا بلکہ کیا کہا؟ مفتوح کہا ہے یعنی فتحہ دونوں پر، تولَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

اگلی صورت: وَرَفْعُهُمَا دونوں پر کیا پڑھو؟ رفع۔ تین نام یاد کروائے تھے ابھی میں نے، کیا؟ رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ کس کے ساتھ خاص؟ معرب، معلوم ہوا معرب ہے، رَفْعُهُمَا آیا نا۔ جب معرب ہے تو معلوم ہوا تنوین بھی ہے، پیش بھی آئے گی اور تنوین بھی۔ مبنی ہو تا تو ضَمٌّ کہتے اور پھر تنوین نہیں آنی تھی۔ جی پڑھیے، دونوں پر رفع پڑھیے: لَا حَوْلُ یہ تو آپ ضَمّ پڑھ رہے ہیں بغیر تنوین کے، ہاں: لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللَّهِ۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ ہے دونوں پر رفع۔

وَفَتْحُ الْأَوَّلِ وَنَصْبُ الثَّانِي: پہلے پر فتحہ پڑھو، دوسرے پر نصب پڑھو، جی جلدی کیجیے: پہلے پر فتحہ پڑھو، رفع نہیں کہہ رہے، ضَمٌّ نہیں کہہ رہے، فتحہ۔ فتحہ اور نصب زبر کے لیے آتا ہے دونوں، لیکن فتحہ کس میں آئے گا؟ مبنی میں، اور نصب کس میں ائے گا؟ معرب میں، اور فتحہ میں تنوین نہیں اور نصب میں تنوین۔ فَتْحُ الْأَوَّلِ وَنَصْبُ الثَّانِي: پہلے پر فتحہ پڑھو: لَا حَوْلَ شاباش، دوسرے پر نصب پڑھو: شاباش، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

وَفَتْحُ الْأَوَّلِ وَرَفْعُ الثَّانِي: پہلے پر فتحہ پڑھو، دوسرے پر رفع پڑھو: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللَّهِ۔

آخری صورت ہے: وَرَفْعُ الْأَوَّلِ وَفَتْحُ الثَّانِي: لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ، فتحہ کہہ رہے ہیں فَتْحُ الثَّانِي، نصب نہیں کہہ رہے، مبنی ہے: لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ۔ تنوین ہوتی تو وہ نصب، نَصْبُ الثَّانِي کہتے، بلکہ کیا کہہ رہے ہیں؟ فَتْحُ الثَّانِي، تولَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ اب ذرا دوبارہ جلدی کریں، فَتْحُهُمَا دونوں پر فتحہ پڑھیں: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ دونوں پر رفع پڑھیں: لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللَّهِ۔ پہلے پر فتحہ پڑھو دوسرے پر نصب پڑھو: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ پہلے پر فتحہ پڑھو دوسرے پر رفع پڑھو: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللَّهِ۔ پہلے پر رفع پڑھو دوسرے پر فتحہ پڑھو: لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

وَقَدْ يُحْذَفُ اسْمُ لَا لِقَرِينَةٍ نَحْوُ لَا عَلَيْكَ أَيْ لَا بَأْسَ عَلَيْكَ۔ وَقَدْ يُحْذَفُ اسْمُ لَا اور کبھی کبھار لائے نفی جنس کے اسم کو حذف کر لیتے ہیں لِقَرِينَةٍ کسی قرینے کی وجہ سے۔ جب کوئی قرینہ موجود ہو تو لا کے اسم کو حذف کر لیا اور صرف خبر کو برقرار رکھا بھئی، نَحْوُ لَا عَلَيْكَ أَيْ لَا بَأْسَ عَلَيْكَ۔ بھئی لا لائے نفی جنس ہے اور عَلَيْكَ: عَلَى جارہ، كَاف ضمیر مجرور، جار مجرور پر داخل ہوا، آگے اور کوئی لفظ ہی نہیں ہے: لَا عَلَيْكَ۔ اور جار مجرور ابھی میں نے آپ کو بتایا وہ مبتدا نہیں بن سکتے، وہ ہمیشہ کیا بنتے ہیں؟ خبر بن سکتے ہیں، تو یہ معلوم ہوا یہ لَا عَلَيْكَ، یہ عَلَيْكَ کیا ہے؟ لا کی خبر ہے، اور اسم کیا ہے؟ محذوف ہے۔ بھئی اسم کو حذف کر دیا، قرینہ موجود ہے، کیا قرینہ ہے؟ قرینہ یہی ہے کہ یہ لا داخل ہو رہا ہے جار مجرور پر، حالانکہ لا تو جار مجرور لا کا تو لا کے لیے تو اسم چاہیے ہوتا ہے وہ جار مجرور واقع نہیں ہو سکتا، معلوم ہوا اس کا اسم کیا ہے؟ محذوف ہے۔ لَا عَلَيْكَ أَيْ لَا بَأْسَ عَلَيْكَ، تجھ پر کوئی حرج نہیں ہے۔ بھئی یہ یہ کسی کو تسلی دینے کے لیے یہ لفظ عربی میں بولتے ہیں۔ کوئی پریشان، کسی سے کوئی غلطی ہو گئی یا کچھ ہو گیا اب آپ اس کو تسلی دیتے ہیں بھئی کوئی فکر نہ کرو، آپ پروانہ کریں بھئی کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں آپ اس کو کہتے ہیں، تو کیا کہتے ہیں؟ لَا بَأْسَ عَلَيْكَ، تم پر کوئی حرج نہیں ہے، یعنی تم فکر نہ کرو بھئی۔

تو کیا ہو گی ترکیب؟ لَا بَأْسَ عَلَيْكَ: لَا لائے نفی جنس، بَأْسَ: ہاں منصوب کیوں؟ بَأْسًا ہے کوئی؟ پھر؟ ساتھ ملا ہوا ہو، نکرہ ہو، اور مضاف یا مشابہ مضاف ہو تب منصوب ہوتا ہے، یہ تو مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے، تو یہ مبنی علی الفتح ہے، لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ کی طرح ہے: لَا بَأْسَ عَلَيْكَ۔ تو لائے نفی جنس، بَأْسَ مبنی علی الفتح لائے نفی جنس کا اسم، عَلَيْكَ: عَلَى جارہ، كَاف ضمیر مجرور محلاً کیونکہ ضمیر ہے، مجرور محلاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے؟ ثَبَتَ فعل سے، ثَبَتَ فعل اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ لائے نفی جنس کے اسم کو، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اسی طرح لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، اصل میں یوں ہے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ إِلَّا بِاللَّهِ، نہ تو طاقت ہے نہ حول کا معنی ہوتا ہے پھرنا، پلٹنا، واپس مڑنا، نہ تو مڑنا ہے اور نہ ہی طاقت ہے، نہ تو پلٹنا ہے وَلَا قُوَّةَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ، نہ پلٹنا موجود ہے اور نہ ہی طاقت موجود ہے إِلَّا بِاللَّهِ مگر کس کے ساتھ؟ اللہ کے ساتھ یعنی اللہ کی مدد کے ساتھ۔ کیا معنی؟ ہم یہ پڑھتے رہتے ہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، اس کا معنی کیا ہے؟ معنی یہ ہے: لَا حَوْلَ عَنِ الْمَعَاصِي، بھئی دیکھیے ایک ہے گناہ کرنا، ایک ہے نیکیاں کرنا، شریعت نے کیا حکم دیا ہے؟ گناہ سے گناہ کو چھوڑ دو، گناہ سے پلٹ جاؤ، پھر جاؤ، اس سے موڑ لو، تو گناہوں سے انسان نہیں مڑ سکتا سوائے اللہ کی مدد کے، اللہ کی توفیق کے۔ اگر کسی گناہوں سے آپ بچے ہوئے ہیں تو یہ آپ کا کمال نہیں بلکہ یہ

کیا ہے؟ اللہ کا آپ پر فضل ہے۔ تو گناہوں سے بچنا بھی انسان کس کی توفیق سے ہے؟ اللہ کی توفیق سے۔ اور اگر کوئی نیکی کر رہا ہے تو اس پر غرور کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس کا کوئی کمال نہیں، یہ کس کی توفیق سے ہے؟ اللہ کی توفیق سے۔ تو گناہوں سے پلٹنا یہ بھی اللہ کی توفیق سے ہی صرف ہو سکتا ہے اور نیکیوں کا کرنا یہ بھی صرف اللہ کی توفیق سے ہی ہو سکتا ہے۔ تو عبارت گویا کلام یوں ہے سارا: لَا حَوْلَ عَنِ الْمَعَاصِي گناہوں سے پلٹنا نہیں ہے، وَلَا قُوَّةَ عَلَى الطَّاعَةِ اور نیکی کی طاقت نہیں ہے، موجود نہیں ہے إِلَّا بِاللَّهِ مگر اللہ کی مدد سے، اللہ کی توفیق سے۔ معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ تو لَا حَوْلَ عَنِ الْمَعَاصِي پلٹنا کس سے نہیں ہے؟ گناہوں سے، اور وَلَا قُوَّةَ طاقت بھی نہیں ہے، کس چیز کی طاقت نہیں ہے؟ عَلَى الطَّاعَةِ اللہ کی اطاعت پر، إِلَّا بِاللَّهِ مگر کس کی توفیق سے؟ اللہ کی مدد سے۔

جی اب حل ہو گیا بھئی؟ لا لائے نفی جنس، حَوْلَ کیا ہے؟ اس کا اسم مبنی علی الفتح ہم پڑھ رہے ہیں۔ واؤ حرفِ عطف، یہ آگے لا کیا ہے؟ لا اسی پر عطف ہے لائے نفی جنس ہے، قُوَّةَ کیا ہے؟ اس کے اس کا اسم ہے، اور یہاں خبر کیا ہے؟ محذوف ہے، وہ کیا ہے؟ تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ، اور خبر دونوں کی کیا آئے گی؟ محذوف ہے: مَوْجُودَانِ تثنیہ نکالیں گے بھئی۔ پلٹنا بھی موجود نہیں اور گناہوں سے، اور طاقت بھی نیکی کی موجود نہیں، تو مَوْجُودَانِ کیا نکالیں گے خبر؟ مَوْجُودَانِ تثنیہ نکالیں گے نا، ایک ہے پلٹنا ایک ہے طاقت یہ دونوں، ان کی یہ دونوں نہیں ہیں مَوْجُودَانِ إِلَّا بِاللَّهِ مگر کس کے ساتھ؟ اللہ۔ تو یہ با جارہ لفظِ اللہ مجرور، جار مجرور مل کر کس سے متعلق ہو جائیں گے؟ اس مَوْجُودَانِ کے ساتھ، مَوْجُودَانِ وہ کیا ہے؟ بلکہ چلیے پوری ترکیب آپ کر ہی لیں، پوری ترکیب کر لیں۔ جی کیجیے بھائی ترکیب: لَا لائے نفی جنس، حَوْلَ مبنی علی الفتح لائے نفی جنس کا اسم، واؤ حرفِ عطف، لَا لائے نفی جنس اور اس کا عطف ہے کس پر؟ ما قبل والے لا پر، اور قُوَّةَ مبنی علی الفتح اس لائے نفی جنس کا اسم، یہ اس کا عطف کس پر ہے؟ ما قبل والے پر حَوْلَ پر بھئی۔ اور ان دونوں کی خبر کیا ہے؟ مَوْجُودَانِ، مَوْجُودَانِ اعراب بھئی: مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ مفعول، مرفوع کیوں؟ کیونکہ لائے نفی جنس کی خبر ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ تثنیہ ہے نا، تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف، اس پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں۔ اور صیغہ اسمِ مفعول، اس کے اندر هُمَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب الفاعل، اس کا نائب، اسمِ فاعل میں فاعل ہوتا ہے اسمِ مفعول میں نائب الفاعل ہوتا ہے، تو نائب الفاعل جو کس کو راجع؟ وہ جو لائے نفی جنس کے دو اسم گزرے ہیں، تو یہ دونوں کی اکٹھی خبر ہے۔ اور إِلَّا حرفِ استثناء، با جارہ لفظِ اللہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ مَوْجُودَانِ صیغہ اسمِ مفعول کے ساتھ، اور اسمِ مفعول اپنے نائب الفاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی بھئی؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

مَعَ كَوْنِهِ مَعْرِفَةً: جائز ہے اس خبر کو مقدم کرنا اس کی اس کے اسموں پر مَعَ كَوْنِهِ مَعْرِفَةً ساتھ معرفہ ہونے کے، یعنی با محاورہ یوں ترجمہ کریں: باوجود معرفہ ہونے کے۔ معرفہ ہونے کے باوجود اس کو کیا کر سکتے ہیں؟ مقدم کر سکتے ہیں۔ اگرچہ مبتدا کی خبر کو نہیں کر سکتے لیکن اس کی خبر کو معرفہ ہونے کے باوجود مقدم، اور میں نے یہ بتایا یہ کس جگہ پر ہو گا؟ جب دونوں کے تلفظ میں اعراب میں فرق ہو، اگر فرق ہی نہیں ہو تا پھر یہاں بھی نہیں جائز۔

سبق نمبر ۶۸: فصل خبر ماولا، فصل اسم لا النفی الجنس اور آغازِ المقصد الثالث فی المجرورات

ہدایۃ النحو صفحہ: ۴۷—بتاریخ: ۲۳ مارچ ۲۰۱۵ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: خَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ: هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا، نَحْوُ: مَا زَيْدٌ قَائِمًا، وَلَا رَجُلٌ حَاضِرًا. وَإِنْ وَقَعَ الْخَبَرُ بَعْدَ إِلَّا، نَحْوُ: مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ، أَوْ تَقَدَّمَ الْخَبَرُ عَلَى الِاسْمِ، نَحْوُ: مَا قَائِمٌ زَيْدٌ، أَوْ زِيْدَتْ إِنْ بَعْدَ مَا، نَحْوُ: مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ، بَطَلَ الْعَمَلُ كَمَا رَأَيْتَ فِي الْأَمْثِلَةِ.

صاحبِ ہدایت النحو نے آپ کو بتلایا تھا کہ منصوبات بارہ ہیں۔ ان بارہ میں سے آج آخری قسم ہم پڑھیں گے بھائی۔ گیارہ قسمیں ہم پڑھ چکے ہیں، آج آخری قسم اور وہ ہے ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر بھائی۔ خبر ماولا المشبھتین بلیس، وہ ما اور لا المشبھتین بلیس جو مشابہ ہیں لیس کے ساتھ، ان کی خبر بھائی، ان کی خبر۔

تو ما اور لا مشابہ بلیس جو ہیں ان کی خبر منصوبات میں سے ہے بھائی، منصوبات میں سے۔ یعنی جب آپ کو یہ پتہ چل جائے کسی لفظ کے بارے میں کہ یہ ما مشابہ بلیس یا لا مشابہ بلیس کی خبر ہے، تو ساتھ ہی ایک دوسری بات کا بھی فوراً پتہ چل جاتا ہے، اور وہ یہ کہ اس پر نصب پڑھنا ہے، یہ منصوب ہے۔ ہاں پھر اس کے بعد آپ نے الگ پھر غور کرنا ہے کہ منصوب کون سا ہے، محلاً ہے یا لفظاً ہے یا تقدیراً ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: فَصْلٌ، أَيْ: هٰذَا فَصْلٌ، یہ فصل ہے۔ خَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ، خبر اس ما اور لا کی المشبھتین بلیس جو مشابہ ہیں لیس کے ساتھ۔ یہ دونوں مشابہ ہیں لیس کے ساتھ، کس طرح مشابہ ہیں؟ جیسے لیس مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا ہے، اسی طرح ما اور لا بھی کس پر داخل ہوتے ہیں؟ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔ نیز لیس معنی کے اندر نفی پیدا کر دیتا ہے۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ» اس کا معنی ہے زید کھڑا ہے، لیکن جب آپ کہیں «لَيْسَ زَيْدٌ قَائِمًا» اب معنی کیا ہے؟ زید کھڑا نہیں ہے۔ تو دیکھو معنی کے اندر نفی کا بھی فائدہ دیتا ہے لیس۔ تو اسی طرح یہ ما اور لا بھی کیا کرتے ہیں؟ معنی کے اندر نفی کا فائدہ دیتے ہیں۔ تو یہ اس اعتبار سے لیس کے مشابہ ہیں کہ یہ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں لیس کی طرح، اور نیز یہ لیس کی طرح نفی کا معنی ادا کرتے ہیں۔

تو کہتے ہیں وہ خبر ما اور لا مشابہ بلیس کی: هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا، وہ خبر کیا ہوتی ہے؟ مسند ہوتی ہے بعد دخولھما ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد، یعنی ما اور لا مشابہ بلیس یہ جب داخل ہو جائیں تو ان کی جو خبر ہے وہ منصوب ہوتی ہے اور مسند ہوتی ہے۔ نَحْوُ: «مَا زَيْدٌ قَائِمًا»، «وَلَا رَجُلٌ حَاضِرًا». انہوں نے آپ کو پہلے بتلایا تھا کہ ما وہ معرفہ اور نکرہ دونوں پر داخل ہوتا ہے، تو اسی لیے اس کا اسم کیا ذکر کیا؟ «زَيْدٌ» معرفہ، کیونکہ یہ معرفہ پر بھی داخل ہو جاتا ہے اور نیز کس پر داخل ہوتا ہے؟ نکرہ پر بھی۔ جبکہ لا جو ہے وہ صرف نکرہ پر داخل ہوتا ہے اس لیے اس کی مثال کیا دی؟ «لَا رَجُلٌ حَاضِرًا»، تو رجل نکرہ لے کر آئے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ جی، تو کہتے ہیں: «مَا زَيْدٌ قَائِمًا» زید کھڑا نہیں ہے، «وَلَا رَجُلٌ حَاضِرًا» اور ایک آدمی حاضر نہیں ہے۔

جی، ترکیب کیجیے بھائی: «مَا زَيْدٌ قَائِمًا»، ما مشابہ بلیس۔ آگے «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً اس کا اسم۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ ما کا اسم ہے اور یہ مرفوع ہوتا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، شاباش۔ آگے «قَائِمًا» منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ ما کی خبر ہے اور وہ منصوب

ہوتی ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ آگے صیغہ اسم فاعل، آگے هُو ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ جو زید کو راجع۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مامشابہ بلیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔ طریقہ آگیا بھائی؟ دیکھا آپ نے ربط بھی دے دیا تھا، قائم کی ضمیر زید کو راجع کی تھی بھائی۔

■ قولہ: «وَلَا رَجُلٌ حَاضِرًا» کی تشریح

«وَلَا رَجُلٌ حَاضِرًا»، جی، لامشابہ بلیس۔ «رَجُلٌ» مرفوع لفظاً اس کا اسم۔ «حَاضِرًا» منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ اس کے اندر هُو ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع ہے؟ رجل کو یعنی لا کے اسم کو، کیونکہ لا کی خبر کو لا کے اسم سے جوڑتے ہیں۔ تو اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ لامشابہ بلیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

اچھا، دونوں میں فرق کیا ہے؟ گزشتہ سبق میں آیا تھا لائے نفی جنس بھائی، اور یہ کیا ہے؟ لامشابہ بلیس۔ تو دونوں میں فرق کیا ہو گا؟ مثلاً میں کہتا ہوں: «لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ»، کون سا لا ہے؟ ادھر توجہ کیجیے۔ «لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ»، کون سا لا ہے؟ لائے نفی جنس ہے، کیونکہ اس کا اسم کیا ہوتا ہے؟ کبھی کبھار مبنی علی الفتح ہوتا ہے، اور میں بھی تنوین نہیں پڑھ رہا، توجہ ہے ادھر بھائی؟ «لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ». اور دوسرا میں پڑھتا ہوں: «لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ»، یہ کون سا لا ہے؟ یہ لامشابہ بلیس۔ دونوں میں فرق سمجھ میں آیا بھائی؟

تو اچھا، دونوں میں فرق کیا ہے؟ میں کہتا ہوں: «لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ»، اور میں کہتا ہوں: «لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ»، کیا فرق ہو گا؟ فرق یہ ہے: «لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ» وہاں فی الدار کی نفی کی گئی کس سے؟ رجل، جنس رجل سے۔ لائے نفی جنس میں کس سے نفی کی گئی؟ جنس سے۔ یعنی جنس رجل فی الدار نہیں، معلوم ہوا کوئی آدمی بھی گھر میں نہیں ہے۔ اگر ایک آدمی بھی گھر میں ہوا تو یہ تو بات غلط ہو جائے گی، اور میں تو کیا کہہ رہا ہوں؟ «لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ»، اس کا کیا معنی؟ کہ جنس رجل جو ہے، یہ لائے نفی جنس ہے نا، جنس سے نفی کرتا ہے، کہ جنس رجل جو ہے فی الدار نہیں ہے، گھر میں نہیں ہے۔ معلوم ہوا ایک بھی آدمی گھر میں نہیں ہے۔ ایک ہو جائے تو بھی یہ کلام غلط، دو ہو جائیں تو بھی یہ کلام غلط، تین ہو جائیں تو بھی یہ کلام غلط۔ لہٰذا اس کلام کا تقاضا کیا ہے کہ گھر میں کوئی بھی مرد نہ ہو، «لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ»۔

اور جبکہ میں کہتا ہوں: «لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ»، اس کا معنی یہ ہے کہ گھر میں ایک مرد نہیں ہے۔ لہٰذا اگر دو ہوئے تو میرا کلام پھر بھی ٹھیک ہے۔ میں نے تو کیا کہا تھا؟ «لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ»، گھر میں ایک آدمی نہیں۔ تو جب «لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ» کہا یہ کیا تقاضا کرتا ہے؟ کہ پوری جنس کی ہی کیا کر دی؟ پوری جنس سے ہی فی الدار ہونے کی نفی کر دی۔ اور جب کہا «لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ» تو اس کا معنی کیا ہے؟ گھر میں ایک آدمی نہیں۔ اگر دو یا تین ہوں تو بھی کلام صحیح ہے بھائی، کیونکہ میں نے تو کیا کہا تھا؟ ایک آدمی نہیں ہے۔ اور اگر میں کہتا ہوں دو آدمی گھر میں نہیں ہیں: «لَا رَجُلَانِ فِي الدَّارِ»، کیا معنی؟ معلوم ہوا دو نہیں ہیں، ایک بھی ہو سکتا ہے اور دو سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں لیکن دو نہیں ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی۔ اور میں کہتا ہوں: «لَا رِجَالٌ فِي الدَّارِ»، کیا معنی؟ گھر میں کئی آدمی نہیں ہیں، معلوم ہوا تین یا تین سے زیادہ ہوئے تو یہ کلام پھر صحیح نہیں رہے گا۔ ہاں، دو ہوا تو بھی صحیح کیونکہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ «لَا رِجَالٌ فِي الدَّارِ»، اور جمع ہے اور جمع کا اطلاق کم از کم کتنے پر ہوتا ہے؟ تین پر، تو تین سے کم بھی اس سے نکل گئے۔ تو دو آدمی ہوئے پھر بھی میں کہہ سکتا ہوں «لَا رِجَالٌ فِي الدَّارِ»، ایک آدمی ہو میں پھر بھی کہہ سکتا ہوں «لَا رِجَالٌ فِي الدَّارِ»۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ «لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ» اور «لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ» میں بھائی۔

کہتے ہیں: وَإِنْ وَقَعَ الْخَبَرُ بَعْدَ «إِلَّا»، بھائی انہوں نے آپ کو بتا دیا کہ یہ ما اور لا یہ کیا عمل کرتے ہیں؟ اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور خبر کو نصب۔ اور یہاں اس وقت خبر کی بات چل رہی ہے، یہ اپنی خبر کو نصب دیتے ہیں، لیکن یاد رکھیے یہ عامل ہیں ضعیف بھائی۔ تو یہ عامل ضعیف ہے، یہ اپنی خبر میں عمل کرتا ہے لیکن اگر خبر ذرا اپنی جگہ بدل دے یا صورت بدل دے تو پھر یہ عمل نہیں کرے گا کیونکہ یہ عامل ضعیف ہے۔ عامل تو یہ ہے، عمل تو کر رہا ہے، ٹھیک ہے؟ اپنے اسم کو کیا دے رہا ہے؟ رفع، اور خبر کو نصب۔ تو یہ عامل تو ہے لیکن عامل ضعیف ہے۔ لہٰذا اس کے کلام میں کوئی تھوڑا سا بھی ردوبدل ہو جائے، ترتیب بدل جائے، اور لفظ بیچ میں آجائیں تو پھر یہ عمل نہیں کرتا۔ مثلاً بھائی، اگر اس کی خبر سے پہلے «إِلَّا» آجائے تو پھر یہ عمل نہیں کرے گا۔

مثلاً پہلے جملہ کیا تھا؟ «مَا زَيْدٌ قَائِمًا»، توجہ ہے؟ «مَا زَيْدٌ قَائِمًا»، یہ کیا کر رہا ہے؟ اپنے اسم کو رفع اور خبر کو نصب۔ لیکن اگر خبر سے پہلے «إِلَّا»

آجائے تو پھر یہ عمل نہیں کرے گا اور پھر وہ خبر مرفوع ہو جائے گی: «مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ»، اب قائماً نہیں بلکہ کیا ہے؟ قائمٌ۔ توجہ ہے؟ جب کیا آجائے؟ اس ما اور لا کی خبر سے پہلے، تو اگر ان کی خبر سے پہلے کیا آجائے؟ «إِلَّا» آجائے تو پھر ان کا عمل لغو ہو جاتا ہے، پھر یہ عمل نہیں کرتے، خبر کو نصب نہیں دیتے۔ جیسے «مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ»۔

یا اسی طرح، یا اسی طرح خبر اگر اسم پر مقدم ہو جائے، جگہ بدل جائے۔ پہلے کیا تھا؟ «مَا زَيْدٌ قَائِمًا»، اس قائماً کو ذرا زید پر مقدم کر دیں، خبر کو اسم پر کیا کر دیں؟ مقدم کر دیں۔ اب یہ عمل نہیں کرے گا۔ کیسے کہیں گے؟ «مَا قَائِمٌ زَيْدٌ»، صورت سمجھ میں آگئی؟ ہونا تو چاہیے تھا «مَا قَائِمًا زَيْدٌ» کیونکہ قائماً کیا ہے؟ ما کی خبر۔ لیکن یہ عامل ضعیف ہے، جگہ بدل گئی اب یہ عمل نہیں کرے گا تو اب خبر بھی مرفوع، تو «مَا قَائِمٌ زَيْدٌ»۔

اور اسی طرح اگر ما کے بعد «إِنْ» آجائے تو بھی یہ عمل نہیں کرے گا بھائی۔ یاد رکھیے «إِنْ» بھی نفی کے لیے آتا ہے۔ جیسے نفی کے لیے «مَا» آتا ہے نا، اور اسی طرح نفی کے لیے «لَا» استعمال ہوتا ہے کلام عرب میں، اسی طرح «إِنْ» بھی آتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ مثلاً میں کہتا ہوں: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، کیا معنی؟ زید کھڑا ہے۔ میں کہتا ہوں: «إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ»، کیا معنی؟ زید کھڑا نہیں ہے۔ یہ «إِنْ» کس لیے آتا ہے؟ نفی کے لیے۔ تو یہ نفی اگر ما کے بعد بڑھا دیا جائے تو پھر اس صورت میں ما کا عمل لغو ہو جائے گا کیونکہ وہ عامل ضعیف ہے۔ مثلاً کلام یوں تھا: «مَا زَيْدٌ قَائِمًا»، اب ذرا ما کے بعد «إِنْ» بڑھا دیں: «مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ» بھائی، اب وہ نصب نہیں دے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو تین صورتیں یہ ذکر کر رہے ہیں بھائی، تین صورتیں، جن صورتوں میں یہ ما کا عمل لغو ہو جاتا ہے، یہ عمل نہیں کرتا۔ پہلی کیا صورت؟ کہ خبر سے پہلے اگر کیا آجائے؟ «إِلَّا» آجائے۔ دوسری صورت یہ کہ خبر کو اگر اس کے اسم پر مقدم کر دیں یعنی ترتیب بدل دیں، اور تیسری صورت یہ کہ اگر ما کے بعد کیا آجائے؟ «إِنْ» نافیہ بڑھا دیا جائے بھائی، تو پھر اس کا عمل لغو ہو جائے گا۔

دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: وَإِنْ وَقَعَ الْخَبَرُ بَعْدَ «إِلَّا»، اور اگر یہ ان کی خبر واقع ہو إلا کے بعد: نَحْوُ: «مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ». سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ دونوں کی بات چل رہی ہے، دونوں کی خبر کس کے بعد آجائے؟ إلا کے بعد، تو وہ عمل باطل ہو جائے گا۔ تو کہتے ہیں: وَإِنْ وَقَعَ الْخَبَرُ بَعْدَ «إِلَّا»، اور اگر یہ ما اور لا کی خبر إلا کے بعد واقع ہو: نَحْوُ: «مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ»، أَوْ تَقَدَّمَ الْخَبَرُ عَلَى الِاسْمِ، یا خبر مقدم ہو جائے کس پر؟ ان کے اسم پر۔ دیکھو، میں نے جو ضابطے بتائے نا وہ ضابطے ذرا لگاؤ، دیکھو بہترین ترجمہ ہوتا ہے۔ وَإِنْ وَقَعَ الْخَبَرُ بَعْدَ «إِلَّا»، اگر واقع ہو الخبر بعد إلا، کس کے بعد؟ إلا کے بعد۔ ترجمہ کیسے کریں گے؟ اگر واقع ہو خبر؟ نہیں، الخبر، الف لام آرہا ہے، معلوم ہوا کوئی خاص خبر مراد ہے۔ کون سی خبر؟ ان کی جو خبر ہے، خبر الف لام کی ضد کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے، عموماً اس کا ترجمہ کس کے ساتھ کرتے ہیں؟ «وہ» کے ساتھ۔ وہ کا مطلب بھی ہوتا ہے نا کسی متعین کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ یہاں متعین کس طرح ہو گا؟ الخبر سے کس کی خبر مراد ہے؟ ان کی خبر، یہ ما اور لا کی خبر۔ تو یہاں یوں ترجمہ کریں گے: وَإِنْ وَقَعَ الْخَبَرُ، اور اگر ان کی خبر واقع ہو بعد إلا، کس کے بعد؟ یعنی یوں ترجمہ کر لو: اگر واقع ہو وہ خبر بعد إلا، کس کے بعد؟ وہ خبر، کون سی خبر؟ ان کی، یہ ما اور لا کی۔ اسی طرح آگے آرہا ہے: أَوْ تَقَدَّمَ الْخَبَرُ عَلَى الِاسْمِ، اگر مقدم ہو جائے الخبر، ان کی خبر یا کہہ لو، یا کہہ لو وہ خبر، اور وہ خبر سے بھی کون سی کن کی خبر مراد ہے؟ انہی کی۔ تو یا وہ خبر مقدم ہو جائے علی الاسم کس پر؟ اسم پر۔ کس اسم پر؟ پوری بات کریں، علی الاسم، الاسم معرفہ ہے، ان کے اسم، ان کا اسم مراد ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَإِنْ وَقَعَ الْخَبَرُ بَعْدَ «إِلَّا»، اور اگر ان کی خبر واقع ہو إلا کے بعد، نَحْوُ: «مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ»، أَوْ تَقَدَّمَ الْخَبَرُ عَلَى الِاسْمِ، یا مقدم ہو جائے ان کی خبر ان کے اسم پر، نَحْوُ: «مَا قَائِمٌ زَيْدٌ»، أَوْ زِيْدَتْ «إِنْ» بَعْدَ «مَا»، یا إن بڑھا دیا جائے ما کے بعد، نَحْوُ جیسے کہ مثال کے طور پر: «مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ»، تو ان تمام صورتوں میں: بَطَلَ الْعَمَلُ، تو باطل ہو جائے گا العمل، ہاں وہ عمل خاص عمل مراد ہے، ہر عمل نہیں مراد، اور وہ ان کا عمل مراد ہے۔ تو بَطَلَ الْعَمَلُ ان کا عمل باطل ہو جائے گا: كَمَا رَأَيْتَ فِي الْأَمْثِلَةِ، جیسے کہ آپ نے دیکھا ان مثالوں میں بھائی، جیسے کہ آپ نے ان مثالوں میں دیکھا کہ انہوں نے دیکھیے یہ اپنی خبر کو نصب نہیں دے رہے بھائی۔

■ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب

ترکیب کیجیے بھائی: «مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ»، مامشابہ بلیس، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً اس کا اسم، نہیں نہیں، اب یوں نہیں ترکیب ہو گی، بدل گئی۔ انہوں نے ابھی آپ کو بتا دیا ان صورتوں میں یہ ما کا عمل ختم ہو جائے گا، ما کا عمل کیا ہو جائے گا؟ ما اب عمل نہیں کرے گا۔ جی؟ نہیں نہیں، یوں ہو گا: مامشابہ بلیس ملغیٰ عن العمل، کیا کہیں گے؟ ملغیٰ عن العمل، اس کو لغو کیا گیا ہے عمل سے، یعنی عمل سے روک دیا گیا ہے، اب یہ عمل نہیں کر سکتا۔ کیوں نہیں کر سکتا؟ کوئی آپ سے

پوچھ لے، آپ کہیں گے آگے اِلا آرہا ہے۔ تو جب یہ عمل نہیں کر رہا تو اب یہ نہ اس کا اسم ہے نہ اس کی خبر ہے، بلکہ یہ مبتدا اور خبر بنا دیں ان کو۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «إِلَّا» حرف استثناء، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُو ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید یعنی مبتدا کو۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اسی طرح «مَا قَائِمٌ زَيْدٌ»، یہاں بھی ماشابہ بلیس ملغیٰ عن العمل، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُو ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو لوٹے کس کو؟ زید کو۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر مقدم، اور «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدائے مؤخر۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

أَوْ زِيْدَتْ «إِنْ» بَعْدَ «مَا»، جیسے «مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ»، ماشابہ بلیس ملغیٰ عن العمل، «إِنْ» حرف نفی، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُو ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ هُو ضمیر نہیں ہم نے لوٹائی، وہ کس کو لوٹے گی؟ زید کو۔ تو اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی بھائی؟

اچھا بھائی، سوال یہ کہ ما اور لا کی خبر سے پہلے اِلا آجائے یا ان کی خبر ان کے اسم پر مقدم ہو جائے یا ما کے بعد اِن آجائے، تو پھر یہ عمل نہیں کرتے، کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ، بھائی کہ یہ عامل ضعیف ہیں۔ عمل تو ٹھیک ہے کرتے ہیں، اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں، اپنی خبر کو نصب، تو یہ عمل تو کرتے ہیں، یہ عامل تو ہیں لیکن عامل ضعیف ہیں، عامل ضعیف ہیں۔ تو جب یہ عامل ضعیف ہیں تو تھوڑی سی بھی تبدیلی آتی ہے تو بس یہ اپنے یہ عمل پھر نہیں کر سکتے بھائی۔ یہ عمل، مثلاً دیکھیے پہلی مثال تھی: «مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ»، یہاں پر دیکھیے یہ ما کا عمل لغو ہوا، یہ اب قائمٌ کو نصب نہیں دے رہا۔ کیوں نہیں دے رہا؟ کیونکہ درمیان میں اِلا آ گیا، اور یہ جو یاد رکھیے اِلا جو ہے یہ نفی کو توڑ دیتا ہے۔ کیا کرتا ہے؟ اور ما تو عمل کر رہا تھا کیونکہ اس کا یہ نفی والا معنی ادا کر رہا ہے، تو جب اس کا عمل ہی جس کی نفی ختم ہوئی تو اس کا عمل بھی ختم۔ آپ خود غور کر لیں دیکھیے، تو جہ ہے؟ ترجمہ کرنا ہے ہم نے۔ «مَا زَيْدٌ قَائِمًا»، ذرا اس کا ترجمہ کرو۔ «مَا زَيْدٌ قَائِمًا»، زید کھڑا نہیں ہے۔ ما کس چیز کا فائدہ دے رہا ہے؟ نفی کا۔ تو «مَا زَيْدٌ قَائِمًا» زید کھڑا نہیں ہے۔ اب ذرا اِلا لے آؤ: «مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ»، نہیں ہے زید اِلا قائمٌ مگر کھڑا ہی۔ نہیں ہے زید مگر کھڑا، یعنی زید کھڑا ہی ہے۔ ترجمے پہ نظر ہے؟ زید کھڑا ہی ہے۔ نفی والا کوئی معنی، پہلے کیا تھا؟ «مَا زَيْدٌ قَائِمًا» زید نہیں کھڑا۔ اب معنی کیا ہے؟ «مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ» نہیں ہے زید اِلا قائمٌ مگر کھڑا، با محاورہ کرو اس کو نا، یہ تو آپ نے ایک ایک لفظ کا ترجمہ کیا۔ دیکھو نہیں ہے زید مگر کھڑا ہوا، کیا مطلب؟ یعنی زید کھڑا ہوا ہی ہے۔ کوئی اور صفت نہیں ہے، بیٹھا ہوا نہیں ہے بلکہ زید کھڑا ہوا ہی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو «مَا زَيْدٌ قَائِمًا» کا معنی تھا زید کھڑا نہیں ہے، اور «مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ» کا معنی ہے زید کھڑا ہی ہے، تو دیکھو نفی ختم ہو چکی ہے۔ یہ نفی کس نے توڑی؟ اِلا نے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ما عمل کرتا تھا اپنے نفی کی وجہ سے، تو جب اِلا نے آکر اس کی نفی توڑ دی تو اس کا عمل بھی کیا ہوا؟ ٹوٹ گیا اور اب یہ عمل نہیں کرے گا۔ اسی لیے اب اس کی خبر کو نصب بھی نہیں دے رہا۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

دوسری صورت تھی کہ خبر جب مقدم ہو جائے اسم پر: «مَا قَائِمٌ زَيْدٌ». اس صورت میں کیوں عمل یہ عمل نہیں کر رہا؟ بھائی وہی وجہ، یہ عامل ضعیف ہے۔ اس کو اتنا پتہ تھا کہ جو دوسرے نمبر پر آئے گا میں نے اس کو نصب دینا ہے۔ پہلے کیا تھا؟ «مَا زَيْدٌ قَائِمًا»، یہ پہلے کو کیا دے رہا تھا؟ رفع، اور دوسرے اسم کو کیا دے رہا تھا؟ نصب۔ تو یہ بیچارہ ضعیف عامل ہے، اس کو زیادہ پتہ نہیں، اتنا پتہ ہے کہ جو دوسرے نمبر پر آئے گا لفظ اس پر میں نے کیا لانا ہے؟ نصب۔ جب ترتیب بدل گئی یہ گڑبڑا گیا، بس بیچارے کا عمل کیا ہوا؟ ختم، کیونکہ یہ ضعیف عامل ہے، کمزور ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تیسری صورت کیا تھی؟ «مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ»، یہاں یہ اِن بڑھا اب یہ عمل نہیں کر سکتا، وہی وجہ کیونکہ یہ عامل ضعیف ہے، اس کو اتنا پتہ ہے کہ میں نے دوسرے لفظ کو کیا دینا تھا؟ نصب۔ جب درمیان میں اِن آگیا تو فاصلہ بڑھ گیا تو اب اس کا عمل ختم، یہ عمل نہیں کر سکتا۔

تو کہتے ہیں تمام صورتوں میں: بَطَلَ الْعَمَلُ، ان کا عمل باطل ہو جائے گا: كَمَا رَأَيْتَ فِي الْأَمْثِلَةِ، جیسے کہ آپ نے کس میں دیکھا؟ ان مثالوں کے اندر دیکھا بھائی۔

وَهٰذَا لُغَةُ أَهْلِ الْحِجَازِ، أَمَّا بَنُوْ تَمِيْمٍ فَلَا يُعْمِلُوْنَهُمَا أَصْلًا. کہتے ہیں: وَهٰذَا لُغَةُ أَهْلِ الْحِجَازِ، یہ اہل حجاز کی لغت ہے، ان کی زبان ہے۔ بھائی آپ جانتے ہیں کہ عرب بہت بڑا علاقہ ہے بھائی، بڑا علاقہ۔ تو وہاں مختلف قومیں آباد تھیں، اور جیسے یہاں بھی آپ دیکھتے ہیں بھائی، ایک لاہور والوں کی اردو ہے، ایک فیصل آباد والوں کی اردو ہے، ایک کراچی والوں کی اردو ہے، ہر ایک میں تھوڑا تھوڑا فرق ہوتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح علاقے بدلتے ہیں تو زبان بے شک وہی ہوتی ہے لیکن تھوڑا تھوڑا فرق آجاتا ہے۔ تو یہاں عرب کی بھی زبان میں تھوڑا تھوڑا فرق، عربی تو سب کی زبان تھی لیکن کچھ نہ کچھ فرق تھا۔ تو ان

میں سے جو اہل حجاز تھے یہ ان کی لغت ہے، ان کی زبان اس طرح ہے۔ کہ ان کے نزدیک کیا ہے؟ ما اور لا کیا کرتے ہیں؟ اپنی خبر کو نصب دیتے ہیں، یہ اہل حجاز کی لغت ہے۔ حجاز یاد رکھیے یہ عرب کا ایک بڑا علاقے بڑے علاقے کا نام ہے، یوں سمجھیں جیسے ہمارے ہاں صوبہ ہوتا ہے، صوبہ، صوبہ پنجاب ہے، صوبہ سندھ ہے، تو ایک بڑا علاقہ ہے اس سارے کا کیا نام ہے؟ صوبہ۔ اسی طرح عرب میں علاقے ہیں تو ایک علاقہ ہے اس کا نام ہے حجاز، اسی میں مکہ اور مدینہ بھی اسی کے اندر آتے ہیں۔ سمجھ میں آئی بات؟ ہاں، تو یہ اہل حجاز یہ جو حجاز علاقے والے تھے ان کی یہ زبان تھی، ان کا یہ ان کے نزدیک ما اور لا کیا کرتے ہیں؟ اپنے اسم کو رفع اور اپنی خبر کو نصب دیتے ہیں۔ یہ معنی ہے: وَهٰذَا لُغَةُ أَهْلِ الْحِجَازِ، اور یہ اہل حجاز کی لغت ہے، ان کی زبان ہے۔

أَمَّا بَنُوْ تَمِيْمٍ فَلَا يُعْمِلُوْنَهُمَا أَصْلًا، باقی بنو تمیم جو ہے، بنو تمیم یہ عرب کا ایک بڑا قبیلہ ہے۔ باقی تو بنو تمیم والے جو ہیں وہ اس قبیلے والے: فَلَا يُعْمِلُوْنَهُمَا، وہ ان دونوں کو عامل نہیں بناتے: أَصْلًا، سرے سے ہی، اصلاً ای قطعاً، قطعی طور پر۔ بھائی اہل حجاز کیا کہتے تھے؟ ان کی زبان کس طرح ہے؟ وہ ما اور لا مشابہ بلیس جب کلام میں آجائیں وہ ان کے اسم پر رفع پڑھتے ہیں اور ان کی خبر پر نصب پڑھتے ہیں، جبکہ بنو تمیم یہ بھی بہت بڑا قبیلہ ہے، یہ ان کو عامل بناتے ہی نہیں، یعنی یہ رفع اور نصب دیتے ہی نہیں، یعنی ان کی خبر منصوب ہوتی ہی نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

مثلاً بنو تمیم والے یہی جملہ، اہل حجاز کیا کہتے تھے؟ «مَا زَيْدٌ قَائِمًا»، اسی جملے کو بنو تمیم والے یوں بولیں گے: «مَا زَيْدٌ قَائِمٌ». تو اہل حجاز والے قَائِمًا پر نصب پڑھ رہے تھے اور بنو تمیم والے کیا ہے؟ قَائِمٌ پر اس پر رفع پڑھیں گے۔ معلوم ہوا وہ اس کو عامل بناتے ہی نہیں ہیں۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ»، توجہ ہے؟ «زَيْدٌ قَائِمٌ» مبتدا خبر تھے۔ اس پر ما مشابہ بلیس داخل ہوا، کیا بن گیا؟ کیسے پڑھیں گے؟ «مَا زَيْدٌ قَائِمًا»، لیکن بنو تمیم والے پھر بھی اسی طرح پڑھیں گے: «مَا زَيْدٌ قَائِمٌ». معلوم ہوا ان کے نزدیک ما عمل کرتا ہی نہیں، وہ اس کو عامل بناتے ہی نہیں۔ «زَيْدٌ» جیسے پہلے مبتدا تھا اب بھی مبتدا ہے، «قَائِمٌ» جیسے پہلے مبتدا کی خبر تھی اب بھی کیا ہے؟ مبتدا کی خبر ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے، کہتے ہیں: أَمَّا بَنُوْ تَمِيْمٍ فَلَا يُعْمِلُوْنَهُمَا أَصْلًا، باقی بنو تمیم والے جو ہیں وہ ان دونوں کو عامل بناتے ہی نہیں اصلاً، ای قطعاً، قطعی طور پر، یقینی طور پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟

قَالَ الشَّاعِرُ عَنْ لِسَانِ بَنِيْ تَمِيْمٍ: ایک شاعر کہتا ہے عن لسان بنی تمیم بنو تمیم قبیلے کی زبان میں، ایک شاعر بنو تمیم قبیلے کی زبان میں کہتا ہے، یعنی ان کی لغت میں کہتا ہے۔ اور ان کی لغت میں کہتا ہے تو کس طرح کیا بتلائیں گے؟ کہ خبر پر رفع پڑھے گا، شاعر کیا کرے گا؟ ما اور لا کی خبر پر رفع پڑھے گا۔ یاد رکھیے کلام عرب کی جب بات کی جاتی ہے تو دلیل کے طور پر شاعروں کے اشعار پیش کیے جاتے ہیں بھائی۔ قدیم شعراء جو تھے ان کے اشعار پیش کیے، مثلاً آپ نے ضابطہ پڑھا کہ مبتدا مرفوع ہوتا ہے، خبر بھی کیا ہوتی ہے؟ مرفوع ہوتی ہے۔ کوئی آپ سے پوچھ لے بھائی کیوں؟ کیا دلیل ہے آپ کے پاس؟ کیا دلیل ہے؟ تو اب تو آپ کے پاس کتابیں تیار ہیں، آپ کہیں گی بھائی صاحب ہدایت النحو نے لکھا ہے کہ مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی، یا آپ کہہ دیں گے صاحب کافیہ نے لکھا ہے، صورت سمجھ میں آگئی۔ لیکن علماء نے بڑی محنت کر کے، بڑی محنتیں کر کے یہ قوانین مرتب کیے ہیں بھائی۔ یہ نہیں کہ تیار چیزیں ان کو مل گئیں، بلکہ ان کو پورے کلام عرب کی چھان بین انہوں نے کی، اور بہت غور و فکر کیا ایک ایک چیز میں، تب جا کر ان کو تب جا کر انہوں نے ان قوانین کو ترتیب دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ عرب ہمیشہ مبتدا پر رفع پڑھتے ہیں تو انہوں نے قانون بنا دیا کہ مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ انہوں نے دیکھا ہمیشہ عرب جو ہیں خبر پر رفع پڑھتے ہیں تو انہوں نے قانون بنا دیا کہ خبر بھی کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ اسی طرح انہوں نے دیکھا کہ فاعل پر ہمیشہ عرب رفع پڑھتے ہیں تو انہوں نے قانون بنا دیا کہ فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ لیکن یہ قانون آسانی سے نہیں بنے، بلکہ بڑی جستجو کرنا پڑی، سالوں تک وہ عرب کے دیہاتوں میں گھومتے رہے بڑے بڑے علماء گھومتے رہے اور زبان کی تحقیق و جستجو کرتے رہے، یہاں تک کہ یہ پوری علم نحو کو انہوں نے ترتیب دیا۔ اس نحو میں سارے قوانین ہیں نا، کہاں رفع کہاں نصب کہاں جر، تو اس کے لیے کلام عرب میں انہوں نے ڈھونڈا اور پھر یہ قوانین ترتیب دیے۔ تو اب بھی جب وہ ان کی کتابیں آپ اٹھائیں گے آپ دیکھیں گے وہ عرب شاعروں کا قول پیش کرتے ہیں۔ مثلاً جب وہ کہیں گے کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے، پرانے علماء جب کتاب لکھتے کیا لکھتے؟ فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ تو پھر آگے دلیل بھی دیتے، بھائی سننے والا پوچھے گا بھائی کیسے ہم آپ کی بات مان لیں، کیا دلیل ہے آپ کے پاس کہ فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ پھر وہ ان کے اشعار پیش کرتا ہے، کہتا ہے یہ دیکھو یہ فلاں شاعر بڑا شاعر گزرا تھا فصیح و بلیغ، اس نے دیکھو اس جگہ فاعل پر رفع پڑھا ہے، اس جگہ فاعل پر کیا پڑھا ہے؟ رفع پڑھا ہے۔ دوسرے شاعر کا شعر ذکر کرے گا کہ یہ دوسرا بہت بڑا شاعر اس زمانے کا گزرا، اس نے دیکھو یہاں فاعل پر رفع پڑھا اور یہاں پر بھی فاعل پر کیا پڑھا؟ رفع۔ پھر تیسرا شاعر، تو اس طرح وہ اشعار دلیل کے طور پر ذکر کرتے ہیں ہر ہر چیز میں۔ آپ تو بڑے مزے سے یہ خلاصہ پڑھ رہے ہیں بھائی، اتنی محنتیں انہوں نے کی ہیں، ایک ایک اشعار دیکھا پرکھا اس کو اور پھر ضابطے انہوں نے بنائے اور ان کو جمع کیا بھائی۔ تو یہ جب بھی نحو کی بات کی جاتی ہے یا عربی زبان کی بات کی جاتی ہے زبان، تو کس کو پیش کیا جاتا ہے؟ ان کے بڑے بڑے جو فصیح و بلیغ شاعر تھے ان کے کلام کو پیش کیا جاتا ہے۔ اب یہاں پر بھی بات کیا چل رہی ہے کہ بنو تمیم

والے کیا کرتے ہیں؟ وہ اس ما اور لا کو عمل دیتے ہی نہیں، ما اور لا کی خبر پر بھی رفع ہی پڑھتے ہیں، جیسے ما اور لا کے داخل ہونے سے پہلے وہ مبتدا اور خبر تھے مرفوع تھے، اسی طرح ما اور لا کے داخل ہونے کے بعد بھی وہ اس پر کیا پڑھتے ہیں؟ رفع۔ تو دلیل کیا ہے اس کی؟ تو وہ اب شاعر کا ایک شعر پیش کرے گا کہ دیکھو یہ بنو تمیم والوں کی زبان شاعر کہہ رہا ہے اور اس نے اس طرح رفع پڑھا اس میں۔

تو کہتے ہیں: قَالَ الشَّاعِرُ عَنْ لِسَانِ بَنِيْ تَمِيْمٍ، شاعر کہتا ہے بنو تمیم قبیلے کی زبان میں: وَمُهَفْهَفٍ كَالْغُصْنِ قُلْتُ لَهُ انْتَسِبْ فَأَجَابَ مَا قَتْلُ الْمُحِبِّ حَرَامُ

اور بعض کتابوں میں ہے شاید: «فَأَجَابَ مَا قَتْلُ الْمُحِبِّ عَلَى الْمُحَبِّ حَرَامُ». «مُهَفْهَفٍ»، مہفہف کہتے ہیں پتلی کمر والا۔ مہفہف کسے کہتے ہیں؟ پتلی کمر والا، اور یہ کنایہ ہے محبوب سے۔ یہ کنایہ ہے کیا کس سے؟ یعنی اس سے محبوب مراد ہے۔ «كَالْغُصْنِ»، غصن کہتے ہیں شاخ کو بھائی، درختوں کی جو شاخ ہوتی ہے۔ تو «كَالْغُصْنِ» شاخ جیسا، شاخ جیسا۔ «قُلْتُ لَهُ انْتَسِبْ»، انتسب کا معنی ہے نسبت بیان کرنا۔ «فَأَجَابَ»، اجاب کا معنی ہے جواب دینا۔ «مَا قَتْلُ الْمُحِبِّ»، محب کہتے ہیں محبت کرنے والا، محب بھائی۔ اور «عَلَى الْمُحَبِّ»، محب کہتے ہیں جس سے محبت کی جائے، اس میں مفعول کا صیغہ ہے۔ محب ہے اسم فاعل کا صیغہ، محبت کرنے والا، اور محب اس میں مفعول ہے جس سے محبت کی جائے یعنی محبوب یا یوں کہیں حبیب مراد ہے۔

تو دیکھیے شاعر کہتا ہے: «وَمُهَفْهَفٍ»، یاد رکھیے یہ واؤ بمعنی ربّ کے ہے۔ واؤ کس معنی میں ہے؟ ربّ۔ یہ آگے آپ کو چل کر بتائیں گے۔ ربّ یہ جر دیتا ہے، حروف جارہ میں سے ہے، اور کبھی کبھار واؤ اس کے معنی میں استعمال ہو جاتا ہے، تو «وَمُهَفْهَفٍ» دیکھیے اسی لیے مجرور ہے کیونکہ یہ واؤ کس معنی میں ہے؟ ربّ کے معنی میں ہے اور یہ جر دیتا ہے۔ اور اس کا معنی ہوتا ہے کئی، کئی۔ «وَمُهَفْهَفٍ» شاعر کہتا ہے، «وَمُهَفْهَفٍ» کئی پتلی کمر والے «كَالْغُصْنِ» جیسے کہ درخت کی شاخ ہوتی ہے۔ تشبیہ دے رہا ہے، پتلی کمر تھی کس کی طرح؟ جیسے درخت کی پتلی شاخ ہوتی ہے۔ اور بہت سے پتلی کمر والے جیسے کہ درخت کی شاخ ہوتی ہے، یعنی بہت سے محبوب جو ہیں «قُلْتُ لَهُ»، میں نے اس سے میں نے ان سے کہا: «انْتَسِبْ»، تو اپنی نسبت بیان کر، تو کون ہے؟ تیرا کس قبیلے سے تعلق ہے؟ معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ تو کہتے ہیں بہت بہت سے درخت کی شاخ کی طرح پتلی کمر والے محبوب، میں نے ان سے کہا: «انْتَسِبْ»، تو اپنی نسبت بیان کر، تو کون ہے، کس قبیلے سے تیرا تعلق ہے؟ «فَأَجَابَ»، تو اس محبوب نے کیا جواب دیا؟ «مَا قَتْلُ الْمُحِبِّ عَلَى الْمُحَبِّ حَرَامُ»، مامشابہ بلیس، «قَتْلُ الْمُحِبِّ» یہ اس کا اسم ہے تو یہ مرفوع ہے، «عَلَى الْمُحَبِّ»، اچھا «حَرَامُ» یہ ہے ما کی خبر، اور اس پر کیا پڑھا جا رہا ہے اس وقت؟ رفع پڑھا جا رہا ہے، اور یہ کس قبیلے کا شاعر ہے؟ بنو تمیم کا ہے، معلوم ہوا بنو تمیم والے مامشابہ بلیس کی خبر پر نصب نہیں پڑھتے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ «فَأَجَابَ»، تو اس محبوب نے جواب دیا: «مَا قَتْلُ الْمُحِبِّ»، کہ نہیں ہے محب کا قتل «عَلَى الْمُحَبِّ» محبوب یعنی حبیب پر «حَرَامُ»، محب کا قتل محبوب پر حرام نہیں ہے۔

شاعر کیا کہتا ہے؟ کہ میں نے بہت سے محبوب تھے میں نے ان سے پوچھا کہ اپنی نسبت بیان کرو، تو کون ہے؟ کس قبیلے سے تیرا تعلق ہے؟ تو اس نے کیا کہا؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ بھائی دیکھیے، میں ہوں محبوب اور آپ ہیں محب، توجہ ہے سبق کی طرف؟ میں ہوں محبوب اور آپ ہیں محب، اور محبوب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ کچھ محبوب وہ ہوتے ہیں جو اپنے محب کو تکلیف دیتے ہیں، اور کچھ محبوب وہ ہوتے ہیں جو اپنے محب کو تکلیف نہیں دیتے، سمجھ میں؟ تو قتل محب شعر میں آرہا ہے نا «مَا قَتْلُ الْمُحِبِّ»، محب کو قتل کرنا اس سے مراد ہے اس کو تکلیف دینا، محب کو تکلیف دینا۔ تو وہ محبوب کہنے لگا کہ محبوب دو قسم کے ہوتے ہیں، کچھ محبوب وہ ہوتے ہیں جو محب کو قتل کرنا جائز سمجھتے ہیں یعنی اس کو تکلیف دینا جائز سمجھتے ہیں، کچھ محبوب ہوتے ہیں جو اس کو قتل کرنا جائز نہیں سمجھتے یعنی تکلیف دینا جائز نہیں سمجھتے، اور میں کن محبوبوں میں سے ہوں؟ اس نے کہا: «مَا قَتْلُ الْمُحِبِّ عَلَى الْمُحَبِّ حَرَامُ»، کہ محب کا قتل محبوب پر حرام نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ کیا کہا؟ محب کا قتل محبوب پر حرام نہیں ہے، یعنی میں ان محبوبوں میں سے ہوں جو محب کو تکلیف دینا جائز سمجھتے ہیں، یعنی میرے نزدیک محب کو تکلیف دینا جائز ہے یعنی درست ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو شاعر کہتا ہے میں نے اس سے پوچھا تھا کہ اپنی نسبت بیان کر تو کون ہے، کس جماعت سے تیرا تعلق ہے، کس قسم کا تو محبوب ہے کیونکہ محبوب تو دو قسم کے ہیں، کچھ وہ ہیں جو اپنے محب کو تکلیف دیتے ہیں کچھ وہ ہیں جو اپنے محب کو تکلیف نہیں دیتے، تو اس نے جواب دے دیا کہ میں کون سی جماعت میں سے ہوں؟ جو اپنے محب کو تکلیف دینا جائز سمجھتے ہیں، اس کو تکلیف دیتے ہیں۔ یہ بھی بیان کر دیا، اور ساتھ یہ بھی بیان کر دیا کہ میرا تعلق بنو تمیم قبیلے سے ہے۔ یہ بھی بیان کیا یا نہیں کیا؟ اس نے کہا تھا نا اپنی نسبت بیان کر تو کون ہے، کس قبیلے سے تیرا تعلق ہے؟ تو اس نے بتا دیا کہ میں بنو تمیم سے۔ کس طرح بتایا؟ اس نے «حَرَامُ» پر کیا پڑھا؟ رفع پڑھا، تو بتلا دیا کہ میں بنو تمیم قبیلے سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَمُهَفْهَفٍ كَالْغُصْنِ قُلْتُ لَهُ انْتَسِبْ، فَأَجَابَ مَا قَتْلُ الْمُحِبِّ عَلَى الْمُحَبِّ حَرَامُ»، اور بہت سے درختوں کی شاخ کی طرح پتلی کمر والے محبوب جو تھے، «قُلْتُ لَهُ انْتَسِبْ»، میں نے اس سے کہا کہ تو اپنی نسبت بیان کر کہ تو کون ہے، کس قبیلے سے تیرا تعلق ہے؟ «فَأَجَابَ»، تو اس نے جواب دیا: «مَا قَتْلُ الْمُحِبِّ عَلَى الْمُحَبِّ حَرَامُ»، کہ محب کا قتل محبوب پر حرام نہیں ہے، گویا بتلا دیا کہ میں ان محبوبوں میں سے ہوں جو محب کو تکلیف دینا جائز سمجھتے ہیں، اور نیز یہ بھی بیان کر دیا کہ میرا تعلق بنو تمیم قبیلے سے ہے۔

کہتے ہیں: بِرَفْعِ «حَرَامٌ». دیکھیے، بِرَفْعِ «حَرَامٍ»، حرام کے رفع کے ساتھ، یہ شاعر نے کہا: بِرَفْعِ «حَرَامٍ»، اس کا تعلق ہے بھائی شعر سے پہلے جو آیا تھا نا «قَالَ الشَّاعِرُ»، شاعر نے کہا، شاعر نے یہ کہا بنو تمیم کی زبان میں: بِرَفْعِ «حَرَامٍ»، لفظ حرام کے رفع کے ساتھ۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو آپ اس کو یوں پڑھ سکتے ہیں: بِرَفْعِ «حَرَامٍ»، رفع ہے مضاف اور حرام کیا ہے؟ مضاف الیہ، اور مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور۔ آپ اس کو یوں بھی پڑھ سکتے ہیں: بِرَفْعِ «حَرَامُ». آپ کہیں گے بھائی یہ تو مضاف الیہ ہے تو اس پر پیش کیسے پڑھ رہے ہیں؟ جواب یہ کہ ہم وہی اعراب اس پر پڑھ رہے ہیں جو شعر کے اندر آیا تھا۔ شعر کے اندر جس طرح لفظ آیا تھا ہم اسی طرح پڑھ رہے ہیں، اور شعر کے اندر تو اس پر کیا تھا؟ رفع، تو اس کو کہتے ہیں اعراب حکائی، حکایت کرنا۔ حکایت میں جیسے تھا، انہوں نے شعر ذکر کیا نا، تو شعر حکایت کیا۔ حکایت کسے کہتے ہیں؟ نقل کرنا، روایت کرنا۔ انہوں نے شعر روایت کیا، اور اس روایت کے اندر شعر میں حرام لفظ پر کیا تھا؟ رفع۔ اب آپ اسی لفظ کو ذکر کرتے ہیں، آپ اسی طرح اعراب اس پر پڑھتے ہیں جیسا کس میں تھا؟ اس شعر میں اس حکایت میں تھا، تو اس کو کہتے ہیں اعراب حکائی، یعنی حکایت والا اعراب جیسا حکایت میں آیا تھا۔ تو کیسے پڑھیں گے اس کو؟ بِرَفْعِ «حَرَامُ». اب آپ سے کوئی پوچھے کہ ترکیب کرو، آپ کیا کہیں گے؟ باجارہ، رفع مجرور لفظاً مضاف۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر حرف جر داخل ہے با، شاباش۔ اور مضاف ہے اور آگے مضاف الیہ، اور وہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ «حَرَامُ»، تو «حَرَامُ» مرفوع پڑھ رہے ہیں، مرفوع لفظاً، مرفوع لفظاً ہے، لیکن دراصل اس وقت بھی یہ مجرور ہی ہے۔ کیا ہے؟ مجرور ہی ہے۔ تو یوں کہیں: مرفوع لفظاً اور مجرور محلاً۔ مرفوع لفظاً کیوں ہے؟ ٹھیک ہے مرفوع، رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، لیکن مرفوع کیوں پڑھ رہے ہو؟ یہ اعراب حکائی ہے، آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ یہ حکایت میں جیسا آیا تھا میں ویسا ہی اس کو پڑھ رہا ہوں، تو یہ اعراب حکائی ہے۔ تو مرفوع لفظاً، مرفوع کیوں؟ یہ اعراب حکائی ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ، اور مجرور محلاً، مجرور کیوں؟ کیونکہ یہ مضاف الیہ ہے، اصل میں تو اس کا اعراب کیا ہونا چاہیے؟ جر ہونا چاہیے، یہ ابھی بھی مضاف الیہ ہے لیکن میں حکایت والا اعراب پڑھ رہا ہوں اس لیے رفع پڑھ دیا، ورنہ دراصل یہ کیا ہے؟ مجرور ہی ہے۔ تو کیا کہیں گے؟ مجرور محلاً۔ مجرور کیوں ہے؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے، اور محلاً کیوں؟ کیونکہ یہ جگہ کس کی ہے؟ جر کی جگہ ہے، کیوں جر کی جگہ کیوں ہے؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو بِرَفْعِ «حَرَامٍ» یوں بھی پڑھ سکتے ہیں: بِرَفْعِ «حَرَامٍ»، پھر تو مجرور لفظاً ہی ہو جائے گا، اور آپ یوں بھی پڑھ سکتے ہیں: بِرَفْعِ «حَرَامُ»، اس کو کیا کہتے ہیں؟ اعراب حکائی، یعنی حکایت میں جیسا تھا آپ نے بھی ویسا ہی پڑھ دیا۔

▪ متن و فصل: اَلْمَقْصَدُ الثَّالِثُ فِي الْمَجْرُوْرَاتِ: تیسرا مقصد ہے...

اَلْمَقْصَدُ الثَّالِثُ فِي الْمَجْرُوْرَاتِ: تیسرا مقصد ہے مجرورات کے بارے میں۔ بھائی ہم نے مرفوعات بھی پڑھ لیے، منصوبات بھی پڑھ لیے، اب مجرورات پڑھ رہے ہیں۔ مرفوعات انہوں نے آپ کو بتلایا آٹھ ہیں، منصوبات انہوں نے آپ کو بتلایا بارہ ہیں، اب مجرورات کے بارے میں بتلانے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: اَلْمَقْصَدُ الثَّالِثُ فِي الْمَجْرُوْرَاتِ، تیسرا مقصد ہے مجرورات کے بارے میں۔ اَلْأَسْمَاءُ الْمَجْرُوْرَةُ هِيَ الْمُضَافُ إِلَيْهِ فَقَطْ، کہتے ہیں وہ اسماء المجرورۃ جو مجرور ہوتے ہیں، دیکھیے الأسماء یہ جمع ہے اسمٌ کی۔ الأسماء جمع ہے اسمٌ کی، اور اس کی صفت دیکھو: المجرورۃ واحد مؤنث لائے۔ مجرورٌ مذکر اور مجرورۃٌ مؤنث، واحد مؤنث۔ تو جمع کی صفت کیا لائے؟ واحد مؤنث، کیوں؟ ہاں جمع بتاویل جماعت واحد مؤنث کے حکم میں ہے، بات یاد ہے کہ بھول گئے؟ کیونکہ الأسماء جمع ہے، اور جمع کا اطلاق کم از کم کتنے پر؟ تین یا تین سے زیادہ پر۔ تو جب تین یا تین سے زیادہ ہوئے تو ایک جماعت بن گئی، اور جماعت کا لفظ عربی میں گول تا کے ساتھ لکھتے ہیں۔ اردو میں تو جماعت کے آخر میں لمبی تا ہے نا، لیکن عربی میں گول تا ہے۔ گول تا، تو یہ جماعت کا لفظ واحد مؤنث ہے۔ مؤنث کیوں ہے؟ کہ آخر میں گول تا ہے، اور واحد ہے، مفرد ہے۔ اس کی بھی تثنیہ آتی ہے: جماعت، جماعتان اور جماعات، تثنیہ بھی آتی ہے اور آگے جمع، تو یہ مفرد ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو جماعت کا لفظ کیا ہوا؟ واحد مؤنث، تو لہٰذا الأسماء جب یہ جمع ہوئی، جمع ہوئی تو کیا بن گئی؟ جماعت بن گئی، اور جماعت کیا ہے؟ واحد مؤنث، تو اس کی صفت بھی کیا لائے؟ المجرورۃ واحد مؤنث۔

تو کہتے ہیں: اَلْأَسْمَاءُ الْمَجْرُوْرَةُ هِيَ الْمُضَافُ إِلَيْهِ فَقَطْ، کہتے ہیں مجرور اسماء وہ صرف مضاف الیہ ہے۔ الأسماء المجرورۃ وہ اسماء جو مجرور ہوتے

ہیں، ھی المضاف اِلیہ وہ مضاف الیہ ہی ہے، فقط بس۔ مجرور اسماء صرف کیا ہے؟ صرف مضاف الیہ ہے بھائی۔ اچھا، مضاف الیہ کسے کہتے ہیں بھائی؟ کہتے ہیں: وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا، وھو کل اسم وہ ہر ایسا اسم ہے، نسب اِلیہ شیء کہ نسبت کی جائے اس کی طرف کسی چیز کی، بواسطۃ حرف الجر کس کے واسطے سے؟ حرف جر کے واسطے سے، لفظاً باعتبار لفظوں کے، یعنی حرف جر کس میں ہو گا؟ لفظوں میں ہو گا، جیسے «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»، دیکھو زید پر کیا ہے؟ با حرف جر لفظوں میں داخل ہے، موجود ہے۔ اور اگلی سطر میں آرہا ہے: أَوْ تَقْدِيرًا، یا وہ حرف جر کیا ہو گا؟ تقدیراً ہو گا، جیسے «غُلَامُ زَيْدٍ»، دیکھو اس میں کوئی حرف جر ہے؟ غلام مضاف ہے اور زید مضاف الیہ ہے، تو حرف جر لفظوں میں نہیں، تو یہاں تقدیراً حرف جر موجود ہے۔ تو انہوں نے آپ کو بتلایا بھائی، مجرور اسماء کتنے ہیں؟ صرف ایک ہے اور وہ کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے۔ مضاف الیہ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں ہر وہ اسم جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے کس کے واسطے سے؟ حرف جر کے واسطے سے۔ اور یہ نسبت جو کی گئی ہے حرف جر کے واسطے سے ہو گی، یعنی وہ حرف جر کیا ہو گا؟ لفظوں کے اعتبار سے موجود ہو گا، با قاعدہ اس پر ہم کیا کریں گے؟ تلفظ کریں گے، اور کبھی کبھار لفظوں میں نہیں ہو گا بلکہ تقدیراً ہو گا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

دوبارہ دیکھیے، کہتے ہیں: وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ بِوَاسِطَةِ... بھائی اس کو پہلے سمجھ لیں۔ ہر وہ اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے بواسطہ حرف جر کے، توجہ ہے؟ مضاف الیہ کسے کہتے ہیں؟ ہر وہ اسم جس کی طرف نسبت کی جائے کسی چیز کی بواسطہ حرف جر کے۔ جیسے «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»، توجہ ہے؟ مرور کا معنی ہوتا ہے گزرنا۔ «مَرَرْتُ» میں گزرا، «بِزَيْدٍ» زید پر، میں زید پر گزرا یعنی میں زید کے پاس سے گزرا۔ «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»، میں زید کے پاس سے گزرا۔ اب دیکھیے، انہوں نے کیا کہا؟ مضاف الیہ وہ اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے بواسطہ حرف جر کے۔ تو «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ» اس میں اس زید کے لفظ پہ نظر رکھو۔ یہ زید ایک اسم ہے، اس کی طرف نسبت کی گئی کس چیز کی؟ گزرنے کی، دیکھا؟ میں نے کہا میں گزرا کس پر؟ زید پر، میں نے یہ نہیں کہا میں عمر، بکر یا خالد میں سے کسی پر گزرا، بلکہ کس پر گزرا؟ زید پر گزرا۔ تو یہ زید ایک اسم ہے، اس کی طرف نسبت کی گئی کس چیز کی؟ گزرنے کی، اور کس کے واسطے سے؟ با حرف جر کے واسطے سے۔ یہ با تبلا رہی ہے کہ یہ جو میرا گزرنا تھا کس کے پاس سے تھا؟ زید کے پاس سے تھا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو مضاف الیہ کسے کہتے ہیں؟ ہر وہ اسم، اب «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ» میں زید پہ نظر رکھنا، ٹھیک ہے؟ ہاں، وہ ہر وہ اسم ہے جس کی طرف نسبت کی جائے، کس چیز کی نسبت کی گئی؟ مرور کی۔ نسبت کی جائے کسی چیز کی، بواسطۃ حرف الجر کس کے واسطے سے؟ حرف جر کے واسطے سے۔

وَيُعَبَّرُ عَنْ هٰذَا التَّرْكِيْبِ فِي الِاصْطِلَاحِ، اور تعبیر کیا جاتا ہے اس ترکیب کو اصطلاح میں، یعنی علم نحو کی اصطلاح میں: بِأَنَّهُ جَارٌّ وَمَجْرُوْرٌ، کہ یہ جار مجرور ہیں بھائی۔ جب حرف جر کیا ہو؟ لفظوں میں موجود ہو، تو علم نحو کی اصطلاح میں اس کو کس طرح تعبیر کرتے ہیں، کس طرح بولتے ہیں اس کو؟ کہ یہ جار مجرور ہے، با جارہ زید مجرور، تو یہ «بِزَيْدٍ» کیا ہے؟ جار مجرور۔

أَوْ تَقْدِيرًا، یا وہ حرف جر کیا ہو گا؟ تقدیراً۔ یعنی ایک چیز کی، دوبارہ ادھر دیکھیے، ایک چیز کی نسبت کی گئی دوسری چیز کی طرف بواسطہ حرف جر کے، لیکن حرف جر کیا ہے؟ لفظوں میں نہیں ہے بلکہ تقدیراً ہے۔ نَحْوُ: «غُلَامُ زَيْدٍ»، جیسے «غُلَامُ زَيْدٍ». تَقْدِيرُهُ، تقدیر اس کلام کی یوں ہے: «غُلَامٌ لِزَيْدٍ». تو «غُلَامُ زَيْدٍ»، غلام مضاف زید مضاف الیہ، لیکن اصل میں تھا «غُلَامٌ لِزَيْدٍ». تو پھر لام کو حذف کر دیا اور غلام کی زید کی طرف کیا کر دی؟ اضافت کر دی اور تنوین گرا دی، تو کیا بن گیا؟ «غُلَامُ زَيْدٍ». تو یہاں بھی اس وقت تو ٹھیک ہے لام حرف جر نہیں ہے لیکن اصل میں کیا تھا؟ حرف جر موجود تھا۔ تو یہاں پر بھی دیکھیے: «غُلَامُ زَيْدٍ»، دیکھیے یہاں پر بھی زید، لفظ زید پہ نظر رکھیں۔ «غُلَامُ زَيْدٍ»، کیا معنی؟ زید کا غلام۔ دیکھو زید کی طرف نسبت کی گئی ایک چیز کی، وہ کیا چیز ہے؟ غلام، اور کس کے واسطے سے؟ حرف جر، اور وہ حرف جر کیا ہے؟ لفظاً ہے یا تقدیراً ہے؟ تقدیراً ہے۔ یہ معنی ہے: تَقْدِيرُهُ «غُلَامٌ لِزَيْدٍ»، کہ اس کلام کی تقدیر جو ہے «غُلَامٌ لِزَيْدٍ» ہے۔ وَيُعَبَّرُ عَنْهُ فِي الِاصْطِلَاحِ بِأَنَّهُ مُضَافٌ وَمُضَافٌ إِلَيْهِ، اور اس کو تعبیر کیا جاتا ہے علم نحو کی اصطلاح میں کہ یہ مضاف اور مضاف الیہ ہیں بھائی۔ غلام جو ہے یہ مضاف ہے اور زید کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے بھائی۔

اچھا، خلاصۂ کلام کیا ہوا؟ انہوں نے آپ کو بتلایا کہ مجرور صرف مضاف الیہ ہوتا ہے، کون ہوتا ہے؟ مضاف الیہ۔ ہاں اس مضاف الیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم جس میں حرف جر لفظوں میں ہوتا ہے، ایک وہ قسم جس میں حرف جر لفظوں میں نہیں ہوتا بلکہ تقدیراً ہوتا ہے۔ جس میں حرف جر لفظوں میں ہوتا ہے اس کو جار مجرور کہتے ہیں، اور جس میں تقدیراً ہوتا ہے اس کو مضاف اور مضاف الیہ کہتے ہیں۔ تو گویا دو ہی ہوئے، مجرور کتنے ہو گئے؟ دو: ایک جس پر حرف جر داخل ہو، اور دوسرا جس پر مضاف داخل ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَيَجِبُ تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ عَنِ التَّنْوِيْنِ أَوْ مَا يَقُوْمُ مَقَامَهُ، اور واجب ہے، جَرَّدَ يُجَرِّدُ تَجْرِيْدٌ کا معنی ہے خالی کرنا، اور واجب ہے خالی کرنا مضاف کو: وَيَجِبُ تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ، واجب ہے خالی کرنا مضاف کو: عَنِ التَّنْوِيْنِ، تنوین سے۔ بھائی تنوین نہیں آتی مضاف پر،

اصل میں کیا تھا؟ «غُلَامٌ لِزَيْدٍ»، غلام پر تنوین تھی لیکن جب لام ختم کیا اور غلام کی اضافت کس کی طرف کی؟ زید کی، تو تنوین ختم ہوئی، کیسے پڑھیں گے؟ «غُلَامُ زَيْدٍ». تو مضاف سے تنوین ختم کرنا واجب ہے۔ یا اگر تنوین نہیں، تنوین کے قائم مقام کوئی اور چیز ہے اس کو بھی ختم کرنا واجب ہے۔ بھائی تنوین کے قائم مقام کیا چیز ہے؟ کہتے ہیں نون تثنیہ اور نون جمع۔ «زَيْدٌ» کے آخر میں تو کیا آرہی ہے؟ تنوین۔ لیکن «مُسْلِمُوْنَ» کے آخر میں کیا ہے؟ نون ہے، نون۔ بھائی «مُسْلِمُوْنَ» کا اعراب کیا ہے؟ واؤ ہے، کیا ہے؟ واؤ۔ تو پھر یہ نون کیا چیز ہے؟ کہتے ہیں یہ تنوین کے قائم مقام ہے، کس کے قائم مقام؟ جیسے «زَيْدٌ»، «زَيْدٌ» میں دال کا اعراب کیا ہے؟ رفع ہے، پیش ہے۔ پھر یہ آخر میں نون کیوں پڑھ رہے ہو؟ یہ تنوین ہے۔ تو جیسے تنوین آخر میں آتی ہے اسی طرح یہ نون جمع بھی اعراب کے ساتھ آخر میں آتا ہے۔ «مُسْلِمَانِ» تثنیہ ہے، اس میں اعراب کیا ہے؟ الف۔ الف کے بعد یہ جو نون آرہا ہے یہ نون کیا ہے؟ یہ تنوین کے قائم مقام ہے، تنوین تو نہیں ہے لیکن تنوین کے قائم مقام۔ تو نون جمع یہ بھی تنوین کے قائم مقام، اور نون تثنیہ یہ بھی تنوین کے قائم مقام۔ تو جب اضافت کی جائے تو تنوین کو بھی گرا دیتے ہیں اور جو تنوین کا قائم مقام ہو اس کو بھی گرا دیتے ہیں، اور گرانا واجب ہے۔ تو لہٰذا «غُلَامُ زَيْدٍ»، تنوین گر گئی۔ اچھا، اور تثنیہ بنا دیں اسی کو: «غُلَامَانِ»، پھر اس کی اضافت کریں، کیسے کہیں گے؟ «غُلَامَا زَيْدٍ»، دیکھا نون تثنیہ اضافت سے گر گیا۔ اور اسی طرح «مُسْلِمُوْنَ»، مصر، مسلمون کی اضافت کر دیں مصر شہر کی طرف، کیسے کہیں گے؟ «مُسْلِمُوْ مِصْرَ»، تو یہ نون اضافت سے گر گیا۔

یہی بات بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: وَيَجِبُ تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ عَنِ التَّنْوِيْنِ أَوْ مَا يَقُوْمُ مَقَامَهُ، اور واجب ہے مضاف کو خالی کرنا تنوین سے یا اس چیز سے جو تنوین کے قائم مقام ہو۔ بھائی وہ کیا چیز ہے؟ کہتے ہیں: وَهُوَ نُوْنُ التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ، اور وہ تثنیہ اور جمع والا نون ہے: نَحْوُ مثال کے طور پر: «جَاءَنِيْ غُلَامُ زَيْدٍ»، «وَغُلَامَا زَيْدٍ»، «وَمُسْلِمُوْ مِصْرَ». بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

▪ قولہ: «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ» کی تشریح

«مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»، ترکیب کیجیے: «مَرَرْتُ» فعل با فاعل، اب فاعل بھی بتا دیں۔ تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، با جارہ، «زَيْدٍ» مجرور لفظاً۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر حرف جر داخل ہے با، جی۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «مَرَرْتُ» فعل کے ساتھ، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ» میں زید پر گزرا، کیا معنی؟ میں زید کے پاس سے گزرا۔

اچھا، اگلی ترکیب کیجیے: «جَاءَنِيْ غُلَامُ زَيْدٍ»، «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ منصوب کیوں ہے؟ کیونکہ مفعول بہ ہے۔ محلاً کیوں ہے؟ کیونکہ ضمیر ہے۔ آگے «غُلَامُ» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ مرفوع کیوں؟ فاعل، ہاں فاعل ہے، فعل آیا ہے، فعل فاعل چاہتا ہے اس کے بغیر نہیں آسکتا۔ تو مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے، لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ «زَيْدٍ» مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اسی طرح «جَاءَنِيْ غُلَامَا زَيْدٍ»، «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «غُلَامَا» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے رفع جو الف ہے ہم اس پر تلفظ کر رہے ہیں۔ آگے «زَيْدٍ» مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «جَاءَنِيْ غُلَامَا زَيْدٍ» آئے میرے پاس زید کے دو غلام۔ پہلے کیا تھا؟ «جَاءَنِيْ غُلَامُ زَيْدٍ» آیا میرے پاس زید کا غلام، اب ہے «جَاءَنِيْ غُلَامَا زَيْدٍ» آئے میرے پاس زید کے دو غلام۔

اب تیسرا جملہ کر لیں: «جَاءَنِيْ مُسْلِمُوْ مِصْرَ»، «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «مُسْلِمُوْ» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے رفع یعنی واؤ پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، مضاف، جی۔ «مِصْرَ» مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «جَاءَنِيْ مُسْلِمُوْ مِصْرَ» آئے میرے پاس مصر کے مسلمان بھائی۔

ترکیب کروں گا: «مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ»، یہاں بھی اسی طرح ما مشابہ بلیس ملغیٰ عن العمل، «إِنْ» بھی حرف نفی، «زَيْدٌ» مبتدا ہو گا اور «قَائِمٌ» خبر۔ ما کا اسم اور خبر نہیں بنانے بلکہ مبتدا اور خبر بنانے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو ان تینوں مثالوں کے اندر جب ما کا عمل لغو ہو گیا تو اب یہ ما کا اسم اور ما کی خبر نہیں کہلائیں گے کیونکہ وہ تو اس کا عمل تو لغو ہو گیا، تو اب یہ کیا کہلائیں گے؟ مبتدا اور خبر، مبتدا اور خبر بھائی۔

چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ.

اَلْمَقْصَدُ الثَّالِثُ فِي الْمَجْرُورَاتِ وَالْخَاتِمَةُ فِي التَّوَابِعِ

اضافتِ معنویہ ولفظیہ کے احکام اور توابعِ خمسہ: نعت، عطف، تاکید، بدل اور عطفِ بیان (اسباق ۶۹ تا ۷۵)

سبق نمبر ۶۹: المقصد الثالث في المجرورات: اضافتِ معنویہ اور اضافتِ لفظیہ کی تعریفات و فوائد

ہدایۃ النحو صفحہ: ۴۸—بتاریخ: ۲۹ مارچ ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَاعْلَمْ أَنَّ الْإِضَافَةَ عَلَى قِسْمَيْنِ مَعْنَوِيَّةٌ وَلَفْظِيَّةٌ، أَمَّا الْمَعْنَوِيَّةُ فَهِيَ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ غَيْرَ صِفَةٍ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا، وَهِيَ إِمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ أَوْ بِمَعْنَى مِنْ نَحْوُ خَاتَمُ فِضَّةٍ أَوْ بِمَعْنَى فِي نَحْوُ صَلَاةُ اللَّيْلِ۔

گزشتہ سبق میں ہم مجرورات کے بارے میں پڑھ رہے تھے اور انہوں نے آپ کو بتلایا کہ مجرور جو ہے وہ صرف مضاف الیہ ہوتا ہے۔ وہ صرف کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے اور وہ ہر ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے بواسطۂ حرفِ جار کے، یعنی جس پر حرفِ جار داخل ہو۔ تو جس پر حرفِ جار داخل ہوا، معلوم ہوا اس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جارہی ہے اور کس کے واسطے سے؟ حرفِ جار کے واسطے۔ اور یہ حرفِ جار کبھی لفظوں میں ہوتا ہے اور کبھی تقدیراً ہوتا ہے۔ اگر لفظوں میں موجود ہو تو اصطلاحِ نحو کے اندر اس کو جار مجرور کہتے ہیں اور اگر تقدیراً ہو، لفظوں میں موجود نہ ہو تو پھر اس کو اصطلاحِ نحو میں مضاف اور مضاف الیہ کہتے ہیں بھائی۔

تو گویا خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ مجرور جو ہیں دو ہو گئے بھائی۔ وہ مضاف الیہ کی دو قسمیں ہیں نا، تو وہ دونوں دو مجرور ہو گئے۔ ایک کو اصطلاح میں کیا کہتے ہیں؟ جار مجرور اور دوسرے کو مضاف اور مضاف الیہ۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو مجرور دو ہوئے بھائی: ایک وہ جس پر حرفِ جار داخل ہو اور ایک وہ جس پر مضاف داخل ہو، یعنی مضاف الیہ بھائی۔

اب اضافت کی بات آگئی تو مصنف جو ہے آپ کو اضافت کی تفصیل بتلانا چاہتے ہیں اور وہ آپ کو بتلائیں گے کہ اضافت جو ہے وہ دو قسم پر ہے: ایک اضافتِ لفظیہ ہے اور ایک اضافتِ معنویہ ہے۔ کتنی قسمیں ہیں اضافت کی؟ دو قسمیں: ایک اضافتِ لفظیہ اور ایک اضافتِ معنویہ۔ اضافتِ لفظیہ پہلے سمجھ لیں تو پھر اضافتِ معنویہ بھی آپ کو سمجھ میں آجائے گی بھائی۔

بھئی دیکھیے یہ چار پانچ سطریں چھوڑ کر آگے آرہا ہے: أَمَّا اللَّفْظِيَّةُ فَهِيَ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ صِفَةً مُضَافَةً إِلَى مَعْمُولِهَا، وَهِيَ فِي تَقْدِيرِ الِانْفِصَالِ نَحْوُ ضَارِبُ زَيْدٍ وَحَسَنُ الْوَجْهِ، وَفَائِدَتُهَا تَخْفِيفٌ فِي اللَّفْظِ فَقَطْ۔ مل گئی عبارت بھائی؟ یہ ہے اضافتِ لفظیہ۔

بھئی اضافتِ لفظیہ یہ ہے کہ مضاف جو ہے، مضاف وہ صفت کا صیغہ ہو، یعنی صفت کے صیغے تو کئی میں نے آپ کو بتلائے ہیں بھائی، اسمِ فاعل بھی ہے، اسمِ مفعول بھی ہے، صفتِ مشبہ بھی ہے اور اسمِ تفضیل وغیرہ بھی ہیں، لیکن یہاں صفت سے مراد صرف اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ ہیں۔ کیا کیا مراد ہیں؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ۔ اسمِ فاعل جیسے ضَارِبٌ، مَانِعٌ، مُكْرِمٌ، مُسْتَخْرِجٌ وغیرہ۔ اور اسمِ مفعول جیسے مَمْنُوعٌ، مَضْرُوبٌ، مَفْتُوحٌ،

مُكْرَمٌ، مُسْتَخْرَجٌ، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ اور صفتِ مشبہ جیسے شَرِيفٌ، كَرِيمٌ، یہ فَعِيل وزن سب سے مشہور ہے صفتِ مشبہ میں، سمجھ میں آیا؟ تو شَرِيفٌ، كَرِيمٌ، حَسَنٌ وغیرہ بھائی، یہ سب کیا ہیں؟ صفتِ مشبہ۔

تو اضافتِ لفظیہ یہ ہے کہ مضاف جو ہے یہ صفت کا صیغہ ہو اور مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف۔ کس کی طرف؟ اپنے معمول کی طرف۔ بھئی آپ جانتے ہیں کہ یہ صفت کے صیغے بھی اپنے فعل کی طرح عمل کرتے ہیں۔ ان کا فعل فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب دیتا ہے، تو یہ بھی ایسا ہی کریں گے، فاعل کو رفع دیں گے اور مفعول کو نصب۔

جیسے اسمِ فاعل ہے، جیسے فعل ضَرَبَ ہے۔ یہ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، دیکھو یہ زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ ضَرَبَ نے، یہ اس کے لیے فاعل ہے۔ اور یہ عَمْرًا کو نصب کس نے دیا؟ ضَرَبَ نے، کیونکہ یہ اس کے لیے مفعول ہے۔ تو دیکھو ضَرَبَ ایک فاعل کو رفع دیتا ہے، ایک مفعول کو نصب دیتا ہے، تو اس سے جو صفت کا صیغہ بنا، یعنی اسمِ فاعل، وہ بھی ایسا ہی عمل کرے گا، وہ ایک فاعل کو رفع دے گا اور ایک مفعول کو نصب دے گا۔ زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، ترکیب کیا ہوگی؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ مبتدا۔ ضَارِبٌ مرفوع لفظاً خبر، صیغہ اسمِ فاعل۔ اور اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل۔ تو اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اور یہ عَمْرًا کیوں منصوب ہے؟ کیونکہ یہ مفعول ہے، یہ ضَارِبٌ اس کو نصب دے رہا ہے۔ تو دیکھو ضَرَبَ کیا کر رہا تھا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، ایک اسم کو رفع دے رہا تھا اور ایک اسم کو نصب دے رہا تھا۔ ضَارِبٌ بھی وہی عمل کر رہا ہے، دیکھو ایک اسم ہے اس کو یہ رفع دے رہا ہے، اسی کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے اس کو کیا کر رہا ہے؟ رفع دے رہا ہے اور آگے عَمْرًا کو کیا کر رہا ہے؟ نصب دے رہا ہے بھائی۔ تو یہ تو ضمیر کو رفع دے رہا ہے، کبھی اسی کے آگے اسمِ ظاہر ہوگا اس کو بھی رفع دے گا، تو یہ بالکل صفت کے صیغے کس جیسا عمل کرتے ہیں؟ اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہیں۔

اور اگر یہ فعلِ مجہول سے بنے ہیں تو فعلِ مجہول کیا کرتا ہے؟ نائب الفاعل کو رفع دیتا ہے اور اگر مفعول آگیا ہے تو مفعول کو نصب دیتا ہے۔ تو صفت کا صیغہ بھی اسی طرح عمل کرے گا، یعنی اسمِ مفعول جو بنے گا۔ اگر فعل صرف نائب الفاعل کو رفع دیتا ہے، فعل کیا کر رہا ہے؟ یعنی فعلِ مجہول ہے، ضُرِبَ عَمْرٌو، ضُرِبَ عَمْرٌو، تو یہ صرف ایک نائب الفاعل کو رفع دے رہا ہے اور مفعول کو آگے نصب نہیں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

آپ حیران ہوں گے، نائب الفاعل کو رفع بھی دے رہا ہے اور مفعول کو نصب، بھئی بعض اوقات یہ نائب الفاعل کیا ہوتا ہے؟ یہ تو اصل میں مفعول تھا نا، اسی کو کیا بنا دیتے ہیں؟ نائب الفاعل۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، یہ زَيْدٌ کیا تھا ضَرَبَ کے لیے؟ فاعل، اور یہ عَمْرًا کیا تھا؟ مفعول۔ پھر اسی فعل کو جب مجہول بنایا تو فاعل تو چلا گیا اور فعل کو مجہول بنا دیا، ضُرِبَ، اور آگے جو مفعول تھا اس کو کیا بنا دیتے ہیں؟ نائب الفاعل، ضُرِبَ عَمْرٌو، ضُرِبَ عَمْرٌو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو فعل کو جب مجہول بناتے ہیں تو مفعول کو نائب الفاعل بنا دیتے ہیں۔

اور بعض اوقات فعل دو مفعول چاہتا ہے، آپ جانتے ہیں۔ فعل کتنے مفعول چاہتا ہے؟ دو مفعول چاہتا ہے۔ تو پھر ایک کو تو آپ نائب الفاعل بنا دیں گے، دوسرا اسی طرح مفعول رہے گا۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ جب فعل کو مجہول لاتے ہیں تو آگے جو مفعول آرہا تھا اس کو کیا بنا دیتے ہیں؟ نائب الفاعل۔ اور بعض اوقات فعل کتنے مفعول چاہتا ہے؟ دو۔ تو جب آپ فعل کو مجہول لائیں گے تو ایک مفعول کو تو نائب الفاعل بنا دیں گے، دوسرا تو اسی طرح رہے گا تو وہ اسی طرح مفعول رہے گا۔ جیسے سَمَّيْتُ الرَّجُلَ زَيْدًا، سَمَّيْتُ میں نے نام رکھا، الرَّجُلَ اس آدمی کا، زَيْدًا کیا نام رکھا؟ زید۔ تو سَمَّيْتُ یہ ہے فعل بافاعل، تَ ضمیر ہے فاعل، اور الرَّجُلَ ہے مفعولِ اول اور زَيْدًا ہے مفعولِ ثانی۔ اب میں فعلِ مجہول لاتا ہوں تو الرَّجُلُ بن جائے گا نائب فاعل، سُمِّيَ الرَّجُلُ اس آدمی کا نام رکھا گیا، زَيْدًا کیا نام رکھا گیا؟ زید۔ تو دیکھا سُمِّيَ الرَّجُلُ زَيْدًا، فعلِ مجہول ہے، آگے الرَّجُلُ نائب الفاعل ہے اور زَيْدًا اسی طرح مفعول ہے، کیونکہ ایک کو نائب الفاعل بنا سکتے تھے وہ ہم نے بنا دیا، دوسرا اسی طرح مفعول رہے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

بتانے کا مقصد یہ تھا کہ بعض اوقات فعلِ معروف ہوتا ہے، توجہ ہے؟ وہ صرف فاعل چاہتا ہے، فعلِ لازم ہوتا ہے، وہاں مفعول آتا ہی نہیں اس کے لیے، مفعول اس کے لیے آتا ہی نہیں ہے، تو وہ صرف فاعل کو رفع دے گا۔ تو اس سے بننے والا اسمِ فاعل کا صیغہ بھی کیا کرے گا؟ صرف فاعل کو رفع دے گا، مفعول کو نصب نہیں، کیونکہ اس کا فعل مفعول نہیں چاہتا تو یہ بھی مفعول نہیں چاہتا۔ کبھی فعل فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول کو بھی چاہتا ہے، مفعول کو بھی نصب دیتا ہے، فاعل کو رفع دے گا اور مفعول کو نصب، تو اس سے جو صفت کا صیغہ بنے گا اسمِ فاعل، وہ بھی کیا کرے گا؟ فاعل کو رفع دے گا اور مفعول کو نصب۔

پھر اسی فعل جو ایک فاعل، جو فاعل کے ساتھ ساتھ ایک مفعول چاہتا ہے، توجہ ہے سبق کی طرف؟ پھر یہی فعل جو ایک مفعول چاہتا تھا، اسی کو جب فعلِ

مجہول لائیں تو وہ جو مفعول تھا وہ کیا بن جائے گا؟ نائب الفاعل بن جائے گا۔ تو اسی فعلِ مجہول سے بنتا ہے اسمِ مفعول، تو وہ بھی نائب، جیسے یہ فعل نائب الفاعل کو رفع دے رہا ہے اسی طرح اس سے جو صفت کا صیغہ یعنی اسمِ مفعول بنے گا وہ بھی کیا کرے گا؟ وہ بھی نائب الفاعل کو رفع دے گا۔ تو جہ ہے؟ بھئی اسمِ فاعل بنتا ہے نا فعلِ معروف سے، اور اسمِ مفعول بنتا ہے فعلِ مجہول سے۔ تو جو فعلِ معروف عمل کر رہا تھا اسمِ فاعل بھی وہی عمل کرے گا۔ فعلِ معروف اگر صرف فاعل کو رفع دیتا تھا، مفعول چاہتا ہی نہیں تھا، تو اسمِ فاعل جو اس سے بنا وہ بھی صرف فاعل کو رفع دے گا، مفعول کو چاہے گا ہی نہیں۔ اور اگر فعلِ معروف ہے اور وہ فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول کو نصب بھی دیتا ہے، تو پھر اس سے جو صفت کا صیغہ یعنی اسمِ فاعل بنے گا وہ بھی کیا کرے گا؟ ایک فاعل کو رفع دے گا تو ایک مفعول کو نصب دے گا۔

اور اسی کو جب، یہ جو فعل ایک فاعل چاہتا ہے اور ایک نائب الفاعل، اسی کو کیا بنا دو؟ فعلِ مجہول بنا دو، تو وہی مفعول کیا بن جائے گا؟ وہ نائب الفاعل بن جائے گا، وہ مفعول کیا بنے گا؟ تو یہ فعلِ مجہول صرف نائب الفاعل کو رفع دے رہا ہے، آگے اس کا مفعول کوئی نہیں کیونکہ دو مفعول ہوتے تو دوسرا مفعول رہتا، دوسرا تو ہے ہی نہیں، ایک ہی مفعول تھا اور وہ کیا بن گیا ہے؟ نائب الفاعل۔ تو اس سے جو صفت کا صیغہ یعنی اسمِ مفعول بنے گا وہ بھی کیا کرے گا؟ ایک نائب الفاعل کو رفع دے گا، مفعول کو نصب نہیں۔

اور بعض اوقات فعل ایک فاعل کو رفع دیتا ہے اور دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے، تو اس سے جو بننے والا صفت کا صیغہ ہے وہ بھی اسی طرح عمل کرے گا، فاعل کو رفع دے گا تو کتنے مفعولوں کو نصب دے گا؟ دو مفعولوں کو نصب دے گا۔ اسی فعل کو جب آپ کون سا فعل بنالیں گے؟ فعلِ مجہول، تو فاعل تو چلا گیا، تو ایک مفعول نائب الفاعل بن جائے گا اور دوسرا اسی طرح مفعول رہے گا۔ جیسے ابھی میں نے مثال ذکر کی: سُمِّيَ الرَّجُلُ زَيْدًا، دیکھا زَيْدًا اسی طرح منصوب ہے کیونکہ وہ تو نائب الفاعل نہیں بنا، تو اسی سے جو صفت کا صیغہ بنے گا، فعلِ مجہول سے کون سا صفت کا صیغہ بنتا ہے؟ اسمِ مفعول بنتا ہے، تو وہ اسمِ مفعول بھی ایک نائب الفاعل کو رفع دے گا تو ایک مفعول کو نصب دے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہ تو تھی اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کی بات۔ اسی طرح صفتِ مشبہ جو ہے، صفتِ مشبہ یاد رکھو یہ فعلِ لازم سے بنتی ہے۔ کس سے؟ فعلِ لازم سے۔ اور فعلِ لازم وہ تو صرف فاعل کو چاہتا ہے، مفعول کو چاہتا ہی نہیں، جیسے شَرُفَ، کا معنی ہے شریف ہونا، اسی سے صفتِ مشبہ کیا ہے؟ شَرِيفٌ، شریف ہونا۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ وہ اردو والا شریف ہونا نہیں، بلکہ عربی والا شریف ہونا، عربی میں شریف معزز کو کہتے ہیں۔ تو شَرِيفٌ کا عربی، اردو میں ترجمہ شریف نہیں کریں گے بلکہ شَرِيفٌ کا اردو میں کیا معنی؟ معزز، یعنی شرف والا، شرف والا، معزز بھائی۔ تو لہٰذا صفتِ مشبہ بنتی ہے فعلِ لازم سے، اور فعلِ لازم وہ تو صرف فاعل کو چاہتا ہے، وہاں تو مفعول آتا ہی نہیں۔ جب فعل مفعول کو نہیں چاہتا، مفعول کو نصب نہیں دیتا، تو اس سے جو صفت بن رہی ہے، صفتِ مشبہ، وہ بھی صرف فاعل کو رفع دے گی، مفعول اس کے لیے آئے گا ہی نہیں، کیونکہ فعل کے لیے مفعول نہیں آتا تو صفت کے صیغے کے لیے بھی مفعول نہیں آتا۔

اچھا تو بات یہ چل رہی ہے یہاں اضافتِ لفظیہ کی۔ اضافتِ لفظیہ کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے آپ کو بتایا کہ صیغہ صفت کا ہونا چاہیے، یعنی صیغہ صفت کا ہو کون کون سا؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، ان تین میں سے کوئی ایک ہو۔ اور اپنے معمول کی طرف اس کی اضافت ہو جائے تو یہ اضافتِ لفظیہ ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، ضَارِبٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ زید کو۔ اور عَمْرًا منصوب لفظاً مفعول بہ، کس کے لیے؟ ضَارِبٌ صیغۂ صفت کے لیے۔ تو گویا یہ عَمْرٌ یہ معمول ہوا ضَارِبٌ کا۔ بھائی ادھر دیکھو، صفت کا صیغہ اگر فاعل کو رفع دے رہا ہے تو وہ فاعل ان کا معمول ہوا، صفت عامل ہوئی اور وہ کیا ہوا؟ معمول۔ اسی طرح صفت کا صیغہ مفعول کو نصب دے رہا ہے تو مفعول ہوا اس کا معمول اور صفت کا صیغہ کیا ہوا؟ عامل۔ تو فاعل جو ہوتا ہے ان کے لیے وہ بھی معمول ہوتا ہے ان کا، جو ان کا مفعول ہوتا ہے وہ بھی ان کا معمول ہوتا ہے۔ یہ صفت کے صیغے اس میں کیا کرتے ہیں؟ عمل کرتے ہیں، یا رفع دیتے ہیں یا نصب دیتے ہیں۔

تو صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ تو زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، یہ کوئی آپ سے پوچھے یہ عَمْرًا کو نصب کس نے دیا؟ آپ کہیں گے ضَارِبٌ نے، معلوم ہوا یہ ضَارِبٌ کا معمول ہے۔ کیا ہے؟ معمول ہے۔ اور میں پڑھ رہا ہوں زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرًا، میں اضافت نہیں کر رہا، اسی لیے عَمْرًا منصوب ہے، اگر اضافت ہوتی تو ضَارِبٌ ہوتا مضاف اور عَمْرٌ ہوتا مضاف الیہ، اور مضاف الیہ ہمیشہ مجرور ہوتا ہے، لیکن میں اضافت نہیں کر رہا۔ اور دوسری صورت، دوسری وہ یہ بھی آپ دیکھ رہے ہیں ضَارِبٌ پر تنوین آرہی ہے: زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، اگر یہ مضاف ہوتا تو تنوین نہ آتی بھائی۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی؟ تو اسمِ فاعل زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، یہ ضَارِبٌ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اب اس ضَارِبٌ کی ذرا اضافت کر دو عَمْرٌ کی طرف، عَمْرٌ اس کا معمول ہے یا نہیں؟ معمول ہے، تو صفت کا صیغہ ہے ضَارِبٌ، اس کی اضافت کر دی

آپ نے اس کے معمول کی طرف: زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو۔ اور یہ ضَارِبُ عَمْرٍو، یہ مضاف مضاف الیہ ہیں۔ ضَارِبُ مضاف، عَمْرٍو مضاف الیہ۔ اور دیکھیں صفت کے صیغے کی آپ اضافت کر رہے ہیں، کس کی طرف کر رہے ہیں؟ اپنے معمول کی طرف، تو یہ اضافتِ لفظیہ ہوئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور کون کون سے ہو سکتے ہیں وہ؟ اسمِ فاعل بھی، اسمِ مفعول بھی اور صفتِ مشبہ بھی، اور اس کی اضافت کس کی طرف ہو جائے؟ اپنے معمول کی طرف، تو یہ اضافت کیا کہلاتی ہے؟ یہ اضافتِ لفظیہ کہلاتی ہے، اضافتِ لفظیہ کہلاتی ہے۔

اور اضافتِ معنویہ، اضافتِ معنویہ جو اس کے علاوہ جتنی اضافتیں ہیں وہ سب اضافتِ معنویہ ہیں۔ اس کے علاوہ جتنی اضافتیں ہیں وہ کون سی ہیں؟ اضافتِ معنویہ۔ غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَامُ مضاف، زَيْدٍ مضاف الیہ۔ جی، اب بتائیے مجھے یہ اضافتِ لفظیہ ہے یا نہیں؟ تو ہم دیکھیں گے اضافتِ لفظیہ کسے کہتے تھے؟ کہ صیغہ صفت کا ہو، جو مضاف ہو وہ صفت کا صیغہ ہو۔ غُلَامُ تو صفت کا صیغہ ہی نہیں ہے، معلوم ہوا یہ اضافتِ لفظیہ نہیں ہے بلکہ اضافتِ معنویہ ہے۔

بعض اوقات صیغہ صفت ہی کا ہو گا لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں ہو گا، جیسے كَرِيمُ الْبَلَدِ، شہر کا سخی آدمی، كَرِيمُ الْبَلَدِ۔ اب دیکھیے كَرِيمُ صفتِ مشبہ ہے، سخی، اور اس کی اضافت الْبَلَدِ شہر کی طرف ہو رہی ہے، اور شہر، ماقبل میں تو صفتِ مشبہ ہے كَرِيمُ، اور صفتِ مشبہ تو صرف کس کو چاہتی ہے؟ فاعل کو، وہ تو فعلِ لازم سے بنتی ہے، تو فاعل کی طرف اس کی اضافت ہوتی تو ہم کہتے یہ اضافتِ لفظیہ ہے۔ تو الْبَلَدُ، وہ تو اس کے لیے فاعل ہے ہی نہیں، سخی شہر ہے یا شہر والا کوئی ہے؟ شہر والا ہے، شہر تو سخی نہیں، تو كَرِيمُ مضاف، الْبَلَدِ مضاف الیہ، صیغہ صفت ہی کا ہے لیکن کیا اپنے معمول کی طرف مضاف ہے یا غیر معمول کی طرف؟ غیر معمول کی طرف مضاف ہے، تو وہ شرط پوری نہ ہوئی جو اضافتِ لفظی میں تھی۔ کیا؟ اضافتِ لفظی کسے کہتے تھے؟ صیغہ صفت کا ہو، مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، اور وہ یہاں پورا نہیں۔ صیغہ تو صفت ہی کا ہے لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں بلکہ کسی اور کی طرف مضاف ہے، تو یہ كَرِيمُ الْبَلَدِ، یہ بھی کون سی اضافت ہوئی؟ اضافتِ معنوی ہوئی، صورت سمجھ...

تو اضافتِ لفظی سمجھ گئے اچھی طرح؟ کسے کہتے ہیں؟ صیغہ صفت کا اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ اور اضافتِ معنوی کسے کہتے ہیں؟ جو اس کے علاوہ ہو، اور اس میں پھر دو صورتیں آگئیں: پہلی صورت یہ کہ صیغہ ہی صفت کا نہ ہو کوئی اور صیغہ ہو اور مضاف ہو رہا ہو، تو وہ بھی اضافتِ معنوی۔ اور دوسری کیا صورت؟ صیغہ تو صفت ہی کا ہے لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں، تو پھر یہ بھی کیا ہے؟ اضافتِ معنوی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

اب دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں: وَاعْلَمْ، تو جان لے، أَنَّ الْإِضَافَةَ عَلَى قِسْمَيْنِ، کہ اضافت جو ہے دو قسم پر ہے، مَعْنَوِيَّةٌ وَلَفْظِيَّةٌ، ایک اضافتِ معنوی ہے اور ایک اضافتِ لفظی ہے۔ جی یاد رکھیے اس کو آپ تین طرح پڑھ سکتے ہیں: مَعْنَوِيَّةٌ وَلَفْظِيَّةٌ، دونوں پر رفع پڑھیں، یا دونوں پر نصب پڑھیں: مَعْنَوِيَّةً وَلَفْظِيَّةً، یا دونوں پر جر پڑھیں: مَعْنَوِيَّةٍ وَلَفْظِيَّةٍ۔ یا چلیں یہ بات آپ کے لیے مشکل ہے ابھی چھوڑ دیں۔

تو کہتے ہیں: وَاعْلَمْ، تو جان لے، أَنَّ الْإِضَافَةَ عَلَى قِسْمَيْنِ، کہ اضافت دو قسم پر ہے، مَعْنَوِيَّةٌ وَلَفْظِيَّةٌ، ایک معنوی ہے اور ایک لفظی ہے۔ أَمَّا الْمَعْنَوِيَّةُ، تو اضافتِ معنوی جو ہے، فَهِيَ، وہ یہ ہے، أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ، کہ مضاف جو ہے، غَيْرَ صِفَةٍ، وہ صفت کے علاوہ صیغہ ہو، مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا، جو مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف۔

اضافتِ معنوی کی تعریف سمجھ میں آرہی ہے؟ دیکھو یہاں غلطی لگتی ہے، ترجمہ عموماً طلبہ غلط کرتے ہیں، کس طرح؟ جیسے میں نے ابھی کیا۔ اضافتِ معنوی کسے کہتے ہیں؟ وہ یہ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ کہ مضاف جو ہے غَيْرَ صِفَةٍ کیا معنی؟ صفت کے صیغے کے علاوہ ہو، یہ اضافتِ معنوی، تو جہ ہے؟ کیا کہہ رہے ہیں؟ مضاف کیا ہو؟ صفت کے صیغے کے علاوہ ہو۔ كَرِيمُ الْبَلَدِ، ابھی میں نے آپ کو بتایا یہ کون سی اضافت ہے؟ اضافتِ معنوی۔ اور ابھی آپ ترجمہ کیا کر رہے ہیں؟ مضاف صفت کے صیغے کے علاوہ ہو، حالانکہ كَرِيمُ الْبَلَدِ میں تو كَرِيمُ کون سا صیغہ ہے؟ صفت ہی کا صیغہ ہے، اور یہ تعریف آپ لگائیں کہ مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو تو كَرِيمُ الْبَلَدِ تو اضافتِ معنوی سے خارج ہو گیا۔ تو جہ ہے؟ اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ کیا؟ کہ ابھی ہم نے پڑھا كَرِيمُ الْبَلَدِ کیا ہے؟ صیغہ صفت کا مضاف ہے غیر معمول کی طرف تو یہ اضافتِ لفظی نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ اضافتِ معنوی۔ تو كَرِيمُ الْبَلَدِ میں کون سی اضافت ہوئی؟ اضافتِ معنوی ہے، پکی بات ہے؟ اضافتِ معنوی ہے، اور كَرِيمُ صیغہ کون سا ہے؟ صفتِ مشبہ، ہاں تو صفت کے صیغہ ہونے کے باوجود اضافت معنوی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جب مضاف کیا ہو؟ صفت کا صیغہ ہو، تو بھی اضافت معنوی ہو سکتی ہے، کب؟ جبکہ وہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو۔ اور اوپر اب ہم ترجمہ کیا کر رہے ہیں؟ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ غَيْرَ صِفَةٍ کہ مضاف جو ہے وہ صفت کا صیغہ نہ ہو، تو كَرِيمُ الْبَلَدِ تو نکل گیا۔ یہ تو کہہ رہے ہیں مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو، اور كَرِيمُ الْبَلَدِ میں تو مضاف صفت کا صیغہ ہے، وہ تو کیا ہوا اس تعریف سے؟ نکل گیا کہ نہیں نکل گیا؟ میرا خیال توجہ نہیں آپ کی سبق کی طرف۔

انہوں نے کیا، میں نے آپ کو کیا بتایا؟ كَرِيمُ الْبَلَدِ مجھے یہ بتاؤ، كَرِيمُ الْبَلَدِ اضافتِ معنوی ہے کہ نہیں؟ اضافتِ معنوی ہے۔ اور مضاف صفت کا

صیغہ ہے کہ نہیں؟ تو مضاف صفت کا صیغہ ہو پھر بھی اضافتِ معنوی ہو سکتی ہے۔ ہو سکتی ہے کہ نہیں ہو سکتی؟ مضاف کیا ہو؟ صفت کا صیغہ ہو، پھر بھی اضافتِ معنوی کب کیسے ہو گی؟ جب وہ اپنے معمول کے علاوہ کی طرف کیا ہو؟ مضاف۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اور ادھر ترجمہ کیا کر رہے ہیں؟ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ غَيْرَ صِفَةٍ کہ مضاف جو ہے وہ صفت نہ ہو، معلوم ہوا مضاف صفت ہو تو وہ اضافتِ معنوی نہیں۔ بات کس کی چل رہی ہے؟ کتاب میں، اضافتِ معنوی، اور کیا تعریف کر رہے ہیں؟ کہ مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو۔ اور كَرِيمُ الْبَلَدِ میں تو كَرِيمُ کیا ہے؟ صفت کا صیغہ ہے، معلوم ہوا یہ اضافتِ معنوی نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ انہوں نے تو کہا وہ صفت کا صیغہ نہ ہو، اور ہم نے تو ابھی کیا بتایا کہ یہ بھی کیا ہے اضافتِ معنوی۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ کہ كَرِيمُ الْبَلَدِ ہے اضافتِ معنوی اور آپ یہ ترجمہ کریں کہ مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو، یہ تو اس سے كَرِيمُ الْبَلَدِ تو نکل جائے گا حالانکہ كَرِيمُ الْبَلَدِ بھی کیا ہے؟ اضافتِ معنوی۔ اشکال اب بھی بات سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟ اچھی طرح؟

اچھا تو وجہ یہ ہے ہم ترجمے میں غلطی کرتے ہیں، بھئی دیکھو، ذرا دوبارہ ذرا نظر رکھو عبارت پہ۔ اضافتِ معنوی یہ ہے کہ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ کہ مضاف جو ہے، تو جہ ہے؟ کہ مضاف جو ہے، یہاں تک عبارت ذرا روک لو، آگے دیکھو، یہ غَيْرَ کے لفظ کو ذرا ہٹا دو، غَيْرَ کے لفظ کو: صِفَةٍ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا، صفت مضاف ہو رہی ہو اپنے معمول کی طرف، یہ کون سی اضافت ہے؟ ذرا غَيْرَ کا لفظ ہٹا دو، صرف اس پہ نظر رکھو: صِفَةٍ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا، صفت کا صیغہ ہو اور مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف، یہ کون سی اضافت؟ اضافتِ لفظیہ، یہ اضافتِ لفظی ہے۔ اس پر اب غَيْرَ داخل کر دو، اس سے غیر ہو، اس سارے پر غَيْرَ داخل ہو رہا ہے، صرف صفت پر غَيْرَ نہیں داخل ہو رہا، تو جہ ہے؟ صفت کا صیغہ ہو، مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف، اس سے غیر ہونا چاہیے مضاف، اس کے علاوہ ہونا چاہیے مضاف۔

اور اس کے علاوہ کون سی صورت آ گئی؟ چاہے صفت کا صیغہ ہی نہ ہو وہ بھی آ گیا اس میں، چاہے صفت کا صیغہ تو ہے لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں ہے وہ بھی اس میں آ گیا۔ اب عبارت سمجھ میں آ گئی؟ اچھی طرح؟ تو عموماً ترجمہ جو ہے وہ طلبہ یوں کرتے ہیں کہ مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو جو مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف، یہ غلط ترجمہ ہے، بلکہ یوں ترجمہ کریں گے: اضافتِ معنویہ، فَهِيَ وہ یہ ہے، أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ کہ مضاف جو ہے، غَيْرَ صِفَةٍ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا علاوہ ہو ایسی صفت کے جو مضاف ہو رہی ہو اپنے معمول کی طرف۔ ایسی صفت جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو رہی ہو اس کے علاوہ ہو مضاف۔ ترجمہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟

وَهِيَ إِمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ، اب آپ نے پڑھا تھا بھائی کہ اصطلاح میں اس کو مضاف مضاف الیہ کہتے ہیں اور یہاں حرفِ جار مقدر ہوتا ہے، یہ مضاف مضاف الیہ کے درمیان کیا مقدر ہوتا ہے؟ حرفِ جار۔ اب یاد رکھنا یہ حرفِ جار لَام بھی مقدر ہو سکتا ہے، مِنْ بھی اور فِي بھی۔ لَام بھی، مِنْ بھی اور فِي بھی، تین حروفِ جار مقدر ہو سکتے ہیں۔ اب کہاں لَام ہو گا؟ کہاں مِنْ ہو گا؟ اور کہاں فِي ہو گا؟

تو فِي وہاں مقدر ہو گا جہاں مضاف الیہ وہ ظرف ہو مضاف کے لیے۔ تو جہ ہے؟ ایک ہے مضاف، ایک ہے مضاف الیہ۔ مضاف پہلے آتا ہے، مضاف الیہ بعد میں۔ یہ جو بعد میں آ رہا ہو، یہ ما قبل یعنی مضاف کے لیے اگر ظرف ہو تو پھر یہ اضافت فِي کے ساتھ ہو گی۔ یہاں فِي کا لفظ مقدر ہو گا۔ جیسے صَلَاةُ اللَّيْلِ، صَلَاةُ مضاف، اللَّيْلِ مضاف الیہ، رات کی نماز۔ اب بتائیے، ایک لفظ ہے صَلَاةُ، آگے مضاف الیہ ہے اللَّيْلِ، یہ اللَّيْلِ کیا ہے نماز کے لیے؟ ظرف ہے، وقت ہے، وقت یا ظرف کسے کہتے ہیں؟ وقت یا جگہ کو نا، تو یہ اللَّيْلِ کیا ہے؟ ظرف ہے یعنی وقت ہے کس کے لیے؟ اس نماز کے لیے، صَلَاةُ کے لیے۔ مابعد ظرف ہو کس کے لیے؟ ما قبل کے لیے، یعنی مضاف الیہ ظرف ہو کس کے لیے؟ مضاف کے لیے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو وہاں ہمیشہ کیا مقدر ہو گا؟ فِي، کیونکہ فِي ظرفیت کے لیے آتا ہے۔ فِي کا معنی ہوتا ہے ایک چیز دوسری چیز میں ہے، اس کے اندر ہے، تو وہ جگہ بھی ہو سکتی ہے اور زمانہ بھی، تو صَلَاةُ اللَّيْلِ أَي صَلَاةٌ فِي اللَّيْلِ۔ تو یہ یہاں پر جو ہے فِي مقدر ہے۔

اور کبھی کبھار مِنْ مقدر ہو گا، کیا مقدر ہو گا؟ مِنْ۔ مِنْ کہاں مقدر ہو گا؟ یاد رکھیے ایک ہے مضاف، ایک ہے مضاف الیہ۔ جب مضاف الیہ جو بعد میں آ رہا ہے وہ جنس ہو مضاف کے لیے، کیا ہو؟ جنس ہو۔ آسان لفظوں میں یوں کہیے کہ مضاف الیہ سے مضاف بنا ہو۔ آسان آپ کو سمجھانے کے لیے کہہ رہا ہوں۔ جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ، خَاتَمُ فِضَّةٍ، فِضَّةٍ چاندی کو کہتے ہیں، خَاتَمُ انگوٹھی کو، خَاتَمُ فِضَّةٍ چاندی کی انگوٹھی، تو خَاتَمُ ہے مضاف اور فِضَّةٍ ہے مضاف الیہ، اور یہ انگوٹھی کس سے بنی ہے؟ چاندی سے، تو یہ جو مضاف الیہ ہے یہ جنس ہے کس کے لیے؟ مضاف کے لیے، یعنی مضاف اس سے بنا ہے۔ تو جہاں پر بھی مضاف الیہ مضاف کے لیے جنس ہو وہاں مِنْ مقدر ہو گا، تو خَاتَمُ فِضَّةٍ اصل میں کیا ہے؟ خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تیسرا ہے لَام۔ لَام کہاں مقدر ہو گا؟ کہتے ہیں بھئی جہاں ان کے علاوہ ہر جگہ پر لَام مقدر ہو گا۔ جب مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف بھی نہ ہو اور

جنس بھی نہ ہو تو پھر کیا مقدر ہو گا؟ لَام، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، زید کا غلام۔ اب یہ زَيْدٌ غلام کے لیے ظرف بھی نہیں ہے اور یہ زَيْدٌ غلام کے لیے جنس بھی نہیں ہے، غلام اس سے نہیں بنا، تو لہٰذا یہ لَام کے ساتھ ہوئی اضافت۔ تو غُلَامُ زَيْدٍ اصل میں کیا ہے؟ غُلَامٌ لِزَيْدٍ۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

کہتے ہیں: وَهِيَ إِمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ، اور یہ اضافت یا تو لَام کے معنی میں ہو گی، نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَامُ زَيْدٍ۔ یہ دیکھیے نَحْوُ ہے مضاف اور غُلَامُ زَيْدٍ کیا ہے؟ مضاف الیہ۔ تو جہ ہے؟ نَحْوُ کیا ہے؟ مضاف، اور غُلَامُ زَيْدٍ یہ سارا مضاف الیہ ہے، نَحْوُ کا معنی ہے مِثْلُ، مثال پہ ذکر کر رہے ہیں نا، جس میں اضافت کس کے ساتھ ہو؟ لَام کے ساتھ۔ تو یہ غُلَامُ زَيْدٍ یہ مضاف ہے نَحْوُ کے لیے، تو لہٰذا آپ اس کو یوں بھی پڑھ سکتے ہیں: نَحْوُ غُلَامِ زَيْدٍ، یہ غُلَامِ مضاف بن رہا ہے مضاف الیہ بن رہا ہے نا، اور مضاف الیہ پر کیا آتا ہے؟ جر آتا ہے، تو غُلَامِ زَيْدٍ۔ تو نَحْوُ ہوا مضاف، غُلَامِ ہوا اس کے لیے مضاف الیہ، اور اگلے زَيْدٍ کے لیے مضاف۔ ماقبل کے لیے مضاف الیہ اور مابعد کے لیے مضاف، اور زَيْدٍ پر بھی جر پڑھیں گے کیونکہ وہ بھی کیا ہے؟ مضاف الیہ۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ نَحْوُ غُلَامِ زَيْدٍ۔ اور آپ چاہیں تو اعرابِ حکائی پڑھ لیں۔ اعرابِ حکائی میں نے بتایا تھا، کسی اور جگہ غُلَامُ زَيْدٍ لفظ آیا ہے آپ بھی اسی طرح پڑھ دیتے ہیں، تو کیسے پڑھیں گے؟ نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ اب آپ سے کوئی کہے بھئی یہ تو غُلَامُ زَيْدٍ آپ پڑھ رہے ہو، یہ تو مضاف الیہ ہے مجرور ہونا چاہیے، آپ کہتے ہیں ہم اعرابِ حکائی پڑھ لیتے ہیں، کسی اور جملے میں کیا استعمال ہوا تھا؟ مرفوع، ہم بھی اسی طرح یہاں استعمال کر لیتے ہیں، تو ہے اس وقت بھی یہ مجرور، ہے کیا؟ مجرور ہے، لیکن اعراب ہم وہ والا پڑھ رہے ہیں، اعرابِ حکائی۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ یہ غُلَامُ کا لفظ، غُلَامُ کا لفظ مرفوع ہے لفظاً، لفظوں میں غُلَامُ زَيْدٍ رفع پڑھ رہا ہوں نا، مرفوع ہے لفظاً، لفظ کے اعتبار سے بے شک مرفوع ہے اور یہ مرفوع کیوں ہے؟ اعرابِ حکائی ہے، اعرابِ حکائی۔ لیکن مجرور محلاً ہے یہ۔ لفظاً مرفوع ہے لیکن مجرور محلاً، محلاً کیوں مجرور؟ کیونکہ یہ اصل میں تو نَحْوُ کے لیے مضاف ہے، چاہے آپ جو بھی اعراب اس پر پڑھیں، ہے تو مضاف الیہ یہ تو پکی بات ہے، اور مضاف الیہ ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور، تو یہ مجرور ہے ہی ہر حال میں۔ لیکن ہم اعراب وہ کسی اور جملے میں رفع آیا تھا ہم بھی ویسا یہاں پڑھ لیتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اس کو کیا کہتے ہیں؟ اعرابِ حکائی، یعنی حکایت میں، کسی حکایت میں، کسی بات میں یہ مرفوع آیا تھا وہی اعراب ہم یہاں پڑھ لیتے ہیں تو اس کو اعرابِ حکائی کہتے ہیں۔ جیسے گزشتہ سبق میں حَرَامُ آیا تھا، وہاں میں نے آپ کو بتلایا تھا بِرَفْعِ حَرَامٍ یوں بھی پڑھ سکتے ہیں، اور آپ بِرَفْعِ حَرَامُ اعرابِ حکائی بھی پڑھ سکتے ہیں، ہے البتہ وہ مجرور ہی چاہے آپ رفع پڑھیں چاہے جر پڑھیں ہے مجرور ہی۔ رفع بھی پڑھیں گے تو لفظاً مرفوع لیکن محلاً کیا ہے؟ مجرور، محل یہ جگہ جر والی ہے تو محلاً مجرور۔

تو نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ، أَوْ بِمَعْنَى مِنْ، یا وہ اضافت مِنْ کے ساتھ ہو گی، یا اضافت مِنْ کے معنی میں ہو گی جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ أَيْ خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ، أَوْ بِمَعْنَى فِي، یا اضافت جو ہے فِي کے معنی میں ہو گی، نَحْوُ صَلَاةُ اللَّيْلِ أَيْ صَلَاةٌ فِي اللَّيْلِ۔ تو اضافتِ معنویہ یا تو فِي کے معنی میں ہوتی ہے یا مِنْ کے معنی میں یا لَام کے معنی میں۔ فِي کے معنی میں کب ہوتی ہے؟ جب مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہو، فِي کے معنی میں، جب مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہو۔ اور یہ مِنْ کے معنی میں کب ہوتی ہے؟ جب مضاف الیہ مضاف کے لیے جنس ہو۔ اور ان کے علاوہ ہو تو پھر وہ کس معنی میں ہوتی ہے؟ لَام کے معنی میں ہوتی ہے۔

وَفَائِدَةُ هَذِهِ الْإِضَافَةِ، اور اس اضافت کا فائدہ، یعنی اضافتِ معنوی، اب فائدہ ذکر کرنے لگے ہیں کہ اضافتِ معنویہ کا فائدہ کیا ہے؟ ادھر دیکھیے بھائی، یاد رکھو اضافتِ لفظیہ، اس میں اضافت کی جاتی ہے ایک لفظ کی دوسرے لفظ کی طرف، تو اگر اضافت کر دی جائے معرفہ کی طرف تو مضاف بھی معرفہ بن جائے گا، جیسے غُلَامُ کی اضافت کی زَيْدٍ کی طرف اور زَيْدٍ کیا ہے؟ معرفہ، تو غُلَامُ کا لفظ بھی کیا بن جائے گا؟ معرفہ، غُلَامُ زَيْدٍ، اب یہ غُلَامُ کا لفظ بھی معرفہ ہے۔ اب اس سے ہر غلام نہیں مراد بلکہ کون سا غلام مراد ہے؟ زید کا غلام۔ یا اس کی ضمیر کی طرف اضافت کر دو: غُلَامُهُ، یہ ضمیر بھی کیا ہے؟ معرفہ، تو اب بھی غُلَامُ کا لفظ کیا بن گیا؟ معرفہ۔ یا اسمِ اشارہ کی طرف اضافت کر دو: غُلَامُ هَذَا، تو اسمِ اشارہ کیا ہے؟ معرفہ، تو غُلَامُ کا لفظ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ اضافتِ معنوی تعریف کا فائدہ دیتی ہے، یعنی کسی لفظ کو معرفہ بنا دیتی ہے جب اس کی اضافت کس کی طرف کی جائے؟ معرفہ کی طرف۔ اور اگر اضافت کی جائے نکرہ کی طرف تو پھر یاد رکھیے یہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، تخصیص۔ جیسے غُلَامُ رَجُلٍ، غُلَامُ بھی نکرہ، رَجُلٍ بھی نکرہ، میں نے غُلَامُ کی اضافت کر دی رَجُلٍ کی طرف تو تخصیص آ گئی۔ تخصیص کسے کہتے تھے؟ دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کرنا۔ مثلاً دیکھیے بھائی، دنیا میں فرض کریں ایک لاکھ غلام ہیں، ان ایک لاکھ غلاموں میں سے پچاس ہزار مردوں کے غلام ہیں تو پچاس ہزار عورتوں کے غلام ہیں۔ جب میں نے کہا غُلَامٌ تو ہر غلام پر یہ لفظ بولا جا رہا ہے چاہے وہ مرد کا غلام ہو چاہے عورت کا، وہ ہر ایک غلام ہے۔ لیکن جب میں نے اضافت کر دی غُلَامُ رَجُلٍ، اب نکرہ کی طرف اضافت کی ہے نا تو تخصیص آ گئی، اب کیا ترجمہ ہے؟ مرد کا غلام، تو وہ عورتوں والے غلام وہ نکل گئے، اب ان پر یہ لفظ نہیں بولا جا سکتا۔ تو پہلے ایک لاکھ غلاموں پر غُلَامٌ کا لفظ

بولا جارہا تھا اب غُلَامُ رَجُلٍ صرف کتنے پر بولا جارہا ہے؟ پچاس ہزار پر، تو دیکھو احتمالات کم ہو گئے۔ اور احتمالات کم ہو جائیں اس کو تخصیص کہتے ہیں۔ تو دیکھو نکرہ کی طرف جب اضافت کی جائے تو تخصیص آجاتی ہے۔ کسی لفظ کی جب اضافت معرفہ کی طرف کی جائے تو وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ اور اگر نکرہ کی طرف اضافت کی جائے تو پھر معرفہ تو نہیں بنتا البتہ اس میں تخصیص آجاتی ہے۔

تو اضافتِ معنوی کے یہ دو فائدے ہیں، بڑے فائدے بھائی۔ اضافتِ معنوی کے یہ دو بڑے فائدے ہیں، کون کون سے؟ کہ یہ تعریف کا فائدہ دے گی یا تخصیص۔ تعریف کا فائدہ کب دے گی؟ جب معرفہ کی طرف اضافت کرو۔ اور تخصیص کا فائدہ کب دے گی؟ جب نکرہ کی طرف اضافت کرو۔ اور نیز لفظوں میں بھی تخفیف آئے گی۔ اصل میں تھا غُلَامٌ لِزَيْدٍ، تو دیکھو غُلَامٌ میں تنوین ختم ہوئی یا نہیں غُلَامُ کی؟ تو غُلَامٌ، دیکھو آخر میں ایک نونِ ساکن بھی میں پڑھ رہا ہوں، اور جب اضافت کی وہ نونِ ساکن کیا ہوا؟ گر گیا، ختم ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اضافتِ معنوی لفظوں میں بھی تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور معنی کے اندر بھی فائدہ دیتی ہے کہ لفظ کو یا تو معرفہ بنا دیتی ہے یا اس میں تخصیص پیدا کر دیتی ہے۔ اسی طرح نونِ تثنیہ نونِ جمع بھی گر جائے گا: غُلَامَا زَيْدٍ، اصل میں تھا غُلَامَانِ زَيْدٍ، تو نون گر گیا۔ یا مُسْلِمُو مِصْرٍ، نون اضافت سے گر گیا، مُسْلِمُونَ مِصْرٍ تھا۔ تو اضافتِ معنوی لفظوں میں بھی تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، لفظوں میں، یعنی لفظ ہلکے ہو جاتے ہیں۔ ایک دو لفظ گر گئے تو ادائیگی آسان ہو گئی یا نہیں ہو گئی؟ تو ایک دو حروف جب گر گئے ادائیگی آسان ہو گئی۔ تو اضافتِ معنوی لفظوں میں بھی تخفیف کا فائدہ دیتی ہے کیونکہ تنوین اور قائم مقامِ تنوین کیا ہیں؟ گر جاتے ہیں۔ اور معنی میں بھی فائدہ دیتی ہے، کیا؟ تعریف یا تخصیص کا۔ تو لیکن چونکہ اس کا بڑا فائدہ ہے یہ معنی کے اندر جو فائدہ دیتی ہے تعریف یا تخصیص کا، اس لیے اس کو اضافتِ معنویہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ اضافتِ معنویہ، ورنہ یہ لفظوں میں بھی فائدہ دے رہی ہے۔ کہ لفظوں میں کیا فائدہ دیا؟ تخفیف کر دی اس میں، ہلکا کر دیا لفظ کو۔ سمجھ گئے؟ جتنے حروف زیادہ ہوں زبان پر ادائیگی مشکل ہوتی ہے، جتنے حروف کم ہوں گے زبان پر ادائیگی آسان۔ تو جب اضافت کریں گے نونِ تثنیہ بھی گر جائے گا، نونِ جمع بھی گر جائے گا اور تنوین بھی گر جائے گی، تو لفظ ہلکا ہو جائے گا۔ تو لفظوں میں بھی تخفیف آئے گی اور معنی کے اندر بھی تبدیلی آئی کہ تعریف یا تخصیص آگئی۔

جبکہ آگے آپ کو بتائیں گے کہ اضافتِ لفظیہ وہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے معنی میں کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، اب اضافت کر دو: زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو، صرف ضَارِبٌ سے تنوین گری، بس۔ اور ضَارِبُ عَمْرٍو، ضَارِبُ کی اضافت کس کی طرف؟ عَمْرٍو، معرفہ کی طرف، تو اس ضَارِبُ کو معرفہ ہو جانا چاہیے، کہتے ہیں نہیں نہیں، کوئی معرفہ نہیں، یہ جیسے پہلے نکرہ تھا اب بھی نکرہ ہے۔ کیونکہ یہ اضافتِ لفظی ہے، لفظی، نام سے ہی پتہ چل رہا ہے، یہ صرف لفظوں میں فائدہ دیتی ہے تخفیف کا اور کوئی معنی کے اندر فائدہ نہیں دیتی۔ معنی کے اندر فائدہ نہیں دیتی یعنی نہ تعریف کا فائدہ اور نہ تخصیص کا۔ معرفہ کی طرف اضافت کر دو تو تعریف کا فائدہ نہیں، صرف لفظوں میں تخفیف آئی۔ نکرہ کی طرف اضافت کر دو تو بھی تخصیص کا فائدہ نہیں، صرف لفظوں میں تخفیف۔ خلاصۂ کلام کیا ہوا؟ اضافتِ معنوی کس کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تعریف اور تخصیص کے ساتھ ساتھ لفظوں میں بھی تخفیف آتی ہے۔ اور اضافتِ لفظی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، نہ تعریف اور نہ تخصیص۔ اسی لیے اس کو اضافتِ لفظی کہتے ہیں کہ صرف لفظوں کا فائدہ دے رہی ہے، معنی میں کوئی فائدہ نہیں۔ اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں: وَفَائِدَةُ هَذِهِ الْإِضَافَةِ تَعْرِيفُ الْمُضَافِ إِنْ أُضِيفَ إِلَى مَعْرِفَةٍ، اور فائدہ اس اضافت کا، کون سی اضافت کا؟ اضافتِ معنویہ کا، اس اضافت کا فائدہ جو ہے تَعْرِيفُ الْمُضَافِ وہ مضاف کی تعریف ہے یعنی اس کو معرفہ بنا دیتا ہے، کب؟ إِنْ أُضِيفَ إِلَى مَعْرِفَةٍ جب اس کی اضافت کس کی طرف کی جائے؟ معرفہ کی طرف، كَمَا مَرَّ جیسے کہ گزر گئی مثال، أَوْ تَخْصِيصُهُ یا یہ اضافت کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تخصیص کا یعنی مضاف کی تخصیص کا، کب؟ إِنْ أُضِيفَ إِلَى نَكِرَةٍ جب اس کی اضافت نکرہ کی طرف کر دی جائے، كَغُلَامِ رَجُلٍ، كَغُلَامُ رَجُلٍ جیسے کہ غُلَامُ رَجُلٍ۔ یہاں بھی اسی طرح پڑھ سکتے ہیں: کاف جارہ ہے، غُلَامِ رَجُلٍ بھی پڑھ سکتے ہیں اور غُلَامُ رَجُلٍ۔ غُلَامِ رَجُلٍ پڑھیں گے تو پھر تو جر پڑھ رہے ہیں اور جر ہی آنا چاہیے۔ اور اگر آپ غُلَامُ رَجُلٍ پڑھتے ہیں تو پھر اعرابِ حکائی کہ کسی اور جملے میں غُلَامُ رَجُلٍ تھا آپ نے بھی اسی طرح بول دیا، اسی طرح مثال ذکر کر دی جیسے غُلَامُ رَجُلٍ کا لفظ بھائی۔

وَأَمَّا اللَّفْظِيَّةُ، اور باقی اضافتِ لفظیہ جو ہے، فَهِيَ، وہ یہ ہے، أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ صِفَةً مُضَافَةً إِلَى مَعْمُولِهَا، وہ یہ کہ مضاف جو ہے ایسی صفت ہو مُضَافَةً إِلَى مَعْمُولِهَا جو مضاف ہو رہی ہو اپنے معمول کی طرف، وَهِيَ فِي تَقْدِيرِ الِانْفِصَالِ، اور یہ کس تقدیر میں ہوتی ہے؟ انفصال کی تقدیر، انفصال کا معنی جدا ہونا، جدا ہونا۔ بھئی ابھی میں نے آپ کو بتایا اضافتِ لفظی، اضافتِ لفظی، اس میں صفت کا صیغہ مضاف ہوتا ہے کس کی طرف؟ اپنے معمول کی طرف، اور یہ کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ اضافتِ لفظی، توجہ ہے؟ کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ صرف لفظوں میں تخفیف آئے گی، یعنی تنوین اور

یا قائم مقامِ تنوین وہ گر جائے گا، اور کوئی فائدہ ہو گا؟ نہیں، جب اور کوئی فائدہ نہیں تو یہ گویا لفظاً ابھی بھی الگ الگ ہی ہیں۔ زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، جیسے الگ الگ تھے اضافت کے بعد ابھی بھی اسی طرح ہیں: زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو، بے شک میں نے اضافت کر دی ہے لیکن آپ ابھی بھی یوں ہی سمجھیں گویا الگ الگ ہی ہیں، ضَارِبٌ عَمْرًا ہی ہے۔ کیا معنی الگ الگ ہیں؟ بھئی اضافت کا تو فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ جو مضاف ہوتا ہے وہ مضاف الیہ سے یا تعریف اخذ کرتا ہے یا تخصیص، اور یہ ضَارِبُ عَمْرٍو، یہ ضَارِبُ نے عَمْرٍو سے نہ تعریف اخذ کی اور نہ تخصیص۔ جب نہ تعریف اخذ کی نہ تخصیص اخذ کی تو یوں سمجھو گویا الگ الگ ہیں ابھی بھی۔ پہلے ضَارِبٌ جیسے نکرہ تھا اسی طرح اب بھی نکرہ کا نکرہ ہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ مشکل مقام ہے یہ سمجھ لو بھائی۔ وَهِيَ فِي تَقْدِيرِ الِانْفِصَالِ، یہ کس تقدیر میں ہے؟ انفصال، یہ اضافتِ لفظیہ انفصال کی تقدیر میں ہی ہوتی ہے، انفصال کی طرح ہی ہوتی ہے، اسی طرح فرض کر لیں اسی طرح ہوتی ہے۔ کیا معنی انفصال کی طرح ہوتی ہے؟ یعنی نہ تعریف اخذ کرتا ہے مضاف اور نہ تخصیص۔ جیسے جدا تھا بالکل نکرہ پہلے: ضَارِبٌ عَمْرًا، ضَارِبٌ عَمْرًا میں کوئی اضافت ہے؟ نہیں ہے اضافت، تو ضَارِبٌ کیا ہے؟ نکرہ ہے، اور کون سا نکرہ؟ اس میں نہ تخصیص ہے نہ تعریف۔ اس کی اضافت کر دو، یہ اب بھی اسی طرح کا نکرہ ہے، تعریف بھی نہیں اخذ کی اور تخصیص بھی نہیں اخذ کی، صرف لفظوں میں تخفیف آئی کہ تنوین یا قائم مقامِ تنوین گر جائے گا اور کوئی فائدہ نہیں۔ تو یہ ابھی بھی اسی طرح ہے جیسے کہ جدا ہو بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَهِيَ فِي تَقْدِيرِ الِانْفِصَالِ اور یہ اضافت تقدیر انفصال میں ہوتی ہے یعنی جدائی کی تقدیر میں ہوتی ہے کہ جدا ہی ہے۔

نَحْوُ ضَارِبُ زَيْدٍ وَحَسَنُ الْوَجْهِ، ضَارِبُ زَيْدٍ اصل میں کیا تھا؟ ضَارِبٌ زَيْدًا، زید کی پٹائی کرنے والا، پھر اضافت کر دی: ضَارِبُ زَيْدٍ، تو صیغہ صفت کا ہے، مضاف ہے اپنے معمول کی طرف تو یہ اضافتِ لفظی ہوئی۔ تو اس نے صرف کیا فائدہ دیا؟ کہ باسے تنوین گر گئی، ضَارِبٌ کے آخر سے تنوین گر گئی۔ باقی ضَارِبٌ جیسے پہلے نکرہ تھا ابھی بھی اسی طرح نکرہ ہے، نہ اس نے تعریف اخذ کی مضاف الیہ سے اور نہ تخصیص۔ اسی طرح وَحَسَنُ الْوَجْهِ، حَسَنُ ہے صفتِ مشبہ، الْوَجْهِ ہے مضاف، حَسَنُ الْوَجْهِ، تو یہ الْوَجْهُ اس کے لیے فاعل تھا، اچھا چہرہ، خوبصورت چہرہ، پھر اس کی طرف اضافت کر دی، تو صفت کا صیغہ ہے حَسَنُ، اس کی اضافت ہوئی اپنے معمول یعنی اپنے فاعل کی طرف: حَسَنُ الْوَجْهِ۔ تو صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ اضافتِ لفظی ہوئی۔ اس نے صرف کیا فائدہ دیا؟ حَسَنٌ کے آخر سے صرف تنوین گری ہے، اور جیسے حَسَنٌ اضافت سے پہلے نکرہ تھا ابھی بھی کیا ہے؟ نکرہ ہی ہے، نہ اس میں تعریف آئی نہ اس میں تخصیص آئی۔ اسی لیے کہا آگے خود بیان کر رہے ہیں: وَفَائِدَتُهَا تَخْفِيفٌ فِي اللَّفْظِ فَقَطْ، اور اس اضافت کا فائدہ یعنی اضافتِ لفظیہ کا فائدہ وہ صرف لفظوں میں تخفیف ہے، صرف لفظوں میں تخفیف ہے اور کوئی فائدہ نہیں، یعنی تعریف بھی نہیں اور تخصیص بھی نہیں۔

جیسے قرآن میں اس کی مثال آتی ہے، قرآن میں: هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا۔ هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا، عَارِضٌ کہتے ہیں بادل کو، بادل کو۔ مُمْطِرُنَا، مُمْطِرٌ کہتے ہیں برسانے والا، مُمْطِرُنَا ہم پر برسانے والا۔ تو دیکھو ترکیب کیا ہے؟ هَذَا مرفوع محلاً مبتدا، عَارِضٌ مرفوع لفظاً، ہاں صیغہ اسمِ فاعل نہیں، بادل کا نام ہی عَارِضٌ ہے، بس اسی طرح رکھیں اس کو، تو یہ عَارِضٌ مرفوع لفظاً موصوف، موصوف۔ کیونکہ میں نے آپ کو ضابطہ بتایا ہے: نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو آپس میں کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت بنتے ہیں۔ تو عَارِضٌ نکرہ ہے تو مُمْطِرُنَا بھی آگے نکرہ آرہا ہے، تو دونوں نکرہ کے بعد نکرہ آیا تو پہلے کو موصوف دوسرے کو صفت۔ آپ کہیں گے مُمْطِرُنَا آخر میں تو ضمیر آرہی ہے، برسانے والا مُمْطِرٌ برسانے والا، مُمْطِرُنَا ہم پر برسانے والا، تو یہ تو مُمْطِرُنَا تو مُمْطِرٌ کی اضافت ہے نَا ضمیر کی طرف، مُمْطِرٌ کی اضافت، توجہ ہے؟ مُمْطِرٌ کی اضافت کس کی طرف؟ نَا ضمیر کی طرف، اور ضمیر تو معرفہ ہے اور معرفہ کی طرف جب مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ ہو جاتا ہے، تو مُمْطِرُنَا ہوا معرفہ اور عَارِضٌ ہوا نکرہ، تو نکرہ کی صفت تو نکرہ آسکتی ہے معرفہ نہیں، جواب یہ کہ مُمْطِرُنَا اس کے درمیان اضافتِ لفظی ہے، مُمْطِرٌ ہے مضاف، نَا ضمیر ہے مضاف الیہ، اور مُمْطِرٌ اسمِ فاعل ہے صفت کا صیغہ ہے اور نَا ضمیر اس کے لیے معمول ہے، ہم پر برسانے والا، برسانے والا ہے بارش کو اور کس پر؟ ہم پر، تو ہم پر برسا رہا ہے تو یہ مفعول ہوا، نَا ضمیر کیا ہوئی؟ مفعول۔ تو مُمْطِرٌ کی اضافت ہوئی اپنے معمول نَا ضمیر کی طرف، اور صفت کے صیغے کی اضافت اپنے معمول کی طرف ہو جائے تو یہ اضافتِ لفظی ہوتی ہے، اور اضافتِ لفظی کس تقدیر میں ہے؟ انفصال کی تقدیر میں ہے، یعنی ابھی بھی الگ ہی ہے، یوں سمجھو گویا اضافت ہوئی ہی نہیں۔ جب اضافت ہوئی ہی نہیں تو مُمْطِرٌ جیسے پہلے نکرہ تھا اب بھی کیا ہے؟ نکرہ، نہ اس نے تعریف اخذ کی اور نہ تخصیص۔ جب یہ نکرہ ہے تو عَارِضٌ بھی نکرہ ہوا، مُمْطِرُنَا بھی نکرہ ہوا، تو نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو یہ آپس میں کیا بنیں گے؟ موصوف صفت۔ اسی لیے میں نے کہا عَارِضٌ مرفوع لفظاً موصوف، مُمْطِرٌ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، اور نَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر صفت۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

بلکہ بلکہ مُمْطِرٌ اسمِ فاعل ہے، برسانے والا، ہم پر برسانے، مُمْطِرٌ مرفوع، دوبارہ سنو ترکیب: هَذَا مرفوع محلاً مبتدا، عَارِضٌ مرفوع لفظاً موصوف،

مُمْطِرُ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اور صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ ہاں صفت کو موصوف سے جوڑتے ہیں، تو وہ هُوَ ضمیر راجع کس کو؟ عَارِضٌ کو موصوف کو۔ آگے نَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مضاف الیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو هَذَا مبتدا ہے، عَارِضٌ خبر ہے اور مُمْطِرُنَا اس کی صفت ہے۔

اب ترجمہ کیجیے، موصوف صفت کے ترجمہ کرنے کا طریقہ بتایا تھا میں نے کہ نکرہ میں کیا کرو؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی، هَذَا عَارِضٌ یہ ایسا بادل ہے مُمْطِرُنَا جو ہم پر بارش برسائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۰: یائے متکلم کی طرف اضافت کے قوانین اور آغازِ الخاتمۃ في التوابع

ہدایۃ النحو صفحہ: ۴۹—بتاریخ: ۳۱ مارچ ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَاعْلَمْ أَنَّكَ إِذَا أَضَفْتَ الِاسْمَ الصَّحِيحَ أَوِ الْجَارِيَ مَجْرَى الصَّحِيحِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ كَسَرْتَ آخِرَهُ وَأَسْكَنْتَ الْيَاءَ أَوْ فَتَحْتَهَا كَغُلَامِي وَدَلْوِي وَظَبْيِي، وَإِنْ كَانَ آخِرُ الِاسْمِ أَلِفًا تَثْبُتُ كَعَصَايَ وَرَحَايَ خِلَافًا لِلْهُذَيْلِ كَعَصِيَّ وَرَحِيَّ۔

مقصدِ ثالث چل رہا ہے بھئی۔ مقصدِ ثالث میں صاحبِ ہدایۃ النحو نے آپ کو مجرورات کے بارے میں بتایا۔ کہ مجرور جو ہے صرف مضاف الیہ ہے بھئی۔ ہاں اس مضاف الیہ کی دو صورتیں ہیں، کبھی حرفِ جر لفظوں میں ہو گا اور کبھی حرفِ جر لفظوں میں نہیں ہو گا، تقدیراً ہو گا۔ اور جس میں حرفِ جر لفظوں میں ہو اس کو اصطلاحِ نحو میں جار مجرور کہتے ہیں، اور جہاں حرفِ جر تقدیراً ہو اس کو اصطلاحِ نحو میں مضاف اور مضاف الیہ کہتے ہیں بھئی۔ تو گویا دو قسم پر ہوئے مجرور، دو یعنی یوں کہیں مجرور کی دو قسمیں ہو گئیں: ایک جس پر حرفِ جر داخل ہو اور ایک جس پر مضاف داخل ہو بھئی۔

تو جب اضافت کی بات آ گئی تو اضافت سے متعلق وہ اور کچھ قیمتی باتیں آپ کو بتلا رہے ہیں۔ ایک بات انہوں نے یہ بتلائی کہ مضاف جو ہے اس پر تنوین بھی نہیں آتی اور اسی طرح جو قائم مقامِ تنوین ہو وہ بھی نہیں آتی۔ جیسے غُلَامٌ، اس کی اضافت جب کسی لفظ کی طرف کریں تو تنوین گر جائے گی: غُلَامُ زَيْدٍ۔ اور اسی طرح نونِ تثنیہ اور نونِ جمع جو قائم مقامِ تنوین ہے وہ بھی اضافت سے گر جاتے ہیں۔ جیسے غُلَامَانِ تثنیہ ہے، اس کی اضافت کریں گے تو کیا کہیں گے؟ غُلَامَا زَيْدٍ۔ اور مُسْلِمُونَ اس کے آخر میں نونِ جمع ہے، یہ بھی گر جائے گا اضافت کے وقت تو کیا کہیں گے مثلاً؟ مُسْلِمُو مِصْرَ۔

اس کے بعد انہوں نے آپ کو بتلایا کہ اضافت دو قسم پر ہے: ایک اضافتِ لفظی ہے اور ایک اضافتِ معنوی ہے۔ اضافتِ لفظی یہ ہے کہ مضاف صفت کا صیغہ ہو، اور جو مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف یعنی اپنے فاعل یا مفعول کی طرف بھئی۔ اور تو مضاف صفت کا صیغہ ہو اور صفت کے صیغے سے کیا مراد ہے یہاں پر؟ اسمِ فاعل ہے، اسمِ مفعول ہے اور صفتِ مشبہ ہے۔ ان میں سے کوئی صیغہ ہو اور اپنے فاعل یا اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو تو یہ اضافتِ لفظیہ کہلاتی ہے۔ اور یہ اضافت جو ہے یہ اضافتِ لفظیہ، یہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ لفظ کچھ ہلکے ہو جاتے ہیں اور کوئی فائدہ اس کا نہیں ہے۔ اسی لیے اس کو اضافتِ لفظیہ کہتے ہیں کہ اس کے کیونکہ اس میں صرف لفظوں میں فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ حروف کم ہو جاتے ہیں، معنی کے اعتبار سے کسی قسم کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا یعنی تعریف یا تخصیص وغیرہ حاصل نہیں ہوتی۔

تو جب مضاف نے مضاف الیہ سے نہ تعریف اخذ کی اور نہ تخصیص اخذ کی تو یہ تقدیرِ انفصال میں ہی ہے۔ یعنی جیسے اضافت سے پہلے ایک لفظ نکرۂ محض ہوتا ہے، اسی طرح یہاں اضافتِ لفظی میں اضافت کے بعد بھی وہ نکرہ کا نکرہ ہی رہے گا۔ نہ اس میں تعریف آئے گی اور نہ اس میں تخصیص۔ تو وہ تقدیرِ انفصال میں ہے، کیا معنی ہے؟ یعنی جیسے جدا تھا اسی طرح اب بھی یہ جیسے جدا ہی ہو، اسی طرح اس کو سمجھیں، اسی طرح نکرہ سمجھیں اس کو۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

جبکہ اس کے مقابلے میں دوسری اضافتِ معنویہ ہے۔ اضافتِ معنویہ یہ ہے کہ مضاف جو ہے وہ ایسی صفت نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو رہی ہو۔ صفت ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، یہ تو ہے اضافتِ لفظی۔ اس سے غیر ہو، اس سے کیا ہو؟ غیر۔ اس میں پھر دو صورتیں آ گئیں: یا تو سرے سے

صیغہ صفت کا ہو ہی نہ، تو یہ بھی اس میں آ گیا۔ یا صیغہ تو صفت کا ہے لیکن اپنے معمول کی طرف نہیں مضاف، کسی اور کی طرف مضاف ہے تو وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا۔ تو یہ دونوں کیا ہوئے؟ اضافتِ معنویہ میں داخل ہوئے۔ اور پھر یہ اضافتِ معنویہ یہ کبھی بمعنیٰ لام کے ہو گی، کبھی بمعنیٰ فی کے ہو گی اور کبھی بمعنیٰ مِن کے۔ فی کے معنی میں ہو گی جب مضاف الیہ جو یعنی بعد میں آ رہا ہے، جب مضاف الیہ ظرف ہو کس کے لیے؟ مضاف کے لیے۔ جیسے صَلَاةُ اللَّيْلِ، تو اصل میں کیا ہے؟ صَلَاةٌ فِي اللَّيْلِ، کیونکہ لیل ظرف ہے صلاۃ کے لیے، رات میں نماز پڑھی جاتی ہے۔

اور اور کبھی اضافت مِن کے ساتھ ہو گی جبکہ مضاف الیہ وہ جنس ہو کس کے لیے؟ مضاف کے لیے۔ جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ، أَيْ خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ۔ اور اگر مضاف الیہ نہ ظرف ہو مضاف کے لیے اور نہ جنس ہو تو پھر یہ اضافتِ معنوی جو ہے وہ لام کے معنی میں ہو گی جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، یہ زید نہ تو غلام کے لیے جنس ہے اور نہ اس کے لیے ظرف ہے، تو یہ لام کے معنی میں ہے أَيْ غُلَامٌ لِزَيْدٍ۔

اور پھر اضافتِ معنوی نام سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ یہ اضافت لفظوں کے ساتھ ساتھ معنیٰ میں بھی فائدہ دیتی ہے۔ لفظوں میں تو فائدہ دے گی ہی اضافت کیونکہ اضافت کی وجہ سے آپ کو انہوں نے بتا دیا تھا تنوین بھی گر جاتی ہے اور قائم مقامِ تنوین بھی، تو لفظوں میں تو فائدہ ہوا ہی کہ لفظ ہلکے ہو گئے، کم ہو گئے، ایک حرف گر گیا، لیکن یہ معنیٰ میں بھی فائدہ دیتی ہے۔ اور کیا فائدہ دیتی ہے؟ کہ اگر نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف کی جائے تو پھر یہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے یعنی احتمالات کو کم کر دیتی ہے، اور اگر نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو تو پھر یہ تعریف کا پھر یہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے یعنی مضاف بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ بن جاتا ہے بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

اب آگے آپ کو بتلانے لگے ہیں کہ جب کسی اسم کو یا ضمیر کی طرف مضاف کریں تو کیسے پڑھیں گے اس کو؟ بھئی باقی اضافتیں تو آسان ہیں۔ غلام کی اضافت زید کی طرف کرنی ہے، آسان سی بات ہے، غلام سے تنوین ختم کرو اور زید کو جر دے دو: غُلَامُ زَيْدٍ۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ صلاۃ کی اضافت لیل کی طرف کرنی ہے، آسان بات ہے، صلاۃ کے آخر سے تنوین ختم کرو اور اللیل کو کیا دے دو؟ جر دے دو: صَلَاةُ اللَّيْلِ۔ لیکن کچھ اضافتیں ذرا مشکل تھیں یعنی مثلاً آپ نے کسی لفظ کی اضافت کرنی ہے یاء متکلم کی طرف، تو اس کو کیسے پڑھیں گے؟ اس کو کیسے پڑھیں گے؟ کچھ جگہ تو وہ آسان ہے مثلاً کتاب ہے یا قلم ہے، اس کی اضافت آپ نے یا کی طرف کرنی ہے تو كِتَابِي، قَلَمِي، یہ تو آسان سی بات ہے۔ لیکن اگر جس اسم کی اضافت کرنی ہے اس کے آخر میں الف ہے، مُصْطَفَى، اس کی اضافت آپ نے یا کی طرف کرنی ہے، مصطفیٰ کے آخر میں تو الف ہے، کیسے اضافت کریں گے؟ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور یا اسی طرح قَاضِي، قاضی کے آخر میں تو پہلے سے ہی ایک یا موجود ہے، اگر اس کی اضافت یاء متکلم کی طرف کریں گے تو کیسے اضافت کریں گے؟ تو کچھ اضافتوں کی صورت ذرا مشکل تھی طالب علم کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتی تھی، اس لیے صاحبِ ہدایۃ النحو اب ان کو بھی بیان کرنے لگے ہیں کہ کسی اسم کی جب اضافت یا ضمیر کی طرف کریں یا ضمیر کی طرف کریں تو پھر کیسے پڑھیں گے بھئی؟

تو کہتے ہیں: وَاعْلَمْ، جان لے تو، أَنَّكَ إِذَا أَضَفْتَ الِاسْمَ الصَّحِيحَ أَوِ الْجَارِيَ مَجْرَى الصَّحِيحِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، وَاعْلَمْ تو جان لے، أَنَّكَ إِذَا أَضَفْتَ جب آپ اضافت کریں، کس کی اضافت کریں؟ الِاسْمَ الصَّحِيحَ، اسمِ صحیح۔ اسمِ صحیح کسے کہتے ہیں آپ پڑھ چکے بھئی؟ وہ اسم جس کے آخر میں حرفِ علت نہ آئے۔ ایک ہے علمِ صرف کا صحیح، ایک ہے علمِ نحو کا صحیح۔ علمِ صرف میں صحیح کسے کہتے ہیں؟ بڑی لمبی تعریف پڑھی تھی آپ نے علمِ صرف میں کہ جس میں فا، عین، لام کے مقابلے میں حرفِ علت بھی نہ ہو اور ہمزہ بھی نہ ہو اور دو حرف ایک جنس کے بھی نہ ہوں بھئی، تو یہ ہے صحیح۔ اور جبکہ نحوی، نحوی نے تو بحث کرنی ہے اعراب سے، اور اعراب آتا ہے آخری حرف پر، تو نحویوں کے نزدیک آخری حرف اگر حرفِ ناقص نہیں ہے تو بس وہ صحیح ہے۔ جیسے زَيْدٌ، زید کے آخر آخر میں کیا؟ دال، اور دال نہ واؤ ہے، نہ الف ہے، نہ یا ہے، حرفِ علت نہیں ہے تو یہ کیا ہے؟ صحیح ہے۔ صورت غلام، غلام کے آخر میں کیا ہے؟ میم، تو یہ بھی کیا ہے؟ صحیح ہے، کیونکہ نہ واؤ ہے، نہ الف ہے اور نہ یا ہے۔

تو یہ ہے صحیح، اور دوسرا بتلایا انہوں نے جاری مجرائے صحیح، جاری مجرائے صحیح۔ بھئی جاری مجرائے صحیح کسے کہتے ہیں؟ بھئی جاری مجرائے صحیح اسے کہتے ہیں کہ جس کے آخر میں ہے تو واؤ یا یا، یعنی حرفِ علت ہے، واؤ ہے یا یا، تو لیکن یہ بھی صحیح کے قائم مقام ہے، صحیح کے درجے میں ہوتا ہے۔ ہے تو یہ ناقص، لیکن کس کے درجے میں؟ صحیح کے۔ کیوں صحیح کے درجے میں ہے؟ کیونکہ اس واؤ یا یا سے ماقبل والا حرف ساکن ہوتا ہے۔ جب وہ حرف ساکن ہوتا ہے تو اس واؤ یا یا پر بھی تینوں طرح کے اعراب پڑھنا آسان ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جَاءَنِي ظَبْيٌ، رَأَيْتُ ظَبْيًا، مَرَرْتُ بِظَبْيٍ، دیکھو آخر میں یا ہے لیکن یا سے ماقبل با کیا ہے؟ ساکن۔ جب با ساکن ہوئی تو اب یا پر ضمہ پڑھنا بھی آسان، فتحہ پڑھنا بھی آسان اور کسرہ پڑھنا بھی آسان، تو یہ بھی صحیح جیسا ہی ہوا۔ جیسے غُلَامٌ صحیح

ہے، اس کے آخر میں بھی رفع بھی آسکتا ہے، نصب بھی، جر بھی، کوئی مشکل نہیں: جَاءَنِي غُلَامٌ، رَأَيْتُ غُلَامًا، مَرَرْتُ بِغُلَامٍ۔ تو جاری مجرائے صحیح کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جس کے آخر میں واؤ یا یا ہو اور ما قبل والا حرف کیا ہو؟ ساکن ہو۔ اس کو جاری مجرائے صحیح کیوں کہتے ہیں؟ یہ صحیح کے قائم مقام کیوں ہے؟ کیونکہ اس سے پہلے حرفِ ساکن آگیا لہٰذا اب اس پر صحیح کی طرح تینوں حرکتیں پڑھنا آسان ہو گئیں، لہٰذا اس لیے اس کو جاری مجرائے صحیح کہتے ہیں۔

تو کہتے ہیں جان لے تو: أَنَّكَ إِذَا أَضَفْتَ الِاسْمَ الصَّحِيحَ أَوِ الْجَارِيَ مَجْرَى الصَّحِيحِ کہ جب آپ اضافت کریں اسمِ صحیح کی یا جاری مجرائے صحیح کی یعنی قائم مقامِ صحیح کی، إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ کس کی طرف اضافت کریں؟ یاء متکلم کی طرف، كَسَرْتَ آخِرَهُ تو اس اسم کے آخر کو کسرہ دے دیں، یا کی بات نہیں کر رہے، یا تو آخر میں یا کی طرف تو اضافت کر رہے ہیں۔ یہ جو اسمِ صحیح ہے اس کے آخر کو کسرہ دے دو۔ غلام کی اضافت کرنی ہے یا کی طرف، تو غلام کا آخر کیا؟ میم، اس میم کو کیا دے دو؟ کسرہ: غُلَامِي۔ کتاب کی اضافت کرنی ہے یا کی طرف، کتاب کا آخر کیا ہے؟ با، تو با کو کیا دے دو؟ کسرہ: كِتَابِي۔ تو یہ معنی ہے كَسَرْتَ آخِرَهُ تو اس اسمِ صحیح یا جاری مجرائے صحیح کے آخر کو کسرہ دے دیں، وَأَسْكَنْتَ الْيَاءَ أَوْ فَتَحْتَهَا اور یا کو ساکن کر دیں آپ أَوْ فَتَحْتَهَا یا اس کو فتحہ دے دیں۔ كِتَابِي دیکھو میں نے یا کو ساکن پڑھا: كِتَابِي، اسی یا پر فتحہ بھی پڑھ سکتا ہوں: كِتَابِيَ۔ غلام کی اضافت کی میں نے یا کی طرف، غلام کے میم کو تو کسرہ دے دیا لیکن یا کو کیسے پڑھنا ہے؟ انہوں نے بتلا دیا کہ یا کو ساکن بھی پڑھ سکتے ہو ساکن بھی پڑھ سکتے ہو، کیا بن جائے گا؟ غُلَامِي، اور یا پر فتحہ بھی پڑھ سکتے ہیں: غُلَامِيَ۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ معنی ہے وَأَسْكَنْتَ الْيَاءَ أَوْ فَتَحْتَهَا اور یا کو آپ ساکن کر دیں گے یا آپ اس کو فتحہ دے دیں، كَغُلَامِي اسی طرح غُلَامِيَ، وَدَلْوِي، وَدَلْوِيَ، وَظَبْيِي، وَظَبْيِيَ، دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں ہر ہر لفظ کو بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

وَإِنْ كَانَ آخِرُ الِاسْمِ أَلِفًا اور اگر اس اسم کے آخر میں الف ہو جس کی آپ اضافت کس کی طرف کرنا چاہتے ہیں؟ یاء متکلم کی طرف، تَثْبُتُ تو وہ الف ثابت رہے گا، الف اسی طرح ثابت اور باقی رہے گا۔ جیسے بھئی كَعَصَايَ، عَصَا، عصا کہتے ہیں لاٹھی کو۔ اسی طرح رَحَا، رحا کہتے ہیں پن چکی کو۔ رحا کسے کہتے ہیں؟ پن چکی بھئی۔ یہ کوئی چکی وغیرہ پانی سے میرا خیال چلتی ہے، پانی سے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ یہ پہاڑوں وغیرہ میں اونچی جگہ سے پانی آتا ہے تو اس پانی کے زور سے وہ چکی گھومتی ہے اور اس طرح اس پر پھر آٹا پیسا جاتا ہے بھئی۔ تو تو عصا کسے کہتے ہیں؟ لاٹھی، اور رحا پن چکی۔ اب ان کے آخر میں دیکھو الف ہے۔ تو اب اس کی اضافت کرنی ہے یا کی طرف، تو انہوں نے کہا یہ الف ثابت رہے گا، اسی طرح پڑھیں: تو رحا کی اضافت کریں یا کی طرف، کیسے پڑھیں گے؟ رَحَايَ، اور عصا کی اضافت کریں: عَصَايَ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَإِنْ كَانَ آخِرُ الِاسْمِ أَلِفًا اور اگر اسم کے آخر میں الف ہو تَثْبُتُ تو وہ الف ثابت رہے گا كَعَصَايَ وَرَحَايَ جیسے عصای اور رحای، خِلَافًا لِلْهُذَيْلِ بخلاف قبیلۂ ہذیل کے، كَعَصِيَّ وَرَحِيَّ جیسے کہ عصي ہے اور رحي ہے۔

ہاں، قبیلۂ ہذیل بھئی یہ عرب کا ایک قبیلہ ہے۔ وہ کہتے ہیں، ان کے نزدیک عَصَايَ نہیں پڑھیں گے۔ عصا کی اضافت جب یا کی طرف کریں گے تو عَصِيَّ پڑھیں گے، وہ عَصِيَّ پڑھتے ہیں اس کو بھئی، وہ عَصَايَ لفظ نہیں بولتے بلکہ کیا بولتے ہیں؟ عَصِيَّ۔ اسی طرح وہ رَحَايَ نہیں بولتے وہ رَحِيَّ بولتے ہیں بھئی۔ یہ کس طرح؟ عَصَايَ سے عَصِيَّ کیسے ہو گیا؟ تو عَصَايَ اور رَحَايَ یہ تو عام عرب کا طریقہ ہے، وہ الف کو ثابت رکھتے ہیں۔ لیکن قبیلۂ ہذیل والے کیا کرتے ہیں؟ یاد رکھیے، قبیلۂ ہذیل یہ جو عَصَا ہے نا عَصَا، یہ اصل میں تھا عَصَوٌ۔ کیا تھا؟ عَصَوٌ، آخر میں واؤ تھا۔ اور واؤ ہے متحرک بھئی۔ اور آپ نے صرف میں قانون پڑھا ہے کہ واؤ جب متحرک ہو اور ما قبل اس کا فتحہ ہو تو اس کو کس سے بدلتے ہیں؟ الف سے، تو کیا بن گیا؟ عَصًا، عصا الف پھر اضاف تنوین کی وجہ سے گر جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

دیکھو، عَصَا اصل میں تھا عَصَوٌ، کیا تھا؟ عَصَوٌ۔ پھر آپ نے کیا قانون پڑھا؟ قَالَ میں کیا قانون پڑھا تھا؟ واؤ متحرک ما قبل فتحہ ہو اس کو کس سے بدلتے ہیں؟ الف سے، تو قَالَ ہوا۔ اسی طرح عَصَوٌ میں، عَصَوٌ پہ نظر ہے؟ عین ہے زبر، ص پر بھی زبر، واؤ ہے اس پر ضمہ ہے اور آخر میں نون بھی ہے تنوین والا: عَصَوٌ، عَصَوٌ، تو آخر میں تنوین والا نون بھی ہے۔ تو یہ واؤ کو جب آپ نے کس سے بدل دیا؟ الف سے، تو اب الف آگیا ساکن، آگے تنوین والا نون ابھی بھی ساکن موجود ہے تو کیا بن گیا؟ عَصَانْ، کیا بن گیا؟ عَصَانْ، الف بھی ساکن نون نون بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہٖ آیا۔ اور تو اس صورت میں اول حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں۔ تو الف ہے اور ما قبل فتحہ ہے، اور الف سے ما قبل فتحہ ہو تو الف کو کیا کہتے ہیں؟ حرفِ مدہ، الف سے پہلے تو آتا ہی ہمیشہ فتحہ ہے تو یہ حرفِ مدہ ہوتا ہے۔ تو یہ الف حرفِ مدہ ہوا اور جب اجتماعِ ساکنین میں پہلا حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں۔ تو کیا پڑھیں گے؟ عَصَنْ، عَصَنْ، صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ عَصَنْ۔ اور لیکن یہ ہے اسمِ مقصور بھئی، کیا ہے؟ اسمِ مقصور۔ اسمِ مقصور کسے کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں الفِ مقصورہ آئے: مُوسَى، عِيسَى۔ کوئی آپ سے پوچھے عَصَنْ، عصن کو لکھتے کس طرح ہیں؟ عین، ص، الف اور ص کے اوپر دو زبریں ڈالتے ہیں: عَصًا۔ تو آپ سے کوئی پوچھے عَصَنْ، یہ کیا ہے؟ آپ کہیں گے یہ اسمِ مقصور ہے۔ وہ کہے گا الف کدھر ہے؟ آپ تو عَصَنْ پڑھ رہے ہیں، آپ کہیں گے الف تقدیراً موجود

ہے، الف یہاں موجود ہے صرف اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گرا ہے۔ اگر اجتماعِ ساکنین نہ ہوتا تو اس الف نے نہیں گرنا تھا۔ اور اجتماعِ ساکنین کس کس میں آیا؟ الف میں اور نونِ تنوین میں۔ کس میں اجتماعِ ساکنین آیا تھا؟ الف اور نونِ تنوین میں۔ بات سمجھ بھی آرہی ہے؟ تو یہ اس وجہ سے وہ الف گر گیا۔ ہاں اگر یہ تنوین نہ ہوتی تو اجتماعِ ساکنین نہ ہوتا، اور اجتماعِ ساکنین نہ ہوتا تو الف نے گرنا بھی نہیں تھا۔ اچھا تنوین کو ذرا ختم کر دو، ذرا الف لام لے آؤ، کیا لے آؤ؟ الف لام۔ اب دیکھو عَصَوٌ تھا نا، اب اس پر الف لام آگیا تو تنوین آخر سے گر گئی، کیا بن گیا؟ اَلْعَصَوُ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اَلْعَصَوُ، اب واؤ متحرک ما قبل فتحہ کس سے بدلا؟ الف سے، کیا بن گیا؟ اَلْعَصَا، اب الف نہیں گرے گا۔ تو الف لام جب اس پر ہو تو پھر الف پڑھتے ہیں، اور جب اس پر الف لام نہ ہو تو پھر اس پر دو زبریں یعنی تنوین پڑھ دیتے ہیں الف گر جاتا ہے، تقدیراً موجود ہوتا ہے۔

اور اسی طرح رَحَا، رَحَا اصل میں تھا رَحَیٌ، رَحَیٌ۔ یعنی وہ واوی ہے تو یہ یائی ہے۔ تو رَحَیٌ تھا، پھر یا متحرک ما قبل فتحہ اس کو کس سے بدلا؟ الف سے، وہ رَمَی والا قانون لگا، رَمَی والا۔ اور پھر الف بھی ساکن آگے نونِ تنوین بھی ساکن، کیا بن گیا؟ رَحَانْ، رَحَانْ، تو اجتماعِ ساکنین آگیا۔ تو پھر الف حرفِ مدہ تھا اس کو گرا دیا، کیا بن گیا؟ رَحَنْ، رَحَنْ۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ اور اسی پر پھر جب الف لام آئے تو پھر وہ الف نہیں گرے گا: اَلرَّحَا۔ صورت سمجھ بھی آرہی ہے؟

تو دیکھو، قبیلۂ ہذیل والوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اسم جس کے آخر میں الف آرہا ہو، جب اس کی اضافت کریں، عام پہلے عام عرب: عام عرب جس اسم کے آخر میں الف ہو اس کی اضافت جب یا کی طرف کریں تو الف کو ثابت رکھتے ہیں، اسی طرح پڑھتے ہیں۔ اور عصا میں کیا پڑھیں گے؟ عَصَايَ، اور رحا میں کیا پڑھیں گے؟ رَحَايَ۔ لیکن قبیلۂ ہذیل والے ان کا طریقہ یہ ہے بولنے کا کہ وہ اگر وہ جو الف ہے وہ واؤ یا یا سے بدل کر آیا ہو، رحا کے آخر میں اس وقت تو الف ہے لیکن یہ کس سے بدل کر آیا؟ رحا کے یا سے، اور عصا کے آخر میں الف ہے لیکن وہ کس سے بدل کے آیا؟ وہ واؤ سے۔ تو وہ یا کی طرف اضافت کرتے ہوئے اس واؤ یا یا کو واپس لے آتے ہیں۔ وہ الف ختم کیا اور واؤ آگیا، عصا کے آخر میں پھر واؤ آگیا اور یا بھی آگیا آگے۔ ع، ص، و اور آخر میں کیا آگئی؟ یا۔ تو واؤ اور یا جمع ہوئے، اور واؤ اور یا جب جمع ہو جائیں تو ضابطہ ہے صرف کا واؤ کو یا کر کے یا میں ادغام کرتے ہیں۔ سمجھ میں آئی بات بھئی؟ تو عَصَيَّ ہوا، کیا بن گیا؟ عَصَيَّ۔ پھر یا اپنے سے ما قبل کیا چاہتی ہے؟ کسرہ، تو ص کو کسرہ دے دیا: عَصِيَّ ہو گیا۔ اسی طرح رَحَا رَحَا میں یا واپس آگئی: رَحَیَ اور پھر یا کی طرف اضافت ہو گئی، تو دو یا آخر میں اکٹھی ہو گئیں۔ تو یا کا یا میں کیا کر دیا؟ ادغام۔ اور پھر تو یہ کیا ہوا؟ رَحَيَّ، اور پھر یا سے ما یا اپنے سے ما قبل کیا چاہتی ہے؟ کسرہ، تو ح کو کسرہ دے دیا تو رَحِيَّ ہو گیا بھئی۔

تو گویا عام عرب جب کسی اسم کے آخر میں الف ہو تو اس کو ثابت رکھتے ہیں، کسی عام اسم کے آخر میں جب الف ہو اور اس کی اضافت یا کی طرف کریں تو اس الف کو ثابت رکھتے ہیں، چاہے وہ الف واؤ یا یا سے بدل کر ہی کیوں نہ آیا ہو۔ جب جبکہ قبیلۂ ہذیل والے اس الف کو واپس واؤ یا یا سے بدلتے ہیں اور پھر اس کا یا اور پھر اس واؤ یا یا کا یا میں ادغام کر دیتے ہیں۔ اسی لیے ان کے نزدیک عَصَايَ کے اندر عَصَايَ کو کیسے پڑھیں گے؟ عَصِيَّ، اور رَحَايَ کو رَحِيَّ۔ بات سمجھ بھی آگئی اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں: وَإِنْ كَانَ آخِرُ الِاسْمِ أَلِفًا اور اگر اسم کے آخر میں الف ہو تَثْبُتُ تو وہ ثابت رہے گا كَعَصَايَ وَرَحَايَ جیسے عصای ہے اور رحای، خِلَافًا لِلْهُذَيْلِ بخلاف قبیلۂ ہذیل کے كَعَصِيَّ وَرَحِيَّ جیسے کہ عصي اور رحي۔

وَإِنْ كَانَ آخِرُ الِاسْمِ يَاءً مَكْسُورًا مَا قَبْلَهَا، اور اگر اسم کے آخر میں ایسی یا ہو مَكْسُورًا مَا قَبْلَهَا کہ مکسور ہو اس یا کا ما قبل۔ قاضی کی بات کر رہے ہیں بھئی، اسمِ منقوص۔ اسمِ منقوص کسے کہتے تھے؟ کہ جس کے آخر میں یا ہو اور ما قبل کسرہ ہو۔ تو اس قاضی کی اضافت آپ یا کی طرف کرنا چاہتے ہیں تو پھر کیسے کریں گے؟ وہ بتلانے لگے ہیں۔ تو کہتے ہیں: اگر اسم کے آخر میں ایسی یا ہو مَكْسُورًا مَا قَبْلَهَا کہ اس یا کا ما قبل مکسور ہو، یا نہیں مکسور بھئی، قَاضِي، یا کے نیچے کوئی کسرہ ہے؟ نہیں، یا کا ما قبل مکسور ہے۔ تو کہتے ہیں: اور اگر کسی اسم کے آخر میں يَاءً ایسی یا ہو مَكْسُورًا مَا قَبْلَهَا کہ اس کا ما قبل کیا ہو؟ مکسور ہو، أَدْغَمْتَ الْيَاءَ فِي الْيَاءِ تو آپ ادغام کریں گے یا کا یا میں۔ بھئی ایک تو آخر میں یا پہلے ہی آرہی ہے جس کا ما قبل کیا ہے؟ مکسور، قاضی کے آخر میں یا ہے اور یا کا ما قبل مکسور۔ اس قاضی کی اضافت کی یا کی طرف، یاء متکلم کی طرف، تو کتنی یا آگئیں آخر میں؟ دو، تو یا کا یا میں کیا کریں گے؟ ادغام۔ یہ معنی ہے أَدْغَمْتَ الْيَاءَ فِي الْيَاءِ تو آپ ادغام کریں گے یا کا یا میں، وَفَتَحْتَ الْيَاءَ الثَّانِيَةَ اور دوسری یا کو فتحہ دیں گے، تو قاضی کے آخر میں ایک یا تھی اور آگے پھر یاء متکلم ساتھ ملائی، ان دونوں کا ادغام کر دیا تو دوسری یا کو حرکت دیں گے فتحہ والی، تاکہ اجتماعِ ساکنین نہ آئے بھئی۔ ورنہ تو دو ساکن اکٹھے ہو جائیں گے، دونوں یا

ساکن ہو جائیں گی، تو لہٰذا دوسری کی یا پر کیا پڑھیں گے؟ فتحہ، تو کیسے پڑھیں گے؟ قَاضِيَّ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے وَفُتِحَتِ الْيَاءَ الثَّانِيَةَ اور آپ فتحہ دیں گے دوسری یا کو لِئَلَّا يَلْتَقِيَ السَّاكِنَانِ تاکہ التقائے ساکنین نہ ہو۔ التقاء، وہی اجتماع، اجتماع، ملنا، اجتماع اور التقاء کا ایک لِئَلَّا يَلْتَقِيَ السَّاكِنَانِ تاکہ التقائے ساکنین نہ ہو یا اجتماعِ ساکنین نہ ہو۔ تَقُولُ فِي قَاضٍ قَاضِيَّ، تو قاضی کے اندر جب اضافت کر دیں گے تو آپ کیا کہیں گے؟ قَاضِيَّ یعنی میرا قاضی۔

وَإِنْ كَانَ آخِرُهُ وَاوًا مَضْمُومًا، اب بتلانے لگے ہیں اگر ایسا اسم آئے جس کے آخر میں واؤ ہے۔ جیسے مُسْلِمُونَ، مسلمون میں نون تو اضافت سے گر جائے گا تو آخر میں کیا رہ گیا؟ واؤ، اور ایسا واؤ ہے مُسْلِمُونَ واؤ سے ماقبل میم پر کیا ہے؟ ضمہ، جیسے قاضی میں یا سے ماقبل کیا تھا؟ کسرہ۔ تو اگر ایسے اسم کی آپ اضافت کرتے ہیں یا کی طرف جس کے آخر میں ایسا واؤ ہے جس کا ماقبل کیا ہے؟ مضموم ہے، تو پھر کیا کریں گے؟ کہتے ہیں بھئی پھر اس صورت میں واؤ کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کریں گے۔

کہتے ہیں: وَإِنْ كَانَ آخِرُهُ وَاوًا مَضْمُومًا مَا قَبْلَهَا اور اگر اس اسم کے آخر میں ایسا واؤ ہو مَضْمُومًا مَا قَبْلَهَا جس کا ماقبل مضموم ہو، قَلَبْتَهَا يَاءً تو آپ اس واؤ کو یا سے پلٹ دیں گے۔ قَلَّبَ يُقَلِّبُ کا معنی پلٹنا، تو آپ اس کو پلٹ دیں گے اس واؤ کو يَاءً کس سے؟ یا سے، وَعَمِلْتَ كَمَا عَمِلْتَ الْآنَ اور ویسا ہی عمل آپ کریں گے جیسا ابھی آپ نے عمل کیا، یعنی یا کا یا میں ادغام کریں گے، یعنی یا کا یا میں ادغام کریں گے۔ تَقُولُ: جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ۔ اصل میں کیا تھا؟ مُسْلِمُونَ، اور اس کی اضافت کس کی طرف کر دی؟ یا کی طرف، تو مُسْلِمُو یَ، مُسْلِمُو یَ، تو واؤ آیا، اور تو واؤ کو یا کر کے کیا کیا؟ یا میں ادغام کیا، کیا بن گیا؟ مُسْلِمُيَّ، اور پھر یا اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے تو میم کو کسرہ دے دیا کیا بن گیا؟ مُسْلِمِيَّ۔ یہ معنی ہے تَقُولُ: جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ، آپ کہیں گے آیا میرے پاس مُسْلِمِيَّ، میرے فرماں بردار، میرے پاس میرے فرماں بردار آئے۔

بھئی ترکیب کیجیے: جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ۔ ایک ایک بات میں نے بیان کر دی، اب آپ نے اب آپ نے بہترین ترکیب کرنی ہے بھئی، جی: جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، شاباش۔ مُسْلِمُو، ہاں مُسْلِمُونَ مرفوع لفظاً؟ ہاں؟ مرفوع محلاً؟ بھئی مرفوع لفظاً، مسلمون مرفوع لفظاً ہونے کا کیا معنی؟ مسلمون کا اعراب کیا ہے؟ واؤ، اس پہ آپ تلفظ کر رہے ہیں اس وقت؟ مُسْلِمِيَّ، نہیں کر رہے تو پھر؟ تقدیراً، ہاں تقدیراً کہو۔ محلاً نہیں کہنا کیونکہ محلاً تو مبنی میں آتا ہے، یہ کوئی مبنی تو نہیں۔ تو کیا ہوا؟ مرفوع تقدیراً مضاف، جی آگے: یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، شاباش۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر جَاءَ کا فاعل، شاباش، ٹھیک ہے؟ تو مُسْلِمُو یَ، مُسْلِمُونَ مرفوع تقدیراً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ اور تقدیراً کیوں؟ کیونکہ آپ نے وہ جو اعراب کی سولہ قسمیں پڑھی تھیں ان میں آخری قسم کیا تھی؟ کہ جمع مذکر سالم جب مضاف ہو یاء متکلم کی طرف تو اس میں رفع تقیری ہوتا ہے کیونکہ وہ رفع تو ہے واؤ کے ساتھ اور وہ واؤ تو نہیں آرہا، تو رفع ہوتا ہے تقدیری۔ اور نصب اور جر کیا ہوتا ہے؟ لفظی۔ کیونکہ مُسْلِمِيَّ، نصب کی صورت میں کیا ہوگا؟ مُسْلِمِينَ، اور اس کی اضافت کس کی طرف؟ یا کی طرف، تو نون تو گر گیا۔ تو وہ یا مسلمین والی یا ابھی بھی ہے، اس کا یا کا یا میں ادغام ہو گیا: مُسْلِمِيَّ۔ دو یا پڑھ رہے ہیں یا نہیں پڑھ رہے؟ ایک مسلمین والی یا ہے، ایک اضافت والی یا ہے۔ تو حالتِ نصبی اور جری میں نصب بھی اس پر لفظاً آئے گا کیونکہ یا پر تلفظ کر رہے ہیں، اور جر بھی کیا آئے گا؟ لفظاً، لیکن رفع کیا آتا ہے؟ تقدیراً بھئی۔ تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ، میرے فرماں بردار آئے میرے پاس۔

وَفِي الْأَسْمَاءِ السِّتَّةِ مُضَافَةً إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ تَقُولُ أَخِي وَأَبِي وَحَمِي وَهَنِي وَفِيَّ عِنْدَ الْأَكْثَرِ وَفَمِي عِنْدَ قَوْمٍ۔ بھئی اسمائے ستہ مکبرہ، ان کی اضافت جب یا کی طرف کریں تو کیسے پڑھیں گے؟ یاد رکھیے، یہ جو اسمائے ستہ مکبرہ ہیں یہ محذوفۃ الاعجاز ہیں۔ یہ کیا ہیں؟ محذوفۃ الاعجاز۔ اعجاز جمع ہے عجز کی، عجز کہتے ہیں پچھلے دھڑ کو۔ جیسے گائے بیل ہوتا ہے نا، اور ایک ان کا اگلا سر کی طرف والا حصہ ایک پیچھا پچھلا دھڑ جو ہے پچھلا حصہ، تو اس کو کہتے ہیں عجز، عجز۔ تو یہ جو اسمائے ستہ ہیں یہ محذوفۃ الاعجاز ہیں یعنی ان کا پچھلا حصہ محذوف ہے۔ ان کا پچھلا حصہ محذوف۔ اَخٌ اصل میں تھا اَخَوٌ، آخر میں واؤ تھا، پھر اس واؤ کو عرب نے حذف کر دیا اور وہ اَخَوٌ نہیں پڑھتے، وہ اس کو اَخٌ پڑھتے ہیں۔ اَبٌ یہ اصل میں تھا اَبَوٌ، وہ آخر میں واؤ نہیں پڑھتے اَبٌ پڑھتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ اسی طرح حَمٌ ہے، حَمَوٌ تھا واؤ گر گیا۔ هَنٌ اصل میں کیا تھا؟ هَنَوٌ۔ ٹھیک ہے؟ اور اسی طرح یہ فَمٌ، منہ کو فَمٌ کہتے ہیں نا، یہ اصل میں تو یہ اصل میں فَوهٌ یا فَوَهٌ تھا۔ پھر آخر سے ہا کو حذف کر دیا تو کیا بن گیا؟ فَوٌ، فَوٌ۔ پھر اس واؤ کو میم سے بدل دیا تو کیا بن گیا؟ فَمٌ۔ بھئی اس واؤ کو میم سے کیوں بدلا؟ وجہ یہ کہ اس کو اگر میم سے نہ بدلتے تو اس واؤ نے گر جانا تھا، کیونکہ واؤ آخر میں ہو کنارے پر ہو تو وہ عموماً گر جاتا ہے۔ کیسے گرنا تھا؟ دیکھو فَوٌ، واؤ متحرک ماقبل فتحہ کس سے بدلا؟ الف سے، اور آخر میں تنوین والا بھی نون تو کیا بن گیا؟ فَانْ، فَانْ۔ پھر الف بھی گر جائے گا اجتماعِ ساکنین کی

وجہ سے، تو کیا رہ جائے گا؟ فَنْ، تو دیکھا صرف فا رہ گئی، وہ واؤ بھی گر گیا، الف ہوا اور پھر گر گیا۔ تو لہٰذا واؤ طرف میں آ گیا تھا تو اس نے بھی گر جانا تھا تو پھر ایک ہی حرف رہ جاتا فا، لہٰذا ابھی سے اس کا علاج کیا گیا کہ اس واؤ کو گرنے سے پہلے ہی میم سے بدل دیا گیا۔ اور میم سے اس لیے بدلا کیونکہ واؤ بھی ہے شفوی، میم بھی ہے شفوی۔ شَفَةٌ ہونٹ کو کہتے ہیں، اور واؤ بھی ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے، میم بھی ہونٹوں سے۔ آپ واؤ ذرا ادا کریں: واؤ، واؤ، دیکھا ہونٹوں سے ادا ہوا۔ میم ادا کریں: میم، دیکھا ہونٹوں سے ادا ہوا۔ تو واؤ بھی شفوی میم بھی شفوی تو واؤ کو کس سے بدل دیا؟ میم سے بدل دیا تو فَمٌ ہوا۔

تو معلوم ہوا یہ اسمائے ستہ جو ہیں محذوفۃ الاعجاز ہیں، ان کا آخری حصہ کیا ہے؟ محذوف ہے، آخری حرف ان کا حذف کیا گیا ہے۔ تو اب ان کی جب اضافت کریں گے یا کی طرف تو کیا وہ جو محذوف واؤ یا یا آخر سے حذف ہوا ہے کیا اس کو واپس لائیں گے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، اس کو واپس نہیں لائیں گے۔ اَخَوٌ، واؤ گر گیا، اَخٌ رہ گیا۔ اس کی اضافت جب یا کی طرف کریں گے تو کیا کہیں گے؟ اَخِي، اب وہ واؤ واپس نہیں آئے گا۔ اگر وہ واؤ واپس آتا پھر تو اس واؤ نے پھر یا کے اندر اس کا ادغام ہو جاتا، واؤ اور یا اکٹھے ہوتے اور اس کا یا میں ادغام ہوتا تو کیا بنتا؟ اَخِيَّ، حالانکہ اَخِيَّ نہیں پڑھتے، عرب کیا پڑھتے ہیں؟ اَخِي۔ اسی طرح اَبِي۔ تو معلوم ہوا ان میں جو حرف حذف ہوا ہے وہ واپس نہیں آئے گا بھئی۔

اور اسی طرح فَمٌ، فَمٌ اس کی جب اضافت یا کی طرف کریں تو کیسے کہیں گے؟ فَمِي۔ ہاں، بعض عرب کیا کرتے ہیں وہ اس واؤ کو واپس لے آتے ہیں۔ یہ میم کس سے بدلا ہے؟ واؤ سے، تو وہ واؤ واپس لے آئے اور آخر میں یا کی طرف اضافت کر دی تو کیا بن گیا؟ فَوَيَ، فَوَيَ۔ پھر واؤ اور یا اکٹھے ہوئے تو واؤ کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کیا: فَيَّ، اور پھر یا ما قبل میں کسرہ چاہتی ہے تو کیا بن گیا؟ فِيَّ۔ تو بعض عرب فِيَّ پڑھتے ہیں یعنی اس واؤ کو واپس لے آتے ہیں، اور بعض اس واؤ کو واپس نہیں لاتے، میم آ چکا ہے میم ہی کو باقی رکھتے ہیں اور یا کی طرف اضافت کرتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟ فَمِي۔ صورت اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: وَفِي الْأَسْمَاءِ السِّتَّةِ مُضَافَةً إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ اور وہ اسمائے ستہ کے اندر اس حال میں کہ جب وہ مضاف ہوں یا کی طرف یاء متکلم کی طرف، تَقُولُ تو آپ یوں کہتے ہیں: أَخِي وَأَبِي وَحَمِي وَهَنِي، وَفِيَّ عِنْدَ الْأَكْثَرِ اور اکثر عرب کے نزدیک فِيَّ پڑھتے ہیں، وَفَمِي عِنْدَ قَوْمٍ اور بعض لوگوں کے نزدیک فَمِي۔ یعنی اکثر عرب اس واؤ کو واپس لے کر آتے ہیں اور یا میں ادغام کرتے ہیں، تو اکثر کے نزدیک فِيَّ پڑھتے ہیں اور فَمِي عِنْدَ قَوْمٍ اور کچھ لوگوں کے نزدیک فَمِي پڑھتے ہیں۔

وَذُو لَا يُضَافُ إِلَى مُضْمَرٍ أَصْلًا، اچھا بھئی یہ تو اَخِي، اَبِي، حَمِي، هَنِي اور فِي، یہ تو پانچ ہو گئے، اور یہ تو اسمائے ستہ ہیں، تو ذُو کی جب یا کی طرف اضافت کریں اس کو کیسے پڑھیں گے؟ کہتے ہیں بھئی ذُو کبھی بھی ضمیر کی طرف مضاف نہیں ہوتا، وہ ہمیشہ اسمِ جنس کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسے ذُو مَالٍ، مال والا۔ یہ ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہی نہیں ہے۔ یہ معنی ہے وَذُو لَا يُضَافُ إِلَى مُضْمَرٍ أَصْلًا اور ذُو مضاف نہیں ہوتا ضمیر کی طرف اصلاً أَيْ قَطْعًا قطعی طور پر۔

وَقَوْلُ الْقَائِلِ: [شعر] إِنَّمَا يَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ مِنَ النَّاسِ ذَوُوهُ شَاذٌّ۔

بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ علمِ نحو اس میں عربی زبان کے قاعدے بیان ہوتے ہیں کہ عرب اس لفظ کو یوں پڑھتے ہیں، یہاں رفع اس طرح پڑھتے ہیں، نصب اس طرح پڑھتے ہیں، جر اس طرح پڑھتے ہیں، اور اس کو پھر باقاعدہ ضابطوں کی شکل دے دی کہ آپ بھی جہاں فاعل آئے اس پر رفع پڑھنا، جب مفعول آئے نصب پڑھنا، مبتدا آئے اس پر بھی رفع پڑھنا، خبر آئے اس پر بھی رفع پڑھنا، یہ سارے ضابطے عربی زبان سے لیے گئے۔ اور میں نے بتلایا اس کے لیے بطورِ دلیل کہ وہ عرب کے اشعار پیش کرتے ہیں کہ دیکھو یہ فلاں فصیح و بلیغ شاعر، ہر شاعر کا شعر نہیں، جو عرب کے بڑے بڑے فصیح و بلیغ شاعر تھے جن کے کلام کو پورے عرب والے جو ہیں وہ بطورِ سند کے تسلیم کرتے تھے بھئی۔ سمجھ میں آئی بات؟ تو ان کے شعروں کو ذکر کیا جاتا ہے کہ دیکھو اس نے فاعل پر رفع پڑھا، اس نے فاعل پر رفع پڑھا، ہر جگہ یہ فاعل پر رفع پڑھتے جا رہے ہیں معلوم ہوا فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ ہر جگہ یہ مفعول پر نصب پڑھتے جا رہے ہیں معلوم ہوا عربی زبان میں مفعول منصوب ہوتا ہے۔

تو تو گویا اشعار کو بطورِ دلیل کے ذکر کیا جاتا ہے۔ تو صاحبِ ہدایۃ النحو نے آپ کو بتلایا کہ ذُو کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں کی جاتی۔ تو اس پر کوئی اشکال کرتا ہے، اعتراض کرتا ہے کہ آپ کیسے کہتے ہیں ذُو کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں ہوتی، ہم آپ کو ایک عربی کے فصیح و بلیغ شاعر کا شعر ذکر کرتے ہیں کہ اس نے ذُو کی اضافت ضمیر کی طرف کی ہے، معلوم ہوا ذُو کی اضافت ضمیر کی طرف ہوتی ہے اس شعر کے اندر آئی ہے، تو اس کا جواب دیں گے کہ یہ شاذ ہے۔ یہ

کیا ہے؟ شاذ، یعنی نادر ہے، بہت کم ایسا ہوا ہے۔ ہم نے پورے کلامِ عرب کو چھان مارا، ہمیں کوئی اکا دکا مثال ملی جس میں انہوں نے کیا کیا تھا؟ ذُو کی اضافت ضمیر کی طرف کی تھی۔ تو پورے کلامِ عرب میں ایک آدھ ہی مثال ملنا اس کا مطلب ہے عام عرب کوئی بھی نہیں اضافت کرتا، اگر کرتے تو اس کی ہمیں بکثرت مثالیں ملتیں۔ لہٰذا ایک چیز جو نہایت نادر ہو وہ اس پر ضابطے نہیں بنائے جاتے، لہٰذا اس کو شاذ کہا جاتا ہے۔ کیا کہا جاتا ہے؟ شاذ۔ جو استعمال کے اعتبار سے تو صحیح ہے لیکن ہے نادر، بہت قلیل ہے، بہت قلیل ہے۔ تو وہ اور اس تو وہ شاذ ہے اور شاذ پر ضابطے مرتب نہیں ہوتے: اَلنَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ، وہ چیز جو نادر ہو اس کو معدوم شمار کیا جاتا ہے، گویا ہے ہی نہیں۔ معدوم کا کیا معنی؟ جو چیز ہے ہی نہیں جس کا وجود ہی نہیں۔ تو اَلنَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ، نادر چیز کس کی طرح ہوتی ہے؟ معدوم کی طرح، گویا اس کو شمار ہی نہیں کیا جاتا کہ گویا ہے ہی نہیں۔

تو کہتے ہیں: وَقَوْلُ الْقَائِلِ اور کسی کہنے والے کا یہ قول: إِنَّمَا يَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ مِنَ النَّاسِ ذَوُوهُ یہ إِنَّمَا حصر کے لیے، يَعْرِفُ، عَرَفَ يَعْرِفُ کے معنی جاننا۔ ذَا الْفَضْلِ یہ اصل میں ہے ذُو الْفَضْلِ، فضل والا۔ ذُو مَالٍ کا کیا معنی ہوتا ہے؟ مال والا۔ تو ذُو الْفَضْلِ فضل والا، فضیلت والا یعنی مرتبے والا۔ اور پھر یہ حالتِ نصبی میں ہے، مفعول ہے۔ تو اور حالتِ نصبی میں کیا ہے اسمائے ستہ مکبرہ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الیٰ غیر یاء المتکلم، ان کا رفع تھا واؤ کے ساتھ، نصب تھا الف کے ساتھ اور جر تھا یا کے ساتھ۔ تو یہ حالتِ نصبی میں ہے اس لیے ذَا الْفَضْلِ الف آیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ مفعول ہے، کہ جانتا ہے مرتبے والے کو مِنَ النَّاسِ لوگوں میں سے، مرتبے والے لوگوں میں سے مرتبے والے کو جانتا ہے، کون جانتا ہے؟ ذَوُوهُ آگے فاعل آرہا ہے۔ یہ ذَوُو جمع ہے ذُو کی۔ ذَوُو اصل میں تھا ذَوُوْنَ، مُسْلِمُونَ کی طرح ہے، واؤ نون جمع مذکر سالم ہے، اور اس کے آخر میں نون تھا اور نون اضافت سے گر جاتا ہے، تو ہا ضمیر کی ہا کی طرف جب اضافت کی وہ نون گر گیا تو کیا بن گیا؟ ذَوُوهُ۔ تو یہ ذَوُو مرفوع لفظاً ہے مضاف، اور ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، اور مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو کہتے ہیں لوگوں میں سے مرتبے والے کو جانتا ہے ذَوُوهُ، ذُو کا کیا معنی تھا؟ والا، اور ذَوُو والے، جمع ہو گئے نا، اور ہا ضمیر لوٹ رہی ہے فضل کو، فضل والے۔ فضل والے کو فضل والے ہی جانتے ہیں، جو بڑے مرتبے والا ہوتا ہے اس کو بڑے مرتبے والے ہی جانتے۔ جو اللہ والا ہوتا ہے اس کو اللہ والے ہی جانتے ہیں، ہر آدمی کو نہیں پتہ ہوتا کہ یہ بڑا اللہ والا ہے اور اللہ کا ولی ہے، لیکن جو دوسرے اللہ والے ہوتے ہیں وہ فوراً پہچان لیتے ہیں کہ یقیناً یہ آدمی بہت اونچا مقام رکھتا ہے اللہ کے نزدیک۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو شاعر کہتا ہے: إِنَّمَا يَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ مِنَ النَّاسِ ذَوُوهُ کہ مرتبے والے کو لوگوں میں سے مرتبے والے ہی جانتے ہیں۔

دیکھو إِنَّمَا کو ذرا ختم کرو: لوگوں میں سے مرتبے والے کو مرتبے والے جانتے ہیں۔ کیا جانتے ہیں؟ توجہ ہے؟ لوگوں میں سے جو مرتبے والا ہے اس کو مرتبے والے جانتے ہیں، کوئی اور جانتا ہے یا نہیں جانتا اس کا ذکر نہیں۔ لیکن شروع میں جب إِنَّمَا لگا دیا اس نے حصر کا فائدہ دے دیا، اب ترجمہ یہ ہو گا: لوگوں میں سے جو مرتبے والا ہے اس کو مرتبے والے ہی جانتے ہیں، اب پتہ چل گیا کوئی اور نہیں جانتا، مرتبے والے کو مرتبے والے ہی جانتے ہیں، یہ ہے حصر بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

تو یہ ترکیب کیجیے بھئی: إِنَّمَا حصر کے لیے آتا ہے، یاد رکھیے، ٹھیک ہے؟ إِنَّمَا حصر کے لیے ہے، یہ مرکب ہے إِنَّ اور مَا سے۔ إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل ہے اور یہ ما ملغیٰ عن العمل اس کو عمل سے روک دیتا ہے، تو بس یوں کیجیے إِنَّمَا حصر کے لیے ہے، آگے ترکیب کیجیے: يَعْرِفُ فعل، ذَا منصوب لفظاً مضاف، شاباش۔ الْفَضْلِ مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ ہوا يَعْرِفُ کے لیے۔ اور مِنْ جارہ، النَّاسِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے يَعْرِفُ کے ساتھ، جی آگے: ذَوُو مرفوع لفظاً مضاف، ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل۔ فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو کہتے ہیں: وَقَوْلُ الْقَائِلِ: إِنَّمَا يَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ مِنَ النَّاسِ ذَوُوهُ اور کسی شاعر کا یہ جو قول ہے، کون سا قول؟ إِنَّمَا يَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ مِنَ النَّاسِ ذَوُوهُ، یہ قول جو ہے شَاذٌّ یہ شاذ ہے۔

وَإِذَا قَطَعْتَ هَذِهِ الْأَسْمَاءَ عَنِ الْإِضَافَةِ قُلْتَ أَخٌ وَأَبٌ وَحَمٌ وَهَنٌ وَفَمٌ، وَذُو لَا يُقْطَعُ عَنِ الْإِضَافَةِ الْبَتَّةَ۔ اچھا ان اسموں کو جب اضافت سے کاٹ دیں: أَخِي، أَبِي، حَمِي وغیرہ ان کو جب اضافت سے کاٹ دیں اضافت ختم کر دیں، پھر ان کو کیسے پڑھیں گے؟ کیا یہ تو ہیں محذوفۃ الاعجاز، ان کا آخری حصہ کیا ہے؟ محذوف۔ تو کیا وہ آخری حصہ جو حذف ہوا تھا وہ واپس آئے گا؟ کہتے ہیں نہیں نہیں، وہ واپس نہیں آئے گا۔ أَخِي سے یا ختم کی تو کیسے پڑھیں گے؟ أَخٌ، أَبِي سے یا ختم کی تو أَبٌ پڑھیں گے۔ تو کہتے ہیں: وَإِذَا قَطَعْتَ هَذِهِ الْأَسْمَاءَ عَنِ الْإِضَافَةِ اور جب آپ کاٹ دیں ان اسموں کو اضافت سے، قُلْتَ تو آپ یوں کہیں گے: أَخٌ وَأَبٌ وَحَمٌ وَهَنٌ وَفَمٌ۔ اور ذُو کو کیسے پڑھیں گے جب اضافت سے کاٹ دیں؟ کہتے ہیں: وَذُو

لَا يُقْطَعُ عَنِ الْإِضَافَةِ الْبَتَّةَ، ذُو اس کو اضافت سے کبھی بھی نہیں کاٹا جاتا۔ذُو کو کاٹا نہیں جاتا اضافت سے قطعاً،اَلْبَتَّةَ قطعی طور پر أَيْ قَطْعًا قطعی طور پر۔

هَذَا كُلُّهُ بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ، آگے اب صاحبِ ہدایۃ النحو بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں ہم نے آپ کو بتلایا تھا کہ مجرور صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے مضاف الیہ۔ہاں اس مضاف الیہ کی دو صورتیں ہیں: ایک وہ جس میں حرفِ جر لفظوں میں ہو گا اور ایک وہ جس میں حرفِ جر تقدیراً ہو گا۔کہتے ہیں یہ وہ صورتیں ہم نے اضافت والی ذکر کر دیں، ان سب میں دیکھو حرفِ جر تقدیراً ہے۔جن میں حرفِ جر لفظاً آئے گا اس کو جار مجرور کہتے ہیں اور وہ حروف کی بحث میں آئیں گے، کہاں پر آئیں گے؟ حروف کی بحث۔تو کہتے ہیں: هَذَا كُلُّهُ بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ یہ سارا حرفِ جر کی تقدیر کے ساتھ ہے،أَمَّا مَا يُذْكَرُ فِيهِ حَرْفُ الْجَرِّ لَفْظًا باقی وہ قسم جس کے اندر حرفِ جر لفظوں کے اندر آتا ہے،فَسَيَأْتِيكَ فِي الْقِسْمِ الثَّالِثِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى تو وہ عنقریب آجائے گا آپ کے پاس تیسری قسم میں ان شاء اللہ۔تیسری قسم یعنی حروف کی بحث میں بھئی۔

▪ متن وفصل: الْخَاتِمَةُ فِي التَّوَابِعِ، خاتمہ ہے یہ یہ خاتمہ ہے توابع...

الْخَاتِمَةُ فِي التَّوَابِعِ، خاتمہ ہے یہ یہ خاتمہ ہے توابع کے بیان میں۔ بھئی مرفوعات کا بیان مکمل ہوا، انہوں نے آپ کو بتلایا مرفوعات آٹھ ہیں۔پھر منصوبات کا بیان آیا وہ بھی مکمل ہوا، انہوں نے آپ کو بتلایا کہ منصوبات بارہ ہیں۔اس کے بعد مجرورات کا بیان آیا وہ بھی مکمل ہو گیا، اس میں انہوں نے آپ کو بتلایا کہ مجرور صرف مضاف الیہ ہے، یا آسان لفظوں میں یوں کہو مجرور دو ہیں: ایک وہ جس پر حرفِ جر داخل ہو، ایک وہ جس پر مضاف داخل ہو بھئی۔

اب خاتمہ ذکر کر رہے ہیں بھئی توابع کے بیان میں۔کس کے بیان میں؟ توابع کے بیان میں۔ بھئی یاد رکھیے ابھی تک جو آپ نے پڑھا، کچھ لفظ انہوں نے آپ کو بتلائے ہمیشہ مرفوع ہوں گے، کچھ ہوں گے جو منصوب ہوں گے، کچھ کیا ہوں گے؟ مجرور ہوں گے۔ان ساروں پر عامل اصلاً داخل ہوتا تھا، براہِ راست عامل ان پر داخل ہو کر ان کو رفع دیتا تھا یا نصب دیتا تھا یا جر۔مثلاً ضَرَبَ زَيْدٌ، اس زَيْدٌ پر ضَرَبَ براہِ راست داخل ہوا اور اس نے اس کو رفع دیا۔ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، اس عَمْرًا کو ضَرَبَ نے براہِ راست نصب دیا۔زَيْدٌ عَالِمٌ، زَيْدٌ ہے مبتدا، عَالِمٌ ہے خبر۔زَيْدٌ پر ابتدا عاملِ معنوی جو ہے اس نے عمل کیا براہِ راست اور اس کو رفع دیا۔عَالِمٌ اس میں بھی ابتدا ہے اور یہ عاملِ معنوی ہے، اس نے براہِ راست عمل کیا اور اس نے رفع دیا۔اور اسی طرح مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، یہ زید ہے مجرور اس پر باجارہ براہِ راست داخل ہوئی اور اس کو جر دیا۔تو ابھی تک جو مرفوعات، منصوبات، مجرورات گزرے ان پر عامل براہِ راست اثر ڈالتا، عمل کرتا اور ان کو نصب، جر یا رفع دیتا۔ان پر کیا ہے؟ عامل براہِ راست سیدھا ان پر عمل کرتا اور ان کو رفع دیتا ہے یا نصب دیتا ہے یا جر دیتا ہے۔

لیکن اب آگے کچھ توابع کا بیان کرنے لگے ہیں۔توابع کچھ ایسی چیزیں ہیں جن پر عامل براہِ راست عمل نہیں کرتا بلکہ ان پر وہی اعراب آتا ہے جو ان کے ماقبل پر ہوتا ہے۔جیسے صفت: جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، یہ رَجُلٌ مرفوع ہے کیونکہ جَاءَ کے لیے فاعل ہے تو جَاءَ اس میں براہِ راست عمل کر رہا ہے اور اس کو رفع دے رہا ہے۔اور یہ عَالِمٌ جو آگے صفت آرہی ہے؟ نہیں، جَاءَ اس میں براہِ راست عمل نہیں کر رہا بلکہ یہ رَجُلٌ کا تابع ہے، یہ صفت کیا ہے رجل کے تابع ہے۔رجل پر رفع آیا تو اس صفت پر بھی رفع آگیا۔اگر رجل پر نصب ہوتا تو صفت پر بھی نصب ہوتا، رجل پر اگر جر ہوتا تو صفت پر بھی جر ہوتا۔

تو آگے یہ کچھ توابع آرہے ہیں۔توابع جمع ہے تابع کی، تابع کا معنی ہوتا ہے پیچھے چلنے والا۔تو یہ بھی اپنے ماقبل کے پیچھے چلنے والے ہوتے ہیں یعنی ماقبل پر اگر رفع آئے تو ان پر بھی کیا آتا ہے؟ رفع، اگر ماقبل پر نصب آئے تو ان پر بھی نصب، اور ماقبل پر جر آئے تو ان پر بھی جر آتا ہے۔تو آگے اب خاتمے کے اندر ان توابع کا بیان کرنے لگے ہیں اور وہ آپ کو بتائیں گے کہ توابع پانچ ہیں بھئی، توابع کتنے ہیں؟ پانچ ہیں۔صفت ہے اور معطوف بالحرف ہے، تاکید ہے، بدل ہے، عطفِ بیان ہے۔ان سب پر وہی اعراب آتا ہے جو ان کے ماقبل پر ہوتا ہے بھئی۔صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: الْخَاتِمَةُ فِي التَّوَابِعِ یہ خاتمہ ہے توابع کے بیان میں، اِعْلَمْ تو جان لے،أَنَّ الَّتِي مَرَّتْ مِنَ الْأَسْمَاءِ الْمُعْرَبَةِ کہ وہ جو گزرے ہیں اسمائے معربہ، وہ اسم جو معرب تھے جو گزرے ہیں،أَنَّ الَّتِي مَرَّتْ مِنَ الْأَسْمَاءِ الْمُعْرَبَةِ وہ جو اسمائے معربہ گزرے ہیں،أَسْمَاء جمع ہے الْمُعْرَبَةُ اس کی صفت ہے۔جمع کی صفت واحد مؤنث لائے: مُعْرَبٌ، مُعْرَبَةٌ مؤنث لائے، واحد مؤنث، کیوں؟ کیونکہ جمع بتاویلِ جماعت واحد مؤنث کے حکم میں ہے تو اس کی صفت بھی واحد مؤنث لائے بھئی۔

تو کہتے ہیں: اِعْلَمْ جان لے تو،أَنَّ الَّتِي مَرَّتْ مِنَ الْأَسْمَاءِ الْمُعْرَبَةِ وہ جو اسمائے معربہ اب تک گزر گئے كَانَ إِعْرَابُهَا بِالْإِضَالَةِ ان کا اعراب

کیا تھا؟ اصالۃً تھا۔ تو کہتے ہیں: اِعْلَمْ جان لے تو أَنَّ الَّتِي مَرَّتْ مِنَ الْأَسْمَاءِ الْمُعْرَبَةِ وہ جو وہ جو گزرے ہیں اسمائے معربہ كَانَ إِعْرَابُهَا بِالْإِصَالَةِ ان کا اعراب اصالۃً تھا یعنی کسی کے تابع ہونے کی وجہ سے نہیں تھا ان کا اعراب بلکہ اصالۃً اصل کے اعتبار سے ان کا اعراب ہوتا تھا، بِأَنْ دَخَلَتْهَا الْعَوَامِلُ بایں صورت کہ ان پر عوامل داخل ہوتے تھے براہِ راست بھئی، خود عامل ان کو کیا کرتا تھا؟ رفع دیتا تھا، نصب دیتا تھا یا جر دیتا تھا۔ بھئی دیکھیے: جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، یہ رجل پر رفع کیوں آیا؟ کیونکہ اس پر جَاءَ عامل داخل ہوا۔ اور یہ عالم پر رفع کیوں آیا؟ اس کو جَاءَ نے رفع نہیں دیا بلکہ یہ اپنے موصوف کے تابع ہے۔ تو رجل پر جو رفع آیا جو اعراب آیا وہ اصالۃً آیا، اصالۃً کیا معنی؟ کہ عامل براہِ راست اس پر داخل ہوا اس نے اس میں عمل کیا۔ جبکہ عالم پر جو رفع آیا وہ وہ اس کے تابع ہونے کی وجہ سے آیا، اس پر عامل داخل نہیں ہوا۔ یہ معنی ہے کہ ان کا اعراب جو تھا بِالْإِصَالَةِ اصالۃً تھا بِأَنْ دَخَلَتْهَا الْعَوَامِلُ بایں صورت کہ ان پر عوامل داخل ہوئے تھے مِنَ الْمَرْفُوعَاتِ وَالْمَنْصُوبَاتِ وَالْمَجْرُورَاتِ یعنی مرفوعات، منصوبات اور مجرورات۔ یہ بیان ہے اسمائے معربہ کا، وہ جو اسمائے معربہ وہ جو معرب اسماء گزرے ابھی تک، کون سے معرب اسماء؟ کہتے ہیں بھئی یعنی کہ جو مرفوعات، منصوبات اور مجرورات جو بھی گزرے ان ساروں کا اعراب کیا ہوتا تھا؟ اصالۃً تھا، کیسے اصالۃً تھا؟ کہتے ہیں: بِأَنْ دَخَلَتْهَا الْعَوَامِلُ بایں صورت، با تصویر یہ ہے، صورت بتلا رہی ہے، کس طرح تھا اصالۃً؟ بایں صورت کہ ان پر عوامل داخل ہوتے تھے، وہ جو مرفوعات، منصوبات اور مجرورات ابھی تک جتنے گزرے ان پر عامل داخل ہوتے تھے۔

آگے کہتے ہیں: فَقَدْ يَكُونُ إِعْرَابُ الِاسْمِ بِتَبَعِيَّةِ مَا قَبْلَهُ اور کبھی کبھار اسم کا اعراب جو ہوتا ہے وہ اپنے سے ما قبل کی تابع ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، اپنے سے ما قبل کے تابع ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، وَيُسَمَّى التَّابِعَ اور اس اسم کو کیا کہتے ہیں؟ تابع کہتے ہیں۔ بھئی تابع کیوں کہتے ہیں؟ میں نے معنی بتلا دیا: پیچھے چلنے والا، تو یہ بھی اپنے سے ما قبل کے پیچھے چلنے والا ہے اعراب کے اندر۔ تو کہتے ہیں: وَيُسَمَّى التَّابِعَ اور اس اسم کو تابع کہتے ہیں لِأَنَّهُ يَتْبَعُ مَا قَبْلَهُ فِي الْإِعْرَابِ اس لیے کیونکہ یہ اپنے سے ما قبل کا تابع ہوتا ہے اعراب کے اندر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کو تابع کہتے ہیں۔

اب بھئی اس کی باقاعدہ تعریف اب کرنے لگے ہیں، کہتے ہیں: وَهُوَ كُلُّ ثَانٍ مُعْرَبٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ۔ وَهُوَ كُلُّ ثَانٍ، ہر وہ دوسرا ہے۔ تابع کسے کہتے ہیں؟ ہر وہ دوسرا ہے۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، رَجُلٌ ہے پہلے اور عَالِمٌ ہے دوسرے۔ تو یہ وَهُوَ كُلُّ ثَانٍ، ہر دوسرا ہے۔ رجل پہلے، عالم بعد میں۔ تو تابع پہلا ہے یا دوسرا ہے؟ دوسرا۔ یہی بیان کر رہے ہیں: وَهُوَ كُلُّ ثَانٍ، ہر دوسرا ہے۔

سوال پیدا ہوا: اسی طرح بعض اوقات تین تین چار چار صفتیں آجاتی ہیں: رَجُلٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ شُجَاعٌ۔ تو فَاضِلٌ بھی رجل کی صفت، عَالِمٌ بھی رجل کی صفت، شُجَاعٌ بھی رَجُلٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ شُجَاعٌ وغیرہ، تو آپ تابع کی کیا تعریف کر رہے ہیں؟ دوسرا ہے۔ تو رجل ہوا پہلے نمبر پر، عَالِمٌ دوسرے نمبر پر، یہ بھی صفت۔ فَاضِلٌ یہ بھی صفت، تو یہ بھی تابع ہے۔ آگے شُجَاعٌ وہ بھی صفت، وہ بھی کیا ہے؟ تابع۔ تو یہ تو آپ کی تعریف سے نکل گئے کیونکہ یہ تو دوسرے نمبر پر نہیں ہیں، یہ تو تیسرے اور چوتھے نمبر پر ہیں۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ تو آپ نے تو کیا کہا: وَهُوَ كُلُّ ثَانٍ تابع ہر وہ دوسرا ہے، جواب یہ کہ دوسرے سے مراد دوسرے نمبر پر آنے والا نہیں ہے، دوسرے سے مراد دوسرے درجے والا ہے۔ جس پر عامل براہِ راست داخل ہو وہ ہے پہلے درجے والا، اور جو اپنے سے ما قبل کے تابع ہے یہ ہے دوسرے درجے والا، چاہے پھر یہ دوسرے نمبر پہ آئے، تیسرے پہ آئے، چوتھے پہ آئے، پانچویں پہ آئے، ہے تو یہ دوسرے درجے والا۔ مثلاً میں نے کیا کہا: جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ شُجَاعٌ، رَجُلٌ پہلے درجے والا، پہلے درجے والا کیوں؟ کیونکہ اس پر عامل براہِ راست داخل ہو رہا ہے۔ اور آگے عَالِمٌ، فَاضِلٌ اور شُجَاعٌ کیا ہے؟ رجل کی صفت۔ تو رجل کا جب پہلا درجہ تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے عَالِمٌ کا بھی دوسرا درجہ، آگے فَاضِلٌ بھی رجل کی طرف دیکھتے ہوئے دوسرا درجہ کیونکہ یہ اس کی صفت ہے، شُجَاعٌ بھی رجل کی طرف دیکھتے ہوئے دوسرا درجہ کیونکہ یہ اس رجل کی صفت ہے۔ تو ثَانٍ سے مراد کیا ہے؟ دوسرے درجے والا مراد ہے، دوسرے نمبر والا مراد نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَهُوَ كُلُّ ثَانٍ ہر وہ دوسرے درجے والا ہے، مُعْرَبٍ جس کو اعراب دیا گیا ہو۔ رَجُلٌ عَالِمٌ، عَالِمٌ پر بھی اعراب آیا یا نہیں آیا؟ یہی بات بیان کر رہے ہیں، ہر وہ دوسرے درجے والا ہے مُعْرَبٍ جس کو اعراب دیا گیا ہو، بھئی کون سا اعراب آئے گا اس پر؟ اپنے سے ما قبل والا ہی۔ رَجُلٌ عَالِمٌ، عَالِمٌ پر کون سا اعراب آئے گا؟ رجل والا ہی۔ تو کہتے ہیں: وَهُوَ كُلُّ ثَانٍ ہر دوسرے درجے والا ہے مُعْرَبٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ جس کو اعراب دیا گیا ہو اپنے سے اپنے سے ما قبل کا اعراب، مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ ایک ہی جہت سے، ایک ہی جہت سے۔

بھئی ایک ہی جہت سے کیا معنی؟ یہ ذرا مشکل بات ہے اس کو سمجھ لیں۔ ایک ہی جہت سے ہونے کا معنی یہ ہے، بھئی دیکھیے: اولاً آیا موصوف، موصوف پر عامل نے براہِ راست عمل کیا اس کو رفع دیا۔ یہ جو ابھی ہم نے مثال کی: جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، اس میں تو رجل مرفوع ہے۔ یہی کبھی موصوف منصوب ہوتا ہے: رَأَيْتُ رَجُلًا عَالِمًا، دیکھو رَجُلًا منصوب ہے اور عَالِمًا اس کی صفت بھی منصوب۔ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ عَالِمٍ، دیکھا رَجُلٍ مجرور ہے تو عَالِمٍ اس کی

صفت بھی مجرور۔ تو موصوف کا جو اعراب ہوتا ہے وہی صفت کا بھی اعراب۔ اب ہم اس وقت تعریف کر رہے ہیں تابع کی اور صفت بھی کس میں سے ہے؟ تابع میں سے۔ تو انہوں نے کیا کہا؟ تابع کسے کہتے ہیں؟ جو کس نمبر پر آئے؟ دوسرے درجے پر آئے، دوسرے درجے پر آئے، اور اس پر وہی اعراب آئے جو کس پر ہو؟ اس سے ماقبل پر ہو، کس پر ہو؟ اس سے ماقبل پر ہو۔ اگر اس پر رفع تو اس پر بھی رفع، اس پر نصب تو اس پر بھی نصب، اس پر جر تو اس پر بھی جر۔ اور یہ جو اعراب اس پر جو آیا اور ماقبل پر آیا یہ ایک ہی جہت سے آنا چاہیے۔ ماقبل پر بھی اعراب آیا اور اس پر بھی اعراب، یہ ایک ہی جہت سے آنا چاہیے یعنی جس چیز نے ماقبل میں رفع کا تقاضا کیا اسی چیز نے مابعد میں بھی رفع کا تقاضا کیا یعنی مقتضی ایک ہونا چاہیے، تقاضا کرنے والی چیز ایک ہونی چاہیے۔ مثلاً جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، یہ عَالِمٌ مرفوع ہے کس بنا پر؟ فاعل ہونے کی بنا پر، اسی کے اس فاعل ہونے نے ہی تقاضا کیا کہ عَالِمٌ کو بھی مرفوع ہونا چاہیے کیونکہ یہ اس کی صفت ہے۔ تو جس فاعلیت نے رجل کے رجل کے رفع کا تقاضا کس نے کیا تھا؟ فاعلیت نے، فاعل ہونے نے، کس چیز نے؟ فاعل ہونے نے۔ ہاں تو یوں لفظ لفظ بولو فاعلیت، فاعلیت کا معنی ہے فاعل ہونا۔ تو رجل کا رفع کس نے کہا کہ رجل پر رفع آئے؟ کس نے تقاضا کیا؟ رجل کی فاعلیت نے۔ اسی فاعلیت ہی نے تقاضا کیا کہ عَالِمٌ پر بھی کیا آنا چاہیے؟ رفع، کیونکہ یہ اس کی صفت ہے۔ اسی فاعلیت نے تقاضا کیا کہ آگے فَاضِلٌ پر بھی کیا آئے؟ رفع آئے، کیونکہ فاعل کی صفت ہے۔ اسی فاعلیت نے تقاضا کیا کہ شُجَاعٌ پر بھی کیا آئے؟ رفع آئے، کیونکہ اس رجل کی صفت۔ تو گویا رجل میں اور عالم میں رفع کا تقاضا کرنے والی ایک ہی چیز ہے، ایک ہی جہت ہے یعنی مقتضی ایک ہی ہے اور وہ کیا؟ فاعلیت۔ سمجھ میں آیا؟ تو ان ساری چیزوں کے اندر وہی فاعلیت تقاضا کر رہی ہے رفع کا بھئی، وہی فاعلیت۔

اسی طرح رَأَيْتُ رَجُلًا عَالِمًا، رَجُلًا موصوف منصوب ہے تو عَالِمًا صفت بھی منصوب۔ اور دونوں تو عَالِمًا پر ذرا تعریف لگاؤ، یہ کتنے نمبر پر ہے؟ دوسرے درجے میں ہے، اور اس پر بھی وہی اعراب ہے جو ماقبل پر ہے، اور دونوں میں ایک ہی چیز ہے اعراب کا تقاضا کرنے والی، جہتِ واحدہ سے اعراب آ رہا ہے۔ کس طرح جہتِ واحدہ؟ یعنی مقتضی ایک ہے، کیسے؟ رَجُلًا میں نصب کا تقاضا کس نے کیا؟ مفعولیت نے، اس کے مفعول ہونے نے۔ اسی مفعول ہونے نے ہی تقاضا کیا کہ آگے عَالِمًا پر بھی کیا آنا چاہیے؟ نصب، کیونکہ وہ اس کی صفت ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا مبتدا خبر نکل گئے۔ دیکھو مبتدا پر بھی رفع ہوتا ہے، خبر پر بھی رفع ہوتا ہے، تو آپ یہ نہ کہیں خبر تابع ہے۔ خبر دوسرے درجے پہ آ رہی ہے یا نہیں؟ كُلُّ ثَانٍ، دوسرے مرتبے پر بھی ہے، اور نیز اس پر بھی وہی اعراب ہے جو ماقبل پر ہے، خبر پر رفع ہے ماقبل پر بھی کیا ہے؟ رفع، مبتدا پر بھی رفع۔ لیکن جب قید لگا دی نامِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، ایک ہی جہت سے یہ اعراب ہونا چاہیے دونوں پر، تو اب خبر نکل گئی، اب وہ تابع نہ رہی، کیوں؟ کیونکہ مبتدا مرفوع ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے، اور خبر بھی مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے؟ نہیں، خبر تو خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، اس میں رفع کی وجہ الگ، مبتدا میں رفع کی وجہ الگ۔ مبتدا کیوں مرفوع؟ مبتدا ہونے کی وجہ سے، اور خبر کیوں مرفوع؟ خبر ہونے کی بنا، تو ایک ہی چیز دونوں میں رفع کا تقاضا کر رہی ہے یا الگ الگ چیزیں ہیں؟ الگ الگ چیزیں ہیں، تو دیکھا خبر بھی ورنہ تابع کی تعریف میں داخل ہو رہی تھی، کس طرح؟ خبر دوسرے نمبر پر بھی دوسرے درجے پر بھی ہے اور خبر پر بھی وہی اعراب ہے جو ماقبل یعنی مبتدا پر ہے، البتہ جہت ایک نہیں ہے، وہاں پر مبتدا میں رفع کا تقاضا مبتدا ہونے نے کیا اور خبر میں رفع کا تقاضا خبر ہونے نے کیا۔

اسی طرح مفعولِ ثانی بھی نکل گیا: سَمَّيْتُ الرَّجُلَ زَيْدًا، سَمَّيْتُ میں نے نام رکھا، الرَّجُلَ اس آدمی کا، زَيْدًا کیا نام رکھا؟ زیداً۔ دیکھو الرَّجُلَ ہے منصوب اور زَيْدًا بھی کیا ہے؟ منصوب۔ الرَّجُلَ ہے مفعولِ اول اور زَيْدًا ہے مفعولِ ثانی، تو لیکن یہ بھی تعریف میں داخل ہو رہا تھا، کیسے؟ یہ زید، زَيْدًا مفعولِ ثانی، یہ اس سے ماقبل کیا ہے؟ مفعولِ اول، تو زَيْدًا کیا ہے؟ مفعولِ ثانی، تو یہ دوسرے مرتبے پر ہوا، اور نیز اس پر بھی وہی نصب ہے جو ماقبل پر نصب، لیکن جہت ایک نہیں ہے اس لیے وہ نکل گیا۔ کیوں جہت ایک نہیں؟ کیونکہ ماقبل الرَّجُلَ میں کس چیز نے تقاضا کیا؟ مفعولِ اول ہونے نے، مفعولیت نہ کہو، مفعولِ اول ہونے نے تقاضا کیا کہ یہ مفعولِ اول ہے اس پر نصب آنا چاہیے، اور زَيْدًا میں مفعولِ ثانی ہونے نے تقاضا کیا، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو دونوں میں تو لہٰذا مفعولِ ثانی کیا ہوا؟ تابع کی تعریف سے نکل گیا۔ تعریف اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو جہتِ واحدہ کا کیا معنی ہے؟ کہ مقتضی ایک ہو، اعراب کا تقاضا کرنے والی چیز ایک ہو۔

تو کہتے ہیں: وَهُوَ كُلُّ ثَانٍ اور وہ ہر ایسا دوسرے ہر دوسرے درجے والا ہے مُعْرَبٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ جس کو اعراب دیا گیا ہو اپنے سے ماقبل کا ماقبل والا اعراب مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ ایک ہی جہت سے یعنی ایک ہی مقتضی ہو بھئی دونوں میں۔ دوبارہ ترجمہ دیکھ لیں: وَهُوَ كُلُّ ثَانٍ اور وہ ہر دوسرے مرتبے والا ہے مُعْرَبٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ جس کو اعراب دیا گیا ہو اپنے سابقہ کے اپنے سابقہ یعنی اپنے سے ماقبل کے اعراب کے ساتھ اس کو اعراب دیا گیا ہو مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ ایک ہی جہت سے یعنی دونوں میں اعراب کا مقتضی ایک ہی چیز ہو بھئی۔ تو اور کہ تو اس کو یہ ہے تابع، یہ ہے تابع۔

وَالتَّوَابِعُ خَمْسَةُ أَقْسَامٍ، اور توابع جو ہیں وہ پانچ قسم پر ہیں: النَّعْتُ وَالْعَطْفُ بِالْحُرُوفِ وَالتَّأْكِيدُ وَالْبَدَلُ وَعَطْفُ الْبَيَانِ۔ النَّعْتُ

ایک نعت ہے، نعت بھئی صفت، صفت، وصف، چاہے نعت کا لفظ بول لیں، چاہے وصف کا لفظ بول لیں، چاہے صفت کا، تینوں کا ایک ہی معنی۔ تو پہلی قسم وصف ہے یعنی صفت ہے، وَالْعَطْفُ بِالْحُرُوفِ اور دوسری قسم عطف بالحروف ہے یعنی جو بھئی جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، یہ عَمْرٌو کا عطف کس پر؟ زید پر۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، یہ عَمْرٌو کیا ہے؟ تابع ہے کیونکہ دوسرے درجے والا ہے، اور اس پر بھی رفع جیسے کہ ماقبل پر کیا تھا؟ رفع تھا، اور دونوں میں مقتضی بھی ایک ہی ہے۔ زید میں فاعل ہونا تقاضا کر رہا تھا مرفوع ہو: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، اور عمرو میں بھی وہی فاعلیت ہی تقاضا کر رہی ہے کہ اس پر بھی کیا آنا چاہیے؟ رفع آنا چاہیے۔ تو یہ ہے تو وَالْعَطْفُ بِالْحُرُوفِ اور وہ جو معطوف بالحروف ہوتا ہے، وَالتَّأْكِيدُ اور تاکید، مؤکد اور تاکید بھی اسی طرح ہیں، وَالْبَدَلُ بدل اور مبدل منہ بھی اسی طرح ہے، وَعَطْفُ الْبَيَانِ اور عطفِ بیان بھی۔

النعت صفت ہے، صفت کا وہی اعراب جو ماقبل میں موصوف کا ہوتا ہے۔ وَالْعَطْفُ بِالْحُرُوفِ، معطوف بالحروف، معطوف کا وہی اعراب جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے ماقبل میں۔ تاکید، تاکید کا وہی اعراب جو ماقبل میں مؤکد کا اعراب ہوتا ہے، جو پہلے آئے وہ مؤکد جو بعد میں آئے وہ تاکید، تو تاکید کا وہی اعراب جو کس کا ہوتا ہے؟ مؤکد کا۔ بدل، بدل کا وہی اعراب جو مبدل منہ کا ہوتا ہے، جو ماقبل میں آئے وہ ہے مبدل منہ جو بعد میں آئے وہ بدل، تو بدل کا وہی اعراب جو کس کا ہے؟ مبدل منہ کا۔ عطفِ بیان، عطفِ بیان جو بعد میں آئے اور ماقبل میں آئے جو آئے اس کو کہتے ہیں معطوف علیہ، تو عطفِ بیان کا وہی اعراب جو کس کا اعراب؟ معطوف علیہ کا بھئی۔

چلیے، بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۷: الخاتمۃ في التوابع — فصل النعت: نعت بحالِہٖ اور نعت بحالِ متعلقہٖ کے احکام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۵۱ — بتاریخ: ۱۵ اپریل ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلنَّعْتُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِيْ مَتْبُوْعِهِ نَحْوُ: جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ، أَوْ فِيْ مُتَعَلِّقِ مَتْبُوْعِهِ نَحْوُ: جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوْهُ، وَيُسَمَّى صِفَةً أَيْضًا، وَالْقِسْمُ الْأَوَّلُ يَتْبَعُ مَتْبُوْعَهُ فِيْ عَشَرَةِ أَشْيَاءَ فِي الْإِعْرَابِ وَالتَّعْرِيْفِ وَالتَّنْكِيْرِ وَالْإِفْرَادِ وَالتَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ وَالتَّذْكِيْرِ وَالتَّأْنِيْثِ۔

گزشتہ سبق میں ہم نے توابع کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا بھائی۔ مرفوعات، منصوبات اور مجرورات ختم ہوئے۔ یعنی مرفوعات، منصوبات اور مجرورات وہ والے جن پر عامل براہِ راست عمل کرتا ہے اور ان کو رفع دیتا ہے یا نصب دیتا ہے یا جر۔ اس کے بعد توابع بیان کرنے لگے۔ توابع جمع ہے تابع کی، تابع کا معنی ہوتا ہے پیچھے آنے والا۔ تو یہ وہ اسماء ہیں جن پر وہی اعراب آتا ہے جو ان کے ماقبل پر ہوتا ہے، تو یہ اپنے سے ماقبل کے تابع ہوتے ہیں اعراب کے اندر، اس کے پیچھے آتے ہیں اور ان پر بھی وہی اعراب آتا ہے جو ماقبل پر ہوتا ہے تو ان کو توابع کہتے ہیں بھائی، توابع۔

اور اس کی تعریف انہوں نے آپ کے سامنے کی تھی کہ «هُوَ كُلُّ ثَانٍ» ہر وہ دوسرے درجے والا ہے، «مُعْرَبٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ» کہ اس کو اعراب دیا گیا ہو، کون سا اعراب؟ جو اس سے سابق کا یعنی اس سے ماقبل کا اعراب ہے، «مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ» اور ایک ہی جہت سے۔ ایک ہی جہت سے کیا معنی؟ یعنی اعراب کی مقتضی ایک ہی چیز ہو۔ مثلاً جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ۔ رَجُلٌ ہے موصوف، عَالِمٌ ہے صفت۔ تو جس چیز نے رَجُلٌ میں رفع کا تقاضا کیا تھا یعنی رجل کے فاعل ہونے نے، یعنی فاعلیت نے، اسی فاعلیت نے تقاضا کیا کہ عَالِمٌ پر بھی کیا آنا چاہیے؟ رفع۔ تو یہ دیکھو عَالِمٌ یہ دوسرے درجے میں ہے رجل کی طرف یعنی موصوف کی طرف دیکھتے ہوئے، اور اس پر بھی وہی اعراب ہے جو رجل پر یعنی ماقبل پر تھا، اور دونوں میں اعراب کی مقتضی ایک ہی چیز ہے، یعنی جس فاعلیت نے رجل میں رفع کا تقاضا کیا اسی فاعلیت نے عَالِمٌ میں بھی رفع کا تقاضا کیا بھائی۔

اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ توابع پانچ قسم پر ہیں: ایک نعت یعنی صفت ہے، ایک عطف بالحروف ہے، ایک تاکید ہے، ایک بدل ہے، اور ایک عطف بیان۔ تو یہ پانچ توابع ہیں بھائی۔ ان پر وہی اعراب آتا ہے جو ان سے ماقبل پر ہوتا ہے۔ اور اب ان میں سے ہر ایک کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے لگے ہیں۔ تو سب سے پہلے صفت کے بارے میں بیان کرنے لگے ہیں۔

تو کہتے ہیں: اَلنَّعْتُ تَابِعٌ، کہ صفت جو ہے، میں نے بتایا نعت، صفت اور وصف تینوں کا ایک ہی معنی ہے بھائی۔ البتہ یہ صرف اصطلاح کا فرق ہے۔ کوفہ والے نحوی جو ہیں وہ نعت کا لفظ استعمال کرتے ہیں، بصرہ والے نحوی صفت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ایک ہی چیز کا نام، نحویوں کی ایک جماعت نے نعت رکھا اور دوسری جماعت نے اس کا نام وصف اور صفت رکھا۔ تو نعت اور صفت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

تو کہتے ہیں: اَلنَّعْتُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِيْ مَتْبُوْعِهِ، کہتے ہیں نعت یعنی صفت ایسا تابع ہے۔ میں نے بتایا تھا نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے۔ اور پھر ترجمہ کرتے ہوئے موصوف سے پہلے کیا لفظ لے آؤ؟ ایسا یا ایسی۔ تو تَابِعٌ نکرہ ہے بھائی، نہ یہ ضمیر ہے، نہ یہ اسم

اشارہ ہے، نہ یہ اسم موصول ہے، نہ یہ کسی کا نام ہے، اور نہ یہ معرف باللام ہے، اور نہ ان میں سے کسی کی طرف مضاف ہے تو یہ نکرہ ہوا، اور اس کے بعد یَدُلُّ فعل آیا تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ تو کہتے ہیں: اَلنَّعْتُ، صفت جو ہے، تَابِعٌ، وہ ایسا تابع ہے، یَدُلُّ، جو دلالت کرتا ہے، عَلَى مَعْنًى، ایسے معنی پر، فِيْ مَتْبُوْعِهِ، جو اس کے متبوع میں پایا جائے۔

ایک اور ضابطہ میں نے آپ کو بتلایا تھا، پہلا ضابطہ تو کیا کہ نکرہ کے بعد اگر فعل آجائے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اسی طرح اگر نکرہ کے بعد جار مجرور آجائے اور وہ کسی سے نہ جڑ رہا ہو۔ آپ نے پڑھا تھا جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ضرور جڑے گا۔ تو اگر جملے میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کے ساتھ وہ جڑ رہا ہو اور کس کے بعد آئے؟ نکرہ کے بعد، تو پھر وہ اس نکرہ کی صفت بنے گا، عموماً کیا بنے گا؟ صفت۔ اور صفت بھی براہِ راست نہیں بننا، جڑنا تو اس نے اب بھی ہے۔ محذوف نکال لیں گے، اس سے جوڑ کر کیا بنا دیں گے؟ اس نکرہ کے لیے صفت، جیسے مَعْنًى فِيْ مَتْبُوْعِهِ۔ مَعْنًى نکرہ آیا اور اس کے بعد فِيْ مَتْبُوْعِهِ جار مجرور آیا، اور یہ جار مجرور کسی سے یہاں نہیں جڑ رہا تو یہ پھر ثَبَتَ یا ثَابِتٌ یہاں نکال لیں گے اور پھر اس کے ساتھ جوڑ کر یہ معنی کے لیے کیا بن جائے گا؟ صفت بنے گا۔ اور تو مَعْنًى ہوا موصوف اور فِيْ مَتْبُوْعِهِ ہوئی اس کی صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ نکرہ میں کیسے کرتے ہیں؟ معنی سے پہلے ایسا، تو ایسا معنی فِيْ مَتْبُوْعِهِ جو اس کے متبوع میں ہو بھائی، اس کے متبوع میں ہو۔

تو بات میں یہ بیان کر رہا تھا کہ نکرہ کے بعد اگر فعل آجائے، فعل آجائے یا اسی طرح جملہ اسمیہ آجائے بھائی، کیونکہ فعل نے بھی اپنے فاعل سے مل کر جملہ بننا ہے اور جملہ اسمیہ میں بھی مبتدا خبر ہوتے ہیں وہ پورا جملہ ہے، اور جملہ کس کے حکم میں ہے؟ نکرہ کے حکم میں، اسی لیے وہ نکرہ کی صفت بنتا ہے۔ کیونکہ موصوف صفت میں تنکیر و تعریف میں مطابقت ضروری، اگر موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی کیا ہوتی ہے؟ نکرہ، موصوف اگر معرفہ ہو تو صفت بھی معرفہ۔ تو نکرہ کے بعد فعل آیا اور اس فعل نے بننا ہے جملہ اور پھر وہ اس نکرہ کی صفت بنے گا، معلوم ہوا جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، یہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ جملے کے اندر چاہے دس معرفہ آرہے ہوں لیکن جب آپس میں مل کر وہ جملہ بن جائیں گے تو اب نکرہ کے حکم میں ہے پورا جملہ بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح جار مجرور جو ہے وہ بھی نکرہ کی صفت بنے گا۔ تو خلاصہ کلام کیا ہوا؟ نکرہ کے بعد اگر فعل آجائے یا اسی طرح جملہ اسمیہ آجائے یا جار مجرور آجائے تو یہ سارے اس کے لیے عموماً صفت بنتے ہیں۔ اور معرفہ کے بعد اگر یہی چیزیں آئیں، یعنی فعل آجائے یا جملہ اسمیہ آجائے یا جار مجرور، تو وہ اس سے حال بنیں گے۔ وہ معرفہ بنے گا ذوالحال اور یہ کیا بنیں گے؟ حال بنیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

اب دیکھیے کتاب پر بھائی، کہتے ہیں: اَلنَّعْتُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِيْ مَتْبُوْعِهِ، نعت یعنی صفت وہ ایسا تابع ہے جو دلالت کرتا ہے عَلَى مَعْنًى ایسے معنی پر فِيْ مَتْبُوْعِهِ جو اس کے متبوع میں پایا جاتا ہے۔ بھائی دیکھیے، جو بعد میں آیا وہ ہے تابع، یعنی صفت ہے تابع، اور جو پہلے آیا وہ ہے متبوع، یعنی موصوف کیا ہے؟ متبوع۔ تو موصوف ہوا متبوع اور صفت ہوئی تابع۔ صفت کی تعریف کر رہے ہیں، کہتے ہیں صفت ایسا تابع ہے۔ صفت ایسا تابع ہے، اور تابع کل کتنے تھے؟ پانچ۔ تو اب صرف پانچ چیزیں آگئیں، باقی سب نکل گئیں، کیونکہ کہہ دیا صفت تابع ہے، تو غیر تابع چیزیں نکل گئیں۔ غیر تابع ابھی تک جو آپ پڑھ چکے تھے: مبتدا، خبر، فاعل، مفعول، اور نائب الفاعل وغیرہ، مرفوعات، منصوبات، مجرورات جتنے ابھی تک گزرے تھے وہ سارے کیا ہوئے؟ نکل گئے۔

بھائی صفت پر اعراب آئے گا یا نہیں؟ رفع، نصب یا جر، تو وہ بھی مرفوع ہوگی، منصوب ہوگی یا مجرور۔ تو ما قبل میں بھی تو بہت سارے مرفوع، منصوب اور مجرور ذکر ہوئے ہیں۔ اب صفت کی تعریف کرنے لگے ہیں، دیکھو تعریف ایسی ہو جس میں کوئی غیر نہ داخل ہو۔ تو جامع، یعنی اس صفت کے سارے افراد اس میں آجائیں اور غیر صفت اس میں داخل نہ ہو۔ تو تعریف شروع کر دی، کیا کہتے ہیں؟ صفت ایسا تابع ہے۔ جب تابع کہا تو غیر تابع سارے نکل گئے، صرف کون رہ گئے؟ تابع۔ اور تابع تو کل کتنے ہیں؟ پانچ۔ اب صرف پانچ رہ گئے، اب ان میں سے بھی باقیوں کو نکالنا ہے۔ کہتے ہیں: ایسا تابع ہے يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر فِيْ مَتْبُوْعِهِ جو کس میں پایا جائے؟ اس کے متبوع میں۔ تو یہ صفت کی تعریف ہوئی، باقی نکل گئے کیونکہ باقیوں کی الگ تعریفیں آگے آرہی ہیں، ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے بھائی۔

تو صفت ایسا تابع ہے جو دلالت کرے ایسے معنی پر جو اس کے متبوع میں پایا جائے۔ بھائی دیکھیے ادھر، میں کہتا ہوں: جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ۔ ترکیب کیا ہوگی؟ بلکہ کتاب میں جملہ دیا ہوا ہے ذرا اس پہ نظر رکھیں: جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ۔ جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے، شاباش، اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں رَجُلٌ۔ اچھا، اور موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا موصوف ہے؟ کیونکہ نکرہ کے بعد کیا آرہا ہے؟ نکرہ، اور ایک نکرہ کے بعد ایک یا کئی نکرہ آجائیں تو وہ اس پہلے نکرہ کے لیے صفت بنتے ہیں بشرطیکہ آخر میں کوئی معرفہ نہ آئے، اور آخر میں یہاں کوئی معرفہ نہیں تو یہ صفت بنے گا۔ تو رَجُلٌ ہوا موصوف اور عَالِمٌ ہے اس کی صفت۔ جی، تو آپ ترکیب کر رہے تھے: رَجُلٌ مرفوع

لفظاً موصوف، عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ رجل، شاباش، کیونکہ صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے، اور عالم کون ہے؟ وہ رجل ہے، رجل ہے، تو عالم کی ضمیر اسی کو لوٹے گی۔ تو وہ عَالِمٌ مرفوع، اسم فاعل، عَالِمٌ مرفوع کیوں؟ کیونکہ صفت ہے، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ تو اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے اس ترکیب میں رَجُلٌ ہے موصوف اور عَالِمٌ ہے صفت، اور یہ عَالِمٌ دوسرے درجے پر آرہا ہے، اور دونوں میں اعراب کا تقاضا کرنے والی ایک ہی چیز ہے۔ جس چیز نے رَجُلٌ میں رفع کا تقاضا کیا اور وہ کیا ہے؟ رجل کا فاعل ہونا، اسی نے تقاضا کیا کہ عَالِمٌ کو بھی مرفوع ہونا چاہیے کیونکہ یہ فاعل کی صفت ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو انہوں نے کیا صفت کی تعریف کی؟ صفت ایسا تابع ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو کس میں پایا جائے؟ اس کے متبوع میں۔ بھائی دیکھیے، رَجُلٌ ہے موصوف، عَالِمٌ ہے اس کی صفت۔ اب یہ عالم ہونے کی صفت کس میں پائی جارہی ہے؟ رجل میں۔ دیکھو عَالِمٌ یہ صفت ہے اور انہوں نے کیا کہا؟ صفت ایسا تابع ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو کس میں پایا جائے؟ متبوع میں۔ تو یہ عالم ہونا یہ ایک معنی ہے اور کس کے اندر پایا جارہا ہے؟ متبوع یعنی رجل کے اندر، وہ عالم رجل ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ یا یوں کہو، عالم دلالت کر رہا ہے علم پر اور یہ علم کس میں ہے؟ اس رجل یعنی متبوع کے اندر ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: اَلنَّعْتُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِيْ مَتْبُوْعِهِ، صفت ایسا تابع ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کے متبوع میں پایا جائے، أَوْ فِيْ مُتَعَلِّقِ مَتْبُوْعِهِ، یا وہ دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو کس میں پایا جائے؟ فِيْ مُتَعَلِّقِ مَتْبُوْعِهِ، اس کے متبوع کے متعلق میں، متبوع میں نہیں پایا جارہا بلکہ متبوع کے متعلق میں پایا جارہا ہے۔ یہ دوسری قسم آگئی صفت کی۔ نَحْوُ: جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوْهُ. ذرا اس جملے پہ نظر رکھو، ترکیب کرو: جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، رَجُلٌ مرفوع لفظاً فاعل، اچھا مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تو مرفوع لفظاً فاعل ہے اور موصوف ہے۔ مرفوع لفظاً موصوف۔ آگے عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ رجل کی صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، موصوف مرفوع تھا تو صفت بھی مرفوع ہے۔ تو عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ آگے هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ رجل کو، اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت۔ پھر آگے أَبُوْهُ کا آپ کیا کروگے؟

ضابطے بھول گئے! ضابطے بھول گئے آپ! میں نے کہا تھا فعل جب آجائے، فعل کے آنے کے بعد مرفوع صرف فاعل آسکتا ہے یا نائب فاعل۔ فعل معروف ہو تو فاعل، فعل مجہول ہو تو نائب فاعل، اور کوئی مرفوع نہیں آسکتا۔ اسی طرح صفت کے صیغے آجائیں تو ان کے بعد یہ بھی فعل کی طرح فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرتے ہیں اور صرف وہی مرفوع ہوگا اور کوئی مرفوع نہیں آسکتا۔ اب کیا کریں گے؟ عَالِمٌ صفت آگئی، صفت کے آنے کے بعد تو صرف مرفوع کون آسکتا ہے؟ اس کا فاعل۔ اسم مفعول ہوتا تو نائب فاعل آتا اور اسم فاعل کے لیے کیا آتا ہے؟ فاعل۔ تو اس کے لیے صرف فاعل مرفوع آسکتا ہے، اور آگے أَبُوْهُ مرفوع آرہا ہے۔ أَبُوْ: اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم، ان کا کیا اعراب ہوتا ہے؟ رفع واؤ کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ، جر یا کے ساتھ۔ آگے أَبُوْهُ کس کے ساتھ ہے؟ واؤ کے ساتھ۔ معلوم ہوا یہ مرفوع ہے اور صفت کے آنے کے بعد تو مرفوع صرف کون آسکتا ہے؟ فاعل۔ معلوم ہوا یہ ہے فاعل عَالِمٌ کے لیے، کیونکہ یہ اسم ظاہر ہے۔ اور فعل کیا کرتا ہے؟ ضَرَبَ زَيْدٌ، زَيْدٌ کیا ہے؟ اسم ظاہر۔ اگر یہ زَيْدٌ نہ ہوتا تو ضَرَبَ میں کیا نکالتے؟ ضمیر۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہوتا ہے صفت بھی اسی طرح عمل کرتی ہے، آگے یہ اسم ظاہر کو رفع دے گی۔ اگر اسم ظاہر نہ ہو پھر اس کے اندر کیا نکالتے ہیں؟ ضمیر۔ جب آگے اسم ظاہر کو یہ رفع دے رہی ہے تو اب اس کے اندر ضمیر نہیں ہوگی بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دوسرا ضابطہ آپ کو یاد ہے بھائی؟ میں نے کہا تھا فاعل جب اسم ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں: ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ الزَّيْدَانِ، ضَرَبَ الزَّيْدُوْنَ۔ تو دیکھو زَيْدٌ چاہے مفرد ہو، چاہے تثنیہ ہو، چاہے جمع، فعل ضَرَبَ نے ہمیشہ مفرد رہنا ہے۔ کیونکہ ضابطہ کیا ہے؟ فاعل جب کیا ہو؟ اسم ظاہر ہو تو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد رکھتے ہیں۔ اور صفت بھی اسی طرح ہے، صفت میں بھی جب فاعل کون ہو؟ اسم ظاہر ہو تو صفت کو کیا رکھتے ہیں؟ مفرد رکھتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ مثلاً یہاں ہوتا: عَالِمٌ غُلَامُهُ، تو یہ غُلَامُهُ کیا ہوتا؟ عَالِمٌ کے لیے فاعل۔ عَالِمٌ صفت کا صیغہ ہے نا تو غُلَامُهُ کیا ہوتا اس کے لیے؟ فاعل۔ یہ تثنیہ ہوتا تو بھی اس عَالِمٌ نے مفرد رہنا تھا: عَالِمٌ غُلَامَاهُ، نون تو اضافت سے گر جاتا: عَالِمٌ غُلَامَاهُ، اور اگر یہاں جمع ہوتا مُسْلِمُوْنَ مثلاً مُسْلِمُوْهُ تو: عَالِمٌ مُسْلِمُوْهُ، عَالِمٌ مُسْلِمُوْهُ۔ تو کیا بتایا میں نے؟ جب فاعل اسم ظاہر ہو تو جیسے فعل مفرد رہتا ہے اسی طرح صفت کا صیغہ بھی مفرد رہتا ہے۔ تو عَالِمٌ نے مفرد ہی رہنا ہے جب آگے اسم ظاہر فاعل آئے چاہے وہ أَبُوْهُ مفرد ہو، چاہے غُلَامَاهُ تثنیہ ہو، چاہے مُسْلِمُوْهُ جمع ہو، اس عَالِمٌ نے مفرد ہی رہنا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

اچھا، اب ترکیب ہم کر رہے تھے، دوبارہ ترکیب کریں: جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا موصوف ہے؟ کیونکہ اس کے بعد نکرہ آیا اور نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو عموماً کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت۔ تو یہ موصوف ہوا۔ آگے عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ یہ کیوں مرفوع ہے؟ کیونکہ یہ رجل کی صفت ہے، صفت ہے۔ تو مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ آگے، ہاں، پھر هُوَ ضمیر نکال رہے ہو! ابھی تو بتایا، ہاں جب وہ فاعل آگے آرہا ہے تو اب هُوَ ضمیر اس کے اندر نہیں ہے۔ أَبُوْ اعراب بھائی، ایک ایک لفظ کا اعراب بتاؤ مجھے۔ ہاں، أَبُوْ مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ ہاں، یہ فاعل ہے عَالِمٌ کے لیے۔ رجل تھا فاعل جَاءَ کے لیے، اور أَبُوْ فاعل ہے عَالِمٌ کے لیے، صفت کے صیغے کے لیے، تو یہ مرفوع ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کیا ہے اس کا رفع؟ واؤ ہے، شاباش، اور وہ واؤ ہم پڑھ رہے ہیں۔ تو مرفوع لفظاً، اور تیسری بات آپ نے کہی مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ جس اسم کے ساتھ بھی شاباش ضمیر متصل آجائے وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ آگے۔ ہاں، ہا ضمیر، هُوْ نہیں کہنا بھائی، ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں بھائی؟ میں تو اس پر ضمہ پڑھ رہا ہوں۔ یہ اس کی حرکت ہے، شاباش، یہ تو مبنی ہے اس پر تو اعراب آتا ہی نہیں ہے، تو یہ تو مجرور ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور، تو مجرور محلاً۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے مبنی ہے۔ اچھا، اب سمیٹیے بھائی، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل ہوا بھائی، فاعل ہوا کس کے لیے؟ عَالِمٌ کے لیے۔ اچھا، اسم فاعل، سمیٹیے بھائی، أَبُوْهُ مضاف مضاف الیہ مل کر عَالِمٌ کے لیے فاعل، عَالِمٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت۔ بھائی کیسے کیسے شبہ جملہ کو آپ کسی سے جوڑ سکتے ہیں جب تک آپ عائد نہیں بتلائیں گے؟ جواب کیا؟ ہاں بھائی أَبُوْهُ کی ہا ضمیر یہ لوٹ رہی ہے کس کو؟ رجل کو، أَبُوْهُ اس آدمی کا باپ، اس کا والد بھائی۔ تو یہ عائد آپ نے بتا دیا، تو اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر رجل کی صفت۔ موصوف اپنی صفت سے مل کر فاعل جَاءَ کے لیے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آئی بھائی؟

اچھا، اب ترجمہ کرو: جَاءَنِيْ، آیا میرے پاس، رَجُلٌ، ایسا آدمی، عَالِمٌ أَبُوْهُ، کہ اس کا والد عالم ہے۔ کہ اس کا والد عالم ہے۔ آپ نے ابھی ترکیب کی، عَالِمٌ کو کس کی صفت بنایا؟ رجل کی، اور مجھے یہ بتاؤ عالم وہ رجل ہے یا رجل کا متعلق یعنی اس کا والد؟ اس کا متعلق یعنی اس کا والد۔ تو دیکھو یہ صفت کی دوسری قسم آئی۔ پہلی صفت کی قسم کیا تھی؟ عَالِمٌ پہلی مثال میں رجل کی صفت تھی اور وہ عالم ہونے کا وصف بھی کس میں تھا؟ اسی رجل میں۔ اور دوسری مثال میں عالم رجل کی صفت ہے، صفت ہے، لیکن وہ عالم، توجہ ہے؟ عالم کس کی صفت ہے؟ رجل کی، لیکن یہ عالم ہونے کا معنی یہ اس رجل میں نہیں ہے، وہ رجل عالم نہیں ہے بلکہ اس کا متعلق یعنی اس کا والد۔ تو اس کا والد جو ہے وہ عالم ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

معلوم ہوا دیکھو ادھر دیکھو، صفت دو قسم کی ہوتی ہے۔ صفت ہمیشہ آئے گی موصوف کے بعد، موصوف پہلے آتا ہے اور صفت بعد میں، لیکن صفت کی دو قسمیں ہیں۔ صفت کی ایک قسم وہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو اسی کے موصوف میں پایا جاتا ہے، اور بعض دفعہ صفت ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس کے موصوف میں نہیں پایا جاتا بلکہ موصوف کے متعلق میں۔ صفت تو اسی کی ہے، لفظوں کے اعتبار سے اسی کی صفت ہے لیکن معنی کے اعتبار سے اس کے متعلق کی صفت ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ صفت کی دو قسمیں ہوئیں، پہلی قسم کیا؟ کہ صفت ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس کے اپنے متبوع یعنی موصوف ہی میں پایا جائے، یاد رکھیے اس کو کہتے ہیں صفت بحالہ، کیا کہتے ہیں؟ صفت بحالہ۔ وہ صفت جس کا معنی اس کے اپنے ہی متبوع میں پایا جائے اس کو کہتے ہیں صفت بحالہ۔ اور اگر وہ معنی اس کے متعلق میں پایا جائے اس کو کہتے ہیں صفت بحال متعلقہ، کیا کہتے ہیں؟ یہ نام آپ نے یاد رکھنے ہیں، یہ نام مختصراً جگہ جگہ آگے مثالیں آئیں گی میں آپ کو صرف اشارہ کروں گا کہ یہ صفت بحالہ ہے آپ سمجھ جائیں یہ ایسی صفت ہے جس کا معنی اس کے اپنے متبوع میں ہی پایا جا رہا ہے۔ رَجُلٌ عَالِمٌ، معلوم ہوا یہ عالم کون ہے؟ یہ رجل ہی ہے۔ لیکن اگر میں کہوں یہ صفت بحال متعلقہ ہے تو آپ سمجھ جائیں کہ عَالِمٌ لفظوں میں تو رجل کی صفت ہے لیکن رجل عالم نہیں ہے بلکہ عالم اس کا متعلق ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ آسان لفظوں میں یوں کہو: صفت بحالہ: جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ، توجہ ہے؟ مجھے اب بتائیے: جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ، یہ عَالِمٌ صفت بحالہ ہے یا بحال متعلقہ ہے؟ بحالہ ہے، معلوم ہوا یہ عَالِمٌ لفظوں میں کس کی صفت؟ رجل کی، اور معنی میں بھی رجل ہی کی صفت ہے کیونکہ یہ معنی کس میں پایا جا رہا ہے؟ رجل میں۔ تو صفت بحالہ لفظوں میں جس کی صفت ہوتی ہے معنی میں بھی اسی کی صفت ہوتی ہے۔ جبکہ صفت بحال متعلقہ: جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوْهُ، مجھے بتائیے یہ صفت بحالہ ہے یا بحال متعلقہ ہے؟ یہ صفت بحال متعلقہ ہے۔ اور دیکھو یہ عَالِمٌ لفظوں میں تو صفت ہے کس کی؟ رجل کی، لیکن معنی میں رجل کی نہیں صفت بلکہ اس کے متعلق کی صفت ہے۔ تو گویا صفت بحالہ لفظوں میں جس کی صفت ہوتی ہے معنی میں بھی اسی کی صفت، لیکن صفت بحال متعلقہ لفظوں میں صفت ہوتی ہے ایک کی تو معنی کے اعتبار سے صفت ہوتی ہے اس کے متعلق کی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ اب آگے آئیں گی مثالیں آئیں گی جگہ جگہ، وہاں میں صرف اشارہ کر دوں گا کہ یہ صفت بحالہ ہے یا میں بتا دوں گا یہ صفت بحال متعلقہ ہے آپ سمجھ جائیں کہ معلوم ہوا یہ لفظوں میں تو اس کی صفت ہے معنی میں اس کی صفت نہیں اس کے متعلق کی صفت ہے۔

تو دوبارہ اب تعریف دیکھیے، کہتے ہیں: اَلنَّعْتُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِيْ مَتْبُوْعِهِ أَوْ فِيْ مُتَعَلِّقِ مَتْبُوْعِهِ، صفت وہ ایسا تابع ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کے متبوع میں پایا جائے یا اس کے متبوع کے متعلق میں پایا جائے۔ وَيُسَمَّى صِفَةً أَيْضًا، اور نعت کو صفت بھی کہتے ہیں۔ نعت کو، میں نے بتایا تھا نا کہ یہ ایک ہی نام ہے دو چیزوں کے، بس اصطلاح کا فرق ہے، ایک اصطلاح ہے کوفہ والے نحویوں کی اور ایک اصطلاح ہے بصرہ والے نحویوں کی بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَيُسَمَّى صِفَةً أَيْضًا، اور نعت کو صفت بھی کہتے ہیں۔ وَالْقِسْمُ الْأَوَّلُ يَتْبَعُ مَتْبُوْعَهُ فِيْ عَشَرَةِ أَشْيَاءَ، اور پہلی قسم، کون سی صفت؟ صفت بحالہ، صفت بحالہ وہ پہلی قسم، اور دوسری قسم کون سی؟ صفت بحال متعلقہ۔ یہ لفظ یاد کر لیں ان کے نام یاد کر لیں، میں نے بتایا: صفت بحالہ اور صفت بحال متعلقہ۔ تو پہلی قسم صفت بحالہ جو ہے، يَتْبَعُ مَتْبُوْعَهُ، وہ تابع ہوتی ہے اپنے متبوع کے، فِيْ عَشَرَةِ أَشْيَاءَ، دس چیزوں میں: فِي الْإِعْرَابِ، کس کے اندر؟ اعراب میں، تین یہ آ گئے، اعراب میں کیونکہ رفع، نصب، جر۔ صفت، ادھر دیکھیے بھائی، کس صفت کی بات کر رہے ہیں؟ صفت بحالہ کی، جس میں صفت ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس کے اپنے متبوع میں پایا جائے۔ تو یہ صفت بحالہ جو ہے اپنے متبوع کے ساتھ دس چیزوں میں اس کے تابع ہو گی یعنی اس کے مطابق ہو گی۔ اس کے تابع اس کے، اس کے مطابق ہو گی۔ وہ دس چیزیں کیا ہیں؟ نمبر ایک ہے اعراب، اعراب۔ یعنی اگر اس کے متبوع پر رفع تھا تو اس صفت پر بھی کیا آئے گا؟ رفع۔ اگر اس کے متبوع پر نصب تھا تو اس کے تابع اس صفت پر بھی کیا آئے گا؟ نصب۔ اگر اس کے متبوع پر جر تھا تو اس صفت پر بھی کیا آئے گا؟ جر۔ تو اس اعراب میں تین چیزیں آ گئیں، انہوں نے کہا نا دس چیزوں میں تابع ہو گی، تین چیزیں: رفع، نصب اور جر، ان میں اس کے تابع ہو گی۔ وَالتَّعْرِيْفِ وَالتَّنْكِيْرِ، اور تعریف و تنکیر میں اس کے تابع ہو گی، کیا معنی؟ یعنی اگر متبوع معرفہ ہو گا تو یہ صفت بھی کیا ہو گی؟ معرفہ، اگر اس کا متبوع نکرہ ہو گا تو صفت بھی کیا ہو گی؟ نکرہ ہو گی۔ یہ کون سی صفت نے؟ صفت بحالہ نے۔ اچھا، پانچ ہو گئیں چیزیں؟ وَالْإِفْرَادِ وَالتَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ، مفرد، تثنیہ اور جمع ہونے کے اندر بھائی، اگر موصوف مفرد ہو گا تو صفت بھی مفرد، موصوف تثنیہ ہو گا تو صفت بھی تثنیہ، موصوف جمع ہو گا تو صفت بھی جمع۔ یہ کون سی صفت؟ صفت بحالہ۔ کتنی چیزیں ہو گئیں؟ آٹھ۔ وَالتَّذْكِيْرِ وَالتَّأْنِيْثِ، اور تذکیر و تانیث میں بھی اس کے تابع ہو گی، یعنی اگر موصوف مذکر ہو گا تو صفت بھی مذکر، موصوف اگر مؤنث ہے تو صفت بھی مؤنث۔ تو یہ دس چیزیں ہیں۔ کتنی چیزیں؟ دس۔ اعراب میں تین چیزیں آ گئیں: رفع، نصب اور جر، پھر تعریف اور تنکیر پانچ ہو گئیں، افراد، تثنیہ اور جمع آٹھ ہو گئے، اور تذکیر و تانیث۔

مختصر کلام یوں کریں، مختصراً یوں کہیں: چار چیزوں میں، دس نہ کہیں بلکہ کیا کہیں؟ چار چیزوں میں صفت اپنے ما، یہ صفت بحال، صفت بحالہ اپنے ما قبل کے تابع ہو گی۔ کتنی چیزوں میں؟ چار۔ چار چیزیں کیا؟ نمبر ایک: اعراب، رفع، نصب، جر میں سے ایک چیز آئے گی۔ نمبر ایک: اعراب، رفع، نصب، جر میں سے۔ نمبر دو ہے تعریف و تنکیر میں سے ایک چیز آئے گی، یا تعریف آئے گی یا تنکیر، اس میں بھی مطابقت۔ نمبر تین: افراد، تثنیہ، جمع، ان میں سے بھی ایک آئے گا۔ اور نمبر چار: تذکیر و تانیث۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو چار چیزوں میں مطابقت ہو گی، یعنی اگر موصوف مرفوع تھا تو صفت بھی مرفوع، وہ منصوب تو یہ بھی منصوب، وہ مجرور تو یہ بھی مجرور، تو اعراب میں بھی مطابقت ہو گی۔ نمبر دو: تعریف و تنکیر میں، اگر وہ معرفہ تو یہ بھی معرفہ، وہ نکرہ تو یہ بھی نکرہ، تو تعریف و تنکیر میں بھی مطابقت آ جائے گی۔ اور افراد، تثنیہ اور جمع میں بھی مطابقت آئے گی، اور تذکیر و تانیث میں بھی مطابقت آئے گی، جیسے جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ۔ یہ کون سی صفت تھی؟ صفت بحالہ۔ تو دیکھو رَجُلٌ مرفوع ہے تو صفت عَالِمٌ بھی مرفوع۔ دوسری بات: رَجُلٌ نکرہ ہے تو عَالِمٌ بھی نکرہ۔ تیسری چیز: رَجُلٌ مفرد ہے تو عَالِمٌ بھی مفرد ہے۔ چوتھی چیز: رَجُلٌ مذکر ہے تو عَالِمٌ بھی مذکر ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے کہ پہلی قسم جو ہے یعنی صفت بحالہ وہ تابع ہوتی ہے اپنے متبوع کے دس چیزوں کے اندر: فِي الْإِعْرَابِ وَالتَّعْرِيْفِ وَالتَّنْكِيْرِ وَالْإِفْرَادِ وَالتَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ وَالتَّذْكِيْرِ وَالتَّأْنِيْثِ۔

نَحْوُ: جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ، وَرَجُلَانِ عَالِمَانِ، وَرِجَالٌ عَالِمُوْنَ، وَزَيْدٌ الْعَالِمُ، وَامْرَأَةٌ عَالِمَةٌ۔ جی، رَجُلٌ عَالِمٌ یہ مفرد کی مثال، رَجُلَانِ عَالِمَانِ تثنیہ کی مثال، رِجَالٌ عَالِمُوْنَ جمع کی مثال، زَيْدٌ الْعَالِمُ یہ معرفہ کی مثال، امْرَأَةٌ عَالِمَةٌ یہ مؤنث کی مثال۔ یہ کتنی مثالیں ہو گئیں؟ پانچ ہو گئیں بھائی۔ اور ہر ایک کے ساتھ جَاءَنِيْ کو جوڑتے جاؤ کیونکہ وہ ہر ایک کے ساتھ ذکر نہیں کیا ایک دفعہ ذکر کر دیا۔ اور ترکیب ذرا کرتے جاؤ سارے بھائی، ترکیبیں کرو: جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ۔ جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف، عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ رَجُلٌ کو۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ دوسری مثال: جَاءَنِيْ رَجُلَانِ عَالِمَانِ۔ جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، آگے رَجُلَانِ مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، تثنیہ ہے نا اور فاعل ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کا رفع الف کے ساتھ آتا ہے

تثنیہ کا اور اس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، تو مرفوع لفظاً، اور موصوف کیونکہ نکرہ کے بعد نکرہ آرہا ہے وہ صفت بنے گی۔ آگے عَالِمَانِ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُمَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ رَجُلَانِ کو۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ تیسری مثال: جَاءَنِيْ رِجَالٌ عَالِمُوْنَ۔ جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، رِجَالٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اچھا، موصوف کیسے آپ کو پتہ چلا؟ کیونکہ نکرہ کے بعد نکرہ آیا تو یہ موصوف صفت بنیں گے۔ جی، آگے عَالِمُوْنَ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ لفظاً کیوں؟ عَالِمُوْنَ میں تو نصب پڑھ رہا ہوں! ہاں، اس کا رفع واؤ کے ساتھ کیونکہ یہ جمع مذکر سالم ہے تو یہ مرفوع اور اس واؤ پر ہم تلفظ کر رہے ہیں تو مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُمْ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ رِجَالٌ کو۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ وَزَيْدٌ الْعَالِمُ: جَاءَنِيْ زَيْدٌ الْعَالِمُ۔ جی، جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، زَيْدٌ مرفوع لفظاً موصوف، اَلْعَالِمُ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل بھائی، اس کا فاعل بھائی، جو اور کس کو لوٹے گی؟ زید کو۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ اچھا، چلیے بہر حال یہ ترکیب ویسے اس طرح نہیں ہو گی لیکن چلیے یہ اَلْعَالِمُ، یہ جو الف لام ہے نا یہ الف لام یہ اسم موصول ہے، الف لام اسی ہے اور عَالِمٌ یہ اس کا صلہ ہے، لیکن ابھی وہ آپ نے پڑھی نہیں چلیے بس، یہ آگے ان شاء اللہ ہم کر لیں گے اسم موصول کی ترکیب آجائے گی وہاں پھر آپ کو پوری ترکیب سمجھ میں آئے گی۔ اچھا جی، وَامْرَأَةٌ عَالِمَةٌ: جَاءَتْنِي امْرَأَةٌ عَالِمَةٌ۔ جی، جَاءَتْ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، امْرَأَةٌ مرفوع لفظاً موصوف، عَالِمَةٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هِيَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ امْرَأَةٌ کو۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

آگے دیکھیے بھائی: وَالْقِسْمُ الثَّانِيْ إِنَّمَا يَتْبَعُ مَتْبُوْعَهُ فِي الْخَمْسَةِ الْأُوَلِ فَقَطْ، اور دوسری قسم جو ہے، کون سی دوسری قسم؟ صفت بحال متعلقہ، وہ تابع ہوتی ہے اپنے متبوع کے فِي الْخَمْسَةِ الْأُوَلِ فَقَطْ پہلی پانچ چیزوں میں۔ أُوَلُ جمع ہے أُوْلَى کی، سمجھ میں آیا بھائی؟ آپ نے گردان پڑھی ہے یا نہیں؟ «وَأَفْعَلُ التَّفْضِيْلِ: اَلْمُذَكَّرُ مِنْهُ أَضْرَبُ، وَالْجَمْعُ أَضَارِبُ، وَالْمُؤَنَّثُ مِنْهُ ضُرْبَى، ضُرْبَيَاتٌ، ضُرَبٌ» تو مؤنث کیا ہے؟ ضُرْبَى، أُوْلَى، وہی وزن ہے کہ نہیں؟ ضُرْبَى، أُوْلَى، اور ضُرْبَى کی جمع کیا ہے؟ ضُرَبٌ، تو یہاں بھی اسی طرح أُوَلٌ، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ أُوَلُ جمع ہے أُوْلَى کی، یہ اسم تفضیل ہے۔ تو کہتے ہیں وہ جو دوسری قسم یعنی صفت بحال متعلقہ یہ تابع ہوتی ہے اپنے متبوع کے فِي الْخَمْسَةِ الْأُوَلِ فَقَطْ صرف پہلی پانچ چیزوں میں۔ بھائی پہلی پانچ چیزیں کون سی ہیں؟ کہتے ہیں: أَعْنِي الْإِعْرَابَ وَالتَّعْرِيْفَ وَالتَّنْكِيْرَ، یعنی کہ اعراب اور تعریف و تنکیر میں، اعراب اور تعریف و تنکیر میں۔ یعنی اگر موصوف مرفوع ہو گا تو صفت بھی مرفوع، موصوف منصوب ہو گا تو صفت بھی منصوب، موصوف مجرور ہو گا تو صفت بھی مجرور، اور موصوف اگر معرفہ ہو گا تو صفت بھی معرفہ، موصوف اگر نکرہ ہو گا تو صفت بھی نکرہ۔ باقی پانچ چیزوں میں مطابقت نہیں ضروری، صفت بحال متعلقہ میں مفرد، تثنیہ اور جمع ہونے میں موصوف کے ساتھ صفت کی مطابقت ضروری نہیں، نیز اسی طرح تذکیر و تانیث میں بھی مطابقت ضروری نہیں، ایک مذکر ہو تو دوسرا مؤنث بھی ہو سکتا ہے، صورت سمجھ میں آگئی۔

كَقَوْلِهِ تَعَالَى: جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا﴾، توجہ ہے؟ ﴿مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا﴾، تو دیکھیے اس مثال میں: اَلْقَرْيَةِ ہے موصوف اور الظَّالِمِ صیغہ اسم فاعل، اور آگے أَهْلُهَا اس کے لیے فاعل ہے، جیسے گزشتہ مثال میں آیا تھا نا: عَالِمٌ أَبُوْهُ، تو وہاں أَبُوْهُ فاعل تھا، یہاں الظَّالِمِ کے لیے أَهْلُهَا فاعل ہے تو الظَّالِمِ کے اندر اب ضمیر نہیں ہے بھائی۔ اور اَلْقَرْيَةِ، اَلْقَرْيَةِ دیکھو پانچ چیزوں میں مطابقت ہے: اعراب میں، اَلْقَرْيَةِ مجرور ہے تو الظَّالِمِ بھی کیا ہے؟ مجرور ہے، تو اعراب میں مطابقت آگئی۔ اور تعریف و تنکیر میں بھی مطابقت ہے، اَلْقَرْيَةِ معرفہ ہے تو الظَّالِمِ بھی کیا ہے؟ معرفہ ہے۔ جبکہ باقی افراد، تثنیہ اور جمع میں مطابقت ضروری نہیں، اسی طرح تذکیر و تانیث میں بھی مطابقت ضروری نہیں، اَلْقَرْيَةِ اس کے ساتھ تاء تانیث کی ملی ہوئی ہے یہ مؤنث ہے اور الظَّالِمِ دیکھو اس کے ساتھ تاء نہیں ملی ہوئی یہ مذکر ہے، صورت سمجھ میں آگئی۔ تو أَهْلُهَا، ہا ضمیر راجع ہے قریہ کو: أَهْلُهَا أَيْ أَهْلُ الْقَرْيَةِ۔ مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ اس بستی میں سے الظَّالِمِ أَهْلُهَا کہ ظالم ہیں اس کے رہنے والے، کہ ظالم ہیں اس بستی والے۔ اب دیکھیے ظالم لفظوں میں صفت ہے قریہ کی، موصوف صفت ہے نا، تو لفظوں میں صفت کس کی؟ قریہ کی، لیکن معنی میں یہ صفت ہے اہلِ قریہ کی، بستی نہیں ظالم بلکہ بستی والے ظالم ہیں بھائی۔ تو دیکھا یہ صفت بحال متعلقہ ہے، لفظوں میں صفت ہے قریہ کی اور معنی میں صفت ہے اہلِ قریہ کی بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: وَفَائِدَةُ النَّعْتِ تَخْصِيْصُ الْمَنْعُوْتِ إِنْ كَانَا نَكِرَتَيْنِ، اب فائدہ ذکر کرنے لگے ہیں بھائی یہ صفت کیوں لائی جاتی ہے؟ صفت کا فائدہ

کیا ہوتا ہے؟ کہتے ہیں بھائی دیکھیے، صفت نکرہ کی بھی آتی ہے اور صفت معرفہ کی بھی آتی ہے۔ نکرہ میں صفت آئے تو وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، کس چیز کا؟ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، اور معرفہ میں صفت آئے تو وہ توضیح کا فائدہ دیتی ہے۔ بھائی نکرہ ہے: رَجُلٌ، مثلاً فرض کریں دنیا میں مثلاً فرض کریں ایک ارب مرد ہیں، کتنے ہیں؟ فرض کرلیں۔ تو دیکھو جب میں نے رَجُلٌ کہا، رجل کا لفظ ہر مرد پہ بولا جارہا ہے، یہ بھی رجل، یہ بھی رجل، یہ بھی رجل، تو ہر ہر مرد کو کیا کہہ سکتے ہیں؟ رجل۔ تو اس میں کتنے احتمالات؟ ایک ارب احتمالات۔ اور اگر اس کی جب میں صفت لے آؤں گا اس نکرہ کی: رَجُلٌ عَالِمٌ، اب یہ ہر مرد پر نہیں بولا جاسکتا بلکہ صرف کس پر بولا جائے گا؟ جو عالم ہوگا مرد اس پر، اور وہ مثلاً ایک لاکھ ہیں۔ تو دیکھو پہلے رجل میں احتمال تھے ایک کروڑ اور جب صفت لے آئے تو احتمال کم ہوگئے، کتنے رہ گئے؟ ایک لاکھ۔ اور احتمالات کم ہوجانا اس کو کیا کہتے ہیں؟ تخصیص۔ معلوم ہوا نکرہ میں جب صفت آتی ہے تو وہ کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے یعنی اس میں احتمالات کو کم کردیتی ہے۔

اور معرفہ میں؟ کہتے ہیں معرفہ میں صفت توضیح کا فائدہ دیتی ہے بھائی، توضیح کا۔ پہلے دیکھیے ذرا عبارت ذرا، کہتے ہیں: وَفَائِدَةُ النَّعْتِ، اور صفت کا فائدہ جو ہے، تَخْصِيْصُ الْمَنْعُوْتِ، وہ منعوت یعنی موصوف کی تخصیص ہے، إِنْ كَانَا نَكِرَتَيْنِ، اگر وہ دونوں نکرہ ہوں، یعنی موصوف اور صفت دونوں کیا ہوں؟ نکرہ ہوں تو پھر یہ صفت کس چیز کا فائدہ دے گی؟ تخصیص کا، نَحْوُ: جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ، یہ رَجُلٌ نکرہ، عَالِمٌ اس کی صفت، تو اس نے تخصیص کا فائدہ دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَتَوْضِيْحُهُ إِنْ كَانَا مَعْرِفَتَيْنِ، اور یہ صفت توضیح کا فائدہ دے گی اگر موصوف صفت دونوں معرفہ ہوں، نَحْوُ: جَاءَنِيْ زَيْدٌ الْفَاضِلُ، زَيْدٌ موصوف، اَلْفَاضِلُ اس کی صفت اور دونوں معرفہ ہیں تو یہ توضیح کا فائدہ دیتی ہے۔ توضیح کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں توضیح کا معنی ہے غیر کے احتمال کو ختم کردینا۔ توضیح کا کیا معنی ہے؟ غیر کے احتمال کو ختم کردینا۔ مثلاً بھائی میرے پاس زید آیا، میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِيْ زَيْدٌ، میرے پاس زید آیا، اب اس زید میں احتمال ہے ہوسکتا ہے یہ عالم ہو، ہوسکتا ہے عالم نہ ہو۔ ایک ذات ہے تو اس میں دونوں احتمال ہیں ہوسکتا ہے عالم ہوگی، ہوسکتا ہے عالم نہیں، تو میں آگے جب صفت لے آتا ہوں: جَاءَنِيْ زَيْدٌ الْعَالِمُ، جب عالم صفت آگئی اس نے غیر عالم ہونے کے احتمال کو ختم کردیا، یہ ہے توضیح، یعنی وضاحت کردی۔ توضیح کا کیا معنی؟ وضاحت کرنا۔ دیکھو اس صفت نے کیا کردی؟ وضاحت کردی کہ یہ زید عالم ہے، غیر عالم نہیں ہے، تو غیر عالم ہونے کے احتمال کو کیا کردیا؟ ختم، اور اس کا کیا نام ہے؟ توضیح۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا اسی طرح میں کہتا ہوں: جَاءَنِيْ عَمْرٌو التَّاجِرُ، میرے پاس وہ عمرو آیا جو تاجر ہے، تو عمرو میں دونوں احتمال تھے پتہ نہیں تاجر ہے یا تاجر نہیں، جب میں نے کہہ دیا التَّاجِرُ تو کون سا احتمال ختم ہوا؟ غیر تاجر ہونے کا احتمال ختم ہوا، تو اس التَّاجِرُ صفت نے عمرو کی وضاحت کردی کہ وہ تاجر ہے، غیر تاجر نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَتَوْضِيْحُهُ، اور صفت کا فائدہ وہ موصوف کی توضیح ہے، إِنْ كَانَا مَعْرِفَتَيْنِ، اگر موصوف صفت دونوں معرفہ ہوں، نَحْوُ: جَاءَنِيْ زَيْدٌ الْفَاضِلُ، آیا میرے پاس وہ زید جو کہ فاضل ہے، تو اب دیکھیے زید میں فاضل ہونے کا بھی احتمال اور فاضل نہ ہونے کا بھی احتمال، لیکن جب فاضل صفت آگئی تو فاضل نہ ہونے کا احتمال ختم ہوا۔

وَقَدْ يَكُوْنُ لِمُجَرَّدِ الثَّنَاءِ وَالْمَدْحِ، اور کبھی کبھار صفت محض ثناء، تعریف اور مدح کے لیے بھی ہوتی ہے، ثناء اور مدح کا ایک معنی: تعریف بھائی۔ کبھی کبھار صرف کس لیے آتی ہے؟ تعریف کے لیے، جیسے بھائی نَحْوُ مثال کے طور پر: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ لفظِ اللہ موصوف ہے، الرَّحْمٰنِ صفتِ اول، الرَّحِيْمِ صفتِ ثانی، اور لفظِ اللہ ہے معرفہ، لفظِ اللہ کیا ہے؟ بلکہ یہ علی الاطلاق اعرف المعارف ہے، تمام لفظوں میں سب سے زیادہ تعریف لفظِ اللہ کے اندر ہے بھائی، کس کے اندر؟ لفظِ اللہ کے اندر۔ تو لفظِ اللہ ہوا معرفہ اور الرَّحْمٰنِ اس کی صفتِ اول اور الرَّحِيْمِ صفتِ ثانی۔ تو یہ معرفہ کی، تو موصوف صفت معرفہ ہیں یہاں، اور آپ کو ابھی انہوں نے بتایا موصوف صفت جب معرفہ ہوں تو صفت کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ توضیح کا، یعنی موصوف کی وضاحت کردیتی ہے، اور توضیح کا کیا معنی تھا؟ غیر کے احتمال کو ختم کردیتی ہے، غیر کے احتمال کو ختم۔ لیکن یہاں صفت توضیح کا فائدہ نہیں دے رہی، کیوں؟ کیونکہ معنی یہ کریں کہ اللہ رحمن ہے، معلوم ہوا غیر رحمن ہونے کا شبہ ختم ہوا، اللہ رحیم ہے یعنی غیر رحیم ہونے کا شبہ ختم، نہیں بھائی نہیں! جب اللہ کی ذات ہے تو اللہ کی ذات رحمن ہی رحمن ہے وہاں غیر رحمن ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے، اللہ کی ذات رحیم ہی رحیم ہے بلکہ وہ تو ارحم الراحمین ہے وہاں غیر رحیم ہونے کا احتمال ہی نہیں، تو پھر تو یہاں توضیح کا فائدہ نہیں دے رہی، تو جواب دے دیا کہ بعض اوقات صفت صرف مدح کے لیے آتی ہے۔ اللہ کی ذات میں غیر رحمن ہونے کا کوئی احتمال نہیں، پھر بھی رحمن صفت لائی گئی کس لیے؟ مدح کے لیے، تعریف کے طور پر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ الرَّحِيْمِ صفت لائی گئی حالانکہ وہاں غیر رحیم ہونے کا کوئی احتمال نہیں، پھر کیوں لائی گئی؟ توضیح کا فائدہ یہ نہیں دے رہی بلکہ یہ مدح اور ثناء کے لیے لائی گئی ہے، تعریف کے لیے لائی گئی ہے بھائی، اللہ کی مدح کی

جارہی ہے، اللہ کی تعریف کی جارہی ہے۔ تو معلوم ہوا معرفہ میں صفت ہمیشہ توضیح کے لیے نہیں ہوتی، کبھی کبھی مدح اور ثناء کے لیے بھی ہوتی ہے۔ بات سمجھ بھی آرہی ہے کہ مشکل ہے بھائی؟ سمجھ آگئی بھائی؟

اور اسی طرح: وَقَدْ يَكُوْنُ لِلذَّمِّ، کبھی کبھار صفت مذمت کے لیے بھی آتی ہے، برائی اور خرابی بیان کرنے کے لیے بھی آتی ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر: أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ لفظِ شیطان موصوف، الرَّجِيْمِ مردود ہے، الرَّجِيْمِ کا کیا معنی؟ مردود۔ تو شیطان موصوف، الرَّجِيْمِ صفت اور دونوں معرفہ ہیں، اور معرفہ میں صفت انہوں نے بتایا کس لیے آتی ہے؟ توضیح کے لیے، لیکن یہاں توضیح کے لیے نہیں، کیونکہ جب شیطان ہے تو وہ مردود ہی مردود ہے وہاں غیر مردود ہونے کا احتمال نہیں۔ تو پھر تو یہ توضیح کا فائدہ تو نہیں دے رہی، کیونکہ وہاں تو غیر رجیم ہونے کا احتمال ہی نہیں، پھر کس لیے ہے؟ کہتے ہیں یہ مذمت کے لیے ہے، اس کی برائی اور خرابی بیان کرنے کے لیے ہے کہ شیطان کیا ہے؟ مردود ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو حاصل کلام کیا ہوا؟ معرفہ میں کبھی صفت آئے گی توضیح کے لیے، کبھی معرفہ میں صفت آئے گی مدح کے لیے، کبھی معرفہ میں صفت آئے گی مذمت کے لیے۔ سوال پیدا ہوتا ہے: ہمیں کیسے پتہ چلے گا کسی صفت کے بارے میں معرفہ کے اندر کہ یہ اس وقت توضیح کے لیے ہے یا مدح کے لیے یا مدح و مذمت کے لیے؟ تو جواب یہ کہ بھائی یاد رکھیں، اگر آپ کو صفت کا پہلے سے پتہ ہے اور پھر بھی صفت لائی گئی تو معلوم ہوا یہ صفت مدح یا مذمت کے لیے ہے۔ اگر مثلاً زید آپ کے پاس آیا، زید میرے پاس آیا میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِيْ زَيْدٌ الْعَالِمُ۔ اب دو صورتیں ہیں: یا تو آپ کو پہلے سے پتہ ہوگا کہ زید عالم ہے یا پہلے سے پتہ نہیں۔ اگر آپ کو پہلے سے پتہ ہے زید عالم ہے میں پھر بھی کہہ رہا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ الْعَالِمُ، تو پھر توضیح نہ ہوئی کیونکہ توضیح کا تو کیا معنی تھا؟ دوسرے احتمال کو ختم کرے، جب آپ کو پہلے سے پتہ ہے کہ زید عالم ہے تو غیر عالم ہونے کا کوئی احتمال ہے؟ نہیں، جب آپ کو پہلے سے پتہ ہے۔ تو پھر اس صورت میں یاد رکھیے جب پہلے سے آپ کو علم ہو اور پھر ایک صفت لائی جائے تو وہ مدح یا مذمت کے لیے ہوگی، توضیح کے لیے نہیں ہوگی۔ اب اَلْعَالِمُ وہ صفت سے پتہ چل جائے گا یہ مدح والی صفت ہے تو مدح کے لیے ہوگی، مذمت والی صفت ہے تو مذمت کے لیے ہوگی۔ تو جب اَلْعَالِمُ صفت میں نے ذکر کی اور وہ آپ کو پہلے سے پتہ تھی تو معلوم ہوا یہ جَاءَنِيْ زَيْدٌ الْعَالِمُ، یہ اَلْعَالِمُ صفت جو آئی یہ کس لیے ہے؟ مدح کے لیے ہے۔ اور اگر اس کے بجائے کوئی بری صفت ہوتی تو پھر وہ کس لیے ہوتی؟ مذمت کے لیے، جبکہ آپ کو پہلے سے پتہ ہو۔ اور اگر آپ کو پہلے سے پتہ نہیں تھا کہ زید عالم ہے اور میں اب کہتا ہوں: جَاءَنِيْ زَيْدٌ الْعَالِمُ، تو یہ صفت کس لیے ہے؟ یہ توضیح کے لیے ہے۔ معلوم ہوا قبل العلم وہی صفت توضیح کے لیے ہوگی، اور بعد العلم وہی صفت کس لیے ہوگی؟ مدح یا ذم کے لیے ہوگی۔ کیا ضابطہ ہوا؟ قبل العلم معرفہ میں صفت توضیح کے لیے، اور بعد العلم معرفہ میں صفت مدح یا ذم کے لیے ہوگی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَقَدْ يَكُوْنُ لِلتَّأْكِيْدِ، اور کبھی کبھار صفت تاکید کے لیے بھی ہوگی، تاکید کا معنی ہوتا ہے ایک معنی کو پکا کرنا، اسی کو پختہ کرنا، اسی میں زور پیدا کرنا۔ مثلاً رَجُلٌ، رَجُلٌ کا کیا معنی ہے؟ ایک آدمی۔ تو رجل کا اپنا معنی ہے ایک آدمی، پھر بھی میں اس کی صفت وَاحِدٌ لے آتا ہوں: جَاءَنِيْ رَجُلٌ وَاحِدٌ۔ اگر وَاحِدٌ میں نہ کہتا پھر بھی رَجُلٌ کا کیا معنی ہوتا ہے؟ دو یا تین آدمی یا ایک آدمی؟ تو رجل کا تو معنی ویسے بھی تھا ایک آدمی، جب مفرد ہے تو ایک والا معنی وہاں خود آرہا تھا پھر بھی میں وَاحِدٌ ایک صفت لے آیا، تو اس صفت نے کس چیز کا فائدہ دیا؟ تخصیص نہیں پیدا کی بلکہ اس نے اسی میں معنی جو ایک کا معنی تھا اسی میں تاکید پیدا کر دی، اسی کو پکا کر دیا کہ ہاں ایک ہی آدمی تھا دو یا تین نہیں ہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آئی؟ یہ معنی ہے: وَقَدْ يَكُوْنُ لِلتَّأْكِيْدِ، اور کبھی کبھار صفت تاکید کے لیے ہوتی ہے، نَحْوُ جیسے نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ، نفخہ کا معنی ہے پھونکنا، تو نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ، نَفْخَةٌ میں نَفْخَةٌ کا معنی ہی تھا ایک مرتبہ کا پھونکنا اور وَاحِدَةٌ صفت اس کی لائی گئی یہ اسی ایک کے معنی کو کیا کر رہی ہے؟ پکا کر رہی ہے تو یہ صفت تاکید کے لیے ہوئی۔ اور نَفْخَةٌ مفرد ہے تو اس میں ایک کا معنی پہلے ہی موجود تھا پھر وَاحِدَةٌ اس کی صفت لائی گئی تو یہ کیا کر رہا ہے؟ اسی ایک کے معنی کو پکا کر رہا ہے تو یہ صفت تاکید کے لیے ہے بھائی، تاکید کے لیے۔

آگے دیکھیے بھائی: وَاعْلَمْ أَنَّ النَّكِرَةَ تُوْصَفُ بِالْجُمْلَةِ الْخَبَرِيَّةِ نَحْوُ: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَبُوْهُ عَالِمٌ أَوْ قَامَ أَبُوْهُ۔ وَاعْلَمْ أَنَّ النَّكِرَةَ تُوْصَفُ بِالْجُمْلَةِ الْخَبَرِيَّةِ، اور جان لے تو کہ نکرہ جو ہے اس کو موصوف کیا جاتا ہے جملہ خبریہ کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ جملہ خبریہ کے ساتھ، اور جملہ خبریہ دو قسم پر ہے: جملہ یا وہ اسمیہ ہوگا یا فعلیہ، تو دونوں کے ساتھ یعنی موصوف ہوتا ہے۔ جیسے میں نے ابھی آپ کو بتایا بھائی، نکرہ کے بعد اگر فعل آئے تو وہ فعل اپنے فاعل سے مل کر کیا بنے گا؟ جملہ، تو وہ اس نکرہ کے لیے صفت بنے گا۔ اسی طرح نکرہ کے بعد اگر جملہ اسمیہ آجائے، مبتدا اور خبر، وہ بھی کیا بنا؟ جملہ، اور جملہ کس کے حکم میں ہے؟ نکرہ کے حکم میں، تو وہ اس نکرہ کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔

تو کہتے ہیں: أَنَّ النَّكِرَةَ تُوْصَفُ بِالْجُمْلَةِ الْخَبَرِيَّةِ، کہ نکرہ جو ہے اس کو موصوف کیا جاتا ہے جملہ خبریہ کے ساتھ، نَحْوُ: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَبُوْهُ عَالِمٌ، توجہ ہے؟ رَجُلٍ نکرہ آیا اور اس کے بعد ایک جملہ اسمیہ آیا: أَبُوْهُ عَالِمٌ۔ أَبُوْهُ مبتدا، عَالِمٌ اس کی خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ، اور یہ صفت

ہے کس کی؟ رجل کی، رجل کی۔ دوسری مثال: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ قَامَ أَبُوْهُ، تو رَجُلٍ نکرہ اور اس کے بعد قَامَ فعل آیا تو یہ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر اس کے لیے صفت بنے گا۔ جی، ترکیب کیجیے: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَبُوْهُ عَالِمٌ۔ مَرَرْتُ فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، باجارہ، رَجُلٍ مجرور لفظاً موصوف، ابھی تو میں نے بتایا بھائی یہ أَبُوْهُ عَالِمٌ اس کی صفت ہے پورا جملہ اسمیہ، تو رَجُلٍ مجرور لفظاً موصوف۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ باجارہ داخل ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھائیے: رَجُلٍ۔ جی، موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ کیونکہ آگے جملہ آرہا ہے، یہ نکرہ ہے اور نکرہ کے بعد جملہ آئے تو وہ اس کے لیے صفت بنتا ہے، یہ موصوف۔ آگے أَبُوْ، اعراب بھائی، أَبُوْ مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، جملہ ہے نا، جملہ دو قسم پر ہے یا فعلیہ یا اسمیہ، تو یہ فعل تو ہے نہیں معلوم ہوا جملہ اسمیہ بنے گا تو أَبُوْ مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا؟ ہاں اس کے ساتھ ضمیر متصل جڑی ہوئی ہے، تو أَبُوْ مرفوع لفظاً مضاف۔ آگے ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا۔ عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر، عَالِمٌ میں کون سی ضمیر؟ هُوَ، ہاں عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ مرفوع کیوں؟ شاباش کیونکہ خبر ہے، مبتدا آگیا تو اب کیا چاہیے؟ خبر۔ تو مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ آگے اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ ہاں خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے، تو هُوَ ضمیر أَبُوْهُ کو راجع بھائی۔ اچھا، تو اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صفت، صفت کس کی؟ رجل کی۔ بھائی جملہ رجل کی صفت کیسے بن سکتا ہے؟ کوئی عائد نہیں بتایا آپ نے؟ ہاں أَبُوْهُ کی ہا ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ رجل، وہ رجل کون، أَبُوْهُ کس کا باپ ہے وہ؟ اس رجل کا، دیکھا یہ ضمیر اس کو لوٹ رہی ہے تو یہ عائد آگیا۔ تو جو غائب کی ضمیر آئے اس کا مرجع تلاش کیا کرو بھائی، آپ کی عبارت ویسے ہی حل ہو جائے گی، عائد خود بخود نکلتے چلے آئیں گے بھائی۔ تو رَجُلٍ موصوف اپنی صفت سے مل کر مجرور باجارہ کے لیے۔ باجارہ اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا مَرَرْتُ فعل سے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب روانی سے پڑھیے: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَبُوْهُ عَالِمٌ۔ جی، ترجمہ کیجیے: میں گزرا ایسے آدمی پر کہ اس کا باپ عالم ہے۔ دیکھا کتنا بہترین ترجمہ ہو گیا، طریقہ آیا بھائی؟

سوال: رَجُلٍ مجرور ہے تو أَبِيْهِ ہونا چاہیے، کیونکہ یہ اس کی صفت ہے ابھی آپ نے ترکیب کی، اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ سوال سمجھ میں آرہا ہے؟ رَجُلٍ مجرور ہے تو اس کی صفت بھی کیا ہونی چاہیے؟ مجرور ہونی چاہیے، تو أَبُوْهُ نہیں ہونا چاہیے، أَبِيْهِ ہونا چاہیے، کیا جواب دیں گے؟ ہاں، یہ سارا جملہ صفت بن رہا ہے، صرف أَبُوْ اس کی صفت نہیں بن رہا، بات سمجھ میں آئی؟ اور جملہ کس کے حکم میں ہے؟ جملہ کیا ہوتا ہے؟ جملہ مبنی ہوتا ہے، تو اس پر اعراب محلاً آتا ہے۔ معلوم ہوا أَبُوْهُ عَالِمٌ یہ پورا جملہ اس کی صفت ہے اور یہ پورا جملہ محلاً مجرور ہے، یہ پورا جملہ کیا ہے؟ محلاً مجرور ہے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ کوئی اشکال کسی نے کیا کیا کہ یہ أَبُوْهُ عَالِمٌ اس کی صفت ہے تو أَبُوْهُ نہیں ہونا چاہیے، أَبِيْهِ مجرور ہونا چاہیے، تو جواب یہ کہ بھائی اگر صرف أَبُوْهُ اس کی صفت ہوتا پھر آپ کی بات ٹھیک تھی، لیکن صرف أَبُوْهُ تو نہیں اس کی صفت بلکہ پورا جملہ ہے اور جملہ کیا ہوتا ہے؟ مبنی، اور جب مبنی ہے تو مبنی پر اعراب کیسے آتا ہے؟ محلاً، تو یہ پورا جملہ محلاً مجرور ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

اچھا جی، دوسری ترکیب کریں بھائی: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ قَامَ أَبُوْهُ۔ اچھا بھائی یہ تو ترکیب وہ تھی: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَبُوْهُ عَالِمٌ، نکرہ کی صفت آئی جملہ خبریہ، اور کون سا جملہ خبریہ ہے؟ اسمیہ ہے یا فعلیہ؟ جملہ اسمیہ اس کی صفت آئی۔ اب اگلی مثال وہ ذکر کر رہے ہیں جملہ فعلیہ جو ہے وہ نکرہ کی صفت آئے گی: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ قَامَ أَبُوْهُ، بات سمجھ میں آگئی؟ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ کو ساتھ جوڑ لو آگے قَامَ أَبُوْهُ کے ساتھ: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ قَامَ أَبُوْهُ۔ ترکیب کیجیے: مَرَرْتُ فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاً فاعل، آگے باجارہ، رَجُلٍ مجرور لفظاً موصوف۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ باجارہ داخل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے جر پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا موصوف ہے؟ کیونکہ آگے نکرہ کے بعد فعل آرہا ہے اور فعل کیا نکرہ کے لیے صفت بنتا ہے بھائی۔ جی، تو رَجُلٍ مجرور لفظاً موصوف، آگے قَامَ فعل، أَبُوْ اعراب، مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ مضاف کیسے؟ کیونکہ اس کے ساتھ ضمیر متصل ہے۔ آگے ہا ضمیر مجرور محلاً۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے مبنی ہے۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل ہوا۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی کس کی؟ رجل کی۔ نہیں بھائی یہ جملہ صفت نہیں بن سکتا رجل کی، جواب؟ عائد کوئی بتایا آپ نے؟ قَامَ میں جب هُوَ ضمیر ہے فعل کا فاعل ایک آسکتا ہے دو یا تین نہیں آسکتے، یا هُوَ ضمیر کو فاعل بناؤ یا أَبُوْهُ کو فاعل بناؤ، اگر هُوَ ہے تو أَبُوْهُ کو پھر کیا بناؤ گے؟ وہ تو مرفوع ہے اور فعل کے آنے کے بعد مرفوع صرف کون آتا ہے؟ فاعل، اور تو کوئی مرفوعات ہیں ہی نہیں اور أَبُوْهُ مرفوع آرہا ہے معلوم ہوا وہ فاعل ہے۔ جب وہ فاعل ہے تو قَامَ کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہے بھائی۔ پھر؟ ہاں، پورے جملے میں کوئی ایک ضمیر ہمیں چاہیے تو وہ أَبُوْهُ کی ہا ضمیر ہے غائب کی اور وہ لوٹ رہی ہے رجل کو، اور ضمیر اور مرجع میں بھی مطابقت ہے وہ بھی آپ نے ہر جگہ دیکھنا ہے، رجل بھی مفرد مذکر اور ہا

ضمیر بھی مفرد مذکر، تو یہ عائد انہوں نے بتلا دیا۔ تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت رجل کی، موصوف صفت مل کر مجرور باجارہ کے لیے، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا مَرَرْتُ فعل کے ساتھ، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ اب روانی سے پڑھیے: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ قَامَ أَبُوْهُ۔ ترجمہ کیجیے: میں گزرا ایک ایسے آدمی پر قَامَ أَبُوْهُ کہ اس کا باپ کھڑا تھا، یا اس کا باپ کھڑا ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ انہوں نے أَبُوْهُ یہ ہا ضمیر اسی لیے ذکر کی، عائد چاہیے تھا، عائد یہ نہیں لائیں گے تو ان کو بھی پتہ ہے جڑ ہی نہیں سکتا۔ یہ أَبُوْهُ کے ساتھ جگہ جگہ ہا ضمیر کیوں لوٹ رہے ہیں؟ یہی ضابطے ہیں سامنے بھائی کہ جب بھی جملے یا شبہ جملہ کو کسی چیز سے جوڑنا ہو تو درمیان میں کیا چاہیے؟ ربط چاہیے اور وہ عموماً کس شکل میں ہوتا ہے؟ غائب کی ضمیر ہوتی ہے جس سے جوڑنا ہو اس کی طرف لوٹتی ہے۔ اب مجھے بتائیے: رَجُلٍ مجرور ہے تو قَامَ أَبُوْهُ یہ پورا جملہ بھی کیا ہے؟ مجرور محلاً ہے کیونکہ یہ اس کی صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے بھائی۔

وَالْمُضْمَرُ لَا يُوْصَفُ وَلَا يُوْصَفُ بِهِ، اور ضمیر جو ہے لَا يُوْصَفُ نہ تو وہ موصوف بنتی ہے وَلَا يُوْصَفُ بِهِ اور نہ اس کے ساتھ کسی کو موصوف کیا جاتا ہے، یعنی آسان لفظوں میں یوں کہو ضمیر نہ تو موصوف بنتی ہے اور نہ صفت بنتی ہے۔ وَالْمُضْمَرُ لَا يُوْصَفُ، اور ضمیر کو موصوف نہیں بنایا جاتا یعنی ضمیر کی صفت نہیں آتی۔ موصوف بنے گی تو آگے کیا آئے گی؟ صفت۔ جب کہا ضمیر موصوف نہیں ہوتی معلوم ہوا آگے اس کی کبھی بھی صفت نہیں۔ اور دوسری بات کی: وَلَا يُوْصَفُ بِهِ، ضمیر کے ساتھ کسی کو موصوف نہیں کیا جاتا کہ ضمیر اس کی صفت بن جائے، حاصل کلام کیا ہوا؟ ضمیر نہ موصوف بنتی ہے اور نہ صفت۔ یہ بڑا قیمتی ضابطہ ہے یہ بھی ہمیشہ یاد رکھنا، کبھی ترکیب میں ضمیر کو آپ موصوف نہ بنالیں یا کبھی ضمیر کو آپ صفت نہ بنالیں، ضمیر نہ موصوف بنتی ہے اور نہ صفت۔

موصوف کیوں نہیں بنتی؟ کیونکہ ضمیر ہے معرفہ، اور معرفہ میں صفت آتی ہے توضیح کے لیے، وضاحت کے لیے، اور ضمیر تو سب سے واضح ہے، اس میں مزید وضاحت کی کوئی ضرورت ہی نہیں تو وہاں صفت کی ضرورت بھی نہیں، اس لیے ضمیر کی صفت نہیں آتی کیونکہ وہ خود کیا ہے؟ سب سے واضح۔ دیکھو نا تین طرح کی ضمیریں ہیں نا: ایک أَنَا یعنی متکلم کی ضمیریں ہیں، ایک مخاطب کی ہیں أَنْتَ، أَنْتُمَا وغیرہ، اور ایک غائب کی ہے۔ مخاطب، أَنَا میں اپنے بارے میں بات کر رہا ہوں تو کیا میرے، مجھے میری اپنے لیے وضاحت کی ضرورت ہے؟ میرے لیے اپنے اندر عالم یا غیر عالم ہونے کا احتمال ہے؟ نہیں، ہر انسان کو اپنے بارے میں پتہ ہوتا ہے تو وہاں دوسرا احتمال ہوتا ہی نہیں۔ اسی طرح مخاطب آپ کے سامنے موجود ہے وہاں بھی کسی قسم کا احتمال نہیں۔ اور غائب، غائب انہی دو پر محمول ہے، جب ان دو میں توضیح کا احتمال نہیں تو وہاں پر بھی احتمال، صورت سمجھ میں آگئی؟

اور انہوں نے کہا ضمیر کے ساتھ کسی کو موصوف بھی نہیں کیا جاتا یعنی یہ صفت بھی نہیں۔ دو باتیں کیں نا، ایک کیا؟ ضمیر موصوف نہیں بنتی، کیوں نہیں بنتی؟ کیونکہ یہ نہایت واضح ہے، اس میں توضیح کی ضرورت نہیں۔ اچھا دوسری بات کی: ضمیر صفت بھی نہیں بنتی، وہ کیوں صفت کیوں نہیں بنتی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ ابھی تو بتایا صفت کسے کہتے ہیں؟ صفت ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو متبوع میں پایا جاتا ہے یا متبوع کے متعلق میں، جبکہ ضمیر ایسے معنی پر دلالت کرتی ہی نہیں جو اس کے غیر میں پایا جائے، جب یہ ایسے معنی پر دلالت ہی نہیں کرتی تو یہ صفت بن ہی نہیں سکتی کیونکہ صفت تو کہتے ہی اس کو ہیں جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو کس میں پایا جائے؟ غیر میں پایا جائے یا متبوع میں یا متبوع کے متعلق میں پایا جائے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی لیے کہا: وَالْمُضْمَرُ لَا يُوْصَفُ وَلَا يُوْصَفُ بِهِ، اور ضمیر جو ہے نہ تو موصوف ہوتی ہے اور نہ اس کے ساتھ کسی کو موصوف کیا جاتا ہے یعنی یہ صفت بھی نہیں بنتی۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۲: فصل العطف بالحروف: عطف علی المرفوع المتصل والمجرور کے شرائط ودلائل

ہدایۃ النحو صفحہ: ۵۲—بتاریخ: ۱۶ اپریل ۲۰۱۵ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلْعَطْفُ بِالْحُرُوفِ تَابِعٌ يُنْسَبُ إِلَيْهِ مَا نُسِبَ إِلَى مَتْبُوعِهِ، وَكِلَاهُمَا مَقْصُودَانِ بِتِلْكَ النِّسْبَةِ، وَيُسَمَّى عَطْفَ النَّسَقِ. وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ حُرُوفِ الْعَطْفِ، وَسَيَأْتِي ذِكْرُهَا فِي الْقِسْمِ الثَّالِثِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى، نَحْوُ: قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو.

ہم توابع کے بارے میں پڑھ رہے ہیں بھائی، اور انہوں نے آپ کو بتلایا کہ توابع جو ہیں وہ پانچ ہیں، پانچ ہیں۔ اور ان پانچ میں سے پہلی قسم یعنی صفت جو ہے، نعت جو ہے اس کے بارے میں ہم نے کل کے سبق میں پڑھا بھائی۔ آج ہم عطف بالحروف کے بارے میں پڑھیں گے بھائی۔ اور حروفِ عاطفہ آپ جانتے ہیں دس ہیں بھائی: واو ہے، فا ہے، ثم ہے، حتی ہے، او، اما، ام، لا، بل، اور لکن بھائی۔ تو یہ دس حروفِ عاطفہ ہیں اور آگے کتاب کے آخر میں ان کا بیان حروف کی بحث میں بھی تفصیل کے ساتھ آجائے گا بھائی۔

تو اب اس کی تعریف کر رہے ہیں کہ العطف بالحروف کہتے کس کو ہیں بھائی؟ کہتے ہیں: عطف بالحروف سے مراد ہے معطوف بالحروف بھائی۔ مصدر بول کر اسم مفعول مراد ہے بھائی، اسم مفعول۔ عطف سے کیا مراد ہے؟ معطوف، وہ جس کا عطف کر رہے ہیں آپ بھائی، وہ مراد ہے، وہ تابع ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، یہ عَمْرٌو کیا ہے؟ معطوف، اور کس پر عطف ہے؟ زَيْدٌ پر، تو زَيْدٌ ہوا معطوفٌ علیہ، اس پر عطف کیا گیا ہے۔ کیا نام ہے؟ جس پر عطف کیا جائے اس کا کیا نام؟ معطوفٌ علیہ۔ اور جس کا عطف کیا جائے وہ ہے معطوف، اور یہ وہ ہے تابع بھائی، یہ معطوف جو ہے یہ تابع ہے۔ تو عطف بالحروف سے مراد معطوف بالحروف ہے بھائی۔

وہ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «اَلْعَطْفُ بِالْحُرُوفِ تَابِعٌ» کہ عطف بالحروف وہ ایسا تابع ہے، «يُنْسَبُ إِلَيْهِ» کہ اس کی طرف نسبت کی جائے «مَا» اس چیز کی «نُسِبَ إِلَى مَتْبُوعِهِ» جس کی نسبت اس کے متبوع کی طرف کی گئی ہے۔ معطوف بالحروف کسے کہتے ہیں؟ وہ ایسا تابع ہے جس کی طرف نسبت کی جائے اسی چیز کی جس کی نسبت اس کے متبوع کی طرف کی گئی ہے۔ بتایئے بھائی: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، متبوع کون؟ زَيْدٌ، متبوع کون؟ زَيْدٌ۔ اور عَمْرٌو کیا ہے؟ تابع۔ اب ہم عمرو کی بات کر رہے ہیں، یہ تابع ہے عطف بالحروف کے ساتھ، تو یہ معطوف ہے بھائی۔ تو یہ معطوف جو ہے وہ ایسا تابع ہے «يُنْسَبُ إِلَيْهِ» کہ اس کی طرف بھی نسبت کی جا رہی ہے «مَا» اسی چیز کی «نُسِبَ إِلَى مَتْبُوعِهِ» جس کی نسبت کس کی طرف کی گئی؟ اس کے متبوع۔ بھائی دیکھیے: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، عمرو کی طرف کس چیز کی نسبت ہے؟ اسی مجیئت کی، اسی آنے کی جس کی نسبت کس کی طرف تھی؟ زید کی طرف تھی بھائی۔ سمجھ میں آئی بات بھائی؟ یا جیسے مثلاً میں کہتا ہوں: ضَرَبَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، زید اور عمرو نے پٹائی کی۔ تو دیکھو زید کی طرف جس چیز کی نسبت ہے، کس چیز کی نسبت ہے زید کی طرف؟ ضرب کی، پٹائی کرنے کی، اسی ضرب کی نسبت کس کی طرف ہے؟ عَمْرٌو یعنی معطوف کی طرف بھی۔ تو یہی بات بیان کر رہے ہیں کہ عطف بالحروف وہ ایسا تابع ہے «يُنْسَبُ إِلَيْهِ» کہ اس کی طرف نسبت کی جائے «مَا» اسی چیز کی «نُسِبَ إِلَى مَتْبُوعِهِ» جس کی نسبت اس کے متبوع کی طرف کی گئی ہے۔

■ قولہ: «وَكِلَاهُمَا مَقْصُودَانِ بِتِلْكَ النِّسْبَةِ» کی تشریح

«وَكِلَاهُمَا مَقْصُودَانِ بِتِلْكَ النِّسْبَةِ» اور یہ دونوں مقصود ہوتے ہیں اس نسبت کے ذریعے۔ یہ دونوں کیا ہوتے ہیں؟ مقصود ہوتے ہیں اس نسبت کے ذریعے، یعنی معطوف بھی مقصود ہوتا ہے اور معطوفٌ علیہ بھی۔ میں نے آپ سے کہا: ضَرَبَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، کس کس نے پٹائی کی؟ زید نے اور عمرو نے۔ تو زید ہے متبوع یعنی معطوفٌ علیہ، اور عمرو ہے تابع یعنی معطوف۔ اب مجھے بتایئے، میرا مقصد کیا تھا؟ کیا میں صرف یہ بیان کرنا چاہتا تھا کہ زید نے پٹائی کی یا میں دونوں کا بیان کرنا چاہتا تھا؟ دونوں کا۔ دونوں کیا ہیں؟ اس میں دونوں مقصود ہوتے ہیں، دونوں کو بیان کرنا مقصد ہوتا ہے۔ یہ بتلانا ہوتا ہے کہ جیسے یہ معطوفٌ علیہ زید نے پٹائی کی ہے اسی طرح معطوف عمرو نے بھی پٹائی کی ہے۔ یہ معنی ہے دونوں اس نسبت کے ذریعے مقصود ہوتے ہیں، یعنی جیسے اس چیز کی نسبت زید کی طرف مقصود ہے، یہ بتلانا مقصد ہے کہ زید نے پٹائی کی ہے اسی طرح یہ بھی بتلانا مقصد ہے کہ عمرو نے بھی پٹائی کی ہے۔ تو اس چیز کی نسبت دونوں کی طرف جو ہو رہی ہے وہ دونوں مقصود ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

یہ اصل میں باقیوں کو نکالنے کے لیے ہے۔ اگلی قسمیں آرہی ہیں ان میں دونوں مقصود نہیں ہوں گے۔ لیکن یہاں عطف میں کیا ہیں؟ دونوں مقصود ہیں۔ ہاں، باقی آگے توابع آئیں گے وہاں پر آپ دیکھیں گے کہ دونوں مقصود نہیں ہیں بعض جگہ، لیکن یہاں پر دونوں مقصود ہیں تو یہ فرق ہو گیا اور اس سے وہ باقی نکل گئے اس سے۔ دوبارہ تعریف دیکھ لیں: «اَلْعَطْفُ بِالْحُرُوفِ تَابِعٌ يُنْسَبُ إِلَيْهِ مَا نُسِبَ إِلَى مَتْبُوعِهِ» کہ عطف بالحروف وہ ایسا تابع ہے کہ نسبت کی جائے اس کی طرف اسی چیز کی جس کی نسبت کی گئی ہے اس کے متبوع کی طرف، «وَكِلَاهُمَا مَقْصُودَانِ بِتِلْكَ النِّسْبَةِ» اور وہ دونوں مقصود ہوتے ہیں اس نسبت سے، «وَيُسَمَّى عَطْفَ النَّسَقِ» اور اس کو عطفِ نسق بھی کہتے ہیں۔ عطفِ نسق بفتح السین بھائی۔

نسق، نسق کے دو معنی آتے ہیں بھائی: ایک معنی ہے نسق کا برابر ہونا، اور نسق کا ایک معنی ہے ترتیب دینا، ترتیب دینا۔ تو دونوں کے اعتبار سے یہ اس کا نام ہو سکتا ہے بھائی۔ عطفِ نسق کہتے ہیں، عطف بالحروف کو کیا کہتے ہیں؟ عطفِ نسق۔ اور نسق کا ایک معنی ہے برابر ہونا۔ چونکہ دیکھیے بھائی: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، اس عطف نے زید اور عمرو دونوں کو برابر کر دیا، کس چیز میں؟ پٹائی کرنے میں، معلوم ہوا جیسے زید نے پٹائی کی ہے اسی طرح عمرو نے بھی پٹائی کی ہے۔ تو اس لیے اس عطف بالحروف کا دوسرا نام کیا ہے؟ عطفِ نسق۔ یہ کیا کرتا ہے؟ تابع کو متبوع کے برابر کر دیتا ہے اس نسبت میں یا اس فعل کے اندر۔ یا یوں کہیں: معطوفٌ کو معطوفٌ علیہ کے برابر کر دیتا ہے اس چیز میں جس کی نسبت معطوفٌ علیہ کی طرف ہے، وہی اسی کی نسبت کس کی طرف کر دیتا ہے؟ معطوف کی طرف بھی۔ تو اس لیے اس کو عطفِ نسق کہتے ہیں۔ تو نسق کا کیا معنی ہوا؟ برابر ہونا، تو اس کی وجہ سے یہ دونوں برابر ہو جاتے ہیں معطوف بھی اور معطوفٌ علیہ بھی۔

یا نسق کا معنی ہے ترتیب دینا، نسق کا معنی ہے ترتیب دینا، چونکہ یہ عطف بالحروف بھی بعض جگہ ترتیب کا فائدہ دیتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو، فا استعمال کرتا ہوں، اسی طرح ثم استعمال کرتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو ثُمَّ بَكْرٌ۔ اس فا اور ثم یہ ترتیب کا بھی فائدہ دیتے ہیں۔ معلوم ہوا جو فا کے ماقبل ہے یعنی زید، وہ پہلے آیا اور جو فا کے مابعد ہے یعنی عمرو، وہ بعد میں آیا۔ اور پھر جو ثم کے بعد ہے وہ سب سے آخر میں آیا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو ثُمَّ بَكْرٌ، معلوم ہوا سب سے پہلے کون آیا؟ زید، اس کے بعد پھر کون آیا؟ عمرو، اور پھر اس کے بعد جا کر کون آیا؟ پھر بکر آیا۔ تو دیکھو ان حروف، یہ حروف بعض جگہ ترتیب کا بھی فائدہ دیتے ہیں تو اس لیے ان کا نام عطفِ نسق رکھا گیا کیونکہ نسق کا معنی بھی ہے ترتیب دینا بھائی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ یہ معنی ہے «وَيُسَمَّى عَطْفَ النَّسَقِ» اور اس کو عطفِ نسق بھی کہتے ہیں۔ تو کتابوں میں بعض جگہ صرف عطف کا ذکر آئے گا، بعض جگہ عطفِ نسق کا ذکر آئے گا تو آپ نے پریشان نہیں ہونا، یہ اسی عطف کا نام کیا ہے؟ عطفِ نسق ہے بھائی۔

■ قولہ: «وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ...» کی تشریح

«وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ حُرُوفِ الْعَطْفِ» اور شرط اس عطف کی یہ ہے کہ اس تابع «وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ» اور اس کے متبوع کے درمیان «أَحَدُ حُرُوفِ الْعَطْفِ» ان کے درمیان حروفِ عطف میں سے کوئی ایک حرف ہونا چاہیے، جیسے ابھی مثالیں گزریں: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، عمرو تابع ہے تو اس کے اور متبوع یعنی زید کے درمیان کیا ہے؟ واو ہے، تو ایک حرفِ عطف درمیان میں ہونا چاہیے تبھی یہ عطف بالحروف ہو گا بھائی۔

«وَسَيَأْتِي ذِكْرُهَا فِي الْقِسْمِ الثَّالِثِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى» اور عنقریب ان حروفِ عطف کا ذکر آجائے گا قسمِ ثالث میں ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ہا ضمیر راجع ہے کس کو؟ حروفِ عطف کو۔ سوال یہ کہ ہا تو واحد مؤنث کی ضمیر ہے اور حروفِ عطف تو جمع ہیں، تو جمع کی طرف مفرد کی ضمیر کیسے راجع کر دی؟ کیا جواب دیں گے؟ جمع بتاویلِ جماعت کس کے حکم میں؟ واحد مؤنث۔ جب وہ واحد مؤنث ہے تو اس کی طرف ضمیر واحد مؤنث کی ہا ضمیر راجع کر دی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ معنی ہے «وَسَيَأْتِي ذِكْرُهَا فِي الْقِسْمِ الثَّالِثِ» کہ عنقریب ان کا ذکر آجائے گا قسمِ ثالث میں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

«نَحْوُ: قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو» جیسے قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ جی ترکیب کیجیے بھائی: قَامَ فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً، فاعل تو ہے لیکن اب پہلے باقیوں کو جوڑیں اس کے ساتھ، ہاں جب آپ نے مرفوع کہا تو کہنے سے ہی معلوم ہوا آپ کو پتہ چل چکا ہے یہ کیا ہے؟ فاعل ہے، اسی لیے رفع کہہ رہے ہیں آپ۔ تو زَيْدٌ مرفوع لفظاً معطوفٌ علیہ، واو حرفِ عطف، عَمْرٌو مرفوع لفظاً معطوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ معطوف ہے اور معطوف تابع ہوتا ہے اس پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوفٌ علیہ پر ہوتا ہے۔ اور لفظاً ہے، لفظاً کیوں؟ کیونکہ رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ کر کے دکھائیے: عَمْرٌو، نصب پہ تلفظ کریں: عَمْرًا، جر پہ کریں: عَمْرٍو، جی۔ تو معطوفٌ علیہ، پہلے والے کو ذکر کرنا ہے، معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے مل کر فاعل ہوا فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

آپ سوال کریں، اب آپ اشکال کر سکتے ہیں کہ آپ نے تو ہمیں بتایا تھا کہ فاعل ہمیشہ ایک آتا ہے، یہاں تو دو فاعل آگئے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ جواب: کہاں دو فاعل آئے؟ اس واو نے کیا کیا؟ ان دونوں کو ایک کر دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو ایک کر دیا اور اصل فاعل زید ہے، عمرو فاعل نہیں ہے۔ عمرو فاعل، عمرو تو تابع ہے، اور آپ نے پڑھا تابع کس کو کہتے ہیں کہ فعل اس کو براہِ راست رفع نہیں دیتا بلکہ وہ اپنے ماقبل کے تابع ہوتا ہے۔ تو فعل صرف زید کو رفع دے رہا ہے اور تابع، تابع اس کا، وہ تو اپنے ماقبل کے تابع ہے، ماقبل میں زید جو معطوفٌ علیہ تھا اس پہ رفع تھا اس لیے تابع پر بھی کیا آگیا؟ رفع آگیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو فاعل ایک ہی ہوتا ہے، ہاں معنی کے اعتبار سے ٹھیک ہے دونوں فاعل ہیں لیکن لفظوں میں تو ایک ہی فاعل ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وہ عطف کے ذریعے چاہے دس فاعل آجائیں لیکن دس بھی دراصل وہ حرفِ عطف پھر سب کو ملا کر کیا کر دیتے ہیں؟ ایک ہی کرتے ہیں، الگ الگ نہیں آتے فاعل۔

▪ قولہ: «وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ الْمُ...» کی تشریح

«وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ يَجِبُ تَأْكِيدُهُ بِالضَّمِيرِ الْمُنْفَصِلِ» اور جب عطف کیا جائے ضمیرِ مرفوع متصل پر، کون سی ضمیر پر؟ مرفوع ہو اور متصل ہو، جب اس پر عطف کیا جائے «يَجِبُ تَأْكِيدُهُ» تو اس کی تاکید لانا واجب ہے «بِالضَّمِيرِ الْمُنْفَصِلِ» ضمیرِ منفصل کے ساتھ۔ بھائی دیکھیے بھائی، یہ جو فعل کے ساتھ ضمیریں ملی ہوتی ہیں چاہے بارز ہوں چاہے اندر چھپی ہوئی ہوں۔ مثلاً ضَرَبَ کے اندر ضمیر کبھی ہوتی ہے، کون سی؟ هُوَ۔ جب آگے فاعل اسمِ ظاہر نہیں ہوگا تو ضَرَبَ کے لیے فاعل چاہیے تو اسی میں کیا ہوگی؟ ضمیر ہوگی، تو یہ هُوَ کیا ہے؟ ضمیرِ متصل ہے، فعل کے ساتھ ہی جڑی ہوئی ہے، اس کے اندر ہی چھپی ہوئی ہے تو ضمیرِ متصل۔ اور کون سی ضمیر ہے؟ اعراب کیا ہے اس کا؟ مرفوع، کیونکہ یہ فاعل کی ضمیر ہے۔ تو یہ ہے ضمیرِ مرفوع متصل، ضمیرِ مرفوع متصل۔

تو ہر صیغے کے ساتھ اسی طرح ضمیر اس کے اندر چھپی ہوتی ہے یا اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ بعضوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہے جیسے ضَرَبَ کے اندر چھپی ہوئی ہے، اور ضَرَبْتَ وغیرہ میں دیکھو ساتھ جڑی ہوئی ہے یہ تا ضمیر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور یہ کون سی ضمیر ہے؟ مرفوع متصل۔ اس ضمیر پر اگر آپ عطف کرنا چاہیں، باقی عطف تو آسان تھے: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، تو دیکھو عمرو کا آسانی سے زید پر عطف ہو گیا۔ لیکن اس ضمیر پر عطف کے بارے میں ایک دو ضابطے تھے تو وہ مصنف اب ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ ان پر کیسے عطف کریں گے۔

مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں: ضَرَبْتُ، میں نے بھی پٹائی کی، اور اور کس نے کی؟ زید نے بھی پٹائی کی۔ تو گویا میں زید کا عطف کس پر کرنا چاہتا ہوں؟ اس ضَرَبْتُ کی تا ضمیر پر جو کہ مرفوع متصل ہے۔ تو یاد رکھو، یہ ضمیرِ مرفوع متصل، اس پر براہِ راست عطف نہیں کیا جاتا۔ ضمیرِ مرفوع متصل پر براہِ راست عطف نہیں کیا جاتا بلکہ دو چیزوں میں سے ایک چیز ہو تو پھر عطف کیا جائے گا۔ یا تو اسی ضمیر کی تاکید لے آؤ ضمیرِ مرفوع منفصل، یہ ہے مرفوع متصل اور کیا لے آؤ؟ مرفوع منفصل ضمیر لے آؤ۔ وہ اس کی وجہ سے اس میں تاکید اور زور پیدا ہو جائے گا۔ یہ خود ضمیر کمزور ہے، یہ ضمیرِ مرفوع متصل کیا ہے؟ کمزور۔ یہ الگ نہیں رہ سکتی۔ ضَرَبْتَ، یہ تا ضمیر ضَرَبَ سے الگ نہیں ہو سکتی۔ کبھی آپ نے تا ضمیر الگ دیکھی؟ نہیں، یہ جب بھی آئے گی کس کے ساتھ ملی ہو گی؟ فعل کے ساتھ ملی

ہو گی۔ ضَرَبْتُ، یہ تا ضمیر دیکھو، یہ اکیلی کمزور ہے، اکیلی نہیں رہ سکتی، یہ جب بھی آئے گی کس کے ساتھ آئے گی؟ فعل کے ساتھ فعل کے ساتھ جڑ کر آئے گی تو یہ کمزور ہے۔ لہٰذا اس پر براہِ راست عطف نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ہے کمزور۔

ضَرَبْتُ میں مثلاً میں ضَرَبْتُ کی تا ضمیر پر عطف کرنا چاہتا ہوں، کس کا؟ زید کا۔ تو لفظِ زید تو اکیلا آتا ہے، اس کو کسی کے ساتھ جڑنے کی ضرورت ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فعل لانا ضروری ہوتا ہے؟ نہیں، تو باقی جو اسمِ ظاہر ہیں وہ ہیں قوی، وہ ہیں قوی اور یہ ضمیرِ مرفوع متصل کیا ہے؟ کمزور۔ تو قوی کا عطف کمزور پر نہیں ہو سکتا۔ تو پھر کیا کریں؟ ہم نے عطف کرنا ہے، میں کہنا یہ چاہتا ہوں میں نے بھی پٹائی کی اور کس نے کی؟ زید نے، تو میں زید کا عطف کس پر کرنا چاہتا ہوں؟ تا ضمیر پر، اور تا ضمیر تو ہے ضعیف، اس پر تو عطف نہیں ہو سکتا براہِ راست، تو پھر دو چیزوں میں سے، دو کاموں میں سے ایک کام کر لیں پھر آپ عطف کر سکتے ہیں، ویسے نہیں۔ یا تو اسی ضمیرِ مرفوع متصل کی تاکید لے آؤ، کون سی ضمیر؟ مرفوع منفصل۔ جب پہلے ضمیرِ مرفوع متصل آئی اس کے بعد آپ اس کی تاکید لائے مرفوع منفصل، اب مرفوع منفصل وہ اس میں طاقت پیدا کر دے گی۔ اب آپ اس پر زید کا عطف کر سکتے ہیں، تو میں یوں کہوں گا: ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ. ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ. دیکھو، یہ وہی ضمیر ہے۔ ضَرَبْتُ کے آخر میں کون سی ضمیر ہے؟ تا، اور یہ تا کس کی ضمیر ہے؟ مت واحد متکلم کی، اور أَنَا بھی کس کی ضمیر ہے؟ واحد متکلم کی۔ یہ دونوں بالکل ایک چیز ہیں، صرف اتنا فرق ہے کہ وہ ضَرَبْتُ والی تا ضمیر مرفوع متصل ہے اور یہ أَنَا کیا ہے؟ مرفوع منفصل۔ تو جس کا مقام ہوتا ہے وہ ضمیر استعمال کرتے ہیں، متصل والے مقام پر متصل، منفصل والے مقام پر منفصل۔ تو یہاں پر اب متصل کے اوپر میں عطف کرنا چاہتا تھا تو اس کی تاکید کس کے ساتھ لے آئیں گے؟ منفصل کے ساتھ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح دیکھو بھائی، اسی طرح دیکھو، میں کہنا یہ چاہتا ہوں، میں عمرو کی باتیں کر رہا تھا آپ سے، کس کی باتیں؟ عمرو کی۔ اب میں آپ کو کہنا یہ چاہتا ہوں کہ عمرو نے بھی پٹائی کی اور زید نے بھی، تو میں یوں کہوں گا: ضَرَبَ عَمْرٌو وَزَيْدٌ. کس کی باتیں کر رہا ہوں؟ عمرو کی، میں آپ سے عمرو کی باتیں کر رہا ہوں اور میں آپ کو کیا بتانا چاہتا ہوں؟ کہ عمرو نے بھی پٹائی کی اور زید۔ تو ایک طریقہ یہ: ضَرَبَ عَمْرٌو وَزَيْدٌ، لیکن میں تو عمرو کی آپ سے باتیں پہلے سے ہی کر رہا تھا اور جس کی باتیں پہلے سے چل رہی ہوں بار بار اس کا نام نہیں ذکر کرتے۔ آپ بھی جب آپس میں کلام کرتے ہیں کسی کی بات چل رہی ہو تو ایک دفعہ نام ذکر کر دیتے ہیں پتہ لگ جاتا ہے اس کی بات چل رہی ہے، پھر دونوں آپس میں اس کے بارے میں جو بھی بات کرتے رہتے ہیں نام نہیں لیتے اور ضمیریں استعمال کرتے ہیں کہ اس نے پھر یوں کیا، اس نے پھر اس طرح کیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی جب عمرو کی بات آپ پہلے سے کر رہے ہیں اب اس کا نام دوبارہ استعمال نہیں کریں گے، اب آپ اس کی طرف ضمیر لوٹاتے ہیں اور ضمیر تو فعل ضَرَبَ استعمال کرتے ہیں اور آگے عَمْرٌو نہیں کہتے، اسی کے اندر کیا ضمیر لے آتے ہیں؟ هُوَ۔ ہاں، اور اب اسی هُوَ پر آپ زید کا بھی عطف کرنا چاہتے ہیں کہ اس یعنی عمرو اور زید دونوں نے پٹائی کی، آپ کہنا یوں چاہتے ہیں: ضَرَبَ هُوَ، اس ضَرَبَ کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ هُوَ، اور آگے آپ کہنا چاہتے ہیں: وَعَمْرٌو۔ تو ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے اور وہ کون سی ضمیر؟ مرفوع متصل۔ اس پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں کس کا؟ زید کا۔ اور جب آپ نے پڑھا ہے ضمیرِ مرفوع متصل پر عطف کرنا ہو تو اس کی تاکید لانا واجب ہے، کس کے ساتھ؟ مرفوع منفصل، اور مرفوع متصل ضمیر کون سی تھی؟ هُوَ، اور مرفوع منفصل بھی هُوَ ہی ہے، ضمیرِ مرفوع منفصل بھی هُوَ۔ تو کیسے اب کہیں گے؟ ضَرَبَ هُوَ وَزَيْدٌ، ضَرَبَ هُوَ وَزَيْدٌ.

اب آپ کو کوئی ساتھی آپ پر اشکال کرتا ہے کہ بھائی ضَرَبَ کے اندر تو هُوَ ضمیر پہلے ہی موجود ہے، یہ آگے آپ هُوَ کیوں لے کر آئے؟ تو آپ جواب دیں گے، اب آپ کو مسئلے کا پتہ چل گیا، آپ کہیں گے بھائی فاعل یہ والی هُوَ ضمیر نہیں ہے، فاعل تو اس کے اندر ہے، ابھی بھی وہ هُوَ ضمیر ہے لیکن وہ ہے مرفوع متصل، اور اس هُوَ پر میں عطف کرنا چاہتا تھا کس کا؟ اس زید کا، زید کا۔ اور وہ مرفوع متصل تو ہے کمزور، اس پر تو زید کا عطف نہیں ہو سکتا، تو اس کی میں تاکید لایا ہوں۔ یہ جو هُوَ ضمیر آپ کو نظر آ رہی ہے یہ اس ضمیر کی تاکید ہے، یہ مرفوع منفصل ہے اور وہ کیا ہے؟ مرفوع متصل ہے۔ تو زید کا عطف اس هُوَ پر نہیں ہے، زید کا عطف اس هُوَ پر ہے جو کس کے اندر چھپی ہوئی ہے؟ ضَرَبَ کے اندر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، زید کا عطف أَنَا پر نہیں ہے، أَنَا تو تاکید ہے کس کی؟ اس تا ضمیر کی، تو زید کا عطف اس تا ضمیر پر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

اسی طرح میں کہتا ہوں: ضَرَبْتَ وَزَيْدٌ، ضَرَبْتَ وَزَيْدٌ، اب اس میں زید کا عطف ضَرَبْتَ کی تا ضمیر پر کرنا چاہتا ہوں تو یہ تو ہے مرفوع متصل، مخاطب کی ہے نا، فاعل ہے، مرفوع متصل، اور مرفوع متصل پر جب بھی عطف کریں کیا ضروری؟ مرفوع منفصل کے ساتھ اس کی تاکید لازم ہے۔ تو اب اس کی مرفوع منفصل تاکید لے آؤ۔ ضَرَبْتَ کون سی ضمیر ہے؟ مخاطب کی، تو مخاطب کی مرفوع منفصل لے آؤ: أَنْتَ۔ تو کیا کہیں گے؟ ضَرَبْتَ أَنْتَ وَزَيْدٌ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

ترکیب بھی ذرا کرلیں: ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ. جی ترکیب کیجیے: ضَرَبْتُ فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع منفصل، آگے کیا آرہی ہے اس کی تاکید؟ تو پہلے اس کو مؤکد بناؤ: مرفوع منفصل مؤکد مؤکد۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں: مرفوع کیوں کہہ رہے ہو اس کو؟ آپ کیا کہیں گے؟ یہ فاعل ہے، یہ کیا ہے؟ فاعل۔ اچھا، تو ضَرَبْتُ مرفوع محلاً۔ ضَرَبْتُ کیسے کہیں گے؟ پھر کرو ترکیب: ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، ضَرَبْتُ فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاً، فاعل تو ہے وہ ابھی نہیں کہنا، مؤکد، مرفوع محلاً مؤکد، اور أَنَا ضمیر مرفوع محلاً تاکید، کیونکہ یہ بھی تابع ہے۔ آپ نے پڑھا ابھی تو اتبع پانچ ہیں ان میں سے ایک تاکید بھی ہے، تاکید کا بھی وہی اعراب ہوتا ہے جو کس کا ہوتا ہے؟ مؤکد کا۔ تو یہ أَنَا تاکید ہے تاضمیر کی، اور تاضمیر کیا تھی؟ مرفوع، تو یہ أَنَا بھی کیا ہے؟ مرفوع۔ تو أَنَا ضمیر مرفوع محلاً تاکید۔ مؤکد اپنی تاکید سے مل کر فاعل، ہاں ابھی اس کو معطوف بھی بنانا، معطوفٌ علیہ بنانا ہے کیونکہ آگے عطف، سب کچھ سب پہ آپ نے نظر رکھنی ہے، سب کچھ سمیٹ کر پھر آخر میں آپ نے جوڑنا ہے۔ تو مؤکد اپنی تاکید سے مل کر معطوفٌ علیہ، واو حرفِ عطف، زَيْدٌ مرفوع لفظاً معطوف۔ اب مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ معطوف ہے اور معطوف کا وہی اعراب ہوتا ہے جو معطوفٌ علیہ کا۔ اچھا، أَنَا کیوں مرفوع تھی؟ کیونکہ وہ تاکید تھی اور تاکید کا وہی اعراب ہوتا ہے جو کس کا ہوتا ہے؟ مؤکد۔ تو دیکھو آپ نے تین لفظ مرفوع پڑھے: ضَرَبْتُ کی تاضمیر بھی، أَنَا بھی، اور زَيْدٌ بھی۔ لیکن ہر ایک میں وجہ الگ الگ بتا رہے ہو: ضَرَبْتُ کی تاضمیر کیوں مرفوع؟ فاعل ہے۔ آگے أَنَا کیوں مرفوع؟ کیونکہ تاکید ہے، مؤکد تاکید کا اعراب ایک۔ اچھا، آگے زَيْدٌ کیوں مرفوع؟ کیونکہ وہ معطوف ہے اور معطوف اور معطوفٌ علیہ کا اعراب ایک ہوتا ہے بھائی، شاباش۔ تو زید ہوا معطوف، پھر معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے مل کر فاعل، اور فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ دیکھو ایک ہی فاعل آیا: فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ معنی کیا ہوگا: ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ؟ میں نے اور زید نے پٹائی کی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ ہاں، وہ أَنَا کی الگ معنی نہیں کرنا، وہ وہی پہلے کی تاکید ہے، بس اسی کو پکا کر رہی ہے، اسی میں زور پیدا کر رہی ہے۔

دوسری ترکیب کرو: ضَرَبْتَ أَنْتَ وَزَيْدٌ. ضَرَبْتَ فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاً مؤکد، آگے أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً تاکید، مؤکد اپنی تاکید سے مل کر معطوفٌ علیہ، آگے واو حرفِ عطف، زَيْدٌ مرفوع لفظاً معطوف، معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آئی؟ اگلی ترکیب کیجیے: ضَرَبَ هُوَ وَزَيْدٌ. اچھا پہلے ترجمہ کیجیے: ضَرَبْتَ أَنْتَ وَزَيْدٌ، تُو نے اور زید نے پٹائی کی، آپ نے اور زید نے پٹائی کی، آپ نے اور زید نے پٹائی کی۔ اگلا جملہ: ضَرَبَ هُوَ وَزَيْدٌ، جی: ضَرَبَ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً مؤکد، اور مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ اچھا، محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے۔ آگے هُوَ ضمیر مرفوع محلاً تاکید، جی، مؤکد اپنی تاکید سے مل کر معطوفٌ علیہ۔ اچھا یہ هُوَ والی هُوَ کیوں مرفوع؟ یہ تاکید ہے اور مؤکد اور تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے، وہ مرفوع تھا تو یہ بھی مرفوع۔ اچھا مؤکد اپنی تاکید سے مل کر معطوفٌ علیہ، واو حرفِ عطف، زَيْدٌ مرفوع لفظاً معطوف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ معطوف ہے اور معطوفٌ علیہ اور معطوف کا اعراب ایک ہوتا ہے، جی۔ معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ کیجیے: ضَرَبَ هُوَ وَزَيْدٌ، اس نے اور زید نے پٹائی کی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ جب بھی ضمیرِ مرفوع متصل پر عطف کرنا ہو تو واجب ہے کہ اس کی تاکید لائی جائے کس کے ساتھ؟ ضمیرِ مرفوع منفصل کے ساتھ۔ یا، یا، یا در میان میں فصل لے آئیں، جدائی لے آئیں، تھوڑا فاصلہ لے آئیں، کوئی لفظ بیچ میں لے آئیں تو پھر بغیر تاکید کے بھی عطف صحیح ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، میں کہنا چاہتا ہوں: ضَرَبْتُ وَزَيْدٌ، میں زید کا عطف کس پر کرنا چاہتا ہوں؟ ضَرَبْتُ کی تاضمیر پر، تو ایک صورت تو یہ ہے میں اس کی تاکید لے آؤں: ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ۔ دوسری صورت بھی ہے، دوسری صورت یہ کہ آپ أَنَا نہ لائیں بیچ میں، آپ کوئی اور لفظ بیچ میں لے آئیں، مثلاً اَلْيَوْمَ آج کا لفظ لے آؤ: ضَرَبْتُ الْيَوْمَ وَزَيْدٌ، تو دیکھو جب درمیان میں فصل لے آئیں تو پھر بغیر تاکید کے یہ عطف جائز ہے۔

وجہ کیا تھی؟ وجہ وہی ہے دیکھو، یہ ضَرَبْتُ کی تاضمیر کیا ہے؟ مرفوع متصل، اور یہ ضعیف ہوتی ہے، یہ کیا ہوتی ہے؟ ضعیف۔ جب اس پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں اسمِ ظاہر کا، اسمِ ظاہر ہوتا ہے قوی، وہ تو اکیلا رہ سکتا ہے یہ تو اکیلی نہیں رہ سکتی، تو یہ ہے ضعیف وہ ہے قوی، اور قوی کا عطف ضعیف پر صحیح نہیں، لہٰذا پھر کیا کرتے ہیں؟ اس کی تاکید لے آتے ہیں۔ جب تاکید لے آئے تو اس سے اس کمزور اس میں یوں کہیں اس میں قوت آگئی، جب اس میں قوت آگئی تو اب اس پر جب مرفوع متصل کی تاکید لے آئے تو اس میں کیا آگئی؟ قوت آگئی۔ جب قوت آگئی تو اب اس پر آپ عطف کر سکتے ہیں، قوی پر اب قوی کا عطف ہو جائے گا: ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ درمیان میں کوئی اور لفظ لے آؤ یعنی فصل کر دو، جدائی کر دو، کیا کہو؟ ضَرَبْتُ الْيَوْمَ وَزَيْدٌ، پٹائی کی آج میں نے اور زید نے، تو آج میں نے اور زید دونوں نے پٹائی کی، تو درمیان میں آپ اَلْيَوْمَ کا لفظ لے آئے۔ بھائی اب کیوں عطف جائز ہے؟ اب بھی

تو کس کا عطف ہو رہا ہے؟ قوی کا کس پر؟ ضعیف پر۔ جواب یہ کہ ہاں ٹھیک ہے، ضَرَبْتُ کی تا ضمیر ضعیف ہے لیکن جب درمیان میں اَلْیَوْمَ کا لفظ آ گیا تو وہ زید دور چلا گیا، جب دور چلا گیا تو اس کا ضعف چھپ گیا، اس کی کمزوری چھپ گئی جیسے دور سے چیز نظر نہیں آتی بھائی، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس کا ضعف نظر نہیں آ رہا، یہ چھپ گیا، جب چھپ گیا اب اس پر عطف کر دیں گے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ معلوم ہوا ضمیرِ مرفوع متصل پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں تو دو چیزوں میں سے ایک کام کرنا، دو کاموں میں سے ایک کام کرنا پڑے گا: یا تو آپ کیا لے آئیں؟ اس کی تاکید لے آئیں مرفوع منفصل کے ساتھ، یا درمیان میں کیا کر دیں؟ فصل کر دیں، کوئی اور لفظ لے آئیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ» اور جب عطف کیا جائے ضمیرِ مرفوع متصل پر «يَجِبُ تَأْكِيدُهُ» تو واجب ہے اس کی تاکید لانا «بِالضَّمِيرِ الْمُنْفَصِلِ» کس کے ساتھ؟ ضمیرِ منفصل کے ساتھ، «نَحْوُ: ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ» مثال کے طور پر: ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، «إِلَّا إِذَا فُصِلَ» فُصِّلَ ہے آپ کی کتابوں میں، صاد پر شد ہے، نہیں بھائی: فَصَّلَ يُفَصِّلُ تَفْصِيلًا کا معنی تو ہوتا ہے تفصیل بیان کرنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ بھئی یہاں ٹکڑے ٹکڑے نہیں کر رہے ہم، درمیان میں فصل کر رہے ہیں، جدائی کر رہے ہیں، بس دور کر رہے ہیں ایک دوسرے سے، تو لہٰذا مجرد ہونا چاہیے، یہ فُصِّلَ تو ثلاثی مزید ہے نا: فَصَّلَ يُفَصِّلُ تَفْصِيلًا باب تفعیل ہے، تو فُصِلَ ہونا چاہیے: فَصَلَ ثلاثی مجرد ہونا چاہیے، «إِلَّا إِذَا فُصِلَ» مگر یہ کہ جب ان میں جدائی کر دی جائے «نَحْوُ: ضَرَبْتَ الْيَوْمَ وَزَيْدٌ»۔ جی ترکیب کیجیے: ضَرَبْتُ فعل بافاعل، اب بتاؤ تا ضمیر مرفوع محلاً، جی، مؤکد؟ کہاں آگے کوئی تاکید آ رہی ہے أَنَا؟ فاعل ہے، تو فاعل ٹھیک ہے لیکن آگے معطوف آ رہا ہے تو اس کو کیا بناؤ؟ معطوفٌ علیہ۔ تو ضَرَبْتُ فعل بافاعل تا ضمیر مرفوع محلاً معطوفٌ علیہ، اَلْيَوْمَ منصوب لفظاً مفعول فیہ بھائی، ظرف ہے، اور واو حرفِ عطف، زَيْدٌ مرفوع لفظاً معطوف۔ معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ کیا ہو گا؟ پٹائی کی میں نے آج اور زید یعنی میں نے اور زید نے آج پٹائی کی۔

■ قولہ: «وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ يَجِب...» کی تشریح

«وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ يَجِبُ إِعَادَةُ حَرْفِ الْجَرِّ» بھائی یہ تو تھا ہم جب عطف کر رہے تھے ضمیرِ مرفوع متصل پر، کس پر؟ ضمیرِ مرفوع متصل پر، اور مرفوع متصل کون سی تھی؟ وہ فاعل تھی، فاعل کی ضمیر تھی۔ اب اگر ہم عطف کرنا چاہتے ہیں مجرور متصل پر، مجرور متصل کون سی ضمیر ہے؟ جس پر حرفِ جر داخل ہو: بِهِ، بِكَ، صورت سمجھ میں آئی؟ جس پر حرفِ جر داخل ہو، بِهِ، بِهِ کی ہا ضمیر بھی مجرور محلاً کیونکہ باجارہ داخل ہے، اسی طرح بِكَ وغیرہ۔ اب اس ضمیرِ مجرور پر آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ عطف کرنا چاہتے ہیں، پھر کہتے ہیں بھائی، پھر حرفِ جر کا اعادہ واجب ہے، حرفِ جر کا یعنی وہ جو حرفِ جر ضمیر پر داخل ہو رہا تھا اس کو آگے دوبارہ لائیں گے۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں: مَرَرْتُ بِهِ، مَرَرْتُ بِهِ، اور زید، زید کا عطف میں بِهِ کی ہا ضمیر پہ کرنا چاہتا ہوں تو پھر اعادۂ جار کریں گے یعنی اس حرفِ جر کو دوبارہ لائیں گے: مَرَرْتُ بِهِ وَبِزَيْدٍ۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ مَرَرْتُ بِهِ وَبِزَيْدٍ۔ ضمیرِ مجرور بھائی، ضمیرِ مجرور پر کیا کرنا چاہتے ہیں؟ عطف کرنا چاہتے ہیں، تو اب کیا کریں گے؟ تو انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ اس صورت میں حرفِ جر کا اعادہ کیا جائے گا بھائی، اعادہ کیا جائے گا۔

مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں: مَرَرْتُ بِكَ اور آگے میں گزرا بِكَ آپ پر، یہ کاف ضمیر کیا ہے؟ مجرور کیونکہ باجارہ داخل ہے۔ یا اسی طرح بِهِ کہہ لیں: مَرَرْتُ بِهِ، اور آگے میں زید کا عطف کرنا چاہتا ہوں اس ہا ضمیر پر، اور یہ کیا ہے؟ مجرور کیونکہ اس پر کیا داخل ہے؟ باجارہ۔ تو ضمیرِ مجرور پر جب عطف کرنا ہو تو پھر کیا کریں گے؟ کہتے ہیں بھائی اس صورت میں اعادۂ حرفِ جر کریں گے یعنی وہ حرفِ جر دوبارہ لائیں گے۔ مثلاً میں کیا کہنا چاہتا تھا: مَرَرْتُ بِكَ، اور آگے زید کا عطف کس پر کرنا چاہتا ہوں؟ اس کاف ضمیر پر، تو یہ کاف ضمیر پر کون سا حرفِ جر داخل ہے؟ با، مَرَرْتُ بِكَ، تو اس باحرفِ جر کو دوبارہ آگے زید پر بھی داخل کریں گے اور یوں کہیں گے: مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ۔ تو جار مجرور کا عطف جار مجرور پر ہو جائے گا۔ بِكَ معطوفٌ علیہ بنے گا اور بِزَيْدٍ جار مجرور یہ کیا ہو گا؟ معطوف بھائی۔ کیسے ترکیب ہو گی؟ مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ، میں آپ پر اور زید پر گزرا، جی ترکیب کیجیے: مَرَرْتُ فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، باجارہ، کاف ضمیر مجرور محلاً، مجرور کیوں؟ کیونکہ باجارہ داخل ہے، محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے، جی۔ جار مجرور مل کر معطوفٌ علیہ، واو حرفِ عطف، باجارہ، زَيْدٍ مجرور لفظاً، مجرور کیوں؟ کیونکہ باجارہ داخل ہے، جی۔ جار مجرور مل کر معطوف، واو حرف، اچھا، معطوف معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے مل کر یہ متعلق ہوئے کس سے؟ مَرَرْتُ فعل کے ساتھ، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ، میں آپ پر اور زید پر گزرا

یعنی میں آپ دونوں کے پاس سے گزرا بھائی۔

تو سوال پیدا ہوتا ہے، آپ نے ہمیں یہ بتایا کہ مجرور متصل جو ہے، مجرور بھی ہے دیکھو بِكَ کاف ضمیر اور متصل ہے با کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، آپ نے ہمیں بتایا کہ ضمیرِ مجرور پر جب کیا کریں؟ عطف کریں تو حرفِ جر کا اعادہ کریں گے۔ بھائی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ اس ضمیر کی تاکید کیوں نہیں لے آتے جیسے مرفوع متصل میں کیا کرتے تھے؟ تاکید لے آتے تھے اور پھر عطف کر دیتے تھے، یہاں آپ یہ نہیں کہتے کہ اس کی تاکید لے آؤ اور پھر اس پر کیا کر دو؟ عطف کر دو، بلکہ کیا کہتے ہیں؟ کہ اس حرفِ جر کا اعادہ کرو، دوبارہ اس کو لے کر آؤ۔ کہتے ہیں بھائی: ضمیرِ مجرور متصل ہی ہوتی ہے، منفصل ہے ہی نہیں۔ ضمیرِ مجرور متصل ہی ہوتی ہے، منفصل ہوتی ہی نہیں، اگر منفصل ہوتی تو ہم وہ تاکید لے آتے اور پھر عطف کرتے لیکن وہ ہے ہی کوئی نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ضمیرِ مجرور صرف کون سی ہے؟ متصل ہے، منفصل ہے ہی نہیں۔ مرفوع جو ہے مرفوع وہ منفصل بھی ہے اور متصل بھی، تو وہاں متصل کمزور تھی تو طاقت کے لیے قوت کے لیے ہم کیا لے آئے؟ ضمیرِ مرفوع منفصل۔ اسی طرح ضمیرِ منصوب متصل بھی ہے اور منفصل بھی ہے، لیکن ضمیرِ مجرور جو ہے صرف متصل ہوتی ہے، منفصل ہوتی ہی نہیں، لہٰذا یہاں تاکید کی بھی کوئی صورت اور کوئی گنجائش نہیں تو پھر اعادۂ حرفِ جر ہی کرنا پڑے گا۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ» اور جب عطف کیا جائے ضمیرِ مجرور پر «يَجِبُ إِعَادَةُ حَرْفِ الْجَرِّ» تو واجب ہے حرفِ جر کا اعادہ کرنا، اعادہ یعنی لوٹانا کہ اس کو دوبارہ لایا جائے، تو حرفِ جر کا اعادہ واجب ہے، «نَحْوُ: مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ» مثال کے طور پر: مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ۔ اور یاد رکھیے، یہ مذہب ہے بصرہ کے نحویوں کا۔ میں نے بتایا: بصرہ اور کوفہ، یہ دو شہر اور ان دونوں میں بڑے بڑے نحوی حضرات گزرے ہیں، بڑے بڑے جبال العلوم بھائی، علم کے پہاڑ تھے بھائی۔ تو جو بصرہ والے تھے ان کے اور جو کوفہ والے تھے ان نحویوں کے درمیان تقریباً سو سے کچھ اوپر مسائل ہیں، ان کے درمیان ان میں اختلاف تھا۔ تو یہ بھی انہی ایک مسائل، انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے۔ بصرہ والے کہتے ہیں کہ جب ضمیرِ مجرور متصل پر آپ عطف کریں تو حرفِ جر کا اعادہ واجب ہے، یہ کس کا مذہب ہے؟ بصرہ والے، جبکہ کوفہ والے کہتے ہیں: نہیں، بغیر اعادے کے بھی یہاں عطف کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں یوں کہو: مَرَرْتُ بِكَ وَزَيْدٍ، یوں کہہ سکتے ہیں، با دوبارہ لانے کی ضرورت نہیں، یہ کون کہتے ہیں؟ کوفہ والے کہتے ہیں۔ جیسے جیسے بھائی: صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، توجہ ہے؟ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ، عَلَى جارہ اور ہا ضمیر مجرور، اور اسی پر عطف ہے: وَآلِهِ۔ سمجھیں تو آل کا آل مجرور ہے یا نہیں؟ اور اس پر کوئی عَلَى دوبارہ داخل ہوا؟ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، یہ کوفہ والے کہتے ہیں حرفِ جر کو دوبارہ بھی لا سکتے ہیں اور اس کو اس کے بغیر بھی لا سکتے ہیں۔ تو صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَسَلَّمَ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، اور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ یوں بھی کہہ سکتے ہیں بھائی۔

جی آگے دیکھیے: «وَاعْلَمْ أَنَّ الْمَعْطُوفَ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ، أَعْنِي إِذَا كَانَ الْأَوَّلُ صِفَةً لِشَيْءٍ أَوْ خَبَرًا لِأَمْرٍ أَوْ صِلَةً أَوْ حَالًا، فَالثَّانِي كَذَلِكَ أَيْضًا» ۔ بھائی آپ کو اب ایک اور قیمتی بات بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں: یاد رکھو، یہ جو معطوف ہوتا ہے یہ معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ معطوف کس کے حکم میں؟ معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ یعنی اگر معطوفٌ علیہ کسی کی صفت ہے تو معطوف کا بھی وہی حکم، وہ بھی اس کی صفت ہوگی۔ اگر معطوفٌ علیہ جو ہے وہ خبر ہے تو معطوف بھی کیا ہوگی؟ اس کی خبر ہوگی۔ اگر معطوفٌ علیہ موصول کا صلہ ہے تو معطوف بھی کیا ہوگا؟ اسی موصول کا صلہ ہوگا۔ اسی طرح معطوفٌ علیہ اگر حال بن رہا ہے تو معطوف بھی کیا ہوگا؟ اسی ذوالحال سے حال بنے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

جیسے ابھی مثال گزری: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، زید کیا تھا؟ جَاءَ کے لیے فاعل تھا، تو عمرو کا بھی وہی حکم ہے، عمرو بھی جَاءَ کے لیے کیا ہے؟ فاعل ہے، یعنی جیسے آنے کا فعل زید نے کیا ہے اسی طرح آنے کا فعل عمرو نے بھی کیا ہے، تو معطوف کا دیکھو وہی حکم ہے۔ یا جیسے دیکھو: ضَرَبْتُ زَيْدًا وَبَكْرًا، یہ بَكْرًا کا عطف میں کس پر کر رہا ہوں؟ زید پر، اور زید ہے مفعول، اس پر ضرب واقع ہوئی ہے: ضَرَبْتُ زَيْدًا، تو زید مفعول ہے تو بَكْرًا کا جب اس پر عطف ہے وہ بھی کیا ہوا؟ مفعول، یعنی اس پر بھی یہ پٹائی واقع ہوئی ہے۔ خلاصۂ کلام کیا ہوا؟ کہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو کس کا ہوتا ہے؟ معطوفٌ علیہ کا۔ یعنی معطوفٌ علیہ اگر خبر ہے تو معطوف بھی خبر، اگر معطوفٌ علیہ فاعل ہے تو معطوف بھی فاعل، معطوفٌ علیہ اگر مفعول ہے تو معطوف بھی مفعول ہوگا اسی طرح ہر جگہ بھائی۔

تو لہٰذا ضابطہ یہ ہوا کہ جہاں معطوفٌ علیہ کی جگہ معطوف کو رکھنا جائز ہو تو عطف بھی جائز ہوگا ورنہ عطف جائز نہیں ہوگا۔ کیا حاصلِ کلام ہوا؟ کہ معطوف جو ہے، ماقبل میں جو آیا وہ کیا ہے؟ معطوفٌ علیہ، اور مابعد میں جو ہے وہ ہے معطوف۔ تو جہاں پر بھی معطوفٌ علیہ کی جگہ معطوف کو رکھنا جائز ہو تو عطف بھی جائز ہے ورنہ نہیں۔ پہلے کون آیا؟ معطوفٌ علیہ، اور آگے کون آرہا ہے؟ معطوف، جس کا آپ عطف کرنا چاہتے ہیں تو طریقہ اس کا یہ ہے کہ معطوفٌ علیہ کو اٹھائیں اس جگہ سے ختم کر دیں اس لفظ کو اور وہاں معطوف رکھ دیں۔ تو اگر رکھنا صحیح ہے تو عطف بھی صحیح، جیسے: جَاءَنِي زَيْدٌ، اس زید پر

میں کس کا عطف کرنا چاہتا ہوں؟ عمرو کا، تو ذرا لفظِ زید کو ہٹاؤ اور عمرو رکھو: جَاءَنِي عَمْرٌو، رکھنا صحیح ہے؟ اگر رکھنا صحیح ہے تو عطف بھی صحیح ہو گا، لہٰذا اب آپ کہہ سکتے ہو: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کیا ضابطہ ہوا؟ کہ معطوفٌ علیہ کا لفظ ہٹا دو اور اس کی جگہ کون سا لفظ رکھ دو؟ معطوف رکھ دو، اگر بات صحیح بنتی ہے تو معلوم ہوا عطف بھی جائز ہے۔ تو جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو بھی صحیح ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یا مثلاً میں کہتا ہوں: ضَرَبْتُ زَيْدًا وَبَكْرًا، تو میں بکر کا عطف کس پر کرنا چاہتا ہوں؟ زید پر، اور زید ہے مفعول بہ، تو بکر تو زید کو ذرا ہٹائیں اور اس کی جگہ بکر اس کی جگہ بکر کا لفظ رکھیں: ضَرَبْتُ بَكْرًا، معنی صحیح ہے؟ تو معلوم ہوا عطف بھی صحیح ہے، لہٰذا اب میں کہہ سکتا ہوں: ضَرَبْتُ زَيْدًا وَبَكْرًا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ جہاں پر معطوفٌ علیہ کو اٹھا کر اس کی جگہ معطوف کا رکھنا صحیح ہو تو وہاں پر عطف بھی جائز ہو گا، اور اگر رکھنا صحیح نہیں تو عطف بھی جائز نہیں۔

دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ» جان لے «أَنَّ الْمَعْطُوفَ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ» کہ معطوف جو ہے معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ بھائی کیا معنی معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوتا ہے؟ کہتے ہیں: «أَعْنِي إِذَا كَانَ الْأَوَّلُ صِفَةً لِشَيْءٍ أَوْ خَبَرًا لِأَمْرٍ أَوْ صِلَةً أَوْ حَالًا، فَالثَّانِي كَذَلِكَ أَيْضًا» میری مراد یہ ہے کہ اگر پہلا یعنی کون؟ پہلے کون ہوتا ہے؟ معطوفٌ علیہ، «صِفَةً لِشَيْءٍ» اگر وہ کسی چیز کی صفت ہے «أَوْ خَبَرًا لِأَمْرٍ» یا کسی امر کی، کسی چیز کی خبر ہے، امر کا معنی بھی چیز بھائی، یا کسی چیز کی خبر ہے «أَوْ صِلَةً» یا کسی کا صلہ ہے «أَوْ حَالًا» یا کسی سے حال ہے، یہ کون؟ معطوفٌ علیہ، «فَالثَّانِي كَذَلِكَ أَيْضًا» تو دوسرا یعنی معطوف بھی اسی طرح ہے، ہو گا یعنی وہ بھی صفت یا خبر ہو گا یا صلہ یا حال بھائی۔ اچھا، ضابطہ اس میں یہ ہے کہ «أَنَّهُ حَيْثُ يَجُوزُ أَنْ يُقَامَ الْمَعْطُوفُ مَقَامَ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ جَازَ الْعَطْفُ، وَحَيْثُ لَا فَلَا» ضابطہ اس میں یہ ہے کہ «حَيْثُ يَجُوزُ» کہ جہاں جائز ہو، حیث جہاں، «حَيْثُ يَجُوزُ» جہاں یہ جائز ہو «أَنْ يُقَامَ الْمَعْطُوفُ مَقَامَ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ» کہ قائم مقام کیا جا سکے معطوف کو کس کے؟ معطوفٌ علیہ کے، «جَازَ الْعَطْفُ» تو عطف بھی جائز ہو گا، «وَحَيْثُ لَا» اور جہاں نہیں «فَلَا» تو وہاں جائز بھی نہیں، یعنی جہاں معطوف کو معطوف کی جگہ رکھنا جائز نہیں تو وہاں عطف بھی جائز نہیں بھائی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

▪ قولہ: «وَالْعَطْفُ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِ...» کی تشریح

«وَالْعَطْفُ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ جَائِزٌ إِنْ كَانَ الْمَعْطُوفُ عَلَيْهِ مَجْرُورًا مُقَدَّمًا، وَالْمَعْطُوفُ كَذَلِكَ» بھائی یاد رکھیے، یہ حرفِ عطف کے ذریعے ایک چیز کا عطف کیا جاتا ہے دوسری چیز پر، توجہ ہے ادھر؟ دیکھیے بھائی: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، میں نے ایک چیز یعنی زید اس میں میں نے ایک چیز یعنی عمرو اس کا عطف کس پر کیا؟ زید پر۔ تو حرفِ عطف کے ذریعے ایک چیز کا عطف کیا جاتا ہے دوسری چیز پر، یا یوں کہیں ایک معمول کا عطف کیا جاتا ہے کس پر؟ دوسرے معمول پر۔ معمول اور عامل جانتے ہو یا نہیں؟ ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ ہے عامل، عمل کر رہا ہے اور زَيْدٌ ہے معمول کیونکہ اس کو رفع کون دے رہا ہے؟ ضَرَبَ۔ تو یہ جن جن پر رفع، نصب، جر آپ ابھی تک پڑھتے چلے آرہے ہیں ان سب میں کوئی نہ کوئی چیز عمل کرتی ہے جو ان کو رفع دیتی ہے یا نصب یا جر۔ تو جو رفع یا نصب یا جر دینے والی چیزیں ہیں وہ ہیں عامل، اور جن کو رفع، نصب یا جر دیا گیا وہ ہیں معمول، معمول۔ تو ابھی تک یہ جتنے آپ نے مرفوعات پڑھے وہ آٹھ، اس کے بعد جتنے آپ نے منصوبات پڑھے بارہ، اور جتنے مجرورات پڑھے یعنی وہ ایک یا اس کی دو قسمیں کہہ لیں، یہ ساروں میں کوئی نہ کوئی عامل تھا یا خود بخود رفع، نصب آجاتے تھے؟ عامل ہوتا تھا۔ تو جو عمل کرنے والا ہے، رفع، نصب یا جر دینے والا ہے وہ ہے عامل، اور جس کو رفع، نصب یا جر دیا گیا وہ ہوا معمول۔ تو فاعل بھی کیا ہے؟ معمول ہے، اور فعل اس کا عامل ہے۔

تو یاد رکھیے، یہ جو حرفِ عطف ہے اس کے ذریعے عطف کیا جاتا ہے ایک چیز کا، ایک معمول پر: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، یہ زَيْدٌ کون ہے؟ معمول ہے، اس کو رفع کون دے رہا ہے؟ جَاءَ، صورت سمجھ میں آگئی۔ جَاءَنِي، توجہ ہے؟ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ اچھا، اور یاد رکھو، یاد رکھو، یہ جو حرفِ عطف ہوتا ہے یہ اس عامل کا نائب ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ اس عامل کا بھائی بادشاہ ہوتا ہے، بادشاہ ملک میں حکومت کرتا ہے، احکامات جاری کرتا ہے لیکن جب وہ ملک سے باہر جاتا ہے تو کیا کرتا ہے؟ کسی کو اپنا نائب بنا دیتا ہے، یا جب وہ کسی دوسرے شہر میں ہے تو وہاں سے اس کے احکامات اس شہر میں نافذ کرنے کے لیے اس شہر پہ وہ اپنا نائب قائم کرتا ہے، حاکم دوسرا بناتا ہے یا نہیں بناتا؟ ہر شہر پہ وہ اپنا نائب بنا دیتا ہے جو کیا کرتا ہے بادشاہ کے حکموں کو نافذ کرتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اسی طرح یہاں پر بھی: جَاءَنِي زَيْدٌ، یہ جَاءَ کیا چاہتا ہے؟ زید کو رفع دے رہا ہے، تو زید تو اس کے قریب ہے اس کو اس نے رفع دے دیا، آگے عَمْرٌو کو رفع دینا چاہتا ہے، وہ دور ہے تو یہ واو کو اپنا نائب بنا دیتا ہے درمیان میں اور اس جَاءَ کی جگہ یہ واو عمل کرتا ہے اور کیا کرتا ہے؟ رفع، یہ گویا اس کا نائب ہے، گویا کہ اس کا نائب ہے نائب۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، زید کو رفع کس نے دیا؟ جَاءَ نے، اور عَمْرٌو کو رفع کس نے دیا؟ واو نے۔ تو یہ جو حرفِ عطف ہے گویا یہ

یہ نائب ہوتا ہے کس کا؟ عامل کا۔

دوبارہ دہرائیں: حرفِ عطف کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ ایک معمول کا عطف کیا جاتا ہے کس پر؟ دوسرے معمول پر، اور یہ حرفِ عطف اس عامل کا کیا ہوتا ہے؟ نائب ہوتا ہے۔ تو جیسے زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ جَاءَ نے، اسی طرح عَمْرٌو کو رفع کس نے دیا؟ واو نے دیا، یہ واو نائب ہے اس جَاءَ کا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ وہ اس نے رفع دے دیا تھا زید کو، اور عَمْرٌو تو ہے دور تو اس نے کس کو اپنا نائب بنا دیا؟ واو کو، اس واو نے آگے کیا کیا؟ رفع دے دیا۔ تو دیکھو یہاں پر حرفِ عطف کے ذریعے ایک معمول کا عطف کتنے پر ہو رہا ہے؟ ایک معمول پر۔

کبھی کبھار یاد رکھو ایک ہی حرفِ عطف کے ذریعے دو معمولوں کا دو معمولوں پر عطف کیا جاتا ہے۔ یہ تو صورت تھی نا ایک معمول کا عطف تھا کس پر؟ ایک معمول پر، اور کبھی دو معمولوں کا عطف کس پر ہوتا ہے؟ دو معمولوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا، میں نے زید کو فاضل جانا، وَبَكْرًا عَالِمًا، اور بکر کو میں نے عالم جانا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا، عَلِمْتُ فعل بافاعل، زَيْدًا منصوب لفظاً مفعولِ اول، میں نے زید کو جانا، کیا جانا؟ فَاضِلًا، یہ کیا ہے؟ مفعولِ ثانی۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ زَيْدًا مفعولِ اول اور فَاضِلًا مفعولِ ثانی۔ اب انہی پر میں آگے عطف کرتا ہوں واو کے ذریعے بھائی: وَبَكْرًا عَالِمًا، بکر کا عطف کس پر؟ زید پر، اور عَالِمًا کا عطف کس پر؟ فاضلاً پر، اور حرفِ عطف درمیان میں ایک ہی لایا، تو دو معمولوں کا عطف کیا میں نے کس پر؟ دو معمولوں پر، کس کے ذریعے؟ ایک ہی حرفِ عطف کے ذریعے۔ توجہ ہے؟ عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا وَبَكْرًا عَالِمًا، تو عَلِمْتُ ہے عامل، فعل ہے نا یہ عمل کر رہا ہے، تا ضمیر کو رفع دے رہا ہے، زَيْدًا کو نصب دے رہا ہے مفعولِ اول، فَاضِلًا کو بھی نصب یہ مفعولِ ثانی، اور اسی پر عطف کر رہا ہوں واو کے ذریعے میں دو معمولوں کا اور وہ کیا؟ بَكْرًا عَالِمًا، بکر کا عطف کس پر؟ زید پر، اور عَالِمًا کا عطف کس پر؟ فاضل پر، تو میں دو معمولوں کا عطف کر رہا ہوں۔ یہ دو معمول ہیں کہ عامل ہیں؟ معمول ہیں نا، ان کو پیچھے عَلِمْتُ نصب دے رہا تھا، تو دو معمولوں کا میں عطف کر رہا ہوں کس پر؟ دو معمولوں پر، کس کے ذریعے؟ ایک حرفِ عطف کے ذریعے۔ کہتے ہیں یہ جائز ہے کب؟ جب عامل ایک ہی ہو، جب عامل ایک ہی ہو۔ عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا، یہ زَيْدًا کو نصب کس نے دیا؟ عَلِمْتُ نے، اور یہ فَاضِلًا کو نصب بھی کس نے دیا؟ عَلِمْتُ نے ہی، تو ایک ہی عامل ہے دونوں کو نصب دینے والا۔ توجہ ہے؟ ایک ہی عامل ہے جب دونوں کو نصب دینے والا تو پھر ایک ہی حرفِ عطف کے ذریعے ان دونوں پر عطف بھی جائز ہے: وَبَكْرًا عَالِمًا۔ توجہ ہے؟ میں کیا کر رہا ہوں؟ دو معمولوں کا دو معمولوں پر عطف کر رہا ہوں اور ایک ہی حرفِ حرفِ عطف کے ساتھ، اور یہ جائز ہے جبکہ عامل ایک ہی ہو۔ یہ جائز ہے جب عامل ایک ہو۔

وجہ یہ، ابھی میں نے وجہ ذکر تو کر دی کہ یہ جو حرفِ عطف ہوتا ہے یہ عامل کا نائب ہوتا ہے، حرفِ عطف کیا ہوتا ہے؟ عامل کا نائب ہوتا ہے۔ تو جب عامل ایک ہی ہے تو یہ اس ایک کا ہی نائب بنا، دو کا تو نائب نہیں نا بنا؟ عطف بیشک دو چیزوں کا دو پر کر رہے ہیں لیکن یہ نائب معمول کا ہوتا ہے یا عامل کا ہوتا ہے؟ یہ عامل کا نائب ہوتا ہے، عَلِمْتُ کا یہ نائب ہے اور وہ ایک کا نائب تو یہ بن سکتا ہے لہٰذا دو کا دو پر عطف بھی جائز ہو جائے گا کیونکہ ایک کا معمول اس کو اس کو ایک کا نائب بننا پڑا اور یہ کمزور ہے لیکن ایک کا نائب بن جائے گا، ایک کا جب نائب بن گیا تو دو کا عطف دو پر بھی کر سکتے ہو کیونکہ ان دونوں میں عامل کون ہے؟ ایک ہی چیز ہے۔ صورت سمجھ میں آئی؟

اس کو کہتے ہیں، اس کو کہتے ہیں، ادھر دیکھیے، جملہ کیا تھا؟ عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا وَبَكْرًا عَالِمًا، میں نے اس واو کے ذریعے دو معمولوں کا عطف کیا کس پر؟ دو ایسے معمولوں پر جن کے اندر عامل ایک ہی ہے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ اس کو کہتے ہیں عطف، عطف کس کا؟ معمولین، کس کا؟ دو معمولین کا، اور وہ دو معمول کس کے ہیں؟ عَامِلٍ وَاحِدٍ، کس کے ہیں؟ ایک ہی عامل کے ہیں: «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ»۔ معمولین دو معمولوں کا «عَطْفُ مَعْمُولَيْنِ» اور وہ دو معمول کس کے ہیں؟ عَامِلٍ وَاحِدٍ، تو معمولین کی اضافت کر دو عامل واحد کی طرف، نون گر جائے گا نون گر جائے گا: «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ»، «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ»، عطف کرنا کس پر؟ «عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ» ایک ہی عامل کے دو معمولوں پر بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ علی کا لفظ بھی ہے بیچ میں بھائی: «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ» کیونکہ حرفِ عطف کیا ہوتا ہے؟ عامل کا نائب ہوتا ہے اور جب عامل واحد ہے تو یہ اس کا نائب بن سکتا ہے، معمول بیشک دو ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ معمولوں کا نائب نہیں بنتا، یہ کس کا نائب بنتا ہے؟ عامل اور عامل تو ایک ہی ہے تو یہ ایک کا نائب بن جائے گا۔ لہٰذا حاصلِ کلام یہ ہوا کہ «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ» جائز ہے۔

کیا ضابطہ ہوا؟ ذرا زبان سے دہراؤ بھائی، یہ بار بار آئیں گے آپ نے خود دہرانے ہیں بھائی: «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ»، پھر دہراؤ:

«عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ»، یہ جائز ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

لیکن اگر ہو «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ»، دو مختلف عاملوں کے دو معمول ہیں ان پر آپ واو کے ذریعے عطف کرنا چاہتے ہیں، اب صورت مختلف ہوگئی۔ پہلے دو معمولوں کا عطف تھا دو معمولوں پر لیکن ان میں عامل کیا تھا؟ ایک، اب صورت آئے گی دو معمولوں کا عطف ہے دو معمولوں پر لیکن دونوں کے اندر عامل الگ الگ ہیں، تو کیا یہ بھی جائز ہے یا جائز نہیں؟ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یاد رکھیے جمہور کے نزدیک اگر آپ دو ایسے معمولوں کا عطف دو ایسے معمولوں پر کرنا چاہتے ہیں جن کے عامل کیا ہیں؟ مختلف ہیں، الگ الگ ہیں، تو پھر صرف اس صورت میں یہ عطف جائز ہے جب مجرور مقدم ہو، جب کیا ہو؟ مجرور مقدم ہو پھر جائز ہے، ویسے جائز نہیں۔

اچھا بھائی، بھائی پہلے وہ ترکیب کر لیں، ہم نے ایک جملہ ابھی ذکر کیا تھا: عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا وَبَكْرًا عَالِمًا، یہ مثال ذرا اپنے سامنے لکھ لو، اس کی بھی ترکیب کر لیتے ہیں۔ یہ مثال لکھو بھائی: عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا، جلدی جلدی لکھو بھائی: عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا وَبَكْرًا عَالِمًا۔ اچھا، اس کا اوپر نام بھی لکھ لو: «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ»، «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ»، عامل میم لام کے نیچے دو زیر ہوں بھائی، «عَامِلٍ وَاحِدٍ»۔ ہاں، عاملین کیوں لکھا ہے بھائی؟ عامل۔ اچھا، کیا لفظ ہوگا؟ «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ»، «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ»، عطف کرنا کس پر؟ «عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ» ایک ہی عامل کے دو معمولوں پر بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ علی کا لفظ بھی ہے بیچ میں بھائی: «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ»۔

عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا وَبَكْرًا عَالِمًا، ترکیب کیجیے: عَلِمْتُ فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، آگے زَيْدًا منصوب لفظاً مفعول بہ ہے لیکن آگے عطف بھی ہو رہا ہے اس پر، تو منصوب لفظاً معطوفٌ علیہ، معطوفٌ علیہ۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ مفعولِ اول ہے، مفعولِ اول۔ آگے عَالِمًا، فَاضِلًا، فَاضِلًا منصوب لفظاً مفعولِ ثانی ہے، مفعولِ ثانی ہے لیکن پہلے آگے اس پر عطف بھی ہو رہا ہے، معطوفٌ علیہ بناؤ، تو فَاضِلًا منصوب لفظاً معطوفٌ علیہ بھائی، اور منصوب کیوں؟ مفعول نہ کہو، پوری بات کرو کیونکہ یہ مفعولِ ثانی ہے۔ زید ہے مفعولِ اول اور عالم ہے مفعولِ ثانی، یاد رکھو مفعولِ اول بالکل اور چیز ہے مفعولِ ثانی اور، ہیں تو مفعول ہی لیکن دونوں الگ الگ ہیں بھائی، اور ان کی جگہیں بدلو گے تو معنی بھی سارا بدل جاتا ہے بھائی۔ تو زَيْدًا ہوا مفعولِ اول اور عَالِمًا ہوا مفعولِ ثانی، اور یہ دونوں کیا ہیں؟ معطوفٌ علیہ۔ واو حرفِ عطف، بَكْرًا منصوب لفظاً اور اس کا عطف کس پر ہے؟ زَيْدًا پر، اور عَالِمًا منصوب لفظاً اس کا عطف کس پر؟ فَاضِلًا پر بھائی۔ تو یہ دونوں مفرد ہیں ان کا دو پیچھے جو مفرد گزرے ان پر عطف ہے، تو وہ معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے ملیں گے اور زَيْدًا مفعولِ اول بن جائے گا اپنے معطوف سے مل کر، اور عَالِمًا اور اور فَاضِلًا مفعولِ ثانی بن جائے گا معطوف سے مل کر۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ پھر فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو یہ کیا صورت ہوئی؟ اس کو کیا کہتے ہیں؟ اس کا کیا نام ہے؟ «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ»، عطف کرنا کس پر؟ «عَلَى مَعْمُولَيْ» دو معمولوں پر، کس کے دو معمول؟ «عَامِلٍ وَاحِدٍ»، عطف کرنا ایک ہی عامل کے دو معمولوں پر، یہ جائز ہے کیونکہ یہ حرفِ عطف کیا ہوتا ہے؟ عامل کا نائب ہوتا ہے تو یہ ایک کا نائب آرام سے بن سکتا ہے، یہ ضعیف ہے لیکن ایک کا نائب بن جائے گا۔ تو یہاں پر یہ جو واو ہے یہ کس کا نائب ہے؟ عَلِمْتُ کا، صرف ایک کا نائب ہے اور یہ۔

لیکن اگر عامل دو مختلف ہوں، عامل کیا ہوں؟ عامل مختلف ہوں اس کو کہتے ہیں «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ»۔ جی یہ لفظ بھی لکھ لیں ذرا اپنے سامنے بھائی، بلکہ یہ آپ کی کتاب میں لکھے ہوں گے، کیا لفظ ہے؟ «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ»۔ بھائی عَامِلٍ وَاحِدٍ کی جگہ کیا آگیا؟ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ۔ اگر دونوں عامل الگ الگ ہیں، بھائی ادھر دیکھیے، آپ عطف کرنا چاہتے ہیں دو معمولوں پر، کس پر؟ دو معمولوں پر، لیکن وہ دو معمول ایسے ہیں کہ ان کے عامل الگ الگ ہیں، ایک میں کوئی اور عمل کر رہا ہے تو دوسرے میں کوئی اور عمل کر رہا ہے، تو یہ عطف ہوا کس پر؟ معمولین پر، دو معمولوں پر، اور وہ معمول کس کے ہیں؟ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ، مختلف عاملوں کے، تو «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ»، اس میں پھر تفصیل ہے بھائی۔ اس کے لیے ایک مثال ذرا اپنے سامنے لکھیں بھائی:

«أَتَحْسَبُ» یہ شروع میں ہمزہ استفہام کا ہے، الف کی صورت میں لکھیں گے: أَ، اوپر ہمزہ بھی ڈالیں الف پر، «أَتَحْسَبُ» تا دو نقطوں والی، ح، س، ب: أَتَحْسَبُ، کیا تو خیال کرتا ہے؟ کیا تو گمان کرتا ہے؟ اچھا، «أَتَحْسَبُ كُلَّ سَوْدَاءَ»، «كُلَّ» کاف اور لام اور لام پر شد ڈالیں: أَتَحْسَبُ كُلَّ سَوْدَاءَ، بھائی الف نہیں ساتھ لکھنا، كُلَّ، كُلَّ صرف زبر بھائی، ہاں: أَتَحْسَبُ كُلَّ سَوْدَاءَ، س، و، د، االف اور پھر ہمزہ، اور ہمزہ پر زبر: أَتَحْسَبُ كُلَّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً، تَمْرَةً، گول تا ہے آخر میں، ت، م، ر، اور گول تا اور دو زبر ڈالیں اوپر: «أَتَحْسَبُ كُلَّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً»، کیا تو سمجھتا ہے ہر کالی چیز کو

کھجور؟ معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ تمرہ کھجور کو کہتے ہیں، سوداء کالی چیز بھائی: أَتَحْسَبُ كُلَّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً، کیا تو ہر کالی چیز کو کھجور سمجھتا ہے؟ «وَبَيْضَاءَ»، وَ بَيْضَاءَ، ب، ی، ض، الف اور ہمزہ، ب، ی، ض، الف اور ہمزہ، بیضاء ابیض سے ہے، ابیض سفید کو کہتے ہیں: «وَبَيْضَاءَ شَحْمَةً»، ش، ح، ش، ح، م، اور گول تا: شَحْمَةً۔ بیضاء سفید چیز، بیضاء مؤنث ہے ابیض کی بھائی جیسے سوداء مؤنث ہے اسود کی بھائی۔ اچھا، تو بیضاء سفید چیز، شَحْمَةً چربی، اور ہر سفید چیز کو چربی۔ کیا تو ہر کالی چیز کو کھجور سمجھتا ہے اور ہر سفید چیز کو چربی؟ یعنی ایسا نہیں ہے، ہر کالی چیز کھجور نہیں ہو سکتی وہ کوئی نقصان دہ چیز بھی ہو سکتی ہے، اور ہر سفید چیز چربی نہیں ہوتی وہ کوئی نقصان دہ چیز بھی ہو سکتی ہے، یا جیسے اردو میں کہتے ہیں: ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی بھائی، ہر چمکنے والی چیز سونا تو یہ اسی معنی میں عربی میں استعمال ہوتا ہے، جب کوئی شخص کسی چیز کے بارے میں گمان کچھ کرے اور وہ کچھ اور نکلے تو پھر کہتے ہیں بھائی: «أَتَحْسَبُ كُلَّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَبَيْضَاءَ شَحْمَةً» بھائی۔

اب دیکھیے بھائی، بَيْضَاءَ اس کا عطف ہے سَوْدَاءَ پر، واو حرفِ عطف ہے، جملے پہ نظر ہے؟ واو حرفِ عطف ہے، بَيْضَاءَ کا عطف ہے کس پر؟ سَوْدَاءَ پر، اور سَوْدَاءَ ہے مجرور، توجہ ہے؟ سَوْدَاءَ مجرور ہے، کیوں مجرور؟ کیونکہ اس پہ لفظِ كُلٌّ داخل ہے، اور كُلٌّ مضاف ہوتا ہے اور مابعد مضافٌ الیہ۔ کل کا معنی ہے ناسارا، کیا چیز ساری؟ آگے مضاف الیہ آتا ہے بھائی۔ تو یہ سَوْدَاءَ کیا ہے؟ مضافٌ الیہ، مجرور ہے۔ آپ کہیں گے اس پر تو نصب آرہا ہے، بھائی وہ سولہ قسمیں بھول گئے؟ کس کا جر نصب کی صورت میں آتا تھا؟ غیر منصرف، یہ سَوْدَاءَ غیر منصرف ہے بھائی، سمجھ میں آیا؟ اس کے آخر میں الفِ تانیث آرہا ہے اور آپ نے پڑھا ہے الفِ تانیث دو سببوں کے قائم مقام ہے، تو اس سَوْدَاءَ پر اس لیے جر نہیں آیا۔ تو سَوْدَاءَ کیا ہوا؟ مجرور، اس کے اندر عامل کون؟ كُلٌّ، جو مضاف ہے۔ مضاف عمل کرتا ہے نا، مضاف الیہ کو کیا دیتا ہے؟ جر۔ تو بَيْضَاءَ کا عطف ہوا سَوْدَاءَ پر، اور سَوْدَاءَ میں عامل کون؟ كُلٌّ۔ اور شَحْمَةً کا عطف کس پر ہوا؟ تَمْرَةً پر، اور تَمْرَةً ہے منصوب تو شَحْمَةً بھی ہے منصوب۔ اور یہ تَمْرَةً میں کون عامل ہے؟ کہتے ہیں اس میں عامل ہے تَحْسَبُ۔ ہمزہ استفہام کے لیے ہے: أَتَحْسَبُ کیا تو یہ خیال کرتا ہے؟ كُلَّ سَوْدَاءَ کہ ہر کالی چیز جو ہے تَمْرَةً وہ کیا ہے؟ کھجور۔ تو یہ مفعولِ ثانی ہے، یہ تَحْسَبُ دو مفعول چاہتا ہے، کتنے مفعول؟ دو، ایک ہے كُلَّ اور آگے سَوْدَاءَ ہے مضاف الیہ، تو پہلا مفعول کیا ہوا؟ كُلَّ سَوْدَاءَ، اور دوسرا مفعول ہوا تَمْرَةً، ٹھیک ہے؟ تو اسی لیے كُلَّ منصوب ہے کیونکہ یہ مفعولِ اول ہے تَحْسَبُ کے لیے اور آگے سَوْدَاءَ وہ تو مضاف الیہ ہے بھائی، اور اسی طرح تَمْرَةً کیا ہے؟ مفعولِ ثانی۔ تو تَمْرَةً میں عامل کون؟ تَحْسَبُ۔

تو اب دیکھیے بھائی، بَيْضَاءَ کا عطف کس پر؟ سَوْدَاءَ پر، اور شَحْمَةً کا عطف کس پر؟ تَمْرَةً پر، تو یہ عطف ہوا کس پر؟ دو معمولوں پر: سَوْدَاءَ پر بھی عطف وہ بھی معمول ہے، تَمْرَةً پر عطف وہ بھی معمول، تو دو معمولوں پر عطف ہوا ایک ہی حرفِ عطف کے ذریعے دو معمولوں پر، اور وہ معمول کس کے ہیں؟ ایک ہی عامل کے ہیں یا دو مختلف عاملوں کے ہیں؟ دو مختلف عاملوں کے، تو یہ ہوا «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ»۔ زبان سے دہراؤ بھائی: «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کیا یہ جائز ہے یا جائز نہیں؟ کہتے ہیں بھائی دیکھیے، دیکھیے، یہ وہ جو حرفِ عطف ہے یہ نائب ہوتا ہے کس کا؟ حرفِ عطف یہ نائب ہوتا ہے عامل کا، کس کا نائب ہوتا ہے؟ عامل کا۔ تو یہ ایک کا تو نائب بن سکتا ہے لیکن ضعیف ہے دو کا نائب نہیں بن سکتا، دو کا نائب کیوں نہیں بن سکتا؟ کیونکہ یہ ضعیف ہے بھائی۔ تو لہٰذا یہاں پر بھی یہ تو دو کا نائب بن رہا ہے تو جواب یاد رکھنا کہ ہاں ٹھیک ہے دو کا یہ نائب نہیں بن سکتا یہ کمزور ہے، لیکن جب مجرور مقدم ہو تو اس صورت میں یہ عطف جائز ہوگا کیونکہ ہم نے عربوں سے سنا ہے جب وہ عطف کریں کس پر؟ عطف کریں دو معمولوں کا، کس کے دو معمول؟ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ کے دو معمولوں کا جب وہ عطف کرتے ہیں تو جب مجرور مقدم ہوتا ہے تب عطف کر دیتے ہیں، باقی کسی صورت میں عطف نہیں کرتے۔ دو آئے نا بھائی: بَيْضَاءَ اور شَحْمَةً، بَيْضَاءَ کیا ہے؟ مجرور ہے کیونکہ سَوْدَاءَ پر عطف ہے اور سَوْدَاءَ مجرور ہے مضاف الیہ ہے۔ تو اگر یہاں دو معمول آئے تو لازمی بات ہے بھائی دونوں میں سے ہر ایک پر یا رفع آئے گا یا نصب آئے گا یا جر، کتنی صورتیں بن گئیں؟ دونوں پر رفع آئے، دونوں پر نصب آئے، دونوں پر جر آئے، اور پہلے پر رفع دوسرے پر نصب یا جر، یا پہلے پر نصب دوسرے پر رفع یا جر، دیکھو آٹھ دس صورتیں بن جاتی ہیں لیکن ان ساری صورت یہ ساری صورتوں میں عطف جائز نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ یہ حرفِ عطف کیا ہے؟ کمزور ہے، یہ دو عاملوں کا نائب نہیں بن سکتا۔ ہاں ایک صورت میں ایک صورت جائز ہے کب؟ وہ جو دو معطوف ہیں ان میں سے مجرور مقدم ہونا چاہیے، جیسے یہاں پر واو کے بعد دو معطوف کون کون ہیں؟ بَيْضَاءَ اور شَحْمَةً، اور ان میں سے بَيْضَاءَ کیا ہے؟ مجرور، تو دونوں میں سے مجرور مقدم ہے۔ تو ہم نے عربوں سے سنا ہے کہ جب مجرور مقدم ہو تو وہ عطف کر دیا کرتے ہیں، باقی صورتوں میں عطف نہیں کرتے لیکن جب مجرور مقدم ہو وہ عطف کر دیتے ہیں۔

حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ حرفِ عطف کیا ہوتا ہے؟ عامل کا نائب ہوتا ہے، ایک کا تو یہ نائب بن سکتا ہے دو یا زیادہ کا نائب نہیں بن سکتا۔ لہٰذا عطف کرنا کس

پر؟ دو معمولوں پر، دو ایسے معمول جن کے عامل کیا ہیں؟ مختلف ہیں، یہ عطف جائز نہیں ہونا چاہیے لیکن ایک صورت میں یہ عطف جائز ہے، کب؟ جب مجرور ان میں سے مقدم ہو، ان دو میں سے مجرور معمول مقدم ہو پھر کیا ہے؟ عطف جائز ہے۔ کیوں جائز ہے؟ بھائی وجہ یہ ہے کہ یہ کلامِ عرب ہے، عرب کی زبان کی بات چل رہی ہے، یہ کوئی ہمارے بنائے ہوئے قوانین نہیں ہیں، ہم نے عربوں سے اسی طرح سنا ہے کہ جب مجرور مقدم ہوتا ہے تو وہ دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر بھی کیا کر دیتے ہیں؟ عطف کر دیتے ہیں، باقی صورتوں میں وہ عطف نہیں کرتے۔ صورت میرا خیال ابھی بھی نہیں سمجھ میں آئی، سمجھ میں آگئی؟ عطف کس پر کرنا چاہتے ہیں؟ دو معمولوں پر۔ اگر ان میں عامل ایک ہی ہے پھر تو بالاتفاق جائز: عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا وَبَكْرًا عَالِمًا، کیونکہ وہ واو نائب تھا کس کا؟ عَلِمْتُ کا، ایک ہی نائب بنا وہ ضعیف ہے لیکن ایک کا نائب بن جاتا ہے۔ لیکن اگر جن دو پر عطف کرنا چاہتے ہیں وہ دونوں کیا ہیں؟ عامل مختلف ہیں تو پھر یہ دو کا نائب نہیں بن سکتا، لہٰذا پھر عطف جائز نہیں ہوتا۔ لیکن ایک صورت میں پھر بھی عطف جائز ہوتا ہے، کب؟ جب وہ جن دو پر عطف کیا جا رہا ہے ان دو میں سے مجرور کیا ہو؟ مقدم، جیسے سَوْدَاءَ اور تَمْرَةً پر آپ عطف کر رہے ہیں اور ان دونوں کے اندر عامل الگ الگ ہیں لیکن ان میں مجرور سَوْدَاءَ مقدم ہے، مجرور کیا ہے؟ پہلا معطوفٌ علیہ مقدم جو ہے وہ مجرور ہے، جب مجرور مقدم ہو تو پھر عطف جائز، کیونکہ ہم نے عربوں سے سنا ہے جب مجرور مقدم ہو وہ عطف کر دیا کرتے ہیں لیکن باقی صورتوں میں ہم نے عربوں کے فصیح وبلیغ کلام کو کھنگال ڈالا لیکن ہمیں اور کوئی مثالیں نہیں ملیں یا نہایت قلیل ملیں اور قلیل کا اعتبار نہیں کیا جاتا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

لہٰذا حاصلِ کلام کیا ہوا کہ «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ» بالاتفاق جائز ہے، لیکن «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ» تب جائز ہے جب مجرور جب معطوفٌ علیہ جو ہے مجرور مقدم ہو، معطوفٌ علیہ کی بات ہو رہی ہے نا، اس میں جب مجرور مقدم ہو پھر عطف جائز ہے، اور دلیل اس کی کیا؟ کہ ہم نے عربوں سے سنا ہے، ورنہ ضابطے کے مطابق جائز نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ حرفِ عطف کمزور ہے وہ ایک عامل کا تو نائب بن سکتا ہے دو کا نائب نہیں، اور یہاں پر تو وہ دو کا نائب بن رہا ہے لیکن پھر بھی جائز ہے کیونکہ ہم نے عربوں سے سنا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہاں پر دیکھو ترکیب کیجیے: «أَتَحْسَبُ كُلَّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَبَيْضَاءَ شَحْمَةً»، ہمزہ استفہام، تَحْسَبُ فعل با فاعل شاباش، أَنْتَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، كُلَّ منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعولِ اول ہے اور مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا مضاف؟ جواب یہ کہ كُلُّ اور بَعْضُ یہ ہمیشہ مضاف بنتے ہیں۔ كُلُّ، کل کا معنی ہے سارا، کس چیز کا سارا؟ وہ آگے چیز ذکر ہونی چاہیے۔ بعض کا مطلب ہے کسی چیز کا بعض، بھائی کس چیز کا بعض؟ وہ آگے ذکر ہونی چاہیے، تو یہ ہمیشہ کیا چاہتے ہیں؟ مضافٌ الیہ۔ تو لہٰذا كُلَّ منصوب لفظاً مضاف، سَوْدَاءَ مجرور تقدیراً؟ تقدیراً کیوں؟ کتنی دفعہ میں یہ اعراب بتا چکا ہوں پھر بھول جاتے ہو بھائی، مجرور لفظاً یہ اس کا جر ہے، اس کا جر آتا ہی زبر کی صورت میں ہے اور آپ پڑھ رہے ہو یا نہیں پڑھ رہے؟ سَوْدَاءَ، دیکھا میں پڑھ رہا ہوں اس کو باقاعدہ، تو اس نصب کو میں یہ یہ زبر میں باقاعدہ پڑھ رہا ہوں اور یہ زبر ہے صورتاً لیکن درحقیقت یہ کیا ہے؟ جر ہے، تو یہ جر میں پڑھ رہا ہوں اس وقت۔ تو یہ سَوْدَاءَ مجرور لفظاً مضافٌ الیہ بھی ہے اور معطوفٌ علیہ ہے بھائی، اور تَمْرَةً منصوب لفظاً یہ بھی معطوفٌ علیہ ہے اور یہ کیا بنے گا پھر؟ مفعولِ ثانی بنے گا تَحْسَبُ کے لیے، جی۔ اور واو حرفِ عطف، بَيْضَاءَ یہ مجرور لفظاً اس کا عطف کس پر؟ سَوْدَاءَ پر، تو یہ معطوف ہوا، اور شَحْمَةً منصوب لفظاً اس کا عطف کس پر؟ تَمْرَةً پر، تو وہ منصوب یہ بھی منصوب۔ تو پھر سَوْدَاءَ معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے مل کر مضافٌ الیہ کس کے لیے؟ كُلَّ کے لیے، كُلَّ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعولِ اول، اور تَمْرَةً معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے مل کر یہ مفعولِ ثانی، تو فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا کیونکہ ہمزہ استفہام ہے بھائی، سوال ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

اب دیکھیے کتاب پر بھائی، کہتے ہیں: «وَالْعَطْفُ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ جَائِزٌ إِنْ كَانَ الْمَعْطُوفُ عَلَيْهِ مَجْرُورًا مُقَدَّمًا، وَالْمَعْطُوفُ كَذَلِكَ»۔ جی کہتے ہیں: اور عطف کرنا «عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ» دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر، دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر عطف کرنا «جَائِزٌ» وہ جائز ہے «إِنْ كَانَ الْمَعْطُوفُ عَلَيْهِ مَجْرُورًا مُقَدَّمًا» اگر معطوف علیہ مجرور کیا ہو؟ مقدم ہو، کون ہے معطوف علیہ مجرور مقدم؟ کون تھا اس مثال میں؟ سَوْدَاءَ، یہ دیکھو یہ معطوفٌ علیہ ہے اور مجرور ہے اور مقدم ہے۔ «وَالْمَعْطُوفُ كَذَلِكَ» اور معطوف بھی اسی طرح ہو یعنی اس میں بھی مجرور مقدم ہو، وہ کون ہے بھائی؟ وہ کیا ہے؟ وہ بَيْضَاءَ ہے، یہ معطوف ہے اور مقدم ہے، مجرور ہے بھائی۔

■ قولہ: «نَحْوُ: فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو» کی تشریح

«نَحْوُ: فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو» مثال کے طور پر: فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو۔ فِي الدَّارِ ہے خبرِ مقدم اور زَيْدٌ ہے

مبتدائے مؤخر، مبتدا مؤخر۔ اور ترکیب کیا ہو گی؟ بھائی دیکھیے: فِي الدَّارِ گھر میں زید ہے «وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو» حجرہ کہتے ہیں کمرے کو، گھر میں زید ہے اور کمرے میں عمرو ہے۔ تو حجرہ کا عطف ہوا دار پر اور دار ہے مجرور اور اس میں عامل کون؟ فِی، اور عمرو کا عطف ہوا زید پر اور زید مرفوع ہے تو عَمْرٌو بھی کیا ہو گا؟ مرفوع، اور زید کیا بن رہا ہے ترکیب میں؟ مبتدا، تو عَمْرٌو بھی کیا ہو گا؟ مرفوع، اور مبتدا میں عامل کون ہوتا ہے؟ ابتداء، عامل معنوی ہوتا ہے، مبتدا اور خبر میں عامل کون ہے؟ ابتداء ہے ابتداء ہے، معنوی عامل ہے۔ تو لہٰذا دار حجرہ کا عطف ہوا دار پر اور دار میں عامل ہے فِی، اور عمرو کا عطف ہوا زید پر اور زید میں عامل ہے ابتداء، تو یہ یہ عطف ہوا دو معمولوں پر جن کے عامل کیا ہیں؟ مختلف ہیں، لیکن یہ عطف جائز ہے کیونکہ مجرور مقدم ہے، دیکھو اَلدَّارِ مقدم جو معطوفٌ علیہ ہے وہ مجرور ہے، اور اسی طرح معطوف میں بھی «وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو» اس میں بھی معطوف کیا ہے؟ جو مقدم ہے وہ مجرور ہے۔

ترکیب کیجیے: فِي جارہ، اَلدَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ یا ثَبَتَ فعل سے، ثَبَتَ سے متعلق ہو ہوئے، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو۔ سوال کہ زید تو کیا ہے؟ مؤخر ہے، جی، اور رتبے کے اعتبار سے زید مقدم ہے، لفظوں میں اگرچہ مؤخر ہے لیکن وہ مبتدا ہے اور مبتدا کا رتبہ کیا ہوتا ہے؟ مقدم، تو یہ جائز ہے بھائی۔ فِي جارہ، اَلدَّارِ کو مجرور لفظاً معطوف بناؤ، معطوفٌ علیہ بناؤ بھائی، معطوفٌ علیہ، اور زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کو بھی کیا بناؤ؟ معطوف، اچھا۔ آگے واو حرفِ عطف، اَلْحُجْرَةِ مجرور لفظاً معطوف کس پر؟ دار پر۔ اچھا، تو اَلدَّارِ معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَبَتَ سے کر لیں، اور آگے عَمْرٌو مرفوع اس کا عطف زید پر ہوا تو زید وہ کیا بن گیا؟ مبتدا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور پھر اس طرح مبتدا خبر مل کر جملہ ترکیب سمجھ بھی آئی کہ نہیں بھائی؟ بھائی معطوف کو بس جوڑنا بتانا ہوتا ہے یہ کیا ہے اس پر عطف ہے، یہ اس پر عطف ہے۔ تو حجرہ کا عطف کس پر؟ دار پر، اور جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَبَتَ سے، ثَبَتَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبرِ مقدم، اور زَيْدٌ معطوفٌ علیہ اور عمرو کا اس پر عطف، معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے مل کر مبتدائے مؤخر، مبتدا اپنی خبرِ مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی بھائی؟

«وَفِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ مَذْهَبَانِ آخَرَانِ، وَهُمَا أَنْ يَجُوزَ مُطْلَقًا عِنْدَ الْفَرَّاءِ، وَلَا يَجُوزَ مُطْلَقًا عِنْدَ سِيبَوَيْهِ» اور اس مسئلے میں دو دوسرے مذہب بھی ہیں، اور وہ یہ کہ مطلقاً جائز ہے امام فراء کے نزدیک اور جائز نہیں ہے مطلقاً امام سیبویہ کے نزدیک۔ بھائی ابھی تک جو آپ کو بتلایا یہ تھا جمہور نحویوں کا مذہب، جمہور کا معنی اکثر، اکثر۔ اکثر نحویوں کا کیا مذہب ہے؟ کہ جب عطف ہو کس پر؟ «عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ»، تو جمہور کیا کہتے ہیں؟ جب مجرور مقدم ہو تو عطف جائز ہے، مجرور مقدم نہ ہو تو عطف جائز نہیں۔ امام فراء فرماتے ہیں: نہیں، ہر صورت میں جائز ہے، ہر صورت میں جائز ہے چاہے عامل ایک ہو چاہے عامل مختلف ہوں کوئی فرق نہیں پڑتا، دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ اور دلیل ان کی کیا ہے؟ دلیل ان کی یہی ہے، وہ کہتے ہیں بھائی ہم نے عربوں سے سنا ہے آپ نے بھی عربوں سے سنا ہے، جب مجرور مقدم ہو وہ عطف کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟ کرتے ہیں۔ جب مجرور مقدم میں عطف کر دیتے ہیں تو اس کے اندر ایک ہی حرفِ عطف کتنے کا نائب بن رہا ہے؟ دو کا، دو عاملوں کا نائب بن رہا ہے۔ جب ایک جگہ دو کا نائب بن رہا ہے تو سمجھ جاؤ باقی جگہ بھی وہ کیا ہے؟ دو کا نائب بن سکتا ہے۔ لہٰذا وہ کہتے ہیں چاہے مجرور مقدم ہو چاہے کوئی اور مقدم ہو، جو بھی صورت ہو آپ دو معمولوں کا دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں کا عطف دو معمولوں پر کرنا چاہتے ہیں ایک ہی حرف کے ذریعے تو آپ کر سکتے ہیں۔

جبکہ امام سیبویہ فرماتے ہیں: مطلقاً ناجائز ہے، کوئی صورت جائز نہیں۔ وہ فرماتے ہیں یہ حرفِ عطف کمزور ہے، ایک عامل کا نائب بن سکتا ہے دو کا نائب نہیں بن سکتا۔ تو جمہور کے نزدیک مجرور مقدم ہو تو عطف جائز، اور امام فراء کے نزدیک تمام صورتوں میں جائز، جبکہ امام سیبویہ کے نزدیک تمام صورتوں میں ناجائز، یہ مجرور مقدم والی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔ لیکن دونوں کو ہم وہی جواب دیتے ہیں کہ تمام صورتوں میں نہیں جائز، امام فراء کو ہم کہتے ہیں تمام صورتوں میں نہیں جائز، اگر باقی صورتوں میں جائز ہوتا تو ہم عربوں سے سنتے لیکن ہم نے صرف اس صورت میں ان سے یہ سنا ہے جب مجرور مقدم ہوتا ہے، باقی صورتوں میں وہ عطف کرتے ہی نہیں معلوم ہوا وہ جائز ہی نہیں۔ اور امام سیبویہ کو ہم یہ جواب جمہور یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ کہتے ہیں مطلقاً جائز نہیں ہے لیکن کلامِ عرب میں ہم نے ڈھونڈا ہمیں ملی ہیں ایسی مثالیں جن میں مجرور مقدم ہوتا ہے تو وہ عطف کر دیتے ہیں، اگر جائز نہ ہوتا تو عرب کبھی بھی عطف نہ کرتے لیکن فصیح وبلیغ عربوں نے معطوف اس صورت میں عطف کیا ہے معلوم ہوا یہ جائز ہے بھائی۔

یہ معنی ہے کہ «وَفِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ مَذْهَبَانِ آخَرَانِ» اور اس مسئلے میں دو اور مذہب بھی ہیں «وَهُمَا» اور وہ یہ «أَنْ يَجُوزَ مُطْلَقًا عِنْدَ الْفَرَّاءِ» کہ مطلقاً جائز ہے یہ عطف امام فراء کے نزدیک «وَلَا يَجُوزَ مُطْلَقًا عِنْدَ سِيبَوَيْهِ» اور مطلقاً امام سیبویہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ «وَهُمَا» وہ یہ ہے «أَنْ يَجُوزَ مُطْلَقًا عِنْدَ الْفَرَّاءِ» مطلقاً امام فراء کے نزدیک جائز ہے «وَلَا يَجُوزَ» اس کا عطف کریں ماقبل والے «يَجُوزَ» پر اور اس پر

اَنْ داخل تھا، نصب دے رہا تھا، تو اس «لَا يَجُوزَ» کو بھی کیا کرے گا؟ اَنْ نصب دے گا: «أَنْ يَجُوزَ مُطْلَقًا عِنْدَ الْفَرَّاءِ» مطلقاً امام فراء کے نزدیک جائز ہے «وَلَا يَجُوزَ مُطْلَقًا عِنْدَ سِيبَوَيْهِ» اور مطلقاً امام سیبویہ کے نزدیک جائز نہیں ہے بھائی۔

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ» یہ بالاتفاق جائز ہے کیونکہ حرفِ عطف وہ ایک عامل کا نائب بن سکتا ہے، اور «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ» جمہور کے نزدیک مجرور مقدم ہو تو جائز ہے باقی صورتیں جائز نہیں۔ امام فراء کے نزدیک تمام صورتیں جائز ہیں، امام سیبویہ کے نزدیک کوئی بھی صورت جائز نہیں، حتی کہ مجرور مقدم ہو تو بھی جائز نہیں بھائی۔ چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۷۳: فصل التاکید: تاکیدِ لفظی اور تاکیدِ معنوی (نَفْس، عَیْن، کُلّ، أَجْمَع) کے احکام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۵۴—بتاریخ: ۷ اپریل ۲۰۱۵ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلتَّأْكِيدُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلَى تَقْرِيرِ الْمَتْبُوعِ فِيمَا نُسِبَ أَوْ عَلَى شُمُولِ الْحُكْمِ لِكُلِّ فَرْدٍ مِنْ أَفْرَادِ الْمَتْبُوعِ، وَالتَّأْكِيدُ عَلَى قِسْمَيْنِ: لَفْظِيٌّ وَهُوَ تَكْرِيرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ، نَحْوُ: جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، وَجَاءَ جَاءَ زَيْدٌ.

توابع کا بیان چل رہا ہے بھائی۔ اور صاحبِ ہدایت النحو نے آپ کو بتلایا کہ تابع وہ ہر دوسرے درجے والا ہے جس پر جس پر وہی اعراب آتا ہے جو اس کے ماقبل پر ہوتا ہے، اور دونوں پر اعراب جو ہے وہ ایک ہی جہت سے آتا ہے، یعنی اعراب کا تقاضا کرنے والی ایک ہی چیز ہوتی ہے دونوں میں۔

اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا کہ توابع پانچ ہیں بھائی: صفت ہے، اور عطف بالحروف ہے، اور تاکید ہے، بدل ہے، اور عطفِ بیان ہے۔ ان میں سے صفت اور عطف بالحروف کے بارے میں ہم پڑھ چکے۔ آج ہم تیسرے تابع یعنی تاکید کے بارے میں پڑھیں گے بھائی۔

تو کہتے ہیں: اَلتَّأْكِيدُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلَى تَقْرِيرِ الْمَتْبُوعِ، کہ تاکید جو ہے «تَابِعٌ» دیکھو نکرہ ہے، اور اس کے بعد «يَدُلُّ» فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے عموماً؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے عموماً ایسا یا ایسی کا لفظ لائیں۔ تو کہتے ہیں: تاکید جو ہے ایسا تابع ہے، «يَدُلُّ عَلَى تَقْرِيرِ الْمَتْبُوعِ»، جو دلالت کرتا ہے متبوع کی تقریر پر۔

تقریر کا معنی ہے پکا کرنا، پختہ کرنا بھائی۔ کیا کرتا ہے؟ متبوع کو پختہ کرتا ہے۔ تو تقریر کا معنی ہے پکا کرنا۔ تو جو تاکید ہوتی ہے وہ اپنے متبوع کو پکا کر دیتی ہے۔ پکا کر دیتی ہے۔ کس چیز میں؟ فِيمَا نُسِبَ، اس چیز کے اندر جس کی نسبت کی جاتی ہے اس کی طرف بھائی۔ جس چیز کی متبوع کی طرف نسبت تھی، توجہ ہے؟ جس چیز کی نسبت تھی، کس کی طرف؟ متبوع کی طرف، تاکید آ کر اس نسبت میں متبوع کو پکا کر دیتی ہے۔

مثلاً دیکھیے مثال سے آپ کو بات سمجھ میں آئے گی بھائی۔ میں نے کہا آپ سے: «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، میرے پاس حضرت امیر المؤمنین تشریف لائے تھے۔ آپ کے ذہن میں خیال آ سکتا ہے کہ امیر المؤمنین تو بڑے مصروف آدمی ہیں بھائی، اور ان کے پاس اتنا وقت کہاں کہ ان کے پاس آئے ہوں! ہاں، ان کا کوئی نائب آ گیا ہو گا، یا ان کا کوئی سیکریٹری آ گیا ہو گا، لیکن نائب کو بھی یوں سمجھو گویا وہ خود ہی آ گئے۔ سیکریٹری کو بھی یوں سمجھو گویا وہ خود ہی آ گئے۔ اسی لیے کہنے والے نے کہہ دیا: «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، جب سیکریٹری آ گیا تو یوں سمجھو گویا امیر المؤمنین آ گئے۔

صورت، توجہ ہے؟ میں نے کیا کہا: «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، تو سننے والے کے ذہن میں خیال آ سکتا ہے کہ یہ جو آنے کی نسبت امیر المؤمنین کی طرف ہو رہی ہے، یہ حقیقت میں امیر المؤمنین نہیں مراد بلکہ ان کا نائب یا سیکریٹری مراد ہے۔ یہ اس کے ذہن میں خیال آ سکتا ہے۔ میں پہلے سے ہی اس کا علاج کرتا ہوں۔ کیا؟ کہ میں اس امیر المؤمنین کی تاکید لے آتا ہوں اور یوں کہتا ہوں: «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، دو دفعہ لے آیا۔ یہ جو دوسری دفعہ میں لے کر آیا، یہ پہلے امیر المؤمنین کی تاکید ہے۔ اس نے امیر المؤمنین کو پکا کر دیا، کس چیز میں؟ اس نسبت میں جو امیر المؤمنین کی طرف

تھی۔ امیر المؤمنین کی طرف کس چیز کی نسبت تھی؟ آنے کی، مجیئت کی، اس مجیئت میں پکا کر دیا، بتلا دیا کہ امیر المؤمنین سے امیر المؤمنین ہی مراد ہیں، کوئی ان کا نائب وغیرہ مراد نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا، سننے یوں کہیں، آسان لفظوں میں: سننے والا کلام کو غلطی پر محمول کر سکتا تھا، یا سننے والا کلام کو مجاز پر محمول کر سکتا تھا۔ کس پر؟ مجاز پر۔ غلطی پر کیسے؟ مثلاً میں کہتا اگر «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، وہ اس کے ذہن میں آ سکتا تھا کہ شاید یہ امیر المؤمنین کا لفظ غلطی سے زبان پہ آگیا ہے۔ کہنا کیا تھا؟ ان کا نائب۔ یا مجاز پہ محمول کر سکتے ہو کہ لفظ تو غلط نہیں بولا، ٹھیک ہے لفظ تو امیر المؤمنین ہی بولا، لیکن مراد امیر المؤمنین نہیں ہے بلکہ ان کا نائب مراد ہے۔ یہ ہے مجازی معنی۔ ایک تو ہے نا امیر المؤمنین کا حقیقی معنی، وہ کیا؟ وہ امیر المؤمنین خود ہیں۔ اور امیر المؤمنین کا لفظ بولا جائے اور مراد لیں ان کا سیکریٹری یا نائب، تو یہ کون سا معنی ہوا؟ مجازی۔ تو لہٰذا جب بھی کوئی کلام کیا جائے، دوسرا اس کا مجازی معنی مراد لے سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے حقیقی معنی مراد نہ ہو بلکہ کیا ہو؟ مجازی معنی مراد ہو۔ تو جب تاکید آتی ہے، وہ آکر اس غلطی کے احتمال کو بھی ختم کر دیتی ہے اور مجاز کے احتمال کو بھی ختم۔

معلوم ہوا، جو میں نے امیر المؤمنین کا لفظ بولا، یہ غلطی سے نہیں بولا۔ جب دوبارہ میں لے کر آرہا ہوں امیر المؤمنین، تو دوبارہ جب دوسرا لفظ امیر المؤمنین دوبارہ آئے گا وہ پہلے کو کیا کر دے گا؟ پکا کر دے گا، معلوم ہوا غلطی نہیں ہوئی۔ تو غلطی کے احتمال کو ختم کر دے گا، یعنی اب سننے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ لفظ غلطی سے ادا کیا تھا۔ نیز یہ مجاز کے احتمال کو بھی ختم کر دے گا، یعنی سننے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ امیر المؤمنین بول کر ان کا نائب یا سیکریٹری مراد ہے، بلکہ امیر المؤمنین سے کون مراد ہیں؟ امیر المؤمنین ہی مراد ہیں۔ یہ فائدہ کون دیتی ہے؟ تاکید، کیونکہ وہ آگے وہی لفظ دوبارہ آگیا۔ اور کس طرح کلام میں نے کہا؟ «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، تو یہ دوسرا امیر المؤمنین جو آیا یہ کیا ہے؟ پہلے کی تاکید ہے۔ تو تاکید کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ بات کو اس بات کو پختہ کر دیتی ہے۔

تاکید اور ما قبل والے کو کہتے ہیں مؤکَّد۔ اور تاکید اور مؤکَّد کا اعراب ایک ہوتا ہے، جو اعراب مؤکَّد کا ہوتا ہے وہی تاکید کا۔ اور عام لفظ کیا ہے؟ ما قبل والا ہے متبوع اور تاکید کیا ہے؟ تابع۔ تو یہ تاکید کیا کرتی ہے؟ اپنے متبوع کو پکا کرتی ہے، کس چیز میں؟ اس چیز میں جس کی نسبت اس کی طرف کی جا رہی تھی، جیسے امیر المؤمنین کی طرف کس چیز کی نسبت تھی؟ آنے کی، تو اس آنے میں امیر المؤمنین کو پکا کر دیا کہ امیر المؤمنین ہی آئے ہیں، کوئی ان کا نائب یا سیکریٹری نہیں آیا۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

یہ معنی ہے: «اَلتَّأْكِيدُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلَى تَقْرِيرِ الْمَتْبُوعِ فِيمَا نُسِبَ»، کہ تاکید ایسا تابع ہے جو دلالت کرتا ہے متبوع کو پکا کرنے پر، «فِيمَا نُسِبَ»، اس چیز میں، اس فعل میں جس کی اس کی طرف نسبت کی جا رہی ہے، «أَوْ عَلَى شُمُولِ الْحُكْمِ لِكُلِّ فَرْدٍ مِنْ أَفْرَادِ الْمَتْبُوعِ»، یہ دوسرا فائدہ ہے۔ یا تاکید فائدہ دیتی ہے حکم کے شامل ہونے کا ہر فرد کو متبوع کے افراد میں سے۔

یہ تو ایک صورت تھی تاکید کی میں نے ذکر کی، کیا؟ تاکید نے کس چیز کا فائدہ دیا؟ کہ کلام میں غلطی کے احتمال کو ختم کر دیا کہ سننے والا اس کو غلطی پر محمول نہیں کر سکتا، نیز کلام سے مجاز کے احتمال کو بھی کیا کر دیا؟ ختم کر دیا، سننے والا یہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ مجازاً کلام ہو رہا ہے بلکہ سمجھ جائے گا کہ امیر المؤمنین سے کون مراد ہے؟ امیر المؤمنین ہی مراد ہے۔ یا اور مثال بنا لو: «جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ»، میں دو دفعہ زید لے آیا۔ تو ایک دفعہ اگر میں کہتا «جَاءَنِي زَيْدٌ»، تو سننے والے مثلاً زید ایک بڑا آدمی ہے، تو سننے والے کے ذہن میں خیال آ سکتا ہے کہ زید اتنا بڑا آدمی، وہ کہاں آیا ہو گا ان کے پاس! ان کا کوئی سیکریٹری آگیا ہو گا یا اس کا کوئی قریبی دوست آگیا ہو گا، لیکن قریبی دوست کو بھی یوں سمجھو گویا زید خود ہی آیا ہے۔ تو لہٰذا وہ اس کلام کو گویا غلطی پہ بھی محمول کر سکتا ہے کہ کہنا یہ عمرو چاہتا تھا زبان پہ کیا آگیا؟ زید۔ اور اس کو مجاز پہ بھی محمول کر سکتا ہے کہ زید بول کر زید نہیں مراد بلکہ زید کا نائب یا اس کا قریبی کوئی بھی مراد ہے یا دوست مراد ہے۔ لیکن جب دوبارہ میں نے زید کہہ دیا: «جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ»، تو اس دوسرے زید نے پہلے زید کو پکا کر دیا، کس چیز میں؟ آنے میں، کہ وہی آیا ہے، اس کا کوئی دوست وغیرہ نہیں آیا۔

جی، دوسرا فائدہ تاکید کا یہ ہے کہ یہ شمولِ حکم کا فائدہ دیتا ہے۔ کس چیز کا؟ شمولِ حکم، کہ حکم شامل ہے تمام افراد کو۔ مثلاً بھائی، مثلاً بھائی میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ»، میرے پاس درجہ ثانیہ والے طلبہ آئے۔ تو سننے والا کوئی بھی ہے مثلاً، اس کے ذہن میں خیال آ سکتا ہے کہ بھائی سارے نہیں گئے ہوں گے، اکثر گئے ہوں گے۔ درجہ ثانیہ میں مثلاً بیس لڑکے ہیں تو پندرہ چلے گئے ہوں گے، اور جب اکثر چلے گئے تو یوں سمجھے سارے ہی آ گئے، اسی لیے گویا مجازاً کلام ہو رہا ہے، حقیقتاً نہیں۔ حقیقت تو کیا ہے؟ جب میں کہوں «جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ»، درجہ ثانیہ والے طلبہ میرے

پاس آئے، تو حقیقت تو یہ ہے کہ درجہ ثانیہ والے سارے آئے ہوں گے، کیا آئے ہوں گے؟ سارے۔ لیکن عموماً کل بول کر اکثر مراد لے لیتے ہیں۔ کیا مراد لے لیتے ہیں؟ اکثر۔ جب اکثر آئے ہیں تو میں کہہ سکتا ہوں «جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ»۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ عام ہے، کلام کے اندر عام ہوتا ہے، بولتے کل ہیں اور مراد کیا ہوتے ہیں؟ اکثر۔ تو سننے والے کے ذہن میں بھی خیال آسکتا ہے کہ بھائی یہ بھی یہاں پر بھی کیا مراد ہے؟ جب کہنے والے نے کہا میرے پاس درجہ ثانیہ والے آئے، تو کیا معنی ہے اس کے کہنے کا؟ کہ اکثر آئے میرے پاس، مثلاً بیس میں سے پندرہ آگئے یا چودہ آگئے یا سولہ آگئے، یہ اکثر آگئے، تو اس اکثر کو ہی کس سے تعبیر کر دیا؟ کل کے ساتھ۔ تو دیکھو اس نے یہاں پر بھی کلام کو یوں کہیں مجاز پر محمول کر لیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر پھر میں کیا کرتا ہوں؟ میں تاکید لے آتا ہوں۔ جب تاکید لاؤں گا دیکھو اب مجاز کا احتمال ختم ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ كُلُّهُمْ»، یہ دیکھو «كُلُّهُمْ»، کیا معنی؟ سارے کے سارے۔ تو یہ «كُلُّهُمْ» تاکید ہے ماقبل کے لیے، اور اس نے کیا کیا؟ کیا فائدہ دیا؟ یہ بتلا دیا کہ یہ آنے کا فعل درجہ ثانیہ کے اکثر کے لیے نہیں ثابت بلکہ کل طلبہ کے لیے ثابت ہے، یعنی سب آئے ہیں کوئی ایک بھی باقی نہیں رہا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا، تاکید کا ایک فائدہ تو یہ کہ یہ متبوع کو پکا کرتی ہے، کس چیز میں؟ اس حکم میں، اس نسبت میں جو اس کی طرف ہو رہی ہو۔ اور دوسرا فائدہ کیا ہے؟ کہ تاکید شمول کا فائدہ دیتی ہے اور یہ بتلاتی ہے کہ متبوع کے ہر فرد کو یہ حکم شامل ہے، ہر فرد کو یہ حکم شامل ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: «اَلتَّأْكِيدُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلَى تَقْرِيرِ الْمَتْبُوعِ فِيمَا نُسِبَ»، تاکید ایسا تابع ہے جو دلالت کرتا ہے متبوع کو پکا کرنے پر فیما نسب اس چیز میں جس کی اس کی طرف نسبت کی جا رہی ہے، «أَوْ عَلَى شُمُولِ الْحُكْمِ»، یا تاکید جو ہے فائدہ دیتی ہے کس چیز کا؟ اس کا «عَلَى شُمُولِ» کا عطف ماقبل پر ہے نا، «عَلَى تَقْرِيرِ الْمَتْبُوعِ» پر۔ اور آپ نے پڑھا تھا کہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو کس کا ہوتا ہے؟ معطوف علیہ کا۔ اور معطوف علیہ کو اٹھا کر اس کی جگہ کیا رکھو؟ معطوف کو رکھو، تو معنی صحیح ہوتا ہو تو عطف صحیح ہے ورنہ عطف صحیح نہیں۔ تو ترجمے میں بھی آپ یوں کر لیا کریں، معطوف علیہ کو اٹھا دیں اور اس کی جگہ کس کو رکھ دیں؟ معطوف کو۔ کیسے بن جائے گی عبارت؟ «اَلتَّأْكِيدُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلَى شُمُولِ الْحُكْمِ»، اور تاکید ایسا تابع ہے جو دلالت کرتا ہے حکم کے شامل ہونے پر، «لِكُلِّ فَرْدٍ مِنْ أَفْرَادِ الْمَتْبُوعِ»، متبوع کے افراد میں سے ہر فرد کے لیے۔ حکم کے شامل ہونے پر دلالت کرتا ہے متبوع کے افراد میں سے ہر فرد کے لیے۔ «لِكُلِّ فَرْدٍ مِنْ أَفْرَادِ الْمَتْبُوعِ»، ترجمہ آخر سے ہو گا: متبوع کے افراد میں سے ہر فرد کے لیے حکم کے شامل ہونے پر دلالت کرتی ہے تاکید۔

تو تاکید کا بڑا فائدہ کیا ہوا؟ یہ غلطی اور مجاز کے احتمال کو کیا کر دیتی ہے؟ ختم کر دیتی ہے، متبوع کو پکا کر دیتی ہے۔ اور اسی طرح یہ حکم کے شمول کا فائدہ دیتی ہے کہ حکم متبوع کے ہر فرد کو شامل ہے، بعض کو شامل نہیں۔ مثلاً جو میں نے حکم لگایا تھا، کیا حکم تھا؟ «جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ»، میں نے درجہ ثانیہ والے طلبہ پر آنے کا حکم لگایا تھا۔ یہ جو بات کی جاتی ہے نا اس کو حکم کہتے ہیں۔ میں نے کیا حکم لگایا تھا؟ کہ وہ آئے ہیں، تو لیکن پتہ نہیں تھا کہ سارے ہیں یا سارے نہیں، تو «كُلُّهُمْ» نے آکر کیا بتلا دیا کہ سارے آئے ہیں، تو شمولِ حکم کا فائدہ دیا کہ یہ حکم شامل ہے تمام افراد کو، یعنی عام ہے سب کو شامل ہے۔

▪ قولہ: «وَالتَّأْكِيدُ عَلَى قِسْمَيْنِ» کی تشریح

«وَالتَّأْكِيدُ عَلَى قِسْمَيْنِ»، اور تاکید جو ہے دو قسم پر ہے: «لَفْظِيٌّ»، ایک تاکیدِ لفظی ہے۔ یاد رکھیے بھائی، تاکید دو قسم پر ہے: ایک تاکیدِ لفظی ہے، ایک تاکیدِ معنوی ہے۔ تاکیدِ لفظی یہ ہے کہ جو لفظ پہلے آیا ہو وہی دوبارہ آجائے دوسری دفعہ بھی۔ «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، یہ جو دوسری دفعہ امیر المؤمنین آیا یہ تاکیدِ لفظی ہے کیونکہ وہی لفظ دوبارہ آیا۔ وہی لفظ دوبارہ آئے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ تاکیدِ لفظی۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ»، یہ زیدِ ثانی کیا ہے؟ تاکید کون سی ہے؟ تاکیدِ لفظی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ یا میں کہتا ہوں: «جَاءَ جَاءَ زَيْدٌ»، فعل کو دو دفعہ لے آتا ہوں: «جَاءَ جَاءَ زَيْدٌ»، تو فعل تو ایک دفعہ لانا چاہیے تھا «جَاءَ زَيْدٌ»، لیکن یہ جو دوسری دفعہ میں وہی لفظ دوبارہ لے آیا ہوں یہ کیا ہے؟ پہلے کی تاکید ہے بھائی۔ تو تاکیدِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ جو لفظ پہلے آیا ہو بعینہٖ اسی کو دوبارہ لے آئیں۔

پھر یاد رکھو، یہ تاکیدِ لفظی کبھی تو بعینہٖ وہی پہلا لفظ ہو گا۔ کبھی بعینہٖ پہلا لفظ تو نہیں ہو گا لیکن حکماً یہ پہلے لفظ کی طرح ہی ہو گا۔ جیسے ابھی آپ نے گزشتہ سبق میں پڑھا، کیا مثال تھی؟ «ضَرَبَ هُوَ وَزَيْدٌ»، کیا ترکیب تھی؟ ضَرَبَ فعل، «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر فاعل اور بلکہ کیا بناؤ اس کو پہلے؟

مؤکَّد۔ آگے «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کی تاکید۔ مؤکَّد تاکید مل کر معطوف علیہ، پھر واؤ حرفِ عطف، اور «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً معطوف۔ معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر «ضَرَبَ» کے لیے فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ آپ نے پڑھا تھا کہ ضمیر مرفوع متصل پر جب عطف کیا جائے تو اس کی تاکید لانا واجب ہے ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ۔ تو دیکھیے، «ضَرَبَ» کے اندر بھی «هُوَ» تھا، «هُوَ» ضمیر، آگے بھی پھر وہی «هُوَ» ضمیر آگئی، یہ ہے تاکیدِ لفظی۔ یہ ہے تاکیدِ لفظی۔ تو اس وقت تو «ضَرَبَ» میں بھی «هُوَ»، آگے بھی «هُوَ»۔

کبھی بالکل ایک جیسا لفظ نہیں ہوتا لیکن چیز ایک ہی ہوتی ہے، وہ بھی تاکیدِ لفظی ہے، جیسے «ضَرَبْتَ أَنْتَ»، «ضَرَبْتَ أَنْتَ»، «ضَرَبْتَ» کے اندر تا ضمیر، اور تا ضمیر کس کی ہے؟ مخاطب کی، اور آگے «أَنْتَ» ضمیر بھی کس کی ہے؟ مخاطب کی، مفرد مخاطب کی دونوں ضمیریں ہیں۔ تو یہ جو «أَنْتَ» ہے، اس تا ضمیر کی تاکید ہے۔ کیا ہے؟ اور کون سی تاکید ہے؟ تاکیدِ لفظی ہے، تاکیدِ لفظی۔ آپ کہیں گے تاکیدِ لفظی میں تو بعینہٖ اسی لفظ کو دوبارہ لایا جاتا ہے، یہاں تو لفظ بدل گیا۔ ہم کہتے ہیں: نہیں نہیں، لفظ نہیں بدلا، لفظ وہ بھی کس کا تھا؟ مخاطب کا، یہ بھی کون سا ہے؟ مخاطب کا۔ صرف اتنا فرق ہے وہ متصل تھی اور یہ منفصل ہے بھائی، دونوں ایک ہی چیز ہیں بھائی۔ تو یہ یوں کہیں گے: یہ حکماً وہی لفظ ہے۔ حقیقتاً تو واقعی لفظ بدل گیا، لیکن حکماً کیا ہے؟ حکم ہم نے یہ لگا دیا کہ بس یہ وہی لفظ ہے بھائی۔ تو معلوم ہوا تاکیدِ لفظی تاکیدِ لفظی میں کیا ہوتا ہے؟ اسی لفظ کا تکرار ہوتا ہے، ہاں وہ تکرار کبھی بعینہٖ وہی لفظ ہوگا اور کبھی بعینہٖ وہ تو نہیں لیکن حکماً کیا ہوگا؟ وہی لفظ، یعنی حکم یہ لگا دیں کہ یہ بھی وہی لفظ ہے۔ کتنی قسمیں ہو گئیں تاکیدِ لفظی کی گویا؟ دو: تاکیدِ لفظی ہوگی حقیقتاً، اور کبھی ہوگی تاکیدِ لفظی حکماً بھائی۔ حقیقتاً جس میں بعینہٖ وہی لفظ آئے، اور حکماً یہ جو ضمیر متصل کی تاکید کیا لے آئے؟ منفصل، یہ کیا ہے؟ تاکیدِ لفظی ہے لیکن حکماً ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَالتَّأْكِيدُ عَلَى قِسْمَيْنِ»، اور تاکید جو ہے دو قسم پر ہے، «لَفْظِيٌّ»، ایک تاکیدِ لفظی ہے، «وَهُوَ تَكْرِيرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ»، تقریر اور تکرار کا ایک معنی ہے۔ «وَهُوَ تَكْرِيرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ»، اور وہ پہلے لفظ کا تکرار ہے۔ تکرار کہتے ہیں ایک کے بعد چیز کو دوبارہ لانا، یہ کیا ہے؟ تکرار۔ تو وہ پہلے لفظ کو دوبارہ لانا ہے، «نَحْوُ: جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ وَجَاءَ جَاءَ زَيْدٌ»، جی۔ ترکیب کیجیے «جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ»: جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مؤکَّد، اور «زَيْدٌ» آگے مرفوع لفظاً تاکید۔ اچھا پہلا «زَيْدٌ» کیوں مرفوع؟ کیونکہ فاعل ہے۔ دوسرا «زَيْدٌ» کیوں مرفوع؟ کیونکہ یہ تاکید ہے۔ تو بس یاد رکھنا، جہاں بھی ایک جیسے دو لفظ اکٹھے آجائیں تو دوسرے کو پہلے کی تاکید بنانا بھائی۔ تو مؤکَّد اپنی تاکید سے مل کر یہ فاعل ہوا «جَاءَ» کے لیے، «جَاءَ» فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔ آگے پھر بھائی، «جَاءَ جَاءَ زَيْدٌ»: جَاءَ فعل اور یہ ہے مؤکَّد، اور آگے «جَاءَ» فعل تاکید، اچھا تو یہ مؤکَّد تاکید ہوئے، اور «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

▪ قولہ: «وَمَعْنَوِيٌّ» کی تشریح

«وَمَعْنَوِيٌّ»، اور دوسری تاکید کیا ہے؟ تاکیدِ معنوی ہے، «وَهُوَ بِأَلْفَاظٍ مَعْدُودَةٍ»، اور وہ الفاظِ معدود، گنے ہوئے، چنے ہوئے، وہ کچھ شمار کیے ہوئے، یعنی کچھ لفظ ہیں، کچھ گنے چنے لفظوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ یاد رکھیے، ادھر دیکھیے بھائی، تاکیدِ لفظی کسے کہتے تھے؟ کہ جو لفظ پہلے آیا بعینہٖ وہی لفظ دوبارہ آجائے، یہ کیا ہے؟ تاکیدِ لفظی۔ تاکیدِ معنوی میں ایسا نہیں ہوتا، تاکیدِ معنوی وہ کچھ مخصوص لفظ ہیں انہی کے ساتھ ہوتی ہے، آٹھ یا نو لفظ ہیں۔ ایک ہے «نَفْسٌ» کا لفظ، نَفْسٌ، اسی طرح «عَيْنٌ» کا لفظ ہے، عَيْنٌ، اسی طرح «كِلَا» ہے، «كِلْتَا» ہے، اسی طرح «كُلٌّ» ہے، كُلٌّ، اور اسی طرح «أَجْمَعُ»، «أَكْتَعُ»، «أَبْتَعُ»، «أَبْصَعُ»، یہ لفظ ہیں بھائی، یہ سارے آگے ذکر کر رہے ہیں، تو یہ آٹھ یا نو لفظ ہیں بھائی، ان کے ساتھ یہ تاکید کون سی کہلاتی ہے؟ تاکیدِ معنوی۔ کیونکہ مثلاً میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ» ادھر دیکھیے، «جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ»، زید خود آیا، تو دیکھیے پہلا لفظ مؤکَّد کیا ہے؟ زید، اور دوسرا لفظ کیا ہے؟ «نَفْسُهُ»، تو یہ وہی لفظ ہے یا الگ لفظ ہے؟ الگ لفظ ہے۔ تو یہ تاکید ہاں معنی کے اعتبار سے زید اور نفسِ زید دونوں ایک ہی چیز ہیں، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ تاکیدِ معنوی کہتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَمَعْنَوِيٌّ»، اور دوسری تاکیدِ معنوی ہے، «وَهُوَ بِأَلْفَاظٍ مَعْدُودَةٍ»، اور وہ کچھ شمار کیے ہوئے لفظوں کے ساتھ ہوتی ہے یعنی گنے چنے لفظ ہیں بھائی، «وَهِيَ»، اور وہ لفظ یہ ہیں، «هِيَ» ضمیر راجع ہے ما قبل میں الفاظ کو، وہ الفاظِ معدودہ وہ شمار کیے ہوئے لفظ وہ یہ ہیں۔ سوال: الفاظ تو جمع ہے اور «هِيَ» ضمیر کیا ہے؟ واحد مؤنث، تو مفرد کی ضمیر واحد مؤنث کو کیسے راجع؟ تو مفرد کی ضمیر جمع کو کیسے راجع ہوگی؟ کیا جواب دیں گے؟ جمع بتاویلِ جماعت، کس کے حکم میں؟ واحد مؤنث، جب واحد مؤنث کے حکم میں ہے تو «هِيَ» ضمیر بھی کون سی ہے؟ واحد مؤنث کی، وہ لوٹا دی۔

«وَهِيَ: اَلنَّفْسُ وَالْعَيْنُ لِلْوَاحِدِ وَالْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعِ»، یہ «نَفْسٌ» اور «عَيْنٌ» کا لفظ تاکید کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ تو یہ «اَلنَّفْسُ وَالْعَيْنُ» جو ہیں، «لِلْوَاحِدِ» مفرد کے لیے بھی آتے ہیں، «وَالْمُثَنَّى» اور تثنیہ کی تاکید کے لیے بھی آتے ہیں، «وَالْمَجْمُوعِ» اور جمع کی جمع کے لیے بھی آتے ہیں، «بِاخْتِلَافِ الصِّيغَةِ وَالضَّمِيرِ»، صیغے اور ضمیر کے مختلف ہونے کے ساتھ۔ بھائی ادھر دیکھیے، «نَفْسٌ» اور «عَيْنٌ» یہ تاکید کے طور پر آتے ہیں اور ان کے ذریعے مفرد کی بھی تاکید لائی جاتی ہے، تثنیہ کی بھی تاکید لائی جاتی ہے، اور جمع کی بھی تاکید لائی جاتی ہے، اور کیسے تاکید لائیں گے؟ کہتے ہیں بھائی: ان کے ساتھ ضمیر استعمال ہوگی، ضمیر استعمال ہوگی۔ تو صیغہ بھی بدلے گا اور ضمیر بھی بدلے گی، مفرد کے لیے مفرد، تثنیہ کے لیے تثنیہ، جمع کے لیے جمع۔ مثلاً میں کہتا ہوں: زید خود میرے پاس آیا، کیا کہوں گا؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ»، یا کہوں گا: «جَاءَنِي زَيْدٌ عَيْنُهُ»۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

ترکیب کیا ہوگی «جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ»؟ جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، آگے «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مؤکَّد، آگے «نَفْسُهُ»: نَفْسُ مضاف، اعراب بھائی؟ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ تاکید ہے اور مؤکَّد تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ اور مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا؟ جس اسم کے ساتھ بھی ضمیر ہو آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ اور پھر آگے ہا ضمیر، اس کا اعراب بتاؤ؟ مجرور محلاً مضاف الیہ۔ بھائی میں تو «نَفْسُهُ» ہا ضمیر پر پیش پڑھ رہا ہوں، یہ مجرور کیسے؟ یہ اس کی حرکت ہے۔ یہ مبنی ہے بھائی، اس پر اعراب آتا ہی نہیں، تو یہ مجرور ہے اصل میں، مجرور محلاً مضاف الیہ۔ اور یہ ضمیر راجع ہے کس کو؟ وہی جو ما قبل میں گزرا ہے یعنی زید بھائی۔ تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر تاکید، مؤکَّد اپنی تاکید سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ»، ترجمہ کیا ہوگا؟ میرے پاس زید خود آیا۔ ہاں «نَفْسُهُ» کا معنی خود، میرے پاس زید خود آیا، صورت سمجھ میں آگئی؟

معلوم ہوا، میں نے کہا تھا «جَاءَنِي زَيْدٌ»، میرے پاس زید آیا۔ آپ کے ذہن میں شبہ آسکتا تھا کہ ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو، اس نے اپنا سیکریٹری بھیج دیا ہو، زید تو بہت بڑا آدمی ہے۔ لیکن جب آگے «نَفْسُهُ» آگیا، «جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ»، زید خود آیا، اب دیکھو مجاز کا احتمال کیا ہوا؟ ختم۔ یا میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ نَفْسُهُ»، میرے پاس امیر المؤمنین خود تشریف لائے، دیکھا؟ مجاز کا احتمال کیا ہوا؟ ختم۔ اسی طرح غلطی کا احتمال بھی ختم، میں نے غلطی سے امیر المؤمنین کا لفظ نہیں بولا، آگے «نَفْسُهُ» نے بتلا دیا بھائی۔

اچھا تو میں نے کیا بتلایا؟ کہ «نَفْسٌ» اور «عَيْنٌ» کا لفظ مفرد، تثنیہ اور جمع تینوں کی تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے: مفرد، تثنیہ اور جمع۔ صیغے بھی بدلیں گے اور ضمیریں بھی بدلیں گی۔ اچھا اب مفرد کے لیے کیا تھا؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ»، «نَفْسٌ» کا لفظ بھی مفرد اور ہا ضمیر بھی مفرد: «نَفْسُهُ»۔ تثنیہ کے لیے کیا کر دوں گا؟ دونوں کو تثنیہ کر دوں گا: «نَفْسٌ» کی تثنیہ «نَفْسَانِ»، اور ہا ضمیر کی تثنیہ «هُمَا»۔ اب «نَفْسَانِ» کی اضافت کرو «هُمَا» کی طرف: «نَفْسَاهُمَا»، نون گر جائے گا: «نَفْسَاهُمَا»۔ تو یوں کہوں گا: «جَاءَنِي الزَّيْدَانِ نَفْسَاهُمَا»، میرے پاس وہ دو زید خود آئے۔ «جَاءَنِي الزَّيْدَانِ نَفْسَاهُمَا»، ترکیب کیجیے: جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «الزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً مؤکَّد، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ اور تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف سے۔ تو «الزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً مؤکَّد، «نَفْسَا» اعراب بھائی؟ مرفوع لفظاً، کیونکہ اس میں بھی الف آرہا ہے، تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف سے۔ مرفوع لفظاً مضاف، اور «هُمَا» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر تاکید، مؤکَّد تاکید مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

یہ تھا تثنیہ کے لیے۔ جمع کے لیے؟ جمع کے لیے دونوں «نَفْسٌ» کے لفظ کو بھی جمع کر دو اور ضمیر کو بھی جمع کر دو۔ «نَفْسٌ» کی جمع ہوئی «أَنْفُسٌ»، اور ضمیر کی جمع «هُمْ»: «جَاءَنِي الزَّيْدُونَ أَنْفُسُهُمْ»۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہاں بھی وہی ترکیب ہوگی: «الزَّيْدُونَ» مرفوع لفظاً مؤکَّد، اور «أَنْفُسُهُمْ»: أَنْفُسُ مرفوع لفظاً مضاف، «هُمْ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر تاکید، مؤکَّد تاکید مل کر فاعل بھائی۔ یہ تو تھا «نَفْسٌ» میں۔

«عَيْنٌ» میں بھی اسی طرح ہوگا: «جَاءَنِي زَيْدٌ عَيْنُهُ»، «جَاءَنِي الزَّيْدَانِ عَيْنَاهُمَا»، اصل میں تھا «عَيْنَانِ» عَيْن کی تثنیہ، «جَاءَنِي الزَّيْدَانِ عَيْنَاهُمَا»۔ اور جمع میں کیا کہیں گے؟ «جَاءَنِي الزَّيْدُونَ أَعْيُنُهُمْ»، «أَعْيُنُهُمْ»، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: «اَلنَّفْسُ وَالْعَيْنُ»، یہ «نَفْسٌ» اور «عَيْنٌ» کے لفظ ہیں بھائی، «لِلْوَاحِدِ وَالْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعِ»۔ بھائی یاد رکھیے، یہ جو کچھ الفاظ آگے بتائیں گے نا آٹھ نو، ان میں سے کچھ لفظوں کے ساتھ جمع کی تاکید ہوگی، کچھ میں مفرد کی تاکید، کچھ میں تثنیہ کی تاکید وغیرہ، اور کچھ تینوں کے لیے

استعمال ہوں گے، وہ سب بتاتے جائیں گے۔ یہ بتلا دیا آپ کو کہ یہ «نَفْسٌ» اور «عَیْنٌ» کس کس کے لیے استعمال ہوتے ہیں؟ واحد کے لیے بھی، تثنیہ کے لیے بھی اور جمع، تینوں کی تاکید کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اور طریقہ بھی بتا دیا، کیا طریقہ ہے ان کے استعمال کا؟ کہ صیغے کو بھی بدلو اور ضمیر کو بھی بدلو، اس کے مطابق ما قبل والے لفظ کے مطابق بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَهِيَ: اَلنَّفْسُ وَالْعَيْنُ لِلْوَاحِدِ وَالْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعِ بِاخْتِلَافِ الصِّيغَةِ وَالضَّمِيرِ»، مفرد کے لیے، تثنیہ کے لیے اور جمع کے لیے صیغے اور ضمیر کے اختلاف کے ساتھ یعنی ان کے مختلف ہونے کے ساتھ، یعنی یہ دونوں بدلتے ہیں۔ «نَحْوُ: جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ، وَالزَّيْدَانِ أَنْفُسُهُمَا»، ہاں یہ نئی چیز آ گئی۔

آگے کیا آ رہا ہے؟ «أَنْفُسُهُمَا أَوْ نَفْسَاهُمَا»۔ ہم نے کیا کیا تھا؟ «نَفْسَاهُمَا» کیا تھا۔ سوال: یہ «أَنْفُسُهُمَا» کہاں سے آ گیا؟ اب یاد رکھو اس میں۔ بھائی دیکھیے، عرب جو ہیں نا عرب، تثنیہ کی اضافت ضمیر کی طرف پسند نہیں کرتے، یا یوں کہو تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسند نہیں کرتے۔ آگے «هُمَا» ضمیر بھی تثنیہ کی، ما قبل میں «نَفْسَانِ» بھی کیا لے آؤ؟ تثنیہ، اور کیا کہو: «نَفْسَاهُمَا»؟ کہہ تو سکتے ہیں آپ لیکن زیادہ پسندیدہ نہیں۔ زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ ما قبل والے مضاف کو جمع سے بدل دو، کس سے بدل دو؟ جمع سے۔ «نَفْسَاهُمَا» نہ کہو بلکہ کیا کہو؟ «أَنْفُسُهُمَا»، ضمیر کو اسی طرح رکھو ما قبل والے لفظ کو کس سے بدل دو؟ جمع سے۔ یہ زیادہ پسندیدہ ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ معلوم ہوا تثنیہ کے اندر «نَفْسَاهُمَا» بھی کہہ سکتے ہو اور «أَنْفُسُهُمَا» بھی کہہ سکتے ہو، اور پسندیدہ زیادہ کیا ہے؟ «أَنْفُسُهُمَا»۔ چنانچہ اسی لیے قرآن میں آتے ہیں: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾، «أَيْدِيَهُمَا»، «أَيْدِي» جمع ہے «يَدٌ» کی، اور آگے کیا ہے؟ «هُمَا» ضمیر۔ ہونا کیا چاہیے تھا؟ «يَدَانِ» ید ہے نا ید، ید کی تثنیہ کیا آئے گی؟ «يَدَانِ»، اور یہ مفعول بن رہا ہے، «فَاقْطَعُوا» تم کاٹو، «يَدَيْنِ» تثنیہ اور اس کی اضافت «هُمَا» کی طرف کرو، نون گر جائے گا، کیا بن جائے گا؟ «يَدَيْهِمَا»۔ «فَاقْطَعُوا يَدَيْهِمَا»، تم ان دونوں کے ہاتھ کیا کرو؟ کاٹو۔ لیکن «يَدَيْ» کو تثنیہ کو کس سے بدل لیا گیا؟ جمع سے: ﴿فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

اب دیکھیے کتاب پر بھائی: «وَالزَّيْدَانِ أَنْفُسُ»، کیسے پڑھیں گے؟ «وَالزَّيْدَانِ أَنْفُسَ» یا «أَنْفُسِ» یا «أَنْفُسُ»؟ «أَنْفُسُ»۔ کیوں «أَنْفُسُ»؟ جی؟ «أَنْفُسُ» کیوں پڑھیں گے؟ بتائیے بھائی، اب تو آپ بڑے نحوی بن چکے ہیں بھائی، اب کیوں سوچ میں پڑ گئے؟ «وَالزَّيْدَانِ»، کیا پڑھیں گے بھائی؟ جی، کیا پڑھیں گے؟ کیا مشکل ہے؟ توجہ نہیں ہے بس! ابھی تو بتایا، یہ «نَفْسٌ» اور «أَنْفُسٌ» کے لفظ کس لیے آتے ہیں؟ تاکید کے لیے، اور تاکید کا کیا اعراب ہوتا ہے؟ جو مؤکَّد کا ہوتا ہے۔ مرفوع کیسے ہوتی ہے؟ جو کس کا ہوتا ہے؟ مؤکَّد کا۔ مؤکَّد اگر مرفوع تو یہ بھی مرفوع، وہ منصوب تو یہ بھی منصوب، وہ مجرور تو یہ بھی مجرور۔ اب بتائیے کیا پڑھیں گے؟ ہاں شاباش! «أَنْفُسُهُمَا»، کیونکہ ما قبل میں «الزَّيْدَانِ» تثنیہ ہے اور وہ کس حالت میں ہے؟ مرفوع ہے، الف کے ساتھ ہے۔ جب اس پر رفع ہے تو «أَنْفُسُ» پر بھی کیا آئے گا؟ رفع۔ تو دونوں مرفوع ہیں، ہاں رفع کی صورتیں الگ ہیں: «الزَّيْدَانِ» کا رفع آتا ہی الف کے ساتھ ہے، اور «أَنْفُسُ» کا رفع پیش کے ساتھ آتا ہے، تو دونوں پر رفع آیا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو «وَالزَّيْدَانِ أَنْفُسُهُمَا أَوْ نَفْسَاهُمَا»، دونوں کہہ سکتے ہیں۔ «وَالزَّيْدُونَ أَنْفُسُهُمْ»، جی یہاں کیا پڑھیں گے؟ «أَنْفُسَهُمْ» یا «أَنْفُسُهُمْ»؟ ہاں «أَنْفُسُهُمْ»، کیونکہ یہ تاکید ہے اور مؤکَّد تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ «وَكَذَلِكَ عَيْنُهُ وَأَعْيُنُهُمَا أَوْ عَيْنَاهُمَا وَأَعْيُنُهُمْ»، اسی طرح «عَيْنُهُ» بھی ہے، کیسے کہیں گے؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ عَيْنُهُ»، جی، اور «جَاءَنِي الزَّيْدَانِ أَعْيُنُهُمَا»، دیکھا؟ «أَعْيُنُ» جمع لے آئے، کیونکہ تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں۔ تو «أَعْيُنُ» جمع لے آئے، یا تثنیہ کر بھی سکتے ہیں لیکن وہ پسندیدہ نہیں: «أَوْ عَيْنَاهُمَا»، دیکھو تثنیہ کی اضافت کس کی طرف ہے؟ تثنیہ کی طرف۔ «وَأَعْيُنُهُمْ» جمع میں یوں کہیں گے۔

اور اسی طرح مؤنث، دیکھو بتلا دیا: مفرد کے لیے مفرد، تثنیہ کے لیے تثنیہ، جمع کے لیے جمع۔ اور مؤنث کے لیے مؤنث: «جَاءَتْنِي هِنْدٌ نَفْسُهَا، وَجَاءَتْنِي الْهِنْدَانِ أَنْفُسُهُمَا أَوْ نَفْسَاهُمَا، وَجَاءَتْنِي الْهِنْدَاتُ أَنْفُسُهُنَّ»۔ کیا ترکیب ہے «جَاءَتْنِي هِنْدٌ نَفْسُهَا»؟ جَاءَتْ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «هِنْدٌ» مرفوع لفظاً مؤکَّد، «نَفْسُ» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ تاکید ہے اور مؤکَّد تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ آگے ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر تاکید، مؤکَّد تاکید مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اسی طرح «جَاءَتْنِي الْهِنْدَانِ»، آگے کیا پڑھیں گے؟ ہاں شاباش! «أَنْفُسُهُمَا»، دیکھا تثنیہ کو کس سے بدل دیا؟ جمع سے۔ یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں: «أَوْ نَفْسَاهُمَا»، «جَاءَتْنِي الْهِنْدَانِ نَفْسَاهُمَا» بھی کہہ سکتے ہیں۔ «وَجَاءَتْنِي الْهِنْدَاتُ أَنْفُسُهُنَّ»، ترکیب کیجیے: جَاءَتْ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «الْهِنْدَاتُ» مرفوع لفظاً مؤکَّد، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اور مؤکَّد بھائی۔ آگے «أَنْفُسُهُنَّ»: أَنْفُسُ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ تاکید ہے اور مؤکَّد تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے، اور «هُنَّ» ضمیر مجرور

محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر تاکید، مؤکَّد اپنی تاکید سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ «جَاءَتْنِي الْهِنْدَاتُ أَنْفُسُهُنَّ»، وہ ساری ہند جو ہیں وہ خود میرے پاس آئیں۔ ہند قدیم عربی میں یہ عورت کا نام عام استعمال ہوتا تھا بھائی، سمجھ میں آیا؟ ہند بھائی۔

■ قولہ: «وَكِلَا وَكِلْتَا» کی تشریح

«وَكِلَا وَكِلْتَا»، اچھا بھائی، بات چل رہی ہے تاکیدِ معنوی کی، کہ تاکیدِ معنوی کچھ مخصوص الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے۔ دو ذکر کر دیے، ایک کیا؟ «نَفْسٌ» اور «عَيْنٌ»۔ آگے ذکر کر رہے ہیں: «وَكِلَا وَكِلْتَا»، اور «كِلَا» اور «كِلْتَا»۔ «كِلَا» مذکر کے لیے اور «كِلْتَا» مؤنث کے لیے۔ یہ بھائی کس کی تاکید کے لیے استعمال ہوتے ہیں؟ «نَفْسٌ» اور «عَيْنٌ» تو استعمال ہوتے تھے مفرد کے لیے بھی، تثنیہ کے لیے بھی اور جمع کے لیے بھی۔ ہاں ہر لفظ ما قبل کے مطابق صیغہ بھی وہاں بدلتا تھا اور ضمیر بھی بدلتی تھی: مفرد کے لیے مفرد، تثنیہ کے لیے تثنیہ، جمع کے لیے جمع، اور مذکر کے لیے مذکر، مؤنث کے لیے مؤنث بھائی۔ تو یہ «كِلَا» اور «كِلْتَا» کس کے لیے استعمال ہوتے ہیں؟ کہتے ہیں: «لِلْمُثَنَّى خَاصَّةً»، یہ خاص طور پر تثنیہ کے لیے آتے ہیں، یعنی ان کے ذریعے صرف تثنیہ کی تاکید ہوتی ہے، واحد کی بھی نہیں اور جمع کی بھی نہیں۔

جیسے نحو مثال کے طور پر: «قَامَ الرَّجُلَانِ كِلَاهُمَا»۔ اور ہاں، اور یہ «كِلَا» اور «كِلْتَا» یہ مضاف ہوتے ہیں، ان کے بعد کیا آتا ہے؟ مضاف الیہ آتا ہے بھائی۔ تو «قَامَ الرَّجُلَانِ كِلَاهُمَا»، کھڑے ہوئے وہ دونوں آدمی۔ دیکھو اگر میں کہوں نا «قَامَ الرَّجُلَانِ»، کھڑے ہوئے وہ دو آدمی، اور «كِلَاهُمَا» ہے تو کیسے ترجمہ کروں گا؟ وہ دونوں کھڑے ہوئے، کھڑے ہوئے وہ دونوں۔ «قَامَ الرَّجُلَانِ كِلَاهُمَا»، ترکیب کیجیے: قَامَ فعل، «الرَّجُلَانِ» مرفوع لفظاً مؤکَّد، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر تلفظ ہم کر رہے ہیں، بھائی نون کے نیچے تو میں زیر پڑھ رہا ہوں؟ ہاں اس کا رفع الف کے ساتھ آتا ہے، یہ تثنیہ ہے۔ آگے «كِلَا» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ تاکید ہے اور مؤکَّد تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے، اگر ما قبل میں «الرَّجُلَانِ» کیا ہوتا؟ منصوب تو یہ «كِلَا» بھی کیا ہوتا؟ منصوب، اگر وہ مجرور ہوتا تو یہ بھی کیا ہوتا؟ مجرور ہوتا۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «مَرَرْتُ بِالرَّجُلَيْنِ كِلَيْهِمَا»، «مَرَرْتُ بِالرَّجُلَيْنِ» تو دیکھو «الرَّجُلَيْنِ» آیا اور اس کے بعد «كِلَا» آگیا «كِلَيْهِمَا»، اور «كِلَا» آپ کو پتہ ہے کس طرح استعمال ہوتا ہے؟ تاکید کے طور پر، تو آپ اس کو بھی کیا بنانا؟ تاکید بنانا۔ تو «الرَّجُلَيْنِ» مؤکَّد اور مجرور کیونکہ اس پر کیا داخل ہے؟ باجارہ۔ اور «كِلَيْهِمَا» یہ «كِلَا» بھی کیا؟ مجرور، کیوں مجرور؟ کیونکہ یہ تاکید ہے اور تاکید کا وہی اعراب ہوتا ہے جو کس کا ہوتا ہے؟ مؤکَّد کا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یا یوں کہیں: «ضَرَبْتُ الرَّجُلَيْنِ كِلَيْهِمَا»، میں نے پٹائی کی ان دونوں مردوں کی، «ضَرَبْتُ» فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «الرَّجُلَيْنِ» منصوب لفظاً مؤکَّد، منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول بہ ہے، پٹائی میں نے کی ہے اور ان پر پٹائی واقع ہوئی ہے تو مفعول ہیں، تو «الرَّجُلَيْنِ» منصوب لفظاً مفعول بہ، ہاں بلکہ پہلے کیا بناؤ؟ مؤکَّد بھائی۔ آگے «كِلَيْ» اس کا کیا اعراب ہوگا؟ منصوب، منصوب کیوں؟ کیونکہ تاکید ہے، سوچنے کی کیا ضرورت ہے پڑھ تو رہے ہیں آپ، یہ «كِلَا» کیا استعمال ہوتا ہے؟ تاکید کے طور پر، تو آپ کہیں یہ تاکید ہے اور مؤکَّد تاکید کا اعراب ایک، مؤکَّد منصوب تھا تو «كِلَا» بھی کیا ہوگا؟ منصوب۔ اور تثنیہ کا نصب کس کے ساتھ آتا ہے؟ یا کے ساتھ، تو «كِلَيْ» اسی لیے نصب آرہا ہے، تو «كِلَيْ» منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ تاکید ہے اور مؤکَّد تاکید کا اعراب ایک، مؤکَّد منصوب ہے تو یہ بھی منصوب، اور لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اس کا نصب کیا ہے؟ یا ہے، جی۔ اور آگے «هُمَا» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ بھائی، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر تاکید، مؤکَّد اپنی تاکید سے مل کر مفعول ہوا بھائی، «ضَرَبْتُ» تھا نا «ضَرَبْتُ الرَّجُلَيْنِ كِلَيْهِمَا»، اور تو مفعول فعل پھر فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا، «ضَرَبْتُ الرَّجُلَيْنِ كِلَيْهِمَا»۔

اب دیکھیے کتاب پر: تو «قَامَ الرَّجُلَانِ كِلَاهُمَا»، جی مذکر کے لیے «كِلَاهُمَا» اور مؤنث کے لیے «كِلْتَاهُمَا»: «وَقَامَتِ الْمَرْأَتَانِ كِلْتَاهُمَا»، وہ دونوں عورتیں کھڑی ہوئیں، قَامَتْ فعل، «الْمَرْأَتَانِ» مرفوع لفظاً مؤکَّد، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ اور «كِلْتَا» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ تاکید ہے۔ «هُمَا» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، جی اور مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر تاکید، مؤکَّد تاکید مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

چار چار لفظ آپ نے پڑھ لیے تاکیدِ معنوی کے: ایک «نَفْسٌ» اور ایک «عَيْنٌ»، اور ایک «كِلَا» اور «كِلْتَا»۔ «نَفْسٌ» اور «عَيْنٌ» مفرد، تثنیہ، جمع تینوں کی تاکید کے لیے استعمال ہوتے ہیں، صیغہ بھی بدلتا ہے اور ان کے ساتھ ضمیر بھی بدلتی ہے۔ جبکہ «كِلَا» اور «كِلْتَا» تثنیہ کی تاکید کے لیے

استعمال ہوتے ہیں بھائی، مذکر کے لیے «کِلَا» اور مؤنث کے لیے «کِلْتَا» بھائی۔

▪ قولہ: «وَكُلٌّ وَأَجْمَعُ وَأَكْتَعُ وَأَبْتَعُ وَأَبْصَعُ...» کی تشریح

«وَكُلٌّ وَأَجْمَعُ وَأَكْتَعُ وَأَبْتَعُ وَأَبْصَعُ لِغَيْرِ الْمُثَنَّى»، اب اور کچھ لفظ آ گئے بھائی۔ میں نے کتنے لفظ بتائے تھے؟ آٹھ نو بھائی۔ یہ «کِلَا» اور «کِلْتَا» مذکر اور مؤنث کے لیے دونوں کو الگ الگ شمار کریں تو نو بن جاتے ہیں بھائی ورنہ آٹھ بنتے ہیں۔ دیکھو «نَفْسٌ»، «عَيْنٌ» دو ہو گئے، «کِلَا»، «کِلْتَا» چار، آگے آ گئے «كُلٌّ» پانچ، «أَجْمَعُ»، «أَكْتَعُ»، «أَبْتَعُ»، «أَبْصَعُ» چار یہ ہو گئے، تو پانچ اور چار نو ہو گئے بھائی۔ تو «کِلَا» اور «کِلْتَا» کو الگ الگ اگر شمار کریں تو نو، اگر دونوں کو ایک ہی شمار کریں کہ یہ ایک ہی لفظ ہے بس مذکر مؤنث میں کا فرق ہے، تو پھر آٹھ بن جاتے ہیں۔

تو اگلے یہ لفظ ہیں بھائی: «كُلٌّ» ہے، «أَجْمَعُ» ہے، «أَكْتَعُ» ہے، «أَبْتَعُ» ہے، اور «أَبْصَعُ» ہے۔ یہ کس کے لیے استعمال ہوتے ہیں بھائی؟ «نَفْسٌ» اور «عَيْنٌ» تو مفرد، تثنیہ، جمع تینوں کے لیے ہوتے تھے، اور «کِلَا» اور «کِلْتَا» تثنیہ کے لیے، یہ کہتے ہیں: «لِغَيْرِ الْمُثَنَّى»، تثنیہ کے علاوہ کے لیے استعمال ہوں گے، یعنی مفرد کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں اور جمع کے لیے بھی، لیکن تثنیہ کے لیے یہ استعمال نہیں ہوں گے۔ کون کون سے لفظ؟ «كُلٌّ»، «أَجْمَعُ»، «أَكْتَعُ»، «أَبْتَعُ»، اور «أَبْصَعُ»۔ تو یہ استعمال ہوتے ہیں: «لِغَيْرِ الْمُثَنَّى»، تثنیہ کے علاوہ کے لیے۔

«بِاخْتِلَافِ الضَّمِيرِ فِي كُلٍّ»، ضمیر کے بدلنے کے ساتھ «كُلٌّ» میں۔ «كُلٌّ» کے لفظ میں صرف ضمیر بدلے گی، یعنی مفرد کے لیے مفرد کی ضمیر آئے گی اور جمع کے لیے جمع، تثنیہ کے لیے تو یہ آتے ہی نہیں۔ مفرد کے لیے «كُلٌّ» کا لفظ نہیں بدلے گا، «كُلٌّ» کے بعد جو ضمیر آئے گی وہ بدلے گی صرف، اور جمع کے لیے بھی آگے صرف ضمیر بدلے گی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا، کل کے سبق میں غالباً یہ بات آئی تھی کہ یہ «كُلٌّ» اور «بَعْضٌ» جو ہیں، یہ یہ جو ہیں یہ ہمیشہ مضاف بنتے ہیں، ان کے بعد مضاف الیہ آتا ہے، کیونکہ کل کا معنی ہے سارا۔ بھائی کس چیز کا سارا؟ وہ آگے چیز ذکر ہونی چاہیے، ساری جماعت، ساری کتابیں، سارے قلم، کیا چیز مراد ہے؟ وہ آگے ذکر ہوتا ہے وہ مضاف الیہ ہوتا ہے۔ اور بعض کا معنی ہوتا ہے کچھ، بھائی کس چیز کا کچھ؟ وہ آگے چیز ذکر ہونی چاہیے کہ کتابوں کا کچھ، قلم کا کچھ وغیرہ بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو وہ آگے مضاف الیہ ذکر ہوتا ہے۔ تو «كُلٌّ» اور «بَعْضٌ» ہمیشہ کیا بنتے ہیں؟ مضاف بھائی، اور ان کے بعد کون آتا ہے؟ مضاف الیہ۔ تو یہاں پر بھی «كُلٌّ» کے بعد ضمیر آئے گی، «كُلٌّ» مضاف ہو گا اور وہ ضمیر کیا ہو گی؟ مضاف الیہ۔ تو مفرد کے لیے کہیں گے «كُلُّهُ»، اور مفرد مذکر کے لیے کہیں گے «كُلُّهُ»، اور مفرد مؤنث کے لیے کہیں گے «كُلُّهَا»، صورت سمجھ اور جمع کے لیے کیا کہیں گے؟ «كُلُّهُمْ»، «كُلُّهُمْ»، اور مؤنث کے لیے کیا کہیں گے؟ «كُلُّهُنَّ»۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ صرف کیا بدل رہا ہے؟ ضمیر بدل رہی ہے، «كُلٌّ» کا خود لفظ بدل نہیں رہا۔

یہ معنی ہے: «بِاخْتِلَافِ الضَّمِيرِ فِي كُلٍّ»، ضمیر کے بدلنے کے ساتھ «كُلٌّ» میں، «وَالصِّيغَةِ فِي الْبَوَاقِي»، اور باقیوں میں صیغے کے بدلنے کے ساتھ۔ باقیوں میں ضمیر نہیں آتی بھائی، خود وہی صیغہ بدل جاتا ہے۔ «أَجْمَعُ»، «أَكْتَعُ»، «أَبْتَعُ»، «أَبْصَعُ»، ان میں کیا ہوتا ہے؟ صیغہ بدلتا ہے۔ مفرد مذکر کے لیے کہتے ہیں: «أَجْمَعُ»، «أَكْتَعُ»، «أَبْتَعُ»، «أَبْصَعُ»، اور مفرد مؤنث کے لیے کہتے ہیں: «جَمْعَاءُ»، «كَتْعَاءُ»، «بَتْعَاءُ»، «بَصْعَاءُ»۔ بھائی کل کے سبق میں آیا تھا: «أَتَحْسَبُ كُلَّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَبَيْضَاءَ شَحْمَةً»، تو «سَوْدَاءُ» مؤنث تھی «أَسْوَدُ» کی، اور یہاں «أَجْمَعُ» یہ بھی وہی وزن ہے، «أَسْوَدُ»، «أَجْمَعُ»، ہے کہ نہیں؟ وہی وزن، اور اس کی مؤنث کیا تھی؟ «سَوْدَاءُ»، تو اس کی مؤنث کیا آئے گی؟ «جَمْعَاءُ»۔ اور جیسے «بَيْضَاءُ» آیا تھا کس کی مؤنث تھی؟ «أَبْيَضُ» کی، تو یہ بھی دیکھو «أَجْمَعُ» وہی وزن ہے، تو ان کی مؤنث کیا آئے گی؟ «جَمْعَاءُ»، «كَتْعَاءُ»، «بَتْعَاءُ»، «بَصْعَاءُ»، یہ واحد مؤنث ان کا آئے گا، واحد مؤنث کے لیے۔

اور جمع مذکر جمع کے لیے بھی آتے ہیں، تو جمع مذکر بھی ہو سکتا ہے مؤنث بھی۔ مذکر کے لیے کہیں گے «أَجْمَعُونَ» واؤ نون کے ساتھ، «أَبْتَعُونَ»، اور «أَبْصَعُونَ»۔ اور مؤنث کے لیے؟ مؤنث کے لیے، بھائی اسمِ تفضیل کی گردان یاد ہے؟ صرفِ صغیر میں جو پڑھی تھی: «وَأَفْعَلُ التَّفْضِيلِ الْمُذَكَّرُ مِنْهُ أَضْرَبُ وَالْجَمْعُ أَضَارِبُ، وَالْمُؤَنَّثُ مِنْهُ ضُرْبَى وَالْجَمْعُ ضُرَبٌ فُعَلٌ»، «ضُرَبٌ» یہ جمع ہے، «ضُرَبٌ» کیا ہے؟ جمع، مؤنث کی جمع ہے، «ضُرَبٌ فُعَلٌ»، وہی یہاں پر بھی آئے گی: «أَجْمَعُ» کی مؤنث جمع کیا آئے گی؟ «جُمَعُ»، آگے «كُتَعُ»، «بُتَعُ»، «بُصَعُ»، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ وہ «فُعَلُ» وزن ہے، «فُعَلُ»۔

تو «كُلٌّ» میں کیا بدلے گی؟ ضمیر، اور باقیوں میں صیغہ بدلے گا۔ «تَقُولُ»: آپ کہتے ہیں: «جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ»، جی، «جَاءَنِي

الْقَوْمُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ أَكْتَعُونَ أَبْتَعُونَ أَبْصَعُونَ »، ترکیب کیجیے بھائی: جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، « الْقَوْمُ » مرفوع لفظاً مؤکَّد، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے بھائی، اور آگے « كُلُّهُمْ » کیا ہے اس کی؟ تاکید، اس لیے مرفوع۔ « أَجْمَعُونَ » بھی کیا ہے اس کی؟ تاکید، اس لیے مرفوع ہے بھائی۔ ترکیب کیجیے: كُلُّ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ تاکید ہے اور مؤکَّد تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ آگے اگر « الْقَوْمُ » منصوب ہوتا تو « كُلَّهُمْ » یہ بھی منصوب ہوتا، اگر « الْقَوْمُ » مجرور ہوتا تو « كُلِّهِمْ » یہ بھی کیا ہوتا؟ مجرور ہوتا بھائی۔ یہ قیمتی باتیں ہیں آپ نے یاد رکھنی ہیں، یہی ساری عبارت حل کرتی ہیں، ایک ایک اعراب وہ بتاتے جارہے ہیں اور عبارت میں اکثر یہ « كُلُّهُمْ » وغیرہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اور یہ ضروری نہیں کہ یہ ہمیشہ تاکید ہی کے طور پر « كُلُّ » کا لفظ استعمال ہو، سمجھ میں آئی بات؟ کبھی ہاں اگر اس کے ساتھ ماقبل میں مؤکَّد ہے تو یہ تاکید بنے گا ورنہ تاکید نہیں، مثلاً میں کہتا ہوں: « جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ »، یہاں « كُلُّهُمْ » کیا بن رہا ہے؟ تاکید۔ اگر « الْقَوْمُ » کے لفظ کو ہٹادو: « جَاءَنِي كُلُّهُمْ »، اب یہ فاعل بن گیا، کیونکہ ماقبل میں کون ہے؟ مؤکَّد کوئی ہے؟ نہیں، وہ تو ختم ہوگیا، وہ ہے تو یہ تاکید بنے گا۔ « جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ »، یہ کیا ہے « كُلُّهُمْ »؟ تاکید، اور اگر اور اگر « الْقَوْمُ » کا لفظ نہیں ہے پھر کیا بناؤ؟ فاعل۔ موقع کے مطابق جس طرح کا موقع ہو، تو بس اتنا آپ کو پتہ چل گیا یہ کس طرح استعمال ہوتا ہے زیادہ تر؟ تاکید کے طور پر، تو لہٰذا ماقبل میں جو مؤکَّد کا اعراب ہو وہ اسی پر پڑھا کریں بھائی۔ ماقبل میں اگر نصب ہے تو اس پر بھی نصب، ماقبل میں رفع تو اس پر بھی رفع، ماقبل والے پر جر تو اس پر بھی جر۔

تو « جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ »، ترکیب ہم کر رہے تھے: « الْقَوْمُ » مرفوع لفظاً فاعل، مؤکَّد بھائی، اور « كُلُّ » مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ تاکید ہے، اور « هُمْ » ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر تاکید۔ اسی طرح « أَجْمَعُونَ » مرفوع لفظاً، مرفوع کیوں؟ کیونکہ تاکید ہے، یہ تاکید۔ اور اس طرح « أَكْتَعُونَ » مرفوع لفظاً، یہ بھی کیا ہے؟ تاکید۔ « أَبْتَعُونَ » یہ بھی مرفوع لفظاً تاکید۔ « أَبْصَعُونَ » مرفوع لفظاً یہ بھی تاکید۔ مؤکَّد اپنی ساری تاکیدات سے مل کر کیا ہوا؟ فاعل، اور فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اسی طرح: « وَقَامَتِ النِّسَاءُ كُلُّهُنَّ جُمَعُ كُتَعُ بُتَعُ بُصَعُ »، جی، یہ بھی اسی طرح ترکیب ہے، سمجھ میں آگئی بھائی؟

▪ قولہ: « وَإِذَا أَرَدْتَ تَأْكِيدَ الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ... » کی تشریح

« وَإِذَا أَرَدْتَ تَأْكِيدَ الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ »، اچھا، تاکید کی بات چل رہی ہے تاکیدِ معنوی، اور تاکیدِ معنوی کن کن لفظوں سے ہوتی ہے؟ « نَفْسٌ » ہے، « عَيْنٌ » ہے، « كِلَا »، « كِلْتَا » ہے، « كُلٌّ » ہے، « أَجْمَعُ »، « أَكْتَعُ »، « أَبْتَعُ » اور « أَبْصَعُ »۔ اب صورت یہ ہے کہ آپ « نَفْسٌ » اور « عَيْنٌ » کے لفظ کے ساتھ ضمیرِ مرفوع متصل کی تاکید لانا چاہتے ہیں۔ « جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ »، کیا ترجمہ ہے؟ زید خود آیا تھا، زید خود آیا تھا۔ اب میں زید نہیں کہنا چاہتا، میں کہنا چاہتا ہوں مثلاً کوئی ضمیر لاتا ہوں، اس کی تاکید اس « نَفْسٌ » کو بنانا چاہتا ہوں۔ پہلے تو لفظِ زید کی بنائی تاکید، تو پھر کیا کریں گے؟ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں: آپ نے خود پٹائی کی، تو کیا کہوں گا؟ « ضَرَبْتَ »، آگے « نَفْسٌ » کے لفظ کو لائیں ضمیر بھی لائیں: « ضَرَبْتَ نَفْسَهُ »؟ « نَفْسَ » یہ کس کی تاکید ہے؟ کس کی تاکید ہے « نَفْسٌ »؟ تاضمیر کی، اور تاضمیر کا کیا اعراب ہے؟ مرفوع محلاً۔ تو تاکید اور مؤکَّد کا ایک اعراب ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ پھر « نَفْسَ » کیوں کہہ رہے ہو؟ « نَفْسُهُ »، « ضَرَبْتَ نَفْسُهُ »۔ بھائی ہا ضمیر کس کو راجع؟ وہ اسی مؤکَّد کو راجع ہوتی ہے، اور مؤکَّد تو کون سی ضمیر ہے؟ تاضمیر ہے مخاطب کی، تو یہاں بھی ہا ضمیر تو غائب کی ہے، تو « نَفْسُهُ » نہیں ہونا چاہیے بلکہ کیا؟ مخاطب کی ضمیر لاؤ: کاف ضمیر، کاف ضمیر: « نَفْسُكَ »، « ضَرَبْتَ نَفْسُكَ »۔ آپ یہ کہنا چاہتے ہیں، ابھی ہم نے بات پوری نہیں کی، سمجھا رہا ہوں آپ کو۔ آپ کیا کہنا آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ اس « نَفْسُكَ » کو تاکید بنانا چاہتے ہیں، کس کی؟ ضمیرِ مرفوع متصل کی، تو یاد رکھیے اس صورت میں اس صورت میں یہ کہ اس صورت میں ضمیرِ مرفوع متصل کی پہلے تاکید لے آؤ منفصل کے ساتھ۔

بھائی جیسے « ضَرَبْتَ » پر آپ عطف کرنا چاہتے تھے زید کا: « ضَرَبْتَ وَزَيْدٌ »، تو کیا طریقہ تھا؟ پہلے ضمیرِ مرفوع منفصل کے ساتھ اس کی تاکید لاتے تھے اور کیسے کہتے تھے؟ « ضَرَبْتَ أَنْتَ وَزَيْدٌ »، ذہن میں آئی بحث کل کی؟ « ضَرَبْتَ أَنْتَ وَزَيْدٌ »۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، آپ « نَفْسٌ » یا « عَيْنٌ » کو تاکید بنانا چاہتے ہیں ضمیرِ مرفوع ضمیرِ مرفوع متصل کی، تو پہلے اس کی تاکید کس کے ساتھ لے آؤ؟ ضمیرِ مرفوع منفصل کے ساتھ، اور کیا کہیں گے؟ « ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسُكَ »، « ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسُكَ »۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ترکیب کیا ہوگی؟ « ضَرَبْتَ » فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاً مؤکَّد، « أَنْتَ » ضمیر مرفوع، مرفوع کیوں؟ کیونکہ تاکید ہے، اور مؤکَّد تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو مؤکَّد اور مرفوع محلاً تاکید ہوئی بھائی تاکید، اور کون سی

تاکید ہے لفظی ہے یا معنوی ہے؟ یہ تاکیدِ لفظی ہے میں نے پہلے بتایا تھا، ہاں آگے «نَفْسُهُ» آرہا ہے وہ تاکیدِ معنوی ہے بھائی، تو یہ ہوئی تاکیدِ لفظی۔ آگے «نَفْسُ» اعراب؟ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ تاکید ہے اور مؤکَّد تاکید کا اعراب ایک، اور آگے کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ اچھا کاف ضمیر کس کو راجع؟ جی؟ کاف کس کو راجع؟ بھائی میں نے کتنی دفعہ بتایا، مرجع صرف غائب کی ضمیر کا ہوتا ہے، مخاطب یا متکلم کی ضمیر کا مرجع نہیں ہوتا۔ آپ فوراً کہیں، میں کہوں کاف کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ آپ کہیں بھائی یہ تو مخاطب کی ضمیر ہے اس کا مرجع کہاں ہوتا ہے، مخاطب تو انسان کے سامنے موجود ہوتا ہے، وہاں کسی مرجع کی ضرورت نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح متکلم کی ضمیر کہیں آجائے کوئی آپ سے پوچھے مرجع کیا ہے؟ آپ کہیں متکلم تو خود بات کرنے والا ہے وہاں کیا مرجع کی ضرورت! مرجع کا مطلب ہوتا ہے نا مثلاً میں کہتا ہوں «هُوَ»، بھائی «هُوَ» سے کون مراد ہے مرجع چاہیے، «هُوَ» وہ، وہ تو زید بھی ہو سکتا ہے، عمرو بھی ہو سکتا ہے، بکر بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جب میں کہوں «أَنَا» میں، تو اس میں میں کوئی شبہ ہے؟ اس سے تو میں ہی مراد ہوں کوئی دوسرا تیسرا مراد ہی نہیں۔ یا میں آپ سے کہتا ہوں «أَنْتَ»، تو یہ جو میرے سامنے جو شخص کھڑا ہوگا «أَنْتَ» سے وہی مراد ہوگا کوئی دوسرا تو مراد نہیں۔ تو لہٰذا مرجع صرف کس کا ہوتا ہے؟ غائب کی، مخاطب اور متکلم کی ضمیر کا مرجع نہیں ہوتا بھائی۔

تو جی، تو کیا ترکیب ہو رہی تھی؟ «ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسَكَ»، تو «نَفْسَكَ»: نَفْسُ مرفوع لفظاً مضاف، کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ تاکید ہوئی بھائی، مؤکَّد اپنی دونوں تاکیدوں سے مل کر فاعل: «ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسَكَ»۔ یہ «أَنْتَ» کیا تھی؟ یہ بھی تاکید تھی، اور «نَفْسَكَ» یہ بھی کیا ہے؟ تاکید۔ تو تاضمیر اپنی دونوں تاکیدوں سے مل کر یہ فاعل ہوئی کس کے لیے؟ «ضَرَبْتَ» کے لیے، اور فعل اپنے دونوں فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ کیا ہوگا «ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسَكَ»؟ تم نے خود پٹائی کی، تم نے خود پٹائی کی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ کوئی مشکل تو نہیں؟

«وَإِذَا أَرَدْتَ تَأْكِيدَ الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ»، اور جب آپ کا یہ ارادہ ہو کہ آپ تاکید لائیں ضمیرِ مرفوع متصل کی «نَفْسٌ» اور «عَيْنٌ» کے لفظ کے ساتھ، «فَيَجِبُ تَأْكِيدُهُ بِالضَّمِيرِ الْمُنْفَصِلِ»، تو واجب ہے اس کی تاکید لانا ضمیرِ منفصل کے ساتھ، «نَحْوُ: ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسَكَ»۔ کتاب میں کیا لکھا ہے؟ «نَفْسَكَ»، یہ کتابت کی غلطی ہے بھائی، آپ اب ماہر نحوی ہیں، ان اس قسم کی غلطیاں آپ کو خود پتہ چلنی چاہئیں بھائی، آپ سمجھ میں آئی بات؟ آپ کہیں گے یہاں زبر آہی نہیں سکتا، کیوں نہیں آسکتا؟ کیونکہ یہ تاکید ہے، کس کی؟ «ضَرَبْتَ» کی تاضمیر کی، اور وہ تاضمیر کون سی ہے؟ فاعل کی، وہ مرفوع، تو «نَفْسٌ» کا لفظ تو اسی کی تاکید ہے، تو وہ بھی کیا ہوگا؟ مرفوع۔ تو کیا کہیں گے؟ «ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسَكَ»۔ یہاں تک ساری بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا آگے ایک اور قیمتی بات ذکر کر رہے ہیں۔ اتنا انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ «كُلٌّ» اور «أَجْمَعُ» کس لیے آتے ہیں؟ تاکید کے لیے، پتہ چل گیا یا نہیں؟ یہ تاکید کے لیے آتے ہیں۔ اب آگے آپ کو بتا رہے ہیں کہ «كُلٌّ» کا معنی ہے سارا، «أَجْمَعُ» کا معنی بھی ہے سارے۔ تو یہ وہیں پر آئے گا، یہ وہیں پر آئیں گے جہاں پر کسی چیز کے کے افراد ہوں۔ وہ وہ میرے پاس سارے آئے، یہ میں تبھی کہہ سکتا ہوں جب اس میں کئی افراد ہوں۔ ایک ہی آدمی ہو تو میں کہہ سکتا ہوں وہ وہ سارا آدمی میرے پاس آیا؟ اردو میں کس نے آپ نے کبھی سنا کہ وہ سارا آیا میرے پاس؟ کیوں نہیں کہتے؟ اس لیے کیونکہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا آدھا آئے اور آدھا نہ آئے، جب بھی آئے گا کیا معنی؟ پورا آدمی آئے گا، معلوم ہوا وہاں ٹکڑے ہو ہی نہیں سکتے۔ جہاں ٹکڑے نہیں ہو سکتے وہاں «أَجْمَعُ» بھی استعمال نہیں کر سکتے، اور «كُلٌّ» بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ جہاں ٹکڑے اور جدائی ہو سکے وہاں «كُلٌّ» اور «أَجْمَعُ» استعمال کریں گے۔

مثلاً آپ کہتے ہیں: میرے پاس زید آیا، میں نے اس سارے کا اکرام کیا۔ تو دوسرا کہے گا بھائی سارے کا کیا معنی؟ جب آتا ہے آدمی پورا ہی آتا ہے تو اکرام یہ ہو سکتا ہے آدھے کا اکرام ہو آدمی آدھے انسان کا اکرام ہو آدھے کا نہ ہو؟ یہ تو نہیں ہو سکتا۔ تو دیکھو کل تو لہٰذا یہاں آپ سارے کا لفظ «كُلٌّ» وغیرہ کا لفظ استعمال نہیں کر، ہاں جہاں جہاں ٹکڑے ہو سکیں وہاں آپ سارے کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں میرے پاس درجہ ثانیہ والے سارے آئے، اب لفظ ٹھیک ہے کیونکہ درجہ ثانیہ کے افراد ہیں اور وہ الگ الگ ہیں کہ نہیں بھائی؟ الگ الگ افراد ہیں، وہاں الگ ہونا ممکن ہے۔ جہاں الگ ہونے کا احتمال ہوگا وہاں «كُلٌّ» اور «أَجْمَعُ» آئیں گے، اور جہاں الگ ہونے اور ٹکڑے ہونے کا احتمال نہیں وہاں «كُلٌّ» اور «أَجْمَعُ» بھی نہیں آئیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

ہاں، یہ الگ ہونا چاہے ظاہراً آنکھ سے نظر آئے، جیسے درجہ ثانیہ میں دس افراد ہیں دس لڑکے ہیں، وہ الگ الگ ہمیں نظر آتے ہیں یا نہیں؟ تو چاہے آنکھ سے الگ الگ ہونا نظر آئے، چاہے آنکھ سے نظر نہیں آتا لیکن حکماً الگ الگ ہو جاتے ہیں ان کو مان لیا جاتا ہے، تو وہاں پر بھی «كُلٌّ» وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں۔ مثلاً دیکھیے، غلام ہے غلام، یا یوں سمجھو گاڑی ہے گاڑی۔ تو گاڑی ایک ہی ہے، آپ اور زید مل کر خریدتے ہیں یا نہیں؟ دو یا تین ساتھی بھی مل کر ایک چیز

خرید لیتے ہیں، اور پھر کوئی پوچھے یہ گاڑی کس کی ہے؟ تو آپ کہتے ہیں کہ آدھی میری ہے آدھی زید کی ہے بھائی، یا یوں کہہ دیتے ہیں، یوں تو نہیں مطلب کہتے یہ ہیں میری اور زید کی ہے، کیا معنی ہوتا ہے میری اور زید کی ہے؟ یعنی نصف حصہ میرا ہے اور نصف زید کا۔ اب دیکھیے، ظاہر میں گاڑی کے دو ٹکڑے نہیں ہو سکتے، ٹکڑے ہوں گے وہ تو خراب ضائع ہو گئی ردی ہو گئی، لیکن حکماً گاڑی کے کتنے حصے ہیں؟ دو حصے ہیں، تو اجزاء ہو گئے یا نہیں؟ اسی طرح قدیم زمانے میں غلام ہوتا تھا، ایک ہی آدمی کبھی سارا خرید لیتا، کبھی دو تین چار مل کے خرید لیتے، تین چار نے مل کر خریدا ہے تو اب وہ سب کی خدمت کرے گا باری باری، ایک نے خریدا ہے تو اسی ایک کی خدمت کرے گا۔ تو وہاں آپ کہہ سکتے ہیں: «اشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ»، میں نے سارا کا سارا غلام خرید لیا۔ یہاں «كُلَّهُ» کہہ سکتے ہیں، اگرچہ غلام کے ظاہر میں ٹکڑے نہیں ہو سکتے، ٹکڑے کریں گے وہ تو ختم ہو جائے گا، ظاہر میں ٹکڑے نہیں لیکن حکماً اس کے کیا ہو جاتے ہیں؟ ٹکڑے، حکماً اس کے ایک یا دو یا تین حصے ہو سکتے ہیں، حکم لگا دیا جاتا ہے کہ اتنے حصے ہیں اس کے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

معلوم ہوا، «كُلٌّ» اور «أَجْمَعُ» اس کا کیا معنی ہے؟ سارا، «كُلٌّ» کا معنی سارا اور «أَجْمَعُونَ» کا معنی سارے، تو یہ یہ کہاں پر آئیں گے؟ جہاں پر حصے اور ٹکڑے ہونا وہ اس سے حصے اور ٹکڑے ہو سکیں، چاہے حصے اور ٹکڑے ہونا آنکھوں سے دکھائی دے یعنی حساً ہو، کیا ہو؟ حساً، حساً کہتے ہیں آنکھ حس کہتے ہیں جو چیز آنکھوں سے دکھائی دے، تو کہتے ہیں یہ چیز حسی ہے آنکھوں سے نظر آ رہی، تو چاہے آنکھوں سے الگ الگ وہ ٹکڑے ہونا نظر آئے چاہے آنکھوں سے الگ الگ ہونا نظر نہ آئے بلکہ حکماً اجزاء ہیں، تو دونوں جگہ کیا استعمال کر سکتے ہیں؟ «كُلٌّ» اور «أَجْمَعُ»۔ اور جہاں حقیقتاً بھی ٹکڑے نہیں ہو سکتے اور حکماً بھی ٹکڑے نہیں ہو سکتے، وہاں «كُلٌّ» اور «أَجْمَعُ» استعمال نہیں کر سکتے، جیسے ابھی میں نے مثال ذکر کی: آپ کا ایک ساتھی آیا، آپ دوسرے سے کہتے ہیں کہ میرے پاس زید آیا تو میں نے پورے زید کا اکرام کیا، تو آپ کا یہ کلام جو بھی سنے گا وہ کہے گا یہ کیسا کلام کر رہے ہو زید کے تو ٹکڑے ہو ہی نہیں سکتے بھائی! تو لہٰذا کل کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں۔ اچھی طرح بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «وَلَا يُؤَكَّدُ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ»، کہ تاکید نہیں لائی جاتی «كُلٌّ» اور «أَجْمَعُ» کے ساتھ، عبارت پہ نظر ہے؟ «وَلَا يُؤَكَّدُ»، تاکید نہیں لائی جاتی، «بِكُلٍّ»، کس کے ساتھ؟ «كُلٌّ» کے لفظ کے ساتھ، یہ «كُلٌّ» کیا ہے؟ مجرور، کیوں مجرور ہے؟ کیونکہ اس پر باجارہ داخل ہے: «بِكُلٍّ»، اور اسی پر عطف ہے کس کا؟ «أَجْمَعُ» کا، اور «أَجْمَعُ» کو کیسے پڑھیں گے؟ «وَأَجْمَعَ»، «وَأَجْمَعَ»۔ سوال کہ اس کا عطف تو «كُلٌّ» پر ہے اور «كُلٌّ» تو ہے مجرور تو «أَجْمَعُ» کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ مجرور، آپ اس پر زبر پڑھ رہے ہیں؟ جواب گزر چکا: غیر منصرف ہے، یہ غیر منصرف، ہاں یہ مجرور ہی ہے، جب مجرور پر عطف ہے تو پکی بات ہے یہ مجرور ہے کسی قسم کے شک اور شبہے کی گنجائش ہی نہیں۔ تو یہ بھی مجرور، ہاں اس کا جر آتا ہی کس صورت میں ہے؟ زبر کی صورت، اور اس کو کیا کہیں گے؟ مجرور تقدیراً یا مجرور لفظاً؟ یہ مجرور لفظاً ہے، وہ زبر آپ اس پر تلفظ کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے؟ تو یہ مجرور لفظاً ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَلَا يُؤَكَّدُ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ»، تو تاکید نہیں لائی جاتی «كُلٌّ» اور «أَجْمَعُ» کی، «إِلَّا مَا لَهُ أَجْزَاءٌ وَأَبْعَاضٌ»، مگر اس چیز کی جس کے اجزاء ہوں اور ابعاض ہوں، اجزاء اور ابعاض کا ایک معنی: ٹکڑے ٹکڑے، جس کے کیا ہوں؟ ٹکڑے، ہاں تو «كُلٌّ» اور «أَجْمَعُ» کے ساتھ تاکید نہیں لائی جاتی «إِلَّا مَا لَهُ أَجْزَاءٌ وَأَبْعَاضٌ»، مگر ایسی چیز جس کے اجزاء اور ابعاض ہوں، «يَصِحُّ افْتِرَاقُهَا»، ایسے اجزاء دیکھو اجزاء اور ابعاض کیا ہے؟ نکرہ، اور اس کے بعد «يَصِحُّ» فعل آیا، مگر ایسی چیز دوبارہ سنو ترجمہ: کہ تاکید نہیں لائی جاتی «كُلٌّ» اور «أَجْمَعُ» کے ساتھ مگر ایسی چیز کہ «لَهُ أَجْزَاءٌ وَأَبْعَاضٌ»، جس کے ایسے اجزاء اور ابعاض ہوں، ابعاض میں نے بتایا کیا معنی ہے؟ ٹکڑے، وہ اجزاء ایک ہی معنی ہے تو ایک لفظ کو ہی ذکر کرو ترجمے میں: جس کے ایسے اجزاء ہوں «يَصِحُّ افْتِرَاقُهَا»، کہ صحیح ہو ان کا جدا ہونا، وہ ٹکڑے کیا ہو جاتے ہوں؟ جدا ہو جاتے ہوں۔ «حِسًّا»، حس کے اعتبار سے ہی یعنی آنکھوں سے ہی نظر آتے ہیں، «كَالْقَوْمِ»، جیسے کہ قوم۔ قوم کسے کہتے ہیں؟ تین سے دس تک مردوں کی جماعت کو، تین سے دس تک مردوں کی جماعت کو قوم کہتے ہیں اور اس میں افراد ہیں، تو یہ افراد آپس میں الگ الگ ہیں یا نہیں؟ الگ ہیں، آنکھوں سے حساً ہمیں نظر آتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: جس کے ایسے اجزاء ہوں کہ صحیح ہو ان کا جدا ہونا حسی طور پر یعنی آنکھوں سے دکھائی دے، «كَالْقَوْمِ»، جیسے کہ قوم۔ «أَوْ حُكْمًا»، یا ان کا جدا ہونا حکماً ہو، «كَمَا تَقُولُ: اشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ»، جیسے آپ کہتے ہیں: «اشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ»، میں نے پورا غلام خرید لیا، «اشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ»۔ ترکیب کیجیے: اشْتَرَيْتُ فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، «الْعَبْدَ» منصوب لفظاً مؤکَّد، شاباش! اور آگے «كُلَّ» منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ تاکید ہے، اور ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر تاکید، مؤکَّد تاکید مل کر مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ معنی سے بھی آپ کو سمجھ میں آ جائے گا: میں نے خرید اغلام «كُلَّهُ» سارا کا سارا، میں نے سارا غلام خرید لیا۔

▪ قولہ: «وَلَا تَقُولُ: أَكْرَمْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ» کی تشریح

«وَلَا تَقُولُ: أَكْرَمْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ»، اور آپ یہ نہیں کہہ سکتے: «أَكْرَمْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ»، میں نے اکرام کیا اس پورے غلام کا، یہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اکرام کے اندر حصے نہیں ہوسکتے۔

«وَاعْلَمْ أَنَّ أَكْتَعَ وَأَبْتَعَ وَأَبْصَعَ أَتْبَاعٌ لِأَجْمَعَ»، جان لے تو «أَنَّ أَكْتَعَ وَأَبْتَعَ وَأَبْصَعَ أَتْبَاعٌ لِأَجْمَعَ»، «وَلَيْسَ لَهَا مَعْنًى هَاهُنَا بِدُونِهِ فَلَا يَجُوزُ تَقْدِيمُهَا عَلَى أَجْمَعَ وَلَا ذِكْرُهَا بِدُونِهِ»۔ بیان یہ کر رہے ہیں، ابھی انہوں نے آپ کو بتلایا: «أَجْمَعُ»، «أَكْتَعُ»، «أَبْتَعُ»، «أَبْصَعُ»، ان کے استعمال کا کیا طریقہ ہے؟ کہتے ہیں بھائی یاد رکھو، یہ جو «أَكْتَعُ»، «أَبْتَعُ»، «أَبْصَعُ»، یہ تینوں تابع ہیں «أَجْمَعُ» کے، کس کے تابع ہیں؟ «أَجْمَعُ» کے۔ تابع کا معنی یہ ہے: استعمال اس کے ساتھ ہوتے ہیں، یہ نہیں کہ یہ اس کی تاکید ہیں، اس کی تاکید نہیں ہیں یہ۔ ابھی پڑھانا تابع کس کو کہتے تھے؟ جس پر وہی اعراب آتا تھا جو کس پر آتا تھا؟ ما قبل پر، وہ مراد نہیں ہے یہاں تابع سے مراد۔ تابع کا معنی ہے یہ «أَجْمَعُ» کے پیچھے آتے ہیں، اس کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، اس کے بغیر استعمال نہیں۔ تو جب یہ «أَجْمَعُ» کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو «أَجْمَعُ» کے بغیر ان کا کوئی معنی نہیں، اور «أَجْمَعُ» کے بغیر نہیں یہ استعمال ہوتے۔ جب بھی استعمال ہوتے ہیں کس کے ساتھ ہوتے ہیں؟ «أَجْمَعُ» کے ساتھ۔ ہاں پھر آگے یہ تین ہیں، ان تین میں آپ کی مرضی ہے چاہے ایک کو لے آئیں «أَجْمَعُ» کے ساتھ، چاہے دو کو لے آئیں، چاہے تینوں کو لائیں، چاہے ایک کو بھی نہ لائیں، تو لانا ہے جب بھی کس کے ساتھ لانا ہے؟ «أَجْمَعُ» کے ساتھ، اور پھر چاہے ایک لائیں چاہے دو لائیں چاہے تینوں لائیں، لیکن «أَجْمَعُ» کے بغیر ان کو نہیں لانا۔ ہاں «أَجْمَعُ» کو ان کے بغیر لاسکتے ہیں، صورت سمجھ میں آگئی؟

جیسے قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: ﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ﴾، ﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ﴾، جی کیا ترکیب ہوگی؟ سَجَدَ فعل، «الْمَلَائِكَةُ» مرفوع لفظاً فاعل ہے مؤکَّد، اور «كُلُّهُمْ»: كُلُّ مرفوع، کیوں مرفوع؟ کیونکہ تاکید ہے، اور «هُمْ» ضمیر مضاف الیہ مجرور، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر تاکید، اور آگے «أَجْمَعُونَ» بھی مرفوع لفظاً کیونکہ یہ بھی کیا ہے؟ تاکید۔ مؤکَّد اپنی دونوں تاکیدوں سے مل کر فاعل، فعل اپنے فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا بھائی: ﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ﴾، تو سجدہ کیا سب فرشتوں نے اکٹھے ہی۔

تو کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ»، جان لے تو، «أَنَّ أَكْتَعَ وَأَبْتَعَ وَأَبْصَعَ أَتْبَاعٌ لِأَجْمَعَ»، کہ «أَكْتَعُ»، «أَبْتَعُ» اور «أَبْصَعُ» جو ہیں یہ تابع ہیں «أَجْمَعُ» کے، «وَلَيْسَ لَهَا مَعْنًى هَاهُنَا بِدُونِهِ»، اور یہاں ان کا کوئی معنی نہیں ہے بغیر «أَجْمَعُ» کے، «فَلَا يَجُوزُ تَقْدِيمُهَا عَلَى أَجْمَعَ»، لہٰذا ان کو «أَجْمَعُ» پر مقدم کرنا بھی جائز نہیں، «وَلَا ذِكْرُهَا بِدُونِهِ»، اور نہ ہی ان کو ذکر کرنا بغیر «أَجْمَعُ» کے جائز ہے۔ ان کو «أَجْمَعُ» کے بغیر ذکر کرنا بھی جائز نہیں اور اس پر مقدم کرنا بھی جائز نہیں۔ ہاں «أَجْمَعُ» کو ان کے بغیر ذکر کرسکتے ہیں، لیکن ان کو «أَجْمَعُ» کے بغیر ذکر نہیں کرسکتے۔ اور پھر «أَجْمَعُ» کے ساتھ جب ذکر کریں تو چاہے ایک ذکر کریں، دو کریں یا تینوں ذکر کریں بھائی۔ چلیے بس بھائی، هذا هو المرام والله أعلم بحقيقة الكلام۔

سبق نمبر ۴۷: فصل البدل: بدل کی چار اقسام (بدلِ کل، بعض، اشتمال، غلط) اور احکام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۵۶—بتاریخ: ۱۲ اپریل ۲۰۱۵ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلْبَدَلُ تَابِعٌ يُنْسَبُ إِلَيْهِ مَا نُسِبَ إِلَى مَتْبُوعِهِ، وَهُوَ الْمَقْصُودُ بِالنِّسْبَةِ دُونَ مَتْبُوعِهِ، وَأَقْسَامُ الْبَدَلِ أَرْبَعَةٌ: بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ، وَهُوَ مَا مَدْلُولُهُ مَدْلُولُ الْمَتْبُوعِ، نَحْوُ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ.

توابع کا بیان چل رہا ہے بھئی، اور توابع آپ نے پڑھا کہ پانچ ہیں۔ ان پانچ میں سے تین توابع ہم پڑھ چکے ہیں بھئی۔ سب سے پہلے ہم نے صفت کے بارے میں پڑھا، اس کے بعد عطفِ نسق کے بارے میں پڑھا، اور اس کے بعد تاکید کے بارے میں پڑھا۔ آج ہم بدل کے بارے میں پڑھیں گے۔ تو کہتے ہیں: «اَلْبَدَلُ تَابِعٌ يُنْسَبُ إِلَيْهِ مَا نُسِبَ إِلَى مَتْبُوعِهِ» بدل ایسا تابع ہے، دیکھو «تَابِعٌ» نکرہ ہے، اس کے بعد «يُنْسَبُ» فعل آیا، نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنتا ہے۔ تو «اَلْبَدَلُ» بدل جو ہے «تَابِعٌ» وہ ایسا تابع ہے «يُنْسَبُ إِلَيْهِ» کہ نسبت کی جاتی ہو اس کی طرف «مَا نُسِبَ إِلَى مَتْبُوعِهِ» اس چیز کی جس کی نسبت کی گئی ہے اس کے متبوع کی طرف۔

بھئی عطفِ نسق میں بھی آپ نے پڑھا تھا کہ عطفِ نسق وہ ایسا تابع ہے کہ اس کی طرف نسبت کی جائے اس چیز کی جس کی نسبت کس کی طرف ہے؟ اس کے متبوع کی طرف، «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»۔ تو دیکھو زید کی طرف آنے کی نسبت ہے، اسی آنے کی نسبت کس کی طرف ہے؟ عمرو یعنی معطوف کی طرف بھی ہے۔ تو بدل کی بھی یہی تعریف ہے: بدل ایسا تابع ہے کہ نسبت کی جاتی ہے اس کی طرف بھی اسی چیز کی جس کی نسبت کس کی طرف کی گئی ہے؟ اس کے متبوع کی طرف۔ «وَهُوَ الْمَقْصُودُ بِالنِّسْبَةِ دُونَ مَتْبُوعِهِ» اور وہی مقصود ہوتا ہے نسبت سے نہ کہ اس کا متبوع۔ اب یہ فرق آگیا۔ عطفِ نسق میں آپ نے پڑھا تھا، کیا؟ کہ عطفِ نسق وہ ایسا تابع ہے کہ اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے اس چیز کی جس کی نسبت اس کے متبوع کی طرف ہے «وَكِلَاهُمَا مَقْصُودَانِ بِالنِّسْبَةِ»، وہاں تھا کہ وہ دونوں مقصود بالنسبۃ ہوتے ہیں، یعنی معطوف علیہ بھی اور معطوف بھی۔ لیکن یہاں بدل میں ایسا نہیں ہے، بدل میں بدل مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے۔

یاد رکھیے جو پہلے آئے اس کو کہتے ہیں مبدل منہ، یعنی متبوع کون ہے؟ مبدل منہ، اور جو بعد میں آئے اس کو کہتے ہیں بدل، اور بدل تابع ہے، یعنی اس پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر تھا؟ ماقبل۔ تو مبدل منہ پر اگر رفع ہے تو بدل پر بھی رفع، مبدل منہ پر نصب ہے تو بدل پر بھی نصب، اور مبدل منہ پر جر ہے تو بدل پر بھی جر آئے گا۔ تو عطفِ نسق اور بدل میں کیا فرق ہوا؟ کہ عطفِ نسق میں دونوں مقصود بالنسبۃ ہوتے ہیں، معطوف علیہ بھی اور معطوف بھی، یا یوں کہیں متبوع بھی اور تابع بھی۔ لیکن بدل کے اندر متبوع مقصود نہیں ہوتا، یعنی جو پہلے ذکر ہو وہ مقصود نہیں ہوتا، بلکہ جو بعد میں ذکر ہو یعنی بدل وہ مقصود ہوتا ہے۔ اور جو پہلے ذکر ہوا یعنی مبدل منہ، پھر اس کو کیوں ذکر کیا جب مقصود بعد والا ہے؟ کہتے ہیں: تمہید کے طور پر، کس طور پر؟ تمہید کے طور پر۔ بھئی جیسے آپ نے ایک بات کسی سے بیان کرنی ہوتی ہے تو اس سے پہلے آپ دو تین اس سے متعلقہ اور باتیں ذکر کر دیتے ہیں، تمہید باندھتے ہیں ایک چیز کی اور پھر اصل بات ذکر کر دیتے ہیں، تو یہاں پر بھی اصل مقصود تو کون تھا؟ بدل، لیکن بدل سے پہلے کس کو ذکر کر دیا جاتا ہے؟ مبدل منہ کو بطورِ تمہید کے۔ اور تمہید کے طور پر اس کا ذکر کرنے کے بعد پھر اصل جو مقصود ہے اس کو یعنی بدل کو ذکر کیا جاتا ہے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

جیسے آگے مثال آرہی ہے: «جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ»، میرے پاس زید آیا یعنی کہ آپ کا بھائی۔ تو میں کہنا دراصل یہ چاہتا تھا کہ میرے پاس آپ کا بھائی آیا، لیکن اس سے پہلے میں نے اس کے نام کو بھی ویسے بطورِ تمہید کے ذکر کر دیا کہ میرے پاس زید یعنی کہ آپ کا بھائی آیا تھا۔ تو کہتے ہیں: «وَهُوَ الْمَقْصُودُ بِالنِّسْبَةِ دُونَ مَتْبُوعِهِ» اور بدل جو ہے وہ مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے نہ کہ اس کا متبوع۔ «وَأَقْسَامُ الْبَدَلِ أَرْبَعَةٌ» اور بدل کی چار قسمیں ہیں: «بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ» ایک تو بدل الکل من الکل ہے۔ بدل الکل من الکل، بھئی وہ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ مَا مَدْلُولُهُ مَدْلُولُ الْمَتْبُوعِ» وہ بدل ہے کہ اس کا مدلول متبوع کا بھی مدلول ہو۔

مدلول جس پر کوئی چیز دلالت کرے۔ میں نے کہا: زید، فوراً آپ کے ذہن میں زید کی ذات آگئی، اس کی صورت آگئی۔ تو لفظِ زید نے کس پر دلالت کی؟ ذاتِ زید پر۔ میں نے جیسے ہی کہا: گلاس، آپ کے ذہن میں فوراً پانی پینے کا ایک برتن آگیا، اس لفظِ گلاس نے کیا کیا؟ اس پر دلالت کی۔ تو جو دلالت کرنے والا ہے اس کو کہتے ہیں دالّ، لام مشدد ہے، دَالٌّ، اور جس پر دلالت کی جائے وہ ہے مدلول۔ مثلاً میں نے کہا: کتاب، آپ کے ذہن میں ایک چیز آگئی جس کے اندر سبق وغیرہ لکھا ہوتا ہے۔ یا جیسے میں نے کہا: تپائی، دیکھو ایک خاص چیز آپ کے ذہن میں آگئی لکڑی کی بنی ہوئی جس پر کتابیں وغیرہ یا چیزیں رکھی جاتی ہیں بھئی۔ تو یہ لفظ کیا ہوا؟ دال، اس نے دلالت کی، اور جس چیز پر دلالت کی وہ کیا ہے؟ مدلول، مدلول بھئی۔

اب بات چل رہی ہے بدل الکل من الکل کی۔ بدل الکل من الکل یہ ہے کہ ایک ہے مبدل منہ اور ایک اس کے بعد کون آئے گا؟ بدل۔ مبدل منہ اور بدل دونوں کا مدلول ایک ہی ذات ہو۔ دونوں کا مدلول ایک ہی ذات ہو۔ مثلاً میں نے کہا: «جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ»۔ «أَخُوكَ» آپ کا بھائی، آپ کا ایک بھائی ہے اس کا نام زید ہے۔ تو چاہے میں زید کہوں تو بھی وہی ذات مراد، چاہے میں «أَخُوكَ» آپ کا بھائی کہوں تو بھی وہی ذات مراد ہے۔ تو دیکھو زید نے جس ذات پہ دلالت کی، «أَخُوكَ» اس لفظ نے بھی اسی ذات پر دلالت کی، تو دیکھو دونوں کا مدلول ایک ہی ہے۔ اور جو زید ہے کل کا کل، وہی «أَخُوكَ» بھی ہے، آپ کا بھائی بھی ہے کل کا کل۔ تو کل نے کیا کی ہے؟ کل پر دلالت کی ہے بھئی۔ سمجھ میں آئی بات؟ ایسا تو نہیں «أَخُوكَ» آپ کا بھائی یہ زید کا کوئی جز ہے یا کل کا کل ہے؟ کل ہے، جز نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جز یعنی حصہ، سر، ہاتھ، پاؤں، یہ حصے ہیں اور پوری ذات میں سر، ہاتھ، پاؤں وغیرہ سب اکٹھے آگئے۔ تو لفظِ زید نے پوری ذات پہ دلالت کی، اسی طرح لفظِ «أَخُوكَ» نے بھی پوری ذات پر دلالت کی بھئی۔ تو اس کو بدل الکل کہتے ہیں۔

کہتے ہیں: بدل کی چار قسمیں ہیں: «بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ» ایک بدل الکل من الکل ہے، «وَهُوَ مَا مَدْلُولُهُ مَدْلُولُ الْمَتْبُوعِ» اور وہ ہے کہ جس کا مدلول، وہ بدل ہے جس کا مدلول «مَدْلُولُ الْمَتْبُوعِ» متبوع کا بھی مدلول ہو، «نَحْوُ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ» آیا میرے پاس زید یعنی کہ آپ کا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یعنی کے ساتھ ترجمہ کریں گے: «جَاءَنِي زَيْدٌ» میرے پاس زید یعنی کہ آپ کا بھائی آیا بھئی۔ ضروری نہیں یعنی لائیں لیکن عموماً اس طرح کر دیا جاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ ترکیب کیجیے: «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبدل منہ۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، شاباش، «جَاءَ» کے لیے فاعل ضرور چاہیے، تو فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور آگے «أَخُو» مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ بدل ہے اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے، «زَيْدٌ» مرفوع تھا تو «أَخُو» بھی کیا ہوگا؟ مرفوع۔ تو «أَخُو» مرفوع لفظاً مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا مضاف ہے؟ اس کے ساتھ ضمیر متصل آگئی پتہ چلا یہ مضاف مضاف الیہ بنیں گے۔ جی آگے، کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر بدل، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

▪ قولہ: «وَبَدَلُ الْبَعْضِ» کی تشریح

«وَبَدَلُ الْبَعْضِ»، دوسری قسم جو ہے بدل البعض من الکل، وہ بدل البعض من الکل ہے، کل سے بعض بدل آئے۔ کل سے بعض بدل آئے۔ بھئی وہ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ مَا مَدْلُولُهُ جُزْءُ مَدْلُولِ الْمَتْبُوعِ»، وہ بدل ہے کہ جس کا مدلول متبوع کے مدلول کا جز ہو۔ بھئی دیکھیے، ایک ہے ادھر دیکھیے مبدل منہ اور ایک آگے آرہا ہے بدل۔ مبدل منہ جس چیز پہ دلالت کر رہا ہے، مبدل منہ جو کون؟ پہلے آیا، وہ جس ذات پہ دلالت کر رہا ہے آگے آنے والا بدل اس پوری ذات پہ نہیں دلالت کر رہا، اگر پوری پہ کرے پھر تو وہ کیا ہو جائے گا؟ بدل الکل، یہ بلکہ اس کے جز پر دلالت کر رہا ہے۔ جیسے مثلاً آگے مثال ذکر کر رہے ہیں: «ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ»، میں نے مارا زید کو یعنی اس کے سر کو۔ اب مجھے بتائیے، اول کس کا ذکر ہوا؟ زید کا، اور بعد میں زید کے سر کا۔ تو زید کا مدلول ہے ایک، اور ایک اس کے سر کا مدلول ہے۔ زید ایک ذات پہ دلالت کر رہا ہے اور زید کا سر یہ بھی ایک چیز پر دلالت کر رہا ہے، اور زید کا جو مدلول ہے وہ پوری ذات ہے، اور سر کا جو مدلول ہے وہ اس کا جز ہے، اس کا حصہ ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا اول کیا ہوگا؟ وہ کل پہ دلالت کرے گا،

اور بعد والا کیا ہو گا؟ اس کے جز پر دلالت کرے گا۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ ویسے سر ہلا رہے ہیں؟ اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

بدل الکل میں کیا تھا؟ جو متبوع کا مدلول تھا وہی تابع یعنی بدل کا بھی مدلول، دونوں ایک ہی چیز پہ دلالت کر رہے ہیں، کوئی فرق نہیں۔ اور یہاں پر فرق آ گیا، دیکھو ایک ہے زید کس پہ دلالت کر رہا ہے؟ پوری ذات پہ، اور راس زید، زید کا سر، یہ پوری ذات پہ دلالت کر رہا ہے یا اس کے ایک حصے پر؟ اس کے ایک حصے پر، تو یہ دیکھو جز ہوا اس کل کا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: «وَبَدَلُ الْبَعْضِ مِنَ الْكُلِّ» اور دوسرا بدل البعض من الکل ہے، «وَهُوَ مَا» اور وہ بدل ہے کہ «مَدْلُولُهُ» کہ اس کا مدلول جو ہے «جُزْءُ مَدْلُولِ الْمَتْبُوعِ» متبوع کے مدلول کا جز ہو، «نَحْوُ ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ» میں نے مارا زید کو «رَأْسَهُ» یعنی کہ اس کے سر کو۔ جی ترکیب کیجیے: «ضَرَبْتُ» فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، «زَيْدًا» منصوب لفظاً مبدل منہ۔ منصوب کیوں؟ ہاں تو یہ ہے تو مفعول لیکن ابھی مفعول نہ بناؤ کیونکہ آگے ہم نے بدل کو بھی ملانا ہے۔ تو یہ منصوب لفظاً مبدل منہ۔ آگے «رَأْسَ» منصوب لفظاً مضاف، اعراب اس کا بھی وہی ہو گا جو مبدل منہ کا تھا بھئی، وہ منصوب تھا تو یہ بھی منصوب، تو «رَأْسَ» منصوب لفظاً مضاف۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ بدل ہے اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے اور بدل کا، اور لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اور مضاف کیوں؟ کیونکہ اس کے ساتھ ضمیر متصل آ گئی اور جس اسم کے ساتھ بھی ضمیر متصل آ جائے تو وہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ بنتے ہیں۔ تو «رَأْسَ» منصوب لفظاً مضاف۔ آگے ہا ضمیر، ہاں شاباش، ہو نہیں پڑھنا بھئی، اکثر طلبہ اس کو ہو پڑھتے ہیں، یہ تو ہا ضمیر مجرور محلاً، ہا کیوں پڑھیں گے؟ کیونکہ یہ کلمہ ایک حرف پر مشتمل ہے، اور جو کلمہ ایک حرف پر مشتمل ہو جب اس کا نام لینا ہو تو وہ نام لیتے ہیں جو کس میں تھا؟ حروفِ تہجی میں بھئی۔ تو ہا ضمیر، ہا ضمیر اعراب بتاؤ بھئی؟ مجرور محلاً مضاف الیہ۔ بھئی میں تو اس پر پیش پڑھ رہا ہوں، رفع پڑھ رہا ہوں، آپ کیسے اس کو مجرور کہہ رہے ہیں؟ ہاں شاباش، یہ رفع نہیں ہے یہ اس کی حرکت ہے، یہ ضمہ اس کی حرکت ہے اور یہ اصل میں مجرور ہے بھئی۔ ما قبل میں زبر تھا اس لیے اس پر ضمہ پڑھ دیا، اگر ما قبل میں کسرہ ہوتا تو اس پر ہم کسرہ پڑھ دیتے بھئی۔ تو ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر بدل، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ» ترجمہ کیجیے: میں نے مارا زید کو یعنی اس کے سر کو۔ معلوم ہوا ضرب پورے بدن پہ نہیں لگی بلکہ کہاں پر لگی ہے؟ سر پہ لگی ہے بھئی۔

«وَبَدَلُ الِاشْتِمَالِ» اور تیسرا بدل الاشتمال ہے، «وَهُوَ مَا مَدْلُولُهُ مُتَعَلِّقُ الْمَتْبُوعِ» اور وہ بدل ہے کہ جس کا مدلول متبوع کا متعلق ہو۔ بھئی ادھر دیکھیے، اولاً جو آئے وہ کیا ہے؟ مبدل منہ، بعد میں جو آئے وہ کیا ہے؟ بدل، اور یہ جو بدل آیا یہ بدل الاشتمال ہے، یہ کیا ہے؟ تیسری قسم۔ بدل الکل میں کیا تھا؟ بدل کا مدلول اور ما قبل میں متبوع کا مدلول ایک ہی ہوتا تھا، اور بدل البعض میں بدل کا مدلول، جو بعد میں آیا بدل کا مدلول ما قبل کے مدلول کا جز ہوتا تھا، اور بدل الاشتمال میں یہ جو مابعد میں آ رہا ہے یعنی بدل، اس کا مدلول ما قبل میں جو متبوع آیا، تو جہ ہے؟ یہ بدل کا مدلول متبوع کے مدلول کے ساتھ اس کا تعلق ہو، نہ اس کا کل ہو نہ جز ہو۔ جیسے «سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ»، «سُلِبَ» سلب کے معنی چھیننے کے، «سُلِبَ زَيْدٌ» زید کو چھینا گیا «ثَوْبُهُ» یعنی اس کے کپڑے، یعنی اس کے کپڑوں کو۔ زید کو چھینا گیا یعنی اس کے کپڑوں کو۔ اب مجھے بتایئے، ما قبل میں ذکر آیا زید کا اور مابعد میں ذکر کس کا؟ اس کے کپڑوں کا، اور زید کے کپڑے یہ، زید ایک ذات پہ دلالت کر رہا ہے اور زید کے کپڑے کیا اسی ذات پہ دلالت کر رہے ہیں؟ نہیں، کیا اس کے جز پہ دلالت کر رہے ہیں؟ نہیں، کپڑے زید کا جز بھی نہیں ہیں، ہاں کپڑوں کا زید سے تعلق ہے مثلاً اس نے پہنے ہیں، اس کے بدن کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو کپڑے انسان کے، انسان کی حقیقت میں تو نہیں داخل، الگ چیز ہے، تو یہ جو کپڑے ہیں نہ زید کا کل ہے نہ زید کا جز ہے، ہاں اس کے ساتھ اس کا تعلق ہے، کیا ہے؟ تعلق ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو بدل الاشتمال کسے کہتے ہیں؟ کہ بدل کا مدلول، لفظ زبان سے دہرائیں بھئی، بدل کا مدلول متبوع کے مدلول سے متعلق ہو۔ بدل الکل کسے کہتے تھے؟ کہ بدل کا مدلول متبوع کے مدلول کا کل ہو، یا یوں کہیں بدل کا مدلول، زبان سے دہرائیں بھئی تاکہ آپ کی توجہ پوری ہو جائے، جو بدل ہے نا وہ بعد میں آ رہا ہے، اس بعد والے کا جو مدلول ہے وہ اور ما قبل والے کا مدلول ایک ہی چیز ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ بدل الکل، اور اگر بعد والے کا مدلول اول والے کے مدلول کا جز ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ بدل البعض، اور اگر بعد والے کا مدلول اول والے کے مدلول کا نہ کل ہے نہ جز ہے ہاں اس سے تعلق ہے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ بدل الاشتمال، بدل الاشتمال۔ یہ معنی ہے: «وَبَدَلُ الِاشْتِمَالِ: وَهُوَ مَا مَدْلُولُهُ مُتَعَلِّقُ الْمَتْبُوعِ»، اور وہ بدل ہے کہ جس کا مدلول «مُتَعَلِّقُ الْمَتْبُوعِ» متبوع کا متعلق ہو، «كَسُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ» چھینا گیا زید کو یعنی کہ اس کے کپڑوں کو۔ ترکیب کیجیے: «سُلِبَ» فعلِ مجہول، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبدل منہ، شاباش، مرفوع کیوں؟ کیونکہ نائب الفاعل ہے، فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے ہوتا ہے تو فعلِ مجہول کے لیے نائب الفاعل، تو یہ نائب الفاعل ہے اس لیے مرفوع ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ آگے بھئی «ثَوْبُ» مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ بدل ہے اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ اور آگے ہا ضمیر، یہ مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا؟ کیونکہ آگے ضمیرِ متصل ہے۔ آگے ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ

سے مل کر بدل، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر نائب الفاعل ہوا «سُلِبَ» فعل کے لیے، فعل اپنے نائب الفاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ ترجمہ کیجیے: چھینا گیا زید کو یعنی اس کے کپڑوں کو۔

بھئی یہ تو بدل الاشتمال کی تعریف آپ نے پڑھ لی۔ کیا تعریف پڑھی؟ کہ بدل کا جو مدلول ہوتا ہے وہ متبوع کا متعلق ہوتا ہے، متبوع کا متعلق ہوتا ہے، یعنی ان میں تعلق ہوتا ہے نہ یہ اس کا کل ہے نہ اس کا جز ہے ہاں ان دونوں میں تعلق ہے۔ جیسے یہاں کپڑے، کپڑے ذاتِ زید اور چیز ہے، زید کے کپڑے اور چیز ہیں، تو زید کے کپڑے نہ ذاتِ زید کا کل ہے نہ ذاتِ زید کا جز ہے، ہاں تعلق ہے ان کا زید کے ساتھ کہ یہ زید کے کپڑے ہیں بھئی۔ بھئی یہ تو بدل الاشتمال کی تعریف کی۔ کیا تعریف کی؟ کہ بدل کا مدلول متبوع کے مدلول سے متعلق ہو۔ یاد رکھیے آگے چل کر آپ بدل الاشتمال کی ایک اور تعریف پڑھیں گے، وہ بڑی پیاری تعریف ہے بھئی، بڑی پیاری تعریف، اس سے بات اور واضح ہو جائے گی۔ آپ آگے چل کر پڑھیں گے بھئی، بتائیں گے آپ کو کہ بدل الاشتمال وہ ہوتا ہے وہ بدل ہوتا ہے کہ جہاں پر جو پہلے آئے، کون ہے پہلے؟ مبدل منہ، کہ وہ جہاں پر جو مبدل منہ ہے وہ محل نہیں ہوتا وقوعِ فعل کا، کیا؟ ہاں جو مبدل منہ جو پہلے آیا ہوتا ہے وہ محل نہیں ہوتا وقوعِ فعل کا، بلکہ ذہن منتظر رہتا ہے کہ کوئی اور لفظ آئے اور وہ محل بنے فعل کا، کیا بنے؟ محل بنے فعل کا۔ جی دیکھو کیا بات میں نے کی؟ کہ جہاں، بدل الاشتمال کسے کہتے ہیں؟ جہاں مبدل منہ محل نہیں ہوتا کس کا؟ وقوعِ فعل کا۔ تو زبان سے دہراؤ بھئی، جہاں مبدل منہ محل نہیں ہوتا کس کا؟ وقوعِ فعل کا۔ بھئی دیکھو «سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ»، مبدل منہ کون؟ زید، یہ زید وقوعِ فعل کا محل نہیں۔ اس پر فعل واقع نہیں ہو سکتا ماقبل میں جو فعل ذکر ہوا۔ چھینا گیا، دیکھو ترجمے پہ غور کرو: چھینا گیا زید کو، بھئی زید کو تو نہیں چھینا جا سکتا، زید کو تو نہیں چھینا جا سکتا، پھر کیا معنی زید کو چھینا گیا؟ دیکھو ماقبل میں فعل کیا ہے؟ «سُلِبَ» چھینا گیا، اور یہ زید کے لیے استعمال ہو رہا ہے حالانکہ زید کو تو چھینا نہیں جا سکتا، تو زید دیکھو اس فعل کا محل نہیں ہے، یہ فعل اس پر واقع نہیں ہو سکتا۔

بدل الاشتمال کسے کہتے ہیں؟ جہاں پر مبدل منہ وہ وقوعِ فعل کا محل نہیں ہوتا، ذہن منتظر رہتا ہے کوئی لفظ اور آنا چاہیے جو فعل کو قبول کرے۔ دیکھو جب میں نے کہا «سُلِبَ زَيْدٌ»، چھیننے کی نسبت میں نے کس کی طرف کی ہے؟ زید کی طرف، چھینے جانے کی، کہ زید کو چھینا گیا حالانکہ زید تو محلِ فعل کو قبول نہیں کر رہا، زید کو تو نہیں چھینا جا سکتا، ذہن ابھی بھی منتظر ہے کہ کوئی آگے اور لفظ آنا چاہیے جو اس چھیننے کے فعل کو قبول کرے، جس پر یہ فعل واقع ہو سکے، تو آگے «ثَوْبُهُ» کپڑوں کا ذکر آ گیا کہ اس کے کپڑے چھینے گئے، اب ذہن مطمئن ہو گیا، ہاں کپڑوں کو چھینا جا سکتا ہے۔ خود زید کو تو زید سے چھینا نہیں، ہاں اس کے کپڑوں کو اس سے چھینا جا سکتا ہے۔ تو جب میں نے کہا «سُلِبَ زَيْدٌ» صرف مبدل منہ کا ابھی ذکر آیا ہے اور مبدل منہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ محلِ فعل نہیں بنتا، وقوعِ فعل کو قبول نہیں کرتا، اور ذہن ابھی بھی منتظر رہتا ہے کہ آگے کیا آنا چاہیے؟ کوئی اور لفظ آئے جو اس وقوعِ فعل کو قبول کرے یا جو اس فعل کا محل بن سکے۔ زبان سے دہرائیں بھئی، کیا؟ بدل الاشتمال کسے کہتے ہیں؟ وہ وہ ہے، بدل الاشتمال، بات کر رہا ہوں میں دوسرے کی، کس کی کر رہا ہوں؟ مبدل منہ پہلے آتا ہے یا بدل بعد میں آتا ہے؟ تو بدل دوسرے نمبر پر آ رہا ہے میں اس کو بیان کر رہا ہوں، بدل الاشتمال، ٹھیک ہے؟ اور کیا تعریف کی؟ بدل الاشتمال وہ ہوتا ہے کہ جہاں پر مبدل منہ وہ محل نہیں ہوتا وقوعِ فعل کا، بلکہ ذہن منتظر رہتا ہے کہ کوئی اور لفظ آئے اور وہ آ کر کیا کرے؟ اس فعل کو قبول کرے۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟ یہ لکھیں بھئی، یہ تعریف لکھو لگتا ہے یہ آپ کے لیے یاد کرنا ویسے مشکل ہو گی، یہ تعریف لکھ لو: بدل الاشتمال وہ ہوتا ہے کہ جہاں مبدل منہ محل نہیں ہوتا وقوعِ فعل کا اور ذہن منتظر رہتا ہے کہ کوئی اور لفظ آئے جو فعل کو قبول کرے۔ بس بھئی تعریف لکھ لی بھئی؟

جیسے مثال سمجھ میں آ گئی آپ کو بھئی؟ مثلاً مثال کیا تھی؟ «سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ» زید کو چھینا گیا، تو یہ زید تو چھیننے کے فعل کو قبول نہیں کر رہا، ذہن ابھی بھی منتظر ہے کوئی اور لفظ آنا چاہیے جو اس چھیننے کے فعل کو کیا کرے؟ قبول کرے، اور پھر «ثَوْبُهُ» کا لفظ آ کر اس فعل کو قبول کر لیتا ہے، یعنی وہ اس کو تو چھینا جا سکتا ہے، اب بات پوری واضح ہو جاتی ہے سمجھ میں آ جاتی ہے۔ یا جیسے اور مثال ہے، ایک اور مثال بھئی: «أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ»، لکھ لیجیے بھئی: «أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ»۔ «أَعْجَبَنِي» مجھے تعجب میں ڈالا زید نے یعنی کہ «عِلْمُهُ» اس کے علم نے۔ اب دیکھو مجھے تعجب میں ڈالا زید نے، اور یہ «عِلْمُهُ» یہ اس سے بدل الاشتمال ہے، «زَيْدٌ» مبدل منہ ہے اور «عِلْمُهُ» بدل الاشتمال، کیونکہ یہ علم جو ہے زید کا علم، یہ زید کا کل ہے؟ نہیں، یہ اس کا جز ہے؟ نہیں، ہاتھ پاؤں وغیرہ ہے؟ نہیں، تو یہ جز بھی نہیں اس کا، ہاں یہ اس کا متعلق ہے کہ زید کا علم ہے بھئی جس کا اس کے ساتھ تعلق ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اور یہاں دیکھیے کہ یہ بدل جو ہے، جو مبدل منہ جو ہے وہ وقوعِ فعل کو قبول نہیں کر رہا، مجھے تعجب میں ڈالا، کس نے؟ زید نے، مجھے زید نے تعجب میں ڈالا۔ بھئی دیکھیے کسی کی ذات کسی کو تعجب میں نہیں ڈالتی، جیسے آپ کی ذات ہے ویسے ہی زید کی بھی ذات ہے، جیسے آپ انسان ہیں وہ بھی انسان ہے، تو کیا انسان کو دیکھ کر آپ حیرت میں پڑ جاتے ہیں؟ نہیں، حیرت میں تو انسان حیران تو تب ہوتا ہے نا جب کوئی عجیب بات دیکھے، جب آپ خود انسان ہیں تو دوسرا انسان آپ کے لیے عجیب بات نہیں ہے، تو آپ کو کسی اور کی ذات تعجب میں نہیں ڈالتی، زید، عمرو، بکر، کوئی بھی ہو، آپ کو وہ حیران نہیں کرتا، ہاں اس کی کوئی صفت وغیرہ ہو گی وہ آپ کو حیران کر سکتی ہے، خود اس کی ذات حیران کرنے والی نہیں، تو لہٰذا جب آپ نے کہا «أَعْجَبَنِي زَيْدٌ» مجھے زید نے تعجب میں ڈالا، تو ذہن قبول نہیں کر، یہ

مبدل منہ قبول نہیں کر رہا وقوعِ فعل کو، ذہن منتظر ہے کہ کوئی لفظ آگے ایسا آنا چاہیے جو اس فعل کو کیا کر لے؟ قبول کر لے، یعنی کوئی ایسی چیز آنی چاہیے جو تعجب میں ڈالے، یہ زید کی ذات تو کسی کو تعجب میں نہیں ڈال سکتی، تو آگے پھر اس کی ایک صفت ذکر ہو گئی «عِلْمُهُ» یعنی زید کے علم نے تعجب میں ڈالا ہے، اور علم ہاں یہ ایسی چیز ہے کسی کا علم جب بہت زیادہ ہو وہ کیا کر سکتا ہے؟ آپ کو تعجب میں ڈال دیتا ہے اور آپ حیران رہ جاتے ہیں کہ اس کو اللہ نے کتنا علم دیا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

آگے دیکھیے کتاب پر: «وَبَدَلُ الْغَلَطِ» اور چوتھی قسم جو ہے بدل الغلط ہے۔ بھئی غَلَط لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا، غَلْط لام کو ساکن نہیں پڑھنا، لام کو ساکن پڑھنا غلط ہے۔ اَلْغَلْطُ غَلَطٌ، غلْط لام کے سکون کے ساتھ یہ لفظ جو ہے غلْط یہ لفظ بھی کیا ہے؟ غلط ہے، تو لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا۔ تو کہتے ہیں: «وَبَدَلُ الْغَلَطِ» اور چوتھی قسم بدل الغلط ہے، «وَهُوَ مَا يُذْكَرُ بَعْدَ الْغَلَطِ» اور وہ بدل ہے جس کو غلطی کے بعد ذکر کیا جائے۔ بھئی آپ کہنا یہ چاہتے تھے میرے پاس زید آیا، «جَاءَنِي زَيْدٌ»، لیکن غلطی سے زبان سے عمرو کا لفظ نکل آیا، «جَاءَنِي عَمْرٌو» کہہ دیا، اگلے ہی لمحے میں آپ اس کی اصلاح کرتے ہیں اور زید کو بھی ساتھ ذکر کر دیتے ہیں۔ کہنا میں کیا چاہتا تھا کون آیا ہے؟ زید، اور غلطی سے زبان سے کیا لفظ نکل آیا؟ عمرو، اور اگلے ہی لمحے میں اصلاح بھی کر لیتا ہوں اور پھر زید کو ذکر کر دیتا ہوں: «جَاءَنِي عَمْرٌو زَيْدٌ»، «جَاءَنِي عَمْرٌو زَيْدٌ»۔ یہ عمرو کیوں میں نے ذکر کیا؟ یہ غلطی سے، میں تو زید کہنا چاہتا تھا، بے دھیانی میں زبان سے کیا ادا ہو گیا؟ عمرو، ساتھ ہی پھر میں نے فوراً اصلاح بھی کر دی اور کیا کہہ دیا؟ «زَيْدٌ»۔ تو «جَاءَنِي عَمْرٌو زَيْدٌ»، تو یہ بدل الغلط ہے بھئی، بدل الغلط ہے۔

اب دیکھیے، ایک ماقبل میں ذکر ہے عمرو، مابعد میں ذکر ہے زید۔ مجھے بتائیے، عمرو اور زید یہ دونوں ایک ذات ہیں یا الگ الگ؟ الگ الگ، لہٰذا یہ بدل الکل بھی نہیں کہ آپ یہ کہیں کہ دونوں کا مدلول ایک ہی ہے۔ ماقبل میں جو مثال آئی تھی «زَيْدٌ» اور «أَخُوكَ»، جو زید تھا وہی آپ کا بھائی بھی تھا، تو زید اور «أَخُوكَ» دونوں کا مدلول کیا تھا؟ ایک، لیکن یہاں عمرو اور زید دونوں کا مدلول الگ الگ ہے۔ اور نیز یہ زید اور عمرو، یہ زید جو ہے یہ عمرو کا جز بھی نہیں، اور یہ زید اس کے متعلق بھی نہیں، تو نہ یہ بدل الکل ہے، نہ بدل البعض ہے، نہ بدل الاشتمال ہے، بلکہ یہ بدل الغلط ہے۔ تو بدل الغلط کا یہ معنی نہیں کہ وہ غلط ہوتا ہے، بلکہ غلطی اس کا سبب بنتی ہے، زبان سے غلطی سے ایک اور لفظ نکل آیا تو اس غلطی کی وجہ سے آپ کو پھر آگے کیا لانا پڑا؟ بدل کو یعنی صحیح لفظ کو لانا پڑا بھئی۔ تو کہتے ہیں: «وَبَدَلُ الْغَلَطِ: وَهُوَ مَا يُذْكَرُ بَعْدَ الْغَلَطِ» وہ ہے جس کو ذکر کیا جائے غلطی کے بعد، «نَحْوُ جَاءَنِي زَيْدٌ جَعْفَرٌ»۔ جی ترکیب کیجیے: «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبدل منہ، آگے «جَعْفَرٌ» مرفوع لفظاً بدل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ بدل ہے، شاباش، اور بدل مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ جی ترجمہ کیجیے: آیا میرے پاس زید یعنی کہ جعفر، آیا میرے پاس زید یعنی کہ جعفر۔ آپ کہنا کیا چاہتے تھے؟ جعفر آیا، غلطی سے کیا ادا کر دیا؟ زید بھئی، تو فوراً ہی اصلاح بھی کر دی۔ یا جیسے آپ کہتے ہیں: «رَأَيْتُ رَجُلًا حِمَارًا»۔ جی کیا ترجمہ آپ کریں اب پتہ چلے گا، حمار گدھے کو کہتے ہیں بھئی۔ میں نے دیکھا ایک آدمی یعنی کہ ایک گدھا۔ اب مجھے بتائیے، یہ کون سا بدل ہے؟ یہ بدل الغلط ہے۔ کہنا شروع سے ہی آپ یہ چاہتے تھے میں نے ایک گدھا دیکھا، بے دھیانی میں زبان سے کیا لفظ ادا ہو گیا؟ «رَجُلًا»، اگلے ہی لمحے میں آپ نے فوراً متوجہ ہو گئے اور اس لفظ کی اصلاح کر کے کیا کہہ دیا؟ «حِمَارًا»۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ ترکیب کیجیے بھئی: «رَأَيْتُ» فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، «رَجُلًا» منصوب لفظاً مبدل منہ، «حِمَارًا» منصوب لفظاً بدل۔ منصوب کیوں؟ بدل ہے، شاباش، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر مفعول ہوا، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو یہ بدل مبدل منہ ہیں بھئی، ان کو موصوف صفت نہ بنا دینا بھئی، بات سمجھ میں آ گئی؟

اب مجھے آپ بتائیے، بدل کی چاروں قسمیں سمجھ میں آ گئیں؟ بدل الکل کسے کہتے ہیں؟ کہ جہاں بدل کا مدلول اور مبدل منہ کا مدلول ایک ہی ہو۔ بدل البعض کسے کہتے ہیں؟ جہاں بدل کا مدلول متبوع کے مدلول کا جز ہو۔ بدل الاشتمال؟ جہاں بدل کا مدلول متبوع کا متعلق ہو یا متبوع کے مدلول کا متعلق ہو۔ اچھا، اور بدل الغلط کسے کہتے ہیں؟ جو غلطی کے بعد ذکر کیا جائے بھئی۔ جی اب مجھے آپ بتائیے: «جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوهُ»، «جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوهُ»، آیا میرے پاس زید یعنی کہ اس کا بھائی، یہ کون سا بدل ہے؟ جی؟ ہاں شاباش، انہوں نے کہا بدل الکل۔ آیا میرے پاس زید، آپ نے دیکھا یہ بھی «أَخُوكَ» کی طرح ہے، «جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ» وہ کیا تھا؟ بدل الکل، اب میں نے کیا کہا: «جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوهُ» تو یہ آپ نے کہا بدل الکل ہے۔ آیئے اب تعریف ذرا لگا کر دیکھتے ہیں، دونوں کا مدلول ایک ہونا چاہیے۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ»، ایک ہے زید کا مدلول، «أَخُوهُ» یعنی اَخو زید، دوسرا ہے زید کا بھائی، مجھے بتائیے: زید اور زید کا بھائی کیا ایک ہی ذات پہ دلالت کرتے ہیں یا الگ الگ ہیں؟ الگ الگ ہیں ظاہر سی بات ہے، زید اور ہے اس کا بھائی اور ہے۔ ہم نے تو بدل الکل میں پڑھا تھا

دونوں کا مدلول ایک ہوتا ہے، تو دونوں کا مدلول تو ایک نہیں، تو جواب یہ کہ یہ بدل الغلط ہے۔ کیونکہ زید کا بھائی نہ زید کا کل ہے، نہ زید کا جز ہے، نہ اس کا متعلق ہے، بلکہ یہ اس سے الگ ہے، تو یہ بدل الغلط ہے۔ آپ کہنا ہی یہ چاہتے تھے زید کا بھائی آیا، غلطی سے کیا ادا کر بیٹھے؟ زید آیا، تو فوراً اصلاح کی۔

■ قولہ: «وَالْبَدَلُ إِنْ كَانَ نَكِرَةً مِنْ مَعْرِفَةٍ يَ...» کی تشریح

«وَالْبَدَلُ إِنْ كَانَ نَكِرَةً مِنْ مَعْرِفَةٍ يَجِبُ نَعْتُهُ، كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿بِالنَّاصِيَةِ * نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ﴾» ۔ اب یاد رکھیے بھئی، بھئی ایک ہے مبدل منہ، ایک ہے بدل، تو جہ ہے؟ جو پہلے آئے وہ کون ہے؟ مبدل منہ، جو بعد میں آئے وہ ہے بدل۔ اب ان دونوں میں مقصود کون ہوتا ہے؟ وہ بدل مقصود ہوتا ہے جو بعد میں آئے، انہوں نے تعریف کی تھی اور آپ کو بتایا تھا کہ دونوں میں سے مقصود کون ہوتا ہے؟ بدل مقصود ہوتا ہے۔ اب دیکھیے یہاں چار صورتیں بنتی ہیں۔ پہلی صورت: مبدل منہ نکرہ آئے اور آگے بدل بھی نکرہ آئے، صورت تو جہ ہے؟ مبدل منہ کیا ہو؟ نکرہ، اور آگے بدل بھی نکرہ۔ دوسری صورت: مبدل منہ تو نکرہ ہے لیکن بدل کیا ہے؟ معرفہ ہے۔ اگلی دو صورتیں اس کے برعکس ہیں، پہلی دو صورتوں میں مبدل منہ نکرہ تھا، اگلی دونوں صورتوں میں مبدل منہ معرفہ ہوگا۔ تو پھر مبدل منہ معرفہ ہو تو پھر آگے بدل جو ہے وہ بھی یا معرفہ ہوگا یا نکرہ، دو صورتیں وہ بن گئیں، تو کل کتنی صورتیں ہیں؟ چار۔ پہلی صورت: مبدل منہ نکرہ اور بدل بھی نکرہ، دوسری صورت: مبدل منہ نکرہ اور بدل معرفہ، تیسری صورت: مبدل منہ معرفہ اور بدل بھی معرفہ، اور چوتھی صورت کہ مبدل منہ معرفہ اور بدل نکرہ۔ تو یہ چار صورتیں ہیں، چار صورتیں بنتی ہیں، اور ان چار صورتوں میں سے یاد رکھیے جو بھی صورت ہو اتنا آپ نے ذہن میں رکھنا ہے کہ جو بعد والا ہے وہ مقصود ہے۔ لہٰذا جو ماقبل میں آیا وہ ہوا غیر مقصود، جو مبدل منہ ہے وہ ہے غیر مقصود اور جو بعد میں آیا وہ ہے مقصود، لہٰذا مقصود کو غیر مقصود سے کم نہیں ہونا چاہیے، اس سے اعلیٰ ہو جائے تو اچھی بات ہے، تو جہ ہے؟ پہلے جو آیا وہ کون ہے؟ مبدل منہ، وہ مقصود نہیں، غیر مقصود ہے، اور جو بعد میں آیا؟ بدل، وہ مقصود ہے۔ تو کس کو اعلیٰ ہونا چاہیے؟ مقصود یعنی بدل کو اعلیٰ ہونا چاہیے۔ اگر اعلیٰ نہیں ہے تو کم از کم برابر ضرور ہونا چاہیے غیر مقصود کے، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا اگر مبدل منہ معرفہ ہو تو بدل کو بھی کیا ہونا چاہیے کم از کم؟ معرفہ۔ اگر مبدل منہ نکرہ ہو تو بھی بدل کو اعلیٰ ہونا چاہیے یعنی کیا؟ معرفہ، اگر معرفہ نہیں ہے تو کم از کم برابر ہو اور پھر کیا ہے؟ نکرہ، تو نکرہ بھی آجائے گا تو اس کے برابر ہے۔ لیکن ایک صورت میں مسئلہ بنتا ہے، کب؟ جب مبدل منہ ہو معرفہ اور بدل ہو نکرہ، اب غیر مقصود ہو گیا اعلیٰ اور مقصود کیا ہوا؟ ادنیٰ، حالانکہ مقصود کو اعلیٰ ہونا چاہیے، اگر اعلیٰ نہیں ہوتا تو کم از کم کیا ہونا چاہیے؟ برابر، غیر مقصود کے برابر ہونا چاہیے، لیکن یہاں تو غیر مقصود وہ معرفہ ہے وہ اعلیٰ ہے اور بدل نکرہ ہے وہ ادنیٰ ہے۔ تو صرف اس صورت میں یاد رکھیے، جب مبدل منہ معرفہ ہو اور بدل نکرہ ہو تو بدل ادنیٰ ہو رہا ہے، لہٰذا اس صورت میں واجب ہے کہ بدل کی صفت لائی جائے۔ مبدل منہ ہے معرفہ، تو جہ ہے؟ اور بدل کیا آگیا؟ نکرہ، جو مقصود ہے وہ تو ادنیٰ آگیا حالانکہ اسے تو کیا آنا چاہیے تھا؟ اعلیٰ یا کم از کم برابر ہونا چاہیے تھا مبدل منہ کے، تو اب وہ تو نکرہ آگیا تو اب کم از کم کچھ نہ کچھ تلافی کی جائے گی، اور اس کی آگے پھر صفت لانا واجب ہوگا، اور آپ پڑھ چکے صفت سے موصوف میں تخصیص آجاتی ہے، نکرہ کی صفت لائی جائے تو اس میں کیا آجاتی ہے؟ تخصیص۔ مثلاً وہ مثال گزری تھی، ایک ہے عام غلام، ایک ہے مومن غلام۔ دنیا میں مثلاً فرض کریں ایک کروڑ غلام ہیں، جب میں نے کہا: «غُلَامٌ»، یہ کتنے لوگوں پر بولا جا رہا ہے؟ سب پر یعنی ایک کروڑ احتمالات ہیں، ایک کو لیں وہ بھی غلام، دوسرے کو لیں وہ بھی غلام، تیسرے کو لیں وہ بھی غلام، ہر ایک کو غلام کہا جا سکتا ہے۔ لیکن جب میں صفت لے آؤں اس کی: «غُلَامٌ مُؤْمِنٌ»، اب فرض کریں مومن صرف ان میں ایک لاکھ ہیں، تو دیکھو پہلے اس غلام کے اندر کتنے احتمال تھے؟ ایک کروڑ، اور جب صفت لے آیا «غُلَامٌ مُؤْمِنٌ» اب ہر غلام کو نہیں کہہ سکتا صرف کتنوں کو کہہ سکتا ہوں؟ ایک لاکھ کو، تو اب احتمال کم ہو گئے، ایک لاکھ ہو گئے، تو تخصیص آگئی، کیا آگئی؟ تخصیص۔

اور تخصیص سے نکرہ معرفہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین ذات پہ دلالت کرے، زید، زید جیسے ہی میں نے کہا آپ کے ذہن میں فوراً ایک شخص کی صورت آگئی جس کا نام زید ہے، آپ کا ایک ساتھی ہے۔ تو دیکھو معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین ذات پہ دلالت کرے، جیسے اس کا ذکر کریں وہ ذہن میں فوراً آجائے، وہ ہے معرفہ۔ تو مبدل منہ ہے معرفہ اور بدل کیا ہے؟ نکرہ، اور مبدل منہ معرفہ ہو اور بدل آجائے نکرہ تو اس بدل کی صفت لانا واجب ہے۔ تو وہ نکرہ ہے اور اس کی صفت آجائے گی اس میں کیا آجائے گی؟ تخصیص، اور تخصیص سے وہ معرفہ تو نہ بنا لیکن معرفہ کے قریب ہو گیا، معرفہ کے قریب، کیونکہ احتمالات کم ہو گئے، اور جوں جوں احتمالات کم ہوتے جائیں گے یہ معرفہ کے قریب ہوتا جائے گا، ہوتا جائے گا، ہوتا جائے گا، اور جب باقی سارے احتمال ختم صرف ایک ہی چیز معین چیز کا احتمال ہوا تو وہ کیا بن جائے گا؟ معرفہ۔ زید میں کوئی اور احتمال ہے؟ نہیں، ایک ہی معین ذات کا احتمال ہے۔ تو

نکرہ میں احتمالات کم کرتے جاؤ کرتے جاؤ، جب احتمالات ختم ہو جائیں گے ایک ہی احتمال رہ جائے گا تو وہ کیا بن جائے گا؟ معرفہ، یعنی معین پہ دلالت کر رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہاں پر بھی مبدل منہ تھا معرفہ اور بدل کیا تھا؟ نکرہ، تو اس صورت میں اس کی صفت لانا واجب تا کہ اس میں کیا پیدا ہو جائے؟ تخصیص۔ تخصیص سے یہ معرفہ تو نہیں بنا لیکن کم از کم معرفہ کے قریب ہو گیا، اور قریب الشیء فی حکم الشیء ہوتا ہے، اسی شے کے حکم میں ہوتا ہے، اسی کی طرح ہوتا ہے، بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ جیسے بادشاہ کا سیکرٹری جو ہے اس کا حکم بھی کس کی طرح چلتا ہے؟ بادشاہ کی طرح ہی چلتا ہے۔

کہتے ہیں: «وَالْبَدَلُ إِنْ كَانَ نَكِرَةً مِنْ مَعْرِفَةٍ» اور بدل جو ہے اگر وہ نکرہ آجائے «مِنْ مَعْرِفَةٍ» کس سے؟ معرفہ سے، یعنی مبدل منہ تو ہے معرفہ اور بدل کیا آجائے؟ نکرہ۔ تو کہتے ہیں بدل اگر نکرہ آجائے، کہتے ہیں: «وَالْبَدَلُ إِنْ كَانَ نَكِرَةً مِنْ مَعْرِفَةٍ يَجِبُ نَعْتُهُ» بدل جو ہے اگر وہ نکرہ ہو جائے معرفہ سے «يَجِبُ نَعْتُهُ» تو اس کی نعت یعنی اس کی صفت لانا واجب ہے «كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿بِالنَّاصِيَةِ * نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ﴾» جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿بِالنَّاصِيَةِ * نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ﴾۔ «بِالنَّاصِيَةِ» باجارہ ہے، «النَّاصِيَةِ» یہ مبدل منہ ہے اور یہ معرفہ ہے الف لام داخل ہے۔ اس سے آگے جو دوبارہ «نَاصِيَةٍ» آرہا ہے یہ اس سے بدل ہے، یہ کیا ہے؟ بدل۔ تو مبدل منہ ہوا معرفہ اور بدل ہوا نکرہ، اور بدل تو مقصود ہوتا ہے اور وہ تو ادنیٰ ہو رہا ہے، اور اس کو تو ادنیٰ نہیں ہونا چاہیے، اعلیٰ ہونا چاہیے یا کم از کم برابر، برابر تو ہو نہیں سکتا تو پھر کم از کم کیا کریں گے؟ اس کی صفت لے آئیں گے، جیسے یہاں اس کی صفت کیا لائی گئی؟ «كَاذِبَةٍ» اسی وجہ سے لائی گئی تا کہ وہ جو کمی آئی ہے اس کی کچھ نہ کچھ تلافی ہو جائے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو ترکیب کیا ہو گی؟ «النَّاصِيَةِ» مبدل منہ ہے، اور «نَاصِيَةٍ» موصوف ہے، «كَاذِبَةٍ» اس کی صفت ہے، اور اس کے اندر ہی ضمیر جو کس کو راجع؟ «نَاصِيَةٍ» کو، کیونکہ صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے، تو موصوف صفت مل کر یہ کیا ہے؟ بدل بھئی، اور مبدل منہ بدل سے مل کر باجارہ کے لیے مجرور ہے بھئی۔ اور دونوں دیکھا، بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے، «النَّاصِيَةِ» مجرور ہے تو آگے آنے والا «نَاصِيَةٍ» بھی مجرور ہے بھئی۔ ہاں فرق صرف یہ: «النَّاصِيَةِ» پر چونکہ الف لام داخل ہے اس پہ تنوین نہیں آسکتی، جبکہ آگے «نَاصِيَةٍ» پر الف لام نہیں اس پر کیا آگئی؟ تنوین آگئی بھئی۔ لہٰذا اب آپ سے کوئی اعراب پوچھے: «النَّاصِيَةِ» یہ کیوں مجرور ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ اس پہ باجارہ داخل ہے۔ آپ سے کوئی پوچھے: «نَاصِيَةٍ» یہ کیوں مجرور ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ کیونکہ یہ بدل ہے اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے، مبدل منہ مجرور ہے تو یہ بھی مجرور۔ آپ سے کوئی پوچھے: یہ «كَاذِبَةٍ» کیوں مجرور ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ کیونکہ یہ صفت ہے «نَاصِيَةٍ» کی اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے بھئی، شاباش۔

تو کہتے ہیں: بدل اگر نکرہ آجائے معرفہ سے تو اس کی صفت لانا واجب ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿بِالنَّاصِيَةِ * نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ﴾۔ «وَلَا يَجِبُ ذَلِكَ فِي عَكْسِهِ» اور اس کے برعکس صورت میں ایسا واجب نہیں، برعکس کیا؟ اگر مبدل منہ نکرہ ہو اور بدل کیا ہو؟ معرفہ۔ مبدل منہ نکرہ اور بدل معرفہ، تو بدل تو ہے مقصود تو اس کو تو ہونا اعلیٰ ہونا چاہیے اور وہ اعلیٰ ہے لہٰذا وہاں صفت لانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ مبدل منہ ہے نکرہ اور بدل ہے معرفہ۔ تو اس صورت میں بھی «وَلَا يَجِبُ ذَلِكَ فِي عَكْسِهِ» تو اس کے برعکس صورت میں ایسا واجب نہیں یعنی صفت لانا واجب نہیں۔ «وَلَا فِي الْمُتَجَانِسَيْنِ» اور دونوں ایک جنس والے ہوں تب بھی صفت لانا واجب نہیں، دونوں کی جنس ایک ہو، کیا معنی؟ یعنی اگر مبدل منہ نکرہ ہو تو بدل بھی نکرہ ہو، یا مبدل منہ معرفہ ہو اور بدل بھی معرفہ ہو تو دونوں ایک جنس کے ہوئے۔ ان صورتوں میں بدل مبدل منہ کے برابر ہے، جب برابر ہے تو صفت لانے کی ضرورت نہیں ہے بھئی۔

اچھا یہاں ایک اور نکتہ آپ کو بتلائیں بھئی۔ یہاں ناصیہ کا ذکر آیا، ناصیہ یاد رکھو، ناصیہ یہ سر کے اگلے حصے کے بال جو ہیں، یہ جو پیشانی کے ساتھ، پیشانی کے ساتھ سر کا اگلا حصہ ہے، اس اگلے حصے کے پیشانی کے لگ بھگ حصہ یہ سر کا یہ حصہ اس حصے کے یہ بال ناصیہ کہلاتے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو یہ سر کے اگلے حصے کے بال پیشانی کے بقدر، یہ ناصیہ کہلاتے ہیں بھئی، ناصیہ۔ اور قرآن میں اللہ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے دن مجرموں کو پکڑا جائے گا ﴿بِالنَّاصِيَةِ﴾ پیشانی کے بالوں سے، قیامت کے دن مجرموں کو پیشانی کے بالوں سے پکڑا جائے گا، ﴿نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ﴾ وہ ناصیہ جو جھوٹ بولنے والی ہے، وہ ناصیہ جو جھوٹ بولنے والی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجرموں کو ناصیہ اس سر کی پیشانی کے بالوں سے کیوں پکڑا جائے گا بھئی؟ کیوں پکڑا جائے گا؟ تو سائنس دانوں نے تحقیق کی بھئی آج، اور تحقیق کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ یہ جو انسانی دماغ ہے، ایک اس کا آگے والا حصہ ہے، ایک درمیان والا اور ایک پیچھے والا حصہ ہے، اور یہ جو انسان کے ذہن میں غلط خیالات آتے ہیں، گناہ کے خیالات آتے ہیں، برائی کے خیالات آتے ہیں، برائی کے جو منصوبے بنتے ہیں یہ سب دماغ کے اگلے حصے میں بنتے ہیں، اسی لیے مجرموں کو بھی سر کے اس اگلے حصے سے پکڑا جائے گا اور اسی لیے قرآن میں کیا آیا کہ مجرموں کو کہاں سے پکڑا جائے گا؟ ناصیہ سے، اور اسی وجہ سے اس ناصیہ کو کاذبہ کہا گیا، یہ وہ ناصیہ ہے جو جھوٹ بولنے والی ہے، باطل خیالات بتانے والی ہے بھئی۔ چلیے بس بھئی، ھذا ھو المرام، واللہ أعلم بحقیقۃ

الکلام۔ «رَأَيْتُ رَجُلًا حِمَارًا» میں نے دیکھا ایک آدمی کو، میں نے بتایا تو ہے، ترجمہ کس کے ساتھ کرنا ہے؟ یعنی کے ساتھ بھئی۔ «رَأَيْتُ رَجُلًا» میں نے دیکھا، ہاں یہاں نہیں کریں گے، غلط میں ایسے نہیں کریں گے، میں نے ایک آدمی کو دیکھا، ایک آدمی، حمار کو دیکھا میں نے، فوراً جیسے غلطی کی اصلاح نہیں کرتے؟ اس طرح ترجمہ کریں گے۔

سبق نمبر ۷۵: فصل عطف البیان: عطفِ بیان کی تعریف، بدل سے فرق اور اختتامِ بابِ معرب

ہدایۃ النحو صفحہ: ۵۷—بتاریخ: ۱۴ اپریل ۲۰۱۵ء

متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: عَطْفُ الْبَيَانِ تَابِعٌ غَيْرُ صِفَةٍ يُوْضِحُ مَتْبُوْعَهُ، وَهُوَ أَشْهَرُ اسْمَيْ شَيْءٍ، نَحْوُ: قَامَ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ، وَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ، وَلَا يَلْتَبِسُ بِالْبَدَلِ لَفْظًا فِي مِثْلِ قَوْلِ الشَّاعِرِ: أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبِكْرِيِّ بِشْرٍ ... عَلَيْهِ الطَّيْرُ تَرْقُبُهُ وُقُوْعًا

توابع کا بیان ہم پڑھ رہے تھے بھئی۔ آپ نے پڑھا تھا کہ تابع وہ ہے جو دوسرے درجے میں آئے اور اس پر وہی اعراب ہو جو اس کے ماقبل پر ہو اور یہ اعراب جو دونوں پر آیا وہ ایک ہی جہت سے آیا ہو، یعنی دونوں میں اعراب کا تقاضا کرنے والی ایک ہی چیز ہو۔ اور یہ توابع پانچ ہیں بھئی پانچ۔ سب سے پہلے صفت ہے اور اس کے بعد عطفِ نسق ہے، اور اسی طرح تاکید ہے، بدل ہے اور عطفِ بیان ہے۔

صفت کے بارے میں آپ نے پڑھ لیا بھئی کہ صفت وہ ایسا تابع ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے متبوع میں پایا جائے یا متبوع کے متعلق میں پایا جائے۔ اگر وہ معنی متبوع میں پایا جائے تو اسے صفت بحالہ کہتے ہیں، اور اگر وہ معنی متبوع کے متعلق میں پایا جائے تو اسے صفت بحال متعلقہ کہتے ہیں بھئی۔ اور اس کے بعد آپ نے عطفِ نسق کے بارے میں پڑھا کہ عطفِ نسق وہ ایسا تابع ہے کہ جس میں تابع کی طرف بھی اسی چیز کی نسبت ہوتی ہے جو متبوع کی طرف نسبت تھی اور وہ دونوں مقصود بالنسبت ہوتے ہیں بھئی، مقصود بالنسبت ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی انہوں نے آپ کو بتلایا کہ معطوف جو ہے وہ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے، یعنی اگر معطوف علیہ خبر ہے تو معطوف بھی خبر ہو گی، اگر معطوف علیہ فاعل ہے تو معطوف بھی فاعل ہو گا، اگر معطوف علیہ مفعول ہے تو معطوف بھی مفعول وغیرہ ہو گا بھئی۔

اس کے بعد انہوں نے تاکید کے بارے میں بتلایا کہ تاکید ایسا تابع ہے جو متبوع کو پکا کرتا ہے اس چیز میں جس کی نسبت اس کی طرف کی گئی ہے یا وہ شمولِ حکم کا فائدہ دیتی ہے بھئی تاکید، اور تاکید کی دو قسمیں ہیں: ایک تاکیدِ لفظی ہے اور ایک تاکیدِ معنوی ہے۔ تاکیدِ لفظی یہ ہے کہ اسی لفظ کو دوبارہ ذکر کیا جائے جو پہلے ذکر تھا، اور تاکیدِ معنوی وہ چند لفظوں کے ساتھ ہوتی ہے، آٹھ یا نو لفظ ہیں بھئی، جیسے نَفْسٌ ہے اور عَيْنٌ ہے، كِلَا اور كِلْتَا، اور كُلٌّ اور أَجْمَعُ، أَكْتَعُ، أَبْتَعُ اور أَبْصَعُ۔ ان میں سے نَفْسٌ اور عَيْنٌ جو ہیں مفرد، تثنیہ اور جمع تینوں کی تاکید کے لیے آتے ہیں اور طریقہ یہ ہے کہ صیغہ بھی بدلے گا اور ضمیر بھی بدلے گی۔ جبکہ كِلَا اور كِلْتَا یہ تثنیہ کی تاکید کے لیے آتے ہیں، جبکہ كُلٌّ اور أَجْمَعُ، أَكْتَعُ، أَبْتَعُ، أَبْصَعُ وغیرہ جو ہیں یہ مفرد اور جمع دونوں کی تاکید کے لیے آتے ہیں۔ كُلٌّ میں صرف ضمیر بدلے گی جبکہ أَجْمَعُ وغیرہ میں صرف صیغہ بدلے گا بھئی، ان میں صیغہ بدلے گا۔ اور كُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ذریعے صرف اس چیز کی تاکید آئے گی جس کے اجزا ہو سکیں، جس کے حصے ہو سکیں، چاہے وہ حصے حقیقتاً ہوں، حسّاً ہوں یعنی آنکھوں سے نظر آئیں، اور چاہے حصے جو ہیں وہ حکماً ہوں یعنی حکم لگایا جائے، حقیقت میں بے شک حصے آنکھوں سے الگ نظر نہ آئیں بھئی۔

اس کے بعد آپ نے بدل کے بارے میں پڑھا کہ بدل وہ ایسا تابع ہے کہ اس میں تابع کی طرف بھی اسی چیز کی نسبت کی جائے جس کی نسبت متبوع کی طرف ہو رہی تھی اور نیز بدل جو ہوتا ہے وہ مقصود ہوتا ہے نسبت کے ذریعے نہ کہ متبوع بھئی۔ تو یہ عطفِ نسق سے فرق آگیا۔ عطفِ نسق میں بھی جس چیز کی نسبت متبوع کی طرف تھی اسی چیز کی نسبت تابع کی طرف بھی، بدل میں بھی اسی طرح، لیکن عطفِ نسق میں دونوں مقصود بالنسبت ہوتے تھے جبکہ بدل میں جو دوسرا ہے یعنی بدل وہ ہے مقصود بالنسبت، جبکہ مبدل منہ یعنی جو پہلے ذکر ہوتا ہے اس کو بطورِ تمہید کے ذکر کیا جاتا ہے۔ اور آپ نے پڑھا بدل کی چار قسمیں ہیں: ایک بدل الکل ہے، ایک بدل البعض ہے، ایک بدل الاشتمال ہے اور ایک بدل الغلط ہے۔ بدل الکل اسے کہتے ہیں کہ جہاں مبدل منہ اور بدل دونوں ایک ہی ذات پر دلالت کریں۔ بدل البعض اسے کہتے ہیں جہاں بدل جو ہے وہ مبدل منہ کے جز پر دلالت کرے۔ اور بدل الاشتمال وہ ہوتا ہے جہاں بدل مبدل منہ کے متعلق پر کیا کرے؟ دلالت کرے بھئی۔ اور بدل الغلط وہ جس کا سبب غلطی بنے، یعنی ایک لفظ آپ بولنا چاہتے تھے اور غلطی سے زبان پر دوسرا لفظ آیا تو اگلے ہی لمحے میں ساتھ ہی آپ اس کی اصلاح کر کے صحیح لفظ بھی بول دیتے ہیں، جیسے: جَاءَنِيْ زَيْدٌ عَمْرٌو۔ آپ عمرو ہی کہنا چاہتے تھے لیکن زبان پر غلطی سے زید آیا اور آپ نے ساتھ ہی اصلاح بھی کر دی: جَاءَنِيْ زَيْدٌ عَمْرٌو۔

اب ہم عطفِ بیان کے بارے میں پڑھیں گے بھئی۔ اور یہ آخری تابع ہے بھئی پانچواں۔ یہ توابع ہیں۔ جانتے ہیں، میں بتلا چکا ہوں، ذکر کر چکے ہیں کہ ان میں تابع پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آتا ہے؟ متبوع پر۔ تو عطفِ بیان کی تعریف کر رہے ہیں کہ عطفِ بیان ایسا تابع ہے «غَيْرُ صِفَةٍ» جو صفت کے علاوہ ہوتا ہے، «يُوْضِحُ مَتْبُوْعَهُ» اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے۔ بھئی دیکھیے صفت آپ نے پڑھا تھا کہ صفت نکرہ کی بھی آتی ہے اور معرفہ کی بھی۔ نکرہ کی صفت آئے تو وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے یعنی احتمالات کو کم کر دیتی ہے، جبکہ معرفہ کے اندر صفت جو ہے وہ توضیح کا فائدہ دیتی ہے، توضیح کا معنی یعنی وضاحت کر دیتی ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِيْ زَيْدٌ التَّاجِرُ، میرے پاس وہ زید آیا جو تاجر ہے۔ اب آپ کو پتہ نہیں تھا کہ یہ زید تاجر ہے یا تاجر نہیں، تو زید میں دونوں احتمال تھے، ہو سکتا ہے تاجر ہو، ہو سکتا ہے تاجر نہ ہو۔ لیکن جب میں نے «التَّاجِرُ» کا لفظ ذکر کر دیا تو پتہ چل گیا کہ زید کیا ہے؟ تاجر ہے، اور غیر تاجر ہونے کا احتمال ختم ہوا۔ اس کو کہتے ہیں وضاحت، تو اس نے اپنے متبوع کی وضاحت کر دی۔ اور عطفِ بیان کی بھی یہی تعریف کر رہے ہیں کہ وہ بھی کیا کرتا ہے؟ اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے۔ تو اگر عطفِ بیان کی یہ تعریف کی جائے کہ عطفِ بیان وہ ہے جو اپنے متبوع کی وضاحت کرے، تو پھر یہ تعریف تو صفت پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ صفت بھی معرفہ کے اندر کیا کرتی ہے؟ اپنے متبوع کی وضاحت کرتی ہے۔ تو لہٰذا اس کو نکالنا ضروری ہے، صرف عطفِ بیان کی تعریف کر رہے ہیں، تو اسی لیے قید درمیان میں لگادی «غَيْرُ صِفَةٍ» کہ وہ ایسا تابع ہے جو صفت کے علاوہ ہوتا ہے اور «يُوْضِحُ مَتْبُوْعَهُ» اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے بھئی۔

▪ قولہ: «وَهُوَ أَشْهَرُ اسْمَيْ شَيْءٍ» کی تشریح

«وَهُوَ أَشْهَرُ اسْمَيْ شَيْءٍ» اور وہ اشہر، زیادہ مشہور بھئی، زیادہ مشہور۔ بھئی اسمِ تفضیل آپ نے پڑھا ہے، آگے چل کر آپ کو بتائیں گے۔ اسمِ تفضیل عموماً فاعل سے آتا ہے۔ اسمِ تفضیل عموماً کس سے آتا ہے؟ فاعل سے آتا ہے۔ جیسے دیکھو آپ نے گردان پڑھی: أَضْرَبُ، أَضْرَبُ کا کیا معنی؟ زیادہ پٹائی کرنے والا، تو دیکھو یہ ضارب سے ہے۔ ضارب کا معنی تھا پٹائی کرنے والا اور اسی میں مبالغہ کیا اور اسمِ تفضیل بنایا تو کیا بن گیا؟ أَضْرَبُ، زیادہ پٹائی کرنے والا۔ تو عموماً اسمِ تفضیل جو ہیں وہ فاعل ہی سے بنا کرتے ہیں، سمجھ میں آئی بات؟ اسمِ فاعل سے۔ لیکن یہ «أَشْهَرُ» دیکھ لیجیے، یہ اسمِ مفعول سے بنا ہے۔ اشہر کا کیا معنی؟ زیادہ مشہور، دیکھو مشہور، مفعول، وزن سے آرہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ چلیے یہ ایک بات ذہن میں آگئی میں نے کہا آپ کو بھی بتلا دوں، تو اشہر یہ اسمِ مفعول سے اسمِ تفضیل ہے بھئی۔ تعریف کر رہے ہیں کہتے ہیں «وَهُوَ أَشْهَرُ اسْمَيْ شَيْءٍ»، «اسْمَيْ» اصل میں تھا «اِسْمَيْنِ» تثنیہ ہے دو نام، پھر اضافت کی «شَيْءٍ» کی طرف تو نون گر گیا، «اِسْمَيْ شَيْءٍ» کسی چیز کے دو نام۔ تو کہتے ہیں «وَهُوَ أَشْهَرُ اسْمَيْ شَيْءٍ»، یہ جو عطفِ بیان ہے یہ کسی چیز کے دو ناموں میں سے جو زیادہ مشہور ہو وہ ہوتا ہے۔ کسی چیز کے دو نام ہیں، ان میں سے جو زیادہ مشہور ہے وہ کیا بنائیں گے؟ اسے عطفِ بیان بنائیں گے۔ جیسے بھئی آگے مثال آرہی ہے: «قَامَ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ»۔ یاد رکھیے بھئی خلیفۂ راشد، جلیل القدر صحابی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہیں ان کی کنیت ابو حفص تھی۔ کنیت وہ نام، نام ہوتا ہے جس کے شروع میں اب یا ابن یا ام وغیرہ کا لفظ آتا ہے عموماً بھئی۔ جیسے مثلاً آپ کا بیٹا ہے زید تو آپ اپنی کنیت رکھ لیتے ہیں ابو زید۔ اب ایک آپ کا اپنا اصل نام ہے اور ایک آپ کی کنیت ہو گئی ابو زید یعنی زید کا باپ، تو یہ کیا کہلاتی ہے؟ کنیت۔ تو دیکھیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا نام عمر ہے اور کنیت ابو حفص ہے بھئی، ابو حفص۔ اور یاد رکھیے یہ کنیت بھی نام کی طرح ہوتی ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک نام

ہے اور ایک کنیت، یہ دونوں ان کے نام ہیں لیکن زیادہ مشہور کیا ہے؟ عمر ہے، عمر۔ تو جو زیادہ مشہور ہے اس کو کیا بنایا؟ عطفِ بیان بھئی۔ تو کسی کے مثلاً کہنے والا اگر یہ کہے «قَامَ أَبُو حَفْصٍ» تو آپ کو پتہ نہیں چلے گا کہ اس سے کون مراد ہیں کیونکہ ان کی کنیت زیادہ مشہور نہیں ہے، لیکن جب ساتھ ہی آگے وہ عمر کو عطفِ بیان کے طور پر ذکر کر دے گا تو پتہ چل جائے گا کہ معلوم ہوا یہ ابو حفص اس سے کون مراد ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھئی۔

تو یہ کہتے ہیں «وَهُوَ أَشْهَرُ اسْمَيْ شَيْءٍ»، یہ عطفِ بیان جو ہے یہ کسی چیز کے دو ناموں میں سے جو زیادہ مشہور ہو وہ ہوتا ہے۔ «نَحْوُ: قَامَ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ»، کھڑے ہوئے ابو حفص عمر بھئی۔ «وَقَامَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عُمَرَ»، اور کھڑے ہوئے عبد اللہ یعنی ابنِ عمر بھئی۔ یہ یاد رکھیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کئی بیٹے تھے لیکن ایک بیٹے جو ہیں ان کا مقام سب سے اونچا، سنتوں کی بے انتہا پیروی کرنے والے اور عبادات کا بے انتہا شغف رکھنے والے وہ ہیں حضرت عبد اللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھئی۔ کیسے پڑھیں گے؟ عبد اللہ ان کا نام آخر میں رضی اللہ عنہ کہیں گے، لیکن رضی اللہ عنہما کہیں گے۔ کیا کہیں گے؟ رضی اللہ عنہما۔ عبد اللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، دیکھو آخر میں تثنیہ کی ضمیر لائیں گے۔ یا صرف یوں کہہ دیتے ہیں ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، تثنیہ کی ضمیر لاتے ہیں۔ ان دونوں سے اللہ راضی ہو بھئی۔ اور تو یہ تثنیہ کی ضمیر کیوں لاتے ہیں؟ وجہ یہ کہ حضرت عمر کا نام بھی ساتھ آرہا ہے اور بیٹے کا بھی ذکر آگیا ابنِ عمر، عمر کے بیٹے، تو دونوں کے لیے دعا ہو گئی بھئی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اسی طرح جب پڑھتے ہیں ابنِ عباس تو پھر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مفرد کے ساتھ نہیں کہیں گے، تثنیہ کی ضمیر: ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ کیونکہ حضرت عباس کا ذکر بھی آگیا اور ان کے بیٹے کا بھی ذکر، اور دونوں صحابی ہیں تو کیا کہیں گے؟ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ تو یہ ہر صحابی کے ساتھ نہیں، ہاں وہ جو خود بھی صحابی ہوں اور بیٹا بھی صحابی ہے اور بیٹے کا ذکر ہے کنیت کے ساتھ تو وہاں باپ کا بھی ذکر آگیا، جیسے ابنِ عمر میں ابن بیٹے کا بھی ذکر آگیا اور حضرت عمر کا بھی، ابنِ عباس میں ابن بیٹے کا بھی ذکر آگیا اور حضرت عباس کا بھی ذکر آگیا، تو دونوں کے لیے تاکہ یہ ہو جائے دعا، تو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہیں گے۔ اچھا یہ تو ویسے ایک بات میں نے زائد آپ کو بتلائی۔ بات چل رہی ہے اس وقت عطفِ بیان کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کئی بیٹے تھے لیکن ایک بیٹے جن کا مقام سب سے اونچا تھا وہ ابنِ عمر کی کنیت سے نام سے مشہور ہیں۔ نام ان کا عبد اللہ۔ تو جب مطلقاً بولا جائے ابنِ عمر، اب وہ اور بیٹے بھی ہیں سب ابنِ عمر ہیں لیکن مشہور اور شہرت ان کی زیادہ ہے تو یہی مراد ہوتے ہیں بھئی۔ مطلقاً جب ابنِ عمر کہا جائے تو یہ حضرت عبد اللہ ابنِ عمر مراد ہوتے ہیں، ان کو اتنی شہرت ملی بھئی۔ جیسے ابنِ عباس بھئی، حضرت عباس کے اور بھی بیٹے لیکن حضرت عبد اللہ ابنِ عباس کو اونچا مقام اور مرتبہ اللہ نے نصیب فرمایا تو جب مطلقاً ابنِ عباس کہا جائے، عباس کے بیٹے، تو یہ مراد ہوتے ہیں اور بیٹے مراد نہیں بھئی۔ تو یہاں دیکھیے نام ان کا تھا عبد اللہ اور کنیت کیا ہے؟ ابنِ عمر، لیکن یہ نام سے زیادہ مشہور ہیں یا ابنِ عمر سے زیادہ مشہور ہیں؟ ابنِ عمر سے، تو اس کو کیا کیا؟ عطفِ بیان بنایا۔ «قَامَ عَبْدُ اللَّهِ»، کھڑے ہوئے عبد اللہ، اب پتہ نہیں عبد اللہ سے کون مراد ہیں بھئی؟ عبد اللہ تو کتنے ہی صحابہ کا نام ہے، تو آگے بتلا دیا «ابْنُ عُمَرَ» یعنی کہ ابنِ عمر، تو یہ عطفِ بیان ہے بھئی۔

تو انہوں نے کیا بتلایا کہ عطفِ بیان جو ہے کسی چیز کے دو ناموں میں سے جو زیادہ مشہور ہوتا ہے وہ عطفِ بیان، اسے عطفِ بیان بناتے ہیں اور اس کے ذریعے وضاحت ہوتی ہے، لیکن دیگر علما لکھتے ہیں کہ عطفِ بیان کا زیادہ واضح ہونا ضروری نہیں۔ ایک ہے ما قبل میں جو ذکر ہو گا اسے یاد رکھیے اسے کہیں گے معطوف علیہ، اور جو بعد میں ذکر ہے وہ عطفِ بیان۔ جیسے ابھی پہلی مثال گزری «قَامَ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ»، یہ ابو حفص یہ ہے معطوف علیہ اور عمر یہ کیا ہے؟ عطفِ بیان۔ تو ترکیب کیسے ہو گی؟ قَامَ فعل، أَبُو مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے شاباش، اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اور مضاف کیسے پتہ چلا؟ ہاں یہ آگے مضاف الیہ آرہا ہے۔ تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ، اور حَفْصٍ یہ مضاف الیہ مجرور۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ معطوف علیہ ہوا اور یہ مرفوع ہے، أَبُو حَفْصٍ یہ کیا ہے؟ مرفوع۔ تو عُمَرُ یہ تابع ہے، اس پر بھی وہی اعراب آئے گا کیونکہ عطفِ بیان توابع میں سے ہے اور تابع پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آتا ہے؟ متبوع پر۔ تو یہ عُمَرُ مرفوع پڑھیں گے بھئی۔ تو کوئی پوچھے مرفوع کیوں؟ آپ کیا کہیں گے؟ کیونکہ یہ عطفِ بیان ہے اور اس پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر آتا ہے، اور معطوف علیہ تو مرفوع ہے تو یہ بھی مرفوع ہو۔ تو عُمَرُ مرفوع لفظاً عطفِ بیان، معطوف علیہ اپنے عطفِ بیان سے مل کر یہ فاعل ہوا قَامَ کے لیے، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آئی بھئی؟

اور اسی طرح: «قَامَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عُمَرَ»، قَامَ فعل، عَبْدُ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے، اور لفظِ اللہ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ معطوف علیہ، اور آگے ابْنُ عُمَرَ کیا ہے؟ وہ عطفِ بیان۔ تو ابْنُ مرفوع لفظاً مضاف، عُمَرَ مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے۔ بھئی اس پر تو میں زبر پڑھ رہا ہوں، یہ مجرور کیسے ہے؟ ہاں جر آتا ہی فتحہ کی صورت میں ہے، یہ غیر منصرف ہے یہ مجرور ہے اس وقت۔ تو یہ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر عطفِ بیان۔ تو ابْنُ کا کیا اعراب تھا؟ مرفوع لفظاً، مرفوع کیوں تھا؟ کیونکہ یہ عطفِ بیان ہے اور اس کا وہی اعراب جو عبد اللہ کا اعراب ہے، صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو اس میں مضاف کو دیکھا جاتا ہے، مضاف الیہ کو نہیں بھئی، یہ مضاف جو... تو معطوف علیہ اپنے عطفِ بیان سے مل کر یہ فاعل ہوا قَامَ کے لیے، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو جو ما قبل میں ہو اس کو کہتے ہیں معطوف علیہ، اور جو

مابعد میں آتا ہے، وضاحت کرتا ہے وہ ہے عطفِ بیان۔

اچھا تو انہوں نے کہا کہ عطفِ بیان جو ہے کسی چیز کے دو ناموں میں سے جو زیادہ مشہور ہو وہ ہوتا ہے، لیکن دیگر علما لکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نہیں، عطفِ بیان کا زیادہ مشہور ہونا ضروری نہیں، بلکہ دونوں کے ملنے سے وضاحت حاصل ہو جائے تو یہ کافی ہے۔ آپ ایک لفظ کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ ایک نام کو آپ عطفِ بیان بنانا چاہتے ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ عطفِ بیان اسی کو بنائیں گے جو زیادہ مشہور ہو گا، بلکہ جب دونوں کے ملنے سے وضاحت حاصل ہو رہی ہے تو آپ جس کو بھی چاہیں عطفِ بیان بنا سکتے ہیں۔ حاصل یہ کہ عطفِ بیان کا زیادہ مشہور ہونا ضروری نہیں ہے کہنے کا مطلب یہ ہے، صورت سمجھ میں آ گئی؟ مثلاً دیکھیے آپ کے دو ساتھی ہیں دونوں کا نام ہے عبد اللہ، دونوں کا نام کیا ہے؟ عبد اللہ۔ اور ان دونوں عبد اللہ میں سے ایک کی کنیت ابو زید ہے۔ بلکہ یوں سمجھیں آپ کے دو ساتھی ہیں، اب آپ کے تین ساتھی ہیں: دو کا نام ہے عبد اللہ اور ایک کا نام ہے مثلاً عبد الرحمن۔ کتنے ساتھی آپ کے؟ تین ساتھی، دو کا نام عبد اللہ اور ایک کا نام عبد الرحمن۔ ہاں ان عبد اللہ میں سے ایک کی کنیت ابو زید ہے، نام عبد اللہ اور کنیت ابو زید، اور دوسری طرف جو ساتھی عبد الرحمن ہے اس کی کنیت بھی ابو زید ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کتنے ساتھی؟ تین، دو کا نام عبد اللہ اور تیسرے کا نام عبد الرحمن۔ عبد اللہ میں سے ایک کی کنیت ابو زید اور عبد الرحمن کی کنیت بھی ابو زید۔ اب میں نے آپ سے کہا: میرے پاس ابو زید آیا تھا، آپ کو پتہ چلا کہ کون سا ابو زید آیا؟ نہیں، کیونکہ ایک ہے عبد اللہ وہ بھی ابو زید ہے اور دوسرا عبد الرحمن ہے وہ بھی کیا ہے؟ ابو زید۔ اچھا میں صرف یہ کہتا ہوں: میرے پاس عبد اللہ آیا، آپ کو پتہ چلا کون سا عبد اللہ آیا؟ نہیں، کیونکہ دو ساتھیوں کا نام عبد اللہ ہے تو پتہ نہیں کون سا آیا۔ لیکن اگر میں دونوں کو ملاؤں اور یوں کہوں: «جَاءَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ أَبُو زَيْدٍ»، دیکھا اب آپ کو پتہ چل گیا کون سا عبد اللہ آیا جس کی کنیت کیا تھی؟ ابو زید۔ تو دیکھا دونوں ناموں کے ملنے سے وضاحت ہو گئی۔ تو بس جب دونوں کے ملنے سے وضاحت ہو جائے تو پھر عطفِ بیان بنانا درست ہے، یہ ضروری نہیں کہ جس کو آپ عطفِ بیان بنا رہے ہوں وہ زیادہ مشہور ہو۔ اچھی طرح بات سمجھ میں آ گئی؟

▪ قولہ: «وَلَا يَلْتَبِسُ بِالْبَدَلِ لَفْظًا» کی تشریح

«وَلَا يَلْتَبِسُ بِالْبَدَلِ لَفْظًا» اور یہ اس کا التباس نہیں ہوتا بدل کے ساتھ لفظوں کے اعتبار سے، «فِي مِثْلِ قَوْلِ الشَّاعِرِ» کسی شاعر کے اس قسم کے قول میں۔ بھئی یاد رکھیے ایک آپ نے گذشتہ سبق میں پڑھا بدل اور یہ ہے عطفِ بیان۔ بدل اور عطفِ بیان میں فرق بڑا مشکل ہے بھئی، بڑا مشکل ہے۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے علما نے لکھا کہ ہماری ساری زندگی گزر گئی لیکن ہمیں بدل اور عطفِ بیان میں فرق ہم پر واضح نہ ہو سکا بھئی۔ کیونکہ ہمارے سامنے جو بھی عطفِ بیان کی مثال آئی ہم نے غور کیا تو یوں معلوم ہوا جیسے وہ بدل الکل ہو گئی، جیسے دیکھو ابو حفص اور عمر، ابو حفص جس ذات پر دلالت کر رہا ہے عمر بھی اسی ذات پر دلالت کر رہا ہے تو دونوں کا مدلول ایک ہوا، تو یہی تو تعریف تھی بدل الکل کی بھی۔ تو جس عطفِ بیان پر بھی ہم غور کرتے ہیں وہ ہمیں کیا معلوم ہوتا ہے؟ بدل الکل معلوم ہوتا ہے، تو وہ بدل معلوم ہوتا ہے عطفِ بیان لگتا ہی نہیں ہے۔ تو ان میں التباس آتا ہے بھئی، اشتباہ پڑتا ہے۔ تو البتہ بعض مثالوں کے اندر لفظوں کے اعتبار سے التباس نہیں پڑتا، وضاحت ہو جاتی ہے جیسے اس شعر کے اندر ہے۔ تو چنانچہ صاحبِ ہدایت النحو فرماتے ہیں «وَلَا يَلْتَبِسُ بِالْبَدَلِ» اور عطفِ بیان کا التباس نہیں آتا یعنی اشتباہ نہیں آتا بدل کے ساتھ، «لَفْظًا» باعتبار لفظوں کے، «فِي مِثْلِ قَوْلِ الشَّاعِرِ» اس شاعر کے اس قسم کے قول کے اندر۔ شعر یہ ہے: أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبِكْرِيِّ بِشْرٍ ...عَلَيْهِ الطَّيْرُ تَرْقُبُهُ وُقُوْعًا

بھئی یہ کسی شاعر کا شعر ہے اور بطورِ فخر کے وہ ذکر کر رہا ہے بھئی۔ زمانہ جاہلیت میں آپ جانتے ہیں کہ اسلام سے پہلے کا زمانہ جاہلیت کا زمانہ تھا، ہر طرف فسق و فجور پھیلا ہوا تھا، قتل و غارت کو تو لوگ، قتل و غارت کو تو اپنا کمال سمجھتے تھے۔ جتنے قتل و غارت زیادہ جو کرتا تھا اتنا ہی وہ اپنے اس کو اپنا کمال سمجھتا تھا بھئی۔ چنانچہ یہ ایک شاعر کہہ رہا ہے تعریف کرتے ہوئے کہ میں اس شخص کا بیٹا ہوں کہ جس نے بکری بشر کو جنگل میں زخمی کر دیا اور موت کے قریب اس کو پہنچا دیا، اور اس کو ایسی حالت میں اب جنگل میں چھوڑ کر آیا ہے کہ اس کی روح بس نکلنے ہی والی ہے اور وہ جو گوشت خور پرندے ہیں اس کے آس پاس اکٹھے ہو گئے ہیں اور وہ انتظار کر رہے ہیں کہ کب اس کی روح نکلے اور ہم اس کا گوشت کھانا شروع کر دیں۔ تو یہ بطورِ فخر کے اپنے باپ کی بہادری کا ذکر کر رہا ہے کہ میں اس شخص کا بیٹا ہوں جس نے بکری بشر کا یہ حال کر دیا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ شعر کا مفہوم سمجھ میں آیا؟ اب ذرا ترجمہ پہلے دیکھ لیجیے: «أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبِكْرِيِّ بِشْرٍ» أَنَا میں بیٹا ہوں، ابْنُ التَّارِكِ، تارک کا معنی چھوڑنے والا، اس شخص کا بیٹا جو چھوڑنے والا ہے یعنی کرنے والا ہے، کس کو؟ بکری بشر کو۔ اور بکری، یہ ایک آدمی کا نام ہے بکری یا بکری بھئی، با کے فتحہ کے ساتھ یا با کے کسرہ۔ تو بکری یا بکری آدمی کا نام اور بشر بھی اسی کا نام ہے، تو البکری یہ معطوف علیہ بنے گا اور بشر عطفِ بیان بنے گا بھئی، عطفِ بیان بنے گا۔ کہ میں اس شخص کا بیٹا ہوں جس نے کر دیا ہے بکری بشر کو، کیسا کر دیا ہے؟ «عَلَيْهِ الطَّيْرُ» کہ اس پر

پرندے موجود ہیں، «تَرْقُبُهُ» جو اس کا انتظار کر رہے ہیں، رَقَبَ يَرْقُبُ کا معنی انتظار کرنا، کہ اس پر «عَلَيْهِ الطَّيْرُ» اس پر پرندے ہیں «تَرْقُبُهُ» جو اس کا انتظار کر رہے ہیں، «وُقُوْعًا» اس حال میں کہ وہ اس کے پاس واقع ہیں، بیٹھے ہوئے ہیں۔ پرندے اس کے پاس آکر بیٹھ چکے ہیں، انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ ایک انسان ہے، زخمی ہے لیکن چونکہ ابھی اس میں روح باقی ہے اور جب تک روح باقی ہے وہ حیوان کو نہیں کھاتے، جب روح نکل جاتی ہے پھر اس کو کھاتے ہیں بھئی۔ تو اب وہ اس کی روح کے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں اور «وُقُوْعًا» اس حال میں کہ اس کے پاس بیٹھے ہیں، واقع ہو چکے ہیں یعنی اتر چکے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو شاعر کہتا ہے «أَنَا ابْنُ التَّارِكِ»، جی اچھا، مقامِ استشہاد ہے «التَّارِكِ الْبِكْرِيِّ بِشْرٍ»۔ التَّارِكِ مضاف ہے اور الْبِكْرِيِّ مضاف الیہ۔ التَّارِكِ مضاف اور الْبِكْرِيِّ مضاف الیہ ہے بھئی۔ اس پر آپ کے ذہن میں اشتباہ پیدا ہوگا کہ التَّارِكِ مضاف ہے اور مضاف پر تو الف لام داخل نہیں ہوتا مضاف پر، جواب یہ کہ یہ اضافتِ لفظی ہے۔ یہ کیا ہے؟ اضافتِ لفظی، اور اضافتِ لفظی یاد ہے یا بھول گئے؟ اضافتِ لفظی کسے کہتے تھے؟ جس میں مضاف صفت کا صیغہ ہو یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول یا صفتِ مشبہ ہو، جس میں مضاف کیا ہو؟ صفت کا صیغہ ہو اور مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف یعنی جس میں وہ عمل کر رہا تھا اسی کی طرف اس کی کیا کر دی جائے؟ اضافت۔ جیسے: «زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرًا»، زید پٹائی کرنے والا ہے کس کی؟ عمراً، یہ مفعول ہے ضارب کے لیے۔ اسی عمراً کی طرف آپ ضارب کی اضافت کر دیں: «زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو»، دیکھو ضارب صفت کا صیغہ ہے جو مضاف ہو رہا ہے کس کی طرف؟ اپنے معمول کی طرف، اور اسے کہتے ہیں اضافتِ لفظی۔ اور آپ نے پڑھا تھا اضافتِ لفظی صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور کوئی فائدہ اس کا نہیں ہے۔ ضَارِبُ عَمْرٍو جب آپ نے کہا تو ضارب سے تنوین گر گئی بس تخفیف آگئی اور کوئی فائدہ نہیں، یعنی نہ تخصیص آئی اور نہ تعریف۔ حالانکہ آپ نے پڑھا تھا کہ اضافتِ معنوی میں، اضافتِ معنوی میں اگر نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے یعنی دیگر احتمالات کو کم کر دیتی ہے، اور اگر نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو جائے «غُلَامُ زَيْدٍ» تو پھر وہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے۔ تو اضافتِ معنوی یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے یا تعریف کا، جبکہ اضافتِ لفظی وہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، نہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے اور نہ تعریف کا۔

جی تو یہ بھی «التَّارِكِ الْبِكْرِيِّ» یہ جو ہے یہ اضافتِ لفظی ہے۔ التَّارِكِ دیکھو صفت کا صیغہ ہے تارک فاعل ضارب، اور الْبِكْرِيِّ کر دیا ہے کس کو کر دیا ہے؟ بکری کو، تو یہ اس کے لیے مفعول ہے۔ میرے باپ نے کر دیا ہے کس کو؟ بکری کو۔ کیا کر دیا ہے؟ «عَلَيْهِ الطَّيْرُ تَرْقُبُهُ» کہ اس پر پرندے اس کا انتظار کر رہے ہیں اس کے مرنے کا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ایسی حالت پر کر دیا ہے اس کو۔ تو التَّارِكِ صفت کا صیغہ ہے اور مضاف ہے اپنے معمول کی طرف تو یہ اضافتِ لفظی ہوئی۔ سوال یہ تھا کہ آپ کے ذہن میں اشتباہ پیدا ہوا کہ مضاف پر تو الف لام داخل نہیں ہوتا تو یہاں تو التَّارِكِ پر کیا داخل ہے؟ الف لام، جواب یہ کہ یہ اضافتِ لفظی ہے اور اضافتِ لفظی میں مضاف پر بھی الف لام کا داخل کرنا جائز ہے جب مضاف الیہ پر بھی الف لام داخل ہو۔ توجہ ہے؟ اضافتِ لفظی میں مضاف پر بھی الف لام کا داخل کرنا جائز، مضاف کون؟ التَّارِكِ، اس پر الف لام کا داخل کرنا جائز ہے کب؟ جب مضاف الیہ پر بھی کیا داخل ہو؟ الف لام۔ تو الْبِكْرِيِّ اس میں بھی بکری پر بھی کیا داخل ہے؟ الف لام، لہٰذا التَّارِكِ پر الف لام داخل کرنا جائز ہے۔ اگر بکری پر الف لام نہ ہوتا تو پھر التَّارِكِ پر الف لام کا داخل کرنا جائز نہیں تھا۔ تو کیا جواب ہوا؟ کہ اضافتِ لفظیہ میں مضاف پر الف لام داخل کرنا جائز ہے جب مضاف الیہ پر بھی الف لام داخل ہو، الف لام شاباش۔ تو یہ اضافتِ لفظی ہے۔ اور اسی سے یہ بشر یہ اس کا نام، یہ عطفِ بیان ہے بھئی۔ یہ کیا ہے؟ عطفِ بیان ہے، تو الْبِكْرِيِّ یہ کیا ہے؟ معطوف علیہ، اور بِشْرٍ کیا ہے؟ عطفِ بیان، اور دونوں کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ الْبِكْرِيِّ مجرور ہے تو بِشْرٍ بھی کیا ہے؟ مجرور ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ الْبِكْرِيِّ کیا ہے؟ معطوف علیہ، اور بِشْرٍ کیا ہے؟ عطفِ بیان ہے بھئی۔

تو صاحبِ ہدایت النحو فرماتے ہیں کہ اس طرح کی مثالیں جو ہیں ان میں لفظوں کے اعتبار سے ہی بدل سے فرق ہو جاتا ہے، بدل کے ساتھ التباس لازم نہیں آتا اس طرح کی مثالوں میں۔ کیوں نہیں التباس لازم آتا؟ یاد رکھیے بھئی بدل کے بارے میں قیمتی ضابطہ: بدل جو ہوتا ہے وہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے۔ بدل تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے گویا اس پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے، یعنی وہاں پر عامل کو دوبارہ مقدر نکالا جاتا ہے۔ مثلاً دیکھو مثال سے وضاحت ہو گی۔ میں نے کہا وہ مثال دیکھیے بدل کی کتاب میں: «جَاءَنِيْ زَيْدٌ أَخُوْكَ»، یہ زَيْدٌ کیا تھا؟ مبدل منہ، اور أَخُوْكَ یہ بدل تھا، اور ابھی میں نے آپ کو بتایا بدل تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے گویا اس پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے اور عامل وہاں مقدر ہے۔ تو عامل کون ہے مبدل منہ میں عامل دیکھیں: زَيْدٌ مبدل منہ ہے اس کو رفع کون دے رہا ہے؟ جَاءَ، تو گویا یہی جَاءَ أَخُوْكَ کے لیے دوبارہ مقدر نکالیں گے: «جَاءَنِيْ زَيْدٌ، جَاءَنِيْ أَخُوْكَ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ وہی جَاءَ دوبارہ نکال لیں گے أَخُوْكَ کے لیے، تو گویا یہ دو جملوں کے حکم میں ہو گیا، ایک جملہ کیا «جَاءَنِيْ زَيْدٌ» اور دوسرا جملہ کیا «جَاءَنِيْ أَخُوْكَ»۔ تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ بدل تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے۔ یہ زبان سے لفظ دہرائیں بھئی، یاد ہونے چاہئیں آپ کو: بدل تکرارِ

عامل کے درجے میں ہوتا ہے گویا اس میں عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے۔ بھئی بدل پر وہی اعراب آتا ہے نا جو کس پر تھا؟ مبدل منہ پر، اور مبدل منہ پر اعراب آئے گا کسی عامل کی وجہ سے، تو وہ جو عامل جو مبدل منہ کو رفع، نصب یا جر دے رہا ہے وہی عامل دوبارہ کس کے لیے نکال لیں گے؟ بدل کے لیے بھی۔ جیسے یہاں پر زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ جَاءَ نے، تو أَخُوْكَ کے لیے دوبارہ جَاءَ نکال لیا، اور فعل تو اپنے فاعل سے مل کر جملہ بنتا ہے تو یہ بھی دو جملے گویا بن جائیں گے۔

تو صاحبِ ہدایت النحو فرما رہے ہیں کہ یہ جو عطفِ بیان اس طرح کی مثالوں میں عطفِ بیان کا التباس بدل کے ساتھ نہیں ہوتا اس لیے کیونکہ یہاں اب یہ جو بِشْرٍ ہے یہ عطفِ بیان ہے، اس کو بدل بنانا جائز نہیں۔ بِشْرٍ کیا ہے؟ عطفِ بیان، اس کو بدل بنانا جائز نہیں۔ کیوں نہیں جائز؟ اس لیے کیونکہ اگر اس کو بدل بنائیں گے تو بدل کس کے درجے میں ہوتا ہے؟ تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے، اور گویا جو مبدل منہ میں عامل ہے وہ دوبارہ اس کے لیے نکالنا پڑے گا۔ اور الْبِكْرِيِّ کو کون جر دے رہا ہے؟ التَّارِكِ مضاف جو ہے۔ تو وہی التَّارِكِ دوبارہ بشر کے لیے بھی نکالنا پڑے گا اگر بدل بناؤ گے کیونکہ بدل کس کے درجے میں ہوتا ہے؟ تکرارِ عامل۔ تو گویا یوں بن جائے گی عبارت: «أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبِكْرِيِّ التَّارِكِ بِشْرٍ»۔ وہی التَّارِكِ دوبارہ نکالنا پڑے گا اور التَّارِكِ دوبارہ نکالیں گے تو «التَّارِكِ بِشْرٍ» بن جائے گا، اور یہ اضافت کون سی ہے؟ ابھی ہم نے بتایا اضافتِ لفظی، اور اضافتِ لفظی ہے اور مضاف پر کیا آرہا ہے؟ الف لام، تو «التَّارِكِ بِشْرٍ» مضاف پر تو الف لام ہے حالانکہ مضاف پر الف لام لانا تب جائز تھا جب مضاف الیہ پر بھی کیا داخل ہو؟ الف لام۔ الْبِكْرِيِّ پر تو الف لام ہے، بشر پر تو الف لام نہیں، تو «التَّارِكِ بِشْرٍ» بن جائے گا اگر بدل بناؤ گے اور حالانکہ «التَّارِكِ بِشْرٍ» کہنا تو جائز نہیں کیونکہ بشر پر الف لام داخل نہیں ہے بھئی۔ وجہ سمجھ میں آگئی؟ تو اس طرح کی مثالوں میں عطفِ بیان کا فرق ہو جاتا ہے کس سے؟ بدل سے۔ بھئی بعض جگہ تو فرق نہیں ہوتا، بات سمجھ میں آگئی؟ میں نے بتایا بڑے علما نے لکھا کہ ہمیں عطفِ بیان اور بدل میں آج تک فرق پتہ نہیں چلا بھئی، لیکن اس طرح کی مثالوں میں فرق ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں پر بدل بنائیں تو وہ جائز نہیں بنتا اور لہٰذا اس کو پھر کیا بنانا پڑے گا؟ عطفِ بیان ہی بنانا پڑے گا۔ تقریر ساری سمجھ میں آگئی؟

اب ترکیب بھی دیکھ لیں۔ أَنَا ہے مبتدا مرفوع محلاً، أَنَا مرفوع محلاً مبتدا۔ ابْنُ یہ ہے خبر، جی مرفوع ابْنُ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے اور یہ مضاف ہے۔ اور التَّارِكِ یہ ابن کے لیے مضاف الیہ ہے اور بکری کے لیے مضاف ہے، یعنی ماقبل کے لیے مضاف الیہ اور مابعد کے لیے مضاف۔ تو أَنَا مرفوع محلاً مبتدا، ابْنُ مرفوع لفظاً مضاف، التَّارِكِ مجرور لفظاً مضاف الیہ مضاف، آگے الْبِكْرِيِّ مجرور لفظاً، مضاف الیہ تو ہے لیکن آگے بھی ہم نے جوڑنا ہے، الْبِكْرِيِّ مجرور لفظاً معطوف علیہ، آگے عطفِ بیان آرہا ہے تو یہ معطوف علیہ، بِشْرٍ مجرور لفظاً عطفِ بیان۔ معطوف علیہ اپنے عطفِ بیان سے مل کر... مضاف الیہ ابھی نہیں، ابھی اس سے آگے حال بھی آرہا ہے، ہاں تو معطوف علیہ اپنے عطفِ بیان سے مل کر ذوالحال۔

آگے «عَلَيْهِ الطَّيْرُ»، عَلَى جارۃ، ہا ضمیر مجرور محلاً جو راجع ہے کس کو؟ علیہ کی ہا ضمیر بکری بشر پر، تو یہ علیہ کی ہا ضمیر راجع ہے بکری بشر کو ذوالحال کو۔ دیکھا یہ حال کا ربط آگیا کس کے ساتھ؟ ذوالحال کے ساتھ۔ اور آپ نے پڑھا تھا جملے کو جس چیز سے بھی جوڑا جائے جملے یا شبہ جملہ کو تو درمیان میں عائد کا ہونا ضروری ہے، یہ عائد آگیا۔ تو پھر یہ جار مجرور مل کر یہ متعلق کس سے؟ شاباش، ثَبَتَتْ فعل سے۔ ثَبَتَتْ فعل اس کے اندر ہِيَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ الطَّيْرُ۔ سوال: الطَّيْرُ تو مؤخر ہے تو ضمیر پہلے آگئی مرجع بعد میں، کیا جواب؟ کہ الطَّيْرُ لفظوں میں مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم کیونکہ مبتدا ہے۔ دوسرا سوال: ثَبَتَتْ کے اندر تو ہِيَ ضمیر ہے اور الطَّيْرُ تو جمع ہے؟ ہاں یہ ضمیر واحد مؤنث کی ضمیر لوٹے گی طیر کو بتاویلِ جماعتٍ کے واحد مؤنث کی ضمیر ہے۔ تیسرا سوال: کہ «ثَبَتَتْ عَلَيْهِ» یہ پورا جملہ بنا اور جملے کو آپ کس سے جوڑ رہے ہیں؟ الطَّيْرُ مبتدا سے، اور اس کے لیے کیا چاہیے درمیان میں؟ ربط چاہیے، تو اسی لیے ثَبَتَتْ کی ہِيَ ضمیر کس کو راجع؟ الطَّيْرُ، تو یہ عائد آگیا اس کے ساتھ بھی ربط آگیا۔ اور پھر الطَّيْرُ مرفوع، مرفوع لفظاً مبتدائے مؤخر بھئی۔ ثَبَتَتْ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبرِ مقدم، اور الطَّيْرُ مبتدائے مؤخر۔ لیکن ابھی آگے بھی حال آرہے ہیں، کس سے حال بنانا چاہتے ہو؟ ثَبَتَتْ کی ہِيَ ضمیر سے، تو پھر یوں کہو: عَلَيْهِ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے؟ ثَبَتَتْ سے۔ ثَبَتَتْ فعل اس کے اندر ہِيَ ضمیر مرفوع محلاً ذوالحال، کیا ہوا؟ ذوالحال۔

اچھا اب آگے چلیں گے۔ تَزْقُبُ فعل، اس کے اندر ہِيَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ کون انتظار کر رہے ہیں؟ وہ پرندے، اور ثَبَتَتْ کی ہِيَ ضمیر سے بھی کون مراد ہیں؟ پرندے، تو یہ تَزْقُبُ کے اندر ہِيَ ضمیر کس کو راجع؟ ذوالحال کو راجع، تو یہ حال کا ربط کس سے آگیا؟ ذوالحال سے۔ اور ہا ضمیر آگے تَزْقُبُهُ کے آخر میں ہا ضمیر کس کو راجع؟ بکری بشر کو، تو یہ مفعول ہوا۔ تو تَزْقُبُ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال، حال کس کے لیے؟ ثَبَتَتْ کی ہِيَ ضمیر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

پھر آگے بھی ایک حال آرہا ہے: وُقُوْعًا منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، واقع کی جمع ہے نا، اسمِ فاعل ہے۔ اور اس کے اندر هُمْ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل

جو کس کو راجع؟ ذوالحال کو راجع، اور ذوالحال کون ہے؟ الطَّيْرُ، اسی سے ہے۔ تو پھر اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حالِ ثانی۔ ذوالحال اپنے دونوں حالوں سے مل کر مبتدائے مؤخر۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر، «عَلَيْهِ الطَّيْرُ» مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال، ذوالحال بکری جو ہے ذوالحال اپنے حال سے مل کر مضاف الیہ ہوا التَّارِكِ کے لیے۔ التَّارِكِ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر پھر یہ مضاف الیہ ہوا ابن کے لیے۔ ابن مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ خبر مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو بس دو ہی تو چیزیں ہیں اس جملے میں: ایک مبتدا ہے اور ایک خبر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دوسری صورت کرتے ہیں: اب ہم یوں کریں گے کہ «عَلَيْهِ الطَّيْرُ» اس کو حال بنائیں گے بکری بشر سے جیسے پہلے تھا، لیکن آگے تَرْقُبُهُ اور وُقُوْعًا ان دونوں کو اب حال بنائیں گے الطَّيْرُ سے، کس سے بنائیں گے؟ الطَّيْرُ سے۔ باقی ساری ترکیب وہی اسی طرح ہو گی، تو اب تیز تیز دیکھیے: أَنَا مرفوع محلاً مبتدا، ابْنُ مرفوع لفظاً مضاف، التَّارِكِ مجرور لفظاً مضاف الیہ مضاف، الْبِكْرِيِّ مجرور لفظاً معطوف علیہ، بِشْرٍ مجرور لفظاً عطفِ بیان۔ معطوف علیہ اپنے عطفِ بیان سے مل کر ذوالحال۔ عَلَيْهِ، عَلَى جارۃ، ہا ضمیر مجرور محلاً جو کس کو راجع؟ بکری بشر کو۔ جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق کس سے؟ ثَبَتَتْ فعل سے۔ ثَبَتَتْ فعل اس کے اندر ہِيَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ الطَّيْرُ کو۔ تو ثَبَتَتْ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبرِ مقدم، اور الطَّيْرُ یہ مبتدائے مؤخر ہے لیکن پہلے اس کو ذوالحال بناؤ، الطَّيْرُ مرفوع لفظاً ذوالحال۔ اور تَرْقُبُ فعل، اس کے اندر ہِيَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ الطَّيْرُ ذوالحال کو، کیونکہ حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے، تو یہ ہِيَ ضمیر طیر کو راجع بتاویلِ جماعتٍ کے، اور ہا ضمیر منصوب محلاً اس کا مفعول جو کس کو راجع؟ بکری بشر کو۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال، یہ پہلا حال ہوا، اور وُقُوْعًا منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُمْ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ ذوالحال کو۔ ذوالحال کون ہے؟ الطَّيْرُ، طیر اسی سے ہے، جی۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حالِ ثانی۔ ذوالحال اپنے دونوں حالوں سے مل کر مبتدائے مؤخر۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر، «عَلَيْهِ الطَّيْرُ» مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال، ذوالحال بکری جو ہے ذوالحال اپنے حال سے مل کر مضاف الیہ ہوا التَّارِكِ کے لیے۔ التَّارِكِ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر پھر یہ مضاف الیہ ہوا ابن کے لیے۔ ابن مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ خبر مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو ایک صورت یہ ہے: البکری بشر کو بناؤ ذوالحال اور اس سے «عَلَيْهِ الطَّيْرُ» کو کیا بناؤ؟ حال بناؤ، حال بناؤ۔ اور پھر «عَلَيْهِ الطَّيْرُ» کے اندر ثَبَتَتْ کی ہِيَ ضمیر سے یا الطَّيْرُ جس سے چاہیں آپ تَرْقُبُهُ کو بھی حال بنا دیں اور وُقُوْعًا کو بھی حال بنا دیں۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ تو ایک ہی حال سے، تو ایک ہی ذوالحال سے کئی حال بھی آجاتے ہیں، تو «عَلَيْهِ الطَّيْرُ» یہ پورا جملہ کس سے حال؟ بکری بشر سے، اور تَرْقُبُهُ اور وُقُوْعًا یہ کس سے حال؟ یہ الطَّيْرُ سے حال بنالیں یا ثَبَتَتْ کی ہِيَ ضمیر سے بنالیں حال بھئی۔ اور آپ چاہیں تو بکری بشر کو ذوالحال بنائیں، «عَلَيْهِ الطَّيْرُ» اس کو اسی سے پہلا حال بنا دیں اور تَرْقُبُهُ کو اسی سے دوسرا حال بنا دیں اور پھر وُقُوْعًا کو کیا کریں؟ وُقُوْعًا کو اسی طرح الطَّيْرُ یا ثَبَتَتْ سے حال بنالو، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اس صورت میں بکری بشر سے دونوں حال ہو جائیں گے: «عَلَيْهِ الطَّيْرُ» بھی اور تَرْقُبُهُ بھی۔ یا ایک تیسری صورت بھی ہے، کیا؟ کہ بکری بشر کو بناؤ ذوالحال اور «عَلَيْهِ الطَّيْرُ» کو کیا بناؤ اس سے؟ حال، اور آگے تَرْقُبُهُ کو اسی طرح ثَبَتَتْ کی ہِيَ ضمیر سے یا الطَّيْرُ سے کیا بنالو؟ حال، اور پھر وُقُوْعًا کو تَرْقُبُ کے اندر جو ہِيَ ضمیر ہے اس سے حال بنالو۔ کئی صورتیں سمجھ میں آگئیں؟ کیا؟ بکری، «عَلَيْهِ الطَّيْرُ» کو حال بناؤ بکری بشر سے، جی، اور تَرْقُبُهُ کو حال بناؤ الطَّيْرُ سے یا ہِيَ ضمیر سے، ٹھیک ہے، اور آگے وُقُوْعًا کو حال بناؤ تَرْقُبُ کی ہِيَ ضمیر سے، شاباش۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو بتانے کا مقصد یہ ہے اتنی ترکیبیں جو میں نے بتا دیں یہاں پر کہ یہ حال ایک ہی ذوالحال سے کئی حال بھی آسکتے ہیں اور حال سے ہی آگے حال بھی آجاتا ہے۔ «عَلَيْهِ الطَّيْرُ» حال ہے اور اسی سے آگے حال کیا آرہا ہے؟ تَرْقُبُهُ، اسی کے اندر ضمیر وغیرہ سے آجاتا ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس طریقے سے ترکیب ہوتی ہے بھئی۔

اور صاحبِ کافیہ کا مذہب یہ ہے کہ ذوالحال کا فاعل یا مفعول ہونا ضروری ہے، کس کا؟ ذوالحال کا فاعل یا مفعول ہونا ضروری ہے۔ تو ان کا مذہب لیا جائے، ان کا مذہب لیا جائے تو پھر الطَّيْرُ تو ہے مبتدا اس سے حال نہیں آسکتا کیونکہ حال تو صرف فاعل سے یا مفعول سے آتا ہے، لیکن علامہ ابنِ مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، حال مطلقاً کسی بھی چیز کی ہیئت بیان کرنے کے لیے آتا ہے، فاعل یا مفعول ہونا ضروری نہیں تو مبتدا سے بھی کیا ہے؟ حال آسکتا ہے۔ ہاں صاحبِ کافیہ کی ترکیب پر آپ طیر سے براہِ راست حال بنا سکتے ہیں یہاں پر بھی: طیر کو فاعل بنا دو پھر حال اسی سے تَرْقُبُهُ کو بھی اس سے حال بنا دو اور وُقُوْعًا کو بھی حال اس سے بنا دو۔ الطَّيْرُ کو فاعل کیسے بنائیں گے؟ بھئی دیکھو آپ نے کہا تھا «ثَبَتَتْ عَلَيْهِ الطَّيْرُ»، اسی طرح نا؟ جی، ہاں لیکن یوں کرو: ثَبَتَتْ میں ہِيَ ضمیر نہ نکالو، ثَبَتَتْ کے لیے، ثَبَتَ نکال لو یا ثَبَتَتْ نکال لو بے شک، تو اس کے لیے اس میں ہِيَ ضمیر فاعل کی نہ نکالو بلکہ اس کے لیے الطَّيْرُ کو براہِ راست آگے فاعل بنا دو۔ تو ثَبَتَتْ فعل اور عَلَيْهِ جار مجرور اس سے متعلق، اور اس کے لیے فاعل چاہیے تھا، الطَّيْرُ کیا ہوا اس کے لیے؟ فاعل۔ تو فعل اپنے فاعل

اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا، توجہ ہے؟ پہلے تھا «ثَبَتَتْ عَلَيْهِ» یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبرِ مقدم تھا اور الطَّيْرُ کیا تھا؟ مبتدائے مؤخر، لیکن اب ہم نے جملہ اسمیہ بنایا ہی نہیں اس کو جملہ فعلیہ ہی سارے کو بنا دیا، کیسے؟ «ثَبَتَتْ عَلَيْهِ الطَّيْرُ» یا «ثَبَتَ» کہہ لیں، «ثَبَتَ عَلَيْهِ الطَّيْرُ»، عَلَيْهِ جار مجرور کس سے متعلق؟ ثَبَتَ سے، اور ثَبَتَ کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، تو اس الطَّيْرُ کو فاعل بنا دو۔ تو فاعل مرفوع ہوتا ہے تو الطَّيْرُ اب مبتدا نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ فاعل، اور جب فاعل بن گیا تو اس سے آگے حال آسکتا ہے کیونکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک ذوالحال کا فاعل یا مفعول ہونا ضروری ہے تو یہ فاعل ہم نے بنا دیا، تو اس صورت میں اب یہ جملہ «عَلَيْهِ الطَّيْرُ» جملہ اسمیہ نہیں بنے گا بلکہ «ثَبَتَ عَلَيْهِ الطَّيْرُ» یہ کیا بن جائے گا پورا؟ جملہ فعلیہ بن جائے گا، اور الطَّيْرُ کو پھر ذوالحال بنا دو اور تَرْقُبُهُ کو اس سے ایک حال بنا دو اور وُقُوْعًا کو دوسرا حال بنا دو۔ ترکیب اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھئی؟

اچھا اب ترجمہ بھی اس کا دیکھ لیں بھئی: «أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبِكْرِيِّ بِشْرٍ عَلَيْهِ الطَّيْرُ تَرْقُبُهُ وُقُوْعًا» میں بیٹا ہوں اس شخص کا جس نے کر دیا ہے بکری بشر نامی آدمی کو اس حال میں کہ اس پر پرندے ہیں، انتظار کر رہے ہیں اس کا یعنی اس کی روح کے نکلنے کا، وُقُوْعًا اس حال میں کہ اس کے پاس اترے ہیں، اس کے پاس بیٹھے ہیں۔ تو یہ تو عربی میں حال حال ہم بنا رہے ہیں، ویسے بامحاورہ ترجمہ یہ ہوگا: میں بیٹا ہوں اس شخص کا جس نے بکری بشر نامی آدمی کو ایسا کر دیا ہے کہ اس پر پرندے اس کے پاس بیٹھے ہوئے اس کی روح کے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ چلیے بس کریں، بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

اَلْبَابُ الثَّانِي فِي الِاسْمِ الْمَبْنِيِّ

مضمرات، اسمائے اشارات، موصولات، اسمائے افعال واصوات، مرکبات، کنایات اور ظروفِ مبنیہ (اسباق ۷۶ تا ۸۴)

سبق نمبر ۷۶: الباب الثاني في الاسم المبني: اسمِ مبنی کی تعریف، سببِ بناء اور القابِ بناء

ہدایۃ النحو صفحہ: ۵۷—بتاریخ: ۱۹ اپریل ۲۰۱۵ء

متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

الْبَابُ الثَّانِي فِي الِاسْمِ الْمَبْنِيِّ، وَهُوَ اسْمٌ وَقَعَ غَيْرَ مُرَكَّبٍ مَعَ غَيْرِهِ، مِثْلُ: أَلِفْ، بَا، تَا، ثَا، وَمِثْلُ: وَاحِدٌ وَاثْنَانِ وَثَلَاثَةٌ، وَكَلَفْظَةِ زَيْدٍ وَحْدَهُ، فَإِنَّهُ مَبْنِيٌّ بِالْفِعْلِ عَلَى السُّكُونِ، وَمُعْرَبٌ بِالْقُوَّةِ، أَوْ شَابَهَ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ بِأَنْ يَكُونَ فِي الدَّلَالَةِ عَلَى مَعْنَاهُ مُحْتَاجًا إِلَى قَرِينَةٍ كَالْإِشَارَةِ، نَحْوُ: هَؤُلَاءِ.

متن وفصل: الْبَابُ الثَّانِي فِي الِاسْمِ الْمَبْنِيِّ؛ دوسرا باب ہے ا...

«الْبَابُ الثَّانِي فِي الِاسْمِ الْمَبْنِيِّ»؛ دوسرا باب ہے اسم مبنی کے بارے میں۔ بھائی، معرب کا بیان مکمل ہوا اور اب صاحب ہدایت النحو مبنی کا بیان کرنے لگے ہیں۔ معرب میں انہوں نے آپ کو بتلایا کہ معرب جو ہے، وہ ہے جو غیر کے ساتھ ترکیب میں واقع ہو۔ تو معرب جو ہے، اس پر انہوں نے آپ کو بتلایا کبھی اس پر رفع آئے گا، اس کا ذکر مرفوعات میں کر دیا۔ کبھی اس پر نصب آئے گا، ان کا ذکر منصوبات میں کر دیا، اور کبھی اس پر جر آئے گا۔ تو معرب مرفوع بھی ہو سکتا ہے، منصوب بھی اور مجرور بھی۔ پھر اس کے بعد کچھ توابع کا بھی بیان ذکر کیا کہ جن پر عامل براہِ راست تو عمل نہیں کرتا، لیکن وہ اپنے سے ماقبل کے تابع ہوتے ہیں، ماقبل پر جو اعراب ہوتا ہے وہی اعراب ان پر بھی آتا ہے۔ اور وہ توابع انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ پانچ ہیں: صفت ہے، عطفِ نسق ہے، تاکید ہے، بدل ہے اور عطفِ بیان ہے۔

اب مبنی کا بیان شروع کر رہے ہیں بھائی! اور مبنی آپ پڑھ چکے ہیں کہ مبنی پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ مبنی پر اعراب محلاً آتا ہے۔ یعنی محل کے اعتبار سے کہتے ہیں: یہ مرفوع ہے یا منصوب ہے یا مجرور۔ محل یعنی جگہ؛ یہ جگہ رفع والی ہے، اگر یہاں پر کوئی معرب آجاتا تو رفع ظاہر ہو جاتا، لیکن چونکہ یہ مبنی ہے تو اعراب ظاہر نہیں ہو گا۔ تو پھر کس طرح کہتے ہیں؟ مرفوع محلاً، یا پھر منصوب محلاً، یا مجرور محلاً بھائی۔

تو اب مبنی کی تعریف کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَهُوَ اسْمٌ»؛ مبنی جو ہے وہ ایسا اسم ہے، «وَقَعَ غَيْرَ مُرَكَّبٍ مَعَ غَيْرِهِ»؛ جو مرکب نہ ہو «مَعَ غَيْرِهِ» اپنے غیر کے ساتھ۔ یعنی اپنے علاوہ کسی اور کے ساتھ مرکب نہ ہو یعنی ترکیب میں واقع نہ ہو، یعنی جوڑا نہ گیا ہو کسی غیر کے ساتھ۔ اور معرب کی تعریف اگر آپ کے ذہن میں ہو، معرب کی تعریف بھی انہوں نے کی تھی کہ وہ ہے جو غیر کے ساتھ ترکیب میں واقع ہو۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ غیر سے کیا مراد ہے؟ کہ اس کے ساتھ اس کا عامل ہو، عامل ہو۔ کیونکہ اگر اس پر آپ رفع پڑھنا چاہتے ہیں تو رفع بغیر عامل کے نہیں آتا۔ آپ اس پر نصب پڑھنا چاہتے ہیں تو نصب کے لیے بھی عامل چاہیے، اور جر پڑھنا چاہتے ہیں تو جر کے لیے بھی عامل چاہیے۔ لہٰذا وہ ترکیب میں واقع ہو اور ایسی ترکیب جس میں اس کا عامل بھی ساتھ ہو۔ جبکہ مبنی اس کے برعکس ہے، جو غیر کے ساتھ ترکیب میں واقع نہ ہو، یعنی اس کا عامل ساتھ نہ ہو، عامل ساتھ نہ ہو۔

جیسے، جیسے مثال میں نے ذکر کی تھی وہاں پر: غلامِ زیدٍ۔ «غُلَامُ» مضاف، «زَيْدٍ» مضاف الیہ۔ اب یہ «زَيْدٍ» اس پر تو جر پڑھیں گے، کیونکہ اس کا عامل وہ مضاف ہے، مضاف اس کو جر دے رہا ہے اور مضاف اس وقت موجود ہے۔ لیکن خود «غُلَامُ» پر آپ رفع پڑھنا چاہتے ہیں، بھائی کیوں؟ رفع کے لیے تو عامل چاہیے، کوئی عامل یہاں نہیں؛ نصب پڑھنا چاہتے ہیں، نصب کے لیے بھی عامل چاہیے؛ جر پڑھنا چاہتے ہیں، جر کے لیے بھی عامل چاہیے۔ تو لہٰذا اس پر نہ رفع پڑھ سکتے ہیں نہ نصب اور نہ جر۔ لہٰذا کیسے پڑھیں گے؟ «غُلَامُ زَيْدٍ»۔ تو غلام دیکھو ترکیب میں تو ہے، لیکن اس ترکیب میں اس کے ساتھ اس کا عامل نہیں ہے۔ ہاں البتہ یہ غلام کا لفظ اس وقت تو بے شک مبنی ہے، لیکن جب ترکیب میں آئے گا، ایسی ترکیب جس میں اس کا عامل بھی ساتھ آجائے، پھر یہ معرب بن جائے گا۔ تو اس کو کہتے ہیں، یعنی غلامِ زیدٍ اس وقت مبنی ہے، لیکن اس میں صلاحیت ہے کہ کیا بن جائے؟ معرب بن جائے۔ تو اس کو کہتے ہیں: یہ بالقوہ یہ معرب ہے۔ غلامِ زیدٍ میں غلام کا لفظ کیا ہے؟ بالقوہ معرب ہے۔ یہ لفظ آرہا ہے تیسری چوتھی سطر میں: «بِالْقُوَّةِ»۔ تو یہ بالقوہ کیا ہے؟ معرب ہے۔ کس کی بات کر رہا ہوں میں؟ غلامِ زیدٍ، یہ غلام کیا ہے؟ اس وقت مبنی ہے، لیکن اس میں صلاحیت ہے کیا بننے کی؟ معرب۔ کب معرب بنے گا؟ جب اس کے ساتھ اس کا عامل آجائے گا۔ تو غلام کے لفظ کے بارے میں یوں کہیں گے: یہ بالفعل مبنی ہے۔ بالفعل یعنی اس وقت، سمجھ میں آیا بھائی؟ اس فی الحال کیا ہے؟ مبنی ہے، لیکن اس میں معرب بننے کی صلاحیت، تو کیا کہیں گے؟ مبنی ہے بالفعل اور معرب ہے بالقوہ۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

جی، تو بالقوہ کا کیا معنی ہوتا ہے؟ کہ اس میں صلاحیت ہوتی ہے یعنی۔ تو ایک بالفعل ہے، یعنی اس وقت کیا حالت ہے اس کو بالفعل کہا جاتا ہے، اور جو اس میں صلاحیت ہو اس کو بالقوہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے کوئی انسان بھائی، جیسے کوئی انسان اس نے کچھ پڑھا نہیں، تو آپ کہیں گے: یہ لا علم ہے بالفعل۔ یعنی اس وقت کیا ہے؟ علم اس کے پاس ہے ہی نہیں تو یہ کیا ہے؟ لا علم ہے۔ بالفعل کیا ہے؟ لا علم۔ ہاں، یہ بالقوہ عالم ہے، یعنی اس میں عالم بننے کی صلاحیت ہے، محنت کرے پڑھے تو سیکھ لے گا بھائی۔ تو بالفعل کیا ہے؟ لا علم، اور بالقوہ کیا ہے؟ عالم ہے۔ تو یہ بالفعل اور بالقوہ یہ لفظ عام استعمال ہوتے ہیں جگہ جگہ کی کتابوں میں، اس لیے میں نے تفصیل ذکر کر دی، اس کو ذہن میں رکھیں بھائی۔

تو کہتے ہیں، مبنی کی تعریف کر رہے ہیں: «وَهُوَ اسْمٌ وَقَعَ غَيْرَ مُرَكَّبٍ مَعَ غَيْرِهِ»؛ وہ ایسا اسم ہے جو غیر کے ساتھ ترکیب میں واقع نہ ہو، «مَعَ غَيْرِهِ» اپنے غیر کے ساتھ، اپنے غیر کے ساتھ ترکیب میں واقع نہ ہو، اور میں نے کیا بتلایا تھا، کیا مراد ہے؟ یعنی اپنے عامل کے ساتھ ترکیب میں واقع نہ ہو۔ «مِثْلُ: أَلِفْ، بَا، تَا، ثَا»؛ جیسے الف، با، تا، ثا۔ سوال: بات چل رہی ہے اسم کی، اسم کی بات چل رہی ہے نا؟ اور انہوں نے جو مثال ذکر کی الف، با، تا، ثا، یہ تو حروف ہیں حروفِ تہجی بھائی! تو اسم کی مثال ذکر کرنی چاہیے تھی، انہوں نے حروفِ تہجی ذکر کر دیے، حروف ذکر کر دیے۔ جواب: بھائی، ان حروف سے مراد یہ حروف نہیں، ان کے نام مراد ہیں۔ ان کے نام مراد ہیں، اور نام تو اسم ہوتا ہے کسی بھی چیز کا بھائی۔ تو یہ پہلے حرف، یہ جو پہلا حرف ہے اس کا کیا نام ہے؟ الف۔ یہ دوسرے کا؟ با۔ تیسرے کا؟ تا۔ اور چوتھے کا؟ ثا۔ تو یہ ان کے نام مراد ہیں بھائی نام بھائی۔

▪ قولہ: «وَمِثْلُ: وَاحِدٌ وَاثْنَانِ وَثَلَاثَةٌ» کی تشریح

«وَمِثْلُ: وَاحِدٌ وَاثْنَانِ وَثَلَاثَةٌ»؛ جیسے عدد ہیں بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ «وَكَلَفْظَةِ «زَيْدٍ» وَحْدَهُ»؛ اور جیسے کہ زید کا لفظ اکیلا، اکیلا زید کا لفظ۔ «زَيْدٌ» آپ پڑھنا چاہتے ہیں، بھائی کیوں؟ رفع کیوں پڑھیں گے؟ عامل چاہیے۔ «زَيْدًا» پڑھنا چاہتے ہیں؟ نہیں پڑھ سکتے۔ «زَيْدٍ» پڑھنا چاہتے ہیں؟ نہیں پڑھ سکتے، کیونکہ رفع، نصب، جر سب کے لیے کیا چاہیے؟ عامل۔ اسی لیے انہوں نے کہا: «وَكَلَفْظَةِ «زَيْدٍ» وَحْدَهُ»؛ اکیلا ہو، یعنی اس کے ترکیب میں واقع نہ ہو ساتھ اس کا عامل نہ ہو بھائی۔ ہاں، یہ زید بالفعل مبنی ہے اور بالقوہ معرب ہے، یعنی معرب بننے کی صلاحیت ہے۔ ترکیب میں آئے گا عامل اس کا ساتھ آئے گا تو اس پر رفع بھی آسکتا ہے، نصب بھی آسکتا ہے اور جر بھی۔ جبکہ اس کے مقابلے میں مثلاً هٰذا ہے، هٰذا۔ هٰذا یہ مبنی ہے۔ اس وقت کیا ہے؟ مبنی۔ اور یہ اس میں معرب بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، یہ ترکیب میں بھی آجائے اس کا عامل بھی ساتھ آجائے یہ پھر بھی مبنی ہی رہے گا۔

بھائی، میں نے آپ کو بتلایا تھا، ترکیب ہم کر رہے تھے، معرفہ اور نکرہ کی پہچان کروائی تھی، اور اسی طرح آپ کو مبنی کے بارے میں بھی بتایا تھا کہ مبنی میں اعراب کیسے بتانا ہے؟ محلاً، اور معرب میں کیسے بتانا ہے؟ لفظاً یا تقدیراً۔ اور پھر میں نے بتایا تھا کہ مبنی تو آٹھ ہیں، لیکن تین کم از کم ہر وقت یاد ہوں آپ کو۔ نمبر ایک: تمام ضمیریں، نمبر دو: اسمائے اشارہ، اور نمبر تین: اسمائے موصولہ۔ تو دیکھو اسمائے اشارہ کس میں سے ہیں؟ مبنیات۔ یہ جملے کے اندر بھی آجائیں ان کا اعراب آپ کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً۔ دیکھا، حالانکہ ان کا عامل ساتھ ہوتا ہے، لیکن پھر بھی اس پر رفع ظاہر نہیں ہوتا، ان پر نصب ظاہر نہیں ہوتا، جر ظاہر نہیں ہوتا۔ تو وہاں آپ اعراب بتاتے ہیں کہ یہ ہے مرفوع محلاً ہے، یا منصوب محلاً ہے، یا مجرور محلاً۔ معلوم ہوا یہ هٰذا جو ہے، هٰذا، اکیلا ہو پھر بھی مبنی، ترکیب میں آ

جائے پھر بھی مبنی ہی ہے۔ تو گویا اس میں یہ بالقوہ بھی معرب نہیں ہے۔ اکیلا اس وقت ھٰذا یہ مبنی ہے، اور ترکیب میں آئے پھر بھی معرب، پھر معرب بنے گا کہ نہیں؟ نہیں۔ تو لہٰذا بالقوہ بھی معرب نہیں ہے۔ زید اکیلا تو مبنی تھا لیکن بالقوہ معرب تھا، لیکن ھٰذا اکیلا بھی مبنی، ترکیب میں آئے پھر بھی مبنی ہی ہے۔

«وَكَلَفْظَةِ «زَيْدٍ» وَحْدَهُ، فَإِنَّهُ مَبْنِيٌّ بِالْفِعْلِ عَلَى السُّكُونِ»؛ اور جیسے کہ اکیلا زید کا لفظ، اس لیے کیونکہ یہ مبنی ہے بالفعل علی السکون، کس پر؟ سکون پر۔ یہ مبنی علی السکون ہے بالفعل، «وَمُعْرَبٌ بِالْقُوَّةِ»؛ اور معرب بالقوہ ہے بھائی یہ زید کا لفظ۔ «أَوْ شَابَهَ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ»؛ بھائی، مبنی کی تعریف چل رہی ہے۔ ایک ابھی تعریف پوری نہیں ہوئی، ایک قسم ذکر کر دی: وہ ایسا اسم جو ترکیب میں اپنے غیر کے ساتھ واقع نہ ہو۔ «أَوْ شَابَهَ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ»؛ یا وہ مبنی الاصل کے مشابہ ہو۔ مبنی الاصل کتنی چیزیں ہیں؟ آپ پڑھ چکے ہیں۔ تین چیزیں ہیں، شاباش! نمبر ایک: تمام، تمام حروف ہیں۔ نمبر دو: مبنی الاصل پوچھ رہا ہوں بھائی! تمام حروف، فعلِ ماضی اور امرِ حاضر معروف، شاباش شاباش! تو یہ تین مبنی الاصل ہیں۔ اور جو ان کے مشابہ ہو جائے گا وہ بھی مبنی ہو گا۔

اسی لیے کہا: «أَوْ شَابَهَ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ»؛ یا وہ ایسا اسم جو کس کے مشابہ ہو؟ مبنی الاصل کے مشابہ ہو، یعنی حروف جیسا ہو، یا فعلِ ماضی جیسا ہو، یا امر حاضر جیسا ہو، وہ بھی مبنی ہے بھائی۔ اور مشابہت سے یاد رکھیے مشابہت مراد نہیں ہے، مناسبت مراد ہے۔ یعنی اس کی مبنی الاصل کے ساتھ کچھ مناسبت آجائے۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ کچھ اسم ہیں ان کی، سب سے پہلے تو مبنی الاصل، مبنی الاصل کیا کیا ہیں؟ تمام حروف ہیں، فعلِ ماضی ہے اور امر حاضر۔ ان تین کے ساتھ کسی اسم کی مشابہت آجائے تو وہ اسم بھی کیا بن جائے گا؟ وہ اسم بھی مبنی بن جائے گا۔ اور مشابہت سے مراد مناسبت ہے، ان کے ساتھ اس کی کیا آجائے؟ مناسبت آجائے، مناسبت آجائے۔ اور یہ والی جو قسم ہے، دو قسمیں ہو گئیں نا مبنی کی؟ پہلی قسم کیا؟ جو غیر کے ساتھ ترکیب میں واقع نہ ہو۔ دوسری قسم کیا؟ جو مبنی الاصل کے مشابہ ہو۔ جو غیر کے ساتھ ترکیب میں واقع نہیں، وہ کیا تھا؟ جو غیر کے ساتھ ترکیب میں واقع نہیں، جیسے اکیلا زید کا لفظ، وہ بالفعل تو مبنی تھا لیکن بالقوہ معرب بھی ہو سکتا تھا وہ۔ جبکہ یہ قسم جو مبنی الاصل کے مشابہ ہو، ہے اسم اور کس کے مشابہ ہے؟ مبنی الاصل کے۔ یہ بھی، یہ بھی مبنی ہے، یہ یہ بھی مبنی ہو گیا لیکن یہ ایسا مبنی ہے جس میں بالقوہ بھی معرب بننے کی اب صلاحیت نہیں۔

توجہ ہے؟ پہلی قسم کیا تھی؟ جو غیر کے ساتھ ترکیب میں واقع نہ ہو، وہ بھی مبنی ہے۔ اور دوسرا مبنی کون ہے؟ جو مبنی الاصل کے مشابہ ہو۔ اچھا، پہلی قسم جو ہے وہ جو غیر کے ساتھ ترکیب میں واقع نہ ہو، یعنی اس کا عامل ساتھ ترکیب میں نہ ہو، وہ بالفعل تو مبنی ہے اور بالقوہ معرب ہے۔ لیکن یہ قسم جو مبنی الاصل کے مشابہ ہو، یہ بالقوہ بھی معرب نہیں ہے۔ تو یہ قسم جو ہے، یہ مبنی ہی مبنی رہے گا ہر حال میں، اس میں بالقوہ معرب بننے کی صلاحیت بھی نہیں ہے بھائی۔ تو اس میں معرب بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے یعنی یہ بالقوہ بھی معرب نہیں ہے بھائی۔ اسی لیے کہا: «أَوْ شَابَهَ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ»؛ یا مبنی الاصل کے مشابہ ہو۔ تو مبنی کی پوری تعریف کیا ہوئی؟ دوبارہ دیکھو: «وَهُوَ اسْمٌ وَقَعَ غَيْرَ مُرَكَّبٍ مَعَ غَيْرِهِ، أَوْ شَابَهَ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ»۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہ ہے پوری تعریف بھائی، درمیان میں کچھ مثالیں ذکر کر دیں۔

اچھا، مبنی الاصل کے مشابہ ہو، مشابہت سے میں نے کیا بتلایا کیا مراد ہے؟ مناسبت ہے۔ اور یاد رکھیے کچھ خاص مناسبتیں مراد ہیں، وہ جب آجائیں گی تو وہ لفظ بھی مبنی بن جائے گا، یعنی مبنی الاصل کے ساتھ ان کی خاص مشابہت آجائے، خاص مناسبت آجائے۔ وہ کون کون سی مناسبتیں ہیں؟ دو تین یہ ذکر کر رہے ہیں، باقی تفصیل اگلی کتابوں میں آجائے گی۔ ایک مناسبت جیسے یہ ابھی ذکر کریں گے کہ جیسے اسمِ اشارہ ہے۔ اسمِ اشارہ، یہ بھی مبنی ہے آپ جانتے ہیں۔ مبنی الاصل نہیں ہے، یہ ہے مبنی لیکن مبنی الاصل کے ساتھ اس کی مشابہت ہے۔ بھائی کس طرح مشابہت ہے؟ کہتے ہیں کہ یہ، یہ اسمِ اشارہ، اشارے کا محتاج ہے۔ کس کا؟ اشارے کا محتاج ہے، بغیر اشارے کے پتہ نہیں چلے گا کہ اس سے کون مراد ہے۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں ھٰذا، ھٰذا سے تو کتاب بھی مراد ہو سکتی ہے، ھٰذا سے تو قلم بھی مراد ہو سکتا ہے، ھٰذا سے تو تپائی بھی مراد ہو سکتی ہے، ھٰذا سے تو گلاس بھی مراد ہو سکتا ہے۔ تو ھٰذا کے ذریعے تو کسی بھی چیز کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے، تو اس کے لیے باقاعدہ کوئی اشارہ وغیرہ چاہیے جس سے دوسرے کو پتہ چلے کہ یہ جو ھٰذا بولا جا رہا ہے اس سے کیا مراد ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ یا یوں کہو، گویا یہ مشارٌ الیہ کا محتاج ہے۔

تو یہ مبنی الاصل کے مشابہ ہے، یعنی یہ جو اسمِ اشارہ ہے اس کی مشابہت ہے حرف کے ساتھ، جیسے حرف اپنا معنی بتانے میں غیر کا محتاج ہے۔ حرف اپنا معنی بتانے میں غیر کا محتاج ہے۔ حرف اپنا معنی بتانے میں غیر کا محتاج ہے، آپ پڑھ چکے ہیں؛ جیسے «مِنْ» کا معنی ہے ابتدا۔ «مِنْ» کا کیا معنی ہے؟ ابتدا۔ اور ایک ہے لفظ ابتدا، میں نے جیسے ہی کہا: ابتدا، آپ معنی سمجھ گئے یا نہیں؟ ابتدا کا معنی ہے شروع کرنا، آپ معنی سمجھ گئے۔ لیکن میں کہتا ہوں: «مِنْ»، آپ کو کوئی شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آیا؟ نہیں، اب نہیں آیا۔ میں دس دفعہ بھی «مِنْ»، «مِنْ» کہوں، آپ کو شروع کرنے کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ ہاں،

ابتدا ایک دفعہ کہہ دوں، آپ کو شروع کرنا سمجھ میں آجائے گا۔ ہاں، «مِنْ» کا معنی ہے ابتدا، یہ تب سمجھ میں آئے گا جب جہاں سے ابتدا ہو رہی ہے اس کو ذکر کیا جائے اور اس چیز کو جس کی ابتدا ہو رہی ہے۔ مثلاً: «ذَهَبْتُ مِنَ الْبَيْتِ إِلَى الْمَسْجِدِ»؛ میں گیا «مِنَ الْبَيْتِ» گھر سے، کمرے سے، «إِلَى الْمَسْجِدِ» کہاں تک؟ مسجد تک۔ تو دیکھا، اب «مِنْ» کا معنی پتہ چل گیا، «مِنْ» کس لیے استعمال ہوا ہے، پتہ چل گیا کہ اس چلنے کی ابتدا کہاں سے ہو رہی ہے؟ گھر سے، کمرے سے ابتدا ہو رہی ہے، یہ کس نے بتایا؟ «مِنْ» نے بھائی۔ تو «مِنْ» کا معنی ہے ابتدا، شروع کرنا، لیکن اکیلا یہ اپنے معنی پر دلالت نہیں کرتا، یہ غیر کا محتاج ہے، غیر اس کے ساتھ ملے گا تو پھر یہ اپنے معنی پر دلالت کرے گا بھائی۔ اسی طرح اسمِ اشارہ ھٰذا ہے، ھٰذا کا معنی ہے: یہ۔ ھٰذا کے ذریعے تو کتاب کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے، کتاب بھی مراد ہو سکتی ہے، قلم بھی مراد ہو سکتا ہے، جدار، دیوار بھی مراد ہو سکتی ہے، تپائی بھی، کوئی بھی چیز مراد ہو سکتی ہے ھٰذا کے ذریعے۔ تو اب آپ لفظ بولتے ہیں: ھٰذا، اس سے کیا مراد ہے؟ تو اس کے لیے کوئی اشارہ چاہیے جس سے دوسرے کو پتہ چلے۔ مثلاً آپ ہاتھ سے اشارہ کر کے کہتے ہیں کتاب کی طرف: ھٰذا، اب سننے والے کو پتہ چلا کہ اس ھٰذا سے کیا مراد ہے؟ کتاب۔ تو جیسے حرف اپنا معنی بتانے میں غیر کا محتاج تھا، اسی طرح اسمِ اشارہ بھی اپنا معنی بتانے میں اشارے وغیرہ کا محتاج ہے، جس کی، کوئی ایسا کوئی قرینہ چاہیے جس سے دوسرے کو پتہ چل جائے۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ کوئی قرینہ چاہیے۔ تو یہ بھی حرف جیسا ہوا۔ اسمِ اشارہ بھی کس کی طرح ہوا؟ حرف۔ حرف اپنا معنی بتانے میں حرف حرف بھی محتاج، اسی طرح اسمِ اشارہ بھی محتاج۔ تو یہ محتاج ہونے میں اس کی طرح ہوا، اور حرف تو تھا مبنی الاصل، تو جب اسمِ اشارہ اس جیسا ہوا تو یہ بھی کیا بن گیا؟ مبنی بن گیا بھائی۔

تو کہتے ہیں: «أَوْ شَابَهَ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ»؛ یا وہ اسم مبنی الاصل کے مشابہ ہو، «بِأَنْ يَكُونَ فِي الدَّلَالَةِ عَلَى مَعْنَاهُ مُحْتَاجًا إِلَى قَرِينَةٍ»؛ بایں صورت کہ یہ اپنے معنی پر دلالت میں محتاج ہو، «بِأَنْ يَكُونَ فِي الدَّلَالَةِ عَلَى مَعْنَاهُ» بایں صورت کہ اپنے معنی پر دلالت میں «مُحْتَاجًا إِلَى قَرِينَةٍ» وہ محتاج ہو کسی قرینے کا، «كَالْإِشَارَةِ»؛ جیسے کہ اشارہ ہے، «نَحْوُ: هَؤُلَاءِ»؛ جیسے ھؤلاء۔ ھؤلاء کا معنی ہے: یہ سب، یہ سب بھائی۔ تو اس کے لیے اشارہ وغیرہ کوئی چیز چاہیے کہ پتہ چلے کون سب مراد ہیں بھائی۔ «نَحْوُ: هَؤُلَاءِ»؛ جیسے ھؤلاء، اور نحو ھا اور اس جیسے اور جو اسمائے اشارہ ہیں۔

▪ قولہ: «أَوْ يَكُونُ عَلَى أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ» کی تشریح

«أَوْ يَكُونُ عَلَى أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ»؛ یا وہ تین حروف سے کم پر مشتمل ہو۔ بھائی، حروف جو ہیں، حروف مبنی الاصل ہیں اور حروف عام طور پر تین سے کم حروف پر مشتمل ہوتے ہیں۔ حروف کس پر مشتمل ہوتے ہیں؟ عموماً تین سے کم۔ تو جو اسم تین سے کم حروف پر مشتمل ہوا، وہ حروف کی طرح ہو گیا۔ اور جب حروف کی طرح ہوا تو وہ تو ہیں مبنی الاصل، تو یہ بھی مبنی بن جائے گا بھائی۔ یہ معنی: «أَوْ يَكُونُ عَلَى أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ»؛ یا تین سے کم حروف پر مشتمل ہو، «أَوْ تَضَمَّنَ مَعْنَى الْحَرْفِ»؛ یا حرف کے معنی کو متضمن ہو، «نَحْوُ: ذَا، وَمَنْ، وَأَحَدَ عَشَرَ إِلَى تِسْعَةَ عَشَرَ».

جیسے «ذَا»، «ذَا» یہ اسمِ اشارہ ہے۔ «ذَا» کیا ہے؟ اسمِ اشارہ۔ بھئی، اسی کے شروع میں «ھَا» تنبیہ کی بڑھا دیتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟ «ھٰذَا»، «ھٰذَا»۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو یہ اسمِ اشارہ ہے اور کتنے حروف ہیں؟ ایک ذال ہے، ایک الف ہے۔ دو حروف، تو تین سے کم حروف ہوئے۔ تو یہ کس کی طرح ہوا؟ حروف کی طرح۔ جب حروف کی طرح ہے تو حروف تو مبنی الاصل ہیں، تو یہ بھی کیا بن گیا؟ مبنی۔

«وَمَنْ»؛ اور اسی طرح «مَنْ» ہے۔ «مَنْ» شرطیہ ہے، «مَنْ» استفہامیہ ہے، یہ بھی مبنی ہے، کیونکہ کتنے حروف پر مشتمل ہے؟ دو۔ تو یہ تین سے کم حروف پر مشتمل ہوا تو یہ مبنی الاصل کے مشابہ ہو گیا۔

«وَأَحَدَ عَشَرَ»؛ یہ مثال ہے «تَضَمَّنَ مَعْنَى الْحَرْفِ» کی، جو حرف کے معنی کو متضمن ہو۔ بھائی، «أَحَدَ عَشَرَ» کا معنی ہے گیارہ۔ اصل میں تھا: «أَحَدٌ وَعَشَرٌ»، «أَحَدٌ وَعَشَرٌ»۔ درمیان میں واؤ تھا، اور واؤ کیا ہے؟ حرف، حرف۔ اور وہ واؤ «عَشَرَ» میں چھپ گیا، تو «عَشَرَ» مبنی بن گیا۔ واؤ کیا تھا؟ حرف، اور حرف تو کیا ہے؟ مبنی الاصل، تو وہ اس «عَشَرَ» میں چھپ گیا۔ جب اس میں چھپا تو یہ بھی مبنی بن گیا۔ اور «أَحَدَ» وہ تو درمیان، اعراب کہاں پر آتا ہے؟ آخر میں یا درمیان میں؟ آخر میں۔ تو «أَحَدَ» کا دال تو درمیان میں آ گیا اس لیے وہ بھی مبنی ہو گیا: «أَحَدَ عَشَرَ»۔ اس پر تو اعراب آئے گا نہیں، «عَشَرَ» آخر میں اعراب آنا تھا، لیکن «عَشَرَ» کے اندر کون چھپ گیا؟ حرف چھپ گیا۔ اس لیے انہوں نے کہا: «أَوْ تَضَمَّنَ مَعْنَى الْحَرْفِ»؛ یا وہ حرف کے معنی کو متضمن ہو۔ جیسے «أَحَدَ عَشَرَ» سے لے کر «إِلَى تِسْعَةَ عَشَرَ»؛ «أَحَدَ عَشَرَ» سے لے کر «تِسْعَةَ عَشَرَ» یعنی انیس تک بھائی۔ ان سب کے اندر: احد عشر، اثنا عشر، ثلاثۃ عشر، اربعۃ عشر، ان سب میں آپ کیا کہیں گے؟ واؤ کس کے اندر چھپ گیا ہے؟ عشر کے اندر چھپ گیا ہے بھائی۔

▪ قولہ: «وَهٰذَا الْقِسْمُ لَا يَصِيرُ مُعْرَبًا أَصْلًا» کی تشریح

«وَهٰذَا الْقِسْمُ لَا يَصِيرُ مُعْرَبًا أَصْلًا»؛ اور یہ قسم جو ہے، معرب نہیں بنتی اصلاً، یعنی قطعاً قطعی طور پر۔ یعنی ترکیب میں بھی آجائے، عامل بھی ان کا ساتھ آجائے، پھر بھی یہ معرب نہیں بنتے۔ یہ بات میں پہلے بیان کر چکا ہوں بھائی۔ کون سی قسم؟ جو کس کے مشابہ ہو؟ مبنی الاصل کے مشابہ ہو۔ یہ معرب نہیں بنتی قطعی طور پر۔

«وَحُكْمُهُ»؛ حکم کیا ہے مبنی کا؟ کہتے ہیں: «وَحُكْمُهُ» حکم اس کا یہ ہے، «أَنْ لَا يَخْتَلِفَ آخِرُهُ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ»؛ کہ اس کا آخر بدلتا نہیں ہے عوامل کے بدلنے سے۔ بھائی، معرب تو کیا تھا؟ اس کا آخر تو بدلتا ہے۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ» رفع آیا، «رَأَيْتُ زَيْدًا» نصب آیا، «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ» جر آگیا، لیکن یہ مبنی جو ہے اس کا آخر بدلتا نہیں عوامل کے بدلنے سے۔ کہتے ہیں: «وَحُكْمُهُ أَنْ لَا يَخْتَلِفَ آخِرُهُ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ»؛ اور حکم اس کا یہ ہے کہ بدلتا نہیں ہے اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے۔

«وَحَرَكَاتُهُ تُسَمَّى ضَمًّا وَفَتْحًا وَكَسْرًا، وَسُكُونُهُ وَقْفًا»؛ اور اس کی حرکات کو ضمہ، فتحہ اور کسرہ کہتے ہیں، اور اس کے سکون کو وقف کہتے ہیں۔ بھائی، میں پہلے بتا چکا کہ تین طرح کے نام ہیں: «رَفْعٌ»، «نَصْبٌ»، «جَرٌّ»، اور «ضَمٌّ»، «فَتْحٌ»، «كَسْرٌ»، اور اسی کے ساتھ گول تا ملا دیں: «ضَمَّةٌ»، «فَتْحَةٌ»، «كَسْرَةٌ»۔ «رَفْعٌ»، «نَصْبٌ»، «جَرٌّ» یہ خاص ہیں کس کے ساتھ؟ معرب کے ساتھ۔ اور «ضَمٌّ»، «فَتْحٌ»، «كَسْرٌ» بغیر تا کے، یہ خاص ہیں کس کے ساتھ؟ مبنی کے ساتھ۔ اور گول تا ساتھ مل جائے: «ضَمَّةٌ»، «فَتْحَةٌ»، «كَسْرَةٌ»، یہ یہ سب کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، معرب کے ساتھ بھی اور مبنی کے ساتھ بھی۔ تو کہتے ہیں: «وَحَرَكَاتُهُ تُسَمَّى ضَمًّا وَفَتْحًا وَكَسْرًا، وَسُكُونُهُ وَقْفًا»؛ اور اس کی حرکات کو ضمہ، فتحہ اور کسرہ کہتے ہیں، اور اس کے سکون کو وقف کہتے ہیں۔

«وَهُوَ عَلَى ثَمَانِيَةِ أَنْوَاعٍ»؛ اور یہ جو مبنی ہے، جو ہے یہ آٹھ قسم پر ہے، مبنی کی آٹھ قسمیں ہیں اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ «الْمُضْمَرَاتُ، وَأَسْمَاءُ الْإِشَارَاتِ، وَالْمَوْصُولَاتُ، وَأَسْمَاءُ الْأَفْعَالِ، وَالْأَصْوَاتُ، وَالْمُرَكَّبَاتُ، وَالْكِنَايَاتُ، وَبَعْضُ الظُّرُوفِ».

مضمرات، ضمیریں ہیں ساری بھائی۔ واسماء الاشارات، اسمائے اشارہ ہیں۔ موصولات، اسمائے موصولہ ہیں۔ اسماء الافعال، اسمائے افعال ہیں، یہ کچھ اسم ہیں جو ہیں تو اسم، معنی فعل والا ادا کرتے ہیں، تو ان کو کیا کہتے ہیں؟ اسم فعل۔ والاصوات، اصوات آوازیں ہیں۔ والمرکبات، کچھ مرکبات ہیں بھائی، جیسے یہ احد عشر سے لے کر تسعۃ عشر وغیرہ بھائی۔ اور کنایات ہیں کچھ، یہ بھی آگے آجائیں گے۔ وبعض الظروف، اور کچھ ظروف ہیں بھائی۔ یہ ہیں بھائی آٹھ قسمیں بھائی۔ چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۷۷: فصل المضمر: ضمائر کی پانچ اقسام (مرفوع و منصوب و مجرور متصل و منفصل) کا بیان

ہدایۃ النحو صفحہ: ۵۸—بتاریخ: ۲۰ اپریل ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلْمُضْمَرُ اسْمٌ وُضِعَ لِيَدُلَّ عَلَى مُتَكَلِّمٍ أَوْ مُخَاطَبٍ أَوْ غَائِبٍ تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ لَفْظًا أَوْ مَعْنًى أَوْ حُكْمًا، وَهُوَ عَلَى قِسْمَيْنِ: مُتَّصِلٌ، وَهُوَ مَا لَا يُسْتَعْمَلُ وَحْدَهُ، إِمَّا مَرْفُوعٌ نَحْوُ: ضَرَبْتُ إِلَى ضَرَبْنَا.

گزشتہ سبق میں ہم نے مبنی کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا اور انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مبنی جو ہے، وہ اسم ہے جو غیر کے ساتھ ترکیب میں واقع نہ ہو یا وہ اسم جو مبنی الاصل کے مشابہ ہو بھائی۔ تو پہلی قسم جو ہے جو غیر کے ساتھ ترکیب میں واقع نہ ہو یعنی اپنے عامل کے ساتھ، وہ بالفعل تو مبنی ہے لیکن بالقوۃ کیا ہے؟ معرب ہے یعنی اس میں معرب بننے کی صلاحیت ہے۔ جبکہ دوسری قسم جو مبنی الاصل کے مشابہ ہو، وہ کسی بھی وقت معرب نہیں بنتا، اس میں معرب بننے کی صلاحیت ہی نہیں بلکہ وہ مبنی ہے بھائی ہر حال میں۔

اور اس کا حکم بھی انہوں نے بتلایا تھا کہ مبنی کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا نہیں اور اس کی حرکات جو ہیں ان کو ضمہ، فتحہ اور کسرہ کہتے ہیں اور اس کے سکون کو وقف کہتے ہیں۔ اور یہ آٹھ قسم پر ہیں، ان آٹھ قسموں میں سے پہلی قسم ضمیریں تھیں تو آج ہم ضمیروں کے بارے میں پڑھیں گے۔

تو تعریف کر رہے ہیں: فَصْلٌ: اَلْمُضْمَرُ، کہ ضمیر جو ہے، اسْمٌ، وہ ایسا اسم ہے، وُضِعَ، جس کو وضع کیا گیا ہو، لِيَدُلَّ عَلَى مُتَكَلِّمٍ أَوْ مُخَاطَبٍ، تاکہ وہ دلالت کرے متکلم پر، أَوْ مُخَاطَبٍ، یا مخاطب پر، أَوْ غَائِبٍ تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ، یا دیکھو غائب یہ نکرہ ہے اور اس کے بعد تَقَدَّمَ فعل آیا، تو یہ یا ایسے غائب پر، تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ، جس کا ذکر مقدم ہو چکا ہو، مقدم گزر چکا ہو، لَفْظًا أَوْ مَعْنًى أَوْ حُكْمًا، یعنی اس کا ذکر مقدم گزر چکا ہو یا باعتبار لفظوں کے، یا معنی کے اعتبار سے، یا حُكْمًا بھائی۔

تو ضمیر وہ اسم ہے جس کو وضع کیا گیا ہو۔ وضع کا کیا معنی میں نے بتلایا تھا؟ مقرر کرنا۔ ہر زبان والے ایک معنی کے لیے ایک لفظ کو مقرر کر لیتے ہیں۔ جیسے میں نے گلاس کہا، تو آپ کے ذہن میں فوراً پانی پینے کا ایک برتن آ گیا، کیونکہ اردو زبان والوں نے اس برتن کے لیے کیا لفظ وضع کیا ہے؟ گلاس کا۔ اور اسی طرح میں نے روٹی کہا، تو ایک کھائی جانے والی چیز فوراً آپ کے ذہن میں آ گئی، کیونکہ اردو زبان والوں نے اس کے لیے یہ لفظ مقرر کیا ہے۔ یہی روٹی کا لفظ آپ عرب کے سامنے بولیں گے، اس کو کچھ پتہ نہیں چلے گا، کیونکہ انہوں نے اس کے لیے وہ لفظ مقرر نہیں کیا بھائی، تو اس کو وضع کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں ضمیر وہ ایسا اسم ہے جس کو وضع کیا گیا ہو تاکہ وہ دلالت کرے کس پر؟ متکلم پر۔ بھائی متکلم اپنے بارے میں جب بات کرتا ہے تو کیا اپنا نام لیتا ہے یا ضمیر کے ساتھ اپنے آپ کو ذکر کرتا ہے؟ ضمیر کے ساتھ۔ مثلاً اردو میں بھی آپ دیکھ لیں، میں آج وہاں گیا تھا، میں نے آج یہ کام کیا، میں نے آج اتنا سبق پڑھا، دیکھو 'میں' کا لفظ استعمال کر رہا ہے اپنے لیے، بار بار تو وہ اپنا نام نہیں لیتا۔ اور مخاطب کے لیے بھی اسی طرح ضمیر استعمال کی جاتی ہے، اس کا نام نہیں لیا جاتا۔ آپ میرے سامنے بیٹھے ہیں، تو میں آپ یا تم وغیرہ ضمیر کے ساتھ آپ کو ذکر کروں گا، نام نہیں۔ اسی طرح غائب کا بھی جب ایک دفعہ ذکر گزر جائے تو پھر اس کے لیے بھی کیا استعمال کی جاتی ہے؟ ضمیر بھائی۔

تو اسی لیے کہا ضمیر وہ ایسا اسم ہے جس کو وضع کیا گیا ہے تا کہ وہ دلالت کرے عَلَى مُتَكَلِّمٍ متکلم پر، أَوْ مُخَاطَبٍ یا مخاطب پر، أَوْ غَائِبٍ یا ایسے غائب پر، تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ جس کا ذکر مقدم ہو چکا ہو۔ معلوم ہوا غائب کا ذکر مقدم ہونا ضروری ہے، پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہو، لیکن وہ مقدم ذکر ہونا وہ کبھی لفظوں کے اعتبار سے ہو گا، کبھی معنی کے اعتبار سے اور کبھی حکم کے اعتبار سے۔

بھائی بعض اوقات وہ جو غائب ہے اس کا ذکر لفظوں میں ہی مقدم گزر چکا ہوتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا: جَاءَنِي زَيْدٌ، میرے پاس زید آیا، فَأَكْرَمْتُهُ، تو میں نے اس کا اکرام کیا۔ فَأَكْرَمْتُهُ، یہ ہا ضمیر آئی، یہ کس کو راجع ہے؟ زید کو، کیونکہ ابھی زید کا ذکر مقدم ہو چکا لفظوں کے اندر بھائی۔ پہلے کیا ذکر ہوا تھا؟ زید، اور لفظوں میں باقاعدہ ذکر ہوا تھا۔ صورت سمجھ میں آئی بھائی؟ تلفظ کیا تھا یا نہیں اس پر آپ نے؟ جی، تو باقاعدہ وہ لفظوں میں ذکر ہو چکا۔

تو یہ تو تھا حقیقتاً مقدم تھا۔ یہ لفظوں کے اعتبار سے بھی مقدم ہونا پھر دو طرح سے ہے، کبھی حقیقتاً، کبھی تقدیراً بھائی۔ ابھی میں نے ایک مثال ذکر کی: جَاءَنِي زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ، میرے پاس زید آیا، تو میں نے اس کا اکرام کیا۔ یہ ہا ضمیر غائب کی ہے اور یہ میں نے کس کی طرف لوٹائی؟ زید کی طرف۔ اور زید کا ذکر مقدم ہو چکا ہے لَفْظًا حَقِيقَةً بھائی۔ لَفْظًا حَقِيقَةً اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ بعض اوقات لَفْظًا حَقِيقَةً نہیں ہوتا لیکن تقدیراً ہوتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، میں کہتا ہوں، ابھی ترکیبیں بھی آپ نے کیں: فِي الدَّارِ رَجُلٌ، يافِي الدَّارِ زَيْدٌ۔ فِي الدَّارِ زَيْدٌ، يہ فِي الدَّارِ خبر مقدم ہے اور زَيْدٌ کیا ہے؟ مبتدا مؤخر۔ اور جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے، تو جار مجرور فِي الدَّارِ کس سے متعلق ہو گا؟ ثَبَتَ یا ثَابِتٌ سے، اور ثَبَتَ یا ثَابِتٌ کے اندر هُوَ ضمیر ہے غائب کی اور وہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے زید تو بعد میں آ رہا ہے، یہ تو اضمار قبل الذکر ہوا، ضمیر پہلے آ گئی اور مرجع بعد میں، تو کیا جواب پڑھا تھا آپ نے؟ کہ رتبے کے اعتبار سے زید کا لفظ مقدم ہے، لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ مؤخر لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم۔ تو گویا تقدیراً زید کا ذکر پہلے ہو چکا، کیونکہ یہ مبتدا ہے اور مبتدا کا مقام کیا ہے؟ خبر سے پہلے ہوتا ہے، اگرچہ اس وقت بعد میں ہے لیکن تقدیراً گویا کیا ہے؟ یہ پہلے ہے، تقدیراً یعنی فرض کر لیا گیا یہ پہلے ہی ہو چکا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ مقدم ہے۔ تو لہٰذا معلوم ہوا کہ ذکر کا مقدم ہونا لَفْظًا جو ہو، کبھی حقیقتاً مقدم ہو گا لفظوں کے اعتبار سے اور کبھی تقدیراً مقدم ہو گا بھائی۔ بات سمجھ آ گئی؟ اچھی طرح؟

اور کبھی کبھار وہ جو ذکر مقدم ہے وہ معنی کے اعتبار سے ہو گا۔ مرجع پہلے معنی کے اعتبار سے اس کا ذکر مقدم ہو چکا پہلے گزر چکا ہے۔ معنی کے اعتبار سے ذکر کا مقدم ہونا، معنی یہ ہے کہ مرجع جو ہے کسی اور لفظ کے ضمن میں گزرا ہو یا سیاق کلام سے مفہوم ہو رہا ہو بھائی۔ کس سے مفہوم ہو رہا ہو؟ سیاق کلام سے۔ مرجع مقدم ذکر ہو گا معنی کے اعتبار سے، اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو کسی اور لفظ کے ضمن میں وہ مرجع گزرے گا یا سیاق کلام اس پر دلالت کرے گا۔ دونوں کی میں مثالیں ذکر کروں گا، دیکھیے خوب بات سمجھ میں آ جائے گی۔ مرجع مقدم ہو چکا مَعْنًى، کیا صورت؟ کسی اور لفظ کے ضمن میں وہ مرجع گزرا ہو، جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿اعْدِلُوا﴾، امر کا صیغہ ہے، تم لوگ عدل کرو، ﴿اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾، عدل جو ہے، هُوَ ضمیر عدل کو راجع، عدل جو ہے ﴿أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ اب سوال پیدا ہوتا ہے یہ هُوَ ضمیر تو راجع ہے عدل کو اور ماقبل میں تو عدل کا کوئی لفظ گزرا ہی نہیں، ﴿اعْدِلُوا﴾ فعل تو گزرا ہے لیکن عدل لفظ تو نہیں گزرا۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ تو یہ ضمیر کا تو مرجع ماقبل میں نہیں، تو جواب کہ بھائی ضمیر کا مرجع لفظاً اگرچہ نہیں گزرا لیکن معنیً گزر چکا ہے بھائی۔ اور کس طرح معنیً ہے؟ کسی اور لفظ کے ضمن میں۔ یہ ﴿اعْدِلُوا﴾ کے ضمن میں عدل سمجھ میں آیا یا نہیں بھائی؟ تم لوگ عدل کرو، کیونکہ فعل ہے اور ہر فعل جو ہے اس کا مفہوم مرکب ہوتا ہے تین چیزوں سے۔ ہر فعل کا مفہوم؟ مرکب ہوتا ہے۔ فعل خود تو مفرد ہے، کلمہ کی قسم ہے نا، لیکن اس کا مفہوم تین چیزوں سے مرکب ہوتا ہے: نمبر ایک: مصدر، نمبر دو: زمانہ، اور نمبر تین: نسبت الی الفاعل۔ کتنی چیزیں ہوتی ہیں فعل میں؟ تین۔ نمبر ایک: مصدر، نمبر دو: زمانہ، اور نمبر تین: نسبت الی الفاعل۔ جیسے ضَرَبَ، ضَرَبَ دیکھو ضَرَبَ ایک اس کے اندر آپ کو ضرب، پٹائی کرنا سمجھ میں آ رہا ہے یا نہیں؟ ضرب بھی سمجھ میں آ رہی ہے، اور ضَرَبَ اس کی صورت بتلا رہی ہے کون سا زمانہ ہے؟ ماضی کا زمانہ ہے، اور نیز اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل بھی چاہیے، تو فاعل کی طرف نسبت بھی ہے اس کے اندر، اگرچہ ابھی فاعل نہیں آیا، کیونکہ فاعل آ جائے گا تو پھر تو یہ جملہ بن جائے گا، کیا بن جائے گا؟ جملہ، لیکن ضرورت ہے یا نہیں اس کے لیے فاعل کی؟ ہاں، تو فاعل کے جوڑنے سے پہلے یعنی صرف فعل پر نظر کریں تو فعل کا مفہوم کتنی چیزوں سے مرکب؟ تین: نمبر ایک معنی مصدری، نمبر دو زمانہ، اور نمبر تین نسبت الی الفاعل۔ تو اسی طرح یہاں پر بھی جب ﴿اعْدِلُوا﴾ تم لوگ عدل کرو فعل آ گیا، فعل آ گیا، اور اس فعل کے ضمن میں کیا آ گیا؟ مصدر عدل بھی آ گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو ضمناً تو یوں کہیں گے کہ عدل اگرچہ لفظاً مقدم نہیں ہے لیکن معنیً وہ اس کا ذکر مقدم ہو چکا ہے بھائی۔

دوسری کیا صورت ذکر کی تھی؟ کہ مرجع مقدم ہو گا معنیً، سیاق کلام اس پر دلالت کرے گا۔ سیاق کلام کہتے ہیں کلام کا چلاؤ، کلام کا چلاؤ۔ کلام کا چلاؤ اس پر دلالت کر رہا ہوتا ہے بھائی۔ جیسے بھائی یہ آپ کتاب پڑھ رہے ہیں، بعض جگہ ضمیر آجائے گی، یہ نحو کی کتاب آپ پڑھ رہے ہیں، اچانک ایک ضمیر آجائے گی جو عربوں کی طرف لوٹ رہی ہو گی، عرب کی طرف۔ آپ حیران ہوں گے کہ بھائی عرب کا تو کوئی پیچھے ذکر ہی نہیں ہوا، یہ ضمیر غائب کی عرب کی طرف کیسے لوٹا دی بغیر ذکر کے؟ تو جواب یہی کہ بھائی عربوں کا ذکر وہ سیاق کلام سے سمجھ آچکا ہے، یعنی ان کا ذکر مقدم ہو چکا معنی کے اعتبار سے، سیاق کلام اس پر دلالت کر رہا ہے۔ بھائی کس طرح سیاق کلام کا کیا معنی؟ کلام کا چلاؤ۔ کلام کا چلاؤ ان عربوں پر کیسے دلالت کر رہا ہے؟ بھائی یہ آپ عربی زبان کے قاعدے پڑھ رہے ہیں، یہ نحو کیا ہے؟ عربی زبان کے قاعدے ہیں۔ جب عربی زبان کے قاعدے پڑھ رہے ہیں تو گویا عربوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے بھائی۔ تو جب آپ عربی زبان کے ضابطے پڑھ رہے ہیں تو گویا عربوں کا ذکر، جب عربی زبان کے قاعدے پڑھ رہے ہیں تو عربی زبان ہے عربوں کی، تو عربوں کا ذکر بھی گویا ہو چکا ہے بھائی۔

یا اسی طرح یہ آپ نحو کی کتاب پڑھ رہے ہیں، پڑھتے پڑھتے اچانک کوئی ضمیر آجائے گی اور وہ نحویوں کی طرف، وہ آپ کو بتائیں گے کہ یہ نحویوں کو لوٹ رہی ہے۔ سوال پیدا ہو گا کہ بھائی نحویوں کا تو یہاں قریب کہیں ذکر ہی نہیں ہوا، ان کی طرف ضمیر کیسے لوٹا دی؟ تو جواب وہی کہ آپ نحو کی کتاب پڑھ رہے ہیں، تو جب نحو کی کتاب پڑھ رہے ہیں تو معنیً گویا نحویوں کا بھی ذکر آچکا بھائی، ہو چکا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یا جیسے اسی طرح ہے، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں، قرآن میں اللہ تعالیٰ وراثت کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾، ﴿وَلِأَبَوَيْهِ﴾، اور میت کے جو والدین ہیں، ﴿لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾، ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ میت کے جو ماں باپ ہیں ان کو وراثت میں سے کتنا حصہ ملے گا؟ ماں کا حصہ بھی چھٹا اور باپ کا حصہ بھی چھٹا۔ تو یہاں پر آیا ﴿وَلِأَبَوَيْهِ﴾، یہ ہا ضمیر آئی اور یہ ہا ضمیر میت کو راجع ہے، میت کے والدین بھائی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ میت کا تو یہاں ذکر ہی نہیں گزرا پیچھے، تو اس کی طرف یہ غائب کی ضمیر کیسے لوٹی؟ تو جواب یہی کہ اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے میت کا ذکر نہیں گزرا لیکن معنیً میت کا ذکر ہو چکا، اس لیے کیونکہ یہ وراثت کی بات چل رہی ہے اور وراثت وہیں جاری ہوتی ہے جہاں پر کوئی میت ہو بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو معنیً مرجع مقدم ہو چکا ہو گا، اس کی کتنی صورتیں میں نے ذکر کر دیں؟ دو صورتیں: نمبر ایک کہ کسی اور لفظ کے ضمن میں مرجع گزرا ہو یعنی کوئی اور لفظ اس پر دلالت کر رہا ہو، اور دوسرا سیاق کلام اس پر دلالت کر رہا ہو، کلام کا چلاؤ بھائی۔

تو کہتے ہیں: أَوْ غَائِبٍ یا ایسا غائب، تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ لَفْظًا أَوْ مَعْنًى أَوْ حُكْمًا، جس کا ذکر مقدم ہو چکا ہو باعتبار لفظوں کے، أَوْ مَعْنًى یا باعتبار معنی کے، أَوْ حُكْمًا یا باعتبار حکم کے۔ حُكْمًا اس سے مراد، حُكْمًا ضمیر کا مرجع گزر چکا یعنی حکم لگا دیا گیا۔ نہ لفظاً مرجع پہلے گزرا، نہ معنیً مرجع پہلے گزرا، لیکن حکم لگا دیا گیا کہ مرجع گزر چکا ہے۔ صورت سمجھ میں آئی؟ یہ ضمیر قصہ اور ضمیر شان میں ہو گا۔ ضمیر قصہ اور ضمیر شان۔ ضمیر قصہ اور ضمیر شان یہ آگے اگلے صفحے پر تعریف آرہی ہے۔ ضمیر قصہ اس کو کہتے ہیں یاد رکھو، ایک ضمیر آتی ہے اور اس ضمیر کے بعد ایک پورا جملہ ہوتا ہے اور وہ جملہ اس ضمیر کی تفسیر بیان کرتا ہے کہ اس ضمیر سے کیا مراد ہے۔ اس ضمیر سے کیا مراد ہے، جیسے: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾۔ ﴿قُلْ﴾ کہہ دو، هُوَ حال یہ ہے، حال یہ ہے، یہ هُوَ ضمیر شان ہے۔ شان یہ ہے، شان کا معنی حال حال، حال یہ ہے: ﴿اللَّهُ أَحَدٌ﴾، اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔ تو هُوَ ضمیر، اس کا مرجع ما قبل میں نہیں، یہ ضمیر شان ہے۔ آگے جملہ آیا: ﴿اللَّهُ أَحَدٌ﴾، لفظ اللہ مبتدا، ﴿أَحَدٌ﴾ اس کی خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ هُوَ کے لیے، وہ جو ضمیر شان اس کی تفسیر بن گئی۔

تو ضمیر شان اور، ضمیر مذکر ہو تو ضمیر شان کہتے ہیں، مؤنث ہو تو ضمیر قصہ کہتے ہیں۔ شان یہ ہے، قصہ یہ ہے، بات یہ ہے کہ اللہ ایک ہیں بھائی۔ بات یہ ہے کہ اللہ ایک ہیں۔ اب دیکھیے یہ ایک مبہم ضمیر ہوتی ہے اور اس کے بعد آنے والا جملہ اس کی، اس کی تفسیر کرتا ہے۔ اس ضمیر سے، هُوَ سے کیا معنی؟ هُوَ کا کیا معنی؟ ﴿اللَّهُ أَحَدٌ﴾، وہی آگے جو جملہ آرہا ہے وہ کیا کر رہا ہے؟ اسی هُوَ کی تفسیر کر رہا ہے بھائی۔ وہ مراد ہے اس سے، وہ مراد ہے۔ اور یہ کیوں کیا جاتا ہے ایسا؟ بھائی یہ ضمیر لائی جاتی ہے ضمیر شان، اس کا مرجع نہ پہلے لفظاً گزرا ہوتا ہے نہ معنیً گزرا ہوتا ہے، اور لائی جاتی ہے کلام کے اندر تو جب ضمیر لائی گئی اور اس کا، اس کا مرجع پہلے گزرا ہی نہیں ہے، تو بات میں ابہام پیدا ہو گیا۔ کیا پیدا ہوا؟ ابہام ہوا کہ کون مراد ہے بھائی؟ اور جب ابہام، اس کے بعد آگے اس کی تفسیر آئی، تو بات میں ابہام پیدا ہوا اور یاد رکھیے جو چیز جتنی جتنا اس میں ابہام ہو گا، جتنی چھپی ہوئی ہو گی، اتنی ہی دل کے اندر اس کی عظمت ہو گی۔ اور جو بات جتنی ظاہر ہو گی اس کی دل کے اندر عظمت بھی نہیں ہو گی بھائی۔ تو پہلے شروع میں جان بوجھ کر ایک ایسی ضمیر لائی جاتی ہے تاکہ بات میں ابہام پیدا ہو جائے، تو ذہن پوری طرح متوجہ ہو جاتا ہے کہ ضمیر آگئی، مرجع پیچھے کہیں نہیں گزرا، اور ذہن پوری طرح متوجہ ہوا اور پھر اس کے بعد آگے اس کی تفسیر آجاتی ہے۔ اب ذہن جب پوری طرح متوجہ تھا اور آگے تفسیر آئی، تو وہ تفسیر ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

کوئی چیز جتنی مبہم ہو گی اتنی ہی اس میں عظمت ہو گی، انسان اس کو بڑا سمجھے گا۔ دیکھا؟ آپ کا ایک ساتھی آیا، اور تھکا ہوا بڑا، برا حال اس کا، آپ اس کے پاس آئے وہ کہنے لگا: آج تو عجیب بات ہو گئی۔ آپ نے پوچھا: کیا بات ہوئی؟ اس نے کہا: بس یہ تو مجھ سے نہ پوچھو بھائی۔ دیکھا؟ جب اس نے یوں کہا، آپ کے دل میں اور اس بات کی عظمت آ گئی کہ پتہ نہیں کتنی بڑی بات ہوئی ہے کہ یہ ہمیں بتا ہی نہیں رہا۔ تو اگر وہ بات کو بیان کر دے گا، پھر وہ عظمت باقی نہیں رہے گی، آپ کہیں گے: بس اتنی سی بات تھی! اور اگر نہیں بتائے گا تو آپ کے دل میں بڑی اس کی عظمت رہے گی، اور ذہن اسی جستجو میں لگا رہے گا کہ پتہ نہیں کون سی بات ہے، پتہ چلنا چاہیے بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا بات کوئی چیز جتنی مبہم ہو گی، دل میں اتنی ہی اس کی عظمت زیادہ ہوتی ہے، اور جتنی صاف کھل جائے، واضح ہو جائے، پتہ چل جائے، اس کی عظمت اور ہیبت بھی کیا ہے؟ دل سے ختم ہو جاتی ہے۔ تو ضمیر شان عربوں کے کلام میں جان بوجھ کر کیا کیا جاتا ہے؟ پہلے ایک مبہم ضمیر لائی جاتی ہے۔ مقصد کیا ہوتا ہے؟ تاکہ جو آگے بات ذکر کی جا رہی ہے، وہ سننے والے کے دل میں اچھی طرح بیٹھ جائے۔ جب مبہم ضمیر آئی، ذہن فوراً متوجہ ہو گیا کہ بھائی ضمیر آ گئی، مرجع تو کوئی پیچھے گزرا ہی نہیں، نہ لفظاً گزرا ہے نہ معنیً گزرا ہے، پھر ذہن جب پوری طرح متوجہ تھا تو آگے آنے والا جملہ جو اسی ضمیر کی کیا کر رہا ہے؟ تفسیر، وہ آیا اور اب جب وہ جملہ آیا تو بات ذہن میں اچھی طرح بیٹھ گئی بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو یہ یہ ہے کہ مرجع حُکْمًا مقدم ہو چکا، نہ لفظاً مقدم ہوا، نہ معنیً مقدم ہوا، ہاں حکم لگا دیا گیا مرجع مقدم ہو چکا ہے۔ کیوں حکم لگایا گیا؟ اس لیے کیونکہ ابھی تو میں نے بتایا، اس ضمیر کے لانے کا مقصد ہی کیا ہے؟ کہ آگے آنے والی بات دل میں اچھی طرح بیٹھ جائے۔ اگر مرجع پہلے گزر چکا ہو تو پھر یہ مقصد حاصل ہو گا؟ نہیں، لہٰذا اس میں مرجع کسی صورت پہلے گزرا ہی نہیں ہوتا۔ جب گزرا ہی نہیں ہے، حالانکہ غائب کی ضمیر کے لیے تو مرجع کیا ہے؟ پہلے گزرنا ضروری ہے، لیکن اس میں تو مقصد ہی یہ ہے کہ پہلے نہ گزرا ہو، لہٰذا کہہ دیتے ہیں حُکْمًا کیا ہے؟ مرجع گزر چکا، حکم لگا دیا گیا کہ مرجع پہلے گزر چکا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو یہ مرجع حُکْمًا مقدم ہو چکا ہے، اس میں اس میں مرجع واقعی کسی اعتبار سے بھی پہلے گزرا نہیں ہے لیکن صرف کیا کر دیا گیا؟ حکم لگا دیا گیا۔ کیوں حکم لگا دیا گیا کہ مرجع مقدم ہو چکا ہے؟ اس لیے کیونکہ اس میں مرجع پہلے گزرے گا ہی نہیں۔ اگر پہلے گزر چکا ہے تو اس کے لانے کا تو مقصد ہی فوت ہو گیا، اس کے تو لانے کا تو مقصد ہی کیا تھا؟ بات کے اندر ابہام پیدا کرنا تاکہ آگے آنے والی بات دل میں اچھی طرح بیٹھ جائے بھائی۔ تو بس یہاں پر یوں کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کا مرجع حُکْمًا مقدم ہو چکا ہے بھائی۔

یہ معنی ہے کہ ضمیر جو ہے وہ ایسا اسم ہے جس کو وضع کیا گیا ہے: لِيَدُلَّ عَلَى مُتَكَلِّمٍ أَوْ مُخَاطَبٍ أَوْ غَائِبٍ تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ لَفْظًا أَوْ مَعْنًى أَوْ حُكْمًا، کہ وہ دلالت کرے متکلم پر، یا مخاطب پر، یا ایسے غائب پر جس کا ذکر مقدم ہو چکا ہو باعتبار لفظوں کے، یا باعتبار معنی کے، یا حکم کے۔ وَهُوَ عَلَى قِسْمَيْنِ، اور یہ پھر دو قسم پر ہے ضمیر بھائی، ضمیر دو قسم پر ہے: مُتَّصِلٌ، ایک تو ضمیر متصل ہے، اور آگے چل آگے آئے گا ایک دو سطروں کے بعد آ رہا ہے: وَمُنْفَصِلٌ، اور ایک ضمیر منفصل۔ متصل لفظ سے ہی پتہ چل رہا ہے، جڑی ہوئی، اور منفصل جدا جو الگ ہے۔ تو ضمیر متصل وہ ما قبل کسی لفظ کے ساتھ جڑی ہوئی ہو گی بھائی۔ تو خود بتلا رہے ہیں: مُتَّصِلٌ وَهُوَ مَا لَا يُسْتَعْمَلُ وَحْدَهُ، وہ ضمیر ہے جس کو اکیلا استعمال نہ کیا جاتا ہو، یعنی جب بھی آئے گی کسی لفظ کے ساتھ جڑی ہوئی آئے گی بھائی۔ اور منفصل جو اکیلی آتی ہے، کسی لفظ کے ساتھ جڑنے کی محتاج نہیں بھائی۔

تو ضمیر کتنی قسم پر ہوئی؟ دو: ایک متصل اور ایک منفصل۔ اس میں یاد رکھیے یہ جو متصل ہے پھر یہ تین قسم پر ہے: متصل مرفوع ہو گی یا متصل منصوب ہو گی یا متصل مجرور ہو گی۔ تو متصل کی تینوں قسمیں ہیں: مرفوع بھی، منصوب بھی اور مجرور بھی۔ جبکہ منفصل کی صرف دو قسمیں ہیں: مرفوع اور منصوب۔ مجرور منفصل ضمیر نہیں ہوتی بھائی۔ تو کل پانچ قسمیں ہو گئیں بھائی: نمبر ایک مرفوع متصل، نمبر دو منصوب متصل، نمبر تین مجرور متصل، نمبر چار مرفوع منفصل، اور نمبر پانچ منصوب منفصل بھائی، جی، جبکہ مجرور منفصل ضمیر نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں یہ دو قسم پر ہے یہ ضمیر: مُتَّصِلٌ وَهُوَ مَا لَا يُسْتَعْمَلُ وَحْدَهُ، ایک متصل ہے اور وہ وہ ضمیر ہے جس کو اکیلا استعمال نہ کیا جاتا ہو، إِمَّا مَرْفُوعٌ، یا تو یہ مرفوع ہو گی، نَحْوُ: ضَرَبْتُ إِلَى ضَرَبْنَا، جی، یا اسی طرح مجہول ہے، اسی کو مجہول بھی دیکھیں اس پر دونوں طرح کے اعراب پڑھے ہوئے ہیں۔ پہلا معروف پڑھو: ضَرَبْتُ سے لے کر ضَرَبْنَا تک۔ نَحْوُ: ضَرَبْتُ إِلَى ضَرَبْنَا، ضَرَبْتُ سے لے کر ضَرَبْنَا تک۔ یہ یہ معروف بھی ہے اور مجہول بھی بھائی۔ یہ دونوں صیغے جو ہیں ضَرَبْتُ اور دیکھو اس پر دونوں طرح کے اعراب ڈلے ہوئے ہیں، ضَرَبْتُ بھی اور ضُرِبْتُ بھی۔ اسی طرح اگلے لفظ پر بھی دیکھ لو، ضَرَبْنَا اور ضُرِبْنَا۔ تو یہ مرفوع جو ہے یہ جڑی ہوئی ہے دیکھو ضَرَبْتُ، ضَرَبْتُ کے ساتھ کون سی ضمیر جڑی ہوئی ہے؟ تا ضمیر۔ اور ضَرَبْنَا کے ساتھ نا ضمیر۔ نَحْوُ: ضَرَبْتُ إِلَى ضَرَبْنَا، ضَرَبْتُ سے لے کر ضَرَبْنَا تک، بھائی یہ گردان کی طرف اشارہ کر دیا، باقی گردان آپ خود کر لیں۔

باقی گردان کیسے ہو گی؟ بھائی ماضی کی گردان ذرا سناؤ: ضَرَبَ ضَرَبَا ضَرَبُوا ضَرَبَتْ ضَرَبَتَا ضَرَبْنَ، ضَرَبْتَ ضَرَبْتُمَا ضَرَبْتُمْ ضَرَبْتِ

ضَرَبْتُمَا ضَرَبْتُنَّ، ضَرَبْتُ ضَرَبْنَا۔ لیکن یاد رکھو یہ صرفی گردان ہے، صرفی گردان۔ غائب کے صیغوں سے شروع کرتے ہیں: ضَرَبَ ضَرَبَا، یہ کون سے صیغے ہیں؟ غائب کے، اور پھر مخاطب کے آتے ہیں: ضَرَبْتَ ضَرَبْتُمَا، اور آخر میں متکلم کے آتے ہیں: ضَرَبْتُ ضَرَبْنَا۔ تو یہ صرفی گردان ہے اور صرفی پہلے غائب کے صیغے ذکر کرتا ہے، پھر مخاطب کے اور پھر متکلم کے۔ وجہ اس کی یہ کہ صرفی نے بحث کرنی ہے فعل سے، کس سے بحث کرنی ہے؟ فعل سے۔ تو سب سے پہلے وہ صیغہ لاتا ہے جس کے ساتھ کوئی ضمیر جڑی ہوئی نہ ہو، اور ضَرَبَ دیکھو اس کے ساتھ آخر میں کوئی ضمیر جڑی ہوئی نہیں ہے، ض، ر، ب یہ تو فعل کا مادہ ہے۔ ہاں آگے جوں جوں جائیں: ضَرَبَ ضَرَبَا اب الف جڑ گیا، اسی طرح مخاطب میں ضَرَبْتَ ضَرَبْتُمَا تا آخر میں جڑ گئی، اور متکلم میں ضَرَبْتُ ضَرَبْنَا یہاں بھی آخر میں تا اور نا کیا ہیں؟ جڑ گئے۔ تو صرفی نے بحث کرنی ہے فعل سے، تو وہ سب سے پہلے وہ صیغہ لاتا ہے جس کے ساتھ کوئی ضمیر جڑی ہوئی نہ ہو اور وہ کون سا صیغہ ہے؟ ضَرَبَ یعنی غائب کا صیغہ ہے بھائی۔ چنانچہ وہ اس صیغے، چنانچہ وہ غائب کے پہلے سارے صیغے ذکر کر دیتا ہے یعنی چھ صیغے۔ اور پھر اس کے بعد متکلم، پھر رہ گیا متکلم اور مخاطب، غائب کے صیغے گزر گئے، کس کے رہ گئے؟ مخاطب اور متکلم کے۔ اس میں سے پھر وہ مخاطب کے صیغے پہلے لاتا ہے، اس لیے کیونکہ مخاطب کے صیغے زیادہ ہیں اور متکلم کے صیغے تھوڑے ہیں، تو متکلم کے تو صرف دو صیغے ہیں اس لیے ان کو کہاں ذکر کرتا ہے؟ آخر میں۔ ترتیب کی وجہ سمجھ میں آئی؟

جبکہ یہاں جو گردان ذکر کر رہے ہیں یہ نحوی گردان ہے۔ نحوی بحث کرتا ہے تعریف و تنکیر سے، کس سے؟ تعریف و تنکیر سے، کون معرفہ ہے، کون نکرہ ہے، جو جتنا معرفہ جس میں تعریف زیادہ اس کو پہلے ذکر کرے گا۔ تو دیکھیے گردانیں جو ہیں تین قسم کی ہو گئیں: ایک متکلم کی، ایک مخاطب کی اور ایک غائب کی۔ تو نحوی جو ہے وہ برعکس کرتا ہے۔ صرفی نے متکلم کی متکلم کے صیغے سب سے آخر میں ذکر کیے تھے، نحوی سب سے پہلے ذکر کرتا ہے اسی لیے کہا: ضَرَبْتُ سے لے کر، اور صرفی نے غائب کے صیغے سب سے پہلے ذکر کیے تھے، نحوی کیا کرتا ہے؟ غائب کے صیغے سب سے آخر میں ذکر کرتا ہے اور غائب کے صیغوں میں پھر سب سے آخری کون سا آتا ہے؟ جمع مؤنث کا: ضَرَبْنَ، اسی لیے کہا: ضَرَبْتُ سے لے کر ضَرَبْنَ تک بھائی۔ وجہ اس کی یہ کہ نحوی نے بحث کرنی ہے تعریف و تنکیر سے اور ضمیریں تین قسم کی ہیں: ایک متکلم کی، ایک مخاطب کی اور ایک غائب کی، اور انسان سب سے زیادہ کس کو پہچانتا ہے؟ اپنے آپ کو۔ سب سے زیادہ اپنے آپ کو پہچانتا ہے، تو معلوم ہوا متکلم کی ضمیر میں سب سے زیادہ تعریف ہے، تعریف کا معنی ہے پہچان۔ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جس کی آپ کو پہچان ہوتی ہے، کسی متعین ذات پہ دلالت کرتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ معرفہ۔ تو لہٰذا یہاں پر بھی تعریف کو دیکھیں گے، سب سے زیادہ تعریف کس کے اندر ہے؟ متکلم کی ضمیر میں، کیونکہ انسان سب سے زیادہ کس کو پہچانتا ہے؟ اپنے آپ کو۔ اس کے بعد مخاطب کا درجہ ہے، اس کو زیادہ جانتا ہے، اس لیے کیونکہ مخاطب اس کی نظروں کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ اور تیسرا درجہ کس کا ہے؟ غائب کا ہے، وہ تیسرے درجے پر ہے۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو سب سے زیادہ تعریف کس میں؟ متکلم کی ضمیر میں، اس لیے متکلم کے صیغے پہلے لائے گا نحوی، اور اس کے بعد مخاطب کے لائے گا اور سب سے آخر میں غائب کے صیغے لائے گا بھائی۔

تو ضَرَبْتُ سے لے کر ضَرَبْنَ تک بھائی۔ اب ان میں ضمیریں کون کون سی ہیں وہ بھی ذرا نکال لو بھائی۔ ضَرَبْتُ سے شروع کریں، ضَرَبْتُ میں تا ضمیر، ضَرَبْنَا میں نا ضمیر، اس کے بعد مخاطب کے آگئے صیغے: ضَرَبْتَ میں تا ضمیر، ضَرَبْتُمَا میں تُمَا ضمیر، ضَرَبْتُمْ میں تُمْ ضمیر، ضَرَبْتِ میں تا ضمیر بھائی، تِی نہیں کہنا تا ضمیر، اور ضَرَبْتُمَا میں پھر تُمَا، پھر ضَرَبْتُنَّ میں تُنَّ ضمیر۔ پھر ضَرَبَ میں، غائب کے صیغے اب آجائیں گے، ضَرَبَ میں هُوَ، ضَرَبَا میں الف، ضَرَبُوا میں واؤ، پھر ضَرَبَتْ، ہاں شاباش، اس میں هِيَ ضمیر، یہ تا تانیث کی علامت ہے یہ ضمیر نہیں، هِيَ ضمیر۔ ضَرَبَتَا میں الف، تا نہیں الف الف، تا وہی ہے، الف بھائی۔ پھر ضَرَبْنَ میں نون ضمیر بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں یہ جڑی ہوئی ہو گی جیسے ضَرَبْتُ سے لے کر ضَرَبْنَ تک بھائی۔ اور اسی طرح مجہول بھی ہے، انہی کو مجہول بھی پڑھ سکتے ہیں: ضُرِبْتُ سے لے کر ضُرِبْنَ میں بھائی۔ تو چاہے دونوں میں مرفوع ضمیریں ساتھ ملی ہوئی۔ اور مرفوع کیوں ہیں؟ یہ ضمیریں مرفوع کیوں ہیں؟ کیونکہ فاعل ہیں یا نائب الفاعل ہیں۔ ضَرَبْتُ میں تا ضمیر مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ اور ضُرِبْتُ میں تا ضمیر مرفوع کیوں؟ نائب الفاعل، تو اس لیے یہ مرفوع ہیں بھائی۔

تو کہتے ہیں یا تو یہ مرفوع ہو گی ضمیر: أَوْ مَنْصُوبٌ، یا کیا ہو گی؟ منصوب ہو گی: نَحْوُ: ضَرَبَنِي إِلَى ضَرَبَهُنَّ، ضَرَبَنِي سے لے کر ضَرَبَهُنَّ تک۔ بھائی ضَرَبَنِي یہ نون وقایہ کا ہے اور یہ یا ضمیر کیا ہے؟ منصوب ہے، کیونکہ یہ مفعول بہ ہے بھائی، مفعول بہ ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور یہ نون وقایہ میں نے بتایا تھا کسے کہتے ہیں؟ کیوں لاتے ہیں؟ بھائی دیکھیے یہ یا جب آتی ہے نا آخر میں، یا، یہ یا اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے کہ مجھ سے پہلے حرف پہ کیا آنا چاہیے؟ کسرہ۔ اب ماقبل میں تو ضَرَبَ فعل ہے اور فعل ماضی اور آپ نے پڑھا ہے ماضی کیا ہے؟ مبنی ہوتی ہے۔ ماضی کیا ہے؟ مبنی، اس کا ضَرَبَ کے آخر میں تو با پر زبر ہے وہ زبر تو بدل نہیں سکتی کیونکہ مبنی ہے، مبنی کی حالت برقرار رہتی ہے اس میں تبدیلی نہیں آتی، اور آگے یا چاہ رہی ہے میرے سے قبل کسرہ آئے، تو پھر

درمیان میں ایک نون کو لے آتے ہیں اور اس نون کو کسرہ دے دیتے ہیں اور کیسے پڑھتے ہیں؟ضَرَبَنِي۔ اب دونوں مسئلے حل ہو گئے، ضَرَبَ کی با پر زبر بھی برقرار رہا اسی طرح اور یا سے ماقبل کسرہ بھی آ گیا بھائی۔ تو یہ یا ضمیر ہے بھائی، یہ مفعول کی ہے بھائی دیکھو متکلم کی۔ گردان کیسے ہو گی بھائی؟ضَرَبَنِي، ضمیر منصوب متصل کی بات چل رہی ہے اور منصوب متصل کون سی ضمیر ہے ضَرَبَنِي میں؟ یا۔ تو اس یا کو بدلتے جاؤ:ضَرَبَنِي، ضَرَبَنَا، ضَرَبَكَ، ضَرَبَكُمَا، ضَرَبَكُمْ، ضَرَبَكِ، ضَرَبَكُمَا، ضَرَبَكُنَّ، ضَرَبَهُ، ضَرَبَهُمَا، ضَرَبَهُمْ، ضَرَبَهَا، ضَرَبَهُمَا، ضَرَبَهُنَّ۔ دیکھا؟ضَرَبَنِي سے لے کر إِلَى ضَرَبَهُنَّ تک۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ جو ضمیریں ساتھ جڑی ہوئی تھیں یہ منصوب متصل تھیں۔

اسی طرح:وَإِنَّنِي إِلَى إِنَّهُنَّ۔ اِنَّ حرف ہے نا، از حروف مشبہ بالفعل، اور یہ کیا کرتا ہے؟ ایک اسم اور ایک خبر چاہتا ہے، مبتدا اور خبر پہ داخل ہوتا ہے، اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع:إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ اور اب میں کہنا چاہتا ہوں: بے شک میں کھڑا ہوں، تو کیسے کہوں گا؟إِنَّنِي قَائِمٌ۔ پہلے کیا تھا؟ إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، اب زید کی جگہ متکلم کی ضمیر لے آؤ:إِنَّنِي قَائِمٌ۔ یہاں پر بھی دیکھو، اِنَّ کے آخر میں کیا ہے؟ نون پر زبر ہے اور آگے آ رہی ہے یا، اور یا کیا چاہتی ہے اپنے سے ماقبل کسرہ، تو نون وقایہ لے آئے، کیسے پڑھا؟إِنَّنِي سے لے کر إِنَّهُنَّ تک۔ تو اِنَّ کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع، تو یہاں پر بھی دیکھو یہ إِنَّنِي، اِنَّ کے ساتھ جو ضمیر ہے یہ کیا ہے؟ اِنَّ کا اسم ہے، منصوب ہے، منصوب ہے۔ توجہ ہے؟ تو گردان پوری کیسے ہو گی؟إِنَّنِي، إِنَّنَا، توجہ نہیں میرا خیال سبق کی طرف، ضمیریں بدلتے جاؤ:إِنَّنِي، إِنَّنَا، إِنَّكَ، إِنَّكُمَا، إِنَّكُمْ، إِنَّكِ، إِنَّكُمَا، إِنَّكُنَّ، إِنَّهُ، إِنَّهُمَا، إِنَّهُمْ، إِنَّهَا، إِنَّهُمَا، إِنَّهُنَّ۔ یہی ہے:إِنَّنِي سے لے کر إِنَّهُنَّ تک۔

أَوْ مَجْرُورٌ، یا پھر یہ ضمیر متصل کیا ہو گی؟ مجرور ہو گی،نَحْوُ: غُلَامِي وَلِي إِلَى غُلَامِهِنَّ وَلَهُنَّ۔ اچھا غُلَامِي، غُلَامٌ مضاف، یا ضمیر مضاف الیہ، اور مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور، تو یہ یا ضمیر مجرور ہے اور ساتھ جڑی ہوئی ہے، متصل ہے، تو یہ مجرور متصل ہے۔ گردان کیسے ہو گی؟غُلَامِي، غُلَامُنَا، توجہ ہے؟ ضمیریں بدلتے جاؤ:غُلَامِي، غُلَامُنَا، غُلَامُكَ، غُلَامُكُمَا، غُلَامُكُمْ، غُلَامُكِ، غُلَامُكُمَا، غُلَامُكُنَّ، غُلَامُهُ، غُلَامُهُمَا، غُلَامُهُمْ، غُلَامُهَا، غُلَامُهُمَا، غُلَامُهُنَّ، اسی لیے کہا غُلَامِهِنَّ تک۔ اور لِي، لِي، لام جارہ ہے اس کے ساتھ یا ضمیر جڑی ہوئی ہے اور لام کیا کرتا ہے؟ جر دیتا ہے، تو یہ یا ضمیر بھی کیا ہے؟ مجرور ہے اور متصل ہے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اب اس کی بھی گردان کر لو:لِي، لَنَا، لَكَ، لَكُمَا، لَكُمْ، لَكِ، لَكُمَا، لَكُنَّ، لَهُ، لَهُمَا، لَهُمْ، لَهَا، لَهُمَا، لَهُنَّ، اسی لیے کہا لَهُنَّ تک بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں یا ضمیر متصل مجرور ہو گی:نَحْوُ غُلَامِي وَلِي إِلَى غُلَامِهِنَّ وَلَهُنَّ، غُلَامِهِنَّ اور لَهُنَّ تک بھائی۔

سمجھ میں آئی بات؟ آپ نے پڑھا غُلَامُهُنَّ اور یہ کہہ رہے ہیں غُلَامِهِنَّ، کیوں بھائی؟ بھائی وجہ یہ، اس پر إِلَى جارہ داخل ہے نا، تو إِلَى جارہ نے وہاں تو غُلَامُهُنَّ، غلام پہ رفع ہی پڑھ رہے تھے ہم، صورت سمجھ میں آ گئی؟ اعراب حکائی کہیں پر مرفوع تھا، لیکن یہاں پر إِلَى داخل ہو رہا ہے تو إِلَى نے اس غلام کو کیا دے دیا؟ جر:إِلَى غُلَامِهِنَّ، اور اس پر میم پر چونکہ جر ہے تو آگے ہا پر بھی ہم نے زیر پڑھ دی، وہ اعراب نہیں ہے وہ اس کی حرکت ہے بھائی میم کی وجہ سے اس پر بھی زیر پڑھا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

وَمُنْفَصِلٌ، یا ضمیر منفصل ہو گی:وَهُوَ مَا يُسْتَعْمَلُ وَحْدَهُ، وہ ضمیر ہے جس کو اکیلا استعمال کیا جاتا ہو، اور یہ کتنی قسم پر میں نے بتایا؟ دو، یا مرفوع ہو گی یا منصوب۔ یہی بیان کر رہے ہیں:إِمَّا مَرْفُوعٌ، یا تو یہ مرفوع ہو گی:نَحْوُ: أَنَا إِلَى هُنَّ، أَنَا سے لے کر هُنَّ تک۔ گردان کیجیے:أَنَا، نَحْنُ، أَنَا، نَحْنُ، جی،أَنْتَ، أَنْتُمَا، أَنْتُمْ، أَنْتِ، أَنْتُمَا، أَنْتُنَّ، هُوَ، هُمَا، هُمْ، هِيَ، هُمَا، هُنَّ، اسی لیے کہا أَنَا سے لے کر هُنَّ تک۔ أَوْ مَنْصُوبٌ، یا یہ ضمیر منصوب ہو گی:نَحْوُ: إِيَّايَ إِلَى إِيَّاهُنَّ، جی گردان کیجیے:إِيَّايَ، إِيَّانَا، إِيَّاكَ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُمْ، إِيَّاكِ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُنَّ، اور إِيَّاهُ، إِيَّاهُمَا، إِيَّاهُمْ، إِيَّاهَا، إِيَّاهُمَا، إِيَّاهُنَّ، اسی لیے کہا إِيَّايَ سے لے کر إِيَّاهُنَّ تک۔ فَذَلِكَ سِتُّونَ ضَمِيرًا، تو یہ ساٹھ ضمیریں ہیں بھائی۔ کتنی ضمیریں؟ ساٹھ ضمیریں ہیں۔

سوال: انہوں نے کہا ضَرَبْتُ سے لے کر ضَرَبْنَا تک، یہ ضمیریں ہیں۔ دیکھو بھائی، ضَرَبْتُ سے لے کر ضَرَبْنَا تک کتنی ضمیریں ہوئیں ذرا شمار کرو؟ گنو بھائی، کتنے صیغے ہیں؟ دو صیغے متکلم کے، اور پھر چھ صیغے مخاطب کے، اور پھر چھ صیغے غائب کے، تو کتنے ہو گئے؟ چودہ۔ اور کتنی قسم پر ہے یہ؟ پانچ قسم۔ تین تو متصل ہیں: مرفوع، منصوب اور مجرور، ہر ایک کے چودہ صیغے آ رہے ہیں۔ اور دو کتنی ہیں؟ منفصل ہیں دو قسمیں: مرفوع اور منصوب۔ تو ہر ایک کے چودہ صورتیں ہوئیں، چودہ پنجے ستر، تو کہنا تو چاہیے تھا کہ یہ سَبْعُونَ ضَمِيرًا، ستر ضمیریں ہیں، لیکن انہوں نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا ساٹھ ضمیریں۔ سوال پیدا ہوا: کیا صاحب کتاب سے گننے میں غلطی ہوئی؟ کیونکہ یہ تو کتنی بن رہی ہیں؟ ستر بن رہی ہیں اور یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ ساٹھ۔ جواب: نہیں بھائی، وجہ یہ کہ آپ غور کر

لیں، جو تثنیہ کی ضمیریں ہیں وہ ایک جیسی ہیں، ان کو انہوں نے ایک ہی شمار کیا۔ جیسے دیکھو، دوبارہ دیکھ لو۔ مخاطب کی ضمیر دیکھ لو، مخاطب: ضَرَبْتَ، ضَرَبْتُمَا، جی تثنیہ کی ضمیر مذکر کی کیا ہے؟ تُمَا۔ ضَرَبْتَ، ضَرَبْتُمَا، اچھا ضَرَبْتُمْ، ضَرَبْتِ، ضَرَبْتُمَا، دیکھو مؤنث کی بھی تُمَا ہے، تو ان دونوں کو ایک شمار کیا۔ اسی طرح غائب کے صیغے دیکھ لو: ضَرَبَ، ضَرَبَا، کیا ہے ضمیر؟ الف، الف۔ توجہ سے: ضَرَبَ، ضَرَبَا الف ہے، پھر ضَرَبُوا، آگے ضَرَبَتْ، پھر ضَرَبَتَا اس میں کیا ہے؟ اس میں بھی الف، تا تو وہی تانیث کی علامت ہے، تو یہاں بھی الف اور ضَرَبَا میں بھی الف، ان کو ایک ہی شمار کیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو گویا مخاطب کی کل کتنی ضمیریں ہو گئیں؟ سب میں ایک جیسا ہے، سب میں ایک جیسا ہے۔ چلو ذرا اس پہ آجاؤ، منفصل پہ آجاؤ۔ أَنَا، نَحْنُ ذرا دہراؤ: أَنَا، نَحْنُ، أَنْتَ، أَنْتُمَا، أَنْتُمْ، أَنْتِ، أَنْتُمَا، أَنْتُنَّ، هُوَ، هُمَا، هُمْ، هِيَ، هُمَا، هُنَّ۔ اس میں دیکھو، گنو ذرا: أَنَا، نَحْنُ کتنے ہو گئے؟ دو۔ آگے: أَنْتَ، أَنْتُمَا، أَنْتُمْ، أَنْتِ، أَنْتُمَا یہ أَنْتُمَا پہلے بھی گزر چکا ہے اس لیے اس کو نہ گنو، صورت سمجھ میں آگئی؟ آگے چلو: أَنْتُمْ، أَنْتُنَّ، توجہ ہے؟ اس کے آگے، تو گویا مخاطب کی کتنی ضمیریں ہیں؟ أَنْتَ، أَنْتُمَا، أَنْتُمْ، أَنْتِ، أَنْتُمَا، أَنْتُنَّ۔ اس میں یہ کل چھ بن رہا ہے نا: واحد، تثنیہ، جمع، پھر واحد، تثنیہ اور جمع، چھ۔ چھ میں سے تثنیہ والی تو دونوں ایک ہی ہیں لہٰذا ایک کم کر دو: پانچ۔ گویا مخاطب کی پانچ ضمیریں ہیں، ان کو انہوں نے کتنا شمار کیا؟ پانچ، کیونکہ مذکر تثنیہ اور مؤنث تثنیہ ایک ہی ضمیر آرہی ہے۔ اسی طرح غائب میں بھی دیکھ لو: هُوَ، هُمَا، هُمْ، هِيَ، هُمَا، هُنَّ، تو هُمَا دو دفعہ آرہا ہے تو اس کو ایک شمار کرو، تو کتنے ہو گئے؟ پانچ۔ تو پانچ غائب کی ضمیریں، پانچ مخاطب کی ضمیریں، دس ہو گئیں، اور دو متکلم کی، کتنی ہو گئیں؟ بارہ۔ معلوم ہوا ہر گردان میں آپ غور کر لیں مخاطب کی تثنیہ کی دونوں ضمیریں مذکر اور مؤنث والی ایک جیسی ہیں، غائب کے اندر بھی مذکر اور مؤنث دونوں میں تثنیہ کی ضمیریں ایک، تو وہ مخاطب کے بھی پانچ ضمیریں شمار کرنا اور غائب کی بھی پانچ، اور متکلم کی دو، تو کتنی ہو گئیں؟ بارہ۔ تو ہر گردان میں گویا کتنی ضمیریں ہیں؟ بارہ، تو بارہ پنجے ساٹھ۔ اسی لیے انہوں نے کہا: فَذَلِكَ سِتُّونَ ضَمِيرًا، یہ کتنی ہو گئیں؟ یہ ساٹھ ضمیریں ہیں بھائی، ساٹھ ضمیریں ہیں۔

یہاں تک بات خوب اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ ضمیر دو قسم پر ہے: یا متصل ہو گی یا منفصل۔ متصل مرفوع بھی ہو سکتی ہے، منصوب بھی اور مجرور بھی، لیکن منفصل جو ہے صرف یا مرفوع ہو گی یا منصوب ہو گی۔ اور ایک اور قیمتی بات: صاحب ہدایۃ النحو نے جو مثالیں ذکر کی ہیں: ضَرَبْتُ سے لے کر ضَرَبْنَا تک، ضَرَبَنِي سے لے کر ضَرَبَهُنَّ تک، إِنَّنِي سے لے کر إِنَّهُنَّ تک، غُلَامِي اور لِي سے لے کر غُلَامِهِنَّ اور لَهُنَّ تک، یہ ساری مثالیں ذکر کر دیں۔ اس میں ایک اور قیمتی بات وہ بتلاتے چلے گئے، بتلایا انہوں نے یہ کہ یہ جو متصل ہے، متصل کسے کہتے ہیں؟ جو ضمیر ما قبل کے ساتھ جڑی ہوئی ہو، تو اس کی مثالیں کیا ذکر کیں؟ ضَرَبْتُ سے لے کر ضَرَبْنَا تک، بس صرف یہ مثال ذکر کی۔ بتلا دیا کہ ضمیر مرفوع متصل صرف فعل کے ساتھ جڑی ہوتی ہے۔ یہ صرف فعل کے ساتھ جڑتی ہے اور کسی کے ساتھ نہیں۔ مثالوں پہ غور کر رہے ہیں؟ ضَرَبْتُ سے لے کر ضَرَبْنَا تک، صرف فعل کو ذکر کیا مثالوں میں، معلوم ہوا مرفوع متصل صرف کس کے ساتھ جڑتی ہے؟ فعل کے ساتھ، یعنی جو فاعل کی ضمیر ہوتی ہے گردانوں میں یہ کیا ہے؟ مرفوع متصل۔ اور مرفوع متصل حرف کے ساتھ جڑی ہوئی کبھی نہیں آپ کو ملے گی، اسی طرح مرفوع متصل اسم کے ساتھ جڑی ہوئی کبھی آپ کو نہیں ملے گی، صرف کس کے ساتھ جڑی ہوئی ملے گی؟ فعل کے ساتھ۔

جبکہ آگے منصوب کی مثالیں ذکر کیں، منصوب متصل کی: ضَرَبَنِي سے لے کر ضَرَبَهُنَّ تک، معلوم ہوا منصوب متصل فعل کے ساتھ بھی جڑتی ہے۔ آگے کہا: وَإِنَّنِي سے لے کر إِنَّهُنَّ تک، اور اِنَّ کیا ہے؟ حرف ہے، از حروف مشبہ بالفعل، تو یہ حرف کے ساتھ بھی جڑی ہوئی ہے۔ معلوم ہوا منصوب متصل فعل کے ساتھ جڑی ہوئی بھی آسکتی ہے اور حرف کے ساتھ جڑی ہوئی بھی آسکتی ہے، اسم کے ساتھ جڑی ہوئی نہیں آئے گی۔ معلوم ہوا اسم کے ساتھ متصل ضمیر مرفوع بھی نہیں آسکتی اور منصوب بھی نہیں آسکتی۔ اور مجرور، مجرور کی مثال ذکر کی: غُلَامِي سے لے کر غُلَامِهِنَّ تک، اور لِي سے لے کر لَهُنَّ تک۔ غُلَامِي، بتلا دیا کہ ضمیر مجرور متصل اسم کے ساتھ بھی جڑ سکتی ہے، کیونکہ غلام کیا ہے؟ اسم ہے۔ اور لِي، یہ کس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے؟ حرف لام جارہ کے ساتھ، معلوم ہوا مجرور متصل اسم کے ساتھ بھی جڑ سکتی ہے اور حرف کے ساتھ بھی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

معلوم ہوا فعل کے ساتھ دو طرح کی متصل ضمیریں آسکتی ہیں۔ فعل کے ساتھ؟ کون کون سی؟ مرفوع بھی اور منصوب بھی۔ اسم کے ساتھ صرف ایک ضمیر متصل آئے گی، کون سی؟ مجرور متصل۔ اور حرف کے ساتھ بھی دو قسم کی متصل ضمیریں آسکتی ہیں، کون سی؟ منصوب متصل بھی اور مجرور متصل بھی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

وَاعْلَمْ أَنَّ الْمَرْفُوعَ الْمُتَّصِلَ خَاصَّةً يَكُونُ مُسْتَتِرًا فِي الْمَاضِي لِلْغَائِبِ وَالْغَائِبَةِ كَ: ضَرَبَ، أَيْ: هُوَ۔ بھائی اب آپ کو یہ بتلانے

لگے ہیں کہ بعض اوقات یہ جو ضمیر متصل ہوتی ہے یہ صیغے کے اندر چھپ جاتی ہے، تو اس کو کہتے ہیں ضمیر مستتر، اور بعض اوقات ظاہر ہوتی ہے اس پر تلفظ بھی انسان کرتا ہے، اس کو کہتے ہیں ضمیر بارز۔ جیسے ضَرَبَ، اس کے اندر کون سی ضمیر چھپی ہوئی ہے؟ هُوَ۔ اور ضَرَبَا، اس کے ساتھ الف ہے، تو هُوَ تو ضَرَبَ کے اندر چھپی ہوئی ہے تو اس کو کہیں گے ضمیر مستتر، اور ضَرَبَا اس میں تو الف کو باقاعدہ میں پڑھ رہا ہوں یہ تو چھپی ہوئی نہیں ہے تو اس کو کہیں گے ضمیر بارز، کیا کہیں گے؟ بارز۔ اب آپ کو صرف اتنا بتانے لگے ہیں کن کن صیغوں میں ضمیر مستتر آئے گی اور کن صیغوں میں ضمیر بارز آئے گی۔ وہ آپ خود بھی کر سکتے ہیں۔ ماضی میں ذرا دیکھ لیتے ہیں ہم پہلے بھائی: پہلا صیغہ ضَرَبَ، ضمیر بارز ہے مستتر ہے؟ مستتر ہے، ض، ر، ب یہ تو فعل کا مادہ ہے ضربٌ مصدر ہے بھائی، تو آگے کوئی ضمیر جڑی ہوئی نہیں، اور معلوم ہوا اسی کے اندر چھپی ہوئی ہے تو ضمیر مستتر۔ ضَرَبَا کے اندر الف ہے تو بارز ہے۔ ضَرَبُوا میں واؤ ہے تو بارز ہے۔ ضَرَبَتْ میں، یہاں، اس میں هِيَ مستتر ہے، یہ تا تانیث کی علامت ہے ضمیر نہیں ہے۔ ضَرَبَتَا میں، ہاں بس آپ صرف یہ مجھے بتائیں بارز ہے یا مستتر؟ ضَرَبَتَا: بارز۔ ضَرَبْنَ: بارز۔ اچھا ضَرَبْتَ: ضمیر بارز۔ ضَرَبْتُمَا: بارز۔ ضَرَبْتُمْ: بارز۔ ضَرَبْتِ: بارز۔ ضَرَبْتُمَا: بارز۔ ضَرَبْتُنَّ: بارز۔ ضَرَبْتُ: بارز۔ ضَرَبْنَا: بارز۔ معلوم ہوا صرف کس کے اندر؟ پہلا اور چوتھا صیغہ ہے: ضَرَبَ اور ضَرَبْتُ۔

تو یہی بات ذکر کر رہے ہیں: وَاعْلَمْ، جان لے، أَنَّ الْمَرْفُوعَ الْمُتَّصِلَ خَاصَّةً، کہ خاص طور پر مرفوع متصل، يَكُونُ مُسْتَتِرًا فِي الْمَاضِي لِلْغَائِبِ وَالْغَائِبَةِ، یہ مستتر ہو گی ماضی میں غائب اور غائبہ کے صیغے میں، كَـ: ضَرَبَ أَيْ هُوَ، جیسے ضَرَبَ اس کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ هُوَ، وَضَرَبَتْ أَيْ هِيَ، اس کے اندر هِيَ ضمیر ہے۔

وَفِي الْمُضَارِعِ، مضارع کے اندر ہم دیکھ لیتے ہیں بھائی۔ مضارع کے ذرا صیغوں پہ غور کرو: يَضْرِبُ، مستتر ہے بارز؟ جی مستتر ہے، يَضْرِبُ دیکھو ادھر دیکھو، يَضْرِبُ شروع میں یا، یہ علامت مضارع ہے، یہ ضمیر نہیں کیونکہ اس کے ساتھ جو ضمیر آئے گی وہ ضمیر وہ فاعل کی آئے گی اور فاعل کی ضمیر آپ نے پڑھا ہے ہمیشہ فعل کے بعد آسکتی ہے، فعل پر مقدم نہیں ہو سکتی۔ تو يَضْرِبُ میں یا علامت مضارع ہے، اور آگے ض، ر، ب یہ تو ضربٌ مصدر کیا تھا اس کا؟ ضربٌ، تو یہ تو اسی کا مادہ ہے۔ اس سے آگے کوئی اور حرف ہے؟ آگے نہیں، معلوم ہوا ضمیر اسی کے اندر چھپی ہوئی ہے، تو يَضْرِبُ کے اندر ضمیر مستتر۔ يَضْرِبَانِ میں بارز، یہ الف ہے، نون نون اعرابی ہے بھائی، نون اعرابی ہے۔ اور يَضْرِبُونَ میں واؤ ہے، نون اعرابی ہے ضمیر بارز ہے۔ تَضْرِبُ، اس اس میں هِيَ ضمیر مستتر ہے۔ تَضْرِبَانِ میں بارز۔ يَضْرِبْنَ بارز۔ تَضْرِبُ، ض، ر، ب ہے آخر میں، با سے آگے کچھ ہے؟ ہاں مستتر، تَضْرِبُ میں بھی مستتر۔ تَضْرِبَانِ میں بارز۔ تَضْرِبُونَ میں بارز۔ تَضْرِبِينَ میں بارز، یہ یا ہے یا، نون تو اعرابی ہے یا ضمیر ہے۔ پھر تَضْرِبَانِ بارز الف ہے۔ تَضْرِبْنَ، تَضْرِبْنَ اس میں بارز۔ آگے أَضْرِبُ مستتر، نَضْرِبُ مستتر۔ معلوم ہوا فعل مضارع میں کون کون سے صیغے؟ پہلا واحد مذکر غائب، واحد مؤنث غائب، اور واحد مذکر حاضر: تَضْرِبُ، اور متکلم کے دونوں صیغے۔ یہ پانچ صیغوں میں ضمیر مستتر آئے گی، باقی سب میں کیا ہو گی؟ بارز۔

یہی ذکر کر رہے ہیں: وَفِي الْمُضَارِعِ لِلْمُتَكَلِّمِ مُطْلَقًا، اور مضارع متکلم کے اندر مطلقاً، مطلقاً یعنی چاہے واحد متکلم ہو چاہے جمع متکلم دونوں کے اندر: نَحْوُ: أَضْرِبُ أَيْ أَنَا، وَنَضْرِبُ أَيْ نَحْنُ، أَضْرِبُ میں أَنَا ضمیر ہے اور نَضْرِبُ میں نَحْنُ مستتر ہے۔ وَلِلْمُخَاطَبِ، اور مضارع کے مخاطب کے صیغے میں، كَـ: تَضْرِبُ جیسے تَضْرِبُ ہے، أَيْ أَنْتَ اس میں کون سی ضمیر ہے؟ أَنْتَ مستتر ہے۔ وَلِلْغَائِبِ وَالْغَائِبَةِ، اور مضارع غائب اور غائبہ کا صیغہ، جیسے كَـ: يَضْرِبُ أَيْ هُوَ، وَتَضْرِبُ أَيْ هِيَ۔ دیکھا یہ پانچوں صیغے اور ان میں جو ضمیریں چھپی ہوئی ہیں وہ انہوں نے نکال کر بتلا دیں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

وَفِي الصِّفَةِ، اور صفت کے صیغوں میں مجھے بتایئے بھائی، آپ بتایئے۔ ادھر دیکھیے، اسم فاعل ہے، گردان آپ نے پڑھی: ضَارِبٌ، ضَارِبَانِ، ضَارِبُونَ، ضَارِبَةٌ، ضَارِبَتَانِ، ضَارِبَاتٌ۔ اب مجھے بتایئے، ضَارِبٌ میں ضمیر ساتھ ہے کوئی؟ نہیں، مستتر ہے۔ ضَارِبَانِ میں، جی؟ پھر وہی غلطی، یہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ ضَارِبَانِ، یہ فعل کے اندر جو الف اور واؤ آتا ہے وہ ضمیریں ہیں: ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوا، لیکن صفت کے صیغوں میں جو الف اور واؤ آئے ہیں وہ صرف تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں: ضَارِبٌ، ضَارِبَانِ، ضَارِبُونَ، یہ الف اور واؤ کیا ہیں؟ صرف تثنیہ اور جمع کی علامت۔ یہ ضمیریں نہیں ہیں، دلیل یاد رکھو پھر آپ کو بات بھولے گی نہیں۔ دلیل یہ کہ اسی کو حالت نصبی اور جری میں لے جاؤ، تثنیہ ہے ناضَارِبَانِ، حالت نصبی جری میں لے جاؤ: ضَارِبَيْنِ، وہ الف کس سے بدل گیا؟ یا سے۔ اگر وہ ضمیر ہوتی، ضمیر تو مبنی ہوتی ہے اس میں تو کوئی تبدیلی نہیں آتی، وہ نہ بدلتی، معلوم ہوا وہ ضمیر نہیں۔ ضَارِبُونَ، مُسْلِمُونَ کی طرح ہے جمع مذکر سالم ہے، تو اس کی اس کو حالت نصبی جری میں لے جاؤ: ضَارِبِينَ، وہ واؤ کس سے بدل گیا؟ یا سے، معلوم ہوا کہ یہ ضمیر نہیں ہے بلکہ جمع کی علامت۔ معلوم ہوا صفت کے صیغوں میں جو الف اور واؤ آتے ہیں وہ ضمیریں نہیں ہوتیں بلکہ تثنیہ اور جمع کی علامت ہوتی ہے، اور

دلیل کیا؟ کہ وہ حالت نصبی جری میں بدل جاتے ہیں یا کے ساتھ۔ تو جب یہ ضمیریں نہیں، معلوم ہوا ضمیریں ان کے اندر چھپی ہوئی ہیں۔ ضَارِبٌ میں کون سی ضمیر؟ هُوَ۔ ضَارِبَانِ میں هُمَا، اور ضَارِبُونَ میں هُمْ ضمیر چھپی ہوئی ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ یہی بات بیان کر رہے ہیں۔ تو یہ صفت کے صیغے، چاہے ادھر دیکھو، اسم فاعل ہو، چاہے اسم مفعول ہو، چاہے صفت مشبہ ہو، چاہے اسم تفضیل، سب کے اندر اسی طرح ہیں۔ ان میں جتنے الف اور واؤ آئیں گے وہ تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں، ضمیریں نہیں، ضمیریں ان کے اندر کیا ہوں گی؟ مستتر ہوں گی، بارز نہیں ہوں گی۔ تو کہتے ہیں: وَفِي الصِّفَةِ، اور صفت کے اندر، عَنِ اسْمِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ وَغَيْرِهِمَا، یعنی کہ اسم فاعل اور اسم مفعول اور ان کے علاوہ جو صفت کے صیغے ہیں، مُطْلَقًا، ان میں مطلقاً یعنی ان کی تمام صورتوں میں، چاہے مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، مذکر ہو، مؤنث ہو، سب صورتوں کے اندر ضمیریں ان میں کیا ہوں گی؟ مستتر ہوں گی۔

وَلَا يَجُوزُ اسْتِعْمَالُ الْمُنْفَصِلِ إِلَّا عِنْدَ تَعَذُّرِ الْمُتَّصِلِ۔ یہاں پر ایک قیمتی ضابطہ آپ کو بتلا رہے ہیں۔ ضابطہ یہ، یاد رکھو، آپ نے پڑھا، ادھر دیکھیے بھائی، آپ نے پڑھا کہ ضمیریں دو قسم پر ہیں: یا متصل ہو گی یا منفصل، اور آپ نے غور بھی کر لیا کہ متصل ضمیر چھوٹی ہوتی ہے اور منفصل ذرا بڑی ہوتی ہے۔ کیا معنی؟ متصل ایک آدھ حرف ہی ہوتا ہے عموماً: ضَرَبَ، ضَرَبَا صرف کیا ہے؟ الف۔ ضَرَبُوا صرف کیا ہے؟ واؤ۔ غُلَامِي یہ صرف یا ہے، یا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو متصل کیا ہوتی ہے؟ چھوٹی ہوتی ہے عموماً، اور منفصل میں حروف کیا ہوتے ہیں؟ زیادہ، جیسے ضَرَبْتُ، ضَرَبْتُ کے اندر تا ضمیر ہے صرف تا ایک حرف ہے، اور متکلم کی منفصل لے آؤ: أَنَا، أَنَا کے اندر الف شروع میں ہمزہ ہے پھر نون ہے پھر الف، دیکھو تین حروف ہو گئے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ الف کو تو ہم پڑھتے ہی نہیں ہیں، پھر بھی أَنَا ہمزہ اور نون دو حروف تو ہیں۔ تو متصل تھا ایک حرف، منفصل میں دو حرف ہو گئے، تو چھوٹی کون سی؟ متصل۔ تو اصل یہ ہے کلام عرب مختصر ہے اور وہ اختصار چاہتا ہے کہ مختصر ہونا چاہیے یعنی لفظ تھوڑے سے ہوں، بات لمبی سے لمبی ہو جائے بھائی۔ تو لہٰذا اصل ضمیر متصل ہے اور متصل ضمیر ہی استعمال کریں گے ہر جگہ پر، ہاں کہیں مجبوری آ جائے کہ متصل سے کام، متصل استعمال کر ہی نہیں سکتے، تو پھر مجبوراً منفصل کو استعمال کر لیں گے۔ تو جہاں تک جہاں پر ضمیر متصل سے کام چلے وہاں منفصل استعمال کرنے کی اجازت نہیں، ہاں مجبوری ہو جائے پھر کون سی استعمال کر سکتے ہو؟ منفصل بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَلَا يَجُوزُ اسْتِعْمَالُ الْمُنْفَصِلِ إِلَّا عِنْدَ تَعَذُّرِ الْمُتَّصِلِ، اور جائز نہیں ہے ضمیر منفصل کو استعمال کرنا، إِلَّا عِنْدَ تَعَذُّرِ الْمُتَّصِلِ، مگر جس وقت کہ ضمیر متصل متعذر ہو جائے یعنی ناممکن ہو جائے، تعذر کا معنی ناممکن ہو، جب ضمیر متصل ناممکن ہو جائے: كَ: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾۔ جی اب مثالیں ذکر کر رہے ہیں اور مثالوں کے ضمن میں وہ جگہیں ذکر کر رہے ہیں جہاں ضمیر منفصل آپ کو استعمال کرنا پڑے گی۔ پہلی جگہ ہے جیسے مثال ذکر کر دی: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾، ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾۔ بھائی یہ إِيَّاكَ یہ اوپر دیکھیں، اوپر ضمیریں آئی تھیں: إِيَّايَ سے لے کر إِيَّاهُنَّ تک، یہ کون سی ضمیر ہے؟ منصوب منفصل ہے، منصوب منفصل۔ اصل میں کلام یوں تھا: نَعْبُدُكَ، نَعْبُدُكَ۔ نَعْبُدُ کے اندر ضمیر نَحْنُ، ہم عبادت کرتے ہیں، آگے کاف ضمیر آ گئی: نَعْبُدُكَ، اے اللہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں۔ لیکن اس کلام کے اندر حصر نہیں تھا، اس میں تو صرف اگر یوں ہوتا نَعْبُدُكَ، اے اللہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں، تو اس میں اللہ کی تو عبادت کا ٹھیک ہے آپ نے مان لیا، لیکن کسی اور کی بھی عبادت کرتے ہو یا نہیں؟ اس کا تو کوئی ذکر نہیں یہاں، تو لہٰذا تخصیص کے لیے اس کاف ضمیر کو مقدم کر دیا گیا، اور نَعْبُدُكَ کاف ضمیر متصل تھی، تو جہ ہے؟ متصل تھی، صرف کاف تھا، نَعْبُدُكَ ضمیر منصوب متصل۔ لیکن جب اس کاف کو نَعْبُدُ پر مقدم کر دیا، اب جب مقدم کیا اب ضمیر جو جڑتی ہے کسی لفظ کے بعد آ کر اس سے جڑتی ہے، اس سے پہلے آ کر نہیں جڑا کرتی، تو جب کاف ضمیر نَعْبُدُ پر مقدم ہوا تو اب جڑنے کی کوئی صورت نہیں، ضمیر متصل کے لانے کی صورت نہ رہی تو مجبوراً پھر کون سی لانا پڑی؟ منفصل۔ اور نَعْبُدُكَ، کاف ضمیر مفعول کی تھی، نَعْبُدُ کے اندر نَحْنُ ضمیر ہے فاعل اور کاف ضمیر کیا ہے؟ مفعول، اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب، اسی لیے منفصل بھی منصوب لے کر آئے: إِيَّاكَ۔ اگر مرفوع ہوتی تو وہ لاتے أَنْتَ، أَنْتَ سے بھی کون مراد ہوتا ہے؟ مخاطب، اور کاف سے بھی کون مراد ہوتا ہے؟ مخاطب، اور إِيَّاكَ سے بھی کون مراد ہے؟ مخاطب۔ لیکن ہر ایک کو اپنے محل پر لے کر آنا ہے، منصوب مقام پہ کون سی ضمیر لانی ہے؟ منصوب والی، مرفوع پہ مرفوع والی۔ تو أَنْتَ بھی مخاطب کی ضمیر اور إِيَّاكَ بھی، لیکن ہمیں یہاں کون سی چاہیے؟ أَنْتَ تو ہے مرفوع ضمیر اور إِيَّاكَ ہے منصوب، ہمیں یہاں کون سی چاہیے؟ منصوب، تو اس لیے یہاں إِيَّاكَ لائی گئی بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو پہلا مقام جہاں ضمیر منفصل لائیں گے وہ کون سا مقام ہے؟ جب ضمیر کو کیا کر دیا جائے؟ اپنے عامل پر مقدم کر دیا جائے۔ جب مقدم کر دیا جائے متصل لانے کی گنجائش نہ رہی تو اب مجبوراً کس کو لانا پڑا؟ منفصل کو۔ ترکیب کیجیے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾، إِيَّاكَ، جی ترکیب تو میں نے بتا دی، پھر کیا سوچ رہے ہیں؟ معنی آپ کو سمجھ میں آ گیا ایک ایک لفظ کا، ابھی تو بتایا یہ مفعول ہے مقدم کر دیا گیا۔ إِيَّاكَ منصوب، کون سا منصوب؟ لفظاً؟ شاباش! کان پکڑوانے چاہیے آپ کو۔

ابھی ضمیریں اوپر پڑھ رہے ہو یہ ساری ضمیریں ہیں اور ضمیروں کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ ہاں، إِيَّاكَ کا اعراب منصوب محلاً، مفعول بہ مقدم۔ ابھی بتایا نَعْبُدُكَ ہونا چاہیے تھا لیکن کیوں مقدم کیا گیا؟ حصر کے لیے۔ دیکھو اب حصر پیدا ہو گیا: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾، نَعْبُدُ کا معنی تھا، نَعْبُدُكَ: اے اللہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں، ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ صرف کاف کو اٹھا کر مقدم کر دیا گیا، حصر آ گیا، کیا معنی ہوا؟ اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں! دیکھا اب باقی سب کی نفی ہو گئی۔ پہلے تھا ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں، کسی اور کی بھی عبادت کرتے ہو یا نہیں اس کا ذکر ہی نہیں تھا، اب کیا کہا گیا؟ اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، معلوم ہوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے، دیکھا حصر آ گیا۔ تو وہی کاف ضمیر مقدم ہوئی یہ اسی طرح مفعول ہے: إِيَّاكَ منصوب محلاً مفعول بہ مقدم، جی نَعْبُدُ فعل بافاعل، اس کے اندر نَحْنُ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی بھائی؟

وَمَا ضَرَبَكَ إِلَّا أَنَا، یہ دوسرا مقام ہے جہاں پر ضمیر منفصل استعمال کریں گے۔ یہ اصل میں تھا: مَا ضَرَبَكَ أَحَدٌ إِلَّا أَنَا۔ مَا ضَرَبَكَ، مَا ضَرَبَ پٹائی نہیں کی، كَ کس کی؟ آپ کی، أَحَدٌ کسی نے بھی، کسی ایک نے بھی، إِلَّا أَنَا سوائے میرے، میرے سوا کسی نے آپ کی پٹائی نہیں کی، یعنی یوں کہیں: صرف میں نے آپ کی پٹائی کی ہے۔ معنی سمجھ میں آیا؟ مَا ضَرَبَكَ أَحَدٌ کسی ایک نے بھی آپ کی پٹائی نہیں کی، إِلَّا أَنَا سوائے میرے، تو با محاورہ کیسے کہیں گے اردو میں؟ صرف میں نے آپ کی پٹائی کی ہے بھائی، یعنی اور کسی نے نہیں کی۔

اب دیکھیے، تو اصل میں أَحَدٌ تھا فاعل، أَحَدٌ کیا تھا؟ فاعل، اور إِلَّا حرف استثناء ہے اور أَنَا تھا مستثنیٰ، لیکن پھر کیا کیا گیا؟ أَحَدٌ فاعل کو حذف کر لیا اور فاعل کو تو حذف کر نہیں سکتے، تو کیا کیا گیا؟ أَنَا کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا یعنی أَنَا کو فاعل بنا دیا گیا۔ تو ضَرَبَ فعل ہے اور أَنَا اس کے لیے آگے فاعل ہے، کیونکہ حصر پیدا کرنا تھا ما اور إِلَّا کے ساتھ۔ اگر میں کہتا نا: میں نے آپ کی پٹائی کی ہے، تو میں یوں کہتا: ضَرَبْتُكَ، میں نے آپ کی پٹائی کی، لیکن میں حصر پیدا کرنا چاہتا ہوں، میں بتانا یہ چاہتا ہوں صرف میں نے کی ہے اور کسی نے نہیں، تو اس کے لیے ما اور إِلَّا لے کر آتے ہیں، ما اور إِلَّا، اور إِلَّا کے بعد پھر فاعل کو ذکر کرتے ہیں، اور فاعل تو یہاں ہے متکلم، لہٰذا إِلَّا کے بعد أَنَا ضمیر لے آئے، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ ضَرَبَ فعل ہے اور إِلَّا کے بعد جو أَنَا ہے وہ اس کے لیے کیا بن رہی ہے؟ فاعل ہے بھائی، اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، اسی لیے مرفوع منفصل لائے، کیا لے کر آئے؟ مرفوع منفصل۔ اور منفصل کیوں لائے؟ اصل تو تھی متصل، اصل ضمیر کیا ہے؟ متصل، لیکن یہاں ہم نے کیا پیدا کرنا تھا؟ حصر، اور حصر کے لیے کیا لے کر آتے ہیں؟ ما اور إِلَّا، اور فاعل کو کس کے بعد ذکر کرتے ہیں؟ إِلَّا کے بعد۔ ادھر دیکھیے، فاعل کو کس کے بعد ذکر کرتے ہیں؟ إِلَّا کے بعد۔ تو ہم نے إِلَّا کے بعد فاعل یعنی أَنَا کو ذکر کرنا ہے، اور أَنَا کون سی ضمیر ہے؟ منفصل۔ متصل کیوں نہیں لائے؟ اس لیے کیونکہ ضمیر فاعل ہے نا، فاعل ہے، اور ضمیر مرفوع متصل کس کے ساتھ جڑتی ہے؟ فعل کے ساتھ، تو فعل ہے ما قبل میں اور درمیان میں ہمیں لانا ہے إِلَّا، یہ إِلَّا ہم کیوں لائے؟ کسی وجہ سے یا بغیر وجہ کے؟ کسی وجہ سے، وہ کیا وجہ تھی؟ ہم حصر پیدا کرنا چاہتے ہیں، تو جب حصر پیدا کرنا ہے إِلَّا کو ضرور لانا پڑے گا اور فاعل کو إِلَّا کے بعد ذکر کرنا پڑے گا۔ جب فاعل کو آپ إِلَّا کے بعد ذکر کر رہے ہیں اور فعل إِلَّا سے پہلے ہے، اب اتصال کی کوئی صورت ہے؟ جڑنے کی کوئی صورت ہے؟ نہیں، کیونکہ درمیان میں إِلَّا آ رہا ہے وہ جڑنے ہی نہیں دے گا۔ یا تو إِلَّا ختم کرو گے تو پھر تو کلام ہی بدل جائے گا، تو إِلَّا کو باقی بھی رکھتے ہو تو پھر ضمیر متصل لانے کی کوئی صورت نہیں ہے، مجبوراً کون سی لانا پڑی؟ منفصل۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

جی، مَا ضَرَبَكَ إِلَّا أَنَا، نہیں پٹائی کی آپ کی مگر میں نے۔ جی ترکیب کیجیے: ما حرف نفی، یا یوں کہہ دیں مَا ضَرَبَ فعل منفی، چاہے الگ الگ کر لیں دونوں کو چاہے اکٹھا کر لیں: ما حرف نفی، ضَرَبَ فعل، کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، إِلَّا حرف استثناء، أَنَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، کیوں مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ جی بس، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو آپ کے ذہن میں یہ اشکال آئے گا کہ ضَرَبَ فعل یہ تو غائب کا صیغہ ہے اور أَنَا یہ تو متکلم کی ضمیر ہے، یہ اس کے لیے فاعل کیسے بن گیا؟ اشکال سمجھ میں آیا؟ میں نے جواب پہلے ذکر کر دیا کہ اصل میں تو فاعل تھا أَحَدٌ: مَا ضَرَبَكَ أَحَدٌ، أَحَدٌ تھا فاعل اور إِلَّا أَنَا، یہ أَنَا تھا مستثنیٰ، لیکن پھر اس أَحَدٌ کو کیا کر دیا؟ حذف کر دیا اس فاعل کو اور أَنَا کو کیا کر دیا؟ اس کا قائم مقام یعنی فاعل بنا دیا بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

وَأَنَا زَيْدٌ، یہ تیسرا مقام آیا بھائی۔ أَنَا مرفوع محلاً مبتدا، زَيْدٌ مرفوع لفظاً خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔ یہاں أَنَا ضمیر منفصل کیوں لائے؟ وجہ یہ کہ یہ مبتدا ہے، مبتدا ہے، اور مبتدا میں عامل کون ہوتا ہے؟ ابتدا ہوتی ہے یعنی عامل معنوی ہوتا ہے، لفظ کوئی نہیں ہوتا بلکہ ایک معنوی چیز عامل ہوتی ہے، اور یہ أَنَا ضمیر کون سی ہے؟ مرفوع، تو عامل ہوا معنوی، تو یہ ضمیر مرفوع عامل معنوی کے ساتھ جڑ ہی نہیں سکتی، جڑنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے، کیونکہ عامل لفظوں میں ہے ہی نہیں صرف معنی کے اعتبار سے ہے۔ لفظوں میں کوئی ہوتا تو جڑ جاتی ساتھ، عامل تو کیا ہے؟ معنی کے اعتبار سے موجود ہے یہاں پر لیکن لفظوں میں کوئی لفظ ہے؟ أَنَا سے پہلے کوئی لفظ گزرا ہے؟ نہیں، کوئی لفظ تو کوئی بھی نہیں ہے، تو لفظ عامل کے کس قسم کا ہے یہاں پر؟ معنوی ہے، اور معنوی عامل

کے ساتھ تو لفظ نہیں جڑ سکتا، لفظ لفظ کے ساتھ تو جڑ سکتا ہے غیر لفظ کے ساتھ تو نہیں جڑ سکتا بھائی۔ تو اس لیے جب عامل معنوی ہے ابتدا، اس کے ساتھ جوڑنے کی کوئی صورت نہ تھی تو مجبوراً کون سی ضمیر لانا پڑی؟ منفصل بھائی، اور کون سی ضمیر لائے؟ مرفوع منفصل یا منصوب منفصل؟ مرفوع، کیوں مرفوع لائے؟ کیونکہ مبتدا کا مقام ہے اور مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو جس قسم کا مقام ہوگا، رفع والا مقام ہے تو مرفوع منفصل لاؤ، نصب والا مقام ہے تو منصوب منفصل لاؤ۔

وَمَا أَنْتَ إِلَّا قَائِمًا، جی آپ کی کتابوں میں یہی مثال ہے؟ ہاں یہ کتابت کی غلطی ہے بھائی، یاد رکھیے، یاد رکھیے۔ یہ یوں ہونا چاہیے: مَا أَنْتَ إِلَّا قَائِمٌ، قَائِمًا نہیں ہونا چاہیے بلکہ قَائِمٌ، کیونکہ آپ پڑھ چکے ہیں ما مشابہ بلیس، مامشابہ بلیس، کیا عمل کرتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب: مَا أَنْتَ، ادھر توجہ کیجیے: مَا أَنْتَ قَائِمًا، مامشابہ بلیس نے کیا کیا؟ أَنْتَ کو رفع دیا اور قَائِمًا کو نصب، تو مامشابہ بلیس اپنے اسم کو رفع اور خبر کو نصب، لیکن آپ نے پڑھا تھا کہ مامشابہ بلیس اگر اس کے بعد اِنْ آجائے یا مامشابہ بلیس کی خبر پر اِلَّا داخل ہو جائے، یا مامشابہ بلیس کی خبر اسم پر مقدم ہو جائے، تو اس کا عمل لغو ہو جاتا ہے پھر یہ عمل نہیں کرتا۔ ذہن میں کوئی بحث آئی؟ جی یہ میری کتاب میں ہے صفحہ ۴۷ بھائی، ماولا مشابہ بلیس کی بحث ہے بھائی، ان کی خبر کے بارے میں۔ مل گیا بھائی؟ درمیان میں: فَصْلٌ: خَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ، ماولا مشابہ بلیس کی خبر: هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُولِهِمَا، وہ مسند ہوتی ہے ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد: نَحْوُ: مَا زَيْدٌ قَائِمًا وَلَا رَجُلٌ حَاضِرًا، وَإِنْ وَقَعَ الْخَبَرُ بَعْدَ إِلَّا، اور اگر ان کی خبر کس کے بعد آئے؟ اِلَّا کے بعد: نَحْوُ: مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ، دیکھا مرفوع پڑھ رہے ہیں: أَوْ تَقَدَّمَ الْخَبَرُ عَلَى الِاسْمِ، یا ان کی خبر کیا ہے ان کے اسم پر مقدم ہو جائے: نَحْوُ: مَا قَائِمٌ زَيْدٌ، دیکھو قَائِمٌ خبر کو اب رفع آگیا خبر پر: أَوْ زِيدَتْ إِنْ بَعْدَ مَا، یا اِنْ بڑھ جائے کس کے بعد؟ ما کے بعد، میں نے بتایا تھا اِنْ بھی نفی کے لیے آتا ہے جیسے ما کس لیے آتا ہے نفی کے لیے: أَوْ زِيدَتْ إِنْ بَعْدَ مَا، یا اِنْ بڑھ جائے ما کے بعد: نَحْوُ: مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ بَطَلَ الْعَمَلُ، تو اس کا عمل کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا۔ تو لہٰذا اب آیئے آج کے سبق پر: وَمَا أَنْتَ إِلَّا قَائِمًا، یہاں اِلَّا آگیا، جب اِلَّا آگیا تو اِلَّا ما کے عمل کو لغو کر دے گا اور کیا ہونا چاہیے؟ مَا أَنْتَ إِلَّا قَائِمٌ ہونا چاہیے، لیکن ہم یوں نہیں کرتے، ہم یوں کر لیتے ہیں چلیں اِلَّا کو ختم کر دو: مَا أَنْتَ قَائِمًا، مَا أَنْتَ قَائِمًا بھائی۔ تو ایک ہی بات ہے جس طرح بھی آپ کر لیں، تو مَا أَنْتَ قَائِمًا اِلَّا کو ختم کیا، اب عمل اس کا ٹھیک ہے: مَا أَنْتَ قَائِمًا۔ اور نیز اس لیے بھی ہم اِلَّا کو اس لیے ختم کرتے ہیں کیونکہ صاحب ہدایۃ النحو نے شروع میں آپ کو بتایا تھا کہ یہ ہدایۃ النحو میں نے قافیہ کی ترتیب پر لکھی ہے۔ پہلے صفحے پر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا، معلوم ہوا یہ ہدایۃ النحو کس سے ماخوذ ہے؟ قافیہ سے، اور صاحب قافیہ نے یہاں پر مَا أَنْتَ إِلَّا قَائِمًا مثال دی ہے، تو ہم بھی کیا کر لیتے ہیں اس کو؟ مَا أَنْتَ قَائِمًا۔ جی اب ترکیب کیسے ہو گی؟ مامشابہ بلیس، أَنْتَ مرفوع محلاً مامشابہ بلیس کا اسم، قَائِمًا منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، بھائی کیوں أَنْتَ کیوں میں نے نکالی؟ میں نے آپ کو بتایا تھا صفت کے صیغے کو اگر متکلم کی ضمیر سے جوڑو تو متکلم کی ضمیر اس میں نکالو، اگر غائب سے جوڑو تو غائب کی نکالو، اور اگر مخاطب کی ضمیر سے اس کو جوڑو تو مخاطب کی ضمیر نکالو۔ أَنَا قَائِمٌ کیا ترکیب کروائی تھی آپ کو؟ أَنَا مرفوع محلاً مبتدا، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر أَنَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اس میں فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ اور پھر آپ سے کوئی پوچھے کہ آپ نے ربط نہیں بتایا، آپ کہیں گے: ہم قَائِمٌ کو جوڑ رہے ہیں أَنَا سے، اور جس سے جوڑ رہے ہیں وہ خود قَائِمٌ کے اندر آگیا، أَنَا سے جوڑ رہے ہیں اور اس کے اندر بھی کون سی ضمیر؟ أَنَا۔ جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی، قرآن میں ہے: ﴿الْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ﴾، الْحَاقَّةُ ہے مبتدا، اور مَا الْحَاقَّةُ یہ پورا جملہ یہ پورا جملہ یہ خبر ہے کس کی؟ الْحَاقَّةُ کی، تو پورے جملے کو الْحَاقَّةُ سے جوڑا جا رہا ہے، تو ایک صورت تو عائد کی یہ تھی کہ اس میں کوئی غائب کی ضمیر ہو جو کس کو لوٹے؟ الْحَاقَّةُ کی طرف، لیکن غائب کی ضمیر تو یہاں ہے ہی نہیں، تو پھر عائد کی یہاں دوسری قسم ہے کیا؟ کہ جس سے جوڑ رہے ہیں یعنی الْحَاقَّةُ سے، وہی الْحَاقَّةُ خود اس جملے کے اندر موجود ہے بھائی، تو ربط آگیا۔ تو یہاں پر بھی أَنَا قَائِمٌ، قَائِمٌ کو کس سے جوڑ رہے ہیں؟ أَنَا سے، تو اسی کے اندر أَنَا آگیا۔ یہ نہ کہنا کہ اس کے اندر أَنَا لوٹ رہا ہے أَنَا کو، کیونکہ مرجع صرف غائب کی ضمیر کا مرجع ہوتا ہے، مرجع صرف کس کا ہوتا ہے؟ غائب کی ضمیر کا، متکلم اور مخاطب کی ضمیروں کا مرجع نہیں ہوتا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو مَا أَنْتَ قَائِمًا، دوبارہ کیجیے ترکیب بھائی: مامشابہ بلیس، أَنْتَ مرفوع محلاً مامشابہ بلیس کا اسم، قَائِمًا منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جی اور اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر ما کی خبر، مامشابہ بلیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

اچھا بات یہ چل رہی ہے، ذکر یہ کر رہے تھے کہ ضمیر متصل ہمیشہ استعمال کرتے ہیں، جہاں مجبوری ہو جائے پھر کیا استعمال کرتے ہیں؟ منفصل استعمال کرتے ہیں۔ تو سوال: یہاں أَنْتَ کو منفصل کیوں استعمال کیا؟ متصل کیوں نہیں لائے؟ جواب یہ کہ یہ یہ أَنْتَ ضمیر مرفوع ہے، اور مرفوع متصل صرف فعل

کے ساتھ جڑا کرتی ہے، اور یہاں پر تو أَنْتَ سے پہلے کیا ہے؟ حرف، حرف عامل ہے، تو وہ فعل کے ساتھ جڑتی ہے حرف کے ساتھ نہیں جڑتی، تو فعل یہاں ہے ہی نہیں ورنہ یہ اس کے ساتھ جڑ جاتی۔ جب حرف کے ساتھ یہ جڑ ہی نہیں سکتی مرفوع، تو مجبوراً پھر ہمیں کون سی مرفوع لانا پڑی؟ منفصل لانا پڑی۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

تو کل کتنی جگہیں ذکر کر دیں جہاں پر متصل نہ لا سکیں تو کیا لانی پڑے گی؟ منفصل۔ پہلی کیا جگہ تھی؟ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾، یہ کون سی جگہ ہے؟ جہاں ضمیر کو کیا کر دیں؟ عامل پر مقدم کر دیں۔ دوسری جگہ: وَمَا ضَرَبَكَ إِلَّا أَنَا، یہ کون سی جگہ ہے؟ جہاں پر ضمیر اور عامل کے درمیان کیا آ جائے؟ فصل، کیا آ جائے؟ فصل۔ جب فصل آ گیا، جدائی آ گئی، تو پھر متصل لانے کی صورت نہیں۔ اور تیسری صورت: أَنَا زَيْدٌ، یہ کون سی مثال تھی؟ جس میں عامل کیا تھا؟ معنوی تھا، تو جب عامل معنوی ہے تو اس کے ساتھ اتصال کی کوئی صورت نہیں۔ چوتھی مثال تھی: مَا أَنْتَ قَائِمًا، یہ اس میں اس میں منفصل کیوں لائے؟ کیونکہ یہ مرفوع منفصل ہے، اگر مرفوع متصل لاتے تو مرفوع متصل تو صرف کس سے جڑتی ہے؟ فعل سے، اور یہاں تو ما قبل میں فعل ہے ہی نہیں، عامل تو حرف ہے، ما کیا ہے؟ حرف ہے، تو اس سے جڑ ہی نہیں سکتی، تو مجبوراً کون سی ضمیر لانا پڑی؟ منفصل۔

چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۸: ضمیرِ شان، ضمیرِ فصل اور نونِ وقایہ کے احکام و مواقع

ہدایۃ النحو صفحہ: ۵۹—بتاریخ: ۲۱ اپریل ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَاعْلَمْ أَنَّ لَهُمْ ضَمِيرًا يَقَعُ قَبْلَ جُمْلَةٍ تُفَسِّرُهُ وَيُسَمَّى ضَمِيرَ الشَّأْنِ فِي الْمُذَكَّرِ وَضَمِيرَ الْقِصَّةِ فِي الْمُؤَنَّثِ، نَحْوُ: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾، وَإِنَّهَا زَيْنَبُ قَائِمَةٌ.

وَيُدْخِلُ بَيْنَ الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ صِيغَةَ مَرْفُوعٍ مُنْفَصِلٍ مُطَابِقٍ لِلْمُبْتَدَإِ إِذَا كَانَ الْخَبَرُ مَعْرِفَةً أَوْ أَفْعَلَ مِنْ كَذَا، وَيُسَمَّى فَصْلًا؛ لِأَنَّهُ يَفْصِلُ بَيْنَ الْخَبَرِ وَالصِّفَةِ، نَحْوُ: زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ، وَكَانَ زَيْدٌ هُوَ أَفْضَلَ مِنْ عَمْرٍو، وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾.

گزشتہ سبق میں مبنیات میں سے سب سے پہلے مبنی یعنی ضمیریں جو ہیں، ان کے بارے میں ہم نے پڑھنا شروع کیا تھا اور صاحبِ ہدایت النحو نے آپ کو بتایا تھا کہ ضمیر ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کو وضع کیا گیا ہو تا کہ وہ دلالت کرے متکلم پر، مخاطب پر یا ایسے غائب پر جس کا ذکر مقدم ہو چکا ہو؛ چاہے اس کا ذکر جو مقدم ہوا وہ لفظاً ہو یا معناً ہو یا حکماً ہو بھائی۔

اور ذکر مقدم ہو چکا ہو لفظاً، کہ اس کی پھر میں نے بتایا تھا دو صورتیں ہیں: کبھی حقیقتاً مقدم ہو گا بھائی اور کبھی تقدیراً مقدم ہو گا لفظاً بھائی۔ حقیقتاً لفظاً مقدم ہو جیسے «جَاءَنِي زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ» تو یہاں زید کی طرف «أَكْرَمْتُهُ» کی ہا ضمیر راجع ہے اور زید حقیقتاً لفظوں کے اعتبار سے مقدم ہے۔ اور بعض اوقات تقدیراً مقدم ہوتا ہے لفظوں کے اعتبار سے جیسے «فِي الدَّارِ زَيْدٌ» اب یہاں زید اگرچہ لفظوں میں تو مؤخر ہے اور «فِي الدَّارِ» یعنی «ثَبَتَ فِي الدَّارِ» ثَبَتَ یا ثَابِتٌ کی ضمیر زید کو راجع جو مبتدا مؤخر ہے، اور اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو اضمار قبل الذکر ہوا، تو جواب آپ پڑھ چکے ہیں کہ زید اگرچہ لفظوں میں مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے، یا یوں کہیں یوں کہیں جو انہوں نے ذکر کیا کہ زید لفظوں میں حقیقتاً اگرچہ مؤخر ہے لیکن تقدیراً گیا ہے؟ مقدم ہے کیونکہ اس کا مقام مقدم ہے، یہ مبتدا ہے اور مبتدا خبر پر مقدم ہوتا ہے۔

اور کبھی کبھار مرجع مقدم ہو گا معنی کے اعتبار سے، یعنی کوئی اور لفظ اس پر دلالت کر رہا ہو گا یا سیاقِ کلام اس پر دلالت کر رہا ہو گا۔ کوئی اور لفظ اس پر دلالت کر رہا ہو یا کسی اور لفظ کے ضمن میں وہ موجود ہو جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾ تو «اعْدِلُوا» کے ضمن میں کون گزر گیا؟ کس کا ذکر آ گیا؟ عدل، تو «هُوَ» ضمیر اس عدل کی طرف راجع جو معناً مقدم ہے بھائی، لفظوں میں نہیں ہے کیونکہ ذکر ہی نہیں ہوا بھائی، تو معناً کیا ہے؟ مقدم ہے۔

دوسری صورت معناً مقدم ہونے کی یہ تھی کہ سیاقِ کلام اس پر دلالت کر رہا ہو، جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ﴾ «وَلِأَبَوَيْهِ» اور اس میت کے والدین کے لیے «لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ» ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ تو یہ وراثت کا بیان چل رہا

ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے «وَلِأَبَوَيْهِ» یہ ہا ضمیر تو میت کو راجع ہے کہ میت کے والدین، اور میت کا تو یہاں ذکر ہی نہیں ہوا، تو جواب ہو گیا کہ بھائی سیاقِ کلام میت پر دلالت کر رہا ہے اس لیے کیونکہ یہ وراثت کی بات چل رہی ہے اور وراثت وہیں پر آتی ہے جہاں پر کوئی میت ہو، تو جب وراثت کی بات آگئی تو معناً میت کا ذکر بھی آگیا۔

یا اس کی اور مثال میں نے ذکر کی تھی جس پر سیاقِ کلام دلالت کر رہا ہو کہ یہ نحو کی کتاب ہے، جگہ جگہ آپ کو کوئی ضمیر ملے گی اور کہیں گے یہ ضمیر نحویوں کو راجع، یا یہ ضمیر عرب کو راجع۔ سوال: نہ تو نحویوں کا پیچھے ذکر ہوا نہ عرب کا ذکر ہوا، تو ضمیر کیسے راجع کر دی؟ تو جواب یہ کہ معناً ان کا ذکر ہو چکا معناً۔ بھائی کس طرح معناً ہوا؟ بھائی اس لیے کیونکہ یہ عربی زبان کے ضابطے بیان ہو رہے ہیں، تو جب عربی کے ضابطے بیان ہو رہے ہیں تو عربی عرب کی زبان ہے تو عرب کا ذکر بھی گویا ضمناً ہو چکا ہے بھائی، معناً ہو چکا ہے، اور نیز اسی طرح یہ نحو کے ضابطے بیان ہو رہے ہیں تو نحویوں کا بیان بھی معناً گویا ہو چکا بھائی، جب ہو چکا تو اب اس کی طرف ضمیر لوٹانا صحیح ہے بھائی۔

اور حکماً کی مثال بھائی کہ مرجع کبھی حکماً مقدم ہو گا بھائی۔ میں نے بتایا تھا حکماً کے اندر مرجع نہ لفظاً مقدم گزرا ہوتا ہے، نہ معناً مقدم گزرا ہوتا ہے لیکن حکم لگا دیا جاتا ہے کہ مرجع کیا ہے؟ گزر چکا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ مجبوری ہے، وہاں پر غائب کی ضمیر لائی جاتی ہے اور اسے ضمیرِ شأن اور ضمیرِ قصہ کہتے ہیں، اور آگے آنے والا جملہ کیا کرتا ہے؟ اس کی تفسیر۔ تو وہاں جان بوجھ کر ایسی ضمیر کو پہلے لایا جاتا ہے جس کا مرجع پیچھے گزرا ہی نہیں، نہ لفظاً گزرا ہے اور نہ معناً، کیونکہ وہاں مقصد کیا ہے؟ تاکہ پہلے ابہام پیدا ہو جائے، کیونکہ سننے والا جب سنے گا غائب کی ضمیر آگئی اور مرجع تو ہے ہی نہیں تو اس کا ذہن متوجہ ہو جائے گا، تو ابہام پیدا ہوا تو اس کا ذہن متوجہ ہوا اور جب ذہن متوجہ ہوا تو ساتھ ہی آگے تفسیر بھی آگئی کہ «هُوَ» سے کیا مراد ہے، تو اب وہ تفسیر اچھی طرح ذہن میں بیٹھ جائے گی بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو وہاں مرجع ماقبل میں گزرا ہی نہیں ہوتا اور جان بوجھ کر اس کو لایا جاتا ہے مرجع پہلے ہوتا ہی نہیں بھائی، کیونکہ اگر پہلے مرجع گزرا ہو تو مقصد ہی فوت ہو جائے۔ تو پھر ایسے موقع پر نحوی حضرات کا تو ضابطہ ہے کہ غائب کی ضمیر وہاں آئے گی جہاں پہلے اس کا مرجع گزر چکا ہو، تو پھر وہ کیا بات کرتے ہیں اپنے ضابطے کو بچانے کے لیے؟ کہ ضمیر کا مرجع... نحویوں کا تو ضابطہ کیا ہے؟ ضمیر کا مرجع پہلے آنا چاہیے ضمیر بعد میں، تو اب اپنے ضابطے کو بچانے کے لیے وہ کیا کہتے ہیں؟ کہ مرجع حکماً گزر چکا ہے۔ مرجع؟ حکماً، حالانکہ حقیقت میں تو کسی اعتبار سے بھی نہیں گزرا، بس صرف حکم لگا دیتے ہیں کہ مرجع گزر چکا ہے حکماً بھائی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اور پھر اس کے بعد آپ نے پڑھا تھا کہ یہ ضمیر دو قسم پر ہے: یا متصل ہو گی یا منفصل۔ اور متصل وہ مرفوع بھی ہو سکتی ہے، منصوب بھی اور مجرور بھی، جبکہ منفصل صرف مرفوع اور منصوب ہوتی ہے۔ پھر یہ متصل جو ہے، مرفوع متصل انہوں نے مثالوں کے ذریعے بتا دیا صرف فعل کے ساتھ ملتی ہے، فعلِ معروف کے ساتھ بھی اور فعلِ مجہول کے ساتھ بھی، جبکہ منصوب متصل فعل کے ساتھ بھی مل سکتی ہے اور حرف کے ساتھ بھی، جبکہ مجرور متصل وہ اسم کے ساتھ بھی مل سکتی ہے اور حرف کے ساتھ بھی۔

اور اس کے بعد انہوں نے ایک ضابطہ یہ ذکر کیا تھا کہ ضمیرِ منفصل استعمال نہیں کرتے، سب سے پہلے کوشش یہ کی جاتی ہے ضمیرِ متصل استعمال کی جائے، ہاں جہاں متصل کا لانا ممکن نہ رہے پھر کون سی ضمیر استعمال کی جاتی ہے؟ پھر منفصل استعمال کی جاتی ہے، اور کچھ جگہیں بھی ذکر کر دی تھیں، جیسے «إِيَّاكَ نَعْبُدُ» یہاں پر کیا کیا تھا؟ کہ معمول کو عامل پر مقدم کر دیا گیا، یہ «إِيَّاكَ» کا کیا تھا؟ مؤخر تھا، اس کو مقدم کیا گیا اور جو مقدم ہو جائے تو پھر اب جڑنے کی یعنی اتصال کی کوئی صورت نہ رہی تو مجبوراً کون سی ضمیر لانا پڑی؟ منفصل۔ یا جیسے «مَا ضَرَبَكَ إِلَّا أَنَا» یہاں پر ضمیر کو «إِلَّا» کے بعد ذکر کرنا تھا حصر کے لیے، جب «إِلَّا» کے بعد ذکر کرنا تھا تو عامل یعنی فعل اور ضمیر کے درمیان «إِلَّا» آگیا، جب «إِلَّا» آگیا تو دونوں الگ ہو گئے اتصال کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو مجبوراً کون سی ضمیر لانا پڑی؟ منفصل بھائی۔ یا جیسے «أَنَا زَيْدٌ» اس میں «أَنَا» ضمیر کو جڑنا چاہیے متصل ہونا چاہیے اپنے عامل سے، لیکن عامل تو یہاں معنوی ہے ابتداء، ابتداء کو تو کوئی لفظی چیز ہے ہی نہیں، کوئی لفظ ہوتا تو اس سے جڑ جاتی، لفظ ہے ہی نہیں معنوی چیز ہے، اور لفظ معنی کے ساتھ تو جڑ نہیں سکتا لہٰذا مجبوراً منفصل ضمیر لانا پڑی۔ اور جیسے «مَا أَنْتَ قَائِمًا» بھائی، یہاں پر بھی «أَنْتَ» ضمیرِ مرفوع منفصل لانا پڑا اس لیے کیونکہ مرفوع متصل صرف فعل سے جڑا کرتی ہے اور یہاں پر ماقبل عامل کون ہے؟ «مَا» حرف ہے، تو مرفوع متصل تو صرف فعل سے ہوا کرتی ہے حرف سے تو نہیں جڑتی، لہٰذا اس کو مجبوراً منفصل لانا پڑا بھائی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اب آگے دیکھیے۔

«وَاعْلَمْ» جان لے تو «أَنَّ لَهُمْ» لَهُمْ، «هُمْ» ضمیر راجع ہے نحوی حضرات کو۔ اب سوال وہی کہ بھائی نحویوں کا تو پیچھے کہیں ذکر ہی نہیں ہوا؟ جواب یہ کہ نحو کی کتاب پڑھ رہے ہیں، نحو کے ضابطے چل رہے ہیں، تو جب نحو کی باتیں چل رہی ہیں تو معناً نحویوں کا ذکر بھی ہو چکا بھائی، یعنی سیاقِ کلام اس پر

دلالت کر رہا ہے۔

▪ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّ لَهُمْ ضَمِيرًا يَقَعُ قَبْلَ جُمْلَةٍ» کی تشریح

«وَاعْلَمْ أَنَّ لَهُمْ ضَمِيرًا يَقَعُ قَبْلَ جُمْلَةٍ» جان لے کہ نحویوں کے نزدیک ایک ضمیر ہوتی ہے «يَقَعُ قَبْلَ» بھائی میں نے ابھی آپ کو بتایا تھا حکماً ضمیر کا مرجع مقدم ہوتا ہے کبھی حکماً، اور یہ کس میں ہے؟ ضمیرِ قصہ اور ضمیرِ شأن میں، وہی اب بیان کرنے لگے ہیں بھائی، میں نے بتلا دیا۔ ضمیرِ قصہ اور ضمیرِ شأن کسے کہتے ہیں؟ یہ ایک مبہم ضمیر ہوتی ہے اور آگے آنے والا جملہ کیا کرتا ہے؟ ان کی تفسیر کرتا ہے کہ اس ضمیر سے یہ مراد ہے۔ اور یہ مذکر کی ہو تو ضمیرِ شأن کہلاتی ہے، شأن کا معنی ہے حال حال، شأن یہ ہے یعنی حال یہ ہے حالت یہ ہے، اور اگر یہ مؤنث کی ہو تو یہ ضمیرِ قصہ کہلاتی ہے کہ قصہ یہ ہے۔ اور کہاں مذکر لائیں گے کہاں مؤنث؟ تو یاد رکھیے یہ کلام کے اندر عمدہ جو ہے اگر مذکر ہو تو ضمیر مذکر لائیں گے، اگر عمدہ جو ہے مؤنث ہو تو ضمیر مؤنث لائیں گے۔ عمدہ؟ بھائی یاد رکھیے کلام کے اندر دو چیزیں ہوتی ہیں: ایک مسند اور ایک مسند الیہ، اور مسند الیہ عمدہ ہوتا ہے بھائی۔ مسند الیہ کیا ہوتا ہے؟ عمدہ ہوتا ہے، اور مسند الیہ کون کون ہے؟ ایک مبتدا ہے، ایک فاعل ہے اور ایک نائب الفاعل ہے۔ جملہ اسمیہ میں عمدہ کون؟ مبتدا، اور جملہ فعلیہ کے اندر فاعل یا نائب الفاعل؛ اگر جملہ فعلِ معروف ہوگا تو فاعل آئے گا، فعلِ مجہول ہوگا تو نائب الفاعل۔ تو بس یہ عمدہ ہیں، تو اس کو دیکھ لو، اگر جملہ اسمیہ ہے کس کو دیکھو؟ مبتدا کو، اور وہ عمدہ ہے، مذکر ہو تو ضمیرِ شأن لاؤ مذکر کی، اور مؤنث ہو تو ضمیرِ قصہ لاؤ۔ تو ہے دونوں ایک ہی چیز، صرف ایک مذکر کی ہے ایک مؤنث کی ہے تو نام ذرا الگ کر دیے: ایک کا نام ضمیرِ شأن، ایک کا نام ضمیرِ قصہ۔ اب دیکھیے یہی بیان کریں گے۔

«وَاعْلَمْ» جان لے تو «أَنَّ لَهُمْ ضَمِيرًا يَقَعُ قَبْلَ جُمْلَةٍ تُفَسِّرُهُ» کہ نحویوں کے نزدیک ایک ایسی ضمیر ہوتی ہے، دیکھو «ضَمِيرًا» نکرہ ہے اور اس کے بعد کیا آیا؟ «يَقَعُ» فعل، تو یہ اس کے لیے کیا بنے گی؟ صفت۔ اسی طرح آگے «جُمْلَةٍ» نکرہ آرہا ہے اور «تُفَسِّرُ» اس کے بعد فعل آرہا ہے، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو دیکھیے ترجمے میں «ایسا» کا لفظ آئے گا: «وَاعْلَمْ أَنَّ لَهُمْ ضَمِيرًا يَقَعُ قَبْلَ جُمْلَةٍ تُفَسِّرُهُ» جان لے کہ نحویوں کے نزدیک ایک ایسی ضمیر ہوتی ہے «يَقَعُ قَبْلَ جُمْلَةٍ» جو واقع ہوتی ہے ایسے جملے سے پہلے «تُفَسِّرُهُ» جو اس کی تفسیر بیان کرتا ہے، «وَيُسَمَّى ضَمِيرَ الشَّأْنِ فِي الْمُذَكَّرِ» اور اس کو ضمیرِ شأن کہتے ہیں مذکر میں «وَضَمِيرَ الْقِصَّةِ فِي الْمُؤَنَّثِ» اور ضمیرِ قصہ کہتے ہیں مؤنث میں، «نَحْوُ: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾» قل ھو، یہ «هُوَ» کیا ہے؟ ضمیرِ شأن۔ شأن یہ ہے، حال یہ ہے، کیا حال ہے؟ «اللَّهُ أَحَدٌ» اللہ ایک ہے، اللہ یکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یوں کہو: بات یہ ہے، بات یہ ہے سمجھنے کے لیے۔ کہہ دیجیے بات یہ ہے کہ اللہ ایک ہے۔

«وَإِنَّهَا زَيْنَبُ قَائِمَةٌ» اور یقیناً «هَا» ضمیرِ قصہ ہے، قصہ یہ ہے «زَيْنَبُ قَائِمَةٌ» کہ زینب کھڑی ہے۔ وہی چیز، یقیناً بات یہ ہے بات یہ ہے کہ زینب کھڑی ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ «قُلْ هُوَ» یہ «هُوَ» ضمیر، اس سے کیا مراد؟ بھائی «اللَّهُ أَحَدٌ» یہ اسی کی تو تفسیر کر رہا ہے، «هُوَ» سے کیا مراد ہے؟ حال یہ ہے، کیا حال ہے؟ کہ اللہ ایک ہے۔ اور «إِنَّهَا» قصہ یہ، کیا قصہ ہے بھائی؟ یہ آگے قصہ ہی کی تو تفسیر ہے «زَيْنَبُ قَائِمَةٌ» کہ زینب کھڑی ہے۔ اور دیکھو کلام کے اندر عمدہ مؤنث ہے «زَيْنَبُ» تو ہا ضمیر کیا لے کر آئے؟ مؤنث لے کر آئے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ترکیب کیجیے بھائی۔

«قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ» «قُلْ» فعلِ امر، «أَنْتَ» ضمیر اس کے اندر... «قُلْ» کا کیا معنی ہے؟ آپ کہہ دیجیے، تو «أَنْتَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اچھا، اور «قُلْ» کہہ دیجیے، کیا کہہ دیجیے؟ یہ بات، آگے آنے والی بات یہ مقولہ کہلاتا ہے، یہ کیا ہوتا ہے؟ مقولہ ہوتا ہے، اور یہ پورا جملہ ہوتا ہے بھائی۔ اور پھر یاد رکھیے یہ ضمیرِ شأن یہ مبتدا ہے، «هُوَ» مرفوع محلاً مبتدا، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے، اور محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے، یہ مرفوع محلاً مبتدا ہے۔ اور اس کے بعد پھر آگے پورا جملہ آئے گا اور وہاں پھر دیکھو مبتدا خبر آئیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لفظِ اللہ مرفوع لفظاً مبتدائے ثانی، لفظِ اللہ مرفوع لفظاً مبتدائے ثانی، اور «أَحَدٌ» مرفوع لفظاً خبر مبتدائے ثانی کے لیے۔ مبتدائے ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر ہوئی کس کی؟ «هُوَ» مبتدا کی۔ آپ کہیں گے کہ عائد نہیں بتلایا، پورے جملے کو کیا بنایا جا رہا ہے؟ «هُوَ» کے لیے خبر۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو جہ ہے؟ تو «اللَّهُ أَحَدٌ» پورا جملہ ہے اور اس کو خبر بنا رہے ہیں کس کے لیے؟ «هُوَ» کے لیے، تو پورے جملے کو جوڑا جا رہا ہے ایک مبتدا کے ساتھ، تو درمیان میں ہم نے بتلایا تھا کیا ہونا چاہیے؟ ربط عائد ہونی چاہیے، عائد ہونا چاہیے۔ یہ عائد کی تیسری صورت آگئی۔ عائد کی پہلی صورت کیا تھی؟ کہ غائب کی ضمیر ہو جو اس اسم کی طرف لوٹے جس کے ساتھ آپ جملہ یا شبہ جملہ کو جوڑ رہے ہوں۔ عائد کی دوسری قسم کیا تھی؟ کہ جس سے جوڑ رہے ہیں وہ خود ہی اس جملے میں آجائے، جیسے: «الْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ»، وہی حاقہ جس سے آپ «مَا الْحَاقَّةُ» کو جوڑ رہے ہیں وہی حاقہ خود کس میں آگیا؟ «مَا الْحَاقَّةُ» کے اندر آگیا۔ یا

جیسے: «أَنْتَ قَائِمٌ»، قائم کو کس سے جوڑ رہے ہیں؟ «أَنْتَ» سے، اور اس قائم کے خود اندر کیا آ گیا؟ «أَنْتَ» آ گیا۔ یا «أَنَا قَائِمٌ»، اس قائم کو کس سے جوڑ رہے ہیں؟ «أَنَا» سے، تو اس قائم میں خود کیا آ گیا؟ «أَنَا»، یہ دوسری قسم تھی۔ یہ آج عائد کی تیسری صورت آ گئی، تیسری صورت یہ ہے کہ جس سے آپ جملے کو جوڑ رہے ہوں وہ خود جملہ اسی کی تفسیر ہے۔ وہ جملہ خود کیا ہے؟ اسی کی تفسیر۔ جب یہ خود اسی کی تفسیر ہے تو یہ ربط تو جڑ گیا ظاہر سی بات ہے۔ «هُوَ» سے کیا مراد ہے؟ «هُوَ» سے مراد ہی «اللَّهُ أَحَدٌ» ہی تو ہے، یہ اسی کی تفسیر تو ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ ربط آ گیا اس کے ذریعے کہ یہ خود اسی کی تفسیر ہے بھائی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی بھائی؟ یا یوں کہو یوں کہو دوسرے لفظوں میں کہ جب جملہ اسی کی تفسیر ہے تو کسی عائد کی ضرورت نہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ جب جملہ خود کیا ہے؟ اسی کی تفسیر ہے تو کسی عائد کی ضرورت نہیں کیونکہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، «هُوَ» کیا ہے؟ «هُوَ» سے کیا مراد ہے؟ «اللَّهُ أَحَدٌ»، تو دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ تو یہ جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ «هُوَ» مبتدائے اول کے لیے۔ مبتدائے اول اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ مقولہ ہوا «قُلْ» کے لیے۔ کہہ دو، کیا کہہ دو؟ یہ آگے مقولہ ہے، یہ بات کہہ دو۔ اور مقولہ مفعول ہوتا ہے، تو یہ «هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ» پورا کلام کیا ہے؟ مفعول یعنی منصوب محلاً ہے، منصوب کیونکہ جملہ ہے نا اور جملہ کیا ہوتا ہے مبنی، تو یہ منصوب ہے محلاً، تو یہ مقولہ ہوا «قُلْ» کے لیے۔ «قُلْ» فعلِ امر اپنے فاعل اور مفعول یعنی مقولے سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، فعلِ امر ہے بھائی، جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی بھائی؟

جی، «وَإِنَّهَا زَيْنَبُ قَائِمَةٌ» بھائی اب تو آپ ترکیب کے ماہر ہیں، یہ ترکیب آپ کو خود کرنی چاہیے۔ جی: «إِنَّ» حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، آگے «هَا» ضمیر اعراب بھائی؟ «إِنَّ» کیا عمل کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے، تو نصب دے دیں اور کیا چاہیے، ہاں «هَا» ضمیر منصوب محلاً «إِنَّ» کا اسم، اور یہ کیا ہے؟ ضمیرِ قصہ ہے یہ تو آپ کو پتہ ہی ہے، تو یہ «إِنَّ» کا اسم۔ آگے «زَيْنَبُ»؟ شاباش، «زَيْنَبُ» کیونکہ پورا جملہ ہو گا نا اس ضمیرِ قصہ کی کیا کرے گا؟ تفسیر، پورا جملہ ہے تو جملہ ہے تو پھر دوبارہ مبتدا اور خبر آئیں گے۔ تو «زَيْنَبُ» مرفوع لفظاً مبتدا بھائی، مبتدا۔ اچھا، «زَيْنَبٌ» کیوں نہیں پڑھ رہے، تنوین کیوں نہیں آ رہی بھائی؟ کیونکہ یہ کیا ہے؟ شاباش، غیر منصرف۔ اسبابِ منعِ صرف کیا ہیں دو اس کے اندر؟ علمیت ہے، علم ہے نام ہے، اور تانیث ہے مؤنث ہے بھائی، مؤنث کا نام ہے، تو یہ غیر منصرف۔ تو یہ مرفوع لفظاً مبتدا۔ آگے «قَائِمَةٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، تو مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ آگے؟ شاباش، اس کے اندر «هِيَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ شاباش، کہ قائمہ زینب کی خبر ہے تو یہ «هِيَ» ضمیر زینب کو راجع۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، پھر آگے مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ «إِنَّ» کی خبر بھائی، اور «إِنَّ» اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا بھائی۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی بھائی؟

▪ قولہ: «وَيُدْخِلُ بَيْنَ الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ صِيغَةَ...» کی تشریح

«وَيُدْخِلُ بَيْنَ الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ صِيغَةَ مَرْفُوعٍ مُنْفَصِلٍ مُطَابِقٍ لِلْمُبْتَدَإِ» یہاں سے آپ کو فصل کے بارے میں بتلانے لگے ہیں، کس کے بارے میں؟ فصل۔ بھائی یاد رکھیے: «زَيْدٌ الْقَائِمُ» زیدٌ، توجہ ہے؟ «زَيْدٌ الْقَائِمُ» یا یوں کہو ملا کر پڑھیں: «زَيْدُ نِ الْقَائِمُ» کیونکہ «زَيْدٌ» کے آخر میں کیا ہے؟ تنوین کا نون ہے وہ ساکن ہے، «الْقَائِمُ» کے آگے شروع میں ہمزہ گر گیا، لام بھی ساکن، ما قبل میں نون بھی ساکن، تو پھر کیا کرتے ہیں؟ حرکت کسرہ کی دے دیتے ہیں جب دو ساکن اکٹھے ہو جائیں، تو کیا پڑھیں گے؟ «زَيْدُ نِ الْقَائِمُ» جی، کیا بنیں گے یہ آپس میں؟ بھائی معرفہ «زَيْدٌ» بھی، «الْقَائِمُ» بھی معرفہ، تو بظاہر شبہ یہ پڑتا ہے شاید یہ موصوف صفت بنیں گے، لیکن آپ تو ان کو مبتدا خبر بنانا چاہتے ہیں۔ تو مبتدا تو ہوتا ہی معرفہ ہے، خبر نکرہ ہوتی ہے لیکن کبھی کبھار خبر بھی معرفہ لے آتے ہیں بعض وجہ سے، اور خبر کو بھی جب معرفہ لائیں، مبتدا بھی معرفہ ہے تو کیا شبہ پڑتا ہے شاید یہ آپس میں موصوف صفت ہیں؟ تو پھر ایسے موقع پر مبتدا اور خبر کے درمیان ایک ضمیرِ مرفوع منفصل جیسا صیغہ لے آتے ہیں، صیغہ لے آتے ہیں۔ تو یہاں مثلاً: «زَيْدٌ هُوَ» ، «زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ»، پہلے کیا تھا؟ «زَيْدُ نِ الْقَائِمُ»، شبہ پڑتا تھا شاید زید موصوف ہے، «الْقَائِمُ» اس کی صفت، لیکن آپ تو دونوں کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ مبتدا خبر، تو پھر اس کے لیے درمیان میں یہ فصل لے آتے ہیں، یعنی ضمیرِ مرفوع منفصل جیسا ایک صیغہ لے آتے ہیں۔ تو کیسے کہیں گے؟ «زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ»، یہ «هُوَ» درمیان میں لے آئے۔ اب موصوف صفت کا شبہ نہیں پڑتا کیونکہ موصوف صفت کے درمیان تو فصل نہیں آتا، جدائی نہیں آتی، اور یہاں تو «هُوَ» کیا کر رہا ہے؟ دونوں کے درمیان جدائی، تو پتہ چل گیا یہ موصوف صفت نہیں ہیں اور یہ آپس میں مبتدا خبر ہیں۔ اگر «هُوَ» نہ ہو تو شبہ کیا پڑتا ہے؟ یہ موصوف صفت ہیں، حالانکہ آپ تو کیا بتانا چاہتے ہیں؟ یہ مبتدا خبر ہیں، تو پھر درمیان میں کیا لے آتے ہیں؟ مرفوع منفصل جیسا ایک صیغہ لے آتے ہیں: «زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ»۔ اور یاد رکھیے یہ «هُوَ» یہ صورت تو ضمیر جیسی ہے لیکن یہ ضمیر نہیں ہے بھائی، اس لیے اس کو فصل کہتے ہیں، اس کو کیا کہتے

ہیں؟ فصل کہتے ہیں۔ تو یہ بصرہ والے اس کو فصل کہتے ہیں جبکہ کوفہ والے اس کو عماد کہتے ہیں، عماد۔ ایک ہی چیز ہے نام الگ الگ ہیں، بصرہ والوں نے اس کا نام کیا رکھا؟ فصل، فصل کے معنی ہیں جدائی، اس نے جدائی کر دی صفت اور خبر کے درمیان، پہلے تو شبہ کیا پڑ رہا تھا؟ صفت، اب اس نے جدا کر کے بتلا دیا کہ یہ صفت نہیں ہے بلکہ یہ خبر ہے اس کی۔ تو اس کو فصل کہتے ہیں۔

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ عرب جو ہیں وہ مبتدا اور خبر میں جب خبر بھی کیا آجائے؟ معرفہ آجائے، درمیان میں کیا لاتے ہیں؟ ضمیرِ مرفوع منفصل جیسا ایک صیغہ لاتے ہیں، یہ ضمیر نہیں ہے اس لیے یہ نہ کہو ضمیرِ فصل، بلکہ اس کا نام وہ کیا رکھتے ہیں؟ فصل، سمجھ میں آئی بات؟ تو یہ فصل ہے اور یہ ضمیر نہیں ہے، یہ حرف ہے حرف ہے، اور یہ صرف کس لیے آئی؟ تاکہ فرق ہو جائے صفت اور خبر کے درمیان، پتہ چل جائے یہ صفت نہیں ہے آگے جو آرہی ہے بلکہ وہ خبر ہے۔ کس طرح فرق ہوا؟ کیونکہ موصوف صفت کے درمیان تو فصل نہیں آتا، جدائی نہیں آتی، لیکن جب «هُوَ» بیچ میں آگیا پتہ چل گیا یہ موصوف صفت نہیں، اگر موصوف صفت ہوتے تو درمیان میں «هُوَ» کبھی بھی نہ آتا بھائی، تو یہ «هُوَ» نے فرق کر دیا۔

نیز اسی طرح اگر خبر اسمِ تفضیل ہو «مِنْ» کے ساتھ تب بھی یہ فصل لے آتے ہیں، مثلاً میں کہتا ہوں: «زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو»، زید عمرو سے افضل ہے، تو یہ دیکھو «أَفْضَلُ» کیا ہے؟ اسمِ تفضیل، اور یہ «مِنْ» کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے: «أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو»، تو اس صورت میں بھی یہ فصل کو بیچ میں لے آتے ہیں اور یوں کہتے ہیں: «زَيْدٌ هُوَ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو»۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھائی ٹھیک ہے جب خبر معرفہ تھی «زَيْدُ نِ الْقَائِمُ» تو جہ ہے؟ پھر تو شبہ پڑتا تھا یہ آپس میں موصوف صفت ہیں، لیکن جب خبر اسمِ تفضیل ہو «مِنْ» کے ساتھ «زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو» یہاں تو «أَفْضَلُ» زید کے لیے صفت نہیں بن سکتی کیونکہ زید ہے معرفہ اور «أَفْضَلُ» کیا ہے؟ نکرہ، حالانکہ موصوف صفت تعریف و تنکیر میں ایک جیسے ہوتے ہیں، موصوف معرفہ ہو تو صفت بھی کیا ہوتی ہے؟ معرفہ، تو یہاں تو «أَفْضَلُ» نکرہ ہے یہاں تو موصوف صفت کا شبہ پڑتا ہی نہیں، پھر یہاں فصل بیچ میں کیوں لاتے ہیں؟ سوال سمجھ میں آیا؟ جواب یہ کہ یہ «أَفْضَلُ» یہ اسمِ تفضیل جو استعمال ہو رہا ہے «مِنْ» کے ساتھ، یہ محمول ہے اسی خبر پر جو معرفہ تھی، یہ اسی پر محمول... یعنی اس میں «هُوَ» لاتے تھے ہم اس میں بھی «هُوَ» لے آئے، سوال: بھائی کیوں، کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ کہ یہ بھی اسی کی طرح ہے، بھائی یہ کیسے اس کی طرح ہے؟ اس میں تو صفت ہونے کا شبہ تھا اس میں تو صفت ہونے کا شبہ ہی نہیں؟ جواب یہ کہ یہ اس کی طرح ہے بایں لحاظ کہ جیسے اس پر الف لام نہیں آسکتا اس پر بھی الف لام نہیں آسکتا، تو یہ اس کی طرح ہوا، جب اس کی طرح ہوا تو اسی کا حکم دے دیا، اور اس میں تو ہم فصل بیچ میں لاتے تھے تو اس میں بھی کیا لے آئیں گے؟ فصل لے آئیں گے۔ یہ کیسے اس کی طرح ہے؟ کہ اس پر الف لام نہیں آسکتا، یاد رکھو آگے چل کر اسمِ تفضیل کی بحث آئے گی، یہ آپ کو بتائیں گے اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں: یا اسمِ تفضیل کے ساتھ «مِنْ» آجاتا ہے: «أَفْضَلُ مِنْ»، یا اس پر الف لام داخل ہو جاتا ہے: «الْأَفْضَلُ» پھر «مِنْ» نہیں آئے گا پھر «الْأَفْضَلُ»، یا تیسرا طریقہ اضافت کے ساتھ کہ آگے مضاف الیہ آجائے گا: «أَفْضَلُ الْقَوْمِ»۔ تو اسمِ تفضیل کے استعمال کے کتنے طریقے؟ تین: نمبر ایک «مِنْ» کے ساتھ، نمبر دو الف لام کے ساتھ، نمبر تین اضافت کے ساتھ۔ جب «مِنْ» کے ساتھ ہو تو پھر الف لام بھی نہیں ہو گا اور اضافت بھی نہیں ہو گی، اور جب اضافت کے ساتھ ہو تو الف لام بھی نہیں ہو گا اور «مِنْ» بھی نہیں، اور جب الف لام کے ساتھ ہو گا تو اضافت نہیں اور «مِنْ» بھی نہیں، یعنی ایک وقت میں ایک طریقے سے استعمال ہو گا، جب الف لام کے ساتھ ہے تو باقی دو طریقے نہیں، اضافت کے ساتھ ہے تو دوسرے دو طریقے نہیں، «مِنْ» کے ساتھ ہے تو دوسرے دو طریقے نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو جب اسمِ تفضیل «مِنْ» کے ساتھ استعمال ہو گیا تو اب اس پر الف لام آسکتا ہے؟ نہیں، ابھی میں نے بتایا اس پر پھر الف لام نہیں آسکتا۔ اسی طرح تو یہ بھی اسی جو معرفہ خبر تھی اس کی طرح ہوا، اس پر بھی الف لام نہیں آسکتا۔ کیا خبر تھی؟ «زَيْدُ نِ الْقَائِمُ»، «الْقَائِمُ» پر الف لام پہلے سے ہی داخل ہے اب ایک اور الف لام آسکتا ہے؟ نہیں، جب خبر پہلے سے ہی معرفہ ہے تو اس پر ایک اور الف لام نہیں آسکتا، اسی طرح «أَفْضَلُ مِنْ» پر بھی کیا ہے؟ الف لام داخل نہیں ہو سکتا، تو یہ دونوں ایک دوسرے جیسے ہوئے، اور اس میں تو فصل لاتے تھے تو پھر اس میں بھی کیا کرتے ہیں؟ فصل لے آئے، بات بھی سمجھ میں آئی کہ مشکل ہو گئی؟ اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں: «وَيُدْخِلُ الْعَرَبُ»، یعنی «يُدْخِلُ الْعَرَبُ»، «هُوَ» ضمیر کس کو راجع؟ عرب کو۔ عرب داخل کرتے ہیں «بَيْنَ الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ» مبتدا اور خبر کے بیچ میں، کیا داخل کرتے ہیں؟ «صِيغَةَ مَرْفُوعٍ مُنْفَصِلٍ» ایک ایسا صیغہ «مَرْفُوعٍ» جو کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے، «مُنْفَصِلٍ» اور منفصل ہوتا ہے۔ دیکھا، یہ نہیں کہا «ضَمِيرَ مَرْفُوعٍ مُنْفَصِلٍ» مرفوع منفصل ضمیر داخل کرتے ہیں، بلکہ کیا کہا؟ صیغہ، مرفوع منفصل کا صیغہ، اس لیے کیونکہ اس کی صورت اگرچہ ضمیر جیسی ہے لیکن ضمیر نہیں ہے اس لیے صیغہ کہا کہ صورت اس جیسی ہے۔ تو مرفوع منفصل کا صیغہ داخل کرتے ہیں «مُطَابِقٍ لِلْمُبْتَدَإِ» جو مطابق ہوتا ہے مبتدا کے۔ بھائی یہ اہم بات ہے، قیمتی بات ہے، یہ جو فصل ہے نا فصل، یہ مبتدا کے مطابق ہو گی، جیسے «زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ»،

زید مذکر واحد مذکر غائب تھا تو یہ فصل بھی کیا لائے؟ «هُوَ»، واحد مذکر غائب جیسی صورت لائے۔ اور اگر زید یہاں «الزَّيْدَانِ» ہوتا تو فصل کیا لاتے؟ «هُمَا»، «الزَّيْدُونَ» ہوتا تو فصل کیا لاتے؟ «هُمْ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو واحد کے لیے واحد، تثنیہ کے لیے تثنیہ، جمع کے لیے جمع، مذکر کے لیے مذکر، مؤنث کے لیے مؤنث، متکلم کے لیے متکلم، مخاطب کے لیے مخاطب، تو جیسا مبتدا ہوگا اسی طرح کا یہ فصل اسی طرح کی یہ فصل بھی لے کر آئیں گے، اس لیے کہا «مُطَابِقٍ لِلْمُبْتَدَإِ» جو مبتدا کے مطابق ہوتا ہے۔

■ قولہ: «إِذَا كَانَ الْخَبَرُ مَعْرِفَةً» کی تشریح

«إِذَا كَانَ الْخَبَرُ مَعْرِفَةً» کب لے کر کب داخل کرتے ہیں مبتدا اور خبر کے بیچ میں اس مرفوع صیغے کو؟ «إِذَا كَانَ الْخَبَرُ مَعْرِفَةً» جب خبر کیا ہو؟ معرفہ ہو، «أَوْ أَفْعَلَ مِنْ كَذَا» یا کیا ہو؟ «أَفْعَلَ مِنْ كَذَا» ہو یعنی اسم تفضیل «مِنْ» کے ساتھ ہو۔ بھائی اسم تفضیل «مِنْ» کے ساتھ استعمال ہوتا ہے نا، اور «مِنْ» کے بعد آگے ایک چیز وغیرہ ذکر ہوتی ہے، جیسے میں نے مثال کی ذکر کی تھی: «زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو»، تو دیکھو «أَفْضَلُ» کی جگہ وہی صیغہ ذکر کر دیا «أَفْعَلُ»، کون سا صیغہ؟ «أَفْعَلُ»، اور کس کے ساتھ ہوتا ہے؟ «مِنْ»، اور «مِنْ» کے بعد کیا ہوتا ہے؟ ایک نام وغیرہ یا چیز ذکر ہوتی ہے اس کو «كَذَا» سے ذکر کر دیا، جب خبر کیا ہو؟ «أَفْعَلَ مِنْ كَذَا» ہو۔ صورت سمجھ... یہ «أَفْعَلَ» میں منصوب پڑھ رہا ہوں «أَفْعَلَ»، کیونکہ اس کا عطف ہے «مَعْرِفَةً» پر، اور «مَعْرِفَةً» منصوب، معطوف علیہ منصوب ہو تو معطوف بھی کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ اور یہ «مَعْرِفَةً» کیوں منصوب؟ کیونکہ یہ «كَانَ» کی خبر ہے: «إِذَا كَانَ الْخَبَرُ مَعْرِفَةً»، «كَانَ» کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع اور خبر کو نصب، تو جب خبر معرفہ ہو یا «أَفْعَلَ مِنْ كَذَا» ہو، «أَفْعَلَ مِنْ كَذَا» یعنی اسم تفضیل ہو کس کے ساتھ؟ «مِنْ» کے ساتھ، تو پھر وہ مرفوع منفصل کا صیغہ بیچ میں لے کر آتے ہیں، «وَيُسَمَّى فَصْلًا» اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ فصل کہتے ہیں، «لِأَنَّهُ يَفْصِلُ بَيْنَ الْخَبَرِ وَالصِّفَةِ» اس لیے کیونکہ یہ جدائی کر دیتی ہے خبر اور صفت کے درمیان، یہ فرق کر دیتی ہے خبر اور صفت کے درمیان، «نَحْوُ: زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ»۔ اگر یہ «هُوَ» نہ ہوتا تو یوں لگتا زید موصوف اور «الْقَائِمُ» اس کی صفت، لیکن «هُوَ» نے بتلا دیا کہ نہیں «الْقَائِمُ» صفت نہیں ہے بلکہ یہ زید کے لیے خبر ہے۔ ترکیب کیجیے۔

«زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ» «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، آگے خبر کیا ہے؟ «الْقَائِمُ» خبر ہے، اور یہ «هُوَ» میں نے بتایا حرف ہے، کیا ہے؟ حرف، یہ ضمیر نہیں ہے لہٰذا «هُوَ» اعراب کیا؟ تو کہیں گے: «لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ»، اسے کوئی محلِ اعراب نہیں کیونکہ یہ اسم ہے ہی نہیں، اسم ہوتا تو اسم پر رفع، نصب، جر آتا ہے، حرف پر کبھی آتا ہے رفع، نصب، جر؟ حرف پر نہیں آتا بھائی، تو کیا کہیں گے؟ لفظ دہراؤ، زبان سے یاد ہونے چاہیے آپ کو: «لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ»، پھر دہرائیں بھائی: «لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ»۔ اچھا دوبارہ ترکیب دیکھیے: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے، اور لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور «هُوَ»؟ «هُوَ» فصل، «لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ» یا بعد میں کہہ دیں فصل «لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ» فصل بھائی۔ اور آگے «الْقَائِمُ» یہ کیا بنے گی؟ خبر، «الْقَائِمُ» خبر۔ اور اس کے اندر کیا کریں گے؟ ہم نے ضمیر نکالنی ہے، لیکن میں نے بتایا یہ ہم قریب پہنچ گئے ہیں ان شاء اللہ، یہ اگلے ہی صفحے پر شاید اسم موصول آرہا ہے تو وہاں اس کی ترکیب ہوگی، یہ الف لام جب آجائے صفت کے صیغے پر، یہ «الْقَائِمُ» میں «الْقَائِمُ» الف لام اسم موصول ہے اور «قَائِمُ» یہ اس کا صلہ ہے، اور اس کے اندر جو «هُوَ» ضمیر ہے وہ «الْ» کو لوٹے گی، الف لام کو الف لام کو، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور پھر یہ موصول صلہ مل کر یہ خبر بنیں گے کس کے لیے؟ زید کے لیے، اور مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوگا بھائی۔

«وَكَانَ زَيْدٌ هُوَ أَفْضَلَ مِنْ عَمْرٍو» توجہ ہے؟ جی ترکیب کیجیے۔ «كَانَ» فعل از افعالِ ناقصہ، توجہ ہے؟ مشکل تو نہیں بھائی ترکیب؟ بھائی وہ سب کچھ آپ پڑھ چکے ہیں: «كَانَ» یہ عمل کرتا ہے، «إِنَّ» یہ عمل کرتا ہے، ماولا مشابہ بہ لیس یہ عمل کرتے ہیں، اس کے مطابق آسان ہے ترکیب بھائی۔ «كَانَ» فعل از افعالِ ناقصہ، آگے «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً «كَانَ» کا اسم، مرفوع کیوں؟ کیونکہ «كَانَ» کا اسم ہے اور «كَانَ» کا اسم مرفوع ہوتا ہے، لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ آگے «هُوَ»؟ «هُوَ» فصل، آگے اعراب بتاؤ: «لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ»، آگے اعراب بھائی؟ شاباش، «أَفْضَلَ» منصوب لفظاً صیغہ اسم تفضیل، منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ «كَانَ» کی خبر ہے شاباش، اور «كَانَ» کی خبر منصوب ہوتی ہے۔ جی، اور اچھا تنوین کیوں نہیں پڑھی اس پر؟ کیونکہ غیر منصرف ہے، کیوں؟ دو اسبابِ منعِ صرف کیا ہیں اس میں؟ ایک ہاں، وزنِ «أَفْضَلُ» «أَكْرَمُ» وزن ہے وزنِ فعل ہے، اور وصفیت ہے یہ صفت ہے نا زید کی صفت بیان ہو رہی ہے فضیلت بیان ہو رہی ہے۔ جی، جی تو «أَفْضَلَ» منصوب لفظاً صیغہ اسم تفضیل۔ آگے؟

ہاں اس کے لیے ہمیں صفت کے صیغے کے لیے بھی کیا چاہیے ہوتا ہے؟ فاعل، اور آگے تو «مِنْ عَمْرٍو» جار مجرور آرہے ہیں آگے تو کوئی فاعل ہے نہیں، معلوم ہوا اسی کے اندر کیا کرنا پڑے گا؟ ضمیر نکالنی پڑے گی، تو کون سی ضمیر؟ «هُوَ»، «هُوَ» ضمیر، اعراب اس کا؟ مرفوع محلاً اس کا فاعل، کس کو راجع؟ جو راجع ہے «كَانَ» کے اسم کو، کیونکہ «كَانَ» کی خبر کو «كَانَ» کے اسم سے جوڑا جاتا ہے۔ آگے «مِنْ» جارہ، «عَمْرٍو» مجرور لفظاً، مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر حرفِ جر داخل ہے، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «أَفْضَلَ» اسمِ تفضیل کے ساتھ، شاباش، اب سمیٹیے بھائی: «أَفْضَلَ» اسمِ تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر «كَانَ» کی خبر، «كَانَ» اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی بھائی؟ جی ترکیب بہت آسان ہے، بس ذرا توجہ کریں اب آپ کے لیے بہت آسان ہے ان شاء اللہ۔

دوسری مثال ذکر کر رہے ہیں: «وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾.» جی، رقیب نگہبان، ﴿كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ آپ ان پر نگہبان ہیں۔ جی ترکیب کیجیے: «كُنْتَ» فعل از افعالِ ناقصہ، جی، تا ضمیر ہاں یہ تا ساتھ جڑی ہوئی ہے، «كَانَ» کا اسم اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے، ہاں کیا کہیں؟ شاباش، تا ضمیر مرفوع محلاً «كَانَ» کا اسم ہے، جی مرفوع کیوں؟ کیونکہ «كَانَ» کا اسم ہے اور «كَانَ» کا اسم مرفوع ہوتا ہے۔ آگے «أَنْتَ»؟ «أَنْتَ» جی، کس سوچ میں ڈوب گئے، جلدی بتاؤ بھائی! «أَنْتَ» بھائی پتہ چل جانا چاہیے آپ کو: «كُنْتَ»، «كَانَ» کا اسم گزر گیا کہ نہیں گزر گیا؟ اور «الرَّقِيبَ» یہ کیا ہے؟ اس کا نصب آپ کو بتا رہا ہے یہ کیا ہے؟ یہ «كَانَ» کی خبر ہے، اس پر نصب آپ کو پتہ چلا یا نہیں بھائی؟ تو معلوم ہوا یہ ہے درمیان میں کیا آگیا؟ فصل ہے فصل ہے، یہ وہی ضمیر جیسی شکل ہے لیکن ضمیر نہیں، اور بتایا تھا یہ مبتدا کے مطابق ہوتا ہے اسی جیسا ہوتا ہے، تو یہاں مبتدا مخاطب کی ضمیر ہے تو اس کی صورت بھی کیا آگئی؟ مخاطب کی ضمیر جیسی۔ جی تو «أَنْتَ» فصل، «لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ» شاباش۔ آگے «الرَّقِيبَ» منصوب لفظاً «كَانَ» کی خبر، «الرَّقِيبَ» کیا ہے؟ خبر، پہلے تو صیغہ دیکھ لیں نا، منصوب لفظاً صیغہ صفتِ مشبہ، «فَعِيلٌ» شریف وزن ہے۔ تو اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس...جی؟ ہاں جلدی بتائیے، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اسمِ مفعول میں نائب الفاعل ہوتا ہے باقی صفت کے صیغوں میں فاعل ہوتا ہے، یا اسی طرح فعلِ مجہول میں نائب الفاعل ہوتا ہے باقی سب میں فاعل۔ تو «الرَّقِيبَ» منصوب لفظاً صیغہ صفتِ مشبہ، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ «كَانَ» کے اسم کو، «كَانَ» کا اسم کون سی ضمیر ہے؟ تا ضمیر، تا کس کی ضمیر ہے؟ مخاطب کی، میں نے کیا بتایا تھا ضابطہ؟ صفت کے صیغے کو جس قسم کی ضمیر سے جوڑو اس کے اندر اسی قسم کی ضمیر ہوتی ہے، ہاں تو «الرَّقِيبَ» کے اندر «أَنْتَ» ضمیر ہے مرفوع محلاً اس کا فاعل، جی اور آگے «عَلَى» جارہ اور «هُمْ»، «هِمْ» نہ پڑھنا اس کو یہ صرف اس کی حرکت ہے، «هُمْ» ضمیر مجرور محلاً، جار مجرور مل کر متعلق صفتِ مشبہ سے، کیونکہ آٹھ چیزوں سے جار مجرور متعلق ہوتا ہے ان میں سے ایک کیا ہے؟ صفتِ مشبہ، صفتِ مشبہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر «كَانَ» کی خبر، «كَانَ» اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

تو بصرہ والے اس کو فصل کہتے ہیں اور کوفہ والے اس کو عماد کہتے ہیں، عماد۔ عماد کا معنی ستون، یعنی بچاؤ بچاؤ، ستون کے ذریعے چھت گرنے سے بچتی ہے، تو یہ بھی عماد ہے ستون ہے یعنی مابعد کو خبر سے صفت کی طرف گرنے نہیں دیتا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ خبر تو کلام کا ایک بڑا جز ہے نا اور صفت تو ایک چھوٹا جز ہے، صفت کے بغیر بھی بات پوری ہو جاتی ہے لیکن خبر کے بغیر تو بات پوری نہیں، تو صفت جو خبر ہے وہ اس کے وہ اعلیٰ جز، تو اس سے صفت کی طرف اس کو گرنے نہیں دیتا۔

بھائی اوپر آیا: «وَيُدْخِلُ بَيْنَ الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ» اور عرب داخل کرتے ہیں مبتدا اور خبر میں، معلوم ہوا یہ «يُدْخِلُ» کے اندر جو ضمیر «هُوَ» ہے وہ عربوں کی طرف راجع ہے، کس کی طرف؟ عربوں کی طرف۔ سوال پیدا ہوتا ہے یہاں تو ما قبل میں کہیں عربوں کا ذکر نہیں ہوا۔ تو جواب یہ کہ بھائی سیاقِ کلام عربوں پہ دلالت کر رہا ہے کلام کا چلاؤ، اس لیے کیونکہ یہ عربی زبان کے قوانین ہم پڑھ رہے ہیں، جب قوانین عربی زبان کے ہیں تو گویا عربوں کا ذکر معناً ہو چکا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو اس لیے ان کی طرف ضمیر راجع کر دی، تو وہ جو صورتیں پڑھی تھیں: ضمیر کا مرجع مقدم ہو گا کبھی لفظاً کبھی معناً کبھی حکماً، یہ کون سی قسم ہے؟ معناً مقدم ہے، معناً کے اندر دو صورتیں تھیں نا: یا تو کسی اور لفظ کے ضمن میں مرجع گزرا ہو یا سیاقِ کلام اس پر دلالت کر رہا ہو۔ تو یہاں یہ عربوں کی طرف، اور ما قبل میں اسی ایک سطر ما قبل میں آیا تھا: «أَنَّ لَهُمْ»، «لَهُمْ» یہ «لَهُمْ» ضمیر نحویوں کو راجع کی تھی، سوال پیدا ہوا کہ نحویوں کا تو ما قبل میں ذکر ہی نہیں ہوا، جواب یہ کہ نحو کی کتاب چل رہی ہے تو گویا کہ نحویوں کا ذکر ہو چکا ہے یعنی سیاقِ کلام ان پر دلالت کر رہا ہے، تو یہ وہ معناً کے اندر داخل ہیں۔

■ **متن و فصل:** فَصْلٌ: أَسْمَاءُ الْإِشَارَةِ: مَا وُضِعَ لِيَدُلَّ عَلَى م...

فَصْلٌ: أَسْمَاءُ الْإِشَارَةِ: مَا وُضِعَ لِيَدُلَّ عَلَى مُشَارٍ إِلَيْهِ، وَهِيَ خَمْسَةُ أَلْفَاظٍ لِسِتَّةِ مَعَانٍ.

اسماءِ اشارہ کے بارے میں اب بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں اسماءِ اشارہ: «مَا» وہ اسم ہے «وُضِعَ» جس کو وضع کیا گیا ہو «لِيَدُلَّ عَلَى مُشَارٍ إِلَيْهِ» تاکہ وہ مشارٌ الیہ پر دلالت کرے۔ مشارٌ الیہ جس کی طرف اشارہ کیا جائے بھائی۔ «هَذَا» آپ کہتے ہیں، «هَذَا» جس چیز کی طرف اشارہ کریں گے «هَذَا» اس پر دلالت کرے گا، مثلاً «هَذَا» نے آپ کی طرف کتاب... «هَذَا» کے ذریعے آپ نے کتاب کی طرف اشارہ کیا تو اس نے کس پر دلالت کی؟ کتاب پر، «هَذَا» کہہ کر آپ نے قلم کی طرف اشارہ کیا تو «هَذَا» نے کس پر دلالت کی؟ قلم پر بھائی۔ تو جس چیز کی طرف اشارہ کریں گے وہ مراد ہو گا، یہی بیان کر رہے ہیں: «مَا وُضِعَ» جس کو وضع کیا گیا ہے «لِيَدُلَّ عَلَى مُشَارٍ إِلَيْهِ» تاکہ دلالت کرے مشارٌ الیہ پر۔ مشارٌ الیہ کسے کہتے ہیں؟ جس کی طرف اشارہ کیا جائے۔ «وَهِيَ خَمْسَةُ أَلْفَاظٍ لِسِتَّةِ مَعَانٍ» اور یہ پانچ الفاظ ہیں چھ معانی کے لیے بھائی۔

توجہ ہے؟ پانچ الفاظ یعنی پانچ قسم کے الفاظ ہیں، کتنے؟ ہاں پانچ لفظ نہیں ہیں پانچ قسم کے لفظ ہیں بھائی۔ اچھا بھائی پانچ الفاظ ہیں، معانی کتنے؟ چھ۔ یاد رکھو دراصل معنی چھ تھے، دیکھو جو مشارٌ الیہ ہے، کون؟ مشارٌ الیہ، وہ یا مفرد مذکر ہو گا یا تثنیہ مذکر ہو گا یا جمع مذکر، اسی طرح یا مشارٌ الیہ مفرد مؤنث ہو گا یا تثنیہ مؤنث یا جمع مؤنث، تو کل کتنی صورتیں ہوئیں؟ چھ۔ لیکن ان چھ میں سے جو جمع مذکر اور جمع مؤنث ہیں ان کے لیے ایک ہی اسم اشارہ استعمال ہوتا ہے، تو کتنے ہو گئے؟ پانچ ہو گئے، تو اس لیے کہا معانی چھ ہیں لیکن الفاظ کتنے ہیں؟ پانچ ہیں، اور پانچ سے مراد پانچ الفاظ نہیں ہیں پانچ قسمیں ہیں، کیونکہ ایک کئی کئی ہیں ایک کے لیے، مفرد مذکر کے لیے کئی ہیں، مفرد مؤنث کے لیے کئی ہیں، تو قسمیں گویا کتنی ہیں؟ پانچ قسمیں ہیں، چھ قسم کے معانی ہیں اور الفاظ کتنے اس کے لیے؟ پانچ قسم کے۔ یہ معنی ہے «وَهِيَ خَمْسَةُ أَلْفَاظٍ لِسِتَّةِ مَعَانٍ» اور یہ پانچ قسم کے الفاظ ہیں چھ معانی کے لیے، «وَذَلِكَ» اور وہ یہ ہیں: «ذَا لِلْمُذَكَّرِ» «ذَا» کس لیے آتا ہے؟ واحد مذکر کے لیے۔ یہ جو آپ پڑھتے ہیں نا «هَذَا» یہ وہی «ذَا» ہے، شروع میں ہا بڑھا دی بھائی، یہ آگے چل کر خود بھی آپ کو بتائیں گے کہ ان کے شروع میں کبھی ہا لگا دیتے ہیں، ہا نہ بھی لگائیں آپ صرف یہ کہہ دیں «ذَا كِتَابٌ» یہ کیا ہے؟ کتاب ہے، آپ کا کلام صحیح ہے، لیکن عموماً کیا لگا دیتے ہیں؟ ہا لگا دیتے ہیں شروع میں۔

تو وہ الفاظ یہ ہیں اب ذکر کر رہے ہیں: «ذَا لِلْمُذَكَّرِ» «ذَا» کس لیے آتا ہے؟ واحد مذکر کے لیے، «وَذَانِ وَذَيْنِ لِمُثَنَّاهُ» اور «ذَانِ» اور «ذَيْنِ» «لِمُثَنَّاهُ»، ہ ضمیر راجع ہے مذکر کو یعنی لمثنی المذکر، اور «ذَانِ» اور «ذَيْنِ» مذکر کے تثنیہ کے لیے۔ مذکر مفرد ہو تو «ذَا»، تثنیہ ہو تو «ذَانِ» اور «ذَيْنِ»۔ بھائی «ذَانِ» کہاں استعمال کریں گے، «ذَيْنِ» کہاں استعمال کریں گے؟ کہتے ہیں بھائی حالتِ رفعی میں «ذَانِ» استعمال کریں گے، حالتِ نصبی جری میں «ذَيْنِ» استعمال کریں گے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ کیا بات ہوئی؟ بھائی جیسے تثنیہ تھا «رَجُلَانِ»، حالتِ رفعی میں کیا کہتے تھے؟ «رَجُلَانِ»، اور نصبی جری میں «رَجُلَيْنِ»، یہاں بھی اسی طرح ہے: حالتِ رفعی میں کہیں گے «ذَانِ» اور حالتِ نصبی جری میں «ذَيْنِ» کہیں گے، تثنیہ مذکر میں اس طرح ہے۔ اس پر فوراً آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ یہ بحث تو چل رہی ہے مبنی کی اور مبنی وہ ہے جو بدلتا نہیں، اور «رَجُلَانِ» اور «رَجُلَيْنِ» تثنیہ وہ تو معرب میں گزرا تھا وہ تو معرب ہے، تثنیہ تو کیا ہے؟ معرب ہے، معرب کی حالت بدلتی ہے مبنی کی حالت تو نہیں بدلتی، اور یہاں آپ ہمیں خود بتا رہے ہیں: حالتِ رفعی میں «ذَانِ» اور حالتِ نصبی جری میں وہ الف کس سے بدل گیا؟ یا سے بدل گئی، تو معلوم ہوا یہ تو معرب ہے اور ذکر کس میں کر رہے ہیں آپ؟ مبنی کے اندر، تو اس کو تو معرب کہنا چاہیے آپ اس کو مبنی کیوں کہتے ہیں؟ کہتے ہیں نہیں بھائی یہ مبنی ہی ہے، یہ کیا ہے؟ مبنی ہے۔ تو سوال: پھر یہ بدل تو رہا ہے، پھر کیسا مبنی ہے؟ مبنی تو نہیں بدلتا۔ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ جواب یہ کہ نہیں بھائی آپ غلط سمجھے، بات دراصل یہ ہے: «ذَانِ» لفظ ہی الگ ہے، «ذَيْنِ» لفظ ہی الگ ہے۔ وہاں کیا تھا؟ اسی «رَجُلَانِ» اسی کا الف کس سے بدلتا تھا؟ یا سے۔ یہاں «ذَانِ» لفظ ہی الگ ہے، حالتِ رفعی میں یہ «ذَانِ» والا لفظ استعمال کر لیتے ہیں، اور «ذَيْنِ» لفظ ہی الگ وضع کیا گیا ہے، حالتِ نصبی جری میں یہ والا لفظ لا کر استعمال کر لیتے ہیں۔ تو جب آپ حالتِ نصبی جری میں کہتے ہیں «ذَيْنِ» تو یہ وہ «ذَانِ» کی الف نہیں بدلا، یہ لفظ ہی الگ ہے، وہ لفظ وضع ہی کیا تھا وہ والا «ذَانِ»، اور یہ وضع ہی کیا ہے «ذَيْنِ»۔ اس کو وضع کیا ہے مقامِ رفع میں اس کو استعمال کرنا اور «ذَيْنِ» کو استعمال کیا ہے حالتِ نصبی جری میں اس کو استعمال کرنا، تو یہ وہی الف نہیں بدل رہا یہ دونوں لفظ ہی الگ ہیں، ہاں ان کی تثنیہ کے ساتھ مشابہت ہے لیکن یہ اتفاقاً آ گئی، یہ تثنیہ ہے نہیں، یعنی یہ وہ تثنیہ نہیں ہے جس کا الف کس سے بدلتا ہے؟ یا سے۔ بات سمجھ بھی آئی کہ نہیں آئی؟ وہاں کیا ہوتا ہے تثنیہ میں؟ «رَجُلَانِ» اسی وہ «رَجُلَانِ» کا الف حالتِ نصبی جری میں کس سے بدلتا ہے؟ یا سے۔ یہاں پر ایسا نہیں ہے کہ

اسی «ذَانِ» کا الف بدلے، بلکہ «ذَانِ» لفظ ہی الگ ہے اس کو وضع ہی اس طرح کیا گیا ہے کہ اس کو مقامِ... اس کو رفع والی جگہ استعمال کرنا ہے، اسی طرح ایک اور لفظ الگ با قاعدہ وضع کیا گیا اور وہ کیا ہے؟ «ذَيْنِ»، اور اس کو کس لیے وضع کیا؟ تاکہ اس کو کہاں پر استعمال کرنا ہے؟ حالتِ نصبی جری میں۔ تو یہ وہی «ذَانِ» نہیں بدلتا بلکہ یہ لفظ ہی الگ ہے، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: «وَذَانِ وَذَيْنِ لِمُثَنَّاهُ» «ذَانِ» اور «ذَيْنِ» جو ہے مذکر کے تثنیہ کے لیے ہیں، «وَتَا وَتِي وَذِي وَتِهْ وَذِهْ وَتِهِي وَذِهِي لِلْمُؤَنَّثِ» یہ سارے مؤنث کے لیے ہیں، یعنی واحد مؤنث کے لیے بھائی۔ بھائی میں نے ابھی آپ کو بتایا تھا یہ پانچ الفاظ ہیں، پانچ الفاظ کا کیا معنی تھا؟ واحد مذکر کے لیے اور تثنیہ مذکر، پھر واحد مؤنث اور تثنیہ مؤنث، اور جمع دونوں کے لیے ایک ہی لفظ استعمال ہوتا ہے اسی لیے تو پانچ لفظ کہا ہے انہوں نے، تو وہ جمع کو آخر میں اکٹھا ذکر کریں گے۔ تو پہلے واحد مذکر کو ذکر کیا، پھر تثنیہ مذکر کو، اب واحد مؤنث کو ذکر کریں گے پھر تثنیہ مؤنث کو بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَتَا وَتِي وَذِي وَتِهْ وَذِهْ وَتِهِي وَذِهِي لِلْمُؤَنَّثِ» یہ کس لیے ہے؟ مؤنث کے لیے۔ بھائی میں نے اسی لیے کہا تھا پانچ الفاظ نہیں ہیں، پانچ قسم کے الفاظ ہیں، دیکھو کتنے سارے لفظ آگئے لیکن یہ ساروں کو ایک ہی شمار کرتے ہیں کیونکہ یہ سب کس لیے ہیں؟ واحد مؤنث کے لیے، تو یہ ایک قسم ہے سارے۔

▪ قولہ: «وَتَانِ وَتَيْنِ لِمُثَنَّاهُ» کی تشریح

«وَتَانِ وَتَيْنِ لِمُثَنَّاهُ» یہ «لِمُثَنَّاهُ» کے آخر میں جو ہا ضمیر ہے یہ مؤنث کو راجع، اور «تَانِ» اور «تَيْنِ» مؤنث کے تثنیہ کے لیے، «لِمُثَنَّاهُ» یعنی لمثنی المؤنث، «تَانِ» اور «تَيْنِ» مؤنث کے تثنیہ کے لیے۔ یہاں پھر وہی اشکال ہوتا ہے کہ «تَانِ» حالتِ رفعی میں استعمال ہوتا ہے، «تَيْنِ» کس میں؟ حالتِ نصبی جری میں، تو سوال: پھر تو یہ معرب ہوا؟ جواب: نہیں، «تَانِ» لفظ ہی الگ ہے اور «تَيْنِ» لفظ... ان کو وضع ہی اس طرح کیا گیا ہے: «تَانِ» کو حالتِ رفعی کے لیے وضع کیا گیا ہے اور «تَيْنِ» کو حالتِ نصبی جری کے لیے، اور تثنیہ کے ساتھ جو ان کی مشابہت ہو رہی ہے وہ اتفاقاً ہو گئی بھائی۔

«وَأُولَاءِ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ لِجَمْعِهِمَا» اور «أُولَاءِ»، «أُولَاءِ» اور «أُولَى» ایک کے آخر میں ہمزہ ہے ایک بغیر ہمزہ کے ساتھ۔ ہمزہ ہو آخر میں، الف کے بعد ہمزہ ہو تو یہ مدہ الفِ ممدودہ کہلاتا ہے، کیا کہلاتا ہے؟ الفِ ممدودہ، اور اگر الف کے بعد ہمزہ نہ ہو تو یہ الفِ مقصورہ کہلاتا ہے۔ تو «أُولَى» بغیر ہمزہ کے اور «أُولَاءِ» ہمزہ کے ساتھ، لمبا کرنا ہے کیونکہ ممدودہ ہے۔ تو یہ دونوں طرح یہ لفظ استعمال ہوتا ہے: «أُولَاءِ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ» مد کے ساتھ بھی ہے اور قصر کے ساتھ بھی ہے، «لِجَمْعِهِمَا» ہونا چاہیے بھائی یہ، «لِجَمْعِهِمَا» ہے آپ کی کتابوں میں؟ «لِجَمْعِهَا» ہے؟ نہیں، «هُمَا»، «لِجَمْعِهِمَا» ان دونوں کی جمع کے لیے ہے۔ ان دونوں کون دونوں؟ مذکر اور مؤنث، ہاں، تو مذکر مؤنث دونوں کی جمع کے لیے «أُولَى» لفظ استعمال ہوتا ہے: «أُولَى» قصر کے ساتھ اور «أُولَاءِ» مد کے ساتھ۔

«وَقَدْ يُلْحَقُ بِأَوَائِلِهَا هَاءُ التَّنْبِيهِ» اور کبھی کبھار ملا دیا جاتا ہے ان کے شروع کے ساتھ ہائے تنبیہ، کس کو؟ ہائے تنبیہ۔ تنبیہ کی ہا بھائی، تنبیہ، تنبیہ کا معنی دوسرے کو متنبہ کرنا۔ بھائی دیکھیے آپ کسی کی توجہ اپنی طرف کروانا چاہتے ہیں تو آپ کیا کرتے ہیں؟ ہا، آواز نکالی، اس ہا سے کیا ہوا دوسرا آپ کی طرف متوجہ، جیسے آپ کہتے ہیں نا «يَا زَيْدُ»، «يَا» کے ذریعے کیا کرتے ہیں؟ دوسرے کو اپنی طرف متوجہ، اسی طرح یہ ہا بھی دوسرے کو متنبہ کرنے کے لیے عربی میں استعمال ہوتی ہے، تو اس کو ہائے تنبیہ کہتے ہیں اور یہ اسمِ اشارہ پر عام داخل ہوتی ہے، «نَحْوُ: هَذَا» دیکھا، یہ وہی «ذَا» ہے «ذَا» کے شروع میں کیا بڑھا دی؟ تنبیہ والی ہا بڑھا دی۔ «وَهَذَانِ» دیکھا وہی «ذَانِ» ہے اور شروع میں کیا بڑھا دی؟ تنبیہ والی ہا، تو «هَذَا وَهَذَانِ وَهَؤُلَاءِ» دیکھا وہی «أُولَاءِ» ہے شروع میں کیا بڑھا دی؟ ہا۔

«وَيَتَّصِلُ بِأَوَاخِرِهَا حَرْفُ الْخِطَابِ» اور ان کے آخر کے ساتھ مل جاتا ہے حرفِ خطاب، ان کے آخر کے ساتھ... بھائی شروع میں تو ان کے مل جاتی ہے تنبیہ والی ہا، اور آخر میں کیا مل جاتا ہے؟ حرفِ خطاب، جیسے «ذَاكَ» دیکھا کاف مل گیا، کاف مل گیا۔ «وَهُوَ أَيْضًا خَمْسَةُ أَلْفَاظٍ لِسِتَّةِ مَعَانٍ» اور وہ حرفِ خطاب بھی پانچ الفاظ ہیں پانچ معانی کے لیے... پانچ الفاظ ہیں چھ معانی کے لیے، «نَحْوُ: كَ، كُمَا، كُمْ، كِ، كُنَّ»، «كِ» اور «كُمَا» دونوں کے لیے ایک جیسا ہے اس لیے اس کو دوبارہ ذکر نہیں کیا، اور «كُنَّ»۔ کتنے الفاظ ہو گئے؟ پانچ: «كَ، كُمَا، كُمْ» یہ مذکر کے لیے، اور «كِ، كُمَا، كُنَّ» یہ مؤنث کے لیے، لیکن «كُمَا» دونوں میں ایک جیسا ہے اس لیے اس کو دو دفعہ ذکر نہیں کیا اسی لیے کہا پانچ الفاظ ہیں کیونکہ «كُمَا» تثنیہ والا دونوں میں مشترک ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

بھائی یاد رکھیے ادھر دیکھیے، یہ جو اسمِ اشارہ ہے نا اس کے آخر میں کبھی کبھار آخر میں حرفِ خطاب جوڑ دیتے ہیں اور یہ پانچ الفاظ ہیں، انہوں نے آپ کو

بتایا اور چھ معانی ہیں۔ پانچ الفاظ کون سے ہیں؟ «كَ، كُمَا، كُمْ، كِ» اور «كُنَّ»، «كُمَا» تو گزر گیا تو پانچ الفاظ، اور معانی چھ ہیں: واحد مذکر مخاطب، تثنیہ مذکر مخاطب، جمع مذکر مخاطب، واحد مؤنث مخاطبہ، تثنیہ مؤنث مخاطبہ اور جمع مؤنث مخاطب۔ بھائی میں جس سے بات کر رہا ہوں اس میں یہی چھ صورتیں ہو سکتی ہیں: میرے سامنے یا ایک مرد ہو گا یا دو مرد ہوں گے یا دو سے زیادہ ہوں گے، واحد ہو گا تثنیہ ہو گا یا جمع، یا وہ مؤنث ہوں گی جن سے بات کی جا رہی ہے تو وہ واحد ہو گی یا تثنیہ ہو گی یا جمع۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ حرفِ خطاب ہے، تو یہ حرفِ خطاب جوڑ دیتے ہیں اسمِ اشارہ کے ساتھ، اور یہ صرف اتنا بتاتا ہے کہ بات کتنے لوگوں سے کی جا رہی ہے۔ مثلاً دور کھڑا زید کھڑا تھا، میرے سامنے ایک مرد کھڑا ہے، میں اس مرد کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ زید ہے، وہ زید ہے، تو میں کیا کہوں گا؟ «ذَاكَ زَيْدٌ»، «ذَاكَ زَيْدٌ»۔ دیکھو «ذَا» تو اسمِ اشارہ ہے، یہ اس کے ساتھ جو کاف میں نے جوڑا یہ کاف حرفِ خطاب ہے، یہ صرف اتنا بتا رہا ہے کہ میرا مخاطب ایک مرد ہے، ایک مذکر ہے۔ «ذَاكَ زَيْدٌ»، ترجمہ کیا ہو گا؟ وہ زید ہے۔ یہ کاف کا ترجمہ نہیں ہو گا، معلوم ہوا یہ حرف ہے، اگر حرف نہ ہوتا تو اس کا بھی ترجمہ ہوتا، یہ صرف اتنا بتا رہا ہے کہ میرا مخاطب کیا ہے؟ ایک مرد ہے۔ اگر میرے سامنے دو مرد ہوتے اور میں نے اشارہ اسی زید کی طرف کرنا ہے میں کیسے کہوں گا؟ «ذَاكُمَا زَيْدٌ»، ترجمہ وہی ہو گا: وہ زید ہے۔ «ذَاكَ زَيْدٌ» تب بھی وہی ترجمہ، «ذَاكُمَا زَيْدٌ» وہ زید ہے وہی ترجمہ، «ذَاكُمْ زَيْدٌ» پھر بھی وہی ترجمہ وہ زید ہے، «ذَاكِ زَيْدٌ» وہ زید ہے، «ذَاكُمَا زَيْدٌ» وہی ترجمہ، «ذَاكُنَّ زَيْدٌ» وہ زید ہے۔ ترجمہ سب کا وہی ہے اور یہ جو آخر میں «كَ، كُمَا، كُمْ، كِ، كُمَا، كُنَّ» آ رہا ہے ان کا ترجمہ نہیں ہو رہا، معلوم ہوا یہ حرف ہیں، صورت تو ضمیر جیسی ہے لیکن ضمیر نہیں، یہ حرف ہیں ان کا ترجمہ نہیں ہوتا۔ یہ صرف اتنا بتاتے ہیں کہ آپ کا مخاطب کون ہے۔ جب میں نے کہا «ذَاكَ زَيْدٌ» آپ سمجھ گئے میں کتنے لوگوں کو بتا رہا ہوں؟ ایک مذکر کو۔ اب میں جب کہتا ہوں «ذَاكُمَا زَيْدٌ» ترجمہ کیا ہو گا؟ «ذَاكُمَا زَيْدٌ» وہ زید ہے، ترجمہ وہی ہے، لیکن میں کتنے لوگوں کو یہ بتا رہا ہوں؟ وہ دو مذکر ہیں۔ میں کہتا ہوں «ذَاكُمْ زَيْدٌ» ترجمہ کیا ہو گا؟ وہ زید ہے، لیکن میں کتنے لوگوں کو یہ بتا رہا ہوں؟ معلوم ہوا میرے پاس تین یا زیادہ مرد کھڑے ہیں مذکر، میں ان کو بتا رہا ہوں وہ زید ہے۔ میں کہتا ہوں «ذَاكِ زَيْدٌ» کیا معنی؟ وہ زید ہے، یہ میں کس کو بتا رہا ہوں؟ ایک عورت، کیسے پتہ چلا آپ کو ایک عورت ہے؟ «ذَاكِ» کے آخر میں جو کاف مکسور جو آ رہا ہے یہ بتلا رہا ہے۔ «ذَاكُنَّ زَيْدٌ» وہ زید، یہ میں کس کو بتا رہا ہوں؟ تین یا زیادہ عورتوں کو، آپ کو کیسے پتہ چلا؟ یہ «كُنَّ»۔ گویا یہ جو حرفِ خطاب ہوتا ہے اسمِ اشارہ کے آخر میں، اس کا ترجمہ نہیں کیا جاتا، ترجمہ نہیں ہوتا، معلوم ہوا یہ حرف ہے ضمیر نہیں۔ یہ صرف کیا بتاتا ہے کہ میرا مخاطب وہ ایک مرد ہے یا دو مرد ہیں یا زیادہ ہیں، ایک مؤنث ہے یا دو مؤنث ہیں یا زیادہ ہیں۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ کاف حرفِ خطاب، یا یوں کہیں کاف حرفیہ خطابیہ، اس کو کیا کہتے ہیں؟ کاف حرفیہ خطابیہ، اور یہ کہاں جڑتا ہے؟ اسمِ اشارہ کے آخر میں۔ جیسے ہائے تنبیہ کس کے شروع میں جڑتی ہے؟ اسمِ اشارہ کے، تنبیہ والی ہا اسمِ اشارہ کے شروع میں جڑتی ہے اور کاف حرفیہ خطابیہ کہاں جڑتا ہے؟ آخر میں۔ اس لیے اب قرآن میں آپ کو یہ حرفِ خطاب اس طرح جگہ جگہ آپ کو ملے گا اب آپ کو بات سمجھ میں آئے گی، کہیں پر کیا ہو گا مثلاً «ذَاكَ» یا «ذَلِكَ»، کہیں ہو گا «ذَلِكُمَا»، کہیں ہو گا «ذَلِكُمْ»۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اس سے اتنا پتہ چل گیا کہ مخاطب ایک ہیں یا دو ہیں یا تین، ترجمہ البتہ اس کا نہیں ہو گا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: «وَيَتَّصِلُ بِأَوَاخِرِهَا حَرْفُ الْخِطَابِ» اور یہ اسماءِ اشارہ کے آخر کے ساتھ مل جاتا ہے حرفِ خطاب، «وَهُوَ أَيْضًا خَمْسَةُ أَلْفَاظٍ لِسِتَّةِ مَعَانٍ» اور یہ بھی پانچ الفاظ ہیں چھ معانی کے لیے، «نَحْوُ: كَ، كُمَا، كُمْ، كِ، وَكُنَّ، فَذَلِكَ خَمْسَةٌ وَعِشْرُونَ» تو یہ پچیس ہو گئے تو یہ پچیس ہیں، «الْحَاصِلُ مِنْ ضَرْبِ خَمْسَةٍ فِي خَمْسَةٍ» جو حاصل ہوتے ہیں پانچ کو پانچ میں ضرب دینے سے۔ بھائی دیکھیے اسمِ اشارہ کی کتنی قسمیں؟ پانچ قسمیں، کون کون سی؟ شروع میں بتایا تھا: جمع کے لیے تو دونوں کے لیے ایک ہی لفظ استعمال ہوتا ہے، البتہ واحد مذکر کے لیے، واحد مؤنث کے لیے، تثنیہ مؤنث کے لیے اور آخری دونوں کی جمع مذکر اور مؤنث دونوں کی جمع، تو یہ پانچ قسم کے لفظ ہیں، اور ان سب کے ساتھ یہ حرفِ خطاب جڑتا ہے، کس کے ساتھ؟ اور حرفِ خطاب کتنی قسم کے؟ پانچ قسم کے۔ تو پہلی قسم کیا تھی اسمِ اشارہ کی؟ واحد مذکر، اس کے ساتھ پانچوں قسم کے حرفِ خطاب جڑ گئے کتنی قسمیں ہو گئیں؟ پانچ۔ اگلی قسم کیا ہے؟ تثنیہ، تثنیہ کے ساتھ بھی پانچوں جڑ گئے کتنے ہو گئے؟ دس۔ تو اسی طرح واحد مؤنث کے ساتھ بھی پانچوں جڑ گئے: پندرہ، اور تثنیہ مؤنث کے ساتھ بھی پانچوں حرفِ خطاب جڑ گئے: بیس، اور جمع کے ساتھ بھی پانچ جڑ گئے تو کتنے؟ پچیس، تو پچیس لفظ بن جاتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے «فَذَلِكَ خَمْسَةٌ وَعِشْرُونَ، الْحَاصِلُ مِنْ ضَرْبِ خَمْسَةٍ فِي خَمْسَةٍ» تو یہ پچیس وہ ہیں جو حاصل ہوتے ہیں پانچ کو پانچ میں ضرب دینے سے، «وَهِيَ» اور وہ یہ ہیں بھائی، اب کچھ مثالیں ویسے ذکر کر رہے ہیں: «ذَاكَ إِلَى ذَاكُنَّ» «ذَاكَ» سے لے کر «ذَاكُنَّ» تک، کیسے؟ «ذَاكَ، ذَاكُمَا، ذَاكُمْ، ذَاكِ، ذَاكُمَا» دوبارہ بے شک ذکر کریں یا نہ کریں اور «ذَاكُنَّ»۔ «وَذَانِكَ» یہ «ذَانِكَ» کیا تھا؟ تثنیہ نا، تثنیہ تھا، تو یہ «ذَاكَ» سے لے کر «ذَانِكَ» سے لے کر «ذَانِكُنَّ»، کیسے ہو گا؟ «ذَانِكَ، ذَانِكُمَا، ذَانِكُمْ، ذَانِكِ، ذَانِكُمَا، ذَانِكُنَّ» تو وہ تثنیہ کو ہم بہر حال دو دفعہ ہی گزار لیتے ہیں، وہ ایک ہی ہے ایک ہی ہے۔ «وَكَذَلِكَ الْبَوَاقِي» اور اسی طرح باقی بھی ہیں یعنی واحد مؤنث بھی اور تثنیہ مؤنث بھی اور جمع بھی۔

▪ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّ ذَا لِلْقَرِيبِ وَذَلِكَ لِلْبَعِي...» کی تشریح

«وَاعْلَمْ أَنَّ ذَا لِلْقَرِيبِ وَذَلِكَ لِلْبَعِيدِ وَذَاكَ لِلْمُتَوَسِّطِ» بھائی یاد رکھیے عربی زبان سید الالسنہ ہے تمام زبانوں کی سردار ہے، بے انتہا فصیح و بلیغ زبان ہے، بڑی لمبی بات مختصر لفظوں میں ادا ہو جاتی ہے اس کے اندر، اور اتنے الفاظ ہیں اتنے الفاظ، ذخیرہ اتنا عظیم کہ کوئی زبان اس کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتی بھائی قریب بھی، اور اس میں ایک حرف بھی بے کار نہیں: دیکھو اسمِ اشارہ «ذَا»، «ذَا» کا معنی یہ، «ذَاكَ» یہ بھی اسمِ اشارہ، اور «ذَلِكَ» یہ بھی اسمِ اشارہ۔ تو لیکن ان میں ایک حرف بھی زائد نہیں، «ذَا» کے اندر حروف تھوڑے: ذال اور الف، تو یہ قریب کے لیے ہے۔ «ذَلِكَ» اس میں حروف زیادہ، کیا؟ حروف اس میں چار... «ذَلِكَ» میں حروف کتنے؟ چار۔ آپ یہ نہ کہیں «ذَلِكَ» میں تو حروف تین ہیں: ذال، لام، کاف، نہیں نہیں تلفظ کا اعتبار ہے: «ذٰلِكَ» ذال کے بعد الف پڑھ رہا ہوں یا نہیں پڑھ رہا ہیں؟ تو ذال، الف، لام، کاف کتنے حروف؟ چار۔ اور «ذَاكَ» اس کے اندر کتنے حروف؟ تین۔ تو جس میں حروف کم وہ قریب کے لیے، جس میں حروف سب سے زیادہ وہ دور کے لیے، اور جس میں حروف متوسط وہ متوسط کے لیے۔ تو «ذَا» قریب کے لیے، زید قریب ہو تو میں کہوں گا «ذَا زَيْدٌ» یا «هَذَا زَيْدٌ»، زید اگر دور ہو اتو میں کہوں گا «ذَلِكَ زَيْدٌ»، اور اگر متوسط ہو اتو «ذَاكَ» کہوں گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ أَنَّ ذَا لِلْقَرِيبِ» جان لے کہ «ذَا» جو ہے وہ قریب کے لیے ہے، «وَذَلِكَ لِلْبَعِيدِ» اور «ذَلِكَ» بعید کے لیے۔ بات سمجھ میں آ گئی نا؟ تلفظ کا اعتبار ہے: «ذٰلِكَ» دیکھو ذال کے بعد میں ایک الف پر تلفظ کر رہا ہوں، تو ذال، الف، لام، کاف چار حروف ہو گئے، تو «ذَلِكَ» بعید کے لیے ہے، «وَذَاكَ لِلْمُتَوَسِّطِ» اور «ذَاكَ» جس میں تین حروف ہیں وہ کس کے لیے ہے؟ متوسط۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے ترتیب صحیح نہیں رکھی، قریب کے بعد متوسط آنا چاہیے تھا پھر اس کے بعد بعید آنا چاہیے تھا: قریب، متوسط اور پھر بعید، درجہ بدرجہ۔ کہتے ہیں نہیں بھائی مصنف کی ترتیب بالکل ٹھیک ہے، جو متوسط ہے یہ اس کا پتہ قرب اور بعد کے بعد پتہ چلے گا۔ کس کے بعد؟ پہلے قریب آپ کس کو کہہ رہے ہیں اور بعید کس کو کہہ رہے ہیں یہ تو ذرا پتہ چلے، پھر جو ان کے بیچ ہو گا اس کو ہم کہیں گے متوسط۔ جب تک قریب اور بعید کا پتہ نہیں چلے گا متوسط کا پتہ بھی نہیں، مثلاً زید میرے سے دس فٹ دور کھڑا ہے، اب اس کو میں متوسط کہوں یا نہ کہوں؟ کتنا دور ہے؟ دس فٹ دور کھڑا ہے، مجھے نہیں پتہ۔ جب تک پانچ فٹ والے کو میں قریب اور پندرہ والے کو میں بعید نہیں کہوں گا یہ دس والا متوسط نہیں بن سکتا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ پانچ فٹ والے کو میں کیا کہوں یہ تو قریب، پندرہ فٹ ایک کھڑا تھا میں کہوں یہ دور ہے، تو دس فٹ والے کو آپ خود ہی کہیں گے یہ متوسط ہے۔ اور اس کی ذرا اور صورت بنالو: ایک آدمی میرے سے پچاس فٹ دور کھڑا ہے اور ایک سو فٹ دور کھڑا ہے، میں نے کہا یہ پچاس فٹ والا قریب ہے اور سو فٹ والا بعید ہے، اب آپ خود سمجھ گئے جو ان دونوں کے بیچ ہے ستر یا اسی فٹ والا وہ کیا ہے؟ متوسط ہے۔ تو توسط کا پتہ ہی کس سے چلے گا؟ قرب اور بعد طے ہو جانے کے بعد، کیونکہ وہ ان دونوں کے درمیان نسبت کا نام ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں جان لے کہ «ذَا» قریب کے لیے ہے اور «ذَلِكَ» بعید کے لیے، تو دیکھو پہلے قریب اور بعید کو ذکر کر دیا پھر اس کے بعد «وَذَاكَ لِلْمُتَوَسِّطِ» اور «ذَاكَ» کس لیے ہے؟ متوسط کے لیے ہے بھائی۔

چلیے بس ہٰذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۷۹: فصل اسماء الاشارات اور فصل الموصول (اَلَّذِي، اَلَّتِي، مَنْ، مَا، أَيّ کے احکام)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۶۱—بتاریخ: ۲۷ اپریل ۲۰۱۵ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلْمَوْصُولُ اسْمٌ لَا يَصْلُحُ أَنْ يَكُونَ جُزْءًا تَامًّا مِنْ جُمْلَةٍ إِلَّا بِصِلَةٍ بَعْدَهُ، وَالصِّلَةُ جُمْلَةٌ خَبَرِيَّةٌ، وَلَا بُدَّ مِنْ عَائِدٍ فِيهَا يَعُودُ إِلَى الْمَوْصُولِ، مِثَالُهُ: اَلَّذِي فِي قَوْلِنَا: جَاءَ الَّذِي أَبُوهُ قَائِمٌ أَوْ قَامَ أَبُوهُ.

مبنیات کا بیان چل رہا ہے۔ صاحبِ ہدایۃ النحو نے آپ کو بتلایا کہ مبنیات آٹھ ہیں بھائی۔ ان آٹھ میں سے آج تیسری قسم اسمائے موصولہ کے بارے میں ہم پڑھیں گے۔ سب سے پہلے ہم نے ضمیروں کے بارے میں پڑھا کہ وہ مبنیات میں سے ہیں۔ اس کے بعد اسمائے اشارہ کے بارے میں پڑھا بھائی، اور آج اسمِ موصول کے بارے میں پڑھیں گے بھائی۔

یاد رکھیے! یہ اسمِ موصول کے بارے میں یہ آپ کو بتائیں گے کہ اسمِ موصول جو ہے وہ جملے کا جزءِ تام نہیں بن سکتا جب تک اس کے ساتھ اس کا صلہ نہ ملائیں بھائی۔ یاد رکھیے اسمِ موصول جو ہے وہ مبتدا بھی بن سکتا ہے، خبر بھی بن سکتا ہے، فاعل بھی بن سکتا ہے، نائب الفاعل بھی بن سکتا ہے، مفعول بھی بن سکتا ہے، صفت وغیرہ یہ سب چیزیں بن سکتا ہے۔ لیکن جب تک اس کے ساتھ اس کا صلہ نہیں ملاؤ گے یہ کچھ بھی نہیں بنے گا، یعنی بات ہی پوری نہیں ہو گی بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

مثلاً بھائی! «جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ»، «جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ»؛ آیا وہ جس نے کہ، «ضَرَبَكَ» آپ کی پٹائی کی۔ تو یہ اسمِ موصول جو ہوتا ہے اس کا ترجمہ «وہ جس نے کہ» یا «وہ جو کہ» اس کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ تو آپ مثلاً اسمِ موصول، تو ابھی میں نے کیا جملہ ذکر کیا؟ «جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ»، یہ «ضَرَبَكَ» صلہ ہے «اَلَّذِي» کا، اسمِ موصول کا۔ تو اس «ضَرَبَكَ» کو ذرا ہٹاؤ، دیکھو بات ادھوری ہو جائے گی، معنی ہی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ مثلاً آپ کہتے ہیں «جَاءَ الَّذِي»، آیا وہ جو کہ، یا آیا وہ جس نے کہ۔ اب آپ سارا دن بھی یہ کسی کو کہتے رہیں آیا وہ جس نے کہ، آیا وہ جس نے کہ، وہ کہے گا بھائی بات تو پوری کریں آپ تو ادھوری بات کر رہے ہیں۔ تو اس کے ساتھ ہمیشہ کیا ملانا پڑتا ہے؟ صلہ۔ تو اسمِ موصول کے ساتھ صلہ ملائیں گے تو بات پوری ہو گی اور صلہ نہیں ملائیں گے تو بات پوری نہیں، تو بغیر صلہ ملائے نہ آپ اس کو فاعل بنا سکتے ہیں، نہ آپ اس کو مفعول بنا سکتے ہیں، نہ مبتدا، نہ خبر، نہ صفت، کچھ بھی نہیں بنا سکتے۔ بنائیں گے بھی تو بات پوری نہیں ہو گی، معنی ہی کسی کو سمجھ میں نہیں آئے گا۔ لہٰذا جب بھی کلام میں اسمِ موصول آئے آپ نے فوراً اس کے صلے کو اس کے ساتھ جوڑنا ہے اور اسمِ موصول کے ساتھ ہی آگے اس کا صلہ ہوتا ہے ہمیشہ بھائی۔ اسمِ موصول آتا ہے اور ساتھ ہی آگے کیا ہوتا ہے؟ صلہ۔

اور یاد رکھو صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے۔ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ فعلیہ بھی۔ اور پھر جملے کو آپ جوڑ رہے ہیں اسمِ موصول کے ساتھ، اور میں نے آپ کو بتایا تھا جملے کو جس چیز کے ساتھ بھی جوڑا جائے درمیان میں کیا چاہیے؟ ربط چاہیے اور وہ ربط دینے والی چیز اسے عائد کہتے ہیں۔ اور وہ عموماً غائب کی ضمیر ہوتی ہے جو کس کی طرف لوٹتی ہے؟ اس اسم کی طرف جس کے ساتھ اس کو جوڑا جائے۔ تو یہاں پر بھی صلہ جملہ ہے، اس میں کوئی ضمیر ہو گی جو کس کی طرف لوٹے؟ اسمِ موصول کی طرف۔ اور ضمیر اور مرجع میں مطابقت بھی آپ نے دیکھنی ہے۔ اسمِ موصول مفرد مذکر ہے تو ضمیر بھی کیسی چاہیے؟ مفرد مذکر۔ اگر

اسمِ موصول مونث ہے تو ضمیر بھی مونث چاہیے وغیرہ بھائی۔ تو جب بھی کلام، جب بھی اسمِ موصول آئے اس کے ساتھ آپ نے کس کو جوڑنا ہے؟ صلے کو جوڑنا ہے بھائی۔

اور یاد رکھیے اسمِ موصول کا تو اعراب ہو گا۔ اگر وہ مبتدا بن رہا ہے تو مرفوع ہوتا ہے، تو اسمِ موصول بھی کیا ہو گا؟ مرفوع۔ لیکن یہ ہے چونکہ مبنی، دیکھیے ہم مبنیات کی بحث پڑھ رہے ہیں، یہاں پر اسمِ موصول کا ذکر آیا۔ اور مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً۔ تو اسمِ موصول محلاً مرفوع بھی ہو گا اور کبھی منصوب ہو گا اگر مفعول وغیرہ بن رہا ہے، اور مجرور ہو گا اگر اس پر حرفِ جر وغیرہ داخل ہے یا یہ مضاف الیہ ہے۔ اور تینوں اعراب اس پر کس طرح کے ہوں گے؟ محلاً آئیں گے بھائی۔

اور آگے جو صلہ ہے وہ جملہ ہے۔ اس کا کوئی اعراب آپ سے پوچھ لے تو آپ جواب میں کہیں گے کہ اس کا کوئی محلے اعراب نہیں، یوں کہیں گے: «لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ»، کیا کہیں گے؟ «لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ»۔ جیسے بھائی وہ پیچھے فصل کا ذکر آیا تھا کہ خبر بھی جب معرفہ آجائے تو مبتدا اور خبر کے درمیان کیا لے آتے ہیں؟ فصل لے آتے ہیں، ضمیرِ منفصل جیسا ایک صیغہ لے آتے ہیں اور یہ ضمیر نہیں ہوتی اور حرف ہے یہ بھائی، ہاں ضمیر جیسی صورت ہے۔ اور اس کا بھی کوئی محلے اعراب نہیں ہوتا بھائی۔ تو اسی طرح یہ جو صلہ ہے اس کا بھی کوئی محلے اعراب نہیں ہوتا۔ آپ یہ نہ کہیں اسمِ موصول کا جو اعراب ہے وہی اعراب صلے کا بھی ہو گا، نہیں بھائی، یہ کوئی آپس میں موصوف صفت نہیں ہے۔ صفت تو توابع میں سے ہے، صفت پر تو وہی اعراب آجاتا ہے، وہی اعراب آتا ہے جو کس پر ہوتا ہے؟ موصوف پر۔ لیکن یہاں صلہ، صلہ توابع میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر آپ یہ کہیں کہ موصول منصوب ہے تو صلہ بھی کیا ہونا چاہیے؟ منصوب، ایسا نہیں ہے۔ تو اسمِ موصول کا تو اعراب ہو گا، البتہ جو جملہ ہے، صلہ ہے اس کا کوئی محلے اعراب نہیں ہو گا بھائی۔ تو جملے میں جب بھی اسمِ موصول آئے آپ نے فوراً اس کے ساتھ کیا جوڑنا ہے؟ صلہ جوڑنا ہے بھائی۔ اور صلہ ہمیشہ کیا ہو گا؟ جملہ ہو گا۔ کیا ہو گا؟ جملہ، یہاں شبہ جملہ نہیں بلکہ جملہ ہو گا بھائی۔

کہتے ہیں: «فَصْلٌ: اَلْمَوْصُولُ اسْمٌ لَا يَصْلُحُ أَنْ يَكُونَ جُزْءًا تَامًّا مِنْ جُمْلَةٍ»، اسمِ موصول ایسا اسم ہے، «لَا يَصْلُحُ» جو صلاحیت نہیں رکھتا، «أَنْ يَكُونَ جُزْءًا تَامًّا مِنْ جُمْلَةٍ» صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ جزءِ تام ہو یعنی پورا جز ہو جملے میں سے، «إِلَّا بِصِلَةٍ بَعْدَهُ» مگر ایسے صلے کے ساتھ، «بَعْدَهُ» جو اس کے بعد آرہا ہو بھائی۔ صلہ ہمیشہ بعد میں آتا ہے اور یہ بھی یاد رکھیے ایک ہی اسمِ موصول کے کئی صلے بھی آسکتے ہیں بھائی۔ «وَالصِّلَةُ جُمْلَةٌ خَبَرِيَّةٌ»، اور صلہ جو ہے وہ جملہ خبر یہ ہوتا ہے بھائی۔ صلہ جملہ خبر یہ ہوتا ہے بھائی، میں نے بتایا شبہ جملہ نہیں بلکہ جملہ ہو گا۔ «وَلَا بُدَّ مِنْ عَائِدٍ فِيهَا يَعُودُ إِلَى الْمَوْصُولِ»، اور ضروری ہے اس میں ایک ایسے عائد کا ہونا، «يَعُودُ إِلَى الْمَوْصُولِ» جو لوٹ رہا ہو اسمِ موصول کی طرف۔ «مِثَالُهُ: اَلَّذِي فِي قَوْلِنَا: جَاءَ الَّذِي أَبُوهُ قَائِمٌ»، یہ جو ہمارا قول ہے نا «جَاءَ الَّذِي أَبُوهُ قَائِمٌ»، اس میں «اَلَّذِي» یہ مثال ہے اسمِ موصول کی۔ اس پورے جملے میں مثال ہے اسمِ موصول کی، یعنی یہ اسمِ موصول ہے بھائی۔ «مِثَالُهُ»، اسمِ موصول کی مثال «اَلَّذِي» ہے «فِي قَوْلِنَا» ہمارے اس قول میں: «جَاءَ الَّذِي أَبُوهُ قَائِمٌ»۔

جی! ترکیب کیجیے بھائی: «جَاءَ» فعل، «اَلَّذِي» اسمِ موصول۔ اعراب بھائی! «جَاءَ» فعل، «اَلَّذِي» مرفوع محلاً اسمِ موصول۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے بھائی، فعل کے آنے کے بعد صرف کون مرفوع آتا ہے؟ فاعل۔ تو «اَلَّذِي» مرفوع محلاً اسمِ موصول۔ آگے «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ جلدی بتائیے بھائی یہ تو اب چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں ترکیب کی، یہ تو اب آپ کو خود کرنی چاہئیں۔ ترکیب کی بنیاد جب آپ کی بن گئی ہے اب آپ کو صرف اشارہ کافی ہونا چاہیے۔ ابھی تو بتایا اسمِ موصول کے بعد ہمیشہ صلہ آتا ہے، اور صلہ جملہ ہوتا ہے جملہ خبر یہ، اور جملے تو دو ہی قسم کے ہیں یا جملہ اسمیہ ہو گا یا جملہ فعلیہ ہو گا۔ تو یا جملہ اسمیہ آگے آئے گا اسمِ موصول کے بعد یا جملہ فعلیہ آئے گا۔ جملہ اسمیہ آئے تو اس میں مبتدا خبر ہوتے ہیں، جملہ فعلیہ ہو تو پھر فعل اور فاعل یا نائب فاعل آئے گا۔ جی! تو «اَلَّذِي» مرفوع محلاً اسمِ موصول۔ «أَبُوهُ»، «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے، شاباش! کیونکہ صلہ آگے شروع ہو گیا بھائی۔ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اس کا رفع کیا ہے؟ واؤ ہے بھائی، اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یائے متکلم، اس کا رفع واؤ کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ اور جر یا کے ساتھ آتا ہے۔ لیکن ساری شرطیں پوری ہوں بھائی: اسمائے ستہ ہو، مکبرہ ہو، موحدہ ہو، مضافہ ہو الی غیر یائے متکلم۔ تو «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف۔ آگے «هَا» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ جی، مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا، شاباش! آگے «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، مبتدا کے لیے خبر چاہیے۔ اسمِ فاعل، اچھا اس کے آگے، آگے؟ «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ جو «أَبُوهُ» کو، شاباش!

کیونکہ خبر کو مبتدا سے جوڑتے ہیں، تو پھر اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، شاباش! جی آگے، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صلہ۔ بھائی صلہ جملہ ہے اور جملے کو آپ ربط دے رہے ہیں اسمِ موصول سے، تو عائد چاہیے؟ ہاں، یہ «أَبُوهُ» کے آخر میں جو «هَا» ضمیر ہے یہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ «اَلَّذِي» کو۔ دیکھا! یہ ضمیر اسی لیے یہ لے کر آئے کہ عائد چاہیے تھا بھائی، تو یہ عائد ہو گیا «اَلَّذِي» کی طرف۔ آگے تو مبتدا اپنے خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ صلہ، موصول صلہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو دیکھو «اَلَّذِي» فاعل ہے، لیکن اس کے ساتھ صلہ جوڑیں گے تو بات پوری ہو گی، آگے صلہ نہیں جوڑیں گے تو بات پوری نہیں، تو جب بھی اسمِ موصول آجائے آپ نے فوراً پھر آگے کس کو ملانا ہے؟ صلے کو ملانا ہے بھائی۔ جی! اب روانی سے پڑھ دیجیے: «جَاءَ الَّذِي أَبُوهُ قَائِمٌ»۔ جی، ترجمہ کیجیے: اسمِ موصول کا ترجمہ «وہ جو کہ» یا «وہ جس نے کہ» کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ آیا وہ جس کا «أَبُوهُ قَائِمٌ» جس کا باپ کھڑا ہے، آیا وہ جس کا باپ کھڑا ہے بھائی۔

▪ قولہ: «أَوْ قَامَ أَبُوهُ» کی تشریح

«أَوْ قَامَ أَبُوهُ»، جی یہ دوسری مثال ذکر کر دی: «قَامَ أَبُوهُ»، کیا بتانا چاہتے ہیں؟ اب تو آپ کو خود پتہ چل جانا چاہیے، ہاں یہ صلہ جملہ، پہلا صلہ جو گزرا «أَبُوهُ قَائِمٌ» وہ کیا تھا؟ جملہ اسمیہ۔ اب صلہ لا رہے ہیں جو جملہ فعلیہ ہو۔ تو باقی چیزیں بھی اس کے ساتھ ملاؤ، سارا ساری چیزیں انہوں نے دوبارہ ذکر نہیں کیں کیونکہ کچھ پہلے ذکر کر چکے تھے۔ تو «جَاءَ الَّذِي» بھی ساتھ ملاؤ اور آگے «قَامَ أَبُوهُ» کر دو: «جَاءَ الَّذِي قَامَ أَبُوهُ»۔ جی! جی ترکیب کیجیے: «جَاءَ» فعل، شاباش! «اَلَّذِي» مرفوع محلاً اسمِ موصول۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے، شاباش! محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے بھائی، مبنی ہے، اسمِ موصول۔ آگے «قَامَ» فعل، «أَبُو» اعراب بھائی! «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے، فاعل، ہاں کیونکہ فعل کے آنے کے بعد صرف فاعل مرفوع آتا ہے، تو مرفوع لفظاً مضاف بھائی یہ فاعل ہے۔ آگے «هَا» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل فعل کے لیے۔ جی! فعل اپنے، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ، «قَامَ أَبُوهُ»، «أَبُوهُ» فعل فاعل جو بن گیا «قَامَ» کے لیے، تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ جملہ فعلیہ ہو کر، یہ ہاں، کیا بتانا تھا؟ ربط، ہاں یہ ربط دینا تھا وہ رہ گیا تھا۔ «هَا» ضمیر «أَبُوهُ» کی «هَا» ضمیر یہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ «اَلَّذِي» اسمِ موصول کو، یہ عائد آ گیا۔ تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر یہ صلہ، موصول اپنے صلے سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو جب بھی اسمِ موصول آئے آپ نے فوراً اس کے ساتھ کس کو ملانا ہے؟ صلے کو۔

«وَالَّذِي لِلْمُذَكَّرِ»، «وَالَّذِي»، ویسے تو «وَالَّذِي» پڑھتے ہیں اسمِ موصول میں، الف ہمزہ وصلیہ گر جاتا ہے، الف لام کا ہمزہ کیا ہوتا ہے؟ وصلی، اسی کی طرح یہاں بھی وصلی ہے تو گر جائے گا۔ لیکن جہاں لفظ مراد ہو وہاں پھر ہمزہ وصلی نہیں وہ قطعی بن جائے گا۔ جیسے «مِثَالُهُ: اَلَّذِي»، یہاں الف کو نہیں گرانا، کیونکہ «اَلَّذِي» سے کیا مراد ہے؟ لفظِ «اَلَّذِي»۔ اسمِ موصول کی مثال لفظِ «اَلَّذِي» ہے اس جملے میں «جَاءَ الَّذِي»، «جَاءَ الَّذِي» یہاں الف گر جائے گا کیونکہ یہاں لفظ مراد نہیں۔ اور جبکہ «مِثَالُهُ: اَلَّذِي» میں «اَلَّذِي» کا لفظ مراد ہے۔ صورت، اور جہاں لفظ مراد ہوتا ہے وہ علم بن جاتا ہے، کیا بن جاتا ہے؟ علم۔ تو وہ جو جملوں میں «اَلَّذِي»، «اَلَّذِي» آتا رہتا ہے اس کا نام ہی ہم نے «اَلَّذِي» رکھ دیا اور یہاں بطورِ نام کے ذکر کیا۔ اور نام میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی، لہٰذا «اَلَّذِي» کا اب ہمزہ قطعی بن گیا، اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں، گرے گا نہیں۔ آپ کہیں گے ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہاں نام ہے کہاں نام نہیں؟ علامت اس کی یہ ہے کہ نام کا ترجمہ نہیں کیا جاتا، جہاں جہاں آپ اس لفظ کسی لفظ کا ترجمہ نہیں کرتے سمجھ جائیں وہاں وہ لفظ مراد ہے، علم بن چکا ہے اور وہاں اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کریں گے۔ جیسے ترجمہ کرو: «مِثَالُهُ: اَلَّذِي فِي قَوْلِنَا»، پورا جملہ ہے «مِثَالُهُ: اَلَّذِي»، «مِثَالُهُ» اس کی مثال، یعنی کس کی؟ اسمِ موصول کی مثال، اسمِ موصول کی مثال «اَلَّذِي» ہے، اسمِ موصول کی مثال «اَلَّذِي» ہے۔ آگے یہ جو جملہ آ رہا ہے نا، اس جملے کے اندر جو «اَلَّذِي» لفظ آ رہا ہے یہ اسمِ موصول کی مثال ہے۔ تو «مِثَالُهُ: اَلَّذِي»، اسمِ موصول کی مثال «اَلَّذِي» ہے، دیکھا! بھائی «اَلَّذِي» کا تو ترجمہ «وہ جو کہ»، ترجمہ نہیں آپ کر رہے، معلوم ہوا یہاں کیا مراد ہے؟ لفظ مراد ہے۔ جیسے آپ کہتے ہیں «ضَرَبَ فِعْلٌ»، «ضَرَبَ» کیا ہے؟ فعل ہے۔ «ضَرَبَ» کا ترجمہ نہیں کر رہے: اس نے پٹائی کی زمانہ ماضی میں، نہیں، ترجمہ نہیں کر رہے۔ یا آپ کہتے ہیں «مِنْ حَرْفٌ»، کیا؟ «مِنْ حَرْفٌ»، دیکھا! «مِنْ» کا آپ ترجمہ نہیں کر رہے، معلوم ہوا یہ «مِنْ» علم ہے، وہ جو لفظوں کی عبارتوں میں «مِنْ»، «مِنْ» آتا ہے اس کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ «مِنْ»، اور نام رکھ کر استعمال کر لیا، علم ہے اس لیے معرفہ اور مبتدا بن رہا ہے اور «حَرْفٌ» اس کی خبر ہے۔ اسی طرح «ضَرَبَ فِعْلٌ»، «ضَرَبَ» کیا ہے؟ فعل ہے، علم ہے، نام ہے اور فعل ہے آگے اس کی خبر نکرہ ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو آپ خود غور کرتے جاؤ، جہاں جہاں آپ کسی لفظ کا ترجمہ نہیں کرتے

معلوم ہو اوہاں لفظ مراد ہے، اور اگر لفظ مراد ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے۔

اور اب اسمِ موصول کون کون سے ہیں وہ اب آپ کو بتلانے لگے ہیں: کہتے ہیں: «وَالَّذِي لِلْمُذَكَّرِ»، اور «اَلَّذِي» کس لیے آتا ہے اسمِ موصول؟ واحد مذکر کے لیے۔ «وَاللَّذَانِ وَاللَّذَيْنِ لِمُثَنَّاهُ»، اور «اَللَّذَانِ» اور «اَللَّذَيْنِ»، اس کو «اَلَّذِينَ» نہ پڑھنا، «اَللَّذَيْنِ» تثنیہ ہے، «وَاللَّذَانِ وَاللَّذَيْنِ لِمُثَنَّاهُ»، اَیْ لِمُثَنَّاهُ، «هَا» ضمیر کس کو راجع؟ مذکر کو، اَیْ لِمُثَنَّى الْمُذَكَّرِ، اور «اَللَّذَانِ» اور «اَللَّذَيْنِ» مذکر کے تثنیہ کے لیے ہے۔ «وَالَّتِي لِلْمُؤَنَّثِ»، اور «اَلَّتِي» اسمِ موصول واحد مونث کے لیے۔ «وَاللَّتَانِ وَاللَّتَيْنِ لِمُثَنَّاهَا»، اور «اَللَّتَانِ» اور «اَللَّتَيْنِ» مونث کی، مونث کی تثنیہ کے لیے ہے۔ «وَالَّذِينَ»، اب «اَلَّذِينَ» آیا بھائی، پہلے «اَللَّذَيْنِ» تھا، «وَالَّذِينَ»، اور «اَلَّذِينَ»۔ «وَالْأُولَى»، اس کو «أُولَى» پڑھنا بھائی «أُولَى»، الف پر پیش ہے، «وَالْأُولَى لِجَمْعِ الْمُذَكَّرِ»، اور «اَلَّذِينَ» اور «أُولَى» یہ جمع مذکر کے لیے ہیں۔ یہ «أُولَى» اسمِ موصول ہے یاد رکھنا بھائی، یہ سب اسمِ موصول چل رہے ہیں، تو «اَلَّذِينَ» بھی جمع مذکر کے لیے اور «أُولَى» بھی جمع مذکر کے لیے۔

اور ایک اور قیمتی بات: رسم الخط دیکھیں بھائی، ایک «اَللَّذَيْنِ» تھا، ایک «اَلَّذِينَ» ہے۔ «اَلَّذِينَ» اور «اَللَّذَيْنِ»، اگر زیر زبر نہ ہو تو پتہ ہی نہ چلے کہ اس کو «اَلَّذِينَ» پڑھنا ہے یا «اَللَّذَيْنِ» پڑھنا ہے۔ تو دونوں چونکہ صورتاً ایک جیسے تھے، تو علماء نے ان دونوں میں فرق کرنے کے لیے جو تثنیہ ہے اس میں دو لام لکھتے ہیں، تو «اَللَّذَيْنِ»، دیکھا! اس میں کتنے لام ہیں؟ دو، اور «اَلَّذِينَ» میں ایک ہی لام مشدد ہے بھائی۔ تو یہ رسم الخط کا فرق دونوں میں آ گیا، اب چاہے زیر زبر نہ بھی ڈلے ہوں پھر بھی دو لام آئیں گے تو آپ سمجھ جائیں گے کیا پڑھنا ہے؟ «اَللَّذَيْنِ»، اور ایک لام ہو تو سمجھ جائیں گے کہ کیا پڑھنا ہے؟ «اَلَّذِينَ» بھائی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو مبنی کی بحث چل رہی ہے بھائی، اور «اَللَّذَانِ» اور «اَللَّذَيْنِ» یہ دونوں تثنیہ مذکر کے لیے استعمال ہوتے ہیں، «اَللَّذَانِ» حالتِ رفعی میں اور «اَللَّذَيْنِ» حالتِ نصبی اور جری میں۔ تو یہ تو پھر اسمِ موصول کو تو معرب ہونا چاہیے، کیونکہ حالتِ رفعی میں کیا ہے؟ «اَللَّذَانِ»، جیسے تثنیہ ہوتا ہے «رَجُلَانِ»، اور حالتِ نصبی جری میں کیا ہے؟ «اَللَّذَيْنِ»، جیسے «رَجُلَيْنِ»۔ تو جواب پیچھے گزر چکا ہے بھائی، کیا جواب دیں گے اس کا آپ؟ کہ بھائی یہ، یہ «اَللَّذَانِ» اور «اَللَّذَيْنِ» یہ دونوں الگ الگ لفظ ہیں بھائی۔ معرب میں تو کیا ہوتا تھا؟ وہی الف یا سے بدلتا تھا: «رَجُلَانِ»، یہی اسی کا الف حالتِ نصبی جری میں کس سے بدل جاتا ہے؟ یا سے۔ جبکہ «اَللَّذَانِ» اور «اَللَّذَيْنِ» میں ایسا نہیں ہے، «اَللَّذَانِ» الگ لفظ ہے، «اَللَّذَيْنِ» الگ لفظ ہے۔ اسی لیے دیکھا دونوں کو الگ الگ شمار بھی اسی لیے کر رہے ہیں، اگر ایک ہی لفظ ہوتا تو صرف «اَللَّذَانِ» ذکر کر دیتے «اَللَّذَانِ»، اور پھر کہہ دیتے کہ حالتِ نصبی جری میں کیا ہوتا ہے اس کی الف کس سے بدلتا ہے؟ یا سے۔ لیکن دونوں کو الگ الگ شمار کیا، معلوم ہوا یہ دونوں الگ الگ لفظ ہیں، جیسے پیچھے آیا تھا بھائی «ذَانِ» اور «ذَيْنِ» اور «تَانِ» اور «تَيْنِ» اسمِ اشارہ کے اندر، وہاں بھی میں نے آپ کو بتایا تھا کہ یہ دونوں الگ الگ لفظ ہیں بھائی۔ «اَللَّذَانِ» الگ لفظ، «اَللَّذَيْنِ» الگ لفظ، ہاں مواقع الگ ہیں، ان کو استعمال کہاں کرنا ہے؟ حالتِ رفعی ہو یعنی رفع کا مقام ہو وہاں «اَللَّذَانِ» استعمال کرنا، حالتِ نصبی جری ہو تو «اَللَّذَيْنِ» استعمال کرنا۔ تو یہاں ایسا نہیں ہے کہ وہی الف یا سے بدل جائے بلکہ الف والا لفظ ہی الگ ہے اور یا والا لفظ ہی الگ، اور تثنیہ کے ساتھ جو اس کی مشابہت آئی وہ اتفاقاً آ گئی ہے تثنیہ کے ساتھ۔ اسی طرح «اَللَّتَانِ» اور «اَللَّتَيْنِ»، یہ بھی دونوں الگ الگ لفظ ہیں اسی لیے دونوں کو الگ الگ شمار کیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ جواب سمجھ میں آیا بھائی؟ جی۔

آگے دیکھیے بھائی: «وَاللَّاتِي وَاللَّوَاتِي وَاللَّاءِ وَاللَّائِي لِجَمْعِ الْمُؤَنَّثِ»، یہ چاروں لفظ جمع مونث کے لیے ہیں: «اَللَّاتِي»، «اَللَّوَاتِي»، «اَللَّاءِ»، اور «اَللَّائِي» یا بھی ہے ذرا ہمزہ کو لمبا کر دیں گے۔ یہ کس کے لیے ہیں؟ جمع مونث کے لیے۔ اسی طرح «وَمَا وَمَنْ»، «مَا» اور «مَنْ» یہ بھی اسمائے موصولہ ہیں بھائی اسمائے موصولہ۔ البتہ «مَا» جو ہے وہ غیر ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے، جبکہ «مَنْ» جو ہے وہ ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ «مَا» کس کے لیے؟ غیر ذوی العقول کے لیے، اور «مَنْ» ذوی العقول یعنی جو عقل والے ہیں۔ اور عقل والے یاد رکھیے بھائی تین مخلوقات ہیں بھائی: انسان، جنات اور فرشتے۔ انسان، جنات اور فرشتے یہ ذوی العقول ہیں، عقل والے ہیں۔ جبکہ ان کے علاوہ اور جتنی مخلوقات ہیں وہ سب غیر ذوی العقول ہیں بھائی۔ یہ پتھر، یہ درخت وغیرہ یہ چیزیں کیا ہیں؟ غیر ذوی العقول ہیں بھائی۔ تو ذوی العقول کے لیے کیا استعمال کرتے ہیں؟ «مَنْ»، اور غیر ذوی العقول کے لیے «مَا»۔ تو البتہ ہاں، ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ البتہ «مَا» ہے کس کے لیے؟ غیر ذوی العقول کے لیے، اور «مَنْ» ہے ذوی العقول کے لیے، لیکن ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ «وَأَيٌّ وَأَيَّةٌ»، اور اسی طرح «أَيٌّ» اور «أَيَّةٌ» یہ بھی اسمائے موصولہ ہیں۔

▪ قولہ: «وَذُو بِمَعْنَى الَّذِي فِي لُغَةِ بَنِي طَيٍّ» کی تشریح

«وَذُو بِمَعْنَى الَّذِي فِي لُغَةِ بَنِي طَيٍّ»، اور وہ «ذُو» جو «اَلَّذِي» کے معنی میں ہوتا ہے قبیلہ طے کی لغت میں، قبیلہ بنو طے کی لغت، ان کی زبان میں۔ بھائی «ذُو»، «ذُو» بمعنی صاحب کے، «ذُو» بمعنی والا والا، آپ کہتے ہیں «ذُو مَالٍ»، کیا معنی ہوتا ہے؟ مال والا، تو دیکھا «ذُو» بمعنی والا اور صاحب کے استعمال ہوتا ہے، لیکن یہ یہ وہ والا «ذُو» نہیں ہے۔ تو قبیلہ طے جو ہے عرب کا ایک قبیلہ ہے ان کی زبان میں لفظِ «ذُو» استعمال ہوتا ہے اور یہ اسم موصول ہے اور کس معنی میں ہے؟ «اَلَّذِي» کے معنی میں، اور یہ اسی طرح «ذُو» رہتا ہے، یعنی اس میں وہاں تو تھا نا «ذُو مَالٍ» حالتِ رفعی میں، حالتِ نصبی میں «ذَا مَالٍ»، حالتِ جری میں «ذِي مَالٍ»، وہی واؤ الف سے اور کبھی یا سے بدلتا ہے، اور یہ «ذُو» ایسا نہیں، یہ اسم موصول ہے، یہ مبنی ہے، یہ تینوں حالتوں میں اسی طرح واؤ کے ساتھ رہے گا۔ اور قبیلہ طے عرب کا مشہور قبیلہ ہے بھائی، اسی قبیلے سے حاتم طائی گزرا ہے، مشہور سخی آدمی بھائی جس کی سخاوت ضرب المثل بن چکی ہے اور جب بھی کسی کی بے انتہا سخاوت بتلانا مقصد ہو تو کیا کہتے ہیں کہ یہ شخص تو حاتم طائی ہے بھائی۔ تو حاتم طائی یہ اسلام سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے کچھ ہی پہلے گزرا ہے اور ان کے بیٹے جو تھے وہ اسلام لے کر آئے بھائی، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں بھائی۔ اور جو حاتم طائی تھے یہ اس ان کا پہلے ہی انتقال ہو گیا تھا بھائی، اور بہت سخی آدمی تھا۔ پورے عرب میں ان کا نام ضرب المثل تھا سخاوت کے اندر۔ اور علماء فرماتے ہیں یہ اہلِ ایمان میں سے تھا، کس میں سے؟ اہلِ ایمان میں سے، کیونکہ اس وقت تک ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے تھے، اسلام مذہب نہیں تھا، اور اسلام سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین حق تھا، اور یہ جو حاتم طائی تھا یہ بھی کیا تھا؟ عیسائی تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب پر تھا اور اہلِ ایمان میں سے تھا بھائی۔ تو ان کے بیٹے مشہور صحابی ہیں بھائی۔ تو یہ «ذُو»، «وَذُو بِمَعْنَى الَّذِي فِي لُغَةِ بَنِي طَيٍّ»، اور وہ «ذُو» جو «اَلَّذِي» کے معنی میں ہو بنو طے کی لغت میں، «كَقَوْلِ الشَّاعِرِ» جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے، اب یہ قبیلہ طے کا کوئی شاعر ہے بھائی اس نے شعر کہا ہے اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ نحو کے اندر بطورِ دلیل کے شعراء کے کلام کو، ان کے اشعار کو ذکر کیا جاتا ہے۔ اور کس کون سے؟ ہر شاعر نہیں، وہ جو شعراء جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے پہلے گزرے یا جو پہلی صدی ہجری تک گزرے بھائی، بعد والے شعراء کے کلام کو بطورِ دلیل کے ذکر نہیں کیا جاتا بھائی۔ تو وہ شاعر کہتا ہے اور اس نے لفظِ «ذُو» استعمال کیا ہے اپنے کلام کے اندر، اور یہ «ذُو» کس معنی میں ہے؟ «اَلَّذِي» کے معنی میں ہے۔

«فَإِنَّ الْمَاءَ مَاءُ أَبِي وَجَدِّي ... وَبِئْرِي ذُو حَفَرْتُ وَذُو طَوَيْتُ» «فَإِنَّ الْمَاءَ»، پس بے شک پانی جو ہے، «مَاءُ أَبِي وَجَدِّي»، وہ میرے باپ کا اور میرے دادا کا پانی ہے۔ بھائی یہ کوئی شاعر تھا اس کا کسی سے کوئی جھگڑا چل رہا تھا کسی کنویں وغیرہ کے بارے میں۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا یہ ہمارا کنواں ہے اور یہ کیا کہتا تھا؟ نہیں یہ ہمارا کنواں ہے۔ تو اسی پر اس شاعر نے یہ شعر کہا بھائی: «فَإِنَّ الْمَاءَ مَاءُ أَبِي وَجَدِّي»، پس بے شک یہ پانی جو ہے میرے باپ اور میرے دادا کا پانی ہے، «وَبِئْرِي ذُو حَفَرْتُ»، اَي الَّذِي حَفَرْتُ، اور میرا کنواں، «بِئْرِي»، بئر کنویں کو کہتے ہیں اور یا متکلم کی، «وَبِئْرِي» اور میرا کنواں وہ جو «ذُو حَفَرْتُ» اَي الَّذِي حَفَرْتُ جس کو میں نے کھودا ہے، «وَذُو طَوَيْتُ»، اور وہ جس کو میں نے جس کو میں نے پتھروں سے گول بنایا ہے۔ «حَفَرَ» کے معنی ہوتے ہیں کھودنے کے۔ کنواں کس طرح بنایا جاتا ہے؟ پہلے زمین میں کھدائی کی جاتی ہے اور کھدائی کرنے کے بعد اس کو اسی طرح چھوڑ دیتے ہیں؟ یا اوپر سے نیچے تک کنویں کی ساری دیواروں میں پتھر لگا کر اس کو گول بنایا جاتا ہے؟ پتھر لگائے جاتے ہیں، ظاہر سی بات ہے، نہیں تو وہ کنواں تو کیا ہے؟ چند دن میں گر جائے گا واپس۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو گویا اس کی دیوار اس کنویں کی جو اطراف میں ہیں اطراف دیواریں ہیں گولائی میں ان میں پتھر لگا دیے جاتے ہیں اوپر سے نیچے تک اور گول بنا دیا جاتا ہے، اس کو کہتے ہیں طویٰ، طویٰ یطوی، یہ جو پتھروں کے ذریعے کنویں کو گول کیا جاتا ہے اس کی دیوار بنائی جاتی ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ طویٰ۔

تو کہتے ہیں: «فَإِنَّ الْمَاءَ مَاءُ أَبِي وَجَدِّي»، پس بے شک وہ پانی جو ہے میرے باپ اور میرے دادا کا پانی ہے، «وَبِئْرِي ذُو حَفَرْتُ وَذُو طَوَيْتُ»، اور میرا کنواں جو ہے «ذُو حَفَرْتُ» وہ جس کو میں نے کھودا ہے، «وَذُو طَوَيْتُ» اور وہ جس کو میں نے پتھروں سے گول بنایا ہے۔ تو دیکھیے اس شعر کے اندر «ذُو» آیا اور یہ «ذُو» کس معنی میں ہے؟ «اَلَّذِي»، خود بتلا رہے ہیں: «أَي الَّذِي حَفَرْتُهُ وَالَّذِي طَوَيْتُهُ»، دیکھا «ذُو»، باقی سارا کلام وہی ہے، «ذُو» کی جگہ صرف کیا لگا دیا؟ «اَلَّذِي» لگا دیا۔ اور نیز «حَفَرْتُهُ»، یہ «هَا» ضمیر بھی ساتھ محذوف نکال لی۔ شعر کے اندر تو یہ ذکر نہیں ہے، کیونکہ شعر میں اگر یہ ضمیر ذکر کرتے تو پھر تو وزن سارا خراب ہو جاتا، تو یہ عائد جو ہے مفعول کی ضمیر تھی اس کو حذف کیا گیا تھا شعر میں، اور عائد تو ضروری تھا تو اب آگے جب اس کی معنی کرنے لگے تو وہاں اس ضمیر کو نکال کر بتلا دیا: «أَي الَّذِي حَفَرْتُهُ وَالَّذِي طَوَيْتُهُ»۔ تو یہ «هَا» ضمیر کیا ہے؟ یہ مفعول ہے اور یہ وہ عائد ہے بھائی، بغیر عائد کے صلہ آئے گا؟ نہیں بھائی، تو صلے کے لیے تو عائد بھی تو چاہیے موصول کے ساتھ جوڑنے کے لیے، تو یہ عائد ہے

بھائی۔ «أَيِ الَّذِي حَفَرْتُهُ»، وہ جو کہ «حَفَرْتُهُ» میں نے کھودا اس کو، «وَالَّذِي طَوَيْتُهُ»، اور وہ جس کو وہ جو کہ «طَوَيْتُهُ» میں نے پتھروں سے گول بنایا اس کو، معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟

«وَالْأَلِفُ وَاللَّامُ بِمَعْنَى الَّذِي صِلَتُهُ اسْمُ الْفَاعِلِ وَاسْمُ الْمَفْعُولِ نَحْوُ: جَاءَنِي الضَّارِبُ زَيْدًا»، بھائی یہ قیمتی بات آئی۔ یاد رکھو! میں پہلے بھی اس بات کی طرف کئی جگہ اشارہ کر چکا ہوں، اور وہ یہ کہ یہ جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول، اسمِ فاعل کیا ہے؟ ضارب، مانع، فاتح۔ ایک تو ہوتا ہے نافاعل، فاعل کسے کہتے ہیں؟ جسے فعل یا صفت کا صیغہ رفع دیتا ہے۔ اور اسمِ فاعل کسے کہتے ہیں؟ وہ مخصوص صیغہ جو آپ نے گردانوں میں پڑھا۔ اور ایک ہوتا ہے مفعول اور ایک ہوتا ہے اسمِ مفعول، مفعول کسے کہتے ہیں؟ جس کو فعل یا صفت کا صیغہ نصب دے، اور اسمِ مفعول؟ وہ گردانوں میں مخصوص صیغہ آپ نے پڑھا۔ تو یہ جو اسمِ فاعل ہے اور اسمِ مفعول، یعنی ضارب اور مضروب، مانع اور ممنوع، مکرم اور مکرم، مستخرج اور مستخرج، ان پر جو الف لام آتا ہے یاد رکھیے یہ بھی اسمِ موصول ہوتا ہے۔ «اَلضَّارِبُ»، یہ الف لام جو آیا یہ ہے «اَلَّذِي»، صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور «ضَارِبٌ» بمعنی «يَضْرِبُ» کے ہے۔ تو «اَلضَّارِبُ» کا معنی کرو عربی میں: «اَلضَّارِبُ: اَلَّذِي يَضْرِبُ»، وہ جو پٹائی کرتا ہے۔ «اَلْمَضْرُوبُ»، اس کا ترجمہ کرو: «اَلَّذِي يُضْرَبُ»، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو «اَلضَّارِبُ» کس معنی میں ہوا؟ «اَلَّذِي يَضْرِبُ»، اور «اَلْمَضْرُوبُ» کس معنی میں ہوا؟ «اَلَّذِي يُضْرَبُ»، فعل مجہول لے آئے بھائی۔ تو یہ جو الف لام داخل ہوتا ہے اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول پر یہ بھی دراصل اسمِ موصول ہوتا ہے بھائی۔ یہ کیا ہوتا ہے؟ اسمِ موصول ہوتا ہے۔ اور آگے، دیکھو «اَلضَّارِبُ»، الف لام تو اسمِ موصول ہوا اور آگے جو «ضَارِبٌ» آیا یہ صلہ ہے اسمِ موصول کا، توجہ ہے؟ یہ اسمِ موصول کا صلہ ہے۔ «اَلْمَضْرُوبُ»، اس میں «اَلْ»، یہ جو الف لام ہے یہ تو کیا ہے؟ اسمِ موصول، اور «مَضْرُوبٌ» کیا ہے؟ یہ اس موصول کا صلہ ہے۔

سوال: آپ مجھے بتائیے «ضَرَبَ» یہ جملہ بنے گا یا یہ مفرد ہو گا؟ «ضَرَبَ»، جب فعل اپنے فاعل کے ساتھ مل جائے تو یہ کیا بنتا ہے؟ جملہ ہوتا ہے۔ اور «قَائِمٌ» اور «ضَارِبٌ» یہ کیا ہے؟ یہ مفرد ہے، اس لیے ان کو شبہ جملہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ شبہ جملہ، تو یہ جملہ تو نہیں ہے۔ تو سوال: «اَلضَّارِبُ»، الف لام تو اسمِ موصول ہوا، «ضَارِبٌ» یہ تو شبہ جملہ صلہ بن گیا، اور آپ نے تو ہمیں بتایا تھا کہ صلے کا جملہ ہونا ضروری ہے۔ سوال سمجھ میں آیا؟ کیا؟ کہ موصول کا صلہ تو ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ جملہ، اور یہاں تو یہ مفرد صلہ بن رہا ہے، الف لام ہوا اسمِ موصول، «اَلْ» اسمِ موصول ہے اور «ضَارِبٌ» یہ شبہ جملہ کیا بنے گا؟ صلہ، تو یہ جملہ تو نہ ہوا، اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا تھا موصول کا صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے۔ اسی طرح «اَلْمَضْرُوبُ»، «اَلْ» الف لام جو ہے یہ تو کیا ہے؟ اسمِ موصول، اور «مَضْرُوبٌ» یہ تو شبہ جملہ ہے، جملہ تو نہیں ہے، تو شبہ جملہ کیا بن رہا ہے؟ صلہ بن رہا ہے۔

جواب: کہ ہاں، آپ کی بات ٹھیک ہے، لیکن یہاں مجبوری کی بناء پر ایسا کیا گیا۔ مجبوری یہ کہ یہاں اسمِ موصول الف لام کی صورت میں آیا۔ کیا مجبوری؟ کہ اسمِ موصول کی شکل کیا بن گئی یہاں؟ الف لام والی، اور الف لام تو مفرد پر داخل ہوتا ہے، کبھی بھی جملے پر داخل نہیں ہوتا۔ «اَلرَّجُلُ»، دیکھو الف لام رجل پہ داخل ہوا، رجل جملہ ہے یا مفرد ہے؟ مفرد۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور اسی طرح «اَلْكِتَابُ»، کتاب مفرد ہے یا جملہ؟ مفرد ہے۔ تو دیکھو الف لام مفرد پہ داخل ہوتا ہے، کس پر؟ مفرد پر۔ تو یہاں پر بھی «اَلضَّارِبُ» میں بھی یہ اس کا صلہ جو ہے وہ جملے کے بجائے کس صورت میں آیا؟ شبہ جملہ۔ وجہ اس کی یہ کہ یہاں اسمِ موصول الف لام کی صورت میں آیا اور یہ الف لام کس کی طرح ہے؟ الف لام حرفی کی طرح ہے۔ اچھا تو یہاں اسمِ موصول الف لام کی صورت میں آیا اور الف لام تو کس پر داخل ہوتا ہے؟ مفرد پر۔ لہٰذا اس کے صلے کو بھی ہم نے مفرد والی صورت دے دی تاکہ اس پر الف لام داخل ہو سکے، ورنہ تو داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ تو لہٰذا تھا تو یہ «اَلضَّارِبُ»، دیکھو اصل میں تھا «اَلَّذِي يَضْرِبُ»، «اَلضَّارِبُ» اصل میں کیا تھا؟ «اَلَّذِي يَضْرِبُ»۔ «اَلَّذِي» کو ہم نے الف لام والی صورت دے دی، «اَلْ»، «اَلْ»، اور آگے اب «اَلْ يَضْرِبُ» تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ الف لام تو فعل پہ نہیں داخل ہوتا، تو پھر اس «يَضْرِبُ» کو مجبوراً کون سی صورت دے دی؟ ضارب والی، تو کیا بن گیا؟ «اَلضَّارِبُ»۔ تو «اَلضَّارِبُ» دراصل کیا ہے؟ «اَلَّذِي يَضْرِبُ»، اور «اَلْمَضْرُوبُ» دراصل کیا ہے؟ «اَلَّذِي يُضْرَبُ»، صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور اسی وجہ سے «اَلضَّارِبُ»، توجہ ہے سبق کی طرف؟ پہلا اشکال کیا ہوا کہ اسمِ موصول کا صلہ تو جملہ ہوتا ہے اور یہاں تو کیا آیا؟ شبہ جملہ۔ جواب کیا دیا کہ یہاں چونکہ اسمِ موصول کس صورت میں آ گیا تھا؟ الف لام، اور الف لام تو کس پر داخل ہوتا ہے؟ مفرد پر۔ تو اس کے صلے کو بھی کون سی صورت دے دی؟ مفرد والی صورت ہمیں دینی پڑی بھائی، یہ اشکال حل ہو گیا۔ دوسرا اشکال: «اَلضَّارِبُ» میں معلوم ہوا ضارب کے الف لام کیا ہے؟ اسمِ موصول، «اَلضَّارِبُ» میں الف لام کیا ہے؟ اسمِ موصول، اور «ضَارِبٌ» کیا ہے؟ یہ صلہ ہے، اور آپ نے ہمیں بتایا تھا صلے کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہوتا۔ حالانکہ آگے اس صلے پر تو رفع بھی آتا ہے، نصب بھی آتا ہے، جر بھی: «جَاءَنِي الضَّارِبُ»، «رَأَيْتُ الضَّارِبَ»، «مَرَرْتُ بِالضَّارِبِ»۔ یہ ضارب تو صلہ

ہے نا اور صلے کا تو کوئی محلے اعراب نہیں ہوتا، محلے اعراب نہیں ہوتا۔ تو پھر اس پر یہ رفع، نصب، جر کیوں آیا؟ جواب: بھائی چونکہ بات وہی، چونکہ اسم موصول الف لام کی صورت میں آگیا تھا، کس صورت میں؟ الف لام، اور الف لام پر الف لام کی حرف جیسی صورت ہوگئی، اور حرف پر تو حرف پر تو اعراب نہیں آتا، لہٰذا اسی الف لام والا اعراب آگے صلے کی طرف منتقل ہوگیا۔ الف لام کیا ہے؟ بھائی دیکھو نا دیکھو نا، ایک یہ الف لام ہے اسم موصول، ایک اور الف لام بھی ہوتا ہے جو کسی لفظ کو معرفہ بنانے کے لیے لاتے ہیں: «اَلرَّجُلُ»، پہلے تھا «رَجُلٌ» نکرہ، پھر اس پر میں کیا لے آیا؟ الف لام، تو کیا بن گیا؟ «اَلرَّجُلُ»، یہ معرفہ بن گیا۔ یہ الف لام حرف ہے، یہ الف لام کیا ہے؟ حرف، یہ کسی لفظ کو معرفہ بنانے کے لیے لاتے ہیں۔ جبکہ یہ جو الف لام ہم اس وقت پڑھ رہے ہیں یہ اسم فاعل اور اسم مفعول پہ جو داخل ہوتا ہے اس کی بات چل رہی ہے، ہر الف لام کی نہیں۔ وہ جو الف لام تھا «اَلرَّجُلُ» پہ داخل ہوا تھا اس کو کہتے ہیں الف لام حرفی، وہ حرف ہے، اور اس الف لام، یہ جو «اَلضَّارِبُ» پر الف لام آیا اس کو کہتے ہیں الف لام اسمی، کیونکہ یہ اسم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ اسم موصول ہے، ابھی تو بتا رہے ہیں یہ آپ کو کہ یہ اسم موصول ہے۔ اور وہ تو اس اسم موصول کی مشابہت آگئی کس کے ساتھ؟ اس حرفی الف لام حرفی کے ساتھ، اور الف لام حرفی پر تو اعراب نہیں آتا، لہٰذا اس پر بھی اعراب نہیں آیا بلکہ کدھر منتقل ہوگیا؟ آگے صلے کی طرف منتقل ہوگیا۔ تو یہ دراصل اسی کا اپنا اعراب تھا جیسے دیکھو «جَاءَنِي الضَّارِبُ»، کتاب میں کیا لکھا ہے؟ «جَاءَنِي الضَّارِبُ»۔ اس میں دیکھو «جَاءَ» کے لیے «اَلضَّارِبُ» فاعل بن رہا ہے، اور فاعل کون ہے؟ الف لام ہے، الف لام یہ اسم موصول ہے، یہ فاعل، لیکن یہ چونکہ حرف کی صورت میں ہے اور اس پر تو رفع آ نہیں سکتا، تو وہی رفع کس کی طرف چلا گیا؟ صلے کی طرف، «ضَارِبُ» پر رفع ظاہر ہوگیا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی، اچھی طرح؟ جی۔

تو اب دیکھیے بھائی کتاب پر، کہتے ہیں: «وَالْأَلِفُ وَاللَّامُ بِمَعْنَى الَّذِي»، اور وہ الف اور لام جو «اَلَّذِي» کے معنی میں ہوتا ہے، «صِلَتُهُ اسْمُ الْفَاعِلِ وَاسْمُ الْمَفْعُولِ»، اس کا صلہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہوتا ہے، «نَحْوُ: جَاءَنِي الضَّارِبُ زَيْدًا»، «اَيِ الَّذِي يَضْرِبُ زَيْدًا۔ «أَيِ الَّذِي»، یہ «اَلَّذِي» کے ساتھ «اَلضَّارِبُ» کا ترجمہ کر رہے ہیں۔ شروع میں «جَاءَنِي» اس کے بھی لگا دو، پہلا کیا جملہ ہے؟ «جَاءَنِي الضَّارِبُ زَيْدًا»، اسی کا معنی آگے بیان کر دیا «أَيِ» یعنی کہ، «أَيْ» کا کیا ہے معنی؟ یعنی۔ یعنی کہ «جَاءَنِي الَّذِي يَضْرِبُ زَيْدًا»، «جَاءَنِي» شروع میں لگا دو نا «اَلَّذِي يَضْرِبُ»، «جَاءَنِي الَّذِي يَضْرِبُ زَيْدًا»۔ اچھا، ترکیب کیجیے: «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ الف لام اسم موصول، اعراب: الف لام مرفوع محلاً اسم موصول، ہاں کہو اسی طرح: الف لام مرفوع محلاً اسم موصول۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے، ہاں۔ آگے «ضَارِبُ» مرفوع، ہاں اعراب اسی طرح بتاؤ کیونکہ یہی وہی اعراب ادھر منتقل ہوگیا، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو «ضَارِبُ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ ہاں ہاں! الف لام کو، یہ صلہ ہے، صلے کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصول سے، تو «هُوَ» ضمیر راجع ہے الف لام کو۔ اور «زَيْدًا» یہ کیا ہے؟ منصوب لفظاً کیوں؟ منصوب لفظاً، منصوب کیوں؟ مفعول، مفعول کس کے لیے؟ «ضَارِبُ» کے لیے، شاباش! تو «ضَارِبُ» اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو الف لام کو راجع، اور «زَيْدًا» منصوب لفظاً اس کا مفعول بہ، کیونکہ میں نے بتایا تھا صفت کے صیغے وہی عمل کرتے ہیں جس طرح ان کے فعل عمل کرتے ہیں۔ تو اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر فاعل «جَاءَ» کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ایک طریقہ یہ ہے، آپ اسی طرح ترکیب کر لیں اسی طرح جیسے ابھی ہم نے کی۔ ایک طریقہ یہ ہے وہ جو الف لام اور اسم فاعل ہے اس کو کھول لیں، «اَلضَّارِبُ» کس معنی میں ہے؟ «اَلَّذِي يَضْرِبُ»، تو یوں تو کر لو: «جَاءَنِي الَّذِي يَضْرِبُ زَيْدًا»، اب ترکیب کرو بھائی: «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «اَلَّذِي» مرفوع محلاً اسم موصول، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ اچھا آگے «يَضْرِبُ» فعل، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو راجع ہے «اَلَّذِي» کو، «زَيْدًا» منصوب لفظاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ تو یہ اسی کی ہم ترکیب کر رہے ہیں، آپ سے کسی نے کہا «جَاءَنِي الضَّارِبُ زَيْدًا» کی ترکیب کرو، تو آپ چاہے سیدھی سیدھی ترکیب کر دیں جیسے میں نے پہلے بتایا، یا چاہیں تو اس طرح کر دیں، آپ یوں کہیں کہ «جَاءَنِي الضَّارِبُ زَيْدًا» یہ دراصل ہے «جَاءَنِي الَّذِي يَضْرِبُ زَيْدًا» اور پھر ترکیب شروع کر دیں، صورت سمجھ میں آگئی۔

▪ قولہ: «أَوْ جَاءَنِي الْمَضْرُوبُ غُلَامُهُ» کی تشریح

«أَوْ جَاءَنِي الْمَضْرُوبُ غُلَامُهُ»، اچھا پہلے ترجمہ تو کر، پہلے ترجمہ کر لیں: «جَاءَنِي الضَّارِبُ زَيْدًا»، آیا میرے پاس، «اَلَّذِي» وہ جو کہ،

«يَضْرِبُ زَيْدًا» جو پٹائی کرتا ہے زید کی، آیا میرے پاس وہ جو کہ پٹائی کر رہا ہے زید کی۔ «أَوْ جَاءَنِي الْمَضْرُوبُ غُلَامُهُ»، جی ترکیب کیجیے: «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، الف لام اعراب: مرفوع محلاً اسم موصول، آگے «مَضْرُوبُ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم مفعول، جی۔ آگے؟ بھائی فعل کے آنے کے بعد صرف فاعل مرفوع آتا ہے، اسم فاعل کے آنے کے بعد بھی فاعل ہی مرفوع آئے گا، اسم مفعول کے بعد صرف نائب الفاعل، بھائی فعل معروف کے آنے کے بعد صرف فاعل مرفوع آتا ہے اور فعل مجہول کے آنے کے بعد صرف نائب الفاعل مرفوع آتا ہے، باقی سب منصوبات، مجرورات ہوتے ہیں۔ اسی طرح صفت کے صیغوں میں بھی ہے، اسم فاعل کے بعد صرف فاعل مرفوع آئے گا اور اسم مفعول کے بعد صرف نائب الفاعل۔ تو آگے «غُلَامُهُ» مرفوع ہے، پتہ چل گیا یہ کیا ہے؟ نائب الفاعل ہے کس کے لیے؟ مضروب کے لیے۔ جی تو «مَضْرُوبُ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم مفعول، «غُلَامُ» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ نائب الفاعل ہے اسم مفعول کے لیے۔ اور لفظاً کیوں؟ کیونکہ رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ ہاں اس کے ساتھ ضمیرِ متصل جڑی ہوئی ہے، شاباش! تو «غُلَامُ» مرفوع لفظاً مضاف، آگے «هَا» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر نائب الفاعل ہوا کس کے لیے؟ مضروب کے لیے۔ «مَضْرُوبُ» اسم مفعول اپنے نائب الفاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر موصول کا صلہ۔ سوال: عائد تو کوئی بتایا نہیں آپ نے؟ ہاں، «غُلَامُهُ» کی «هَا» ضمیر بھائی، وہ کس کو راجع ہے؟ الف لام اسم موصول کو۔ تو اسم مفعول اپنے نائب الفاعل سے مل کر، تو اسم مفعول اپنے نائب الفاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر موصول کا صلہ، اسم موصول اپنے صلے سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ یہ تو ایک صورت تھی، دوسری صورت میں نے بتائی کہ اس جملے کو پہلے کھول لیں پھر ترکیب کریں، کیسے؟ «جَاءَنِي الَّذِي يُضْرَبُ غُلَامُهُ»، جی کیجیے: «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «اَلَّذِي» مرفوع محلاً اسم موصول، آگے «يُضْرَبُ» فعل، «غُلَامُ» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ نائب الفاعل ہے، آگے «هَا» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، جو لوٹ رہی ہے «اَلَّذِي» کو، یہ عائد انہوں نے بتلا دیا، اسم تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر نائب الفاعل ہوا کس کے لیے؟ «يُضْرَبُ» کے لیے، «يُضْرَبُ» فعل اپنے نائب الفاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ «اَلَّذِي» کے لیے، «اَلَّذِي» اسم موصول اپنے صلے سے مل کر فاعل ہوا «جَاءَ» فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ ترجمہ بھی اس کا کر لیں، بھائی پہلے روانی سے پڑھیں: «جَاءَنِي الْمَضْرُوبُ غُلَامُهُ»، جی ترجمہ کیجیے: اسم موصول کا ترجمہ کس سے کرتے ہیں؟ «وہ جو کہ» یا «وہ جس نے کہ» اس کے ساتھ کرتے ہیں، ٹھیک ہے؟ جی اب کیجیے: «جَاءَنِي» آیا میرے پاس وہ جو کہ، وہ جس نے کہ، وہ جو کہ، «يُضْرَبُ غُلَامُهُ» کہ پٹائی کی گئی جس کے غلام کی، «يُضْرَبُ» پٹائی کی گئی «غُلَامُهُ» اس کے غلام کی، آیا میرے پاس وہ آدمی جس کے غلام کی پٹائی کی گئی تھی۔

«وَيَجُوزُ حَذْفُ الْعَائِدِ مِنَ اللَّفْظِ إِنْ كَانَ مَفْعُولًا»، اور جائز ہے عائد کو حذف کرنا لفظوں سے «إِنْ كَانَ مَفْعُولًا» اگر وہ عائد کیا ہو؟ مفعول ہو۔ بھائی اوپر جیسے تھا: «اَلَّذِي حَفَرْتُهُ»، یہ «حَفَرْتُهُ» کی «هَا» ضمیر آخر میں کہاں سے آئی بھائی؟ یہ اوپر شعر میں تو نہیں تھی، ہاں محذوف تھی، کیوں حذف کی تھی؟ کیونکہ مفعول ہے۔ تو آپ جانتے ہیں فاعل ہو فاعل کو حذف کرنا جائز نہیں، باقی چیزوں کو مفعول وغیرہ کو حذف کرنا جائز۔ تو یاد رکھو! آپ ترکیب کر رہے ہوں اور عائد نہ ملے آپ کو لفظوں میں تو ہو سکتا ہے عائد محذوف ہو، کیونکہ بعض اوقات عائد مفعول وغیرہ ہو تو اس کو کیا کر لیتے ہیں؟ حذف، جیسے «بِئْرِي ذُو حَفَرْتُ»، اصل میں کیا تھا؟ «بِئْرِي ذُو حَفَرْتُهُ وَذُو طَوَيْتُهُ»، دونوں جگہ عائد حذف کیا گیا ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَيَجُوزُ حَذْفُ الْعَائِدِ مِنَ اللَّفْظِ إِنْ كَانَ مَفْعُولًا»، اور جائز ہے عائد کو حذف کرنا لفظوں سے اگر وہ مفعول ہو۔ بس مفعول ہونا ضروری نہیں ہے کہ حذف کریں، سمجھ میں آئی بات؟ ہاں بس فاعل نہ ہو تو پھر کیا کر سکتے ہیں اس کو؟ حذف کر سکتے ہیں، چاہے مجرور وغیرہ ہو۔ «نَحْوُ: قَامَ الَّذِي ضَرَبْتُ أَيِ الَّذِي ضَرَبْتُهُ»، دیکھو «هَا» ضمیر آخر سے حذف کر دی۔ ترکیب کیجیے: «قَامَ الَّذِي ضَرَبْتُ»، «قَامَ» فعل، «اَلَّذِي» مرفوع محلاً اسم موصول، «ضَرَبْتُ» فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، آگے خود ہی نکال دو «هَا» ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ جو عائد ہے کس کو؟ «اَلَّذِي» کو، تو فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

«وَاعْلَمْ أَنَّ أَيًّا وَأَيَّةً مُعْرَبَةٌ إِلَّا إِذَا حُذِفَ صَدْرُ صِلَتِهَا»، اب بھائی آخر میں ایک اور قیمتی بات آپ کو بتلانے لگے ہیں، اور وہ یہ کہ تمام اسمائے موصولہ جو آپ کو ہم نے بتائے وہ سارے مبنی ہیں سوائے «أَيٌّ» اور «أَيَّةٌ» کے، وہ بھی گزرے تھے یا نہیں بھائی؟ «أَيٌّ» اور «أَيَّةٌ»، ہاں وہ دو معرب ہیں، وہ دونوں کیا ہیں؟ معرب ہیں۔ تو کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ أَنَّ أَيًّا وَأَيَّةً مُعْرَبَةٌ»، جان لے تو کہ «أَيٌّ» اور «أَيَّةٌ» جو ہیں وہ معرب ہیں، تو یہ صرف دو کیا ہیں اسمائے، اسمائے موصولہ میں سے؟ معرب ہیں۔ «إِلَّا إِذَا حُذِفَ صَدْرُ صِلَتِهَا»، مگر جس وقت ان کا صدرِ صلہ حذف کر لیا جائے۔

بھائی ادھر دیکھیے! یہ «أَيٌّ» اور «أَيَّةٌ» یہ اضافت کے ساتھ بھی استعمال ہوتے ہیں اور بغیر اضافت کے بھی۔ مثلاً «أَيٌّ» ایسے ہی استعمال ہو سکتا ہے اور «أَيُّهُمْ»، دیکھا «هُمْ» ضمیر کی طرف کیا ہوا؟ مضاف، تو یہ اضافت کے ساتھ بھی استعمال ہوتے ہیں اور بغیر اضافت کے بھی۔ پھر دونوں کے اندر ان کا صدرِ صلہ ذکر ہوتا ہے کبھی، کبھی اس کو حذف کر لیتے ہیں، کبھی صدرِ صلہ ذکر، مثلاً میں کہتا ہوں: «أَيُّهُمْ هُوَ قَائِمٌ»، «أَيُّهُمْ هُوَ قَائِمٌ»، یہ «هُوَ قَائِمٌ»، یہ «هُوَ» مبتدا ہے اور «قَائِمٌ» اس کی خبر ہے، اور یہ «هُوَ» عائد ہے یہ کس کو لوٹ رہا ہے؟ «أَيٌّ» کو، کیونکہ موصول کے لیے کیا چاہیے؟ موصول کے لیے صلہ اور صلے کے اندر عائد، تو «هُوَ» ضمیر، اور یاد رکھیے یہ صلہ کیا ہے؟ «هُوَ قَائِمٌ»، تو «هُوَ قَائِمٌ» پورا صلہ ہے۔ توجہ ہے؟ اور اس میں اول حصہ اس کو صدر صدر کہتے ہیں، پہلا شروع کا حصہ کیا کہتے ہیں؟ صدر۔ «هُوَ قَائِمٌ» میں صدر کیا ہے؟ «هُوَ» ہے، تو یہ صدرِ صلہ ہوا، صلہ ہے نا صلے کا صدر ہے اس کا شروع ہے۔

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ میں کیا ذکر کر رہا تھا کہ «أَيٌّ» اور «أَيَّةٌ» یہ کبھی اضافت کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں یعنی ان کے آگے مضاف الیہ آئے گا کبھی اور کبھی نہیں۔ تو کبھی یہ اضافت کے ساتھ ہوتے ہیں کبھی بغیر اضافت کے، اور دونوں صورتوں میں کبھی صدرِ صلہ ذکر ہو گا آگے کبھی صدرِ صلہ محذوف ہو گا۔ کبھی ہو گا «أَيُّهُمْ هُوَ قَائِمٌ»، کبھی ہو گا «أَيُّهُمْ قَائِمٌ»، اب آپ خود «هُوَ» محذوف نکالیں گے کیونکہ آپ کو پتہ ہے عائد تو ضرور چاہیے، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو کتنی صورتیں ہو گئیں اس کے استعمال کی؟ چار۔ چار صورتیں ہیں، یا یہ اضافت کے ساتھ ہوں گے یا بغیر اضافت کے، اور دونوں صورتوں میں اضافت کے ساتھ ہو تو بھی دو صورتیں: صدرِ صلہ ذکر ہو گا یا صدرِ صلہ محذوف ہو گا۔ اور بغیر اضافت کے ہو تب بھی دو صورتیں: صدرِ صلہ ذکر ہو گا یا صدرِ صلہ محذوف ہو گا، اچھی طرح بات سمجھ میں آ گئی؟ ان چار صورتوں میں سے وہ صورت جب یہ اضافت کے ساتھ استعمال ہو اور صدرِ صلہ محذوف ہو، اس صورت میں اس یہ «أَيٌّ» اور «أَيَّةٌ» ان کو معرب پڑھنا بھی جائز اور مبنی پڑھنا بھی جائز۔ کتنی صورتیں ہیں؟ چار۔ چار میں سے ایک صورت ہے جس میں یہ معرب کے ساتھ ساتھ مبنی پڑھنا بھی اس کو جائز ہے، یعنی وہاں دونوں صورتیں جائز ہیں: معرب بھی اور مبنی بھی۔ باقی سب میں تو معرب ہی، باقی تین صورتوں میں تو معرب ہی ہے وہاں مبنی نہیں بنا سکتے۔ لیکن ایک صورت جب «أَيٌّ» اور «أَيَّةٌ» کس کے ساتھ ہوں؟ اضافت کے ساتھ ہوں اور صدرِ صلہ کیا ہو؟ محذوف ہو، تو اس وقت ان کو معرب پڑھنا بھی جائز اور مبنی پڑھنا بھی جائز ہے بھائی۔ یہی بات ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ أَنَّ أَيًّا وَأَيَّةً مُعْرَبَةٌ»، کہ «أَيٌّ» اور «أَيَّةٌ» معرب ہیں، «إِلَّا إِذَا حُذِفَ صَدْرُ صِلَتِهَا»، مگر جس وقت ان کے صدرِ صلہ کو حذف کر لیا جائے، اور میں نے ایک قید اور بھی بڑھا دی کہ اضافت کے ساتھ ہوں، کس کے ساتھ ہوں؟ اضافت کے ساتھ ہوں، کیونکہ بغیر اضافت کے صدرِ صلہ حذف ہو پھر یہ مبنی نہیں بنیں گے۔

■ قولہ: «كَقَوْلِهِ تَعَالَى» کی تشریح

«كَقَوْلِهِ تَعَالَى»: جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے، اللہ قیامت کے بارے میں فرماتے ہیں: «ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ»، پھر البتہ ہم کھینچ نکالیں گے، «مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ»، شیعہ کا معنی ہوتا ہے گروہ بھائی، جماعت۔ «مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ»، ہر گروہ میں سے، ہر جماعت میں سے، «أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا»، اَیْ أَيُّهُمْ هُوَ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ، تو «هُوَ» کیا ہے؟ صدرِ صلہ محذوف ہے۔ ہم پھر ہم کھینچ نکالیں گے ہر جماعت میں سے «أَيُّهُمْ» کہ کون ہے ان میں سے، «هُوَ أَشَدُّ»، وہ جو کہ ان میں سے «هُوَ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ» جو زیادہ شدید ہے، زیادہ سخت ہے رحمان یعنی اللہ کے بارے میں «عِتِيًّا» باعتبار سرکشی کے، کہ جو ان میں کون ان میں سے رحمان کی زیادہ سرکشی کرنے والا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں تو ہم نے مہلت دے رکھی ہے ہم نے، کہ جو چاہتے ہیں کرو بھائی، جو چاہتے ہیں کرو، بالآخر تمہیں ہمارے پاس آنا ہے اور ہم پھر تم سے تمہارے ایک ایک عمل کا حساب لیں گے۔ تو اللہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں میں سے ہم ان لوگوں کو باہر نکال کر سامنے لا کھڑا کریں گے جو رحمان کے بارے میں، اللہ کے بارے میں بڑی سرکشی کیا کرتے تھے بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ ایمان نہیں لاتے تھے، قیامت کا انکار کرتے تھے، اللہ کی وحدانیت کو نہیں مانتے تھے اور بے انتہا سرکشی کیا کرتے تھے، اور خوب ڈٹ کر گناہ کیا کرتے تھے، تو قیامت کے دن ہم ان کو نکال کر باہر کھڑا کر دیں گے اور ان سے پوچھیں گے کہ اب ہمیں جواب دو بھائی۔ اور ان سے ان کی سرکشی کے بارے میں ہم ان پوچھیں گے اور پھر انہیں جہنم کے اندر داخل کر دیں گے۔ تو اللہ فرماتے ہیں: «ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ»، پھر ہم کھینچ نکالیں گے ہر جماعت میں سے، «أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا»، وہ جو کہ ان میں زیادہ سخت تھا رحمان یعنی اللہ کے بارے میں باعتبار سرکشی کے، یعنی جو جو ان میں سے اللہ کے بارے میں بہت زیادہ سرکشی کرنے والا تھا اس کو ہم باہر نکال کر کھڑا کریں گے۔ «أَيْ هُوَ أَشَدُّ»، کیا بتلا دیا؟ «أَيْ هُوَ أَشَدُّ»، کیا کیا بتلایا؟ صدرِ صلہ جو محذوف تھا وہ نکال کر بتلا دیا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ بحث کیا چل رہی ہے؟ کہ اسمِ موصول مبنی ہے، «أَيٌّ» اور «أَيَّةٌ» معرب ہیں۔ البتہ یہ بھی ایک صورت میں مبنی پڑھنا ان کو جائز ہے، وہ کون سی صورت؟ جب یہ اضافت کے ساتھ ہوں اور صدرِ صلہ محذوف ہو، تو اس وقت یہ مبنی ہوتے ہیں، جیسے یہاں: «أَيُّهُمْ»، یہ «أَيٌّ» اس وقت مبنی ہے بھائی۔ یہ ہے مقامِ استشہاد بھائی، جس کے لیے یہ دلیل ذکر کی جارہی ہے، یہ «أَيُّهُمْ» یہ کیا ہے؟ مبنی۔ سوال: ہمیں کیسے پتہ چلے یہ مبنی ہے؟ جواب: کہ بھائی، اللہ فرمارہے ہیں: «ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ»، پھر ہم کھینچ نکالیں گے، تو «لَنَنْزِعَنَّ»، «نَنْزِعَنَّ» اس کے اندر «نَحْنُ» ضمیر ہے فاعل کی، ہم کھینچ نکالیں گے۔ تو اس «نَنْزِعَنَّ» کے اندر «نَحْنُ» ضمیر فاعل، ہم کھینچ نکالیں گے اور کس کو کھینچیں گے؟ «أَيُّهُمْ»، یہ مفعول ہے، وہ جو کہ زیادہ سرکش ہے اس کو ہم کھینچ نکالیں گے۔ تو یہ مفعول ہوا، اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب، لیکن یہاں آرہا ہے «أَيُّهُمْ»، «أَيُّهُمْ» ضمہ کے ساتھ ہے، ہونا کیا چاہیے تھا؟ «أَيَّهُمْ»، تو یہ ضمہ بتلا رہا ہے، معلوم ہوا یہ معرب نہیں مبنی ہے، اگر معرب ہوتا تو اس پر نصب آنا چاہیے تھا لیکن نصب نہیں آرہا۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

چلیے جی، ترکیب کیجیے: «ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا»، «ثُمَّ» حرفِ عطف، لام تاکید کے لیے، «نَنْزِعَنَّ» آخر میں نون ثقیلہ آرہا ہے، اور یا یوں کہیں: «لَنَنْزِعَنَّ»، یہ فعل اور موکد ہے کس کے ساتھ؟ نون ثقیلہ کے ساتھ اور شروع میں لام اس پر داخل ہوا تاکید کے لیے۔ تو آخر میں نون ثقیلہ داخل ہوا ہے اس فعل پر اور شروع میں لام، اور اس کے اندر فاعل کون سی ضمیر؟ «نَحْنُ» ضمیر، اس کا اعراب بتاؤ: مرفوع محلاً فاعل۔ «مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ»، «مِنْ» جارہ، «كُلِّ» اعراب بھائی! مجرور لفظاً مضاف، مجرور کیوں؟ کیونکہ من داخل ہے۔ مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا مضاف ہے؟ کیونکہ «كُلٌّ» اور «بَعْضٌ» میں نے بتایا تھا اضافت کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، اکثر اکثر بھائی۔ اور اضافت کے ساتھ کیوں؟ کیونکہ کل کا معنی ہے سارا، کس چیز کا سارا؟ وہ آگے چاہیے بھائی مضاف الیہ چاہیے، «كُلِّ شِيعَةٍ» ہر جماعت، دیکھا! جی، تو «كُلِّ» مجرور لفظاً مضاف، «شِيعَةٍ» مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «لَنَنْزِعَنَّ» فعل، ہم کھینچ نکالیں گے ہر جماعت میں سے، دیکھو جڑ رہا ہے۔ پھر آگے «أَيُّهُمْ» اعراب بتاؤ! مرفوع کہہ رہے ہو؟ ابھی میں نے ترکیب بتائی! شاباش، «أَيٌّ» منصوب محلاً مضاف، شاباش! «هُمْ» ضمیر شاباش، «هُمْ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ اچھا جی، آگے آگے ضمیر محذوف بھی نکال دیں بھائی: «أَيُّهُمْ» کو «أَيُّهُمْ» کو کیا بنانا ہے؟ ہاں موصول تو ہے وہ تو ظاہر سی بات ہے، ٹھیک ہے؟ ہاں تو «أَيٌّ» تو اسمِ موصول تو ہے ہی، اب آگے صلہ شروع ہونے لگا ہے، یہاں کہنے کی ضرورت نہیں مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر اسمِ موصول ہوا، ٹھیک ہے؟ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ «أَيٌّ»، «أَيٌّ» اپنے مضاف الیہ سے مل کر اسم، بھائی اسمِ موصول یہ خود ہے اس سے مل کر موصول ہونے کی ضرورت نہیں، ہاں اس کے ساتھ مضاف الیہ الگ آرہا ہے اور صلہ الگ ہے، دونوں کو اس کے ساتھ ہم جوڑیں گے۔ جی، تو مضاف الیہ کو تو ہم نے جوڑ دیا، «هُمْ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، آگے اب صلہ جوڑو بھائی: «هُوَ» محذوف بھائی «هُوَ»، اور اس کا اعراب بتاؤ: «هُوَ» مرفوع محلاً مبتدا، شاباش! اور کس کو راجع؟ «أَيٌّ» کو، «أَيٌّ» کو یہ صلہ آگیا۔ جی اور آگے؟ «أَشَدُّ»، «أَشَدُّ» یہ اسمِ تفضیل ہے، اسمِ تفضیل ہے: اضْرب زیادہ پٹائی کرنے والا، اشد زیادہ شدید، زیادہ سخت بھائی۔ تو «أَشَدُّ» صیغہ اسمِ تفضیل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل، شاباش! فاعل ہے اور یہ کس کو راجع؟ ہاں ما قبل میں مبتدا کو، کیونکہ یہ خبر ہے نا، تو یہ «أَشَدُّ» خبر ہے «هُوَ» محذوف کی، تو یہ خبر اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے۔ تو اس «هُوَ» جو محذوف تھا اس کو کس کی طرف لوٹایا تھا؟ وہ «أَيٌّ» کی طرف، وہ عائد آگیا، اور «أَشَدُّ» کے اندر جو «هُوَ» ضمیر ہے وہ کس کو لوٹائی؟ «هُوَ» کی طرف۔ آگے «عَلَى» جارہ، «الرَّحْمَنِ» مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق «أَشَدُّ» اسمِ تفضیل کے ساتھ، شاباش! جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «أَشَدُّ» اسمِ تفضیل کے ساتھ۔ اور «عِتِيًّا»، یاد رکھیے یہ منصوب یہ تمیز ہے، یہ کیا ہے؟ تمیز۔ زیادہ سخت ہے، زیادہ سخت ہے کس اعتبار سے زیادہ سخت ہے؟ ابہام تھا۔ زیادہ سخت ہے کس اعتبار سے؟ باعتبار سرکشی کے، سرکشی کے اعتبار سے، زیادہ سخت ہے یعنی زیادہ سرکشی کرنے والا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ مثلاً میں کہتا ہوں «زَيْدٌ أَشَدُّ»، زید بہت سخت ہے، آپ کہیں گے بھائی کس اعتبار سے؟ بات پوری کوئی ہوگئی ہے؟ نہیں، میں کہوں گا «ضَرْبًا»، باعتبار پٹائی کے، زید بہت سخت ہے باعتبار پٹائی کے، تو یہاں بھی اسی طرح «أَشَدُّ» اس میں کیا تھا؟ ابہام تھا، تو آگے کیا چاہیے؟ تمیز چاہیے ابہام کو دور، تو «عِتِيًّا» سرکشی بھائی، کون زیادہ سخت ہے ان میں رحمان پر سرکشی کے؟ تو یہ تمیز ہوئی بھائی۔ اچھا جی، اب سمیٹیے بھائی: تو «أَشَدُّ» کے اندر «هُوَ» ضمیر اس کو کیا کریں؟ مبہم ممیز، مبہم ممیز، کیسے ہوگی دوبارہ کریں ترکیب؟ «أَشَدُّ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ تفضیل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً مبہم ممیز، یہ بس ہاں مبہم ممیز، صرف ممیز کہہ دو تو بھی کافی ہے۔ اور «عَلَى الرَّحْمَنِ» جار مجرور مل کر متعلق «أَشَدُّ»، اور «عِتِيًّا» منصوب لفظاً تمیز، ممیز اپنی تمیز سے مل کر فاعل، اسمِ تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر، شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صلہ۔ اسمِ موصول اپنے مضاف الیہ اور صلے سے مل کر یہ مفعول بہ ہوا «لَنَنْزِعَنَّ» فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام، واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۸۰: فصل اسماء الافعال، فصل اسماء الاصوات اور فصل المرکبات (بِنَاءِ مرکبات کی اقسام)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۶۲—بتاریخ: ۲۸ اپریل ۲۰۱۵ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: أَسْمَاءُ الْأَفْعَالِ هُوَ كُلُّ اسْمٍ بِمَعْنَى الْأَمْرِ وَالْمَاضِي نَحْوُ: رُوَيْدَ زَيْدًا، أَيْ أَمْهِلْهُ، وَهَيْهَاتَ زَيْدٌ، أَيْ بَعُدَ، أَوْ كَانَ عَلَى وَزْنِ فَعَالِ بِمَعْنَى الْأَمْرِ وَهُوَ مِنَ الثُّلَاثِيِّ قِيَاسٌ، كَنَزَالِ بِمَعْنَى انْزِلْ، وَتَرَاكِ بِمَعْنَى اتْرُكْ۔

مبنیات کا بیان چل رہا ہے۔ مبنیات میں سے ضمیریں، اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ کے بارے میں آپ نے پڑھ لیا بھائی۔ آج چوتھا مبنی یعنی اسمائے افعال جو ہیں، ان کے بارے میں ہم پڑھیں گے بھائی۔

اسمِ فعل نام سے ہی ظاہر ہے۔ یہ ہیں تو اسم لیکن معنی فعل والا ادا کرتے ہیں تو ان کو کیا کہتے ہیں؟ اسمِ فعل کہتے ہیں بھائی۔ اور یاد رکھیے، یہ عام طور پر امر اور ماضی کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ بعض اوقات کلامِ عرب میں ایک لفظ آئے گا، وہ ہوگا اسم لیکن معنی امر والا ادا کرے گا، اسے کیا کہیں گے؟ اسمِ فعل، جیسے: رُوَيْدَ زَيْدًا، أَيْ: أَمْهِلْ زَيْدًا، زید کو مہلت دے دو۔ تو أَمْهِلْ کے بجائے کیا استعمال کیا؟ رُوَيْدَ۔ تو یہ رُوَيْدَ کیا ہے؟ اسمِ فعل۔ ہے تو اسم لیکن معنی کس کا ادا کر رہا ہے؟ فعل والا یعنی مہلت دے دو، أَمْهِلْ۔ تو رُوَيْدَ زَيْدًا، أَيْ: أَمْهِلْ زَيْدًا۔ اور کبھی کبھار یہ ماضی کے معنی میں ہوتا ہے، جیسے عرب کہتے ہیں: هَيْهَاتَ زَيْدٌ، أَيْ: بَعُدَ زَيْدٌ، زید دور ہو گیا، زید دور چلا گیا۔ تو کیا کہتے ہیں؟ هَيْهَاتَ زَيْدٌ۔

تو اب دیکھیے کتاب پر: فَصْلٌ: أَسْمَاءُ الْأَفْعَالِ، اسمائے افعال جو ہیں: هُوَ كُلُّ اسْمٍ، وہ ہر وہ اسم ہے: بِمَعْنَى الْأَمْرِ وَالْمَاضِي، جو امر کے معنی میں ہو اور ماضی کے معنی میں ہو: نَحْوُ: رُوَيْدَ زَيْدًا، أَيْ: أَمْهِلْهُ، أَيْ: أَمْهِلْ زَيْدًا۔ تو دیکھو یہ کس معنی میں ہے؟ امر کے معنی میں ہے۔ رُوَيْدَ زَيْدًا، زید کو مہلت دے دے۔ وَهَيْهَاتَ زَيْدٌ، أَيْ: بَعُدَ، یعنی زید دور ہو گیا، زید دور چلا گیا۔ تو کیا کہتے ہیں؟ هَيْهَاتَ زَيْدٌ۔ تو دیکھو یہ ماضی کے معنی میں ہے کہ دور ہو گیا، دور چلا گیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب أَمْهِلْ فعل موجود ہے تو رُوَيْدَ استعمال کیوں کیا جاتا ہے؟ یعنی اسمِ فعل کے لانے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ جب بَعُدَ موجود ہے تو هَيْهَاتَ کیوں استعمال کیا جاتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اسمِ فعل کے استعمال کے دو فائدے ہیں: ایک تو یہ کہ کلام مختصر ہو جاتا ہے، اور دوسرا یہ کہ کلام میں مبالغہ پیدا ہو جاتا ہے یعنی اس میں زور پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ اسمائے افعال جو ہیں اس کے ذریعے اس میں کیا ہوتا ہے؟ کلام میں مبالغہ پیدا ہوتا ہے، اس میں زور پیدا ہوتا ہے اور نیز کلام مختصر ہو جاتا ہے۔

مختصر کس طرح؟ بھائی دیکھیے، یہ مفرد، تثنیہ، جمع سب کے لیے اسی طرح رہتے ہیں۔ مثلاً آپ کہنا چاہتے ہیں: أَمْهِلْهُ، اس کو مہلت دے دو، تو أَمْهِلْهُ۔ مفرد کے لیے کہیں گے: أَمْهِلْ، تو مہلت دے دے۔ تثنیہ دو ہوں تو آپ کہیں گے: أَمْهِلَا۔ جمع ہو تو آپ کہیں گے: أَمْهِلُوا، دیکھو! تو تثنیہ کے لیے الگ صیغہ

لانا پڑے گا، جمع کے لیے الگ صیغہ لانا پڑے گا، لیکن اسم فعل میں ایسا نہیں، یہ مفرد، تثنیہ، جمع سب کے لیے ایک جیسا ہی رہتا ہے، جیسے آپ کہتے ہیں: رُوَيْدَ زَيْدًا، رُوَيْدَ الزَّيْدَيْنِ، رُوَيْدَ الزَّيْدِينَ۔ صورت سمجھ میں آئی بھائی؟ تو کلام مختصر رہا۔ دیکھو اس میں ضمیر کا اضافہ نہیں کرنا پڑا، الف اور واؤ۔ تو دو فائدے ہوئے اسم فعل کے: ایک یہ کہ کلام میں کیا ہوا؟ زور پیدا ہو گیا، مبالغہ، اور دوسرا کلام کیا ہو گا؟ مختصر ہو گا۔

نَحْوُ: رُوَيْدَ زَيْدًا، أَيْ: أَمْهِلْهُ۔ جی ترکیب کیجیے: رُوَيْدَ زَيْدًا۔ رُوَيْدَ اسم فعل بمعنی أَمْهِلْ، اور اس کے اندر أَنْتَ ضمیر — جیسے فعل میں ضمیر ہوتی ہے، یہ بھی امر کا صیغہ ہے، امر کے صیغے میں مخاطب کی ضمیر ہوتی ہے، أَمْهِلْ میں جیسے ہوتی ہے، تو اس میں کون سی ضمیر؟ أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور زَيْدًا منصوب لفظاً مفعول بہ۔ اسم فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، کیونکہ امر ہے نا، جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ تو بعض اس کو جملہ فعلیہ بناتے ہیں، بعض اس کو کہتے ہیں جملہ اسمیہ ہوا کیونکہ رُوَيْدَ کیا ہے؟ اسم ہے بھائی۔ تو بعض اسم ہونے کا لحاظ کرتے ہیں، بعض چونکہ معنی تو فعل والا ہے تو فعل کا لحاظ کرتے ہیں، جملہ فعلیہ بناتے ہیں اس کو۔

تو جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ اور بعض اس کو جملہ اسمیہ بناتے ہیں بھائی۔ سوال پیدا ہوتا ہے، جملہ اسمیہ کیسے بنے گا بھائی؟ تو جملہ اسمیہ کی صورت میں ترکیب یوں ہو گی بھائی: رُوَيْدَ اسم فعل، أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، اور یہ قائم مقام ہے خبر کے۔ یہ فاعل کیا ہے؟ قائم مقام ہے خبر کے۔ اور زَيْدًا منصوب لفظاً یہ ہے مفعول بہ بھائی رُوَيْدَ کے لیے۔ تو رُوَيْدَ اسم فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر مبتدا، یہ مل کر کیا ہوا؟ مبتدا۔ اور وہ جو اسی کا فاعل تھا، وہ کیا تھا؟ قائم مقام خبر کے۔ تو یہ مبتدا اپنے قائم مقام خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آئی بھائی؟ تو گویا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ یہ وہ مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں بھائی، کیونکہ وہ خبر، وہ تو دراصل خبر نہیں ہے، وہ تو اسی کا کیا ہے؟ فاعل ہے بھائی، ہاں قائم مقام ہے خبر کے۔ تو یہ گویا یہ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر کوئی نہیں۔ یہ وہی صورت بن گئی وہ جو مبتدا کی قسم ثانی آپ نے پڑھی تھی کہ صفت کا صیغہ ہو اور حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد ہو اور آگے کسی اسم ظاہر کو رفع دے رہا ہو۔ کسی اسم ظاہر کو رفع دے رہا ہو۔ ہاں یہ وہ بحث، وہ مبتدا کی بحث جو آئی تھی، اس کے آخر میں یہ بات آئی تھی مبتدا کی قسم ثانی، وہاں پر بھی وہ جو صفت کا صیغہ جس کو رفع دے رہا ہوتا تھا، اسی کو ہم قائم مقام خبر کے بنا لیتے تھے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو وہ بھی ایسا مبتدا تھا جس کی کوئی خبر نہیں تھی۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، یہ ایسا اسم فعل ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں بھائی۔

أَمْهِلْهُ، یہ ہا ضمیر زید کو راجع ہے۔ چونکہ ایک دفعہ زید کا ذکر ہو گیا تھا، اس لیے دوبارہ اس کا نام ذکر نہیں کیا بلکہ اس کی طرف ضمیر راجع کر دی۔ جی اس کی بھی ترکیب کیجیے: أَمْهِلْهُ۔ أَمْهِلْ فعلِ امر، اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور آگے ہا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا کیونکہ امر ہے۔ اسی طرح اگلی مثال ہے: هَيْهَاتَ زَيْدٌ۔ هَيْهَاتَ اسم فعل بمعنی بَعُدَ کے، اور زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا فاعل۔ اسم فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ پہلا تھا جملہ انشائیہ، یہ ہے جملہ خبریہ: زید دور چلا گیا، زید دور ہو گیا۔ هَيْهَاتَ اسم فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا فاعل، اسم فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ هَيْهَاتَ زَيْدٌ، أَيْ: بَعُدَ زَيْدٌ، زید دور ہوا، زید دور چلا گیا۔ اس کی دوسری ترکیب کیسے ہو گی، جملہ اسمیہ والی؟ هَيْهَاتَ اسم فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا فاعل جو قائم مقام ہے اس کی خبر کے۔ تو هَيْهَاتَ اسم فعل اپنے فاعل سے مل کر مبتدا، اور آگے کیا ہے اس کی؟ وہ قائم مقام خبر۔ تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں بھائی، وہ فاعل ہی ہے جو اس کے قائم مقام خبر ہے۔ تو یہ مبتدا اپنے قائم مقام خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو قائم مقامِ خبر ہے، حقیقت میں تو کوئی خبر اس کی ہے ہی نہیں، تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں بھائی۔

أَيْ: بَعُدَ۔ أَوْ كَانَ عَلَى وَزْنِ فَعَالِ بِمَعْنَى الْأَمْرِ، یا اسمائے افعال جو ہیں، وہ کس وزن پر ہو گا؟ فَعَالِ وزن پر آئے گا امر کے معنی میں۔ عَلَى وَزْنِ فَعَالِ، فَعَالِ وزن پر ہو گا: بِمَعْنَى الْأَمْرِ، امر کے معنی میں: وَهُوَ مِنَ الثُّلَاثِيِّ قِيَاسٌ، اور یہ ثلاثی سے قیاس ہے، یہ وزن ثلاثی سے قیاس ہے: كَنَزَالِ۔ بھائی آپ کو بتلا رہے ہیں کہ ایک فَعَالِ امر آتا ہے، اسم فعل ہے۔ توجہ ہے ادھر؟ فَعَالِ، یہ کیا ہے؟ اسم فعل۔ اسم فعل کی بات چل رہی ہے نا، تو فَعَالِ بھی ایک اسم فعل ہے اور یہ امر کے معنی میں ہوتا ہے، اور یہ ثلاثی مجرد سے قیاسی ہے یعنی ثلاثی مجرد کے ابواب سے آپ بھی یہ صیغہ بنا سکتے ہیں۔ باقی تو اسمائے افعال جیسے عرب سے سنے ہیں بھائی وہی ہم استعمال کریں گے، لیکن یہاں پر عرب سے تقریباً استعمال کر لیتے ہیں تو آپ بھی بنا سکتے ہیں۔ مثلاً پہلا باب کون سا پڑھا آپ نے؟ ضَرَبَ يَضْرِبُ۔ اس سے امر کیا آیا تھا؟ اِضْرِبْ۔ اس اِضْرِبْ سے ذرا بنا لو: فَعَالِ، ضَرَابِ۔ ضَرْبٌ، فَعْلٌ وزن ہے نا، فا کیا ہے؟ ضاد، عین کیا ہے؟ راء، اور لام کیا ہے؟ باء۔ تو اسی سے فَعَالِ: ضَرَابِ۔ جی دوسرا باب کیا پڑھا؟ نَصَرَ يَنْصُرُ۔ اس سے ذرا بناؤ فَعَالِ اسم فعل: نَصَارِ۔ نَصَارِ بمعنی اُنْصُرْ، وہی امر والا معنی ادا کرے گا، نَصَارِ۔ اگلا باب کون سا پڑھا آپ نے؟ سَمِعَ يَسْمَعُ۔ جی اس سے بناؤ بھائی فَعَالِ: سَمَاعِ، بمعنی اِسْمَعْ۔ اچھا، اگلا باب کیا پڑھا آپ نے؟ فَتَحَ يَفْتَحُ۔ اس سے امر کیا تھا؟ اِفْتَحْ۔ اس سے بناؤ ذرا فَعَالِ امر بھائی: فَتَاحِ۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یعنی یہ ثلاثی سے قیاسی

ہے، آپ بھی قیاس کر کے کیا کر سکتے ہیں؟ ہر ثلاثی سے بنا سکتے ہیں اور اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔ آپ نے کسی کو کہنا ہے کہ زید کی پٹائی کر، تو یوں کہہ سکتے ہیں: اِضْرِبْ زَيْدًا، ایک طریقہ تو یہ ہے۔ اور ایک آپ اسمِ فعل بھی خود بنا کر استعمال کر سکتے ہیں اور کیا کہیں؟ ضَرَابِ زَيْدًا۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: أَوْ كَانَ عَلَى وَزْنِ فَعَالِ بِمَعْنَى الْأَمْرِ، یا یہ فَعَالِ وزن پر ہو گا امر کے معنی میں: وَهُوَ مِنَ الثُّلَاثِيِّ قِيَاسٌ، اور یہ فَعَالِ ثلاثی سے قیاسی ہے یعنی ہر ثلاثی سے کیا ہے؟ اس وزن پر بنایا جا سکتا ہے فَعَالِ وزن پر: كَنَزَالِ بِمَعْنَى انْزِلْ، وَتَرَاكِ بِمَعْنَى اتْرُكْ۔ اچھا، كَنَزَالِ بمعنی انْزِلْ یعنی اترا، آجاؤ، تو یہ نَزَالِ۔ وَتَرَاكِ بِمَعْنَى اتْرُكْ، اور تَرَاكِ کس معنی میں ہے؟ اتْرُكْ، تو چھوڑ دے۔ بس بھائی، اسمِ فعل کی بحث مکمل ہو گئی۔ بتلایا اسمِ فعل امر کے معنی میں بھی ہوتا ہے اور ماضی کے معنی میں بھی ہوتا ہے، اور اسی طرح فَعَالِ وزن پر بھی امر آتا ہے اور یہ ثلاثی سے قیاسی ہے یعنی آپ بھی اس وزن پر بنا سکتے ہیں بھائی۔

اب چونکہ ذکر آ گیا فَعَالِ وزن کا، کس کا ذکر آیا؟ فَعَالِ وزن کا۔ فَعَالِ وزن پر کچھ اور صیغے بھی آتے ہیں، کچھ اور چیزیں بھی آتی ہیں۔ یہ فَعَالِ تو اسمِ فعل تھا، ضَرَابِ یہ کیا تھا؟ اسمِ فعل۔ تو کچھ اور چیزیں بھی ہیں جو آتی تو فَعَالِ وزن پر ہی ہیں لیکن وہ اسمِ فعل نہیں، تو اب ان کا بھی بیان کرنے لگے ہیں کیونکہ فَعَالِ کا ذکر آ گیا ہے تو مناسب ہے ان سب چیزوں کو بھی یہیں پر ذکر کر دیا جائے، تو کہتے ہیں: وَيُلْحَقُ بِهِ، اور اسی کے ساتھ ملایا جائے گا: فَعَالِ مَصْدَرًا، فَعَالِ کو اس حال میں کہ وہ مصدر ہو: مَعْرِفَةً، اور کیسا مصدر ہو؟ معرفہ ہو: كَفَجَارِ بِمَعْنَى الْفُجُورِ، جیسے فَجَارِ بمعنی الْفُجُورِ۔ بھائی اسی فَجَارِ دیکھو فَعَالِ وزن پر مصدر معرفہ بھی آتا ہے، جیسے فَجَارِ بمعنی الْفُجُورِ۔ فَجَارِ کس معنی میں ہے؟ مصدر کے معنی میں ہے، اور مصدر بھی نکرہ نہیں، معرفہ ہے۔ دیکھو یہ فَجَارِ فُجُور کے معنی میں نہیں ہے، الْفُجُورِ کے معنی میں ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ یا یوں کہو، یوں کہو کہ یہ فَجَارِ الْفُجُور کا نام ہے۔ کس کا نام ہے؟ الْفُجُور کا نام ہے۔ یعنی وہ جو مصدر معرفہ ہوتا ہے، اسی کا نام کیا ہے؟ فَجَارِ۔ یعنی یہ اس کی جگہ استعمال ہوتا ہے، دونوں کا معنی ایک ہے۔ تو آپ چاہیں الْفُجُور استعمال کر لیں، آپ چاہیں فَجَارِ استعمال کر لیں۔

تو کہتے ہیں: وَيُلْحَقُ بِهِ، اسی کے ساتھ ملایا جاتا ہے: فَعَالِ مَصْدَرًا مَعْرِفَةً، فَعَالِ اس حال میں کہ وہ مصدر معرفہ ہوتا ہے: كَفَجَارِ بِمَعْنَى الْفُجُورِ، أَوْ صِفَةً لِلْمُؤَنَّثِ، یا فَعَالِ اس حال میں کہ وہ مؤنث کی صفت ہوتا ہے: نَحْوُ: يَا فَسَاقِ، بِمَعْنَى فَاسِقَةٍ، وَيَا لَكَاعِ، بِمَعْنَى لَكِيعَةٍ۔ مثلاً ایک عورت ہے، کوئی اس کو ندا دیتا ہے اور کیا کہتا ہے؟ اے فاسقہ! اور اے فاسقہ، یہ اس کا نام تو نہیں ہے نا، یہ تو اس پہ صفت ذکر کر رہا ہے، بری صفت ذکر کر رہا ہے، کیا کر رہا ہے؟ بری صفت ذکر کر رہا ہے۔ تو اسی صفت سے فَعَالِ وزن پر بھی آتی ہے یعنی کیا، فاسقہ کے بجائے کیا کہہ دے؟ فَسَاقِ، تو یوں کہیں گے: يَا فَسَاقِ۔ اب يَا فَسَاقِ کیا ہے؟ علم ہے، نام ہے یا صفت ہے؟ اور مذکر کے لیے ہے یا مؤنث کے لیے؟ مؤنث کے لیے۔ تو معلوم ہوا یہ فَعَالِ مؤنث کے لیے بطورِ صفت کے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہی بات کر رہے ہیں: وَصِفَةً لِلْمُؤَنَّثِ، اور وہ فَعَالِ، اس کا عطف پیچھے آیا تھا نا مَصْدَرًا مَعْرِفَةً، مل گیا؟ آدھی سطر پیچھے: مَصْدَرًا مَعْرِفَةً، وَيُلْحَقُ بِهِ فَعَالِ مَصْدَرًا مَعْرِفَةً، مل گئی عبارت؟ اور ملایا جائے گا اسی کے ساتھ فَعَالِ کو بھی اس حال میں کہ وہ مصدر معرفہ ہو، اور اب یہ مَصْدَرًا مَعْرِفَةً کو اٹھائیں اور اس کی جگہ صِفَةً لِلْمُؤَنَّثِ رکھیں، اس کا عطف اسی پر ہے: وَيُلْحَقُ بِهِ فَعَالِ صِفَةً لِلْمُؤَنَّثِ، اور اسی کے ساتھ ملایا جائے گا فَعَالِ اس حال میں کہ وہ مؤنث کی صفت ہو: نَحْوُ: يَا فَسَاقِ بِمَعْنَى فَاسِقَةٍ، وَيَا لَكَاعِ بِمَعْنَى لَكِيعَةٍ۔ تو يَا لَكَاعِ کس معنی میں ہے؟ لَكِيعَةٍ کے معنی میں، اور لَكِيعَة کہتے ہیں کمینی بھائی، کمینی۔ پیچھے کیا آیا تھا؟ مثلاً کوئی کسی عورت کو آواز دیتا ہے: يَا فَاسِقَةُ، تو يَا فَاسِقَةُ کے بجائے کیا کہہ سکتا ہے؟ يَا فَسَاقِ۔ اسی طرح يَا لَكِيعَةُ، اس کی جگہ کیا کہہ سکتا ہے؟ يَا لَكَاعِ۔ يَا لَكِيعَةُ کی جگہ يَا لَكَاعِ، تو معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ تو دیکھو یہ کیا ہے؟ مؤنث کے لیے صفت کے طور پر آیا یہ فَعَالِ۔

أَوْ عَلَمًا لِلْأَعْيَانِ الْمُؤَنَّثَةِ، اس کا عطف بھی اسی پر ہے: وَيُلْحَقُ بِهِ فَعَالِ عَلَمًا لِلْأَعْيَانِ الْمُؤَنَّثَةِ، اور اسی کے ساتھ ملایا جائے گا فَعَالِ اس حال میں کہ وہ نام ہو مؤنث ذات کا۔ اعیان، ذاتیں بھائی۔ وہ نام ہو مؤنث ذاتوں کا: كَقَطَامِ، جیسے قَطَامِ، یہ عورت کا نام ہے۔ وَغَلَابِ، یہ بھی عورت کا نام بھائی۔ وَحَذَارِ، یہ ستارے کا نام ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

بھائی بات چل رہی تھی اسمِ فعل کی، اور اسمِ فعل میں فَعَالِ وزن کا ذکر آ گیا۔ فَعَالِ، تو اب اسی فَعَالِ سے متعلق آپ کو دو تین مزید باتیں انہوں نے بتا دیں کہ یہی فَعَالِ مصدر معرفہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور یہی فَعَالِ مؤنث کے لیے صفت کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، اور یہی فَعَالِ مؤنث ذاتوں کے لیے بطورِ نام کے بھی استعمال ہوتا ہے۔ پہلے تو تھا نا مؤنث کے لیے صفت کے طور پر، اب آگے آیا مؤنث کے لیے بطورِ نام کے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے قَطَامِ اور غَلَابِ اور حَذَارِ بھائی۔ تو قَطَامِ اور غَلَابِ یہ عورتوں کے نام ہیں اور حَذَارِ یہ ستارے کا نام ہے بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو کوئی کسی

عورت کو مثلاً آواز دیتا ہے: یَا فَاسِقَةُ، اس کے بجائے کیا کہہ سکتا ہے؟ یَا فَسَاقِ، معنی دونوں کا ایک ہی ہے، فاسقہ یعنی بری صفت ذکر کر رہا ہے، اس کے برے نام سے اس کو پکار رہا ہے۔ اور اسی طرح یَا لَكِيعَةُ کے بجائے کیا کہہ سکتا ہے؟ یَا لَكَاعِ، اور لَكِيعَة کا کیا معنی ہے؟ کمینی بھائی۔

اور آگے دیکھیے بھائی: وَهٰذِهِ الثَّلَاثَةُ لَيْسَتْ مِنْ أَسْمَاءِ الْأَفْعَالِ، وہی بات کر رہے ہیں۔ بھائی فَعَالِ وزن کے بارے میں چار چیزیں ذکر کر دیں، توجہ ہے؟ سب سے پہلے کہا: فَعَالِ اسمِ فعل ہوتا ہے اور ثلاثی سے قیاسی آتا ہے۔ توجہ ہے؟ اس کے بعد کہا: فَعَالِ مصدر معرفہ کے معنی میں بھی آتا ہے۔ پھر اس کے بعد کہا: فَعَالِ مؤنث کے لیے صفت کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد کہا: فَعَالِ مؤنث ذاتوں کے لیے بطورِ نام کے بھی استعمال ہوتا ہے، نام کے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور کہا: وَهٰذِهِ الثَّلَاثَةُ لَيْسَتْ مِنْ أَسْمَاءِ الْأَفْعَالِ، یہ تین اسمائے افعال میں سے نہیں ہیں: وَإِنَّمَا ذُكِرَتْ هَاهُنَا لِلْمُنَاسَبَةِ، اور ان کو یہاں صرف مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا گیا۔ کون تین؟ یہ فَعَالِ مصدر معرفہ، یہ فَعَالِ صفت للمؤنث، اور یہ فَعَالِ علم للأعيان المؤنثة، یہ تین فَعَالِ جو ہیں یہ اسمائے افعال نہیں۔ بحث تو ہماری کس کی چل رہی ہے؟ اسمائے افعال کی، تو یہ اسمائے افعال میں سے نہیں، پھر سوال پیدا ہوا ان کو یہاں کیوں ذکر کیا گیا؟ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا ذُكِرَتْ هَاهُنَا لِلْمُنَاسَبَةِ، ان کو یہاں صرف مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا گیا، کیونکہ یہ بھی فَعَالِ اور وہ جو اسمِ فعل آیا تھا وہ بھی کیا تھا؟ فَعَالِ۔ تو دونوں کا وزن ایک جیسا، صورت ایک جیسی، تو لہٰذا جب ایک کا ذکر آ گیا تو مناسب یہ تھا کہ باقیوں کو بھی اس کے ساتھ ذکر کر دیا جائے تاکہ طالبِ علم کو پتہ لگ جائے کہ یہ فَعَالِ صرف اسمِ فعل ہی نہیں آتا بلکہ یہ مصدر معرفہ بھی ہوتا ہے، کبھی مؤنث کے لیے صفت بھی آتی ہے، اور کبھی مؤنث ذاتوں کے لیے بطورِ نام کے بھی آتا ہے بھائی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: الْأَصْوَاتُ كُلُّ لَفْظٍ حُكِيَ بِهِ صَوْتٌ كَغَاقِ...

فَصْلٌ: الْأَصْوَاتُ كُلُّ لَفْظٍ حُكِيَ بِهِ صَوْتٌ كَغَاقِ لِصَوْتِ الْغُرَابِ، أَوْ صُوِّتَ بِهِ الْبَهَائِمُ كَنَخٍّ لِإِنَاخَةِ الْبَعِيرِ۔

پانچواں مبنی آ گیا بھائی، اور پانچواں مبنی وہ اصوات ہیں، آوازیں بھائی، آوازیں۔ بھائی آپ اردو میں بھی کرتے ہیں، اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں، آپ بعض اوقات حیوانات کی آوازیں نقل کرتے ہیں۔ مثلاً آپ کیا کہتے ہیں؟ بلی کیا کرتی ہے؟ میاؤں میاؤں کرتی ہے، دیکھا! اب یہ میاؤں کیا ہے؟ بلی کی آواز آپ نقل کر رہے ہیں بھائی۔ کوا کیا کرتا ہے؟ کوا کائیں کائیں کرتا ہے۔ اب یہ کائیں کائیں کیا ہے؟ کوے کی آپ آواز نقل کر رہے ہیں بھائی۔ اور اسی طرح بکری، بکری جو ہے وہ میں میں کرتی ہے، تو یہ میں کیا ہے؟ میں میں بکری کی آواز۔ تو یہ جو آوازیں ہیں، یہ جو کسی حیوانات کی آوازوں کو ہم نقل کرتے ہیں، یاد رکھیے یہ مبنی ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں کیا ہیں؟ مبنی ہوتے ہیں بھائی۔

تو کہتے ہیں: فَصْلٌ: الْأَصْوَاتُ، آوازیں جو ہیں: كُلُّ لَفْظٍ، ہر وہ لفظ ہے: حُكِيَ بِهِ صَوْتٌ، جس کے ذریعے نقل کیا جائے کسی آواز کو، ہر وہ لفظ ہے جس کے ذریعے کسی آواز کو نقل کیا جائے۔ بھائی یہ تو صرف حیوان نہیں، کسی بھی چیز کی آواز کو نقل کیا جائے وہ کیا ہیں؟ اصوات ہیں اور وہ مبنی ہیں بھائی: كَغَاقِ لِصَوْتِ الْغُرَابِ، جیسے غَاقِ: لِصَوْتِ الْغُرَابِ، کوے کی آواز کے لیے۔ غُرَاب کوے کو کہتے ہیں۔ بھائی آپ اردو میں تو کہتے ہیں کوا کائیں کائیں کرتا ہے، لیکن عرب—ہر زبان کا اپنا طریقہ ہوتا ہے—وہ کہتے ہیں کوا غَاقِ غَاقِ کرتا ہے بس۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو یہ غَاقِ عربی میں کیا ہے؟ کوے کی آواز نقل کی جا رہی ہے، اس کی حکایت کی جا رہی ہے۔ یہ معنی ہے كَغَاقِ لِصَوْتِ الْغُرَابِ جیسے کہ غَاقِ ہے کوے کی آواز کے لیے۔ أَوْ صُوِّتَ بِهِ الْبَهَائِمُ، یا آواز دی جائے اس کے ذریعے مویشیوں کو، چوپایوں کو۔ أَوْ صُوِّتَ بِهِ الْبَهَائِمُ، یا اصوات وہ ہیں جن کے ذریعے مویشیوں کو آواز دی جائے۔

بھائی آپ جانتے ہیں مویشیوں کو جب پانی کے لیے لے کر آتے ہیں گھر میں، تو خاص آواز نکالتے ہیں تاکہ جانور سمجھ جائے کہ اب کیا کرنا ہے؟ پانی پینا ہے۔ مویشی کو بٹھانا ہو، بٹھانے کے لیے خاص آواز نکالتے ہیں۔ اسی طرح مویشی جب ہل کسان کھیت میں ہل چلا رہا ہوتا ہے، تو بیلوں کو چلانے کے لیے خاص آواز نکالتا رہتا ہے۔ تو دیکھا! اب یہ جو آوازیں نکالی جا رہی ہیں، یہ جو مویشی کے سامنے پانی رکھا اور آواز نکالی تاکہ یہ پانی پیے، یا آواز نکالی کہ مویشی بیٹھ جائے، یا بیل کھیت میں چل رہے ہیں آواز نکالی تاکہ یہ چلتے رہیں، کیا یہ جو آوازیں ہیں، ان میں ان جانوروں کی آواز کی نقل کی جا رہی ہے؟ نہیں نہیں، ان کی آواز نہیں نقل کی جا رہی بلکہ ان آوازوں کے ذریعے اس مویشی کو آواز دی جا رہی ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟ دونوں میں فرق سمجھ میں آیا؟ پہلے بھی آوازیں تھیں، یہ بھی

آوازیں، لیکن وہ کیا تھیں آوازیں؟ وہ کسی کی نقل کی جاتی تھی، اور اس میں کسی حیوان کو آواز دی جاتی ہے کہ یہ یوں کرو۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

یہ معنی ہے أَوْ صُوِّتَ بِهِ الْبَهَائِمُ، یا آواز دی جائے اس کے ساتھ چوپایوں کو: كَنَخٍّ لِإِنَاخَةِ الْبَعِيرِ۔ اِنَاخَة کا معنی بٹھانا، بَعِیر کہتے ہیں اونٹ کو۔ بھائی جیسے اونٹ کو بٹھاتے وقت آواز عرب آواز دیتے ہیں: نَخْ نَخْ۔ اونٹ کو بٹھانا ہو تو کیا کہتے ہیں؟ نَخْ نَخْ، اور اونٹ بھی فوراً آواز سمجھ جاتا ہے اور فوراً بیٹھ جاتا ہے بھائی۔ تو دیکھا! تو یہ آوازیں گویا دو قسم کی ہوئیں: کچھ وہ آوازیں جن کے ذریعے دوسری چیزوں کی آواز کو نقل کیا جاتا ہے، اور کچھ وہ آوازیں جن کے ذریعے مویشیوں اور جانوروں کو آواز دی جائے، تو یہ سب اصوات میں داخل ہیں اور یہ سب مبنی ہیں بھائی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: الْمُرَكَّبَاتُ كُلُّ اسْمٍ رُكِّبَ مِنْ كَلِمَتَيْنِ...

فَصْلٌ: الْمُرَكَّبَاتُ كُلُّ اسْمٍ رُكِّبَ مِنْ كَلِمَتَيْنِ لَيْسَتْ بَيْنَهُمَا نِسْبَةٌ۔

مبنیات میں سے چھٹی قسم مرکبات آگئے بھائی، مرکبات۔ تو کچھ مرکبات ہیں وہ مبنی ہیں، ان کو اب ذکر کریں گے۔ تو مرکبات، مرکبات: رَكَّبَ يُرَكِّبُ تَرْكِيبٌ کا معنی ہے جوڑنا۔ تو مرکب وہ کلمات، وہ کلمہ جس کو دوسرے کے ساتھ جوڑا گیا ہو۔ جوڑا گیا ہو۔ تو کہتے ہیں: الْمُرَكَّبَاتُ كُلُّ اسْمٍ رُكِّبَ مِنْ كَلِمَتَيْنِ، ہر ایسا اسم ہے: رُكِّبَ مِنْ كَلِمَتَيْنِ، جس کو ترکیب دیا گیا ہو دو کلموں سے یعنی اس میں کتنے کلمے جوڑے گئے ہوں؟ دو کلمے جوڑ کر ایک اسم بنالیا گیا بھائی۔ معنی سمجھ میں آیا بھائی؟ كُلُّ اسْمٍ، ہر ایسا اسم ہے: رُكِّبَ مِنْ كَلِمَتَيْنِ، جس کو کس سے ترکیب دیا گیا ہو؟ دو کلموں سے، دو کو جوڑ کر ایک اسم بنالیا گیا۔ معنی سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ جو ایک اسم دونوں کے جوڑنے سے بنا اس کو مرکب کہیں گے، کیا کہیں گے؟ مرکب۔ ہاں، تو کہتے ہیں: الْمُرَكَّبَاتُ كُلُّ اسْمٍ، ہر ایسا اسم ہے: رُكِّبَ مِنْ كَلِمَتَيْنِ، جس کو ترکیب دیا گیا ہو دو کلمات سے: لَيْسَتْ بَيْنَهُمَا نِسْبَةٌ، دو ایسے کلمات کہ ان کے درمیان نسبت نہ ہو۔ بھائی نسبت نہ ہو اس لیے کیونکہ نسبت آئے گی تو جملہ بن جائے گا بھائی، کیا بن جائے گا؟ جملہ بن جائے گا، یا اسی طرح اضافت والی نسبت بھی نہ ہو۔ تو دو ایسے کلمے جن کے درمیان نسبت—نسبت وہی اسناد کا نام ہے۔ کس کا نام ہے؟ اسناد۔ مبتدا اور خبر میں کیا آتا ہے؟ اسناد، ایک مسند الیہ ہے دوسرا مسند بہ ہے، تو ان میں اسناد نہ ہو ورنہ تو جملہ بن جائے گا۔ تو کہتے ہیں: لَيْسَتْ بَيْنَهُمَا نِسْبَةٌ، کہ ان میں نسبت نہ ہو۔

فَإِنْ تَضَمَّنَ الثَّانِي حَرْفًا يَجِبُ بِنَاؤُهُمَا عَلَى الْفَتْحِ۔ بھائی میں نے آپ کو بتایا تھا ابھی چند صفحے قبل گزرا: أَحَدَ عَشَرَ، اصل میں کیا تھا؟ أَحَدٌ وَعَشَرٌ۔ أَحَدٌ الگ تھا، عَشَرٌ الگ تھا، درمیان میں واؤ تھا حرف۔ پھر وہ واؤ عَشَرٌ میں چھپ گیا اور وہ بن گیا مبنی: عَشَرَ، اور أَحَدَ بھی مبنی بن گیا کیونکہ وہ بیچ میں آگیا، اور اعراب تو آخر میں آیا کرتا ہے بیچ میں نہیں آتا۔ دیکھو زید، زید کی یا بیچ میں ہے، اس پہ اعراب آتا ہے یا آخر میں دال پر آتا ہے؟ آخر میں دال پر اعراب آتا ہے۔ تو أَحَدٌ اور عَشَرٌ جب دونوں کو ملا کر جوڑ دیا تو أَحَد کا دال بیچ میں آگیا، اب وہ مبنی ہو گیا کیونکہ اس پہ اعراب نہیں آسکتا۔ تو اس پر اعراب نہیں آسکتا، وہ بیچ میں آگیا مبنی بن گیا، جبکہ آخری حصہ عَشَر اس پہ آخر میں اعراب نے آنا تھا لیکن وہ بھی مبنی بن گیا کیونکہ اس میں واؤ چھپ گیا۔ اور واؤ کیا ہے؟ حرف ہے، مبنی الاصل ہے۔ جب مبنی الاصل اس کے اندر چھپ گیا تو اس نے اس لفظ کو بھی کیا بنا دیا؟ مبنی بنا دیا۔ تو عَشَر کیوں مبنی؟ واؤ چھپا ہے۔ اور أَحَد کیوں مبنی؟ کیونکہ وہ بیچ میں آگیا، اور بیچ میں اعراب نہیں آتا بھائی۔

یہی بیان کر رہے ہیں: فَإِنْ تَضَمَّنَ الثَّانِي حَرْفًا يَجِبُ بِنَاؤُهُمَا عَلَى الْفَتْحِ، اگر دوسرا اسم جو ہے، دو اسموں کو جوڑنا، تو جہ ہے؟ دو اسموں کو جوڑ کر کیا بنایا ہے؟ ایک۔ تو ان میں سے اگر دوسرا اسم وہ متضمن ہو حرف کو: فَإِنْ تَضَمَّنَ الثَّانِي حَرْفًا، اگر دوسرا اسم جو ہے متضمن ہو حرف کو یعنی اس پر مشتمل ہو، اس کے بیچ میں آیا ہو حرف: يَجِبُ بِنَاؤُهُمَا عَلَى الْفَتْحِ، تو واجب ہے ان دونوں کو مبنی بنانا فتحہ پر۔ دونوں کیا ہوں گے؟ مبنی علی الفتح۔ دیکھو: أَحَدَ عَشَرَ۔ کوئی آپ سے اعراب پوچھے، أَحَدَ کا اعراب، آپ کہیں گے: نہیں بھائی، یہ تو بیچ میں ہے، اعراب بیچ میں نہیں آتا آخر میں آتا ہے، یہ دال کیا ہے؟ مبنی، اور مبنی علی الفتح ہے کیونکہ کیا آرہا ہے اوپر؟ زبر ہے۔ میں نے بتایا تھا مبنی کی حرکات کو کیا کہتے ہیں؟ ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ، اور معرب کے اعراب کو کیا کہتے ہیں؟ رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ۔ اور ایک نام جو دونوں کے لیے مشترکہ استعمال ہوتا ہے، وہ کیا ہے؟ وہی مبنی کے لیے جو کیا نام تھا؟ ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ، اسی کے ساتھ گول تا ملا دو: ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ۔ یہ جب تا ساتھ ملی ہو تو یہ معرب کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور مبنی دونوں کے لیے۔ تا ساتھ نہ ہو تو صرف کس کے لیے؟ مبنی کے لیے، اور رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ کس کے لیے؟ معرب کے لیے بھائی۔

تو اسی لیے کہا: يَجِبُ بِنَاؤُهُمَا عَلَى الْفَتْحِ، تو دونوں کی واجب ہے کہ دونوں مبنی علی الفتح ہوں گے: كَأَحَدَ عَشَرَ إِلَى تِسْعَةَ عَشَرَ، أَحَدَ عَشَرَ گیارہ سے لے کر إِلَى تِسْعَةَ عَشَرَ انیس تک۔ ان سب میں اسی طرح ہے، دونوں جزء مبنی علی الفتح ہیں۔ توجہ ہے؟ بھائی أَحَدَ عَشَرَ اصل میں کیا تھا؟ أَحَدٌ وَعَشَرٌ، پھر دوسرے لفظ میں کیا چھپا دیا؟ واؤ چھپا دیا، اور ضابطہ انہوں نے بتا دیا کہ اگر دوسرے لفظ میں، دوسرے اسم میں کوئی حرف چھپ جائے تو دونوں کو مبنی علی الفتح پڑھنا۔ واؤ تو کس میں چھپا؟ عَشَرَ میں، لیکن اب أَحَد اور عَشَرَ دونوں کو کیا پڑھنا؟ مبنی علی الفتح یعنی دونوں کے آخر میں زبر پڑھنا: أَحَدَ عَشَرَ، سمجھ میں آیا؟ ثَلَاثَةَ عَشَرَ، أَرْبَعَةَ عَشَرَ، خَمْسَةَ عَشَرَ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: تو یہ واجب ہے: بِنَاؤُهُمَا عَلَى الْفَتْحِ، کہ دونوں کی بنا فتحہ پر ہو: كَأَحَدَ عَشَرَ إِلَى تِسْعَةَ عَشَرَ، جیسے گیارہ سے لے کر انیس تک: إِلَّا اثْنَيْ عَشَرَ، سوائے اثْنَيْ عَشَرَ بارہ کے: فَإِنَّهَا مُعْرَبَةٌ، کیونکہ وہ معرب ہے۔ بھائی اثْنَا عَشَرَ، اس کا آخری جزء عَشَرَ وہ تو اسی طرح مبنی علی الفتح ہے کیونکہ اس میں واؤ چھپ گیا۔ لیکن یہ جو اثْنَا ہے، اثْنَا پہلا جزء، باقیوں میں تو پہلا جزء بھی مبنی علی الفتح تھا۔ توجہ ہے؟ دو اسموں کو آپ نے جوڑ کر ایک بنایا اور دونوں جزء کیا ہو گئے؟ مبنی علی الفتح۔ گیارہ سے لے کر انیس تک سب میں اسی طرح ہے، دونوں جزء مبنی علی الفتح ہیں۔ لیکن اثْنَا عَشَرَ کہ اس میں پہلا جزء معرب ہے، پہلا جزء معرب ہے۔ یہ مبنی نہیں، پہلا جزء مبنی نہیں، دوسرا جزء یہاں بھی مبنی ہے: عَشَرَ، لیکن اثْنَا کیا ہے؟ معرب ہے۔ اور معرب میں کیا ہوتا ہے؟ اثْنَا، حالتِ رفعی میں کہتے ہیں: اثْنَانِ، حالتِ نصبی و جری میں کہتے ہیں: اثْنَيْنِ، وہ الف کس سے بدلتا ہے؟ یا سے۔ تو یہاں بھی اسی طرح، حالتِ رفعی ہو گی تو کہیں گے: اثْنَا عَشَرَ، نون گر گیا، نون گر گیا۔ نون کیا ہے؟ گر گیا۔ تو کیا کہیں گے؟ اثْنَا عَشَرَ، اور حالتِ نصبی و جری میں کہیں گے: اثْنَيْ عَشَرَ۔ کیا کہیں گے؟ اثْنَيْ عَشَرَ۔ نون گر گیا، کیوں نون گر گیا؟ کیونکہ نون، نون تنوین کی طرح تھا، کس کی طرح تھا؟ تنوین کے درجے میں تھا، نونِ اعرابی ہے نا۔ تو نون گر گیا کیونکہ نون اسم کے پورا ہونے کی علامت تھی: اثْنَانِ، یا یوں کہیں: غُلَامَانِ، غُلَامَانِ کیا معنی؟ دو غلام۔ اسی کی جب میں اضافت کروں، کیسے کہوں گا؟ غُلَامَا زَيْدٍ، اب نون گر گیا۔ کیوں گرا؟ کیونکہ نون جب آجاتا تھا تو پتہ چل جاتا تھا کہ یہ اسم پورا ہو گیا ہے، اور اب جب آپ نے مضاف الیہ جوڑا تو اب صرف مضاف پر تو بات پوری نہیں بلکہ آگے کون چاہیے؟ مضاف الیہ بھی۔ تو اگر نون کو باقی رکھیں گے تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ آگے مضاف الیہ نہیں آ رہا، اور آگے تو مضاف الیہ آ رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ نون کس چیز کی علامت ہے کہ یہ اسم پورا ہو گیا ہے، مکمل ہو گیا ہے، آگے کوئی اور لفظ آئے گا، یہ والا لفظ کیا ہو گیا؟ پورا ہو گیا۔ لیکن جب آپ مضاف الیہ کو ساتھ جوڑتے ہیں تو صرف مضاف پر بات پوری ہوتی ہے یا مضاف الیہ بھی ساتھ ضروری ہوتا ہے؟ مضاف الیہ بھی۔ تو اب نون نہیں لائیں گے، کیونکہ نون اگر اب بھی رکھتے ہیں تو اس کا نون تو آتے ہی ہم سمجھیں گے بات پوری ہو گئی، حالانکہ بات تو ابھی پوری نہیں ہوئی، آگے تو ابھی کون آنے والا ہے؟ مضاف الیہ، لہٰذا نون کو ختم کر دیتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ اسی طرح جیسے تنوین ہے: جَاءَنِي غُلَامٌ۔ دیکھو غُلَامٌ پر جیسے ہی تنوین آئی، آپ سمجھ گئے یہ لفظ پورا ہو گیا، آگے کوئی اور لفظ اس کے ساتھ جڑا ہوا نہیں۔ لیکن جب آپ اضافت کرتے ہیں، تنوین گرا دیتے ہیں: جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ۔ اب دیکھو وہ تنوین ختم ہو گئی، گرا دی، کیوں گرائی؟ کیونکہ تنوین اسم کے پورا ہونے کی علامت تھی کہ اسم پورا ہو گیا آگے اس کے ساتھ کوئی اور لفظ جڑا ہوا نہیں ہے، لیکن اب تو آپ نے جوڑ دیا۔ تو جب بھی لفظ ساتھ کوئی اور لفظ جوڑتے ہیں تو اس تنوین کو بھی گرا دیتے ہیں اور نونِ تثنیہ کو بھی گرا دیتے ہیں۔ یہاں پر بھی اثْنَانِ وَعَشَرٌ تھا۔ اثْنَانِ وَعَشَرٌ، پھر جب دونوں کو آپ نے ملایا، واؤ تو عَشَرَ میں چھپ گیا اور نون، نون کو ختم کر دیا، کیونکہ اگر نون بیچ میں رہتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے دونوں اسم الگ الگ ہیں، حالانکہ آپ نے دونوں کو کیا کر دیا؟ ایک کر دیا، معلوم ہوا جب ابھی بھی بات، اگلا لفظ بھی آنے والا ہے تو نون کو ختم کر دیا، تو کیا بن گیا؟ اثْنَا عَشَرَ۔

اثْنَا عَشَرَ، تو دیکھو اس میں نون گر گیا۔ اثْنَانِ میں جب نون گر گیا تو اس کی مشابہت آگئی تثنیہ کے ساتھ۔ یہ اثْنَانِ تثنیہ نہیں ہے، یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے۔ کیونکہ تثنیہ اس کو کہتے ہیں، ادھر دیکھیے، تثنیہ اس کو کہتے ہیں جو اسم ہو اور اس کے آخر میں الف نون بڑھائیں تو تثنیہ بن جائے، جیسے رَجُلٌ ایک لفظ ہے، اس کے آخر میں کیا بڑھایا؟ الف نون، تو یہ تثنیہ بن گیا۔ جبکہ اثْنَانِ میں ایسا نہیں ہے، اثْنَانِ سے الف نون کے بغیر بھی کبھی استعمال ہوتا ہے؟ اِثْنٌ استعمال ہوتا ہے؟ اس کے ساتھ تو الف نون ہمیشہ استعمال ہوتا ہے، تو معلوم ہوا یہ تثنیہ نہیں ہے۔ تثنیہ تو کسے کہتے ہیں جس میں پہلے الف نون نہ ہو اور پھر کیا لے آؤ؟ الف نون لے آؤ، تو اس کو کہتے ہیں تثنیہ۔ اور اس میں تو شروع سے ہی کیا ہے؟ الف نون موجود ہے، لہٰذا یہ تثنیہ نہیں، ہاں اس کا معنی بھی دو ہے لیکن یہ بہر حال وہ اصطلاحی تثنیہ جس کو ہم کہتے ہیں نحو کے اندر جس کے آخر میں الف نون جوڑتے ہیں، یہ وہ نہیں ہے بھائی۔ تو لہٰذا جب اثْنَانِ کے آخر سے نون گر گیا، اثْنَا عَشَرَ بن گیا تو اس کی مشابہت کس کے ساتھ آگئی؟ تثنیہ کے ساتھ۔ یہ تثنیہ تو نہیں لیکن مشابہت کس سے آگئی؟ تثنیہ سے۔ اور تثنیہ، تثنیہ تو آپ جانتے ہیں معرب ہوتا ہے، اس کا اعراب بھی آپ نے پڑھا تھا: جَاءَنِي رَجُلَانِ حالتِ رفعی میں الف کے ساتھ، نصبی جری میں یا کے ساتھ: رَجُلَيْنِ۔

توجب اثْنَانِ کی مشابہت جب تثنیہ کے ساتھ آئی تو اس کو معرب ہی رکھا۔ لہٰذا حالتِ رفعی میں کیا کہیں گے؟ اثْنَا عَشَرَ، اور حالتِ نصبی و جری میں کیا کہیں گے؟ اثْنَيْ عَشَرَ۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو کہتے ہیں: فَإِنْ تَضَمَّنَ الثَّانِي حَرْفًا، اگر دوسرا اسم متضمن ہو کسی حرف کو: يَجِبُ بِنَاؤُهُمَا عَلَى الْفَتْحِ، تو واجب ہے کہ دونوں مبنی ہوں، دونوں کو مبنی کر دیں فتحہ پر: كَأَحَدَ عَشَرَ إِلَى تِسْعَةَ عَشَرَ، جیسے گیارہ سے لے کر انیس تک: إِلَّا اثْنَيْ عَشَرَ، سوائے اثْنَيْ عَشَرَ کے: فَإِنَّهَا مُعْرَبَةٌ، کہ یہ کیا ہے؟ معرب یعنی اس کا پہلا جزء کیا ہے؟ معرب ہے۔ كَالْمُثَنَّى، جیسے تثنیہ ہوتا ہے، جیسے تثنیہ معرب ہوتا ہے اسی طرح اثْنَا عَشَرَ بھی کیا ہے؟ اس کا پہلا جزء معرب ہے۔

وَإِنْ لَمْ يَتَضَمَّنْ ذٰلِكَ فَفِيهَا لُغَاتٌ۔ بھائی ایک صورت یہ بتائی، ادھر دیکھیے، بات چل رہی ہے مرکبات کی جہاں دو اسموں کو جوڑ کر ایک اسم بنایا جاتا ہے۔ اس میں دو صورتیں ہیں: یا تو پہلے بیچ میں کوئی حرف تھا اور وہ پھر دوسرے میں چھپ گیا، یا پہلے شروع سے ہی بیچ میں کوئی حرف ہی نہیں تھا، ویسے ہی دو کو جوڑ کر ایک بنالیا، تو اب اس کو بیان کرنے لگے ہیں۔ اگر درمیان میں حرف ہو تو کیا کرتے ہیں؟ اس حرف کو دوسرے میں اگر وہ چھپا دیتے ہیں اور دونوں جزء کیا ہوتے ہیں؟ مبنی علی الفتح۔ لیکن اگر درمیان میں حرف نہیں تھا، جب درمیان میں حرف نہیں تھا تو دوسرے میں حرف چھپا بھی نہیں، تو یوں کہو، مرکبات کی دو صورتیں ہو گئیں: دوسرا اسم جو ہو گا وہ کسی حرف کو متضمن ہو گا یا کسی حرف کو متضمن نہیں ہو گا۔ اگر دوسرا اسم کسی حرف کو متضمن ہو تو دونوں جزء کیا ہوں گے؟ مبنی علی الفتح، اور اگر دوسرا اسم کسی حرف کو متضمن نہ ہو تو کہتے ہیں اس میں کئی لغتیں ہیں، کئی لغتیں ہیں بھائی، کئی طرح سے اس کو عربی میں پڑھا جاتا ہے۔

یہی بات بیان کر رہے ہیں: وَإِنْ لَمْ يَتَضَمَّنْ ذٰلِكَ، اور اگر دوسرا وہ اس حرف کو متضمن نہ ہو یعنی دوسرے اسم میں کوئی حرف چھپا ہوا نہ ہو: فَفِيهَا لُغَاتٌ، تو پھر اس مرکب میں کئی لغتیں ہیں، اس کو کئی طرح سے عربی میں پڑھا جاتا ہے: أَفْصَحُهَا بِنَاءُ الْأَوَّلِ عَلَى الْفَتْحِ وَإِعْرَابُ الثَّانِي غَيْرَ مُنْصَرِفٍ۔ تو ان میں سب سے فصیح یعنی سب سے اعلیٰ لغت جو ہے وہ یہ ہے کہ: بِنَاءُ الْأَوَّلِ عَلَى الْفَتْحِ، پہلے کو کیا کر دو؟ مبنی بنا دو علی الفتح، کس پر؟ فتحہ پر۔ بھائی دیکھیں نا، دو اسموں کو جوڑ کر ایک لفظ بنا دیا، ایک مرکب بنا دیا اور دوسرے اسم میں کوئی حرف بھی چھپا ہوا نہیں ہے، تو اس میں کئی طرح عرب اس کو پڑھتے ہیں لیکن سب سے فصیح اور سب سے عمدہ لغت اور انداز کون سا ہے اس کے پڑھنے کا؟ پہلے کو مبنی علی الفتح کر دو: وَإِعْرَابُ الثَّانِي، اور دوسرے کو معرب پڑھو: غَيْرَ مُنْصَرِفٍ، وہ کیا ہو؟ غیر منصرف ہو بھائی، غیر منصرف۔

كَ: بَعْلَبَكَّ، جیسے بَعْلَبَكَّ۔ دیکھو: بَعْلٌ الگ لفظ تھا، بَكٌّ الگ لفظ تھا۔ بَعْلٌ الگ تھا، بَكٌّ الگ تھا، دونوں کو جوڑ کر اکٹھا کر دیا اور جب درمیان میں کوئی واؤ چھپا؟ نہیں چھپا، تو پھر اس کو کئی طرح عرب پڑھتے ہیں لیکن سب سے عمدہ لغت کیا ہے؟ کہ پہلے کو مبنی علی الفتح پڑھو۔ پہلا کون ہے؟ بَعْل، تو اس کو پڑھو: بَعْلَ، لام پر زبر پڑھو، مبنی علی الفتح۔ اور دوسرے جزء کو غیر منصرف پڑھو، دوسرا جزء کیا ہے؟ بَكَّ، اس کو غیر منصرف پڑھیں گے۔ غیر منصرف کا کیا اعراب ہوتا ہے؟ حالتِ رفعی میں ضمہ بغیر تنوین کے: جَاءَنِي عُمَرُ، اور حالتِ نصبی و جری میں زبر آئے گا: رَأَيْتُ عُمَرَ، مَرَرْتُ بِعُمَرَ یعنی تنوین نہیں آئے گی۔ اس میں بھی اسی طرح ہے، دیکھیے: نَحْوُ: جَاءَنِي بَعْلَبَكُّ، اور رَأَيْتُ بَعْلَبَكَّ۔ بَعْلَ نے تو اسی طرح رہنا ہے، بَكَّ میں تبدیلی ہو رہی ہے کیونکہ وہ معرب ہے اور غیر منصرف ہے۔ تو: جَاءَنِي بَعْلَبَكُّ، دوبارہ توجہ سے سنو بھائی: جَاءَنِي بَعْلَبَكُّ، دوسرا آگے: رَأَيْتُ بَعْلَبَكَّ، وَمَرَرْتُ بِبَعْلَبَكَّ۔ دیکھا! رَأَيْتُ بَعْلَبَكَّ منصوب ہے غیر منصرف ہے، اور مَرَرْتُ بِبَعْلَبَكَّ مجرور ہے اور غیر منصرف ہے کیونکہ باجارہ داخل ہے بھائی۔

اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۱: فصل الکنایات: «کَمْ» استفہامیہ و خبریہ اور «کَذَا» و «کَأَیِّنْ» کے احکام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۶۴—بتاریخ: ۴ مئی ۲۰۱۵ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلْكِنَايَاتُ: هِيَ أَسْمَاءٌ تَدُلُّ عَلَى عَدَدٍ مُبْهَمٍ، وَهِيَ كَمْ وَكَذَا، أَوْ حَدِيثٍ مُبْهَمٍ، وَهُوَ كَيْتَ وَذَيْتَ. وَاعْلَمْ أَنَّ كَمْ عَلَى قِسْمَيْنِ: اِسْتِفْهَامِيَّةٌ، وَمَا بَعْدَهَا مَنْصُوبٌ مُفْرَدٌ عَلَى التَّمْيِيزِ، نَحْوُ: كَمْ رَجُلًا عِنْدَكَ؟، وَخَبَرِيَّةٌ، وَمَا بَعْدَهَا مَجْرُورٌ مُفْرَدٌ، نَحْوُ: كَمْ مَالٍ أَنْفَقْتُهُ، أَوْ مَجْمُوعٌ، نَحْوُ: كَمْ رِجَالٍ لَقِيتُهُمْ، وَمَعْنَاهُ التَّكْثِيرُ.

مبنیات کا بیان چل رہا ہے۔ آج ہم کنایات کے بارے میں پڑھیں گے بھائی، کنایات۔ کہتے ہیں: «اَلْكِنَايَاتُ: هِيَ أَسْمَاءٌ تَدُلُّ عَلَى عَدَدٍ مُبْهَمٍ» کہ کنایات وہ اسماء ہیں جو دلالت کرتے ہیں عدد مبہم پر «وَهِيَ كَمْ وَكَذَا» اور وہ «كَمْ» اور «كَذَا» ہیں۔ «أَوْ حَدِيثٍ مُبْهَمٍ» یا وہ دلالت کرتے ہیں حدیث مبہم پر۔ حدیث کا معنی ہے بات، بات بھائی۔ یا مبہم بات پر «وَهُوَ كَيْتَ وَذَيْتَ» اور وہ «كَيْتَ» اور «ذَيْتَ» ہیں بھائی۔

بھائی، کنایہ بعض اوقات بات سے کیا جاتا ہے، بعض اوقات عدد سے مثلاً کیا جاتا ہے۔ مثلاً بھائی، آپ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ زید کے بارے میں بات کر رہے ہیں بھائی۔ مثلاً آپ کا اور زید کا کوئی جھگڑا ہوا ہے، اب آپ اپنے ساتھی کو اس جھگڑے کے بارے میں بتلا رہے ہیں، درمیان میں ایک تیسرا آدمی مثلاً عمرو آ گیا۔ تو اب آپ اس سے چھپانا چاہتے ہیں کہ آپ نے زید کو کیا کہا تھا۔ اپنے ساتھی کو تو آپ بتا چکے ہیں کچھ تفصیل بھائی۔ تو اب آپ کنایہ کرتے ہیں اور اپنے ساتھی کو یوں کہتے ہیں: «تو پھر میں نے زید کو یوں یوں کہا۔» دیکھا؟ بات نہیں ذکر کی بلکہ کیا کہہ دیا؟ «یوں یوں کہا۔» اس بات سے کنایہ کر دیا۔ یا یوں کہیں: «پھر میں نے زید کو ایسے ایسے کہا۔» دیکھا؟ وہ بات نہیں ذکر کی بلکہ ایسے ایسے کا لفظ لے آئے، تو یہ آپ نے اس ایسے ایسے کے ذریعے کیا مراد ہے؟ وہی بات مراد ہے جو آپ کے ساتھی کو علم ہو چکا ہے کہ آپ نے کیا کہا تھا۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو یہ جو «یوں یوں کہا» یا «ایسے ایسے» کا لفظ استعمال کیا، اس کے ذریعے کنایہ کیا اسی بات سے۔ اس کے ذریعے وہی بات مراد ہے جو آپ نے کس سے کی تھی؟ زید سے۔ لیکن آپ نے وہ بات ذکر نہیں کی کیونکہ اگر آپ ابھی وہ ذکر کرتے تو یہ آنے والے آدمی کو بھی اس کا پتہ چل جاتا، تو آپ نے اس بات سے کیا کر لیا؟ کنایہ کر لیا، دوسرے لفظ کے ساتھ یا اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ میں نے زید کو ایسے ایسے کہا، یا یوں کہہ دیا پھر میں نے زید کو یوں یوں کہا، تو اس کو کہتے ہیں کنایہ۔ عربی میں اس کے لیے ہے «كَيْتَ» اور «ذَيْتَ»۔

تو عربی میں آپ مثلاً کہتے ہیں: «فَقُلْتُ لَهُ كَيْتَ وَكَيْتَ»، «فَقُلْتُ لَهُ كَيْتَ وَكَيْتَ»۔ یا آپ یوں کہتے ہیں: «فَقُلْتُ لَهُ ذَيْتَ وَذَيْتَ»، تو میں نے اس کو یوں یوں کہا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو دیکھیے، یہاں یہ جو ایسے ایسے کہا یا یوں یوں کہا، یہ کیا ہے؟ کنایہ ہے، اور کس چیز سے کنایہ ہے؟ ایک بات سے کیا ہے؟ کنایہ ہے بھائی، ایک جملے سے کنایہ ہے۔

اسی طرح کبھی کبھار عدد سے بھی کنایہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ دوسرے کو بتا رہے تھے کہ مثلاً میں نے زید کو، زید اور اس کے ساتھیوں کو سو سو روپیہ دیا۔ اچانک تیسرا آدمی درمیان میں آیا، اب آپ اس کو نہیں بتانا چاہتے یا کسی وجہ سے آپ ویسے ہی جلدی بات کرنا چاہتے ہیں تو آپ یوں کہتے ہیں کہ: «پھر میں نے

ان کو اتنے اتنے روپے دیے۔» دیکھا؟ وہ عدد نہیں ذکر کیا کہ اتنے دیے بلکہ کیا کہہ دیا؟ اتنے اتنے۔ تو اس عدد سے اتنے کے، تو اس عدد سے آپ نے کنایہ کر لیا اور اتنے کا لفظ استعمال کیا۔ تو اس کو بھی کنایہ کہتے ہیں اور اس کے لیے عربی میں «کَمْ» اور «کَذَا» استعمال ہوتا ہے، «کَمْ» اور «کَذَا»۔

بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ «فَصْلٌ: اَلْكِنَايَاتُ: هِيَ أَسْمَاءٌ تَدُلُّ عَلَى عَدَدٍ مُبْهَمٍ» یہ وہ اسماء ہیں جو دلالت کرتے ہیں مبہم عدد پر، «وَهِيَ كَمْ وَكَذَا» اور وہ «کَمْ» اور «کَذَا» ہیں، «أَوْ حَدِيثٍ مُبْهَمٍ» یا یہ وہ اسماء ہیں جو دلالت کرتے ہیں مبہم حدیث، حدیث کا کیا معنی ہے؟ بات۔ مبہم بات پر دلالت کرتے ہیں۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو بھی حدیث کہا جاتا ہے، حدیث۔ تو حدیث کا ویسے معنی ہوتا ہے بات بھائی، جو بھی ہم بات کریں وہ کیا ہے؟ حدیث ہے۔ لیکن خاص طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وغیرہ کا نام حدیث رکھا گیا۔ تو خاص طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کا نام حدیث رکھا گیا۔ والد صاحب رحمہ اللہ اس کی عجیب وجہ بیان فرماتے تھے۔ وہ فرماتے تھے: اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں اتنا اونچا مقام رکھتی ہیں کہ ان کی باتوں کے سامنے اور کوئی بات، بات کہلانے کے لائق ہی نہیں۔ بات ہے تو ان کی بات ہے۔ اسی لیے انہی کی بات کو کیا کہتے ہیں، جب حدیث لفظ ذکر کیا جائے تو کس کی باتیں مراد ہوتی ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھائی۔ یعنی ان کی حدیث کے سامنے اور کسی کی حدیث یا کسی کی بات وہ حدیث ہے ہی نہیں، جب حدیث کہہ دیا تو مراد حضور علیہ السلام کی بات ہی ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: یا اس کے ذریعے کنایہ کیا جاتا ہے مبہم بات سے، «وَهُوَ كَيْتَ وَذَيْتَ»، جی۔ اس میں دونوں کے اندر تینوں لغتیں ہیں: «كَيْتَ»، «كَيْتُ»، «كَيْتِ»۔ اسی طرح «ذَيْتَ»، «ذَيْتُ»، «ذَيْتِ»۔ تو یہ تینوں طرح اس پر حرکتیں استعمال ہوتی ہیں، یہ مبنی ہیں بھائی۔ اس پر جو حرکت ہے وہی رہے گی۔ مثلاً آپ کہتے ہیں: «فَقُلْتُ لَهُ كَيْتَ وَكَيْتَ»، یا آپ کہتے ہیں: «فَقُلْتُ لَهُ كَيْتُ وَكَيْتُ»، یا آپ کہتے ہیں: «فَقُلْتُ لَهُ كَيْتِ وَكَيْتِ»، دیکھا؟ یہ مبنی ہے بھائی۔ اور اسی طرح «ذَيْتَ» کے اندر بھی تینوں حرکتیں ہیں، تو آپ مثلاً کہتے ہیں: «فَقُلْتُ لَهُ ذَيْتَ وَذَيْتَ»، یا آپ کہتے ہیں: «فَقُلْتُ لَهُ ذَيْتُ وَذَيْتُ»، یا آپ کہتے ہیں: «فَقُلْتُ لَهُ ذَيْتِ وَذَيْتِ»۔

آگے دیکھیے بھائی: «وَاعْلَمْ أَنَّ كَمْ عَلَى قِسْمَيْنِ: اِسْتِفْهَامِيَّةٌ، وَمَا بَعْدَهَا...» بھائی، آگے آپ کو تفصیل بتلا رہے ہیں «کَمْ» کے بارے میں کہ «کَمْ» دو قسم پر ہے بھائی، ایک «کَمْ» استفہامیہ ہے اور ایک «کَمْ» خبریہ ہے۔ نام سے ہی پتہ چل رہا ہے، «کَمْ» استفہامیہ وہ ہے جس کے ذریعے کوئی سوال کیا جائے، کسی سے کوئی بات پوچھی جائے، اور «کَمْ» خبریہ وہ ہے جس کے ذریعے کوئی خبر دی جائے بھائی، خبر دی جائے بھائی۔ اور یہ کثرت بیان کرنے کے لیے آتا ہے، کثرت۔ مثلاً آپ کہتے ہیں: «كَمْ رَجُلٍ لَقِيتُهُ»، میں نے بہت سے آدمیوں سے ملاقات کی۔ تو «کَمْ» نے کیا فائدہ دیا؟ «کَمْ» خبریہ ہے، کثرت کا فائدہ دیا بھائی، کثرت کا۔

اچھا، تو بہر حال بات یہ چل رہی ہے کہ «کَمْ» دو قسم پر ہے: ایک «کَمْ» استفہامیہ ہے اور ایک «کَمْ» خبریہ ہے۔ «کَمْ» استفہامیہ کے ذریعے کیا کیا جائے گا؟ سوال پوچھا جائے گا، اور «کَمْ» خبریہ کے ذریعے خبر دی جائے گی، کوئی بات بتلائی جائے گی بھائی، بات بتلائی جائے گی۔ تو اب دونوں میں فرق کیسے ہوگا؟ فرق بھی آپ کو بتلا رہے ہیں کہ بھائی، یہ «کَمْ» جو ہے نا «کَمْ»، یہ مبہم ہے، مبہم۔ اس میں ابہام ہے۔ اور آگے اس کی پھر تمیز آتی ہے ابہام کو دور کرنے کے لیے۔ تو تمیز آئے گی، اور استفہامیہ کے اندر جو ہے وہ تمیز منصوب ہوگی۔ مثلاً میں آپ سے پوچھتا ہوں: آپ نے کتنے آدمیوں سے ملاقات کی؟ یہ میں سوال کر رہا ہوں: آپ نے کتنے آدمیوں سے ملاقات کی؟ تو میں کہوں گا: «كَمْ رَجُلًا لَقِيتَهُ؟»، «كَمْ رَجُلًا لَقِيتَهُ؟» دیکھا؟ «کَمْ» یہ ممیز ہے اور آگے «رَجُلًا» کیا ہے؟ اس کی تمیز ہے۔ تو استفہامیہ کے اندر تمیز جو آئے گی وہ مفرد منصوب آئے گی، دیکھا؟ «كَمْ رَجُلًا»، «رَجُلٌ» مفرد لایا میں، «رِجَالٌ» جمع نہیں لے کر آیا۔ تو «کَمْ» استفہامیہ میں جو تمیز ہوگی وہ مفرد ہوگی اور منصوب ہوگی، «كَمْ رَجُلًا» بھائی، دیکھو «رَجُلًا» پر نصب ہے بھائی۔ تو «کَمْ» استفہامیہ میں تمیز کیا آئے گی؟ مفرد منصوب۔ جبکہ «کَمْ» خبریہ کے اندر جو تمیز ہوگی وہ مفرد مجرور بھی آسکتی ہے اور جمع مجرور بھی۔ وہاں «کَمْ» کی اضافت ہو جاتی ہے اپنی تمیز کی طرف۔ پہلے استفہامیہ کیسے تھا؟ «كَمْ رَجُلًا»۔ اور خبریہ کیا ہوگا؟ «كَمْ رَجُلٍ»، دیکھا؟ مفرد مجرور، «رَجُلٍ» مفرد ہے اور مجرور ہے۔ «كَمْ رَجُلٍ»، یہ آپس میں «کَمْ» مضاف ہے اور «رَجُلٍ» مضاف الیہ ہے۔ یا اس کو جمع بنا دو بھائی «رَجُلٍ» کو: «كَمْ رِجَالٍ»، «كَمْ رِجَالٍ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو «کَمْ» خبریہ کے اندر تمیز کیا ہوگی؟ یا مفرد مجرور ہوگی یا جمع مجرور ہوگی بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ» جان لے تو، «أَنَّ كَمْ عَلَى قِسْمَيْنِ» کہ «کَمْ» دو قسم پر ہے، «اِسْتِفْهَامِيَّةٌ» ایک «کَمْ» استفہامیہ ہے، «وَمَا بَعْدَهَا مَنْصُوبٌ مُفْرَدٌ عَلَى التَّمْيِيزِ» اور اس کا جو مابعد ہوتا ہے، اس «کَمْ» کا مابعد جو اس کے بعد آرہا ہو، وہ منصوب ہوتا ہے لفظ، «مُفْرَدٌ» اور

مفرد ہوتا ہے، «عَلَى التَّمْيِيزِ» کس بناء پر بھائی؟ منصوب کیوں ہوتا ہے؟ تمیز ہونے کی بناء پر، «نَحْوُ: كَمْ رَجُلًا عِنْدَكَ؟» کتنے آدمی ہیں آپ کے پاس؟ «وَخَبَرِيَّةٌ» اور دوسرا «كَمْ» خبریہ ہے، «وَمَا بَعْدَهَا مَجْرُورٌ مُفْرَدٌ» اور اس کا مابعد جو ہے وہ مجرور ہوگا، مفرد ہوگا، «نَحْوُ: كَمْ مَالٍ أَنْفَقْتُهُ» دیکھا؟ «كَمْ مَالٍ» کتنا مال، ہاں لیکن یہ «كَمْ» خبریہ ہے، کتنا نہیں، سوال نہیں ہے، خبر دے رہے ہیں اور کثرت بیان کرنے کے لیے آتا ہے، یعنی «كَمْ مَالٍ أَنْفَقْتُهُ» میں نے بہت سامال خرچ کیا، کتنا ہی مال میں نے خرچ کیا بھائی، یعنی بہت سامال خرچ کیا۔ «أَوْ مَجْمُوعٌ» یا «كَمْ» خبریہ کا مابعد مجرور جمع ہوگا، «نَحْوُ: كَمْ رِجَالٍ لَقِيتُهُمْ»، یہ «لَقِيتُ» ہونا چاہیے، زیادہ مناسب یہ ہے بھائی: «كَمْ رِجَالٍ لَقِيتُهُمْ»، کتنے ہی آدمیوں سے میں نے ملاقات کی، کتنے ہی آدمیوں سے میں نے ملاقات کی، یعنی بہت سے آدمیوں سے میں نے ملاقات کی بھائی۔ تو یہی کہہ رہے ہیں: «وَمَعْنَاهُ التَّكْثِيرُ» اور اس «كَمْ» خبریہ کا معنی تکثیر ہوتا ہے، کثرت کو بیان کرنا ہوتا ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

■ قولہ: «وَتَدْخُلُ مِنْ فِيهِمَا» کی تشریح

«وَتَدْخُلُ مِنْ فِيهِمَا» اور ان دونوں کے درمیان «مِنْ» داخل ہوجاتا ہے، یعنی «كَمْ» اور آگے اس کی جو تمیز آرہی ہے۔ «كَمْ رَجُلًا لَقِيتَهُ»، تو «كَمْ رَجُلًا»، «كَمْ رَجُلًا لَقِيتَ»۔ تو یہاں «مِنْ» درمیان میں لے آئیں: «كَمْ مِنْ رَجُلٍ لَقِيتَ»، اور خبر یہ کیا تھا؟ «كَمْ رَجُلٍ لَقِيتُ»، وہاں بھی «مِنْ» لے آئیں: «كَمْ مِنْ رَجُلٍ لَقِيتُ»۔ تو سوال یہ تھا کہ دونوں ایک جیسے ہوگئے، استفہامیہ بھی ہوگیا «كَمْ مِنْ رَجُلٍ» اور خبر یہ بھی ہوگیا «كَمْ مِنْ رَجُلٍ»، تو دونوں میں فرق کیسے ہوگا؟ کہتے ہیں بھائی، فرق موقع کے، استعمال کے اعتبار سے پتہ چل جائے گا بھائی۔ جہاں جملہ آپ بولیں گے، جہاں جس مقام پر یہ جملہ بولیں گے، سننے والے کو خود ہی پتہ چل جائے گا کہ یہ اس وقت سوال پوچھ رہا ہے یا خبر، وہاں اور قرینے وغیرہ ہوتے ہیں ان سے پتہ چل جاتا ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَتَدْخُلُ مِنْ فِيهِمَا» اور «مِنْ» ان دونوں کے درمیان داخل ہوجاتا ہے، یعنی «كَمْ» خبریہ اور «كَمْ» استفہامیہ اور اس کی تمیز میں۔ «تَقُولُ: كَمْ مِنْ رَجُلٍ لَقِيتَهُ؟ وَكَمْ مِنْ مَالٍ أَنْفَقْتُهُ» کتنے لوگوں سے تو نے ملاقات کی؟ «وَكَمْ مِنْ مَالٍ أَنْفَقْتُهُ» اور بہت سامال میں نے خرچ کیا بھائی۔ «أَنْفَقْتُ» ہونا چاہیے زیادہ مناسب یہ ہے۔ بھائی دیکھیے، دونوں کی مثالیں ذکر کر رہے ہیں، «كَمْ» استفہامیہ کی بھی اور «كَمْ» خبریہ کی بھی۔ اور سوال عموماً مخاطب سے، سامنے والے سے پوچھا جاتا ہے، اس لیے بار بار مخاطب کے صیغے آرہے ہیں: «كَمْ مِنْ رَجُلٍ لَقِيتَهُ؟» کتنے لوگوں سے تو نے ملاقات کی؟ اور خبر عموماً اپنے بارے میں دی جاتی ہے تو لہٰذا «كَمْ مِنْ مَالٍ أَنْفَقْتُهُ» متکلم کا صیغہ ہونا چاہیے، زیادہ مناسب ہے۔ ضروری نہیں ہے لیکن زیادہ مناسب کیا ہے؟ ہاں، تو دونوں کی مثالیں چل رہی ہیں، تو جو «كَمْ» خبریہ والی ہو اس میں ہم کون سا صیغہ بنالیتے ہیں؟ مخاطب والا، اور «كَمْ» استفہامیہ میں ہم مخاطب والا صیغہ بنالیتے ہیں اور «كَمْ» خبریہ میں متکلم والا بھائی۔

«وَقَدْ يُحْذَفُ التَّمْيِيزُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ» اور کبھی کبھار اس کی تمیز کو حذف کرلیا جاتا ہے قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے، «نَحْوُ: كَمْ مَالُكَ؟» دیکھا؟ «كَمْ مَالُكَ؟»، «كَمْ» کے بعد «مَالُ» مرفوع آگیا۔ بھائی، «كَمْ» کے بعد تو یا منصوب آتا ہے یا مجرور آتا ہے، تو یہ مرفوع آگیا۔ تو اس کا رفع بتلا رہا ہے کہ یہاں پر تمیز محذوف ہے۔ تمیز کیا ہے؟ محذوف ہے۔ تو یہ قرینہ ہے یہاں پر۔ تو کہتے ہیں: «وَقَدْ يُحْذَفُ التَّمْيِيزُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ» اور کبھی کبھار تمیز کو حذف کر دیا جاتا ہے قرینہ قائم ہوتے وقت، «نَحْوُ: كَمْ مَالُكَ؟ أَيْ كَمْ دِينَارًا مَالُكَ؟» کتنے دینار ہے تمہارا مال؟ «وَكَمْ ضَرَبْتُ» دیکھا؟ «كَمْ» کے بعد تو فعل آگیا بھائی، «كَمْ» کے بعد تو تمیز آیا کرتی ہے، تو یہ فعل کا آنا بتلا رہا ہے، یہ قرینہ ہے کہ معلوم ہوا یہاں تمیز کیا ہے؟ محذوف ہے۔ «وَكَمْ ضَرَبْتُ، أَيْ كَمْ ضَرْبَةٍ ضَرَبْتُ» بہت سی ضربیں میں نے لگائیں۔ آپ بتائیے: «كَمْ ضَرْبَةً ضَرَبْتُ» ہونا چاہیے یا «كَمْ ضَرْبَةٍ ضَرَبْتُ»؟ آگے «ضَرَبْتُ» متکلم کا صیغہ ہے، اور اپنے آپ سے کوئی سوال پوچھا جاتا ہے اپنے بارے میں، یا خبر دی جاتی ہے عموماً؟ خبر۔ تو «كَمْ ضَرْبَةٍ ضَرَبْتُ» میں نے بہت سی ضربیں لگائیں بھائی۔ اور اگر «ضَرْبَةً» پڑھیں: «كَمْ ضَرْبَةً ضَرَبْتُ؟» میں نے کتنی ضربیں لگائیں بھائی؟ تو پھر اپنے بارے میں کیا ہوجائے گا؟ سوال۔ تو بہر حال سوال بھی ہوسکتا ہے، یہ ضروری نہیں ہے، اپنے بارے میں بھی بعض اوقات سوال ہوسکتا ہے، ایک چیز کی طرف توجہ نہ ہو، لیکن زیادہ مناسب کیا ہے؟ سوال کے لیے کون سا صیغہ یہاں ہم استعمال کرلیتے ہیں؟ مخاطب والا، اور خبر کے لیے متکلم والا، اگرچہ یہ ضروری نہیں ہے بھائی۔

«وَاعْلَمْ أَنَّ كَمْ فِي الْوَجْهَيْنِ يَقَعُ مَنْصُوبًا إِذَا كَانَ بَعْدَهُ فِعْلٌ غَيْرُ مُشْتَغِلٍ عَنْهُ بِضَمِيرِهِ» اب بھائی، «كَمْ» کا اعراب بتانے لگے ہیں۔ یہ تو آپ نے پڑھ ہی لیا کہ یہاں ہم مبنیات کی بحث پڑھ رہے ہیں بھائی، تو «كَمْ» بھی کیا ہے؟ مبنی ہے بھائی۔ تو اس پر اعراب تو ظاہر نہیں ہوگا، مبنی

پر اعراب کون سا آتا ہے؟ محلاً آتا ہے، وہ محلاً مرفوع ہوتا ہے، محلاً منصوب ہوتا ہے اور محلاً مجرور۔ تو اس «کَمْ» کا کیا اعراب ہوگا؟ یہ آگے چل کر آپ کو بتائیں گے کہ یہ «کَمْ» مرفوع بھی ہو سکتا ہے، یہ منصوب بھی ہو سکتا ہے اور یہ مجرور بھی ہو سکتا ہے۔ اب سب سے پہلے منصوب بتلانے لگے ہیں کہ «کَمْ» منصوب کب ہوگا؟ کہتے ہیں: اگر «کَمْ» کے بعد کوئی فعل آئے اور وہ فعل اس کی ضمیر میں مشغول نہ ہو تو پھر یہ «کَمْ» منصوب ہوگا بھائی، منصوب ہوگا۔ توجہ ہے؟ «کَمْ» کے بعد کیا آئے؟ فعل۔ درمیان میں تمیز آرہی ہے، تمیز کے بعد مثلاً آگے کیا آرہا ہے؟ فعل۔ تو «کَمْ» کے بعد آگے چل کر ایک فعل آ رہا ہے اور وہ فعل اس کی ضمیر میں مشغول نہیں تو پھر یہ «کَمْ» کیا ہوگا؟ منصوب ہوگا، منصوب ہوگا، اور پھر کیا بنے گا؟ مفعول بنے گا، یا کیا بنے گا؟ کہتے ہیں: یہ «کَمْ» کی تمیز کو دیکھ لینا، اس کی تمیز سے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اس «کَمْ» کو، یہ «کَمْ» مفعول بہ ہے، یا یہ «کَمْ» مفعول مطلق ہے، یا یہ «کَمْ» کیا ہے؟ مفعول فیہ ہے یعنی ظرف ہے۔

اگر «کَمْ» کے بعد ظرف آجائے، «کَمْ» کے بعد ظرف آجائے تو وہ ظرف کیا ہے؟ اسی «کَمْ» سے ابہام کو دور کر رہا ہے، معلوم ہوا یہ «کَمْ» بھی کیا ہے؟ ظرف ہی ہے، تو یہ اور ظرف کیا ہوتا ہے؟ مفعول فیہ، اور مفعول فیہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ اور «کَمْ» کے بعد اگر کوئی عام مفعول آجاتا ہے تو پھر وہ تمیز جو ہے مفعول بن سکتی ہے تو پھر یہ «کَمْ» کیا بن جائے گا؟ مفعول بن جائے گا۔ دیکھیے، آگے سب کی مثالیں آرہی ہیں لیکن توجہ سے میری بات سن لو، مثالوں سے بات واضح ہو جائے گی۔ تو «کَمْ» کے بعد اگر تمیز جو آرہی ہے اس پہ آپ نے نظر رکھنی ہے۔ سب سے پہلی بات دوبارہ سن لیں: سب سے پہلے دیکھیں کہ «کَمْ» سے آگے چل کر کوئی فعل آرہا ہو اور وہ فعل اس «کَمْ» کی ضمیر میں مشغول نہیں، مشغول نہ ہو تو پھر یہ «کَمْ» منصوب ہوگا، اور منصوب پھر کیا ہوگا؟ مفعول بہ ہوگا، یا مفعول فیہ ہوگا، یا مفعول مطلق ہوگا، وہ اس «کَمْ» کی تمیز کو دیکھ کر پتہ چلے گا۔ اگر «کَمْ» کی تمیز جو ہے وہ مصدر ہے، کیا ہے؟ مصدر، تو مصدر تو کیا بتاتا ہے؟ مفعول مطلق، تو یہ «کَمْ» بھی کیا بنے گا؟ مفعول مطلق۔ اگر «کَمْ» کے آگے کوئی ظرف کا صیغہ ہے جس میں زمانے اور جگہ والا معنی ہے، تو یہ «کَمْ» بھی کیا بنے گا؟ ظرف یعنی مفعول فیہ ہوگا، مفعول فیہ ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا۔ اور اگر اس «کَمْ» کے بعد مصدر بھی نہیں اور «کَمْ» کے بعد ظرف بھی نہیں تو پھر یہ «کَمْ» مفعول بہ ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مثلاً دیکھیے بھائی، میں کہتا ہوں: «کَمْ یَوْمًا صُمْتُ؟»، «صُمْتُ» صاد کے ساتھ، صام یصوم کے معنی ہیں روزہ رکھنا، «صُمْتُ» میں نے روزہ رکھا، ہاں «کَمْ یَوْمٍ صُمْتُ»، جی کیا معنی ہوگا؟ «کَمْ یَوْمٍ صُمْتُ»، اپنے سے سوال کیا جاتا ہے یا خبر دی جاتی ہے؟ خبر۔ اور نیز تمیز بھی مجرور ہے، وہ بھی بتلا رہی ہے یہ «کَمْ» خبر یہ ہے تو کیا ترجمہ کریں گے؟ «کَمْ یَوْمٍ صُمْتُ»، «کَمْ» تکثیر، کثرت بیان کرتا ہے جب خبر میں آئے، خبر میں آئے تو۔ میں نے بہت سے دن روزے رکھے، کثرت بیان کر رہا ہے نا، میں نے کتنے ہی دن روزے رکھے، «کَمْ یَوْمٍ صُمْتُ»۔

ترکیب بھائی: دیکھو «کَمْ یَوْمٍ» اور آگے «صُمْتُ»، «صُمْتُ» کیا ہے؟ فعل، اور میں نے روزے رکھے، اور ما قبل میں کیا ہے؟ «کَمْ» کے بعد کیا ہے؟ «کَمْ» کے بعد «یَوْمٍ» کا لفظ ہے، اور «یَوْمٍ» کیا ہے؟ ظرف، تو معلوم ہوا یہ «کَمْ» بھی کیا بنے گا؟ ظرف۔ ترکیب کیسے ہوگی؟ «کَمْ» مبہم ممیز، آگے تمیز آرہی ہے نا، تو «کَمْ» ممیز، ہاں اور اعراب اس کا محلاً آئے گا، ٹھیک ہے مبنی ہے۔ لیکن کیا ہوگا محلاً؟ منصوب، مجرور یا مرفوع؟ اگلے لفظ کو دیکھو، «یَوْمٍ» کیا ہے؟ ظرف، تو لہٰذا «کَمْ» بھی کیا بنے گا؟ ظرف، جی بناؤ مفعول فیہ بنے گا اور مفعول فیہ کا کیا اعراب ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، تو بتاؤ: «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، اور «کَمْ یَوْمٍ» ہے، «کَمْ یَوْمٍ»، «یَوْمٍ» کا جر کیا بتلا رہا ہے کہ یہ «کَمْ» اس کی طرف مضاف ہے، ویسے تو جر تو دو ہی وجہ سے آتا ہے نا: یا حرف جر ہوگا، حرف جر تو یہاں کوئی نہیں، معلوم ہوا «کَمْ» کیا بن رہا ہے؟ مضاف۔ جی، تو کیسے کریں گے؟ «کَمْ» دوبارہ بتاؤ: «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، مضاف، ٹھیک ہے؟ آگے «یَوْمٍ» مجرور لفظاً، مضاف الیہ، اور نیز یہی کیا ہے؟ تمیز بھی ہے۔ تو لہٰذا جب یہ تمیز ہے، اضافت ہو رہی ہے، اب بے شک آپ مبہم ممیز نہ بھی کہیں، لیکن خود آپ کو پتہ ہونا چاہیے یہ «یَوْمٍ» کیا ہے؟ اسی «کَمْ» کی تمیز ہے، اس سے ابہام کو دور کر رہی ہے۔ تو لہٰذا ذکر کر دیں تو زیادہ اچھی بات ہے تاکہ وضاحت ہو جائے پوری طرح۔ تو دوبارہ ذکر کریں: «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، مضاف، «یَوْمٍ» مجرور لفظاً، مضاف الیہ، تمیز۔ «کَمْ» اپنی تمیز سے مل کر یہ، «کَمْ» مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر جو اس کی تمیز بھی ہے، تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا، کیونکہ نصب آپ نے ابھی بتایا ہے منصوب ہے، یہ مفعول فیہ ہوا آگے آنے والے فعل «صُمْتُ» کے لیے۔ اور «صُمْتُ» فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ مقدم ہے وہ، لیکن اس کو مقدم کہنے کی ضرورت نہیں، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا کیونکہ آپ خبر دے رہے ہیں۔ معنی کیا ہے «کَمْ یَوْمٍ صُمْتُ»؟ میں نے بہت سے دن روزے رکھے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ طریقہ آیا؟ جی، تو اگلے لفظ کو آپ نے دیکھنا ہے۔

دوسری ترکیب: «کَمْ ضَرْبَةٍ ضَرَبْتُ»، «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، مضاف۔ مبہم ممیز کہنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آگے یہ آپس میں

مضاف مضاف الیہ بن رہے ہیں، آگے تمیز منصوب تو نہیں آ رہی، لیکن بہر حال ذکر کر دیں کہ تاکہ آپ کو پتہ چلے یہ آگے جو مضاف الیہ ہے وہ دراصل کیا ہے؟ اسی کی تمیز ہے، اسی کا معنی بیان کر رہا ہے بھائی۔ تو «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، مضاف، «کَمْ ضَرْبَةِ ضَرَبْتُ»، جی اب کوئی آپ سے پوچھے: یہ منصوب کیوں؟ آپ اگلے لفظ کو دیکھیں: «کَمْ ضَرْبَةِ ضَرَبْتُ»، یہ «ضَرْبَةِ» کیا بتلا رہا ہے؟ یہ «ضَرْبَةٌ» مصدر ہے، مصدر ہے: ضَرَبْتُ ضَرْبَةً، جی۔ اور مصدر اسی فعل کا ہم معنی ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اس کو مفعول مطلق کہتے ہیں۔ معلوم ہوا یہ «کَمْ» بھی کیا ہے؟ مفعول مطلق بنے گا۔ اب بتائیے: «کَمْ ضَرْبَةِ ضَرَبْتُ»، «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، مضاف، اور «ضَرْبَةِ» مجرور لفظاً، مضاف الیہ ہے اور تمیز ہے۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول مطلق ہوا مابعد فعل کے لیے، اور «ضَرَبْتُ» فعل بافاعل، اور اس میں تاضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، «کَمْ ضَرْبَةِ ضَرَبْتُ»۔ ترجمہ کیجیے: میں نے بہت سی ضربیں لگائیں۔ اپنے سے سوال نہیں ہو تا میں نے کتنی ضربیں، ہاں ہو بھی سکتا ہے بعض اوقات توجہ نہیں ہے، میں نے کتنا مارا بھائی؟ تو اپنے ساتھی سے پوچھتے ہیں، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو استفہام بھی ہو سکتا ہے، خبر بھی ہو سکتی ہے، متکلم کے بارے میں بھی اور اپنے بارے میں بھی، لیکن زیادہ مناسب یہ ہے جیسے کتاب میں یہ چل رہے ہیں، ہم اس کو کیا بناتے ہیں؟ «کَمْ» استفہامیہ ہو تا تو ہو تا «کَمْ ضَرْبَةً ضَرَبْتُ؟»، اور ہے «کَمْ ضَرْبَةِ ضَرَبْتُ» تو یہ «کَمْ» خبریہ ہے، کیا معنی کریں گے؟ میں نے بہت سی ضربیں لگائیں۔

اور اگر یہ ہو تا «کَمْ ضَرْبَةً ضَرَبْتُ؟»، اب کیا ہو گی ترکیب؟ «کَمْ ضَرْبَةً ضَرَبْتُ»، وہی ترکیب ہے ساری: «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، اب مضاف نہیں کہنا کیونکہ آگے مضاف الیہ نہیں آ رہا، «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، اور «ضَرْبَةً» منصوب لفظاً، تمیز، جی۔ مبہم ممیز اپنی تمیز سے مل کر کیا بنے گا؟ مفعول مطلق، بنے گا وہی جو پہلے میں بیان کر چکا ہوں، مبہم ممیز اپنی تمیز سے مل کر مفعول مطلق ہوا «ضَرَبْتُ» فعل کے لیے، اور «ضَرَبْتُ» فعل بافاعل اور مفعول مطلق، یہ سب مل کر کیا ہوا؟ جملہ استفہام ہے، جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، اور ترجمہ کیا ہو گا؟ میں نے کتنی ضربیں لگائیں؟ آپ پوچھ رہے ہیں بھائی، مثلاً آپ کی توجہ نہیں تھی۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ ترکیب آ گئی اچھی طرح؟

اب ایک اور ترکیب کیجیے: «کَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُ»، توجہ ہے؟ «کَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُ»، جی: «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، مضاف، «کَمْ رَجُلٍ» پڑھایا «کَمْ رَجُلًا»؟ «کَمْ رَجُلٍ»۔ اچھا، تو «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، مضاف، اور «رَجُلٍ» مجرور لفظاً، مضاف الیہ، تمیز۔ اور مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر «کَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُ»، جی کیا بنے گا؟ یہ «رَجُلٌ»، «رَجُلٌ» یہ تو مصدر بھی نہیں ہے، مفعول مطلق بھی نہیں بنتا، یہ ظرف بھی نہیں ہے، ظرف مفعول فیہ بھی نہیں بنتا، پھر کیا بنے گا؟ یہ مفعول بہ بنے گا۔ کتنے آدمیوں کی میں نے پٹائی کی، کتنے آدمیوں کی؟ معلوم ہوا آپ کی ضرب ان پر واقع ہوئی ہے تو وہ کیا بن گئے؟ مفعول بہ۔ جی، تو «کَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُ»، تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ ہوا «ضَرَبْتُ» فعل کے لیے۔ «ضَرَبْتُ» فعل بافاعل، اس کے اندر تاضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، «کَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُ»۔ ترجمہ کیجیے: میں نے کتنے ہی لوگوں کی، کتنے ہی آدمیوں کی پٹائی کی، یا اور واضح لفظوں میں کریں: میں نے بہت سے لوگوں کی پٹائی کی۔

اور اگر ہو تا «کَمْ رَجُلًا ضَرَبْتُ؟»، تو «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، «رَجُلًا» منصوب لفظاً، تمیز۔ مبہم ممیز اپنی تمیز سے مل کر مفعول بہ ہوا کس کے لیے؟ «ضَرَبْتُ» کے لیے۔ «ضَرَبْتُ» فعل بافاعل، تاضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا کیونکہ سوال ہے اب، جی «کَمْ رَجُلًا ضَرَبْتُ؟»، اور ترجمہ کیا ہو گا؟ میں نے کتنے آدمیوں کی پٹائی کی؟ اب آپ سوال پوچھ رہے ہیں کسی سے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ أَنَّ كَمْ فِي الْوَجْهَيْنِ يَقَعُ مَنْصُوبًا إِذَا كَانَ بَعْدَهُ فِعْلٌ غَيْرُ مُشْتَغِلٍ عَنْهُ بِضَمِيرِهِ» جان لے تو کہ «کَمْ» دونوں صورتوں میں منصوب واقع ہو گا، دونوں صورتیں کون سی بھائی؟ چاہے «کَمْ» خبریہ ہو چاہے «کَمْ» استفہامیہ ہو۔ تو جان لے کہ «کَمْ» دونوں صورتوں میں، یعنی چاہے خبریہ ہو چاہے انشائیہ ہو «يَقَعُ مَنْصُوبًا» وہ منصوب واقع ہو گا «إِذَا كَانَ بَعْدَهُ فِعْلٌ غَيْرُ مُشْتَغِلٍ عَنْهُ بِضَمِيرِهِ» جبکہ «کَمْ» کے بعد ایک ایسا فعل ہو جو اس سے اعراض نہ کر رہا ہو اس کی ضمیر کی وجہ سے، جو اس میں اس سے اعراض نہ کر رہا ہو اس کی ضمیر کی وجہ سے۔

بھائی دیکھیے، ابھی جو مثال گزری: «کَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُ»، یہاں پر «کَمْ رَجُلٍ» کو کیا بنایا تھا؟ مفعول بہ، کیوں؟ کیونکہ «ضَرَبْتُ» کے آگے کوئی مفعول بہ نہیں تھا اور «ضَرَبْتُ» کے لیے مفعول بہ تو چاہیے۔ بعض اوقات آگے ضمیر آ جاتی ہے جو مفعول بہ بن رہی ہے جو اسی کو لوٹ رہی ہے، مثلاً ہو تا ہے: «کَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُهُ»۔ اب «ضَرَبْتُهُ» ہے تو «ضَرَبْتُ» تو ایک مفعول چاہتا ہے اور وہ ہا ضمیر آگے اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، جب ہا ضمیر اور

وہ ہا ضمیر اسی «کَمْ رَجُلٍ» کو راجع ہے۔ کس کو راجع؟ توجہ ہے؟ «کَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُهُ»، اب «کَمْ» کے بعد دیکھو «ضَرَبْتُ» فعل آرہا ہے لیکن وہ فعل اب «کَمْ رَجُلٍ» میں عمل نہیں کر سکتا۔ کیوں نہیں کر سکتا؟ کیونکہ وہ فعل اس «کَمْ رَجُلٍ» سے اعراض کر رہا ہے، اس سے منہ موڑ رہا ہے۔ بھائی، کیوں منہ موڑ رہا ہے؟ کیونکہ اس کے لیے ایک مفعول چاہیے تھا اور وہ مفعول آگے اسی کے ساتھ جو ضمیر جڑی ہوئی ہے وہ مفعول ہے۔ تو جب وہ اس میں عمل کر رہا ہے تو دوسرے مفعول کو تو یہ نصب دے ہی نہیں سکتا، یہ تو صرف ایک ہی مفعول کو کیا کرتا ہے؟ نصب دیتا ہے۔ تو دیکھا، اب وہ آگے آنے والا فعل کیا ہے؟ اسی «کَمْ رَجُلٍ» کی ضمیر میں عمل کر رہا ہے اور اس کی ضمیر میں عمل کرنے کی وجہ سے وہ اس «کَمْ رَجُلٍ» سے یوں کہیں گے منہ موڑ رہا ہے، اس میں عمل نہیں کر سکتا، اس سے وہ اعراض کر رہا ہے۔ معنی سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اشتغل کا معنی ہوتا ہے کسی چیز میں مشغول ہونا، اور اس کا صلہ «عَنْ» آجائے تو اس کا معنی ہوتا ہے منہ موڑنا، اعراض کرنا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو جیسے ابھی میں ترکیب ذکر کر رہا تھا: «کَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُهُ»، اب تو «ضَرَبْتُ» کے لیے «کَمْ رَجُلٍ» کو مفعول نہیں بنا سکتے، اب ترکیب بدل جائے گی کیونکہ «ضَرَبْتُ» کیا کر رہا ہے؟ «کَمْ رَجُلٍ» کو نصب، توجہ نہیں ہے میرا خیال آپ کی: «کَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُهُ»۔ ابھی تک آپ نے کیا ترکیب کی تھی؟ «کَمْ» کو منصوب بنایا تھا، لیکن اب یہاں «کَمْ رَجُلٍ» کو منصوب نہیں بنا سکتے۔ کیوں نہیں بنا سکتے؟ کیونکہ «ضَرَبْتُ» کے لیے مفعول چاہیے تھا، وہ اس «کَمْ رَجُلٍ» کو اپنا مفعول بنا ہی نہیں سکتا، آگے اس کے بعد کیا آرہی ہے؟ ضمیر، وہ اس کو مفعول بنا رہا ہے، تو پھر اس صورت میں ترکیب ہی بدل جائے گی۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو اس صورت کو نکالنے کے لیے انہوں نے قید بڑھادی کہ جب کہ «کَمْ» دونوں صورتوں میں منصوب ہو گا «إِذَا كَانَ بَعْدَهُ فِعْلٌ غَيْرُ مُشْتَغِلٍ عَنْهُ بِضَمِيرِهِ» جبکہ اس کے بعد ایسا فعل ہو جو اس سے منہ نہ موڑ رہا ہو۔ اشتغل کا صلہ کیا ہے؟ «عَنْ»، اور اشتغل کا معنی ہوتا ہے کسی چیز میں مشغول ہونا، لیکن جب اس کا صلہ «عَنْ» آجائے تو اس کا معنی ہوتا ہے اس چیز سے منہ موڑنا، جبکہ اس کے بعد ایسا فعل ہو جو اس سے منہ نہ موڑ رہا ہو «بِضَمِيرِهِ» اس کی ضمیر کی وجہ سے۔ بعض اوقات ضمیر آئے گی پھر وہ منہ موڑے گا، پھر وہ «کَمْ» منصوب نہیں ہو گا بھائی۔ تو اس صورت کو نکالنے کے لیے یہ قید بڑھادی۔

اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟ دوبارہ دیکھیں، کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ أَنَّ كَمْ فِي الْوَجْهَيْنِ يَقَعُ مَنْصُوبًا إِذَا كَانَ بَعْدَهُ فِعْلٌ غَيْرُ مُشْتَغِلٍ عَنْهُ بِضَمِيرِهِ» جان لے تو کہ «کَمْ» جو ہے دونوں صورتوں میں، یعنی چاہے انشائیہ ہو چاہے خبریہ ہو، وہ منصوب واقع ہو گا جبکہ اس کے بعد ایسا فعل ہو جو اس سے منہ نہ موڑ رہا ہو، جو اس سے اعراض نہ کر رہا ہو اس کی ضمیر کی وجہ سے، «نَحْوُ: كَمْ رَجُلًا ضَرَبْتَ؟ وَكَمْ غُلَامٍ مَلَكْتُ، مَفْعُولًا بِهِ» اس حال میں کہ یہ کیا ہے «کَمْ»؟ ان دونوں مثالوں میں مفعول بہ ہے، «وَنَحْوُ: كَمْ ضَرْبَةً ضَرَبْتَ؟ وَكَمْ ضَرْبَةٍ ضَرَبْتُ، مَصْدَرًا» اس حال میں کہ ان دونوں مثالوں میں «کَمْ» کیا ہے؟ مصدر ہے یعنی مفعول مطلق ہے، «وَكَمْ يَوْمًا سِرْتَ؟ وَكَمْ يَوْمٍ صُمْتُ، مَفْعُولًا فِيهِ» اس حال میں کہ ان دونوں مثالوں میں «کَمْ» کیا ہے؟ مفعول فیہ ہے۔ جی، ترکیب کیجیے۔

■ قولہ: «کَمْ رَجُلًا ضَرَبْتُ» کی تشریح

«کَمْ رَجُلًا ضَرَبْتُ»، دیکھا؟ «کَمْ رَجُلًا ضَرَبْتُهُ» ہوتا تو پھر «کَمْ» نے منصوب نہیں ہونا تھا، ہاں لیکن اب یہ صرف نصب والی مثالیں ہیں ساری بھائی، جی: «کَمْ رَجُلًا ضَرَبْتُ»۔ تو «کَمْ رَجُلًا ضَرَبْتُ» کر لیں، معنی کیا ہو گا؟ میں نے کتنے آدمیوں کی پٹائی کی، اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ مخاطب والا صیغہ بنالیں: «کَمْ رَجُلًا ضَرَبْتَ؟»۔ جی، «کَمْ رَجُلًا ضَرَبْتَ؟»، اب ترکیب جلدی جلدی کیجیے: «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، «رَجُلًا» منصوب لفظاً، تمیز۔ مبہم ممیز اپنی تمیز سے مل کر مفعول بہ ہوا «ضَرَبْتَ» فعل کے لیے۔ «ضَرَبْتَ» فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ جی۔ تو معنی کیا ہو گا؟ میں نے کتنے لوگوں کی پٹائی کی، ہاں «ضَرَبْتَ» چلیں، «ضَرَبْتُ» جو ہے وہی کر لیں۔ «کَمْ رَجُلًا ضَرَبْتُ؟»، جی ترجمہ کیا ہوا؟ میں نے کتنے مردوں کی پٹائی کی؟ آپ سوال پوچھ رہے ہیں کسی سے۔

«وَكَمْ غُلَامٍ مَلَكْتُ»، جی ترکیب کیجیے: «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، مضاف، «غُلَامٍ» مجرور لفظاً، تمیز مضاف الیہ۔ جی، مبہم ممیز مضاف اپنی تمیز مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ ہوا «مَلَكْتُ» فعل کے لیے۔ اگر «مَلَكْتُهُ» ہوتا تو پھر یہ ترکیب نہیں ہونی تھی۔ تو «مَلَكْتُ» فعل بافاعل، تا ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «کَمْ غُلَامٍ مَلَكْتُ»، جملہ فعلیہ خبریہ ہوا بھائی، انشائیہ میں «غُلَامًا» ہوتا بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ معنی کرو: «کَمْ غُلَامٍ مَلَكْتُ»۔ کیا مشکل ہے؟ کیا مشکل ہے؟ مجھے یہ تو بتاؤ ایسے سوچ میں ڈوب جاتے

ہو جیسے متوسطہ والے ہو۔ ہاں، بھائی عربی تو اردو جیسے لفظ ہوتے ہیں، خود ترجمہ کر لیا کرو: «کَمْ غُلَامٍ مَلَکْتُ» میں بہت سے غلاموں کا مالک ہوں بھائی۔ «مَفْعُولًا بِهِ» اس حال میں کہ ان دونوں مثالوں میں «کَمْ» منصوب ہے کس بناء پر؟ مفعول بہ ہونے کی بناء پر۔

«وَنَحْوُ: کَمْ ضَرْبَةً ضَرَبْتَ؟ وَکَمْ ضَرْبَةٍ ضَرَبْتُ»، جی ترکیب کیجیے: «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، «ضَرْبَةً» منصوب لفظاً، تمیز۔ مبہم ممیز اپنی تمیز سے مل کر مفعول مطلق ہوا، شاباش «ضَرْبَةً» سے آپ کو پتہ چل گیا، مفعول مطلق ہوا «ضَرَبْتَ» فعل کے لیے۔ «ضَرَبْتَ» فعل با فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا کیونکہ منصوب آئی ہے تمیز۔ اچھا، «وَکَمْ ضَرْبَةٍ ضَرَبْتُ»، اچھا ترجمہ کیجیے «کَمْ ضَرْبَةً ضَرَبْتَ؟»: تو نے کتنی پٹائی کی، کتنی ضربیں لگائیں۔ «وَکَمْ ضَرْبَةٍ ضَرَبْتُ»: «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، مضاف، «ضَرْبَةٍ» مجرور لفظاً، مضاف الیہ، تمیز۔ مبہم ممیز مضاف اپنی تمیز مضاف الیہ سے مل کر، بلکہ بس ایک دفعہ مبہم ممیز اور تمیز کہہ دیا اب اس کو بار بار نہ ذکر کریں، ٹھیک ہے؟ بس آپ کو پتہ چل گیا۔ تو «کَمْ» مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول مطلق ہوا «ضَرَبْتُ» فعل کے لیے، تو «ضَرَبْتُ» فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، «ضَرْبَةٍ» ہے بھائی «ضَرْبَةٍ» ہے۔ ترجمہ کیجیے «کَمْ ضَرْبَةٍ ضَرَبْتُ»: میں نے بہت سی ضربیں لگائیں۔ «مَصْدَرًا» اس حال میں کہ ان دونوں مثالوں میں «کَمْ» کیا ہے؟ مصدر ہے۔

«وَکَمْ یَوْمًا سِرْتَ؟»، سار یسیر کے معنی ہوتے ہیں چلنے کے۔ «کَمْ یَوْمًا سِرْتَ؟» ترجمہ کیجیے: تو کتنے دن چلا؟ سار یسیر کے معنی چلنا۔ جی، ترکیب کیجیے: «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، «یَوْمًا» منصوب لفظاً، تمیز۔ مبہم ممیز اپنی تمیز سے مل کر مفعول فیہ ہوا «سِرْتَ» فعل کے لیے، «سِرْتَ» فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا: تو کتنے دن چلا؟

▪ قولہ: «وَکَمْ یَوْمٍ صُمْتُ» کی تشریح

«وَکَمْ یَوْمٍ صُمْتُ»، صام یصوم کا معنی روزہ رکھنا۔ ہاں، یہ «یَوْمًا» نہیں ہونا چاہیے بھائی، «یَوْمٍ» ہونا چاہیے: «کَمْ یَوْمٍ»، کیونکہ ایک خبریہ کی مثال چل رہی ہے اور ایک انشائیہ کی، تو «کَمْ یَوْمٍ صُمْتُ»۔ جی، ترکیب کیجیے: «کَمْ» منصوب محلاً، مبہم ممیز، مضاف، «یَوْمٍ» مجرور لفظاً، مضاف الیہ، تمیز۔ ہاں، بس اب دوبارہ مبہم ممیز تمیز کی ضرورت نہیں۔ جی، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ «صُمْتُ» کے لیے، «صُمْتُ» فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا: «کَمْ یَوْمٍ صُمْتُ»، کیا معنی؟ میں نے بہت سے دن روزے رکھے، «مَفْعُولًا فِیهِ» اس حال میں کہ ان دونوں مثالوں میں «کَمْ» کیا ہے؟ مفعول فیہ ہے۔

بھائی، یہ تو وہ صورتیں تھیں جب «کَمْ» منصوب تھا۔ جتنی مثالیں گزریں سب میں «کَمْ» کیا تھا؟ منصوب۔ «وَمَجْرُورًا» اور «کَمْ» کیا ہو گا؟ مجرور واقع ہو گا، «إِذَا کَانَ قَبْلَهُ حَرْفُ جَرٍّ أَوْ مُضَافٌ» جبکہ «کَمْ» سے پہلے حرف جر ہو یا مضاف ہو، «نَحْوُ: بِکَمْ رَجُلًا مَرَرْتَ؟» «بِکَمْ رَجُلًا مَرَرْتَ؟» تو کتنے آدمیوں پر گزرا؟ «وَعَلَى کَمْ رَجُلٍ حَکَمْتُ» اور بہت سے لوگوں پر میں نے فیصلہ کیا، اور بہت سے لوگوں پر میں نے حکم چلایا۔ جی، ترکیب کیجیے: «بِکَمْ رَجُلًا مَرَرْتَ؟»، باجارہ، «کَمْ» مجرور محلاً، ہاں اب مجرور ہو گا کیونکہ باجارہ آ گئی، «کَمْ» مجرور محلاً، مبہم ممیز، «رَجُلًا» منصوب لفظاً، تمیز، مبہم ممیز اپنی تمیز سے مل کر مجرور ہوا باجارہ کے لیے۔ اب وہ مفعول مطلق وغیرہ نہیں بنانا، اب باجارہ داخل ہو گئی ہے، اب یہ مجرور ہوا باجارہ کے لیے۔ جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا، ہاں «ثَبَتَ» سے کیا ضرورت ہے جب «مَرَرْتَ» خود موجود ہے، جار مجرور مل کر متعلق «مَرَرْتَ» فعل سے، فعل اپنے، اچھا «مَرَرْتَ» فعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، یہ «رَجُلًا» کا نصب بتلا رہا ہے یہ انشاء ہے، سوال ہے بھائی۔ «بِکَمْ رَجُلًا مَرَرْتَ؟» کتنے آدمیوں پر تو گزرا؟

«وَعَلَى کَمْ رَجُلٍ حَکَمْتُ»، جی: علی جارہ، «کَمْ» مجرور محلاً، مبہم ممیز، مضاف، «رَجُلٍ» مجرور لفظاً، تمیز مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «حَکَمْتُ» فعل سے، «حَکَمْتُ» فعل با فاعل، تو فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، خبریہ کہ انشائیہ؟ خبریہ۔ کیسے پتہ چلا؟ «رَجُلٍ» سے، شاباش۔ تو جملہ فعلیہ خبریہ ہوا: کتنے ہی لوگوں پر میں نے حکم چلایا، یا کتنے لوگوں پر میں نے فیصلہ کیا۔

«وَغُلَامَ کَمْ رَجُلًا ضَرَبْتَ؟» جی: «غُلَامَ» منصوب لفظاً، مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ «ضَرَبْتَ» کے لیے یہ مفعول بن رہا ہے، پہلے «کَمْ» بن رہا تھا نا مفعول، اب یہ «غُلَامَ» مفعول بن رہا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ «غُلَامَ» منصوب، وہ دوبارہ بولیں: «غُلَامَ کَمْ رَجُلًا ضَرَبْتَ؟»،

«غُلَامَ» منصوب لفظاً، مضاف، «کَمْ» مجرور محلاً، مضاف الیہ مضاف، «رَجُلًا» ہاں ہاں «کَمْ» مجرور محلاً، مبہم ممیز، «رَجُلًا» منصوب لفظاً، تمیز، مبہم ممیز اپنی تمیز سے مل کر مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ ہوا کس کے لیے؟ «ضَرَبْتَ» فعل کے لیے۔ «ضَرَبْتَ» فعل بافاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، شاباش۔ ترجمہ کیجیے «غُلَامَ کَمْ رَجُلًا ضَرَبْتَ؟»: ہاں، «کَمْ رَجُلًا» کتنے لوگ، «غُلَامَ کَمْ رَجُلًا» کتنے لوگوں کے غلام، «ضَرَبْتَ» تونے ان کی پٹائی کی، تونے کتنے لوگوں کے غلاموں کی پٹائی کی؟ سوال پوچھا جارہا ہے۔

■ قولہ: «وَمَالَ کَمْ رَجُلٍ سَلَبْتُ» کی تشریح

«وَمَالَ کَمْ رَجُلٍ سَلَبْتُ»، سلب کا معنی ہوتا ہے چھیننا۔ «وَمَالَ کَمْ رَجُلٍ سَلَبْتُ» میں نے بہت سے مردوں کا مال سلب کیا، چھینا۔ جی ترکیب کیجیے: «مَالَ» منصوب لفظاً، مضاف، منصوب کیوں؟ مفعول بہ ہے، شاباش۔ اچھا، اور مضاف، آگے «کَمْ» منصوب، منصوب کیوں؟ «کَمْ» مجرور کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ «کَمْ» مجرور محلاً، مضاف الیہ، مضاف، اگلے کے لیے پھر یہ مضاف ہے نا، جی اور «رَجُلٍ» مجرور لفظاً، مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مضاف الیہ ہوا «مَالَ» کے لیے، «مَالَ» مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مفعول بہ ہوا «سَلَبْتُ» فعل کے لیے، «سَلَبْتُ» فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، خبریہ آپ کو کیسے پتہ چلا؟ «رَجُلٍ» سے، شاباش۔ ترجمہ کیجیے: میں نے بہت سے لوگوں کا مال چھین لیا۔

بھائی، یہ تو وہ صورتیں تھیں جب «کَمْ» مجرور تھا۔ پہلی صورت کیا گزری: «کَمْ» منصوب، باقی اب مثالیں جو گزریں ان میں «کَمْ» مجرور تھا۔ اب «وَمَرْفُوعًا» اور «کَمْ» کیا ہوگا؟ مرفوع ہوگا، کب؟ «إِذَا لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مِنَ الْأَمْرَیْنِ» جب ان دونوں چیزوں میں سے کچھ بھی نہ ہو۔ «کَمْ» مرفوع ہوگا جب ان دونوں چیزوں میں سے کچھ بھی نہ ہو، کون سی دو چیزیں؟ جو ما قبل میں دو صورتیں گزریں: ایک نصب والی اور ایک جر والی، ان دونوں میں سے کوئی صورت نہ ہو تو پھر «کَمْ» کیا ہوگا؟ مرفوع ہوگا بھائی۔ اس میں پھر کیا کیا آگیا؟ ایک صورت تو یہ: «کَمْ» کے بعد فعل آیا ہی نہیں۔ یا فعل تو آیا لیکن وہ فعل کیا ہے؟ اس کی ضمیر میں مشغول ہے، وہ اس کو نصب دے ہی نہیں سکتا۔ جب نصب نہیں دے سکتا تو پھر اس پر رفع ہی پڑھنا پڑے گا، صورت سمجھ میں آگئی۔

تو دو صورتیں اب آئیں گی بھائی جی، جب پہلی دو صورتیں نہ ہوں، یعنی نصب اور جر والی صورت نہ ہو تو پھر «کَمْ» کیا ہوگا؟ مرفوع۔ اب مرفوع ہونے میں پھر دو صورتیں ہوں گی: کبھی یہ مرفوع ہوگا مبتدا ہونے کی بناء پر اور کبھی مرفوع ہوگا خبر ہونے کی بناء پر۔ توجہ ہے؟ مرفوع ہوگا کبھی مبتدا اور کبھی خبر ہونے کی، تو مبتدا کب ہوگا اور خبر کب ہوگا؟ کہتے ہیں بھائی: خبر تب ہوگا جب «کَمْ» کے بعد ظرف کا صیغہ آجائے، کیا آجائے؟ ظرف کا صیغہ آجائے، اور ظرف تو آپ جانتے ہیں وہ مبتدا نہیں بن سکتا، صورت سمجھ میں آگئی۔ تو پھر کیا کریں گے؟ نصب بھی نہیں دے سکتے، پڑھنا تو رفع ہی ہے کیونکہ نصب والی صورت نہیں ہے، پڑھنا کیا ہے؟ رفع ہی ہے۔ تو پھر مبتدا بھی نہیں بنا سکتے تو پھر کیا بنادیں گے؟ خبر بنادیں گے۔ اور اگر «کَمْ» کے بعد ظرف نہیں ہے تو پھر مبتدا ہی بنادو۔ توجہ ہے؟ نصب اور جر والی صورت نہ ہو تو «کَمْ» پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع۔ اب رفع مبتدا ہونے کی بناء پر بھی ہو سکتا ہے اور خبر ہونے کی بناء پر بھی ہو سکتا ہے۔ خبر کب ہوگا؟ بس اتنا سمجھ لو، کہتے ہیں: خبر تب ہوگا جب وہ جو نصب اور جر والی صورت بھی نہ ہو اور «کَمْ» کے بعد کیا آجائے؟ ظرف آجائے، تو بس پھر یہ مرفوع تو ہوگا لیکن خبر ہونے کی بناء پر ہوگا، مبتدا ہونے کی بناء پر نہیں۔ اور اگر ظرف نہیں ہے اس کے بعد تو پھر یہ مرفوع ہوگا مبتدا ہونے کی بناء پر، صورت سمجھ میں۔ اس میں بھی دو صورتیں بنیں گی: «کَمْ» کے بعد یا تو سرے سے فعل آئے گا ہی نہیں، یا فعل تو آئے گا لیکن وہ کیا ہوگا؟ اس کی ضمیر میں مشغول ہوگا۔ دیکھو آگے مثالیں آرہی ہیں، ان شاء اللہ وہ خوب واضح ہو جائے گی ترکیب۔

کہتے ہیں: «وَمَرْفُوعًا» اور «کَمْ» کیا ہوگا؟ مرفوع ہوگا، «إِذَا لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مِنَ الْأَمْرَیْنِ» جب کہ ان دو امور، ان دو چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہ ہو۔ اور پھر مرفوع کیوں ہوگا؟ «مُبْتَدَأً» کس بناء پر؟ مبتدا ہونے کی بناء پر، «إِنْ لَمْ یَکُنْ ظَرْفًا» اگر وہ ظرف نہ ہو۔ آگے آرہا ہے چند لفظوں کے بعد: «وَخَبَرًا» اور مرفوع ہوگا خبر ہونے کی بناء پر، توجہ ہے؟ خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہوگا «إِنْ کَانَ ظَرْفًا» اگر «کَمْ» کیا ہو؟ ظرف ہو۔ جی، اب درمیان میں مثالیں ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: مبتدا ہونے کی بناء پر «إِنْ لَمْ یَکُنْ ظَرْفًا» اگر یہ ظرف نہ ہو، «نَحْوُ: کَمْ رَجُلًا أَخُوكَ؟» دیکھا؟ «کَمْ رَجُلًا» کے بعد سرے سے فعل آیا ہی نہیں۔ جی، اب ترکیب کیجیے، ترکیب انہوں نے آپ کو بتادی: «کَمْ» مرفوع محلاً، شاباش مرفوع کیونکہ بتایا تو ہے، اور «کَمْ» کے بعد «رَجُلًا» یہ ظرف ہے؟ ظرف نہیں ہے تو معلوم ہوا یہ مبتدا ہونے کی بناء پر «کَمْ» کیا ہوگا؟ مرفوع۔ تو «کَمْ» مرفوع محلاً، مبہم

ممیز، «رَجُلًا» منصوب لفظاً، تمیز۔ مبہم ممیز اپنی تمیز سے مل کر مبتدا، اور «أَخُوكَ»: «أَخُو» مضاف، اعراب بھائی: مرفوع لفظاً، مضاف، مرفوع کیوں؟ خبر ہے، مبتدا کے لیے کیا چاہیے؟ خبر، اور خبر مرفوع ہوتی ہے، تو «أَخُو» مرفوع لفظاً، مضاف، خبر ہونے کی بناء پر، اور کاف مجرور محلاً، مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا، کیسے پتہ چلا؟ «رَجُلًا» سے بھائی۔ ترجمہ کیجیے: «كَمْ رَجُلًا أَخُوكَ؟»: «كَمْ رَجُلًا» کتنے آدمی، «أَخُوكَ» تیرے بھائی ہیں، کتنے آدمی تیرے بھائی ہیں؟

■ قولہ: «وَكَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُهُ» کی تشریح

«وَكَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُهُ»، یہ دوسری مثال آگئی، اس میں دیکھو «كَمْ» کے بعد آگے فعل آیا ہے لیکن وہ فعل اس «كَمْ» کو نصب نہیں دے سکتا کیونکہ فعل کے خود بعد کیا آرہی ہے؟ ضمیر ہے، وہ اس کو نصب دے رہا ہے، اور وہ اسی «كَمْ» کو راجع ہے ضمیر۔ جی: «كَمْ» مرفوع محلاً، مبہم ممیز، مضاف، «رَجُلٍ» مجرور لفظاً، مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا، مبتدا۔ «ضَرَبْتُ» فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، آگے ہا ضمیر، ہا ضمیر منصوب محلاً، مفعول بہ، جی جو کس کو راجع؟ «كَمْ رَجُلٍ» کو راجع، یہ عائد آگیا، اس کے بغیر خبر نہیں بن سکتا تھا جملہ۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو دیکھو، یہ ہا ضمیر «كَمْ رَجُلٍ» کو راجع، تو یہ «ضَرَبْتُ» یہ «كَمْ رَجُلٍ» میں عمل نہیں کر سکتا، کیوں؟ کیونکہ وہ اسی کی ضمیر میں کیا کر رہا ہے؟ عمل کر رہا ہے، تو جہ ہے؟ تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، ترجمہ کیجیے «كَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُهُ»: میں نے بہت سے مردوں کی پٹائی کی، ترجمہ وہی ہوگا جو پہلے تھا «كَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُ» اور «كَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُهُ»، دونوں میں ایک ہی بات ہے۔

«وَخَبَرًا» اور «كَمْ» مرفوع ہوگا خبر ہونے کی بناء پر «إِنْ كَانَ ظَرْفًا» اگر «كَمْ» کیا ہو؟ ظرف ہو۔ «نَحْوُ: كَمْ يَوْمًا سَفَرُكَ؟» دیکھا؟ «كَمْ» کے بعد ظرف ہے اور آگے فعل سرے سے آیا ہی نہیں، فعل آتا تو یہ مفعول فیہ بھی بن سکتا تھا، پھر «كَمْ» نے کیا ہونا تھا؟ منصوب، تو اب یہ مفعول فیہ، توجہ ہے؟ «كَمْ» کے بعد اگر فعل ہوتا تو یہ «يَوْمًا» کی وجہ سے «كَمْ» کیا بنتا؟ مفعول فیہ، لیکن اب تو فعل ہے ہی نہیں تو مفعول فیہ بنے گا ہی نہیں۔ تو پھر اس «كَمْ» نے مرفوع ہونا ہے، اور مرفوع ہونے میں دو صورتیں تھیں: یا تو وہ مبتدا ہو گا یا خبر، اور یہاں کیا ہو گا؟ خبر، کیونکہ اس کے بعد کیا ہے؟ ظرف ہے بھائی، ظرف ہے، جی: «كَمْ» مرفوع محلاً، مبہم ممیز، «يَوْمًا» منصوب لفظاً، تمیز۔ مبہم ممیز اپنی تمیز سے مل کر خبر مقدم، بتایا تو ہے یہ کیا ہو گا؟ خبر، یہ خبر مقدم۔ اور «سَفَرُكَ»: «سَفَرُ» اعراب بھائی: مرفوع لفظاً، مضاف، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، شاباش، کیونکہ خبر گزر گئی۔ مبتدا، اور کاف ضمیر مجرور محلاً، مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدائے مؤخر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا، ترجمہ کیجیے: «كَمْ يَوْمًا سَفَرُكَ؟»، ایک ایک لفظ کے معنی، ایک ایک لفظ کا معنی آپ کو سمجھ میں آرہا ہے: تمہارا سفر کتنے دن کا ہے؟

«وَكَمْ شَهْرٍ صَوْمِي»، دیکھا؟ «كَمْ» کے بعد شہر، مہینے کا ذکر آیا، اور مہینہ کیا ہے؟ زمانہ، ظرف ہے، تو یہ اب، اور آگے «صَوْمِي» فعل آ ہی نہیں رہا بھائی، فعل آتا تو یہ مفعول فیہ بن جاتا، معلوم ہوا یہ مرفوع ہے، اور پھر مرفوع کس بناء پر ہے؟ خبر ہونے۔ جی، ترکیب کیجیے: «كَمْ» مرفوع محلاً، مضاف، «شَهْرٍ» مجرور لفظاً، مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر خبر مقدم، اور «صَوْمِي» جی اب پتہ چلے گا بھائی: «صَوْمِي» اعراب بتاؤ: «صَوْمِي» مرفوع، مرفوع محلاً کیوں؟ مرفوع کیوں؟ شاباش، اتنا تو پتہ چل گیا یہ ہے مبتدا، کیونکہ ما قبل میں ابھی انہوں نے بتایا وہ خبر ہے۔ پھر کون سا مرفوع ہے؟ آپ کو میں نے بتایا تھا: جب بھی کوئی اسم مضاف ہو جائے یائے متکلم کی طرف، علاوہ جمع مذکر سالم، اس کا اعراب تینوں حالتوں میں کیا ہوتا ہے؟ تقدیری۔ یہ ہمیشہ یاد رکھیں، یہ اعراب ہمیشہ انسان کو پریشان کرتا ہے، جب بھی کسی اسم کے ساتھ یائے متکلم آجائے تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں کیا ہو گا؟ تقدیری، علاوہ جمع مذکر سالم کے۔ تو «صَوْمِي» مرفوع تقدیراً، مضاف، اور یا ضمیر مجرور محلاً، مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدائے مؤخر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ «كَمْ شَهْرٍ صَوْمِي» ترجمہ کیجیے: کتنے ہی مہینے میرا روزہ ہے، میرا روزہ تھا، یعنی میں نے بہت سے مہینے روزہ رکھا بھائی۔

تو حاصل کلام یہ ہوا کہ «كَمْ» جو ہے اس کا کیا اعراب ہو گا، انہوں نے آپ کو پہچان کروا دی بھائی۔ یہ «كَمْ» ہے تو مبنی، محلاً اس پر اعراب آئے گا، لیکن محلاً اس پر رفع ہو گا، نصب ہو گا یا جر ہو گا، یہ تینوں صورتیں انہوں نے آپ کے سامنے بیان کر دیں۔ اور خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ «كَمْ» جو ہے اس کے بعد آگے کوئی فعل آئے گا یا فعل نہیں آئے گا بھائی۔ اگر «كَمْ» کے بعد فعل نہ ہوا، تو جہ ہے بھائی؟ خلاصہ میں بیان کر رہا ہوں اپنے لفظوں میں بھائی کہ «كَمْ» کے بعد آگے کوئی فعل ہو گا یا فعل نہیں بھائی؟ اولاً تو «كَمْ» کے بعد اس کی تمیز آتی ہے، اس کے بعد کی بات کر رہا ہوں کہ تمیز کے بعد آگے کوئی فعل ہو گا یا فعل نہیں؟ تو «كَمْ» کے بعد اگر آگے فعل نہ ہو تو پھر «كَمْ» مرفوع ہو گا۔ اور یہ «كَمْ» مرفوع ہو سکتا ہے مبتدا ہونے کی بناء پر بھی اور خبر ہونے کی بناء پر

بھی۔ مبتدا تب ہو گا جب اس کے بعد جو تمیز ہے وہ ظرف نہ ہو، اور اس کے بعد اگر تمیز جو ظرف ہے تو پھر «کَمْ» مرفوع ہو گا خبر مقدم، خبر مقدم ہونے کی وجہ سے بھائی۔

اور اگر «کَمْ» کے بعد فعل آئے تو پھر دیکھیں کہ وہ فعل اسی «کَمْ» کی ضمیر میں مشغول تو نہیں؟ اگر وہ اسی «کَمْ» کی ضمیر میں مشغول ہے تو پھر وہ «کَمْ» میں عمل نہیں کر سکتا، جب «کَمْ» میں عمل نہیں کر سکتا تو اس صورت میں «کَمْ» کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا، مرفوع بھائی۔ اس صورت میں «کَمْ» مرفوع ہو گا بھائی مبتدا ہونے کی بناء پر بھائی، جیسے مثال گزر گئی بھائی: «کَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُهُ» بھائی۔ تو یہاں «کَمْ» کے بعد فعل تو آ رہا ہے لیکن وہ فعل اسی «کَمْ» کی ضمیر میں مشغول ہے، وہ اس «کَمْ» میں عمل نہیں کر سکتا تو «کَمْ» کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا مبتدا ہونے کی بناء پر بھائی۔

اور اگر «کَمْ» کے بعد فعل آیا لیکن وہ فعل اس کی ضمیر میں مشغول نہیں، جب «کَمْ» کی ضمیر میں مشغول نہیں تو اس صورت میں «کَمْ» منصوب ہو گا بھائی، «کَمْ» منصوب ہو گا۔ اور پھر منصوب ہونے کی صورت میں وہ مفعول بہ بھی ہو سکتا ہے، وہ مفعول فیہ یعنی ظرف بھی ہو سکتا ہے اور وہ مفعول مطلق بھی ہو سکتا ہے۔ اب اس کا پتہ کس سے چلے گا؟ وہ «کَمْ» کے بعد آنے والی تمیز سے پتہ چلے گا۔ «کَمْ» کی تمیز اگر ظرف ہے تو یہ «کَمْ» کیا بنے گا؟ مفعول فیہ۔ اگر «کَمْ» کے بعد آنے والی تمیز جو ہے وہ اسی فعل کا مصدر ہے تو پھر اس صورت میں «کَمْ» مفعول مطلق بنے گا، ورنہ پھر «کَمْ» کیا بنے گا؟ مفعول بہ بنے گا، منصوب ہو گا ان تمام صورتوں میں۔ اور اگر «کَمْ» سے پہلے حرف جر آ جائے یا مضاف آ جائے تو پھر اس صورت میں «کَمْ» کیا ہو گا؟ مجرور ہو گا بھائی، یہ تھا بھائی خلاصۂ کلام بھائی۔

تو اولاً انہوں نے آپ کو یہ بتایا کہ «کَمْ» دو قسم پر ہے: ایک «کَمْ» استفہامیہ اور ایک «کَمْ» خبریہ۔ اور «کَمْ» استفہامیہ اور خبریہ کا پتہ ان کی تمیز سے چلے گا۔ بعض اوقات اور بھی قرینے ہوں گے اور عموماً اس کی تمیز سے ہی اولاً آپ کو پتہ چل جائے گا بھائی۔ اگر تمیز منصوب ہوئی تو معلوم ہوا یہ «کَمْ» استفہامیہ ہے، اور اگر تمیز جو ہے مجرور ہوئی تو معلوم ہوا یہ «کَمْ» خبریہ ہے۔ پھر جو تمیز مجرور ہے «کَمْ» خبریہ میں، یہ مفرد مجرور بھی آ سکتی ہے اور جمع مجرور بھی۔ اور کبھی تمیز سے پتہ نہیں چلتا، پھر کوئی قرینہ وغیرہ بتلا دے گا۔ مثلاً «کَمْ» کے بعد کبھی «مِنْ» زائد آ جاتا ہے اور تمیز «مِنْ» کے بعد چلی جاتی ہے، اب تمیز لفظوں کے اعتبار سے مجرور ہے: «کَمْ مِنْ رَجُلٍ»، «کَمْ مِنْ رَجُلٍ ضَرَبْتُ»۔ اب دیکھیے، یہاں پتہ نہیں چل رہا کہ «کَمْ» کون سا ہے، تو استفہامیہ میں بھی «مِنْ» آ جاتا ہے اور خبریہ میں بھی «مِنْ» آ جاتا ہے، جب «مِنْ» آئے گا وہ تو جر دے دے گا۔ اب ہمیں کیسے پتہ چلے گا؟ تو یاد رکھیے، پھر اس صورت میں کوئی قرینہ وہاں موجود ہوتا ہے، گفتگو میں بات چیت وغیرہ سے دوسرے کو پتہ چل جاتا ہے کہ اس وقت سوال پوچھا جا رہا ہے یا اس وقت خبر دی جا رہی ہے، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو قرینے بعض چیزوں کا قرینوں سے پتہ چلتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: «زید وہاں گیا تھا۔ زید لاہور گیا تھا۔» تو یہ سوال ہے یا خبر ہے؟ جواب: یہ خبر ہے، میں آپ کو بتلا رہا ہوں: «زید لاہور گیا تھا۔» لیکن یہی جملہ میں کہتا ہوں: «زید لاہور گیا تھا؟» اب فوراً سوال بن گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو بعض اوقات اور قرینے ہوتے ہیں جو اسی جملے پہ دلالت کر دیتے ہیں کہ اس وقت مراد استفہام ہے یا مراد خبر ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟

«کَمْ» مبنی ہے، اس کا اعراب محلاً آئے گا، تو لفظوں سے پتہ نہیں چلے گا کہ اس پر رفع ہے، نصب ہے یا جر۔ تو اس کا اعراب کیا ہو گا؟ تو انہوں نے آپ کو بتلایا کہ «کَمْ» منصوب بھی ہو سکتا ہے، مرفوع بھی ہو سکتا ہے اور مجرور بھی ہو سکتا ہے۔ مجرور تب ہو گا جب اس پر حرف جر داخل ہو یا اس پر مضاف داخل ہو، تو یہ مضاف الیہ بنے گا اور مجرور ہو گا محلاً۔ اور مرفوع، مرفوع یہ ہو گا مبتدا ہونے کی بناء پر یا خبر ہونے کی بناء پر، خبر ہونے کی بناء پر۔ اور منصوب، منصوب یہ مفعول بہ بھی ہو سکتا ہے، یہ مفعول مطلق بھی ہو سکتا ہے اور مفعول فیہ یعنی ظرف بھی ہو سکتا ہے، ظرف بھی ہو سکتا ہے۔ اور پھر ہمیں پتہ کیسے چلے گا؟ انہوں نے آپ کو طریقہ بتلا دیا: مجرور کا تو آپ کو پتہ چل گیا، مجرور کب ہو گا؟ جب اس پر حرف جر ہو یا مضاف اس پر مضاف داخل ہو بھائی، تب مجرور ہو گا۔

اب مرفوع اور منصوب کا پتہ کیسے چلائیں گے؟ تو یاد رکھیے کہ «کَمْ» کے بعد تو تمیز آئے گی، تمیز آئے گی، اور تمیز کے بعد آگے دیکھیں کہ کوئی فعل آ رہا ہے یا فعل نہیں آ رہا۔ اگر مابعد میں فعل نہیں آ رہا تو پھر یہ «کَمْ» مرفوع ہو گا۔ اگر «کَمْ» کے بعد تمیز آئی اور تمیز کے بعد فعل نہیں آیا کوئی اور لفظ آیا تو پھر یہ کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا، اور پھر یہ مرفوع مبتدا بھی ہو سکتا ہے اور خبر بھی۔ اس کا پتہ اس کی تمیز سے چلے گا۔ اگر «کَمْ» کے بعد جو تمیز آ رہی ہے وہ ظرف ہے، زمانے یا جگہ کا نام ہے تو پھر یہ «کَمْ» کیا ہو گا؟ خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہو گا کیونکہ ظرف جو ہے، ظرف یہ خبر بن سکتا ہے، مبتدا نہیں بن سکتا۔ تو «کَمْ» کے بعد اگر ظرف آیا اور آگے فعل نہیں ہے تو یہ کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا خبر ہونے کی بناء پر۔ اور اگر آگے فعل تو نہیں آ رہا، «کَمْ» کے بعد تمیز ہے اور تمیز کے بعد فعل نہیں ہے، تو میں نے بتایا «کَمْ» مرفوع ہو گا، اور مرفوع پھر یہ خبر ہونے کی بناء پر بھی ہو سکتا ہے اور مبتدا ہونے کی بناء پر، خبر ہونے کی بناء پر

تب ہو گا جب «کَمْ» کے بعد جو تمیز آئے وہ ظرف ہو، اور اگر تمیز ظرف نہ ہو تو پھر یہ «کَمْ» مبتدا ہو گا، مرفوع ہو گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

اور اگر «کَمْ» کے بعد تمیز آئی اور تمیز کے بعد آگے فعل آ گیا تو پھر دیکھو، اس فعل کے ساتھ کوئی ایسی ضمیر تو نہیں جڑی ہوئی جو اسی کی طرف لوٹ رہی ہو، «کَمْ» کی طرف؟ اگر اس کے ساتھ ایسی ضمیر جڑی ہوئی ہے جو کس کی طرف لوٹ رہی ہے؟ «کَمْ» کی طرف، تو پھر فعل تو اس ضمیر میں عمل کر رہا ہے۔ تو اگر فعل اس «کَمْ» کی ضمیر میں عمل کر رہا ہے، تو ضمیر سے بھی یہی «کَمْ» مراد اور «کَمْ» خود بھی موجود ہے، تو ایک وقت میں فعل ایک ہی میں عمل کرے گا، دونوں میں تو عمل نہیں کر سکتا کیونکہ ایک ہی چیز ہیں دونوں، تو جب ضمیر میں عمل کر رہا ہے «کَمْ» کی تو پھر «کَمْ» میں وہ عمل نہیں کر سکتا، جب «کَمْ» میں عمل نہیں کر سکتا تو «کَمْ» مرفوع ہو گا مبتدا ہونے کی بناء پر۔ اور اگر «کَمْ» کے بعد تمیز آئی، تمیز کے بعد فعل موجود ہے لیکن فعل اس کی ضمیر میں عمل نہیں کر رہا، اس کے ساتھ کوئی ضمیر جڑی ہوئی نہیں ہے تو پھر اس صورت میں «کَمْ» منصوب ہو گا، منصوب۔ اور پھر منصوب ہو گا یا تو یہ مفعول مطلق ہو گا، یا یہ مفعول بہ ہو گا، یا یہ مفعول فیہ ہو گا اور اس کا پتہ «کَمْ» کے بعد جو تمیز آ رہی ہے اس سے پتہ چلے گا۔ اگر تمیز جو ہے وہ مصدر ہوئی، اسی فعل کا مصدر، تو پھر یہ «کَمْ» منصوب ہو گا مفعول، مفعول مطلق ہونے کی بناء پر، اور اگر «کَمْ» کے بعد جو تمیز ہے وہ ظرف ہے تو پھر یہ «کَمْ» منصوب ہو گا مفعول فیہ ہونے کی بناء پر، اور اگر «کَمْ» کے بعد نہ تو مصدر ہے اور نہ مفعول فیہ ہے تو پھر «کَمْ» منصوب ہو گا مفعول بہ ہونے کی بناء پر، اور سب کی مثالیں بھی گزر گئیں۔

ترکیب اچھی طرح سمجھ میں آ گئی بھائی؟ دیکھا، «کَمْ» کا اعراب انہوں نے آپ کو بتلا دیا: «کَمْ» منصوب بھی ہو سکتا ہے، «کَمْ» مجرور بھی ہو سکتا ہے اور «کَمْ» مرفوع بھی ہو سکتا ہے، اور ساروں کی ہم نے الحمد للہ ترکیب بھی کر لی اور آپ نے سمجھ بھی لی بھائی۔ چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام، واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۸۲: فصل الظروف المبنیہ: مقطوع عن الاضافت ظروف، «حَیْثُ»، «اِذَا» اور «اِذْ» کا بیان

ہدایۃ النحو صفحہ: ۶۵—بتاریخ: ۹ فروری ۲۰۱۶ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: الظُّرُوفُ الْمَبْنِيَّةُ عَلَى أَقْسَامٍ، مِنْهَا: مَا قُطِعَ عَنِ الْإِضَافَةِ بِأَنْ حُذِفَ الْمُضَافُ إِلَيْهِ، كَقَبْلُ وَبَعْدُ وَفَوْقُ وَتَحْتُ، قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ﴾ أَيْ مِنْ قَبْلِ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْ بَعْدِ كُلِّ شَيْءٍ۔

مبنیات میں سے آج ظروف کا بیان ہو گا بھائی۔ اب بھائی، ظروف کی بحث شروع ہو رہی ہے۔ مبنیات میں سے آٹھواں اور آخری مبنی وہ بعض ظروف ہیں بھائی۔ یاد رکھیے، ظروف سارے کے سارے مبنی نہیں ہیں، کچھ ظروف کیا ہیں؟ مبنی۔ تمام ظروف نہیں مبنی۔ آپ بھی دیکھتے ہیں، ظرف پر نصب پڑھتے ہیں یا نہیں پڑھتے؟ دیکھا، نصب پڑھتے ہیں، معلوم ہوا وہ معرب ہے۔ جیسے: «ضَرَبْتُ زَيْدًا الْيَوْمَ»، دیکھا؟ یہ «الْيَوْمَ» پر میں نصب پڑھ رہا ہوں۔ کوئی آپ سے پوچھے: منصوب کیوں ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ یہ مفعول فیہ ہے، یہ ظرف ہے۔ تو معلوم ہوا یہ معرب ہے، جبھی اس پر اعراب آ رہا ہے۔ تو تمام ظروف مبنی نہیں، ہاں کچھ ظروف کیا ہیں؟ مبنی ہیں۔ اسی لیے مصنف نے بھی کیا عنوان دیا: «الظُّرُوفُ الْمَبْنِيَّةُ»، وہ ظروف جو کہ مبنی ہیں۔ اب ان کا بیان ہو رہا ہے۔

کہتے ہیں: «الظُّرُوفُ الْمَبْنِيَّةُ عَلَى أَقْسَامٍ»، وہ ظروف جو مبنی ہیں «عَلَى أَقْسَامٍ»، وہ کئی قسم پر ہیں۔ «مِنْهَا مَا قُطِعَ عَنِ الْإِضَافَةِ»، ان میں سے ایک قسم وہ ہے جن کو کاٹا گیا ہو اضافت سے۔ جن کو اضافت سے «قُطِعَ عَنِ الْإِضَافَةِ»، جن کو اضافت سے کاٹا گیا ہو۔ بھائی کس کیا صورت ہے اس کی؟ باتصویر یہ ہے، صورت بتلا رہا ہے: «بِأَنْ حُذِفَ»، بہ ایں صورت کہ حذف کیا گیا ہو «الْمُضَافُ إِلَيْهِ»، مضاف الیہ کو۔ یعنی ان کے مضاف الیہ کو حذف کر لیا گیا، تو اضافت سے کٹ گئے۔

بھائی یاد رکھیے، یہ «قَبْلُ»، «بَعْدُ»، «فَوْقُ»، «تَحْتُ» وغیرہ، یہ ہمیشہ مضاف الیہ چاہتے ہیں۔ «قَبْلُ» کا معنیٰ پہلے، بھائی کس سے پہلے؟ آگے مضاف الیہ چاہیے: «قَبْلَ عَمْرٍو»، «قَبْلَ زَيْدٍ»، «قَبْلَ يَوْمِ الْجُمُعَةِ»، صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور اسی طرح «بَعْدُ»، یہ بھی مضاف الیہ چاہتا ہے، بعد میں، اس کا معنیٰ ہے بعد میں، بھائی کس کے بعد؟ «بَعْدَ عَمْرٍو»، «بَعْدَ بَكْرٍ»، یا «بَعْدَ يَوْمِ الْجُمُعَةِ» وغیرہ، کوئی بھی مضاف الیہ آ سکتا ہے۔ اسی طرح «فَوْقُ» اور «تَحْتُ»، فوق کا معنیٰ اوپر، تحت کا معنیٰ نیچے، تو کس کے اوپر؟ کس کے نیچے؟ آگے مضاف الیہ چاہیے۔

تو ان کے لیے مضاف الیہ چاہیے اور پھر ان کے استعمال کے تین طریقے ہیں: ایک صورت یہ کہ یہ مضاف الیہ چاہتے ہیں اور اس مضاف الیہ کو ان کے ساتھ ذکر کر دیا جائے، جیسے: «جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلَ عَمْرٍو»، میرے پاس زید آیا عمرو سے پہلے۔ دیکھا؟ قبل کے بعد مضاف الیہ کو ذکر کر دیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ میں مضاف الیہ کو لفظوں سے حذف کر دیتا ہوں، اور جب لفظوں سے مضاف الیہ حذف کیا، تو اس کے لیے مضاف الیہ تو ضرور چاہیے تھا، تو اس کو اس کا بہت بڑا نقصان ہو گیا۔ جب نقصان ہوا، تو پھر اس کو ضمے کی پٹی لگا دی گئی، ضمے کی پٹی۔ تو گویا یوں کہو، اس کا مضاف الیہ حذف کیا گیا تھا، تو اس کے عوض اس کو اس کو مبنی علی الضم کر دیا گیا۔ تو اب میں یوں کہوں گا، میں نے عمرو کو لفظوں سے حذف کر دیا: «جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلُ»۔

تو یہ «قَبْلُ» کیا ہے؟ مبنی ہے اس وقت، منصوب محلاً ہے، کیونکہ مفعول فیہ ہے، ظرف ہے بھائی، ظرف کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ تو یہ اس وقت مبنی ہے، اس لیے وہ نصب اس پر ظاہر نہیں ہو رہا۔ اچھا، اور یہ جو میں نے مضاف الیہ کو حذف کیا، یاد رکھیے یہ میں نے ایسے حذف کیا کہ لفظوں سے صرف حذف کیا ہے، معنٰی میں ابھی بھی مراد ہے۔ میں کہنا وہی چاہتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلَ عَمْرٍو»، لیکن میں نے عمرو کو ترجمہ پہلے کیا تھا؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلَ عَمْرٍو»، میرے پاس زید عمرو سے پہلے آیا۔ اب میں نے عمرو کو حذف کر دیا: «جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلُ»، لیکن معنٰی اب بھی وہی ہے: میرے پاس زید عمرو سے پہلے آیا۔ یعنی یوں کہو، عمرو کو لفظوں سے حذف کیا، لیکن ارادے میں اب بھی موجود ہے، نیت میں اب بھی موجود، اس کو کہتے ہیں منویٌ، نیت میں ہے۔ منویٌ، مرمِیٌ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے بھائی ناقص سے۔

تو مضاف الیہ لفظوں سے حذف کر دیا، لیکن نیت میں ابھی بھی موجود، تو اس صورت میں مضاف الیہ تو چاہیے تھا، آپ نے حذف کر دیا، تو ظرف کو کیا بنا دیا؟ مبنی علی الضم بنا دیا، ضمے کی حرکت اس کو دے دی بھائی۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ عمرو کو میں لفظوں سے بھی اڑاتا ہوں اور نیت سے بھی ختم کر دیتا ہوں، بس۔ گویا میں صرف یہ کہتا ہوں: زید پہلے آیا، زید پہلے آیا۔ دیکھا، عمرو کو میں نے نیت سے بھی ختم کر دیا۔ تو اب اس صورت میں میں: «جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلًا»، «جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلًا»، اب اسی طرح معرب ہی رہے گا، اسی طرح معرب رہے گا۔ اور ظرف کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے نا، اور مضاف الیہ تو ہے نہیں، تو تنوین آئے گی اس پر: «جَاءَنِي زَيْدٌ قَبْلًا»۔

تو معلوم ہوا یہ ظروف کے استعمال کے، یہ جو بعض ظروف ہیں «قَبْلُ»، «بَعْدُ» وغیرہ، ان کے استعمال کے تین طریقے ہیں: ان کے لیے مضاف الیہ تو ضرور چاہیے، تو ایک صورت یہ ہے کہ وہ مضاف الیہ ان کے ساتھ لفظوں میں ذکر ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لفظوں سے حذف، لیکن نیت میں موجود۔ تیسری صورت یہ ہے کہ لفظوں سے بھی حذف اور نیت سے بھی حذف ختم کر دیا بھائی۔

تو یاد رکھیے، وہ صورت جس میں مضاف الیہ لفظوں میں موجود ہے، تو اس کی ضرورت پوری ہو رہی ہے، تو اس صورت میں یہ معرب ہوتا ہے۔ اور اسی طرح جب مضاف الیہ کو لفظوں سے بھی حذف کر دیا، نیت سے بھی حذف کر دیا، تو گویا اس کے لیے مضاف الیہ چاہیے ہی نہیں۔ اس کو ایسے بنا دیا جیسے اس کے لیے چاہیے ہی نہیں، تو گویا اس کا نقصان ہی کوئی نہیں ہوا۔ جب نقصان ہی کوئی نہیں ہوا، تو اب بھی یہ کیا ہو گا؟ معرب رہے گا۔ اور وہ صورت جس میں مضاف الیہ لفظوں سے تو حذف کر دیا، لیکن نیت میں ابھی بھی مراد ہے، تو پھر تو آپ نے نقصان کر دیا، اس کو تو لفظوں میں ہونا چاہیے تھا، آپ نے لفظوں سے اس کو اڑا دیا ہے، تو لہٰذا اس صورت میں اس کو مبنی علی الضم۔ تو یہ صورت وہ صورت یہاں ذکر کر رہے ہیں، کیونکہ اس صورت میں یہ مبنی ہیں، باقی دو صورتوں میں تو یہ مبنی نہیں۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «مِنْهَا»، ظروف میں سے جو ہے، ما ایک وہ قسم ہے، قطعت وہ ظروف ہیں «قُطِعَ عَنِ الْإِضَافَةِ»، جن کو اضافت سے کاٹ دیا گیا ہو۔ اس کی صورت کیا ہے؟ کہتے ہیں: «بِأَنْ حُذِفَ الْمُضَافُ إِلَيْهِ»، بہ ایں صورت کہ مضاف الیہ کو حذف کر لیا جائے، «كَقَبْلُ وَبَعْدُ وَفَوْقُ وَتَحْتُ، قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ﴾»، اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: اللہ ہی کے لیے حکم ہے پہلے، کس سے پہلے؟ معلوم ہوا کوئی مضاف الیہ موجود ہے جو لفظوں سے حذف کیا گیا ہے۔ آگے بتلا دیا: «أَيْ مِنْ قَبْلِ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْ بَعْدِ كُلِّ شَيْءٍ»، ہر چیز سے پہلے اور ہر چیز کے بعد۔ یعنی اللہ ہی کے لیے حکم ہے ہر چیز سے پہلے بھی اور ہر چیز کے بعد بھی، حکم ہر صورت اللہ ہی کے لیے ہے بھائی۔ تو حکم اللہ ہی کے لیے ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اس کا مضاف الیہ دیکھو محذوف تھا، اس لیے وہ مبنی بنا دیا گیا۔

کہتے ہیں: «هَذَا إِذَا كَانَ الْمَحْذُوفُ مَنْوِيًّا لِلْمُتَكَلِّمِ»، یہ اس وقت ہے یعنی یہ مبنی ہونا اس وقت ہے «إِذَا كَانَ الْمَحْذُوفُ مَنْوِيًّا»، جبکہ وہ جو حذف کیا گیا ہو وہ نیت میں ہو «لِلْمُتَكَلِّمِ»، متکلم کی، وہ متکلم کی نیت میں موجود ہو، «وَإِلَّا»، اور اگر ایسا نہ ہو، «لَكَانَتْ مُعْرَبَةً»، تو پھر وہ یہ معرب ہو گا۔ اور اس میں کتنی صورتیں آ گئیں؟ ایک تو مبنی والی گزر گئی، باقی رہ گئیں دو صورتیں، اگر ایسا نہ ہو یعنی لفظوں میں موجود ہو، لفظوں میں موجود ہو یا نیت سے بھی کیا کر دو؟ حذف کر دو۔

تو وہ «وَعَلَى هَذَا»، اور اسی بنا پر «قُرِئَ»، پڑھا گیا ہے: «لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلِ وَمِنْ بَعْدِ»۔ اسی یہی آیت بعض قراءتوں کے اندر یوں بھی آئی ہے کہ اس کو کیسے پڑھا گیا ہے؟ «لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلِ»، «مِنْ قَبْلُ» کے بجائے «مِنْ قَبْلِ»، یعنی مضاف الیہ لفظوں سے بھی ختم اور نیت سے بھی ختم، گویا اس کے لیے مضاف چاہیے ہی نہیں، تو گویا اس کا نقصان نہیں ہوا، جب نقصان نہیں ہوا تو یہ جیسے پہلے معرب تھا اب بھی کیا رہے گا؟ معرب۔ اور

چونکہ من داخل ہوا ہے تو جر آئے گا۔ تو اللہ کے لیے حکم ہے «مِنْ قَبْلِ»، پہلے سے «وَمِنْ بَعْدِ»، اور بعد میں۔

■ قولہ: «وَتُسَمَّى الْغَايَاتِ» کی تشریح

«وَتُسَمَّى الْغَايَاتِ»، اور ان کو غایات کہتے ہیں۔ غایہ کہتے ہیں انتہا کو، انتہا کو۔ تو یہ ظروف یہ جب ان کے مضاف الیہ کو لفظوں سے حذف کر لیا جائے تو پھر ان کو غایہ کہتے ہیں۔ غایہ کا معنیٰ ہوتا ہے انتہا، انتہا۔ دیکھو، میں نے کہا: «غُلَامُ زَيْدٍ»، تو اب میرے بولنے کی انتہا کس پر ہو رہی ہے؟ زید یعنی مضاف الیہ پر۔ اور جب مضاف الیہ کو میں ختم کر دوں گا، تو پھر میرے بولنے کی انتہا کس پر ہو گی؟ مضاف پر۔ تو یہ بھی چونکہ ان کے مضاف الیہ کو حذف کر لیا گیا، اب بولنے کی انتہا کس پر ہو رہی ہے؟ مضاف پر، یعنی ان ان ظروف پر انتہا ہو رہی ہے، تو انہی ظروف کو اب کیا کہتے ہیں؟ غایات بھی کہتے ہیں۔ کس وقت غایات کہتے ہیں؟ جب ان کے مضاف الیہ کو لفظوں سے حذف، کیونکہ اب ان پر کلام کی انتہا ہو رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے «وَتُسَمَّى الْغَايَاتِ»، اور ان کو غایات کہتے ہیں۔

«تُسَمَّى الْغَايَاتِ»، جی ترکیب کیجیے۔ «تُسَمَّى» جی، فعل، جی، ہِیَ ضمیر اس کے اندر مرفوع، مرفوع محلاً فاعل۔ اچھا، جی نائب فاعل، فعل مجہول ہے۔ نائب فاعل، لوٹ رہی ہے ظروف کی طرف، جی وہ ظروفِ مبنیہ کی طرف، جی یا وہ ظروف جن کے جن کو اضافت سے کاٹ لیا گیا ہو، جی۔ «الْغَايَاتِ» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ شاباش! «الْغَايَاتِ» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ دیکھا؟ یہ میں پوچھنا چاہ رہا تھا۔ یاد رکھیے جو «سَمَّى» ہے نا، «سَمَّى»، یہ دو مفعول چاہتا ہے۔ «سَمَّيْتُ الرَّجُلَ»، «سَمَّيْتُ» میں نے نام رکھا، «الرَّجُلَ» اس آدمی کا، دیکھو بات ابھی بھی پوری نہیں۔ «زَيْدًا»، کیا چاہیے؟ دیکھا، زید۔ میں نے اس آدمی کا نام زید رکھا۔ تو «سَمَّيْتُ» میں یہ تا فاعل، «الرَّجُلَ» مفعولِ اول، اور «زَيْدًا» مفعولِ ثانی۔ پھر اسی کو جب مجہول بناتے ہیں تو فاعل کو حذف کر دیا: «سُمِّيَ»، اور «الرَّجُلُ» پہلے مفعول کو نائب فاعل بنا دیا: «سُمِّيَ الرَّجُلُ»، اور «زَيْدًا» اسی طرح مفعول رہے گا۔ تو «سُمِّيَ الرَّجُلُ زَيْدًا»، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ آپ نے پریشان نہیں ہونا کہ فعلِ مجہول ہے، اس کے لیے مفعول کیسے آ رہا ہے؟ بھائی فعلِ مجہول میں اسی مفعول کو نائب فاعل بنا دیتے ہیں، لیکن پہلے کو بنا دیتے ہیں، دوسرا تو اسی طرح مفعول رہے گا۔ تو یہاں بھی اسی طرح «تُسَمَّى الْغَايَاتِ»، تو یہ «الْغَايَاتِ» کے زیر دیکھ کر آپ دھوکے میں نہ پڑیں کہ شاید یہ مجرور ہے، یہ منصوب ہے، یہ جمع مؤنث سالم ہے، اور جمع مؤنث سالم کا اعراب کیا پڑھا تھا؟ کہ اس کا نصب بھی جر کی شکل میں آتا ہے۔ تو یہ نصب ہے، جر نہیں، اور اس کی شکل جر جیسی ہے۔ تو منصوب لفظاً، کیونکہ اس پر ہم باقاعدہ کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں، «الْغَايَاتِ»۔

«وَمِنْهَا حَيْثُ»، اور ان ظروفِ مبنیہ میں سے ایک «حَيْثُ» ہے، «بُنِيَتْ تَشْبِيهًا لَهَا بِالْغَايَاتِ»، کہ یہ مبنی ہے، اس کو مبنی کیا گیا ہے «تَشْبِيهًا لَهَا بِالْغَايَاتِ»، غایات کے ساتھ اس کے مشابہت کی وجہ سے۔ جس کو مبنی کیا گیا ہے غایات کے ساتھ اس کی اس کی مشابہت بھی غایات کے ساتھ ہے، «لِمُلَازَمَتِهَا الْإِضَافَةَ إِلَى الْجُمْلَةِ»، اس وجہ سے کہ اس کی ملازمت ہے جملے کے اس طرف اضافت کے ساتھ۔ یعنی اس کے ساتھ اضافت الی الجملہ لازم ہے، یہ اس کے ساتھ لازم رہتا ہے۔ کس کے ساتھ لازم رہتا ہے؟ اضافت الی الجملہ، جملے کی طرف اضافت۔ یعنی ہمیشہ جملے کی طرف مضاف ہوتا ہے، یعنی اکثر اکثر استعمالات میں کس کی طرف مضاف ہوتا ہے؟ جملے کی طرف۔ تو گویا اس کا مضاف الیہ جملہ ہوتا ہے، «حَيْثُ» کا مضاف الیہ جملہ۔ اور مضاف الیہ کو تو مفرد ہونا چاہیے، جملہ تو نہیں ہونا چاہیے، تو جملے کی طرف اضافت بھی گویا لا اضافت ہے۔ یوں سمجھو مضاف الیہ آیا ہی نہیں، چاہیے تھا اور آیا نہیں۔ لفظوں میں بیشک موجود ہے جملہ، لیکن جملے کی طرف اضافت گویا کہ لا اضافت ہے، گویا اضافت ہے ہی نہیں، گویا مضاف الیہ چاہیے تھا اور نہیں آیا، تو یہ کس کی طرح ہوا؟ غایات کی طرح۔ اور جب غایات تو کیا ہوتے تھے؟ مبنی، تو یہ بھی کیا ہے؟ مبنی ہے، جب اس کے اضافت سے گویا اس کو کاٹا گیا ہے۔

تو کہتے ہیں ان ظروف میں سے ایک «حَيْثُ» ہے، «بُنِيَتْ تَشْبِيهًا لَهَا بِالْغَايَاتِ»، اس کو مبنی کیا گیا ہے غایات کے ساتھ اس کی مشابہت کی وجہ سے، «لِمُلَازَمَتِهَا الْإِضَافَةَ إِلَى الْجُمْلَةِ»، اس وجہ سے کہ یہ لازم ہے جملے کی طرف اضافت، کہ اس کے ساتھ کہ اس کی ملازمت ہے، یہ لازم رہنے والا ہے جملے کی طرف اضافت کے ساتھ، «فِي الْأَكْثَرِ»، اکثر استعمالات میں۔ یعنی اکثر اسی طرح استعمال ہوتا ہے کلام کے اندر کہ یہ جملے کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

▪ قولہ: «قَالَ اللهُ تَعَالَى» کی تشریح

«قَالَ اللهُ تَعَالَى»، اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾، استدراج کا معنیٰ ہوتا ہے آہستہ آہستہ ہلاکت کی طرف لے جانا۔ استدراج کا کیا معنیٰ؟ آہستہ آہستہ ہلاکت کی طرف لے جانا۔ اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ﴾ کہ ہم ان ان سرکشوں کو، ان کفار کو آہستہ آہستہ ہلاکت کی طرف لے جائیں گے ﴿مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾، «حَيْثُ» جگہ کے معنیٰ میں، ﴿مِنْ حَيْثُ﴾ ایسی جگہ سے ﴿لَا يَعْلَمُونَ﴾ کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ ہم ان کو آہستہ آہستہ ہلاکت کی طرف لے جائیں گے ایسی جگہ سے کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا، ایسے راستے سے کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ تو یہاں دیکھیے، «حَيْثُ» مضاف ہے «لَا يَعْلَمُونَ» کی طرف، اور «لَا يَعْلَمُونَ» فعل اپنے فاعل کے ساتھ مل کر جملہ، تو یہ مضاف ہوا کس کی طرف؟ جملے کی طرف۔ اور جملے کی طرف بھی اضافت گویا لا اضافت ہے، اس لیے دیکھیے «حَيْثُ» مبنی ہے۔ حالانکہ مِن داخل ہو رہا ہے، اس پر جر آنا چاہیے تھا، لیکن جر نہیں آرہا، معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ مبنی ہے۔

تو انہوں نے کیا کہا؟ «حَيْثُ» بھی مبنی ہوتا ہے «فِي الْأَكْثَرِ»، کس میں؟ اکثر استعمال، یعنی اکثر عربی میں یہ اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ «وَقَدْ يُضَافُ إِلَى الْمُفْرَدِ»، اور کبھی کبھار یہ مفرد کی طرف بھی مضاف ہو جاتا ہے، «كَقَوْلِ الشَّاعِرِ»، جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے: أَمَا تَرَى حَيْثَ سُهَيْلٍ طَالِعًا

«أَمَا تَرَى»، تَرَى فعل، أَنْتَ ضمیر اس کے اندر فاعل، اور «حَيْثُ» یاد رکھیے یہ مکان کے معنیٰ میں ہے، أَيْ أَمَا تَرَى مَكَانَ سُهَيْلٍ، سہیل ایک ستارہ ہے، یاد رکھیے۔ سہیل کیا ہے؟ سہیل ایک ستارہ ہے جو آسمان پر سال کے دوران کچھ مہینے دکھائی دیتا ہے، کچھ مہینے دکھائی دیتا ہے۔ عرب اس کو جانتے ہیں بھائی، اور کہتے ہیں کہ اونٹ اس کی طرف بالکل نہیں دیکھتا۔ صحرائی جانور اونٹ جو ہے وہ اس کی طرف بالکل نہیں دیکھتا۔ اگر اونٹ کی نظر اس سہیل ستارے پر پڑ جائے تو وہ شدید بیمار ہو جاتا ہے یا مر جاتا ہے بھائی۔ تو دیکھو عجیب اسرار اللہ نے اس کائنات میں رکھے ہیں۔ انسان جتنی بھی ترقی کر لے وہ ان تمام اسرار تک کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا بھائی۔ دیکھو ایک ستارے کے ایسے اثرات ہیں کہ اونٹ کو خود بھی علم ہوتا ہے، وہ اس کی طرف دیکھتا ہی نہیں، اس کی طرف دیکھتا ہی نہیں بھائی۔

اللہ! تو یہ ہر چیز کے مختلف روحانی اثرات ہوتے ہیں۔ جیسے مولانا، سبق میں آپ دیکھ لیجیے، سبق میں دیکھ لیجیے۔ اگر طلبہ اچھی نیت کے ساتھ بیٹھے ہوں، با وضو بیٹھے ہوں، تو استاد پر براہِ راست اثر پڑتا ہے، اور سبق بڑا بہترین ہو جاتا ہے، اور اللہ استاد کے ذہن میں ایسی ایسی باتیں ڈال دیتے ہیں اور ایسے بہترین الفاظ اس کی زبان پر جاری فرما دیتے ہیں کہ ایک ایک چیز بالکل واضح ہوتی چلی جاتی ہے بھائی۔ اور اگر طالبِ علم بے دلی کے ساتھ بیٹھے ہوں یا وضو نہیں کیا ہوا، پڑھنے کو دل نہیں کر رہا، ویسے ہی جیسے مجبوری میں بیٹھے ہوں، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی وہ مدد نہیں آتی۔ اب استاد نے جتنا مرضی بہترین مطالعہ کیا ہو، سبق تیار کیا ہو، وہ بیان کرنا چاہتا ہے، بیان ہو ہی نہیں رہا اس سے، الفاظ اس کی زبان پر آ ہی نہیں رہے۔ بات سمجھ میں آئی بھائی؟ تو ہر چیز کے روحانی اثرات ہیں، خصوصاً میں تو اس چیز کو بہت زیادہ محسوس کرتا ہوں بھائی، بہت زیادہ۔ طالب علموں کی اگر نیت اچھی نہ ہو سبق پڑھانا عذاب بن جاتا ہے، لفظ ہی نہیں آتے، بیان کرنا ہی مشکل ہو جاتا ہے کہ کس طرح میں اس بات کو سمجھاؤں۔ اور بعض اوقات خود پتہ چلتا ہے، ایسے سبق چل رہا ہوتا ہے، اتنے مشکل مشکل مقامات آجاتے ہیں، لیکن اللہ ایسے آسان فرما دیتے ہیں کہ بعد میں استاد کو خود بھی حیرت ہوتی ہے کہ میں نے کیسے اتنا مشکل مقام اتنی آسانی سے بیان کر دیا، میں تو سوچ رہا تھا پتہ نہیں اس کو کتنے کیسے سمجھانا پڑے گا، اور اللہ نے اتنا آسان فرما دیا۔ بلکہ اللہ کی طرف سے اتنی مدد آجاتی ہے، اتنی مدد آجاتی ہے کہ بعض اوقات ایک چیز استاد نے مطالعہ بھی نہیں کی ہوتی اور وہ بھی اللہ ذہن میں ڈال دیتے ہیں۔ بعض اوقات طالب علم کوئی سوال کر لیتا ہے، سوال کر لیتا ہے، اس کی طلب سچی ہوتی ہے، وہ شوق کے ساتھ پوچھتا ہے، محبت کے ساتھ پوچھتا ہے، اور تو اللہ تعالیٰ سینہ کھول دیتے ہیں اور استاد نے مطالعہ بھی نہیں کیا ہوتا، اس سوال کا پڑھا بھی نہیں ہے، لیکن ایک دم اللہ جواب ذہن میں ڈال دیتے ہیں اور وہ جواب دے دیتا ہے۔ تو ہر چیز کے بڑے ہی روحانی اثرات ہیں بھائی، اثرات ہیں۔

اللہ! ایک دو انگریز ہیں، میں کوشش کر رہا ہوں ان کو اسلام کی طرف دعوت دے رہا ہوں، دعا کرو بھائی اللہ ان کو اور ان کے سب گھر والوں کو بھی ایمان کی توفیق نصیب فرما دیں بھائی، اور اللہ ہم سب کا خاتمہ بھی ایمان پر فرمائے بھائی۔

■ قولہ: «أَمَا تَرَى حَيْثَ سُهَيْلٍ طَالِعًا» کی تشریح

«أَمَا تَرَى حَيْثَ سُهَيْلٍ طَالِعًا»، تو یاد رکھیے یہ «حَيْثَ سُهَيْلٍ»، یہ «حَيْثُ» مفعول فیہ ہے مکان کے معنیٰ میں، آگے خود بتا رہے ہیں معنیٰ: أَيْ مَكَانَ سُهَيْلٍ، اور مکان ہے، مفعول فیہ ہے، تو اس کو منصوب ہونا چاہیے، لیکن یہ کیا ہے؟ مبنی، مبنی ہے، مبنی علی الضم ہے۔ سوال: اس وقت تو یہ مفرد کی طرف مضاف ہو رہا ہے؟ تو اس وقت تو اس کی مشابہت غایات کے ساتھ نہیں، لہٰذا اس کو مبنی نہیں ہونا چاہیے۔ جواب: کہ یہ انہی پر محمول ہے۔ جب اکثر وہ اس طرح استعمال ہوتا ہے، تو جو قلیل تھی قلیل استعمال تھا اس کو بھی اکثر کے تابع کر دیا، اسی جیسا کر دیا، اور اس میں بھی کیا ہوتا ہے یہ پھر؟ مبنی ہوتا ہے۔

«أَمَا تَرَى حَيْثَ سُهَيْلٍ طَالِعًا»، کیا تو نہیں دیکھ رہا سہیل ستارے کی جگہ پر طالعاً طلوع ہونے والا، یعنی اس کی جگہ پر جو ستارہ طلوع ہو ہے طلوع ہونے والا ہے، طلوع ہے کیا تو اس کو نہیں دیکھ رہا؟ «أَيْ مَكَانَ سُهَيْلٍ، فَحَيْثُ هَذَا بِمَعْنَى مَكَانٍ»، تو یہ «حَيْثُ» جو ہے مکان کے معنیٰ میں ہے، «وَشَرْطُهُ أَنْ يُضَافَ إِلَى الْجُمْلَةِ»، اور شرط اس کی یہ ہے کہ یہ مضاف ہو گا کس کی طرف؟ جملے کی طرف۔ یعنی اکثر استعمالات میں اس کے استعمال کی شرط یہ ہے: «أَنْ يُضَافَ إِلَى الْجُمْلَةِ»، کہ یہ جملے کی طرف مضاف ہو گا۔ «نَحْوُ: اِجْلِسْ حَيْثُ يَجْلِسُ زَيْدٌ»، «اِجْلِسْ» تو بیٹھ جا، «حَيْثُ يَجْلِسُ زَيْدٌ»، جس جگہ «يَجْلِسُ زَيْدٌ» زید بیٹھا ہوا ہے، تو بیٹھ جا جہاں زید بیٹھا ہوا ہے۔ ترکیب کیا ہو گی؟ «اِجْلِسْ» فعلِ امر، أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «حَيْثُ» مبنی علی الضم ہے، تو «حَيْثُ» منصوب محلاً مضاف، «يَجْلِسُ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مفعول فیہ ہوا «اِجْلِسْ» فعل کے لیے۔ «اِجْلِسْ» فعلِ امر اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، کیونکہ امر ہے۔

«وَمِنْهَا إِذَا»، اور انہی ظروفِ مبنیہ میں سے «إِذَا» ہے، «وَهِيَ لِلْمُسْتَقْبَلِ»، اور یہ مستقبل کے لیے آتا ہے۔ کس کے لیے آتا ہے؟ مستقبل، یعنی فعلِ ماضی پر اکثر داخل ہی ماضی پر ہوتا ہے اور اس کو مستقبل کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ کہتے ہیں: «وَهِيَ لِلْمُسْتَقْبَلِ»، یہ مستقبل کے لیے آتا ہے، «وَإِذَا دَخَلَتْ عَلَى الْمَاضِي صَارَ مُسْتَقْبَلًا»، اور جب یہ فعلِ ماضی پر داخل ہوتا ہے، «صَارَ مُسْتَقْبَلًا»، تو وہ فعلِ ماضی بھی مستقبل بن جاتا ہے، «نَحْوُ: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ﴾»۔ تو «إِذَا جَاءَ»، دیکھو «جَاءَ» ماضی کا صیغہ ہے، لیکن یہ ترجمہ نہ کرنا: جب اللہ کی مدد آئی، بلکہ جب ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ﴾، جب اللہ کی مدد آئے گی، دیکھو مستقبل کی طرف کر دیا اس کو، معنیٰ سمجھ میں آ گیا؟

«وَفِيهَا مَعْنَى الشَّرْطِ»، اور اس کے اندر شرط والا معنیٰ ہوتا ہے۔ «إِذَا» کے اندر اکثر اکثر عموماً شرط والا معنیٰ ہوتا ہے، متضمن ہوتا ہے معنیٰ شرط کو۔ جب شرط کی طرف شرط والا معنیٰ ہے، تو اس کے لیے پھر جزا بھی چاہیے، شرط اور جزا دونوں چاہیے۔ دیکھو یہ ہے تو ظرف، کیا ہے؟ مفعول فیہ ہے، لیکن اس کے اندر کون سا معنیٰ آ گیا؟ شرط والا۔ جب شرط والا معنیٰ آیا، تو اس کے لیے شرط بھی چاہیے جس پر یہ داخل ہو رہا ہے، اور ایک جزا بھی چاہیے، ایک جزا بھی چاہیے۔ اور کبھی کبھار یہ صرف ظرفیت کے لیے بھی آتا ہے، یعنی شرط والا معنیٰ اس میں نہیں ہوتا، لیکن عام طور پر اس میں شرط والا معنیٰ ہوتا ہے اکثر بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَفِيهَا مَعْنَى الشَّرْطِ»، اور اس کے اندر شرط والا معنیٰ ہوتا ہے، «وَيَجُوزُ أَنْ تَقَعَ بَعْدَهَا الْجُمْلَةُ الِاسْمِيَّةُ»، اور جائز ہے کہ اس کے بعد جملہ اسمیہ واقع ہو۔ بھائی دیکھیے، حروفِ شرط جو ہیں نا، اِن اور لَو وغیرہ حروفِ شرط، وہ ہمیشہ فعل پر داخل ہوتے ہیں۔ شرط اور وہ حروفِ شرط ہیں، ان کے لیے شرط بھی چاہیے اور جزا بھی، اور شرط ہمیشہ فعل ہوتا ہے، جملہ فعلیہ ہوتا ہے۔ «إِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ»، دیکھا؟ اِن کس پر داخل ہے؟ «تَضْرِبْ» فعل پر، کیونکہ شرط جو ہے وہ فعل میں ہوتی ہے۔ اگر تو ایسا کرے گا تو میں بھی ایسا کروں گا۔ تو شرط ہمیشہ کس میں ہوتی ہے؟ فعل کے اندر ہوتی ہے، تو لہٰذا وہ ہمیشہ فعل پر داخل ہوتے ہیں۔ اور «إِذَا» یہ بھی متضمن ہوتا ہے معنیٰ شرط کو، تو کیا اس کے لیے بھی فعل کا ہونا ضروری ہے؟ یہ جملہ فعلیہ پر ہی داخل ہو گا؟ انہوں نے آپ کو بتا دیا: نہیں بھائی نہیں، یہ اصل میں شرط کے لیے وضع نہیں ہے، یہ تو اصل میں کس کے لیے وضع ہے؟ ظرفیت کے لیے۔ ہاں البتہ اس کے اندر کون سا معنیٰ آ جاتا ہے کبھی؟ شرط والا معنیٰ آ جاتا ہے، تو لہٰذا اب اس کے ساتھ جملہ فعلیہ ہونا لازم نہیں، جملہ اسمیہ بھی آ سکتا ہے۔ البتہ پسندیدہ یہی ہے کہ جملہ فعلیہ ہونا چاہیے۔

تو کہتے ہیں: «وَيَجُوزُ أَنْ تَقَعَ بَعْدَهَا الْجُمْلَةُ الِاسْمِيَّةُ»، اور جائز ہے کہ اس کے بعد جملہ اسمیہ واقع ہو، «نَحْوُ: آتِيكَ إِذَا الشَّمْسُ طَالِعَةٌ»۔ «آتِيكَ»، «آتِي» فعل، أَنَا ضمیر اس کے اندر، «آتِي»، «نَأْتِي»، «أَتَى يَأْتِي إِتْيَانًا» کا معنیٰ ہوتا ہے آنا، آنا، تو اسی سے متکلم کا صیغہ ہے «آتِي»۔ «آتِي» فعل بافاعل، اس کے اندر أَنَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، مفعول بہ۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور «إِذَا»

ظرف ہے بھائی، اعراب بولیے اس کا: منصوب، اور محلاً کیوں کہہ رہے ہو؟ کیونکہ مبنی ہے، شاباش! تو یہ منصوب محلاً مضاف، «الشَّمْسُ» مرفوع لفظاً مبتدا، اور «طَالِعَةٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر ہِيَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ سوال: ہِيَ کو شمس کی طرف کیسے راجع کر رہے ہو؟ جواب یہ کہ شمس کیا ہے؟ مؤنثِ سماعی ہے، عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے اس لیے اس کی طرف مؤنث ضمیر راجع کی جاتی ہے۔ تو ہِيَ ضمیر مرفوع محلاً راجع ہے شمس یعنی مبتدا کی طرف، کیونکہ خبر کو مبتدا سے جوڑتے ہیں۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مضاف الیہ، کس کے لیے؟ «إِذَا» کے لیے۔ اور «إِذَا» مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مفعول فیہ ہوا «آتِي» فعل کے لیے۔ «آتِي» فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

اور یاد رکھیے یہ عموماً میں نے بتایا یہ شرط کے معنیٰ کو متضمن ہوتا ہے، تو ساتھ اس کے جزا بھی آتی ہے، جزا بھی آتی ہے۔ تو اصل میں اصل میں کلام یوں ہونا چاہیے تھا: «إِذَا الشَّمْسُ طَالِعَةٌ آتِيكَ»، «آتِيكَ» کو بعد میں ہونا چاہیے تھا، یہ جزا بنتی۔ تو «إِذَا الشَّمْسُ طَالِعَةٌ» یہ ہے شرط، اور «آتِيكَ» یہ کیا ہے؟ جزا، جزا۔ لیکن بعض اوقات اس یہ جزا جیسا جملہ مقدم آجاتا ہے تو پھر جزا کو حذف کر دیتے ہیں۔ تو اصل میں یوں تھا، یہ ما قبل والے «آتِيكَ» اس کو ذرا چھوڑ دو: «إِذَا الشَّمْسُ طَالِعَةٌ آتِيكَ»، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ «إِذَا الشَّمْسُ طَالِعَةٌ» یہ ہے شرط، «آتِيكَ» یہ کیا ہے؟ جزا۔ لیکن اس جزا کو حذف کر دیا گیا، کیونکہ شرط سے قبل ایک اور ایسا جملہ آرہا تھا جو جزا پر دلالت کر رہا تھا۔ یہ «آتِيكَ» جو ما قبل میں آیا، یہ اسی «آتِيكَ» جزا پر کیا کر رہا ہے؟ دلالت کر رہا ہے، لہٰذا اس «آتِيكَ» جزا کو حذف کر دیا گیا۔ تو یہ جو «آتِيكَ» ہے یہ جزا نہیں، یہ دال بر جزا ہے، جزا پر دلالت کر رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو جب اس طرح ہو: «إِذَا الشَّمْسُ طَالِعَةٌ آتِيكَ»، تو اس صورت میں بھی یہ «إِذَا» مفعول فیہ بنے گا «آتِيكَ» کے لیے، جیسے اس وقت «آتِيكَ» کے لیے یہ کیا بن رہا ہے؟ مفعول فیہ۔ اس صورت میں بھی جزا کے لیے یہ کیا بنتا ہے؟ مفعول فیہ بنتا ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَيَجُوزُ أَنْ تَقَعَ بَعْدَهَا الْجُمْلَةُ الِاسْمِيَّةُ»، اور جائز ہے کہ اس کے بعد جملہ اسمیہ واقع ہو، «نَحْوُ: آتِيكَ إِذَا الشَّمْسُ طَالِعَةٌ»، میں تیرے پاس آؤں گا جب سورج طلوع ہو گا۔ «وَالْمُخْتَارُ الْفِعْلِيَّةُ»، اور مختار یعنی پسندیدہ جو ہے وہ جملہ فعلیہ ہے۔ اس کے بعد جملہ اسمیہ تو آ سکتا ہے، لیکن پسندیدہ کیا ہے؟ جملہ فعلیہ ہے۔ «نَحْوُ: آتِيكَ إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ»۔ جی ترکیب کیجیے: «آتِي» فعل بافاعل، اس کے اندر أَنَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «إِذَا» ظرف فیہ شرطیہ بھائی، «إِذَا» ظرف فیہ شرطیہ بھائی منصوب محلاً مضاف، «طَلَعَتْ» فعل، «الشَّمْسُ» مرفوع لفظاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مضاف الیہ ہوا «إِذَا» کے لیے، «إِذَا» کے لیے۔ اور «إِذَا» مضاف مضاف الیہ مل کر یہ مفعول فیہ ہوا «آتِي» کے لیے۔ «آتِي» فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ یا یوں کہیں، یہ کیا ہوا؟ «إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ» کیا ہوئی؟ شرط، اور «آتِيكَ» کیا ہے؟ دال بالجزاء۔ تو یوں کہیں: شرط اپنی دال بالجزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ یا مطلقاً اسی طرح رکھیں: فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ بہر حال بات آپ کو پتہ چل گئی کہ یہ «آتِيكَ» یہ کیا ہے؟ دال بالجزاء ہے بھائی۔

▪ قولہ: «وَقَدْ تَكُونُ لِلْمُفَاجَأَةِ» کی تشریح

«وَقَدْ تَكُونُ لِلْمُفَاجَأَةِ»، اور کبھی کبھار یہ «إِذَا» مفاجات کے لیے ہوتا ہے۔ مفاجات کا معنیٰ ہے اچانک ہونا کسی کام کا: «خَرَجْتُ مِنَ الْبَيْتِ فَإِذَا السَّبُعُ»، میں گھر سے نکلا «فَإِذَا السَّبُعُ»، تو اچانک درندہ کھڑا تھا، درندہ موجود تھا۔ دیکھا، اچانک کے لیے کیا آتا ہے؟ «إِذَا»۔ اور اس میں پھر «خَرَجْتُ مِنَ الْبَيْتِ فَإِذَا السَّبُعُ مَوْجُودٌ»، یا «وَاقِفٌ»، خبر کو حذف کرتے ہیں، لفظوں میں ذکر نہیں کرتے۔ تو اسی لیے میں نے کہا: «خَرَجْتُ مِنَ الْبَيْتِ فَإِذَا السَّبُعُ»، دیکھا، تو آگے «مَوْجُودٌ» یا «وَاقِفٌ» کو کیا کر دیا گیا؟ حذف کر دیا۔ موجود تھا یا کھڑا تھا۔

کہتے ہیں: «وَقَدْ تَكُونُ لِلْمُفَاجَأَةِ»، اور «إِذَا» جو ہے کبھی کبھار کس لیے آتا ہے؟ مفاجات کے لیے بھی آتا ہے، یعنی اچانک کسی کی چیز کے بیان کے لیے۔ «فَيُخْتَارُ بَعْدَهَا الْمُبْتَدَأُ»، تو اس صورت میں پسندیدہ اس کے بعد مبتدا ہے، «نَحْوُ: خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ»۔ انہوں نے «وَاقِفٌ» لفظوں میں ذکر کر دیا، لیکن لفظوں میں عموماً اس کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ تو بہر حال انہوں نے وضاحت کر دی۔ «خَرَجْتُ» فعل بافاعل، فاعاطفہ، «إِذَا» مفاجاتیہ، «إِذَا» مفاجاتیہ۔ اور پھر اس کے اندر عامل کون ہے؟ کیونکہ «إِذَا» تو ظرف ہے نا، ظرف کے لیے کیا چاہیے؟ عامل۔ تو یاد رکھیے، تو یہ

«إِذَا» مفاجاتیہ ہے تو اس کے لیے فعلِ محذوف نکالتے ہیں: «فَفَاجَأْتُ»، تو اچانک میں نے پایا، «فَفَاجَأْتُ»، اچانک میں نے پایا، کیا پایا؟ «إِذَا» زمانے کا نام: زمانَ وقوفِ السَّبُعِ۔

بھائی دیکھیے، «زَيْدٌ قَائِمٌ»، اس میں کیا خبر بیان ہو رہی ہے؟ ایک لفظ، پورا جملہ نہیں، پورا جملہ نہیں، جملہ تو میں بول رہا ہوں: «زَيْدٌ قَائِمٌ»۔ اس میں بات کیا بیان ہو رہی ہے آپ سے پوچھا جائے؟ تو طریقہ یہ ہے: آپ خبر کا مصدر بنائیں اور مبتدا کی طرف مضاف کر دیں۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ»، خبر کیا ہے؟ قائم۔ قائم کا مصدر بنائیں: قیام۔ اس قیام کو مبتدا کی طرف مضاف کریں: قيامُ زيدٍ۔ تو اگر آپ سے کوئی پوچھے اس جملے میں کیا بیان ہو رہا ہے؟ آپ کہیں اس جملے میں قیامِ زید بیان ہو رہا ہے، کیا بیان ہو رہا ہے؟ قیامِ زید ہو رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہے مضمونِ جملہ۔ مضمونِ جملہ اس طرح نکالتے ہیں کہ خبر کا مصدر بنا لیتے ہیں اور مبتدا کی طرف۔ جیسے یا دوسری مثال لے لو: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، اصل میں کیا ہے؟ «زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ»۔ اب خبر کیا ہے؟ «ثَابِتٌ فِي الدَّارِ»، اس کا ذرا مصدر بناؤ: ثابت، ثبوت۔ تو مصدر کیا بنا؟ ثبوت فی الدار۔ وہ باقی جار مجرور کو اسی طرح ساتھ جوڑ دو ساتھ رکھو بس۔ تو مصدر کیا ہوا؟ ثبوت۔ تو ثبوت فی الدار، اور اس کی اضافت کرو مبتدا کی طرف: ثبوتِ زید فی الدار۔ تو آپ سے کوئی پوچھے اس جملے کا مضمون کیا ہے، اس میں کیا بیان ہو رہا ہے؟ آپ کہیں گے: ثبوتِ زید فی الدار بیان ہو رہا ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی ہے: «خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ» یا «مَوْجُودٌ»، میں نکلا گھر سے تو اچانک درندہ کھڑا تھا، تو «السَّبُعُ وَاقِفٌ»، درندہ کھڑا تھا، اس کا ذرا مضمونِ جملہ نکالو: وقوف، وقوفِ سبع، وقوفِ سبع۔ اور اس سے ماقبل «إِذَا» آیا، اور «إِذَا» کس چیز کا نام ہے؟ زمانے کا۔ تو «فَفَاجَأْتُ زَمَانَ وُقُوفِ السَّبُعِ»، «فَفَاجَأْتُ»، تو میں نے اچانک پایا، کیا پایا؟ «زَمَانَ وُقُوفِ السَّبُعِ»، درندے کے کھڑے ہونے کا زمانہ۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ جی، تو اور یہ اس معنیٰ میں ہوا۔ باقی تفصیل اسی طرح ترکیب کر لیں: «إِذَا» منصوب محلاً مضاف، «السَّبُعُ» مرفوع لفظاً مبتدا، «وَاقِفٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُو ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ سبع کو۔ سبع مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مضاف الیہ ہوا «إِذَا» کے لیے۔ «إِذَا» مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مفعول فیہ ہوا «فَاجَأْتُ» فعل کے لیے۔ «فَاجَأْتُ» فعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں «فَاجَأْتُ» فعل محذوف نکالتے ہیں۔ میں گھر سے نکلا، «فَفَاجَأْتُ زَمَانَ وُقُوفِ السَّبُعِ»، تو میں نے اچانک درندے کے کھڑے ہونے کا زمانہ پایا۔

«وَمِنْهَا إِذْ»، اور ظروفِ مبنیہ میں سے «إِذْ» بھی ہے، «وَهِيَ لِلْمَاضِي»، اور یہ کس لیے ماضی اور یہ ماضی کے لیے آتا ہے۔ یہ اگرچہ مستقبل پر بھی داخل ہو جائے لیکن اس کو کس معنیٰ میں کر دیتا ہے؟ ماضی کے۔ «وَتَقَعُ بَعْدَهَا الْجُمْلَتَانِ الِاسْمِيَّةُ وَالْفِعْلِيَّةُ»، اور اس کے بعد دونوں جملے واقع ہوتے ہیں: جملہ اسمیہ بھی اور جملہ فعلیہ بھی۔ «نَحْوُ: جِئْتُكَ إِذْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ»، میں آیا آپ کے پاس «إِذْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ»، جس وقت سورج طلوع ہوا تھا، دیکھا؟ ماضی والا ترجمہ کرنا ہے، ماضی والا۔ میں آپ کے پاس آیا تھا جب سورج طلوع ہوا تھا۔ یہ تھا جملہ فعلیہ۔ یا آگے کیا ہے؟ «وَإِذِ الشَّمْسُ طَالِعَةٌ»، اس کے ساتھ وہ ماقبل والا بھی جوڑ دیں: «جِئْتُكَ إِذِ الشَّمْسُ طَالِعَةٌ»، میں آپ کے پاس آیا تھا جس وقت سورج طلوع تھا۔ بھائی معنیٰ وہی ہے، البتہ ایک میں «طَلَعَتِ الشَّمْسُ» جملہ فعلیہ ہے اور ایک میں «الشَّمْسُ طَالِعَةٌ» جملہ اسمیہ ہے، یعنی اس کے بعد دونوں قسم کے جملے آسکتے ہیں۔

▪ قولہ: «وَمِنْهَا أَيْنَ وَأَنَّى» کی تشریح

«وَمِنْهَا أَيْنَ وَأَنَّى»، اور ان ظروفِ مبنیہ میں سے «أَيْنَ» اور «أَنَّى» بھی ہیں، «لِلْمَكَانِ»، یہ کس لیے آتے ہیں؟ مکان، جگہ۔ ظرف دو قسم پر ہے نا، یا زمانے کا نام ہوتا ہے یا جگہ کا۔ تو یہ جگہ کے لیے آتے ہیں، «بِمَعْنَى الِاسْتِفْهَامِ»، استفہام کے معنیٰ میں، یعنی سوال پوچھنے کے لیے آتے ہیں۔ «نَحْوُ: أَيْنَ تَمْشِي»، آپ کہاں چل رہے ہیں؟ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ «وَأَنَّى تَقْعُدُ»، اور آپ کہاں بیٹھیں گے؟ دیکھا؟ اور چونکہ یہ استفہام کے لیے آتے ہیں، اور تو یہ صدارتِ کلام کو چاہتے ہیں، جملے کے شروع میں آئیں گے، جملے کے شروع میں، تاکہ شروع سے ہی پتہ چل جائے یہ جملہ استفہامیہ آ رہا ہے۔ اور جی، اب ترکیب کیجیے: «أَيْنَ تَمْشِي»، «أَيْنَ» جی اعراب: «أَيْنَ» مرفوع محلاً مبتدا؟ بھائی یہ کس چیز کی بحث ہم پڑھ رہے ہیں؟ ظروف کی، پھر؟ منصوب محلاً، مفعول فیہ ہی بنے گا یہ اسی طرح، کس کے لیے؟ آگے آنے والے فعل کے لیے۔ تو «أَيْنَ» منصوب محلاً مفعول فیہ، «تَمْشِي» فعل، أَنْتَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا کیونکہ استفہام ہے۔ «أَيْنَ تَمْشِي»، آپ کہاں جا رہے ہیں؟ معنیٰ پہ غور کر لیں، این کہاں، جگہ، جگہ کی بات ہو رہی ہے اور جگہ کیا ہوتی ہے؟ ظرف، مفعول فیہ ہوتی ہے۔ «وَأَنَّى تَقْعُدُ»، آپ کہاں بیٹھیں

گے؟ تو «أَنَّى» منصوب محلاً مفعول فیہ مقدم، اور «تَقْعُدُ» فعل، اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ تو یہ «أَيْنَ» اور «أَنَّى» جگہ کے لیے آتے ہیں اور استفہام کے معنیٰ میں ہوتے ہیں۔ «وَبِمَعْنَى الشَّرْطِ»، اور شرط کے معنیٰ میں بھی آتے ہیں بھائی، کبھی شرط کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ پھر دو جملے چاہیں گے: ایک شرط اور ایک جزا۔ جیسے: «أَيْنَ تَجْلِسْ أَجْلِسْ»، جی جزا، جی۔ تو جب شرط کے معنیٰ میں یہ جزم بھی دیں گے بھائی: «أَيْنَ تَجْلِسْ أَجْلِسْ»۔ «أَيْنَ» منصوب محلاً متضمن معنیٰ شرط مفعول فیہ، «تَجْلِسْ» فعل بافاعل، اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ «أَجْلِسْ» فعل، أَنَا ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

یاد رکھیے ہمارے ہاں ایک غلط تعبیر رائج ہے، کہتے ہیں: جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔ یہ آپ نے کبھی نہیں کہنا، بات سمجھ میں آگئی؟ بس، جملہ شرطیہ ہوا۔ جملہ شرطیہ جب کہہ دیا تو خود بخود پتہ خود بخود پتہ چل گیا کہ اس میں شرط بھی آئے گی اور جزا، تو شرطیہ جزائیہ کہنے کا کیا مطلب؟ لہٰذا یہ غلط تعبیر ہے جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا، اکثر کتابوں میں حالانکہ اردو کی اکثر کتابوں میں آپ کو ملے گا، رائج ہو گیا ہے رائج ہو گیا ہے۔ ہاں عربی کسی کتاب میں آپ کو شرطیہ جزائیہ نہیں ملے گا، صرف وہ اتنا لکھیں گے: یہ جملہ شرطیہ ہے، بس۔ تو آپ نے بھی شرطیہ کہنا ہے، شرطیہ جزائیہ نہیں کہنا بھائی۔ شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

«وَأَنَّى تَقُمْ أَقُمْ»، دیکھا، یہ جزم بھی دے رہے ہیں بھائی فعلِ مضارع کو۔ «أَنَّى» منصوب محلاً مفعول فیہ متضمن معنیٰ شرط، «تَقُمْ» فعل، أَنْتَ ضمیر فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ اور «أَقُمْ» فعل، أَنَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا بھائی۔ تو «أَيْنَ تَجْلِسْ أَجْلِسْ»، جہاں آپ بیٹھیں گے، «أَجْلِسْ» میں بھی بیٹھوں گا۔ «وَأَنَّى تَقُمْ أَقُمْ»، جہاں آپ کھڑے ہوں گے، میں بھی کھڑا ہوں گا۔ قیام سے ہے نا، قیام سے۔

«وَمِنْهَا مَتَى لِلزَّمَانِ»، اور انہی ظروفِ مبنیہ میں سے «مَتَى» بھی ہے، «لِلزَّمَانِ» زمانے کے لیے۔ یہ زمانے کے معنیٰ میں ہوتا ہے، جگہ کے معنیٰ میں نہیں۔ تو یہ زمانے کے لیے ہو گا «شَرْطًا»، شرط کی حیثیت سے، «أَوِ اسْتِفْهَامًا»، یا استفہام ہونے کے اعتبار سے۔ یعنی یہ شرط کے لیے آئے گا یا استفہام، جیسے اوپر والے تھے استفہام کے لیے بھی تھے اور شرط کے لیے بھی بعض جگہ تھے۔ «نَحْوُ: مَتَى تَصُمْ أَصُمْ»، چلیے ترکیب کیجیے: «مَتَى» منصوب محلاً مفعول فیہ متضمن معنیٰ شرط، «تَصُمْ» فعل، أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ «أَصُمْ» فعل بافاعل، ہاں وہ میں نے بتایا تھا جب فعل کے ساتھ فاعل ہو تو یہ تعبیر اچھی ہے، یوں کیا کرو: «أَصُمْ» فعل بافاعل، أَنَا ضمیر مرفوع۔ تو تو یہ تعبیر کیا کرو، اور باقی گزشتہ کچھ مثالوں میں ہم نے اس طرح نہیں کہا لیکن ایسا کہنا کوئی ضروری نہیں ہے، بہر حال یہ ایک اچھی تعبیر ہے اس طرح کہہ دو گے اچھے طریقے سے ذرا۔ تو «أَصُمْ» فعل بافاعل، أَنَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

ایک اور بات بھی یاد رکھو: یہ جو جملہ شرطیہ ہے نا، جملہ شرطیہ، اس میں ایک ہوتی ہے شرط، ایک جملہ، اور ایک کیا ہے؟ جزا۔ یاد رکھو ان میں سے اصل جزا ہے۔ اصل کیا ہے؟ جزا، اور یہ شرط اس کے لیے قید ہوتی ہے۔ تو سارا دارومدار جزا پر ہے۔ اس جملہ شرطیہ کا سارا دارومدار کس پر ہے؟ جزا پر۔ یعنی اگر جزا جملہ خبریہ ہے تو اس کو کہیں گے جملہ شرطیہ خبریہ، اور اگر جزا جملہ انشائیہ ہے تو پھر اس کو کہیں گے جملہ شرطیہ انشائیہ۔ بات سمجھ میں آئی؟ دوبارہ سنو: جملہ شرطیہ میں دو جز ہیں: پہلے کو کہتے ہیں شرط، دوسرے کو کہتے ہیں جزا، لیکن ان میں سے اصل کون ہے؟ جزا ہے، جزا اصل جملہ، اور جو شرط ہے وہ اسی کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اس کی ایک قید ہے۔ جیسے دیکھو میں کہتا ہوں نا: «ضَرَبْتُ» میں نے پٹائی کی، بھائی کس کی کی؟ ذکر نہیں ہے، لیکن جب میں ذکر کر دوں گا: «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، میں نے کس کی پٹائی کی؟ زید کی، تو دیکھو یہ زید یہ قید ہے کس کے لیے؟ «ضَرَبْتُ» کے لیے۔ پتہ چلا یہ ضرب ادھر ادھر کہیں واقع نہیں ہوئی، کس پہ ہوئی ہے؟ زید پہ واقع ہوئی ہے، تو یہ اس کے لیے قید ہے۔ گویا اصل جملہ «ضَرَبْتُ» ہے اور زید اس کے لیے کیا ہے؟ قید۔ اسی طرح یہاں شرط اور جزا دو جز ہیں کلام کے دو جز ہیں: ایک شرط اور ایک جزا۔ ان میں سے اصل کون ہے؟ جزا، اور یہ شرط اس کے لیے قید ہوا کرتی ہے۔ جیسے ابھی میں نے مثال ذکر کی مفعول بہ بھی فعل کے لیے قید ہوتا ہے، حال بھی قید ہوتا ہے، تمیز بھی قید ہوتا ہے، اور چیزیں جتنی ساتھ جڑتی چلی جاتی ہیں وہ سب کیا ہوتی ہیں؟ قید ہوتی ہیں۔ تو یہ بھی شرط بھی کیا ہوتی ہے؟ جزا کے لیے قید ہے، جزا اصل ہے، سارا دارومدار جزا پہ ہے۔ اور جب جزا پہ دارومدار ہے تو جزا وہ خبر بھی ہو سکتی ہے اور انشا بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً دیکھو: «إِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ»، اگر آپ پٹائی کریں گے، «أَضْرِبْ» میں بھی پٹائی کروں گا۔ اب بتائیے «أَضْرِبْ» میں پٹائی کروں گا، انشا ہے یا خبر ہے؟ خبر ہے، خبر ہے، انشا کس اعتبار سے ہے؟ خبر ہے۔ خبر حال کی بھی ہو سکتی ہے، ماضی کی بھی ہو سکتی ہے، مستقبل کی بھی ہو سکتی ہے۔ میں زید کے پاس گیا تھا، یہ خبر ہے۔ میں زید کے پاس جا رہا ہوں، یہ بھی خبر ہے، حال، پہلا ماضی تھا اب کیا ہے؟ حال۔ کبھی مستقبل ہو گا: میں زید کے پاس کل جاؤں گا،

یہ بھی کیا ہے؟ خبر۔ تو خبر مستقبل کی بھی ہو سکتی ہے، حال کی بھی ہو سکتی ہے اور ماضی کی بھی ہو سکتی ہے۔ اور انشا، انشا میں خبر نہیں ہوتی، انشا کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہیں کہا جا سکتا بھائی۔ مثلاً اسی جملے کو لے لیں: «إِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ»، اگر آپ پٹائی کریں گے تو میں بھی آپ کی پٹائی کروں گا۔ اب اس کو ذرا الگ کر و جزا کو: میں آپ کی پٹائی کروں گا۔ کوئی کہہ سکتا ہے یا نہیں یہ جھوٹ بول رہا ہے؟ کہہ سکتا ہے، یہ اس پہ عمل نہیں کرے گا، یہ کیا کر رہا ہے؟ جھوٹ۔ یا اور مثال لے لو اور زیادہ ذرا وضاحت ہو جائے، میں کہتا ہوں: میں کل زید کے گھر جاؤں گا۔ کوئی مجھے کہہ سکتا ہے یہ جھوٹ بول رہا ہے؟ دیکھا، حالانکہ انشا کے کہنے والے کو تو سچا یا جھوٹا نہیں کہا جا سکتا، نہیں کہا جاتا سچا یا جھوٹا نہیں کہا جا سکتا، یہاں سچا جھوٹا کہا جا رہا ہے۔ معلوم ہوا خبر جیسے حال کی ہوتی ہے، ماضی کی ہوتی ہے، اسی طرح مستقبل کی بھی ہوتی ہے، آپ خود اس میں غور کر لیں۔ تو دار و مدار ہے جزا پر، اور جزا جملہ خبریہ بھی ہو سکتی ہے اور جملہ انشائیہ۔ «إِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ»، اگر آپ پٹائی کریں گے، «إِنْ تَضْرِبْنِي» اگر آپ میری پٹائی کریں گے، «أَضْرِبْكَ» میں بھی آپ کی پٹائی کروں گا۔ دیکھا؟ یہ «أَضْرِبْكَ» یہ جزا ہے، اور یہ کیا ہے؟ خبر، تو اس جملے کو کہیں گے جملہ شرطیہ خبریہ۔ اور کبھی جزا انشا آئے گی، انشا آئے گی، جیسے: «إِنْ جَاءَكَ زَيْدٌ فَاضْرِبْهُ»، اگر آپ کے پاس زید آئے تو اس کی پٹائی کرنا۔ دیکھا؟ «فَاضْرِبْهُ»، یہ کیا ہے؟ امر، اور امر کیا ہے؟ انشا۔ تو معلوم ہوا جزا جملہ انشائیہ ہے، تو اس کو کیا کہیں گے؟ جملہ شرطیہ انشائیہ کہیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو «مَتَى تَصُمْ أَصُمْ»، یہ مثال ہوئی «مَتَى» کی جو زمانے جو ظرفِ جو مبنیات میں سے ہے، ظرف ہے اور زمانے کے لیے آتا ہے۔ «مَتَى تَصُمْ أَصُمْ»، جب تو روزہ رکھے گا، «أَصُمْ» میں بھی روزہ رکھوں گا۔ «صَامَ يَصُومُ» کا معنیٰ روزہ رکھنا۔ «وَمَتَى تُسَافِرْ»، یہ دیکھو استفہام کی مثال ہے، شرط کے لیے نہیں ہے: «مَتَى تُسَافِرْ»، آپ کب سفر کریں گے؟ تو یہ دونوں کے لیے یہ آتا ہے، استفہام کے لیے بھی اور شرط کے لیے۔ تو ترکیب کیجیے: «مَتَى» منصوب محلاً مفعول فیہ اور متضمن کہہ دیں، متضمن معنیٰ استفہام، «تُسَافِرْ» فعل بافاعل، اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا کیونکہ استفہام ہے۔ «مَتَى تُسَافِرْ»، آپ کب سفر کریں گے؟

■ قولہ: «وَمِنْهَا كَيْفَ لِلِاسْتِفْهَامِ حَالًا» کی تشریح

«وَمِنْهَا كَيْفَ لِلِاسْتِفْهَامِ حَالًا»، اور انہی ظروف میں سے ایک «كَيْفَ» بھی ہے، ظروفِ مبنیہ میں سے «كَيْفَ»، یہ دیکھا ہمیشہ فا پر زبر ہی رہتی ہے، مبنی ہے۔ «لِلِاسْتِفْهَامِ»، کس لیے آتا ہے؟ استفہام کے لیے۔ «حَالًا»، یہ «حَالًا» کا معنیٰ یہ مفعول بہ ہے، یہ «حَالًا» منصوب ہے نا، یہ مفعول بہ ہے۔ پوچھنے کے لیے، کیا پوچھنے کے لیے؟ «حَالًا»، حال پوچھنے کے لیے۔ یہ حال پوچھنے کے لیے آتا ہے: «كَيْفَ أَنْتَ»، آپ کا کیا حال ہے؟ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو انہی میں سے «كَيْفَ» ہے «لِلِاسْتِفْهَامِ حَالًا»، حال پوچھنے کے لیے، «نَحْوُ: كَيْفَ أَنْتَ، أَيْ فِي أَيِّ حَالٍ أَنْتَ»، دیکھا؟ «كَيْفَ» کا معنیٰ کیا کیا: «فِي أَيِّ حَالٍ»، آپ کس حال میں ہیں؟ ترکیب کیجیے: «كَيْفَ أَنْتَ»، «كَيْفَ» کس کی بحث چل رہی ہے؟ ظروف کی، تو یہ ظروف میں سے ہے مجازاً۔ اچھا، «كَيْفَ» منصوب محلاً مفعول فیہ ہوا، جی، کیجیے: مفعول فیہ بناؤ نا! مفعول فیہ بنانا ہے، خبرِ مقدم بناؤ۔ «كَيْفَ» منصوب محلاً مفعول فیہ «ثَابِتٌ» کے لیے۔ «أَنْتَ» کے لیے تو نہیں بن سکتا نا، تو اس کے لیے عامل چاہیے، مفعول فیہ کس کے لیے بن رہا ہے؟ تو عامل یا فعل ہو گا یا شبہ فعل ہو گا۔ تو «ثَبَتَ» نکال لیں یا «ثَابِتٌ»۔ تو «ثَابِتٌ» صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، کیونکہ صفت کے صیغے کو جس ضمیر سے جوڑتے ہیں اس میں بھی وہی ضمیر ہوتی ہے۔ تو «ثَابِتٌ» صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبرِ مقدم، اور «أَنْتَ» مرفوع محلاً مبتدا مؤخر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا، کیونکہ استفہام ہے، سوال پوچھا جا رہا ہے، «أَيْ فِي أَيِّ حَالٍ أَنْتَ»، آپ کس حال میں ہیں۔

چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۸۳: ظروفِ مبنیہ: « أَيْنَ »، « أَنَّى »، « مَتَى »، « أَيَّانَ »، « كَيْفَ »، « مُذْ » اور « مُنْذُ »

ہدایۃ النحو صفحہ: ۶۷—بتاریخ: ۱۵ فروری ۲۰۱۶ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَمِنْهَا مُذْ وَمُنْذُ بِمَعْنَى أَوَّلِ الْمُدَّةِ إِنْ صَلُحَا جَوَاباً لِمَتَى نَحْوُ: مَا رَأَيْتُهُ مُذْ أَوْ مُنْذُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِي جَوَابِ مَنْ قَالَ: مَتَى مَا رَأَيْتَ زَيْداً، أَيْ: أَوَّلُ مُدَّةِ انْقِطَاعِ رُؤْيَتِي إِيَّاهُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ۔

مبنیات میں سے آخری مبنی یعنی ظروف کا بیان چل رہا تھا۔ کچھ ظروف گزر گئے جن کے بارے میں آپ نے پڑھا کہ وہ مبنی ہیں، جیسے کہ « قَبْلُ » اور « بَعْدُ » وغیرہ جب ان کو اضافت سے کاٹ دیا جائے، اضافت سے قطع کر دیا جائے۔ اسی طرح « حَيْثُ » ہے، اسی طرح « إِذَا » ہے اور « إِذْ » ہے، « أَيْنَ » ہے، « أَنَّى » ہے، « مَتَى » وغیرہ بھائی۔

تو آگے بتلا رہے ہیں: « وَمِنْهَا أَيَّانَ » اور ظروفِ مبنیہ میں سے « أَيَّانَ » ہے « لِلزَّمَانِ » یہ کس لیے آتا ہے؟ زمانے کے لیے آتا ہے، « اِسْتِفْهَاماً » بطورِ استفہام کے بھائی، بطورِ استفہام کے۔ تو یہ زمانے کے لیے آتا ہے استفہاماً، بطورِ استفہام کے بھائی، نحو: « أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ » کب ہو گا یوم الدین، بدلے کا دن، جزا کا دن، یعنی قیامت کا دن کب ہو گا؟

یاد رکھیے! اوپر آپ نے پڑھا کہ « مَتَى » بھی زمانے کے لیے آتا ہے اور سوال پوچھنے کے لیے، « مَتَى » بھی۔ اور « أَيَّانَ » بھی سوال پوچھنے کے لیے اور زمانے کے لیے آتا ہے لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ « مَتَى » عام ہے جبکہ « أَيَّانَ » جو ہے وہ خاص ہے مستقبل کے ساتھ اور نیز اس کے ذریعے کسی عظیم چیز کا سوال ہو گا، عام چیز کا سوال نہیں۔ « مَتَى » وہ کسی بھی زمانے کے سوال کے لیے آسکتا ہے لیکن « أَيَّانَ » کس کے ساتھ خاص ہے؟ مستقبل کے ساتھ، کہ وہ چیز کب ہو؟ مستقبل میں ہو۔ اور دوسری کہ وہ عظیم چیز ہو، جیسے کہ یہاں آیا « أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ » کہ کب ہو گا بدلے کا دن یعنی قیامت کا دن۔ اور تو دیکھیے ایک تو یہ مستقبل سے متعلق ہے، قیامت کا دن آئے گا مستقبل میں ہے اور دوسرا ایک عظیم چیز ہے یعنی قیامت، اس کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے۔

تو کہتے ہیں « وَمِنْهَا أَيَّانَ لِلزَّمَانِ اسْتِفْهَاماً » اور ظروفِ مبنیہ میں سے ایک « أَيَّانَ » ہے جو زمانے کے لیے ہوتا ہے استفہاماً بطورِ سوال کے، نحو: « أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ » کب ہو گا بدلے کا دن؟

■ قولہ: « وَمِنْهَا مُذْ وَمُنْذُ بِمَعْنَى أَوَّلِ الْمُدَّةِ » کی تشریح

« وَمِنْهَا مُذْ وَمُنْذُ بِمَعْنَى أَوَّلِ الْمُدَّةِ » اور ان ظروفِ مبنیہ میں سے « مُذْ » اور « مُنْذُ » بھی ہیں « بِمَعْنَى أَوَّلِ الْمُدَّةِ » کس معنی میں ہیں؟ یہ اولِ مدت کے معنی میں ہوں گے « إِنْ صَلُحَا جَوَاباً لِمَتَى » اگر یہ صلاحیت رکھتے ہوں، « إِنْ صَلُحَا » اگر یہ صلاحیت رکھتے ہوں « جَوَاباً لِمَتَى » « مَتَى » کے لیے جواب بننے کی، نحو، مثال کے طور پر: « نَحْوُ: مَا رَأَيْتُهُ مُذْ أَوْ مُنْذُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ » میں نے اس کو نہیں دیکھا « مُذْ يَوْمُ

الْجُمُعَةِ » یا « مُنْذُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ » میں نے اس کو نہیں دیکھا جمعے کے دن سے « فِي جَوَابِ مَنْ قَالَ » اس شخص کے جواب میں جس نے یہ کہا تھا: « مَتَى مَا رَأَيْتَ زَيْداً » کہ تونے زید کو کب سے نہیں دیکھا؟ « مَتَى مَا رَأَيْتَ زَيْداً » تونے کب سے زید کو نہیں دیکھا؟

بھئی دیکھیے! ایک شخص نے آپ سے سوال کیا: « مَتَى مَا رَأَيْتَ زَيْداً »؟ « مَتَى » کس لیے آتا ہے؟ زمانے کے لیے، استفہام کے لیے، آپ نے پڑھا۔ « مَتَى مَا رَأَيْتَ » تونے کب سے نہیں دیکھا « زَيْداً » زید کو؟ تو آپ جواب میں کہتے ہیں: « مَا رَأَيْتُهُ مُذْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ » میں نے اس کو نہیں دیکھا جمعے کے دن سے بھائی۔

آگے خود معنی بیان کر رہے ہیں: « أَيْ: أَوَّلُ مُدَّةِ انْقِطَاعِ رُؤْيَتِي إِيَّاهُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ » « أَيْ: أَوَّلُ مُدَّةٍ » یعنی پہلی مدت کس چیز کی؟ « انْقِطَاعِ رُؤْيَتِي » میرے نہ دیکھنے کی « إِيَّاهُ » اس کو، میرے نہ دیکھنے کی میرا اس کو میرے اس کو نہ دیکھنے کی اولِ مدت جو ہے « يَوْمُ الْجُمُعَةِ » وہ کب سے ہے؟ جمعے یعنی اولِ مدت جس سے ابتدا ہو رہی ہے میری اسے نہ دیکھنے کی، وہ کون سا دن ہے؟ جمعے کا دن ہے بھائی، جمعے کا دن ہے۔

« وَبِمَعْنَى جَمِيعِ الْمُدَّةِ » اور کبھی کبھار یہ « مُذْ » اور « مُنْذُ » جمیع مدت یعنی پوری مدت کے معنی میں بھی آئیں گے « إِنْ صَلُحَا جَوَاباً لِكَمْ » اگر یہ صلاحیت رکھتے ہوں « كَمْ » کا جواب ہونے کی، نحو: « مَا رَأَيْتُهُ مُذْ أَوْ مُنْذُ يَوْمَانِ » میں نے اس کو نہیں دیکھا « مُذْ يَوْمَانِ » یا « مُنْذُ يَوْمَانِ »، جو بھی آپ استعمال کر لیں دونوں صورتیں ٹھیک ہیں، دونوں طرح آتا ہے « مُذْ » بھی آتا ہے اور « مُنْذُ » بھی آتا ہے۔ تو میں نے اس کو نہیں دیکھا « مُنْذُ يَوْمَانِ » دو دن سے۔ یہ کس کو آپ کہتے ہیں؟ « فِي جَوَابِ مَنْ قَالَ » اس شخص کے جواب میں جس نے آپ سے کہا تھا: « كَمْ مُدَّةً مَا رَأَيْتَ زَيْداً » کتنی مدت سے تونے زید کو نہیں دیکھا؟

تو دیکھیے! آپ نے جواب میں کیا کہا: « مَا رَأَيْتُهُ مُذْ يَوْمَانِ »۔ اس کا ترجمہ کیا ہے؟ آگے خود بتلا رہے ہیں: « أَيْ: جَمِيعُ مُدَّةِ مَا رَأَيْتُهُ يَوْمَانِ » وہ ساری مدت جس میں میں نے اس کو نہیں دیکھا « يَوْمَانِ » وہ کتنی ہے؟ دو دن ہے بھائی، دو دن۔

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ « مُذْ » اور « مُنْذُ » یہ بھی زمانے کے لیے آتے ہیں اور یہ کبھی کبھار اولِ مدت کے معنی میں ہوتے ہیں اور کبھی جمیع مدت کے۔ اولِ مدت یعنی جس سے ایک چیز کی ابتدا ہو رہی ہے اس زمانے کا بیان ہو گا، جیسے آپ کہتے ہیں « مَا رَأَيْتُهُ مُذْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ » میں نے اس کو نہیں دیکھا اور میرے اس نہ دیکھنے کی ابتدا کس دن سے ہو رہی ہے؟ جمعے کے دن سے۔ اور یہ کس کے جواب میں آئے گا؟ « مَتَى » کے جواب میں آئے گا جب کوئی آپ سے پوچھے: « مَتَى مَا رَأَيْتَ زَيْداً » آپ نے زید کو کب سے نہیں دیکھا؟ تو آپ کہتے ہیں: « مَا رَأَيْتُهُ مُذْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ » میں نے اس کو جمعے کے دن سے نہیں دیکھا۔ اور اسی طرح یہ « مُذْ » اور « مُنْذُ » جمیع مدت، پوری مدت کے معنی میں بھی آتے ہیں جب « كَمْ » کے ذریعے سوال کیا جائے، مثلاً کوئی آپ سے پوچھتا ہے: « كَمْ مُدَّةً مَا رَأَيْتَ زَيْداً » آپ نے کب سے زید کو نہیں دیکھا، کتنی مدت سے؟ کتنی مدت سے؟ تو آپ جواب میں کیا کہتے ہیں: « مَا رَأَيْتُهُ مُذْ يَوْمَانِ » میں نے اس کو دو دن سے، یعنی وہ ساری مدت جس میں میں نے اس کو نہیں دیکھا وہ دو دن ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جی۔

اب آیئے ذرا ترکیب کی طرف بھائی! جی، پہلے « أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ » اس کی ترکیب کیجیے۔ کیجیے بھائی! « أَيَّانَ » منصوب محلاً، مفعول فیہ۔ شاباش! « أَيَّانَ » بھائی ہم ظروف کا بیان پڑھ رہے ہیں اور ظرف کیا ہوتا ہے؟ مفعول فیہ ہوتا ہے۔ تو « أَيَّانَ » یہ منصوب اور یہ ظروف بھی کون سے ہیں؟ مبنی ہیں۔ تو یہ منصوب محلاً کہیں گے۔ « أَيَّانَ » منصوب محلاً مفعول فیہ کس چیز کے لیے؟ « يَوْمُ الدِّينِ » تو آگے خبر یہ تو مبتدائے مؤخر ہے، تو « أَيَّانَ » کے لیے عامل چاہیے اور وہ عامل پھر محذوف نکالیں گے۔ ہاں، « أَيَّانَ » یہ مفعول فیہ ہوا کس کے لیے؟ « ثَبَتَ » فعل کے لیے۔ « ثَبَتَ » فعل اس کے اندر « هُوَ » ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ « يَوْمُ الدِّينِ » جو کہ مبتدائے مؤخر ہے اس کو راجع۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر خبرِ مقدم۔ « يَوْمُ الدِّينِ » میں « يَوْمُ » مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، شاباش! « الدِّينِ » مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدائے مؤخر۔ مبتدا اپنے خبرِ مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا کیونکہ استفہام ہے، کب ہو گا وہ بدلے کا دن۔

آگے ترکیب کیجیے بھائی! « مَا رَأَيْتُهُ مُذْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ » یہ جواب میں آئے، کس کے؟ مثلاً « مَتَى مَا رَأَيْتَ زَيْداً »۔ تو « مَتَى مَا رَأَيْتَ زَيْداً » پہلے اس کی ترکیب کریں۔ شاباش! « مَتَى » منصوب محلاً مفعول فیہ۔ منصوب کیوں؟ مفعول فیہ ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے، ابھی ہم نے اوپر اس کا بیان پڑھا کہ یہ مبنی ظروف میں سے ہے۔ « مَا » حرفِ نفی، یا یوں کہیں « مَا رَأَيْتَ » اکٹھا ہی پڑھ لیں بھائی، « مَا » حرفِ نفی ہے یہ آپ کو پتا ہے، « رَأَيْتَ » فعل با فاعل، « تَ » ضمیر مرفوع محلاً فاعل، « زَيْداً » منصوب لفظاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ جملہ

فعلیہ انشائیہ۔ یہاں یہاں « مَتَى » کے لیے « ثَبَتَ » یا « ثَابِتٌ » نکالنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے لیے تو عامل چاہیے اور وہ فعل بھی ہو سکتا ہے اور شبہ فعل بھی، اور فعل یہاں موجود ہے۔ اور آپ نے پڑھا ہے فاعل تو فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، باقی مفعول وغیرہ تو فعل پر مقدم ہو سکتے ہیں، تو یہ « مَتَى » مقدم ہو گیا۔ چونکہ یہ استفہام کا معنی ہے اس کے اندر اور جس لفظ میں استفہام والا معنی ہو وہ صدارتِ کلام کو چاہتا ہے کہ میں کلام کے شروع میں آؤں، تو اسی لیے « مَتَى » کیا ہوا؟ مقدم ہو گیا شروع میں آ گیا۔ لیکن یہ چونکہ معمول ہے کس کا؟ « مَا رَأَيْتَ » کا، تو دراصل اس کا مقام کہاں ہے؟ « مَا رَأَيْتَ » کے بعد ہے۔ تو گویا کلام کی ابتدا میں فعل ہی موجود ہے عامل ہے، اصل تو فعل ہے عامل۔ تو یہ کون سا جملہ ہوا؟ جملہ فعلیہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

جواب میں آپ نے کیا کہا: « مَا رَأَيْتُهُ مُذْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ »۔ جی! « مَا » حرفِ نفی، یا یوں کہیں جی « مَا رَأَيْتُ » فعل بافاعل، جی، « تُ » ضمیر مرفوع محلاً فاعل، جی، « هُ » ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، جی، « مُذْ » ہاں « مُذْ » اور « مُنْذُ » یاد رکھیے بھائی یاد رکھیے۔ یاد رکھیے یہ « مُذْ » اور « مُنْذُ » یہ بطورِ حروفِ جارہ کے بھی آتے ہیں۔ حروفِ جارہ یاد ہیں بھائی؟ جی۔ کون سے ہیں؟ باؤ، تاؤ، کاف ولام وواؤ، مذ، منذ، خلا، رب، حاشا، من، عدا، فی، عن، علی، حتی، الی۔ تو دیکھو ان میں « مُذْ » اور « مُنْذُ » بھی ہیں۔ تو یہ جر بھی دیتے ہیں کبھی، لیکن یاد رکھیے یہ ہمیشہ حروفِ جارہ کے طور پر ہی نہیں آتے بلکہ یہ صرف مطلق زمانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے یہاں پر ہیں، اور ان کے بعد دیکھو « مُذْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ » میں نے پڑھا، « يَوْمُ » پر رفع پڑھا، معلوم ہوا یہ یہاں حروفِ جارہ نہیں۔ اگر حروفِ جارہ ہوتے تو یہ کیا کرتے؟ جر دیتے۔ تو یہ حروفِ جارہ کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں اور صرف صرف زمانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں یعنی جر نہیں دیتے اور اس صورت میں ان کے بعد خبر آتی ہے، یہ بنتے ہیں مبتدا اور ان کے بعد کیا آتی ہے؟ خبر۔

تو « مَا رَأَيْتُهُ » یہ الگ جملہ بنے گا اور « مُذْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ » یہ مبتدا خبر مل کر الگ۔ کیسے؟ « مُذْ » مبتدا خبر بناؤ، « مُذْ » مرفوع محلاً مبتدا اور « يَوْمُ الْجُمُعَةِ » میں « يَوْمُ » مرفوع لفظاً مضاف، « الْجُمُعَةِ » مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ یا « مُنْذُ » نکال لیں، « مُنْذُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ » میں « مُنْذُ » مرفوع محلاً مبتدا، مرفوع کیوں ہے؟ مبتدا ہے، محلاً کیوں؟ کیونکہ یہ مبنی ہے آپ پڑھ چکے ہیں۔ « يَوْمُ الْجُمُعَةِ » میں « يَوْمُ » مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، خبر مرفوع ہوتی ہے۔ « الْجُمُعَةِ » مجرور لفظاً کیونکہ یہ مضاف الیہ ہے۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو « مَا رَأَيْتُهُ » ایک جملہ ہوا اور « مُنْذُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ » دوسرا جملہ ہوا، جی۔ تو « مَا رَأَيْتُهُ مُنْذُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ » میں نے اس کو نہیں دیکھا اور اولِ مدت کب سے ہے نہ دیکھنے کی؟ جمعے کے دن سے ہے، اس دن سے میں نے اس کو نہیں دیکھا۔

اب آپ نے غور کیا بھائی؟ بحث چل رہی ہے ظروف کی، اور ظرف کسے کہتے ہیں؟ جو جس میں زمانے یا وقت والا معنی پایا جائے اور نیز وہ منصوب ہوتا ہے، اس کے لیے عامل چاہیے جو اس کو نصب دے۔ تو اس کے لیے یہ پھر کیا بنتا ہے؟ مفعول فیہ بنتا ہے۔ لیکن یہاں پر « مُذْ » اور « مُنْذُ » مفعول فیہ نہیں بن رہے، یہ تو مبتدا بن رہے ہیں۔ دیکھا ان کا اعراب آپ نے مجھے کیا بتایا؟ یہ مرفوع ہیں۔ اگر یہ مفعول فیہ ہوتے تو ان کا اعراب تو کیا ہونا چاہیے تھا؟ منصوب ہونا چاہیے تھا لیکن یہ تو منصوب نہیں ہیں، یہ تو مرفوع ہیں۔ تو پھر سوال: بحث تو ظروف کی چل رہی ہے پھر یہ تو ظروف ہیں ہی نہیں تو پھر ان کو یہاں کیوں ذکر کیا؟ تو جواب: کہ ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے، یہ ظروف نہیں ہیں یعنی مفعول فیہ نہیں واقع ہو رہے لیکن چونکہ یہ زمانے کا نام ہے اور ظرف بھی کسے کہتے ہیں جو زمانہ ہو یا جگہ ہو، تو اس لیے اس کو یہاں پر اس مناسبت سے ذکر کر دیا اور نیز چونکہ یہ مبنی ہیں تو اگرچہ مفعول فیہ واقع نہیں ہوتے تو بس صرف اس مناسبت کی بنا پر ظروف کی بات چل رہی تھی تو یہ بھی چونکہ زمانے کو بیان کرنے کے لیے آتے ہیں تو اس لیے ان کو بھی یہاں پر ذکر کر دیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یاد رکھیے « مُذْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ » اور « مُذْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ » دونوں طرح صحیح ہے لیکن یہاں « يَوْمِ الْجُمُعَةِ » نہیں پڑھنا کیونکہ یہ حروفِ جارہ کی بحث نہیں ہے۔ حروفِ جارہ میں بھی یہ کلام آئے گا، اسی طرح آئے گا لیکن وہاں پر ان کا مابعد کیا ہو گا؟ مجرور۔ جب ان کا مابعد، توجہ ہے؟ جب ان کا مابعد مجرور ہو تو سمجھ جاؤ یہ کیا ہیں؟ حروفِ جارہ ہیں اور جب ان کا مابعد مرفوع ہو تو سمجھ جاؤ یہ یہ مبتدا ہیں بھائی اور مابعد ان کی خبر ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اسی لیے انہوں نے کہا: « أَيْ: أَوَّلُ مُدَّةِ انْقِطَاعِ رُؤْيَتِي إِيَّاهُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ »۔ جی، ترکیب کیجیے! « أَوَّلُ مُدَّةِ انْقِطَاعِ » یہ معنی کر رہے ہیں اسی کا، لیکن آپ ذرا اب اس جملے کی بھی ترکیب کیجیے، یہ مشکل جملہ ہے۔ جی، « أَوَّلُ مُدَّةِ انْقِطَاعِ رُؤْيَتِي إِيَّاهُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ »۔ جی! « أَوَّلُ » مرفوع لفظاً مضاف، شاباش! « أَوَّلُ » توجہ سے، توجہ سے بھائی! « أَوَّلُ » مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، مبتدا ہے۔ جی، « مُدَّةِ » مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ ہاں یہ « مُدَّةِ » کا لفظ ما قبل کے لیے مضاف الیہ ہے اور مابعد کے لیے پھر یہ دوبارہ مضاف ہے، تو « مُدَّةِ » تنوین اس پہ نہیں پڑھنی، « مُدَّةِ »

مجرور لفظاً، مجرور کیوں؟ کیونکہ یہ مضاف الیہ ہے ما قبل کے لیے۔ تو « مُدَّةِ » مجرور لفظاً مضاف الیہ مضاف، آگے « انْقِطَاعِ »۔ جی، « انْقِطَاعِ » پھر اسی طرح دوبارہ ہے، « انْقِطَاعِ » ما قبل کے لیے مضاف الیہ اور مابعد کے لیے پھر کیا ہے؟ مضاف۔ تو « انْقِطَاعِ » اعراب کیا ہو گا؟ مجرور لفظاً، مجرور کیوں؟ کیونکہ یہ مضاف الیہ ہے بھائی۔ تو مجرور لفظاً مضاف الیہ مضاف۔ آگے « رُؤْيَتِي »۔ « رُؤْيَتِي » جی، « رُؤْيَتِي » تو « رُؤْيَة » یہ پھر اسی طرح ما قبل کے لیے مضاف ما قبل کے لیے مضاف الیہ، مابعد کے لیے مضاف، تو « رُؤْيَتِ » مجرور لفظاً مضاف۔ آگے « ي » ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، شاباش! ہاں ابھی نہ سمیٹیں، ابھی نہ سمیٹیں۔ آگے یہ « إِيَّاهُ » کیا ہے ذرا یہ بتائیں۔ « إِيَّاهُ » کیا ہے؟ یہ کون سی ضمیر ہے پہلے تو یہ مجھے بتائیں۔ غائب کی ضمیر ہے مفرد مذکر « إِيَّاهُ »، اور کون سی ہے اور تفصیل کیا ہے اس کی؟ یہ ضمیرِ منفصل ہے، ضمیرِ منفصل۔ منفصل تو صرف دو ہی ہیں نا، مرفوع اور منصوب۔ مرفوع غائب مفرد مذکر کے لیے کیا استعمال کرتے ہیں آپ؟ مرفوع ہو اور غائب کے لیے ہو اور مذکر کے لیے ہو: « هُوَ »۔ دیکھا مبتدا لانا ہو اور غائب کی ضمیر لانی ہو تو مرفوع بھی ہو گی کیونکہ مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، اور منفصل بھی چاہیے کیونکہ ما قبل میں تو کوئی عامل گزرا نہیں لفظوں میں، تو کون سی ضمیر لاتے ہیں؟ « هُوَ »۔ اور جبکہ یہ « إِيَّا » یہ کون سی ضمیر ہے؟ مجرور منفصل تو ہوتی ہی نہیں ہے، مجرور تو صرف متصل ہے۔ تو یہ منصوب منفصل ہے، یہ کیا ہے؟ منصوب۔ دیکھو « ضَرَبْتُهُ » میں نے اس کی پٹائی کی، اسی « ه » ضمیر یہ متصل ہے، منصوب متصل۔ اسی کو منفصل کریں ذرا « ضَرَبْتُ » پر مقدم کر دیں تو کہیں گے « إِيَّاهُ ضَرَبْتُ »، « هُوَ ضَرَبْتُ » نہیں کہیں گے، « هُوَ ضَرَبْتُ » نہیں کیونکہ « هُوَ » تو مبتدا بن جائے گا اور یہ تو « ه » ضمیر کیا ہے؟ منصوب ہے، مفعول بہ ہے، آپ اسی مفعول بہ کو کیا کرنا چاہتے ہیں؟ مقدم کرنا چاہتے ہیں تو منصوب لاؤ کیونکہ تو منصوب کون سی ضمیر پھر لاتے ہیں؟ « إِيَّاهُ »۔ بھول گئے؟ « إِيَّاهُ إِيَّاهُمَا إِيَّاهُمْ إِيَّاهَا إِيَّاهُمَا إِيَّاهُنَّ إِيَّاكَ إِيَّاكُمَا إِيَّاكُمْ إِيَّاكِ إِيَّاكُمَا إِيَّاكُنَّ إِيَّايَ إِيَّانَا »، صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ ساری ضمیریں کون سی ہیں؟ منصوب منفصل۔ جب آپ نے عامل سے جدا رکھنا ہو اور ہے نصب والا مقام، تو پھر یہ والی ضمیر لانی ہے، « هُوَ هُمَا هُمْ » میں سے نہیں لانی کیونکہ وہ تو مرفوع ہوتی ہے۔ تو یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ « إِيَّاهُ » کیا ہے؟ منصوب منفصل۔ اب بتائیے منصوب کیوں ہے؟ جی، غور کرو ذرا غور! مفعول فیہ کہہ رہے ہو؟ مفعول فیہ تو زمانے کا نام ہوتا ہے۔ « إِيَّاهُ » یہ زید کو ضمیر راجع ہے زید کو۔ سوال تھا نا « مَتَى مَا رَأَيْتَ زَيْداً »، ایک دفعہ ذکر ہو چکا اس لیے دوبارہ زید کے نام کو ذکر نہیں کیا اس کی جگہ ضمیر ذکر کر دی۔ یاد رکھیے یہ « إِيَّاهُ » یہ مفعول بہ بن رہا ہے مفعول بہ۔ ما قبل میں اچھا تو یہ « إِيَّاهُ » ضمیر کس کو راجع؟ زید کی طرف۔ سوال میں ذرا آؤ: « مَتَى مَا رَأَيْتَ زَيْداً » یہ زید کیا بن رہا ہے؟ مفعول بہ، کس کے لیے؟ « مَا رَأَيْتَ » فعل کے لیے۔ معلوم ہوا رویت کا فعل ہے، یہاں کون سا فعل ہے؟ دیکھنے کا۔ دیکھنا، کس کو دیکھنا؟ زید کو دیکھنا۔ تو یہ کس کے لیے مفعول ہے؟ رویت، وہی نا « مَا رَأَيْتَ » کا مصدر نکال لیں، یہ رویت کے لیے کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، زید کے دیکھنے کی بات ہو رہی ہے۔ تو یہاں پر بھی دیکھ لیں، « إِيَّاهُ » اس سے ما قبل کون سا مصدر ذکر ہے؟ رویت ذکر ہے، « رُؤْيَتِي » میرا دیکھنا۔ دیکھو میرا دیکھنا، یہ « رُؤْيَة » مصدر ہے اور مصدر وہی فعل کا نام ہے اور اس کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل یا اور مفعول۔ بھئی دیکھیے جیسے فعل کے لیے فاعل یا مفعول وغیرہ چاہیے ہوتے ہیں، اسی طرح مصدر کے لیے بھی فاعل یا مفعول وغیرہ چاہئیں۔ لیکن فعل کے ساتھ ہمیشہ فاعل اور مفعول ذکر ہو گا، مصدر کے ساتھ ان سب چیزوں کا ذکر ہونا ضروری نہیں۔ رویت کا ذکر آجائے، فاعل کا ذکر بھی نہ ہو، مفعول کا ذکر بھی نہ ہو، مصدر آجاتا ہے ویسے بھی۔ لیکن فعل نہیں، فعل کے لیے ہمیشہ فاعل ضرور چاہیے۔ فعل جب بھی آئے گا اس کے لیے ہمیشہ آپ نے کیا دیکھنا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل، لیکن مصدر اس کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے لیکن اس کا ذکر ہونا ضروری نہیں، کبھی ذکر ہو گا کبھی ذکر نہیں، اور اگر ذکر ہو پھر؟ پھر وہ مصدر اسی طرح عمل کرے گا، اپنے فاعل کو رفع دے گا، مفعول کو نصب، سارے وہی عمل کرے گا جو عمل فعل کیا کرتا تھا، مصدر بھی وہی سارے عمل کرتا ہے۔ اور پھر مصدر کی بعض اوقات بلکہ عموماً فاعل وغیرہ آجائے تو مصدر کی اس کی طرف اضافت کر دیا کرتے ہیں، لازم نہیں ہے لیکن عموماً کیا کر دیتے ہیں؟ اضافت کر دیتے ہیں، جیسے « رُؤْيَتِي »، دیکھا؟ اس کی اضافت یا متکلم کی طرف ہے اور متکلم کون ہے؟ یہ دیکھنے والا کون ہے؟ متکلم ہی تو ہے، تو دیکھو فاعل کی طرف اضافت ہو رہی ہے۔ تو یہ « ي » ضمیر لفظوں کے اعتبار سے مجرور ہے محلاً، مجرور محلاً مضاف الیہ، لیکن معنی کے اعتبار سے دیکھو یہ فاعل ہے رویت کا۔ کس کا دیکھنا؟ میرا دیکھنا، کہ میں دیکھنے والا ہوں اور کس کو دیکھنے والا ہوں؟ « إِيَّاهُ » یہ کیا ہے؟ یہ مفعول بہ ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں یہ آگے مزید ان شاء اللہ مصدر کی بحث بھی آجائے گی، اس میں بھی امید ہے تفصیل آجائے گی بھائی۔ جی، تو ترکیب کیسے ہو گی؟ « رُؤْيَتِ » مجرور لفظاً مصدر، مضاف الیہ مضاف، ما قبل کے لیے مضاف الیہ مابعد کے لیے مضاف۔ « ي » ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، اور « إِيَّاهُ » منصوب محلاً مفعول بہ « رُؤْيَتِ » مصدر کے لیے۔ « رُؤْيَتِ » مصدر اپنے مفعول بہ اور مضاف الیہ سے مل کر یہ مضاف الیہ ہوا « انْقِطَاعِ » کے لیے۔ « انْقِطَاعِ » مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مضاف ہوا کس کے لیے؟ « مُدَّةِ » کے لیے۔ « مُدَّةِ » مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مضاف الیہ ہوا کس کے لیے؟ « أَوَّلُ » کے لیے، اور « أَوَّلُ » مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا۔ اور آگے آرہا ہے « يَوْمُ الْجُمُعَةِ »، « يَوْمُ » مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، تو مرفوع لفظاً مضاف۔ « الْجُمُعَةِ » مجرور لفظاً کیونکہ یہ

مضاف الیہ ہے۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ «أَيْ: أَوَّلُ مُدَّةِ انْقِطَاعِ رُؤْيَتِي إِيَّاهُ» ترجمہ کیسے ہوگا؟ اولِ مدت، «انْقِطَاعِ رُؤْيَتِي» میرے نہ دیکھنے کی «إِيَّاهُ» اس کو یعنی زید کو۔ میرا زید کو نہ دیکھنے کی اولِ مدت جو ہے «يَوْمُ الْجُمُعَةِ» وہ کیا ہے؟ یوم الجمعہ ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟

اب آپ کو ایک اور چیز آپ نے دونوں جگہ غور کیا بھائی؟ «مُذْ» اور «مُنْذُ» مبتدا بنے اور «يَوْمُ الْجُمُعَةِ» اس کے لیے کیا بنے؟ خبر۔ تو آپ آپ نے خیال رکھنا ہے کہ یہ جو زمانہ اور مکان ہوتا ہے، زمانہ اور جگہ، آپ نے ابھی تک آپ کا یہ خیال تھا کہ یہ صرف مفعول فیہ بنتے ہیں، کیا بنتے ہیں؟ مفعول فیہ بنتے ہیں لیکن آپ نے یہاں دیکھا «مُنْذُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ»، «مُنْذُ» یہ بھی زمانے کا نام، «يَوْمُ الْجُمُعَةِ» یہ بھی زمانے کا نام، تو مبتدا بھی بن رہا ہے اور خبر بھی۔ اور یہاں پر بھی «أَوَّلُ مُدَّةِ انْقِطَاعِ رُؤْيَتِي إِيَّاهُ»، یہ «أَوَّلُ مُدَّةِ» بھی کیا ہے؟ زمانے کا نام اور «يَوْمُ الْجُمُعَةِ» یہ بھی اور یہ دونوں کیا بن رہے ہیں؟ مبتدا خبر۔ تو معلوم ہوا کہ جو زمانہ اور جگہ ہو اس کا ہمیشہ مفعول فیہ بننا ضروری نہیں، وہ مبتدا خبر بھی بن سکتے ہیں۔ ہاں لیکن زمانے کے لیے زمانہ ہی خبر بنے گا۔ زمانے کے لیے زمانہ ہی خبر بن رہا ہو گا وہاں پر وہ بن سکتا ہے۔ «أَوَّلُ مُدَّةِ» یہ بھی کیا ہے؟ زمانہ، اور «يَوْمُ الْجُمُعَةِ» بھی کیا ہے؟ زمانہ۔ وہ زمانہ جمعے کا دن ہے، دیکھا؟ اب مبتدا خبر بن رہے ہیں۔ لیکن اگر ان میں سے ایک بھی زمانہ نہ ہو تو پھر یہ آپس میں مبتدا خبر بن ہی نہیں سکتے، کیونکہ مبتدا خبر میں کیا ہوتا ہے؟ خبر کا حکم لگایا جاتا ہے، کس پر؟ مبتدا پر۔ تو اگر زمانہ ہو گا تو اس پر زمانے کا حکم لگے گا، اگر وہ زمانہ ہی نہیں تو اس پر زمانے کا حکم بھی نہیں لگ۔ تو «مُنْذُ» بھی کس چیز کا نام؟ زمانے اور اس پر حکم کیا لگایا؟ «يَوْمُ الْجُمُعَةِ» ہونے کا اور وہ بھی کیا ہے؟ زمانہ ہی ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

جی آگے بھی ترکیب کر لیجیے: «كَمْ مُدَّةً مَا رَأَيْتَ زَيْداً، أَيْ: جَمِيعُ مُدَّةِ مَا رَأَيْتُهُ يَوْمَانِ»۔ اور کیا تھا؟ «مَا رَأَيْتُهُ مُذْ يَوْمَانِ» یہ جواب ہے کس شخص جس نے کہ کس نے کیا پوچھا تھا؟ «كَمْ مُدَّةً مَا رَأَيْتَ زَيْداً»۔ پہلے اس کی ترکیب کر لیں «كَمْ مُدَّةً مَا رَأَيْتَ زَيْداً»۔ «كَمْ» منصوب محلاً ممیز، شاباش! «كَمْ» منصوب محلاً ممیز۔ اب مجھے بتایئے منصوب کیوں کہا؟ بھئی دیکھیے! آپ نے «كَمْ» کی بحث پڑھی تھی اور آپ نے پڑھا تھا کہ یہ «كَمْ» استفہام کے لیے بھی آتا ہے اور خبر کے لیے بھی، اور اس کا پتا کس سے چلتا ہے؟ آگے آنے والی تمیز۔ اگر تمیز منصوب ہو تو یہ استفہام کے لیے، اور اگر تمیز مفرد مجرور ہو یا جمع مجرور ہو تو یہ خبر دینے کے لیے۔ اور یہاں پر کیا ہے؟ «كَمْ مُدَّةً»، یہ «مُدَّةً» کا نصب بتلا رہا ہے یہ «كَمْ» کس کے لیے ہے؟ استفہام کے لیے ہے، سوال پوچھنے کے لیے ہے۔ اور پھر آپ نے پڑھا تھا کہ اس تمیز کے بعد دیکھو کوئی فعل ہے یا نہیں؟ ہم دیکھ رہے ہیں «مَا رَأَيْتَ» آگے فعل ہے، اور وہ فعل کیا اس «كَمْ» کی ضمیر میں مشغول ہے؟ ہم نے دیکھا اس کے ساتھ کوئی ضمیر نہیں جڑی ہوئی، معلوم ہوا وہ اس «كَمْ» کی ضمیر میں مشغول نہیں، تو پھر وہی فعل عامل بنتا ہے «كَمْ» کے اندر اور پھر «كَمْ» کو «كَمْ» کیا بنے گا؟ آپ نے پڑھا تھا کہ «كَمْ» وہ مفعول فیہ بھی بن سکتا ہے اگر اس کے بعد زمانے والی تمیز آجائے، تمیز کیا ہو؟ زمانہ ہو، اور اگر اس کے بعد مصدر آئے تو پھر یہ «كَمْ» مفعول مطلق بنتا ہے، اور اگر اس کے بعد نہ تو زمانہ ہو اور نہ مفعول مطلق ہو مصدر یعنی مصدر ہو یعنی زمانہ بھی نہ ہو اس کے بعد اور مصدر بھی نہ ہو تو پھر یہ مفعول بہ بنتا ہے۔ اب مجھے بتایئے یہ «كَمْ» کون سا ہے؟ استفہامیہ ہے، کس سے پتا چلا؟ یہ «مُدَّةً» کے نصب سے پتا چلا، اور «كَمْ» اس کے بعد کیا کوئی فعل آرہا ہے؟ فعل آرہا ہے اور وہ فعل کیا «كَمْ» کی ضمیر میں مشغول ہے؟ مشغول نہیں، معلوم ہوا وہ اس میں عمل کر سکتا ہے۔ جب عمل کرے گا تو اس کو نصب دے گا لیکن اب نصب کس بنیاد پر؟ وہ «كَمْ» کی تمیز پر غور کر لیں، «كَمْ» کی تمیز کیا مصدر ہے؟ اگر مصدر ہوتی تو پھر اس کو یہ منصوب ہوتا کس بنا پر؟ مفعول مطلق ہونے، اور کیا اس کے بعد پھر زمانہ ہے؟ «مُدَّةً»، مدت کس چیز کا نام ہے؟ زمانے ہی کا نام ہے، تو معلوم ہوا یہ «كَمْ» کیا بنے گا؟ زمانہ کیا بنتا ہے؟ مفعول فیہ، تو یہ بھی مفعول فیہ بنے گا اور اگر زمانہ بھی نہ ہوتا «رَجُلاً» وغیرہ ہوتا موقع کے مطابق تو پھر یہ کیا بنتا؟ مفعول بہ بنتا۔ تو «كَمْ» کیا بنتا ہے؟ مفعول مطلق بھی بنتا ہے، مفعول مفعول فیہ بھی بنتا ہے، مفعول فیہ ہی بھی بنتا ہے اور مفعول بہ بھی بنتا ہے، تو یہاں کیا بنے گا؟ یہاں مفعول فیہ بنے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ «كَمْ» کے بعد کس کا ذکر ہے؟ زمانے کا۔

اب کیجیے ترکیب دوبارہ بھائی! «كَمْ» منصوب محلاً ممیز، «مُدَّةً» منصوب لفظاً تمیز۔ ممیز اپنی تمیز سے مل کر یہ مفعول فیہ ہوا۔ تو آپ نے کیا کہا: «كَمْ» منصوب محلاً ممیز۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ مفعول فیہ ہے تو ممیز، اور «مُدَّةً» منصوب لفظاً اس کی تمیز۔ ممیز تمیز مل کر یہ مفعول فیہ کس کے لیے؟ «مَا رَأَيْتَ» فعل کے لیے۔ «مَا رَأَيْتَ» فعل، «تَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل، «زَيْداً» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو آپ یہ نہ کہیں اس جملے کے شروع میں تو «كَمْ» ہے اور «كَمْ» تو اسم ہے تو یہ جملہ اسمیہ ہونا چاہیے، بھئی یہ «كَمْ» اس کے اندر عامل کون ہے؟ «مَا رَأَيْتَ» ہے، کیا ہے؟ «مَا رَأَيْتَ»، گویا «كَمْ» کا اصل مقام پہلے عامل آتا ہے پہلے معمول آتا ہے؟ پہلے ہمیشہ عامل آتا ہے اس کے بعد کون آتا ہے؟ معمول۔ تو «مَا رَأَيْتَ» گویا در حقیقت شروع میں یہ ہے، در حقیقت شروع میں یہ ہے اور جب فعل

شروع میں ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ جملہ فعلیہ کہتے ہیں۔ تو پھر سوال پیدا ہوا کہ اس « كَمْ » کو مقدم کیوں کیا اگر وہ ہے؟ بھئی جواب یہ کہ معمول کو کبھی فعل پر مقدم کر دیتے ہیں آپ جانتے ہیں، فعل پر فاعل کو مقدم نہیں کر سکتے، فاعل یا نائب فاعل کو، باقی معمول کو اس پر مقدم کر سکتے ہیں، اور پھر یہ « كَمْ » یہ تو استفہام کے لیے آتا ہے سوال پوچھنے کے لیے، جب سوال پوچھنے کے لیے ہے تو یہ صدارتِ کلام کو چاہتا ہے تاکہ اول سے ہی پتا چل جائے کہ سوال پوچھا جا رہا ہے، کلام کے شروع سے ہی پتا چل جائے کہ سوال۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

■ قولہ: « أَيْ: جَمِيعُ مُدَّةِ مَا رَأَيْتُهُ يَوْمَانِ » کی تشریح

« أَيْ: جَمِيعُ مُدَّةِ مَا رَأَيْتُهُ يَوْمَانِ » یہ کس کا معنی بیان ہو رہا ہے؟ « مَا رَأَيْتُهُ مُذْ يَوْمَانِ »۔ جی « مَا رَأَيْتُهُ مُذْ يَوْمَانِ » اس کی بھی ترکیب کر لیں۔ « مَا رَأَيْتُ » « مَا » حرفِ نفی اور « رَأَيْتُ » فعل بافاعل یا پورا کہہ لیں، « مَا رَأَيْتُ » فعل بافاعل، « تُ » ضمیر مرفوع محلاً فاعل، « هُ » ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ اور « مُذْ يَوْمَانِ »، « مُذْ » مرفوع محلاً مبتدا، « يَوْمَانِ » شاباش! « يَوْمَانِ » مرفوع لفظاً خبر کیونکہ تثنیہ ہے، تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ۔ تو مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اور آگے معنی بیان کر دیا: « أَيْ: جَمِيعُ مُدَّةِ مَا رَأَيْتُهُ يَوْمَانِ »۔ کیسے ترکیب ہو گی؟ « جَمِيعُ » مرفوع لفظاً مضاف، « مُدَّةِ » مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ جی، بولیے! کیا ترکیب کریں گے؟ بھئی دیکھیے بھئی دیکھیے! اس کو « مَا رَأَيْتُهُ » اس کے لیے مفعول نہ بنائیں « جَمِيعُ مُدَّةِ » کو، یہ معنی کس کا بیان ہو رہا ہے؟ « مَا رَأَيْتُهُ مُذْ يَوْمَانِ »۔ « مُذْ يَوْمَانِ » اس کا معنی بیان ہو رہا ہے اور اس میں کیا تھا؟ « مُذْ » تھا مبتدا اور « يَوْمَانِ » تھے خبر، اور « مُذْ » کس معنی میں تھا؟ جمیعِ مدت۔ اسی جمیعِ مدت کو دیکھو یہاں مبتدا ہی بنانا ہے اور آگے « يَوْمَانِ » کو اس کی خبر ہی بنانا ہے۔ تو جمیعِ مدت یہ بھی زمانے کا نام اور « يَوْمَانِ » یہ بھی زمانے کا نام، اور زمانہ زمانے پر زمانے کا حکم لگایا جا سکتا ہے وہ ایک دوسرے کے لیے مبتدا خبر بن سکتے ہیں کہ یہ جیسے آپ کہتے ہیں « اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْعُطْلَةِ » آج کا دن چھٹی کا دن ہے، دیکھو « اَلْيَوْمُ » یہ بھی کس کا نام؟ زمانے کا، « يَوْمُ الْعُطْلَةِ » وہ بھی کس کا نام؟ زمانے کا۔ تو زمانے پر زمانے کا حکم لگ سکتا ہے اور دوسرا حکم نہیں لگے گا بھائی۔

« أَيْ: جَمِيعُ مُدَّةِ مَا رَأَيْتُهُ يَوْمَانِ » « جَمِيعُ » مرفوع لفظاً مضاف، « مُدَّةِ » مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر موصوف موصوف کیونکہ « جَمِيعُ » بھی نکرہ، « مُدَّةِ » بھی نکرہ، اور نکرہ کی نکرہ کی طرف اضافت ہو وہ کیا رہتا ہے؟ نکرہ ہی رہتا ہے، اور نکرہ کے بعد پھر آگے « مَا رَأَيْتُ » فعل آیا تو اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ تو « جَمِيعُ » مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، اور مضاف، « مُدَّةِ » مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر موصوف۔ « مَا رَأَيْتُ » فعل بافاعل، « تُ » ضمیر مرفوع محلاً فاعل، « هُ » ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ « مَا رَأَيْتُهُ » میں نے اس کو نہیں دیکھا، تو « رَأَيْتُهُ » « ه » ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ جو کس کو راجع؟ زید کو۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوا کس کے لیے؟ موصوف۔ سوال: موصوف صفت میں تو ربط نہیں دیا۔ آپ نے پڑھا جب بھی جملے کو یا شبہ جملہ کو کسی چیز سے جوڑیں گے تو درمیان میں کیا دیں گے؟ ربط دیں گے، پھر؟ جواب: عائد یہاں محذوف ہے، بعض اوقات عائد کیا ہوتا ہے؟ محذوف ہوتا ہے اور وہ کیا ہے یہاں پر؟ « فِيهِ »: « مَا رَأَيْتُهُ فِيهِ »۔ میں نے اس کو نہیں دیکھا « فِيهِ » اس زمانے میں، کون سے زمانے میں؟ جمیعِ مدت، اس سارے میں نے وہ میں نے اس کو نہیں دیکھا اس سارے زمانے میں، وہ کتنا ہے؟ « يَوْمَانِ »، کتنا ہے؟ دو دن ہے۔ تو « مَا رَأَيْتُهُ فِيهِ »، « فِي » جارہ، « ه » ضمیر مجرور محلاً یا « فِيهَا » کر لیں، مدت مؤنث ہے نا، تو « فِيهَا » جمیعِ مدت۔ تو « فِيهَا » میں « ہا » ضمیر مجرور محلاً اور راجع ہے کس کو؟ جمیعِ مدت کو راجع ہے۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے؟ « مَا رَأَيْتُ » فعل کے ساتھ۔ « مَا رَأَيْتُ » فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر یہ صفت۔ موصوف صفت مل کر مبتدا، اور « يَوْمَانِ » مرفوع لفظاً اس کی خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ معنی سمجھ میں آیا بھائی؟ « جَمِيعُ مُدَّةِ مَا رَأَيْتُهُ فِيهَا يَوْمَانِ » وہ ساری مدت کہ « مَا رَأَيْتُهُ » کہ میں نے زید کو نہیں دیکھا اس « فِيهَا » اس مدت میں « يَوْمَانِ » وہ کتنی ہے؟ دو دن ہے۔ تو « جَمِيعُ مُدَّةِ » موصوف اور « مَا رَأَيْتُهُ » اس کی صفت ہے اور عائد کیا ہے؟ محذوف ہے، تو عائد کبھی کبھار محذوف ہوتا ہے، صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور معنی صحیح بن رہا ہے یا نہیں بن رہا؟ « جَمِيعُ مُدَّةِ » کہ وہ ساری مدت « مَا رَأَيْتُهُ فِيهَا » جس میں میں نے زید کو نہیں دیکھا « يَوْمَانِ » وہ کتنی ہے؟ دو دن ہے بھائی۔

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ « مُذْ » اور « مُنْذُ » یہ کبھی اولِ مدت کے معنی میں آتے ہیں اور کبھی جمیعِ مدت کے معنی میں، اور کبھی یہ صرف زمانے کا نام زمانے پر دلالت کرتے ہیں یعنی تو کبھی یہ بطورِ حرفِ جر کے استعمال ہوتے ہیں اور کبھی اسمِ محض کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اور پھر مبتدا بنتے ہیں۔ اور جب

یہ حرفِ جر کے طور پر استعمال ہوں گے تو آگے آنے والے آگے آنے والا اسم مجرور ہو گا، اور جب یہ اسمِ محض کے طور پر یا زمانے کے نام کے طور پر استعمال ہوں گے تو پھر آگے آنے والا اسم مرفوع ہو گا، یہ خود بنیں گے مبتدا اور آگے آنے والا اسم بنے گا خبر۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، ھذا ھو المرام، واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۸۴: ظروفِ مبنیہ: «لَدَی»، «لَدُنْ»، «قَطُّ»، «عَوْضُ»، «اَلآنَ» اور آغازِ خاتمۃ القسم الاول

ہدایۃ النحو صفحہ: ۶۸—بتاریخ: ۱۵ فروری ۲۰۱۶ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَمِنْهَا لَدَى وَلَدُنْ بِمَعْنَى عِنْدَ، نَحْوُ: الْمَالُ لَدَيْكَ، وَالْفَرْقُ بَيْنَهُمَا: أَنَّ عِنْدَ لَا يُشْتَرَطُ فِيهِ الْحُضُورُ، وَيُشْتَرَطُ ذٰلِكَ فِي لَدَى وَلَدُنْ، وَجَاءَ فِيهِ لُغَاتٌ أُخَرُ: لَدْنِي وَلُدْنِي لُدُنَ وَلَدَنْ وَلَدْ وَلُدْ وَلُدُ.

ظروفِ مبنیہ کا بیان چل رہا ہے۔ صاحبِ ہدایۃ النحو فرماتے ہیں: «وَمِنْهَا لَدَى وَلَدُنْ»، ظروفِ مبنیہ میں سے «لَدَی» اور «لَدُنْ» ہے بھائی۔ اور یہ بمعنی «عِنْدَ» ہیں۔ کس معنی میں ہیں؟ بمعنی «عِنْدَ»۔ «نَحْوُ: الْمَالُ لَدَيْكَ»، «أَيْ: الْمَالُ عِنْدَكَ»، مال تمہارے پاس ہے۔

«وَالْفَرْقُ بَيْنَهُمَا»، ہاں، البتہ ایک فرق ہے۔ «الْمَالُ لَدَيْكَ» اس کا معنی بھی ہے: مال آپ کے پاس ہے۔ یا یوں کہو: «الْمَالُ لَدَيَّ»، مال میرے پاس ہے۔ اور اسی طرح میں کہہ سکتا ہوں: «الْمَالُ عِنْدِي»، مال میرے پاس ہے۔ لیکن فرق دونوں میں یہ ہے کہ «عِنْدَ» میں مال کی اسی وقت موجودگی آپ کے پاس ضروری نہیں۔ مثلاً مال گھر پر پڑا ہو تو بھی آپ کہہ سکتے ہیں: «الْمَالُ عِنْدِي»۔ مال الماری میں پڑا ہے، آپ پھر بھی کہہ سکتے ہیں: «الْمَالُ عِنْدِي»۔ مال بینک میں پڑا ہوا ہے آپ کا، پھر بھی آپ کہہ سکتے ہیں: «الْمَالُ عِنْدِي»۔ لیکن «لَدَی» کے اندر ضروری ہے کہ وہ اس وقت آپ کے پاس حاضر ہو، موجود ہو۔ جب آپ کے پاس اس وقت موجود ہے تو پھر آپ کہہ سکتے ہیں: «الْمَالُ لَدَيَّ»۔ لیکن اگر گھر پر پڑا ہے یا الماری میں ہے یا بینک میں ہے تو پھر آپ «الْمَالُ لَدَيَّ» نہیں کہہ سکتے۔ تو معلوم ہوا «لَدَی» کے اندر حضور ضروری ہے کہ وہ مال، وہ چیز آپ کے پاس حاضر ہو، موجود ہو؛ جبکہ «عِنْدَ» میں وسعت ہے، چاہے حاضر ہو آپ کے پاس چاہے حاضر نہ ہو، دونوں صورتوں میں کہہ سکتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَالْفَرْقُ بَيْنَهُمَا»، اور فرق ان دونوں میں یہ ہے یعنی استعمال کے اعتبار سے، «أَنَّ عِنْدَ لَا يُشْتَرَطُ فِيهِ الْحُضُورُ»، کہ «عِنْدَ» جو ہے اس کے اندر اس چیز کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔ «وَيُشْتَرَطُ ذٰلِكَ فِي لَدَى وَلَدُنْ»، اور اس کی شرط ہے «لَدَی» اور «لَدُنْ» میں کہ وہ چیز پاس ہی حاضر ہو، پاس ہی موجود ہو۔

■ قولہ: «وَجَاءَ فِيهِ لُغَاتٌ أُخَرُ» کی تشریح

«وَجَاءَ فِيهِ لُغَاتٌ أُخَرُ»، اور اس میں اور لغتیں بھی آئی ہیں یعنی اور تلفظ بھی آئے ہیں۔ عربی بڑی وسیع زبان ہے، بہت بڑے علاقے میں بولی جاتی ہے، تو بعضوں میں مختلف تلفظ مختلف تھے بھائی۔ بعض تو «لَدَی» پڑھتے، «لَدُنْ»؛ اور کیا ہے؟ جیسے «لَدْنِي»، یہ ایک لغت ہے۔ اور ایک «لُدُنَ»، اور اسی نون کے نیچے زیر بھی ہے: «لُدْنِي»، دیکھا؟ بعض اس طرح پڑھتے اس کو۔ «وَلَدَنْ»، «وَلَدْ»، «وَلُدْ»، «وَلُدُ»، یہ سب لغات اس کے اندر ہیں تو کہیں آپ کو ایک لفظ ملے گا کسی جگہ، کسی جگہ دوسرا لفظ، تو آپ پریشان نہ ہوں کہ یہ تو کوئی اور لفظ ہے شاید، نہیں، یہ وہی لفظ ہے «لَدَی» یا «لَدُنْ» اور اسی

کی لغت ہے تلفظ۔ بعض اس طرح بولتے ہیں، بعض کسی طرح؛ جیسے آپ اور زبانوں میں بھی دیکھتے ہیں بھائی، ایک علاقے والے ایک لفظ کو ایک طرح بولتے ہیں اور اسی زبان والے کچھ فاصلے پر دوسرا علاقہ ہو تو وہی اس لفظ کو دوسری طرح بولتے ہیں بھائی۔

«وَمِنْهَا «قَطُّ» لِلْمَاضِي الْمَنْفِيِّ، نَحْوُ: «مَا رَأَيْتُهُ قَطُّ».» اور ظروفِ مبنیہ میں سے «قَطُّ» بھی ہے «لِلْمَاضِي الْمَنْفِيِّ»، یہ کس لیے ہے؟ ماضی منفی کے لیے۔ «نَحْوُ: مَا رَأَيْتُهُ قَطُّ». بھائی «قَطُّ» جو ہے نا، «قَطُّ»، اس میں بھی کئی لغات ہیں: «قَطُّ»، قاف پر فتحہ اور طا مشدد: «قَطُّ»؛ اور اسی میں قاف پر ضمہ بھی ہے: «قُطُّ»؛ اور تیسری لغت ہے کہ قاف پر فتحہ اور طا ساکن: «قَطْ»، یہ لغت بھی اس کے اندر آئی ہے بھائی۔ اور یہ ماضی منفی کے لیے آتا ہے۔ یعنی زمانۂ ماضی کا یہ استغراق کر لیتا ہے، گھیر لیتا ہے اس سارے کو۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «مَا رَأَيْتُ زَيْدًا قَطُّ»، میں نے زید کو کبھی بھی نہیں دیکھا۔ دیکھا؟ کبھی بھی، کیا معنی؟ زمانۂ ماضی میں کسی بھی وقت میں نے اس کو نہیں دیکھا۔ دیکھو، پورے زمانۂ ماضی کا استغراق کر لیا، اس کو گھیر لیا اور پھر اس کی نفی ہو گئی۔ تو یہ پورے زمانۂ ماضی کو گھیرنے کے لیے کیا لفظ آتا ہے؟ «قَطُّ»۔

تو کہتے ہیں: «وَمِنْهَا قَطُّ لِلْمَاضِي الْمَنْفِيِّ»، یہ «قَطُّ» جو ہے ماضی منفی کے لیے آتا ہے۔ اور دیکھو، «مَا رَأَيْتُهُ»، دیکھو نفی آ رہی ہے یا نہیں؟ میں نے نہیں دیکھا، «مَا رَأَيْتُهُ قَطُّ»، میں نے اس کو کبھی بھی نہیں دیکھا۔

«وَمِنْهَا «عَوْضُ»»، اور انہی میں سے کیا ہے؟ «عَوْضُ» بھی ہے بھائی۔ جی، «عَوْضُ»، «يَعُوضُ»، مختلف لغات ہیں ان میں بھائی۔ «لِلْمُسْتَقْبَلِ الْمَنْفِيِّ»، یہ «قَطُّ» کا برعکس ہے۔ وہ ماضی منفی کے لیے تھا، یہ «لِلْمُسْتَقْبَلِ الْمَنْفِيِّ»، مستقبل منفی کے لیے ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں: میں یہ کام کبھی بھی نہیں کروں گا، یعنی پورے مستقبل کا آپ نے اس میں احاطہ کر لیا اور اس کی نفی کر دی۔ تو آپ کیا کہیں گے؟ «لَا أَفْعَلُ عَوْضُ» یا «لَا أَفْعَلُ هٰذَا عَوْضُ»، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں: اور ظروفِ مبنیہ میں سے ایک «عَوْضُ» بھی ہے مستقبل منفی کے لیے، «نَحْوُ: «لَا أَضْرِبُهُ عَوْضُ»»، میں کبھی بھی اس کو نہیں ماروں گا۔

▪ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّهُ إِذَا أُضِيفَ الظُّرُوفُ إِلَى ا...» کی تشریح

«وَاعْلَمْ أَنَّهُ إِذَا أُضِيفَ الظُّرُوفُ إِلَى الْجُمْلَةِ»، اور جان لے تو۔ اچھا، پہلے ترکیب کر لیں بھائی گزشتہ جملوں کی۔ «الْمَالُ لَدَيْكَ»، جی، ترکیب کیجیے۔ «الْمَالُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ جی۔ «لَدَيْكَ»، «لَدَی» مرفوع محلاً مضاف۔ شاباش! «لَدَی» مرفوع محلاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ خبر ہے، خبر ہے۔ اور یہ ہم کس چیز کا بیان پڑھ رہے ہیں؟ ظروف کا۔ جی؟ ظروف کا، مبنیات کا۔ ہاں، اور «لَدَی» ظرف ہے، جگہ کے لیے آتا ہے۔ پاس، قریب والی جگہ، قریب مراد ہے۔ تو مال اور قریب ہونا یہ ایک چیز ہیں؟ جی؟ یہ تو ایک چیز ہے ہی نہیں۔ تو یہ «لَدَی» اس کے لیے خبر کیسے بنا رہے ہیں؟ خبر کا تو حمل ہوتا ہے ذات پر۔ «الْمَالُ لَدَيْكَ»، اگر «لَدَيْكَ» کو آپ خبر بنانا چاہتے ہیں تو اس کا مطلب ہے مال قریب والی جگہ کا نام ہے۔ مال کس کا نام ہے؟ جگہ کا نام ہے، حالانکہ مال جگہ کا نام ہے؟ مال تو اور چیز ہے، جگہ اور چیز ہے۔ پھر کیا کریں گے؟ بھائی ظروف ہیں، ظرف بنے گا، ظرف بنے گا۔ پھر، ظرف کے لیے عامل چاہیے! فعل محذوف۔ ہاں، اس کے لیے ہمیں یہاں وہ وہی آٹھ چیزیں، وہ آٹھ چیزیں جن کے ساتھ جار مجرور متعلق ہوتے تھے، انہی کے ساتھ، انہی کے لیے ظرف بھی معمول بنتا ہے۔ جار مجرور کے لیے تو کہتے ہیں وہ متعلق ہوتے ہیں اور ظرف کے لیے کہتے ہیں کہ ظرف ان کے لیے معمول ہے اور یہ اس میں عامل ہیں، صورت سمجھ میں آ گئی؟ کہ وہ عمل کرتے ہیں۔ جی۔

«لَدَی» منصوب محلاً مضاف، کاف ضمیر... «لَدَی»، دوبارہ بولیے «لَدَی»، دوبارہ ترکیب کیجیے۔ «الْمَالُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «الْمَالُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «لَدَی» منصوب محلاً مضاف۔ «لَدَی» منصوب محلاً مضاف۔ منصوب کیوں؟ یہ مفعول فیہ ہے۔ مفعول فیہ ہے بھائی، مفعول فیہ۔ اور مضاف، مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا؟ اس کے ساتھ ضمیر متصل... ہاں، جس اسم کے ساتھ بھی ضمیر متصل آ جائے تو وہ آپس میں مضاف مضاف الیہ بنتے ہیں۔ آگے کاف ضمیر؟ کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ہوا... شاباش! مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مفعول فیہ ہوا «ثَبَتَ» یا «ثَابِتٌ» کے لیے۔ اور «ثَبَتَ» فعل، اس کے اندر؟ «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل جو «الْمَالُ» مبتدا کی طرف راجع ہے۔ ہاں، جو «ثَبَتَ» فعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل جو کس کی طرف راجع ہے؟ مبتدا کی طرف راجع ہے۔ «ثَبَتَ» فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر۔ عائد آپ بتلا چکے ہیں بھائی، ربط آ چکا ہے، تو یہ خبر۔ تو مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ «ثَبَتَ»، ثابت ہے «هُوَ»، کیا چیز؟ مال۔ ثابت ہے مال «لَدَيْكَ»، تمہارے قریب، تمہارے پاس۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟ تو یہ ظرف کے لیے ہمیشہ آپ نے جیسے جار مجرور کے لیے

آپ متعلق نکالتے تھے، اسی طرح مفعول فیہ یعنی ظرف کے لیے بھی ہمیشہ آپ نے عامل نکالنا ہے۔

دوسری ترکیب کیجیے بھائی: «مَا رَأَيْتُهُ قَطُّ»۔ «مَا رَأَيْتُ» فعل بافاعل۔ شاباش! «مَا» حرفِ نفی ہے لیکن ساتھ ہی ہم ملا کر پڑھ دیتے ہیں تاکہ پتہ چلے کہ یہ فعل منفی ہے بھائی۔ تو «مَا رَأَيْتُ» فعل بافاعل۔ تاضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ تاضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ ہاضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ ہاضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، شاباش! «قَطُّ» منصوب محلاً مفعول فیہ۔ شاباش! «قَطُّ»، یہ ظروفِ مبنیہ ہے نا، تو ظرف ہے تو منصوب، اور محلاً کیونکہ مبنی ہے، تو «قَطُّ» منصوب محلاً مفعول فیہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «مَا رَأَيْتُهُ»، ہاضمیر مفعول بہ کی بھی ہے، تو فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اچھا، ترجمہ تو رہ گیا بھائی: «الْمَالُ لَدَيْكَ»، مال تمہارے پاس ہے۔ «مَا رَأَيْتُهُ قَطُّ»، میں نے اس کو کبھی بھی نہیں دیکھا یعنی زمانۂ ماضی میں۔

اگلے جملے کی ترکیب کیجیے: «لَا أَضْرِبُهُ عَوْضُ»۔ «لَا أَضْرِبُهُ» فعل بافاعل۔ «لَا أَضْرِبُ» فعل۔ اور «أَنَا» ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ شاباش! «أَنَا» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً فاعل۔ ہاضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ ہاضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ «عَوْضُ» منصوب محلاً مفعول فیہ۔ جی، «عَوْضُ» منصوب محلاً مفعول فیہ۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول فیہ ہے۔ مفعول فیہ ہے۔ اور محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے۔ کیونکہ ظروفِ مبنیہ میں سے ہے، ہم اسی کا بیان پڑھ رہے ہیں۔ تو یہ مفعول فیہ ہوا۔ «لَا أَضْرِبُ» فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ... شاباش! «لَا أَضْرِبُهُ» فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «لَا أَضْرِبُهُ عَوْضُ»، میں پٹائی نہیں کروں گا اس کی، «عَوْضُ»، کبھی بھی، میں کبھی بھی اس کی پٹائی نہیں کروں گا۔

آگے دیکھیے بھائی: «وَاعْلَمْ أَنَّهُ إِذَا أُضِيفَ الظُّرُوفُ إِلَى الْجُمْلَةِ أَوْ إِلَى «إِذْ» جَازَ بِنَاؤُهَا عَلَى الْفَتْحِ، كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿هٰذَا يَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾». یہاں سے ایک اور فائدہ آپ کو بتلا رہے ہیں۔ یاد رکھیے کہ جب ظروف کی اضافت کر دی جائے جملے کی طرف، ظروف کی جب اضافت کس کی طرف کر دی جائے؟ جملے کی طرف، تو پھر اس صورت میں ان کو مبنی علی الفتح پڑھنا بھی جائز ہے۔ ایک تو جو ان پہ اعراب آرہا ہو، وہ اعراب بھی پڑھا جا سکتا ہے، وہ بھی پڑھنا جائز، اور ان کو مبنی علی الفتح پڑھنا بھی جائز ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ»، تو جان لے، «أَنَّهُ إِذَا أُضِيفَ الظُّرُوفُ إِلَى الْجُمْلَةِ»، جب اضافت کی جائے ظروف کی جملے کی طرف، «أَوْ إِلَى إِذْ»، یا کس کی طرف؟ «إِذْ» کی طرف، تو «إِذْ» کی طرف، «جَازَ بِنَاؤُهَا عَلَى الْفَتْحِ»، تو ان کی بنا علی الفتح جائز ہے، ان کو مبنی علی الفتح بنانا جائز ہے، «كَقَوْلِهِ تَعَالَى»، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿هٰذَا يَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾۔

دیکھیے، «يَوْمَ»، یوم کی اضافت ہو رہی ہے جملے کی طرف: «يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ»، اس پورے جملے کی طرف یوم کی اضافت ہو رہی ہے۔ اور آپ کو انہوں نے ابھی ضابطہ بتلایا کہ ظرف کی اضافت جب کس کی طرف ہو؟ جملے کی طرف، تو اس پر اس کا اپنا اعراب پڑھنا بھی جائز اور مبنی علی الفتح پڑھنا بھی جائز۔ تو دیکھیے، یہاں «يَوْمَ» اس کو کیا مبنی علی الفتح پڑھا گیا، مبنی علی الفتح۔ لیکن اگر آپ غور کریں، «هٰذَا يَوْمُ»، یہ خبر ہے «هٰذَا» کی، اس کو تو مرفوع ہونا چاہیے، تو اس کا اس کو معرب بھی پڑھ سکتے ہیں اور معرب پڑھیں گے تو پھر کیسے پڑھیں گے؟ «هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ»، اور آپ چاہیں تو اس کو مبنی علی الفتح بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا بھائی؟

جی، ترکیب کیجیے۔ «هٰذَا» مرفوع محلاً مبتدا۔ شاباش! «هٰذَا» مرفوع محلاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ مبتدا ہے، شاباش! محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے۔ کیونکہ مبنی اسمِ اشارہ ہے۔ آگے؟ «يَوْمَ» مرفوع محلاً مضاف۔ «يَوْمَ» مرفوع محلاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ کیونکہ یہ خبر ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کو مبنی پڑھا گیا ہے، مبنی علی الفتح، مبنی علی الفتح۔ یہ فتحہ کی قید سے آپ پریشان نہ ہوں کہ یوں کہنا چاہیے تھا یہ مبنی ہے، لیکن یہاں کیا کہا جا رہا ہے؟ مبنی علی الفتح۔ یاد رکھو، آپ جتنے بھی مبنی ہیں یا تو اس کے آخر میں کوئی حرکت ہوتی ہے تو کہتے ہیں یہ مبنی ہے اس حرکت پر، یا سکون ہوتا ہے تو کہتے ہیں مبنی علی السکون ہے۔ جیسے «هُوَ»، «هُوَ» کیا ہے؟ مبنی ہے، لیکن آخر میں کیا ہے؟ واؤ پر زبر، تو کہیں گے یہ مبنی علی الفتح ہے۔ «هٰؤُلَاءِ»، «هٰؤُلَاءِ» یہ اسمِ اشارہ، یہ کیا ہے؟ مبنی ہے اور اس کے آخری حرف پر کون سی حرکت؟ کسرہ، تو اس کو کہیں گے یہ مبنی علی الکسرہ ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اسی طرح اور مثال دیکھ لیں، جیسے «إِذَا»، ابھی «إِذَا» آیا، «إِذَا» کے آخر میں کیا ہے؟ الف، اور الف کیا ہے؟ ساکن، تو کیا کہیں گے؟ یہ مبنی علی السکون ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں بھی یہ مبنی ہے بس، تو مبنی علی الفتح ہے اور مبنی کا اعراب کیسے بتایا جاتا ہے؟ محلاً، تو یوں کہیں گے یہ مرفوع محلاً ہے کیونکہ یہ خبر

ہے، اس کو مرفوع ہونا چاہیے لیکن اس وقت اس کو مبنی پڑھا گیا۔ مرفوع محلاً مضاف۔

«يَنْفَعُ» فعل۔ «يَنْفَعُ» فعل بھائی۔ جی۔ «الصَّادِقِينَ» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ یہ «الصَّادِقِينَ»، «الصَّادِقِينَ»، جی، اگر پوری ترکیب کرنا چاہتے ہیں تو «الصَّادِقِينَ»، کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ فاعل۔ اور اسمِ فاعل پر آپ نے پڑھا کہ اسمِ فاعل اس پر الف لام آجائے تو وہ کس معنی میں ہوتا ہے؟ «الَّذِي» کے معنی میں، وہ اسمِ موصول ہوتا ہے، اسمِ موصول۔ تو «الصَّادِقِينَ» کس معنی میں ہوا؟ «الَّذِينَ»، جمع ہے نا، «الَّذِينَ» اور صادقین اس سے فعل بنالو: «الَّذِينَ يَصْدُقُونَ»، «صَدَقَ يَصْدُقُ»، «الَّذِينَ يَصْدُقُونَ»، «الَّذِينَ يَصْدُقُونَ»۔ تو چاہے آپ اسی طرح کر دیں، الف لام منصوب محلاً کیونکہ مفعول بہ ہے، «الصَّادِقِينَ» پہ آپ دیکھ لینا یہ منصوب ہے یا نہیں؟ اچھا، اور منصوب محلاً مفعول بہ اور اسی کا اعراب، نصب آگے صادقین پہ ظاہر ہو گیا، حالانکہ صادقین صلہ ہے اور صلے کا کوئی محلہ اعراب نہیں ہوتا۔ لیکن یہ اسمِ موصول چونکہ کس شکل میں آیا؟ الف لام کی شکل میں آیا، لہٰذا اس کا اعراب آگے صلے پر ظاہر ہوا جا کر، اور یہ تو کیا تھا؟ منصوب، تو صلہ کس حالت میں آگیا؟ نصب والی حالت میں۔ تو الف لام منصوب محلاً اسمِ موصول، «الصَّادِقِينَ» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُمْ» ضمیر، جمع والی ضمیر نکالیں، اس کے اندر «هُمْ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کی طرف راجع؟ «الَّذِينَ» اسمِ موصول یا یوں کہیں الف لام کی طرف راجع، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر یہ مفعول بہ ہوا «يَنْفَعُ» کے لیے۔

اور «صِدْقُ» مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے «يَنْفَعُ» کے لیے۔ اور مرفوع لفظاً مضاف، لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور مضاف کیوں؟ کیونکہ ضمیرِ متصل آگئی، اور جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آئے وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل ہوا فعل کے لیے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مضاف الیہ ہوا «يَوْمَ» کے لیے۔ «يَوْمَ» مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ خبر ہوا «هٰذَا» کے لیے۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

﴿هٰذَا يَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾، یہ وہ دن ہے کہ جس میں نفع دے گا سچ بولنے والوں کو ان کا سچ۔ جی، اور آپ جانتے ہیں مضاف اور مضاف الیہ میں کیا لاتے ہیں اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے؟ کا، کے، کی، تو اسی طرح آپ کرنا چاہتے ہیں تو آپ پھر پہلے مضاف الیہ کا ترجمہ کر لیں: «يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ»، سچوں کو ان کے سچ کے نفع دینے کا دن بھائی۔ تو ﴿هٰذَا يَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾، یہ سچوں کو ان کے سچ کے نفع دینے کا دن ہے، یعنی یہ وہ دن ہے جس میں سچے سچے لوگوں کو ان کا سچ نفع دے گا بھائی، معنی سمجھ میں آگیا بھائی؟ ﴿هٰذَا يَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾، یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کا کہ سچے لوگوں کو ان کا سچ نفع دے گا۔

تو دیکھا آپ نے «يَوْمَ» اس کو مبنی علی الفتح پڑھنا جائز ہے، اور اسی طرح اس کو معرب پڑھنا بھی جائز، اور معرب ہو تو پھر اس کو کیسے پڑھیں گے؟ ﴿هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾، اور ترکیب آپ نے کر لی بھائی۔

▪ قولہ: «وَكَ«يَوْمَئِذٍ» کی تشریح

«وَكَ«يَوْمَئِذٍ» وَ «حِينَئِذٍ» »، اچھا، انہوں نے آپ کو ضابطہ کیا بتلایا؟ کہ جب ظرف کی اضافت کس کی طرف کر دی جائے؟ جملے کی طرف، یا «إِذْ» کی طرف۔ جملے کی مثال تو گزر گئی، اور «إِذْ» کی طرف جب اضافت ہو تب بھی ان کو مبنی علی الفتح پڑھنا جائز ہے کیونکہ «إِذْ» خود آگے جملے کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ آپ پڑھ چکے، «إِذْ» کے بعد جملہ اسمیہ بھی آسکتا ہے اور جملہ فعلیہ بھی، تو یہ آگے جملے کی طرف مضاف ہے تو اس کی طرف بھی اضافت گویا اسی کی طرف اضافت ہو گئی، تو اب مبنی علی الفتح پڑھنا جائز۔ اور جیسے کہ: «وَكَ«يَوْمَئِذٍ» وَ «حِينَئِذٍ» »، جیسے «يَوْمَئِذٍ» اور «حِينَئِذٍ»۔

«وَكَ«يَوْمِئِذٍ» وَ «حِينِئِذٍ» »، دیکھو؟ «يَوْمِئِذٍ»، دیکھو کاف جارہ داخل ہوا نا، مثال ہے، کاف جارہ یہ کاف بمعنی مثل کے، کاف جارہ، اور آگے «يَوْمِ» یہ مجرور ہو گا کیونکہ کاف جر دے رہا ہے، اور اس یوم کی اضافت ہے «إِذْ» کی طرف: «يَوْمِ إِذْ»۔ یاد رکھیے، «إِذْ» کے بعد آگے جملہ ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ جملہ۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس کی اضافت جملے کی طرف ہوتی ہے، اور پھر کبھی کبھار اس جملے کو حذف کر لیا جاتا ہے اور اس کے عوض یہ «إِذْ» کو تنوین دے دیتے ہیں: «إِذٍ»۔ یہ تنوین جو آرہی ہے «إِذْ» پر، یہ کس کے عوض ہے؟ اس جملے کے عوض میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور آسان، آسان پھر اس کی تعبیر اس سے کر لیتے ہیں: «كَيَوْمِ إِذْ كَانَ كَذَا»، «كَيَوْمِ إِذْ»، جس دن ایسا ہو گا، «كَانَ كَذَا»، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس جملے کو تعبیر

پھر «كَانَ كَذَا» سے کر دیتے ہیں جو یہ تقریباً اکثر جگہ چل جاتا ہے۔ «كَيَوْمِ إِذْ كَانَ كَذَا»۔ اچھا، «كَانَ كَذَا» کو حذف کر دیا اور اس کی جگہ «إِذْ» کو تنوین دے دی، اور اس کی طرف مضاف ہے کون؟ «يَوْمُ»، اور یوم پر کیا یہاں پر داخل؟ کاف جارہ، تو «يَوْمِئِذٍ» معرب بھی پڑھ سکتے ہیں اور آپ چاہیں تو «يَوْمَئِذٍ» مبنی علی الفتح بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح «حِينُ»، یہ بھی زمانے کا نام ہے، ظرف ہے، اس کی اضافت جب «إِذْ» کی طرف کی تو یہاں پر بھی «حِينَئِذٍ» کیونکہ اس کا عطف کس پر ہے؟ «يَوْمِئِذٍ» پر، اور آپ چاہیں تو اس کو بھی مبنی علی الفتح پڑھیں: «حِينَئِذٍ»، أَيْ «حِينَ إِذْ كَانَ كَذَا»، بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

تو کہتے ہیں: «وَكَ«يَوْمَئِذٍ» وَ «حِينَئِذٍ»». «وَكَذٰلِكَ «مِثْلُ» وَ «غَيْرُ» مَعَ «مَا» وَ «أَنْ» وَ «أَنَّ»»، اور اسی طرح «مِثْلُ» اور «غَيْرُ» ہے مع «مَا»، کس کے ساتھ؟ «مَا» کے ساتھ، «وَأَنْ»، اور «أَنْ» کے ساتھ، «وَأَنَّ»، اور «أَنَّ»۔ اب بھائی یہ «مِثْلُ» اور «غَيْرُ» کی بات کر رہے ہیں، یہ ظروف میں سے تو نہیں لیکن ظروف کے بارے میں آپ نے پڑھ لیا کہ ظروف جب جملے کی طرف مضاف ہو جائیں تو وہ کیا بن جاتے ہیں؟ ان کو مبنی پڑھنا بھی جائز۔ یہی حکم چونکہ «مِثْلُ» اور «غَيْرُ» کا بھی تھا، ان کا بھی اس جیسا حکم تھا، تو اس لیے ان کو بھی یہاں ذکر کر دیا اگرچہ «مِثْلُ» اور «غَيْرُ» ظروف میں سے نہیں۔ کہتے ہیں: «مِثْلُ» اور «غَيْرُ» جب «مَا»، «أَنْ» یا «أَنَّ» کے ساتھ آئیں یعنی ان کی طرف مضاف ہوں تو پھر ان کو بھی مبنی علی الفتح پڑھنا جائز ہے۔ کون؟ «مِثْلُ» اور «غَيْرُ»، کس کی طرف مضاف ہوں؟ «مَا» یا «أَنْ» یا «أَنَّ»، ان کی طرف مضاف ہو تو پھر ان کو بھی مبنی علی الفتح پڑھنا بھی جائز اور معرب پڑھنا بھی جائز۔

یاد رکھیے، یہ «مَا» یہ مصدریہ ہے، یہ فعل پر داخل ہو گا اور اس کو کس تاویل میں کر دے گا؟ مصدر کی تاویل میں کر دے گا۔ اسی طرح «أَنْ»، «أَنْ» بھی مصدریہ ہے آپ جانتے ہیں، فعل پر «أَنْ» داخل ہو اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔ اسی طرح «أَنَّ»، یہ بھی کیا ہے؟ یہ مبتدا خبر پر داخل ہوتا ہے اور اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے بھائی۔

■ قولہ: «تَقُولُ: ضَرَبْتُهُ مِثْلَ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ» کی تشریح

«تَقُولُ: ضَرَبْتُهُ مِثْلَ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ»، تو دیکھو «مِثْلَ» کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ «مَا ضَرَبَ» کی طرف، تو اس پر اعراب، اس کو معرب پڑھنا بھی جائز اور مبنی علی الفتح پڑھنا بھی جائز۔ اچھا، «وَغَيْرَ أَنَّ ضَرَبَ زَيْدٌ»، أَيْ «ضَرَبْتُهُ غَيْرَ أَنَّ ضَرَبَ زَيْدٌ»، اس «غَيْرَ» کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ «أَنَّ ضَرَبَ زَيْدٌ» کی طرف، تو لہٰذا اس کو معرب پڑھنا بھی جائز اور مبنی علی الفتح پڑھنا بھی جائز ہے بھائی۔

ترکیب کیجیے بھائی۔ بھائی دیکھیے: «ضَرَبْتُهُ مِثْلَ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ»، یہ «مِثْلَ» جو ہے نا «مِثْلَ»، اس کی اضافت ہو رہی ہے «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ»۔ اور میں نے بتایا یہ «مَا»، «أَنْ» اور «أَنَّ» یہ کون سے ہیں؟ مصدریہ ہیں، فعل پر داخل ہوتے ہیں اور اس کو کس معنی میں کر دیتے ہیں؟ مصدر کے معنی میں۔ تو یہاں «مِثْلُ» کی اضافت ہو رہی ہے «مَا ضَرَبَ» کی طرف، تو اس کو معرب پڑھنا بھی جائز اور مبنی علی الفتح پڑھنا بھی جائز، مبنی علی الفتح۔ اور پھر یہاں پر، یہاں پر یہ اگر اس کو معرب پڑھیں تب بھی اس پر نصب ہی آتا ہے کیونکہ یہ مفعول مطلق بنے گا۔ کیا بنے گا؟ مفعول مطلق باعتبار موصوفِ محذوف کے، اس کا موصوف «ضَرْبًا»، «ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا»، «ضَرْبًا» موصوف محذوف ہے اور «مِثْلَ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ» یہ اس کی صفت ہے، صفت ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہ تو اگر اس کو معرب پڑھیں تو «ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا»، یہ «ضَرْبًا» ہے موصوف اور موصوف پر جو اعراب آئے وہی اعراب کس پر آتا ہے؟ صفت پر، تو «مِثْلَ» اس پر پھر نصب آئے گا۔ تو یہ جو اس پر حرکت آرہی ہے اس کو آپ چاہیں تو اعراب قرار دے دیں، یہ منصوب لفظاً ہے، اور آپ چاہیں تو اس کو کیا کہیں؟ یہ مبنی علی الفتح ہے اس وقت اور منصوب محلاً ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو بعض جگہ بہر حال فرق بھی پڑتا ہو گا جیسے اوپر والی مثال تھی: «هٰذَا يَوْمُ» اور «هٰذَا يَوْمَ»، وہاں اعراب اور مبنی کی حرکت میں فرق آرہا تھا۔ یہاں دونوں ایک ہی جیسے ہیں بھائی۔

اچھا، تو یہ «مِثْلَ» کیا ہے؟ صفت ہے، کس کی؟ «ضَرْبًا» مصدرِ محذوف کی، تو یہ مفعول مطلق ہے باعتبار موصوفِ محذوف کے بھائی، موصوفِ محذوف کے۔ اور پھر اس «مِثْلَ» کی اضافت ہو رہی ہے «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ» کی طرف۔ اور «ضَرَبَ زَيْدٌ»، یہ «ضَرَبَ زَيْدٌ» فعل ہے اور فاعل ہے، اور یہ ان پر «مَا» داخل ہوا، ما مصدریہ، وہ اس کو مصدر کے معنی میں کر دے گا۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، زید نے پٹائی کی، یہ تو پورا جملہ ہے لیکن جب اس پر ما مصدریہ داخل ہوا اس نے اس کو مصدر کے معنی میں کر دیا۔ پھر اس کا طریقہ کیا ہے؟ اس کا طریقہ، یاد رکھیے، اس کو اس کو کہتے ہیں مضمونِ جملہ۔ کیا کہتے ہیں؟

مضمونِ جملہ کہتے ہیں۔ آپ سے کوئی کہے، کوئی جملہ آپ کے سامنے ذکر کرے اور آپ سے پوچھے: اس کا مضمونِ جملہ کیا ہے؟ مثلاً «ضَرَبَ زَيْدٌ»، آپ سے کوئی پوچھے: اس جملے کا مضمون کیا ہے؟ یا آپ کے سامنے کوئی جملہ ذکر کرے: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، اس جملے کا مضمون کیا، مضمونِ جملہ یہاں کیا ہے؟ اس جملے کا مضمون کیا ہے یا مضمونِ جملہ یہاں کیا ہے؟ تو اس کا طریقہ ہمیشہ یاد رکھو، میں پہلے بھی ایک آدھ جگہ ذکر کر چکا ہوں کہ مسند کا مصدر نکال لیں، مصدر بنالیں، کس کا؟ مسند کا، اور اس کی اضافت کر دیں مسند الیہ کی طرف۔ جیسے «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، «زَيْدٌ» ہے مسند الیہ اور «فِي الدَّارِ» ہے مسند، اور یہ «فِي الدَّارِ» اصل میں کیا ہے؟ «ثَبَتَ فِي الدَّارِ»، «زَيْدٌ ثَبَتَ» یا «زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ»۔ تو «زَيْدٌ» ہوا مسند الیہ مبتدا، اور «ثَبَتَ فِي الدَّارِ» یا «ثَابِتٌ فِي الدَّارِ» یہ کیا ہے؟ خبر ہے۔

تو «ثَبَتَ فِي الدَّارِ» یا «ثَابِتٌ فِي الدَّارِ» یہ ہے خبر، اس کا مصدر بنالو، «ثَبَتَ» یا «ثَابِتٌ» کا مصدر کیا ہے؟ ثبوت، ثبوت۔ اور «فِي الدَّارِ» کو اس کے ساتھ اسی طرح رہنے دو، ثبوت فی الدار۔ تو یہ ثبوت فی الدار یہ ہے مسند، اور مسند الیہ کون تھا؟ زید۔ اس مسند کی اضافت کر دو، توجہ! توجہ ہے بھائی؟ مسند کی اضافت کر دو مسند الیہ کی طرف، مسند کون؟ ثبوت فی الدار، اصل میں ثبوت ہے فی الدار ساتھ ویسے ہے، ثبوت مسند ہے اور مسند الیہ کون؟ زید، اس کی طرف اضافت کر دو: ثبوتِ زید فی الدار۔ تو «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، زید گھر میں ہے، آپ سے کوئی پوچھے: اس جملے کا مضمون کیا ہے؟ اس میں کیا بیان ہو رہا ہے؟ آپ کہیں گے اس میں ثبوتِ زید فی الدار بیان ہو رہا ہے، زید کا گھر میں ہونا، زید کا گھر میں ہونا ذکر ہو رہا ہے بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

اسی طرح جملہ فعلیہ کے اندر آجاؤ: «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ» کیا ہے؟ مسند، اور «زَيْدٌ» کیا ہے؟ فاعل، وہ ہے مسند الیہ۔ اور مسند کا مصدر بنالو، «ضَرَبَ» کا مصدر کیا ہے؟ ضرب، اور اس کی اضافت کر دو مسند الیہ کی طرف، کیا بن جائے گا؟ ضربِ زید۔ تو «ضَرَبَ زَيْدٌ»، آپ سے کوئی پوچھے: اس جملے کا مضمون کیا ہے یا یہ پوچھ لے اس جملے میں کیا بیان ہو رہا ہے؟ آپ فوراً مضمونِ جملہ ذکر کر دیں اور کہیں: ضربِ زید، اس جملے میں ضربِ زید بیان ہو رہی ہے، زید کی پٹائی کرنا وہ بیان ہو رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اب یہاں پر بھی «مِثْلَ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ زَيْدٌ» یہ جملہ تھا، اس پر ما مصدریہ داخل ہوا تو اس نے اس کو مفرد کے، مصدر کی تاویل میں کر دیا، اور مصدر کی تاویل میں کس طرح کریں گے؟ وہی طریقہ، مضمونِ جملہ بنالیں اس سے: «ضَرَبَ زَيْدٌ»، اس سے کیا بنا؟ ضربِ زید، اور تو «مَا» نے «ضَرَبَ زَيْدٌ» کو ضربِ زید کے معنی میں کر دیا۔ اب «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ» کو ہٹا دو ذرا اور اس کی جگہ وہ مضمونِ جملہ رکھ دو: «ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا مِثْلَ ضَرْبِ زَيْدٍ» کیونکہ مضاف الیہ ہے نا «مِثْلَ» کے لیے۔ دوبارہ سنو: «ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا مِثْلَ ضَرْبِ زَيْدٍ»۔ تو میں نے اس کی پٹائی کی، «ضَرْبًا»، ایسی پٹائی، «مِثْلَ ضَرْبِ زَيْدٍ»، جو کہ زید کی پٹائی کرنے کی طرح تھی، معنی سمجھ میں آگیا؟ اچھی طرح؟ جی۔

تو اب ترکیب کیجیے: «ضَرَبْتُ» فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، ہا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ آگے؟ «مِثْلَ» یہ صفت ہے، موصوف اس کے لیے کیا ہے؟ «ضَرْبًا»، اب اس کی بھی ترکیب کر لیں: «ضَرْبًا» منصوب لفظاً موصوف، اور یہ منصوب کیوں ہے؟ کیونکہ مفعول مطلق ہے وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو: «ضَرْبًا» اور ماقبل میں بھی «ضَرَبْتُ» کا فعل ذکر ہے۔ تو یہ منصوب ہے لفظاً موصوف، اور «مِثْلَ» منصوب محلاً، منصوب کیوں ہے؟ کیونکہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوا کرتا ہے۔ اور محلاً کیوں کہہ رہے ہو؟ کیونکہ مبنی ہے، مبنی علی الفتح ہے۔ اور آپ چاہیں تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ معرب ہے کیونکہ اعراب بھی اس پر نصب ہی آنا ہے، مبنی علی الفتح ہے تو اعراب بھی کون سا آئے گا؟ نصب والا۔ آگے؟ منصوب محلاً مضاف، «مَا» مصدریہ، «ضَرَبَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بتاویلِ مفرد، یہ بتاویلِ مفرد کس نے کیا؟ ما مصدریہ نے۔ تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ما مصدریہ کی وجہ سے بتاویلِ مفرد یہ مضاف الیہ ہوا کس کے لیے؟ «مِثْلَ» کے لیے۔ بتاویلِ مفرد کس طرح ہوا؟ کیسے مفرد بنا؟ کیا بن گیا؟ ضربِ زید، کیا بن گیا؟ یہ «مَا» نے عمل کیا، اس کو مفرد کے معنی میں کر دیا۔ پہلے تو جملہ ہے نا «ضَرَبَ زَيْدٌ»، زید نے پٹائی کی، اب ضربِ زید، زید کا پٹائی کرنا، اب ادھوری بات ہے، مفرد بن گیا، اب جملہ نہیں ہے، یہ مضمونِ جملہ بھی اسی کو کہتے ہیں۔ تو یہ بتاویلِ مفرد یہ مضاف الیہ ہوا کس کے لیے؟ «مِثْلَ» کے لیے۔ «مِثْلَ» مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ صفت ہوا موصوفِ محذوف کے لیے، موصوف اپنی صفت سے مل کر یہ مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ «ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا مِثْلَ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ»، میں نے اس کی پٹائی کی ایسی پٹائی جیسے کہ زید نے زید کی پٹائی کی تھی، جیسے اس نے پٹائی کی تھی میں نے بھی ویسی ہی پٹائی کی، جیسے اس نے پٹائی کی تھی میں نے بھی ویسی ہی پٹائی کی۔

■ قولہ: «وَغَيْرَ أَنَّ ضَرَبَ زَيْدٌ» کی تشریح

«وَغَيْرَ أَنَّ ضَرَبَ زَيْدٌ»، یہ بھی اسی طرح ہے: «ضَرَبْتُهُ»، «ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا غَيْرَ أَنْ ضَرَبَ زَيْدٌ»۔ جی، ترکیب کیجیے۔ سمجھ میں آئی بات؟ «غَيْرَ أَنْ ضَرَبَ زَيْدٌ»، اس سے ماقبل «ضَرَبْتُهُ» نکال لیں۔ جی۔ «ضَرَبْتُهُ»، «ضَرَبْتُ» فعل بافاعل۔ تاضمیر مرفوع محلاً شاباش فاعل، تاضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ ہاضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ ہاضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ «غَيْرَ» منصوب محلاً صفت موصوف محذوف کے لیے۔ ہاں، «غَيْرَ» منصوب محلاً صفت ہے کس کے لیے؟ موصوفِ محذوف کے لیے، تو پہلے وہ نکال لیں، وہ کیا ہے؟ «ضَرْبًا»۔ «ضَرْبًا» منصوب لفظاً، منصوب کیوں؟ مفعول مطلق ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ آگے «غَيْرَ»؟ منصوب محلاً بھی کہہ سکتے ہیں اور منصوب لفظاً بھی کہہ سکتے ہیں۔ منصوب محلاً کہیں تو مبنی ہے اور لفظاً کہیں تو یہ معرب ہے، اور یہاں پر دونوں ایک ہی جیسے ہیں: «غَيْرَ»، چاہے مبنی پڑھیں چاہے معرب پڑھیں «غَيْرَ» رہے گا۔ ماقبل والی مثال میں بھی چاہے معرب پڑھیں چاہے مبنی پڑھیں «مِثْلَ» ہی رہے گا، لیکن بعض جگہ پھر فرق ہو گا بھائی۔ معرب پڑھیں گے تو کچھ اور اعراب آئے گا اور مبنی پڑھیں گے تو فتحہ آجائے گا، صورت سمجھ... جیسے ماقبل والی مثالوں میں: «كَيَوْمِئِذٍ» اور «حِينَئِذٍ»، کاف جارہ تھا اس کے جر کی وجہ سے ہم نے اس کو کیا پڑھا؟ مجرور، معرب پڑھا، اور آپ چاہیں تو «يَوْمَئِذٍ» اور «حِينَئِذٍ» بھی پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن یہاں پر دونوں ایک ہی طرح ہیں بھائی۔ تو «ضَرْبًا» منصوب لفظاً موصوف، «غَيْرَ» منصوب محلاً یا منصوب لفظاً دونوں صورتیں جائز، اور مضاف۔ آگے؟ «أَنْ» مصدریہ۔ «أَنْ» مصدریہ۔ «ضَرَبَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ «ضَرَبَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر «أَنْ» مصدریہ کی وجہ سے بتاویلِ مفرد یہ مضاف الیہ ہوا کس کے لیے؟ «غَيْرَ» کے لیے۔ «غَيْرَ» مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ صفت ہوا «ضَرْبًا» موصوفِ محذوف کے لیے، موصوف اپنی صفت سے مل کر مفعول مطلق ہوا، اور فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا بھائی۔

تو کیا ترجمہ ہو گا؟ «ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا غَيْرَ»، «غَيْرَ أَنْ ضَرَبَ زَيْدٌ»، اس کا ذرا مضمونِ جملہ بنالو یا اس کو مفرد کی تاویل میں لے جاؤ: «غَيْرَ ضَرْبِ زَيْدٍ»۔ «ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا غَيْرَ ضَرْبِ زَيْدٍ»، میں نے اس کی پٹائی کی، «ضَرْبًا»، ایسی پٹائی کرنا، «غَيْرَ ضَرْبِ زَيْدٍ»، جو زید کی پٹائی کے علاوہ تھی یعنی اس سے مختلف تھی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

«وَمِنْهَا «أَمْسِ» بِالْكَسْرِ عِنْدَ أَهْلِ الْحِجَازِ»، اور ظروفِ مبنیہ میں سے «أَمْسِ» بھی ہے بالکسر، کسرہ کے ساتھ، «عِنْدَ أَهْلِ الْحِجَازِ»، اہلِ حجاز کے نزدیک۔ بھائی میں پہلے بتا چکا ہوں، حجاز عرب کا ایک بہت بڑا علاقہ ہے جیسے یوں سمجھیں ایک صوبہ ہوتا ہے، تو بہت بڑا علاقہ ہے اور یہ مکہ اور مدینہ بھی اسی کے اندر آتے ہیں، تو اس سارے علاقے کو حجاز کہتے ہیں اور یہاں کے رہنے والے اہلِ حجاز کہلائیں گے بھائی۔ تو کہتے ہیں: ظروفِ مبنیہ میں سے ایک «أَمْسِ» بھی ہے، یہ کسرہ کے ساتھ ہے اہلِ حجاز کے نزدیک، یعنی وہ کسرہ کے ساتھ یعنی مبنی علی الکسر اس کو پڑھتے ہیں بھائی، مبنی علی الکسر۔

تو «أَمْسِ»، «أَمْسِ» کا معنی ہوتا ہے: گزشتہ کل، گزشتہ کل۔ بھائی اردو میں «کل» کا لفظ گزشتہ کل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، آنے والے کل کے لیے بھی۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: کل زید آیا تھا، دیکھو کون سا والا کل؟ ماضی کا، گزشتہ۔ اور میں کہتا ہوں: کل میں آپ کے پاس آؤں گا، یہ کون سا کل ہے؟ یہ آنے والا ہے۔ عربی میں اس کے لیے دونوں مختلف الفاظ ہیں دونوں کے لیے بھائی۔ گزشتہ کل یعنی ماضی والے کل کے لیے وہ «أَمْسِ» بولتے ہیں: «جَاءَنِي زَيْدٌ أَمْسِ»، میرے پاس گزشتہ کل زید آیا تھا۔ اور اگر آپ کہنا چاہتے ہیں: میں کل آپ کے پاس آؤں گا، تو اس کے لیے «غَدًا» کا لفظ ہے: «آتِيكَ غَدًا»، «آتِيكَ غَدًا»، میں کل آپ کے پاس آؤں گا۔

جی، تو اب یہ «أَمْسِ» کیا ہے؟ مبنی علی الکسر ہے، یہ حالانکہ ظرف ہے: «جَاءَنِي» یا یوں کہیں «جَاءَ زَيْدٌ أَمْسِ»۔ «جَاءَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل، «أَمْسِ» منصوب محلاً مفعول فیہ «جَاءَ» کے لیے۔ «جَاءَ» فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «جَاءَ زَيْدٌ»، آیا تھا زید، «أَمْسِ»، گزشتہ کل۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟

■ قولہ: «وَالْخَاتِمَةُ فِي سَائِرِ أَحْكَامِ الِاسْمِ وَلَ...» کی تشریح

«وَالْخَاتِمَةُ فِي سَائِرِ أَحْكَامِ الِاسْمِ وَلَوَاحِقِهِ غَيْرَ الْإِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ». «وَالْخَاتِمَةُ»، اب خاتمہ آگیا بھائی۔ بھائی سب سے پہلے قسمِ اول میں انہوں نے اسم کا بیان شروع کیا اور آپ کو بتلایا اسم دو قسم پر ہے: معرب اور مبنی۔ پھر معرب کی بڑی طویل بحث گزر گئی، پھر مبنی کا بیان آیا۔ اب مبنی

کا بیان بھی ختم ہو گیا تو اب خاتمہ آ گیا، خاتمہ۔ اور اس کے اندر اسم سے متعلق متفرق قسم کے جو مسائل ہیں ان کو مصنف اکٹھا ذکر کریں گے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَالْخَاتِمَةُ فِي سَائِرِ أَحْكَامِ الِاسْمِ»، سائر کہتے ہیں باقی کو، باقی کو۔ اور خاتمہ «فِي سَائِرِ أَحْكَامِ الِاسْمِ»، اسم کے باقی احکام کے بیان میں، اس خاتمے میں اسم کے جو باقی احکام ہیں یعنی معرب اور مبنی ہونے کے علاوہ وہ احکام بیان ہوں گے۔ «وَلَوَاحِقِهِ»، اور ان سے جو متعلقہ چیزیں ہیں، «غَيْرَ الْإِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ»، علاوہ معرب اور مبنی ہونے، معرب اور مبنی ہونے کے علاوہ اسم کے جو باقی احکام ہیں اور جو اس سے متعلق چیزیں ہیں وہ ذکر ہوں گی۔ «وَفِيهَا فُصُولٌ»، اور اس میں کئی فصلیں ہیں۔

■ متن و فصل: فَصْلٌ، پہلی فصل بھائی: اِعْلَمْ أَنَّ الِاسْمَ عَلَى قِسْمَ...

«فَصْلٌ»، پہلی فصل بھائی: «اِعْلَمْ أَنَّ الِاسْمَ عَلَى قِسْمَيْنِ: مَعْرِفَةٌ وَنَكِرَةٌ»، جان لے تو کہ اسم دو قسم پر ہے: ایک معرفہ ہے اور ایک نکرہ۔ یہ اب معرفہ نکرہ کا بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: «اَلْمَعْرِفَةُ: اِسْمٌ وُضِعَ لِشَيْءٍ مُعَيَّنٍ»، معرفہ وہ اسم ہے جو جس کو موضع کیا گیا ہو، وضع کا معنی جانتے ہو؟ جسے کہتے ہیں مقرر کرنا کہ ایک لفظ کو ایک معنی یا ایک ذات کے لیے متعین کر لیا جائے، مقرر کر لیا جائے۔ تو کہتے ہیں: «اَلْمَعْرِفَةُ: اِسْمٌ»، معرفہ ایسا اسم ہے، دیکھا «اِسْمٌ» کے بعد کیا آیا؟ «وُضِعَ» فعل آیا، تو معرفہ ایسا اسم ہے «وُضِعَ» جس کو مقرر کیا گیا ہو «لِشَيْءٍ مُعَيَّنٍ» کسی معین چیز کے لیے بھائی، معین چیز کے لیے۔

«وَهِيَ سِتَّةُ أَقْسَامٍ»، اور یہ چھ قسم پر ہے: «اَلْمُضْمَرَاتُ وَالْأَعْلَامُ»، «اَلْمُضْمَرَاتُ» ضمیریں ہیں، «وَالْأَعْلَامُ» اور اعلام یعنی علم ہیں، نام ہیں چیزوں کے۔ «وَالْمُبْهَمَاتُ»، اور مبہمات، بھائی مبہمات کیا چیز ہیں؟ کہتے ہیں: «أَعْنِي أَسْمَاءَ الْإِشَارَاتِ وَالْمَوْصُولَاتِ»، یعنی کہ اسمائے اشارات اور اسمائے موصولات۔ بھائی اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ ان کا ایک ہی نام مبہمات کے ساتھ ذکر کر دیا، مبہمات کے ساتھ، کیونکہ یہ مبہم ہوتے ہیں، ان میں ابہام ہوتا ہے، ان کے معنی کا پتہ نہیں چلتا۔ کس طرح پتہ نہیں چلتا؟ بھائی جب اسمِ اشارہ کے ساتھ جب تک مشارٌ الیہ کا پتہ نہیں چلے گا، اسمِ اشارہ کے معنی کا پتہ نہیں چلے گا۔ مثلاً دیکھو: «هٰذَا»، «هٰذَا» کے ذریعے میں کتاب کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں، میں قلم کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں، میں جدار میں دیوار کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں، تو جب میں کہوں گا «هٰذَا»، جب تک میں کوئی اشارہ وغیرہ نہیں کروں گا آپ کو پتہ نہیں چلے گا کہ اس «هٰذَا» سے کیا مراد ہے، تو «هٰذَا» خود مبہم ہے، اس کے لیے کیا چاہیے؟ مشارٌ الیہ چاہیے تب اس کے معنی کا پتہ چلے گا کہ اس «هٰذَا» سے کتاب مراد ہے یا قلم مراد ہے۔ اور اسی طرح اسمِ موصول صلے کا محتاج ہے، اسمِ موصول کے ساتھ جب تک صلہ نہیں جوڑو گے اسمِ موصول کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا، تو اس لیے ان کو مبہم کہا یعنی یہ مبہم ہیں، یہ مشارٌ الیہ اور صلے کے محتاج ہیں۔

کہتے ہیں معرفہ جو ہیں وہ چھ قسم کے ہیں: «اَلْمُضْمَرَاتُ» تمام ضمیریں ہیں، «وَالْأَعْلَامُ» اور نام ہیں چیزوں کے جیسے زید، عمرو، بکر وغیرہ لوگوں کے نام، «وَالْمُبْهَمَاتُ» اور مبہمات ہیں، «أَعْنِي أَسْمَاءَ الْإِشَارَاتِ وَالْمَوْصُولَاتِ»، یعنی اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ، «وَالْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ»، اور معرف باللام یعنی جس پر الف لام داخل ہو، «وَالْمُضَافُ إِلَى أَحَدِهَا»، اور وہ جو مضاف ہو ان میں سے کسی ایک کی طرف، «إِضَافَةً مَعْنَوِيَّةً»، کون سی اضافت؟ اضافتِ معنوی، کیونکہ آپ جانتے ہیں ایک اضافتِ لفظی ہے۔ اضافتِ لفظی کسے کہتے تھے؟ کہ صیغہ صفت کا ہو، صیغہ صفت، یعنی اسم فاعل اور اسم اسم فاعل، اسم مفعول اور صفتِ مشبہ، ان تین میں سے کوئی ایک صیغہ ہو، باقی صفت کے صیغے نہیں مراد، صرف یہ تین: اسم فاعل، اسم مفعول اور صفتِ مشبہ؛ اور مضاف ہوں کس کی طرف؟ اپنے معمول کی طرف، تو یہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتے ہیں، معنی میں تخصیص یا تعریف کا فائدہ نہیں دیتے؛ جبکہ اس کے مقابلے میں اور اس کے علاوہ دوسری صورتیں سب وہ اضافتِ معنوی کی ہیں اور اس میں نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، اور نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو تو وہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے۔ تو انہوں نے بتلا دیا کہ معرفہ کی قسموں میں سے ایک کیا ہے؟ «وَالْمُضَافُ إِلَى أَحَدِهَا»، وہ جو مضاف ہو ان میں سے کسی ایک کی طرف، تو اس میں تو اضافتِ لفظی بھی داخل ہو رہی تھی حالانکہ وہ تو اس میں تو تعریف آتی نہیں ہے تخصیص بھی نہیں آتی تعریف بھی، تو اس لیے قید لگا دی کہ مضاف ہو ان میں سے کسی ایک کی طرف «إِضَافَةً مَعْنَوِيَّةً»، کون سی اضافت کے ساتھ؟ اضافتِ معنوی کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

«وَالْمُعَرَّفُ بِالنِّدَاءِ»، اور چھٹا معرفہ جو ہے وہ جو ندا کی وجہ سے معرفہ ہو، ندا کی وجہ سے معرفہ ہو۔ آپ پڑھ چکے ہیں اس کا بیان بھائی، حرفِ ندا کا بیان گزرا تھا نا اس میں؟ جی، وہاں پر آپ نے آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ جیسے الف لام جب کسی اسم پر داخل ہوتا ہے تو اس کو معرفہ بنا دیتا ہے، اسی طرح یہ حرفِ

ندا بھی جب کسی لفظ پر داخل ہوتے ہیں، کسی اسم پر، تو اس کو معرفہ بنادیتے ہیں، اور تو یہ الف لام اس کو آلۂ تعریف کہتے ہیں یعنی کسی لفظ پر داخل ہوتا ہے تو اس کو معرفہ اور اسی طرح یہ حرفِ ندا کو بھی کیا کہتے ہیں؟ آلۂ تعریف، آلۂ تعریف، اور یہ دونوں جمع نہیں ہوتے۔ جہاں الف لام ہو وہاں یا نہیں آئے گی یا حرفِ ندا نہیں آئے گا، اور جہاں حرفِ ندا ہو وہاں الف لام نہیں ہوگا۔ ہاں، البتہ « یَا اَللّٰہُ »، یہ لفظِ اللہ کے اندر دونوں جمع ہو جاتے ہیں اور یہ لفظِ اللہ کی خصوصیت ہے بھائی۔

جی، تو یہ بیان ہوا کس کا؟ معرفہ۔ کون کون سے ہیں؟ ذرا پھر دہرائیں: نمبر ایک: تمام ضمیریں، نمبر دو: علم ہیں، نمبر تین: مبہمات یعنی اسمِ اشارہ اور اسمِ موصول، نمبر چار: معرف باللام، نمبر پانچ: ان پانچ میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو اضافتِ معنوی کے ساتھ، اور نمبر چھ: معرفہ بالندا ہے، معرفہ بالندا۔

اب ایک بات یاد رکھیے بھائی! بعض الفاظ ایسے ہیں کہ وہ معرفہ کی طرف مضاف ہو جائیں پھر بھی وہ نکرہ ہی رہتے ہیں۔ تو آپ یہ نہ سمجھیں کہ جو بھی چیز ان پانچ چھ کی طرف مضاف ہو جائے، انہوں نے کیا کہا؟ یہ ضمیر یا علم یا مبہمات یا معرف باللام کی طرف کوئی اسم مضاف ہو جائے اضافتِ معنوی کے ساتھ تو وہ اسم بھی کیا بن جائے گا؟ معرفہ؛ جیسے « غُلَامٌ »، اس کی ضمیر کی طرف اضافت کریں: « غُلَامُهُ »، یہ غلام پہلے نکرہ تھا لیکن اب کیا بن گیا؟ معرفہ۔ « غُلَامٌ »، یہ اضافت علم کی طرف کریں: « غُلَامُ زَيْدٍ »، یہ غلام اب کیا بن گیا؟ معرفہ۔ غلام کی اضافت اسمِ اشارہ کی طرف کریں: « غُلَامُ هٰذَا »، یہ غلام اب کیا ہے؟ معرفہ ہے۔ غلام کی اضافت اسمِ موصول کی طرف کریں: « غُلَامُ الَّذِي ضَرَبَكَ »، یہ غلام کیا ہے؟ یہ اب معرفہ بن چکا ہے۔ اسی طرح غلام کی اضافت کر دیں معرف باللام کی طرف: « غُلَامُ الرَّجُلِ »، اس آدمی کا غلام۔ تو دیکھو ان تمام صورتوں میں یہ جو بھی اسم ان معرفہ میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہوتا ہے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ لیکن کچھ الفاظ ایسے ہیں جو معرفہ کی طرف مضاف ہو جائیں پھر بھی وہ نکرہ کے نکرہ ہی رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک لفظ ہے « غَيْرٌ »، « غَيْرُ »۔ اسی طرح « نَحْوٌ »، « نَحْوُ »، « مِثْلٌ »، « مِثْلُ »؛ اور اسی طرح « شِبْهٌ »، « شِبْهُ »؛ اسی طرح « أَحَدٌ »، یہ الفاظ ہیں، کچھ الفاظ ہیں جو معرفہ کی طرف مضاف ہو جائیں پھر بھی کیا رہتے ہیں؟ نکرہ ہی رہتے ہیں۔

دیکھو، آپ معنی پہ خود غور کر لیں۔ مثلاً « غَيْرٌ »، غیر کی اضافت کریں زید کی طرف: « غَيْرُ زَيْدٍ »۔ آپ نے ادھر غلام کی اضافت کی تھی، غلام پہلے مثلاً دنیا میں ایک لاکھ غلام ہیں، فرض کرو، یا میرے سامنے اس وقت دس غلام کھڑے ہیں، دس غلام، جب میں نے کہا « غُلَامٌ » تو ان میں سے ہر ایک پر یہ صادق آسکتا ہے، یہ بھی غلام، دوسرا بھی غلام، تیسرا بھی غلام؛ لیکن جب میں نے کہا « غُلَامُ زَيْدٍ » تو اب ان میں سے صرف ایک جو ہے وہ جو زید کا غلام ہے اس پر یہ صادق آرہا ہے اور کسی پر نہیں، اور معرفہ بھی کس کو کہتے ہیں جو کسی معین پر صادق آئے؟ دیکھو اب یہ « غُلَامُ زَيْدٍ » کس پر صادق آرہا ہے؟ ایک معین پر صادق آرہا ہے؛ جبکہ اس کے مقابلے میں غیر کی اضافت کر دو زید کی طرف: « غَيْرُ زَيْدٍ »، زید کے علاوہ۔ اب زید کے علاوہ کوئی شخص متعین ہوا؟ نہیں، زید کے علاوہ تو بکر بھی ہے، خالد بھی ہے، عمر بھی ہے، عثمان بھی ہے، سب ہیں۔ تو دیکھا، تعین نہیں آئی، سب پہ « غَيْرُ زَيْدٍ » یہ بھی غیر زید ہے، دوسرا بھی غیر زید ہے، تیسرا بھی غیر زید، تو دیکھا، تعریف نہیں آئی حالانکہ کس کی طرف مضاف ہے؟ معرفہ۔ تو کچھ لفظ ایسے ہیں جو معرفہ کی طرف مضاف ہو جائیں پھر بھی وہ کیا رہتے ہیں؟ نکرہ۔

اسی طرح « نَحْوُ زَيْدٍ »، زید جیسا، یا « مِثْلُ زَيْدٍ »، زید جیسا، زید جیسا وہ عمرو بھی ہو سکتا ہے، بکر بھی ہو سکتا ہے، خالد بھی ہو سکتا ہے، تعین نہیں آئی۔ جو بھی زید جیسی صفات والا آئے گا اس پر کیا صادق آئے گا؟ « مِثْلُ زَيْدٍ » صادق آجائے گا، صورت سمجھ میں آگئی؟ یا اسی طرح اور ہے « شِبْهُ زَيْدٍ »، شبہ کا معنی بھی مثل۔ یا « أَحَدٌ »، « أَحَدٌ » کا لفظ بھی اسی طرح ہے، مثلاً میرے پاس دو ساتھی آئے تھے تو اب میں آپ کو بیان کرتا ہوں کہ « أَحَدُهُمَا »، ان دونوں میں سے ایک، احد کی اضافت ہما ضمیر کی طرف ہو رہی ہے، آپ کو پتہ چلا کون سا والا؟ نہیں، دیکھا، پتہ نہیں چلا، تعین نہیں ہوئی، معلوم ہوا ابھی بھی یہ معرفہ نہیں بنا، کیا بنا کیا ہے؟ نکرہ ہی ہے۔ یا میرے پاس تین ساتھی تھے، ان میں سے میں کہتا ہوں: « أَحَدُهُمْ »، ان تین میں سے ایک، پتہ چلا کون سا والا؟ نہیں، حالانکہ ہم ضمیر کی طرف احد کی اضافت ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کچھ لفظ ہیں کہ ان کی اضافت معرفہ کی طرف ہو جائے پھر بھی یہ معرفہ نہیں بنتے بلکہ نکرہ ہی رہتے ہیں۔

پھر ایک اور بات: معرف باللام کا ذکر آیا، وہ اسم جس پر کیا داخل ہو؟ الف لام داخل ہو۔ تو الف لام کی بحث بھی یاد رکھیے، یاد رکھیے یہ جو الف لام ہے یہ دو قسم پر ہے: ایک کو الف لام اسمی کہتے ہیں اور دوسرے کو الف لام حرفی۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہو، جیسے ضارب، کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ فاعل ہے۔ ایک ہوتا ہے فاعل، ایک ہوتا ہے اسمِ فاعل۔ فاعل کسے کہتے ہیں؟ جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے، « ضَرَبَ زَيْدٌ »، یہ « زَيْدٌ » کیا ہے؟ فاعل ہے، تو جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے وہ ہے فاعل، اور جس کو فعل یا صفت کا صیغہ نصب دے وہ کیا ہے؟ مفعول؛ جبکہ ایک ہے اسمِ

فاعل اور ایک ہے اسمِ مفعول۔ تو اسمِ فاعل اور ہوتا ہے، فاعل اور۔ فاعل کسے کہتے ہیں؟ جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے؛ جبکہ اسمِ فاعل وہ مخصوص صیغہ ہے جو آپ نے گردانوں میں پڑھا ہے: ضاربٌ، ناصرٌ، فاتحٌ، مکرمٌ، مستخرجٌ وغیرہ۔ اور ایک کیا ہے؟ ایک ہے مفعول اور ایک ہے اسمِ مفعول۔ مفعول کسے کہتے ہیں؟ جسے فعل یا صفت کا صیغہ نصب دے، «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، یہ «زَيْدًا» کیا ہے؟ مفعول ہے؛ جبکہ ایک ہے اسمِ مفعول۔ اسمِ مفعول اس مخصوص صیغے کا نام ہے جو آپ نے گردانوں میں پڑھا: مضروبٌ، مفتوحٌ، مکرمٌ، مستخرجٌ، یہ سب کیا ہیں؟ اسمِ مفعول، اسمِ مفعول۔

تو اب یاد رکھیے، الف لام دو قسم پر ہے: ایک الف لام اسمی اور ایک الف لام حرفی۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہو، اور یہ یاد رکھیے اسمِ موصول ہوتا ہے بمعنی «الَّذِي» کے، بمعنی «الَّذِي»۔ اور اسمِ موصولات کی بحث گزری تھی وہاں صاحبِ ہدایۃ النحو نے ذکر کیا تھا کہ الف اور لام جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول پر داخل ہو وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ اسمِ موصول ہوتا ہے۔ تو یہ ہے الف لام اسمی، یہ ہے الف لام اسمی بھائی۔ تو الف لام اسمی کسے کہتے ہیں؟ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہوتا ہے اور یہ دراصل اسمِ موصول ہے، اور اسمِ موصول کیا ہوتا ہے؟ معرفہ ہوتا ہے، تو یہ الف لام اسم ہے صورت حرف والی لیکن دراصل کیا ہے؟ اسم ہے، اسمِ موصول ہے، اور آگے جو اسمِ مفعول یا اسمِ فاعل کا صیغہ آرہا ہے وہ اس کا صلہ ہے۔ تو «الضَّارِبُ»، «الضَّارِبُ»، یہ الف لام کیا ہے؟ اسمِ موصول، اور ضارب کیا ہے؟ اس کا صلہ۔ تو یہ «الضَّارِبُ» بمعنی «الَّذِي يَضْرِبُ» کے ہے، «الَّذِي يَضْرِبُ»۔ تو یہ «الضَّارِبُ» میں الف لام کیا ہے؟ اسمِ موصول ہے اور یہ ضارب آگے اس کا صلہ ہے، اور ضارب اسمِ فاعل ہے اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے ہوتا ہے؟ اس کے لیے فاعل چاہیے ہوتا ہے، تو اس کے اندر فاعل ہے اور وہ کس کو لوٹ رہا ہے؟ اسمِ موصول الف لام کو۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ الف لام اس میں «الضَّارِبُ»، الف لام اسمِ موصول، ضارب صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ الف لام اسمِ موصول کو، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صلہ ہوا موصول کے لیے۔

اس پر ایک دو اشکال ہوتے ہیں وہ بھی میں نے ذکر کیے تھے: ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ یہ تو اسمِ موصول کا صلہ شبہ جملہ آگیا، حالانکہ ہم نے پڑھا تھا کہ اسمِ موصول کا صلہ جملہ ہوتا ہے۔ جواب یہ کہ «الضَّارِبُ» دراصل «الَّذِي يَضْرِبُ» تھا، «الَّذِي يَضْرِبُ»، تو «الَّذِي» کو کون سی شکل دے دی؟ الف لام والی، اور الف لام تو صرف کس پر داخل ہوتا ہے؟ مفرد پر داخل ہوتا ہے، جملے پر یا فعل پر داخل نہیں ہوتا، تو لہٰذا مجبوراً جب اسمِ موصول کو الف لام والی شکل دی تو «يَضْرِبُ» جملہ کو بھی مفرد یعنی شبہ جملہ والی صورت دے دی: ضارب، صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح «الْمَضْرُوبُ»، اس میں بھی الف لام اسمی ہے اور مضروب اس کا صلہ، اور دراصل یہ کیا ہے؟ «الَّذِي يُضْرَبُ»، تو یہ «الْمَضْرُوبُ» بمعنی «الَّذِي يُضْرَبُ» کے معنی میں ہے۔

تو پہلا اشکال کیا ہوا کہ موصول کا صلہ تو جملہ ہوتا ہے یہ مفرد کیوں؟ تو جواب سمجھ میں آیا بھائی؟ کہ یہ چونکہ اسمِ موصول الف لام کی شکل میں آیا اور الف لام تو مفرد پہ داخل ہوتا ہے، جملے پہ داخل نہیں ہوتا، لہٰذا اس کا صلہ تھا تو جملہ لیکن پھر ہم نے اس کو مجبوراً کون سی صورت دے دی؟ مفرد والی صورت دے دی۔

پھر دوسرا اشکال ہوتا ہے: «الضَّارِبُ»، ضارب تو یہ مرفوع ہے، حالانکہ صلہ جو ہوتا ہے اس کے لیے تو ہم نے پڑھا تھا: «لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ»، اس کا کوئی محلہ اعراب نہیں ہوتا۔ جواب یہ کہ ہاں، بات ایسی ہی ہے، صلے کے لیے کوئی محلہ اعراب نہیں ہوتا، لیکن یہاں چونکہ یہ ضارب صلہ ہے کس کا؟ «الضَّارِبُ» میں یہ ضارب صلہ ہے کس کا؟ الف لام کا، اور الف لام کیا ہے؟ اسمِ موصول، لیکن وہ اسمِ موصول حرف کی شکل میں آیا ہے، الف لام تو دراصل حرف ہوتا ہے، تو یہ اسمِ موصول چونکہ حرف کی صورت میں آیا اور حرف پر تو اعراب آ نہیں سکتا، تو اسی کا اعراب اس صلے پر آکر ظاہر ہو گیا، تو جو اس الف لام کا اعراب اسمِ موصول کا اعراب ہو گا وہی ضارب پر آکر ظاہر ہو گا۔ اگر یہ مثلاً «جَاءَ الضَّارِبُ»، «جَاءَ» فعل، الف لام مرفوع محلاً اسمِ موصول، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، تو یہ فاعل ہے، مرفوع ہے، تو اسی کا اعراب ضارب پر بھی رفع ظاہر ہو جائے گا: تو ضارب مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ الف لام کو، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر یہ فاعل ہوا «جَاءَ» کے لیے، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو «الضَّارِبُ» کس معنی میں ہے؟ «الَّذِي يَضْرِبُ»، اور «الْمَضْرُوبُ» کس معنی میں ہے؟ «الَّذِي يُضْرَبُ»۔

تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ الف لام دو قسم پر ہے: ایک الف لام اسمی، ایک الف لام حرفی۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہوتا ہے اور یہ بمعنی «الَّذِي» کے ہوتا ہے، یہ خود اسمِ موصول ہے تو یہ معرفہ ہے، یہ کیا ہے؟ معرفہ ہے۔

جبکہ دوسرا الف لام حرفی ہے۔ الف لام حرفی وہ ہے جو کسی نکرہ پر داخل ہوتا ہے اور اس کو معرفہ بنا دیتا ہے۔ وہ خود حرف ہے، الف لام حرفی کیا ہے؟

حرف ہے، وہ اسمِ موصول نہیں، وہ حرف ہے، لیکن وہ جس پر داخل ہوتا ہے اس کو کیا بنا دیتا ہے؟ معرفہ؛ جیسے رجل، اس پر الف لام آیا: الرجل، اب یہ کیا بن گیا؟ معرفہ۔ جبکہ ماقبل میں وہ جو پہلا الف لام تھا وہ خود معرفہ تھا، وہ دوسرے کو معرفہ نہیں بنا رہا، وہ خود کیا ہے؟ معرفہ ہے اور آگے اس کا صلہ ہے؛ جبکہ یہاں الرجل میں بات اور طرح ہے، یہاں الف لام خود معرفہ نہیں، خود حرف ہے، ہاں اس رجل پر داخل ہو کر اس رجل کو اس نے کیا بنا دیا؟ معرفہ بنا دیا۔ وہ الف لام حرفی حرف ہے اور یہ نکرہ پر داخل ہوتا ہے اور اس کو معرفہ بنا دیتا ہے۔

اور اس کی تعبیر یاد رکھیے، الف لام حرفی وہ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے۔ ہمیشہ یاد رکھنا یہ اس کی بہترین تعبیر ہے، شاید میں نے پہلے بھی ذکر کی ہو گی۔ الف لام حرفی کیا ہے؟ جس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اور پھر اشارہ جنس اور ماہیت کی طرف بھی ہو سکتا ہے، تمام افراد کی طرف بھی ہو سکتا ہے، بعض معین افراد کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور بعض غیر معین کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے، چار صورتیں ہیں۔

الف لام حرفی کسے کہتے ہیں؟ جس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے۔ تو الف لام حرفی وہ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے، تو یہ اشارہ کسی چیز کی جنس اور ماہیت کی طرف ہو گا یا اس کے افراد کی طرف اشارہ ہو گا۔ اگر اشارہ کس کی طرف ہو؟ جنس اور ماہیت کی طرف، تو اس کو الف لام جنسی کہتے ہیں۔ اور اگر افراد کی طرف اشارہ ہو تو پھر تمام افراد کی طرف اشارہ ہو گا یا بعض افراد کی طرف۔ اگر تمام افراد کی طرف اشارہ ہو تو اس کو الف لام استغراقی کہتے ہیں۔ اور اگر بعض کی طرف اشارہ ہو تو وہ بعض افراد خارج میں متعین ہوں گے یا نہیں۔ اگر وہ خارج میں متعین ہیں تو اس کو الف لام عہدی کہتے ہیں، الف لام عہدی۔ عہد کا معنی متعین ہونا، معہود وہ جو متعین ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ معہود۔ تو اگر افراد خارج میں متعین ہوں تو اس کو کہیں گے الف لام عہدی، عہدِ خارجی، الف لام عہدِ خارجی۔ اور اگر خارج میں متعین نہیں، ذہن میں متعین ہیں تو اس کو کہیں گے الف لام عہدِ ذہنی بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی۔

دوبارہ سنو: الف لام، الف لام حرفی وہ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اگر اشارہ کسی چیز کی جنس اور ماہیت کی طرف ہو، افراد کی طرف نہیں بلکہ جنس اور ماہیت کی طرف، تو اس کو الف لام جنسی کہتے ہیں۔ اور اگر افراد کی طرف اشارہ ہو تو پھر سارے افراد ہوں گے یا بعض افراد؟ تو اگر سارے افراد کی طرف اشارہ ہے تو اس کو الف لام استغراقی کہتے ہیں۔ اور اگر بعض افراد کی طرف اشارہ ہے تو پھر وہ بعض خارج میں متعین ہوں گے یا ذہن میں متعین ہوں گے؟ اگر خارج میں متعین ہیں تو وہ الف لام عہدِ خارجی، اور اگر خارج میں نہیں متعین صرف ذہن میں متعین ہیں تو وہ پھر الف لام عہدِ ذہنی کہلاتا ہے، صورت سمجھ میں آ گئی۔

جیسے دیکھو، مثلاً میں کہتا ہوں: «اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ»، «اَلرَّجُلُ»، الف لام آ گیا، «خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ»، «اَلْمَرْأَةِ» آ گیا، الف لام آ گیا۔ تو یہ الف لام کیا اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہوا ہے؟ معلوم ہوا یہ الف لام اسمی نہیں، یہ الف لام حرفی ہے، اور الف لام حرفی اس کے لیے تو کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ تو کس کی طرف ہے یہاں اشارہ؟ آپ نے غور کیا: «اَلرَّجُلُ»، «اَلرَّجُلُ»، تو پتہ چلا جنس اور ماہیت کی طرف اشارہ ہے۔ ترجمہ یوں ہو گا: «اَلرَّجُلُ»، جنسِ رجل جو ہے، «اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ»، وہ افضل ہے، بہتر ہے کس سے؟ جنسِ امراۃ سے۔ تو «اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ»، تو یہ الرجل میں الف لام جنسی ہے، معنی کیا ہو گا؟ جنسِ رجل افضل ہے، بہتر ہے کس سے؟ جنسِ امراۃ سے۔ افراد نہیں مراد، افراد نہیں بلکہ جنس اور ماہیت مراد ہے کہ یہ جو ایک جنس ہے مرد کی، ایک جنس ہے عورت کی، اللہ نے کس کو فضیلت دی ہے؟ مرد والی جنس جو ہے اس کو فضیلت دی ہے عورتوں پر بھائی۔ تو «اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ»، جنسِ رجل بہتر ہے کس سے؟ جنسِ امراۃ سے۔ افراد نہیں مراد، ورنہ تو یہ درست نہیں ہی رہے گا، اس لیے کیونکہ آپ مجھے خود بتائیے: ایک مرد ہے اور کافر ہے، اور ایک عورت ہے اور مومنہ ہے، ایمان والی ہے، کون افضل ہے؟ ظاہر سی بات ہے ایمان والی عورت افضل ہے۔ تو لہٰذا اگر افراد اگر افراد کا اعتبار کیا جائے پھر تو یہ درست ہی نہیں رہے گی بات ہر جگہ پر، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو معلوم ہوا افراد نہیں مراد بلکہ کیا مراد ہے؟ جنس، کہ یہ جنس جو ہے اس کو اللہ نے فضیلت دی ہے دوسری جنس پر بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ ہاں، تو معلوم ہوا یہ الف لام کون سا؟ الف لام جنسی ہے۔

اور اگر الف لام کے ذریعے اشارہ جنس کی طرف نہ ہو بلکہ افراد کی طرف ہو اور تمام افراد مراد ہوں تو اس کو الف لام استغراقی کہتے ہیں، جیسے: ﴿وَالْعَصْرِ ۙ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾، ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ﴾، یہ «اَلْإِنْسَانَ» پر جو الف لام ہے یہ الف لام استغراقی ہے: ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾، یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں۔ ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ﴾، یقیناً تمام۔ سوال یہ کہ یہ تمام والا معنی کہاں سے آیا؟ جواب یہ کہ یہ اس الف لام کا ترجمہ کیا جا رہا ہے کیونکہ یہ الف لام کون سا ہے؟ استغراقی ہے اور یہ یہ تمام افراد کے استغراق کا اور احاطے کا فائدہ دیتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

چلیے بس بھائی، باقی پھر کل کریں گے ان شاء اللہ۔ چلیے بس بھائی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ».

خَاتِمَةُ الْقِسْمِ الْأَوَّلِ فِي سَائِرِ أَحْكَامِ الِاسْمِ وَلَوَاحِقِهِ

معرفہ و نکرہ، اسمائے عدد، تذکیر و تانیث، مثنیٰ، مجموع، مصدر، اسم فاعل، اسم مفعول، صفتِ مشبہ اور اسم تفضیل (اسباق ۸۵ تا ۹۲)

سبق نمبر ۸۵: خاتمۃ القسم الأول—فصل المعرفۃ والنکرۃ: معرفہ کی چھ اقسام اور نکرہ کے احکام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۶۹—بتاریخ: ۱۶ فروری ۲۰۱۶ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اِعْلَمْ أَنَّ الِاسْمَ عَلَى قِسْمَيْنِ: مَعْرِفَةٌ وَنَكِرَةٌ، اَلْمَعْرِفَةُ اسْمٌ وُضِعَ لِشَيْءٍ مُعَيَّنٍ، وَهِيَ سِتَّةُ أَقْسَامٍ: اَلْمُضْمَرَاتُ، وَالْأَعْلَامُ، وَالْمُبْهَمَاتُ أَعْنِي أَسْمَاءَ الْإِشَارَاتِ وَالْمَوْصُولَاتِ، وَالْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ، وَالْمُضَافُ إِلَى أَحَدِهَا إِضَافَةً مَعْنَوِيَّةً، وَالْمُعَرَّفُ بِالنِّدَاءِ.

گزشتہ سبق میں ہم نے معرفہ اور نکرہ کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا بھائی۔ مصنف نے آپ کو بتلایا کہ معرفہ وہ اسم ہے جس کو کسی معین چیز کے لیے وضع کیا جائے، یعنی کسی معین ذات پر، معین چیز پر وہ دلالت کرے، اور پھر بتلایا تھا کہ اس کی چھ قسمیں ہیں: ضمیریں ہیں، عَلَم یعنی نام ہیں، مبہمات یعنی اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ ہیں، معرف باللام ہے، ان میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو اضافت معنوی کے ساتھ، اور معرفہ بالنداء ہے بھائی، معرفہ بالنداء۔

تو گزشتہ سبق کے آخر میں ہم الف لام کی قسمیں پڑھ رہے تھے بھائی۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ الف لام دو قسم پر ہے: ایک الف لام اسمی اور ایک الف لام حرفی۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہو بھائی، اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہو، اور یہ الف لام دراصل اسم موصول ہے بمعنی «الَّذِي»۔ تو «الضَّارِبُ» کس معنی میں ہوا؟ «الَّذِي يَضْرِبُ»، اور «الْمَضْرُوبُ»، «الَّذِي يُضْرَبُ» کے معنی میں ہوا بھائی۔

پھر یہاں تھوڑی سی تفصیل اور یاد رکھیے بھائی۔ آپ نے پڑھا کہ وہ الف لام جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہو وہ دراصل کیا ہے؟ اسم موصول بھائی۔ پھر علماء فرماتے ہیں کہ ہر اسم فاعل اور اسم مفعول پر جو الف لام داخل ہو وہ اسم موصول نہیں، بلکہ ایسا اسم فاعل اور ایسا اسم مفعول جو حدوث کے معنی میں ہو، اس پر داخل ہونے والا الف لام کیا ہے؟ اسم موصول۔ کون سے اسم فاعل اور اسم مفعول؟ جو حدوث کے معنی میں ہوں۔ اور وہ اسم فاعل اور اسم مفعول جو ثبوت کے معنی میں ہوں، اس پر جو الف لام داخل ہوتا ہے وہ الف لام اسمی نہیں بلکہ الف لام حرفی ہے بھائی۔

اب حدوث اور ثبوت کا فرق سمجھ لیں بھائی۔ حدوث جس میں ایک چیز کا ہونا ہو، پہلے نہ ہو، پھر پائی جائے اور پھر ختم ہو جائے، دیکھو ایک چیز ہوئی۔ مثلاً دیکھیے: «ضَرَبَ زَيْدٌ»، زید نے پٹائی کی۔ زید نے پٹائی کی تو زید کیا ہوا؟ ضارب۔ تو یہ ضرب پہلے نہیں تھی، پھر پائی گئی اور پھر گزر بھی گئی۔ تو یہ ہے حدوث، ایک چیز کا ہونا، یہ چیز ہوتی ہے اور گزر جاتی ہے۔ تو زید کو ہم کہیں گے ضارب ہے، کب؟ جب وہ ضرب لگا رہا ہو۔ جب ضرب نہیں لگا رہا تو وہ ضارب نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ مثلاً زید عمرو کی پٹائی کر رہا ہے، تو کچھ دیر پہلے وہ زید ضارب نہیں تھا، لیکن اس وقت کیا ہے؟ ضارب ہے، اور جیسے ہی ضرب روکے گا، اب زید ضارب نہیں۔ تو یہ ہے حدوث، جس میں دیکھو ایک چیز کا ہونا پایا جا رہا ہے۔ جب تک وہ چیز ہے، یہ ضارب ہے، جب تک وہ ضرب نہیں... اور جب وہ ضرب نہیں تو یہ ضارب بھی نہیں۔

جبکہ اس کے مقابلے میں ثبوت ہوتا ہے کہ جس میں ایک صفت دوسری چیز کے لیے ثابت ہو جائے، پائی جائے، تو وہاں ہونا نہیں ہوتا، بار بار ہو اور ختم ہو جائے ایسا نہیں ہوتا۔ یعنی وہ صفت ایک دفعہ آگئی تو ساتھ جڑی رہتی ہے۔ ضارب کی صفت تو دیکھو پہلے نہیں تھی، پھر آئی اور پھر جیسے ہی ضرب ختم ہوئی،

ضارب کی صفت بھی کیا ہو گئی؟ ختم ہو گئی۔ لیکن اس کے مقابلے میں اور صفت دیکھ لو، جیسے مومن، ایمان، دیکھو ایک آدمی ایمان لے کر آتا ہے تو اب یہ صفت اس کے ساتھ قائم ہے۔ اس کو ہر وقت ہم کیا کہیں گے؟ یہ مومن ہے، یہ ایسا نہیں ہے کہ ایمان کبھی ہے کبھی ختم، کبھی ہے کبھی ختم، ایسا نہیں۔ بلکہ یہ صفت ہے تو اس کے ساتھ مستقل ہے، مسلسل ہے۔ تو اس کو کہتے ہیں ثبوت۔ یا جیسے عالم، عالم، دیکھو صفتِ علم جب ایک شخص کے ساتھ قائم ہو گئی، تو اب اس کو کیا کہتے ہیں کہ یہ عالم ہے، اور یہ عالم ہونے کی صفت کیا کبھی رہتی ہے اور کبھی ختم ہوتی ہے یا اب مستقل رہتی ہے؟ یہ مستقل، دوام کے ساتھ اس کے ساتھ رہتی ہے۔ تو اس کو کہتے ہیں ثبوت۔ اس میں حدوث نہیں ہے، ایک چیز ہو، پائی جائے اور پھر ختم ہو جائے ایسا نہیں ہے۔ تو فرق سمجھ میں آیا بھائی؟

حدوث کیا ہوتا ہے؟ جس میں ایک چیز کا ہونا ہو، ہونا پایا جائے، اور پہلے نہ ہو، پائی جائے اور پھر ختم بھی ہو جائے۔ تو جب تک وہ صفت ہے، تو اس کو اس صفت کے ساتھ موصوف بھی کریں گے، اور جیسے ہی وہ ختم ہو گی، اب اس صفت کے ساتھ موصوف بھی نہیں۔ اور مثال لے لیں، جیسے دیکھیے «سَمِعَ» کا معنی سننا، «سَامِعٌ» اس کو کہیں گے جو آواز کو سن رہا ہے۔ مثلاً آپ ایک جگہ پر بیٹھے ہیں، کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی، تو آپ اس وقت سامع نہیں ہیں، کوئی چیز سن نہیں رہے۔ ہاں، پھر جیسے ہی آواز آئی آپ فوراً سامع بن گئے، آپ نے اس آواز کو سنا، اور جیسے ہی آواز ختم ہوئی، اب پھر وہ سامع والی صفت ختم۔ تو دیکھو اس میں ہے حدوث، سننا، ایک چیز کا سننا۔ یا جیسے شرب، شرب کا معنی ہے پینا، آپ جیسے ہی پانی پینے لگے، اب آپ بن گئے شارب، اس سے پہلے شارب نہیں تھے، اور جیسے ہی پانی پینا بند کریں گے، اب آپ شارب نہیں ہیں۔ تو دیکھو حدوث، حدوث میں کیا ہوتا ہے؟ ایک چیز نہیں ہوتی، پائی جاتی ہے اور پھر ختم ہو جاتی ہے۔ اور ثبوت میں کیا ہوتا ہے؟ ایک چیز کے لیے ایک دوسری صفت کا ثبوت ہوتا ہے، ثابت ہوتی ہے، اس میں بار بار ختم ہونا نہیں ہوتا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو علماء فرماتے ہیں: وہ اسم فاعل یا اسم مفعول جو حدوث کے معنی میں ہوں، ان پر جو الف لام داخل ہوتا ہے وہ الف لام اسمی ہوتا ہے اور بمعنی «الَّذِي» کے ہوتا ہے۔ تو لہٰذا «الضَّارِبُ» کس معنی میں ہوا؟ «الَّذِي يَضْرِبُ»، «الْمَضْرُوبُ» کس معنی میں ہوا؟ «الَّذِي يُضْرَبُ»، «الشَّارِبُ» کس معنی میں ہوا؟ «الَّذِي يَشْرَبُ»، اور «الْمَشْرُوبُ» یہ کس معنی میں ہوا؟ «الَّذِي يُشْرَبُ»، اور «السَّامِعُ» کس معنی میں ہوا؟ «الَّذِي يَسْمَعُ»، اور «الْمَسْمُوعُ» کس معنی میں ہوا؟ «الَّذِي يُسْمَعُ»۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ جبکہ اس کے مقابلے میں وہ اسم فاعل یا اسم مفعول جو ثبوت کے معنی میں ہیں، حدوث کے معنی میں نہیں ہیں، کس معنی میں ہیں؟ ثبوت کے معنی میں ہیں، ان پر جو الف لام داخل ہوتا ہے وہ الف لام اسمی نہیں بلکہ الف لام حرفی ہے۔ لہٰذا «الْمُؤْمِنُ» یہاں پر الف لام «الَّذِي» کے معنی میں نہیں ہے بھائی، یا «الْعَالِمُ» یہاں پر الف لام «الَّذِي» کے معنی میں نہیں ہے۔ فرق سمجھ میں آ گیا بھائی؟

تو یہ ہے الف لام اسمی۔ تو الف لام اسمی کسے کہتے ہیں؟ جو ایسے اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہو جو حدوث کے معنی میں ہو بھائی، حدوث کے معنی میں۔ اس کے مقابلے میں الف لام حرفی ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ الف لام حرفی یہ حرف ہے، یہ اسم نہیں، جبکہ پچھلا الف لام تو کیا تھا؟ اسم موصول تھا، اسم تھا۔ جبکہ الف لام حرفی، حرف ہے، اور یہ کسی لفظ کو معرفہ بنانے کے لیے آتا ہے، جب یہ کسی لفظ پر داخل ہو جائے تو اس کو معرفہ بنا دیتا ہے بھائی۔ اور اس کی بہترین تعبیر میں نے بتلائی تھی آپ کو کہ الف لام حرفی وہ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے۔ تو اب اشارہ یا تو جنس کی طرف ہو گا یا افراد کی طرف۔ اگر اشارہ جنس کی طرف ہو تو اس کو الف لام جنسی کہتے ہیں، اگر اشارہ افراد کی طرف ہو، پھر دیکھیں گے سارے افراد کی طرف اشارہ ہے یا بعض کی طرف۔ اگر تمام افراد کی طرف اشارہ ہے تو اس کو الف لام استغراقی کہیں گے، اگر بعض افراد کی طرف اشارہ ہے تو پھر وہ بعض افراد خارج میں متعین ہوں گے یا متعین نہیں ہوں گے۔ اگر وہ افراد خارج میں متعین ہیں تو پھر اس کو الف لام عہد خارجی کہیں گے۔ عہد کا کیا معنی؟ متعین ہونا۔ تو عہد خارجی، جس کے افراد خارج میں متعین ہیں، اور اگر وہ بعض افراد خارج میں متعین نہیں تو پھر اس کو الف لام عہد ذہنی کہتے ہیں بھائی، عہد ذہنی کہتے ہیں۔ اور اس کی مثالیں میں ذکر کر رہا تھا بھائی، مثالیں ذکر کر رہا تھا۔

جیسے «اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ»، تو یہاں «اَلرَّجُلُ» کے اندر بھی الف لام آیا، «اَلْمَرْأَةُ» کے اندر بھی الف لام آیا، تو یہ الف لام اسمی تو ہے نہیں، کیونکہ رجل اور مرأۃ یہ نہ اسم فاعل ہے اور نہ اسم مفعول، تو یہ الف لام حرفی ہوا۔ پھر اس میں غور کیا کہ یہ الف لام کون سا الف لام؟ اس میں جنس کی طرف اشارہ ہے یا افراد کی طرف اشارہ ہے؟ غور کیا تو پتہ چلا کہ یہاں جنس کی طرف اشارہ ہے، افراد کی طرف نہیں۔ جنسِ رجل بہتر ہے جنسِ امرأۃ سے، یعنی اس جنس کو، اس ماہیت کو اللہ نے فوقیت نصیب فرمائی ہے، اس کو بہتر بنایا ہے۔ افراد نہیں، کیونکہ اگر افراد کی طرف دیکھا جائے پھر تو بہت جگہ یہ غلط بھی ثابت ہو جاتا ہے، جیسے میں نے مثال دی تھی ایک ایمان والی عورت اور ایک کافر مرد، ان میں کون بہتر ہے؟ ظاہر سی بات ہے ایمان والی عورت بہتر ہے، حالانکہ کہا کیا جا رہا ہے «اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ»، تو یہ تو برعکس ہو رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ الف لام کون سا ہوا؟ الف لام جنسی ہوا بھائی، جس میں جنس

اور ماہیت کی طرف اور حقیقت کی طرف اشارہ ہے، افراد کی طرف نہیں۔

اور اگر افراد کی طرف اشارہ ہو، تو پھر دیکھیں گے تمام افراد کی طرف اشارہ ہے یا بعض کے؟ اگر تمام کی طرف اشارہ ہو تو اس کو الف لام استغراقی کہتے ہیں، جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «وَالْعَصْرِ ۙ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ»، قسم ہے زمانے کی، یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں۔ یہ تمام انسان، «اَلْإِنْسَانُ» کا ترجمہ کیا کیا جارہا ہے؟ تمام انسان۔ کیوں؟ یہ تمام کس کا ترجمہ ہے؟ یہ الف لام کا ہے، کیونکہ الف لام استغراقی ہے یہاں پر، کہ تمام انسان خسارے میں ہیں، «إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ»، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے بھائی۔ تو یہ «اَلْإِنْسَانُ» میں الف لام کیا ہے؟ استغراقی ہے، استغراقی ہے۔

اور الف لام عہد خارجی، الف لام عہد خارجی وہ جس کے افراد کیا ہوں؟ خارج میں متعین ہوں۔ مثلاً دیکھیے، مثلاً دیکھیے میں آپ سے کہتا ہوں: «جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ»، «جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ»، میرے پاس ایک آدمی آیا تھا، امس گزشتہ کل، کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا۔ اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے پھر اس آدمی کا اکرام کیا۔ تو میں آگے کہوں گا، مثلاً پہلے میں نے کیا کہا «جَاءَنِي رَجُلٌ»، دیکھو نکرہ لے کر آیا، کیونکہ آپ اس کو نہیں جانتے، آپ نے اس کو نہیں دیکھا، آپ کو اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے، تو اس لیے میں نکرہ لے کر آیا «جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ»، کل میرے پاس کوئی ایک آدمی آیا تھا۔ اب میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں میں نے اس آدمی کا اکرام کیا، تو میں «فَأَكْرَمْتُ رَجُلًا» یوں نہیں کہوں گا، کیونکہ «فَأَكْرَمْتُ رَجُلًا» اس کا معنی تو بن جائے گا: تو پھر میں نے اکرام کیا رجلاً ایک آدمی کا، اب معلوم نہیں وہی آدمی ہے یا کوئی اور، لیکن میں تو اسی آدمی کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں، تو اب میں رجل کو معرفہ لاؤں گا، «فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ»، الف لام لے آیا رجل پر، تو پھر میں نے اکرام کیا «الرَّجُلَ»، دیکھو الف لام حرفی آیا، اور الف لام حرفی کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے، تو یہاں بھی اس آدمی کی طرف اشارہ ہے، تو «الرَّجُلَ» کا ترجمہ کریں گے: اس آدمی، وہ آدمی، «فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ»، تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ یہ اس آدمی، یہ اس، یہ کس کا ترجمہ میں کر رہا ہوں؟ الف لام، یہ اشارہ کیا جارہا ہے۔

تو یہاں سے ایک اور بات بھی پتہ چل گئی آپ کو کہ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین ذات پر دلالت کرے۔ معین ذات ہونے کا یہ معنی نہیں کہ آپ نے اس کی شکل دیکھی ہو، آپ اس کو جانتے ہوں، آپ اس کو پہچانتے ہوں، نہیں نہیں۔ بلکہ متکلم اور مخاطب، متکلم بات کرنے والا اور مخاطب، ان کے درمیان جو بھی چیز متعین ہو گئی، جیسے دیکھو رجل کا ایک دفعہ ذکر آگیا، اب آگے میں نے کیا ذکر کیا؟ «اَلرَّجُلُ»، الف لام کے ساتھ اس کو ذکر کیا، کیونکہ وہ متعین ہو گیا تھا آپ کے اور میرے درمیان۔ آپ سمجھ گئے کہ وہی آدمی مراد ہے جس کا ابھی ذکر ہوا تھا، حالانکہ نہ آپ نے اس کی شکل دیکھی ہے، نہ آپ کو اس کے بارے میں کسی اور تفصیل وغیرہ کا پتہ ہے، کسی چیز کا نہیں پتہ، لیکن پھر بھی ایک دفعہ ذکر آگیا تو چیز کیا ہو گئی؟ متعین ہو گئی۔ تو اس میں دیکھنا یا نام وغیرہ کا پتہ ہونا وغیرہ ضروری نہیں، جیسے میں نے کیا کہا: «جَاءَنِي رَجُلٌ»، کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا، «فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ»، تو پھر میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور جب میں نے کہا «فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ»، پھر میں نے اس آدمی کا اکرام کیا، آپ سمجھ گئے یا نہیں سمجھ گئے کس آدمی کی بات ہو رہی ہے؟ آپ سمجھ گئے کہ ابھی جس آدمی کا ذکر چل رہا تھا، معلوم ہوا دیکھا ایک دفعہ ذکر کرنے سے وہ چیز متعین ہو گئی تھی، آپ فوراً سمجھ گئے کہ فلاں آدمی مراد ہے، کون سا آدمی؟ جس کا ابھی ذکر چل رہا تھا، یہ نہیں کہ آپ نے اس کی شکل دیکھی ہو، آپ کو اس کے نام وغیرہ کا پتہ ہو، یہ ضروری نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یا جیسے، جیسے قرآن میں اس کی مثال ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: «أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا»، ہم نے بھیجا فرعون کی طرف «رَسُولًا» ایک پیغمبر، دیکھو نکرہ آیا، ہم نے فرعون کی طرف ایک پیغمبر بھیجا، ایک رسول بھیجا۔ اب دیکھیے رسول کا ذکر ایک دفعہ آگیا، پہلی مرتبہ نکرہ آیا، ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا، لیکن جب ایک دفعہ ذکر آگیا اب کیا ہو گیا؟ متعین ہو گیا، تو لہٰذا آگے اللہ فرماتے ہیں: «فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ»، دیکھو الف لام آگیا، «فَعَصَىٰ» پس نافرمانی کی فرعون نے «الرَّسُولَ» اس رسول کی، تو فرعون نے نافرمانی کی اس رسول کی، دیکھو ایک دفعہ ذکر ہوا تو وہ متعین ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کون سا الف لام ہے؟ الف لام عہد خارجی، یعنی جس میں اشارہ ہے بعض افراد کی طرف اور وہ افراد کیا ہیں؟ خارج میں متعین ہیں، پھر وہ ایک فرد بھی ہو سکتا ہے، دو بھی ہو سکتے ہیں، زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ «رَجُلٌ»، «اَلرَّجُلُ»، «رَجُلَانِ»، «اَلرَّجُلَانِ»، دیکھو «اَلرَّجُلَانِ» کا کیا ترجمہ کرو گے؟ وہ دو آدمی، دیکھو کوئی متعین آدمی مراد ہیں۔ «رِجَالٌ»، کچھ آدمی، اور «اَلرِّجَالُ»، وہ آدمی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ بعض افراد ایک بھی ہو سکتا ہے، دو بھی ہو سکتے ہیں، دو سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ تو اگر تمام افراد کی طرف الف لام کے ذریعے اشارہ کیا جائے تو یہ الف لام استغراقی، اگر بعض کی طرف، بعض متعین کی طرف اشارہ کیا جائے تو الف لام عہد خارجی، اور وہ متعین جو بعض ہیں، وہ ایک بھی ہو سکتا ہے، دو بھی ہو سکتے ہیں اور زیادہ بھی،

جیسے «اَلرَّجُلُ»، «اَلرَّجُلَانِ» اور «اَلرِّجَالُ»۔

اور اگر وہ افراد خارج میں متعین نہیں، وہ بعض افراد جن کی طرف الف لام کے ذریعے کیا گیا؟ اشارہ، خارج میں متعین نہیں، تو پھر اس کو الف لام عہد ذہنی کہتے ہیں بھائی، الف لام عہد ذہنی۔ الف لام عہد ذہنی کی بڑی پیاری مثال قرآن میں موجود ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے ان کے بارے میں فرمایا، تو جیسے ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ان کے پاس آئے اور آکر انہوں نے کہا کہ آپ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے، ہمارے ساتھ جنگل میں وہ کھیل لے گا، حضرت یعقوب علیہ السلام فرمانے لگے: «أَخَافُ أَن يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ»، «أَخَافُ» مجھے خوف ہے «أَن يَأْكُلَهُ» کہ ان کو کھالے گا «الذِّئْبُ» کوئی بھیڑیا۔ تو «الذِّئْبُ»، «ذِئْبٌ» بھیڑیے کو کہتے ہیں، اور اس پر الف لام آیا، اور یاد رکھیے یہ الف لام عہد ذہنی ہے۔ آپ خود غور کر لیجیے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں؟ «أَخَافُ أَن يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ»، مجھے خوف ہے کہ ان کو بھیڑیا کھا جائے گا۔ اب مجھے بتائیے، کسی چیز کی حقیقت اور جنس دوسرے چیز کو کھاتی ہے یا اس کے افراد کھا لیتے ہیں؟ بھیڑیا، یوں کہیں بھیڑیے کی حقیقت کسی چیز کو کھاتی ہے یا بھیڑیے کے افراد کسی چیز کو کھا لیتے ہیں؟ بھیڑیے کے افراد چیزوں کو کھا لیتے ہیں، بھیڑیے کی حقیقت چیزوں کو نہیں کھاتی۔ تو پھر معلوم ہوا یہ الف لام جنسی نہیں، کیونکہ حقیقت اور جنس مراد نہیں، افراد مراد ہیں۔ پھر غور کیا: کیا تمام افراد مراد ہیں؟ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ خوف تھا کہ ساری دنیا کے بھیڑیے مل کر ان کے بیٹے کو کھا جائیں گے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ الف لام استغراقی بھی نہیں، تمام بھیڑیے بھی مراد نہیں ہیں۔ اچھا، تمام بھیڑیے نہیں مراد، تو کیا کوئی معین بھیڑیا مراد تھا؟ جس کی طرف حضرت یعقوب علیہ السلام کا اشارہ تھا کہ مجھے خوف ہے «أَن يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ» کہ ان کو وہ بھیڑیا کھا جائے گا، وہ جو ایک خاص بھیڑیا ہے وہ کھا... کیا کوئی خاص بھیڑیا مراد تھا؟ نہیں، خاص بھیڑیا بھی مراد نہیں، معلوم ہوا یہ الف لام عہد خارجی بھی نہیں ہے۔ تو پھر معلوم ہوا یہ الف لام عہد ذہنی ہے بھائی، الف لام عہد ذہنی۔

اور یاد رکھیے، الف لام عہد ذہنی جب کسی لفظ پر داخل ہو تو وہ اس کو معرفہ تو ضرور بنا دیتا ہے، کیونکہ الف لام حرفی جس لفظ پر بھی داخل ہو اس کو کیا بنا دیتا ہے؟ معرفہ۔ لیکن یہ جو الف لام عہدی جو ہے، یہ جس لفظ پر داخل ہو اسے لفظوں کے اعتبار سے تو معرفہ بناتا ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے وہ اسی طرح نکرہ کا نکرہ رہتا ہے۔ «ذِئْبٌ» کا معنی تھا کوئی ایک بھیڑیا، «الذِّئْبُ» کا معنی بھی ہے کوئی ایک بھیڑیا۔ اسی لیے دیکھو ترجمہ بھی میں نے یہی کیا: «أَخَافُ» مجھے خوف ہے «أَن يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ» کہ ان کو کوئی بھیڑیا کھا جائے گا۔ دیکھا؟ تو «الذِّئْبُ» پر الف لام بے شک آ گیا، لیکن یہ ابھی بھی اس کا یہ کیا ہے؟ نکرہ کا نکرہ ہی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو الف لام عہد ذہنی جس لفظ پر داخل ہو، لفظوں کے اعتبار سے وہ معرفہ بن جاتا ہے، یعنی وہ مبتدا وغیرہ بھی بن سکتا ہے، کیونکہ مبتدا میں اصل یہ ہے نا معرفہ ہونا چاہیے، تو وہ مبتدا وغیرہ بن سکتا ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے وہ کیا ہوتا ہے؟ نکرہ ہوتا ہے، لہٰذا اس کا نکرہ والا ترجمہ کریں گے بھائی۔ جی، الف لام کی اقسام کا اچھی طرح پتہ چل گیا؟

اچھا، آگے دیکھیے بھائی: «وَالْعَلَمُ مَا وُضِعَ لِشَيْءٍ مُعَيَّنٍ لَا يَتَنَاوَلُ غَيْرَهُ بِوَضْعٍ وَاحِدٍ». بھائی دیکھیے، معرفہ کی کئی اقسام ذکر ہوئیں، معرفہ کی کئی اقسام ذکر ہوئیں۔ ان میں سے ضمیروں کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں، «وَالْأَعْلَامُ» علم کے بارے میں ابھی ہم نے نہیں پڑھا، مبہمات یعنی اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ وہ بھی ہم پڑھ چکے ہیں، معرف باللام وہ آسان ہے، معرف باللام کسے کہتے ہیں؟ جس پر الف لام داخل ہو، اور «وَالْمُضَافُ إِلَىٰ أَحَدِهَا إِضَافَةً مَعْنَوِيَّةً» اضافت کے بارے میں بھی ہم پڑھ چکے ہیں اور یہ بھی واضح ہے بھائی، واضح ہے، کہ ضمیر کی طرف مضاف ہو گا یا علم کی طرف، اسمائے اشارہ... اور معرف بالنداء یہ بھی ہم پڑھ چکے ہیں معرفہ بالنداء۔ تو صرف کیا رہ گیا؟ علم رہ گیا۔ تو لہٰذا اب باقی سب بیان ہو چکے یا واضح ہیں، صرف علم باقی تھا، اس کے بارے میں مصنف فرماتے ہیں: «وَالْعَلَمُ مَا وُضِعَ لِشَيْءٍ مُعَيَّنٍ»، کہ علم وہ ہے، وہ اسم ہے جس کو وضع کیا جائے «لِشَيْءٍ مُعَيَّنٍ» کسی معین چیز کے لیے، مثلاً جیسے کسی شخص کا نام ہے زید، وہ جب پیدا ہوا اس کے والدین نے اس کے لیے کیا نام مقرر کر دیا؟ زید، تو دیکھو یہ زید کیا ہے؟ علم ہے۔ تو کہتے ہیں «وَالْعَلَمُ مَا وُضِعَ لِشَيْءٍ مُعَيَّنٍ»، علم جو ہے وہ اسم ہے جس کو وضع کیا جائے کسی معین چیز کے لیے، «لَا يَتَنَاوَلُ غَيْرَهُ بِوَضْعٍ وَاحِدٍ»، «لَا يَتَنَاوَلُ» وہ شامل نہ ہو «غَيْرَهُ» اس کے علاوہ کو «بِوَضْعٍ وَاحِدٍ» ایک ہی وضع سے۔

بھائی اس کے ذریعے دراصل بعض اوقات آپ دیکھتے ہیں دو یا تین ساتھیوں کے نام زید ہیں، یا دو یا تین کے نام عبد اللہ ہیں، تو آپ نے تو پڑھا علم کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین ذات پر کیا کرے؟ دلالت کرے۔ اب دیکھیے اب آپ عبد اللہ کہتے ہیں لیکن پتہ نہیں چلتا کون سا والا عبد اللہ مراد ہے، یا زید کہتے ہیں تو پتہ نہیں چلتا کون سا والا زید مراد ہے، مثلاً دو یا تین کا نام زید ہے، تو پھر یہ تو علم کی تعریف سے خارج ہو رہا ہے کہ آپ نے کیا کہا تھا؟ کسی ایک معین چیز کے لیے وضع کیا جائے، یہ تو ایک کے لیے وضع نہیں ہے، یہ تو کئیوں کے لیے وضع ہے۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بھائی ایک وقت میں جب وضع کیا تھا تو ایک ذات

کے لیے وضع کیا تھا، دوسرے کے لیے الگ وضع کیا گیا۔ مثلاً ایک آدمی ہے، اس کا بیٹا پیدا ہوا تو اس نے اس بیٹے کا نام زید رکھا۔ تو دیکھو یہ اس لفظِ زید کو وضع کر رہا ہے، مقرر کر رہا ہے اپنے بیٹے کے لیے، تو صرف اپنے بیٹے کے لیے مقرر کر رہا ہے یا ساتھ ساتھ کسی اور کے لیے بھی وہ اس نام کو مقرر کر رہا ہے؟ صرف اپنے بیٹے کے لیے مقرر کر رہا ہے، تو اس نے اس... یعنی اس وضع میں غیر کو یہ شامل نہیں، اس وضع میں یہ صرف اسی ایک کو شامل ہے۔ دوسرے نے اپنے بیٹے کا نام زید رکھا، تو دیکھو اس کی وضع میں بھی کوئی اور شامل نہیں، وہ بھی صرف اپنے بیٹے کے لیے کیا کر رہا ہے؟ وضع کر رہا ہے۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا علم وہ ہے جو کسی معین ذات پر دلالت کرے اور جب اس کو وضع کیا گیا تھا، اس وقت وہ اسی ایک ذات کو شامل تھا اور ذاتوں کو شامل نہیں تھا۔ اگر دو یا تین کے لیے اکٹھا وضع کیا جائے پھر وہ نکل جائے گا اس سے بھائی، پھر وہ نہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی۔ تو لہٰذا دو یا تین کا نام اگر زید ہے تو کوئی حرج نہیں، یہ پھر بھی علم کے اندر داخل ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے لیے ان کے والدین نے الگ الگ وضع کیا تھا، اور ایک وضع کے وقت دوسرا اس میں داخل نہیں تھا۔ تو کہتے ہیں «وَالْعَلَمُ مَا وُضِعَ لِشَيْءٍ مُعَيَّنٍ»، علم وہ ہے جس کو وضع کیا جائے کسی ایسی معین چیز کے لیے کہ «لَا يَتَنَاوَلُ غَيْرَهُ»، کہ وہ شامل نہ ہو، وہ نام شامل نہ ہو «غَيْرَهُ» اس معین چیز کے علاوہ کسی اور کو «بِوَضْعٍ وَاحِدٍ» ایک ہی وضع میں۔ ایک وقت میں ایک ہی کے لیے نام رکھا گیا زید، دو یا تین کے لیے نام نہیں رکھا گیا۔

■ قولہ: «وَأَعْرَفُ الْمَعَارِفِ الْمُضْمَرُ» کی تشریح

«وَأَعْرَفُ الْمَعَارِفِ الْمُضْمَرُ»، «اَلْمُضْمَرُ الْمُتَكَلِّمُ». اب یاد رکھیے یہ معرفہ کی جو اقسام آپ نے پڑھیں ان میں تعریف برابر درجے کی نہیں ہے، مثلاً ضمیریں ہیں وہ بھی معرفہ، علم ہے وہ بھی معرفہ، تو اب آپ یہ نہ کہیں دونوں معرفہ ہیں، دونوں برابر درجے کے معرفہ ہیں، نہیں نہیں۔ ان میں تعریف برابر درجے کی نہیں ہے، کسی میں تعریف زیادہ ہے، کسی میں تعریف کم ہے، تو اب کس میں تعریف سب سے زیادہ؟ تو اب آپ کو بتلائیں گے کہ سب سے زیادہ تعریف ضمیروں کے اندر ہے، کس کے اندر؟ ضمیروں کے اندر سب سے زیادہ تعریف ہوتی ہے۔ اور پھر ضمیروں کے اندر، ضمیریں تو تین قسم کی ہیں: متکلم، مخاطب اور غائب۔ سب سے زیادہ تعریف متکلم کی ضمیر میں ہے۔ تعریف؟ تعریف کا معنی ہے پہچان، پہچان۔ دیکھو معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین چیز پر دلالت کرتا ہے، یعنی جس کی آپ کو پہچان ہوتی ہے۔ میں نے کہا «جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ»، کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا، «فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ»، تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ دیکھو «اَلرَّجُلُ» کیا ہے؟ معرفہ، اور آپ کو اس معرفہ کی پہچان ہے یا نہیں؟ آپ کو پتہ چل رہا ہے کون سا آدمی مراد ہے، وہی جو کل میرے پاس آیا تھا، تو دیکھو پہچان، تعریف کا کیا معنی ہے؟ پہچان۔ تو سب سے زیادہ تعریف متکلم کی ضمیر میں ہے، «أَنَا»، «أَنَا»، کیونکہ انسان سب سے زیادہ اپنے آپ کو پہچانتا ہے۔ اس کے بعد مخاطب کی ضمیر کا درجہ ہے، «أَنْتَ»، کیونکہ مخاطب سامنے موجود ہوتا ہے، تو اس کا درجہ دوسرے نمبر پر ہے بھائی۔ اور تیسرا درجہ غائب کی ضمیر کا ہے، «هُوَ» بھائی۔

تو کہتے ہیں «وَأَعْرَفُ الْمَعَارِفِ»، اور اعرف المعارف جو ہے یعنی تمام معرفہ میں جو زیادہ معرفہ ہے جس میں تعریف زیادہ ہے، «اَلْمُضْمَرُ الْمُتَكَلِّمُ» وہ متکلم کی ضمیر ہے «نَحْوُ أَنَا» جیسے «أَنَا»، «وَنَحْنُ» اور «نَحْنُ»، «ثُمَّ الْمُخَاطَبُ» پھر مخاطب کی ضمیر ہے «نَحْوُ أَنْتَ» جیسے «أَنْتَ»، «ثُمَّ الْغَائِبُ» پھر غائب کی ضمیر ہے «نَحْوُ هُوَ» جیسے «هُوَ»۔ یہ تو تھا پہلا درجہ، ضمیریں، اور ان میں بھی درجے بتلا دیے۔ اس کے بعد «ثُمَّ الْعَلَمُ»، پھر درجہ کس کا ہے؟ علم کا درجہ ہے۔ «ثُمَّ الْمُبْهَمَاتُ»، پھر تیسرا درجہ کس کا؟ مبہمات کا ہے، یعنی اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ۔ «ثُمَّ الْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ»، پھر اگلا درجہ جو ہے معرف باللام کا ہے۔ «ثُمَّ الْمُعَرَّفُ بِالنِّدَاءِ»، پھر معرفہ بالنداء کا درجہ ہے۔ اور مضاف؟ بھائی مضاف تو رہ گیا، وہ اسم جو معرفہ کی طرف مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ، اس کا کون سا درجہ ہے؟ کہتے ہیں بھائی مضاف کا وہی درجہ ہے جو اس کا مضاف الیہ ہو، یعنی اگر اس کی اضافت ضمیر کی طرف ہے، «غُلَامِي»، تو یہ «غُلَامِي» غلام معرفہ ہے، کس درجے کا معرفہ؟ پہلے درجے کا، کیونکہ یہ یا ضمیر، متکلم کی ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ اور اگر علم کی طرف مضاف ہو، «غُلَامُ زَيْدٍ»، یہ کس درجے کا ہے؟ یہ دوسرے درجے کا ہے، دوسرے درجے کا۔ اور اگر مضاف ہو کس کی طرف؟ مبہمات کی طرف، مبہمات کی طرف «غُلَامُ هٰذَا» یا «غُلَامُ الَّذِي ضَرَبَكَ»، یہ تیسرے درجے میں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اگر، اور اگر معرف باللام کی طرف مضاف ہو جیسے «غُلَامُ الرَّجُلِ»، تو یہ چوتھے درجے کا ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں «وَالْمُضَافُ فِي قُوَّةِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ»، اور مضاف جو ہوتا ہے مضاف الیہ کی قوت میں ہوتا ہے یعنی اس کے درجے میں ہوتا ہے۔

«وَالنَّكِرَةُ مَا وُضِعَ لِشَيْءٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ كَرَجُلٍ وَفَرَسٍ»، اور نکرہ وہ ہے جس کو مقرر کیا گیا ہو، جس کو وضع کیا گیا ہو کسی غیر معین چیز کے

لیے، «كَرَجُلٍ وَفَرَسٍ» جیسے رجل اور فرس۔ رجل کا معنی؟ کوئی ایک آدمی۔ زید، عمرو، بکر سب کیا ہیں؟ رجل، ہر ایک پر صادق آتا ہے، کسی یہ معین کے لیے وضع نہیں۔ فرس؟ فرس، کوئی گھوڑا، تو یہ ہر فرس پر صادق آئے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو معرفہ جو معین ذات پر دلالت کرے، اور نکرہ جو غیر معین ذات پر دلالت کرے بھائی۔

بھائی یاد رکھیے، یاد رکھیے۔ انہوں نے بتلایا کہ اعرف المعارف ان... یہ جو معرفہ کی اقسام ذکر کیں، ان میں سب سے زیادہ تعریف کس کے اندر ہے؟ ضمیروں میں۔ لیکن یاد رکھیے بھائی یاد رکھیے، علی الاطلاق سب سے زیادہ تعریف لفظِ اللہ میں ہے بھائی۔ سب سے زیادہ تعریف کس میں ہے؟ لفظِ اللہ میں، یعنی یہ تمام معارفوں سے زیادہ معرفہ ہے۔ امام سیبویہؒ جو نحو کے عظیم امام گزرے ہیں اور جن کی بات نحو کے اندر ایک پہاڑ کی طرح مضبوط سمجھی جاتی ہے، ان کی وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو فرمانے لگے کہ اللہ نے میری مغفرت فرمادی۔ پوچھا کس بات پر؟ فرمایا کہ اس وجہ سے کہ میں اس بات کا قائل تھا کہ لفظِ اللہ علی الاطلاق اعرف المعارف ہے بھائی۔ سب سے زیادہ تعریف کس لفظ میں ہے؟ لفظِ اللہ کے اندر ہے بھائی، تو اس پر اللہ نے میری مغفرت فرمادی۔ تو علی الاطلاق اعرف المعارف لفظِ اللہ ہے۔ اور اسی طرح یاد رکھیے، انکر النکرات، علی الاطلاق جس میں سب سے زیادہ تنکیر ہے، جس میں سب سے زیادہ عموم ہے، وہ لفظِ «شَيْءٌ» ہے۔ لفظِ... تو انکر النکرات کیا ہے؟ «شَيْءٌ» بھائی، اس میں سب سے زیادہ عموم ہے، یہ ہر چیز اس کے اندر آجاتی ہے بھائی۔

اچھا، ایک اور چھوٹی سی بات رہ گئی وہ بھی سن لیں۔ اچھا بھائی، یہاں یاد رکھیے، یہ معرف باللام کو تو ذکر کیا انہوں نے، لیکن معرف بالمیم کو ذکر نہیں کیا۔ عرب کے بعض قبیلے تھے، وہ الف لام کے بجائے الف میم تعریف کے لیے استعمال کرتے تھے۔ الف لام کے بجائے الف میم، تو یہ تو ہے معرف باللام، اس کو کیا کہیں گے؟ معرف بالمیم۔ اس کو ذکر نہیں کیا مصنف نے، کیونکہ وہ قلیل، چند ایک کی لغت میں تھا، عام سب کیا بولتے تھے؟ الف لام بھائی۔ البتہ ایک حدیث میں اس کا ذکر آتا ہے، یہ آپ کے حاشیے میں دی ہوئی ہے بھائی: «لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ». مل گئی حدیث بھائی؟ بھائی یہ حاشیے میں آپ کی حدیث دی ہوئی ہے: «لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ». «لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ»، «اَلْبِرُّ»، «اَلصِّيَامُ»، بر کسے کہتے ہیں؟ «اَلْبِرُّ» نیکی کو، «اَلصِّيَامُ» روزوں کو، اور «اَلسَّفَرُ» سفر کو بھائی۔

یہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے اور سفر میں تھے تو ایک صحابی ضعیف تھے، وہ بے ہوش ہو گئے روزے کی وجہ سے، روزے کی وجہ سے۔ شریعت نے تو آسانی دی ہے بھائی، سفر ہو، مشقت ہو تو پھر روزہ نہیں رکھنا چاہیے خاص طور پر اگر تکلیف میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔ تو انہوں نے سفر میں بھی تھے لیکن پھر بھی انہوں نے روزہ رکھا، تو تکلیف اور مشقت کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی، آپ تشریف لائے اور اس موقع پر آپ نے فرمایا: «لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ». تو یہ الف لام کے بجائے کیا استعمال فرمایا؟ الف میم استعمال فرمایا، تو یہ ان لوگوں کی لغت تھی، وہ الف لام کے بجائے کیا بولتے تھے؟ الف میم، تو حضور علیہ السلام نے بھی ان کے انداز میں کلام فرمایا، ورنہ عام عرب تو الف لام استعمال کرتے ہیں۔ تو دراصل یہ الف لام ذرا سب کی جگہ لے آئیں: «لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ»، تو الف لام تھا، اس کی جگہ کیا لے آئیں؟ میم۔ اب کیسے پڑھیں گے؟ «لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ». کیا معنی؟ «لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ»، سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔ دیکھو کتنی مشقت تکلیف میں پڑ گئے وہ بھائی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے یہ الف لام کو تو ذکر کیا، معرف بالمیم کو ذکر نہیں کیا، تو میں نے جواب ذکر کر دیا کہ عام لغت یہ نہیں تھی، تو یہ چند ایک قبیلوں کی لغت تھی، عام لغت الف لام کے ساتھ تھی بھائی، اس لیے مصنف نے الف لام کو تو ذکر کیا الف میم کو ذکر نہیں کیا بھائی۔ تو روانی میں اس کو یوں پڑھیں گے بھائی: «لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ». چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۸۶: فصل اسماء العدد، فصل المذکر والمؤنث اور فصل المثنیٰ (تثنیہ و ملحق بہا)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۷۰—بتاریخ: ۱۶ فروری ۲۰۱۶ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: أَسْمَاءُ الْعَدَدِ: مَا وُضِعَ لِيَدُلَّ عَلَى كَمِّيَّةِ آحَادِ الْأَشْيَاءِ، وَأُصُولُ الْعَدَدِ اثْنَتَا عَشْرَةَ كَلِمَةً: وَاحِدَةٌ إِلَى عَشَرَةٍ، وَمِائَةٌ، وَأَلْفٌ. وَاسْتِعْمَالُهُ مِنْ وَاحِدٍ إِلَى اثْنَيْنِ عَلَى الْقِيَاسِ، أَعْنِي: لِلْمُذَكَّرِ بِدُونِ التَّاءِ، وَلِلْمُؤَنَّثِ بِالتَّاءِ.

بھئی اب عدد کا بیان شروع ہو گیا بھئی، عدد کا بیان۔ تو کہتے ہیں: «أَسْمَاءُ الْعَدَدِ مَا وُضِعَ» اسمائے عدد وہ اسم ہے جس کو وضع کیا جائے «لِيَدُلَّ عَلَى كَمِّيَّةِ آحَادِ الْأَشْيَاءِ» تاکہ وہ دلالت کرے چیزوں کے افراد کی مقدار پر۔ کمیت کہتے ہیں مقدار کو، کمیت: مقدار، اور آحاد: افراد بھئی افراد۔ تو دوبارہ تعریف سنیں بھئی، «أَسْمَاءُ الْعَدَدِ» کہ اسمائے عدد جو ہے «مَا» وہ اسم ہے «وُضِعَ» جس کو وضع کیا گیا ہے «لِيَدُلَّ» تاکہ وہ دلالت کرے «عَلَى كَمِّيَّةِ آحَادِ الْأَشْيَاءِ» چیزوں کے افراد کی مقدار پر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کہ مثلاً کتنی چیزیں ہیں: دو ہیں، چار ہیں، آٹھ ہیں، دس ہیں، تو یہ چیزوں کے افراد کی مقدار کے پر دلالت کرنے کے لیے اس کو وضع کیا گیا ہے۔

«وَأُصُولُ الْعَدَدِ اثْنَتَا عَشْرَةَ كَلِمَةً» اور بنیادی عدد جو ہیں وہ بارہ کلمے ہیں۔ یاد رکھیے عربی زبان میں عدد بیان کرنے کے لیے بنیادی طور پر بارہ کلمے ہیں بھئی، باقی عدد انہی بارہ سے مل کر بنتے ہیں۔ تو بنیادی کلمے کتنے؟ بارہ۔ ایک سے لے کر دس تک اور مائۃ اور الف۔ ایک سے لے کر دس تک اور مائۃ اور الف، یہ ہیں بنیادی کلمات۔ تو کہتے ہیں: «وَأُصُولُ الْعَدَدِ اثْنَتَا عَشْرَةَ كَلِمَةً» اور بنیادی عدد جو ہیں وہ بارہ کلمات ہیں «وَاحِدَةٌ إِلَى عَشَرَةٍ» ایک سے لے کر دس تک «وَمِائَةٌ وَأَلْفٌ» اور ایک مائۃ اور ایک الف ہے۔ مائۃ کا معنیٰ سو اور الف کا معنیٰ ہزار۔

«وَاسْتِعْمَالُهُ مِنْ وَاحِدٍ إِلَى اثْنَيْنِ عَلَى الْقِيَاسِ» تو یاد رکھیے، بارہ بنیادی کلمات ہیں: ایک سے لے کر دس تک، مِائَةٌ اور اَلْفٌ۔ تو یہ اَلْفٌ، ہزار، یہ عربی زبان میں سب سے بڑا عدد ہے بھئی۔ تو قدیم عربی میں سب سے بڑا عدد اَلْف تھا بھئی، ہزار، ہزار سے بڑا عدد نہیں تھا۔ اب جدید عربی والے انگریزی وغیرہ سے لے کر ملین اور بلین کا بھی استعمال کرتے ہیں بھئی، ملین اور بلین کا، لیکن قدیم عربی میں اَلْف ہی سب سے بڑا عدد تھا، ملین: دس لاکھ۔

اب طریقۂ استعمال بیان کر رہے ہیں: «وَاسْتِعْمَالُهُ مِنْ وَاحِدٍ إِلَى اثْنَيْنِ عَلَى الْقِيَاسِ، أَعْنِي: لِلْمُذَكَّرِ بِدُونِ التَّاءِ، وَلِلْمُؤَنَّثِ بِالتَّاءِ» کہتے ہیں: ان عددوں کا استعمال جو ہے ایک سے لے کر دو تک، «عَلَى الْقِيَاسِ» قیاس کے طریقے پر ہے، «أَعْنِي: لِلْمُذَكَّرِ بِدُونِ التَّاءِ» یعنی مذکر کے لیے بغیر تا کے «وَلِلْمُؤَنَّثِ بِالتَّاءِ» اور مؤنث کے لیے تا کے ساتھ۔ «تَقُولُ فِي رَجُلٍ» آدمی کے بارے میں آپ کہتے ہیں: «وَاحِدٌ»، مذکر جنس گن رہے ہیں جیسے مرد ہے تو کیا کہیں گے؟ «وَاحِدٌ»، اور مؤنث میں کیا کہیں گے؟ «وَاحِدَةٌ»، دیکھا تا کے ساتھ۔ مذکر میں «وَاحِدٌ» اور مؤنث میں «وَاحِدَةٌ»۔ جی۔

اور اسی طرح دو آدمی ہوں تو کہیں گے «اثْنَانِ» اور مؤنث ہوں تو «اثْنَتَانِ»۔ جی، تو کہتے ہیں اس کا استعمال ایک سے لے کر دو تک قیاس کے طریقے پر ہے، «أَعْنِي: لِلْمُذَكَّرِ بِدُونِ التَّاءِ، وَلِلْمُؤَنَّثِ بِالتَّاءِ» یعنی مذکر کے لیے بغیر تا کے اور مؤنث کے لیے تا کے ساتھ۔ «تَقُولُ فِي رَجُلٍ» آپ

کہتے ہیں مرد کے بارے میں: «وَاحِدٌ»، «وَفِي رَجُلَيْنِ» اور دو مردوں کے بارے میں: «اثْنَانِ»، «وَفِي امْرَأَةٍ» اور عورت کے بارے میں آپ کہتے ہیں: «وَاحِدَةٌ»، «وَفِي امْرَأَتَيْنِ» اور دو عورتوں کے بارے میں: «اثْنَتَانِ»۔ تو مذکر کے لیے بغیر تا اور مؤنث کے لیے تا کے ساتھ۔ اور مؤنث میں «اثْنَتَانِ وَثِنْتَانِ»، «اثْنَتَانِ» بھی کہہ سکتے ہیں اور «ثِنْتَانِ» بھی کہہ سکتے ہیں۔

■ قولہ: «وَمِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَى عَشَرَةٍ عَلَى خِلَافِ الْق...» کی تشریح

«وَمِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَى عَشَرَةٍ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ» جبکہ تین سے لے کر دس تک جو عدد ہیں «عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ» وہ خلافِ قیاس ہیں، خلافِ قیاس۔ بھئی کیا معنی خلافِ قیاس؟ کہتے ہیں: «أَعْنِي: لِلْمُذَكَّرِ بِالتَّاءِ» یعنی مذکر کے لیے تا کے ساتھ ہوں گے اور آگے آپ کو بتائیں گے مؤنث کے لیے بغیر تا کے۔ بھئی تا تو کس چیز کی علامت ہے؟ تانیث کی علامت ہے، مؤنث کی علامت ہے، تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ مؤنث کے لیے تا کے ساتھ ہو اور مذکر کے لیے بغیر تا کے، لیکن تین سے لے کر دس تک، تین سے لے کر دس تک یہ خلافِ قیاس آتے ہیں، یعنی مذکر کے لیے آئیں گے تا کے ساتھ اور مؤنث کے لیے بغیر تا کے آئیں گے بھئی۔ مثلاً آپ کہنا چاہتے ہیں: تین مرد، تو کہیں گے: «ثَلَاثَةُ رِجَالٍ»، دیکھا «ثَلَاثَةُ» تا کے ساتھ ہے، «ثَلَاثَةُ رِجَالٍ»۔

اور یہاں ایک اور بات بھی یاد رکھیں، یہ جو ثلاثہ سے لے کر عشرۃ تک ہے، ان کے آگے یہ تو ہیں عدد، یہ کیا ہیں؟ عدد، اور آگے جو لفظ آتا ہے وہ ہے معدود، یعنی جس کا عدد بیان کیا جا رہا ہے، جیسے «ثَلَاثَةُ رِجَالٍ»، «ثَلَاثَةُ» ہوا عدد اور کس کا عدد بیان کیا جا رہا ہے؟ رجل کا، تو رجل کیا ہوا؟ معدود۔ تو کیا کہیں گے: «ثَلَاثَةُ رِجَالٍ»، اس میں آپ نے عدد کو دیکھا وہ خلافِ قیاس ہے، مذکر کے لیے تا کے ساتھ ہے۔ تو ثلاثہ سے لے کر عشرۃ تک عدد جو ہو گا وہ معدود کے مخالف ہو گا، یعنی معدود اگر مذکر تو عدد مؤنث، اور اگر معدود مؤنث تو عدد مذکر۔

پھر ایک اور بات بھی یاد رکھیے، یہ جو معدود آئے گا اس کو کہتے ہیں تمیز، یہ اس عدد سے ابہام کو دور کرتا ہے۔ کیا کرتا ہے؟ ابہام کو۔ بھئی دیکھیے تین، تین تو کتابیں بھی ہو سکتی ہیں، تین تو قلم بھی ہو سکتے ہیں، تین کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے، تو اس میں ابہام تھا۔ آگے آنے والے لفظ نے آ کر اس ابہام کو کیا کیا؟ دور کر دیا۔ تو یہ جو معدود ہے اس کو تمیز کہتے ہیں، جو ما قبل کے عدد سے ابہام کو دور کرتا ہے۔ تو یاد رکھیے ثلاثہ سے لے کر عشرۃ تک جو آگے معدود آئے گا یعنی جو تمیز آئے گی وہ جمع ہو گی اور مجرور ہو گی۔ کیا ہو گی؟ جمع ہو گی اور مجرور۔ آپ کہنا چاہتے ہیں: تین مرد، تین مرد، تو عدد لے کر آئیں: «ثَلَاثٌ» کہیں گے یا «ثَلَاثَةٌ» کہیں گے؟ «ثَلَاثَةٌ» خلافِ قیاس تا کے ساتھ کہیں گے۔ اور کس کا عدد بیان کرنا چاہتے ہیں؟ رجل کا، تو رجل کی جمع لے آئیں: «رِجَالٍ»، اور اس کو مجرور پڑھیں کیونکہ اس عدد کی اس کی طرف اضافت ہو رہی ہے، عدد ہے مضاف اور یہ ہے مضاف الیہ، تو یوں کہیں گے: «ثَلَاثَةُ رِجَالٍ»۔

آپ کہنا چاہتے ہیں: چار کتابیں، تو کتاب کا لفظ کیا ہے، مذکر کہ مؤنث؟ کتاب کا لفظ مذکر ہے، تو اب چار کتابیں، تو میں «أَرْبَعٌ» کہوں گا یا «أَرْبَعَةٌ» کہوں گا؟ «أَرْبَعَةٌ»، اور پھر اس کتاب جو معدود ہے اس کو جمع بنا دو اور اس کو مجرور کر دو اس کی طرف اضافت ہو گی اربعۃ کی، تو کتاب کی جمع کیا؟ کتب، تو «أَرْبَعَةُ كُتُبٍ»، «أَرْبَعَةُ كُتُبٍ»۔ اسی طرح اور مثالیں کر لو، مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں: سات قلم، تو قلم مذکر ہے کہ مؤنث؟ مذکر ہے، اور تین سے لے کر دس تک جو عدد ہوتا ہے وہ خلافِ قیاس ہوتا ہے، مذکر کے لیے کیا آئے گا؟ تا کے ساتھ، تو لہٰذا سات قلم، سات کیا کہیں گے؟ «سَبْعَةٌ» یا «سَبْعٌ»؟ «سَبْعَةٌ» سات کے لیے لائیں گے اور آگے قلم، ثلاثہ سے لے کر عشرۃ تک تمیز کیا آتی ہے؟ جمع مجرور، تو قلم کی جمع بنا لو: اقلام، تو کیسے کہیں گے؟ «سَبْعَةُ أَقْلَامٍ»، تنوین ختم ہو جائے گی کیونکہ اضافت ہو گئی، «سَبْعَةُ أَقْلَامٍ»۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ جی۔

اور اگر اس کے بجائے مؤنث ہو معدود تو پھر کیسے کہیں گے؟ مثلاً «كُرَّاسَةٌ»، کراسۃ کاپی کو کہتے ہیں، اب میں کہنا چاہتا ہوں: نو کاپیاں، نو کاپیاں، تو کاپی کا لفظ مذکر ہے کہ مؤنث؟ یہ مؤنث ہے، تو عدد اس کے لیے مذکر لائیں گے اور کیا کہیں گے؟ «تِسْعٌ» یا «تِسْعَةٌ»؟ «تِسْعٌ»، اور کراسۃ، کراسۃ کی جمع بنا لو: «كُرَّاسَاتٌ»، الف تا کے ساتھ، جمع مؤنث سالم، کراسات، اور اس کی طرف «تِسْعٌ» کی اضافت کر دو: «تِسْعُ كُرَّاسَاتٍ»۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا؟ جی۔ معلوم ہوا ثلاثہ سے لے کر عشرۃ تک عدد خلافِ قیاس ہو گا، یعنی معدود مذکر ہو تو عدد مؤنث ہو گا اور معدود مؤنث ہو تو عدد مذکر ہو گا۔ تو مذکر کے لیے عدد مؤنث ہو گا اور مؤنث کے لیے عدد مذکر ہو گا، جبکہ معدود یعنی تمیز جو ہے وہ جمع مجرور آئے گی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

اب مجھے ایک اور مثال بتا دیجیے، مثلاً اور کیا کہیں؟ مثلاً پنکھے کو کہتے ہیں «مِرْوَحَةٌ»، «مِرْوَحَةٌ»، اب کیا کہیں؟ میں کہنا چاہتا ہوں: پانچ پنکھے، تو پنکھے کا عدد مذکر ہے کہ مؤنث؟ مؤنث ہے، تو اس کے لیے عدد کیا لائیں گے؟ مذکر، تو کیا کہیں گے؟ «خَمْسُ»، اور مروحۃ کو جمع اور مجرور کر دو: «خَمْسُ

مِرْوَحَاتٍ»، پانچ پنکھے۔ اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔ تو ثلاثۃ سے لے کر عشرۃ تک عدد خلافِ قیاس آتا ہے اور تمیز جو ہے وہ جمع مجرور آتی ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَمِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَى عَشَرَةٍ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ، أَعْنِي: لِلْمُذَكَّرِ بِالتَّاءِ، تَقُولُ: ثَلَاثَةُ رِجَالٍ إِلَى عَشَرَةِ رِجَالٍ، وَلِلْمُؤَنَّثِ بِدُونِهَا، تَقُولُ: ثَلَاثُ نِسْوَةٍ إِلَى عَشْرِ نِسْوَةٍ، وَبَعْدَ الْعَشَرَةِ تَقُولُ» اور عشرۃ کے بعد آپ یوں کہیں گے بھئی، عشرۃ کے بعد۔ یاد رکھیے بھئی پہلے سمجھ لیں۔ یہ جو تین سے لے کر دس تک تمیز تھی جمع مجرور تھی، اس کے بعد گیارہ سے لے کر ننانوے تک تمیز مفرد منصوب آئے گی۔ گیارہ سے لے کر ننانوے تک تمیز مفرد ہوگی اور منصوب ہوگی: «امْرَأَةً»، «رَجُلًا»، «كِتَابًا»، «قَلَمًا»، دیکھا مفرد اور اس پر نصب پڑھنا ہے۔

اور باقی عدد کس طرح بیان کریں گے؟ تو یاد رکھیے گیارہ بارہ، اس میں دونوں جز معدود کے مطابق ہوں گے، یعنی معدود اگر مذکر ہے تو دونوں جز مذکر لے آؤ۔ تو مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں: گیارہ آدمی، اب آدمی یہ کیا ہے؟ مذکر ہے، تو اس کے لیے دونوں جز میں مذکر لاؤں گا اور یوں کہوں گا: «أَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا»، دیکھا «أَحَدَ» مذکر ہے، اگر مؤنث ہوتا میں کہتا «إِحْدَى»، اور «عَشَرَ» میں نے «عَشَرَ» کہا بغیر تا کے، اگر مؤنث ہوتی تو پھر میں «عَشْرَةَ» کہتا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جی۔ تو «أَحَدَ عَشَرَ»، «أَحَدَ» بھی مذکر یعنی مؤنث نہیں، اور «عَشَرَ» بھی مذکر یعنی بغیر تا کے، اور آگے جس کا عدد بیان ہو رہا ہے اس کو کیسا لانا ہے؟ مفرد منصوب، «رَجُلًا»، «أَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا»۔

اور اگر عورتیں ہوں گیارہ تو میں کہوں گا، بولیں اب دونوں جز مطابق بنا دیں: «إِحْدَى عَشْرَةَ»، ہاں «عَشْرَةَ» نہیں کہنا، یہ جو ہے نا گیارہ سے لے کر، گیارہ سے لے کر انیس تک، جب ان میں عشرۃ کے ساتھ تا جڑ جائے تو پھر شین کو ساکن پڑھنا ہے، اہل حجاز کے نزدیک شین کو ساکن پڑھنا ہے۔ اگر عشر کے ساتھ تا جڑی ہوئی نہ ہو پھر تو شین پر زبر پڑھیں، فتحہ پڑھیں: «أَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا»، اور جب اس کے ساتھ تا جڑ جائے پھر شین کو ساکن پڑھنا ہے، تو کیسے پڑھیں گے گیارہ عورتیں؟ «إِحْدَى عَشْرَةَ امْرَأَةً»، «امْرَأَةً» مفرد منصوب، تمیز کیا آرہی ہے؟ مفرد منصوب، «إِحْدَى عَشْرَةَ امْرَأَةً»، گیارہ عورتیں۔ بھئی یہ شین کو ساکن کیوں کر دیتے ہیں؟ وجہ اس کی یہ کیونکہ چار فتحہ اکٹھے ہو جائیں گے اور وہ زبان پر ثقیل بن جائیں گے: عین پر بھی فتحہ، شین پر بھی فتحہ، را پر بھی فتحہ اور آخری گول تا پر بھی فتحہ، تو چار فتحات اکٹھے ہو جائیں گے اور زبان پر ثقیل بن جائیں گے، لہٰذا اس صورت میں پھر کیا کریں گے؟ ثقل کو ختم کرنے کے لیے شین کو ساکن کر دیں گے۔

بارہ میں بھی اسی طرح بھئی، دونوں جز مطابق۔ میں کہنا چاہتا ہوں: بارہ مرد، کیا کہوں گا؟ «اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا»، دیکھا «رَجُلًا» مفرد منصوب۔ اور میں کہنا چاہتا ہوں: بارہ عورتیں: «اثْنَتَا عَشْرَةَ امْرَأَةً»۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ جی۔

اور اس کے بعد تیرہ سے لے کر انیس تک، تیرہ سے لے کر انیس تک، پہلا عدد ہوگا مخالف، پہلا جز ہوگا مخالف اور دوسرا جز ہوگا مطابق۔ مثلاً میں رجل کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں اور رجل کیا ہے؟ مذکر، مذکر، تو میں کہنا چاہتا ہوں تیرہ آدمی تو ثلاثۃ عشر، اب اس میں سے ثلاثۃ عشر کے دو جز ہیں۔ پہلے جز کو مخالف لاؤ، کیا معنی مخالف؟ مؤنث یعنی تا کے ساتھ لاؤ «ثَلَاثَةَ»، اور دوسرے جز کو مطابق لاؤ اس معدود کے، عشر بغیر تا کے، تو کیسے کہیں گے؟ «ثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا»۔ یہ «رَجُلًا» یہ تمیز، یہ تو مفرد منصوب رہے گی گیارہ سے لے کر ننانوے تک، تمام جتنے بھی عدد آئیں گے سب میں یہ کیا رہے گی؟ مفرد منصوب۔ ثلاثۃ سے لے کر عشرۃ تک تمیز کیا تھی؟ جمع مجرور تھی، «ثَلَاثَةُ رِجَالٍ»، جمع مجرور، اور گیارہ سے لے کر ننانوے تک مفرد منصوب بھئی، جی۔

لہٰذا میں نے کیا کہنا ہے تیرہ آدمی، پھر دہرائیے کیسے کہوں گا؟ «ثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا»۔ میں کہنا چاہتا ہوں: تیرہ عورتیں، تو کیا کہوں گا؟ پہلے جز کو کر دو مخالف یعنی بغیر تا کے اور دوسرے کو کر دو مطابق یعنی مؤنث کے لیے تا کے ساتھ، تو کیسے کہیں گے؟ «ثَلَاثَ عَشْرَةَ امْرَأَةً»۔ طریقہ سمجھ میں آگیا بھائی؟ جی۔ میں کہنا چاہتا ہوں: سترہ قلم، قلم کیا ہے؟ مذکر، تو پہلا جز کر دو مخالف: «سَبْعَةَ»، اور دوسرا جز کر دو مطابق: «عَشَرَ»، «سَبْعَةَ عَشَرَ قَلَمًا»، «قَلَمًا» جمع یا مفرد؟ مفرد منصوب، «سَبْعَةَ عَشَرَ قَلَمًا»۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔ میں کہنا چاہتا ہوں اٹھارہ کاپیاں، تو کیسے کہوں گا؟ کاپی کیا ہے؟ کراسۃ، مؤنث ہے، تو پہلا عدد مخالف لے آؤ یعنی بغیر تا کے اور دوسرا جز مطابق اس کے یعنی تا کے ساتھ، تو کیسے کہیں گے؟ کیا ہے، کاپی ہے؟ جی، «ثَمَانِيَ عَشْرَةَ كُرَّاسَةً»، «ثَمَانِيَ عَشْرَةَ كُرَّاسَةً»، طریقہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟ جی۔

تو کہتے ہیں: «وَبَعْدَ الْعَشَرَةِ تَقُولُ» اور عشرۃ کے بعد آپ یوں کہیں گے۔ یاد رکھیے ہر جگہ «عَشَرَةِ» یہاں شین متحرک ہی ہے، «وَبَعْدَ الْعَشَرَةِ» یہاں شین کو نہیں ساکن کرنا، صورت سمجھ میں آگئی؟ جی۔ ہاں، جہاں وہ جہاں گیارہ سے لے کر انیس تک کا یہ حکم میں نے بتایا کیونکہ گیارہ سے لے کر انیس تک عدد مرکب ہوتا ہے: «أَحَدَ عَشَرَ»، «اثْنَا عَشَرَ»، «ثَلَاثَةَ عَشَرَ»، تو وہاں پر، وہاں پر شین کو کیا کرنا ہے؟ جب عشرۃ کے ساتھ تا جڑ

جائے تو شین کو ساکن کرنا ہے، ہر جگہ پر ساکن نہیں کرنا بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَبَعْدَ الْعَشَرَةِ تَقُولُ: أَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا، وَاثْنَا عَشَرَ رَجُلًا، وَثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا» دیکھ رہے ہیں آپ؟ «ثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا»، رجل کے بارے میں بیان کرنا ہے تو دیکھو «ثَلَاثَةَ» پہلا جز مخالف تا کے ساتھ اور دوسرا جز «عَشَرَ» مطابق ہے اس کے بغیر تا کے، «إِلَى تِسْعَةَ عَشَرَ رَجُلًا»، دیکھو یہاں بھی اسی طرح ہے، پہلا تسعۃ میں تا ہے اور عشر میں تا نہیں ہے، تو یہ انیس تک اسی طرح ہے۔ «وَفِي النِّسَاءِ: إِحْدَى عَشْرَةَ امْرَأَةً»، ہاں ابھی یہ بیان میں نے کر دیا: گیارہ اور بارہ اس میں دونوں جز مطابق ہیں، تیرہ سے لے کر انیس تک پہلا جز مخالف اور دوسرا جز معدود کے مطابق، لیکن گیارہ اور بارہ اس میں دونوں جز کیا ہیں؟ مطابق۔ تو میں کہنا چاہتا ہوں گیارہ عورتیں، کیا کہوں گا؟ «إِحْدَى عَشْرَةَ امْرَأَةً»، میں کہنا چاہتا ہوں بارہ عورتیں، کیا کہوں گا؟ «اثْنَتَا عَشْرَةَ امْرَأَةً»۔ دیکھیے یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَإِحْدَى عَشْرَةَ امْرَأَةً» گیارہ عورتیں ہیں، «وَاثْنَتَا عَشْرَةَ امْرَأَةً» اور بارہ عورتیں بھئی۔

■ قولہ: «وَثَلَاثَ عَشْرَةَ» کی تشریح

«وَثَلَاثَ عَشْرَةَ» آگے، آگے پھر وہی طریقہ، تیرہ سے انیس تک کیا ہے؟ پہلا جز مخالف اور دوسرا جز معدود کے مطابق، تو پہلا جز معدود کے مخالف اور دوسرا جز معدود کے مطابق، اور یہاں ہم کس کو بیان کر رہے ہیں؟ امراۃ کو، تو امراۃ ہے مؤنث، تو پہلے جز میں تا نہیں آئے گی وہ مخالف ہو گا اور دوسرے جز میں تا آئے گی، تو کہتے ہیں: «ثَلَاثَ عَشْرَةَ امْرَأَةً إِلَى تِسْعَ عَشْرَةَ امْرَأَةً»۔ «وَبَعْدَ ذَلِكَ تَقُولُ» اور اس کے بعد آپ یوں کہیں گے، یہ تو انیس تک ہو گیا «إِلَى تِسْعَ عَشْرَةَ امْرَأَةً»، ٹھیک ہے؟ «وَبَعْدَ ذَلِكَ تَقُولُ: عِشْرُونَ رَجُلًا، وَعِشْرُونَ امْرَأَةً، بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ»، مذکر اور مؤنث میں بغیر کسی فرق کے، یعنی یاد رکھیے یہ جو دہائیاں ہیں نا دہائیاں: «عِشْرُونَ»، «ثَلَاثُونَ»، «أَرْبَعُونَ»، «خَمْسُونَ»، «سِتُّونَ»، «سَبْعُونَ»، «ثَمَانُونَ» اور «تِسْعُونَ»، یہ بیس سے لے کر نوے تک یہ جو دہائیاں ہیں یہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے یکساں رہتی ہیں، مؤنث ہو تو بھی «عِشْرُونَ» کہیں گے، مذکر ہو تو بھی «عِشْرُونَ»، مذکر ہو تو بھی «ثَلَاثُونَ» کہیں گے اور مؤنث معدود ہو تو بھی «ثَلَاثُونَ» کہیں گے۔

تو کہتے ہیں: «وَبَعْدَ ذَلِكَ تَقُولُ: عِشْرُونَ رَجُلًا، وَعِشْرُونَ امْرَأَةً، بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ، إِلَى تِسْعِينَ رَجُلًا وَامْرَأَةً»، نوے تک یہی حکم ہے: «تِسْعُونَ رَجُلًا» اور «تِسْعُونَ امْرَأَةً»۔ «وَأَحَدٌ وَعِشْرُونَ» اب پھر آ گیا، یہ جو اگر ان کے ساتھ اکائیاں بھی مل گئیں: اکیس آدمی، اکیس عورتیں، بائیس آدمی، بائیس عورتیں، تئیس آدمی، تئیس عورتیں، تو پھر کیسے کہیں گے؟ پھر وہی ضابطہ۔ گیارہ اور بارہ میں کیا تھا؟ دونوں جز مطابق، دونوں جز مطابق۔ یعنی کہنے کا مطلب یہ کہ پہلے دونوں جز بھی مطابق تھے تو یہاں پر بھی پہلے دونوں جز مطابق کر دو عشرون کے بعد بھی، پہلے دونوں جز یعنی اکیس اور بائیس کو۔ میں کہنا چاہتا ہوں: اکیس آدمی، تو کیا کہوں گا؟ «أَحَدٌ» کہنا ہے مذکر، جیسے وہاں تھا گیارہ کے اندر اور بارہ میں، تو یہاں کیا کہوں گا؟ «أَحَدٌ وَعِشْرُونَ رَجُلًا»، تمیز اسی طرح مفرد منصوب رہے گی، اور میں گیارہ عورتیں کہنا چاہتا ہوں تو کیا کہوں گا؟ «إِحْدَى وَعِشْرُونَ امْرَأَةً»، «إِحْدَى وَعِشْرُونَ امْرَأَةً»۔ میں کہنا چاہتا ہوں بائیس آدمی، کیا کہوں گا؟ جی؟ «اثْنَانِ»، «اثْنَا» نہیں، نون کو باقی رکھنا ہے، نون یہاں گرے گا نہیں کیونکہ عطف ہو رہا ہے، وہاں تو دو کلمے جڑ گئے تھے آپس میں، تو نون جو تھا نون، نون تو کلمے کے پورا ہونے کی علامت تھی۔

بھئی آپ جانتے ہیں جب یہ جو تثنیہ کا نون ہے یہ اضافت کے وقت گر جاتا ہے، اسی طرح مفرد کی تنوین اضافت کے وقت گر جاتی ہے، اسی طرح جمع مذکر سالم کا نون اضافت کے وقت گر جاتا ہے، کیوں گرتے ہیں؟ وجہ یہ کہ جب کسی لفظ کے آخر میں تنوین آ جائے تو مطلب ہوتا ہے کہ لفظ پورا ہو گیا، آگے یہ کسی کے ساتھ جڑا ہوا نہیں، تثنیہ کے اور جمع کے آخر میں جب نون آ جائے تو مطلب ہوتا ہے یہ لفظ پورا ہو گیا، آگے یہ کسی اور لفظ کے ساتھ جڑا ہوا نہیں، گویا آسان لفظوں میں یوں کہو کہ یہ تنوین اور یہ جو قائم مقامِ تنوین ہے یعنی نونِ جمع اور نونِ تثنیہ، یہ انقطاع کی علامت ہیں۔ یہ کلمہ منقطع ہے، آگے کسی کے ساتھ جڑا ہوا نہیں۔ لیکن جب ان کے ساتھ مضاف الیہ آ جائے تو پھر اب یہ مضاف پر پورے ہو رہے ہیں یا مضاف الیہ کو بھی جوڑنا ہے؟ مضاف الیہ، تو اضافت تقاضا کرتی ہے اتصال کا، جڑے ہونے کا، اور یہ تنوین اور قائم مقامِ تنوین دلالت کرتے ہیں انقطاع پر، تو لہٰذا اب ان کو نہیں لائیں گے، ان کو گرا دیں گے، لہٰذا «غُلَامُ زَيْدٍ»، «غُلَامٌ» سے تنوین گرا دی اس لیے کیونکہ اگر آپ «غُلَامٌ» تنوین کہہ دی اس کا مطلب ہے آگے کوئی مضاف الیہ وغیرہ نہیں ہے، اور آگے تو مضاف الیہ آ رہا ہے، تو لہٰذا اس تنوین کو کیا کر دو؟ گرا دو، «غُلَامُ زَيْدٍ»، «غُلَامَا زَيْدٍ»، صورت سمجھ میں آ گئی؟ «مُسْلِمُو مِصْرَ»۔

تو یہ تنوین اور قائم مقامِ تنوین کس چیز کی علامت ہیں؟ انقطاع کی، اور اضافت کس چیز کا تقاضا کرتی ہے؟ اتصال کا۔ اسی طرح یہاں پر بھی، یہاں پر بھی یہ

اضافت تو نہیں لیکن مرکب ہیں، آپس میں جڑے ہوئے ہیں، تو یہاں پر بھی «اثْنَانِ» اور «اثْنَتَانِ» کا نون بارہ کے اندر گر جائے گا۔ کیا ہے؟ گر جائے گا، کیونکہ «اثْنَانِ» اس کو جوڑ دیا ہے کس سے؟ عشر سے، تو اب نون کو گرانا پڑے گا پھر ہی جڑے گا ورنہ نون تو انقطاع پر دلالت کر رہا ہے، اور یہاں پر انقطاع ہے اثنا کا اثنان کا یا اتصال ہے عشر کے ساتھ؟ اتصال ہے، تو لہٰذا وہاں نون گرے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے «اثْنَا عَشَرَ» اور «اثْنَتَا عَشْرَةَ» سے نون گر گیا، لیکن یہاں پر بائیس کے اندر، بائیس کے اندر تو عطف ہو رہا ہے، وہاں تو کسی کے ساتھ اتصال نہیں، تو وہاں پھر نون بھی پڑھیں گے، اور بائیس آدمی کیسے کہیں گے؟ «اثْنَانِ وَعِشْرُونَ رَجُلًا»۔

تو وہاں کہیں گے: «اثْنَانِ وَعِشْرُونَ رَجُلًا»، دیکھا پہلا جز بھی مطابق ہی ہے۔ اور بائیس عورتوں میں کیا کہیں گے؟ «اثْنَتَانِ وَعِشْرُونَ امْرَأَةً»۔ تو مذکر میں کہیں گے: «اثْنَانِ وَعِشْرُونَ رَجُلًا» اور مؤنث میں کہیں گے: «اثْنَتَانِ وَعِشْرُونَ امْرَأَةً» بھئی، کیونکہ یہاں نون گرے گا نہیں بھئی۔ تو دیکھا اکیس اور بائیس، اس میں آپ نے کیا دیکھا؟ ہاں، دوسرا جز تو بدلے گا ہی نہیں، مذکر کے لیے بھی مؤنث کے لیے یکساں رہے گا، یہاں صرف پہلے جز کی بات کرو، یہاں پہلا جز مطابق رہے گا: اکیس میں بھی اور بائیس میں بھی، مذکر کے لیے مذکر، مؤنث کے لیے مؤنث، مذکر کے لیے «أَحَدٌ» اور مؤنث کے لیے «إِحْدَى»، مذکر کے لیے «اثْنَانِ» اور مؤنث کے لیے «اثْنَتَانِ وَعِشْرُونَ»۔

تو اب کتاب پر دیکھیے دوبارہ بھئی: «إِلَى تِسْعِينَ رَجُلًا وَامْرَأَةً»، نوے تک بھئی اسی طرح، «تِسْعِينَ رَجُلًا وَامْرَأَةً»، «تِسْعُونَ رَجُلًا» اور «تِسْعُونَ امْرَأَةً»۔ اور آگے: «وَأَحَدٌ وَعِشْرُونَ رَجُلًا، وَإِحْدَى وَعِشْرُونَ امْرَأَةً، وَاثْنَانِ وَعِشْرُونَ رَجُلًا، وَاثْنَتَانِ وَعِشْرُونَ امْرَأَةً»۔ جی، اس کے بعد تئیس سے لے کر انتیس تک پھر اسی طرح پہلا عدد مخالف ہو جائے گا۔ تو میں تئیس آدمی کہنا چاہتا ہوں، کیا کہوں گا؟ آدمی مذکر ہے تو عدد کیا ہو گا؟ مؤنث تا کے ساتھ، «ثَلَاثَةٌ وَعِشْرُونَ رَجُلًا»۔ اور میں تئیس عورتیں کہنا چاہتا ہوں، تو وہ امراۃ مؤنث ہے تو ثلاث مخالف آئے گا بغیر تا کے، «ثَلَاثٌ وَعِشْرُونَ امْرَأَةً»۔

تو کہتے ہیں: «وَثَلَاثَةٌ وَعِشْرُونَ رَجُلًا، وَثَلَاثٌ وَعِشْرُونَ امْرَأَةً، إِلَى تِسْعَةٍ وَتِسْعِينَ رَجُلًا» ننانوے تک اسی طرح، «وَتِسْعٍ وَتِسْعِينَ امْرَأَةً» ننانوے عورتیں۔ «ثُمَّ تَقُولُ» پھر آپ یوں کہیں گے، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔ اچھا، اس کے بعد مائۃ اور الف آگئے بھئی۔ یاد رکھیے، مائۃ اور الف ان کی تمیز مفرد مجرور آئے گی۔ ثلاثۃ سے لے کر عشرۃ تک تمیز کیا تھی؟ ثلاثۃ سے لے کر عشرۃ تک جمع مجرور، «ثَلَاثَةُ رِجَالٍ»، «ثَلَاثَةُ أَقْلَامٍ»، «ثَلَاثَةُ كُتُبٍ»، جمع مجرور تھی، اور گیارہ سے لے کر ننانوے تک تمیز کیا آئے گی؟ مفرد منصوب۔ اب رہ گئے مائۃ اور الف، ان میں یاد رکھیے تمیز مفرد مجرور آئے گی، مفرد مجرور، اور یہ اسی طرح رہیں گے اس کے لیے۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں سو آدمی، تو کیا کہوں گا؟ «مِائَةُ رَجُلٍ»، اضافت ہو گئی، اور دیکھو رجل مفرد ہے اور مجرور ہے، «مِائَةُ رَجُلٍ»۔ جی، اور عورتیں ہوں تو وہ بھی اسی طرح: «مِائَةُ امْرَأَةٍ»، «أَلْفُ رَجُلٍ»، «أَلْفُ امْرَأَةٍ»، طریقہ سمجھ میں آگیا بھئی؟ جی۔

تو کہتے ہیں: «ثُمَّ تَقُولُ: مِائَةُ رَجُلٍ» سو آدمی، «وَمِائَةُ امْرَأَةٍ» اور سو عورتیں، «وَأَلْفُ رَجُلٍ، وَأَلْفُ امْرَأَةٍ»، «مِائَتَا رَجُلٍ» دو سو آدمی، «مِائَتَا» بھئی اضافت ہو رہی ہے نا، تو «مِائَتَانِ» نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، «مِائَتَا رَجُلٍ، وَمِائَتَا امْرَأَةٍ» دو سو آدمی اور دو سو عورتیں۔ آگے: «أَلْفَا رَجُلٍ، وَأَلْفَا امْرَأَةٍ»، اصل میں کیا تھا؟ «أَلْفَانِ»، نون اضافہ یہ تثنیہ ہے الف کی، تو نون اضافت کی وجہ سے گر گیا بھئی، «أَلْفَا رَجُلٍ» دو ہزار آدمی، «وَأَلْفَا امْرَأَةٍ» اور دو ہزار عورتیں، «بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ» بغیر کسی فرق کے مذکر اور مؤنث کے بیچ، یعنی مائۃ اور الف ایک جیسے ہی رہیں گے ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

■ قولہ: «فَإِذَا زَادَ عَلَى الْمِائَةِ وَالْأَلْفِ» کی تشریح

«فَإِذَا زَادَ عَلَى الْمِائَةِ وَالْأَلْفِ» جب عدد بڑھ جائے کس پر؟ مائۃ اور الف پر، «يُسْتَعْمَلُ عَلَى قِيَاسِ مَا عَرَفْتَ» تو پھر اس کو استعمال کیا جائے گا اسی طریقے پر جو آپ نے جان لیا، «وَيُقَدَّمُ الْأَلْفُ عَلَى الْمِائَةِ، وَالْمِائَةُ عَلَى الْآحَادِ، وَالْآحَادُ عَلَى الْعَشَرَاتِ» اور پھر مقدم کیا جائے گا الف کو مائۃ پر، «وَالْمِائَةُ عَلَى الْآحَادِ» اور مائۃ کو آحاد یعنی اکائیوں پر، «وَالْآحَادُ عَلَى الْعَشَرَاتِ» اور اکائیوں کو علی العشرات یعنی دہائیوں پر، اکائیوں کو دہائیوں پر مقدم کریں گے۔ مثلاً دیکھیے بھئی، میں کہنا چاہتا ہوں چار ہزار پانچ سو اکیس مرد، چار ہزار پانچ سو اکیس مرد، تو سب سے پہلے ہزار والا لاؤں گا میں، چار ہزار، کیا کہوں گا؟ «أَرْبَعَةُ آلَافٍ»، الف کیا ہے، مذکر ہے نا؟ تو اس کے لیے اربع ثلاثۃ سے لے کر اربعۃ تک عدد کیا آتا ہے؟ معدود کے

مخالف ہوتا ہے، تو الف کیا ہے؟ مذکر ہے، تو عدد کیا لاؤ؟ مؤنث، تو «أَرْبَعَةُ آلَافٍ»، آگے واؤ لے آؤ حرفِ عطف۔ پھر اس کے بعد پانچ سو، پانچ سو کے لیے کیا کہیں گے؟ ہاں، مائۃ کے آخر میں تا جڑی ہوئی ہے تو مائۃ مؤنث ہے، اور ثلاثۃ سے لے کر عشرۃ تک عدد کیا ہوتا ہے؟ مخالف، تو پھر مائۃ کے لیے عدد کیا لائیں گے تا کے ساتھ یا بغیر تا کے؟ بغیر تا کے، تو کیا کہیں گے؟ «خَمْسُ مِائَةٍ»، «أَرْبَعَةُ آلَافٍ وَخَمْسُ مِائَةٍ»، آگے اکیس مرد، پھر واؤ لے آئے اور آگے اکیس مرد، بولیے: «وَأَحَدٌ وَعِشْرُونَ رَجُلًا»۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ «أَرْبَعَةُ آلَافٍ وَخَمْسُ مِائَةٍ وَأَحَدٌ وَعِشْرُونَ رَجُلًا»۔ اس میں دیکھیے سب سے پہلے کس کو ہم لائے؟ ہزار کو، اس کو مائۃ پر مقدم رکھا ہے، پھر اس کے بعد مائۃ ہے اس کو عشرات اور اکائیوں پر مقدم رکھا ہے، اور پھر اس کے بعد «أَحَدٌ وَعِشْرُونَ»، دیکھو اکائی کو دہائی پر کیا کیا ہے؟ «أَحَدٌ» پہلے ہے اور «عِشْرُونَ» بعد میں ہے، تو اکائی مقدم ہے کس پر؟ دہائی پر۔ یہی بیان کر رہے ہیں کتاب میں دیکھیے بھئی۔

«وَيُقَدَّمُ الْأَلْفُ عَلَى الْمِائَةِ، وَالْمِائَةُ عَلَى الْآحَادِ، وَالْآحَادُ عَلَى الْعَشَرَاتِ، تَقُولُ:» مثلاً آپ کہتے ہیں: «عِنْدِي» میرے پاس جو ہیں «أَلْفٌ وَمِائَةٌ وَأَحَدٌ وَعِشْرُونَ رَجُلًا»، دیکھا پہلے الف پھر مائۃ، اس کے بعد اکائی اور اس کے بعد عشرات یعنی دہائی۔ «وَأَلْفَانِ وَمِائَتَانِ وَاثْنَانِ وَعِشْرُونَ رَجُلًا»، طریقہ سمجھ میں آرہا ہے بھئی؟ جی۔ «وَأَرْبَعَةُ آلَافٍ»، دیکھا الاف کے لیے «أَرْبَعَةُ» تا لے کر آئے، «وَتِسْعُ مِائَةٍ»، دیکھا یہاں مائۃ کے لیے تا نہیں لائے۔

ایک اور بھی رسم الخط کا قیمتی ضابطہ یاد رکھیں بھئی، بہت قیمتی ضابطہ۔ یاد رکھیے ثلاثۃ سے لے کر یہ تسعۃ تک: تین سو «ثَلَاثُمِائَةٍ»، چار سو «أَرْبَعُمِائَةٍ»، پانچ سو «خَمْسُمِائَةٍ»، چھ سو «سِتُّمِائَةٍ»، سات سو «سَبْعُمِائَةٍ»، آٹھ سو «ثَمَانِمِائَةٍ» اور نو سو «تِسْعُمِائَةٍ»، ان میں یہ جو مائۃ سے پہلے عدد آرہا ہے نا، اس عدد کو لکھائی میں بھی مائۃ کے لفظ کے ساتھ ملا کر لکھتے ہیں۔ جی، آپ تسع کو الگ کر دیں اور مائۃ کو الگ کر دیں، نہیں نہیں یہ نہیں صحیح بھئی، صحیح طریقہ کیا ہے کہ اس تسعۃ کو یا ثلاثۃ کو کیا کرو؟ مائۃ کے ساتھ جوڑ کر لکھو، جیسا آپ اس وقت کتاب میں دیکھ رہے ہیں: «وَتِسْعُمِائَةٍ»، یہ عین کو کیا کیا ہے؟ میم کے ساتھ، تسعۃ کے عین کو میم کے ساتھ دیکھو جوڑ کر لکھا ہے، تو یہ رسم الخط کا ضابطہ ہے بھئی بڑا قیمتی ضابطہ۔

«وَأَرْبَعَةُ آلَافٍ وَتِسْعُمِائَةٍ وَخَمْسٌ وَأَرْبَعُونَ امْرَأَةً» کتنا ہوا؟ چار ہزار، تسعمائۃ: نو سو، اور خمس و اربعون: پینتالیس عورتیں۔ «وَعَلَيْكَ بِالْقِيَاسِ» اور آپ پر قیاس لازم ہے، یعنی آپ قیاس کو لازم پکڑیں، قیاس کر لیجیے، ہم نے طریقہ سکھا دیا، باقی سب عدد بھی اسی طرح آئیں گے۔ طریقہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟

بھئی اب یہ پھر اب تمیز کی بات کرنے لگے ہیں، تمیز کی۔ میں نے آپ کو بتلا دیا تمیز کیسے آتی ہے: ثلاثۃ سے لے کر عشرۃ تک تمیز کیا آئے گی؟ جمع مجرور، اور گیارہ سے لے کر ننانوے تک تمیز کیسے آئے گی؟ مفرد منصوب، اور الف اور مائۃ میں تمیز کیا آئے گی؟ مفرد مجرور، وہی اب بیان کرنے لگے ہیں۔

کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ أَنَّ الْوَاحِدَ وَالِاثْنَيْنِ لَا مُمَيِّزَ لَهُمَا» کہ واحد اور اثنین، بھئی میں نے کہا تھا ثلاثۃ سے لے کر عشرۃ تک تمیز کیا ہوتی ہے؟ جمع مجرور، تو واحد اور اثنان کا کیا حکم ہے؟ کہتے ہیں بھئی واحد اور اثنان کی تمیز نہیں آتی، اس میں وہ جو تمیز ہے وہ خود ہی واحد اور تثنیہ پہ دلالت کرتی ہے، تو «وَاحِدُ رَجُلٍ» نہیں کہیں گے، صرف «رَجُلٌ» کہہ دیں گے، «رَجُلٌ» لفظ ہی پتہ چل رہا ہے کتنے رجل ہیں؟ ایک ہے، اور «اثْنَا رَجُلَيْنِ» یوں نہیں کہیں گے دو آدمی، بلکہ «رَجُلَيْنِ»، سیدھا سیدھا «رَجُلَانِ» یا «رَجُلَيْنِ» کہہ دیں گے، اور رجلان کا لفظ خود ہی بتلا رہا ہے یہ کتنے مرد ہیں؟ دو ہیں۔ تو لہٰذا دیکھا یہاں یہ جو تمیز یا ممیز کہہ لو، تمیز کا دوسرا نام کیا؟ ممیز، ممیز خود ہی عدد سے خود ہی عدد پر دلالت کر دیتا ہے، وہاں کسی اور تمیز وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ تو وہاں کسی عدد وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں، تو کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ أَنَّ الْوَاحِدَ وَالِاثْنَيْنِ لَا مُمَيِّزَ لَهُمَا» کہ واحد اور اثنین جو ہیں ان کی کوئی ممیز ان کا نہیں ہوتا، یعنی ان کی کوئی تمیز آگے نہیں آتی، «وَاحِدُ رَجُلٍ» نہیں کہیں گے، «اثْنَا رَجُلَيْنِ» یوں نہیں کہیں گے، ان کا کوئی ممیز نہیں ہوتا، آگے یعنی ان کی تمیز نہیں آتی۔ ممیز کس کا نام ہے؟ تمیز کا۔ «لِأَنَّ لَفْظَ الْمُمَيِّزِ يُغْنِي عَنْ ذِكْرِ الْعَدَدِ فِيهِمَا» اس لیے کیونکہ ممیز کا لفظ جو ہے، ممیز جو آگے تمیز آنی تھی وہ لفظ خود ہی «يُغْنِي»، اغنیٰ یغنی کا معنی ہے بے نیاز کر دینا، بے پرواہ کر دینا، وہ بے پرواہ کر دیتا ہے «عَنْ ذِكْرِ الْعَدَدِ فِيهِمَا» اس بات سے کہ عدد کو ذکر کیا جائے ان دونوں میں، یعنی ایک اور دو میں عدد کو ذکر کرنے سے وہ بے نیاز کر دیتا ہے۔ رجل کہہ دیا تو پتہ چل گیا واحد ہے اور رجلان کہہ دیا تو پتہ چل گیا اثنان دو ہیں بھئی۔

■ قولہ: «تَقُولُ: عِنْدِي رَجُلٌ» کی تشریح

«تَقُولُ: عِنْدِي رَجُلٌ» آپ کہتے ہیں «عِنْدِي رَجُلٌ»، دیکھا «عِنْدِي وَاحِدُ رَجُلٍ» نہیں بلکہ «عِنْدِي رَجُلٌ»، «وَرَجُلَانِ» ای «عِنْدِي رَجُلَانِ»۔ «وَأَمَّا سَائِرُ الْأَعْدَادِ» سائر کا کیا معنی؟ باقی، باقی، «وَأَمَّا سَائِرُ الْأَعْدَادِ» اور جو باقی کے اعداد ہیں «فَلَا بُدَّ لَهَا مِنْ مُمَيِّزٍ» تو ان کے لیے ممیز کا ہونا ضروری ہے، «فَلَا بُدَّ لَهَا مِنْ مُمَيِّزٍ» ضروری ہے، «فَلَا بُدَّ لَهَا مِنْ مُمَيِّزٍ» تو ان کے لیے ممیز کا ہونا ضروری ہے، «فَتَقُولُ:» پس آپ کہتے ہیں: «مُمَيِّزُ الثَّلَاثَةِ إِلَى الْعَشَرَةِ مَخْفُوضٌ مَجْمُوعٌ» کہ ممیز ثلاثہ سے لے کر عشرۃ تک، ثلاثہ سے لے کر عشرۃ تک جو ممیز یعنی تمیز ہوتی ہے «مَخْفُوضٌ» مجرور ہوتی ہے، خفض کسے کہتے ہیں؟ جر کو، خفض، «مَخْفُوضٌ»، ثلاثہ سے لے کر عشرۃ تک تمیز کیا ہوتی ہے؟ «مَخْفُوضٌ مَجْمُوعٌ»، جمع مجرور ہوتی ہے، معنی سمجھ میں آ گیا؟ مخفوض: مجرور، اور مجموع: جمع۔

تو کہتے ہیں: «مُمَيِّزُ الثَّلَاثَةِ إِلَى الْعَشَرَةِ مَخْفُوضٌ مَجْمُوعٌ» ثلاثہ سے لے کر عشرۃ تک کی تمیز جو ہے وہ جمع مجرور ہوتی ہے، «تَقُولُ: ثَلَاثَةُ رِجَالٍ وَثَلَاثُ نِسْوَةٍ»، دیکھا رجال جمع مجرور، نسوۃ جمع مجرور۔ «إِلَّا إِذَا كَانَ الْمُمَيِّزُ لَفْظَ الْمِائَةِ» مگر جس وقت کہ ممیز وہ مائۃ کا لفظ ہو «فَحِينَئِذٍ يَكُونُ مَخْفُوضًا مُفْرَدًا» تو پھر اس وقت وہ «مَخْفُوضًا مُفْرَدًا» مجرور مفرد ہو گا، یعنی مفرد مجرور ہو گا، «تَقُولُ: ثَلَاثُ مِائَةٍ وَتِسْعُ مِائَةٍ»، دیکھا یہ رسم الخط غلط ہے بھئی، دیکھ رہے ہیں آپ؟ ثلاثۃ کو مائۃ سے الگ لکھا ہے اور تسعۃ کو بھی مائۃ سے الگ، حالانکہ ان کو ملا کر لکھنا چاہیے بھئی۔ تو یہ قیمتی ضابطہ ہے بھئی، یہ عام علماء کو بھی علم نہیں بھئی یہ رسم الخط کا ضابطہ ہے قیمتی، تو «ثَلَاثُمِائَةٍ وَتِسْعُمِائَةٍ»۔

دیکھو، قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ثلاثہ سے لے کر عشرۃ تک تمیز کیا آتی ہے؟ جمع مجرور، لہٰذا مائۃ کی جمع مِائَاتٌ یا مِئُونَ، مِائَات یا مِئُونَ، اس کو استعمال کیا جاتا اور یوں کہتے «ثَلَاثُ مِائَاتٍ» یا «ثَلَاثُ مِئِينَ»، لیکن مائۃ کا لفظ آئے تو پھر اس کی جمع استعمال نہیں کرتے کیونکہ اس کی جمع عربی میں عام عدد کے ساتھ اس طرح استعمال نہیں ہوتی بھئی۔ تو جب اس کی تمیز لفظِ مائۃ آئے تو مفرد مجرور ہو گا، «تَقُولُ: ثَلَاثُمِائَةٍ وَتِسْعُمِائَةٍ، وَالْقِيَاسُ: ثَلَاثُ مِائَاتٍ أَوْ مِئِينَ» قیاس تو یہ تھا کہ یہ «ثَلَاثُ مِائَاتٍ» ہوتا یا «ثَلَاثُ مِئِينَ» ہوتا۔

«وَمُمَيِّزُ أَحَدَ عَشَرَ إِلَى تِسْعَةٍ وَتِسْعِينَ مَنْصُوبٌ مُفْرَدٌ» اور گیارہ سے لے کر «إِلَى تِسْعَةٍ وَتِسْعِينَ» ننانوے تک ممیز یعنی تمیز جو ہوتی ہے «مَنْصُوبٌ مُفْرَدٌ» کیا ہوتی ہے؟ مفرد منصوب ہوتی ہے، «تَقُولُ: أَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا، وَإِحْدَى عَشْرَةَ امْرَأَةً، وَتِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ رَجُلًا، وَتِسْعٌ وَتِسْعُونَ امْرَأَةً»۔

■ قولہ: «وَمُمَيِّزُ مِائَةٍ وَأَلْفٍ وَتَثْنِيَتِهِمَا وَج...» کی تشریح

«وَمُمَيِّزُ مِائَةٍ وَأَلْفٍ وَتَثْنِيَتِهِمَا وَجَمْعِ الْأَلْفِ مَخْفُوضٌ مُفْرَدٌ» بھئی دیکھیے، وہی باتیں جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں: مائۃ اور الف کی تمیز کیا آئے گی؟ مفرد مجرور۔ تو مائۃ چاہے مفرد ہو «مِائَةٌ»، چاہے تثنیہ ہو «مِائَتَانِ»، اور الف چاہے مفرد ہو «أَلْفٌ»، چاہے تثنیہ ہو «أَلْفَانِ»، یا جمع ہو «آلَافٌ»، سب کی تمیز کیا آئے گی؟ مفرد مجرور۔ سوال: آپ نے الف میں تین درجے ذکر کیے: الف مفرد بھی ہو سکتا ہے، تثنیہ بھی ہو سکتا ہے اور جمع، تو ان تینوں صورتوں میں تمیز کیا آئے گی؟ مفرد مجرور۔ لیکن مائۃ میں آپ نے دو درجے ذکر کیے: مفرد، مائۃ مفرد ہو تو تمیز مفرد مجرور، اور مائۃ اگر تثنیہ ہو تو بھی اس کی تمیز مفرد مجرور، مائۃ اگر جمع ہو پھر؟ کہتے ہیں بھئی مائۃ جمع اس طرح عدد کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا بھئی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ اس لیے اس کا وہ درجہ جمع کو ذکر ہی نہیں کیا۔

تو کہتے ہیں: «وَمُمَيِّزُ مِائَةٍ وَأَلْفٍ وَتَثْنِيَتِهِمَا وَجَمْعِ الْأَلْفِ مَخْفُوضٌ مُفْرَدٌ» اور مائۃ اور الف کی تمیز «وَتَثْنِيَتِهِمَا» اور ان کی دونوں کی تثنیہ کی تمیز «وَجَمْعِ الْأَلْفِ» اور الف کی جمع کی تمیز «مَخْفُوضٌ مُفْرَدٌ» وہ مفرد مجرور ہوتی ہے، «تَقُولُ: مِائَةُ رَجُلٍ، وَمِائَةُ امْرَأَةٍ، وَأَلْفُ رَجُلٍ، وَأَلْفُ امْرَأَةٍ، وَمِائَتَا رَجُلٍ، وَمِائَتَا امْرَأَةٍ، وَأَلْفَا رَجُلٍ، وَأَلْفَا امْرَأَةٍ» آپ دیکھ رہے ہیں اضافت ہو رہی ہے اور مفرد مجرور ہے تمیز، اور نون بھی اضافت کی وجہ سے گر گیا تثنیہ کا۔ «وَثَلَاثَةُ آلَافِ رَجُلٍ، وَثَلَاثُ آلَافِ امْرَأَةٍ» جی، یہاں دیکھیے الف کے فوراً بعد تمیز آ رہی ہے، کس کے بعد؟ الف کے بعد، لہٰذا اس کا اعتبار کیا۔ ثلاثہ سے لے کر عشرۃ تک جمع مجرور اور خلافِ قیاس، یعنی الف کے لیے تا آنی چاہیے یا نہیں؟ الف کا لفظ مذکر ہے، میں کہنا چاہتا ہوں تین ہزار تو کیا کہوں گا؟ «ثَلَاثَةُ آلَافٍ»، کیونکہ الف کا لفظ مذکر تو عدد کیا ہو گا؟ مؤنث: «ثَلَاثَةُ آلَافٍ»۔ لیکن اگر اسی کے ساتھ آگے تمیز

بھی آ جائے: «ثَلَاثَةُ آلَافِ رَجُلٍ»، تو اب اس رجل کا اعتبار کریں گے اگر ساتھ ہی جڑا ہوا آ جائے، اور یہ رجل کیا ہے؟ مذکر ہے، تو لہٰذا «ثَلَاثَةُ» کے ساتھ تا جوڑ دیں گے، تا تو پہلے ہی جڑی ہوئی ہے لہٰذا اسی طرح رہے گا: «ثَلَاثَةُ آلَافِ رَجُلٍ»۔ اور اگر امراۃ ہو، امراۃ، ویسے تو کیا تھا تین ہزار صرف بولو تین ہزار: «ثَلَاثَةُ آلَافٍ»، الف کے لیے تالاؤ گے «ثَلَاثَةُ آلَافٍ»، لیکن اسی کے ساتھ امراۃ جڑا ہوا آ گیا، تو اب امراۃ تو کیا ہے؟ مؤنث، تو اب اس کا اعتبار کریں گے اور ما قبل میں جو ثلاثۃ کا عدد ہے اس سے تا کو حذف کریں گے کیونکہ اس الف سے کون مراد ہیں؟ یہ امراۃ ہی تو مراد ہیں، کوئی اور چیز تو مراد نہیں، تو لہٰذا اب گویا یوں کہیں گے: «ثَلَاثُ آلَافِ امْرَأَةٍ»۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ دیکھیے یہی کہہ رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَثَلَاثَةُ آلَافِ رَجُلٍ، وَثَلَاثُ آلَافِ امْرَأَةٍ، وَقِسْ عَلَى هَذَا» اور اسی پر آپ قیاس کر لیجیے۔

اب آگے بھئی مذکر مؤنث کا بیان کرنے لگے ہیں کیونکہ عدد کے اندر مؤنث اور مذکر کا ذکر آیا تھا بھئی، کسی کے لیے معدود مذکر ہو تو عدد کو مؤنث لاتے ہیں وغیرہ۔ تو کہتے ہیں:

■ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلِاسْمُ إِمَّا مُذَكَّرٌ وَإِمَّا مُؤَنَّثٌ اسم جو...

«فَصْلٌ: اَلِاسْمُ إِمَّا مُذَكَّرٌ وَإِمَّا مُؤَنَّثٌ» اسم جو ہوتا ہے وہ یا تو مذکر ہوتا ہے اور یا مؤنث۔ «فَالْمُؤَنَّثُ مَا فِيهِ عَلَامَةُ التَّأْنِيثِ» تو مؤنث اسم وہ ہے جس میں تانیث کی علامت پائی جائے، جس میں تانیث کی علامت موجود ہو، «لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا» تو تانیث کی علامت چاہے لفظاً ہو چاہے تقدیراً ہو بھئی، تقدیراً ہو۔ تو کہتے ہیں: «فَالْمُؤَنَّثُ مَا فِيهِ عَلَامَةُ التَّأْنِيثِ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا» تو مؤنث وہ اسم ہے کہ جس کے اندر تانیث والی علامت پائی جائے لفظوں میں یا تقدیراً ہو۔ لفظاً: لفظوں میں ہو یعنی اس پر ہم باقاعدہ تلفظ کریں، اور تقدیراً ہو یعنی اس پر ہم تلفظ تو نہیں کر رہے لیکن اس کو فرض کر لیا جائے، مان لیا جائے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ پھر یاد رکھیے یہ جو لفظاً ہے یہ دو قسم پر ہے: لفظاً حقیقۃً ہو گی اور یا لفظاً حکماً ہو گی۔ لفظاً حقیقۃً آگے مثالیں آ رہی ہیں بھئی، جیسے جیسے جیسے «طَلْحَةُ»، «طَلْحَةُ» اس کے آخر میں کیا ہے؟ تائے تانیث جڑی ہوئی ہے اور لفظاً ہے اور حقیقۃً ہے، ہم اس پر باقاعدہ کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں حقیقۃً بھئی، تو یہ یہ تانیث کی علامت لفظاً حقیقۃً ہے۔ اور کبھی تانیث کی علامت لفظاً حکماً ہوتی ہے جیسے «عَقْرَبٌ»، «عَقْرَبٌ»، عقرب میں، تو عقرب میں جو چوتھا حرف ہے، عقرب بچھو کو کہتے ہیں: عین قاف راء با، عقرب کے اندر یہ جو چوتھا حرف ہے یعنی با، یہ یہ تائے تانیث کے حکم میں ہے، تائے تانیث تو نہیں ہے لیکن اس کے حکم میں ہے، اور اس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے؟ ہاں، تو یہ تانیث کی تا ہے لفظاً حکماً، حقیقۃً نہیں ہے بلکہ حکماً ہے، ہم اس پر تانیث کی علامت پر تلفظ کر رہے ہیں لیکن حقیقۃً تو تانیث کی علامت نہیں لیکن اس کے حکم میں ہے۔ تو بات سمجھ میں آ گئی؟ جی۔ تو تانیث کی علامت لفظاً ہو گی یا تقدیراً، اور لفظاً پھر کتنی قسم پر؟ دو قسم پر، یا حقیقۃً ہو گی لفظاً یا حکماً ہو گی بھئی۔

«أَوْ تَقْدِيرًا» یا تانیث کی علامت تقدیراً ہو گی۔ «وَالْمُذَكَّرُ مَا بِخِلَافِهِ» اور مذکر اسم وہ ہے جو اس کے خلاف ہو، یعنی جس میں تانیث کی علامت نہ لفظاً پائی جائے اور نہ تقدیراً۔ «وَعَلَامَةُ التَّأْنِيثِ ثَلَاثَةٌ: اَلتَّاءُ» اور تانیث کی علامتیں تین ہیں: ایک تا ہے جو وقف کی صورت میں ہا بن جاتی ہے، «ضَارِبَةٌ» اسی پر وقف کریں: «ضَارِبَهْ»، دیکھا وہ گول تا کس سے بدل گئی؟ ہا سے، یہ ہے تانیث والی تا۔ «كَطَلْحَةَ» جیسے طلحہ، طلحہ کے آخر میں یہ تانیث کی تا ہے، ہاں اگرچہ یہ نام مذکر کا ہے لیکن تا کون سی ہے؟ تانیث والی ہے، تو لہٰذا اسی لیے طلحہ کا نام جہاں کہیں آئے گا آپ اس کو غیر منصرف پڑھیں گے کیونکہ دو اسبابِ منع صرف آ گئے: ایک تانیث اور ایک علمیۃ، نام بھی ہے اور تانیث بھی، تو «كَطَلْحَةَ»، دیکھا میں نے بھی اس کو کیسے پڑھا؟ غیر منصرف پڑھا، اور غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے، اس کا جر بھی فتحہ کی صورت میں آتا ہے، تو «كَطَلْحَةَ»۔ تو طلحہ کا اعراب بتاؤ اس وقت مجھے؟ مجرور لفظاً، شاباش، تو اس کو تقدیراً نہیں کہنا کیونکہ اس کا جر آتا ہی اس شکل میں ہے اور اس پر ہم تلفظ بھی کر رہے ہیں۔

تو تانیث کی تین علامتیں ہیں: ایک تا ہے، «وَالْأَلِفُ الْمَقْصُورَةُ» اور ایک الفِ مقصورہ ہے، الفِ مقصورہ یہ عام الف بھئی، کسی اسم کے آخر میں آئے، «كَحُبْلَى»، «حُبْلَى»، دیکھا یہ الفِ مقصورہ ہے۔ «وَالْأَلِفُ الْمَمْدُودَةُ» اور ایک الفِ ممدودہ ہے «كَحَمْرَاءَ»، «حَمْرَاءَ» کاف جمارہ داخل ہے اور یہ بھی غیر منصرف ہے کیونکہ الفِ تانیث قائم مقام دو سببوں کے ہے، آپ پڑھ چکے تو یہ غیر منصرف ہے، تو یہ مؤنث ہے احمر کی حمراء بھئی، سرخ۔

تو تانیث کی کتنی علامتیں؟ تین علامتیں: ایک تا، ایک الفِ مقصورہ اور ایک الفِ ممدودہ بھئی۔ الفِ ممدودہ وہ ہے کہ الف کے بعد ہمزہ آئے، الف کے بعد کیا آئے؟ ہمزہ آئے، اس کو الفِ ممدودہ کہتے ہیں اور اس کو خوب لمبا کیا جاتا ہے، خوب لمبا۔ پھر اس میں یاد رکھیے، الفِ مقصورہ کسے کہتے ہیں؟ جو عام الف ہے۔ اور الفِ ممدودہ؟ جس میں الف کے بعد ہمزہ آئے اور اس کو خوب لمبا کیا جاتا ہے۔ اس میں یاد رکھیے یہ جو ہوتا ہے نا الفِ ممدودہ، یہ دراصل دو الف تھے، حمراء

کے آخر میں کیا تھے؟ دو الف تھے، دو الف تھے۔ پہلا الف زائد ہے اور دوسرا الف تانیث والا ہے، تو دو الف جمع ہو گئے، اور ضابطہ ہے کہ الفِ زائد کے بعد کوئی حرفِ علت آجائے تو اس کو ہمزہ سے بدلتے ہیں۔ کیا ضابطہ ہے؟ الفِ زائد کے بعد کوئی حرفِ علت آجائے تو اس کو ہمزہ سے بدلتے ہیں۔ تو حمراء کے آخر میں دو الف تھے، تو دوسرے دوسرا الف تانیث تھا اس کو کس سے بدل دیا؟ ہمزہ سے، تو «حَمْرَاءُ» ہوا، صورت سمجھ میں آگئی؟ «كَحَمْرَاءَ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ الفِ زائد کے بعد اگر کیا آجائے؟ حرفِ علت آجائے تو اس کو کس سے بدلتے ہیں؟ ہمزہ سے، جیسے «قَالَ يَقُولُ قَوْلًا فَهُوَ قَائِلٌ»، اصل میں کیا تھا؟ «قَاوِلٌ»، قول سے ہے نا، قول واوی ہے، تو الف کے بعد واو تھا، اس واو کو کس سے بدلا؟ یا سے بدل دیا گیا۔

آگے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: «وَالْمُقَدَّرَةُ إِنَّمَا هُوَ التَّاءُ فَقَطْ» اور وہ جو تانیث کی علامت مقدر ہوتی ہے وہ صرف تا ہوتی ہے، انہوں نے بتایا تھا نا کہ علامتِ تانیث یا لفظاً ہو گی یا تقدیراً، تو تقدیراً صرف تا ہو گی، یہ الفِ ممدودہ یا الفِ مقصورہ یہ مقدر نہیں ہوں گی۔ تو کہتے ہیں: «وَالْمُقَدَّرَةُ إِنَّمَا هُوَ التَّاءُ فَقَطْ» مقدرہ جو ہے وہ صرف تا ہی ہوتی ہے، «كَأَرْضٍ وَدَارٍ» جیسے ارض اور دار۔ اب بھئی ارض یہ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے اور دلیل اس کی کہ اس کی تصغیر بنائیں، تصغیر نکالیں تو وہ «أُرَيْضَةٌ» آتی ہے۔ اسی طرح دار، دار گھر کو کہتے ہیں، دار یہ بھی عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے اس کے مؤنث ہونے کی کہ اس کی تصغیر نکالیں تو وہ «دُوَيْرَةٌ»، «دُوَيْرَةٌ» مؤنث، اس میں دیکھو تانیث کی علامت موجود ہے بھئی۔ تو لہٰذا یوں کہیں گے کہ ارض مؤنث ہے اور تا کیا ہے؟ علامتِ تانیث یہاں مقدر ہے، تقدیراً ہے، اسی طرح دار میں بھی، اور اس کا پتہ کس سے چلا؟ تصغیر سے۔ یاد رکھیے، مشہور ضابطہ ہے: «اَلتَّصْغِيرُ يَرُدُّ الْأَشْيَاءَ إِلَى أُصُولِهَا» کہ تصغیر جو ہے «يَرُدُّ الْأَشْيَاءَ» یہ چیزوں کو لوٹا دیتی ہے «إِلَى أُصُولِهَا» ان کی اصل کی طرف۔ آپ نے کسی لفظ کی اصل معلوم کرنی ہے تو اس کی تصغیر کو دیکھ لیں، آپ کو اس سے اس کی اصل کا پتہ چل جائے گا۔ دیکھو «أَرْضٌ» زمین کو کہتے ہیں، یہاں پر تا نہیں ہے، لیکن ہم نے اس کی تصغیر دیکھی تو وہ عربی میں استعمال ہوتی ہے «أُرَيْضَةٌ»، «أُرَيْضَةٌ»، اس سے اس کی اصل کا پتہ چل گیا، معلوم ہوا کہ ارض کے ساتھ اصل میں کیا جڑی ہوئی تھی؟ تا جڑی ہوئی تھی، تا مقدر ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ کس نے بتایا؟ تصغیر نے۔ تو ضابطہ کیا ہے؟ «اَلتَّصْغِيرُ يَرُدُّ الْأَشْيَاءَ إِلَى أُصُولِهَا»۔

اسی طرح دار، دار کی تصغیر ہم نے نکالی تو تصغیر اس کی دیکھی تو وہ «دُوَيْرَةٌ» ہے، معلوم ہوا اس کے اندر بھی تانیث کی علامت مقدر ہے، اس تصغیر میں تائے تانیث موجود ہے۔ نیز دار، دار کے درمیان الف آرہا ہے، الف ہے، اب پتہ نہیں یہ الف واؤ تھا یا یا تھا، لیکن جب اس کی تصغیر نکالی: «دُوَيْرَةٌ»، دیکھا وہاں کیا موجود ہے؟ واؤ، معلوم ہوا یہ الف اصل میں کیا تھا؟ واؤ تھا، واؤ سے بدل کر الف ہوا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ضابطہ کیا ہوا؟ «اَلتَّصْغِيرُ يَرُدُّ الْأَشْيَاءَ إِلَى أُصُولِهَا»۔ اسی طرح جمع تکسیر ہے، ایک تو جمع سالم ہے نا، جمع مذکر سالم اور جمع مؤنث سالم، ایک جمع تکسیر ہے جس میں مفرد کا وزن جمع میں جا کر ٹوٹ جاتا ہے، تو التکسیر اس میں بھی یہی ضابطہ ہے: «اَلتَّكْسِيرُ يَرُدُّ الْأَشْيَاءَ إِلَى أُصُولِهَا» کہ جمع تکسیر جو ہے وہ بھی چیزوں کو ان کی اصل کی طرف لوٹا دیتی ہے۔ تو آپ نے کسی لفظ کی اصل معلوم کرنی ہو عربی زبان میں تو اس کی تصغیر دیکھ لو یا اس کی جمع تکسیر دیکھ لو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جی۔ تو یہ دو ضابطے ہیں اور دونوں کو اکٹھا بھی یاد کر سکتے ہیں آپ: «اَلتَّصْغِيرُ وَالتَّكْسِيرُ يَرُدَّانِ الْأَشْيَاءَ إِلَى أُصُولِهَا»، تصغیر اور تکسیر جو ہیں «يَرُدَّانِ» یہ دونوں لوٹا دیتے ہیں «الْأَشْيَاءَ» چیزوں کو «إِلَى أُصُولِهَا» ان کی اصل کی طرف۔

تو کہتے ہیں: «وَالْمُقَدَّرَةُ إِنَّمَا هُوَ التَّاءُ فَقَطْ كَأَرْضٍ وَدَارٍ بِدَلِيلِ أُرَيْضَةٍ وَدُوَيْرَةٍ» اور مقدر جو ہے وہ صرف تا ہوتی ہے جیسے ارض اور دار، اریضۃ اور دویرۃ کی دلیل کے ساتھ۔ «ثُمَّ الْمُؤَنَّثُ عَلَى قِسْمَيْنِ: حَقِيقِيٌّ» پھر مؤنث دو قسم پر ہے: ایک مؤنثِ حقیقی ہے۔ مؤنثِ حقیقی بھئی سمجھ لیں، وہ ہے جس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان ہو، جیسے «امْرَأَةٌ»، امراۃ کے مقابلے میں کیا ہے؟ مذکر حیوان رجل موجود ہے، یا جیسے «نَاقَةٌ» یہ بھی مؤنثِ حقیقی، اس کے مقابلے میں کیا ہے؟ «جَمَلٌ» مذکر حیوان موجود ہے۔ تو کہتے ہیں: مؤنث دو قسم پر ہے، ایک حقیقی: «وَهُوَ مَا بِإِزَائِهِ» ازاء: مقابلے میں، «وَهُوَ مَا بِإِزَائِهِ ذَكَرٌ مِنَ الْحَيَوَانِ» وہ ہے وہ مؤنث ہے کہ جس کے مقابلے میں مذکر حیوان ہو «كَامْرَأَةٍ وَنَاقَةٍ» جیسے امراۃ اور ناقۃ۔ «وَلَفْظِيٌّ» اور ایک مؤنثِ لفظی ہے «وَهُوَ مَا بِخِلَافِهِ» وہ ہے جو اس مؤنثِ حقیقی کے برعکس ہو، یعنی اس میں تو تھا اس کے مقابلے میں مذکر حیوان ہو گا جبکہ مؤنثِ لفظی میں مقابلے میں مذکر حیوان نہیں ہو گا، «كَظُلْمَةٍ» جیسے ظلمت، اب اس کے آخر میں تا تو جڑی ہوئی ہے، یہ ہے تو مؤنث، ظلمت تاریکی کو کہتے ہیں، اس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان نہیں، تو اس کو کیا کہیں گے؟ مؤنثِ لفظی۔ «وَعَيْنٍ» اور جیسے عین کا لفظ، عین کا لفظ، یہ مؤنث ہے اور اس میں تانیث کی علامت مقدر ہے، دلیل کیا ہے؟ ہم نے اس کی تصغیر نکالی تو «عُيَيْنَةٌ»، «عُيَيْنَةٌ» عین یا یا نون اور گول تا، عینۃ آئی، معلوم ہوا یہاں تا کیا ہے؟ مقدر ہے بھئی۔ عین چشمے کو بھی کہتے ہیں، عین سورج کو بھی کہتے ہیں، عین جاسوس کو بھی کہتے ہیں، عین گھٹنے کو بھی کہتے ہیں، عین سونے کو بھی کہتے ہیں، تو بہت سے معانی آتے ہیں۔ تو عین یہ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان نہیں تو معلوم ہوا یہ مؤنثِ لفظی ہے۔

▪ قولہ: «وَقَدْ عَرَفْتَ أَحْكَامَ الْفِعْلِ إِذَا أُسْنِدَ...» کی تشریح

«وَقَدْ عَرَفْتَ أَحْكَامَ الْفِعْلِ إِذَا أُسْنِدَ إِلَى الْمُؤَنَّثِ فَلَا نُعِيدُهَا» اور تحقیق آپ جان چکے ہیں احکام الفعل، فعل کے احکام جب اس کا اسناد کیا جائے مؤنث کی طرف تو ہم پھر ان کو نہیں دہرائیں گے۔ بھئی مصنف نے جہاں فاعل کی بحث آئی تھی وہاں مصنف نے آپ کو بتلایا تھا کہ فعل کا فاعل اگر مؤنثِ حقیقی ہو تو اس کے لیے فعل کیا لائیں گے؟ مؤنث، مثلاً ہند نے پٹائی کی، آپ کہیں گے «ضَرَبَتْ هِنْدٌ»، تو اس کے لیے فعل کیا لائیں گے؟ مؤنث۔ یہ اس وقت ہے جبکہ فاعل مؤنثِ حقیقی ہو اور درمیان میں فصل نہ ہو، اور اگر فصل آجائے تو پھر آپ کو اختیار ہے: «ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ»، اب دیکھو درمیان میں الیوم کا فصل آگیا ضربت میں اور ہند میں، فاعل میں، تو اب «ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ» بھی کہہ سکتے ہیں اور «ضَرَبَ الْيَوْمَ هِنْدٌ» بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ کب؟ جبکہ فاعل کیا ہو؟ مؤنثِ حقیقی، اور اگر فاعل کیا ہو؟ مؤنثِ غیر حقیقی ہو یعنی مؤنثِ لفظی ہو تو پھر چاہے فصل ہو یا فصل نہ ہو آپ کو اختیار ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ فعل کو چاہے مذکر لائیں چاہے مؤنث لے کر آئیں بھئی، جیسے «طَلَعَ الشَّمْسُ» اور «طَلَعَتِ الشَّمْسُ»، دونوں طرح آپ کہہ سکتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَقَدْ عَرَفْتَ أَحْكَامَ الْفِعْلِ إِذَا أُسْنِدَ إِلَى الْمُؤَنَّثِ فَلَا نُعِيدُهَا» اور تحقیق آپ جان چکے ہیں فعل کے احکام جب اس کا اسناد کیا جائے مؤنث کی طرف تو ہم ان کو دوبارہ نہیں دہرائیں گے۔

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلْمُثَنَّى اسْمٌ أُلْحِقَ بِآخِرِهِ أَلِفٌ أَوْ يَ...

«فَصْلٌ: اَلْمُثَنَّى اسْمٌ أُلْحِقَ بِآخِرِهِ أَلِفٌ أَوْ يَاءٌ مَفْتُوحٌ مَا قَبْلَهَا، وَنُونٌ مَكْسُورَةٌ، لِيَدُلَّ عَلَى أَنَّ مَعَهُ آخَرَ مِثْلَهُ، نَحْوُ: رَجُلَانِ وَرَجُلَيْنِ» اب تثنیہ کی بحث آگئی بھئی، تثنیہ۔ تثنیہ کسے کہتے ہیں؟ سمجھ لیں پہلے بھئی، پھر تعریف کو دیکھتے ہیں۔ یاد رکھیے تثنیہ ایسے اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے مفرد کے آخر میں الف اور نون کو جوڑ دیا جائے بھئی، الف اور نون کو، یا یا اور نون کو، حالتِ رفعی میں الف اور نون، حالتِ نصبی جری میں یا اور نون: «رَجُلَانِ» اور «رَجُلَيْنِ»۔ تو تثنیہ کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جس کے مفرد کے آخر میں الف اور نون کو ملا دیا گیا ہے یا یا اور نون کو ملا دیا گیا ہے اس بات پر دلالت کرنے کے لیے کہ اس کے ساتھ اس جیسا ایک اور بھی ہے، اس کے ساتھ اس جیسا ایک اور بھی ہے۔ مثلاً دیکھیے، مجھے دو کتابیں دیں بھئی۔ دیکھیے بھئی، یہ ایک کتاب ہے، یہ دوسری کتاب ہے، تو یہ کتاب مفرد ہے اور اب میں ان دونوں کے لیے لفظ بنانا چاہتا ہوں تو میں نے کتاب جو مفرد ہے اسی کے ساتھ الف اور نون کو جوڑا تو کیا بن گیا؟ «كِتَابَانِ»۔ «كِتَابَانِ» کا کیا معنی؟ دو کتابیں، یعنی یہ دیکھیے یہ دو کتابیں ہیں بھئی۔ پہلے کیا تھا؟ یہ ایک تھی، یہ ایک طرف جو ہے، یہ ایک تھی، اسی کتاب کے ساتھ میں نے کیا جوڑ دیا؟ الف نون۔ یہ الف نون، «كِتَابَانِ»، یہ الف نون کیا بتا رہا ہے کہ اس کتاب کے ساتھ اسی جیسی ایک اور کتاب بھی ہے، یعنی اب ایک کتاب نہیں ہے بلکہ کتنی ہیں؟ دو ہیں۔ یا جیسے آپ قلم، میں کہتا ہوں «قَلَمَانِ»، دیکھو قلم تھا ایک، میں نے اس کے ساتھ کیا جوڑ دیا الف نون یا یا نون، اس الف اور نون نے کیا بتلایا کہ اس قلم کے ساتھ یہ اب اکیلا نہیں ہے، اس کے ساتھ اس جیسا ایک اور قلم بھی ہے، تو اب «قَلَمَانِ» دو قلم بھئی، اب ایک قلم نہیں بلکہ دو قلم۔ اور ایک قلم ہے تو دوسرا بھی کیا ہے؟ قلم ہے، اسی جیسا، صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟ اسی جیسا ہے یعنی قلم ہی ہے۔ ایک کتاب کے ساتھ دوسری کتاب ہے اسی جیسی یعنی جیسے یہ کتاب ہے وہ بھی کیا ہے؟ کتاب ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ جی۔

اب دیکھیے بھئی کتاب پر: «فَصْلٌ: اَلْمُثَنَّى اسْمٌ» کہ تثنیہ جو ہے ایسا اسم ہے «أُلْحِقَ بِآخِرِهِ» کہ ملا دیا جائے اس کے آخر کے ساتھ، ای بآخر مفردہ، یہاں آخر کے بعد مفرد کا لفظ محذوف ہے ہا ضمیر سے پہلے، ملا یا جائے کس کے ساتھ؟ اس کے مفرد کے آخر میں ملا دیا جائے «أَلِفٌ أَوْ يَاءٌ» ایسا الف یا ایسی یا «مَفْتُوحٌ مَا قَبْلَهَا» جس کا ما قبل کیا ہو؟ مفتوح۔ وہ الف مفتوح ہوتا ہے، وہ یا مفتوح ہوتی ہے یا ان کا ما قبل مفتوح ہوتا ہے؟ ما قبل مفتوح ہوتا ہے۔ تو یہ «مَفْتُوحٌ» صفت بحال متعلقہ ہے۔ یاد آیا کچھ؟ جی، کیا؟ صفت بحال متعلقہ ہے، وہ کسے کہتے ہیں؟ جو لفظوں میں صفت ہو ما قبل کی اور معنیٰ میں صفت ہو اس کے متعلق کی، تو یہاں بھی کہا: ایسا الف یا ایسی یا کہ مفتوح ہو ما قبلہا، اس کا ما قبل، وہ خود الف اور یا نہیں مفتوح بلکہ ان کا ما قبل، تو یہ مفتوح لفظوں میں صفت ہے «أَلِفٌ أَوْ يَاءٌ» کی، وہ مرفوع تو یہ بھی مرفوع، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ اس کی صفت نہیں کیونکہ وہ الف اور یا مفتوح نہیں ہوتے ان کا ما قبل کیا ہوتا ہے؟ مفتوح، تو یہ «مَا قَبْلَهَا» یہ ہے نائب فاعل مفتوح کے لیے، مفتوح کون ہوتا ہے؟ «مَا قَبْلَهَا» وہ جو ان کا ما قبل ہے۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ جی۔

تو تثنیہ ایسا اسم ہے کہ جس کے آخر میں ایسی الف اور یا جوڑ دی جائے جن کا ما قبل مفتوح ہو اور نونِ مکسورہ جوڑ دیا جائے بھئی، «رَجُلَانِ» الف جس کا ما قبل مفتوح ہے اور نون، «رَجُلَيْنِ» ایسی یا جس کا ما قبل مفتوح ہے اور نونِ مکسورہ، اس کو جوڑ دیا گیا «لِيَدُلَّ» تاکہ یہ دلالت کرے «عَلَى أَنَّ مَعَهُ آخَرَ

مِثْلَهُ » اس بات پر کہ اس کے ساتھ، یہ جس کے آخر میں الف نون ملایا گیا، اس کے ساتھ آخر ایک اور بھی ہے مثلہ اسی جیسا، یعنی اسی کی جنس کا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک قلم ایک نوع کا ہے تو دوسرا بھی اسی نوع کا ہے، ایک کتاب ایک قسم کی ہے تو دوسری کتاب بھی اسی قسم کی ہے، یہ معنی نہیں ہے، معنی یہ ہے کہ اس قلم کے ساتھ ایک اور بھی اسی جیسا قلم ہے، یعنی جیسے اس کی جنس قلم ہے دوسرے کی بھی جنس کیا ہے؟ قلم۔ جیسے اس کتاب کے ساتھ ایک اور بھی کتاب ہے، ہو سکتا ہے ایک صرف کی ہو، ایک نحو کی ہو، لیکن ہیں تو کتابان، تو آپ تو ہمیں کیا کہہ رہے ہیں اس کتاب کے ساتھ اسی جیسی ایک اور کتاب ہے، بھئی اسی جیسی کا یہ معنی نہیں کہ نوع بھی ایک جیسی ہو، قسم بھی ایک جیسی ہو، بلکہ جنس ایک ہے، جیسے یہ کتاب ہے اسی طرح اس کے ساتھ اسی کی جنس کی ایک اور بھی کتاب ہے، وہ بھی یعنی کتاب کی جنس ہے، یہ بھی کتاب کی جنس ہے۔

تو یہ « لِيَدُلَّ عَلَى أَنَّ مَعَهُ آخَرَ مِثْلَهُ » تاکہ دلالت کرے اس بات پر کہ اس کے ساتھ اسی جیسا ایک اور بھی ہے « نَحْوُ: رَجُلَانِ وَرَجُلَيْنِ » جیسے رجلان اور رجلین۔ « هَذَا فِي الصَّحِيحِ » یہ تو صحیح کے اندر ہے بھئی، دیکھیے تثنیہ بنانا چاہتے ہیں آپ تو صحیح کی تثنیہ تو آسان ہے۔ نحو میں صحیح کسے کہتے ہیں اور ناقص کسے کہتے ہیں؟ صَرفی ناقص اور اور نحوی ناقص، یا یوں کہیں، صرفی صحیح اور، صرفی صحیح کسے کہتے تھے؟ جس کے فاعین لام کے مقابلے میں حرفِ علت بھی نہ ہو، ہمزہ بھی نہ ہو اور دو حرف ایک جنس کے بھی نہ ہوں، اس کی بڑی لمبی تعریف، لیکن نحوی بحث کرتا ہے اعراب سے اور اعراب آتا ہے آخری حرف پر، تو صرف آخری حرف کو دیکھیں، اگر کلمے کا آخری حرف حرفِ علت ہے تو اس کو ناقص کہیں گے اور اگر وہ حرفِ علت نہیں تو پھر وہ وہ صحیح کہلاتا ہے۔ تو یہ جو طریقہ بیان کیا الف نون یا یا نون اس کے آخر میں ملائیں گے، « هَذَا فِي الصَّحِيحِ » یہ کس میں ہے؟ صحیح کے اندر ہے۔

تو کہتے ہیں: « هَذَا فِي الصَّحِيحِ » یہ تو صحیح کے اندر ہے۔ صحیح کے اندر آپ ایک مفرد سے تثنیہ بنانا چاہتے ہیں آسان طریقہ ہے، اس کے آخر میں الف نون یا یا نون جوڑ دیں بھئی۔ اور اگر وہ اسم مقصور ہے، اسم مقصور ہے یعنی اس کے آخر میں کیا آرہا ہے؟ اس کے آخر میں الف آرہا ہے، الف آرہا ہے، تو پھر کیا کریں گے؟ اور اسی طرح اگر اس کے آخر میں الفِ ممدودہ آئے تو پھر کیا کریں گے؟ اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔

تو کہتے ہیں: « وَأَمَّا الْمَقْصُورُ فَإِنْ كَانَتْ أَلِفُهُ مُنْقَلِبَةً عَنْ وَاوٍ » کہتے ہیں: « فَإِنْ كَانَتْ أَلِفُهُ مُنْقَلِبَةً عَنْ وَاوٍ » اگر اس کا الف بدلا ہے عن واو، کس سے؟ واو سے، اس کا بھئی ہے تو اسم مقصور، آخر میں کیا آرہا ہے الفِ مقصورہ، لیکن وہ الف کس سے بدل کر آیا ہے؟ واو سے، تو کہتے ہیں: « فَإِنْ كَانَتْ أَلِفُهُ مُنْقَلِبَةً عَنْ وَاوٍ » اگر اس کا الف بدلا ہے واو سے « وَكَانَ ثُلَاثِيًّا » اور وہ اسم ثلاثی ہے۔ ثلاثی کا یہ معنی نہیں کہ حرفِ اصلی تین ہوں، ثلاثی کا یہاں معنی یہ ہے کہ تین حروف ہوں اس کے، تین سے زیادہ نہ ہوں، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اپ ثلاثی حرفِ اصلی والے ثلاثی مراد نہیں ہے بلکہ ثلاثی سے مراد تین حروف والا ہے۔

تو کہتے ہیں: اگر اسم مقصور کا الف واو سے بدل کر آیا ہے « وَكَانَ ثُلَاثِيًّا » اور وہ اسم کیا ہے؟ ثلاثی ہے، « رُدَّ إِلَى أَصْلِهِ » تو اس الف کو پھر لوٹا دیں گے اس کی اصل یعنی واو کی طرف، « كَـ: عَصَوَانِ فِي عَصًا » ۔ بھئی عصا دیکھو آخر میں کیا ہے؟ الف، آپ اس کی تثنیہ بنانا چاہتے ہیں، عصا لاٹھی کو کہتے ہیں۔ بھئی دیکھو ایک ہے عصا، ایک ہے رحا، عصا کے آخر میں بھی الفِ مقصورہ، رحا کے آخر میں بھی الفِ مقصورہ، عصا کہتے ہیں لاٹھی کو، رحا کہتے ہیں پن چکی کو۔ پن چکی جانتے ہو؟ یہ بعض پہاڑی علاقوں میں پہاڑوں پر اوپر سے پانی آتا ہے تو نیچے وہ پانی کے بہاؤ پر بھاری پتھر رکھ دیتے ہیں اور پانی ان کو گھماتا ہے اور اس پر پھر وہ آٹا پیستے ہیں، کوئی خاص ان کا طریقہ ہوتا ہے، وہ ہر وقت گھومتا رہتا ہے کیونکہ مسلسل اوپر سے پانی آرہا ہے تو وہ بھاری پتھر ہوتا ہے لیکن پانی اس کو گھماتا رہتا ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ پن چکی، تو یہ ہے رحا۔ اب عصا اس کے آخر میں بھی الفِ مقصورہ، رحا اس کے آخر میں بھی الفِ مقصورہ، اب ہمیں پتہ نہیں کہ کون سا الف واو سے بدلا ہے اور کون سا الف یا سے بدل کر آیا ہے، تو ایک رسم الخط کا ضابطہ یاد رکھنا اس سے بہت جگہ آپ کو مدد مل جائے گی۔ رسم الخط کا ضابطہ یہ ہے کہ جب یا الف سے بدل جائے، آخر میں کیا تھی یا اور وہ کس سے بدل گئی الف سے، تو بھی اس کو یا ہی کی شکل میں لکھتے ہیں اور اس پر کھڑی زبر ڈال دیتے ہیں، لکھتے کس شکل میں ہیں؟ یا کی شکل میں، اور عربی میں اس یا کے نیچے پھر نقطے نہیں ڈالتے، جو یا کس سے بدل جائے؟ الف سے۔ جو یا الف سے نہ بدلے اس کے آخر میں وہ نقطے ڈالتے ہیں اور جو یا الف سے بدل جائے اس کے نیچے نقطے نہیں ڈالتے۔ تو یا جب الف سے بدل جائے تو اس یا کو یا ہی کی شکل میں لکھتے ہیں، لیکن آخر میں اگر واو تھا اور وہ واو الف سے بدل جائے تو اب اس کو واو کی شکل میں نہیں لکھتے بلکہ الف کی شکل میں لکھتے ہیں۔ تو دیکھا عصا اور رحا، عصا کے آخر میں الف، معلوم ہوا یہ کس سے الف بدلا ہے؟ واو سے، اور رحا کے آخر میں اسی طرح یا ہے، معلوم ہوا یہ الف کس سے بدل کر آیا ہے؟ یا سے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور میں نے بتایا ہم تو اس پر کھڑی زبر لکھ دیتے ہیں ہمارے ہاں، لیکن عرب عرب اس پر کھڑی زبر وغیرہ کچھ بھی نہیں لکھیں گے، ہاں اس رحا کی یا کے نیچے وہ نقطے نہیں ڈالیں گے اور جو یا الف سے نہ بدلی ہو اس کے نیچے وہ نقطے ڈالتے ہیں، لہٰذا آپ عربی کتابیں اٹھا کر دیکھیں۔ اب تو آپ کو صرف آتی ہے:

«فِي»، فی کے اندر آخر میں یا ہے اور یا الف سے بدلی ہے؟ نہیں، لہٰذا اس فی کے نیچے آپ کو عربی کتابوں میں ہمیشہ دو نقطے ملیں گے، اور «عَلَى»، علیٰ کے آخر میں کیا ہے؟ یا ہے لیکن کس سے بدل چکی؟ الف سے، تو اس یا کے نیچے وہ دو نقطے نہیں لکھیں گے، تو یہ دو نقطے نہ لکھنا علامت ہے کہ یہ یا کس سے بدل چکی؟ الف سے۔ تو یہ ساری عربی کتابوں میں آپ غور کر لیں، آپ کو اسی طرح ملے گا: جو یا الف سے بدل جائے اس کے نیچے وہ نقطے نہیں لکھتے اور جس یا جو یا نہ بدلی ہو اس کے نیچے وہ نقطے لکھتے ہیں بھئی۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ جی۔ تو کیا ضابطہ بیان ہوا کہ اگر اسم مقصور کے آخر میں کیا آئے؟ الف آئے اور وہ الف کس سے بدل کر آیا ہے؟ واو سے، اور لفظ بھی کیسا ہے؟ ثلاثی ہے یعنی تین حرف والا ہے، ثلاثی مجرد نہیں مراد بلکہ لفظ میں حروف ہی کل کتنے ہیں؟ تین، جیسے عصا میں عین صاد الف تین حروف ہیں، تو اس کو اس کی جب آپ تثنیہ بنانا چاہیں تو اس الف کو دوبارہ کس کی طرف لوٹا دیں؟ واو کی طرف اور الف نون ساتھ جوڑ دیں: «عَصَوَانِ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: «كَ: عَصَوَانِ فِي عَصًا»۔

■ قولہ: «وَإِنْ كَانَتْ عَنْ يَاءٍ» کی تشریح

«وَإِنْ كَانَتْ عَنْ يَاءٍ» اور اگر وہ الف کس سے بدل کر آیا ہے؟ یا سے بدل کر آیا ہے، «أَوْ وَاوٍ وَهُوَ أَكْثَرُ مِنَ الثُّلَاثِيِّ» یا کس سے بدلا ہے؟ واو سے اس حال میں کہ وہ ثلاثی سے زیادہ ہو، یہ قید ہے واو کے ساتھ، واو۔ اوپر بتایا تھا نا اگر الف کس سے بدلا ہو واو سے اور کتنے حروف والا اسم ہو؟ تین والا، اب بتا رہے ہیں اگر الف واو سے بدلا ہے لیکن اسم تین سے زیادہ والا ہے یا اور اگر الف کس سے بدلا ہے؟ یا سے، پھر تو چاہے تین والا ہو یا زیادہ والا ہو اس سے ہماری بحث نہیں کیونکہ یا کے اوپر بات کی ہی نہیں تھی، یا والے سب آگئے، جب الف کس سے بدلا؟ یا سے، چاہے پھر وہ تین حرف والا ہو یا زیادہ والا، سب کا یہی حکم۔ اور اگر الف کس سے بدلا؟ واو سے، تو پھر کیا ہونا چاہیے؟ تین سے زیادہ ہو۔ آگے حکم آرہا ہے ابھی بات پوری نہیں ہوئی، اگر واو سے الف بدلا تھا اور تین حروف تھے اس کی مثال بیان کر دی اس کو واپس کس میں بدل دیں گے؟ واو سے، لیکن اگر اس کے برعکس اور کوئی بھی صورت ہو باقی سب اس میں آگئے، اور کیا کیا صورتیں آئیں؟ بھئی دیکھو اگر اسم ثلاثی ہے تین حرف والا ہے اور اس کا الف کس سے بدل کر آیا ہے واو سے، تو اس الف کو پھر دوبارہ واو سے بدل دیں گے اور آخر میں الف نون لگا دیں گے جیسے عصا سے کیا بن گیا؟ «عَصَوَانِ»، اور اس کے علاوہ باقی ساری صورتوں میں، ساری صورتوں میں الف کو یا سے بدل دیں گے۔ اور باقی ساری صورتوں میں کیا کیا صورت ہے؟ کہ اگر الف کس سے بدلا ہو؟ یا سے، چاہے اسم تین حرف والا ہے یا زیادہ والا ہے جو بھی ہے، لیکن الف کس سے بدلا ہو؟ یا سے۔ یا الف بدلا تو واو سے ہے لیکن تین حروف سے زیادہ والا اسم تھا۔ یا یا الف ایسا ہے جو کسی سے بھی بدل کر نہیں آیا، نہ واو سے اور نہ یا سے، تو ان تمام صورتوں میں وہ الف یا سے بدل جائے گا بھئی، کس سے بدل جائے گا؟ یا سے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہی بات بیان کر رہے ہیں: «إِنْ كَانَتْ عَنْ يَاءٍ» اور اگر وہ کس سے بدلا ہو الف؟ یا سے بدلا ہو، ہر صورت میں چاہے ثلاثی ہو یا ثلاثی سے زیادہ ہو، «أَوْ وَاوٍ وَهُوَ أَكْثَرُ مِنَ الثُّلَاثِيِّ» یا وہ الف کس سے بدلا ہے واو سے اور وہ اس حال میں کہ وہ لفظ ثلاثی سے زیادہ تھا، «أَوْ لَيْسَتْ مُنْقَلِبَةً عَنْ شَيْءٍ» یا وہ الف کسی سے بھی نہیں بدلا اسی طرح الف ہی تھا شروع سے ہی، تو ان تمام صورتوں میں «تُقْلَبُ يَاءً» یہ الف کس سے بدلے گا؟ یا سے، «كَ: رَحَيَانِ فِي رَحًى»۔ دیکھو رحا الف کس سے آیا تھا؟ یا سے، تو تمام صورتیں اس میں آجائیں گی۔ رحا کی تثنیہ کیا ائے گی؟ «رَحَيَانِ»۔ «وَمُلْهَيَانِ فِي مُلْهًى»، ملہیٰ تو اس میں کیا کہیں گے؟ «مُلْهَيَانِ»۔ «وَمُلْهَيَانِ فِي مُلْهًى»، الہیٰ یلھی کا معنی ہوتا ہے چکی میں گندم ڈالنا۔ «وَحُبَارَيَانِ فِي حُبَارَى»، حباریٰ سرخاب ایک پرندہ ہے اس کا نام ہے، تو رحا میں «رَحَيَانِ» کہیں گے «وَمُلْهَيَانِ فِي مُلْهًى» اور ملہیٰ میں «مُلْهَيَانِ» کہیں گے «وَحُبَارَى» میں «وَحُبَارَيَانِ فِي حُبَارَى»، حباریٰ میں کیا کہیں گے؟ «حُبَارَيَانِ» کہیں گے، «وَحُبْلَيَانِ فِي حُبْلَى» اور حبلیٰ میں «حُبْلَيَانِ» کہیں گے۔ دیکھیں جو بھی صورت ہے اس پہلی صورت کے علاوہ وہ جو واو تھا اور ثلاثی تھا اس میں واو الف سے بدلا تھا تو اس کو دوبارہ واو میں بدل دیں گے، باقی تمام صورتوں میں الف کو کس سے بدل رہے ہیں؟ یا کے ساتھ۔

«وَأَمَّا الْمَمْدُودُ فَإِنْ كَانَتْ هَمْزَتُهُ أَصْلِيَّةً تَثْبُتُ، كَ: قَرَّاءَانِ فِي قَرَّاءٍ» تو کہتے ہیں: اور اگر اسم ممدود ہو یعنی جس کے آخر میں کیا آئے؟ الفِ ممدودہ آئے تو پھر اس کی تثنیہ کیسے بنائیں گے؟ کہتے ہیں: اس کے ہمزہ کو دیکھ لیں، ہمزہ کو۔ اگر اس کا ہمزہ اصلی ہے، اس کا ہمزہ اصلی ہے یعنی واو یا یا وغیرہ سے بدل کر نہیں آیا، واو اور یا سے بدل کر نہیں آیا اور تانیث کے لیے نہیں ہے، وہ ہمزہ اصلی ہے تو پھر وہ ثابت رہے گا، اسی کے آخر میں الف نون لگا دیں گے،

جیسے «قَرَّاءٌ»۔قرّاء کہتے ہیں وہ شخص جو عمدہ تلاوت کرے، عمدہ قاری ہو، بہترین قاری ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ «قَرَّاءٌ»، رامشدد ہے اور قاف پر فتحہ ہے بھئی، «قَرَّاءٌ»۔تو اس کا قرّاء اس کا مادہ کیا ہے؟ قرأ: قاف را ہمزہ، تو قرّاء کے آخر میں ہمزہ ہے، تو ہمزہ معلوم ہوا اصلی ہے، وہ تانیث والے الف بھی نہیں ہے اور اور واو یا یا سے بدل کر بھی نہیں آیا، تو جب ایسا ہمزہ ہو تو پھر اس کو ثابت رکھیں گے، صورت سمجھ میں آگئی؟

اور اگر اور اگر وہ ہمزہ وہ جو ہمزہ ہے وہ تانیث کے لیے ہے، یعنی اصل میں تانیث کا الف تھا لیکن الفِ زائدہ کے بعد آیا اور کس سے بدل گیا؟ ہمزہ سے، تو اگر وہ تانیث والی ہمزہ ہے تو پھر اس کو واو سے بدل دیں گے، جیسے «حَمْرَاءُ»، «حَمْرَاءُ» اس کے آخر میں ہمزہ ہے اور یہ کون سی ہمزہ ہے؟ وہی تانیث والی ہے جو ہمزہ سے بدل گئی، تو لہٰذا اس کو پھر واو سے بدل دیں گے تو کیا پڑھیں گے؟ «حَمْرَاوَانِ»، صورت سمجھ میں آگئی؟

اور اگر وہ ہمزہ واو یا یا سے بدل کر آئی ہے تو پھر آپ کو دونوں طرح کا اختیار ہے: آپ چاہیں اس ہمزہ کو واو سے بدل دیں، آپ چاہیں اس کو اسی طرح برقرار رکھیں۔جی، تو اسم ممدود کا حکم آپ کو پتہ چل گیا، دوبارہ سن لیں بھئی: اسم ممدود میں اگر ہمزہ اصلی ہے تو پھر اس کو برقرار رکھیں گے جیسے قرّاء کی تثنیہ «قَرَّاءَانِ»، اور اگر وہ ہمزہ تانیث والی ہے یعنی الفِ تانیث تھا جو کس سے بدلا ہے؟ ہمزہ سے، تو پھر اس کو واو سے بدلیں گے جیسے حمراء اس کی تثنیہ کیا ائے گی؟ «حَمْرَاوَانِ»، اور اگر وہ ہمزہ جو ہے واو یا یا سے بدل کر آیا ہے کیونکہ آپ نے پڑھا الفِ زائدہ کے بعد واو یا یا آجائے تو اس کو کس سے بدلتے ہیں؟ ہمزہ سے، تو اگر وہ واو اور یا سے بدل کر ہمزہ آئی ہے تو پھر آپ کو اس میں اختیار ہے: آپ چاہیں تو اس کو واو سے بدل دیں اور پھر الف نون ساتھ جوڑ دیں اور آپ چاہیں تو اس کو اسی طرح برقرار رکھیں اور اس کے ساتھ الف نون جوڑ دیں۔صورت سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے سب کی مثالیں بھی آگے آرہی ہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَأَمَّا الْمَمْدُودُ» اور باقی اسم ممدود جو ہے «فَإِنْ كَانَتْ هَمْزَتُهُ أَصْلِيَّةً» اگر اس کی ہمزہ اصلی ہو «تَثْبُتُ» تو وہ ثابت رہے گی «كَ: قَرَّاءَانِ فِي قَرَّاءٍ» جیسے قراءان کس کے اندر؟ قراء کی تثنیہ میں، «وَإِنْ كَانَتْ لِلتَّأْنِيثِ» اور اگر وہ ہمزہ کس وجہ سے تھی؟ تانیث کے لیے تھی «تُقْلَبُ وَاوًا» تو وہ پلٹ جائے گی کس سے؟ واو سے «كَ: حَمْرَاوَانِ فِي حَمْرَاءَ» جیسے حمراء کے اندر «حَمْرَاوَانِ»، «وَإِنْ كَانَتْ بَدَلًا مِنْ أَصْلٍ» اور اگر وہ ہمزہ جو ہے بدل کر آئی ہے کسی اصل سے «وَاوًا أَوْ يَاءً» چاہے وہ واو ہو چاہے یا ہو جس سے وہ بدل کر آئی ہے «جَازَ فِيهِ الْوَجْهَانِ» تو اس میں دونوں وجہیں جائز ہیں «كَ: كِسَاوَانِ وَكِسَاءَانِ» کساء میں، «كِسَاءٌ»، کساء جوڑے کو بھی کہتے ہیں اور چادر کو بھی کہتے ہیں، «كِسَاءٌ»، اور یہ ہمزہ بدل کر آئی ہے واو سے یا یا سے، تو لہٰذا اس کو برقرار رکھنا بھی جائز اور اس کو واو سے بدلنا بھی جائز، برقرار رکھیں اور الف نون ساتھ جوڑ دیں: «كِسَاءَانِ»، اور آپ چاہیں تو اس کو واو سے بدل دیں: «كِسَاوَانِ»۔تو یہی بات کر رہے ہیں: «كَ: كِسَاوَانِ وَكِسَاءَانِ»۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ حاصلِ کلام پھر سن لیں۔اگر اسم مقصور ہو اس کے آخر میں ہمزہ ہے، اگر کیا ہو؟ اسم مقصور ہو، تھک گئے ہیں میرا خیال ہے۔کیا نام ہے؟ معاذ اللہ بہت تھک گئے۔آپ تثنیہ بنانا چاہتے ہیں، صحیح کا تو طریقہ انہوں نے بتلا دیا کہ اس کے آخر میں الف نون یا یا نون جوڑ دیں گے موقع کے مطابق: اگر حالتِ رفعی ہے تو الف نون، حالتِ نصبی جری ہے تو یا نون۔اسم اگر اسم کے آخر میں الف آئے تو پھر کیا کریں گے، اس کی تثنیہ کیسے بنائیں گے؟ تو تفصیل بتا دی کہ الف دو قسم پر ہو سکتا ہے: الفِ مقصورہ بھی ہو سکتا ہے اور الفِ ممدودہ بھی۔اگر الفِ مقصورہ آخر میں آیا ہے تو پھر آپ دیکھیں کہ وہ اسم کہ وہ الف اگر واو سے بدل کر آیا ہے اور وہ اسم تین حروف پر مشتمل ہے تو پھر اس کو دوبارہ کس سے بدل دیں؟ واو سے بدل دیں، اور اس کے علاوہ باقی تمام صورتوں کے اندر وہ الف کو یا سے بدل دیں۔اور اگر الفِ ممدودہ ہے تو پھر دیکھیں اس کا ہمزہ اصلی ہے یا تانیث والا ہے یا واو اور یا سے بدل کر آیا ہے۔اگر وہ اصلی ہے تو اس کو برقرار رکھیں، اگر وہ تانیث والا ہے تو اس کو واو سے بدل دیں اور اگر وہ واو یا یا سے بدل کر آیا ہے تو پھر اس کو واو سے بدلنا بھی جائز اور اس کو برقرار رکھنا بھی جائز۔

▪ قولہ: «وَيَجِبُ حَذْفُ نُونِهِ عِنْدَ الْإِضَافَةِ» کی تشریح

«وَيَجِبُ حَذْفُ نُونِهِ عِنْدَ الْإِضَافَةِ» اور جائز ہے تثنیہ کے نون کو حذف کرنا اضافت کے وقت، «تَقُولُ:» آپ کہتے ہیں گے: «جَاءَنِي غُلَامَا زَيْدٍ»، دیکھا «غُلَامَانِ» نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، «وَمُسْلِمَا مِصْرَ»، «مُسْلِمَانِ» نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، «جَاءَنِي غُلَامَا زَيْدٍ» آئے میرے پاس زید کے دو غلام اور «مُسْلِمَا مِصْرَ»، «جَاءَنِي مُسْلِمَا مِصْرَ» آئے میرے پاس شہر کے دو مسلمان۔صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ اور کیوں یہ اضافت کے وقت نون کو کیوں گراتے ہیں؟ وجہ میں نے ذکر کر دی کیونکہ یہ تنوین اور یہ قائم مقامِ تنوین یعنی نونِ تثنیہ اور نونِ جمع یہ انقطاع کی علامت ہیں، اور اضافت اتصال کا تقاضا کرتی ہے، اور انقطاع اور اتصال بیک وقت ہو نہیں سکتا، جہاں انقطاع ہے وہاں اتصال نہیں، جہاں اتصال ہے وہاں

انقطاع نہیں۔ تو لہٰذا جب اتصال کرنا ہے تو انقطاع والی علامت کو ختم کرنا ہو گا اور وہ کیا ہے؟ تنوین ہے، نونِ تثنیہ ہے اور نونِ جمع ہے۔

«وَكَذَلِكَ تُحْذَفُ تَاءُ التَّأْنِيثِ فِي تَثْنِيَةِ الْخُصْيَةِ وَالْأَلْيَةِ» اور اسی طرح حذف کر دیا جاتا ہے تائے تانیث کو خصیۃ اور الیۃ کی تانیث میں خاصۃً خاص طور پر، «تَقُولُ: خُصْيَانِ وَأَلْيَانِ، لِأَنَّهُمَا مُتَلَازِمَانِ، فَكَأَنَّهُمَا شَيْءٌ وَاحِدٌ» اس لیے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں تو گویا کہ یہ ایک ہی چیز ہیں، گویا کہ یہ ایک ہی چیز ہیں۔ بھئی دیکھیے، «خُصْيَةٌ» اور «أَلْيَةٌ»، الیۃ کہتے ہیں سرین کو بھئی، انسان زمین پر بیٹھتے ہوئے بدن کا جو حصہ زمین پر رکھتا ہے اس کو الیۃ کہتے ہیں، ایک جانب الیۃ، تو تثنیہ کیا بنے گی؟ «أَلْيَتَانِ»، اسی طرح خصیۃ کی تثنیہ «خُصْيَتَانِ»، لیکن یہ دونوں چونکہ الیۃ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں، دونوں جانبین ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں، تو «أَلْيَتَانِ»، «خُصْيَتَانِ»، جب دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں تو گویا ایک ہی چیز ہیں، تثنیہ ہے ہی نہیں، جب تثنیہ ہے ہی نہیں تو تو درمیان سے تا کو ختم کر دیا، کیونکہ یہ تا تانیث کی علامت ہے اور تانیث کی علامت درمیانِ کلمہ میں کبھی بھی نہیں آتی، جیسے «أَلْيَتَانِ» اس تا کو کیا کیا؟ ختم: «أَلْيَانِ»، تو ان دونوں میں «خُصْيَتَانِ» اور «خُصْيَانِ»، اور اسی طرح «أَلْيَتَانِ» اور «أَلْيَانِ»، تا کے ساتھ بھی جائز اور تا کے بغیر بھی۔ اور تا کو گراتے کیوں ہیں؟ کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم تو گویا ایک ہی چیز ہیں، جب ایک ہی چیز ہیں تو گویا تثنیہ ہے ہی نہیں یہ، جب تثنیہ ہے ہی نہیں ایک ہی چیز ہے، ایک ہی کلمہ ہے، جب ایک ہی کلمہ ہے تو درمیان میں تو تانیث کی علامت پھر نہیں آتی، لہٰذا اس کو کیا کر دیتے ہیں؟ ختم بھی کر دیتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے: «لِأَنَّهُمَا مُتَلَازِمَانِ» اس لیے کیونکہ باہم ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں «فَكَأَنَّهُمَا شَيْءٌ وَاحِدٌ» تو گویا کہ وہ ایک ہی، ہے تو تثنیہ لیکن گویا کہ ایک چیز ہے تثنیہ ہے ہی نہیں، اور جب تثنیہ ہے ہی نہیں ایک ہی چیز ہے ایک ہی کلمہ ہے تو درمیان میں تانیث کی علامت پھر نہیں آتی لہٰذا اس کو کیا کر دیتے ہیں؟ ختم بھی کر دیتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ جی۔

«وَاعْلَمْ أَنَّهُ إِذَا أُرِيدَ إِضَافَةُ مُثَنًّى إِلَى الْمُثَنَّى يُعَبَّرُ عَنِ الْأَوَّلِ بِلَفْظِ الْجَمْعِ، كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾.» پس تحقیق مائل ہو گئے ہیں، ایک طرف کو جھک گئے ہیں «قُلُوبُكُمَا» تم دونوں کے دل۔ اب دیکھیے، دیکھیے «قُلُوبُكُمَا»، کما تثنیہ کی ضمیر ہے تو جب دو ہوں گے تو ان کے دل بھی دو ہوں گے، تو ہونا یوں چاہیے: «قَلْبَاكُمَا»، قلب، قلب کی تثنیہ کیا؟ قلبان، اور پھر قلبان کی اضافت کما کی طرف کر دو نون گر جائے گا کیا بنے گا؟ «قَلْبَاكُمَا»، «فَقَدْ صَغَتْ قَلْبَاكُمَا»، لیکن عربی میں تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں، قلبان یہ بھی تثنیہ اور کما یہ بھی کیا ہے؟ معنیٰ کے اعتبار سے تثنیہ ہے دو پہ دلالت کر رہا ہے، تو عربی میں تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں، پھر ایسے موقع پر پہلے جو مضاف ہوتا ہے، جو پہلے آتا ہے یعنی جو مضاف ہوتا ہے اس کو جمع سے بدل لیتے ہیں، تو قلبان کو کس سے بدل دیا گیا؟ قلوب سے، «فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا»، تحقیق جھک گئے ہیں ایک طرف کو «قُلُوبُكُمَا» تم دونوں کے دل۔

اسی طرح قرآن میں ہے: ﴿فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ پس کاٹ دو تم لوگ «أَيْدِيَهُمَا» ان دونوں کے ہاتھ، وہ چوری کرنے والا مرد یا چوری کرنے والی عورت، تو ان کے ہاتھ کاٹ دو، تو وہ دو ہیں تو ہاتھ بھی کتنے ہوئے؟ دو، تو ید ہاتھ کو ید کہتے ہیں تو تثنیہ کیا بنے گی؟ یدان، اور یہ حالتِ نصبی حالتِ نصبی میں ہے تو یدین، اور یدین کی اضافت کرو ہما ضمیر کی طرف: «يَدَيْهِمَا»، «فَاقْطَعُوا يَدَيْهِمَا» یہ ہونا چاہیے، لیکن عربی میں تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں، لہٰذا تو پہلے تثنیہ کو کس سے بدلتے ہیں؟ جمع سے، اس لیے ایدی سے بدل دیا گیا: ﴿فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ تو پس کاٹ دو تم ان دونوں کے ہاتھ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ عربی میں جب تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف کی جائے تو پہلے تثنیہ کو کس سے بدل دیتے ہیں؟ جمع سے۔

بھئی کیوں؟ کہتے ہیں: «وَذَلِكَ لِكَرَاهَةِ اجْتِمَاعِ تَثْنِيَتَيْنِ» اور یہ اس وجہ سے، کراہت کہتے ہیں ناپسندیدہ ہونا، «لِكَرَاهَةِ اجْتِمَاعِ تَثْنِيَتَيْنِ» یہ دو تثنیوں کے جمع ہونے کا کے ناپسندیدہ ہونے کی وجہ سے، کیونکہ دو تثنیوں کا جمع ہونا ناپسندیدہ ہے «فِيمَا تَأَكَّدَ الِاتِّصَالُ بَيْنَهُمَا» ان چیزوں میں، تاکد کا معنیٰ پکا ہونا، جن میں اتصال بڑا پکا ہو «لَفْظًا وَمَعْنًى» باعتبار لفظوں کے بھی اور باعتبار معنیٰ کے بھی۔ بھئی دیکھیے، جب تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف ہو تو ان دونوں میں اتصال بڑا شدید ہے، اتصال بڑا پکا ہے، لفظوں کے اعتبار سے بھی اتصال ہے، معنیٰ کے اعتبار سے بھی اتصال ہے، جب دونوں اعتبار سے اتصال ہے تو اب یہ پسندیدہ نہیں، لہٰذا کیا کرو؟ کچھ فرق پیدا کرو، اور پھر کیا کیا جاتا ہے؟ پہلے تثنیہ جو مضاف ہوتا ہے اس کو کس سے بدل دیتے ہیں؟ جمع سے۔

تو دونوں میں اتصال ہوتا ہے لفظاً بھی اور معناً بھی۔ لفظاً کس طرح اتصال ہے؟ بھئی لفظاً تو ظاہر سی بات ہے، مضاف بھی تثنیہ، مضاف الیہ بھی تثنیہ، تو لفظوں کے اعتبار سے بھی اتصال۔ اور معناً بھی اتصال، معناً کیسے اتصال ہے؟ اس لیے کیونکہ جو مضاف ہو گا وہ مضاف الیہ کی مضاف الیہ کا جز ہے یا اس کی عین ہے، جی۔ یوں کہو مضاف الیہ، مضاف اور مضاف الیہ دونوں ایک ہی ہوں گے یا مضاف جز ہو گا مضاف الیہ کا۔ جب بھی تثنیہ کی اضافت کس کی طرف ہو؟ تثنیہ

کی طرف، تو مضاف وہ مضاف الیہ کا یا تو جز ہو گا یا دونوں ایک ہی ہوں گے، دونوں ایک ہی ہوں گے، تو دیکھو معلوم ہوا معناً بھی اتصال ہے، لفظاً بھی اتصال: دونوں تثنیہ، اور معناً بھی اتصال، معناً اتصال کیا معنی؟ کہ مضاف مضاف الیہ کا یا تو جز ہو گا یا اس کا یا دونوں ایک یا دونوں ایک ہوں گے یعنی اس کا کل ہو گا، جز ہو گا یا کل ہو گا۔ کس طرح؟ بھئی دیکھیے نا، «فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا»، اصل میں کیا ہونا چاہیے؟ «قَلْبَاكُمَا»، اور کما سے دو انسان مراد، دو انسان مراد، اور قلب بھی کیا ہیں؟ ان کا جز ہیں یا نہیں؟ دیکھا یہ انہی کا جز ہے۔ یا اسی طرح «أَيْدِيهُمَا»، ہونا کیا چاہیے؟ «يَدَيْهِمَا»، اور ید دو ہاتھ، وہ ان دونوں کے کیا ہیں؟ جز ہیں۔ اور کبھی کل ہوتا ہے، عین ہوتا ہے، جیسے «جَاءَنِي الزَّيْدَانِ نَفْسَاهُمَا»، تو پھر نفسا کو کس سے بدلتے ہیں؟ انفس: «جَاءَنِي الزَّيْدَانِ أَنْفُسُهُمَا»، یہ تاکید ہے الزیدان کے لیے، آپ تاکید میں پڑھ چکے ہیں کہ نفس اور عین کے ذریعے کیا کی لائی جاتی ہے؟ تاکید۔ اب اس میں دیکھیے: «نَفْسَاهُمَا»، ہما: وہ دو، اور ان کی نفسا نفسا سے بھی کیا مراد؟ انہی کی دو ذاتیں مراد ہیں، تو دیکھو نفس اور ہما یہ دونوں کیا ہیں؟ دونوں یعنی نفس انہی کا ہے، کوئی اور چیز نہیں، تو یہ دیکھو ایک ہی چیز ہیں دونوں یہاں پر، تو لہٰذا جب تثنیہ کی تثنیہ کی طرف اضافت کی جائے تو پھر جو اول ہوتا ہے وہ ثانی کا جز ہوتا ہے یا اسی کا کل ہوتا ہے، یا یوں کہیں دونوں ایک ہی ہوتے ہیں، تو پھر یہ پسندیدہ نہیں لہٰذا پہلے کو کس سے بدل دیتے ہیں؟ جمع سے۔

یہ معنی ہے: «وَذَلِكَ لِكَرَاهَةِ اجْتِمَاعِ تَثْنِيَتَيْنِ» اور یہ اس وجہ سے کہ ناپسندیدہ ہے جمع ہونا دو تثنیوں کا «فِيمَا تَأَكَّدَ الِاتِّصَالُ بَيْنَهُمَا» ان دو چیزوں میں کہ جن کے درمیان اتصال یعنی جوڑ جو ہے بڑا پکا ہو «لَفْظًا وَمَعْنًى» باعتبار لفظوں کے بھی اور باعتبار معنیٰ کے بھی بھئی۔

سوال: «فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا»، «فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا»، یہ «قُلُوبُ» مرفوع کیوں؟ یہ فاعل ہے، تو «صَغَتْ» یہ مفرد کا صیغہ کیوں آیا؟ یہ بھی تو قلوب جمع ہے تو اس کو جمع کا صیغہ نہیں ہونا چاہیے بھئی؟ کیا جواب دیں گے؟ سب کچھ آپ پڑھ چکے کہ جب فاعل اسم ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد، چاہے وہ اسم ظاہر مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو۔ تو اس وقت اسم ظاہر قلوب بیشک جمع ہے لیکن ہے تو اسم ظاہر، اور جب فاعل کیا ہو؟ اسم ظاہر، چاہے مفرد ہو چاہے تثنیہ ہو چاہے جمع ہو اس سے ہماری بحث نہیں، فاعل جب بھی کیا ہو؟ اسم ظاہر، فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد رکھتے ہیں، اور پھر مذکر کے لیے مذکر اور مؤنث کے لیے مؤنث لاتے ہیں بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۷: فصل الجموع: جمع مذکر سالم، جمع مؤنث سالم اور جمع مکسر و منتہی الجموع

ہدایۃ النحو صفحہ: ۷۵—بتاریخ: ۲۱ فروری ۲۰۱۶ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلْمَجْمُوْعُ اسْمٌ دَلَّ عَلَىٰ آحَادٍ مَقْصُوْدَةٍ بِحُرُوْفِ مُفْرَدِهِ بِتَغَيُّرٍ مَّا، إِمَّا لَفْظِيٌّ كَرِجَالٍ فِيْ رَجُلٍ، أَوْ تَقْدِيْرِيٌّ كَفُلْكٍ عَلَىٰ وَزْنِ أُسْدٍ، فَإِنَّ مُفْرَدَهُ أَيْضًا فُلْكٌ، لَكِنَّهُ عَلَىٰ وَزْنِ قُفْلٍ.

آج مصنف آپ کو جمع کے بارے میں بتلائیں گے بھئی، کہ جمع کسے کہتے ہیں؟ تو سب سے پہلے تعریف کر رہے ہیں: «اَلْمَجْمُوْعُ اسْمٌ دَلَّ عَلَىٰ آحَادٍ»۔ آحاد، افراد بھئی، افراد۔ کہ مجموعہ جو ہے وہ ایسا اسم ہے، دیکھو «اسْمٌ» نکرہ آیا اور اس کے بعد «دَلَّ» فعل آیا تو یہ اس کے لیے صفت بنے گا۔ کہ جمع وہ ایسا اسم ہے جو دلالت کرتا ہے «عَلَىٰ آحَادٍ»، افراد پر۔ کس پر؟ افراد پر۔ تو آحاد، دیکھیے آحاد جمع کا لفظ لے کر آئے، جمع کا۔ تو آحاد، کئی افراد بھئی، کئی افراد۔ تو کہتے ہیں: «اَلْمَجْمُوْعُ اسْمٌ دَلَّ عَلَىٰ آحَادٍ» کہ جمع جو ہے وہ ایسا اسم ہے جو دلالت کرے کئی افراد پر۔

«مَقْصُوْدَةٍ بِحُرُوْفِ مُفْرَدِهِ»، «بِحُرُوْفِ مُفْرَدِهِ» یہ ہا ہے بھئی ہا، یہ تا کے نقطے اوپر لگے ہیں میری کتاب میں، یہ کتابت کی غلطی ہے۔ «مُفْرَدَةٍ» نہیں بلکہ «مُفْرَدِهِ»۔ مفرد کے ساتھ ہا ضمیر جڑی ہوئی ہے بھئی۔ اچھا اور دیکھیے «آحَادٍ» جمع ہے اور جمع کے بعد «مَقْصُوْدَةٍ» واحد مؤنث کا صیغہ لائے اور میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جمع بتاویلِ جماعت واحد مؤنث کے حکم میں ہے تو عموماً عربی میں آپ دیکھیں گے اس کی صفت واحد مؤنث لائی جاتی ہے، اسی طرح اس کی طرف واحد مؤنث کی ضمیر لوٹا دی جاتی ہے۔

جی، تو یہ «مَقْصُوْدَةٍ» صفت ہوئی «آحَادٍ» کی، اور موصوف صفت کے ترجمہ کرنے کا ایک طریقہ میں نے کیا بتلایا کہ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آئیں نکرہ کے اندر۔ تو کہتے ہیں جمع جو ہے وہ ایسا اسم ہے کہ جو دلالت کرتا ہے ایسے افراد پر «مَقْصُوْدَةٍ بِحُرُوْفِ مُفْرَدِهِ»، مقصودۃ کہ جن کا ارادہ کیا جائے، جن کا قصد کیا گیا ہو «بِحُرُوْفِ مُفْرَدِهِ» اسی کے مفرد حروف کے ساتھ، اسی کے مفرد حروف کے ساتھ «بِتَغَيُّرٍ مَّا» کچھ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ۔

بھئی دیکھیے، مثلاً رجل ہے رجل، اس کی جمع میں رجال لاتا ہوں۔ دیکھو رجل دلالت کر رہا تھا ایک فرد پر لیکن رجال دلالت کر رہا ہے کئی افراد پر۔ رجال کا معنی ہے کئی آدمی، تو کئی افراد پر یہ دلالت کر رہا ہے۔ اور دیکھیے وہی مفرد کے حروف ہیں، مفرد میں کیا تھا؟ را، جیم، لام۔ را، جیم، لام۔ انہی میں تبدیلی کر دی، کیسے؟ رجل، را پر زبر تھا۔ اور رجال میں را پر زیر لے آئے۔ اس کے بعد رجل میں جیم پر پیش تھا، رجال میں جیم پر زبر آ گیا اور جیم اور لام کے درمیان الف کا اضافہ کر دیا گیا، تو دیکھو رجل کی جمع کیا بن گئی؟ رجال۔ تو دیکھا وہی مفرد والے حروف ہیں، انہی میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کر دی۔ تو اب یہ مفرد پر نہیں دلالت کر رہے، یہ فرد پر دلالت نہیں کر رہے بلکہ اب کئی افراد پر دلالت۔ تو کس میں تبدیلی کی؟ اسی کے مفرد کے حروف میں۔

تو یہی بات بیان کر رہے ہیں، اب دیکھیے ساری تعریف بھئی: «اَلْمَجْمُوْعُ اسْمٌ دَلَّ عَلَىٰ آحَادٍ مَقْصُوْدَةٍ بِحُرُوْفِ مُفْرَدِهِ بِتَغَيُّرٍ مَّا» کہ جمع جو ہے وہ ایسا اسم ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے افراد کا جن کا قصد کیا جائے، جن کا ارادہ کیا جائے «بِحُرُوْفِ مُفْرَدِهِ» اسی کے مفرد حروف کے ساتھ «بِتَغَيُّرٍ مَّا» کچھ تبدیلی کرتے ہوئے، کچھ تبدیلی کے ساتھ۔

«إِمَّا لَفْظِيٌّ» پھر یہ جو تبدیلی ہے کچھ یا تو لفظی ہو گی۔ یاد رکھیے یہ جو لفظوں میں یہ جو تبدیلی کی جائے گی کبھی تبدیلی لفظاً ہو گی یعنی باقاعدہ تلفظ سے ہی تبدیلی کا پتہ چلے گا اور بعض اوقات تلفظ سے پتہ نہیں چلتا تو وہاں تبدیلی تو آئی ہے لیکن وہ کون سی تبدیلی ہے؟ تقدیری، یعنی فرض کر لیں آپ کہ تبدیلی آچکی ہے، بظاہر لفظوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تبدیلی لفظوں میں آجائے اس کی مثال تو میں نے بیان کر دی، رجل کی جمع کیا ہے؟ رجال۔ دیکھو تلفظ ہی بالکل الگ الگ ہے، رَجُلٌ فَعْلٌ وزن اور رِجَالٌ فِعَالٌ وزن، تو دیکھو بالکل وزن ہی الگ، تلفظ سے ہی فرق ہو رہا ہے۔

اور بعض اوقات تلفظ سے فرق نہیں ہوتا جیسے، جیسے بھئی کشتی کو عربی زبان میں فُلْكٌ کہتے ہیں، فا، لام اور چھوٹا کاف، یہ آگے آرہا ہے اگلی سطر میں ہی۔ کشتی کو کیا کہتے ہیں؟ فُلْكٌ۔ ایک ہو تب بھی کہتے ہیں فُلْكٌ، اور جمع ہو کشتیاں پھر بھی کہتے ہیں فُلْكٌ۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی آپ نے یہ تو جمع جو ہے اس میں کیا کی جاتی ہے؟ لفظوں میں کچھ نہ کچھ تبدیلی کی جاتی ہے، کچھ تغیر ہوتا ہے، تو جواب یہ کہ یہاں تغیر آیا ہے لیکن تقدیراً ہے بھئی، آپ فرض کر لیں، لفظوں میں تو نہیں آیا لیکن تقدیراً تبدیلی ہے یہاں پر یعنی فرض کرنا پڑے گی آپ کو۔

یعنی کہ فُلْكٌ جب مفرد تھا تو یہ فُعْلٌ وزن پر تھا اور یاد رکھیے یہ فُعْلٌ وزن مفرد کے لیے بھی آتا ہے اور جمع کے لیے بھی آتا ہے، جمع کے لیے بھی آتا ہے۔ جیسے قُفْلٌ، قاف دو نقطوں والا، فا، لام۔ قفل تالے کو کہتے ہیں بھئی، تالا۔ تو قُفْلٌ جیسے یہ بروزنِ فُعْلٌ ہے اور یہ فُعْلٌ کون سا ہے؟ مفرد والا۔ تو یوں کہیے یہ فُعْلٌ وزن مفرد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور جمع کے لیے بھی۔ تو جب فُلْكٌ مفرد تھا تو یہ مفرد والے فُعْلٌ وزن پر تھا اور جب یہ فُلْكٌ جمع کے لیے آپ لائے تو یہ جمع والے فُعْلٌ وزن پر چلا گیا، تو بظاہر تلفظ ایک جیسا لیکن آپ فرض کر لیں تبدیلی آچکی ہے۔ پہلے یہ کون سے فُعْلٌ وزن پر تھا؟ مفرد والے، اور اب کون سے فُعْلٌ وزن پر ہے؟ دیکھا، تو بظاہر، بظاہر کوئی تبدیلی نہیں آئی لیکن آپ فرض کر لیں کیونکہ انہوں نے ضابطہ کیا بنایا ہے کہ جمع میں ہمیشہ کیا آتی ہے؟ تبدیلی آتی ہے۔ ہمارا ضابطہ، ایسا ضابطہ بنایا سارے عربی زبان کے الفاظ آگئے اس کے اندر، ایک آدھ باہر رہ گیا تھا جیسے فُلْكٌ اس میں تو تبدیلی نہیں آرہی، اس کا بھی جواب دے دیا کہ بھئی وہاں اگرچہ لفظاً تبدیلی نہیں آئی لیکن تقدیراً تبدیلی آچکی ہے۔ پہلے فُلْكٌ کس وزن پر تھا؟ مفرد والے فُعْلٌ وزن پر تھا اور اب کون سے فُعْلٌ وزن پر ہے؟ جمع والے۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں وہ تبدیلی جو ہو گی، وہ جو تغیر ہو گا: «إِمَّا لَفْظِيٌّ» یا تو لفظی ہو گا «كَرِجَالٍ فِي رَجُلٍ» جیسے رجال کا لفظ ہے رجل کی جمع میں، «أَوْ تَقْدِيرِيٌّ» یا وہ تبدیلی تقدیری ہو گی یعنی فرض کر لیں گے اگرچہ بظاہر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

«كَفُلْكٍ عَلَى وَزْنِ أُسْدٍ» جیسے کہ فلک، أُسْدٌ۔ بھئی دیکھیے، اسد، اسد کہتے ہیں عربی زبان میں شیر کو، اس کی جمع آتی ہے أُسْدٌ، ہمزہ پر ضمہ ہے، سین ساکن ہے، أُسْدٌ بروزنِ فُعْلٌ۔ تو لہٰذا یہ أُسْدٌ کس وزن پر ہے؟ فُعْلٌ، لیکن یہ فُعْلٌ کون سا ہے؟ جمع والا ہے۔ تو لہٰذا قُفْلٌ بھی فُعْلٌ وزن پر ہے اور أُسْدٌ بھی کون سا وزن ہے؟ فُعْلٌ وزن ہے۔ تو لہٰذا اب وہ یوں نہیں بتائیں گے آپ کو کہ یہ فُعْلٌ مفرد والا ہے، یہ یوں نہیں بتائیں گے یہ فُعْلٌ کون سا ہے جمع والا ہے، بس جب مفرد ہو تو کہیں گے مثلاً جیسے فلک، جب کہیں گے مفرد ہو تو یہ قُفْلٌ وزن پر ہے اور جب یہ، جب یہ فلک یہی فلک جمع ہو تو کہیں گے یہ أُسْدٌ وزن پر ہے یعنی اب وہ جمع والے فُعْلٌ وزن پر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «كَفُلْكٍ عَلَى وَزْنِ أُسْدٍ» جیسے کہ فلک جمع جو ہے علیٰ وزنِ اسد، یہ کس وزن پر ہے؟ أُسْدٌ وزن پر ہے۔ «فَإِنَّ مُفْرَدَهُ أَيْضًا فُلْكٌ» اس لیے کیونکہ اس فلک کا مفرد بھی فلک ہے «لَكِنَّهُ عَلَى وَزْنِ قُفْلٍ» لیکن وہ کس وزن پر ہے؟ وہ قُفْلٌ وزن پر ہے۔

آگے دیکھیے بھئی: «فَقَوْمٌ وَرَهْطٌ وَنَحْوُهُ، وَإِنْ دَلَّ عَلَى آحَادٍ، لَكِنَّهُ لَيْسَ بِجَمْعٍ إِذْ لَا مُفْرَدَ لَهُ»۔ کہتے ہیں بھئی قوم اور رہط جیسے الفاظ، قوم یاد رکھیے یہ مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں، تین سے لے کر دس تک بھئی افراد ہوں، اور اسی طرح رَهْطٌ بھی مردوں کی جماعت تین سے لے کر دس تک افراد ہوں تو اس کو قَوْمٌ اور رَهْطٌ بھئی۔ تو کہتے ہیں قوم اور رہط جیسے الفاظ جو کئی افراد پر دلالت کرتے ہیں، تو کہتے ہیں: «فَقَوْمٌ وَرَهْطٌ وَنَحْوُهُ» قوم اور رہط اور اس جیسے الفاظ «وَإِنْ دَلَّ عَلَى آحَادٍ» اگرچہ یہ کئی افراد پر دلالت کرتے ہیں «لَكِنَّهُ لَيْسَ بِجَمْعٍ» لیکن یہ جمع نہیں ہیں «إِذْ لَا مُفْرَدَ لَهُ» اس لیے کیونکہ ان کا مفرد نہیں۔ جمع میں آپ کو بتلایا تھا نا کہ جمع کسے کہتے ہیں؟ جو افراد پر تو دلالت کرے گا لیکن کس طرح دلالت کرے گا؟ کہ اسی کے مفرد کے حروف میں کچھ تبدیلی پیدا کریں گے آپ، اور جبکہ قَوْمٌ اور رَهْطٌ اور اس جیسے الفاظ ان کا تو مفرد ہے ہی نہیں، یہ خود ہی مفرد ہیں، قوم کی جمع اقوام۔

تو یہ تو خود ہی مفرد ہے، تو مفرد کے الفاظ یہاں یعنی اس کا کوئی الگ مفرد ہے ہی نہیں جس میں تبدیلی پیدا کر کے پھر اس کا پہلے یہ ایک پر دلالت کرتا ہو اور پھر تبدیلی کے بعد یہ تین یا زیادہ پر دلالت کرنے لگے، ایسا تو یہاں نہیں ہے۔ اور جمع میں یہ ضروری ہے کہ اس کا کوئی مفرد ہونا چاہیے یعنی جو ایک فرد پہ دلالت

کرے اور پھر اس ایک والے لفظ مفرد کے لفظ میں تبدیلی پیدا کر دی جائے اور وہ پھر کئی افراد پر دلالت کرنے لگے۔ جیسے رَجُلٌ ایک فردِ رجل پہ دلالت کر رہا تھا، پھر اسی میں تبدیلی پیدا کر دی گئی تو اب وہ کیا رِجَالٌ، اب وہ کئی افراد پر دلالت کر رہا ہے۔ جبکہ قَوْمٌ اور رَهْطٌ وغیرہ میں ایسا نہیں، یہ تو خود ہی مفرد ہے اور مفرد ہونے کے باوجود یہ کتنے پر دلالت کر رہا ہے؟ تین یا تین سے زیادہ پر دلالت کر رہا ہے، تو یہ اس تعریف سے خارج ہوا۔ کہتے ہیں بھئی کوئی حرج نہیں، یہ تعریف سے خارج ہے کیونکہ جمعِ اصطلاحی کے اندر یہ داخل نہیں ہے۔ پھر یاد رکھیے اس کو اسمِ جمع کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ اسمِ جمع۔ جمع نہیں ہے بلکہ اسمِ جمع ہے۔

تو کہتے ہیں: «فَقَوْمٌ وَرَهْطٌ وَنَحْوُهُ» تو قوم اور رہط کا لفظ، قوم، رہط اور اس جیسے الفاظ جو ہیں «وَإِنْ دَلَّ عَلَىٰ آحَادٍ» اگرچہ وہ افراد پر دلالت کرتے ہیں «لَكِنَّهُ لَيْسَ بِجَمْعٍ» لیکن یہ جمع نہیں ہے «إِذْ لَا مُفْرَدَ لَهُ» اس لیے کیونکہ ان کا مفرد نہیں ہے۔ تو پھر ان کو کیا کہیں گے؟ اسمِ جمع کہتے ہیں اور یہ تین یا تین سے زیادہ پر دلالت کرتے ہیں۔

«ثُمَّ الْجَمْعُ عَلَىٰ قِسْمَيْنِ: مُصَحَّحٌ» پھر جمع دو قسم پر ہے: ایک مصحح ہے اور چار پانچ لفظوں کے بعد آرہا ہے: «وَمُكَسَّرٌ» اور ایک جمع مکسر ہے۔ ایک جمع مصحح ہے اور ایک جمع مکسر ہے۔ جمع مصحح جس کو جمع سلامت بھی کہتے ہیں، جمع مذکر سالم اور جمع مؤنث سالم، یہ جمع سلامت ہے جس میں مفرد کا وزن جمع کے اندر بھی سلامت رہتا ہے۔ اور جمع مکسر، کسر کا معنی ہے توڑنا، مکسر جس میں مفرد کا وزن توڑ دیا گیا ہے جیسے رجل کی جمع رجال دیکھو وزن ٹوٹ گیا، اور ایک جمع سالم ہے یا جمع مصحح ہے یا پھر جمع سلامت ہے تو وہ کہ جیسے مُسْلِمٌ کی جمع کیا آئے گی؟ مُسْلِمُوْنَ۔ دیکھو مسلمون کے آخر میں واؤ اور نون ملا دیا اور اس کے شروع میں وہ مُسْلِمٌ پورا کا پورا اسی طرح موجود ہے، مفرد کا وزن اس میں سلامت ہے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ جمع سلامت کہتے ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: «ثُمَّ الْجَمْعُ عَلَىٰ قِسْمَيْنِ: مُصَحَّحٌ» پھر جمع دو قسم پر ہے، ایک جمع مصحح ہے «وَهُوَ مَا لَمْ يَتَغَيَّرْ بِنَاءُ وَاحِدِهِ» وہ جمع ہے کہ بدلی نہ ہو اس میں واحد یعنی اس کے مفرد کی بناء، اس کے مفرد کا وزن۔ اس میں اس کے مفرد کا وزن بدلا نہ ہو جیسے مُسْلِمُوْنَ، اس میں پورا مسلم اسی طرح سلامت ہے۔ «وَمُكَسَّرٌ» اور دوسری جمع مکسر ہے «وَهُوَ مَا يَتَغَيَّرُ فِيْهِ بِنَاءُ وَاحِدِهِ» وہ جمع ہے کہ جس میں بدل جائے اس کے مفرد کا وزن۔

«وَالْمُصَحَّحُ عَلَىٰ قِسْمَيْنِ» پھر جمع سلامت کتنی قسم پر ہے؟ دو قسم: ایک جمع مذکر سالم اور ایک جمع مؤنث سالم۔ تو کہتے ہیں: «وَالْمُصَحَّحُ عَلَىٰ قِسْمَيْنِ» جمع سلامت جو ہے دو قسم پر ہے «مُذَكَّرٌ» ایک مذکر ہے بھئی، مذکر ہے۔ اور «فَمُذَكَّرٌ» تو جمع سلامت کی دو قسمیں ہیں، مذکر، ایک کیا ہے؟ مذکر ہے۔ اور آگے آرہا ہے: «وَمُؤَنَّثٌ» دوسری قسم مؤنث ہے، ایک صفحے کے بعد جا کر آرہا ہے بھئی «وَمُؤَنَّثٌ»، دوسری قسم کیا ہے؟ مؤنث ہے بھئی، جی۔

اچھا، تو مذکر اب جمع مذکر کے بارے میں بتلانے لگے ہیں، کہتے ہیں: «وَهُوَ مَا» وہ جمع ہے «أُلْحِقَ بِآخِرِهِ» کہ ملا دیا جائے اس کے آخر میں «وَاوٌ» ایسا واؤ «مَضْمُوْمٌ مَّا قَبْلَهَا» جس کا ما قبل کیا ہو؟ مضموم۔ یہ مَضْمُوْمٌ یہ صفت ہے واؤ کی، واؤ مرفوع تو مضمومٌ بھی مرفوع، واؤ مفرد تو مضمومٌ بھی مفرد۔ تو دیکھو یہ صفت ہے اور تو یہ صفت ہے واؤ کی لیکن یہ صفت بحال متعلقہ ہی ہے۔ مسلمون، واؤ مضموم ہے یا واؤ کا ما قبل مضموم ہے؟ واؤ کا ما قبل مضموم ہے۔ اسی طرح مسلمین، آخر میں یا ملا دی، اور یا مکسور ہے یا یا کا ما قبل مکسور ہے؟ یا کا ما قبل مکسور ہے۔

تو پہلے تعریف سمجھ لیں بھئی، جمع مذکر سالم اسے کہتے ہیں جس کے آخر میں ایسا واؤ جس کا ما قبل مضموم اور نون جڑا ہوا ہو، جس کے آخر میں یوں کہیں جس کے آخر میں واؤ اور نون ہو اور اس واؤ کا ما قبل کیا ہو؟ مضموم، یا جس کے آخر میں یا اور نون ہو اور اس یا کا ما قبل مکسور ہو۔ تو کہتے ہیں جمع مذکر جو ہے: «وَهُوَ مَا أُلْحِقَ بِآخِرِهِ» وہ ہے کہ جس کے آخر میں ملایا جائے «وَاوٌ» ایسا واؤ «مَضْمُوْمٌ مَّا قَبْلَهَا» کہ جس کا ما قبل کیا ہو؟ مضموم۔ یاد رکھو یہ «مَّا قَبْلَهَا» یہ ما موصولہ ہے اور یہ نائب الفاعل ہے مضمومٌ کا، مضموم کون ہو؟ ما وہ جو قبلھا جو اس سے پہلے ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی۔ ایسا واؤ ہو کہ «مَضْمُوْمٌ مَّا قَبْلَهَا» کہ مضموم ہو اس کا ما قبل، «وَنُوْنٌ مَّفْتُوْحَةٌ» اور کیا ہو؟ نونِ مفتوحہ ہو اس کے آخر میں «كَمُسْلِمُوْنَ» جیسے کہ مسلمون ہے۔

«كَمُسْلِمُوْنَ»، سوال پیدا ہوتا ہے کاف جارہ ہے، مسلمون یہ تو واؤ کے ساتھ آرہا ہے حالانکہ جمع مذکر سالم وہ حالتِ نصبی جری میں کس کے ساتھ آتا ہے؟ یا کے ساتھ آتا ہے، تو پھر یہ مسلمون کیسے ہے؟ جواب یہ، یاد رکھیے یہ یہاں لفظ مراد ہے، کیا مراد ہے؟ لفظ مراد ہے۔ یوں کہیں کہ وہ جو عبارتوں میں مسلمون واؤ نون کے ساتھ آتا ہے اس کا نام ہی ہم نے مسلمون رکھ دیا، اس کا نام ہی، تو اس وقت یہ علم ہے، مراد لفظ ہے یعنی علم کے درجے میں ہے، علم کے درجے میں ہے۔ تو «كَمُسْلِمُوْنَ» گویا اس هٰذا اللفظ کی تاویل میں ہے: كَمُسْلِمُوْنَ جیسے کہ مسلمون ہے، یا یوں کہیں كَهٰذَا اللَّفْظِ جیسے کہ یہ والا لفظ ہے، کون سا لفظ؟ مسلمون، مسلمون۔ تو یہ هٰذا اللفظ کی تاویل میں ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟

اور یہاں سوال یہ کہ یہاں پھر بھی مسلمون کیوں لائے؟ مسلمین ہی لے آتے، مجرور ہی لے آتے؟ جواب یہ کہ بھئی یہ واؤنون کی مثال ذکر کی جارہی ہے تو اس کو واؤنون ہی کے ساتھ ذکر کرنا پڑے گا، کس کے ساتھ؟ واؤنون کے ساتھ ہی۔ اور یہاں اس لیے کیونکہ مثال آپ واؤ اور نون کی دے رہے ہیں، یہاں یا اور نون والا لائیں گے تو مثال تو نہیں بنے گی۔ انہوں نے کیا بتلایا: ایسا واؤ جس کا ماقبل کیا ہو؟ مضموم ہو، اگر یہاں کاف کی وجہ سے جر دے دیں پھر تو اس میں تو واؤ رہا ہی نہیں تو پھر اس کی مثال ہی نہیں بن سکے گی۔ تو یہ ھٰذا اللفظ کی تاویل میں ہے بھئی۔ تو اس کا اعراب یاد رکھیے، جو لفظ مراد ہو اس کا اعراب ہمیشہ تقدیراً بتلاتے ہیں، کیسے بتلاتے ہیں؟ تقدیراً۔ جیسے یہاں کیسے کہیں گے؟ كَمُسْلِمُوْنَ، کاف جارہ اور جس پر بھی حرفِ جر داخل ہو وہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور، تو ہے یہ اس وقت بھی مجرور ہی ہے بھئی، تو کاف جارہ اور مسلمون مجرور تقدیراً، مجرور تقدیراً، تو مراد اللفظ ہے، مجرور تقدیراً ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ مجرور تقدیراً ہے۔

تو جہاں پر بھی، یاد رکھیے جہاں پر بھی لفظ مراد ہو گا وہاں اس کا اعراب تقدیراً بتائیں گے بھئی، تقدیراً بتائیں گے۔ اور اسی طرح یاد رکھیے اعرابِ حکائی بھی ہوتا ہے، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک لفظ کسی جگہ کسی حکایت میں، کسی واقعے میں، کسی عبارت میں، کسی شعر میں اس جس طرح استعمال ہوا ہوتا ہے آپ بعینہٖ اسی شکل میں، اسی اعراب کے ساتھ اس کو دوسری جگہ پر ذکر کرتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ جیسے مثلاً فرض کریں اوپر کوئی عبارت ہوتی اور اس میں لکھا ہوتا «مُسْلِمُوْنَ»، اس میں کیا لکھا ہوتا؟ مسلمون۔ اب آپ آگے اس کی شرح بیان کررہے ہیں اور آپ شرح میں کہتے ہیں: جیسے اوپر مسلمون کا لفظ ہے، کیا کہتے ہیں؟ تو دیکھو اب یہ مسلمون آپ کہاں سے نقل کررہے ہیں؟ اوپر والی عبارت سے۔ تو ایک جگہ سے اس کو حکایت کررہے ہیں، اس کو نقل کررہے ہیں۔ تو ایک حکایت سے آپ اس کو نقل کررہے ہیں، ایک عبارت سے، تو اس کو کہیں گے اور اسی اعراب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جس اعراب کے ساتھ وہ وہاں آیا تھا، اور وہاں مثلاً کیا تھا؟ جَاءَنِيْ مُسْلِمُوْنَ، واؤنون کے ساتھ آیا تھا تو آپ اسی مسلمون کو اٹھا کر اپنی عبارت میں ذکر کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں؟ مثلاً بھئی مثلاً دیکھو، اوپر آئی تھی عبارت: جَاءَنِيْ مُسْلِمُوْنَ، اب آپ طلباء کو سمجھا رہے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ دیکھو بھئی فاعل جو ہوتا ہے مرفوع ہوتا ہے جیسے کہ اوپر والی عبارت میں آیا مسلمون، تو آپ کیا کہیں گے؟ نَحْوُ مُسْلِمُوْنَ، جیسے کہ مسلمون ہے اوپر والی عبارت میں۔ اب دیکھو نَحْوُ مُسْلِمُوْنَ، دیکھو نحو مضاف ہے، مسلمین ہونا چاہیے تھا لیکن آپ کیا کرتے ہیں؟ آپ اسی لفظ کو جیسا حکایت میں آیا تھا اسی اعراب کے ساتھ اس کو اپنی عبارت میں ذکر کرتے ہیں تو اب نَحْوُ مُسْلِمُوْنَ، نحو ہے مضاف اور مسلمون مجرور تقدیراً کیونکہ اعراب تو اعرابِ حکائی ہے اس کا، اعرابِ حکائی کیا ہے اس کا؟ یعنی جو جیسا وہاں آیا تھا وہی یہاں ذکر کرتے ہیں۔ وہاں واؤنون کے ساتھ یعنی رفع کے ساتھ تھا تو آپ نے یہاں بھی رفع کے ساتھ ذکر کیا مسلمون۔ تو یہ تو ہے اعرابِ حکائی، کون سا ہے؟ اعرابِ حکائی۔ لیکن خود اس کا یہاں پر اعراب کیا ہو گا؟ تو یاد رکھیے نحو مسلمون، نحو کیا ہے؟ مضاف، اور مسلمون یہ ہے تو مجرور کیونکہ مضاف الیہ ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور، تو اس کا اعراب پھر تقدیراً بتلاتے ہیں کہ مجرور تقدیراً ہے۔ تو یوں کہیں گے: نَحْوُ مُسْلِمُوْنَ، نحو مرفوع لفظاً مضاف، مسلمون مجرور تقدیراً اور مرفوع لفظاً باعرابِ حکائی۔ مرفوع، لفظاً مرفوع ہے کون سے اعراب کے ساتھ؟ اعرابِ حکائی، وہ اعراب جو حکایت میں تھا وہی اعراب آپ بیان کررہے ہیں۔ تو کیسے کہیں گے نحو مسلمون؟ نحو مرفوع لفظاً مضاف اور مسلمون مجرور تقدیراً اور مرفوع لفظاً باعرابِ حکائی بھئی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو بتانے کا مقصد یہ تھا کہ اعرابِ حکائی جہاں آئے وہاں اصل اعراب تقدیراً پھر بیان کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی لفظ مراد ہو جیسے یہاں پر تھا كَمُسْلِمُوْنَ، لفظ مراد ہے، یہاں حکایت نہیں ہے بلکہ باقاعدہ لفظ مراد ہے کہ یہ واؤنون کے ساتھ یہ لفظ آرہا ہے دیکھو، تو یہاں پر بھی اعراب کیسے بتائیں گے؟ تقدیراً بتائیں گے، محلاً نہیں کیونکہ محلاً اعراب مبنی میں آتا ہے، یہ مبنی نہیں ہے بھئی، تو یہ تقدیراً اعراب بتلائیں گے۔ جہاں لفظ مراد ہو وہاں بھی اعراب تقدیراً اور جہاں اعرابِ حکائی ہو وہاں پر بھی اصل اعراب جو ہو گا وہ کیا ہو گا؟ تقدیراً ہو گا بھئی۔

تو کہتے ہیں جمع مذکر سالم وہ ہے کہ جس کے آخر میں ایسا واؤ ہو جس کا ماقبل مضموم ہو اور نونِ مفتوحہ ہو كَمُسْلِمُوْنَ جیسے مسلمون، «أَوْ يَاءٌ مَّكْسُوْرٌ مَّا قَبْلَهَا» یا ایسی یا ہو، مَّكْسُوْرٌ کہ مکسور ہو مَّا قَبْلَهَا اس یا کا ماقبل۔ یہ مَّكْسُوْرٌ کون سی صفت ہے؟ صفت بحال متعلقہ ہی ہے یعنی لفظوں میں توصفت ہے یا کی لیکن وہ یا نہیں مکسور بلکہ اس کا ماقبل مکسور ہے تو یہ صفت بحال متعلقہ ہی ہے۔ اور یہ مَّا قَبْلَهَا، یہ ما موصولہ اس کا کیا اعراب ہے؟ مرفوع ہے، کیوں مرفوع ہے؟ محلاً، یہ نائب فاعل ہے مکسورٌ کا۔ مکسور کون ہے؟ مَّا قَبْلَهَا وہ جو اس یا سے ماقبل ہے۔ تو وہ جمع مذکر سالم جس کے آخر میں یائے مکسور آئے جس کے آخر میں ایسی یا ہو مکسورٌ ماقبلها جس کا ماقبل مکسور ہو «وَنُوْنٌ كَذٰلِكَ» اور ایسا ہی نون ہو یعنی نونِ مفتوحہ ہو، کیا ہو؟ اور نونِ مفتوحہ ہو۔

«لِيَدُلَّ عَلٰى أَنَّ مَعَهُ أَكْثَرَ مِنْهُ» تاکہ یہ دلالت کرے عَلٰى أَنَّ اس بات پر کہ مَعَهُ کہ اس کے ساتھ أَكْثَرَ مِنْهُ۔ یہ أَكْثَرَ، أَنَّ کا اسم ہے کیونکہ أنّ کس پر داخل ہوتا ہے؟ مبتدا خبر پر داخل ہوتا ہے۔ اور میں پہلے ذکر کرچکا کہ جار مجرور یا ظرف آجائے وہ کبھی مبتدا نہیں بنتے، اگر شروع میں آ بھی جائیں وہ دراصل کیا ہوں گے؟ خبرِ مقدم۔ تو یہ مَعَهُ کیا ہے؟ ظرف ہے، اور تو معلوم ہوا یہ خبرِ مقدم ہے اور اکثر کیا تھا؟ مبتدائے مؤخر تھا، پھر اس پر أنّ داخل

ہوا تو یہ مَعَهُ اب کیا ہے؟ أنّ کی خبرِ مقدم، اور أَكْثَرَ اس کا اسمِ مؤخر ہے، اور أنّ کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے۔ تو ہمیشہ یاد رکھنا إنّ، أنّ وغیرہ کے بعد اگر جار مجرور آجائے یا ظرف آجائے تو وہ اس کی خبرِ مقدم ہو گی اور آگے آنے والا لفظ وہ اس کا اسمِ مؤخر ہو گا، تو اس پر پھر آپ نے نصب پڑھنا ہے بھئی۔

«لِيَدُلَّ عَلَىٰ أَنَّ مَعَهُ أَكْثَرَ مِنْهُ» تاکہ یہ دلالت کرے اس بات پر کہ اس کے ساتھ اس سے زیادہ ہیں، اس یعنی اس جیسے، بھئی دیکھو۔ مسلم کا معنی تھا ایک مسلمان۔ سب سے پہلے تثنیہ پہ آجائیں ذرا، ہم نے تثنیہ کی بحث پڑھی تھی۔ تثنیہ کسے کہتے تھے؟ جس کے آخر میں الف نون یا یا نون ملا دیتے ہیں، اس بات پر دلالت کرنے کے لیے کہ اس کے ساتھ اسی جیسا یعنی اسی کی جنس کا ایک اور فرد بھی ہے۔ جیسے، جیسے رجل، رجل مفرد تھا، اسی کے آخر میں میں نے الف نون لگایا، رَجُلَانِ۔ یہ الف اور نون اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اس رجل کے ساتھ جس کے ساتھ آپ نے کیا ملایا؟ الف نون، اس رجل کے ساتھ اسی کی جنس کا یعنی ایک اور رجل بھی ہے، اسی کی جنس کا ایک اور فرد بھی ہے یعنی ایک اور رجل بھی ہے۔ تو رَجُلَانِ نے کیا بتلایا؟ ایک رجل ہے یا اب اس رجل کے ساتھ اسی جیسا ایک اور رجل بھی ہے؟ جس کے ساتھ اسی جیسا ایک اور رجل بھی ہے۔ اور میں نے بتلایا تھا اسی جیسا، اس کا یہ معنی نہیں کہ اسی جیسی شکل وصورت، حلیہ وغیرہ اس کی طرح ہو بلکہ معنی یہ کہ جنس اسی کی، جیسے وہ رجل ہے یہ دوسرا بھی کیا ہے؟ رجل ہے، ایک ہی جنس ہے دونوں کی۔ تو رَجُلَانِ، پھر سنو، رجلان تثنیہ ہے کس کی؟ رجل کی۔ رجل کے آخر میں الف نون ملا کر کیا بنایا گیا؟ تثنیہ، اس بات پر دلالت کرنے کے لیے کہ یہ جو رجل جس کے ساتھ الف نون ہم نے ملایا ہے، اس رجل کے ساتھ جب یہ رجلان بن گیا اب اس کے ساتھ اسی جیسا یعنی اسی کی جنس کا ایک اور فرد بھی ہے یعنی ایک اور مرد بھی ہے، تو کل کتنے مرد ہو گئے؟ دو۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

اب یہی، یہی جمع میں دیکھ لیں، جیسے مسلم، مسلم، جمع مذکر سالم کی بات چل رہی ہے نا؟ مسلم مفرد تھا، اسی مسلم کے آخر میں ہم نے واؤ اور نون ملا دیا یا یا اور نون ملا دیا، تو مثلاً واؤ نون ملایا، مُسْلِمُوْنَ۔ یہ واؤ اور نون اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ جو مسلم جو پہلے کیا تھا؟ مفرد تھا۔ اسی کے ساتھ اب، اسی کے ساتھ اب کیا ہے؟ اور اس سے دیکھو، تثنیہ میں رجلان، پہلے کیا تھا؟ رجل، ایک۔ رجل کیا تھا؟ ایک۔ اسی کے ساتھ ایک اور آگیا تو یہ جو ایک اور آیا یہ بھی اس پہلے کی طرح ہے یعنی وہ بھی ایک تھا، یہ بھی کیا ہے؟ ایک ہے، تو رجلان ہو گیا، صورت سمجھ لیکن مسلمون میں ایسا نہیں، مسلمون میں پہلے کیا تھا؟ مسلم ایک تھا۔ اب جب بن گیا مسلمون، اب اس ایک مسلم کے ساتھ ہم نے کیا ملایا ہے؟ واؤ اور نون، تو اس ایک تو اب مسلمون کس بات پر دلالت کر رہا ہے؟ اس مسلم کے ساتھ اسی جیسا یعنی ایک ہی اور مسلم ہے یا اس سے زیادہ اور مسلم ہیں؟ دیکھو یہ خود تو ہے ایک، تو اسی کا مثل بھی کیا ہو گا؟ ایک، اسی کا مثل بھی کیا ہو گا؟ ایک، تو اس کے ساتھ اسی کا مثل ہو پھر تو یہ تو تثنیہ بنے گا حالانکہ مسلمون تو تثنیہ نہیں وہ تو کیا ہے؟ جمع۔ معلوم ہوا اسی کے ساتھ اس کا مثل یعنی اسی جیسا ایک نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ اس جیسے ہیں۔ یہ خود تو ہے ایک، ایک سے زیادہ کیا ہوئے کم از کم؟ دو، تو کم از کم اس کے ساتھ دو یا تین یا چار، اور چاہے دو ہوں چاہے تین یا چار، وہ اس ایک سے کیا ہیں؟ اس سے زیادہ ہیں، اس سے کیا ہیں؟ بھئی دیکھو نا، دوبارہ سمجھو، دوبارہ سمجھو۔

تثنیہ کی تعریف، تثنیہ کسے کہتے تھے؟ مثلاً رجل، رجل کتنے پر دلالت کر رہا ہے؟ ایک فرد پر۔ اسی رجل کے آخر میں ہم نے الف نون ملا دیا یا یا اور نون ملا دیے، اب رجلان بن گیا، تو یہ جو الف اور نون ملائے یہ کس بات پر دلالت کر رہے ہیں؟ کہ دیکھو پہلے تھا رجل، اب اس رجل کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور بھی ہے۔ اسی کے مثل یعنی جیسے یہ ایک رجل ہے، دوسرا بھی ایک رجل ہے تو وہ بھی اسی کے مثل ہو گیا، جنس بھی یہی اور اسی کے برابر یہ ایک ہے وہ بھی کیا ہے؟ ایک، تو کل کتنے ہو گئے؟ دو۔ تو اب ہو گیا رجلان، تو یہ الف نون نے کیا بتایا کہ رجل جو پہلے ایک تھا اب اس کے ساتھ اسی جیسا ایک اور بھی ہے یعنی یہ دو ہیں۔ رجلان کتنے ہیں؟ دو آدمی ہیں۔

جبکہ مسلمون میں دیکھو، مسلم کتنے پر دلالت کر رہا تھا؟ ایک پر، ایک پر دلالت کر رہا تھا۔ اور جمع کم از کم کتنے پر دلالت کرتا ہے؟ تین یا تین سے زیادہ پر۔ تو مسلم دلالت کر رہا تھا ایک، اب اس کے ساتھ کم از کم کتنے اور ہوں تو پھر یہ جمع بنے گا؟ کم از کم دو اور چاہیے، دو اور چاہیے۔ دو یا تین یا چار، جتنے بھی اور ہو جائیں وہ سب اس میں آجائیں گے لیکن کم از کم کتنے چاہیے؟ دو۔ تو اس ایک مسلم، اس کے آخر میں واؤ اور نون ملا دیا، اب یہ کس پر دلالت کر رہا ہے؟ جمع پر، اور جمع کم از کم کتنے ہوتے ہیں؟ تین یا تین سے زیادہ۔ تو یہ واؤ اور نون اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ جو ایک مسلم تھا اس کے ساتھ، اس کے ساتھ اس سے زیادہ اسی جیسے اور بھی ہیں، اس سے زیادہ۔ یہ خود کتنا ہے؟ ایک، تو اس سے زیادہ کون ہوئے؟ دو، تو یعنی اس کے ساتھ اس سے زیادہ یعنی دو ہوں یا تین ہوں یا چار ہوں یعنی ایک سے زیادہ۔ اس ایک کے ساتھ اس سے زیادہ اسی جیسے اور بھی ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ اس ایک کے ساتھ اس سے زیادہ، اس سے زیادہ کتنے؟ دو کم از کم، یا اور زیادہ، دو یا زیادہ، اس سے زیادہ ہو گئے وہ اس کے ساتھ ہیں۔ تو اب پہلے یہ ایک تھا اور زیادہ کتنے؟ دو یا تین یا چار، تو وہ اب یہ ساروں کا مجموعہ بن گیا، ان سب پر یہ دلالت کر رہا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہ مسلم ہوا ایک، اور اس سے زیادہ کتنے ہو گئے؟ دو۔ ہاں تو دوسری طرف ذرا صرف یہ دور کھو، ایک طرف ہے ایک مسلم، اسی ایک مسلم کے آخر میں ہم نے کیا جوڑ دیا؟ واؤ اور نون۔ یہ واؤ اور نون اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ جو مسلم ہے اب اکیلا نہیں ہے، اس کے ساتھ اور بھی ہیں اور وہ اور جو ہیں وہ اس کے برابر ہیں، اگر اس کے برابر ہیں تو یہ تو ایک ہے تو وہ بھی کتنا ہو گا؟ ایک، تو یہ تو کل کتنے ہو جائیں گے؟ دو، حالانکہ مسلمون تو دو پہ دلالت نہیں کر رہا بلکہ دو سے زیادہ۔ معلوم ہوا اس ایک مسلم کے ساتھ اب اور بھی ہیں جو اس سے زیادہ ہیں یعنی کم از کم دو یا دو یا دو سے زیادہ ہیں، تو اس ایک کے ساتھ اس سے زیادہ اوروں کو بھی جوڑ دیا تو کتنے بن گئے؟ تین یا چار یا پانچ بن گئے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اب جمع پر دلالت ہو گئی۔

تو یہی بات بیان کر رہے ہیں کہ اس کے آخر میں ایسی یا ہو مکسورٌ ما قبلها جس کا ما قبل مکسور ہو «وَنُوْنٌ كَذٰلِكَ» اور ایسا ہی نون ہو یعنی مفتوح نون بھی ہو، «لِيَدُلَّ عَلَىٰ أَنَّ مَعَهُ» تاکہ وہ دلالت کرے اس بات پر کہ اس کے ساتھ، وہ جس کے ساتھ آپ نے کیا جوڑا ہے واؤ اور نون یا یا اور نون، کہ اس کے ساتھ «أَكْثَرَ مِنْهُ» اور زیادہ ہیں منہ اس سے، اس سے زیادہ اور بھی ہیں یعنی وہ خود ایک ہے اور ایک سے زیادہ دو یا تین اس کے ساتھ اور بھی ہیں تو جمع بن گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

«نَحْوُ مُسْلِمِيْنَ» جیسے مسلمین، «وَهٰذَا فِي الصَّحِيْحِ» یہ تو صحیح کے اندر تھا بھئی۔ صحیح نحوی صحیح مراد ہے، نحوی بحث کرتا ہے اعراب سے لہٰذا نحوی صحیح کسے کہیں گے؟ جس کے آخر میں حرفِ علت نہ ہو وہ ہے صحیح، اور اگر آخر میں حرفِ علت ہے تو وہ ہے ناقص بھئی۔ تو کہتے ہیں یہ جو ہم نے ضابطہ بیان کیا: آخر میں واؤ اور نون جوڑ دو یا یا اور نون جوڑ دو، ایسا واؤ ہو جس کا ما قبل مضموم ہو اور یا ایسی ہو جس کا ما قبل مکسور ہو، یہ صحیح کے اندر تھا۔ ناقص کے اندر وہاں کیا کریں گے؟ وہاں جمع مذکر سالم کیسے بنائیں گے؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۸: اسمِ منقوص و مقصور کی جمع اور لفظِ « قُضَاۃ » و « أَنْبِیَاء » کی تعلیلات

ہدایۃ النحو صفحہ: ۷۶—بتاریخ: ۲۱ فروری ۲۰۱۶ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَهٰذَا فِي الصَّحِيحِ، أَمَّا الْمَنْقُوصُ فَتُحْذَفُ يَاؤُهُ مِثْلُ: قَاضُونَ وَدَاعُونَ، وَالْمَقْصُورُ يُحْذَفُ أَلِفُهُ وَيُبْقَى مَا قَبْلَهَا مَفْتُوحًا لِيَدُلَّ عَلَى أَلِفٍ مَحْذُوفَةٍ مِثْلُ: مُصْطَفَوْنَ

گزشتہ سبق میں جَمْع کا بیان چل رہا تھا اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا کہ جمع دو قسم پر ہے: ایک جَمْعِ مُکَسَّر ہے جس میں مفرد کا وزن ٹوٹ جاتا ہے اور ایک جَمْعِ سَلَامَت ہے جس میں مفرد کا وزن سلامت رہتا ہے۔ اور پھر جمع سلامت دو قسم پر ہے: ایک مَذَکَّر اور ایک مُؤَنَّث۔ اور جمع سلامت مذکر جو ہے اس کا طریقہ انہوں نے آپ کو بتلایا تھا۔ اس کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ مفرد کے آخر میں ایسا واو جس کا ماقبل مَضْمُوم ہو اور نُونِ مَفْتُوحَہ لگا دو، جیسے مُسْلِمٌ سے مُسْلِمُونَ۔ یا اس مفرد کے آخر میں ایسی یَاء جس کا ماقبل مَکْسُور ہو اور نونِ مفتوحہ لگا دو، جیسے مُسْلِمِینَ۔ تو یہ جَمْع مُذَکَّر سَالِم بن جائے گا اور یہ اس بات پر دلالت کرے گا کہ اس کے ساتھ اس جیسے اس سے زیادہ اور بھی ہیں، جیسے مُسْلِمٌ تھا، اسی کے آخر میں آپ نے واو اور نون جوڑ دیا۔ یہ واو اور نون اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اس مُسْلِمٌ کے ساتھ اسی جیسے اس سے زیادہ (یعنی یہ تو ایک ہے، اس سے زیادہ، دو یا زیادہ) اس کے ساتھ اور بھی ہیں، تو یہ سارے کتنے بن گئے؟ تین یا تین سے زیادہ بن گئے۔ یعنی یہ جمع ہونے پر اس کے دلالت کرتا ہے۔

تو یہ صَحِیح کے اندر جمع مذکر سالم بنانے کا طریقہ تھا بڑا ہی آسان کہ اس کے آخر میں واو نون اور یاء نون جوڑ دیتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ کچھ اسم ایسے ہیں کہ جیسے اِسْمِ مَنْقُوص ہے، قَاضِی۔ قاضی کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہے، اس سے جمع مذکر سالم کیسے بنائیں گے؟ اسی طرح جیسے مثلاً مُصْطَفٰی، مصطفیٰ، یہ اِسْمِ مَقْصُور ہے، آخر میں اَلِفِ مَقْصُورَہ ہے، اس سے جمع مذکر سالم کیسے بنائیں گے؟ یہ ذرا مشکل تھا، اس لیے مصنف اب اس کو بیان کرنے لگے ہیں۔

تو کہتے ہیں: « وَهٰذَا فِي الصَّحِيحِ » اور یہ جو ہم نے ذکر کر دیا طریقہ اوپر جمع مذکر سالم بنانے کا « فِي الصَّحِيحِ » یہ کس کے اندر ہے؟ صحیح کے اندر ہے۔ « أَمَّا الْمَنْقُوصُ » اور جو منقوص جو ہے، یعنی اسم منقوص جیسے قاضی (اسم منقوص کسے کہتے ہیں؟ کہ جس کے آخر میں ایسی یاء ہو جس کا ماقبل مکسور ہو)، تو جو اسم منقوص ہے « فَتُحْذَفُ يَاؤُهُ » تو اس کی یاء کو حذف کر لیا جائے گا « مِثْلُ: قَاضُونَ وَدَاعُونَ »۔ دیکھو قَاضُونَ، کس سے بنا ہے؟ قَاضِی سے۔ قاضی کے آخر میں واو اور نون جوڑ دیا اور واو کا ماقبل کیا کیا؟ مضموم، تو قَاضِیُونَ، قَاضِیُونَ۔ جی، تو اس کے آخر میں واو اور نون جوڑا تو قَاضِیُونَ بن گیا اور قاضِیُونَ، یاء پر ضَمَّہ آ رہا ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ یاء اور واو پر ضمہ بھی ثقیل اور کَسْرَہ بھی ثقیل، تو قَاضِیُونَ یاء پر ضمہ ثقیل تھا، دشوار تھا، زبان پر اس کی ادائیگی مشکل تھی، تو اس کو گرا دیا۔ تو اب اِجْتِمَاعِ سَاکِنَیْن آ گیا یاء اور واو میں۔ یاء بھی ساکن اور واو بھی ساکن، اور پھر اس میں سے اول حَرْفِ مَدَّہ تھا، حرفِ مدہ یاء حرفِ مدہ تھی کیونکہ ماقبل میں کسرہ ہے، تو اس یاء کو گرا دیا، تو قَاضِوْنَ ہوا۔ واو ہے واو، ق، الف، ض، و، ن، قَاضِوْنَ۔ پھر واو اپنے سے ماقبل کسرہ نہیں چاہتا بلکہ ضمہ چاہتا ہے، تو اس کسرہ کو ضمہ سے بدل دیا تو قَاضُونَ ہوا۔ اسی طرح دَاعِی، اس کے آخر میں بھی یاء تھی اور اس کے آخر میں واو نون جوڑا تو دَاعِیُونَ، پھر یاء پر ضمہ ثقیل تھا اس کو گرا دیا، پھر اجتماعِ ساکنین آیا یاء اور واو میں، تو یاء کو گرا دیا تو دَاعُونَ، دیکھو

درمیان میں واو ہے، اور واو سے ماقبل کسرہ ہے اور واو اپنے سے ماقبل کسرہ نہیں چاہتا بلکہ ضمہ چاہتا ہے، تو اس عَیْن کے کسرہ کو ضمہ سے بدل دیا گیا تو دَاعُونَ ہوا بھائی۔ تو اسم منقوص سے جمع مذکر سالم بنانے کا طریقہ آ گیا بھائی؟ تو حالتِ رَفْعِی میں کہیں گے قَاضُونَ اور اسی طرح دَاعُونَ، اور حالتِ نَصْبِی و جَرِّی میں کہیں گے قَاضِینَ اور دَاعِینَ، یہی واو یاء سے بدل جائے گا۔

تو کہتے ہیں: « أَمَّا الْمَنْقُوصُ فَتُحْذَفُ يَاؤُهُ » تو اسم منقوص جو ہے اس کی یاء کو حذف کر لیا جائے گا « مِثْلُ: قَاضُونَ وَدَاعُونَ، وَالْمَقْصُورُ يُحْذَفُ أَلِفُهُ » اور اسم مقصور جو ہے، جیسے مُصْطَفٰی، اس کے آخر میں کیا ہے؟ الفِ مقصورہ، اس سے جمع مذکر سالم بنائیں گے تو کیسے بنائیں گے؟ کہتے ہیں بھائی اس کے آخر سے الف کو گرا دیں گے۔ مُصْطَفٰی، واو اور نون ساتھ جوڑ دیا۔ تو واو تو ہے ساکن اور ماقبل میں الف پہلے سے ساکن تھا، تو اجتماعِ ساکنین آیا الف اور واو میں۔ اول الف جو تھا وہ حرفِ مدہ تھا کیونکہ اس سے ماقبل فَتْحَہ ہے تو اس کو گرا دیا، تو کیا بن گیا؟ مُصْطَفَوْنَ۔ اور جمع مذکر سالم میں واو سے ماقبل ضمہ لے کر آتے ہیں، لیکن یہاں پر فتحہ برقرار رکھیں گے۔ اس لیے؟ کیونکہ واو سے ماقبل کسرہ ثقیل ہے، فتحہ ثقیل نہیں، تو لہٰذا فتحہ کو برقرار رکھیں گے، اور نیز اس لیے تاکہ یہ فتحہ دلالت کرتا رہے کہ یہاں پر الف حذف ہوا ہے، تو مُصْطَفٰی، اس سے کیا بن جائے گا؟ مُصْطَفَوْنَ، مُصْطَفَوْنَ، فَا پر اسی طرح زبر رہے گا۔

تو کہتے ہیں: « وَالْمَقْصُورُ يُحْذَفُ أَلِفُهُ وَيُبْقَى مَا قَبْلَهَا مَفْتُوحًا » اور اسم مقصور جو ہے اس کے الف کو حذف کر لیا جائے گا اور باقی رکھا جائے گا اس کے ماقبل کو مفتوح ہی « لِيَدُلَّ عَلَى أَلِفٍ مَحْذُوفَةٍ » تاکہ وہ فتحہ دلالت کرے الفِ محذوفہ پر « مِثْلُ: مُصْطَفَوْنَ ».

▪ قولہ: « وَيُخْتَصُّ بِأُولِي الْعِلْمِ » کی تشریح

« وَيُخْتَصُّ بِأُولِي الْعِلْمِ » اور یہ جمع مذکر سالم جو ہے خاص ہے أُولِی الْعِلْم، علم والوں کے ساتھ یعنی ذَوِی الْعُقُول کے ساتھ۔ أُولُو، أُولُو یاد رکھیے یہ جمع ہے ذُو کی مِنْ غَيْرِ لَفْظِہٖ، جیسے آپ کہتے ہیں ذُو مَالٍ، مال والا، اور اگر آپ جمع لانا چاہتے ہیں تو کہیں گے أُولُو مَالٍ، مال والے۔ تو یہی أُولُو حالتِ جری میں ہے کیونکہ بَا جَارَّہ داخل ہے، « بِأُولِي الْعِلْمِ »، جو علم والے ہیں۔ اولی العلم، علم والے۔ تو کہتے ہیں: « وَيُخْتَصُّ بِأُولِي الْعِلْمِ » اور یہ جمع خاص ہے علم والوں کے ساتھ یعنی ذوی العقول کے ساتھ جو عقل والے ہیں۔ بات سمجھ میں آئی؟ یاد رکھیے ذوی العقول تین مخلوقات ہیں بھائی: انسان، جنات اور فرشتے۔ یہ عقل والے ہیں، ان کو اللہ نے عقل نصیب فرمائی ہے بھائی: انسان، جنات اور فرشتے۔ تو یہ جمع مذکر سالم خاص ہے علم والے یعنی ذوی العقول کے ساتھ۔ انسان، جنات اور فرشتوں میں سے کوئی ہو اس کے لیے آپ واو اور نون والی جمع بنائیں گے، ہر ایک کے لیے نہیں بنائیں گے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ہم آپ کو اور بھی کئی لفظ دکھاتے ہیں کہ وہ ذوی العقول میں سے نہیں ہیں وہ چیزیں لیکن ان کی جمع واو نون کے ساتھ لائی گئی، جیسے سِنُونَ، سِنُونَ۔ سَنَۃٌ سال کو کہتے ہیں، سال کو، اور اسی کی جمع کیا آتی ہے؟ سِنُونَ، دیکھو واو نون کے ساتھ آئی، اور سال تو کوئی ذوی العقول میں سے نہیں ہے، یہ تو زمانے کا نام ہے۔ اسی طرح أَرَضُونَ، أَرْضٌ زمین کو کہتے ہیں اور یہ بھی ذوی العقول میں سے نہیں ہے، اس کی جمع بھی کس کے ساتھ آئی ہے؟ واو نون کے ساتھ، أَرَضُونَ۔ اسی طرح ثُبَۃٌ، ثا، با اور گول تا، جماعت کو کہتے ہیں، جماعت، اس کی جمع بھی واو نون کے ساتھ ثُبُونَ آتی ہے، اور اسی طرح قُلُونَ، یہ جمع ہے قُلَۃٌ کی، قُلَۃٌ گلی ڈنڈے کو کہتے ہیں بھائی، جانتے ہو؟ کھیل کا نام ہے، اس کو قُلَۃٌ عربی میں کہتے ہیں، تو اس کی جمع قُلُونَ آتی ہے، قُلُونَ۔ تو دیکھیے یہ سب ان میں سے کوئی بھی ذوی العقول میں سے نہیں ہے، انسان، جنات اور فرشتوں میں سے نہیں ہے، لیکن پھر بھی ان کی جمع کس کے ساتھ آ رہی ہے؟ واو اور نون کے ساتھ، اور آپ نے تو ہمیں کیا بتایا؟ یہ جمع کس کے ساتھ خاص ہے؟ ذوی العقول کے ساتھ خاص ہے، اور یہ تو ذوی العقول نہیں؟ تو اس کا جواب آپ کو دیں گے کہ یہ شَاذّ ہیں بھائی، یہ کیا ہیں؟ شاذ۔ شاذ کسے کہتے ہیں؟ جو قلیل، جو استعمال کے اعتبار سے ٹھیک ہے، ہاں عرب اس طرح استعمال کرتے ہیں، آپ بھی ان کی یہ جمع استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ عربوں سے ہم نے اسی طرح سنا ہے، اور البتہ یہ بہت قلیل ہیں، نادر ہیں نادر ہیں، اور « النَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ »، نادر جو ہوتا ہے اس کو معدوم شمار کیا جاتا ہے، یوں سمجھتے ہیں گویا ہے ہی نہیں۔ تو یہ دو چار لفظ اگر آ بھی گئے ہیں تو اس سے ہمارے ضابطے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ عام طور پر، عمومی طور پر یہ جمع صرف کس کی آتی ہے؟ ذوی العقول کی، اگر پورے کلامِ عرب میں دو، چار، پانچ لفظ آپ کو مل بھی جائیں جو اس ضابطے کے خلاف ہیں تو اس سے ضابطے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہم یوں کہیں گے یہ نادر ہیں یہ۔ بہت ہی نادر ہے کہ غیر ذوی العقول کی جمع واو نون کے ساتھ آئے، اور نادر کا اعتبار نہیں کیا جاتا، جو عام چیز واقع ہو اس کا اعتبار کیا جاتا ہے کیونکہ « النَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ »، نادر معدوم چیز کی طرح ہے یعنی اس کو یوں شمار کیا جاتا ہے جیسے ہے ہی نہیں بھائی۔

تو کہتے ہیں: « وَأَمَّا قَوْلُهُمْ » اور باقی عربوں کا قول، هُمْ ضمیر راجع ہے عرب کو۔ سوال: عربوں کا تو یہاں ذکر ہی نہیں ہوا؟ تو جواب یہ کہ یہاں مَرْجَع مَعْنًی مقدم ہو چکا، کیونکہ یہ ضابطے کن کی زبان کے چل رہے ہیں؟ عربوں کی زبان کے، تو گویا معنًی عربوں کا ذکر آ چکا، سِیَاقِ کَلَام ان پر دلالت کر رہا ہے۔ تو کہتے ہیں باقی عربوں کا قول سِنُونَ اور أَرَضُونَ اور ثُبُونَ، ثُبُونَ جمع ہے ثُبَةٌ کی جماعت کو کہتے ہیں، « وَقُلُونَ » جمع ہے قُلَةٌ کی گلی ڈنڈے کو کہتے ہیں، « فَشَاذٌّ » یہ سب جمعیں شاذ ہیں۔

بھئی یاد رکھیے کہ جمع مذکر سالم آپ بنانا چاہتے ہیں اس کا ضابطہ کیا ہے؟ کس لفظ کی جمع مذکر سالم بنا سکتے ہیں اور کس لفظ کی جمع مذکر سالم نہیں بنا سکتے؟ علماء نے اس کے لیے باقاعدہ ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جمع مذکر سالم آپ جس لفظ کی بنانا چاہتے ہیں وہ دیکھیں کہ اِسْم ہے یا صِفَت ہے؟ اگر اسم ہے تو اس میں پھر تین شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔ پہلی شرط یہ کہ وہ عَلَم ہونا چاہیے، نام ہونا چاہیے۔ وہ اسم کیا ہو؟ نام ہو۔ آپ جمع بنانا چاہتے ہیں، کون سی؟ جمع مذکر سالم، جس لفظ کی آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں تو دیکھیں کہ وہ اسم ہے یا صفت؟ اگر اسم ہے تو پھر اس میں تین شرطیں ہیں: نمبر ایک، وہ علم ہونا چاہیے۔ نمبر دو، وہ ذوی العقول کے لیے ہونا چاہیے وہ علم۔ اور نمبر تین، مذکر ہونا چاہیے۔ کتنی شرطیں؟ تین۔ نمبر ایک، علم ہو نام ہو۔ نمبر دو، کس کا نام ہو؟ ذوی العقول میں سے کسی کا نام ہو۔ اور تیسرا، مذکر ہو۔ معلوم ہوا طَلْحَةُ، طَلْحَةُ یہ بھی مذکر کا نام ہے لیکن اس سے جمع مذکر سالم نہیں بنا سکتے، کیوں؟ کیونکہ ٹھیک ہے پہلی شرط بھی پوری یہ علم ہے، دوسری شرط بھی پوری ذوی العقول کا نام ہے یعنی انسانوں میں نام رکھا جاتا ہے، لیکن تیسری شرط کہ وہ لفظ کیا ہونا چاہیے؟ مذکر، حالانکہ طَلْحَہ کے آخر میں گول تا تَأْنِیث والی جڑی ہوئی ہے بھائی۔

تو مصنف نے سب کو ذکر تو نہیں کیا البتہ اس کی طرف اشارہ کر دیا اور فرمایا: « وَيُخْتَصُّ بِأُولِي الْعِلْمِ » کہ یہ جمع خاص ہے کس کے ساتھ؟ اولی العلم یعنی عقل والوں کے ساتھ، اور میں نے بتا دیا دو اور شرطیں بھی ہیں کہ علم بھی ہونا چاہیے اور لفظ مذکر ہونا چاہیے، مؤنث نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا زَیْدٌ کی آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں، دیکھو علم بھی ہے، ذوی العقول کا یعنی انسانوں کا نام ہے، اور تیسرا مذکر بھی ہے، کوئی تا وغیرہ یا الفِ تانیث ساتھ نہیں جڑا ہوا، لہٰذا اس کی جمع آپ استعمال کر سکتے ہیں زَیْدُونَ۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور اگر وہ لفظ جس کی آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں وہ صفت کا صیغہ ہے تو پھر یاد رکھیے اس کے لیے چھ شرطیں ہیں بھائی: ایک وُجُودِی شرط ہے اور پانچ عَدَمِی شرطیں ہیں۔ وجودی شرط کا معنی یہ کہ اس کا ہونا، اس کا وجود ضروری ہے، اس کا ہونا ضروری، اور عدمی شرطوں کا معنی یہ ہے کہ ان چیزوں کا نہ ہونا ضروری۔ تو اگر صفت کے صیغے کی آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں تو کتنی شرطیں ہیں؟ چھ ہیں۔ پہلی کیا ہے؟ وجودی، یعنی اس کا ہونا ضروری، اور پانچ شرطیں ایسی ہیں جو عدمی ہیں یعنی ان کا نہ ہونا ضروری۔ تو وجودی شرط یہ ہے کہ وہ صفت مذکر ذوی العقول کی ہو۔ وجودی شرط کیا ہے؟ کہ وہ صفت مذکر ذوی العقول کی ہو، مؤنث کی نہ ہو اور ذوی العقول کی ہو۔ وجودی شرط یہ ہے کہ وہ صفت مذکر ذوی العقول کی ہو، اور پانچ عدمی شرطیں ہیں: ان میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ تائے تانیث جڑی ہوئی نہ ہو، اور باقی چار عدمی شرطیں وہ کتاب کے اندر مذکور ہیں وہ وہیں ہم دیکھ لیتے ہیں۔

▪ قولہ: « وَيَجِبُ أَلَّا يَكُونَ أَفْعَلَ مُؤَنَّثُهُ فَعْلٰى... » کی تشریح

وَيَجِبُ أَلَّا يَكُونَ أَفْعَلَ مُؤَنَّثُهُ فَعْلَاءُ كَأَحْمَرَ وَحَمْرَاءَ، وَلَا فَعْلَانَ مُؤَنَّثُهُ فَعْلَى كَسَكْرَانَ وَسَكْرَى، وَلَا فَعِيلًا بِمَعْنَى مَفْعُولٍ كَجَرِيحٍ بِمَعْنَى مَجْرُوحٍ، وَلَا فَعُولًا بِمَعْنَى فَاعِلٍ كَصَبُورٍ بِمَعْنَى صَابِرٍ

دوسری عدمی شرط: « أَلَّا يَكُونَ أَفْعَلَ » کہ وہ صفت ایسا اَفْعَلُ نہ ہو « مُؤَنَّثُهُ فَعْلَاءُ » جس کی مؤنث کیا ہو؟ فَعْلَاءُ آتی ہو، جیسے اَحْمَرُ اس کی مؤنث کیا آتی ہے؟ حَمْرَاءُ، تو یہ افعل نہ ہو۔ بھئی یاد رکھیے، یہ جو اَفْعَلُ ہے نا افعل، یہ اِسْمِ تَفْضِیل بھی آتا ہے افعل وزن اور یہ صِفَتِ مُشَبَّہ بھی آتی ہے۔ جیسے اَضْرَبُ یہ اسم تفضیل ہے، اَضْرَبُ کا معنی زیادہ پٹائی کرنے والا، اور ایک افعل صفت بھی آتی ہے اس کو اَفْعَلُ صِفَتِی کہتے ہیں، جیسے اَحْمَرُ، احمر کا معنی سرخ ہے، زیادہ سرخ نہیں کیونکہ اس میں تفضیل نہیں ہے بلکہ یہ صفتِ مشبہ ہے، تو احمر کا معنی سرخ۔ اسی طرح اَبْیَضُ، ابیض کا معنی زیادہ سفید نہیں، یہ اس میں تفضیل نہیں ہے بلکہ یہ صفت کا صیغہ ہے تو اس کو افعل صفتی کہتے ہیں۔ ایک افعل اسم تفضیل اور ایک افعل صفتی۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ وہ افعل صفتی نہ ہو جس کی آپ کیا بنانا چاہتے ہیں؟ جمع مذکر سالم، وہ افعل صفتی نہیں ہونا چاہیے یعنی ایسا افعل جس کی مؤنث کیا آتی ہو؟ فَعْلَاءُ کے وزن پر آتی

ہو، اور فَعْلَاءُ کے وزن پر کس کی مؤنث آتی ہے؟ افعل صفتی کی، تو کہنا یہ چاہتے ہیں کہ وہ افعل صفتی نہ ہو۔

تو کہتے ہیں: « أَلَّا يَكُونَ أَفْعَلَ » کہ وہ ایسا افعل نہ ہو « مُؤَنَّثُهُ فَعْلَاءُ » جس کی مؤنث فعلاء آتی ہو « كَأَحْمَرَ وَحَمْرَاءَ » جیسے احمر اور اس کی مؤنث حمراء۔ تو اس احمر، یہ جو احمر ہے یہ صفت ہے دیکھو، اور اس کی آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں، تو دیکھ لو یہ افعل صفتی ہے یا افعل اسم تفضیل ہے؟ ہم نے دیکھا یہ افعل صفتی ہے، اور ہم نے تو شرط لگائی تھی کہ یہ افعل صفتی نہیں ہونا چاہیے، لہٰذا اس کی جمع واونون کے ساتھ نہیں آئے گی۔ بھئی کیا وجہ ہے؟ کیوں نہیں آئے گی اس کی واونون کے ساتھ؟ کہتے ہیں بھائی وہ جو دوسرا افعل ہے اسم تفضیل اس کی جمع واونون کے ساتھ آتی ہے۔ اگر اس کی بھی جمع واونون کے ساتھ آئے تو پھر تو سننے والے کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ افعل صفتی ہے یا افعل اسم تفضیل ہے، تو دونوں میں فرق کرنے کے لیے جب ایک کو وہ والی جمع دے دی تو دوسرے کو وہ جمع نہیں دی بھائی۔

تو کہتے ہیں کہ وہ ایسا افعل نہ ہو جس کی مؤنث فعلاء ہو۔ بھئی ترکیب پہ نظر ہے؟ « أَلَّا يَكُونَ »، یہ اَنْ يَكُونَ کو کیا دے رہا ہے؟ نَصْب، اور يَكُونُ اَفْعَالِ نَاقِصَہ میں سے ہے، اور یہ ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر۔ اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے وہ راجع ہے اس اسم کی طرف جس کی آپ جمع لانا چاہتے ہیں، کہ وہ اسم نہ ہو، کیا نہ ہو؟ « أَفْعَلَ » یہ خبر آگئی، وہ افعل نہ ہو، افعل نہ ہو۔ اور یہ أَفْعَلُ غَيْرِ مُنْصَرِف ہے، کیونکہ ایک وَزْنِ فِعْل ہے اور صفت بھی ہے، وزنِ فعل بھی ہے اور صفت بھی ہے، تو یہ غیر منصرف ہو اور نہ اس پر تنوین آنی چاہیے تھی کیونکہ كَانَ کی خبر ہے اور کانہ کی خبر کیا ہوتی ہے؟ مَنْصُوب، تو یہ منصوب تو ہے لیکن اس پر اب تنوین نہیں آرہی۔ اور أَفْعَلَ یہ نَكِرَہ ہے، اور آپ کو میں نے بتلایا تھا، توجہ ہے؟ نکرہ کے بعد اگر فعل آجائے تو وہ فعل اس کے لیے عموماً کیا بنتا ہے؟ صفت۔ کیوں صفت بنتا ہے؟ کیونکہ وہ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنے گا اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ، تو گویا نکرہ کے بعد نکرہ آگیا، اور نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو پھر پہلا مَوْصُوف بنتا ہے اور دوسرا صفت۔ اس سے ایک اور بات کا پتہ چل گیا کہ جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، تو جملہ تو جُمْلَہ اِسْمِیَّہ بھی ہے تو معلوم ہوا وہ بھی کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں، لہٰذا کبھی کبھار ایسا ہوگا نکرہ کے بعد جملہ اسمیہ آئے گا اور وہ اس کی صفت بنے گا۔ عام طور پر تو فعل کو ہی لے آتے ہیں لیکن کبھی کبھار جملہ اسمیہ بھی لے آتے ہیں، اور جب جملہ اسمیہ آئے گا تو اس میں پھر ایک مُبْتَدَا ہوگا ایک خَبَر ہوگی، مبتدا خبر پر ان کا وہی اعراب آئے گا اور پھر یہ دونوں مل کر یہ جملہ ہو کر یہ ماقبل کے نکرہ کے لیے کیا بنیں گے؟ صفت

یہاں أَفْعَلَ دیکھو نکرہ ہے اور آگے ہے « مُؤَنَّثُهُ فَعْلَاءُ »، یہ « مُؤَنَّثُهُ » ہے مبتدا اور « فَعْلَاءُ » ہے اس کی خبر، مبتدا بھی کیا ہوتا ہے؟ مَرْفُوع، اسی لیے میں نے پڑھا مُؤَنَّثُهْ، اور فَعْلَاءُ یہ خبر ہے اور خبر بھی کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، تو فَعْلَاءُ۔ جی، تو دیکھیے ترکیب کیا ہوگی؟ اَنْ نے نصب دیا، لَا يَكُونَ فعل از افعال ناقصہ، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل بھائی جو اس اسم کی طرف راجع جس کی آپ جمع بنانا چاہتے ہیں، اور « أَفْعَلَ » منصوب لفظاً موصوف، منصوب لفظاً موصوف، اور « مُؤَنَّثُهُ »، مُؤَنَّثُ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ یہ مبتدا ہے، اور هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، یہ ھا ضمیر کس کو راجع؟ موصوف کی طرف راجع، کیونکہ جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑیں درمیان میں کیا ضروری؟ رَبْط، تو یہ اس کی مؤنث، کس کی مؤنث کی بات ہو رہی ہے؟ اس افعل کی، تو ضمیر راجع ہے افعل کی طرف، یہ عَائِد بھی آگیا۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا، اور « فَعْلَاءُ » مرفوع لفظاً خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر یہ صفت ہوئی أَفْعَلَ کی، اور وہ منصوب تھا تو یہ بھی محلاً منصوب ہے۔ اسی لیے میں نے ترجمہ کیا کیا اس کا؟ « وَيَجِبُ أَلَّا يَكُونَ أَفْعَلَ » کہ وہ ایسا افعل نہ ہو، دیکھو موصوف صفت والا ترجمہ کر رہا ہوں، وہ ایسا افعل نہ ہو « مُؤَنَّثُهُ فَعْلَاءُ » جس کی مؤنث فعلاء آتی ہو « كَأَحْمَرَ وَحَمْرَاءَ »۔

▪ قولہ: « وَلَا فَعْلَانَ » کی تشریح

« وَلَا فَعْلَانَ » اور نہ ایسا فَعْلَانُ ہو « مُؤَنَّثُهُ فَعْلَى » جس کی مؤنث کیا آتی ہو؟ فَعْلٰى آتی ہو « كَسَكْرَانَ وَسَكْرَى »۔ دیکھو سَكْرَانُ، اس کی مؤنث آتی ہے سَكْرٰى۔ آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں کس کی؟ سکران کی، تو کہتے ہیں سکران فَعْلَان وزن ہے اور فعلان دو قسم کے ہیں: ایک فعلان وہ ہے جس کی مؤنث فَعْلَانَۃ آتی ہے اور ایک فعلان وہ ہے جس کی مؤنث فَعْلٰى آتی ہے۔ تو جو جس فعلان کی مؤنث فَعْلَانَۃ آتی ہے، تو جہ ہے؟ وہ فعلان جس کی مؤنث کیا آتی ہے؟ فعلانۃ، اس کو جمع مذکر سالم والی جمع اس کو دے دی یعنی اس سے جمع مذکر سالم آتی ہے۔ جب اس سے آتی ہے تو یہ جو فعلان دوسرا ہے جس کی مؤنث فَعْلٰى آتی ہے اب اس میں منع کر دیا کہ اس کی جمع مذکر سالم نہیں لا سکتے، ورنہ تو طالب علم کو پتہ نہیں چلے گا، سننے والے کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ وہ فعلان فعلانۃ والا ہے یا یہ فعلان فَعْلٰى والا ہے؟ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: « وَلَا فَعْلَانَ » اور ایسا فعلان بھی نہ ہو وہ اسم « مُؤَنَّثُهُ فَعْلَى » جس کی مؤنث فعلیٰ آتی ہو « كَسَكْرَانَ وَسَكْرَى »۔ « وَلَا فَعِيلًا

بِمَعْنَی مَفْعُولٍ » اور ایسافَعِیل بھی نہ ہو وہ صفت جس کی آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں وہ ایسا فعیل بھی نہ ہو « بِمَعْنَی مَفْعُولٍ » جو کس معنی میں ہو؟ مفعول کے معنی میں ہو « کَجَرِیحٍ بِمَعْنَی مَجْرُوحٍ »، اور نیز « وَلَا فَعُولًا » ایسافَعُول بھی نہ ہو « بِمَعْنَی فَاعِلٍ » جو فاعل کے معنی میں ہو « کَصَبُورٍ بِمَعْنَی صَابِرٍ »۔ بھئی کیا وجہ ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ ایسا فعیل بھی نہ ہو؟ آپ بحث کیا چل رہی ہے؟ آپ جمع مذکر سالم لانا چاہتے ہیں صفت کے صیغے کی، تو اس میں چھ شرطیں تھیں، ان میں سے ایک عدمی شرط کیا ہے؟ ایسا فعیل نہ ہو جو کس معنی میں ہو؟ مفعول کے معنی میں، جیسے جَرِیحٌ بمعنی مَجْرُوحٌ۔ تو آپ اس جریح کی جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں، کہتے ہیں نہیں بنا سکتے، کیونکہ یہ جریح کس معنی میں ہے؟ مجروح کے معنی میں ہے۔ اور نیز ایسا فعول بھی نہ ہو جو فاعل کے معنی میں ہو، جیسے صَبُورٌ ہے، صبور کی آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں؟ نہیں بنا سکتے، کیونکہ یہ ایسا فعول ہے جو کس معنی میں ہے؟ فاعل کے معنی میں ہے، ایسا فعول ہے جو فاعل۔ بھئی اس کی کیا وجہ کہ ایسا فعیل بھی نہ ہو اور ایسا فعول بھی نہ ہو؟ وجہ اس کی یہ کہ یہ جو دو صفتیں ہیں، جب فَعِیلٌ بمعنی مفعول کے ہو تو یہ مذکر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مؤنث کے لیے بھی: اَلرَّجُلُ جَرِیحٌ، اَلِامْرَأَۃُ جَرِیحٌ، دیکھا دونوں کے لیے جریحٌ آرہا ہے۔ جریح کا معنی زخمی، مجروح بھائی، زخمی۔ اور اسی طرح یہ فَعُولٌ جو فاعل کے معنی میں ہے یہ بھی مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے اَلرَّجُلُ صَبُورٌ، اَیْ صَابِرٌ، اور اَلِامْرَأَۃُ صَبُورٌ، تو دیکھو یہ صبور دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا، لہٰذا اس کی جمع مذکر سالم نہیں بنائیں گے، کیونکہ جمع مذکر سالم میں، جمع مذکر سالم نام ہی بتلا رہا ہے کہ یہ جمع خاص ہے کس کے ساتھ؟ مذکر کے ساتھ، اور حالانکہ یہ صیغے تو مؤنث کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں، لہٰذا ان کی یہ جمع مذکر سالم نہیں بنائیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب حَاصِلِ کَلَام پھر سن لیں بھائی: آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں کسی لفظ کی تو بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ ضابطہ انہوں نے بیان کر دیا کہ جس کی آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں وہ اِسْمِ مَحْض ہو گا یا صفت کا صیغہ ہو۔ اگر اسم ہو تو اس میں تین شرطیں، اگر صفت کا صیغہ ہو تو اس میں چھ شرطیں۔ اگر اسم ہے تو کون سی تین شرطیں؟ نمبر ایک، عَلَمِیَّت ہونی چاہیے۔ نمبر دو، ذوی العقول میں سے ہو۔ اور نمبر تین، مذکر ہو۔ یا یوں کہیں: تین شرطیں ہیں، علمیت، عقل اور تذکیر۔ علمیت، عقل اور تذکیر بھائی۔ اور اگر وہ صفت کا صیغہ ہے جس کی آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں تو اس میں چھ شرطیں ہیں: ایک شرط ہے وجودی یعنی اس کا ہونا ضروری، اور پانچ شرطیں ہیں عدمی یعنی ان کا نہ ہونا ضروری۔ پہلی شرط اور جو وجودی ہے کہ وہ مذکر عاقل کی صفت ہونی چاہیے یعنی مذکر ہو اور ذوی العقول کی صفت ہو۔ اور پانچ عدمی شرطوں میں سے پہلی عدمی شرط یہ کہ اس کے ساتھ تاجڑی ہوئی نہ ہو۔ دوسری عدمی شرط یہ ہے کہ وہ افعل صفتی نہ ہو یعنی ایسا افعل نہ ہو جس کی مؤنث فَعْلَاءُ وزن پر آتی ہو۔ تیسری عدمی شرط یہ ہے کہ وہ ایسا فعلان نہ ہو جس کی مؤنث فَعْلٰی وزن پر آتی ہو۔ اور چوتھی عدمی شرط یہ ہے کہ وہ ایسا فعیل نہ ہو جو بمعنی مفعول کے ہو۔ اور پانچویں عدمی شرط یہ ہے کہ وہ ایسا فعول نہ ہو جو بمعنی فاعل کے ہو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو جب یہ شرطیں پوری ہو جائیں تو پھر آپ اس لفظ کی جمع مذکر سالم بنا سکتے ہیں۔

« وَیَجِبُ حَذْفُ نُونِهِ بِالْإِضَافَةِ نَحْوُ: مُسْلِمُو مِصْرٍ » اور واجب ہے اس جمع مذکر سالم کے نون کو حذف کرنا إِضَافَت کی وجہ سے، « نَحْوُ: مُسْلِمُو مِصْرٍ »۔ مِصْرٍ، مصر شہر بھائی، شہر، سمجھ میں آئی بات؟ شہر۔ ملک نہیں مراد یہاں، کیونکہ اگر ملک مراد ہو تو پھر وہ غیر منصرف ہو گا، کیونکہ ایک علمیت آگئی اور ایک تانیث۔ جتنی یہ جگہوں اور ملکوں کے نام ہیں یاد رکھیے یہ مؤنث شمار ہوتے ہیں، تو ایک تو تانیث آگئی اور پھر نیز علم بھی ہیں، تو یہ سب کیا ہوں گے؟ غیر منصرف ہوں گے۔ تو یہاں تنوین انہوں نے ڈالی ہوئی ہے، اگر تنوین کے ساتھ آپ پڑھتے ہیں تو پھر معلوم ہوا مصر شہر کے معنی میں ہے، عربی میں شہر کو مصر بھی کہتے ہیں، « نَحْوُ: مُسْلِمُو مِصْرٍ » شہر کے مسلمان۔

« وَمُؤَنَّثٌ » اور ایک مؤنث ہے بھائی، جمع سالم کی بات چل رہی ہے نا، جمع سالم دو قسم پر ہے: ایک مذکر اور ایک مؤنث بھائی، جمع مؤنث سالم۔ کہتے ہیں: « وَهُوَ مَا أُلْحِقَ بِآخِرِهِ أَلِفٌ وَتَاءٌ » وہ اسم ہے جس کے آخر میں الف اور تا کو جوڑ دیا جائے « نَحْوُ: مُسْلِمَاتٌ » جیسے مُسْلِمَاتٌ۔ بھائی میں نے پہلے بیان کیا، جگہ جگہ اس طرح کی مثالیں آئیں گی: نَحْوُ ہے مضاف اور مُسْلِمَاتٍ کیا ہے؟ مضاف الیہ، اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔ آپ کی کتاب میں اوپر تنوین ڈلی ہوئی ہے؟ جی؟ ہاں، تو نَحْوُ مُسْلِمَاتٍ، یوں بھی پڑھ سکتے ہیں اور آپ مُسْلِمَاتٌ اِعْرَابِ حِکَائِی بھی پڑھ سکتے ہیں، اعرابِ، یعنی کہیں پر مُسْلِمَاتٌ رَفْع کے ساتھ آیا تھا، آپ نے اسی کو اٹھا کر یہاں نقل کر دیا، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس کو پھر اعراب کیسے بتائیں گے؟ نَحْوُ مرفوع لفظًا ہے مضاف، اور مُسْلِمَاتٌ اگر آپ پڑھیں، تو مُسْلِمَاتٌ کیسے کہیں گے؟ مجرور تقدیرًا، مجرور تو ہے لیکن تقدیراً ہے، مجرور تقدیراً یہ ہے اس کا اصل اعراب لیکن مرفوع لفظًا بِإِعْرَابِ حِکَائِی، تو مجرور تقدیراً ہے اور مرفوع لفظًا ہے باعرابِ حکائی۔

تو کہتے ہیں جمع مؤنث سالم وہ ہے کہ جس کے آخر میں الف اور تا کو جوڑ دیا جائے جیسے مُسْلِمَاتٌ۔ سوال: آپ نے ہمیں بتایا جمع سالم وہ ہوتی ہے جس میں

مفرد کا وزن برقرار رہتا ہے، تو یہ مُسْلِمَاتٌ یہ تو جمع ہے مُسْلِمَۃٌ کی، اور مُسْلِمَۃٌ کے آخر میں گول تا ہے اور اس کے آخر میں آپ نے کہا کہ الف اور تا کو جوڑتے ہیں، تو یہ تو مُسْلِمَاتٌ نہیں ہونا چاہیے، مُسْلِمَتَاتٌ ہونا چاہیے۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟ لیکن آپ اس کو کیا کہہ رہے ہیں؟ مُسْلِمَاتٌ، گویا آپ نے تا کو ختم کر دیا۔ جب تا کو ختم کر دیا تو دیکھو مفرد کا وزن تو ٹوٹ گیا، آپ نے تو ہمیں کیا کہا تھا؟ اس میں مفرد کا وزن سلامت رہتا ہے۔ تو جواب یاد رکھیے کہ مفرد کا وزن اور حروف سلامت رہتے ہیں، معنی یہ ہے کہ حُرُوفِ اَصْلِیَّہ سلامت رہتے ہیں اور یہ تا تو تانیث کے لیے زائد تھی، تو باقی حروف تو سارے اسی طرح ہیں، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ اور نیز اس لیے کیونکہ تا تانیث کی علامت ہے اور اب آگے الف اور تا آگئے اور وہ بھی کس چیز کی علامت ہیں؟ تانیث کی، تو ایک لفظ میں دو تانیث کی علامتیں نہیں جمع ہوتیں، اس لیے مجبوراً ایک کو کیا کرنا پڑا؟ ختم کرنا پڑا بھائی۔ تو کہتے ہیں جس کے آخر میں الف اور تا ہو جیسے مُسْلِمَاتٌ۔

▪ قولہ: «وَشَرْطُهُ إِنْ كَانَ صِفَةً وَلَهُ مُذَكَّرٌ أَنْ...» کی تشریح

«وَشَرْطُهُ إِنْ كَانَ صِفَةً وَلَهُ مُذَكَّرٌ أَنْ يَكُونَ مُذَكَّرُهُ قَدْ جُمِعَ بِالْوَاوِ وَالنُّونِ» یہاں سے اب جمع مؤنث سالم کی شرائط ذکر کر رہے ہیں۔ آپ ایک لفظ کی جمع مؤنث سالم بنانا چاہتے ہیں تو اس کی کیا شرائط ہیں؟ وہ لفظ جس کی آپ جمع مؤنث سالم بنانا چاہتے ہیں وہ اسم ہو گا یا صفت۔ اگر اسم ہو تو پھر کوئی شرط نہیں ہے، آپ اس کی جمع مؤنث سالم الف تا کے ساتھ بنا سکتے ہیں۔ اور اگر صفت ہے جس کی آپ جمع مؤنث سالم بنانا چاہتے ہیں تو پھر دیکھیں اس صفت، اس کے مقابلے میں کوئی مذکر ہے یا مذکر نہیں؟ اگر اس کے مقابلے میں مذکر ہے اور آپ اس مؤنث کی جمع کس کے ساتھ بنانا چاہتے ہیں؟ الف تا، اور اس کے مقابلے میں کون ہے؟ مذکر، تو شرط یہ ہے کہ اس مذکر کی جمع واو نون کے ساتھ آنی چاہیے۔ اگر اس کے مذکر کی جمع واو نون کے ساتھ آتی ہے تو اس مؤنث کی جمع بھی آپ پھر الف تا کے ساتھ لا سکتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ کہ یہ بڑے اعلیٰ درجے کی جمع ہے، اعلیٰ درجے کی جمع ہے، تو اب اگر اس مؤنث کو تو الف تا والی جمع آپ دے دیں اور مذکر میں واو نون والی جمع نہ آئے تو پھر تو مؤنث کا درجہ مذکر پر بڑھ گیا بھائی، حالانکہ فضیلت مذکر کو ہے نہ کہ مؤنث کو، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اگر وہ صفت کا صیغہ ایسا ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی مذکر نہیں، پھر آپ اس کی جمع مؤنث سالم بنا سکتے ہیں، شرط یہ ہے کہ اس صفت کے آخر میں کم از کم تائے تانیث جڑی ہوئی ہو، کم از کم کیا جڑی ہوئی ہو؟ تائے تانیث۔

پھر دہرائیں: اگر آپ جس لفظ کی جمع مؤنث سالم بنانا چاہتے ہیں تو دیکھیں وہ اسم ہے یا صفت؟ اگر اسم ہو تو پھر کوئی شرط نہیں، آپ اس کی جمع مؤنث سالم الف تا کے ساتھ بنا سکتے ہیں۔ اور اگر وہ صفت ہے تو پھر اس کے مقابلے میں کوئی مذکر ہو گا یا مذکر نہیں؟ اگر مذکر ہے تو پھر شرط یہ ہے اس مذکر کی جمع کم از کم کس کے ساتھ آئے؟ واو نون کے ساتھ، تو پھر اس مؤنث کی جمع بھی الف تا کے ساتھ لانا جائز ہے۔ اور اگر اس مؤنث کے مقابلے میں کوئی مذکر نہ ہو تو پھر اس صورت میں وہ صفت اس کے ساتھ تا جڑی ہوئی ہو پھر آپ اس کی جمع الف تا کے ساتھ لا سکتے ہیں، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَشَرْطُهُ» اور شرط اس اسم کی جس کی آپ جمع الف تا سے لانا چاہتے ہیں «إِنْ كَانَ صِفَةً» اگر وہ صفت ہو «وَلَهُ مُذَكَّرٌ» اور اس کا، اس کے لیے کوئی مذکر بھی ہو تو اس کی شرط یہ ہے «أَنْ يَكُونَ مُذَكَّرُهُ قَدْ جُمِعَ بِالْوَاوِ وَالنُّونِ» کہ اس کا مذکر جو ہے تحقیق اس کی جمع آتی ہو واو اور نون کے ساتھ، اس کو جمع کیا جاتا ہو واو اور نون کے ساتھ «نَحْوُ: مُسْلِمُونَ» جیسے مُسْلِمُونَ۔ بھائی دیکھیے بھائی، آپ مُسْلِمَۃٌ کی جمع الف تا کے ساتھ لانا چاہتے ہیں اور یہ اسم ہے یا صفت ہے؟ یہ صفت ہے بھائی، یہ کیا ہے؟ صفت ہے، اور اس کے مقابلے میں مذکر مُسْلِمٌ موجود ہے، تو پھر مُسْلِمَۃٌ کی جمع الف تا کے ساتھ لانا تب جائز اگر مُسْلِمٌ کی جمع کس کے ساتھ آتی ہو؟ واو نون، اور مُسْلِمٌ کی جمع تو واو نون کے ساتھ آتی ہے لہٰذا مُسْلِمَۃٌ کی جمع بھی الف تا کے ساتھ لانا جائز ہے، یہ معنی ہے «نَحْوُ: مُسْلِمُونَ» جیسے مُسْلِمُونَ۔

«وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مُذَكَّرٌ» اور اگر اس مؤنث صفت جو ہے اس کے لیے کوئی مذکر نہیں ہے «فَشَرْطُهُ أَلَّا يَكُونَ مُؤَنَّثًا مُجَرَّدًا عَنِ التَّاءِ» تو پھر اس کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسا مؤنث نہ ہو مجرداً عن التاء جو تا سے خالی ہو بلکہ اس کے ساتھ تا جڑی ہوئی ہو «كَالْحَائِضِ وَالْحَامِلِ» جیسے حَائِض اور حَامِل۔ حَائِض، حیض والی عورت۔ سوال: اس کے ساتھ تو تا نہیں جڑی ہوئی؟ جواب: کہ بھائی تا اس لیے جوڑی جاتی ہے ساتھ تا کہ مذکر اور مؤنث میں فرق ہو جائے، جیسے قَائِمٌ اور قَائِمَۃٌ، کیونکہ قیام مرد کے لیے مرد بھی کھڑا ہو سکتا ہے عورت بھی کھڑی ہو سکتی ہے، تو وہاں پر پھر جب دونوں کے لیے ایک صفت آتی ہو تو مذکر اور مؤنث میں فرق کرنے کے لیے مؤنث کے ساتھ کیا جوڑ دیتے ہیں؟ تا جوڑ دیتے ہیں۔ اور اگر صفت ایسی ہے جو خاص ہے مؤنث کے ساتھ، مذکر میں وہ صفت پائی ہی نہیں جاتی، تو پھر تا کے ذریعے بھی فرق کرنے کی ضرورت نہیں، جیسے حَیْض، حیض یہ صرف عورتوں کی صفت ہے مردوں کی صفت ہے ہی نہیں، تو لہٰذا یہاں تا کو لانے کی بھی ضرورت نہیں، تو حَائِض استعمال ہوتا ہے۔

اور چونکہ حَائِض کا مذکر نہیں، مذکر میں تو یہ صفت ہے ہی نہیں، لہٰذا اب آپ اس کی جمع بنانا چاہتے ہیں کس کے ساتھ؟ الف تا کے ساتھ، کہتے ہیں جائز نہیں، کیونکہ ہم نے کہا تھا اگر اس کے مقابلے میں مذکر نہ ہو تو کم از کم اس کے ساتھ گول تا جڑی ہوئی ہو، اور حَائِض کے ساتھ تو گول تا جڑی ہوئی نہیں، لہٰذا اس کی جمع الف تا کے ساتھ نہیں لا سکتے۔ اسی طرح حَامِل، حاملہ ہونا یہ بھی صرف عورتوں کی صفت ہے لہٰذا یہاں بھی تا لانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ تا کس لیے لاتے ہیں؟ تاکہ فرق ہو جائے بَیْنَ الْمُذَکَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ، یہاں تو مذکر کے لیے صفت ہی نہیں، تو لہٰذا حَامِل اس کی جمع بھی الف تا کے ساتھ نہیں لا سکتے، وجہ سمجھ میں آ گئی؟ تو حَائِض اور حَامِل یاد رکھیے یہ تا کے ساتھ بھی استعمال ہوتے ہیں: حَائِضَۃٌ، حَامِلَۃٌ، اور اس حَائِضَہ، حَائِضَۃٌ کے آخر میں کیا ہے؟ تا جڑی ہوئی ہے، لہٰذا اس کی جمع کیا آتی ہے؟ حَائِضَاتٌ۔ اسی طرح حَامِلَۃٌ آتا ہے، اس کے ساتھ بھی کیا ہے؟ تا جڑی ہوئی، تو اس کی جمع بھی کیا آتی ہے؟ حَامِلَاتٌ۔ تو جب ان دو کو الف تا والی جمع دے دی تو اب ان میں حَائِض اور حَامِل میں یہ جمع لانا جائز نہیں، کیونکہ پھر تو پتہ ہی نہیں چلے گا حَائِضَاتٌ اگر کہا جائے تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ حَائِضٌ کی جمع ہے یا حَائِضَۃٌ کی جمع ہے، تو اس لیے جن میں تا نہیں اس میں الف تا کے ساتھ جمع لانے کی بھی اجازت نہیں ہے بھائی۔

تو حَامِل کا معنی یاد رکھیے، حامل مؤنث کی صفت ہے اسی کے ساتھ خاص ہے لہٰذا تا لانے کی ضرورت نہیں، اور یہ حَائِض اور حَامِل مثلاً خبر بناتے ہیں: اَلْاِمْرَأَۃُ حَائِضٌ، ترکیب کیجیے: اَلْاِمْرَأَۃُ حَائِضٌ۔ اَلْاِمْرَأَۃُ مرفوع لفظاً مبتدا، آگے؟ حَائِضٌ ہے حَائِضٌ، بس تا نہیں جڑی ہوئی ساتھ، الف لام بھی نہیں ہے، اَلْاِمْرَأَۃُ حَائِضٌ، جی پھر کیجیے ترکیب: اَلْاِمْرَأَۃُ، امرأۃ کا ہمزہ وصلی ہے وہ گر جائے گا، اَلْاِمْرَأَۃُ مرفوع لفظاً مبتدا، حَائِضٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر ھِیَ ضمیر، ھُوَ نہیں، یہی میں بتلانا چاہ رہا تھا، تو حَائِضٌ کے اندر ھِیَ ضمیر نکالنی ہے ھُوَ نہیں، یہی بتلانے کے لیے میں نے یہ ترکیب کروائی، کیونکہ یہ صفت خاص ہے کس کے ساتھ؟ مؤنث کے ساتھ، تو آپ یہ نہ کہیں اس کے ساتھ تو تا نہیں جڑی ہوئی لہٰذا اس کے اندر ھُوَ نکالیں گے، نہیں نہیں، اس کے اندر ھِیَ ضمیر ہی نکالیں گے کیونکہ یہ صفت خاص ہے کس کے ساتھ؟ مؤنث کے ساتھ۔ تو اسی طرح اَلْاِمْرَأَۃُ حَامِلٌ، وہ عورت حاملہ ہے، تو یہاں بھی حَامِلٌ کے اندر کون سی ضمیر نکالیں گے؟ ھِیَ۔ اور پھر ایک اور بات یاد رکھیے: حَامِلٌ کا ایک معنی تو ہے حاملہ، اور ایک حَامِلٌ کا معنی ہوتا ہے وزن اٹھانے والا، حَمَلَ یَحْمِلُ، بوجھ اٹھانا وزن اٹھانا، اس میں پھر مذکر اور مؤنث کا فرق ہوتا ہے کیونکہ بوجھ مرد بھی اٹھاتا ہے اور عورت بھی اٹھاتی ہے، تو وہاں مذکر کے لیے حَامِلٌ اور مؤنث کے لیے حَامِلَۃٌ کہتے ہیں بھائی۔

کہتے ہیں: « وَإِنْ کَانَ اسْمًا غَیْرَ صِفَۃٍ جُمِعَ بِالْأَلِفِ وَالتَّاءِ بِلَا شَرْطٍ » اور اگر وہ مؤنث جس کی آپ الف تا کے ساتھ، بھائی بات چل رہی ہے نا، آپ الف تا والی جمع لانا چاہتے ہیں، کس کی جمع لانا چاہتے ہیں؟ یا تو وہ صفت ہو گی یا اسم ہو گا۔ اگر صفت ہے تو پھر اس کے لیے کیا شرط تھی؟ کہ اس کا کوئی مذکر ہو تو اس کی جمع کس سے آئے؟ واو نون، اور اگر اس کے مقابلے میں مذکر ہے ہی نہیں تو پھر اس مؤنث کے ساتھ کم از کم کیا ملی ہوئی ہو؟ تائے تانیث ملی ہوئی ہو، اور اگر آپ جس کی جمع مؤنث سالم یعنی الف تا والی جمع بنانا چاہتے ہیں وہ اِسمِ مَحْض ہے تو پھر اس میں کوئی شرط نہیں، یہی بیان کر رہے ہیں: « وَإِنْ کَانَ اسْمًا غَیْرَ صِفَۃٍ » اور اگر وہ جس، وہ مؤنث جس کی آپ الف تا کے ساتھ جمع بنانا چاہتے ہیں « اسْمًا غَیْرَ صِفَۃٍ » وہ ایسا اسم ہے جو صفت نہیں ہے « جُمِعَ بِالْأَلِفِ وَالتَّاءِ بِلَا شَرْطٍ » تو پھر اس کی جمع لائی جائے گی الف اور تا کے ساتھ بغیر کسی شرط کے « کَھِنْدَاتٍ » جیسے ھِنْد بھائی۔ ہند قدیم عربی میں عورتوں کا نام تھا، عام نام استعمال ہوتا تھا بھائی ھِنْدٌ، تو اب اس کی جمع آپ لانا چاہتے ہیں الف تا کے ساتھ تو یہ مؤنث کا نام ہے، تو مؤنث کا نام، تو یہ اسم ہے یا صفت ہے؟ یہ اسم ہے صفت نہیں، جب اسم ہے تو اس کے لیے کوئی شرط نہیں، لہٰذا الف تا کے ساتھ اس کی جمع لائیں گے اور کیا کہیں گے؟ ھِنْدَاتٌ، « کَھِنْدَاتٍ »۔

▪ قولہ: « وَالْمُکَسَّرُ » کی تشریح

« وَالْمُکَسَّرُ » جی، اب جَمْعِ مُکَسَّر کی بات آ گئی۔ جمع مذکر سالم کا بیان بھی گزر گیا اور جمع مؤنث سالم کا بیان بھی گزر گیا۔ کہتے ہیں: « وَالْمُکَسَّرُ صِیَغُهُ فِي الثُّلَاثِيِّ کَثِیرَۃٌ » کہ جمع مکسر جو ہیں اس کے صیغے یعنی اس کے اَوْزَان ثلاثی کے اندر یعنی ثُلَاثِی مُجَرَّد میں « کَثِیرَۃٌ » بہت زیادہ ہیں « تُعْرَفُ بِالسَّمَاعِ » ان کو پہچانا جائے گا سماع سے « کَرِجَالٍ وَأَفْرَاسٍ وَفُلُوسٍ »۔ رِجَال بھی جمع بروزنِ فِعَال، اَفْرَاس بھی جمع بروزنِ اَفْعَال، فُلُوس بھی جمع بروزنِ فُعُول۔ تو جمع مکسر ہو اور کس کی جمع مکسر؟ ثلاثی مجرد، ثلاثی مجرد۔ تو ثلاثی مجرد کی آپ جمع مکسر لانا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ بہت زیادہ اوزان ہیں، بہت زیادہ اوزان ہیں اور اس کا پتہ سماع سے چلے گا کوئی ضابطہ اور قانون وغیرہ نہیں ہے بھائی۔ یہ معنی ہے جمع مکسر جو اس کا صیغہ ثلاثی، اس کے صیغے ثلاثی سے یعنی ثلاثی مجرد سے بہت زیادہ ہیں « تُعْرَفُ بِالسَّمَاعِ » جن کو سماع سے پہچانا جائے گا یعنی کوئی ضابطہ وغیرہ نہیں، اور پھر تین وزن ذکر بھی کر دیے،

وزن تو بہت زیادہ ہیں ویسے تین ذکر کر دیے: « کَرِجَالٍ » بروزنِ فِعَالٍ، « وَأَفْرَاسٍ » بروزنِ اَفْعَالٍ، « وَفُلُوسٍ » بروزنِ فُعُولٍ۔

« وَفِي غَيْرِ الثُّلَاثِيِّ عَلَى وَزْنِ فَعَالِلَ وَفَعَالِيلَ قِيَاسًا » اور ثلاثی کے علاوہ میں یعنی ثلاثی مجرد کے علاوہ، ثلاثی مجرد کے علاوہ کون کون ہے؟ ثُلَاثِی مَزِید فِیہ، رُبَاعِی مُجَرَّد، رُبَاعِی مَزِید فِیہ وغیرہ، تو ثلاثی مجرد کے علاوہ میں « عَلَى وَزْنِ فَعَالِلَ وَفَعَالِيلَ » فَعَالِل اور فَعَالِیل وزن پر جمع مکسر عام آئے، « قِيَاسًا » قیاس سے آئے گی، یعنی قیاساً سب کی جمع کیا آئے گی؟ فَعَالِل اور فَعَالِیل وزن پر۔ جیسے دِرْهَم کی جمع دَرَاہِم، دیکھو فَعَالِل۔ درہم کتنے حروف ہیں؟ چار حروف ہیں، چار حروف ہیں، تو جب ثلاثی مجرد نہ ہو تو پھر اس کی جمع مکسر قیاساً کیا آتی ہے؟ فَعَالِل اور فَعَالِیل، تو درہم کی جمع دَرَاہِمُ، دَرَاہِمُ فَعَالِل وزن۔ اسی طرح دِینَار بھائی، دینار کی جمع کیا آئے گی؟ دَنَانِیرُ، دَنَانِیرُ۔

تو کہتے ہیں: « وَفِي غَيْرِ الثُّلَاثِيِّ عَلَى وَزْنِ فَعَالِلَ وَفَعَالِيلَ قِيَاسًا » اور غیر ثلاثی کے اندر یعنی ثلاثی مجرد کے علاوہ میں جمع مکسر جو ہے « عَلَى وَزْنِ فَعَالِلَ وَفَعَالِيلَ قِيَاسًا » فَعَالِل اور فَعَالِیل وزن پر قیاسی ہے « كَمَا عَرَفْتَ فِي التَّصْرِيفِ » جیسے کہ آپ علمِ صَرْف میں جان چکے ہیں بھائی، تَصْرِیف: عِلْمِ صَرْف۔ دیکھا اس سے ایک اور قیمتی بات کا پتہ چل گیا آپ کو کہ علمِ صرف مقدم ہے عِلْمِ نَحْو پر بھائی۔ پہلے طریقہ ہمارے بزرگوں کا یہی طریقہ تھا، پہلے طالب علم کو صرف پڑھائی جاتی اور صرف میں وہ خوب اچھا خاصا ماہر بن جاتا پھر اس کے بعد اس کو نحو پڑھائی جاتی تو وہ اس کو اچھی طرح سمجھ میں آتی تھی بھائی، تو پہلا درجہ کس کا ہے؟ صرف کا، اور اس کے بعد نحو کا بھائی، اس لیے کہا « كَمَا عَرَفْتَ فِي التَّصْرِيفِ » کہ آپ علمِ صرف پڑھ چکے ہوں گے تو اس میں آپ نے پہچان لیا ہو گا کہ فَعَالِل اور فَعَالِیل وزن پر جمع قیاسی ہے بھائی۔

بھائی میں نے آپ کو ایک ضابطہ بتلایا تھا کہ « التَّصْغِيرُ وَالتَّكْسِيرُ يَرُدَّانِ الْأَشْيَاءَ إِلَى أُصُولِهَا » کہ تَصْغِیر اور جمع مکسر جو ہے وہ چیزوں کو ان کی اصل کی طرف لوٹا دیتی ہے۔ کسی لفظ کی اصل کا پتہ کرنا ہو تو اس کی تصغیر بنالو اور اسی طرح جمع تکسیر بنالو، آپ کو اس کی اصل کا پتہ چل جائے گا۔ جیسے مثلاً دیکھیے بھائی: دِینَار، آپ دینار کی اصل کا پتہ چلانا چاہتے ہیں کہ اس کے حُرُوفِ اَصْلِیَّہ کیا کیا ہیں؟ تو ہم نے اس کی جمع تکسیر بنائی اور وہ کیا ہے؟ دَنَانِیرُ، دَنَانِیرُ۔ معلوم ہوا حروف اصلیہ کیا ہیں؟ فَا کے مقابلے میں کیا ہے؟ دَال، فَعَالِیل، عَیْن کے مقابلے میں نُون ہے، اَلِف زائدہ، پھر لَام ہے، وہاں کیا ہے؟ دَنَانِیرُ، فَعَالِیل، وہاں پھر نون ہے، معلوم ہوا یہ نون بھی اصلی۔ پہلا نون بھی اصلی تھا، یہ بھی نون اصلی، پھر یَاء ہے دَنَانِیرُ، یہ یاء زائد ہے، پھر رَا کس کے مقابلے میں؟ لام کے مقابلے میں۔ معلوم ہوا دینار کا اصل مادہ کیا ہے؟ د، ن، ن، ر، د، ن، ن، ر۔ تو معلوم ہوا دینار میں دو نون ہیں، دو نون ہیں۔ اور دِینَار اس میں تو ایک نون آرہا ہے، دوسرا نون؟ تو علماء لکھتے ہیں کہ دینار اصل میں دِنَّار تھا، یہ نون مشدد تھا۔ دال اور یہ نون مشدد تھا اور مشدد حرف کتنے حروف ہوتے ہیں دراصل؟ دو حروف ہوتے ہیں، تو د، ن، ن اور آگے ر، دِنَّار، دِنَّار۔ اور پھر یاد رکھیے عربی زبان میں بعض اوقات جب دو حرف ایک جنس کے جمع ہو جائیں تو پھر بعض اوقات اس کو حرفِ علت سے ایک کو بدل دیتے ہیں، تو یہاں بھی دونوں تھے، پہلے کو یاء سے بدل دیا گیا تو کیا بن گیا؟ دِینَار۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا دینار کی اصل دِنَّار تھی، کس سے پتہ چلا؟ جمع تکسیر سے۔

■ قولہ: « ثُمَّ الْجَمْعُ أَيْضًا عَلَى قِسْمَيْنِ » کی تشریح

« ثُمَّ الْجَمْعُ أَيْضًا عَلَى قِسْمَيْنِ » پھر جمع جو ہے وہ دو قسم پر ہے: « جَمْعُ قِلَّةٍ » ایک جَمْعِ قِلَّت ہے، جمع قلت، اور آگے ایک دو سطروں کے بعد آرہا ہے « وَجَمْعُ كَثْرَةٍ » اور دوسری کیا ہے؟ جَمْعِ كَثْرَت۔ بھائی یاد رکھیے جمع دو قسم پر ہے، یہ دوسری تقسیم ہے جمع کے افراد کے اعتبار سے: ایک جمع قلت ہے اور ایک جمع کثرت۔ جمع قلت وہ ہے جس کا اِطْلَاق تین سے لے کر دس تک پر ہوتا ہے بھائی، اس کو کیا کہتے ہیں؟ جمع قلت، اور اس کے چھ اوزان ہیں بھائی، چھ اوزان، وہ آگے ذکر کریں گے بھائی۔ اور جبکہ اس کے علاوہ باقی جو جمعیں ہیں وہ جمع کثرت ہیں، اور جمع کثرت کا اطلاق گیارہ سے لے کر اِلَى مَا لَا نِهَايَةَ تک، سب اوپر جتنے بھی ہیں سب جمع کثرت کے افراد میں سے ہیں بھائی۔

« ثُمَّ الْجَمْعُ أَيْضًا عَلَى قِسْمَيْنِ: جَمْعُ قِلَّةٍ وَهُوَ مَا يُطْلَقُ عَلَى الْعَشَرَةِ فَمَا دُونَهَا » اور جمع قلت وہ جمع ہے کہ جس کا اطلاق ہوتا ہو « عَلَى الْعَشَرَةِ » دس پر « فَمَا دُونَهَا » اور جو اس سے کم ہیں، جس کا اطلاق دس اور اس سے کم پر ہوتا ہے، « وَأَبْنِيَتُهُ » اور اس کے اوزان جو ہیں وہ یہ ہیں: « أَفْعُلٌ وَأَفْعَالٌ وَأَفْعِلَةٌ وَفِعْلَةٌ » کتنے ہو گئے؟ چار، « وَجَمْعَا الصَّحِيحِ » اصل میں تھا جَمْعَانِ الصَّحِيحِ، تثنیہ ہے، دو جمعیں کون سی؟ صحیح والی، صحیح کی یعنی دو جمع سلامت: جمع مذکر سالم اور جمع مؤنث سالم، اور دو جمع صحیح « بِدُونِ اللَّامِ » بغیر لام کے، بغیر لام کے۔ تو جمع قلت کے کتنے اوزان ہو گئے؟ چھ: أَفْعُلٌ، سب ہر ایک کی مثالیں بھی بین السطور دی ہوئی ہیں، أَفْعُلٌ جیسے اَفْلُسٌ جمع ہے فَلْسٌ، فلس پیسوں کو کہتے ہیں تو اَفْلُس جمع ہے، اور

أَفْعَالٌ یہ بھی جمع جیسے قلم کی جمع اَقْلَامٌ، اَقْلَامٌ، اور أَفْعِلَةٌ یہ بھی جمع ہے جمع قلت ہے جیسے مثال کی جمع اَمْثِلَةٌ، مثال کی جمع اَمْثِلَةٌ یا رغیف کی جمع اَرْغِفَةٌ، اور اسی طرح فِعْلَةٌ یہ فِعْلَہ بھی جمع ہے، جمع قلت بھائی، فِعْلَہ جیسے غلام کی جمع غِلْمَةٌ، غِلْمَةٌ۔ اور اسی طرح دو جمع سلامت جو ہیں یعنی جمع مذکر سالم اور جمع مؤنث سالم « بِدُونِ اللَّامِ » بغیر کس کے؟ بغیر لام کے یعنی ان پر الف لام نہ ہو، الف لام نہ ہو۔

تو جمع قلت کا اطلاق کتنے پر ہوتا ہے؟ تین سے لے کر دس تک، اور اس کے مقابلے میں جمع کثرت ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ جو جمع صحیح جو ہیں دو جمع سلامت بغیر الف لام کے ہوں، بغیر الف لام کے۔ یاد رکھیے جب جمع سلامت پر الف لام آجائے تو پھر وہ عموماً اِسْتِغْرَاق کا فائدہ دے گی: اَلْمُسْلِمُونَ، معلوم ہوا اب اس سے تمام مسلمان مراد ہیں۔ تو یہ جمع سلامت پر جب الف لام آجائے تو استغراق کا فائدہ دیتا ہے یعنی تمام افراد کا احاطہ کر لیتا ہے۔ اور جبکہ جمع مکسر پر جب الف لام داخل ہو تو پھر وہ اِسْمِ جِنْس کے معنی میں ہو جاتا ہے یعنی قلیل اور کثیر سب پر پھر صادق آتا ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے انہوں نے کہا « بِدُونِ اللَّامِ » دو جمع سلامت بغیر لام کے۔

« وَجَمْعُ كَثْرَةٍ » اور دوسری قسم جو ہے وہ جمع کثرت ہے « وَهُوَ مَا يُطْلَقُ عَلَى مَا فَوْقَ الْعَشَرَةِ » وہ ہے جس کا اطلاق ہوتا ہے یعنی جس کو بولا جاتا ہے (اطلاق کا، يُطْلَقُ کا کیا معنی؟ بولا جانا، « وَهُوَ مَا يُطْلَقُ عَلَى » اوپر آیا تھا نا « وَهُوَ مَا يُطْلَقُ عَلَى الْعَشَرَةِ » وہ جس کا اطلاق ہوتا ہے یعنی جس کو بولا جاتا ہے، کتنے افراد پر؟ دس یا دس سے کم پر بولا جاتا ہے، اسی طرح جمع کثرت ہے « وَهُوَ مَا يُطْلَقُ عَلَى مَا فَوْقَ الْعَشَرَةِ » وہ ہے جس کو بولا جاتا ہے علی مافوق العشرۃ کس پر؟ دس سے زیادہ یعنی گیارہ پر)، « وَأَبْنِيَتُهُ مَا عَدَا هٰذِهِ الْأَبْنِيَةَ » اور اس کے اوزان « مَا عَدَا » علاوہ، وہ علاوہ ہیں ان اوزان کے۔ یہ چھ اوزان تو کس کے؟ جمع قلت کے، اور اس کے علاوہ باقی جتنے جمع کے اوزان ہیں وہ جمع کثرت کے اوزان ہیں، ان کا اطلاق گیارہ سے لے کر اِلٰی مَا لَا نِهَايَةَ تک یعنی اوپر سب پر کیا ہے وہ؟ سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے بھائی، سب پر اطلاق ہوتا ہے۔

اور پھر یہ بھی یاد رکھیے: انہوں نے کہا جمع قلت کا اطلاق تین سے لے کر دس تک اور جمع کثرت کا اطلاق گیارہ سے لے کر اِلٰی مَا لَا نِهَايَةَ تک، اور بعضوں نے تو لکھا کہ ابتدا دونوں کی تین سے ہے۔ جمع قلت کا اطلاق تین سے لے کر دس تک، اور جمع کثرت کا اطلاق تین سے لے کر اِلٰی مَا لَا نِهَايَةَ تک سب پر بولا جاتا ہے۔ تو بہر حال یہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں، مقام جمع قلت والا ہو گا اور استعمال کیا ہو جائے گی؟ جمع کثرت، یا مقام جمع کثرت والا ہو گا لیکن کون سا لفظ استعمال کر لیں گے؟ جمع قلت والا، تو ایک دوسرے کی جگہ پر بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ اور جمع کثرت کے اوزان کون کون سے ہیں؟ بتلا دیا: « أَبْنِيَتُهُ مَا عَدَا هٰذِهِ الْأَبْنِيَةَ »، ان چھ اوزان کے علاوہ اور جو اوزان ہیں وہ جمع کثرت کے اوزان ہیں بھائی۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۹: فصل المصدر: مصدر کی تعریف، عمل کی شرائط اور اقسام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۷۸—بتاریخ: ۲۲ فروری ۲۰۱۶ء

متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلْمَصْدَرُ اسْمٌ يَدُلُّ عَلَى الْحَدَثِ فَقَطْ، وَيُشْتَقُّ مِنْهُ الْأَفْعَالُ، كَالضَّرْبِ وَالنَّصْرِ مَثَلًا، وَأَبْنِيَتُهُ مِنَ الثُّلَاثِيِّ الْمُجَرَّدِ غَيْرُ مَضْبُوطَةٍ تُعْرَفُ بِالسَّمَاعِ، وَمِنْ غَيْرِهِ قِيَاسِيَّةٌ كَالْإِفْعَالِ وَالِانْفِعَالِ وَالِاسْتِفْعَالِ وَالْفَعْلَلَةِ وَالتَّفَعْلُلِ مَثَلًا۔

آج ہم مصدر کے بارے میں پڑھیں گے بھائی۔ تو مصنف فرماتے ہیں: «اَلْمَصْدَرُ اسْمٌ يَدُلُّ عَلَى الْحَدَثِ فَقَطْ» کہ مصدر وہ ایسا اسم ہے، «اسْمٌ» دیکھو نکرہ آیا اور اس کے بعد «يَدُلُّ» فعل، تو نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو «اَلْمَصْدَرُ اسْمٌ» مصدر جو ہے وہ ایسا اسم ہے «يَدُلُّ عَلَى الْحَدَثِ فَقَطْ» جو صرف حدث پر دلالت کرتا ہے، جو صرف کس پر دلالت کرتا ہے؟ حدث پر دلالت کرتا ہے بھائی۔

حدث کسے کہتے ہیں؟ یاد رکھیے، حدث وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہو، یعنی جو غیر کی صفت ہو، اس کا اپنا الگ وجود نہ ہو اس کو حدث کہتے ہیں۔ جیسے میں کہتا ہوں زید پٹائی کرنے والا ہے۔ اب دیکھو یہ پٹائی کرنا، اس کا اپنا الگ وجود نہیں۔ زید ہو گا اور وہ پٹائی کرے گا تو پٹائی کا وجود پایا جائے گا، اور اگر زید نہیں تو وہ جو زید نے پٹائی کرنی تھی اس پٹائی کا بھی وجود نہیں۔ تو حدث کسے کہتے ہیں؟ وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہوتا ہے، غیر کے ساتھ قائم ہوتا ہے یعنی غیر کی صفت بنتا ہے۔ اگر وہ غیر ہے تو اس کا بھی وجود ہے، اور اگر وہ غیر نہیں تو اس کا اپنا الگ وجود بھی نہیں ہے بھائی۔ تو اس کو حدث کہتے ہیں، جیسے پٹائی کرنا۔ زید ہے تو پٹائی کرنا ہے، زید نہیں تو پٹائی کرنا بھی نہیں۔ جیسے کھانا کھانا۔ زید ہے تو کھانا کھانے کا فعل ہو سکتا ہے، زید نہیں تو وہ کھانا کھانے کا فعل بھی نہیں۔ یعنی اس کے لیے کوئی ایسی ذات چاہیے جس کے ساتھ وہ قائم ہو بھائی۔

تو ضرب تبھی پائی جائے گی جب کوئی نہ کوئی ضرب لگانے والا ہو گا، کھانا کھانا اسی وقت پایا جائے گا جب کوئی کھانا کھانے والا ہو گا، پانی پینا، پانی کا پینا اسی وقت پایا جائے گا جب کوئی پانی پینے والا ہو گا، اگر کوئی پانی پینے والا نہیں تو شرب یعنی پینے کا بھی وجود نہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو حدث کسے کہتے ہیں؟ وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہو، یعنی غیر کی صفت ہو، تو اس کے لیے کوئی موصوف چاہیے، اگر موصوف ہو گا تو اس حدث کا بھی وجود ہو گا، اگر موصوف نہیں تو اس حدث کا وجود بھی نہیں بھائی۔

تو انہوں نے تعریف کیا کی کہ مصدر وہ ایسا اسم ہے «يَدُلُّ عَلَى الْحَدَثِ فَقَطْ» جو صرف حدث پر دلالت کرتا ہے، یعنی صرف اس معنی پر دلالت کرتا ہے جو غیر کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے ذریعے فعل کو نکال دیا بھائی۔ کس کو؟ فعل کو بھی نکال دیا، اس میں فاعل وغیرہ کو بھی نکال دیا، کیونکہ فعل میں نے آپ کو پہلے بھی بتلایا تھا کہ فعل لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ مفرد ہے لیکن معنی کے اعتبار سے وہ مرکب ہے، کیونکہ فعل کا معنی اور فعل کا مفہوم وہ مرکب ہوتا ہے تین چیزوں سے: ایک اس میں حدث پایا جائے گا یعنی معنی مصدری ہو گا، اور ایک زمانہ ہو گا، اور تیسری نسبت الی الفاعل ہو گی۔ کتنی چیزیں؟ نمبر ایک معنی مصدری یعنی حدث، اور نمبر دو زمانہ، اور نمبر تین نسبت الی الفاعل بھائی۔ جیسے دیکھیے میں نے کہا: «ضَرَبَ»، «ضَرَبَ»۔ تو «ضَرَبَ» فعل ہے، تو

« ضَرَبَ » کے اندر دیکھو ضرب والا معنی ہے، معلوم ہوا ضرب ہوئی ہے کس زمانے میں؟ زمانہ ماضی میں، تو دیکھو ضرب والا معنی ہے پٹائی کرنے والا، اور زمانہ بھی پایا جارہا ہے کہ کون سے زمانے میں ہوئی ہے یہ ضرب؟ ماضی کے زمانے میں ہوئی ہے، اور نسبت الی الفاعل بھی ہے کہ معلوم ہوا کوئی اس فعل کو سرانجام دینے والا ہے، کسی نے اس فعل کو سرانجام دیا ہے اور اس پٹائی کا وجود پایا گیا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو فعل خود تو مفرد ہے لیکن اس کا مفہوم اور معنی مرکب ہے تین چیزوں سے: نمبر ایک معنی مصدری یعنی حدث، اور نمبر دو زمانہ، اور نمبر تین نسبت الی الفاعل۔ تو جب کہہ دیا مصنف نے « اَلْمَصْدَرُ اسْمٌ يَدُلُّ عَلَى الْحَدَثِ فَقَطْ » مصدر صرف حدث پر دلالت کرتا ہے، تو فعل نکل گیا، کیونکہ فعل صرف حدث پہ نہیں دلالت کرتا، وہ حدث کے ساتھ ساتھ زمانے پر بھی دلالت کرتا ہے اور نسبت الی الفاعل پر بھی دلالت کرتا ہے، فعل نکل گیا۔ اسی طرح اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ بھی نکل گئے، کیونکہ اسم فاعل « ضَارِبٌ »، « ضَارِبٌ » یہ ضرب پہ بھی دلالت کررہا ہے یعنی حدث پہ، اور ایک ذات پر بھی دلالت کررہا ہے جو اس کے ساتھ موصوف ہورہی ہے۔ ضارب کا کیا معنی؟ ضرب لگانے والی ذات۔ دیکھا؟ ضرب کا معنی بھی آگیا، اور خود ضرب ہے یا ضرب لگانے والی ذات ہے؟ ضرب لگانے والی ذات، تو دیکھو ایک ذات ہے جو موصوف ہورہی ہے کس کے ساتھ؟ ضرب کے ساتھ۔ تو ضرب کے ساتھ ساتھ یعنی حدث کے ساتھ ساتھ ذات والا معنی بھی اس کے اندر آگیا۔ اسی طرح اسم مفعول کے اندر بھی ہے۔ تو جب انہوں نے کہہ دیا کہ مصدر وہ نام ہے صرف کس کا؟ حدث کا، تو فعل وغیرہ یا اسم فاعل وغیرہ اس سے نکل گئے بھائی۔ تو مصدر صرف حدث پہ دلالت کرتا ہے، اس میں زمانہ یا نسبت الی الفاعل نہیں بھائی۔ اور حدث میں نے بتادیا، ایسا معنی جس کا اپنا الگ وجود نہ ہو، غیر کی صفت بنے، وہ غیر ہے تو اس کا بھی وجود ہے، غیر نہیں تو اس کا بھی وجود نہیں، جیسے ضرب۔ کوئی ضرب لگانے والا ہے تو ضرب پائی جائے گی، کوئی ضرب لگانے والا نہیں تو ضرب کا وجود ہو ہی نہیں سکتا بھائی۔

تو کہتے ہیں: « اَلْمَصْدَرُ اسْمٌ يَدُلُّ عَلَى الْحَدَثِ فَقَطْ » مصدر وہ ایسا اسم ہے جو صرف حدث پر دلالت کرتا ہے، « وَيُشْتَقُّ مِنْهُ الْأَفْعَالُ » اور اس سے افعال کا اشتقاق ہوتا ہے۔ اشتقاق کہتے ہیں کہ ایک کلمے سے دوسرا کلمہ بنانا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ اشتقاق، اشتقاق۔ یاد رکھیے مصدر اصل ہے اور اس سے آگے باقی تمام صیغے بنتے ہیں بھائی۔ مصدر سے سب سے پہلے فعل ماضی بنتا ہے، پھر فعل ماضی سے آگے فعل مضارع بنتا ہے، پھر فعل مضارع سے آگے اسم فاعل اور اسم مفعول وغیرہ بنتے ہیں۔ تو مصدر سے کیا بنا؟ فعل ماضی، فعل ماضی سے فعل مضارع، اور فعل مضارع سے اسم فاعل اور اسم مفعول۔ تو گویا سب صیغے وہ مصدر ہی سے بن رہے ہیں، کوئی بغیر واسطے کے اور کوئی واسطے کے ساتھ۔ فعل ماضی بغیر واسطے کے براہ راست مصدر سے بن رہا ہے، اور فعل مضارع وہ مصدر سے بن رہا ہے لیکن درمیان میں کس کا واسطہ ہے؟ فعل ماضی کا۔ اسی طرح اسم فاعل، اسم مفعول بھی مصدر سے بن رہے ہیں لیکن درمیان میں فعل ماضی اور مضارع کا واسطہ ہے۔ تو یہ صیغے جو ہیں یہ سب مصدر سے بنتے ہیں، تو یہ جو مصدر سے یہ صیغے بنتے ہیں اس کو اشتقاق کہتے ہیں، اشتقاق بھائی۔

تو کہتے ہیں « وَيُشْتَقُّ مِنْهُ الْأَفْعَالُ » اور مصدر جو ہے اس سے اشتقاق ہوتا ہے افعال کا، « كَالضَّرْبِ وَالنَّصْرِ مَثَلًا » جیسے کہ ضرب اور نصر ہے مثال کے طور پر۔ مصدر کی دو مثالیں ذکر کردیں: ایک ضرب، پٹائی کرنا، اور ایک نصر، مدد کرنا۔ تو کہتے ہیں جیسے ضرب اور نصر ہے مثال کے طور پر۔ « وَأَبْنِيَتُهُ مِنَ الثُّلَاثِيِّ الْمُجَرَّدِ غَيْرُ مَضْبُوطَةٍ تُعْرَفُ بِالسَّمَاعِ » اب بیان کررہے ہیں کہ مصدر کے اوزان کیا ہیں؟ کہتے ہیں بھائی ثلاثی مجرد سے مصدر کے اوزان بہت زیادہ ہیں اور کوئی ضابطہ بھی نہیں ان کا کہ جس کے ذریعے ان سب کو منضبط کیا جاسکے بھائی۔ ہاں وہ سماع پر موقوف ہیں، جیسے ہم نے عربوں سے سنے اسی طرح ہم استعمال کریں گے بھائی۔ تو ان کے اوزان بہت زیادہ ہیں۔ علم الصیغہ میں غالباً آپ نے پڑھا ہوگا کہ ثلاثی مجرد کے وہ غالباً چوالیس اوزان نقل کرتے ہیں بھائی، چوالیس اوزان۔ تو یعنی ان کا ضابطہ کوئی نہیں ہے، انہوں نے سماع عربوں سے سنے ہیں، ان کو انہوں نے جمع کیا ہے۔ تو کہتے ہیں « وَأَبْنِيَتُهُ مِنَ الثُّلَاثِيِّ الْمُجَرَّدِ » تو « أَبْنِيَتُهُ » اس مصدر کے اوزان « مِنَ الثُّلَاثِيِّ الْمُجَرَّدِ » کس سے؟ ثلاثی مجرد سے « غَيْرُ مَضْبُوطَةٍ » وہ ضبط نہیں کیے گئے یعنی ان کے لیے کوئی ضابطہ نہیں ہے، کوئی ضابطہ نہیں ہے، « تُعْرَفُ بِالسَّمَاعِ » اور کس کے ذریعے ان کو پہچانا جائے گا؟ سماع سے ان کو پہچانا جائے گا۔ « وَمِنْ غَيْرِهِ قِيَاسِيَّةٌ » اور ثلاثی مجرد کے علاوہ سے مصدر جو ہیں وہ قیاسی ہیں، یعنی قیاس کے ذریعے آپ بھی فوراً نکال سکتے ہیں۔ « كَالْإِفْعَالِ وَالِانْفِعَالِ وَالِاسْتِفْعَالِ وَالْفَعْلَلَةِ وَالتَّفَعْلُلِ مَثَلًا » مثال کے طور پر، جیسے باب افعال ہے۔ آپ کو اگر ماضی کا پتہ چل جائے: « أَسْعَدَ »، « أَسْعَدَ »، فوراً ہی مصدر کا بھی پتہ چل گیا، آپ قیاس کے ذریعے فوراً نکال لیں گے کہ « أَسْعَدَ » کا مصدر کیا آئے گا؟ « إِسْعَادٌ »، کیونکہ یہ باب افعال سے ہے، تو باب افعال کا مصدر کیا ہے؟ « إِفْعَالٌ » ہے۔ تو یہ دیکھا، قیاس کے ذریعے آپ نے نکالا، چاہے نہ بھی سنا ہو پھر بھی آپ قیاس کے ذریعے نکال سکتے ہیں۔ اسی طرح اور مثال لے لیں، اسی طرح باب انفعال ہے بھائی، انفعال۔ آپ کو ماضی کا پتہ چل جائے یا مضارع کا پتہ چل جائے آپ فوراً مصدر خود نکال سکتے ہیں، جیسے « اِنْحَرَفَ »، « اِنْحَرَفَ »، میں آپ سے پوچھوں اس کا مصدر کیا ہوگا؟ آپ فوراً کیا کہیں گے؟ « اِنْحِرَافٌ »، دیکھا؟ آپ نے خود فوراً ہی قیاس کے ذریعے نکال لیا۔ اسی طرح مثلاً باب استفعال ہے، باب استفعال، یہ سب قیاسی مصدر ہیں، آپ کو ماضی کا پتہ چل جائے آپ کو فوراً مصدر کا پتہ چل جاتا ہے، جیسے « اِسْتَخْرَجَ »،

اس کا مصدر کیا آئے گا؟ «اِسْتِخْرَاجٌ»۔ اسی طرح باب فعللہ ہے، دحرجہ ہے، اور باب تفعلل وغیرہ، تو یہ باقی تمام ابواب جو ہیں چاہے ثلاثی مزید فیہ ہے یا رباعی مجرد ہے یا رباعی مزید فیہ، ان کے مصادر قیاسی ہیں۔

تو کہتے ہیں «وَمِنْ غَيْرِهِ قِيَاسِيَّةٌ» اور ثلاثی مجرد کے علاوہ مصادر جو ہیں وہ قیاسی ہیں، «كَالْإِفْعَالِ» جیسے کہ افعال مصدر ہے «وَالِانْفِعَالِ وَالِاسْتِفْعَالِ وَالْفَعْلَلَةِ وَالتَّفَعْلُلِ مَثَلًا» مثال کے طور پر۔ «فَالْمَصْدَرُ إِنْ لَمْ يَكُنْ مَفْعُولًا مُطْلَقًا يَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهِ» یہاں سے اب قیمتی بات بتلا رہے ہیں ترکیب کی بھائی۔ یاد رکھیے یہ جو مصدر ہوتا ہے یہ بھی اپنے فعل والا عمل کرتا ہے، بشرطیکہ یہ مفعول مطلق نہ ہو۔ مفعول مطلق آپ پڑھ چکے ہیں، کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ما قبل فعل کے معنی میں ہو، اسے کیا کہتے ہیں؟ مفعول مطلق، جیسے «ضَرَبْتُ ضَرْبًا»، یہ «ضَرْبًا» کیا ہے؟ مفعول مطلق، کیونکہ یہ مصدر ہے اور ما قبل کا فعل جو «ضَرَبْتُ» ہے اسی کا ہم معنی ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول مطلق۔ تو یاد رکھیے عمل میں اصل فعل ہے۔ اشتقاق کے اعتبار سے تو اصل کون ہے؟ مصدر ہے، لیکن عمل کے اعتبار سے فعل اصل ہے، فعل اصل ہے، اور جب فعل موجود ہو پھر مصدر عمل نہیں کرے گا۔ تو جب مصدر مفعول مطلق بن رہا ہے تو فعل بھی موجود ہے: «ضَرَبْتُ ضَرْبًا»، تو اب عامل کس کو بنائیں؟ «ضَرَبْتُ» کو یا «ضَرْبًا» کو؟ تو کہتے ہیں بھائی جب اصل موجود ہے تو اصل کو عامل بنائیں گے۔ تو مصدر کس کی طرح عمل کرتا ہے؟ اپنے فعل والا عمل کرتا ہے، فعل والا عمل کرتا ہے۔ اور اگر فعل لازم تھا، صرف فاعل کو رفع دے رہا تھا، تو مصدر بھی فاعل کو رفع دے گا۔ اور اگر فعل متعدی تھا، فاعل کو رفع دینے کے ساتھ ساتھ مفعول کو نصب بھی دے رہا تھا، تو مصدر بھی وہی عمل کرے گا، فاعل کو رفع دے گا اور مفعول کو نصب دے گا۔

تو عمل میں اصل کون؟ فعل ہے۔ البتہ فرق یہ ہے، مصدر عمل تو فعل جیسا کرتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ فعل جب بھی آئے گا، ساتھ ہی ہمیشہ اس کے فاعل یا نائب فاعل ضرور آئے گا۔ لیکن مصدر میں ایسا ضروری نہیں۔ اس کے ساتھ فاعل آسکتا ہے، ہو سکتا ہے ذکر کیا جائے، فاعل ہو گا تو ضرور، اس کے لیے فاعل ہو گا تو ضرور، ضرب جب تک ضارب نہیں ہے ضرب تو ہو ہی نہیں سکتی، تو اس کے لیے فاعل ہو گا تو ضرور لیکن اس کا ذکر ہونا عبارت میں ضروری نہیں ہے، ہو سکتا ہے ذکر ہو، ہو سکتا ہے ذکر نہ ہو۔ ہاں اگر فاعل آئے گا تو مصدر اس کو کیا کرے گا؟ رفع دے گا، اور مفعول آجائے اس کا تو مصدر اس کو کیا کرے گا؟ نصب دے گا۔ لیکن زیادہ تر ہوتا یہ ہے عموماً کہ مصدر کی اپنے فاعل یا مفعول کی طرف اضافت کر دی جاتی ہے، جیسے «ضَرْبُ زَيْدٍ»، زید کا پٹائی کرنا، یعنی زید پٹائی کرنے والا ہے، ضرب کس نے لگائی ہے؟ زید نے، تو آپ نے زید کی طرف ضرب کی کیا کر دی؟ اضافت، «ضَرْبُ زَيْدٍ» زید کا پٹائی کرنا، اور پھر یہ جملے میں فاعل وغیرہ کچھ جو بھی بنے گا لیکن ایک جز بنے گا، پورا جملہ یہ نہیں ہے «ضَرْبُ زَيْدٍ» کیونکہ کیا ہے؟ مضاف اور مضاف الیہ ہیں بھائی۔ تو بات سمجھ میں آگئی؟ مصدر بھی کس طرح عمل کرتا ہے؟ اپنے فعل کی طرح عمل کرتا ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ ضرور ذکر ہو گا، لیکن مصدر کے لیے فاعل یا نائب فاعل ہو گا تو ضرور لیکن لفظوں میں ذکر ہونا ضروری نہیں۔ اور پھر یہ بات بھی انہوں نے آپ کو بتا دی کہ مصدر عمل کرے گا فعل والا ہی، لیکن شرط یہ ہے کہ مفعول مطلق نہ ہو۔ اگر یہ مفعول مطلق ہے تو پھر تو فعل بھی اس کا ساتھ موجود ہے تو پھر وہ عمل فعل کرے گا، یہ مصدر عمل نہیں کرے گا، مصدر عمل نہیں کرے گا۔ ہاں البتہ اگر بعض مقامات پر مفعول مطلق کے عامل یعنی فعل کو حذف کرنا واجب ہو جاتا ہے، «ضَرَبْتُ ضَرْبًا»، بعض مقامات آپ نے پڑھے، وہاں پر مثلاً جیسے «شُكْرًا»، «شُكْرًا»، «شَكَرْتُ شُكْرًا»، تو یہاں دیکھو اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، ہم نے کبھی عربوں سے نہیں سنا کہ انہوں نے «شَكَرْتُ» کو ساتھ ذکر کیا ہو، وہ ہمیشہ کیا بولتے ہیں؟ «شُكْرًا»، تو دیکھو یہ ایسا مصدر ہے، ایسا مفعول مطلق ہے جس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، تو پھر یہاں پر یہ مصدر عمل کر سکتا ہے بھائی، یہاں پر یہ مصدر عمل کر سکتا ہے کیونکہ اس کے فعل کو تو حذف کرنا واجب ہے بھائی، اور آپ چاہیں تو اسی فعل کو عامل بھی بنا سکتے ہیں بھائی محذوف فعل کو۔

تو کہتے ہیں «فَالْمَصْدَرُ إِنْ لَمْ يَكُنْ مَفْعُولًا مُطْلَقًا يَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهِ» پس مصدر جو ہے اگر وہ مفعول مطلق نہ ہو تو وہ عمل کرے گا «عَمَلَ فِعْلِهِ» اپنے فعل والا عمل، «أَعْنِي يَرْفَعُ الْفَاعِلَ إِنْ كَانَ لَازِمًا» یعنی کہ وہ رفع دے گا مصدر فاعل کو اگر وہ کون سا ہوا؟ لازم ہوا، فعل لازم، «نَحْوُ: أَعْجَبَنِي قِيَامٌ زَيْدٌ» «وَيَنْصِبُ مَفْعُولًا أَيْضًا» اور مفعول کو نصب بھی دے گا «إِنْ كَانَ مُتَعَدِّيًا» اگر کون سا فعل ہو؟ فعل متعدی ہو، «نَحْوُ: أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٌ عَمْرًا»۔ تو قیام اس کا فعل کیا ہے؟ «قَامَ»، اور «قَامَ» کیا ہے؟ فعل لازم، فعل لازم۔ لہٰذا اور فعل لازم صرف فاعل کو رفع دیتا ہے تو مصدر جو ہے اس کا وہ بھی صرف فاعل کو رفع دے گا۔ اور «ضَرَبَ» یہ فعل متعدی ہے، یہ فاعل کو رفع دینے کے ساتھ ساتھ مفعول کو نصب بھی دیتا ہے، تو اس کا مصدر بھی اسی طرح ہو گا، فاعل کو رفع دے گا اور مفعول کو نصب دے گا بھائی۔

فعل لازم اور فعل متعدی کی پہچان کا آسان طریقہ شاید میں نے پہلے بھی ذکر کیا ہو گا کہ فعل متعدی کا اردو میں ترجمہ کریں تو لفظ «نے» اس میں آئے گا

بھائی، لفظ « نے » ۔ مثلاً « قَامَ زَيْدٌ » زید کھڑا ہوا، دیکھو کوئی « نے » کا لفظ نہیں آیا، معلوم ہوا یہ فعل متعدی نہیں ہے بلکہ فعل لازم ہے۔ اور اگر « نے » کا لفظ آئے تو سمجھ جائیں یہ فعل متعدی ہے۔ مثلاً زید نے کھانا کھایا، دیکھا؟ « نے » آیا یا نہیں؟ زید نے، معلوم ہوا کھانا کھانا یہ کون سا فعل ہے؟ فعل متعدی۔ یا آپ کہتے ہیں زید نے مارا، دیکھا؟ معلوم ہوا یہ مارنا، پٹائی کرنا کیا ہے؟ فعل متعدی، کیونکہ زید نے، دیکھا « نے » لفظ آرہا ہے، زید نے مارا۔

جی اب ترکیب کیجیے بھائی: « أَعْجَبَنِي قِيَامٌ زَيْدٌ » ۔ « أَعْجَبَ » کا معنی ہے تعجب میں ڈالنا، یا « أَعْجَبَ » کا معنی ہے پسند آنا، پسند آنا، جو بھی آپ کر لیں موقع محل کے مطابق بھائی۔ جی ترکیب کیجیے: « أَعْجَبَنِي قِيَامٌ زَيْدٌ » ۔ « أَعْجَبَنِي » ، جی « أَعْجَبَ » فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ منصوب کیوں؟ مفعول بہ ہے۔ محلاً کیوں کہہ رہے ہو؟ کیونکہ مبنی ہے، شاباش، تو منصوب محلاً مفعول بہ۔ آگے: « قِيَامٌ » مرفوع لفظاً مصدر، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے۔ مجھے تعجب میں ڈالا، کس نے تعجب میں ڈالا؟ « أَعْجَبَنِي » مجھے تعجب میں ڈالا، یا یوں کہیں « أَعْجَبَنِي » مجھے پسند آیا، کیا چیز پسند آئی؟ « قِيَامٌ » ، قیام بھائی، یہ دیکھا فاعل ہے۔ یا مجھے تعجب میں ڈالا، کس نے تعجب میں ڈالا؟ « قِيَامٌ » قیام نے، کھڑے ہونے نے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اچھا، تو « قِيَامٌ » مرفوع کیوں ہے؟ کیونکہ یہ فاعل ہے « أَعْجَبَ » فعل کے لیے۔ اور مرفوع لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھاؤ: « قِيَامٌ » ، « قِيَامٌ » ، جی۔ اور جی مصدر، آگے۔ « زَيْدٌ » مرفوع لفظاً، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے۔ شاباش، کیونکہ یہ « قِيَامٌ » مصدر کے لیے فاعل ہے بھائی۔ آپ نے پڑھا کہ مصدر بھی کس کی طرح عمل کرتا ہے؟ فعل کی طرح عمل کرتا ہے، وہ بھی اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور اگر متعدی ہو تو مفعول کو نصب بھی دیتا ہے۔ تو دیکھا یہ « زَيْدٌ » کو رفع یہ « قِيَامٌ » دے رہا ہے مصدر بھائی۔ جی، تو « زَيْدٌ » مرفوع لفظاً فاعل۔ ہاں « قِيَامٌ » مصدر اپنے فاعل سے مل کر، تو دیکھا جب مصدر کے لیے فاعل وغیرہ آگے آرہے ہوں تو تعبیر اسی طرح کرنا ہے: « قِيَامٌ » مرفوع لفظاً مصدر، آپ بتادیں گے کہ یہ کیا ہے؟ مصدر ہے، اب آگے پھر آپ بتائیں گے « زَيْدٌ » مرفوع لفظاً اس کا فاعل۔ اب مصدر « قِيَامٌ » مصدر اپنے فاعل سے مل کر یہ کیا ہوا؟ فاعل ہوا « أَعْجَبَنِي » کے لیے۔ جی، « أَعْجَبَنِي » فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ « أَعْجَبَنِي قِيَامٌ زَيْدٌ » تعجب میں ڈالا مجھے زید کے قیام نے۔ کھڑا ہونے والا کون ہے؟ زید ہے، یہ اس کے لیے فاعل ہے نا، تو مجھے کس نے تعجب میں ڈالا؟ زید کے قیام نے۔ مثلاً زید بیمار تھا، اور بیمار تھا اور امید ہی نہیں تھی کہ اتنی جلدی وہ ٹھیک ہو جائے گا، لیکن وہ بڑی جلدی ٹھیک ہوا اور آپ نے اس کو کھڑے ہوئے دیکھا تو بہت خوشی ہوئی آپ کو، یا آپ کو حیرت ہوئی تو آپ نے کیا کہا: « أَعْجَبَنِي قِيَامٌ زَيْدٌ » مجھے زید کے قیام نے تعجب میں ڈالا بھائی۔

اگلی ترکیب بھی کیجیے: « أَعْجَبَنِي ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا » ۔ اچھا، اور لیکن یاد رکھیے « أَعْجَبَنِي قِيَامٌ زَيْدٌ » عموماً ایسا استعمال کم ہوگا۔ عموماً پھر اس کی، میں نے بتایا، مصدر کی اپنے فاعل یا مفعول کی طرف اضافت کر دیتے ہیں، تو استعمال یوں ہوگا زیادہ تر: « أَعْجَبَنِي قِيَامُ زَيْدٍ » ، « أَعْجَبَنِي قِيَامُ زَيْدٍ » ، تو پھر کیسے؟ پھر بھی اسی طرح ہوگا، قیام، ترکیب کیسے ہوگی؟ « أَعْجَبَ » فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، « قِيَامُ » مرفوع لفظاً مصدر مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے، اور مصدر ہے اور مضاف ہے، اور « زَيْدٍ » مجرور لفظاً، مجرور لفظاً مضاف الیہ ہے لیکن مرفوع معنیً ہے، معنی کے اعتبار سے مرفوع ہے زید کیونکہ یہ قیام کے لیے کیا ہے؟ فاعل ہے۔ تو بات سمجھ میں آگئی؟ تو « قِيَامُ زَيْدٍ » ، « زَيْدٍ » مجرور لفظاً مضاف الیہ اور مرفوع معنیً، معنی کے اعتبار سے مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے قیام کے لیے۔ اور مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا « أَعْجَبَنِي » کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

جی اگلے جملے کی ترکیب کیجیے: « أَعْجَبَنِي ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا » ، جی۔ « أَعْجَبَنِي » فعل، « أَعْجَبَ » فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ « ضَرْبٌ » مرفوع لفظاً مصدر، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ جی، « زَيْدٌ » مرفوع لفظاً، یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ « ضَرْبٌ » کے لیے، اسی لیے مرفوع ہے۔ اور « عَمْرًا » منصوب لفظاً مفعول بہ کس کے لیے؟ « ضَرْبٌ » مصدر کے لیے۔ معلوم ہوا یہ « زَيْدٌ » کو رفع کون دے رہا ہے؟ « ضَرْبٌ » مصدر، اور « عَمْرًا » کو نصب کون دے رہا ہے؟ « ضَرْبٌ » مصدر، کیونکہ یہ مصدر متعدی ہے، اور اگر وہ لازم ہو تو صرف فاعل کو رفع دیتا ہے جیسے « قِيَامٌ زَيْدٌ » گزرا بھائی، یہ « زَيْدٌ » کو رفع کس نے دیا تھا؟ « قِيَامٌ » نے۔ جی سمیٹیے اب ادھر۔ تو « ضَرْبٌ » مصدر جو ہے اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ « أَعْجَبَنِي » کے لیے۔ « أَعْجَبَنِي » فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ « أَعْجَبَنِي ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا » مجھے تعجب میں ڈالا پٹائی کرنا زید کا، زید کے پٹائی کرنے نے مجھے تعجب میں ڈالا، اور کس کی پٹائی کی؟ عمرو کی۔ مجھے زید کے عمرو کی پٹائی کرنے نے تعجب میں ڈالا۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ مجھے تعجب میں ڈالا زید کے عمرو کی پٹائی کرنے نے، زید کے عمرو کی پٹائی کرنے نے مجھے تعجب میں ڈالا، یعنی جو زید نے عمرو کی پٹائی کی، اس نے مجھے، اس پٹائی نے مجھے تعجب میں ڈالا بھائی۔

اور میں نے آپ کو بتایا کہ ایسے موقع پر پھر عموماً کہ فاعل یا مفعول کی طرف مصدر کی کیا کر دی جاتی ہے؟ اضافت، تو یہاں پر زیادہ تر پھر یوں بولتے ہیں: «أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا»، «أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا»۔ تو دیکھا، «عَمْرًا» کا نصب بتا رہا ہے «ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا»، یہ «عَمْرًا» کا نصب بتا رہا ہے یہ کیا ہے؟ مفعول، تو معلوم ہوا جو «زَيْدٍ» ہے مضاف الیہ وہ کیا ہے؟ معنی کے اعتبار سے فاعل ہے بھائی۔ اور کبھی کبھار مفعول کی طرف اضافت کر دیتے ہیں: «أَعْجَبَنِي ضَرْبُ عَمْرٍو زَيْدٌ»، یہ «زَيْدٌ» کا رفع بتلا رہا ہے، توجہ ہے؟ زید کا رفع بتلا رہا ہے کہ یہ جو مضاف الیہ «عَمْرٍو» ہے یہ کیا ہے؟ یہ مفعول ہے، مفعول بہ ہے۔

جی اب دوبارہ ذرا ترجمہ دیکھ لیجیے۔ «فَالْمَصْدَرُ إِنْ لَمْ يَكُنْ مَفْعُولًا مُطْلَقًا» اگر مصدر مفعول مطلق نہ ہو تو «يَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهِ» تو وہ بھی اپنے فعل والا عمل کرتا ہے، «أَعْنِي يَرْفَعُ الْفَاعِلَ إِنْ كَانَ لَازِمًا» یعنی وہ فاعل کو رفع دیتا ہے اگر وہ فعل کون سا ہو؟ لازم ہو، «نَحْوُ: أَعْجَبَنِي قِيَامٌ زَيْدٌ» «وَيَنْصِبُ مَفْعُولًا أَيْضًا» اور مفعول کو نصب بھی دیتا ہے «إِنْ كَانَ مُتَعَدِّيًا» اگر وہ متعدی ہو، «نَحْوُ: أَعْجَبَنِي ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا» «وَلَا يَجُوزُ تَقْدِيمُ مَعْمُولِ الْمَصْدَرِ عَلَيْهِ» اور جائز نہیں ہے کہ معمول مصدر کو اس پر مقدم کیا جائے۔

میں آپ کو پہلے بتا چکا کہ عمل میں فعل اصل ہے، کیونکہ فعل قوی عامل ہے اور مصدر جو ہے وہ ضعیف عامل ہے۔ فعل جو ہے اپنے سے مابعد میں بھی عمل کرتا ہے، اپنے سے ماقبل میں بھی عمل کرتا ہے۔ فعل کا فاعل یا نائب فاعل اس کو تو فعل پر مقدم نہیں کر سکتے، لیکن مفعول، مفعول وغیرہ اور چیزوں کو کیا کر سکتے ہیں؟ فعل پر مقدم بھی کر سکتے ہیں اور وہ پھر بھی ان میں عمل کرے گا اور نصب وغیرہ دے گا۔ جبکہ مصدر عامل ضعیف ہے، وہ اپنے مابعد میں تو عمل کر سکتا ہے لیکن اپنے سے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا، اپنے سے ماقبل میں عمل، الّا یہ کہ اس کا معمول یعنی جس میں یہ عمل کر رہا ہے وہ ظرف ہو، وہ ظرف ہو، تو پھر ظرف ہو تو اس میں گنجائش ہے، وہ اس کو مصدر پر مقدم کیا جا سکتا ہے اور مصدر پھر بھی اس میں عمل کرے گا۔ کیونکہ ظروف میں گنجائش ہوتی ہے، وجہ اس کی یہ کہ ظروف کا تعلق حدث سے بڑا گہرا ہوتا ہے۔ جو بھی حدث ہو گا یعنی جو بھی جب بھی کوئی حدث پایا جائے گا: کھانا کھانا، پانی پینا، پٹائی کرنا، یہ ہمیشہ کسی نہ کسی زمانے میں ہوں گے اور کسی نہ کسی جگہ پہ ہوں گے۔ زید نے پٹائی کی، دیکھا کوئی نہ کوئی زمانہ ہو گا اور کوئی نہ کوئی جگہ ہو گی جہاں اس نے پٹائی کی۔ زید نے پانی پیا، کوئی نہ کوئی زمانہ ہو گا جس میں پانی پیا اور کوئی نہ کوئی جگہ ہو گی جہاں پر اس نے پانی پیا۔ تو ہر حدث کا تعلق زمانے اور مکان کے ساتھ ہوتا ہے، تو اسی وجہ سے جب اس کا تعلق ظرف یعنی اور زمانے اور مکان کو کیا کہتے ہیں؟ ظرف۔ تو معلوم ہوا حدث کا تعلق ظرف سے بڑا گہرا، جب بڑا گہرا تعلق ہے تو اسی لیے مصدر جو ہے وہ حدث ہے وہ ظرف میں عمل کرے گا چاہے وہ اس پر مقدم ہی کیوں نہ ہو جائے، لیکن باقی معمول وہ اس پر مقدم ہو جائیں تو وہ ان میں عمل نہیں کر سکتا۔ فاعل کو تو فعل پر بھی مقدم نہیں کر سکتے، مصدر میں بھی مقدم نہیں کر سکتے، اسی طرح مفعول اس کو تو فعل پر مقدم کر سکتے تھے لیکن مصدر میں مقدم نہیں کر سکتے، اسی طرح اور بھی معمول ہیں بھائی، ان کو بھی مصدر پر مقدم نہیں کر سکتے۔

تو کہتے ہیں «وَلَا يَجُوزُ تَقْدِيمُ مَعْمُولِ الْمَصْدَرِ عَلَيْهِ» اور جائز نہیں ہے مقدم کرنا معمول مصدر کو علیہ مصدر پر، «فَلَا يُقَالُ» پس یوں نہیں کہا جائے گا: «أَعْجَبَنِي زَيْدٌ ضَرْبٌ عَمْرًا»۔ توجہ ہے ترکیب پہ؟ «زَيْدٌ» جو فاعل تھا کس کے لیے؟ «ضَرْبٌ» کے لیے، اس کو «ضَرْبٌ» پر مقدم کر دیا گیا، انہوں نے بتا دیا یہ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح «وَلَا عَمْرًا ضَرْبُ زَيْدٌ»، مفعول کو بھی «ضَرْبٌ» پر مقدم کرنا جائز نہیں۔ اچھا بھائی، اب ترکیب کیا کریں گے: «أَعْجَبَنِي زَيْدٌ ضَرْبٌ عَمْرًا»؟ جی ترکیب کیجیے، جی؟ ہاں شاباش، یہ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب کبھی کتاب میں ایسی بات آ جائے کہ ایک جملہ ذکر کر دیا جائے کہ عربی میں یوں نہیں کہتے، تو پھر اب اگر آپ سے کوئی کہے اس کی ترکیب کرو تو آپ جواب میں فوراً کہیے کہ اس جملے کی ترکیب نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ کلام عرب کے خلاف ہے، کلام عرب میں اس طرح استعمال ہی نہیں ہوتا۔ تو جب «أَعْجَبَنِي زَيْدٌ ضَرْبٌ عَمْرًا» نہیں کہہ سکتے تو پھر اس کی ترکیب بھی نہیں کریں گے۔ تو کہتے ہیں «فَلَا يُقَالُ» تو یہ نہیں کہا جائے گا: «أَعْجَبَنِي زَيْدٌ ضَرْبٌ عَمْرًا»، یہ نہیں کہا جائے گا، اور اسی طرح «وَلَا عَمْرًا ضَرْبُ زَيْدٌ» یہ بھی نہیں کہا جائے گا۔ اس کے ساتھ بھی «أَعْجَبَنِي» جوڑ دیں: «أَعْجَبَنِي عَمْرًا ضَرْبُ زَيْدٌ»، یوں بھی نہیں کہا جائے گا۔

یہ تو میں نے آپ کو آسان لفظوں میں بتا دیا کہ مصدر کے معمول کو مصدر پر مقدم نہیں کر سکتے کیونکہ مصدر عامل ضعیف ہے، وہ اپنے مابعد میں تو عمل کر سکتا ہے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا، الّا یہ کہ جو اس کا معمول ہے وہ ظرف ہو، تو جب ظرف ہو تو پھر اس صورت میں وہ مقدم بھی ہو جائے تو اس میں مصدر عمل کرے گا کیونکہ ظرف کے ساتھ فعل کا تعلق بڑا قوی ہوتا ہے بھائی، تو ہر حدث کے لیے کیا چاہیے؟ ظرف چاہیے، زمانہ بھی اور جگہ بھی، تو اس لیے اس کے ساتھ اس کا تعلق ہے تو وہ اس میں عمل کریں گے۔ یہ تو آسان لفظوں میں میں نے بتایا۔ گہری بات بھی یہاں یاد رکھیں، علمائے محققین فرماتے ہیں کہ وہ مصدر جو عمل کرتا ہے وہ «أَنْ» مع الفعل کی تاویل میں ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ وہ مصدر جو عمل کرتا ہے «أَنْ» مع الفعل کی تاویل میں ہوتا ہے۔ مثلاً یہاں پر «ضَرْبٌ

زَيْدٌ» یا «قِيَامٌ زَيْدٌ»، تو یہ «قِيَامٌ» یہ عامل ہے کس کے اندر؟ «زَيْدٌ»، اور جو مصدر بھی عامل ہوتا ہے وہ «أَنْ» مع الفعل کی تاویل میں ہوتا ہے، تو «قِيَامٌ»: «أَنْ قَامَ»، «أَنْ» بھی لے آئے اور آگے فعل بھی بنا دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اسی طرح «ضَرْبٌ»، یہ «ضَرْبٌ» عمل کر رہا ہے: «ضَرْبٌ زَيْدٌ»، یہ زید کو رفع دے رہا ہے، تو یہ «ضَرْبٌ» کس معنی میں ہوا؟ «أَنْ» مع الفعل، بناؤ «أَنْ» مع الفعل: «أَنْ ضَرَبَ»، «أَنْ ضَرَبَ» یا «أَنْ يَضْرِبَ»، ماضی بنالو، مضارع بنالو، جو بھی ہے، موقع محل کے مطابق۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ «أَنْ» مع الفعل کی تاویل میں ہوتا ہے۔ کیا بات ہوئی؟ وہ مصدر جو عمل کر رہا ہو وہ «أَنْ» مع الفعل کی تاویل میں ہوتا ہے، اور یاد رکھیے یہ «أَنْ» کیا ہے؟ حرف مصدر ہے، حرف مصدر، اور یہ ہمیشہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ فعل پر، حرف مصدر ہے نا، تو یہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ اور یاد رکھیے یہ جو حرف مصدر ہوتا ہے اس کو حرف موصول کہتے ہیں۔ ایک تو اسم موصول ہے مبنیات میں سے آپ پڑھ چکے ہیں، اور یہ جو یہ جو حروف مصدریہ ہیں یہ جو فعل پر داخل ہوتے ہیں، ان کو کیا کہتے ہیں؟ حرف موصول، کیا کہتے ہیں؟ اور یہ کس پر داخل ہوتے ہیں؟ فعل پر، اور فعل کو ان کا صلہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ تو یہ «أَنْ» اور «مَا» مصدریہ وغیرہ یہ کیا ہیں؟ حرف موصول، اور آگے آنے والا فعل کیا ہے؟ صلہ ہے۔ اب آپ مجھے ایک بات بتائیے: ایک ہوتا ہے اسم موصول، ایک ہے اس کا صلہ، کیا صلہ اسم موصول پر مقدم ہو سکتا ہے؟ نہیں، تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: «أَنْ» کیا ہے؟ حرف موصول، آگے کیا ہے؟ فعل اس کا صلہ، تو صلہ یہ جو ہے حرف موصول پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو «ضَرْبٌ زَيْدٌ»، «ضَرْبٌ زَيْدٌ»، یہ «ضَرْبٌ» کیا کر رہا ہے؟ «زَيْدٌ» کو رفع دے رہا ہے، تو یہ «ضَرْبٌ» کس معنی میں ہوا؟ «أَنْ يَضْرِبَ زَيْدٌ»، «أَنْ يَضْرِبَ زَيْدٌ»۔ تو یہ «أَنْ» مع الفعل کی تاویل میں ہوا، اور یہ عمل اب کون کر رہا ہے؟ دراصل یہ «يَضْرِبُ» کر رہا ہے، اور یہ «يَضْرِبُ» یہ خود «أَنْ» پر مقدم نہیں ہو سکتا، جب یہ خود «أَنْ» پر مقدم نہیں ہو سکتا تو اس کا جو آگے معمول ہے وہ بطریق اولیٰ «أَنْ» پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ تو اسی لیے مصدر کا جو معمول ہے وہ مصدر پر مقدم نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ مصدر کس معنی میں ہے؟ «أَنْ» مع الفعل کے، اور وہ فعل جو ہے وہ عامل ہے اور وہ «أَنْ» پر مقدم نہیں ہو سکتا تو اس کے آگے معمول بطریق اولیٰ اس پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ مثلاً «ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا»، «ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا»، آپ «ضَرْبٌ» کو کس معنی میں کر لیں؟ «أَنْ» مع الفعل: «أَنْ يَضْرِبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، «أَنْ يَضْرِبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، اب آپ اس «عَمْرًا» کو اٹھا کر اس پر مقدم کرنا چاہتے ہیں تو نہیں کر سکتے۔ مثلاً دوبارہ وہی مثال بناؤ: «ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا»، «ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا»، تو «عَمْرًا» کو ذرا مقدم کریں: «عَمْرًا ضَرْبٌ زَيْدٌ»، اب اس کو ذرا «أَنْ» مع الفعل کی تاویل میں لے جاؤ: «عَمْرًا أَنْ يَضْرِبَ زَيْدٌ»، «عَمْرٌو»، توجہ ہے؟ «عَمْرٌو أَنْ يَضْرِبَ زَيْدٌ»، تو دیکھا یہ تو آپ نے معمول کو کیا کر دیا؟ «أَنْ» پر بھی مقدم کر دیا، اور «أَنْ» پر تو مقدم نہیں کر سکتے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو مصدر پر مقدم کریں گے تو گویا آپ نے اس «أَنْ» پر مقدم کر دیا اور «أَنْ» پر تو مقدم نہیں کر سکتے، تو مصدر پر وہ مقدم نہیں ہو سکتا۔ تو وہ مصدر جو عامل ہوتا ہے وہ «أَنْ» مع الفعل کی تاویل میں ہوتا ہے اور یہ «أَنْ» کیا ہے؟ حرف موصول، اور آگے فعل اس کا صلہ، اور اس صلے کو حرف موصول پر مقدم نہیں کر سکتے تو اس کے معمول کو بطریق اولیٰ اس پر مقدم نہیں کر سکتے، الّا یہ کہ وہ ظرف ہو تو پھر اس میں گنجائش ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

▪ قولہ: «وَيَجُوزُ إِضَافَتُهُ إِلَى الْفَاعِلِ» کی تشریح

«وَيَجُوزُ إِضَافَتُهُ إِلَى الْفَاعِلِ» اور جائز ہے مصدر کی اضافت فاعل کی طرف۔ دیکھا میں نے آپ کو کیا بتایا تھا؟ «أَعْجَبَنِي قِيَامُ زَيْدٌ»، پہلی مثال جو گزری، میں نے کہا تھا اس کو عموماً کیسے استعمال کرتے ہیں؟ «أَعْجَبَنِي قِيَامُ زَيْدٍ»، مصدر کی اپنے فاعل یا مفعول کی طرف اضافت کر دیتے ہیں، یہی بات بیان کر رہے ہیں: «وَيَجُوزُ إِضَافَتُهُ إِلَى الْفَاعِلِ» اور جائز ہے مصدر کی اضافت کرنا فاعل کی طرف، «نَحْوُ: كَرِهْتُ ضَرْبَ زَيْدٍ عَمْرًا»۔ «كَرِهْتُ» میں نے ناپسند کیا، «ضَرْبَ زَيْدٍ» زید کے پٹائی کرنے کو، اور کس کی پٹائی کی؟ عمرو کی۔ زید نے جو عمرو کی پٹائی کی میں نے اس ضرب کو ناپسند کیا۔ جی ترکیب کیجیے: «كَرِهْتُ» فعل با فاعل، اب فاعل بھی بتا دیجیے، تاضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ «ضَرْبَ» منصوب لفظاً مصدر مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ مفعول بہ ہے، میں نے ناپسند کیا کس چیز کو ناپسند کیا؟ ضرب کو، یہ مفعول بہ ہے۔ جی، آگے «زَيْدٍ» مجرور لفظاً، مجرور لفظاً مضاف الیہ اور مرفوع معنیً کیونکہ یہ فاعل ہے۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ فاعل ہے؟ کیونکہ ضرب کے لیے ایک فاعل چاہیے اور ایک مفعول، اور آگے مفعول تو آگے آرہا ہے، معلوم ہوا یہ کون ہے؟ فاعل ہے، جی۔ «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ کس کے لیے؟ ضرب کے لیے، شاباش، جی۔ «ضَرْبَ» مصدر اپنے مضاف الیہ اور مفعول بہ سے مل کر یہ مفعول بہ ہوا «كَرِهْتُ» فعل کے لیے، «كَرِهْتُ» فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ «كَرِهْتُ»

میں نے ناپسند کیا، کس چیز کو ناپسند کیا؟ «ضَرْبَ زَيْدٍ عَمْرًا»، زید نے جو عمرو کی پٹائی کی اس پٹائی کو میں نے ناپسند کیا۔

تو کہتے ہیں بھائی جائز ہے مصدر کی اضافت کرنا فاعل کی طرف، «أَوْ إِلَى الْمَفْعُولِ بِهِ» یا مفعول بہ کی طرف، یعنی مصدر کی اضافت مفعول بہ کی طرف بھی جائز ہے، «نَحْوُ: كَرِهْتُ ضَرْبَ عَمْرٍو زَيْدٌ»۔ دیکھا اب عمرو کی طرف اضافت کر دی اور «زَيْدٌ» کا رفع بتلا رہا ہے کہ یہ فاعل ہے اور «عَمْرٍو» کیا ہے؟ مفعول۔ جی ترکیب کیجیے: «كَرِهْتُ» فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ «ضَرْبَ» منصوب لفظاً مصدر مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ مفعول بہ ہے۔ «عَمْرٍو» مجرور لفظاً مضاف الیہ اور فاعل ہے کہ مفعول ہے؟ منصوب معنیً، شاباش۔ تو «عَمْرٍو» مجرور لفظاً مضاف الیہ، منصوب معنیً کیونکہ یہ کیا ہے؟ مفعول ہے، تو معنی کے اعتبار سے منصوب ہے، جی۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل کس کے لیے؟ ضرب مصدر کے لیے، شاباش۔ «ضَرْبَ» مصدر اپنے مضاف الیہ اور فاعل سے مل کر مفعول بہ ہوا «كَرِهْتُ» فعل کے لیے، «كَرِهْتُ» فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «كَرِهْتُ ضَرْبَ عَمْرٍو زَيْدٌ» میں نے ناپسند کیا زید کے عمرو کی پٹائی کرنے کو، یعنی معنی وہی ہے: زید نے جو عمرو کی پٹائی کی میں نے اس پٹائی کو ناپسند کیا۔

اچھا انہوں نے آپ کو بتلایا کہ مصدر اپنے فعل والا عمل کرتا ہے، لیکن جب یہ مفعول مطلق ہو تو پھر یہ عمل نہیں کرے گا۔ تو سوال پیدا ہوا پھر عمل کون کرے گا؟ کہتے ہیں بھائی پھر عمل فعل جو اصل موجود ہے وہ عمل کرے گا۔ تو کہتے ہیں: «وَأَمَّا إِنْ كَانَ مَفْعُولًا مُطْلَقًا فَالْعَمَلُ لِلْفِعْلِ الَّذِي قَبْلَهُ» اور اگر مصدر جو ہے وہ مفعول مطلق ہوا تو عمل اس فعل کا ہوگا جو اس سے پہلے آیا ہے، «نَحْوُ: ضَرَبْتُ ضَرْبًا عَمْرًا»۔ «ضَرَبْتُ ضَرْبًا عَمْرًا»، اب یہ «عَمْرًا» مفعول بہ ہے، یہ «ضَرْبًا» اس میں عمل نہیں کر رہا بلکہ کون عمل کر رہا ہے؟ «ضَرَبْتُ»۔ ترکیب کیجیے: «ضَرَبْتُ» فعل بافاعل، جی اب فاعل بتایئے، تاضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ «ضَرْبًا» منصوب لفظاً مفعول مطلق، شاباش۔ «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ کس کے لیے؟ «ضَرَبْتُ» کے لیے، شاباش۔ «ضَرَبْتُ» فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ دیکھا ماشاء اللہ، اب ترکیب کے آپ ماہر ہوتے جا رہے ہیں ماشاء اللہ بھائی۔

«فَعَمْرٌو مَنْصُوبٌ بِضَرَبْتُ» تو «عَمْرٌو» منصوب ہے کس کی وجہ سے؟ «ضَرَبْتُ» کی وجہ سے منصوب ہے، «ضَرْبًا» کی وجہ سے نہیں۔ سوال: «فَعَمْرٌو مَنْصُوبٌ بِضَرَبْتُ»، آپ نے پڑھا حروف جارہ صرف اسم پر داخل ہوتے ہیں، اسم کے خاصے ذکر ہوئے تھے اور ان میں سے ایک خاصہ کیا تھا؟ اس پر کیا داخل ہوتا ہے؟ حرف جر، اور یہاں پر تو «بِضَرَبْتُ» باجارہ کس پر داخل ہے؟ «ضَرَبْتُ» پر، تو یہ تو فعل پر داخل ہو گیا حرف جر بھائی، کیا جواب دیں گے؟ «فَعَمْرٌو مَنْصُوبٌ بِضَرَبْتُ» تو «عَمْرٌو» منصوب ہے «ضَرَبْتُ» کی وجہ سے، باجارہ داخل ہوا فعل پر، کیا جواب دیں گے؟ بھائی جواب میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ «ضَرَبَ فِعْلٌ»، میں نے بتایا تھا کیسے ترکیب کریں گے؟ «ضَرَبَ» مرفوع محلاً مبتدا، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ سوال: یہ تو فعل ہے مبتدا کیسے بن رہا ہے؟ جواب دیں گے کہ وہ جو «ضَرَبَ» عبارتوں میں آتا ہے اس کا نام ہی ہم نے «ضَرَبَ» رکھ دیا، تو یہاں یہ نام ہے علم ہے، اور علم کیا ہوتا ہے؟ اسم معرفہ ہوتا ہے اس لیے یہ مبتدا بن رہا ہے۔ صورت سمجھ میں؟ یعنی یوں کہو یہ «هٰذَا اللَّفْظُ» یہ والا لفظ مراد ہے، تو یہ «هٰذَا اللَّفْظُ» کی تاویل میں ہے اور «هٰذَا اللَّفْظُ» یہ لفظ یہ معرفہ ہے موصوف صفت ہے نا، «هٰذَا» موصوف «اَللَّفْظُ» صفت، تو یہ «هٰذَا اللَّفْظُ» کی تاویل میں ہے۔ اور اسی لیے ان کا یہ لفظ کی تاویل میں ہے اس لیے ان کا ترجمہ بھی نہیں کریں گے: «ضَرَبَ فِعْلٌ»، اردو میں ترجمہ کرو: «ضَرَبَ» فعل ہے۔ بھائی «ضَرَبَ» کا ترجمہ آپ نہیں کر رہے: اس ایک آدمی نے پٹائی کی؟ نہیں، یہاں ترجمہ نہیں کریں گے، معلوم ہوا لفظ مراد ہے، لفظ مراد ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: «فَعَمْرٌو مَنْصُوبٌ بِضَرَبْتُ»، دیکھا «ضَرَبْتُ» سے «ضَرَبْتُ» کا لفظ مراد ہے، وہ جو عبارت میں «ضَرَبْتُ» آیا اس «ضَرَبْتُ» کا اس لفظ کا نام ہی ہم نے کیا رکھ دیا؟ اس فعل کا نام «ضَرَبْتُ» نام رکھ دیا، اب یہ علم ہے اور یہ اسم ہے، یعنی یہ «هٰذَا اللَّفْظُ» کے معنی میں ہے۔ تو یوں کریں: «فَعَمْرٌو مَنْصُوبٌ بِهٰذَا اللَّفْظِ» پس عمرو منصوب ہے اس لفظ کی وجہ سے، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور دیکھو ترجمہ بھی اس کا نہیں کر رہے: «فَعَمْرٌو مَنْصُوبٌ بِضَرَبْتُ» عمرو منصوب ہے کس کی وجہ سے؟ «ضَرَبْتُ» کی وجہ سے، دیکھا لفظ مراد ہے، معنی اس کا ترجمہ نہیں کیا جا رہا بھائی۔ تو کہتے ہیں «عَمْرٌو» منصوب ہے «ضَرَبْتُ» کی وجہ سے۔

یہاں مصدر کے بارے میں ایک اور قیمتی بات یاد رکھیے بھائی، مصدر کی بحث آئی ہے تو وہ بھی ذکر کر دیتا ہوں۔ یاد رکھیے مصدر کا خارج میں وجود نہیں ہوتا، یعنی خارج میں ہمیں دکھائی نہیں دیتا، مصدر خارج میں ہمیں دکھائی نہیں دیتا، مثلاً «ضَرْبٌ» پٹائی کرنا، آپ کو خارج میں کبھی پٹائی کرنا دکھائی نہیں دے گا۔ مثلاً اکل: «أَكَلَ يَأْكُلُ أَكْلًا» کھانا کھانا، تو آپ کو خارج میں کبھی اکل یعنی کھانا کھانا دکھائی نہیں دے گا۔ اسی طرح ہنسنا، ہنسنا، آپ کو خارج میں کبھی ہنسنا دکھائی نہیں دے گا۔ آپ کہیں گے نہیں ہمیں تو خارج میں نظر آتا ہے، پٹائی کرنا بھی نظر آتا ہے کوئی کسی کی پٹائی کر رہا ہو۔ یاد رکھو، یہ جو خارج میں آپ کو نظر آتا

ہے یہ مصدر نہیں ہے، یہ اس مصدر سے جو صورت حاصل ہوئی، پٹائی کرنے کا فعل کیا زید نے مثلاً تو اس پٹائی کرنے کے مصدر سے جو صورت یعنی پٹائی حاصل ہوئی آپ کو پٹائی نظر آتی ہے خارج میں، پٹائی کرنا نظر نہیں آتا۔ اسی طرح خارج میں آپ کو ہنسنا نہیں نظر آتا بلکہ ہنسی نظر آتی ہے، ہنسنا مصدر ہے، اس مصدر ہنسنے کی وجہ سے جو صورت حاصل ہو گئی، جو ہیئت حاصل ہوئی اس کو کیا کہتے ہیں؟ حاصل بالمصدر، کیا کہتے ہیں؟ تو خارج میں ہمیں جو نظر آتا ہے وہ مصدر نہیں ہوتا وہ حاصل بالمصدر ہوتا ہے، مصدر کو کیا اور اس مصدر کی وجہ سے جو صورت بنی وہ صورت ہمیں نظر آتی ہے۔ تو خارج میں ہمیں ہنسنا نہیں نظر آتا بلکہ ہنسی نظر آتی ہے، خارج میں ہمیں دوڑنا نہیں بلکہ دوڑنے سے جو صورت حاصل ہوئی یعنی دوڑ نظر آتی ہے، خارج میں ہمیں پٹائی کرنا یعنی مصدر نہیں نظر آتا خارج میں ہمیں پٹائی یعنی اس کی جو صورت حاصل ہوئی وہ نظر آتی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ مصدر کا اپنا کوئی وجود ہی نہیں، تو خارج میں ہمیں جو نظر آتا ہے وہ حاصل بالمصدر ہے، مصدر نہیں ہے بھائی۔ جیسے چلنا، خارج میں ہمیں چلنا نہیں نظر آتا، خارج میں ہمیں چال نظر آتی ہے جو اس مصدر سے جو صورت حاصل ہوئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۹۰: فصل اسم الفاعل اور فصل اسم المفعول: تعریف اور عمل کرنے کی شرائط (اعتماد و زمانہ)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۷۹—بتاریخ: ۲۲ فروری ۲۰۱۶ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اِسْمُ الْفَاعِلِ اِسْمٌ مُشْتَقٌّ مِنْ فِعْلٍ لِيَدُلَّ عَلَى مَنْ قَامَ بِهِ الْفِعْلُ بِمَعْنَى الْحُدُوثِ، وَصِيغَتُهُ مِنَ الثُّلَاثِيِّ الْمُجَرَّدِ عَلَى وَزْنِ فَاعِلٍ، كَضَارِبٍ وَنَاصِرٍ، وَمِنْ غَيْرِهِ عَلَى صِيغَةِ الْمُضَارِعِ مِنْ ذٰلِكَ الْفِعْلِ بِمِيمٍ مَضْمُومٍ مَكَانَ حَرْفِ الْمُضَارَعَةِ وَكَسْرِ مَا قَبْلَ الْآخِرِ، كَمُدْخِلٍ وَمُسْتَخْرِجٍ.

آج ہم اسم فاعل کے بارے میں پڑھیں گے بھائی۔ تو مصنف فرماتے ہیں: «اِسْمُ الْفَاعِلِ اِسْمٌ»، کہ اسم فاعل وہ ایسا اسم ہے، «مُشْتَقٌّ مِنْ فِعْلٍ»، جس کا اشتقاق ہوتا ہے فعل سے، جو فعل سے مشتق ہوتا ہے یعنی فعل سے بنایا گیا ہوتا ہے۔ «لِيَدُلَّ عَلَى مَنْ قَامَ بِهِ الْفِعْلُ»، تاکہ یہ دلالت کرے علیٰ، علیٰ مَنْ، اس ذات پر «قَامَ بِهِ الْفِعْلُ»، جس کے ساتھ فعل قائم ہے۔ «بِمَعْنَى الْحُدُوثِ»، اور کس معنی میں ہوتا ہے؟ حدوث کے معنی میں، حدوث کے معنی میں۔

بھئی دیکھیے، انہوں نے تعریف کی کہ اسم فاعل وہ ایسا اسم ہے جو فعل سے مشتق ہوتا ہے تاکہ وہ دلالت کرے اس ذات پر جس کے ساتھ وہ فعل قائم ہے، جس کے ساتھ وہ فعل قائم ہے۔ اس کے ذریعے مفعول کو نکال دیا کیونکہ مفعول بھی فعل سے مشتق ہوتا ہے لیکن وہ دلالت کرتا ہے ایسی ذات پر جس پر فعل واقع ہوتا ہے۔ اسم فاعل کس ذات پر دلالت کرتا ہے؟ جس کے، اسم فاعل، جس کے ساتھ فعل قائم ہوتا ہے یعنی اس کی صفت ہوتا ہے۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، دیکھو یہ ضرب کس کی صفت ہے؟ زید کی، تو زید کو ہم کہیں گے «ضَارِبٌ»۔ دیکھا، یہ «ضَارِبٌ» اسم فاعل ہے، یہ دلالت کر رہا ہے ایسی ذات پر جس کے ساتھ یہ ضرب قائم ہے یعنی وہ یہ ضرب لگانے والی ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں اسم مفعول، وہ بھی آگے آجائے گا، وہ اس ذات پر دلالت کرتا ہے جس پر فعل واقع ہوتا ہے، «مَضْرُوبٌ» جس کی پٹائی کی گئی ہے، اور «ضَارِبٌ» جو پٹائی کرنے والا ہے۔ تو لہٰذا اسم فاعل کس ذات پر دلالت کرتا ہے؟ جس کے ساتھ وہ فعل کیا ہوتا ہے؟ قائم ہوتا ہے، یعنی اس کی صفت ہوتا ہے، وہ اس کو کرنے والا ہے، سرانجام دینے والا ہے۔

اور «بِمَعْنَى الْحُدُوثِ»، اس قید کے ذریعے صفت مشبہ کو نکال دیا بھائی۔ اس لیے کیونکہ صفت مشبہ وہ حدوث کے معنی میں نہیں ہوتی بلکہ ثبوت کے معنی میں ہوتی ہے، ثبوت کے معنی میں۔ بھئی حدوث اور ثبوت دونوں میں کیا فرق ہے؟ حدوث میں ایک چیز کا ہونا پایا جاتا ہے، پہلے نہ ہو، پھر پائی جائے اور پھر گزر بھی جائے۔ اس کو کہتے ہیں حدوث، ایک چیز ہوئی، ایک چیز ہو گئی۔ تو اسم فاعل کسی چیز کے ہونے پر دلالت کرتا ہے، کسی چیز کے ہونے، حدوث پر یعنی کسی چیز کے ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے دیکھو «زَيْدٌ ضَارِبٌ»، زید ضارب ہے۔ جب تک زید ضرب لگا رہا ہے، زید ضارب ہے۔ زمانہ ماضی میں وہ ضارب نہیں تھا، جب اس نے ضرب لگانا شروع کی کیا بن گیا؟ ضارب، اور جیسے ہی وہ ضرب بند کرے گا اب وہ ضارب نہ رہا۔ دیکھا، ختم ہو گئی۔ تو یہ کس معنی میں تھی؟ حدوث، جس میں ایک چیز کا ہونا ہے، ہو اور ختم ہو جائے۔ صورت سمجھ میں آئی؟

جبکہ صفت مشبہ جو ہے وہ ثبوت پر دلالت کرتی ہے یعنی ایک، اس میں زمانے کی بات نہیں ہوتی کہ پہلے تھی پھر ہوئی پھر گزر گئی، نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ وہ ثبوت، ایک چیز کے لیے دوسری چیز کا ثبوت ہے۔ جیسے، جیسے «سَمِيعٌ»، «سَمِيعٌ»۔ سمیع جس کے لیے سننا ثابت ہو۔ جس کے لیے سننا ثابت ہو اس کو سمیع کہیں گے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں «سَامِعٌ» ہے، سامع اسے کہیں گے، سامع حدوث پر دلالت کر رہا ہے اور سمیع ثبوت پر۔ سامع اسے کہیں گے جہاں سننے کا فعل پایا جائے۔ ایک آدمی نے ایک آواز سنی تو اس کو کہیں گے سامع۔ اس سے پہلے آواز جب نہیں سن رہا تھا تو وہ سامع نہیں تھا۔ آواز آئی، اس نے سنی، دیکھو ایک چیز کا ہونا پایا گیا، آواز کا سننا پایا گیا تو اس کو کیا کہیں گے؟ سامع۔ اور جیسے ہی آواز ختم ہو گئی اب کوئی آواز نہیں، وہ کچھ بھی نہیں سن رہا تو اس وقت وہ سامع نہیں ہے۔ جبکہ سمیع صفت مشبہ ہے «سَمِيعٌ»، اور یہ ثبوت پر دلالت کرتی ہے یعنی ایسی ذات پر جس کے لیے سمع ثابت ہے۔ اس میں حدوث نہیں، بالفعل سننا، بالفعل سننا اس میں ضروری نہیں۔ بالفعل سنتا نہ ہو پھر بھی وہ کیا ہے؟ سمیع ہے۔ جب اس میں سننے کی صلاحیت ہے تو اس کو سمیع کہیں گے، چاہے اس وقت کوئی آواز نہیں وہ سن رہا لیکن وہ پھر بھی کیا ہے؟ سمیع ہے، سمیع ہے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ حدوث جس میں ایک چیز کا ہونا ہو، اور ثبوت جس میں ایک چیز کا دوسری کے لیے ثبوت ہو، اس میں ہونا نہ پایا جائے، اس میں زمانے کا اس کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا بھائی۔

تو کہتے ہیں اسم فاعل ایسا اسم ہے جو فعل سے مشتق ہوتا ہے، «لِيَدُلَّ عَلَى مَنْ قَامَ بِهِ الْفِعْلُ»، تاکہ وہ دلالت کرے اس پر، اس ذات پر جس پر فعل، جس کے ساتھ فعل قائم ہو، «بِمَعْنَى الْحُدُوثِ»، کس معنی میں؟ حدوث کے معنی میں۔ «وَصِيغَتُهُ مِنَ الثُّلَاثِيِّ الْمُجَرَّدِ عَلَى وَزْنِ فَاعِلٍ»، اور اسم فاعل کا صیغہ جو ہے ثلاثی مجرد سے «فَاعِلٍ» کے وزن پر آتا ہے، «كَضَارِبٍ»، جیسے ضارب، «وَنَاصِرٍ»، اور ناصر۔

بھئی میں پہلے بیان کر چکا ہوں، ایک ہے اسم فاعل، ایک ہے فاعل۔ فاعل کسے کہتے ہیں؟ فاعل، جسے فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے اسے کیا کہتے ہیں؟ فاعل۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، یہ «زَيْدٌ» کیا ہے؟ فاعل۔ تو فاعل کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جسے فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے۔ جبکہ اسم فاعل وہ مخصوص وزن کا نام ہے جو آج آپ پڑھ رہے ہیں: ضارب، ناصر، دیکھا، وہ گردانوں میں مخصوص وزن جو آپ نے پڑھا۔ تو کہتے ہیں کہ ثلاثی مجرد سے یہ اسم فاعل کس وزن پر آتا ہے؟ فاعل وزن پر آتا ہے۔ تو یہ «فَاعِلٍ»، یہ وزن ذکر ہو رہا ہے، فاعل وزن پر آتا ہے۔

▪ قولہ: «وَمِنْ غَيْرِهِ عَلَى صِيغَةِ الْمُضَارِعِ» کی تشریح

«وَمِنْ غَيْرِهِ عَلَى صِيغَةِ الْمُضَارِعِ»، جبکہ اس کے علاوہ سے، ثلاثی مجرد سے تو اسم فاعل کس وزن پر آئے گا؟ فاعل وزن پر، فا الف عین لام، اس وزن پر، فاعل: ضارب، ناصر، فاتح، مانع وغیرہ۔ اس کے علاوہ اور ثلاثی مزید فیہ، رباعی مجرد، رباعی مزید فیہ، ان میں کس وزن پر آئے گا؟ تو آپ کو ضابطہ بتلائیں گے کہ ان میں اسم فاعل فعل مضارع کے وزن پر آئے گا۔ ان میں اسم فاعل مضارع کے وزن پر آئے گا، اور طریقہ کیا ہو گا؟ کہ اسم فاعل کو بنانا ہے فعل مضارع سے تو مضارع کے شروع سے علامت مضارع کو ختم کر دیں۔ علامت، علامت مضارع کیا ہیں؟ الف، تا، یا، نون، یعنی ہمزہ، تا، یا، نون، حرفِ اتنا اتنا۔ تو یہ جو ان میں سے جو بھی حرف ہو گا اس فعل کے شروع میں اس کو دور کر دیں اور اس کی جگہ میم مضموم لے آئیں، یعنی ایسا میم جس پر پیش ہو۔ اور آخر سے ماقبل کو کسرہ دے دیں۔ اس فعل مضارع کے آخری حرف سے ماقبل والا جو حرف ہے اس کو کسرہ دے دیں۔ جیسے «يُكْرِمُ»، «يُكْرِمُ»، اسے اسم فاعل بنانا چاہتے ہیں تو یا کو ختم کیا اور میم مضموم لے آئے۔ اور آخر میں کیا ہے؟ میم ہے، میم سے ماقبل را ہے، اس را کو کسرہ دیں گے لیکن یہاں تو کسرہ پہلے ہی موجود ہے۔ تو اگر پہلے ہی کسرہ ہو پھر تو ٹھیک ہے، اگر پہلے کسرہ نہ ہو تو پھر، پھر کسرہ لے آئیں وہاں پر۔ تو «يُكْرِمُ» سے کیا بن گیا؟ «مُكْرِمٌ»۔ جی، اسی طرح «يَسْتَخْرِجُ»، اس سے کیا بنے گا؟ «مُسْتَخْرِجٌ»۔ «يَتَصَرَّفُ»، «يَتَصَرَّفُ»، یا کو ختم، یا کو ختم کریں، میم مضموم لے آئیں۔ اور آخر میں فا ہے اور فا سے ماقبل را، را پر کسرہ لے آئیں، «مُتَصَرِّفٌ»۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں ثلاثی مجرد سے یہ فاعل کے وزن پر آئے گا، «وَمِنْ غَيْرِهِ»، اور ثلاثی مجرد کے علاوہ سے، «عَلَى صِيغَةِ الْمُضَارِعِ»، کس صیغے کے وزن پر آئے گا؟ اس فعل مضارع کے صیغے پر آئے گا۔ «عَلَى صِيغَةِ الْمُضَارِعِ مِنْ ذٰلِكَ الْفِعْلِ»، اس فعل میں سے جو مضارع کا صیغہ ہے اس وزن پر آئے گا۔ «بِمِيمٍ مَضْمُومٍ مَكَانَ حَرْفِ الْمُضَارَعَةِ»، کس کے ساتھ؟ میم مضموم ہو گا «مَكَانَ حَرْفِ الْمُضَارَعَةِ»، کس کی جگہ پر؟ حرف مضارع کی جگہ پر۔ «وَكَسْرِ مَا قَبْلَ الْآخِرِ»، اور آخر سے ماقبل پر کسرہ کے ساتھ، «كَمُدْخِلٍ وَمُسْتَخْرِجٍ»۔

یہ بات آپ کو میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اسم فاعل اور اسم مفعول بھی اپنے فعل والا عمل کرتے ہیں۔ اسم فاعل فعل معروف سے بنا ہے تو وہ فعل معروف والا

عمل کرے گا، اور اسم مفعول فعل مجہول سے بناہے اور وہ فعل مجہول والا عمل کرے گا۔ تو اسم فاعل کس والا عمل کرے گا؟ فعل معروف والا۔ فعل معروف کیا عمل کرتا ہے؟ اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اگر فعل لازم ہو، اور اگر فعل متعدی ہو تو فاعل کو رفع دے گا اور مفعول کو نصب۔ اسم فاعل بھی بعینہٖ اسی طرح اپنے فاعل کو رفع دے گا اور اپنے مفعول کو نصب دے گا۔ جبکہ اسم مفعول وہ فعل مجہول سے بنتا ہے، وہ فعل مجہول والا عمل کرے گا۔ اور فعل مجہول اپنے نائب فاعل کو رفع دیتا ہے اور اگر آگے مفعول آجائے تو اس مفعول کو نصب بھی دیتا ہے، تو یہ بھی اسی طرح کرے گا۔ اسم مفعول اپنے نائب فاعل کو رفع دے گا اور اگر آگے مفعول بھی آجائے تو پھر اس کو نصب بھی دے گا۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ بعض اوقات ایک فعل کے دو مفعول آتے ہیں یا تین مفعول آتے ہیں، تو جب آپ اسے فعل مجہول بناتے ہیں تو مثلاً دو مفعول تھے ایک کو تو آپ نائب فاعل بنادیں گے دوسرا اسی طرح مفعول رہے گا۔ اسی طرح تین اگر مفعول تھے تو ایک کو تو آپ جب فعل مجہول بنایا تو ایک کو نائب فاعل بنادیں گے باقی دو اسی طرح مفعول رہیں گے۔ تو اسم مفعول بھی اسی، تو گویا پھر وہ فعل نائب فاعل کو رفع دے گا اور ایک یا دو مفعولوں کو نصب دے گا۔ تو اسم مفعول بھی اسی طرح عمل کرے گا ان سے بننے والا، وہ ایک نائب فاعل کو رفع دے گا تو ایک مفعول یا دو مفعولوں کو نصب دے گا۔

لیکن یاد رکھیے، اسم فاعل اور اسم مفعول کے عمل کرنے کے لیے کئی شرائط ہیں بھائی، کئی شرائط ہیں۔ کیا شرطیں ہیں؟ جی، یہی جو اسم فاعل میں بیان ہو رہی ہیں، یہ، یہی شرطیں آگے اسم مفعول آرہا ہے، اسم مفعول آرہا ہے، اس میں بھی یہی شرائط مذکور ہیں، اس میں بھی یہی شرائط ملحوظ ہیں لیکن وہاں وہ دوبارہ ذکر نہیں کریں گے۔ تو یہاں پر یہ اسم فاعل کی شرائط ذکر کر رہے ہیں اور آپ نے یاد رکھنا ہے یہی شرائط کس میں ملحوظ ہیں؟ اسم مفعول میں بھی۔ تو اسم فاعل کے عمل کرنے کے لیے، کون سا عمل کرتا ہے اسم فاعل؟ اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول وغیرہ کو نصب دیتا ہے۔ لیکن یاد رکھیے اسم فاعل کے عمل کرنے کے لیے چھ شرائط ہیں۔ اسم فاعل بھی اپنے فعل والا عمل کرے گا، اپنے فاعل کو رفع دے گا اور اپنے مفعول کو نصب دے گا لیکن اس کے عمل کرنے کے لیے چھ شرائط ہیں۔ پہلی، پہلی شرط یہ کہ وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہونا چاہیے، وہ اسم فاعل حال یا استقبال کے معنی میں ہونا چاہیے، ماضی کے معنی میں نہ ہو۔

مثلاً میں کہتا ہوں زید ضارب ہے، اب اگر زید ضارب ہے، زید ضارب ہے زمانہ ماضی میں تو یہ «ضَارِبٌ» عمل نہیں کرے گا۔ اور اگر زید ضارب ہے فی الحال، یا زید ضارب ہے مستقبل میں، کل پٹائی کرے گا، تو پھر یہ «ضَارِبٌ» کیا کرے گا؟ عمل کرے گا بھائی، عمل کرے گا۔ تو یہ چھ شرائط ہیں بھائی، یہ سب کتاب میں آرہی ہیں، دیکھیے بھائی۔ کہتے ہیں: «وَهُوَ يَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهِ الْمَعْرُوفِ»، اور اسم فاعل جو ہے وہ عمل کرتا ہے اپنے فعل معروف والا عمل، «إِنْ كَانَ بِمَعْنَى الْحَالِ أَوِ الِاسْتِقْبَالِ»، اگر وہ اسم فاعل حال یا استقبال کے معنی میں ہو۔ وجہ یہ کہ یہ اسم فاعل اس لیے عمل کرتا ہے کہ اس کی مشابہت ہے فعل مضارع کے ساتھ۔ یہ کس سے بناہے؟ فعل مضارع سے، اور اس کی مشابہت فعل مضارع کے ساتھ ہے تو اس لیے یہ عمل کرتا ہے۔ اور جب یہ حال اور استقبال کے معنی میں ہو تو مشابہت ہے، کیونکہ فعل مضارع میں بھی کون سا زمانہ ہوتا ہے؟ حال اور استقبال۔ اور جب یہ ماضی کے معنی میں ہو گیا تو اب اس کی فعل مضارع کے ساتھ مشابہت ختم، جب مشابہت ختم تو اب عمل بھی نہیں کرے گا۔

تو اس کے عمل کی چھ شرائط، پہلی شرط یہ ہے کہ «بِمَعْنَى الْحَالِ أَوِ الِاسْتِقْبَالِ»، کہ اگر یہ کس معنی میں ہو؟ حال یا استقبال۔ «وَمُعْتَمِدًا عَلَى الْمُبْتَدَإِ»، اور دوسری شرط یہ کہ یہ اعتماد کرنے والا ہو مبتدا پر۔ یاد رکھیے، پہلی شرط تو یہ جو گزر گئی کہ اسم فاعل فعل معروف والا عمل کرے گا لیکن شرط یہ ہے یہ کس معنی میں ہو؟ حال یا استقبال۔ یا یوں کہیں، یوں کہیں، اسم فاعل کے عمل کے لیے دو شرطیں ہیں، چھ نہ کریں دو کریں۔ اسم فاعل کے عمل کے لیے دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر اس نے اعتماد کیا ہو یعنی اس پر ٹیک لگائی ہوئی ہو یعنی اس سے ماقبل چھ چیزوں میں سے ایک چیز گزرے پھر یہ عمل کرے گا۔ کتنی شرائط ہوئیں؟ دو۔ پہلی شرط کیا؟ کہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو۔ دوسری شرط کیا؟ چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر اس نے اعتماد کیا ہو یعنی چھ چیزوں میں سے کوئی ایک چیز اس سے پہلے گزرے اور اس کے بعد کون آجائے؟ اسم فاعل، تو جب یہ ان کے بعد آئے گا تو گویا اس نے ان پر اعتماد کیا، ان سے ٹیک لگالی اور اب یہ کیا کرے گا؟ عمل کرے گا۔

وہ چھ چیزیں کیا ہیں؟ نمبر ایک ہے یاد رکھیے مبتدا، «زَيْدٌ ضَارِبٌ»، یہ «ضَارِبٌ» عمل کرے گا، کیوں؟ پہلی حال یا استقبال والی شرط تو ہے، اس کو چھوڑ دیں وہ سب میں ہو گی، بس یہاں پر اس وقت جو اتنی ہم مثالیں ذکر کریں گے ان میں اسم فاعل کس معنی میں لائیں گے؟ حال یا استقبال۔ دوسری شرط صرف اس، وہ اس کی مثالیں میں ذکر کرنا چاہ رہا ہوں کہ چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر اعتماد ہو گا، جیسے «زَيْدٌ ضَارِبٌ»، «زَيْدٌ» کیا ہے؟ مبتدا، اور «ضَارِبٌ» کیا ہے؟ اس کی خبر۔ تو یہ «ضَارِبٌ» سے ماقبل کون آگیا؟ مبتدا۔ تو اسم فاعل کے عمل کے لیے چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر اعتماد شرط تھا، ان چھ میں سے ایک ہے مبتدا، لہٰذا یہ «ضَارِبٌ» اب عمل کرے گا کیونکہ اس سے پہلے کون آیا؟ مبتدا۔

دوسری چیز ہے کہ ذوالحال، ما قبل کون آجائے؟ ذوالحال، اور یہ اسم فاعل حال بن جائے۔ جیسے «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»، «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»، یہ «رَاكِبًا» کیا ہے؟ اسم فاعل ہے اور حال بن رہا ہے، اور ما قبل میں «زَيْدٌ» کون ہے؟ ذوالحال۔ تو یہ اس ذوالحال پر اعتماد کرتے ہوئے اب یہ کیا کرے گا؟ عمل کرے گا۔ تیسری چیز ہے اسم موصول، اسم فاعل سے پہلے کیا آجائے؟ اسم موصول، تو یہ اس پر اعتماد کرے گا اور عمل کرے گا۔ یاد رکھیے اسم موصول سے مراد یہاں وہ والا اسم موصول ہے جو الف لام کی شکل میں آئے، «اَلضَّارِبُ»، یہ الف لام کیا ہے؟ اسم موصول، لہٰذا اس کا جو صلہ «ضَارِبُ» ہے یہ اب اس اسم موصول پر اعتماد کرتے ہوئے کیا کرے گا؟ عمل کرے گا۔ چوتھی چیز جس پر اعتماد کرے گا وہ ہے موصوف، «جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ»، یہ «عَالِمٌ» عمل کرے گا کیونکہ اس سے ما قبل کون ہے؟ «رَجُلٌ» موصوف ہے تو موصوف پر اعتماد کرتے ہوئے یہ عمل کرے گا۔ پانچویں چیز ہے ہمزہ استفہام، اور چھٹی چیز ہے حرف نفی۔ تو اسم فاعل سے ما قبل ہمزہ استفہام آجائے، «أَقَائِمٌ زَيْدٌ؟»، «أَ» ہمزہ استفہام میں لا رہا ہوں، «أَقَائِمٌ زَيْدٌ؟»، یہ «قَائِمٌ» سے پہلے کیا آیا؟ حرف استفہام، تو یہ اس پر اعتماد کرے گا اور عمل کرے گا۔ اور اسی طرح «مَا قَائِمٌ زَيْدٌ»، تو «قَائِمٌ» سے پہلے کیا آیا؟ «مَا» حرف نفی، تو یہ اس پر اعتماد کرے گا اور عمل کرے گا۔ لیکن پہلی شرط ہونی چاہیے کہ وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو۔

تو اسم فاعل کے عمل کرنے کے لیے کتنی شرائط؟ دو شرائط ہیں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو۔ دوسری شرط کیا؟ کہ چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر اس نے اعتماد کیا ہو۔ وہ چھ چیزیں کیا ہیں؟ نمبر ایک مبتدا، نمبر دو ذوالحال، نمبر تین اسم موصول، نمبر چار موصوف، نمبر پانچ حرف استفہام، اور نمبر چھ حرف نفی بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: «وَهُوَ يَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهِ الْمَعْرُوفِ إِنْ كَانَ بِمَعْنَى الْحَالِ أَوِ الِاسْتِقْبَالِ»، اور اسم فاعل جو ہے وہ اپنے فعل معروف والا عمل کرتا ہے اگر وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو، «وَمُعْتَمِدًا عَلَى الْمُبْتَدَإِ»، اور وہ اعتماد کرنے والا ہو یعنی ٹیک لگانے والا ہو، کس پر؟ مبتدا پر۔ بھئی آپ دیوار کے ساتھ کھڑے ہیں، دیوار کے ساتھ ٹیک لگائیں گے یا نہیں؟ اور جب دیوار کے ساتھ ٹیک لگائیں گے تو آپ زیادہ طاقت کے ساتھ کوئی بھی عمل کر سکتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے دیوار کا سہارا موجود ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں بھی اسی طرح، اعتماد کا معنی ہوتا ہے ٹیک لگانا۔ تو «مُعْتَمِدًا عَلَى الْمُبْتَدَإِ»، اعتماد کرتے ہوئے مبتدا پر، «نَحْوُ: زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ»۔ جی، ترکیب کیجیے۔

«زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ خبر ہے، شاباش۔ آگے، «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے «قَائِمٌ» کے لیے، شاباش۔ مرفوع لفظاً مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ اسم ہے اور اس کے ساتھ ضمیر متصل جڑی ہوئی ہے تو یہ مضاف اور مضاف الیہ بنیں گے، شاباش۔ «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، آگے، «هُ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، جو «أَبُوهُ» کس کا باپ؟ زید کا باپ، تو یہ «هُ» ضمیر راجع ہے زید کو، جی۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا «قَائِمٌ» کے لیے۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا، تو آپ نے شبہ جملہ کو خبر بنایا۔ اور جملہ اور شبہ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری، اور جو چیز ربط دے اس کو عائد کہتے ہیں، رابط کہتے ہیں، جو بھی چیز ہے رابط ربط دینے والی۔ تو یہاں پر ربط دینے والی چیز کیا ہے؟ وہ «هُ» ضمیر ہے اب جس کو آپ نے زید کی طرف لوٹا دیا اور اس نے ربط دے دیا۔ تو اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

تو دیکھیے «زَيْدٌ» مرفوع ہے، «قَائِمٌ» بھی مرفوع ہے، «أَبُوهُ» بھی مرفوع ہے لیکن جب میں نے وجہ پوچھی آپ ہر ایک کی وجہ الگ الگ ذکر کرتے جا رہے ہیں۔ آپ نے کہا «زَيْدٌ» مرفوع ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے، «قَائِمٌ» مرفوع ہے خبر ہونے کی وجہ سے، اور «أَبُوهُ» مرفوع ہے فاعل ہونے کی وجہ سے۔ تو دیکھو ہر ایک کی وجہ الگ ہے، اور اب ترجمہ بھی کر دیجیے: «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ»۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ»، یہ «قَائِمٌ» کا فاعل کون؟ «أَبُوهُ»، زید کا باپ۔ یہ قیام کرنے والا کون ہے؟ زید ہے یا زید کا باپ ہے؟ زید کا باپ۔ تو یوں کریں: زید کہ کھڑا ہے اس کا باپ، اس کا والد، زید کہ کھڑا ہے اس کا والد۔ اور بامحاورہ ترجمہ یوں کریں: زید کا والد کھڑا ہے۔ زید کا والد کھڑا ہے بھائی۔

تو یاد رکھیے یہ «قَائِمٌ» یہ صفت بحال متعلقہ ہے۔ یعنی «قَائِمٌ» لفظوں میں تو خبر ہے زید کی لیکن قیام زید کی صفت نہیں بلکہ اس کے والد کی صفت ہے، تو یہ کیا ہے؟ صفت بحال، یہ جو خبر ہوتی ہے نا خبر، آپ کہیں گے یہ تو صفت ہے ہی نہیں یہ تو خبر ہے۔ بھئی خبر بھی تو صفت ہی ہوتی ہے نا! میں نے کہا «زَيْدٌ قَائِمٌ»، کیا معنی؟ زید کھڑا ہے۔ معلوم ہوا یہ کھڑا ہونا کس کی صفت ہے؟ زید کی صفت ہے، صورت سمجھ میں آگئی۔ تو ترکیب کے اعتبار سے بے شک یہ خبر ہے لیکن معنوی اعتبار سے یہ کیا ہے؟ اس کی صفت ہے، تو اس اعتبار سے میں بات کر رہا ہوں کہ یہ «قَائِمٌ» کیا ہے؟ صفت بحال متعلقہ، یعنی لفظوں میں خبر ہے یا صفت ہے زید کی اور معنی میں صفت ہے اس کے والد کی بھائی۔ تو یہ «قَائِمٌ» نے «أَبُوهُ» کو رفع دیا، اور «قَائِمٌ» کیا ہے؟ اسم فاعل۔ اور اسم فاعل کے

عمل کرنے کے لیے کتنی شرائط ہیں؟ دو۔ پہلی شرط کیا؟ کہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو، اور یہ بھی حال یا استقبال کے معنی میں ہے۔ اور دوسری شرط کیا ہے؟ چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر اعتماد ہو، کس پر اعتماد ہے یہاں؟ یہاں مبتدا پر، «قَائِمٌ» سے پہلے کون گزرا ہے؟ مبتدا، اس پر اعتماد ہے۔ اگر مبتدا نہ ہوتا تو پھر یہ عمل بھی نہ کرتا بھائی۔

■ قولہ: «أَوْ ذِي الْحَالِ» کی تشریح

«أَوْ ذِي الْحَالِ»، یا اس کا اعتماد کس پر ہو؟ ذوالحال پر ہو، «نَحْوُ: جَاءَنِي زَيْدٌ ضَارِبًا أَبُوهُ عَمْرًا»۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ»، آیا میرے پاس زید، اس حال میں کہ «ضَارِبًا»، کہ پٹائی کرنے والا ہے «أَبُوهُ»، اس کا والد «عَمْرًا»، عمرو کی۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ جی، تو دیکھیے یہ «ضَارِبًا» عمل کر رہا ہے، «أَبُوهُ» کو رفع دے رہا ہے، «عَمْرًا» کو نصب دے رہا ہے، اور یہ اس کا اعتماد کس پر ہے؟ «زَيْدٌ» پر جو کہ ذوالحال ہے۔ جی، ترکیب کیجیے۔

«جَاءَنِي»، «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً ذوالحال۔ توجہ ہے؟ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً ذوالحال، مرفوع کیوں؟ کیونکہ «جَاءَ» کے لیے فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، شاباش۔ اور ذوالحال، آگے، «ضَارِبًا» منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل، منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ حال ہے اور حال کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل، آگے، «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ «ضَارِبًا» کے لیے فاعل ہے، شاباش۔ مرفوع لفظاً مضاف، آگے، «هُ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، دیکھو حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے، تو ضمیر ایک چاہیے، تو «هُ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ اور یہ راجع ہے کس کو؟ زید ذوالحال کو، دیکھا یہ حال کا ربط آگیا ذوالحال کے ساتھ۔ آگے، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل ہوا «ضَارِبًا» کے لیے۔ آگے، «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ، منصوب کیوں؟ مفعول بہ کس کے لیے ہے؟ «ضَارِبًا» کے لیے ہے، شاباش۔ «ضَارِبًا» صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر فاعل ہوا، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ ضَارِبًا أَبُوهُ عَمْرًا»، ترجمہ کیجیے۔

پٹائی کرنے والا، دیکھو یہ اسم فاعل کا ترجمہ عموماً طلبہ ہمیشہ یہی کرتے ہیں: کھڑا ہونے والا، پٹائی کرنے والا، چلنے والا، نہیں یہ والا یہ لانے کی ضرورت نہیں ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں بالکل آپ فعل والا ترجمہ کریں۔ دیکھو جیسے میں ترجمہ کروں گا: «جَاءَنِي زَيْدٌ»، آیا میرے پاس زید اس حال میں، «ضَارِبًا أَبُوهُ عَمْرًا»، کہ پٹائی کر رہا ہے اس کا باپ عمرو کی، دیکھا۔ تو اسم فاعل کا عموماً طلبہ ہمیشہ کرنے والا، «زَيْدٌ ضَارِبٌ»، طلبہ ترجمہ کرتے ہیں «زَيْدٌ ضَارِبٌ»، زید پٹائی کرنے والا ہے۔ حالانکہ یہ ترجمہ نہیں، یہ بلکہ یہ تو مناسب بھی نہیں لگتا یہ ترجمہ کیا جائے۔ ترجمہ یوں کریں گے: زید پٹائی کر رہا ہے۔ پٹائی کر رہا ہے اسی لیے تو وہ ضارب ہے، اگر پٹائی نہ کر رہا ہو تو ضارب نہیں۔ یا اگر مستقبل کی بات آپ کر رہے ہیں کہ کل کرے گا: «زَيْدٌ ضَارِبٌ»، زید پٹائی کرے گا، دیکھا۔ تو آپ موقع کے مطابق ترجمہ کریں، پٹائی کرنے والا ہے یہ کہنے کی ضرورت نہیں، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو «جَاءَنِي زَيْدٌ ضَارِبًا أَبُوهُ عَمْرًا»، آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ پٹائی کر رہا ہے اس کا والد عمرو کی، تو اعتماد ہو گا مبتدا پر یا ذوالحال پر۔ «أَوْ مَوْصُولٍ»، یا کس پر؟ اسم موصول پر۔ میں نے بتایا کون سا اسم موصول؟ جو الف لام کی شکل میں آئے اور اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہوتا ہے بھائی۔ اور اس میں میں نے بتایا تھا کہ اسم فاعل یا اسم مفعول اگر حدوث کے معنی میں ہوں تو پھر وہ الف لام کون سا ہو گا؟ الف لام اسمی یعنی اسم موصول ہو گا، اور اگر وہ اسم فاعل یا اسم مفعول ثبوت کے معنی میں ہوں تو پھر وہ الف لام اسمی نہیں ہو گا بلکہ الف لام حرفی ہو گا۔ تو یہاں بمعنی حدوث کے مراد ہے۔ «أَوْ مَوْصُولٍ»، «أَوْ مَوْصُولٍ»، یا اسم موصول پر اعتماد کرتے ہوئے، «نَحْوُ: مَرَرْتُ بِالضَّارِبِ أَبُوهُ عَمْرًا»۔

اچھا، تو گزشتہ مثال میں دیکھو بھائی «ضَارِبًا» عامل ہے، اس نے «أَبُوهُ» کو رفع دیا اور «عَمْرًا» کو نصب دیا، کس پر اعتماد کرتے ہوئے؟ ماقبل میں ذوالحال پر۔ اور جبکہ یہاں «مَرَرْتُ بِالضَّارِبِ أَبُوهُ عَمْرًا»، یہ «ضَارِبِ» «أَبُوهُ» کو رفع دے رہا ہے اور «عَمْرًا» کو نصب، اور اس کا اعتماد کس پر ہے؟ اسم موصول یہ جو «اَلضَّارِبِ» الف لام آرہا ہے، اس پر اعتماد ہے۔ یہ نہ ہوتا تو یہ عمل بھی نہ کرتا۔ ترکیب کیجیے بھائی: «مَرَرْتُ بِالضَّارِبِ أَبُوهُ عَمْرًا»۔

«مَرَرْتُ» فعل بافاعل، «تُ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل، جی۔ «بِ» جارہ، الف لام اسم موصول، اعراب بولیے۔ مجرور محلاً، مجرور کیوں؟ کیونکہ باجارہ داخل ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ اسم موصول ہے، کیا ہے؟ مبنی ہے مبنی ہے، اور مبنی کا اعراب کیسے آتا ہے؟ محلاً۔ تو باجارہ، الف لام اسم موصول مجرور محلاً، آگے، «ضَارِبِ» مجرور لفظاً صیغہ اسم فاعل، جی۔ مجرور کیوں «ضَارِبِ»؟ کیونکہ وہی اسم موصول والا اعراب کس پر ظاہر ہو گیا؟ ضارب پر داخل ہوا، اس پر ظاہر

ہو گیا۔ اور اسم موصول تو کیا تھا با کی وجہ سے مجرور، تو وہی اعراب کس پر ظاہر ہوا؟ ضارب پر، کیونکہ اسم موصول الف لام کی شکل میں آیا ہے اور الف لام پر تو اعراب ظاہر نہیں ہو سکتا تو وہی اعراب اس کے صلے پر جا کر ظاہر ہوتا ہے بھائی۔ ورنہ تو صلہ جو ہوتا ہے «لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ»، اس کا کوئی محلے اعراب نہیں ہوتا لیکن جب صلہ اسم فاعل یا اسم مفعول کی شکل میں آئے پھر اس پر اسم موصول والا ہی اعراب کیا ہوتا ہے؟ ظاہر ہوتا ہے۔ تو «ضَارِبِ» مجرور لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ آگے، «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے ضارب کے لیے، جی۔ «هُ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، ہاں جب بھی غائب کی ضمیر آئے اس کا مرجع تلاش کرنا ہے۔ یہ «هُ» ضمیر راجع ہے اسم موصول کو، شاباش، یہ «هُ» ضمیر لوٹ رہی ہے اسم موصول کو کیونکہ صلے کو موصول سے جوڑنے کے لیے ربط چاہیے، عائد چاہیے، تو یہ «هُ» ضمیر ربط دے رہی ہے۔ «أَبُو» مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا «ضَارِبِ» کے لیے۔ «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ، جی، «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر یہ صلہ ہوا اسم موصول کے لیے، پھر وہی صلہ لام پہ شد پڑھتے ہو کیوں پڑھتے ہو؟ صلہ ہوا، صلہ ہوا۔ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر یہ صلہ ہوا موصول کے لیے۔ موصول اپنے صلے سے مل کر مجرور ہوا با جارہ کے لیے، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق کس سے؟ «مَرَرْتُ» فعل کے ساتھ، شاباش۔ آگے، «مَرَرْتُ» فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ شاباش، دیکھا کتنی مشکل ترکیب آپ نے حل کر لی! «مَرَرْتُ بِالضَّارِبِ أَبُوهُ عَمْرًا»، ترجمہ کیجیے۔

«مَرَرْتُ»، میں گزرا، «بِالضَّارِبِ»، الف لام کا ترجمہ وہ جو کہ، میں گزرا اس آدمی پر جو کہ پٹائی کر رہا تھا «أَبُوهُ» اس کا باپ «عَمْرًا» عمرو کی۔ میں اس آدمی پر گزرا جس کا باپ عمرو کی پٹائی کر رہا تھا۔ ترجمہ سمجھ میں آ گیا بھائی؟ تو اس کی جگہ اگر ترجمہ ویسے مشکل لگے تو «اَلَّذِي» لے آیا کرو: «مَرَرْتُ بِالَّذِي يَضْرِبُ أَبُوهُ عَمْرًا»، میں گزرا اس آدمی پر، «اَلَّذِي» اس آدمی پر «يَضْرِبُ» کہ پٹائی کر رہا تھا «أَبُوهُ عَمْرًا» اس کا باپ عمرو کی۔ اب مجھے بتائیے، یہ «أَبُوهُ» کو رفع کس نے دیا؟ ضارب نے۔ «عَمْرًا» کو نصب کس نے دیا؟ ضارب نے۔ اور اس کے لیے تو شرط تھی کہ اس کا اعتماد ہو چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر، یہاں کس پر اعتماد ہے؟ اسم موصول پر، شاباش۔

▪ قولہ: «أَوْ مَوْصُوفٍ» کی تشریح

«أَوْ مَوْصُوفٍ»، یا اس اسم فاعل کا اعتماد موصوف پر ہو، «نَحْوُ: عِنْدِي رَجُلٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًا»۔ آپ دیکھ رہے ہیں، جتنی مثالیں آ رہی ہیں ان میں وہ عائد ذکر کرتے جا رہے ہیں یا نہیں ذکر کرتے جا رہے؟ یہ عائد اسی لیے ذکر کر رہے ہیں کہ جب بھی جملہ یا شبہ جملہ کو کسی چیز سے جوڑنا ہو ربط ضروری ہے، اگر ربط نہیں ہو گا تو پھر وہ جڑ ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے یہ «أَبُوهُ» کے ساتھ ہا ضمیریں جوڑتے جا رہے ہیں، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟ یا تو یا چوتھی چیز جس پر وہ اعتماد ہو گا «أَوْ مَوْصُوفٍ»، وہ کیا ہو گا؟ موصوف۔ یہ اسم فاعل صفت بنے گا اور وہ موصوف۔ بھئی دیکھیے نا، جب اس کا اعتماد ہو گا مبتدا پر اسم فاعل کا تو معلوم ہوا یہ خبر بنے گا۔ جب اس کا اعتماد ہو گا ذوالحال پر، معلوم ہوا یہ اسم فاعل حال بنے گا۔ جب اس کا اعتماد ہو گا اسم موصول پر، معلوم ہوا یہ صلہ بنے گا۔ اور جب اس کا اعتماد ہو گا کس پر؟ موصوف پر، معلوم ہوا یہ کیا بنے گا؟ صفت بنے گا۔ جی، ترکیب کیجیے۔

«عِنْدِي»، «عِنْدَ» مرفوع تقدیراً مضاف، اچھا اب وجہ بتائیے، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، بھئی میں نے آپ کو پہلے بتایا تھا کہ یہ جو ظروف ہوتے ہیں، ظروف ہیں یہ کبھی بھی مبتدا نہیں بنتے، یہ جب بھی اگر شروع میں آ بھی جائیں تو خبر مقدم بنتے ہیں۔ تو «عِنْدَ» کس میں سے ہے؟ عند کا کیا معنی ہے؟ پاس۔ آپ میرے پاس ہیں تو یہ پاس جگہ ہے جگہ، میرے قریب ہیں۔ تو یہ ظرف ہے بھائی، ظرف ہے۔ جی، اب کیجیے۔ «عِنْدَ» منصوب تقدیراً مضاف، ابھی میں نے بتایا، ہاں بھائی آپ بتاؤ، ظرف ہے، یہ ظرف ہے، ظرف کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ مفعول فیہ بن رہا ہے۔ «عِنْدَ» منصوب تقدیراً مضاف، ابھی ہم نے پڑھا، ظروف مبنیہ گزرے یا نہیں گزرے؟ اس میں «عِنْدَ» گزرا؟ تو «عِنْدَ» معرب ہے تو پھر اس کا اعراب یہاں پر «عِنْدِي» یا کی طرف مضاف ہے، تقدیراً آئے گا، صورت سمجھ میں آ گئی۔ جی، «عِنْدَ» منصوب تقدیراً مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول فیہ ہے، شاباش۔ آگے، یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے، شاباش۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا فعل محذوف، فعل محذوف کیا ہے؟ «ثَبَتَ»، تو یہ مفعول فیہ ہوا «ثَبَتَ» یا «ثَابِتٌ» کے لیے۔ «ثَبَتَ» فعل، جی، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل، جو کس کو راجع؟ خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے۔ مبتدا کون ہے؟ آگے «رَجُلٌ» آ رہا ہے، جب «عِنْدِي» یہ خبر مقدم ہے اور وہ کیا ہے؟ مبتدا مؤخر۔ تو ضمیر، خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے، تو «هُوَ» ضمیر راجع ہے کس کو؟ مبتدا کو، «رَجُلٌ» کو جو مبتدا مؤخر ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مقدم بھائی۔

آگے، «رَجُلٌ» مرفوع لفظاً موصوف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ مبتدا ہے۔ «ضَارِبٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، یہ مرفوع کیوں ہے؟ کیونکہ یہ صفت ہے۔ تو «رَجُلٌ» مرفوع لفظاً موصوف، اور «ضَارِبٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ آگے، «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، یہ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے «ضَارِبٌ» کے لیے، شاباش، جی۔ «هُ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، کس کو راجع؟ جو «رَجُلٌ» موصوف کو راجع، کیونکہ صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے، جی۔ «أَبُو» مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا «ضَارِبٌ» صیغہ اسم فاعل کے لیے۔ آگے، «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ، جی۔ «ضَارِبٌ» صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت ہوا «رَجُلٌ» موصوف کے لیے۔ شاباش، «ضَارِبٌ» صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت ہوا «رَجُلٌ» موصوف کے لیے، اور ربط دے دیا، جی ربط بھی ہم نے عائد بھی بتلا دیا، اور پھر موصوف صفت مل کر مبتدا مؤخر، اور پھر مبتدا، مبتدا اپنے خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔ ترجمہ کیجیے۔

میرے پاس آیا، ہاں، میرے پاس آیا، یہ آیا والا ترجمہ کہاں سے کیا آپ نے؟ «عِنْدِي رَجُلٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًا»، کیا مشکل ہے ترجمے میں؟ ہاں، «عِنْدِي»، میرے پاس، «رَجُلٌ»، ایسا آدمی ہے، «ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًا»، کہ اس کا باپ عمرو کی پٹائی کر رہا ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ میرے پاس ایک ایسا آدمی ہے کہ اس کا باپ عمرو کی پٹائی کر رہا ہے۔ عمرو کی پٹائی کرنے والا ہے، یہ ترجمہ نہیں مناسب بنتا، بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں تو موقع کے مطابق جو مناسب ترجمہ ہو وہ کیا کریں اس کا، اسم فاعل اسم مفعول وغیرہ کا۔

تو یہ «ضَارِبٌ» نے دیکھو «أَبُوهُ» کو رفع دیا اور «عَمْرًا» کو نصب دیا، اور کس پر اعتماد کیا اس «ضَارِبٌ» نے؟ «رَجُلٌ» موصوف پر، موصوف پر۔ تو اس جملے میں آپ نے دیکھا «رَجُلٌ» بھی مرفوع ہے، «ضَارِبٌ» بھی مرفوع ہے، «أَبُوهُ» بھی مرفوع ہے لیکن جب میں نے وجہ پوچھی ہر ایک کی وجہ آپ نے الگ الگ بیان کی۔ آپ نے کہا «رَجُلٌ» مرفوع ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے اور مبتدا مرفوع ہوتا ہے، اور «ضَارِبٌ» کو میں نے جب پوچھا یہ کیوں مرفوع تو آپ نے کہا یہ صفت ہے اور صفت کا وہی اعراب ہوتا ہے جو موصوف کا ہوتا ہے، اور «أَبُوهُ» بھی مرفوع میں نے پوچھا یہ کیوں مرفوع تو آپ نے کہا یہ فاعل ہے «ضَارِبٌ» کے لیے اور فاعل بھی کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے۔ جی۔

▪ قولہ: «أَوْ هَمْزَةِ الِاسْتِفْهَامِ» کی تشریح

«أَوْ هَمْزَةِ الِاسْتِفْهَامِ»، یا اس اسم فاعل کا اعتماد ہو گا ہمزہ استفہام پر، «نَحْوُ: أَقَائِمٌ زَيْدٌ؟»، کیا زید کھڑا ہے؟ «أَقَائِمٌ زَيْدٌ؟»۔ بھئی یہ وہ مبتدا کی قسم ثانی آگئی، آپ کو یاد ہے؟ مبتدا تو اصل میں مسند الیہ ہوتا ہے، یعنی اس آسان لفظوں میں، مبتدا وہ ہے جس کے بارے میں بات کی جائے اور خبر وہ جو بات کی جائے وہ ہے خبر۔ تو «زَيْدٌ قَائِمٌ»، میں نے کس کے بارے میں بات کی؟ زید کے بارے میں، وہ ہے مبتدا، اور کیا بات کی؟ کہ وہ کھڑا ہے، یہ «قَائِمٌ» کیا ہے؟ خبر ہے۔ تو مبتدا وہ ہوتا ہے جس کے بارے میں بات کی جائے اور خبر وہ جو بات ہوتی ہے اسے خبر کہتے ہیں۔ لیکن مبتدا کی ایک قسم ثانی بھی آپ نے پڑھی جس میں، جس میں مبتدا مسند الیہ نہیں بلکہ مسند ہوتا ہے یعنی وہ جو بات کی جا رہی ہے وہ ہے مبتدا اور جس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے وہ مسند الیہ ہے۔ لیکن مبتدا کی ایک دوسری قسم بھی ہے جس میں مبتدا مسند الیہ نہیں ہوتا بلکہ مسند بہ ہوتا ہے بھائی، مسند بہ ہوتا ہے۔ اور وہ اس کے اندر تین شرائط تھیں بھائی اس مبتدا کے لیے، پہلی شرط یہ کہ وہ صیغہ صفت کا ہو، دوسری شرط یہ کہ وہ ہمزہ استفہام یا حرف نفی کے بعد واقع ہو۔ جیسے آپ یہاں دیکھ رہے ہیں «أَقَائِمٌ زَيْدٌ؟»، اور اسی طرح آگے آ رہا ہے «مَا قَائِمٌ زَيْدٌ»۔ صیغہ کون سا ہے؟ دونوں جگہ «قَائِمٌ»، صیغہ کون سا ہو؟ صفت کا، اور کس کے بعد آئے؟ حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد، ہمزہ حرف، ہمزہ حرف استفہام ہے اور ما حرف نفی ہے۔ اور تیسری شرط کیا؟ کہ وہ اسم ظاہر کو رفع دے۔ تو یہاں پر بھی «قَائِمٌ» کیا کر رہا ہے؟ «زَيْدٌ» کو رفع دے رہا ہے۔ تو مبتدا کی قسم ثانی، مبتدا کی قسم ثانی اس میں تین شرائط تھیں: پہلی شرط یہ کہ صیغہ صفت کا ہو، دوسری شرط یہ کہ اس سے ماقبل ہمزہ استفہام یا حرف نفی آئے، اور تیسری شرط یہ کہ وہ اسم ظاہر کو رفع دے، تو یہ مبتدا کی قسم ثانی ہے بھائی۔

تو یا اس کا اعتماد ہو گا «أَوْ هَمْزَةِ الِاسْتِفْهَامِ»، ہمزہ استفہام پر، «نَحْوُ: أَقَائِمٌ زَيْدٌ؟»، کیا زید کھڑا ہے؟ جی، «أَقَائِمٌ»، ہمزہ ہمزہ استفہام، جی، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ ہاں مبتدا ہے، اب میں پوچھوں گا مرفوع کیوں؟ آپ کیا کہیں گے؟ یہ مبتدا ہے۔ تو «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ آگے، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً اس کا فاعل ہے اور قائم مقام خبر کے ہے، قائم مقام خبر۔ تو دراصل یہ مرفوع ہے فاعل ہونے کی بناء پر، خبر ہونے کی بناء پر نہیں، تو یہ فاعل ہے۔ اور یہ خبر نہیں ہے قائم مقام خبر ہے، تو پھر مبتدا، اسم فاعل، اسم فاعل اپنے، قائم مقام کی بات ابھی نہیں، ابھی فاعل سے جوڑیں، «قَائِمٌ» کو کس سے جوڑتے ہیں؟ اپنے فاعل سے۔ «قَائِمٌ» صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر مبتدا، کیا بنا؟ مبتدا۔ اور پھر

یہ مبتدا اپنے قائم مقام خبر سے مل کر کیا ہوا؟ جملہ اسمیہ خبریہ، جملہ یہ ہمزہ استفہام ہے، جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا بھائی، جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔ «أَقَائِمٌ زَيْدٌ؟»، کیا زید کھڑا ہے؟ ترکیب سمجھ میں آئی؟ تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر کوئی نہیں کیونکہ «زَيْدٌ» تو اس کے لیے فاعل ہے، قائم مقام خبر ہے لیکن خود یہ خبر نہیں، تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر نہیں ہے بھائی۔

اور آپ چاہیں تو دوسری ترکیب بھی کر سکتے ہیں یہاں پر کیونکہ یہاں دونوں مفرد ہیں، دونوں مفرد ہیں۔ دوسری ترکیب یہ کہ آپ «قَائِمٌ» کو خبر مقدم بنا دو اور «زَيْدٌ» کو مبتدا مؤخر، لیکن یہاں یہ ترکیب نہیں ہو گی اس لیے کیونکہ «قَائِمٌ» کو ہم نے عامل بنانا ہے کیونکہ بات چل رہی ہے اسم فاعل کے عمل کی، تو یہ کس کو عمل دے رہا ہے؟ کس میں عمل کر رہا ہے؟ «زَيْدٌ» میں عمل کر رہا ہے۔ ترکیب سمجھ میں آگئی بھائی؟

«أَوْ حَرْفِ النَّفْيِ»، یا اس کا اعتماد ہو حرف نفی پر، «نَحْوُ: مَا قَائِمٌ زَيْدٌ»، زید کھڑا نہیں ہے۔ جی، ترکیب کیجیے۔ «مَا» حرف نفی، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، توجہ ہے؟ «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے، شاباش، مبتدا کی قسم ثانی ہے، جی۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے اور یہ قائم مقام خبر ہے۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر، ہاں اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر یہ ہوا مبتدا، اور پھر مبتدا اپنے قائم مقام خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا کیونکہ یہاں کوئی سوال وغیرہ نہیں ہے، یہاں صرف نفی ہے نفی، زید کھڑا نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہاں تک سارا حل ہو گیا اچھی طرح؟

▪ قولہ: «فَإِنْ كَانَ بِمَعْنَى الْمَاضِي وَجَبَتِ الْإِضَا...» کی تشریح

«فَإِنْ كَانَ بِمَعْنَى الْمَاضِي وَجَبَتِ الْإِضَافَةُ مَعْنًى»، اگر اسم فاعل جو ہے ماضی کے معنی میں ہو، بھئی حال یا استقبال کے معنی میں ہو پھر تو یہ عمل کرتا ہے، اگر ماضی کے معنی میں ہو پھر کیا کریں گے؟ تو بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں: «فَإِنْ كَانَ بِمَعْنَى الْمَاضِي»، اگر اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہو، «وَجَبَتِ الْإِضَافَةُ»، تو پھر اس کی اضافت واجب ہے، «مَعْنًى»، کون سی اضافت؟ اضافت معنوی بھائی۔ «نَحْوُ: زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو أَمْسِ»۔ «زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو أَمْسِ»، زید نے پٹائی کی تھی، دیکھا، زید پٹائی کرنے والا ہے یہ ترجمہ نہیں کرنا، زید نے پٹائی کی تھی، دیکھا یہ ماضی کا ترجمہ کر رہا ہوں، زید نے پٹائی کی تھی عمرو کی، «أَمْسِ»، گزشتہ کل۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ تو «أَمْسِ» باقاعدہ لفظوں میں لے کر آگئے یہ بتلانے کے لیے کہ یہ «ضَارِبُ» ماضی کے معنی میں ہے، یہ «أَمْسِ» بتلا رہا ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور دیکھیے، جب یہ ماضی کے معنی میں ہے تو پھر اس کی اضافت واجب ہے۔

تو زید کون ہوا؟ ضارب، اور اس نے کس کی پٹائی کی؟ عمرو کی۔ تو عمرو تو معمول ہوا اس کے لیے؟ بھئی اس وقت تو اضافت ہو رہی ہے نا، ورنہ تو عمرو کون ہے؟ مفعول ہے یا نہیں ضارب کے لیے؟ معنی کے اعتبار سے مفعول ہے، مفعول ہے۔ اور آپ نے پڑھا تھا، ایک اضافت لفظی ہے ایک اضافت معنوی، اضافت لفظی کسے کہتے تھے؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو کس کی طرف؟ اپنے معمول کی طرف۔ تو یہاں بھی «ضَارِبُ» صیغہ صفت کا ہے اور مضاف ہو رہا ہے عمرو اپنے معمول کی طرف تو یہ اضافت لفظی ہونی چاہیے، لیکن انہوں نے کہا «وَجَبَتِ الْإِضَافَةُ مَعْنًى»، اضافت معنوی واجب ہے، اضافت معنوی واجب۔ تو یہ تو اضافت لفظی ہے؟ جواب: نہیں بھائی، یہ اضافت لفظی نہیں اضافت معنوی ہے۔ بھئی صیغہ صفت کا ہے، مضاف ہو رہا ہے کس کی طرف؟ اپنے معمول کی طرف۔ کہتے ہیں بھئی یہ اس کا معمول نہیں ہے، ابھی تو ہم نے آپ کو بتایا جب اسم فاعل کس معنی میں ہو؟ ماضی کے معنی میں تو یہ عامل ہی نہیں، جب عامل نہیں تو آگے اس کا کوئی معمول نہیں، جب معمول نہیں تو یہ اپنے معمول کی طرف تو مضاف ہے ہی نہیں کیونکہ معمول تو اس کا ہوتا ہی نہیں۔ تو یہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں ہے، صیغہ صفت کا اپنے معمول کی طرف مضاف ہو پھر اضافت لفظی ہوتی ہے تو یہ تو اضافت لفظی نہیں ہے بھائی، اسی لیے انہوں نے کہا کہ اضافت معنوی ہو گی۔

تو یہ معنی ہے، کہتے ہیں دوبارہ دیکھیے: «فَإِنْ كَانَ بِمَعْنَى الْمَاضِي»، جب اسم فاعل جو ہے ماضی کے معنی میں ہو، «وَجَبَتِ الْإِضَافَةُ مَعْنًى»، تو واجب ہے اضافت معناً، باعتبار معنی کے یعنی اضافت معنوی واجب ہے۔ «نَحْوُ: زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو أَمْسِ»۔ ترکیب کیجیے بھائی۔ ہاں یہ یاد رکھیے یہ مشکل ترکیب ہے بھائی، مشکل ترکیب ہے۔ تو کیونکہ «ضَارِبُ عَمْرٍو»، «ضَارِبُ» یہ عمرو میں عامل نہیں ہے، عامل یعنی وہ یہ اس کا عمرو اس کا معمول نہیں ہے تو یہ اضافت معنوی ہے جیسے انہوں نے آپ کو بتا دیا بھائی، اضافت معنوی ہے۔ تو پھر، پھر یہ آگے «أَمْسِ» آ رہا ہے، «أَمْسِ» ظرف ہے، مبنی ہے، اور ظرف کیا ہوتا ہے؟ منصوبات میں سے ہے، اس پر نصب آتا ہے تو اس کو نصب کس نے دیا؟ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ جب یہ «ضَارِبُ» عامل نہیں ہے تو آگے اور معمول آئیں تو اس کو ان میں عامل پھر کون ہوتا ہے؟ تو علماء فرماتے ہیں کہ یہاں پر پھر فعل مقدر نکالا جاتا ہے اور وہ فعل عامل ہوتا ہے، وہ فعل کیا ہوتا

ہے؟ عامل ہوتا ہے۔

صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ لہٰذا سنو، ترکیب یوں ہوگی بھائی: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «ضَارِبُ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو زید کی طرف راجع ہے یعنی مبتدا کی طرف، اور «ضَارِبُ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل اور مضاف مضاف، اور اس کے اندر «هُوَ» ضمیر ہم نے نکال لی، اور آگے «عَمْرٍو» مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ تو اسم فاعل اپنے فاعل اور مضاف الیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ زید کے لیے خبر، اور «أَمْسِ» آگے اور معمول آگیا تو اس کے لیے فعل نکالیں گے، اسی جیسا فعل نکالیں گے اور وہ یہاں «ضَرَبَهُ» نکال لیں گے: «ضَرَبَهُ أَمْسِ»، مفعول بھی اسی طرح ساتھ ملالو: «ضَرَبَهُ أَمْسِ»۔ تو «ضَرَبَ» کے اندر ضمیر زید کو راجع کیونکہ وہ ہے ضارب، اور کس کو مارا ہے؟ عمرو کو، تو یہ «ضَرَبَهُ» یہ ہا مفعول کی ضمیر کس کو راجع؟ عمرو کو، اور «أَمْسِ» یہ منصوب محلاً مفعول فیہ کیونکہ یہ مبنیات میں سے ہے۔ تو یہ پھر فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں اس صورت میں چونکہ ضارب عامل نہیں ہے تو آگے اگر کوئی اور معمول آجائیں تو ان کے لیے پھر فعل مقدر نکالا جائے گا، اسی جیسا فعل، اس صفت جیسا فعل۔ تو یہاں ضارب ہے تو اسی جیسا فعل «ضَرَبَ» نکال لیں گے، صورت اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اس پر آپ کے ذہن میں ایک اشکال آئے گا کہ «ضَارِبُ» جب ماضی کے معنی میں ہے تو یہ عمل نہیں کرتا، تو پھر یہ «هُوَ» ضمیر کو جو اس کے اندر ہے اس کو رفع تو دے رہا ہے، عامل تو ہے، عمل تو کر رہا ہے، تو پھر اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ ضمیر میں عمل بھی، ضمیر اس کے اندر چھپی ہوئی ہے ظاہر تو ہے نہیں، تو عمل کوئی ظاہر ہو رہا ہے؟ عمل ظاہر نہیں ہو رہا، تو یہ عمل بھی گویا لا عمل ہے، نہ ہونے کی طرح ہی ہے کیونکہ ظاہر میں کوئی کسی لفظ پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا، تو لہٰذا یہ عمل ہے بھی تو لا عمل کی طرح ہے گویا ہے ہی نہیں۔ تو اس میں ظاہر میں یہ عمل البتہ نہیں کر سکتا، اور وہ ضمیر چونکہ اسی کے اندر چھپی ہوئی ہے اور اس پر عمل بالکل ظاہر ہی نہیں ہو رہا اس لیے اس میں عمل کرے گا، لیکن کسی اسم ظاہر میں عمل نہیں کرے گا۔ لہٰذا آگے اگر کوئی معمول اور آتے بھی ہیں ایک کی طرف تو اس کی اضافت ہوگئی ہے، باقی اگر کوئی معمول آتے بھی ہیں ان کے لیے فعل اسی جیسا فعل مقدر ماننا پڑے گا، بات سمجھ میں آگئی؟

▪ قولہ: «زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو أَمْسِ» کی تشریح

«زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو أَمْسِ»، زید نے پٹائی کی تھی عمرو کی گزشتہ کل۔ «هٰذَا إِذَا كَانَ مُنَكَّرًا»، کہتے ہیں یہ اس وقت ہے یہ سب جس وقت اسم فاعل نکرہ ہو یعنی اس کے عمل کے لیے یہ چھ شرائط کب ہیں؟ جب اسم فاعل کیا ہو؟ نکرہ ہو۔ «أَمَّا إِذَا كَانَ مُعَرَّفًا بِاللَّامِ»، اور جس وقت اسم فاعل معرف باللام ہو یعنی اس پر الف لام داخل ہو، «يَسْتَوِي فِيهِ جَمِيعُ الْأَزْمِنَةِ»، تو پھر اس میں سارے زمانے برابر ہیں یعنی وہ پھر ہر حال میں عمل کرے گا۔ جب اس پر الف لام آگیا، الف لام کیا ہے؟ اسم موصول ہے تو پھر وہ ہر حال میں کیا کرے گا؟ عمل کرے گا، پھر آپ نے حال یا استقبال کو نہیں دیکھنا۔ جیسے «نَحْوُ: زَيْدٌ الضَّارِبُ أَبُوهُ عَمْرًا الْآنَ أَوْ غَدًا أَوْ أَمْسِ»۔ تین مثالیں ہیں دراصل یہ بھائی، ایک کے لیے «الْآنَ» اس کو مفعول فیہ بنالیں، دوسرے کے لیے «غَدًا» کو مفعول فیہ بنالیں، تیسرے کے لیے «أَمْسِ» کو مفعول فیہ بنالیں، تو ایک مثال یوں بنے گی: «زَيْدٌ الضَّارِبُ أَبُوهُ عَمْرًا الْآنَ»۔ جی، دوسری مثال: «زَيْدٌ الضَّارِبُ أَبُوهُ عَمْرًا غَدًا»۔ تیسری مثال: «زَيْدٌ الضَّارِبُ أَبُوهُ عَمْرًا أَمْسِ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور ان سب صورتوں کے اندر، جی، ترکیب کیجیے۔

«زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «اَلضَّارِبُ»، الف لام، الف لام بمعنی الذی اسم موصول، اعراب بھی بولیے، مرفوع محلاً، الف لام مرفوع محلاً، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے زید کے لیے، مرفوع محلاً اسم موصول۔ «ضَارِبُ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے ضارب کے لیے۔ «هُ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، شاباش، جو اسم موصول کو راجع ہے، یہ عائد آپ نے بتلا دیا، جی۔ «أَبُو» مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل ہوا «ضَارِبُ» صیغہ اسم فاعل کے لیے۔ «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ ہوا «ضَارِبُ» کے لیے، «الْآنَ» منصوب لفظاً مفعول فیہ ہوا «ضَارِبُ» کے لیے۔ تو اسم فاعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

«زَيْدٌ الضَّارِبُ أَبُوهُ عَمْرًا الْآنَ»، یہ «عَمْرًا» کے آخر میں نون ساکن ہے ناتنوین والا، اور «الْآنَ» کے شروع میں ہمزہ وصلی تو گر گیا، آگے لام بھی ساکن، ماقبل میں «عَمْرًا» کے آخر میں تنوین والا نون بھی ساکن، تو پھر نون اور لام ساکن جمع ہوئے، «وَالسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ»، تو اسی لیے «عَمْرَنِ الْآنَ» ہوا، صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح «زَيْدٌ نِالضَّارِبُ»، «زَيْدٌ» کے آخر میں تنوین کا نون ساکن، اور «اَلضَّارِبُ» میں ہمزہ وصلی گر گیا آگے لام بھی ساکن، تو لام ضاد ہو کر ضاد کے اندر اس کا ادغام ہو گیا، ٹھیک ہے؟ حروف شمسیہ قمریہ پڑھے ہوں گے۔ لام کیا ہوا؟ «اَلضَّارِبُ»،

«اَلضَارِبُ» پڑھتے ہیں یا «اَلضَّارِبُ» پڑھتے ہیں؟ «اَلضَّارِبُ»، یہ وہی لام تھا وہ ضاد بن گیا اور ضاد میں اس کا ادغام ہو گیا: «اَلضَّارِبُ»، صورت سمجھ میں آ گئی۔ تو لہٰذا «زَيْدٌ» کا نون بھی ساکن اور «ضَارِبُ» کا پہلا ضاد بھی ساکن کیونکہ ہمزہ وصلی تو گر گیا، تو پھر نون جو تنوین والا تھا اس کو کسرہ والی حرکت دے دی، کیا بن گیا؟ «زَيْدُ نِالضَّارِبُ»۔

تو «زَيْدٌ الضَّارِبُ أَبُوهُ عَمْرًا الْآنَ»، زید کہ وہ کہ زید کہ پٹائی کرنے والا ہے اس کا والد عمرو کی اس وقت، زید کہ اس وقت اس کا والد عمرو کی پٹائی کر رہا ہے۔ زید کہ اس وقت اس کا والد عمرو کی پٹائی، بامحاورہ یوں ترجمہ کریں: اس وقت زید کا والد عمرو کی پٹائی کر رہا ہے۔ اور اسی طرح «غَدًا» کو پھر مفعول فیہ بنائیں گے، منصوب لفظاً مفعول فیہ۔ پھر ترجمہ کیا ہو گا؟ «زَيْدٌ الضَّارِبُ أَبُوهُ عَمْرًا غَدًا»، زید کا والد کل عمرو کی پٹائی کرے گا۔ زید کا والد کل عمرو کی، اصل ترجمہ تو یہ ہوا نا: زید کہ پٹائی کرے گا اس کا والد عمرو کی کل، لیکن بامحاورہ کیا؟ زید کا والد کل عمرو کی پٹائی کرے گا۔ اور «زَيْدٌ الضَّارِبُ أَبُوهُ عَمْرًا أَمْسِ»، اب «أَمْسِ» کے، تو «أَمْسِ» کیا ہو گا؟ یہ «أَمْسِ» یاد رکھیے مبنی ہے تو اس میں کیا کہیں گے؟ منصوب محلاً مفعول فیہ، منصوب محلاً مفعول فیہ۔ اچھا، ترجمہ کیجیے «زَيْدٌ الضَّارِبُ أَبُوهُ عَمْرًا أَمْسِ»: زید کہ پٹائی کی اس کے والد نے عمرو کی گزشتہ کل۔ بامحاورہ ترجمہ کریں: گزشتہ کل زید کے والد نے عمرو کی پٹائی کی، ترجمہ سمجھ میں آ گیا؟

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: اِسْمُ الْمَفْعُولِ اِسْمٌ مُشْتَقٌّ مِنْ فِعْلٍ مُت...

فَصْلٌ: اِسْمُ الْمَفْعُولِ اِسْمٌ مُشْتَقٌّ مِنْ فِعْلٍ مُتَعَدٍّ لِيَدُلَّ عَلَى مَنْ وَقَعَ عَلَيْهِ الْفِعْلُ، وَصِيغَتُهُ مِنْ مُجَرَّدِ الثُّلَاثِيِّ عَلَى وَزْنِ مَفْعُولٍ لَفْظًا كَمَضْرُوبٍ أَوْ تَقْدِيرًا كَمَقُولٍ وَمَرْمِيٍّ، وَمِنْ غَيْرِهِ كَاسْمِ الْفَاعِلِ بِفَتْحِ مَا قَبْلَ الْآخِرِ كَمُدْخَلٍ وَمُسْتَخْرَجٍ، وَيَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهِ الْمَجْهُولِ بِالشَّرَائِطِ الْمَذْكُورَةِ فِي اسْمِ الْفَاعِلِ، نَحْوُ: زَيْدٌ مَضْرُوبٌ غُلَامُهُ الْآنَ أَوْ غَدًا أَوْ أَمْسِ.

«اِسْمُ الْمَفْعُولِ اِسْمٌ مُشْتَقٌّ مِنْ فِعْلٍ مُتَعَدٍّ لِيَدُلَّ عَلَى مَنْ وَقَعَ عَلَيْهِ الْفِعْلُ»، اسم مفعول وہ ایسا اسم ہے جو مشتق ہوتا ہے «مِنْ فِعْلٍ مُتَعَدٍّ»، کس سے؟ فعل متعدی سے بھائی، کیونکہ فعل کو جب مجہول بناتے ہیں فاعل کو تو حذف کر دیتے ہیں اور وہ جو مفعول ہوتا ہے اس کو، اس کو نائب فاعل بناتے ہیں تو اس کے لیے تو نائب فاعل ضرور چاہیے، لہٰذا فعل کون سا ہونا چاہیے؟ متعدی فعل ہو اسی کے لیے مفعول آتا ہے تو اسی سے اسم مفعول بھی بنے گا۔ تو کہتے ہیں اسم مفعول ایسا اسم ہے جو مشتق ہوتا ہے فعل متعدی سے «لِيَدُلَّ»، تاکہ وہ دلالت کرے «عَلَى مَنْ وَقَعَ عَلَيْهِ الْفِعْلُ»، اس ذات پر جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔ اسم فاعل کس ذات پر دلالت کرتا تھا؟ جس کے ساتھ فعل قائم ہو، اور یہ اس ذات پر دلالت کرتا ہے جس پر فعل واقع ہو۔

«وَصِيغَتُهُ مِنْ مُجَرَّدِ الثُّلَاثِيِّ عَلَى وَزْنِ مَفْعُولٍ»، اور اس کا صیغہ ثلاثی مجرد سے «مَفْعُولٍ» کے وزن پر آتا ہے، مفعول: مضروب، مفتوح، ممنوع، دیکھا۔ ثلاثی مجرد سے کس وزن پر آئے گا اسم مفعول؟ مفعول وزن پر۔ تو کہتے ہیں: «مِنْ مُجَرَّدِ الثُّلَاثِيِّ عَلَى وَزْنِ مَفْعُولٍ»، مفعول کے وزن پر، «لَفْظًا»، باعتبار لفظوں کے، «كَمَضْرُوبٍ»، جیسے کہ مضروب۔ «أَوْ تَقْدِيرًا»، یا لفظاً تو مفعول وزن نہیں ہو گا لیکن تقدیراً وہ مفعول وزن ہو گا، جیسے «مَقُولٌ»۔ اب دیکھو «مَقُولٌ» تو مفعول وزن نہیں، اصل میں یہ کیا تھا؟ «مَقْوُولٌ»، پھر اس میں اعلال ہوا اور کس طرح اعلال ہوا؟ «مَقْوُولٌ»، واو پر ضمہ ثقیل تھا، ما قبل کو دے دیا قاف کو، اور پھر دو واو، ایک واو پہلے ساکن تھا دوسرا واو بھی ساکن ہوا، تو اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہٖ آیا، پہلا واو کیا تھا؟ حرف مدہ، اس کو گرا دیا تو کیا بن گیا؟ «مَقُولٌ»، تو یہ بروزن «مَفْعُولٌ»، «مَفْعُولٌ»، صورت سمجھ میں آ گئی۔ پھر اس میں علماء کا اختلاف، بعض کہ یہاں کون سا واو گرا ہے؟ کون سا واو گرا ہے؟ بعض کہتے ہیں پہلا واو گرا کیونکہ وہ حرف مدہ تھا، اور وہ واو کیا تھا؟ عین تھا، عین کلمہ عین تھا نا؟ تو عین گر گیا۔ تو اب یہ کیا وزن ہے؟ «مَقُولٌ» بروزن «مَفُولٌ»۔ اور بعض کہتے ہیں نہیں پہلا واو نہیں گرا، وہ تو حرف اصلی ہے، زائد جو ہے زائد کو گراؤ اور وہ دوسرا واو ہے اور وہ تو عین نہیں، تو گویا عین ابھی بھی موجود ہے، تو «مَقُولٌ» کا وزن پھر کیا ہے؟ «مَفْعُلٌ»۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ بعضوں نے کہا واو گرا ہے تو پھر یہ «مَفُولٌ» ہے، اور بعضوں نے کہا عین گرا ہے تو یہ «مَفْعُلٌ» ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو بہر حال اس وقت یہ مفعول وزن تو نہیں لیکن تقدیراً یہ کیا ہے؟ مفعول وزن ہے، اور جو تبدیلی آئی وہ مختلف قوانین لگے، اعلال ہوا، اس لیے تبدیلی آئی ورنہ در حقیقت یہ بھی کیا تھا؟ مفعول وزن تھا۔ اسی لیے کہا کہ ثلاثی مجرد

سے اس کا صیغہ مفعول وزن پر آئے گا لفظًا باعتبار لفظوں کے «كَمَضْرُوبٍ» جیسے مضروب، «أَوْ تَقْدِيرًا» یا تقدیراً مفعول وزن ہو گا لفظاً مفعول وزن نہیں ہو گا، «كَمَقْوُولٍ وَمَرْمِيٍّ»۔ «مَرْمِيٌّ» اصل میں کیا تھا؟ «مَرْمُويٌ»، دیکھا، واو اور یا جمع ہوئے، اول ساکن تھا، اس کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کیا تو «مَرْمُيٌّ» ہوا، پھر یا اپنے سے ماقبل کیا چاہتی ہے؟ کسرہ، تو «مَرْمِيٌّ»۔ تو تقدیراً یہ بہر حال مفعول وزن ہے بھائی۔

«وَمِنْ غَيْرِهِ كَاسْمِ الْفَاعِلِ بِفَتْحِ مَا قَبْلَ الْآخِرِ»، اور باقی سے یعنی ثلاثی مجرد کے علاوہ، کون کون ہے؟ ثلاثی مجرد کے علاوہ اور کون ہے؟ ثلاثی مزید فیہ، رباعی مجرد، رباعی مزید فیہ۔ ان سے کیسے آئے گا؟ تو بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں اس کے علاوہ میں اسم فاعل ہی کے وزن پر آئے گا، صرف اتنا فرق ہے: اسم فاعل کے آخر میں، آخر سے ماقبل کو کسرہ دیتے تھے، اس میں آخر سے ماقبل کو فتحہ دیں گے۔ شروع میں اسی طرح میم مضموم اور آخر سے ماقبل فتحہ۔ تو اسم فاعل تھا «مُكْرِمٌ»، اسی را کو فتحہ دے دو، «مُكْرَمٌ»، یہ اسم مفعول بن گیا۔ اسم فاعل تھا «مُسْتَخْرِجٌ»، را کے نیچے زیر تھی، اسی کو را کو زبر دے دو، «مُسْتَخْرَجٌ»، یہ کیا بن گیا؟ اسم مفعول، تو صرف اتنا فرق ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَمِنْ غَيْرِهِ»، اور ثلاثی مجرد کے علاوہ سے، «كَاسْمِ الْفَاعِلِ»، یہ بھی کس کی طرح ہے؟ اسم فاعل کی طرح ہے، «بِفَتْحِ مَا قَبْلَ الْآخِرِ»، آخر سے ماقبل کے فتحہ کے ساتھ، «كَمُدْخَلٍ وَمُسْتَخْرَجٍ»۔

▪ قولہ: «وَيَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهِ الْمَجْهُولِ بِالشَّرَا...» کی تشریح

«وَيَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهِ الْمَجْهُولِ بِالشَّرَائِطِ الْمَذْكُورَةِ فِي اسْمِ الْفَاعِلِ»، اور یہ بھی اپنے فعل مجہول والا عمل کرتا ہے انہی شرائط کے ساتھ جو ذکر کر دی گئیں کس میں؟ اسم فاعل میں، جو وہ شرائط جو مذکور ہیں اسم فاعل میں، «نَحْوُ: زَيْدٌ مَضْرُوبٌ غُلَامُهُ الْآنَ أَوْ غَدًا أَوْ أَمْسِ»۔ «زَيْدٌ مَضْرُوبٌ غُلَامُهُ الْآنَ أَوْ غَدًا أَوْ أَمْسِ»، تو یہ کل کتنی مثالیں ہیں؟ یہ دراصل تین مثالیں ہیں: ایک کے ساتھ «الْآنَ» کو جوڑ دیں، ایک کے ساتھ «غَدًا» کو، اور ایک کے ساتھ «أَمْسِ» کو جوڑ دیں بھائی «أَمْسِ» کو۔ تو پہلی مثال کیا ہوئی؟ «زَيْدٌ مَضْرُوبٌ غُلَامُهُ الْآنَ»۔ جی، ترکیب کیجیے۔

«زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «مَضْرُوبٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم مفعول، یہ مرفوع کیوں ہے؟ کیونکہ یہ خبر ہے، جی۔ «غُلَامُ» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ یہ نائب فاعل ہے «مَضْرُوبٌ» کے لیے، شاباش۔ «هُ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، بھئی ہا پر تو میں پیش پڑھ رہا ہوں مجرور کہاں سے ہے یہ؟ یہ مبنی ہے، ہاں شاباش، یہ اس کی حرکت ہے اور یہ مبنی ہے تو یہ اعراب نہیں ہے یہ اس کی حرکت ہے، جی۔ جو لوٹ رہی ہے مبتدا کی طرف، شاباش، یہ «هُ» ضمیر لوٹ رہی ہے مبتدا کی طرف یعنی زید کی طرف تو یہ دیکھو خبر کا ربط آ گیا مبتدا کے ساتھ، جی۔ غلام مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ نائب فاعل ہوا «مَضْرُوبٌ» اسم مفعول کے لیے، اور «الْآنَ» منصوب لفظاً مفعول فیہ ہوا «مَضْرُوبٌ» کے لیے۔ تو «مَضْرُوبٌ» اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی مبتدا کے لیے، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تو دیکھو یہ «مَضْرُوبٌ» نے «غُلَامُهُ» کو رفع دیا اور «الْآنَ» کو نصب دیا اور اس کے عمل کے لیے وہی شرائط جو اسم فاعل میں تھیں، اور اسم فاعل کے عمل کے لیے کیا شرائط تھیں؟ کہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو، یہ بھی حال کے معنی میں ہے، اور نیز یہ کہ اس کا اعتماد چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر ہو، اس «مَضْرُوبٌ» کا اعتماد یہاں کس پر ہے؟ مبتدا پر ہے کیونکہ یہ خبر بن رہی ہے۔ جی، شاباش۔ تو ترجمہ کیجیے «زَيْدٌ مَضْرُوبٌ غُلَامُهُ الْآنَ»: زید کہ «مَضْرُوبٌ»، کہ پٹائی کی گئی ہے، پٹائی کی جا رہی ہے اس کے غلام کی «الْآنَ» اس وقت۔ زید کہ مضروب ہے اس کا غلام اس وقت، اور بامحاورہ ترجمہ کریں شروع سے زید کو ختم کر دیں: اس وقت زید کے غلام کی پٹائی کی جا رہی ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی۔

اسی طرح «غَدًا» بھی آپ لگا دیں یہی ترکیب ہو گی، اور «أَمْسِ»، «أَمْسِ» لگائیں پھر بات درست نہیں بنتی کیونکہ «أَمْسِ» کا معنی یہ کہ «مَضْرُوبٌ» ماضی کے معنی میں ہو گیا پھر تو یہ عمل ہی نہیں کرے گا۔ ہاں، پھر ایک صورت ہے اس کے صحیح ہونے کی کہ «اَلْمَضْرُوبُ» کر دیں، مضروب پر کیا لے آؤ؟ الف لام، تو پھر اس صورت میں پھر اس میں سارے زمانے چونکہ برابر ہو گئے اب ہر صورت میں وہ عمل کرے گا پھر مثال صحیح ہو جائے گی بھائی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۹۱: فصل الصفۃ المشبہۃ: صفتِ مشبہ کی تعریف اور اس کے اٹھارہ مسائل کا جامع نقشہ و تفصیل

ہدایۃ النحو صفحہ: ۸۰—بتاریخ: ۲۳ فروری ۲۰۱۶ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلصِّفَةُ الْمُشَبَّهَةُ اسْمٌ مُشْتَقٌّ مِنْ فِعْلٍ لَازِمٍ لِيَدُلَّ عَلَى مَنْ قَامَ بِهِ الْفِعْلُ بِمَعْنَى الثُّبُوتِ، وَصِيغَتُهَا عَلَى خِلَافِ صِيغَةِ اسْمِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ وَإِنَّمَا تُعْرَفُ بِالسَّمَاعِ كَحَسَنٍ وَصَعْبٍ وَظَرِيفٍ، وَهِيَ تَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهَا مُطْلَقًا بِشَرْطِ الِاعْتِمَادِ الْمَذْكُورِ.

آج ہم صفتِ مشبہ کے بارے میں پڑھیں گے بھائی۔ تو مصنف فرماتے ہیں: «اَلصِّفَةُ الْمُشَبَّهَةُ اسْمٌ مُشْتَقٌّ مِنْ فِعْلٍ لَازِمٍ» کہ صفتِ مشبہ ایسا اسم ہے جو مشتق ہے فعلِ لازم سے۔ صفتِ مشبہ کس فعل سے بنتی ہے؟ فعلِ لازم سے بنتی ہے بھائی، فعلِ لازم سے۔ تو یہ ایسی صفت ہے، صفتِ مشبہ ایسا اسم ہے جو مشتق ہوتا ہے فعلِ لازم سے «لِيَدُلَّ عَلَى مَنْ قَامَ بِهِ الْفِعْلُ» تاکہ دلالت کرے اس ذات پر جس کے ساتھ فعل قائم ہو۔

جس کے ساتھ فعل قائم ہو۔ دیکھو اس میں فاعل میں بھی یہی تھا کہ اس کے ساتھ بھی فعل قائم ہوتا ہے۔ اس ذات پر دلالت کرتا ہے جس کے ساتھ فعل قائم ہوتا ہے۔ صفتِ مشبہ بھی ایسی ذات پر دلالت کرتی ہے جس کے ساتھ فعل قائم ہوتا ہے یعنی اس پر واقع نہیں ہوتا۔ اگر واقع ہو تو وہ کیا ہے؟ اسم مفعول۔ تو یہ دلالت کرتی ہے ایسی ذات پر جس کے ساتھ فعل قائم ہوتا ہے «بِمَعْنَى الثُّبُوتِ» کس معنی میں؟ ثبوت کے معنی میں۔ دیکھیے اس کے ذریعے اسم فاعل کو نکال دیا، وہ حدوث کے معنی میں ہوتا تھا اور یہ ثبوت کے معنی میں ہوتا ہے۔ یعنی ایک چیز کا دوسری چیز کے لیے ثبوت ہوتا ہے، زمانے سے اس کا تعلق نہیں بھائی۔

«وَصِيغَتُهَا عَلَى خِلَافِ صِيغَةِ اسْمِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ» اور اس کے صیغے جو ہیں صفتِ مشبہ کے، وہ اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں کے خلاف ہیں یعنی ان کے علاوہ ہیں۔ جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغے ہیں ان کے علاوہ ہیں یعنی اس کے اپنے الگ اوزان ہیں۔ «وَإِنَّمَا تُعْرَفُ بِالسَّمَاعِ» اور ان کو پہچانا جائے گا سماع سے۔ یعنی ان کا کوئی ضابطہ نہیں ہے، صیغوں کے اوزان کا کوئی ضابطہ نہیں۔ سماع سے پتہ چلے گا کہ عربوں نے کون کون سے وزن پر صفتِ مشبہ استعمال کی ہیں۔ «كَحَسَنٍ وَصَعْبٍ وَظَرِيفٍ» جیسے تین مثالیں ذکر کر دیں صفتِ مشبہ کی بھائی۔ حَسَن، یاد رکھیے یہ بھی صفتِ مشبہ ہے۔ وَصَعْبٌ، صَعْب بھی کیا ہے؟ صفتِ مشبہ۔

حَسَن کا معنی اچھا، اچھا ہونا، خوبصورت ہونا۔ تو حَسَن کا معنی ہے اچھا اور خوبصورت بھائی۔ وَصَعْبٌ، صَعْب کا معنی ہے مشکل۔ وَظَرِيفٌ، ظَرِيف کا معنی ہے خوش طبع، ہنسی مذاق کرنے والا، خوش طبع بھائی۔ تو تین اوزان ذکر کر دیے: حَسَن یہ بروزنِ فَعَل، اور صَعْب بروزنِ فَعْل، اور ظَرِيف بروزنِ فَعِيل۔ تو یہ فَعِيل وزن جو ہے صفتِ مشبہ کا سب سے زیادہ عام اور کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ كَرِيمٌ، شَرِيفٌ، سَمِيعٌ، حَبِيبٌ یہ سب کیا ہیں؟ صفتِ مشبہ ہیں۔

▪ قولہ: «وَهِيَ تَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهَا مُطْلَقًا» کی تشریح

«وَهِيَ تَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهَا مُطْلَقًا» اور یہ عمل کرتی ہے اپنے فعل والا ہی مطلقاً۔ مطلقاً اپنے فعل والا عمل کرے گی، کیا معنی مطلقاً؟ یعنی اس میں زمانے کی قید نہیں۔ کیونکہ اس میں زمانے کی بات ہی نہیں، اس میں حدوث ہے ہی نہیں، اس میں تو کیا ہے؟ ثبوت ہے۔ ایک چیز کا دوسری کے لیے ثبوت ہے، ہونا نہیں ہے۔ ایک چیز کا ہونا ہو، وہ تو کسی زمانے میں ہو گا، یا ماضی میں یا حال میں یا استقبال میں۔ اس میں ہونا نہیں بلکہ کیا ہے؟ ایک چیز کا دوسری چیز کے لیے ثبوت ہے، تو یہ زمانے سے اس کا تعلق نہیں۔ جب زمانے سے تعلق نہیں تو لہٰذا یہاں پر حال اور استقبال کے معنی میں ہونے کی شرط بھی نہیں۔ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول میں تو حال یا استقبال کے معنی میں ہونے کی شرط بھی تھی پھر وہ عمل کرتے ہیں، یہاں ایسی شرط نہیں۔ اسی لیے کہا: «وَهِيَ تَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهَا مُطْلَقًا» اور یہ اپنے فعل کا عمل کرتی ہے مطلقاً یعنی اس میں کوئی قید نہیں۔ مطلقاً کا کیا معنی ہے؟ قید وغیرہ نہیں ہے بھائی، مطلقاً اس کی طرح عمل کرے گی۔

«بِشَرْطِ الِاعْتِمَادِ الْمَذْكُورِ» بشرطِ مذکورہ اعتماد کے۔ یعنی انہی چیزوں پر اعتماد البتہ کرے گی جن چیزوں پر اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول اعتماد کرتے تھے اور وہ کتنی چیزیں تھیں؟ وہ چھ چیزیں تھیں۔ کتنی چیزیں تھیں؟ چھ چیزیں تھیں۔ تو اس کے عمل کے لیے بھی شرط ہے کہ اس کا اعتماد ان میں سے کسی ایک چیز پر ہو۔ اور پھر ان میں سے اسمِ موصول جو ہے وہ بھی نکل گیا۔ کیونکہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کبھی کس پر اعتماد کرتے تھے؟ اسمِ موصول پر۔ اور کون سا اسمِ موصول مراد تھا؟ الف لام والا۔ اور وہ الف لام جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول پر آئے وہ کس معنی میں ہوتا ہے؟ الَّذِي کے معنی میں۔ تو وہ اسمِ موصول پر اعتماد کرتے تھے کبھی کبھار عمل کرنے کے لیے۔ جبکہ صفتِ مشبہ پر جو الف لام آتا ہے وہ تو الف لام اسمی ہے ہی نہیں، وہ تو اسمِ موصول ہے ہی نہیں۔ لہٰذا اسمِ موصول پر اس کا اعتماد بھی نہیں ہو گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو باقی پانچ چیزیں ہیں، ان میں سے کسی ایک پر یہ اعتماد کرے گی۔ کبھی مبتدا پر اعتماد ہو گا، کبھی ذوالحال پر، کبھی موصوف پر۔ جب مبتدا پر اعتماد ہو، معلوم ہوا یہ خبر بنے گی۔ جب ذوالحال پر اعتماد ہو، معلوم ہوا یہ حال بنے گی۔ جب موصوف پر اعتماد ہو، معلوم ہوا یہ صفت بنے گی۔ اور اسی طرح کبھی ہمزۂ استفہام پر اعتماد ہو گا اور کبھی حرفِ نفی پر اعتماد ہو گا۔ تو کہتے ہیں: «بِشَرْطِ الِاعْتِمَادِ الْمَذْكُورِ» مذکورہ اعتماد کی شرط کے ساتھ۔ «وَمَسَائِلُهَا ثَمَانِيَةَ عَشَرَ» اور اس کے مسائل اٹھارہ ہیں بھائی۔ صفتِ مشبہ کے مسائل اٹھارہ قسم پر ہیں بھائی۔

بھائی اس کے لیے ایک نقشہ بنانا ہو گا کاپی میں، نقشہ بنایئے بھائی۔ تو نقشہ بنایئے، یہ نقشہ آپ بنائیں گے تو پھر آپ کو اس کا عمل صحیح طرح سمجھ میں آئے گا بھائی۔ اور یاد رکھیے نقشے کی چوڑائی زیادہ ہو گی۔ چوڑائی زیادہ ہو گی کیونکہ ہم نے اوپر سے نیچے کی طرف لمبائی میں چھ خانے چاہئیں، چھ خانے۔ اور وہ چھ کے چھ

خانے بھی خوب ذرا کھلے کھلے ہوں تاکہ اس میں آپ مثالیں واضح طریقے سے لکھ سکیں بھائی۔ تو خوب چوڑا نقشہ ہو گا بھائی۔[1]

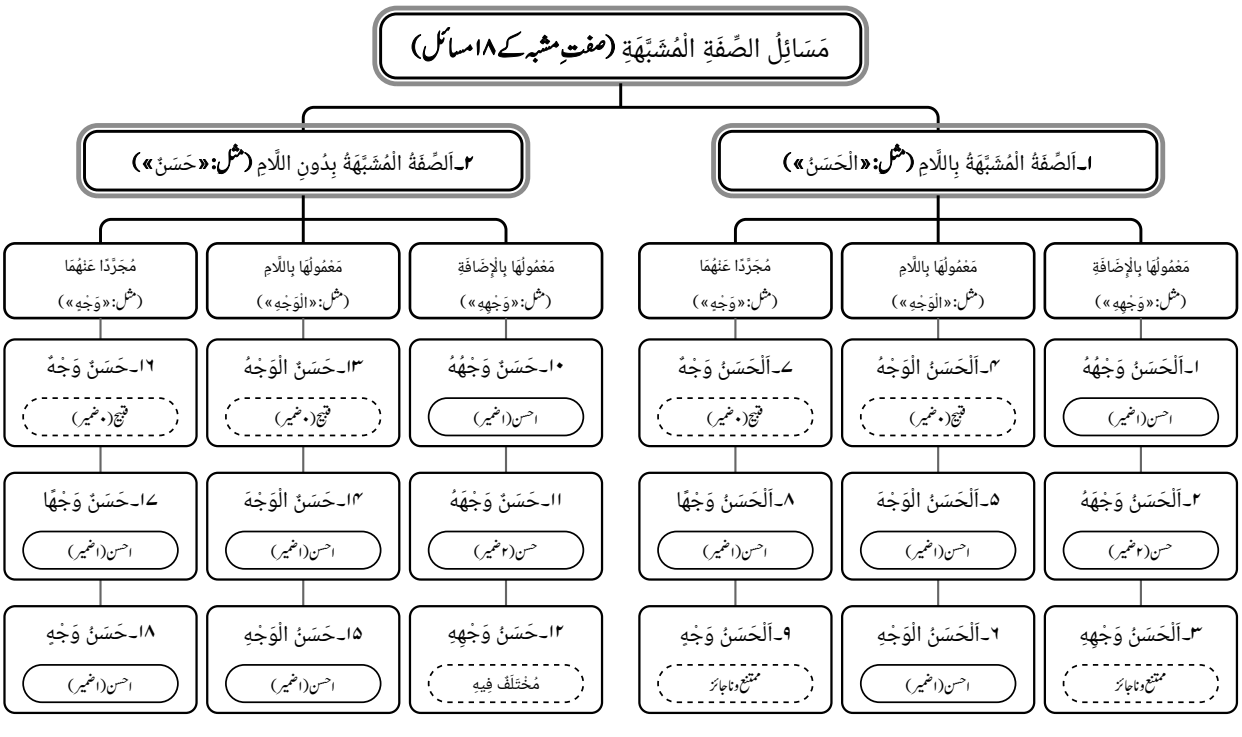
سب سے پہلے اوپر لکھ لیں: «مَسَائِلُ الصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ»، «مَسَائِلُ الصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ» صفتِ مشبہ کے مسائل۔ لکھ لیا بھائی؟ اب یوں کیجیے، یہ جو آپ نے اوپر صفحے کے سب سے اوپر درمیان میں، سب سے اوپر اور درمیان میں یہ عنوان دینا ہے: «مَسَائِلُ الصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ»۔ اب اس کے نیچے سے ایک لکیر کھینچیے کہ صفحے کے دو حصے بن جائیں بھائی۔ اوپر سے نیچے کی طرف، ہاں، اوپر سے عنوان کے پاس سے شروع کریں عنوان کے پاس درمیان سے نیچے سے، اور صفحے ایک دائیں طرف حصہ ہو جائے گا ایک بائیں طرف حصہ ہو جائے گا صفحے کا۔ دو حصے بن گئے؟ اچھا، اب ایک طرف اوپر لکھیے اس کے: «اَلصِّفَةُ الْمُشَبَّهَةُ بِاللَّامِ»، «اَلصِّفَةُ الْمُشَبَّهَةُ بِاللَّامِ» اَيْ «الْحَسَنُ»، «الْحَسَنُ»۔ دیکھا؟ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ صفتِ مشبہ معرف باللام ہو بھائی، لام کے ساتھ ہو، جیسے مثال کیا ہے: «الْحَسَنُ»، حسن کے اوپر الف لام آ گیا۔

اچھا، دوسری طرف، دوسری جانب میں لکھیے: «اَلصِّفَةُ الْمُشَبَّهَةُ بِدُونِ اللَّامِ»، «اَلصِّفَةُ الْمُشَبَّهَةُ بِدُونِ اللَّامِ» مِثْلُ «حَسَنٍ»، مِثْلُ «حَسَنٍ»۔ ہاں، اور ما قبل والے میں بھی کر دیں مِثْلُ «الْحَسَنِ»، پہلی جانب میں بھی اَيْ کے بجائے مثل کر دیں: مِثْلُ «الْحَسَنِ»۔ لکھ لیا بھائی؟ اچھا، اب یہ جو ایک جانب صفحے کا آدھا حصہ ہے، اب اس کو مزید تقسیم کریں، تین خانے اب بنا دیں اس میں کل تین کر دیں جو اس میں آپ نے لکھا نا دائیں جانب والا خانہ ہے جس میں آپ نے لکھا «اَلصِّفَةُ الْمُشَبَّهَةُ بِاللَّامِ»۔ تو اس میں تین خانے کرنے ہیں یعنی دو لکیریں کھینچ دیں تاکہ تین خانے بن جائیں، اوپر سے نیچے کی طرف۔ اوپر سے نیچے کی طرف دو لکیریں کھینچیں تاکہ اس کے تین خانے بن جائیں۔ دوسری جانب بھی اسی طرح «اَلصِّفَةُ الْمُشَبَّهَةُ بِدُونِ اللَّامِ» اس میں بھی اسی طرح اوپر سے نیچے کی طرف، اوپر سے نیچے کی طرف دو لکیریں کھینچیں تاکہ اس نصف کے بھی تین خانے بن جائیں۔ بنا لیا؟

اچھا، اب آیئے پہلے خانے میں۔ پہلا کون سا ہے؟ «اَلصِّفَةُ الْمُشَبَّهَةُ بِاللَّامِ»۔ اس میں پہلے خانے کے اوپر لکھیے: مَعْمُولُهَا... پہلا خانہ، پہلا خانہ جو دائیں طرف جو سب سے دائیں طرف پہلا خانہ ہے پہلے نصف میں، اس پر لکھیے: مَعْمُولُهَا بِالْإِضَافَةِ، مَعْمُولُهَا بِالْإِضَافَةِ مِثْلُ «وَجْهِهِ»، مِثْلُ «وَجْهِهِ»۔ وَجْهٌ چہرے کو کہتے ہیں نا، اسی کے ساتھ ایک اور ضمیر بھی ساتھ جوڑ دیں۔ تو یہ وَجْهٌ کی کیا ہے؟ ہا ضمیر کی طرف اضافت ہو رہی ہے کیونکہ آپ

---

[1] حاشیہ—نقشۂ مسائلِ صفتِ مشبہ (اٹھارہ مسائل مع حکمِ نحوی و تعدادِ ضمائر—افاداتِ استاذِ محترم مدظلہ العالی):



نے پڑھا ہے، تو وَجْهٌ کی یہ ضمیر کی طرف اضافت ہو رہی ہے کیونکہ آپ نے پڑھا ہے کہ اسم کے ساتھ ضمیر متصل آجائے تو آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ بنتے ہیں۔ تو کیا لکھا پہلے خانے میں؟ مَعْمُولُهَا بِالْإِضَافَةِ مِثْلُ «وَجْهِهِ»، یہ وَجْهٌ کے ساتھ ایک ضمیر بھی آپ نے جوڑ دی، وَجْهِهِ۔

دوسرے خانے میں لکھیے: مَعْمُولُهَا بِاللَّامِ، مَعْمُولُهَا بِاللَّامِ مِثْلُ «الْوَجْهِ»، مِثْلُ «الْوَجْهِ»۔ اور تیسرے خانے میں لکھیے: مَعْمُولُهَا مُجَرَّدًا عَنْهُمَا، مَعْمُولُهَا... مَعْمُولُهَا مُجَرَّدًا عَنْهُمَا، مُجَرَّدًا عَنْهُمَا مِثْلُ «وَجْهٍ»، مِثْلُ «وَجْهٍ»۔ لکھ لیا بھائی؟ اب دوسرے نصف میں آیئے، اس میں بھی یہی عنوانات آپ نے دینے ہیں۔ پہلے پر عنوان دیجیے، پہلے کا عنوان کیا دیں گے؟ ہاں، مَعْمُولُهَا بِالْإِضَافَةِ۔ دوسری جانب کے پہلے خانے میں بھی اسی طرح لکھیے: مَعْمُولُهَا بِالْإِضَافَةِ مِثْلُ «وَجْهِهِ»۔ دوسرے خانے میں لکھیے: مَعْمُولُهَا بِاللَّامِ، مَعْمُولُهَا بِاللَّامِ مِثْلُ «الْوَجْهِ»۔ اور تیسرے میں لکھیے: مَعْمُولُهَا مُجَرَّدًا عَنْهُمَا، مَعْمُولُهَا... مَعْمُولُهَا مُجَرَّدًا عَنْهُمَا، مُجَرَّدًا عَنْهُمَا مِثْلُ «وَجْهٍ»، مِثْلُ «وَجْهٍ»۔

اب ان سارے عنوانات کے نیچے لکیر کھینچ دیں، کیونکہ اب نیچے مثالیں شروع ہوں گی تاکہ مثالوں میں اور عنوانات میں فرق ہو جائے۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے بھائی؟ اب دیکھیے بھائی، بات کو پہلے سمجھ لیں پھر آپ کے لیے آسان ہو جائے گا۔ دیکھو صفتِ مشبہ عمل کرے گی تو صفتِ مشبہ کبھی الف لام کے ساتھ ہو گی اور کبھی بغیر الف لام کے۔ الف لام کے ساتھ ہو تو یہ دائیں جانب کے تین خانوں میں مثالیں آئیں گی، اور بغیر الف لام کے ہو تو بائیں طرف کے تین خانوں میں اس کی مثالیں آئیں گی بھائی۔ پھر جب الف لام کے ساتھ صفتِ مشبہ ہو تو اس کا جو معمول ہو گا وہ یا مضاف ہو گا، معمول یا اس کا مضاف ہو گا یا معرف باللام ہو گا یا ان دونوں سے خالی ہو گا۔ اسی طرح اگر صفتِ مشبہ بغیر الف لام کے ہو تو وہاں بھی یہی تین صورتیں: یا تو اس کا معمول کس کے ساتھ ہو گا؟ اضافت کے ساتھ ہو گا، یا لام کے ساتھ ہو گا، یا ان دونوں کے بغیر ہو گا۔ اور مثال بھی میں نے ساتھ وَجْهُهُ، اَلْوَجْهُ، اور وَجْهٌ تینوں ذکر کر دیے۔ وَجْهُهُ میں کیا ہے؟ مضاف ہے، معمول وَجْهُ صفتِ مشبہ وَجْهٌ میں عمل کرے گی، اور وَجْهٌ کے آخر میں ہا ضمیر جڑی ہوئی ہے تو اس کا معمول دیکھو کیا بن گیا؟ مضاف۔ یہ وَجْهُ مضاف بن رہا ہے۔ دوسری صورت میں عمل اَلْوَجْهُ میں کرے گی اور وہ کیا ہے؟ معرف باللام۔ اور تیسری صورت میں عمل کرے گی وَجْهٌ میں اور وہ ہے بغیر لام کے اور بغیر اضافت کے۔

اب یاد رکھیے، اب مثالیں لکھتے جایئے بھائی۔ پہلا خانہ جو تھا سب سے پہلا خانہ، وہ جو صفتِ مشبہ الف لام کے ساتھ ہو یعنی «الْحَسَنُ»، «الْحَسَنُ» اس کی جانب میں جو تین خانے ہیں ان میں سے جو پہلا خانہ ہے، کون سا؟ مَعْمُولُهَا بِالْإِضَافَةِ۔ تو اس کا معمول کون ہو گا؟ معمول «وَجْهُهُ» ہو گا، اور عمل کون کرے گی؟ صفت کیا ہے؟ «الْحَسَنُ»۔ تو «الْحَسَنُ» نیچے مثال اب لکھیے: «اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ»، «اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ»۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو دیکھو «اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ» غور سے ذرا اس کو سمجھ لیں، یہ «الْحَسَنُ» یہ صفتِ مشبہ ہے، معرف باللام ہے، اور یہ «وَجْهُهُ» میں عمل کر رہی ہے اور «وَجْهُ» کو رفع دے رہی ہے۔ تو «اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ»۔ اسی کے نیچے ایک آدھ سطر چھوڑ کر دوسری مثال دیں: «اَلْحَسَنُ وَجْهَهُ»، «اَلْحَسَنُ وَجْهَهُ»۔ دیکھو صفتِ مشبہ ہے، معرف باللام ہے، اور یہ عمل کر رہی ہے ایسے معمول میں جو آگے کیا ہو رہا ہے؟ جو آگے مضاف ہو رہا ہے، اور یہاں اس کو نصب دے رہی ہے: «اَلْحَسَنُ وَجْهَهُ»۔ تیسری مثال لکھیے جر کے ساتھ: «اَلْحَسَنُ وَجْهِهِ»، «اَلْحَسَنُ وَجْهِهِ»۔ سب کے درمیان ایک ایک یا دو دو سطروں کا کم از کم فاصلہ دینا ہے بھائی، ایک سطر کا بھی فاصلہ ہو کافی ہے، لیکن بالکل ایک لکیر میں ایک، دوسری میں دوسرا، تیسری میں تیسرا ایسے نہیں لکھنا۔ درمیان میں ایک ایک سطر چھوڑ دیں خالی اور ہو تو دو دو چھوڑ دیں، تو بہر حال جیسے بھی ہو دور دور ہوں۔ تو دیکھا؟ صفتِ مشبہ کیا ہے؟ معرف باللام ہے اور اس کا معمول مضاف ہو رہا ہے اور اس پر کبھی رفع رہا ہے، کبھی نصب، کبھی جر۔

اسی طرح تین مثالیں اگلے خانے میں بھی لکھیے، لیکن وہاں معرف باللام لائیں گے۔ پہلی مثال: «اَلْحَسَنُ الْوَجْهُ» دیکھو رفع دے رہی ہے، «اَلْحَسَنُ الْوَجْهُ»، «الْوَجْهُ»۔ «اَلْحَسَنُ الْوَجْهَ» اگلی اگلی مثال نصب کے ساتھ ہے نیچے والی لکیر میں: «اَلْحَسَنُ الْوَجْهَ»۔ تیسری مثال ہے جر کے ساتھ بھائی: «اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ»، «اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ»۔ دوسرے خانے میں بھی تین مثالیں لکھ دیں؟ جی۔ اس سے اگلے خانے میں آیئے، اب اس میں وَجْهٌ بغیر اضافت اور بغیر الف لام کے وہ معمول ہے، تو «اَلْحَسَنُ وَجْهٌ» پہلی مثال رفع کے ساتھ۔ اس سے نیچے اب لکھیے: «اَلْحَسَنُ وَجْهًا» الف کے ساتھ، «اَلْحَسَنُ وَجْهًا» اب اس پر نصب ہے۔ اور اس سے نیچے لکھیے: «اَلْحَسَنُ وَجْهٍ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب اگلے نصف میں آیئے کہ صفتِ مشبہ بغیر الف لام کے ہو اور پھر اس کا معمول کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا، منصوب ہو گا، یا مجرور۔ تو پہلی مرفوع کی مثال: «حَسَنٌ وَجْهُهُ»۔ اب الف لام اس پر نہ لانا، اور «وَجْهُهُ» پر رفع لکھنا۔ «حَسَنٌ» اب تنوین بھی آئے گی نا کیونکہ الف لام تو نہیں ہے، «حَسَنٌ»

کے آخر میں تنوین آجائے گی۔ تو صفتِ مشبہ پر تنوین بھی آئے گی یہاں پر بھائی کیونکہ اس پر الف لام بھی نہیں ہے اور اضافت بھی نہیں ہو رہی، تو «حَسَنٌ وَجْهُهُ»۔ اس سے نیچے دوسری مثال آئے گی نصب والی: «حَسَنٌ وَجْهَهُ»، «حَسَنٌ وَجْهَهُ»۔ اور تیسری مثال اس سے نیچے جو ہے وہ اضافت والی ہے، اضافت والی ہے، اور اضافت میں «حَسَنٌ» سے تنوین گر جائے گی: «حَسَنُ وَجْهِهِ»، «حَسَنُ وَجْهِهِ»۔

اب دوسرے خانے میں آیئے کہ صفتِ مشبہ کا معمول الف لام کے ساتھ ہو، اسی طرح «حَسَنٌ الْوَجْهُ»۔ «حَسَنٌ» پر تنوین اور «الْوَجْهُ» پر رفع، «حَسَنٌ الْوَجْهُ»۔ نیچے اب دوسری مثال لکھیے نصب کے ساتھ: «حَسَنٌ الْوَجْهَ»، «حَسَنٌ الْوَجْهَ»۔ تیسری مثال اضافت کے ساتھ لکھیے اور اس میں حسن سے تنوین گر جائے گی: «حَسَنُ الْوَجْهِ»، «حَسَنُ الْوَجْهِ»۔

اب تیسرے خانے میں آیئے، آخری خانے میں، کہ جس میں صفتِ مشبہ بغیر الف لام کے ہے اور اس کا معمول بھی بغیر الف لام کے اور بغیر اضافت کے ہے۔ تو پہلی مثال: «حَسَنٌ وَجْهٌ»، «حَسَنٌ وَجْهٌ»۔ دوسری مثال نصب کے ساتھ: «حَسَنٌ وَجْهًا» اب آخر میں الف بھی آجائے گا وَجْهٌ کے، «حَسَنٌ وَجْهًا»۔ اور تیسری مثال اضافت کے ساتھ تو حسن سے تنوین گر جائے گی: «حَسَنُ وَجْهٍ»، «حَسَنُ وَجْهٍ»۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے، دوبارہ دیکھ لیجیے اس نقشے کو۔ صفتِ مشبہ جب الف لام کے ساتھ ہو تو اس کا جو معمول ہے وہ اضافت کے ساتھ ہو گا یا الف لام کے ساتھ ہو گا یا ان دونوں کے بغیر۔ اگر صفتِ مشبہ الف لام کے ساتھ ہو اور اس کا معمول اضافت کے ساتھ ہو تو پھر وہ معمول مرفوع ہو گا یا منصوب ہو گا یا مجرور، تو تین مثالیں ذکر کر دیں: «اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ» مرفوع ہے معمول، «اَلْحَسَنُ وَجْهَهُ» یہاں معمول کیا ہے منصوب، اور تیسری صورت «اَلْحَسَنُ وَجْهِهِ» یہاں پر جو معمول ہے وہ کیا ہے مجرور۔ دوسری صورت کہ صفتِ مشبہ الف لام کے ساتھ ہی ہے، اس کا معمول وہ بھی معرف باللام ہے، تو پھر وہ بھی معمول وہ مرفوع ہو گا یا منصوب ہو گا یا مجرور: «اَلْحَسَنُ الْوَجْهُ» یہ دیکھو مرفوع ہے، «اَلْحَسَنُ الْوَجْهَ» منصوب ہے، «اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ» مجرور ہے۔ تیسرے خانے میں کہ صفتِ مشبہ تو الف لام کے ساتھ ہے البتہ اس کا جو معمول ہے وہ بغیر الف لام اور بغیر اضافت کے ہے، وہ بھی پھر یا مرفوع ہو گا یا منصوب ہو گا یا مجرور: «اَلْحَسَنُ وَجْهٌ»، «اَلْحَسَنُ وَجْهًا»، «اَلْحَسَنُ وَجْهٍ»۔ تو یہ کل نو قسم کے ہو گئے مسائل ایک جانب، ایک جانب۔ اور دوسری جانب بھی اسی طرح نو قسم کے مسائل ہو گئے، تو کل کتنے ہوئے؟ اٹھارہ۔ یہ ہیں صفتِ مشبہ کے مسائل اٹھارہ قسم کے۔

اب اس میں سے دیکھیے، اس میں سے دیکھیے دو مسائل، دو قسم کے صورتیں وہ ممتنع ہیں، جائز نہیں ہیں۔ دو صورتیں جائز نہیں ہیں: ایک «اَلْحَسَنُ وَجْهٍ»، مل گئی جگہ؟ «اَلْحَسَنُ وَجْهٍ»، اس کے نیچے لکھ دیجیے کہ یہ صورت ممتنع ہے یا لکھ دیجیے جائز نہیں ہے بھائی، کہ یہ صورت جائز نہیں ہے۔ لکھ لیا؟ اب یہ بھی سمجھ لیں کہ یہ کیوں جائز نہیں ہے۔ بھائی دیکھیے، «اَلْحَسَنُ وَجْهٍ»، «اَلْحَسَنُ» ہے مضاف اور «وَجْهٍ» کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے بھائی۔ اور ہوتا کیا ہے؟ مضاف نکرہ ہوتا ہے، مضاف الیہ معرفہ ہوتا ہے، اور یہاں برعکس ہے: «اَلْحَسَنُ» مضاف معرفہ ہے اور «وَجْهٍ» مضاف الیہ نکرہ ہے، اس لیے یہ جائز نہیں بھائی۔ وجہ سمجھ میں آگئی؟

دوسری صورت: «اَلْحَسَنُ وَجْهِهِ» یہ بھی جائز نہیں، «اَلْحَسَنُ وَجْهِهِ» جس میں اضافت ہے یعنی معمول مجرور ہے اضافت کی وجہ سے: «اَلْحَسَنُ وَجْهِهِ»۔ پہلے خانے میں سب سے نچلی مثال ہے: «اَلْحَسَنُ وَجْهِهِ»، یہ بھی جائز نہیں بھائی۔ یہ کیوں نہیں جائز؟ وجہ اس کی یہ کیونکہ دیکھو یہ صیغہ ہے، «اَلْحَسَنُ» صیغہ ہے صفت کا اور مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف، اور صفت کا صیغہ مضاف ہو اپنے معمول کی طرف تو یہ اضافتِ لفظی ہے بھائی۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ اضافتِ لفظی ہے بھائی، اضافتِ لفظی میں صیغہ صفت کا ہوتا ہے اور صفت سے کون سی صفت مراد ہے؟ صرف تین صیغے مراد ہیں: اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، اور صفتِ مشبہ، یہ تین صفات مراد ہیں بس۔ تو صفتِ مشبہ بھی ان میں شامل ہوئی۔ تو صیغہ صفت کا ہے اور مضاف ہے کس کی طرف؟ اپنے معمول کی طرف، تو یہ اضافتِ لفظی ہوئی۔

اور اضافتِ لفظی کو اضافتِ لفظی کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور کیا تخفیف؟ کہ مضاف سے تنوین کو گرا دیتی ہے یا قائم مقامِ تنوین یعنی نونِ تثنیہ اور نونِ جمع کو گرا دیتی ہے۔ اور نیز اسی طرح یاد رکھیے، مضاف الیہ کے ساتھ اگر ضمیر جڑی ہوئی ہو تو اس سے ضمیر کو گرا دیتی ہے۔ اضافتِ لفظی بھائی لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور کیا تخفیف کرتی ہے؟ مضاف سے تنوین اور قائم مقامِ تنوین کو گرا دیتی ہے، اور مضاف الیہ کے ساتھ اگر کوئی ضمیر جڑی ہوئی ہو تو اس ضمیر کو گرا دیتی ہے اور اس ضمیر کے عوض پھر مضاف پر وہ جو مضاف الیہ ہے، وہ جو معمول ہے، اس پر الف لام لے آتے ہیں۔ تو «وَجْهِهِ» یہ ہا ضمیر کو گرنا چاہیے اور اس پر الف لام: «الْوَجْهِ»، «اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ» پھر یوں ہونا چاہیے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

تو اضافتِ لفظی لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ کیا کام کرتی ہے مضاف سے؟ تنوین اور قائم مقامِ تنوین کو گرا دیتی ہے۔ اور یہاں مضاف کون ہے؟ «اَلْحَسَنُ» ۔ اور مجھے بتایئے، اس اضافت نے «اَلْحَسَنُ» سے تنوین گرائی؟ تو مجھے بتایئے، اس نے تنوین گرائی؟ اضافت نے «اَلْحَسَنُ» سے تنوین گرائی؟ تنوین نہیں گرائی، اس لیے کیونکہ «اَلْحَسَنُ» پر تو الف لام داخل ہے اور الف لام ہو تو تنوین تو آتی ہی نہیں، تنوین تو اضافت سے پہلے کی گری ہوئی ہے۔ یہاں تنوین اضافت کی وجہ سے نہیں گری بلکہ کس کی وجہ سے گری ہے؟ اضافت سے پہلے الف لام کی وجہ سے گری ہے تنوین۔ تو اضافت نے دیکھو مضاف میں کوئی تخفیف پیدا نہیں کی۔ اچھا چلو کم از کم پھر مضاف الیہ میں تخفیف پیدا کر دے اور کیا کرے؟ اس کے ساتھ جو ضمیر جڑی ہوئی ہے اس کو گرا دے، اور یہاں اس نے اضافت کی وجہ سے کوئی اضافت کی وجہ سے وہ ضمیر گری؟ نہیں، وہ بھی ابھی موجود ہے۔ تو دیکھو یہ ہے اضافتِ لفظی: «اَلْحَسَنُ وَجْهِهٖ»، اور نہ مضاف میں کوئی تخفیف آئی اور نہ مضاف الیہ میں تخفیف آئی۔ اضافتِ لفظی کا تو فائدہ ہی صرف یہ تھا کہ وہ صرف لفظوں میں تخفیف پیدا کرتی اور تو کوئی فائدہ دیتی ہی نہیں ہے۔ تو وہ فائدہ ہی جب حاصل نہیں ہوا تو یہ اضافت بالکل بے کار ہے، لہٰذا یہ جائز نہیں۔ نہ لفظوں میں تخفیف آ رہی ہے اور نہ معنی کے اندر کوئی تخصیص یا تعریف والا فائدہ حاصل ہو رہا ہے، تو لہٰذا یہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے نیچے بھی لکھ لیجیے کہ یہ صورت جائز نہیں بھائی، یہ صورت جائز نہیں بھائی۔ لکھ لیا بھائی؟

تو یہ دو صورتیں: «اَلْحَسَنُ وَجْهِهٖ» یہ بھی جائز نہیں، اور «اَلْحَسَنُ وَجْهٍ» یہ بھی جائز نہیں۔ اور ایک صورت ہے اس میں اختلاف ہے، ایک صورت، اور وہ ہے «حَسَنُ وَجْهِهٖ»۔ «حَسَنُ وَجْهِهٖ» مثال مل گئی بھائی؟ صفت صفتِ مشبہ بغیر الف لام کے ہے اور معمول جو ہے وہ اضافت کے ساتھ ہے: «حَسَنُ وَجْهِهٖ»، یعنی دوسرے نصف کے پہلے خانے میں اور سب سے نچلی مثال ہے: «حَسَنُ وَجْهِهٖ»۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں یہ جائز ہے، بعض کہتے ہیں یہ جائز نہیں، بعض علماء کہتے ہیں یہ صورت جائز نہیں۔ وہ فرماتے ہیں اس لیے، تو جہ ہے؟ «حَسَنُ وَجْهِهٖ»، وہ فرماتے ہیں کہ یہ اضافت ہو رہی ہے اور یہ اضافتِ لفظی ہے۔ اور اضافتِ لفظی مضاف سے تنوین اور قائم مقام تنوین کو ختم کر دیتی ہے، اور یہاں بھی «حَسَنٌ» سے تنوین گر گئی اضافت کی وجہ سے۔ یہاں بھی تنوین گر گئی، اور نیز اضافتِ لفظی مضاف الیہ کے ساتھ اگر کوئی ضمیر جڑی ہوئی ہو اس کو گرا دیتی ہے اور اس کی جگہ الف لام اس پر آ جاتا ہے۔ لیکن یہاں پر ضمیر جڑی ہوئی ہے، ضمیر نہیں گری اور اس کی جگہ الف لام نہیں آیا۔ تو ٹھیک ہے، مضاف میں تو تخفیف آ گئی «حَسَنٌ» میں لیکن مضاف الیہ جو «وَجْهِهٖ» ہے اس کے اندر اس میں تخفیف نہیں آئی، تخفیف نہیں آئی۔ تو تخفیف تھوڑی تو حاصل ہو گئی، تخفیف کا ادنیٰ درجہ تو حاصل ہو گیا لیکن اعلیٰ درجہ بھی تو یہاں ممکن تھا، ہو سکتا تھا یا نہیں؟ تو جب تخفیف کا اعلیٰ درجہ ممکن تھا اور پھر بھی اس پر عمل نہیں کیا گیا لہٰذا یہ صورت بھی جائز نہیں ہے بھائی، یہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں تخفیف کا اعلیٰ درجہ ممکن تھا اور اعلیٰ درجہ کیا؟ کہ مضاف میں بھی تخفیف آئے اور مضاف الیہ میں بھی تخفیف آئے۔ یہاں صرف مضاف میں تو تخفیف آئی، مضاف الیہ میں کوئی تخفیف نہیں آئی تو یہ تخفیف آ تو گئی لیکن تھوڑی سی تخفیف آئی اور جہاں زیادہ تخفیف ممکن تھی پھر بھی تھوڑے پر عمل کیا گیا لہٰذا یہ جائز نہیں۔ جب زیادہ ممکن ہے تو پوری تخفیف کرنا پڑے گی، مضاف میں بھی تخفیف کرنا پڑے گی اور مضاف الیہ میں بھی تخفیف کرنا پڑے گی۔ تو وہ فرماتے ہیں یہ صورت بھی جائز نہیں، جبکہ دیگر علماء فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ صورت جائز ہے کہ بے شک اعلیٰ درجے کی تخفیف نہیں آئی لیکن کم از کم کچھ نہ کچھ تخفیف تو حاصل ہوئی، کچھ تو فائدہ حاصل ہو گیا لہٰذا یہ جائز ہے۔ تو لہٰذا اس صورت میں یہ یہ صورت مختلف فیہ ہے۔ یہ صورت کیا ہے؟ مختلف فیہ ہے یعنی اس میں اختلاف ہے علماء کا۔ تو اس کے نیچے لکھ لیجیے: «مُخْتَلَفٌ فِيهِ»، «مُخْتَلَفٌ فِيهِ»۔

اور باقی باقی مثالیں جو پندرہ مثالیں باقی رہ گئیں بھائی، پندرہ مسائل باقی رہ گئے۔ ان میں یاد رکھیے کچھ صورتیں احسن ہیں، کچھ صورتیں حسن ہیں، اور کچھ صورتیں قبیح ہیں۔ احسن ہیں یعنی بہترین ہیں۔ کچھ صورتیں حسن ہیں کہ چلو ٹھیک ہیں، بہترین تو نہیں لیکن بہر حال ٹھیک ہیں۔ اور کچھ صورتیں قبیح ہیں یعنی ناپسندیدہ، بری ہیں بھائی، بری ہیں۔ تو کون سی صورت احسن ہے، کون سی صورت حسن ہے، اور کون سی صورت قبیح ہے وہ میں آپ کو ضابطہ بتا دیتا ہوں، آپ خود پھر فوراً نکال سکتے ہیں کہ کون سی صورت کا حکم کیا ہے۔

یاد رکھیے، یاد رکھیے یہ جو صفت ہے نا صفت، اس پر جو ہم نے اعراب پڑھا: «اَلْحَسَنُ» ضمہ پڑھ رہے ہیں، رفع پڑھ رہے ہیں، رفع۔ اسی طرح «حَسَنٌ» یہ بھی اس پر بھی میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ رفع۔ یاد رکھیے یہ موقع کے مطابق اس پر آئے گا۔ اگر یہ صفت کیا ہے خبر بن رہی ہو گی تو یہ کیا بنے گی؟ یہ کیا ہو گی؟ مرفوع۔ اگر یہ صفت بن رہی ہو گی تو جو موصوف کا اعراب ہو گا وہی اس حسن کا بھی اعراب ہو گا، اور اگر یہ حال بن رہی ہے تو پھر اس پر نصب آئے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا اس کا اعراب کچھ بھی ہو سکتا ہے، اس سے ہماری بحث نہیں، ویسے سمجھانے کے لیے میں نے سب پہ رفع ہی لکھوا دیا آپ کو۔ البتہ اس کا معمول اس میں یہی یا رفع آئے گا یا نصب یا جر۔

اب یاد رکھیے، یہ جو صفتِ مشبہ ہے یہ اپنے معمول کے ساتھ مل کر شبہ جملہ بنے گی۔ بنے گی یا نہیں؟ اپنے فاعل اور مفعول وغیرہ سے مل کر شبہ جملہ، اور شبہ

جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں کیا چاہیے؟ ربط چاہیے، کوئی ضمیر چاہیے جو اس کی طرف لوٹے۔ اگر یہ صفت بن رہی ہے تو اس میں موصوف کی ضمیر چاہیے، اگر یہ خبر بن رہی ہے تو اس میں مبتدا کے لیے ضمیر چاہیے، اگر یہ حال بن رہی ہے تو اس میں ذوالحال کے لیے ضمیر چاہیے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ توجہ ہے؟ تو صفت اس میں ہمیں ایک ضمیر ضرور چاہیے۔

اب وہ صورتیں جن میں ایک ضمیر ہے، ہمیں چاہیے بھی ایک ضمیر اور اس مجموعے میں ہو بھی ایک ضمیر، تو وہ صورت احسن ہے، سب سے اچھی ہے۔ اور بعض صورتوں میں دو ضمیریں ملیں گی آپ کو، تو وہ صورت حسن ہے، حسن ہے۔ کیونکہ ضرورت ایک ضمیر کی تھی اور آئیں دو ضمیریں، تو ایک چیز زائد آ گئی تو یہ پسندی اتنی بہتر نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو وہ صورت پھر حسن ہے۔ اور اگر مجموعے میں کوئی بھی ضمیر نہ ہوئی تو پھر یہ قبیح ہے، بری صورت ہے، ناپسندیدہ ہے۔ کیا ضابطہ ہوا؟ احسن کون سی صورت ہو گی؟ کہ اس مرکب میں یہ جو صفت اور اس کا معمول ہے اس سارے مجموعے میں ایک ضمیر ہمیں چاہیے، اگر ایک ہی ضمیر ہو اس سارے مجموعے میں تو پھر یہ احسن ہے۔ اور اگر دو ہوں تو؟ تو یہ حسن ہے کیونکہ ایک زائد ہے، بے کار ہے ایک ضمیر۔ اور اگر کوئی بھی نہ ہو تو پھر یہ قبیح ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ قبیح۔

اب یاد رکھیے، یہ صفتِ مشبہ ہے اور صفتِ مشبہ کے اپنے اندر ضمیر کب ہو گی اور کب نہیں ہو گی؟ آپ جانتے ہیں کہ صفتِ مشبہ کے لیے ہمیشہ فاعل چاہیے، تو فاعل اس کے اندر ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور آگے اسمِ ظاہر بھی آ سکتا ہے۔ اگر آگے اسمِ ظاہر مرفوع ہے تو معلوم ہوا وہ فاعل ہے، تو پھر اس کے اندر اب ضمیر نہیں ہو گی۔ تو یہ صفتِ مشبہ کے لیے صفتِ مشبہ اس اسمِ ظاہر کو رفع دے رہی ہے، وہ اس کے لیے فاعل ہے، اس کے اپنے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ اور اگر آگے اسمِ ظاہر مرفوع نہیں تو پھر معلوم ہوا اسی کے اندر فاعل تو ضرور چاہیے وہ اسی کے اندر پھر ضمیر نکالتے ہیں۔ تو پھر اس صورت میں «اَلْحَسَنُ» کے اندر بھی کیا ہو گی؟ ضمیر ہو گی بھائی۔

اب آیئے سب مثالوں کو دیکھتے ہیں کہ کس کا کیا حکم ہے۔ سب سے پہلی مثال کیا ہے؟ «اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ»، جی۔ «اَلْحَسَنُ» میں ضمیر ہے؟ نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے؟ کیونکہ «وَجْهُهُ» آگے مرفوع ہے، وہ اس کا فاعل بن رہا ہے تو اب اس کے اندر ضمیر نہیں۔ جیسے دیکھو آپ کہتے ہیں «ضَرَبَ زَيْدٌ»، جب ضَرَبَ کے لیے زید فاعل بن رہا ہے تو ضَرَبَ کے اندر کوئی ضمیر نہیں کیونکہ فاعل زید ہے۔ اور جب آگے زید نہیں ہو گا تو پھر آپ کیا کرتے ہیں؟ ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر نکالتے ہیں۔ تو یہاں بھی اسی طرح، تو جب «اَلْحَسَنُ» کے آگے «وَجْهُهُ» مرفوع ہے تو وہ فاعل ہے، تو «اَلْحَسَنُ» کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ تو «اَلْحَسَنُ» کے اندر کوئی ضمیر نہیں، اور «وَجْهُهُ» کے ساتھ کوئی ضمیر ہے؟ اس کے ساتھ ایک ضمیر ہے۔ تو «اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ» اس پورے مجموعے میں کتنی ضمیریں ہیں؟ ایک ہی ضمیر ہے، تو یہ کون سی صورت ہو گی؟ یہ احسن ہو گی، شاباش۔

اس سے نیچے والی مثال میں آیئے: «اَلْحَسَنُ وَجْهَهُ» کہ معمول منصوب ہے۔ اب مجھے بتایئے، «اَلْحَسَنُ» میں کوئی ضمیر ہے؟ اب اس میں ضمیر ہے کیونکہ آگے فاعل نہیں آ رہا تو اس کے اندر هُوَ ضمیر، اور «وَجْهَهُ» کے ساتھ بھی کوئی ضمیر ہے؟ اس کے ساتھ بھی ضمیر ہے۔ تو کتنی ضمیریں ہو گئیں مجموعے میں «اَلْحَسَنُ وَجْهَهُ»؟ دو ضمیریں ہوئیں، تو یہ کون سی صورت ہوئی؟ یہ حسن ہو گئی۔ یہ حسن ہوئی۔

اور اس سے نیچے والی صورت تو جائز نہیں: «اَلْحَسَنُ وَجْهِهِ»۔ اگلے خانے میں آیئے: «اَلْحَسَنُ الْوَجْهُ»، اب مجھے بتایئے، «اَلْحَسَنُ» میں ضمیر ہے؟ نہیں ہے۔ «اَلْوَجْهُ» میں؟ نہیں ہے۔ نہ «اَلْحَسَنُ» میں ضمیر، نہ «اَلْوَجْهُ» میں ضمیر، تو مجموعے میں کوئی ضمیر نہیں تو کون سی صورت ہوئی؟ یہ قبیح ہے، ناپسندیدہ ہے۔ قبیح ہے۔

اس سے نچلی مثال میں آیئے: «اَلْحَسَنُ الْوَجْهَ»، اب مجھے بتایئے، «اَلْحَسَنُ» میں ضمیر ہے؟ اس میں ضمیر ہے کیونکہ آگے فاعل کوئی نہیں، اور «اَلْوَجْهَ» میں؟ نہیں ہے۔ تو مجموعے میں کتنی ضمیریں ہوئیں؟ ایک ضمیر ہوئی، تو معلوم ہوا «اَلْحَسَنُ الْوَجْهَ» یہ کیا ہے؟ یہ احسن ہے۔ احسن ہے، لکھتے جایئے ہر ایک کے ساتھ بھائی، احسن ہے۔

اس سے اگلی صورت کیا ہے؟ «اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ» اضافت کے ساتھ۔ تو «اَلْحَسَنُ» میں ضمیر ہے؟ جی اس میں ضمیر ہے۔ «اَلْوَجْهِ» میں ضمیر ہے؟ اس میں ضمیر نہیں، تو مجموعے میں کتنی ضمیریں ہوئیں؟ ایک، معلوم ہوا «اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ» میں ایک ضمیر ہے تو اس کا کیا حکم ہوا؟ یہ احسن صورت ہے بھائی، احسن ہے۔

اس سے آگے آیئے بھائی: «اَلْحَسَنُ وَجْهٌ»، «اَلْحَسَنُ وَجْهٌ»۔ «اَلْحَسَنُ» میں کوئی ضمیر ہے؟ نہیں ہے۔ اور «وَجْهٌ» میں؟ اس میں بھی کوئی ضمیر نہیں، تو پورے مجموعے میں کتنی ضمیریں ہوئیں؟ ایک بھی نہیں، تو معلوم ہوا «اَلْحَسَنُ وَجْهٌ» یہ صورت قبیح ہے۔

اس سے اگلی مثال دیکھیے بھائی نیچے اس سے: «اَلْحَسَنُ وَجْهًا» ۔ «الْحَسَنُ» میں ضمیر ہے؟ اس میں ایک ضمیر ہے، اور «وَجْهًا» میں؟ کوئی ضمیر نہیں، تو «اَلْحَسَنُ وَجْهًا» پورے مجموعے میں کتنی ضمیریں ہوئیں؟ ایک، تو یہ کون سی صورت؟ یہ احسن صورت ہوئی، شاباش۔

اس سے نیچے والی مثال: «اَلْحَسَنُ وَجْهِهٖ»، یہ صورت تو جائز ہی نہیں، آپ نے لکھ لیا تھا بھائی۔

اس سے اگلی مثال میں آیئے، بغیر الف لام کے جو صفت ہے: «حَسَنٌ وَجْهُهٗ»، اب بتایئے، «حَسَنٌ» میں ضمیر ہے؟ نہیں ہے، اور کیونکہ آگے فاعل خود آرہا ہے، اور «وَجْهُهٗ» کے ساتھ کوئی ضمیر ہے؟ اس میں ایک ضمیر ہے۔ تو «حَسَنٌ وَجْهُهٗ» پورے مجموعے میں ایک ضمیر ہوئی تو یہ صورت احسن ہے۔

اس سے اگلی مثال میں آیئے: «حَسَنٌ وَجْهَهٗ» ۔ «حَسَنٌ» میں ضمیر ہے؟ اس میں ایک ضمیر ہے کیونکہ معمول منصوب ہے، فاعل تو چاہیے وہ اسی کے اندر ضمیر ہے، تو «حَسَنٌ» میں ایک ضمیر، اور «وَجْهَهٗ» میں؟ اس میں بھی ایک ضمیر، تو «حَسَنٌ وَجْهَهٗ» پورے مجموعے میں دو ضمیریں آگئیں تو یہ کون سی صورت؟ یہ حسن ہو گئی۔

اس سے اگلی صورت کیا ہے؟ «حَسَنٌ وَجْهِهٖ»، اس میں میں نے بتایا تھا یہ صورت مختلف فیہ ہے، اس میں علماء کا اختلاف، بعض کہتے ہیں یہ جائز ہے، بعض کہتے ہیں یہ جائز نہیں۔

اس سے اگلی مثال پر آیئے: «حَسَنٌ الْوَجْهُ»، پڑھیں گے کیسے؟ «حَسَنٌ الْوَجْهُ»، ملا کر کیسے پڑھیں گے؟ «حَسَنٌ»، نون ساکن ہے نونِ تنوین، آگے الف لام کا ہمزہ تو گر گیا، لام بھی ساکن۔ تو نون بھی ساکن، لام بھی ساکن، اب کیا کریں گے؟ ہاں، «السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ»، تو وہ نونِ تنوین جو ہے اس کو کسرہ والی حرکت دیں گے: «حَسَنٌ نِالْوَجْهُ»، «حَسَنٌ نِالْوَجْهُ» دونوں ہیں، «حَسَنٌ نِالْوَجْهُ» ۔ جی، اب مجھے بتایئے، «حَسَنٌ» میں ضمیر ہے؟ اس میں ضمیر نہیں ہے بھائی۔ اور «الْوَجْهُ» میں؟ اس میں بھی کوئی ضمیر نہیں، تو معلوم ہوا کہ مجموعے میں کوئی ضمیر نہیں، تو یہ صورت کیا ہوئی؟ قبیح۔ «حَسَنٌ نِالْوَجْهُ» یہ صورت قبیح ہوئی۔ «حَسَنٌ نِالْوَجْهُ» یہ صورت کیا ہوئی؟ قبیح ہوئی۔

اگلی مثال دیکھیے: «حَسَنٌ نِالْوَجْهَ» ۔ جی، «حَسَنٌ» میں ضمیر ہے؟ اس میں ہے، اور «الْوَجْهَ» میں؟ نہیں ہے، تو مجموعے میں کتنی ضمیریں؟ ایک، تو یہ صورت کیا ہوئی؟ احسن ہوئی۔

اس سے اگلی صورت دیکھیے: «حَسَنٌ نِالْ...» اضافت ہے، اضافت میں تنوین گر جائے گی، تو «حَسَنُ الْوَجْهِ» ۔ تنوین والا نون اب نہیں آئے گا: «حَسَنُ الْوَجْهِ» ۔ اب بتایئے، «حَسَنٌ» میں ضمیر ہے؟ «حَسَنٌ» میں ضمیر ہے ایک، اور «الْوَجْهِ» میں؟ ضمیر نہیں ہے، تو کل مجموعے میں کیا ہوئی؟ ایک، معلوم ہوا «حَسَنُ الْوَجْهِ» یہ صورت احسن ہے۔

اگلی مثال پر آیئے جی، آخری خانہ: «حَسَنٌ وَجْهٌ»، «حَسَنٌ وَجْهٌ» ۔ جی، اس کو پڑھیں گے کیسے؟ پڑھیں گے کیسے؟ «حَسَنٌ وَجْهٌ»، ملا کر کیسے پڑھیں گے؟ «حَسَنٌ» کے آخر میں نونِ ساکن ہے، یہ تنوین کس کا نام ہے؟ نونِ ساکن، اور آگے واؤ ہے اور واؤ حروفِ يَرْمَلُونَ میں سے ہے، اور حروفِ يَرْمَلُونَ سے پہلے نونِ ساکن آئے تو اس کو بھی اسی حرف کی جنس سے بدل کر اس میں کیا کرتے ہیں؟ ادغام۔ تو وہ نون بھی واؤ بنے گا اور واؤ میں اس کا ادغام، تو کیسے پڑھیں گے؟ «حَسَنُوَّجْهٌ»، «حَسَنُوَّجْهٌ» ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اب مجھے بتایئے، «حَسَنٌ» میں ضمیر ہے؟ اس میں ضمیر نہیں کیونکہ فاعل آگے خود آرہا ہے، اور «وَجْهٌ» میں؟ اس میں بھی کوئی ضمیر نہیں، تو «حَسَنُوَّجْهٌ» پورے مجموعے میں کوئی ضمیر نہیں، لہٰذا یہ بھی قبیح ہے۔

اگلی مثال کیجیے: «حَسَنٌ وَجْهًا» ۔ «حَسَنٌ» میں کوئی ضمیر ہے؟ اس میں ایک ضمیر ہے، اور «وَجْهًا» میں؟ اس میں کوئی ضمیر نہیں، تو پھر یہ احسن صورت ہو گئی، «حَسَنٌ وَجْهًا» یہ صورت احسن ہوئی۔

آخری صورت: «حَسَنٌ وَجْهٍ» ہاں وہاں تو تنوین گر گئی، تو «حَسَنُ وَجْهٍ»، «حَسَنُ وَجْهٍ» ۔ تو تنوین والا اب نون نہیں ہے یہاں پر تو لہٰذا اب وہ واؤ بھی نہیں بنے گا اور واؤ میں ادغام نہیں ہو گا، «حَسَنُ وَجْهٍ» ۔ «حَسَنٌ» میں ضمیر ہے؟ ہے، اور «وَجْهٍ» میں؟ نہیں، تو مجموعے میں کتنی ضمیریں؟ ایک ہوئی تو یہ صورت بھی احسن ہوئی بھائی۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ ساری چیزوں کا حکم آپ کو پتہ چل گیا بھائی۔ تو یہ دیکھیے، یہ ہیں صفتِ مشبہ کے اٹھارہ مسائل۔ اس میں سے کچھ صورتیں جائز نہیں ہیں، کچھ صورتوں میں اختلاف ہے، کچھ صورتیں احسن ہیں، کچھ صورتیں حسن ہیں، اور کچھ صورتیں قبیح ہیں یعنی ناپسندیدہ ہیں، بری ہیں۔

اب آیئے کتاب پر بھائی، تو کہتے ہیں: «وَمَسَائِلُهَا ثَمَانِيَةَ عَشَرَ» اور صفتِ مشبہ کے مسائل جو ہیں وہ اٹھارہ ہیں «لِأَنَّ الصِّفَةَ إِمَّا بِاللَّامِ أَوْ مُجَرَّدَةٌ عَنْهَا» اس لیے کیونکہ صفتِ مشبہ یا تو وہ لام کے ساتھ ہو گی یعنی معرف باللام ہو گی جیسے «الْحَسَنُ»، «أَوْ مُجَرَّدَةٌ عَنْهَا» یا اس لام سے خالی ہو گی جیسے «حَسَنٌ» آپ نے دیکھا۔ «وَمَعْمُولُ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا» اور ان میں سے ہر ایک کا معمول «إِمَّا مُضَافٌ» یا تو کیا ہو گا؟ مضاف ہو گا جیسے جیسے «وَجْهِهِ»، «أَوْ بِاللَّامِ» یا معمول کس کے ساتھ ہو گا؟ لام کے ساتھ یعنی «الْوَجْهِ»، «أَوْ مُجَرَّدٌ عَنْهُمَا» یا ان دونوں سے خالی ہو گا جیسے کہ «وَجْهٍ» بھائی۔ «فَهٰذِهِ سِتَّةٌ» تو یہ چھ ہو گئے، چھ قسمیں بن گئیں۔ یہ تینوں: مضاف، مضاف ہو، الف لام کے ساتھ ہو، یا مجرد، ان میں سے تو یہ تین ہو گئے، اور اس کو «الْحَسَنُ» سے جوڑیں تین یہ ہو گئے، اور صرف «حَسَنٌ» سے جوڑیں تو تین یہ ہو گئے۔ کل کتنی صورتیں ہو گئیں؟ چھ۔ صفت صفت دو قسم پر نا، یا معرف باللام یا بغیر الف لام کے۔ اور پھر چاہے معرف باللام ہو اس میں بھی معمول یا مضاف ہو گا یا الف لام کے ساتھ ہو گا یا بغیر دو، تو یہ تین صورتیں۔ اور صفت بغیر الف لام کے ہو وہاں بھی یہی تین صورتیں، تو کل کتنی صورتیں ہوئیں؟ چھ صورتیں۔ «فَهٰذِهِ سِتَّةٌ» تو یہ چھ اقسام ہوئیں۔

پھر «وَمَعْمُولُ كُلٍّ مِنْهَا إِمَّا مَرْفُوعٌ أَوْ مَنْصُوبٌ أَوْ مَجْرُورٌ» کہ ان میں سے ہر ایک کا معمول یا تو مرفوع ہو گا یا منصوب ہو گا یا مجرور ہو گا۔ «فَذٰلِكَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ» تو یہ اٹھارہ ہو گئے۔ «وَتَفْصِيلُهَا» اور اس کی تفصیل جو ہے «نَحْوُ» مثال کے طور پر: «جَاءَنِي زَيْدٌ» «جَاءَنِي زَيْدٌ» آگے «الْحَسَنُ وَجْهُهُ وَجْهَهُ وَجْهِهِ» تینوں صورتیں اکٹھی ذکر کر دیں: «جَاءَنِي زَيْدُ نِالْحَسَنُ وَجْهُهُ»، «جَاءَنِي زَيْدُ نِالْحَسَنُ وَجْهَهُ»، «جَاءَنِي زَيْدُ نِالْحَسَنُ وَجْهِهِ»۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ «ثَلَاثَةُ أَوْجُهٍ» تو یہ کتنی وجہیں ہوئیں؟ تین۔ «وَكَذٰلِكَ» اور اسی طرح «الْحَسَنُ الْوَجْهِ»، «الْحَسَنُ الْوَجْهَ»، «الْحَسَنُ الْوَجْهِ» یہ بھی کتنی ہو گئیں؟ تین۔ آگے دیکھیے: «وَالْحَسَنُ وَجْهٌ وَجْهًا وَجْهٍ» یہ بھی کتنی ہوئیں؟ تین، تو یہ اٹھارہ ہو گئے۔ اس میں صفت دیکھیں الف لام کے ساتھ تھی۔ اب صفت بغیر الف لام کے ہو گی، بغیر الف لام کے۔ جی، آگے ہے: «وَحَسَنٌ وَجْهُهُ»، حسن پر اعراب حسن پر حرکات تو نہیں لگی ہوئیں، اعراب اور حرکات؟ ہاں، میری کتاب میں حَسُنَ ہوا ہے، حَسُنَ نہیں بھائی، حَسَنٌ وہی صفتِ مشبہ ہے۔ حَسُنَ یہ تو فعل بن گیا بھائی، تو فعل نہیں ہے یہ۔ تو «حَسَنٌ»، «حَسَنٌ وَجْهُهُ»، «حَسَنٌ وَجْهَهُ»، اور «حَسَنٌ وَجْهِهِ» یہ بھی کتنی ہو گئیں؟ تین۔ اگلی مثال پہ آیئے: «حَسَنٌ الْوَجْهُ»، «حَسَنٌ الْوَجْهَ»، اور «حَسَنٌ الْوَجْهِ» یہ کتنی ہو گئیں؟ تین۔ آخری مثال پہ آیئے: «وَحَسَنٌ...» «وَحَسَنٌ وَجْهٌ»، «وَحَسَنٌ وَجْهًا»، اور «حَسَنٌ وَجْهٍ» یہ بھی تین ہو گئیں، کل کتنے ہو گئے؟ اٹھارہ۔

تو کہتے ہیں: «وَهِيَ عَلَى خَمْسَةِ أَقْسَامٍ» اور اس کے یہ جو اٹھارہ مسائل ہیں یہ پانچ قسم پر ہیں۔ میں نے بتایا پانچ قسم پر ہیں؟ کچھ صورتیں جائز نہیں ایک، کچھ میں اختلاف ہے یہ دوسری صورت، کچھ احسن ہیں یہ تیسری صورت، کچھ حسن ہیں یہ چوتھی صورت، اور کچھ قبیح ہیں پانچ، تو کتنی قسم کے مسائل ہو گئے گویا؟ پانچ قسم کے۔ تو کہتے ہیں: «وَهِيَ عَلَى خَمْسَةِ أَقْسَامٍ» اور یہ پانچ قسم پر ہوئے «مِنْهَا مُمْتَنِعٌ» اس میں سے بعض قسمیں جو ہیں وہ ممتنع ہیں جائز نہیں اور وہ کون سے ہیں؟ آگے مثال ذکر کر دی: «اَلْحَسَنُ وَجْهٍ»، یہ صورت جائز نہیں۔ کیوں؟ کیوں جائز نہیں؟ کیونکہ مضاف معرفہ ہے اور مضاف الیہ نکرہ ہے حالانکہ برعکس ہوتا ہے، مضاف معرفہ ہوتا ہے مضاف نکرہ ہوتا ہے اور مضاف الیہ معرفہ، اس لیے یہ صورت جائز نہیں۔ اگلی صورت: «وَالْحَسَنُ وَجْهِهِ» یہ صورت بھی جائز نہیں، کیوں نہیں جائز؟ کیونکہ یہ اضافتِ لفظی ہے اور اضافتِ لفظی تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور یہاں نہ مضاف میں تخفیف آئی نہ مضاف الیہ میں۔ مضاف سے تنوین نہیں گری کیونکہ وہ تنوین تو الف لام کی وجہ سے گر چکی ہے، اضافت کی وجہ سے نہیں گری، اور «وَجْهِهِ» سے ہا ضمیر نہیں گری تو کوئی تخفیف نہ آئی لہٰذا یہ جائز نہیں۔

■ قولہ: «وَمُخْتَلَفٌ فِيهِ» کی تشریح

«وَمُخْتَلَفٌ فِيهِ» اور ایک صورت مختلف فیہ ہے یعنی اس میں اختلاف کیا گیا ہے اور وہ کیا ہے؟ وہ ہے «حَسَنُ وَجْهِهِ»، «حَسَنُ وَجْهِهِ»۔ یہ صورت اس میں اختلاف کیونکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ «حَسَنٌ» سے تنوین گر گئی اور لیکن «وَجْهِهِ» سے ہا ضمیر نہیں گری تو پوری تخفیف نہیں آئی، تو تخفیف کا جب اعلیٰ درجہ ممکن تھا تو اسی پر عمل کرنا چاہیے تھا لیکن اس پر عمل نہیں کیا، ادنیٰ درجے پر عمل کیا تو جب اعلیٰ ممکن تھا اور اس پر عمل نہیں کیا تو یہ صورت جائز نہیں۔ جبکہ دیگر علماء فرماتے ہیں کہ بہر حال کچھ نہ کچھ تخفیف تو آ گئی لہٰذا یہ صورت بھی جائز ہے۔ تو یہ مختلف فیہ ہے «حَسَنُ وَجْهِهِ»۔

«وَالْبَوَاقِي أَحْسَنُ» اور باقی صورتیں احسن ہیں «إِنْ كَانَ فِيهِ ضَمِيرٌ وَاحِدٌ» اگر ان میں ایک ہی ضمیر ہو «وَحَسَنٌ» اور پھر وہ حسن باقی صورتیں حسن ہیں «إِنْ كَانَ فِيهِ ضَمِيرَانِ» اگر اس میں دو ضمیریں ہوں «وَقَبِيحٌ إِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ ضَمِيرٌ» اور وہ باقی صورتیں قبیح ہیں «إِنْ

لَمْ يَكُنْ فِيهِ ضَمِيرٌ» اگر اس میں ضمیر نہ ہو۔

اچھا، اب ہمیں کیسا پتہ چلے گا کہ اس صفت میں ضمیر ہے یا ضمیر نہیں؟ معمول کے ساتھ تو ضمیر ظاہر جڑی ہوئی ہو گی وہ تو ہمیں نظر آجائے گی۔ صفت میں ہمیں کیسے پتہ چلے گا؟ ہاں شاباش، معمول اگر مرفوع ہو تو معلوم ہو اصفت میں ضمیر نہیں، اور اگر معمول منصوب یا مجرور ہے تو پھر صفت میں ضمیر ہے۔ یہی بیان کر رہے ہیں: «وَالضَّابِطَةُ» اور ضابطہ یہ ہے «أَنَّكَ مَتَى رَفَعْتَ بِهَا مَعْمُولَهَا» کہ جب آپ اس کے ذریعے رفع دے دیں، «مَتَى رَفَعْتَ بِهَا» کہ جب آپ رفع دے دیں بہا اس صفتِ مشبہ کے ذریعے «مَعْمُولَهَا» اس کے معمول کو «فَلَا ضَمِيرَ فِي الصِّفَةِ» تو پھر صفت میں ضمیر نہیں، کیونکہ وہ جس کو رفع دیا وہ فاعل ہے تو پھر صفت میں ضمیر نہیں۔ «وَمَتَى نَصَبْتَ أَوْ جَرَرْتَ» اور جب آپ نصب دیں یا جر دیں «فَفِيهَا ضَمِيرُ الْمَوْصُوفِ» تو پھر اس میں موصوف کی ضمیر ہو گی، «نَحْوُ: زَيْدٌ حَسَنٌ وَجْهِهِ»۔ «نَحْوُ: زَيْدٌ حَسَنٌ وَجْهِهِ»، تو یہ وہ مختلف فیہ کو ذکر کر دیا یہاں پر بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو بہر حال مقصد تھا مثال بیان کرنا کہ یہاں «حَسَنٌ» میں ضمیر ہے کیونکہ اس کے ذریعے آپ نے رفع نہیں دیا۔

اب ایک اور قیمتی بات یاد رکھیے۔ بھائی دیکھیے، صفتِ مشبہ کے بعد اگر اس کا معمول مرفوع ہو تو وہ مرفوع کیوں ہو گا؟ فاعل ہونے کی بنا پر، وہ اس صفتِ مشبہ کے لیے فاعل بنے گا۔ اگر اس کا معمول مجرور ہو تو وہ مجرور کیوں ہو گا؟ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے۔ اور اگر اس کا معمول منصوب ہو تو پھر منصوب کس وجہ سے ہو گا؟ بھائی دیکھیے، صفتِ مشبہ فعلِ لازم سے بنی ہے، اور صفت بھی اپنے فعل والا ہی عمل کرتی ہے، اور فعل جب فعلِ لازم ہے تو اس کے لیے تو مفعول نہیں آتا، تو پھر وہ تو فعل تو نصب نہیں دیتا تو پھر یہ صفتِ مشبہ جو آگے نصب دے رہی ہے یہ کیا واقع ہو گا؟ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یاد رکھیے، یہ جو صفتِ مشبہ ہے اس کا عمل اپنے فعل سے زیادہ ہوتا ہے۔ فعل مفعول کو نصب نہیں دیتا لیکن یہ اسم کو... اس کا فعل نصب نہیں دیتا لیکن یہ نصب دیتی ہے۔ پھر وہ کیا بنے گا؟ تو یاد رکھیے، اس کے اس کے معمول کو دیکھیں، یہ کس کو نصب دے رہی ہے، وہ معرفہ ہے یا نکرہ ہے۔ اگر وہ معرفہ ہے تو اس کو کہیں گے وہ منصوب ہے شبیہِ مفعول ہونے کی بنا پر۔ کیا ہے؟ شبیہِ مفعول یعنی مفعول کے مشابہ ہے۔ مفعول نہیں کہیں گے اس کو بلکہ کیا کہیں گے؟ شبیہِ مفعول یعنی مفعول کے مشابہ ہے۔ بھائی مفعول کیوں نہیں کہتے؟ وجہ یہ ہے کہ یہ تو فعلِ لازم ہے، فعلِ لازم کے لیے تو مفعول نہیں آتا، لیکن یہ نصب دے رہی ہے تو اگر وہ معرفہ ہو تو اس کو کہیں گے وہ شبیہِ مفعول ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اگر اس کا معمول جس کو یہ نصب دے رہی ہے وہ نکرہ ہے پھر اس کو تمیز بنائیں گے۔ معرفہ جو ہے نا معرفہ اس کو تمیز نہیں بنا سکتے کیونکہ تمیز آپ نے پڑھا ہمیشہ نکرہ آتی ہے بھائی۔ تو «حَسَنٌ وَجْهًا» یہ «وَجْهًا» کیا ہے؟ تمیز ہے، تمیز ہے۔ اور «حَسَنٌ الْوَجْهَ» یہ کیا ہے «الْوَجْهَ»؟ شبیہِ مفعول ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو صفتِ مشبہ کا عمل اپنے فعل سے زائد ہوتا ہے، یہ نصب بھی دیتی ہے حالانکہ اس کا فعل نصب نہیں دیتا یعنی مفعول وغیرہ کو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۹۲: فصل اسم التفضیل: اسمِ تفضیل کے تین استعمالات (مِنْ، اضافت، الف لام) اور عمل کے احکام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۸۲—بتاریخ: ۲۹ فروری ۲۰۱۶ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اِسْمُ التَّفْضِيْلِ اِسْمٌ مُشْتَقٌّ مِنْ فِعْلٍ لِّيَدُلَّ عَلَى الْمَوْصُوْفِ بِزِيَادَةٍ عَلَى غَيْرِهِ، وَصِيْغَتُهُ أَفْعَلُ، فَلَا يُبْنَى إِلَّا مِنَ الثُّلَاثِيِّ الْمُجَرَّدِ الَّذِيْ لَيْسَ بِلَوْنٍ وَلَا عَيْبٍ، نَحْوُ: زَيْدٌ أَفْضَلُ النَّاسِ.

آج ہم اسمِ تفضیل کے بارے میں پڑھیں گے بھائی! تو مصنف فرماتے ہیں: «اِسْمُ التَّفْضِيْلِ اِسْمٌ» کہ اسمِ تفضیل ایسا اسم ہے «مُشْتَقٌّ مِنْ فِعْلٍ» جس کا اشتقاق فعل سے ہوتا ہے «لِّيَدُلَّ عَلَى الْمَوْصُوْفِ» تاکہ یہ دلالت کرے موصوف پر «بِزِيَادَةٍ عَلَى غَيْرِهِ» غیر پر زیادتی کے ساتھ۔ یعنی اس میں غیر کے ساتھ مقابلہ اور اس پر زیادتی بیان کی جائے گی۔ مثلاً زید بھی پٹائی کرنے والا ہے، عمرو بھی پٹائی کرنے والا ہے، اور میں آپ کو بتانا یہ چاہتا ہوں کہ زید عمرو کے مقابلے میں زیادہ پٹائی کرنے والا ہے، تو پھر اس کے لیے میں اسمِ تفضیل استعمال کروں گا اور کیا کہوں گا؟ «زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو» کہ زید زیادہ پٹائی کرنے والا ہے «مِنْ عَمْرٍو» کس کے مقابلے میں؟ عمرو کے مقابلے میں۔

تو دوبارہ تعریف دیکھیے، تو کہتے ہیں اسمِ تفضیل ایسا اسم ہے جو مشتق ہوتا ہے فعل سے تاکہ یہ دلالت کرے «عَلَى الْمَوْصُوْفِ» ایسی ذات پر جو ایک صفت کے ساتھ موصوف ہو رہی ہے «بِزِيَادَةٍ عَلَى غَيْرِهِ» غیر پر زیادتی کے ساتھ موصوف ہو رہی ہو، اور جس میں غیر پر زیادتی کو بیان کیا گیا ہو بھائی، غیر پر زیادتی کو۔ یہ «عَلَى غَيْرِهِ» کی قید لگائی بھائی۔ «عَلَى الْمَوْصُوْفِ بِزِيَادَةٍ» صرف اتنا نہیں کہا بلکہ «بِزِيَادَةٍ عَلَى غَيْرِهِ»۔ یہ دراصل مبالغے کے صیغوں کو نکالنے کے لیے کہا۔ مبالغے کے صیغے میں بھی زیادتی بیان ہوتی ہے، مثلاً «ضَارِبٌ» کا معنی پٹائی کرنے والا، اور اسی سے مبالغے کا صیغہ ہے «ضَرَّابٌ» اس کا معنی ہے زیادہ پٹائی کرنے والا۔ تو یہ بھی تعریف میں داخل ہو رہا تھا «بِزِيَادَةٍ» کی قید سے، کیونکہ اس میں بھی کیا بیان ہو رہی ہے؟ زیادتی بیان ہو رہی ہے۔

لیکن «عَلَى غَيْرِهِ» کی جب قید لگائی تو اب یہ مبالغے کا صیغہ نکل گیا۔ کیونکہ مبالغے کے صیغے میں کسی کے مقابلے میں زیادتی نہیں بیان ہوتی، مطلقاً زیادتی بیان ہوتی ہے۔ مثلاً زید زیادہ پٹائی کرنے والا ہے، یہ نہیں بیان کیا کہ کسی کے مقابلے میں یا سب کے مقابلے میں، صرف مطلقاً ویسے کہہ دیا کہ زید کیا ہے؟ زیادہ پٹائی کرنے والا ہے، تو آپ کہیں گے: «زَيْدٌ ضَرَّابٌ»۔ لیکن اگر آپ کسی کے مقابلے میں بیان کرنا چاہتے ہیں کہ زید عمرو سے زیادہ یا زید سب سے زیادہ پٹائی کرنے والا ہے، تو پھر مبالغے کا صیغہ نہیں لائیں گے بلکہ کیا لے کر آئیں گے؟ اسمِ تفضیل، کیونکہ اسمِ تفضیل کے اندر مطلقاً زیادتی نہیں ہوتی بلکہ کسی چیز کے مقابلے میں زیادتی بیان ہوتی ہے بھائی۔

تو یہ «عَلَى غَيْرِهِ» کی قید کس لیے لگائی ہے؟ مبالغے کے صیغے کو نکالنے کے لیے، کیونکہ زیادتی تو اس میں بھی بیان ہوئی۔ «زَيْدٌ ضَرَّابٌ» زیادہ پٹائی کرنے والا ہے، اور «زَيْدٌ أَضْرَبُ» اس میں بھی ہے زیادہ پٹائی، لیکن «أَضْرَبُ» کے اندر، «أَفْعَلُ» جو اسمِ تفضیل ہے اس میں مقابلے میں کوئی اور ہو گا جس کے مقابلے میں کیا بیان کی جا رہی ہے؟ زیادتی بیان کی جا رہی ہے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «وَصِيْغَتُهُ أَفْعَلُ» اور اسمِ تفضیل کا جو صیغہ ہے وہ «أَفْعَلُ» ہے بھائی، «أَفْعَلُ» صیغہ ہے بھائی: «أَضْرَبُ»۔ «فَلَا يُبْنَى إِلَّا مِنَ الثُّلَاثِيِّ الْمُجَرَّدِ الَّذِيْ لَيْسَ بِلَوْنٍ وَلَا عَيْبٍ» لہٰذا یہ نہیں بنایا جاتا مگر ثلاثی مجرد سے ہی، وہ ثلاثی مجرد جو کہ لون اور عیب سے نہ ہو بھائی۔ بھائی یاد رکھیے! یہ جو اسمِ تفضیل ہے نا، یہ صرف ثلاثی مجرد سے بنے گا۔ ثلاثی مزید فیہ سے بھی نہیں بنے گا، رباعی مجرد سے بھی نہیں بنے گا، رباعی مزید فیہ سے بھی نہیں بنے گا۔ بھائی کیوں نہیں بنے گا ثلاثی مزید فیہ وغیرہ سے؟ وجہ یہ کہ اس کا صیغہ ایک ہی ہے اور وہ ہے «أَفْعَلُ»۔ تو دیکھیے، «أَفْعَلُ» میں کیا ہے؟ شروع میں تو ہمزہ ہے، باقی ف، ع، ل۔ تو اب اگر آپ ثلاثی مزید سے بھی بنانا چاہیں تو اس کو «أَفْعَلُ» کے وزن پر لانا پڑے گا، اور ثلاثی مزید میں تو آپ نے پڑھا ہے کبھی تاء زائد ہوتی ہے، کبھی سین اور تاء، جیسے بابِ افتعال میں کیا زائد ہے؟ تاء: «اِفْتَعَلَ»، اور بابِ استفعال میں کیا زائد ہے؟ سین اور تاء، کبھی حرف کوئی مشدد ہو گا جیسے «صَرَّفَ»، «كَرَّمَ»، راء کیا ہے؟ مشدد ہے۔

تو جب آپ «أَفْعَلُ» کے وزن پر لائیں گے تو وہ جو زائد حروف ہیں ان کو ختم کرنا پڑے گا۔ «أَفْعَلُ» پر لائیں گے جب استفعال کو، تو سین اور تاء ختم کریں گے یا نہیں کریں گے؟ یا اسی طرح بابِ افتعال کو آپ لے کر آ رہے ہیں «أَفْعَلُ» کے وزن پر تو اس تاء کو کیا کرنا پڑے گا؟ ختم کرنا پڑے گا۔ یا اسی طرح آپ بابِ تفعیل کو ادھر لے کر آتے ہیں تو اس مشدد حرف کو کیا کرنا پڑے گا؟ تخفیف کرنا پڑے گی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو جب آپ اس کو «أَفْعَلُ» کے وزن پر لے آئیں گے تو پھر کسی کو کیا پتہ چلے گا؟ جب آپ نے وہ جو علامت تھی سین اور تاء، یا بابِ افتعال کی جو علامت تھی تاء، یا بابِ تفعیل کی جو علامت تھی کہ درمیان والا حرف مشدد ہوتا ہے، جب آپ نے علامت کو ہی ختم کر دیا تو کسی کو کچھ پتہ چلے گا کہ یہ ثلاثی مجرد سے ہے یا ثلاثی مزید فیہ سے؟ کسی کو پتہ ہی نہیں چلے گا۔ لہٰذا اس لیے چونکہ اس کا وزن ہی «أَفْعَلُ» ہے تو یہ صرف ثلاثی مجرد سے ہی بنے گا اور ثلاثی مزید فیہ سے نہیں۔

اسی طرح رباعی مجرد اور رباعی مزید فیہ سے بھی نہیں بنے گا، کیونکہ اس میں تو دولام آتے ہیں: ف، ع اور دولام۔ رباعی میں چار حرفِ اصلی ہوتے ہیں نا، تو دولام آئیں گے۔ تو یہاں «أَفْعَلُ» میں تو ایک لام ہے، تو پھر اس وزن پر لانے کے لیے ایک لام کو ختم کرنا پڑے گا۔ جب ایک لام کو ختم کریں گے تو پتہ ہی نہیں چلے گا یہ رباعی سے ہے یا ثلاثی سے ہے۔ تو اس کا وزن چونکہ «أَفْعَلُ» ہے، لہٰذا نہ ثلاثی مزید فیہ سے یہ بنتا ہے، نہ رباعی مجرد سے اور نہ رباعی مزید فیہ سے۔ تو کہتے ہیں: «وَصِيْغَتُهُ أَفْعَلُ» کہ اس کا صیغہ جو ہے «أَفْعَلُ» ہے «فَلَا يُبْنَى إِلَّا مِنَ الثُّلَاثِيِّ الْمُجَرَّدِ» تو یہ نہیں بنایا جاتا مگر ثلاثی مجرد سے ہی۔

اور نیز وہ ثلاثی مجرد «الَّذِيْ لَيْسَ بِلَوْنٍ وَلَا عَيْبٍ» جو لون اور عیب نہ ہو، اس میں لون اور عیب والا معنی نہ ہو۔ وجہ اس کی یہ کہ لون اور عیب، عیب سے عیبِ ظاہری مراد ہے، ظاہری عیب جو نظر آئے بھائی، ظاہراً نظر آئے آنکھوں سے خرابی، وہ عیب مراد ہے۔ تو رنگ اور عیب سے اسمِ تفضیل نہیں آتا۔ وجہ یہ کہ یہ جو رنگ ہے اور جو عیبِ ظاہری ہے، ان سے بھی ایک «أَفْعَلُ» آتا ہے، لیکن وہ «أَفْعَلُ» صفتی ہوتا ہے، وہ صفتِ مشبہ ہوتا ہے۔ جیسے دیکھو! «أَبْيَضُ»، «أَفْعَلُ» وزن ہے، وہی «أَفْعَلُ»۔ اسمِ تفضیل کا بھی «أَفْعَلُ» وزن، یہ «أَبْيَضُ» جو رنگ ہے اس کا بھی «أَفْعَلُ» وزن۔ لیکن یہ اسمِ تفضیل نہیں ہے، «أَبْيَضُ» کا یہ معنی نہیں زیادہ سفید، بلکہ یہ صفتِ مشبہ ہے، اس کا معنی ہے سفید۔ اسی طرح «أَحْمَرُ»، «أَحْمَرُ» کا «أَفْعَلُ» وزن ہے تو آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ اسمِ تفضیل ہے، بلکہ یہ صفتِ مشبہ ہے، اس کو افعلِ صفتی کہتے ہیں۔ تو یہ صفتِ مشبہ ہے، اور «أَحْمَرُ» کا کیا معنی؟ زیادہ سرخ نہیں بلکہ سرخ ہے۔

اسی طرح عیب ہے۔ عیب میں دیکھ لیجیے، مثلاً «أَعْرَجُ»، «أَعْرَجُ» کا معنی ہے لنگڑا بھائی، لنگڑا۔ اس کا معنی زیادہ لنگڑا نہیں کیونکہ اس میں تفضیل نہیں ہے بلکہ یہ صفتِ مشبہ ہے، ہے وزن وہی «أَفْعَلُ»۔ اور اسی طرح دیکھ لیجیے: «أَعْمَى»، آخر میں یاء کس سے بدل گئی؟ الف سے۔ تو «أَعْمَى» وہی «أَفْعَلُ» وزن ہے۔ لیکن یہ اسمِ تفضیل نہیں ہے، اس کا معنی زیادہ اندھا نہیں ہے بلکہ کیا معنی ہے؟ اندھا، کیونکہ زیادہ اور تھوڑا اندھا ہونا معنی ہی نہیں بنتا۔ جو اندھا ہے جس کو دکھائی نہیں دیتا اسی کو اندھا کہیں گے نا، تو اس میں تو کمی بیشی کا احتمال ہے ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ لہٰذا معلوم ہوا لون اور عیب سے جو «أَفْعَلُ» آتا ہے وہ افعلِ صفتی ہے۔ جب افعلِ صفتی آتا ہے ان سے، تو اب «أَفْعَلُ» اسمِ تفضیل اس سے بنانا جائز نہیں، ورنہ تو پتہ ہی کسی کو نہیں چلے گا کہ یہ کون سا «أَفْعَلُ» ہے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «فَلَا يُبْنَى إِلَّا مِنَ الثُّلَاثِيِّ الْمُجَرَّدِ الَّذِيْ لَيْسَ بِلَوْنٍ وَلَا عَيْبٍ» لہٰذا یہ نہیں بنایا جاتا مگر اس ثلاثی مجرد سے کہ جو کہ رنگ اور عیب نہ ہو بھائی۔ ہاں، البتہ عیبِ باطنی سے اسمِ تفضیل آتا ہے۔ میں نے بتایا یہ عیبِ ظاہری، دیکھو اندھا پن کیا ہے؟ آنکھوں سے نظر آتا ہے کہ یہ آدمی اندھا ہے، ایک آدمی لنگڑا ہے آنکھوں سے نظر آ رہا ہے کہ یہ کیا ہے؟ لنگڑا۔ اور ایک ہے عیبِ باطنی، اس سے اسمِ تفضیل آتا ہے، جیسے «أَجْهَلُ»۔ «أَجْهَلُ» کا کیا معنی؟ زیادہ جاہل۔ اب دیکھو، یہ عیب آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ اسی طرح «أَبْلَدُ»، ہمزہ ہے، باء، لام، دال۔ یہ بلید سے اسمِ

تفضیل ہے، اور ابلد کہتے ہیں زیادہ کند ذہن، یعنی جس کا ذہن نہیں تو غبی ذہن ہے، تو اس کے لیے اسمِ تفضیل کیا آئے گا؟ «أَبْلَدُ» بھائی۔

اور اسی طرح «أَحْمَقُ» ہے، تو یہ احمق، یہ اسمِ تفضیل کے طور پر بھی آتا ہے بھائی۔ حماقت کیا ہے؟ بے وقوفی، یہ عیبِ باطنی ہے۔ جیسے عرب کہتے ہیں، کوئی بڑا ہی بے وقوف ہو تو عرب کہتے ہیں: «فُلَانٌ أَحْمَقُ مِنْ هَبَنَّقَةَ» کہ فلاں آدمی تو ہبنقہ سے بھی زیادہ احمق ہے، زیادہ بے وقوف ہے۔ سمجھ میں آئی بات؟ ہبنقہ: ہاء، باء، نون، قاف دو نقطوں والا اور گول ہاء ہے: هَبَنَّقَة۔ یہ عرب میں ایک بڑا بے وقوف گزرا تھا اور پورے عرب میں اس کی بے وقوفی اور حماقت کے چرچے اور شہرت تھی بھائی۔ جب کوئی بڑا بے وقوف نظر آتا ہے تو لوگ کیا کہتے ہیں: «فُلَانٌ أَحْمَقُ مِنْ هَبَنَّقَةَ»۔ کہتے ہیں اتنا بے وقوف تھا کہ یہ ہر وقت اپنے گلے میں ایک ہار لٹکائے رکھتا جس میں ہڈیاں، جوتے وغیرہ اور چمڑے کے ٹکڑے، اس طرح کی چیزوں کا ایک ہار بنایا ہوا تھا اس نے۔ یہ ہر وقت اس نے اپنے گلے میں لٹکایا ہوتا۔ کسی نے کہا بھائی، یہ ہار تم نے کیوں اپنے گلے میں لٹکایا ہوتا ہے؟ کہتا ہے اس کے ذریعے میں اپنے آپ کو پہچانتا ہوں، مجھے پتہ لگ جاتا ہے یہ میں ہوں، یہ میں ہوں۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ یہ سو گیا۔ سویا تو اس کے بھائی نے شرارت کی، اس کے گلے سے ہار اتار کر اپنے گلے میں ڈال لیا۔ اب جب یہ سو کر اٹھا تو دیکھا بھائی کے گلے میں ہار ہے، تو بڑی دیر تک بیٹھا سوچ میں گم ہے۔ اس کو دیکھتا ہے، کبھی اپنے آپ کو دیکھتا ہے، کبھی اس کو دیکھتا ہے، کبھی اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ آخر سوچتے سوچتے پھر اس بھائی کو کہنے لگا: بھائی! تم تو میں ہو، یہ میں کون ہوں؟ تم تو میں ہو، یہ میں کون ہوں؟ تو یہ اتنی دیر سے بیٹھا یہ سوچ رہا تھا، پریشان ہو رہا تھا بھائی۔ تو عرب میں جب کوئی زیادہ بے وقوف ہو تو کیا کہتے ہیں: «فُلَانٌ أَحْمَقُ مِنْ هَبَنَّقَةَ» بھائی۔ تو معلوم ہوا «أَحْمَقُ» یہ بھی کیا ہے؟ اسمِ تفضیل بھائی۔

اچھا، تو کہتے ہیں: «نَحْوُ: زَيْدٌ أَفْضَلُ النَّاسِ» زید جو ہے لوگوں میں سب سے افضل ہے۔ ترکیب کیجیے بھائی: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «أَفْضَلُ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ تفضیل مضاف بھائی، اور اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو مبتدا کی طرف راجع ہے کیونکہ یہ خبر ہے، اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے جوڑتے ہیں۔ اور «النَّاسِ» مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ اسمِ تفضیل اپنے فاعل اور مضاف الیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ زید لوگوں میں سب سے افضل ہے۔

«فَإِنْ كَانَ زَائِدًا عَلَى الثُّلَاثِيِّ» اب آپ کو طریقہ بتلا رہے ہیں کہ بھائی، آپ نے ہمیں کہا کہ ثلاثی مجرد سے ہی صرف بنے گا، تو ثلاثی مزید فیہ سے کیسے بنائیں گے؟ رباعی مجرد، رباعی مزید فیہ سے کیسے بنائیں گے؟ اسمِ تفضیل والا معنی ہم بیان کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً «أَكْرَمَ يُكْرِمُ إِكْرَامًا»، اکرام کا کیا معنی ہے؟ عزت کرنا۔ اب میں بتانا چاہتا ہوں کہ زید عمرو کے مقابلے میں زیادہ اکرام کرنے والا ہے، تو میں کیسے کہوں گا؟ اسمِ تفضیل تو اس سے بنا ہی نہیں سکتے۔ تو کہتے ہیں بھائی، آپ ثلاثی مجرد سے ایسا اسمِ تفضیل کا صیغہ بنالو، ایسا اسمِ تفضیل لے آؤ جس میں زیادتی والا معنی ہو، جس میں کثرت والا معنی ہو، جس میں قوت والا معنی ہو، موقع کے مطابق جو آپ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ تو مثلاً زیادہ کے لیے اسمِ تفضیل لے آؤ: «أَزْيَدُ»۔

تو مثلاً میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟ زید عمرو سے زیادہ اکرام کرنے والا ہے، تو میں کیا کہوں گا؟ «أَزْيَدُ» کا صیغہ لے آؤں گا۔ دیکھو، «أَزْيَدُ» کا کیا معنی؟ زیادہ، کسی کے مقابلے میں زیادتی بیان ہو رہی ہے۔ اور آگے جس فعل کی زیادتی بیان کر رہا ہوں اس کا مصدر آگے منصوب لے آؤ تمیز ہونے کی بنا پر۔ مصدر لے آؤ، نکرہ ہو کیونکہ تمیز نکرہ ہوتی ہے، اور منصوب لے آؤ، تمیز منصوب ہوتی ہے۔ تو میں یوں کہوں گا: «زَيْدٌ أَزْيَدُ إِكْرَامًا مِنْ عَمْرٍو» زید زیادہ ہے باعتبار اکرام کے «مِنْ عَمْرٍو» کس کے مقابلے میں؟ عمرو کے مقابلے میں۔ تو بامحاورہ ترجمہ یوں ہو جائے گا کہ زید عمرو سے زیادہ اکرام کرنے والا ہے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ موقع محل کے مطابق ثلاثی مجرد سے اس کا اسمِ تفضیل بنالو، اور پھر آگے جس فعل کی زیادتی بیان کرنا چاہ رہے ہیں اس کے مصدر کو منصوب لے آئیں بوجہ تمیز کے۔

مثلاً ایک اور مثال کر لیں: میں کہنا چاہتا ہوں کہ دیکھو، استخراج کا معنی ہوتا ہے مسئلہ نکالنا۔ کیا کرنا؟ مسئلہ نکالنا، مثلاً قرآن و حدیث میں غور و فکر کر کے ایک مسئلہ نکالنا اور معلوم کرنا کہ اس کا کیا حکم ہے۔ تو اب میں کہنا چاہتا ہوں: زید بھی استخراج کرتا ہے، مسائل نکالتا ہے، اور اسی طرح عمرو بھی مسائل نکالتا ہے، لیکن زید عمرو کے مقابلے میں زیادہ استخراج کرنے والا ہے، زیادہ تیزی سے، جلدی سے اور بہترین۔ تو موقع کے مطابق میں اسمِ تفضیل لے آؤں گا، اور آگے استخراج کو کیا لے آؤں گا؟ منصوب۔ تو مثلاً میں یوں کہوں گا: «زَيْدٌ أَشَدُّ» دیکھا، «أَشَدُّ» اسمِ تفضیل لے آیا، «زَيْدٌ أَشَدُّ اسْتِخْرَاجًا مِنْ عَمْرٍو» زید عمرو کے مقابلے میں زیادہ شدید استخراج کرنے والا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

تو دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں: «فَإِنْ كَانَ زَائِدًا عَلَى الثُّلَاثِيِّ» اگر وہ فعل جس میں آپ زیادتی بیان کرنا چاہتے ہیں، وہ اگر ثلاثی پر زائد ہو یعنی ثلاثی مجرد پر زائد ہو، چاہے ثلاثی مزید فیہ ہو، چاہے رباعی مجرد ہو، چاہے رباعی مزید فیہ ہو۔ «أَوْ كَانَ لَوْنًا أَوْ عَيْبًا» یا لون اور عیب ہے، «يَجِبُ أَنْ

يُبْنَى أَفْعَلُ مِنْ ثُلَاثِيٍّ مُجَرَّدٍ» تو واجب ہے کہ بنایا جائے «أَفْعَلُ» کس سے؟ ثلاثی مجرد سے «لِيَدُلَّ عَلَى مُبَالَغَةٍ وَشِدَّةٍ وَكَثْرَةٍ» تاکہ وہ دلالت کرے مبالغے پر، مبالغہ: ایک چیز میں زیادتی کو بیان کرنا، تاکہ وہ دلالت کرے کس پر؟ مبالغے پر، «وَشِدَّةٍ» اور شدت پر، «وَكَثْرَةٍ» اور کثرت پر۔ میں نے بتایا موقع کے مطابق جو آپ کو ضرورت ہو اس کے مطابق آپ لے آئیں گے۔

«ثُمَّ يُذْكَرُ بَعْدَهُ مَصْدَرُ ذٰلِكَ الْفِعْلِ» پھر اس کے بعد ذکر کیا جائے اسی فعل کا مصدر «مَنْصُوْبًا عَلَى التَّمْيِيْزِ» جو منصوب ہوگا بنابر تمیز کے، «كَمَا تَقُوْلُ» جیسے آپ کہتے ہیں: «هُوَ أَشَدُّ اسْتِخْرَاجًا» وہ زیادہ شدید ہے باعتبار استخراج کے۔ تو دیکھو آگے کسی کے مقابلے میں بیان ہو رہا ہے وہ حذف کر دیا، بعض اوقات قرینہ موجود ہوتا ہے تو مفضل علیہ کو کیا کر دیا جاتا ہے؟ حذف۔ یا آپ کہتے ہیں: «فُلَانٌ أَقْوَى حُمْرَةً» فلاں زیادہ قوی ہے باعتبار سرخ ہونے کے، یعنی فلاں زیادہ سرخ ہے، فلاں چیز زیادہ سرخ ہے دوسری کے مقابلے میں، تو آپ کیا کہیں گے: «هٰذَا الْقَلَمُ أَقْوَى حُمْرَةً مِنْ ذٰلِكَ الْقَلَمِ» یہ والا قلم زیادہ سرخ ہے اس قلم کے مقابلے میں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دیکھو یہ رنگ تھا، رنگ کے لیے «أَقْوَى» لے آیا یا اس جیسا کوئی بھی۔ اور «وَأَقْبَحُ عَرَجًا» یا یوں کہتے ہیں: «فُلَانٌ أَقْبَحُ عَرَجًا»۔ «أَقْبَحُ»، قبیح سے اسمِ تفضیل ہے، قبیح: برا ہونا۔ فلاں جو ہے «أَقْبَحُ عَرَجًا» فلاں بڑا ہی برا ہے باعتبار لنگڑا ہونے کے۔ مثلاً دو آدمی، ایک بھی لنگڑا دوسرا بھی لنگڑا، لیکن ایک کا لنگڑاپن زیادہ ہے، بڑا قبیح معلوم ہوتا ہے، تو آپ کہیں گے: «فُلَانٌ أَقْبَحُ عَرَجًا»۔

«وَقِيَاسُهُ أَنْ يَّكُوْنَ لِلْفَاعِلِ كَمَا مَرَّ» اور قیاس اسمِ تفضیل کا یہ ہے کہ یہ فاعل کے لیے ہونا چاہیے «كَمَا مَرَّ» جیسے کہ گزر گیا۔ دیکھو، «أَضْرَبُ» زیادتی بیان ہو رہی ہے کس میں؟ ضارب کے اندر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو قیاس اس کا یہ ہے کہ یہ فاعل سے آنا چاہیے، ضارب ہو گیا، اور ناصر سے بنالو: «فُلَانٌ أَنْصَرُ» فلاں زیادہ مدد کرنے والا ہے، تو یہ کس سے بنتا ہے؟ فاعل، فاعل میں زیادتی کو بیان کرتا ہے، کون؟ اسمِ تفضیل۔ لیکن صرف فاعل ہی نہیں کبھی کبھار اسمِ مفعول سے بھی بنتا ہے، اس میں بھی زیادتی کو بیان کرتا ہے۔ جیسے میں کہتا ہوں: «فُلَانٌ أَشْهَرُ مِنْ عَمْرٍو» فلاں عمرو سے زیادہ مشہور ہے، تو دیکھو «أَشْهَرُ» یہ اسمِ تفضیل ہے اور یہ مبالغہ ہے کس میں؟ مشہور، مشہور کون سا وزن ہے؟ مفعول، تو دیکھا یہ اسمِ مفعول سے آیا۔ یا میں کہتا ہوں: «فُلَانٌ أَعْذَرُ مِنْ عَمْرٍو»، «أَعْذَرُ» یہ معذور کے اندر زیادتی بیان ہو رہی ہے، اور معذور کون سا وزن ہے؟ مفعول، تو دیکھا اسمِ مفعول سے آیا۔ اور اسی طرح میں کہتا ہوں: «فُلَانٌ أَشْغَلُ مِنْ عَمْرٍو» کہ فلاں عمرو سے زیادہ مشغول ہے، تو دیکھو «أَشْغَلُ» اسمِ تفضیل آیا کس سے؟ مشغول سے، اور مشغول کون سا وزن ہے؟ مفعول، تو معلوم ہوا کہ یہ صرف فاعل سے نہیں آتا بلکہ مفعول سے بھی آتا ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَقِيَاسُهُ أَنْ يَّكُوْنَ لِلْفَاعِلِ كَمَا مَرَّ» اور قیاس اسمِ تفضیل کا یہ ہے کہ یہ فاعل کے لیے ہو جیسے کہ گزرا، یعنی جیسے مثالیں گزر گئیں۔ «وَقَدْ جَاءَ لِلْمَفْعُوْلِ قَلِيْلًا» اور تحقیق یہ اسمِ مفعول سے بھی آیا ہے قلیلاً یعنی تھوڑا۔ «نَحْوُ: أَعْذَرَ وَأَشْغَلَ وَأَشْهَرَ» جیسے «أَعْذَرُ» یعنی زیادہ معذور، «أَشْغَلُ» کیا معنی؟ زیادہ مشغول، اور «أَشْهَرُ» بمعنی زیادہ مشہور بھائی۔ تو معلوم ہوا یہ صرف فاعل کی زیادتی کو نہیں بیان کرتا بلکہ مفعول کی زیادتی کو بھی بیان کرتا ہے۔ اسی لیے مصنف نے جو تعریف کی تھی، دوبارہ تعریف کو ذرا دیکھو: «لِيَدُلَّ عَلَى الْمَوْصُوْفِ» تاکہ یہ دلالت کرے کس پر؟ موصوف پر «بِزِيَادَةٍ» ساتھ زیادتی کے۔ موصوف کا لفظ کہا، فاعل کا لفظ نہیں کہا تاکہ یہ کس کو شامل ہو جائے؟ اسمِ مفعول کو۔ اگر فاعل کہہ دیتے پھر تو مفعول نکل جاتا، حالانکہ ابھی انہوں نے آپ کو بتایا یہ فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول کی زیادتی کے بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے۔ لہٰذا مصنف نے موصوف کا لفظ استعمال کیا، بتلا دیا کہ وہ موصوف ہو چاہے فاعل ہو چاہے مفعول ہو بھائی۔

کہتے ہیں: «وَاسْتِعْمَالُهُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ» اور اسمِ تفضیل کا استعمال جو ہے تین طریقوں پر ہوتا ہے۔ یاد رکھیے! اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں، اور ایک وقت میں ان تین طریقوں میں سے یہ ایک کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ بیک وقت دو طریقوں سے یا تین سے کبھی بھی استعمال نہیں ہوگا۔ اور وہ تین طریقے: پہلا طریقہ ہے اضافت کا، کہ اسمِ تفضیل کو آپ مضاف بنائیں اور آگے مضاف الیہ لے آئیں۔ دوسرا طریقہ ہے الف لام والا، کہ اسمِ تفضیل پر آپ الف لام لے آئیں۔ تیسرا طریقہ ہے کہ اس کے ساتھ آپ «مِنْ» لے آئیں، «مِنْ» لے آئیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کتنے طریقے ہو گئے؟ تین۔ نمبر ایک: اضافت، مثلاً میں کہتا ہوں: «زَيْدٌ أَفْضَلُ النَّاسِ» زید لوگوں میں سے افضل ہے، تو «أَفْضَلُ» اسمِ تفضیل کی «النَّاسِ» کی طرف کیا ہو رہی ہے؟ اضافت ہو رہی ہے۔ اور کبھی کبھار الف لام ہوگا: «زَيْدٌ الْأَفْضَلُ» زید سب سے افضل ہے بھائی۔ اور تیسرا طریقہ ہے «مِنْ» کے ساتھ، جیسے «زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو» زید عمرو کے مقابلے میں زیادہ فضیلت والا ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَاسْتِعْمَالُهُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ» اسمِ تفضیل کا استعمال جو ہے تین طریقوں پر ہوتا ہے: «إِمَّا مُضَافٌ» یا تو مضاف ہوگا «لَكَ: زَيْدٌ

أَفْضَلُ الْقَوْمِ» ۔ «زَيْدٌ أَفْضَلُ الْقَوْمِ» کیا ترجمہ کریں گے؟ قوم، مردوں کی جماعت تین سے لے کر دس تک، تو اس کا ترجمہ لوگ کے ساتھ کر لیں، اور الف لام ہے معلوم ہوا کوئی خاص لوگ مراد ہیں۔ «زَيْدٌ أَفْضَلُ الْقَوْمِ» زید ان لوگوں میں سب سے افضل ہے، زید ان لوگوں میں سب سے زیادہ فضیلت والا ہے۔ «أَوْ مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ» یا اسمِ تفضیل معرف باللام ہو گا، دوسرا طریقہ ہے یعنی اس پر الف لام داخل ہو گا جیسے: «زَيْدٌ الْأَفْضَلُ» ۔ اور پھر الف لام یہ عوض ہوتا ہے مضاف الیہ کا، معلوم ہوا کسی خاص پر فضیلت بیان کی گئی بھائی کسی چیز پر، زید ان لوگوں سے افضل ہے موقع کے مطابق۔ «أَوْ بِمِنْ» یا تیسرا طریقہ ہے کہ «مِنْ» کے ساتھ استعمال ہو گا «نَحْوُ» مثال کے طور پر: «زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو» کہ زید عمرو کے مقابلے میں زیادہ افضل ہے، زیادہ فضیلت والا ہے۔

«وَيَجُوْزُ فِي الْأَوَّلِ الْإِفْرَادُ وَمُطَابَقَةُ اسْمِ التَّفْضِيْلِ لِلْمَوْصُوْفِ» اب تینوں طریقے جو ہیں بتلا تو دیا، تین طریقوں پر استعمال ہوتا ہے اسمِ تفضیل: یا مضاف ہو گا یا الف لام کے ساتھ یا «مِنْ» کے ساتھ۔ اب مزید تفصیل بیان کرنے لگے ہیں کہ اور کیا تفصیل ہے؟ کس طریقے سے مفرد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث کس طرح لے کر آئیں گے بھائی تینوں طریقوں میں اسمِ تفضیل کو؟ تو یاد رکھیے، جو پہلا طریقہ ہے جس میں اضافت ہو، اس میں اسمِ تفضیل کو مفرد مذکر رکھیں سب کے لیے۔ اسمِ تفضیل کو مفرد رکھیں، تثنیہ اور جمع نہیں، اور مذکر رکھیں سب کے لیے۔ موصوف جو ہے چاہے وہ مفرد ہو، چاہے تثنیہ ہو، چاہے جمع ہو، چاہے مذکر ہو، چاہے مؤنث ہو۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «زَيْدٌ أَفْضَلُ النَّاسِ» ، «اَلزَّيْدَانِ أَفْضَلُ النَّاسِ» دیکھا، افضل اسی طرح ہے، «اَلزَّيْدُوْنَ أَفْضَلُ النَّاسِ» ، «هِنْدٌ أَفْضَلُ النَّاسِ» ، «اَلْهِنْدَانِ أَفْضَلُ النَّاسِ» ، «اَلْهِنْدَاتُ أَفْضَلُ النَّاسِ» دیکھا، سب کے لیے «أَفْضَلُ» مفرد مذکر رکھا میں نے، یہ بھی اس میں جائز۔ پہلا طریقہ کون سا ہے؟ اضافت والا۔ تو سب کے لیے مفرد مذکر رکھیں یہ بھی جائز، اور موصوف کے ساتھ مطابقت کرنا بھی جائز۔ یعنی اگر موصوف مفرد ہے، مذکر ہے تو اس کو بھی مفرد مذکر لاؤ۔ اگر موصوف تثنیہ مذکر ہے تو اس کو بھی تثنیہ مذکر لاؤ۔ اگر موصوف جمع ہے تو اس کو بھی جمع لاؤ، وہ مذکر ہے تو اس کے لیے مذکر لاؤ، مؤنث ہے تو اس کے لیے مؤنث لاؤ۔

«زَيْدٌ أَفْضَلُ النَّاسِ» ، اور تثنیہ لے آؤ: «أَفْضَلَانِ» ، نون اضافت سے گر گیا، کیا پڑھیں گے؟ «أَفْضَلَا» ، تو «اَلزَّيْدَانِ أَفْضَلَا النَّاسِ» ۔ جمع لے آؤ: «أَفْضَلُوْنَ» ، نون اضافت سے گر گیا: «أَفْضَلُوْ» ، تو اب کیسے پڑھیں گے؟ «اَلزَّيْدُوْنَ أَفْضَلُو النَّاسِ» ۔ دیکھا موصوف مفرد ہے تو مفرد، تثنیہ ہے تو اس کے لیے تثنیہ، جمع کے لیے جمع۔ مؤنث کے لیے مؤنث لے آؤ۔ «أَفْضَلُ» کی اسمِ تفضیل گردان یاد ہے؟ «وَأَفْعَلُ التَّفْضِيْلِ الْمُذَكَّرُ مِنْهُ أَضْرَبُ وَجَمْعُهُ أَضَارِبُ، وَالْمُؤَنَّثُ مِنْهُ زُرْبَى، زُرْبَيَاتٌ، زُرَبٌ» دیکھا، «زُرْبَى» مؤنث ہے «فُعْلَى» ۔ تو اب کیا کہیں گے؟ افضل سے بناؤ نا: «فُضْلَى» ، «هِنْدٌ فُضْلَى» اور آگے «النَّاسِ» کی طرف اضافت کر دو، تو «فُضْلَى» کے آخر سے الف گر جائے گا کیونکہ اجتماعِ ساکنین آ گیا: «هِنْدٌ فُضْلَى النَّاسِ» ۔ اور تثنیہ لے آؤ: «فُضْلَيَانِ» ، نون گر گیا: «فُضْلَيَا» ، الف بھی پھر گر جائے گا اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے: «اَلْهِنْدَانِ فُضْلَيَا النِّسَاءِ» ۔ اور جمع لے آؤ: «اَلْهِنْدَاتُ فُضْلَيَاتُ النِّسَاءِ» ۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو «هِنْدٌ فُضْلَى النِّسَاءِ» ۔ معلوم ہوا پہلا طریقہ جو اضافت والا ہے، اس میں مفرد مذکر لانا بھی جائز اور مطابقت بھی جائز۔

دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں: «وَيَجُوْزُ فِي الْأَوَّلِ الْإِفْرَادُ» اور پہلے طریقے میں یعنی اضافت والے میں جائز ہے «الْإِفْرَادُ» مفرد لانا بھی، اور میں نے بتا دیا مفرد بھی اور التذکیر، یہ قید بھی یاد رکھنا: مفرد بھی ہو اور مذکر بھی ہونا چاہیے، اور بھی جائز: «وَمُطَابَقَةُ اسْمِ التَّفْضِيْلِ لِلْمَوْصُوْفِ» اور اسمِ تفضیل کی مطابقت موصوف کے ساتھ یہ بھی جائز ہے، یعنی مفرد کے لیے مفرد، تثنیہ کے لیے تثنیہ اور جمع کے لیے جمع۔ «نَحْوُ: زَيْدٌ أَفْضَلُ الْقَوْمِ، وَالزَّيْدَانِ أَفْضَلُ الْقَوْمِ» دیکھا، مفرد ہی رہا ہے اور مفرد مذکر ہے دونوں کے لیے، «وَأَفْضَلَا» ، دیکھو «زَيْدٌ أَفْضَلُ الْقَوْمِ» اس میں تو ایک ہی صورت ہے نا، اور «اَلزَّيْدَانِ» اس میں «أَفْضَلُ الْقَوْمِ» یہ بھی جائز، «وَأَفْضَلَا الْقَوْمِ» یہ بھی جائز، دونوں صورتیں انہوں نے دے دیں۔ «وَالزَّيْدُوْنَ أَفْضَلُ الْقَوْمِ» دیکھو مفرد مذکر یہ بھی جائز، «وَأَفْضَلُو الْقَوْمِ» یہ بھی جائز۔ دیکھا، دونوں میں تلفظ ایک ہی جیسا ہو گا: «اَلزَّيْدُوْنَ أَفْضَلُ الْقَوْمِ» اور «اَلزَّيْدُوْنَ أَفْضَلُو الْقَوْمِ» اس میں بھی واؤ پھر گر جائے گا تو تلفظ ایک ہی جیسا ہو گا۔

«وَفِي الثَّانِي» دوسرے طریقے کے اندر «يَجِبُ الْمُطَابَقَةُ» مطابقت واجب ہے۔ دوسرا طریقہ کون سا تھا؟ الف لام والا، اس میں موصوف کے ساتھ مطابقت ضروری ہے جیسے: «زَيْدٌ الْأَفْضَلُ، وَالزَّيْدَانِ الْأَفْضَلَانِ، وَالزَّيْدُوْنَ الْأَفْضَلُوْنَ» اور مؤنث بھی بنا لیں: «هِنْدٌ الْفُضْلَى» ، «اَلْهِنْدَانِ الْفُضْلَيَانِ» ، جمع لاؤ: «اَلْهِنْدَاتُ الْفُضْلَيَاتُ» شاباش بھائی!

«وَفِي الثَّالِثِ» اور تیسرا طریقہ وہ کون سا ہے؟ «مِنْ» کے ساتھ۔ یاد رکھیے، یہ سب سے آسان طریقہ ہے۔ اس میں اسمِ تفضیل ہمیشہ مفرد

مذکر رہے گا۔ اسمِ تفضیل کیا ہے؟ ہمیشہ مفرد مذکر رہے گا۔ «زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو»، «اَلزَّيْدَانِ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو»، «اَلزَّيْدُوْنَ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو»، «هِنْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو»، «اَلْهِنْدَانِ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو»، «اَلْهِنْدَاتُ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو» دیکھا، سب کے لیے مفرد مذکر «أَفْضَلُ» چل رہا ہے، صیغہ بدل ہی نہیں رہا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: «وَفِي الثَّالِثِ يَجِبُ كَوْنُهُ مُفْرَدًا مُذَكَّرًا أَبَدًا» تیسری صورت میں واجب ہے اسمِ تفضیل کا مفرد مذکر ہونا ابداً، ہمیشہ۔ «نَحْوُ: زَيْدٌ» دیکھو اب سب کو اکٹھا کریں گے: «زَيْدٌ» مفرد مذکر بھی آگیا، «وَهِنْدٌ» مفرد مؤنث بھی آگیا، «وَالزَّيْدَانِ وَالْهِنْدَانِ» دونوں کے تثنیہ بھی آگئے، «وَالزَّيْدُوْنَ وَالْهِنْدَاتُ» دونوں کے جمع بھی آگئے، «أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو» سب کے لیے ایک ہی خبر بتادی: «أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو» دیکھا، یہ سب کے لیے «أَفْضَلُ» ہی رہے گا۔

«وَعَلَى الْأَوْجُهِ الثَّلَاثَةِ» یہاں تک ساری تفصیل سمجھ میں آگئی؟ اسمِ تفضیل کے استعمال کے کتنے طریقے؟ تین طریقے ہیں: اضافت کے ساتھ یا الف لام کے ساتھ یا «مِنْ» کے ساتھ۔ جب اضافت کے ساتھ ہو تو پھر اس میں افراد و تذکیر بھی جائز اور مطابقت بھی جائز۔ اور جب الف لام کے ساتھ ہو تو پھر مطابقت واجب ہے۔ اور جب «مِنْ» کے ساتھ ہو، یاد رکھیے اصل طریقہ اسمِ تفضیل کے استعمال کا «مِنْ» کے ساتھ ہے، یہ اصل طریقہ۔ تینوں میں سے اصل کون سا طریقہ ہے؟ «مِنْ» کے ساتھ ہے بھائی۔ تو اس طریقے میں اسمِ تفضیل ہمیشہ مفرد مذکر رہے گا، موصوف چاہے مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، مذکر ہو، مؤنث ہو، سب صورتوں میں اسمِ تفضیل کیا رہے گا؟ مفرد مذکر۔ اور پھر اس میں ضمیر جو نکالیں گے وہ موصوف کے مطابق نکالیں گے۔ اسی «أَفْضَلُ» میں ضمیر کون سی نکالیں گے؟ اگر ماقبل میں زید تھا تو «أَفْضَلُ» میں «هُوَ» ضمیر: «أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو»، اور اگر ماقبل میں «اَلزَّيْدَانِ» تھا آگے تھا «أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو» تو پھر «هُمَا» ضمیر نکالیں گے۔ «اَلزَّيْدُوْنَ» تھا اور آگے «اَلزَّيْدُوْنَ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو» تو اس میں «هُمْ» ضمیر۔ تو ضمیر موصوف کے مطابق ہوگی، مفرد کے لیے مفرد، تثنیہ کے لیے تثنیہ، جمع کے لیے جمع، مذکر کے لیے مذکر، مؤنث کے لیے مؤنث لے کر آئیں گے، اور مخاطب کے لیے مخاطب، متکلم کے لیے متکلم کی ضمیر۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «أَنَا أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو» تو «أَفْضَلُ» میں کون سی ضمیر؟ «أَنَا»۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «وَعَلَى الْأَوْجُهِ الثَّلَاثَةِ يُضْمَرُ فِيْهِ الْفَاعِلُ» اور تینوں صورتوں پر فاعل اس میں کیا ہوگا؟ مقدر ہوگا۔ «وَهُوَ يَعْمَلُ فِي ذٰلِكَ الْمُضْمَرِ» اور وہ اسمِ تفضیل اس ضمیر میں عمل کرے گا، یعنی اس کو رفع دے گا کیونکہ فاعل مرفوع ہوتا ہے، وہ ضمیر اس کے اندر فاعل ہے۔ تو اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں بھائی: یا اضافت کے ساتھ، یا الف لام کے ساتھ اور یا «مِنْ» کے ساتھ۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ اسمِ تفضیل ہے اور تین طریقوں میں سے کسی کے ساتھ بھی وہ استعمال نہیں ہوتا، مثلاً «اَللّٰهُ أَكْبَرُ»۔ اب «أَكْبَرُ» اسمِ تفضیل ہے، نہ اس کے آگے کوئی مضاف الیہ آرہا ہے، نہ اس پر الف لام داخل ہے اور نہ آگے «مِنْ» آرہا ہے، تو اسمِ تفضیل ہے اور یہ تین طریقوں میں سے کسی کے ساتھ بھی استعمال نہیں ہوا۔ تو جواب یاد رکھیے کہ نہیں، اسمِ تفضیل جب بھی آئے گا ان تین طریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہی استعمال ہوگا، لیکن بعض اوقات مفضل علیہ وہ ظاہر ہوتا ہے یا واضح ہوتا ہے یا اس پر کوئی قرینہ دلالت کر رہا ہوتا ہے تو اس کو حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے یہاں پر «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» یعنی «اَللّٰهُ أَكْبَرُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ» اللہ کی ذات ہر چیز سے زیادہ عظیم ہے، ہر چیز سے زیادہ بڑی ہے، تو «مِنْ كُلِّ شَيْءٍ» اس کو حذف کر دیا گیا کیونکہ بات واضح تھی بھائی۔ یا یوں کہو: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ مِنْ كُلِّ كَبِيْرٍ» اللہ کی ذات ہر کبیر سے زیادہ بڑی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے اس کو حذف کر دیا گیا۔ تو جہاں پر کوئی قرینہ وغیرہ موجود ہو تو بعض اوقات «مِنْ» اور اس کے مابعد وغیرہ کو لفظوں سے حذف کر لیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھیے، کبھی کبھی اسمِ تفضیل کسی کے مقابلے میں زیادتی بیان کرنے کے لیے نہیں آتا، تو اس وقت بھی پھر «مِنْ» وغیرہ اس کے ساتھ نہیں ہوگا۔

اور ان میں سے دو طریقوں کو اکٹھا استعمال کرنا بھی درست نہیں ہے۔ لہٰذا اگر آپ یوں کہیں: «زَيْدٌ الْأَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو» تو یہ درست نہیں ہے، کیونکہ آپ الف لام بھی لے کر آرہے ہیں اور ساتھ ساتھ «مِنْ» بھی لے کر آرہے ہیں، تو تین طریقوں میں سے ایک ہی طریقے کے ساتھ ایک وقت میں استعمال ہوگا بھائی۔

«وَلَا يَعْمَلُ فِي الْمُظْهَرِ أَصْلًا إِلَّا فِي مِثْلِ قَوْلِهِمْ: مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَحْسَنَ فِي عَيْنِهِ الْكُحْلُ مِنْهُ فِي عَيْنِ زَيْدٍ» ہاں، یہ بڑا مشکل اور پیچیدہ مسئلہ آگیا بھائی، اس کو کہتے ہیں مسئلہ کحل۔ کحل سرمے کو کہتے ہیں، سرمے کو۔ تو اس میں چونکہ اس کی مثال کے اندر کحل یعنی سرمے کا ذکر آرہا ہے، تو یہ کس نام سے مشہور ہے؟ مسئلہ کحل بھائی۔ یاد رکھیے! یہ جو اسمِ تفضیل ہے نا، یہ بے انتہا کمزور عامل ہے۔ یہ صرف ضمیر میں عمل کرتا ہے، اسمِ ظاہر میں عمل نہیں کرتا۔ اور ضمیر میں عمل اس لیے کرتا ہے کیونکہ وہ ضمیر بھی اس کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے، تو وہ عمل بھی گویا لا عمل ہے، ظاہر تو ہوتا نہیں کچھ۔ تو

اس لیے ضمیر میں تو یہ عمل کرے گا ہمیشہ، لیکن آگے اسمِ ظاہر میں یہ عمل کرے اور اس کو رفع دے، یعنی اپنا فاعل بنائے، کہتے ہیں وہ صرف اس جیسی مثالوں میں ہو گا اور کہیں پر یہ اسمِ ظاہر کو رفع نہیں دے گا۔ یہ اس جیسی مثالوں میں، کون سی؟ «مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَحْسَنَ فِي عَيْنِهِ الْكُحْلُ مِنْهُ فِي عَيْنِ زَيْدٍ»۔ تو اس میں دیکھیے، یہ «أَحْسَنَ» اسمِ تفضیل ہے اور آگے «الْكُحْلُ» مرفوع آرہا ہے، اس «الْكُحْلُ» کو یہ «أَحْسَنَ» اسمِ تفضیل رفع دے رہا ہے۔ «الْكُحْلُ» جو ہے وہ اس کے لیے فاعل ہے۔ تو اسمِ تفضیل اسمِ ظاہر کو رفع دے گا صرف اس جیسی مثالوں میں، اور یہ مسئلہ کیا کہلاتا ہے؟ مسئلہ کحل کہلاتا ہے بھائی۔

اور یاد رکھیے، یہی وہ مسئلہ ہے جو شرح جامی کی تصنیف کا سبب بنا۔ شرح جامی آپ انشاء اللہ اگلے سال پڑھیں گے، کافیہ کی مشہور و معروف اور عظیم الشان شرح ہے، اور سینکڑوں سال سے مدارس کے اندر پڑھائی جارہی ہے بھائی۔ بے انتہا پیچیدہ کتاب نحو کی اور عظیم کتاب بھائی۔ شرح جامی کے مصنف جو ہیں ملا جامی ہیں، یہ افغانستان کے دوسری طرف روس کے علاقے میں رہتے تھے اور بہت بڑے ولی اللہ اور صوفی، بزرگ تھے، تو ان کے بیٹے جو تھے وہ ہندوستان پڑھنے کے لیے آئے ہوئے تھے، وہ ہندوستان میں پڑھتے تھے۔ اس زمانے میں ہندوستان میں ایک بہت بڑے عالم اور بہت بڑے نحوی موجود تھے، دور دور سے طلباء ان کے پاس پڑھنے کے لیے آتے تھے، اور وہ نحو کے بہت بڑے ماہر، انہوں نے کافیہ کی شرح بھی لکھی، تو وہ شارحِ ہندی کے نام سے مشہور تھے۔ یعنی ہندوستان کا شرح کرنے والا۔ کافیہ کی انہوں نے شرح لکھی تھی نا، تو کس نام سے مشہور ہوئے؟ شارحِ ہندی بھائی۔

ان کے پاس دور دور سے طلباء پڑھنے کے لیے آتے تھے، ملا جامی کے بیٹے بھی ان کے پاس پڑھنے کے لیے آئے، تو سبق کے دوران یہ مسئلہ کحل آیا۔ شارحِ ہندی نے اس کو تفصیل سے بیان کیا لیکن مسئلہ ہے ہی بڑا مشکل، وہ ملا جامی کے بیٹے کو صحیح سمجھ میں نہیں آیا۔ سبق کے بعد کہتے ہیں وہ استاد کے پاس گئے، استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا کہ استاد جی! یہ مسئلہ اگر آپ مجھے دوبارہ سمجھا دیں، مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔ تو شارحِ ہندی نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: یہ بڑا مشکل مسئلہ ہے، یہ صوفیوں کو کہاں سمجھ میں آئے گا! یہ انہوں نے اس سے فرمایا بھائی۔ شارحِ ہندی کا یہ طنز بھرا جملہ ملا جامی کو بھی پہنچ گیا۔ تو کہتے ہیں ملا جامی نے پھر کافیہ کی شرح لکھی اور ایسی عظیم الشان شرح لکھی کہ سینکڑوں سال گزر گئے، آج بھی وہ داخلِ درس ہے بھائی، اور اس کے مقابلے کی اور کوئی شرح نہیں بھائی۔ شارحِ ہندی کی کافیہ کی جو شرح تھی اس کو عام طلباء جانتے بھی نہیں ہیں جبکہ ملا جامی کی شرح کو اللہ نے وہ مقبولیت دی اور اتنا اونچا مقام ہے اس کا، آج بھی تمام طلباء اس کو پڑھتے ہیں بھائی۔ تو انہوں نے گویا شرح جامی لکھ کر بتلا دیا کہ ہم خالی صوفی نہیں ہیں، خالی ذکر و اذکار اور عبادات کرنے والے نہیں بلکہ ہمیں اللہ نے بہت علم دیا ہے لیکن ہماری اصل توجہ تصوف کی طرف ہے، لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ ہمارے پاس علم نہیں ہے۔ تو یہ واقعہ سبب بنا شرح جامی کی تصنیف کا بھائی۔

تو اسمِ تفضیل جو ہے وہ اسمِ ظاہر میں عمل نہیں کرتا، صرف اس جیسی مثالوں میں عمل کرتا ہے۔ جی، تو یہ لکھ لیجیے بھائی: اسمِ تفضیل کے اسمِ ظاہر میں عمل کرنے کے لیے تین شرائط ہیں۔ شرطِ اول: وہ اسمِ تفضیل صفت بحال متعلقہ ہو، یعنی لفظوں کے اعتبار سے صفت ہو ایک چیز کے لیے، تو معنی کے اعتبار سے صفت ہو اس کے متعلق کے لیے۔ شرطِ ثانی: وہ متعلق مفضل ہو ایک اعتبار سے اور مفضل علیہ ہو دوسرے اعتبار سے۔ لکھ لیا بھائی؟ کیا لکھا؟ وہ متعلق مفضل ہو ایک اعتبار سے اور مفضل علیہ ہو دوسرے اعتبار سے۔

بھائی پہلے یہ سمجھ لیں، مفضل کسے کہتے ہیں اور مفضل علیہ؟ مفضل صیغے سے ہی پتہ چل رہا ہے: مفضل جس کو فضیلت دی گئی، اور مفضل علیہ جس پر فضیلت دی گئی۔ تو یاد رکھیے اسمِ تفضیل جو «مِنْ» سے ماقبل ہے وہ ہے مفضل، اور جو مابعد جس پر فضیلت دی وہ ہے مفضل علیہ۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو»، میں نے زید کو فضیلت دی کہ زید زیادہ فضیلت والا ہے، تو زید ہوا مفضل، اور کس پر فضیلت دی؟ عمرو پر، تو عمرو کیا ہوا؟ مفضل علیہ۔ تو بس جس کو فضیلت دی جائے وہ ہوتا ہے مفضل اور جس پر فضیلت دی جائے وہ ہے مفضل علیہ۔ تو دوسری شرط یہ ہوئی کہ مفضل اور مفضل علیہ یہاں ایک ہی ہونا چاہیے۔ مفضل بھی وہی ہو اور مفضل علیہ بھی وہی، البتہ مفضل ہے وہ ایک اعتبار سے تو مفضل علیہ ہے دوسرے اعتبار سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور تیسری شرط، شرطِ ثالث: وہ اسمِ تفضیل تحت النفی واقع ہو۔ تو یہ نفی اسمِ تفضیل سے زیادتی کے معنی کو ختم کر دے گی، اور «أَحْسَنَ»، «حَسُنَ» کے معنی میں ہو جائے گا۔ «أَحْسَنَ»، «حَسُنَ» بابِ کرم ہے نا، یا یوں کہو جیسے «أَضْرَبُ» بمعنی «ضَرَبَ» کے ہو جائے گا، تو «أَحْسَنَ» کس معنی میں ہو جائے گا؟ «حَسُنَ»۔ «أَنْصَرُ» ہو صاد کے ساتھ، تو یہ کس معنی میں ہو جائے گا؟ «نَصَرَ»۔ کیا لکھا؟ کہ اسمِ تفضیل سے زیادتی کے معنی کو ختم کر دے گی اور «أَحْسَنَ»، «حَسُنَ» کے معنی میں ہو جائے گا۔

بھائی دیکھیے، پہلے اب بات کو سمجھ لیں۔ یہ اسمِ تفضیل جو ہے نا، اس میں دو چیزیں ہوتی ہیں: ایک تو وہ فعل والا معنی بھی ہوتا ہے اور ایک زیادتی بھی اس میں بیان ہوتی ہے۔ «أَضْرَبُ» کا کیا معنی؟ ضرب بھی بیان ہو رہی ہے اور زیادتی بھی بیان ہو رہی ہے، مطلقاً ضرب نہیں ہے بلکہ اس میں زیادتی بیان ہو رہی ہے۔ «أَنْصَرُ» اس میں مدد بھی بیان ہو رہی ہے اور ساتھ زیادتی کہ زیادہ مدد ہے، یہ بھی بیان ہو رہا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ «أَحْسَنُ» کا کیا معنی؟ اس میں حسن یعنی خوبصورتی بھی بیان ہو رہی ہے اور ساتھ زیادتی بھی کسی پر بیان ہو رہی ہے کہ کسی کے مقابلے میں زیادہ حسین ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو گویا یوں کہو، یہ اسمِ تفضیل جو ہے اس میں فعل کے ساتھ ایک قید آجاتی ہے زیادتی والی۔ «أَحْسَنُ» میں خوبصورتی بھی ہے اور یعنی فعل بھی ہے اور ساتھ زیادتی بھی ہے، تو یوں کہو گویا اس میں فعل مقید ہوتا ہے، اس کے ساتھ ایک قید بھی ذکر ہے زیادتی والی۔ تو فعل ہوا مقید۔ تو «أَحْسَنُ» میں مطلقاً خوبصورتی بیان ہو رہی ہے یا خوبصورتی مقید ہے زیادتی کے ساتھ؟ مقید ہے زیادتی کے ساتھ، یعنی زیادتی والی قید بھی موجود ہے۔ یا جیسے آپ کہیں «أَضْرَبُ»، «أَضْرَبُ» میں مطلقاً ضرب بیان ہو رہی ہے یا ضرب کے ساتھ زیادتی بھی بیان ہو رہی ہے؟ تو گویا یہ والی ضرب مقید ہے کس کے ساتھ؟ زیادتی کے ساتھ۔ تو گویا یوں کہو، اسمِ تفضیل میں فعل ہوتا ہے لیکن وہ فعل مقید ہوتا ہے زیادتی کے ساتھ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور یاد رکھنا ہمیشہ! مقید پر جب نفی داخل ہو تو وہ نفی قید کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اس قید کی نفی ہو جاتی ہے، خود مقید کی نفی نہیں ہوتی۔ توجہ ہے؟ ابھی میں مثالیں ذکر کروں گا، انشاء اللہ سب سمجھ میں آجائے گا، لیکن توجہ رکھو۔ مقید پر جب کیا داخل ہو؟ نفی، تو وہ جو نفی ہے وہ اس قید کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اس قید کو ختم کرتی ہے، خود مقید کو ختم نہیں کرتی۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں: «آكُلُ خُبْزًا»، اکل یا کل کا معنی کھانا، خبز کہتے ہیں روٹی کو، «آكُلُ خُبْزًا» میں روٹی کھاؤں گا، یہاں خبز مطلق ہے، کوئی قید ہے ساتھ؟ صرف روٹی ذکر ہے۔ اب میں اس کی قید لے آتا ہوں صفت: «آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا» میں ٹھنڈی روٹی کھاؤں گا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ ٹھنڈی کس کے لیے قید ہے؟ روٹی کے لیے قید ہے، بارد کا معنی ٹھنڈا ہونا، تو «خُبْزًا بَارِدًا» اب بارداً کے ساتھ مقید ہے۔ مطلق روٹی کی بات نہیں کی جا رہی، ٹھنڈی روٹی کی بات کی جا رہی ہے۔ اب میں اس پر حرفِ نفی لاتا ہوں: «لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا» میں ٹھنڈی روٹی نہیں کھاؤں گا۔ کیا معنی؟ میں روٹی کھانے کی نفی مطلقاً کر رہا ہوں یا ٹھنڈی روٹی کھانے کی نفی کر رہا ہوں؟ ٹھنڈی روٹی کھانے کی، دیکھا؟ یہ نہ کھانے کی جو بات ہو رہی ہے اس کا تعلق ٹھنڈی کے ساتھ آگیا، ٹھنڈی کو ختم کر و روٹی گرم ہوئی معلوم ہوا میں کھالوں گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مقید پر جب نفی داخل ہو، جیسے یہ «خُبْزًا بَارِدًا» مقید تھا، اس پر کیا داخل ہوئی؟ نفی: «لَا آكُلُ»، تو یہ نفی قید کی طرف متوجہ ہوئی، مقید خود روٹی کھانے کی نفی نہیں ہوئی بلکہ قید کی نفی ہوئی کہ ٹھنڈی روٹی میں نہیں کھاؤں گا۔

تو ہمیشہ یاد رکھو، جو مقید ہوتا ہے اس پر جب نفی داخل ہو تو نفی قید کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس قید کو اٹھا دیتی ہے، اس کی نفی کرتی ہے، خود مقید کی نفی نہیں کرتی۔ تو یاد رکھیے، یہ جو مفعول، صفت، جار مجرور، یہ سب قیدیں ہوتی ہیں۔ مثلاً «ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الدَّارِ» میں نے زید کی پٹائی کی گھر میں، «ضَرَبْتُ زَيْدًا» یہ «زَيْدًا» مفعول ہے اور مفعول بھی فعل کے لیے قید ہوتا ہے۔ تو «ضَرَبْتُ زَيْدًا» یہ مقید ہے زید کے ساتھ، معلوم ہوا یہ ضرب زید کے اوپر واقع ہوئی ہے، زید مضروب ہے۔ اب میں ذرا اس پر حرفِ نفی لاتا ہوں: «مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا»، کیا معنی؟ میں نے زید کی پٹائی نہیں کی، یعنی قید کا صرف رفع کیا، یہ نفی قید کی طرف متوجہ ہوئی، ضرب کی طرف نہیں، ہو سکتا ہے میں نے عمرو کی کی ہو۔ ہاں، اگر میں یوں کہتا: «مَا ضَرَبْتُ» میں نے پٹائی نہیں کی، اب سب آگئے اس میں کیونکہ مطلق ہے۔ لیکن جب میں نے کہا: «مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا» تو معنی ہوا کہ میں نے زید کی پٹائی نہیں کی، باقی کسی اور کی ہو سکتا ہے میں نے کی ہو۔

ایک اور قید بڑھا دو: «مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا التَّاجِرَ» میں نے پٹائی نہیں کی اس زید کی جو کہ تاجر ہے، تو نفی تاجر قید کی طرف متوجہ ہو گئی، ہو سکتا ہے دوسرا زید ہو جو تاجر نہیں ہے میں نے اس کی پٹائی کی ہو۔ ایک اور قید لے آؤ: «مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا التَّاجِرَ فِي الدَّارِ» میں نے تاجر زید کی پٹائی اس گھر میں نہیں کی، تو نفی گھر کی طرف متوجہ ہو رہی ہے، باہر کی تو بات ہے ہی نہیں اس میں۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ تو جب بھی مقید پر نفی داخل ہو تو نفی اس قید کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس قید کی نفی ہو جاتی ہے، مقید کی نفی نہیں ہوتی بلکہ قید کی نفی ہوتی ہے۔ تو یہاں پر بھی اسمِ تفضیل میں فعل مقید ہوتا ہے زیادتی کے ساتھ، «أَضْرَبُ» کا کیا معنی؟ ضرب بھی ہے اور اس میں زیادتی بھی ہے۔ تو اس پر جب حرفِ نفی داخل ہو گا تو وہ مقید کی نفی نہیں کرے گا بلکہ زیادتی کی۔ تو لہٰذا جب «أَحْسَنَ» پر حرفِ نفی داخل ہوا تو اس میں ایک تو حسن بھی تھا اور زیادتی بھی تھی، تو زیادتی کی نفی ہو گئی، تو یہ صرف حسن یعنی «حَسُنَ» کے معنی میں ہو گیا۔

تو اسمِ تفضیل کے عمل کے لیے تین شرائط ہیں بھائی۔ پہلی شرط کیا؟ وہ صفت بحال متعلقہ ہو۔ صفت بحالہ کیا ہوتی ہے کہ لفظوں میں جس کی صفت، معنی میں بھی اسی کی صفت، جیسے «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ»۔ اور صفت بحال متعلقہ کیا ہوتی ہے کہ لفظوں میں صفت ہو ایک کی، معنی میں صفت ہو اس کے متعلق

کی، جیسے «جَاءَنِيْ زَيْدٌ الْعَالِمُ أَبُوْهُ»۔ دیکھو، «الْعَالِمُ» لفظوں میں صفت ہے زید کی، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ عالم صفت کس کی ہے؟ «أَبُوْهُ» اس کے والد کی، تو اس کو کہتے ہیں صفت بحال متعلقہ۔ اور یاد رکھو، خبر بھی صفت کے درجے میں ہوتی ہے، جیسے «زَيْدٌ عَالِمٌ أَبُوْهُ» میں «عَالِمٌ» لفظوں میں خبر ہے زید کی لیکن معنی میں صفت ہے اس کے والد کی، تو یہ بھی صفت بحال متعلقہ ہے۔ اسی طرح حال بھی صفت کے درجے میں ہوتا ہے، جیسے «جَاءَنِيْ زَيْدٌ رَاكِبًا غُلَامُهُ» میں «رَاكِبًا» لفظوں میں حال ہے زید سے، لیکن معنی میں صفت ہے اس کے غلام کی، تو یہ بھی صفت بحال متعلقہ ہے۔ تو یہ معنی کے اعتبار سے سب صفات ہی ہوتی ہیں بھائی۔

اب مثال پر دیکھیے: «مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَحْسَنَ فِي عَيْنِهِ الْكُحْلُ مِنْهُ فِي عَيْنِ زَيْدٍ»۔ «مَا رَأَيْتُ» میں نے نہیں دیکھا «رَجُلًا» ایسا آدمی «أَحْسَنَ» کہ زیادہ خوبصورت ہو «فِي عَيْنِهِ» اس کی آنکھوں میں «الْكُحْلُ» سرمہ «مِنْهُ» اسی سرمے کے مقابلے میں «فِي عَيْنِ زَيْدٍ» جب وہ زید کی آنکھ میں ہو۔ کہنے والا کہنا یہ چاہتا ہے کہ یہ سرمہ جب زید کی آنکھ میں لگا ہو تو سب سے زیادہ خوبصورت لگتا ہے، یعنی کسی آنکھ میں سرمہ اتنا خوبصورت نہیں لگتا جتنا سرمہ زید کی آنکھ میں لگتا ہے۔ تو زیادہ خوبصورت کون لگتا ہے؟ سرمہ، اور کس کے مقابلے میں؟ سرمے ہی کے مقابلے میں۔ یہی سرمہ مفضل ہے جب زید کی آنکھ میں ہو، اور یہی سرمہ مفضل علیہ ہے جب یہ کسی دوسرے کی آنکھ میں ہو۔ تو متعلق مفضل بھی ہے اور مفضل علیہ بھی، لیکن مفضل ہے ایک اعتبار سے کہ وہ زید کی آنکھ میں ہو، اور مفضل علیہ ہے دوسرے اعتبار سے کہ وہ کسی اور کی آنکھ میں ہو۔ اور «أَحْسَنَ» لفظوں میں صفت ہے رجل کی لیکن معنی کے اعتبار سے صفت ہے کحل کی، تو صفت بحال متعلقہ بھی ہو گیا۔

اب ترکیب دیکھیے: «مَا» حرفِ نفی، «رَأَيْتُ» فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ «رَجُلًا» منصوب لفظاً موصوف۔ «أَحْسَنَ» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ تفضیل۔ «فِيْ» حرفِ جار، «عَيْنِ» مجرور لفظاً مضاف، «ہٖ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا «فِيْ» کے لیے، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «أَحْسَنَ» اسمِ تفضیل سے۔ «الْكُحْلُ» مرفوع لفظاً فاعل ہوا «أَحْسَنَ» کے لیے۔ «مِنْ» حرفِ جار، «ہٖ» ضمیر مجرور محلاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «أَحْسَنَ» سے۔ «فِيْ» حرفِ جار، «عَيْنِ» مجرور لفظاً مضاف، «زَيْدٍ» مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور ہوا «فِيْ» کے لیے، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «أَحْسَنَ» سے۔

اور یاد رکھیے، دو ایک جیسے جار مجرور جن کا معنی ایک ہو وہ ایک فعل سے متعلق نہیں ہو سکتے، البتہ اسمِ تفضیل دو حدثوں والا ہے یعنی اس میں فعل بھی ہے اور ساتھ ساتھ زیادتی بھی ہے، اس لیے اس کے ساتھ دو ایک جیسے جار مجرور متعلق ہو سکتے ہیں۔ یا ایک اور ترکیب ہے جو مجھے زیادہ پسند ہے کہ «مِنْهُ» کی ہاء ضمیر کو ذوالحال بناؤ، اور «فِي عَيْنِ زَيْدٍ» جار مجرور کو «ثَابِتًا» کے متعلق کر کے حال بناؤ، ذوالحال حال مل کر مجرور ہوا «مِنْ» کے لیے۔ اسی طرح ماقبل میں «الْكُحْلُ» کو ذوالحال اور «فِي عَيْنِهِ» کو اس سے حال بنا دو۔ تو پھر «أَحْسَنَ» صیغہ اسمِ تفضیل اپنے فاعل «الْكُحْلُ» اور اپنے متعلقات سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت ہوئی رجل کی، موصوف صفت مل کر مفعول بہ ہوا «مَا رَأَيْتُ» کے لیے، جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اور نفی نے ماقبل کے مفضل ہونے کے معنی کو ختم کر دیا، اب مابعد والا مفضل بن چکا ہے کہ زید کی آنکھ میں سرمہ زیادہ حسین ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَلَا يَعْمَلُ فِي الْمُظْهَرِ أَصْلًا إِلَّا فِي مِثْلِ قَوْلِهِمْ: مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَحْسَنَ فِي عَيْنِهِ الْكُحْلُ مِنْهُ فِي عَيْنِ زَيْدٍ» اور اسمِ تفضیل اسمِ ظاہر میں عمل نہیں کرتا مگر عربوں کے اس قول کی مثل میں: «مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَحْسَنَ فِي عَيْنِهِ الْكُحْلُ مِنْهُ فِي عَيْنِ زَيْدٍ»، «فَإِنَّ الْكُحْلَ فَاعِلٌ لِّأَحْسَنَ» اس لیے کہ کحل فاعل ہے «أَحْسَنَ» کے لیے۔ «وَهٰهُنَا بَحْثٌ» اور یہاں پر بحث ہے، یعنی اس عبارت کو اور انداز میں بھی اور مختصر طریقے سے بھی ادا کیا جا سکتا ہے، اور وہ انشاء اللہ آپ اگلی کتابوں میں پڑھیں گے۔ چلیے بس بھائی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ»۔

اَلْقِسْمُ الثَّانِي فِي الْفِعْلِ

فعلِ ماضی، فعلِ مضارع، نواصب وجوازم، اصنافِ اعرابِ فعل، امر، افعالِ مقاربہ، تعجب اور مدح وذم (اسباق ۹۳ تا ۹۹)

سبق نمبر ۹۳: القسم الثاني في الفعل: فعلِ ماضی اور فعلِ مضارع کے احکام اور حروفِ اتین

ہدایۃ النحو صفحہ: ۸۴—بتاریخ: ۱ مارچ ۲۰۱۶ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

«اَلْقِسْمُ الثَّانِي فِي الْفِعْلِ، وَقَدْ سَبَقَ تَعْرِيفُهُ، وَأَقْسَامُهُ ثَلَاثَةٌ: مَاضٍ وَمُضَارِعٌ وَأَمْرٌ. اَلْأَوَّلُ: الْمَاضِي، وَهُوَ فِعْلٌ دَلَّ عَلَى زَمَانٍ قَبْلَ زَمَانِكَ، وَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ إِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ ضَمِيرٌ مَرْفُوعٌ مُتَحَرِّكٌ وَلَا وَاوٌ»۔

اسم کی طویل بحث مکمل ہو گئی بھائی۔ مصنف، صاحبِ ہدایت النحو نے آپ کو بتلایا تھا کہ میری اس کتاب کے اندر تین اقسام ذکر ہوں گی۔ اور تین اقسام میں قسمِ اول میں اسم ہے، قسمِ ثانی میں فعل اور قسمِ ثالث میں حروف کا بیان ہے۔ تو اس میں سے اب قسمِ اول کا بیان مکمل ہو گیا، اب قسمِ ثانی یعنی فعل کا بیان کرنے لگے ہیں۔

تو کہتے ہیں: «اَلْقِسْمُ الثَّانِي فِي الْفِعْلِ»، کہ قسمِ ثانی جو ہے فعل کے بارے میں۔ «وَقَدْ سَبَقَ تَعْرِيفُهُ»، اور تحقیق اس کی تعریف گزر چکی ہے۔ فعل کی تعریف گزر چکی بھائی۔ فعل کی تعریف بھی ذکر کی تھی، اور فعل کے خاصے بھی ذکر کیے تھے، اور فعل کی علامات بھی ذکر کی تھیں۔ تو انہوں نے فعل کی تعریف بھی آپ کو بتلادی تھی کہ «كَلِمَةٌ تَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا دَلَالَةً مُقْتَرِنَةً بِزَمَانِ ذٰلِكَ الْمَعْنَى»۔

تو فعل ایسا کلمہ ہے جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرتا ہے اور اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی ملا ہوتا ہے۔ «وَأَقْسَامُهُ ثَلَاثَةٌ»، اور اس کی تین قسمیں ہیں بھائی: «مَاضٍ وَمُضَارِعٌ وَأَمْرٌ»، ماضی ہے، مضارع ہے اور امر۔ فعل کتنی قسم پر؟ تین قسم پر: ماضی، مضارع اور امر۔ آگے آپ کو ہر ایک کی الگ الگ تفصیل بیان کریں گے اور آپ کو بتلائیں گے کہ ماضی، یہ بھی مبنی ہے، امر، یہ بھی مبنی ہے، البتہ مضارع کیا ہے؟ معرب ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «اَلْأَوَّلُ: الْمَاضِي»، پہلا فعل جو ہے وہ ماضی ہے، «وَهُوَ فِعْلٌ دَلَّ عَلَى زَمَانٍ قَبْلَ زَمَانِكَ»، اور وہ ایسا فعل ہے جو دلالت کرتا ہے «عَلَى زَمَانٍ»، ایسے زمانے پر «قَبْلَ زَمَانِكَ»، جو آپ کے زمانے سے پہلے ہے۔ یعنی جس زمانے میں آپ موجود ہیں، اس زمانے سے پہلے زمانے پر ماضی دلالت کرتا ہے۔ یعنی گزشتہ زمانے پر، جو آپ کے زمانے سے پہلے گزر چکا اور ہو چکا، اس زمانے پر دلالت کرے اس فعل کو کیا کہتے ہیں؟ فعلِ ماضی۔

تو کہتے ہیں: «اَلْمَاضِي: وَهُوَ فِعْلٌ دَلَّ عَلَى زَمَانٍ قَبْلَ زَمَانِكَ»، وہ فعل ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے زمانے پر جو آپ کے زمانے سے پہلے ہے۔ آپ کے زمانے سے کیا مراد ہے؟ جس زمانے میں آپ اس وقت موجود ہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ وہ۔ «وَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ»، بھائی آج تک آپ نے سنا ہو گا کہ ماضی جو ہے مبنی علی الفتح ہوتی ہے، لیکن یاد رکھیے مطلقاً ایسا نہیں ہے کہ ہر ماضی مبنی علی الفتح ہو۔ بلکہ ماضی مبنی علی الفتح بھی ہو سکتی ہے، مبنی علی السکون بھی ہو سکتی ہے اور مبنی علی الضم بھی ہو سکتی ہے بھائی، مبنی علی الضم بھی۔

ہاں البتہ جب ماضی کا صیغہ ایسا ہو کہ جس کے ساتھ کوئی ضمیرِ بارز متحرک یا واو جڑا ہوا نہ ہو، تو پھر ماضی مبنی علی الفتح ہو گی۔ اور اگر ماضی کے ساتھ واو جڑ جائے، تو پھر ماضی مبنی علی الضم ہو گی، جیسے «ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوا»۔ دیکھا آخر میں کیا آیا؟ واو۔ تو واو سے ماقبل «ضَرَبَ»، دیکھا با آ رہی ہے ماضی کی۔ فعل کا مادہ کیا ہے؟ ضاد، را، با۔ تو با کو ہم دیکھیں گے اس پر کون سی حرکت ہے، اس کے مطابق ہم حکم لگائیں گے۔ با پر اس وقت کیا ہے؟ ضمہ۔ معلوم ہوا ماضی کے ساتھ آخر میں جب واو ضمیر جڑ جائے تو پھر ماضی مبنی علی الضم ہوتی ہے۔

اور اسی طرح اگر ماضی کے ساتھ آخر میں ضمیرِ بارز متحرک مل جائے تو پھر ماضی مبنی علی السکون ہو گی۔ کون سی ضمیر ملے؟ بارز ہو، یعنی ظاہر ہو، اس کے اندر چھپی ہوئی نہ ہو، اور متحرک ہو، تو پھر ماضی مبنی علی السکون، یعنی لام پر سکون آئے گا بھائی۔ جیسے «ضَرَبْنَا» یا «ضَرَبْتَ»۔ دیکھو «ضَرَبْنَا» کے آخر میں کیا ہے؟ نون۔ یہ ضمیر ہے، بارز ہے، نظر آ رہی ہے بھائی، اس پر تلفظ آپ کر رہے ہیں، اور متحرک ہے، تو اب دیکھیے «ضَرَبْنَا»، با کیا ہے؟ ساکن۔ تو یہ ماضی کیا ہے؟ مبنی علی السکون۔ اسی طرح «ضَرَبْتَ»، اس کے آخر میں بھی تا ہے، ضمیرِ بارز ہے اور متحرک ہے، تو یہ بھی ماضی کیا ہے؟ مبنی علی السکون۔ «ضَرَبْتُ» اس میں بھی اسی طرح ہے، «ضَرَبْنَا» اس میں بھی اسی طرح۔

تو معلوم ہوا ماضی کے ساتھ اگر آخر میں واو جڑ جائے تو ماضی مبنی علی الضم، اور ماضی کے آخر میں ضمیرِ بارز مرفوع متحرک جڑ جائے تو پھر ماضی مبنی علی السکون۔ اور اگر ایسا نہ ہو، یعنی واو بھی نہ ہو اور ضمیرِ بارز مرفوع متحرک بھی ساتھ نہ ہو، تو پھر ماضی مبنی علی الفتح ہو گی۔ جیسے «ضَرَبَ»، دیکھا نہ آخر میں واو ہے نہ کوئی اور ضمیر۔ «ضَرَبَا»، اب آخر میں الف ضمیر ہے لیکن وہ متحرک نہیں ہے، ہم نے کہا تھا متحرک ہو پھر ما قبل ساکن ہو گا۔ تو ابھی بھی «ضَرَبَا»، با پر کیا ہے؟ زبر۔ تو ماضی مبنی علی الفتح ہے۔ «ضَرَبُوا»، یہاں کیا ہے؟ ماضی مبنی علی الضم۔ «ضَرَبَتْ»، یہ تا تو ضمیر ہے ہی نہیں، یہ تو تانیث کی علامت ہے، لہٰذا ابھی بھی ماضی کیا ہے؟ مبنی علی الفتح۔ «ضَرَبْنَا»، یہ تا پھر بھی وہی ضمیر نہیں ہے بلکہ تانیث والی تا ہے، تو ابھی بھی دیکھ لیں ماضی کیا ہے؟ مبنی علی الفتح ہے۔ «ضَرَبْنَ»، اب ضمیرِ مرفوع متحرک ساتھ مل گئی، تو ماضی مبنی علی السکون۔ «ضَرَبْتَ»، اس میں بھی مبنی علی السکون۔ «ضَرَبْتُمَا»، اس میں بھی مبنی علی السکون۔ «ضَرَبْتُمْ»، دیکھیے مبنی علی السکون۔ «ضَرَبْتِ»، ضمیرِ بارز مرفوع متحرک ہے ساتھ، تو ماضی کیا ہے؟ «ضَرَبْتِ»، با کیا ہے؟ مبنی علی السکون۔ «ضَرَبْتُمَا»، ابھی بھی مبنی علی السکون۔ «ضَرَبْتُنَّ»، ابھی بھی کیا ہے با؟ جی یہ با ہے نا، اسی سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ ماضی کا آخری حرف ہے، آگے تو ضمیر جڑی ہوئی ہے۔ «ضَرَبْتُنَّ»، ابھی بھی کیا ہے؟ ماضی مبنی علی السکون۔ «ضَرَبْتُ»، ماضی مبنی علی السکون، اور «ضَرَبْنَا»، ماضی مبنی علی السکون۔

تو یہی اب بیان کر رہے ہیں: «وَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ»، اور ماضی جو ہے مبنی علی الفتح ہو گی، «إِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ ضَمِيرٌ مَرْفُوعٌ مُتَحَرِّكٌ وَلَا وَاوٌ»، کہ جب اس کے ساتھ ضمیر مرفوع متحرک نہ ہو، «وَلَا وَاوٌ»، اور نہ واو ہو، «كَ: ضَرَبَ»، «وَمَعَ الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ الْمُتَحَرِّكِ عَلَى السُّكُونِ»، اور ضمیرِ مرفوع متحرک کے ساتھ علی السکون، مبنی علی السکون ہو گی، «كَ: ضَرَبْتُ، ضَرَبْتَ، ضَرَبْتِ»، تینوں حرکتیں لکھ دیں بھائی، تینوں صیغے۔ «وَعَلَى الضَّمِّ مَعَ الْوَاوِ»، اور ماضی مبنی علی الضم ہو گی واو کے ساتھ، «كَ: ضَرَبُوا»، جیسے «ضَرَبُوا»۔

▪ قولہ: «وَالثَّانِي: الْمُضَارِعُ» کی تشریح

«وَالثَّانِي: الْمُضَارِعُ»، فعل کی دوسری قسم مضارع ہے، مضارع۔ «وَهُوَ فِعْلٌ يُشْبِهُ الِاسْمَ»، «يُشْبِهُ» ہے آپ کی کتابوں میں کہ «يَشْبَهُ» ہے؟ «يَشْبَهُ»؟ جی، «يُشْبِهُ»۔ ہاں، میری کتاب میں بھی با پر زبر ہے «يَشْبَهُ»، بھائی یہ درست نہیں ہے، «يُشْبِهُ» ہونا چاہیے «يُشْبِهُ»۔ اس لیے کیونکہ «يَشْبَهُ» ہو تو یہ معلوم ہوا ثلاثی مجرد سے ہے: شَبِهَ يَشْبَهُ، حالانکہ عربی زبان میں یہ مادہ مجرد سے استعمال نہیں ہے۔ مجرد سے استعمال نہیں، بلکہ ثلاثی مزید فیہ وغیرہ سے یہ آتا ہے: أَشْبَهَ يُشْبِهُ بابِ افعال ہے، یا شَبَّهَ يُشَبِّهُ بابِ تفعیل ہے، یا شَابَهَ وغیرہ بابِ مفاعلہ۔ تو یہ مجرد سے نہیں آتا، لہٰذا «يُشْبِهُ» کر لیں اس کو بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَهُوَ فِعْلٌ يُشْبِهُ الِاسْمَ»، اور فعلِ مضارع جو ہے وہ ایسا فعل ہے، «يُشْبِهُ الِاسْمَ»، دیکھو «فِعْلٌ» نکرہ آیا اور «يُشْبِهُ» اس کے بعد فعل آیا۔ فعل نکرہ اور اس کے بعد «يُشْبِهُ» فعل آیا، تو نکرہ کے بعد فعل آئے تو عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو کہتے ہیں وہ ایسا فعل ہے «يُشْبِهُ الِاسْمَ»، جو اسم کے مشابہ ہو، «بِإِحْدَى حُرُوفِ أَتَيْنَ فِي أَوَّلِهِ»، حروفِ أَتَيْنَ میں سے کسی ایک کی وجہ سے اس کے شروع میں۔ بھائی دیکھیے فعلِ مضارع کے شروع میں أَتَيْنَ، حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی ایک حرف آئے گا: أَتَيْنَ، ہمزہ، تا، یا، نون۔ دیکھو «يَضْرِبُ»، یا ہے شروع میں، أَتَيْنَ میں بھی کیا ہے؟ یا۔ «يَضْرِبُ، يَضْرِبَانِ، يَضْرِبُونَ، تَضْرِبُ»، تا آ گئی، أَتَيْنَ دیکھو اس میں تا بھی ہے۔ اور «تَضْرِبُ، تَضْرِبَانِ، يَضْرِبْنَ»، پھر یا آ گئی، پھر «تَضْرِبُ، تَضْرِبَانِ، تَضْرِبُونَ، تَضْرِبِينَ، تَضْرِبَانِ، تَضْرِبْنَ، أَضْرِبُ»، دیکھو ہمزہ شروع میں آ گیا، اور «نَضْرِبُ»، نون آ گیا، اور أَتَيْنَ، ہمزہ بھی ہے اس میں، أَتَيْنَ میں تا بھی ہے، یا بھی ہے اور نون بھی۔ تو مضارع کے شروع میں ان أَتَيْنَ حروف میں سے کوئی ایک حرف آئے گا، اور اس ایک حرف جب آ جائے گا، اب اس کی مشابہت ہو گئی اسمِ فاعل کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ اسمِ فاعل کے ساتھ مشابہت ہو گئی حرکات و سکنات میں۔ حرکات اور سکنات میں، یعنی اسمِ فاعل میں جہاں لفظ متحرک، مضارع میں بھی وہاں آپ دیکھیں گے حرف متحرک ہے۔ اسمِ فاعل میں جہاں حرف ساکن، فعلِ

مضارع میں بھی وہاں حرف ساکن ہو گا۔

جیسے، جیسے «يَضْرِبُ»، «يَضْرِبُ»۔ پہلے حرف پاپر کیا ہے؟ فتحہ نہ کہیں، حرکت بتائیں، متحرک ہے یا ساکن ہے؟ ہاں، حرکت جو بھی ہو اس سے ہماری بحث نہیں۔ یا پر کیا ہے؟ حرکت۔ «ضَارِبٌ»، اس سے اسمِ فاعل آتا ہے ناضارب، تو دیکھو مضارع اسمِ فاعل جیسا ہو گا۔ «ضَارِبٌ» میں بھی پہلا حرف کیا ہے؟ حرکت ہے، فتحہ، کسرہ، ضمہ ان چیزوں کو نہیں دیکھنا، بس صرف یہ دیکھو متحرک ہے یا ساکن ہے؟ ضاد کیا ہے ضارب کا؟ متحرک۔ اور ادھر «يَضْرِبُ» کے شروع میں یا ہے، وہ بھی کیا ہے؟ متحرک۔ پھر «يَضْرِبُ»، آگے ضاد کیا ہے؟ ساکن ہے۔ «ضَارِبٌ» میں بھی ضاد کے بعد دوسرا حرف الف کیا ہے؟ ساکن۔ «يَضْرِبُ» میں تیسرا حرف راہے، اس پر کیا ہے؟ حرکت ہے، وہ متحرک۔ تو «ضَارِبٌ» میں بھی را کیا ہے؟ متحرک۔ اور «يَضْرِبُ» میں آخری حرف کیا ہے؟ متحرک۔ تو «ضَارِبٌ» میں بھی آخری حرف متحرک۔ تو بہر حال آخری حرف کو تو دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، وہ تو اعراب کے اعتبار سے مختلف آئے گا، بس باقی سارے حروف آپ دیکھیں گے سارے حروف کیا ہوں گے؟ اسمِ فاعل میں اگر متحرک ہے تو فعلِ مضارع میں بھی متحرک، اسمِ فاعل میں جو ساکن ہے تو فعلِ مضارع میں بھی ساکن۔ اسی لیے فعلِ مضارع کو مضارع کہتے ہیں، کیونکہ یہ مشابہ ہے۔ ضَارَعَ يُضَارِعُ کا معنی ہوتا ہے مشابہ: ضَارَعَ يُضَارِعُ مُضَارَعَةً بابِ مفاعلہ ہے، اسی سے اسمِ فاعل کیا ہے؟ مضارع، مشابہ۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟

تو کہتے ہیں: «وَهُوَ فِعْلٌ»، فعلِ مضارع ایسا فعل ہے «يُشْبِهُ الِاسْمَ»، جو مشابہ ہے اسم کے، یعنی اسمِ فاعل کے، «بِإِحْدَى حُرُوفِ أَتَيْنَ فِي أَوَّلِهِ»، اس کے شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کسی ایک حرف کی وجہ سے۔ اس کے شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کسی ایک حرف کی وجہ سے یہ فعلِ مضارع مشابہ ہے کس کے؟ اسمِ فاعل کے۔ بھائی اگر شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی نہ ہوتا، تو پھر مشابہت ہونی تھی؟ پھر تو نہیں ہونی تھی، پھر تو حروف کم ہو جاتے اس کے۔ تو یہ باسببیہ ہے، اس کے شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کسی ایک حرف کی وجہ سے۔ اور پھر صاحبِ کتاب کا کمال دیکھیے: أَتَيْنَ، وہ حروف جو فعلِ مضارع کے شروع میں آتے ہیں ان کو جمع کیا اور ان سے باقاعدہ ایک صیغہ بنالیا: أَتَيْنَ، جمع مؤنث غائب کا صیغہ: أَتَى، أَتَيَا، أَتَوْا، أَتَتْ، أَتَتَا، أَتَيْنَ۔ تو ایسے حروف، أَتَيْنَ جو آگئے ہیں کہاں پر؟ «فِي أَوَّلِهِ»، اس کے شروع میں۔

تو کہتے ہیں تو یہ مشابہ ہوتا ہے ان حروف کی وجہ سے «لَفْظًا»، باعتبار لفظوں کے۔ مشابہ ہوتا ہے لفظوں کے اعتبار سے بھی، اور دو تین سطروں بعد آرہا ہے «وَمَعْنًى»، اور معنی کے اعتبار سے۔ بھائی دیکھو یہ ہے فعلِ مضارع، یہ ہے اسمِ فاعل۔ یہ جو فعلِ مضارع ہے نا اس کی مشابہت ہے کس کے ساتھ؟ اسمِ فاعل کے ساتھ، لفظوں کے اعتبار سے بھی مشابہت اور معنی کے اعتبار سے بھی مشابہت ہے۔ یہ معنی ہے «لَفْظًا»، یہ مشابہ ہے اسم کے لفظاً باعتبار لفظوں کے۔ بھائی کس چیز میں مشابہ ہے؟ کہتے ہیں: «فِي اتِّفَاقِ الْحَرَكَاتِ وَالسَّكَنَاتِ»، حرکات اور سکنات کے اتفاق میں، یعنی دونوں متفق ہیں، ایک جیسے ہیں حرکات اور سکنات میں۔ «نَحْوُ: يَضْرِبُ وَيَسْتَخْرِجُ، كَـ: ضَارِبٍ وَمُسْتَخْرِجٍ»، یہ کس کی طرح ہے؟ جیسے کہ ضارب اور مستخرج۔ «يَضْرِبُ» کی مشابہت ہے ضارب کے ساتھ، میں نے بیان کر دی۔ «يَسْتَخْرِجُ» دیکھو، یہ فعلِ مضارع ہے اور اس سے اسمِ فاعل کیا آتا ہے؟ مستخرج۔ یہاں بھی دیکھیں آپ اسی طرح ہو گا: «يَسْتَخْرِجُ»، یا متحرک اور آگے سین ساکن۔ «مُسْتَخْرِجٌ»، شروع میں میم متحرک اور سین ساکن۔ آگے «يَسْتَخْرِجُ»، تا متحرک، خا ساکن۔ «مُسْتَخْرِجٌ»، وہاں بھی تا متحرک، خا ساکن۔ آگے پھر «يَسْتَخْرِجُ»، را پھر متحرک آگئی اور «مُسْتَخْرِجٌ» میں بھی را کیا آگئی؟ متحرک۔ جہاں ایک صیغے میں حرف متحرک ہے تو دوسرے میں بھی متحرک، اور جہاں ایک صیغے میں حرف ساکن ہے تو دوسرے صیغے میں بھی ساکن ہے۔

تو یہ لفظوں کے اعتبار سے کس کی طرح ہوا فعلِ مضارع؟ اسمِ فاعل کی طرح، اسمِ فاعل جیسا ہے۔ لیکن ابھی اور بھی چیزیں بیان کر رہے ہیں: «وَفِي دُخُولِ لَامِ التَّأْكِيدِ فِي أَوَّلِهِمَا»، اور لامِ تاکید کے داخل ہونے میں بھی ان دونوں کے شروع میں۔ یعنی دونوں کے شروع میں لامِ تاکید آتا ہے۔ لامِ تاکید جو کلام میں تاکید پیدا کرتا ہے، زور پیدا کرتا ہے۔ تو دیکھا فعلِ مضارع پر بھی یہ لامِ تاکید داخل ہوتا ہے تو اسمِ فاعل پر بھی یہ لامِ تاکید داخل ہوتا ہے۔ «تَقُولُ: إِنَّ زَيْدًا لَيَقُومُ»، مثال کے طور پر آپ کہتے ہیں «إِنَّ زَيْدًا لَيَقُومُ»، یقیناً زید البتہ کھڑا ہوتا ہے، یعنی یقیناً زید کھڑا ہے۔ «إِنَّ زَيْدًا لَيَقُومُ»، یقیناً زید کیا ہے؟ کھڑا ہے۔ انّ بھی لے آئے تاکید آگئی، لام بھی تاکید کے لیے آگیا، خوب زور سے آپ کہہ رہے ہیں، مطلب بڑی پکی بات کر رہے ہیں: «إِنَّ زَيْدًا لَيَقُومُ»، یقیناً زید جو ہے وہ کھڑا ہے۔ تو دیکھیے اب فعلِ مضارع پر کیا داخل ہوا؟ لام، لامِ تاکید۔ «كَمَا تَقُولُ: إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ»، جیسے آپ کہتے ہیں «إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ»، یہاں دیکھو قائم اسمِ فاعل پر بھی کیا داخل ہوا؟ لامِ تاکید۔

جی ترکیب کیجیے بھائی: «إِنَّ زَيْدًا لَيَقُومُ»۔ «إِنَّ» حرف از حروفِ مشبہ بالفعل۔ «زَيْدًا» منصوب لفظاً انّ کا اسم۔ لام تاکید کے لیے۔ «يَقُومُ» فعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو انّ کے اسم کی طرف راجع، کیونکہ انّ کی خبر کو انّ کے اسم سے جوڑتے ہیں۔ تو فعل اپنے فاعل سے

مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبرانّ کے لیے۔انّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔اور جی آگے ترکیب کیجیے: «إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ»۔«إِنَّ» حرف از حروفِ مشبہ بالفعل۔«زَيْدًا» منصوب لفظاًانّ کا اسم۔لام تاکید یہ۔«قَائِمٌ» مرفوع لفظاًصیغہ اسمِ فاعل،اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاًجو لوٹ رہی ہےانّ کے اسم کی طرف۔شاباش!«قَائِمٌ» کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاًکیونکہ وہ فاعل ہے اور یہ لوٹ رہی ہےانّ کے اسم کی طرف کیونکہ یہ انّ کی خبر ہےاورانّ کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟انّ کے اسم سے۔تواسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر،انّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

تو کہتے ہیں فعلِ مضارع جو ہے وہ لفظوں کے اعتبار سے اسمِ فاعل کے مشابہ ہے،ایک تو حرکات و سکنات ایک جیسی ہیں،نیز دونوں پر کیا داخل ہوتا ہے؟ لامِ تاکید داخل ہوتا ہے۔«وَفِي تَسَاوِيهِمَا فِي عَدَدِ الْحُرُوفِ»،اور دونوں کے برابر ہونے میں عددِ حروف میں،یعنی دونوں عددِ حروف کے اعتبار سے برابر ہیں۔اگر اسمِ فاعل میں چار حرف ہیں مثلاً«ضَارِبٌ»،تو فعلِ مضارع میں بھی کتنے ہوں گے؟چار حروف۔اور اسی طرح دیکھ لیں«مُكْرِمٌ»،کتنے حروف ہیں؟چار۔«يُكْرِمُ»،فعلِ مضارع میں بھی کتنے ہیں؟چار۔جیسے«مُكَرِّمٌ»،کتنے حروف؟میم،کاف اور رامشدد دراصل دو حرف ہیں،تو پانچ حروف، «مُكَرِّمٌ» میں پانچ حروف،اور «يُكَرِّمُ» اس میں بھی کتنے حروف؟پانچ حروف ہیں۔«مُسْتَخْرِجٌ»،چھ حروف۔«يَسْتَخْرِجُ»،اس میں بھی کتنے ہیں؟چھ حروف ہیں۔تو کہتے ہیں:«وَفِي تَسَاوِيهِمَا فِي عَدَدِ الْحُرُوفِ»،اور ان دونوں کے عددِ حروف کے اندر برابر ہونے میں۔

▪ قولہ:«وَمَعْنًى فِي أَنَّهُ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الْحَالِ و...» کی تشریح

«وَمَعْنًى فِي أَنَّهُ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الْحَالِ وَالِاسْتِقْبَالِ كَاسْمِ الْفَاعِلِ»،اور معنی کے اعتبار سے بھی اسمِ فاعل کے ساتھ اس کی مشابہت ہے کہ یہ فعلِ مضارع جو ہے یہ مشترک ہے حال اور استقبال میں،یعنی حال کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور استقبال کے لیے بھی۔بھائی ایک وقت میں ایک ہی معنی میں استعمال ہو گا۔حال میں ہو گا تو پھر استقبال والا معنی نہیں،استقبال والا معنی ہے تو حال والا معنی نہیں۔تو ایک وقت میں تو ایک ہی معنی میں استعمال ہو گا، لیکن احتمال دونوں ہیں اس میں۔آپ چاہیں تو حال کے لیے استعمال کر لیں تو بھی فعلِ مضارع استعمال،آپ چاہتے ہیں استقبال کے لیے تو بھی کیا استعمال کریں گے؟فعلِ مضارع۔حال کے لیے بھی فعلِ مضارع استعمال کرتے ہیں،استقبال کے لیے بھی،اس میں دونوں معنی ہیں لیکن جب استعمال کریں گے تو اس وقت ایک ہی معنی ہو گا۔بات سمجھ میں آگئی؟اور اسمِ فاعل بھی اسی طرح ہے،حال کے لیے بھی آتا ہے اور استقبال کے لیے بھی آتا ہے،آپ پڑھ چکے ہیں بھائی۔

تو اور معنی کے اعتبار سے بھی مشابہ ہے اس بارے میں کہ یہ فعلِ مضارع جو ہے مشترک ہے بین الحال والاستقبال،حال اور استقبال کے درمیان،«كَاسْمِ الْفَاعِلِ»،جیسے کہ اسمِ فاعل ہے۔«وَلِذٰلِكَ سَمَّوْهُ مُضَارِعًا»،اور اسی وجہ سے اس کا نام رکھا ہے مضارع بھائی۔اسی وجہ سے نحویوں نے اس کا نام جو ہے فعلِ مضارع رکھا ہے،کیونکہ مضارع کا کیا معنی؟مشابہ،تو یہ اسمِ فاعل کے مشابہ ہے۔حاصلِ کلام یہ:فعلِ مضارع کو مضارع اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اسمِ فاعل کے مشابہ ہے۔لفظاً بھی اس کے مشابہت اور معناً بھی مشابہت۔لفظاً مشابہت ہے حرکات و سکنات میں بھی،لامِ تاکید کے داخل ہونے میں بھی اور حروف کی تعداد میں بھی۔ان سب کے اعتبار سے لفظی کیا ہے؟مشابہت۔اور معنوی مشابہت بھی ہے کہ جیسے فعلِ مضارع حال اور استقبال کے لیے ہے،اسی طرح اسمِ فاعل بھی حال اور استقبال کے لیے۔تو کہتے ہیں:«وَلِذٰلِكَ سَمَّوْهُ مُضَارِعًا»،اور اسی وجہ سے اس کو فعلِ مضارع کہتے ہیں۔

«وَالسِّينُ وَسَوْفَ تُخَصِّصُهُ بِالِاسْتِقْبَالِ»،یاد رکھیے فعلِ مضارع میں حال اور استقبال دونوں کا معنی ہے۔لیکن اگر فعلِ مضارع پر سین داخل ہو جائے:«سَيَضْرِبُ زَيْدٌ»،تو اب یہ مستقبل کے ساتھ خاص ہو گیا۔اب معنی ہو گا«سَيَضْرِبُ»،عنقریب پٹائی کرے گا،زید پٹائی۔یعنی اس وقت پٹائی نہیں کر رہا،عنقریب مستقبل میں کیا کرے گا وہ؟پٹائی کرے گا۔اسی طرح«سَوْفَ يَضْرِبُ زَيْدٌ»،جب سوف داخل ہوا اب بھی مضارع مستقبل کے ساتھ خاص ہو گیا،تو اب«سَوْفَ يَضْرِبُ» کا یہ ترجمہ نہیں کرنا کہ زید پٹائی کر رہا ہے،حال نہیں ہے بلکہ مستقبل ہے،عنقریب زید کیا کرے گا؟پٹائی کرے گا۔دیکھا مستقبل کے ساتھ خاص ہو گیا۔جبکہ اس کے مقابلے میں اگر لام داخل ہو جائے نا فعلِ مضارع پر،تو وہ اس کو حال کے ساتھ خاص کر دیتا ہے،جیسے «لَيَضْرِبُ»۔«لَيَضْرِبُ»،اب اس میں حال والا معنی ہو گا،استقبال والا نہیں:«لَيَضْرِبُ»،پٹائی کر رہا ہے،یا پٹائی کرتا ہے۔صورت سمجھ میں آگئی؟ مستقبل نہیں۔

تو کہتے ہیں:«وَالسِّينُ وَسَوْفَ تُخَصِّصُهُ بِالِاسْتِقْبَالِ»،سین اور سوف جو ہے وہ فعلِ مضارع کو خاص کر دیتے ہیں زمانۂ مستقبل کے ساتھ، «نَحْوُ: سَيَضْرِبُ، وَسَوْفَ يَضْرِبُ»،«وَاللَّامُ الْمَفْتُوحَةُ بِالْحَالِ»،اور لامِ مفتوحہ جو ہے اس کو خاص کر دیتا ہے زمانۂ حال کے ساتھ،«نَحْوُ:

لَيَضْرِبُ » ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے کہا سوف اس کو خاص کرتا ہے مستقبل کے ساتھ، اور لام اس کو خاص کر دیتا ہے حال کے ساتھ، پھر تو یہ دونوں جمع نہیں ہونے چاہییں، کیونکہ مستقبل اور حال الگ الگ زمانے ہیں۔ تو ایک وقت میں تو ایک ہی زمانہ آسکتا ہے، اور قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: « وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ » ۔ تو دیکھو لام بھی آرہا ہے اور سوف بھی آرہا ہے۔ لام کیا چاہتا ہے، یہ کون سا معنی ہوا اس میں؟ حال والا، اور سوف کیا چاہتا ہے؟ استقبال والا۔ تو یہ دونوں تو جمع نہیں ہونے چاہییں، لیکن یہ دونوں کیا ہیں؟ جمع ہو رہے ہیں۔ تو جواب یاد رکھیے کہ یہاں لام صرف تاکید کے لیے ہے، حال کا فائدہ نہیں دے رہا، صرف کس چیز کا فائدہ دے رہا ہے؟ تاکید، یعنی کلام میں زور پیدا کر رہا ہے۔

▪ قولہ: «وَحُرُوفُ الْمُضَارَعَةِ مَضْمُومَةٌ فِي الرُّبَاعِيِّ» کی تشریح

« وَحُرُوفُ الْمُضَارَعَةِ مَضْمُومَةٌ فِي الرُّبَاعِيِّ » ، بھائی یہ تو صرفی بات آپ پہلے بھی صرف میں پڑھ چکے ہیں، صرف میں۔ صرف میں آپ نے پڑھا ابواب کے اندر کہ علامتِ مضارع جو ہے یہ تمام ابواب میں مفتوح ہے سوائے چار بابوں کے۔ سب میں مفتوح ہے۔ « يَضْرِبُ » ، یا پر کیا ہے؟ فتحہ، دیکھو علامتِ مضارع مفتوح۔ « يَنْصُرُ » ، یا پر کیا ہے دیکھیے؟ فتحہ۔ « يَسْتَخْرِجُ » ، دیکھو یا پر کیا ہے؟ فتحہ۔ « يَحْمَرُّ » ، دیکھو یا پر کیا ہے؟ فتحہ۔ تو علامتِ مضارع جو ہے وہ تمام ابواب میں آپ کو مفتوح ملے گی، ہاں چار باب ایسے ہیں جن میں علامتِ مضارع مضموم ہو گی، اور وہ چار کون کون سے ہیں؟ بابِ افعال ہے: أَكْرَمَ يُكْرِمُ، دیکھو « يُكْرِمُ » ، یا پر کیا ہے؟ ضمہ۔ اور بابِ تفعیل ہے: كَرَّمَ يُكَرِّمُ، دیکھو « يُكَرِّمُ » ، یا پر کیا ہے؟ ضمہ۔ اور بابِ مفاعلہ ہے: قَاتَلَ يُقَاتِلُ، « يُقَاتِلُ » ، دیکھو یا پر کیا ہے؟ ضمہ۔ اور ایک بابِ دَحْرَجَ ہے: دَحْرَجَ يُدَحْرِجُ، دیکھو یا پر کیا ہے؟ « يُدَحْرِجُ » ، یا پر ضمہ۔ تو چار باب ایسے ہیں جن میں علامتِ مضارع پر ضمہ ہے، باقی تمام ابواب میں علامتِ مضارع پر فتحہ ہے بھائی۔

بھئی اب ہمیں کیسے پتہ چلے گا، کوئی ضابطہ نہیں جس کے ذریعے ہمیں پتہ چل جائے کہ کہاں پر علامتِ مضارع پر ضمہ آئے گا اور کہاں پر علامتِ مضارع پر فتحہ آئے گا؟ تو ضابطہ یاد رکھیے۔ وہ فعل جس کی ماضی کا پہلا صیغہ یعنی واحد مذکر غائب چار حروف پر مشتمل ہو، اس کی علامتِ مضارع پر ضمہ آئے گا۔ کون سا باب؟ وہ فعل جس کی ماضی، ماضی کی بات کر رہا ہوں مضارع کی نہیں، ماضی کا پہلا صیغہ کتنے حروف پر مشتمل ہو؟ چار حروف پر مشتمل ہو، چاہے اصلی ہو چاہے زائد ہو، اس سے ہماری بحث نہیں، بس حروف کتنے ہونے چاہییں؟ چار حروف، تو اس کی علامتِ مضارع پر ضمہ آئے گا۔ اب آپ مجھے بتائیے « ضَرَبَ » ، کتنے حروف ہیں پہلے صیغے میں؟ تین ہیں۔ معلوم ہوا یہاں ضمہ نہیں آئے گا، « يَضْرِبُ » دیکھا ضمہ نہیں آیا۔ آگے دیکھیے « أَكْرَمَ » ، چار حروف ہیں دیکھو ماضی کے پہلے صیغے میں، تو « يُكْرِمُ » یہاں ضمہ آئے گا۔ « كَرَّمَ » ، یہ رامشدد کتنے ہیں؟ دو راہیں، تو چار حروف ہوئے، تو لہٰذا « يُكَرِّمُ » ضمہ آئے گا۔ اور « قَاتَلَ » ، قاف، الف، تا، لام، کتنے حروف؟ چار۔ دیکھو ماضی کے پہلے صیغے میں چار حروف، تو لہٰذا مضارع میں « يُقَاتِلُ » ، یا پر ضمہ۔ « اِسْتَخْرَجَ » ، چھ حروف، ہم نے تو کیا کہا تھا؟ چار۔ معلوم ہوا یہاں بھی ضمہ نہیں آئے گا، دیکھا « يَسْتَخْرِجُ » فتحہ آرہا ہے۔ « دَحْرَجَ » ، چار حروف، لہٰذا « يُدَحْرِجُ » ، یا پر کیا ہے؟ ضمہ۔ تو معلوم ہوا اگر ماضی کا پہلا صیغہ چار حروف پر مشتمل ہو، یعنی ماضی کا پہلا صیغہ رباعی ہو، کیا ہو؟ رباعی، یعنی چار حروف والا ہو، تو پھر علامتِ مضارع پر ضمہ آئے گا۔ اور اگر ماضی کا پہلا صیغہ چار سے کم حروف ہیں یا چار سے زیادہ ہیں، تو باقی تمام صورتوں میں علامتِ مضارع مفتوح ہو گی، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: « وَحُرُوفُ الْمُضَارَعَةِ مَضْمُومَةٌ فِي الرُّبَاعِيِّ » ، اور حروفِ مضارع جو ہیں مضموم ہوں گے رباعی میں۔ کیا معنی رباعی؟ یعنی ماضی کا پہلا صیغہ جس کا رباعی ہو، فعلِ رباعی مراد نہیں، حروفِ اصلیہ مراد نہیں۔ « نَحْوُ: يُدَحْرِجُ » ، دیکھا دَحْرَجَ سے « يُدَحْرِجُ » ، « وَيُخْرِجُ » ، اَخْرَجَ سے « يُخْرِجُ » ۔ « لِأَنَّ أَصْلَهُ يُؤَخْرِجُ » ، اس لیے کیونکہ اس کی اصل کیا تھی؟ « يُؤَخْرِجُ » ۔ بھائی آپ جانتے ہیں أَكْرَمَ يُكْرِمُ، اَكْرَمَ کے شروع میں ہمزہ ہے، « يُكْرِمُ » میں تو ہمزہ ہے ہی نہیں حالانکہ مضارع ماضی سے بنتا ہے۔ کس سے بنتا ہے؟ ماضی سے بنتا ہے، ماضی کے شروع میں کیا لے آتے ہیں؟ علامتِ مضارع لے آتے ہیں۔ تو لیکن یہاں ہم دیکھ رہے ہیں اکرم سے کیا ہونا چاہیے تھا؟ « يُؤَكْرِمُ » ۔ تو یاد رکھیے یہ اکرم اصل میں « يُؤَكْرِمُ » ہی تھا، « يُؤَكْرِمُ » ، علامتِ مضارع کے بعد ہمزہ تھا۔ لیکن یہ گردان آپ کریں آخر میں جب آپ پہنچیں گے متکلم کے صیغے پر: أُؤَكْرِمُ، نُؤَكْرِمُ، تو دیکھو « أُؤَكْرِمُ » کتنے ہمزہ ہو گئے؟ دو ہمزہ اکٹھے ہو گئے، اور ہمزہ کی ادائیگی دشوار ہے، ثقیل ہے، حلق سے ادا ہوتا ہے اور جھٹکے کے ساتھ ادا ہوتا ہے، « أُؤَكْرِمُ » دیکھا؟ تو ایک ہمزہ کی ادائیگی ثقیل ہے، تو دو کی وجہ سے تو اور زیادہ ثقل ہو گیا۔ لہٰذا جب دو ہمزہ جمع ہوئے تو اس کا علاج یہ کیا گیا کہ جو دوسرا ہمزہ تھا باب والا، اس کو گرا دیا۔ متکلم والا ہمزہ برقرار رکھا اور باب والا ہمزہ گرا دیا: « أُؤَكْرِمُ » ، پہلا ہمزہ کس کا؟ متکلم والا، دوسرا کس کا؟ باب کا، وہ گرا دیا تو کیا بن گیا؟ « أُكْرِمُ » ۔ اور جب اس ایک صیغے میں ہمزہ گرایا تو باقی سارے صیغوں میں: « يُؤَكْرِمُ، تُؤَكْرِمُ » وغیرہ ان میں بھی کیا کر دیا؟ گرا دیا طرداً للباب۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟

طرد اللباب، یعنی سارے باب کو موافق بنانے کے لیے تاکہ سارا باب ایک دوسرے جیسا ہو، یہ نہ ہو کہیں پر ہمزہ ہے کہیں پر ہمزہ نہیں۔ تو سارے کا حکم ایک بنانے کے لیے کیا کر دیا گیا؟ ہمزہ کو سب صیغوں سے گرا دیا گیا۔ تو معلوم ہوا «يُكْرِمُ» اصل میں کیا تھا؟ «يُؤَكْرِمُ»۔ یہی بیان کر رہے ہیں: «لِأَنَّ أَصْلَهُ يُؤَخْرِجُ»، کہ «يُخْرِجُ» اصل میں کیا تھا؟ اس کی اصل جو ہے «يُؤَخْرِجُ» تھی۔

تو انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ حروفِ مضارع مضموم ہوں گے کس میں؟ رباعی میں۔ «وَمَفْتُوحَةٌ فِيمَا عَدَاهُ»، اور اس کے علاوہ میں حروفِ مضارع کیا ہوں گے؟ مفتوح ہوں گے، «كَـ: يَضْرِبُ، وَيَسْتَخْرِجُ»۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

▪ قولہ: «وَإِنَّمَا أَعْرَبُوهُ مَعَ أَنَّ أَصْلَ الْفِعْلِ...» کی تشریح

«وَإِنَّمَا أَعْرَبُوهُ مَعَ أَنَّ أَصْلَ الْفِعْلِ الْبِنَاءُ»، اچھا، سوال پیدا ہوا کہ بھائی فعل کے اندر تو اصل ہے مبنی ہونا، اسی لیے فعلِ ماضی بھی کیا ہے؟ مبنی، فعلِ امر بھی کیا ہے؟ مبنی۔ پھر یہ مضارع کو معرب کیوں قرار دیا؟ معرب کیوں بنایا گیا؟ تو اب آپ کو وجہ بتلائیں گے کہ ابھی ہم نے ذکر کیا کہ اس فعلِ مضارع کی لفظوں کے اعتبار سے بھی اسمِ فاعل سے مشابہت ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی اسمِ فاعل کے ساتھ مشابہت، یعنی یوں کہو اس فعل کی لفظوں اور معنی دونوں اعتبار سے اسم کے ساتھ مشابہت ہے، اور اسم میں تو اصل ہے معرب ہونا، لہٰذا فعلِ مضارع کو بھی کیا بنا دیا گیا؟ معرب بنایا گیا۔

کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا أَعْرَبُوهُ»، اور کہتے ہیں فعلِ مضارع کو جو ہے اعراب دیا گیا، «مَعَ أَنَّ أَصْلَ الْفِعْلِ الْبِنَاءُ»، باوجود اس کے کہ فعل کے اندر اصل جو ہے وہ مبنی ہونا ہے، کیوں؟ «لِمُضَارَعَتِهِ أَيْ لِمُشَابَهَتِهِ الِاسْمَ فِيمَا عَرَفْتَ»، اس وجہ سے کہ اس کی مشابہت ہے اسم کے ساتھ ان چیزوں میں جو آپ نے جان لیں، جو آپ نے پہچان لیں، ہم نے بیان کر دی کہ لفظوں میں بھی مشابہت ہے تین اعتبار سے اور معنی کے اعتبار سے بھی مشابہت ہے۔ «وَأَصْلُ الِاسْمِ الْإِعْرَابُ»، اور اسم کے اندر اصل کیا ہے؟ اعراب ہے، معرب ہونا۔ تو اس کی مشابہت ہے اسم کے ساتھ اور اسم میں اصل کیا ہے؟ معرب ہونا۔ تو جب یہ اس کے مشابہ ہوا تو اسی کا حکم دے دیا: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ بھائی، جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے، تو انہی کا حکم دے دیا گیا اور یہ بھی معرب ہوا۔ تو کہتے ہیں: «وَأَصْلُ الِاسْمِ الْإِعْرَابُ»، اور اسم میں اصل کیا ہے؟ اعراب ہے، معرب ہونا، تو اس لیے اس کو بھی معرب بنا دیا گیا۔

«وَذٰلِكَ إِذَا لَمْ يَتَّصِلْ بِهِ نُونُ تَأْكِيدٍ وَلَا نُونُ جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ»، اور کہتے ہیں یہ اس وقت ہے، یعنی یہ فعلِ مضارع کا معرب ہونا اس وقت ہے «إِذَا لَمْ يَتَّصِلْ بِهِ نُونُ تَأْكِيدٍ وَلَا نُونُ جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ»، کہ جب نہ اس کے ساتھ نونِ تاکید ہو اور نہ نونِ جمع مؤنث ہو۔ بھائی فعلِ مضارع کے ساتھ جب نونِ تاکید مل جائے، یعنی نونِ خفیفہ اور نونِ ثقیلہ، تو اب پھر یہ مبنی بن جائے گا۔ اسی طرح جب اس کے ساتھ جمع مؤنث کی ضمیر ساتھ مل جائے گی تو اس وقت بھی یہ مبنی بن جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

جیسے «يَضْرِبُ»، اس کے ساتھ نونِ خفیفہ ثقیلہ وغیرہ جوڑے: «يَضْرِبَنَّ»، اب یہ کیا بن گیا؟ مبنی بن گیا۔ اور اسی کے ساتھ جب نونِ جمع مؤنث آ جائے: يَضْرِبُ، يَضْرِبَانِ، يَضْرِبُونَ، تَضْرِبُ، تَضْرِبَانِ، «يَضْرِبْنَ»، دیکھا یہ نون آ گیا۔ اسی طرح آگے: تَضْرِبُ، تَضْرِبَانِ، تَضْرِبُونَ، تَضْرِبِينَ، تَضْرِبَانِ، «تَضْرِبْنَ»، دیکھا یہاں پھر نونِ جمع مؤنث آ گیا۔ یہ دو صیغے جو ہیں فعلِ مضارع کے، یہ مبنی ہیں بھائی۔ یہ مبنی اس لیے کیونکہ ان کے آخر میں نون آ گیا، ضمیر آ گئی، ضمیر آ گئی۔

اور اگر آپ پوری تفصیل سن لیں: فعلِ مضارع پر آپ غور کریں، آپ دیکھیں گے بعض صیغے ایسے ہیں جن کے آخر میں کوئی ضمیر جڑی ہوئی نہیں، جیسے «يَضْرِبُ، تَضْرِبُ، أَضْرِبُ، نَضْرِبُ»، دیکھو آخر میں کوئی ضمیر جڑی ہوئی نہیں۔ بعض صیغے ایسے ہیں کہ ان کے آخر میں نونِ اعرابی ہے، اور وہ تثنیہ اور جمع میں ہے: «يَضْرِبَانِ»، دیکھا یہ نون کیا ہے؟ نونِ اعرابی۔ «يَضْرِبُونَ»، یہ بھی کیا ہے؟ نونِ اعرابی۔ تو بعض صیغوں میں یہ نونِ اعرابی ہو گا تثنیہ میں بھی اور جمع میں بھی۔ اور جمع مؤنث کے دونوں صیغوں میں: «يَضْرِبْنَ» اور «تَضْرِبْنَ»، ان دو صیغوں میں کیا ہے؟ یہ ضمیر ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہ جن کے ساتھ ضمیر جڑی، تو آخر میں ضمیر آ گئی «يَضْرِبْنَ»، اور با فعلِ مضارع کا آخر کیا تھا؟ با ہی تھی نا، «يَضْرِبُ»، با۔ لیکن اب آخر میں کیا آ گئی؟ ضمیر۔ اور اعراب آخر میں آتا ہے یا درمیان میں آتا ہے؟ آخر میں۔ اب آخر میں تو ضمیر جڑ گئی اور با تو درمیان میں چلی گئی، اور اعراب درمیان میں کبھی

بھی نہیں آتا، اس لیے اس کو بھی کیا بنا دیا گیا؟ مبنی۔ جیسے «زَيْدٌ» میں دال پر اعراب آتا ہے، درمیان میں یا پر اعراب نہیں، تو یہاں پر بھی با درمیان میں چلی گئی تھی اور اعراب تو آخر میں آتا ہے، لہٰذا اعراب دینے کی گنجائش ہی نہ رہی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا جب فعلِ مضارع کے ساتھ جمع مؤنث کی ضمیر جڑ جائے تو وہ کیا ہوتا ہے؟ مبنی۔ یعنی یوں کہو، فعلِ مضارع میں دو صیغے ہمیشہ مبنی ہوں گے اور وہ دونوں جمع مؤنث کے ہیں بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا، اس سے آپ کو عورتوں کی طاقت کا بھی اندازہ ہو گیا۔ دیکھو جمع ہو گئیں تو اب ان کو کوئی ہلا ہی نہیں سکتا: «يَضْرِبْنَ»، جمع ہے نا، جمع ہے اور مؤنث ہے۔ اب ان کو کوئی عامل آکر اعراب نہیں دے سکتا، ہلا نہیں سکتا۔ فعلِ مضارع کے آخر میں جمع مؤنث کی ضمیر آجائے تو وہ کیا ہے؟ مبنی۔ یعنی فعلِ مضارع کے یہ دو صیغے ہمیشہ کیا ہیں؟ مبنی ہوتے ہیں، باقی فعلِ مضارع کے صیغے معرب ہیں سارے۔ تو چودہ میں سے دو صیغے ہوئے مبنی اور بارہ صیغے کیا ہیں؟ معرب ہیں۔ ان بارہ کے ساتھ بھی اگر نونِ تاکید ساتھ مل جائے گا تو وہ بھی مبنی بن جائیں گے۔ وجہ اس کی یہ کہ آپ کو انہوں نے شروع میں بتلایا تھا یہ نونِ تاکید صرف کس کے ساتھ جڑتا ہے؟ فعل کے ساتھ۔ تو یہ نونِ تاکید یعنی نونِ خفیفہ اور ثقیلہ کا جڑنا یہ خاصہ ہے فعل کا۔ تو فعلِ مضارع معرب کیوں تھا؟ کیونکہ اس کی مشابہت تھی اسم کے ساتھ، اور جب اس کے ساتھ آگیا نونِ تاکید، اور نونِ تاکید تو خاصہ ہے کس کا؟ فعل کا۔ تو اب فعل کی والی جانب اس کی قوی ہو گئی، اسم کے ساتھ مشابہت کمزور پڑ گئی، اور جب اسم کے ساتھ مشابہت کمزور پڑی تو اسم والا حکم بھی ختم ہوا، اور اسم والا حکم کیا تھا؟ معرب ہونا، وہ معرب ہونا ختم ہو گیا۔ اب فعل والی جانب قوی ہو گئی اور فعل میں تو اصل کیا ہے؟ مبنی ہونا، لہٰذا اب یہ بھی کیا بن گیا؟ مبنی بن گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَذٰلِكَ إِذَا لَمْ يَتَّصِلْ بِهِ نُونُ تَأْكِيدٍ وَلَا نُونُ جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ»، اور یہ فعلِ مضارع کا معرب ہونا اس وقت ہے جب اس کے ساتھ نونِ تاکید بھی جڑا ہوا نہ ہو اور نونِ جمع مؤنث بھی نہ ہو۔ «وَإِعْرَابُهُ ثَلَاثَةُ أَنْوَاعٍ»، اور فعلِ مضارع کا اعراب تین قسم پر ہے بھائی: «رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَزْمٌ»، رفع ہے، نصب ہے اور جزم ہے۔ بھائی آپ نے پڑھا تھا اسم کا اعراب بھی تین قسم پر ہے: رفع، نصب، جر۔ تو فعلِ مضارع کے اندر بھی اسی طرح ہے: رفع، نصب اور جزم۔ صرف آخری اعراب کا فرق: فعلِ مضارع میں جزم آتا ہے جبکہ اسم میں جر آتا ہے۔ تو کہتے ہیں: «رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَزْمٌ»، «نَحْوُ: هُوَ يَضْرِبُ»، دیکھو «يَضْرِبُ» کیا ہے؟ مرفوع ہے۔ «وَلَنْ يَضْرِبَ»، یہ کیا ہے؟ منصوب ہے۔ «وَلَمْ يَضْرِبْ»، یہ مجزوم ہے بھائی۔

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: فِي أَصْنَافِ إِعْرَابِ الْفِعْلِ، یہ فصل ہے بھائی ف...

«فَصْلٌ: فِي أَصْنَافِ إِعْرَابِ الْفِعْلِ»، یہ فصل ہے بھائی فعل کے اعراب کی اقسام کے بیان میں۔ اعراب کے اعتبار سے فعل کتنی قسم پر ہے؟ بھائی آپ نے پڑھا تھا، اسم کا اعراب تو تین قسم پر: رفع، نصب اور جر، لیکن اعراب کے اعتبار سے اسم کی نو قسمیں بنائی تھیں: مفرد منصرف صحیح، جاری مجریٰ صحیح، اور جمع مکسر منصرف وغیرہ بھائی۔ تو اسم کی اعراب کے اعتبار سے نو قسمیں، لیکن فعلِ مضارع کی اعراب کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں بھائی، چار قسمیں۔ اور ان قسموں کو آپ سمجھ لیں:

دیکھیے، فعلِ مضارع ابھی میں نے ذکر کیا، اس کے صیغوں پر آپ نے غور کیا، اس میں دو صیغے تو مبنی ہیں، کون سے دو صیغے؟ «يَضْرِبْنَ» اور «تَضْرِبْنَ»، یعنی جمع مؤنث والے۔ جمع مؤنث والے دو صیغے تو مبنی ہیں ان کو تو نکال دو، وہ ہماری بحث سے خارج، کیونکہ یہاں ہم اعراب کی بات کر رہے ہیں وہ معرب ہیں ہی نہیں۔ اب باقی صیغوں میں آپ غور کر لیں: میں نے بتایا بعض صیغوں کے آخر میں ضمیر جڑی ہوئی نہیں ہے، اور بعض صیغے ایسے ہیں جن کے آخر میں نونِ اعرابی ہو گا۔ نونِ اعرابی ہو گا۔ تو وہ قسم، وہ صیغے جن کے آخر میں نونِ اعرابی آئے ان کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ حالتِ رفعی میں اثباتِ نون ہوتا ہے، یعنی نون برقرار رہتا ہے: «هُمَا يَفْعَلَانِ، هُمْ يَفْعَلُونَ»، دیکھا رفع کے ساتھ ہے تو اثباتِ نون ہے۔ اور حالتِ نصبی اور جزمی میں آپ جانتے ہیں یہ نونِ اعرابی گر جاتا ہے: «لَنْ يَفْعَلَا، لَنْ يَفْعَلُوا»، دیکھا نونِ اعرابی گر گیا۔ اور اسی طرح حالتِ جزمی میں بھی نونِ اعرابی گر جاتا ہے: «لَمْ يَفْعَلَا، لَمْ يَفْعَلُوا»، دیکھا تثنیہ اور جمع سے کیا ہے نونِ اعرابی گر گیا۔ تو یہ ایک قسم ہو گئی، فعلِ مضارع کے وہ صیغے جن کے ساتھ نونِ اعرابی جڑا ہوا ہو، یہ اعراب کی ایک قسم ہو گئی اور ان کا اعراب کیا ہو گا؟ حالتِ رفعی میں اثباتِ نون ہو گا اور حالتِ نصبی اور جزمی میں حذفِ نون ہو گا یا اسقاطِ نون ہو گا، بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد آپ پھر فعلِ مضارع پر آئیں تو آپ دیکھیں گے کہ ایک فعلِ مضارع صحیح ہے یعنی جس کے آخر میں حرفِ علت نہ ہو، اور ایک فعلِ مضارع وہ ہے جس کے آخر میں حرفِ علت ہو گا۔ اور حرفِ علت واو بھی ہو سکتا ہے، یا بھی، الف بھی۔ واو، الف، یا تینوں ہو سکتے ہیں۔ تو دوسری قسم کا اعراب، فعلِ مضارع وہ فعلِ مضارع جو صحیح ہو، کیا ہو؟ صحیح ہو، یعنی اس کے آخر میں واو، الف اور یا نہ ہوں۔ اس کا رفع کس کے ساتھ آئے گا؟ ضمہ کے ساتھ، نصب آئے

گا فتحہ کے ساتھ اور جزم آئے گا سکون کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ صحیح ہونا چاہیے، ناقص نہیں، ناقص نہیں۔ تو صحیح کے اندر صحیح ہے اور نیز اس کے آخر میں نونِ جمع مؤنث والی ضمیر نہیں، کیونکہ وہ تو مبنی ہے وہ تو نکال چکے ہم، نیز وہ صیغے بھی نہ ہوں جن کے آخر میں نونِ اعرابی ہے وہ بھی نکل گئے، تو صحیح کے صرف پانچ صیغے رہ گئے: «يَضْرِبُ، تَضْرِبُ»، پھر «تَضْرِبُ»، پھر «أَضْرِبُ» اور «نَضْرِبُ»، یہ پانچ صیغے رہ گئے۔ ان پانچ صیغوں کا اعراب کیا ہے؟ آپ خود کر کے دیکھ لیں: «هُوَ يَضْرِبُ، لَنْ يَضْرِبَ، وَلَمْ يَضْرِبْ»، پتہ چل رہا ہے اعراب کا؟ حالتِ رفعی میں ضمہ لفظی ہے، حالتِ نصبی میں فتحہ لفظی ہے «لَنْ يَضْرِبَ»، اور حالتِ جزمی میں سکون کے ساتھ «لَمْ يَضْرِبْ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ دوسری قسم ہوئی اعراب کی، اور تیسری قسم یہ ہے کہ ناقص ہو واو اور یا کے ساتھ، آخر میں واو اور یا آئے، اور چوتھی قسم وہ ہے جس کے آخر میں الف آئے۔

اگر آخر میں واو اور یا آرہا ہے، فعلِ مضارع ہے اور آخر میں کیا ہے؟ واو یا یا ہے، تو اس کا اعراب آپ خود نکال لیں: «يَرْمِي»، کیا ہے آخر میں؟ یا۔ «هُوَ يَرْمِي»، رفع کس کے ساتھ ہے؟ ضمۂ تقدیری۔ رفع کس کے ساتھ؟ دیکھو «يَرْمِي»، میں کوئی یا پر پیش پڑھ رہا ہوں؟ نہیں، تو ضمہ تقدیراً ہے۔ تو رفع کس کے ساتھ؟ ضمۂ تقدیری کے ساتھ۔ اسی طرح «يَدْعُو»، «هُوَ يَدْعُو»، آخر میں کیا ہے؟ واو۔ واو اور یا دونوں اکٹھی ہیں، دونوں کا ایک ہی اعراب ہے۔ «هُوَ يَدْعُو»، اس میں بھی ضمہ کیا ہے؟ تقدیری۔ معلوم ہوا وہ ناقص جو یائی ہو یا واوی ہو، فعلِ مضارع ناقصِ یائی اور ناقصِ واوی، اس کا رفع کس کے ساتھ آئے گا؟ ضمۂ تقدیری کے ساتھ۔ نصب دیکھو، نصب: «لَنْ يَرْمِيَ، لَنْ يَدْعُوَ»، کس طرح آرہا ہے؟ ہاں، معلوم ہوا نصب جو ہے وہ فتحۂ لفظی کے ساتھ ہے، اور جزم: «لَمْ يَرْمِ، لَمْ يَدْعُ»، حذفِ لام، شاباش، شاباش! تو دیکھا یہ تیسری قسم ہو گئی، ناقصِ یائی اور ناقصِ واوی، اس کا رفع آئے گا ضمۂ تقدیری کے ساتھ، نصب آئے گا فتحۂ لفظی کے ساتھ اور جزم آئے گا حذفِ لام کے ساتھ۔ صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

اور آخری قسم ہے، چوتھی قسم، ناقصِ الفی بھائی، جس کے آخر میں الف آئے۔ اس میں بھی آپ خود نکال لیں: «يَخْشَى»، آخر میں الف ہے نا، «هُوَ يَخْشَى»، رفع کس کے ساتھ؟ ضمہ تقدیری ہے، شاباش! کوئی ضمہ آخر میں ہم تلفظ نہیں کر رہے، تو ضمہ تقدیری۔ اچھا، «لَنْ يَخْشَى»، فتحہ بھی تقدیری ہے، نصب بھی کیا ہے؟ نصب بھی فتحۂ تقدیری کے ساتھ۔ اور «لَمْ يَخْشَ»، اور جزم حذفِ لام کے ساتھ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ پھر دیکھ لیں: «هُوَ يَخْشَى»، رفع کس کے ساتھ؟ ضمہ تقدیری۔ «لَنْ يَخْشَى»، نصب فتحۂ تقدیری کے ساتھ، اور «لَمْ يَخْشَ»، جزم حذفِ لام کے ساتھ۔ یہ چار قسمیں ہو گئیں فعلِ مضارع کی اعراب کے اعتبار سے، اچھی طرح بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «فَصْلٌ: فِي أَصْنَافِ إِعْرَابِ الْفِعْلِ»، یہ فصل ہے فعل کے اعراب کی اقسام کے بیان میں، «وَهِيَ أَرْبَعَةٌ»، اور یہ چار قسمیں ہیں۔ «اَلْأَوَّلُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالضَّمَّةِ وَالنَّصْبُ بِالْفَتْحَةِ وَالْجَزْمُ بِالسُّكُونِ»، پہلی قسم یہ ہے کہ رفع ضمہ کے ساتھ ہو، نصب فتحہ کے ساتھ ہو اور جزم سکون کے ساتھ ہو۔ «وَيُخْتَصُّ بِالْمُفْرَدِ الصَّحِيحِ غَيْرِ الْمُخَاطَبَةِ»، اور یہ اعراب خاص ہے کس کے ساتھ؟ مضارع جو مفرد ہو۔ یہ مفرد سے کیا مراد ہے؟ مفرد سے مراد، یاد رکھیے مفرد وہ نہیں مراد بلکہ مراد ایسے صیغے ہیں جن کے ساتھ کوئی ضمیر وغیرہ جڑی ہوئی نہ ہو، نونِ اعرابی یا ضمیر وغیرہ جڑی ہوئی نہ ہو۔ اور وہ کون سے ہیں؟ «يَضْرِبُ»۔ میں نے یہ مفرد کا یہ معنی اس لیے کیا کیونکہ اگر یہ معنی نہیں کریں گے تو «نَضْرِبُ» پر جا کر مسئلہ خراب ہو جائے گا۔ «نَضْرِبُ»، یہ تو مفرد کا صیغہ ہی نہیں ہے۔ «يَضْرِبُ» میں مفرد کا صیغہ، «تَضْرِبُ» بھی مفرد کا صیغہ، اگلا «تَضْرِبُ» بھی مفرد کا صیغہ، اگلا «أَضْرِبُ» وہ بھی مفرد کا صیغہ، لیکن «نَضْرِبُ» یہ تو مفرد کا صیغہ نہیں ہے۔ معلوم ہوا مفرد سے وہ مفرد مراد ہے جو اکیلا ہو کس سے؟ ضمیر سے، ضمیر یا نونِ اعرابی اس کے ساتھ جڑا ہوا نہ ہو۔ تو یہ اعراب خاص ہے «بِالْمُفْرَدِ الصَّحِيحِ»، مفرد اور کون سا ہو؟ صحیح ہو۔ «غَيْرِ الْمُخَاطَبَةِ»، مخاطبہ کے صیغے کے علاوہ، اس لیے کیونکہ مخاطبہ کے صیغے میں نونِ اعرابی آجاتا ہے: «تَضْرِبِينَ»، دیکھا «تَضْرِبِينَ» اس میں کیا آرہا ہے؟ نونِ اعرابی، اس لیے اس کو بھی نکال دیا کیونکہ مفرد میں تو وہ بھی داخل ہو رہا تھا، وہ بھی کیا ہے؟ مفرد۔ لیکن بہر حال پھر اشکال، اس قید کی ضرورت نہیں تھی اگر مفرد سے کیا مراد لیں؟ جس کے آخر میں نونِ اعرابی یا ضمیر جڑی ہوئی نہ ہو، پھر تو غیر مخاطبہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اس کے ساتھ تو نونِ اعرابی اور ضمیر جڑی ہوئی ہے وہ تو خود ہی نکل جاتا ہے۔ تو بہر حال یہ یہاں اشکال ہوتا ہے بھائی۔ ہاں صاحبِ کافیہ کی عبارت بہترین ہے، انہوں نے مفرد نہیں ذکر کیا، انہوں نے مجرد کا لفظ ذکر کیا ہے، کیا ذکر کیا ہے؟ مجرد، یعنی جو خالی ہو کس سے؟ ضمیر سے، جس کے ساتھ کوئی ضمیر جڑی ہوئی نہ ہو۔ تو اس میں پھر غیرِ مخاطبہ کی قید کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ اس کے ساتھ تو ضمیر جڑی ہوئی ہے۔

تو یہ اعراب خاص ہے مفرد صحیح غیرِ مخاطبہ کے ساتھ، «تَقُولُ: هُوَ يَضْرِبُ»، آپ کہتے ہیں «هُوَ يَضْرِبُ»، دیکھو رفع کس کے ساتھ ہے؟ ضمہ کے۔ «وَلَنْ يَضْرِبَ»، اور نصب فتحۂ لفظی کے ساتھ، «وَلَمْ يَضْرِبْ»، اور جزم سکون کے ساتھ۔ «وَالثَّانِي: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِثُبُوتِ النُّونِ،

وَالنَّصْبُ وَالْجَزْمُ بِحَذْفِهَا»، دوسری قسم یہ ہے کہ رفع جو ہے وہ ثبوتِ نون کے ساتھ ہو اور نصب اور جزم کس کے ساتھ ہو؟ حذفِ نون کے ساتھ ہو۔ «وَيُخْتَصُّ بِالتَّثْنِيَةِ، وَجَمْعِ الْمُذَكَّرِ، وَالْمُفْرَدَةِ الْمُخَاطَبَةِ صَحِيحًا كَانَ أَوْ غَيْرَهُ»، اور یہ خاص ہے تثنیہ کے ساتھ کیونکہ تثنیہ میں بھی کیا ہوتا ہے؟ نونِ اعرابی، اور جمع مذکر کے صیغوں کے ساتھ کیونکہ اس میں بھی کیا ہوتا ہے؟ نونِ اعرابی، اور مفرد مخاطبہ کے صیغے کے ساتھ، «صَحِيحًا كَانَ أَوْ غَيْرَهُ»، چاہے صحیح ہوں یا غیر صحیح یعنی ناقص ہوں، کیونکہ ناقص کے بھی یہ سارے صیغے ان میں نونِ اعرابی آتا ہے۔ کیا آتا ہے؟ نونِ اعرابی۔ ہاں تو یہ سب کا اعراب ہے چاہے صحیح ہو چاہے ناقص ہو، کیا ہو گا؟ رفع ثبوتِ نون کے ساتھ اور نصب اور جزم حذفِ نون کے ساتھ۔ «تَقُولُ: هُمَا يَفْعَلَانِ، وَهُمْ يَفْعَلُونَ»، دیکھو اثباتِ نون ہے رفع۔ «وَأَنْتِ تَفْعَلِينَ»، دیکھا اس میں بھی کیا ہے؟ اثباتِ نون۔ تثنیہ کی بھی مثال دے دی، جمع کی بھی اور مفرد مخاطبہ کی بھی۔ اب حالتِ نصبی میں مثال دیں گے: «وَلَنْ يَفْعَلَا، وَلَنْ يَفْعَلُوا، وَلَنْ تَفْعَلِي»، دیکھو حذفِ نون۔ «وَلَمْ تَفْعَلَا، وَلَمْ تَفْعَلُوا، وَلَمْ تَفْعَلِي»، دیکھو جزم بھی حذفِ نون کے ساتھ ہے۔

■ قولہ: «وَالثَّالِثُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيرِ ا...» کی تشریح

«وَالثَّالِثُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيرِ الضَّمَّةِ، وَالنَّصْبُ بِالْفَتْحَةِ لَفْظًا، وَالْجَزْمُ بِحَذْفِ اللَّامِ»، تیسری قسم کا اعراب: کہ رفع ہو گا تقدیرِ ضمہ کے ساتھ، اور نصب آئے گا فتحۂ لفظی کے ساتھ، اور جزم آئے گا حذفِ لام کے ساتھ۔ «وَيُخْتَصُّ بِالنَّاقِصِ الْيَائِيِّ وَالْوَاوِيِّ غَيْرِ تَثْنِيَةٍ وَجَمْعٍ وَمُخَاطَبَةٍ»، اور یہ خاص اعراب کس کے ساتھ؟ ناقص یائی اور ناقص واوی کے ساتھ، علاوہ تثنیہ اور جمع اور مخاطبہ کے، کیونکہ ان کا اعراب تو پیچھے بیان ہو گیا، تو ان کے علاوہ جو ہے ناقص یائی اور ناقص واوی ان کا یہ اعراب ہے۔ «تَقُولُ: هُوَ يَرْمِي وَيَغْزُو»، ایک یائی کی مثال ہے ایک واوی کی، اور دیکھیں رفع ہے، رفع کس کے ساتھ آرہا ہے؟ تقدیرِ ضمہ کے ساتھ: «هُوَ يَرْمِي وَيَغْزُو»، آخر میں یا بھی ساکن ہے واو بھی ساکن، ضمہ کا تلفظ نہیں ہو رہا تو کیا کہیں گے؟ ضمہ تقدیری ہے۔ «وَلَنْ يَرْمِيَ وَيَغْزُوَ»، دیکھو فتحہ کیا ہے؟ لفظی، اس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ «وَلَمْ يَرْمِ وَيَغْزُ»، اور جزم کس کے ساتھ ہے؟ حذفِ لام کہ آخر سے یا اور واو گر جائیں گے۔

«وَالرَّابِعُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيرِ الضَّمَّةِ، وَالنَّصْبُ بِتَقْدِيرِ الْفَتْحَةِ، وَالْجَزْمُ بِحَذْفِ اللَّامِ»، چوتھی قسم یہ ہے کہ رفع آئے گا تقدیرِ ضمہ کے ساتھ، اور نصب آئے گا تقدیرِ فتحہ کے ساتھ، اور جزم آئے گا حذفِ لام کے ساتھ۔ «وَيُخْتَصُّ بِالنَّاقِصِ الْأَلِفِيِّ غَيْرِ تَثْنِيَةٍ وَجَمْعٍ وَمُخَاطَبَةٍ»، اور یہ خاص ہے ناقص الفی کے ساتھ، علاوہ تثنیہ کے، علاوہ جمع کے اور علاوہ مخاطبہ کے صیغے کے، کیونکہ ان میں تو نون آتا ہے تو وہ تو دوسری قسم میں چلے گئے۔ تو جو بھی ناقص الفی ہو گا اس کا یہ اعراب ہو گا۔ «نَحْوُ: هُوَ يَسْعَى، وَلَنْ يَسْعَى»، دیکھو «هُوَ يَسْعَى»، ضمہ کیا ہے؟ تقدیری۔ «وَلَنْ يَسْعَى»، نصب کیا ہے؟ فتحۂ تقدیری۔ «وَلَمْ يَسْعَ»، اور جزم حذفِ لام کے ساتھ ہے۔ تو یہ: «وَيُخْتَصُّ بِالنَّاقِصِ الْأَلِفِيِّ»، أَلِفِيِّ لام کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں اور أَلْفِيِّ لام کو ساکن بھی پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ أَلِفٌ وزن ہے كَتِفٌ، اور جو بھی كَتِفٌ وزن ہو اس میں درمیان والے حرف کو ساکن پڑھنا بھی جائز، تو كَتِفٌ کو كَتْفٌ پڑھنا بھی جائز، تو یہاں بھی أَلِفٌ کو أَلْفٌ پڑھنا بھی جائز۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

■ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلْمَرْفُوعُ عَامِلُهُ مَعْنَوِيٌّ، وَهُوَ تَجَرُّدُ...

«فَصْلٌ: اَلْمَرْفُوعُ عَامِلُهُ مَعْنَوِيٌّ، وَهُوَ تَجَرُّدُهُ عَنِ النَّاصِبِ وَالْجَازِمِ»، بھائی فعلِ مضارع کا اعراب تو انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ رفع ہو گا یا نصب یا جزم، اور اعراب کے اعتبار سے چار قسمیں بھی بتا دیں بھائی، چار قسمیں بھی۔ ایک قسم کیا؟ فعلِ مضارع صحیح ہو بھائی اور مفرد کے صیغے جو ہیں، اور دوسرا نونِ اعرابی جس کے ساتھ جڑا ہوا ہو وہ دوسری قسم، اور واو اور یا جس کے آخر میں آئے وہ تیسری قسم، اور الف جس کے آخر میں آئے وہ چوتھی قسم بھائی۔ اب آپ کو بتلا رہے ہیں کہ فعلِ مضارع کا جو اعراب ہے: رفع، نصب اور جزم، یہ رفع کب آئے گا اور نصب کہاں آئے گا اور جزم کہاں آئے گا، اور کون کون اس میں عامل ہوں گے بھائی جن کی وجہ سے رفع، نصب یا جزم آئے گا۔

تو سب سے پہلے آپ کو بتلا رہے ہیں: «اَلْمَرْفُوعُ عَامِلُهُ مَعْنَوِيٌّ»، کہ فعلِ مضارع مرفوع جو ہوتا ہے اس کا عامل معنوی ہوتا ہے، یعنی کوئی لفظ وہاں عمل نہیں کرتا، کوئی لفظ عمل نہیں بلکہ معنوی عامل ہوتا ہے۔ اور معنوی عامل کیا ہے؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ تَجَرُّدُهُ عَنِ النَّاصِبِ وَالْجَازِمِ»، کہ وہ اس کا

خالی ہونا ہے ناصب اور جازم سے۔ کوئی نصب دینے والا عامل نہیں، کوئی جزم دینے والا عامل نہیں تو فعلِ مضارع کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جب کبھی فعلِ مضارع پر رفع آئے تو آپ نے یہ نہیں دیکھنا کہ یہ رفع کون دے رہا ہے، بلکہ فعلِ مضارع مرفوع ہو گا ہمیشہ، الّا یہ کہ اس پر کون آجائے؟ کوئی نصب دینے والا عامل آجائے تو پھر نصب آجائے گا، یا جزم دینے والا عامل آجائے تو جزم۔ جب عاملِ ناصب بھی نہ ہو اور عاملِ جازم بھی نہ ہو تو فعلِ مضارع کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا۔ تو یوں کہو فعلِ مضارع مرفوع ہو گا جب وہ ناصب اور جازم سے خالی ہو۔ تو یہ عامل کیا ہوا؟ معنوی ہوا، لفظوں میں کوئی لفظ عامل نہیں ہے بھائی۔

لہٰذا اب میرے سامنے ترکیب کیجیے: «زَيْدٌ يَضْرِبُ»۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «يَضْرِبُ» فعل، اور اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب آپ سے کوئی پوچھے یہ «يَضْرِبُ» اس کا اعراب بتایئے، آپ کیا کہیں گے یہ کیا ہے؟ مرفوع ہے۔ بھائی کیوں مرفوع ہے؟ کیونکہ اس پر عاملِ ناصب اور عاملِ جازم نہیں ہے۔ ہاں تو یہ کبھی نہ کہنا یہ خبر ہے، یہ خبر ہے، خبر صرف «يَضْرِبُ» فعل نہیں خبر، فعل اپنے فاعل، مفعول وغیرہ سب چیزوں سے مل کر جملہ بنا پھر یہ خبر بنا، تو پورا جملہ مرفوع ہے، خود «يَضْرِبُ» فعل مرفوع وہ خبر ہونے کی بنا پر مرفوع نہیں ہے، پورا جملہ مرفوع ہے۔ خود «يَضْرِبُ» کیوں مرفوع ہے؟ میں آپ سے پوچھ رہا ہوں۔ کیونکہ اس پر کوئی عاملِ ناصب اور عاملِ جازم نہیں ہے، کوئی نصب اور جزم دینے والی چیز نہیں تو اس لیے یہ مرفوع ہے۔ تو لہٰذا عموماً طلبہ کو یہ اشتباہ لگتا ہے فعلِ مضارع خبر کے مقام میں آتا ہے تو وہ کہتے ہیں شاید یہ خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے، نہیں نہیں نہیں، خبر ہونے کی بنا پر مرفوع نہیں بلکہ مرفوع فعلِ مضارع سے اکیلا خبر بنتا ہی نہیں ہے، وہ تو پورا جملہ بنے گا اور پھر جا کر کیا بنے گا؟ خبر۔

تو کہتے ہیں: «اَلْمَرْفُوعُ عَامِلُهُ مَعْنَوِيٌّ»، فعلِ مضارع مرفوع جو ہے اس کا عامل معنوی ہوتا ہے، «وَهُوَ تَجَرُّدُهُ عَنِ النَّاصِبِ وَالْجَازِمِ»، اور وہ اس کا خالی ہونا ہے عاملِ ناصب اور عاملِ جازم سے۔ «نَحْوُ: هُوَ يَضْرِبُ، وَيَغْزُو، وَيَرْمِي، وَيَسْعَى»، «هُوَ يَضْرِبُ»، دیکھو ضمہ لفظی ہے۔ «وَيَغْزُو، وَيَرْمِي»، ضمہ تقدیری ہے، اور «يَسْعَى»، اس میں بھی ضمہ تقدیری ہے۔

■ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلْمَنْصُوبُ عَامِلُهُ خَمْسَةُ أَحْرُفٍ، کہ منصوب...

«فَصْلٌ: اَلْمَنْصُوبُ عَامِلُهُ خَمْسَةُ أَحْرُفٍ»، کہ منصوب فعلِ مضارع جو ہوا اس کے عامل پانچ حروف ہوتے ہیں: «أَنْ، وَلَنْ، وَكَيْ، وَإِذَنْ، وَأَنِ الْمُقَدَّرَةُ»، اور ایک انِ مقدرہ۔ بھائی یہ ان کبھی لفظوں میں ہوتا ہے کبھی مقدر ہوتا ہے، تو آپ کی آسانی کے لیے، طلبہ کے سمجھنے میں تاکہ آسانی ہو، اس کو دو الگ قسمیں شمار کر لیا: ایک ان جو لفظوں میں ہے اور ایک ان جو مقدر ہے، تو ہیں تو دونوں ایک ہی چیز لیکن چونکہ ایک ان مقدر ہے اس لیے اس کو علیحدہ شمار کیا۔ تو ان، ولن، وکی، واذن، اور انِ مقدرہ۔

«نَحْوُ: أُرِيدُ أَنْ تُحْسِنَ إِلَيَّ»، دیکھو «أُرِيدُ أَنْ تُحْسِنَ إِلَيَّ»، «تُحْسِنُ» فعلِ مضارع تھا: أَحْسَنَ يُحْسِنُ بابِ افعال ہے، اور اس پر ان ناصبہ آیا، اس نے نصب دے دیا: «أُرِيدُ أَنْ تُحْسِنَ إِلَيَّ»، میں چاہتا ہوں «أَنْ تُحْسِنَ إِلَيَّ» کہ آپ میرے ساتھ احسان کریں۔ «وَأَنَا لَنْ أَضْرِبَكَ»، دیکھو لن ناصبہ بھی کیا کر رہا ہے؟ «أَضْرِبَكَ» کو نصب دے رہا ہے: «أَنَا لَنْ أَضْرِبَكَ»، میں ہرگز آپ کی پٹائی نہیں کروں گا۔ «وَأَسْلَمْتُ كَيْ أَدْخُلَ الْجَنَّةَ»، دیکھو کی بھی کیا کر رہا ہے؟ «أَدْخُلَ» کو نصب دے رہا ہے: «أَسْلَمْتُ»، میں اسلام لایا، «كَيْ أَدْخُلَ الْجَنَّةَ»، تاکہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔

اچھا تو بہر حال یہ دو تین ترکیبیں کر لیجیے بھائی، ساری ترکیبیں ہم نہیں کر سکتے، اس میں تو بہت زیادہ مثالیں آرہی ہیں۔ «أُرِيدُ» فعل بافاعل۔ «أُرِيدُ» فعل بافاعل، شاباش! «أَنَا» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً فاعل۔ ان ناصبہ۔ «تُحْسِنَ» فعل بافاعل، اس کے اندر «أَنْتَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ الیٰ جارہ، یا ضمیر مجرور محلاً۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «تُحْسِنَ» فعل کے ساتھ۔ «تُحْسِنَ» فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بتاویلِ مفرد، یہ ان مصدریہ اس کو کیا کر دے گا؟ مصدر کے معنی میں کر دے گا، یہ بتاویلِ مفرد یہ مفعول بہ ہوا کس کے لیے؟ «أُرِيدُ» کے لیے۔ تو «أَنْ تُحْسِنَ إِلَيَّ» یہ سارا کیا ہے؟ منصوب ہے، تو یہ مفعول بہ ہوا «أُرِيدُ» فعل، «أُرِيدُ» فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

دیکھو ان نے کیا کیا؟ اصل میں تھا: «تُحْسِنُ إِلَيَّ»، أَحْسَنَ يُحْسِنُ احسان، اس سے بابِ افعال سے ہے، تو «تُحْسِنُ إِلَيَّ» یہ پورا جملہ تھا لیکن اس پر ان مصدریہ داخل ہوا تو اس نے اس کو مصدر کے معنی میں کر دیا، تو پورا جملہ مصدر کے معنی میں ہو گیا۔ کس معنی میں ہوا؟ میں نے بنانے کا طریقہ آپ کو

سکھایا تھا، پورے جملے کو مصدر کے معنی میں کس طرح کرتے ہیں؟ اسی کو مضمونِ جملہ بھی کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ مضمونِ جملہ۔ میں نے بتایا تھا کہ مسند جو ہے اس کا مصدر بنالو، اور اس کی اضافت کردو مسند الیہ کی طرف۔ یہاں مسند کون ہے؟ فعل: أَحْسَنَ يُحْسِنُ، اس کا مصدر بناؤ: احسان۔ اور اچھا مسند الیہ کون؟ فاعل کون ہے؟ «تُحْسِنُ» کے اندر «أَنْتَ» ضمیر، تو «أَنْتَ» ضمیر یعنی مخاطب کی ضمیر، احسان کی اس مخاطب کی ضمیر کی طرف اضافت کردو، اور پھر «أَنْتَ» مخاطب کی ضمیر ہے اس کی جگہ آپ مخاطب کی مجرور متصل ضمیر لے آؤ، کیونکہ مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور ہوتا ہے نا، وہاں «أَنْتَ» تو مرفوع ہے، فاعل ہے، تو احسان کے ساتھ ہمیں «أَنْتَ» ضمیر چاہیے لیکن مضاف الیہ چاہیے اور مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور، تو «أَنْتَ» کی جگہ ضمیر مخاطب والی مفرد مخاطب والی ضمیر لاؤ جو کیا ہو؟ مجرور متصل ہو، اور ضمیرِ مجرور تو صرف متصل ہی ہوتی ہے منفصل تو ہوتی ہی نہیں۔ تو کیا بنے گا؟ «إِحْسَانُكَ»، مخاطب کے لیے کاف ضمیر آتی ہے نا، مذکر کے لیے: «إِحْسَانُكَ»۔ تو اب «أَنْ تُحْسِنَ» کو ہٹادو اور اس کی جگہ یہ رکھ دو: «أُرِيدُ إِحْسَانَكَ إِلَيَّ»، باقی جار مجرور وغیرہ کو اسی طرح رکھو: «أُرِيدُ إِحْسَانَكَ إِلَيَّ»، میں اپنی طرف آپ کا احسان چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ کیا کریں؟ احسان کریں۔ دیکھا طریقہ سمجھ میں آیا؟

تو اگر آپ سے کوئی پوچھ لے «تُحْسِنُ إِلَيَّ»، توجہ ہے؟ «تُحْسِنُ إِلَيَّ»، اس کا مضمونِ جملہ کیا ہے؟ تو یہی طریقہ ہے کہ جو بھی مسند ہو اس کی اضافت کردو کس کی طرف؟ مسند الیہ کی طرف، یہ مضمونِ جملہ نکل آئے گا۔ تو «تُحْسِنُ إِلَيَّ»، کیا نکلا؟ «إِحْسَانُكَ إِلَيَّ»، یہ مضمونِ جملہ ہے۔ اب یہ مفرد ہے، یہ جملہ نہیں ہے، «إِحْسَانُكَ إِلَيَّ»، آپ کا میرے ساتھ احسان کرنا، «إِحْسَانُكَ إِلَيَّ»، آپ کا میرے ساتھ احسان کرنا، دیکھو پوری بات نہیں ہے۔ اور «تُحْسِنُ إِلَيَّ»، اس کا تو معنی تھا آپ میرے ساتھ احسان کر رہے ہیں، وہ پوری بات تھی۔ اب «إِحْسَانُكَ إِلَيَّ»، آپ کا میرے ساتھ احسان کرنا، اب یہ پورا جملہ نہیں ہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

اور مضمونِ جملہ ذرا مجھے نکال کے دکھاؤ: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»۔ مسند الیہ کون؟ زید، اور «فِي الدَّارِ» کیا ہے؟ «أَيْ: ثَابِتٌ فِي الدَّارِ»، یہ کیا ہے؟ مسند۔ مسند کا کیا بناؤ؟ آپ سے کوئی پوچھے «زَيْدٌ فِي الدَّارِ» کا مضمونِ جملہ بیان کرو، تو جو مسند ہے اس کا مصدر بناؤ: ثابت سے یا «زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ، زَيْدٌ ثَبَتَ فِي الدَّارِ»، تو ثابت اور ثبت کا مصدر نکالو: ثبوت، ثبوت۔ اور مسند الیہ کون؟ زید، تو «ثُبُوتُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ»۔ تو اپ سے کوئی پوچھے اس جملے کا مضمون کیا؟ آپ کہیں «ثُبُوتُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ»، زید کا گھر میں ہونا۔ پہلے کیا تھا؟ پہلے پورا جملہ تھا: «زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ»، زید گھر میں ہے، اب کیا معنی ہوا؟ «ثُبُوتُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ»، زید کا گھر میں ہونا، بس پوری بات نہیں ہے۔ تو اس جملے میں کیا بیان ہو رہا ہے؟ زید کا گھر میں ہونا بیان ہو رہا ہے۔ «تُحْسِنُ إِلَيَّ»، اس میں کیا بیان ہو رہا ہے؟ «إِحْسَانُكَ إِلَيَّ»، آپ کا میرے ساتھ احسان، وہ بیان ہو رہا ہے، یہ ہے مضمونِ جملہ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ مضمونِ جملہ کیسے نکالتے ہیں؟ مسند کا مصدر نکال لیں اور اس کی اضافت کردیں کس کی طرف؟ مسند الیہ کی طرف، اور باقی جو جار مجرور یا مفعول وغیرہ ہیں ان کو ویسے ہی ساتھ ذکر کردیں کیونکہ مصدر بھی عمل کرتا ہے یا نہیں کرتا؟ تو وہ اب مصدر کے ساتھ جڑ جائیں گے لیکن جملہ پورا نہیں، پہلے کیا تھا؟ جملہ پورا۔

■ قولہ: «وَأَنَا لَنْ أَضْرِبَكَ» کی تشریح

«وَأَنَا لَنْ أَضْرِبَكَ»، جی ترکیب کیجیے: «أَنَا» مرفوع محلاً مبتدا۔ «لَنْ أَضْرِبَ» فعل، «أَنَا» ضمیر مرفوع محلاً فاعل، کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ یہاں یہ نہ کہہ دینا «أَنَا» ضمیر انا کو راجع، کیونکہ راجع صرف کون سی ضمیر ہوتی ہے؟ غائب کی، مخاطب اور متکلم کی ضمیروں کا مرجع نہیں تلاش کرنا کبھی بھی، اس میں مرجع نہیں ہوتا، متکلم بات کرنے والا ہوتا ہے، مخاطب اس کے سامنے ہوتا ہے، تو وہاں کسی قسم کا اشتباہ نہیں۔ اور یہ بھی دیکھیے یہ «لَنْ أَضْرِبَكَ»، یہ خبر بن رہی ہے انا کے لیے اور پورا جملہ ہے، اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑیں درمیان میں ربط چاہیے، جو چیز ربط دے اس کو رابط کہیں گے یا عائد جو ضمیر عائد کہیں گے، تو یہاں رابط کیا ہے کہ جس انا سے ہم جوڑ رہے ہیں وہ خود ہی اس کے اندر آگیا، «لَنْ أَضْرِبَ» کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ انا۔ تو وہ خود ہی وہ ضمیر آگئی تو لہٰذا ربط آگیا۔ تو یہ عائد کی دوسری قسم میں نے بیان کی تھی۔ عائد کی پہلی قسم کیا؟ کہ غائب کی ضمیر ہو جو ماقبل کی طرف لوٹے، جیسے «زَيْدٌ يَضْرِبُ»، «يَضْرِبُ» میں کیا ہے؟ «هُوَ» ضمیر۔ اور عائد کی دوسری قسم کیا؟ جس کے ساتھ اپ جملہ یا شبہ جملہ کو جوڑ رہے ہیں وہ خود ہی اس کے اندر آ جائے، جیسے «أَنَا أَضْرِبُ»، تو «أَضْرِبُ» میں کیا ہے؟ انا، تو انا سے ہی جوڑ رہے تھے وہ انا خود اس کے اندر آگیا، یا «أَنْتَ تَضْرِبُ»، «تَضْرِبُ» میں کیا ہے؟ انت، تو انت سے جوڑ رہے ہیں، تو یہ عائد کی دوسری قسم ہے۔ یا جیسے قرآن کی مثال میں نے ذکر کی تھی: «الْحَاقَّةُ ۝ مَا الْحَاقَّةُ»، «الْحَاقَّةُ» ہے مبتدا اور «مَا الْحَاقَّةُ» پورا جملہ اس کی خبر ہے، اور یہاں کوئی عائد پوچھے تو آپ کیا کہیں گے کہ جس الحاقہ سے «مَا الْحَاقَّةُ» پورے جملے کو ہم جوڑ

رہے ہیں، وہ الحاقہ خود ہی اس کے اندر آ گیا تو کیا آ گیا؟ ربط آ گیا، جڑ گیا بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ جی تو «أَنَا لَنْ أَضْرِبَكَ»، تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ «أَنَا لَنْ أَضْرِبَكَ»، میں ہرگز آپ کی پٹائی نہیں کروں گا۔

«وَأَسْلَمْتُ كَيْ أَدْخُلَ الْجَنَّةَ»، «أَسْلَمْتُ»، جی ترکیب کیجیے: «أَسْلَمْتُ» فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «كَيْ أَدْخُلَ الْجَنَّةَ»، کی ناصبہ، «أَدْخُلَ» فعل بافاعل، «أَدْخُلُ» ہے نا متکلم کا صیغہ، کی نے نصب دیا تو «أَدْخُلَ» فعل بافاعل، اس کے اندر «أَنَا» ضمیر مرفوع محلاً فاعل، شاباش! «الْجَنَّةَ» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ یاد رکھیے دَخَلَ يَدْخُلُ اس کے بعد جب مفعول فیہ آتا ہے نا: دَخَلْتُ الدَّارَ، دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ، أَدْخُلُ الْمَسْجِدَ، أَدْخُلُ لَاهُورَ، صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہ جو «أَدْخُلُ» کے بعد آتا ہے مفعول فیہ، اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ جو آگے مفعول فیہ آتا ہے یہ مفعول فیہ ہے ہی نہیں، یہ مفعول بہ ہے۔ «أَدْخُلَ الْجَنَّةَ»، وہ کہتے ہیں یہ «الْجَنَّةَ» مفعول بہ ہے۔ مفعول بہ کسے کہتے ہیں؟ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، آپ کا یہ دخول جنت پر واقع ہو رہا ہے اس لیے وہ کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، مفعول فیہ نہیں۔ جبکہ دیگر علماء کیا فرماتے ہیں کہ یہ مفعول فیہ ہے، تو اس میں اختلاف ہے، یاد رہے گی یہ بات؟ ہاں تو بس اس میں یاد رکھیے، اس میں اختلاف ہوتا ہے، جو مفعول فیہ آئے بعض علماء اس کو مفعول فیہ بناتے ہیں اس لیے منصوب ہے اور بعض کہتے ہیں مفعول بہ ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ تو «الْجَنَّةَ» منصوب لفظاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اور یہ علت بیان کر رہا ہے ماقبل والے جملے کی، تو یہ الگ جملہ «أَسْلَمْتُ» الگ اور یہ اس کی علت اور سبب بیان کر رہا ہے کہ میں اسلام لایا، کیوں اسلام لایا؟ تاکہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔

«وَإِذَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكَ»، «إِذَنْ» یہ بھی کیا کرتا ہے؟ نصب دیتا ہے۔ «يَغْفِرَ» منصوب لفظاً فعلِ مضارع، لفظِ «اللهُ» مرفوع لفظاً فاعل، لام جارہ، کاف ضمیر مجرور محلاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «يَغْفِرَ» سے، «يَغْفِرَ» فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، اور یہ «إِذَنْ» جواب میں آتا ہے عموماً۔ کسی نے کوئی بات کہی، کوئی بات کوئی کرتا ہے تو جواب میں آپ «إِذَنْ» لے کر آتے ہیں، مثلاً کوئی ایک آدمی کہتا ہے میں نے فلاں نیکی کا کام کیا تو آپ کہتے ہیں: «إِذَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكَ»، پھر تو اللہ آپ کی مغفرت فرما دیں گے۔ معنی سمجھ میں آ گیا بھائی؟

«وَتُقَدَّرُ أَنْ فِي سَبْعَةِ مَوَاضِعَ»، اور ان مقدر ہوتا ہے سات جگہوں میں۔ بھائی انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ نصب دینے والے عامل پانچ ہیں: أَنْ، وَلَنْ، وَكَيْ، وَإِذَنْ، اور انِ مقدرہ۔ باقی سب کی مثالیں گزر گئیں اب ان کی تفصیل رہ گئی کہ ان مقدر کہاں ہوتا ہے، تو بتلا رہے ہیں آپ کو کہ ان جو ہے سات جگہوں پر مقدر ہوتا ہے۔ چلیے بس بھائی، باقی اگلے سبق میں پڑھیں گے انشاء اللہ۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۹۴: عربی عبارات اور جملوں کی عملی ترکیب و تحلیل کی خصوصی مشق

ہدایۃ النحو صفحہ: ۸۴—بتاریخ: ۶ مارچ ۲۰۱۶ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

اچھا بھائی! آج کے سبق میں کچھ ترکیب کے بارے میں ہم پڑھ لیتے ہیں بھائی۔ ترکیب میں آپ کو کچھ اور گہرائی میں لے جاؤں، شاید میں نے پہلے ذکر کی ہو یہ بات یا نہیں، یاد نہیں۔ تو اور گہرائی میں لے جاتا ہوں اور اس کے علاوہ ایک اور نہایت قیمتی بات کہ ظرفِ مستقر کو ظرفِ مستقر کیوں کہتے ہیں؟ اسے یہ نام کیوں دیا گیا؟ شاید اس کی وجہ میں نے پہلے بھی ذکر کی ہو، لیکن دل مطمئن نہیں ہوتا تھا، تو آپ طلبہ کی برکت سے دس پندرہ سال بعد حوالہ مل گیا کہ اس کو ظرفِ مستقر کو ظرفِ مستقر کیوں کہا جاتا ہے، وہ بھی آج میں بیان کروں گا بھائی۔

تو سب سے پہلے کچھ ترکیبیں کر لیجیے بھائی! کاپی لے لیں۔ لکھیے بھائی: «زَيْدٌ يَضْرِبُ عَمْرًا» «زَيْدٌ يَضْرِبُ عَمْرًا» جی! ترکیب کیجیے۔ شاباش! «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، یہ ہے مبتدا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ آسان لفظوں میں جملہ اسمیہ کے اندر مبتدا وہ ہے جس کے بارے میں بات کی جائے اور جو بات کی جائے وہ کیا ہے؟ وہ خبر ہے بھائی۔ تو یہاں ترجمے پہ بھی آپ غور کر لیا کریں۔ یاد رکھیے، کبھی ترجمے سے آپ کو ترکیب کا اندازہ ہو گا اور کبھی ترکیب سے ترجمے کا پتہ چلے گا۔ کبھی ترجمے سے ترکیب کا پتہ چلتا ہے اور کبھی ترکیب سے ترجمے کا پتہ چلتا ہے۔ بعض جگہ ترکیب کے بدلنے سے ترجمہ مختلف ہوتا ہے، وہاں آپ کو پتہ چل جاتا ہے کہ کیا کون سی ترکیب کریں تو معنی درست رہتا ہے اور بعض جگہ ترجمے پہ آپ غور کرتے ہیں آپ کو فوراً اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ اس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے، یہ ہے مبتدا، اور یہ بات کی جا رہی ہے یہ ہے خبر۔

جی! تو ترکیب کیجیے بھائی: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «يَضْرِبُ» فعل بافاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل جو لوٹ رہی ہے مبتدا کی طرف، یہ آپ نے رابط دے دیا، عائد بتلا دیا جو چیز ربط دے رہی ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا جملہ یا شبہ جملہ کو جس چیز سے بھی جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری ہے بھائی۔ تو یہ «هُوَ» ضمیر زید کو راجع اور یہ بھی آپ نے دیکھنا ہے کہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہونی چاہیے بھائی۔ «هُوَ» ضمیر بھی مفرد مذکر ہے اور زید بھی کیا ہے، مفرد مذکر بھائی۔ جی! «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہوئی کس کے لیے؟ مبتدا کے لیے۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا بھائی۔

اب روانی سے پڑھ دیجیے: «زَيْدٌ يَّضْرِبُ عَمْرًا»۔ «زَيْدٌ» کے آخر میں نون ہے اور «يَضْرِبُ» کے شروع میں یا اور یا حروفِ یرملون میں سے ہے۔ اور حروفِ یرملون سے پہلے نونِ ساکن آجائے تو اس نون کو بھی اسی حرف کی جنس سے بدل کر اس میں ادغام لازم، تو «زَيْدٌ» کے آخر میں تنوین والا نونِ ساکن، اس کو بھی یا سے بدل کر یا میں ادغام کیا تو: «زَيْدٌ يَّضْرِبُ عَمْرًا»۔ ترجمہ کیجیے: زید عمرو کی پٹائی کرے گا، یا زید عمرو کی پٹائی کر رہا ہے۔ حال والا ترجمہ بھی ہو سکتا ہے، مستقبل والا ترجمہ بھی ہو سکتا ہے، البتہ ایک وقت میں ایک ہی ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور وہ موقع محل کے مطابق کہنے والا کیا کہنا چاہتا ہے اس کے مطابق ترجمہ کیا جائے گا۔ تو «زَيْدٌ يَضْرِبُ عَمْرًا»، زید عمرو کی پٹائی کر رہا ہے۔

اور اب مجھے بتائیے: «يَضْرِبُ»، «يَضْرِبُ» یہ فعلِ مضارع ہے اور فعلِ مضارع کا اعراب آپ نے پڑھا ہے، کبھی مرفوع ہوتا ہے، کبھی منصوب ہوتا ہے اور کبھی مجزوم ہوتا ہے۔ تو «يَضْرِبُ» مرفوع ہے، کس وجہ سے مرفوع ہے؟ ہاں شاباش! یہ عاملِ ناصب اور عاملِ جازم سے خالی اس لیے مرفوع ہے۔ جی، تو میرے پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ یہ خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے۔ نہیں بھائی! خبر ہونے کی بناء پر «يَضْرِبُ» نہیں مرفوع،

پورا جملہ فعل اپنے فاعل سے اور مفعول سے مل کر جملہ بنا، پھر یہ پورا جملہ محلاً کیا ہے؟ مرفوع ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو «يَضْرِبُ عَمْرًا» پورا جملہ اور جملہ مبنیات میں سے ہے، اس کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً، تو یہ محلاً مرفوع ہوا بھائی، محلاً مرفوع ہوا۔ تو «يَضْرِبُ» میں یہ کبھی نہ کہیے گا کہ یہ خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے۔ خبر صرف «يَضْرِبُ» فعل نہیں ہے بلکہ اپنے فاعل، مفعول وغیرہ ساری چیزوں سے جڑ کر جملہ بنا اور پھر یہ خبر بنا بھائی۔

■ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب

دوسری ترکیب کیجیے، اگلی ترکیب سے اور وضاحت ہو جائے گی اس بات کی: «زَيْدٌ لَنْ يَّضْرِبَ عَمْرًا» «لَنْ يَّضْرِبَ عَمْرًا» تو ترکیب کیا ہو گی؟ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «لَنْ» ناصبہ اور «يَضْرِبَ» فعل بافاعل اور یہ منصوب لفظاً ہے بھائی «لَنْ» ناصبہ کی وجہ سے اور «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ اور «يَضْرِبَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر کس کو راجع؟ مبتدا کی طرف۔ تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ مبتدا کے لیے۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا: «زَيْدٌ لَنْ يَّضْرِبَ عَمْرًا»، زید کبھی بھی عمرو کی پٹائی نہیں کرے گا۔

آپ جانتے ہیں بھائی «لَنْ» ناصبہ کیا کرتا ہے؟ معنی کو منفی کر دیتا ہے اور اس کو مستقبل مضارع کو مستقبل کے ساتھ خاص کر دیتا ہے۔ تو معنی ہو گا: «زَيْدٌ لَنْ يَّضْرِبَ عَمْرًا»، زید ہرگز عمرو کی پٹائی نہیں کرے گا۔ دیکھا؟ دیکھا، اب اور وضاحت ہو گئی۔ اگر ماقبل والے جملے میں آپ یہ کہتے کہ «يَضْرِبُ» مرفوع ہے خبر ہونے کی بناء پر، تو پھر یہاں «لَنْ يَّضْرِبَ» کو دیکھ لیں، خبر تو یہ بھی بن رہا ہے لیکن اب اشکال ہو گا کہ یہ تو منصوب ہے اور خبر تو کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ تو جواب میں پہلے دے چکا کہ بھائی خبر صرف یہ «يَضْرِبَ» کا فعل خبر نہیں ہے بلکہ پورا جملہ خبر ہے۔ تو یہاں «لَنْ يَّضْرِبَ» یہ فعل تو منصوب ہے «لَنْ» ناصبہ کی وجہ سے، لیکن پورا جملہ «لَنْ يَّضْرِبَ عَمْرًا» یہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر پورا جملہ ہوا اور پورا جملہ محلاً کیا ہے؟ مرفوع ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اگر پچھلے جملے میں «زَيْدٌ يَضْرِبُ عَمْرًا»، اگر «يَضْرِبُ» خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہوتا تو پھر «لَنْ يَّضْرِبَ» اس میں تو «يَضْرِبَ» پر نصب بھی آرہا ہے اور یہ خبر بھی بن رہا ہے، پھر تو دو اعراب آتے ایک جیسے حالانکہ دو اعراب تو ہو ہی دو عامل تو بن ہی نہیں سکتے ایک چیز میں، تو اشکال ہونا تھا۔ تو میں نے آپ کو بتلا دیا کہ ایک اعراب فعل کا ہوتا ہے، ایک اعراب پورے جملے کا ہوتا ہے۔ فعل جب خبر بنتا ہے تو وہ اکیلا خبر نہیں بن رہا بلکہ اپنے فاعل، مفعول، متعلقات وغیرہ سب سے جڑ کر پورا جملہ ہو کر پھر کیا بنتا ہے؟ خبر بنتا ہے، تو اس وجہ سے پورے جملے کا اعراب محلاً مرفوع ہے بھائی۔ یہاں تک بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اب ایک اور ترکیب کیجیے بھائی! اب آپ کو گہرائی میں لے جائیں ترکیب میں بھائی۔ شاید مجھے یاد نہیں پتہ نہیں آپ کو یہ بات پہلے آپ کے سامنے میں نے ذکر کی ہے یا نہیں کی، اگر پہلے بھی ذکر کی ہے تو کوئی حرج نہیں اور دوبارہ اس کا تکرار ہو جائے گا اور «إِذَا تَقَرَّرَ تَقَرَّرَ» بھائی، جب بار بار ایک چیز کا تکرار ہوتا ہے تو وہ ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔ جی! ترکیب کیجیے: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ» «زَيْدٌ فِي الدَّارِ» کیا ترکیب ہو گی؟ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «فِي» جارہ، «الدَّارِ» مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «ثَابِتٌ» یا «ثَبَتَ» کے ساتھ۔ «ثَابِتٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ جو مبتدا کی طرف، کیونکہ خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے۔ اگر یہ «إِنَّ» کی خبر ہوتی تو «إِنَّ» کی خبر کو «إِنَّ» کے اسم سے جوڑتے ہیں، اگر یہ «كَانَ» کی خبر ہوتی تو «كَانَ» کی خبر کو «كَانَ» کے اسم سے جوڑتے ہیں، تو ضمیریں اس کی طرف لوٹتیں۔ تو یہ ضمیر لوٹ رہی ہے مبتدا کی طرف۔ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق، «ثَابِتٌ» صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، زید گھر میں ہے، زید گھر میں ہے۔

اب یاد رکھیے! یہ جو ہم نے کہا نا کہ یہ «فِي الدَّارِ» متعلق ہوا کس سے؟ «ثَابِتٌ» سے۔ یاد رکھیے یہ طلبہ کی آسانی کے لیے یوں کہا جاتا ہے، ورنہ درحقیقت یہاں کوئی «ثَابِتٌ» نہیں۔ «ثَابِتٌ» تھا، «ثَابِتٌ» تھا اور وہ «ثَابِتٌ» جا چکا، اس کی جگہ اس جار مجرور یعنی ظرف نے پکڑ لی، ظرف نے پکڑ لی تو اسے ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔ تو اب یہاں یہ جو ہم کہتے ہیں نا جار مجرور مل کر متعلق ہوا «ثَابِتٌ» سے، نہیں بھائی! کوئی «ثَابِتٌ» نہیں، «ثَابِتٌ» جا چکا اور اس کی جگہ کس نے پکڑ لی؟ اس «فِي الدَّارِ» ظرف نے اس کی جگہ پکڑ لی۔ اور یاد رکھیے، جب اس ظرف نے اس کی جگہ پکڑی تو جو جو عمل «ثَابِتٌ» کر رہا تھا وہ سارے عمل اب یہ «فِي الدَّارِ» یہ ظرف کر رہا ہے۔

«ثَابِتٌ» کیا کیا عمل کر رہا تھا؟ «ثَابِتٌ» ایک فاعل کو رفع دے رہا تھا۔ اب وہ جو «ثَابِتٌ» تو چلا گیا لیکن اس کے اندر جو «هُوَ» ضمیر تھی اب اس

کے اندر عامل یہ «فِي الدَّارِ» ظرف ہو گیا اور وہ ضمیر اب اس «فِي الدَّارِ» میں آکر چھپ گئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ «ثَابِتٌ» والے سارے عمل اب کون کرے گا؟ «فِي الدَّارِ»۔ اگر فرض کریں کوئی ایسی ترکیب ہوتی کہ یہ «ثَابِتٌ» آگے نصب بھی کسی کو دے رہا ہوتا، اس کے ساتھ کوئی اور جار مجرور بھی متعلق ہوتا تو وہ سارے کام اب کس نے سنبھال لیے؟ اس «فِي الدَّارِ» نے، یہ جو ظرفِ مستقر ہے، یہ جو اسی جگہ پر آگیا۔ اسی لیے اس کا نام کیا ہے؟ ظرفِ مستقر ہے بھائی، ظرفِ مستقر ہے۔ یہ اب وہ سارے کام کر رہا ہے جو «ثَابِتٌ» کر رہا تھا اور «ثَابِتٌ» کیا کر رہا تھا؟ یہاں پر تو وہ صرف «هُوَ» ضمیر کو رفع دے رہا تھا، اب اس «هُوَ» ضمیر کو رفع کون دے رہا ہے؟ یہ «فِي الدَّارِ»، یہ ظرف دے رہا ہے، وہ ضمیر اس کے اندر چھپ گئی اور یہ ظرف کیا ہے، ظرفِ مستقر کہلاتا ہے، مستقر بھائی، مستقر۔

تو آج تک میرے ذہن میں بھائی اشکال تھا، کہیں سے حوالہ نہیں مل رہا تھا کہ یہ ظرفِ مستقر کو کہتے ہیں ظرفِ مستقر کیوں کہتے ہیں؟ تو وجہ یہ ذکر کی جاتی کیونکہ اس نے اپنے عامل کی جگہ قرار پکڑ لیا ہے۔ یہ «فِي الدَّارِ» نے «ثَابِتٌ» کی جگہ کیا کیا ہے؟ قرار پکڑ لیا ہے، اس لیے یہ کیا کہلاتا ہے؟ ظرفِ مستقر، ظرفِ مستقر۔ «ثَابِتٌ» تھا، وہ چلا گیا، اس کی جگہ کون آگیا؟ «فِي الدَّارِ»، تو «فِي الدَّارِ» نے اس کی جگہ پکڑ لی لہٰذا اب یہ کیا کہلاتا ہے؟ ظرفِ مستقر، یہ وجہ ذکر کی جاتی تھی۔ لیکن اس سے میری تسلی نہیں ہوتی تھی، کیونکہ اگر یہ اس کی جگہ قرار پکڑنے والا ہے تو پھر تو یہ «مُسْتَقِرّ» ہونا چاہیے تھا، اسمِ فاعل کا صیغہ، قرار پکڑنے والا۔ «مُسْتَقَرّ» تو جس کی جگہ پہ قرار پکڑا جائے اور وہ تو «ثَابِتٌ» تھا، وہ تو چلا گیا، اور یہ تو کیا ہے، مستقر ہے، یہ تو اس کی جگہ پر قرار پکڑنے والا ہے، تو اسمِ فاعل ہونا چاہیے، یوں کہنا چاہیے: یہ «فِي الدَّارِ» ظرفِ مستقر ہے، لیکن جس سے بھی سنا ہمیشہ «مُسْتَقَرّ» سنا، ظرفِ مستقر اسمِ مفعول کا صیغہ سنا۔ تو بہر حال دل میں ایک اشکال تھا، شبہ تھا، تسلی نہیں ہوتی تھی۔ الحمد للہ آپ طلبہ کی برکت سے چند دن پہلے اس کا حوالہ بھی مل گیا بھائی۔ «الدراية» کے اندر، «الدراية» ہدایت النحو کی عربی شرح ہے اور اس کے اندر جہاں جہاں مبتدا خبر کی بحث ہے وہاں آپ کو یہ حوالہ مل جائے گا بھائی کہ ظرفِ مستقر کو مستقر کیوں کہتے ہیں۔

اور یہ جو وجہ میں نے ذکر کی کہ یہاں اب کوئی «ثَابِتٌ» نہیں، اب «هُوَ» ضمیر کہاں چھپ گئی ہے؟ «فِي الدَّارِ» کے اندر۔ اب دیکھو دیکھو آپس میں جڑتے چلے جاتے ہیں۔ یاد رکھیے وجہ یہ ملی وجہ یہ ملی کہ ظرفِ مستقر یہ «مُسْتَقَرّ» اسمِ مفعول کا صیغہ ہے ہی نہیں جس کی وجہ سے شبہ پیدا ہو رہا تھا، بلکہ یہ اسمِ ظرف ہے۔ آپ جانتے ہیں ثلاثی مزید فیہ جو اسمِ مفعول کا وزن ہوتا ہے وہی اسمِ ظرف کا بھی ہوتا ہے۔ «أَكْرَمَ يُكْرِمُ إِكْرَامًا»، اسمِ مفعول کیا آیا: «فَهُوَ مُكْرَمٌ»، آگے ظرف بھی آتا ہے: «وَالظَّرْفُ مِنْهُ مُكْرَمٌ مُكْرَمَانِ»۔ تو دیکھا؟ اسمِ مفعول کا جو وزن وہی اسمِ ظرف کا بھی۔ اسی طرح اور دیکھ لیجیے: «مُكَرَّمٌ» اسمِ مفعول ہے تو «وَالظَّرْفُ مِنْهُ مُكَرَّمٌ» وہ بھی مکرم ہے۔ «مُسْتَخْرَجٌ» یہ ہے اسمِ مفعول، تو اسمِ ظرف بھی «مُسْتَخْرَجٌ» ہے بھائی۔ اسی طرح «اِسْتَقَرَّ» اسی سے اسمِ مفعول «مُسْتَقَرٌّ» آتا ہے تو ظرف بھی کیا ہے؟ «مُسْتَقَرٌّ»۔ تو یہ جو ظرفِ مستقر ہے یہ «مُسْتَقَرّ» اسمِ ظرف کا صیغہ ہے۔

اب کیا معنی ہوا؟ قرار پکڑنے کی جگہ۔ یہ «فِي الدَّارِ» قرار پکڑنے کی جگہ ہے۔ بھئی کس چیز کی؟ بھئی «هُوَ» ضمیر کی، «هُوَ» ضمیر نے اس کے اندر کیا کیا؟ قرار پکڑ لیا یا نہیں؟ یہ قرار پکڑنے کی جگہ ہے کس کے لیے؟ وہ جو اس میں جو ضمیر تھی، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ «ثَابِتٌ» کے اندر «هُوَ» ضمیر تھی، وہ «ثَابِتٌ» تو ختم ہوا، اس «هُوَ» ضمیر نے کہاں قرار پکڑا؟ «فِي الدَّارِ» میں، تو یہ «فِي الدَّارِ» کیا ہے؟ اس کے قرار پکڑنے کی جگہ ہے۔ اب وجہ سمجھ میں آئی؟ ظرفِ مستقر کو مستقر کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ اس ضمیر کے قرار پکڑنے کی جگہ ہے بھائی۔

یاد رکھیے جب اس ظرف نے اپنے عامل کی جگہ قرار پکڑ لیا تو اب یہ سارے وہ کام کرے گا جو اس کا عامل کر رہا تھا۔ ایک اور مثال لکھ کے اس سے اور وضاحت ہو جائے گی۔ «زَيْدٌ فِي الدَّارِ بِالْعَصَا» «زَيْدٌ فِي الدَّارِ بِالْعَصَا» «بِالْعَصَا»: با، الف، لام، عین، صاد، الف: «بِالْعَصَا»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ عصا کسے کہتے ہیں؟ لاٹھی کو۔ «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، زید گھر میں ہے، «بِالْعَصَا» لاٹھی کے ساتھ، زید گھر میں ہے یعنی اس کے پاس لاٹھی بھی ہے۔

اب ترکیب دیکھیے بھائی، ترکیب غور توجہ سے سمجھ لیں بھائی: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «فِي» جارہ، «الدَّارِ» مجرور لفظاً کیونکہ اس کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے؟ «ثَابِتٌ» سے، یہ سمجھا «ثَابِتٌ» سے اسی طرح کرتے ہیں ناطلبہ کو سمجھانے کے لیے «ثَابِتٌ» نکالتے ہیں۔ «ثَابِتٌ» صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ مبتدا کی طرف راجع ہے۔ آگے باجارہ، «الْعَصَا» مجرور، کون سا مجرور؟ مجرور تقدیراً، تقدیراً کیوں؟ کیونکہ اس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہے، تو باجارہ کی وجہ سے یہ مجرور ہے اور ہے تقدیراً کیونکہ

آخر میں الفِ مقصورہ ہے اور اسمِ مقصور کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے، تو عصا مجرور تقدیراً باجار کے لیے۔ جار اپنے مجرور سے مل کر یا در کھیے یہ بھی متعلق ہوئے اسی «ثَابِتٌ» سے، یہ بھی متعلق ہوئے اسی «ثَابِتٌ» سے متعلق ہوئے، یہ کوئی الگ خبر نہیں ہے یہ بھی اسی کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں۔

تو گویا «ثَابِتٌ» «هُوَ» ضمیر کو رفع بھی دے رہا ہے اور نیز «فِي الدَّارِ» میں بھی وہ عمل کر رہا تھا، نیز «بِالْعَصَا» میں بھی وہ عمل کر رہا ہے، یہ جو متعلق ہوتا ہے یہ دراصل اس کا معمول ہے نا، تو یہ یہ بھی اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے، معلوم ہوا اس کے اندر بھی وہی عامل ہے۔ اور پھر کیا ہوا؟ وہ «ثَابِتٌ» چلا گیا، جب وہ «ثَابِتٌ» چلا گیا اس کی جگہ کس نے قرار پکڑا، اس کی جگہ کس نے پکڑلی؟ «فِي الدَّارِ» نے، کس نے پکڑی؟ «فِي الدَّارِ» نے، تو یہ «فِي الدَّارِ» کیا ہے؟ ظرفِ مستقر۔ اسی کے اندر «هُوَ» ضمیر بھی چھپ گئی۔ اب وہ سارے عمل کون کر رہا ہے جو «ثَابِتٌ» کر رہا تھا؟ «فِي الدَّارِ» کر رہا تھا، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور «بِالْعَصَا» پہلے «ثَابِتٌ» سے متعلق تھا اب اس کی جگہ کس نے پکڑلی؟ «فِي الدَّارِ» نے، تو «بِالْعَصَا» اب متعلق ہو گیا «فِي الدَّارِ» سے، کس سے متعلق ہو گیا؟ وہ سارے عمل جو وہ عامل کر رہا تھا وہ سارے اب یہ کرے گا، تو یہ «بِالْعَصَا» کس سے متعلق؟ «فِي الدَّارِ»، گویا «فِي الدَّارِ» اس کے اندر عامل ہوا، صورت سمجھ میں آگئی۔

اب مجھے بتایئے، مجھے بتایئے: «فِي الدَّارِ» یہ ظرفِ مستقر ہے یا ظرفِ لغو ہے؟ یہ ظاہر سی بات ہے یہ ظرفِ مستقر ہے، ظرفِ مستقر ہے۔ ظرفِ مستقر کسے کہتے تھے؟ جس کا عامل محذوف ہوتا تھا اور ظرفِ لغو کسے کہتے ہیں؟ جس کا عامل لفظوں میں ذکر ہو اس کو کیا کہتے ہیں، ظرفِ لغو۔ تو یہ «فِي الدَّارِ» کیا ہے؟ ظرفِ مستقر۔ اور «بِالْعَصَا» یہ کیا ہے؟ شاباش! دیکھا؟ یہ ظرفِ لغو ہے کیونکہ اس کا اس کا متعلق «فِي الدَّارِ» مذکور ہے۔ ورنہ اگر «ثَابِتٌ» پہ نظر ڈالیں تو اسی «ثَابِتٌ» سے «فِي الدَّارِ» بھی متعلق تھا اور اسی «ثَابِتٌ» سے «بِالْعَصَا» بھی متعلق اور «ثَابِتٌ» تو ہے «ثَابِتٌ» تو ختم محذوف، لہٰذا «فِي الدَّارِ» کو بھی کہنا چاہیے ظرفِ مستقر اور «بِالْعَصَا» کو بھی کہنا چاہیے ظرفِ مستقر، حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں، «فِي الدَّارِ» تو ظرفِ مستقر ہے لیکن «بِالْعَصَا» ظرفِ مستقر نہیں۔ بھئی کیسے نہیں ہے؟ سوال پیدا ہوتا ہے، «ثَابِتٌ» جیسے «فِي الدَّارِ» کے لیے حذف ہے «بِالْعَصَا» کے لیے بھی حذف ہے یا نہیں؟ تو اس کو بھی ظرفِ مستقر کہنا چاہیے لیکن نہیں، اس کو اس کو ظرفِ مستقر کوئی بھی نہیں کہتا۔

اب یہ میری تقریر ذہن میں رکھیں تو ان شاء اللہ اب اشکال نہیں آئے گا۔ دیکھو «فِي الدَّارِ» تو ظرفِ مستقر ہے، کیوں ہے؟ کیونکہ اس نے اس کی جگہ قرار پکڑا ہوا ہے اور یہ وہ سارے عمل کر رہا ہے جو کون کر رہا تھا؟ «ثَابِتٌ» کر رہا تھا اور «بِالْعَصَا» پہلے متعلق تھا کس سے؟ «ثَابِتٌ» سے، اب متعلق ہے کس سے؟ «فِي الدَّارِ» سے، جب متعلق ہے «فِي الدَّارِ» سے تو اس کا متعلق محذوف ہے یا مذکور ہے؟ جب مذکور ہے تو یہ ظرفِ لغو ہوا کہ مستقر ہوا؟ تو یہ ظرفِ لغو ہوا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو تو اب جب یہ تقریر کریں گے دیکھو اشکال ہی ختم ہو گیا، «فِي الدَّارِ» ہے ظرفِ مستقر اور «بِالْعَصَا» ہے ظرفِ لغو، ورنہ عام طالب علم کے سامنے آپ تقریر کریں گے وہ کہے گا یہ بھئی «بِالْعَصَا» کا بھی تو عامل محذوف ہے، اس کو بھی کیا کہو؟ ظرفِ مستقر، حالانکہ یہ ظرفِ مستقر نہیں ہے بھائی، اس نے اپنے عامل کی جگہ قرار نہیں پکڑا۔ تو جو اپنے عامل کی جگہ قرار پکڑتا ہے اس کو کہتے ہیں ظرفِ مستقر، لیکن مستقر کہتے کیوں ہیں؟ قرار پکڑا ہے اس کی جگہ پر اس وجہ سے نہیں کہتے بلکہ اس وجہ سے کہ اس کے اندر اس ضمیر نے قرار پکڑ لیا، یہ اس ضمیر کے قرار پکڑنے کی جگہ ہے۔ بات اب اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اب مجھے یہ بتاؤ: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ بِالْعَصَا»، زید اس گھر میں ہے لاٹھی کے ساتھ۔ مجھے ذرا مضمونِ جملہ نکال کر دکھاؤ، مضمونِ جملہ کیا ہے یہاں؟ مضمونِ جملہ کہتے ہیں جو چیز بیان کی جا رہی ہو خبر میں اس کو کیا کہتے ہیں؟ مضمونِ جملہ بھائی، کیا بیان کیا جا رہا ہے؟ ہاں شاباش! ثبوتِ زید فی الدار بالعصا بیان کیا جا رہا ہے۔ ثبوتِ زید فی الدار بالعصا بیان کیا جا رہا ہے، دیکھا اب مفرد بنا دیا آپ نے۔ اور ترکیب اور بھائی جملہ اور مضمونِ جملہ اور نکال کے دکھایئے بھائی: «قَامَ زَيْدٌ»، «قَامَ زَيْدٌ»۔ میں نے بتلایا تھا مضمونِ جملہ کس طرح نکالتے ہیں؟ مسند کا مصدر بنالو اور اس کی اضافت کر دو مسند الیہ کی طرف۔ «قَامَ زَيْدٌ»، مسند کون؟ «قَامَ»، اس کا مسند اس کا مصدر بناؤ: قیام، «قِيَامٌ»، اور مسند الیہ کون، فاعل ہوتا ہے جملہ فعلیہ میں یا نائب فاعل، تو وہ زید ہے۔ تو اس قیام کی نسبت کا اضافت کر دو کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ تو «قَامَ زَيْدٌ» مضمونِ جملہ کیا ہے؟ «قِيَامُ زَيْدٍ»، یعنی اس میں قیامِ زید بیان ہو رہا ہے، یوں کہیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور بنایئے: «زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو»، «زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو»، جی! مسند الیہ کون؟ زید، اور مسند کون؟ «ضَارِبُ عَمْرٍو»، ضارب ہے یعنی۔ اس کا مصدر بناؤ ضارب کا مصدر: ضرب، اس ضرب کی اضافت کر دو زید کی طرف: ضربِ زید، «ضَرْبُ زَيْدٍ»، اور آگے «عَمْرًا» کون ہے؟ مفعول ہے، اس کو مفعول کے طور پر ذکر کر دو: «ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا» ذکر ہو رہا ہے، زید کا عمرو کی پٹائی کرنا۔ کوئی آپ سے پوچھے: «زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو» اس جملے کا

مضمونِ جملہ کیا ہے، یا یوں کہو اس جملے میں کیا بیان ہو رہا ہے؟ آپ کہیں گے: «ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا»، یعنی زید اردو میں یوں کہو: زید کا عمرو کی پٹائی کرنا یہ بیان ہو رہا ہے۔

اسی طرح میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ بعض اوقات کوئی لفظ مراد ہوتا ہے۔ بعض جگہ پر کیا مراد ہوتا ہے؟ کوئی لفظ مراد ہوتا ہے اور وہ پھر علم کے درجے میں ہے، معرفہ ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس کا پھر ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ مثلاً مثلاً میں کہتا ہوں: «ضَرَبَ فِعْلٌ»، ترجمہ کریں؟ «ضَرَبَ» فعل ہے، دیکھا آپ «ضَرَبَ» کا ترجمہ نہیں کر رہے۔ معلوم ہوا «ضَرَبَ» علم ہے اس وقت اور یہ نام ہے، اسم ہے، فعل ہے ہی نہیں، مبتدا ہے اور «فِعْلٌ» کیا ہے اس کی خبر ہے۔ تو آپ خود ہر جگہ غور کر سکتے ہیں، جہاں پر بھی کسی لفظ کا ترجمہ آپ نہیں کرتے سمجھ جائیں یہاں لفظ مراد ہے اور یہ علم کے درجے میں ہے بھائی۔

اور جہاں تو جہاں لفظ مراد ہو اس کا اعراب تقدیراً بتلائیں گے بھائی۔ اس کا اعراب کیسے بتلائیں گے؟ تقدیراً بتلائیں گے، مثلاً مرفوع تقدیراً ہے یا منصوب تقدیراً ہے یا مجرور، جو بھی ہو۔ جیسے «ضَرَبَ فِعْلٌ»، تو «ضَرَبَ» مرفوع تقدیراً مبتدا اور «فِعْلٌ» مرفوع لفظاً خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح ایک اعرابِ حکائی ہوتا ہے، میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ اعرابِ حکائی، حکایت کہتے ہیں واقعے کو، کہانی کو، قصے کو۔ تو حکایت یعنی کسی جگہ ایک لفظ آیا تھا اور اس پر جو اعراب تھا آپ اپنے جملے میں اس لفظ کو بعینہٖ اسی طرح ذکر کر دیتے ہیں اسی اعراب کے ساتھ جیسا اس واقعے میں تھا، تو صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح ذکر کر دیتے ہیں، تو یہ یہ اعرابِ حکائی ہوا بھائی، اعرابِ حکائی۔

اور اعرابِ حکائی اس میں بھی اعراب تقدیری بتلاتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ لفظ آیا تھا «ضَرْبًا»، «ضَرْبًا»، تو مثلاً اب آگے شارح آپ کو بتلاتا ہے: «وَضَرْبًا مَصْدَرٌ»، کہنا چاہیے تھا «وَضَرْبٌ مَصْدَرٌ» کیونکہ مبتدا ہے، لیکن وہی شکل لایا اسی صورت میں جیسے وہاں حکایت میں آیا تھا اور وہاں «ضَرْبًا» کیا تھا؟ منصوب۔ تو «ضَرْبًا مَصْدَرٌ»، کیسے اعراب بتائیں گے اس کا؟ «ضَرْبًا» منصوب لفظاً باعرابِ حکائی ہے، اعرابِ حکائی کے ساتھ تو منصوب ہے، «ضَرْبًا» آپ تلفظ کر رہے ہیں یا نہیں؟ تو منصوب لفظاً باعرابِ حکائی، ہاں یہ تو اعرابِ حکائی ہوا، اصل اعراب کیا ہے؟ مرفوع تقدیراً، یہاں مبتدا ہے نا، تو مرفوع تقدیراً مبتدا۔ تو پھر دہرا لیں: «ضَرْبًا مَصْدَرٌ»، «ضَرْبًا» منصوب لفظاً دیکھو منصوب لفظاً ہے آپ اس پر تلفظ کر رہے ہیں نصب پر، منصوب لفظاً باعرابِ حکائی اور مرفوع تقدیراً مبتدا اور «مَصْدَرٌ» مرفوع لفظاً اس کی خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ صورت اچھی طرح سمجھ میں آگئی بھائی؟ چلیے بس بھائی، هذا هو المرام والله أعلم بحقيقة الكلام۔

کوئی اور بات تو نہیں پوچھنے وغیرہ؟

[طلبہ میں سے سوال]: کل تکرار کرتے تھے مبتدا خبر کی۔ نکرہ میں جب تخصیص آجائے تو پھر مبتدا بنتا ہے۔ ایک اور ساتھی تھے اس نے کہا کہ یہ ابن حاجب کا مذہب ہے۔ نکرہ ویسے بھی مبتدا واقع ہو جاتا ہے تخصیص کے بغیر۔

[استاذ محترم]: ہاں، ہاں وہ آپ پڑھیں گے آگے جا کر، آگے جا ایک مقامِ دعا ہے، بددعا، وہاں بھی نکرہ مطلقاً مبتدا بن جاتا ہے۔ ٹھیک ہے؟ جیسے عرب بددعا دیتے ہیں دوسرے کو: «وَيْلٌ لَّكَ»، تیرے لیے ہلاکت ہو۔ اب «وَيْلٌ» نکرہ ہے، مبتدا بن رہا ہے۔ «سَلَامٌ عَلَيْكَ»، «سَلَامٌ» دعا ہے، «سَلَامٌ» نکرہ ہے، مبتدا بن رہا ہے، ٹھیک ہے؟ اور حاصل یہ نکالا ہے علماء نے آگے آپ کو بتائیں گے کہ نکرہ مبتدا بن سکتا ہے اگر اس میں کوئی فائدہ ہو۔ کوئی بات دوسرے کو بتا رہے ہیں نا، جب آپ بات کوئی کرتے ہیں اس کا کوئی فائدہ ہے تو نکرہ مبتدا بن سکتا ہے، اگر فائدہ نہیں تو نکرہ مبتدا بھی نہیں بن سکتا۔

مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: «رَجُلٌ قَائِمٌ»، کوئی آدمی کھڑا ہے۔ اس میں کیا بات ہے؟ کہیں نہ کہیں تو کوئی آدمی کھڑا ہو گا ہی دنیا میں، کوئی خبر ہے نئی؟ نہیں، ہاں جس میں کوئی خبر معلوم ہو رہی ہے وہاں نکرہ مبتدا بن سکتا ہے جہاں جہاں ایسا ہو۔ یہ جیسے اور وہ مثال دیتے ہیں بڑی پیاری جامی وغیرہ میں: «كَوْكَبٌ انْقَضَّ السَّاعَةَ»، «كَوْكَبٌ» ایک ستارہ، «انْقَضَّ» ٹوٹ گیا، «السَّاعَةَ» ابھی۔ آسمان پر آپ دیکھتے ہیں کبھی ایک ستارہ بڑی تیزی، اس کو اردو میں کہتے ہیں ستارہ ٹوٹنا۔ ایک ایک ستارہ ابھی ٹوٹ گیا۔ «كَوْكَبٌ» نکرہ ہے۔ اور فائدہ ہے کہ نہیں؟ ایک ستارہ ابھی ٹوٹا، آپ کو ایک بات پتہ چل گئی، اچھا آپ بھی ویسے ہی حیران ہو کے دیکھیں گے، حالانکہ گزر چکا ہے لیکن ایک بات آپ کو پتہ چل گئی۔ تو «رَجُلٌ قَائِمٌ» اس میں کوئی فائدہ نہیں، کوئی نہ کوئی آدمی تو کھڑا ہی ہو گا اور «كَوْكَبٌ انْقَضَّ السَّاعَةَ» ابھی اس میں آپ کو ایک فائدہ معلوم ہوا لہٰذا اس میں مبتدا بن سکتا ہے، «رَجُلٌ قَائِمٌ» مبتدا نہیں بن سکتا۔ تو جہاں بھی کوئی فائدہ جدید ہو گا وہ مبتدا بن سکتا ہے، جہاں نہیں وہاں نہیں بن سکتا۔

پریشان نہیں ہونا کسی کی بھی باتوں سے، کسی کی باتوں سے نہیں پریشان ہونا۔ آپ ابھی ثانیہ میں ہیں، ابھی ترکیب آپ کی شروع ہوئی ہے۔

سبق نمبر ۹۵: مضارع کے نواصب (أَنْ، لَنْ، كَيْ، إِذَنْ) اور جواہرِ اضمارِ « أَنْ » کے سات مقامات

ہدایۃ النحو صفحہ: ۸۷—بتاریخ: ۷ مارچ ۲۰۱۶ء

▪ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

وَتُقَدَّرُ أَنْ فِي سَبْعَةِ مَوَاضِعَ: بَعْدَ حَتَّى نَحْوُ أَسْلَمْتُ حَتَّى أَدْخُلَ الْجَنَّةَ، وَلَامِ كَيْ نَحْوُ قَامَ زَيْدٌ لِيَذْهَبَ، وَلَامِ الْجَحْدِ نَحْوُ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ، وَالْفَاءِ الْوَاقِعَةِ فِي جَوَابِ الْأَمْرِ، وَالنَّهْيِ، وَالِاسْتِفْهَامِ، وَالنَّفْيِ، وَالتَّمَنِّي، وَالْعَرْضِ.

مصنف نے آپ کو بتلایا کہ فعل مضارع کا اعراب تین قسم پر ہے: رفع، نصب اور جزم۔ اور پھر انہوں نے بتلایا رفع کب آئے گا؟ جب فعل مضارع خالی ہو عاملِ ناصب سے اور عاملِ جازم سے تو وہ مرفوع ہو گا۔ اس کے بعد یہ ذکر شروع کیا کہ منصوب کب ہو گا؟ تو بتلایا کہ فعل مضارع جو ہے منصوب ہو گا ان پانچ عاملوں کی وجہ سے: « أَنْ »، « لَنْ »، « كَيْ »، « إِذَنْ » اور « أَنْ » مقدرہ۔ باقی سب کی مثالیں گزر گئیں، « أَنْ » مقدرہ کا بیان باقی تھا، آج وہ ذکر کر رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں « وَتُقَدَّرُ أَنْ فِي سَبْعَةِ مَوَاضِعَ »، اور « أَنْ » مقدر ہوتا ہے سات جگہوں میں۔ « أَنْ » مقدر ہوتا ہے سات جگہوں میں بھائی۔ یہ وہی « أَنْ » ہے بھائی۔ ایک پہلے « أَنْ » آیا اور اب یہ « أَنْ » مقدرہ۔ لیکن چونکہ یہ مقدر ہوتا ہے اس لیے اس کو باقاعدہ آسانی اور وضاحت کے لیے الگ قسم شمار کر لیا اگرچہ یہ وہی « أَنْ » ہے۔ لیکن یہ چونکہ لفظوں میں ذکر نہیں ہوتا اس لیے الگ قسم شمار کیا۔ تو کہتے ہیں « وَتُقَدَّرُ أَنْ فِي سَبْعَةِ مَوَاضِعَ »، اور « أَنْ » مقدر ہوتا ہے سات جگہوں میں۔

« بَعْدَ حَتَّى »، « حَتَّى » کے بعد۔ نَحْوُ « أَسْلَمْتُ حَتَّى أَدْخُلَ الْجَنَّةَ »، « أَسْلَمْتُ » میں اسلام لایا « حَتَّى أَدْخُلَ الْجَنَّةَ » تاکہ میں داخل ہو جاؤں جنت میں۔ تو دیکھو « أَدْخُلُ »، تو « أَدْخُلُ » کو تو مرفوع ہونا چاہیے تھا لیکن اس پر « حَتَّى » داخل ہوا اور « حَتَّى » کے بعد کیا مقدر ہوتا ہے؟ « أَنْ » مقدر ہوتا ہے اور « أَنْ » نصب دیتا ہے تو « حَتَّى أَدْخُلَ الْجَنَّةَ »، دیکھا یہ نصب آ گیا۔

▪ قولہ: « وَلَامِ كَيْ » کی تشریح

« وَلَامِ كَيْ »، اسی طرح لامِ « كَيْ »۔ بھائی « كَيْ » سببیت بیان کرنے کے لیے آتا ہے کہ ماقبل مابعد کا سبب ہے۔ جیسے گزشتہ سبق میں مثال گزری تھی « أَسْلَمْتُ كَيْ أَدْخُلَ الْجَنَّةَ »، میں اسلام لایا تاکہ میں جنت میں داخل۔ تو وہ تو « كَيْ »، « كَيْ » خود نصب دیتا ہے۔ اسی طرح ایک لام بھی آتا ہے جو وہ بھی سببیت بیان کرتا ہے، تو وہ « كَيْ » کے معنی میں ہوا تو اسے لامِ « كَيْ » کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ لامِ « كَيْ »، اور لامِ « كَيْ » کے

بعد بھی « أَنْ » مقدر ہوتا ہے، لہٰذا اس کے آگے جو فعل مضارع آئے گا وہ منصوب ہو گا۔ جیسے نَحْوُ « قَامَ زَيْدٌ لِيَذْهَبَ »، زید کھڑا ہوا تاکہ وہ جائے، أَيْ « لِأَنْ يَذْهَبَ »، دیکھا؟ یہ « يَذْهَبُ » فعل مضارع مرفوع ہو تو کیا ہو گا؟ « يَذْهَبُ »، لیکن « أَنْ » مقدر ہے اس نے نصب دیا تو کیسے پڑھیں گے؟ « لِيَذْهَبَ »، زید کھڑا ہوا تاکہ وہ جائے بھائی۔ تو دیکھو زید کا کھڑا ہونا اور اٹھنا سبب ہے جانے کے لیے۔

« وَلَامِ الْجَحْدِ »، اور اسی طرح لامِ جحد ہے بھائی۔ جحد انکار کو کہتے ہیں۔ لامِ جحد وہ ہے جو « كَانَ » منفی کی خبر پر داخل ہو نفی کی تاکید کے لیے۔ کسے کہتے ہیں؟ لامِ جحد، جو « كَانَ » منفی، یعنی « كَانَ » بھی منفی ہونا چاہیے، یعنی اس پر حرفِ نفی داخل ہو، جیسے اگلی مثال میں آرہا ہے « مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ »۔ دیکھو « مَا كَانَ »، یہ « مَا » کیا ہے؟ حرفِ نفی۔ اور آگے آرہا ہے « لِيُعَذِّبَهُمْ »، یہ ہے لامِ جحد بھائی۔ اور اس کے بعد « أَنْ » مقدر ہے، اسی لیے « لِيُعَذِّبَ »، باپر آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ نصب پڑھ رہے ہیں بھائی۔ تو لامِ جحد کسے کہتے ہیں؟ وہ لام جو « كَانَ » منفی کے بعد نفی کی تاکید کے لیے آئے۔ وہ جو نفی آرہی ہے جملے کے اندر اس نفی کی تاکید، یعنی اس میں اور زور پیدا کرے۔ تو کہتے ہیں « مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ »، اور اللہ ان کو عذاب دینے والے نہیں تھے۔

« وَالْفَاءِ الْوَاقِعَةِ فِي جَوَابِ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ »، اور اسی طرح وہ فاء جو واقع ہو بھائی چھ چیزوں کے جواب میں، اس کے بعد بھی « أَنْ » مقدر ہو گا۔ وہ چھ چیزیں کون سی ہیں؟ امر ہے، نہی ہے، استفہام ہے، نفی ہے، تمنا ہے اور عرض ہے بھائی، عرض۔ تو اس کے بعد بھی « أَنْ » مقدر ہو گا۔ تو کہتے ہیں « وَالْفَاءِ الْوَاقِعَةِ فِي جَوَابِ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ »، اور وہ فاء جو واقع ہو امر کے جواب میں، اور اسی طرح نہی کے جواب میں، اور استفہام کے جواب میں، اور نفی کے جواب میں، « وَالتَّمَنِّي وَالْعَرْضِ »، اور تمنی کے جواب میں، اور عرض کے جواب میں۔

آگے سب کی مثالیں ذکر کر رہے ہیں۔ نَحْوُ مثال کے طور پر « أَسْلِمْ »، دیکھا « أَسْلِمْ » امر آیا، امر۔ آگے « فَتَسْلَمَ »، یہ جوابِ امر ہے بھائی۔ امر ہے اور اس کے بعد کیا ہے؟ جوابِ امر ہے اور جوابِ امر اس پر فاء داخل ہو گئی۔ تو اس فاء کے بعد « أَنْ » مقدر ہوتا ہے، اسی لیے « فَتَسْلَمَ »، « فَتَسْلَمَ » کے بجائے کیا پڑھ رہے ہیں آپ؟ « فَتَسْلَمَ »۔ « أَسْلِمْ » تو اسلام لے آ، « فَتَسْلَمَ » تو تو سلامت رہے گا۔ تو اسلام لے آ تو تو سلامت رہے گا۔ تو یہ فاء آئی کس کے جواب میں؟ امر کے جواب میں۔ « أَسْلِمْ » امر ہے بھائی۔

آگے نہی کی مثال: « وَلَا تَعْصِ »، اور تو نافرمانی نہ کر، « فَتُعَذَّبَ »، دیکھا فاء کے بعد « أَنْ » مقدر ہے، اسی لیے « تُعَذَّبَ »، باپر آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ نصب پڑھ رہے ہیں۔ « فَتُعَذَّبَ »، اور تو نافرمانی نہ کر، تجھے عذاب دیا جائے گا۔ « وَلَا تَعْصِ »، یہ دیکھو نہی ہے، منع کیا جا رہا ہے۔ تو نافرمانی نہ کر، تجھے عذاب دیا جائے گا۔

▪ قولہ: « وَهَلْ تَعْلَمُ فَتَنْجُوَ » کی تشریح

« وَهَلْ تَعْلَمُ فَتَنْجُوَ »، « هَلْ تَعْلَمُ » کیا تو تعلیم حاصل کرے گا، « فَتَنْجُوَ » تو تو نجات پا جائے گا۔ تو تعلیم حاصل کرے گا تو تو نجات پا جائے گا، پس تو نجات پا جائے گا۔ تو « فَتَنْجُوَ »، دیکھا آپ واؤ پر کیا پڑھ رہے ہیں؟ یہ زبر پڑھ رہے ہیں، یہ فعل مضارع منصوب ہے کیونکہ فاء آئی کس کے جواب میں؟ استفہام کے جواب میں۔

اسی طرح « وَمَا تَزُورُنَا فَنُكْرِمَكَ »، « وَمَا تَزُورُنَا » یہ نفی کی مثال آگئی، نفی۔ « مَا تَزُورُنَا » آپ ہماری زیارت نہیں کرتے، « فَنُكْرِمَكَ » تو ہم آپ کا اکرام کریں گے۔ آپ ہماری زیارت نہیں کرتے تو ہم پھر ہم آپ کا اکرام، یعنی اگر زیارت کریں گے ہم آپ کا اکرام کریں گے۔ « مَا تَزُورُنَا » آپ ہماری زیارت نہیں کرتے، « فَنُكْرِمَكَ » پس ہم آپ کا اکرام کریں گے۔

« وَلَيْتَ لِي مَالًا فَأُنْفِقَهُ »، یہ تمنی کی مثال ہے۔ « وَلَيْتَ لِي مَالًا » کاش کہ میرے پاس مال ہوتا، « فَأُنْفِقَهُ » تو میں اس کو خرچ کرتا۔ تو دیکھو « أُنْفِقَ »، یہ فعل مضارع پر آپ نصب پڑھ رہے ہیں، یہ کیا ہے؟ فاء کے بعد « أَنْ » مقدر ہے۔

آگے عرض کی مثال ہے: « وَأَلَا تَنْزِلُ بِنَا فَتُصِيبَ خَيْرًا »۔ عرض کہتے ہیں درخواست کرنا، درخواست کرنا، کسی سے گزارش کرنا۔ « أَلَا تَنْزِلُ بِنَا » کہ آپ ہمارے پاس نازل نہیں ہوتے، یعنی کیا آپ ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے، « فَتُصِيبَ خَيْرًا » تو آپ کو خیر پہنچتی، یعنی آپ کو خیر ملتی۔ آپ ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے؟ کسی سے درخواست کر رہے ہیں، یعنی آپ ہمارے پاس تشریف لائیں۔ « أَلَا تَنْزِلُ بِنَا » کیا آپ ہمارے پاس تشریف

نہیں لاتے، « فَتُصِيبَ خَيْرًا » تو پھر آپ کو خیر پہنچتی بھائی۔ تو دیکھا « فَتُصِيبَ »، یہ فاء آئی بھائی، کس کے جواب میں آئی؟ عرض کے جواب میں۔ لہٰذا اس کے بعد « أَنْ » مقدر ہے تو « فَتُصِيبَ » فعل مضارع پر آپ نصب پڑھ رہے ہیں بھائی۔

▪ قولہ: «وَبَعْدَ الْوَاوِ الْوَاقِعَةِ فِي جَوَابِ هَذِهِ...» کی تشریح

« وَبَعْدَ الْوَاوِ الْوَاقِعَةِ فِي جَوَابِ هَذِهِ الْمَوَاضِعِ كَذَلِكَ »، اور اسی طرح واؤ کے بعد بھی، وہ واؤ جو واقع ہو « فِي جَوَابِ هَذِهِ الْمَوَاضِعِ » انہی جگہوں کے جواب میں، « كَذَلِكَ » اسی طرح۔ یاد رکھیے، یہ جس طرح کہ چھ چیزوں کے جواب میں فاء آئی تھی، اسی فاء کی جگہ اگر واؤ آجائے تو بھی وہاں « أَنْ » مقدر ہو گا۔ سب یہی سب مثالیں آپ بنا سکتے ہیں۔ دوبارہ دیکھیے یہ مثالیں: « أَسْلِمْ فَتَسْلَمَ »، یہ فاء کی جگہ واؤ لے آؤ، « أَسْلِمْ وَتَسْلَمَ »، « وَلَا تَعْصِ وَتُعَذَّبَ »، « وَهَلْ تَعْلَمُ وَتَنْجُوَ »، « وَمَا تَزُورُنَا وَنُكْرِمَكَ »، « وَلَيْتَ لِي مَالًا وَأُنْفِقَهُ »، « وَأَلَا تَنْزِلُ بِنَا وَتُصِيبَ خَيْرًا »۔ تو انہی چھ چیزوں کے جواب میں جب واؤ آئے تو اس کے بعد بھی کیا مقدر؟ « أَنْ » مقدر ہے بھائی، « أَنْ » مقدر ہے۔

تو کہتے ہیں « وَبَعْدَ الْوَاوِ الْوَاقِعَةِ فِي جَوَابِ هَذِهِ الْمَوَاضِعِ كَذَلِكَ »، اور وہ واؤ جو واقع ہو ان چھ چیزوں کے جواب میں « كَذَلِكَ »، اس میں بھی اسی طرح یہ « أَنْ » مقدر ہو گا۔

نَحْوُ « أَسْلِمْ وَتَسْلَمَ » إِلَى آخِرِهِ، اسلام لے آ اور تو سلامت رہے گا، « إِلَى آخِرِهِ » آخر تک بھائی۔ یعنی آخر تک اسی طرح آپ خود مثالیں بنا لیجیے۔

تو یہ چھ چیزیں جو ہیں بھائی یہ آپ کو یاد ہونی چاہییں بھائی۔ یہ جگہ جگہ کام آئیں گی آپ کو، آپ قرآن میں مثلاً تلاوت کر رہے ہیں کہیں پر نصب وغیرہ آئے گا آپ حیران ہوں گے کہ یہ نصب کیوں آرہا ہے، یہاں تو کوئی « أَنْ » وغیرہ بھی نہیں، آپ غور کریں گے تو وہ انہی چھ جگہوں میں سے کوئی ایک جگہ عموماً ہو گی بھائی۔ اور مثلاً وہ کیا کیا ہیں؟ امر ہے، وہ چھ چیزیں کیا ہیں؟ امر ہے، نہی ہے، استفہام ہے، نفی ہے، تمنی ہے اور عرض ہے بھائی، عرض ہے۔ اور ان کے بعد « أَنْ » مقدر ہوتا ہے جب ان چھ چیزوں کے جواب میں فاء یا واؤ آجائے، تو اس فاء یا واؤ کے بعد « أَنْ » مقدر ہو گا۔

وجہ اس کی یہ، وجہ اس کی یہ کہ یہ جو چھ چیزیں ہیں ان میں سے ایک نفی کو نکال دیں، باقی جو پانچ چیزیں ہیں، یعنی امر، یہ سب انشا ہیں، یہ سب انشا ہیں۔ دیکھو امر، یہ بھی کیا ہے؟ انشا۔ نہی بھی کیا ہے؟ انشا۔ استفہام بھی انشا، اور تمنی بھی انشا، اور عرض بھی کیا ہے؟ انشا ہے بھائی، انشا ہے۔ یہ چھ چیزیں انشا ہیں۔ اور مابعد جو ہے فعل مضارع جو آرہا ہے وہ خبر ہے، خبر ہے۔ اور انشا اور خبر دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، جو انشا ہے وہ خبر نہیں، جو خبر ہے وہ انشا نہیں۔ کلام ایک وقت میں یا انشا ہو گا یا خبر ہو گا، دونوں جمع نہیں ہو سکتے، دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور یہ فاء اور واؤ تو آتے ہیں عطف کے لیے۔ تو گویا مابعد میں ہے خبر، اس کا عطف ہو رہا ہے کس پر؟ ماقبل میں انشا ہے، انشا پر، اور حالانکہ یہ جائز نہیں۔ خبر پر انشا کا عطف نہیں ہو سکتا اور انشا پر خبر کا عطف نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھیے عطف کے لیے مناسبت ضروری ہے دو چیزوں کے اندر۔ دونوں جملوں میں کیا ضروری ہے؟ یعنی ماقبل میں اگر انشا ہے تو مابعد میں بھی انشا ہونا چاہیے، اسی طرح ماقبل میں اگر خبر ہے تو مابعد میں بھی خبر ہونی چاہیے، پھر ہی عطف صحیح ہو گا۔

اور نیز، نیز عطف کے لیے مناسبت ضروری ہے، مسند میں بھی مناسبت ضروری اور مسند الیہ میں بھی مناسبت ضروری، بغیر مناسبت کے عطف نہیں کریں گے۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں « قَامَ زَيْدٌ وَجَلَسَ عَمْرٌو »، دیکھو میں نے « جَلَسَ عَمْرٌو » کا عطف کیا کس پر؟ « قَامَ زَيْدٌ » پر۔ « قَامَ زَيْدٌ » بھی جملہ خبریہ اور « جَلَسَ عَمْرٌو » یہ بھی کیا ہے؟ جملہ خبریہ۔ تو خبر کا عطف کس پر ہوتا ہے؟ خبر پر عطف ہوتا ہے، اور انشا کا عطف انشا پر ہوتا ہے۔ نیز صرف خبر اور انشا ہونے میں مناسبت کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ دونوں کے مسند میں بھی مناسبت ہو اور دونوں کے مسند الیہ میں بھی کیا ہو؟ مناسبت۔ جیسے دیکھو یہاں پہلا جملہ کیا ہے « قَامَ زَيْدٌ »، مسند کیا؟ « قَامَ »، قیام ذکر ہو رہا ہے۔ اور دوسرے میں « جَلَسَ عَمْرٌو »، اس میں کیا ذکر ہو رہا ہے؟ جلوس۔ قیام کا معنی کھڑے ہونا، جلوس کا معنی بیٹھنا۔ دیکھا دونوں میں مناسبت ہے بھائی، قیام اور جلوس کیا ہیں؟ ایک دوسرے کے ساتھ مناسب ہیں، کھڑے ہونا اور بیٹھنا بھائی۔ اور اسی طرح دونوں کے جو مسند الیہ ہیں ان میں بھی مناسبت ضروری ہے۔ مثلاً ایک کا مسند الیہ ہے زید، دوسرے کا مسند الیہ ہے عمرو، ان میں بھی مناسبت ضروری ہے کہ زید اور عمرو مثلاً دونوں بھائی ہیں یا دونوں دوست ہیں یا ان دونوں کا کوئی تعلق ہے، کوئی نہ کوئی تعلق ہو گا پھر ہی آپ کہیں گے « قَامَ زَيْدٌ وَجَلَسَ عَمْرٌو »، اگر کوئی تعلق نہیں تو پھر عطف بھی نہیں کر سکتے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو دونوں بھائی ہیں یا دوست ہیں یا اکٹھے سفر کر رہے ہیں یا کوئی اس طرح کی کوئی نہ کوئی ربط اور تعلق ضرور ہو گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

لہٰذا یہاں پر یہ فاء اور واوٗ آئے اور عطف کیا جارہا ہے ایک نوعِ کلام کو دوسرے نوعِ کلام پر فاء اور واوٗ کے ذریعے اور یہ تو جائز نہیں ہے، ابھی میں نے بتایا جس میں تو مناسبت ضروری ہے۔ ماقبل میں اگر انشا ہے تو فاء اور واوٗ کے بعد بھی انشا ہونا چاہیے پھر ہی عطف جائز ہوگا۔ تو پھر اس وجہ سے یہاں پر فاء اور واوٗ کے بعد « أَنْ » مقدر ہوتا ہے، اور آپ جانتے ہیں « أَنْ » جب فعل پر داخل ہوتا ہے تو اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے، یعنی مفرد کے معنی میں کر دیتا ہے۔ کس معنی میں؟ مفرد کے معنی میں۔ تو یہ مفرد کے معنی میں ہوگئے اور اسی طرح ماقبل والا جو انشا ہے وہ بھی اس میں بھی وہ بھی مفرد کی تاویل، اس میں بھی تاویل کر کے اسے مفرد بنالیا جاتا ہے اور اس طرح مفرد کا مفرد پر عطف ہو جاتا ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا ایک چھوٹی سی بات رہ گئی کہ وہ فاء اور واوٗ جو چھ چیزوں کے جواب میں آئیں ان کے بعد « أَنْ » مقدر ہوگا۔ تو باقی سب جگہ تو بات ٹھیک ہے، ماقبل میں انشا ہے اور مابعد میں کیا ہے؟ خبر۔ لیکن نفی، نفی تو انشا نہیں ہے۔ نفی اور نہی میں فرق پتہ ہے؟ نہی میں حکم ہوتا ہے، نفی میں ویسے نفی کی جاتی ہے ایک چیز کی۔ میں کہتا ہوں « لَا تَضْرِبْ » پٹائی نہ کر، یہ ہے نہی، منع کیا جارہا ہے۔ اور ایک ہے « لَا تَضْرِبُ » آپ پٹائی نہیں کر رہے، یہ ویسے خبر دی جارہی ہے۔ تو یہ ہے نفی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو سوال یہ کہ باقی چیزیں تو ٹھیک ہیں انشا ہیں، لیکن نفی وہ تو انشا نہیں ہے، تو پھر وہاں پر فاء اور واوٗ کے بعد « أَنْ » مقدر کیوں ہوگا؟ وہاں تو ماقبل بھی جملہ خبر یہ اور مابعد بھی جملہ خبر یہ۔ تو جواب یہ کہ نفی جو ہے وہ نہی پر محمول ہے۔ نفی کی صورت جو ہے کس کی طرح ہوتی ہے؟ نہی جیسی ہی صورت ہوتی ہے تقریباً۔ تو لہٰذا جب نہی کے اندر « أَنْ » مقدر تھا تو نفی میں بھی « أَنْ » مقدر ہوگا۔

یہاں تک مثالیں اچھی طرح سمجھ میں آگئیں؟ معنی بھی ہر ایک کا سمجھ میں آگیا؟

▪ قولہ: «وَبَعْدَ أَوْ بِمَعْنَى إِلَى أَنْ أَوْ إِلَّا أَنْ» کی تشریح

« وَبَعْدَ أَوْ بِمَعْنَى إِلَى أَنْ أَوْ إِلَّا أَنْ »، اور « أَنْ » مقدر ہوتا ہے « بَعْدَ أَوْ »، کس کے بعد؟ « أَوْ » کے بعد، وہ « أَوْ » « بِمَعْنَى إِلَى أَنْ أَوْ إِلَّا أَنْ » جو « إِلَى أَنْ » یا « إِلَّا أَنْ » کے معنی میں ہو، اس « أَوْ » کے بعد بھی « أَنْ » مقدر ہوتا ہے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: « لَأَحْبِسَنَّكَ أَوْ تُعْطِيَنِي حَقِّي »، دیکھا یہ « أَوْ » یہ « إِلَى أَنْ » یا « إِلَّا أَنْ » کے معنی میں ہے اس لیے « تُعْطِيَ »، دیکھو یا پر کیا پڑھ رہے ہیں؟ نصب آپ پڑھ رہے ہیں بھائی، تو « تُعْطِيَ » منصوب ہے۔ « لَأَحْبِسَنَّكَ أَوْ تُعْطِيَنِي حَقِّي »، « لَأَحْبِسَنَّكَ » دیکھو لام تاکید کے لیے ہے اور آخر میں نون ثقیلہ بھی تاکید کے لیے، « لَأَحْبِسَنَّكَ » میں ضرور بالضرور آپ کو قید میں ڈالوں گا، « أَوْ تُعْطِيَنِي حَقِّي » أَيْ « إِلَى أَنْ تُعْطِيَنِي حَقِّي » یہاں تک کہ آپ دے دیں مجھے « حَقِّي » میرا حق۔ میں آپ کو ضرور قید میں ڈالوں گا یہاں تک کہ آپ مجھے اپنا حق دے دیں بھائی۔ تو یہ « أَوْ »، « إِلَى أَنْ » کے معنی میں ہے، یہاں تک کہ، میں آپ کو جیل میں ڈالوں گا یہاں تک کہ آپ مجھے اپنا حق دے دیں۔ یا یہ « إِلَّا أَنْ » کے معنی میں ہے، میں آپ کو ضرور جیل میں ڈالوں گا « إِلَّا أَنْ » مگر یہ کہ آپ مجھے میرا حق دے دیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھائی اس لیے یہ « إِلَى أَنْ » یا « إِلَّا أَنْ » کو ذکر کیا کہ علماء کے دو گروہ ہیں بھائی۔ جمہور نحویوں کے نزدیک یہ « أَوْ »، « إِلَى أَنْ » کے معنی میں ہے جبکہ امام سیبویہ رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک یہ « أَوْ »، « إِلَّا أَنْ » کے معنی میں ہے۔ تو دونوں کو ذکر کر دیا بھائی۔ ایک طرف اگر جمہور نحوی ہیں تو دوسری طرف امام سیبویہ ہیں جن کی بات نحو میں پہاڑ کی طرح مضبوط سمجھی جاتی ہے، تو چونکہ وہ بھی بہت بڑے امام ہیں نحو کے اس لیے ان کے قول کو بھی ساتھ ذکر کر دیا بھائی۔ تو یہ « أَوْ » کس معنی میں ہے؟ جمہور نحویوں کے نزدیک « إِلَى أَنْ »، اور امام سیبویہ کے نزدیک « إِلَّا أَنْ » کے معنی میں ہے بھائی۔

« وَوَاوِ الْعَطْفِ »، اور واوِ عطف کے بعد بھی، « إِذَا كَانَ الْمَعْطُوفُ عَلَيْهِ اسْمًا صَرِيحًا » جبکہ معطوف علیہ صریح اسم ہو۔ بھائی ایک ہوتا ہے اسمِ صریح، « زَيْدٌ » یہ کیا ہے؟ صریح، یعنی صاف لفظوں میں جو اسم ہے: « زَيْدٌ »، « عَمْرٌو »، « بَكْرٌ »، یہ « كِتَابٌ »، « قَلَمٌ »، یہ سب کیا ہیں؟ اسم ہیں۔ اور ایک اسمِ مؤول ہوتا ہے۔ فعل پر جب « أَنْ » داخل ہو جائے وہ « أَنْ » اس کو کس معنی میں کر دیتا ہے؟ مصدر کے معنی میں، یعنی اسم بنا دیتا ہے لیکن وہ اسمِ صریح نہیں ہے بلکہ اسمِ مؤول ہے۔ کیا ہے؟ اسمِ مؤول، یعنی اس میں تاویل کی گئی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو میں نے ابھی آپ کو بتایا کہ عطف بغیر وجہ کے نہیں، عطف کے لیے مناسبت ضروری ہے۔ اگر ماقبل میں جملہ انشائیہ ہے تو یاد رکھیے جو ماقبل ہوتا ہے اسے کہتے ہیں معطوف علیہ، اس پر عطف کیا جارہا ہے۔ اور جو واوٗ اور فاء کے وغیرہ کے بعد ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں معطوف، یعنی اس کا عطف کیا جارہا ہے، اس کا عطف کیا جارہا ہے۔ تو اگر معطوف علیہ جملہ انشائیہ ہو تو معطوف کا بھی جملہ انشائیہ ہونا ضروری، اور معطوف علیہ اگر جملہ خبر یہ ہو تو معطوف کا بھی جملہ خبر یہ ہونا

ضروری ہے۔ اور نیز یہ بھی یاد رکھیے مفرد کا عطف مفرد پر ہوتا ہے اور جملے کا عطف جملے پر ہوتا ہے بھائی۔ لہٰذا اگر ما قبل میں ہے اسمِ صریح، یعنی معطوف علیہ کیا ہے؟ اسمِ صریح، ایک اسم ہے، واضح صاف اسم ہے۔ اور مابعد میں اگر فعل آیا، واؤ یا فاء کے بعد کیا ہے؟ فعل۔ اب فعل کا عطف تو اسم پر نہیں ہو سکتا کیونکہ اسم ہے مفرد اور فعل جو ہے وہ بنے گا جملہ اپنے فاعل وغیرہ سے مل کر، تو مفرد کا عطف مفرد پر ہوتا ہے جملے کا عطف مفرد پر نہیں، تو پھر یہاں اس واؤ کے بعد «أَنْ» مقدر ہو گا اور یہ «أَنْ» کیا کرے گا؟ اس فعل کو کس معنی میں کر دے گا؟ مصدر کے معنی میں کر دے گا، یعنی وہ اسمِ مؤول بن گیا۔ تو ما قبل میں ہے اسمِ صریح اور واؤ کے مابعد کیا ہوا؟ اسمِ مؤول۔ تو لہٰذا گویا اسم کا اسم پر کیا ہو جائے گا؟ عطف۔ تو ایسا واؤ جس سے ما قبل کیا ہو؟ یعنی یوں کہو، معطوف علیہ کیا ہو؟ اسمِ صریح، اور معطوف کون ہو؟ فعل ہو، تو وہاں پر کیا مقدر ہو گا؟ «أَنْ» مقدر ہو گا۔

یہی بات بیان کر رہے ہیں «وَوَاوِ الْعَطْفِ»، اور «أَنْ» مقدر ہو گا واوِ عطف کے بعد، «إِذَا كَانَ الْمَعْطُوفُ عَلَيْهِ اسْمًا صَرِيحًا» جبکہ معطوف علیہ صریح اسم ہو، یعنی واضح اسم ہو۔ نَحْوُ «أَعْجَبَنِي قِيَامُكَ وَتَخْرُجَ»، أَيْ «وَأَنْ تَخْرُجَ»، دیکھا؟ «تَخْرُجَ» پر نصب بتلا رہا ہے یہ واؤ کے واؤ کے بعد کیا مقدر ہے؟ «أَنْ» مقدر ہے۔ «أَعْجَبَنِي» مجھے تعجب میں ڈالا، کس چیز نے تعجب میں ڈالا؟ «قِيَامُكَ» یہ فاعل ہے اسی لیے مرفوع ہے۔ مجھے تعجب میں ڈالا «قِيَامُكَ» آپ کے کھڑے ہونے نے، «وَأَنْ تَخْرُجَ» اور آپ کے نکلنے نے۔ دیکھو «تَخْرُجَ» تو فعل ہے لیکن میں معنی مصدر والا کر رہا ہوں کیونکہ «أَنْ» مقدر ہے: «أَنْ تَخْرُجَ»، «أَنْ تَخْرُجَ»۔ «أَنْ تَخْرُجَ» سے مفرد بناؤ ذرا بھائی۔ وہی مضمونِ جملہ نکال لو۔ کیا کرو؟ مسند کا مصدر نکالو اور مسند الیہ کی مسند الیہ کی طرف اس کی اضافت کر دو۔ «أَنْ تَخْرُجَ»، «تَخْرُجَ» کا مصدر آئے گا خروج، اور مسند الیہ کون؟ «أَنْتَ» ضمیر ہے۔ «أَنْتَ» ضمیر یعنی مفرد مخاطب ہے۔ اس مفرد مخاطب کی طرف اس کی اضافت کر دو: «خُرُوجُكَ»، شاباش۔ «أَنْتَ» تو مرفوع ہے نا اور مضاف الیہ تو کیا ہوتا ہے؟ مجرور، تو وہ وہی ضمیر لے آؤ لیکن مجرور والی لے آؤ۔ تو گویا جملہ یوں ہو گیا «أَعْجَبَنِي قِيَامُكَ وَخُرُوجُكَ»، مجھے تعجب میں ڈالا آپ کے کھڑے ہونے نے اور آپ کے نکلنے نے۔ ترکیب سمجھ میں آ رہی ہے؟ جی ترکیب کیجیے بھائی: «أَعْجَبَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «قِيَامُ» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر، رفع، پوری بات کریں، اس کے رفع پر آپ کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں، جی۔ کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ آپ کو کیسے پتہ چلا «قِيَامُ» مضاف ہے اور کاف ضمیر مضاف الیہ؟ کیونکہ جس اسم کے ساتھ بھی کیا آ جائے؟ ضمیرِ متصل، وہ آپس میں مضاف مضاف الیہ بنتے ہیں۔ تو کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر؟ ہاں فاعل نہ بناؤ، فاعل تو ہے ٹھیک ہے لیکن آگے معطوف کو بھی جوڑنا ہے۔ ہاں تو «قِيَامُ» مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ بھائی، واؤ حرفِ عطف اور «تَخْرُجَ» فعل مضارع جس کے اندر «أَنْتَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر، بتاویلِ مصدر، «أَنْ» مقدرہ کی وجہ سے بتاویلِ مصدر یہ معطوف ہوا۔ معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر یہ فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

تو دیکھیے انہوں نے ذکر کیا تھا سات جگہیں ایسی ہیں جہاں پر «أَنْ» مقدر ہو گا، وہ سات جگہیں ذرا پھر دیکھ لیں، گنتے بھی جائیں بھائی: نمبر ایک: «حَتَّى» کے بعد۔ نمبر دو: لامِ «كَيْ» کے بعد۔ نمبر تین: لامِ جحد کے بعد۔ نمبر چار: وہ فاء جو چھ چیزوں کے جواب میں آئے۔ اور اسی طرح پانچویں جگہ: وہ واؤ جو چھ چیزوں کے جواب میں آئے۔ اور چھٹی جگہ: وہ «أَوْ» جو «إِلَى أَنْ» یا «إِلَّا أَنْ» کے معنی میں ہو۔ اور نیز اسی طرح وہ واوِ عطف جہاں پر معطوف علیہ اسمِ صریح ہو اور مابعد میں کیا آ رہا ہو؟ فعل آ رہا ہو۔ تو یہ سات جگہیں ہیں بھائی۔

آگے دیکھیے بھائی: «وَيَجُوزُ إِظْهَارُ أَنْ»۔ اچھا یہ تو وہ جگہیں تھیں جہاں «أَنْ» کا مقدر، ہاں «أَنْ» مقدر ہوتا ہے لفظوں میں ظاہر نہیں ہو گا، ہمیشہ کیا ہو گا؟ مقدر۔ اب وہ جگہ ذکر کرنے لگے ہیں جہاں پر «أَنْ» کا ظاہر کرنا بھی جائز ہے۔ «أَنْ» مقدر ہوتا ہے لیکن اس کو ظاہر کرنا بھی جائز، وہ کون سی جگہیں؟ تو کہتے ہیں «وَيَجُوزُ إِظْهَارُ أَنْ مَعَ لَامِ كَيْ»، اور جائز ہے «أَنْ» کو ظاہر کرنا «مَعَ لَامِ كَيْ» کس کے ساتھ؟ لامِ «كَيْ» کے ساتھ۔ نَحْوُ «أَسْلَمْتُ لِأَنْ أَدْخُلَ الْجَنَّةَ»۔ تو آپ دونوں طرح کہہ سکتے ہیں: «أَسْلَمْتُ لِأَدْخُلَ الْجَنَّةَ» اور «أَسْلَمْتُ لِأَنْ أَدْخُلَ الْجَنَّةَ»، میں اسلام لایا تاکہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ اسی طرح «وَمَعَ وَاوِ الْعَطْفِ»، واوِ عطف کے ساتھ بھی «أَنْ» مقدرہ کو ظاہر کرنا بھی جائز۔ نَحْوُ «أَعْجَبَنِي قِيَامُكَ وَأَنْ تَخْرُجَ»، دیکھا اب یہاں پر «أَنْ» کیا ہے؟ باقاعدہ لفظوں میں ذکر ہے۔

■ قولہ: «وَيَجِبُ إِظْهَارُ أَنْ» کی تشریح

«وَيَجِبُ إِظْهَارُ أَنْ»، اچھا، ایک صورت میں «أَنْ» کو ظاہر کرنا واجب ہے، یہ تو یہ تو وہ دو جگہیں ذکر ہوئیں نا جہاں «أَنْ» کو ظاہر کرنا جائز تھا،

حذف بھی کر سکتے تھے، ظاہر بھی کر سکتے تھے۔ اور اب وہ جگہ ذکر کر رہے ہیں جہاں « أَنْ » کو ظاہر کرنا واجب ہے۔ وہ کون سی جگہ؟ کہتے ہیں « وَيَجِبُ إِظْهَارُ أَنْ فِي لَامِ كَيْ إِذَا اتَّصَلَتْ بِلَا النَّافِيَةِ »، اور واجب ہے « أَنْ » کا ظاہر کرنا لامِ « كَيْ » میں « إِذَا اتَّصَلَتْ » جب وہ مل جائے « بِلَا النَّافِيَةِ » لائے نافیہ کے ساتھ۔ بھائی دیکھیے یہ لامِ « كَيْ » جو ہے کبھی کبھی لائے نفی پر داخل ہو جاتا ہے۔ لامِ « كَيْ » کس پر داخل ہوا؟ « لَا تَضْرِبْ »، یہ « لَا » کیا ہے؟ نفی والا، اسی پر کیا داخل ہو جائے؟ لامِ « كَيْ » داخل ہو جائے تو اب « أَنْ » کو لفظوں میں ظاہر کرنا واجب، اس لیے کیونکہ مابعد میں ہے مثلاً « لَا تَضْرِبْ » لام آرہا ہے لام آرہا ہے، اور ما قبل میں آپ اور اس پر آپ کس کو داخل کرنا چاہتے ہیں؟ لامِ « كَيْ »، تو دو لام جمع ہو جائیں گے اور دو لاموں کا جمع ہونا اس طرح پسندیدہ نہیں، تو لہٰذا اب وہ جو « أَنْ » مقدر تھا اس کو ظاہر کرنا واجب ہے۔ اور کیسے پڑھیں گے؟ « لِئَلَّا »، وہ پھر « لِأَنْ لَا »، پھر یہ نون نون ساکن آیا اور مابعد میں کیا ہے؟ لام، اور لام کس میں سے؟ حروفِ یرملون میں سے، لہٰذا اس نون کو بھی لام کر کے لام میں ادغام کیا تو کیسے پڑھیں گے؟ « لِئَلَّا »، « لِئَلَّا يَضْرِبَ »، صورت سمجھ میں آگئی؟ اور نیز پھر رسم الخط بھی خاص ہو گا، « أَنْ » کو « أَنْ » کی شکل میں نہیں لکھنا، دیکھیے کتاب میں: نَحْوُ « لِئَلَّا يَعْلَمَ »، « لِئَلَّا » دیکھا؟ لام کے ساتھ جو ہمزہ ہے اس کو دندانے پر لکھا بھائی اور اس کو ملا دیا اگلے « لَا » کے ساتھ اور وہ اگلا لام مشدد ہے، وہ جو نون ہے اس کا لام میں کیا ہو چکا؟ ادغام ہو چکا، تو لکھنا بھی اسی طرح ضروری ہے، رسم الخط بھی اس کا خاص ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں « وَيَجِبُ إِظْهَارُ أَنْ فِي لَامِ كَيْ إِذَا اتَّصَلَتْ بِلَا النَّافِيَةِ نَحْوُ لِئَلَّا يَعْلَمَ »۔

آگے دیکھیے بھائی: « وَاعْلَمْ أَنَّ «أَنْ» الْوَاقِعَةَ بَعْدَ الْعِلْمِ لَيْسَتْ هِيَ النَّاصِبَةَ لِلْفِعْلِ الْمُضَارِعِ، وَإِنَّمَا هِيَ الْمُخَفَّفَةُ مِنَ الْمُثَقَّلَةِ »۔ اب یاد رکھیے بھائی یہ جو « إِنَّ » اور « أَنَّ » ہیں، « إِنَّ » میں بھی نون مشدد، « أَنَّ » میں بھی کیا ہے؟ نون مشدد۔ تو کبھی کبھار اس نونِ مشدد میں تخفیف کرتے ہیں اور ایک ایک نون کو حذف کر لیتے ہیں، تو پھر اس صورت میں « إِنَّ » جو ہے اس کو « إِنْ » پڑھتے ہیں اور « أَنَّ » کو « أَنْ » پڑھتے ہیں۔ « إِنَّ » کو کیا پڑھتے ہیں؟ « إِنْ »۔ تو اس صورت میں « إِنَّ » کو « إِنْ » پڑھتے ہیں اور « أَنَّ » کو « أَنْ »، اور تو اس صورت میں ان کو کہتے ہیں مخففہ من المثقلہ، یعنی ان کو خفیف بنایا گیا ہے من المثقلہ، کس سے؟ مثقلہ سے، جو ثقیل تھا بھائی۔

اب آپ کو ایک قیمتی بات بتلانے لگے ہیں کہ بھائی یاد رکھیے کبھی کبھار لفظِ علم، یعنی مادۂ علم کے بعد « أَنْ » کا لفظ آئے گا، « أَنْ »۔ بھائی آپ جانتے ہیں « اِعْلَمْ » کے بعد « أَنَّ » پڑھتے ہیں ہمیشہ، جیسے یہاں پر آیا « وَاعْلَمْ أَنَّ »، تو یہ « أَنَّ » پڑھتے ہیں۔ تو « اِعْلَمْ » کے بعد بعض اوقات « أَنْ » آئے گا تو آپ یہ نہ سمجھنا کہ یہ « أَنْ » مصدریہ ہے بلکہ وہ دراصل « أَنْ » مخففہ من المثقلہ ہو گا، یعنی دراصل « أَنَّ » تھا اور پھر کیا بنا دیا گیا؟ « أَنْ » بنا دیا گیا۔ اور یہ بھی یاد رکھیے یہ جب « أَنَّ » مخففہ ہوتا ہے، یہ جو « أَنَّ » کو جب اس میں تخفیف کرتے ہیں اس کا ایک نون حذف کرتے ہیں تو اس کا اسم جو ہے وہ ضمیرِ شان ہوتی ہے اس کو بھی حذف کر لیتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ پر آیا « اِعْلَمْ أَنْ سَيَقُومُ »، مثلاً « اِعْلَمْ أَنْ سَيَقُومُ »، تو آپ سمجھ گئے کہ « اِعْلَمْ » عَلِمَ مادے کے بعد کیا آرہا ہے؟ « أَنْ »، یہ کیا ہے دراصل؟ اصل میں « أَنَّ » تھا اور نیز اس کا اسم ضمیرِ شان بھی محذوف ہے، تو اصل میں یوں تھا « اِعْلَمْ أَنَّهُ سَيَقُومُ »، تو جب نون میں « أَنَّ » میں تخفیف کی تو ہا جو ضمیرِ شان جو اس کا اسم تھا اس کو بھی کیا کر دیا؟ حذف۔ « أَنَّ » کیا چاہتا ہے؟ ایک اسم اور ایک خبر، تو اس کا اسم ضمیرِ شان کیا ہے؟ محذوف ہو گی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور نیز یہ بھی یاد رکھیے پھر اس صورت میں اس « أَنْ » جو مخففہ من المثقلہ ہے اس « أَنْ » میں اور آگے جو فعل آرہا ہے فعل مضارع، اس پر اس میں فاصلہ بھی کیا جائے گا، کبھی درمیان میں سین لے آئیں گے « أَنْ سَيَقُومُ »، کبھی سوف لے آئیں گے « أَنْ سَوْفَ يَقُومُ »، اور کبھی کبھار قد کے ذریعے فصل کیا جائے گا فعل میں اور « أَنْ » میں۔

اب دیکھیے بھائی کہتے ہیں « وَاعْلَمْ أَنَّ «أَنْ» الْوَاقِعَةَ بَعْدَ الْعِلْمِ »، جان لے « أَنَّ «أَنْ» الْوَاقِعَةَ »، یہ « أَنْ » جو ہے نا اس سے لفظِ « أَنْ » مراد ہے، جان لے کہ « أَنْ » کا لفظ وہ لفظ جو واقع ہو « بَعْدَ الْعِلْمِ » کس کے بعد؟ علم کے بعد، یعنی مادۂ علم: عین، لام، میم۔ اور یہ بھی یاد رکھیے مادۂ علم سے صرف یہاں مادۂ علم ہی نہیں مراد بلکہ وہ تمام افعال مراد ہیں جو یقین پر دلالت کرتے ہیں۔ کس پر دلالت کرتے ہیں؟ یقین پر دلالت کرتے ہیں۔ بھائی علم جو ہے نا آگے اس کا باقاعدہ اس کے فصل بھی آنے والی ہے، ان کو یہ علم « عَلِمْتُ »، « عَلِمْتُ » میں نے جانا، یعنی میں نے یقین کیا، تو یہ یقین کے لیے آتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ یقین والے افعال مراد ہیں، یقین والے جتنے افعال ہیں ان کے بعد جو « أَنْ » آئے وہ « أَنْ » مخففہ من المثقلہ ہو گا، « أَنْ » مصدریہ نہیں ہو گا۔

تو کہتے ہیں « وَاعْلَمْ أَنَّ «أَنْ» الْوَاقِعَةَ بَعْدَ الْعِلْمِ لَيْسَتْ هِيَ النَّاصِبَةَ لِلْفِعْلِ الْمُضَارِعِ وَإِنَّمَا هِيَ الْمُخَفَّفَةُ مِنَ الْمُثَقَّلَةِ »، جان لے کہ وہ « أَنْ » جو واقع ہو علم کے بعد، یہ وہ « أَنْ » نہیں ہے جو نصب دے فعل مضارع کو، اور یہ تو مخففہ من المثقلہ ہی ہے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر:

«عَلِمْتُ أَنْ سَيَقُومُ»، دراصل یہ کیا تھا؟ «عَلِمْتُ أَنَّهُ سَيَقُومُ»، تو «أَنَّهُ» میں ہا ضمیر ضمیرِ شان وہ اس کا اسم اور «سَيَقُومُ» پورا جملہ اس کی خبر، اس «أَنَّ» کی۔ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى، قرآن میں فرماتے ہیں: «عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَى»، «عَلِمَ» اللہ جانتے ہیں «أَنْ سَيَكُونُ»، دیکھا «أَنْ سَيَكُونُ»، «سَيَكُونُ» پر رفع آرہا ہے، یہ رفع بتلا رہا ہے کہ یہ «أَنْ» ناصبہ نہیں ہے، اگر «أَنْ» مصدریہ ہوتا، ناصبہ ہوتا تو «سَيَكُونَ» ہونا چاہیے تھا، تو «عَلِمَ أَنَّهُ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَى»، «مَرْضَى» جمع ہے مریض کی، اللہ جانتے ہیں کہ تم میں سے عنقریب کچھ لوگ بیمار ہوں گے۔

■ قولہ: «وَعَنِ الْوَاقِعَةِ بَعْدَ الظَّنِّ جَازَ فِيهِ ال...» کی تشریح

«وَعَنِ الْوَاقِعَةِ بَعْدَ الظَّنِّ جَازَ فِيهِ الْوَجْهَانِ»، اور وہ «أَنْ» جو واقع ہو ظن کے بعد، ظن کسے کہتے ہیں؟ غالب گمان۔ مثلاً آپ کا ایک چیز کے بارے، مثلاً آپ کا خیال ہے پتہ نہیں زید گیا ہے یا زید نہیں گیا، تو جو غالب خیال ہے اس کو ظن کہتے ہیں۔ مثلاً آپ کا زیادہ خیال یہ ہے کہ زید چلا گیا ہوگا تو اس کو کیا کہیں گے؟ ظن۔ تو ظن کے بعد اگر «أَنْ» آجائے تو کیا یہ کون سا «أَنْ» ہے؟ تو کہتے ہیں بھائی اس میں دونوں وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔ آپ چاہیں تو اس کو «أَنْ» مخففہ من الثقلہ بنالیں اور آگے فعل مضارع پر رفع پڑھیں، اور آپ چاہیں تو اس کو «أَنْ» مصدریہ بنالیں اور اس کے بعد فعل مضارع پر کیا پڑھ لیں؟ نصب۔

«وَعَنِ الْوَاقِعَةِ بَعْدَ الظَّنِّ جَازَ فِيهِ الْوَجْهَانِ»، اور وہ «أَنْ» جو ظن کے بعد واقع ہو، یاد رکھیے ظن سے مراد ظن جیسے صرف ظن ہی نہیں ہے بلکہ اس جیسے اور افعال بھی مراد ہیں جن میں غالب گمان ہو بھائی، یعنی جن میں یقین نہ ہو، جن میں کیا ہو؟ جن میں یقین نہ ہو وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ تو کہتے ہیں وہ «أَنْ» جو ظن کے بعد واقع ہو «جَازَ فِيهِ الْوَجْهَانِ» اس میں دونوں وجہیں پڑھنا جائز ہیں: «النَّصْبُ بِهَا» ایک تو نصب بھی جائز ہے اس «أَنْ» کی وجہ سے، اور دوسرا «وَأَنْ تَجْعَلَهَا كَالْوَاقِعَةِ بَعْدَ الْعِلْمِ»، اور یہ کہ آپ اس کو کر دیں اس «أَنْ» کی طرح جو علم کے بعد آیا تھا، اور علم کے بعد تو کون سا «أَنْ» تھا؟ مخففہ من الثقلہ، تو چاہے آپ اس کو اس کے بعد نصب پڑھیں، یعنی اس کو «أَنْ» مصدریہ بنائیں اور چاہے آپ اس کو اس «أَنْ» کی طرح کر دیں جو کس کے بعد تھا؟ علم کے بعد، اور علم کے بعد تو کون سا «أَنْ» تھا؟ تو چاہے یعنی آپ اس کو مخففہ من الثقلہ پڑھ دیں۔ نَحْوُ «ظَنَنْتُ أَنْ سَيَقُومُ»، دیکھا میں نے کون سا «أَنْ» پڑھا؟ «ظَنَنْتُ أَنْ سَيَقُومُ»، «أَنْ» مخففہ من الثقلہ، شاباش۔ اور «ظَنَنْتُ أَنْ سَيَقُومَ»، یہ کون سا «أَنْ» پڑھا؟ یہ «أَنْ» مصدریہ میں نے پڑھا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

بھائی کیا وجہ ہے کہ علم کے بعد «أَنْ» جو ہے وہ علم اور علم جیسے افعال جو یقین کے لیے آتے ہیں ان کے بعد جو «أَنْ» آئے وہ «أَنْ» مخففہ من الثقلہ ہوگا، «أَنْ» مصدریہ نہیں ہوگا، اس کی کیا وجہ؟ وجہ یہ، یاد رکھیے کہ «إِنَّ» اور «أَنَّ» آپ جانتے ہیں یہ یقین کے لیے آتے ہیں، کلام میں تاکید اور زور پیدا کرتے ہیں۔ اور یہ جو «أَنْ» مصدریہ ہے نا، یہ امید کے لیے آتا ہے، اور امید اور یقین ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ امید اور یقین کیا ہیں؟ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ آپ امید کا لفظ وہاں استعمال کرتے ہیں جہاں یقین نہیں ہوتا، مثلاً آپ کہتے ہیں: میں جاؤں گا، امید ہے زید میرے ساتھ مل لے گا، دیکھا؟ معلوم ہوا آپ کو یقین نہیں ہے۔ تو «أَنَّ» جو ہے وہ یقین کے لیے آتا ہے اور «أَنْ» جو ہے وہ امید کے لیے آتا ہے، اور فعلِ علم جو ہے وہ یقین کے لیے آتا ہے، تو لہٰذا اس کے ساتھ کس کی مناسبت ہے؟ «أَنَّ» اور «إِنَّ» کی مناسبت تو ہے، «أَنْ» کی مناسبت نہیں ہے، لہٰذا وہاں «أَنْ» نہیں ہوگا۔ اور جبکہ ظن، ظن کس کو کہتے ہیں؟ غالب گمان، اور جب غالب گمان ہے تو وہ یقین کے قریب ہوا، جب یقین کے قریب ہوا تو وہاں پر بھی «أَنْ» مخففہ من الثقلہ جائز۔ اور لیکن اگر دیکھا جائے تو ظن، ظن کے اندر یقین تو نہیں، جب یقین نہیں تو «أَنْ» مصدریہ پڑھنا بھی جائز۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ دیکھا جائے ظن کے اندر یقین نہیں، جب یقین نہیں تو پھر «أَنْ» پڑھنا، یعنی «أَنْ» مصدریہ پڑھنا جائز، اور دیکھا جائے تو یہ یقین کے قریب تو ہے کیونکہ غالب گمان ہے اور جب یقین کے قریب ہے تو یقین والا ہی، یعنی «أَنْ» مخففہ من الثقلہ یہاں بھی پڑھنا جائز بھائی۔ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۹۶: فصل المجزوم: جوازمِ مضارع، کلماتِ شرط و جزاء اور فاءِ جزائیہ کے قواعد

ہدایۃ النحو صفحہ: ۸۹—بتاریخ: ۷ مارچ ۲۰۱۶ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلْمَجْزُوْمُ عَامِلُهُ لَمْ، وَلَمَّا، وَلَامُ الْأَمْرِ، وَلَا فِي النَّهْيِ، وَكَلِمُ الْمُجَازَاةِ، وَهِيَ: إِنْ، وَمَهْمَا، وَإِذْمَا، وَحَيْثُمَا، وَأَيْنَ، وَمَتَى، وَمَا، وَمَنْ، وَأَيٌّ، وَأَنَّى، وَإِنِ الْمُقَدَّرَةُ، نَحْوُ: لَمْ يَضْرِبْ، وَلَمَّا يَضْرِبْ، وَلِيَضْرِبْ، وَلَا تَضْرِبْ، وَإِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ.

آج مصنف وہ عوامل بیان کریں گے جو فعل مضارع کو جزم دیتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: «اَلْمَجْزُوْمُ عَامِلُهُ لَمْ وَلَمَّا» کہ وہ فعل مضارع جو مجزوم ہوتا ہے اس کا عامل جو ہے «لَمْ» ہے اور «لَمَّا» ہے، «وَلَامُ الْأَمْرِ» اور لامِ امر ہے، «وَلَا فِي النَّهْيِ» اور لائے نہی ہے، «وَكَلِمُ الْمُجَازَاةِ» اور کلمِ مجازات ہیں بھائی۔

کلمِ مجازات وہ کلمات جو شرط اور جزا پر داخل ہوتے ہیں بھائی، شرط اور جزا۔ «كَلِمُ» جمع ہے «كَلِمَةٌ» کی، تو اس کو «كَلِمُ» سے تعبیر کیا اس لیے کیونکہ ان میں سے کچھ حروف ہیں اور کچھ اسماء ہیں۔ تو جب «كَلِمُ» کہا تو اس میں دونوں داخل ہو گئے، چاہے اسم ہو چاہے حرف ہو وہ سب کیا ہیں، کلمات ہیں بھائی۔

تو کہتے ہیں اور کلمِ مجازات ہیں: «وَهِيَ إِنْ» بھائی وہ کلمِ مجازات کیا ہیں، وہ بھی اب بیان کرنے لگے ہیں، کہتے ہیں «إِنْ» ہے، «وَمَهْمَا»، «وَإِذْمَا»، «وَحَيْثُمَا»، اور اسی طرح «أَيْنَ» ہے اور «مَتَى» ہے اور «مَا» ہے، «مَنْ» ہے، «أَيٌّ» ہے، «أَنَّى» ہے، اور «إِنِ الْمُقَدَّرَةُ» ہے بھائی۔ ایک «إِنْ» لفظوں میں آتا ہے اور ایک «إِنْ» کیا ہو گا، مقدر ہو گا تو اس کو الگ شمار کر لیا بھائی۔

«نَحْوُ» مثال کے طور پر: «لَمْ يَضْرِبْ» دیکھا، «لَمْ» نے فعل مضارع کو جزم دیا۔ «لَمْ يَضْرِبْ»، «وَلَمَّا يَضْرِبْ»، «لَمَّا» نے بھی کیا کیا، فعل مضارع کو جزم دیا بھائی، ورنہ تو «يَضْرِبُ» ہونا چاہیے تھا۔ اور اسی طرح لامِ امر ہے: «لِيَضْرِبْ»، «وَلَا تَضْرِبْ» یہ نہی ہے بھائی «لَا تَضْرِبْ»، «وَإِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ» یہ کلمِ مجازات میں سے ہے، «إِنْ» جو ہے شرط اور جزا پر داخل ہوتا ہے۔ «إِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ» اگر تو پٹائی کرے گا «أَضْرِبْ» تو میں بھی پٹائی کروں گا۔ تو دیکھو «إِنْ» نے شرط «تَضْرِبْ» کو بھی جزم دیا اور «أَضْرِبْ» جو جزا ہے اس کو بھی جزم دیا۔

«إلخ» یا «إِلَى آخِرِهِ» یہ آخر میں الف اور ہا لکھا ہوا ہے بھائی: اھ، اھ۔ یہ یاد رکھیے مخفف ہے «إِلَى آخِرِهِ» سے، یعنی آخر تک آپ مثالیں بنا لیجیے۔ ہم نے تو کچھ مثالیں دے دیں، باقی آپ آخر تک کیا کر لیجیے، مثالیں بنا لیجیے۔ تو یہ «اھ» مخفف ہے «إِلَى آخِرِهِ» سے یعنی آخر تک۔ یا اسی طرح یہ بعض جگہ مخفف استعمال ہوتا ہے «انْتَهَى» سے۔ جب کوئی بات ختم ہو جائے، کوئی حوالہ وغیرہ ذکر کیا جائے اور وہ بات پوری ہو جائے تو آخر میں «اھ» لکھ دیا جاتا ہے، یعنی کیا معنی؟ «انْتَهَى» یعنی بات پوری ہو گئی، حوالہ کیا ہوا، پورا ہو گیا۔ تو یہ مختصر کرنے کے لیے بار بار ایک چیز کو لکھنے کے بجائے اس کو مختصر چھوٹا لکھ دیا جاتا ہے بھائی۔

■ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّ لَمْ تَقْلِبُ الْمُضَارِعَ مَاضِيَ...» کی تشریح

«وَاعْلَمْ أَنَّ لَمْ تَقْلِبُ الْمُضَارِعَ مَاضِيًا مَنْفِيًّا» بھائی اب «لَمْ» اور «لَمَّا» کے درمیان فرق بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں «لَمْ» جو ہے نا، وہ فعل مضارع کو ماضی منفی بنا دیتا ہے۔ یعنی ایک اس میں نفی پیدا کرتا ہے اور نیز زمانہ بھی بدل دیتا ہے، اس کو ماضی کی طرف کر دیتا ہے۔ مثلاً: «يَضْرِبُ» کا معنی ہے پٹائی کرتا ہے یا کرے گا، حال یا استقبال۔ لیکن جب اس پر «لَمْ» داخل ہوا «لَمْ يَضْرِبْ» اب معنی ہے اس نے پٹائی نہیں کی، دیکھا زمانہ ماضی میں۔ تو «لَمْ» کیا کرتا ہے، نفی بھی پیدا کرتا ہے اور زمانہ بھی ماضی کی طرف بدل دیتا ہے۔

تو کہتے ہیں «وَاعْلَمْ» جان لے «أَنَّ لَمْ تَقْلِبُ الْمُضَارِعَ مَاضِيًا مَنْفِيًّا» کہ «لَمْ» جو ہے وہ پلٹ دیتا ہے مضارع کو ماضی منفی کی طرف۔ «وَلَمَّا كَذَلِكَ» اور «لَمَّا» بھی اسی طرح ہے، یعنی وہ بھی نفی بھی پیدا کرتا ہے اور ماضی کی طرف بھی بدل دیتا ہے۔ «إِلَّا أَنَّ فِيهَا تَوَقُّعًا بَعْدَهُ» «تَوَقُّعًا» یہ میں نے منصوب کیوں پڑھا؟ شاباش، یہ «أَنَّ» کا اسم ہے بھائی۔ «أَنَّ» کے بعد «فِيهَا» جار مجرور آیا اور میں نے بتلایا تھا کہ «إِنَّ»، «أَنَّ» اور «كَانَ» وغیرہ کے بعد جار مجرور آئیں تو وہ ان کی خبرِ مقدم ہوں گے، ان کا اسم نہیں، تو اسم اب بعد میں آیا اور «أَنَّ» کا اسم کیا ہوتا ہے منصوب، تو وہ منصوب ہے۔

تو کہتے ہیں «لَمَّا» بھی اسی طرح ہے «إِلَّا أَنَّ فِيهَا تَوَقُّعًا بَعْدَهُ» مگر یہ کہ اس کے اندر امید ہوتی ہے اس کے بعد «وَدَوَامًا قَبْلَهُ» اور دوام ہوتا ہے اس سے پہلے میں۔ بھائی دیکھیے فرق یہ ہے کہ «لَمْ» میں بھی ماضی میں ایک چیز کی نفی کر دی جاتی ہے: «لَمْ يَضْرِبْ زَيْدٌ» زید نے پٹائی نہیں کی، یعنی زمانہ ماضی میں۔ لیکن جب «لَمَّا» آپ لائیں «لَمَّا يَضْرِبْ زَيْدٌ» تو اس نے زمانہ ماضی میں سارے کو گھیر لیا اور نیز آگے امید ہے کہ شاید پٹائی کرے۔ تو «لَمَّا يَضْرِبْ» زید نے ابھی تک پٹائی نہیں کی، زید نے ابھی تک... یعنی جتنے وقت کے اندر احتمال تھا کہ اس میں اس نے پٹائی کی ہو گی، آپ اس سارے کا احاطہ کر لیتے ہیں، اس سارے میں پٹائی کی نفی کر دیتے ہیں۔ دیکھو پوری ماضی کی نفی کر دی: «لَمَّا يَضْرِبْ زَيْدٌ» زید نے ابھی تک پٹائی نہیں کی اور آگے امید ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یا جیسے آپ کہتے ہیں: «قَامَ الْأَمِيرُ وَلَمَّا يَرْكَبْ» کہ امیر المومنین کھڑے ہو گئے «وَلَمَّا يَرْكَبْ» ابھی تک سوار نہیں ہوئے۔ دیکھا؟ یعنی قیام کے بعد سے لے کر ابھی تک سوار نہیں، سارے ماضی کے اس میں نفی آگئی، البتہ آگے امید ہے کہ وہ کیا ہوں گے، سوار ہوں گے۔ تو «قَامَ الْأَمِيرُ» امیر المومنین کھڑے ہو گئے «وَلَمَّا يَرْكَبْ» اور ابھی تک سوار نہیں ہوئے۔

تو یہی بیان کر رہے ہیں کہ «وَلَمَّا كَذَلِكَ» «لَمَّا» بھی اسی طرح «لَمْ» کی طرح ہے «إِلَّا أَنَّ فِيهَا تَوَقُّعًا بَعْدَهُ» مگر یہ کہ اس میں توقع ہوتی ہے بعد میں، یعنی آنے والے زمانے میں، اس میں توقع ہوتی ہے کہ یہ چیز ہو گی «وَدَوَامًا قَبْلَهُ» اور نیز ماقبل میں دوام، یعنی نفی کے اندر دوام ہوتا ہے کہ جتنا وقت دیکھو جب سے امیر المومنین کھڑے ہوئے ہیں اس وقت سے معلوم ہوا ابھی تک سوار نہیں ہوئے، تو اس سارے ماضی کے اندر دواماً نفی آگئی، صورت سمجھ میں آگئی۔ تو اس سے ماقبل دوام ہوتا ہے: «نَحْوُ: قَامَ الْأَمِيرُ وَلَمَّا يَرْكَبْ» کہ امیر المومنین کھڑے ہو گئے ابھی تک سوار نہیں ہوئے۔

■ قولہ: «وَأَيْضًا يَجُوْزُ حَذْفُ الْفِعْلِ» کی تشریح

«وَأَيْضًا يَجُوْزُ حَذْفُ الْفِعْلِ» دوسرا فرق یہ ہے کہ «لَمَّا» میں فعل کو حذف کرنا جائز ہے: «قَامَ الْأَمِيرُ وَلَمَّا» دیکھا؟ «لَمَّا يَرْكَبْ»، «يَرْكَبْ» فعل کو حذف کر لیا۔ لیکن «قَامَ» کے اندر ایسا جائز نہیں ہے کہ «لَمْ» کو رکھا جائے اور فعل کو کیا کر لیا جائے، حذف، ایسا جائز نہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَأَيْضًا يَجُوْزُ حَذْفُ الْفِعْلِ بَعْدَ لَمَّا خَاصَّةً» اور نیز جائز ہے فعل کو حذف کرنا «لَمَّا» کے بعد خاص طور پر، «تَقُوْلُ: نَدِمَ زَيْدٌ وَلَمَّا» آپ کہتے ہیں: «نَدِمَ زَيْدٌ وَلَمَّا» زید شرمندہ ہوا «وَلَمَّا» «أَيْ: وَلَمَّا يَنْفَعْهُ النَّدَمُ» اور ابھی تک اس کو ندامت نے فائدہ نہیں دیا، زید شرمندہ ہوا اور ابھی تک شرمندہ ہونے نے اس کو کوئی فائدہ نہیں دیا بھائی۔

تو یہاں دیکھو، پورا کلام تو یہ ہے: «نَدِمَ زَيْدٌ وَلَمَّا يَنْفَعْهُ النَّدَمُ»، لیکن آپ کیا کر دیں، آخر سے «يَنْفَعْ» کو حذف کر دیں: «نَدِمَ زَيْدٌ وَلَمَّا» دیکھا آپ نے؟ «يَنْفَعْ» فعل کو حذف کر لیا، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو چونکہ اس «لَمَّا» کے آخر میں «مَا» ہے زائد: «لَمْ مَا»، تو آخر میں کیا ہے،

«مَا» زائد ہے بھائی۔ تو اس لیے وہ «مَا» گویا فعل کے قائم مقام بن جاتا ہے، تو اس میں تو فعل کو حذف کرنا جائز ہے، لیکن «لَمْ» کے اندر کہ «لَمْ» کو باقی رکھیں اور فعل کو حذف کر لیں، یہ جائز نہیں۔

تو کہتے ہیں یہ تو آپ کہہ سکتے ہیں لیکن «وَلَا تَقُوْلُ: نَدِمَ زَيْدٌ وَلَمْ» لیکن یہ نہیں کہہ سکتے «نَدِمَ زَيْدٌ وَلَمْ» کہ زید شرمندہ ہوا اور «لَمْ»، جی یوں نہیں کہہ سکتے، «نَدِمَ زَيْدٌ وَلَمْ» نہیں کہہ سکتے۔ جی ترکیب کیا کریں گے اس کی: «نَدِمَ زَيْدٌ وَلَمْ»؟ جی؟ «وَلَا تَقُوْلُ: نَدِمَ زَيْدٌ وَلَمْ»؟ ہاں شاباش، اس کی ترکیب نہیں ہو گی۔ جب مصنف کہہ دیں عربی میں یوں نہیں کہتے، یوں نہیں کہہ سکتے، پھر آپ کو کوئی کہے ترکیب کریں تو آپ کہیں گے بھائی یہ عربی اعتبار سے جملہ ہی ٹھیک نہیں ہے تو ترکیب کیسے ہو گی؟ «نَدِمَ زَيْدٌ» کی تو ترکیب کر دیں گے، آگے «وَلَمْ» میں پھر آپ کیا کریں گے؟ صورت سمجھ میں آ گئی؟

■ قولہ: «وَأَمَّا كَلِمُ الْمُجَازَاةِ حَرْفًا كَانَتْ أَوِ...» کی تشریح

«وَأَمَّا كَلِمُ الْمُجَازَاةِ حَرْفًا كَانَتْ أَوِ اسْمًا» اور باقی کلمِ مجازات جو ہیں چاہے «حَرْفًا كَانَتْ أَوِ اسْمًا» چاہے وہ حرف ہو یا اسم، میں نے آپ کو بتایا تھا کلمِ مجازات حرف بھی ہو سکتا ہے اور اسم بھی، تو کہتے ہیں وہ حرف ہو یا اسم «فَهِيَ تَدْخُلُ عَلَى الْجُمْلَتَيْنِ» تو یہ داخل ہوتا ہے دو جملوں پر۔ یہ قیمتی بات ہے، یہ کلمِ مجازات چاہے حرفِ شرط ہو، چاہے اسمِ شرط ہو، کتنے جملوں پر داخل ہوتے ہیں؟ دو جملوں پر، «لِتَدُلَّ عَلَى أَنَّ الْأُوْلَى سَبَبٌ لِلثَّانِيَةِ» تاکہ یہ دلالت کرے کہ پہلا جملہ جو ہے وہ سبب ہے دوسرے جملے کا، «وَتُسَمَّى الْأُوْلَى شَرْطًا وَالثَّانِيَةُ جَزَاءً» اور پہلے کو شرط کہتے ہیں اور دوسرے کو جزا کہتے ہیں بھائی۔

مثلاً اوپر مثال آئی تھی: «إِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ» اگر تو پٹائی کرے گا «أَضْرِبْ» تو میں بھی پٹائی کروں گا بھائی، میں بھی پٹائی کروں گا۔ اب دیکھیے پہلا سبب ہے کس کے لیے؟ دوسرے «أَضْرِبْ»، یعنی اگر تو پٹائی کرے گا تو یہ سبب بنے گا اور میں بھی کیا کروں گا، پٹائی۔ تو دیکھو پہلا تیرا پٹائی کرنا وہ سبب بنے گا میرے پٹائی کرنے کا، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

یہ جیسے قدوری میں آپ نے مثال پڑھی ہو گی، خاوند اگر بیوی سے کہے: «إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ» کیا ترجمہ ہے؟ اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی، «اَلدَّارَ» الف لام آیا نا، معلوم ہوا «اَلدَّارَ» کوئی خاص گھر ہے، «إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ» اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی «فَأَنْتِ طَالِقٌ» تو تجھے طلاق ہے۔ تو دیکھا یہاں اب طلاق معلق ہو گئی، گھر جائے گی اس گھر میں وہ جائے گی تو اسے طلاق ہو جائے گی، تو دخولِ دار سبب ہے کس چیز کا؟ طلاق کے واقع ہونے کا۔

تو یہ معنی ہے «أَنَّ الْأُوْلَى سَبَبٌ لِلثَّانِيَةِ» کہ یہ دلالت کرتے ہیں اس بات پر کہ پہلا جملہ جو ہے وہ سبب ہے دوسرے کا، «وَتُسَمَّى الْأُوْلَى شَرْطًا وَالثَّانِيَةُ جَزَاءً» اور پہلے کو شرط کہتے ہیں اور دوسرے کو جزا بھائی۔

■ قولہ: «ثُمَّ إِنْ كَانَ الشَّرْطُ وَالْجَزَاءُ مُضَارِعَيْنِ» کی تشریح

«ثُمَّ إِنْ كَانَ الشَّرْطُ وَالْجَزَاءُ مُضَارِعَيْنِ» اچھا یہ کلمِ مجازات جو انہوں نے ذکر کیے، یہ جزم دیتے ہیں اور ظاہر سی بات ہے جزم فعل مضارع کو دیں گے کیونکہ فعل مضارع معرب ہے، ماضی تو معرب نہیں۔ تو یہ جزم دیں گے۔ اب یہاں یاد رکھیے چار صورتیں بنتی ہیں بھائی، چار صورتیں۔ تو یہاں یاد رکھیے ایک ہے شرط اور ایک ہے جزا، شرط اور جزا، تو گویا دو جملے ہیں۔ اور یہ فعل ماضی بھی آ سکتا ہے یہاں اور فعل مضارع بھی، فعل مضارع بھی۔ تو کل چار صورتیں بنتی ہیں بھائی:

ایک صورت یہ کہ شرط اور جزا دونوں ماضی کے جملے ہوں، یعنی فعل ماضی ہو۔ شرط اور جزا دونوں کیا ہوں؟ فعل ماضی۔ دوسری صورت یہ کہ شرط اور جزا دونوں فعل مضارع ہوں۔ تیسری صورت یہ کہ شرط فعل ماضی ہو اور جزا فعل مضارع ہو۔ اور چوتھی صورت یہ کہ شرط جو ہے فعل مضارع ہو اور جزا کیا ہو؟ فعل ماضی۔

تو کن صورتوں میں یہ کلمِ مجازات جزم دیں گے؟ تو آسان سی بات ہے: جب دونوں ماضی ہوں تو ماضی تو مبنی ہے، تو پھر ظاہر سی بات ہے لفظوں میں یہ کوئی

عمل نہیں کریں گے بھائی۔ اور جب دونوں مضارع ہوں، شرط بھی اور جزا، تو پھر ظاہر سی بات ہے کہ یہ کلمِ مجازات دونوں کو جزم دیں گے، صورت سمجھ میں آ گئی۔

اور اگر پہلا فعل یعنی شرط جو ہے وہ ہے مضارع اور دوسرا کیا ہے، ماضی، تو پھر پہلا فعل مضارع چونکہ ان کے قریب ہے لہٰذا یہ اس میں عمل کریں گے اور جزم دیں گے، جبکہ ماضی تو اسی طرح اس میں عمل نہیں کریں گے۔ اور اگر اس کا برعکس ہو جائے، یعنی شرط جو ہے وہ فعل ماضی ہے اور جزا کیا ہے؟ فعل مضارع، اور جزا اب ان سے دور چلی گئی، جب دور چلی گئی تو پھر اس میں دونوں وجہیں پڑھنا جائز ہے، اس میں دونوں وجہیں پڑھنا جائز ہے۔ چاہے تو آپ اس پر جزم پڑھیں، چاہے آپ اس پر رفع پڑھیں۔ جزم اس لیے کیونکہ کلمِ مجازات داخل ہیں لہٰذا وہ کیا کریں گے، اس کو جزم دیں گے، اور رفع بھی پڑھ سکتے ہیں بایں اعتبار کہ کلمِ مجازات نے شرط میں تو عمل کیا نہیں کیونکہ شرط فعل ماضی تھی، جب شرط میں عمل نہیں ظاہر ہوا اس کا تو مضارع میں بھی آپ اس کا عمل دیکھتے ہی نہیں ہیں وہاں اس پر رفع پڑھ دیتے ہیں۔ اب اس کی مثالیں دیکھو، مثالیں بھی وہ ذکر کریں گے۔ چلیے آگے دیکھیے کتاب میں مثالیں آ رہی ہیں بھائی۔

تو کہتے ہیں: «ثُمَّ إِنْ كَانَ الشَّرْطُ وَالْجَزَاءُ مُضَارِعَيْنِ» پھر اگر شرط اور جزا دونوں فعل مضارع ہوں «يَجِبُ الْجَزْمُ فِيهِمَا لَفْظًا» تو واجب ہے جزم ان دونوں کے اندر باعتبار لفظوں کے، «نَحْوُ: إِنْ تُكْرِمْنِي أُكْرِمْكَ» «إِنْ تُكْرِمْ» دیکھو جزم آیا، «أُكْرِمْكَ» یہاں بھی کیا آیا؟ جزم۔ «إِنْ تُكْرِمْنِي» اگر تو میرا اکرام کرے گا «أُكْرِمْكَ» تو میں بھی تیرا اکرام کروں گا۔ جی ترکیب کیجیے۔

چلیے پہلے سن لیجیے ایک بھائی، آسان ہے بالکل شرط اور جزا بھائی۔ پہلا جملہ جو ہو گا وہ شرط اور دوسرا کیا ہو گا، جزا۔ «إِنْ» حرفِ شرط، «تُكْرِمْ» فعل با فاعل، اس کے اندر «أَنْتَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ «أُكْرِمْكَ» یہ کیا بنے گی؟ جزا۔ «أُكْرِمْ» فعل با فاعل، «أَنَا» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً فاعل، کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط، جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

یاد رکھیے ہمارے ہاں ایک رائج غلطی ہے، وہ پھر اس کو کہتے ہیں شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔ شاید میں نے پہلے بھی ذکر کیا ہو، تو آپ نے یہ لفظ نہیں بولنا، شرطیہ جزائیہ کوئی لفظ نہیں ہے۔ جملہ شرطیہ ہوا، آپ عربی کی کتابیں جتنی اٹھائیں گے وہاں صرف اتنا لکھا ہو گا جملہ شرطیہ ہوا۔ جملہ شرطیہ کہنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس میں ایک شرط ہے اور ایک جزا، تو شرطیہ جزائیہ نہ کہیں بھائی۔

ترکیب سمجھ میں آ گئی؟ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ پھر یاد رکھیے، یاد رکھیے قیمتی بات: جملہ شرطیہ کو جملہ خبریہ کہیں گے یا جملہ انشائیہ؟ اس کا سارا دارومدار جزا پر ہے۔ اس شرط اور جزا میں سے جزا اصل ہے۔ جزا کیا ہے؟ جزا اصل ہے اور شرط اس کے لیے قید ہے۔ شرط اس کے لیے قید ہے۔ مثلاً خاوند نے بیوی سے کہا: «إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ» اگر تو اس گھر میں گئی تو تجھے طلاق ہے۔ تو اس میں اصل کلام ہے «أَنْتِ طَالِقٌ» تجھے طلاق ہے۔ اصل کلام کیا ہے؟ تجھے طلاق ہے، یہ اصل کلام ہے، البتہ قید لگا دی ساتھ کہ یہ کب ہو گا؟ جب تو اس گھر میں جائے گی۔ تو اصل کیا ہے، «أَنْتِ طَالِقٌ»، صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو یہاں پر بھی اصل کلام کیا ہے؟ «إِنْ تُكْرِمْنِي أُكْرِمْكَ»، «أُكْرِمْكَ» میں تیرا اکرام کروں گا، یہ ہے اصل کلام۔ اور اس کے ساتھ قید بڑھا دی، یہ میں کب کروں گا تیرا اکرام؟ «إِنْ تُكْرِمْنِي» اگر تو میرا اکرام کرے گا۔ تو یہ جو شرط ہوتی ہے یہ قید ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ جیسے میں نے پہلے ذکر کیا تھا کہ یہ مفعول، یہ فعل کے لیے قید ہوتا ہے، یہ حال، یہ بھی فعل کے لیے قید ہوتا ہے، یہ جار مجرور، یہ بھی کیا ہوتے ہیں، قید۔ اسی طرح موصوف کے ساتھ صفت آ جائے، یہ صفت کیا ہوتی ہے، اس کے لیے قید ہوتی ہے۔ میں نے مثالیں ذکر کی تھیں، مثلاً ایک میں ویسے کہتا ہوں «ضَرَبْتُ» میں نے پٹائی کی، کچھ ذکر ہے کہ کس کی پٹائی کی؟ کوئی قید نہیں ہے، ہو سکتا ہے میں نے زید کی کی ہو، ہو سکتا ہے عمرو کی کی ہو، ہو سکتا ہے بکر کی کی ہو، کوئی قید نہیں۔ لیکن جب میں نے کہا «ضَرَبْتُ زَيْدًا» میں نے کس کی پٹائی کی؟ زید کی، تو یہ مفعول اب قید آ گئی، قید آ گئی۔ اور میں نے ضابطہ کیا ذکر کیا تھا کہ مقید پر جب نفی داخل ہو تو وہ قید کی طرف متوجہ ہوتی ہے، صورت سمجھ میں آئی؟

تو جب میں کہوں... میں نے کہا «ضَرَبْتُ زَيْدًا» یہ «زَيْدًا» کیا ہے؟ مفعول ہے اور قید ہے۔ اور اس پر جب میں حرفِ نفی اب لاؤں گا دیکھو یہ قید کی طرف متوجہ ہو گی: «مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا» میں نے زید کی پٹائی نہیں کی، باقی میں نے عمرو کی پٹائی کی ہو، ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا؟ خالد کی کی ہو، ہو سکتا ہے، کیونکہ معلوم ہوا یہاں مطلقاً ضرب کی نفی نہیں ہو رہی، ضربِ زید کی نفی ہو رہی ہے کہ میں نے زید کی پٹائی نہیں کی، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

تو کہتے ہیں «نَحْوُ: إِنْ تُكْرِمْنِيْ أُكْرِمْكَ» تو سارا دارومدار کس پر ہے جملہ شرطیہ کا؟ جزا پر۔ اگر جزا جملہ خبریہ ہو تو اس جملہ شرطیہ کو کہیں گے جملہ شرطیہ خبریہ۔ توجہ ہے؟ کیا؟ اگر جزا جملہ خبریہ ہو تو پھر اس پورے جملہ شرطیہ کو جو شرط اور جزا سے مرکب ہے، اس پورے جملے کو کیا کہیں گے؟ جملہ شرطیہ خبریہ۔ اور اگر جزا انشا ہو تو پھر اس پورے جملے کو کہیں گے جملہ شرطیہ انشائیہ۔

جیسے اسی میں دیکھ لو: «إِنْ تُكْرِمْنِيْ أُكْرِمْكَ» یہ «أُكْرِمْ» کیا ہے؟ خبر ہے، تو اس کو کیا کہیں گے؟ جملہ شرطیہ... یہ کیا ہے، خبر ہے نا، تو جملہ شرطیہ خبریہ ہوا۔ اور اگر اسی کی جگہ انشا ہوتا: «إِنْ تُكْرِمْنِيْ فَلَا تَضْرِبْ زَيْدًا» اگر تو میرا اکرام کرے گا «فَلَا تَضْرِبْ زَيْدًا» تو پھر زید کی پٹائی نہ کر۔ تو «لَا تَضْرِبْ» کیا ہے، نہی، اور نہی کیا ہے، انشا۔ تو لہٰذا یہاں یوں کہیں گے کہ یہ «إِنْ تُكْرِمْنِيْ» شرط اور «فَلَا تَضْرِبْ زَيْدًا» یہ ہے جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہوا، کیونکہ جزا کیا ہے، انشا ہے۔ یاد رہے گی یہ بات؟ یہ قیمتی بات بھائی۔

▪ قولہ: «وَإِنْ كَانَا مَاضِيَيْنِ» کی تشریح

«وَإِنْ كَانَا مَاضِيَيْنِ» اور اگر دونوں جملے جو ہیں وہ ماضی ہوں «لَمْ تَعْمَلْ فِيْهِمَا لَفْظًا» تو پھر ان میں کلمِ مجازات عمل نہیں کریں گے لفظاً باعتبار لفظوں کے، «نَحْوُ: إِنْ ضَرَبْتَ ضَرَبْتُ» اگر تو پٹائی کرے گا «ضَرَبْتُ» تو میں بھی پٹائی کروں گا۔ دیکھیے صیغے ہیں ماضی کے، لیکن میں ترجمہ مستقبل والا کر رہا ہوں کیونکہ یہ کلمِ مجازات ماضی کا معنی بھی مستقبل کی طرف بدل دیتے ہیں۔ «إِنْ ضَرَبْتَ» اگر تو پٹائی کرے گا «ضَرَبْتُ» تو میں بھی پٹائی کروں گا۔ دیکھا؟ لفظوں میں کوئی عمل نہیں کیونکہ دونوں ماضی ہیں مبنی ہیں۔

«وَإِنْ كَانَ الْجَزَاءُ وَحْدَهُ مَاضِيًا يَجِبُ الْجَزْمُ فِي الشَّرْطِ» اور اگر جزا اکیلی ماضی ہو «يَجِبُ الْجَزْمُ فِي الشَّرْطِ» تو شرط میں جزم واجب ہے، «نَحْوُ: إِنْ تَضْرِبْنِيْ ضَرَبْتُكَ» اگر تو میری پٹائی کرے گا «ضَرَبْتُكَ» تو میں بھی تیری پٹائی کروں گا۔ دیکھو شرط کیا ہے، فعل مضارع اور وہ «إِنْ» کے قریب ہے اس لیے «إِنْ» اس میں کیا کر رہا ہے، عمل کرے گا ہر حال میں۔ ہاں اس کا برعکس ہو جائے، «تَضْرِبْ» کی جگہ ماضی ہو اور «ضَرَبْتُ» کی جگہ مضارع ہو تو پھر، پھر اختیار ہے آپ کو، آپ چاہیں تو عامل بنائیں جزم دیں اور آپ چاہیں تو جزم نہ دیں۔

تو «إِنْ تَضْرِبْنِيْ ضَرَبْتُكَ» جی ترکیب کیجیے۔ جی «إِنْ» حرفِ شرط، «تَضْرِبْ» فعل با فاعل اس کے اندر «أَنْتَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ «ضَرَبْتُكَ»، «ضَرَبْتُ» فعل با فاعل شاباش، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، کاف منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ خبریہ ہوا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو بس خبریہ انشائیہ کی عموماً ویسے قید ضرورت نہیں پڑتی لیکن کبھی پڑ جاتی ہے کہیں پر، تو پھر یا آپ کے ذہن میں اشکال آتا ہے کہ اس کو خبریہ کہیں گے یا انشائیہ، تو میں نے وجہ بتا دی، بس اتنا کہنا کافی ہے: «إِنْ تَضْرِبْنِيْ ضَرَبْتُكَ» یہ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

▪ قولہ: «وَإِنْ كَانَ الشَّرْطُ وَحْدَهُ مَاضِيًا» کی تشریح

«وَإِنْ كَانَ الشَّرْطُ وَحْدَهُ مَاضِيًا» اور اگر شرط اکیلی ماضی ہو یعنی شرط جو پہلے آئی وہ کیا ہے، ماضی، اور جزا کیا ہے، مضارع، «جَازَ فِي الْجَزَاءِ الْوَجْهَانِ» تو جائز ہیں جزا کے اندر دونوں وجہیں پڑھنا۔ دونوں وجہیں کیا؟ جزم بھی اور اور رفع، رفع بھی جائز، جزم بھی اور رفع بھی جائز۔ «نَحْوُ: إِنْ جِئْتَنِيْ أُكْرِمْكَ» اور «أُكْرِمُكَ»، میم کو ساکن بھی پڑھ سکتے ہیں، میم پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ «إِنْ جِئْتَنِيْ أُكْرِمْكَ» اور «إِنْ جِئْتَنِيْ أُكْرِمُكَ»۔ لیکن یاد رکھیے جزم اولیٰ اور اکثر ہے بھائی۔ جزم کیا ہے؟ اولیٰ اور اکثر ہے کہ جزم پڑھیں اس صورت میں بھی بھائی۔

«وَاعْلَمْ أَنَّهُ إِذَا كَانَ الْجَزَاءُ مَاضِيًا بِغَيْرِ قَدْ لَمْ يَجُزِ الْفَاءُ فِيْهِ» بھائی شرط اور جزا میں یاد رکھیے ربط دینے کے لیے فا لے کر آتے ہیں: «إِنْ تَضْرِبْنِيْ فَأَضْرِبْكَ»، «إِنْ تَضْرِبْنِيْ فَأَضْرِبْكَ» یہ فا ربط دینے کے لیے ہے شرط اور جزا میں، کیونکہ شرط بھی جملہ اور جزا بھی جملہ، تو دونوں میں ربط چاہیے، تو ربط کے لیے یہ فا عموماً لے کر آتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات فا لانا جائز ہوتا ہے، بعض اوقات فا کا نہ لانا واجب ہوتا ہے، اور بعض جگہ فا کا لانا

واجب ہوتا ہے۔ تو کہاں فالائیں گے، کہاں نہیں لائیں گے، اور کہاں دونوں صورتیں جائز ہیں، اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔

تو اس کے لیے آسان سا ضابطہ سمجھ لیجیے بھائی، ضابطہ ذہن میں ہوگا پھر آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہاں فا کا لانا ضروری ہے یا ضروری نہیں۔ ضابطہ یہ، ابھی میں نے آپ کو بتایا کہ یہ جو کلمِ مجازات ہیں یہ جب ماضی پر بھی داخل ہوں تو اس کا معنی کس کی طرف کر دیتے ہیں؟ مستقبل کی طرف بدل دیتے ہیں۔ تو یہ معنی میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں، مستقبل کی طرف اس کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو اب آپ غور کریں، آپ کلمِ مجازات لائے، آگے شرط بھی ہے اور جزا بھی ہے۔ آپ جزا میں غور کریں، کیا اس کلمِ مجازات نے جزا کے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا کی؟ یعنی کیا اس کو مستقبل کی طرف بدلا؟ کس نے؟ کلمِ مجازات، «إِنْ» وغیرہ نے، کیا آگے جزا کے معنی کو مستقبل کی طرف بدلا ہے یا نہیں بدلا؟ اگر اس کے معنی میں تبدیلی پیدا کی ہے، اس کو مستقبل کی طرف بدلا ہے تو پھر ربط آچکا، اب فالانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ربط چاہیے تھا اور «إِنْ» نے اس کے معنی میں تبدیلی پیدا کر دی ہے، جب تبدیلی پیدا کر دی ہے تو ربط آچکا، جب ربط آچکا اب مزید فالانے کی ضرورت نہیں ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟

اور اگر کلمِ مجازات نے جزا کے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تو معلوم ہوا ابھی بھی ربط نہیں آیا، جب ربط نہیں آیا تو اب آپ کو کیا کرنا پڑے گا، فالانی پڑے گی ربط دینے کے لیے، صورت سمجھ میں آگئی؟ اب آپ مجھے بتائیے، میں آپ کے سامنے مثالیں ذکر کرتا ہوں، آپ نے مجھے بتانا ہے کہ کہاں فا کا لانا جائز ہے، کہاں واجب ہے اور کہاں نہ لانا واجب ہے۔

■ قولہ: «إِنْ ضَرَبْتَنِيْ ضَرَبْتُكَ» کی تشریح

«إِنْ ضَرَبْتَنِيْ ضَرَبْتُكَ» «إِنْ ضَرَبْتَنِيْ» اگر تو میری پٹائی کرے گا «ضَرَبْتُكَ» تو میں بھی تیری پٹائی کروں گا۔ جی «ضَرَبْتُكَ» یہ کیا ہے؟ جزا، اور کون سا صیغہ ہے؟ ماضی والا، لیکن ترجمہ میں کیا کر رہا ہوں؟ مستقبل والا، میں بھی پٹائی کروں گا، دیکھا؟ معلوم ہوا «إِنْ» نے کیا کیا ہے؟ عمل کیا ہے اور اس کے معنی کو ماضی سے کس کی طرف بدلا؟ مستقبل کی طرف۔ جب مستقبل کی طرف بدلا تو اب شرط اور جزا میں ربط آچکا، اب فالانے کی اجازت نہیں، فا نہیں لائیں گے۔ تو لہٰذا بغیر فا کے میں نے اسی لیے کہا: «إِنْ ضَرَبْتَنِيْ ضَرَبْتُكَ» اب فا نہیں لائیں گے۔

لیکن اگر اسی ماضی پر «قَدْ» آجائے، «قَدْ»، اور آپ جانتے ہیں «قَدْ» ماضی کو پکا کر دیتا ہے۔ «قَدْ» حرفِ تحقیق ہے نا، تحقیق تاکید، اس ماضی کو پکا کر دیتا ہے۔ جب ماضی پر «قَدْ» آیا اس نے ماضی کو پکا کر دیا، اب «إِنْ» اس کے معنی کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے لیکن بدل نہیں سکتا، تو پھر تبدیلی نہیں آئی، جب تبدیلی نہیں آئی تو پھر فالانا لازم ہوگا، فالانا ضروری ہوگا۔ مثلاً: «إِنْ ضَرَبْتَنِيْ فَقَدْ ضَرَبْتُكَ»، «إِنْ ضَرَبْتَنِيْ» اگر تو میری پٹائی کرے گا، دیکھو شرط میں تو تبدیلی آگئی ٹھیک ہے، لیکن ہم نے تو شرط کی بات نہیں کی، ہم نے کس کی بات کی ہے؟ جزا۔ آگے آرہا ہے «قَدْ ضَرَبْتُكَ» تحقیق میں آپ کی پٹائی کر چکا ہوں۔ یہاں اب چونکہ «قَدْ» آیا اور کس پر آیا؟ ماضی پر، «قَدْ» نے اس ماضی کے معنی کو پکا کر دیا، اب «إِنْ» اس کو مستقبل کی طرف بدلنا بھی چاہے تو بدل نہیں سکتا، اب ماضی کا ترجمہ ماضی والا ہی کریں گے یہاں پر بھی، اور ترجمہ یوں ہوگا: «إِنْ ضَرَبْتَنِيْ» اگر تو میری پٹائی کرے گا «فَقَدْ ضَرَبْتُكَ» تو تحقیق میں تیری پٹائی کر چکا ہوں۔ اگر تو میری پٹائی کرے گا تو تحقیق میں بھی تیری پٹائی کر چکا ہوں، ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ دیکھا وہی ماضی والا ترجمہ میں کر رہا ہوں۔ تو لہٰذا جب «قَدْ ضَرَبْتُكَ» ترجمہ ماضی والا ہے، «إِنْ» نے کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تو اب کیا کریں گے؟ فالانا لازم ہے ضروری ہے۔ تو یوں کہیں گے: «إِنْ ضَرَبْتَنِيْ فَقَدْ ضَرَبْتُكَ» اب یہ فا ربط دے دے گی، صورت سمجھ میں آگئی؟

فعل مضارع کو ذرا لے آؤ: «إِنْ تَضْرِبْنِيْ أَضْرِبْكَ»، اگر تو میری پٹائی کرے گا «أَضْرِبْكَ» تو میں بھی تیری پٹائی کروں گا۔ تو «أَضْرِبْ» کا یہ ہے جزا اور اس کا معنی میں کون سا کر رہا ہوں؟ مستقبل والا، اور فعل مضارع میں تو مستقبل والا معنی پہلے سے ہی موجود تھا، تو «إِنْ» نے اس کے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی، جب تبدیلی پیدا نہیں کی تو پھر فالے کر آئیں گے اور کیا کہیں گے: «إِنْ تَضْرِبْنِيْ فَأَضْرِبْكَ»۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو تبدیلی پیدا کر بھی دی ہے، فعل مضارع میں پہلے حال اور استقبال دونوں احتمال تھے لیکن اب، اب صرف مستقبل والا معنی ہے، تو بایں لحاظ دیکھو اس نے خاص کر دیا اس کو کس کے ساتھ، تو تبدیلی آچکی، جب تبدیلی آچکی تو اب فا نہیں لائیں گے۔ تو لہٰذا فعل مضارع میں چونکہ دونوں حالتیں ہیں، دونوں صورتیں ہیں لہٰذا وہاں دونوں صورتیں جائز، فا کا لانا بھی جائز اور نہ لانا بھی جائز: «إِنْ تَضْرِبْنِيْ أَضْرِبْكَ» اور اسی طرح «فَأَضْرِبْكَ»، «إِنْ تَضْرِبْنِيْ فَأَضْرِبْكَ» یہ بھی جائز۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ فالائیں گے، کیوں لائیں گے، اس کی کیا وجہ فعل مضارع میں؟ اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی کیونکہ مستقبل تو مضارع کے اندر

پہلے ہی مستقبل والا معنی تھا، تو ربط نہیں آیا لہٰذا فالا سکتے ہیں۔ اور دیکھا جائے تو تبدیلی پیدا کر بھی دی ہے، پہلے مضارع میں حال اور استقبال دونوں کا احتمال تھا اب صرف کس کا احتمال ہے؟ ہاں تو یہاں «فَأَضْرِبْكَ» میں آپ کی پٹائی کروں گا، یہاں حال والا ترجمہ نہیں، مستقبل والا ہی کرنا پڑے گا، تو بایں لحاظ دیکھا جائے تبدیلی آچکی، جب تبدیلی آچکی ربط آچکا، جب ربط آگیا تو اب فالانے کی ضرورت نہیں۔ تو فعل مضارع کے اندر فا کا لانا بھی جائز اور نہ لانا بھی جائز۔

اور مثالیں بھائی، اور مثالیں، آپ مجھے بتایئے: «إِنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا فَجَزَاكَ اللهُ خَيْرًا» «إِنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا» اگر آپ نے زید کی پٹائی کی «فَجَزَاكَ اللهُ خَيْرًا» تو اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ جی «فَجَزَاكَ اللهُ خَيْرًا» یہ کیا ہے؟ دعا ہے، دعا ہے۔ آپ بھی کہتے ہیں یا نہیں کسی کو جزاک اللہ؟ یہ دعا ہے اور دعا تو ہوتی ہی مستقبل کے لیے ہے، اللہ آپ کو بہتر بدلہ دے، دیکھا مستقبل میں؟ تو یہ پہلے سے ہی مستقبل میں ہے، جب پہلے سے ہی مستقبل میں ہے تو «إِنْ» نے کوئی تبدیلی پیدا کی؟ نہیں، جب نہیں پیدا کی تو اب فا کا لانا واجب: «إِنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا فَجَزَاكَ اللهُ» بات سمجھ بھی آرہی ہے؟

نیز اور مثال بتایئے بھائی: «إِنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا فَلَنْ تَضْرِبَ عَمْرًا» «إِنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا» اگر آپ زید کی پٹائی کریں تو ہرگز عمرو کی پٹائی نہ کریں، «إِنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا فَلَنْ تَضْرِبَ عَمْرًا»۔ اب مجھے بتایئے: «لَنْ تَضْرِبَ عَمْرًا» اس کے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی؟ کیوں؟ ہاں کیونکہ «لَنْ» ناصبہ وہ فعل مضارع کو مستقبل کے ساتھ خاص کر دیتا ہے، تو یہ فعل مضارع تو پہلے ہی «لَنْ» ناصبہ کی وجہ سے کس کے ساتھ خاص تھا؟ مستقبل کے ساتھ خاص تھا، جب یہ مستقبل کے ساتھ خاص ہے تو «إِنْ» نے اس کے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی، جب «إِنْ» نے کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تو اب فا کا لانا واجب، صورت سمجھ میں آگئی۔ تو «إِنْ تَضْرِبْ زَيْدًا فَلَنْ تَضْرِبَ عَمْرًا»۔

اور مثال کر لیجیے: «إِنْ تَضْرِبْ زَيْدًا فَلَا تَضْرِبْ عَمْرًا»، «إِنْ تَضْرِبْ زَيْدًا فَلَا تَضْرِبْ عَمْرًا» جی؟ «فَلَا تَضْرِبْ عَمْرًا» یہ کیا ہے؟ نہی ہے نہی، اور نہی پہلے ہی مستقبل کے ساتھ خاص ہوتی ہے: تو عمرو کی پٹائی نہ کر، یعنی زمانہ مستقبل میں۔ تو یہ تو پہلے ہی مستقبل ہے تو «إِنْ» نے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی، جب نہیں کی تو اب فا کا لانا واجب ہے، صورت سمجھ میں آگئی؟

یا اور مثال کر لو: «إِنْ تَضْرِبْ زَيْدًا فَاضْرِبْ عَمْرًا» اگر تو زید کی پٹائی کرے تو عمرو کی بھی پٹائی کر: «إِنْ تَضْرِبْ زَيْدًا فَاضْرِبْ عَمْرًا»، یہ «فَاضْرِبْ عَمْرًا» کیا ہے؟ امر ہے، اور امر کس کے ساتھ خاص ہوتا ہے؟ مستقبل کے ساتھ، لہٰذا یہ تو پہلے ہی مستقبل ہے تو «إِنْ» نے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی، جب نہیں کی تو اب فا کا لانا واجب ہے تاکہ ربط آجائے شرط اور جزا میں۔ اچھی طرح سب چیزیں سمجھ میں آگئیں؟

جی دیکھیے اب کتاب پر: «وَاعْلَمْ أَنَّهُ إِذَا كَانَ الْجَزَاءُ مَاضِيًا بِغَيْرِ قَدْ» اور جان لے کہ جب جزا ماضی ہو بغیر «قَدْ» کے «لَمْ يَجُزِ الْفَاءُ فِيْهِ» تو اس میں فا کا لانا جائز نہیں ہے، «نَحْوُ: إِنْ أَكْرَمْتَنِيْ أَكْرَمْتُكَ» اگر تو میرا اکرام کرے گا «أَكْرَمْتُكَ» تو میں بھی تیرا... «نَحْوُ: إِنْ أَكْرَمْتَنِيْ أَكْرَمْتُكَ» اگر تو میرا اکرام کرے گا «أَكْرَمْتُكَ» تو میں بھی تیرا اکرام کروں گا۔ دیکھو صیغے ماضی کے ہیں «أَكْرَمْتُ» لیکن معنی میں کون سا کر رہا ہوں؟ مستقبل والا، تو لہٰذا ربط آچکا۔

■ قولہ: «قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾» کی تشریح

«قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾» اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: اور جو اس مکہ میں داخل ہوا «كَانَ آمِنًا» وہ مامون ہو گا، وہ امن میں ہو گا، یعنی اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ «وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا» یاد رکھیے یہ «مَنْ» شرطیہ جگہ جگہ آتا ہے، اس کے بارے میں ترکیب یاد رکھیے کہ یہ کبھی مبتدا بنتا ہے، کبھی مفعول وغیرہ، یہ آپ معنی پر غور کر لیں گے۔ یہ کیا کر لیں گے؟ آپ معنی پر غور کر لیں گے کہ عموماً یہ مبتدا بنتا ہے مبتدا، اور اس کے بعد آگے شرط بھی آئے گی، جزا بھی آئے گی اور شرط اور جزا مل کر اس کی خبر بنیں گے، شرط اور جزا مل کر اس کی خبر بنیں گے۔

جیسے دیکھیے: «وَمَنْ دَخَلَهُ» جو داخل ہوا اس جگہ میں یعنی مکہ میں «كَانَ آمِنًا» وہ امن والا ہو گا، امن والا۔ تو «مَنْ» ترکیب یوں ہو گی: «مَنْ» شرطیہ، «مَنْ» شرطیہ مرفوع محلاً مبتدا، «مَنْ» شرطیہ مرفوع محلاً مبتدا۔ آپ خود معنی میں غور کر لیں: اور جو کوئی داخل ہوا، ادھر دیکھیے، جو کوئی داخل ہوا، یہ جو کوئی کون ہے؟ داخل ہونے والا ہے، جو کوئی داخل ہوا یہ کیا ہے، داخل ہونے والا ہے۔ معلوم ہوا آگے جو فعل آرہا ہے یہ اس کا فاعل ہے۔ جو کوئی داخل ہوا، ترجمے پہ نظر رکھنا میں گہری بات کر رہا ہوں، جو کوئی داخل ہوا، یہ جو کوئی کون ہے؟ اس کو آخر میں ذرا لے جاؤ: داخل ہوا جو کوئی، اب بات بن گئی یا نہیں؟ ٹھیک ہے؟ معلوم ہوا یہ آگے آنے والے فعل کا فاعل ہے، اور فاعل تو کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، لہٰذا اب اگر مقدم ہے تو پھر اس کو مبتدا بناؤ۔ معلوم

ہوا یہ مفعول وغیرہ نہیں ہے۔ اس ترجمے سے اندازہ ہو رہا ہے یا نہیں؟ اور جب مفعول ہو گا وہاں پر بھی آپ غور کرنا، یہ جو کوئی اس پر آپ دیکھیں گے کہ یہ معنی کے اعتبار سے مفعول بن رہا ہے، تو پھر آپ اس کو مبتدا نہ بنانا، کیا بنانا؟ مفعول وغیرہ جو موقع کے مطابق۔

اچھا، تو کہتے ہیں: «مَنْ» شرطیہ مرفوع محلاً کیونکہ مبنی ہے، مرفوع محلاً مبتدا، «دَخَلَ» فعل بافاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل جو کس کو راجع ہے؟ «مَنْ» کو، اور «هُ» ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ ہاں مفعول بہ، اور میں نے بتایا تھا «دَخَلَ» کے بعد جو مفعول بہ آتا ہے اس میں اختلاف، بعض اس کو کیا بناتے ہیں؟ «دَخَلَ» کے بعد جو ظرف آتا ہے، جو جگہ آتی ہے: دخلت الدار، تو یہ دار جو جگہ آئی کس کے بعد؟ «دَخَلَ» کے بعد، اس میں بعض علماء اس کو کیا بناتے ہیں؟ مفعول بہ، اور بعض کیا بناتے ہیں؟ مفعول فیہ بناتے ہیں۔ تو جی، تو «دَخَلَهُ» یہ ہا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ یا مفعول فیہ۔ اچھا، تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، ٹھیک ہے؟ اور «كَانَ آمِنًا» یہ بنے گی جزا۔ «كَانَ» فعل از افعالِ ناقصہ، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا اسم، یہ بھی «مَنْ» کو راجع ہے، یہ بھی کس کو راجع ہے؟ «مَنْ» کو۔ وہ امن میں ہو گا نا، کون امن میں ہو گا؟ وہ جو داخل ہوا، تو لہٰذا یہ «هُوَ» ضمیر بھی اسی کو راجع ہے۔ اور «آمِنًا» منصوب لفظاً صیغہ اسم فاعل، اور منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ «كَانَ» کی خبر ہے۔ اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، وہ کس کو راجع ہے اب بتاؤ بھائی؟ شاباش، «كَانَ» کے اسم کو، کیونکہ «كَانَ» کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ «كَانَ» کے اسم سے۔ تو اس کی «كَانَ» کے اسم کو راجع ہے۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر «كَانَ» کی خبر۔ «كَانَ» اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط، جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر یہ خبر ہوئی «مَنْ» مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

«مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا» اس میں «مَنْ» کو ہم نے کیا بنایا؟ مبتدا بنایا۔ میں نے بتایا معنی میں غور کر لیا کرو، آپ کو خود پتہ چل جائے گا کہ اس «مَنْ» کو کیا بنانا ہے۔ «مَنْ دَخَلَهُ» جو کوئی داخل ہوا، تو یہ جو کوئی کون ہے؟ داخل ہونے والا ہے، معلوم ہوا یہ فاعل ہے «دَخَلَ» کے لیے، اور فاعل تو فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا اور یہ «مَنْ» تو کیا ہے، مقدم ہے، اور جب مقدم فاعل تو ہو نہیں سکتا تو پھر معلوم ہوا اس کو کیا بنائیں گے، مبتدا بنائیں گے۔ اب دیکھیے اگر ایسا نہ ہو تو پھر مفعول وغیرہ یا کچھ وہ آپ خود غور کر لیں گے آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔

مثلاً، مثلاً آپ ترکیب کیجیے: «مَنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ»، «مَنْ» شرطیہ... ہاں اب مجھے اس کا اعراب بتاؤ، اب پتہ چلے گا کہ آپ کو بات سمجھ میں آئی یا نہیں آئی: «مَنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ»۔ غور کر لیں، ذرا معنی پہ غور کرنا پھر بولنا، ایسے نہ بولو فوراً۔ «مَنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ» «مَنْ تَضْرِبْ» مفعول بن رہا ہے؟ ہاں مفعول بن رہا ہے، غور کرو: «تَضْرِبْ» کے اندر «أَنْتَ» ضمیر فاعل ہے، آپ پٹائی کریں، «مَنْ تَضْرِبْ» جس کسی کی «تَضْرِبْ» آپ پٹائی کریں، دیکھا یہ «مَنْ» کیا بن رہا ہے؟ «تَضْرِبْ» کے اندر «أَنْتَ» ضمیر فاعل ہے، پٹائی آپ کر رہے ہیں اور «مَنْ» کس کی، جس کسی، «مَنْ تَضْرِبْ» جس کی بھی آپ پٹائی کریں گے «أَضْرِبْهُ» میں بھی اس کی پٹائی کروں گا، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہاں «مَنْ» کیا بنے گا؟ مفعول بہ بنے گا۔ تو «مَنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْهُ»، «مَنْ» شرطیہ منصوب محلاً مفعول بہ، توجہ ہے؟ «مَنْ» شرطیہ منصوب محلاً مفعول بہ، آگے «تَضْرِبْ» فعل بافاعل، اس کے اندر «أَنْتَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ اور «أَضْرِبْهُ»، «أَضْرِبْ» فعل، «أَنَا» ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، اور «هُ» ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ جو کس کو راجع ہے؟ وہی «مَنْ»، جی جی اس کو راجع ہے۔ تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا، دیکھو یہاں وہ مبتدا خبر نہیں ہے کیونکہ «مَنْ» مبتدا ہے ہی نہیں، وہ کیا بن رہا ہے، مفعول بن رہا ہے۔ اور معنی سے آپ کو اندازہ ہو رہا ہے؟ «مَنْ تَضْرِبْ» وہ جو «تَضْرِبْ» جس کی تو کیا کرے، پٹائی کرے، صورت سمجھ میں آئی؟

جو «مَنْ» شرطیہ ہے یہ عموماً مبتدا بنتا ہے، ہاں اگر اس کے آپ معنی میں غور کر لیں، اگر معنی سے آپ کو پتہ چلے کہ یہ کیا ہے، مبتدا ہے یا اگر فاعل وغیرہ ہے تو یہ مبتدا بنے گا، اور معنی سے پتہ چل جائے گا کہ یہ مفعول ہے یا نہیں، جیسے: «مَنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ»، «مَنْ تَضْرِبْ» یہ گویا یوں ہے: «تَضْرِبُ مَنْ» جس کی تو پٹائی کرے گا «أَضْرِبْهُ» میں بھی اس کی پٹائی کروں گا۔ تو دیکھو «مَنْ» کیا بن رہا ہے، مفعول۔ تو معنی سے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ «مَنْ» مفعول تو نہیں بن رہا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھیے کہ مثلاً «مَنْ» اگر شروع میں ہے: «مَنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْهُ» اس میں «مَنْ» کیا بن رہا ہے؟ مفعول بہ ہے، مقدم ہے بھائی۔ «مَنْ تَضْرِبْ» یہ اصل میں گویا کلام یوں ہے: «تَضْرِبُ مَنْ» آپ پٹائی کریں گے «مَنْ» جس کسی کی بھی «أَضْرِبْهُ» میں بھی اس کی پٹائی کروں گا، لیکن «مَنْ» چونکہ شرطیہ ہے اور یہ صدارتِ کلام کو چاہتا ہے اس لیے شروع میں لے آئے تو کیا بن گیا کلام؟ «مَنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْهُ»، تو یہ «مَنْ» کیا ہے، مفعول بہ مقدم ہے بھائی، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو معنی میں غور کرنے سے ہی آپ کو پتہ چل جائے گا۔ دیکھو «مَنْ تَضْرِبْ» جس کسی کی «تَضْرِبْ» آپ پٹائی کریں گے، دیکھا یہ مفعول، معنی سے پتہ چل رہا ہے یا نہیں اندازہ ہو رہا ہے، آپ غور کریں ذرا۔ معلوم ہوا پٹائی آپ کرنے والے ہیں اور جس کسی کی، وہ کیا بنے گا؟ مفعول۔

لیکن اگر فعل کا آگے مفعول ذکر ہو یا اسی کی طرف ضمیر مثلاً لوٹ رہی ہے، مفعول خود ذکر ہے یعنی اسی کی طرف ضمیر لوٹ رہی ہے تو پھر، پھر تو یہ مفعول بن نہیں سکتا۔ مثلاً ابھی کیا کلام تھا: «مَنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْهُ»، لیکن اگر «تَضْرِبْ» کے ساتھ ضمیر جوڑ دو: «مَنْ تَضْرِبْهُ أَضْرِبْهُ»، اب «تَضْرِبْهُ» کے ساتھ کیا ہے، ہا ضمیر جڑ گئی: «مَنْ تَضْرِبْهُ»، یہ ہا ضمیر کیا ہے، مفعول بہ ہے، تو «تَضْرِبْ» تو ایک ہی مفعول بہ چاہتا ہے، وہ اس کے ساتھ آ گیا اور یہ ہا ضمیر اسی «مَنْ» کو راجع ہے، تو اب «مَنْ» کو مفعول بہ نہیں بنا سکتے، «مَنْ» کو مفعول بہ... کیونکہ ایک مفعول بہ چاہیے تھا، تو آپ نے معنی میں غور کرنے کے بعد یہ بھی دیکھنا ہے کہیں فعل کا آگے خود مفعول بہ آ تو نہیں رہا؟ اگر خود آ رہا ہے جیسے «مَنْ تَضْرِبْهُ» یہ ہا ضمیر خود کیا ہے، مفعول بہ آ رہی ہے، تو پھر اس صورت میں «مَنْ» اسی طرح مبتدا ہی بنے گا، صورت سمجھ میں آ گئی؟

ہاں ایک اور قیمتی بات بھی یاد رکھنا: کبھی کبھار، کبھی کبھار ایسا مبتدا بھی آتا ہے جو متضمن ہوتا ہے معنی شرط کو، میں نے ذکر کیا تھا پہلے؟ شاید پہلے میں نے ذکر کیا ہو، کبھی کبھار مبتدا میں بھی شرط والا معنی آتا ہے تو اس کی خبر پر بھی فا کا داخل کرنا جائز ہے، واجب نہیں ہے، جائز ہے۔ اور وہ دو مبتدا ہیں:

ایک تو اسمِ موصول ہے، ایسا اسمِ موصول جس کا صلہ فعل آئے یا جار مجرور آئے، یعنی ظرف آئے۔ ایسا اسمِ موصول... موصول کے آگے صلہ آتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ صلہ فعل ہو یا جار مجرور ہو، یعنی ظرف ہو، تو یہ اسمِ موصول بعض اوقات متضمن ہوتا ہے کس کو؟ معنی شرط کو۔ تو اس کی جو آگے خبر آئے گی اس پر فا کا لانا جائز ہے۔ «مَنْ يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ» توجہ ہے؟ «مَنْ يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ» «مَنْ» اسمِ موصول ہے اور اس کا صلہ «يَأْتِي» فعل آ رہا ہے، اور وہ اسمِ موصول جس کا صلہ فعل آئے وہ متضمن ہوتا ہے معنی شرط کو، لہٰذا اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔ تو «فَلَهُ دِرْهَمٌ»، یہ «لَهُ» ہے خبرِ مقدم اور «دِرْهَمٌ» ہے مبتدائے مؤخر، اور مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ پورا جملہ یہ خبر ہے اس اسمِ موصول کی، یہ کیا ہے؟ خبر ہے۔ اور تو اس خبر پر فا کا داخل کرنا جائز ہے، صورت سمجھ میں آ گئی؟

اسی طرح اسمِ موصول کا صلہ اگر جار مجرور آ جائے: «مَنْ» یا یوں کہو «اَلَّذِيْ» کہہ لو، «اَلَّذِيْ فِي الدَّارِ» یا «مَنْ فِي الدَّارِ»، «مَنْ فِي الدَّارِ فَلَهُ دِرْهَمٌ» جو کوئی گھر میں ہے تو اس کے لیے ایک درہم ہے۔ پہلے کیا تھا: «مَنْ يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ» جو کوئی میرے پاس آئے گا تو اس کے لیے ایک درہم ہے یعنی اسے ایک درہم ملے گا۔ تو دیکھو «مَنْ» یہ اسمِ موصول ہے اور «فِي الدَّارِ» کیا ہے؟ جار مجرور ہے، اور جار مجرور متعلق یہاں «ثَبَتَ» سے کرنا ہے «ثَابِتٌ» سے نہیں کیونکہ صلہ جملہ ہوتا ہے، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو «ثَبَتَ» نکالیں گے اور یہ صلہ ہو گا، اور آگے «فَلَهُ دِرْهَمٌ» اس کی خبر۔ موصول اپنے صلے سے مل کر مبتدا اور آگے «فَلَهُ دِرْهَمٌ» اس کی خبر۔ تو یہ ایسا اسمِ موصول ہے جس کا صلہ جار مجرور ہے یعنی ظرف ہے اور جس... تو یہ متضمن ہے معنی شرط کو، تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز۔ تو فا لے آؤ تو بھی ٹھیک، نہ لاؤ تو بھی ٹھیک ہے، دونوں صورتیں جائز ہیں۔ «مَنْ فِي الدَّارِ لَهُ دِرْهَمٌ» یا «مَنْ فِي الدَّارِ فَلَهُ دِرْهَمٌ»۔ اسی طرح «مَنْ يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ» اور «مَنْ يَأْتِينِي لَهُ دِرْهَمٌ»، صورت سمجھ میں آ گئی؟ «مَنْ يَأْتِينِي»، «مَنْ» موصولہ، «يَأْتِينِي» اس کا صلہ، موصول صلہ مل کر مبتدا، مبتدا، اور «فَلَهُ دِرْهَمٌ» اس کی خبر، اور یہ خبر بھی کیا ہے، پورا جملہ ہے، صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو «فَلَهُ دِرْهَمٌ» بھی کہہ سکتے ہیں اور «لَهُ دِرْهَمٌ» بھی کہہ سکتے ہیں۔

تو معلوم ہوا ایسا اسمِ موصول جس کا صلہ کیا ہو؟ فعل ہو یا جار مجرور ہو تو وہ متضمن ہوتا ہے معنی شرط کو، اور تو اس کی خبر پر فا کا داخل کرنا جائز ہے، صورت سمجھ میں آ گئی۔ لہٰذا اس فا کو دیکھ کر «مَنْ يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ»، «مَنْ يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ» اس فا کو دیکھ کر آپ اس کو فوراً جملہ شرطیہ بنانے کی کوشش نہ کریں، دیکھ لیں کہیں یہ مبتدا خبر تو نہیں ہے؟ ایسا اسمِ موصول تو نہیں جو متضمن ہے کس کو، معنی شرط کو؟

اسی طرح اگر نکرہ ہو، ایسا مبتدا جو نکرہ ہو اور اس کی صفت فعل آ جائے یا جار مجرور یعنی ظرف آ جائے تو وہ بھی متضمن ہوتا ہے معنی شرط کو۔ کون؟ ایسا نکرہ، آپ نے پڑھا ہے نا نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کی صفت، اسی طرح نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو اس کے لیے صفت، تو ایسا نکرہ جس کی صفت کیا ہو؟ فعل ہو یا جار مجرور یعنی ظرف ہو، تو یہ بھی متضمن ہوتا ہے معنی شرط کو، تو اس کی خبر پر بھی فا کا لانا جائز، جیسے: «كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِينِي» ہر ایسا آدمی «يَأْتِينِي» جو میرے پاس آئے گا «فَلَهُ دِرْهَمٌ»، تو دیکھو فا کا لانا جائز۔ «كُلُّ رَجُلٍ» مضاف مضاف الیہ مل کر موصوف، اور «يَأْتِينِي» فعل یہ جملہ ہو کر... جملہ ہو کر صفت بنے گا نا، ترکیب سمجھ میں آ رہی ہے نا؟ تو یہ صفت، موصوف صفت مل کر مبتدا، اور «فَلَهُ دِرْهَمٌ» یہ پھر مبتدا خبر مل کر... مبتدا خبر مل کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے، پہلے مبتدائے اول کے لیے۔ تو دیکھا یہ مبتدا کس قسم کا تھا، «كُلُّ رَجُلٍ» نکرہ تھا اور اس کی صفت کیا آئی، فعل، تو یہ متضمن ہے معنی شرط، تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز۔ تو «كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ»، اور آپ چاہیں تو فا کے بغیر کہہ دیں: «كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِينِي لَهُ دِرْهَمٌ»۔

نکرہ کے بعد اسی طرح اگر جار مجرور آجائے تو وہ بھی اس کے لیے کیا بنتی ہے، صفت: «كُلُّ رَجُلٍ فِي الدَّارِ» ہر ایسا آدمی جو کس میں ہے، گھر میں ہے۔ «فِي الدَّارِ» کیا ہے؟ متعلق ہو گا کس سے، «ثَبَتَ» یا «ثَابِتٌ» سے اور یہ خبر ہو گی «كُلُّ رَجُلٍ» کے لیے، اور «كُلُّ» مضاف ہے «رَجُلٍ» مضاف الیہ، ترکیب بھی سمجھ میں آرہی ہے یا ساری کروادوں؟ سمجھ میں آرہی ہے؟ تو «كُلُّ رَجُلٍ» ہوا مضاف مضاف الیہ مل کر موصوف، اور «فِي الدَّارِ» جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «ثَبَتَ» سے، اور یہ جملہ اس کے اندر «هُوَ» ضمیر، یہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مبتدا، اور «فَلَهُ دِرْهَمٌ» یہ پھر مبتدا خبر ہیں، «لَهُ» خبرِ مقدم اور «دِرْهَمٌ» مبتدائے مؤخر، اور یہ پھر مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر کس کے لیے؟ مبتدائے اول کے لیے، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ تو «كُلُّ رَجُلٍ فِي الدَّارِ» یہ ایسا نکرہ مبتدا ہے کہ اس کی صفت کیا ہے؟ «كُلُّ رَجُلٍ» نکرہ ہے مبتدا ہے اور اس کی صفت کیا ہے، جار مجرور، تو یہ متضمن ہوتا ہے کس کو، معنی شرط کو، تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز۔ لہٰذا «فَلَهُ دِرْهَمٌ» بھی کہہ سکتے ہیں اور «لَهُ دِرْهَمٌ» بھی کہہ سکتے ہیں، صورت سمجھ میں آگئی۔

معلوم ہوا دو مبتدا ایسے ہیں جو متضمن ہوتے ہیں معنی شرط کو: ایک وہ اسمِ موصول جس کا صلہ فعل یا جار مجرور آجائے، یا ظرف کہہ لو جس کا صلہ ظرف آجائے۔ اسی طرح ایک وہ نکرہ جس کی صفت فعل یا ظرف آجائے، تو یہ دونوں قسم کے مبتدا متضمن ہوتے ہیں معنی شرط اور ان کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے، صورت سمجھ میں آگئی۔

ہاں بعض اوقات آپ کو شبہ ہو گا، اب ہمیں کیسے پتہ چلے کہ یہ «مَنْ» موصولہ ہے یا یہ «مَنْ» شرطیہ ہے؟ «مَنْ يَأْتِيْنِي فَلَهُ دِرْهَمٌ» «مَنْ يَأْتِيْنِيْ» جو میرے پاس آئے گا تو اس کے لیے ایک درہم۔ تو ایک نشانی یہ یاد رکھیں کہ «مَنْ» شرطیہ جزم دیتا ہے۔ کلمِ مجازات میں پڑھانا آپ نے، یہ جزم دیتا ہے۔ تو لہٰذا اب مجھے بتاؤ: «مَنْ يَأْتِيْنِي فَلَهُ دِرْهَمٌ» یہ «مَنْ» موصولہ ہے یا شرطیہ ہے؟ کیسے پتہ چلا؟ «يَأْتِي»، «يَأْتِيْ» دیکھا؟ «يَأْتِيْنِيْ»، نون تو وقایہ کا ہے اور یا مفعول کی، وہ ہٹادو، «يَأْتِي»، «يَأْتِيْ» فعل ہے اور آخر میں کیا ہے؟ یا، اور اگر جزم ہوتا تو کیسے پڑھتے؟ ہاں شاباش: «مَنْ يَأْتِنِي»، پھر یا نہیں... ایک ہے «مَنْ يَأْتِيْنِيْ» اور ایک ہے «مَنْ يَأْتِنِي»، اگر جزم آجائے تو سمجھ جاؤ یہ «مَنْ» شرطیہ ہے، «مَنْ» موصولہ نہیں۔ «مَنْ» شرطیہ ہے اور اس کے آگے دو جملے آئیں گے بھائی، یعنی اس کے آگے شرط اور جزا دونوں آئیں گے۔ اور اگر «مَنْ» موصولہ ہو تو پھر آگے صلہ آئے گا اور آگے خبر وغیرہ یا جو بھی آتی ہے۔ صورت سمجھ... تو فرق کس سے کریں گے؟ جزم دے گا یا جزم نہیں دے گا۔ اگر جزم دے رہا ہے تو پھر تو «مَنْ» شرطیہ ہے، اگر جزم نہیں دے رہا تو پھر «مَنْ» موصولہ ہو گا، اور اگر ایسی جگہ ہے جہاں جزم کا پتہ ہی نہیں چل رہا، فعل ماضی وغیرہ ہے: «مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا»، «دَخَلَ» تو کیا ہے، ماضی ہے، ماضی تو اب تو پتہ ہی نہیں چل رہا، تو پھر عموماً «مَنْ» شرطیہ کا زیادہ احتمال ہوتا ہے ایسی جگہ پر، ٹھیک ہے؟ ہاں کبھی کبھار «مَنْ» موصولہ بھی آئے گا لیکن زیادہ تر کیا ہو گا، «مَنْ» شرطیہ ہو گا ایسی جگہ پر جہاں شرط جزا والی صورت بن رہی ہو۔ وہ جو اسمِ موصول متضمن ہوتا ہے معنی شرط کو وہاں بھی شرط جزا جیسی صورت ہی بنتی ہے نا: جو کوئی میرے پاس آئے گا «مَنْ يَأْتِنِي فَلَهُ دِرْهَمٌ» تو اس کے لیے ایک درہم، تو وہاں بھی وہ شرط والا معنی تو آرہا ہے، تو لیکن بہر حال عموماً یہ پھر ایسی جگہ ہو تو کیا ہو گا؟ ہاں تو بس اگر کوئی قرینہ آپ کو مل جائے مثلاً جزم وغیرہ، پھر تو بات پکی ہو گئی یہ کیا ہے، «مَنْ» شرطیہ۔ اور اگر کوئی قرینہ ایسا مل جائے کہ رفع آرہا ہے تو آپ سمجھیں یہ «مَنْ» کیا ہے، موصولہ ہے۔ باقی جگہوں میں بھی آپ غور کریں گے تو آپ کو اندازہ کچھ نہ کچھ ہو جائے گا، عموماً زیادہ تر ایسی جگہوں پر «مَنْ» شرطیہ ہوتا ہے، صورت سمجھ میں آگئی۔

اور یہ بھی یاد رکھیے، جیسے یہ «مَنْ» ہے نا، «مَنْ» موصولہ ہے اور «مَنْ» شرطیہ، اسی طرح «مَا» بھی موصولہ بھی آتا ہے اور «مَا» بھی شرطیہ ہوتا ہے۔ تو وہاں بھی آپ نے انہی چیزوں کا خیال رکھنا ہے اور بعض اوقات کوئی قرینہ وغیرہ اس سے آپ کو بالکل واضح پتہ چل جائے گا کہ یہ «مَا» شرطیہ ہے یا یہ «مَا» موصولہ ہے بھائی۔ اچھی طرح ترکیب سمجھ میں آگئی؟

کیا بات کی انہوں نے؟ اگر جزا ماضی ہو بغیر «قَدْ» کے تو پھر فا کا لانا جائز نہیں کیونکہ «إِنْ» نے اس کے معنی میں تبدیلی پیدا کر دی ہے۔

■ قولہ: «وَإِنْ كَانَ مُضَارِعًا» کی تشریح

«وَإِنْ كَانَ مُضَارِعًا» اور اگر جزا کیا ہو؟ مضارع ہو، «مُثْبَتًا أَوْ مَنْفِيًّا بِلَا» چاہے مضارع مثبت ہو «أَوْ مَنْفِيًّا بِلَا» یا مضارع منفی ہو «لَا» کے ساتھ۔ «لَا» کی قید اس لیے لگائی کیونکہ ابھی ہم نے مثال کی تھی «لَنْ» ناصبہ، وہ بھی نفی کے لیے آتا ہے یا نہیں؟ لیکن وہ تو اس کو مستقبل کے ساتھ خاص

کر دیتا ہے، وہ الگ ہے، اس کو نکالنا تھا۔ تو مضارع منفی ہو «لَا» کے ساتھ، جب «لَا» کے ساتھ منفی ہو گا تو «لَا» نفی تو پیدا کرے گا زمانے میں تو کوئی تبدیلی پیدا نہیں، تو مضارع میں ابھی بھی دونوں احتمال: حال بھی اور استقبال۔ تو کہتے ہیں جب مضارع مثبت ہو یا منفی ہو «لَا» کے ساتھ «جَازَ فِيْهِ الْوَجْهَانِ» تو اس میں دونوں وجہیں جائز ہیں، «نَحْوُ: إِنْ تَضْرِبْنِيْ أَضْرِبْكَ» بغیر فا کے بھی، «أَوْ فَأَضْرِبْكَ» فا کے ساتھ بھی۔ یہ تو تھا مضارع مثبت «أَضْرِبْكَ»، اور اگر مضارع منفی ہو «لَا» کے ساتھ اس کی بھی مثال دے رہے ہیں: «وَإِنْ تَشْتِمْنِيْ» اگر تو مجھے گالی دے گا «لَا أَضْرِبْكَ» تو میں تیری پٹائی نہیں کروں گا، یہ بغیر فا کے، «أَوْ فَلَا أَضْرِبْكَ» فا کے ساتھ لانا بھی جائز: «إِنْ تَشْتِمْنِيْ» اگر تو مجھے گالی دے گا «فَلَا أَضْرِبْكَ» تو میں تیری پٹائی نہیں کروں گا۔

«وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْجَزَاءُ أَحَدَ الْقِسْمَيْنِ الْمَذْكُوْرَيْنِ» اور اگر جزا ان دو مذکورہ قسموں میں سے کوئی بھی نہ ہو، کون سی دو قسمیں؟ ایک تو ماضی بغیر «قَدْ» کے اور ایک مضارع مثبت اور منفی بلا، ان کے علاوہ اور جتنی صورتیں ہیں ان میں فا کا لانا واجب ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْجَزَاءُ أَحَدَ الْقِسْمَيْنِ الْمَذْكُوْرَيْنِ فَيَجِبُ الْفَاءُ فِيْهِ» اور اگر جزا ان دو مذکورہ قسموں میں سے کوئی ایک بھی نہ ہو تو اس میں فا کا لانا واجب ہے، «وَذَلِكَ فِيْ أَرْبَعِ صُوَرٍ» اور وہ چار صورتوں میں ہو گا۔

«اَلْأُوْلَى: أَنْ يَكُوْنَ الْجَزَاءُ مَاضِيًا مَعَ قَدْ» پہلی یہ کہ جزا ماضی ہو کس کے ساتھ؟ «قَدْ» کے ساتھ، «كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ﴾.» جی ترکیب کیجیے۔ جی «إِنْ» شرطیہ، «يَسْرِقْ» فعل بافاعل شاباش، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ خبر یہ نہ کہیں کیونکہ شرط جو ہوتی ہے نا یہ پورا کلام نہیں ہے، پورا کلام نہیں ہے۔ خبر کا تو پورا کلام ہونا ضروری ہوتا ہے نا، یہ شرط قید ہوتی ہے، قید۔ تو «يَسْرِقْ» فعل جس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط شاباش۔ فاجزائیہ، «قَدْ» حرفِ تحقیق، «سَرَقَ» فعل، «أَخٌ» مرفوع لفظاً، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے۔ اور مرفوع لفظاً، اور دیکھیے وہ ضابطے میرے لگاؤ: «أَخٌ» نکرہ ہے اور اس کے بعد جار مجرور آیا، تو نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ اس کی کیا بنتی ہے عموماً صفت، لیکن آنکھیں بند کر کے نہیں صفت بنانی، آپ نے ترجمے میں بھی غور کرنا ہے کہ ترجمہ بھی ٹھیک ہو رہا ہے یا نہیں، تو «أَخٌ لَّهُ» اس کا بھائی، دیکھو ترجمہ ٹھیک ہو رہا ہے بھائی۔ «أَخٌ» مرفوع لفظاً موصوف، مرفوع کیوں، فاعل ہے، لفظاً کیوں، اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ نکرہ کے بعد جار مجرور آ رہا ہے اور وہ کسی سے جڑ نہیں رہا، جی شاباش۔ لام جارہ، ہا ضمیر مجرور محلاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «ثَبَتَ» فعل کے ساتھ شاباش، «ثَبَتَ» فعل اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع ہے، موصوف شاباش، کیونکہ یہ جملہ ہے اور جملہ یا شبہ جملہ کو کسی چیز سے جوڑنا ہو تو ربط ضروری تو یہ ربط آ گیا۔ تو «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے، «سَرَقَ» کے لیے شاباش۔ اور «ثَبَتَ لَهُ» اس پورے جملے کا اعراب مجھے بتاؤ؟ مرفوع محلاً، مرفوع کیوں، کیونکہ یہ صفت ہے «أَخٌ» کی اور «أَخٌ» مرفوع ہے تو صفت بھی کیا ہو گی، مرفوع۔ ہاں اگر آپ «ثَابِتٌ» نکالتے مفرد، تو پھر اعراب نے ظاہر بھی ہونا تھا اور «ثَابِتٌ» رفع کے ساتھ آپ نے کہنا تھا، اگر حال ہو تو آپ «ثَابِتًا» کہتے ہیں، صورت سمجھ میں آ گئی۔ جی آگے «مِنْ» حرفِ جار، «مِنْ» جارہ جی، «قَبْلُ» مجرور محلاً۔ جی «قَبْلُ» بھائی آپ نے پڑھا تھا «قَبْلُ» اور «بَعْدُ»، «قَبْلُ» اور «بَعْدُ» ظروفِ مبنیہ میں تھے کہ ان کے استعمال کی تین حالتیں ہیں، یہ ہمیشہ مضاف الیہ چاہتے ہیں۔ «قَبْلُ» کا معنی پہلے، کس سے پہلے، آگے مضاف الیہ چاہیے بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ اور وہ مضاف الیہ اگر ساتھ ذکر ہو تو یہ معرب ہوتے ہیں اور مفعول فیہ بن رہے ہیں تو منصوب ہوں گے۔ اور اگر اس کا اس کا مضاف الیہ آپ نے لفظوں سے بھی حذف کر دیا اور نیت سے بھی حذف کر دیا تو گویا اس کا کوئی نقصان ہوا ہی نہیں، مضاف الیہ گویا اس کو چاہیے ہی نہیں، لفظوں سے بھی اڑایا اور نیت سے بھی اڑا دیا تو گویا اس کو چاہیے ہی نہیں، جب کوئی نقصان نہیں تو اسی طرح معرب کا معرب رہے گا، «قَبْلًا» منصوب پڑھیں گے کیونکہ مفعول فیہ کیا ہوتا ہے، منصوب۔ لیکن اگر مضاف الیہ لفظوں سے تو اڑا دیا لیکن نیت میں ابھی بھی مراد ہے پہلے، کس سے پہلے، مثلاً زید سے پہلے، وہ ابھی بھی مراد ہے، ابھی بھی مراد ہے، تو اب آپ نے اس کا نقصان کیا، کیا نقصان ہوا؟ اس کو تو چاہیے تھا مضاف الیہ اور آپ نے لفظوں سے کیا کر دیا اس کو، اڑا دیا، لفظوں سے اڑا دیا۔ تو لہٰذا اس صورت میں اس کا نقصان ہوا، مضاف الیہ اس کا بڑا مضبوط بڑا حصہ اس کا کیا ہو گیا، ختم ہو گیا، تو اب اس صورت میں اس کو جبیرہ دیں گے پٹی دیں گے، یعنی ضمہ اس پر آ جائے گا اور یہ مبنی علی الضم ہو جائے گا۔ تو یہاں پر بھی دیکھو «مِنْ» جارہ ہے، ہونا تو چاہیے تھا «مِنْ قَبْلِ»، لیکن یہ کیا ہے مبنی اور مبنی کے اوپر تو اعراب ظاہر نہیں ہوتا، تو یہ لہٰذا «قَبْلُ» کو کیا کہیں گے؟ «مِنْ» داخل ہے، ہے تو مجرور ہی اس میں تو کوئی شک نہیں، مجرور لیکن کون سا مجرور؟ محلاً، کیونکہ مبنی ہے اس وقت، تو مجرور محلاً۔ جی جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ «سَرَقَ» فعل سے، جی۔ «سَرَقَ» فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا شاباش شاباش۔ اور مجھے یہ بتائیے جملہ شرطیہ انشائیہ ہے یا

خبر یہ ہے؟ شاباش، جملہ شرطیہ خبر یہ ہے، آپ کو کیسے پتہ چلا؟ جزا جو ہے «فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ» یہ کیا ہے، خبر ہے۔ «إِنْ يَسْرِقْ» اگر اس نے چوری کی ہے تو «فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ» تحقیق اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے، ترجمہ سمجھ میں آیا؟ بھائی وہ جگہیں بیان ہو رہی ہیں جہاں فا کا لانا واجب، پہلی وہ کتنی جگہیں ہیں؟ چار۔ پہلی صورت کیا کہ جزا کیا ہو؟ کہ جزا ماضی مع «قَدْ» کے ہو، تو پھر فا کا لانا واجب۔

«وَالثَّانِيَةُ: أَنْ يَكُوْنَ مُضَارِعًا مَنْفِيًّا بِغَيْرِ لَا» دوسری صورت وہ یہ ہے کہ «أَنْ يَكُوْنَ مُضَارِعًا مَنْفِيًّا بِغَيْرِ لَا» کہ جزا جو ہے وہ ایسے مضارع ہو جو منفی ہو بغیر «لَا» کے، یعنی وہی جو میں نے ذکر کیا تھا مضارع ہے، منفی ہے لیکن «لَنْ» ناصبہ کی وجہ سے، صورت سمجھ میں آ گئی۔ تو مضارع ہو منفی بغیر «لَا» کے، «كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾» اور جو کوئی تلاش کرے گا اسلام کے علاوہ اور دین کو تو ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اب دیکھیے یہاں پر «فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ» یہ ہے جزا، اور یہ «يُقْبَلَ» مضارع ہے اور اس پر «لَنْ» ناصبہ داخل، اس نے اس کو پہلے ہی مستقبل کے ساتھ خاص کر دیا، لہٰذا کلمِ مجازات نے اس کے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی، لہٰذا فا کا لانا واجب، اسی لیے «فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ» آیا بھائی۔

یہاں ترکیب کیسے ہو گی؟ «مَنْ» شرطیہ مرفوع محلاً مبتدا، «مَنْ يَبْتَغِ» جو کوئی تلاش کرتا ہے، معلوم ہوا یہ جو کوئی کیا بن رہا ہے، فاعل ہے، کیا ہے دراصل معنی کے اعتبار سے فاعل، اور فاعل تو مقدم ہوتا نہیں، یہ مقدم ہے، معلوم ہوا اب یہ مفعول وغیرہ نہیں بن رہا، پھر کیا بنے گا، مبتدا۔ تو «مَنْ» مرفوع محلاً مبتدا، «يَبْتَغِ» فعل با فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو «مَنْ» کو راجع ہے۔ «غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا»، «دِيْنًا» جو ہے یہ مفعول بہ ہے اور یہ نکرہ ہے اور «غَيْرَ الْإِسْلَامِ» اس سے حال ہے، حال ہے۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ ذوالحال جب نکرہ ہو تو حال کو اس پر مقدم کرنا واجب ورنہ تو موصوف صفت کا شبہ ہو گا، اگر «دِيْنًا» مقدم ہو اور «غَيْرَ الْإِسْلَامِ» اس پر کیا ہو، مؤخر ہو تو بظاہر شبہ لگے گا دونوں نکرہ ہیں اور دونوں منصوب ہیں تو شاید موصوف صفت ہیں، تو اس لیے تو «دِيْنًا» منصوب لفظاً ذوالحال، منصوب کیوں ہے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے، اور «غَيْرَ الْإِسْلَامِ» یہ کیا ہے، یہ حال ہے۔ ذوالحال اپنے حال سے مل کر یہ مفعول بہ ہوا کس کے لیے، «يَبْتَغِ» کے لیے۔ «يَبْتَغِ» فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اور «فَلَنْ يُقْبَلَ» یہ فا جزائیہ، «لَنْ يُقْبَلَ» فعل مجہول ہے بھائی، فعل مجہول، تو «فَلَنْ يُقْبَلَ» فعل با نائب فاعل، فعل مجہول ہے تو اس کے لیے نائب فاعل چاہیے، تو جو «هُوَ» ضمیر اس کے اندر نائب الفاعل ہے، اور «مِنْهُ» جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے، «يُقْبَلَ»۔ «يُقْبَلَ» فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر یہ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

اب مجھے یہ بتائیے کہ «غَيْرَ الْإِسْلَامِ» کو ہم نے کیا بنایا، حال، اور «دِيْنًا» کو کیا بنایا، ذوالحال۔ بھائی کیوں، یہ حال کو ذوالحال پر کیوں مقدم کیا؟ کیونکہ حال تو ہوتا ہی نکرہ ہے، ذوالحال بھی نکرہ آ گیا، صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو موصوف صفت کا شبہ پڑتا تھا۔ سوال: موصوف صفت کا شبہ کیسے پڑتا ہے؟ ذرا «دِيْنًا» کو مقدم کرو: «دِيْنًا غَيْرَ الْإِسْلَامِ»، «دِيْنًا» تو ہے نکرہ اور «غَيْرَ الْإِسْلَامِ» «غَيْرَ» مضاف «الْإِسْلَامِ» مضاف الیہ اور مضاف الیہ «الْإِسْلَامِ» ہے معرفہ، اور جو چیز معرفہ کی طرف مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتی ہے، معرفہ بن جاتی ہے۔ تو «غَيْرَ الْإِسْلَامِ» تو ہوا معرفہ اور «دِيْنًا» ہوا نکرہ، پھر؟ تو موصوف صفت کا تو شبہ ہی نہیں پڑ رہا، پھر کیوں اس طرح مقدم مؤخر کیا گیا؟ ہاں شاباش، دیکھا؟ بعض الفاظ ایسے ہیں کہ وہ معرفہ کی طرف مضاف ہو جائیں پھر بھی وہ معرفہ نہیں بنتے، نکرہ کے نکرہ ہی رہتے ہیں۔ معرفہ کس کو کہتے ہیں؟ آپ معنی پہ غور کر لیا کریں آپ کو خود ہی پتہ چل جائے گا۔ معرفہ اسے کہتے ہیں جو کسی معین ذات پر دلالت کرے۔ میں نے کہا: «غُلَامُ زَيْدٍ» دیکھا اب ایک خاص غلام پر دلالت ہو گئی، صورت سمجھ میں آ گئی؟ لیکن اگر میں کہوں: «غَيْرُ زَيْدٍ» زید کے علاوہ، اب کوئی خاص آدمی آیا؟ نہیں، زید کے علاوہ تو خالد بھی ہے، بکر بھی ہے، عمرو، سب کیا ہیں زید کے علاوہ، تو دیکھو یہ غیر کا لفظ معرفہ کی طرف مضاف ہونے کے باوجود کیا ہے، نکرہ کا نکرہ ہے۔ تو یہاں پر بھی غیر کا لفظ معرفہ کی طرف اگرچہ مضاف ہو گیا لیکن پھر بھی وہ نکرہ ہے، تو ذوالحال بھی نکرہ اور حال بھی نکرہ ہے۔

■ قولہ: «وَالثَّالِثَةُ: أَنْ يَكُوْنَ جُمْلَةً اسْمِيَّةً» کی تشریح

«وَالثَّالِثَةُ: أَنْ يَكُوْنَ جُمْلَةً اسْمِيَّةً» اور تیسری صورت جہاں پر فا کا لانا واجب ہے کہ جزا جو ہے وہ جملہ اسمیہ ہو، «كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾» جو کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس کے دس گنا ہے، یعنی اس کے لیے دس گنا اجر ہے۔ تو دیکھیے: «مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا»، فا جزائیہ آ گئی، کیوں اس کا لانا واجب ہے یہاں؟ اس لیے کیونکہ جزا کیا ہے، جملہ اسمیہ۔ کیسے جملہ اسمیہ ہے؟ «لَهُ» یہ جار

مجرور خبرِ مقدم ہے شاباش، کیونکہ میں نے بتایا تھا یہ جار مجرور کبھی بھی مبتدا نہیں بن سکتے، کبھی بھی «إِنَّ»، «أَنَّ» کا اسم نہیں بن سکتے، کبھی بھی «كَانَ» کا اسم نہیں، یہ جب بھی آئیں گے یہ کیا ہوں گے، خبرِ مقدم ہوں گے۔ تو «لَهُ» خبرِ مقدم اور «عَشْرُ أَمْثَالِهَا» یہ کیا ہے، مبتدائے مؤخر، تو یہ جملہ اسمیہ ہے۔ اور جب جزا جملہ اسمیہ ہو تو فا کا لانا واجب ہے۔

ترکیب کیجیے: «مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ»، «مَنْ جَاءَ» جو کوئی آیا... «جَاءَ» کا صلہ با آرہا ہے تو پھر اس کا معنی ہو گا لانا، متعدی ہو گیا۔ آپ نے پڑھا ہے فعل لازم کو اگر متعدی کرنا ہو تو ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے صلے میں بالے آؤ، کیا لے آؤ؟ با۔ «جَاءَ» کا معنی آنا، اور «جَاءَ» کے ساتھ بالے آؤ تو اس کا معنی ہے لانا۔ «جِئْتُ» میں آیا اور میں کہوں «جِئْتُ بِزَيْدٍ» تو میں کہوں گا میں زید کو لایا، صورت سمجھ میں آگئی۔ تو «مَنْ» شرطیہ مرفوع محلاً مبتدا، «جَاءَ» فعل با فاعل اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع ہے، «مَنْ» مبتدا کو، باجارہ، «الْحَسَنَةِ» مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے «جَاءَ» فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاجزائیہ، «لَهُ» لام جارہ، ہا ضمیر مجرور محلاً یہ اسی مبتدا کی طرف راجع ہے، «مَنْ» کی طرف راجع ہے۔ اور جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ «ثَبَتَتْ» فعل سے شاباش، کیونکہ آگے «عَشْرُ أَمْثَالِهَا» جمع آرہا ہے، «ثَبَتَتْ» فعل اس کے اندر «هِيَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع ہے، مبتدائے مؤخر کو۔ «عَشْرُ» مرفوع لفظاً مضاف، «أَمْثَالِ» مجرور لفظاً مضاف الیہ مضاف، اور ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مضاف الیہ ہوا «عَشْرُ» کے لیے، «عَشْرُ» مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مبتدائے مؤخر۔ مبتدا اپنی خبرِ مقدم «لَهُ» جو ہے «لَهُ»، مبتدا اپنی خبرِ مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

اچھا دیکھیے بھائی، اللہ کی رحمت کتنی وسیع ہے: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾، اللہ فرماتے ہیں جو کوئی نیکی کرے گا، جو کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اس کو اس کے دس گنا اجر دیا جائے گا، دس گنا۔ یاد رکھیے، جب انسان کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو صرف ارادہ کرنے پر ہی اللہ اس پوری نیکی کا ایک اجر اس کو دے دیتے ہیں، جتنا نیکی کرنے کا اجر بنتا ہے وہ سارا اللہ اس کو دے دیتے ہیں۔ تو دیکھو صرف نیت کرنے پر ہی اللہ اس کو اجر دے دیتے ہیں، اور پھر جب وہ اس نیکی کو کر لیتا ہے تو اللہ اس کو کم از کم دس گنا اجر دیتے ہیں اور اگر اخلاص زیادہ ہو تو سات سو گنا یا اس سے بھی بڑھا دیتے ہیں، اتنا عظیم اجر اللہ نصیب فرماتے ہیں۔ اور گناہ؟ صرف ارادہ کرو تو اس پر گناہ پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا، ہاں جب کر لے گا تو پھر ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے، تو دیکھو اللہ کی رحمت کتنی وسیع ہے، سمجھ میں آئی؟

تبلیغی جماعت میں بیان کے بعد کہتے ہیں بھائی نیتیں کر لو، سب کیا کر لو؟ نیت کر لو، نیت پر بھی ایک نیکی کا ثواب ہے۔ کیا معنی ایک نیکی کا ثواب ہے؟ وہ جو میں نے ابھی بتایا، جس نیکی کا ارادہ کر رہے ہو اس پوری کا ثواب دے دیں گے، یعنی اگر آپ اس وقت اٹھ کر ارادہ کر لیتے ہیں کہ میرا ارادہ ہے اگلا پورا سال اللہ کے راستے میں لگاؤں گا، تو یہ ارادہ کرتے ہی اللہ فوراً پورے ایک سال کا اجر تبلیغ کا آپ کو اسی وقت دے دیتے ہیں بھائی، سمجھ میں آیا؟ تو ایک نیکی کا یہ معنی نہیں کہ ایک نیکی، بلکہ اس جتنے عمل کی آپ نے نیت کی ہے اس پورے کی ایک اجر اللہ آپ کو اس کے برابر اجر آپ کو اللہ دے دیتے ہیں۔

■ قولہ: «وَالرَّابِعَةُ: أَنْ يَكُوْنَ جُمْلَةً إِنْشَائِيَّةً» کی تشریح

«وَالرَّابِعَةُ: أَنْ يَكُوْنَ جُمْلَةً إِنْشَائِيَّةً» چوتھی صورت یہ ہے کہ جزا کیا ہو، جملہ انشائیہ ہو، تو بھی فا کا لانا واجب ہے۔ «إِمَّا أَمْرًا» پھر وہ جملہ انشائیہ یا تو امر ہو گا، «كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي﴾» اے پیغمبر آپ فرما دیجیے: «إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ» کہ اگر تم لوگ اے مومنو تم اگر اللہ سے محبت کرتے ہو «فَاتَّبِعُونِي» تو تم لوگ کیا کرو، میری اتباع کرو، میری پیروی کرو، میرے راستے پر چلو۔ تو انشا یا تو امر ہو گا: «فَاتَّبِعُونِي»، «فَاتَّبِعُوْا» کیا ہے، امر ہے، جزا۔ «وَإِمَّا نَهْيًا» یا انشا کیا ہو گی؟ نہی ہو گی، «كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ﴾» پس اگر تم ان کو جان لو کہ وہ مومنہ ہیں وہ عورتیں «فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ» تو ان کو نہ لوٹاؤ کفار کی طرف، ان کو کفار کی طرف نہ لوٹاؤ۔

جی ترکیب کیجیے: «قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي»، «قُلْ» فعل امر، «أَنْتَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر فاعل بھائی، جی آگے اب شرط اور جزا والی ترکیب آگئی: «إِنْ» حرفِ شرط، «كُنْتُمْ»، «كَانَ» فعل از افعالِ ناقصہ اور «تُمْ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا اسم، «تُحِبُّوْنَ» فعل با فاعل، اس کے اندر واؤ ضمیر مرفوع محلاً فاعل، جی لفظِ اللہ منصوب لفظاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر «كَانَ» کی خبر۔ «كَانَ»

اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اور «فَاتَّبِعُوْنِيْ» فاجزائیہ، «اِتَّبِعُوْا» فعل امر، فعل بافاعل، اس کے اندر واؤ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر یہ مقولہ ہوا «قُلْ» کے لیے۔ «قُلْ» فعل امر اپنے فاعل اور مقولے سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا کیونکہ «قُلْ» امر ہے۔ اور یہ جو درمیان میں ہے: «إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي» یہ جملہ شرطیہ، یہ کون سا ہے، خبر یہ ہے یا انشائیہ ہے؟ انشائیہ ہے شاباش، کیسے پتہ چلا؟ «فَاتَّبِعُونِي» یہ جو جزا ہے یہ انشا ہے، اور جب جزا انشا ہو تو پورے جملہ شرطیہ کو کیا کہتے ہیں؟ شرطیہ انشائیہ۔

«وَإِمَّا نَهْيًا» یا وہ نہی ہو گا، «كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ﴾.» اگر تم ان عورتوں کو مومنہ جان لو تو ان کو نہ لوٹاؤ کفار کی طرف۔ بھائی یہ مسلمانوں نے معاہدہ کیا تھا، آپ نے پڑھا ہو گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو لے کر عمرے کے لیے تشریف لے گئے، مکہ والوں نے جنگ کی تیاری شروع کی لڑائی کی، تو انہوں نے لڑائی کا ارادہ کیا۔ حضور علیہ السلام کو پتہ چلا تو حضور علیہ السلام نے مکہ سے باہر ہی پڑاؤ ڈالا اور صحابہ کو بھیجا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کو بھیجا کہ جاؤ جا کر ان سے کہو کہ ہم لڑنے نہیں آئے، ہم صرف عمرہ کرنے آئے ہیں، عمرہ ادا کر کے چلے جائیں گے۔ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنے پاس ہی روک لیا، دو تین دن تک نہیں آنے دیا۔ ادھر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کو انہوں نے شہید کر دیا ہے، تو حضور علیہ السلام نے وہیں پر تمام صحابہ سے موت پر بیعت لی کہ ان کا حضرت عثمان کا بدلہ لیے بغیر یہاں سے اب نہیں جائیں گے بھائی۔ تو سب صحابہ نے موت پر بیعت کی حضور علیہ السلام کی کہ ہم اپنی جانیں دے دیں گے۔ مشرکین کو پتہ چلا تو انہوں نے دیکھا کہ یہ تو مسلمان اب لڑنے کے لیے آمادہ ہو گئے ہیں، جنگ کے لیے تیار ہو گئے ہیں، تو پھر انہوں نے صلح کے لیے بات چیت شروع کر دی اور پھر صلح نامہ لکھا گیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کو چھوڑ دیا اور صلح نامہ کے اندر بڑی کڑی شرائط رکھی گئیں بھائی۔ حتیٰ کہ خود صحابہ بھی جو ہیں وہ بے چین تھے کہ حضور علیہ السلام نے ان کی اتنی سخت اور کڑی شرائط کیسے مان لیں، لیکن حضور علیہ السلام کی نظر کہیں اور تھی بھائی۔ تو حضور علیہ السلام نے ان کی کڑی شرائط کو بھی قبول فرمالیا اور ان شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کے پاس آجائے گا تو کافر اس کو مسلمانوں کو واپس حوالے نہیں کریں گے، لیکن اگر کفار میں سے کوئی شخص یا عورت یا مرد مسلمان ہو کر وہ مسلمانوں کے پاس گیا تو مسلمان پابند ہوں گے کہ وہ اس شخص کو واپس کریں، کفار کے حوالے کریں۔ تو حضور علیہ السلام نے ان کی اس شرط کو بھی منظور فرمالیا۔ تو یہ معاہدہ لکھا گیا، مسلمان بڑے بے چین ہوئے کہ ان کی اتنی کڑی شرائط کو کیوں قبول کیا گیا۔ انہی دنوں میں ایک صحابی حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالی عنہ وہ بھی مسلمان ہو گئے تھے اور کفار نے ان کو قید کیا ہوا تھا ان کے رشتہ داروں نے، بیڑیوں میں جکڑ کر رکھا ہوا تھا، باندھ کر رکھا ہوا تھا، وہ بھی کسی طرح اپنی جان چھڑا کر نکل کر مسلمانوں کے پاس پہنچے۔ اسی اسی وقت معاہدے کے وقت معاہدے کے کچھ دیر بعد ہی، تو مشرکین فوراً لینے پہنچ گئے کہ آپ نے ہمارے ساتھ معاہدہ کیا ہے، اب اس آدمی کو ہمارے حوالے کریں۔ تو حضور علیہ السلام نے ان کو ان کے حوالے واپس کر دیا۔ تو حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالی عنہ فرمارہے تھے کہ یا رسول اللہ، میں ان لوگوں سے بھاگ کر بڑی مشکل سے جان بچا کر آیا ہوں اور آپ پھر مجھے ان کے حوالے کر رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام فرمانے لگے کہ اللہ آسانی فرمادیں گے، اور پھر ایسا ہی ہوا، بعد میں پھر وہ نکل کر بھاگ گئے وہاں سے، لیکن اب پھر وہ دوبارہ مسلمانوں کے پاس نہیں آئے، سمندر کے قریب ایک جگہ پر انہوں نے اپنا ٹھکانہ بنالیا۔ اب جو کوئی مکے والوں میں سے مسلمان ہوتا تھا وہ مدینہ نہیں جاتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا اگر میں وہاں گیا تو حضور علیہ السلام پھر مجھے واپس اپنے گھر والوں کے حوالے کر دیں گے، وہ بھاگ کر ابو جندل رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس چلے جاتے۔ آہستہ آہستہ وہاں مسلمانوں کی کچھ تعداد ہو گئی، اور پھر انہوں نے جو مکہ والوں کے قافلے آتے تھے سامانِ تجارت لے کر شام وغیرہ کی طرف سے، وہ جو قافلے گزرتے تو یہ ان پر حملہ کرتے اور سارا کچھ لوٹ کر لے جاتے۔ اب تو کفار بڑے پریشان ہوئے کہ کیا کریں، یہ تو ہم مصیبت میں پھنس گئے ہیں، جو ہمارا مال آتا ہے یہ لوٹ لیتے ہیں، تو بڑی تکلیف میں پڑ گئے، ان کا سفر ختم ہو گیا، تجارت رک گئی، سارے کام بند ہو گئے، آخر مجبور ہو کر خود ہی آئے حضور علیہ السلام کے پاس اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ، معاہدے کی یہ شق ہم ختم کرتے ہیں، ٹھیک ہے آپ کے پاس جو آدمی آئے وہ آپ اپنے پاس ہی رکھیں، اپنے ان ساتھیوں کو منع کریں، ہمارے لیے غلہ وغیرہ اور دوسرا سامان لانا ممکن نہیں رہا، آپ ان ساتھیوں کو منع کر دیجیے۔ چنانچہ انہوں نے خود ہی پھر اس شرط کو کیا کر دیا، ختم کر دیا۔ تو یہ وہ شرط تھی، اور اس میں پھر کچھ عورتیں بھی مسلمان ہو کر پہنچیں، اور عورت تو کمزور ہے بھائی، کمزور ہے، تو ان کے بارے میں اللہ نے فرمادیا کہ عورتیں جو ہیں ان کو واپس نہ کرو، عورتوں کو عورتوں سے پوچھ لیا کرو، جب تمہیں پتہ چل جائے کہ یہ مومنہ ہے ایمان والی ہے تو پھر ان کے حوالے نہ کرو۔ یہی قرآن میں اللہ فرمارہے ہیں: ﴿فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ﴾ اگر تم ان کو مومنہ جان لو، تمہیں ان کے مومنہ ہونے کا یقین ہو جائے «فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ» تو پھر ان کو کفار کی طرف واپس نہ لوٹاؤ۔

ترکیب کیجیے: «فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ»، جی «إِنْ» شرطیہ، «عَلِمْتُمُوهُنَّ» فعل بافاعل، «تُمْ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «هُنَّ» منصوب محلاً

مفعولِ اول، «مُؤْمِنَاتٍ» منصوب لفظاً مفعولِ ثانی۔ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاجزائیہ، «لَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ»، «لَا تَرْجِعُوْا» فعل بافاعل فعلِ نہی ہے، فعل بافاعل، واؤ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، «هُنَّ» منصوب محلاً مفعول بہ، «إِلَى» جارہ «الْكُفَّارِ» مجرور، جار مجرور مل کر متعلق «لَا تَرْجِعُوْا» فعل کے ساتھ۔ «لَا تَرْجِعُوْا» فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ «فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ» تم اگر ان کو مومنہ جان لو «فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ» تو ان کو کفار کی طرف نہ لوٹاؤ۔

▪ قولہ: «وَقَدْ يَقَعُ إِذَا مَعَ الْجُمْلَةِ الِاسْمِيَّةِ...» کی تشریح

«وَقَدْ يَقَعُ إِذَا مَعَ الْجُمْلَةِ الِاسْمِيَّةِ مَوْضِعَ الْفَاءِ» اور کبھی کبھار «إِذَا» آجاتا ہے جملہ اسمیہ کے ساتھ فا کی جگہ پر، تو فا کی جگہ کبھی «إِذَا»، یہ اذا مفاجاتیہ جو اچانک کے معنی میں ہے، اچانک۔ «كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ﴾» اور اگر ان لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے بوجہ اس کے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہوتا ہے، بوجہ ان کے اپنے عملوں کے «إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ» تو اچانک وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔ تو یہاں فا کی جگہ کیا آیا؟ «إِذَا»، «إِذَا»۔ تو جملہ اسمیہ میں فا کی جگہ ربط کے لیے بعض اوقات اذا مفاجاتیہ بھی لے آتے ہیں۔

ترکیب کیا ہوگی؟ «إِنْ» حرفِ شرط، «تُصِبْ» فعل، «هُمْ» ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «سَيِّئَةٌ» مرفوع لفظاً فاعل، باجارہ، «مَا» موصولہ مجرور محلاً اسمِ موصول، «قَدَّمَتْ» فعل، «أَيْدِيْ» مرفوع محلاً فاعل ہے، یہ مضاف ہے، اور «هِمْ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر «قَدَّمَتْ» کے لیے فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ سوال: عائد کدھر ہے؟ جواب: عائد محذوف ہے، عائد کیا ہے؟ محذوف۔ تو «قَدَّمَتْهُ أَيْدِيهِمْ»، ہا ضمیر کیا ہے یہاں، اور آپ نے پڑھا تھا عائد اگر مفعول ہو تو اس کو حذف کرنا بھی جائز، تو ہا ضمیر ہے وہ عائد محذوف ہے۔ تو موصول صلہ مل کر با کے لیے مجرور، جار مجرور مل کر متعلق «تُصِبْ» فعل، «تُصِبْ» فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ «إِذَا» مفاجاتیہ، «هُمْ» مرفوع محلاً مبتدا، «يَقْنَطُوْنَ» فعل بافاعل، واؤ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع ہے، مبتدا کو۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا بھائی، جملہ شرطیہ۔

یاد رکھیے انسان کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ عموماً اس کے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے، اس کے اپنے گناہوں کی وجہ سے وہ تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے، تو اسی کو اللہ ذکر فرما رہے ہیں: ﴿وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ﴾ اور اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے بوجہ اس کے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہوتا ہے، یعنی جو انہوں نے خود کیا ہوتا ہے ان یعنی ان کے عمل کی وجہ سے «إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ» تو یہ اچانک مایوس ہو جاتے ہیں بھائی۔

تو حاصلِ کلام وہی بھائی جو میں نے خلاصہ آپ کے سامنے شروع میں ذکر کر دیا تھا کہ شرط اور جزا میں ربط کے لیے فا لے کر آتے ہیں اور فا وہاں لائیں گے جہاں پر کلمِ مجازات نے جزا کے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کی ہو تو پھر ربط نہیں آیا تو فا کا لانا واجب، اور اگر تبدیلی پیدا کر دی ہے تو ربط آچکا فا لانے کی اجازت نہیں، اور اگر دونوں صورتیں وہاں بن رہی ہیں تو پھر فا کا لانا بھی جائز اور نہ لانا بھی جائز ہے بھائی۔ اور جہاں کلمِ مجازات نے جزا کے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی وہاں کا فا کا لانا واجب ہے اور وہ انہوں نے بتایا چار جگہیں ہیں، چار جگہیں ہیں: ایک پہلی جگہ جہاں ماضی ہو جزا جو ہے وہ ماضی ہو «قَدْ» کے ساتھ، دوسری جگہ جزا ہو فعل مضارع منفی ہو لیکن «لَا» کے ساتھ منفی نہ ہو، اور تیسری وہ جگہ جہاں جزا جو ہے جملہ اسمیہ ہو، اور چوتھی جگہ جہاں جزا جملہ انشائیہ ہو، تو ان چاروں جگہوں کے اندر فا کا لانا واجب ہے بھائی۔ اور کبھی کبھار کبھی کبھار فا کی جگہ ربط کے لیے «إِذَا» بھی لے آتے ہیں جملہ اسمیہ کے اندر بھائی۔

▪ قولہ: «وَإِنَّمَا تُقَدَّرُ إِنْ بَعْدَ الْأَفْعَالِ الْخ...» کی تشریح

«وَإِنَّمَا تُقَدَّرُ إِنْ بَعْدَ الْأَفْعَالِ الْخَمْسَةِ الَّتِي هِيَ الْأَمْرُ نَحْوُ: تَعَلَّمْ تَنْجُ» بھائی انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جوازم جو ہیں جوازم ذکر کیے تھے، ان میں سے ایک «إِنِ الْمُقَدَّرَةُ» بھی تھا، تو اب وہ ذکر کرنے لگے ہیں کہ «إِنْ» کہاں کہاں پر مقدر ہو گا؟ تو کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا تُقَدَّرُ إِنْ بَعْدَ الْأَفْعَالِ الْخَمْسَةِ» کہ «إِنْ» جو ہے وہ مقدر ہو گا پانچ افعال کے بعد، «الَّتِي هِيَ الْأَمْرُ» وہ افعال یہ ہیں بھائی۔ یاد رکھیے یہ وہی افعال ہیں، وہی افعال ہیں جہاں «أَنْ» مقدر ہوتا تھا اگر اس کے بعد فا یا واؤ آئے، وہ پانچ چیزیں کیا تھیں؟ امر، نہی، استفہام، تمنی، عرض، اور ایک نفی تھی، نفی کو ذرا ایک طرف

رکھ دیں۔ باقی کیا کیا، دوبارہ بولیں: نمبر ایک امر، نہی، استفہام، تمنی اور عرض، یہ پانچ افعال ہیں، ان کے بعد آپ نے پڑھا اگر فایاواؤ آجائے تو «أَنْ» مقدر ہو گا، اور اگر فایاواؤنہ آئیں تو پھر ان کے بعد «إِنْ» مقدر ہو گا، بات سمجھ میں آگئی؟ اگر کیا آجائے؟ فایاواؤ آئے تو پھر ان کے بعد «أَنْ» مقدر، اور اگر فایاواؤ نہ ہو تو پھر «إِنْ» مقدر ہو گا بھائی۔

تو وہ پانچ افعال دیکھیے وہی پانچ ذکر کر رہے ہیں: «الَّتِي هِيَ الْأَمْرُ» جو کہ امر ہے، «نَحْوُ: تَعَلَّمْ تَنْجُ»، «تَعَلَّمْ تَنْجُ» تو تعلیم حاصل کر، تو نجات پائے گا۔ تو دیکھیے «تَعَلَّمْ» فعل امر ہے اور اس کے بعد «إِنْ» مقدر ہے بھائی، اور اسی وجہ سے «تَنْجُ» یہ واؤ گر گیا، واؤ گر گیا۔ آپ نے پڑھا تھا نا اگر فعل مضارع کے آخر میں واؤ یا یا ہو تو حالتِ جزمی میں وہ واؤ اور یا گر جاتے ہیں، تو یہاں پر بھی یہ «تَنْجُ» مجزوم ہے واؤ گر گیا بھائی۔ اور یاد رکھیے یہاں صرف «إِنْ» نہیں مقدر بلکہ «إِنْ» بھی مقدر ہے اور شرط بھی مقدر ہے، اور یہ «تَنْجُ» جو فعل ہو گا یہ اس کی جزا بنے گا، یہ کیا بنے گا؟ جزا۔ تو کیا کیا مقدر یہاں؟ «إِنْ» بھی اور شرط بھی، اور شرط یہ ماقبل والے فعل کو دیکھ کر بنالیں گے: «تَعَلَّمْ» اسی سے شرط بنالیں گے: «إِنْ تَتَعَلَّمْ تَنْجُ»۔ گویا کلام یوں ہوا: «تَعَلَّمْ» تو تعلیم حاصل کر، «إِنْ تَتَعَلَّمْ تَنْجُ» اگر تو تعلیم حاصل کرے گا «تَنْجُ» تو تو نجات پالے گا۔

«وَالنَّهْيُ» اسی طرح نہی ہے، «نَحْوُ: لَا تَكْذِبْ يَكُنْ خَيْرًا لَّكَ» تو جھوٹ نہ بول، یہ تیرے لیے بہتر ہو گا۔ تو «يَكُنْ» دیکھو مجزوم ہے کیونکہ یہاں «لَا تَكْذِبْ» نہی آئی اور نہی کے بعد کیا مقدر ہے؟ «إِنْ» مقدر ہے اور «إِنْ» کیا کرتا ہے، جزم دیتا ہے، اور میں نے بتایا صرف «إِنْ» نہیں مقدر بلکہ شرط بھی مقدر ہے، اور شرط بھی «لَا تَكْذِبْ» کو دیکھ کر بنالیں۔ تو کلام یوں ہوا: «لَا تَكْذِبْ، إِنْ لَّا تَكْذِبْ يَكُنْ خَيْرًا لَّكَ» تو جھوٹ نہ بول، «إِلَّا تَكْذِبْ» اگر تو جھوٹ نہیں بولے گا «يَكُنْ خَيْرًا لَّكَ» تو یہ تیرے لیے بہتر ہو گا۔ تو یہ جو آگے آرہا ہے نا، یہ اس کو ان کا جواب کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ جواب، تو یہ جوابِ امر ہے، یہ جوابِ نہی ہے، یہ جوابِ استفہام ہے۔

«وَالِاسْتِفْهَامُ» اور تیسری چیز جو استفہام ہے: «هَلْ تَزُوْرُنَا نُكْرِمْكَ» کیا آپ ہماری زیارت کریں گے، ہم آپ کا اکرام کریں گے۔ تو «هَلْ تَزُوْرُنَا» یہ کیا ہے؟ استفہام، اور اس کے بعد کیا مقدر؟ «إِنْ» اور شرط بھی ساتھ، تو کیا کلام کیا ہو جائے گا: «هَلْ تَزُوْرُنَا» کیا آپ ہماری زیارت کریں گے، «إِنْ تَزُرْنَا نُكْرِمْكَ» اگر آپ ہماری زیارت کریں گے «نُكْرِمْكَ» ہم آپ کا اکرام کریں گے۔

▪ قولہ: «وَالتَّمَنِّي» کی تشریح

«وَالتَّمَنِّي» اور تمنی بھی ہے، «نَحْوُ: لَيْتَكَ عِنْدِيْ أَخْدِمْكَ» کاش آپ میرے پاس ہوتے، میں آپ کی خدمت کرتا۔ تو پورا کلام یوں ہے: «لَيْتَكَ عِنْدِيْ» کاش آپ میرے پاس ہوتے، «إِنْ كُنْتَ عِنْدِيْ أَخْدِمْكَ» اگر آپ میرے پاس ہوتے «أَخْدِمْكَ» تو میں آپ کی خدمت کرتا، «إِنْ كُنْتَ عِنْدِيْ» یہ شرط نکال لیں گے۔

«وَالْعَرْضُ» اور ایک عرض ہے بھائی، «نَحْوُ: أَلَا تَنْزِلُ بِنَا تُصِبْ خَيْرًا» کیا آپ ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے، «إِنْ تَنْزِلْ بِنَا تُصِبْ خَيْرًا» اگر آپ ہمارے پاس تشریف لائیں گے تو آپ کو خیر پہنچے گی۔

«وَبَعْدَ النَّفْيِ فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ» اور نفی کے بعد بھی بعض جگہوں میں، «إِنْ» مقدر ہو گا نفی کے بعد بھی بعض جگہوں میں: «نَحْوُ: لَا تَفْعَلُ شَرًّا يَكُنْ خَيْرًا لَّكَ»، «لَا تَفْعَلُ شَرًّا» تم شر نہیں کرو گے «يَكُنْ خَيْرًا لَّكَ» تو یہ تیرے لیے بہتر ہو گا بھائی۔ «لَا تَفْعَلُ شَرًّا» آپ شر نہیں کریں گے، «إِنْ لَّا تَفْعَلْ شَرًّا» اگر آپ شر نہیں کریں گے «يَكُنْ خَيْرًا لَّكَ» تو آپ کے لیے بہتر ہو گا۔

تو نفی کے بعد بھی بعض جگہوں پر «إِنْ» مقدر ہو گا، بھائی وہ بعض جگہیں کون سی ہیں؟ کہتے ہیں: «وَذَلِكَ إِذَا قُصِدَ أَنَّ الْأَوَّلَ سَبَبٌ لِلثَّانِي» یہ اس وقت ہو گا جب ارادہ کیا جائے کہ پہلا فعل جو ہے وہ سبب ہے کس کے لیے، دوسرے فعل کے لیے، جیسے: «لَا تَفْعَلْ شَرًّا يَكُنْ خَيْرًا لَّكَ»، شر کا نہ کرنا، شر کا نہ کرنا یہ سبب ہے اس کے لیے خیر کا، خیر ہونے کا، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو پہلا سبب ثانی مسبب، تو ایسی جگہ پر۔ لیکن اس پر محشی حضرات نے لکھا ہے کہ یہ کسی لکھنے والے کی غلطی ہے کہ یہ عبارت آگئی، یہ درست نہیں ہے بھائی، نفی کے بعد «إِنْ» مقدر نہیں ہو گا بھائی، صورت سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں «وَذَلِكَ» یہ اس وقت ہو گا «إِذَا قُصِدَ» جب یہ ارادہ کیا جائے «أَنَّ الْأَوَّلَ سَبَبٌ لِلثَّانِي» کہ پہلا جو ہے وہ سبب ہو دوسرے کے لیے «كَمَا رَأَيْتَ فِي الْأَمْثِلَةِ» جیسا کہ آپ نے ان مثالوں میں دیکھا، «فَإِنَّ مَعْنَى قَوْلِنَا: تَعَلَّمْ تَنْجُ» اس لیے کیونکہ ہمارا یہ قول جو ہے «تَعَلَّمْ

تَنْجُ » تو تعلیم حاصل کر نجات پائے گا ہوا وہ یہ ہے: « إِنْ تَتَعَلَّمْ تَنْجُ » اگر تو تعلیم حاصل کرے گا تو نجات حاصل کرے گا۔ دیکھا « إِنْ » کے ساتھ شرط بھی نکالی یا نہیں؟ وہی پہلی مثال جو گزری تھی « تَعَلَّمْ تَنْجُ »، « تَعَلَّمْ تَنْجُ » اس کا معنی کیا ہے، ہوا وہ یہ ہے « إِنْ تَتَعَلَّمْ تَنْجُ » اگر تو تعلیم حاصل کرے گا تو نجات، تو دیکھو تعلیم کا حاصل کرنا یہ سبب ہے کس چیز کا، نجات کا، تو اول ان سب مثالوں میں آپ غور کر لیں پہلا فعل سبب ہے دوسرے فعل کا، ذرا سب پہ دوبارہ دیکھو: « تَعَلَّمْ تَنْجُ » تعلیم کا حاصل کرنا « إِنْ تَتَعَلَّمْ تَنْجُ » اگر تو تعلیم حاصل کرے گا نجات پائے گا، تو پہلا فعل سبب دوسرا مسبب۔ « لَا تَكْذِبْ يَكُنْ خَيْرًا لَّكَ » تو جھوٹ نہ بول، تو دیکھا یہ جھوٹ نہ بولنا سبب ہے خیر کا۔ « هَلْ تَزُوْرُنَا نُكْرِمْكَ » دیکھا آپ کا زیارت کرنا یہ سبب ہے کس کا، اکرام کا، تو ان سب میں اسی طرح ہے۔

▪ قولہ: « وَكَذَلِكَ الْبَوَاقِي » کی تشریح

« وَكَذَلِكَ الْبَوَاقِي » اور اسی طرح باقی کے بھی افعال ہیں، « فَلِذَلِكَ امْتَنَعَ قَوْلُكَ: لَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ » اور اسی وجہ سے ممتنع ہے، یعنی یہ کہنا درست نہیں، آپ کا یہ قول ممتنع ہے: « لَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ » تو کفر نہ کر تو جہنم میں داخل ہو گا۔ یعنی یہاں پر « إِنْ » مقدر نہیں ہو گا کیونکہ یہاں اول سبب نہیں ہے ثانی کے لیے۔ اول کیا؟ عدمِ کفر، ثانی کیا؟ دخول فی النار۔ دخول فی النار، تو عدمِ کفر، کفر نہ کرنا، کیا یہ سبب ہے دخول فی النار کا؟ وہ تو کفر کا کرنا سبب ہے، کفر کا نہ کرنا تو سبب نہیں ہے، تو یہاں اول سبب نہیں ہے لہٰذا یہاں پر « إِنْ » مقدر نہیں ہو گا۔

اسی لیے « فَلِذَلِكَ امْتَنَعَ » ممتنع ہے « قَوْلُكَ » آپ کا یہ کہنا « لَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ »، « لِامْتِنَاعِ السَّبَبِيَّةِ » اس لیے کیونکہ یہاں سبب کا ہونا ممتنع ہے « إِذْ لَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ » اس لیے کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے کہ یوں کہا جائے « إِنْ لَّا تَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ »، اگر « إِنْ » یہاں مقدر نکالو گے تو ما قبل میں تو « لَا تَكْفُرْ » ہے نا، تو پھر اسی کے مطابق شرط بھی بنانی پڑے گی، تو کلام یوں ہو جائے گا: « إِنْ لَّا تَكْفُرْ » اگر تو کفر نہیں کرے گا « تَدْخُلِ النَّارَ » تو تو جہنم میں داخل ہو گا، حالانکہ یہ بات تو درست نہیں، کفر نہیں کرے گا پھر تو جنت میں جائے گا بھائی، صورت سمجھ میں آ گئی۔ لہٰذا یہاں پر « إِنْ » مقدر نہیں۔

چلیے بس بھائی، هذا هو المرام والله أعلم بحقيقة الكلام۔

سبق نمبر ۹۷: صیغوں کی پہچان، ثلاثی مجرد و مزید فیہ کے ابواب اور عبارات پڑھنے کے ضوابط

ہدایۃ النحو صفحہ: ۸۹—بتاریخ: ۱۴ مارچ ۲۰۱۶ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

اچھا یاد رکھیے بھائی! ہمارے ہاں عبارت پڑھتے ہوئے ایک رائج غلطی ہے، ہر ایک وہ غلطی کرتا ہے اور رائج ہے، ہر ایک کرتا ہے۔ کوئی عام طالب علم ہو، چاہے کوئی ترکیب کا، عبارت کا ماہر طالب علم ہی کیوں نہ ہو، وہ بھی غلطی کرتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ہَمْزَۂ وَصْل وہ درجِ عبارت میں گر جاتا ہے۔ درجِ عبارت میں گر جاتا ہے لیکن وہ طالب علم ہَمْزَۂ وَصْل کو درجِ عبارت میں بھی پڑھتے ہیں۔

جیسے آپ جانتے ہیں یہ جو ثُلَاثِی مَزِید فِیہ وغیرہ کے جو ابواب ہیں، رُبَاعِی مَزِید فِیہ، ان کے شروع میں جو ہمزہ آتا ہے وہ ہَمْزَۂ وَصْل ہے۔ ہَمْزَۂ وَصْل ہے جیسے: اِنْتِقَال، اِنْتِقَال۔ اِنْتِقَال کون سا باب ہے؟ بَابِ اِفْتِعَال۔ مادہ کیا ہے؟ ن-ق-ل، نون قاف لام۔ تو اِنْتِقَال بر وَزْنِ اِفْتِعَال۔ اب یہ اِفْتِعَال کا ہمزہ وصلی ہے۔ اِفْتِعَال کا ہمزہ وصلی ہے۔ بھائی مادہ دیکھ لو نا، نون قاف لام، تو ہمزہ کیا ہے؟ وصلی۔ اور ہَمْزَۂ وَصْلِی درجِ عبارت میں گر جاتا ہے، لیکن آپ دیکھیں گے تمام طلبہ اس کو پڑھتے ہیں۔ جیسے مثلاً اس پر الف لام لے آؤ، تو وہ اس کو کیا پڑھتے ہیں؟ اَلْ اِنْتِقَال، اَلْ اِنْتِقَال، فِي الْ اِنْتِقَال، مِنَ الْ اِنْتِقَال۔ دیکھو پڑھ رہے ہیں یا نہیں پڑھ رہے؟ آپ غور کر لیں، سب کو آپ دیکھیں گے وہ پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح بَابِ اِسْتِفْعَال کا ہمزہ بھی کیا ہے؟ وصلی ہے۔ یعنی جتنے وہ مزید فیہ کے ابواب وغیرہ ہیں سوائے بَابِ اِفْعَال کے، بَابِ اِفْعَال کا ہمزہ قطعی ہے، جیسے: اِسْلَام۔ تو یہاں آپ کہہ سکتے ہیں: اَلْإِسْلَامُ، یہ ہمزہ نہیں گرے گا بھائی۔ لیکن باقی سارے ہمزہ کیا ہیں؟ وہ ہَمْزَۂ وَصْلِی ہیں اور ہَمْزَۂ وَصْلِی اس کو درجِ عبارت میں گراتے ہیں، پڑھتے نہیں ہیں۔

صَاحِبِ کَافِیَہ جنہوں نے کَافِیَہ جیسی عظیم کتاب لکھی نَحْو کے اندر، اسی طرح انہوں نے صَرْف میں ایک انتہائی عظیم کتاب شَافِیَہ لکھی بھائی۔ لیکن شَافِیَہ بے انتہا مشکل کتاب ہے بھائی، حتیٰ کہ اب آہستہ آہستہ یہ ہمارے نصاب سے خارج ہو گئی، ورنہ یہ عموماً پڑھائی جاتی تھی، اساتذہ اس کو پڑھاتے تھے بھائی۔ تو صرف کی بے انتہا مشکل کتاب ہے، اس کے مدرس ہی نہیں ملتے تھے پڑھانے والے ہی، اتنی مشکل کتاب ہے۔ اور اس میں وہ لکھتے ہیں: «وَإِثْبَاتُهَا وَصْلًا لَحْنٌ»، ہَمْزَۂ وَصْل کو ثابت رکھنا وَصْلًا، کون سی حالت میں؟ وصل کی حالت میں، «لَحْنٌ» یہ غلطی ہے۔ تو ہَمْزَۂ وَصْل درمیانِ عبارت میں کبھی بھی برقرار نہیں رہتا۔ اگر آپ پڑھتے ہیں تو یہ غلطی کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوا «فِي الْاِنْتِقَال» پڑھنا کیا ہے؟ غلط۔ «فِي الْاِسْتِفْعَال» پڑھنا کیا ہے؟ غلط۔ یا اسی طرح «مِنَ الْاِسْتِخْرَاج» یہ ہمزہ پڑھنا کیا ہے؟ غلط ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ ہَمْزَۂ وَصْل ہے، یہ درجِ عبارت میں گر جائے گا۔ درجِ عبارت میں گر جائے گا۔

تو سوال پیدا ہوتا ہے پھر اس کو پڑھیں گے کیسے؟ پڑھیں گے کیسے؟ بھائی آسان سی بات ہے: اَلْاِنْتِقَال، لفظ اِنْتِقَال ہے، اس پر ذرا الف لام لے آؤ، کیا بن گیا؟ اَلْاِنْتِقَال۔ ابھی میں بتاتا ہوں پڑھنا کیسے ہے: اَلْاِنْتِقَال۔ اب اِنْتِقَال کا ہمزہ وصلی ہے، اس کو گرا دیا، تو آگے نون ساکن اور ما قبل میں «اَلْ» کا لام بھی ساکن۔ تو لام بھی ساکن، نون بھی ساکن، اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْنِ عَلَى غَيْرِ حَدِّهٖ آیا۔ اور میں نے بتایا تھا اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْنِ عَلَى غَيْرِ حَدِّهٖ آئے تو اول اگر حرفِ مدہ ہو یعنی واؤ، یا اور الف اور ما قبل حرکت ان کے موافق ہو تو اس کو کیا کرتے ہیں؟ گرا دیتے ہیں۔ لیکن یہاں تو اول ساکن حرفِ مدہ نہیں ہے،

تو پھر دوسری صورت یہ ہے کہ پھر پہلے ساکن کو حرکت کسرہ والی دے دیتے ہیں، کیونکہ «اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ»، تو ساکن کو کسرہ والی حرکت دیتے ہیں۔

لیکن یاد رکھیے یہ ہر جگہ نہیں، بعض جگہ کسی عارض کی وجہ سے فتحہ کی حرکت بھی آپ دے سکتے ہیں، آپ ضمہ کی حرکت بھی دے سکتے ہیں۔ جیسے: «دَعَوُا اللّٰهَ»، «دَعَوُا اللّٰهَ»، یہ واؤ پر حرکت، واؤ اور آگے لام، لفظِ اللہ کا لام، دونوں ساکن تھے، اور اول حرفِ مدہ تو ہے نہیں کیونکہ واؤ سے پہلے زبر ہے۔ تو پھر اس کو حرکت دینا پڑی، اور پھر کون سی حرکت دیں؟ ضابطہ تو ہے «اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ»، لیکن کسرہ نہیں دیا کیونکہ کسرہ واؤ کے بالکل ضد ہے، مخالف ہے۔ تو لہٰذا پھر ضمہ والی حرکت دے دی کیونکہ ضمہ واؤ کے موافق ہے: «دَعَوُا اللّٰهَ»۔ تو دیکھا یہاں کسرہ نہیں دیا بلکہ ضمہ دیا ایک عارض کی وجہ سے، اور وہ عارض کیا کہ یہ ساکن جو تھا واؤ تھا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور کبھی کبھار فتحہ دیتے ہیں جیسے: «مِنَ اللّٰهِ»، یہ نون کو کیا دے دیا؟ فتحہ دے دیا۔ یہاں فتحہ کیوں دیا؟ کیونکہ «مِنْ» میں ما قبل ایک پہلے کسرہ، میم پر پہلے ہی کسرہ ہے۔ اگر نون کو بھی کسرہ دے دیں تو کسرہ تو بڑا ثقیل ہے، تو ثقل در ثقل، دو ثقل جمع ہو جائیں گے۔ لہٰذا یہاں پر کسرہ نہیں دیا بلکہ فتحہ دے دیا۔ تو ضابطہ تو یہی ہے «اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ»، لیکن کسی عارض کی وجہ سے بعض اوقات فتحہ بھی دیا جا سکتا ہے اور ضمہ بھی دیا جا سکتا ہے۔

اچھا، بات چل رہی تھی «اَلْاِنْتِقَال» کی، تو «اَلْاِنْتِقَال» میں اِنْتِقَال کا ہمزہ تو وصلی گر گیا، تو لام بھی ساکن، آگے نون بھی ساکن، تو اب کیا کریں گے؟ اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْنِ آیا، تو پھر اس صورت میں اول حرفِ مدہ ہو اس کو گرا دیتے ہیں، لیکن یہاں تو اول حرفِ مدہ بھی نہیں، تو پھر کیا کریں گے؟ پھر بھائی اس کو حرکت دیں گے اور حرکت کون سی؟ «اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ»، تو کسرہ والی حرکت دی، تو یوں پڑھیں گے: «اَلِنْتِقَالُ»، لام کو کسرہ دے کر پڑھیں گے۔ ہمزہ گر چکا: «اَلِنْتِقَالُ»، «اَلِنْتِقَالُ»۔ دیکھو سننے والا سمجھے گا شاید یہ «اَلْ اِنْتِقَال» پڑھا، «اَلِنْتِقَالُ»۔ دیکھو، ایک دفعہ میں پڑھوں گا ہمزہ کے ساتھ، ایک دفعہ پڑھوں گا میں بغیر ہمزہ کے، آپ کو فرق پتہ نہیں چلے گا: «اَلْ اِنْتِقَالُ»، «اَلِنْتِقَالُ»۔ کچھ پتہ چلا؟ نہیں! تو سننے والا سمجھتا ہے شاید یہ ہمزہ کے نیچے زیر پڑھ رہا ہے، نہیں، اصل طریقہ یہ ہے کہ ہمزہ گر چکا، لام کے نیچے زیر پڑھیں: «اَلِنْتِقَالُ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں، «اَلِنْتِقَالُ»۔

یہ تو تھا اگر عبارت کے شروع میں آیا۔ اگر بیچ میں آیا، پھر تو الف لام کا ہمزہ بھی گر جائے گا، «اَلْ» کا ہمزہ بھی گر جائے گا۔ پھر کیسے پڑھیں گے؟ پھر کیسے پڑھیں گے؟ تو بھائی بڑا آسان ہے، پھر بھی کوئی مشکل نہیں ہے، کوئی مشکل نہیں ہے۔ مثلاً «اَلْاِنْتِقَال» سے پہلے میں «بَا» لے آیا، کیا لے آیا؟ بَا جَارَّه، بَا جَارَّه۔ تو بَا جَارَّه جب الف لام پر داخل ہو تو کیسے پڑھتے ہیں؟ یوں کرو، یوں کرو، پڑھنا کیسے ہے اس کے لیے «اَلْإِسْلَام» کے لفظ کو ذہن میں رکھیں، «اَلْإِسْلَام»۔ کس کو پڑھنا ہے؟ یہ جو الف لام سے پہلے آئے گا۔ «اَلْإِسْلَام»، «اَلْإِسْلَام»، اسلام کا ہمزہ تو قطعی ہے نا، یہ تو نہیں گرے گا۔ تو «اَلْ» کا پہلا ہمزہ گرے گا۔ اس کے ساتھ جب کسی لفظ کو جوڑ کر آپ جیسے پڑھتے ہیں، وہی «اَلْاِنْتِقَال»، «اَلْاِسْتِخْرَاج» وغیرہ میں بھی آپ پڑھنا۔

مثلاً دیکھو «اَلْإِسْلَام»، یہاں لام کو کسرہ نہیں دینا کیونکہ اگلا ہمزہ موجود ہے، وہ گرا نہیں، وہ ہمزہ قطعی ہے۔ اب اس کے شروع میں مِن لے آؤ، نہیں، پہلے بالے آؤ، با: «بِالْإِسْلَامِ»، «بِالْإِسْلَامِ»۔ دیکھو «اَلْ» کا ہمزہ گر گیا: «بِلْ»، با کے نیچے زیر تھا، لام ساکن ہے: «بِالْإِسْلَامِ»۔ تو اسی طرح وہاں بھی لے آئیں، «اَلْاِنْتِقَال» میں کیسے پڑھیں گے؟ «بِلْ اِنْتِقَال»؟ نہیں، «بِلْ اِنْتِقَال» یہ تو آپ نے پھر وہی کام کر دیا۔ لام کے نیچے کسرہ ہی پڑھو۔ ہاں، با کے نیچے زیر پڑھو، اب با کو لام کے ساتھ نہ جوڑو کیونکہ لام تو پہلے ہی متحرک ہے: «بِلِنْتِقَالِ»، «بِلِنْتِقَالِ»۔ دیکھو سننے والے کو نہیں پتہ چلے گا کہ آپ نے «بِلْ» پڑھا ہے یا «بِلِنْتِقَالِ»، «بِلِنْتِقَالِ»، «بِلِنْتِقَالِ»، «بِلِنْتِقَالِ»۔ دیکھو، پتہ چل رہا ہے کوئی؟ نہیں۔

اچھا اور دیکھ لیں، «مِنْ» کو میں جوڑنا چاہتا ہوں «اَلْاِنْتِقَال» کے ساتھ، «مِنْ» کو، اب کیسے پڑھیں؟ دیکھو «اَلْإِسْلَام» کے شروع میں ذرا «مِنْ» لے آؤ، وہاں کیسے پڑھتے ہو؟ بالکل بعینہٖ یہاں بھی ویسے ہی پڑھنا۔ وہاں کیا تھا؟ «مِنَ الْإِسْلَامِ»، «مِنَ الْإِسْلَامِ»۔ وہاں آپ نے یہ نہیں دیکھنا، وہاں تو لام ساکن ہے اور «اَلْاِنْتِقَال» میں تو لام کیا ہے؟ متحرک ہے۔ «اَلْاِنْتِقَال» میں تو لام کو کسرہ ہم دے چکے ہیں یا نہیں دے چکے؟ اس میں تو ہم لام کو کسرہ دے چکے ہیں، اور «اَلْإِسْلَام» اس میں تو لام کیا ہے؟ ساکن ہے: «بِالْإِسْلَامِ»۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو لام کو نہیں دیکھنا، لام سے ما قبل کو کیسے پڑھنا ہے صرف یہ دیکھو۔ جیسے «بِالْإِسْلَامِ» میں با کے نیچے ہم کیا پڑھ رہے تھے؟ کسرہ۔ تو «بِلِنْتِقَالِ»۔ «بِالْإِسْلَامِ» اس میں ہم با کے نیچے کیا پڑھ رہے تھے؟ کسرہ۔ تو وہی کسرہ «بِلِنْتِقَالِ» میں بھی پڑھیں گے۔ صورت سمجھ... ہاں، جوڑیں گے ساتھ نہیں، کیونکہ لام پہلے ہی متحرک ہے: «بِلِنْتِقَالِ»۔

دوسرا لفظ ہے اب «مِنْ» کو جوڑو ذرا «اَلْإِسْلَام» سے، کیسے پڑھتے ہو؟ «مِنَ الْإِسْلَامِ»۔ لیکن «مِنَ» میں نون کو تو لام کے ساتھ جوڑ رہے ہیں۔ لام سے جوڑنے کو چھوڑ دو، کیونکہ لام سے جوڑنا تو «مِنَ الْاِنْتِقَال» میں لام سے جوڑنا نہیں۔ صرف یہ دیکھو لام سے پہلے جو نون ہے اور میم ہے ان کو کیسے پڑھ رہے ہو؟ میم کے نیچے مِ زیر ہے اور نون پر کیا ہے؟ فتحہ۔ بعینہٖ اسی طرح آپ نے کہاں پڑھنا ہے؟ «اَلْاِنْتِقَال» میں بھی۔ کیسے؟ «مِنَ لِنْتِقَالِ»، «مِنَ لِنْتِقَالِ»۔ صورت سمجھ میں آئی؟ «مِنَ لِنْتِقَالِ»، لام کے نیچے اسی طرح کسرہ پڑھنا ہے، نون کو اس کے ساتھ جوڑنا نہیں ہے، «مِنَلْ» نہیں۔ «مِنَ لِنْتِقَالِ»، تیز پڑھوں گا دیکھو پتہ ہی نہیں چلے گا: «مِنَ لِنْتِقَالِ»، «مِنَ لِنْتِقَالِ»۔ پتہ چلا کوئی؟ سننے والا سمجھا شاید میں نے «مِنَ الْاِنْتِقَال» پڑھا، نہیں، میں نے «مِنَ الْاِنْتِقَال» نہیں پڑھا، میں نے پڑھا: «مِنَ لِنْتِقَالِ»، «مِنَ لِنْتِقَالِ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

سوال یہ کہ لام کو تو ہم حرکت دے چکے، تو «مِنْ لِنْتِقَالِ» ہونا چاہیے، کیا ہونا چاہیے؟ «مِنْ لِنْتِقَالِ»۔ سوال پھر دوبارہ سمجھو: «مِنَ الْإِسْلَامِ»، ذرا اس پہ نظر کرو۔ «مِنَ» میں نون کو فتحہ کیوں دیا؟ کیونکہ نون بھی ساکن، آگے «اَلْإِسْلَام» کا لام بھی ساکن، تو اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْنِ آیا، اور اس صورت میں کسرہ دیتے ہیں لیکن یہاں پر کیا دے دیتے ہیں؟ فتحہ۔ تو کیا بنا؟ «مِنَ»۔ تو یہ جو فتحہ دیا یہ اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْنِ کی وجہ سے دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو سوال: «مِنْ لِنْتِقَالِ»، وہاں تو لام ساکن نہیں ہے، وہاں تو «مِنْ لِنْتِقَالِ» لام کو کیا دے چکے؟ کسرہ۔ تو ما قبل میں نون تو ساکن ہے لیکن لام تو ساکن نہیں، تو اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْنِ آیا ہی نہیں۔ جب اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْنِ آیا ہی نہیں تو نون کو فتحہ کیوں دیتے ہو؟ اشکال سمجھ میں آیا؟ جواب یہ کہ لام کو جو ہم نے حرکت دی ہے وہ اس کی اصلی حرکت ہے یا عارضی دی ہے؟ عارضی حرکت دی ہے۔ جب عارضی حرکت دی ہے تو یوں سمجھو گویا لام ابھی بھی ساکن ہی ہے، کیونکہ عارضی، یاد رکھو یہ جو عارضی حرکت ہوتی ہے وہ سکون کے حکم میں ہوتی ہے۔ عارضی حرکت کس میں ہوتی ہے؟ سکون کے حکم میں ہوتی ہے۔ جیسے زَرَّادِی کے اندر صَاحِبِ زَرَّادِی فرماتے ہیں کہ حرکتِ عارضی در حکمِ سکون است، حرکتِ عارضی کس کے حکم میں ہے؟ سکون کے حکم میں ہے۔

لہٰذا، لہٰذا «مِنْ اَلْاِنْتِقَال»، انتقال کا ہمزہ گر گیا، کیا بنا؟ «لِنْتِقَال»۔ پھر «اَلْ» کا ہمزہ بھی گر گیا، اب کیا بنا؟ «لِنْتِقَال»۔ اب ہم کیا کرنے لگے ہیں؟ «مِنْ» کا نون بھی ساکن اور «لِنْتِقَال» لام بھی اگرچہ متحرک ہے عارضی ہے، اگرچہ متحرک ہے لیکن یہ حرکت عارضی ہے، تو گویا یوں سمجھو یہ ابھی بھی کیا ہے؟ ساکن ہے۔ جب ساکن ہے تو نون بھی ساکن، لام بھی ساکن، اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْنِ آیا۔ تو اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْنِ میں «مِنْ» کے نون کو کیا دے دیتے ہیں؟ فتحہ، تو اس پر فتحہ پڑھیں گے اور پھر یوں پڑھیں گے: «مِنَ لِنْتِقَالِ»، «مِنَ لِنْتِقَالِ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اچھا، آپ «فِی» کو جوڑنا چاہتے ہیں «اَلْاِنْتِقَال» سے، پھر کیسے پڑھیں گے؟ وہی طریقہ، «اَلْإِسْلَام» کے شروع میں ذرا «فِی» کو لے جاؤ: «فِی الْإِسْلَامِ»، «فِی الْإِسْلَامِ»۔ اس میں تو لام ساکن ہے، لیکن اسلام میں ساکن کو نہیں دیکھنا، بس ما قبل کو دیکھو۔ «فِی» کو کیسے پڑھ رہے ہو صرف یہ دیکھو۔ «فِی الْإِسْلَامِ»، کیسے پڑھ رہے ہو؟ «فِلْ»، فا کے نیچے زیر پڑھ رہے ہو اور یا گر چکی ہے۔ «فِی الْإِسْلَامِ» نہیں پڑھ رہا میں، «فِلْإِسْلَامِ»۔ بھائی یا کیوں گری؟ کیونکہ یا بھی ساکن، لام بھی ساکن، اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْنِ آیا، اور اول حرفِ مدہ ہے یا، اس کو گرا دیا، تو کیا بنا؟ «فِلْإِسْلَامِ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا «فِی» کو جب ہم «اَلْإِسْلَام» سے جوڑتے ہیں تو یا گر جاتی ہے۔ تو بس یہ یہاں «اَلْاِنْتِقَال» کے ساتھ جوڑتے ہوئے بھی کیا کرو؟ یا کو گرا دو اسی طرح۔ کیسے پڑھیں گے؟ «اَلْاِنْتِقَال» سے جوڑو «فِی» کو: «فِلِنْتِقَالِ»، فا کے نیچے صرف زیر پڑھ دو: «فِلِنْتِقَالِ»۔ اور یہ یا کیوں گری؟ اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْنِ کہاں آیا ہے؟ یا تو ساکن ہے لیکن آگے لام تو متحرک ہے؟ ہاں، وہ عارضی حرکت ہے، وہ گویا ابھی بھی ساکن ہے، تو اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْنِ آیا، تو «فِی» کی یا حرفِ مدہ تھی وہ گر گئی، تو کیسے پڑھیں گے؟ ہاں، صرف فا کے نیچے زیر پڑھو اور آگے «لِنْتِقَالِ»: «فِلِنْتِقَالِ»، «فِلِنْتِقَالِ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہ طریقہ ہے۔ بس جس لفظ کو بھی جوڑنا ہے «اَلْإِسْلَام» کے ساتھ اس کو جوڑ کر دیکھ لیا کرو کہ اس ما قبل والے کو کیسے آپ حرکت دے رہے ہیں یا حذف کر رہے ہیں۔ جو صورت بن رہی ہو وہی صورت کہاں پر پڑھ لو؟ انتقال میں۔ مثلاً یہی «دَعَوْا»، «دَعَوْا» کو مثلاً جوڑ لیتے ہیں ویسے ہی سمجھانے کے لیے، اسے «اَلْإِسْلَام» سے جوڑو: «دَعَوُا الْإِسْلَامَ»۔ معلوم ہوا واؤ پہ ضمہ دینا پڑے گا واؤ کو۔ تو یہی صورت اب یہاں بھی بنا لو: «دَعَوُا لِنْتِقَالَ»، «دَعَوُا لِنْتِقَالَ»۔ دیکھا، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہمارے ہاں رائج غلطی ہے، وہ اس بِہَمْزَةِ وَصْلِی جو مصادر کے ہمزہ ہیں ان کو درجِ عبارت میں بھی پڑھتے ہیں، حالانکہ درجِ عبارت میں پڑھنا بِہَمْزَةِ وَصْل کا یہ غلطی ہے بھائی، تو آپ نے آئندہ خیال رکھنا ہے بھائی، خوب اچھی طرح۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور دیکھ لیں مثلاً: «اَلْاِسْتِخْرَاجُ»، «اَلْاِسْتِخْرَاجُ»، اس کو کیسے پڑھیں گے؟ شروع میں کچھ نہ جوڑو، ویسے پڑھو: «اَلِسْتِخْرَاجُ»، لام کو کسرہ دے دیں گے: «اَلِسْتِخْرَاجُ»۔ ہاں، اس کے شروع میں «فِی» پڑھو: «فِلِسْتِخْرَاجِ»۔ اس کے شروع میں «مِنْ» پڑھو: «مِنَ لِسْتِخْرَاجِ»۔

صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو سب میں اسی طرح طریقہ ہے، چند دن ہی آپ مشق کریں گے آپ کہیں گے یہ تو بہت آسان ہے بھائی، لیکن ہے بہر حال یہ رائج غلطی بھائی۔

اسی طرح یاد رکھیے، یاد رکھیے! آپ نے پڑھا ہے کہ جملہ اور شِبہ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑیں، درمیان میں ربط ضروری ہے۔ اور وہ ربط، وہ جو چیز ربط دے گی یعنی رابط جو ہے، اس کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ وہ کوئی غائب کی ضمیر ہو جو اس لفظ کی طرف لوٹے جس کے ساتھ آپ اس جملہ یا شبہ جملہ کو جوڑ رہے ہیں۔ غائب کی ضمیر ہونی چاہیے، یہ عائد کی ایک صورت تھی۔ جیسے: «زَيْدٌ ضَارِبٌ»، «ضَارِبٌ» کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے جو کس کو راجع ہے؟ زید کو راجع ہے۔

اور بعض اوقات جس لفظ کے ساتھ آپ اس جملہ یا شبہ جملہ کو جوڑ رہے ہیں وہ خود ہی اس کے اندر آجائے، تو اس صورت میں بھی ربط آجائے گا، یہ عائد کی دوسری قسم ہے۔ جیسے: «اَلْحَاقَّةُ ۝ مَا الْحَاقَّةُ»، «اَلْحَاقَّةُ» ہے مبتدا، اور «مَا الْحَاقَّةُ» ہے اس کی خبر، اور «مَا الْحَاقَّةُ» پورا جملہ ہے اور یہ خبر بن رہا ہے تو اس کے لیے ربط ضروری، اور وہ ربط یہاں کیا ہے کہ جس «اَلْحَاقَّةُ» سے آپ جوڑ رہے ہیں وہی «اَلْحَاقَّةُ» خود اس «مَا الْحَاقَّةُ» کے اندر آگیا، تو ربط آگیا، جوڑ آگیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یا جیسے: «أَنَا قَائِمٌ»، انا کے ساتھ قائم جوڑ رہے ہیں اور قائم کے اندر خود کیا آگئی؟ انا ضمیر آگئی، تو جس سے جوڑ رہے تھے وہی ضمیر اس کے اندر آگئی۔ یا جیسے: «أَنْتَ قَائِمٌ»، تو اس قائم میں کیا آگئی؟ انت ضمیر آگئی کیونکہ آپ اس کو انت کے ساتھ جوڑ رہے ہیں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ یہ صفت کے صیغے کو جس قسم کی ضمیر سے جوڑیں اس کے اندر بھی وہی ضمیر ہوتی ہے۔ اگر متکلم کی ضمیر سے جوڑ رہے ہیں تو اس میں متکلم کی ضمیر ہو گی، اگر غائب کی ضمیر سے جوڑ رہے ہیں تو غائب کی ضمیر ہو گی، اور اگر مخاطب کی ضمیر سے جوڑ رہے ہیں تو پھر اس میں بھی مخاطب کی ضمیر ہو گی، جیسے «أَنْتَ قَائِمٌ» یا «أَنْتَ ضَارِبٌ»، تو اس کے اندر انت ضمیر ہے بھائی ضارب اور قائم میں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ عائد کی دوسری قسم۔ پہلی قسم کیا؟ کوئی غائب کی ضمیر ہو۔ دوسری صورت یہ کہ جس لفظ سے جوڑ رہے ہیں وہ خود ہی اس کے اندر آجائے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بعض اوقات اس میں الف لام آئے گا۔ میں نے آپ کو بتایا تھا الف لام کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اشارہ کیا جاتا ہے۔ جیسے افعالِ مدح وذم آپ پڑھیں گے: «نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ»، «نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ»۔ تو اس میں ایک ترکیب یہ ہے: «نِعْمَ» فعل از افعالِ مدح، «اَلرَّجُلُ» مرفوع لفظاً اس کا فاعل، اور فعل اپنے فاعل سے مل کر یہ ہے خبرِ مقدم، اور «زَيْدٌ» کیا ہے؟ مبتدائے مؤخر۔ سوال یہ کہ «نِعْمَ الرَّجُلُ» یہ تو جملہ ہوا اور اس کو آپ خبر بنا رہے ہیں «زَيْدٌ» مؤخر کے لیے، تو پھر تو درمیان میں ربط ضروری، عائد ہونا چاہیے، رابط ہونا چاہیے؟ تو جواب یہ کہ یہ جو «اَلرَّجُلُ» پر الف لام داخل ہے، یہ الف لام رابط ہے، یہ ربط دے رہا ہے، کیونکہ الف لام کے ذریعے کسی چیز کی طرف کیا ہوتا ہے؟ اشارہ ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی الف لام کے ذریعے کس کی طرف اشارہ ہے؟ زید۔ یعنی یوں کہو یہ الف لام عہدِ خارجی ہے، اس سے کوئی متعین شخص مراد ہے اور وہ کون سا شخص ہے؟ زید۔ تو «اَلرَّجُلُ» سے زید خود مراد ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ عائد آگیا۔

اور اسی طرح بعض اوقات بغیر عائد کے ہو گا جملہ، کیونکہ وہ جملہ خود اس ضمیر کی تفسیر ہے۔ جیسے ضمیرِ شان اور ضمیرِ قصہ، وہ کسے کہتے ہیں؟ ایک مبہم ضمیر ہوتی ہے، آگے آنے والا جملہ کیا کرتا ہے؟ اس کی تفسیر کرتا ہے: «إِنَّهُ زَيْدٌ قَائِمٌ»، یقیناً شان یہ ہے کہ «زَيْدٌ قَائِمٌ» زید کھڑا ہے۔ سوال: یہ «إِنَّهُ»، إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، ہَا ضمیر اس کا اسم، اور «زَيْدٌ قَائِمٌ» پورا جملہ اس کی خبر، اور پورے جملے کو آپ کس سے جوڑ رہے ہیں؟ «إِنَّهُ» کی ہَا ضمیر سے، کیونکہ إِنَّ کی خبر کو إِنَّ کے اسم سے جوڑتے ہیں۔ تو عائد کیا ہے، رابط کیا ہے؟ جواب یہ کہ یہاں کسی رابط کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ آگے جملہ جو آرہا ہے یہ اسی ضمیر کی تفسیر ہے۔ تو ضمیر ہوئی مفسَّر اور یہ کیا ہوئی؟ تفسیر۔ تو یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ ہَا ضمیر بھی کیا ہے؟ وہی «زَيْدٌ قَائِمٌ» ہے بھائی۔ تو جب دونوں میں اتحاد ہے، دونوں ایک ہی چیز ہیں تو پھر اور کیا ربط چاہیے؟ اس سے بڑھ کر ربط کیا ہو گا، دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا وہاں کسی عائد کی ضرورت نہیں کیونکہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، ربط موجود ہے، وہ اسی کی تفسیر ہے، کوئی الگ چیز ہے ہی نہیں۔ کوئی الگ چیز ہوتی تو پھر ربط کی ضرورت ہوتی، جب الگ ہے ہی نہیں تو ربط کی بھی ضرورت نہیں، ربط پہلے سے ہی موجود ہے پورے طور پر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح یاد رکھیے، بعض اوقات جو عائد ہو گا اس میں بعض اوقات معنی کی بھی رعایت رکھ لیتے ہیں، لفظوں کے بجائے کس کی رعایت رکھی؟ معنی کی رعایت رکھی۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شعر ہے، یہ لکھ لیجیے بھائی: «أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ» «أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي»، سین میم مشدد، تا دو نقطوں والی، نون اور یا: «أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ» «حَيْدَرَهْ»، آخر میں گول تا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

دیکھو ترکیب کیسے ہو گی، سمجھ لو، دیکھ لو اس کو: «أَنَا» مرفوع محلاً مبتدا، «اَلَّذِي» مرفوع محلاً اسم موصول، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے۔ اچھا پہلے معنی

دیکھ لو: «أَنَا الَّذِي» میں وہ شخص ہوں، «سَمَّتْنِي أُمِّي» کہ میرا نام رکھا میری ماں نے «حَيْدَرَهْ» حیدر بھائی یعنی شیر۔ میں وہ شخص ہوں جس کی ماں نے اس کا نام شیر رکھا یعنی حیدر رکھا، بات سمجھ میں آئی؟ اچھا، اب ترکیب کیا ہوئی؟ «أَنَا» مرفوع محلاً مبتدا، «اَلَّذِي» مرفوع محلاً کیونکہ خبر ہے اسم موصول، اور اس میں آگے صلہ آتا ہے، اور صلے کو موصول سے جوڑنے کے لیے کیا ضروری؟ عائد اور رابط ضروری ہے۔ تو یہاں «سَمَّتْنِي»، «سَمَّتْ» فعل، نام رکھا، کس نے رکھا؟ «أُمِّي» وہ فاعل آگے آرہا ہے۔ نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «أُمِّ» مرفوع، اعراب بولو جلدی کرو، مرفوع تقدیراً، کیونکہ آگے یہ یا ضمیر کی طرف مضاف ہے اور جو اسم بھی یا ضمیر کی طرف مضاف ہو علاوہ جمع مذکر سالم کے اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔ تو «أُمِّ» مرفوع تقدیراً مضاف، یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل ہوا «سَمَّتْ» کے لیے۔ اور آگے «حَيْدَرَهْ» منصوب لفظاً مفعولِ ثانی۔ نام رکھا، یہ سمّٰی دو مفعول چاہتا ہے: میری ماں نے میرا حیدر نام رکھا بھائی۔ تو فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔

سوال: عائد کدھر ہے؟ یہاں تو غائب کی ضمیر ہے ہی نہیں، «حَيْدَرَهْ» اس کے آخر میں یہ جو گول ہا ہے یہ تا ہے، گول تا ہے۔ تو یہاں تو کوئی غائب کی ضمیر ہی نہیں ہے، تو عائد کدھر ہے؟ جواب یہ کہ یہ جو متکلم کی ضمیریں آرہی ہیں یہ ربط دے رہی ہیں۔ یعنی یوں کہو یہاں پر معنی کی رعایت رکھی گئی، کیونکہ «اَلَّذِي» سے کون مراد ہے؟ خود متکلم مراد ہے۔ جب خود متکلم مراد ہے تو پھر یہ یا ضمیر یہ ربط دے رہی ہے، کیونکہ یا ضمیر بھی کون ہے، کس کی ہے؟ متکلم ہی کی تو ہے، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہاں بعض اوقات جو رابط ہوتا ہے اس میں وہ معنی کی رعایت رکھی جاتی ہے، تو یہاں بھی کس کی رعایت رکھی گئی؟ معنی کی۔ «اَلَّذِي» اگرچہ غائب کے درجے میں ہے۔ یاد رکھو یہ جو اسم ظاہر ہوتا ہے نا یہ غائب کے درجے میں ہوتا ہے۔ اسم ظاہر جانتے ہو؟ ایک ہے ضمیر، ضمیر کے علاوہ جتنے دنیا کے اسم ہیں وہ سارے کیا ہیں؟ اسم ظاہر، اور اسم ظاہر غائب کے درجے میں ہوتا ہے، یعنی اس کی طرف غائب کی ضمیر لوٹاتے ہیں۔ تو «اَلَّذِي» ضمیر ہے؟ اسم موصول ہے، ہے تو اسم لیکن ضمیر نہیں، جب ضمیر نہیں تو یہ اسم ظاہر ہوا، اور اسم ظاہر کس کے درجے میں؟ غائب کے، جب غائب کے درجے میں ہو تو اس کی طرف ضمیر کون سی لوٹائیں گے؟ غائب کی، لیکن یہاں پر غائب کی ضمیر نہیں لوٹائی، «اَلَّذِي» سے خود متکلم مراد ہے: «أَنَا الَّذِي» میں ہوں وہ جو کہ، تو اس سے متکلم، جب متکلم مراد ہے تو یا کے ذریعے ربط دے دیا، یا بھی کس پر دلالت کر رہی ہے؟ متکلم پر۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو بعض اوقات جو رابط ہوتا ہے اس میں وہ معنی کی رعایت رکھتے ہوئے لایا جاتا ہے۔ تو حضرت علی کا شعر ہے بھائی: «أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ ۝ كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَهْ» یہ آپ ان شاء اللہ شاید غالباً شَرْحِ جَامِی میں جا کر پڑھیں گے بھائی۔

مبتدا اور خبر میں مطابقت کی شرائط میں نے آپ کو لکھوائی ہیں؟ بتلائی ہیں؟ وصف خاص للمؤنث نہ ہو، مشتق ہو، ضمیر ہو... نہیں لکھوائیں؟ اچھا، چلیں لکھ لیں بھائی! مبتدا اور خبر میں مطابقت کے لیے چار شرائط ہیں۔ مبتدا اور خبر میں مطابقت کے لیے چار شرائط ہیں: شرطِ اول: خبر مشتق ہو۔ خبر مشتق ہو۔ نمبر دو: اس میں کوئی ضمیر ہو جو مبتدا کی طرف لوٹے، جو مبتدا کی طرف لوٹے۔ جیسے: «زَيْدٌ ضَارِبٌ»، «زَيْدٌ ضَارِبٌ»۔ دیکھو «زَيْدٌ» ہے مبتدا اور «ضَارِبٌ» ہے خبر، اور یہ «ضَارِبٌ» کیا ہے؟ مشتق ہے، مشتق کا صیغہ، اور اس کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے جو کس کی طرف لوٹ رہی ہے؟ زید کی طرف۔ تو لہٰذا اب مطابقت ضروری ہے، لہٰذا اب مؤنث ہو تو یوں کہیں گے: «هِنْدٌ ضَارِبَةٌ»، لکھیے بھائی! جیسے «هِنْدٌ ضَارِبَةٌ»۔ دیکھو مشتق کا صیغہ ہے کہ نہیں بھائی خبر؟ اور اس میں ضمیر بھی ہے، لہٰذا مبتدا کے ساتھ مطابقت ضروری: مذکر کے لیے مذکر، مؤنث کے لیے مؤنث، تثنیہ کے لیے تثنیہ، جمع کے لیے جمع بھائی۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

تیسری شرط: خبر ایسا وصف نہ ہو جو مؤنث کے ساتھ خاص ہو۔ خبر ایسا وصف نہ ہو جو مؤنث کے ساتھ خاص ہو۔ جیسے: «طَالِقٌ»، ط-ا-ل-ق، «طَالِقٌ» طلاق سے ہے طلاق سے، «طَالِقٌ»، «حَامِلٌ»، «مُرْضِعٌ»، م-ر-ض-ع۔ دیکھو یہ وصف خاص ہیں عورت کے ساتھ۔ «طَالِقٌ» طلاق والی کون ہوتی ہے؟ عورت۔ «حَامِلٌ» حاملہ کون ہوتی ہے؟ عورت۔ «مُرْضِعٌ» دودھ پلانے والی وہ کون ہے؟ عورت۔ مردوں میں یہ صفات ہیں ہی نہیں، لہٰذا یہاں تا کے ذریعے فرق کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بھائی دیکھیے نا، دیکھیے، آپ مذکر کے لیے کہتے ہیں «ضَارِبٌ» اور مؤنث کے لیے کہتے ہیں «ضَارِبَةٌ»۔ اسی طرح مؤنث کے لیے کہتے... مذکر کے لیے آپ کہتے ہیں «قَائِمٌ» اور مؤنث کے لیے کہتے ہیں «قَائِمَةٌ»، تا کے ذریعے فرق کرتے ہیں، کیونکہ وہ وصف مذکر مؤنث دونوں میں ہو سکتا ہے، پٹائی کرنے والا مرد بھی ہو سکتا ہے اور عورت بھی، تو فرق کرنے کے لیے پھر مؤنث کے لیے تا لاتے ہیں۔ قیام کرنے والا مرد بھی ہو سکتا ہے عورت بھی ہو سکتی ہے، تو دونوں کے لیے یہ صفت ہو سکتی ہے تو فرق کرنے کے لیے کیا لاتے ہیں؟ تا۔ لیکن اگر وصف ایسا ہے جو خاص ہے مؤنث کے ساتھ، مرد میں وہ مذکر میں وہ پایا ہی نہیں جاتا، تو پھر فرق کے لیے تا لانے کی بھی ضرورت نہیں۔ لہٰذا یہ «طَالِقٌ»، «حَامِلٌ»، «مُرْضِعٌ» اس میں تا لانے کی ضرورت نہیں، یوں کہیں گے: «اَلْمَرْأَةُ طَالِقٌ»، لکھیں بھائی: «اَلْمَرْأَةُ»، یہ امرأۃ کا ہمزہ بھی وصلی ہے یہ

گر جائے گا: «اَلْمَرْأَةُ طَالِقٌ وَحَامِلٌ وَمُرْضِعٌ»۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ اور اس «طَالِقٌ» میں کون سی ضمیر ہو گی؟ «هِيَ» نکالیں گے، «هُوَ» نہیں، کیونکہ یہ تو مذکر کے لیے وصف ہے ہی نہیں، تو اس میں بغیر تاجوڑے ہی مؤنث کی ضمیر نکالیں گے: «هِيَ»۔ «حَامِلٌ» میں بھی «هِيَ»، اور «مُرْضِعٌ» میں بھی «هِيَ» ضمیر: «اَلْمَرْأَةُ مُرْضِعٌ» وہ عورت دودھ پلانے والی ہے تو «هِيَ» ضمیر، «اَلْمَرْأَةُ حَامِلٌ» وہ عورت حاملہ ہے اس میں بھی کیا ضمیر؟ «هِيَ» ضمیر، «اَلْمَرْأَةُ طَالِقٌ»، طالق میں بھی کون سی ضمیر؟ «هِيَ» ضمیر ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھیے، یہ «حَامِلٌ» وہ صورت ہے جب حمل ہے، حاملہ ہو۔ ایک حامل کا معنی بوجھ اٹھانا ہے، وزن اٹھانا، وہ تو مرد بھی اٹھاتا ہے، عورت بھی کوئی بوجھ اٹھا سکتی ہے، مرد بھی اٹھا سکتا ہے، تو اگر وہ معنی ہو پھر مذکر کے لیے «حَامِلٌ» اور مؤنث کے لیے «حَامِلَةٌ» کہیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

چوتھی شرط: وہ وصف، وہ وصف مُسَاوٍ لِلْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ نہ ہو۔ وہ وصف مُسَاوٍ لِلْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ نہ ہو، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یعنی پہلے سمجھ لو اس کو، یعنی وہ جو وصف آرہا ہے آگے خبر کی صورت میں ہے، وصف، وہ ایسا وصف نہ ہو جو مذکر اور مؤنث کے لیے یکساں رہتا ہے، بدلتا ہی نہیں ہے، بدلتا ہی نہیں ہے، مذکر کے لیے بھی وہی صیغہ مؤنث کے لیے بھی، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ آگے لکھیے: اور وہ چار قسم کے صیغے ہیں، اور وہ چار قسم کے صیغے ہیں: نمبر ایک: فَعِيل بِمَعْنَى مَفْعُول۔ فَعِيل بِمَعْنَى مَفْعُول، جیسے: «جَرِيحٌ» بِمَعْنَى «مَجْرُوحٍ»، ج-ر-ی-ح، جیسے: «جَرِيحٌ» بِمَعْنَى «مَجْرُوحٍ»۔ یاد رکھیے یہ «جَرِيحٌ» مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، وہ فَعِيل جو کس معنی میں ہو؟ مفعول کے معنی میں ہو۔ یہ جریح کس معنی میں ہے؟ مجروح یعنی زخمی۔ تو یہ مذکر مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، کیسے کہتے ہیں؟ «اَلرَّجُلُ جَرِيحٌ»، «اَلْمَرْأَةُ جَرِيحٌ»۔ یہاں تا کے ذریعے فرق نہیں کریں گے کیونکہ یہ دونوں کے لیے یکساں رہتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اب یہاں آپ اشکال نہیں کر سکتے کہ یہ تو مطابقت نہیں، بھائی مطابقت کے لیے ہم نے کہا تھا چار شرطیں ہوں اور ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ وہ فَعِيل بِمَعْنَى مَفْعُول نہ ہو، اور یہ تو فَعِيل بِمَعْنَى مَفْعُول ہے لہٰذا یہاں آپ یہ نہ کہیں کہ تالانی پڑے گی۔

اور دوسرا وزن... میں نے بتایا نا وہ وصف مُسَاوٍ لِلْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ نہ ہو اور وہ چار وزن ہیں: نمبر ایک کیا؟ فَعِيل بِمَعْنَى مَفْعُول نہ ہو۔ نمبر دو: فَعُول بِمَعْنَى فَاعِل نہ ہو۔ فَعُول بِمَعْنَى فَاعِل نہ ہو، جیسے «صَبُورٌ» بِمَعْنَى «صَابِرٍ»، صبور صاد کے ساتھ، جیسے «صَبُورٌ» بِمَعْنَى «صَابِرٍ»۔ یہ بھی یاد رکھو، یہ وہ فَعُول جو بمعنی فاعل کے ہو وہ مذکر اور مؤنث کے لیے یکساں رہتا ہے: «اَلْمَرْأَةُ صَبُورٌ»، «اَلرَّجُلُ صَبُورٌ»، دیکھا یہ دونوں کے لیے یکساں رہتا ہے۔ نمبر تین: مبالغے کا صیغہ، نمبر تین: مبالغے کا صیغہ۔ ذرا عبارت دوبارہ پڑھو میں نے لکھوائی کیا، شروع سے: وہ وصف مُسَاوٍ لِلْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ نہ ہو۔ نمبر ایک: فَعِيل بِمَعْنَى مَفْعُول نہ ہو۔ «جَرِيحٌ» بِمَعْنَى «مَجْرُوحٍ»، وہ یہ چار وزن ہیں یہ نہیں ہونے چاہیے، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو فَعِيل بِمَعْنَى مَفْعُول بھی نہ ہو اور فَعُول بِمَعْنَى فَاعِل بھی نہ ہو اور نمبر تین مبالغے کا صیغہ بھی نہ ہو۔ مبالغے کا صیغہ بھی نہ ہو، جیسے «ضَارِبٌ» کے اندر مبالغہ کر کے کہتے ہیں: «ضَرَّابٌ»، جیسے «ضَارِبٌ» میں سے مبالغے کا صیغہ ہے: «ضَرَّابٌ» ضاد کے ساتھ، تو یہ مذکر مؤنث کے لیے یکساں رہتا ہے: «اَلرَّجُلُ ضَرَّابٌ» وہ مرد بہت پٹائی کرنے والا ہے، «اَلْمَرْأَةُ ضَرَّابٌ» وہ عورت بہت پٹائی کرنے والی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور نمبر چار: وہ اسم تفضیل مستعمل بہ مِن نہ ہو، وہ اسم تفضیل مستعمل بہ مِن نہ ہو۔ اسم تفضیل مستعمل بہ مِن، یعنی اسم تفضیل کے استعمال کے کتنے طریقے پڑھے آپ نے؟ تین: اضافت، الف لام، اور مِن۔ تو مِن کے ساتھ، اسم تفضیل مستعمل بہ مِن نہ ہو، جیسے: «اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ»، «اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ»۔ تو دیکھو «اَلصَّلَاةُ» مؤنث ہے، آگے آپ کہیں «خَيْرٌ» یہ تو مذکر کا صیغہ آگیا، تو مطابقت نہیں؟ جواب: مطابقت کے لیے ہم نے شرائط پڑھی تھیں، ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ خبر اسم تفضیل مستعمل بہ مِن نہ ہو، یہ تو اسم تفضیل مستعمل بہ مِن ہے، تو لہٰذا یہ مذکر مؤنث کے لیے یکساں رہتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور پھر «خَيْرٌ» میں کون سی ضمیر نکالیں گے؟ «هِيَ» نکالیں گے۔ مذکر کے لیے «هُوَ»، مؤنث کے لیے «هِيَ»، تثنیہ کے لیے تثنیہ، جمع کے لیے جمع، کیونکہ یہ سب کے لیے یکساں رہتا ہے بھائی۔

میں نے جو عبارت لکھوائی نا، ذرا اس میں سے وہ ہے وہ چار قسم کے صیغے ہیں، یہ والا جملہ ذرا الگ لکھ دیں، اس کے گرد قوس لگا دیں، قوس لگا دیں، دونوں طرف بریکٹ لگا دیں اس کے: اور وہ چار قسم کے صیغے ہیں، ٹھیک ہے؟ یہ بیچ میں سے نکل گیا۔ اب عبارت یوں بن گئی: مبتدا خبر میں مطابقت کے لیے چار شرائط ہیں۔ چوتھی شرط کیا ہے کہ وہ وصف مُسَاوٍ لِلْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ نہ ہو، یعنی یوں کر دیں: یعنی فَعِيل بِمَعْنَى مَفْعُول نہ ہو، فَعِيل بِمَعْنَى مَفْعُول نہ ہو، یہ «نہ ہو» سب کے ساتھ جوڑ دیں اب، فَعِيل بِمَعْنَى مَفْعُول نہ ہو، اور فَعُول بِمَعْنَى فَاعِل نہ ہو، اور مبالغے کا صیغہ نہ ہو، اور اسم تفضیل

مستعمل بہ مِن نہ ہو، اب بات ٹھیک بن گئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ چار شرائط ہیں بھائی۔

اسی طرح یاد رکھیے، یاد رکھیے! ہمارے ہاں ایک رائج غلطی یہ ہے کہ عبارت کبھی کتاب میں آجاتی ہے اور لکھا ہوتا ہے: «هٰذَا مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ»، کیا لکھا ہوتا ہے؟ مثلاً «هٰذَا مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ»، کبھی لکھا ہوتا ہے: «هٰذَا مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ»۔ تو طلبہ سے جب پوچھا جائے اس کا کیا معنی ہے؟ تو وہ کہتے ہیں جب لکھا ہو «هٰذَا مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ»، وہ کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ یہ جو مصدر آیا ہے یہ اسمِ فاعل کے معنی میں ہے، حالانکہ اس کا یہ معنی نہیں ہے بھائی۔ اور جب لکھا ہو «هٰذَا مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ»، طلبہ سے پوچھو تو وہ کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ یہ مصدر اسمِ مفعول کے معنی میں ہے، حالانکہ اس کا یہ معنی نہیں ہے بھائی۔ یہ رائج غلطی ہے، اکثر طلبہ یہی سمجھتے ہیں بھائی، یہی سمجھتے ہیں۔

تو اس میں سب سے پہلے تو ایک قیمتی بات یاد رکھیں بھائی، یہ جو ہم گردان کرتے ہیں صَرْفِ صَغِير، صَرْفِ صَغِير، نام ہی بتلا رہا ہے صغیر، یہ چھوٹی گردان ہے۔ ہر گردان سے تقریباً عموماً ایک ایک صیغہ لے رہے... لیتے ہیں: «ضَرَبَ يَضْرِبُ ضَرْبًا»، «ضَرَبَ» دیکھو پوری ماضی سے صرف ایک صیغہ لیا، «يَضْرِبُ» پورے مضارع کے چودہ صیغوں میں سے صرف ایک لیا، «ضَرْبًا» آگے مصدر بھی بتا دیا، آگے: «فَهُوَ ضَارِبٌ»، اسمِ فاعل سے ایک صیغہ لے لیا، «وَضُرِبَ يُضْرَبُ ضَرْبًا»، پھر «ضُرِبَ» فعلِ ماضی مجہول سے صرف ایک صیغہ لیا، «يُضْرَبُ» فعلِ مضارع مجہول سے ایک صیغہ لیا، پھر آگے آگیا «ضَرْبًا»، «ضَرْبًا»۔ سوال: یہ تو صَرْفِ صَغِير ہے، اس میں تو پوری پوری گردان سے ایک صیغہ لے رہے ہیں، تو ایک دفعہ جب «ضَرْبًا» مصدر آگیا تھا اس کو دوبارہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت؟ یہ تو زائد آگیا، حالانکہ یہ تو کیا ہے؟ صَرْفِ صَغِير ہے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

تو جواب یاد رکھیے کہ ہمارے بزرگوں کا کوئی بھی کام حکمت سے اور فائدے سے خالی نہیں۔ یہ دوسرا «ضَرْبًا» وہ ویسے نہیں لے کر آئے کہ پہلے جیسی شکل بنا دیں اس کی، وہاں ضرباً تھا یہاں بھی ضرباً ہو، نہیں! بلکہ یہ بتلانے کے لیے کہ وہ جو «ضَرْبًا» تھا وہ مَصْدَرٌ مَعْرُوف تھا، اور یہ جو «ضَرْبًا» ہے یہ مَصْدَرٌ مَجْهُول ہے بھائی، مَصْدَرٌ مَجْهُول ہے۔ اور نیز اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ عربی میں جو وزن مَصْدَرٌ مَعْرُوف کا ہوتا ہے وہی وزن مَصْدَرٌ مَجْهُول کا بھی ہوتا ہے، مَصْدَرٌ مَجْهُول کے لیے کوئی الگ وزن اور صیغہ نہیں ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو پہلا «ضَرْبًا» جو تھا اس کا معنی تھا پٹائی کرنا، «ضَرْبًا» پٹائی کرنا یعنی مارنا، اور دوسرے «ضَرْبًا» کا معنی ہے پٹائی ہونا یعنی مارے جانا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ پہلے کا معنی ہے مارنا، دوسرے کا معنی ہے مارے جانا یعنی پٹائی ہونا۔ صورت سمجھ میں آئی؟

اور دیکھ لیں: شُرْب، «شُرْبٌ» کا معنی ہے، ایک معنی ہے پینا، یہ ہے مَصْدَرٌ مَعْرُوف۔ اور ایک ہے مَصْدَرٌ مَجْهُول: «شُرْبٌ» کا معنی ہے پیا جانا، پانی پیا جاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور دیکھ لو: اَكَلَ يَأْكُلُ کا معنی ہوتا ہے کھانا، تو اَكْل، «أَكَلَ يَأْكُلُ أَكْلًا»، یہ اَكْل معروف ہو مَصْدَرٌ مَعْرُوف تو اس کا معنی ہوتا ہے کھانا کھانا، اور ایک اَكْل مجہول ہے تو اس کا معنی ہے کھایا جانا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو دیکھو اردو میں دونوں میں فرق ہو رہا ہے: کھانا اور کھایا جانا، دیکھو الگ ہیں، پینا اور پیا جانا، دیکھو الگ ہیں، مارنا اور مارے جانا، دونوں الگ ہیں، لیکن عربی میں دونوں کے لیے ایک ہی صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہ جو مَصْدَرٌ مَعْرُوف ہے اس کو کہتے ہیں «مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ»، «مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ»۔ بھائی دیکھو اور وضاحت میں کر دوں: دیکھو «ضَرَبَ» فعل ہے، معروف ہے یا مجہول؟ معروف۔ اور فعلِ معروف کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اور ایک ہے «ضُرِبَ»، یہ کیا ہے؟ فعلِ مجہول، اس کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ نَائِبُ الْفَاعِل چاہیے، اور نائب الفاعل دراصل کون ہوتا ہے؟ مفعول ہوتا ہے، کون ہوتا ہے؟ مفعول ہوتا ہے۔ تو «ضَرَبَ» ایک فعل ہے جس کو بنایا گیا ہے، کس کے لیے؟ فاعل کے لیے یا مفعول کے لیے؟ اس کی اسناد کس کی طرف ہوتا ہے؟ فاعل، تو اس کو فاعل کے لیے بنایا گیا ہے۔ جو فعلِ معروف ہے اس کو کس کے لیے بنایا گیا ہے؟ فاعل کے لیے بنایا گیا ہے، یعنی فاعل کی طرف اس کا اسناد کیا جاتا ہے۔ اور فعلِ مجہول کو کس کے لیے بنایا گیا ہے؟ نائب فاعل یعنی مفعول کے لیے، یعنی اس کا اسناد کس کی طرف کیا جاتا ہے؟ مفعول کی طرف کیا جاتا ہے۔ تو یوں کہیں گے کہ... اور بنانے کے لیے عربی میں لفظ آتا ہے «بَنَى يَبْنِي» تعمیر کرنا، بنا دینا، «بَنَى يَبْنِي»، اسی سے اسمِ مفعول آئے گا «مَبْنِيٌّ» جس کو بنایا گیا ہے، بَر وَزْنِ «مَرْمِيٌّ»۔

تو «ضَرَبَ» ہم کہیں گے: «ضَرَبَ فِعْلٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ»، «ضَرَبَ» ایسا فعل ہے جس کو بنایا گیا ہے «لِلْفَاعِلِ» کس کے لیے؟ فاعل کے لیے۔ اور «ضُرِبَ فِعْلٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ»، «ضُرِبَ» ایسا فعل ہے جس کو بنایا گیا ہے کس کے لیے؟ مفعول کے لیے یعنی نائب فاعل۔ صورت سمجھ میں

آگئی؟ اسی طرح «یَضْرِبُ» مضارع کو لے لو: «یَضْرِبُ فِعْلٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ»، اور «یُضْرَبُ فِعْلٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ»۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ مبنی کا کیا معنی ہو؟ جس کو بنایا گیا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو «مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ» اس کا معنی کیا ہے؟ یہ ایسا مصدر ہے جس کو کس کے لیے بنایا گیا ہے؟ فاعل کے لیے، یعنی یہ مَصْدَرٍ مَعْرُوف ہے، بس اتنا بتارہے۔ اور جب کہا جائے «مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ» تو یہ بتانا مقصد یہ ہے کہ یہ مصدر کس کے لیے بنایا گیا ہے؟ مفعول کے لیے، یعنی یہ مَصْدَرٍ مَجْهُول ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب یاد رکھو، یہ جو مصدر ہوتا ہے نامصدر، یہ کبھی کبھار اسم فاعل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے «زَيْدٌ عَدْلٌ»، اور یہ عدل بمعنی عادل کے ہے: أَيْ «زَيْدٌ عَادِلٌ»۔ زید عدل ہے یا عدل کرنے والا ہے؟ عدل کرنے والا ہے، زید خود عدل نہیں ہے بلکہ عدل کرنے والا ہے، عدل تو مصدر ہے۔ اور مصدر تو صفت ہوتا ہے اور زید تو ذات ہے، تو لہٰذا زید عدل نہیں بلکہ «زَيْدٌ عَادِلٌ»، تو یہ عدل کس معنی میں؟ عادل۔ تو مصدر کبھی اسم فاعل کے معنی میں ہوتا ہے، جیسے یہاں «عَدْلٌ» ہے تو مصدر لیکن یہ دراصل کس معنی میں ہے؟ عادل، اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور اسی طرح یاد رکھو، مصدر کبھی مفعول کے معنی میں ہوتا ہے جیسے خَلْق بمعنی مخلوق کے۔ خَلْق استعمال کرتے ہیں یا نہیں آپ؟ اور یہ کس معنی میں ہے؟ مخلوق کے معنی میں ہے۔ تو مصدر کبھی اسم فاعل کے معنی میں ہوتا ہے اور مصدر کبھی اسم مفعول کے... اچھا میں نے بتایا تھا ایک ہوتا ہے فاعل، ایک ہوتا ہے اسم فاعل، دونوں میں فرق پتہ ہے؟ فاعل کسے کہتے ہیں؟ شاباش! فاعل وہ ہے جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے: «ضَرَبَ زَيْدٌ»، یہ «زَيْدٌ» کیا ہے؟ فاعل، کیونکہ اس کو فعل رفع دے رہا ہے۔ اور ایک ہے اسم فاعل، اسم فاعل وہ مخصوص وزن جو آپ نے اب گردانوں میں پڑھا: «ضَارِبٌ»، «مُكْرِمٌ»، «مُسْتَخْرِجٌ»، یہ کیا ہیں؟ اسم فاعل: ضارب، مانع، فاتح، یہ سب کیا ہیں؟ اسم فاعل، وہ دیکھا مخصوص وزن کا نام ہے۔ اور ایک ہے مفعول اور ایک ہے اسم مفعول، مفعول کسے کہتے ہیں؟ شاباش! جس کو فعل یا صفت کا صیغہ نصب دے: «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، یہ «زَيْدًا» کیا ہے؟ مفعول ہے، اس کو فعل نصب دے رہا ہے۔ اور ایک ہے اسم مفعول، اسم مفعول کسے کہتے ہیں؟ گردان میں وہ جو مخصوص صیغہ ہم نے پڑھا: «مَضْرُوبٌ»، «مَمْنُوعٌ»، «مَنْصُورٌ»، «مُكْرَمٌ»، «مُسْتَخْرَجٌ»، یہ سارے کیا ہیں؟ اسم مفعول۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا جب کبھی عبارت میں لکھا ہو «هٰذَا مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ»، طلبہ سمجھتے ہیں شاید اس کا معنی یہ ہے کہ یہ مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے، یعنی یہ عدل کس معنی میں ہے؟ عادل کے معنی میں ہے، حالانکہ یہ بات نہیں۔ وہاں صرف یہ بتایا جارہا ہے کہ یہ مَصْدَرٍ مَعْرُوف ہے۔ پھر یہ آگے اسم فاعل کے معنی میں ہے یا نہیں وہ الگ بات ہے، وہ ذکر نہیں کی جارہی، ہو سکتا ہے ہو، ہو سکتا ہے نہ ہو۔ صرف «هٰذَا مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ» کیا بتایا گیا؟ کہ یہ مَصْدَرٍ مَعْرُوف ہے۔ اور جب لکھا ہو «هٰذَا مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ»، اس نے صرف اتنا بتایا کہ یہ مَصْدَرٍ مَجْهُول ہے، آگے یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے یا نہیں وہ یہاں پر ذکر نہیں، وہ الگ بات ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

ہاں، اگر آپ کو یہ بتادیں کہ یہ مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے، کیا بتادیں؟ اب آپ کو دو باتوں کا پتہ چل گیا: ایک تو یہ کہ یہ مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے، دوسرا یہ بھی پتہ چلا یہ کون سا مصدر ہے؟ یہ مَصْدَرٍ مَعْرُوف ہے، دیکھا ایک زائد بات کا پتہ چل گیا۔ اور جب یہ کہا جائے یہ مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے تو یہاں بھی آپ کو اب دو باتوں کا پتہ چل گیا، کیا؟ کہ یہ تو مفعول کے معنی میں ہے ایک یہ بات پتہ چلی، دوسرا یہ مَصْدَرٍ مَجْهُول ہے یہ بھی پتہ چلا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا جب آپ کو یہ کہا جائے کہ یہ مصدر مَبْنِي لِلْفَاعِلِ ہے تو صرف اتنا پتہ چلا یہ مَصْدَرٍ مَعْرُوف ہے، دوسری بات کا پتہ نہیں چلا کہ یہ فاعل کے معنی میں ہے یا نہیں۔ جب آپ کو یہ کہا جائے یہ مصدر مَبْنِي لِلْمَفْعُولِ ہے تو صرف آپ کو یہ پتہ چلا کہ یہ مصدر کیا ہے؟ مجہول ہے، یہ مصدر مَبْنِي لِلْمَفْعُولِ ہے تو صرف یہ پتہ چلا یہ مصدر مجہول ہے، یہ پتہ نہیں چلا کہ یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے یا نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

تو جب آپ کو یہ بتادیا جائے، جب لکھا ہو «هٰذَا مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ»، صرف کیا پتہ چلا؟ یہ مَصْدَرٍ مَعْرُوف ہے، یہ پتہ نہیں چلا کہ یہ اسم فاعل کے معنی میں ہے یا نہیں ہے، وہ الگ بات ہے، وہ کبھی ہو بھی سکتا ہے اور کبھی نہیں بھی۔ اور جب لکھا ہو «هٰذَا مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ» تو صرف کیا پتہ چلا؟ یہ مَصْدَرٍ مَجْهُول ہے، پھر آگے یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے یا نہیں وہ الگ بات ہے، اس کا پتہ نہیں چلا، ہو سکتا ہے ہو، ہو سکتا ہے نہ ہو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہی وجہ ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات آپ کو فعل کے ساتھ بھی ایسے لفظ ملیں گے۔ جیسے عبارت میں مثلاً «یَضْرِبُ» آیا، «یَضْرِبُ»، تو اب پتہ

نہیں پڑھنے والے کو پتہ چلے گا یا نہیں کہ یہ «یَضْرِبُ» ہے، وہ کہیں اس کو «یُضْرَبُ» نہ پڑھ جائے۔ تو پھر مصنفین وہاں پر جہاں ایسا احتمال ہو، خطرہ ہو، وہاں لکھ دیتے ہیں: «فِعْلٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ»، «فِعْلٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ»، یہ ایسا فعل ہے جس کو فاعل کے لیے بنایا گیا ہے، کیا معنی؟ فعلِ معروف ہے۔ اور اگر فعلِ مجہول ہو تو وہاں لکھ دیتے ہیں: «فِعْلٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ»، یہ فعل کس کے لیے بنایا گیا؟ مفعول کے لیے، یعنی فعلِ مجہول ہے۔ اعراب زیر زبر بھی ڈال سکتے ہیں، لیکن زیر زبر سے تو کاتب غلطی بھی کر سکتا ہے، لیکن جب آگے «مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ» لکھا اس میں تو غلطی نہیں ہو گی، وہ تو کاتب اسی طرح لکھے گا، تو اگر اعراب غلط بھی لگ جائیں پھر بھی پڑھنے والے کو پتہ لگ جائے گا کہ یہ فعلِ معروف ہے یا فعلِ مجہول۔ تو دیکھا یہ بات فعل کے ساتھ بھی لکھی ہوتی ہے: «مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ»۔

تو پھر تو اس کا معنی اگر وہ والا معنی کریں جو عام طلبہ کرتے ہیں: مصدر کے ساتھ لکھا ہوتا ہے «مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ» تو وہ کہتے ہیں یہ اسمِ فاعل کے معنی میں ہے، پھر تو یہ عبارت فعل کے ساتھ بھی لکھی ہوتی ہے: «فِعْلٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ»، حالانکہ کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ فعل کس معنی میں ہو؟ اسمِ فاعل کے معنی میں۔ یا «فِعْلٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ» تو یہ فعل کس معنی میں ہو گا؟ اسمِ مفعول کے معنی میں، حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ معلوم ہوا بات وہی ہے جو میں بیان کر رہا ہوں کہ «مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ» کا کیا معنی؟ کہ یہ مَصْدَرِ مَعْرُوف ہے۔ اور «مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ» کا کیا معنی؟ کہ یہ مَصْدَرِ مَجْهُول ہے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اب ایک اور ایک دو اور رائج غلطیاں جو ہمارے ہاں ہیں وہ بھی سمجھ لو بھائی۔ مثلاً دیکھیے، لکھیے بھائی، لکھیے بھائی: «یَا زَیْدُ»، جملہ ندائیہ کی ترکیب بھائی، جملہ ندائیہ کی ترکیب: «یَا زَیْدُ عَمْرٌو قَائِمٌ» «عَمْرٌو قَائِمٌ» جی، یہ ترکیب ہم نے کی ہے پہلے؟ جی؟ اچھا۔ «یَا» حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے۔ «یَا» حرفِ ندا، منادیٰ کی بحث میں کچھ غالباً... کچھ بھی نہیں کی؟ ہاں، مختصراً کی ہو گی۔ تو بہر حال، «یَا» حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے۔ «أَدْعُو» فعل، «أَنَا» ضمیر اس کے اندر فاعل: ادعو میں بلا رہا ہوں، میں پکار رہا ہوں۔ اچھا، «أَدْعُو» فعل، «أَنَا» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر ندا، یہ کیا ہے؟ جملہ انشائیہ۔ ہاں، نہیں: «یَا» حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے، «أَدْعُو» فعل «أَنَا» ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً فاعل، اور «زَیْدُ» مبنی بر ضم منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر ندا۔

اور آگے «عَمْرٌو قَائِمٌ»، عمرو مرفوع لفظاً مبتدا، قائم مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ عمرو کو۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، اسمیہ خبریہ ہو کر جوابِ ندا۔ یہ کیا ہوا؟ جوابِ ندا۔ ندا اپنے جوابِ ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہوا، کیا ہوا؟ جملہ ندائیہ۔ توجہ ہے؟ اب ہمارے ہاں رائج غلطی کیا ہے؟ وہ کہتے ہیں جملہ ندائیہ انشائیہ ہوا، یہ غلطی ہے۔ کیونکہ جملہ ندائیہ میں دو جملے ہیں: ایک ندا جو پہلا حصہ ہے: «یَا زَیْدُ» أَيْ «أَدْعُو زَیْدًا»، یہ کیا ہے؟ ندا۔ اور آگے کیا ہے؟ جوابِ ندا، اور دونوں جملے الگ الگ ہیں۔ تو یہ جو پہلا جز ہے یہ جملہ انشائیہ ہے: «یَا زَیْدُ»، یہ کیا ہے؟ انشائیہ ہے۔ اس کے کہنے والے کو کوئی سچا یا جھوٹا نہیں کہہ سکتا۔ میں کسی کو آواز دیتا ہوں «یَا زَیْدُ»، کوئی مجھے نہیں کہہ سکتا کہ یہ سچ بول رہا ہے یا جھوٹ بول رہا ہے، کیونکہ اس میں سچ جھوٹ کی بات ہی نہیں، یہ تو انشا ہے۔

ہاں، آگے، آگے جوابِ ندا جو ہے وہ جملہ انشائیہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ خبریہ بھی۔ جیسے یہاں کیا آیا؟ «عَمْرٌو قَائِمٌ»، یہ جملہ خبریہ ہے۔ اور اگر اس کی جگہ ہوتا: «اِضْرِبْ عَمْرًا»، تو امر آجاتا، وہ کیا تھا؟ جملہ انشائیہ: اضرب فعل، انت ضمیر فاعل، اور عمراً مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جوابِ ندا۔ تو ہمارے ہاں رائج غلطی یہ ہے کہ ندا اور جوابِ ندا کو ملا کر کہتے ہیں جملہ ندائیہ انشائیہ ہوا، حالانکہ یہ درست نہیں۔ دراصل غلطی کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی نحو کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے، جیسے نَحْوِ مِیر وغیرہ ہے کہ ندا انشا کی قسم ہے، ندا کیا ہے؟ انشا۔ تو وہ اس سارے کو انشا پھر بنا دیتے ہیں، حالانکہ ندا سے مراد صرف پہلا حصہ ہے: «یَا زَیْدُ»، یہ ہے ندا، یہ کیا ہے؟ ندا۔ اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔ آگے جو جوابِ ندا ہے وہ تو جملہ خبریہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ انشائی بھی۔ اور جملہ خبریہ ہو تو اس کے کہنے والے کو تو سچا یا جھوٹا کہہ سکتے ہیں، جیسے ابھی بات کی: «یَا زَیْدُ»، میں ایک آدمی سے آواز دے کر کہتا ہوں اے زید! «عَمْرٌو قَائِمٌ» عمرو کھڑا ہے، دوسرا آدمی کہہ سکتا ہے ہاں یہ سچ بول رہا ہے یا یہ جھوٹ بول رہا ہے، کہہ سکتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ اگر یہ انشا ہو تا سارا جملہ ندائیہ، تو وہ سچ جھوٹ کی تو بات ہی پھر وہاں نہ چلتی، لیکن وہ کہہ سکتا ہے۔ اور وہ مجھے سچا یا جھوٹا کس بنا پر کہے گا؟ جوابِ ندا کی بنیاد پر، یہ جو میں نے آگے کہا نا «عَمْرٌو قَائِمٌ»، اس پر وہ مجھے کہے گا یہ سچ بول رہا ہے یا یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ دیکھا، تو جوابِ ندا وہ جملہ انشائیہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ خبریہ بھی۔

تو جب دونوں کو ملا دو تو پھر جملہ ندائیہ انشائیہ نہ کہو، بس صرف اتنا کہو: جملہ ندائیہ۔ اور اس جملے میں دو جز ہیں دراصل: ایک ندا اور ایک جوابِ ندا۔ ندا جو

ہے وہ ہمیشہ کیا ہو گا؟ انشا۔ لیکن جوابِ ندا وہ انشا بھی ہو سکتا ہے اور خبر بھی۔

اسی طرح جملہ قسمیہ میں بھی ہے، اس کی بھی ایک ترکیب کر لو۔ جیسے: «وَاللّٰهِ لَزَيْدٌ قَائِمٌ»، «وَاللّٰهِ لَزَيْدٌ قَائِمٌ»۔ ترکیب کیا ہو گی صرف سمجھ لیں: واؤ قسمیہ جارہ، جر دیتا ہے، لفظِ اللہ مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے فعلِ محذوف «أُقْسِمُ»، میں قسم کھاتا ہوں «أُقْسِمُ»، بابِ افعال ہے، «أُقْسِمُ» فعل کے ساتھ۔ «أُقْسِمُ» فعل اس کے اندر «أَنَا» ضمیر مرفوع محلاً فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق وہ جو «وَاللّٰهِ» ہے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قسم، جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قسم۔ آگے «لَزَيْدٌ قَائِمٌ»، لام تاکید کے لیے، اور زید مرفوع لفظاً مبتدا، قائم مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کی طرف۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جوابِ قسم۔ قسم جوابِ قسم سے مل کر جملہ قسمیہ ہوا۔ بعض اس کو کہتے ہیں جملہ قسمیہ انشائیہ ہوا، یہ رائج غلطی ہے، اکثر اسی طرح کہتے ہیں: جملہ قسمیہ انشائیہ ہوا۔

اور غلطی کی وجہ وہی ہے کہ نَحْوِ مِیر وغیرہ میں لکھا ہوا ہے کہ قسم انشا کی قسم ہے۔ بھائی اس سے مراد صرف «وَاللّٰهِ» یہ پہلا جز مراد ہے: «وَاللّٰهِ»، اس میں کوئی کسی کو سچا یا جھوٹا نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس میں تو خبر ہے ہی نہیں، اس میں تو قسم کھائی جا رہی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور جوابِ قسم وہ خبر بھی ہو سکتی ہے، وہ انشا بھی ہو سکتا ہے۔ اور جیسے یہاں پر کیا ہے؟ خبر۔ جیسے میں نے ایک آدمی سے کہا: «وَاللّٰهِ لَزَيْدٌ قَائِمٌ»، تو دوسرا کہہ سکتا ہے ہاں یہ سچ بول رہے ہیں، یا کہہ سکتا ہے ہاں یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ دیکھا، یہ سچ اور جھوٹ کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں؟ اگر یہ جملہ قسمیہ انشائیہ ہوتا پھر تو سچا اور جھوٹا کہنے کی بات ہی نہیں تھی کیونکہ انشا میں تو سچا اور جھوٹا نہیں کہا جا سکتا دوسرے کو، تو وجہ کیا ہے؟ یہ جو کہا جا رہا ہے سچا یا جھوٹا، یہ جوابِ قسم کے اعتبار سے کہا جا رہا ہے بھائی، کس کے اعتبار سے؟ جوابِ قسم کے اعتبار سے کہا جا رہا ہے۔ تو قسم اور ہے، جوابِ قسم اور۔ قسم وہ ہے انشا، لیکن جوابِ قسم وہ انشا بھی ہو سکتا ہے اور خبر بھی ہو سکتا ہے۔ اور جب پورے دونوں جزوں کو ملائیں تو صرف جملہ قسمیہ کہیں، جملہ قسمیہ انشائیہ نہ کہیں، کیونکہ اس میں دو جملے ہیں، دونوں کا الگ الگ حکم ہے بھائی۔ صورت سمجھ میں آئی؟ لیکن ہمارے ہاں رائج غلطی یہ ہے کہ جملہ ندائیہ میں بھی کہہ دیتے ہیں جملہ ندائیہ انشائیہ ہوا، اور قسمیہ میں بھی کہہ دیتے ہیں جملہ قسمیہ انشائیہ ہوا، اور یہ درست نہیں ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

اسی طرح یاد رکھیے، ایک اِسمِ مَنْسُوب ہوتا ہے۔ کسی بھی اسم کے آخر میں یائے مشدد لگا دیتے ہیں نسبت کے لیے، جیسے لاہور کے آخر میں یائے مشدد لگا دی: «لَاهُورِيٌّ»، کیا معنی؟ لاہور والا، یعنی جس کی لاہور کی طرف نسبت ہے، لاہور کی طرف منسوب ہے۔ «بَاكِسْتَانِيٌّ»، کیا معنی؟ پاکستان کی طرف منسوب۔ تو اس کو کہتے ہیں اِسمِ مَنْسُوب: لاہوری، پاکستانی۔ اور یہ کیا ہے؟ یہ جاری مجرائے صحیح ہے۔ میں نے بتایا تھا جس اسم کے آخر میں بھی یائے مشدد یا واؤ مشدد آجائے وہ جاری مجرائے صحیح ہوتا ہے اور اس پر تینوں طرح کے اعراب آسکتے ہیں: «لَاهُورِيٌّ»، «لَاهُورِيًّا»، «لَاهُورِيٍّ»۔ کیونکہ یائے مشدد دراصل کتنی یا ہیں؟ دو یا۔ آخری متحرک ہے اور ماقبل والی ساکن، اور جاری مجرائے صحیح بھی کسے کہتے ہیں کہ آخر میں یا یا واؤ ہو اور ماقبل کیا ہو؟ ساکن۔ تو اس پر تینوں اعراب آسکتے ہیں، ورنہ یا اور واؤ پر ضمہ بھی ثقیل ہوتا ہے اور کسرہ بھی ثقیل ہوتا ہے، وہ ان پر آتے ہی نہیں ہیں، لیکن اس پر آئیں گے جس کے آخر میں کیا ہو؟ یائے مشدد یا واؤ مشدد ہو، یہ جاری مجرائے صحیح ہے۔ اور یہ جس کے آخر میں یائے مشدد لگا کر اس کو کہتے ہیں اِسمِ مَنْسُوب، یہ «لَاهُورِيٌّ» کیا ہے؟ اِسمِ مَنْسُوب ہے، اور یاد رکھیے اِسمِ مَنْسُوب، مَنْسُوب کون سا صیغہ ہے؟ مفعول، اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نَائِبُ الْفَاعِل، تو اس کے اندر بھی ہمیشہ نائب الفاعل نکالیں گے۔

صورت سمجھ میں آگئی؟ یہ اگر خبر بن رہا ہے تو اس کو مبتدا سے جوڑیں گے، اگر یہ صفت بن رہا ہے تو اس کو موصوف سے جوڑیں گے، وہی طریقہ جو شبہ جملہ والا تھا، تو «لَاهُورِيٌّ» اِسمِ مَنْسُوب، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب الفاعل۔ منسوب نا، مفعول وزن ہے، تو اس کے اندر ضمیر کیا ہو گی؟ نائب الفاعل ہو گی جیسے اسمِ مفعول میں ہوتی ہے، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ جس کے آخر میں یائے مشدد لگے وہ کیا ہوتا ہے؟ اِسمِ مَنْسُوب، اور اس میں بھی ضمیر نکالتے ہیں اور وہ کیا ہوتی ہے؟ نائب الفاعل۔ بعض اس کو مُنْتَسِب کی تاویل میں لیتے ہیں، یعنی اسمِ فاعل بنا لیتے ہیں: «مُنْتَسِبٌ»، بعض تو کیا کہتے ہیں: «اِسْمٌ مَنْسُوبٌ»، اسمِ مفعول کی تاویل میں، بعض کہتے ہیں: «اِسْمٌ مُنْتَسِبٌ»، «مُفْتَعِلٌ»، تو اسمِ فاعل کی تاویل میں کر لیتے ہیں، وہ پھر جو «هُوَ» ضمیر ہوتی ہے اس کو فاعل بناتے ہیں۔ اسمِ فاعل کے لیے فاعل چاہیے اور اسمِ مفعول کے لیے نائب الفاعل۔ تو صرف تاویل کا فرق ہے، آپ چاہیں اِسمِ مَنْسُوب کہیں، چاہے اِسمِ مُنْتَسِب کہیں، بس اس میں ایک ضمیر ہو گی۔ اگر اِسمِ مَنْسُوب بنایا ہے تو اس کو نائب الفاعل کہو، اور اگر اِسمِ مُنْتَسِب اس کو آپ نے کہا ہے تو وہ فاعل کی ضمیر ہو گی، اور زیادہ تر اِسمِ مَنْسُوب کی تاویل میں استعمال ہوتا ہے، بات سمجھ میں آگئی بھائی؟

اسی طرح یاد رکھیے، جب «اِبْنٌ» کا لفظ دو عَلَمَیْن کے درمیان آجائے، «اِبْنٌ» کا لفظ دو عَلَمَیْن میں آجائے، تو «اِبْنٌ» کا ہمزہ وصلی ہے، یاد رکھیے اور ہَمْزَۃِ وَصْلِی درجِ عبارت میں گر جاتا ہے۔ لیکن ضابطہ یہ ہے کہ ہَمْزَۃِ وَصْلِی تلفظ سے گرتا ہے کتابت سے نہیں گرتا، لکھا جاتا ہے۔ ہَمْزَۃِ وَصْلِی کو لکھتے ہیں لیکن پڑھتے نہیں، لیکن جب «اِبْنٌ» کا لفظ دو عَلَمَیْن کے درمیان آجائے جیسے «زَیْدُ بْنُ عَمْرٍو»، «زَیْدُ بْنُ عَمْرٍو»، تو ابن کا لفظ کس میں آیا؟ زید اور عمرو دو عَلَمَیْن کے درمیان، تو اس کا ہمزہ کتابت سے بھی گرا دیتے ہیں، کتابت سے بھی گرا دیتے ہیں تخفیف کے لیے، کیونکہ اس طرح کے نام عربی میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں ابن کے ساتھ۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھیے، پھر پہلا اسم جو ہے اس پر سے تنوین کو بھی گرا دیتے ہیں، ورنہ تو کیا تھا؟ «زَیْدٌ»، زید کے آخر میں نون ساکن اور ابن کی با بھی ساکن، تو اس نون کو کسرہ دینا چاہیے، یوں پڑھنا چاہیے: «زَیْدُ نِبْنُ عَمْرٍو»، لیکن تخفیف چونکہ کثرت سے استعمال ہوتے ہیں اور کثرت تقاضا کرتی ہے خفت کا کہ لفظ ہلکا ہونا چاہیے، تو اس کے آخر سے وہ تنوین بھی گرا دیتے ہیں، تو کیسے پڑھیں گے؟ «زَیْدُ بْنُ عَمْرٍو»، «زَیْدُ نِبْنُ عَمْرٍو» نہیں پڑھیں گے بلکہ «زَیْدُ بْنُ عَمْرٍو»۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟

اور اسی طرح یہ بھی یاد رکھیے بھائی، ترکیب کے اندر آپ نے پڑھا ہے جار مجرور کے لیے ہمیشہ متعلق چاہیے، یہ متعلق ہوتے ہیں اور ان کے لیے کیا چاہیے؟ متعلق، اور وہ متعلق آٹھ چیزوں میں سے ایک ضرور ہوگا: یا فعل ہوگا، یا مصدر، یا اسم فاعل، یا اسم مفعول، یا صفتِ مشبہ، یا اسم تفضیل، یا مبالغے کا صیغہ، یا اسم فعل ہوگا بھائی۔ تو اگر ان میں سے کوئی عبارت میں موجود ہے اور وہ جار مجرور اس سے جڑ سکتے ہیں تو جوڑ دیں گے، ورنہ اس کے لیے محذوف نکالیں گے۔ لیکن کچھ حروفِ جارہ ہیں، کچھ حروفِ جارہ وہ کلام میں آ بھی جائیں کسی سے متعلق نہیں ہوتے، جیسے «رُبَّ» ہے، «رُبَّ» جارہ ہے، جر دیتا ہے، لیکن یہ کسی سے متعلق نہیں ہوتا بھائی، کسی سے متعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً جیسے: «رُبَّ رَجُلٍ کَرِیمٍ لَقِیتُهُ»، لکھیے بھائی، یہ ترکیب کر لیجیے: «رُبَّ رَجُلٍ کَرِیمٍ لَقِیتُهُ»۔ «رُبَّ» جارہ، اور «رَجُلٍ» مجرور لفظاً ہے، لیکن یہ مبتدا بنے گا، کیونکہ اس جار مجرور نے کسی سے جڑنا نہیں، تو یہ رُبّ جر تو دے رہا ہے، لفظوں کے اعتبار سے یہ مجرور ہے، مجرور لفظاً ہے لیکن مرفوع ہے محلاً مبتدا ہے، اور «کَرِیمٍ» اس کی صفت، اور آگے «لَقِیتُهُ» اس کو جوابِ رُبّ کہتے ہیں اور یہ اس کی خبر ہے بھائی۔ تو «رَجُلٍ کَرِیمٍ» یہ کیا ہے دراصل؟ لفظوں کے اعتبار سے مجرور، لیکن محل کے اعتبار سے مرفوع ہے مبتدا ہے، اور «لَقِیتُهُ» اس کی خبر ہے۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ تو یہ «رُبَّ» جو ہے جارہ ہے لیکن یہ کسی سے جڑتا نہیں، کسی سے متعلق نہیں ہوتا۔

اسی طرح «لَعَلَّ» ہے، «لَعَلَّ»، یاد رکھیے «لَعَلَّ» حروفِ مشبہ بالفعل میں سے ہے لیکن یہ کبھی کبھار جر بھی دیتا ہے، کبھی کبھار یہ «لَعَلَّ» کیا کرتا ہے؟ جر بھی دیتا ہے، تو پھر اس وقت یہ کسی سے متعلق نہیں ہوگا۔ اسی طرح «حَاشَا» ہے، حروفِ استثنا میں سے آپ نے پڑھا ہے «حَاشَا»، وہ بھی جر دیتا ہے لیکن وہ بھی کسی سے متعلق نہیں ہوتا۔ اسی طرح «خَلَا» اور «عَدَا» ہے حروفِ استثنا میں سے، تو یہ «خَلَا» اور «عَدَا» یہ بھی کسی سے متعلق نہیں ہوتے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ «رُبَّ»، «حَاشَا»، «خَلَا»، «عَدَا» وغیرہ، «لَعَلَّ»، یہ حروفِ جارہ کسی سے متعلق نہیں ہوتے۔

اسی طرح بعض اوقات حرفِ جر زائد آجاتا ہے، بعض حروفِ جارہ زائد آتے ہیں بھائی کلام کے اندر، یاد رکھیے وہ بھی کسی سے متعلق نہیں ہوتے بھائی۔ جیسے مثلاً: «لَیْسَ زَیْدٌ بِقَائِمٍ»، «لَیْسَ زَیْدٌ بِقَائِمٍ»۔ «لَیْسَ» کیا کرتا ہے؟ افعالِ ناقصہ میں سے ہے، اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب، تو اصل میں ہونا چاہیے تھا «لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا»، لیکن کبھی کبھار اس کی خبر پر باجارہ زائدہ آجاتی ہے: «لَیْسَ زَیْدٌ بِقَائِمٍ»۔ تو یہ باجارہ ہے زائدہ ہے، یہ کسی سے متعلق نہیں ہوگی۔ باقی ترکیب اسی طرح ہوگی: «لَیْسَ» فعل از افعالِ ناقصہ، «زَیْدٌ» مرفوع لفظاً اس کا اسم، باجارہ زائدہ، «قَائِمٍ» مجرور لفظاً، منصوب محلاً، مجرور لفظاً کیونکہ باجر دے رہی ہے اور منصوب محلاً کیونکہ وہ لیس کی خبر ہے، اور اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ لیس کے اسم کو، کیونکہ لیس کی خبر کو لیس کے اسم سے جوڑتے ہیں، تو اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر لیس کی خبر۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ تو یہ «قَائِمٍ» پر جو باہے وہ زائدہ ہے، وہ کسی سے متعلق نہیں ہوگی۔ تو یہ جو حروفِ جارہ زائدہ ہوتے ہیں یہ بھی کسی سے متعلق نہیں ہوتے بھائی۔

▪ قولہ: «وَیُخْتَصُّ بِالْمُتَعَدِّي» کی تشریح

«وَیُخْتَصُّ بِالْمُتَعَدِّي»، اور یہ فعلِ مجہول جو ہے، «فِعْلُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهُ»، اسی کو کیا کہتے ہیں؟ فعلِ مجہول بھی، یہ خاص ہے متعدی کے ساتھ۔ یعنی فعلِ متعدی ہی سے فعلِ مجہول آئے گا، جو فعل کیا ہو؟ متعدی ہو، یعنی جس کے لیے آگے مفعول چاہیے ہوتا ہے، مفعول چاہیے ہوتا ہے۔ تو یہاں یاد رکھیے کہ ایک تو مفعول بہ ہوتا ہے فعل کا صریح، صاف لفظوں میں جس پہ فعل نصب دیتا ہے، مثلاً میں نے کہا: «ضَرَبْتُ زَیْدًا»، یہ «زَیْدًا» کیا ہے؟

مفعول بہ ہے اور اس کو فعل نصب دے رہا ہے، تو وہ معمول جو مفعول بہ ہے اور جس میں فعل براہِ راست عمل کر کے اس کو نصب دے رہا ہے اس کو کہتے ہیں مَفْعُول بِہ صَرِیح بھائی، ص-ر-ی-ح، صریح، یعنی واضح، واضح مفعول بہ ہے یا صاف صاف کیا ہے؟ مفعول بہ ہے صاف لفظوں میں ہے، واضح پتہ چل رہا ہے یہ کیا ہے؟ مفعول بہ۔

لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ ایک اور معمول بھی لانا چاہتے ہیں، ایک اور مفعول بہ بھی لانا چاہتے ہیں لیکن فعل اس میں عمل نہیں کر سکتا۔ مثلاً دیکھیے: «ضَرَبْتُ زَیْدًا»، اب میں بتانا یہ چاہتا ہوں میں نے زید کی لاٹھی سے پٹائی کی، تو میں عصا، لاٹھی کو کیا کہتے ہیں؟ عَصَا، میں عصا کو بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں ساتھ، لیکن «ضَرَبْتُ» تو ایک مفعول چاہتا تھا اور وہ «زَیْدًا» مفعول بہ آ چکا، اب یہ عصا کو نصب نہیں دے سکتا، تو مجبوری بن گئی اب کیا کریں؟ میں تو ذکر کرنا چاہتا ہوں، تو پھر اس صورت میں یاد رکھیے حروفِ جارہ کا سہارا لیتے ہیں، کس کا؟ حروفِ جارہ کا۔ تو میں یوں کہوں گا: «ضَرَبْتُ زَیْدًا بِالْعَصَا»، «ضَرَبْتُ زَیْدًا بِالْعَصَا»۔ تو یہ جو زید ہے یہ ہے مَفْعُول بِہ صَرِیح، اور یہ جس پر حرفِ جر داخل ہوتا ہے یاد رکھیے یہ بھی مفعول بہ ہوتا ہے لیکن اس کو غَیْرِ صَرِیح کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ تو یہ «زَیْدًا» ہوا مَفْعُول بِہ صَرِیح، اور «بِالْعَصَا» میں یہ جو عصا ہے یہ ہے مَفْعُول بِہ غَیْرِ صَرِیح بھائی، تو یہ بھی دراصل کیا ہے؟ مفعول بہ ہے۔

تو بتانا میں یہ چاہتا تھا، انہوں نے کہا کہ فعلِ مجہول ہمیشہ کس سے آئے گا؟ «فِعْلُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهُ»، اسی کو کیا کہتے ہیں؟ فعلِ مجہول بھی کہتے ہیں، تو فعلِ مجہول کس سے آئے گا؟ انہوں نے کہا خاص ہے متعدی کے ساتھ، یعنی صرف فعلِ متعدی سے آئے گا۔ لیکن یاد رکھیے متعدی پھر دو قسم پر ہوا: ایک وہ ہے جو براہِ راست متعدی ہو: «ضَرَبْتُ زَیْدًا»، یہ کیا ہے؟ براہِ راست متعدی ہے، اس کا مفعول آ رہا ہے، اور ایک بعض اوقات فعل متعدی ہوتا ہے لیکن بواسطۂ حرفِ جر کے ہوتا ہے، کس کے؟ بواسطۂ حرفِ جر کے وہ متعدی ہوتا ہے، تو دونوں اس میں داخل ہو گئے، چاہے فعل متعدی ہو براہِ راست اور چاہے فعل متعدی ہو بواسطۂ حرفِ جر کے، تو یہ دونوں اس میں آ گئے۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ کیونکہ فعلِ مجہول میں کیا کیا جاتا ہے؟ فاعل کو حذف کر لیتے ہیں اور مفعول بہ کو اس کا قائم مقام کر دیتے ہیں: «ضَرَبْتُ زَیْدًا»، اب «ضَرَبْتُ» سے یہ تا ضمیر تو ختم ہو جائے گی، یہ «ضُرِبَ» بن جائے گا اور «زَیْدًا» یہ نائب الفاعل بن جائے گا اور مرفوع ہو جائے گا، تو کیا کہیں گے؟ «ضُرِبَ زَیْدٌ»، زید کی پٹائی کی گئی۔ تو مفعول بہ ہو گا تو وہ نائب الفاعل بنے گا، اگر مفعول بہ ہے ہی نہیں تو پھر نائب الفاعل کیسے بناؤ گے؟ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو لہٰذا فعلِ مجہول خاص ہے کس کے ساتھ؟ فعلِ متعدی کے ساتھ، یعنی یہ صرف فعلِ متعدی سے بنے گا۔ لیکن میں نے بتا دیا فعلِ متعدی پھر دو قسم پر ہے: ایک فعل جو متعدی ہے براہِ راست، اور ایک فعل جو متعدی ہے بواسطۂ حرفِ جر کے، تو دونوں اس میں داخل ہو گئے، چاہے براہِ راست متعدی ہو اس سے بھی فعلِ مجہول آ جائے گا، اور چاہے بواسطۂ حرفِ جر کے متعدی ہو تو اس سے بھی کیا آ جائے گا؟ فعلِ مجہول آ جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں: «وَیُخْتَصُّ بِالْمُتَعَدِّي»، اور یہ فعل یعنی فعلِ مجہول جو ہے خاص ہے متعدی کے ساتھ، یعنی فعل یہ اسی سے آئے گا۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِیقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۹۸: فصل فی اصناف اعراب الفعل، فصل الامر اور فصل فعل مالم یسم فاعلہ

ہدایۃ النحو صفحہ: ۹۰—بتاریخ: ۱۷ اگست ۲۰۱۶ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

«فَصْلٌ: فِيْ أَصْنَافِ إِعْرَابِ الْفِعْلِ، وَهِيَ أَرْبَعَةٌ: الْأَوَّلُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالضَّمَّةِ، وَالنَّصْبُ بِالْفَتْحَةِ، وَيُخْتَصُّ بِالْمُفْرَدِ الصَّحِيحِ غَيْرِ الْمُخَاطَبَةِ» .بھائی، یہ «مفرد» نہیں ہونا چاہیے، یہ لفظ «مجرد» ہونا چاہیے۔ کیا ہونا چاہیے؟ مجرد ہونا چاہیے؛ کیونکہ پہلی قسم کا اعراب بتلا رہے ہیں اور بتلایا یہ کس کے ساتھ خاص ہے؟ مفرد صحیح کے ساتھ بھائی۔ تو کون کون سے صیغے تھے یہ؟ يَضْرِبُ، تَضْرِبُ، تَضْرِبُ، أَضْرِبُ اور نَضْرِبُ۔ اب باقی تو مفرد کے ہیں، لیکن «نَضْرِبُ» یہ تو مفرد کا نہیں بھائی، یہ تو متکلم مع الغیر کا صیغہ ہے بھائی۔ تو اس کو «مجرد» لفظ ہونا چاہیے بھائی۔ مجرد یعنی خالی ہو، کس سے خالی ہو؟ ضمیرِ بارز سے خالی ہو۔

ضمیرِ بارز سے خالی ہو، اب بات صحیح ہو گئی مولانا! کہ وہ تمام صیغے مضارع کے جو صحیح کے ہیں، اور پھر «غَيْرِ الْمُخَاطَبَةِ» کی قید لگانے کی ضرورت بھی نہیں مولانا۔ کیونکہ مخاطبہ کے صیغے میں بھی کیا آتی ہے؟ ضمیرِ بارز ہوتی ہے۔ تو چنانچہ صاحبِ قافیہ کی عبارت بہترین ہے، انہوں نے «صحيح مجرد» ذکر کیا ہے، کہ صحیح ہو اور مجرد ہو یعنی ضمیرِ بارز جس کے ساتھ نہ ملی ہوئی ہو۔ اب سارے آ گئے۔ «يَضْرِبُ» کے ساتھ بھی ضمیرِ بارز نہیں، «تَضْرِبُ» واحد مونث غائبہ کے ساتھ بھی ضمیرِ بارز نہیں، اور واحد مذکر حاضر کے ساتھ بھی ضمیرِ بارز نہیں، اور واحد متکلم اور جمع متکلم کے ساتھ بھی ضمیرِ بارز نہیں ہے۔ تو مجرد کا لفظ ہونا چاہیے یہاں۔

تو مولانا کل ہم نے فعل کے اعراب کی قسمیں، اعراب کے اعتبار سے فعلِ مضارع چار قسم پر ہیں، انہوں نے بتلایا۔ پہلی قسم کیا ہے؟ جو صحیح ہو یعنی ناقص نہ ہو مولانا، اور مجرد ہو کس سے؟ ضمیرِ بارز سے۔ ان کا اعراب کیا تھا مولانا؟ حالتِ رفعی میں ضمہ کے ساتھ، حالتِ نصبی میں فتحہ کے ساتھ، اور حالتِ جزمی میں سکون کے ساتھ۔ اور دوسری قسم وہ تھی جس کے آخر میں نونِ اعرابی آتا تھا اور اس کا اعراب حالتِ رفعی میں اثباتِ نون، حالتِ نصبی و جزمی میں حذفِ نون کے ساتھ۔ اور تیسری قسم تھی ناقص یائی اور ناقص واوی، اور اس کا اعراب کیا تھا؟ حالتِ رفعی میں تقدیرِ ضمہ کے ساتھ، اور حالتِ نصبی میں فتحۂ لفظی کے ساتھ، اور حالتِ جزمی میں حذفِ لام کے ساتھ۔ اور چوتھی قسم تھی ناقص الفی بھائی، اس کا کیا بتلایا تھا؟ کہ حالتِ رفعی میں تقدیرِ ضمہ، اور حالتِ نصبی میں تقدیرِ فتحہ کے ساتھ، اور حالتِ جزمی میں حذفِ لام کے ساتھ ہو گا مولانا۔

اس کے بعد عوامل بتلائے تھے کہ ان میں عامل کون ہے، حالت جب یہ رفعی میں ہوں، حالتِ نصبی میں، حالتِ جزمی میں۔ بتلایا تھا کہ مرفوع جو ہوتا ہے اس کے اندر عامل معنوی ہوتا ہے اور وہ اس کا خالی ہونا ہے کس سے؟ عواملِ لفظیہ سے، یا یوں کہیں کس سے؟ ناصب اور جازم سے اس کا خالی ہونا ہے۔ اور منصوب بتلایا تھا، نَصب دینے والے عامل جو ہیں فعلِ مضارع کو، پانچ ہیں: أَنْ، وَلَنْ، وَكَيْ، وَإِذَنْ اور أَنْ مقدرہ۔ اور بتلایا تھا أَنْ مقدرہ کتنی، أَنْ کتنی چیزوں کے بعد مقدر ہو گا؟ سات چیزوں کے بعد: اول حَتَّى کے بعد، ثانی لامِ کَی، ثالث لامِ جحد۔ لامِ جحد کس کو کہتے ہیں بھائی؟ جو كَانَ منفی کے بعد نفی کی تاکید کے لیے آئے، اور كَانَ بھی کیا ہونا چاہیے؟ لفظًا یا معنًا ماضی ہونا چاہیے بھائی۔

اور چوتھی جگہ وہ فا جو کتنی چیزوں کے جواب میں آئے؟ چھ چیزوں کے جواب میں۔ اور وہ چھ چیزیں کون سی تھیں؟ اول امر، ثانی نہی، ثالث نفی، رابع استفہام، خامس تمنی، سادس عرض۔ اور اسی طرح پانچویں جگہ کون سی تھی؟ وہ واو جو انہیں چھ چیزوں کے جواب میں آئے۔ اور چھٹی جگہ وہ أَوْ جو إِلَّا أَنْ یا

إِلَى أَنْ کے معنی میں ہو مولانا۔ اور یہ دو معنی کیوں کیے إِلَى أَنْ یاإِلَّا أَنْ؟ کیونکہ دو گروہ ہیں، بعض علماء فرماتے ہیں کہ إِلَّا أَنْ کے معنی میں ہوتا ہے یہ أَوْ، اور بعض کیا کہتے ہیں؟ إِلَى أَنْ۔ تو دراصل یہ إِلَى کے معنی میں ہے، اور اس کے بعد کیا مقدر ہوتا ہے؟ أَنْ مقدر ہوتا ہے۔ یہ معنی نہیں کہ یہ «إِلَى أَنْ» کے معنی میں ہے اور پھر أَنْ بھی مقدر ہے؛ اگر «إِلَى أَنْ» کے معنی میں ہو تو پھر تو أَنْ مقدر نکالنے کی الگ ضرورت نہیں، ورنہ تکرارِ أَنْ لازم آئے گا۔ بھائی ساتویں جگہ کون سی تھی؟ واوِ عطف، جبکہ اس کا عطف فعلِ مضارع کا کس پر ہو رہا ہو؟ اسمِ صریح پر، کس پر؟ کیونکہ میں نے بتایا تھا اسم دو قسم پر ہے مولانا: ایک اسمِ صریح، ایک اسمِ تاویلی۔ اسمِ تاویلی جیسے أَنْ، «أَنْ يَضْرِبَ» یہ بھی کیا ہے؟ یہ اسمِ تاویلی ہے، کیونکہ أَنْ اس کو کس معنی میں کر دے گا؟ مصدر کے معنی میں کر دے گا اور مصدر اسم ہوتا ہے، تو یہ اسم ہے لیکن تاویلاً ہے۔ اور ایک اسمِ صریح ہے کہ «ضَرْبٌ» یا مصدر آئے یا کوئی اسم آئے۔ تو جب فعلِ مضارع کا عطف ہو اسمِ صریح پر، واو کے ساتھ، تو اس واو کے بعد بھی کیا مقدر ہو گا؟ أَنْ مقدر ہو گا۔

اور دو جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں پر أَنْ کا ظاہر کرنا بھی جائز: ایک لامِ کَی کے بعد، اور دوسرا واو کے بعد، واوِ عطف کے بعد۔ اور ایک جگہ ایسی ہے جہاں پر أَنْ مقدرہ کا اظہار واجب ہے، اس کو عبارت میں ذکر کرنا ضروری، اور وہ کون سی؟ لامِ کَی کس پر داخل ہو جائے؟ لانافیہ پر جب داخل ہو جائے تو دو لام جمع ہو جائیں گے جو جمع ہونا پسندیدہ نہیں، لہٰذا درمیان میں کیا لے آئیں گے؟ أَنْ جو مقدر تھا اس کو ظاہر کر دیں گے «لِئَلَّا»، اور اس کا رسم الخط بھی خاص ہو گا، ملا کر لکھیں گے بھائی۔ اس کے بعد بتلایا تھا کہ علم کے مادے کے بعد یا علم جیسے جو یقین والے افعال ہیں، ان کے بعد جو أَنْ آئے وہ أَنْ مخففہ من الثقلہ ہوتا ہے، اور وہ أَنْ ناصبہ نہیں ہوتا۔ وجہ یہ مولانا کہ علم اور یہ افعال یقین پر دلالت کرتے ہیں، تو اسی طرح أَنَّ بھی کس پر دلالت کرتا ہے؟ یقین پر دلالت کرتا ہے، تو وہ ان کے مناسب ہے۔ حالانکہ أَنْ ناصبہ جو ہے وہ تو امید اور رجا پر دلالت کرتا ہے، اور امید اور یقین یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں، دو الگ الگ چیزیں ہیں ضد، یا امید ہو گی یا یقین۔ اور وہ أَنْ جو ظن کے بعد آئے یا ظن جیسے افعال کے بعد آئے، اس میں دونوں وجہیں پڑھنا، آپ چاہیں تو اس کو أَنْ ناصبہ بنالیں وہ اگلے فعلِ مضارع کو نصب دے دے گا، اور آپ چاہیں تو اس کو أَنْ مخففہ من الثقلہ بنالیں۔

اس کے بعد بتلایا تھا جزم دینے والے عامل کون سے ہیں بھائی؟ لَمْ، لَمَّا، لامِ امر، لائے نہی اور کلمۂ مجازات۔ اور کلمۂ مجازات گنوائے تھے اور ان میں بتلایا تھا إِنْ بھی آیا اور ایک إِنْ تو لفظوں میں آئے گا اور اسی طرح ایک إِنْ مقدر ہو گا۔ کلمۂ مجازات یہ تھے مولانا: إِنْ، مَهْمَا، إِذْمَا، حَيْثُمَا، أَيْنَمَا، مَتَى، مَا، مَنْ، أَيٌّ، أَنَّى اور إِنْ مقدر۔ اس کے بعد بتلایا تھا کہ لَمْ فعلِ مضارع کو کس معنی میں کر دیتا ہے؟ ماضی کے معنی میں، اور لَمَّا بھی کس معنی میں کر دیتا ہے؟ ماضی کے معنی میں، لیکن فرق یہ ہے مولانا کہ لَمَّا کے اندر ما قبل میں دوام ہو گا اور مابعد میں امید ہو گی، مابعد میں امید ہو گی۔ نیز یہ فرق ہے کہ لَمَّا کے بعد فعل کو حذف کرنا جائز لیکن لَمْ کے بعد فعل کو حذف کرنا جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد بتلایا تھا یہ کلمۂ مجازات جو ہیں، یہ چاہے اسم ہوں یا حرف ہوں، یہ دو جملوں پر داخل ہوتے ہیں بھائی۔ اور یہ دلالت کرتے ہیں اس بات پر کہ جملۂ اولیٰ سبب ہے کس کا؟ جملۂ ثانیہ کا، اور اولیٰ کو شرط کہتے ہیں اور ثانیہ کو جزا کہتے ہیں۔ اور پھر بتلایا تھا کہ یہ شرط اور جزا کو کب جزم، ان میں جب فعلِ مضارع آئے تو حرفِ شرط یا اسمِ شرط جو ہے وہ کب جزم دے گا بھائی؟ بتلایا تھا کہ اگر شرط اور جزا دونوں ماضی ہوں تو پھر تو عمل نہیں، اور اگر دونوں مضارع ہوں تو دونوں کو کیا دے گا؟ جزم دے گا، اور اگر صرف شرط مضارع ہو تو بھی جزم دے گا، اور اگر صرف جزا مضارع ہو تو دونوں صورتیں جائز ہیں مولانا: جزم دینا بھی اور جزم نہ دینا بھی، لیکن اکثر کیا ہے؟ جزم دیا جائے گا، اکثر جزم دیا جاتا ہے۔

جی، ترکیب آپ کو یاد ہے یا ترکیب بھول گئے مولانا؟ کچھ ترکیب بھی ساتھ ساتھ کر لیں۔ «إِنْ ضَرَبْتَ ضَرَبْتُ» ترکیب کریں مولانا۔ کیا کریں گے؟ إِنْ حرفِ شرط، ضَرَبْتَ: ضَرَبَ فعل، تَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ ضَرَبْتُ: ضَرَبَ فعل، تُ ضمیر مرفوع محلاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا، جملہ خبریہ ہوا، یہ کیا ہوا؟ جملہ خبریہ۔ یاد رکھو مولانا! یہ شرط جزا میں کیسے پتہ چلے گا ہمیں کہ یہ جملہ شرطیہ خبریہ ہے یا جملہ شرطیہ انشائیہ ہے؟ جملہ شرطیہ انشائیہ ہے یا جملہ شرطیہ خبریہ ہے؟ تو جزا کو دیکھنا ہمیشہ مولانا! اگر جزا جملۂ خبریہ ہو تو یہ جملہ شرطیہ خبریہ ہو گا، اور اگر جزا انشا ہو مولانا تو یہ جملہ شرطیہ انشائیہ ہو گا۔ سمجھ میں آئی بات بھائی؟ تو اس کے مطابق اب ترکیب کرنا بھائی۔

اور ترکیب کیجیے مولانا: «إِنْ تَضْرِبْنِي أَضْرِبْكَ»، «إِنْ تَضْرِبْنِي أَضْرِبْكَ»۔ جی! إِنْ حرفِ شرط، تَضْرِبْ فعلِ مضارع مجزوم، أَنْتَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً فاعل، نون وقایہ کا، یا ضمیر اعراب بتلاؤ بھائی، منصوب محلاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ أَضْرِبْكَ، أَضْرِبْكَ: أَضْرِبْ فعل فعلِ مضارع مجزوم، أَنَا ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً فاعل، کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ

فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ خبریہ ہوا، جملہ شرطیہ خبریہ ہوا، خبر دے رہے ہیں نا، اگر میری پٹائی کروگے میں بھی کیا کروں گا؟ آپ کی پٹائی کروں گا بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

اور بناؤ مولانا: «إِنْ ضَرَبْتَنِيْ فَجَزَاكَ اللهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ»، جی! إِنْ حرفِ شرط، ضَرَبَ فعل، تَ ضمیر مرفوع محلاً فاعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاجزائیہ، جَزَاكَ اللهُ: جَزَى فعلِ ماضی، کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول، لفظِ اللہ مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا لفظاً، اور انشائیہ ہوا معناً، جزا ہوئی، یہ کیا ہوئی؟ جزا ہوئی۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہوا، جملہ شرطیہ یا یوں کہو: جملہ شرطیہ خبریہ ہوا لفظاً، اور انشائیہ ہوا معناً بھائی۔ کیونکہ «جَزَاكَ اللهُ» مولانا خبر دے رہا ہے یا دعا دے رہا ہے؟ دعا دے رہا ہے، اور دعا کیا خبر کے قبیل سے ہے یا انشا کے قبیل سے ہے؟ انشا کے قبیل سے ہے، دعا دینے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکتے ہیں؟ جملہ خبریہ وہ ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں۔ بہر حال بس یہ یاد رکھیں کہ جزا پر سارا دار و مدار ہے، اگر جزا خبر ہے تو جملہ خبریہ بن جائے گا، اور اگر جزا انشا ہے تو جملہ انشائیہ بن جائے گا۔

اس کے بعد بتلایا تھا کہ جزا پر فا داخل ہوتی ہے۔ میں نے بتلایا تھا کہ فا کے داخل کرنے، فا دراصل داخل کی جاتی ہے ربط دینے کے لیے۔ اگر ربط پہلے آچکا ہو تو پھر فا کے ذریعے ربط دینے کی ضرورت نہیں، اور کیسے پتہ چلے گا ربط پہلے آیا ہے یا نہیں؟ آپ دیکھیں کہ حرفِ شرط نے جزا کے معنی کو ماضی سے، جزا کے معنی کو تبدیل کیا ہے یا تبدیل نہیں کیا؟ اگر اس کے معنی کو تبدیل کیا ہے تو پھر اس صورت میں ربط، اگر تبدیل کر دیا ہے تو ربط آچکا ہے، اب فا لانے کی ضرورت نہیں، اور اگر تبدیل نہیں کیا تو ربط نہیں آیا، اب ربط کے لیے کس کو لے آؤ؟ فا لے آؤ۔ اب آپ مجھے بتائیے: «إِنْ ضَرَبْتَنِيْ قَدْ ضَرَبْتُكَ»؟ جی، اب فا لے کر آئیں گے، اس لیے میں نے بتلایا تھا کہ قَدْ کس لیے آتا ہے؟ ماضی کی تحقیق کے لیے آتا ہے، تو قَدْ نے آکر ماضی کے معنی کو پکا کر دیا، اب إِنْ اس کو مستقبل کے معنی میں کرنا چاہتا ہے لیکن کر نہیں سکتا، تو کوئی تبدیلی نہیں آئی جزا کے معنی میں، اور جب تبدیلی نہیں آئی تو ربط نہیں آیا، اور ربط نہیں آیا ہے تو ہمیں ربط چاہیے اور پھر ربط کے لیے کیا لے کر آئیں گے؟ فا لے کر آئیں گے بھائی۔

سمجھ میں آیا؟ تو چاہے جملہ اسمیہ ہو پھر بھی فالانا واجب، جملہ انشائیہ ہو مولانا جزا پھر بھی فاکالانا واجب، چاہے امر ہو چاہے نہی ہو۔ اور اگر فعلِ مضارع ہو مولانا پھر؟ فعلِ مضارع مثبت ہو یا منفی بلا ہو، لا کے ساتھ منفی، تو پھر مولانا فاکالانا بھی جائز اور فاکانہ لانا بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ دیکھا جائے تبدیلی آچکی ہے، کس طرح کہ پہلے حال اور استقبال دونوں معنی تھے لیکن اب کون سا ہوا؟ صرف استقبال کا، اور دیکھا جائے تو تبدیلی نہیں بھی آئی کیونکہ استقبال کا معنی تو پہلے سے ہی مضارع کے اندر موجود تھا، تو دونوں جہتوں کی رعایت کی اور فالانا بھی جائز، نہ لانا بھی جائز۔ اور کبھی کبھار بتلایا تھا فا کی جگہ پہ إِذَا مفاجاتیہ بھی آجاتا ہے، جیسے قرآن میں آیا ہے مولانا: ﴿وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ﴾۔

اس کے بعد بتلایا تھا إِنْ مقدر ہو گا چھ چیزوں کے بعد بھائی، وہی چھ چیزیں: کون کون سی؟ امر، نہی، نفی، استفہام، تمنی اور عرض بھائی، ان کے بعد۔ اور تو اس کی وجہ سے ان کا مابعد فعل کیا آئے گا؟ مجزوم ہو گا۔ «تَعَلَّمْ تَنْجُ» یہ کیا ہے مولانا؟ مجزوم ہے۔ «لَا تَكْذِبْ يَكُنْ خَيْرًا لَّكَ» یہ يَكُنْ کیا ہے مولانا؟ مجزوم ہے۔ «هَلْ تَزُورُنَا نُكْرِمْكَ» دیکھا استفہام کے بعد نُكْرِمْ فعلِ مضارع آیا تو یہ کیا ہوا؟ مجزوم ہوا۔ بھائی دیکھو بھائی! انہی چھ چیزوں کے بعد اگر فا یا واو آئے تو أَنْ ان کے اس کے بعد مقدر ہو گا اور مابعد فعل کیا ہو گا؟ منصوب ہو گا۔ اور اگر فا یا واو نہ آئے اور مضارع آئے تو وہ مضارع مجزوم ہو گا، اور وہ کیا ہو گا دراصل؟ جزا ہو گا، اور وہاں پر إِنْ اور شرط کیا ہوں گے؟ مقدر ہوں گے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو امر نہی استفہام وغیرہ کے بعد اگر فعلِ مضارع آئے گا تو وہ فعلِ مضارع مجزوم ہو گا، اور مجزوم کیوں ہے؟ کیونکہ وہ کیا بن رہا ہے؟ جزا بن رہا ہے، اور وہاں پر إِنْ بھی مقدر ہے اور شرط بھی مقدر ہے، اور إِنْ شرط کو جزم دیتا ہے اور جزا کو بھی جزم دیتا ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے مولانا کہ جبکہ اول سبب بن رہا ہو کس کے لیے؟ ثانی کے لیے، اگر ایسا نہ ہو تو پھر جزم دینا بھی، إِنْ کو مقدر نکالنا بھی جائز نہیں ہے۔

■ قولہ: «وَالثَّالِثُ: الْأَمْرُ، وَهُوَ صِيغَةٌ يُطْلَبُ ب...» کی تشریح

«وَالثَّالِثُ: الْأَمْرُ، وَهُوَ صِيغَةٌ يُطْلَبُ بِهَا الْفِعْلُ مِنَ الْفَاعِلِ الْمُخَاطَبِ بِأَنْ تَحْذِفَ مِنَ الْمُضَارِعِ حَرْفَ الْمُضَارَعَةِ، ثُمَّ تَنْظُرَ، فَإِنْ كَانَ مَا بَعْدَ حَرْفِ الْمُضَارَعَةِ سَاكِنًا زِدْتَ هَمْزَةَ الْوَصْلِ مَضْمُومَةً». امر مولانا! تیسرے فعل، ماضی کی بحث بھی پوری ہوئی،

مضارع کی بحث بھی پوری ہوئی، اور اب امر آیا بھائی: «وَهُوَ صِيغَةٌ» وہ ایسا صیغہ ہے، «يُطْلَبُ بِهَا الْفِعْلُ مِنَ الْفَاعِلِ الْمُخَاطَبِ» جس کے ذریعے فعل طلب کیا جائے فاعلِ مخاطب سے۔ «اِضْرِبْ» مولانا، اس کا کیا معنی اِضْرِبْ کا؟ تومار، یعنی مخاطب سے میں نے ایک فعل کو طلب کیا۔ «كُلْ» کیا معنی؟ تم کھاؤ، تو یہ مخاطب سے میں نے فعل کو طلب کیا۔

«بِأَنْ تَحْذِفَ مِنَ الْمُضَارِعِ حَرْفَ الْمُضَارَعَةِ» اس طور مولانا کہ آپ حذف کر لیتے ہیں مضارع سے کس کو؟ حرفِ امر کا کیا طریقہ ہے مولانا؟ امر کیسے بناتے ہیں؟ علامتِ مضارع حذف کرو، اس کے بعد آخر میں جزم دے دو، اور ہاں تو پہلے شروع کی پہلے بات پوری کر لو، شروع سے حرفِ مضارع حذف کریں گے، اس کے بعد مابعد کو دیکھیں اگر وہ متحرک ہے تو کوئی شروع میں کچھ لانے کی ضرورت نہیں، اور اگر وہ ساکن ہے تو شروع میں کیا لے آؤ؟ ہمزۂ وصلی لے آؤ، اور ہمزۂ وصل مضموم لائیں گے اگر عین کلمہ یعنی ثالث کیا ہو؟ مضموم ہو، اور اگر ثالث مفتوح یا مکسور ہو تو ہمزۂ وصل کون سا لائیں گے؟ مکسور لائیں گے۔ سمجھ میں آیا؟

تو مولانا جب تیسرا حرف یعنی عین کلمہ مضموم ہو تو ہمزۂ وصل بھی کون سا لاتے ہیں؟ مضموم لاتے ہیں۔ بھائی کیوں مضموم لاتے ہیں؟ بھائی یاد رکھو، ہمزۂ وصل میں اصل ہے اس کو مکسور ہونا چاہیے، جہاں بھی آپ ہمزۂ وصل لاتے ہیں کون سا لاتے ہیں؟ مکسور، تو یہاں کیوں مضموم لے کر آئے؟ کہتے ہیں بھائی اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم شروع میں لے آئیں ہمزۂ وصل مکسور اور مابعد تیسرا حرف کیا ہے؟ مضموم، تو لازم آئے گا خروج من الکسرہ الی الضمہ۔ کسرہ سے کس کی طرف خروج لازم آئے گا؟ ضمہ کی طرف، اور کسرہ کے بعد فوراً ضمہ کی طرف جانا اور ضمہ کا پڑھنا بڑا ثقیل ہے، بڑا ثقیل ہے، سمجھ میں آیا؟ اسی طرح ضمہ سے کسرہ کی طرف آنا بھی بڑا ثقیل ہے، بڑا ثقیل ہے۔ اسی لیے اس وزن پر، «فُعِلَ» وزن پر عربی میں بہت کم کم الفاظ آئے ہیں، ایک دو یا تین لفظ آئے ہیں پوری عربی کے اندر: «دُئِلَ»، اس «دُئِلَ» آیا، ضمہ سے کس کی طرف گئے ہیں آپ؟ کسرہ کی طرف۔ لیکن ضمہ سے کسرہ کی طرف، اوپر سے نیچے کو آنا یہ ثقیل تو تھا، لیکن یہ جو معاملہ ہے یہ تو کسرہ سے کس کی طرف جا رہے ہیں؟ ضمہ، یہ تو اس سے بھی بڑھ کر ثقیل ہے، اس سے بھی بڑھ کر ثقیل ہے۔

اس پر آپ کہیں گے بھائی کہ کسرہ کے بعد فوراً ضمہ تو نہیں آ رہا، درمیان میں تو ساکن بھی ہے۔ «اُنْصُرْ» ہے، اگر ہم «اِنْصُرْ» کہہ دیں تو ہم کسرہ کے بعد فوراً ضمہ تو نہیں آ رہا بلکہ درمیان میں کیا آ رہا ہے؟ نونِ ساکن آ رہا ہے، تو فاصلہ آ گیا۔ کہتے ہیں بھائی ساکن بمنزلۂ مردے کے ہے، ساکن بمنزلۂ مردے کے ہے، اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، وہ کالعدم ہے گویا ہے ہی نہیں۔ تو لہٰذا اس وجہ سے ضمہ پڑھتے ہیں بھائی۔ اچھا، اور اگر عین کلمہ یعنی ثالث کیا ہو؟ مفتوح ہو یا مکسور ہو تو ہمزۂ وصل کیسا لاتے ہیں؟ مکسور لاتے ہیں۔

▪ قولہ: «بِأَنْ تَحْذِفَ مِنَ الْمُضَارِعِ حَرْفَ الْمُضَارَعَةِ» کی تشریح

«بِأَنْ تَحْذِفَ مِنَ الْمُضَارِعِ حَرْفَ الْمُضَارَعَةِ»، کہ آپ حذف کر لیتے ہیں فعلِ مضارع سے حرفِ مضارع کو، «ثُمَّ تَنْظُرَ، فَإِنْ كَانَ مَا بَعْدَ حَرْفِ الْمُضَارَعَةِ سَاكِنًا» پھر حرفِ مضارع کے بعد ساکن تھا، کا مابعد ساکن تھا، «زِدْتَ هَمْزَةَ الْوَصْلِ مَضْمُومَةً» تو آپ بڑھا دیں گے شروع میں ہمزۂ وصل کو مضموم اس حال میں کہ وہ کیا ہو گا؟ مضموم۔ کب؟ «إِنِ انْضَمَّ ثَالِثُهُ» اگر ثالث یعنی عین کلمہ کیا ہے؟ مضموم ہے، «نَحْوَ: اُنْصُرْ» بھائی، «نَحْوَ: أُنْصُرْ، وَمَكْسُورَةً» اور ہمزۂ وصل اس حال لائیں گے، اس حال میں کہ مکسور ہو گا، «إِنِ انْفَتَحَ أَوِ انْكَسَرَ» اگر ثالث کیا ہو؟ مفتوح ہو یا مکسور ہو۔ «كَـ: اِعْلَمْ» دیکھو ثالث عین لام کلمہ مفتوح ہے، لام، «وَاضْرِبْ» دیکھو را کیا ہے؟ مکسور ہے، «وَاسْتَخْرِجْ»۔ تو لام کلمہ دیکھیں گے مولانا، اگر وہ مضموم ہے تو ہمزۂ وصل شروع میں مضموم لائیں گے، اگر وہ مفتوح ہے یا مکسور ہے تو کیا لے کر آئیں گے؟ ہمزۂ وصل بھی مکسور لے کر آئیں گے، جیسے «اِسْتَخْرِجْ»۔

«وَإِنْ كَانَ مُتَحَرِّكًا» اور اگر ہمزۂ، اگر مابعد حرفِ مضارع کو حذف کرنے کے بعد مابعد کیا تھا؟ متحرک تھا، «فَلَا حَاجَةَ إِلَى الْهَمْزَةِ» تو پھر کوئی حاجت نہیں ہے ہمزہ کی مولانا، پھر ہمزہ لانے کی ضرورت نہیں جیسے «عِدْ»، اصل میں کس سے بنا ہے؟ وَعَدَ يَعِدُ سے بھائی۔ پھر کیا کیا مولانا؟ علامتِ مضارع حذف کی تو «عِدْ» رہ گیا بھائی، تو اب ہمزۂ وصل کی ضرورت نہیں کیونکہ عین متحرک ہے۔ «وَحَاسِبْ»، حَاسَبَ يُحَاسِبُ، يُحَاسِبُ سے کیا کیا مولانا؟ علامتِ مضارع کو حذف کیا بھائی، تو حا متحرک تھی تو اسی طرح رکھا اور آخر سے جزم دے دیا۔

«وَالْأَمْرُ مِنْ بَابِ الْإِفْعَالِ مِنَ الْقِسْمِ الثَّانِي»، اور بابِ افعال سے جو امر آتا ہے وہ قسمِ ثانی سے ہے بھائی۔ دو قسمیں پڑھیں نا: ایک وہ قسم کہ جس میں حرفِ مضارع کو حذف، علامتِ مضارع حذف کریں تو مابعد کیا ہو گا؟ ساکن، اول۔ ثانی قسم کیا تھی کہ مابعد کیا ہو گا؟ متحرک۔ تو کہتے ہیں یہ بابِ

افعال کا امر، یہ کس قسم میں سے ہے؟ ثانی کہ یہ علامتِ مضارع حذف کرنے کے بعد ما بعد کیا ہوتا ہے؟ متحرک، کیونکہ «يُكْرِمُ»، «يُكْرِمُ» یا کو حذف کیا تو وہ جو ہمزہ یہاں حذف ہوا تھا وہ واپس آیا، تو کیا رہ گیا؟ «أَكْرِمْ» رہ گیا، تو اب مولانا ہمزۂ وصل لانے کی ضرورت نہیں۔

«وَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى عَلَامَةِ الْجَزْمِ»، اور امر مبنی ہوتا ہے علامتِ جزم پر، «لَمْ: اِضْرِبْ» یہ کون سی قسم ہے مولانا؟ جی، پہلی قسم تھی بھائی۔ «وَاغْزُ» یہ کیا ہے بھائی؟ جی؟ تیسری قسم بھائی، یہاں سے کیا گرا ہے؟ واو گرا ہے۔ «اِرْمِ» یہاں سے کیا گری ہے؟ یا۔ «اِسْعَ» یہاں سے کیا گرا؟ الف۔ «اِضْرِبَا، اِضْرِبُوا، اِضْرِبِي» یہ کون سی قسم ہے؟ یہ دوسری قسم۔ سمجھ میں آیا؟ تو «اِضْرِبْ» مولانا وہ پہلی قسم ہے جس کے اندر بھائی جزم کس کے ساتھ آیا کرتا تھا؟ سکون کے ساتھ۔ «اُغْزُ» اور «اِرْمِ» یہ کون سی قسم ہے؟ تیسری قسم ہے، ناقص واوی اور ناقص یائی، اور ان میں جزم کس کے ساتھ آتا تھا؟ حذفِ لام۔ «اِسْعَ» یہ چوتھی قسم تھی اعراب والی مولانا جس میں کیا آیا کرتا تھا؟ جس کے آخر میں الف تھا تو اس میں حذفِ لام کے ساتھ جزم آتا تھا۔ اور «اِضْرِبَا، اِضْرِبُوا، اِضْرِبِي» یہ وہ صیغے ہیں جن کے آخر میں نونِ اعرابی تھا، ان کا جزم کس کے ساتھ آتا تھا؟ حذفِ نون کے ساتھ۔ اسی لیے کہا: «وَهُوَ مَبْنِيٌّ» یہ امر مبنی ہے، لیکن «عَلَى عَلَامَةِ الْجَزْمِ» کس پر؟ علامتِ جزم پر۔

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: فِعْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، فعلِ مالم، ایسا...

«فَصْلٌ: فِعْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ»، فعلِ مالم، ایسا فعل مولانا: فعلُ ما، فعل اس مفعول کا «لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ» جس کے فاعل کو ذکر نہ کیا گیا ہو۔ فعلِ مجہول کی بات کر رہے ہیں: «هُوَ فِعْلٌ حُذِفَ فَاعِلُهُ» وہ فعل ہے جس کے فاعل کو حذف کر دیا گیا جائے، کر دیا گیا ہو، «وَأُقِيمَ الْمَفْعُولُ مَقَامَهُ» اور مفعول کو اس کا قائم مقام بنایا گیا ہو، «وَيُخْتَصُّ بِالْمُتَعَدِّي» اور یہ خاص ہے کس کے ساتھ مولانا؟ فعلِ، بھائی فعلِ مجہول کس سے آئے گا ہمیشہ؟ فعلِ متعدی سے۔ اس لیے کہ آپ نے فاعل کو حذف کر کے مفعول کو کیا بنانا ہے؟ نائب فاعل، اور مفعول ہو گا تو نائب فاعل بنائیں گے بھائی اس کو، اگر مفعول ہی نہیں تو پھر تو نائب فاعل نہیں۔ سمجھ میں آیا؟ تو چاہے اس کا مفعول بلاواسطہ آئے جیسے «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، «ضَرَبْتُ زَيْدًا» یا اس کا مفعول بالواسطۂ حرفِ جر کے آئے: «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»۔ یاد رکھو یہ جو مجرور ہوتا ہے، یہ جب فعل سے متعلق ہوتا ہے تو یہ بھی دراصل فعل کا مفعول ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»۔ لیکن «مَرَرْتُ» فعل چونکہ براہِ راست مفعول میں عمل نہیں کرتا تو ہم با کے واسطے سے اس کو لے آئے۔ «مَرَرْتُ زَيْدًا» تو ہم کہہ نہیں سکتے تھے کیونکہ «مَرَرْتُ» کیا کرتا ہے؟ مفعول کو نصب نہیں دیتا، اور یہاں مفعول تو چاہیے تو پھر وہ مفعول کس کے واسطے سے لے آئے؟ با کے واسطے سے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول بہ غیر صریح۔ ایک ہوتا ہے مفعول بہ صریح جس کو وہ نصب دیتا ہے: «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، یہ مفعول بہ صریح ہے، اور ایک حرفِ جر کے واسطے سے جو فعل کے ساتھ ملتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول بہ غیر صریح کہتے ہیں۔ تو متعدی چاہے بغیر حرفِ جر کے ہو، چاہے بالواسطۂ حرفِ جر کے ہو۔

«وَعَلَامَتُهُ فِي الْمَاضِي أَنْ يَكُونَ أَوَّلُهُ مَضْمُومًا فَقَطْ»، اور علامت مضارع، ماضی کے اندر مولانا فعلِ مجہول کی یہ ہے کہ اس کا اول مضموم ہو گا، بھائی تین قسم کے باب ہیں، تین قسم کی ماضی ہے بھائی، تین قسم کے: ایک وہ ماضی جس کے شروع میں ہمزۂ وصل آتا ہے: «اِسْتَخْرَجَ»، اس سے فعلِ مجہول کیسے بنائیں گے؟ یہ بھی طریقہ آپ کو بتائیں گے۔ ایک وہ فعلِ ماضی ہے جس کے شروع میں تا آتی ہے: «تَضَارَبَ»، اس سے فعلِ مجہول کیسے بنائیں گے؟ «تَفَعَّلَ» اس سے فعلِ مجہول کیسے بنائیں گے؟ دوسری قسم۔ تیسری وہ جس کے شروع میں نہ ہمزۂ وصل آئے اور نہ تا آئے۔ کتنی قسم پر ہوئے؟ تین: ایک وہ جس کے شروع میں ہمزۂ وصل، دوسری وہ جس کے شروع میں تا آئے، تیسری وہ جس کے شروع میں نہ ہمزۂ وصل نہ تا آئے۔

بھائی وہ جس کے شروع میں نہ تا آ رہی ہے نہ ہمزۂ وصل آ رہی ہے، اس کے پہلے کلمے کو ضمہ دے دو، اور آخر سے ما قبل کو کسرہ دے دو، فعلِ مجہول بن جائے گا۔ «ضَرَبَ»: اول کو کیا دے دو؟ ضمہ، آخر سے ما قبل کو کیا دے دو؟ کسرہ، کیا بن جائے گا؟ «ضُرِبَ»، سمجھ میں آیا؟ «قَاتَلَ»، اس سے بناؤ ذرا بھائی: شروع کو کیا دے دو؟ ضمہ، اور اس کی وجہ سے الف کس سے بدل گیا؟ واو سے، اور آخر سے ما قبل کو کیا دے دو؟ کسرہ، اگر کسرہ نہ ہو، تو یہاں کسرہ دیا، کیا بن گیا؟ «قُوتِلَ»، اس کا یہ طریقہ ہے۔

اور اگر شروع میں ہمزۂ وصل آ رہا ہے، اگر شروع میں تا آ رہی ہے پھر؟ اول کو بھی ضمہ دو، ثانی کو بھی ضمہ دو، اور آخر سے ما قبل کو کسرہ دو۔ «تَضَارَبَ»: اول کو بھی ضمہ دو، تا کو، تا کے ساتھ والے کو بھی ضمہ دو: «تُضُو»، اور الف کو کس سے بدل دو؟ واو سے، اور آخر سے ما قبل کو کیا دے دو؟ «تُضُورِبَ»۔ «تَفَعَّلَ»، جی کیا کریں گے؟ تا کو بھی، فا کو بھی، اور آخر، آخر سے ما قبل کو کیا دے دو؟ کیا بن جائے گا؟ «تُفُعِّلَ»۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

اور تیسرا وہ ہے جس کے شروع میں کیا آئے؟ ہمزۂ وصل آئے، اس میں پہلے کو ضمہ دے دو یعنی ہمزۂ وصل کو کیا دے دو؟ ضمہ، اور ثانی کو نہیں، ثالث کو اس کو بھی ضمہ دے دو، ثانی تو ساکن تھا نا ہمزۂ وصل اسی لیے، اور ثالث کو بھی کیا دے دو؟ اور آخر سے ماقبل کسرہ دے دو۔ «اِسْتَخْرَجَ»: اول کو کیا دے دو؟ ضمہ، ثالث کون ہے؟ تا، اس کو بھی کیا دے دو؟ تو کیا بن جائے گا؟ آخر «أُسْتُخْرِجَ»، آخر سے ماقبل کسرہ دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

▪ قولہ: «وَعَلَامَتُهُ فِي الْمَاضِي أَنْ يَكُونَ أَوَّلُهُ...» کی تشریح

«وَعَلَامَتُهُ فِي الْمَاضِي أَنْ يَكُونَ أَوَّلُهُ مَضْمُومًا فَقَطْ»، اور علامت اس کی ماضی میں یہ ہے کہ صرف اس کا اول مضموم ہوگا، «وَمَا قَبْلَ آخِرِهِ مَكْسُورًا»، اور آخر سے ماقبل مکسور ہوگا، «فِي الْأَبْوَابِ الَّتِي لَيْسَتْ فِي أَوَائِلِهَا هَمْزَةُ وَصْلٍ»، ان ابواب کے اندر جن کے شروع میں ہمزۂ وصل نہ ہو، «وَلَا تَاءٌ زَائِدَةٌ»، اور نہ ہی تائے زائدہ ہو، «نَحْوَ: ضُرِبَ، وَدُحْرِجَ، وَأُكْرِمَ»۔ جی، یہ تو ایک قسم تھی۔ دوسری: «وَأَنْ يَكُونَ أَوَّلُهُ وَثَانِيهِ مَضْمُومًا»، اول اور ثانی دونوں مضموم ہوں گے، «وَمَا قَبْلَ آخِرِهِ كَذَلِكَ»، اور آخر سے ماقبل اسی طرح ہوگا یعنی مکسور ہوگا، یہ کس میں ہوگا بھائی؟ کہتے ہیں: «فِيمَا فِي أَوَّلِهِ تَاءٌ زَائِدَةٌ»، جن کے شروع میں کیا آرہی ہو؟ تائے زائدہ، «نَحْوَ: تُفُضِّلَ، وَتُضُورِبَ»۔ «وَأَنْ يَكُونَ أَوَّلُهُ وَثَالِثُهُ مَضْمُومًا»، اور تیسری صورت جو تھی مولانا کہ اول کو بھی کیا دے دو، اول اور ثالث دونوں کیا ہوں؟ مضموم ہوں گے اور آخر سے ماقبل اسی طرح ہوگا یعنی کہ وہ مکسور ہوگا، «فِيمَا» ان افعال کے اندر، «فِي أَوَّلِهِ هَمْزَةُ وَصْلٍ»، جن کے شروع میں کیا ہے؟ ہمزۂ وصل، «نَحْوَ: اُسْتُخْرِجَ، وَاُقْتُدِرَ»۔ دیکھا ہمزۂ وصلی کو بھی ضمہ دیا، تا کو بھی ضمہ دیا، اور آخر سے ماقبل کو کیا دیا؟ کسرہ: «اُقْتُدِرَ»۔

«وَالْهَمْزَةُ تَتْبَعُ الْمَضْمُومَ إِنْ لَمْ تُدْرَجْ»، اور ہمزہ تابع ہوگی مضموم کے، ہمزہ کیا ہوگی؟ تابع ہوگی مضموم کے، ان صورتوں میں بھائی۔ مضموم کے، بھائی ہم نے ثالث کو ضمہ دیا تو ہمزۂ وصل کو بھی کیا دے دیا؟ ضمہ دے دیا، کیا دے دیا؟ «أُسْتُخْرِجَ» تا کو ضمہ دیا ہے تو ساتھ ہمزہ کو بھی کیوں دیا ضمہ؟ اس لیے کہ ورنہ تو خروج من الکسرہ الی الضمہ، اگر «اِسْتُخْرِجَ» کر دیں تو پھر کیا لازم آئے گا؟ خروج من الکسرہ الی الضمہ، اور وہ بڑا ثقیل ہے، تو جب تا کو ضمہ دیا تھا تو ساتھ ساتھ ہم نے ہمزہ کو بھی، ہاں یہی بات کر رہے ہیں: «وَالْهَمْزَةُ تَتْبَعُ الْمَضْمُومَ»، اور ہمزہ تابع ہوگی مضموم کے، «إِنْ لَمْ تُدْرَجْ» اگر وہ درجِ عبارت میں نہ آئے، درمیانِ عبارت میں نہ آئے مولانا۔ اس لیے کہ درمیانِ عبارت، درجِ عبارت میں تو ہمزۂ وصل کیا ہے؟ گر جاتی ہے، درمیانِ عبارت میں ہمزۂ وصل کیا ہے؟ گر، اگر گر گئی پھر تو ضمہ کسرے کی بات ہی چھوڑو، پھر تو اس کو پڑھنا ہی نہیں ہے۔ ہاں اگر درمیان میں نہ آئے شروع میں آئے، اب اس پر کچھ پڑھنا ہے تو کسرہ نہیں پڑھیں گے بلکہ کیا پڑھیں گے؟ ضمہ پڑھیں گے اور «أُسْتُخْرِجَ» کہیں گے۔

«وَفِي الْمُضَارِعِ»، اچھا مولانا یہ تو ماضی کا طریقہ تھا، ماضی کے اندر بھائی اس طرح کرتے تھے بھائی کہ تین قسم پر تھا: جس کے شروع میں ہمزۂ وصل بھی نہ آئے، تائے زائدہ بھی نہ آئے تو وہاں کیا کرتے تھے؟ صرف اول کو ضمہ اور آخر سے ماقبل کو کسرہ، اور جس کے شروع میں تائے زائدہ آئے تو تا کو بھی ضمہ اور مابعد کو بھی ضمہ اور آخر سے ماقبل کو کسرہ، اور اگر شروع میں ہمزۂ وصل آئے تو ہمزۂ وصل کو بھی ضمہ اور ثالث کو بھی ضمہ اور آخر سے ماقبل کو کسرہ۔ یہ تو ماضی کی بات تھی۔ «وَفِي الْمُضَارِعِ»، اور مضارع کے اندر، «أَنْ يَكُونَ حَرْفُ الْمُضَارَعَةِ مَضْمُومًا»، کون سا حرف مضموم ہوگا؟ حرفِ مضارع مضموم ہوگا، «وَمَا قَبْلَ آخِرِهِ مَفْتُوحًا»، اور آخر سے ماقبل کیا ہوگا؟ مفتوح ہوگا، «نَحْوَ: يُضْرَبُ»، «يَضْرِبُ» تھا، علامتِ مضارع کو ضمہ دو اور آخر سے ماقبل فتحہ دے دو، تو «يَضْرِبُ» سے کیا بن جائے گا؟ «يُضْرَبُ»، «وَيُسْتَخْرَجُ»۔

«إِلَّا فِي بَابِ الْمُفَاعَلَةِ، وَالْإِفْعَالِ، وَالتَّفْعِيلِ، وَالْفَعْلَلَةِ، وَمُلْحَقَاتِهَا الثَّمَانِيَةِ، فَإِنَّ الْعَلَامَةَ فِيهَا فَتْحُ مَا قَبْلَ الْآخِرِ»، مگر یہ افعال ہیں بھائی، یہ وہ افعال ہیں جن کی ماضی چار حرف پر مشتمل تھی، کون کون سے ابواب تھے؟ بابِ افعال، ثانی تفعیل، ثالث مفاعلہ اور فعللہ، بابِ فعللہ۔ تو ان کے اندر ان کی علامت کیا ہے؟ کہتے ہیں بھائی ان کے اندر علامتِ مضارع تو پہلے سے ہی مضموم تھی: قَاتَلَ يُقَاتِلُ، أَكْرَمَ يُكْرِمُ، كَرَّمَ يُكَرِّمُ، دَحْرَجَ يُدَحْرِجُ۔ تو لہٰذا ان کی علامت جو ہے، یا پر علامتِ مضارع پر ضمہ نہیں کیونکہ وہ تو معروف میں بھی ضمہ آتا ہے، تو پھر کیا علامت ہے ان کی؟ کہتے ہیں ان کا آخر سے ماقبل صرف فتحہ آئے گا، پہلے کسرہ تھا اب کیا آئے گا؟ فتحہ آئے گا، تو «يُكْرَمُ» دیکھو صرف فتحہ، پہلے «يُكْرِمُ» تھا۔

■ قولہ: «إِلَّا فِي بَابِ الْمُفَاعَلَةِ، وَالْإِفْعَالِ، و...» کی تشریح

«إِلَّا فِي بَابِ الْمُفَاعَلَةِ، وَالْإِفْعَالِ، وَالتَّفْعِيلِ، وَالْفَعْلَلَةِ»، مگر ان ابواب کے اندر، «وَمُلْحَقَاتِهَا» اور اس بابِ فعللہ کے جو ملحقات ہیں «الثَّمَانِيَةِ»، کتنے پڑھے ہیں آپ نے بھائی؟ آٹھ پڑھے ہیں یا سات پڑھے ہیں؟ جی، سات ہیں مولانا، یہ ایک کتابت کی غلطی ہے لیکن ایک مرتبہ آگئی تو اسی طرح کتاب میں لکھی جاتی ہے، تو دراصل سات ابواب ہیں، ملحقات سات ہیں۔ تو دیکھا: «فَإِنَّ الْعَلَامَةَ فِيهَا فَتْحُ مَا قَبْلَ الْآخِرِ»، اس لیے کہ ان کے اندر علامت صرف کیا ہے؟ آخر سے ماقبل فتحہ ہے، اور علامتِ مضارع پر ضمہ تو معروف کے اندر بھی مضموم ہوتا ہے وہ پہلے، «نَحْوَ: يُحَاسَبُ، وَيُدَحْرَجُ»۔

«وَفِي الْأَجْوَفِ مَاضِيهِ»، اجوف کے اندر مولانا، اجوف کے صیغوں میں ذرا تفصیل ہے وہ بتلائیں گے، اجوف کی ماضی کا الگ حکم ہے۔ «وَفِي الْأَجْوَفِ» اور اجوف کے اندر، «مَاضِيهِ» اس کی ماضی جو ہے «قِيلَ، وَبِيعَ»۔ یہ «قِيلَ» بھی پڑھیں گے، «قِيلَ» اصل میں کیا تھا مولانا؟ «قُوِلَ» تھا، تو پھر کیا کیا مولانا؟ واو کی حرکت ماقبل کو دی شاباش، اور کسرے کی وجہ سے اس کو کس سے بدل دیا؟ یا سے، کیا ہو گیا؟ «قِيلَ»۔ تو اس کے اندر «قِيلَ» پڑھنا بھی جائز۔ دوسری صورت: بھائی کسرہ ماقبل کو نقل نہ کرو، واو کو ساکن کر دو، بس کیا پڑھیں گے؟ «قُولَ»، «بُوعَ»، یہ پڑھنا بھی جائز ہے۔ سمجھ میں آئی دوسری لغت؟ یہ بھی جائز۔ تیسرا یہ کہ کسرہ نقل کر دیا ماقبل کو دے دیا، اور واو کو کیا کر دیا؟ یا سے بدل دیا، تو کیا بنا؟ «قِيلَ»، لیکن اب اس کو «قِيلَ» نہ پڑھیں بلکہ اس کسرے کو تھوڑی سی ضمہ کی بو دے دیں، یا اس جو ضمہ کی بو دے دیں: «قِيُولَ»، کیا پڑھیں گے؟ کسرے کے ساتھ تھوڑی سی ضمہ کی بو دینی ہے آپ نے، ضمہ تھوڑا حرکت ضمہ والی بھی ساتھ ملا دیں: «قِيُولَ»، کیا پڑھیں گے؟ «قُيُولَ»۔ تو یا کو واو کی بو دینا، واو کی حرکت تھوڑی سی دینا، اس کو کہتے ہیں اشمام، کیا کہتے ہیں؟ اشمام۔

«وَفِي الْأَجْوَفِ مَاضِيهِ: قِيلَ، وَبِيعَ»، «قِيلَ» اور «بِيعَ» بھی پڑھیں گے، پہلی مولانا کون سی مثال ہے؟ اجوفِ واوی، دوسری؟ اجوفِ یائی، «بِيعَ» بھی پڑھ سکتے ہیں۔ «وَبِالْإِشْمَامِ» اشمام کے ساتھ بھی پڑھیں گے، کیسے؟ «قُيُولَ»، «بُيُوعَ»۔ «وَبِالْوَاوِ» اور واو کے ساتھ بھی پڑھیں گے، کیسے مولانا؟ «قُولَ»، اصل میں کیا تھا؟ «قُوِلَ» تو واو کو ساکن کر دیا «قُولَ» ہوا، «بُوعَ» اصل میں کیا تھا؟ «بُيِعَ»، تو ماقبل ضمہ کی وجہ سے یا کو بھی کس سے بدل دیا ساکن کر کے؟ واو سے بدل دیا، کیا ہوا؟ «بُوعَ» ہوا۔

«وَكَذَلِكَ بَابُ اخْتِيرَ، وَانْقِيدَ»، باب اختیر، انقید بھی اسی طرح ہیں، وہاں بھی یوں پڑھیں گے: «اُخْتِيرَ» ایک یہ، دوسرا «اُخْتُورَ» جی، تیسرا «اُخْتُيِرَ»۔ «اُنْقِيدَ» میں بھی یوں پڑھیں گے: پہلا کیسے پڑھیں گے؟ «اُنْقِيدَ»، ثانی «اُنْقُودَ»، ثالث «اُنْقُيِدَ»، سمجھ میں آیا بھائی؟ «دُونَ اسْتُخِيرَ، وَأُقِيمَ»، «اُسْتُخِيرَ» اور «أُقِيمَ» میں نہیں پڑھیں گے، کیوں؟ «لِفَقْدِ فُعِلَ فِيهِمَا»، اس لیے کہ ان کے آخر میں «فُعِلَ» وزن نہیں آیا۔ بھائی «اُخْتِيرَ»، «اُنْقِيدَ» کے آخر میں «فُعِلَ» وزن آیا تھا، اور تو «قِيلَ» اور «بِيعَ» کا وزن بھی کیا تھا؟ «قِيلَ» کس وزن پر تھا اصل میں؟ «قُولَ»، «فُعِلَ» تھا، «بِيعَ» بھی کس وزن پر تھا؟ «بُيِعَ»، «فُعِلَ»۔ تو جہاں یہ «فُعِلَ» وزن آخر میں آئے گا وہاں اس طرح تین حرکتیں پڑھیں گے مولانا اجوف کے اندر، اور جہاں پر یہ وزن «فُعِلَ» نہیں آئے گا وہاں پر یہ تین جائز نہیں۔ اب دیکھیے «اُسْتُخِيرَ» کے اندر یہ «فُعِلَ» وزن نہیں، لہٰذا یہ تین پڑھنا جائز نہیں۔ «اُسْتُخِيرَ» اصل میں کیا تھا؟ «اُسْتُخْيِرَ»، تو «فُعِلَ» وزن آیا؟ «اُسْتُخْ» خا ساکن ہے، خا پر ضمہ ہوتا خا پر تو «فُعِلَ» بنتا، اور خا تو اصل میں کیا ہے؟ ساکن، تو «فُعِلَ» وزن آیا؟ نہیں، جبکہ «اُخْتِيرَ» میں تھا، «اُخْتِيرَ» کیا تھا؟ «اُخْتُيِرَ»، «تُيِرَ»، «فُعِلَ»۔ اسی طرح «اُنْقِيدَ» اصل میں کیا تھا؟ «اُنْقُيِدَ»، «قُيِدَ»، «فُعِلَ»، وزن بنا، جبکہ «اُسْتُخِيرَ» میں ایسا وزن نہیں آرہا: «اُسْتُخْيِرَ»، یہ تو خا ساکن ہے، خا پر ضمہ ہوتا تو وزن بنتا۔ «أُقِيمَ» اصل میں کیا تھا؟ «أُقْوِمَ»، تو یہاں پر بھی قاف کیا ہے؟ ساکن ہے، تو «قُومَ» ہوتا تو وزن بن جاتا «فُعِلَ»، لیکن قاف ساکن، تو ان میں یہ نہیں پڑھیں گے، «لِفَقْدِ فُعِلَ فِيهَا»، اس لیے کہ ان کے آخر میں «فُعِلَ» کا وزن مفقود ہے، فقد کا معنی ہوتا ہے نہ ہونا، نہ ہونا۔

■ قولہ: «وَفِي مُضَارِعِهِ» کی تشریح

«وَفِي مُضَارِعِهِ»، بھائی یہ تو اجوف کی ماضی کی بات ہوئی، اب اجوف کے مضارع بتلا رہے ہیں: «وَفِي مُضَارِعِهِ تُقْلَبُ الْعَيْنُ أَلِفًا»، اور اجوف کے مضارع کے اندر مولانا عین کو کس سے بدلتے ہیں بھائی؟ الف سے بدلتے ہیں، پہلے کیا تھا؟ «يَقُولُ»، کیا تھا؟ «يَقُولُ»، اور عین کیا ہے مولانا عین

کلمہ؟ واو، اس کو الف سے بدلا اور شروع میں کیا دیا تھا؟ ضمہ، تو کیا پڑھا؟ «يُقَالُ»۔ «يَبِيعُ»، شروع میں ضمہ دیا اور یا کو کس سے بدلا؟ الف سے، «يُبَاعُ» ہوا۔ تو مضارع میں عین کلمہ الف سے بدل دیں گے، جیسے «يُقَالُ، وَيُبَاعُ، كَمَا عَرَفْتَ فِي التَّصْرِيفِ»، جیسے کہ آپ کس میں جان چکے ہیں؟ علمِ صرف کے اندر بھائی، سمجھ میں آیا؟ بار بار پتہ چل رہا ہے معلوم ہوا صرف مقدم ہے، پہلے صرف سیکھی جائے اس کے بعد کس کو شروع کیا جائے؟ نحو کو بھائی۔ «مُسْتَقْصًى» بھائی، مستقصاً پورے طور پر، پورے طور پر، جیسے کہ آپ صرف میں پورے طور پر جان چکے ہیں طریقہ بھائی۔

▪ متن وفصل: فَصْلٌ: الْفِعْلُ إِمَّا مُتَعَدٍّ، فعل یا تو متعدی ہوگا، یا...

«فَصْلٌ: الْفِعْلُ إِمَّا مُتَعَدٍّ»، فعل یا تو متعدی ہوگا، یا فعلِ لازم آگے آرہا ہے بھائی یا فعلِ لازم ہوگا۔ متعدی جو ہے: «وَهُوَ مَا يَتَوَقَّفُ فَهْمُ مَعْنَاهُ عَلَى مُتَعَلِّقٍ غَيْرِ الْفَاعِلِ»، بھائی فعلِ متعدی کس کو کہتے ہیں؟ جو فاعل کے ساتھ مل کر بات پوری نہ ہو، فاعل کے علاوہ وہ ایک اور متعلق کو چاہتا ہے۔ وہ ہے جس کا موقوف ہو جس کے معنی کا سمجھنا «عَلَى مُتَعَلِّقٍ غَيْرِ الْفَاعِلِ»، ایسے متعلق پر جو فاعل کے علاوہ ہو، «كَ: ضَرَبَ»، تو «ضَرَبَ» فاعل کو بھی چاہتا ہے اور مضروب کو بھی چاہتا ہے، جب تک مضروب نہیں «ضَرَبَ» فعل کا وجود نہیں ہو سکتا۔ «وَإِمَّا لَازِمٌ»، یا کیا ہوگا مولانا؟ لازم ہوگا۔ بھائی فعلِ لازم و متعدی کا اردو میں میں نے بتلایا تھا بھائی: اردو میں ترجمہ کرو، اگر جملے میں «نے» آئے تو فعل کون سا ہوگا؟ متعدی، اور اگر «نے» نہ آئے تو پھر یہ فعلِ لازم ہوگا۔ «وَهُوَ مَا بِخِلَافِهِ»، اور وہ ہے جو اس کے خلاف ہو یعنی جس کے معنی کا سمجھنا فاعل کے علاوہ کسی اور پر موقوف نہ ہو، «كَ: قَعَدَ» وہ بیٹھا، «وَقَامَ» وہ کھڑا ہوا، یہاں اور کسی، فاعل کے علاوہ اور کسی مفعول کی ضرورت نہیں۔

«وَالْمُتَعَدِّي قَدْ يَكُونُ إِلَى مَفْعُولٍ وَاحِدٍ»، اور متعدی کبھی ایک مفعول کی طرف ہوگا، «كَ: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، زید نے عمرو کی، تو «ضَرَبَ» کتنے مفعول چاہتا ہے؟ ایک، تو متعدی کبھی ایک مفعول کی طرف ہوگا۔ «أَوْ إِلَى مَفْعُولَيْنِ»، اور کبھی کس کی طرف ہوگا؟ دو مفعولوں کی طرف، «كَ: أَعْطَى زَيْدٌ عَمْرًا دِرْهَمًا»، عطا کیا زید نے عمرو کو درہم، تو دیکھو «عَمْرًا» مفعولِ اول، «دِرْهَمًا» مفعولِ ثانی۔ تو یہ جو «أَعْطَى» ہے مولانا یہ دو مفعول چاہتا ہے، تو یہ بابِ اعطیت کہلاتا ہے، کیا کہلاتا ہے؟ بابِ اعطیت کہلاتا ہے۔ «وَيَجُوزُ فِيهِ الِاقْتِصَارُ عَلَى أَحَدِ مَفْعُولَيْهِ»، اور جائز ہے اس میں اکتفا کرنا دو مفعولوں میں سے ایک پر، اس کے دو مفعولوں میں سے ایک پر اکتفا کرنا جائز ہے، آپ کہہ سکتے ہیں: «أَعْطَيْتُ زَيْدًا»، «أَعْطَيْتُ دِرْهَمًا»، تو چاہے دونوں ذکر کریں «أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا» اور چاہے تو ایک پر اکتفا کر لیں۔ تو «أَعْطَيْتُ زَيْدًا» یہ بھی کہہ سکتے ہیں، «أَعْطَيْتُ دِرْهَمًا» یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

«بِخِلَافِ بَابِ عَلِمْتُ»، بخلاف بابِ علمت کے، بھائی دیکھو دو قسم کے افعال ہیں جو دو مفعول چاہتے ہیں: کچھ بابِ علمت کہلاتے ہیں جن کا آگے باقاعدہ ذکر بھی کریں گے: عَلِمْتُ، رَأَيْتُ، خِلْتُ، حَسِبْتُ، ظَنَنْتُ وغیرہ، ان کو افعالِ قلوب کہتے ہیں، سات ہیں مولانا، کتنے ہیں؟ سات ہیں، یہ افعالِ قلوب کہلاتے ہیں، یہ دو مفعول چاہتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ اور افعال بھی ہیں، وہ بھی بعض اوقات دو مفعول چاہتے ہیں، وہ بھی دو مفعول بعض چاہتے ہیں ان میں سے، لیکن وہ بابِ اعطیت کہلاتے ہیں، کیا کہلاتے ہیں؟ اور فرق یہ ہے مولانا کہ بابِ اعطیت کے اندر دونوں مفعول الگ الگ ذاتیں ہوں گی، بابِ اعطیت میں دونوں مفعول الگ الگ، اور بابِ علمت کے اندر دونوں ایک ذات ہوں گی۔ «أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا»، مفعولِ اول کون مولانا؟ زید، مفعولِ ثانی کون؟ درہم، اور دونوں الگ ذاتیں ہیں یا ایک ہی ہیں بھائی؟ الگ الگ ذاتیں ہیں۔ اور دوسرے «عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا»، میں نے زید کو کیا جانا؟ فاضل، زید سے کون سی ذات مراد ہے؟ وہی جو جس پہ فاضل دلالت کر رہا ہے، تو فاضل اور زید کیا ہیں؟ ایک ہی ذات ہیں، وہی زید فاضل ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو بابِ اعطیت کے اندر دونوں مفعول جو ہیں دو الگ ذاتیں ہوتی ہیں، اور بابِ علمت کے اندر دونوں کی ذات ایک ہی ہوتی ہے۔

یہ بابِ علمت کے اندر یاد رکھو یہ جو دو مفعول ہیں یہ دراصل مبتدا خبر تھے اصل میں، اصل میں تھا: «زَيْدٌ فَاضِلٌ»، زید کیا ہے؟ فاضل ہے، پھر اس مبتدا خبر پر «عَلِمْتُ» داخل ہوا، اس «عَلِمْتُ» نے دونوں کو مبتدا اور خبر کو کیا بنا دیا؟ مفعول بنا دیا۔ لہٰذا تو چونکہ ان میں سے اس وقت تو یہ مفعول ہیں دونوں لیکن درحقیقت یہ آپس میں مبتدا خبر ہیں، اور مبتدا خبر کے بغیر نہیں آسکتا اور خبر مبتدا کے بغیر نہیں آسکتی، لہٰذا ان دونوں میں سے ایک کو حذف کرنا اور ایک پر اکتفا کرنا جائز نہیں۔ یا تو دونوں کو حذف کرو، «عَلِمْتُ» کہہ دو بس، جبکہ مخاطب کو پتہ چل رہا ہو، قرینے سے وہ سمجھ جائے آپ کیا کہہ رہے ہیں، اور یا پھر دونوں کو کیا کرو؟ ذکر کرو۔ جبکہ بابِ اعطیت میں ایک کو ذکر کرو اور ایک کو حذف کرو یہ بھی جائز ہے، دونوں کو ذکر کرو یہ بھی جائز ہے۔ فرق دونوں میں سمجھ میں آیا؟

تو کہتے ہیں مولانا: «وَيَجُوزُ فِيهِ الِاقْتِصَارُ عَلَى أَحَدِ مَفْعُولَيْهِ»، اور کافی ہے، جائز ہے اکتفا کرنا اس کے دو مفعولوں میں سے ایک پر بھی، «كـ: أَعْطَيْتُ زَيْدًا، وَأَعْطَيْتُ دِرْهَمًا، بِخِلَافِ بَابِ عَلِمْتُ»، بخلاف کس کے؟ بابِ علمت کے، وہاں پر ایک مفعول پر اکتفا کرنا جائز نہیں۔ یا تو دونوں کو ذکر کرو یا دونوں کو کیا کرو؟ حذف کرو، اس لیے کہ بظاہر تو وہ دونوں مفعول ہیں لیکن در حقیقت وہ آپس میں کیا ہیں؟ مبتدا خبر ہیں۔

▪ قولہ: «وَإِلَى ثَلَاثَةٍ مَفَاعِيلَ» کی تشریح

«وَإِلَى ثَلَاثَةٍ مَفَاعِيلَ»، یا مولانا کس کی طرف، کتنے مفعول چاہے گا فعل؟ متعدی ہو گا یا تین مفعولوں کی طرف، «نَحْوَ: أَعْلَمَ اللهُ زَيْدًا عَمْرًا فَاضِلًا»، اللہ نے بتلا دیا زید کو کہ عمرو فاضل ہے، اللہ نے علم دیا زید کو کہ عمرو کیا ہے؟ فاضل ہے، تو دیکھو «زَيْدًا» مفعولِ اول، «عَمْرًا» مفعولِ ثانی، «فَاضِلًا» مفعولِ ثالث بھائی۔ ان میں بھی یاد رکھو، اچھا یہ کون سے ہیں بھائی؟ ایک تو «أَعْلَمَ» آیا، «أَعْلَمَ» کتنے مفعول چاہتا ہے؟ تین مفعول بھائی۔ یاد رکھو ایک فعل لازم ہو اس کو متعدی بنانے کے کئی طریقے ہیں، بہر حال ایک طریقہ ان میں سے یہ ہے اس کو بابِ افعال میں لے جاؤ، تو اگر وہ پہلے فعل لازم تھا تو اب کیا بن جائے گا؟ متعدی بیک مفعول ہو جائے گا۔ «ذَهَبْتُ» کا معنی: میں گیا، اور «أَذْهَبْتُ زَيْدًا»: میں زید کو لے گیا، تو پہلے یہ لازم تھا اب بابِ افعال میں لے گئے تو یہ کتنے مفعول چاہنے لگا؟ ایک چاہنے لگا۔ اور اگر پہلے ایک چاہتا تھا تو اب دو چاہے گا مولانا، جیسے «حَفَرْتُ نَهْرًا» میں نے نہر کھودی، یہ ایک مفعول چاہتا تھا، اب آپ اس کو بابِ افعال میں لے گئے: «أَحْفَرْتُ زَيْدًا نَهْرًا» یعنی میں نے نہر کھودنے میں زید کی مدد کی، تو دو مفعول۔ اور اگر پہلے سے دو چاہتا تھا اب بابِ افعال میں لے جاؤ تو وہ تین چاہے گا: «عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا»، کتنے مفعول «عَلِمْتُ» چاہتا تھا؟ دو، اب «أَعْلَمْتُ» کہہ دیں مولانا تو اب تین چاہے گا: «أَعْلَمْتُ زَيْدًا عَمْرًا فَاضِلًا»۔ سمجھ میں آیا؟

تو مولانا ایک تو «أَعْلَمَ» ہوا بھائی، «وَمِنْهُ»، اور اسی میں سے ہے جو تین مفعول چاہتے ہیں: أَرَى، أَنْبَأَ، نَبَّأَ، أَخْبَرَ، خَبَّرَ اور حَدَّثَ، یہ جو مولانا چھ مزید ہیں۔ تو سات ہو گئے کل یہ مولانا، یہ ساتوں کیا چاہتے ہیں؟ تین مفعول، اور سب کا معنی ہے خبر دینا، سب کا معنی خبر دینا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ «أَرَى» میں نے زید کو دکھلایا بھائی، میں نے زید کو دکھلایا، یہ بھی خبر کے معنی میں بن جائے گا، میں نے زید کو دکھلایا کہ عمرو کیا ہے؟ فاضل ہے، یعنی خبر ہی دی۔ «وَأَنْبَأَ» اس کا بھی وہی معنی، نَبَّأَ، أَخْبَرَ، خَبَّرَ، حَدَّثَ سب کا یہی معنی بھائی۔

«وَهَذِهِ السَّبْعَةُ مَفْعُولَاهَا الْأَوَّلُ مَعَ الْأَخِيرَيْنِ كَمَفْعُولَيْ أَعْطَيْتُ فِي جَوَازِ الِاقْتِصَارِ عَلَى أَحَدِهِمَا»، بھائی ان کے کتنے مفعول ہیں بھائی؟ کتنے مفعول چاہتے ہیں؟ ادھر دیکھو بھائی! بابِ اعطیت کے اندر آپ نے کیا پڑھا؟ ایک مفعول پر اکتفا کرنا بھی، بابِ علمت کے اندر کیا پڑھا؟ دو مفعولوں میں سے ایک پر اکتفا کرنا جائز نہیں، تو یہ جو بابِ اعلم، اعلم ہے یہ تین مفعول چاہتا ہے۔ یاد رکھو یہ دیکھو یہ پہلا ہے، یہ دوسرا ہے، یہ تیسرا ہے۔ یہ جو دوسرا اور تیسرا ہیں یہ آپس میں بابِ علمت کے مفعولوں کی طرح ہیں، یہ دوسرا اور تیسرا کس کی طرح ہیں؟ بابِ علمت کے مفعولوں کی طرح، اور بابِ علمت کے مفعولوں میں سے ایک کو حذف کرنا اور ایک پر اکتفا کرنا جائز؟ لہٰذا دوسرے اور تیسرے میں سے ایک کو حذف کرنا اور ایک پر اکتفا کرنا جائز؟ یا تو دوسرے تیسرے دونوں کو ذکر کرو یا دونوں کو کیا کرلو؟ حذف کرلو۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں، اب ان دوسرے اور تیسرے کا ایک مجموعہ بنالو، یہ ایک سمجھو، کیا سمجھو؟ اور پہلے کو، تو پہلا ان دو کی طرف نسبت کرتے ہوئے بابِ اعطیت کے مفعول کی طرح ہے یعنی چاہو تو پہلے کا حذف کرلو، چاہے تو دونوں کو ذکر کرو یعنی پہلے کو بھی اور دوسرے اور تیسرے کا جو مجموعہ ہے دونوں کو، تو پہلے کو بھی ذکر کرو اور دوسرے تیسرے، اور چاہے تو پہلے کو حذف کرلو، چاہے تو دوسرے کو حذف کرلو اور پہلے کو کیا کر دو؟ سمجھ میں آیا؟ تو دوسرے اور تیسرے کو حذف کر دیا اور پہلے کو، صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ کہ یہ جو دوسرا اور تیسرا ہے ان کی طرف نسبت کرتے ہوئے پہلا مفعول بابِ اعطیت کی طرح ہے، آپ چاہیں تو پہلے کو پہلے اور دوسرے اور تیسرے ان کو کیا کریں؟ ذکر کریں، آپ چاہیں تو پہلے کو حذف کر دیں اور دوسرے تیسرے کو کیا کریں؟ ذکر کریں، اور آپ چاہیں تو پہلے کو ذکر کریں اور دوسرے تیسرے کو کیا کر دیں؟ حذف کر دیں۔ اور لیکن دوسرا اور تیسرا آپس میں کس کی طرح ہیں؟ بابِ علمت کی طرح، اور بابِ علمت کے اندر ایک پر اکتفا کرنا جائز؟ تو آپ یا تو دونوں کو ذکر کریں گے دوسرے اور تیسرے کو، یا دونوں کو کیا کریں گے؟ حذف کریں گے۔

«وَهَذِهِ السَّبْعَةُ»، اور یہ سات جو ہیں مولانا، «مَفْعُولَاهَا الْأَوَّلُ مَعَ الْأَخِيرَيْنِ»، ان کا پہلا مفعول جو ہے آخری دو کے ساتھ، پہلا مفعول کس کے ساتھ؟ آخری دونوں کے ساتھ، «كَمَفْعُولَيْ أَعْطَيْتُ»، کس کی طرح ہے؟ اعطیت کے دو مفعولوں کی طرح ہے، «فِي جَوَازِ الِاقْتِصَارِ عَلَى أَحَدِهِمَا»، کس چیز میں؟ دو میں سے ایک پر اکتفا کرنے کے جائز ہونے میں، دونوں میں سے ایک پر اکتفا کے جائز ہونے میں۔ «تَقُولُ» آپ کہیں گے بھائی

دیکھو: «أَعْلَمَ اللهُ زَيْدًا»، اللہ نے زید کو علم دیا بتلایا بھائی، آگے «عَمْرًا فَاضِلًا» دونوں کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا۔ «وَالثَّانِي مَعَ الثَّالِثِ»، اور ثانی ثالث کے ساتھ، «كَمَفْعُولَيْ عَلِمْتُ»، کس کی طرح ہے؟ علمت کے مفعول کی طرح ہے، کس چیز میں بھائی؟ «فِي عَدَمِ جَوَازِ الِاقْتِصَارِ عَلَى أَحَدِهِمَا»، کہ جائز نہیں ہے اکتفا کرنا دونوں میں سے کسی ایک پر، «فَلَا تَقُولُ» یوں کہنا جائز نہیں: «أَعْلَمْتُ زَيْدًا خَيْرَ النَّاسِ»، بلکہ یوں کہیں گے: «أَعْلَمْتُ زَيْدًا عَمْرًا خَيْرَ النَّاسِ»۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

جی، ترکیب ذرا کر لو بھائی: «أَعْلَمْتُ زَيْدًا عَمْرًا خَيْرَ النَّاسِ»۔ أَعْلَمَ فعل، تُ ضمیر مرفوع محلاً فاعل، زَيْدًا منصوب لفظاً مفعولِ اول، عَمْرًا منصوب لفظاً مفعولِ ثانی، خَيْرَ منصوب لفظاً مضاف، النَّاسِ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعولِ ثالث، فعل اپنے فاعل اور تینوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: أَفْعَالُ الْقُلُوبِ، اب مولانا افعالِ قلوب کی تفصیل...

«فَصْلٌ: أَفْعَالُ الْقُلُوبِ»، اب مولانا افعالِ قلوب کی تفصیل علیٰحدہ بابِ علمت بیان کریں گے: «أَفْعَالُ الْقُلُوبِ: عَلِمْتُ، وَظَنَنْتُ، وَحَسِبْتُ، وَخِلْتُ، وَرَأَيْتُ، وَوَجَدْتُ، وَزَعَمْتُ»، افعالِ قلوب یہ افعالِ قلوب کہلاتے ہیں، اس لیے کہ ان کا تعلق مولانا قلب سے ہے۔ «عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا» میں نے زید کو کیا جانا؟ فاضل، آپ کو کچھ کرنا پڑا؟ یہ جاننے والا کام کس کا ہے؟ آپ کے قلب کا ہے، تو یہ افعال ان افعال کا خیال کرنا، میں نے زید کے بارے میں خیال کیا، گمان کیا، میں نے زید کو عالم سمجھا، یہ سارے کیا ہیں مولانا؟ افعالِ قلوب ہیں، کیونکہ اس میں آپ کو ظاہری اعضاء سے کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ اب یہ عَلِمْتُ ہے، ظَنَنْتُ ہے، حَسِبْتُ ہے، خِلْتُ ہے، رَأَيْتُ ہے، وَجَدْتُ ہے اور زَعَمْتُ ہے۔

بھائی ان افعال کو افعالِ شک و یقین بھی کہتے ہیں، کیونکہ ان میں سے کچھ افعال شک کے لیے آتے ہیں اور کچھ افعال یقین کے لیے آتے ہیں۔ یاد رکھو ان میں سے تین یقین کے لیے ہیں، تین شک کے لیے ہیں، اور ایک مشترک ہے، یقین کے لیے بھی آتا ہے اور شک کے لیے بھی آتا ہے۔ یقین کے لیے کون سے ہیں؟ جی، عَلِمْتُ ہے، رَأَيْتُ ہے اور وَجَدْتُ ہے۔ عَلِمْتُ ہے، رَأَيْتُ ہے، وَجَدْتُ ہے۔ یہ تینوں کس لیے آتے ہیں مولانا؟ یقین کے لیے۔ بین السطور لکھا ہوا ہے کہ این ہفت برائے یقین ہستند، یہ غلط لکھا ہے مولانا، اکٹھے تو ہیں ہی نہیں، علمت شروع میں آ رہا ہے، رأیت اور وجدت کہاں آ رہے ہیں؟ درمیان میں۔ ہاں تو عَلِمْتُ اور رَأَيْتُ اور وَجَدْتُ یہ تین یقین کے لیے ہیں۔ ظَنَنْتُ، حَسِبْتُ، خِلْتُ: ظَنَنْتُ کا معنی ہے گمان کرنا، حَسِبْتُ کا معنی بھی گمان کرنا، خِلْتُ کا معنی خیال کرنا، یہ تینوں مولانا شک کے لیے ہیں، تینوں شک کے لیے ہیں۔ اور زَعَمْتُ اور زَعَمْتُ کیا ہے مولانا؟ مشترک ہے، یہ کبھی یقین کے لیے آتا ہے اور کبھی شک کے لیے آتا ہے۔

«وَهِيَ أَفْعَالٌ تَدْخُلُ عَلَى الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ»، یہ افعال ہیں کس پر داخل ہوتے ہیں مولانا؟ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں، «فَتَنْصِبُهُمَا عَلَى الْمَفْعُولِيَّةِ»، پس ان کو نصب دیتے ہیں کس بنا پر؟ مفعول ہونے کی بنا پر۔ دیکھا، میں نے یہی کہا تھا اس کے دونوں مفعول دراصل آپس میں کیا ہیں؟ مبتدا خبر ہیں، تو ان کو نصب دیتے ہیں مفعول ہونے کی بنا پر، جیسے «عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا»، اصل میں کیا تھا؟ زَيْدٌ عَالِمٌ، پھر اس پر کیا داخل ہوا؟ عَلِمْتُ، تو کیا بن گیا؟ «عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا»۔

«وَاعْلَمْ أَنَّ لِهَذِهِ الْأَفْعَالِ خَوَاصَّ»، یہ «خَوَاصَّ» میں نے کیوں پڑھا مولانا؟ جی، میں نے «خَوَاصَّ» کیوں پڑھا؟ بھائی اب تو آپ ترکیب کے ماہر ہیں، جی کس کے لیے؟ کیا ہے یہ؟ بتاؤ بھائی بتاؤ، غور کرو بھائی اس ترکیب پہ بھائی۔ شاباش بھائی! یہ اِنَّ کا، اَنَّ، اِعْلَمْ، عَلِمَ کے بعد ہمیشہ کیا آتا ہے؟ أَنَّ، کیونکہ عَلِمَ کتنے مفعول چاہتا ہے؟ دو، تو مابعد کیا ہوتا ہے؟ جملہ قائم مقام دو مفعولوں کے بنتا ہے، تو یہ أَنَّ وہاں پڑھتے ہیں بھائی۔ اچھا أَنَّ، تو یہ «خَوَاصَّ» أَنَّ کا کیا ہے؟ ہاں، کیونکہ أَنَّ کے بعد کیا آیا؟ جار مجرور آیا: «لِهَذِهِ»، کیا آیا؟ اور جار مجرور ہمیشہ کیا بنتے ہیں؟ خبر، تو یہ معلوم ہوا یہ خبرِ مقدم ہے۔ بھائی یہ خبر کیوں مقدم کی؟ أَنَّ کے بارے میں تو آپ نے إِنَّ أَنَّ کے حروفِ مشبہ بالفعل کے بارے میں پڑھا تھا کہ ان کی خبر کو ان کے اسم پر مقدم نہیں کر سکتے بھائی؟ شاباش! ظرف ہو تو پھر مقدم کر سکتے، اور پھر میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ اگر اسم معرفہ ہے اور خبر کیا ہے؟ ظرف ہے، تو پھر مقدم کرنا بھی جائز، مؤخر رکھنا بھی، اور اگر اسم نکرہ ہے اور خبر کیا ہے؟ ظرف، تو پھر تو مقدم کرنا واجب ہے۔ تو دیکھو یہاں «خَوَاصَّ» معرفہ ہے یا نکرہ ہے؟ جی، نکرہ ہے، تو لہٰذا اب خبر کا مقدم کرنا واجب۔ اچھا اب بتاؤ مولانا! «خَوَاصًّا» کیوں نہیں پڑھا؟ کس کو؟ دَوَابَّ، شاباش، کیوں؟ کون سے دو اسباب ہیں؟ ہاں، تو یہ کیا ہے؟ دوسرا سبب کیا ہے اس میں؟ ہاں، یہ خود قائم مقام کتنے سببوں کے ہے؟ شاباش، تو یہ «خَوَاصَّ» مولانا یہ غیر منصرف ہے، یہ جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہے، اور یہ قائم مقام

دو سببوں کے ہوتا ہے، اور غیر منصرف پر کیا حکم پڑھا ہے آپ نے؟ کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے، تو یہ تنوین نہیں آئی اس پر۔

تو ترکیب کیسے کریں گے بھائی؟ إِنَّ پڑھو، إِنَّ پڑھو ذرا، إِنَّ کے ساتھ ترکیب کرو، ادھر ادھر سے چھوڑ دو فی الحال: «إِنَّ لِهَذِهِ الْأَفْعَالِ خَوَاصَّ»، کیسے کریں گے؟ إِنَّ حروفِ مشبہ بالفعل، لام جارہ، هَذِهِ اچھا، هَذِهِ اشارہ تو ہے، اعراب بتاؤ اعراب، مجرور، کون سا مجرور ہو گا؟ تقدیراً ہو گا یا لفظاً یا محلاً؟ محلاً کیونکہ یہ مبنی ہے، موصوف، کیونکہ اسم اشارہ کیا ہے؟ معرفہ، اور اسم اشارہ کے بعد الف لام والا اسم آئے تو اکثر اکثر اکثر یہ مولانا اس کی صفت، وہ بعد والا صفت بنے گا اس کے لیے۔ تو یہ موصوف اور آگے اس کی صفت، وہ بھی مجرور لفظاً صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے؟ «ثَابِتَةٌ» سے، یہ نصب کیوں دیا آپ نے؟ أَنَّ کا اسم تو ابھی بتایا ہے وہ خبرِ مقدم ہے یہ، ہاں کیا؟ «ثَابِتَةٌ» سے متعلق ہو گا، «ثَابِتَةٌ» صیغۂ اسم فاعل، اچھا اس کے اندر هِيَ ضمیر اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ یہ خبر ہے یہ خبر ہے، اسم کون ہے؟ وہ مبتدا ہے، «خَوَاصَّ» کو راجع بھائی، کس کو راجع؟ کیونکہ وہ اِنَّ کا اسم ہے وہ مبتدا کی طرح، تو بھائی یہ تو اضمار قبل الذکر لازم آیا؟ رتبے میں وہ کیا ہے؟ مقدم ہے، اچھا۔ بھائی پھر مطابقت نہیں آئی بھائی! «خَوَاصَّ» جمع ہے، جمع منتہی الجموع، ابھی آپ نے مجھے بتایا، اور ضمیر آپ مفرد کی راجع کر رہے ہیں؟ جمع کو کون سی ضمیر راجع کرتے ہیں؟ واحد مؤنث کی، کس طرح؟ بتاویلِ جماعت کے، بتاویلِ جماعت کے واحد مؤنث کی ضمیر راجع کرتے ہیں۔ تو اب واحد مؤنث کے لیے صیغہ بدلو ذرا: «ثَابِتَةٌ»، ہاں کیا نکالا تھا پہلے آپ نے؟ ثَابِتٌ، اب کیا نکالیں؟ ثَابِتَةٌ، تو یہ متعلق ہوئے جار مجرور کس سے متعلق ہوئے؟ ثَابِتَةٌ سے، ثَابِتَةٌ صیغۂ اسم فاعل، هِيَ ضمیر اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ خَوَاصَّ کو، صیغۂ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر اِنَّ کے لیے خبرِ مقدم، اور خَوَاصَّ اس کے لیے اسم مؤخر، اور اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔ چلیے یہاں تو أَنَّ ہے بہر حال، یہ ویسے ترکیب آپ کو بتائی۔

▪ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّ لِهَذِهِ الْأَفْعَالِ خَوَاصَّ» کی تشریح

«وَاعْلَمْ أَنَّ لِهَذِهِ الْأَفْعَالِ خَوَاصَّ»، جان لے کہ ان افعال کے کچھ خاصے ہیں: «مِنْهَا» ان میں سے ایک خاصہ یہ ہے: «أَنْ لَا تُقْتَصَرَ عَلَى أَحَدِ مَفْعُولَيْهَا»، کہ اکتفا نہیں کیا جائے گا اس کے دو مفعولوں میں سے ایک پر، دو مفعولوں میں سے ایک پر اکتفا کرنا جائز؟ بخلاف بابِ اعطیت کے کہ وہاں کر سکتے ہیں۔ «فَلَا تَقُولُ: عَلِمْتُ زَيْدًا»، لہٰذا آپ یوں نہیں کہیں گے: «عَلِمْتُ زَيْدًا»۔ بھائی ترکیب کرو «عَلِمْتُ زَيْدًا»؟ اوہو! ترکیب نہیں کریں گے مولانا، ترکیب نہیں کریں گے، کیوں؟ انہوں نے کہا نہیں، آپ یوں نہیں کہیں گے، یہ عربی میں کہنا جائز ہی نہیں ہے، جب جائز ہی نہیں ہے تو ترکیب بھی نہیں ہو گی، ترکیب نہیں کریں گے اس کی۔ جائز ہی نہیں ہے یہ، ترکیب کیوں کریں ہم اس کی؟

«وَمِنْهَا: جَوَازُ الْإِلْغَاءِ إِذَا تَوَسَّطَتْ»، اور ان میں سے ایک کیا ہے؟ «جَوَازُ الْإِلْغَاءِ إِذَا تَوَسَّطَتْ»، دیکھو مولانا ادھر دیکھو بھائی، یہ دو مفعول ہیں اس کے اور یہ ہمیشہ ان پر کیا ہوتا ہے؟ مقدم ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ مقدم ہوتا ہے، بابِ علمت۔ لیکن اگر کیا ہو جائے؟ یہ درمیان میں آجائے دونوں مفعولوں کے، یا دونوں سے مؤخر ہو جائے مولانا، تو پھر پھر مولانا اس کو عامل بنانا بھی جائز یعنی دونوں کو مفعول بنا دو، اور اس کے عمل کو لغو کر دینا بھی جائز، وہ جیسے پہلے مبتدا خبر مرفوع تھے اب بھی ان کو کیا پڑھو؟ مرفوع پڑھو۔ تو عمل دینا بھی جائز جب یہ درمیان میں یا آخر میں آجائیں، اور ان کے عمل کو لغو کر دینا بھی جائز۔ آپ یوں پڑھیں گے: «عَلِمْتُ زَيْدًا قَائِمًا»، اب ذرا درمیان میں لے آؤ: «زَيْدًا عَلِمْتُ قَائِمًا»، یا آپ یوں پڑھیں: «زَيْدٌ عَلِمْتُ قَائِمٌ»، یا «زَيْدٌ قَائِمٌ عَلِمْتُ»، یا «زَيْدًا قَائِمًا عَلِمْتُ»، صورت سمجھ میں آگئی؟

«وَمِنْهَا: جَوَازُ الْإِلْغَاءِ»، اور ان کے خواص میں سے ایک یہ ہے کہ ان کا الغاء، ان کو لغو کر دینا بھی جائز ہے یعنی ان کے عمل کو باطل کرنا بھی جائز ہے «إِذَا تَوَسَّطَتْ» جب یہ درمیان میں آجائیں، «نَحْوَ: زَيْدٌ ظَنَنْتُ قَائِمٌ»، تو «زَيْدٌ» شروع میں، «قَائِمٌ» آخر میں اور درمیان میں «ظَنَنْتُ» آیا تو عمل کو لغو کرنا بھی جائز، اور عمل دینا بھی جائز: «زَيْدًا ظَنَنْتُ قَائِمًا» بھی جائز۔ «أَوْ تَأَخَّرَتْ»، یا یہ کیا ہو جائیں مولانا؟ مؤخر ہو جائیں، «نَحْوَ: زَيْدٌ قَائِمٌ ظَنَنْتُ»۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اس صورت میں ان کا معنی کیا ہو گا؟ کہتے ہیں اس صورت میں اس کو مصدر بنا کر مجرور کر دیں، ظرف بنا دیں اس کا۔ کیسے؟ یوں ہو گا: «زَيْدٌ قَائِمٌ فِي ظَنِّي»، «زَيْدٌ قَائِمٌ ظَنَنْتُ» کیا معنی ہے؟ «زَيْدٌ قَائِمٌ فِي ظَنِّي»، تو یہ پھر ظرف مصدر مجرور، مصدرِ ظرف کے معنی میں ہوں گے، وہ مصدر جو ظرف بن رہا ہو یعنی مجرور بن رہا ہو بھائی۔

«وَمِنْهَا»، اور ایک ان کا خاصہ یہ ہے مولانا: «أَنَّهَا تُعَلَّقُ إِذَا وَقَعَتْ قَبْلَ الِاسْتِفْهَامِ»، یہ معلق ہوں گے جب یہ کس سے پہلے واقع ہوں؟ استفہام سے پہلے واقع ہوں۔ دیکھیے مولانا! استفہام سے پہلے بتلائیں گے، پہلے واقع ہوں تو بھی معلق، نفی سے پہلے واقع ہوں گے تو بھی معلق، لامِ ابتدا سے پہلے

واقع ہوں گی تو بھی معلق۔ معلق ہونے کا کیا معنی؟ معلق ہونے کا یہ معنی مولانا کہ دو چیزیں ہیں: ایک ہے لفظ، ایک ہے معنی، ایک ہے لفظ اور ایک ہے معنی۔ تو اب مولانا جب یہ کس پر آئیں؟ استفہام پر داخل ہوں: «عَلِمْتُ أَزَيْدٌ عِنْدَكَ أَمْ عَمْرٌو»، تو یہ کس پر داخل ہوا علمت؟ استفہام پر۔ یا مولانا: «عَلِمْتُ مَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، یہ علمت کس پر داخل ہوا؟ نفی پر۔ یا لامِ ابتدا پر داخل ہو: «عَلِمْتُ لَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ»، تو ان صورتوں میں معلق رہیں گے یعنی معنی میں تو عمل کریں گے لفظوں میں عمل نہیں کریں گے۔ معنی میں عمل کریں گے، معنی کے اعتبار سے وہ دونوں اس کے مفعول ہیں لیکن لفظوں میں عمل نہیں کریں گے، تو یہ معلق ہو گئے، کیا ہو گئے؟ یعنی عمل کر بھی رہے ہیں کس اعتبار سے؟ معنی کے اعتبار سے، اور عمل نہیں بھی کر رہے کس اعتبار سے؟ لفظوں کے اعتبار سے۔

جیسے ایک، جیسے قدوری میں آپ نے پڑھا ہو گا: امرأۃ معلقہ، امرأۃ معلقہ، معلقہ وہ عورت جس کا خاوند گم ہو جائے، جس کا خاوند کیا ہے؟ گم ہو جائے۔ تو یہ امرأۃ معلقہ ہے، اب اس کو ہم نکاح کی اجازت نہیں دیں گے، کیوں؟ کیونکہ اس کا خاوند، ہاں اس کا خاوند نہیں ہے، اس کا یہ خاوند اس کا بیچاری کا ہے بھی نہیں کیونکہ گم ہے۔ لیکن ہم اس کو نکاح کی اجازت بھی نہیں دیں گے کیونکہ امکان ہے وہ زندہ ہو، امکان کیا ہے؟ زندہ ہو، تو نہ تو اس کا خاوند موجود ہے کیونکہ غائب ہے، اور نہ ہی تو زندہ بھی نہیں یوں سمجھو، خاوند موجود بھی نہیں، زندہ بھی نہیں یوں سمجھو، کیونکہ گم ہے پتہ ہی نہیں کدھر گیا کتنے سالوں سے، اور دیکھا جائے تو خاوند موجود بھی ہے کہ اب ہم اس کو ابھی تک آگے نکاح کی اجازت، کیونکہ خاوند اگر مردہ ہو تو پھر تو کیا کرتے ہیں؟ عورت کو عدت کے بعد آگے نکاح کی اجازت ہوتی ہے۔ تو یہ بھی معلقہ ہے، خاوند والی بھی ہے اور بے خاوند بھی ہے۔ تو جیسے وہ معلقہ ہوتی ہے یہ حروف بھی کیا ہیں؟ معلق ہیں، عمل کر بھی رہے ہیں معنی کے اعتبار سے اور عمل نہیں بھی کر رہے لفظوں کے اعتبار سے۔

بھائی یہ عمل کیوں نہیں کرتے لفظوں میں؟ اس لیے کہ یہ جو مولانا حرفِ استفہام ہے، یہ جو لامِ ابتدا ہے، اور یہ جو حرفِ نفی ہے، یہ صدارتِ کلام کو چاہتے ہیں۔ اب اگر یہ علمت وغیرہ ان کے اندر عمل کرنے لگیں تو علمت عامل بن گیا اور وہ ان پر مقدم ہوا، تو ان کی صدارت کیا ہو جائے گی؟ فوت ہو جائے گی، لہٰذا اس وجہ سے ہم لفظوں میں عمل کی اجازت نہیں دیں گے۔

▪ قولہ: «وَمِنْهَا: أَنَّهَا تُعَلَّقُ إِذَا وَقَعَتْ قَبْلَ...» کی تشریح

«وَمِنْهَا: أَنَّهَا تُعَلَّقُ إِذَا وَقَعَتْ قَبْلَ الِاسْتِفْهَامِ»، اور ان کے خواص میں سے ہے کہ یہ معلق ہو جائیں گے جب یہ کس سے پہلے واقع ہوں؟ استفہام سے پہلے، جیسے علمت جیسے میں جانتا ہوں «أَزَيْدٌ عِنْدَكَ أَمْ عَمْرٌو» کہ زید ہے تیرے پاس یا عمرو ہے، «وَقَبْلَ النَّفْيِ» اسی طرح اگر یہ نفی سے پہلے واقع ہوں: «عَلِمْتُ مَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ» میں جانتا ہوں زید گھر میں نہیں، «وَقَبْلَ لَامِ الِابْتِدَاءِ» اور اسی طرح جو لامِ ابتدا سے پہلے آ جائیں جیسے «عَلِمْتُ لَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ»، تو یہ لامِ ابتدا ہے مولانا تاکید کے لیے آتا ہے۔ سمجھ میں آیا؟

«وَمِنْهَا: أَنَّهَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ فَاعِلُهَا وَمَفْعُولُهَا»، اور ان میں سے، «وَمِنْهَا: أَنَّهَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ فَاعِلُهَا وَمَفْعُولُهَا ضَمِيرَيْ...»، دیکھو مولانا! افعالِ قلوب کا ایک اور خاصہ یہ ہے کہ شاید یہ تو پہلے بھی بات ذکر ہو چکی ہے، کہ ان کا فاعل اور مفعول ضمیرِ متصل ہو سکتے ہیں ایک ہی چیز کے لیے، ایک ہی چیز کے لیے۔ «ضَرَبْتُنِي» مثلاً میں کہتا ہوں: «ضَرَبْتُنِي»، میں نے کس کی پٹائی کی؟ اپنی پٹائی کی۔ تو دیکھو فاعل کون؟ متکلم، اور مفعول بھی کون؟ متکلم، اور دونوں ضمیریں کون سی ہیں؟ متصل ہیں، اور عام افعال میں فاعل بھی وہی ہو ضمیرِ متصل وہی ذات ہو، اور مفعول بھی وہی ہو، اس کی اجازت نہیں مولانا کہ دونوں کے لیے فاعل اور مفعول کی ضمیرِ متصل ایک ہی چیز کے لیے ہوں، یہ جائز نہیں۔ اس لیے کہ فاعل ہے مؤثر، وہ اثر ڈالتا ہے، اور مفعول ہوتا ہے متاثر، وہ اثر کو قبول کرنے والا، اور مؤثر اور متاثر الگ الگ ہونے چاہئیں، اور یہاں تو کیا ہیں دونوں؟ ایک ہی ذات کی ضمیریں ہیں «ضَرَبْتُنِي» دونوں متکلم کی، تو پھر درمیان میں «نَفْس» کے لفظ کو بڑھا دیتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟ تو کیا کہیں گے؟ «ضَرَبْتُ نَفْسِي»، «ضَرَبْتُ نَفْسِي»، اب بات وہی ہے لیکن اب یہ الفاظ ٹھیک ہو گئے مولانا، معنی پھر بھی وہی بنے گا۔

لیکن افعالِ قلوب میں یہ جائز ہے مولانا کہ فاعل اور مفعول کیا ہو؟ ایک ہی ذات کے لیے ضمیریں ہوں، جیسے میں کہتا ہوں: «عَلِمْتُنِي فَاضِلًا»، میں نے اپنے آپ کو فاضل جانا، تو دیکھو «عَلِمْتُ» کا فاعل بھی کون؟ متکلم، مفعول بھی کون؟ متکلم۔ یہ افعالِ قلوب میں جائز ہے مولانا، اور باقی افعال میں یہ جائز وہاں کون سا لفظ لے کر آتے ہیں؟ «نَفْس» کا لفظ لے کر آتے ہیں یعنی ضمیرِ متصل لانا جائز نہیں، متصل نہ ہو تو پھر جائز ہے۔

«وَمِنْهَا: أَنَّهَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ فَاعِلُهَا وَمَفْعُولُهَا»، اور ان کے خاصوں میں سے یہ ہے کہ ان کا فاعل جو ہے اور مفعول جو ہے، «ضَمِيرَيْنِ لِشَيْءٍ وَاحِدٍ»، دو ضمیریں، نیچے کیا لکھا ہے؟ «أَيْ مُتَّصِلَيْنِ»، یعنی ضمیرِ متصلین ہوں پھر نہیں جائز، ورنہ جائز ہے بھائی یعنی منفصل ہو پھر تو جائز ہے، یہ دونوں ضمیریں متصل ہوں ایک ہی چیز کے لیے، جیسے «نَحْوَ: عَلِمْتُنِي مُنْطَلِقًا» بھائی، میں نے اپنے آپ کو کیا جانا؟ منطلق جانا، «وَظَنَنْتَكَ فَاضِلًا» تو نے اپنے آپ کو کیا جانا؟ فاضل جانا۔ تو دیکھا «ظَنَنْتَكَ فَاضِلًا»، تو نے اپنے بارے میں کیا گمان کیا؟ تو دیکھو فاعل بھی مخاطب، مفعول بھی مخاطب، دونوں ضمیریں متصلین ہیں۔

■ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّهُ...» کی تشریح

«وَاعْلَمْ أَنَّهُ...»، یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں بھائی یہ افعال کتنے مفعول چاہتے ہیں؟ دو، لیکن کبھی کبھی یہ اور معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں، اس وقت پھر یہ ایک مفعول چاہتے ہیں۔ کبھی «رَأَيْتُ»، «رَأَيْتُ» کا معنی کیا ہوتا ہے؟ تو یہ جو ابھی پہلے ذکر ہوا افعال میں وہ دل سے دیکھنا مراد تھا مولانا، آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں تھا، آنکھوں سے دیکھنے کے لیے تو ایک مفعول چاہیے جو اب ذکر کرنے لگے ہیں، کبھی «رَأَيْتُ» بمعنی «أَبْصَرْتُ» کے آتا ہے، کس معنی میں؟ میں نے دیکھا، تو یہ تو ایک مفعول چاہتا ہے، میں نے کس کو دیکھا؟ زید کو دیکھا۔ اور ایک تھا دیکھنا دل سے یعنی جاننا، سمجھا، میں زید کو کیا سمجھا؟ عالم سمجھا، تو وہ رؤیتِ قلبی ہے دل سے دیکھنا مراد ہے یعنی اس کو میں سمجھا کیا سمجھا، تو وہ کتنے؟ دو مفعول چاہتا ہے، تو رؤیتِ قلبی ہے ایک رؤیتِ بصری ہے، رؤیتِ قلبی جو ہے وہ کتنے مفعول چاہتی ہے؟ دو، اور رؤیتِ بصری؟ ایک۔

«وَاعْلَمْ أَنَّهُ قَدْ يَكُونُ ظَنَنْتُ بِمَعْنَى اتَّهَمْتُ»، جان لے تو کہ «ظَنَنْتُ» کبھی کس معنی میں آتا ہے؟ «اتَّهَمْتُ»، تہمت لگانے کے بارے میں، اور اس صورت میں یہ ایک مفعول چاہتا ہے، میں نے تہمت لگائی، کس پہ لگائی؟ زید پہ لگائی، ایک مفعول چاہے گا۔ اور پہلے تو تھا گمان کرنا، میں نے زید کو گمان کیا، بھائی یہ تو بات ہی نہیں بنتی، کیا گمان کیا؟ فاضل گمان کیا، تو اس صورت میں دو مفعول چاہتا تھا۔ «وَعَلِمْتُ بِمَعْنَى عَرَفْتُ»، اور «عَلِمْتُ» کبھی کس معنی میں آتا ہے؟ «عَرَفْتُ»، پہچاننا، «عَلِمْتُ زَيْدًا» کیا معنی؟ میں نے زید کو پہچان لیا، زید کو، اب ایک مفعول چاہے گا کیونکہ «عَلِمْتُ» کس معنی میں ہے؟ «عَرَفْتُ» کے معنی۔ «وَرَأَيْتُ بِمَعْنَى أَبْصَرْتُ»، اور «رَأَيْتُ» کبھی کس معنی میں ہوتا ہے؟ «أَبْصَرْتُ» یعنی آنکھوں سے دیکھنے کے معنی میں، پھر یہ کتنے مفعول چاہے گا؟ ایک۔ «وَوَجَدْتُ بِمَعْنَى أَصَبْتُ الضَّالَّةَ»، اور «وَجَدْتُ» کا کیا معنی ہوتا ہے؟ پانا۔ لیکن جو پہلے ذکر ہوا وہ کیا تھا؟ پانا دل سے پانا، میں نے زید کو سخی پایا، یہ آنکھوں سے سخی پایا ہے یا دل سے سخی پایا ہے؟ دل نے آپ کو پتہ چلا، دل نے جان لیا کہ وہ کیسا آدمی ہے؟ سخی ہے، اور ایک ہے پانا یعنی کسی چیز کا ملنا، گمشدہ چیز کا ملنا: میں نے اپنی، اپنی کتاب کو پالیا، کتاب یعنی مجھ سے گم تھی اب مجھے مل گئی، تو اب یہ کتنے مفعول چاہے گا؟ یہ ایک چاہے گا، اور وہ تھا دل سے سمجھنا اور پانا وہ کتنے چاہے گا؟ دو۔ اسی لیے کہا: «وَوَجَدْتُ بِمَعْنَى أَصَبْتُ الضَّالَّةَ»، اور «وَجَدْتُ» کبھی معنی آتا ہے گمشدہ چیز کو پانا، ضالہ کہتے ہیں گمشدہ چیز، اصبت کا معنی پالینا۔ گمشدہ چیز کو پالینے کا معنی میں آتا ہے، «فَتَنْصِبُ مَفْعُولًا وَاحِدًا فَقَطْ»، تو اس صورت میں یہ نصب دیں گے مولانا کس کو؟ ایک ہی مفعول کو فقط، «فَلَا تَكُونُ حِينَئِذٍ مِنْ أَفْعَالِ الْقُلُوبِ»، پھر اس صورت میں یہ افعالِ قلوب میں سے نہیں ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ مولانا افعالِ قلوب تھے بھائی، افعالِ قلوب۔

اور یہ افعالِ قلوب اصطلاحی مراد تھے جن کا یہ حکم ہے، جن کے یہ خاصے بیان ہوئے مولانا: کیا؟ ایک مفعول پر اکتفا کرنا بھی جائز نہیں، اور ان کو درمیان میں یا آخر میں آجائیں تو پھر ان کو لغو کر دینا بھی جائز ہے، اور نیز مولانا اگر یہ استفہام یا نفی یا لامِ ابتدا سے پہلے آجائیں تو یہ کیا ہوں گے؟ معلق ہوں گے، اور نیز مولانا کہ ان کا فاعل اور مفعول ایک ہی شے کی ضمیرین متصلین بھی ہو سکتی ہیں، یہ سارے خاصے تھے افعالِ قلوب کے اصطلاحی، ان یہ جو ان کا نام ہے افعالِ قلوب، ورنہ اور بھی دل کے تو اور بھی افعال ہیں لیکن وہ افعالِ قلوب میں داخل نہیں، جیسے «فَكَّرْتُ» میں نے سوچا، فکر کی، یہ بھی کیا ہے؟ دل کا ہی کام ہے مولانا، سمجھ میں آیا؟ تو ظاہری اعضاء کا اس میں دخل کوئی نہیں، «اِعْتَقَدْتُ» میں نے اعتقاد کیا، اس میں بھی ظاہری اعضاء کا کوئی، تو لیکن وہ مراد نہیں ہیں مولانا، سمجھ میں آیا؟ یہ افعال مراد ہیں۔ آگے چلیں؟

■ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلْأَفْعَالُ النَّاقِصَةُ، افعالِ ناقصہ مولانا: هِيَ...

«فَصْلٌ: اَلْأَفْعَالُ النَّاقِصَةُ»، افعالِ ناقصہ مولانا: «هِيَ أَفْعَالٌ وُضِعَتْ لِتَقْرِيرِ الْفَاعِلِ عَلَى صِفَةٍ»، یہ ایسے افعال ہیں جن کو وضع کیا گیا ہے تاکہ فاعل کو ثابت کریں، تقریر کا کیا معنی؟ ثابت کرنا، تاکہ فاعل کو ثابت کریں «عَلَى صِفَةٍ غَيْرِ صِفَةِ مَصْدَرِهَا»، ایسی صفت پر جو ان کی مصدر کی صفت کے علاوہ ہو، جو ان کے مصدر کی صفت کے علاوہ ہو۔ دیکھو مولانا! ہر فعل فاعل کو اپنے مصدر کی صفت پر ثابت کرتا ہے: «ضَرَبَ زَيْدٌ»، اس «ضَرَبَ» نے زید کے لیے کیا ثابت کی؟ ضرب، اَلضَّرْبُ ثابت کی مصدر، اور «أَكَلَ زَيْدٌ»، کیا ثابت کیا اس نے؟ اَلْأَكْلُ ثابت کیا، سمجھ میں آیا؟ اور «مَرَّ زَيْدٌ»، اس نے کیا ثابت کیا؟ مرور ثابت کیا زید کے لیے، «ذَهَبَ زَيْدٌ»، کیا ثابت کیا؟ ذہاب ثابت کیا زید کے لیے۔ لیکن یہ افعالِ ناقصہ یہ ایسے افعال ہیں جو اپنے فاعل کو اپنی صفت پر ثابت نہیں کرتے بلکہ غیر کی صفت پر ثابت کرتے ہیں، اپنے مصدر کی، اپنے مصدر کی صفت پر ثابت نہیں کرتے بلکہ غیر صفت پر ثابت کرتے ہیں۔ آپ نے پڑھا تھا یہ کس پہ داخل ہوتے ہیں؟ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں بھائی۔

جی، افعالِ ناقصہ کے بارے میں آپ نے کیا پڑھا تھا؟ یہ کس پہ داخل ہوتے ہیں؟ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں، مثلاً کیا تھا؟ «زَيْدٌ قَائِمٌ»، اس پر کیا داخل ہوا؟ كَانَ، کیسے پڑھیں گے؟ «كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا»، کیا ترجمہ؟ زید کھڑا تھا، تو زید کے لیے کیا ثابت ہوا؟ قیام ثابت ہوا، تو كَانَ نے اپنے صفت، اپنے مصدر کی صفت پہ فاعل کو ثابت نہیں کیا بلکہ غیر کی صفت پر ثابت کیا، زید کے لیے کیا ثابت کیا؟ قیام کو ثابت کیا۔ سمجھ میں آگئی بات بھائی؟

«اَلْأَفْعَالُ النَّاقِصَةُ: هِيَ أَفْعَالٌ وُضِعَتْ لِتَقْرِيرِ الْفَاعِلِ عَلَى صِفَةٍ غَيْرِ صِفَةِ مَصْدَرِهَا»، یہ ایسے افعال ہیں جن کو وضع کیا گیا ہے فاعل کو ثابت کرنے کے لیے ایسی صفت پر جو ان کے مصدر کی صفت سے غیر ہو، «وَهِيَ: كَانَ، وَصَارَ، وَظَلَّ، وَبَاتَ...» الیٰ آخرہا آخر تک بھائی۔ «تَدْخُلُ عَلَى الْجُمْلَةِ الِاسْمِيَّةِ لِإِفَادَةِ نِسْبَتِهَا حُكْمَ مَعْنَاهَا»، حکم کا معنی ہے اثر اثر، حکم کا کیا معنی ہے؟ اثر، «لِإِفَادَةِ نِسْبَتِهَا» تاکہ فائدہ دے دیں اس جملے کی نسبت کو «حُكْمَ مَعْنَاهَا» اپنے معنی کے اثر کا۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ کیا کریں یہ؟ تو یہ داخل ہوتے ہیں جملہ اسمیہ پر تاکہ فائدہ دیں اس جملے کی نسبت کو اپنے معنی کے اثر کا۔ یعنی جملے کے اندر جو نسبت تھی اس میں ان کے معنی کا اثر آجائے گا۔ بھائی «زَيْدٌ قَائِمٌ» کا کیا معنی تھا؟ زید کھڑا ہے، لیکن جب كَانَ داخل ہوا اب آپ کیا ترجمہ کرتے ہیں؟ کھڑا تھا، دیکھا كَانَ نے اپنا اثر دے دیا، زید کے لیے جو قیام ثابت تھا، قیام کی جو زید کی طرف نسبت ہو رہی تھی كَانَ نے بتلایا یہ زمانۂ حال میں نہیں ہے یہ کب تھی؟ زمانۂ ماضی میں تھی، تو نسبت کو اثر اپنا دے دیتے ہیں۔

«فَتَرْفَعُ الْأَوَّلَ»، تو یہ رفع دیتے ہیں کس کو؟ اول کو، «وَتَنْصِبُ الثَّانِيَ»، اور نصب دیتے ہیں ثانی کو، «فَتَقُولُ: كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا» تو آپ کہیں گے: «كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا»۔ «وَكَانَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ»، كَانَ کتنی قسم پر ہے مولانا؟ تین قسم پر ہے، دیکھیے مولانا: اول «نَاقِصَةٌ»، اول کیا ہے مولانا؟ ناقصہ ہے، آگے دیکھو ایک سطر میں، ایک ڈیڑھ دو سطروں بعد: «وَتَامَّةٌ»، اور کیا ہے مولانا؟ تامہ ہے، مل گیا یا نہیں ملا مولانا؟ اور آگے آرہا ہے تیسرا: «وَزَائِدَةٌ»، اور تیسرا کیا ہے؟ زائدہ ہے، تو كَانَ کتنی قسم پر ہے؟ تین قسم پر: ایک كَانَ ناقصہ، ایک كَانَ تامہ، ایک كَانَ زائدہ۔

بھائی كَانَ ناقصہ وہ ہے جو اسم صرف فاعل پر بات پوری نہ ہو بلکہ ساتھ اسم صرف اسم پر بات پوری نہ ہو بلکہ خبر کو بھی چاہے، کس کو چاہے؟ ایک اسم پر بات پوری نہ ہو دو اسموں کو چاہے، اور كَانَ تامہ وہ ہے جو صرف ایک اسم کو چاہتا ہے جو اس کا فاعل بن جاتا ہے بات پوری ہو جاتی ہے۔ «كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا» یہ كَانَ کون سا ہے؟ ناقصہ ہے، کیونکہ صرف «كَانَ زَيْدٌ» کہیں تو بات پوری نہیں، جب تک اس کے ساتھ دوسرا اسم «قَائِمًا» اس کی خبر نہ لے کر آئیں۔ اور ایک ہے كَانَ تامہ، مثلاً «كَانَ زَيْدٌ»، یہ بمعنی ثَبَتَ کے ہوتا ہے، کس معنی میں؟ ثَبَتَ اور حَصَلَ کے معنی میں ہوتا ہے، کیا معنی؟ ثَبَتَ زَيْدٌ، زید ثابت ہے یعنی زید ہے۔ تو یہ كَانَ تامہ ہے، یہ صرف فاعل کو چاہتا ہے یہ آگے اس کے لیے خبر کو نہیں چاہتا، جبکہ كَانَ ناقصہ کیا چاہتا ہے؟ اور ایک كَانَ زائدہ ہے مولانا، كَانَ زائدہ وہ ہے جو کلام کے اندر زائد آتا ہے یعنی اگر اس کو ہٹا بھی دیں، نکال بھی دیں کلام میں سے، کلام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ سمجھ میں آیا؟ تو بھائی جب بیکار ہو گا پھر بالکل بیکار ہو گا؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، کلام کے اندر حسن پیدا کرتا ہے، کیا پیدا کرتا ہے؟ حسن پیدا کرتا ہے، البتہ معنی میں کوئی خرابی نہیں آتی اگر ہم اس کو نکال بھی دیں، اس لیے اس کو كَانَ زائدہ کہتے ہیں۔

پھر یاد رکھو مولانا! ناقصہ دو قسم پر ہے: دائمہ اور منقطعہ۔ كَانَ ناقصہ کتنے قسم پر ہے پھر؟ دائمہ اور منقطعہ۔ دائمہ وہ مولانا جو اسم کے لیے خبر کو ثابت کرتا ہے دائماً، دائمہ کون سا ہے؟ دائماً، جیسے «كَانَ اللهُ عَلِيمًا»، کیا معنی؟ اللہ جاننے والے ہیں، یہ ترجمہ نہیں ہو گا اللہ جاننے والے تھے، کیونکہ كَانَ کون سا ہے؟ دائمہ ہے یعنی خبر جو ہے علم، علیم ہونا، علیم ہونا اس کو اللہ کے لیے ثابت کر رہا ہے دائماً۔ اور ایک كَانَ منقطعہ ہے جیسے میں کہتا ہوں: «كَانَ زَيْدٌ شَابًّا»، زید جوان تھا یعنی کس زمانے میں تھا؟ ماضی میں تھا اب نہیں۔ تو كَانَ ناقصہ کتنے قسم پر ہوا؟ دو قسم پر: ایک دائمہ جو خبر کو اسم کے لیے ثابت کرتا ہے دائماً، اور

دوسرا کیا ہے کَانَ منقطعہ جو صرف ماضی میں۔

■ قولہ: «وَكَانَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ: نَاقِصَةٌ، وَهِ...» کی تشریح

«وَكَانَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ: نَاقِصَةٌ، وَهِيَ تَدُلُّ عَلَى ثُبُوتِ خَبَرِهَا لِفَاعِلِهَا فِي الْمَاضِي»، اور کَانَ تین قسم پر ہے: ایک ناقصہ ہے اور یہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ خبر جو ہے اس کی خبر جو ہے وہ ثابت ہے اس کے فاعل کے لیے فی الماضی، کس زمانے میں؟ ماضی میں، «إِمَّا دَائِمًا»، پھر ماضی کے اندر یا تو یہ دائماً خبر ثابت ہو گی، «نَحْوَ: كَانَ اللهُ عَلِيمًا حَكِيمًا»، اللہ علم والے، حکمت والے ہیں، «أَوْ مُنْقَطِعًا»، یا کَانَ کیا ہو گا؟ منقطعہ ہو گا، «نَحْوَ: كَانَ زَيْدٌ شَابًّا»، زید جوان تھا۔ «وَتَامَّةٌ»، بھائی اور کَانَ کی دوسری قسم کیا ہے؟ تامہ ہے، «بِمَعْنَى ثَبَتَ وَحَصَلَ»، یہ ثَبَتَ اور حَصَلَ کے معنی میں ہے، اور بھائی یہ صرف فاعل چاہتا ہے جیسے «كَانَ الْقِتَالُ»، «أَيْ حَصَلَ الْقِتَالُ»، قتال ہوا، لڑائی ہوئی، جنگ ہوئی جنگ ہوئی۔ قتال کس کو کہتے ہیں؟ جنگ۔

«وَزَائِدَةٌ»، اور ایک کَانَ زائدہ ہے، وہ کیا ہے؟ کہتے ہیں: «لَا يَتَغَيَّرُ بِإِسْقَاطِهَا مَعْنَى الْجُمْلَةِ»، کہ بدلتا نہیں اس کو گرانے سے جملے کا معنی، «كَقَوْلِ الشَّاعِرِ»، جیسے شاعر کہتا ہے: «جِيَادُ ابْنِي أَبِي بَكْرٍ تَسَامَى ... عَلَى كَانَ الْمُسَوَّمَةِ الْعِرَابِ» «جِيَادُ ابْنِي أَبِي بَكْرٍ»، ہم ابن کا ہمزہ کیا ہو گا؟ ہمزۂ وصل ہے نا، درمیان میں گر جائے گا بھائی۔ تو میرا بیٹا جو ہیں، جیاد جَيِّد کی جمع ہے، عمدہ گھوڑے مراد ہیں، عمدہ گھوڑوں کو کہتے ہیں بھائی، عمدہ گھوڑے۔ «جِيَادُ ابْنِي»، میرے بیٹے کے عمدہ گھوڑے جو ہیں، کون میرا بیٹا؟ «أَبِي بَكْرٍ» یہ بدل ہے، جو کہ ابو بکر ہے، «تَسَامَى»، «تَسَامَى» بلند ہوئے، بلند ہیں، بلند ہو گئے، «عَلَى»، یہ كَانَ زائدہ ہے، «عَلَى كَانَ الْمُسَوَّمَةِ الْعِرَابِ»۔ مسوّمہ کہتے ہیں نشان زدہ، جس پر نشان لگایا گیا ہو مولانا، نشان زدہ۔ عراب: عمدہ گھوڑا، اعلیٰ گھوڑا۔

ترجمہ یوں مولانا: میرے بیٹے ابو بکر کے گھوڑے کے اعلیٰ گھوڑے وہ فائق ہو گئے، بلند ہو گئے، یا یوں کہو وہ بلند ہو گئے یعنی بازی لے گئے، کن پر مولانا؟ «عَلَى الْمُسَوَّمَةِ الْعِرَابِ»، نشان زدہ عمدہ گھوڑوں پر، نشان زدہ عمدہ۔ بھائی بڑے گھوڑے جو مشہور تھے جن پہ لوگوں نے نشان لگائے ہوئے تھے یعنی کہ یہ اعلیٰ گھوڑے ہیں، میرے بیٹے کے گھوڑے ان گھوڑوں پر بھی کیا ہو گئے؟ بازی لے گئے، ان پر بھی بازی لے گئے اور ان پر بھی بڑھ گئے۔ تو محلِ استشہاد ہے «كَانَ»، یہ كَانَ کیا ہے مولانا؟ زائدہ ہے، اگر اس کو نکال بھی دیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا، اسی لیے «عَلَى الْمُسَوَّمَةِ» پر جر بھی اس کو دے رہا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ «أَيْ عَلَى الْمُسَوَّمَةِ»، خود بتلایا یہ كَانَ زائدہ ہے اس کو نکال کر بتلا رہے ہیں: «أَيْ عَلَى الْمُسَوَّمَةِ»۔

«وَصَارَ لِلِانْتِقَالِ»، اور «صَارَ» کس لیے آتا ہے؟ انتقال کے لیے، ایک حالت سے دوسرے حالت کی طرف منتقل ہو جانا، بدل جانا، یا ایک حقیقت سے دوسرے حقیقت کی طرف بدل جانا۔ ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کیسے؟ «صَارَ الطِّينُ حَجَرًا»، مٹی کیا بن گئی؟ پتھر بن گئی، حقیقت بدل گئی یا نہیں بدل گئی؟ یا «صَارَ زَيْدٌ غَنِيًّا»، زید کیا، یا «صَارَ الْفَقِيرُ غَنِيًّا»، فقیر کیا بن گیا؟ تو حالت بدل گئی یا نہیں بدل گئی؟ تو یہ حالت کے انتقال کے لیے آتا ہے، یا حقیقت کے انتقال کے لیے۔ «وَصَارَ لِلِانْتِقَالِ، نَحْوَ: صَارَ زَيْدٌ غَنِيًّا»، زید امیر بن گیا، غنی امیر کو کہتے ہیں مولانا، دولت مند جس کو آپ اردو میں کہتے ہیں دولت مند۔ سمجھ میں آیا؟ عربی میں امیر جو ہوتا ہے نا امیر وہ سردار کو کہتے ہیں، اور دولت مند کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ غنی کہتے ہیں۔

■ قولہ: «وَأَصْبَحَ، وَأَمْسَى، وَأَضْحَى» کی تشریح

«وَأَصْبَحَ، وَأَمْسَى، وَأَضْحَى»، أَصْبَحَ کا معنی صبح کرنا، أَمْسَى شام کرنا، أَضْحَى چاشت کرنا، «تَدُلُّ عَلَى اقْتِرَانِ مَضْمُونِ الْجُمْلَةِ بِتِلْكَ الْأَوْقَاتِ»، اقتران کا معنی ملنا، ملنا۔ یہ دلالت کرتے ہیں مضمونِ جملہ کے ملنے پر، «عَلَى اقْتِرَانِ مَضْمُونِ الْجُمْلَةِ»، مضمونِ جملہ کے ملنے پر کس چیز کے ساتھ؟ «بِتِلْكَ الْأَوْقَاتِ»، ان اوقات کے ساتھ۔ أَصْبَحَ کس کے ساتھ؟ صبح کے ساتھ، أَمْسَى کس کے ساتھ؟ شام کے ساتھ، أَضْحَى کس کے ساتھ؟ چاشت کے ساتھ۔ چاشت جانتے ہو کون سا وقت ہے؟ جی، سورج جب تھوڑا بلند ہو جائے مولانا، صبح کے وقت تھوڑا سا۔ اچھا جی۔ «نَحْوَ: أَصْبَحَ زَيْدٌ ذَاكِرًا»، زید ذاکر ہوا کس وقت؟ صبح کے وقت ذکر کرنے والا ہوا۔

بھائی مضمونِ جملہ کا لفظ آیا، مضمونِ جملہ جانتے ہو کس کو کہتے ہیں؟ مضمونِ جملہ اس کو کہتے ہیں مولانا کہ خبر کے مصدر کو مضاف کر دیں مبتدا کی طرف۔ مضمونِ جملہ کس کو کہتے ہیں؟ خبر کے مصدر کو مبتدا کی طرف کیا کر دیں؟ مضاف کر دیں۔ تو لکھتا نہیں ہوتا کیا بات ہے؟ یہ ایک طالب، کبھی ایسا طالب علم آپ

نے دیکھا ہے جس کے پاس پینسل نہ ہو؟ قلم نہ ہو؟ وہ بھی کوئی طالب علم ہے؟ کتنی قیمتی باتیں ہیں، یہ تو ایک ایک لکھنی چاہیے آپ کو۔ ہاں، خبر کے مصدر کو مضاف کر دیں کس کی طرف؟ مبتدا کی طرف۔

دیکھو «زَيْدٌ قَائِمٌ»، یہ جملہ ہے، مضمونِ جملہ بناؤ بھائی، مضمونِ جملہ، جملہ۔ کیا بنے گا؟ خبر کیا ہے؟ قَائِمٌ، قَائِمٌ کا مصدر کیا ہے؟ قیام، قیام کی اضافت کر دو مبتدا کی طرف: «قِيَامُ زَيْدٍ»، تو «قِيَامُ زَيْدٍ» یہ مضمونِ جملہ ہے، مضمونِ جملہ کیا ہے؟ قیامِ زید، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ مضمونِ جملہ کو جوڑ دیتے ہیں کس چیز کے ساتھ؟ ان کے، جی؟ یہ مضمونِ جملہ کو جوڑ دیتے ہیں ان اوقات کے ساتھ، کیا کرتے ہیں؟ ان اوقات کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔ تو «أَصْبَحَ زَيْدٌ ذَاكِرًا»، ذَاكِرًا کا مصدر نکالو: ذکر، اور اس کی اضافت کرو مبتدا کی طرف: ذکرِ زید، ذکرِ زید، «ذِكْرُ زَيْدٍ»۔ تو ذکرِ زید یہ ہوا، اور تو معلوم ہوا ذکرِ زید یہ کس وقت میں تھا؟ صبح کے وقت میں تھا، «أَيْ كَانَ ذَاكِرًا فِي وَقْتِ الصُّبْحِ» یعنی ذاکر تھا ذکر کرنے والا تھا وہ کس وقت؟ صبح کے وقت، یا اگر أَمْسَى ہوتا تو شام کے وقت، أَضْحَى ہوتا تو چاشت کے وقت۔

«وَبِمَعْنَى صَارَ»، اور کبھی کبھی یہ کس معنی میں آتے ہیں؟ صَارَ کے معنی میں، اب صبح وغیرہ کا معنی اس میں نہیں آئے گا۔ «أَصْبَحَ زَيْدٌ غَنِيًّا»، کیا معنی؟ صبح کا ترجمہ اب نہیں ہوگا، اب یہ صَارَ کے معنی میں ہے، زید کیا ہو گیا؟ غنی ہو گیا بس، سمجھ میں ایا؟ اسی لیے تو صَارَ کے معنی میں کہا، اگر «أَصْبَحَ زَيْدٌ غَنِيًّا» تو پھر تو غنائے زید صبح کے وقت میں ہوا، پھر تو کوئی فرق نہ رہا بھائی، سمجھ میں ایا؟ تو صَارَ کے معنی میں ہے، زید غنی ہوا، زید غنی ہوا۔

«وَتَامَّةً»، اور کبھی یہ کیا آتا ہے مولانا؟ تامہ، تامہ ہونے کا کیا معنی ہوگا؟ یہ خبر کو نہیں چاہیں گے بلکہ صرف کس کو چاہیں گے؟ فاعل کو چاہیں گے۔ اور اس صورت میں بمعنی دخل فی الصباح والضحی والمساء، صبح میں داخل ہونے اور چاشت میں داخل ہونے اور شام میں داخل ہونے کے معنی میں ہوں گے۔ «أَصْبَحَ زَيْدٌ» کیا معنی؟ زید نے زید صبح کے وقت میں داخل ہوا یعنی اس نے صبح کی۔ «أَمْسَى زَيْدٌ» کیا معنی؟ شام کی۔ «أَضْحَى زَيْدٌ»، زید نے چاشت کی۔ تو سمجھ میں آیا؟ یعنی اس وقت میں وہ داخل ہو گیا، اب یہ تامہ ہے مولانا۔

■ قولہ: «وَظَلَّ، وَبَاتَ يَدُلَّانِ عَلَى اقْتِرَانِ مَضْم...» کی تشریح

«وَظَلَّ، وَبَاتَ يَدُلَّانِ عَلَى اقْتِرَانِ مَضْمُونِ الْجُمْلَةِ بِوَقْتَيْهِمَا»، یہ بھی اسی طرح ہیں: ظَلَّ اور بَاتَ بھی دلالت کرتے ہیں اس بات پر کہ مضمونِ جملہ ملا ہوا ہے «بِوَقْتَيْهِمَا» ان دونوں کے وقت کے ساتھ، ظَلَّ اور بَاتَ کے وقت۔ ظَلَّ کا معنی ہوتا ہے مولانا دن گزارنا، اور بَاتَ کا معنی ہوتا ہے رات گزارنا۔ «ظَلَّ زَيْدٌ كَاتِبًا»، زید نے دن گزارا کس طرح؟ کتابت کرتے ہوئے، «بَاتَ زَيْدٌ كَاتِبًا»، زید نے رات گزاری کتابت کرتے ہوئے۔ بات سمجھ میں آئی؟ «نَحْوَ: ظَلَّ زَيْدٌ كَاتِبًا»، زید نے دن گزارا کتابت کرتے، «وَبِمَعْنَى صَارَ»، اور کبھی یہ کس معنی میں آتے ہیں؟ اور «ظَلَّ زَيْدٌ كَاتِبًا» کیا معنی؟ «ظَلَّ زَيْدٌ غَنِيًّا» زید کیا ہو گیا؟ مالدار ہو گیا بس، پھر ظَلَّ اور بَاتَ کا اپنا ترجمہ اس میں وقت کا نہیں ائے گا۔

جی، بھائی اوپر أَصْبَحَ، أَمْسَى، أَضْحَى کے بارے میں بھی بتلایا تھا کہ وہ بھی مضمونِ جملہ کو اپنے وقت کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں، ظَلَّ اور بَاتَ بھی کیا کرتے ہیں؟ اس کو اپنے وقت کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں، نیز وہ بمعنی صَارَ کے آتے ہیں یہ بھی بمعنی صَارَ کے، تو بھائی اکٹھی بات ذکر کر دیتے، آپ نے تین کو ذکر کیا پھر دوبارہ وہی دو کو الگ کر کے پھر وہی بات کر رہے ہیں؟ کہتے ہیں بھائی فرق ہے: ان میں بتلایا تھا کہ تامہ بھی آتے ہیں اور ان میں یہ ذکر نہیں آیا، وہ کبھی کیا جاتے ہیں؟ تامہ، یہ تامہ نہیں، آتے ہیں عربی میں مولانا لیکن اتنے قلیل ہیں، اتنا قلیل ہے ان کا تامہ انا کہ گویا کہ وہ ہے ہی نہیں۔

«وَبِمَعْنَى صَارَ، وَمَا زَالَ، وَمَا فَتِئَ، وَمَا بَرِحَ، وَمَا انْفَكَّ تَدُلُّ عَلَى اسْتِمْرَارِ ثُبُوتِ خَبَرِهَا لِفَاعِلِهَا مُسْتَقْبِلَهُ»، اچھا جی، مَا زَالَ، مَا فَتِئَ، مَا بَرِحَ اور مَا انْفَكَّ دلالت کرتے ہیں «عَلَى اسْتِمْرَارِ ثُبُوتِ خَبَرِهَا» کہ ان کی خبر ثابت ہے «لِفَاعِلِهَا» ان کے فاعل کے لیے، ان کی خبر ان کے فاعل، ان کی خبر کا ثبوت ان کے فاعل کے لیے استمرار کے ساتھ ہے، کس کے ساتھ ہے؟ «مُسْتَقْبِلَهُ» جب سے اس نے اسے قبول کیا ہے، جب سے فاعل نے اس خبر کو قبول کیا ہے۔ جیسے دیکھیے مولانا! مثال سے بات سمجھ میں ائے گی: «مَا زَالَ زَيْدٌ أَمِيرًا»، زید ہمیشہ سے امیر ہے، زید ہمیشہ سے دیکھئے، مَا زَالَ کا اسم کون؟ زید، اس کی خبر کیا؟ امیر، اچھا معلوم ہوا مَا زَالَ نے کیا فائدہ دیا؟ کہ یہ امارت جو ہے، یہ امارت جو ہے زید کے لیے ثابت ہے، استمرار کے ساتھ ثابت ہے، جب سے اس نے اس کو قبول کیا ہے، جب سے زید نے صلاحیت پیدا ہوئی ہے امیر بننے کی، وہ اس وقت سے کیا ہے؟ امیر ہے، ہمیشہ سے امیر ہے۔ سمجھ میں ایا بھائی؟ ہمیشہ سے امیر پہ اعتراض ہوتا تھا نا کہ زید تو پہلے بچہ تھا، کیا اس وقت بھی وہ سردار تھا اور امیر تھا؟ بھائی جب سے اس

میں صلاحیت پیدا ہوئی ہے اس کے بعد سے وہ کیا ہے؟ تو دیکھو مَا زَالَ نے فائدہ دیا اس نے کس بات کا؟ یہ دلالت کر رہا ہے کہ «عَلَى اسْتِمْرَارِ ثُبُوتِ خَبَرِهَا لِفَاعِلِهَا»، کہ اس کی خبر کا ثبوت ہے کس کے لیے؟ اس کے فاعل کے لیے، کس طریقے پر؟ کہ اس کی خبر کا ثبوت اس کے فاعل کے لیے استمرار کے طریقے پر ہے «مُسْتَقْبِلَهُ»، جب سے اس نے اس کو قبول کیا۔

«وَيَلْزَمُهَا حَرْفُ النَّفْيِ»، اور اس کے ساتھ کیا لازم ہے؟ بھائی یہ «مَا فَتِئَ» یہ ما حرفِ نفی ہے، «مَا بَرِحَ» یہ حرفِ نفی ہے، «مَا انْفَكَّ» یہ کیا ہے؟ حرف، بھائی دراصل ان سب کا معنی ہے جدا ہونا، کیا ہونا؟ جدا ہونا، غیر دائم بھائی، اور جب ما اس پر داخل ہو گیا تو اب اس نے اس کی نفی کر دی، جدائی کی نفی کر دی، زائل کا کیا معنی ہے مولانا؟ زوال، یہ سب دلالت کرتے ہیں زوال پر، اور جب ان پر ما داخل ہو گیا تو اس نے کس چیز پر دلالت کی؟ عدمِ زوال پر، اور یہی ان کا معنی ہے: ہمیشہ ہمیشہ، ہر ایک کا ترجمہ: زید ہمیشہ سے امیر ہے۔ اگر ما کو ہٹا دیں تو پھر تو زائل ہونے کا معنی ہوا، تو ما کی وجہ سے ان کے اندر کون سا معنی آ گیا؟ ہمیشگی کا معنی آ گیا۔

▪ قولہ: «وَمَا دَامَ يَدُلُّ عَلَى تَوْقِيتِ أَمْرٍ بِمُدَّ...» کی تشریح

«وَمَا دَامَ يَدُلُّ عَلَى تَوْقِيتِ أَمْرٍ بِمُدَّةِ ثُبُوتِ خَبَرِهَا لِفَاعِلِهَا»، اور مَا دَامَ دلالت کرتا ہے، توقیت کا معنی وقت بیان کرنا، امر معاملہ کوئی بات، کسی معاملے کا وقت بیان کرنے کے لیے آتا ہے «بِمُدَّةِ ثُبُوتِ خَبَرِهَا لِفَاعِلِهَا»، اتنی مدت تک جب تک اس کے فاعل کے لیے اس کی خبر ثابت ہو، اتنی مدت تک جب تک اس کے فاعل کے لیے اس کی خبر، دیکھو مثال سے بات سمجھ میں آئے گی: «أَقُومُ مَا دَامَ الْأَمِيرُ جَالِسًا»، میں کھڑا رہوں گا «مَا دَامَ الْأَمِيرُ جَالِسًا» جب تک امیر بیٹھا ہے۔ دیکھو جب تک امیر بیٹھا ہے میں کھڑا رہوں گا، تو میرے لیے، میرے قیام کی، میرے قیام کا وقت کتنا ہے؟ جب تک امیر، تو جب تک امیر کے لیے جلوس ثابت ہے، جب تک مَا دَامَ کے اسم کے لیے اس کی خبر ثابت ہے، اس وقت تک میرا قیام بھی، تو دیکھو اس نے دلالت کی توقیتِ امر پر، ایک چیز کا وقت بیان کیا، اور وہ کیا چیز تھی میرا؟ کیا چیز تھی؟ میرا قیام تھا، اور آگے کیا ایا؟ «بِمُدَّةِ ثُبُوتِ خَبَرِهَا لِفَاعِلِهَا»، جب تک اس کے اس کی خبر ثابت ہو اس کے فاعل کے لیے۔ دیکھو جملے پہ غور کرو پھر سمجھ میں آئے گا: «أَقُومُ مَا دَامَ الْأَمِيرُ جَالِسًا»، «أَقُومُ» ایک فعل ہے اور یہ کیا ثابت کر رہا ہے؟ متکلم کے لیے، متکلم اپنے لیے قیام ثابت کر رہا ہے، اور یہ قیام کب تک ہو گا؟ کتنی مدت تک ہو گا؟ کہتے ہیں اتنی مدت تک جب تک کہ مَا دَامَ ہے، مَا دَامَ کا اسم کون؟ اَلْأَمِيرُ، مَا دَامَ کی خبر کون؟ جَالِسًا، جب تک امیر کے لیے جلوس ثابت ہے، جب تک مَا دَامَ کے فاعل کے لیے مَا دَامَ کی خبر ثابت ہے، اس وقت تک «أَقُومُ» میرا قیام بھی ثابت ہے۔

اب سمجھ میں ایا ترجمہ؟ تو یہ مَا دَامَ دلالت کرتا ہے علیٰ توقیتِ امر، کسی معاملے کا وقت کو بیان کرنے پر «بِمُدَّةِ ثُبُوتِ خَبَرِهَا لِفَاعِلِهَا»، اتنی مدت تک یا یوں کہو: اس کے فاعل کے لیے اس کی خبر کا ثبوت جتنی مدت تک ہو، آخر سے ترجمہ کرو: مَا دَامَ دلالت کرتا ہے کسی معاملے کا وقت بیان کرنے پر اتنی مدت جب تک کہ اس کے فاعل کے لیے اس کی خبر ثابت ہو، «نَحْوَ: أَقُومُ مَا دَامَ الْأَمِيرُ جَالِسًا»۔

«وَلَيْسَ يَدُلُّ عَلَى نَفْيِ مَعْنَى الْجُمْلَةِ حَالًا»، اور لَيْسَ کس پر دلالت کرتا ہے؟ جملے کے معنی کی نفی پر۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ» کا کیا معنی؟ زید کھڑا ہے، «لَيْسَ زَيْدٌ قَائِمًا» کیا معنی؟ زید کھڑا نہیں، تو نفی پہ کس نے دلالت کی؟ لَيْسَ، «حَالًا» لیکن کس زمانے میں؟ حال میں، کہ زید کے لیے قیام کس زمانے میں نہیں ثابت؟ حال میں نہیں ثابت۔ «وَقِيلَ: مُطْلَقًا»، اور بعض علماء کہتے ہیں مطلقاً، حال کی نفی کے لیے لَيْسَ نہیں آتا بلکہ مطلق نفی کے لیے آتا ہے، ماضی کی بھی نفی ہو سکتی ہے، حال کی بھی اور استقبال کی بھی نفی ہو سکتی ہے۔ «وَقَدْ عَرَفْتَ بَقِيَّةَ أَحْكَامِهَا فِي الْقِسْمِ الْأَوَّلِ فَلَا نُعِيدُهَا»، اور تحقیق آپ جان چکے ہیں افعالِ ناقصہ کے احکام، باقی احکام قسمِ اول کے اندر، «فَلَا نُعِيدُهَا» تو ہم اس ان کا اعادہ نہیں کریں گے، ان کو دوبارہ نہیں دہرائیں گے بھائی۔ ھذا ھو المرام، واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۹۹: افعالِ ناقصہ، افعالِ مقاربہ، افعالِ تعجب، افعالِ مدح وذم اور آغازِ القسم الثالث فی الحرف

ہدایۃ النحو صفحہ: ۹۷—بتاریخ: ۲۰ اگست ۲۰۱۶ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

گزشتہ سبق میں مولانا ہم نے امر کی بحث پڑھی تھی۔ انہوں نے بتلایا تھا امر جو ہے وہ وہ صیغہ ہے جس کے ذریعے فاعلِ مخاطب سے آپ کیا کرتے ہیں؟ فعل کو طلب کرتے ہیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ فعلِ مضارع سے حرفِ مضارع کو حذف کر دیں اور اس کے بعد دیکھیں اگر مابعد ساکن ہے تو شروع میں ہمزۂ وصل لے آئیں اور ہمزۂ وصل مضموم لائیں گے اگر عین کلمہ مضموم ہو اور ہمزۂ وصل مکسور لائیں گے اگر عین کلمہ مفتوح ہو یا مکسور ہو۔ تو نَصَرَ یَنْصُرُ، اس سے کیا بنے گا؟ اُنْصُرْ، کیونکہ عین کلمہ مضموم ہے۔ اور ضَرَبَ یَضْرِبُ اور فَتَحَ یَفْتَحُ، یہاں اس سے کیا بنے گا؟ اِضْرِبْ اور اِفْتَحْ، کیونکہ عین کلمہ مفتوح ہو یا مکسور ہو تو ہمزۂ وصل بھی کیا لاتے ہیں؟ مکسور لاتے ہیں۔

اور اگر علامتِ مضارع حذف کرنے کے بعد مابعد متحرک ہو تو پھر شروع میں ہمزۂ وصل لانے کی ضرورت نہیں، جیسے وَعَدَ یَعِدُ، یا کو حذف کیا تو کیا باقی رہ گیا؟ عِدْ باقی رہ گیا بھائی۔ قَاتَلَ یُقَاتِلُ، یا کو حذف کیا تو قَاتِلْ باقی رہ گیا بھائی، اور آخر میں جزم دے دیتے ہیں بھائی، تو یہ مبنی ہو گا علامتِ جزم پر بھائی۔

اس کے بعد فعلِ مجہول پڑھا تھا بھائی، فِعْلُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهُ، فعل اس مفعول کا جس کے فاعل کو ذکر نہ کیا جائے، تو وہ فعل ہے جس کے فاعل کو حذف کر لیا جاتا ہے اور مفعول کو فاعل کا قائم مقام بنا دیا جاتا ہے اور اسے کیا کہتے ہیں؟ مفعول مالم یسم فاعلہ یا نائب فاعل بھی کہتے ہیں۔ اور یہ خاص ہے متعدی کے ساتھ، بتایا تھا میں، کیونکہ ہم نے اس میں کیا کرنا ہے؟ فاعل کو حذف کرنا ہے اور مفعول کو کیا بنانا ہے اس کا؟ قائم مقام، تو یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کا کوئی مفعول آتا بھی ہو۔ اگر مفعول ہی نہیں آتا تو پھر قائم مقام کس کو بنائیں گے بھائی؟ تو متعدی چاہے بلا واسطے کے ہو چاہے متعدی کس کے واسطے سے ہو؟ بواسطۂ حرفِ جر کے ہو۔

بھائی دیکھو! بعض فعل ہوتے ہیں بغیر حرفِ جر کے متعدی ہوتے ہیں جیسے ضَرَبْتُ زَیْدًا، تو دیکھو ضَرَبْتُ متعدی ہے، زید کو نصب دے رہا ہے، درمیان میں کسی حرفِ جر کو لانے کی ضرورت نہیں، لیکن بعض افعال براہِ راست متعدی نہیں ہو سکتے تو پھر درمیان میں ہم حرفِ جر کا واسطہ لاتے ہیں جیسے مَرَرْتُ، مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، تو یہ متعدی ہے کس کے واسطے سے؟ با کے واسطے سے، سمجھ میں آیا؟ تو زید کو ہم نے، زید کے پاس سے گزرا تو زید کو ہم نے مفعول بنانا تھا لیکن مفعول ہم بنا نہیں سکتے کیونکہ مَرَرْتُ کیا ہے؟ براہِ راست مفعول کو نصب نہیں دیتا، تو پھر ہم بواسطۂ حرفِ جر کے اس کو مفعول لے آتے ہیں، تو کیا بن گیا؟ بِزَیْدٍ۔ تو یہ جو مجرور ہوتا ہے یہ مفعول بہٖ غیر صریح کہلاتا ہے، کیا کہلاتا ہے؟ غیر صریح۔ تو ایک مفعول بہٖ صریح ہوتا ہے، ضَرَبْتُ زَیْدًا، یہ زید کیا ہے؟ مفعول بہٖ صریح ہے، صراحۃً مفعول بہٖ ہے مولانا، فعل اس کو کیا دے رہا ہے؟ نصب دے رہا ہے۔ اور ایک مفعول بہٖ ہوتا ہے بواسطۂ حرفِ جر کے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول بہٖ غیر صریح کہتے ہیں بھائی۔ تو مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، یہ زید بھی کیا ہے؟ مفعول بہٖ ہے، لیکن غیر صریح ہے، تو اس کو جار مجرور سے تعبیر کرتے ہیں بھائی۔

اور اس کا طریقہ بتلایا تھا مولانا کیسے بنائیں گے؟ کہ بھائی فعل کو دیکھیں، ماضی تین قسم پر ہے: ایک ماضی وہ جس کے شروع میں کیا آئے گا؟ ہمزۂ وصل آئے گا، دوسری قسم ماضی کی وہ ہے جس کے شروع میں کیا آئے گی؟ تائے زائدہ آئے گی، اور تیسری وہ ہے جس کے شروع میں نہ ہمزۂ وصل ہو گا اور نہ تائے

زائدہ۔ تو جس کے شروع میں نہ ہمزۂ وصل ہو نہ تائے زائدہ ہو، اس کے صرف اول کو رفع دے دو اور آخر سے ماقبل کو کسرہ دے دو، اول کو ضمہ اور آخر سے ماقبل کو کسرہ، یہ کیا بن جائے گا مولانا؟ جیسے ضَرَبَ سے ضُرِبَ، دیکھو ضَرَبَ کے شروع میں نہ ہمزۂ وصل آرہا ہے اور نہ تائے زائدہ آرہی ہے، تو ضُرِبَ ہوا۔

اور ایک وہ ہے جس کے شروع میں ہمزۂ وصل آئے، ایک وہ ہے جس کے شروع میں تائے زائدہ آئے۔ تو جس کے شروع میں تائے زائدہ آئے، اس میں اول کو بھی ضمہ دیں گے یعنی تا کو بھی فعلِ مجہول بنانے کے لیے اور ثانی کو بھی ضمہ دے دیں گے اور آخر سے ماقبل کو کسرہ دے دیں گے، تو تَفَعْلَلَ سے کیا بنے گا مولانا؟ تا کو بھی ضمہ دو اور ثانی فا کو بھی ضمہ دو اور آخر سے ماقبل کو کسرہ دو، کیا بن جائے گا؟ تُفُعْلِلَ، سمجھ میں آیا بھائی؟ تُفُعْلِلَ۔ تَفَعَّلَ، اس سے کیا بنے گا؟ تُفُعِّلَ، سمجھ میں آیا بھائی؟

اور جن کے شروع میں ہمزۂ وصل آیا تھا، ان سے فعلِ مجہول بنانے کا کیا طریقہ ہے؟ ماضی کی بات چل رہی ہے، یہ یاد رکھنا۔ اس کے شروع میں مولانا ہمزۂ وصل کو بھی ضمہ دے دو اور ثالث کو بھی ضمہ دے دو کیونکہ ثانی تو ساکن ہے، تو اِسْتَخْرَجَ کے شروع میں ہمزۂ وصل آیا، ہمزۂ وصل کو بھی ضمہ دو اور ثالث تا ہے اس کو بھی ضمہ دو، کیا بن جائے گا؟ اور آخر سے ماقبل کو کسرہ، اُسْتُخْرِجَ، تو یہ طریقہ ہے بھائی۔

اور فعلِ مضارع کے اندر کیا طریقہ ہے؟ کہتے ہیں فعلِ مضارع کے اندر صرف اول کو ضمہ دے دو، اگر ضمہ نہیں ہے، اور علامتِ مضارع کو ضمہ دے دو اگر ضمہ نہیں ہے، اور آخر سے ماقبل کو کیا دے دو؟ فتحہ دے دو۔ تو ضَرَبَ یَضْرِبُ، اول کو ضمہ دیا، کیا ہوا؟ اور آخر سے ماقبل کو فتحہ دیا، یُضْرَبُ، یُکْرَمُ، یُنْصَرُ، سمجھ میں آیا؟ اور اگر پہلے سے ہی ضمہ ہے، یُکْرِمُ، تو ضمہ کو برقرار رکھو اور آخر سے ماقبل کو فتحہ دے دو، تو یُکْرِمُ کی یا پہلے ہی مضموم ہے، تو یُکْرَمُ، سمجھ میں آیا بھائی؟ یُکْرَمُ فعلِ مجہول بن جائے گا۔

یہ تو عام افعال کی بات تھی مولانا، اجوف کا حکم ذرا مختلف ہے۔ اجوف کی ماضی کے اندر کہتے ہیں مولانا، اگر قَالَ، اجوف قَالَ ہے، بَاعَ ہے، ان سے فعلِ مجہول بنانے کا کیا طریقہ ہے؟ کہتے ہیں اس میں بھائی تین طرح پڑھ سکتے ہیں: قِیْلَ، بِیْعَ بھی پڑھ سکتے ہیں، قُوْلَ، بُوْعَ بھی پڑھ سکتے ہیں، اور اشمام کے ساتھ قِوْلَ، کسرے کو ضمہ کی بو دے دیں، قِوْلَ، بstate﴿یُو﴾عَ، یہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر وہ اجوف جس کے آخر میں فُعِلَ وزن آرہا ہو، اس کے اندر یہ تینوں پڑھنا جائز ہے۔ جیسے مولانا، جیسے اُخْتِیْرَ، اس میں کیا پڑھنا جائز؟ اُخْتِیْرَ پڑھنا بھی جائز، اُخْتُوْرَ پڑھنا بھی جائز، کیونکہ آخر میں کیا آرہا ہے؟ فُعِلَ وزن، أُخْ تو یہ رہا، فُعِلَ تو یہ رہا، فُعِلَ وزن آرہا ہے، اُخْتُوْرَ پڑھنا بھی جائز اور اُخْتِوْرَ، کسرے کو ضمہ کی بو دینا بھی جائز ہے۔

أُنْقِیْدَ میں بھی اسی طرح ہے مولانا، أُنْقِیْدَ بھی پڑھ سکتے ہیں اور أُنْقُوْدَ اور أُنْقِوْدَ، کیونکہ اس کے آخر میں بھی کیا وزن آرہا تھا؟ اصل میں یہ تھا أُنْقُوِدَ، أُنْ، قُوِدَ، فُعِلَ وزن، تو جن کے آخر میں فُعِلَ وزن آئے گا ان میں یہ تین پڑھیں گے۔ اور جن کے آخر میں نہیں تو وہاں یہ نہیں پڑھیں گے، لہٰذا اُسْتُخِیْرَ، أُقِیْمَ کے اندر یہ وزن نہیں آئے گا کیونکہ أُسْتُخْ یہ رہا، یہاں فُعِلَ وزن نہیں آرہا۔ اور أُقِیْمَ اصل میں کیا ہے؟ أُقْوِمَ، فُعِلَ وزن نہیں بن رہا بھائی، قاف ساکن ہے، تو لہٰذا وہاں نہیں پڑھیں گے یہ، چنانچہ یہ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اجوف کی ماضی کے اندر یہ تین طرح پڑھنا جائز۔

اور اجوف کے مضارع کے اندر بھائی، اجوف کے مضارع میں عین الف سے بدل جائے گا، عین کلمہ کس سے بدلے گا؟ تو یَقُوْلُ سے کیا پڑھیں گے؟ یُقَالُ۔ یُبَاعُ، یَبِیْعُ سے کیا پڑھیں گے؟ یُبَاعُ پڑھیں گے۔

اس کے بعد مولانا فعل کے بارے میں پڑھا تھا کہ فعل جو ہے کبھی متعدی ہوتا ہے، کبھی لازمی ہوتا ہے۔ متعدی وہ ہے جس کے معنی کا سمجھنا فاعل کے علاوہ ایک اور متعلق پر بھی موقوف ہو، صرف فاعل سے ہی بات پوری نہ ہوتی ہو بلکہ ایک اور متعلق کی بھی ضرورت ہو، ضَرَبَ زَیْدٌ مولانا، جب تک مضروب کا ذکر نہیں آئے گا اس کا معنی پورا نہیں، کیونکہ ضرب اس وقت تک پائی نہیں جائے گی جب تک مضروب نہ پایا جائے۔ اور اس کا طریقہ میں نے بتلایا تھا بھائی، اردو میں اس کو معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اردو میں اس جملے کا ترجمہ کرو، اگر جملے کے اندر «نے» کا لفظ آتا ہے تو معلوم ہوا فعلِ متعدی ہے۔ اگر «نے» کا لفظ نہیں آتا تو معلوم ہوا یہ متعدی نہیں ہے بھائی۔ لہٰذا ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا، ترجمہ کریں ذرا، «زید نے عمرو کی پٹائی کی»، تو «نے» لفظ آیا، معلوم ہوا یہ متعدی ہے۔ قَامَ زَیْدٌ، «زید کھڑا ہوا»، «نے» نہیں آیا، معلوم ہوا یہ قَامَ کیا ہے؟ لازمی ہے۔ اَکَلَ زَیْدٌ، «زید نے کھایا»، معلوم ہوا یہ متعدی ہے، «زید نے کھانا کھایا»۔

اس کے بعد بتلایا تھا متعدی کبھی بہ یک مفعول ہو گا، کبھی متعدی بہ دو مفعول ہو گا، کبھی متعدی ہو گا تین مفعولوں کی طرف بھائی۔ متعدی بہ یک مفعول کی مثال: ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا، تو ایک مفعول چاہا۔ متعدی بہ دو مفعول: اَعْطَی زَیْدٌ عَمْرًا دِرْهَمًا، زید نے عمرو کو درہم دیا۔ پھر یہ متعدی بہ دو مفعول مولانا

یہ دو قسم پر ہیں: ایک بابِ عَلِمْتُ ہے اور ایک بابِ اَعْطَیْتُ ہے۔ بابِ عَلِمْتُ مولانا سات افعال ہیں جو آگے بحث ہم نے پڑھی، جن کو افعالِ شک ویقین بھی کہتے ہیں، اور بابِ عَلِمْتُ کے اندر آپ نے پڑھا تھا کہ یہ دراصل دونوں مفعول، یہ بھی دو مفعول چاہتا ہے تو یہ دونوں مفعول دراصل مبتدا خبر ہوتے ہیں۔ زَیْدٌ قَائِمٌ تھا، زَیْدٌ فَاضِلٌ تھا، اس پر عَلِمْتُ داخل ہوا کیا بن گیا؟ عَلِمْتُ زَیْدًا فَاضِلًا، تو یہ دونوں کیا بن گئے؟ مفعول بن گئے لیکن دراصل یہ دونوں مفعول کیا ہیں آپس میں؟ مبتدا خبر۔ تو یہ بابِ عَلِمْتُ ہے اور اس کے اندر مولانا ایک مفعول پر اکتفا کرنا جائز نہیں۔ تو آپ عَلِمْتُ زَیْدًا یا عَلِمْتُ فَاضِلًا کہنا جائز نہیں، یا تو دونوں کو ذکر کرو: عَلِمْتُ زَیْدًا فَاضِلًا، یا دونوں کو کیا کرلو؟ حذف کرلو اگر کوئی قرینہ وہاں موجود ہے جو مفعولوں پر دلالت کر رہا ہے، سمجھ آرہی ہے بات بھائی؟ تو ان کو بابِ عَلِمْتُ کے دو مفعول، ان میں ایک پر اکتفا کرنا جائز نہیں ہوتا کیونکہ یہ دونوں کس کے درجے میں ہیں؟ مبتدا اور خبر کے۔

جبکہ اس کے مقابلے میں بابِ اَعْطَیْتُ ہے، وہ بھی دو مفعول چاہتا ہے لیکن وہاں ایک پر اکتفا کرنا اور ایک کو حذف کرنا جائز ہے۔ اَعْطَیْتُ زَیْدًا دِرْهَمًا، زَیْدًا مفعولِ اول، دِرْهَمًا مفعولِ ثانی، لیکن آپ کیا کہہ سکتے ہیں؟ اَعْطَیْتُ زَیْدًا، بس، یا اَعْطَیْتُ دِرْهَمًا، بس، یا اَعْطَیْتُ، تو چاہے دونوں کو حذف کریں، چاہے ایک کو حذف کریں، چاہے کسی کو بھی حذف نہ کریں۔ تو دونوں میں فرق یہ ہے مولانا، کہ بابِ عَلِمْتُ کے اندر مفعولِ اول اور مفعولِ ثانی یہ ایک ہی ذات پر دلالت کریں گے جبکہ بابِ اَعْطَیْتُ میں یہ الگ الگ ذاتوں پر دلالت کریں گے۔ بھائی اَعْطَیْتُ زَیْدًا دِرْهَمًا، مفعولِ اول کون؟ زَیْدًا، مفعولِ ثانی کون؟ دِرْهَمًا، بھائی زید اور درہم یہ ایک ہی ذات کے نام ہیں یا الگ الگ ذاتیں ہیں؟ زید الگ ہے، درہم الگ ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں عَلِمْتُ کے اندر دونوں ایک ہی ذات پر دلالت کریں گے۔ بھائی عَلِمْتُ زَیْدًا فَاضِلًا، بھائی زید نے کس پر دلالت کی؟ اس ذات پر مثلاً، اور فاضل بھی کون ہے؟ یہی زید ہی بتلا رہے ہیں کہ زید کیا ہے؟ فاضل ہے۔ تو فاضل بھی اسی ذات پر دلالت کر رہا ہے اور زید بھی اسی ذات پر، تو یہ فرق ہے دونوں کے اندر بھائی۔

اس کے بعد مولانا بابِ اَعْلَمَ بھی پڑھا ہم نے جو تین مفعول چاہتا ہے، تین مفعول: اَعْلَمَ اللهُ زَیْدًا عَمْرًا فَاضِلًا، اللہ نے زید کو بتلایا، اَعْلَمَ اللهُ زَیْدًا، کیا بتلایا؟ کہ عمرو فاضل ہے، تو اللہ نے زید کو علم دیا کہ عمرو کے فاضل ہونے کا علم دیا۔ سمجھ میں آیا؟ بابِ اَعْلَمَ۔

اور یہاں میں نے آپ کو ضابطہ بتلایا تھا کہ اگر کوئی فعلِ لازم ہو اس کو متعدی بنانا ہو تو کئی طریقے ہیں مولانا، پانچ چھ طریقے ہیں، غلبے کا معنی ادا کرنے کے لیے بابِ نَصَرَ میں لے جاتے ہیں، کبھی مولانا بابِ اِفْعَال میں لے جاتے ہیں، کبھی بابِ تَفْعِیْل میں لے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو ایک طریقہ بابِ اِفْعَال میں لے جاتے ہیں، اور اگر فعلِ لازم ہو، بابِ اِفْعَال میں لے جائیں گے تو وہ کتنا مفعول؟ پہلے کوئی مفعول نہیں چاہتا تھا لیکن اب ایک مفعول چاہے گا، سمجھ میں آیا بھائی؟ ایک مفعول چاہے گا۔ اس کی کیا مثال تھی مولانا؟ ذَهَبَ، ذَهَبَ زَیْدٌ صرف فاعل چاہتا تھا، بس۔ جب آپ بابِ اِفْعَال میں لے گئے، اَذْهَبَ زَیْدٌ، اب مفعول بھی چاہے گا، زید لے گیا، کس کو لے گیا بھائی؟ عَمْرًا، کس کو لے گیا؟ عمرو کو لے گیا۔ اور اگر فعل پہلے سے ایک مفعول چاہتا تھا تو بابِ اِفْعَال میں جاکر دو مفعول چاہے گا، جیسے مولانا حَفَرْتُ نَهْرًا، میں نے نہر کھودی، ایک مفعول تھا۔ اب لے گئے اس کو بابِ اِفْعَال میں، اَحْفَرْتُ زَیْدًا نَهْرًا، میں نے نہر کھودنے میں زید کی مدد کی، یا زید کے لیے نہر کھودی، میں نے نہر کھودنے میں زید کی مدد کی، یہ ترجمہ ہوگا اس کا، یا میں نے زید کے لیے نہر کھودی، سمجھ میں آیا بھائی؟ یہ معنی نہیں کہ زید سے کھدوائی، بس۔

اچھا، تیسرا کیا تھا بھائی؟ بابِ عَلِمَ تھا، عَلِمَ کتنے مفعول چاہتا ہے؟ دو، لیکن اب اس کو بابِ اِفْعَال میں لے گئے تو یہ کتنے چاہے گا؟ تین چاہے گا، تو اَعْلَمَ تین مفعول چاہے گا۔ اور یہ بابِ، تو یہ بابِ اَعْلَمَ ہے۔ اور اس میں پھر بتلایا تھا مصنف نے کہ اسی طرح ہے اَرٰی، یہ بھی تین مفعول چاہتا ہے، اَنْبَاَ، نَبَّاَ، اَخْبَرَ، خَبَّرَ، حَدَّثَ، تو یہ جتنے، یہ سات کے سات جو ذکر ہوئے یہ سارے کتنے مفعول چاہتے ہیں؟ تین مفعول چاہتے ہیں۔

لیکن پھر ایک عجیب ضابطہ بھی بتلایا تھا کہ یہ دیکھو مولانا یہ تین مفعول ہیں: پہلا، یہ ہے دوسرا، یہ ہے تیسرا۔ یہ جو دوسرا اور تیسرا ہیں یہ آپس میں بابِ عَلِمْتُ کی طرح ہیں، کس کی طرح ہیں؟ اور بابِ عَلِمْتُ میں ایک مفعول کو حذف کرنا اور ایک پر اکتفا کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ دونوں آپس میں کیا تھے؟ مبتدا خبر، تو یہ دونوں بھی آپس میں مبتدا خبر ہیں۔ اَعْلَمَ اللهُ زَیْدًا، اللہ نے زید کو علم دیا، کیا علم دیا؟ کہ عمرو کیا ہے؟ فاضل ہے، تو یہ دونوں بھی آپس میں مبتدا خبر ہیں، لہٰذا مولانا ان میں سے ایک کو حذف کرنا اور ایک پر اکتفا کرنا جائز نہیں، یا دونوں کو ذکر کرو یا دونوں کو کیا کردو؟ حذف کردو۔ جبکہ یہ دونوں مل کر، دوسرا اور تیسرا مل کر پہلے کی طرف نسبت کرتے ہوئے بابِ اَعْطَیْتُ کی طرح ہیں، یعنی پہلا اور اس کے مقابلے میں دوسرا اور تیسرا مل کر، یہ کس کی طرح ہے؟ بابِ اَعْطَیْتُ، اور بابِ اَعْطَیْتُ میں کیا جائز تھا؟ چاہے دونوں کو ذکر کریں، چاہے ایک کو ذکر کردیں، چاہے دونوں کو حذف کردیں، تو یہاں بھی اسی طرح جائز ہے۔ آپ چاہیں تو پہلے کے ساتھ دوسرے اور تیسرے دونوں کو ذکر کردیں، آپ چاہیں تو صرف پہلے کو حذف کردیں، دوسرے تیسرے کو ذکر کردیں، آپ چاہیں تو دوسرے تیسرے کو حذف کردیں اور پہلے کو ذکر کردیں، یا آپ چاہیں تو ان سب کو کیا کردیں؟ حذف کردیں، صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ جائز۔

اس کے بعد افعالِ قلوب پڑھے تھے مولانا۔ افعالِ قلوب کے بارے میں میں نے بتلایا تھا آپ کو کہ یہ افعالِ شک ویقین بھی کہلاتے ہیں، ان میں سے کچھ شک کے لیے آتے ہیں، کچھ یقین کے لیے آتے ہیں۔ یقین کے لیے جو ہیں مولانا: عَلِمْتُ، رَاَیْتُ، وَجَدْتُ آتے ہیں، اور شک کے لیے: حَسِبْتُ، ظَنَنْتُ، خِلْتُ آتے ہیں، اور زَعَمْتُ جو ہے شک کے لیے بھی آتا ہے اور یقین کے لیے بھی آتا ہے۔ اور یہ بتلایا تھا مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں اور مبتدا اور خبر دونوں کو کیا بنا لیتے ہیں؟ اپنے مفعول بنا لیتے ہیں۔ پھر بتلایا تھا ان افعال کے کچھ خاصے ہیں جو دیگر افعال میں نہیں: ایک خاصہ یہ کہ ان میں سے ایک مفعول پر اکتفا کرنا جائز نہیں، یا تو دونوں کو حذف کر و یا دونوں کو کیا کرو؟ ذکر کرو۔ دوسرا خاصہ ان کا یہ تھا کہ اگر یہ فعل دونوں مفعولوں کے بیچ میں آجائے یا مولانا دونوں مفعولوں کے بعد ذکر ہو جائے تو پھر ان کو عمل دینا بھی جائز اور ان کے عمل کو لغو کر دینا بھی جائز۔ تو دیکھو زَیْدٌ قَائِمٌ پر کیا داخل ہوا؟ زَیْدٌ فَاضِلٌ پر کیا داخل ہوا؟ عَلِمْتُ، عَلِمْتُ نے دونوں کو نصب دیا، کیا بن گیا؟ عَلِمْتُ زَیْدًا فَاضِلًا، تو یہ تو نصب دے گا، لیکن اگر یہ عَلِمْتُ ان دونوں کے بیچ آیا تو: زَیْدًا عَلِمْتُ فَاضِلًا، نصب دینا بھی جائز، لغو کرنا بھی جائز: زَیْدٌ عَلِمْتُ فَاضِلٌ، چاہے آپ نصب ان کی وجہ سے اب دیں یا نصب نہ دیں، دونوں صورتیں جائز۔ اور اگر اسی طرح آخر میں آیا: زَیْدًا فَاضِلًا عَلِمْتُ، تو چاہے آپ اس طرح نصب دے لیں، چاہے تو لغو کر دیں: زَیْدٌ فَاضِلٌ عَلِمْتُ۔ تو جب یہ افعال اگر دونوں مفعولوں کے بیچ میں آجائیں یا دونوں مفعولوں کے بعد میں آجائیں تو ان کے عمل کو لغو کر دینا بھی جائز ہے جبکہ باقی افعال میں ایسا نہیں ہوتا۔

ایک خاصہ ان کا یہ پڑھا تھا کہ جب یہ افعال استفہام سے پہلے آجائیں یا مولانا نفی سے پہلے آجائیں یا لامِ ابتدا سے پہلے آجائیں تو یہ معلق ہو جائیں گے۔ معلق ہونے کا یہ معنی کہ معنی کے اعتبار سے عمل کریں گے، لفظوں کے اعتبار سے عمل نہیں کریں گے، یعنی لفظوں کے اندر یہ نصب نہیں دیں گے مولانا، لیکن معنی کے اعتبار سے وہ جواب آگے آرہا ہے وہ ان کے لیے مفعول ہی ہو گا، معنی کس طرح کریں گے؟ مفعول والا ہی کریں گے۔ صورت کیونکہ مولانا استفہام، نفی اور لامِ ابتدا یہ سارے مولانا صدارتِ کلام کو چاہتے ہیں، اگر ہم عَلِمْتُ کو لفظوں میں بھی عامل بنا دیں تو ان سب کی صدارت فوت ہو جائے گی کیونکہ عَلِمْتُ ان پر مقدم ہے اور یہ اس کے لیے معمول بن گئے اور عامل کیا ہوا؟ مقدم ہوا، تو ان کی صدارت کیا ہوئی مولانا؟ فوت ہو گئی۔

اس کے بعد یہ بھی بتلایا تھا کہ عام افعال کے اندر مولانا فاعل اور مفعول ضمیرین متصلین ہوں شئے واحد کے لیے، ذاتِ واحد کے لیے، یہ عام افعال میں جائز نہیں ہے۔ ضَرَبْتُنِيْ، فاعل بھی متکلم، مفعول بھی متکلم، یہ عام افعال میں ضمیرین متصلین فاعل اور مفعول کی لانا جائز نہیں، ہاں افعالِ قلوب میں جائز ہے: عَلِمْتُنِيْ فَاضِلًا، میں نے اپنے آپ کو کیا جانا؟ فاضل جانا۔ رَاَیْتُنِيْ عَالِمًا، میں نے اپنے آپ کو کیا جانا؟ عالم جانا۔ دیکھو رَاَیْتُ کا فاعل بھی متکلم اور یا ضمیر مفعول، یہ بھی کیا ہے؟ تو یہ افعالِ قلوب میں جائز ہیں، باقی افعال میں جائز نہیں، تو باقی افعال میں پھر ہم «نفس» کا لفظ درمیان میں بڑھاتے ہیں، مضاف بناتے ہیں اس ضمیر کی طرف، ضَرَبْتُنِيْ نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ ضَرَبْتُ نَفْسِيْ کہیں گے بھائی۔

اور اس کے بعد بتلایا تھا مولانا کہ یہ افعال مولانا، ظَنَنْتُ کبھی اِتَّهَمْتُ کے معنی میں آتا ہے تہمت لگانے کے معنی میں، پھر یہ ایک مفعول چاہے گا۔ عَلِمْتُ کبھی بمعنی عَرَفْتُ کے آتا ہے، یہ پھر کتنے مفعول چاہے گا؟ ایک چاہے گا۔ رَاَیْتُ وہ بمعنی اَبْصَرْتُ کے آتا ہے اور وَجَدْتُ وہ بمعنی اَصَبْتُ کے آتا ہے، تو اس صورت میں یہ پھر کتنے مفعول چاہیں گے؟ پھر یہ افعالِ قلوب رہے ہی نہ، سمجھ میں آیا؟ تو ایک ہے رؤیتِ قلبی، ایک ہے رؤیتِ بصری۔ رؤیتِ قلبی: عَلِمْتُ کیا ہے؟ رَاَیْتُ، دیکھا میں نے، یہ ایک رؤیتِ قلبی ہوتی ہے، اور ایک دیکھنا ہوتا ہے رؤیتِ بصری، آنکھوں سے دیکھنا مولانا۔ مثلاً رَاَیْتُ زَیْدًا فَاضِلًا، میں نے زید کو کیا دیکھا؟ فاضل دیکھا، یا میں نے زید کو کیا دیکھا؟ عالم دیکھا، یہ کیا آنکھوں سے نظر آیا کوئی عالم کے سینگ ہوتے ہیں بھائی؟ نہیں، ہاں آپ کے دل نے اس کو کیا پایا؟ عالم پایا، اس کے علم سے اندازہ ہوا کہ یہ عالم آدمی ہے اس کی باتوں سے، تو اب یہ رؤیتِ قلبی ہے، آپ کے دل نے اس کو کیا پایا ہے؟ اور ایک ہوتا ہے آنکھوں سے دیکھنا، رَاَیْتُ زَیْدًا، میں نے زید دیکھا، دور سے آپ کو زید نظر آیا، تو یہ اب کیا ہے؟ آنکھوں سے دیکھنا، یہ ایک مفعول چاہتا ہے، تو رؤیتِ قلبی دو۔

اس کے بعد افعالِ ناقصہ پڑھے تھے، افعالِ ناقصہ کے بارے میں آپ نے پڑھا تھا کہ یہ کس لیے آتے ہیں بھائی؟ جی؟ یہ اپنے فاعل کو اپنے مصدر کی صفت پر نہیں ثابت کرتے بلکہ غیر کی صفت پر ثابت کرتے ہیں، کس پر ثابت کرتے ہیں؟ اس کے علاوہ جتنے افعال ہیں مولانا، فاعل کو اپنے مصدر کی صفت پر ثابت کرتے ہیں۔ ضَرَبَ زَیْدٌ، ضَرَبَ نے زید کو کس پر ثابت کیا؟ ضرب پر، زید کے لیے کیا ثابت کی؟ ضرب ثابت کی۔ اَکَلَ زَیْدٌ، اَکَلَ فعل نے زید کے لیے کیا ثابت کیا؟ اکل ثابت کیا، دیکھو اپنے ہی مصدر کو اپنے فاعل کے لیے ثابت کرتے ہیں، جبکہ افعالِ ناقصہ ایسا نہیں۔ کَانَ زَیْدٌ قَائِمًا بھائی، تو کَانَ نے زید کو ثابت کیا لیکن کس پر؟ اپنے فعل، اپنے ہی مصدر پر یا قیام پر بھائی؟ قیام پر ثابت کیا۔ کَانَ زَیْدٌ قَائِمًا، تو کَانَ نے زید کو کس پر ثابت کیا؟ تو زید کے لیے قیام کو ثابت کیا مولانا، اپنے مصدر کو، ہاں اپنے معنی کا اثر دے دیتے ہیں۔ پہلے تھا زَیْدٌ قَائِمٌ، زید کھڑا ہے، اب ہوا کَانَ زَیْدٌ قَائِمًا، کیا معنی؟ زید کھڑا تھا، تو دیکھو

معنی کو اپنا اثر دے دیا، یا مولانا زَيْدٌ غَنِيٌّ، زید دولت مند ہے، اب اس پہ ذرا صَارَ لے آؤ، صَارَ زَيْدٌ غَنِيًّا، زید دولت مند ہو گیا، تو دیکھو صَارَ نے اپنا اثر دے دیا، کیا دے دیا؟ ہاں، اب بھی وہی دولت مندی ہی زید کے لیے ثابت ہوئی، لیکن پہلے تھی ثابت کہ زید غنی ہے اگر صَارَ نہ ہوتا، اب صَارَ نے بتلایا کہ پہلے نہیں تھا اب کیا بن گیا ہے؟ غنی بن گیا ہے، سمجھ میں آیا؟ تو صَارَ نے اپنا اثر، تو یہ اپنا اثر چھوڑ جاتے ہیں جملے میں۔

پھر اس کے بعد بتلایا تھا کہ یہ كَانَ تین قسم پر ہے مولانا: ایک كَانَ ناقصہ ہے، ایک كَانَ تامہ ہے، ایک كَانَ زائدہ ہے۔ كَانَ ناقصہ وہ ہے مولانا جو صرف فاعل پر بات پوری نہیں ہوتی بلکہ ساتھ ایک اور اسم کو بھی چاہتا ہے، یعنی ایک اسم چاہتا ہے اور ایک اپنی خبر چاہتا ہے، ایک اسم چاہتا ہے اور ایک کیا چاہتا ہے؟ تو مولانا نحویوں کے، بعض نحوی یہ كَانَ جس کو رفع دیتا ہے اس کو كَانَ کا کیا کہتے ہیں؟ اسم، اور آگے جس کو نصب دیتا ہے اس کو كَانَ کی خبر کہتے ہیں۔ بعض علماء اور صاحبِ کافیہ وغیرہ اور اصطلاح ہے، بس اصطلاح میں فرق ہے۔ وہ جس کو یہ رفع دیتا ہے اس کو کہتے ہیں كَانَ کا فاعل، باقیوں نے کیا کہا تھا؟ كَانَ کا اسم، انہوں نے کہا كَانَ کا فاعل، باقی اسی طرح ہے، سمجھ میں آیا؟ صرف اصطلاح میں اختلاف ہے کہ وہ نام انہوں نے اسم رکھا، انہوں نے فاعل ہی رکھا، جی۔ تو اسی لیے یہ بھی مولانا، یہ بھی یہ صاحبِ ہدایت النحو بھی صاحبِ کافیہ کے انداز میں چونکہ چلتے ہیں تو انہوں نے بھی كَانَ کے اسم کو کیا قرار دیا؟ كَانَ کا فاعل، اسی لیے بار بار فاعل کا نام لیتے ہیں۔

اچھا، تو كَانَ مولانا کیا کرتا ہے؟ جی؟ كَانَ ناقصہ کیا ہوتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور اپنے خبر کو نصب دیتا ہے، كَانَ، تو یہ اسم کے ساتھ ساتھ خبر کو بھی چاہے گا۔ جبکہ كَانَ تامہ وہ ہوتا ہے جہاں صرف اسم پر، صرف فاعل پہ بات پوری ہو جائے، كَانَ زَيْدٌ، یہ کس معنی میں ہوتا ہے؟ ثَبَتَ کے معنی میں، أَيْ ثَبَتَ زَيْدٌ، سمجھ میں آیا بھائی؟ زید ثابت ہوا، زید ہے، كَانَ زَيْدٌ کیا معنی؟ زید ہے۔ اور تیسرا كَانَ زائدہ ہے مولانا جس کو اگر حذف بھی کر دیا جائے، ہٹا بھی دیا جائے تو بھی جملے کے معنی پر کوئی اثر، جملے کے معنی پر کوئی اثر نہیں، وہ جیسے پہلے تھا اسی طرح برقرار رہتا ہے، تو یہ تو تھا كَانَ۔

اور پھر بتلایا تھا یہ كَانَ ناقصہ پھر دو قسم پر ہے: كَانَ دائمہ ہے، كَانَ منقطعہ ہے۔ كَانَ دائمہ وہ ہے مولانا جو اپنے اسم کے لیے اپنی خبر کو دائماً ثابت کرتا ہے، كَانَ اللهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا، کیا معنی مولانا؟ کہ اللہ علیم اور، اللہ علیم و حکیم ہے مولانا، تو دائماً ہیں، ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں، تو علیم ہونا ثابت کیا، حکیم ہونا، اور کس طور پر؟ دوام کے طریقے پر۔ اور ایک وہ ہے مولانا جس میں انقطاع ہو گا: كَانَ زَيْدٌ شَابًّا، زید کیا تھا؟ جوان تھا، یعنی بات ختم ہو چکی، اب جوانی اس کی ختم ہو چکی۔

اس کے بعد صَارَ کی بات آئی تھی، بتلایا تھا صَارَ کس لیے آتا ہے مولانا؟ انتقال کے لیے آتا ہے، یعنی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بدلنا یا ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف بدلنے پر دلالت کرتا ہے۔ صَارَ زَيْدٌ غَنِيًّا، کیا معنی؟ زید دولت مند ہو گیا، یعنی اس کی حالت بدل گئی، پہلے ایسا نہیں تھا اور اب کیا ہو گیا؟ اور ایک کبھی حقیقت بدلنے کے لیے بھی یہ آئے گا جیسے صَارَ الطِّيْنُ خَزَفًا، مٹی کیا بن گئی؟ پتھر بن گئی، تو حقیقت ہی بدل گئی اس کی۔

اسی طرح أَصْبَحَ، أَمْسٰى، أَضْحٰى ہے مولانا۔ أَصْبَحَ، أَمْسٰى اور أَضْحٰى ہے، یہ دلالت کرتے ہیں کہ مضمونِ جملہ ملا ہوا ہے ان اوقات کے ساتھ۔ مضمونِ جملہ میں نے بتلایا تھا کس کو کہتے ہیں بھائی؟ جی؟ کہ جملے کا جو خبر ہے اس خبر کا مصدر نکالو یا اس سے مصدر بنالو اور اس کو مضاف کر دو مبتدا کی طرف، یہ مضمونِ جملہ نکل آئے گا۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ مبتدا، قَائِمٌ اس کی خبر، اب اس کا مضمونِ جملہ ہم نے نکالنا ہے، کیا مضمون ہے جملے کا؟ خبر کا مصدر کیا ہے؟ قَائِمٌ کا؟ قیام، اس کی اضافت کر دو مبتدا کی طرف، کیا بنا؟ قیام زید، مضمونِ جملہ کیا ہے؟ قیام زید ہے، سمجھ میں آگئی بات؟ تو مضمونِ جملہ کو جوڑ دیتے ہیں اپنے وقت کے ساتھ۔ أَصْبَحَ کس پر دلالت کر رہا ہے؟ صبح پہ، تو أَصْبَحَ زَيْدٌ، أَصْبَحَ زَيْدٌ ذَاكِرًا، تو ذاکر، ذاکر کا مصدر نکالیں، ذکر، کیا نکلے گا؟ اور مصدر مبتدا کی طرف مضاف کریں، ذکرِ زید، ذِكْرُ زَيْدٍ، تو ذِكْرُ زَيْدٍ یعنی ذکرِ زید کس وقت ہے؟ اس کو یہ جوڑ دیں گے اپنے وقت سے، أَصْبَحَ، یعنی ذکرِ زید کس وقت میں تھا؟ صبح کے وقت میں تھا، سمجھ میں آیا؟

اور کبھی یہ بمعنی صَارَ کے بھی آتا ہے، یہ تینوں کس معنی میں آتے ہیں؟ یعنی حالت کے بدلنے پر دلالت کرتے ہیں، بس۔ کیا معنی؟ أَصْبَحَ زَيْدٌ غَنِيًّا، کیا معنی؟ صَارَ زَيْدٌ غَنِيًّا، زید دولت مند ہو گیا، اب صبح کا معنی اس میں نہیں آئے گا۔ أَمْسٰى زَيْدٌ غَنِيًّا، کیا معنی؟ صَارَ زَيْدٌ، اب شام کا معنی نہیں آئے گا۔ أَضْحٰى زَيْدٌ غَنِيًّا، اب چاشت کا معنی نہیں آئے گا، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو جب صَارَ کے معنی میں ہوں گے پھر یہ وقت کے لیے نہیں ہوں گے بھائی۔

اور یہ کبھی کبھی تامہ بھی آتے ہیں مولانا، یہ أَصْبَحَ، أَضْحٰى، أَمْسٰى تامہ، یعنی صرف فاعل کو چاہتے ہیں، آگے خبر کی احتیاج نہیں، کیا معنی؟ أَصْبَحَ زَيْدٌ، أَيْ دَخَلَ فِي الصَّبَاحِ، صبح کے وقت میں داخل ہوا، زید نے صبح کی۔ أَمْسٰى زَيْدٌ، زید شام کے وقت میں داخل ہوا یعنی زید نے شام کی۔ أَضْحٰى

زَيْدٌ یعنی زید چاشت کے وقت میں داخل ہوا یعنی اس نے چاشت کی، صورت سمجھ میں آئی؟ تو یہ تامہ کہلائیں گے، صرف یہ دخول فی الوقت بتلائیں گے، بس۔

اس کے بعد ظَلَّ اور بَاتَ کی بات آئی تھی، میں نے بتلایا تھا ظَلَّ کس کو کہتے ہیں مولانا؟ دن گزارنا، اور بَاتَ کا معنی ہے رات گزارنا۔ تو ظَلَّ زَيْدٌ كَاتِبًا، کیا معنی؟ یہ بھی مولانا مضمونِ جملہ کو جوڑ دیں گے اپنے وقت کے ساتھ۔ تو ظَلَّ زَيْدٌ كَاتِبًا، جی اس کے پہلے مضمونِ جملہ نکالیں، مضمونِ جملہ کیا ہے؟ زَيْدٌ كَاتِبٌ، جی، کاتب کا مصدر کیا ہے؟ کتابت، کتابت کی اضافت کریں زید کی طرف، کتابتِ زید، تو کتابتِ زید کب حاصل ہے؟ دن میں، یعنی سارے دن اس نے کس حالت میں گزارا ہے؟ کتابت میں۔ اسی طرح بَاتَ زَيْدٌ كَاتِبًا، تو کتابتِ زید کس حال میں ہے؟ کس وقت میں ہے؟ رات میں، یعنی اس نے کتابت کرتے ہوئے رات گزاری۔ اور یہ بھی کبھی صَارَ کے معنی میں آتے ہیں مولانا، صَارَ کے معنی میں۔

اور مَا زَالَ، مَا فَتِئَ، مَا بَرِحَ، مَا انْفَكَّ مولانا، یہ دلالت کرتے ہیں کہ ثبوتِ خبر ہے فاعل کے لیے جب سے اس نے اس کو قبول کیا ہے۔ مَا زَالَ زَيْدٌ أَمِيْرًا، کیا معنی؟ زید ہمیشہ سے امیر ہے، بھائی ہمیشہ سے کیا معنی؟ وہ تو ہمیشہ سے تھا ہی نہیں، بھائی جب سے اس نے امارت، امارت کو قبول کیا ہے، جب سے امیر بنا ہے، جب سے اس میں صلاحیت پیدا ہوئی امارت کو قبول کرنے کی، اس کے بعد سے وہ مسلسل کیا ہے؟ امیر ہے۔ تو مَا زَالَ کا بھی یہی معنی ہمیشہ سے، مَا فَتِئَ، مَا بَرِحَ، مَا انْفَكَّ، سب کا معنی کیا کریں گے؟ ہمیشہ سے۔

اور اس کے بعد مَا دَامَ، کسی چیز کی وقت بتلانے کے لیے آتا ہے، اس کی خبر کسی چیز کے وقت بتلاتا ہے جب تک فاعل کے لیے اس کی خبر ثابت ہو۔ أَقُوْمُ، میں کھڑا رہوں گا، مَا دَامَ، مَا دَامَ آپ کے قیام کا وقت بتلا رہا ہے، أَقُوْمُ مَا دَامَ، میں کھڑا رہوں گا اس وقت تک، تو مَا دَامَ کس لیے آیا؟ اس نے آپ کا قیام، اس کا کیا کیا؟ وقت بتلایا۔ بھائی کب تک ہے آپ کا قیام؟ جب تک مَا دَامَ کی خبر مَا دَامَ کے اسم کے لیے ثابت ہے، مَا دَامَ زَيْدٌ جَالِسًا، جب تک جلوس زید کے لیے ثابت ہے اس وقت تک آپ کا قیام بھی ثابت ہے، تو یہ معنی تھا کہ مَا دَامَ دلالت کرتا ہے کیونکہ کام، کسی کام کا وقت بتلاتا ہے بِمُدَّةِ ثُبُوْتِ خَبَرِهَا لِفَاعِلِهَا، اتنی مدت تک جتنی مدت تک اس کے فاعل کے لیے اس کی خبر ثابت ہے۔

اور لَيْسَ بتلایا تھا جملے کے معنی کی نفی کے لیے آتا ہے، لَيْسَ زَيْدٌ قَائِمًا، زید کھڑا نہیں ہے، تو بعضوں نے کہا صرف یہ حال کی نفی کرتا ہے کہ فی الحال کھڑا نہیں ہے، بعض کہتے ہیں مطلقاً مولانا، زمانے کی قید نہیں، مطلقاً نفی کر دیتا ہے کسی بھی زمانے میں۔

▪ متن وفصل: فَصْلٌ: اَفْعَالُ الْمُقَارَبَةِ هِيَ اَفْعَالٌ وُضِعَتْ لِل...

فَصْلٌ: اَفْعَالُ الْمُقَارَبَةِ هِيَ اَفْعَالٌ وُضِعَتْ لِلدَّلَالَةِ عَلَى دُنُوِّ الْخَبَرِ لِفَاعِلِهَا وَهِيَ ثَلَاثَةُ اَقْسَامٍ. افعالِ مقاربہ مولانا یہ وہ افعال ہیں جن کو وضع کیا گیا ہے تاکہ دلالت کریں عَلَى دُنُوِّ الْخَبَرِ لِفَاعِلِهَا، خبر کے، دُنُوّ کا معنی قریب ہونا، خبر کے قریب ہونے پر دلالت کریں لِفَاعِلِهَا، اپنے فاعل کے۔ یہ کس چیز پر دلالت کرتے ہیں مولانا؟ کہ یہ جو ان کی خبر ہے وہ ان کے فاعل کے قریب ہے یعنی اس کو حاصل ہونے والی ہے۔ مثلاً مثال کے طور پر میں کہتا ہوں عَسَى زَيْدٌ اَنْ يَقُوْمَ، کیا معنی؟ زید کا کھڑا ہونا قریب ہے، قریب ہے کہ زید کھڑا ہو جائے۔ عَسَى زَيْدٌ اَنْ يَقُوْمَ، تو عَسٰى کا اسم کون؟ زَيْدٌ، عَسٰى کی خبر کون؟ اَنْ يَقُوْمَ، تو یہ اَنْ يَقُوْمَ کیا کر رہا ہے؟ عَسٰى کیا بتلا رہا ہے؟ کہ یہ جو میری خبر ہے، کون ہے خبر اس کی؟ اَنْ يَقُوْمَ یعنی قیام، یہ کس کے لیے ثابت ہے؟ زید کے لیے، قریب ہے زید کے لیے ثابت ہو جائے، زید کے لیے کیا ہو جائے؟ ثابت ہو جائے، صورت سمجھ میں آئی؟ تو زید نے یعنی ایسا کام شروع کر دیا ہے جس سے پتہ چل رہا ہے کہ کھڑا ہونے والا ہے، یعنی امید جس سے کی جا سکتی ہے کہ عنقریب اس کو کیا حاصل ہو جائے گا؟ قیام حاصل ہو گا، اس لیے ان کو کیا کہتے ہیں؟ افعالِ مقاربہ کہتے ہیں۔

اور یہ سارے مولانا قرب پر دلالت نہیں کرتے، لیکن ان میں سے چونکہ بعض قرب پر دلالت کرتے ہیں اس لیے ساروں کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ افعالِ مقاربہ، تو باقی احکامات ایک جیسے ہیں اور ان میں سے پھر چونکہ ان سب کی خبر جو ہے نا فعلِ مضارع آتی ہے، ان سب کی خبر کیا آتی ہے؟ اور بعضوں میں اَنْ آئے گا، بعضوں میں اَنْ نہیں آئے گا مولانا، عَسٰى اَنْ يَقُوْمَ، عَسٰى کی خبر کیا ہے؟ يَقُوْمَ اور ساتھ مع اَنْ کے، اور بعضوں میں اَنْ نہیں آئے گا جیسے كَادَ زَيْدٌ يَقُوْمُ، تو كَادَ کی خبر بھی کیا آئی مولانا؟ تو یہ جو افعال چونکہ سارے افعال ایک اسم چاہتے ہیں اور فعلِ مضارع کو اپنی خبر چاہتے ہیں اور بعض اَنْ کے ساتھ چاہتے ہیں اور بعض بغیر اَنْ کے، تو اس لیے اور تو یہ سارے افعال ایک جیسے تھے، ان کو اکٹھا کیا اور ان میں سے بعض افعال چونکہ کس لیے آتے ہیں؟ قرب پر دلالت کرتے ہیں کہ فاعل کے لیے خبر کا حاصل ہونا قریب ہے، یا تو یقینی طور پر ہے یا امید ہے، بعض میں یقین ہوتا ہے اور بعض میں کیا ہوتا ہے؟ امید، تو چونکہ بعض یہ قریب ہونے پر دلالت کر رہے تھے اس لیے سارے کا نام کیا رکھ دیا سب کا؟ افعالِ مقاربہ، تو یہ کل کا نام جز کی وجہ سے رکھا۔ افعالِ مقاربہ تو کافی ہیں،

پانچ چھ ہیں، تو لیکن ان میں سے دو تین چار ہیں وہ کس پر دلالت کر رہے تھے؟ قرب پر، تو ان تین چار کی وجہ سے سارے مجموعے کا نام کیا رکھ دیا؟ افعالِ مقاربہ رکھ دیا۔

اَفْعَالُ الْمُقَارَبَةِ هِيَ اَفْعَالٌ، افعالِ مقاربہ وہ افعال ہیں، وُضِعَتْ لِلدَّلَالَةِ عَلَى دُنُوِّ الْخَبَرِ لِفَاعِلِهَا، جن کو وضع کیا گیا ہے تاکہ یہ دلالت کریں عَلَى دُنُوِّ الْخَبَرِ، کس بات پر دلالت کریں؟ خبر کے قریب ہونے پر دلالت کریں لِفَاعِلِهَا، اپنے فاعل کے، وَهِيَ ثَلَاثَةُ اَقْسَامٍ، یہ کتنی قسم پر ہیں؟ تین۔

اَلْاَوَّلُ، دیکھو مولانا، پہلی کے اندر امید ہو گی، خبر کا واقع ہو، خبر کا حاصل ہونا یقینی نہیں ہے، صرف اس کی امید ہے۔ اَلْاَوَّلُ لِلرَّجَاءِ، اول رجاء امید کے لیے ہے کہ امید ہے زید کو یہ خبر حاصل ہو جائے عنقریب، وَهُوَ عَسٰى، اور وہ عَسٰى ہے، وَهُوَ فِعْلٌ جَامِدٌ لَا يُسْتَعْمَلُ مِنْهُ غَيْرُ الْمَاضِيْ، اور یہ فعل جامد ہے مولانا، اس میں گردان جاری نہیں ہوتی، اس میں صرف ماضی استعمال ہوتا ہے، وَهُوَ فِي الْعَمَلِ مِثْلُ كَادَ، اور یہ عمل میں کس کی طرح ہے؟ كَادَ کی طرح ہے، كَادَ آگے آنے والا ہے، اِلَّا اَنَّ خَبَرَهُ فِعْلٌ مُضَارِعٌ مَعَ اَنْ، لیکن كَادَ جیسے كَادَ ایک اسم چاہتا تھا آگے بتائیں گے اور فعلِ مضارع کو کیا چاہتا تھا؟ بطورِ خبر کے چاہتا تھا، یہ بھی ایک اسم چاہتا ہے اور ایک فعلِ مضارع کو کیا چاہتا ہے؟ خبر، لیکن كَادَ میں اَنْ نہیں تھا خبر پر اور اس میں خبر پر کیا داخل ہو گا؟ اَنْ داخل ہو گا، اِلَّا یہ بات بتلا رہے ہیں مگر یہ کہ اس کی جو خبر ہے عَسٰى کی وہ فعلِ مضارع ہو گی مع اَنْ، کس کے ساتھ؟ اَنْ کے ساتھ، جیسے عَسٰى زَيْدٌ اَنْ يَقُوْمَ۔

ترکیب کریں مولانا: عَسٰى فعل از افعالِ مقاربہ، زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا اسم، اَنْ ناصبہ، يَقُوْمَ فعلِ مضارع منصوب لفظاً، منصوب اچھا، منصوب، هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً فاعل جو کس کو راجع ہے؟ عَسٰى کے اسم کو، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر آگے بتاویلِ مفرد، اَنْ نے اس کو کس معنی میں کر دیا؟ مصدر کے معنی میں، اور مصدر کیا ہوتا ہے؟ مفرد ہوتا ہے، تو یہ تھا تو جملہ لیکن اَنْ نے کیا بنا دیا؟ مفرد بنا دیا۔ تو مفرد بنانے کا معنی یہ ہوتا ہے مولانا کہ اب اس پر سکوت صحیح نہیں، یہ پورا جملہ اب نہ رہا، اَنْ يَقُوْمَ، اب یہ پورا جملہ نہیں مولانا، اگر آپ اَنْ يَقُوْمَ کسی کو کہتے ہیں تو یہ فائدہ تامہ نہیں دے گا، فائدہ تامہ نہیں دے گا، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ یا تو اس کو جملے کا ایک جز بنا سکتے ہیں لیکن یہ پورا اب جملہ نہ رہا۔ اچھا، بتاویلِ مفرد منصوب محلاً، منصوب کیا ہے؟ منصوب محلاً۔ بھائی یہ اَنْ کی بات نہیں کر رہا، یہ اَنْ خود اَنْ يَقُوْمَ، اَنْ نے تو خود يَقُوْمَ کو نصب دیا، يَقُوْمُ کو، اب اَنْ اور يَقُوْمُ سارے مل کر بھی محلِ نصب میں ہے کیونکہ عَسٰى کا، کی خبر کیا ہوتی ہے؟ منصوب ہوتی ہے، اور خبر کی جگہ صرف يَقُوْمُ واقع ہو رہا ہے یا اَنْ يَقُوْمَ ہو رہا ہے؟ تو یہ سارا مرکب ہو کر پھر یہ کیا ہے؟ منصوب ہے محل کے اعتبار سے، تو یہ خبر عَسٰى کے لیے۔ عَسٰى اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ کیا بنا مولانا؟ جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، سمجھ میں آیا بھائی؟ جملہ فعلیہ خبریہ۔

وَيَجُوْزُ تَقْدِيْمُ الْخَبَرِ عَلَى اسْمِهِ، اور جائز ہے مولانا اس کی خبر کو اس کے اسم پر مقدم کرنا، یوں کہیں: عَسٰى اَنْ يَقُوْمَ زَيْدٌ، عَسٰى اَنْ يَقُوْمَ زَيْدٌ۔ اب مولانا ترکیب کرو: عَسٰى فعل از افعالِ مقاربہ، اَنْ ناصبہ، يَقُوْمَ فعلِ مضارع منصوب، زَيْدٌ اس کا فاعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا فاعل۔ پہلے تو فاعل پیچھے تھا نا، زید تھا، لہٰذا وہ فاعل نہیں بن سکتا تھا، اب تو زید آگے آ گیا لہٰذا زید اس کا کیا بن گیا؟ فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بتاویلِ مفرد عَسٰى کا فاعل، عَسٰى فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا بھائی، جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب یہ خبر نہیں چاہے گا، اب یہ عَسٰى تامہ ہو گیا، کیا ہو گیا؟ صورت سمجھ میں آئی؟ اگر خبر مقدم ہو جائے اَنْ يَقُوْمَ اور اسم کیا ہو جائے؟ مؤخر ہو جائے، تو وہ اسم مؤخر اب اس فعل کے لیے کیا بن گیا؟ فاعل بن گیا، اب ضمیر علیحدہ نکالنے کی ضرورت نہیں، تو جب فاعل بن گیا اس کے لیے تو یہ پورا بتاویلِ مفرد ہو کر عَسٰى کے لیے کیا بن گیا؟ فاعل بن گیا، اب آگے اب خبر کی ضرورت نہیں، جب خبر کی ضرورت نہ رہی تو عَسٰى کون سا ہوا؟ تامہ ہوا۔

وَقَدْ يُحْذَفُ اَنْ، اور کبھی کبھی اَنْ کو حذف بھی کر لیا جاتا ہے عَسٰى کی خبر سے اور یوں کہتے ہیں: نَحْوُ عَسٰى زَيْدٌ يَقُوْمُ، یہ بھی جائز ہے۔

وَالثَّانِيْ لِلْحُصُوْلِ، اور ثانی حصول کے لیے، پہلا امید کے لیے تھا، امید تھی خبر کے بارے میں امید تھی، اب خبر کے بارے حصول یعنی اس میں یقین ہو گا، یقین ہو گا، وَهُوَ كَادَ، اور وہ کیا ہے؟ كَادَ ہے، وَخَبَرُهُ مُضَارِعٌ دُوْنَ اَنْ، اور اس کی خبر بھی فعلِ مضارع ہوتی ہے بغیر اَنْ کے، جیسے كَادَ زَيْدٌ يَقُوْمُ، قریب ہے زید کا، زید کھڑا ہو، وَقَدْ، تو دیکھو ترکیب کیا ہو گی؟ كَادَ فعل از افعالِ مقاربہ، زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا اسم، يَقُوْمُ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر منصوب محلاً كَادَ کی خبر، كَادَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ، جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، بھائی فعل آ رہا ہے

شروع میں تو۔

وَقَدْ تَدْخُلُ اَنْ، تو ابھی کیا بتلایا مولانا؟ کَادَ کی خبر پر اَنْ نہیں آتا لیکن کبھی کبھی اَنْ، جیسے عَسٰی کے اندر اَنْ آتا ہے لیکن کبھی کبھی نہیں آتا، وَقَدْ تَدْخُلُ اَنْ، کبھی کبھی کَادَ کی خبر میں اَنْ داخل ہو جاتا ہے جیسے نَحْوُ کَادَ زَیْدٌ اَنْ یَقُوْمَ۔

وَالثَّالِثُ لِلْاَخْذِ وَالشُّرُوْعِ فِي الْفِعْلِ، اور تیسرا، تیسری قسم ان میں سے جو کسی، اخذ وشروع کا ایک معنی ہے، کسی کام کو شروع کرنے کے لیے ہے یعنی شروع کرنا قریب ہے، شروع کرنا قریب ہے اس کا یا شروع کر دیا اس نے کام، شروع کرنا، تو یہ کسی کام میں، لِلْاَخْذِ وَالشُّرُوْعِ فِي الْفِعْلِ، اخذ وشروع کا میں نے بتلایا ایک معنی ہے مولانا، عطفِ تفسیری ہے، کسی فعل میں شروع ہونے کے لیے ہے، وَهُوَ طَفِقَ وَجَعَلَ وَكَرَبَ وَاَخَذَ، یہ افعال ہیں: طَفِقَ، جَعَلَ، كَرَبَ اور اَخَذَ، وَاسْتِعْمَالُهَا مِثْلُ كَادَ، اور ان کا استعمال کس کی طرح ہے بھائی؟ کَادَ میں کیا تھا؟ خبر پر فعلِ مضارع، اَنْ نہیں آتا تھا تو اس میں بھی نہیں آئے گا، نَحْوُ طَفِقَ زَیْدٌ یَكْتُبُ، دیکھا اَنْ نہیں آیا، وَاَوْشَكَ، اور اسی طرح ان میں سے ایک کیا ہے مولانا؟ اَوْشَكَ بھی ہے، وَاسْتِعْمَالُهَا مِثْلُ عَسٰی وَكَادَ، اور اس کا استعمال عَسٰی اور کَادَ دونوں کی طرح ہے، عَسٰی کی طرح بھی یہ استعمال ہوتا ہے اور کَادَ کی طرح بھی، عَسٰی کے اندر اَنْ آتا تھا اور کَادَ کے اندر اَنْ نہیں آتا تھا، تو اس میں بھی کبھی خبر پر اَنْ آئے گا اور کبھی نہیں آئے گا۔

■ متن وفصل: فَصْلٌ: فِعْلَا التَّعَجُّبِ مَا وُضِعَ لِإِنْشَاءِ التَّعَجُّبِ

فَصْلٌ: فِعْلَا التَّعَجُّبِ مَا وُضِعَ لِإِنْشَاءِ التَّعَجُّبِ. فصل ہے مولانا، فِعْلَا التَّعَجُّبِ تھا، تثنیہ تھا، اضافت کی وجہ سے نون کیا ہوا؟ گر گیا۔ تعجب کے دو فعل، مَا وہ ہیں، وُضِعَ لِإِنْشَاءِ التَّعَجُّبِ، جن کو وضع کیا گیا ہے کس لیے؟ انشائے تعجب، بھائی تعجب کے اظہار کرنے کے لیے، کس کے لیے؟ آپ کسی بات پہ بہت حیران ہوتے ہیں تو اس کے لیے کس طرح عربی میں کہیں گے؟ کس طرح کہیں گے؟ ایک ہوتا ہے خبر دینا: تَعَجَّبْتُ مِنْ زَیْدٍ، میں زید پر حیران ہوا، زید سے میں کیا ہوا؟ اس کے زید کے فعل سے میں بڑا حیران ہوا، یہ آپ خبر دے رہے ہیں مولانا، خبر کی بات نہیں کر رہا، ایک ہے انشائے تعجب، کسی بات پہ حیران رہ جانا مولانا، اظہار کرنا، اپنی حیرت کا اظہار کرنا، حیرت کا اظہار کرنا۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «زید کتنا حسین آدمی ہے!»، تو یہ میں نے حیرت کا اظہار کیا ہے، یہ میں نے کوئی خبر دی؟ اس میں کوئی مجھے کہہ سکتا ہے سچا جھوٹا؟ نہیں، یہ میں صرف کیا کر رہا ہوں؟ اپنی حیرت کا اظہار کر رہا ہوں۔ ہاں اگر میں خبر دوں: «آپ کو، زید بڑا حسین آدمی ہے»، اب آپ مجھے کہہ سکتے ہیں کہ آپ سچ بول رہے ہیں یا جھوٹ بول رہے ہیں۔ تو خبر میں سچ جھوٹ چلتا ہے، انشا کے اندر سچ جھوٹ نہیں، تو یہاں بھی تعجب کا بس اظہار کرتے ہیں مولانا کہ یہ کتنی عجیب بات ہے۔

تو اس کے دو صیغے ہیں: وَلَهُ صِيغَتَانِ، ایک مَا اَفْعَلَهُ، نَحْوُ مَا اَحْسَنَ زَیْدًا، مَا اَفْعَلَهُ، دیکھا ہا ضمیر کی جگہ کیا لگایا ہم نے؟ اسم زید لگایا، مَا اَحْسَنَ زَیْدًا۔ یہ مَا مولانا اس کے بارے میں اگلے سال تفصیل پڑھیں گے، یہاں انہوں نے اس کی جو تفسیر بیان کی، استفہامیہ نکرہ بنایا، ما کو کیا بنایا؟ استفہامیہ اور نکرہ، اسی لیے اس کی تفسیر، آگے تفسیر کیا کر رہے ہیں؟ اَيْ اَيُّ شَيْءٍ اَحْسَنَ زَیْدًا، کس چیز نے زید کو حسین بنایا؟ کس چیز نے، تو دیکھو استفہام آیا یا نہیں آیا؟ تو دیکھا معلوم ہوا استفہامیہ ہے۔ اور شَيْءٍ نکرہ نکالا یا اَلشَّيْءُ معرفہ نکالا؟ نکرہ نکالا، معلوم ہوا یہ استفہامیہ ہے ما اور نکرہ ہے، معرفہ نہیں۔ بھائی ایک ما موصولہ ہوتا ہے، وہ کیا ہوتا ہے؟ وہ معرفہ ہوتا ہے، اور یہ ما استفہامیہ ہے اور یہ کیا ہوتا ہے؟ نکرہ ہوتا ہے۔ تو ترجمہ یہ ہے: اَيُّ شَيْءٍ، کیا چیز ہے؟ اَحْسَنَ زَیْدًا، جس نے زید کو کیا کر دیا ہے؟ حسین بنایا ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟

تو مَا مولانا، مَا اَحْسَنَ زَیْدًا، مَا استفہامیہ نکرہ مبتدا، مَا استفہامیہ نکرہ مبتدا، اَحْسَنَ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر فاعل جو کس کو راجع ہے؟ ما کو، زَیْدًا اس کے لیے مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، سمجھ میں آیا؟ تو مبتدا خبر مل کر جملہ، جملہ انشائیہ ہوا، سمجھ میں آئی بات بھائی؟ جملہ انشائیہ ہوا۔

تو یہ مولانا یہ لغوی اعتبار سے، ترکیب کے اعتبار سے ترجمہ ہم نے کیا، «کس چیز نے زید کو حسین بنایا؟»، اصل میں یہ معنی تھا، لیکن استعمال یہ کس میں ہوتا ہے؟ اس کا معنی کیا ہے؟ اب اس معنی میں نہیں استعمال، اب میں کہوں مَا اَحْسَنَ زَیْدًا، اس کا یہ معنی نہیں کہ کس چیز نے زید کو حسین بنایا، اب معنی ہے: «زید کتنا حسین ہے!»، تعجب کر رہے ہیں، «زید کتنا حسین ہے بھائی!»، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو اب یہ معنی ہے، یہ صرف اَيُّ شَيْءٍ اَحْسَنَ زَیْدًا یہ اصلِ لغت کے اعتبار سے یہ معنی تھا لیکن اب اس معنی میں نہیں ہے بھائی۔

وَفِيْ اَحْسَنَ ضَمِيْرٌ، اور اَحْسَنَ کے اندر کیا ہے مولانا؟ ابھی کیا نکالی تھی اَحْسَنَ کے اندر؟ ضمیر نکالی تھی، هُوَ، اور وہ کیا تھی؟ فاعل۔ وَفِيْ اَحْسَنَ ضَمِيْرٌ، اور اَحْسَنَ کے اندر ضمیر ہے، وَهُوَ فَاعِلُهُ، اور وہ کیا ہے مولانا؟ بھائی وَفِيْ اَحْسَنَ، اَحْسَنَ تو کیا ہے؟ فعل ہے نا، اَحْسَنَ، بھائی اَحْسَنَ فعل ہے اور فعل پر فی جارہ داخل ہو رہا ہے اور آپ نے تو کیا پڑھا ہے؟ فعل پر حرفِ جر داخل نہیں ہوتا، یہ تو خاصہ ہے کس کا؟ اسم کا۔ جی، کیا جواب دیں گے؟ لفظ مراد ہے مولانا، وہ جو عبارت میں اَحْسَنَ کا لفظ آیا تھا نا اس کا نام ہی ہم نے اَحْسَنَ رکھ دیا، اس کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ اَحْسَنَ رکھ دیا، تو یہ اب بطورِ علم کے استعمال ہو رہا ہے اور یہ اَحْسَنَ بول کر کون سا اَحْسَنَ مراد ہے؟ وہ جو مَا اَحْسَنَ زَيْدًا کے اندر اَحْسَنَ آیا تھا، وہ تو فعل تھا لیکن اس وقت یہ کیا ہے اَحْسَنَ؟ یہ فعل نہیں ہے، یہ کیا ہے؟ اسم ہے، یہ اس کا نام ہے اور نام اسم ہوتا ہے مولانا، تو اس پر کیا داخل ہوا؟ فعل۔ تو آپ یوں نہیں کہیں گے، یہاں ترجمہ نہیں کریں گے: «اس نے حسین بنایا اور اس نے حسین بنایا کے اندر ضمیر ہے»، نہیں نہیں، اب آپ لفظ با قاعدہ بولتے ہیں، «اَحْسَنَ کے اندر کیا ہے؟» اور کون سا اَحْسَنَ مراد ہوتا ہے؟ وہ جو ابھی پیچھے گزرا تھا، جیسے لفظِ زید آئے، کیا مراد ہوتا ہے؟ خاص فلاں آدمی جس کو آپ جانتے ہیں، تو جیسے زید اس مسمّٰی پر دلالت کرتا ہے، یہ والا لفظ بھی اپنے اسی مسمّٰی پر کیا کر رہا ہے؟ دلالت کر رہا ہے۔

ایک تو یہ صیغہ ہے، وَاَفْعِلْ بِهِ، ایک یہ صیغہ ہے مولانا، اَفْعِلْ بِهِ ہے، جیسے اَحْسِنْ بِهِ، اَحْسِنْ بِزَيْدٍ، یہ بھی وہی ترجمہ ہو گا مولانا۔ یہ ہے اَحْسِنْ فعلِ امر، «تو حسین بنا»، بِزَيْدٍ، بازائدہ ہے مولانا، اور زید اً، یہ کیا ہے؟ مفعول ہے، مجرور لفظاً منصوب محلاً، منصوب کیا ہے؟ کیونکہ مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے اور با کیا ہے؟ زائدہ، تو یہ منصوب محلاً ہے مولانا۔ تو اَحْسِنْ فعل، اَنْتَ ضمیر اس کے اندر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ، لیکن یاد رکھو، ہاں یہ ترکیب نہ کریں، اور اس سے آسان ترکیب بتاتا ہوں، یہ دوسری ترکیب تھی امام سیبویہ والی۔ امام سیبویہ فرماتے ہیں اَحْسِنْ بمعنی اَحْسَنَ کے ہے، صورتاً امر ہے لیکن دراصل کیا ہے؟ ماضی۔ صورت کس کی ہے؟ اَحْسِنْ، لیکن معنی کیا ہے؟ ماضی والا، ماضی والا، تو معنی اَحْسَنَ، اور با کیا ہے؟ زائدہ، اور زَيْدٌ کیا ہے؟ فاعل بناؤ مولانا، اس کو کیا بناؤ؟ فاعل بناؤ، تو اَحْسَنَ زَيْدٌ وہ بن گیا، زید کیا ہو گیا؟ حسین ہوا، زید کیا ہوا؟ حسین ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آئی بھائی؟ یہ تو مولانا لغوی معنی ہے، اب کس معنی میں استعمال ہے اَحْسِنْ بِزَيْدٍ؟ «زید کتنا حسین ہے!»، سمجھ میں آیا بھائی؟

وَلَا يُبْنَيَانِ اِلَّا مِمَّا يُبْنٰى مِنْهُ اَفْعَلُ التَّفْضِيْلِ، اور یہ نہیں بنائے جاتے مگر ان افعال سے جن سے کیا بنائے جاتے ہیں؟ اسمِ تفضیل بنایا جاتا ہے۔ بھائی جن سے اسم، بھائی دیکھ نہیں رہے آپ، اَفْعَلَهُ بنانا ہے، اَفْعِلْ بِهِ بنانا ہے، تو اَفْعَلَ، اَفْعِلْ، ایک فا ہے، عین ہے، لام ہے، اور وزن یہی رکھنا ہے۔ اب اِسْتِخْرَاج سے آپ بنانا چاہیں تو اِسْتِخْرَاج میں تو سین بھی آ رہی ہے، سین بھی آ رہا ہے، تا بھی آ رہی ہے، الف بھی درمیان میں آ رہا ہے، اور اَفْعِلْ میں ایسا ہے؟ تو آپ کو کیا کرنا پڑے گا؟ زوائد کو حذف کرنا پڑے گا، جب زوائد کو حذف کر دیں گے تو پتہ ہی نہیں چلے گا یہ کس سے آ رہا ہے، ثلاثی مجرد سے آ رہا ہے یا ثلاثی مزید سے، لہٰذا اور باقیوں سے نہیں بناتے، باقیوں سے بنانے کا کیا طریقہ ہے؟ خود بتلا رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَلَا يُبْنَيَانِ اِلَّا مِمَّا يُبْنٰى مِنْهُ اَفْعَلُ التَّفْضِيْلِ، نہیں بنایا جاتا ان افعال سے جن سے اسمِ تفضیل بنایا جاتا ہے، اسمِ تفضیل کو کن الفاظ سے بناتے ہیں بھائی؟ ثلاثی مجرد ہو اور اس میں لون اور عیب والا معنی نہ ہو، اور لون اور عیب والا معنی جن میں ہو یا وہ ثلاثی مجرد نہ ہوں ان سے بنانے کا کیا طریقہ تھا؟ اس سے اَشَدُّ، اَقْوٰى، اَكْثَرُ وغیرہ اسمِ تفضیل بنا لیتے ہیں جو قوت شدت پر دلالت کرتا ہے اور آگے اس باب کے مصدر کو کیا کرتے ہیں؟ منصوب لے کر آتے ہیں، یہ بھی اسی طرح ہے مولانا۔

وَيُتَوَسَّلُ فِي الْمُمْتَنِعِ، اور وہ جن سے بنانا ممتنع ہے ان سے ان میں پہنچا جاتا ہے، اس معنی کو ادا کرنے تک پہنچا جاتا ہے بِمِثْلِ، اس قسم کی مثالوں سے، اس قسم، اس طرح سے بھائی، بِمِثْلِ مَا اَشَدَّ اسْتِخْرَاجًا، بھائی پہلا کیا تھا؟ مَا اَحْسَنَهُ، مَا اَفْعَلَهُ، اَفْعَلَ کیا تھا؟ ماضی کا صیغہ، ادھر بھی ماضی کا صیغہ بنالو، مَا اَشَدَّ، وہی شدت پہ اور کثرت پہ دلالت کر رہا ہے بھائی۔ سمجھ میں آ رہی ہے بات؟ اسمِ تفضیل نہیں بنانا، یہاں اَحْسَنَ ہے تو یہاں اَحْسَنَ ہے ماضی تو یہاں بھی اَشَدَّ کیا بنائیں گے؟ ماضی، اور اَحْسِنْ کے اندر صیغۂ امر ہے تو آپ بھی کیا بنائیں گے؟ صیغۂ امر اَشْدِدْ بنائیں گے، سمجھ میں آیا؟ اَحْسِنْ امر تو اس کے لیے امر ہی بناؤ اَشْدِدْ، اَحْسَنَ ماضی تو اس کے لیے صیغہ بھی کون سا بناؤ؟ اَشَدَّ ماضی۔ تو مَا اَشَدَّ اسْتِخْرَاجًا، تو یہ بنایا اور آگے مصدر کو تمیز کے طور پر منصوب ذکر کر دیا۔ تو مَا اَشَدَّ اسْتِخْرَاجَهُ ہونا چاہیے بھائی، اسْتِخْرَاجًا فِي الْاَوَّلِ، مَا اَشَدَّ اسْتِخْرَاجَهُ ہونا چاہیے، چلیے، مَا اَشَدَّ اسْتِخْرَاجًا فِي الْاَوَّلِ، پہلی میں مَا اَشَدَّ اسْتِخْرَاجًا کہیں گے، آگے مصدر کو تمیز کے طور پر منصوب کیا، یا وَاَشْدِدْ بِاسْتِخْرَاجِهِ، دیکھا؟ وَاَشْدِدْ، اَحْسِنْ، آگے کیا تھا؟ بِزَيْدٍ، زید کو حذف کر کے کیا لگا، کس سے بنانا ہے؟ استخراج سے، تو با اسی پر داخل کر دی، بِاسْتِخْرَاجِهِ اَيْ بِاسْتِخْرَاجِ زَيْدٍ فِي الثَّانِيْ، کس میں؟ ثانی کے اندر، كَمَا عَرَفْتَ فِي اسْمِ التَّفْضِيْلِ، جیسے کہ آپ کس کے اندر جان چکے ہیں؟ اسمِ تفضیل میں۔

وَلَا يَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِيْهِمَا بِتَقْدِيْمٍ وَّلَا تَاْخِيْرٍ وَّلَا فَصْلٍ، اور ان میں تصرف نہیں کر سکتے، مَا اَفْعَلَهُ ہے اسی طرح رہے گا، مَا اَفْعِلْ بِهِ

ہے اسی طرح رہے گا۔ کسی جز کو مقدم مؤخر نہیں کرسکتے، آپ چاہتے ہیں بِہٖ کو مقدم کردیں اَفْعِلْ پر، نہیں کرسکتے بھائی۔ آپ چاہتے ہیں مَا اَحْسَنَ زَيْدًا، اس زید کو اَحْسَنَ پر کیا کردیں؟ مقدم، نہ کسی جز کو مؤخر کرسکتے ہیں، نہ کسی کو مقدم کرسکتے ہیں اور نہ ہی درمیان میں فصل لاسکتے ہیں، درمیان میں فاصل لانا بھی جائز نہیں، اسی طرح رہیں گے۔ البتہ امام مازنی نے اجازت دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ظرف آجائے تو پھر فاصل درمیان میں فاصلہ لاسکتے ہیں۔ وَلَا يَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِيْهِمَا، ان کے اندر تصرف کرنا بھی جائز نہیں ہے، بِتَقْدِيْمٍ وَّلَا تَاْخِيْرٍ، تقدیم وتاخیر کے ساتھ، وَلَا فَصْلٍ، اور نہ ہی فصل کے ساتھ، عامل معمول میں فصل بھی نہیں لاسکتے، وَالْمَازِنِيُّ اَجَازَ الْفَصْلَ، اور امام مازنی نے فصل کی اجازت دی ہے، بِالظَّرْفِ، کس کے ساتھ مولانا؟ ظرف کے ساتھ، جیسے مَا اَحْسَنَ الْيَوْمَ زَيْدًا، تو اصل میں کیا تھا؟ مَا اَحْسَنَ زَيْدًا، یہی تھا نا؟ درمیان میں ظرف بڑھادیا، تو اس سے فاصل لے آئے، یہ وہ فرماتے ہیں جائز، جمہور کہتے ہیں یہ جائز نہیں۔

▪ متن وفصل: فَصْلٌ: اَفْعَالُ الْمَدْحِ وَالذَّمِّ مَا وُضِعَ لِاِنْشَاءِ...

فَصْلٌ: اَفْعَالُ الْمَدْحِ وَالذَّمِّ مَا وُضِعَ لِاِنْشَاءِ مَدْحٍ اَوْ ذَمٍّ. افعالِ مدح وذم وہ ہیں جن کو وضع کیا گیا ہے کس لیے؟ انشائے مدح کے لیے اور انشائے ذم کے لیے۔ بھائی دیکھو! ایک ہے کسی کے مدح کی خبر دینا اور ایک ہے کسی کی مدح کرنا، انشائے مدح، انشائے مدح۔ تو مدح کی خبر دینا اور ہے، انشائے مدح اور ہے۔ میں کہتا ہوں: «زید بڑا اچھا آدمی ہے»، آپ کہہ سکتے ہیں: «آپ سچے ہیں یا آپ جھوٹے ہیں»، یہ خبر ہے، یہ کیا ہے؟ خبر ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں: نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ، «زید کتنا اچھا آدمی ہے!»، زید کتنا اچھا آدمی ہے، تو میں نے مدح کی زید کی اور اس کے اندر صدق اور کذب نہیں چلے گا، یہ انشا ہے۔

تو یہ وضع ہیں انشائے مدح اور ذم کے لیے، اَمَّا الْمَدْحُ فَلَهُ فِعْلَانِ، مدح جو ہے اس کے دو فعل ہیں مولانا: نِعْمَ و، ایک نِعْمَ ہے، دوسرا حَبَّذَا آگے آئے گا مولانا، نِعْمَ۔ یاد رکھو! ادھر دیکھو بھائی، نِعْمَ جو ہے نِعْمَ، اس کا فاعل ہمیشہ معرف باللام آئے گا: نِعْمَ الرَّجُلُ، نِعْمَ فعل از افعالِ مدح، الرَّجُلُ اس کا فاعل، یا فاعل معرف باللام نہ ہو وہ فاعل مضاف ہوگا کس کی طرف؟ تو مولانا افعالِ مدح وذم، نِعْمَ ہے مولانا پہلا فعلِ مدح، اور نِعْمَ کا فاعل ہمیشہ معرف باللام ہوگا یا اگر خود معرف باللام نہیں ہے تو معرف باللام کی طرف کیا ہوگا؟ مضاف ہوگا۔ اور کبھی کبھار یاد رکھو مولانا اس کا فاعل ضمیر ہوگی اور وہ ضمیر مبہم ہوگی لہٰذا آگے اس کی تمیز آئے گی، اس کی تمیز منصوب نکرہ آئے گی مولانا، کیا آئے گی؟ نکرہ آئے گی۔ دیکھیے بھائی، دیکھیے۔ اور کبھی مولانا کے ساتھ تمیز آئے گی، دیکھیں:

اَمَّا الْمَدْحُ فَلَهُ فِعْلَانِ، مدح جو ہے اس کے دو فعل ہیں، ایک نِعْمَ ہے، وَفَاعِلُهُ، اور اس کا فاعل جو ہے، اِسْمٌ مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ، ایسا اسم ہوگا جو معرف باللام ہو، نَحْوُ نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ، بڑا ہی اچھا آدمی ہے زید، زید کتنا اچھا آدمی ہے! تو دیکھو مولانا نِعْمَ فعل، الرَّجُلُ اس کا فاعل، اور یہ زَيْدٌ جو ہے یہ مخصوص بالمدح کہلاتا ہے، یہ کیا کہلاتا ہے؟ مخصوص بالمدح کہلاتا ہے۔ اب ترکیب یوں ہوگی: نِعْمَ فعل از افعالِ مدح، الرَّجُلُ مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر خبرِ مقدم، کیا ہوگئی؟ کیونکہ جملہ ہمیشہ کبھی مبتدا تو بن نہیں سکتا تو یہ خبرِ مقدم، اور زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدائے مؤخر، صورت سمجھ میں آئی؟ ترکیب آگئی سمجھ میں؟

اور ایک یہ تو مولانا ایک جملہ بنا، نِعْمَ الرَّجُلُ کو ہم نے کیا بنایا؟ خبرِ مقدم، اور زَيْدٌ کیا بنایا؟ اور زید کیا کہلاتا ہے؟ مخصوص بالمدح کہلاتا ہے۔ ایک اور ترکیب بھی ہے، اس ترکیب میں تو ایک جملہ بنا، دوسری ترکیب کے مطابق دو جملے بنیں گے، کیسے؟ نِعْمَ الرَّجُلُ جملہ فعلیہ الگ، زَيْدٌ اس کو الگ جملہ بنالیں اور اس کے لیے مبتدا محذوف نکال لیں: هُوَ زَيْدٌ، صورت سمجھ میں آگئی؟ هُوَ محذوف مبتدا اور زَيْدٌ اس کی خبر، تو دو ترکیبیں ہوئیں مولانا: ایک ترکیب کے مطابق زید مبتدائے مؤخر ہے، دوسری ترکیب کے مطابق زید خبر ہے، مبتدا ہے ہی نہیں، اور اس کے لیے محذوف کیا نکالیں گے؟ مبتدا۔ تو کتنے جملے بن جائیں گے؟ پہلا جملہ فعلیہ نِعْمَ الرَّجُلُ اور هُوَ زَيْدٌ جملہ اسمیہ، دو جملے۔ صورت سمجھ میں آگئی ترکیبیں بھائی؟

تو اس کا فاعل جو ہے معرف باللام ہوگا، اَوْ مُضَافٌ اِلَى الْمُعَرَّفِ بِاللَّامِ، یا مضاف ہوگا کس کی طرف مولانا؟ معرف باللام کی طرف جیسے نِعْمَ غُلَامُ الرَّجُلِ زَيْدٌ، تو دیکھو مولانا نِعْمَ کا فاعل کون؟ غُلَامُ، اور غلام خود تو معرف باللام نہیں لیکن یہ خود مضاف ہو رہا ہے کس کی طرف؟ معرف باللام کی طرف، غُلَامُ الرَّجُلِ۔ تو نِعْمَ فعل از افعالِ مدح، غُلَامُ مرفوع لفظاً مضاف، الرَّجُلِ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر نِعْمَ کے لیے فاعل،

فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبرِ مقدم، زَيْدٌ مخصوص بالمدح ہے، یہ مبتدا، مرفوع لفظاً مبتدائے مؤخر، سمجھ میں آیا بھائی؟ اور آپ چاہیں تو کیا کر لیں بھائی؟ نِعْمَ غُلَامُ الرَّجُلِ ایک جملہ اور هُوَ زَيْدٌ دوسرا جملہ۔

وَقَدْ يَكُوْنُ فَاعِلُهُ مُضْمَرًا، اور کبھی اس کا، نِعْمَ کا فاعل کیا ہوتی ہے؟ ضمیر ہوتی ہے اور وہ ذہن میں، وہ راجع ہوتی ہے شَيْءٌ کو، ذہن کے اندر کیا ہے؟ شَيْءٌ۔ تو یہ ضمیر آئی اور ضمیر بھی کیسی تھی؟ مبہم تھی، ضمیر کیسی تھی مولانا؟ بھائی پیچھے کوئی مرجع گزرا تھا؟ نہیں، نِعْمَ فعل اور هُوَ ضمیر اس کے اندر فاعل آرہی ہے تو وہ ہے مبہم ضمیر، اور مبہم ضمیر کیا چاہتی ہے کہ اس سے ابہام کو دور کیا جائے، اور ابہام کس کے ذریعے دور کیا جائے گا؟ آگے آنے والی تمیز کے ذریعے، لہٰذا کہا کبھی اس کا فاعل ضمیر ہوگی، وَيَجِبُ تَمْيِيْزُهُ بِنَكِرَةٍ مَنْصُوْبَةٍ، اور واجب ہے کہ اس کی تمیز لائی جائے کس کے ساتھ؟ نکرہ منصوبہ کے ساتھ اس کی تمیز لائی جائے جیسے نِعْمَ رَجُلًا زَيْدٌ، نِعْمَ رَجُلًا زَيْدٌ۔

تو دیکھو نِعْمَ فعل از افعال، ترکیب سنو: نِعْمَ فعل از افعالِ مدح، هُوَ ضمیرِ مبہم جس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً مبہم ممیز، اور یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے مولانا؟ ذہن کے اندر شَيْءٌ، ایک شئے کی طرف، شَيْءٌ کو راجع ہے، کہ اچھی ہے وہ چیز، بھائی نِعْمَ هُوَ اَيْ نِعْمَ شَيْءٌ، اچھی ہے چیز، کیا چیز اچھی ہے؟ رَجُلًا نے آکر اس ابہام کو کیا کر دیا؟ دور کر دیا۔ تو هُوَ ضمیر مبہم ممیز، رَجُلًا منصوب لفظاً اس کی تمیز، مبہم ممیز اپنی تمیز سے مل کر نِعْمَ کے لیے فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا اور خبرِ مقدم، اور زَيْدٌ مبتدائے مؤخر، تو زَيْدٌ مخصوص بالمدح ہے۔ تو دیکھو مولانا، نِعْمَ کے اندر هُوَ ضمیر آئی، هُوَ ضمیر کے اندر ابہام تھا کہ کیا ہے؟ اچھی ہے چیز، آگے رَجُلًا آیا، رَجُلًا نے کیا کیا؟ جنس متعین کر دی، وہ چیز کس جنس میں سے ہے؟ رجل کی جنس میں سے ہے، کس میں سے ہے؟ اس کے بعد پھر زید آیا، زید نے اس کی تعیین بھی کر دی، کون ہے وہ رجل میں سے؟ وہ کون ہے؟ زید ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو نِعْمَ فعل ہے، اس کے اندر هُوَ ضمیر مبہم تھی اور وہ شَيْءٌ کو راجع تھی، پتہ نہیں اب دنیا کی ہر چیز ہی شَيْءٌ ہے مولانا، تو پتہ نہیں تھا بھائی یہ کیا چیز ہے، رَجُلًا نے آکر بتلا دیا کہ یہ شئے کس جنس میں سے ہے؟ رجل کی جنس میں سے ہے، امراۃ کی جنس میں سے نہیں، پتھروں کی جنس میں سے نہیں، جانوروں کی جنس سے نہیں، تو اس نے جنس متعین کر دی، لیکن ابھی بھی پوری طرح تعیین تو نہیں ہوئی، کون ہے اچھا آدمی؟ آگے مولانا زَيْدٌ نے آکر مکمل بتلا دیا کہ وہ اچھا آدمی کون ہے؟ زید ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

تو مولانا اس کی تمیز لائی جائے گی نکرہ منصوبہ کے ساتھ، اَوْ بِمَا، مولانا یا اس کی تمیز کس کے ساتھ لائی جائے گی؟ مَا کے ساتھ مولانا، مَا کے ساتھ، سمجھ میں آیا؟ اَوْ بِمَا، یا مولانا اس کی تمیز نکرہ منصوبہ کے ساتھ آئے گی یا ما کے ساتھ آئے گی جیسے نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَنِعِمَّا هِيَ﴾، ﴿فَنِعِمَّا هِيَ﴾، یہ مَا ہے مولانا اور مَا کیا ہے؟ نکرہ ہے اور یہ تمیز بن رہا ہے اور تمیز کیا ہوتی ہے؟ منصوب، اسی لیے نِعْمَ کے بعد شَيْئًا هِيَ بتلا دیا، نِعْمَ شَيْئًا هِيَ، کیونکہ مَا کیا ہے؟ تمیز ہے، تو منصوب نکالا، اور شَيْئًا نکالا مولانا، معلوم ہوا یہ نکرہ ہے، یہ مَا کیا ہے؟ اگر معرفہ ہوتا تو پھر کیا نکالتے؟ اَلشَّيْءَ نکالتے، تو یہ نکرہ ہے اور منصوب ہے۔ تو ﴿فَنِعِمَّا هِيَ﴾ کیا ترکیب کریں گے مولانا؟ نِعِمَّا، وہی ترکیب بھائی وہی ترکیب ہوگی، یہ مَا اس کے اندر هُوَ ضمیر مبہم ممیز، مَا اس کی تمیز، جملہ فعلیہ ہوا خبرِ مقدم اور هِيَ کیا ہے؟ مخصوص بالمدح اس کے مبتدائے مؤخر۔

وَزَيْدٌ يُسَمَّى الْمَخْصُوْصَ بِالْمَدْحِ، اور زید کو کیا کہتے ہیں مولانا؟ مخصوص بالمدح کہیں گے، وَحَبَّذَا، وَالثَّانِيْ حَبَّذَا، دوسرا کیا ہے افعالِ مدح میں سے؟ حَبَّذَا ہے، نَحْوُ حَبَّذَا زَيْدٌ۔ تو حَبَّذَا زَيْدٌ کے اندر دیکھو اس کی ترکیب: حَبَّ فعلِ مدح ہوگا، حَبَّ فِعْلُ الْمَدْحِ، حَبَّ فعلِ مدح ہے، وَفَاعِلُهُ ذَا، اور اس کا فاعل کون ہے؟ ذَا ہے، وَالْمَخْصُوْصُ بِالْمَدْحِ زَيْدٌ، اور مخصوص بالمدح کون ہے؟ زَيْدٌ ہے، تو حَبَّذَا زَيْدٌ، حَبَّ فعل از افعالِ مدح، ذَا اس کا فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبرِ مقدم اور زَيْدٌ مخصوص بالمدح مبتدائے مؤخر۔

وَيَجُوْزُ اَنْ يَقَعَ قَبْلَ مَخْصُوْصٍ اَوْ بَعْدَهُ تَمْيِيْزٌ، کہتے ہیں یہ بھی جائز ہے کہ مخصوص بالمدح یا مخصوص سے پہلے تمیز آجائے یا اس کے بعد تمیز آجائے، جیسے حَبَّذَا رَجُلًا زَيْدٌ، تو زید سے پہلے کیا آئی مولانا؟ تمیز آگئی، وَحَبَّذَا زَيْدٌ رَجُلًا، یہاں مخصوص بالمدح کے بعد تمیز آگئی، اَوْ حَالٌ، یا اسی طرح حال مولانا مخصوص بالمدح سے پہلے یا مخصوص بالمدح کے بعد حال کا بھی آنا جائز، جیسے حَبَّذَا رَاكِبًا زَيْدٌ یا حَبَّذَا زَيْدٌ رَاكِبًا، صورت سمجھ میں آگئی بھائی؟ تو یہ تمیز ہوگئی یا یہ حال ہوگا ذات سے، کس سے؟ کیونکہ آپ نے کیا پڑھا؟ جی؟ ذات سے حال آئے گا، اور نسبت سے تمیز ہوگی مولانا، کہ تمیز کبھی آپ نے پڑھی کس سے آیا کرتی ہے؟ نسبت پہ آیا کرتی ہے، اور کبھی تمیز کس سے آتی ہے مولانا؟ اور حال کس سے آتا ہے؟ فاعل سے یا مفعول، اور فاعل کون ہے اس جملے کے اندر؟ ذَا، کون؟ لہٰذا اس سے حال آئے گا۔

وَاَمَّا الذَّمُّ، یہ تو افعالِ مدح تھے، باقی ذم جو ہے فَلَهُ فِعْلَانِ اَيْضًا، اس کے بھی دو افعال ہیں مولانا: بِئْسَ، ایک بِئْسَ ہے جیسے بِئْسَ الرَّجُلُ

عَمْرٌو، بِئْسَ بھی مولانا نِعْمَ کی طرح ہے، نِعْمَ کا فاعل کبھی کیا آتا تھا؟ معرف باللام، کبھی مضاف ہوتا تھا کس کی طرف؟ معرف باللام، اور کبھی اس کے اندر ضمیر ہوتی تھی جس کے آگے کیا آتی تھی؟ تمیز نکرہ منصوبہ، وہ تینوں مثالیں دیکھ رہے ہیں، دیکھیے بھائی: بِئْسَ الرَّجُلُ عَمْرٌو، فاعل معرف باللام ہے، وَبِئْسَ غُلَامُ الرَّجُلِ عَمْرٌو، فاعل جو ہے مضاف ہے کس کی طرف؟ معرف باللام کی طرف، وَبِئْسَ رَجُلًا عَمْرٌو، تو بِئْسَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو اس کا فاعل ہے اور رَجُلًا اس سے تمیز ہے، سَاءَ، دوسرا فعلِ ذم جو ہے سَاءَ ہے، نَحْوُ سَاءَ الرَّجُلُ زَيْدٌ، اس میں بھی وہی تین مثالیں: وَسَاءَ غُلَامُ الرَّجُلِ زَيْدٌ، وَسَاءَ رَجُلًا زَيْدٌ، وَسَاءَ مِثْلُ بِئْسَ فِيْ سَائِرِ الْاَقْسَامِ، اور سَاءَ کس کی طرح ہے مولانا؟ بِئْسَ کی طرح ہے، اسی کی طرح آئے گا مولانا تمام اقسام میں۔ اچھا جی، تو مولانا افعال کی بحث ختم ہوئی بھائی، افعال۔

اب حروف کی بحث ہے بھائی۔ اَلْقِسْمُ الثَّالِثُ فِي الْحُرُوْفِ، قسمِ ثالث ہے حروف کے بارے میں، وَقَدْ مَضٰى تَعْرِيْفُهُ، تحقیق اس کی تعریف گزر چکی ہے، حروف کی تعریف آپ پڑھ چکے ہیں کتاب کی ابتدا میں، وَاَقْسَامُهُ سَبْعَةَ عَشَرَ، اور اس کی اقسام کتنے ہیں مولانا؟ سترہ۔ کون کون سے بھائی؟ جی؟ بعض وہ با، تا، کاف، لام، واو، منذ، مذ، خلا، رب، حاشا سنانا شروع کر دیتے ہیں، بھائی سترہ اقسام ہیں، وہ حروفِ جارہ سترہ ہیں، یہ سترہ اقسام ہیں حروف کی، دیکھیے کون کون سے: حُرُوْفُ الْجَرِّ، ایک کیا ہیں؟ حروفِ جارہ، اَلْحُرُوْفُ الْمُشَبَّهَةُ بِالْفِعْلِ، دوسرے حروفِ مشبہ بالفعل ہیں، اور حروفِ عاطفہ ہیں اور حروفِ تنبیہ ہیں، حروفِ ندا ہیں، حروفِ ایجاب ہیں، حروفِ زیادت ہیں، حَرْفَا التَّفْسِيْرِ، حَرْفَانِ التَّفْسِيْرِ، یہ تثنیہ ہے، تفسیر کے دو حروف ہیں، تا اور تفسیر کے دو حروف، وَحُرُوْفُ الْمَصْدَرِ، اور مصدر ہیں، وَحُرُوْفُ التَّحْضِيْضِ، اور حروفِ، تحضیض کا معنی ابھارنا، یہ ابھارنے کے لیے کسی کو آتے ہیں مولانا کسی کام پر، وَحُرُوْفُ التَّوَقُّعِ، اور حروفِ توقع ہیں، وَحَرْفَا الِاسْتِفْهَامِ، استفہام کے دو حروف، یہ بھی کتنے ہیں؟ دو، تو یہ تثنیہ لے کر آئے، وَحُرُوْفُ الشَّرْطِ، اور شرط کے حروف ہیں، حُرُوْفُ الرَّدْعِ، رَدْع کا ڈانٹ ڈپٹ مولانا، وَحَرْفُ الرَّدْعِ، ڈانٹ ڈپٹ کا حرف، یہ ایک ہی ہے مولانا، کلا آئے گا آگے، وَتَاءُ التَّأْنِيْثِ السَّاكِنَةُ، اور تائے تانیثِ ساکنہ ہے، وَالتَّنْوِيْنُ، اور کیا ہے مولانا؟ تنوین ہے، وَنُوْنَا التَّأْكِيْدِ اَيْ نُوْنَانِ التَّأْكِيْدِ، یہ بھی دو ہیں مولانا، تو نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، تاکید کے دو نون۔

اب دیکھیے بھائی: فَصْلٌ: حُرُوْفُ الْجَرِّ حُرُوْفٌ وُضِعَتْ لِاِفْضَاءِ الْفِعْلِ وَشِبْهِهٖ اَوْ مَعْنَى الْفِعْلِ اِلٰى مَا تَلِيْهِ. وہ حروفِ جارہ وہ حروف ہیں جن کو وضع کیا گیا ہے لِاِفْضَاءِ الْفِعْلِ تاکہ پہنچائیں فعل کو، وَشِبْهِهٖ، اور شبہ فعل کو، اَوْ مَعْنَى الْفِعْلِ یا کس کو مولانا؟ معنی فعل کو، اِلٰى مَا تَلِيْهِ، اس اسم تک جو جن کے ساتھ، جس کے ساتھ کہ ملے ہوئے ہیں، جس کے ساتھ یہ کیا ہیں؟ بھائی دیکھو! مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، با کس کے ساتھ ملی ہوئی ہے؟ زید کے ساتھ، کس پر داخل ہے با؟ زید پر داخل ہے۔ تو اس نے فعل کو، مَرَرْتُ کو کس کے ساتھ جوڑ دیا؟ زید کے ساتھ، تو دیکھو مرور کے معنی کو زید تک کس نے پہنچایا؟ بانے، یہ تعریف ہے حرفِ جر کی۔ حروفِ جارہ وہ ہیں جو فعل کے معنی کو پہنچا دیں اس اسم تک جو ان کے ساتھ ملا ہوا ہے، اور با کے ساتھ کون سا اسم ملا ہوا ہے؟ زید، تو بانے کیا کیا؟ مَرَرْتُ کے معنی کو کہاں تک پہنچا دیا؟ زید پر، بتلایا کہ آپ کا گزرنا یہ کس کے پاس سے ہے؟ زید، مَرَرْتُ، کس کے، میرا گزرنا کس کے پاس سے ہے؟ زید کے پاس سے ہے، یہ کس نے بتلایا؟ بانے۔

دیکھیے یہ، یہی ترجمہ تو میں نے کیا اسی کا، حُرُوْفُ الْجَرِّ، حروفِ جارہ، حُرُوْفٌ ایسے حروف ہیں، وُضِعَتْ جن کو وضع کیا گیا ہے، لِاِفْضَاءِ الْفِعْلِ فعل کو پہنچانے کے لیے، وَشِبْهِهٖ اور شبہ فعل کو پہنچاتے ہیں، بس صرف فعل کو رکھیں ابھی باقی چھوڑیں، ایسے حروفِ جارہ وہ حروف ہیں جن کو وضع کیا گیا ہے تاکہ وہ فعل کو پہنچائیں، کہاں تک پہنچائیں بھائی؟ اِلٰى مَا تَلِيْهِ، اس اسم تک، ما کس سے عبارت ہے؟ اسم سے جس پر کون داخل ہے؟ حرفِ جر، تاکہ وہ پہنچائیں فعل کو اس اسم تک تَلِيْ، کہ وہ تَلِيْ میں فاعل کون مولانا؟ هِيَ، اور یہ کس کو راجع ہے؟ حروفِ جارہ کو، کہ وہ اسم کہ حروفِ جارہ ملے ہوئے ہیں اور آگے ہا ضمیر ہے تَلِيْهِ، اس اسم کے ساتھ، جس اسم کے ساتھ حروفِ جارہ ملے ہوئے ہیں اس اسم تک کیا کرتے ہیں؟ فعل کے معنی کو، زید تک مرور کے معنی کو کس نے پہنچایا؟ بانے، سمجھ میں آیا؟ ﴿خَتَمَ اللهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾، اللہ نے مہر لگا دی ان کے دلوں پر، بھائی یہ خَتَمَ کا معنی قلوب تک کس نے پہنچایا؟ عَلٰى نے، سمجھ میں آیا؟ عَلٰى نے۔ تو حروفِ جارہ فعل کے معنی کو کس تک پہنچا دیتے ہیں؟ اس اسم تک جس کے، جو ان کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

بات سمجھ میں آئی؟ تو کبھی فعل کا معنی پہنچائیں گے اگر فعل ہے مولانا، کبھی کس کو پہنچاتے ہیں؟ شبہ فعل کو۔ مثلاً اَنَا مَارٌّ بِزَيْدٍ، مَرَرْتُ کی جگہ میں مَارٌّ لے آیا، یہ فعل ہے یا شبہ فعل ہے؟ شبہ فعل ہے۔ اب اس مَارٌّ کے معنی کو زید تک کس نے پہنچایا؟ بانے پہنچایا، تو یہی با فعل کے معنی کو بھی پہنچا رہا ہے اور یہی با کس کے معنی کو پہنچا رہا ہے؟ شبہ فعل کے، تو کبھی فعل کے معنی کو پہنچاتے ہیں اور کبھی شبہ فعل کے معنی کو، کبھی فعل کو پہنچاتے ہیں کبھی شبہ فعل کو اور کبھی معنی فعل کو پہنچاتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟ معنی فعل کو پہنچاتے ہیں، معنی فعل کیا معنی؟ بھائی دیکھو: يَا زَيْدُ، یا کس پہ دلالت کر رہا ہے؟ ندا پر، کس پہ دلالت کر رہا ہے؟

نداپر، اَيْ اَدْعُوْ زَيْدًا يَاأُنَادِيْ زَيْدًا، اسی پہ دلالت کررہاہے نا؟ هٰذَا زَيْدٌ، هٰذَا کس پہ دلالت کررہاہے؟ أُشِيْرُ پہ، أُشِيْرُ میں اشارہ کررہاہوں۔ اچھا، ہائے تنبیہ کس پر دلالت کرتی ہے؟ تنبیہ کی ہا، أُنَبِّهُ پر، میں آپ کو متنبہ کرتا ہوں اس بات پر۔ تو یہ معنی فعل کی مثال ہے، یادلالت کرتاہے اَدْعُوْ يَاأُنَادِيْ پر، یہ دیکھویا کے اندر بھی معنی فعل ہے، هٰذَا کے اندر بھی کیاپایاجارہاہے؟ معنی فعل آیا، توبعض جگہ فعل یاشبہ فعل خود نہیں ہوتالیکن ان کا معنی وہاں پر موجود ہوتاہے، تو یہ معنی فعل کو بھی حروفِ جارہ اس اسم تک پہنچادیں گے جس پر یہ داخل ہوئے ہیں، جس پر کیاہوئے ہیں؟ داخل ہوئے ہیں، صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہ مولانا حروفِ جارہ جو ہیں ان کو وضع کیا گیاہے تاکہ یہ پہنچائیں فعل کو یاشبہ فعل کو یا معنی فعل کو اس اسم تک جو ان کے ساتھ ملاہواہے، نَحْوُ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ بھائی، مرور کے، مَرَرْتُ کے معنی کو زید تک کس نے پہنچایا؟ بانے، میں گزرا زید کے پاس سے، میں زید پر گزرا، وَاَنَا مَارٌّ بِزَيْدٍ بھائی، میں زید پر گزرنے والاہوں، جی یہ مَارٌّ کے معنی کو زید تک کس نے پہنچایابھائی؟ بانے، وَهٰذَا فِي الدَّارِ اَبُوْكَ، تودیکھو هٰذَا فِي الدَّارِ اَبُوْكَ اَيْ أُشِيْرُ اِلَيْهِ فِيْهَا، یہ هٰذَا جو ہے یہ معنی فعل ہے بھائی یہاں پر، معنی فعل پر موجود ہے، کس معنی میں ہوتاہے یہ؟ أُشِيْرُ پر دلالت کرتاہے یہ هٰذَا، تو یہاں معنی فعل ہے، دیکھو نہ فعل ہے نہ شبہ فعل لفظوں میں موجود نہیں لیکن معنی فعل یہاں پر ہے، اس معنی فعل کو فِي الدَّارِ دار تک کس نے پہنچایا؟ فی نے پہنچایا، تو اس معنی فعل کو اس اسم تک پہنچایافی نے جس پر یہ داخل ہواہے، تودیکھااَيْ أُشِيْرُ دیکھاهٰذَا کا کیا معنی کیاانہوں نے؟ أُشِيْرُ اِلَيْهِ فِيْهَا۔

وَهِيَ تِسْعَةَ عَشَرَ حَرْفًا، اور یہ کتنے حروف ہیں؟ انیس حروف ہیں، انیس حروف ہیں بھائی۔ یہ با کو دو دفعہ بھائی، واو قسم کو الگ جداشمار کریں گے، واورب کو الگ شمار کریں گے وغیرہ، اس طرح بڑھ جاتی ہے تعداد اگرچہ وہ جیسے آپ نے وہ شعر یاد کیاہے وہی یاد رکھیں وہی، یہ انیس حروف ہیں:

مِنْ، سب سے پہلے مِنْ ہے، وَهِيَ لِاِبْتِدَاءِ الْغَايَةِ، اور مِنْ کس لیے آتاہے بھائی؟ ابتدائے غایت، غایت کا معنی ہے مسافت، مسافت بھائی، یہ مسافت کی ابتدا کے لیے آتاہے، کس لیے آتاہے؟ بھائی سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ اِلَى الْكُوْفَةِ، میں چلا بصرہ سے لے کر کہاں تک؟ کوفہ تک، کوفہ تک، تو یہ آپ کے چلنے کی ابتدا کہاں سے ہوئی؟ بصرہ سے، تو یہ چلنے اس پر کس نے دلالت کی؟ مِنْ نے، تو یہ ابتدا کے لیے ہے۔ وَهِيَ لِاِبْتِدَاءِ الْغَايَةِ، یہ مولانا مسافت کی ابتدا کے لیے آتاہے، وَعَلَامَتُهُ اور علامت اس کی مولانا کہ یہ مِنْ ابتدا کے لیے ہے، اس کی کیاعلامت ہے؟ ہمیں کیسے پتہ چلے گامِنْ ابتدا کے لیے ہے؟ کہتے ہیں: اَنْ يَّصِحَّ فِيْ مُقَابَلَتِهِ الِانْتِهَاءُ، کہ اس کے مقابلے میں انتہا کالانا صحیح ہو، تودیکھو سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ، میں چلا، کہاں سے چلا؟ ابتدا کہاں سے ہوئی؟ بصرہ سے، تو اس کے مقابلے میں انتہا اگر ہم لے کر آتے ہیں مثلاً کہاں تک چلا میں؟ اِلَى الْكُوْفَةِ، تو یہ صحیح ہے یا نہیں مولانا؟ تو جب اس کے مقابلے میں انتہا کا آنا صحیح ہو تو معلوم ہوا کہ یہ مِنْ کس لیے ہوگا؟ ابتدا کے لیے، اور علامت اس کی یہ ہے کہ صحیح ہے اس کے مقابلے میں انتہا کالانا، كَمَا تَقُوْلُ جیسے آپ کہتے ہیں: سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ اِلَى الْكُوْفَةِ، میں چلا بصرہ سے لے کر کہاں تک؟ کوفہ میں۔ سمجھ میں آیا مولانا؟ یہ بصرہ اور کوفہ بڑے دو علمی مراکز تھے، بڑے بڑے ائمہ، بڑے بڑے فقہاء ان کے اندر رہا کرتے تھے، سمجھ میں آیا؟ یہ محاورہ دیکھو: سِرْتُ، میں چلا بصرہ سے کوفہ کی طرف، یہ محاورہ عام ہوا بھائی، یہ نہیں کہتے: سِرْتُ مِنَ الْكُوْفَةِ اِلَى الْبَصْرَةِ، میں کوفہ سے کس کی طرف چلا؟ بصرہ، بلکہ کیا محاورہ مشہور ہوا؟ میں بصرہ سے کدھر کو چلا؟ کوفہ، یعنی مقصد کیا ٹھہرا؟ بصرہ مقصد ٹھہرایا کوفہ مقصد ٹھہرا؟ کوفہ مقصد ٹھہرا، سمجھ میں آیا؟ تو کوفہ مقصد ٹھہرا تو یہ کوفہ کی فضیلت معلوم ہوئی اور کوفہ میں ہی ہمارے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ رہا کرتے تھے بھائی۔

وَلِلتَّبْيِيْنِ بھائی، اور یہ کبھی کس لیے آتاہے بھائی؟ سمجھ میں آیا؟ تو یہ محاورہ کیوں مشہور ہوا؟ بصرہ سے کوفہ کی طرف چلا، یہ کیوں نہیں کہتے میں کوفہ سے بصرہ کی طرف چلا؟ اس کی والدِ محترم حضرت شیخ ترمذی رحمہ اللہ نے دس پندرہ سولہ وجوہات لکھی ہیں بھائی جن میں سے ایک وجہ جو میں نے آپ کو بتادی کہ اس لیے کیونکہ کوفہ کیا تھا؟ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا، وہاں کے رہنے والے تھے بھائی، تو یہ کوفہ کی فضیلت ہے۔

وَلِلتَّبْيِيْنِ مولانا، اور مِنْ کبھی کس لیے آتاہے بھائی؟ تبیین، بیان کے لیے، کوئی مولانا مبہم چیز ہو اس کے بیان کے لیے مِنْ لے آتے ہیں، کیالے آتے ہیں؟ مِنْ لے آتے ہیں، بہت کثرت سے عبارات و آیات میں یہ مِنْ بیان کے لیے استعمال ہوتاہے بھائی۔ بھائی علامت کیاہے؟ ہمیں کیسے پتہ چلے گا یہ مِنْ بیان کے لیے ہے؟ کہتے ہیں علامت اس کی یہ ہے: اَنْ يَّصِحَّ وَضْعُ لَفْظِ «الَّذِيْ» مَكَانَهُ، کہ اس کی جگہ لفظ «الَّذِيْ» کو، اَنْ يَّصِحَّ صحیح ہونا، صحیح ہو وَضْعُ لَفْظِ «الَّذِيْ»، «الَّذِيْ» کے لفظ کو رکھنا مَكَانَهُ اس کی جگہ پر۔ «الَّذِيْ» کے لفظ کو اس کی جگہ، مولانا اس مِنْ کو اٹھائیں، اس مِنْ کی جگہ اٹھاکر لفظ «الَّذِيْ» رکھ دیں، اگر صحیح ہے تو معلوم ہوا یہ مِنْ بیان کے لیے ہے، اگر صحیح نہیں تو معلوم ہوا یہ مِنْ بیان کے لیے نہیں ہے، كَقَوْلِهِ تَعَالَى جیسے اللہ فرماتے ہیں: ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ﴾، پس بچو تم گندگی سے مِنَ الْاَوْثَانِ یعنی کہ بتوں سے، گندگی سے کیامراد ہے بھائی؟ بت مراد ہیں،

تو دیکھو یہاں ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ الَّذِيْ هُوَ الْاَوْثَانُ﴾، جو کہ اوثان ہیں، تو یہ مِنْ بیان کے لیے آیا کہ وہ گندگی کیا ہے؟ بت ہیں۔

وَلِلتَّبْعِيْضِ، کبھی مِنْ کس لیے آتا ہے مولانا؟ تبعیض کے لیے آتا ہے کہ اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی جگہ لفظِ «بعض» کو رکھنا صحیح ہو، اس مِنْ کو اٹھا کر کیا رکھ دیں؟ لفظِ «بعض» کو رکھ دیں تو صحیح ہو، دیکھیے مولانا مثال سے بات سمجھ میں آئے گی، دیکھیں ترجمہ کریں: اَخَذْتُ مِنَ الدَّرَاهِمِ، کیا ترجمہ ہے؟ «میں نے درہموں میں سے اٹھالیے»، کیا معنی؟ اَخَذْتُ مِنَ الدَّرَاهِمِ، درہموں میں سے میں نے اٹھالیے، کیا معنی؟ سارے اٹھائے یا کچھ اٹھالیے؟ ورنہ اگر سارے اٹھائے پھر تو آنا چاہیے تھا: اَخَذْتُ الدَّرَاهِمَ، میں نے کیا کیے؟ درہم اٹھالیے، لیکن یہ مِنْ آیا، میں نے درہموں میں سے اٹھائے، معلوم ہوا سارے اٹھائے یا بعض اٹھائے؟ بعض اٹھائے، تو اس کی جگہ بعض لفظ رکھنا صحیح: اَيْ اَخَذْتُ بَعْضَ الدَّرَاهِمِ، مِنْ اٹھاؤ اور بعض رکھو، اَخَذْتُ بَعْضَ الدَّرَاهِمِ، میں نے بعض درہم اٹھائے۔ مِنْ تبعیض کے لیے آتا ہے اور اس کی تبعیض کے لیے ہونے کی علامت یہ ہے: اَنْ يَّصِحَّ لَفْظُ «بَعْضٍ» مَكَانَهُ، کہ اس کی جگہ بعض کا لفظ رکھنا صحیح ہو، نَحْوُ اَخَذْتُ مِنَ الدَّرَاهِمِ اَيْ اَخَذْتُ بَعْضَ الدَّرَاهِمِ، میں نے بعض درہم اٹھائے۔

وَزَائِدَةٌ، اور مِنْ کبھی کیا ہوتا ہے مولانا؟ زائدہ بھی آتا ہے، وَعَلَامَتُهُ اور اس کی علامت یہ ہے، اَنْ لَّا يَخْتَلَّ الْمَعْنٰى بِاِسْقَاطِهَا، کہ اس کو ساقط کر دینے سے معنی میں کوئی خلل نہ آئے، مِنْ کبھی کیا ہو گا مولانا عبارت میں؟ زائد ہو گا، اور کیا علامت ہے؟ ہمیں کیسے پتہ چلے گا یہ مِنْ زائد ہے یا زائد نہیں ہے؟ کہتے ہیں بھائی اس مِنْ کو عبارت سے ہٹا دیں، اگر معنی اس کو نکالنے سے عبارت میں کوئی خرابی، کوئی خلل نہیں واقع ہوتا، معلوم ہوا یہ مِنْ کون سا ہے؟ زائدہ ہے۔ وَعَلَامَتُهُ اَنْ لَّا يَخْتَلَّ الْمَعْنٰى بِاِسْقَاطِهَا، کہ کوئی خلل واقع معنی میں کوئی خلل واقع نہ ہو اس کے گرا دینے سے، جیسے مَا جَاءَنِيْ مِنْ اَحَدٍ، یہ مِنْ زائدہ ہے، تو یوں کر دو: مَا جَاءَنِيْ اَحَدٌ، کوئی فرق پڑا؟ مَا جَاءَنِيْ مِنْ اَحَدٍ ایک، مَا جَاءَنِيْ اَحَدٌ دوسرا، کوئی فرق پڑا؟ ایک میں مِنْ ہے، ایک میں مِنْ، کوئی فرق نہیں پڑتا۔

وَلَا تُزَادُ مِنْ فِي الْكَلَامِ الْمُوْجَبِ، اور کلامِ موجب کے اندر مِنْ کو بڑھاتے نہیں، خِلَافًا لِّلْكُوْفِيِّيْنَ، بخلاف کس کے؟ کوفیین کے لیے، بخلاف کوفیین کے۔

چلیے جی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

اَلْقِسْمُ الثَّالِثُ فِي الْحَرْفِ

حروفِ جارہ، حروفِ مشبہہ بالفعل، حروفِ عطف، تنبیہ، نداء، ایجاب، زیادت، تفسیر، مصدر، تحضیض، توقع، استفہام، شرط، تنوین اور نونِ تاکید (اسباق ۱۰۰ تا ۱۰۴)

سبق نمبر ۱۰۰: القسم الثالث في الحرف—فصل حروف الجر: انیس حروفِ جارہ کے معانی اور استعمالات

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۰۲—بتاریخ: ۲۱ اگست ۲۰۱۶ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

کَل مولانا اَفْعَالِ مُقَارَبَہ کی بحث ہم نے پڑھی تھی۔ اَفْعَالِ مُقَارَبَہ وہ اَفْعَال ہیں جن کو اس لیے وضع کیا گیا ہے تاکہ وہ دلالت کریں خبر کے فاعل کے قریب ہونے پر۔ تو اس میں یا تو خبر فاعل کو حاصل ہونے کے قریب ہے۔ اب یہ حاصل ہونے خبر جو فاعل کو حاصل ہو گی، یا تو اس کی صرف امید ہو گی حاصل ہونے کی یا اس کا یقین ہو گا۔ اگر امید ہے تو اس کے لیے عَسٰی آتا ہے مولانا۔ اور بتایا تھا یہ فِعْلِ جَامِد ہے، اس سے صرف ماضی استعمال ہوتا ہے مولانا، کیا؟ صرف ماضی کے صیغے۔ اور عمل کے اندر یہ کَادَ کی طرح ہیں بھئی۔ تو یہ اَفْعَال ایک اسم چاہتے ہیں اور ایک خبر چاہتے ہیں۔ ان کا ایک اسم آئے گا اور خبر ان کی ہمیشہ فِعْلِ مُضَارِع ہو گی، کبھی اَنْ آئے گا اور کبھی اَنْ نہیں آئے گا۔ تو عَسٰی کے اندر اَنْ آتا ہے ہمیشہ، مثلاً عَسٰی زَیْدٌ اَنْ یَّقُوْمَ۔ ہاں کبھی کبھی عَسٰی کَادَ کی طرح ہوتا ہے اور کَادَ کے اندر خبر پر اَنْ نہیں آتا تو اس میں بھی کبھی کبھار اَنْ نہیں آتا۔

اور کَادَ جو ہے اس کے اندر وہ یقین پر دلالت کرتا ہے یعنی خبر کا حاصل ہونا قریب ہے اور یہ کیا ہے؟ امید نہیں ہے بلکہ کیا ہے اس میں؟ یقین ہے کہ قریب ہے حاصل ہو جائے بھئی اس کو۔ اور اس کی خبر بھی جو ہے فِعْلِ مُضَارِع آئے گی لیکن بغیر اَنْ کے آئے گی اور کبھی کبھی اس میں بھی عَسٰی کی طرح کیا آجایا کرتا ہے؟ اَنْ آجاتا ہے۔

اور تیسری قسم وہ ہیں جو کسی فعل میں شروع ہونے کے لیے آتے ہیں وہ اَفْعَال، اور وہ طَفِقَ، جَعَلَ، کَرَبَ، اَخَذَ ہیں مولانا۔ اور ان کا استعمال بھی کَادَ کی طرح ہے یعنی ان کی خبر پر بھی اَنْ داخل نہیں ہو گا۔ ہاں کبھی آ بھی جائے گا، جیسے طَفِقَ زَیْدٌ یَّکْتُبُ۔ اور اسی طرح اَوْشَکَ ہے مولانا، وہ بھی صرف قرب پر دلالت کے لیے آتا ہے بھئی۔ اصل لغوی معنی تو ہیں اَسْرَعَ جلدی کے لیکن یہاں پر یہ اَفْعَالِ مُقَارَبَہ صرف قرب پہ دلالت کے لیے آتا ہے شروع ہونے کے لیے، اور اس کا استعمال عَسٰی اور کَادَ کی طرح ہے۔ کیا معنی عَسٰی اور کَادَ کی طرح ہے؟ یعنی جیسے عَسٰی میں اَنْ آتا ہے تو اس کی خبر پر بھی کیا آئے گا؟ اَنْ آئے گا، اور جیسے کَادَ کے اندر اَنْ نہیں آتا تو کبھی اس کی خبر میں بھی اَنْ نہیں آئے گا تو دونوں طرح یہ استعمال ہوتا ہے۔

اس کے بعد مولانا دو فِعْلِ تَعَجُّب کے پڑھے تھے جن کو وضع کیا گیا ہے اِنْشَاءِ تَعَجُّب کے لیے، تعجب کے انشا کے لیے، اور دو صیغے ہیں: ایک مَا اَفْعَلَہٗ اور ایک اَفْعِلْ بِہٖ، جیسے مَا اَحْسَنَ زَیْدًا اور اَحْسِنْ بِزَیْدٍ۔ جی، تو میں نے بتلایا تھا یہ مَا جو ہے یہ اَیُّ شَیْءٍ کے معنی میں ہے، نکرہ استفہامیہ ہے بھئی۔ مَا استفہامیہ ہے اور یہ نکرہ ہوتا ہے، اور اَحْسَنَ فعل ہے اور اس کے اندر ھُوَ ضمیر اس کا فاعل ہے جو کس کو راجع ہے؟ کیونکہ مَا اَحْسَنَ زَیْدًا فعل اپنے فاعل اور زَیْدًا مفعول ہے، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر کیا بنے گا؟ جملہ، اور جملہ ہو کر یہ خبر بنے گا کس کے لیے؟ مَا کے لیے۔ اور جب بھی جملے کو کسی سے جوڑنا ہو چاہے کسی کے لیے خبر بنائیں، چاہے جملے کو کسی کے لیے صفت بنائیں، چاہے جملے کو کسی کے لیے صلہ بنائیں، چاہے جملے کو کسی کے لیے حال بنائیں، ان تمام صورتوں میں آپ نے پڑھا ہے جملہ مستقل ہوتا ہے، وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں لیکن جب آپ اس کو جوڑ رہے ہیں تو اب کیا چاہیے؟ ربط چاہیے، عائد چاہیے، اور وہ ربط آئے گا مولانا اور یہ عموماً کس کے ساتھ آئے گا؟ ضمیر کے ساتھ بھئی، ضمیر کے ساتھ ربط آئے گا۔ اور بھی صورتیں ہیں ربط دینے کی، اس میں فاعل آجاتا کبھی الف لام آجاتا ہے اور کبھی مولانا بِعَیْنِہٖ اسی اسم کا تکرار ہو جاتا ہے وغیرہ وہ آپ اگلی کتابوں میں پڑھیں گے۔ فی الحال یہ یاد

رکھیں بس کہ ایک طریقہ یہ ہے اور یہ اکثر ہے کہ ربط کس کے ذریعے دیا جائے گا؟ ضمیر کے ذریعے، تو یہاں بھی اَحْسَنَ کے اندر ھُوَ ضمیر ہے جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ مبتدا مَا کو، اور اس نے ربط دے دیا اور پھر یہ خبر ہوئی اس کے لیے اور جملہ استفہامیہ انشائیہ ہوا بھئی۔

جی، اور اس کا معنی کیا بتلایا تھا؟ اَیُّ شَیْءٍ اَحْسَنَ زَیْدًا، کس چیز نے زید کو حسین بنا دیا؟ اور یہ لغت کے اعتبار سے، ترکیب کے اعتبار سے ہم ترجمہ کر رہے ہیں لیکن استعمال اس معنی میں نہیں ہے۔ استعمال اب یہ کس لیے ہو رہا ہے؟ اِنْشَاءِ تَعَجُّب کے لیے۔ معنی اب یہ نہیں ہے کہ کس چیز نے زید کو حسین بنایا، اب معنی ہے: زید کتنا حسین ہے! سمجھ میں آیا بھئی؟ تو تعجب کر رہے ہیں بھئی آپ۔

اور اسی طرح ہے اَحْسِنْ بِزَیْدٍ۔ اَحْسِنْ میں نے بتلایا تھا اس کی ترکیب بھی بتلائی تھی کہ یہ بظاہر امر ہے لیکن کس معنی میں ہے؟ ماضی کے معنی میں ہے۔ تو اَحْسِنْ بمعنی اَحْسَنَ کے ہے اور اَحْسَنَ اور بِزَیْدٍ کے اندر با زائدہ جارہ ہے اور یہ زَیْدٍ کیا ہے؟ مجرور لفظاً ہے اور مرفوع محلاً ہے، یہ فاعل ہے اَحْسَنَ کے لیے، تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا بھئی، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو اَحْسِنْ بِزَیْدٍ کس معنی میں ہے؟ اَحْسَنَ زَیْدٌ کے معنی میں ہے یعنی زید حسین ہو گیا۔ یہ تو ترکیب کے اعتبار سے ترجمہ ہے، اب یہ اس معنی میں نہیں ہے، اب ان کا معنی کیا ہے؟ یہاں پر جب ہم کہتے ہیں اَحْسِنْ بِزَیْدٍ، کیا معنی ہوتا ہے؟ زید کتنا حسین ہے!

جی، اور یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ صرف انہی ابواب سے آئیں گے جن سے اِسْمِ تَفْضِیْل کے صیغے آتے ہیں، اس لیے کہ اِسْمِ تَفْضِیْل میں بھی اَفْعَلَ وزن تھا، یہاں پر بھی اَفْعَلَ یا اَفْعِلْ وزن ہے مولانا۔ تو یہاں ایک فا ہے، ایک عین ہے، ایک لام ہے۔ تو صیغے یہی دو ہیں، تو جس سے بھی بناؤ گے یہی دو صیغے لاؤ گے۔ تو اگر زائد کے باب سے بناؤ گے تو پھر کیا ہو گا؟ آپ کو زوائد کو حذف کرنا پڑے گا۔ زوائد کو حذف کریں گے تو ہمیں پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ ثلاثی مجرد کے باب سے آ رہا ہے یا ثلاثی مزید وغیرہ یا رباعی کے باب سے آ رہا ہے بھئی۔

تو باقیوں میں طریقہ بتلایا تھا کہ بھئی بِمَا اَحْسَنَ زَیْدًا اور اگر آپ کس سے بنانا چاہتے ہیں؟ اِسْتِخْرَاج سے، تو کیا کہیں گے؟ مَا اَشَدَّ اِسْتِخْرَاجًا یا مَا اَشَدَّ اِسْتِخْرَاجَہٗ۔ اور دوسرے طریق اَحْسِنْ بِزَیْدٍ، اس کے اندر کیا طریقہ تھا؟ اَحْسِنْ بِزَیْدٍ، زید کو ہٹا کر استخراج مصدر لگا دیں گے اور اس کے ساتھ زید کی ضمیر لگا دیں گے یا زید کا نام جو بھی آ جائے گا عبارت میں موقع محل کے مطابق بھئی، سمجھ میں آیا؟ تو کیا ہو گا؟ اَشْدِدْ بِاسْتِخْرَاجِ زَیْدٍ۔ زید کا استخراج کتنا شدید ہے، کتنا زبردست ہے مولانا! استخراج معنی مسئلہ نکالنا، تو زید کتنا تعجب ہو رہا ہے مولانا زید کے استخراج پر تعجب ہو رہا ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ استخراج جانتے ہو کہ نہیں جانتے بھئی؟ مسئلہ نکالنا، مسئلہ نکالنا، جیسے مولانا فقہاء کیا کرتے تھے، قرآن اور حدیث سے کیا کرتے ہیں؟ مسائل نکالتے ہیں۔ تو یہاں بھی وہی استخراج اس معنی میں ہے کہ زید کتنے شدید استخراج والا ہے، کتنے زبردست استخراج والا ہے! سمجھ میں آیا معنی بھئی؟ جی۔

اور اس کے اندر تصرف نہیں کر سکتے مولانا۔ جو ترتیب ہے وہی برقرار رکھنی ہے۔ مَا اَحْسَنَ زَیْدًا ہے تو یہی رہے گا، مَا آئے گا، پھر اَحْسَنَ اَفْعَلَ وزن آئے گا اور اس کے بعد مفعول آئے گا۔ آپ آگے پیچھے نہیں کر سکتے، کوئی اور لفظ درمیان میں نہیں لا سکتے۔ اَفْعِلْ بِہٖ، دوسرا کیا ہے؟ اَفْعِلْ بِہٖ، تو بِہٖ بعد میں ہی آ رہا ہے، اس کو مقدم نہیں کر سکتے، کوئی اور درمیان میں نہیں لا سکتے۔ یہی ترتیب رہے گی، تقدیم و تاخیر اور فصل نہیں لا سکتے۔ ہاں امام مازنی کیا فرماتے ہیں کہ ظرف کے ذریعے فصل لانا جائز ہے۔

اس کے بعد اَفْعَالِ مَدْح اور ذَم پڑھے تھے مولانا۔ مدح کے بھی دو افعال ہیں، ذم کے بھی دو افعال ہیں۔ مدح کے کون سے ہیں؟ نِعْمَ اور حَبَّذَا، اور ذم کے بِئْسَ اور سَاءَ بھئی، یہ ساروں کا استعمال تقریباً ایک جیسا ہے۔

نِعْمَ کے بارے میں بتلایا تھا کہ نِعْمَ جو ہے اس کا فاعل ہمیشہ مُعَرَّفْ بِاللَّام آئے گا: نِعْمَ الرَّجُلُ، اور آگے کیا آئے گا؟ زَیْدٌ۔ یہ زَیْدٌ کیا کہلائے گا؟ مَخْصُوْص بِالْمَدْح۔ تو نِعْمَ الرَّجُلُ میں الرَّجُلُ فاعل اور زَیْدٌ اس کا مخصوص بالمدح کہلائے گا۔ اور ترکیب میں نے بتلائی تھی، کیا ترکیب ہو گی؟ نِعْمَ فِعْل از اَفْعَالِ مَدْح، الرَّجُلُ اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر مقدم اور زَیْدٌ اس کا مبتدائے مؤخر۔ یا مولانا دو ترکیبیں ہیں، دو جملے بنا لیں ان کو، یہ تو ہم نے ایک جملہ بنایا، نِعْمَ الرَّجُلُ الگ جملہ ہو جائے گا اور زید کے لیے مبتدا محذوف نکال لیں، کیا بن جائے گا؟ ھُوَ زَیْدٌ، تو ھُوَ زَیْدٌ الگ جملہ ہوا مبتدا خبر اور یہ الگ جملہ ہوا بھئی۔

تو مولانا نِعْمَ کا فاعل ہمیشہ مُعَرَّفْ بِاللَّام ہو گا یا وہ مضاف ہو گا کس کی طرف؟ مُعَرَّفْ بِاللَّام کی طرف، جیسے نِعْمَ غُلَامُ الرَّجُلِ زَیْدٌ۔ اور کبھی کبھار بتلایا تھا اس کا فاعل ضمیر ہوتی ہے، ضمیرِ مبہم اس کے اندر، اور چونکہ وہ مبہم ہوتی ہے لہٰذا اس کی تمیز نکرہ منصوبہ کے ساتھ لانا ضروری ہے۔ تمیز اس کی

نکرہ منصوبہ آئے گی یامَا کے ساتھ کبھی کبھی تمیز لاتے ہیں، جیسے نِعْمَ، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مبہم ممیز، تو آگے نِعْمَ رَجُلًا، وہ رَجُلًا اس کی کیا بن جائے گی؟ تمیز بن جائے گی۔ تو نِعْمَ فِعْل از اَفْعَالِ مَدْح اور ھُوَ ضمیر اس کے اندر مبہم ممیز اور رَجُلًا اس کی منصوب لفظاً تمیز، مبہم ممیز اپنی تمیز کے ساتھ مل کر نِعْمَ کے لیے فاعل اور باقی ترکیب پھر اسی طرح بھئی، سمجھ میں آئی بات بھئی؟ اور کبھی کبھار یہ نکرہ کے بجائے مَا تمیز آتی ہے: نِعِمَّا ہِیَ، تو نِعْمَ اور ھُوَ ضمیر اس کے اندر مبہم ممیز اور مَا بمعنی شَیْئًا کے ہے، نکرہ ہے اور یہ کیا ہے اس سے؟ تمیز ہے۔ تو مبہم ممیز اپنی تمیز سے مل کر نِعْمَ کا فاعل، باقی ترکیب اسی طرح، ہِیَ آگے مخصوص بالمدح ہے مولانا، ہِیَ کیا ہے؟ مخصوص بالمدح ہے۔

اچھا جی، اس کے بعد حَبَّذَا دوسرا تھا۔ حَبَّذَا میں بتلایا تھا کہ حَبَّ فِعْلِ مَدْح ہے اور ذَا اس کے ساتھ فاعل ہے اور یہ ذَا ہمیشہ اس کے ساتھ آئے گا اور ہمیشہ جی، ہمیشہ آئے گا، ہمیشہ آئے گا مولانا، سمجھ میں آیا بھئی؟

اور یہ بھی بتلایا تھا کہ مخصوص بالمدح سے پہلے یا مخصوص بالمدح کے بعد تمیز یا مولانا حال کا لانا بھی جائز، جیسے حَبَّذَا رَجُلًا زَیْدٌ، تو تمیز لائیں مولانا مخصوص بالمدح سے پہلے، یا بعد میں لے آؤ: حَبَّذَا زَیْدٌ رَجُلًا۔ یا مولانا حال لے آؤ پہلے: حَبَّذَا رَاکِبًا زَیْدٌ، یا حال لے آؤ بعد میں: حَبَّذَا زَیْدٌ رَاکِبًا، سمجھ میں آرہی ہے ترکیب بھئی؟ جبکہ بِئْسَ اور سَاءَ بھی اسی طرح ہیں، ان کا فاعل مُعَرَّف بِاللَّام ہوگا یا مضاف ہوگا کس کی طرف؟ مُعَرَّف بِاللَّام کی طرف یا ان کے اندر ضمیر مبہم ہوگی جس کے آگے تمیز آئے گی نکرہ منصوبہ۔

اس کے بعد مولانا حُرُوْف کی بحث ہم نے شروع کی تھی۔ سب سے پہلے حُرُوْفِ جَارَّہ پڑھے۔ حُرُوْفِ جَارَّہ میں نے آپ کو بتلایا تھا وہ حروف ہیں جن کو وضع کیا گیا ہے تاکہ وہ پہنچائیں فعل کو اور معنی فعل کو، فعل کو یا شِبہِ فعل کو یا معنی فعل کو، کس تک؟ اس اسم تک جو ان کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ جیسے مثالیں دی تھیں: مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، تو مَرَرْتُ فعل کے معنی کو زید تک کس نے پہنچایا؟ باجارہ نے۔ وَاَنَا مَارٌّ بِزَیْدٍ، مَارٌّ کا مولانا زید تک کس نے پہنچایا؟ بانے۔ اور ھٰذَا فِی الدَّارِ اَبُوْکَ، تو یہاں ھٰذَا یہاں معنی فعل پایا جارہا ہے کیونکہ اس میں اشارہ ہے تو یہ کس معنی میں ہوا؟ اُشِیْرُ کے معنی، تو یہاں فعل تو نہیں ہے لیکن معنی فعل پایا جارہا ہے تو اس اُشِیْرُ کو مولانا الدَّارِ تک کس نے پہنچایا؟ فِیْ نے پہنچایا، اُشِیْرُ فِی الدَّارِ۔

اور بتلایا تھا یہ انیس حروف ہیں۔ سب سے پہلے مِنْ تھا، مِنْ کئی معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، کبھی یہ ابتداء کے لیے آتا ہے۔ بھئی کیسے ہمیں پتہ چلے گا یہ مِنْ ابتداء کے لیے ہے؟ بتلایا تھا کہ جس کے لیے انتہاء کا آنا صحیح ہو معلوم ہو وہ مِنْ کون سا ہے؟ ابتداء کے لیے۔ میں کہتا ہوں: سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَۃِ، میں بصرہ سے چلا، کہاں تک چلا؟ کوفہ تک، یا مکہ تک، یا مدینہ تک، تو دیکھو انتہاء کا لانا صحیح ہے یا نہیں آخر میں؟ تو جہاں انتہاء کا لانا صحیح ہو یہ علامت ہے کہ یہ مِنْ ابتداء کے لیے ہے۔

اور کبھی کبھی یہ مِنْ مولانا بیان کے لیے آتا ہے، کسی مبہم چیز کے بیان کے لیے۔ اس کا کیا طریقہ ہے؟ اس کا کیسے ہمیں پتہ چلے گا؟ کہتے ہیں بھئی جس مِنْ کی جگہ اَلَّذِیْ کا رکھنا جائز ہو وہ کیا ہوگا؟ وہ بیان کے معنی میں ہوگا۔ جیسے قرآن میں مثال تھی، قرآن کی مثال دی: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ، پس بچو تم گندگی سے، بھئی وہ گندگی کیا چیز ہے؟ مِنْ نے بیان کیا یعنی کہ بت۔ مِنَ الْاَوْثَانِ یعنی کہ بت۔ تو اس مِنْ کو اٹھا کر اگر اَلَّذِیْ یہاں رکھا جائے مولانا اور جن چیزوں کی ضرورت ہے، اَلَّذِیْ کا صلہ جملہ ہونا چاہیے وغیرہ تو ان چیزوں کو پورا کرتے ہوئے تو اس کے جن چیزوں کا وہ تقاضا کرتا ہے ان مقتضیات کو بھی لے آئیں تو اَلَّذِیْ کا یہاں لانا کیا ہو جائے گا؟ صحیح ہو جائے گا۔ تو یوں ہو جائے گا: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ الَّذِیْ ھُوَ الْاَوْثَانُ، تو اَلَّذِیْ بھی لے آئے اور کیا لے آئے مولانا؟ ھُوَ بھی لے آئے۔ تو جن جن چیزوں کا وہ تقاضا کرتا ہے اِسْمِ مَوْصُوْل وہ بھی کیا کرنی پڑیں گی ساتھ؟ لانی پڑیں گی، تو بس۔ تو یہ معنی نہیں کہ لے کر آئیں گے باقاعدہ، یعنی رکھنا صحیح ہے، یہ آپ کو صرف علامت بتلا رہے ہیں، پہچان بتلا رہے ہیں کہ وہاں اِسْمِ مَوْصُوْل کا رکھنا صحیح ہو۔

اور کبھی کبھی یہ مِنْ تبعیض کے لیے آتا ہے مولانا، بعض کو بیان کرنے کے لیے۔ بھئی اس کی کیا علامت ہے؟ کہتے ہیں اس کے مِنْ کو اٹھا کر اگر لفظِ بَعْض اس کی جگہ رکھا جائے تو صحیح ہو۔ جیسے آپ کہتے ہیں: اَخَذْتُ مِنَ الدَّرَاھِمِ، کیا معنی؟ اَیْ اَخَذْتُ بَعْضَ الدَّرَاھِمِ، کیونکہ مفعول بنے گا نا، فاعل تو تُوْ ضمیر ہے، اَخَذْتُ بَعْضَ الدَّرَاھِمِ۔ تو مِنْ کو اٹھا کر کیا رکھ دیا میں نے؟ بَعْض، اور معنی صحیح، معلوم ہوا یہ مِنْ کون سا ہے؟ تبعیض کے لیے ہے۔

وَزَائِدَۃٌ، اور کبھی مِنْ کیا آتا ہے مولانا؟ زائدہ بھی آتا ہے اور اس کی کیا علامت ہے، ہمیں کیسے پتہ چلے گا زائد ہے؟ کہتے ہیں اس مِنْ کو آپ عبارت سے نکال لیں، دیکھیں معنی میں کوئی خرابی آئی کہ نہیں آئی؟ اگر کوئی خرابی نہیں آئی معلوم ہوا یہ مِنْ کیا ہے؟ زائدہ ہے، اور اگر نکالنے سے خرابی آگئی، معنی اب صحیح نہیں بن رہا مِنْ کے بغیر تو پھر معلوم ہوا یہ زائدہ نہیں ہے، پھر وہ پہلے والی قسموں میں سے یا یہ ابتداء کے لیے ہوگا یا یہ تبعیض کے لیے ہوگا یا تبیین وغیرہ

کے لیے۔ توجیسے: مَا جَاءَنِیْ مِنْ اَحَدٍ، یہ مِنْ زائدہ ہے۔

اور یاد رکھو مولانا، آگے زوائد کی بحث بھی آئے گی، یہاں بھی آپ کو بتلادوں، یہ جو حُرُوْفِ زَائِدَہ ہوتے ہیں یہ کسی سے متعلق نہیں ہوتے۔ حُرُوْفِ زَائِدَہ کسی سے متعلق نہیں ہوتے۔ بڑی قیمتی بات ہے مولانا ترکیب کے اعتبار سے، جہاں زائدہ آجائے وہ کسی سے متعلق نہیں ہوگا۔ تو دیکھا، مَا جَاءَنِیْ مِنْ اَحَدٍ، یہ مِنْ کون سا ہے مولانا؟ زائدہ ہے تو اصل میں کیا بنا ہے؟ عبارت اصل میں کیا ہے؟ مَا جَاءَنِیْ اَحَدٌ، معلوم ہوا یہ مِنْ اَحَدٍ میں مِنْ جارہ زائدہ اور اَحَدٍ مجرور لفظاً لیکن معنی کے اعتبار سے ابھی ہم نے کیا بنایا مِنْ کو نکال کر؟ مَا جَاءَنِیْ اَحَدٌ، کیا بنایا تھا؟ مرفوع فاعل بنایا تھا، تو یہ مولانا مجرور ہے لفظاً اور مرفوع ہے محلاً، کیا بن رہا ہے؟ فاعل ہے۔ صورت سمجھ میں آئی؟ اب ترکیب کیسے کریں گے؟ مَا حرفِ نفی، جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر اعراب بتاؤ مولانا، منصوب محلاً مفعول بہ، مِنْ جارہ زائدہ، اَحَدٍ مجرور لفظاً مرفوع محلاً فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ کوئی مشکل ہے ترکیب میں مولانا؟ بڑی آسان ہے بھئی، تھوڑی سی محنت کریں ان شاء اللہ۔

وَلَا تُزَادُ مِنْ فِی الْکَلَامِ الْمُوْجَبِ، یاد رکھو یہاں ایک بہت بڑا اختلاف ہے مولانا نحوی، کوفہ کے نحویوں میں اور بصرہ کے نحویوں میں۔ بصرہ کے نحوی کہتے ہیں یہ جو مِنْ زائدہ آتا ہے یہ ہمیشہ کلامِ غیر موجب میں آتا ہے، کلامِ موجب کے اندر مِنْ زائدہ نہیں آتا۔ کلامِ موجب کس کو کہتے ہیں؟ جس میں نہی، نفی اور استفہام نہ ہو، اور کلامِ غیر موجب کس کو کہتے ہیں؟ جس میں نہی ہو یا نفی ہو یا استفہام ہو۔ تو وہ کہتے ہیں جس کلام میں نفی ہو، نہی ہو یا استفہام ہو اس کے اندر مِنْ زائدہ آسکتا ہے، بصرہ والے کہتے ہیں، دوسرے کے اندر موجب کے اندر نہیں آسکتا۔ جبکہ کوفہ والے کہتے ہیں: نہیں، آتا ہے۔ کوفہ والے کیا کہتے ہیں؟ آتا ہے بھئی۔ دلیل؟ دلیل دیتے ہیں: دیکھو بھئی کہتے ہیں، کہتے ہیں قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں بھئی، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں بھئی، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا، یقیناً اللہ تمام گناہوں کو بخشنے والے، بخش دیتے ہیں۔ یقیناً اللہ جس کے لیے چاہیں اس کے تمام گناہوں کو کیا کر دیتے ہیں؟ بخش دیتے ہیں۔ تو یہاں سے کیا معلوم ہوا؟ بعض گناہوں کو بخشتے ہیں یا تمام گناہوں کو بخشتے ہیں؟ جس کے لیے اللہ جس کے لیے چاہیں اللہ کیا کر دیتے ہیں؟ تمام گناہوں کو بخش دیتے ہیں، اللہ سے کوئی پوچھ نہیں سکتا مولانا، سمجھ میں آیا بھئی؟

تو کہتے ہیں دیکھو ایک یہ آیت ہے جس میں آرہا ہے ذکر کہ اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتے ہیں، اور دوسری جگہ آتا ہے قرآن کے اندر: یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ، کیا آیا؟ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ، بخش دیں گے تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو، یہ مِنْ آرہا ہے، اور مِنْ یہاں تبعیض کے لیے ہو سکتا ہے مولانا، کیا معنی؟ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دیں گے۔ تو آیتوں میں ٹکراؤ آگیا، ایک آیت سے پتہ چل رہا ہے کہ سارے گناہ بخش دیں گے، دوسری سے پتہ چل رہا ہے بعض کو بخش دیں گے۔ تو یہ تو مولانا ایک میں سارے کا ذکر ہے، ایک میں بعض کا ذکر ہے، یہ تو دونوں آپس میں کیا ہے مولانا؟ اختلاف آگیا بھئی، ایک آیت کے معنی سے ایک آیت سے کیا ثابت ہوا؟ تمام گناہوں کو بخش دیں گے، دوسری سے کیا ثابت ہوا؟ بعض کو۔ لہٰذا تو اب یہاں پر لازمی بات ہے اس اختلاف سے بچنے کے لیے ہمیں کیا کرنا پڑے گا؟ یہ مِنْ کو زائدہ ماننا پڑے گا۔

تو لازمی بات ہے مولانا اب اختلاف کو دور کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا پڑے گا؟ دونوں آیتوں کا معنی ایک جیسا کرنا پڑے گا اور ایک جیسا کرنے کے لیے کیا ضروری ہے کہ اب ایک اس مِنْ کو تبعیضیہ نہ بنائیں، زائدہ بنا دیں، کیا بنا دیں؟ زائدہ۔ جب زائدہ بنا دیا تو مولانا اب کیا معنی؟ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ، اللہ تمہارے لیے گناہوں کو بخش دیں گے یعنی سارے گناہوں کو۔ اب مولانا اس کا معنی بھی تھا سارے گناہوں کو بخش دیں گے، اس کا معنی بھی کیا بن گیا؟ سارے گناہوں کو بخش دیں گے، اب معنی ٹھیک ہو گیا۔ بات سمجھ میں آئی؟ اب آپ مجھے بتائیے، یہ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ اس کے اندر استفہام ہے؟ نہیں۔ نفی ہے؟ اور نہی ہے یہ؟ نہیں۔ تو دیکھو یہ کلامِ موجب ہوا یا غیر موجب ہوا؟ تو کلامِ موجب ہوا اور کلامِ موجب میں مِنْ زائدہ آگیا، کلامِ موجب میں کیا آیا مِنْ؟ زائدہ۔ یہ کوفہ والوں کی دلیل ہے۔ کوفہ والے کہتے ہیں دیکھا، یہ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ یہ کلامِ موجب ہے اور اس کے اندر مِنْ زائدہ آیا، معلوم ہوا کلامِ غیر موجب نہیں، موجب کے اندر بھی کیا آسکتا ہے؟ زائدہ۔ ہاں تو صرف غیر موجب میں ہی نہیں مِنْ زائدہ آتا بلکہ موجب میں بھی آتا ہے۔ نیز عرب کا ایک اور قول بھی ہے۔

کیا؟ عرب کہتے ہیں: قَدْ کَانَ مِنْ مَّطَرٍ، قَدْ کَانَ مِنْ مَّطَرٍ۔ بارش کے بارے میں پوچھا کسی سے، پوچھیں تو وہ کیا کہتا ہے؟ بارش بھئی آپ کے علاقے میں بارش ہوئی یا نہیں؟ وہ کیا کہتا ہے؟ بارش ہوئی تھی، وہ جواب میں کہے گا: قَدْ کَانَ مِنْ مَّطَرٍ، بارش ہوئی تھی، قَدْ کَانَ مِنْ مَّطَرٍ۔ اب بتائیے یہ اس میں نفی ہے قَدْ کَانَ مِنْ مَّطَرٍ میں؟ نہی ہے؟ استفہام ہے؟ اور مِنْ زائدہ ہے، اَیْ قَدْ کَانَ مِنْ مَّطَرٍ کیا معنی؟ اَیْ قَدْ کَانَ مَطَرٌ، اَیْ ثَبَتَ مَطَرٌ، یہ کَانَ کون سا ہے؟ تامہ، اور کَانَ تامہ صرف کس کو چاہتا ہے؟ فاعل کو چاہتا ہے، تو قَدْ کَانَ مَطَرٌ، تو یہ مِنْ زائدہ ہے اور مَطَرٍ مجرور لفظاً ہے لیکن مرفوع

محلاً کَانَ کے لیے کیا ہے؟ فاعل ہے بھئی فاعل۔ بات سب کو سمجھ میں آرہی ہے؟ اب دیکھو اس میں بھی مِنْ زائدہ آگیا، کیا آگیا؟ مِنْ زائدہ آگیا اور یہ کلامِ موجب ہے۔ تو کوفہ والے کہتے ہیں دیکھا، قرآن سے بھی دلیل دی انہوں نے مولانا، عرب کے کلام سے بھی دلیل دے دی مولانا کہ مِنْ کلامِ موجب کے اندر کیا ہوتا ہے؟ زائدہ آتا ہے، کلامِ موجب میں بھی زائدہ آتا ہے۔

بصرہ والے نحوی اس کا جواب یہ دیتے ہیں مولانا، کہتے ہیں جو آپ نے آیت ذکر کی کہ ایک آیت میں تمام گناہوں کی مغفرت کا ذکر ہے اور ایک میں بعض کی مغفرت کا ذکر ماننا پڑتا ہے اگر مِنْ کو زائدہ نہ مانیں، وہ کہتے ہیں بھئی نہیں، ایک آیت میں تمام کا ہی ذکر ہے اور ایک میں بعض کا ہی ذکر ہے۔ ایک میں تمام گناہوں کی مغفرت کا ذکر ہے اور دوسری میں بعض، پھر اس پہ بھئی یہ تو ٹکراؤ آیا؟ کہتے ہیں نہیں نہیں، ٹکراؤ پھر بھی نہیں آیا، ایک آیت ہے امتِ محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو امت ہے ان کے بارے میں ہے اور دوسرا جی، دوسرا نوح علیہ السلام کی امت کے بارے میں ہے۔ تو حضور کی امت سے اللہ فرمارہے ہیں کہ اللہ چاہیں تو تمام گناہوں کو تمہارے بخش دیں، اور نوح علیہ السلام کی امت سے فرمایا کیا کہ چاہیں تو بعض گناہوں کو تمہارے کیا کر دیں؟ بخش دیں۔ تو اب تو کوئی ٹکراؤ نہیں بھئی، وہ یہ آیت اس کا محل ہی الگ ہے، یہ امتِ محمد یہ کے بارے میں ہے، اور اس کا محل ہی الگ ہے، وہ کس کے بارے میں ہے؟ امتِ نوح علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ تو اب کوئی ٹکراؤ رہا؟ نہیں، یہ ٹکراؤ تو اس وقت تھا کہ اگر دونوں کو امتِ محمد یہ کے بارے میں بنایا جائے یا دونوں کو حضرت نوح علیہ السلام کی امت کے بارے میں بنایا جائے پھر کیا ہو سکتا تھا؟ ٹکراؤ ہو سکتا تھا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا وہ کہتے ہیں یہ مِنْ تبعیضیہ ہی ہے اور یہ مِنْ زائدہ نہیں ہے، معلوم ہوا آپ کا دعویٰ صحیح نہیں۔ معلوم ہوا کلامِ موجب کے اندر مِنْ زائدہ نہیں آتا، یہ مِنْ زائدہ نہیں ہے بلکہ یہ مِنْ کون سا ہے؟ تبعیضیہ ہے، اور یہ خطاب کس کے کس کے بارے میں یہ بات چل رہی ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام کے۔

اور یہ جو کلامِ عرب آپ نے ذکر کیا قَدْ كَانَ مِنْ مَّطَرٍ، یہ آپ کہہ رہے ہیں کلامِ موجب میں مِنْ زائدہ ہے؟ کہتے ہیں بھئی یہ مِنْ بھی زائدہ نہیں، یہ مِنْ تبعیضیہ ہے۔ مِنْ کیا ہے؟ کیا معنی؟ کچھ بارش ہوئی تھی، یہ معنی نہیں بارش ہوئی، کیا معنی؟ کچھ بارش، قَدْ كَانَ بَعْضُ مَطَرٍ، کیا ہوئی تھی؟ کچھ بارش ہوئی تھی۔ یا یہ مِنْ بیان کے لیے ہے، بیان کر رہا ہے، کچھ ہوئی تھی۔ کیا معنی؟ قَدْ كَانَ شَيْءٌ، کیا ہوئی تھی؟ مِنْ مَّطَرٍ یعنی کہ بارش، یعنی کہ بارش۔ تو یہ مِنْ بیان کے لیے ہے مولانا، سمجھ میں آیا بھئی؟

اس پر آپ کو اشکال ہو گا کہ مِنْ تو كَانَ کا فاعل کیا ہو جائے گا؟ شَيْئًا، شَيْءٌ بھئی، کیا فاعل بنے گا؟ شَيْءٌ مولانا، محذوف نکال لیں گے۔ اس پہ اشکال ہو گا کہ مِنْ تبعیضیہ کے بارے میں آپ نے بتایا تھا، مِنْ تبعیضیہ وہ ہوتا ہے جس کو اٹھا کر اَلَّذِيْ کا رکھنا صحیح ہو۔ اور یہاں پر تو اَلَّذِيْ کا رکھنا صحیح نہیں کیونکہ جو شَيْءٌ آپ نے نکالا ہے وہ نکرہ ہے اور اَلَّذِيْ اسم موصول جو ہے وہ معرفہ ہے، تو نکرہ کا بیان معرفہ کے ساتھ نہیں ہو سکتا، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اس کے لیے صفت وغیرہ نہیں بن سکتا۔ تو جواب یہ مولانا کہ اس میں نے بتلایا تھا کہ اس میں موصول صرف اَلَّذِيْ کو اٹھا کر رکھنا کافی نہیں، اَلَّذِيْ جن چیزوں کا تقاضا کرتا ہے وہ بھی ساری ساتھ لے آؤ تو پھر رکھنا صحیح ہو جائے، سمجھ میں آیا؟ تو اب اگر یہاں ہم کر دیں: اَلشَّيْءُ، اب مِنْ کی جگہ اَلَّذِيْ رکھنا صحیح ہو جائے گا: قَدْ كَانَ الشَّيْءُ الَّذِيْ هُوَ مَطَرٌ، کوئی چیز ہوئی تھی، ایک چیز ہوئی تھی، وہ چیز ہوئی تھی، کیا مولانا؟ مَطَرٌ یعنی کہ اَلَّذِيْ هُوَ مَطَرٌ جو بارش تھی۔ تو یہ تبیین والا بیان تو بس، ایک دو، تیسرا جواب بھی ایک سن لیں۔ کہتے ہیں یہ مبنی بر حکایت ہے۔ یہ مِنْ کیا ہے؟ مبنی بر حکایت ہے۔ کیسے؟ سوال کیا کسی نے، سوال کیا مولانا، سوال کیا کیا بھئی؟ کہ هَلْ كَانَ مِنْ مَّطَرٍ؟ کسی نے دوسرے سے کیا سوال کیا؟ هَلْ كَانَ مِنْ مَّطَرٍ؟ کیا بارش ہوئی؟ اور یہ هَلْ کیا ہے؟ استفہام، اور استفہام کے اندر یہ جو مِنْ آرہا ہے یہ مِنْ زائدہ ہے، اور مِنْ زائدہ کس میں آرہا ہے؟ کلامِ غیر موجب کے اندر آرہا ہے کیونکہ کیا ہے؟ هَلْ كَانَ مِنْ مَّطَرٍ کیا ہے؟ استفہام، اور استفہام کیا ہے؟ کلامِ غیر موجب۔ تو کلامِ غیر موجب کے اندر مِنْ زائدہ آرہا ہے اور کلامِ غیر موجب میں آتا بھی ہے، اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ تو چونکہ اس کے جواب میں کہا گیا قَدْ كَانَ، جواب دینا تھا تو جواب کو سوال کے مطابق کر دیا گیا۔ سوال میں مِنْ زائدہ تھا تو جواب میں بھی کیا کر دیا گیا؟ مِنْ زائدہ کر دیا گیا اگرچہ ویسے کیا نہیں جاتا۔ تو کتنے جواب ہوئے مولانا؟ تین جواب دیے۔ اول کیا؟ یہ مِنْ کس کے لیے ہے؟ تبعیض کے لیے ہے۔ ثانی کیا؟ تبیین کے لیے ہے، بیان کے لیے ہے۔ ثالث کیا؟ یہ مبنی بر حکایت ہے، سوال کا یہ جواب واقع ہوا اور اس سوال میں مِنْ زائدہ تھا تو جواب میں بھی کیا لے آئے؟ مِنْ زائدہ لے آئے۔

اسی لیے کہتے ہیں مولانا: وَلَا تُزَادُ مِنْ، اور مِنْ کو زیادہ نہیں کیا جاتا، فِي الْكَلَامِ الْمُوْجَبِ کلامِ موجب کے اندر، خِلَافًا لِّلْكُوْفِيِّيْنَ بخلاف کس کے؟ کوفیوں کے، وَاَمَّا قَوْلُهُمْ قَدْ كَانَ مِنْ مَّطَرٍ وَّشِبْهُهٗ فَمُتَاَوَّلٌ، باقی عربوں کا یہ قول قَدْ كَانَ مِنْ مَّطَرٍ یہ قول وَشِبْهُهٗ اور اس کے جو مشابہ اور اقوال ہیں فَمُتَاَوَّلٌ ان میں تاویل کی گئی ہے بھئی، ان میں کیا کی گئی ہے؟ تاویل کی گئی ہے، جیسے ابھی میں نے بتلایا مولانا، وہ آیت میں کیا تاویل کی گئی کہ ایک آیت امتِ محمد یہ کے بارے میں ہے اور ایک امتِ نوح علیہ السلام، اور دوسرا مولانا اس کے اندر تین تاویلات میں نے بتائیں: یہ مِنْ تبعیض کے لیے

ہے یا مِنْ بیان کے لیے ہے یا یہ مبنی بر حکایت ہے۔

وَاِلٰی، اس کے بعد مِنْ کے بعد اِلٰی آیا مولانا، وَهِيَ لِانْتِهَاءِ الْغَايَةِ، یہ انتہائے مسافت کے لیے آتا ہے كَمَا مَرَّ جیسا کہ گزرا بھئی، وَبِمَعْنٰى مَعَ قَلِيْلًا، اور کبھی یہ مَعَ کے معنی میں بھی آتا ہے اِلٰی لیکن بڑا قلیل ہے، كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى جیسے اللہ فرماتے ہیں: فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ اَیْ مَعَ الْمَرَافِقِ، اِلٰی کس معنی میں ہے یہاں پر؟ مَعَ، تو ترجمہ: پس دھولو تم اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو مَعَ الْمَرَافِقِ کہنیوں سمیت، سمجھ میں آئی بات؟ تو یہ اِلٰی بمعنی مَعَ کے ہے۔

وَحَتّٰى وَهِيَ مِثْلُ اِلٰى، اور حَتّٰی بھی ہے حروف جارہ میں سے اور یہ بھی اِلٰی کی طرح ہے یعنی انتہائے مسافت کے لیے آتا ہے، جیسے: نِمْتُ الْبَارِحَةَ حَتَّى الصَّبَاحِ۔ بَارِحَةَ کہتے ہیں گزشتہ رات، بَارِحَةَ کس کو کہتے ہیں؟ گزشتہ رات۔ نِمْتُ، نَامَ يَنَامُ کا کیا معنی؟ سونا۔ نِمْتُ الْبَارِحَةَ میں گزشتہ رات سویا حَتَّى الصَّبَاحِ صبح تک بھئی، تو حَتّٰی کس معنی میں ہے بھئی؟ انتہائے مسافت کے لیے آیا بھئی۔

وَبِمَعْنٰى مَعَ كَثِيْرًا، اور یہ بھی مَعَ کے معنی میں آتا ہے اور بڑا کثیر ہے بھئی، مَعَ کے معنی میں آنا۔ بھئی اِلٰی بھی آتا ہے انتہائے مسافت کے لیے، حَتّٰی بھی آتا ہے کس لیے؟ انتہائے مسافت کے لیے۔ اور اِلٰی بھی بمعنی مَعَ کے آتا ہے اور حَتّٰی بھی بمعنی مَعَ کے آتا ہے لیکن اِلٰی آتا ہے مَعَ کے معنی میں قلیل اور حَتّٰی آتا ہے مَعَ کے معنی میں کثیر۔ نَحْوُ: قَدِمَ الْحَاجُّ حَتَّى الْمُشَاةِ، حاجی آگئے یہاں تک کہ پیدل بھی، پیادہ بھی آگئے۔ حاجی دو قسم پر تھے، کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل تھے تو کہتے ہیں سوار تو آگئے یہاں تک کہ پیدل جو ہیں وہ بھی آگئے بھئی۔ اوہو، یہاں تو مَعَ کے معنی میں ترجمہ کریں مولانا: قَدِمَ الْحَاجُّ مَعَ الْمُشَاةِ، حاجی آگئے پیادوں سمیت، پیادوں یعنی جو پیدل حاجی تھے سوار تھے وہ پیدل سمیت آگئے یعنی سارے آگئے مراد یہ ہے۔

وَلَا تَدْخُلُ اِلَّا عَلَى الظَّاهِرِ، اور یہ حَتّٰی داخل نہیں ہوتا مگر صرف اسم ظاہر پر۔ بھئی اِلٰی اور حَتّٰی ایک جیسے ہیں: اِلٰی بھی انتہائے مسافت کے لیے، حَتّٰی بھی انتہائے مسافت کے لیے، اِلٰی بھی بمعنی مَعَ کے، حَتّٰی بھی بمعنی مَعَ کے، لیکن فرق ایک اور یہ ہے کہ ایک فرق تو یہ بتلایا کہ اِلٰی مَعَ کے معنی میں قلیلًا آتا ہے اور حَتّٰی مَعَ کے معنی میں کثیرًا آتا ہے، اور دوسرا فرق یہ بتلا رہے ہیں کہ یہ جو حَتّٰی ہوتا ہے یہ اسم ظاہر پہ داخل نہیں ہوتا اوہو، صرف اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے اور ضمیر پر داخل نہیں ہوتا لہٰذا حَتَّاهُ نہیں کہہ سکتے آپ، جبکہ اِلٰی اسم ظاہر پر بھی داخل ہوتا ہے اور ضمیر پر بھی داخل ہوتا ہے: اِلٰى زَيْدٍ، اِلَى السُّوْقِ اور اِلَيْهِ، دونوں پر داخل ہو رہا ہے، ضمیر پر بھی اور اسم ظاہر پر بھی ہو رہا ہے۔

وَلَا تَدْخُلُ اِلَّا عَلَى الظَّاهِرِ، اور داخل نہیں ہوتا الا مگر اسم ظاہر پر ہی، فَلَا يُقَالُ حَتَّاهُ لہٰذا حَتَّاهُ نہیں کہا جائے گا، خِلَافًا لِّلْمُبَرِّدِ بخلاف کس کے؟ امام مبرد کے۔ امام مبرد فرماتے ہیں کہ حَتّٰی بھی ضمیر پر داخل ہو جاتا ہے۔ کیا دلیل ہے آپ کی؟ آگے آنے والا شعر دلیل ہے، اس شعر کے اندر حَتّٰی کس پر داخل ہوا ہے؟ کاف ضمیر پر داخل ہوا ہے بھئی: فَلَا وَاللّٰهِ لَا يَبْقٰى اُنَاسٌ فَتًى حَتَّاكَ، حَتّٰی کس پہ داخل ہوا؟ ضمیر پر: حَتَّاكَ۔ تو یہ ضمیر پہ داخل ہو رہا ہے مولانا، وہ کہتے ہیں دیکھا، آپ نے کہا ضمیر پہ داخل نہیں ہوتا ہے، ہم نے عرب کا شعر پیش کر دیا مولانا جس میں انہوں نے ضمیر پہ داخل کیا۔ مصنف اس کا جواب دیں گے کہ یہ شاذ ہے، یہ کیا ہے؟ بہت نادر آیا مولانا، ایک آدھ دو دفعہ ایک چیز آنے سے کوئی ضابطہ نہیں بن جایا کرتی، ہمیں عام چاہیے، عام استعمال میں ایسا نہیں۔

خِلَافًا لِّلْمُبَرِّدِ بخلاف امام مبرد کے، وَقَوْلُ الشَّاعِرِ اور باقی شاعر کا یہ قول جو ہے: فَلَا وَاللّٰهِ لَا يَبْقٰى اُنَاسٌ فَتًى حَتَّاكَ يَا ابْنَ اَبِيْ زِيَادٍ شَاذٌّ، یہ قول کیا ہے؟ شاذ ہے۔ فَلَا وَاللّٰهِ، یہ لَا زائدہ ہے مولانا، قسم کے اندر جو لَا ہے قسم سے پہلے یہ اس کو کلام میں حسن پیدا کرنے کے لیے کبھی بڑھایا جاتا ہے۔ کس لیے؟ بھئی کبھی کبھی قسم سے پہلے کیا بڑھا دیتے ہیں؟ لَا، کلام میں حسن پیدا کرنے کے لیے، کلام میں اس سے بڑا حسن پیدا ہوتا ہے۔ اور بلاغت کا نکتہ اس کے اندر یہ ہے مولانا، اس میں اشارہ ہوتا ہے اس بات کی طرف کہ جس بات پر آگے یہ قسم کھائی جا رہی ہے وہ بات اتنی واضح ہے، اتنی ظاہر ہے کہ اس پر قسم کھانے کی ضرورت نہیں، قسم کھا تو رہے ہیں ہم لیکن اس پر قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے، دیکھیے۔

فَلَا وَاللّٰهِ، واو قسمیہ جارہ ہے مولانا، لفظِ اللہ مجرور ہے، جار مجرور مل کر متعلق ہو جائیں گے اُقْسِمُ فعل کے ساتھ، کس سے متعلق ہوں گے؟ اُقْسِمُ فعل، اُقْسِمُ فعل اَنَا ضمیر اس کے اندر فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر قسم، جملہ فعلیہ ہو کر قسم۔ لَا يَبْقٰى اُنَاسٌ، اُنَاسٌ لغت ہے نَاس کے اندر، آپ اَلنَّاس نہیں پڑھتے عربی میں؟ اسی میں ایک لغت ہے مولانا، تو اَلنَّاس پر تو الف لام کیا ہے؟ تعریف کا داخل ہے، باقی کیا رہ گیا؟ نَاس، اور اس نَاس کے اندر ایک لغت کیا آتی ہے؟ اُنَاس بھی ہے۔ باقی نہیں رہیں گے اُنَاسٌ لوگ، فَتًى یہ اُنَاسٌ سے بدل ہے مولانا، وہ مبدل منہ اور فَتًى کیا ہے؟ بدل، اور بدل کا بھی وہی اعراب ہوتا ہے جو کس کا ہوتا ہے؟ مبدل منہ کا ہوتا ہے، تو فَتًى بھی کیا ہے مولانا؟ اُنَاسٌ کیا ہے اعراب؟ مرفوع لفظًا، تو فَتًى بھی

کیا ہو گا؟ مرفوع، کون سا مرفوع ہو گا یہ؟ یہ کیا ہے؟ مبنی ہے، معرب ہے؟ معرب ہے، اور معرب ہے تو پھر وہ نو قسموں میں سے کون سے قسم ہے؟ جی، ہاں شاباش، یہ اِسْمِ مَقْصُوْر ہے مولانا، کیا ہے؟ اِسْمِ مَقْصُوْر، بھئی اِسْمِ مَقْصُوْر کس کو کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں الف آئے، یہ الف کبھی لفظوں میں ہو گا کبھی تقدیراً ہو گا، یہاں تقدیراً الف موجود۔ الف تو یہاں پر تقدیراً اصل میں تھا فَتَیٌ، کیا تھا؟ فَتَیٌ، پھر یہاں پر یا متحرک ماقبل فتحہ تھا، اس کو کس سے بدل دیا؟ الف سے بدل دیا، کیا بنا؟ فَتَانْ بن گیا، فَتَانْ، پھر اجتماع ساکنین آیا تنوین کے اندر اور الف کے اندر، تو کس کو گرا دیا؟ الف، کیا رہ گیا؟ فَتًی، تو الف گرا ہے التقائے ساکنین سے تو تقدیراً یہاں موجود ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ تقدیراً یہاں موجود ہے، تو یہ مرفوع ہے تقدیراً مولانا، مرفوع تقدیراً ہے۔

حَتَّاکَ، حَتّٰی جارہ، کاف ضمیر مجرور محلاً۔ یَا ابْنَ اَبِیْ زِیَادِ، یَا حرفِ ندا اور منادیٰ آگے آرہا ہے اور منادیٰ آپ نے پڑھا تھا مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو کیا ہوا کرتا ہے؟ منصوب ہوا کرتا ہے، تو یہ بھی اِبْنَ بھی کیا ہے مولانا؟ منصوب اسی لیے ہے کیونکہ اس کی اضافت ہو رہی ہے۔ یَا ابْنَ اَبِیْ زِیَادِ، اے ابی زیاد کے بیٹے! لَا یَبْقٰی اُنَاسٌ، قسم ہے خدا کی، لَا یَبْقٰی اُنَاسٌ لوگ باقی نہیں رہیں گے، فَتًی نوجوان، نوجوان بھی باقی نہیں رہیں گے، حَتَّاکَ یہاں تک کہ تو بھی باقی نہیں رہے گا اے ابن ابی زیاد بھئی۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ تو یہ دنیا فانی ہے، ہر چیز ختم ہو جانے والی ہے، اے ابن ابی زیاد کے بیٹے تمام لوگ ختم ہو جائیں گے، نوجوان ختم ہو جائیں گے یہاں تک کہ تو بھی کیا ہے؟ ختم ہو جائے گا، کسی چیز کو یہاں بقا نہیں۔ تو بہر حال محلِ استشہاد حَتَّاکَ تھا، یہاں پر حَتّٰی کاف ضمیر پہ داخل ہوا اور بتلایا شَاذٌّ، یہ شاذ ہے۔

وَفِیْ، اور مولانا چوتھا حُرُوْفِ جَارَّہ میں سے فِیْ ہے، وَھِیَ لِلظَّرْفِیَّۃِ، یہ کس لیے آتا ہے مولانا؟ ظرفیت کے لیے، یہ بتلاتا ہے کہ مابعد ظرف ہے کس کے لیے؟ ماقبل کے لیے۔ زَیْدٌ فِی الدَّارِ، زید کس کے اندر ہے؟ گھر کے اندر، معلوم ہوا یہ الدَّارِ ظرف ہے جس کے اندر کون ہے؟ زید موجود ہے۔ جیسے زَیْدٌ فِی الدَّارِ وَالْمَاءُ فِی الْکُوْزِ، اور پانی کوزے کے اندر ہے، کوزہ جانتے ہو بھئی؟ کوزہ کوزہ؟ کوزہ مولانا یہ صراحی نما برتن ہوتا ہے جس کی ٹونٹی بنی ہوتی ہے جیسے لوٹے کی ہے، لوٹے کی تو لمبی ٹونٹی ہوتی ہے، اس کی چھوٹی سی ہوتی ہے، دیکھا ہے کبھی یا نہیں دیکھا؟ ہاں آپ کے علاقوں میں استعمال دیہاتوں میں استعمال ہوتا ہے مولانا، دیہاتوں میں ابھی بھی استعمال ہوتا ہے، وضو وغیرہ کے لیے بھی، پانی پینے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، کوزہ کہتے ہیں اس کو، جی۔ وَالْمَاءُ فِی الْکُوْزِ، پانی کس کے اندر ہے؟ کوزے کے اندر ہے، کوزے کے اندر ہے، تو دیکھو کوزہ کیا ہے؟ ظرف ہے کس کے لیے؟ تو فِیْ ظرفیت کے لیے آیا۔

وَبِمَعْنٰی عَلٰی قَلِیْلًا، اور کبھی فِیْ کس معنی میں آتا ہے؟ عَلٰی کے معنی میں، لیکن یہ بڑا قلیل ہے، نَحْوُ قَوْلِہٖ تَعَالٰی جیسے اللہ فرماتے ہیں: وَلَاُصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ، کیا؟ بھئی وہ فرعون نے کہا تھا جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے تو فرعون نے کہا تھا کہ میں تمہیں ضرور بالضرور سولی دوں گا کس پر؟ کھجور کے تنوں پر۔ جُذُوْع تنے بھئی تنے، نَخْل کھجور کے درخت کو کہتے ہیں بھئی۔ اُصَلِّبَنَّکُمْ، میں تمہیں وَلَاُصَلِّبَنَّکُمْ اور البتہ میں تمہیں ضرور بالضرور سولی دوں گا فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ کھجور کے تنوں پر، تو فِیْ بمعنی عَلٰی کے ہے، اَیْ عَلٰی جُذُوْعِ النَّخْلِ کھجور کے تنوں پر دوں گا۔

وَالْبَاءُ، پانچواں مولانا با ہے حُرُوْفِ جَارَّہ میں سے، وَھِیَ لِلْاِلْصَاقِ، یہ کس لیے آتا ہے مولانا؟ الصاق کے لیے آتا ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا، جوڑنا، نَحْوُ: مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، مَرَرْتُ بِزَیْدٍ میں زید پر گزرا تو یہ باالصاق کے لیے ہے، کیا معنی؟ اَیْ اِلْتَصَقَ مُرُوْرِیْ میرا گزرنا مل گیا بِمَوْضِعٍ ایسی جگہ کے ساتھ یَقْرُبُ مِنْہُ زَیْدٌ کہ زید جس کے قریب ہے یعنی میں زید کے قریب سے گزرا۔ تو میرا گزرنا ایسی جگہ کے ساتھ مل گیا، کیا ہوا؟ مل گیا جس کے قریب کون تھا؟ زید تھا۔ تو آپ کا گزرنا مل گیا یا نہیں مولانا؟ آپ کہاں سے گزرے؟ ایسی جگہ کے قریب سے گزرے، ایسی جگہ کے ساتھ سے گزرے جس کے قریب کون تھا؟ زید تھا۔ تو الصاق کے لیے آتا ہے۔

وَلِلِاسْتِعَانَۃِ، اور کبھی مولانا با استعانت کے لیے بھی آتا ہے مدد کے لیے: کَتَبْتُ بِالْقَلَمِ، میں نے قلم کی مدد سے لکھا، یہ مدد کا معنی کس نے ادا کیا؟ با نے، یہ مدد کے لیے آیا۔

وَقَدْ یَکُوْنُ لِلتَّعْلِیْلِ، اور کبھی کبھار کس لیے آتا ہے مولانا؟ یعنی تعلیل، کسی چیز کی علت بیان کرنے کے لیے بالائی جاتی ہے، کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی جیسے اللہ فرماتے ہیں: اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ، بھئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے گئے، پیچھے سامری نے وہ بچھڑا بنایا گائے کا اور سونے کو پگھلا کر، اور بنی اسرائیل والوں نے کیا کر دی؟ بنی اسرائیل والوں نے اس کی عبادت شروع کر دی۔ تو موسیٰ علیہ السلام آئے اور پھر ناراض ہوئے اور سامری کو سزا ملی پھر مولانا اللہ کی طرف سے تو کیا؟ اِنَّکُمْ، اس وقت مولانا یہ قرآن میں آتا ہے: اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ، یقیناً تم نے ظلم کیا ہے اَنْفُسَکُمْ اپنے

نفسوں پر بِاتِّخَاذِكُمْ، باسببیہ تعلیل کے لیے، بوجہ پکڑنے تمہارے، کس کو پکڑنے؟ بچھڑے کو۔ تو تم نے اپنے تم نے جو بچھڑے کو پکڑا اور اس کو اپنا معبود بنایا، اس سبب سے تم نے کیا کیا؟ اپنے اوپر ظلم کیا ہے، اس وجہ سے تم نے، یقیناً تم نے ظلم کیا اپنے جانوں پر بوجہ بچھڑے کو معبود بنانے کے۔

وَلِلْمُصَاحَبَةِ، اور مولانا با کس لیے آتا ہے؟ مصاحبت ساتھ مولانا، ساتھ ہونا کسی چیز کا، كَ خَرَجَ زَيْدٌ بِعَشِيْرَتِهٖ، زید اپنے قبیلے کے ساتھ نکلا، قبیلے کے ساتھ، تو یہ نکلنا کیا تھا مولانا؟ اکٹھا تھا یا نہیں دونوں کا؟ زید قبیلے کے ساتھ تھا تو دیکھو ملے ہوئے تھے دونوں، مصاحبت کے اکٹھے تھے۔

وَلِلْمُقَابَلَةِ، اور کبھی کبھار یہ کس لیے آتا ہے مولانا؟ مقابلے کے لیے بھی آتا ہے با: بِعْتُ هٰذَا، سب سے زیادہ استعمال ہونے والا حُرُوْفِ جَارَّه میں سے یہ با ہے مولانا، بہت سے معانی کے لیے آتا ہے بھئی، چند ایک انہوں نے ذکر کیے ہیں، وَلِلْمُقَابَلَةِ اور کبھی کبھی با مقابلے کے لیے بھی آتا ہے، جیسے بِعْتُ هٰذَا بِذَاكَ۔ بھئی آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے کتاب البیوع پڑھی ہو گی اور بیوع کے اندر ایک ضابطہ پڑھا ہو گا کہ جس پر با داخل ہو وہ کیا ہو گی؟ ثمن: اِشْتَرَيْتُ الْكِتَابَ بِالْقَلَمِ، کتاب کو میں نے قلم کے مقابلے میں خرید ا یعنی قلم دیا اور کیا لے لی؟ کتاب لے لی۔ اب مولانا دیکھو ایک طرف قلم ہے، ایک طرف کتاب ہے، اب اس میں ثمن کون ہے، مبیع کون ہے، آپ کو کیسے پتہ چلے گا؟ ہاں جس پر با داخل ہو وہ ثمن اور دوسرا کیا ہے؟ مبیع۔ تو یہاں پر کتاب مبیع اور قلم پر با داخل ہوئی تو قلم کیا ہے؟ ثمن ہے، معلوم ہوا آپ قلم دے کر کیا خریدا ہے؟ کتاب خریدی ہے۔ تو دیکھو یہ مقابل میں نے قلم کے مقابلے میں کیا خریدی؟ کتاب، کے بدلے میں۔ بِعْتُ هٰذَا بِذَاكَ، میں نے بیچا اس چیز کو اس چیز کے بدلے میں۔

وَلِلتَّعْدِيَةِ، اور کبھی مولانا تعدیہ کے لیے آتی ہے، متعدی بنانے کے لیے با آتی ہے۔ ذَهَبْتُ کا کیا معنی؟ میں گیا۔ اور ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ، میں زید کو لے گیا، تو یہ متعدی بنانے کے لیے بھی کبھی کیا لے آتے ہیں؟ با لے آتے ہیں، كَ ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ، میں زید کو لے گیا۔

وَلِلظَّرْفِيَّةِ، اور کبھی کس لیے آتی ہے بھئی؟ باظرفیت یعنی فِيْ کے معنی میں بھی آتی ہے، كَ جَلَسْتُ بِالْمَسْجِدِ اَیْ فِي الْمَسْجِدِ، میں مسجد میں بیٹھا۔

وَزَائِدَةً، اچھا، اور کبھی کبھار یہ کیا آتی ہے مولانا؟ زائدہ آتی ہے قِيَاسًا، بھئی زائدہ کہاں آئے گی؟ بھئی یاد رکھو دو جگہیں ہیں اس کے آنے کی زائدہ: ایک وہ جگہیں ہیں جو قیاسی ہیں، آپ ہی قیاس کرتے ہوئے آپ ہی اس کے مطابق زائدہ لا سکتے ہیں ان جگہوں پر، اور کچھ سماعی ہیں کہ آپ ان پر قیاس کرتے ہوئے آپ اس طرح زائدہ نہیں لا سکتے۔ تو پہلے قیاسی جگہیں بتا رہے ہیں: زائدہ آئے گی قیاساً قیاسی طور پر فِيْ خَبَرِ النَّفْيِ، کس کی خبر میں مولانا؟ نفی کی خبر مولانا، جیسے مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ، آپ پڑھتے ہیں مولانا مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ، زید کھڑا نہیں۔ لَيْسَ زَيْدٌ بِقَائِمٍ، زید کھڑا نہیں۔ تو کیا ترکیب کریں گے؟ یہ با کون سی ہے؟ یہ جو خبر میں آ رہی ہے نفی کی خبر میں، یہ با کون سی ہے؟ زائدہ، اور زائدہ کے بارے میں میں نے آپ کو کیا بتلایا تھا؟ یہ کسی سے متعلق نہیں، اب ترکیب کرو: لَيْسَ زَيْدٌ بِقَائِمٍ، لَيْسَ فِعْل ازاَفْعَالِ نَاقِصَه، آگے زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا اسم، باجارہ، قَائِمٍ مجرور لفظاً اور منصوب محلاً لَيْسَ کی خبر، تو لَيْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

نَحْوُ مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ، تو یہ نفی کی خبر میں جو با آئی، اب آپ بھی کوئی خبر دینا چاہتے ہیں نفی کے ساتھ، مَا کے ساتھ، لَيْسَ کے ساتھ تو آپ بھی کیا کر سکتے ہیں مولانا؟ با زائدہ لا سکتے ہیں۔ وَفِي الِاسْتِفْهَامِ، اسی طرح استفہام کی خبر میں بھی لا سکتے ہیں مولانا، جیسے هَلْ زَيْدٌ بِقَائِمٍ، یہ با بھی کیا ہے؟ زائدہ۔ تو استفہام کی خبر میں اور نفی کی خبر میں با زائدہ لا سکتے ہیں آپ بھئی۔

وَسَمَاعًا، اور سماعاً کچھ جگہیں ہیں، سماع پر موقوف ہیں، زائدہ ان میں آئے گا فِي الْمَرْفُوْعِ۔ اب یہ سماع پر وہ کون سی جگہیں ہیں؟ کہتے ہیں کبھی مرفوع کی جگہ پہ آئے گا با، کبھی منصوب پر آئے گا مولانا۔ مرفوع میں جیسے: وَفِي الْمَرْفُوْعِ نَحْوُ بِحَسْبِكَ زَيْدٌ، یہ باجارہ زائدہ ہے مولانا، باجارہ زائدہ ہے۔ تو اصل میں ہے: حَسْبُكَ زَيْدٌ، حَسْبُكَ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا اور زَيْدٌ اس کی خبر، صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ باجارہ زائدہ، حَسْبِ مجرور لفظاً مضاف، کاف مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور لفظاً اور مرفوع محلاً مبتدا، زَيْدٌ اس کی خبر۔ تو دیکھو یہ مرفوع پر با داخل ہوئی کیونکہ مرفوع ہے نا مبتدا، اور یہ اب آپ نہیں کر سکتے، آپ کسی مبتدا پر با نہیں زائدہ لا سکتے، یہ سماع پر موقوف ہے، عربوں سے ہم نے اس طرح سنا ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا، دیکھو یہ لفظِ اللہ مجرور لفظاً ہے لیکن مرفوع محلاً ہے، فاعل ہے كَفٰى کا، اللہ کافی ہے بہ اعتبار گواہ کے۔ تو كَفٰى بِاللّٰهِ، خود بتلا رہے ہیں یہ با زائدہ ہے اَیْ كَفَى اللّٰهُ۔

وَفِي الْمَنْصُوْبِ، اور اسی طرح منصوب میں بھی با کبھی زائدہ آتی ہے جو موقوف علی السماع ہے، آپ نہیں زائدہ لا سکتے، جیسے اَلْقٰى بِيَدِهٖ۔ اَلْقٰى تو

خود مولانا مفعول چاہتا ہے، بالانے کی ضرورت نہیں، بالائی گئی، معلوم ہوا یہ با کون سی ہے؟ زائدہ ہے، اَلْقٰی خود نصب دے دیتا ہے: اَلْقٰی یَدَہٗ، اَلْقٰی یَدَہٗ۔ بھئی عربی میں کہتے ہیں، قرآن میں ہے: لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ، تم اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، تم اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو لیکن ہاتھ نہیں مراد، نفس مراد ہے، تو جز بول کر کل مراد ہے، جز بول کر یعنی تم اپنے نفسوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ بولا کیا گیا یَدْ اور مراد کیا ہے؟ پوری ذات مراد ہے، پوری ذات مراد ہے، سمجھ میں آیا؟ تو تم اپنے ذاتوں کو، اپنے نفسوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ تو اب اَلْقٰی بِیَدِہٖ اَیْ اَلْقٰی یَدَہٗ، تو اس نے اپنے نفس کو ڈالا ہلاکت میں وغیرہ جو بھی آگے آجائے گا۔ بھئی بات سمجھ میں آرہی ہے یا زیادہ تیز چل رہا ہوں؟

وَاللَّامُ، اور ایک لام ہے مولانا جو حُرُوْفِ جَارَّہ میں سے، وَھِیَ لِلِاخْتِصَاصِ، یہ کس لیے آتا ہے؟ ایک چیز کی تخصیص کرتا ہے کہ یہ اس چیز کے ساتھ خاص ہے، جیسے اَلْجُلُّ لِلْفَرَسِ، جُلّ کس کو کہتے ہیں؟ جھول کو، کس کو کہتے ہیں؟ جھول۔ ایک ہوتی ہے زین بھئی، گھوڑے پر آپ ڈالتے ہیں نا زین، وہ چمڑے وغیرہ کی چیزیں ہوتی ہیں، وہ نہیں۔ اس سے پہلے ایک موٹا کپڑا وغیرہ دو تین کپڑے ہوتے ہیں وہ ڈالے جاتے ہیں تاکہ زین اس کو زخمی نہ کرے، وہ جو کپڑے ڈالے جاتے ہیں اس کو کیا کہتے ہیں؟ جھول کہتے ہیں، اس کو جُلّ کہتے ہیں۔ اَلْجُلُّ لِلْفَرَسِ، جھول خاص ہے کس کے ساتھ؟ گھوڑے کے ساتھ۔ یہ خاص ہونے کا معنیٰ کس نے ادا کیا؟ لام نے۔ وَالْمَالُ لِزَیْدٍ، اور مال خاص ہے کس کے ساتھ؟ یعنی مال زید کا ہے، مال زید کا ہے۔

وَلِلتَّعْلِیْلِ، اور کبھی لام کس لیے آتا ہے؟ علت بیان کرنے کے لیے: کَ ضَرَبْتُہٗ لِلتَّاْدِیْبِ، میں نے اس کی پٹائی کی، کیوں کی؟ ادب سکھانے کے لیے، تو پٹائی کی علت کیا ہے؟ ادب سکھانا، یہ لام نے معنیٰ ادا کیا۔

وَزَائِدَۃٌ، اور لام کبھی کیا آئے گا؟ زائدہ آئے گا، کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی جیسے اللہ فرماتے ہیں: رَدِفَ لَکُمْ اَیْ رَدِفَکُمْ، بھئی رَدِفَ خود متعدی ہے بغیر لام کے لیکن یہاں پر لام کو بیچ میں لایا گیا، معلوم ہوا یہ لام کیا ہے؟ زائدہ ہے۔ رَدِفَ کا معنیٰ ہوتا ہے کسی کے پیچھے سوار ہونا، کسی کے پیچھے۔ بھئی گھوڑے پر ایک آدمی سوار ہے، ایک اور بھی ساتھ پیچھے بیٹھ جاتا ہے، یہ جو پیچھے بیٹھا ہے اس کو کہتے ہیں ردیف، کیا کہتے ہیں؟ ردیف کہتے ہیں، جو پچھلا سوار ہوتا ہے اس کو ردیف کہتے ہیں، جی۔

وَبِمَعْنٰی عَنْ اِذَا اسْتُعْمِلَ مَعَ الْقَوْلِ، اور یہ کبھی عَنْ کے معنیٰ میں بھی آتا ہے جب اس کو استعمال کیا جائے قول کے ساتھ، جیسے کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی جیسے اللہ فرماتے ہیں: وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ کَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَا اِلَیْہِ، کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا تھا ان لوگوں کے بارے میں جو ایمان لائے تھے، لَوْ کَانَ خَیْرًا اگر یہ ایمان بہتر ہوتا مَّا سَبَقُوْنَا اِلَیْہِ تو وہ ہم پر سبقت نہ کر جاتے اس ایمان کی طرف۔ وَفِیْہِ نَظَرٌ۔

دیکھو مولانا، قَالَ کا صلہ ہمیشہ لام آتا ہے جو مخاطب پر داخل ہوتا ہے۔ قُلْتُ لَکَ، میں نے آپ سے کہا تو آپ کون ہیں؟ مخاطب، اور آپ پر کیا داخل ہوا ضمیر پر؟ کا لام داخل ہوا۔ میں نے زید سے کہا، کیا کہیں گے بھئی؟ قُلْتُ لِزَیْدٍ، تو یہ زید مخاطب تھا تو اس پر کیا داخل کیا؟ لام۔ میں نے عمرو سے کہا، کیا کہوں گا؟ قُلْتُ لِعَمْرٍو۔ اچھا، میں نے طلبہ سے کہا، کیا کہوں گا؟ قُلْتُ لِلطُّلَّابِ، سمجھ میں آیا؟ تو یہ لام داخل ہوتا ہے مخاطب پر۔

لیکن کبھی کبھی یہ غیر مخاطب پر بھی داخل ہو جاتا ہے اس صورت میں، مثال کے طور پر جیسے اس آیت کے اندر ہے مولانا۔ دیکھا، دیکھو بھئی قَالَ، وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، کہتے ہیں وہ جو کہ جنہوں نے کفر کیا لِلَّذِیْنَ، کیا آرہا ہے مولانا قَالَ کا صلہ؟ لام آرہا ہے، اور لام کس پہ داخل ہوتا ہے؟ مخاطب پر، تو ترجمہ یوں بنے گا: کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، کن سے کہتے ہیں؟ ان لوگوں سے کہتے ہیں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جو کیا لائے تھے؟ ایمان لائے تھے یعنی کافر مومنوں سے کہتے ہیں: لَوْ کَانَ خَیْرًا اگر یہ ایمان اَیْ لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ خَیْرًا اگر یہ ایمان کیا ہوتا؟ بہتر ہوتا مَّا سَبَقُوْنَا، سَبَقُوْا کون سا صلہ ہے سَبَقُوْا؟ مخاطب کا ہے یا غائب کا ہے؟ سَبَقَ سَبَقَا سَبَقُوْا ماضی مولانا غائب کا صیغہ ہے۔ اگر یہ ایمان بہتر ہوتا مَّا سَبَقُوْنَا وہ لوگ سبقت نہ کر جاتے ناہمارے اوپر۔ کیا کہتے ہیں؟ وہ لوگ ہمارے اوپر سبقت نہ کر جاتے اِلَیْہِ اس ایمان کی طرف۔

دیکھو کافر کہتے تھے مومنین سے کہ اگر ایمان بہتر ہوتا تو وہ لوگ ہم پر سبقت نہ کرتے۔ تو دیکھو اب یہاں جو ہے نا مولانا یہ لام کن پر داخل ہوا ہے؟ اَلَّذِیْنَ پر، اور یہ اَلَّذِیْنَ مخاطب نہیں ہیں غائب ہیں۔ کیا ہیں؟ بھئی مخاطب غائب ہوتا ہے یا حاضر ہوتا ہے؟ حاضر ہوتا ہے، اور قَالَ کا صلہ آرہا ہے لام، اور لام کس پہ داخل ہوتا ہے؟ مخاطب پر، تو معلوم ہوا یہ اَلَّذِیْنَ کون ہونے چاہییں؟ حاضر ہونے چاہییں، تو کفار کہتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور معلوم ہوا وہ ایمان لانے والے کیا ہیں ان کے سامنے؟ حاضر ہیں، کافر ان کو کہتے ہیں کہ اگر یہ ایمان اچھی چیز ہوتی تو دیکھو ایمان لانے والے سارے غریب، غرباء، فقراء، صحابہ تھے۔ کفار بڑے بڑے دولت مند، رئیس، متکبرین تھے، وہ ایمان نہیں لاتے تھے۔ تو مومنوں کو کیا کہہ رہے ہیں کہ اگر اس ایمان کے اندر کوئی خیر ہوتی تو یہ

غریب غرباء ہم سے سبقت نہ کرتے بلکہ ہم جیسے دانا اور ہوشیار لوگ ہم کیا کر لیتے؟ ہم جلدی قبول کرتے ایمان کو، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو کافر یہ کہہ رہے ہیں اور کس کو کہہ رہے ہیں؟ کیا آرہا ہے قَالَ کا صلہ؟ لام، اور اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وہ لوگ جو کہ ایمان لائے، کس کو کہہ رہے ہیں؟ ایمان والوں کو کہہ رہے ہیں کہ اگر اس ایمان میں کوئی بھلائی ہوتی تو وہ لوگ ہم پر سبقت نہ کر جاتے، کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ لوگ، مَّا سَبَقُوْنَا غائب کا صیغہ ہے نا، غائب کا ترجمہ کرو: وہ لوگ ہم پر سبقت نہ کر جاتے۔ حالانکہ یہ تو نہیں کہنا چاہیے، کفار کو تو یوں کہنا چاہیے مسلمانوں سے مخاطب کر رہے ہیں کہ اگر یہ ایمان کافر کہہ رہے ہیں مسلمانوں سے، اگر یہ ایمان بہتر ہوتا تو تم لوگ ہم سے سبقت نہ کرتے، تو کہنا چاہیے تھا مَّا سَبَقْتُمُوْنَا، تم لوگ ہم سے سبقت نہ کرتے، لیکن کیا کہہ رہے ہیں؟ مَّا سَبَقُوْنَا، وہ لوگ ہم سے سبقت نہ کرتے۔ معلوم ہوا جس پہ یہ لام داخل ہو رہا ہے، اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں معلوم ہوا وہ مخاطب نہیں ہیں اس وقت، معلوم ہوا وہ مخاطب وہ غائب ہیں، اسی لیے تو آگے سَبَقُوْنَا ان کے لیے کون سا صیغہ لے کر آرہے ہیں؟ غائب کا صیغہ لے کر آرہے ہیں، اگر وہ حاضر ہوتے تو پھر غائب کا صیغہ لاتے؟ بھئی پھر کون سا لاتے؟ مخاطب کا لاتے، معلوم ہوا یہ لام بمعنی عَنْ کے ہے۔

یہ لام بمعنی عَنْ کے ہے، تو قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کافر مومنوں سے نہیں کہہ رہے، یہ لام بمعنی عَنْ کے ہے یعنی کافر مومنوں کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ کافر کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں؟ آپس میں ہی باتیں کر رہے ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں ایک دوسرے کو؟ کہ اور کس کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں؟ مومنوں کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں، تو ایک کافر دوسرے کو کہہ رہا ہے کہ اگر یہ مومن مومنوں کے بارے میں کہتا ہے کہ اگر یہ ایمان بہتر ہوتا تو یہ مومن جو یہ لوگ جو ہیں ہم سے سبقت نہ کر جاتے۔ اب بات صحیح ہوئی یا نہ ہوئی؟ جی، قَالَ کا صلہ کیا رہتا ہے؟ لام، اور یہ لام کس پہ داخل ہوتا ہے؟ مخاطب پر، لیکن یہاں اگر مخاطب کا معنی کریں تو پھر آگے سَبَقُوْنَا غائب کا صیغہ نہیں آنا چاہیے تھا بلکہ کون سا آنا چاہیے تھا؟ سَبَقْتُمُوْنَا آنا چاہیے تھا، مخاطب والا صیغہ آنا چاہیے تھا، اور آگے تو آرہا ہے غائب کا صیغہ، معلوم ہوا یہ جس پر لام داخل ہو رہا ہے یہ مخاطب نہیں، یہ مخاطب نہیں تو معلوم ہوا یہ لام اپنے معنی میں نہیں کیونکہ لام تو کس پہ داخل ہوتا ہے؟ مخاطب پر، تو معلوم ہوا یہ لام کس معنی میں ہے؟ عَنْ کے بارے میں ہے یعنی یہ مومنوں سے نہیں کہہ رہے بلکہ مومنوں کے باتیں خود کر رہے ہیں آپس میں اور مومنوں کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ اگر یہ ایک کافر دوسرے کو کہتا ہے بھئی اگر یہ ایمان بہتر ہوتا تو یہ تو یہ غریب غرباء ہم سے سبقت نہ کرتے، ہم لوگ ہوشیار ہیں، داناہیں، دولت مند ہیں، ہم کیا کر لیتے؟ پہلے سے اسلام قبول کر لیتے۔ اب صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں یہ جو لام آیا ہے یہ کس معنی میں ہے؟ عَنْ کے معنی میں، اور یہ کس نے بتلایا آپ کو؟ سَبَقُوْنَا کے غائب کے صیغے نے بتلایا، کس نے بتایا؟ غائب کے صیغے نے، کیونکہ اگر یہ مخاطب ہوتے پھر کیا آنا چاہیے تھا؟ سَبَقْتُمُوْنَا کہ تم ہم سے اگر مسلمان سامنے ہوتے تو کہتے بھئی تم ہم سے سبقت نہ کر جاتے، تو یہ انہوں نے کہا نہیں، معلوم ہوا یہ غائب ہیں، صورت سمجھ میں آئی؟

وَبِمَعْنٰی عَنْ، اور کبھی کبھار مولانا لام بمعنی عَنْ کے بھی آتا ہے اِذَا اسْتُعْمِلَ مَعَ الْقَوْلِ جب کہ اس کو استعمال کیا جائے کس کے ساتھ؟ قول کے ساتھ، کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی جیسے اللہ فرماتے ہیں: وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا تھا لِلَّذِیْنَ ان لوگوں کے بارے میں اٰمَنُوْا جو ایمان لائے تھے، لَوْ کَانَ خَیْرًا اگر یہ ایمان بہتر ہوتا مَّا سَبَقُوْنَا اِلَیْہِ تو وہ ہم پر سبقت نہ کر جاتے اس ایمان کی طرف۔

وَفِیْہِ نَظَرٌ، اور اس دلیل کے اندر نظر ہے مولانا، اشکال ہے، یہ فِیْہِ نَظَرٌ کا کلام لایا جاتا ہے مولانا کس کے لیے؟ اشکال کو ذکر کرنے کے لیے، اس کلام میں اشکال ہے بھئی۔ کیا اشکال ہے؟ کہتے ہیں بھئی نہیں، یہ لام اپنے ہی معنی میں ہے، یہ لام کیا ہے؟ اور مخاطب پر ہی داخل ہے، اور مخاطب کون ہے؟ مومنین ہی ہیں، تو کفار مومنین کی ایک جماعت کو کہہ رہے ہیں دوسری جماعت کے بارے میں۔ کفار کس سے بات کر رہے ہیں؟ مومنین سے ہی کر رہے ہیں، اور کس کے بارے میں کر رہے ہیں؟ دوسری جماعت کے بارے میں۔ تو مومنین جو سامنے کھڑے ہیں ان کو کہہ رہے ہیں بھئی کفار کہہ رہے ہیں ان مومنین کو کہہ رہے ہیں کہ اے مومنین، اگر یہ ایمان بہتر ہوتا تو وہ لوگ یعنی وہ جو غریب غرباء ہیں، وہ غریب غرباء مومنین ہیں وہ ہم پر سبقت نہ کر جاتے۔ اب صحیح ہو گیا یا نہیں معنی مولانا؟ کہ مخاطب ایک جماعت اور سَبَقُوْنَا سے مراد دوسری جماعت ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ بھئی یہ دلیل اچھی طرح سب کو سمجھ میں آگئی؟

وَبِمَعْنَی الْوَاوِ، اور کبھی کس معنی میں آتا ہے؟ لام واو کے معنی میں بھی آتا ہے فِی الْقَسَمِ، کس کے اندر؟ قسم کے لیے آتا ہے مولانا، لام قسم کے لیے بھی آتا ہے اور قسم کے لیے آتا ہے واو تو یہ واو کے معنی میں ہوتے ہیں لیکن عام قسم میں نہیں آئے گا لام بھئی بلکہ لِلتَّعَجُّبِ، کس کے لیے آئے گا؟ تعجب کے لیے آئے گا، وہ قسم جو تعجب ہو جس تعجب کے لیے کھائی جائے اس میں کیا آئے گا؟ لام آئے گا، کَقَوْلِ الْھُذَلِیِّ جیسے ہذلی شاعر کہتا ہے، سمجھ میں آیا بھئی؟ شعرٌ: لِلّٰہِ یَبْقٰی عَلَی الْاَیَّامِ ذُوْ حَیَدٍ بِمُشْمَخِرٍّ بِہِ الظَّیَّانُ وَالْاٰسُ

لِلّٰہِ یَبْقٰی، یہ لام قسم کے لیے ہے، قسم ہے اللہ کی، یَبْقٰی اَیْ لَا یَبْقٰی، یہاں لَا محذوف ہے۔ بھئی لَا کو ذکر کرتے تو شعر کا وزن برابر نہیں رہتا تھا

تولَا کو حذف کر دیا اور کوئی مسئلہ پھر بھی نہیں بنتا مولانا اس لیے کہ معنی پھر بھی ظاہر ہے۔لَا کے بغیر معنی ہی خراب ہو جاتا ہے، معلوم ہوا جو بھی شعر کو پڑھے گا اسے خود بخود پتہ چل جائے گا کہ یہاں پر کیا ہے؟لَا محذوف ہے۔قسم ہے خدا کی،لَا یَبْقٰی باقی نہیں رہتا عَلَی الْاَیَّامِ زمانے پر یعنی زمانے میں، زمانے میں کوئی باقی نہیں رہتا، زمانے میں باقی نہیں رہتا ذُوْ حَیَدٍ، حَیَد کہتے ہیں گرہ دار سینگ۔ بھئی آپ نے بارہ سنگھا دیکھا ہے؟ اور اس کے سینگ میں دیکھا ہے گرہیں گرہیں سی پڑی ہوتی ہیں بھئی، ایک سینگ ہے اس سے دوسرا نکل رہا ہے، تیسرا نکل رہا ہے اور بیچ میں کیا ہیں؟ گرہیں پڑی ہوئی ہیں، یا مولانا اسی طرح بعض ہرن ہوتے ہیں ان کے سینگ وہ گھومتے ہوئے اوپر کو جاتے ہیں بھئی تو وہ گرہیں سی درمیان میں پڑی ہوتی ہیں، صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو وہ مراد ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں: ذُوْ حَیَدٍ، تو حَیَد کس کو کہتے ہیں؟ گرہ دار سینگ، ذُوْ حَیَدٍ گرہ دار سینگوں والا، گرہ دار ذُو مال کس کو کہتے ہیں؟ مال والا، تو گرہ دار سینگوں والا باقی نہیں رہتا زمانے میں۔بِمُشْمَخِرٍّ، مُشْمَخِرٌّ بروزنِ مُطْمَئِنٌّ مولانا، مُشْمَخِرٌّ مُطْمَئِنٌّ، اور یہ اونچے پہاڑ کو کہتے ہیں۔ظَیَّان چنبیلی کو کہتے ہیں بھئی، ظَیَّان چنبیلی کو کہتے ہیں، چنبیلی یاسمین۔اس، اس نیازبو کو کہتے ہیں، نیازبو جانتے ہو بھئی؟ خوشبودار پتے ہوتے ہیں جس کے، ریحان، نیازبو۔

تو شاعر کہتا ہے، شاعر کہتا ہے اس زمانے میں کوئی باقی نہیں رہتا تو تعجب کے طور پر قسم اٹھاتا ہے اللہ کی کہ کتنے تعجب کی بات قسم خدا کی، کوئی پہاڑ کی بلند چوٹی ہو اور وہاں پر مولانا کوئی تکلیف بھی نہیں ہو گی، کوئی مصیبت بھی نہیں ہے، سبزہ بھی خوب وافر مقدار میں ہے اور وہاں ہر طرف چنبیلی کے پودے ہوں، ہر طرف نیازبو کے پودے ہوں، ہر طرف مولانا سبزہ ہے، خوشبوئیں بکھری ہوئی ہیں، ان اس سبزے کے اوپر کوئی ہرن بارہ سنگھے وغیرہ رہتے ہیں، کوئی تکلیف دینے والا نہیں لیکن پھر بھی ایک وقت آتا ہے وہ ختم ہو جاتے ہیں۔ دیکھو کوئی تکلیف بھی نہیں، پھر بھی کیا ہے وہ؟ ختم ہو جاتے ہیں، تو شاعر تعجب کا اظہار کر رہا ہے کہ قسم خدا کی زمانے میں کوئی گرہ دار سینگوں والا پہاڑ کی بلند چوٹی پر بھی باقی نہیں رہتا، ایسی پہاڑ کی بلند چوٹی جہاں پر کیا ہوں مولانا؟ چنبیلی اور نیازبو کے پودے ہوں، یعنی ہر چیز کیا ہے؟ فنا ہو جانے والی ہے۔

تو یہ مولانا لَا یہاں محذوف ہے، ذُوْ حَیَدٍ یہ فاعل ہے کس کا فاعل بھئی؟ یَبْقٰی کا، کیا ہے؟ یَبْقٰی کا فاعل۔بِمُشْمَخِرٍّ، مُشْمَخِرٍّ معرفہ ہے، نکرہ ہے مولانا؟ نکرہ ہے، کیا ہے؟ نکرہ، اور بِہِ الظَّیَّانُ وَالْاٰسُ، اَلظَّیَّانُ وَالْاٰسُ، اَلظَّیَّانُ معطوف علیہ ہے وَالْاٰسُ اس پر کیا ہے؟ عطف معطوف ہے، معطوف معطوف علیہ مل کر مبتدائے مؤخر ہے، معطوف معطوف علیہ مل کر اور بِہٖ جار مجرور خبر مقدم ہے، بِہٖ جار مجرور کیا ہے اس کے لیے؟ خبر مقدم ہے۔تو مبتدائے مؤخر اپنے خبر مقدم سے مل کر کیا ہوا؟ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ صفت ہے مُشْمَخِرٍّ کی، یہ صفت ہے کس کی؟ اور یہ بِہٖ کی ھَا ضمیر مُشْمَخِرٍّ کو راجع ہے۔اور مُشْمَخِرٍّ ہے نکرہ، اور آپ نے پڑھا ہے مولانا جملہ کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ معرفہ ہوتا ہے یا نکرہ ہوتا ہے؟ نکرہ ہوتا ہے تو لہٰذا یہ نکرہ کے لیے جملہ کیا بن گیا؟ صفت بن گیا، ترکیب سمجھ میں آئی؟ مُشْمَخِرٍّ کیا ہے؟ نکرہ ہے موصوف، اور بِہٖ کیا ہے؟ خبر مقدم، اور اَلظَّیَّانُ وَالْاٰسُ کیا ہے؟ مبتدائے مؤخر، مبتدائے مؤخر اپنے خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صفت ہوا کس کے لیے؟ مُشْمَخِرٍّ کے لیے۔موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر کس سے متعلق ہو جائیں گے؟ یَبْقٰی سے، کس سے متعلق؟ یَبْقٰی سے۔

ترکیب کچھ سمجھ میں آگئی؟ تو ترجمہ یوں ہو گا موصوف صفت کے ساتھ: ایسے پہاڑ کی بلند چوٹی جس میں چنبیلی اور نیازبو ہوں۔قسم خدا کی، باقی نہیں رہتے زمانے کے اندر گرہ دار سینگوں والے ایسے پہاڑ کی بلند چوٹی میں یا ایسے بلند پہاڑ میں جس کے اندر چنبیلی اور نیازبو ہوں۔

وَرُبَّ، اور حُرُوْفِ جَارَّہ میں سے ایک مولانا رُبَّ ہے، وَھِیَ لِلتَّقْلِیْلِ اور یہ کس لیے آتا ہے؟ تقلیل کے لیے آتا ہے کَمَا اَنَّ کَمِ الْخَبَرِیَّۃَ لِلتَّکْثِیْرِ جیسے کَمْ خبر یہ کس لیے آتا تھا؟ کَمْ خبر یہ پڑھایا نہیں پڑھا آپ نے؟ تکثیر کے لیے آتا تھا: کَمْ رِجَالٍ لَّقِیْتُ، بہت سے آدمیوں سے میں ملا تو وہ تکثیر کا معنی دیتا تھا اور رُبَّ کس کا معنی دیتا ہے؟ تقلیل کا، لیکن یاد رکھو مولانا یہ رُبَّ کا یہ وضع کے اعتبار سے، رُبَّ وضع تو تھا تقلیل کے لیے لیکن اب استعمال تکثیر میں ہوتا ہے۔ جہاں بھی رُبَّ آجائے اس کا کیا معنی کریں گے آپ بھئی؟ تکثیر کا، بہت سے، بہت سے۔ہاں کبھی کبھی اب بھی یہ تقلیل کا معنی ادا کرے گا لیکن تقلیل کے معنی کے لیے کوئی قرینہ چاہیے ہو گا۔ وضع کس کے لیے تھا؟ تقلیل کے لیے، استعمال کس میں ہونے لگا؟ تکثیر میں، اور اب اگر تقلیل میں استعمال ہو گا تو اس کے لیے کیا چاہیے؟ قرینہ چاہیے۔

وَتَسْتَحِقُّ صَدْرَ الْکَلَامِ، اور یہ مولانا کیا چاہتا ہے؟ جی، صدارتِ کلام کا استحقاق رکھتا ہے یعنی مستحق ہوتا ہے، صدارتِ کلام چاہتا ہے اس لیے کہ مولانا یہ اِنْشَاءِ تَقْلِیْل کے لیے آتا ہے یا اِنْشَاءِ تَکْثِیْر کے لیے اب استعمال میں، تو جب یہ اِنْشَاءِ تَقْلِیْل کے لیے یا اِنْشَاءِ تَکْثِیْر کے لیے آتا ہے تو یہ صدارتِ کلام چاہتا ہے تاکہ کلام کی ابتداء سے ہی پتہ چل جائے تقلیل یا تکثیر کا۔

وَلَا تَدْخُلُ اِلَّا عَلٰی نَکِرَۃٍ مَّوْصُوْفَۃٍ، اور یہ داخل نہیں ہوتا مگر کس پر؟ ایسے نکرہ پر مَوْصُوْفَۃٍ جو کیا ہو؟ تو رُبَّ ہمیشہ رُبَّ جر دے گا اور نکرہ

پر داخل ہو گا اور وہ نکرہ بھی ہمیشہ کیا ہو گا؟ یعنی اس کے آگے کیا آئے گی؟ آگے اس کی صفت آجائے گی، جیسے: رُبَّ رَجُلٍ كَرِيْمٍ، تو رَجُلٍ پر رُبَّ داخل ہوا تو رَجُلٍ نکرہ ہے اور اس کے آگے کیا آرہی ہے؟ صفت، رُبَّ رَجُلٍ كَرِيْمٍ لَقِيْتُهٗ، بہت سے سخی آدمیوں سے میری ملاقات ہوئی ہے۔

اَوْ مُضْمَرٍ مُّبْهَمٍ مُّفْرَدٍ مُّذَكَّرٍ اَبَدًا، اور یا کبھی مولانا رُبَّ داخل ہوتا ہے ضمیر پر، ضمیر اور وہ ضمیر کیسی ہوتی ہے؟ مبہم ہوتی ہے، مفرد اور ہمیشہ کیا ہوتی ہے؟ مفرد ہوتی ہے اور ہمیشہ کیا ہوتی ہے؟ مذکر ہوتی ہے، اَبَدًا ہمیشہ۔ تو کبھی یہ مبہم مفرد مذکر ضمیر پر داخل ہوتا ہے جو ہمیشہ مبہم ضمیر پر داخل ہوتا ہے جو ہمیشہ مفرد مذکر رہتی ہے ہو گی، مُمَيَّزٍ تو چونکہ یہ مبہم ہے یہ آگے تمیز چاہتی ہے، مُمَيَّزٍ بِنَكِرَةٍ مَّنْصُوْبَةٍ جس کی تمیز کس کے ساتھ لائی جائے گی؟ نکرہ منصوبہ کے ساتھ، نَحْوُ: رُبَّهٗ، تو دیکھو رُبَّ کس پر داخل ہوا؟ ضمیر، اور یہ ضمیر کون سی ہے؟ مبہم، اور ہمیشہ کیا رہے گی؟ مفرد رہے گی، رُبَّهُمَا رُبَّهُمْ نہیں کہیں گے، اور ہمیشہ کیا رہے گی؟ مذکر رہے گی، رُبَّهَا نہیں کہیں گے، اور اس کی پھر چونکہ مبہم ہے تو آگے کیا چاہے گی؟ تمیز، اور وہ نکرہ منصوبہ آئے گی: رَجُلًا، یہ کیا ہے؟ نکرہ منصوبہ ہے: رُبَّهٗ رَجُلًا۔ تو دیکھو رَجُلًا تمیز ہے، اب چاہے دو ہوں تو رُبَّهٗ رَجُلَيْنِ، چاہے جمع ہو: رُبَّهٗ رِجَالًا، تو یہ نہیں ہم دیکھیں گے کہ تمیز مفرد ہے، تمیز تثنیہ ہے، تمیز جمع ہے، رُبَّ کے ساتھ ضمیر نے ہمیشہ مفرد ہی رہنا ہے، اس نے تثنیہ جمع کے لیے بدلنا نہیں۔ مؤنث کے لیے بھی نہیں بدلے گا: رُبَّهٗ امْرَاَةً، دیکھا، تو امْرَاَةً اگرچہ تمیز آئی لیکن رُبَّهَا ضمیر بدلی نہیں، كَذٰلِكَ اسی طرح۔

وَعِنْدَ الْكُوْفِيِّيْنَ، یہ تو بصرہ والے کہتے تھے اس میں ضمیر میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، کوفہ والے کہتے ہیں نہیں، بدلے گی: مذکر کے لیے مذکر، مؤنث کے لیے مؤنث، مفرد کے لیے مفرد، تثنیہ کے لیے تثنیہ، جمع کے لیے جمع، تو کیا کہیں گے؟ رُبَّهٗ رَجُلًا، رُبَّهُمَا رَجُلَيْنِ، رُبَّهُمْ رِجَالًا اور رُبَّهَا امْرَاَةً۔ وَعِنْدَ الْكُوْفِيِّيْنَ يَجِبُ الْمُطَابَقَةُ اور کوفہ والوں کے نزدیک مطابقت واجب ہے: نَحْوُ رُبَّهُمَا رَجُلَيْنِ وَرُبَّهُمْ رِجَالًا وَرُبَّهَا امْرَاَةً۔

وَقَدْ تَلْحَقُهَا مَا الْكَافَّةُ، اور کبھی کبھار اس کے ساتھ مائے کافہ مل جاتا ہے۔ مائے کافہ، كَفَّ يَكُفُّ کا معنی ہوتا ہے روکنا، یہ مَا بھی چونکہ رُبَّ وغیرہ کو عمل سے روک دیتا ہے اس لیے یہ کیا کہلاتا ہے؟ مائے کافہ کہلاتا ہے۔ تو چونکہ مولانا رُبَّ کے ہم نے کیا شرط لگائی تھی؟ یا یہ نکرہ موصوفہ پر داخل ہو گا یا یہ ضمیر پر داخل ہو گا، لیکن کبھی کبھی مائے کافہ پر داخل ہو جاتا ہے، وہ اس کو عمل سے ہی روک دیتا ہے، جب عمل سے روک دیا اب مولانا یہ جملوں پر بھی داخل ہو گا اور جملہ فعلیہ پر بھی داخل ہو گا اور جملہ اسمیہ پر، اب مولانا مفرد پر داخل ہونا ضروری نہیں۔

وَقَدْ تَلْحَقُهَا مَا الْكَافَّةُ اور کبھی کبھار اس پر اس کے ساتھ مائے کافہ بھی مل جاتا ہے فَتَدْخُلُ عَلَى الْجُمْلَتَيْنِ تو یہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ دو جملوں پر داخل، دونوں جملوں پر یعنی فعلیہ پر بھی اور جیسے رُبَّمَا قَامَ زَيْدٌ، تو دیکھو رُبَّ کے بعد مائے کافہ آیا تو اب یہ قَامَ پر بھی داخل ہو گیا ورنہ تو یہ فعل پر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ وَرُبَّمَا زَيْدٌ قَائِمٌ۔

وَلَا بُدَّ لَهَا مِنْ فِعْلٍ مَّاضٍ، اور اس رُبَّ کے لیے فِعْلِ مَاضِی کا ہونا ضروری ہے، کیوں بھئی فِعْلِ مَاضِی کا ہونا کیوں ضروری ہے رُبَّ کے لیے؟ کہتے ہیں: لِاَنَّ رُبَّ لِلتَّقْلِيْلِ الْمُحَقَّقِ اس لیے کہ رُبَّ ایسی تقلیل کے لیے آتا ہے جو واقع ہو، جو کیا ہو؟ واقع ہو، وَهُوَ لَا يَتَحَقَّقُ اِلَّا بِهٖ اور وہ حاصل نہیں ہوتی مگر ماضی ہی کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ بھئی رُبَّ کس لیے آتا ہے؟ تقلیل کے لیے، اور وہ تقلیل یقینی ہونی چاہیے یا صرف امید ہی اس کی کافی ہے؟ یقینی ہونی چاہیے، اور یقینی بات ماضی میں ہوتی ہے یا مستقبل میں ہوتی ہے؟ ماضی کی بات یقینی ہوتی ہے، مستقبل میں تو غیر یقینی ہوتی ہے کہ پتہ نہیں ہوتی ہے یا نہیں۔

وَلَا بُدَّ لَهَا مِنْ فِعْلٍ مَّاضٍ اور ضروری ہے اس کے لیے فِعْلِ مَاضِی کا ہونا لِاَنَّ رُبَّ لِلتَّقْلِيْلِ الْمُحَقَّقِ اس لیے کہ رُبَّ ایسی تقلیل کے لیے آتا ہے جو واقع ہو چکی ہو، یقینی ہو، وَهُوَ لَا يَتَحَقَّقُ اِلَّا بِهٖ اور وہ حاصل نہیں ہوتی، يَتَحَقَّقُ کا کیا ترجمہ کر رہے ہیں؟ حاصل کر رہے ہیں، اور وہ حاصل نہیں ہوتی یعنی وہ تقلیلِ یقینی، تقلیلِ محققہ کا کیا معنی کیا مولانا؟ تقلیلِ یقینی، وہ تقلیلِ یقینی حاصل نہیں ہوتی اِلَّا بِهٖ، هَا ضمیر فِعْلِ مَاضِی کو راجع ہے، مگر کس کے ساتھ؟ فِعْلِ مَاضِی کے ساتھ۔

وَيُحْذَفُ ذٰلِكَ الْفِعْلُ غَالِبًا، اور اکثر اس فعل کو کیا کر دیا جاتا ہے؟ حذف کر دیا جاتا ہے، كَقَوْلِكَ جیسے آپ کہتے ہیں: رُبَّ رَجُلٍ اَكْرَمَنِيْ فِيْ جَوَابِ مَنْ قَالَ هَلْ لَقِيْتَ مَنْ اَكْرَمَكَ؟ جیسے آپ کہتے ہیں: رُبَّ رَجُلٍ اَكْرَمَنِيْ، بھئی رُبَّ کس پہ داخل ہوا؟ اور نکرہ پر داخل ہو تو ہم نے کیا شرط لگائی تھی؟ اس کی صفت آنی چاہیے، یہاں تو نکرہ کی کوئی صفت نہیں نظر آرہی مجھے؟ کیا کر دی گئی ہے؟ بھئی دیکھو فعل کی بات چھوڑو ابھی، تو وہ بات تو فعل کی چل رہی ہے وہ ابھی میں آگے بتاتا ہوں، مجھے پہلے تو یہ آپ نے پڑھی بات کہ رُبَّ کی تمیز رُبَّ کس پر داخل ہو گا؟ نکرہ پر، اور وہ نکرہ پھر ہمیشہ کیا ہو گا؟

موصوف ہو گا، تو بھئی دیکھ نہیں رہے، رَجُلٍ معرفہ ہے، نکرہ ہے؟ نکرہ ہے، اور آگے اَکْرَمَنِیْ آرہا ہے اور اَکْرَمَنِیْ کیا ہے؟ جملہ ہے، اور جملہ کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ نکرہ، اور کس کے لیے صفت بنتا ہے؟ نکرہ کے لیے، جملہ نکرہ کے لیے صفت بن جاتا ہے تو رَجُلٍ موصوف، اَکْرَمَنِیْ جملہ اس کی صفت۔ ضابطہ بچا ہوا ہے یا ٹوٹ گیا مولانا؟

تو رُبَّ رَجُلٍ اَکْرَمَنِیْ، رُبَّ مولانا جارہ، رَجُلٍ مجرور لفظاً موصوف، اَکْرَمَ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر فاعل جو کس کو راجع؟ رَجُل موصوف کو، سمجھ میں آیا بھئی؟ جملہ فعلیہ ہو کر رجل کے لیے کیا بن جائے گی؟ صفت۔ فِیْ جَوَابِ مَنْ قَالَ، جیسے آپ کہتے ہیں رُبَّ رَجُلٍ اَکْرَمَنِیْ فِیْ جَوَابِ مَنْ اس شخص کے جواب میں قَالَ جس نے کہا تھا: هَلْ لَقِیْتَ مَنْ اَکْرَمَکَ؟ کیا تیری ملاقات ہوئی ہے کسی ایسے آدمی سے جس نے تیرا اکرام کیا ہو؟ هَلْ لَقِیْتَ مَنْ اَکْرَمَکَ؟ کیا تیری ملاقات ہوئی ہے جس نے تیرا کیا کیا ہو؟ اکرام کیا ہو، آپ نے جواب میں کیا کہا؟ رُبَّ رَجُلٍ اَکْرَمَنِیْ، بہت سے ایسے لوگ جنہوں نے میرا اکرام کیا۔ آگے لَقِیْتُہٗ کو حذف کر دیتے ہیں، کیا کر دیتے ہیں؟ تو اصل کلام یوں ہے: رُبَّ رَجُلٍ اَکْرَمَنِیْ لَقِیْتُہٗ، بہت سے ایسے آدمیوں نے جنہوں نے میرا اکرام کیا ہے ان سے میری ملاقات ہوئی ہے ہوئی ہے، سمجھ میں آیا؟ تو اس لَقِیْتُہٗ کو کیوں حذف کیا؟ کیونکہ قرینہ موجود ہے، سوال اس نے پوچھا ہے، سوال میں کیا لقاء کا ذکر آچکا ہے، اس نے کہا تھا هَلْ لَقِیْتَ مَنْ اَکْرَمَکَ؟ کیا کسی ایسے شخص سے تیری ملاقات ہوئی ہے جس نے تیرا اکرام کیا؟ اَیْ رُبَّ رَجُلٍ اَکْرَمَنِیْ لَقِیْتُہٗ، بہت سے ایسے آدمی جنہوں نے میرا اکرام کیا ان سے میری ملاقات ہوئی ہے، فَاَکْرَمَنِیْ صِفَۃُ الرَّجُلِ تو اَکْرَمَنِیْ صفت ہے رجل کی، وَلَقِیْتُہٗ فِعْلُهَا اور لَقِیْتُہٗ رُبَّ کا فعل ہے مولانا تو اس کو ہم نے کیا کر لیا تھا؟ حذف کر دیا تھا، وَهُوَ مَحْذُوْفٌ اور وہ محذوف ہے۔

وَوَاوُ رُبَّ، اور ایک مولانا حروف جارہ میں سے واوِ رُبَّ ہے، وَهِیَ الْوَاوُ الَّتِیْ تُبْتَدَأُ بِهَا فِیْ اَوَّلِ الْکَلَامِ اور یہ وہ واو ہے جس کے جس کے ساتھ ابتداء کی جاتی ہے اولِ کلام کے اندر بھئی، جس کے ساتھ ابتداء کی جاتی ہے کہاں پر؟ اولِ کلام میں مولانا، تو یہ واو بمعنی رُبَّ کے، دو مذاہب ہیں مولانا اس میں: بعض علماء کہتے ہیں یہ واو رُبَّ کے معنی میں ہے خود، تو یہ واو بھی جر دیتا ہے، کیا دیتا ہے؟ جر دیتا ہے، آگے مثال آرہی ہے: کَقَوْلِ الشَّاعِرِ جیسے شاعر کہتا ہے: وَبَلْدَۃٍ، کہ واو نے جر بَلْدَۃٍ کو جر کس نے دیا؟ واو کس معنی میں ہے؟ رُبَّ کے معنی میں، تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ واو خود رُبَّ کے معنی میں ہے، بعض کہتے ہیں نہیں، یہ واو رُبَّ کے معنی میں نہیں، اس واو کے بعد رُبَّ محذوف ہے۔ اس واو کے بعد کون ہے؟ تو جر وہ رُبَّ دے رہا ہے، یہ واو نہیں دے رہا، اور پہلے مذہب والے کیا کہتے تھے؟ یہ واو خود ہی کیا کر رہا ہے؟ جر دے رہا ہے، یہ رُبَّ کے معنی۔

کَقَوْلِ الشَّاعِرِ جیسے شاعر کہتا ہے: وَبَلْدَۃٍ اَیْ رُبَّ بَلْدَۃٍ لَّیْسَ بِهَا اَنِیْسٌ، اَنِیْسٌ کا معنی انس کرنے والا، مانوس شخص، مانوس، اِلَّا الْیَعَافِیْرُ اِلَّا الْیَعَافِیْرُ بھئی، یَعَافِیْرُ جمع ہے یَعْفُوْر کے مولانا، یَعْفُوْر کے، اور وہ ہرن کے بچے کو کہتے ہیں، ہرن کا بچہ یا ہرن کو بھی کہتے ہیں، ہرن کا بچہ۔

عِیْسٌ مولانا، بروزنِ بِیْضٌ، اَبْیَضُ کی مؤنث کیا آتی ہے مولانا؟ بَیْضَاءُ، اور بَیْضَاءُ کی جمع کیا آتی ہے؟ بِیْضٌ آتی ہے۔ اَحْمَرُ کی مؤنث کیا آتی ہے؟ حَمْرَاءُ، اور حَمْرَاءُ کی جمع حُمْرٌ آتی ہے، کیا آتی ہے؟ حُمْرٌ۔ اَحْمَرُ کی مؤنث حَمْرَاءُ اور حَمْرَاءُ کی جمع حُمْرٌ، اسی طرح اَبْیَضُ کی جمع اَبْیَضُ کی مؤنث بَیْضَاءُ اور بَیْضَاءُ کی جمع بِیْضٌ، وہ تھا حُمْرٌ فُعْلٌ، یہ ہے فِعْلٌ، بھئی یہ بھی دراصل فُعْلٌ تھا، یا کی وجہ سے ہم نے کیا دے دیا؟ کسرہ دے دیا، صورت سمجھ میں آئی؟ تو یہ بھی فُعْلٌ ہے۔ یہ تو یہاں بھی مولانا عِیْسٌ جو ہے اَعْیَسُ کی مؤنث آتی ہے عَیْسَاءُ جیسے اَبْیَضُ کی مؤنث بَیْضَاءُ، تو اَعْیَسُ کی مؤنث ہے عَیْسَاءُ اور عَیْسَاءُ کی جمع عِیْسٌ، اور اَعْیَسُ کہتے ہیں مولانا عمدہ اور اعلیٰ اونٹ کو، عمدہ اور اعلیٰ اونٹ۔

شاعر کہتا ہے: بہت سے ایسے شہروں پر ہمارا گزر ہوا جن میں کوئی مانوس چیز ہمیں نہ ملی، انس کرنے والی کوئی چیز نہ ملی سوائے ہرن کے بچوں کے اور عمدہ اونٹنیوں کے۔ عمدہ اور اعلیٰ اونٹنیوں اور ہرن کے بچوں کے علاوہ ان شہروں میں ہمیں اور کوئی انس کرنے والا نہیں ملا، وہ شہر اور بستیاں اجاڑ ہو گئی تھیں، ویران ہو گئی تھیں، تمام انسان وہاں سے کوچ کر گئے تھے، اب ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات باقی ہیں اور جنگل کے اندر ان کھنڈرات کے اندر اب کنہوں نے بسیرا بسایا ہوا ہے؟ ہرنوں نے، اونٹنیوں وغیرہ نے بھئی، سمجھ میں آیا؟ تو شاعر کہتا ہے بہت سے میں ایسے بستیوں پر گزرا کہ جن میں ہمیں کوئی مانوس چیز نہ ملی، کوئی انس کرنے والا انسان دکھائی نہ دیا سوائے ہرن کے بچوں کے اور عمدہ اونٹنیاں۔

وَبَلْدَۃٍ اَیْ رُبَّ بَلْدَۃٍ، بہت سے شہر تھے، لَّیْسَ بِهَا اَنِیْسٌ کہ نہیں تھا ان میں کوئی انس کرنے والا، اِلَّا الْیَعَافِیْرُ مگر کون بھئی؟ ہرن کے بچے، وَاِلَّا الْعِیْسُ اور عمدہ اونٹنیاں۔ تو مقام استشہاد ہے وَبَلْدَۃٍ بھئی، واو رُبَّ کے معنی میں آیا۔

وَوَاوُ الْقَسَمِ، حروف جارہ میں سے ایک واوِ قسم ہے، وَهِیَ تَخْتَصُّ بِالظَّاهِرِ یہ خاص ہے کس کے ساتھ مولانا؟ اسم ظاہر کے ساتھ۔ بھئی قسم کے لیے اَصْلُ الْحُرُوْف قسم کے لیے جو اصل ہے وہ ہے با: بِاللّٰهِ، قسم کے لیے اصل لفظ کیا ہے؟ با۔ کبھی با کی جگہ استعمال ہوتا ہے واو اور کبھی پھر واو کی جگہ

استعمال ہوتی ہے تا۔ اصل کیا ہے قسم کے لیے؟ با، کبھی با کی جگہ کیا استعمال ہوتا ہے؟ واو، اور کبھی واو کی جگہ بھی تا۔ تو دیکھنا جو اصل ہے اس میں سب سے زیادہ وسعت ہوگی، واو کے اندر وسعت کم ہو جائے گی، تا کے اندر وسعت مزید کم ہو جائے گی، تا کے اندر وسعت مزید کم ہو جائے گی۔ یاد رکھو یہ جو باہے یہ اسم ظاہر پر بھی داخل ہو سکتی ہے، اسم ضمیر پر بھی داخل ہو سکتی ہے: بِاللّٰهِ، قسم کھا رہا ہوں مولانا، اور لفظِ اللہ ظاہر ہے یا ضمیر ہے؟ یہ اسم تو یہ اسم ظاہر پر داخل ہوا، سمجھ میں آیا؟ اور یہ ضمیر پر بھی داخل ہو سکتا ہے: بِکَ، یہ کس پر داخل ہوا؟ ضمیر پر۔ تو یہ با قسم کے لیے آتا ہے اور اس صورت میں یہ اسم ظاہر پر بھی داخل ہوتا ہے اور اسم ضمیر پر بھی داخل ہوتا ہے۔

نیز مولانا یہ با استفہام کے لیے بھی آسکتی ہے، استفہام پر بھی داخل ہوگی: بِاللّٰهِ اَخْبِرْنِیْ، بِاللّٰهِ اَخْبِرْنِیْ، یہ با قسمیہ ہے اور آگے کیا ہے مولانا؟ طلبِ اخبار ہے، طلبِ اخبار ہے، تو دیکھا اس کے لیے با آگئی بھئی یا استفہام بنالو مولانا، یہ بھی استفہام، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو با کیا ہے؟ اسم ظاہر کے لیے بھی آئے گی اور اسم ضمیر کے لیے بھی، اور مولانا استفہام کے لیے بھی یہ با قسمیہ۔ نیز اس کے ساتھ اُقْسِمُ فعل کو لفظوں میں لانا بھی جائز ہے، حذف کرنا بھی جائز ہے: اُقْسِمُ بِاللّٰهِ آپ کہہ سکتے ہیں، اور صرف بِاللّٰهِ، اُقْسِمُ کو حذف کر دیں، یہ بھی جائز ہے۔ تو فِعْلِ قَسَم کو اس کے ساتھ لفظوں میں ذکر کرنا بھی جائز اور اس کو حذف کرنا بھی کیونکہ یہ اصل ہے۔

ہاں واو کے اندر کبھی کبھی با کی جگہ کیا لے آتے ہیں مولانا؟ واو لے آتے ہیں، واو کے اندر وسعت گنجائش کم ہو جائے گی۔ با کے بارے میں کیا تھا؟ اسم ظاہر پر بھی داخل ہوگا با اور اسم ضمیر پر، جبکہ واو صرف اسم ظاہر پہ داخل ہوگا، اسم ضمیر پر داخل نہیں ہوگا، وَکَ نہیں کہہ سکتے، وَاللّٰهِ کہہ سکتے ہیں آپ، جی۔ نیز با میں کیا تھا؟ استفہام کے لیے بھی آتی ہے، غیر استفہام کے لیے بھی آتی ہے، لیکن واو صرف غیر استفہام کے لیے آئے گا، استفہام کے لیے کبھی نہیں آئے گا۔ تیسری کہ با کے ساتھ اُقْسِمُ فعل کو ذکر بھی کرنا بھی جائز تھا اور حذف کرنا بھی جائز تھا جبکہ واو کے اندر صرف حذف ہی جائز ہے، اس کو ذکر کرنا، اُقْسِمُ وَاللّٰهِ کہنا جائز، وَاللّٰهِ اَخْبِرْنِیْ کہنا جائز نہیں، صورت سمجھ میں آگئی؟

پھر کبھی واو کی جگہ تا آتی ہے، تا میں اور بھی گنجائش کم ہوگئی۔ واو تو اسم ظاہر کے ساتھ آتا تھا، ہر اسم ظاہر کے ساتھ: وَاللّٰهِ، وَالرَّحْمٰنِ، وَالرَّحِیْمِ، سمجھ میں آیا؟ ہر اسم ظاہر کے ساتھ آرہا ہے واو، لیکن تا صرف لفظِ اللہ کے لیے آئے گی اور کسی اسم ظاہر کے ساتھ بھی نہیں آئے گی، تو اسم ظاہر میں بھی اور گنجائش کم ہوگئی، تا صرف تَاللّٰهِ آپ کہہ سکتے ہیں، تَالرَّحْمٰنِ کہنا صحیح نہیں۔ سمجھ میں آگئی بات سب کو؟ دیکھیے۔

وَوَاوُ الْقَسَمِ اور ایک واوِ قسم ہے حروف جارہ میں سے، وَهِیَ تَخْتَصُّ بِالظَّاهِرِ اور یہ خاص ہے اسم ظاہر کے ساتھ، نَحْوُ: وَاللّٰهِ وَالرَّحْمٰنِ، وَاللّٰهِ اور وَالرَّحْمٰنِ لَاَضْرِبَنَّ، تو دیکھا وَاللّٰهِ لفظِ اللہ پر بھی اسم ظاہر پر داخل ہوا، رحمن پر بھی، فَلَا یُقَالُ یوں نہیں کہا جائے گا: وَکَ، واو اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے، ضمیر پر نہیں۔

وَتَاءُ الْقَسَمِ اور ایک تائے قسم ہے، وَهِیَ تَخْتَصُّ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ اور یہ خاص ہے کس کے ساتھ؟ جی، بھئی تا صرف لفظِ اللہ پہ خاص داخل ہوگی اور کسی پر داخل نہیں۔ واو تو جو بھی اسم ظاہر ہو اس پہ واو آسکتا تھا لیکن اسم ظاہر میں سے تا صرف کس پر آئے گی؟ لفظِ اللہ، وَهِیَ تَخْتَصُّ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ، تَخْتَصُّ بھی پڑھ سکتے ہیں تُخْتَصُّ بھی، لفظِ اللہ کے ساتھ، فَلَا یُقَالُ تَالرَّحْمٰنِ لہٰذا یہ یوں نہیں کہا جائے گا تَالرَّحْمٰنِ، تَالرَّحْمٰنِ کہنا جائز نہیں بلکہ صرف کیا کہنا جائز؟ تَاللّٰهِ۔ وَقَوْلُهُمْ تَرَبِّ الْكَعْبَةِ شَاذٌّ، بھئی بعض عربوں کے قول میں آپ نے تو کہا یہ لفظِ اللہ کے علاوہ اور کہیں داخل نہیں ہوتی، ہم نے بعض اشعار میں پڑھا وہاں کیا آیا تَرَبِّ الْكَعْبَةِ، تا کس پہ داخل ہوئی؟ رَبّ پر داخل ہوئی، تو جواب یہ دیا مصنف نے بتلایا شَاذٌّ، یہ کیا ہے مولانا؟ شاذ ہے یعنی آیا ہے لیکن نادر ہے، کیا ہے؟ نادر ہے، وَالنَّادِرُ كَالْمَعْدُوْمِ، تو ایک جگہ آجائے یا دو جگہ آجائے اس سے ہم ضابطے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

وَبَاءُ الْقَسَمِ اور بائے قسم ہے، وَهِیَ تَدْخُلُ عَلَى الظَّاهِرِ اور یہ داخل ہوتی ہے کس پر مولانا؟ ظاہر پر بھی داخل ہوتی ہے، وَالْمُضْمَرِ اور ضمیر پر بھی داخل ہوتی ہے، نَحْوُ: بِاللّٰهِ وَبِالرَّحْمٰنِ وَبِکَ، ضمیر پر بھی داخل ہوئی۔ اور میں نے دو زائد چیزیں بھی آپ کو بتلائیں اس کے ساتھ بھئی، کون سے دو زائد چیزیں کہ یہ استفہام کے لیے بھی آسکتی ہے اور اس کے ساتھ فعل کو ذکر کرنا بھی جائز۔

وَلَا بُدَّ لِلْقَسَمِ مِنَ الْجَوَابِ، اور قسم کے لیے جواب کا ہونا بھی ضروری ہے، وَهِیَ جُمْلَةٌ بھئی یاد رکھو وَاللّٰهِ یہ تو قسم ہوئی، اس کے لیے کیا چاہیے؟ جوابِ قسم، کس بات پہ قسم آپ اٹھا رہے ہیں اس کو کیا کہتے ہیں؟ جوابِ قسم کہتے ہیں۔ وَلَا بُدَّ لِلْقَسَمِ مِنَ الْجَوَابِ اور ضروری ہے قسم کے لیے جواب کا ہونا، وَهِیَ جُمْلَةٌ اور یہ ایک جملہ ہوتا ہے، تُسَمَّى الْمُقْسَمَ عَلَيْهَا اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُقْسَمٌ عَلَيْهِ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ مُقْسَمٌ عَلَيْهِ

کہتے ہیں۔فَاِنْ کَانَتْ مُوْجَبَۃً، اگر یہ کیا ہو؟ موجب ہو، کیا معنی؟ مثبت کلام ہو، یَجِبُ دُخُوْلُ اللَّامِ فِی الِاسْمِیَّۃِ وَالْفِعْلِیَّۃِ تو واجب ہے کس کو داخل کرنا؟ لام کو داخل کرنا فِی الِاسْمِیَّۃِ وَالْفِعْلِیَّۃِ کس کے اندر؟ جملہ اسمیہ ہو جائے، جملہ فعلیہ ہو، لام کا داخل کرنا جوابِ قسم پر واجب ہے۔ دیکھئے مولانا: وَاللّٰہِ لَزَیْدٌ قَائِمٌ، یہ لام کا لانا واجب کیونکہ جملہ مثبت ہے یا منفی ہے؟ تو لَزَیْدٌ قَائِمٌ جملہ اسمیہ ہے، اس پر لام کا داخل کرنا واجب کیونکہ مثبت ہے۔ وَوَاللّٰہِ لَاَفْعَلَنَّ کَذَا، واللہ میں ایسا ضرور کروں گا، تو یہ دیکھو جملہ فعلیہ ہے تو اس پر بھی اور مثبت ہے لہٰذا اس پر بھی لام کا داخل کرنا واجب ہے۔

وَاِنَّ فِی الِاسْمِیَّۃِ، اسی طرح اِنَّ کا لانا بھی جائز ہے، کس کے اندر؟ جملہ اسمیہ میں اِنَّ بھی لا سکتے ہو لام کے ساتھ ساتھ، جیسے: وَاللّٰہِ اِنَّ زَیْدًا لَقَائِمٌ، تو اِنَّ بھی لے آئے جملہ اسمیہ میں، سمجھ میں آیا بھئی؟ اور لامِ تاکید بھی آگے خبر پر آرہا ہے۔

وَاِنْ کَانَتْ مَنْفِیَّۃً، اور اگر جملہ کون سا ہو مولانا؟ منفی ہو، وَجَبَ دُخُوْلُ مَا وَلَا تو پھر مولانا جوابِ قسم پر مَا یا لَا کا داخل کرنا واجب ہے، جیسے: وَاللّٰہِ مَا زَیْدٌ بِقَائِمٍ، واللہ زید کھڑا نہیں، تو یہ مَا لے کر آئے مولانا، وَوَاللّٰہِ لَا یَقُوْمُ زَیْدٌ، لَا لے کر آئے بھئی۔

وَاعْلَمْ، جان لے، اَنَّہٗ قَدْ یُحْذَفُ حَرْفُ النَّفْیِ کبھی کبھی حرفِ نفی کو کیا کر لیا جاتا ہے؟ حذف کر لیا جاتا ہے لِزَوَالِ اللَّبْسِ التباس دور ہو جانے کی وجہ سے، زائل ہونے۔ بھئی بعض جگہ التباس نہیں رہتا، جب التباس کا خطرہ ہی نہیں ہے تو حرفِ نفی کو حذف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی جیسے مولانا ابھی پیچھے شعر میں نہیں گزرا تھا؟ کیا گزرا تھا؟ لِلّٰہِ یَبْقٰی اور میں نے کیا بتلایا تھا؟ لِلّٰہِ لَا یَبْقٰی، کیونکہ لَا کے بغیر بات بھئی صحیح بنتی تھی؟ بات صحیح نہیں بنتی تھی، آپ وہاں لَا کے بغیر ترجمہ کر کے دیکھیں، بات نہیں بنتی۔ تو کبھی حرفِ نفی کو حذف بھی کر دیا جاتا ہے لِزَوَالِ اللَّبْسِ جب کہ التباس کا خطرہ نہ ہو، کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی جیسے اللہ فرماتے ہیں: تَاللّٰہِ تَفْتَؤُا تَذْکُرُ یُوْسُفَ، تَاللّٰہِ اَیْ لَا تَفْتَؤُا۔ بھئی آپ نے اَفْعَالِ نَاقِصَہ پڑھے یا نہیں پڑھے؟ ان میں ایک مَا فَتِئَ پڑھا یا نہیں پڑھا مولانا؟ یہ وہ مَا فَتِئَ ہے بھئی، مضارع ہوا تو مَا کو بدل دیا لَا سے اور تَفْتَؤُا کون سا صیغہ ہے؟ مخاطب کا صیغہ۔ تَاللّٰہِ قسم ہے خدا کی، لَا تَفْتَؤُا تَذْکُرُ یُوْسُفَ تو ہمیشہ یاد کرتا ہے یوسف علیہ السلام کو، تو ہمیشہ یاد کرتا ہے یوسف علیہ، تو لَا تَفْتَؤُا تھا، لَا تَفْتَؤُا کا کیا معنی بھئی؟ مَا فَتِئَ، مَا بَرِحَ کا کیا معنی تھا؟ ہمیشہ۔ تو لَا تَفْتَؤُا، تو لَا کو حذف کر دیا مولانا کیونکہ التباس کا خطرہ نہیں۔

جی، ترکیب کیسے کریں گے؟ تا قسمیہ جارہ، لفظِ اللہ مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے؟ اُقْسِمُ فعل سے، اُقْسِمُ فعل اَنَا ضمیر اس کے اندر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قسم۔ تَفْتَؤُا تَذْکُرُ یُوْسُفَ، لَا تَفْتَؤُا، لَا محذوف، لَا تَفْتَؤُا فِعْل از اَفْعَالِ نَاقِصَہ، اَنْتَ ضمیر اس کے اندر اس کا اسم، تَذْکُرُ فعل، اَنْتَ ضمیر اس کے اندر فاعل، یُوْسُفَ مفعول، فعل اپنے فاعل اور یُوْسُفَ، اچھا بھئی اس پہ تنوین کیوں نہیں آئی بھئی؟ علم ہے تو کیا ہوا؟ معرفہ ہے تو کیا ہوا؟ غیر منصرف ہے، یوں کہو۔ یہ کیا ہے؟ غیر منصرف ہے، کیا کیا اسباب ہیں غیر انصراف کے اس میں؟ ایک علمیت ہے شاباش، دوسرا عجمہ ہے شاباش، یہ عجمی زبان ہے، سمجھ میں آیا؟ آپ کہیں گے بھئی یہ تو قرآن میں ذکر آرہا ہے، یہ تو عربی ہے، بھئی حضرت یوسف علیہ السلام عربی زبان ابھی بنی بھی نہیں تھی اس سے بھی پہلے کے گزرے ہیں، سمجھ میں آیا؟ اس سے پہلے گزرے ہیں تو اس وقت عربی تھی ہی نہیں تو عربی کہاں سے ہوا یہ نام؟ تو یہ عجمہ ہے اور اس میں علمیت ہے، تو تَذْکُرُ فعل اَنْتَ ضمیر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی کس کے لیے؟ لَا تَفْتَؤُا کے لیے، لَا تَفْتَؤُا اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جوابِ قسم۔

وَیُحْذَفُ جَوَابُ الْقَسَمِ اِنْ تَقَدَّمَ مَا یَدُلُّ عَلَیْہِ، یاد رکھو مولانا کبھی جواب، دیکھو میں کہنا چاہتا ہوں: وَاللّٰہِ لَزَیْدٌ قَائِمٌ، واللہ زید کیا ہے؟ کھڑا ہے۔ تو لَزَیْدٌ قَائِمٌ کو کیا بنائیں گے آپ ترکیب میں؟ جوابِ قسم بھئی، جوابِ قسم بھئی، تو جوابِ قسم۔ کبھی کبھی یہ جوابِ قسم مقدم بھی ہو جاتا ہے، بھئی کس طرح؟ میں کہتا ہوں: زَیْدٌ قَائِمٌ وَّاللّٰہِ، کہتے ہیں یا نہیں کہتے؟ لیکن یاد رکھو جب یہ قسم پر مقدم ہو جائے تو پھر یہ جوابِ قسم نہیں کہلائے گا، اس لیے کیونکہ جوابِ قسم کبھی قسم پر مقدم نہیں ہو سکتا، جیسے مولانا جزا شرط پر کبھی مقدم نہیں ہو سکتی، تو کبھی جزا مقدم نظر آتی ہے لفظوں میں تو اس کو دَالٌّ بِالْجَزَاء کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ دَالٌّ بِالْجَزَاء یعنی جزا پر وہ دلالت کر رہا ہے، جزا نہیں۔ تو یہاں بھی اگر مولانا میں کہتا ہوں: زَیْدٌ قَائِمٌ وَّاللّٰہِ، تو یہ کیا ہے؟ دَالٌّ بِالْجَوَاب، دَالٌّ بِالْجَوَاب مولانا، دَالٌّ بِالْجَوَابِ الْقَسَم۔ تو سمجھ میں آیا بھئی؟ تو چونکہ اور پھر اس صورت میں جوابِ قسم کو حذف کرنا واجب کیونکہ یوں کیا کہا میں نے: زَیْدٌ قَائِمٌ وَّاللّٰہِ، پھر دوبارہ کہوں لَزَیْدٌ قَائِمٌ، یہ تو تکرار ہو گا مولانا، جب ایک چیز اس پر پہلے دلالت کر رہی ہے تو اس کو دوبارہ لانے کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا جب وہ پہلے ذکر ہو جائے تو پھر وہ دَالٌّ بِجَوَابِ قَسَم کہلائے گا اور اب جوابِ قسم کو کیا کر دیں گے ہم؟ حذف کر دیں گے۔

وَیُحْذَفُ جَوَابُ الْقَسَمِ، اور حذف کیا جائے گا جوابِ قسم کو اِنْ تَقَدَّمَ اگر گزر جائے پہلے، مقدم ہو جائے مَا وہ چیز یَدُلُّ عَلَیْہِ جو اس پر کیا کر رہی ہے؟ دلالت کر رہی ہے، نَحْوُ: زَیْدٌ قَائِمٌ وَّاللّٰہِ، زَیْدٌ تو دیکھو مولانا یہ زَیْدٌ قَائِمٌ دَالٌّ عَلٰی جَوَابِ الْقَسَم ہے۔ جوابِ قسم پر دلالت کر رہا

ہے، یہ جوابِ قسم نہیں کیونکہ اگر یہ جوابِ قسم ہوتا تو جوابِ قسم میں تو ہم نے کہا تھا جملہ مثبت ہو تو اس پر کیا داخل کرنا واجب ہے؟ لام، اور اس پر لام آیا؟ نہیں، تو اگر یہ جوابِ قسم ہوتا پھر تو لام کا لانا واجب تھا، معلوم ہوا یہ جوابِ قسم نہیں بلکہ جوابِ قسم کیا ہے؟ محذوف اور یہ اس پر کیا کر رہا ہے؟ دلالت کر رہا ہے۔

تو اگر وہ مقدم ہو جائے پھر بھی قسم جواب کو حذف کر دیں گے، اَوْ تَوَسَّطَ الْقَسَمُ یا قسم کہاں پر آجائے مولانا؟ درمیان میں آجائے پھر بھی مولانا حذف کریں گے، نَحْوُ: زَيْدٌ وَاللّٰهِ قَائِمٌ، تو دیکھو زَيْدٌ قَائِمٌ کے درمیان میں وَاللّٰهِ آیا تو اب بھی یہ مولانا دَالٌّ بِالْجَزَاء ہے مولانا اور جوابِ قسم کیا ہے؟ دَالٌّ بَرْ جَوَابِ قَسَم ہے اور جوابِ قسم خود کیا ہے مولانا؟ محذوف ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے سب کو بھئی؟

وَعَنْ لِلْمُجَاوَزَةِ، اور عَنْ کس لیے آتا ہے بھئی؟ مجاوزت کے لیے یعنی ایک چیز دوسری سے دور ہو جائے، ایک چیز دوسری سے دور ہو جائے۔ دیکھیے مولانا، رَمَيْتُ جیسے کہہ رہے ہیں: نَحْوُ رَمَيْتُ السَّهْمَ عَنِ الْقَوْسِ اِلَى الصَّيْدِ، میں نے سہم کہتے ہیں تیر کو، میں نے تیر پھینکا عَنِ الْقَوْسِ کہاں سے؟ تیر میں نے پھینکا، میں نے تیر پھینکا عَنِ الْقَوْسِ کمان سے اِلَى الصَّيْدِ کس کی طرف؟ شکار کی طرف، تو جب آپ نے پھینکا تو تیر کیا ہوا؟ دور ہوا، سمجھ میں آیا؟

وَعَلٰى لِلِاسْتِعْلَاءِ، اور عَلٰى کس لیے آتا ہے؟ استعلاء، ایک چیز دوسری چیز کے اوپر بلند ہے یہ بتلانے کے لیے: زَيْدٌ عَلَى السَّطْحِ، کیا معنی؟ زید چھت پر ہے، تو بلند کون ہوا؟ زید، اور کس پر ہوا؟ چھت پر، تو یہ کس کا اس کا یہ معنی کس نے ادا کیا؟ عَلٰى نے۔ وَعَلٰى لِلِاسْتِعْلَاءِ اور عَلٰى استعلاء کے لیے آتا ہے، نَحْوُ زَيْدٌ عَلَى السَّطْحِ زید چھت پر ہے۔

وَقَدْ يَكُوْنُ عَنْ وَعَلٰى اِسْمَيْنِ اِذَا دَخَلَ عَلَيْهِمَا مِنْ، اور کبھی کبھار عَنْ اور عَلٰى، وَقَدْ يَكُوْنُ عَنْ وَعَلٰى کبھی عَنْ اور عَلٰى جو ہیں اِسْمَيْنِ وہ کیا ہوتے ہیں؟ دو اسم ہوتے ہیں اِذَا دَخَلَ عَلَيْهِمَا مِنْ جب ان پر مِنْ داخل ہو جائے، جب ان پر کیا داخل ہو جائے؟ مِنْ داخل ہو جائے، كَمَا تَقُوْلُ جیسے کہ آپ کہتے ہیں: جَلَسْتُ مِنْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ، میں اس کی دائیں جانب بیٹھ گیا۔ جَلَسْتُ مِنْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ، بھئی یہ مِنْ کس پہ داخل ہو رہا ہے؟ عَنْ، اور عَنْ تو حرفِ جر ہے اور مِنْ داخل ہو رہا ہے عَنْ پر اور حالانکہ حرفِ جر تو ہمیشہ کس پہ داخل ہوتا ہے؟ اسم پہ داخل ہوتا ہے، معلوم ہوا یہ عَنْ جو یہاں آیا یہ اس وقت حرفِ جر نہیں ہے بلکہ یہ کیا ہے؟ اسم ہے اور یہ بمعنی جانب کے ہے، اَیْ مِنْ جَانِبِ يَمِيْنِهٖ، جَلَسْتُ مِنْ جَانِبِ يَمِيْنِهٖ۔ تو کیسے آپ کو پتہ چلا یہ عَنْ بمعنی جانب کے ہے؟ اس پر کیا داخل ہو رہا ہے؟ مِنْ، اس نے بتلایا کہ یہ عَنْ حرفِ جر نہیں ہے اس وقت، یہ اسم ہے کس معنی میں؟ جانب کے معنی میں۔ جَلَسْتُ مِنْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ نیچے لکھا بھی ہوا ہے: اَیْ عَنْ جَانِبِ، میں اس کی دائیں جانب۔ وَنَزَلْتُ مِنْ عَلَى الْفَرَسِ، دیکھو عَلٰى پر کیا داخل ہوا؟ مِنْ، اور مِنْ تو کیا ہے؟ حرفِ جر، اور حرفِ جر تو کس پہ داخل ہوتا ہے؟ اسم پر، اور یہ تو یہاں کس پہ داخل ہو رہا ہے؟ عَلٰى پر، معلوم ہوا یہ عَلٰى حرفِ جر یہاں پر نہیں بلکہ کیا ہے؟ اسم ہے اور بمعنی فَوْق کے ہے، اَیْ نیچے لکھا ہوا ہے: اَیْ نَزَلْتُ مِنْ فَوْقِ الْفَرَسِ، میں گھوڑے کے اوپر سے اترا، میں گھوڑے پر سے اترا۔ تو آپ کو کیسے پتہ چلا یہ عَلٰى اسم ہے مولانا بمعنی فَوْق کے؟ اس پر مِنْ داخل، تو سمجھ میں آیا؟ تو یہ عجیب بات آج آپ نے پڑھی کہ کبھی کبھار مولانا عَنْ کس معنی میں ہوتا ہے؟ جانب کے معنی میں، اسم ہوتا ہے، اور کبھی عَلٰى کس معنی میں ہوتا ہے؟ فَوْق کے معنی میں ہوتا ہے اور اسم ہوتا ہے۔ ہاں مضاف مضاف الیہ۔

وَالْكَافُ لِلتَّشْبِيْهِ، اور کاف کس لیے آئے گا مولانا؟ تشبیہ کے لیے آئے گا، نَحْوُ: زَيْدٌ كَعَمْرٍو، زید کس کی طرح ہے؟ زید عمرو جیسا ہے، تو یہ تشبیہ کا معنی کس نے ادا کیا؟ کاف نے، نَحْوُ زَيْدٌ كَعَمْرٍو۔

وَزَائِدَةٌ، اور کاف کیا آتا ہے کبھی کبھار مولانا؟ زائدہ بھی آتا ہے، كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى جیسے اللہ کیا فرماتے ہیں؟ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى جیسے اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ، اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں۔ تو یہاں دیکھو ایک مِثْل آرہا ہے اور کاف بھی کس لیے آتا ہے؟ تشبیہ اور مثلیت بیان کرنے کے لیے آتا ہے، تو معلوم ہوا یہ کاف کیا ہے؟ زائدہ ہے اس لیے کہ کاف بھی مثل کے معنی میں ہوتا ہے، تو اگر اب اگر اس کاف کو ہم زائدہ نہ بنائیں تو معنی خراب ہوتا ہے، کیا معنی ہوتا ہے؟ اللہ کے مثل کا مثل نہیں، معلوم ہوا اللہ کا تو مثل ہے اور اللہ کے مثل کا مثل نہیں، یہ تو معنی خراب ہو گیا کیونکہ مقصد تو کیا بتلانا ہے کہ اللہ کا کوئی مثل ہی نہیں، تو یہ کاف زائدہ ہے، سمجھ میں آیا؟ تو کاف کبھی زائدہ بھی آتا ہے اور زائدہ آپ نے پڑھا ہے کسی سے متعلق نہیں ہوتا۔

اچھا یہ تو ایک، اور دوسری تقریب بھی میں نے پہلے بھی شاید کی تھی کہ یہ کاف جو ہے زائدہ نہیں، یہ کیا ہے؟ مثل کے معنی میں ہے اور کلام بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ کلام کنایۃً ہے، کیا ہے؟ کنایۃً۔ اور ایک ہوتا ہے کنایہ اور ایک ہوتا ہے صراحۃً کلام بھئی، وَالْكِنَايَةُ اَبْلَغُ مِنَ الصَّرَاحَةِ، مِنَ التَّصْرِيْحِ، کنایہ کیا ہوتا ہے؟ تصریح سے زیادہ افضل ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ افضل اور اعلیٰ ہوتا ہے، اس لیے کہ تصریح کے اندر دعویٰ تو ہوتا ہے، دلیل نہیں ہوتی اور

کنائے کے اندر دعوے کے ساتھ ساتھ دلیل بھی ذکر ہوتی ہے، کنائے میں دعوے کے ساتھ ساتھ کیا ذکر ہوتی ہے؟ دلیل بھی ذکر ہوتی ہے۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں: زید لمبے قد والا ہے، میں یہ کہنا چاہتا ہوں، ایک سیدھا سیدھا میں کہتا ہوں: زید لمبے قد والا ہے، یہ صراحت سے تصریح ہے، یہ کیا ہے؟ میں نے صراحۃً کہہ دیا، اور یہ گویا ایک دعویٰ ہو گیا، ساتھ دلیل ہے کوئی؟ کوئی دلیل نہیں۔ جبکہ ایک کنایہ کہتا ہے کنایہ، میں کہتا ہوں: زید کی حمائل لمبی ہے، حمائل کہتے ہیں وہ چمڑا جس سے تلوار لٹکائی جائے مولانا، تو میں نے کیا کہا: زید کی حمائل لمبی ہے، یہ کنایہ ہے اور مراد کیا ہے؟ زید لمبا ہے، لمبے قد والا ہے، لیکن میں نے صراحۃً کہا یا کنایۃً کہا؟ تو وہی معنی میں نے ادا کیا لیکن کنائے کے ساتھ، میں نے کہا: زید کی حمائل لمبی ہے، کیا معنی؟ زید لمبے قد والا ہے۔ تو اب یہ دعویٰ بھی آ گیا، دلیل بھی ساتھ آ گئی۔ دعویٰ کیا؟ زید لمبے قد والا ہے، دلیل کیا؟ اس کی حمائل لمبی ہے، یہ دلیل ہے، لمبے قد والا ہو گا تو حمائل لمبی ہو گی، لمبے قد والا نہیں تو حمائل بھی لمبی تو دیکھو ایک کنایہ ہوتا ہے، ایک کیا ہوتا ہے؟ تصریح ہوتی ہے، اور کون کون زیادہ افضل ہے؟ کنایہ افضل ہے بھئی، اَلْكِنَايَةُ اَبْلَغُ مِنَ التَّصْرِيْحِ بھئی، کیونکہ کنائے میں کیا ہوتا ہے؟ دعویٰ مع الدلیل کے ہوتا ہے، سمجھ میں آئی؟

تو یہاں بھی اسی طرح ہے، بعض علماء کہتے ہیں یہ کنائے پر مبنی ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ، اللہ کے مثل کا مثل کوئی نہیں۔ دعویٰ ہے اللہ کا مثل کوئی نہیں اور کنایۃً کیا کہا گیا؟ اللہ کا، اللہ کے مثل کا مثل کوئی نہیں۔ کیسے؟ دعویٰ کیا ہے؟ اللہ کا مثل نہیں، اور کنایہ کہا کیا گیا؟ اللہ کے مثل کا مثل تو یہ کنایہ کیوں لایا گیا تاکہ دلیل بھی ساتھ آ جائے، تاکہ کیا آ جائے؟ بات وہی ہے لیکن ذرا اس کو حسین رنگ دیا گیا مولانا، نہایت حسین، بلیغ، فصیح کلام استعمال کیا گیا، کس طرح؟ دیکھو میں کہتا ہوں: زید کا بھائی نہیں، زید کا یہ صراحۃً ہے، اور ایک میں کنایۃً کہتا ہوں: زید کے بھائی کا بھائی نہیں۔ کیا کہتا ہوں؟ معنی اس کا بھی وہی ہے زید کا بھائی نہیں، تو ایک تھا صراحۃً زید کا بھائی نہیں اور ایک کیا ہے؟ زید کے بھائی کا بھائی کس طرح بھئی؟ دیکھو یہ زید ہے، یہ کون ہے؟ یہ اس کا بھائی ہے، تو اگر زید کا بھائی ہو یہ، تو اس کا بھی بھائی ہو گا یا نہیں ہو گا؟ کون ہو گا؟ زید خود۔ تو جب میں کہہ رہا ہوں زید کے بھائی کا بھائی نہیں، معلوم ہوا زید کا کوئی بھائی کیونکہ اگر زید کا بھائی ہوتا تو اس کے بھائی کا بھی کون ہوتا؟ بھائی ہوتا بھئی۔ تو یہاں بھی کیا کہا گیا؟ اللہ کا مثل نہیں، اور کس انداز میں کہا گیا؟ اللہ کے مثل کا مثل نہیں، تو اللہ کے مثل کا مثل نہیں، معلوم ہوا اللہ کا بھی کوئی مثل نہیں کیونکہ اگر اللہ کا مثل ہوتا تو اس مثل کا بھی کیا ہوتا؟ مثل ہوتا جو کہ ذاتِ باری تعالیٰ خود ہوتے بھئی۔ تو دعویٰ بھی آ گیا اور دلیل بھی آ گئی، دعویٰ کیا؟ اللہ کا مثل نہیں، دلیل کیا؟ کہ اللہ کے مثل کا مثل نہیں۔ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى جیسے اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ، اللہ کے مثل کوئی نہیں چیز۔

وَقَدْ تَكُوْنُ اسْمًا كَقَوْلِ الشَّاعِرِ، اور کبھی کبھار یہ اسم بھی ہوتا ہے، کاف کیا ہوتا ہے مولانا؟ اسم ہوتا ہے، كَقَوْلِ الشَّاعِرِ جیسے شاعر کہتا ہے:

يَضْحَكْنَ عَنْ كَالْبَرَدِ الْمُنْهَمِّ

يَضْحَكْنَ عَنْ كَالْبَرَدِ الْمُنْهَمِّ، يَضْحَكْنَ جمع مؤنث کا صیغہ ہے، وہ عورتیں ہنستی ہیں، عَنْ عَنْ داخل ہو رہا ہے کس پر مولانا؟ کاف پر، کیا؟ کاف پر۔ یہ دلیل ہے اور عَنْ تو کیا ہے؟ حرفِ جر، اور حرفِ جر کس پر داخل ہوتا ہے؟ اسم پر، معلوم ہوا یہ کاف یہاں پر کیا ہے؟ اسم ہے، جیسے مولانا عَنْ پر کیا داخل ہوا تھا؟ مِنْ، عَلٰى پر کیا داخل ہوا تھا؟ مِنْ، تو عَنْ کس کے معنی میں تھا؟ جانب کے معنی میں، اور عَلٰى کس کے معنی میں تھا؟ فَوْق کے معنی میں، تو یہاں پر بھی عَنْ داخل ہو رہا ہے کس پر؟ کاف پر، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ کاف حرفِ جر نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ اسم ہے اور کس معنی میں ہے؟ مِثْل کے معنی میں، کس معنی میں؟ مِثل کے معنی۔ يَضْحَكْنَ وہ ہنستی ہیں عَنْ مِّثْلِ الْبَرَدِ الْمُنْهَمِّ ایسے دانتوں کے ساتھ كَالْبَرَدِ جو اولوں کی طرح ہیں، اَلْمُنْهَمِّ ایسے اولے جو پگھلنے والے ہوں۔ یہ تشبیہ دی ہے مولانا، کس میں؟ سفیدی اور چمک دمک کے اندر ان کے دانت کس کی طرح ہیں؟ اولوں کی طرح ہیں۔

وَمُذْ وَمُنْذُ لِلزَّمَانِ، اور مُذْ اور مُنْذُ کس لیے آتے ہیں؟ زمانے کے لیے۔ بھئی آپ نے ظروف کے اندر بھی مُذْ اور مُنْذُ پڑھے تھے اور آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ مُذْ اور مُنْذُ کبھی جارہ بھی آتے ہیں اور کبھی ظرف، اور اس وقت وہ کیا بنتے ہیں؟ مبتدا بنتے ہیں، کیا بنتے ہیں؟ مبتدا، اور ان کے مابعد کیا ہوتی ہے؟ خبر، تو لہٰذا ان کے مابعد مرفوع ہوا کرتا ہے، اور یہ جب جارہ آئیں گے تو لازمی بات ہے جر دیں گے تو ان کا مابعد ہمیشہ کیا ہو گا؟ مجرور ہو گا۔

وَمُذْ وَمُنْذُ لِلزَّمَانِ اور مُذْ اور مُنْذُ زمانے کے لیے آتے ہیں، اِمَّا لِلِابْتِدَاءِ یا تو یہ ابتداء کے لیے زمانے کی ابتداء بیان کریں گے فِي الْمَاضِي کس میں؟ زمانہ ماضی کے اندر، كَمَا تَقُوْلُ فِيْ شَعْبَانَ جیسے کہ آپ شعبان کے مہینے میں کسی سے کہتے ہیں: مَا رَاَيْتُهٗ مُذْ رَجَبٍ، میں نے اس کو رجب سے دیکھا ہی تو دیکھو یہ کسی چیز کی زمانے کی ابتداء آپ کو اس کو بتلا رہے ہیں کہ میرے نہ دیکھنے کی ابتداء کب سے ہوئی ہے؟ رجب سے ہوئی ہے۔ اَوْ لِلظَّرْفِيَّةِ فِي الْحَاضِرِ، یا یہ مُذْ اور مُنْذُ کس لیے آتے ہیں مولانا؟ ظرفیت کے لیے آتے ہیں فِي الْحَاضِرِ زمانہ حاضر کے اندر، نَحْوُ: مَا رَاَيْتُهٗ مُذْ شَهْرِنَا، میں نے نہیں دیکھا اس کو اپنے مہینے سے یعنی اس مہینے سے جس میں میں ہوں، میں نے اس کو اس مہینے سے نہیں دیکھا، وَمُنْذُ يَوْمِنَا یعنی اَيْ فِيْ شَهْرِنَا

وَفِیْ یَوْمِنَا، اپنے دن میں اور اپنے مہینے میں۔ کیا مراد ہے اپنے مہینے اور اپنے دن میں؟ جس میں ہم موجود ہیں، جس میں جو ابھی چل رہا ہے، تو میں نے اس کو اپنے دن میں یعنی آج سے نہیں دیکھا، میں نے اج سارے دن سے نہیں دیکھا۔

وَخَلَا وَعَدَا وَحَاشَا لِلِاسْتِثْنَاءِ، خَلَا، عَدَا اور حَاشَا کس لیے آتے ہیں مولانا؟ استثناء کے لیے آتے ہیں، جیسے آپ کیا نَحْوُ: جَاءَنِی الْقَوْمُ خَلَا زَیْدٍ، میرے پاس آئی ایسی قوم جو خالی تھی کس سے؟ زید سے یعنی زید کے علاوہ باقی سارے آئے، وَحَاشَا عَمْرٍو ایسی قوم آئی جو عمرو سے خالی تھی یعنی عمرو نہیں تھا، وَعَدَا بَکْرٍ ایسی قوم آئی جس میں بکر نہیں تھا یعنی بکر کے علاوہ آئے سارے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ یاد رکھو یہ خَلَا، عَدَا، حَاشَا کبھی فعل بھی آتے ہیں اور کبھی جارہ، جارہ آئے تو دیکھو مابعد کو جر دیا اور جب فعل آئیں گے تو مابعد کو نصب دیں گے، کیا دیں گے؟ نصب۔ تو خَلَا اور عَدَا اگر یہ جملے کے شروع میں آجائیں، کس کے شروع میں آجائیں؟ یا ان کے شروع اس سے پہلے مَا آجائے: مَا خَلَا، مَا عَدَا تو پھر اس صورت میں یہ ہمیشہ نصب دیں گے۔ خَلَا اور عَدَا مولانا کیا آتے ہیں؟ جارہ بھی آتے ہیں اور فعل بھی آتے ہیں اور ان کے شروع خصوصاً اگر یہ جملے کے ابتداء میں آجائیں اور ان سے پہلے کیا آجائے؟ مَا آجائے تو پھر یہ کیا ہوں گے؟ فعل ہوں گے اور مابعد کو کیا دیں گے؟ نصب دیں گے۔

چلیے جی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْکَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۰۱: فصل الحروف المشبہۃ بالفعل: إنّ وأخواتھا کے معانی، عمل اور «مَاکافہ» کے احکام

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۰۷—بتاریخ: ۲۲ اگست ۲۰۱۶ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

کل کے سبق میں مولانا ہم نے پڑھا تھا کہ بصرہ والے نحوی کہتے ہیں کہ مِنْ زائدہ کلامِ موجب میں نہیں آتا بلکہ صرف کس میں آتا ہے؟ کلامِ غیر موجب میں آتا ہے۔ جبکہ کوفہ والے نحوی کہتے ہیں کہ کلامِ موجب کے اندر بھی مِنْ زائدہ آتا ہے اور دلیل کے طور پر وہ کلامِ عرب اور قرآن کی بعض آیات ذکر کرتے ہیں۔ جیسے ایک آیت کیا ذکر ہوئی تھی کل؟ کہ قرآن میں آتا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾، اللہ تمام گناہوں کو بخش دیں گے۔ تمام گناہوں کو بخشنے والے ہیں، اور دوسری جگہ آتا ہے: ﴿يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ﴾، اور یہ «مِنْ» کیا ہے؟ زائدہ ماننا پڑے گا، اگر زائدہ نہ مانیں تو پھر یہ «مِنْ» تبعیضیہ بنے گا اور معنیٰ یہ بنے گا کہ بعض گناہوں کو معاف کریں گے۔ تو دونوں آیتوں میں تعارض لازم آئے گا۔ ایک آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام گناہوں کو بخش دیں گے اور دوسری سے کیا ہے؟ بعض کو بخش دیں گے جس کو چاہیں گے۔ تو دونوں میں تعارض آیا، لہٰذا اس تعارض کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک «مِنْ» کو کیا مانا جائے؟ زائد مانا جائے۔ اور اسی طرح عرب کا قول ہے: «قَدْ كَانَ مِنْ مَطَرٍ»، تو یہاں دیکھو یہ «مِنْ» آیا اور یہ دونوں جگہ کلامِ موجب ہے، معلوم ہوا کلامِ موجب میں بھی مِنْ زائدہ آتا ہے۔

جواب دیا تھا مولانا بصرہ کے نحوی جواب میں کیا کہتے ہیں کہ دراصل آیتوں کا محل الگ الگ ہے مولانا۔ ایک آیت ہے امتِ محمدیہ کے بارے میں، جس میں تمام گناہوں کی بخشش کا ذکر ہے، اور دوسری آیت ذکر ہے امتِ نوح علیہ السلام کے لیے، اور اس میں بعض گناہوں کے معاف کرنے کا ذکر ہے۔ تو کوئی تعارض نہیں، نوح علیہ السلام کی امت سے یہ وعدہ کیا کہ اگر اللہ چاہیں تو تمہارے بعض گناہوں کو بخش دیں، اور امتِ محمدیہ کے بارے میں اللہ یہ امتِ محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ ان کے افراد کے اللہ چاہیں گے تو جس کے چاہیں گے سارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے، سمجھ میں آیا؟ اور سزا نہیں دیں گے۔ اور جبکہ «قَدْ كَانَ مِنْ مَطَرٍ» کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ «مِنْ» بھی جو ہے زائدہ نہیں ہے، بلکہ یہ کیا ہے؟ تبعیض کے لیے ہے، أَيْ: «قَدْ كَانَ بَعْضُ مَطَرٍ»، یا یہ «مِنْ» کون سا ہے؟ بیان کے لیے ہے مولانا، أَيْ: «قَدْ كَانَ شَيْءٌ مِنْ مَطَرٍ»، تو یہ «مِنْ» نے بیان کیا شَيْءٌ کا۔ اور یا مولانا یہ حکایت پر مبنی ہے، سوال کے اندر مِنْ زائدہ آیا تھا، اور استفہام تو کیا ہے؟ کلامِ غیر موجب ہے۔ سوال کیا تھا؟ «هَلْ كَانَ مِنْ مَطَرٍ؟»، کیا بارش ہوئی تھی؟ تو وہاں استفہام ہے، کلامِ غیر موجب ہے، اس میں مِنْ زائدہ آیا، اور کلامِ غیر موجب میں مِنْ زائدہ آتا ہی رہتا ہے۔ تو جب سوال میں آیا تھا تو جواب کو اس کے مطابق کرنے کے لیے اس میں بھی «مِنْ» کو کیا کر دیا گیا؟ زائدہ ذکر کر دیا گیا۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ کلامِ موجب میں آتا رہتا ہے، بلکہ صرف یہاں پر آیا جواب کو کس کے مطابق کرنے کے لیے؟ سوال کے مطابق کرنے کے لیے۔ تو ان میں تاویل کی جاتی ہے۔

اور اس کے بعد «إِلَى» بتلایا، «إِلَى» اور «حَتَّى» کے بارے میں بتلایا کہ «إِلَى» بھی غایتِ انتہائے غایت انتہائے مسافت کے لیے آتا ہے، اسی طرح «حَتَّى» بھی کس لیے آتا ہے؟ انتہائے مسافت کے لیے آتا ہے۔ انتہائے غایت۔ اور لیکن فرق یہ مولانا کہ «إِلَى» بمعنیٰ «مَعَ» کے آتا ہے اور قلیل آتا ہے، جبکہ «حَتَّى» «مَعَ» کے معنیٰ میں کثیر آتا ہے۔ نیز «إِلَى» جو ہے اسمِ ظاہر پر بھی داخل ہوتا ہے، اسمِ ضمیر پر بھی، جبکہ «حَتَّى» صرف اسمِ ظاہر پر داخل ہوتا ہے، اسمِ ضمیر پر داخل نہیں ہوتا، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ داخل امام مبرد فرماتے ہیں کہ یہ اسمِ ضمیر پر بھی داخل ہوتا ہے، تو اس کا جواب دیا تھا کہ یہ جو بعض اشعار میں آیا ہے یہ شاذ ہے مولانا، قلیل ہے، بے انتہا قلیل ہے۔

اور اس کے بعد «فِي» کے بارے میں پڑھا تھا: «فِي» ظرفیت کے لیے آتی ہے کہ مابعد ما قبل کے لیے ظرف ہوتا ہے، جیسے «زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، اور کبھی کبھی یہ بمعنیٰ «عَلَى» کے بھی آتی ہے، جیسے ﴿لَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ﴾، تو یہاں پر کیا ہے؟ «عَلَى» کے معنیٰ میں ہے۔ اور اس کے بعد «بَاء» آئی تھی، باء سب سے زیادہ کثیر الاستعمال ہے عربی کے اندر، اور یہ بہت سے معانی کے لیے آتی ہے جن میں سے چند معنیٰ انہوں نے ذکر کیے۔ بتلایا تھا کہ یہ باء الصاق کے لیے آتی ہے، ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانے کے لیے، جیسے «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»، یعنی میرا گزر نا مل گیا کس کے ساتھ؟ زید، یعنی زید کے پاس سے گزرا میں۔ اور کبھی استعانت کے لیے آتی ہے باء، کبھی علت بتلانے کے لیے آتی ہے، سبب بتلاتی ہے ما قبل کا، اور کبھی مصاحبت کے لیے آتی ہے، اور کبھی کبھار مقابلے کے لیے آتی ہے، یعنی ایک چیز دوسری کے مقابلے میں ہے، بدلے میں ہے، جیسے «بِعْتُ هٰذَا بِذَاكَ»۔ اور کبھی کسی فعل کو متعدی بنانے کے لیے بھی باء لے کر آتے ہیں، اور کبھی ظرفیت کے لیے بھی باء آتی ہے باء بمعنیٰ «فِي»، جیسے «جَلَسْتُ بِالْمَسْجِدِ» أَيْ: «فِي الْمَسْجِدِ»۔

اور یہ مولانا زائدہ استفہام کے لیے بھی آتی ہے زائدہ بھی آتی ہے استفہام میں، زائدہ آتی ہے اور زائدہ باء زائدہ آتی ہے، اور میں نے بتلایا جو حروفِ زائدہ ہوتے ہیں وہ کسی سے متعلق نہیں ہوتے۔ زائدہ کہاں آتی ہے؟ بتایا تھا دو جگہیں ہیں، بعض جگہ قیاساً زائدہ آتی ہے، آپ بھی کیا کر سکتے ہیں قیاس کرتے ہوئے ایسے موقع پر زائدہ لا سکتے ہیں، اور بعض جگہیں موقوف علی السماع ہیں، عربوں سے ہم نے سنا ہے وہ زائد لے کر آئے ہیں، ہم ان کی طرح زائدہ نہیں لا سکتے۔ قیاساً کون سی جگہیں ہیں؟ کہتے ہیں نفی اور استفہام کی خبر۔ نفی کی خبر، «لَيْسَ» اور مامشابہ بلیس وغیرہ کی جو خبر ہے اس پر آپ باء زائدہ لا سکتے ہیں۔ «زَيْدٌ لَيْسَ قَائِمًا» آپ کہہ سکتے ہیں «لَيْسَ زَيْدٌ بِقَائِمٍ»، اور اسی طرح آپ کہتے ہیں «مَا زَيْدٌ قَائِمًا» اور آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں «مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ»۔ اور استفہام کے اندر مولانا «هَلْ زَيْدٌ قَائِمٌ؟»، «هَلْ زَيْدٌ بِقَائِمٍ؟»، تو استفہام اور نفی کی خبر پر باء زائدہ آسکتی ہے۔ اور بعض جگہوں میں بعض جگہوں میں زائدہ ہے وہ موقوف علی السماع ہے، مرفوع کے اندر بھی آئی ہے، منصوب کے اندر بھی۔ مرفوع جیسے «بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ»، «بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ» یا «بِحَسْبِكَ زَيْدٌ»، تو یہ اصل میں کیا ہے مولانا؟ «حَسْبُكَ دِرْهَمٌ»، تو «حَسْبُ» کیا ہے مولانا؟ مجرور لفظاً ہے اور مرفوع محلاً ہے۔ اور فاعل ﴿كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾، اس کے اندر باء کیا ہے مولانا؟ زائدہ ہے، باء زائدہ ہے، اور لفظِ اللہ مجرور لفظاً ہے اور مرفوع محلاً کیا بن رہا ہے «كَفَى» کے لیے؟ فاعل بن رہا ہے، کیا بن رہا ہے؟ فاعل بن رہا ہے، أَيْ: «كَفَى اللَّهُ»۔ اور منصوب کے اندر بھی باء، یہ تو مرفوع کا مقام تھا مولانا، فاعل بھی مرفوع ہوتا ہے اور مبتدا بھی کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو ان پہ باء زائدہ داخل ہوئی۔ اور کبھی کبھی منصوب محل میں بھی جگہ نصب کی ہوتی ہے وہاں باء زائدہ لے آتے ہیں مولانا، جیسے «أَلْقَى بِيَدِهِ»، تو «أَلْقَى» تو خود متعدی ہے، مفعول کو چاہتا ہے، پھر باء اس کے صلے میں لے کر آئے تو یہ باء کیا ہے مولانا؟ زائدہ ہے، «أَلْقَى يَدَهُ»۔

اور اس کے بعد لام آیا تھا مولانا، بتلایا تھا کہ لام اختصاص کے لیے آتا ہے جیسے «الْجُلُّ لِلْفَرَسِ»، اور تعلیل علت بتلانے کے لیے آتا ہے جیسے «ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيبِ»، زائدہ بھی آتا ہے جیسے «رَدِفَ لَكُمْ»، حالانکہ «رَدِفَ» تو خود متعدی ہے، لام کے لانے کی ضرورت نہیں، تو «رَدِفَكُمْ» کہتے ہیں تو یہ لام زائدہ ہے مولانا۔ اور کبھی بمعنیٰ «عَنْ» کے آتا ہے جب یہ کس کے ساتھ آئے؟ قول کے ساتھ، جیسے اس آیت میں: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ﴾، کہا ان لوگوں نے ان لوگوں کے بارے میں جو ایمان لائے تھے، ان کے بارے میں کیا کہا کافروں نے؟ اگر اس ایمان اسلام میں کوئی خیر ہوتی تو ہم لوگ عقلمند، دولت مند، بڑے بڑے سردار ہم پہلے ایمان لے کر آتے، یہ بعد میں، اور چونکہ یہ تو سارے غریب، غرباء، فقراء ہیں، یہ صحابہ سارے، تو یہ ایمان لے کر آئے ہیں تو معلوم ہوا ایمان میں کوئی خیر نہیں، اگر خیر ہوتی تو بڑے بڑے لوگ ایمان لے کر آتے۔ تو یہ بات انہوں نے کن کے بارے میں کہی؟ مومنین کے بارے میں کہی، اور یہاں پر جو لام آیا یہ «عَنْ» کے معنیٰ میں ہے، مومنین سے نہیں کہا، مومنین کے بارے میں کہا، اور دلیل اس کی کیا؟ آگے «سَبَقُونَا» آرہا ہے غائب کا صیغہ، اگر مومنین مخاطب ہوتے، ان سے بات ہو رہی ہوتی کہ کفار نے مومنین سے کہا، تو ان کو یہ کہتے کہ «سَبَقْتُمُونَا»، «مَا سَبَقْتُمُونَا»، تم ہم پر سبقت نہ کر جاتے، لیکن یہاں غائب کا صیغہ آیا جس نے کیا بتلایا کہ یہ خطاب جن سے ہو رہا ہے وہ کیا بات جن کے جس پر لام داخل ہو رہا ہے «الَّذِينَ» وہ مخاطب نہیں ہیں، بلکہ ان کے بارے میں کیا ہو رہی ہے؟ بات ہو رہی ہے، اور جب وہ غائب ہیں تو پھر مخاطب نہیں تو یہ لام بمعنیٰ کس کے ہوا؟ «عَنْ» کے معنیٰ میں ہوا۔ سمجھ میں آیا؟ تو «عَنْ» کے معنیٰ میں ہوا، اور لیکن «وَفِيهِ نَظَرٌ» کہہ کر کہا تھا اس میں اشکال ہے مولانا، اس لیے کہ یہ جواب اس کا ہو سکتا ہے کہ کفار نے ایک مومنین کے ایک گروہ سے یہ کہا دوسروں کے بارے میں، ایک گروہ سے بات کر رہے ہیں اور ان سے کیا کہہ رہے ہیں کہ اگر ایمان میں کوئی بھلائی ہوتی تو پھر یہ جو غریب غرباء دوسرے ایمان لے کر آئے ہیں یہ ہم پر سبقت نہ کرتے۔

■ قولہ: «وَبِمَعْنَى الْوَاوِ» کی تشریح

«وَبِمَعْنَى الْوَاوِ»، اور کبھی لام واو کے معنیٰ میں بھی قسم کے لیے آتا ہے لیکن یہ تعجب کے مقام میں آئے گا، ویسے نہیں آئے گا، جیسے اس کی مثال شعر گزری تھی۔ اور اس کے بعد «رُبَّ» آیا تھا مولانا، «رُبَّ» کے بارے میں انہوں نے بتایا تھا «رُبَّ» تقلیل کے لیے آتا ہے، انشاء تقلیل کرتا ہے، یہ کیا کرتا ہے؟ انشاء تقلیل، لیکن میں نے بتایا تھا یہ اصل وضع میں ہے، اب اکثر استعمالات میں یہ کس لیے آتا ہے؟ تکثیر کے لیے، وضع کے اندر تو تقلیل کے لیے تھا لیکن اب تکثیر کے لیے ہے۔ اور یہ صدارتِ کلام کو چاہتا ہے، اور یہ کس پر داخل ہو گا؟ نکرہ موصوفہ پر کہ اس کی صفت آگے لائی جائے گی مولانا۔ یا مولانا کبھی یہ داخل ہوتا ہے ایسی ضمیرِ مبہم پر جو ہمیشہ کیا ہوتی ہے؟ مفرد مذکر ہوتی ہے اگرچہ اور اس کے آگے پھر تمیز آتی ہے مفرد منصوب، تو اگرچہ وہ تمیز مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، مذکر ہو، مؤنث ہو، یہ ضمیر ہمیشہ کیا رہتی ہے؟ مفرد مذکر رہتی ہے۔ تو یہ ضمیر راجع ہوتی ہے «شَيْءٌ» کو، ذہن کے اندر کس چیز کو راجع ہے؟ «شَيْءٌ» کو، اور پھر آگے «شَيْءٌ» کے اندر تو ابہام ہے کیا چیز ہے، آگے تمیز آ کر اس ابہام کو کیا کر دیتی ہے؟ دور کر دیتی ہے، سمجھ میں آیا؟ تو یہ ان چند جگہوں میں سے ہے جہاں اضمار قبل الذکر جائز ہے۔ یہ ان چند جگہوں میں سے ہے جہاں پر اضمار قبل الذکر، ایک تنازع فی الفعلین کے باب میں آپ نے پڑھا تھا، اور ایک ضمیرِ شان اور ضمیرِ قصہ آپ نے پڑھی اس میں بھی ماقبل مرجع ضمیر کا ذکر نہیں ہوتا، اور تیسرا مقام یہ پڑھا مولانا جہاں «رُبَّ» کس پر داخل ہو رہا ہے؟ ایک ضمیرِ مبہم پر جس کا پہلے کوئی مرجع گزرا نہیں، بلکہ ذہن میں «شَيْءٌ» کی طرف یہ ضمیر راجع ہے، اور آگے آنے والی تمیز اس «شَيْءٌ» سے ابہام کو کیا کر دیتی ہے؟ دور کر دیتی ہے۔

جی تو یہ مولانا بصریوں کے نزدیک یہ تمیز ہمیشہ مفرد مذکر رہے گی۔ جبکہ کوفہ والے کہتے ہیں کہ مطابقت ضروری ہے، مفرد مذکر نہیں رہے گی، تمیز اگر مفرد تو یہ ضمیر مفرد، تمیز اگر تثنیہ تو یہ ضمیر تثنیہ، اگر تمیز جمع تو یہ ضمیر بھی جمع، اور اگر تمیز مؤنث تو یہ ضمیر بھی مؤنث، وہ مطابقت کا قول کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی «رُبَّ» کے ساتھ ماکافہ مل جاتا ہے، «كَفَّ يَكُفُّ» کا معنیٰ روکنا، یہ ماکافہ بھی چونکہ اس کو عمل سے روک دیتا ہے اس لیے ماکافہ کہلاتا ہے۔ اور پھر مولانا پہلے تو «رُبَّ» صرف نکرہ موصوفہ پر یا ضمیر پہ داخل ہوا کرتا تھا، لیکن مانے جب اس کو عمل سے روک دیا اب یہ دونوں جملوں پر داخل ہو گا، جملہ اسمیہ پر بھی اور جملہ فعلیہ پر، اب مفرد پر داخل ہونا ضروری نہیں۔ اور اس کے بعد بتلایا تھا کہ «رُبَّ» کے لیے فعلِ ماضی کا ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ «رُبَّ» آتا ہے ایسی تقلیل کے لیے جو یقینی ہو، اور یقینی بات ماضی میں ہو گی یا مستقبل میں ہو گی؟ ماضی میں ہو گی بھائی۔

اس کے بعد حروفِ جارہ میں سے واوِ رُبَّ ہم نے پڑھا، واوِ رُبَّ وہ ہے کہتے ہیں جو کس کو کلام کی ابتدا میں لایا جاتا ہے، جیسے شاعر نے قول ذکر کیا تھا: «وَ بَلْدَةٍ لَيْسَ بِهَا»، تو یہ واو کس معنیٰ میں ہے؟ «رُبَّ» کے معنیٰ میں ہے۔ اور پھر اختلاف ہے دو علماء کے گروہ ہیں، بعض علماء فرماتے ہیں یہ واو خود کس کے معنیٰ میں ہے؟ «رُبَّ»، اور یہ واو آگے «بَلْدَةٍ» آگے آنے والے اسم کو جر دیتا ہے، جبکہ بعض کہتے ہیں نہیں، یہ جر نہیں دیتا بلکہ اس واو کے بعد «رُبَّ» کیا ہوتا ہے؟ محذوف ہوتا ہے۔ اس کے بعد واوِ قسم پڑھا، اس کے بعد حروفِ قسم پڑھے مولانا، قسم کے لیے تین حروف بتلائے تھے، ایک باء، واو اور تاء، اور اصل کیا ہے ان میں؟ باء، اور لہٰذا باء میں سب سے زیادہ وسعت اور گنجائش، وہ اسمِ ظاہر پر بھی داخل ہو گی، اسمِ ضمیر پہ بھی داخل ہو گی، اس کے بعد مولانا اس کے ساتھ «أُقْسِمُ» فعل کو ذکر بھی کر سکتے ہیں اور «أُقْسِمُ» فعل کو ذکر حذف بھی حذف بھی کر سکتے ہیں، اور نیز مولانا وہ استفہام پر بھی کے لیے بھی آ سکتی ہے اور غیر استفہام کے لیے بھی آ سکتی ہے۔ اور پھر کبھی باء کے بجائے واو استعمال کرتے ہیں، اور واو چونکہ ہے فرع تو لہٰذا اس کے اندر گنجائش کیا ہوئی؟ کم ہو گئی، اصل ہے باء واو ہے فرع، تو اس میں گنجائش کم ہوئی، تو باء آتا تھا اسمِ ظاہر، اسمِ ضمیر دونوں کے لیے، اور واو صرف کس کے لیے آتا ہے؟ اسمِ ظاہر کے لیے آتا ہے، اسمِ ضمیر کے لیے نہیں۔ نیز مولانا باء داخل ہوا کرتی تھی باء کے ساتھ «أُقْسِمُ» فعل کو ذکر کرنا بھی جائز تھا اور حذف کرنا بھی، جبکہ اس کے ساتھ ہمیشہ حذف ہی رہے گا، اس کے ساتھ ذکر کرنا جائز نہیں۔ تیسرا یہ تھا کہ باء استفہام پر بھی داخل ہوا کرتی تھی جبکہ یہ استفہام پر داخل نہیں ہو گا۔ تو واو یہ۔ اور اس کے بعد کبھی واو کے بجائے تاء استعمال کرتے ہیں، تاء کے اندر اور مولانا وسعت کم ہوئی، اب واو ہر قسم کے اسمِ ظاہر پر داخل ہو سکتا تھا، لیکن تاء صرف لفظِ اللہ پر۔

اس کے بعد بتلایا تھا آگے قسم کے بعد آنے والا جملہ آگے وہ جوابِ قسم کہلاتا ہے، جس بات کی قسم کھائی جائے وہ کیا کہلاتا ہے؟ جوابِ قسم کہلاتا ہے، جس بات پر قسم کھائی جائے۔ اور وہ جوابِ قسم مولانا اگر مثبت ہو، چاہے جملہ فعلیہ ہو چاہے جملہ اسمیہ ہو، اس کے اوپر لام کا داخل کرنا واجب ہے: «وَاللَّهِ لَزَيْدٌ قَائِمٌ»، «وَاللَّهِ لَأَفْعَلَنَّ كَذَا»، تو لام کا لانا واجب، اور ساتھ جملہ اسمیہ میں «إِنَّ» بھی لے آتے ہیں کبھی مولانا: «وَاللَّهِ إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ»۔ اور اگر جملہ منفیہ ہو تو پھر مولانا «مَا» اور «لَا» کا داخل کرنا واجب: «وَاللَّهِ مَا زَيْدٌ قَائِمٌ» یا «مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ»۔ اس کے بعد مولانا کبھی کبھار جوابِ قسم کو

حذف کر لیتے ہیں، کب؟ جبکہ ما قبل ایسا جبکہ قسم ایسے جملے کے بعد واقع ہو جو کس پر دلالت کر رہا ہے؟ جوابِ قسم پر دلالت کر رہا ہے۔ مثلاً «وَاللّٰهِ لَزَيْدٌ قَائِمٌ»، تو میں واللہ کو درمیان میں لے آتا ہوں: «زَيْدٌ وَاللّٰهِ قَائِمٌ»، یا میں واللہ کو آخر میں لے آتا ہوں: «زَيْدٌ قَائِمٌ وَاللّٰهِ»، تو یہ مولانا اب یہ دال بر جزا دال بر جوابِ قسم ہے، یہ جملہ کیا ہے؟ دال بر جوابِ قسم، جوابِ قسم پر دلالت کر رہا ہے مولانا، تو لہٰذا اب جوابِ قسم کو لانے کی ضرورت نہیں، وہ محذوف ہو گا، وہ محذوف ہو گا، کیونکہ اگر اس کو بھی ہم ذکر کریں گے تو تکرار لازم آئے گا، تکرارِ محض مولانا، وہی دوبارہ ذکر کرنا پڑے گا۔ اور یہ مولانا یہ دال بر جوابِ قسم ہے، یہ خود جوابِ قسم نہیں، اس لیے کہ جوابِ قسم کے اندر تو کیا تھی؟ مثبت جملے کے اندر کیا لانا واجب تھا؟ لام کا لانا، اور اس میں ما قبل پر لام کا لانا واجب نہیں، معلوم ہوا کہ یہ جوابِ قسم نہیں ہے بلکہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔

اس کے بعد بتلایا تھا مولانا «عَنْ» مجاوزت کے لیے آتا ہے، ایک چیز تجاوز کر جائے ایک سے دوسری کی طرف، جیسے «رَمَيْتُ السَّهْمَ عَنِ الْقَوْسِ إِلَى الصَّيْدِ»۔ «عَلَى» کس لیے آتا ہے؟ استعلاء کے لیے آتا ہے، ایک چیز دوسری چیز پر بلند ہے، «زَيْدٌ عَلَى السَّطْحِ»، کیا معنیٰ؟ زید چھت پر اوپر ہے۔ اور اس کے بعد بتلایا تھا کبھی اس پر «عَنْ» پر «مِنْ» بھی داخل ہو جاتا ہے، تو پھر یہ کس معنیٰ میں ہو گا؟ جانب کے معنیٰ میں، «جَلَسْتُ مِنْ عَنْ يَمِينِهِ»، تو «مِنْ جَانِبِ يَمِينِهِ»، تو «مِنْ» بمعنیٰ جانب کے «عَنْ» بمعنیٰ جانب کے ہوا، اور اسی طرح مولانا کبھی «عَلَى» پر بھی کیا داخل ہوتا ہے؟ «عَلَى» پر بھی «مِنْ» داخل ہوتا ہے، تو پھر یہ بھی کس معنیٰ میں ہوتا ہے؟ یہ اسم ہوتا ہے اور کس معنیٰ میں؟ «فَوْقَ» کے معنیٰ میں، کیا معنیٰ؟ «نَزَلْتُ مِنْ عَلَى الْفَرَسِ» أَيْ: «نَزَلْتُ مِنْ فَوْقِ الْفَرَسِ»۔

اسی طرح کاف بتلایا تھا مولانا، کاف تشبیہ کے لیے آتا ہے، اور کبھی کبھی یہ زائدہ بھی آجاتا ہے، جیسے اللہ کے اس قول میں ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾، اس لیے کہ کاف کو اگر زائدہ نہ مانیں تو معنیٰ خراب ہوتا ہے، معنیٰ بن جائے گا اللہ کے مثل کا مثل نہیں۔ معلوم ہوا اللہ کا تو مثل موجود ہے اور اللہ کے مثل کا آگے مثل نہیں، تو معنیٰ خراب ہو جائے گا، لہٰذا کاف کو علماء کیا فرماتے ہیں؟ کاف کو زائدہ مانو، یہ بعض علماء، اور بعض علماء کہتے ہیں نہیں، کاف کو زائدہ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ یہ کلام کس انداز کا ہے؟ کنائے کا ہے، کنائے کے قبیل سے ہے، اور کنایہ اور اگر کاف کو زائدہ مانیں تو پھر یہ کیا بن جائے گا؟ تصریح بن جائے گی، کیا بن جائے گی؟ تصریح، اور کنایہ افضل اور اعلیٰ اور ابلغ ہوتا ہے کس سے؟ تصریح سے، تو لہٰذا یہ کنائے کے انداز میں کلام ہے، مقصد یہ ہے کہ اللہ کا مثل نہیں، لیکن ادا کی اس کو کس انداز سے کیا گیا، کہا کیسے گیا کہ اللہ کے مثل کا مثل نہیں، اس لیے کہ اگر اللہ کا مثل ہوتا تو اس مثل کا بھی آگے مثل کون ہوتے؟ خود ذاتِ باری تعالیٰ ہوتے، سمجھ میں آیا؟ تو یہ کنایہ ہے، یہ دوسرا گروہ ہے علماء کا۔

اور کبھی کبھی یہ اسم بھی آتا ہے، کاف کس معنیٰ میں آتا ہے؟ اسم بھی، جیسے: يَضْحَكْنَ عَنْ كَالْبَرَدِ الْمُنْهَمِّ وہ عورتیں ہنستی ہیں اپنے ایسے دانتوں کے ساتھ «كَالْبَرَدِ» جو کس کی طرح ہیں؟ اولوں کی طرح ہیں، برد اولے کہتے ہیں جو بارش میں گرتے ہیں، «الْمُنْهَمِّ»، منہم کہتے ہیں پگھلنے والے، پگھلتے ہوئے اولوں جیسے دانت وہ ہنستی ہیں ایسے دانتوں کے ساتھ جو کس کی طرح ہیں؟ تو یہاں پر تو عورتوں کے ان دانتوں کو صفائی کے اندر اور سفیدی میں تشبیہ دی کس کے ساتھ؟ اولوں کے ساتھ، اور جیسے پگھلتے ہوئے اولے اس لیے کہا کہ جیسے اولہ پگھل رہا ہو تو گیلا اور تر ہے، اسی طرح دانتوں پر بھی ان کا لعاب لگا ہوا ہے تو وہ بھی کیا ہیں دانت بھی تر ہیں۔ تو یہاں پر مولانا مقام استشہاد ہے «عَنْ كَالْبَرَدِ»، کاف پر «عَنْ» داخل ہو رہا ہے اور «عَنْ» تو ہے حرفِ جر، اور حرفِ جر داخل ہوتا ہے اسم پر، معلوم ہوا یہاں کاف کیا ہے؟ اسم ہے، «مِثْلُ» کے معنیٰ میں ہے، یہ اب حرف ہے ہی نہیں۔ سمجھ میں آیا؟

اس کے بعد «مُذْ» اور «مُنْذُ» آئے تھے مولانا، یہ زمانے کے ابتدائے زمانہ کسی چیز کی ابتدائے زمانہ بتلانے کے لیے ماضی کے اندر، اور یا مولانا ظرفیت کے لیے آتے ہیں۔ سمجھ میں آیا؟ اور آخر میں «خَلَا»، «عَدَا» اور «حَاشَا» آئے تھے، یہ استثناء کے لیے آتے ہیں، کس لیے آتے ہیں؟ یاد رکھو، انہوں نے کتنے حروفِ جارہ ہمیں گنوائے؟ انیس، کتنے؟ انیس۔ یاد رکھو ان انیس حروفِ جارہ میں سے یہ جو آخری تین ہیں: «خَلَا»، «عَدَا»، «حَاشَا»، یہ کبھی حرف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، حرفِ جر، تو مابعد ان کا مجرور ہو گا، اور کبھی یہ فعل بھی آتے ہیں تو پھر ان کا مابعد کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ پھر یہ جر نہیں دیتے۔ اور ان سے پہلے والے جو پانچ ہیں: «مُذْ»، «مُنْذُ»، «كَافْ»، «عَنْ» اور «عَلَى»، یہ پانچ کبھی حروف ہوتے ہیں اور کبھی یہ اسم بھی آتے ہیں، کیا آتے ہیں؟ ان پر جب حرفِ جر داخل ہو جائے تو یہ کیا ہوتے ہیں؟ اسم، اور اسی طرح «مُذْ» اور «مُنْذُ» بھی کبھی کیا واقع ہوتے ہیں؟ مبتدا واقع ہوتے ہیں۔ تو انیس میں سے آخری تین جو پہلے گیارہ جو ہیں پہلے گیارہ، یہ صرف حروف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اگلے پانچ جو ہیں مولانا وہ کبھی اسم استعمال ہوں گے، کبھی حرف کے طور پر استعمال ہوں گے، اور آخری تین کبھی حرف کے طور پر اور کبھی فعل کے طور پر۔

■ متن وفصل: فَصْلٌ: اَلْحُرُوفُ الْمُشَبَّهَةُ بِالْفِعْلِ سِتَّةٌ، حروف...

«فَصْلٌ: اَلْحُرُوفُ الْمُشَبَّهَةُ بِالْفِعْلِ سِتَّةٌ»، حروفِ مشبہ بالفعل چھ ہیں۔ بھائی یہ حروف ہیں اور یہ کیا کہلاتے ہیں؟ حروفِ مشبہ بالفعل کہلاتے ہیں، کیونکہ ان کی فعل کے ساتھ مشابہت ہے۔ «إِنَّ، أَنَّ، كَأَنَّ، لَيْتَ، لٰكِنَّ، لَعَلَّ»، ان کو حروفِ مشبہ بالفعل کہتے ہیں کیونکہ یہ مشابہ ہیں کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ۔ فعل کے ساتھ ان کی مولانا لفظوں میں بھی مشابہت، معنیٰ میں بھی مشابہت۔ لفظوں میں اس طرح مشابہت کہ جیسے مولانا فعل فعلِ ماضی کا آخر مبنی علی الفتح ہوتا ہے، ان سب کا آخر مبنی علی الفتح ہے: «إِنَّ، أَنَّ، كَأَنَّ، لَيْتَ، لٰكِنَّ، لَعَلَّ»، سب کے آخر میں کیا آرہا ہے؟ فتحہ، تو یہ بھی سارے کیا ہیں؟ مبنی علی الفتح جیسے ماضی کا آخر کیا ہوتا ہے؟ مبنی علی الفتح ہوتا ہے، ایک مشابہت لفظوں میں۔ دوسری مشابہت: جیسے فعلِ متعدی مولانا ایک فاعل چاہتا ہے تو فاعل کے ساتھ ساتھ اور کس کا تقاضا کرتا ہے؟ مفعول کا بھی تقاضا، تو یہ حروف بھی کیا کرتے ہیں؟ ایک کو رفع دیتے ہیں اور ایک کو کیا دیتے ہیں؟ نصب دیتے ہیں، تو جیسے وہ ایک کو رفع دیتے ہیں اور ایک کو نصب، فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب، تو یہ بھی ایک اسم کو رفع اور ایک کو نصب دیتے ہیں، اپنے اسم کو نصب اور اپنی خبر کو رفع دیتے ہیں، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تیسری مشابہت مولانا: جیسے فعل ثلاثی، رباعی، خماسی ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی ثلاثی، رباعی اور خماسی ہیں بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ ثلاثی، رباعی، خماسی۔ فعلِ خماسی پڑھا ہے آپ نے کہ نہیں پڑھا؟ فعل کبھی خماسی نہیں آتا مولانا، فعل کیا ہوتا ہے ہمیشہ صرف ثلاثی اور رباعی آتا ہے، خماسی کے پڑھے ہیں کوئی باب آپ نے؟ تو پھر میں نے تو کہا خماسی بھی آتا ہے، میرا مطلب حروفِ اصلیہ سے مراد نہیں، میری مراد نہیں ہے، حروفِ اصلیہ کے اعتبار سے تو ثلاثی اور رباعی ہی آتا ہے خماسی نہیں، زوائد کو ملا کر میں نے خماسی نام بنا دیا بھائی۔ کبھی ثلاثی تین حرف والا فعل ہو گا، کبھی رباعی چار والا ہو گا چاہے اصلی ہوں چاہے زائد ہوں، اور کبھی پانچ حرف والا ہو گا مولانا چاہے اصلی ہوں چاہے ان میں چار اصلی ہو سکتے ہیں زیادہ سے زیادہ، کبھی چھ حرف والا ہو گا مولانا فعل سداسی بھی آجائے گا لیکن اس میں زیادہ سے زیادہ چار اصلی ہوں گے باقی سارے کیا ہوں گے؟ زائد ہوں گے۔ سمجھ میں آیا؟ تو ثلاثی، رباعی، خماسی سے یہ مراد ہے کہ حروف اتنے ہوتے ہیں ان کے چاہے اصلی ہوں چاہے زائد ہوں، حروف مراد ہیں۔ تو ان میں بھی مولانا کوئی ثلاثی ہے، کوئی رباعی ہے، کوئی خماسی: «إِنَّ» تین حرف، «أَنَّ» تین حرف، آگے «كَأَنَّ» کتنے؟ چار حرف، «لٰكِنَّ» پانچ یہ خماسی ہے، «لَيْتَ» تین، «لَعَلَّ» چار، تو کوئی ثلاثی ہے کوئی رباعی ہے اور کوئی خماسی۔ یہ ہے لفظی مشابہت مولانا، سمجھ میں آیا؟ اور معنیٰ کے اندر بھی مشابہت ہے، معنیٰ میں یہ مشابہت کہ یہ فعل کا معنیٰ ادا کرتے ہیں، فعل کا کیا کرتے ہیں؟ معنیٰ ادا کرتے ہیں۔ بھائی کیا معنیٰ ادا کرتے ہیں بھائی؟ «إِنَّ» اور «أَنَّ» کا معنیٰ ہوتا ہے «حَقَّقْتُ»، کیا معنیٰ آتا ہے؟ «حَقَّقْتُ» کے معنیٰ میں۔ «لَيْتَ» کس معنیٰ میں آتا ہے؟ «تَمَنَّيْتُ»۔ «لَعَلَّ» کس لیے آتا ہے؟ «تَرَجَّيْتُ»۔ «لٰكِنَّ» کس لیے آتا ہے؟ «اِسْتَدْرَكْتُ»۔ اور کیا رہ گیا؟ «كَأَنَّ»: «شَبَّهْتُ»۔ فعل کا معنیٰ ادا کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے؟ «إِنَّ، أَنَّ» کس لیے آتے ہیں؟ تحقیق کے لیے، تو «حَقَّقْتُ» کا معنیٰ ادا کیا۔ اور «لَيْتَ» تمنی کے لیے آتا ہے تو «تَمَنَّيْتُ» کا معنیٰ ادا کیا، اور سارے کس کے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں؟ فعل کا معنیٰ ادا کرتے ہیں۔ تو لفظوں میں بھی مشابہت جیسے فعل کا آخر مبنی علی الفتح ان کا بھی مبنی علی الفتح، جیسے فعل ثلاثی، رباعی، خماسی یہ بھی ثلاثی، رباعی، خماسی، جیسے فعل ایک فاعل کو رفع مفعول کو نصب دیتا ہے یہ بھی ایک اسم کو رفع دیتے ہیں اور ایک کو نصب دیتے ہیں، اور معنیٰ کے اندر یہ فعل کے معنیٰ میں ہوتے ہیں، فعل کا معنیٰ ادا کرتے ہیں: «إِنَّ، أَنَّ» بمعنیٰ «حَقَّقْتُ»، «لٰكِنَّ» بمعنیٰ «اِسْتَدْرَكْتُ»، «لَعَلَّ» بمعنیٰ «تَرَجَّيْتُ»، «لَيْتَ» بمعنیٰ «تَمَنَّيْتُ» اور «كَأَنَّ» بمعنیٰ «شَبَّهْتُ»، میں نے تشبیہ دی۔

■ متن وفصل: فَصْلٌ: اَلْحُرُوفُ الْمُشَبَّهَةُ بِالْفِعْلِ سِتَّةٌ: إنّ...

«فَصْلٌ: اَلْحُرُوفُ الْمُشَبَّهَةُ بِالْفِعْلِ سِتَّةٌ: إِنَّ، وَأَنَّ، وَكَأَنَّ، وَلٰكِنَّ، وَلَيْتَ، وَلَعَلَّ. هٰذِهِ الْحُرُوفُ تَدْخُلُ عَلَى الْجُمْلَةِ الاِسْمِيَّةِ»، یہ کس پر داخل ہوتے ہیں مولانا؟ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں، «تَنْصِبُ الاِسْمَ»، اپنے اسم کو نصب دیتے ہیں، «وَتَرْفَعُ الْخَبَرَ»، اور اپنی خبر کو رفع دیتے ہیں، «كَمَا عَرَفْتَ»، جیسے کہ آپ جان چکے ہیں، «نَحْوُ: إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، کیا ترکیب کریں گے؟ «إِنَّ» حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، «زَيْدًا» منصوب لفظاً اس کا اسم، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، «هُوَ» ضمیر اس کے اندر فاعل جو کس کو راجع ہے؟ «إِنَّ» کے اسم کو، اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، «إِنَّ» اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

«وَقَدْ يَلْحَقُهَا مَا الْكَافَّةُ»، اور کبھی کبھی ان کے ساتھ ما کافہ بھی مل جاتا ہے ان حروف کے ساتھ، «فَتَكُفُّهَا عَنِ الْعَمَلِ»، تو وہ ان کو عمل سے کیا کر دیتا ہے؟ روک دیتا ہے، «وَحِينَئِذٍ تَدْخُلُ عَلَى الْأَفْعَالِ»، اور پھر یہ افعال پر بھی داخل ہوتے ہیں اس وقت مولانا۔ پہلے تو صرف اسم پر داخل

ہوا کرتے تھے، اب کس پر داخل ہوتے ہیں؟ افعال پر بھی داخل ہوتے ہیں، «تَقُولُ: إِنَّمَا قَامَ زَيْدٌ»، یہ ماکافہ حرف ہوتا ہے مولانا، کیا ہوتا ہے؟ اور اس صورت میں یہ حصر کلام میں حصر اور تاکید کا فائدہ دیتا ہے، کس کا؟ حصر اور تاکید کا۔ «إِنَّمَا قَامَ زَيْدٌ»، کیا معنیٰ؟ نہیں نہیں، اب بے شک نہیں کھڑے ہونے میں کریں گے۔ زید کھڑا ہی ہے، زید کھڑا ہی ہے۔

«وَاعْلَمْ أَنَّ إِنَّ الْمَكْسُورَةَ الْهَمْزَةِ لَا تُغَيِّرُ مَعْنَى الْجُمْلَةِ»، آگے آپ کو یہ بڑی قیمتی باتیں بتلا رہے ہیں مولانا، اس کتاب کی ایک ایک بات نہایت قیمتی ہے، خلاصۂ نحو انہوں نے جمع کر دیا ہے، اور کمال کیا مولانا کافیہ کے انداز میں لکھی اور کافیہ کے مشکل مسائل کو بھی نہیں چھیڑا انہوں نے، زیادہ مشکل مسائل کو ان کو چھوڑ دیا، دیکھا؟ اب طالب علم کے ایک سال کو اس میں پڑھتا ہے اس کی بڑی مناسبت ہو جاتی ہے نحو کے ساتھ، جس کے بعد اگلے سال اس کے لیے کافیہ سمجھنا بڑا آسان ہو جاتا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ کمال کیا ان مصنف نے، انہوں نے۔ کافیہ بڑی پیچیدہ عبارت لاتے ہیں، بڑے مشکل الفاظ لاتے ہیں بھائی، یہ آسان لفظوں میں بات کرتے ہیں، واضح بات کرتے ہیں۔

آگے یہ بتلانے لگے ہیں بھائی دیکھو ایک ہے «إِنَّ»، ایک ہے «أَنَّ»، ان میں کیا فرق ہے؟ یاد رکھو یہ جو «إِنَّ» ہے یہ جملے پر داخل ہوتا ہے اور «أَنَّ» بھی جملے پر داخل ہوتا ہے، لیکن «إِنَّ» جملے پر داخل ہونے کے بعد اس میں تاکید پیدا کر دیتا ہے اور بس، اور وہ جملہ جیسے پہلے جملہ تھا اب بھی کیا ہے؟ جملہ۔ میں نے کہا «زَيْدٌ قَائِمٌ»، اب میں ذرا زور دار بات انداز میں کہنا چاہتا ہوں: «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، یقیناً زید کیا ہے؟ کھڑا ہے۔ تو «إِنَّ» نے صرف کیا پیدا کی؟ تاکید پیدا کی، اور جملہ اب بھی جملہ ہے، اب بھی کلامِ مفید ہے، فائدہ دے رہا ہے، سنے گا بھائی بات پوری ہو جاتی ہے۔ جبکہ «أَنَّ»، «أَنَّ» کلام میں تاکید پیدا کرتا ہے اور اس کو مفرد کے حکم میں کر دیتا ہے، مفرد کے حکم میں کرنے کا یہ معنیٰ کہ اب اس پر سکوت کرنا صحیح نہیں، میں کہتا ہوں «أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، یہ «أَنَّ» نے «زَيْدٌ قَائِمٌ» کو مفرد کے حکم میں کر دیا مولانا۔ مفرد کے حکم میں کیسے کریں گے؟ مضمونِ جملہ نکالیں مولانا، مضمونِ جملہ۔ مضمونِ جملہ کیا تھا؟ خبر کا مصدر نکالیں اور اس کو اسم کی طرف یا مبتدا کی طرف کیا کر دیں؟ مضاف کر دیں، جی «أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، کیا معنیٰ؟ ہاں، «قِيَامُ زَيْدٍ»، کیا بن گیا؟ تو یہ یوں ہوا، آپ نے گویا یوں کہا: زید کا قیام، «قِيَامُ زَيْدٍ»، بات پوری ہوئی؟ کسی کو کہو: زید کا قیام، بس، اس کو بات سمجھ میں آ جائے گی کچھ؟ نہیں، جب تک اس کی خبر آگے ذکر نہیں کریں گے بات پوری نہیں، تو «أَنَّ» نے کیا کیا مولانا؟ جملے کو کس کے حکم میں کر دیا؟ مفرد کے، مفرد کے حکم میں کرنے کا کیا معنیٰ؟ کہ اب اس پر سکوت کرنا صحیح اب وہ مرکبِ مفید نہیں بلکہ اب وہ ناقص بن گیا مرکبِ ناقص، اس کے ساتھ ایک ہمیں خبر چاہیے پھر جا کر جملہ پورا ہو گا۔ بات سمجھ میں آئی؟ اچھی طرح؟

لہٰذا «إِنَّ» جملے کو جملہ ہی رکھتا ہے اور «أَنَّ» جملے کو کس کے حکم میں کر دیتا ہے؟ مفرد کے، لہٰذا جو مقام مفرد کا ہو وہاں «أَنَّ» لائیں گے، جو مقام جملے کا ہو وہاں کیا لائیں گے؟ «إِنَّ» لائیں گے۔ کیا کریں گے مولانا؟ جو مقام جملے کا ہو وہاں کیا پڑھیں گے؟ «إِنَّ»، اور جو مقام مفرد کا ہو وہاں کیا پڑھیں گے؟ «أَنَّ»۔ جملے کا مقام ہو مثلاً آپ کلام کی ابتدا کرنا چاہتے ہیں، کلام شروع سے کلام کر رہے ہیں، تو کیا کہیں گے؟ «إِنَّ» کہیں گے، کیا کہیں گے؟ «قَالَ»، «قَالَ» کے بعد کیا پڑھیں گے؟ «أَنَّ» پڑھیں گے، «إِنَّ» پڑھیں گے؟ «إِنَّ» پڑھیں گے، کیونکہ «قَالَ» کا آگے مقولہ چاہتا ہے جو جملہ ہونا چاہیے، میں نے اس سے کہا، «قُلْتُ»، میں نے اس سے کہا، کیا کہا؟ جملہ ہو گا یا نہیں؟ کہ زید کھڑا ہے، یا زید بیٹھا ہے، یا عمرو گیا ہوا ہے، یا عمرو سویا ہوا ہے، جملہ آئے گا یا نہیں؟ تو آگے جملہ، «قَالَ» آگے مقولہ چاہتا ہے اور وہ مقولہ جملہ ہوتا ہے، لہٰذا «قَالَ» کے بعد کیا پڑھیں گے؟ «إِنَّ» پڑھیں گے۔ «اِعْلَمْ» کے بعد مولانا «أَنَّ» پڑھیں گے، کیونکہ «اِعْلَمْ» کیا چاہتا ہے؟ دو مفعول چاہتا ہے، کیا چاہتا ہے؟ تو مابعد کیا ہو جاتا ہے مولانا؟ وہ جملہ دو مفعولوں کے قائم مقام ہو جاتا ہے، سمجھ میں آئی بات بھائی؟ اسی طرح اسمِ موصول کے بعد اگر آئے، کیا پڑھیں گے «إِنَّ» یا «أَنَّ» بھائی؟ کیا؟ کیوں؟ شاباش، موصول کے بعد «إِنَّ» پڑھیں گے، کیونکہ موصول کا صلہ ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ جملہ ہوتا ہے، اور جملہ کس صورت میں باقی رہے گا؟ اگر «إِنَّ» ہو، اگر «أَنَّ» ہو پھر تو وہ جملہ رہے گا ہی نہیں، پھر تو ایک جز بن جائے گا ہمیں دوسرا جز چاہیے۔ تو بس ضابطہ یہ: جہاں جملے کا مقام ہو وہاں «إِنَّ» آئے گا، اور جو مفرد کا مقام ہو وہاں کیا آئے گا؟ «أَنَّ»۔

مثلاً مثلاً فاعل کا مقام ہے تو وہاں کیا پڑھیں گے؟ «أَنَّ» پڑھیں گے، مثلاً آپ کہتے ہیں: «بَلَغَنِي أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، «بَلَغَنِي»، مجھے یہ بات پہنچی ہے، کیا پہنچی ہے؟ آگے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ پہنچی کس کو؟ مجھے، تو یہ مفعول بن گیا، اور کیا پہنچی بات؟ وہ آگے ہے «أَنَّ»، یہ «أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ» یہ فاعل ہے، اور فاعل مفرد ہوتا ہے یا جملہ ہوتا ہے؟ مفرد، تو یہ مقام ہے مفرد کا، لہٰذا یہاں «إِنَّ» نہیں پڑھیں گے بلکہ کیا پڑھیں گے؟ «أَنَّ» پڑھیں گے۔ اور «أَنَّ» کو مفرد کے حکم میں کس طرح کرے گا؟ «أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ» کس معنیٰ میں ہے؟ جی، «قِيَامُ زَيْدٍ» کے معنیٰ میں

ہے، کس کے معنیٰ میں ہے؟ اب یوں بن گیا: «بَلَغَنِي قِيَامُ زَيْدٍ»، مجھے قیامِ زید کی خبر پہنچی ہے، مجھے قیامِ زید کی خبر، تو پہنچی کس کو؟ مجھے، مفعول، اور پہنچی کیا خبر؟ قیامِ زید کی، وہ کیا بن گیا؟ فاعل۔ تو مولانا فاعل کے مقام میں آئے تو «أَنَّ» پڑھیں گے، مفعول کے مقام میں آئے تو کیا پڑھیں گے؟ «أَنَّ»، کیونکہ مفعول جملہ نہیں ہوتا بلکہ کیا ہے؟ مفرد ہوتا ہے، تو وہاں بھی «أَنَّ» پڑھیں گے۔ مضاف الیہ واقع ہو رہا ہو تو وہاں کیا پڑھیں گے؟ «أَنَّ» پڑھیں گے، کیونکہ مضاف الیہ بھی کیا ہے؟ مفرد ہوتا ہے جملہ نہیں، صورت سمجھ میں آئی؟ سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

«وَاعْلَمْ»، جان لے تو، «أَنَّ»، بے شک، دیکھا؟ «اِعْلَمْ» کے بعد کیا پڑھا؟ «أَنَّ» پڑھا۔ آگے «إِنَّ» کا لفظ مراد ہے، «إِنَّ» کا جان لے تو کہ «إِنَّ» جو ہے «أَنَّ إِنَّ الْمَكْسُورَةَ الْهَمْزَةِ»، «إِنَّ» جو مکسورہ ہے جس کا ہمزہ، «لَا تُغَيِّرُ مَعْنَى الْجُمْلَةِ»، «إِنَّ» جو مکسور الہمزہ ہے «لَا تُغَيِّرُ مَعْنَى الْجُمْلَةِ»، یہ جملے کے معنیٰ کو بدلتا نہیں، «بَلْ تُؤَكِّدُهَا»، بلکہ اس میں کیا پیدا کر دیتا ہے؟ تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ مولانا «إِنَّ الْمَكْسُورَةَ الْهَمْزَةُ» پڑھنا چاہیے بھائی، «الْمَكْسُورَةَ الْهَمْزَةُ»، کیا پڑھیں گے؟ «الْمَكْسُورَةَ الْ»، «إِنَّ» پر کیا داخل ہو رہا ہے؟ «إِنَّ» پر کیا داخل ہو رہا ہے؟ اور «أَنَّ» اپنے اسم کو کیا دیتا ہے؟ نصب دیتا ہے، تو یہ «إِنَّ» بھی کیا ہے مولانا؟ محل کے اعتبار سے منصوب ہے، اور یہ معرفہ ہے کیونکہ عبارت میں کیونکہ وہ جو عبارتوں میں «إِنَّ» کا لفظ آتا ہے اس کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ «إِنَّ» رکھ دیا، تو یہ علم ہے، اور وہاں تو یہ مولانا محلاً منصوب ہے، معرفہ ہے، اور «الْمَكْسُورَةَ» اس کی صفت ہے۔ «الْمَكْسُورَةَ» اس کی تو «إِنَّ» خود مکسور ہوتا ہے یا اس کی ہمزہ مکسور ہوتی ہے؟ جی، کون مکسور ہوتا ہے؟ «إِنَّ» مکسور ہوتا ہے یا اس کی ہمزہ شروع میں ہمزہ کے نیچے کسرہ آتا ہے؟ ہمزہ کے نیچے کسرہ آتا ہے، اور «أَنَّ» کے ہمزہ پر کیا آتا ہے؟ فتحہ، تو مکسورہ «الْمَكْسُورَةَ» اور «الْهَمْزَةُ» اس کا نائب فاعل ہے، «الْهَمْزَةُ» اس کا کیا ہے؟ نائب فاعل ہے، اور نائب فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے، اسی لیے میں نے «الْمَكْسُورَةَ الْهَمْزَةُ» پڑھا۔ تو یوں تو یہ صفت بحال متعلقہ ہے مولانا، «الْمَكْسُورَةَ»، «الْمَكْسُورَةَ» کیا ہے مولانا؟ متعلقہ ہے، اور صفت بحال متعلقہ کس کو کہتے ہیں؟ جو لفظوں میں صفت ہو ما قبل کی اور معنیٰ کے اعتبار سے صفت ہو مابعد کی، یعنی ما قبل کے متعلق کی، سمجھ میں آرہی ہے عبارت کہ نہیں آرہی؟ وہ ایسا «إِنَّ» کہ مکسور ہو اس کا ہمزہ، ایسا «إِنَّ» کہ مکسور ہو اس کا ہمزہ۔ تو دیکھو عبارت ترکیب یوں ہو گی: «أَنَّ» حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، «إِنَّ» مولانا منصوب محلاً منصوب محلاً، کیا بنے گا؟ موصوف، «الْمَكْسُورَةَ» صیغہ اسم مفعول، صیغہ اسم منصوب لفظاً، «الْهَمْزَةُ» مرفوع لفظاً اسم مفعول کے لیے نائب فاعل، اسم مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت ہوئی کس کے لیے؟ «إِنَّ» کے لیے، «إِنَّ» اپنے موصوف اپنی صفت سے مل کر «أَنَّ» کے لیے کیا ہوا؟ اسم ہوا، ترکیب آئی سمجھ میں بھائی؟

جان لے تو کہ «إِنَّ» وہ جو مکسور الہمزہ ہے «لَا تُغَيِّرُ مَعْنَى الْجُمْلَةِ»، وہ جملے کے معنیٰ کو بدلتا نہیں ہے، «بَلْ تُؤَكِّدُهَا»، بلکہ اس میں کیا پیدا کرتا ہے؟ بلکہ اس کو موکد کر دیتا ہے، اس میں تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ «وَأَنَّ الْمَفْتُوحَةَ الْهَمْزَةِ»، اور «أَنَّ» جو ہے مفتوحۃ الہمزہ جو ہے، «مَعَ مَا بَعْدَهَا مِنَ الِاسْمِ وَالْخَبَرِ فِي حُكْمِ الْمُفْرَدِ»، وہ اپنے مابعد کے ساتھ «أَنَّ» جو مفتوح ہمزہ ہے اپنے مابعد کے ساتھ، بھائی وہ مابعد کیا ہوتا ہے؟ «مِنَ» بیانیہ ہے، یعنی کہ اسم اور خبر، مابعد کیا ہے یعنی کہ اسم اور تو «أَنَّ» اپنے مابعد یعنی اسم اور خبر سے مل کر «فِي حُكْمِ الْمُفْرَدِ»، کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ مفرد کے حکم میں ہوتا ہے۔ «وَلِذَلِكَ يَجِبُ الْكَسْرُ»، لہٰذا کسرہ واجب ہے ہمزہ میں، «إِذَا كَانَ فِي ابْتِدَاءِ الْكَلَامِ»، جبکہ ہمزہ جب کہ یہ کہاں آئے مولانا؟ کلام کے «إِنَّ» کہاں آئے؟ کلام کی ابتدا میں آئے، «نَحْوُ: إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، یقیناً زید کھڑا ہے۔ «وَبَعْدَ الْقَوْلِ»، اور اسی طرح قول کے بعد بھی «إِنَّ» آئے گا، «كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ﴾»، تو «يَقُولُ» کے بعد کیا آیا؟ «إِنَّ»۔ «وَبَعْدَ الْمَوْصُولِ»، اسم موصول کے بعد بھی «إِنَّ» پڑھیں گے، جیسے «مَا رَأَيْتُ الَّذِي إِنَّهُ فِي الْمَسَاجِدِ»، تو «الَّذِي» کے بعد کیا آیا؟ «إِنَّ» آیا۔ «وَإِذَا كَانَ فِي خَبَرِهَا اللَّامُ»، اور جب مولانا اس کی خبر میں لام آجائے، آگے خبر پر کیا آجائے؟ لام، پھر بھی کیا پڑھیں گے؟ «إِنَّ» پڑھیں گے، «أَنَّ» نہیں پڑھیں گے، اس لیے کہ لام جو ہے یہ جملے کی تاکید کے لیے آتا ہے، «إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ»، یہ لام جو آرہا ہے «قَائِمٌ» پر یہ کون سا ہے مولانا؟ یہ لام جملے کی تاکید کے لیے آتا ہے، مفرد کی تاکید کے لیے اور جملے کی تاکید کے لیے «أَنَّ» آتا ہے یا «إِنَّ» آتا ہے؟ «إِنَّ» آتا ہے؟ «إِنَّ» آتا ہے، لہٰذا یہاں کیا پڑھیں گے؟ «إِنَّ» پڑھیں گے۔ «وَإِذَا كَانَ فِي خَبَرِهَا اللَّامُ نَحْوُ: إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ»، جبکہ اس کی خبر میں لام ہو، «وَيَجِبُ الْفَتْحُ حَيْثُ يَقَعُ فَاعِلًا»، اور فتحہ واجب ہو گا، یعنی «أَنَّ» پڑھیں گے، «حَيْثُ يَقَعُ فَاعِلًا»، جہاں یہ کیا واقع ہو مولانا؟ فاعل واقع ہو اسم اور خبر کے ساتھ مل کر، «نَحْوُ: بَلَغَنِي أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»، یہ تو «أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ» کیا بن رہا ہے؟ فاعل۔ «وَحَيْثُ يَقَعُ مَفْعُولًا»، اور جہاں کیا واقع ہو؟ مفعول واقع ہو، «نَحْوُ: كَرِهْتُ»، میں نے ناپسند کیا، کیا ناپسند کیا؟ «أَنَّكَ قَائِمٌ» بھائی، أَيْ: «قِيَامَكَ»، «كَرِهْتُ قِيَامَكَ»، میں نے آپ کے قیام کو کیا کیا؟ ناپسند کیا، تو دیکھا؟ مضمونِ جملہ نکلا یا نہیں نکلا مولانا؟ «وَحَيْثُ يَقَعُ مُضَافًا إِلَيْهِ»، اور جہاں پر کیا واقع ہو مولانا؟ مضاف الیہ واقع ہو تو وہاں بھی «أَنَّ» پڑھیں گے، جیسے «عَجِبْتُ مِنْ طُولِ أَنَّ

بَكْرًا قَائِمٌ»، «عَجِبْتُ مِنْ طُولِ أَنَّ بَكْرًا قَائِمٌ»، تو دیکھو «طُولِ» کی اضافت ہو رہی ہے، مضاف ہے اور «أَنَّ بَكْرًا قَائِمٌ» پورا جملہ کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے، اور اس پر کیا تو مضاف الیہ پر کیا آنا چاہیے «إِنَّ» یا «أَنَّ»؟ «أَنَّ»، کیونکہ مفرد کا مقام ہے، تو «أَنَّ» کیسے کرے گا اس کو مفرد میں مولانا؟ مضمونِ جملہ نکالیں، کیا نکلے گا؟ «قِيَامُ بَكْرٍ»، کیا نکلے گا؟ «قِيَامُ بَكْرٍ»، اب اس کو مضاف اس سارے کو ہٹا کر یہ لگا دو ذرا: «عَجِبْتُ مِنْ طُولِ قِيَامِ بَكْرٍ»، میں بکر کے طویل قیام سے مجھے میں حیران ہوا، بکر کے طویل قیام سے میں حیران ہوا۔ «وَحَيْثُ يَقَعُ مَجْرُورًا»، اور جہاں پر کیا واقع ہو؟ مجرور ہو جملہ، جیسے «عَجِبْتُ مِنْ أَنَّ بَكْرًا قَائِمٌ» بھائی، «أَنَّ» پر «مِنْ» داخل ہو رہا ہے بھائی، تو یہ صرف «أَنَّ» پہ داخل نہیں ہو رہا بلکہ پورے جملے پر داخل ہو رہا ہے، اور «مِنْ» تو داخل ہوتا ہے کس پر؟ اسم پر، تو دراصل اس «أَنَّ» نے پورے جملے کو کیا کر دیا؟ مفرد یعنی اسم کے حکم میں کر دیا، اور اسم پر کیا داخل ہوا کرتا ہے؟ «مِنْ»، تو اس پر کیا داخل ہو گیا؟ «مِنْ»، تو کیسے ہو گا؟ «عَجِبْتُ مِنْ أَنَّ بَكْرًا قَائِمٌ»، «أَنَّ بَكْرًا قَائِمٌ» سے ذرا بنائیں مولانا مفرد کیا بنے گا؟ خبر کے مصدر کو مضاف کریں «أَنَّ» کے اسم کی طرف: «قِيَامُ بَكْرٍ»، «قِيَامُ بَكْرٍ»، تو کیا بنے گا؟ «عَجِبْتُ مِنْ قِيَامِ بَكْرٍ»، «عَجِبْتُ مِنْ قِيَامِ بَكْرٍ»، میں حیران ہوا بکر کے قیام سے۔

■ قولہ: «وَبَعْدَ لَوْ» کی تشریح

«وَبَعْدَ لَوْ»، اور «لَوْ» کے بعد بھی کیا پڑھیں گے مولانا؟ «أَنَّ» پڑھیں گے، «إِنَّ» نہیں، اس لیے کہ «لَوْ» حرفِ شرط ہے مولانا، «لَوْ» کیا ہے؟ حرفِ شرط، اور آگے حروفِ شرط کی بحث بھی آنے والی ہے، وہاں آپ کو یہ بتلائیں گے کہ «لَوْ» حرفِ شرط ہے اور حروفِ شرط کے لیے حروفِ شرط ہمیشہ فعل پر داخل ہوتے ہیں، کبھی اسم پر داخل اگر ان کے بعد فعل نہ آئے تو فعل کو محذوف نکالیں گے، کیا کریں گے؟ اور «لَوْ» کے بعد فوراً «لَوْ أَنَّ» آ رہا ہے، فعل نہیں آیا، تو اب اس کو «أَنَّ» پڑھیں گے اور فعل محذوف نکالیں گے، کیونکہ «لَوْ» حرفِ شرط ہے اور حرفِ شرط ہمیشہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ فعل پر، اور فعل تو یہاں موجود نہیں لیکن ہمیں چاہیے، تو اب ہم کیا کریں گے یہاں پر؟ فعل کو محذوف نکالیں گے، اور یہ آگے آنے والا جملہ اس کے لیے فاعل بن جائے گا، کیا بن جائے گا؟ اور جب فاعل مفرد کا مقام ہو، فاعل کیا ہوتا ہے؟ مفرد، لہٰذا وہاں «إِنَّ» نہیں پڑھتے بلکہ کیا پڑھتے ہیں؟ «أَنَّ»۔ جیسے «لَوْ أَنَّكَ عِنْدَنَا لَأَكْرَمْتُكَ»، اگر آپ ہمارے پاس ہوتے تو میں البتہ آپ کا اکرام کرتا۔ ترکیب کرو مولانا: «لَوْ أَنَّكَ»، جی، «لَوْ» کے بعد «أَنَّ» آیا بھائی، اور «لَوْ» تو حرفِ شرط ہے، لہٰذا یہاں کیا نکالیں گے؟ کیا نکال دیں گے؟ «ثَبَتَ» نکال لو، کیا نکالو؟ یاد رکھو بس حرفِ شرط کے بعد آپ نے ہمیشہ فعل نکالنا ہے، اگر عبارت میں ہے بہت اچھا ہے، فَبِهَا، ورنہ محذوف نکالیں گے۔ کیسے؟ «لَوْ أَنَّكَ عِنْدَنَا لَأَكْرَمْتُكَ»، جی ترکیب کرو بھائی: «لَوْ» حرفِ شرط، «ثَبَتَ» فعلِ محذوف، «ثَبَتَ» فعلِ محذوف، «أَنَّ» حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، «أَنَّكَ» منصوب محلاً اس کا اس کا اسم، «عِنْدَ» منصوب لفظاً مضاف، «نَا» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر جی، یہ «عِنْدَ» کیا تھا؟ کیا تھا؟ ظرف ہے، اور ظرف براہِ راست خبر کبھی بنتا ہے بھائی؟ ظرف تو چاہے جار مجرور ہو یا ظرف ہو مولانا یہ ہمیشہ کسی سے کتنی چیزوں سے متعلق ہوتا ہے؟ آٹھ چیزوں سے متعلق ہوتا ہے: یا فعل سے، یا مصدر سے، یا اسمِ فاعل، یا اسمِ مفعول، یا صفتِ مشبہ، یا اسمِ تفضیل، یا یا اسمِ فعل کے ساتھ، یا مبالغے کے صیغے کے ساتھ۔ اور یہاں ان میں سے کوئی ہے؟ نہیں، جی؟ نہیں ہے ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے، پھر کیا کریں گے؟ جی؟ کیا نکالیں گے؟ «لَوْ أَنَّكَ ثَبَتَّ عِنْدَ»، «لَوْ أَنَّكَ ثَبَتَّ عِنْدَنَا»، «أَنَّ» کا اسم کون ہے؟ غائب کی ضمیر ہے، مخاطب کی ہے یا متکلم کی ہے؟ مخاطب کی، تو خبر بھی اس کے مطابق نکالو: «لَوْ أَنَّكَ ثَبَتَّ عِنْدَنَا»، «ثَبَتَّ عِنْدَنَا»، تو «ثَبَتَّ» فعل، «تَ» ضمیر اس کا فاعل، اور «عِنْدَنَا» اس کے لیے کیا بن گیا؟ مفعول فیہ، ظرف، ظرف ہے بھائی، جار مجرور تو نہیں ہے، کیا ہے؟ ظرف ہے، یہ کیا ظرف مفعول فیہ ہے، تو یہ مفعول فیہ بنا، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر «أَنَّ» کی خبر، «أَنَّ» اپنے اسم اور خبر سے مل کر بتاویلِ مفرد یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ «ثَبَتَ» کے لیے، «ثَبَتَ» فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، «لَأَكْرَمْتُكَ» یہ کیا ہے اس کے لیے؟ جزا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جزا کی کیا ترکیب کریں گے؟ لام تاکید کے لیے، لام «أَكْرَمَ» فعل با «أَكْرَمَ» فعل، «تُ» ضمیر فاعل، «كَ» ضمیر مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ انشائیہ ہو گا، خبریہ ہو گا؟ میں نے کیا ضابطہ بتلایا تھا؟ بھول گئے ہو بھائی؟ کیا ضابطہ بتلایا تھا؟ کیسے پتہ چلے گا شرط میں خبریہ ہے، انشائیہ ہے؟ میں نے بتلایا تھا جزا کو دیکھنا ہے آپ نے، اگر جزا جملہ خبریہ ہے تو یہ جملہ شرطیہ خبریہ ہو گا، اور اگر جزا انشاء ہے تو پھر یہ جملہ شرطیہ انشائیہ، اب یہاں بتائیے: جملہ خبریہ ہے، خبر دے رہا ہے مولانا، تو یہ جملہ شرطیہ خبریہ ہوا۔ میں آپ کا اکرام کروں گا، یہ خبر ہے یا انشاء ہے؟ خبر ہے مولانا، کیا کر رہا ہے؟ خبر دے رہا ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟

«وَبَعْدَ لَوْ: لَوْ أَنَّكَ عِنْدَنَا لَأَكْرَمْتُكَ»، «وَبَعْدَ لَوْلَا»، «لَوْلَا» کے بعد بھی «أَنَّ» پڑھیں گے مولانا، «لَوْلَا» کے بعد بھی کیا پڑھیں گے؟ «أَنَّ»، اس لیے کہ مولانا «لَوْلَا» دو قسم پر ہے: ایک «لَوْلَا» تحضیضیہ ہے، ایک «لَوْلَا» امتناعیہ ہے، آگے ان کی بحث آنے والی ہے مولانا۔ ایک «لَوْلَا» کیا کہلاتا ہے؟ تحضیضیہ ضاد کے ساتھ ہے، ایک «لَوْلَا» امتناعیہ ہے مولانا، یہ «لَوْلَا» امتناعیہ کی بات کریں گے بھائی، کیونکہ «لَوْلَا» تحضیضیہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ «لَوْلَا» امتناعیہ ہے، اور «لَوْلَا» امتناعیہ کے بعد اسم آیا کرتا ہے جس کی خبر واجب الحذف ہے۔ «لَوْلَا» امتناعیہ کے بعد کیا آتا ہے مولانا؟ وہ کیا بنتا ہے؟ مبتدا، تو «لَوْلَا» امتناعیہ کے بعد مبتدا آتا ہے جس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ تو اگر «لَوْلَا» کے بعد اور مبتدا مفرد ہوتا ہے یا مولانا جملہ ہوتا ہے؟ مفرد ہوتا ہے، تو «لَوْلَا» کے بعد بھی کیا پڑھیں گے؟ «أَنَّ» پڑھیں گے تاکہ یہ اپنے مابعد کے اس کو کس کے حکم میں کر دے؟ مفرد کے حکم میں کر کے اس کو کیا بنا دے؟ مبتدا بنا دے، سمجھ میں آیا بھائی؟ جیسے «لَوْلَا أَنَّهُ حَاضِرٌ لَغَابَ زَيْدٌ»، أَيْ: «لَوْلَا حُضُورُهُ ثَابِتٌ لَغَابَ زَيْدٌ»، «أَنَّ» نے کس کو معنیٰ میں کر دیا؟ «أَنَّهُ حَاضِرٌ» بھائی، «أَنَّهُ حَاضِرٌ» سے بناؤ: حضور مصدر بن گیا، جی «حُضُورُهُ»، «حُضُورُهُ»، تو «لَوْلَا حُضُورُهُ»، یہ «حُضُورُهُ» مبتدا، اور اس کی خبر کیا ہے؟ واجب الحذف ہے، محذوف ہوگی وجوباً بھائی، کیا ہے؟ أَيْ: «لَوْلَا حُضُورُهُ ثَابِتٌ لَغَابَ زَيْدٌ»، سمجھ میں آیا بھائی؟

«وَيَجُوزُ الْعَطْفُ عَلَى اسْمِ إِنَّ الْمَكْسُورَةِ بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ بِاعْتِبَارِ الْمَحَلِّ وَاللَّفْظِ»، یہ ذرا مشکل بات ہے، توجہ سے سنو بھائی۔ مولانا ادھر دیکھو، یہ ہے «إِنَّ»، یہ «إِنَّ» کے بعد آرہا ہے اس کا اسم، یہ «إِنَّ» کے بعد آرہی ہے اس کی خبر، اس خبر کے بعد ایک حرفِ عطف آرہا ہے، اس حرفِ عطف کے بعد پھر آرہا ہے «عَمْرٌو»، کیا تھا اصل جملہ؟ «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ وَعَمْرٌو»، اب یہ عمرو کا عطف ہم کس پر کرنا چاہتے ہیں؟ کس پر؟ ہم اس کا عطف کرنا چاہتے ہیں زید پر، کس پر کرنا چاہتے ہیں؟ اور زید منصوب ہے، تو عمرو کو بھی کیا پڑھیں گے؟ منصوب، تو یوں پڑھیں گے: «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ وَعَمْرًا»، تو عمراً پر کیا پڑھیں گے؟ نصب، کیونکہ منصوب پر نصب کا عطف کیا جائے تو معطوف کو بھی کیا پڑھتے ہیں؟ منصوب، مجرور پر عطف کریں تو معطوف کو بھی کیا پڑھتے ہیں؟ مجرور، اور اگر مرفوع پر عطف کیا جائے تو معطوف کو بھی کیا پڑھتے ہیں؟ تو یہاں ہم عطف کس پر کر رہے ہیں؟ منصوب پر۔ لیکن اس «عَمْرٌو» پر رفع پڑھنا بھی جائز ہے مولانا: «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ وَعَمْرٌو»، بھائی کیوں؟ رفع پڑھنا کیوں جائز ہے؟ اس لیے مولانا، اب مجھے بتائیے «إِنَّ» کس پہ داخل ہوا؟ جملے پر، اور اس نے جملے کے معنیٰ میں کوئی تبدیلی پیدا کی سوائے تاکید کے؟ سوائے تاکید کے کوئی اس نے تبدیلی پیدا نہیں کی، کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ تو گویا اب «إِنَّ» کے داخل ہونے سے پہلے زید کیا تھا؟ مبتدا، اور «إِنَّ» کے داخل ہونے کے بعد اب یہ زید «إِنَّ» کا کیا کہلائے گا؟ اسم، تو پہلے یہ مبتدا تھا، اور «إِنَّ» کے آنے کے بعد جملے میں صرف تاکید پیدا ہوئی ہے اور کوئی تبدیلی نہیں، گویا یہ ابھی بھی مبتدا ہے، گویا کہ ابھی بھی کیا ہے؟ مبتدا ہے، اور مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو محل کے اعتبار سے مولانا «زَيْدًا» مبتدا ہے، محل کے اعتبار سے زید کیا ہے؟ مبتدا ہے، اگرچہ فی الحال «إِنَّ» اس کو کیا دے رہا ہے؟ نصب، لیکن «إِنَّ» نے صرف مولانا تاکید دی، جملہ ابھی بھی اسی طرح ہے، تو یوں سمجھو گویا زید کا محل ابھی بھی کیا ہے؟ مرفوع، اور اس محل کے اعتبار سے جب محل پر زید کے عطف کریں گے تو عمرو کو بھی کیا پڑھیں گے؟ مرفوع پڑھیں گے، سمجھ میں آیا؟

لیکن ایک شرط ہے مولانا، کہ اس «إِنَّ» کی یہ اگر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں رفع کے ساتھ، کس کے ساتھ عطف کرنا چاہتے ہیں؟ نصب کے ساتھ کر رہے ہیں پھر تو کوئی اعتراض والی بات ہی نہیں۔ لیکن آپ آگے جو عمرو کا عطف زید پر کر رہے ہیں، آپ عمرو پر کیا پڑھنا چاہتے ہیں؟ رفع، اس کے لیے ایک شرط ہے بھائی۔ شرط یہ کہ اس «إِنَّ» کے اسم کی خبر پہلے گزر چکی ہو۔ عمرو سے پہلے کیا ہو اس کی خبر یا لفظوں میں گزری ہو یا تقدیراً گزر چکی ہو مولانا، کیا ہو؟ یا لفظوں میں گزر چکی ہو یا تقدیراً گزر چکی ہو۔ شرط یہ مولانا کہ «إِنَّ» کے اسم کی خبر معطوف سے پہلے گزر چکی ہو لفظاً یا تقدیراً، لفظاً گزر چکی ہو یا تقدیراً گزر چکی ہو۔ کیوں؟ یہ شرط ہم نے کیوں لگائی؟ یہ شرط اس لیے مولانا دیکھیے، اگر میں نے کیا کہا: «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ وَعَمْرٌو قَائِمٌ»، «وَعَمْرٌو قَائِمٌ»، اچھا تو دیکھو «إِنَّ» میں کے اسم زید کی خبر «قَائِمٌ» پہلے گزر چکی ہے، اگر یہ خبر پہلے نہ گزری ہوتی اور کلام یوں ہوتا: «إِنَّ زَيْدًا وَعَمْرٌو قَائِمٌ»، کیسے ہوتا کلام؟ «إِنَّ زَيْدًا وَعَمْرٌو قَائِمٌ»، یعنی خبر پہلے «إِنَّ» کی گزری نہیں، اب آپ بتائیے مولانا «إِنَّ» کا اسم کون؟ زید، تو زید کے اندر عامل کون؟ «إِنَّ»، اور «إِنَّ» کی خبر کون؟ آگے کون آرہا ہے؟ «قَائِمٌ» آخر میں جا کے آرہا ہے، «وَعَمْرٌو قَائِمٌ»، تو یہ «قَائِمٌ» خبر ہے کس کی؟ «إِنَّ» کی، تو اس «قَائِمٌ» کو رفع دینے والا کون؟ «إِنَّ»، ٹھیک۔ اب بتائیے «عَمْرٌو» مولانا «عَمْرٌو» کا عطف آپ نے کس پر کیا؟ «إِنَّ» کے اسم پر کیا یا اس کے محل پہ کیا؟ اس کے محل پہ عطف کیا نا، کیونکہ محل کے اعتبار سے زید کیا ہے؟ مبتدا ہے، کیا ہے؟ تو اس کے محل پہ عطف کیا، اور تو یہ ہوا مبتدا، اور اس کے اندر عامل کون ہوا؟ عامل کون؟ ابتدا عامل، تو یہ «عَمْرٌو» مبتدا ہوا، ابتدا اس کے اندر عامل، اور «قَائِمٌ» اس کی خبر ہوئی، اور اس کے اندر کون عامل؟ مبتدا کی خبر میں کون عامل ہوتا ہے؟ اس میں بھی ابتدا عامل ہوتی ہے، تو مبتدا میں بھی عامل ابتدا اور خبر کے اندر بھی عامل ابتدا۔ اب «قَائِمٌ» کے اندر کون عامل ہوا

مولانا؟ ابتدا، تو دیکھو ایک ہی معمول ہے «قَائِمٌ»، اس میں «إِنَّ» بھی عامل ہے، اس میں ابتدا بھی عامل ہے، اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا مولانا، ایک معمول ہو اور اس کے اندر کتنے عامل ہوں؟ دو عامل ہوں، دو عامل ہوں یہ جائز نہیں، اسی لیے ضروری ہے مولانا کہ «إِنَّ» کے محل پر اگر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں تو «إِنَّ» کی خبر کیا ہونی چاہیے پہلے؟ لفظًا یا تقدیراً گزر چکی ہو۔ صورت سمجھ میں آگئی سب کو؟

تو مولانا «إِنَّ» کے اسم کے لفظوں پر بھی عطف جائز اور اس کے محل پر بھی عطف جائز، اس لیے مولانا، لیکن «أَنَّ» میں یہ جائز نہیں۔ «أَنَّ» میں لفظوں پر تو عطف ہو سکتا ہے، محل پر عطف وجہ یہ مولانا کیوں «إِنَّ» میں ہم نے کیوں اجازت دی؟ «أَنَّ» میں کیوں نہیں اجازت دی؟ وجہ یہ مولانا کہ «إِنَّ» لفظوں کے اعتبار سے موجود ہے اور معنٰی کے اعتبار سے معدوم ہے۔ «إِنَّ» لفظوں کے اعتبار سے موجود ہے اور معنٰی کے اعتبار سے؟ لفظوں کے اعتبار سے «إِنَّ» یوں موجود ہے کہ یہ ایک کو نصب دے رہا ہے، ایک کو رفع دے رہا ہے، لفظوں میں موجود ہے یا نہیں مولانا؟ باقاعدہ اس کا اثر بھی آرہا ہے، اور معنٰی کے اعتبار سے یہ معدوم ہے کیونکہ «زَيْدٌ قَائِمٌ» جیسے «إِنَّ» کے آنے سے پہلے جملہ تھا اب بھی کیا ہے؟ جملہ ہے، «إِنَّ» نے صرف اس میں تاکید پیدا کی، اور کوئی تبدیلی کی؟ تو معنٰی کے اعتبار سے وہ موجود ہے یا معدوم ہے؟ معدوم ہے، کیا ہے؟ اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا بھائی، جملہ پہلے بھی جملہ تھا اب بھی کیا ہے؟ تو «إِنَّ» لفظوں کے اعتبار سے موجود لیکن معنٰی کے اعتبار سے معدوم، جبکہ «أَنَّ» لفظوں کے اعتبار سے بھی موجود اور معنٰی کے اعتبار سے بھی موجود۔ لفظوں کے اعتبار سے یوں موجود کہ «أَنَّ» لفظوں میں باقاعدہ عمل کر رہا ہے، ایک کو نصب دے رہا ہے ایک کو کیا دے رہا ہے؟ رفع، معنٰی کے اعتبار سے بھی موجود ہے کہ داخل تو جملے پہ ہوا تھا لیکن اس پورے معنٰی کو بدل کر اس نے کیا بنا دیا؟ مفرد بنا دیا، تو «أَنَّ» لفظًا بھی موجود، معنًا بھی موجود، لہٰذا اس کے لفظوں اس کے لفظوں کے اعتبار سے وہاں عطف ہو سکتا ہے، محل کے اعتبار سے نہیں، جبکہ «إِنَّ» لفظوں کے اعتبار سے تو موجود ہے لیکن معنٰی کے اعتبار سے موجود نہیں، تو کبھی لفظوں کے اعتبار سے عطف کرتے ہیں تو ہم معطوف کو نصب دیتے ہیں، اور کبھی ہم معنٰی کے اعتبار سے عطف کرتے ہیں اور اس کو کیا دیتے ہیں؟ کیونکہ معنٰی کے اعتبار سے تو وہ کیا ہے؟ معدوم ہے، اور جب وہ معدوم ہو تو اس کا اسم کیا ہوا ہوتا؟ مرفوع ہوتا، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو «إِنَّ» من وجہ معدوم، من وجہ موجود، تو وجود کے اعتبار سے نصب بھی جائز اور معدوم ہونے کے اعتبار سے رفع بھی جائز، صورت سمجھ میں آگئی سب کو کہ مشکل ہے؟

میں کیا کرنا چاہتا ہوں؟ «إِنَّ» کے اسم پر عطف کرنا چاہتا ہوں: «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ وَعَمْرًا»، تو «عَمْرًا» پر کیا پڑھوں گا؟ نصب، لیکن اس پر میں کیا پڑھنا چاہتا ہوں؟ رفع، تو رفع بھی پڑھ سکتا ہوں مولانا، اس لیے کہ پیچھے آیا «إِنَّ»، اور «إِنَّ» لفظوں کے اعتبار سے موجود تو نصب بھی «عَمْرًا» پڑھنا بھی جائز، اور معنٰی کے اعتبار سے یہ معدوم ہے، گویا ہے ہی نہیں، کیونکہ اس نے معنٰی میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی، جب معدوم ہے تو پھر زید کیا تھا مولانا؟ مرفوع تھا، تو اس اعتبار سے یہ بھی کیا عمرو کو بھی کیا پڑھ لیں گے؟ مرفوع پڑھ لیں گے۔ اور «أَنَّ» میں ایسا جائز نہیں، اس لیے کہ «أَنَّ» لفظًا بھی موجود اور معنًا بھی موجود ہے، ہر لحاظ سے وہ موجود ہے، جبکہ یہ ایک لحاظ سے موجود ہے ایک لحاظ سے معدوم ہے۔ اور میں نے بتلایا تھا اس کے لیے شرط کیا ہے؟ خلاصہ یہ کہ «إِنَّ» کے اسم کے لفظوں پر بھی عطف جائز، لفظوں کے اعتبار سے بھی، اور محل کے اعتبار سے بھی اس پر عطف جائز ہے، لیکن شرط کیا ہے؟ کہ «إِنَّ» کے اسم کی خبر پہلے گزر چکی ہو لفظًا یا تقدیراً، ورنہ تو ایک ہی خبر میں دو عاملوں کا ہونا لازم آئے گا، ابتدا کا بھی اور «إِنَّ» کا بھی، اور یہ جائز نہیں ہے۔ اچھی طرح مسئلہ سمجھ میں آ گیا؟ اسی یہی جائے «لٰكِنَّ» میں بھی یہ جائز ہے مولانا، کس میں؟ «لٰكِنَّ» کے اسم پر لفظوں کے اعتبار سے بھی عطف جائز اور محل کے اعتبار سے بھی عطف لیکن باقی حروفِ مشبہ بالفعل کے اندر جائز نہیں بھائی، سمجھ میں آیا؟

▪ قولہ: «وَيَجُوزُ الْعَطْفُ عَلَى اسْمِ إِنَّ الْمَكْسُورَ...» کی تشریح

«وَيَجُوزُ الْعَطْفُ عَلَى اسْمِ إِنَّ الْمَكْسُورَةِ بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ»، اور جائز ہے عطف کرنا مولانا «إِنَّ» مکسورہ کے مکسور الہمزہ کے اسم پر رفع کے ساتھ بھی عطف جائز ہے «وَالنَّصْبِ» اور نصب کے اعتبار سے بھی۔ بھائی رفع کے اعتبار سے کیوں؟ کہتے ہیں «بِاعْتِبَارِ الْمَحَلِّ»، محل کے اعتبار سے، کیونکہ «إِنَّ» کا اسم محل کے اعتبار سے کیا ہے؟ مرفوع ہے اور مبتدا ہے، جملہ ہے نا، اور لفظوں کے اعتبار سے کیا ہے؟ منصوب، تو محل کے اعتبار سے بھی عطف جائز اور لفظ کے اعتبار سے بھی جائز، مثل «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ وَعَمْرٌو وَعَمْرًا»، تو «وَعَمْرٌو» پڑھنا بھی جائز اور «وَعَمْرًا» پڑھنا بھی جائز۔ «إِنَّ الْمَكْسُورَةِ» بھائی، مکسورۃ الہمزہ کہا جس کا ہمزہ کیا ہو، ایک «أَنَّ» ہے نا، ایک «إِنَّ» ہے، تو مکسور الہمزہ جو «إِنَّ» ہے اس میں جائز ہے، مفتوح الہمزہ جو ہے «أَنَّ» اس میں جائز نہیں۔

«وَاعْلَمْ أَنَّ إِنَّ الْمَكْسُورَةَ يَجُوزُ دُخُولُ اللَّامِ عَلَى خَبَرِهَا وَقَدْ تُخَفَّفُ فَيَلْزَمُهَا اللَّامُ»، مولانا کہتے ہیں جو «إِنَّ» ہے مکسورہ،

«إِنَّ» مکسور الہم مکسورۃ الہمزہ جو ہے، یعنی جس کا ہمزہ کیا ہے؟ مکسور ہے، یعنی «إِنَّ» ہے، اس کی خبر پر لام کا داخل کرنا بھی جائز، لیکن «أَنَّ» کی خبر پر لام کا داخل کرنا جائز نہیں، کیوں نہیں جائز؟ کیونکہ یہ لام کس کی تاکید کے لیے آتا ہے؟ جملے کی تاکید کے لیے آرہا ہے، اور جملے کے لیے «إِنَّ» آیا کرتا ہے، «أَنَّ» تو جملے کو کس کے حکم میں کر دیتا ہے؟ مفرد، تو یہ لام جملے کی تاکید کے لیے آتا ہے اس لیے یہ «إِنَّ» کی خبر پر تو آئے گا «أَنَّ» کی خبر پر نہیں آئے گا۔ تو کہتے ہیں: «وَاعْلَمْ أَنَّ إِنَّ الْمَكْسُورَةَ يَجُوزُ دُخُولُ اللَّامِ عَلَى خَبَرِهَا»، کہ «إِنَّ» جو مکسور الہمزہ ہے جائز ہے لام کا داخل ہونا کرنا داخل ہونا علیٰ خبر ھا اس کی خبر پر۔ «وَقَدْ تُخَفَّفُ»، یاد رکھو یہ بات پہلے بھی شاید گزر چکی ہے، کبھی کبھار «إِنَّ» اور «أَنَّ» یہ تو ان کے نون پر شد آرہا ہے تو یہ مشددہ ہیں، «إِنَّ» اور «أَنَّ» کیا ہیں؟ مشددہ ہیں، اور کبھی کبھی ایک نون ان سے دونوں سے حذف کر لیتے ہیں پھر یہ کیا کہلاتے ہیں؟ مخففہ، تو «إِنْ» پڑھتے ہیں، «إِنَّ» کو کیا پڑھتے ہیں؟ «إِنْ»، اس کو کہتے ہیں «إِنْ» مخففہ من الثقلہ، اور «أَنَّ» کو کیا پڑھتے ہیں؟ «أَنْ»، اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ «أَنْ» مخففہ من الثقلہ۔ لیکن یاد رکھو کہتے ہیں جب «إِنَّ» یہ مخففہ من الثقلہ ہو تو پھر اس صورت میں اس کے ساتھ لام لازم ہے، «إِنْ» کیا ہو؟ «إِنْ» مخففہ من الثقلہ ہو تو پھر اس کے خبر پر لام کا داخل کرنا اس لیے مولانا نے اس لیے کہ پہلے تھا «إِنَّ» ہمیں پتہ چل رہا تھا یہ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل ہے، اب ہے «إِنْ» آگیا، اور «إِنْ» تو کئی قسم کے ہیں: «إِنْ» شرطیہ بھی ہے، «إِنْ» نافیہ بھی ہے، «إِنْ» اور کون سا ہے؟ یہ دو ہیں؟ تو «إِنْ» کیا ہے؟ ہاں «إِنْ» شرطیہ بھی ہے اور «إِنْ» مخففہ من الثقلہ بھی ہوا، اور «إِنْ» مولانا نافیہ بھی ہوا، تو جب تک خبر پر لام نہیں آئے گا ہمیں پتہ نہیں چلے گا کہ یہ «إِنْ» مخففہ من تو خبر پر لام آئے گا وہ ہمیں بتلادے گا کہ یہ جو «إِنْ» آیا ہے یہ کون سا ہے؟ مخففہ من الثقلہ ہے۔

«وَقَدْ تُخَفَّفُ فَيَلْزَمُهَا اللَّامُ»، اور کبھی اس کو مخففہ کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ لام لازم ہے، «كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَإِن كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ﴾»، ﴿وَإِن كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ﴾، دیکھو مولانا یہ «إِنْ» ہے مخففہ من الثقلہ، اصل میں کیا ہے؟ «إِنَّ»، «إِنَّ كُلًّا»، اس میں تنوین جو آرہی ہے عوض ہے مضاف الیہ سے، آپ نے پڑھا ہے یا نہیں کبھی مضاف الیہ کے عوض میں کیا لے آتے ہیں؟ تنوین لے آتے ہیں، اور کتنی جگہوں میں یہ آتی ہے میں نے بتلایا تھا، تو کبھی مضاف الیہ کو حذف کر کے اس کے عوض میں کیا لے آتے ہیں؟ تنوین، جیسے «حِينَئِذٍ» آیا تھا یا نہیں مولانا؟ «يَوْمَئِذٍ»، تو یہاں بھی «كُلًّا» اصل میں تھا «كُلَّهُمْ»، کیا تھا؟ «كُلَّهُمْ»، «هُمْ» ضمیر کو حذف کر کے اس کے عوض کیا لے آئے؟ تنوین لے آئے، تو «وَإِن كُلًّا» اور یہ منصوب ہے کیونکہ «إِنَّ» کا اسم ہے۔ «لَمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ» بھائی، اچھا اب یاد رکھو مولانا یہ «لَمَّا» میں جو لام ہے یہ وہ لام ہے جو کس پہ داخل ہوتا ہے؟ «إِنَّ» کی خبر پر، یہ وہ لام ہے جو کس پہ داخل ہوتا ہے مولانا؟ «إِنَّ» کی خبر پر داخل ہوتا ہے۔ اصل میں عبارت ساری یوں ہے مولانا: «وَإِنَّ كُلَّهُمْ وَاللَّهِ لَيُوَفِّيَنَّهُمْ»، «وَاللَّهِ»، تو قسم یہاں محذوف ہے مولانا، اور قسم کے جواب پر آپ نے ہمیشہ پڑھا ہے چاہے جملہ مثبت میں اسمیہ ہو یا فعلیہ ہو اس پر کیا آتا ہے؟ لام، تو یہ «لَيُوَفِّيَنَّهُمْ» پر جو لام ہے یہ وہ جوابِ قسم والا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو ایک لام پہلے تھا اور ایک اب «إِنْ» مخففہ من الثقلہ کی خبر پر لام آتا ہے ایک وہ لامِ تاکید بھی آگیا، دو لام جمع ہو گئے، اور دو لاموں کا جمع ہونا پسندیدہ نہیں، تو درمیان میں ما زائدہ بڑھایا گیا بھائی، کیا کیا گیا؟ ما کو زیادہ کیا گیا، تو یہ ما زائدہ ہے اور یہ ما سے پہلے «لَمَا» لام جو ہے یہ کون سا ہے؟ جو «إِنَّ» کی خبر پر داخل ہوا۔ اب عبارت سمجھ میں آئی ساری سب کو بھائی؟

«وَحِينَئِذٍ يَجُوزُ إِلْغَاؤُهَا»، اور جس وقت اس کو مخففہ کر لیا جائے اس وقت اس کو الغاء بھی جائز ہے، اس کو لغو کر دینا، اس کے عمل کو باطل کر دینا بھی مولانا جائز ہے۔ اور جب مولانا مخفف تو دیکھو ابھی «إِنْ» مخففہ ہوا لیکن اس نے «كُلًّا» کو پھر بھی کیا دیا ہے؟ نصب، اور کبھی کبھی نصب نہیں دیتے بلکہ اس کے عمل کو کیا کر دیتے ہیں؟ باطل کر دیتے ہیں، «كَقَوْلِهِ تَعَالَى»، جیسے یہ قرآن کی آیت اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَإِن كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ﴾۔ بھائی آپ کس طرح پڑھتے ہیں یہ دو آیتوں کو؟ «لَمَّا» پڑھتے ہیں مولانا، یہ دوسری روایت ہے بھائی، وہ آپ کی قرات الگ ہے، یہ ایک روایت میں «لَمَا» آیا ہے، اس کے مطابق ترکیب کروا رہا ہوں آپ کو کتاب میں جو درج ہے۔ اور آگے «وَإِن كُلٌّ لَّمَا» یہ بھی اسی طرح ہے بھائی، نہیں نہیں۔ سمجھ میں آیا؟ یہ «كُلٌّ لَّمَّا» والی قرات پہ نہیں ہے یہ مقام بنتا مولانا، ورنہ دلیل ہی نہیں بنتی پھر تو، پھر تو یہ دلیل ہی نہیں بنتی۔ میں نے بتلایا بھائی یہ «لَيُوَفِّيَنَّهُمْ» کا لام جو ہے یہ کون سا ہے؟ اور یہ ما یہ «لَمَا» پڑھیں، اس کو «لَمَّا» نہیں پڑھنا مولانا، یہ دوسری قرات ہے، ہماری قرات کے مطابق پھر یہ دلیل ہی نہیں بنتی اس مقام کی۔ آگے مولانا «وَإِن كُلٌّ لَّمَا»، یہاں بھی «لَمَّا» ہے، جی تو یہ بھی ہماری قرات پر مبنی نہیں، ہماری قرات میں تو «لَمَّا» ہے، لیکن بعض بھائی آپ نے پڑھا ہے سات قراتیں ہیں بھائی، سمجھ میں آیا؟ جی تو یہ ان میں سے ایک ہے، اس میں «لَمَا» آیا ہے ایک قرات میں۔ تو دیکھیے اب مولانا یہ «إِنْ» مخففہ من الثقلہ ہے اور یہ عمل نہیں کر رہا، «كُلٌّ» کو نصب نہیں دے رہا، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہاں بھی «كُلٌّ» تو «وَإِن كُلُّهُمْ» یہ تنوین سے عوض ہے، «لَمَا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا»، یہ لام پر یہ «لَمَا» یہ لام کیا ہے مولانا؟ یہ وہ کیا ہے؟ خبر پر، سارے کے سارے کیا ہیں؟ ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے قیامت کے دن۔

▪ قولہ: «وَيَجُوزُ دُخُولُهَا عَلَى الْأَفْعَالِ عَلَى الْم...» کی تشریح

«وَيَجُوزُ دُخُولُهَا عَلَى الْأَفْعَالِ عَلَى الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ»، جی بھائی مولانا «إِنَّ» ہمیشہ کس پہ داخل ہوتا ہے؟ اسم اور خبر پر، لیکن جب یہ مخففہ من الثقلہ ہوا تو اب مولانا آپ اس کے عمل کو لغو کر دینا بھی اور جب عمل کو لغو کر دیا تو اب مولانا یہ فعل پر بھی داخل ہو جائے گا، پہلے تو ہمیشہ کس پہ داخل ہوتا تھا؟ اسم، لیکن ابھی بھی مولانا بالکل ہر فعل پہ نہیں داخل ہو گا، ایسے فعل پہ داخل ہو گا جو خود آگے اسم اور فعل پر داخل ہوتے تھے۔ «إِنَّ» تو پہلے خود کس پر داخل ہوتا تھا؟ اسم اور اسم اور خبر پر، کس پر؟ اسم اور خبر پر داخل ہوتا تھا، اب مولانا جب یہ مخفف ہوا تو اس کے عمل کو لغو کر دینا بھی اور اس صورت میں پھر یہ کس پر داخل ہو سکتا ہے؟ فعل پر بھی، لیکن ہر فعل پہ پھر بھی نہیں داخل ہو گا، ان فعلوں پر داخل ہو گا جو آگے خود اسم اور خبر پر داخل ہوتے ہیں، جیسے کیا ہیں مولانا؟ افعالِ ناقصہ ہیں مولانا، وہ کس پر داخل ہوتے ہیں؟ اسم اور خبر پر، تو اب «إِنْ» فعلِ ناقص پر بھی داخل ہو جائے گا۔ «وَيَجُوزُ دُخُولُهَا عَلَى الْأَفْعَالِ عَلَى الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ»، اور جائز ہے ان کو داخل کرنا ایسے افعال پر جو داخل ہوں علی المبتدا والخبر، کس پر؟ مبتدا اور خبر پر، یعنی افعالِ ناقصہ، دیکھو خود «نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ﴾.»، اور یقیناً آپ اس سے پہلے البتہ غفلت والوں میں سے تھے، بھائی تو دیکھا؟ «وَإِن كُنتَ»، یہ «إِنْ» کیا ہے؟ شرطیہ نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ مخففہ من الثقلہ ہے، اور یہ کس پر داخل ہوا ہے؟ اس کے عمل کو لغو کر دیا تو اب یہ فعل پر داخل ہوا، لیکن فعل بھی ایسا ہے جو پھر آگے کس پہ داخل ہونے والا ہے؟ اسم اور خبر پر۔ «وَإِن نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ»، اور یقیناً ہم آپ کو اس کس میں سے؟ گمان کرتے تھے؟ جھوٹوں میں سے۔ تو دیکھو یہ «إِنْ» مخففہ من الثقلہ ہے اور یہ کس پر داخل ہوا؟ «ظَنَّ» پر داخل ہوا، اور «ظَنَّ» کس میں سے ہے؟ افعالِ قلوب میں سے ہے، اور افعالِ قلوب کس پر داخل ہوتے ہیں؟ اسم اور خبر پر، مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں، تو اب یہ مخففہ من الثقلہ بھی ایسے افعال پر داخل ہوتا ہے۔

«وَكَذٰلِكَ أَنَّ الْمَفْتُوحَةُ قَدْ تُخَفَّفُ»، اسی طرح «أَنَّ» مفتوحہ بھی جو ہے اس کو بھی کیا کر دیا جاتا ہے؟ مخفف کیا جاتا ہے، «فَحِينَئِذٍ يَجِبُ إِعْمَالُهَا فِي ضَمِيرِ شَأْنٍ مُقَدَّرٍ»، واجب ہے کہ اس کو عمل دیا جائے کس کے اندر؟ ضمیرِ شان کے اندر، ایسی ضمیرِ شان مقدر جو کیا ہو گی؟ دیکھو مولانا، آپ نے کیا پڑھا کہ «إِنَّ» کو کبھی کیا کرتے ہیں؟ مخففہ کرتے ہیں، اور مخففہ کرنے کے بعد بھی یہ کیا کرتا ہے؟ کبھی عمل کرتا ہے اور کبھی عمل اسی طرح «أَنَّ» کو بھی مخففہ کرتے ہیں، اور نحویوں نے غور کیا تو دیکھا «أَنَّ» کو جب ہم مخففہ کر دیتے ہیں تو یہ کبھی عمل ہی نہیں کرتا، کبھی عمل ہی ہر جگہ تلاش کر کے دیکھا مولانا یہ کہیں عمل ہی نہیں کر رہا، یہ تو کہنے لگے عجیب بات ہے، «إِنَّ» کی بھی مشابہت فعل کے ساتھ ہے، «أَنَّ» کی بھی مشابہت کس کے ساتھ ہے؟ اور «أَنَّ» کی زیادہ ہے مشابہت «إِنَّ» کی بنسبت، کیسے؟ بھائی «إِنَّ» کا آخر کیا ہے؟ مبنی علی الفتح، «أَنَّ» کا بھی آخر کیا ہے؟ مبنی علی الفتح۔ بھائی «إِنَّ» ایک اسم کو رفع دیتا ہے ایک کو نصب دیتا ہے ایک کو رفع، جیسے فعل بھی اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور اپنے مفعول کو اسی طرح «أَنَّ» بھی اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور اپنی خبر کو رفع، یہ دونوں ایک جیسے ہیں اس میں بھی۔ جی «إِنَّ» کیا کرتا ہے؟ «إِنَّ» ثلاثی جیسے فعل ہوتا ہے، «أَنَّ» بھی ثلاثی ہے جیسے کہ فعل ہوتا ہے۔ «إِنَّ» بمعنیٰ «حَقَّقْتُ» کے اور «أَنَّ» بھی بمعنیٰ تو معنیٰ میں بھی فعل کے ساتھ مشابہت، لیکن فعل کا پہلا حرف کیا ہوتا ہے؟ مفتوح ہوتا ہے، اور «أَنَّ» کا پہلا حرف تو مفتوح ہے لیکن «إِنَّ» کا پہلا حرف مفتوح تو کس کی مشابہت زیادہ ہوئی؟ «أَنَّ» کی زیادہ ہوئی، اور «أَنَّ» جب مخففہ ہے تو وہ عمل ہی نہیں کر رہا کہیں، اور «إِنَّ» جب مخففہ ہے پھر بھی وہ کبھی کبھی کیا کرتا ہے؟ تو جس کی مشابہت زیادہ ہے اس کو عمل کرنا چاہیے یا جس کی مشابہت کم ہے اس کو عمل کرنا چاہیے؟ جس کی زیادہ ہے اس کو کرنی چاہیے، اور کر کون رہا ہے؟ جس کی کم ہے، تو چنانچہ انہوں نے کہا کہ یہ بھی عمل کر رہا ہے لیکن ضمیرِ شان میں کر رہا ہے اور وہ مقدر ہے۔ یہ ہمیشہ عمل کر رہا ہے اور کس میں کر رہا ہے؟ اور وہ کیا ہوتی ہے؟ مقدر ہوتی ہے۔ اب اب «أَنْ» مخففہ تو ہمیشہ عمل کرتا ہے، اور «إِنْ» کبھی آپ نے پڑھا کرتا ہے اور کبھی اب سمجھ میں آیا؟ ضابطہ بیٹھ گیا یا نہیں بیٹھا مولانا؟ دیکھئے۔

تو ہمیشہ جب بھی کہیں آجائے «أَنْ» مخففہ من الثقلہ، آنکھیں بند کر کے سمجھ جائیں یہاں اس کا ضمیرِ شان کیا ہے؟ محذوف ہے، اور آگے جو کچھ جملہ آرہا ہے وہ ساری اس کی خبر ہے، وہ ساری اس کی خبر ہے۔ «وَكَذٰلِكَ أَنَّ الْمَفْتُوحَةُ قَدْ تُخَفَّفُ»، اسی طرح «أَنَّ» مفتوحہ ہے، اس کو کبھی مخففہ کیا جاتا ہے، «فَحِينَئِذٍ يَجِبُ إِعْمَالُهَا فِي ضَمِيرِ شَأْنٍ مُقَدَّرٍ»، تو واجب ہے مولانا اس کو عمل دینا ایسی ضمیرِ شان کے اندر مقدر جو مقدر ہوتی ہے، «فَتَدْخُلُ عَلَى الْجُمْلَةِ»، تو یہ داخل ہوتا ہے جملے پر مولانا «أَنْ» مخففہ، «اِسْمِيَّةً كَانَتْ أَوْ فِعْلِيَّةً»، چاہے وہ اسمیہ ہو یا فعلیہ۔ اسمیہ جیسے «بَلَغَنِي أَنْ زَيْدٌ قَائِمٌ»، کیا ترکیب ہو گی مولانا؟ «بَلَغَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول، «أَنْ» مخففہ من الثقلہ، آگے «هُ» ضمیر «هُ» ضمیرِ شان مقدر اس

کا منصوب محلاً اس کا اسم، سمجھ میں آیا یا نہیں؟ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً جی، مبتدا بھائی، آگے پورا جملہ آئے گا، ضمیرِ شان کی تفسیر نہیں آتی پورا جملہ بھائی؟ یہ ضمیرِ شان آپ نے نکالی تو آگے جملہ بناؤ بھائی، تو «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً اس کی خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ پورا جملہ «أَنَّ» کی خبر، «أَنَّ» اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر بتاویلِ مفرد کیونکہ «أَنَّ» ہے، یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ «بَلَغَ» کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

«أَوْ فِعْلِيَّةً»، یا پھر یہ مولانا فعلیہ پر بھی داخل ہو سکتا ہے: «بَلَغَنِي أَنْ قَدْ قَامَ زَيْدٌ»، «بَلَغَنِي أَنْ قَدْ قَامَ زَيْدٌ»، وہی ترکیب: «أَنْ» مخففہ من الثقلہ، اور اور «هُ» ضمیر اس کے ساتھ واحد مذکر کی جو ہے وہ اس کا اسم، اور «قَدْ قَامَ زَيْدٌ»: «قَدْ» حرفِ تحقیق، «قَامَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر «أَنَّ» کی خبر، «أَنَّ» اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر بتاویلِ مفرد فاعل «بَلَغَ» کے لیے، تو «بَلَغَ» فعل اپنے فاعل مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ مشکل ہے ترکیب؟ آسان ہے بھائی، انشاء اللہ بڑی آسان ہے، تھوڑی توجہ بس کرو۔

▪ قولہ: «وَيَجِبُ دُخُولُ السِّينِ أَوْ سَوْفَ أَوْ قَدْ أَ...» کی تشریح

«وَيَجِبُ دُخُولُ السِّينِ أَوْ سَوْفَ أَوْ قَدْ أَوْ حَرْفُ النَّفْيِ عَلَى الْفِعْلِ»، اچھا بھائی دیکھو انہوں نے کیا کہا؟ کبھی «أَنَّ» مخففہ من الثقلہ ہوتا ہے اور اس کو کیا پڑھتے ہیں؟ «أَنْ»، اور اس کا اسم ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ ضمیرِ شان، اور آگے آنے والا جو جملہ ہو گا وہ اس کی کیا بنے گی؟ خبر، اور وہ خبر جملہ اسمیہ بھی ہو سکتی ہے اور جملہ فعلیہ بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ جملہ فعلیہ آئے تو پھر اس فعل سے پہلے «قَدْ» کا آنا ضروری، یا «سِين» کا آنا ضروری، یا «سَوْفَ» کا آنا ضروری۔ یہ «قَدْ»، «سِين»، «سَوْفَ» وغیرہ یہ درمیان میں فاصل ہیں، یہ «أَنْ» سے یہ جدائی پیدا کریں گے، بھائی کس چیز میں؟ یہ ہمیں بتلائیں گے کہ یہ «أَنْ» جو ہے یہ مخففہ من الثقلہ ہے، یہ «أَنْ» ناصبہ مصدریہ نہیں۔ یہ «قَدْ»، «سِين» اور «سَوْفَ» جو کس پر داخل ہو رہے ہیں؟ فعل پر، تو پھر یہ ہمیں کیا بتلائیں گے؟ ان کا لانا ضروری ہے اگر آپ «أَنْ» کے بعد فعل لے کر آ رہے ہیں جو کیا لے کر آ رہے ہیں «أَنْ» کے بعد؟ بھائی «أَنْ» کا اسم کون؟ ضمیرِ شان، اور وہ کیا ہے؟ محذوف، اور آگے آنے والا جملہ فعلیہ کیا بن رہا ہے؟ خبر، تو اس خبر پر اس فعل پر «قَدْ» کا لانا یا «سِين» کا لانا یا «سَوْفَ» کا لانا ضروری ہے، کیوں؟ یہ ہمیں بتلائیں گے، یہ «سِين»، «سَوْفَ»، «قَدْ» ہی تو ہمیں پتہ چلے گا کہ یہ «أَنْ» مصدریہ ناصبہ نہیں بلکہ یہ مخففہ من الثقلہ ہے۔ سمجھ میں آیا؟ «سِين»، «سَوْفَ» ہے، حرفِ نفی ہے یہ سب۔ «وَيَجُوزُ»، «وَيَجِبُ دُخُولُ السِّينِ»، اور واجب ہے سین کا داخل ہونا کرنا داخل ہونا، «أَوْ سَوْفَ»، یا سوف کا، «أَوْ قَدْ»، یا قد کا، «أَوْ حَرْفُ النَّفْيِ»، یا حرفِ نفی کا داخل ہونا «عَلَى الْفِعْلِ» فعل پر، «كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ﴾»، دیکھا؟ «أَنْ» کے بعد کیا آیا؟ سین، اس سین نے ہمیں کیا بتلایا؟ مخففہ من الثقلہ ہے، «أَنْ» ناصبہ نہیں، اس لیے «سَيَكُونُ» نصب بھی نہیں ہم پڑھ رہے بلکہ کیا پڑھ رہے ہیں؟ رفع پڑھ رہے ہیں، اگر «أَنْ» ناصبہ ہوتا تو ہم کیا پڑھتے؟ «سَيَكُونَ»۔ تم اللہ جانتے ہیں کہ عنقریب تم میں سے بیمار ہوں گے، مرضٰی جمع ہے مریض کی۔ «وَالضَّمِيرُ الْمُسْتَتِرُ»، اور ضمیرِ مستتر جو ہے «اِسْمُ أَنْ»، وہ «أَنْ» کا کیا ہے؟ وہ ضمیرِ شان بتلا رہے ہیں بھائی، «وَالْجُمْلَةُ خَبَرُهَا»، اور یہ جملہ کیا ہے؟ پورا جملہ ﴿سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ﴾ یہ جملہ کیا ہے بھائی؟ خبر ہے۔

«وَكَأَنَّ لِلتَّشْبِيهِ»، اور «كَأَنَّ» کس لیے آتا ہے مولانا؟ حروفِ مشبہ بالفعل میں سے «كَأَنَّ» تشبیہ کے لیے آتا ہے، ایک چیز کو تشبیہ دینے ہوں۔ میں کہتا ہوں: «كَأَنَّ زَيْدًا أَسَدٌ»، گویا کہ زید کیا ہے؟ گویا کہ زید شیر ہے، تو اس نے زید کو تشبیہ دی کس کے ساتھ؟ شیر۔ «كَأَنَّ زَيْدًا الْأَسَدُ»، گویا کہ زید شیر ہے۔ «وَهُوَ مُرَكَّبٌ»، اور وہ مرکب ہے، «كَأَنَّ» کس سے مرکب ہے مولانا؟ بعض علماء کہتے ہیں یہ «كَأَنَّ» اسی طرح تھا، «كَأَنَّ» کیا تھا؟ پورا اسم ہے، بعض کہتے ہیں نہیں، یہ کاف جارہ اور «إِنَّ» سے مرکب ہے۔ کاف آیا تھا یا نہیں «مِثْلُ» کے معنٰی میں بھائی؟ «زَيْدٌ كَالْأَسَدِ»، زید کس کی طرح ہے؟ تو وہ کاف اور اس کے ساتھ «إِنَّ» ملا، اصل میں تھا بھائی میں نے کیا کہا؟ «كَأَنَّ زَيْدًا أَسَدٌ»، یہ اصل میں کیا تھا؟ اصل میں یوں تھا: «إِنَّ زَيْدًا كَالْأَسَدِ» یا «كَأَسَدٍ»، «إِنَّ زَيْدًا كَأَسَدٍ»، یقیناً زید کس کس کی طرح ہے؟ شیر کی طرح ہے، تو پھر مولانا یہ «إِنَّ» بھی آ رہا تھا کاف بھی، کاف کو اٹھا کر شروع میں ہم لے گئے، کیا بن گیا؟ «كَإِنَّ»، کیا آیا؟ «كَإِنَّ»، تو تھا تو «إِنَّ»، لیکن اب مولانا اس پہ پہلے کاف آ گیا، کیا آ گیا؟ کاف، اور تو یہ جو «إِنَّ» درمیان میں چلا گیا اور درمیانِ کلام میں «إِنَّ» پڑھتے ہیں یا «أَنَّ» پڑھتے ہیں؟ «أَنَّ» پڑھتے ہیں، تو اب اس «إِنَّ» کو کیا پڑھنے لگے؟ «أَنَّ»، تو کیا بن گیا؟ «كَأَنَّ»، سمجھ میں آیا؟ یہ بعض کا ہے، بعض کہتے ہیں نہیں اس طرح نہیں ہوا، یہ باقاعدہ الگ حرف ہے، کاف اور «إِنَّ» سے نہیں بنا، یہ بنا ہی اسی طرح

ہے۔ «وَهُوَ مُرَكَّبٌ»، یہ مرکب ہے کافِ تشبیہ سے «وَإِنَّ الْمَكْسُورَةِ» اور «إِنَّ» مکسور الہمزہ سے، «وَإِنَّمَا فُتِحَتْ»، اور یہ اس کو فتحہ کیوں دیا گیا؟ بھائی کاف اور «إِنَّ» سے ہے تو «كَإِنَّ» ہونا چاہیے، یہ «كَأَنَّ» کیوں ہوا؟ کہتے ہیں فتحہ اس لیے دیا گیا «لِتَقَدُّمِ الْكَافِ عَلَيْهَا»، کس لیے کہ اس «إِنَّ» پر کیا مقدم ہو گیا؟ کاف، تو «إِنَّ» کہاں چلا گیا؟ وسطِ کلام میں، اور وسطِ کلام میں «إِنَّ» نہیں پڑھتے کیا پڑھتے ہیں؟ «أَنَّ»، تو تھا تو «كَإِنَّ» لیکن اب ہم نے کیا بنا دیا اس کو؟ «كَأَنَّ»۔ «تَقْدِيرُهُ»، تقدیرِ کلام یوں تھی مولانا: «إِنَّ زَيْدًا كَالْأَسَدِ»، پھر کاف شروع میں آیا تو «كَإِنَّ زَيْدًا الْأَسَدُ» ہوا، پھر «كَأَنَّ زَيْدًا الْأَسَدُ» ہوا۔ «وَقَدْ تُخَفَّفُ فَتُلْغَى»، اور یہ «كَأَنَّ» بھی کبھی کیا بن جاتا ہے؟ مخفف بن جاتا ہے، «كَأَنَّ» نون کیا ہے؟ مشدد، تو کبھی کیا پڑھتے ہیں؟ «كَأَنْ»، پھر یہ لغو ہو جاتا ہے عمل نہیں کرتا، «نَحْوُ: كَأَنْ زَيْدٌ أَسَدٌ»، دیکھا؟ «زَيْدٌ» کو نصب نہیں دے رہا۔

«وَلٰكِنَّ لِلِاسْتِدْرَاكِ»، اور «لٰكِنَّ» کس لیے آتا ہے مولانا؟ استدراک، استدراک کس کو کہتے ہیں جانتے ہو بھائی؟ کسے کہتے ہیں؟ استدراک کہتے ہیں ما قبل کلام سے کوئی وہم پیدا ہو اس وہم کو دور کرنا استدراک کہلاتا ہے۔ ما قبل کلام سے کیا پیدا ہو بھائی؟ وہم پیدا ہو، اس وہم کو دور کرنا کیا کہلاتا ہے؟ استدراک۔ میں نے کیا کہا آپ سے؟ میں نے کہا «جَاءَنِي زَيْدٌ»، میرے پاس کون آیا تھا؟ زید۔ آپ کے ذہن میں فوراً وہم آیا کہ پھر عمرو بھی آیا ہو گا، کیونکہ زید اور عمرو کیا ہیں؟ دونوں بڑے گہرے دوست ہیں، جہاں جاتے ہیں اکٹھے جاتے ہیں، اور جب میرے پاس اپ میں نے آپ کو بتا دیا کہ زید میرے پاس آیا ہے تو پھر وہم آپ کو کیا پڑا کہ عمرو بھی اس کے ساتھ آیا ہو گا۔ میں نے کہا «وَلٰكِنَّ عَمْرًا لَمْ يَجِئْ»، لیکن عمرو میں نے کہا «جَاءَنِي زَيْدٌ وَلٰكِنَّ عَمْرًا لَمْ يَجِئْ»، میرے پاس زید آیا تھا لیکن عمرو نہیں آیا، تو «لٰكِنَّ» کے ذریعے کیا کیا میں نے مولانا؟ ما قبل کلام سے ایک وہم پیدا ہو رہا تھا، اس وہم کو «لٰكِنَّ» کے ذریعے میں نے کیا کر دیا؟ ختم کر دیا۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ استدراک، بات سمجھ میں سب کو آ گئی بھائی؟

«وَلٰكِنَّ لِلِاسْتِدْرَاكِ»، اور «لٰكِنَّ» استدراک کے لیے آتا ہے، «وَيُتَوَسَّطُ بَيْنَ كَلَامَيْنِ مُتَغَايِرَيْنِ فِي الْمَعْنَى»، تو دیکھو مولانا استدراک کس کو کہتے ہیں؟ «لٰكِنَّ» کس لیے آتا ہے؟ استدراک کے لیے، اور استدراک کس کو کہتے ہیں کہ ما قبل کلام سے ایک وہم پیدا ہوا اس وہم کو کیا کیا جائے؟ تو لازمی بات ہے مولانا اس سے ما قبل بھی ایک کلام ہو گا اور اس کے مابعد بھی ایک کلام ہو گا، لیکن دونوں کلام آپس میں متغایر ہوں گے مولانا، ایک مثبت ہے تو دوسرا منفی، پہلا مثبت ہے تو دوسرا منفی، دوسرا اور اگر پہلا منفی ہے تو دوسرا مثبت ہو گا، سمجھ میں آیا؟ یا تو مولانا لفظاً مثبت ایک پہلا مثبت ہے تو دوسرا لفظاً کیا ہو گا؟ منفی، یا مولانا پہلا منفی ہے لفظاً تو دوسرا کیا ہو گا؟ مثبت، یا صرف معناً ایک مثبت ہے تو دوسرا کیا ہو گا؟ منفی ہو گا، کیا ہو گا؟ دیکھیے ابھی مثالوں سے بات۔ «وَيُتَوَسَّطُ بَيْنَ كَلَامَيْنِ مُتَغَايِرَيْنِ»، اور وسط میں آئے گا دو متغایر کلاموں کے، دونوں کلام میں ایک دوسرے سے کیا ہوں گے؟ مخالف ہوں گے، ایک مثبت ہو گا تو دوسرا منفی، «فِي الْمَعْنَى»، معنیٰ کے اعتبار سے، کس اعتبار سے؟ تو کبھی لفظوں کے اعتبار سے بھی ہو گا لیکن یا اور کبھی اور معنیٰ دونوں کے اعتبار سے، اور کبھی صرف معنیٰ کے، تو یعنی معنیٰ کے اعتبار سے تو ضرور ہی متغایر ہو گا چاہے لفظوں کے اعتبار سے متغایر ہو یا دیکھو مثال سے بات سمجھ میں آئے گی: «مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ»، میرے پاس قوم والے نہیں آئے، وہم پڑا جب قوم والے نہیں آئے تو زید بھی نہیں آیا ہو گا کیونکہ وہ بھی انہی میں سے تھا، لیکن آپ نے کہا عمرو بھی نہیں آیا کیونکہ وہ بھی انہی میں سے تھا، میں نے کہا «وَلٰكِنَّ عَمْرًا جَاءَ»، لیکن عمرو کیا ہے؟ آیا۔ اب دیکھیے مولانا دونوں کلام متغایر ہیں، لفظاً بھی معناً بھی۔ لفظاً کیسے؟ ما قبل میں تھا «مَا جَاءَ» اور مابعد میں کیا ہے؟ «جَاءَ»، تو پہلا منفی ہے دوسرا مثبت ہے، تو لفظاً بھی متغایر اور معناً بھی، کیونکہ پہلے کا معنیٰ کیا ہے؟ نہیں آیا، دوسرے کا معنیٰ کیا ہے؟ آیا، تو لفظاً بھی متغایر اور معناً بھی۔ لیکن کبھی صرف معناً متغایر ہوں گے لفظاً نہیں، جیسے «غَابَ زَيْدٌ»، زید غائب ہے، آپ نے کہا جب زید غائب ہے تو بکر بھی غائب ہو گا کیونکہ وہ بھی اس کا بڑا گہرا دوست ہے، میں نے کہا «وَلٰكِنَّ بَكْرًا حَاضِرٌ»، لیکن بکر کیا ہے؟ اب دیکھو مولانا لفظوں میں اختلاف نہیں، «غَابَ زَيْدٌ» یہ کلامِ مثبت ہے یا منفی ہے؟ مثبت ہے، حرفِ نفی آ رہا ہے؟ نہیں، اور «وَلٰكِنَّ بَكْرًا حَاضِرٌ» یہ بھی کیا ہے؟ مثبت ہے، تو دونوں مثبت ہیں لیکن معنیٰ کے اعتبار سے مخالف ہیں، ایک میں حاضر ہونا ہے تو دوسرے میں ہاں غائب حاضر نہ ہونا ہے، دوسرے میں حاضر نہ ہونا ہے یعنی غائب ہے۔

■ قولہ: «وَيَجُوزُ مَعَهَا الْوَاوُ» کی تشریح

«وَيَجُوزُ مَعَهَا الْوَاوُ»، اور جائز ہے اس کے ساتھ واو بھی، چاہے مولانا «لٰكِنَّ» مخففہ ہو چاہے مشددہ ہو دونوں کے ساتھ واو کا لانا بھی جائز، تو میں کہہ سکتا ہوں «غَابَ زَيْدٌ وَلٰكِنَّ بَكْرًا حَاضِرٌ»، واو کا لانا بھی جائز، «نَحْوُ: قَامَ زَيْدٌ وَلٰكِنَّ عَمْرًا قَاعِدٌ»، زید کھڑا ہوا لیکن عمرو بیٹھا ہے، تو واو

لے آئے بھائی۔ «وَقَدْ تُخَفَّفُ»، کبھی کبھار اس «لٰکِنَّ» کو بھی مخففہ بناتے ہیں اور کیا پڑھتے ہیں؟ «لٰکِنْ»، «فَتُلْغَی»، تو پھر اس کو کیا کرتے ہیں؟ لغو کرتے ہیں، پھر یہ عمل نہیں نصب نہیں دے گا، «نَحْوُ: مَشَی زَیْدٌ لٰکِنْ بَکْرٌ عِنْدَنَا»، زید چلا لیکن بکر ہمارے پاس ہے، تو «بَکْرٌ» پر رفع پڑھا، «لٰکِنْ» کا عمل لغو ہوا۔

«وَلَیْتَ لِلتَّمَنِّي»، اور «لَیْتَ» کس لیے آتا ہے؟ تمنی کے لیے، «لَیْتَ ھِنْدًا عِنْدَنَا»، کاش ہند ہمارے پاس ہوتی، تو «ھِنْدًا» اس کو «لَیْتَ» نے نصب دیا۔ «وَأَجَازَ الْفَرَّاءُ: لَیْتَ زَیْدًا قَائِمًا بِمَعْنَی أَتَمَنَّی»، «لَیْتَ زَیْدًا قَائِمًا بِمَعْنَی أَتَمَنَّی»، دیکھو مولانا ابھی تک آپ نے یہ پڑھا ہے کہ «لَیْتَ» اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور اپنی خبر کو رفع دیتا ہے: «لَیْتَ زَیْدًا قَائِمٌ»، کاش کہ زید کھڑا ہوتا، کاش کہ زید کھڑا ہوتا، لیکن امام فراء فرماتے ہیں دونوں کو نصب دینا بھی جائز، «لَیْتَ زَیْدًا قَائِمًا»، زید کو بھی نصب دیا اور «قَائِمًا» کو بھی، تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ «لَیْتَ» بمعنیٰ «أَتَمَنَّی» کے ہے، کس کے معنیٰ میں ہے؟ «أَتَمَنَّی»، اور «أَتَمَنَّی» دو مفعول چاہتا ہے، تو یہ «لَیْتَ زَیْدًا قَائِمًا» تو جیسے «أَتَمَنَّی» دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے اسی طرح «لَیْتَ» بھی اپنے کیا کرتا ہے؟ اسم اور خبر دونوں کو کبھی کیا دے دیتا ہے؟ نصب دے دیتا ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟ جمہور کہتے ہیں نہیں، «لَیْتَ» صرف اپنے اسم کو خبر نصب دیتا ہے، اپنی خبر کو کبھی بھی نصب نہیں دیتا۔ لیکن یہ کلامِ عرب میں آیا تو ہے، تو جمہور جواب دیتے ہیں مولانا کہ یہ جو «قَائِمًا» ہے یہ «لَیْتَ» کی خبر نہیں، یہ «قَائِمًا» جو ہے «لَیْتَ» کی خبر یہ حال ہے مولانا، یہ کیا ہے؟ حال ہے، اور «لَیْتَ» کی خبر محذوف ہے، اور کلام یوں ہے: «لَیْتَ زَیْدًا ثَبَتَ قَائِمًا»، «ثَبَتَ» خبر کیا ہے؟ محذوف، اور اس «ثَبَتَ» کے اندر «ھُوَ» ضمیر ذوالحال ہے اور یہ «قَائِمًا» اس سے کیا ہے؟ حال، تو یہ «قَائِمًا» کو نصب کون دے رہا ہے؟ «ثَبَتَ» فعل، وہ جو خبر محذوف ہے وہ کیا کر رہی ہے؟ اس «قَائِمًا» کو اس حال کو نصب دے رہی ہے۔ تو جمہور کہتے ہیں کہ یہ «قَائِمًا» خبر ہے ہی نہیں مولانا، بلکہ یہ کیا ہے؟ یہ حال ہے خبر کے اندر جو ضمیر ہے «ھُوَ» کی اس سے حال ہے، اور جمہور کہتے ہیں یہ ان مقامات میں سے ہے جہاں پر حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ یہ ان مقامات میں سے ہے جہاں حال کے عامل کو حذف کرنا یہاں «ثَبَتَ» آپ عبارت میں ذکر کر دیں یہ جائز نہیں، بلکہ اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ حذف ہی کرنا پڑے گا۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تفصیل اگلے سالوں میں آپ پڑھیں گے بھائی، فی الحال یہ یاد رکھیں۔ تو اجازت دی ہے امام فراء نے «لَیْتَ زَیْدًا قَائِمًا» کی بمعنیٰ «أَتَمَنَّی» کہ یہ «لَیْتَ» یہاں کس معنیٰ میں ہے؟ «أَتَمَنَّی» کے معنیٰ میں، اور «أَتَمَنَّی» کیا کرتا ہے؟ دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے، تو «لَیْتَ» بھی اپنے اسم اور خبر دونوں کو کیا دے دے گا؟ نصب دے دے گا، اور جمہور نے کیا کہا؟ یہ «قَائِمًا» منصوب ہے حال ہونے کی بنا پر، اور یہ ان مقامات میں سے ہے جہاں پر حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔

«وَلَعَلَّ لِلتَّرَجِّي»، اور «لَعَلَّ» کس لیے آتا ہے مولانا؟ ترجی کے لیے آتا ہے، امید کے لیے آتا ہے، «کَقَوْلِ الشَّاعِرِ: أُحِبُّ الصَّالِحِینَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ»، میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں اور حال یہ ہے مولانا کہ میں ان میں سے نہیں ہوں، خود نیک نہیں ہوں لیکن میری نیک لوگوں سے محبت تو ہے، «لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِي صَلَاحًا»، شاید کہ اللہ مجھے بھی عطا فرما دے نیکی بھائی، اللہ مجھے بھی نیکی کی توفیق عطا فرما دیں، سمجھ میں آیا بھائی؟ کہتے ہیں مولانا یہ شعر ہے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کا۔ کیا مقام تھا ان کا مولانا، آج سینکڑوں سال ہزار ہا سال بارہ تیرہ سو سال گزر گئے مولانا، آج تک اکثر دنیا کے مسلمان مولانا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر ہیں۔ کتنا کروڑوں، اربوں، کھربوں کوئی حساب نہیں کتنی نیکیاں ہیں بھائی، آپ ایک نماز پڑھتے ہیں آپ کی ہر نماز کا ثواب جا رہا ہے، آپ کے ہر ہر عمل کا ثواب جا رہا ہے، انہوں نے آپ کی فقہ مرتب کی، آپ کے لیے دین کو آسان کیا، سمجھ میں آیا بھائی؟ سارے مسائل نکال کر رکھ دیے بھائی، تو آپ کے ہر ہر عمل کے نیکی کا ثواب ان کی طرف جا رہا ہے بھائی۔ تو ہر ہر نیکی اور عمل، کتنے عظیم مولانا کتنی کتنے عظیم ولی اللہ تھے مولانا، کتنے بڑے ولی اللہ ہمارا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے بھائی کہ ان کو اللہ نے مقتدا بنایا، قیامت کے دن مولانا لوگ اللہ کے ہاں حاضر ہوں گے: اے اللہ مجھے جنت میں داخل فرما میں حنفی ہوں، اے اللہ مجھے جنت میں داخل فرما میں شافعی کے امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب پر ہوں، اے اللہ، تو لوگ مولانا ان کے نام لے کر ذکر کریں گے وہاں، کتنا عظیم مقام ان کو دیا بھائی، مقتدا سارے لوگ کیا ہیں؟ ان کے مذہب پر ہیں مولانا، مقتدا بنایا گیا، بہت بڑا مقام۔ اور کتنا مقام، کتنی ذہانت اور کتنی نیکیاں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے بھائی کہ یہ جس جگہ پر ان کا انتقال ہوا بھائی، جس جگہ پر انتقال ہوا اس جگہ پر انہوں نے سات ہزار مرتبہ قرآن کا ختم کیا تھا بھائی، سات ہزار آپ تصور تو ذرا کریں بھائی کتنا۔ پورا دن رات قرآن و حدیث سے مسائل بھی نکال رہے ہیں، دن رات تدریس بھی جاری ہے علماء کے ساتھ، علم کے لیے سفر بھی ہو رہے ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ مولانا، ہر سال حج کے لیے بھی تشریف لے جا رہے ہیں، رات بھر نوافل میں گزر رہی ہے، اور اتنی عبادات اتنی عبادات اور اس ساتھ جو سات ہزار مرتبہ قرآن بھائی۔ عجیب اوقات میں اللہ نے جب آدمی اللہ والا ہو جاتا ہے مولانا، اللہ اس کے اوقات میں بڑی برکت رکھ دیتے ہیں، ورنہ آپ تصور نہیں کر سکتے، آپ ساری زندگی لگے رہیں مولانا سات ہزار ختم آپ نہیں سارے

کام چھوڑ دیں پھر بھی شاید آپ نہ کر سکیں بھائی، سب کچھ چھوڑ کر بھی۔ اور سمجھ میں آیا؟ اور اتنا اساتذہ کا ادب، اتنا احترام تھا کہ مولانا ایک مرتبہ درس دے رہے تھے، درس دیتے دیتے درمیان میں کھڑے ہو جاتے، پھر درس دیتے دیتے پھر کھڑے ہو جاتے، بعضوں نے اور بزرگوں کے بارے میں لکھا ہے، بعضوں نے لکھا ہے یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تھے، پھر کھڑے ہو جاتے، پھر کھڑے ہو جاتے، تھوڑی دیر کے بعد درس جاری ہے، شاگردوں نے عرض کیا کہ حضرت کیا بات ہے استادِ محترم کیا بات ہے؟ آج آپ کو ہم نے دیکھا وہ کام کیا جو پہلے کبھی نہیں دیکھا، آپ درس میں بار بار کھڑے ہوتے تھے۔ فرمانے لگے کہ میرے استاد ہیں میرے ایک استاد کے چھوٹے سے بیٹے ہیں وہ باہر مسجد کے باہر کھیل رہے ہیں بھائی، کیا کر رہے ہیں؟ وہ کھیل رہے ہیں، وہ کھیلتے کھیلتے مسجد کے دروازے کے سامنے آتا ہے تو میں استاد کے احترام میں کھڑا ہو جاتا ہوں کہ یہ اس کا میرے استاد کا بیٹا ہے تو میں احترام کیا کرتا ہوں؟ احترام میں کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اور اتنا احترام تھا کبھی اپنے اساتذہ کے گھروں کی طرف پاؤں کر کے نہیں لیٹتے تھے بھائی، اگرچہ گھر ان کے دور دور تھے لیکن اس سمت کے اندر بھی پاؤں کر کے نہیں لیٹتے تھے، اسی لیے اللہ نے عظیم مقام بھائی، یہ دین سارا ادب کا نام ہے، جس نے ادب سیکھ لیا اس کو سب کچھ مل گیا بھائی۔ دعا کرو بھائی اللہ ہمیں ادب نصیب فرمائے بھائی۔

تو یہ مولانا اس دنیا کے عظیم ولی اللہ کا مقام، اور عاجزی دیکھو مولانا، آج ہم بھی دندناتے ہوئے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نیک ہیں، ہم نیک ہیں، اور یہ کیا فرما رہے ہیں؟ کہتے ہیں: «أُحِبُّ الصَّالِحِينَ»، اے اللہ میں نیک لوگوں سے محبت تو کرتا ہوں، خود نیک نہیں ہوں، شاید اللہ نیکوں سے محبت کی وجہ سے مجھے بھی کیا بنا دیں؟ نیک بنا دیں، نیکی کی توفیق عطا فرما دیں۔ «لَعَلَّ اللَّهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا»، شاید کہ اللہ تعالیٰ عطا فرما، «يَرْزُقُ» کا معنیٰ عطا فرما دیں، «صَلَاحًا» نیکی، یعنی نیکی کی توفیق عطا فرما دیں۔

▪ قولہ: «وَشَذَّ الْجَرُّ بِهَا» کی تشریح

«وَشَذَّ الْجَرُّ بِهَا»، اور مولانا «لَعَلَّ»، تو دیکھا «لَعَلَّ اللَّهَ»، «لَعَلَّ» نے کیا دیا؟ لفظِ اللہ کو نصب دیا اور ترجی ہے، اس میں امید ہے۔ «وَشَذَّ الْجَرُّ بِهَا»، اور جر بھی جر آیا ہے مولانا «لَعَلَّ» کے ساتھ لیکن شاذ ہے، «لَعَلَّ» کبھی جر بھی دیتا ہے لیکن یہ کیا ہے؟ شاذ ہے، «نَحْوُ: لَعَلَّ زَيْدٍ قَائِمٌ»، تو «لَعَلَّ» نے «زَيْدٍ» کو کیا دیا؟ جر، لیکن یہ کیا ہے؟ شاذ، نہایت قلیل ہے۔ «وَفِي لَعَلَّ لُغَاتٌ»، اور «لَعَلَّ» کے اندر اور بھی لغات ہیں: «عَلَّ» ایک یہ لغت ہے، «عَنَّ»، «أَنَّ»، «لَأَنَّ»، «لَعَنَّ»، یہ ساری «لَعَلَّ» میں کیا ہیں؟ لغات ہیں، کبھی عین کو ہمزہ سے بدلتے ہیں، کبھی لام کو نون سے بدلتے ہیں۔ «وَعِنْدَ الْمُبَرِّدِ أَصْلُهُ عَلَّ»، امام مبرد فرماتے ہیں اس کی اصل کیا ہے؟ یہ مولانا لفظ ہے مبرّد مبرّد، مشہور کیا ہے؟ مبرّد، لیکن مجھے مبرّد نہیں میں مبرِّد کہتا ہوں، کیا کہتا ہوں؟ مبرِّد، یہ بڑے حاضر جواب تھے مولانا، امام مبرد دنیا کے امام بھائی امام نحو اور لغت گزرے ہیں بھائی امام مبرد۔ تو ان کو مبرد کہتے ہیں، یہ اصل میں پہلے مبرِّد تھا نام ان کا، مبرِّد کیا معنیٰ؟ ٹھنڈا کرنے والا، یہ ایسے حاضر جواب تھے ہر ایک کو جواب دے کر اس کو چپ کرا دیا کرتے تھے بھائی، تو کہتے تھے یہ مبرِّد ہے ٹھنڈا کر دیتا ہے دوسرے کو، کیا کرتا ہے؟ ہاں تو بعد میں مخالفین نے مبرِّد کے بجائے کیا مشہور کر دیا؟ مبرَّد مشہور کر دیا۔ چلیے جی تو مشہور مبرَّد ہے لیکن میں مبرِّد پڑھتا ہوں بھائی مجھے یہ۔ «وَعِنْدَ الْمُبَرِّدِ أَصْلُهُ عَلَّ»، اور امام مبرد کے نزدیک اس کی اصل کیا ہے؟ «عَلَّ» ہے، «زِيدَ فِيهِ اللَّامُ»، شروع میں ایک لام کا زیادتی شروع کے لام کی زیادتی کی گئی تو کیا بن گیا؟ «لَعَلَّ» بن گیا، «وَالْبَوَاقِي فُرُوعٌ»، اور باقی سارے اس کی فروع ہیں، اصل ہے «عَلَّ» اور اس کے شروع میں کیا بڑھایا؟ لام، اور باقی سارے اسی کی فرعیں ہیں، سارے اسی «عَلَّ» سے بنتی ہیں یا «لَعَلَّ» سے بنتی ہیں۔ چلیے مولانا ھٰذا ھو المرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۰۲: تخفیفِ إنّ و أنّ وکأنّ و لکنّ، حروفِ عطف اور ماولا مشبہتین بلیس

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۱۱—بتاریخ: ۲۳ اگست ۲۰۱۶ء

■ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس

تو کل مولانا ہم نے حُرُوفِ مُشَبَّہ بِالفِعل کی بحث شروع کی تھی۔ میں نے بتلایا تھا ان حروف کو فعل کے مشابہ کیوں کہا جاتا ہے، مُشَبَّہ بِالفِعل کیوں کہا جاتا ہے؟ اس لیے کہ ان کی مشابہت ہے فعل کے ساتھ لفظاً بھی اور معنًی بھی۔ لفظاً اس طرح مشابہت ہے مولانا کہ جس طرح فعل کا آخر مَبنِیٌّ عَلَی الفَتح ہوتا ہے ان حروف کا آخر بھی مَبنِیٌّ عَلَی الفَتح ہے۔ نیز جیسے فعلِ متعدی ایک اسم اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب دیتا ہے، اسی طرح یہ حروف بھی ایک اسم کو نصب دیتے ہیں اور ایک اسم کو رفع دیتے ہیں۔ اور جیسے فعل ثلاثی، رباعی اور خماسی ہوتا ہے، اسی طرح یہ حروف بھی ثلاثی، رباعی اور خماسی ہیں۔ اور معنًی بھی مشابہت ہے اس لیے کہ یہ حروف فعل کا معنی ادا کرتے ہیں۔ إنَّ اور أَنَّ بمعنی حَقَّقْتُ کے ہوتے ہیں اور لٰکِنَّ بمعنی اِسْتَدْرَکْتُ کے اور کَأَنَّ بمعنی شَبَّهْتُ کے اور لَیْتَ بمعنی تَمَنَّیْتُ کے اور لَعَلَّ بمعنی تَرَجَّیْتُ کے بھائی۔

اور بتلایا تھا یہ حروف جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں، اسم کو نصب دیتے ہیں اور خبر کو رفع دیتے ہیں اور کبھی کبھار ان کے ساتھ مائے کافہ بھی مل جاتا ہے اور اس صورت میں پھر یہ مولانا جملہ اسمیہ پر بھی داخل ہوتے ہیں اور جملہ فعلیہ، فعل پر بھی داخل ہوتے ہیں مولانا۔ اور پھر جب یہ ماکافہ ان کے ساتھ مل جائے تو یہ حروف جو ہیں حصر اور تاکید کا فائدہ دیتے ہیں۔

اس کے بعد بتلایا تھا کہ إنَّ جو ہے وہ جملے کے معنی میں تبدیلی پیدا نہیں کرتا، صرف اس کے اندر تاکید پیدا کر دیتا ہے، جبکہ أَنَّ جو ہے جملے کے معنی کو کس حکم میں کر دیتا ہے؟ مفرد کے حکم میں کر دیتا ہے اور اس کا طریقہ کیا تھا مولانا؟ کہ خبر کے مصدر کو نکال کر اس کی اضافت کر دیں، کس کی طرف؟ أَنَّ کے اسم کی طرف بھائی۔ تو مفرد کے یعنی اس پر وہ کلامِ مفید نہیں رہتا، اس پر سکوت کرنا صحیح نہیں ہوتا۔

اس کے بعد بتلایا تھا تو جو جملے کے مواقع ہیں وہاں پر إنَّ آئے گا اور جو مفرد کے مواقع ہیں وہاں پر أَنَّ آئے گا۔ تو کلام کی ابتدا میں إنَّ آئے گا، قَالَ کے بعد إنَّ آئے گا مولانا، موصول کا صلہ آئے تو وہاں پر کیا آئے گا؟ موصول کے بعد إنَّ آئے گا اور اسی طرح جب خبر میں لام آئے تو پھر بھی کیا آئے گا؟ إنَّ آئے گا بھائی، إنَّ آئے گا۔ بھائی سامنے آجاؤ بھائی، ادھر ہو ادھر ہو، ادھر مولانا۔

اور جو مفرد کا مقام ہو گا وہاں أَنَّ آئے گا، مثال کے طور پر فاعل کا مقام ہے تو وہاں کیا آئے گا؟ أَنَّ آئے گا، مفعول کا مقام ہے أَنَّ آئے گا، مضاف الیہ کا مقام ہے وہاں أَنَّ آئے گا مولانا، مجرور ہے تو وہاں پر أَنَّ آئے گا بھائی۔ اسی طرح لَوْ کے بعد بھی أَنَّ آئے گا اس لیے کہ لَوْ حرفِ شرط ہے اور حرفِ شرط ہمیشہ کس پر داخل ہوتے ہیں؟ فعل پر داخل ہوتے ہیں اور یہاں پر تو لَوْ کے بعد أَنَّ آرہا ہے فعل نہیں آرہا، لہٰذا یہ جو آگے جملہ ہے اس کو فعل کے لیے فعلِ محذوف کے لیے فاعل بنا دیں گے اور یہاں فعل محذوف نکالیں گے أَيْ: لَوْ ثَبَتَ أَنَّ۔ اور اسی طرح لَوْلَا کے بعد بھی مولانا أَنَّ آئے گا اس لیے کہ لَوْلَا کے بعد مبتدا آیا کرتا ہے اور مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مفرد ہوتا ہے، تو لہٰذا یہاں إنَّ نہیں پڑھیں گے بلکہ کیا پڑھیں گے؟ أَنَّ پڑھیں گے۔ تو یہ لَوْلَا امتناعیہ ہے اور اس کے بعد مبتدا آتا ہے جس کی خبر کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔

اس کے بعد بتلایا تھا مولانا کہ یہ جو أَنَّ ہے، أَنَّ لفظاً بھی موجود، معنًی بھی موجود۔ لفظاً اس طرح موجود کہ مولانا ایک کو نصب دے رہا ہے اور ایک کو رفع دے رہا ہے، تو لفظوں کے اعتبار سے بھی اس کا وجود ہے اور معنًی بھی موجود ہے کہ معنی میں اثر کر رہا ہے مولانا، جملے کو یہ کس کے حکم میں کر دیتا ہے؟

مفرد کے۔ جبکہ إِنَّ من وجہٍ موجود ہے، من وجہٍ معدوم ہے۔ لفظوں کے اعتبار سے موجود کیونکہ نصب دے رہا ہے مولانا، رفع دے رہا ہے، اور معنی کے اعتبار سے مولانا یہ معدوم ہے اس لیے کہ جملے کے معنی میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی۔ صرف جملے میں کیا پیدا کرتا ہے؟ تاکید پیدا کرتا ہے، تو جیسے پہلے جملہ تھا اب بھی جملہ ہے مولانا۔ تو یہاں پر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تو أَنَّ کیا ہے؟ لفظاً بھی موجود اور معنًی بھی، جبکہ إِنَّ من وجہٍ موجود اور من وجہٍ معدوم۔ تو لہٰذا اس میں إِنَّ کے اسم کے لفظوں پر بھی عطف جائز ہے اور اس کے محل پر بھی عطف جائز ہے کیونکہ من وجہٍ موجود، تو وجود کے اعتبار سے جب ہم عطف کریں گے تو کیا پڑھیں گے؟ نصب، اور من وجہٍ یہ معدوم، تو اس اعتبار سے کیا پڑھیں گے مولانا عطف، معطوف میں؟ رفع پڑھیں گے بھائی۔ لیکن میں نے بتلایا تھا اس کے اندر شرط یہ ہے کہ إِنَّ کی خبر لفظاً یا تقدیراً پہلے گزر چکی ہو، پھر رفع کے ساتھ آپ کیا کر سکتے ہیں؟ عطف کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر آپ إِنَّ کی خبر پہلے نہیں گزری اور آپ عطف رفع کے ساتھ کرتے ہیں تو آگے خبر آئے گی اور اس خبر کے اندر عامل إِنَّ بھی بن جائے گا اور ابتدا بھی بن جائے گی اور ایک ہی معمول کے اندر دو عامل آجائیں، ایسا جائز نہیں ہے مولانا۔

اس کے بعد بتلایا تھا کہ إِنَّ کی خبر پر کبھی لام داخل ہوتا ہے اور إِنَّ اور أَنَّ جو ہیں ان کو کبھی مخفف بھی بناتے ہیں تو اس کو پھر کیا کہتے ہیں؟ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الْمُثَقَّلَةِ۔ اور اس کے بعد بتلایا تھا کہ جب یہ إِنَّ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الْمُثَقَّلَةِ ہو تو اس کی خبر پر لام کا داخل کرنا واجب ہے۔ اور پھر اس کے بعد یہ کبھی عمل کرے گا اور کبھی عمل نہیں کرے گا۔ دو مثالیں، ایک میں عمل کر رہا تھا اور ایک میں عمل نہیں کر رہا تھا۔ اور اس کے بعد جب آپ اس کو لغو کر دیتے ہیں، عمل سے روک دیتے ہیں مولانا، تو اب اس کا داخل ہونا افعال پر بھی جائز ہے۔ لیکن ایسے افعال پر، اب بھی یہ ایسے افعال پر داخل ہو گا جو خود آگے کس پر داخل ہوتے ہیں؟ اسم اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔ جیسے افعالِ ناقصہ اور افعالِ قلوب تھے مولانا۔ اسی طرح أَنَّ مفتوحہ بھی کبھی مخففہ ہوتا ہے اور اس صورت میں اس کا عمل واجب ہے کس کے اندر؟ ضمیرِ شان مقدر کے اندر جو ہمیشہ مقدر ہوتی ہے۔ اور لہٰذا تو پھر آگے آنے والا جملہ اس کی خبر بنے گا۔ تو یہ جملہ اسمیہ پر بھی داخل ہو سکتا ہے اور جملہ فعلیہ، کیونکہ اس نے خبر بننا ہے اس کے لیے۔ اور اس صورت میں مولانا جب أَنَّ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الْمُثَقَّلَةِ ہو تو مولانا فعل آگے آرہا ہو تو اس فعل پر قَدْ، سِین، سَوْفَ یا حرفِ نفی کا لانا ضروری ہے تاکہ کچھ فاصلہ آجائے۔ کیا آجائے؟ کچھ فاصلہ آجائے، تو یہ سِین، سَوْفَ، قَدْ اور یہ لَا وغیرہ ہمیں بتلائیں گے کہ یہ أَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الْمُثَقَّلَةِ ہے، یہ أَنْ ناصبہ مصدریہ نہیں۔

اور اس کے بعد بتلایا تھا کَأَنَّ تشبیہ کے لیے آتا ہے اور بعض پھر کہتے ہیں یہ کَأَنَّ کس سے بنا ہے؟ کاف جارہ سے اور إِنَّ سے، تو اصل میں تھا إِنَّ جملے کے شروع میں آرہا تھا اور کاف درمیان میں آرہا تھا مثلاً: إِنَّ زَيْدًا كَالأَسَدِ۔ پھر کیا کیا؟ کاف کو اٹھا کر إِنَّ پر لے آئے تو کیا بن گیا؟ كَإِنَّ، پھر مولانا إِنَّ چونکہ درمیان میں آگیا اور وسط میں إِنَّ نہیں پڑھتے، کیا پڑھتے ہیں؟ أَنَّ، تو اس کو کیا بنا دیا؟ كَأَنَّ۔ اور اس کو بھی مولانا یہ کبھی مخفف ہوتا ہے تو عمل لغو کر دیتا ہے، عمل لغو ہو جائے گا اس کا جیسے كَأَنْ زَيْدٌ أَسَدٌ۔ لٰكِنَّ استدراک کے لیے آتا ہے، استدراک کس کو کہتے ہیں مولانا؟ کہ ما قبل کلام سے کوئی وہم پیدا ہوا اس وہم کو دور کرنا استدراک کہلاتا ہے۔ تو لٰكِنَّ استدراک کے لیے آتا ہے تو یہ دو متغایر کلاموں کے درمیان ہو گا یعنی معنی کے اعتبار سے ایک مثبت ہو گا تو دوسرا منفی ہو گا۔ ہاں لفظوں میں تغایر ضروری نہیں۔ لفظوں میں کبھی تغایر ہو گا، ایک مثبت ایک منفی ہو گا اور کبھی تغایر نہیں، لیکن معنی کے اعتبار سے تغایر ضرور ہو گا مولانا۔ اور اس کے ساتھ بتلایا تھا واؤ کا لانا بھی جائز ہے اور کبھی کبھار یہ بھی مخفف ہوتا ہے تو لغو ہو جاتا ہے اس کا عمل، جیسے: مَشَى زَيْدٌ لٰكِنْ بَكْرٌ عِنْدَنَا، تو لٰكِنْ بَكْرٌ، لٰكِنْ نصب نہیں دے رہا بھائی۔ اور اس کے بعد بتلایا تھا لَيْتَ تمنی کے لیے آتا ہے اور امام فراء فرماتے ہیں کہ یہ خبر کو بھی نصب دے سکتا ہے: لَيْتَ زَيْدًا قَائِمًا، تو یہ تَمَنَّيْتُ کے معنی میں، أَتَمَنَّى، أَتَمَنَّى کے معنی میں ہوا اور أَتَمَنَّى کیا ہے؟ دو مفعول چاہتا ہے تو یہ بھی دونوں کو نصب دے دے گا، جبکہ جمہور کہتے ہیں نہیں، یہ ان مقامات میں سے ہے جہاں یہ قَائِمًا آگے حال ہے اور یہ ان مقامات میں سے ہے جہاں پر حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، واجب ہے۔ اور لَعَلَّ ترجی کے لیے آیا تھا جیسے شاعر کا، جیسے امام، بعض نسبت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے: أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحَا تو لَعَلَّ اللهَ، لَعَلَّ نے نصب دیا۔ اور کبھی کبھی اس کے ذریعے جر بھی آجاتا ہے لَعَلَّ کے ذریعے، لیکن بڑا شاذ، قلیل ہے مولانا، شاذ ہے۔ جیسے: لَعَلَّ زَيْدٍ قَائِمٌ بھائی، اور اس میں کئی لغات بتلائی تھیں بھائی۔

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: حُرُوفُ العَطْفِ عَشَرَةٌ: اَلْوَاوُ، وَالفَاءُ، وَث...

فَصْلٌ: حُرُوفُ العَطْفِ عَشَرَةٌ: اَلْوَاوُ، وَالفَاءُ، وَثُمَّ، وَحَتَّى، وَأَوْ، وَإِمَّا، وَأَمْ، وَلَا، وَبَلْ، وَلٰكِنْ۔ حروفِ عطف مولانا دس ہیں: اَلْوَاوُ، وَالفَاءُ، وَثُمَّ، وَحَتَّى، وَأَوْ، وَإِمَّا، وَأَمْ، وَلَا، وَبَلْ، وَلٰكِنْ۔

فَالأَرْبَعَةُ الأُوَلُ لِلْجَمْعِ۔ پہلے چار کس لیے ہیں مولانا؟ جمع کے لیے: واؤ، فا، ثُمَّ، حَتّٰی، یہ جمع کے لیے آتے ہیں مولانا۔ کیا معنی جمع؟ یعنی معطوف اور معطوف علیہ کو حکم میں جمع کر دیتے ہیں۔ مثلاً میں نے کہا: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، تو میں نے واؤ کے ذریعے عطف کیا عمرو کا کس پر بھائی؟ زید پر۔ اس نے جمع ہونے کا فائدہ دیا یعنی اس مجیئت کے اندر، اس آنے میں دونوں جمع ہیں، مجیئت زید کے لیے ثابت ہے تو مجیئت عمرو کے لیے بھی ثابت ہے۔ سمجھ میں آیا؟

اسی طرح میں نے کہا: جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو، معلوم ہوا مجیئت جیسے زید کے لیے ثابت ہے اسی طرح عمرو کے لیے بھی، تو اس نے بھی جمع کا فائدہ دیا کہ دونوں کو حکم میں جمع کر دیا۔ میں کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ ثُمَّ بَكْرٌ، اس نے بھی کس چیز کا فائدہ دیا مولانا؟ جمع کا، اور اسی طرح حَتّٰی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ واؤ، فا، ثُمَّ، حَتّٰی جمع کا، چاروں جمع کا فائدہ دیتے ہیں یعنی معطوف اور معطوف علیہ کو جمع کر دیتے ہیں اس حکم کے اندر بھائی۔

لیکن پھر ان میں آپس میں فرق ہے۔ واؤ مطلقِ جمع کے لیے آتا ہے۔ واؤ کس لیے آتا ہے؟ مطلقِ جمع۔ مطلقِ جمع کا کیا معنی؟ یعنی مولانا وہاں کوئی ترتیب و تراخی، وہاں ترتیب اور تراخی نہیں آتی بھائی، سمجھ میں آیا؟ ترتیب اور تراخی، تاخیر، بھائی میں نے کہا: جَاءَنِي زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو، کیا معنی؟ زید آیا پھر تھوڑی دیر کے بعد عمرو آیا، تو ثُمَّ نے مولانا ترتیب کا فائدہ دیا یا نہیں دیا مولانا؟ اور یہ بتلایا ہے یا نہیں کہ بکر تھوڑی دیر بعد آیا تھا؟ میں کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو، کیا معنی؟ زید آیا اور پھر فوراً ہی کون آیا؟ عمرو آ گیا، تو فا نے ترتیب کا فائدہ دیا کہ پہلے زید آیا اور پھر کون آیا؟ عمرو، اور درمیان میں مہلت اور تاخیر بھی نہیں بلکہ زید کے آنے کے فوراً بعد عمرو آیا۔ جبکہ یہ جو واؤ ہوتا ہے یہ صرف مطلقِ جمع، یہ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا۔

میں نے کہا: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، اس نے جمع ہونے کا فائدہ دیا کہ مجیئت زید کے لیے بھی ثابت ہے اور عمرو کے لیے بھی، لیکن پہلے کون آیا؟ بعد میں کون آیا؟ کوئی مولانا کسی چیز پہ دلالت نہیں کر رہا۔ ہو سکتا ہے زید ہی پہلے آیا ہو اور عمرو کیا ہو؟ فوراً بعد آیا ہو۔ ہو سکتا ہے زید پہلے آیا اور عمرو تھوڑی دیر بعد آیا ہو، پھر بھی آپ کہہ سکتے ہیں: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ زید آج آیا، عمرو دس سال بعد آیا مولانا، آپ پھر بھی کہہ سکتے ہیں: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، کہ مجیئت دونوں کے لیے ثابت ہے۔ ہو سکتا ہے عمرو پہلے آیا ہو اور زید بعد میں آیا ہو، پھر بھی آپ کہہ سکتے ہیں: جَاءَ زَيْدٌ، زید کو پہلے چاہے ذکر کر دیں۔ سمجھ میں آیا؟ کیونکہ یہ واؤ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا۔ یہ صرف اتنا بتاتا ہے کہ یہ مجیئت جیسے زید کے لیے ثابت ہے اسی طرح عمرو کے لیے بھی ثابت۔ اب چاہے دونوں اکٹھے آئے ہوں، یہ صورت بھی اس میں داخل ہو گئی، دونوں الگ الگ آئے ہوں، یہ صورت بھی داخل ہو گئی، زید پہلے آیا ہو عمرو بعد میں آیا ہو، یہ صورت بھی شامل، عمرو پہلے آیا ہو زید بعد میں آیا ہو، یہ بھی صورت شامل، زید کے آتے ہی فوراً عمرو آ گیا، یہ صورت بھی شامل، زید کے آنے کے دس سال بعد عمرو آیا، یہ صورت بھی شامل۔ تو چاہے ترتیب ہو، ترتیب نہ ہو مولانا، مہلت ہو، مہلت نہ ہو، واؤ صرف اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ یہ مجیئت دونوں کے لیے ثابت ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو تمام صورتوں میں آپ کہہ سکتے ہیں: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو اس نے مطلقِ جمع ہونے کا فائدہ دیا اور مطلقِ جمع کا اور کوئی ترتیب کا فائدہ نہیں، کوئی مہلت اور غیر مہلت کا فائدہ نہیں۔

فَالوَاوُ لِلْجَمْعِ مُطْلَقًا، نَحْوُ: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، سَوَاءٌ كَانَ زَيْدٌ مُقَدَّمًا فِي المَجِيءِ أَوْ عَمْرٌو۔ واؤ جو ہے مطلقِ جمع کے لیے آتا ہے، نحو: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، برابر ہے چاہے زید مقدم ہو آنے کے اندر یا عمرو مقدم ہو۔

وَالفَاءُ لِلتَّرْتِيبِ، فا کس لیے آتی ہے؟ ہاں، تو فا ترتیب کے لیے آتی ہے مولانا: بِلَا مُهْلَةٍ، بغیر کسی مہلت کے۔ میں نے کہا: جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو، میرے پاس زید آیا پھر اس کے فوراً بعد کون آ گیا؟ بکر، کیا معنی؟ کتنی دیر بعد آیا؟ فوراً کیا معنی؟ زید کے داخل ہوتے ہی فوراً عمرو آ گیا؟ نہیں، یہ معنی نہیں ہے مولانا۔ عرف میں جس کو فوراً کہتے ہیں، آپ جس کو فوراً کہتے ہوں بھائی وہ فوراً کہلائے گا۔ سمجھ میں آیا؟ چاہے پانچ منٹ بعد آیا، آدھے گھنٹے بعد آیا، لیکن آپ کے نزدیک یہ فوراً ہی ہے تو آپ کیا کہیں گے: جَاءَ زَيْدٌ فَعَمْرٌو، کیونکہ آدھا گھنٹہ آپ کے نزدیک کوئی شمار میں نہیں تھا بھائی، سمجھ میں آیا؟ تو موقع و محل کے مطابق دیکھیں گے، ایک کام ہے وہاں پر تاخیر بھی مولانا کیا ہے؟ تھوڑی تاخیر بھی تاخیر شمار نہیں ہوتی تو وہاں فالے کر آئیں گے۔ وہاں کیا لے کر آئیں گے؟ فالے کر آئیں گے بھائی، فالے کر آئیں گے۔

جیسے قرآن میں آتا ہے مولانا، دیکھیے عرف پر ہے مدار: ﴿وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً﴾ اور نازل کیا آسمان سے پانی، بارش کو نازل فرمایا اللہ نے، تو اس سے زمین کیا ہو جاتی ہے؟ سرسبز ہو جاتی ہے۔ بارش سے زمین کیا ہوتی ہے مولانا؟ بارش کے ہوتے ہی فوراً سرسبز ہو جاتی ہے یا دو تین دن لگتے ہیں اس کو بھائی؟ چند دو چار دن تو لگیں گے اس کو کم از کم، بہت بھی جلدی ہو تو دو چار دن تو ضرور لگیں گے، لیکن پھر بھی قرآن میں کیا آیا: ﴿فَتُصْبِحُ﴾، فا کے ساتھ ذکر کیا گیا، کس کے ساتھ؟ معلوم ہوا فوراً سے یہ مراد فوراً نہیں ہے بلکہ یہ سپر دبہ عرف ہے۔ عرف میں بارش کے بعد زمین جلدی سبز ہو جاتی ہے تو اس کو تاخیر شمار ہی نہیں کیا جاتا یعنی یہ فوراً ہی ہو گئی، گویا کہ فوراً ہی ہو گئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی بھائی؟

توکہتے ہیں:وَالفَاءُ لِلتَّرْتِيبِ بِلَا مُهْلَةٍ، فاترتیب کے لیے آتی ہے اور بغیر مہلت کے:نَحْوُ: قَامَ زَيْدٌ فَعَمْرٌو، إِذَا كَانَ زَيْدٌ مُتَقَدِّمًا، یہ کب کہیں گے؟جب زید مقدم ہو قیام کے اندر:وَعَمْرٌو مُتَأَخِّرًا بِلَا مُهْلَةٍ، اور عمرو متاخر ہو لیکن بغیر کسی مہلت کے، آپ کے نزدیک، عرف کے نزدیک بغیر مہلت ہو، چاہے درمیان میں کچھ مہلت آ بھی جائے لیکن آپ اس کو تاخیر نہیں سمجھتے تو یہ فالائیں گے۔

وَثُمَّ لِلتَّرْتِيبِ بِمُهْلَةٍ، اورثُمَّ کس لیے آتا ہے؟ترتیب کے لیے آتا ہے بِمُهْلَةٍ مہلت کے ساتھ:نَحْوُ: دَخَلَ زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو، زید داخل ہوا پھر کون داخل ہوا؟عمرو داخل ہوا:إِذَا كَانَ زَيْدٌ مُتَقَدِّمًا وَبَيْنَهُمَا مُهْلَةٌ، یہ کب کہیں گے؟جبکہ زید پہلے آیا ہو اور ان دونوں کے درمیان کیا ہو کچھ مہلت۔ یہ بھی کیا ہے؟مہلت جو عرف میں مہلت شمار ہوتی ہے، سمجھ میں آیا بھائی؟وہ مراد ہے بھائی۔

وَحَتَّى كَثُمَّ فِي التَّرْتِيبِ وَالمُهْلَةِ، حَتَّى بھی ثُمَّ کی طرح ہے ترتیب اور مہلت کے اندر بھائی۔حَتَّى كَثُمَّ، حَتَّى کس کی طرح ہے؟اور ثُمَّ کیا ہے؟حرف، اور اس پر کیا داخل ہو رہا ہے؟کاف جارہ، اور کاف جارہ تو مولانا اسم پر داخل ہوتا ہے، حروف جارہ کس پہ داخل ہوتے ہیں؟تو یہ ثُمَّ پر کیسے داخل ہوا بھائی؟ہاں، یہ لفظِ ثُمَّ مراد ہے، تو وہ جو ثُمَّ عبارتوں میں آتا ہے اس کا نام ہی ہم نے کیا رکھ دیا؟ثُمَّ، تو یہ اس وقت علم ہے، کیا ہے؟علم ہے، تو یہ هٰذَا اللَّفْظ کی تاویل میں، یہ لفظ جو ہے، یہ لفظ مولانا یعنی لفظ مراد۔ تو یہ اسم ہوا مولانا، نام ہوا، تو اب اسم پر کاف جارہ داخل ہو جاتا ہے۔

تو مولانا حَتَّى بھی ثُمَّ کی طرح ہے۔ثُمَّ نے کس چیز، ترتیب اور مہلت کا فائدہ دیا تھا، حَتَّى بھی کس چیز کا فائدہ دے گا؟ترتیب اور مہلت کا۔وَحَتَّى كَثُمَّ فِي التَّرْتِيبِ وَالمُهْلَةِ إِلَّا أَنَّ مُهْلَتَهَا أَقَلُّ مِنْ مُهْلَةِ ثُمَّ، مگر حَتَّى کی مہلت ثُمَّ کی مہلت سے کم ہو گی۔ثُمَّ میں جو مہلت ہے وہ زیادہ ہو گی اور حَتَّى میں مہلت کیا ہو گی؟کم ہو گی۔

وَيُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ مَعْطُوفُهَا دَاخِلًا فِي المَعْطُوفِ عَلَيْهِ، اور اس کے اندر شرط لگائی گئی ہے مولانا کہ اس کا معطوف داخل ہو کس کے اندر؟بھائی دیکھو، یہ حَتَّى سے پہلے آیا معطوف علیہ اور یہ پھر حَتَّى آیا اور حَتَّى کے بعد آیا معطوف، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ جو معطوف ہے یہ معطوف علیہ کا جزو ہو۔یہ معطوف کیا ہے؟معطوف علیہ کا جزو۔ آپ کہتے ہیں:أَكَلْتُ السَّمَكَةَ حَتَّى رَأْسَهَا، میں نے مچھلی کھائی یہاں تک کہ اس کا سر بھی کھا گیا۔اب یہ رَأْس جو ہے مولانا، سمکہ کا جزو ہے یا جزو نہیں ہے مولانا؟جزو ہے، تو دیکھا حَتَّى عاطفہ کے اندر ما بعد کو کیا ہونا چاہیے؟ما قبل کا جزو ہونا چاہیے۔

تو یہ مولانا، یہ حَتَّى جو ہے حکم میں عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ حکم میں کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟عموم کا یعنی حکم شامل ہو جاتا ہے تمام افراد یا جمیع اجزا کو مولانا۔ حکم شامل ہو جاتا ہے تمام افراد کو یا جمیع اجزا کو۔ میں نے کہا:أَكَلْتُ السَّمَكَةَ حَتَّى رَأْسَهَا، کیا معنی؟میں نے مچھلی کھائی یہاں تک کہ اس کا سر، کیا معنی؟ یعنی سارے اجزا اکل میں آ گئے یا نہیں آ گئے مولانا؟سارے، تو اس حَتَّى نے عموم کا فائدہ دیا، تمام اجزا کو اب یہ حکم شامل ہوا، سارے اجزا کیا ہوئے؟ماکول ہوئے، ماکول ہوئے۔صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو اس میں شرط لگائی گئی ہے کہ معطوف کو داخل ہونا چاہیے معطوف علیہ میں یعنی اس کا جزو ہو:وَهِيَ تُفِيدُ قُوَّةً فِي المَعْطُوفِ، اور یہ معطوف میں کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟قوت کا فائدہ دیتا ہے، آگے آ رہا ہے:أَوْ ضَعْفًا، یا ضعف کا فائدہ دیتا ہے، جیسے آپ کہتے ہیں:مَاتَ النَّاسُ حَتَّى الأَنْبِيَاءُ، لوگ مر گئے یہاں تک کہ انبیاء بھی، انبیاء کا بھی انتقال ہوا۔ اب بتائیے مولانا، پہلی شرط کیا تھی کہ مابعد کو ما قبل کا جزو ہونا چاہیے، مابعد کو ما قبل میں داخل ہونا چاہیے، تو انبیاء بھی ناس میں سے ہیں یا نہیں مولانا؟انبیاء بھی کہاں ہیں؟لوگوں میں سے ہیں۔ تو دیکھو قوت کا فائدہ دیا مولانا کہ عام لوگوں کا تو انتقال ہوا ہی ہوا، جو عظیم لوگ تھے مولانا انبیاء، ان کا بھی کیا ہو گیا؟انتقال ہو گیا۔ تو یہ دیکھو حَتَّى نے قوت کا فائدہ دیا۔أَوْ ضَعْفًا، یا کس چیز کا فائدہ دیا؟ضعف کا فائدہ دیا، جیسے نحو: قَدِمَ الحَاجُّ حَتَّى المُشَاةُ، حاجی آ گئے یہاں تک کہ پیادے بھی، پیدل بھی آ گئے مولانا۔پیدل جو حاجی تھے، مشاۃ ماشٍ کی جمع ہے، پیدل بھائی، پیدل۔ حاجی آ گئے یہاں تک کہ پیادہ بھی آ گئے بھائی۔جی، تو پیادہ جو تھے وہ حاجیوں میں داخل ہیں یا خارج ہیں مولانا؟وہ بھی داخل ہیں، تو حاجی دو قسم پر ہیں، کچھ سواری پہ آئیں گے کچھ پیدل آئیں گے اور ہیں سارے ہی کیا؟حاجی۔ تو دیکھو معطوف داخل ہے کس کے اندر؟معطوف علیہ کے اندر، اور یہ مولانا ضعف کا فائدہ دے رہا ہے کہ بھائی اتنا وقت گزر گیا ہے کہ سوار حاجی تو آئے ہی آئے، جو کمزور تھے، پیدل آ رہے تھے وہ بھی پہنچ گئے ہیں، وہ بھی پہنچ گئے ہیں۔ تو دیکھو ضعف کا فائدہ دیا یا نہیں دیا مولانا؟کہ جو کمزور، آنے کے اندر کون قوی ہو گا مولانا، سوار یا پیدل؟اور ضعیف کون ہو گا؟پیدل، تو ضعف کا فائدہ دیا حَتَّى نے کہ قوی تو پہنچے ہی پہنچے، جو ضعیف تھے، کمزور تھے چلنے میں وہ بھی کیا ہیں؟پہنچ گئے ہیں۔جی، سمجھ میں آیا؟

اب مولانا ایک بات بتائیے مجھے، حَتَّى انہوں نے کہا تھا ثُمَّ کی طرح ہے اور ثُمَّ کس چیز کا فائدہ دیتا تھا؟ترتیب اور مہلت کا، مہلت کا۔ تو ترتیب یہاں آئی مولانا؟مَاتَ النَّاسُ حَتَّى الأَنْبِيَاءُ، وہ لوگوں کا، لوگ مر گئے یہاں تک کہ انبیاء کا بھی انتقال ہوا، تو لوگ پہلے مرے ہیں یا انبیاء، تو انبیاء کا انتقال بعد

میں ہوا یا وہ لوگوں کے ساتھ ہی ان کا انتقال ہوا ہے بھائی؟ جی؟ لوگ تو آج کل بھی مر رہے ہیں، انبیاء کا ان کے بعد ہوا ہے انتقال؟ ہاں، انبیاء کا بھی تو لوگوں کے ساتھ ہی ہوا انتقال بھائی، کوئی بعد میں سب کے آخر میں تو انتقال نہیں ہوا علیحدہ۔ اسی طرح مولانا حاجی سوار آئے، ساتھ ساتھ پیدل بھی آرہے ہیں، یا سوار ہر حال میں پہلے پہنچتا ہے اور پیدل بعد میں پہنچتا ہے؟ ساتھ ساتھ آتے ہیں مولانا۔ سوار وہاں سے چلا ہی دیر سے ہے تو وہ پہنچے گا بھی دیر سے، پیدل چلا جلدی ہے تو وہ سوار سے بھی پہلے پہنچ جائے گا۔ تو دیکھو حَتّٰی، یہاں سے ایک اور بات معلوم ہوئی کہ حَتّٰی جو ترتیب دیتا ہے وہ خارج میں نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف ذہن میں ہوتی ہے۔ حَتّٰی جو ترتیب دیتا ہے وہ خارج میں نہیں ہوتی مولانا بلکہ کس میں ہوتی ہے صرف؟ ذہن میں۔ یہ ہم نے جو ترتیب دی، یہ ذہن کے اندر ترتیب دی کہ کمزور لوگوں کا تو انتقال ہوا ہی ہوا، جو عظیم لوگ تھے ان میں کا بھی کیا ہو گیا؟ انتقال۔ قوت والے حاجی تو آہی گئے، جو کمزور حاجی تھے وہ بھی کیا، وہ بھی آ گئے ہیں۔ تو دیکھو حَتّٰی نے کس چیز کا فائدہ دیا؟ ترتیب کا، لیکن یہ ترتیب خارجی نہیں بلکہ ترتیبِ ذہنی ہے۔ ترتیبِ ذہنی۔

تو مولانا حَتّٰی اور ثُمَّ میں دو فرق ہوئے۔ حَتّٰی اور ثُمَّ میں، دونوں ترتیب اور مہلت کے لیے آتے ہیں، لیکن حَتّٰی کے اندر مابعد کا ماقبل میں داخل ہونا ضروری ہے یعنی معطوف کا معطوف علیہ میں داخل ہونا ضروری ہے یعنی اس کا اس کے افراد میں سے ہونا یا اس کے اجزا میں سے ہونا ضروری ہے۔ اور دوسرا یہ کہ ثُمَّ کے اندر جو ترتیب ہوتی ہے وہ خارج میں ہوتی ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو، یہ آنا، یہ تاخیر کس میں ہے؟ خارج میں ہے، اور حَتّٰی کے اندر تاخیر خارج میں نہیں ہوتی بلکہ صرف کس میں ہوتی ہے؟ ذہن میں۔ آپ نے خود ذہن کے اندر ترتیب دی مولانا، لوگوں کے گروہ بنا دیے، ایک انبیاء کا گروہ بنایا، ایک عام لوگوں کا گروہ بنایا اور پھر ان میں ترتیب قائم کی کہ انبیاء ہیں اعلیٰ اور لوگ کیا ہیں؟ ادنیٰ۔ تو مولانا پہلے کس کو لے کر آئے؟ ادنیٰ کو لے کر آئے، پھر مولانا قوت، پھر اس کے بعد ترتیب کے ساتھ کس کو؟ قوی کو ذکر کر دیا، پہلے ادنیٰ کمزور کو ذکر کیا معطوف علیہ کو اور پھر حَتّٰی کے بعد قوی کو۔ دیکھو تو حَتّٰی نے مولانا ترتیب کا فائدہ دیا، لیکن یہ ترتیب خارج میں بھی تھی یا صرف آپ نے ذہن میں بنائی تھی؟ صرف ذہن میں بنائی تھی اور اس نے کس چیز کا فائدہ دیا؟ قوت کا فائدہ دیا کہ معطوف کیا ہے؟ قوی ہے۔ اور کبھی ضعف کا فائدہ دیتا ہے کہ معطوف کیا ہے؟ ضعیف ہے، جیسے آپ نے ذہن میں حاجیوں کے دو گروہ بنا لیے، ایک وہ حاجی جو سوار، ایک وہ حاجی جو پیدل، اور آپ نے تو جو سوار تھے وہ قوی ہیں اور جو پیدل تھے وہ کیا تھے؟ ضعیف تھے، تو آپ نے قوی کو پہلے ذکر کیا، ضعیف کو بعد میں ذکر کیا، تو مولانا حَتّٰی کے ذریعے آپ نے کس چیز کی طرف اشارہ کیا؟ کس چیز کو ذکر کیا؟ کس چیز کا اس نے فائدہ دیا؟ ضعف کا فائدہ دیا، کس چیز کا فائدہ دیا؟ ضعف کا، کہ دیکھو مولانا معطوف علیہ ہے قوی اور معطوف کون ہے؟ ضعیف، کیونکہ عام حاجی قوی سوار اور پیدل کیا ہے؟ ضعیف ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

تو یاد رکھو، میں نے کیا بتلایا تھا؟ یہ حَتّٰی عموم کا فائدہ دیتا ہے، کس چیز کا؟ کہ یہ حکم کو عام کر دیتا ہے کہ وہ شامل ہے جمیعِ افراد کو یا جمیعِ اجزا کو۔ ایک حَتّٰی جارہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں، حَتّٰی جارہ بھی اسی طرح عموم کا فائدہ دیتا ہے، لیکن مولانا فرق یہ، اصل ان دونوں میں سے ایک حَتّٰی عاطفہ ہے ایک حَتّٰی جارہ، اصل ان میں حَتّٰی جارہ ہے۔ اصل کیا ہے؟ لہٰذا حَتّٰی جارہ میں مابعد کا ماقبل میں داخل ہونا ضروری نہیں، جبکہ حَتّٰی عاطفہ میں مابعد کا ماقبل میں داخل ہونا ضروری ہے۔ جیسے میں کہتا ہوں مولانا: نِمْتُ البَارِحَةَ حَتَّى الصَّبَاحِ، میں گزشتہ رات سویا صبح تک۔ نِمْتُ البَارِحَةَ حَتَّى الصَّبَاحِ، یہ حَتّٰی کون سا ہے؟ جارہ ہے۔ تو دیکھو ایک ہے صبح، بارہ کہتے ہیں گزشتہ رات کو، تو کیا صبح گزشتہ رات میں داخل ہوتی ہے؟ صبح تو رات کا جزو نہیں، تو دیکھو حَتّٰی جارہ کے اندر مابعد کا ماقبل کے اندر داخل ہونا ضروری نہیں۔ تو یہ عموم کا فائدہ دیتا ہے جیسے حَتّٰی عاطفہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، یہ حَتّٰی جارہ بھی کس کا فائدہ دے رہا ہے؟ اور یہاں بھی عموم آرہا ہے اس لیے مولانا کہ لیل کا جو آخری جزو ہے وہ صبح کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔ تو صبح رات میں داخل تو نہیں، لیکن رات کا آخری جزو کیا ہے؟ صبح کے ساتھ ملا ہوا ہے، جب ملا ہوا ہے تو عموم آیا یا نہیں آیا مولانا کہ معنی کیا ہوا؟ میں ساری رات سویا۔ کیا معنی ہوا؟ تو عموم میں آ گیا مولانا، کیونکہ ماقبل کا آخری جزو ملا ہوا ہے کس کے ساتھ؟ مابعد۔ تو بس یہ یاد رکھو مولانا، حَتّٰی عاطفہ بھی عموم کا فائدہ دیتا ہے، حَتّٰی جارہ بھی عموم کا فائدہ دیتا ہے، لیکن حَتّٰی جارہ ہے اصل تو لہٰذا اس میں وسعت ہے، گنجائش ہے، مابعد ماقبل کا جزو ہو یا جزو نہ ہو، جبکہ حَتّٰی عاطفہ میں مابعد کا ماقبل کا جزو ہونا ضروری ہے۔ معلوم ہوا جہاں حَتّٰی عاطفہ آئے وہاں حَتّٰی جارہ پڑھنا بھی جائز ہے۔ جہاں حَتّٰی، وہاں حَتّٰی جارہ پڑھنا بھی، کیونکہ حَتّٰی جارہ میں بھی تو مابعد ماقبل کا جزو ہو بھی سکتا ہے، اور لیکن جہاں بھی حَتّٰی جارہ آئے وہاں حَتّٰی عاطفہ کا لانا جائز ہو یہ ضروری نہیں، کبھی لا سکتے ہیں اور کبھی نہیں۔ لہٰذا نِمْتُ البَارِحَةَ حَتَّى الصَّبَاحِ، یہاں حَتّٰی عاطفہ نہیں لا سکتے کیونکہ مابعد ماقبل میں داخل نہیں۔ ہاں: أَكَلْتُ السَّمَكَةَ حَتَّى رَأْسَهَا، یہ حَتّٰی عاطفہ ہے لیکن یہاں حَتّٰی جارہ بھی آپ لا سکتے ہیں: أَكَلْتُ السَّمَكَةَ حَتَّى رَأْسِهَا، دونوں جائز ہیں۔ سمجھ میں آئی بات بھائی؟

وَأَوْ، وَإِمَّا، وَأَمْ، ثَلَاثَتُهَا لِثُبُوتِ الحُكْمِ لِأَحَدِ الأَمْرَيْنِ مُبْهَمًا لَا بِعَيْنِهِ۔ أَوْ، إِمَّا اور أَمْ یہ تین آتے ہیں لِثُبُوتِ الحُكْمِ حکم کے ثبوت

کے لیے لِأَحَدِ الأَمْرَيْنِ دو چیزوں میں سے کسی ایک کے لیے مُبْهَمًا مبہم طریقے پر لَا بِعَيْنِهِ نہ کہ معین طریقے پر۔

دیکھیے مولانا: نَحْوُ: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَوْ اِمْرَأَةٍ، میں مرد یا عورت پر گزرا۔ میں مرد یا عورت پر، تو دیکھو مولانا یہ أَوْ آیا مولانا اور أَوْ نے ثبوتِ حکم کا فائدہ دیا کہ آپ کا مرور کس پر ہو رہا ہے؟ مرد پر ہو رہا ہے یا عورت پر، لیکن تو ثبوتِ حکم آیا دو چیزوں میں سے کسی ایک کے لیے، مرد پر گزرنا ہے یا عورت پر، اور مبہم طریقے پر ہے تعیین نہیں ہے بھائی۔ تعیین کہ یہ آپ مرد پر گزرے تھے یا عورت پر، غیر متعین طریقے پر حکم کو ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے ثابت کر رہا ہے، آپ دونوں پر نہیں گزرے، آپ دونوں میں سے ایک پہ گزرے ہیں، یا مرد پہ گزرے ہیں یا عورت پر، لیکن کس پہ گزرے ہیں؟ یہ مبہم ہے، اس کی تعیین نہیں۔ صورت سمجھ میں آئی بھائی؟

وَإِمَّا إِنَّمَا تَكُونُ حَرْفَ العَطْفِ إِذَا تَقَدَّمَتْهَا إِمَّا أُخْرَى، اور إِمَّا جو ہے کہتے ہیں مولانا یہ حرفِ عطف ہو گا جب اس سے پہلے ایک اور إِمَّا آ جائے۔ زَيْدٌ إِمَّا أَخُوكَ وَإِمَّا عَدُوُّكَ، زید یا تو تیرا بھائی ہے یا تیرا دشمن ہے، مثلاً آپ کہتے ہیں، جی، کسی کو کیا کہتے ہیں؟ زید یا تو تیرا بھائی ہے یا تیرا دشمن ہے۔ تو دیکھو مولانا: زَيْدٌ إِمَّا أَخُوكَ وَإِمَّا عَدُوُّكَ، تو یہ عَدُوُّكَ کا عطف کس پر کر رہے ہیں آپ؟ أَخُوكَ پہ، عَدُوُّكَ کا عطف کس پہ کر رہے ہیں؟ تو معلوم ہوا یہ درمیان میں جو وَإِمَّا آیا یہ واؤ زائد ہے، إِمَّا عطف کے لیے ہے۔ إِمَّا کس لیے ہے؟ عطف کے لیے، اس کی وجہ سے عَدُوُّكَ کا عطف ہو رہا ہے أَخُوكَ پر، لیکن أَخُوكَ سے پہلے بھی تو ایک إِمَّا ہم لائے، أَخُوكَ سے پہلے بھی کیا لائے؟ إِمَّا لائے، دیکھو، تو عَدُوُّكَ کا عطف کس پہ ہو رہا ہے؟ أَخُوكَ پہ، تو عَدُوُّكَ اور أَخُوكَ کے درمیان ایک إِمَّا ہمیں چاہیے تھا عطف کے لیے، لیکن یہ جو أَخُوكَ سے پہلے ایک إِمَّا لائے یہ زائد ہے، اس کو لانا پڑے گا۔ اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ جب إِمَّا کو، تو یہ پہلا إِمَّا نہیں مراد مولانا، وہ عطف کے لیے نہیں ہے، پہلا إِمَّا عطف کے لیے نہیں ہے، ثانی إِمَّا عطف کے لیے ہے، لیکن إِمَّا کو جب بھی عطف کے لیے لائیں تو ثانی والا ہی ہمیشہ عطف کے لیے ہو گا، اس سے پہلے ایک اور إِمَّا کو کیا کرنا پڑے گا؟ لانا پڑے گا، تو وہ پہلا إِمَّا پہلے سے ہی آپ کو یہ بات بتلا دے گا کہ آگے جو ہے مولانا حکم دو چیزوں میں سے کسی ایک پر کے لیے ثابت ہے اور تعیین نہیں ہے مولانا۔ تعیین، تو إِمَّا، جب پہلا إِمَّا آیا آپ سمجھ گئے مولانا کوئی آگے ایسی چیز آ رہی ہے جو دو چیزوں میں دائر ہے، وہاں پر تعیین نہیں ہو گی، دو چیزوں میں سے کسی ایک کے لیے حکم ثابت ہو گا غیر متعین طریقے پر۔ سمجھ میں آ گئی بات؟

تو اسی لیے کہا: وَإِمَّا إِنَّمَا تَكُونُ حَرْفَ العَطْفِ إِذَا تَقَدَّمَتْهَا إِمَّا أُخْرَى، نَحْوُ: اَلْعَدَدُ إِمَّا زَوْجٌ وَإِمَّا فَرْدٌ، عدد یا تو جفت ہو گا یا طاق ہو گا۔ دیکھا؟ بھائی إِمَّا عاطفہ کون سا ہے اس جملے میں بھائی؟ دوسرا إِمَّا فَرْدٌ والا، اور پہلا إِمَّا کس لیے لے کر آئے؟ زائد، تاکہ پہلے سے یہ پتہ چل جائے کہ آگے کیا ہے حکم دائر ہونے والا ہے دو چیزوں کے درمیان مبہم طریقے پر، تعیین نہیں ہو گی آگے۔

وَيَجُوزُ أَنْ يَتَقَدَّمَ إِمَّا عَلَى أَوْ۔ یہ وَإِمَّا میں واؤ کس لیے آیا مولانا؟ یہ وَإِمَّا، إِمَّا تو عطف کے لیے ہے، یہ واؤ کس لیے ہے؟ بعضوں نے کہا یہ بھی عطف کے لیے ہے، یہ بھی کس لیے ہے؟ بعض علماء نے کہا، وہ کہتے ہیں بھائی یہ إِمَّا کے ذریعے، واؤ کے ذریعے إِمَّا ثانی کا عطف ہو رہا ہے إِمَّا اول پر۔ بعض علماء کیا کہتے ہیں؟ إِمَّا ثانی کا عطف ہو رہا ہے کس پہ؟ إِمَّا اول پر، اور إِمَّا ثانی کے ذریعے مابعد کا عطف ہو رہا ہے کس پر؟ ماقبل پر۔ تو واؤ کے ذریعے إِمَّا کا عطف ہو رہا ہے اور إِمَّا کے ذریعے غیر کا عطف ہو رہا ہے بھائی، دونوں عطف کے لیے آئے، لیکن کہتے ہیں یہ بات درست نہیں مولانا، علماء لکھتے ہیں علمائے نحو، اس لیے کہ حرف پر حرف کا عطف کبھی نہیں کیا جاتا۔ اسم پر اسم کا عطف تو ہوتا ہے، فعل پر فعل کا عطف تو ہوتا ہے، لیکن کبھی حرف کا عطف حرف پر نہیں ملے گا آپ کو پورے کلامِ عرب کے اندر بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ تو اگر اس واؤ کو عاطفہ بنائیں تو إِمَّا کا عطف إِمَّا پر لازم آئے گا اور إِمَّا تو ہے حرف، کیونکہ یہ کس میں سے ہے؟ حروفِ عاطفہ میں سے ہے اور حرف کا حرف پر عطف لازم آئے گا، حالانکہ پورے کلامِ عرب میں تو حرف کا حرف پر کہیں بھی عطف نہیں، تو لہٰذا وہ کہتے ہیں یہ واؤ زائد ہے، واؤ کیا ہے؟ زائد ہے، تاکید کے لیے ہے، تاکید کے لیے۔

وَيَجُوزُ أَنْ يَتَقَدَّمَ إِمَّا عَلَى أَوْ، اور جائز ہے مولانا کہ إِمَّا مقدم ہو جائے أَوْ پر، بھائی لا واجب نہیں، أَوْ سے پہلے ایک إِمَّا آ سکتا ہے اور نہ بھی آئے تو بھی جائز ہے: نَحْوُ: زَيْدٌ إِمَّا كَاتِبٌ أَوْ أُمِّيٌّ، زید یا تو لکھنے والا ہے یا وہ ان پڑھ ہے۔ امی کس کو کہتے ہیں؟ ان پڑھ کو۔ سمجھ میں آیا؟ تو یوں بھی آپ کہہ سکتے ہیں: زَيْدٌ كَاتِبٌ أَوْ أُمِّيٌّ، إِمَّا کے بغیر بھی کہہ سکتے ہیں اور إِمَّا کے ساتھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ تو دیکھا، یہ تعیین آئی یہاں پر مولانا؟ زید کاتب ہے یا ان پڑھ ہے، تعیین ہے؟ نہیں، تعیین نہیں بھائی، تو یہ إِمَّا اور أَوْ بھی غیر تعیین کے لیے آئے گا۔

وَأَمْ عَلَى قِسْمَيْنِ: مُتَّصِلَةٌ، مولانا أَمْ دو قسم پر ہے: ایک متصلہ اور ایک منقطعہ بھائی۔ دیکھیے بھائی، بھائی أَمْ متصلہ بھائی، بھائی یہ بات وہاں آئی تھی

آپ کو شاید یاد ہو، تخصیص کے چھ طریقوں میں سے ایک طریقہ کیا تھا؟ ہمزہ استفہام آئے کس کے ساتھ؟ أَمْ متصلہ کے ساتھ، یہ اب أَمْ متصلہ آیا۔ أَمْ متصلہ وہ ہے جس کے ذریعے مولانا دو مبہم چیزوں میں سے کسی ایک کی تعیین کا سوال کیا جائے۔ أَمْ متصلہ کس کو کہتے ہیں بھائی؟ دو مبہم چیزوں میں سے کسی ایک کی تعیین کا سوال کیا جائے۔ ہاں اتنا آپ کو پتہ ہے انہی دو چیزوں میں سے، کوئی تیسری چیز نہیں۔ میں کہتا ہوں: أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ؟ گھر میں مرد ہے یا عورت؟ میں نے آپ سے سوال کیا۔ أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ؟ گھر میں مرد ہے یا عورت؟ اور کس کے ذریعے سوال کیا؟ أَمْ متصلہ کے ذریعے، معلوم ہوا مجھے اتنا یقین ہے کہ ہے مرد اور عورت ہی میں سے، کوئی اور چیز نہیں۔ اب آپ جواب میں نَعَمْ کہیں، غلط ہے مولانا، نَعَمْ نہیں کہہ سکتے۔ نَعَمْ کا معنی ہاں، یعنی انہی میں سے کوئی ہے، انہی میں سے کوئی ہے، یہ تو مجھے پہلے سے پتہ ہے، میں نے أَمْ متصلہ سے سوال کرنے کا میرا مقصد ہی یہ ہے کہ مجھے اتنا پتہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ہے، لہٰذا یہاں نَعَمْ یا لَا سے جواب نہیں چلے گا بلکہ آپ کو تعیین کرنا پڑے گی کہ رجل ہے یا امرأۃ ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو اس کو کہتے ہیں أَمْ متصلہ۔

ایک أَمْ منقطعہ آگے آئے گا مولانا، أَمْ منقطعہ وہ ہے جس میں پہلے خبر ہوتی ہے اور أَمْ کے بعد استفہام ہوتا ہے۔ أَمْ سے پہلے کیا ہوتی ہے؟ خبر، اور أَمْ کے بعد؟ استفہام۔ تو منقطع کر دیا یا نہیں اس نے دونوں چیزوں کو ایک دوسرے سے؟ ایک خبر ہے اور ایک انشا ہے مولانا اور انشا اور خبر میں کیا ہوتا ہے؟ انقطاع۔ آگے تفصیل آجائے گی۔ یا مولانا منقطعہ آتا ہے دو سوالوں کے درمیان، ایک سوال پہلے آپ نے کیا پھر اس کو چھوڑ کر دوسرا سوال پوچھ لیا، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ أَمْ منقطعہ کہتے ہیں۔

لیکن یہ مولانا أَمْ متصلہ کے اندر تین شرائط ہیں۔ کتنی شرائط ہیں؟ پہلی شرط یہ کہ شروع میں ہمزہ استفہام آنا چاہیے۔ شرطِ ثانی یہ مولانا کہ جیسا کلمہ أَمْ کے بعد آیا ہے ہمزہ کے بعد بھی ویسا ہی ہو یعنی أَمْ کے بعد اگر اسم ہے تو ہمزہ کے بعد بھی اسم ہو، أَمْ کے بعد فعل ہے تو ہمزہ کے بعد بھی فعل ہو۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ اور تیسری شرط یہ ہے کہ دو چیزوں میں سے ایک چیز یقینی ہونی چاہیے، دو چیزوں میں سے ایک کیا ہونی چاہیے؟ یقینی۔ میں نے کہا: أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ؟ معلوم ہوا گھر کے اندر مرد یا عورت میں سے ایک کا ہونا یقینی ہونا چاہیے، ان میں سے ایک یقینی ہونا چاہیے۔ آپ کو پتہ ہی نہیں ہے سرے سے، تو پھر أَمْ سے سوال نہ کرو أَمْ متصلہ سے، پھر أَوْ یا إِمَّا سے کرو۔ کس سے کرو؟ أَوْ یا إِمَّا سے کرو سوال بھائی۔

دیکھیے ساری تفصیل آرہی ہے: وَأَمْ عَلَى قِسْمَيْنِ: مُتَّصِلَةٌ، وَهِيَ مَا يُسْأَلُ بِهَا عَنْ تَعْيِينِ أَحَدِ الأَمْرَيْنِ، أَمْ دو قسم پر ہے: ایک متصلہ ہے اور یہ وہ ہے جس کے ذریعے سوال کیا جاتا ہے دو امروں میں سے کسی ایک کی تعیین کا: وَالسَّائِلُ بِهَا يَعْلَمُ ثُبُوتَ أَحَدِهِمَا مُبْهَمًا، اور اس کے ذریعے سوال پوچھنے والا وہ دونوں میں سے کسی ایک کے ثبوت کو جانتا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز ہے لیکن مبہم طریقے پر جانتا ہے، تعیین نہیں ہے: بِخِلَافِ أَوْ وَإِمَّا، بخلاف أَوْ اور إِمَّا کے، أَوْ اور إِمَّا کے ذریعے بھی سوال ہوتا ہے مولانا: أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَوْ امْرَأَةٌ؟ لیکن یہ اس وقت سوال ہوگا جب آپ کو سرے سے پتہ ہی نہیں ہے کہ گھر میں مرد ہے یا عورت ہے یا کوئی جانور ہے، کچھ پتہ ہی نہیں ہے آپ کو بھائی، تو اب آپ کس کے ذریعے سوال کریں گے؟ أَوْ یا إِمَّا کے ذریعے، جبکہ أَمْ کے ذریعے تب سوال کریں گے جب آپ کو یقین ہے کہ انہی دو چیزوں میں سے کوئی ایک ہے، تیسری چیز نہیں ہے۔ لہٰذا أَوْ اور إِمَّا کے جواب میں نَعَمْ اور لَا کہہ سکتے ہیں۔ ایک آدمی نے کہا: أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَوْ امْرَأَةٌ؟ آپ نے کہا: نَعَمْ۔ اس نے کہا گھر میں مرد یا عورت ہے؟ آپ نے کہا: جی ہاں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تعیین بھی کر دیں وہ بھی ہے، لیکن جی ہاں بھی وہاں نَعَمْ یا لَا بھی جواب میں کہہ سکتے ہیں جبکہ أَمْ متصلہ میں نَعَمْ یا لَا نہیں کہہ سکتے۔

بِخِلَافِ أَوْ وَإِمَّا فَإِنَّ السَّائِلَ بِهِمَا لَا يَعْلَمُ ثُبُوتَ أَحَدِهِمَا أَصْلًا، بخلاف أَوْ اور إِمَّا کے، اس لیے کہ ان دونوں کے ذریعے سوال کرنے والا وہ دونوں میں سے کسی ایک کے ثبوت کو جانتا ہی نہیں اصلاً، یعنی سرے سے ہی، سرے سے اس کو کچھ پتہ ہی نہیں ہے، قطعی طور پر کچھ نہیں جانتا۔

وَتُسْتَعْمَلُ بِثَلَاثَةِ شَرَائِطَ: أَنْ يَقَعَ قَبْلَهَا هَمْزَةٌ، نَحْوُ: أَزَيْدٌ عِنْدَكَ أَمْ عَمْرٌو؟ اور یہ استعمال ہوتا ہے تین شرائط کے ساتھ أَمْ متصلہ: پہلی شرط یہ کہ اس سے پہلے کیا آئے مولانا؟ ہمزہ آئے، نحو: أَزَيْدٌ عِنْدَكَ أَمْ عَمْرٌو؟ کیا زید ہے تیرے پاس یا عمرو ہے؟ وَالثَّانِي: أَنْ يَلِيَهَا لَفْظٌ مِثْلُ مَا يَلِي الهَمْزَةَ، دوسری شرط یہ ہے مولانا کہ اس کے ساتھ بھی ایسا لفظ ملا ہو مثل اس لفظ کے جو کہ کس سے ملا ہوا ہے؟ ہمزہ سے: أَعْنِي إِنْ كَانَ بَعْدَ الهَمْزَةِ اسْمٌ فَكَذٰلِكَ بَعْدَ أَمْ، كَمَا مَرَّ، یعنی کہ اگر ہمزہ کے بعد اسم ہو تو اسی طرح أَمْ کے بعد بھی، جیسا کہ بات گزر گئی، اسم ہو: وَإِنْ كَانَ بَعْدَ الهَمْزَةِ فِعْلٌ فَكَذٰلِكَ بَعْدَهَا، نَحْوُ: أَقَامَ زَيْدٌ أَمْ قَعَدَ؟ اور اگر ہمزہ کے بعد فعل ہو تو اسی طرح أَمْ کے بعد بھی کیا ہو؟ فعل ہو جیسے: أَقَامَ زَيْدٌ أَمْ قَعَدَ؟ تو دیکھو أَمْ کے بعد کیا ہے مولانا؟ ہمزہ کے بعد فعل ہے تو أَمْ کے بعد بھی کیا آنا چاہیے؟ فعل۔

فَلَا يُقَالُ: أَرَأَيْتَ زَيْدًا أَمْ عَمْرًا؟ لہٰذا یہ کہنا، یوں نہیں کہا جائے گا: أَرَأَيْتَ زَيْدًا أَمْ عَمْرًا؟ تو دیکھو ہمزہ کے بعد آرہا ہے فعل اور أَمْ کے بعد آرہا ہے اسم، حالانکہ ہمزہ کے بعد فعل آئے تو أَمْ کے بعد بھی فعل، ہمزہ کے بعد اسم آئے تو أَمْ کے بعد بھی اسم، تو یہاں ایسا نہیں، ہمزہ کے بعد فعل آرہا ہے اور أَمْ کے بعد کیا آرہا ہے؟ اسم۔

لیکن یہ قول صاحبِ کتاب کا علمائے محققین نے صحیح قرار نہیں دیا مولانا۔ صاحبِ کافیہ بھی اسی کو ذکر کرتے ہیں، وہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ نہیں کہا جائے گا کہ ہمزہ کے بعد فعل ہو تو أَمْ کے بعد کیا آجائے؟ اسم آجائے یعنی جو چیز ہمزہ کے بعد ہے وہی أَمْ کے بعد نہ آئے تو یہ کہنا جائز نہیں۔ لیکن علماء فرماتے ہیں یہ قول صاحبِ کافیہ کا صحیح نہیں، حق امام سیبویہ کے ساتھ ہے اس مسئلے میں اور امام سیبویہ نے ذکر کیا ہے کہ اس طرح کہنا بھی فصیح ہے، اس طرح کہنا بھی فصیح ہے مولانا، بہترین زبردست کلام ہے، صحیح ہے، کوئی غلطی نہیں ہے، چہ جائے کہ ناجائز ہو۔ کہنا ہی جائز نہ ہو بھائی، جائز نہ ہونا تو بڑی دور کی بات ہے، یہ تو کمزور کلام بھی نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ بڑا فصیح کلام ہے۔ ہاں اگر شرط کے مطابق ہو پھر افصح ہے۔ ابھی بھی فصیح ہے، لیکن شرط کے مطابق ہو یعنی ہمزہ کے بعد فعل آیا ہے تو أَمْ کے بعد بھی فعل آجائے پھر افصح ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو دونوں فصیح ہیں، چاہے مولانا ہمزہ کے بعد فعل آیا ہے تو أَمْ کے بعد بھی فعل آجائے، ہمزہ کے بعد اسم آیا ہے تو أَمْ کے بعد بھی اسم آجائے، یہ بھی فصیح کلام، اور اگر ایک کے بعد فعل آیا دوسرے کے بعد اسم آجائے تو یہ بھی فصیح، لیکن فصاحت کس کی زیادہ ہے؟ جس میں ایک جیسا کلمہ آئے، جس میں کیا ہو؟ ہمزہ کے بعد فعل ہے تو أَمْ کے بعد بھی کیا آئے؟ فعل۔ تو دونوں فصیح ہیں، لیکن فصاحت کس کی زیادہ ہے جو شرط کے مطابق ہو، تیسری شرط کے، وہ افصح ہو گا۔ یہ بھی فصیح ہے، لہٰذا صاحبِ کتاب کی بات درست نہیں کہ یوں نہیں کہا جائے گا، یوں بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ فصیح بھی ہے بھائی۔

وَالثَّالِثُ: أَنْ يَكُونَ أَحَدُ الأَمْرَيْنِ المُسْتَوِيَيْنِ مُحَقَّقًا، اور تیسری شرط یہ ہے کہ دو برابر چیزوں میں سے کوئی ایک چیز مُحَقَّقًا، یقینی ہونی چاہیے۔ کیا ہونی چاہیے؟ یقینی ہونی چاہیے۔ بھائی آپ نے سوال کیا: أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ؟ رجل یا امرأۃ کا گھر میں ہونا یقینی ہونا چاہیے۔ تو دونوں چیزوں میں سے ایک کا ہونا یقینی ہو: وَإِنَّمَا يَكُونُ الِاسْتِفْهَامُ عَنِ التَّعْيِينِ، اور استفہام تو تعیین ہی کے بارے میں ہو، بس۔ پتہ آپ کو پہلے سے ہے کہ انہی دو میں سے کوئی ایک ہے، اب صرف تعیین پوچھ رہے ہیں۔

فَلِذٰلِكَ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ جَوَابُ أَمْ بِالتَّعْيِينِ دُونَ نَعَمْ أَوْ لَا، اسی وجہ سے واجب ہے کہ أَمْ کا جواب تعیین کے ساتھ ہو نہ کہ نَعَمْ یا لَا سے: فَإِذَا قِيلَ: أَزَيْدٌ عِنْدَكَ أَمْ عَمْرٌو؟ فجوابُهُ بِتَعْيِينِ أَحَدِهِمَا، جب کہا جائے أَزَيْدٌ عِنْدَكَ أَمْ عَمْرٌو؟ کیا زید ہے آپ کے پاس یا عمرو ہے؟ تو جواب ان دونوں میں سے کسی ایک کی تعیین کے ساتھ آئے گا۔ جواب کیا آئے گا ان دونوں کے؟ تعیین کے ساتھ آئے گا۔ أَمَّا إِذَا سُئِلَ بِأَوْ وَإِمَّا فَجَوَابُهُ نَعَمْ أَوْ لَا، ہاں جب سوال پوچھا جائے أَوْ یا إِمَّا کے ساتھ تو اس کا جواب نَعَمْ یا لَا ہو سکتا ہے۔

وَمُنْقَطِعَةٌ، دوسرا أَمْ منقطعہ ہے بھائی: وَهِيَ مَا تَكُونُ بِمَعْنَى بَلْ مَعَ الهَمْزَةِ، اور یہ کس معنی میں ہوتا ہے؟ بَلْ مَعَ الهَمْزَةِ کے، بَلْ اور ہمزہ کے معنی میں ہوتا ہے، بَلْ کے ساتھ ہمزہ استفہام آئے گا۔ دیکھیے مولانا، مثال سے بات سمجھ میں آئے گی، دیکھنا پہلے خبر ہو گی أَمْ سے پہلے، خبر دے رہے ہیں، اور أَمْ کے بعد سوال پوچھ رہے ہیں، یا أَمْ سے پہلے ایک سوال پوچھ رہے ہیں، أَمْ کے بعد دوسرا سوال پوچھ رہے ہیں۔ دیکھیے۔

تو اس کو منقطعہ اس لیے کہتے ہیں مولانا کہ مابعد ما قبل سے منقطع ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ منقطع ہوتا ہے۔ آپ ایک سوال پوچھ رہے تھے اس کو چھوڑ کر دوسرا سوال پوچھا، یا پہلے خبر دے رہے تھے اس کو چھوڑ کر سوال پوچھنا شروع کر دیا۔

كَمَا رَأَيْتَ شَبَحًا، شَبَحًا يَاشَبْحًا، یہ کہتے ہیں صورت اور شخص کو، جیسے کہ آپ نے ایک صورت دیکھی: مِنْ بَعِيدٍ، دور سے۔ آپ نے دور سے ایک صورت دیکھی مولانا کوئی حرکت کرتی ہوئی چیز آرہی ہے: فَقُلْتَ: إِنَّهَا لَإِبِلٌ، آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: إِنَّهَا لَإِبِلٌ، یقیناً یقیناً یہ اونٹ ہے بھائی۔ یقیناً یہ کیا ہے؟ اونٹ ہے، جملہ اسمیہ لے کر آئے، إِنَّ لے کر آئے، لام لے کر آئے، تاکیدات ساری جمع کر دیں، یقیناً یہ کیا ہے؟ اونٹ ہے۔ عَلَى سَبِيلِ القَطْعِ، آپ نے کہا: إِنَّهَا لَإِبِلٌ عَلَى سَبِيلِ القَطْعِ، قطعی طور پر کہا، یقین سے کہا: ثُمَّ حَصَلَ لَكَ شَكٌّ، پھر جب وہ ذرا قریب آئی آپ کو شک ہوا کہ میری نظر تو شاید کمزور ہو گئی ہے، یہ تو کوئی اور چیز لگ رہی ہے۔ تو پھر آپ کو شک ہوا: أَنَّهَا شَاةٌ، یہ تو کوئی بھیڑ بکری ہے۔ یہ تو کوئی، شَاةٌ مولانا بھیڑ بکری دونوں کے لیے آتا ہے، سمجھ میں آیا؟ صرف بکری کا اس سے ترجمہ صحیح نہیں ہے بھائی۔ بھیڑ بکری میں دونوں میں سے چاہے مذکر ہو مؤنث ہو سب پہ اطلاق ہوتا ہے۔ تو آپ کو یہ شک ہوا کہ یہ تو بکری ہے شاید: فَقُلْتَ: أَمْ هِيَ شَاةٌ؟ تو آپ نے کہا: أَمْ هِيَ شَاةٌ؟ پہلے کیا کہا تھا؟ إِنَّهَا لَإِبِلٌ، پھر آپ نے کہا: أَمْ

هِيَ شَاةٌ؟ کیا یہ بکری ہے؟ یہ استفہام ہے مولانا، یہ ثانی کیا ہے؟ استفہام ہے۔

تَقْصِدُ الإِعْرَاضَ عَنِ الإِخْبَارِ الأَوَّلِ، آپ ارادہ کرتے ہیں، اعراض کرنا چاہتے ہیں اخبارِ اول سے، پہلی خبر جو آپ نے دی اس سے کیا کرنا چاہتے ہیں؟ اعراض کرتے ہیں: وَالاسْتِئْنَافَ بِسُؤَالٍ آخَرَ، اور ابتدا کرتے ہیں دوسرے سوال کے ساتھ۔ پہلے خبر دی تھی اور اب کیا کرتے ہیں؟ دوسرے سوال کے ساتھ ابتدا کرتے ہیں: مَعْنَاهُ: بَلْ هِيَ شَاةٌ، اور معنی اس کا ہے: بَلْ هِيَ شَاةٌ، بَلْ أَهِيَ شَاةٌ ہونا چاہیے مولانا۔ بَلْ هِيَ شَاةٌ یعنی بَلْ أَهِيَ شَاةٌ، یہاں ہمزہ استفہام ہونا چاہیے، یا مراد ہے یہاں پر محذوف مان لیں۔ بَلْ أَهِيَ شَاةٌ، بلکہ کیا یہ بکری ہے؟ یہ وہی معنی کر رہے ہیں مولانا، آپ نے کیا کہا تھا؟ إِنَّهَا لَإِبِلٌ، بعد میں کیا کہا؟ أَمْ هِيَ شَاةٌ، اور یہ أَمْ منقطعہ ہے اور أَمْ منقطعہ کس کے معنی میں ہوتا ہے؟ بَلْ اور ہمزہ کے معنی میں۔ تو أَمْ کو ہٹا کر بَلْ اور ہمزہ لے آؤ: بَلْ أَهِيَ شَاةٌ؟ بلکہ کیا یہ بکری ہے؟ تو پہلے خبر دے رہے تھے اب خود بھی سوال پوچھنے لگے، اب اپ کو بھی یقین نہ رہا، کیا یہ بکری ہے؟ بلکہ کیا یہ، بلکہ کیا یہ بکری ہے؟ صورت سمجھ میں آئی بھائی؟

تو أَمْ متصلہ کے اندر دونوں جزوں کا آپس میں ما قبل مابعد میں اتصال تھا، یہاں دونوں میں انقطاع ہے، ما قبل میں خبر ہے تو مابعد میں سوال، تو یا کبھی ما قبل میں بھی سوال ہوتا ہے لیکن پھر اس کو سوال کو آپ چھوڑ کر اعراض کرتے ہیں اور ایک نیا سوال کرتے ہیں، دونوں صورتوں میں انقطاع آجاتا ہے۔ سب کو سمجھ میں آگیا بھائی؟

وَاعْلَمْ أَنَّ أَمِ المُنْقَطِعَةَ لَا تُسْتَعْمَلُ إِلَّا فِي الخَبَرِ، کَمَا مَرَّ، جان لے تو کہ أَمْ منقطعہ نہیں استعمال ہوتا مگر خبر ہی کے اندر جیسا کہ گزرا۔ پہلے کیا آئی تھی پہلے مولانا؟ أَمْ منقطعہ سے پہلے خبر آئی تھی۔ وَفِي الِاسْتِفْهَامِ، اور کس میں استعمال ہوتا ہے؟ استفہام میں بھی یعنی پہلے ایک سوال ہو گا اس کے بعد دوسرا سوال: نَحْوُ: أَعِنْدَكَ زَيْدٌ أَمْ عَمْرٌو؟ کیا تیرے پاس زید ہے یا عمرو ہے؟ پہلے آپ نے کہا: أَعِنْدَكَ زَيْدٌ؟ کیا تیرے پاس زید ہے؟ پھر آپ نے أَمْ منقطعہ سے سوال کیا: أَمْ عَمْرٌو عِنْدَكَ؟ بَلْ أَعِنْدَكَ عَمْرٌو؟ بلکہ کیا آپ کے پاس کون ہے؟ عمرو۔ تو آپ نے پہلے سوال کو چھوڑ دیا، زید کے بارے میں پوچھا تھا اس کو چھوڑ دیا، اب کس کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا؟ عمرو کے بارے میں، تو یہ منقطعہ ہے، ما قبل سے انقطاع آیا، آپ نے اس سے اعراض کیا اور نیا سوال کر دیا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

اور یہ مثال جو صاحبِ کتاب نے ذکر کی مولانا: أَعِنْدَكَ زَيْدٌ أَمْ عَمْرٌو، یہاں عِنْدَكَ ایک اور ہونا چاہیے مولانا۔ ایک اور عِنْدَكَ کیا ہے؟ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ أَمْ منقطعہ ہے مولانا، اور لباب، رضی وغیرہ دیگر بڑی نحو کی کتابوں میں لکھا ہے کہ أَمْ منقطعہ کے مابعد جملہ آیا کرتا ہے، مفرد نہیں آتا۔ أَمْ منقطعہ کے بعد کیا آیا کرتا ہے؟ جملہ آتا ہے، مفرد نہیں آتا، اور یہاں تو کیا آرہا ہے؟ أَمْ عَمْرٌو، مفرد آرہا ہے، تو لہٰذا اس کو جملہ ہونا چاہیے، اس کی خبر بھی ساتھ ذکر ہونی چاہیے، کیا ہونا چاہیے سوال؟ أَمْ عَمْرٌو عِنْدَكَ؟ سمجھ میں آیا بھائی؟

تو دیکھا: سَأَلْتَ أَوَّلًا عَنْ حُصُولِ زَيْدٍ، پہلے آپ نے کس کے بارے میں پوچھا؟ زید کے بارے میں، زید کے وجود کے بارے میں پوچھا، حصول وجود ایک معنی ہے، زید کے حصول کے بارے میں پوچھا یا زید کے وجود کے بارے میں پوچھا: ثُمَّ أَضْرَبْتَ عَنِ السُّؤَالِ الأَوَّلِ، پھر آپ نے اعراض کیا سوالِ اول سے: وَأَخَذْتَ فِي السُّؤَالِ عَنْ حُصُولِ عَمْرٍو، اور آپ شروع ہو گئے سوال، حصولِ عمرو کے بارے میں سوال میں شروع ہو گئے، اس کے بارے میں سوال پوچھنا شروع کر دیا۔ یہ تھے حروفِ عاطفہ میں سے چند مولانا۔ آگے چلیے، آگے۔

وَلَا، حروفِ عاطفہ میں سے ایک لَا ہے، وَبَلْ، اور بَلْ ہے، وَلٰكِنْ، اور لٰكِنْ ہے: جَمِيعُهَا لِثُبُوتِ الحُكْمِ لِأَحَدِ الأَمْرَيْنِ مُعَيَّنًا، یہ سارے کے سارے آتے ہیں، حکم کو ثابت کرتے ہیں دو چیزوں میں سے کسی ایک کے لیے مُعَيَّنًا معین طریقے پر۔ سمجھ میں آیا؟ لَا، میں کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ لَا عَمْرٌو، مجیئت کس کے لیے ثابت؟ زید کے لیے، نہ کہ عمرو کے لیے، تو دیکھا دو چیزوں میں سے ایک کے لیے حکم ثابت ہے اور تعیین بھی ہے، کس کے لیے ثابت ہے؟ زید کے لیے، اور کس کے لیے نہیں ثابت؟ عمرو کے لیے۔ بَلْ مولانا: جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، آیا میرے پاس زید بلکہ عمرو، کس کے لیے مجیئت ثابت؟ عمرو کے لیے، تعیین آگئی یا نہیں کہ دو چیزوں میں سے ایک کے لیے حکم۔ لٰكِنْ، اور لٰكِنْ میں بھی اسی طرح ہے، دیکھیے۔

أَمَّا لَا فَلِنَفْيِ مَا وَجَبَ لِلْأَوَّلِ عَنِ الثَّانِي، پس لَا جو ہے مولانا وہ نفی کے لیے آتا ہے اس چیز کی: وَجَبَ لِلْأَوَّلِ، جو ثابت ہے، وَجَبَ بمعنی ثَبَتَ کے، وہ جو ثابت ہوا ہے اول کے لیے۔ تو نفی کرتا ہے اس چیز کی جو ثابت ہوئی ہے اول کے لیے، اور کس سے نفی کرتا ہے؟ عَنِ الثَّانِي، کس سے؟ ثانی سے: جَاءَنِي زَيْدٌ لَا عَمْرٌو، تو اول کے لیے کیا ثابت ہوا؟ آنا، اس آنے کی نفی کس سے کر دے گا؟ ثانی سے، یہی بات کر رہے ہیں۔ تو نفی کرتا ہے اس چیز کی جو اول کے لیے ثابت تھی ثانی سے: نَحْوُ: جَاءَنِي زَيْدٌ لَا عَمْرٌو۔

وَبَلْ لِلْإِضْرَابِ عَنِ الأَوَّلِ وَالإِثْبَاتِ لِلثَّانِي، اور بَلْ یہ آتا ہے اعراض کے لیے اول سے اور ثانی کے لیے اثبات کرتا ہے جیسے میں کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، آیا میرے پاس زید بلکہ عمرو، تو پہلے آپ نے مجیئت زید کے لیے ثابت کی پھر اس سے اعراض کیا اور کس کے لیے ثابت کر دی؟ عمرو کے لیے ثابت کر دی، تو معنی اس کا کیا ہوا؟ مَعْنَاهُ: بَلْ جَاءَنِي عَمْرٌو، کہ میرے پاس کون آیا ہے؟ عمرو آیا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو زید کی بات چھوڑ دی آپ نے۔ وَمَا جَاءَ بَكْرٌ بَلْ خَالِدٌ، کیا معنی؟ میرے پاس بکر نہیں آیا بلکہ خالد، کیا معنی؟ جی جی، یعنی مطلب ہے خالد نہیں آیا۔ بھائی ما قبل میں اگر مثبت حکم تھا تو اس مثبت کو مابعد کے لیے ثابت کر دے گا، اگر ما قبل میں منفی تھا تو اس منفی کو مابعد کے لیے، پہلے تو تھا: جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، تو زید کے لیے مثبت حکم تھا یا منفی حکم تھا؟ مثبت، تو اسی مثبت کو اٹھا کر مابعد کس کے لیے ثابت کر دیا؟ عمرو کے لیے، کیا معنی ہوا؟ کہ عمرو آیا ہے میرے پاس۔ اور اب ہے: مَا جَاءَنِي زَيْدٌ، میرے پاس زید، حکم کون سا ہے؟ منفی ہے، بَلْ عَمْرٌو، بلکہ، کیا معنی؟ بلکہ عمرو نہیں آیا۔ میں نے کہنا تھا عمرو، تو پہلے میں نے غلطی سے زید کہہ دیا یا کچھ، تو اب میں نے اس سے اعراض کیا فوراً اور کیا کہہ دیا؟ عمرو۔ تو بچہ مولانا اعراض کرے گا تو وہ چیز جو ما قبل کے لیے ثابت تھی اس کو کس کے لیے ثابت کر دے گا؟ مابعد کے لیے، اگر وہ مثبت تھی تو مثبت کرے گا، منفی تھی تو منفی کرے گا۔ دیکھو خود بتلا رہے ہیں: مَا جَاءَ بَكْرٌ بَلْ خَالِدٌ، مَعْنَاهُ: بَلْ مَا جَاءَ خَالِدٌ، اس کا معنی کیا ہے؟ بلکہ خالد نہیں آیا۔

وَلٰكِنْ لِلِاسْتِدْرَاكِ، اور لٰكِنْ حروفِ عاطفہ میں سے یہ استدراک کے لیے آتا ہے: وَيَلْزَمُهَا النَّفْيُ قَبْلَهَا، اور اس کے ساتھ کیا لازم ہے؟ نفی لازم ہے اس سے پہلے۔ بھائی استدراک کس کو کہتے ہیں؟ ما قبل کلام سے جو وہم پیدا ہوا اس وہم کو دور کرنا، اور اس کے لیے کیا آتا تھا؟ لٰكِنَّ، اور لٰكِنَّ میں کیا ضروری تھا؟ دونوں کلام آپس میں متغایر ہوں، ایک مثبت ہے تو دوسرا؟ منفی۔ یہاں بھی اسی طرح ہو گا: لٰكِنْ لِلِاسْتِدْرَاكِ وَيَلْزَمُهَا النَّفْيُ، تو اس میں بھی نفی ہو گی، اب یہ نفی ہے چاہے پہلے آئے چاہے بعد میں آئے، ایک طرف نفی ایک طرف اثبات ہو گا۔ وَيَلْزَمُهَا النَّفْيُ قَبْلَهَا، اور اس کے ساتھ نفی لازم ہے، وہ نفی یا تو کیا ہو گی؟ اس سے پہلے ہو گی: نَحْوُ: مَا جَاءَنِي زَيْدٌ لٰكِنْ عَمْرٌو جَاءَ، میرے پاس زید نہیں آیا لیکن عمرو آیا، تو ما قبل میں ہے مَا جَاءَ، مابعد میں ہے جَاءَ: أَوْ بَعْدَهَا، یا نفی بعد میں ہو گی: نَحْوُ: قَامَ بَكْرٌ لٰكِنْ خَالِدٌ لَمْ يَقُمْ، بکر کھڑا ہوا لیکن خالد کھڑا نہیں ہوا، تو ما قبل میں ہے قَامَ مثبت اور نفی کہاں پر ہے؟ مابعد لَمْ يَقُمْ میں بھائی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی بھائی سب کو؟ دیکھیے۔

حُرُوفُ التَّنْبِيهِ ثَلَاثَةٌ: أَلَا، وَأَمَا، وَهَا۔ حروفِ تنبیہ تین ہیں: أَلَا، أَمَا اور هَا۔ بھائی کسی کو متوجہ کرنے کے لیے، متنبہ کرنے کے لیے آتے ہیں کسی بات پر۔ ان میں سے یاد رکھو، کتنے ہیں؟ أَلَا، أَمَا اور هَا۔ ان میں سے أَلَا اور أَمَا صرف جملوں پر داخل ہوتے ہیں، جبکہ هَا جو ہے وہ مفرد پر بھی داخل ہوتا ہے اور جملے پر بھی داخل ہوتا ہے۔ آپ نہیں کہتے اسمِ اشارہ ہے ذَا لیکن آپ کیا کہتے ہیں؟ هٰذَا، تو اسمِ اشارہ پر آپ نے کیا داخل کیا؟ هَا، یہ هَا تنبیہ کی ہے مولانا، تو یہ مفرد پر بھی داخل ہوتی ہے اور جملے پر بھی داخل ہوتی ہے، آگے مثال آ جائے گی۔ جبکہ أَلَا اور أَمَا صرف کس کی تنبیہ کے لیے آتے ہیں؟ جملے پر تنبیہ کے لیے۔

حُرُوفُ التَّنْبِيهِ ثَلَاثَةٌ: أَلَا، وَأَمَا، وَهَا، وُضِعَتْ لِتَنْبِيهِ المُخَاطَبِ لِئَلَّا يَفُوتَهُ شَيْءٌ مِنَ الكَلَامِ، حروفِ تنبیہ تین ہیں: أَلَا، أَمَا اور هَا، یہ وضع کیے گئے ہیں تاکہ مخاطب کو متنبہ کر دیں لِئَلَّا يَفُوتَهُ شَيْءٌ مِنَ الكَلَامِ تاکہ اس سے کلام میں سے کوئی چیز فوت نہ ہو جائے۔ بھائی آپ کوئی اہم بات کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو خطرہ ہے کہیں سامع غافل نہ ہو، اس کی توجہ نہ ہو، تو آپ فوراً کہتے ہیں: أَمَا زَيْدٌ قَائِمٌ، جب أَمَا کہا حرفِ تنبیہ لائے، فوراً اس کی توجہ ہو گئی کہ کوئی خاص بات کرنے لگے ہیں تو اب وہ بات کو کیا کر لے گا؟ توجہ سے سن لے گا بھائی۔ تو تنبیہ کرنے کے لیے یہ وضع ہیں تاکہ مخاطب سے کوئی چیز فوت نہ ہو جائے کلام میں سے یعنی رہ نہ جائے۔

فَأَلَا وَأَمَا لَا يَدْخُلَانِ إِلَّا عَلَى الجُمْلَةِ، پس أَلَا اور أَمَا داخل نہیں ہوتے مگر کس پر مولانا؟ جملے پر: اِسْمِيَّةً كَانَتْ أَوْ فِعْلِيَّةً، اسمیہ ہو گا یا جملہ فعلیہ: نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ﴾، جیسے اللہ کا یہ قول ہے: ﴿أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ﴾، آگاہ رہو کہ یقیناً وہی فساد پھیلانے والے ہیں، تو دیکھا أَلَا آیا، جملہ اسمیہ پر داخل ہوا: وَقَوْلِ الشَّاعِرِ: أَمَا وَالَّذِي أَبْكَى وَأَضْحَكَ وَالَّذِي أَمَاتَ وَأَحْيَا وَالَّذِي أَمْرُهُ الأَمْرُ اور یہ ایک شاعر کا قول: قسم، أَمَا آگاہ رہو، واؤ قسمیہ جارہ ہے، قسم ہے اس ذات کی، أَبْكَى ماضی بمعنی مضارع کے، قسم ہے اس ذات کی جو رلاتی ہے، وَأَضْحَكَ اور وہ ذات جو ہنساتی ہے، اور وہ ذات أَمَاتَ جو موت دیتی ہے، وَأَحْيَا اور زندہ کرتی ہے، وَالَّذِي اور اس ذات کی قسم أَمْرُهُ الأَمْرُ جس کا حکم ہی حکم ہے، کہ اسی کا حکم حکم ہے باقی کوئی حکم نہیں! تو دیکھا یہ مثال کیا ہے؟ أَمَا، مقامِ استشہاد کیا ہے؟ أَمَا وَالَّذِي، أَمَا کس پہ داخل ہو رہا ہے مولانا؟ جملے پر داخل ہو رہا ہے۔ أَوْ فِعْلِيَّةً، یا کیا ہو گا مولانا؟ فعلیہ ہو گا: نَحْوُ: أَمَا لَا تَفْعَلْ، آگاہ رہو، لَا تَفْعَلْ، ایسا نہ کرو، وَأَلَا لَا تَضْرِبُ، اور آگاہ رہو، تو پٹائی نہیں

کرتا یالَا تَضْرِبْ۔

وَالثَّالِثُ هَا، تَدْخُلُ عَلَى الجُمْلَةِ الاسْمِيَّةِ، نَحْوُ: هَا زَيْدٌ قَائِمٌ، اور تیسرا ھَا ہے مولانا، یہ جملہ اسمیہ پر بھی داخل ہوتا ہے جیسے: هَا زَيْدٌ قَائِمٌ، دیکھا یہ جملے پر داخل ہوا ھَا: وَالمُفْرَدِ، اور مفرد پر بھی داخل ہوتا ہے جیسے: هٰذَا وَهٰؤُلَاءِ، سمجھ میں آیا بھائی؟

■ متن وفصل: فَصْلٌ: حُرُوفُ النِّدَاءِ خَمْسَةٌ: يَا، وَأَيَا، وَهَيَا،...

فَصْلٌ: حُرُوفُ النِّدَاءِ خَمْسَةٌ: يَا، وَأَيَا، وَهَيَا، وَأَيْ، وَالهَمْزَةُ، حروفِ ندا جو ہیں پانچ ہیں: يَا، أَيَا، هَيَا، أَيْ اور ہمزہ، ہمزہ مفتوحہ۔ فَأَيْ وَالهَمْزَةُ لِلْقَرِيبِ، أَيْ اور ہمزہ کس کے لیے ہیں؟ قریب کے، حروف تھوڑے ہیں قریب کے لیے، اور أَيَا، هَيَا میں حروف زیادہ ہیں وہ کس کے لیے ہیں؟ بعید کے لیے، کیونکہ بعید کیا چاہتا ہے؟ لمبی آواز چاہتا ہے تو اس کے لیے زیادہ حروف رکھے۔ وَأَيَا وَهَيَا لِلْبَعِيدِ، أَيَا اور هَيَا بعید کے لیے ہیں: وَيَا لَهُمَا وَلِلْمُتَوَسِّطِ، اور يَا قریب اور بعید دونوں کے لیے ہے اور متوسط کے لیے بھی ہے: وَقَدْ مَرَّ أَحْكَامُ المُنَادَى، اور تحقیق منادیٰ کے احکام گزر چکے ہیں۔

حُرُوفُ الإِيجَابِ سِتَّةٌ: نَعَمْ، وَبَلَى، وَأَجَلْ، وَجَيْرِ، وَإِنَّ، وَإِيْ۔ حروفِ ایجاب چھ ہیں مولانا: نَعَمْ، وَبَلَى، وَأَجَلْ، وَجَيْرِ، وَإِنَّ، وَإِيْ۔ ایجاب سمجھ میں آیا؟ جواب جن کے ساتھ دیا جاتا ہے وہ چھ حروف ہیں۔

أَمَّا نَعَمْ فَلِتَقْرِيرِ كَلَامٍ سَابِقٍ، نَعَمْ کس لیے آتا ہے؟ نَعَمْ ماقبل کلام کے اثبات کے لیے۔ بھائی ماقبل مثبت تھا تو اس کا اثبات کر دے گا، ماقبل منفی تھا تو اس منفی کا کیا کر دے گا؟ اثبات کر دے گا۔ میں کہتا ہوں: أَجَاءَكَ زَيْدٌ؟ کیا آپ کے پاس زید آیا ہے؟ آپ نے کہا: نَعَمْ، کیا معنی؟ آیا ہے۔ میں نے کہا: أَمَا جَاءَكَ زَيْدٌ؟ کیا زید نہیں آیا؟ آپ نے کہا: نَعَمْ، کیا معنی؟ نہیں آیا۔ سمجھ میں آیا؟ تو مثبت کے جواب میں آئے گا تو اسی مثبت کا اثبات کر دے گا، منفی کے جواب میں آئے گا تو اسی منفی کا اثبات کر دے گا۔

أَمَّا نَعَمْ فَلِتَقْرِيرِ كَلَامٍ سَابِقٍ، مُثْبَتًا كَانَ أَوْ مَنْفِيًّا، پس وہ کلامِ سابق کو ثابت کرنے کے لیے ہے، تقریر بمعنی اثبات، چاہے وہ مثبت ہو یا منفی ہو: نَحْوُ: أَجَاءَ زَيْدٌ؟ قُلْتَ: نَعَمْ، کیا زید آیا ہے؟ آپ نے کہا: ہاں یعنی وہ آیا ہے۔ وَأَمَا جَاءَ زَيْدٌ؟ قُلْتَ: نَعَمْ، کیا زید نہیں آیا؟ آپ نے کہا: ہاں یعنی وہ نہیں آیا۔

وَبَلَى، اور بَلَى۔ بَلَى مولانا ماقبل میں جو نفی ہے بَلَى اس کو مثبت بنا کر اس کا اثبات کر دیتا ہے۔ اس کو کیا کر دیتا ہے؟ جیسے اللہ نے تمام ارواح کو جمع کیا اور فرمایا: ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾، کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟ انہوں نے کہا: ﴿بَلَى﴾ کیوں نہیں۔ تو ماقبل میں کیا تھا؟ نفی تھی، کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟ تو بَلَى نے کیا کیا؟ اس کو مثبت بنایا اور اس کے مثبت کو ثابت کیا بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ اسی لیے اگر اس کے جواب میں ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ کے جواب میں نَعَمْ کہا جائے تو یہ کفر ہے، یہ کیا ہے؟ کفر، کیوں؟ کیونکہ نَعَمْ تو منفی کو منفی ہی بنا کر ثابت کر دیتا، کیا معنی ہوتا؟ کہ آپ ہمارے رب نہیں، تو یہ تو کفر ہو جاتا۔

وَبَلَى تُخْتَصُّ بِإِيجَابِ مَا نُفِيَ اسْتِفْهَامًا، اور بَلَى خاص ہے، تَخْتَصُّ، تُخْتَصُّ دونوں پڑھ سکتے ہیں، یہ لازمی بھی مستعمل ہے متعدی بھی مستعمل ہے۔ وَبَلَى تُخْتَصُّ بِإِيجَابِ مَا نُفِيَ اسْتِفْهَامًا، بَلَى خاص ہے اس بات کے ساتھ، ایجاب کیا معنی؟ اثبات، اس چیز کے اثبات کے ساتھ نُفِيَ اسْتِفْهَامًا جس کی نفی کی گئی ہے کس طور پر؟ استفہام کے طور پر، بھائی: ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ استفہام کے طور پر نفی کی گئی، کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟ تو اس کا اثبات کیا: كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى﴾، اللہ فرماتے ہیں کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔ أَوْ خَبَرًا، یا کیا ہو مولانا؟ خبر ہو مولانا، تو اس کو بھی اثبات کر دے گا بَلَى، كَمَا يُقَالُ: لَمْ يَقُمْ زَيْدٌ، قُلْتَ: بَلَى، جیسے کہا جائے لَمْ يَقُمْ زَيْدٌ زید کھڑا نہیں ہوا، آپ نے کہا بَلَى، کیوں نہیں، کیا معنی؟ یعنی کھڑا ہوا ہے: أَيْ: قَدْ قَامَ، یعنی کھڑا ہوا ہے۔

وَإِيْ لِلإِثْبَاتِ بَعْدَ الاسْتِفْهَامِ، اور إِيْ بھی جواب دیا جاتا ہے، لیکن یہ اثبات کے لیے آئے گا کس کے بعد؟ استفہام کے بعد۔ آپ سے کسی نے کہا: أَجَاءَكَ زَيْدٌ؟ آپ جواب میں کہیں گے: إِيْ، لیکن یہ إِيْ یاد رکھیں اکیلا نہیں آئے گا، ساتھ قسم بھی لانا پڑے گی، آپ سے کسی نے کہا: أَجَاءَكَ زَيْدٌ؟ آپ نے کہا: إِيْ وَاللهِ، إِيْ وَاللهِ، نَعَمْ کے معنی میں: وَيَلْزَمُهَا القَسَمُ، اور اس کے ساتھ کیا لازم ہے؟ قسم لازم ہے: كَمَا إِذَا قِيلَ: هَلْ كَانَ كَذَا؟ قُلْتَ: إِيْ وَاللهِ، جیسے کہا گیا کیا ایسا ہوا تھا؟ آپ کہتے ہیں: ہاں واللہ۔

وَأَجَلْ، وَجَيْرِ، وَإِنَّ، أَجَلْ، جَيْرِ، جَيْرَ دونوں طرح جائز ہیں، وَإِنَّ اور إِنَّ: لِتَصْدِيقِ الخَبَرِ، یہ کس لیے آتے ہیں مولانا؟ تصدیقِ خبر کے

لیے۔ دیکھا ایک اور إِنَّ بھی ہوتا ہے کلامِ عرب میں آج آپ کو پتہ چل گیا، جو حرفِ جواب ہے، حرفِ ایجاب ہے۔ کیا کیا جاتا ہے؟ اس کے ساتھ جواب دیا جاتا ہے۔ یہ أَجَلْ، جَيْرِ اور إِنَّ کہتے ہیں لِتَصْدِيقِ الخَبَرِ، یہ خبر کی تصدیق کے لیے آتے ہیں، خبر کی تصدیق کے لیے، جیسے کسی نے کہا زید آگیا ہے، آپ نے کہا: بالکل جناب، کیا کہا؟ یہ تصدیق کر دی: جی ہاں۔ اب اس نے کوئی پوچھا نہیں تھا، اس نے صرف کیا کی تھی؟ خبر دی تھی، آپ نے بھی اس کی کیا کر دی؟ تصدیق کر دی۔

كَمَا إِذَا قِيلَ: جَاءَ زَيْدٌ، قُلْتَ: أَجَلْ، أَوْ جَيْرِ، أَوْ إِنَّ، جیسے کہ کہا جائے جَاءَ زَيْدٌ زید آگیا، آپ نے کہا أَجَلْ، جَيْرِ یا إِنَّ کہہ دیتے ہیں: أَيْ: أُصَدِّقُكَ فِي هٰذَا الخَبَرِ، کیا معنی؟ میں اس خبر میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، سمجھ میں آیا؟ تو جی جناب اس کا معنی آجائے گا، بالکل جناب۔

حُرُوفُ الزِّيَادَةِ سَبْعَةٌ: إِنْ، وَأَنْ، وَمَا، وَلَا، وَمِنْ، وَالبَاءُ، وَاللَّامُ۔ حروفِ زیادت سات ہیں مولانا: إِنْ، أَنْ، مَا، لَا، مِنْ، با اور لام یعنی یہ حروف کبھی کبھی کلامِ عرب میں کیا آتے ہیں مولانا؟ زائد بھی آتے ہیں، زائد بھی آتے ہیں یعنی بالکل زائد بھی نہیں ہوتے، بتلایا تھا میں نے مولانا کہ حرفِ زائد کا یہ معنی نہیں کہ وہ بالکل ردی ہے۔ وہ کلام میں تاکید پیدا کرتا ہے، وہ کلام کو حسن دیتا ہے، اس کو نکال دیا جائے تو کلام کا حسن باقی نہیں رہتا۔

فَإِنْ تُزَادُ مَعَ مَا النَّافِيَةِ، پس إِنْ جو ہے، اب یہ کون سے کہاں کہاں زائدہ آتے ہیں دیکھیے بھائی، پس إِنْ کو بڑھاتے ہیں مائے نافیہ کے ساتھ: نَحْوُ: مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ آپ نے پڑھا تھا یا نہیں؟ مامشابہ بلیس ہوتا ہے مولانا، اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اپنی خبر کو نصب دیتا ہے، لیکن درمیان میں اگر إِنْ آجائے تو اس کا عمل کیا ہو جاتا ہے؟ باطل ہو جاتا ہے، تو دیکھو اب یہ نصب نہیں دے رہا: مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ اور یہ ما کا معنی، ما بھی نفی کا فائدہ دے رہا ہے اور إِنْ صرف یہاں تاکید کے لیے زائد ہے، اگر زائد نہ مانیں ہم اس کو تو یہ بھی نفی کے لیے آتا ہے اور نفی پر نفی داخل ہو تو یہ کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ اثبات کا فائدہ دیتی ہے، کس چیز کا؟ اثبات کا فائدہ دیتی ہے۔

کیا مثال ہو گی اس کی مولانا، نفی پر نفی داخل ہو اثبات کا فائدہ دے؟ ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں یہ کام نہ کروں، ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں یہ کام نہ کروں، کیا ہوا؟ نفی پر کیا داخل ہوئی؟ نفی داخل ہوئی، کیا معنی؟ میں یہ کام ضرور کروں گا، تو دیکھو نفی پر نفی داخل ہوئی اس نے کس چیز کا فائدہ دیا؟ اثبات۔ تو یہاں پر بھی اگر مولانا یہ إِنْ کو زائد نہ مانیں تو نفی پر نفی داخل ہو گی اور کس چیز کا فائدہ دے دے گی؟ اثبات، حالانکہ اثبات تو یہاں پر مقصود نہیں، اس لیے إِنْ کو زائدہ ماننا پڑے گا۔

وَمَعَ مَا المَصْدَرِيَّةِ، اور اسی طرح مولانا إِنْ بڑھاتے ہیں کس کے ساتھ؟ مائے مصدریہ کے ساتھ بھی: نَحْوُ: اِنْتَظِرْ مَا إِنْ يَجْلِسُ الأَمِيرُ، تو دیکھو مائے مصدریہ کے بعد إِنْ آیا مولانا۔ وَمَعَ لَمَّا، اور مولانا کس کے ساتھ بڑھاتے ہیں إِنْ کو؟ لَمَّا کے ساتھ: لَمَّا أَنْ جَلَسْتَ جَلَسْتُ، چلو جَلَسْتَ کر لیں بھائی یہاں حَبَسْتَ لکھا ہے، لَمَّا أَنْ جَلَسْتَ جَلَسْتُ، تو دیکھو یہ أَنْ کیا ہے مولانا؟ یہ إِنْ زائد ہے: لَمَّا إِنْ جَلَسْتَ۔

وَأَنْ تُزَادُ مَعَ لَمَّا، یہ تو تھی إِنْ کی بات، إِنْ کو کس کے بعد بڑھاتے ہیں؟ مائے نافیہ کے بعد، مائے مصدریہ کے بعد اور لَمَّا کے بعد۔ وَأَنْ، اب أَنْ جو ہے تُزَادُ مَعَ لَمَّا، اس کو کس کے بعد بڑھاتے ہیں؟ لَمَّا کے بعد: كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ﴾، جب خوشخبری دینے والا آیا، یہ أَنْ کیا ہے مولانا؟ زائدہ ہے۔ وَبَيْنَ لَوْ وَالقَسَمِ، کبھی لَوْ اور قسم کے درمیان بھی أَنْ بڑھا دیتے ہیں: وَالقَسَمِ المُتَقَدِّمِ عَلَيْهَا، لَوْ اور ایسی قسم جو اس پر مقدم ہو، لَوْ سے پہلے کیا آئی؟ قسم، تو اس قسم اور لَوْ کے درمیان کیا لے آتے ہیں؟ أَنْ لے آتے ہیں جیسے: وَاللهِ أَنْ لَوْ قُمْتَ، یہ أَنْ کیا ہے مولانا؟ زائدہ ہے: وَاللهِ أَنْ لَوْ قُمْتَ قُمْتُ۔

وَمَا تُزَادُ مَعَ إِذَا، اور ما کو کس کے ساتھ بڑھاتے ہیں؟ إِذَا کے ساتھ: وَمَتَى، اور مَتَى کے ساتھ، وَأَيٍّ، اور أَيّ کے ساتھ، وَأَنَّى، أَنَّى کے ساتھ، وَأَيْنَ، أَيْنَ کے ساتھ اور إِنْ، یہ جو شرط والے حروف ہیں کلمات ہیں سارے: كَمَا تَقُولُ: إِذَا مَا صُمْتَ صُمْتُ، سمجھ میں آیا بھائی؟ مَتَى مَا جَلَسْتَ جَلَسْتُ، أَيَّمَا، أَنَّى مَا اور أَيْنَمَا، إِمَّا وغیرہ: وَكَذَا البَوَاقِي، اور اسی طرح کیا ہیں؟ باقی ہیں، ایک ایک مثال ہم نے دے دی ان سب کے ساتھ ما بڑھاتے ہیں۔ وَبَعْدَ حُرُوفِ الجَرِّ، اور کبھی کبھی ما کو کس کے بعد بڑھاتے ہیں؟ حروفِ جارہ کے بعد جیسے اللہ کا یہ قول: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ﴾، تو دیکھو با جارہ کے بعد ما آیا، یہ ما زائدہ ہے، آپ دیکھ نہیں رہے مولانا با ما کے آنے کے بعد بھی رَحْمَةٍ کو جر دے رہا ہے، کیا کر رہا ہے؟ جر دے رہا ہے، معلوم ہوا یہ ما زائدہ ہے مولانا۔ وَعَمَّا قَلِيلٍ، دیکھا عَنْ مَا، عَمَّا اصل میں کیا تھا؟ عَنْ مَا، اور ضابطہ پڑھا ہے حروفِ یرملون سے پہلے نون ساکن آجائے تو اس کو اس حرف کی جنس سے بدل کر اس میں کیا کرتے ہیں؟ ادغام، تو میم سے پہلے نون ساکن آیا تو نون کو بھی میم کر کے میم میں ادغام کیا: عَمَّا قَلِيلٍ ہوا، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو دیکھو عَنْ کے بعد ما زائدہ آیا: ﴿عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ﴾، بہت تھوڑی دیر کے بعد وہ کیا ہو جائیں گے؟ نادم ہو جائیں گے۔ ﴿مِمَّا

خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا﴾، ﴿مِمَّا﴾ یہ مِنْ مَا تھا، مِنْ کے بعد کس کو زائدہ کیا؟ ما کو، اور اپنی غلطیوں کے سبب سے وہ غرق کیے گئے پس آگ میں داخل کیے گئے۔ ﴿وَزَيْدٌ صَدِيقِي﴾، صَدِيقِي ہونا چاہیے، صِدِّيق نہیں مولانا، صِدِّيق تو مبالغے، فِعِّيل مبالغے کا صیغہ ہے، بہت سچا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ صِدِّيق، اور ایک ہے دوست اس کو کہتے ہیں صَدِيق، کیا کہتے ہیں؟ صَدِيق، تو یہ صَدِيقِي ہونا چاہیے: زَيْدٌ صَدِيقِي كَمَا أَنَّ عَمْرًا أَخِي، زید میرا دوست ہے جیسے کہ عمرو میرا بھائی ہے، تو دیکھو كَمَا أَنَّ، یہ کاف جارہ کے بعد کیا زائدہ کیا؟ ما، یہ زائدہ ہے۔

وَلَا تُزَادُ مَعَ الوَاوِ بَعْدَ النَّفْيِ، اور لَا جو ہے مولانا اس کو بڑھاتے ہیں کس کے بعد؟ واؤ کے بعد، نفی کے بعد، نفی کے بعد لَا لے آتے ہیں واؤ کے ساتھ زائدہ، جیسے آپ کہتے ہیں: مَا جَاءَنِي زَيْدٌ وَلَا عَمْرٌو، زید میرے پاس نہیں آیا اور نہ ہی عمرو، یہ لَا زائدہ ہے مولانا۔ اگر یہ لَا زائدہ نہ مانیں تو نفی پر نفی داخل ہو گی کس چیز کا فائدہ دے گی؟ اثبات، معلوم ہوا زید تو نہیں آیا لیکن عمرو آیا، حالانکہ یہ مطلب نہیں، مطلب کیا ہے؟ دونوں نہیں آئے۔ وَبَعْدَ أَنِ المَصْدَرِيَّةِ، اسی طرح أَنْ مصدریہ کے بعد بھی کبھی کبھی لَا کو کیا کرتے ہیں؟ زائد لاتے ہیں جیسے اللہ فرماتے ہیں: ﴿مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ﴾ أَيْ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ، یہ لَا کیا ہے؟ کس چیز نے تجھے روکا تھا سجدہ کرنے سے؟ تو یہ لَا کیا ہے مولانا؟ زائد ہے، کلام میں حسن پیدا کرنے کے لیے ہے۔ وَقَبْلَ القَسَمِ، اسی طرح قسم سے پہلے بھی کبھی کبھی کیا کرتے ہیں مولانا؟ لَا زائد لاتے ہیں جیسے اللہ فرماتے ہیں: ﴿لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾، میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ خالق اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے، لیکن مخلوق خالق کے علاوہ کسی اور کی قسم نہیں اٹھا سکتی، تو اللہ اس شہر کی قسم اٹھا رہے ہیں بھائی، مکہ مکرمہ۔ ﴿لَا أُقْسِمُ﴾، تو یہ معنی نہیں میں قسم نہیں اٹھاتا اس شہر کی، یہ لَا کیا ہے؟ زائد ہے، ای معنی ہے: أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ، میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔ دیکھا با قسمیہ کے ساتھ أُقْسِمُ فعل آگیا مولانا، تو یہ أُقْسِمُ فعل صرف با کے ساتھ لایا جا سکتا ہے، واؤ یا تا کے ساتھ نہیں آئے گا۔ تو یہ لَا زائدہ ہے: بِمَعْنَى أُقْسِمُ، یہ لَا أُقْسِمُ کس معنی میں ہے؟ أُقْسِمُ کے معنی میں ہے۔ سمجھ میں آیا؟ اور میں نے بتلایا تھا مولانا، یہ لَا کس لیے زیادہ کیا جاتا ہے؟ یہ لَا لایا جاتا ہے بلاغت کا نکتہ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ جس بات پہ قسم کھائی جا رہی ہے، وہ جو جوابِ قسم ہے وہ اتنا واضح ہے، اتنا واضح ہے، اتنا واضح ہے کہ اس پہ قسم کھانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے، تو گویا متکلم نے لَا لا کر قسم کی نفی ہی کر دی، قسم کی کیا کر دی؟ نفی ہی کر دی۔

وَأَمَّا مِنْ، وَالبَاءُ، وَاللَّامُ فَقَدْ مَرَّ ذِكْرُهَا فِي حُرُوفِ الجَرِّ فَلَا نُعِيدُهَا، باقی مولانا جو مِنْ ہے، با ہے، لام ہیں یہ بھی زائدہ آتے ہیں، اوپر ذکر نہیں ہوئے مولانا فصل کے شروع کرتے ہی مِنْ، با اور لام بھی آئے تھے؟ تو کہہ رہے ہیں: فَقَدْ مَرَّ ذِكْرُهَا فِي حُرُوفِ الجَرِّ فَلَا نُعِيدُهَا، کہتے ہیں ان کی باتیں حروفِ جارہ کی بحث میں گزر چکی ہیں لہٰذا ہم ان کو دہرائیں گے نہیں۔

■ متن و فصل: فَصْلٌ: حَرْفَا التَّفْسِيرِ أَيْ وَأَنْ، فصل ہے بھائی، تفسی...

فَصْلٌ: حَرْفَا التَّفْسِيرِ أَيْ وَأَنْ، فصل ہے بھائی، تفسیر کے دو حروف، تفسیر کے دو حروف ہیں مولانا، حَرْفَانِ التَّفْسِيرِ تھا اصل میں، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا: أَيْ ہے اور أَنْ ہے، ایک أَيْ ہے حرفِ تفسیر اور ایک أَنْ ہے۔

فَأَيْ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ﴾ أَيْ: أَهْلَ الْقَرْيَةِ، دیکھا أَيْ کے ذریعے تفسیر کر دی کس کی؟ قریہ کی کہ قریہ بول کر کیا مراد ہے؟ اہل قریہ۔ بستی سے پوچھیے، بستی سے پوچھا جاتا ہے یا بستی والوں سے پوچھا جاتا ہے؟ تو دیکھو قرآن میں آیا تھا: ﴿وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ﴾، مفسر تفسیر میں لکھتا ہے أَيْ: أَهْلَ الْقَرْيَةِ یعنی کہ اہل قریہ یعنی قریہ بول کر کیا مراد ہے؟ اہل قریہ یعنی یہاں مضاف محذوف ہے، تو یہ أَيْ کے ذریعے تفسیر کی مولانا: كَأَنَّكَ تُفَسِّرُهُ أَهْلَ القَرْيَةِ، گویا کہ آپ اس کی تفسیر کس سے کر رہے ہیں مولانا؟ اہل قریہ کے ساتھ اس لفظ کی۔

وَأَنْ إِنَّمَا يُفَسَّرُ بِهَا فِعْلٌ بِمَعْنَى القَوْلِ، أَنْ جو ہے، یہ تو أَيْ کی بات تھی، أَنْ اس کے ذریعے اس فعل کی تفسیر بیان کی جائے گی جو قول کے معنی میں ہو۔ أَنْ کیا ہے؟ اس کے ذریعے ایسے فعل کی تفسیر کی جائے گی جس کے اندر کس کا معنی پایا جائے؟ قول کا۔ دیکھیے مثال سے بات سمجھ میں آئے گی: كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ﴾، جیسے اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَنَادَيْنَاهُ﴾ اور ہم نے ندا دی، کیا یعنی کہ: ﴿يَا إِبْرَاهِيمُ﴾، یہ أَنْ کس لیے آیا؟ تفسیر کے لیے آیا، کیا ندا دی؟ تفسیر بیان کر دی کہ کیا ندا دی ہم نے: ﴿يَا إِبْرَاهِيمُ﴾، اور ندا مولانا، ندا، بھائی ندا میں قول کا معنی ہے یا نہیں؟ آواز، قول ہے یا قول نہیں ہے مولانا؟ آواز دیں گے کسی کو قول ہے یا قول یہ نہیں ہے؟ یہ بھی قول ہے، سمجھ میں آیا؟ تو وہ قول کی تفسیر کے لیے نہیں آئے گا أَنْ، ایسے فعل کے لیے آئے گا جس میں قول کا معنی پایا جائے، اور ندا میں بھی کس کا معنی ہے؟ قول کا۔ ندا کس کے ساتھ ہو گی ہمیشہ؟ قول کے ساتھ، بغیر قول بغیر کلام کے ہو سکتی ہے

ندا؟ نہیں۔

﴿وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ﴾،فَلَا يُقَالُ: قُلْتُ لَهُ أَنِ اكْتُبْ، پس یوں نہیں کہا جائے گا:قُلْتُ لَهُ أَنِ اكْتُبْ، میں نے اس سے کہا یعنی کہ لکھ: قُلْتُ لَهُ أَنِ اكْتُبْ، تو قول کی، میں نے اس سے کہا، کیا کہا؟ قول کی تفسیر کی یعنی کہ اُکْتُبْ یعنی کہ لکھ۔أَنْ تفسیر کے لیے لے کر آئے، قول کی تفسیر کی کہ میں نے اس سے کیا کہا، لیکن یہ جائز نہیں مولانا، اس لیے کہ ہم نے کیا بتایا تھا ضابطہ؟ کہ أَنْ ایسے فعل کی تفسیر کے لیے آئے گا جس میں قول کا معنی پایا جائے، خود قول کی تفسیر کے لیے یہ نہیں آئے گا:إِذْ هُوَ لَفْظُ القَوْلِ لَا مَعْنَاهُ، اس لیے کہ یہ تو لفظِ قول ہے لا معناہ، اس کا معنی، ہاں قول کا معنی ہونا چاہیے، قول خود نہیں ہونا چاہیے۔

حُرُوفُ المَصْدَرِ، چلیے،هٰذَا هُوَ المَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۰۳: لائے نفی جنس، حروفِ نصبِ مضارع، جوازم، حروفِ تنبیہ، نداء، ایجاب، زیادت، تفسیر اور مصدر

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۱۷—بتاریخ: ۲۳ اگست ۲۰۱۶ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: حُرُوفُ الْمَصْدَرِ ثَلَاثَةٌ: مَا، وَأَنْ، وَأَنَّ. فَالْأُولَيَانِ لِلْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ...

حروفِ مصدر بھائی۔ کہتے ہیں: حروفِ مصدر تین ہیں مولانا: «مَا» (مامصدریہ)، «أَنْ» (ان مصدریہ) اور «أَنَّ» (انّ)۔ یہ وہی حرفِ مشبہ بالفعل ہے مولانا، وہ جو آپ نے «إِنَّ»، «أَنَّ» نہیں پڑھے بھائی؟ یہ وہ «أَنَّ» ہے۔ یہ بھی کیا کرتا ہے مولانا؟ جملے کو مفرد کے حکم میں کر دیتا ہے، یعنی مصدر کے حکم میں کر دیتا ہے۔ آپ نے نہیں کیا تھا بھائی؟ خبر کے مصدر کو نکال کر ہم کس کی طرف مضاف کرتے تھے؟ اس کے اسم کی طرف کرتے تھے، تو یہ اس کو مصدر کے حکم میں کر دیتا ہے۔ تو «مَا»، «أَنْ»، «أَنَّ» تینوں حروفِ مصدر ہیں۔ اب ان میں فرق یہ ہے کہ «مَا» اور «أَنْ» فعل پر داخل ہوتے ہیں، یعنی ہمیشہ جملہ فعلیہ پر داخل ہوں گے، اور «أَنَّ» وہ تو کس پر داخل ہوتا ہے؟ مبتدا اور خبر، تو وہ جملہ اسمیہ کے ساتھ خاص ہے۔ تو «مَا» اور «أَنْ» جملہ فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں اور «أَنَّ» جملہ اسمیہ پر بھائی۔

«فَالْأُولَيَانِ» پہلے دو جو ہیں «لِلْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ» یہ کس کے لیے ہیں مولانا؟ جملہ فعلیہ کے لیے ہیں، «كَقَوْلِهِ تَعَالَى» جیسے اللہ فرماتے ہیں: «وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ»۔ یہ «مَا» مصدریہ ہے مولانا، «بِمَا رَحُبَتْ» جس نے «رَحُبَتْ» کو کس معنی میں کر دیا؟ مصدر کے معنی میں کر دیا، اور تو «مَا رَحُبَتْ» مصدر کے معنی میں ہوا۔ «رُحْبٌ» ہے مولانا، مصدر کیا ہے اس کا؟ «رُحْبٌ»، اور «رَحُبَتْ» کے اندر ضمیر تھی فاعل کی، اس کو مضاف بنا دو مولانا۔ کیا بنا دو؟ مؤنث کی ضمیر۔ اسی لیے کہا: «بِمَا رَحُبَتْ أَيْ: بِرُحْبِهَا»۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ «بِرُحْبِهَا»۔ «مَا رَحُبَتْ» کو ہٹایا، «رُحْبٌ» مصدر لگایا ساتھ، اور جو اس کے اندر فاعل تھا اس کو کیا بنا دیا؟ مضاف بنا دیا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو تنگ ہو گئی ان پر زمین «بِرُحْبِهَا» اپنی وسعت کے ساتھ۔ اپنی وسعت کے ساتھ۔ وسیع، زمین بڑی وسیع ہے لیکن پھر بھی ان پر کیا ہو گئی؟ تنگ ہو گئی۔ تو دیکھا یہ «مَا»، «رَحُبَتْ» فعل ہے، جملہ فعلیہ پر داخل ہوا۔

«وَقَوْلِ الشَّاعِرِ» اسی طرح شاعر کا قول ہے: «يَسُرُّ الْمَرْءَ مَا ذَهَبَ اللَّيَالِي ... وَكَانَ ذَهَابُهُنَّ لَهُ ذَهَابَا» «يَسُرُّ الْمَرْءَ»، «الْمَرْءَ» ہے، «الْمَرْءُ» ہے آپ کے نسخے میں بھائی؟ جی؟ «الْمَرْءُ» ہے؟ ہاں، «الْمَرْءَ» ہونا چاہیے، جن کے نسخوں میں رفع اوپر ہے اس کو نصب سے بدلیں، یہ مفعول ہے مقدم۔ اور «مَا ذَهَبَ اللَّيَالِي» یہ «مَا» مصدریہ ہے مولانا، یہ مقامِ استشہاد ہے۔ «مَا» کس پر داخل ہو رہا ہے؟ «ذَهَبَ اللَّيَالِي» جملہ فعلیہ پر داخل ہو رہا ہے۔ تو «مَا» مصدریہ «ذَهَبَ اللَّيَالِي»، جی اب اس کو ذرا بنائیں مصدر! چلو، پہلے ترجمہ کر لیں۔ «يَسُرُّ الْمَرْءَ» خوش کرتا ہے آدمی کو «مَا ذَهَبَ اللَّيَالِي»، «مَا ذَهَبَ» بمعنی «ذَهَابِ» کے ہو امصدر کے معنی میں، تو خوش کرتا ہے آدمی کو «ذَهَابُ اللَّيَالِي» راتوں کا گزرنا۔ راتوں کا گزرنا آدمی کو کیا کرتا ہے؟ خوش کرتا ہے۔ «وَكَانَ ذَهَابُهُنَّ لَهُ ذَهَابَا»۔

یہ واو حالیہ ہے مولانا، واو کیا ہے؟ اور آگے جملہ حال ہے۔ آپ نے پڑھا تھا یعنی حال کبھی مفرد ہوتا ہے اور کبھی کیا آتا ہے؟ جملہ آتا ہے، تو یہ جملہ حال ہے۔ جملہ ہے۔ اور تو «كَانَ» ماضی ہے، اور ماضی جب بھی حال واقع ہو گی مولانا، «قَدْ» لفظوں میں ہونا چاہیے یا تقدیراً ہونا چاہیے، پھر حال بنے گی، ورنہ حال نہیں بنے گی جمہور کے نزدیک بھائی۔ تو یہاں «قَدْ» مقدر ہے، یہاں «قَدْ» کیا ہے؟ مقدر ہے۔ جیسے مولانا آپ ترکیب کرتے ہیں بھائی، میں نے آپ کو کیا بتلایا تھا؟ جی؟ ترکیب بھائی۔ میں نے بتلایا تھا نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو کیا بنتے ہیں ما قبل کے لیے؟ صفت بنتے ہیں۔ اور نکرہ کے بعد... اور معرفہ کے بعد جار مجرور آئیں تو وہ اس کے لیے کیا بنیں گے؟ حال بنیں گے۔ صفت بھی بناتے ہیں بعض، بعض حال بنیں گے بھائی، حال۔ اسی طرح بتلایا تھا مولانا، نکرہ کے بعد اگر فعل آجائے تو وہ بھی اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے، اور معرفہ کے بعد فعل آجائے تو وہ اس کے لیے حال بنے گا۔ کیا بنے گا؟ تو نکرہ کے بعد جار مجرور آ جائے کیا بنیں گے اس کے لیے؟ صفت بنیں گے، کیونکہ جار مجرور نے جملہ بننا ہے یا شبہ جملہ بننا ہے۔ کیا بننا ہے؟ جملہ بننا ہے یا شبہ جملہ بننا ہے۔ تو وہ بھی فعل، جیسے فعل نے جملہ بننا ہے فعل جملہ ہوتا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ فعل سے جملہ بن جائے گا۔

تو مولانا آپ پڑھتے ہیں: «قَالَ اللهُ تَعَالَى»، «قَالَ اللهُ» یہ لفظِ اللہ آیا، لفظِ اللہ کے بعد «تَعَالَى» فعل آیا مولانا، «تَفَاعَلَ»، «تَعَالَىٰ» اصل میں تھا مولانا، یاء متحرک ما قبل مفتوح تھا اس کو کس سے بدل دیا؟ الف سے، «تَعَالَىٰ» ہوا۔ یہ بھی حال ہے ما قبل سے یعنی لفظِ اللہ سے۔ اور یہ ماضی ہے، اور ماضی جب بھی حال ہو گی اس سے پہلے کیا مقدر ہو گا؟ «قَدْ» یا لفظوں میں ہو گا یا «قَدْ» تقدیراً، تو یہاں بھی کیا مقدر ہو گا؟ «قَدْ» مقدر ہو گا مولانا اور یہ حال بنے گا۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے مولانا، «كَانَ» ماضی یہ حال بنے گی پورا جملہ۔ اور ماضی جب حال بنے اس سے پہلے کیا نکالیں گے؟ «قَدْ» نکالیں گے، تو یہاں «قَدْ» مقدر ہے۔ «وَكَانَ ذَهَابُهُنَّ»، «هُنَّ» ضمیر راجع ہے «اللَّيَالِي» کی طرف۔ اور ان کا گزرنا «لَهُ ذَهَابًا»، یہ «لَهُ» متعلق ہے «ذَهَابًا» کے ساتھ۔ ان راتوں کا گزرنا «ذَهَابًا» گزرنا ہے «لَهُ» اس آدمی کے لیے۔ یہ اس آدمی کے لیے بھی، بھائی آدمی خوش ہوتا ہے کہ میرا وقت اچھا گزر گیا، سیر و تفریح میں، ہنگامے میں گزر گیا، لذتوں میں گزر گیا، لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ دن رات جو گزر رہے ہیں وہ خود بھی آہستہ آہستہ گزرتا جا رہا ہے، اس کی عمر کم ہوتی جا رہی ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو عمر برف کی مثل ہے، آہستہ آہستہ پگھلتی جا رہی ہے جیسے برف پگھلتی جائے کم ہوتی چلی جاتی ہے، تو اسی طرح عمر بھی مقرر ہے، جو شخص بھی دنیا میں آتا ہے مولانا ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے کہ اس کے گلے میں تختی لکھ کر فرشتے لٹکا جاتے ہیں مولانا، سمجھ میں آیا بھائی؟ تختی لکھ کر اس کے گلے میں لٹکا دی جاتی ہے، اس کا رزق وغیرہ لکھ دیا جاتا ہے، موت کا وقت وغیرہ لکھ دیا جاتا ہے، تو موت کا وقت آدمی کا متعین ہوتا ہے، تو اس کا وقت گزرتا ہے وہ خوش ہوتا ہے میرا وقت بڑا اچھا گزر رہا ہے، لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ اس وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اس کی، وہ خود بھی کیا ہے؟ ختم ہوتا جا رہا ہے، آہستہ آہستہ موت اس کے قریب آ رہی ہے۔ یہ معنی ہے «يَسُرُّ الْمَرْءَ» آدمی کو خوش کرتا ہے «ذَهَابُ اللَّيَالِي» راتوں کا گزرنا «وَكَانَ ذَهَابُهُنَّ لَهُ ذَهَابًا» اور ان راتوں کا گزرنا اس آدمی کا گزرنا ہے۔ ان راتوں کا گزرنا اس آدمی کا گزرنا ہے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو «يَسُرُّ الْمَرْءَ مَا ذَهَبَ» کس معنی میں ہوا؟ «ذَهَابٍ» کے معنی میں، کس کے معنی میں؟ مصدر بنا لو۔ تو «يَسُرُّ الْمَرْءَ» آدمی کو خوش کرتا ہے «ذَهَابُ اللَّيَالِي» راتوں کا گزرنا۔

▪ قولہ: «وَأَنْ: نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمَا كَانَ جَوَ...» کی تشریح

«وَأَنْ: نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا﴾» اور «أَنْ» جو ہے نحو قولہ تعالیٰ جیسے اللہ کا یہ قول ہے: ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ﴾ نہیں تھا ان کی قوم کا اور کوئی جواب ﴿إِلَّا أَنْ قَالُوا﴾۔ مولانا «كَانَ» کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اپنی خبر کو... یہ «جَوَابَ قَوْمِهِ» خبرِ مقدم ہے۔ «جَوَابَ قَوْمِهِ» «كَانَ» کے لیے کیا ہے؟ خبرِ مقدم، اور «إِلَّا» کے بعد جو آ رہا ہے نا «أَنْ قَالُوا»، یہ «أَنْ» دیکھو مقامِ استثناء یہ ہے، «أَنْ» کس پر داخل ہو رہا ہے؟ جملہ فعلیہ پر، «قَالُوا» پر بھائی۔ تو یہ «أَنْ» نے «قَالُوا» کو مصدر بنا دیا، «أَيْ: قَوْلُهُمْ»۔ «أَيْ: قَوْلُهُمْ»، تو یہ «أَنْ قَالُوا» یہ مولانا «كَانَ» کا اسم ہے، اسمِ مؤخر، اور اسم کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، لہٰذا کیا پڑھیں گے؟ «قَوْلُهُمْ» پڑھیں گے۔ «فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا قَوْلُهُمْ»۔ تو ان کی قوم کا اور کوئی، انبیاء دعوت دیتے تھے مولانا، تو ان کی قوم اور کے ایک ہی جواب دیا کرتی تھی۔ سمجھ میں آیا؟ تو وہ اس کی قوم، ان کی قوم اور کوئی جواب بس یہ بات کہا کرتی تھی۔ کیا؟ وہ آیت میں قرآن میں ذکر بھائی، سمجھ میں آیا بھائی؟ غالباً حضرت نوح علیہ السلام یا حضرت لوط علیہ السلام کے واقعات میں ذکر آتا ہے بھائی یہ آیت وہاں ہے۔

«وَأَنَّ لِلْجُمْلَةِ الِاسْمِيَّةِ:» اور «أَنَّ» بھی حروفِ مصدریہ میں سے ہے، یہ کس کے لیے آتا ہے مولانا؟ جملہ اسمیہ پر آتا ہے۔ «نَحْوُ: عَلِمْتُ أَنَّكَ قَائِمٌ»۔ جی، کیسے بنائیں گے «أَنَّكَ قَائِمٌ»؟ مفرد کے حکم میں کیسے کریں گے اس کو؟ کیا بناؤ بناؤ بھائی! «قَائِمٌ» سے «قِيَامٌ» اور کاف ضمیر کی طرف

مضاف کر دو، کیا بن گیا؟ ہاں «أَيْ: عَلِمْتُ قِيَامَكَ» میں نے تیرے قیام کو جان لیا، خود بتلا رہے ہیں «أَيْ: قِيَامَكَ»، دیکھا؟

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: حُرُوفُ التَّحْضِيضِ أَرْبَعَةٌ: حروفِ تحضیض چار ہیں

«فَصْلٌ: حُرُوفُ التَّحْضِيضِ أَرْبَعَةٌ:» حروفِ تحضیض چار ہیں۔ تحضیض کا معنی ابھارنا، ابھارنا مولانا، ابھارنا۔ تو یہ حروف ابھارنے کے لیے استعمال، چار ہیں مولانا: «هَلَّا، وَأَلَّا، وَلَوْلَا، وَلَوْمَا»۔ «لَهَا صَدْرُ الْكَلَامِ:» ان سب کے لیے صدارتِ کلام ہے۔ یہ کہاں پر آئیں گے ہمیشہ مولانا؟ کلام کے شروع میں آئیں گے۔ «وَمَعْنَاهَا حَثٌّ عَلَى الْفِعْلِ إِنْ دَخَلَتْ عَلَى الْمُضَارِعِ:» تو یہ مضارع پر بھی داخل ہوتے ہیں ماضی پر بھی داخل ہوتے ہیں۔ تو مضارع پر جب یہ داخل ہوں گے کسی کام پر ابھاریں گے بھائی، ابھارنے کے لیے ہوں گے۔ «وَمَعْنَاهَا» اور ان کا معنی جو ہے «حَثٌّ عَلَى الْفِعْلِ» کسی کام، فعل پر ابھارنا ہے «إِنْ دَخَلَتْ عَلَى الْمُضَارِعِ» جب یہ کس پر داخل ہو جائیں؟ مضارع پر۔ دیکھئے مثالوں سے بات سمجھ میں آئے گی جیسے «نَحْوُ: هَلَّا تَأْكُلُ» تو کھاتا کیوں نہیں؟ کیا معنی؟ یعنی اور کھاؤ بھائی، سمجھ میں آیا؟ «وَلَوْمٌ إِنْ دَخَلَتْ عَلَى الْمَاضِي:» اور «لَوْمٌ» ملامت ہے مولانا ان کا معنی اگر یہ ماضی پر داخل ہو جائیں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جیسے «هَلَّا ضَرَبْتَ»، تو دیکھو پچھلے جملے میں تھا «هَلَّا تَأْكُلُ» مضارع پر داخل ہوا تو اس میں ابھار اجا رہا ہے اس فعل پر کہ کھاؤ بھائی، تو کھاتا کیوں نہیں، کھاؤ۔ اور اگر ماضی پر ہو تو ملامت کیا جاتا ہے گزشتہ کام پر جیسے «هَلَّا ضَرَبْتَ زَيْدًا» تو نے زید کی پٹائی کیوں نہیں کی؟ تجھے کیا کرنی چاہیے تھی؟ زید کی پٹائی۔ تو گزشتہ جو چیز فوت ہو چکی تھی گویا اس پر ابھارا جا رہا ہے، ملامت کیا جا رہا ہے۔ «وَحِينَئِذٍ لَا تَكُونُ تَحْضِيضًا إِلَّا بِاعْتِبَارِ مَا فَاتَ:» اور اس صورت میں یہ تحضیض، ابھارنا نہیں ہو گا «إِلَّا بِاعْتِبَارِ مَا فَاتَ» مگر اس چیز کے اعتبار سے جو کیا ہے؟ فوت ہو چکی ہے۔ «وَلَا تَدْخُلُ إِلَّا عَلَى الْفِعْلِ:» اور یہ داخل نہیں ہوتے مولانا مگر کس پر؟ فعل پر «كَمَا مَرَّ» جیسے گزرا۔ «وَإِنْ وَقَعَ بَعْدَهَا اسْمٌ فَبِإِضْمَارِ فِعْلٍ:» اگر ان کے بعد اسم بھی واقع ہو جائے تو وہ کس کے ساتھ ہو گا؟ تقدیرِ فعل، فعل وہاں مقدر ہو گا۔ «كَمَا تَقُولُ لِمَنْ ضَرَبَ قَوْمًا:» جیسے آپ کہتے ہیں اس شخص سے «ضَرَبَ قَوْمًا» جس نے کیا کی؟ کسی قوم کی، کچھ لوگوں کی کسی نے پٹائی کی اس کو آپ کہتے ہیں: «هَلَّا زَيْدًا؟»۔ بھائی «هَلَّا» کس پہ داخل ہوا؟ اسم پر، اور حالانکہ داخل کس پہ ہونا چاہیے؟ فعل، معلوم ہوا فعل محذوف ہے، «أَيْ: هَلَّا ضَرَبْتَ زَيْدًا؟» زید کی پٹائی کیوں نہیں کی؟ سمجھ میں آیا بھائی؟ «وَجَمِيعُهَا مُرَكَّبَةٌ:» یہ سارے کے سارے مرکب ہیں مولانا، دیکھ نہیں رہے آپ؟ «هَلْ» «لَا»، «أَنْ» «لَا»، «لَوْ» «لَا»، «لَوْ» «مَا»۔ تو پہلے میں کیا ہے؟ «هَلْ» اور «لَا»، دوسرے میں «أَنْ» اور «لَا»، تیسرے میں «لَوْ» اور «لَا»، چوتھے میں «لَوْ» اور «مَا»۔ تو دیکھو «وَجَمِيعُهَا مُرَكَّبَةٌ» یہ سارے مرکب ہیں۔ «جُزْؤُهَا الثَّانِي حَرْفُ النَّفْيِ:» ان سب کا جزءِ ثانی کیا ہے؟ حرفِ نفی۔ پہلے تین میں تو «لَا» ہے اور چوتھے میں «مَا» ہے۔ «وَالْأَوَّلُ حَرْفُ الشَّرْطِ» اور پہلا حرفِ شرط ہے، کس میں حرفِ شرط ہے؟ «لَوْلَا» اور «لَوْمَا» میں، یہ «لَوْ» کیا ہے؟ حرفِ شرط ہے۔ «أَوِ الِاسْتِفْهَامِ» یا حرفِ استفہام ہے، وہ کون سا ہے؟ «هَلَّا»، یہ «هَلْ» کیا ہے مولانا؟ استفہام ہے۔ «أَوْ حَرْفُ الْمَصْدَرِ» ہاں ہاں، «أَوْ حَرْفُ الْمَصْدَرِ» یا مولانا شروع میں حرفِ مصدر ہے وہ کون سا ہے؟ «أَلَّا»، یہ اصل میں کیا تھا؟ «أَنْ لَا»، یہ «أَنْ» کیا ہے؟ مصدریہ۔ تو بعضوں میں «هَلْ» آیا وہ استفہامیہ ہے پہلا حرف، دوسرا میں «أَنْ» آیا مصدریہ، اور دو میں «لَوْ» آیا وہ کیا ہے؟ شرطیہ۔ تو یہ سارے مرکب ہیں حرفِ نفی سے اور ایک حرفِ شرط یا حرفِ استفہام یا حرفِ مصدر سے۔

«وَلِلَوْلَا مَعْنًى آخَرُ:» یہ «لَوْلَا» تحضیضیہ کہلاتا ہے۔ کیا آیا مولانا؟ ایک «لَوْلَا» آیا یا نہیں مولانا؟ یہ «لَوْلَا» تحضیضیہ کہلاتا ہے، یہ کس لیے آیا؟ ابھارنے کے لیے آیا۔ اب لا رہے ہیں ایک اور «لَوْلَا» بھی ہے جو «لَوْلَا» امتناعیہ کہلاتا ہے، کیا کہلاتا ہے؟ «وَلِلَوْلَا مَعْنًى آخَرُ» اور «لَوْلَا» کا ایک اور معنی بھی ہے، «وَهُوَ امْتِنَاعُ الْجُمْلَةِ الثَّانِيَةِ لِوُجُودِ الْجُمْلَةِ الْأُولَى:» وہ جملہ ثانیہ کا ممتنع ہونا ہے جملہ اولیٰ کے ہونے کی وجہ سے۔ «نَحْوُ:» مثال دیکھو، مثال سے بات سمجھ میں آئے گی: «لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ» بھائی۔ دیکھا بھائی، صحابہ پیغمبر کے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک صحابی کتنی عظیم شان رکھتا ہے بھائی! حق کو دیکھو کتنے قبول، جلدی قبول کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ تھے، تو ایک عورت کو لایا گیا اس نے زنا کیا تھا، حاملہ تھی زنا سے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس کو رجم کر دیا جائے بھائی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں موجود تھے فرمانے لگے کہ یا امیر المؤمنین! یہ عورت کا تو قصور ہے اس کو تو رجم کیا جائے، یہ بچہ جو اس کے پیٹ میں ہے اس کا تو کوئی قصور نہیں ہے، وہ بھی مر جائے گا اس سے رجم کریں گے، لہٰذا اتنا وقت دیا جائے کہ وضعِ حمل ہو پھر اس کو کیا کیا جائے؟ رجم کیا جائے۔ سمجھ میں آیا؟ تو اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ» اگر علی آج نہ ہوتے تو عمر تو ہلاک ہو گیا تھا، میری وجہ سے ایک جان چلی جاتی۔ اور دیکھو، عجیب مولانا! تو کتنا خیال تھا مولانا، ایک جان میری وجہ

سے چلی جائے گی مولانا، خلیفۂ وقت ہے۔ اور دیگر بادشاہوں کو دیکھو، گردنوں پہ گردنیں اڑاتے ہیں بھائی بلاوجہ ہی، اور کوئی پرواہی نہیں ہوتی۔ اور جبکہ یہ تو حمل تھا پتہ نہیں پیدا بھی ہوتا ہے یا پیدا نہیں ہوتا، ہے بھی یعنی۔ سمجھ میں آیا؟ تو اس وقت فرمایا تھا «لَوْلَا عَلِيٌّ» «أَيْ: لَوْلَا عَلِيٌّ ثَابِتٌ» یا «لَوْلَا عَلِيٌّ مَوْجُودٌ» اگر علی موجود نہ ہوتے «لَهَلَكَ عُمَرُ» تو عمر تو کیا تھے؟ ہلاک ہو گئے تھے۔ اب دیکھو، لیکن ہلاکتِ عمر ممتنع ہے، ہلاکتِ عمر منتفی ہے، حضرت عمر ہلاک ہوئے؟ نہیں، منتفی ہے ہلاکتِ عمر، کیوں منتفی ہے؟ وجودِ علی کی وجہ سے، وجودِ علی رضی اللہ تعالی عنہ۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ۔ تو تو ہلاکت، تو دیکھو پہلا جملہ ہے «لَوْلَا عَلِيٌّ»، یہ «لَوْلَا» کس پر داخل ہوا؟ اسم پر، یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ہمیشہ حذف کریں گے، واجب ہے: «لَوْلَا عَلِيٌّ مَوْجُودٌ» یا «لَوْلَا عَلِيٌّ ثَابِتٌ»۔ تو اگر علی... تو دیکھو اور اگلا جملہ ہے جوابِ «لَوْلَا» ہے، «لَهَلَكَ عُمَرُ» یہ کیا ہے؟ جوابِ «لَوْلَا»۔ تو یہ جواب جو ہے یعنی یہ جملہ ثانیہ منتفی ہے، کیوں منتفی ہے؟ بوجہ وجودِ اول کے، تو ہلاکتِ عمر منتفی ہے بوجہ وجودِ علی کے۔ تو دیکھا ثانی جملہ ممتنع ہے کس کی وجہ سے؟ اول کے وجود کی وجہ سے۔ سمجھ میں آگئی سب کو بات بھائی؟ یہی بات کر رہے ہیں دوبارہ دیکھو بھائی: «وَلِلَوْلَا مَعْنًى آخَرُ وَهُوَ امْتِنَاعُ الْجُمْلَةِ الثَّانِيَةِ لِوُجُودِ الْجُمْلَةِ الْأُولَى» «لَوْلَا» کا ایک اور معنی بھی ہے، جملہ ثانیہ کا ممتنع ہونا ہے بوجہ جملہ اولیٰ کے وجود کے۔ «نَحْوُ: لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ، وَحِينَئِذٍ تَحْتَاجُ إِلَى جُمْلَتَيْنِ:» اور یہ اس صورت میں جب یہ «لَوْلَا» امتناعیہ ہو، یہ محتاج ہو گا «إِلَى جُمْلَتَيْنِ» کتنے جملوں کا؟ دو جملوں کا بھائی، دو پر داخل ہوا یا نہیں؟ «أُولَاهُمَا اسْمِيَّةٌ أَبَدًا:» پہلا ہمیشہ کیا ہو گا؟ اسمیہ ہو گا، پہلا جملہ ہمیشہ اسمیہ ہو گا۔ تو «لَوْلَا» تحضیضیہ ہے ایک اور ایک «لَوْلَا» امتناعیہ۔ «لَوْلَا» تحضیضیہ ایک جملہ چاہتا ہے، فعل پہ داخل ہوتا ہے، بس «هَلَّا ضَرَبْتَ زَيْدًا»، «لَوْلَا ضَرَبْتَ زَيْدًا»۔ جبکہ ثانی «لَوْلَا» امتناعیہ ہے، وہ دو جملے چاہتا ہے جن میں سے پہلا کیا ہو گا ہمیشہ؟ اسم ہو گا، اسمیہ ہو گا اور اس میں سے بھی خبر کا حذف کرنا واجب۔

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: حَرْفُ التَّوَقُّعِ: توقع کا حرف بھائی، یہ ایک ہی حر...

«فَصْلٌ: حَرْفُ التَّوَقُّعِ:» توقع کا حرف بھائی، یہ ایک ہی حرف ہے «قَدْ»، وہ کیا ہے؟ «حَرْفُ التَّوَقُّعِ قَدْ» توقع کا حرف «قَدْ» ہے۔ بھائی اس کو حرفِ توقع کیوں کہتے ہیں؟ اس لیے کہ اس کے ذریعے عموماً ایسے شخص کو خبر دی جاتی ہے جس کو اس خبر کی توقع تھی، جو خبر کی کیا؟ اس کو توقع تھی، امید تھی۔ آپ نے کسی کو کہا: «قَدْ قَامَ زَيْدٌ» تحقیق زید کھڑا ہو گیا، معلوم ہوا اس کو انتظار تھا، اس کو توقع تھی مولانا، امید تھی خبر کی، تو آپ نے اب «قَدْ» کے ساتھ خبر دی۔ «وَهِيَ فِي الْمَاضِي لِتَقْرِيبِ الْمَاضِي إِلَى الْحَالِ:» اور یہ ماضی میں آتا ہے «قَدْ»، اور کس لیے؟ تاکہ ماضی کو قریب کر دے کس کے؟ حال کے قریب کر دیتا ہے۔ اور یہ ماضی میں آتا ہے «لِتَقْرِيبِ الْمَاضِي إِلَى الْحَالِ» تاکہ قریب کر دے ماضی کو حال کے، «نَحْوُ: قَدْ رَكِبَ الْأَمِيرُ» امیر سوار ہو... ایک ہے مولانا «رَكِبَ الْأَمِيرُ» امیر سوار ہوا، کب سوار ہوا؟ کوئی پتہ نہیں مولانا، آج صبح سوار ہوا ہو پھر بھی آپ کہتے ہیں «رَكِبَ الْأَمِيرُ»، دس سال پہلے سوار ہوا تھا پھر بھی آپ کہہ سکتے ہیں «رَكِبَ الْأَمِيرُ» امیر سوار ہوا بھائی، ماضی کے اندر بس۔ لیکن جب «قَدْ» آگیا، «قَدْ» نے بتلایا کہ یہ سوار ہونا کس زمانے میں ہے؟ قریب کے زمانے میں ہے، اب ماضی کیا بن گئی؟ ماضی قریب بن گئی۔ تو «نَحْوُ: قَدْ رَكِبَ الْأَمِيرُ» امیر سوار ہو گیا ہے «أَيْ: قُبَيْلَ هَذَا»۔ «قُبَيْلَ» تصغیر ہے «قَبْلَ» کی، تھوڑا پہلے۔ «قَبْلَ» کا معنی پہلے اور «قُبَيْلَ» کا معنی تھوڑا پہلے، «أَيْ: قُبَيْلَ هَذَا» تھوڑا پہلے اس سے۔ «وَلِأَجْلِ ذَلِكَ سُمِّيَتْ حَرْفَ التَّقْرِيبِ أَيْضًا:» اور اسی وجہ سے اس کو حرفِ تقریب بھی کہتے ہیں۔ حرفِ... کیونکہ کیا کرتا ہے ماضی کو کس کے معنی میں کر دیتا ہے؟ ماضی قریب کے معنی میں۔ «وَلِهَذَا تَلْزَمُ الْمَاضِيَ لِيَصْلُحَ أَنْ يَقَعَ حَالًا:» اسی لیے یہ ماضی کے ساتھ لازم ہوتا ہے تاکہ وہ صلاحیت رکھے کہ حال واقع ہونے کی، تاکہ وہ ماضی حال واقع ہونے کی صلاحیت... دیکھو مولانا! «جَاءَنِي زَيْدٌ» آیا میرے پاس زید «وَرَكِبَ»۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ وَرَكِبَ»، یہ «رَكِبَ» کیا ہے مولانا؟ حال، کس سے؟ زید سے۔ اور جب ماضی حال واقع ہو، ابھی میں نے آپ کو ضابطہ بتلایا، اس سے پہلے کیا ہو گا؟ «قَدْ» مقدر ہو گا یا وہ لفظوں کے اندر ذکر ہو گا، تو «جَاءَنِي زَيْدٌ وَقَدْ رَكِبَ»۔ کیوں؟ وجہ یہ ہے مولانا، آیا، بتائیے مولانا، آنے کا اور آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا، تو آنے کا اور سوار ہونے کا زمانہ ایک ہے یا الگ الگ ہے؟ ایک ہے، جس وقت آیا اسی وقت سوار بھی ہے۔ اور حالانکہ حال آپ لے کر آرہے ہیں ماضی، حال کیا لے کر آرہے ہیں؟ ماضی۔ تو بظاہر اگر «قَدْ» نہیں لے کر آئیں گے تو پھر تو آنے کا زمانہ آج ہے تو سوار ہونے کا اس سے بھی ماضی ہے، اس کے مقابلے میں بھی کیا ہے؟ اس سے بھی پیچھے چلے جائیں گے، معلوم ہوا آیا آج ہے اور سوار کب تھا؟ پہلے، آیا آج ہے اور سوار کب تھا؟ پہلے تھا، حالانکہ آنے کا اور سوار ہونے کا زمانہ تو ایک ہے۔ تو اب آپ مولانا عاملِ حال اور حال کا زمانہ ہمیشہ متحد ہوتا ہے۔ آپ کہتے ہیں میرے پاس زید آیا اس حال میں کہ وہ سوار تھا، تو عاملِ حال کون ہوا؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»، یہ «رَاكِبًا» کے اندر عامل کون؟ «جَاءَ»، کون

عامل ہے؟ «جَاءَ»۔ حال میں آپ نے پڑھا تھا، عامل فعل ہوتا ہے یا معنی فعل ہوتا ہے۔ تو اس کے اندر «رَاكِبًا» میں حال اور تو یہ عاملِ حال ہوا، «جَاءَ» کیا ہوا؟ اب یاد رکھو، حال اور عاملِ حال، ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے۔ حال اور عاملِ ذوالحال کا زمانہ... حال کیا ہے؟ رکوب، اور عاملِ ذوالحال، عامل کون ہے بھائی؟ «جَاءَ»، تو مجیئت اور سواری کا زمانہ ایک ہوگا۔ یہ معنی نہیں کہ آیا آج ہے اور سوار اس سے پہلے تھا، نہیں، دونوں کا زمانہ کیا ہوگا؟ لیکن جب آپ نے کہا «جَاءَنِي زَيْدٌ وَرَكِبَ»، حال کس کو لے آئے؟ ماضی۔ تو بظاہر یوں لگتا ہے کہ جب مجیئت تھی، حال جو بیان کر رہے ہیں آپ «رَكِبَ» وہ ماضی ہے تو اس آنے کی طرف نسبت کرتے ہوئے بھی وہ ماضی ہے۔ مجیئت کی طرف نسبت کرتے ہوئے بھی مولانا رکوب کیا ہے؟ ماضی میں ہے، معلوم ہوا آیا آج ہے تو رکوب کب تھا؟ گزشتہ کل میں تھا، کس میں تھا؟ حالانکہ تو حال کا زمانہ عامل کا زمانہ ہوا آج کا، اور عامل ذوال... عامل کا زمانہ، مجیئت کا زمانہ ہوا آج کا اور حال کا زمانہ کون سا ہو گیا؟ گزشتہ کل کا، حالانکہ دونوں کا زمانہ کیا ہونا چاہیے؟ ایک ہونا چاہیے۔ تو پھر جب ماضی حال آئے تو پھر اس پر «قَدْ» داخل کرتے ہیں۔ یہ «قَدْ» اس ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے۔ حال کے کیا کر دیتا ہے؟ قریب کر دیتا ہے، تو پہلے عام ماضی تھی اب ماضی قریب بن گئی، اور ماضی قریب حال کے کیا ہوئی؟ ماضی قریب کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ وہ حال کے کیا ہے؟ قریب ہے، اور آپ نے ضابطہ پڑھا کہ «اَلْقَرِيبُ مِنَ الشَّيْءِ يُعْطَى حُكْمَهُ»، قریب الی الشیء فی حکم الشیء ہوتی ہے، تو لہٰذا اب مولانا یہ گویا کہ حال ہی ہے۔ یہ گویا کہ جب حال کے قریب ہو گئی تو گویا کہ کیا بن گئی؟ حال بن گئی، اب مولانا ماضی حال بن سکتی ہے۔ اب ماضی کیا بن سکتی ہے؟ تو پہلے یہ گزشتہ زمانے پر دلالت کر رہی تھی، «قَدْ» کے آنے کی وجہ سے یہ حال کے قریب، حال تو نہ بنی لیکن حال کے کیا ہو گئی؟ قریب بن گئی ہو گئی، اور قریب الی الشیء فی حکم الشیء ہوتا ہے، تو یہ گویا حال ہی بن گئی، اور حال بن گئی تو اب یہ حال واقع ہو سکتی ہے۔ حال بن گئی تو اب یہ کیا واقع ہو سکتی ہے؟ حال واقع ہو سکتی ہے۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی بھائی؟ اچھی طرح آئی ہے یا ویسے سر ہلا رہا ہے؟ سب کو سمجھ میں آ گئی۔ تو دیکھا، ہاں اگر «قَدْ» نہ لائیں پھر تو وہ گزشتہ زمانے پہ دلالت کر رہا ہے، اس کا مطلب ہے مجیئت اگر کل آیا، مجیئت کل تھی تو رکوب اس سے بھی پہلے تھا، اس کے مقابلے میں بھی وہ ماضی میں تھا، اس سے بھی پہلے تھا، اور حالانکہ یہ بتانا تو مقصد نہیں ہے، بتلانا کیا مقصد ہے کہ جب آیا اسی وقت کیا تھا؟ اسی حال میں سوار تھا، اسی حال میں۔ تو لہٰذا ماضی تو وہ گزشتہ پر دلالت کرتی ہے تو ہم «قَدْ» لے آئے، تو «قَدْ» کی وجہ سے وہ کیا ہوئی؟ زمانہ حال کے قریب ہو گئی، تو حال تو نہ بنی لیکن حال کے قریب ہو گئی، اور قریب الی الشیء فی حکم الشیء ہوتا ہے، تو حال کے قریب بھی گویا کہ کیا ہے؟ حال ہی ہے، اور جب حال ہے تو اب یہ حال واقع ہو سکتی ہے۔ «وَلِهَذَا تَلْزَمُ الْمَاضِيَ لِيَصْلُحَ أَنْ يَقَعَ حَالًا:» اسی وجہ سے یہ «قَدْ» لازم ہے ماضی کے ساتھ تاکہ وہ صلاحیت وہ رکھے حال واقع ہونے کی، تاکہ اس میں حال واقع ہونے کی کیا پیدا ہو جائے؟ ورنہ «قَدْ» کے بغیر اس میں حال واقع ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔

«وَقَدْ تَجِيءُ لِلتَّأْكِيدِ:» اور کبھی کبھی یہ «قَدْ» کس لیے آتا ہے مولانا؟ تاکید بھی مولانا، «إِذَا كَانَ جَوَابًا لِمَنْ يَسْأَلُ:» جبکہ یہ جواب ہو شخص کو «لِمَنْ يَسْأَلُ» اس شخص کو جو پوچھ رہا ہو۔ مثال کے طور پر «هَلْ قَامَ زَيْدٌ؟» کسی نے آپ سے پوچھا: کیا زید کھڑا ہے؟ کیا زید... اس کا پوچھنا، اس کا سوال کرنا معلوم ہوا اس کو تردد ہے۔ اس کو زید کے کھڑا ہونے کا پتہ ہے؟ جس نے سوال پوچھا اس کو پتہ ہے زید کے کھڑا ہونے کا؟ اگر اس کو پتہ ہوتا تو وہ سوال ہی نہ کرتا، معلوم ہوا اس کو تردد ہے، پتہ نہیں زید کھڑا ہے یا نہیں، تو اس نے سوال پوچھا، اور جب تردد ہے تو اب ضروری ہے کہ بات میں تھوڑی سی تاکید لے کر آؤ۔ بات میں کیا لے کر آؤ؟ یاد رکھو، ایک شخص ہے بغیر عام آدمی ہے، اس سے جب میں بات کر رہا ہوں اس کو میں زید کے قیام کی خبر دینا چاہتا ہوں تو میں کہوں گا: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، کیونکہ اس کو شک ہے؟ جب شک ہی نہیں ہے تو بات میں تاکید لانے کی ضرورت ہے؟ نہیں، لیکن ایک آدمی جس کے ذہن میں شک ہے تو اس کے لیے بات ذرا زور دار لانی پڑے گی، تو وہاں کیا لے کر آتے ہیں؟ «قَدْ» لے کر آتے ہیں۔ اگر اور شک زیادہ ہو مولانا اور تاکید بڑھا دو، کیا کہو؟ مثلاً جملہ اسمیہ کی مثال دیتا ہوں بھائی، «زَيْدٌ قَائِمٌ» کہا، اس کو تھوڑا تو جملہ اسمیہ لایا، جملہ اسمیہ لے آیا تاکید تھوڑی سی آ گئی، پھر میں اس کو اور شک تھا میں اور لے آیا مولانا: «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ»۔ اگر وہ انکار کرنے والا تھا اس نے کہا زید کھڑا نہیں ہے، پہلے تو صرف شک تھا اب تو وہ باقاعدہ کیا کر رہا ہے؟ اب مولانا اور بات کو زور دار لانا پڑے گا، اب میں کہوں گا: «إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ»، بے شک... لام بھی، «إِنَّ» بھی جملہ اسمیہ لایا وہ بھی تاکید پہ دلالت کر رہا ہے، «إِنَّ» لایا وہ بھی تاکید پہ دلالت کر رہا ہے، لام لایا وہ بھی کس پہ دلالت کر رہا ہے؟ کیونکہ اس کا انکار تھا۔ اگر بڑا سخت انکار تھا میں اور تاکید لے کر آؤں گا، میں کہوں گا: «وَاللهِ إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ» واللہ زید کیا ہے؟ کھڑا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ کلام میں تاکید لائی جاتی ہے موقع و محل کے مطابق۔ تو اب جس نے سوال کیا اس کو بھی تردد ہے، شک ہے، اور جب شک ہے تو کلام میں کیا لانا چاہیے؟ تاکید، اور وہ کس سے آئے گی ماضی میں؟ «قَدْ» سے ماضی میں آتی ہے۔ «وَقَدْ تَجِيءُ لِلتَّأْكِيدِ إِذَا كَانَ جَوَابًا لِمَنْ يَسْأَلُ» اور کبھی کبھار «قَدْ» تاکید کے لیے بھی آتا ہے جب کہ یہ جواب ہو اس شخص کا جو پوچھ رہا ہو «هَلْ قَامَ زَيْدٌ؟» کیا زید کھڑا ہوا ہے؟ «تَقُولُ:» آپ جواب میں کہتے ہیں «قَدْ قَامَ زَيْدٌ» تحقیق زید کھڑا ہو گیا۔

«وَفِي الْمُضَارِعِ لِلتَّقْلِيلِ:» اور مضارع میں یہ کبھی کس لیے آتا ہے؟ تقلیل کے لیے آتا ہے، «نَحْوُ: إِنَّ الْكَذُوبَ قَدْ يَصْدُقُ». «كَذُوبٌ» فعول مبالغہ کا صیغہ ہے، بے شک بڑا جھوٹا بھی کبھی کبھی سچ بول دیتا ہے۔ بڑا جھوٹا بھی کیا کرتا ہے کبھی؟ سچ غلطی سے زبان پہ جاری ہو ہی جاتا ہے اس کے، سمجھ میں آیا بھائی؟ «وَإِنَّ الْجَوَادَ» یا «الْجَوَادُ»، «وَإِنَّ الْجَوَادَ قَدْ يَبْخَلُ» کبھی بڑا سخی بھی بخل کر لیتا ہے۔ تو یہ تقلیل کا معنی کس نے پیدا کیا ہے؟ «قَدْ» نے، کہ کبھی بخل کر لیتا ہے کبھی سچ بول دیتا ہے۔ «وَقَدْ تَجِيءُ لِلتَّحْقِيقِ:» اور کبھی کبھی مولانا یہ «قَدْ» مضارع میں تحقیق کے لیے بھی آجاتا ہے، تقلیل کے لیے نہیں بلکہ تحقیق کے لیے، جیسے اللہ فرماتے ہیں: «قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ» تحقیق اللہ جانتے ہیں باز رو... باز رکھنے والوں کو، روکنے والوں کو۔ «الْمُعَوِّقِينَ» کیا ہے؟ روکنے والے، جو اللہ کے راستے سے روکنے والے ہیں، دین سے روکنے والے ہیں، اللہ ان کو خوب جاننے والے ہیں۔ «وَيَجُوزُ الْفَصْلُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْفِعْلِ بِالْقَسَمِ:» اور جائز ہے مولانا کہ اس کے «قَدْ» اور اس کے... «قَدْ» کس پہ داخل ہو گا؟ فعل، فعل ماضی پر یا فعل مضارع، لیکن درمیان میں قسم کے ساتھ فصل لانا بھی جائز، جیسے «قَدْ وَاللهِ أَحْسَنْتَ» تو یہ «قَدْ» دراصل کس پہ داخل ہو رہا ہے؟ «أَحْسَنْتَ» پہ، درمیان میں قسم فاصل آگئی۔ «وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ بَعْدَ قَدْ عِنْدَ الْقَرِينَةِ:» اور کبھی کبھار «قَدْ» کے بعد فعل کو حذف بھی کر لیا جاتا ہے جب کوئی قرینہ موجود ہو، «كَقَوْلِ الشَّاعِرِ:» جیسے شاعر کہتا ہے: «أَفِدَ التَّرَحُّلُ غَيْرَ أَنَّ رِكَابَنَا ... لَمَّا تَزُلْ بِرِحَالِنَا وَكَأَنْ قَدِ» «أَفِدَ أَيْ: قَرُبَ» قریب ہوا، «التَّرَحُّلُ» کوچ کرنا، نکلنا سفر پہ۔ کوچ سفر پہ نکلنا قریب ہو گیا، «غَيْرَ أَنَّ رِكَابَنَا» علاوہ اس کے کہ ہماری سواریاں جو ہیں، ہاں رکاب ہماری سواریاں جو ہیں «لَمَّا تَزُلْ» بھائی، «زَالَ يَزُولُ» کا معنی زائل ہونا، اپنی جگہ کو چھوڑنا۔ ابھی تک انہوں نے چھوڑا نہیں اپنی جگہوں کو «بِرِحَالِنَا» ہمارے کجاووں کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ کجاووں کے ساتھ۔ کجاوے جانتے ہو یا نہیں بھائی؟ وہ اونٹ پر رکھتے ہیں مولانا، اونٹ پر کجاوہ رکھتے ہیں بیٹھنے وغیرہ کے لیے۔ «وَكَأَنْ قَدِ»، «وَكَأَنْ قَدِ» یہ اصل میں ہے «وَكَأَنْ أَيْ: وَكَأَنْ قَدْ زَالَتْ»، «وَكَأَنْ قَدِ» کیا ہے؟ «أَيْ: وَكَأَنْ قَدْ زَالَتْ». تو مولانا «زَالَتْ» کو حذف کر دیا اور «قَدْ» اس کو تنوین دے دی، کیا دے دی؟ تنوین، یہ تنوینِ ترنم کہلاتی ہے، کیا کہلاتی ہے؟ تنوینِ ترنم۔ شعر کے اندر مولانا کبھی کبھی ترنم کے لیے، وزن وغیرہ کو کے لیے تنوین ایک بڑھا دیتے ہیں اس کو کیا کہتے ہیں؟ تنوینِ... اور یہ مولانا باقی تنوینیں تو خاص ہیں وہ صرف اسم پر آیا کرتی ہیں لیکن یہ تنوینِ ترنم اسم پر بھی آسکتی ہے، فعل پر بھی آسکتی ہے، حرف پر بھی، جیسے یہاں یہ حرف پر آئی ہے۔ سمجھ میں آیا؟ قریب آ ہو گیا ہمارا کوچ کرنا یعنی ہمارے کوچ کا وقت کیا ہوا؟ قریب آ گیا، «غَيْرَ أَنَّ رِكَابَنَا» علاوہ اس کے کہ ہماری سواریاں جو ہیں «لَمَّا تَزُلْ» وہ ابھی چلی نہیں «بِرِحَالِنَا» ہمارے کجاووں کے ساتھ «وَكَأَنْ قَدِ» اور گویا کہ وہ چل چکی ہیں، انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے یعنی وہ چل پڑی ہیں، کیونکہ ہمارا سفر کا ارادہ بڑا پکا ہے تو گویا یوں سمجھو چل ہی پڑی ہیں۔ سمجھ میں آیا؟ تو شاعر کہتا ہے ہمارے جب ہم نے ابھی سفر پر چلے تو نہیں لیکن یوں سمجھو ہم چل ہی پڑے ہیں کہ ہمارا بڑا پکا ارادہ ہے تو گویا چل ہی پڑے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو مقامِ استشہاد مولانا «وَكَأَنْ قَدِ» ہے، «قَدْ» سے ہم نے کیا کر دیا؟ سمجھ میں آیا؟

■ متن و فصل: فَصْلٌ: حَرْفَا الِاسْتِفْهَامِ: استفہام کے دو حرف بھائی: ال...

«فَصْلٌ: حَرْفَا الِاسْتِفْهَامِ:» استفہام کے دو حرف بھائی: «الْهَمْزَةُ وَهَلْ»، ایک ہمزہ ہے اور ایک «هَلْ» ہے۔ «لَهُمَا صَدْرُ الْكَلَامِ:» یہ کہاں آتے ہیں بھائی؟ یہ صدارتِ کلام کے چاہتے ہیں اس کے استحقاق رکھ کے مستحق ہیں۔ «وَتَدْخُلَانِ عَلَى الْجُمْلَةِ:» اور یہ جملے پر دونوں داخل ہوتے ہیں، «اسْمِيَّةً كَانَتْ أَوْ فِعْلِيَّةً» چاہے وہ جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ ہو۔ اسمیہ کی مثال جیسے «أَزَيْدٌ قَائِمٌ؟» کیا زید کھڑا ہے؟ اور فعلیہ کی مثال «هَلْ قَامَ زَيْدٌ؟» کیا زید کھڑا ہے؟ کیا زید کھڑا ہوا؟ «وَدُخُولُهُمَا عَلَى الْفِعْلِيَّةِ أَكْثَرُ:» تو جملہ اسمیہ پہ بھی داخل ہوتے ہیں، فعلیہ پر بھی، لیکن زیادہ کس پر داخل ہوتے ہیں؟ فعلیہ پر۔ «وَدُخُولُهُمَا عَلَى الْفِعْلِيَّةِ أَكْثَرُ» اور ان کا دخول فعلیہ پر زیادہ ہوتا ہے «إِذِ الِاسْتِفْهَامُ بِالْفِعْلِ أَوْلَى:» اس لیے کہ مولانا استفہام فعل کے زیادہ لائق ہے بھائی، سمجھ میں آیا؟ فعل کے بارے میں عموماً استفہام ہوتا ہے مولانا، سمجھ میں آیا بھائی؟ فعل کے بارے میں عموماً استفہام ہوتا ہے بھائی۔

«وَقَدْ تَدْخُلُ الْهَمْزَةُ فِي مَوَاضِعَ لَا يَجُوزُ دُخُولُ هَلْ فِيهَا:» بھائی استفہام کے کتنے حروف ہیں؟ دو، ہمزہ اور «هَلْ». لیکن بعض جگہیں ہیں جہاں ہمزہ آتا ہے اور «هَلْ» استفہام کے لیے وہاں آپ استعمال نہیں کر سکتے۔ کون سی جگہیں ہیں؟ دیکھئے بھائی، مثالیں مثالیں دیں گے، صرف مثال سے بات کریں گے۔ «وَقَدْ تَدْخُلُ» اور تحقیق داخل ہوتا ہے ہمزہ «فِي مَوَاضِعَ» ایسی جگہوں میں «لَا يَجُوزُ دُخُولُ هَلْ فِيهَا:» کہ وہاں «هَلْ» کا داخل ہونا جائز نہیں، «نَحْوُ: أَزَيْدًا ضَرَبْتَ؟» مثال کے طور پر «أَزَيْدًا ضَرَبْتَ؟». یہ ہمزہ کے ساتھ تو آپ پوچھ سکتے ہیں، «هَلْ زَيْدًا

ضَرَبْتَ؟» یہ کہنا جائز نہیں۔ یاد رکھو یہ جو «هَلْ» ہے یہ اصل میں ہے «قَدْ» کے معنی میں۔ جو معنی «قَدْ» ادا کرتا تھا تحقیق والا وہی معنی کون ہے؟ اس کے لیے کیا ہے؟ «هَلْ»، اصلِ وضع میں، «قَدْ»۔ اور «قَدْ» ہمیشہ کس پہ داخل ہوتا ہے؟ فعل پر، تو یہ «هَلْ» بھی چاہتا ہے میں بھی کس پہ داخل ہوں؟ فعل پر داخل ہوں۔ تو اگر جملے میں فعل موجود ہو تو پھر «هَلْ» فعل پر داخل ہو گا۔ اگر جملے میں فعل موجود ہی نہیں پھر تو چلو خیر ہے: «هَلْ زَيْدٌ قَائِمٌ؟» سمجھ میں آیا؟ فعل ہے ہی نہیں، لیکن اگر فعل موجود ہو تو اس فعل کو «هَلْ» کے فوراً بعد فعل ہی کو لانا پڑے گا، درمیان میں اسم کو نہیں لا سکتے، کیونکہ «هَلْ» اصل میں کیا ہے؟ «قَدْ»، اور «قَدْ» ہمیشہ کس پہ داخل ہوتا ہے؟ فعل پر۔ تو تو یہ «هَلْ» بھی فعل پر داخل ہونا چاہتا ہے، اور اگر فعل ہو تا نہ پھر تو چلو کچھ نہیں تھا، لیکن جب فعل موجود ہے اور پھر بھی آپ اس کو فعل پر داخل نہیں کر رہے یہ جائز نہیں۔ اب میں سوال کرتا ہوں مثلاً: «أَزَيْدٌ قَائِمٌ؟» بھائی جملے میں فعل موجود ہے؟ نہیں، تو ہمزہ سے سوال کر سکتا ہوں، «هَلْ» سے بھی کر سکتا ہوں: «هَلْ زَيْدٌ قَائِمٌ؟»۔ اب میں سوال کرتا ہوں، فعل بھی جملے میں ہے: «أَزَيْدًا ضَرَبْتَ؟» کیا زید کی تو نے پٹ... زید ہی کی تو نے پٹائی کی ہے؟ اب میں «هَلْ» سے کرنا چاہتا ہوں: «هَلْ زَيْدًا ضَرَبْتَ؟» یہ نہیں جائز، کیوں؟ کیونکہ فعل موجود ہے اور جب فعل موجود ہو تو «هَلْ» کس پر داخل ہونا چاہتا ہے؟ فعل، تو لہٰذا «هَلْ ضَرَبْتَ زَيْدًا؟» «هَلْ» کے فوراً بعد کس کو لاؤ؟ فعل لاؤ، پھر تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔ سمجھ میں آیا؟ تو آسان لفظوں میں یوں سمجھو یہ «هَلْ» عاشق ہے فعل کا اور فعل ہے اس کا معشوق، اور جب اس کا معشوق اس کے سامنے موجود ہو جملے میں تو یہ اس سے جدا نہیں رہ سکتا۔ ہاں اگر جملے میں موجود ہی نہیں پھر تو یہ چلو گزارا کر لے گا ویسے ہی اکیلا رہے جملے میں فعل ہے ہی نہیں، لیکن اگر جملے میں فعل موجود بھی ہے اور اس سے دور بھی رہے یہ جدائی یہ برداشت نہیں کر سکتا، لہٰذا اس صورت میں جائز نہیں۔ جیسے «أَزَيْدًا ضَرَبْتَ؟» تو دیکھو «ضَرَبْتَ» فعل موجود ہے اور پھر درمیان میں کیا لائے آپ؟ «زَيْدًا»، تو «هَلْ زَيْدًا ضَرَبْتَ؟» کہنا جائز نہیں۔

«وَأَتَضْرِبُ زَيْدًا وَهُوَ أَخُوكَ؟» کیا تو زید کی پٹائی کرتا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تیرا بھائی ہے؟ اس حال میں کہ وہ تیرا... یہ واو حالیہ ہے، «وَهُوَ أَخُوكَ» پورا جملہ حال ہے۔ کیا تو زید کی پٹائی کرتا ہے اس حال میں کہ وہ تیرا بھائی ہے؟ یہ استفہامِ انکاری ہے، یہ کیا ہے؟ استفہامِ انکاری۔ منع کرنا مقصد ہے یعنی تجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ سوا... صورت سوال کی ہے دراصل روکنا مقصد ہے۔ کیا تو زید کی پٹائی کر رہا ہے اور حال اور اس حال میں کہ وہ کیا ہے؟ یعنی تجھے اس کی پٹائی نہیں کرنی چاہیے۔ تو ایسے موقع پر بھی مولانا ہمزہ تو لا سکتے ہیں لیکن «هَلْ» کو لانا جائز نہیں۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ جی؟ تو فعل میں «هَلْ» کا لانا واجب تو میں نے نہیں کہا، سمجھ میں آیا؟ وہ اور بات تھی بھائی، جملے میں آپ «هَلْ» سے سوال کرنا چاہتے ہیں تو «هَلْ» سے سوال کریں، لیکن اگر فعل ہے جملے میں تو «هَلْ» کے فوراً بعد فعل کو لاؤ، فعل کے بغیر اپ فعل کو دور رکھ کر «هَلْ» سے سوال کرنا چاہیں گے یہ جائز نہیں۔ یہ نہیں کہ جب بھی فعل آئے گا تو «هَلْ» سے ہی سوال کریں گے، یہ بات تو میں نے نہیں کی۔ «أَتَضْرِبُ» تو یہ استفہام ہے مولانا، سمجھ میں آیا بھائی؟ اچھا تو یہ کیا مولانا؟ یہ مولانا کس کے اندر ہے؟ استفہامِ انکاری، استفہامِ انکاری۔ تو استفہامِ انکاری کے اندر ہمزہ کا لانا تو جائز، «هَلْ» کا لانا جائز نہیں، اس لیے کہ دراصل صورتاً تو سوال یہ ہے: «أَتَضْرِبُ زَيْدًا وَهُوَ أَخُوكَ؟» کیا تو زید کی پٹائی کرتا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تیرا بھائی ہے؟ لیکن دراصل جو چیز وہ پوچھنا چاہتا ہے وہ محذوف ہے، وہ پوچھنا کیا چاہتا ہے؟ وہ پوچھنا یہ چاہتا ہے مولانا: «أَتَرْضَى بِضَرْبِكَ زَيْدًا وَهُوَ أَخُوكَ؟» کیا تو اپنی زید کی پٹائی کرنے پر راضی ہے اور حال یہ ہے «وَهُوَ أَخُوكَ» کہ وہ کیا ہے تیرا بھائی؟ سمجھ میں آیا؟ تو یہ نہیں پوچھنا چاہتا کیا تو زید کی پٹائی کرتا ہے، وہ تو سامنے کر رہا ہے پٹائی تو اس کو معلوم ہے مولانا، اس سے یہ نہیں پوچھنا چاہ رہا بلکہ کیا کہنا چاہتا ہے اس سے؟ کیا تو اپنے یہ جو زید کی جو تو پٹائی کرتا ہے کیا تو اس پٹائی پر راضی ہے، خوش ہے، اور حال یہ ہے کہ وہ تیرا بھائی ہے؟ یعنی وہ تیرا بھائی ہے یہ تو راضی نہیں ہو سکتا، اس کی پٹائی پر تو خود راضی اور خوش نہیں ہو سکتا۔ تو دیکھو مولانا، استفہام کس کے بارے میں ہے؟ رضا اور خوشی کے بارے میں ہے، کس کے بارے میں؟ رضا اور خوشی کے بارے میں، اور وہ «تَرْضَى» فعل جو ہے وہ عبارت میں ذکر ہے؟ وہ تو محذوف ہے، کیا ہے؟ محذوف ہے۔ تو معلوم ہوا جس فعل کے بارے میں آپ سوال کر رہے ہیں وہ محذوف ہے، اور ہمزہ استفہام کے اندر اصل ہے، «هَلْ» تو میں نے بتایا اصل نہیں، وہ تو دراصل کس معنی میں ہے؟ «قَدْ» کے معنی میں۔ تو لہٰذا ہمزہ جو اصل ہے اس میں وسعت ہے، اس میں فعل کو حذف کرنا بھی جائز اور ذکر کرنا بھی جائز، جبکہ «هَلْ» کے اندر ذکر تو جائز ہے حذف کرنا جائز نہیں، تو یہاں جو فعل جس کے بارے میں سوال ہو رہا ہے وہ محذوف ہے، اور محذوف ہے تو ہمزہ میں تو گنجائش ہے کہ اس کے لیے آپ فعل کو حذف بھی کر دیں لیکن «هَلْ» کے اندر اتنی گنجائش نہیں، تو اس موقع پر ہمزہ سے استفہام ہو گا «هَلْ» کے ساتھ استفہام نہیں ہو گا۔ بات سمجھ میں آ گئی بھائی؟ تو «أَتَضْرِبُ زَيْدًا وَهُوَ أَخُوكَ؟» اصل میں کیا ہے؟ «أَتَرْضَى بِضَرْبِكَ زَيْدًا وَهُوَ أَخُوكَ؟»۔

«وَأَزَيْدٌ عِنْدَكَ أَمْ عَمْرٌو؟» یہ تیسرا مقام ہے مولانا جہاں ہمزہ تو آپ لا سکتے ہیں «هَلْ» کو... یہ کون سی جگہ ہے؟ یہ «أَمْ» متصلہ ہے بھائی، «أَمْ»... اور «أَمْ» متصلہ میں آپ نے کیا پڑھا تھا کہ پہلی شرط ہی کیا ہے؟ اس کے ساتھ کیا آئے گا؟ ہمزہ آئے گا اور «هَلْ» نہیں آ سکتا بھائی۔ «وَأَوَمَنْ كَانَ» یہ چوتھی جگہ ہے مولانا، ہمزہ استفہام ہے اور حرفِ عطف پہ داخل ہو رہا ہے۔ واو کس لیے آتا ہے؟ عطف کے لیے، «أَوَمَنْ كَانَ» تو یہ دیکھو ہمزہ

کس پہ داخل ہوا؟ «مَنْ كَانَ» پہ داخل ہوا یا «وَمَنْ كَانَ» پہ داخل ہوا؟ تو حرفِ عطف پہ داخل ہوا، اور یاد رکھو ہمزہ اصل ہے وہ حرفِ عطف پر تو داخل ہو سکتا ہے لیکن «هَلْ» حرفِ عطف پر داخل نہیں ہو سکتا۔ تو دیکھو تین مثالیں دے رہے ہیں: «أَوَمَنْ كَانَ» واو پر داخل ہوا، «أَفَمَنْ كَانَ» کس پر؟ فا عاطفہ عطف کے لیے آتی ہے اس پر داخل ہوا، «أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ» کس پر داخل ہوا؟ ثم پر۔ تو ہمزہ استفہام ثم، فا، واو حروفِ عاطفہ پر تو داخل ہو سکتا ہے لیکن «هَلْ» استفہامیہ ان پر داخل... تو چار جگہیں مولانا جہاں پر مولانا ہمزہ کا استعمال جائز «هَلْ» کا استعمال جائز نہیں: پہلی جگہ کون سی؟ جہاں جملے کے اندر فعل موجود ہو اور پھر آپ مولانا جی؟ حرفِ استفہام کو کس پہ داخل کرنا چاہتے ہیں؟ اسم پر، تو ہمزہ آ سکتا ہے «هَلْ» نہیں۔ دوسری جگہ مولانا جہاں استفہامِ انکاری ہو مولانا یا تو وہاں پر بھی جہاں فعل محذوف ہو، فعل کیا ہو؟ اصل فعل جس کے بارے میں استفہام ہے وہ محذوف ہو تو ہمزہ تو جائز «هَلْ» جائز نہیں۔ تیسرا «أَمْ» متصلہ کے ساتھ، وہاں ہمزہ جائز ہے «هَلْ» جائز نہیں۔ چوتھی جگہ حرفِ عطف، تو ہمزہ حرفِ عطف پر تو داخل ہو سکتا ہے «هَلْ» نہیں ہو سکتا۔ «وَلَا تُسْتَعْمَلُ هَلْ فِي هَذِهِ الْمَوَاضِعِ:» اور «هَلْ» استعمال نہیں ہوتا ان جگہوں کے اندر۔ «وَهَا هُنَا بَحْثٌ:» اور یہاں پر بحث ہے، اگلی کتابوں میں پڑھیں گے مولانا، سمجھ میں آیا بھائی؟ کہ کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں «هَلْ» استعمال ہوتا ہے ہمزہ نہیں ہو سکتا۔

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: حُرُوفُ الشَّرْطِ: إِنْ، وَلَوْ، وَأَمَّا حروفِ شرط...

«فَصْلٌ: حُرُوفُ الشَّرْطِ: إِنْ، وَلَوْ، وَأَمَّا» حروفِ شرط تین ہیں مولانا: «إِنْ» ہے، «لَوْ» ہے اور «أَمَّا» ہے۔ «إِنْ» بھی شرط کے لیے، «لَوْ» بھی شرط کے لیے اور «أَمَّا» بھی شرط کے لیے۔ «وَيَدْخُلُ كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهَا» یاد رکھو مولانا حروفِ شرط کس پر داخل ہوتے ہیں؟ فعل پر داخل ہوتے ہیں، ہمیشہ، اسم پر نہیں داخل ہو سکتے۔ «وَيَدْخُلُ كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهَا عَلَى الْجُمْلَتَيْنِ:» ان میں سے ہر ایک داخل ہوتا ہے دونوں قسم کے جملوں پر، «اسْمِيَّتَيْنِ كَانَتَا أَوْ فِعْلِيَّتَيْنِ:» چاہے دونوں اسمیہ ہوں چاہے دونوں فعلیہ ہوں۔ یہ بات درست نہیں مصنف کی مولانا، ابھی میں نے بتایا بھائی کہ حرفِ شرط صرف کس پہ داخل ہوتا ہے؟ فعل یعنی جملہ فعلیہ پر ہی داخل ہو سکتا ہے، جملہ اسمیہ پر داخل... اگر بظاہر جملہ اسمیہ بھی ہو تو اس کو بھی ہم کیا کریں گے؟ فعل کو وہاں پر محذوف نکالیں گے، اسی لیے بتلایا تھا «لَوْ» کے بعد «أَنَّ» پڑھیں گے «إِنَّ» نہیں پڑھیں گے، اس لیے کہ وہ جو «أَنَّ» جملہ اسمیہ ہے اس نے فعلِ محذوف کے لیے کیا بننا ہے؟ فاعل بننا ہے، کیا بننا ہے؟ فاعل بننا ہے، سمجھ میں آئی بات؟ تو «لَوْ» کے بعد ہمیشہ «إِنْ» کے بعد فعل آئے گا۔ ہاں، ایک صورت ہے مصنف کے کلام کے صحیح ہونے کی، ایک صورت ہے، کیا؟ کہ ان کی مراد ظاہر سے ہے، کس سے ہے؟ ہاں، ظاہر میں وہ جملہ اسمیہ پر بھی داخل ہو سکتا ہے اور جملہ... لیکن جملہ اسمیہ پہ چاہے ظاہر میں داخل ہو رہا ہو لیکن پھر ہمیں وہاں کیا نکالنا پڑے گا؟ فعل، تو حقیقت میں وہ پھر بھی کس پر داخل ہے؟ لیکن ظاہر میں کس پہ داخل ہو رہا ہے؟ ہاں، تو بظاہر جملہ اسمیہ پہ بھی داخل ہو سکتے ہیں، «أَوْ فِعْلِيَّتَيْنِ» یا فعلیہ، دونوں فعلیہ ہوں، «أَوْ مُخْتَلِفَتَيْنِ:» یا دونوں کیا ہوں؟ ایک پہلا فعلیہ ہو ثانی کیا ہو؟ اسمیہ ہو۔ «فَإِنْ لِلِاسْتِقْبَالِ:» یاد رکھو مولانا «إِنْ» جس پر بھی داخل ہو اس کو مستقبل کے معنی میں کر دے گا چاہے ماضی ہی کیوں نہ ہو۔ «إِنْ ضَرَبْتَ ضَرَبْتُ» اگر تو پٹائی کرے گا میں بھی تیری... تو دیکھو «ضَرَبْتَ» ہے تو ماضی لیکن اب ترجمہ کس کا کر رہے ہیں؟ مستقبل، یہ کس نے ترجمہ تبدیل کیا؟ «إِنْ» نے۔ جبکہ «لَوْ» اس کا عکس ہے، «لَوْ» مستقبل کو بھی کس معنی میں کر دیتا ہے؟ ہاں مضارع پر بھی داخل ہو جائے تو ماضی کا ترجمہ کریں گے۔ «فَإِنْ لِلِاسْتِقْبَالِ» «إِنْ» استقبال کے لیے آئے گا «وَإِنْ دَخَلَتْ عَلَى الْمَاضِي:» اگرچہ وہ ماضی پر داخل ہو جائے، «نَحْوُ: إِنْ زُرْتَنِي أَكْرَمْتُكَ» اگر تو میری زیارت کرے گا تو میں تیرا اکرام کروں گا، تو دیکھو صیغے ماضی کے اور ترجمہ ہم کون سا کر رہے ہیں؟ مستقبل والا۔

«وَلَوْ لِلْمَاضِي:» اور «لَوْ» کس لیے آتا ہے؟ «لَوْ» تین فائدے دیتا ہے مولانا، کتنے فائدے؟ ایک شرط کا، شرط ہونے کا، ثانی زمانہ ماضی کی طرف بدل دیتا ہے زمانے کو، نمبر تین ثانی کے امتناع پر، امتناع کا فائدہ دیتا ہے، کس چیز کا؟ اول پہلا فائدہ کس چیز کا دیتا ہے؟ شرط ہونے کا، ثانی ماضی کا، ثالث امتناع کا، کس کا؟ امتناع کا۔ دیکھئے مثال سے بات سمجھ میں آئے گی: «وَلَوْ لِلْمَاضِي وَإِنْ دَخَلَتْ عَلَى الْمُضَارِعِ:» اور «لَوْ» ماضی کے لیے اگرچہ وہ مضارع پر داخل ہو جائے، «نَحْوُ: لَوْ تَزُورُنِي أَكْرَمْتُكَ» اگر تو میری زیارت کرے گا میں بھی تیرا کیا کروں گا؟ نہیں نہیں، «لَوْ تَزُورُنِي أَكْرَمْتُكَ» اگر تو نے میری زیارت کی ہوتی تو میں نے بھی تیرا اکرام کیا ہوتا۔ تو دیکھو ماضی کا ترجمہ میں کر رہا ہوں، اگر تو نے ایسا کیا ہوتا تو میں نے بھی ایسا... تو دیکھو تین فائدے دیے «لَوْ» نے: ایک شرط ہونے کا کہ اول جملہ کیا ہے؟ شرط ہے، ثانی فائدہ زمانہ کون سا ہو گیا؟ «تَزُورُنِي» کا تو مطلب ہے تو میری زیارت کرے گا، لیکن میں نے کیا ترجمہ کیا؟ اگر کی ہوتی، ماضی کے اندر۔ تیسرا کیا تھا؟ امتناع، ثانی ممتنع ہے اور ثانی کیا ہے یہاں؟ میرا تیرا میرا اکرام کرنا، میرا اکرام کرنا ممتنع ہے،

کیوں ممتنع ہے؟ اول کے منتفی ہو جانے کی وجہ سے۔ تو ثانی منتفی ہے بوجہ انتفائے اول کے۔ بھائی میں نے تیرا اکرام کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ تو نے میری زیارت... اگر تو نے میری زیارت کی ہوتی تو میں بھی تیرا اکیا کرتا؟ میں نے تیرا اکرام نہیں کیا کیونکہ تو نے میری زیارت... تو «لَوْ» نے فائدہ دیا کہ ثانی منتفی ہے، ثانی کیا ہے؟ یعنی میں نے اکرام نہیں کیا، کیوں منتفی ہے ثانی؟ کیونکہ اول منتفی ہے، کیونکہ تو نے میری زیارت نہیں کی۔ تو «لَوْ» آتا ہے انتفائے ثانی کے لیے بوجہ انتفائے اول کے۔

«وَيَلْزَمُهُمَا الْفِعْلُ لَفْظًا كَمَا مَرَّ أَوْ تَقْدِيرًا:» اور لازم ہے ان دونوں کے ساتھ فعل، لفظاً ہو گا «كَمَا مَرَّ» جیسے گزرا «أَوْ تَقْدِيرًا:» یا فعل کیا ہو گا مولانا؟ بھائی میں نے بتایا نہیں کہ یہ «لَوْ» اور «إِنْ» ہمیشہ کس پر داخل ہوتے ہیں؟ حروفِ شرط ہمیشہ فعل پر، تو فعل کہہ رہے ہیں لفظوں میں ہو گا، اگر لفظوں میں نہیں ہے تو پھر کیا ہو گا؟ تقدیراً ہو گا، «نَحْوُ: إِنْ أَنْتَ زَائِرِي فَأَنَا أُكْرِمُكَ»۔ «إِنْ أَنْتَ زَائِرِي فَأَنَا أُكْرِمُكَ»، تو یہاں کیا تقدیرِ کلام نکالیں گے؟ جی؟ تو یہاں فعل محذوف «كَانَ» مولانا، فعل کون سا محذوف؟ «كَانَ»، تو اصل کلام یوں تھا: «إِنْ كُنْتَ زَائِرِي»، «إِنْ كُنْتَ زَائِرِي»، پھر ہم نے «كَانَ» کو حذف کیا، فعل کو، اور اس کے اندر جو ضمیر مرفوع تھی اس کا اسم اس کو الگ منفصل کی صورت میں ذکر کر دیا: «أَنْتَ»۔ سمجھ میں آیا بھائی؟ تو فعل لفظوں میں ہو گا یا تقدیراً ہو گا۔ «إِنْ أَنْتَ زَائِرِي» اگر تو میری زیارت کرے گا «فَأَنَا أُكْرِمُكَ» میں بھی کیا کروں گا؟ تیرا اکرام کروں گا۔

«وَاعْلَمْ أَنَّ...» آگے، آگے یہ بتلا رہے ہیں مولانا ایک شرط کے لیے «إِنْ» «إِنْ» ہے اور ظروف میں ایک آپ نے «إِذَا» پڑھا تھا، کیا پڑھا تھا؟ «إِذَا»، اور یہ بھی آپ نے پڑھا تھا یہ «إِذَا» کبھی شرط کے لیے بھی آتا ہے، تو «إِنْ» بھی شرط کے لیے، «إِنْ» تو ہے ہی شرط کے لیے، اور «إِذَا» کبھی کبھار کس کے لیے آتا ہے؟ شرط کے لیے بھی آتا ہے بڑی بلکہ کثرت سے آتا ہے۔ تو فرق کیا ہے دونوں میں، «إِنْ» اور «إِذَا» میں؟ کہتے ہیں بھائی «إِنْ» جو ہے نا امورِ مشکوکہ میں آئے گا جس کا واقع ہونا یقینی نہ ہو، اور «إِذَا» ان چیزوں میں آئے گا جن کا واقع ہونا یقینی ہو۔ مثلاً میں کہتا ہوں میں آپ کے پاس اس وقت آؤں گا جب سورج طلوع ہو گا، تو میں کہوں گا: «آتِيكَ إِنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ» میں تیرے پاس آؤں گا اگر سورج طلوع ہوا، یہ کہنا صحیح ہے؟ میں تیرے پاس آؤں گا اگر سورج طلوع ہوا؟ کیوں، سورج کا طلوع ہونا یقینی ہے، تو یہاں «إِذَا» آئے گا مولانا: «آتِيكَ إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ» میں تیرے پاس آؤں گا جب سورج طلوع ہو، یا «إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ آتِيكَ» جب سورج طلوع ہو گا میں تیرے پاس آؤں گا۔ تو یقینی امور میں «إِذَا» آتا ہے اور مشکوک امور میں «إِنْ»: «أَنَا آتِيكَ إِنْ جَاءَنِي عَمْرٌو» اگر میرے پاس کون آیا؟ عمرو آیا تو میں تیرے پاس... اور عمرو کا آنا تو یقینی نہیں، ہو سکتا ہے آئے ہو سکتا ہے نہ آئے۔ «وَاعْلَمْ أَنَّ إِنْ لَا تُسْتَعْمَلُ إِلَّا فِي الْأُمُورِ الْمَشْكُوكَةِ:» جان لے تو کہ «إِنْ» جو ہے وہ استعمال نہیں ہوتا مگر امورِ مشکوکہ کے اندر، «فَلَا يُقَالُ: آتِيكَ إِنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ، بَلْ يُقَالُ: آتِيكَ إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ:» یوں نہیں کہا جائے گا «آتِيكَ إِنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ» میں آؤں گا تیرے پاس اگر سورج طلوع ہوا، بلکہ یوں کہا جائے گا «آتِيكَ إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ» میں تیرے پاس آؤں گا جب سورج طلوع کرے گا، طلوع ہو گا۔

▪ قولہ: «وَلَوْ تَدُلُّ عَلَى نَفْيِ الْجُمْلَةِ الثَّانِيَ...» کی تشریح

«وَلَوْ تَدُلُّ عَلَى نَفْيِ الْجُمْلَةِ الثَّانِيَةِ بِسَبَبِ نَفْيِ الْجُمْلَةِ الْأُولَى:» اور «لَوْ» دلالت کرتا ہے جملہ ثانیہ کی نفی پر بوجہ نفی جملہ اولیٰ، کہ جملہ ثانیہ منتفی ہے کس وجہ سے؟ کیونکہ جملہ اولیٰ کیا ہے؟ ابھی گزرا نہیں؟ کیا گزرا؟ «لَوْ تَزُورُنِي أَكْرَمْتُكَ» اگر تو نے میری زیارت کی ہوتی تو میں تیرا اکرام کیا ہوتا، اور میں نے تیرا اکرام نہیں کیا تو ثانی منتفی ہے۔ کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ اول منتفی ہے، تو نے بھی میری زیارت نہیں کی، میرے پاس نہیں آیا۔ «كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾» جیسے اللہ فرماتے ہیں اگر ہوتا اس زمین اور آسمان کے اندر، «فِيهِمَا» ضمیر راجع ہے ارض و سما کو، اگر ان زمین اور آسمان میں ہوتا آلہہ اور اگر کوئی آلہہ ہوتے «إِلَّا اللَّهُ» اللہ کے سوا، اللہ کے علاوہ اور آلہہ ہوتے «لَفَسَدَتَا» تو ان کا نظام کیا ہو جاتا؟ فاسد، اور ان کا نظام خراب ہو جاتا، اور نظام کا خراب ہونا تو منتفی ہے، نظام تو صحیح ہے، تو نظام کا خراب ہونا جی کس وجہ سے؟ کہ اور آلہہ بھی منتفی ہیں۔

«وَإِذَا وَقَعَ الْقَسَمُ فِي أَوَّلِ الْكَلَامِ وَتَقَدَّمَ عَلَى الشَّرْطِ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ الْفِعْلُ الَّذِي تَدْخُلُ عَلَيْهِ حَرْفُ الشَّرْطِ مَاضِيًا لَفْظًا...» بھائی آپ نے کیا پڑھا؟ قسم جب آئے گی: «وَاللهِ»، آگے پھر کیا آئے گا؟ جوابِ قسم آئے گا۔ اور آپ نے یہ بھی پڑھا «إِنْ» جب آئے گا تو شرط پہ داخل ہو گا اور آگے کیا آئے گی؟ جزا۔ جب بھی قسم آئے گی ساتھ جوابِ قسم آئے گا، جب بھی شرط آئے گی ساتھ جزا آئے گی۔ اب ایک جگہ ہے وہاں

دونوں اکٹھے ہو گئے۔ کیا ہوئے؟ دیکھو شرط جزا والا ایک جملہ آپ کو نظر آرہا ہے، اس سے پہلے قسم آگئی: «وَاللهِ»، کیا آگئی؟ جیسے «وَاللهِ إِنْ أَتَيْتَنِي لَأَكْرَمْتُكَ»، تو «إِنْ أَتَيْتَنِي لَأَكْرَمْتُكَ» یہ شرط جزا ہیں اور اس سے پہلے کیا آگئی؟ قسم آگئی۔ اب قسم بھی جواب چاہتی ہے اور شرط بھی جزا چاہتی ہے، اب کیا کریں؟ تو آگے جو جملہ ثانیہ آرہا ہے پہلا جملہ تو شرط بن گیا، ٹھیک ہے؟ اب آگے جملہ ثانیہ کو جوابِ قسم بنائیں یا جزا بنائیں؟ جوابِ قسم بناتے ہو تو جوابِ قسم میں کیا جملہ مثبت کے اندر لام کا لانا واجب تھا اور منفی کے اندر «مَا» اور «لَا» کا لانا واجب تھا، اور اگر آپ کیا بناتے ہیں؟ جزا بناتے ہیں تو جزا کیا ہو گی؟ شرط مجزوم ہوتی ہے تو جزا بھی کیا ہوتی ہے؟ مجزوم ہوتی ہے، جزم آتا ہے یا نہیں آتا اس پر مولانا؟ جی؟ اب کیا کریں؟ کہتے ہیں بھائی اگر قسم پہلے آگئی تو پہلے جو پہلے آئے وہ پہلے پائے بھائی، تو لہٰذا آگے اب جو جواب آئے گا وہ جوابِ قسم ہو گا مولانا، اس کو جزا نہیں بنائیں گے۔ جب وہ جوابِ قسم ہو گا تو مولانا وہ مجزوم ہو گا؟ مجزوم نہیں، معلوم ہوا اب «إِنْ» اس کے اندر عمل نہیں کرے گا، کیا کرے گا؟ «إِنْ» عمل اور جوابِ قسم میں جن چیزوں کی لانا ضروری تھا وہ بھی لے کر آئیں گے، لام تاثبت ہے تو لامِ تاکید کا لانا ضروری ہے، اور اگر منفی ہے تو «مَا» اور «لَا» کا لانا ضروری ہے۔ اچھا اب «إِنْ» نے مولانا جزا میں عمل کیا؟ نہیں، اس کو تو ہم نے کیا بنا دیا؟ اس کو تو ہم نے جزا بنایا ہی نہیں بلکہ کیا بنایا؟ جواب، تو «إِنْ» نے جزا میں گویا کہ وہ جوابِ قسم بنا دیا تو «إِنْ» نے جملہ ثانیہ میں عمل نہیں کیا۔ جب جملہ ثانیہ میں عمل نہیں کیا تو جملہ اولیٰ بھی ہم ایسا لے کر آئیں گے جس میں وہ اس کا عمل ظاہر نہ ہو۔ جملہ اولیٰ بھی ایسا لے کر آئیں گے جس کے اندر اس کا عمل ظاہر وہ کیا صورت ہے کہ جملہ اولیٰ کو بھی ماضی لاؤ۔ کیا لاؤ؟ بھائی اگر مضارع لے کر آؤ گے تو «إِنْ» اس کو کیا دے دے گا؟ جزم، تو یہ تو بات صحیح نہیں ہے کہ شرط کو تو جزم دے رہا ہے اور آگے جو جواب آرہا ہے اس کو جزم لہٰذا جب جزا میں عمل نہیں کر رہا تو ادھر کیا کرو؟ شرط کو بھی کیا لے آؤ؟ ماضی لے آؤ، اور ماضی کیا ہوتی ہے؟ مبنی، تو «إِنْ» اس کے اندر عمل بظاہر نہیں کرے گا۔ تو ماضی لے آؤ، یا لفظاً لے آؤ ماضی یا معناً لے آؤ۔ لفظاً ماضی کی مثال «ضَرَبْتُ»، یہ کیا ہے؟ لفظاً ماضی ہے، اور معناً ماضی مضارع پر «لَمْ» داخل کر دو: «لَمْ أَضْرِبْ»، یہ کیا ہے؟ معناً ماضی ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو مولانا اس صورت میں شرط کو کیا لے آؤ؟ ماضی لے آؤ، چاہے لفظاً ہی ماضی لے آؤ چاہے معناً ماضی لے آؤ۔ بات سمجھ میں آئی سب کو بھائی؟ تو یاد رکھو یہ جو جملہ ثانیہ ہے یہ جوابِ قسم ہے، اور یہ دال بر جزا ہے، جزا پر کیا کر رہا ہے؟ دلالت کر رہا ہے، اور جزا محذوف یا یوں کہو قائم مقام جزا کے ہے، قائم مقام کس کے ہے؟ جزا کے، تو جزا یہ نہیں ہے یہ جوابِ قسم ہے البتہ جزا کے قائم مقام ہے۔

«وَإِذَا وَقَعَ الْقَسَمُ فِي أَوَّلِ الْكَلَامِ وَتَقَدَّمَ عَلَى الشَّرْطِ» اور جب قسم آجائے ابتدائے کلام کے اندر «وَتَقَدَّمَ عَلَى الشَّرْطِ» اور شرط پر کیا ہو جائے؟ مقدم ہو جائے، «يَجِبُ أَنْ يَكُونَ الْفِعْلُ الَّذِي تَدْخُلُ عَلَيْهِ حَرْفُ الشَّرْطِ مَاضِيًا» تو واجب ہے کہ وہ فعل جس پر کیا داخل ہو رہا ہے؟ حرفِ شرط داخل ہو رہا ہے «مَاضِيًا» وہ کیا ہونا چاہیے؟ ماضی ہونا چاہیے «لَفْظًا» وہ ماضی یا تو لفظاً ہو آگے آرہا ہے «أَوْ مَعْنًى» یا کیا ہو؟ معناً ہو۔ لفظاً کی مثال: «وَاللهِ إِنْ أَتَيْتَنِي لَأَكْرَمْتُكَ»۔ «وَاللهِ إِنْ أَتَيْتَنِي لَأَكْرَمْتُكَ»، جی بتائیے مولانا یہ «لَأَكْرَمْتُكَ» کو کیا بنایا آپ نے؟ جوابِ قسم، تو اس پر لام لے آئے بھائی، کیا لے آئے؟ لام لے آئے، اور جب اس کو جوابِ قسم بنایا تو «إِنْ» نے اس میں عمل نہیں کیا، جب اس میں عمل نہیں کیا تو «أَتَيْتَ» بھی ماضی لے کر آئے بھائی تاکہ اس کے اندر بھی وہ عمل اس کا ظاہر نہ ہو۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ اگر مضارع لے آتے ہیں «أَتَيْتَ» کے بجائے «تَأْتِي» لاتے ہیں تو یہ تو جزم دے دے گا اس کو، تو جزا میں عمل نہیں کر رہا اور شرط میں عمل کرے یہ مناسب نہیں۔ تو «إِنْ أَتَيْتَنِي لَأَكْرَمْتُكَ»، سمجھ میں آیا بھائی؟ تو «لَأَكْرَمْتُكَ» مولانا کیا ہے؟ جوابِ قسم، قائم مقام جزا کے ہے، قائم مقام کیا ہے؟ جزا کے ہے۔ «أَوْ مَعْنًى» یا مولانا فعلِ شرط یا تو لفظاً ماضی ہو یا معناً ماضی ہو، جیسے «وَاللهِ إِنْ لَمْ تَأْتِنِي» دیکھا «لَمْ تَأْتِ» لے کر آئے، یہ معناً ماضی ہے، «لَأَهْجُرَنَّكَ» واللہ اگر تو میرے پاس نہ آیا «لَأَهْجُرَنَّكَ» تو میں تجھے خوب برا بھلا سناؤں گا۔ اہجار کہتے ہیں برا سنانے برے برا بھلا سنانا کسی کو بھائی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

«وَحِينَئِذٍ تَكُونُ الْجُمْلَةُ الثَّانِيَةُ فِي اللَّفْظِ جَوَابًا لِلْقَسَمِ لَا جَزَاءً لِلشَّرْطِ:» اس صورت میں جملہ ثانیہ لفظوں میں جواب ہو گا کس کے لیے؟ قسم کے لیے، شرط کے لیے جزا نہیں ہو گا۔ «فَلِذَلِكَ وَجَبَ فِيهَا مَا وَجَبَ فِي جَوَابِ الْقَسَمِ مِنَ اللَّامِ» لہٰذا اس جملہ ثانیہ میں واجب ہو گا وہ چیز جو کس میں واجب تھی؟ جوابِ قسم میں، «مِنَ اللَّامِ» یہ من بیان ہے «مَا» کا، یعنی کہ لام، یعنی لام واجب ہو گا «وَنَحْوِهَا» اور لام جیسی اور چیزیں جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، منفی ہو تو «مَا» اور «لَا» کا لانا «كَمَا رَأَيْتَ فِي الْمِثَالَيْنِ:» جیسے کہ آپ نے ان دونوں مثالوں کے اندر دیکھ لیا، «لَأَهْجُرَنَّكَ» پر بھی لام آیا، «لَأَكْرَمْتُكَ» پر بھی لام آیا۔ «أَمَّا إِنْ وَقَعَ الْقَسَمُ فِي وَسَطِ الْكَلَامِ:» اگر قسم کہاں آجائے مولانا؟ یہ تو تھا شروع میں، اگر درمیان میں آجائے۔ کہاں؟ «إِنْ أَتَيْتَنِي وَاللهِ» شرط پہلے آگئی اور جزا بعد میں، اور درمیان میں کیا آیا؟ «وَاللهِ»۔ اب کیا کریں؟ کہتے ہیں اب آپ کو اختیار ہے، چاہے تو آگے آنے والے جملے کو جوابِ قسم بنا دو، جب جوابِ قسم بنائیں گے تو پھر لام کا لانا جملہ مثبت میں ضروری، اور اگر آپ چاہیں تو اس کو کیا بنا دیں؟ شرط کی جزا، اور جب جزا بنائیں گے تو جزا کیا ہوتی ہے؟ مجزوم، تو اس کو بھی کیا بنا دیں گے؟ «أَمَّا إِنْ وَقَعَ الْقَسَمُ فِي وَسَطِ الْكَلَامِ

جَازَ أَنْ يُعْتَبَرَ الْقَسَمُ » اگر قسم واقع ہو گئی درمیانِ کلام میں جائز ہے کہ اعتبار کیا جائے قسم کا « بِأَنْ يَكُونَ الْجَوَابُ لَهُ: » بایں طور کہ جواب یہ کہ وہ اس کے لیے کیا « بِأَنْ يَكُونَ الْجَوَابُ لَهُ » جواب اسی کے لیے ہو، کس کے لیے ہو؟ یعنی وہ جملہ کیا ہو جملہ اس کے لیے جواب بھائی بنا دیں، سمجھ میں آ رہی ہے بات کہ مشکل ہے؟ « نَحْوُ: إِنْ أَتَيْتَنِي وَاللهِ لَآتِيَنَّكَ » دیکھا؟ « إِنْ أَتَيْتَنِي وَاللهِ لَآتِيَنَّكَ »، جی قسم درمیان میں آئی تو « لَآتِيَنَّكَ » کو آپ نے جوابِ قسم بنا دیا، کیا بنا دیا؟ اور جوابِ قسم پر لامِ تاکید لاتے ہیں، یہاں بھی آپ کیا لے آئے؟ لامِ تاکید لے آئے۔ « وَجَازَ أَنْ يُلْغَى: » تو یہ مولانا کیا بنا؟ « لَآتِيَنَّكَ » جوابِ قسم، قائم مقام جزا کے۔ « وَجَازَ أَنْ يُلْغَى » اور جائز ہے اس کو لغو کر دیا جائے مولانا، تو اس جیسے « إِنْ تَأْتِنِي وَاللهِ آتِكَ »، « إِنْ تَأْتِنِي وَاللهِ آتِكَ » تو قسم کو کیا کر دیا؟ لغو کر دیا، روک دیا عمل سے، اور کیا کیا مولانا؟ آگے جملے کو کیا بنایا؟ جزا، اور جزا کیا ہوتی ہے؟ مجزوم، تو یہ مجزوم لائے: « آتِكَ »، « أَتَى يَأْتِي »، « آتِي »، « نَأْتِي » آخر میں کیا آتی ہے؟ یاء، اس یاء کو اور حالتِ جزمی میں یاء کیا ہے؟ گر جاتی ہے، تو « آتِكَ » مجزوم لائے دیکھا؟ شرط بھی مجزوم: « إِنْ تَأْتِنِي »، « تَأْتِينِي » ہونا چاہیے تھا مولانا لیکن یاء کیا ہوئی؟ گر گئی جزم کی وجہ سے، تو « إِنْ تَأْتِنِي وَاللهِ آتِكَ »۔

▪ قولہ: « وَأَمَّا لِتَفْصِيلِ مَا ذُكِرَ مُجْمَلًا: » کی تشریح

« وَأَمَّا لِتَفْصِيلِ مَا ذُكِرَ مُجْمَلًا: » اور « أَمَّا » آتا ہے تفصیل اس چیز کی تفصیل کے لیے « ذُكِرَ »، « لِتَفْصِيلِ مَا » اس چیز کی تفصیل کے لیے « ذُكِرَ مُجْمَلًا » جس کو کیسے ذکر کیا گیا ہو؟ مجمل، اجمالاً مولانا اجمالاً۔ ایک چیز اجمالی ہوتی ہے ایک تفصیلی ہوتی ہے، تو مولانا پہلے ایک چیز اجمالاً ذکر کی، مختصراً ذکر کی، آگے اس کی کیا ذکر کر رہے ہیں؟ تفصیل۔ تو « أَمَّا » اجمال بعد تفصیل... اجمال کے پہلے اجمال آیا تھا اب آپ اس کی تفصیل کرنا چاہتے ہیں تو « أَمَّا » سے کرتے ہیں، کس سے کرتے ہیں؟ دیکھئے مثال سے بات سمجھ میں آئے گی، جیسے قرآن میں آیا ہے: « النَّاسُ سَعِيدٌ وَشَقِيٌّ » لوگ نیک بخت ہیں اور بدبخت ہیں، لوگ دو قسم پر ہیں: کچھ نیک بخت ہیں اور کچھ کیا ہیں؟ بدبخت ہیں۔ تو دیکھو یہ اجمال آ گیا، کیا آیا؟ لوگ نیک بخت ہیں کوئی بدبخت ہیں۔ اب ہر ایک کا حکم آگے بتایا جائے گا تفصیل کے ساتھ مولانا، سمجھ میں آیا؟ تو دیکھو اجمالاً ایک چیز بیان ہو گئی کہ لوگ کیسے ہیں؟ نیک بخت ہیں اور اب ہر ایک کا آگے حکم تفصیل سے آ رہا ہے، تو اجمال کے بعد تفصیل آنے لگی ہے تو اس کے لیے کیا ذکر کیا جاتا ہے؟ « أَمَّا »، اب « أَمَّا » کے ساتھ دیکھا: ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا﴾ پس وہ جو نیک بخت ہیں ﴿فَفِي الْجَنَّةِ﴾ پس وہ کس کے اندر ہیں؟ باقی وہ جو نیک بخت ہیں پس وہ جنت کے اندر ہوں گے، ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا﴾ اور وہ جو بدبخت ہیں ﴿فَفِي النَّارِ﴾ وہ کس کے اندر ہوں گے؟ تو یہ دیکھا تفصیل کے لیے « أَمَّا » آیا۔

« وَيَجِبُ فِي جَوَابِهَا الْفَاءُ: » یہ تو تھا مولانا کبھی... سمجھ میں آیا؟ اور تو کہتے ہیں « وَيَجِبُ فِي جَوَابِهَا الْفَاءُ » اس کے جواب میں فا کا لانا واجب ہے، فا کا لانا واجب ہے۔ « وَأَنْ يَكُونَ الْأَوَّلُ سَبَبًا لِلثَّانِي: » نیز اول کو سبب ہونا چاہیے کس کے لیے؟ یہ دوسری شرط ہے۔ تیسری شرط: « وَأَنْ يُحْذَفَ فِعْلُهَا » اور یہ کہ اس کے فعل کو کیا کیا جائے؟ حذف کرنا، یہ بھی واجب ہے۔ کتنی چیزیں واجب ہوئیں مولانا « أَمَّا » میں؟ تین: ایک فا کو جواب میں لانا واجب، ثانی کہ اول کو سبب ہونا چاہیے کس کے لیے؟ اور ثالث کیا کہ فعل کو حذف کرنا بھی واجب۔ « مَعَ أَنَّ الشَّرْطَ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ فِعْلٍ: » باوجود اس کے کہ شرط کے لیے فعل کا ہونا آپ نے پڑھا یا نہیں؟ شرط کے لیے کیا ہونا ضروری ہے؟ فعل کا ہونا، « إِنْ » اور « لَوْ » کس پہ داخل ہوتے ہیں؟ فعل پر، تو شرط کے لیے فعل کا ہونا ضروری، لیکن اس میں حذف کریں گے۔ بھائی یہ کیوں حذف کرتے ہیں؟ یہ فعل کو کیوں حذف کرتے ہیں؟ کہتے ہیں: « وَذَلِكَ لِيَكُونَ تَنْبِيهًا عَلَى أَنَّ الْمَقْصُودَ بِهَا حُكْمُ الِاسْمِ الْوَاقِعِ بَعْدَهَا: » اور یہ اس لیے تاکہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ اس « أَمَّا » کے ذریعے ارادہ... مقصود جو ہے وہ کیا مقصود ہے؟ وہ اسم جو اس کے بعد واقع ہے اس کا حکم مقصود ہے، اس پر حکم لگانا مقصود ہے۔ دیکھئے مثال پھر پڑھیں گے، ابھی مثال سے پہلے دیکھیں بھائی پوری تفصیل اس سے سمجھ میں آئے گی۔

« نَحْوُ: أَمَّا زَيْدٌ فَمُنْطَلِقٌ: » « أَمَّا زَيْدٌ »، دیکھو مولانا تین شرطیں تھیں، تین کیا ہیں؟ پہلی شرط کیا تھی؟ جی؟ « أَمَّا » کے جواب میں فا آئے، فا آئی یا نہیں آئی؟ ثانی شرط کیا تھی؟ پہلا سبب ہو ثانی کے لیے، یہ بھی ابھی بتلاتا ہوں اول سبب ہے ثانی کے لیے۔ ثالث؟ فعل کیا ہو؟ حذف، فعل یہاں ذکر ہے یا حذف ہے؟ حذف۔ « تَقْدِيرُهُ: » تقدیرِ کلام یوں تھی، اصل کلام یوں تھا: « مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ »۔ تقدیرِ کلام یہ تھی، « مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ »، « يَكُنْ » تامہ ہے مولانا، « يَكُنْ » کیا ہے؟ تامہ ہے۔ جو بھی چیز ثابت ہوئی، « مِنْ شَيْءٍ » بیان ہے « مَهْمَا » کا۔ تو « مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ » کوئی بھی چیز ہوئی اگر، کوئی بھی چیز پائی گئی « فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ » تو زید چلنے والا ہے، کیا کہا میں نے؟ دنیا میں کوئی بھی چیز پائی گئی تو زید کیا ہے؟ چلے گا، جائے گا۔ دنیا میں کوئی بھی چیز ہوئی تو زید جائے گا، اور دنیا میں چیزیں ہیں یا نہیں؟ چیزیں ہی ہیں۔ معلوم ہوا زید کا چلنا بھی یقینی ہے۔ میں نے کہا تھا دنیا میں

کوئی بھی کوئی بھی چیز پائی گئی تو زید کا چلنا یقینی، اور چیزیں ہیں یا نہیں ہیں؟ چیزیں ہیں، سب چیزیں ہیں۔ تو زید معلوم ہوا زید کا چلنا بھی یقینی، تو کوئی چیز پائی گئی تو زید کا چلنا یقینی اور چیزیں تو ہیں معلوم ہوا زید کا چلنا بھی... تو اول سبب بن گیا کس کے لیے؟ ثانی کے لیے، چیزوں کا ہونا یہ کیا ہے؟ سبب ہے کس کے لیے؟ جانے کے لیے۔ تو تقدیرِ کلام کیا تھی؟ «مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ»۔ توجہ کرنا بھائی ذرا مشکل بات ہے۔ اب ہم نے کیا کیا مولانا؟ «يَكُنْ» فعل کو حذف کر دیا، کیونکہ «أَمَّا» کے فعل کو حذف کرنا واجب، تو یہاں «يَكُنْ» فعل کو حذف کر دیا اور ساتھ «مِنْ شَيْءٍ» جار مجرور کو بھی کیا کر دیا؟ کیا رہ گیا؟ «مَهْمَا»، تو «مَهْمَا» کو حذف کر کے «أَمَّا» کو اس کا نائب بنا دیا، «مَهْمَا» کو حذف کر کے کس کو نائب بنایا؟ کیا بن گیا؟ «أَمَّا فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ»۔ جی، تو اب مولانا «أَمَّا» نائب ہے «مَهْمَا» کا، یہ شرط کے لیے آ رہا ہے، اور آگے فا آ رہی ہے اور فا داخل ہوتی ہے جزا پر، تو حرفِ شرط اور جزا اور حرفِ جزا دونوں اکٹھے ہو گئے۔ «أَمَّا» حرفِ شرط اور فا حرفِ... تو حرفِ شرط اور جزا دونوں اکٹھے ہو گئے، درمیان میں کوئی فاصلہ ہے؟ نہیں، اور یہ پسندیدہ نہیں کہ دونوں اکٹھے ہو جائیں، لہٰذا ہم نے یوں کیا کہ فا کے مابعد جو «زَيْدٌ» ایک اسم تھا، کوئی اسم، اس کو اٹھایا اور اس کو کہاں لے آئے؟ «أَمَّا» اور فا کے درمیان، تو کیا بن گیا؟ «أَمَّا زَيْدٌ فَمُنْطَلِقٌ»۔ ترکیب سمجھ میں آئی؟ کیا تھی؟ «مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ» کوئی بھی چیز ہو تو زید کیا ہے؟ زید جائے گا۔ جی، پھر کیا کیا؟ فعل کو ساتھ جار مجرور کے حذف کر دیا اور «مَهْمَا» کا نائب کس کو بنا دیا؟ «أَمَّا» کو، کیا رہ گیا؟ «أَمَّا فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ»۔ پھر «أَمَّا» اور فا جمع ہو گئے، ایک حرفِ شرط ہے ایک حرفِ جزا ہے اور حرفِ شرط اور حرفِ جزا تو کبھی اکٹھے نہیں ہونے چاہئیں، درمیان میں کیا آنا چاہیے؟ فاصلہ ہوتا ہے، درمیان میں شرط آتی ہے، تو یہ دونوں اکٹھے ہو گئے، لہٰذا ہم نے فاصلے کرنے کے لیے فا کے مابعد کا ایک اسم اٹھایا اور اس کو کہاں رکھ دیا؟ «أَمَّا» اور فا کے درمیان رکھ دیا، اور فا کو کس پہ منتقل کر دیا؟ «مُنْطَلِقٌ» دوسرے پہ منتقل کر دیا، تو کیا بن گیا؟ «أَمَّا زَيْدٌ فَمُنْطَلِقٌ»۔ صورت سمجھ میں آئی؟ تو مولانا «أَمَّا» کے فعل کو حذف کر دیا اور اس کے بعد ہم لے آئے «زَيْدٌ» کو، اس فعل کو حذف اس لیے کیا کہ ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم اس زید کا آگے حکم بیان کرنے لگے ہیں۔ کیا کیا؟ «أَمَّا» کے فعل کو کیوں حذف کیا؟ کیونکہ «أَمَّا» کے بعد ہم کس کو لے آئے ہیں؟ زید کو، تو ہم «أَمَّا» کے ذریعے «أَمَّا» بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ جو «أَمَّا» کے بعد اسم آ رہا ہے وہ کون ہے؟ زید، آگے ہم اس کا کیا بیان کرنے والے ہیں؟ حکم بیان کرنے والے ہیں۔ جیسے ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا﴾ باقی وہ لوگ جو نیک بخت ہوئے، «أَمَّا» کے بعد آیا وہ جو نیک بخت ہوئے، وہ جو کیا مقصد ہے کہ آگے ان کا حکم آنے والا ہے وہ کیا ہے؟ ﴿فَفِي الْجَنَّةِ﴾ وہ کس میں ہیں؟ آیا یا نہیں ان کا حکم بھائی؟ بات سب کو سمجھ میں آ گئی؟ دیکھو یہی بات کر رہے تھے دوبارہ دیکھو بھائی کہ تیسری بات: «وَأَنْ يُحْذَفَ فِعْلُهَا» اس کے فعل کو حذف کیا جائے گا «مَعَ أَنَّ الشَّرْطَ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ فِعْلٍ» باوجود اس کے کہ شرط کے لیے فعل کا ہونا... کیوں یہ حذف کیوں کیا جائے گا؟ «وَذَلِكَ لِيَكُونَ تَنْبِيهًا عَلَى أَنَّ الْمَقْصُودَ بِهَا حُكْمُ الِاسْمِ الْوَاقِعِ بَعْدَهَا:» تاکہ تنبیہ ہو جائے اس بات پر کہ مقصود اس «أَمَّا» کے ذریعے کیا ہے؟ حکم ہے اس اسم کا جو اس کے بعد آ رہا ہے۔ اب عبارت سمجھ میں آئی بھائی؟ جی؟ کہ نہیں آئی سمجھ میں؟ سب کو سمجھ میں آ گئی۔

«نَحْوُ: أَمَّا زَيْدٌ فَمُنْطَلِقٌ، تَقْدِيرُهُ: مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ، فَحُذِفَ الْفِعْلُ وَالْجَارُّ وَالْمَجْرُورُ» تقدیرِ کلام یوں ہے مولانا: «مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ» تو فعل اور جار اور مجرور کو حذف کر دیا گیا، وہ کیا ہے مولانا؟ «يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ»۔ «وَأُقِيمَ أَمَّا مَقَامَ مَهْمَا» اور قائم کر دیا گیا «أَمَّا» کو کس کے مقام پر؟ «مَهْمَا» کے مقام پر، «حَتَّى بَقِيَ: أَمَّا فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ،» یہاں تک کہ باقی رہ گیا «أَمَّا فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ» یہ باقی رہ گیا۔ «وَلَمَّا لَمْ يُنَاسِبْ دُخُولُ حَرْفِ الشَّرْطِ عَلَى فَاءِ الْجَزَاءِ نَقَلُوا الْفَاءَ إِلَى الْجُزْءِ الثَّانِي:» اور جب مناسب نہیں تھا کہ حرفِ شرط داخل ہو کس پر؟ فائے جزا پر، «نَقَلُوا الْفَاءَ إِلَى الْجُزْءِ الثَّانِي» نقل کر دیا فا کو کس کی طرف؟ جزء ثانی، «وَوَضَعُوا الْجُزْءَ الْأَوَّلَ بَيْنَ أَمَّا وَالْفَاءِ عِوَضًا عَنِ الْفِعْلِ الْمَحْذُوفِ:» اور رکھ دیا جزء اول کو «أَمَّا» اور فا کے درمیان «عِوَضًا عَنِ الْفِعْلِ الْمَحْذُوفِ» تاکہ یہ عوض ہو جائے کس سے؟ فعلِ محذوف سے عوض ہو جائے۔ جی سمجھ میں آیا بھائی؟ تو یہ جو «أَمَّا» کے اور فا کے درمیان آیا، اب اس پر آپ غور کریں اگر یہ مبتدا بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کو مبتدا بنا دیں گے، اور اگر یہ فا کے مابعد کے لیے اگر یہ مبتدا بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو پھر اس صورت میں یہ کیا بن جائے گا؟ فا کے مابعد اس کے اندر عامل ہو گا۔ اس کو کیا بنائیں گے؟ اول تو اگر اس میں مبتدا بننے کی صلاحیت ہے اس کو کیا بنا دو؟ مبتدا، ورنہ فا کا مابعد اس کے اندر کیا ہو گا؟ عامل ہو جائے گا۔ یاد رکھو فا کا مابعد کبھی ماقبل میں عامل نہیں ہوتا سوائے یہ «أَمَّا» میں بھائی، یہ «أَمَّا» کی خصوصیت ہے کہ فا کا مابعد کیا ہوتا ہے؟ ماقبل میں عامل ہو جاتا ہے بھائی۔

■ قولہ: «ثُمَّ ذَلِكَ الْجُزْءُ الْأَوَّلُ إِنْ كَانَ صَالِ...» کی تشریح

«ثُمَّ ذَلِكَ الْجُزْءُ الْأَوَّلُ إِنْ كَانَ صَالِحًا لِلِابْتِدَاءِ فَهُوَ مُبْتَدَأٌ كَمَا مَرَّ:» پھر وہ جزء اول «إِنْ كَانَ صَالِحًا لِلِابْتِدَاءِ» اگر وہ صلاحیت رکھتا تھا ابتداء کی «فَهُوَ مُبْتَدَأٌ» تو وہ کیا ہو گا؟ مبتدا ہو گا «كَمَا مَرَّ» جیسے گزرا بھائی۔ «وَإِلَّا فَعَامِلُهُ مَا يَكُونُ بَعْدَ الْفَاءِ:» ورنہ اس کا عامل کس کے بعد آئے گا؟ فا کے بعد آئے گا، «كَـ: أَمَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ» تو دیکھا «يَوْمَ الْجُمُعَةِ» یہ تو منصوب ہے مولانا، یہ تو مبتدا نہیں بن سکتا ظرف ہے مولانا، تو پھر اس کے اندر عامل کون ہو گا بھائی؟ فا کے مابعد، اور وہ کون ہو گا بھائی؟ بتاؤ بھائی: «أَمَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ» کون عامل ہے «يَوْمَ الْجُمُعَةِ» کے اندر؟ اچھا، زید عامل ہے؟ «يَوْمَ الْجُمُعَةِ» کیا ہے؟ «يَوْمَ الْجُمُعَةِ» کیا ہے؟ مفعول فیہ، اور مفعول فیہ کس کے لیے ہوتا ہے ہمیشہ؟ ظرف کتنی چیزوں سے متعلق ہوتا ہے؟ آٹھ چیزوں سے متعلق ہوتا ہے، سمجھ میں آیا؟ تو ان میں سے ایک کون آرہا ہے یہاں پر؟ «مُنْطَلِقٌ»، کون سا صیغہ ہے؟ اسم فاعل ہے۔ «أَمَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ» «فَمُنْطَلِقٌ عَامِلٌ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ» پس «مُنْطَلِقٌ» عامل ہے «يَوْمِ الْجُمُعَةِ» کے اندر بنا بر ظرفیت کی وجہ سے۔

■ متن و فصل: فَصْلٌ: حَرْفُ الرَّدْعِ: كَلَّا، ردع کہتے ہیں ڈانٹ ڈپٹ کو...

«فَصْلٌ: حَرْفُ الرَّدْعِ: كَلَّا،» ردع کہتے ہیں ڈانٹ ڈپٹ کو بھائی، ڈانٹ ڈپٹ کا حرف «كَلَّا» ہے۔ «وُضِعَتْ لِزَجْرِ الْمُتَكَلِّمِ وَرَدْعِهِ عَمَّا يَتَكَلَّمُ بِهِ:» یہ اس کو وضع کیا گیا ہے متکلم کو ڈانٹنے کے لیے «وَرَدْعِهِ» اور منع کرنے کے لیے اس چیز سے جو وہ کہہ رہا ہے جس جو بات جس پہ وہ تکلم کر رہا ہے۔ «كَلَّا» کا حرف کس لیے وضع ہے مولانا؟ ڈانٹ ڈپٹ کے لیے، تو یہ متکلم کو ڈانٹنے کے لیے اور منع کرنے کے لیے اس چیز سے جو وہ کہہ رہا ہے۔ «كَقَوْلِهِ تَعَالَى:» جیسے اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ﴾ اور جب اس کو مبتلا یعنی اللہ جب مبتلا فرماتے ہیں انسان کو ﴿فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ﴾ کیا کر دیا اس پر؟ اس کے رزق کو تنگ کر دیتے ہیں ﴿فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ﴾ پس وہ کہتا ہے: میرے رب نے میری اہانت کی۔ سمجھ میں آیا؟ جب اللہ تعالی خود بھائی انسان پر انسان کے حال بتلا رہے ہیں کفار وغیرہ کا بھائی کہ جب اللہ تعالی ان پر رزق کے دروازے کھول دیتا ہے ان کو خوشیاں دیتا ہے، رزق دیتا ہے تو وہ بڑا خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے یہ تو میرا حق تھا یہ مجھے ملنا ہی چاہیے تھا، اور اگر اللہ اس پر رزق کو تھوڑا تنگ فرما دیں تکلیف آجائے اس پر تھوڑی سی بھائی تو پھر وہ کیا کرتا ہے؟ وہ کہتا ہے میرے پروردگار نے میری کیا کی ہے؟ میری اہانت کی ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو اللہ فرماتے ہیں: ﴿كَلَّا﴾ ہرگز ہرگز نہیں، «أَيْ: لَا يَتَكَلَّمُ بِهَذَا» ایسا نہیں کہنا چاہیے بھائی، ایسا نہیں کہنا چاہیے، یہ تو آزمائش ہے، کسی پر سختی کے ساتھ ہے کسی پر وسعت کے ساتھ بھائی۔ «فَإِنَّهُ لَيْسَ كَذَلِكَ:» اس لیے کہ معاملہ ایسا نہیں ہے، ایسا نہیں کہنا چاہیے اس لیے کہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ «هَذَا بَعْدَ الْخَبَرِ:» یہ اس وقت ہے یہ «كَلَّا» زجر کے لیے کب ہے؟ جب کس کے بعد آئے مولانا؟ خبر کے بعد آئے، خبر کے بعد۔ «وَقَدْ تَجِيءُ بَعْدَ الْأَمْرِ أَيْضًا:» اور کبھی کبھی یہ کس کے بعد آتا ہے؟ امر کے بعد بھی آتا ہے، «كَمَا إِذَا قِيلَ لَكَ: اضْرِبْ زَيْدًا، فَقُلْتَ: كَلَّا،» جیسے آپ سے کہا گیا: «اضْرِبْ زَيْدًا» زید کی پٹائی کر، «فَقُلْتَ: كَلَّا» تو آپ نے کیا کہا؟ «كَلَّا»، کیا معنی؟ ہرگز نہیں، «أَيْ: لَا أَفْعَلُ هَذَا قَطُّ» میں ایسا کبھی بھی نہیں کروں گا۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

«وَقَدْ تَجِيءُ بِمَعْنَى حَقًّا:» اور کبھی کبھی یہ کس معنی میں آتا ہے؟ «حَقًّا»، یعنی وہی معنی ادا کرے گا جو «إِنَّ» ادا کرتا ہے، «إِنَّ» جیسے تاکید کلام کے لیے آتا ہے اسی طرح یہ «كَلَّا» بھی کبھی کس لیے آتا ہے؟ تاکید کلام کے لیے، جیسے ﴿عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ * عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ * الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ * كَلَّا سَيَعْلَمُونَ﴾ بھائی۔ تو یہ «كَلَّا» کس معنی میں ہے؟ «حَقًّا»، یقیناً کے معنی میں ہے، یقیناً عنقریب وہ جان لیں گے، ﴿ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ﴾ پھر یقیناً وہ عنقریب جان لیں گے۔ جی یا مولانا وہ معنی بھی کر سکتے ہیں ہرگز نہیں بھی بعض... تو بعض کہتے ہیں یہ «كَلَّا» بمعنی «حَقًّا» کے ہے بھائی، تو «كَلَّا» «حَقًّا» کے معنی میں بھی آتا ہے۔ «وَقَدْ تَجِيءُ بِمَعْنَى حَقًّا» کبھی «حَقًّا» کے معنی میں بھی آتا ہے «كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾.» جیسے اللہ فرماتے ہیں: ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ یقیناً عنقریب وہ جان لیں گے، عنقریب تم جان لوگے۔ «وَحِينَئِذٍ تَكُونُ اسْمًا:» اور اس صورت میں یہ اسم ہو گا۔ بھائی یہ جو «كَلَّا» آیا «حَقًّا» کے معنی میں یہ اسم ہے یا حرف ہے؟ بعض کہتے ہیں یہ اسم ہے۔ اسم ہے اور مبنی ہے مولانا، اس لیے کہ یہ مشابہ ہے «كَلَّا» وہ «كَلَّا» جو ڈانٹ ڈپٹ کے لیے آتا تھا، وہ کیا تھا؟ حرف تھا نا، ہم کو کس چیز کی بحث پڑھ رہے ہیں؟ حروف کی بحث، تو وہ «كَلَّا» حرف تھا، اور یہ «كَلَّا» اسم ہے لیکن اس کی مشابہت اس «كَلَّا» کے ساتھ ہے لہٰذا یہ بھی کیا ہے؟ مبنی، وہ مبنی تھا یہ بھی مبنی۔ «وَحِينَئِذٍ تَكُونُ

اسْمًا يُبْنَى لِكَوْنِهِ مُشَابِهًا لِكَلَّا حَرْفًا:» اور اس صورت میں یہ ایسا یہ اسم ہو گا جو مبنی ہو گا اس لیے کہ یہ مشابہ ہے کس کے ساتھ؟ اس «كَلَّا» کے ساتھ جو کیا تھا؟ حرف تھا۔ «وَقِيلَ: تَكُونُ حَرْفًا أَيْضًا:» اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی یہ حرف ہی ہو گا «بِمَعْنَى إِنَّ لِتَحْقِيقِ الْجُمْلَةِ:» کس معنی میں ہو گا؟ «إِنَّ» کے معنی میں ہو گا جملے کی تحقیق کے لیے، «نَحْوُ: ﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَى﴾» یہ «كَلَّا» بھی کیا ہے مولانا؟ «إِنَّ» کی طرح تاکید کے لیے آیا، جیسے «إِنَّ» آرہا ہے یہ بھی تاکید، تو «إِنَّ» سے بھی تاکید آئی اور اس سے تاکید در تاکید آگئی۔ جی تو یقیناً یقیناً ﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَى﴾ انسان کیا ہے؟ البتہ سرکشی کر... بمعنی سرکشی کرنے والا ہے، «بِمَعْنَى إِنَّ» یہ «إِنَّ» کے معنی میں ہے۔

■ متن و فصل: فَصْلٌ: تَاءُ التَّأْنِيثِ السَّاكِنَةُ تَلْحَقُ الْمَاضِيَ:...

«فَصْلٌ: تَاءُ التَّأْنِيثِ السَّاكِنَةُ تَلْحَقُ الْمَاضِيَ:» تائے تانیث ساکنہ مولانا «تَلْحَقُ الْمَاضِيَ» کس کے ساتھ ملتی ہے؟ بھائی تائے تانیث آپ نے دو قسم پر پڑھی، یہ دوسری قسم ہے۔ ایک تائے تانیث وہ ہے جو اسم سے ملتی ہے: «ضَارِبَةٌ»، یہ تائے تانیث ہے لیکن وہ متحرک ہوتی ہے، اور یہ فعل کے ساتھ ملتی ہے یہ ساکن ہوتی ہے: «ضَرَبَ»، «ضَرَبَا»، «ضَرَبُوا»، «ضَرَبَتْ»، یہ تاء ساکن، یہ تاء مراد ہے مولانا۔ یہ تانیث کی تاء ہے یہ فاعل نہیں مولانا، ضمیر نہیں، بات گزر چکی ہے پہلے بھی۔ «تَاءُ التَّأْنِيثِ السَّاكِنَةُ تَلْحَقُ الْمَاضِيَ» تائے تانیث ساکن تانیث کی تاء جو ساکن ہوتی ہے «تَلْحَقُ الْمَاضِيَ» کس کے ساتھ ملتی ہے؟ ماضی کے ساتھ ملتی ہے «لِتَدُلَّ عَلَى تَأْنِيثِ مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ:» تاکہ یہ دلالت کرے اس چیز کی تانیث پر «أُسْنِدَ إِلَيْهِ» جس کی طرف اس کا... بھائی «ضَرَبَتْ» میں نے کہا، اس «ضَرَبَتْ» کی تاء نے بتلا دیا کہ آگے جس کی طرف اس کا اسناد ہو رہا ہے، جو اس کا فاعل آرہا ہے وہ کیا ہے؟ مؤنث ہے۔ تاکہ وہ دلالت کرے اس چیز کی تانیث پر جس کی طرف اس کا اسناد جس کی طرف فعل کا اسناد ہو رہا ہے، «نَحْوُ: ضُرِبَتْ هِنْدٌ» یا «ضَرَبَتْ هِنْدٌ»۔ «وَقَدْ عَرَفْتَ مَوَاضِعَ وُجُوبِ إِلْحَاقِهَا:» اور تحقیق آپ اس کے ملنے جہاں اس کا ملنا واجب ہے بھائی ان مواضع کو جان چکے ہیں، بھائی آپ نے پڑھا یا نہیں فاعل کی بحث میں کب فعل کو مذکر لائیں گے اور کب کیا لائیں گے؟ مؤنث لائیں گے۔ جہاں پر فاعل مؤنثِ حقیقی ہو بغیر فصل کے تو پھر کیا لے کر آئیں گے فعل کو؟ مؤنث، اور اگر درمیان میں فصل آجائے تو پھر مذکر لانا بھی جائز اور مؤنث لانا بھی جائز، اور جبکہ غیر حقیقی کے اندر چاہے فصل ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں مولانا تاء کا لانا بھی جائز، فعل کو مؤنث لانا بھی جائز اور مذکر لانا بھی جائز ہو، وہ تفصیل گزر چکی ہے۔

«وَإِذَا لَقِيَهَا سَاكِنٌ بَعْدَهَا:» بھائی یہ تائے تانیث تو ساکن ہے، اگر اس کے بعد ایک اور ساکن آجائے پھر کیا کریں؟ التقائے ساکنین علیٰ غیر حدہ۔ جی؟ اجتماعِ ساکنین آجائے مولانا، کیا آجائے؟ اجتماعِ ساکنین آجائے پھر کیا کریں گے؟ کہتے ہیں اس تاء کو حرکت دیں گے، اور «السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ»، تو کسرہ دیں گے۔ «وَإِذَا لَقِيَهَا سَاكِنٌ بَعْدَهَا» اور اگر اس کے بعد اس سے مل جائے ساکن بھائی، «وَجَبَ تَحْرِيكُهَا بِالْكَسْرِ:» واجب ہے اس کو حرکت دینا کسرے کے ساتھ «لِأَنَّ السَّاكِنَ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ:» اس لیے کہ ساکن کو جب حرکت دی جاتی ہے تو کسرے کے ساتھ حرکت دی جاتی ہے، «نَحْوُ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ» دیکھا «قَامَتْ» کی تاء بھی ساکن تھی اور صاد بھی ساکن ہے، تو تاء کو کسرہ دیا: «قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ»۔ «وَحَرَكَتُهَا لَا تُوجِبُ رَدَّ مَا حُذِفَ لِأَجْلِ سُكُونِهَا:» بھائی آپ کیسے پڑھتے ہیں؟ «رَمَى»، «رَمَيَا»، «رَمَوْا»، «رَمَتْ»۔ تو اصل میں کیا تھا؟ «رَمَتْ» اصل میں کیا تھا بھائی؟ «رَمَيَتْ»، یا متحرک ماقبل مفتوح اس کو کس سے بدلا؟ الف سے، پھر اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہ آیا الف کو کیا کیا؟ «رَمَتْ» رہ گیا۔ اب مولانا یہ «رَمَتْ» کے بعد مولانا کوئی فعل ملائیں بھائی، جی؟ «رَمَتْ» کے بعد کوئی اور ساکن آگیا، کیا آگیا؟ ساکن آیا، مثال جیسے «رَمَتِ الْمَرْأَةُ»، «رَمَتِ الْمَرْأَةُ السَّهْمَ»۔ تو اب مولانا تاء تو حرکت تاء پر آگئی، الف کو ہم نے کس لیے گرایا تھا؟ اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے، اور اب تو تاء پر کیا آرہی ہے؟ تو کیا اس کو حرکت کی وجہ سے اس محذوف کو واپس لائیں گے؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، اس کو واپس نہیں لائیں گے، اس لیے کیونکہ یہ جو تاء پر حرکت آئی ہے یہ عارضی ہے، کوئی مستقل حرکت نہیں، یہ تو اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے ہے۔ یہ معنی ہے: «وَحَرَكَتُهَا» اور اس کا اس کی حرکت جو ہے «لَا تُوجِبُ» وہ ثابت نہیں کرتی «رَدَّ مَا حُذِفَ لِأَجْلِ سُكُونِهَا:» اس چیز کو واپس لوٹانا جس کو حذف کیا گیا تھا اس کے سکون... تو اس کے سکون کی وجہ سے جس کو حذف کر لیا گیا تھا یعنی وہ الف وغیرہ اس کو اس کے واپس لانے کو یہ واجب نہیں کرتی، وہ ثابت نہیں کرتی، «تُوجِبُ» بمعنی «تُثْبِتُ» کے ہے، «فَلَا يُقَالُ: رَمَاتِ الْمَرْأَةُ:» یوں نہیں کہا جائے گا «رَمَاتِ الْمَرْأَةُ»، یوں نہیں کہا جائے گا «لِأَنَّ حَرَكَتَهَا عَارِضِيَّةٌ وَاقِعَةٌ لِرَفْعِ الْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ:» اس لیے کہ تاء کی حرکت عارضی ہے جو واقع ہوئی ہے کس لیے؟ التقائے ساکنین کو اٹھانے کے لیے، دور کرنے کے لیے۔ «فَقَوْلُهُمْ: الْمَرْأَتَانِ رَمَاتَا ضَعِيفٌ:» لہٰذا عربوں کا یہ بعض عربوں کا یہ کہنا «الْمَرْأَتَانِ رَمَاتَا ضَعِيفٌ»۔

دیکھو مولانا! «رَمَتْ»، «رَمَی»، «رَمَیَا»، «رَمَوْا»، «رَمَتْ»، آگے؟ «رَمَتَا»، بھائی وہ الف آپ نے کیوں گرایا تھا؟ اب «رَمَتَا» جب آپ نے کہا اب تو تاء پر کیا آگئی؟ حرکت آگئی، اب تو اس الف کو کیا ہونا چاہیے؟ واپس آنا چاہیے: «رَمَاتَا»۔ کہتے ہیں نہیں بھائی وہ واپس نہیں آئے گا، اس لیے کہ یہ تاء پر حرکت کیا ہے؟ تاء اصل میں ساکن ہے، یہ حرکت کیوں آئی؟ کیونکہ اس کے مابعد الف آگیا تھا اور الف اپنے سے ماقبل کیا چاہتا ہے؟ فتحہ، اور یہ تاء اصل میں کیا ہے؟ ساکن ہے، جب اصل میں ساکن ہے تو اب بھی مولانا الف کو ہم واپس نہیں لائیں گے ورنہ کیا لازم آئے گا؟ اجتماعِ ساکنین بھی لازم آئے گا بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ لہٰذا اسی لیے کہا عربوں کا یہ کہنا «اَلْمَرْأَتَانِ رَمَاتَا» یہ کیا ہے ان عربوں کا کہنا؟ ضعیف ہے، ضعیف ہے۔

دیکھو مولانا عجیب ضابطہ آپ کو سناؤں بھائی، آپ نے کیا سنا؟ کیا پڑھا؟ «رَمَتْ»، «رَمَتَا»۔ کیوں بھائی، الف کیوں نہیں واپس لائیں گے؟ «رَمَاتَا» کیوں نہیں کہیں گے مولانا؟ کیونکہ تاء پہ حرکت عارضی ہے، تو اگر الف لے آئیں گے تو پھر کیا لازم آئے گا؟ جی؟ اجتماعِ ساکنین لازم آئے گا، کیا لازم آئے گا؟ لہٰذا اس الف کو واپس... تو کیا پڑھیں گے؟ «رَمَتَا»۔ اچھا، تاء اصل میں ساکن ہے الف لاؤ گے تو کیا لازم آئے گا؟ اجتماعِ ساکنین تو اب بھی لازم آرہا ہے: «رَمَاتَا» تاء بھی ساکن الف بھی ساکن۔ ابھی آپ نے خود ہی تو کہا ہے الف کو کیوں نہیں واپس لانا؟ کیونکہ اجتماع... تو «رَمَاتَا» نہیں کہیں گے، بس وہ الف گر گیا ہے، یہ تاء پر جو حرکت ہے کیا ہے؟ عارضی، اور تاء اصل میں کیا ہے؟ ساکن۔ اچھا، تاء اصل میں ساکن ہے تو پھر یہ آگے والا الف کیوں آرہا ہے؟ ابھی بھی اجتماعِ ساکنین ہے یا نہیں؟ الف بھی ساکن اور تاء بھی ساکن۔ سوال سمجھ میں آیا؟ جواب یہ مولانا: اصلی کے ساتھ اصلی والا معاملہ کیا، فرع کے ساتھ فرع والا معاملہ کیا۔ اصلی کے ساتھ اصلی والا معاملہ کیا، فرع کے ساتھ فرع والا معاملہ کیا۔ عجیب ضابطہ ہے مولانا، بڑا مشکل ضابطہ۔ اصلی کے ساتھ ہم نے اصلی والا معاملہ کیا اور فرع کے ساتھ فرع والا معاملہ کیا بھائی۔ کیسے بھائی؟ بات سمجھ میں آئی کچھ؟ دیکھو «رَمَاتَا»، «رَمَاتَا» میں الف مولانا، یہ حرفِ زائد ہے یا اصلی ہے؟ یا سے بدل کر آیا ہے نا، لیکن ہے کس کے مقابلے میں؟ لام کلمے کے مقابلے میں ہے یا نہیں ہے مولانا؟ تو یہ حرفِ اصلی ہے۔ یہ الف کیا ہے؟ یعنی حرفِ اصلی کی جگہ پر ہے، اور یہ جو آگے الف تثنیہ والا آرہا ہے یہ کیا ہے؟ یہ کیا ہے؟ زائد ہے یعنی فرع ہے، کیا ہے؟ فرع ہے، اچھا۔ اور تاء اصل میں کیا ہے؟ ساکن، اور فی الحال کیا ہے؟ متحرک۔ تو اصلاً ہے ساکن اور فرع کیا ہے؟ حرکت ہے اس کی، تو اصل ہے سکون اور فرع کیا ہے؟ حرکت ہے۔ تو اصلی کیا تھا ادھر؟ الف، پہلا الف «رَمَاتَا»، وہ الف کیا تھا؟ ساکن، تو اس کے ساتھ تاء کی اصلی حرکت کا اعتبار کیا۔ تو وہ بھی ساکن تھا یہ بھی ساکن اصل کے اندر، لہٰذا کیا ہوا تھا؟ اجتماعِ ساکنین، لہٰذا کیا ہوا وہ گر گیا۔ اور یہ آگے والا الف جو ہے یہ فرع ہے اور تاء پر حرکت بھی کون سی پھر ہم نے اعتبار کی؟ فرع والی حرکت، تو فرع کے لیے فرع والی کا اعتبار کیا اور اصل کے لیے اصل کا اعتبار کیا۔ تو اس کے اعتبار سے یہ ساکن ہے ہی نہیں، یہ کیا ہے؟ متحرک ہے، تو اجتماعِ ساکنین ہی نہیں بھائی۔ ضابطہ سمجھ میں آیا بھائی؟

اس طرح گردان پڑھتے ہیں آپ مولانا: «رَمَی»، «رَمَیَا»، «رَمَوْا»، «رَمَتْ»، «رَمَتَا»۔ «رَمَتَا»، سوال اشکال ہوتا ہے مولانا کہ «رَمَتَا» کے اندر تو پہلے «رَمَتْ» تھا بھائی، «رَمَتْ» سے بنا، اور «رَمَتْ» میں الف کیوں گرا تھا؟ اجتماعِ ساکنین سے، کیونکہ الف بھی ساکن تھا تاء بھی ساکن تو اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہ آیا تو الف کو کیا کر دیا؟ گرا دیا، تو «رَمَتْ» ہوا بھائی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ «رَمَتَا» تثنیہ کا صیغہ جو ہے اس میں تو تاء پر حرکت آگئی بھائی، جب حرکت آگئی تو اب تو اجتماعِ ساکنین نہیں، لہٰذا اس الف کو واپس آنا چاہیے اور کیا کہنا چاہیے؟ «رَمَاتَا» کہنا چاہیے بھائی، کیا کہنا چاہیے؟ «رَمَاتَا»۔ تو اس کا میں نے جواب بتلایا تھا کہ جواب یہ مولانا کہ یہاں تاء کی دو حالتیں ہیں: ایک ہے اس کی اصلی حالت ہے اور ایک اس کی فرعی ہے۔ یا یوں کہو مولانا ایک اس کی ایک سکون اس میں اصل ہے اور حرکت اس میں زائد ہے، حرکت کیا ہے؟ زائد ہے، کیونکہ تاء تو اصل کے اندر ساکن تھی، کیونکہ یہ جو اور یہ جو اس پر فی الحال فتحہ آیا یہ کس لیے آیا؟ کیونکہ آخر میں الف آگیا اور الف اپنے سے ماقبل فتحہ چاہتا تھا تو ہم نے یہ تاء کو کیا دے دیا؟ فتحہ دے دیا بھائی، فتحہ دے دیا۔ تو لہٰذا یہ تاء پر جو فتحہ ہے یہ عارضی ہے، یہ کیا ہے؟ کس کی وجہ سے آیا؟ الف کی وجہ سے۔ تو یوں سمجھیں مولانا، تو اب تاء کی ایک حالتِ اصلی ہے ایک حالتِ عارضی ہے۔ تو اصلی کے ساتھ ہم نے اصلی والا معاملہ اصلی رکھا اس کو، اور عارضی کے ساتھ اس کے ساتھ عارضی والا معاملہ کیا بھائی۔ اصلی کے ساتھ اصلی والا معاملہ کیا اور عارضی کے ساتھ... وہ کس طرح بھائی؟ دیکھو «رَمَاتَا»، اصل میں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں یہ الف «رَمَاتَا» والا واپس یہ واپس آئے بھائی اور «رَمَتَا» نہیں پڑھنا چاہیے کیا پڑھنا چاہیے؟ «رَمَاتَا» پڑھنا چاہیے، تو یہ الف اصلی ہے پہلا، الف کیا ہے؟ اصلی ہے، کیونکہ کس سے بدل کر آیا ہے؟ یا سے، اور یا کیا تھی؟ لام کلمے کی جگہ ہے، تو وہ اصلی ہے، تو یہ الف بھی کیا ہے گویا؟ یہ بھی اصلی ہے مولانا، تو یہ الف اصلی ہے اور تاء بھی کیا ہے؟ اصلی ہے، تاء میں اصل کیا ہے؟ سکون، تو اصلی کے ساتھ تاء کی اصلی حالت کا اعتبار کیا۔ اصلی کون ہے یہاں؟ الف پہلے والا، اور تاء میں بھی اصلی حالت کیا ہے؟ سکون، تو الف بھی ساکن تاء بھی اصل میں ساکن، تو اجتماعِ ساکنین آیا تو الف کو کیا کیا؟ گرا دیا۔ تو اس پر پھر کیا ہوتا تھا؟ اشکال ہوتا تھا کہ اگر تاء اصل میں ساکن ہے تو پھر آگے والا الف بھی تو کیا ہے؟ ساکن، تو اجتماعِ ساکنین تو اب بھی لازم آرہا ہے، تاء بھی ساکن کیونکہ آپ کیا کہہ رہے ہیں تاء اصل میں اور الف بھی کیا ہے؟ ساکن، تو پھر بھی اجتماعِ

سا کنین، تو پھر بھی آیا «رَمَاتَا»، تاء بھی ساکن الف بھی ساکن۔ تو میں نے کیا بتلایا بھائی کہ اصلی کے ساتھ اصلی والا اصلی حالت کا اعتبار کیا اور عارضی کے ساتھ عارضی والا۔ تو مولانا اصلی پہلا الف اصلی تھا تو اس کے ساتھ تاء کی حرکتِ اصلی کا اعتبار کیا اور اصل میں تاء کیا ہے؟ ساکن، تو الف بھی ساکن اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے الف گر گیا۔ اور یہ جو الف آیا آگے دوسرا، یہ الف اصلی ہے یا عارضی آیا ہے تثنیہ کا صیغہ ہونے کی وجہ سے؟ عارضی آیا، کیونکہ یہ صیغہ کون سا ہے؟ تثنیہ کا، اصلی تو نہیں، تو عارضی ہو گیا یعنی زائد ہو گیا، تو اور تاء پر حرکت جو آئی ہے وہ بھی کون سی ہے؟ عارضی، تو الف عارضی اور تو اس کے ساتھ تاء کی بھی کون سی حالت کا اعتبار کیا؟ عارضی، اور تاء عارضی حالت کون سی ہے تاء کی؟ حرکت والی، تو لہٰذا تاء اس وقت ساکن ہے ہی نہیں، تاء تو کیا ہے؟ متحرک ہے، تو اجتماعِ ساکنین لازم نہیں آیا بھائی۔ جواب اچھی طرح سمجھ میں آ گیا بھائی؟ جی یہ بڑا عجیب ضابطہ ہے بھائی۔

▪ قولہ: «وَأَمَّا إِلْحَاقُ عَلَامَةِ التَّثْنِيَةِ وَجَمْع...» کی تشریح

«وَأَمَّا إِلْحَاقُ عَلَامَةِ التَّثْنِيَةِ وَجَمْعِ الْمُذَكَّرِ وَجَمْعِ الْمُؤَنَّثِ فَضَعِيفٌ: فَلَا يُقَالُ: قَامَا الزَّيْدَانِ، وَقَامُوا الزَّيْدُونَ، وَقُمْنَ النِّسَاءُ:» جی مولانا، آپ نے کیا پڑھا؟ فاعل جب بھی اسمِ ظاہر آئے گا فعل کو ہمیشہ کیا لائیں گے؟ واحد لائیں گے، کیا لائیں گے؟ ایک زید نے پٹائی کی کیا کہیں گے؟ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، دونے کی تو «ضَرَبَ الزَّيْدَانِ»، زیادہ نے کی تو «ضَرَبَ الزَّيْدُونَ»، فعل ہمیشہ کیا رہے گا؟ اس لیے کہ اگر آپ اب کیا لے آئے مولانا؟ تثنیہ کے لیے الف بھی لے آئے: «ضَرَبَا الزَّيْدَانِ»، «ضَرَبَا الزَّيْدَانِ» آپ نے کہا تو دو فاعل بن گئے: ایک الف بھی فاعل اور «الزَّيْدَانِ» بھی فاعل، لہٰذا جب فاعل اسمِ ظاہر ہو تو تثنیہ کے لیے تثنیہ والی علامت لانا اور جمع کے لیے جمع والی علامت لانا یہ ضعیف ہے، یہ کیا ہے؟ نہیں لے کر آئیں گے، فعل کو ہمیشہ کیا ذکر کریں گے؟ مفرد، اور اگر لے آتے ہو یہ کیا ہے؟ ضعیف لغت ہے، لے آتے ہیں لیکن یہ لغت کیا ہے؟ ضعیف ہے۔ سمجھ میں آیا؟ اور اگر جب لے آؤ گے یاد رکھو پھر اس صورت میں یہ علامت ہو گی تثنیہ اور جمع کی، اب ضمیر نہیں، آپ نے کہا: «ضَرَبَا الزَّيْدَانِ»، «ضَرَبَا الزَّيْدَانِ» آپ نے کہا تو یہ مولانا یہ جو الف آ رہا ہے «ضَرَبَا» کے ساتھ یہ علامتِ تثنیہ ہے اب یہ فاعل نہیں، فاعل کون آ رہا ہے آگے؟ «الزَّيْدَانِ»۔ اگر اس کو بھی فاعل بنا دو گے تو پھر تو کتنے فاعل بن جائیں گے؟ دو، اور ایک فعل کے دو فاعل نہیں ہو سکتے، لہٰذا یہ صرف علامت، جیسے «ضَرَبَتْ» میں تاء کس چیز کی علامت تھی؟ تانیث کی اور آگے «هِنْدٌ» کیا آتا تھا؟ فاعل، تو «ضَرَبَا» کے اندر بھی الف کیا ہے؟ علامت ہے۔ یا «ضَرَبُوا الزَّيْدُونَ» اس میں بھی واو جو ہے وہ علامت ہے کس کی؟ جمع کی، اور آگے کون ہے؟ «الزَّيْدُونَ» فاعل۔ تو لہٰذا تثنیہ کے لیے تثنیہ کی ضمیر لانا اور جمع کے لیے جمع کے ساتھ ضمیر لانا یہ ضعیف لغت ہے لیکن اگر آپ لے آئے تو پھر اس صورت میں اب یہ ضمیر نہیں رہے گی بلکہ صرف تثنیہ اور جمع کی کیا بن جائے گی؟ علامت بن جائے گی۔ «قُمْنَ النِّسَاءُ» یہ نون جمع مؤنث کا ہے لیکن جب «النِّسَاءُ» آ رہا ہو تو «قَامَتِ النِّسَاءُ» کہنا چاہیے مولانا، «قُمْنَ النِّسَاءُ» نہیں، لیکن اگر آپ کہہ دیتے ہیں تو یہ ضعیف جائز ہے لیکن ضعیف ہے، اور پھر اس صورت میں یہ نون ضمیر نہ رہے گا صرف کیا بن جائے گا؟ تانیث کی جمع مؤنث کی علامت بن جائے گا۔ سمجھ میں آیا؟

اور بعض کہتے ہیں نہیں اس صورت میں بھی ضمیر ہے، وہ کیا کہتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں پھر بدل بنائیں گے آگے آنے والے فاعل کو: «ضَرَبَا الزَّيْدَانِ» یہ الف مبدل منہ اور «الزَّيْدَانِ» اس سے بدل، «ضَرَبُوا الزَّيْدُونَ» واو مبدل منہ اور «الزَّيْدُونَ» اس سے بدل، اور بدل مبدل منہ کا ایک اعراب ہوتا ہے، واو مرفوع تھا تو «الزَّيْدُونَ» بھی مرفوع ہے، «قُمْنَ النِّسَاءُ» یہ نون کیا ہے مرفوع مبدل منہ اور «النِّسَاءُ» اس سے بدل ہے، تو سمجھ میں آیا؟ تو بعض علماء کہتے ہیں اس صورت میں یہ صرف علامت ہو گی تانیث اور تثنیہ اور جمع کی، صرف یہ بتلائیں گے کہ آگے اس کا فاعل تثنیہ آنے والا ہے یا آگے اس کا فاعل جمع آنے والا ہے، اور بعض کہتے ہیں نہیں پھر بھی ضمیر رہیں گی ضمیریں رہیں گی اور کیا ہو گا؟ جی؟ پھر بھی ضمیریں رہیں گی اور کیا ترکیب کریں گے؟ مبدل منہ بنائیں گے ان کو، آگے آنے والے اسم کو ان کے اس سے کیا بنائیں گے؟ بدل بنائیں گے۔ تو میں کہتا ہوں: «ضَرَبَا الزَّيْدَانِ»، «ضَرَبَ» فعل، الف ضمیر مرفوع محلاً مبدل منہ، «الزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً بدل، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ۔ سمجھ میں آیا؟

«وَأَمَّا إِلْحَاقُ عَلَامَةِ التَّثْنِيَةِ وَجَمْعِ الْمُذَكَّرِ وَجَمْعِ الْمُؤَنَّثِ فَضَعِيفٌ: فَلَا يُقَالُ: قَامَا الزَّيْدَانِ، وَقَامُوا الزَّيْدُونَ، وَقُمْنَ النِّسَاءُ، وَبِتَقْدِيرِ الْإِلْحَاقِ:» اور باقی ملنا ملانا تثنیہ کی علامت کا اور جمع کے مذکر کی علامت کا اور جمع مؤنث کی علامت کا فعل کے ساتھ «فَضَعِيفٌ» یہ کیا ہے؟ ضعیف ہے، «فَلَا يُقَالُ: قَامَا الزَّيْدَانِ، وَقَامُوا الزَّيْدُونَ، وَقُمْنَ النِّسَاءُ، وَبِتَقْدِيرِ الْإِلْحَاقِ» اور تقدیرِ الحاق کی صورت میں، یعنی اگر ایسا کر لیا جائے «لَا تَكُونُ ضَمَائِرَ:» یہ ضمیریں نہیں ہوں گی «لِئَلَّا يَلْزَمَ الْإِضْمَارُ قَبْلَ الذِّكْرِ:» تاکہ کہیں اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے، «بَلْ

عَلَامَاتٍ دَالَّةً عَلَى أَحْوَالِ الْفَاعِلِ:» بلکہ یہ علامتیں ایسی علامتیں ہوں گی جو دلالت کر رہی ہوں گی کس پر؟ فاعل کے احوال پر۔ الف دلالت کرے گا فاعل تثنیہ آنے والا ہے، واو دلالت کرے گا فاعل جمع مذکر آگے ہے، نون دلالت کرے گا کہ فاعل جمع مؤنث ہے، تو یہ دلالت کریں گی فاعل کے احوال پر «كَتَاءِ التَّأْنِيثِ» جیسے کہ کیا ہے تائے تانیث دلالت کرتی ہے۔ چلیے مولانا، ھذا ھو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۰۴: حروفِ تحضیض، توقع (قَدْ)، استفہام، شرط، ردع، تائے تانیث، تنوین (اقسامِ خمسہ) اور نونِ تاکید (ختمِ کتاب)

ہدایۃ النحو صفحہ: ۱۲۵—بتاریخ: ۲۴ اگست ۲۰۱۶ء

■ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت)

فَصْلٌ: اَلتَّنْوِينُ نُونٌ سَاكِنَةٌ تَتْبَعُ حَرَكَةَ آخِرِ الْكَلِمَةِ لَا لِتَأْكِيدِ الْفِعْلِ.

تنوین، مولانا! تنوین کس کو کہتے ہیں؟ «نُونٌ سَاكِنَةٌ» ایسا نون ہے جو کیا ہوتا ہے؟ ساکن ہوتا ہے۔ «تَتْبَعُ حَرَكَةَ آخِرِ الْكَلِمَةِ» جو تابع ہوتا ہے، پیچھے آتا ہے کلمے کی آخری حرکت کے۔ کلمے کی آخری حرکت کے بعد آتا ہے۔

ضَارِبٌ، جَاءَ زَيْدٌ۔ دال پر کیا ہے؟ رفع۔ دال پر کیا ہے؟ رفع۔ اور اس رفع کے بعد پھر کیا آرہی ہے؟ نونِ ساکن آرہا ہے۔ یہ کیا کہلاتا ہے؟ تنوین کہلاتا ہے۔ تو آخری جو حرکت، کلمے کے جو آخری حرکت ہوتی ہے اس کے تابع ہوتا ہے۔ «لَا لِتَأْكِيدِ الْفِعْلِ» نہ کہ تاکیدِ فعل کے لیے۔ جی، یہ قید نکال کر مولانا نونِ تاکید کو نکال دیا۔ نونِ ثقیلہ اور خفیفہ کو، نونِ خفیفہ کو نکال دیا کیونکہ وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ نونِ ساکن ہوتا ہے اور آخر میں آتا ہے۔

«وَهِيَ خَمْسَةُ أَقْسَامٍ» اور تنوین جو ہے یہ پانچ قسم پر ہے۔ «اَلْأَوَّلُ لِلتَّمَكُّنِ» پہلی کیا ہے؟ تنوینِ تمکّن ہے۔ «وَهُوَ مَا يَدُلُّ» اور وہ وہ ہے جو دلالت کرتی ہے «عَلَى أَنَّ الْاِسْمَ مُتَمَكِّنٌ فِي مُقْتَضَى الْاِسْمِيَّةِ» اس بات پر کہ اسم بڑا پکا ہے، بڑا پختہ ہے، کس میں؟ مقتضائے اسمیت کے اندر۔ «أَيْ أَنَّهُ مُنْصَرِفٌ» یعنی کہ وہ کیا ہے؟ منصرف ہے۔

بھئی دیکھو، غیرِ منصرف پر کیا تنوین اور کسرہ نہیں آتا۔ کیوں؟ کیونکہ اس کی مشابہت کس سے آگئی؟ فعل کے ساتھ۔ اور فعل کے اندر بھی کسرہ اور تنوین نہیں، تو اب اسم سے بھی ہم نے جب مشابہت آگئی تو اس میں بھی کسرہ اور تنوین نہ ہونے کا ہم نے حکم لگا دیا۔ لیکن یہ تنوین جس پر آئے، معلوم ہوا اس کی فعل کے ساتھ مشابہت نہیں۔ معلوم ہوا یہ اسم ہونے کے اندر یہ بڑا پکا ہے۔ مقتضائے اسمیت کے اندر یہ بڑا پکا ہے۔ تو یعنی یہ منصرف ہے۔ «نَحْوُ: زَيْدٌ» جیسے زَيْدٌ۔ یہ زَيْدٌ پر تنوین کون سی ہے مولانا؟ تنوینِ تمکّن ہے، جو بتلا رہی ہے کہ یہ غیرِ منصرف نہیں ہے بلکہ اسمِ متمکّن ہے۔ «وَ رَجُلٌ» رَجُلٌ پر بھی تنوین کون سی ہے؟ تمکّن والی، جو بتلا رہی ہے کہ یہ منصرف ہے، غیرِ منصرف نہیں ہے۔

■ قولہ: «وَالثَّانِي لِلتَّنْكِيرِ» کی تشریح

«وَالثَّانِي لِلتَّنْكِيرِ» اور ثانی کیا ہے؟ تنوین بھئی تنکیر، نکرہ بنانے کے لیے آتی ہے۔ «وَهُوَ مَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْاِسْمَ نَكِرَةٌ» وہ تنوین ہے جو دلالت کرتی ہے کہ اسم نکرہ ہے۔ تو وہ تنوین جس اسم پر آئے گی بتلائے گی کہ وہ نکرہ ہے۔ جس پہ نہیں آئے گی بتلائے گی کہ وہ نکرہ نہیں۔ اور یہ اسم فعل میں آتی ہے۔ کس میں آتی ہے مولانا؟ اسمِ فعل میں آتی ہے۔ سمجھ میں آیا؟ اور صوت اور اسمِ فعل دونوں میں آتی ہے۔

توجیسے صَهْ، مولانا! صَهْ کا معنی ہے: خاموش ہو جا، ابھی! ابھی خاموش ہو یا چپ کر جاؤ، ابھی بس۔ آپ عربی میں کیا کہیں گے؟ صَهْ۔ اور ایک ہے صَهٍ، تنوین کے ساتھ بھئی! اس کا معنی ہے: کسی وقت تو خاموش ہو جاؤ، کسی وقت تو خاموش ہو جاؤ۔ تو ایک میں ہے: ابھی ابھی خاموش ہو جا، یہ معرفہ ہے، ابھی۔ اور ایک نکرہ ہے: کبھی، کسی وقت کیا ہو جاؤ؟ خاموش ہو جاؤ۔ تو اس میں تعیین ہے خاموش کس وقت ہو؟ نہیں۔ تو یہ کس نے بتایا مولانا؟ تنوین نے بتایا۔ کس نے بتایا؟ تنوین نے۔ تو صَهٍ تنوین آ جائے تو وہ عام، وہ نکرہ ہے، اور تنوین نہ آئے تو وہ نکرہ نہیں بلکہ کیا ہے؟ معرفہ ہے۔ تو یہ اسمِ فعل اور آواز، صوت وغیرہ میں آتی ہے تنوین، بس یہ تنکیر والی۔

«نَحْوُ: صَهٍ، أَيْ: أُسْكُتْ سُكُوتًا مَا فِي وَقْتٍ مَا» یعنی خاموش ہو جا کوئی خاموشی، کسی وقت کے اندر۔ کسی بھی قسم کی خاموشی ہو اور کسی بھی وقت میں ہو، خاموش ہو جا کسی طرح بھئی۔ «وَأَمَّا صَهْ بِالسُّكُونِ فَمَعْنَاهُ: أُسْكُتِ السُّكُوتَ الْآنَ» باقی صَهْ جو ہے سکون کے ساتھ، اس کا معنی ہے: خاموش ہو جا، ایسا خاموش ہونا جو کیا ہو؟ ابھی ہو، ابھی ہو۔ سمجھ میں آیا؟

تو رَجُلٌ میں کون سی تنوین، مولانا؟ تمکّن، تنکیر والی نہیں۔ یہ نہ کہنا یہ تنکیر والی ہے۔ کیوں؟ ایک آدمی کا نام رَجُلٌ رکھ دو۔ تنوین ختم ہو جائے گی یا پھر بھی رہے گی تنوین؟ تنوین تو پھر بھی رہے گی۔ معلوم ہوا اب تو یہ معرفہ بن گیا۔ اگر یہ تنکیر والی تنوین ہوتی تو پھر نہ آتی، اب تو معرفہ بن گیا اب نہیں آنی چاہیے تھی۔ اب بھی آ رہی ہے، معلوم ہوا یہ تعریف والی تنوین نہیں، تنکیر والی تنوین نہیں بلکہ یہ تنوینِ تمکّن ہے۔

■ قولہ: «وَالثَّالِثُ لِلْعِوَضِ» کی تشریح

«وَالثَّالِثُ لِلْعِوَضِ» اور ثالث تنوین کون سی ہے؟ عِوَض۔ «وَهُوَ مَا يَكُونُ عِوَضًا عَنِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ» وہ ہے جو کس کے عوض میں آئے؟ جو عوض ہو مضاف الیہ سے۔ «نَحْوُ: حِينَئِذٍ، وَ سَاعَتَئِذٍ، وَ يَوْمَئِذٍ» اصل میں کیا تھا؟ حِينَ إِذْ كَانَ كَذَا، سَاعَةَ إِذْ كَانَ كَذَا، يَوْمَ إِذْ كَانَ كَذَا۔ يَوْمَ إِذْ كَانَ كَذَا، سمجھ میں آیا بھئی؟ تو إِذْ مضاف تھا کس کی طرف؟ كَانَ كَذَا کی طرف۔ تو كَانَ كَذَا کو حذف کیا اور اس کے عوض میں إِذْ کو کیا دے دی؟ تنوین، تو حِينَئِذٍ ہوا۔ کیا ہوا؟ حِينَئِذٍ۔

اور آپ نے یہ بھی پڑھا تھا مولانا، جب إِذْ کی طرف کوئی ظرف مضاف ہو جائے تو اس کو مبنی علی الفتح پڑھنا بھی جائز ہے۔ إِذْ کی طرف کیا ہو جائے کوئی ظرف؟ تو دیکھو یہ سَاعَةَ، حِينَ، يَوْمَ، یہ کس کی طرف مضاف ہیں؟ إِذْ کی طرف۔ اور إِذْ کس کی طرف مضاف تھا؟ جملے کی طرف۔ اس جملے کو حذف کیا اور اس پر کیا لے آئے؟ تنوین۔ اور آپ نے پڑھا تھا جو ظرف إِذْ کی طرف مضاف ہو اس کو مبنی علی الفتح پڑھنا بھی جائز۔ لہٰذا يَوْمَئِذٍ، یہ يَوْمَ پہ آپ کہہ سکتے ہیں یہ اس وقت مبنی علی الفتح میں نے پڑھا ہے۔ یا آپ کہہ سکتے ہیں یہ يَوْمَ پر فتحہ کون سا ہے مولانا؟ ظرفیت والا ہے، اعراب ہے، معرب ہے، ہم نے مبنی اس کو نہیں بنایا۔

تو فتحے کی کتنی حالتیں ہو گئیں اس کی؟ دو۔ کیا کہہ سکتے ہیں آپ؟ یہ کون سا فتحہ ہے؟ بناء والا ہے، کیونکہ اس کو مبنی علی الفتح بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ فتحہ اعراب والا ہے کیونکہ یہ ظرف ہے اور ظرف کیا ہوتا ہے؟ معرب ہوتا ہے، منصوب ہے، تو اس پر یہ نصب آیا۔ ہاں، پتہ چلے گا جر۔ اس پہ مثلاً حِينَ پہ مِنْ آ گیا، کیا آ گیا؟ مِنْ۔ اب کیا پڑھنا چاہیے؟ مِنْ حِينَئِذٍ، مِنْ يَوْمَئِذٍ، کیا پڑھنا چاہیے؟ مِنْ حِينَئِذٍ، کیونکہ مِنْ کیا دیتا ہے؟ جر۔ لیکن آپ فتحہ بھی پڑھ سکتے ہیں، مبنی علی الفتح بھی پڑھ سکتے ہیں: مِنْ يَوْمَئِذٍ، مِنْ حِينَئِذٍ۔ سمجھ میں آیا؟ تو فرق کس حالت میں آ رہا ہے؟ جر والی حالت میں۔ کیونکہ اعراب کی صورت میں جر آئے گا اور مبنی کی صورت میں دونوں جائز ہیں۔ لیکن اگر فتحہ ہی پڑھیں آپ تو پھر، مِنْ پہلے نہیں ہے، اگر آپ اس کو معرب بھی بنانا چاہتے ہیں تو بھی فتحہ پڑھنا پڑے گا، مبنی بنانا چاہتے ہیں تو بھی کیا پڑھنا پڑے گا؟ فتحہ۔ تو اس صورت میں پھر دونوں احتمالات اس کے ہو سکتے ہیں۔

اچھا، تو مولانا! کیا کرتے ہیں؟ کبھی کبھی مضاف الیہ کو حذف کر کے مضاف کو اس کے عوض میں کیا دے دیتے ہیں؟ تنوین دے دیتے ہیں، جیسے حِينَئِذٍ، اصل میں کیا تھا؟ حِينَ إِذْ كَانَ كَذَا۔ یاد رکھو، بڑی قیمتی بات یہ، کہ یہ جو تنوین مضاف الیہ کے عوض میں آتی ہے یہ ہر جگہ نہیں آئے گی، یہ صرف چار جگہ آئے گی۔ کتنی جگہ آئے گی؟ چار کلموں پر آ سکوتی ہے، چار قسم کے کلموں پر، بس۔ نمبر ایک: كُلٌّ۔ نمبر دو: بَعْضٌ۔ نمبر تین: أَيٌّ اور أَيَّةٌ۔ اور نمبر چار کیا ہے؟ بعض ظروف، جیسے یہ إِذْ ہے بھئی، جیسے یہ إِذْ ہے۔

بھئ کتنی جگہ تنوینِ عوض آئے گی؟ چار۔ اول: کُلٌّ۔ بھئ کبھی آپ عبارت میں پڑھیں گے: کُلٌّ، بھئ کُلُّ تو ہمیشہ اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ تنوین کیون آرہی ہے؟ آپ سمجھ جائیں یہ تنوین کس کے عوض میں آئی ہے؟ مضاف الیہ کے عوض میں۔ تو کُلُّهُمْ ہے یا کُلُّ وَاحِدٍ ہے۔ سمجھ میں آیا؟ اور اسی طرح بَعْضٌ آئے گا بعض جگہ۔ بھئ بَعْضٌ بھی ہمیشہ کس طرح استعمال ہوتا ہے؟ اضافت کے ساتھ۔ تو بھئ مضاف الیہ کدھر ہے؟ یہ تنوین کہاں سے آرہی ہے؟ سمجھ جائیں یہ تنوین کس کے عوض میں آئی ہے؟ مضاف الیہ کے۔ اصل میں کیا ہے؟ بَعْضُهُمْ۔ سمجھ میں آیا؟ اور اسی طرح أَيٌّ اور أَيَّةٌ بھی کیا ہے، اس پر بھی تنوین آئے تو سمجھ جائیں یہ کس کے عوض میں ہے؟ مضاف الیہ کے عوض میں۔ اور بعض ظروف، جیسے إِذْ ہے مولانا۔ کیا ہے؟ إِذْ۔ اس پہ تنوین آئی: حِينَئِذٍ۔

▪ قولہ: «وَالرَّابِعُ لِلْمُقَابَلَةِ» کی تشریح

«وَالرَّابِعُ لِلْمُقَابَلَةِ» اور چوتھی تنوین جو ہے وہ مقابلے کے لیے ہے، «وَهُوَ التَّنْوِينُ الَّذِي فِي جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمِ» جو کس میں آتی ہے؟ جمع مؤنث سالم میں۔ مُسْلِمَاتٍ، یہ تنوینِ مقابلہ کہلاتی ہے۔ کیا کہلاتی ہے؟ تنوینِ مقابلہ کہلاتی ہے۔ مولانا! یہ نہ تنوینِ تمکّن ہے، نہ یہ تنوینِ تنکیر ہے، نہ یہ تنوینِ عوض ہے اور نہ ہی تنوینِ ترنّم ہے، پانچویں قسم جو ابھی آئے گی۔ تو چار قسموں میں سے کوئ بھی نہیں ہے، معلوم ہوا یہ تنوینِ مقابلہ ہے۔ کیا ہے؟ تنوینِ مقابلہ۔

دیکھو، تنوینِ تمکّن نہیں۔ کیون؟ تنوینِ تمکّن نہیں۔ بھئ مُسْلِمَاتٍ کسی عورت کا نام رکھو ذرا۔ رکھ دیا؟ جی۔ اب اس کو پڑھو، کیا پڑھیں گے؟ جَاءَ مُسْلِمَاتٌ، پڑھیں گے یا نہیں پڑھیں گے؟ تنوین پھر بھی آرہی ہے۔ تنوین معلوم ہوا یہ تمکّن والی تنوین نہیں تھی جو پہلے تھی، اگر یہ تمکّن والی ہوتی اب نہیں آنی چاہیے تھی کیونکہ اب غیرِ منصرف بن چکا ہے۔ کیسے غیرِ منصرف بنا؟ علمیت بھی آگئ، نام رکھ دیا ہم نے، اور تانیث بھی ہے، تو کیا پڑھنا چاہیے تھا؟ مُسْلِمَاتُ، لیکن ابھی بھی آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ مُسْلِمَاتٌ۔ معلوم ہوا جو مُسْلِمَاتٍ نام رکھنے سے پہلے جو اس پہ تنوین آرہی ہے وہ تمکّن والی نہیں، ورنہ تو جب نام رکھ دو پھر اس کو نہیں آنا چاہیے تھا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں آرہی؟ معلوم ہوا یہ تنوینِ تمکّن نہیں۔

معلوم ہوا اور نیز مولانا، تنکیر کے لیے بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ نکرہ ہونے کی وجہ سے تنوین آرہی ہے مُسْلِمَاتٍ پر، تو جب نام رکھا پھر اس کو نہیں آنا چاہیے، لیکن یہ پھر بھی آرہی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ نکرہ والی تنوین بھی نہیں۔ عوض؟ بھئ عوض کا بھی یہاں احتمال نہیں ہے کہ یہاں کوئ مضاف الیہ حذف ہوا اور اس کے عوض میں کیا آئی؟ تنوین آئی۔ کہیں ایسا ہوتا ہے مضاف الیہ کو حذف ہوتا ہے؟ اس میں مضاف الیہ حذف ہونے کا احتمال تو ہے ہی نہیں۔ پھر مضاف الیہ کے عوض میں بھی نہیں آسکوتی کیونکہ وہ ہر جگہ نہیں آتی، میں نے بتایا کتنی جگہ آتی ہے؟ چار۔ اور یہ کُلٌّ ہے؟ یہ بَعْضٌ ہے؟ یہ أَيٌّ، أَيَّةٌ ہے؟ یہ ظروف میں سے ہے؟ یہ تو ہے ہی نہیں چاروں میں سے، تو اس میں تو آ ہی نہیں سکتی مضاف الیہ سے عوض۔ پھر تنوینِ ترنّم ہوگی؟ بھئ تنوینِ ترنّم تو بھئ اشعار میں آتی ہے۔ کس میں آتی ہے؟ اشعار میں۔ اور یہ مُسْلِمَاتٍ لفظ اشعار میں آرہا ہے؟ نہیں۔ معلوم ہوا چاروں قسموں میں سے کوئ بھی نہیں، پھر کیا کریں؟ یہ تو کسی میں بھی نہیں، مجبور ہوگئے، نحویوں نے ایک الگ قسم بناڈالی اور اس کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ تنوینِ مقابلہ، اور کہتے ہیں یہ تنوینِ مقابلہ ہے، بس یہ ایک تنوین۔ جو کس میں آتی ہے؟ جمع مؤنث سالم میں۔

بھئ مقابلہ کیون نام رکھا؟ کہتے ہیں بھئ دیکھو، یہ جمع مذکر سالم کے اندر جو نون آیا تھا، ادھر نون آیا تو ادھر تنوین والا نونِ ساکن ہم لے آئے، یہ اس کے مقابلے میں آئی۔ یہ کیا ہے؟ اس کے مقابلے میں ہے۔ دیکھو مولانا! وہاں کیا تھا؟ وہاں واؤ لے کر آئے تھے مولانا، کس کے لیے؟ وہ واؤ دلالت کر رہا تھا جمعیت پہ دلالت کر رہا تھا۔ جمع ہونے پر دلالت کر رہا تھا۔ تو یہاں پر الف اور تا، واؤ دلالت کر رہا تھا کہ وہ کس کی جمع ہے؟ مذکر کی ہے۔ تو جمعیت اور تذکیر دو چیزوں پہ دلالت کر رہا تھا وہ واؤ۔ سمجھ میں آیا؟ تو مُسْلِمُونَ کے اندر واؤ تذکیر اور جمعیت دو چیزوں پہ دلالت کر رہا تھا، تو مُسْلِمَاتٍ کے اندر الف اور تا، یہ دونوں مولانا کس پہ دلالت کر رہے ہیں؟ جمعیت اور تانیث پر۔ اب وہاں نون زائد آرہا ہے مولانا، اس کے مقابلے میں یہاں کچھ نہیں تھا۔ آتا ہے یا نہیں مُسْلِمُونَ؟ تو واؤ کے مقابلے میں تو الف تا آگئے۔ تو نون کے مقابلے میں تو کچھ نہ آیا تھا یہاں پر، لہٰذا یہاں تنوین دے دی۔ کیا دے دی؟ کیونکہ تنوین بھی کس کا نام ہے؟ نون کا نام ہے، نونِ ساکن آخر۔ جیسے وہ نون آخر میں آیا یہاں بھی ہم نے آخر میں کیا ملا دیا؟ نون۔ تو یہ اس کے مقابلے میں آئی۔ تو یہ نہ تنوینِ تمکّن ہے، نہ یہ تنوینِ تنکیر ہے، نہ یہ تنوینِ عوض ہے، نہ تنوینِ ترنّم ہے بلکہ یہ کیا ہے؟ تنوینِ مقابلہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئ؟

▪ قولہ: «وَالرَّابِعُ لِلْمُقَابَلَةِ» کی تشریح

«وَالرَّابِعُ لِلْمُقَابَلَةِ» چوتھی قسم تنوین کے مقابلہ کے لیے ہے، «وَهُوَ التَّنْوِينُ الَّذِي فِي جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمِ، نَحْوُ: مُسْلِمَاتٍ. وَهٰذِهِ الْأَرْبَعَةُ تَخْتَصُّ بِالْاِسْمِ» اور یہ چاروں خاص ہیں اسم کے ساتھ۔ یہ چار: تنوینِ تمکّن، تنکیر، عوض اور مقابلہ، یہ چار خاص ہیں اسم کے ساتھ۔

«وَالْخَامِسُ لِلتَّرَنُّمِ» پانچویں قسم تنوینِ ترنّم ہے، ترنّم کے لیے۔ «وَهُوَ الَّذِي يَلْحَقُ آخِرَ الْأَبْيَاتِ وَالْمَصَارِيعِ» أَبْيَات جمع ہے بَيْت کی، شعر کو کہتے ہیں۔ مَصَارِيع جمع ہے مِصْرَاع کی، ایک حصے کو، نصفِ شعر کو کہتے ہیں مصرع۔ تنوینِ ترنّم ہے اور وہ ہے جو ملتی ہے شعر اور مصرعوں کے آخر کے ساتھ بھئی۔ کس کے ساتھ ملتی ہے؟ شعر ہوں یا مصرعے ہوں، ان کے آخر سے ملتی ہے۔ وزنِ شعری کو برابر کرنے کے لیے، ترنّم کے لیے اس میں مولانا، کیون؟ کیونکہ یہ نون میں آواز ناک میں جاتی ہے۔ کیا جاتی ہے؟ ناک میں۔ اور آپ نے دیکھا ہے مولانا، یہ جو اشعار پڑھنے والے ہیں، گانا گانے والے ہیں، آواز ناک میں لے کر جاتے ہیں اس میں ترنّم پیدا کرنے کے لیے۔ کیا پیدا کرنے کے لیے؟ ترنّم پیدا کرنے کے لیے، اس کو لمبا کرنے کے لیے۔ سمجھ میں آیا؟ تو لہٰذا اشعار کے آخر میں کیا کیا جاتا ہے؟ نون کو مصرعوں، اشعار کے آخر میں ملایا جاتا ہے تاکہ اس کی وجہ سے کیا پیدا کیا جائے یہاں؟ ترنّم پیدا کیا جائے، آواز ناک میں جائے گی اور اس میں ترنّم پیدا ہو گا، آواز لمبی بھی کی جائے گی وغیرہ، حسن پیدا ہو گا۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

كَقَوْلِ الشَّاعِرِ: أَقِلِّي اللَّوْمَ عَاذِلُ وَالْعِتَابَنْ وَقُولِي إِنْ أَصَبْتُ لَقَدْ أَصَابَنْ

أَقِلِّي کون سا صیغہ ہے مولانا؟ امر، کون سا امر؟ کس باب سے؟ افعال سے۔ آپ نے کیا پڑھا؟ أَمِدِّي، أَمَدَّ پڑھا ہے آپ نے باب بھئی؟ أَمَدَّ پڑھا ہو گا۔ تو أَمَدَّ، امر کیا آئے گا؟ أَمِدَّ، أَمِدَّا، أَمِدُّوا، أَمِدِّي۔ تو أَقِلِّي یہ واحد مؤنث مخاطب امر کا صیغہ ہے۔ أَقِلِّي، تو واحد مؤنث سے خطاب ہے۔ تو اپنی ملامت کو کم کر، قلت سے ہے یہ مولانا۔ قلیل کر، کس چیز کو؟ اَللَّوْمَ، کس کو؟ لوم کس کو کہتے ہیں؟ ملامت کو۔ اے مخاطبہ! تو ملامت کو کم کر۔

عَاذِلُ، عَاذِلَ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے بھئی۔ اصل میں تھا: يَا عَاذِلَةُ، کیا تھا؟ يَا عَاذِلَةُ۔ یہ منادیٰ ہے، عَاذِلَة کہتے ہیں ملامت کرنے والی۔ ملامت کرنے والی: عَاذِلَةُ۔ پھر کیا کیا گیا مولانا؟ یا حرفِ ندا کو گرا دیتے ہیں، آپ نے پڑھا ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ قرینہ ہو وہاں تو گرا دیتے ہیں۔ اور اس کے بعد منادیٰ میں آپ نے پڑھا تھا کبھی ترخیم کرتے ہیں۔ ترخیم کس کو کہتے ہیں؟ آخر سے ایک یا زائد حروف کو گرا دینا۔ تو عَاذِلَةُ کے آخر سے کیا گرا دی؟ تا۔ اور پھر جب اس تا کو گرا دیں تو اس سے ماقبل والے حرف پر، آخری حرف کو جب گرا دیں تو اس سے ماقبل والے حرف پر حرکتِ اصلیہ پڑھنا بھی جائز، اور اس کو مستقل منادیٰ قرار دیتے ہوئے مبنی علی الضم پڑھنا بھی جائز۔ تو يَا عَاذِلَةُ، لام پر کیا تھا؟ فتحہ۔ تو ابھی بھی فتحہ: يَا عَاذِلَ پڑھ لیں، گویا تا ابھی بھی موجود ہے۔ اور چاہے تو تانَسْيًا مَنْسِيًّا ہو گئی، ختم ہو گئی، اور عَاذِلُ پورا اسم ہوا، اور اسم جب منادیٰ بنائیں تو کیا ہوتا ہے؟ مبنی علی الضم ہوتا ہے مفرد ہو تو۔ تو یہ مفرد ہے، تو يَا عَاذِلُ بھی پڑھ سکتے ہیں، عَاذِلُ۔ سمجھ میں آیا بھئی؟

تو کم کر اپنی ملامت، اے ملامت کرنے والی! «وَالْعِتَابَنْ» عِتَاب کہتے ہیں ناراضگی کو مولانا، کس کو کہتے ہیں؟ ناراضگی۔ اور اس کے آخر میں جو نون آرہا ہے یہ تنوینِ ترنّم ہے۔ کیا آرہا ہے؟ یہ تنوینِ ترنّم ہے۔ تو یہ تنوینِ ترنّم ہے مولانا، یہ معرّف باللام پر بھی آجائی کرتی ہے، دیکھ رہے ہیں آپ؟ جب حالانکہ جب الف لام آجائے تو تنوین نہیں آیا کرتی، لیکن یہاں پر معرّف باللام ہونے کے باوجود کیا آرہی ہے؟ تنوینِ ترنّم آرہی ہے۔ تو تو کم کر ملامت کو بھی اور ناراضگی کو بھی، غصے اور غضب کو بھی کم کر اے ملامت کرنے والی! تو عتاب ناراضگی، غضب، غصے کو کہتے ہیں۔

«وَقُولِي» یہ کون سا صیغہ ہے؟ امر: قُلْ، قُولَا، قُولُوا، قُولِي۔ اور اے مخاطبہ! تو کہہ دے۔ کیا کہہ دے؟ آگے آرہا ہے: «لَقَدْ أَصَابَنْ» کیا کہہ دے؟ یہ مقولہ ہے قول کا: «لَقَدْ أَصَابَنْ»۔ یہ تنوین بھی کون سی آرہی ہے مولانا؟ تنوینِ ترنّم ہے، اور دیکھیں آپ فعل کے آخر میں تنوین آئی، أَصَابَ کیا ہے؟ فعل۔ تو تنوینِ ترنّم معرّف باللام میں بھی آجایا کرتی ہے جیسے اَلْعِتَابَنْ کے آخر میں آئی، فعل پہ بھی آتی ہے، اسم پہ بھی آتی ہے، اور حرف پہ بھی آجائی کرتی ہے جیسے کل کے سبق میں آپ نے پڑھا تھا: كَعَنْ قَدِنْ، پڑھا تھا یا نہیں پڑھا تھا؟ تو وہ قَدْ کے آخر میں کیا آگئی تھی؟ تنوینِ ترنّم آئی۔

اور تو کہہ دے: لَقَدْ أَصَابَنْ، تحقیق یہ صحیح ہے۔ أَصَابَ کا معنی ہے: صحیح، حق کو پہنچنا۔ کس کو پہنچنا؟ حق کو، یعنی صحیح ہونا، صحیح ہونا۔ کسی چیز کو صحیح ہونا تو اس کو کہتے ہیں: یہ مصیب ہے، صحیح ہے بھئی یہ، کیا ہے؟ حق پر ہے، درست راستے پر ہے۔ اور تو کہہ دے: لَقَدْ أَصَابَ، أَصَابَنْ ہے نا، نون ہٹاؤ تو تنوینِ ترنّم:

لَقَدْ أَصَابَ، کہ تحقیق یہ کیا ہے؟ صحیح ہے، مصیب ہے، کیا ہے؟ صحیح ہے، درست ہے، غلطی پر نہیں ہے۔ ایک شخص ہے غلطی پر، ایک ہے صحیح ہے، درست راستے، طریقے پر ہے، بات پر ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مصیب کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ مصیب، صاد کے ساتھ۔

تو کہہ دے: «إِنْ أَصَبْتُ» اگر میں مصیب ہوں، اگر میں حق پر ہوں، درست طریقے اور درست بات پر ہوں تو تو کیا کہہ دے؟ «لَقَدْ أَصَابَنْ» کہ یہ کیا ہے؟ یہ صحیح ہے واقعی۔ سمجھ میں آیا؟ تو إِنْ أَصَبْتُ درمیان میں شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے، وہ ہے: فَصَوِّبِينِي۔ إِنْ أَصَبْتُ فَصَوِّبِينِي، اگر میں حق پر ہوں، اگر میں مصیب ہوں، فَصَوِّبِي امر آگیا، تو تو بھی میری تصویب کر، تو بھی میری کیا کر؟ تصویب کر، یعنی مجھے مصیب قرار دے دے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟

آگے دوبارہ سنو: أَقِلِّي اللَّوْمَ عَاذِلُ وَالْعِتَابَنْ وَقُولِي إِنْ أَصَبْتُ لَقَدْ أَصَابَنْ

ملامت کو کم کر دے اے ملامت کرنے والی! اور غصے اور غضب اور ناراضگی کو، اور تو کہہ دے اگر میں مصیب ہوں، اگر میں مصیب ہوں تو تو بھی میری تصویب کر، اور کہہ دے کہ یہ کیا ہے؟ حق پر ہے، صحیح بات پر ہے۔ یعنی اے ملامت کرنے والی! تو ہر بات میں میری مخالفت کرتی ہے، مجھے ملامت کرتی ہے، ہر بات میں مجھے کیا کہتی ہے: یہ غلط ہے، یہ غلط ہے، کم از کم اتنا تو کر لے کہ جب میں غلط ہوں تو غلط کہہ، لیکن جب میں صحیح ہوں تو مجھے کیا کہہ دیا کر؟ صحیح ہے، لیکن تو تو کیا کرتی ہے، جب میں صحیح ہوں تب بھی مجھے کیا قرار دیتی ہے؟ غلط۔ تو تو غصے اور ناراضگی کو کم کر اور اگر میں مصیب ہوں تو میری تصویب کر اور کہہ دے: لَقَدْ أَصَابَنْ، کہ یہ کیا ہے؟ صحیح ہے، درست ہے۔

▪ قولہ: «وَكَقَوْلِهِ: يَا أَبَتَا عَلَّكِ أَوْ عَسَاكَنْ» کی تشریح

«وَكَقَوْلِهِ: يَا أَبَتَا عَلَّكِ أَوْ عَسَاكَنْ» عَلَّكَ لغت ہے لَعَلَّ کے اندر مولانا، آپ نے پڑھا تھا یا نہیں بھئی؟ لَعَلَّ میں کئی لغات ہیں، ایک عَلَّ تھی۔ «أَوْ عَسَاكَنْ» مولانا، عَسَاكَ یہ وہ ہے عَسَىٰ بھئی۔ یہ کاف کے آخر میں کیا آئی مولانا؟ تنوینِ ترنّم۔ تو دیکھو، ضمیر کے ساتھ تنوینِ ترنّم مل گئی بھئی، تو تنوینِ ترنّم ہر چیز سے مل جاتی ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟

«وَقَدْ يُحْذَفُ مِنَ الْعَلَمِ» اور کبھی کبھی تنوین، بھئی دیکھو مولانا! عربی میں ایک چیز بڑی کثرت سے استعمال ہوتی ہے، مثلاً میں کہتا ہوں: زَيْدُ بْنُ بَكْرٍ۔ زَيْد آیا، درمیان میں کیا آیا؟ اِبْن آیا، اور بعد میں کیا آیا؟ بَكْر آیا۔ تو یہ نام اور ان کے درمیان اِبْن کا لفظ، یہ بڑی کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ تو یاد رکھو، یہ جب اِبْن کا لفظ درمیان میں آئے دو علموں کے، اِبْن سے پہلے بھی کیا؟ زَيْد علم، اور اِبْن کے بعد کیا ہے؟ بَكْر، وہ بھی کیا ہے؟ علم۔ تو جب اِبْن کا لفظ آئے، تو اِبْن کا لفظ یاد رکھو مولانا، جب دو علمین کے درمیان میں آئے تو پہلے علم سے تنوین کا حذف کرنا جائز ہے۔ پہلے علم سے تنوین کا حذف کرنا جائز ہے۔

اور یاد رکھو، یہ جو اِبْن کا لفظ ہے ماقبل کے لیے صفت ہوتا ہے، مابعد کے لیے مضاف ہوتا ہے۔ اِبْن کا لفظ ماقبل کے لیے کیا ہوتا ہے؟ صفت، اور مابعد کے لیے مضاف ہوتا ہے۔ اِبْن کا لفظ کیا ہوتا ہے؟ مضاف ہوتا ہے۔ زَيْدٌ بْنُ بَكْرٍ، کیا پڑھیں گے؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً موصوف، اِبْنُ مرفوع لفظاً، زَيْد مرفوع ہے تو اِبْن اس کی صفت، وہ بھی کیا ہو جائے گی مولانا؟ مرفوع، اور مابعد کے لیے مضاف، تو بَكْرٍ پہ کیا آجائے گی؟ بَكْرٍ پہ کسرہ آجائے گا، جر آجائے گا، لہٰذا بَكْرٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ پھر مضاف مضاف الیہ مل کر یہ صفت ہو جائیں گے کس کے لیے؟ زَيْد کے لیے۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ تو چونکہ یہ کثرت سے استعمال ہوتا ہے مولانا، تو یاد رکھو، جب بھی اِبْن کا لفظ دو علمین کے درمیان آئے، کس کے درمیان آئے؟ تو پہلے علم سے تنوین گرا دیا کرتے ہیں۔ ورنہ کیا پڑھنا چاہیے تھا؟ زَيْدٌ اِبْنُ بَكْرٍ۔ ذرا اس کو ملاؤ: نونِ ساکن ہے نا تنوین، اس کو بھی کسرہ دو، کیا پڑھیں گے؟ زَيْدُ نِبْنُ بَكْرٍ، کیا پڑھنا چاہیے؟ زَيْدُ نِبْنُ، تو ضابطے کے مطابق پڑھنا چاہیے: زَيْدُ نِبْنُ بَكْرٍ، لیکن کیا کرتے ہیں؟ یہ چونکہ کثرت سے استعمال ہوتی ہیں اس قسم کی یہ چیز، اور کثرت چاہتی ہے خفت کو، لہٰذا پہلے علم سے کیا کر دیتے ہیں؟ تنوین کو گرا دیتے ہیں۔ تو کیا پڑھیں گے؟ زَيْدُ بْنُ بَكْرٍ، کیا پڑھیں گے؟ زَيْدُ بْنُ بَكْرٍ۔

اور نیز مولانا، اِبْن کے ہمزہ کو گرا دیں گے۔ ہمزہ کون سا ہے اِبْن کا؟ وصلی، اور ہمزہ وصلی درجِ عبارت میں کیا ہو جاتا ہے؟ گر جاتا ہے۔ لیکن ہمزہ وصلی تلفظ سے گرتا ہے، رسم الخط سے نہیں گرتا، عبارت کے آپ لکھ رہے ہیں، لکھا جاتا ہے۔ لیکن یہ والا جو اِبْن ہے جو دو علمین کے بیچ میں آیا اس کے ہمزہ وصلی کو لکھا بھی نہیں جاتا۔ لفظاً تو گرا ہے، خطّاً بھی کیا ہو جاتا ہے؟ گر جاتا ہے۔ یہ بھی خفت کی وجہ سے، کیونکہ یہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے کیا چاہتے ہیں؟ خفت۔

لہٰذا اگر ادیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

▪ قولہ: «وَقَدْ يُحْذَفُ مِنَ الْعَلَمِ إِذَا كَانَ مَوْصُو...» کی تشریح

«وَقَدْ يُحْذَفُ مِنَ الْعَلَمِ إِذَا كَانَ مَوْصُوفًا بِـ«ابْنٍ» أَوْ «ابْنَةٍ»» اور کبھی کبھی یہ تنوین کو حذف کر دیا جاتا ہے علم کے آخر سے، جب کہ وہ کیا ہو مولانا؟ موصوف ہو اِبْن یا اِبْنَة کے ساتھ موصوف ہو۔ جی، کیسے پڑھیں گے؟ إِذَا كَانَ مَوْصُوفًا، پڑھو ذرا عبارت کیسے پڑھیں گے؟ «إِذَا كَانَ مَوْصُوفًا بِـ«ابْنٍ»»، بِـابْنٍ نہیں پڑھنا مولانا! کیا پڑھنا ہے؟ بِـ «ابْنٍ» پڑھنا ہے۔ کیونکہ یہاں لفظِ اِبْن مراد ہے۔ کیا مراد ہے؟ لفظِ اِبْن مراد ہے۔ کیا مراد ہے؟ اِبْن۔ تو وہ جو عبارتوں میں اِبْن کا لفظ آتا ہے اس کا نام ہی ہم نے کیا رکھ دیا؟ اِبْن رکھ دیا، تو اب یہ علم بن چکا ہے اور علم کے اندر، جب یہ علم بن گیا اب اس کا ہمزہ وہ وصلی نہ رہا، کیا بن گیا؟ قطعی بن گیا، تو اب یہ نام بن گیا۔

تو جب موصوف ہو بِـ «ابْنٍ» أَوْ «ابْنَةٍ»، اِبْن لفظ کے ساتھ موصوف ہو یا اِبْنَة، لفظ مؤنث کے لیے بھی آتا ہے، اِبْنَة لفظ کے ساتھ موصوف ہو، «مُضَافًا إِلَى عَلَمٍ آخَرَ» اور مضاف ہو کس کی طرف؟ دوسرے علم کی طرف، «نَحْوُ: جَاءَنِي زَيْدُ بْنُ عَمْرٍو» آیا میرے پاس زید ابنِ عمرو، تو دیکھو زَیْد سے تنوین گر گئی اور اِبْن کے ہمزہ کو رسم الخط سے بھی گرا دیا۔ «وَ هِنْدُ ابْنَةُ بَكْرٍ» اور ہند بنتِ بکر۔ اس کا الف نہیں گرے گا کیونکہ اتنا زیادہ کثیر الاستعمال نہیں۔ بھئی یہ کیوں نہیں گرے گا اِبْنَة کا الف؟ کہتے ہیں اس لیے کہ اگر یہ الف گر گیا تو اس کا التباس لازم آئے گا بِنْت کے ساتھ، کس کے ساتھ لازم آئے گا؟ بِنْت کے ساتھ۔ تو کوئی اس کو بِنْت نہ پڑھ لے، لہٰذا ہم الف اب بھی لکھیں گے تاکہ پتہ چلے یہ بِنْت لفظ نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ اِبْنَة لفظ ہے، اِبْنَةٌ۔

▪ متن و فصل: فَصْلٌ: نُونُ التَّأْكِيدِ فصل ہے نونِ تاکید کے بارے میں

«فَصْلٌ: نُونُ التَّأْكِيدِ» فصل ہے نونِ تاکید کے بارے میں۔ «وَهِيَ وُضِعَتْ لِتَأْكِيدِ الْأَمْرِ وَالْمُضَارِعِ» یہ وہ نون ہے جس کو وضع کیا گیا ہے امر اور مضارع، فعلِ امر اور فعلِ مضارع کی تاکید کے لیے، تاکہ ان میں تاکید پیدا کرتے ہیں، «إِذَا كَانَ فِيهِ طَلَبٌ» جب اس کے اندر، مضارع میں کیا ہو؟ طلب ہو، «بِإِزَاءِ «قَدْ» لِتَأْكِيدِ الْمَاضِي» إِزَاء کا معنی ہے: مقابلہ۔ بِإِزَاءِ «قَدْ»، قَدْ کے مقابلے میں، «لِتَأْكِيدِ الْمَاضِي» جو کس کے لیے تھا؟ ماضی کے تاکید کے لیے۔ بھئی ماضی کی تاکید کے لیے قَدْ آتا تھا، تو مضارع اور امر کی تاکید کے لیے ہم کیا لے آئے؟ نون لے آئے۔

«وَهِيَ عَلَى ضَرْبَيْنِ» یہ دو قسم پر ہے مولانا، نونِ تاکید: «خَفِيفَةٌ، أَيْ: سَاكِنَةٌ أَبَدًا» ایک خفیفہ ہے، یعنی ہمیشہ ساکن رہتا ہے، «نَحْوُ: اِضْرِبَنْ، اِضْرِبُنْ، اِضْرِبِنْ» بھئی۔ «وَثَقِيلَةٌ، أَيْ: مُشَدَّدَةٌ مَفْتُوحَةٌ أَبَدًا إِنْ لَمْ يَكُنْ قَبْلَهَا أَلِفٌ» اور ایک نونِ ثقیلہ ہے، یعنی یہ مشدد ہو گا اور ہمیشہ مفتوح ہو گا، کب مفتوح ہو گا؟ اگر اس سے پہلے الف نہ ہو تو یہ مفتوح ہو گا: اِضْرِبَنَّ، اِضْرِبُنَّ، اِضْرِبِنَّ۔ «وَمَكْسُورَةٌ إِنْ كَانَ قَبْلَهَا أَلِفٌ» اور اگر اس نونِ ثقیلہ سے پہلے الف آیا تو یہ مکسور ہو گا، «نَحْوُ: اِضْرِبَانِّ، وَ اِضْرِبْنَانِّ»۔ یہ مکسور اس لیے ہو گا کہ اب اس کی مشابہت آ گئی نونِ تثنیہ سے۔ تو رَجُلَانِ، نونِ تثنیہ جیسے مکسور ہوتا ہے، یہ نونِ ثقیلہ کو بھی کیا دے دیا؟ کسرہ دیا۔

«وَتَدْخُلُ فِي الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ وَالِاسْتِفْهَامِ وَالتَّمَنِّي وَالْعَرْضِ جَوَازًا» یہ نونِ تاکید داخل ہوتا ہے امر کے اندر بھی اور نہی کے اندر بھی آتا ہے، استفہام میں بھی آتا ہے، تمنی کے اندر بھی آتا ہے اور عرض کے اندر بھی آتا ہے، جَوَازًا اس کا لانا جائز ہے، «لِأَنَّ فِي كُلٍّ مِنْهَا طَلَبًا» اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کے اندر کیا ہوتی ہے؟ طلب۔ امر میں بھی، نہی، استفہام، تمنی، سب میں طلب ہے۔ «نَحْوُ: اِضْرِبَنْ، أَوِ: اضْرِبَنَّ»۔ ہاں، اِضْرِبْ، سمجھ میں آیا؟ اِضْرِبْ امر کے آخر میں آیا، تو یہ امر کی مثال۔ نونِ خفیفہ بھی بنا سکتے ہیں، نونِ ثقیلہ: اِضْرِبَنْ یا اِضْرِبَنَّ۔ اچھا، آگے نہی کے اندر بھی: لَا تَضْرِبَنْ یا لَا تَضْرِبَنَّ۔ ہَلْ تَضْرِبَنْ استفہام میں بھی، یا ہَلْ تَضْرِبَنَّ۔ تمنی میں بھی: لَيْتَكَ تَضْرِبَنْ یا لَيْتَكَ تَضْرِبَنَّ۔ اور عرض میں بھی: أَلَا تَنْزِلَنَّ یا أَلَا تَنْزِلَنْ بِنَا فَتُصِيبَ خَيْرًا۔

«وَقَدْ تَدْخُلُ فِي الْقَسَمِ وُجُوبًا» اور تحقیق یہ داخل ہوتا ہے قسم کے اندر وجوباً بھی۔ قسم میں کیا ہوتا ہے؟ وجوباً داخل ہوتا ہے، «لِوُقُوعِهِ عَلَى مَا يَكُونُ مَطْلُوبًا لِلْمُتَكَلِّمِ غَالِبًا» اس لیے کہ قسم واقع ہوتی ہے اس چیز پر جو متکلم کو غالباً مطلوب ہوتا ہے۔ قسم کس چیز کی عموماً کھائی جاتی ہے؟

جو چیز آپ کو مطلوب ہو، گی۔ آپ کہتے ہیں: واللہ! میں یہ کام ضرور کروں گا، معلوم ہوا یہ کام کیا ہے؟ مطلوب ہے۔ تو مولانا! میں نے کہا: میں یہ کام کروں گا، اب میں اس کام میں خوب تاکید پیدا کرنا چاہتا ہوں تو شروع میں کیا لے آؤں گا؟ قسم۔ تو قسم سے اس میں کیا آ گئی؟ تاکید آ گئی۔ تو جب شروع میں قسم سے تاکید لے آئے تو آخر میں بھی تاکید لانی چاہیے۔ جب شروع میں لے آئے تو آخر میں بھی کیا آنی چاہیے؟ تو شروع میں قسم لائے ہو اور آخر میں کیا لے آؤ؟ نونِ تاکید۔ «فَأَرَادُوا أَنْ لَا يَكُونَ آخِرُ الْقَسَمِ خَالِيًا عَنْ مَعْنَى التَّأْكِيدِ كَمَا لَا يَخْلُو أَوَّلُهُ مِنْهُ» تو ارادہ کیا کہ خالی نہ ہو قسم کا آخر بھی تاکید کے معنی سے، جیسے کہ اس کا اول تاکید سے خالی نہیں۔ «نَحْوُ: وَاللّٰهِ لَأَفْعَلَنَّ كَذَا» تو دیکھو، لَأَفْعَلَنَّ کے اندر شروع میں وَاللّٰهِ سے تاکید لائے تو آخر میں کس سے لائے؟ نون سے لائے۔

▪ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّهُ يَجِبُ ضَمُّ مَا قَبْلَهَا فِي ج...» کی تشریح

«وَاعْلَمْ أَنَّهُ يَجِبُ ضَمُّ مَا قَبْلَهَا فِي جَمْعِ الْمُذَكَّرِ، نَحْوُ: اِضْرِبُنَّ» بھئی مولانا! نونِ ثقیلہ آپ لے کر آئے آخر میں، تو جمع مذکر کے صیغے میں نونِ ثقیلہ سے ماقبل کو ضمہ دینا واجب۔ نونِ ثقیلہ کو کیا دینا واجب؟ ضمہ دینا واجب۔ کیا پڑھیں گے؟ اِضْرِبُنَّ، تاکہ یہ با پر ضمہ دلالت کرے کہ یہاں پر کیا حذف ہوا ہے؟ واؤ حذف ہوا ہے۔ «فِي جَمْعِ الْمُذَكَّرِ، نَحْوُ: اِضْرِبُنَّ لِيَدُلَّ عَلَى الْوَاوِ الْمَحْذُوفَةِ» تاکہ وہ دلالت کرے واؤ محذوفہ پر۔ «وَكَسْرُ مَا قَبْلَهَا فِي الْمُخَاطَبَةِ» اور واجب ہے کسر ما قبلھا مخاطبہ کے اندر، نونِ ثقیلہ سے ماقبل کیا واجب ہے؟ کسرہ، «نَحْوُ: اِضْرِبِنَّ» کیوں بھئی؟ «لِيَدُلَّ عَلَى الْيَاءِ الْمَحْذُوفَةِ» تاکہ یہ دلالت کرے کس پر؟ یائے محذوفہ پر۔ اِضْرِبْ، اِضْرِبَا، اِضْرِبُوا، اِضْرِبِي، تو باکے بعد کیا آ رہی تھی؟ یا۔ تو جب نون ملائیں گے تو یہ یا گر جائے گی، تو کیا بن جائے گا؟ اِضْرِبِنَّ۔ یہ کسرہ دلالت کرے گا کہ یہاں پر کیا حذف ہوئی ہے؟ یا۔

«وَفَتْحُ مَا قَبْلَهَا فِيمَا عَدَاهُمَا» اور ان کے علاوہ باقی ساری صورتوں میں کیا ہو گا ماقبل؟ ہاں، اور ماقبل کا فتحہ واجب ہے ان دو صورتوں کے علاوہ۔ کون سی دو صورتیں؟ جمع مذکر اور واحد مخاطبہ سے۔ «أَمَّا فِي الْمُفْرَدِ» بھئی فتحہ کیوں واجب ہے؟ مفرد میں فتحہ اس لیے واجب، «فَلِأَنَّهُ لَوْ ضُمَّ» اس لیے کہ بھئی اِضْرِبْ، اِضْرِبْ میں کیا پڑھیں گے؟ اِضْرِبَنَّ، با پر کیا پڑھیں گے؟ فتحہ۔ بھئی فتحہ کیوں پڑھا، ضمہ کیوں نہیں پڑھا، کسرہ کیوں نہیں؟ کہتے ہیں: ضمہ پڑھیں گے «لَالْتَبَسَ بِجَمْعِ الْمُذَكَّرِ» تو جمع کے ساتھ التباس لازم آئے گا، «وَلَوْ كُسِرَ لَالْتَبَسَ بِالْمُخَاطَبَةِ» کسرہ پڑھیں گے تو واحد مخاطبہ کے ساتھ التباس لازم آئے گا، لہٰذا اس پر کیا پڑھیں گے؟ فتحہ۔ سمجھ میں آیا؟ مفرد کے اندر اگر اس کو ضمہ دیا جائے تو اس کا التباس لازم آئے گا کس کے ساتھ؟ جمع مذکر کے ساتھ، اور اگر اس کو کسرہ دیا جائے تو اس کا التباس کس کے ساتھ لازم آئے گا؟ مخاطبہ کے صیغے کے ساتھ۔

«وَأَمَّا فِي الْمُثَنَّى وَالْجَمْعِ الْمُؤَنَّثِ» باقی رہ گئے تثنیہ اور جمع مؤنث مولانا، تثنیہ اور جمع مؤنث جو ہیں ان میں کیا ہو گا مولانا؟ بھئی اس میں ما قبل فتحہ آئے گا، اس لیے کہ وہاں پر ہم نونِ ثقیلہ سے پہلے الف لے آئے ہیں۔ کیا لے آئے ہیں؟ الف لے آئے ہیں۔ تثنیہ میں کیا کہتے ہیں؟ اِضْرِبْ، اِضْرِبَا، اس کے آخر میں نونِ ثقیلہ لگاؤ، کیا بنے گا؟ اِضْرِبَانِّ، تو یہ تو الف موجود ہے۔ اور دوسرا کیا ہے؟ اِضْرِبْنَ، اِضْرِبْ، اِضْرِبَا، اِضْرِبُوا، اِضْرِبِي، اِضْرِبَا، اِضْرِبْنَ۔ اب نونِ ثقیلہ لاؤ گے تو درمیان میں الف لے آؤ تاکہ تین نون جمع نہ ہو جائیں۔ کیا بن گیا؟ اِضْرِبْنَانِّ۔ تو نونِ ثقیلہ کا ماقبل کیا ہے؟ مفتوح ہے، یعنی الف سے پہلے کیا ہے؟ فتحہ۔ کیوں فتحہ ہے؟ کیونکہ الف آ گیا ہے بیچ میں، اور الف اپنے سے ماقبل کیا چاہتا ہے؟ فتحہ چاہتا ہے۔

بھئی یہ آپ الف کیوں لے کر آئے بھئی؟ کیونکہ تاکہ تین نون جمع نہ ہو جائیں: اِضْرِبْنَانِّ۔ اور تثنیہ میں الف کیوں ہے؟ جی، اشکال ہوتا ہے نا مولانا: اِضْرِبَانِّ، یہ تو اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدّہ لازم آ رہا ہے۔ کیا؟ الف بھی ساکن اور اِضْرِبَانِّ کا نون بھی پہلا نون ساکن ہے، اِضْرِبْنَانِّ میں بھی اسی طرح۔ کہتے ہیں: بھئی یہاں مجبوی ہے، یہاں کیا ہے؟ اگر ہم یہاں الف گراتے ہیں تو اب پتہ نہیں چلے گا، کیا بن جائے گا؟ اِضْرِبَنَّ، یہ تو مفرد بھی کیا تھا؟ اِضْرِبَنَّ، تثنیہ بھی کیا ہوا؟ اِضْرِبَنَّ، تو پتہ ہی نہیں چلے گا، اس کا التباس کس سے لازم آ جائے گا؟ مفرد سے۔ التباس سے بچنا تو بہت ضروری ہے، لہٰذا کیا کیا بھئی؟ الف کو یہاں برقرار رکھا۔ اور اِضْرِبْنَانِّ، وہاں بھی اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدّہ آیا اور وہاں بھی ہم نے کیا کیا اس کو؟ باقی رکھا، کیونکہ مجبوی ہے۔ مجبوی کیا ہے مولانا؟ کہ تین نون جمع ہو جائیں گے تو کلمے میں بڑا ثقل آ جائے گا، لہٰذا مجبوی کی وجہ سے ہم نے اجازت دے دی۔

کدھر گیا بھئی؟ «وَأَمَّا فِي الْمُثَنَّى وَالْجَمْعِ الْمُؤَنَّثِ فَلِأَنَّ مَا قَبْلَهَا أَلِفٌ» تثنیہ اور جمع مؤنث کے اندر اس کا نون کا ماقبل مفتوح ہو گا یعنی الف سے ماقبل مفتوح ہو گا، کیوں؟ اس لیے کہ نونِ ثقیلہ سے پہلے کیا آ رہا ہے؟ الف آ رہا ہے اور الف اپنے سے ماقبل فتحہ چاہتا ہے۔ «نَحْوُ: اِضْرِبَانِّ، وَ

اِضْرِبْنَانِّ۔ وَزِيدَتْ أَلِفٌ قَبْلَ النُّونِ فِي جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ لِكَرَاهَةِ اجْتِمَاعِ ثَلَاثِ نُونَاتٍ » بھئی یہ الف بڑھایا جاتا ہے نونِ جمع سے پہلے، جمع مؤنث سے پہلے، اس لیے کہ تین نونوں کا جمع ہونا ناپسندیدہ ہے۔ کونسے تین نون بھئی؟ کہتے ہیں: « نُونُ الضَّمِيرِ وَنُونَا التَّأْكِيدِ » ایک تو نون کونسے ہے؟ ضمیر والا، اور دونون کونسے ہیں؟ نونا التاکید، یہ تثنیہ تھا مولانا، تو دونون تاکید کے یعنی وہ مشدد جو ہے وہ دونون ہیں۔

▪ قولہ: «وَنُونُ الْخَفِيفَةِ لَا تَدْخُلُ فِي التَّثْنِيَةِ...» کی تشریح

«وَنُونُ الْخَفِيفَةِ لَا تَدْخُلُ فِي التَّثْنِيَةِ أَصْلًا وَلَا فِي جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ » بھئی نونِ خفیفہ تثنیہ میں کبھی نہیں آتا اور نہ ہی جمع مؤنث میں۔ کیون نہیں آتا بھئی؟ اِضْرِبَانْ، یہ اجتماعِ ساکنین لازم آئے گا۔ اِضْرِبْ، اِضْرِبَا، نونِ ساکن ملاؤ، کیا بنے گا؟ اِضْرِبَانْ۔ اچھا، اور ملاؤ: اِضْرِبْ، اِضْرِبَا، اِضْرِبُوا، اِضْرِبِي، اِضْرِبَا، اِضْرِبْنَ۔ اِضْرِبْنَ کے آخر میں نونِ ثقیلہ لاؤ ذرا بھئی، کیا لے آئیں گے؟ الف لے آئیں گے: اِضْرِبْنَانْ، کیا لے آئیں گے؟ الف لے آئیں گے۔ بھئی الف کیون لے کر آئے؟ یہاں تو تین نون جمع نہیں ہو رہے۔ یہاں تو تین نون جمع نہیں ہو رہے بھئی، وہاں تو تین نون جمع ہو رہے تھے تو الف لائے تھے، تو یہاں الف کیون لے کر آئے ہو اِضْرِبْنَانْ جمع کے اندر، جمع کے صیغے میں؟ اعتراض سمجھ میں آرہا ہے؟ جواب یہ ہے مولانا کہ وہ اصل ہے نونِ ثقیلہ اور یہ فرع ہے، اور جب اصل میں الف لے کر آئے ہیں تو فرع کے اندر بھی کیا کریں گے؟ الف لے کر آئیں گے۔ سمجھ میں آیا؟ تو اِضْرِبْنَانْ ہوا۔ لیکن یہ تو میں ویسے سمجھانے کے لیے بتا رہا ہوں، یہ آتا ہی نہیں ہے۔ جمع مؤنث تو آتا ہی نہیں ہے۔ تو لہٰذا الف لائے، اور جب الف لائیں گے تو کیا آئے گا؟ اجتماعِ ساکنین آئے گا، اور جب اجتماعِ ساکنین آئے گا تو وہ تو علیٰ غیر حدّہ ہے، جائز ہی نہیں۔ سمجھ میں آیا؟ جائز نہیں۔

بھئی عجیب بات ہے نا، وہاں ثقیلہ کے اندر بھی تو اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدّہ تھا، وہاں آپ اجازت دیتے ہیں یہاں اجازت نہیں دیتے، کیا بات ہے؟ وہاں ثقیلہ میں آپ اجازت دیتے ہیں اور یہاں پر اجازت نہیں دیتے؟ کہتے ہیں: بھئی فرق ہے دونوں میں۔ وہ دونون ہیں اور ان دو میں سے بھی ایک کیا ہے؟ مشدد ہے نا، دونون کیا ہیں؟ وہ دونون ہیں، مشدد دونون ہوتے ہیں۔ تو دونون ہیں اور ان میں سے ثانی کیا ہے؟ متحرک ہے۔ ثانی کیا ہے؟ متحرک ہے۔ اور یہ جو حرفِ مشدد ہوتا ہے یہ زبان کی ایک ہی حرکت سے ادا ہوتے ہیں۔ ایک ہی حرکت سے ادا ہوتے ہیں، ایک ہی تلفظ ہوتا ہے ان پر۔ بھئی آپ کہیں ذرا: دَوَابَّ، تو اب آپ بتائیں مولانا، دو با مشدد کتنی با ہوتی ہیں؟ دو۔ تو دو با، ایک با ذرا ادا کریں: بَا، اَبْ، ہونٹ کتنی دفعہ ملے؟ ایک۔ تو دَوَابَّ میں تو با مشدد ہے، ہونٹ کتنی دفعہ ملنے چاہئیں؟ دو، لیکن ملے ایک ہی دفعہ: دَوَابَّ۔ ایک دفعہ ملے یا نہیں؟ جی۔ اچھا، اور تجربہ کر لیں، جس حرفِ مشدد کو بھی آپ ادا کریں گے آپ دیکھیں گے ایک ہی حرکت سے دونوں ادا ہو رہے ہیں۔ ایک ہی حرکت سے کیا ہیں؟ دونوں ادا ہو رہے ہیں۔

تو نونِ ثقیلہ دراصل دونون ہیں اور ان میں سے ثانی کیا ہے؟ متحرک ہے، اور وہ دونوں ادا ہوتے ہیں ایک ہی حرکت سے۔ کس سے ادا ہوتے ہیں؟ ایک ہی حرکت سے، تو ان میں سے چونکہ ایک متحرک ہے تو گویا کہ، اور چونکہ ایک ہی حرکت سے ادا ہوتے ہیں، ایک ہی تلفظ سے، تو گویا کہ یہ ایک ہی کَلِمہ ہے۔ گویا کہ یہ کیا ہے؟ ایک ہی کَلِمہ ہے، ایک کَلِمہ ہے، کیونکہ دونوں ایک ہی حرکت سے کیا ہوتے ہیں؟ ادا ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے بھی ایک متحرک ہے، تو گویا کہ یہ ایک ہی کَلِمہ ہے اور اس پہ حرکت ہے۔ گویا کہ یہ ایک ہی کَلِمہ ہے اور اس پر کیا ہے؟ حرکت ہے۔ جب اس پہ حرکت ہے تو معلوم ہوا یہ ساکن ہی نہیں، جب ساکن ہی نہیں تو اجتماعِ ساکنین ہے ہی نہیں وہاں، وہاں تو دراصل اجتماعِ ساکنین ہے ہی نہیں۔ سمجھ میں آیا بھئی؟ سب کو بات سمجھ میں آگئی؟ صورت سمجھ میں آگئی کہ نہیں آئی صورت؟

اچھا، پھر اشکال ہوتا ہے: اچھا بھئی چلو، گرا دو، الف کو گرا دو، صیغہ تو آنے دو، آپ تثنیہ کا صیغہ ہی نہیں آنے دے رہے: اِضْرِبَانْ، الف کو گرا دو: اِضْرِبَنْ۔ اِضْرِبْنَانْ، بھئی الف کو گرا دو: اِضْرِبْنَنْ۔ کہتے ہیں: بھئی دیکھو، بات سنو، اصل کون ہے؟ جی، باقی باتیں چھوڑو، التباس لازم آئے گا، التباس اس کو ابھی فی الحال چھوڑو، بس۔ حالانکہ التباس بھی لازم آئے گا، اِضْرِبَانْ سے اگر الف گرا دو گے کیا بن جائے گا؟ اِضْرِبَنْ، اور مفرد کا صیغہ بھی کیا تھا؟ اِضْرِبَنْ، تو پتہ چلے گا یہ تثنیہ ہے یا مفرد ہے؟ دوسری بات، اچھا چلو، اس میں تو نہیں گراتے، اس میں تو، تو اِضْرِبْنَانْ کے اندر گرا دو۔ کہتے ہیں: بھئی نہیں، الف کو گرا نہیں سکتے، کیونکہ یہ نونِ خفیفہ ہے، یہ ہے فرع، اور وہ نونِ ثقیلہ ہے، وہ ہے اصل۔ اور اصل میں ہم نے الف کو نہیں گرایا تھا تو فرع میں بھی نہیں گرا سکتے۔ چلیے جی!

▪ قولہ: «وَنُونُ الْخَفِيفَةِ لَا تَدْخُلُ فِي التَّثْنِيَةِ...» کی تشریح

«وَنُونُ الْخَفِيفَةِ لَا تَدْخُلُ فِي التَّثْنِيَةِ أَصْلًا وَلَا فِي جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ لِأَنَّهُ لَوْ حُرِّكَتِ النُّونُ لَمْ تَبْقَ خَفِيفَةً» اور نونِ خفیفہ جو ہے وہ تثنیہ میں کبھی بھی داخل نہیں ہوتا اور نہ ہی جمع مؤنث میں، اس لیے کہ اگر آپ نے اس کو، اگر آپ نے نون کو کیا دے دی؟ حرکت دے دی، پھر تو یہ خفیفہ رہے گا ہی نہیں، کیونکہ نونِ خفیفہ کس کو کہتے تھے؟ وہ تو نونِ ساکن تھا، آپ نے تو اس کو کیا دے دی؟ حرکت، لہٰذا حرکت بھی نہیں دے سکتے، «فَلَمْ تَكُنْ عَلَى الْأَصْلِ» تو یہ اپنی اصل پر باقی نہیں رہے گا۔ «وَإِنْ أَبْقَيْتَهُ سَاكِنَةً يَلْزَمُ الْتِقَاءُ السَّاكِنَيْنِ عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ وَهُوَ غَيْرُ حَسَنٍ» اور اگر آپ اس کو کیا باقی رکھیں؟ باقی رکھیں اس حال میں کہ یہ ساکن ہی ہو، تو کیا لازم آئے گا؟ التقائے ساکنین علیٰ غیر حدّہ لازم آئے گا، «وَهُوَ غَيْرُ حَسَنٍ» اور وہ اچھا نہیں، وہ اچھا نہیں۔ بھئی کہنا تو یہ تھا اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدّہ جائز ہی نہیں، کیا ہے؟ جائز ہی نہیں، لیکن انہوں نے کیا کہا؟ اچھا نہیں۔ تو سب سے نرم لفظ جس میں کسی کو رد کیا جا سکتا تھا اس کو استعمال کیا۔ سمجھ میں آیا؟ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو سب سے نرم یہ ہے کسی کو کسی کام سے کیا کہو: یہ اچھا نہیں۔ ہاں، ایک یہ ہے کہ کر نہیں سکتے، یہ تو نرم لفظوں کے اندر اس کو رد کر دیا۔ چلیے جانِ جانا!

هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

چلیے جی! آپ سب حضرات کو بھی مبارک ہو بھئی، دو کتابیں آج ختم ہوئیں۔ اور بڑی مبارک کتابیں ہیں۔ چلیے بھئی دعا کر لیں بھئی! ختم پر مبارک کتابیں دین کی ختم ہوئیں، دعائیں قبول ہوتی ہیں مولانا۔ اور دعا کا طریقہ یہ ہے مولانا: شروع میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ پڑھا جائے اور اس کے بعد درود شریف پڑھا جائے، اور پھر آخر میں بھی آمین اور کہا جائے اور درود شریف پڑھا جائے، اس سے دعا قبولیت کے قریب تر ہو جاتی ہے بھئی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! ہماری تمام حاجات پوری فرما۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! یہ دو دین کی مبارک کتابیں ختم ہوئی ہیں، اے اللہ! ان کا ختم ہمارے لیے مبارک فرما، اے اللہ! ہمارے لیے مبارک فرما، اے اللہ! ہم سب کے لیے اس کو مبارک فرما۔ اے اللہ! ہماری تمام حاجات پوری فرما۔ اے اللہ! اس کے ان کتابوں کے پڑھنے پڑھانے میں، اے اللہ! کوئی غلطی ہوئی ہو، کوئی کوتاہی ہوئی ہو، اے اللہ! غلطیاں ہوئی ہوں گی، اے اللہ! یقیناً کوتاہیاں ہوئی ہوں گی، بے ادبیاں، گستاخیاں ہوئی ہوں گی، اے اللہ! اپنے فضل و کرم سے سب کو معاف فرما۔ اے اللہ! ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرما۔ اے اللہ! ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرما۔ اے اللہ! ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرما۔

اے اللہ! ہم سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے والا بنا دے۔ اے اللہ! سنتوں کی بے انتہا محبت ہمارے سینوں میں پیدا فرما دے۔ اے اللہ! سنتوں پر عمل کو ہمارے لیے بے انتہا آسان بنا دے۔ اے اللہ! ہماری تمام حاجات پوری فرما۔ اے اللہ! جتنے حاضرین ہیں، اے اللہ! سب کی تمام حاجات پوری فرما۔ اے اللہ! سب کی تمام تکالیف دور فرما۔ اے اللہ! سب کی پریشانیں دور فرما۔ اے اللہ! جتنے حاضرین ہیں، اے اللہ! سب کی حاجات پوری فرما۔ اے اللہ! جن کے گھروں میں کوئی پریشانیں ہیں، اے اللہ! ان پریشانیوں کو دور فرما۔ اے اللہ! ان پریشانیوں کو دور فرما۔

اے اللہ! جو کوئی بیمار ہیں، اللہ یا گھروں میں کوئی بیمار ہیں، اے اللہ! سب کو شفا نصیب فرما۔ اے اللہ! صحت اور عافیت نصیب فرما۔ اے اللہ! اے اللہ! ان سب سے، اے اللہ! جتنے حاضرین ہیں، اے اللہ! سب کو عافیت اور معافات نصیب فرما۔ اے اللہ! سب کو عافیت اور معافات نصیب فرما۔ اے اللہ! سب کو عافیت اور معافات نصیب فرما۔ اے اللہ! ہمارے دلوں کو اپنی طرف پھیر دے۔ اے اللہ! ہمارے دلوں میں اے اللہ آخرت کا شوق پیدا فرما۔ اے اللہ! دنیا کی نفرت ہمارے دلوں میں پیدا فرما۔ اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! مسلمانوں کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! مسلمانوں کو پھر غلبہ نصیب فرما۔ اے اللہ! کفار کو ذلیل و رسوا فرما۔ اے اللہ! ان کے ٹکڑے ٹکڑے فرما۔ اے اللہ! ان پر اپنا عذاب نازل فرما۔ اے اللہ! ان کی جمعیت کو پارہ پارہ فرما۔ اے اللہ! ان کی سازشوں کو انہی اور ان کے مکر و فریب کو انہی پر لوٹا دے۔

اے اللہ! میرے جتنے تلامذہ ہیں، اے اللہ! ان سب کو خوشیاں نصیب فرما۔ اے اللہ! سب کی پریشانیں دور فرما۔ اے اللہ! ان میں سے ہر ایک کو، اے

اللہ! ان میں سے ہر ایک کو علم و عمل کا پہاڑ بنادے۔ اے اللہ! جس کے اے اللہ علم و عمل کا پہاڑ بنادے۔ اے اللہ! ان سے، اے اللہ! ہم سب کے اوقات کو دین کے لیے قبول فرما۔ اے اللہ! ہم سے ہمیں اپنی ساری زندگیاں دین کی خدمت، ہم سب سے دین کی خدمت لے لے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے تمام اوقات دین کے لیے وقف کرنے کی توفیق نصیب فرما۔ اے اللہ! دنیوی پریشانیوں اور تکالیف سے ہم سب کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! ہم سب کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! ہم سب کے گناہوں کو معاف فرما۔

اے اللہ! ہمارے جو عزیز و اقارب ہم سے رخصت ہو چکے، اے اللہ! اس دنیا سے چلے گئے، اے اللہ! سب کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! سب کی لغزشات سے درگزر فرما۔ اے اللہ! سب کے درجات بلند فرما۔ اے اللہ! ان کے درجات بلند فرما۔ اے اللہ! جو ہمارے اساتذہ اے اللہ اس دنیا سے چلے گئے، اے اللہ! ان سب کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! ان کی لغزشات سے درگزر فرما۔ اے اللہ! ان کے درجات بلند فرما۔ اے اللہ! ان کی جو اولاد باقی ہیں ان کو خوشیاں نصیب فرما۔ اے اللہ! ان کو وسیع حلال رزق نصیب فرما۔ اے اللہ! ان کی تکلیف اور پریشانیوں کو دور فرما۔ اے اللہ! جو ہمارے اساتذہ زندہ ہیں ان کو بھی خوشیاں نصیب فرما۔ اے اللہ! ان کی تکالیف اور پریشانیوں کو دور فرما۔ اے اللہ! ان کی پریشانیوں کو دور فرما۔ اے اللہ! ان کو وسیع حلال رزق نصیب فرما۔ اے اللہ! ان کو اطمینان و سکون و مسرت نصیب فرما۔

اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! اے اللہ! ہمارے سینوں کو قرآن و حدیث کے نور سے منور فرما۔ اے اللہ! ہمیں علم و عمل کے ساتھ ہمارے جسموں کو منور فرما۔ اے اللہ! ہمارے سینوں میں قرآن کا نور ہو، اے اللہ! آپ کی محبت کا نور ہو، اے اللہ! آپ کے قرآن کی محبت کا نور ہو، اے اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نور ہو، اے اللہ! صحابہ کرام سے محبت کا نور ہو، اے اللہ! تابعین، تبع تابعین کی محبت کا نور ہو، اے اللہ! ائمہ فقہاء کی محبت کا نور ہو، اے اللہ! مفسرین، محدثین کی محبت کا نور ہو، اے اللہ! شہداء کی محبت کا نور ہو، اے اللہ! علماء، اولیاء، طلباء و خواص کی محبت کا نور ہو۔ اے اللہ! ہم سب کے سینوں کو منور فرما۔ اے اللہ! ہم سب کے سینوں کو منور فرما۔

اے اللہ! ہمیں نیک عمل کرنے کی توفیق نصیب فرما۔ اے اللہ! ہمیں نیک اور سیدھے راستے پر چلنا ہمارے لیے آسان فرما۔ اے اللہ! اس زمانے میں ہم سب کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! اے اللہ! ہم سب کے ایمان کی بھی حفاظت فرما۔ اے اللہ! ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرما۔ اے اللہ! ہم سب کی قبروں کو منور فرما۔ اے اللہ! قبر میں جائیں، ایمان کو لے کر کے جائیں۔ اے اللہ! ہم سب کی قبروں کو منور فرما۔ اے اللہ! قیامت کے دن کی شرمندگی اور رسوائی سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ! قیامت کے دن ہماری ملاقات آپ سے اس حال میں ہو کہ آپ بھی ہم سے راضی ہوں، آپ کے رسول بھی ہم سے راضی ہوں۔ اے اللہ! اے اللہ! ہمیں جنت الفردوس نصیب فرما۔ اے اللہ! ہمیں جنت الفردوس نصیب فرما۔ اے اللہ! ہمیں جنت الفردوس نصیب فرما۔ اے اللہ! جہنم کی آگ سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ! جہنم سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ! جہنم سے ہماری حفاظت فرما۔

اے اللہ! جتنے حاضرین ہیں، اے اللہ! سب کو حلال رزق نصیب فرما۔ اے اللہ! جو رزق کے معاملے میں پریشان ہیں ان کو وسیع حلال رزق نصیب فرما۔ اے اللہ! ان کو کشادہ حلال رزق نصیب فرما۔ اے اللہ! اے اللہ! حرام کے ذرے ذرے سے ہماری حفاظت فرما۔ اے اللہ! ہماری بھی، ہمارے گھر والوں کی بھی حفاظت فرما۔ اے اللہ! ہماری بھی، ہمارے گھر والوں کی اور قیامت تک ہماری نسلوں کی بھی حرام سے حفاظت فرما۔ اے اللہ! قیامت تک ہماری نسلوں کے بھی ایمان کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! ہم سب کے سینوں کو منور فرما۔ اے اللہ! ہم سب کے سینوں کو منور فرما۔ اے اللہ! دین کے کاموں کے سلسلے میں، اے اللہ! اے اللہ! ہمیں ہمت اور قوت نصیب فرما۔ اے اللہ! ہمیں صحیح سمجھ اور فہم نصیب فرما۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔

اے اللہ! جن حضرات نے دعاؤں کے لیے کہا ہے، چاہا ہے، اے اللہ! ان کی حاجات کو بھی پورا فرما۔ اے اللہ! ان کی تکلیف اور پریشانیوں کو دور فرما۔ اے اللہ! اس دین کی نسبت سے انہوں نے ہمیں دعاؤں کا کہا ہے، اے اللہ! ہماری دعاؤں کو رد نہ فرما۔ اے اللہ! ہم سب کی دعاؤں کو قبول فرما۔ اے اللہ! ہم سب کی دعاؤں کو قبول فرما۔ اے اللہ! میرے جتنے تلامذہ ہیں، اے اللہ! اے اللہ! ان کو دنیا میں بھی معزز و محترم فرما۔ اے اللہ! دنیا میں بھی ان کو خوب عزتیں نصیب فرما، اور اے اللہ! ان کو آخرت میں بھی معزز و محترم فرما۔ اے اللہ! آخرت میں بھی ان کو خوب عزتیں نصیب فرما۔

اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ! يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ! يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ! اے اللہ! ہماری دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! آپ کی رحمت تو بڑی وسیع ہے، اے اللہ! آپ کے خزانے بڑے وسیع ہیں۔ اے اللہ! آپ کی ذات کی قسم، آپ کے خزانے بڑے وسیع ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں اے اللہ! آپ کے پیغمبر نے فرمایا ہے کہ اللہ فرماتے ہیں، اور یقیناً آپ کے پیغمبر کا کلام آپ ہی کا کلام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ کائنات بنائی ہے اور میں تقسیم کر رہا ہوں اور آج تک میرے خزانوں میں مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں آئی۔ اے

اللہ! آپ کے خزانے تو بہت وسیع ہیں۔ اے وسیع خزانوں والے! اے اللہ! ہماری دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! ہماری دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! ہماری اس مجلس کو مبارک فرما۔ اے اللہ! خسارے والی نہ بنا۔ اے اللہ! ہماری اس مجلس کو مبارک فرما۔ اے اللہ! ہماری مجلس ان مجالس میں سے بنادے، اے اللہ! جس کے گرد اس وقت فرشتے اے اللہ صفین بنائے ہوئے کھڑے ہوں۔ اے اللہ! صفیں بنائے ہوئے آسمان تک کھڑے ہوں۔

اے اللہ! آپ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور یقیناً ان کی بات آپ ہی کی بات ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نیک فرشتے نیک مجالس کی تلاش میں رہتے ہیں اور زمین پر جب انہیں کوئی نیک مجلس ملتی ہے تو سارے اس کے گرد کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو بلاتے ہیں اس طرف، یہاں تک کہ ان کی صفیں بنتیں چلی جاتی ہیں اور آسمان تک وہ ساری مجلس والوں کو گھیر لیتے ہیں اور ان پر صفیں بنا لیتے ہیں۔ اے اللہ! ہماری مجلس بھی ان مجالس میں سے بنا۔ اے اللہ! مبارک فرما ہماری اس مجلس کو بھی۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! ہر شر اور فتنے سے ہماری حفاظت فرما۔

اے اللہ! تمام عالم کے مسلمان اس وقت سخت تکلیف میں ہیں، اے اللہ! سب کی مدد و نصرت فرما۔ اے اللہ! سب کو ہمت اور قوت نصیب فرما۔ اے اللہ! مسلمانوں کو پھر غلبہ نصیب فرما۔ اے اللہ! ہمیں ہم سب کو اے اللہ پھر اسلام کی طرف پھیر دے۔ اے اللہ! اسلام کے ہر ہر تمام اسلام پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرما۔ اے اللہ! اسلام کے پر مکمل طور پر عمل کرنے کی ہمیں توفیق نصیب فرما۔

مجاہدین کے لیے بھی خصوصی دعا کرو۔ اے اللہ! ان تمام مجاہدین، مبلغین کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! ان سب کو ہمت اور قوت نصیب فرما۔ اے اللہ! دشمنوں پر ان کا رعب طاری فرما۔ اے اللہ! جو مجاہدین پریشان ہیں، اے اللہ! سب کی، جو بھی مسلمان دینی کاموں میں مصروف جس انداز میں بھی وہ پریشان ہیں، اے اللہ! سب کی مدد فرما۔ اے اللہ! سب کی نصرت فرما۔ اے اللہ! سب کی نصرت فرما۔ اے اللہ! سب کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! سب کو ہمت اور قوت نصیب فرما۔ اے اللہ! سب کو ہمت اور قوت نصیب فرما۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ! يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِينَ!

اے اللہ! ہمارے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹا۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! آپ فرماتے ہیں کہ جب میں کسی کو کچھ عطا کرتا ہوں، کسی کی دعا قبول کرتا ہوں تو مجھے کچھ کرنا نہیں پڑتا، صرف «كُنْ» کہنا پڑتا ہے اور وہ ہو جاتا ہے۔ تو اے اللہ! اے اللہ! ہمارے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹا۔ اے اللہ! ہماری دعاؤں پر بھی «كُنْ» فرما دیجیے۔ اے اللہ! ہماری دعاؤں پر بھی «كُنْ» فرما دیجیے۔ اے اللہ! ہماری دعاؤں پر بھی «كُنْ» فرما دیجیے۔

اے اللہ! ہمارے سینوں کو اپنی طرف کھینچ لیجیے۔ اے اللہ! ہمارے سینوں میں اپنی محبت بھر دیجیے۔ اے اللہ! صحابہ، انبیاء کی محبت بھر دیجیے۔ اے اللہ! عمل کو ہمارے لیے آسان بنا دیجیے۔ اے اللہ! گناہوں کو معاف فرما دیجیے۔ اے اللہ! ہماری بھی حفاظت فرما، ہمارے گھر والوں کی بھی حفاظت فرما۔ اے اللہ! گناہوں والی مجالس سے ہم سب کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! ہم جس طرف اے اللہ جتنے حاضرین ہیں، میرے جتنے تلامذہ بھی ہیں، اے اللہ! جدھر کا رخ کریں، اے اللہ! انوارات آپ کے انوارات ساتھ ہوں، اے اللہ! آپ کی رحمتیں ساتھ ہوں، اے اللہ! آپ کی برکتیں ساتھ ہوں۔ ان کو اے اللہ ایسا منور فرما دے کہ جہاں جائیں اس پورے علاقے کو منور فرما دیں۔ اے اللہ! ان کے کاموں میں بے انتہا برکت پیدا فرما۔ اے اللہ! ہمیں ہمت اور قوت نصیب فرما۔

اے اللہ! ہم نے آپ کے دین کی دو عظیم کتابیں آج ختم کی ہیں، اے اللہ! ان کی برکت سے، ان کے وسیلے سے ہم آپ سے دعا کرتے ہیں: اے اللہ! ہماری دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! ہماری دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! ہماری دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! اے اللہ! آپ تو رحیم و کریم ہیں، اے اللہ! آپ تو رحیم و کریم ہیں، اور کسی رحیم و کریم سے سوال کیا جائے وہ کبھی کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔ اے اللہ! آپ بھی ہمارے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹائیے۔ اے اللہ! ہماری دعائیں قبول فرما لیجیے۔

اے اللہ! میرے جتنے تلامذہ ہیں ان میں سے ہر ایک کو بڑا عالم بنا۔ اے اللہ! ان میں سے ہر ایک کو علمائے کبار میں سے بنا۔ اے اللہ! ہر ایک کو علم سے بھی منور فرما۔ اے اللہ! ہر ایک کو عمل سے بھی منور فرما۔ اے اللہ! ان سے دین کا کام لے، اے اللہ! اے اللہ! کفر و شرک اور بدعات کا خاتم ختم کرنے کی توفیق نصیب فرما۔ اے اللہ! ان میں سے ہر ایک کو کفر و شرک اور بدعات کے سامنے ایک عظیم جبل بنا دے، ایک عظیم پہاڑ بنا دے۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔

میرے لیے بھی آپ حضرات سے دعاؤں کی خصوصی درخواست ہے۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ صحت اور عافیت نصیب فرمائے۔ اللہ تکالیف اور پریشانیوں کو دور فرمائے۔ اللہ صحت اور عافیت نصیب فرمائے۔ اللہ جنت الفردوس نصیب فرمائے، اور تمام پریشانیوں، پریشانیں وغیرہ کو دور فرمائے، ہر شر، فتنے اور آزمائش

سے حفاظت فرمائے اور قبولیت نصیب فرمائے۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔

میری والدہ کے لیے بھی آپ حضرات سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ وہ بیمار ہیں، دعا فرمائیں اللہ ان کو صحت اور عافیت نصیب فرمائے، ان کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر خوشی اور مسرت کے ساتھ اللہ قائم و دائم رکھے، تکالیف اور پریشانیوں سے اللہ حفاظت فرمائے۔ اے اللہ! اطمینان و سکون نصیب فرما۔ اے اللہ! جتنے اے اللہ حاضرین ہیں، اے اللہ! ان جن کے والدین زندہ ہیں، اے اللہ! سب کو صحت اور عافیت نصیب فرما۔ اے اللہ! ان کے والدین کا سایہ ان کے سروں پر تادیر قائم و دائم رکھ۔ اے اللہ! خوشیاں نصیب فرما۔ اے اللہ! ہمیں والدین کی خدمت کرنے کی توفیق نصیب فرما۔ اے اللہ! اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔

میری ہمشیرہ نے بھی آپ حضرات سے دعاؤں کی درخواست کے لیے پیغام بھجوایا۔ ان کے لیے بھی دعا کریں، والد صاحب کی وفات کے بعد وہ بڑی پریشان رہتی ہیں۔ دعا فرمائیں اللہ ان کی پریشانیوں کو دور فرمائے، اللہ ان کو اطمینان و سکون نصیب فرمائے، اللہ ان کو عزت نصیب فرمائے۔ اے اللہ! ان کو ہر شر اور فتنے سے حفاظت فرما۔ اے اللہ! سب کا خاتمہ ایمان پر فرما۔ ان کے بچوں کے لیے بھی، انہوں نے بچوں کے لیے بھی اپنے دعا کا کہا ہے۔ دعا فرمائیں اللہ ان کو صحت اور عافیت نصیب فرمائے، اللہ ان کو علمائے کبار میں سے بنائے، اے اللہ! دین کے بڑے علماء میں سے بنا، اے اللہ! ان کے فیض کو عام فرما۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! ہماری تمام دعائیں قبول فرما۔ اے اللہ! ہر شر اور فتنے سے حفاظت فرما۔ اے اللہ! جتنے حاضرین ہیں سب کی تمام حاجات پوری فرما۔ اے اللہ! ہم سب کی تمام حاجات پوری فرما۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ، بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

آپ حضرات میں سے بھی کسی کو میں نے سختی کی ہو، پٹائی کی ہو سال میں اگر کسی کی تو آپ حضرات سے میں معافی مانگتا ہوں۔ للہ، ثم للہ مجھے معاف کر دینا۔ آپ کی بہتری کے لیے ہو سکتا ہے کبھی سختی کی ہو۔ چلیے جی! اللہ آپ سب کو بڑا عالم بنائے۔

تفصیلی فہرستِ مضامین وعناوین

(مکمل کتاب کے اقسام، ابواب، ۱۰۵ اسباق اور ذیلی سرخیاں مع صفحات)

مقدمہ وکلماتِ تشکر: کلماتِ تشکر، ریکارڈنگ اور اشاعت کے متعلق ضروری وضاحت ۲

۰.۱ ابتدائی مسنون دعائیں اور خطبہ ۲

۱ سبق نمبر ۱: خطبۂ مصنف، حمد وصلاۃ اور کتاب کی تالیف کا مقصد ۴

۱.۱ ابتدائی مسنون دعائیں اور خطبہ ۴

۱.۲ قولہ: «الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ» کی تشریح ۵

۱.۳ قولہ: «أَمَّا بَعْدُ» کی تشریح ۶

۲ سبق نمبر ۲: دیباچۂ کتاب: وجہِ تالیف اور ترتیبِ کتاب (مقدمہ، تین اقسام اور خاتمہ) ۱۰

۲.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۰

۲.۲ قولہ: «مُبَوَّبًا وَمُفَصَّلًا» کی تشریح ۱۱

۲.۳ قولہ: «بِعِبَارَةٍ وَاضِحَةٍ» کی تشریح ۱۲

۲.۴ قولہ: «وَسَمَّيْتُهُ بِهِدَايَةِ النَّحْوِ» کی تشریح ۱۳

۳ سبق نمبر ۳: مقدمۃ الکتاب: علمِ نحو کی تعریف، موضوع، غرض وغایت اور کلمہ کی تعریف ۱۶

۳.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۶

۳.۲ متن وفصل: فَصْلٌ: النَّحْوُ عِلْمٌ بِأُصُولٍ يُعْرَفُ بِهَا أَحْوَالُ... . . . . ۱۶

۳.۳ قولہ: «وَكَيْفِيَّةُ تَرْكِيبِ بَعْضِهَا مَعَ بَعْضٍ» کی تشریح ۱۷

۳.۴ قولہ: «وَمَوْضُوعُهُ الْكَلِمَةُ وَالْكَلَامُ» کی تشریح ۱۸

۳.۵ متن وفصل: فَصْلٌ: الْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ ۱۸

۳.۶ قولہ: «وَهِيَ مُنْحَصِرَةٌ فِي ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ: اسْمٌ...» کی تشریح ۲۱

۳.۷ قولہ: «كَلِمَةٌ تَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا غَيْرِ...» کی تشریح ۲۳

۳.۸ قولہ: «كَرَجُلٍ وَعِلْمٍ» کی تشریح ۲۳

۴ سبق نمبر۴: کلمہ کی تین اقسام میں انحصار کی دلیل اور اسم کی تعریف وعلامات ۲۵

۴.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۵
۴.۲ قولہ: «وَعَلَامَتُهُ صِحَّةُ الْإِخْبَارِ عَنْهُ، نَحْوُ:...» کی تشریح ۲۶
۴.۳ قولہ: «وَالْإِضَافَةُ» کی تشریح ۲۷
۴.۴ قولہ: «وَالتَّثْنِيَةُ» کی تشریح ۲۷
۴.۵ قولہ: «وَالتَّصْغِيرُ» کی تشریح ۲۸
۴.۶ قولہ: «وَمَعْنَى الْإِخْبَارِ عَنْهُ أَنْ يَكُونَ مَحْكُو...» کی تشریح ۲۹
۴.۷ قولہ: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا» کی تشریح ۲۹

۵ سبق نمبر۵: فعل کی تعریف، علاماتِ فعل اور اقسامِ فعل (ماضی، مضارع، امر) ۳۲

۵.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۲
۵.۲ قولہ: «كـ«ضَرَبَ» کی تشریح ۳۳
۵.۳ قولہ: «وَدُخُولُ «قَدْ» کی تشریح ۳۴
۵.۴ قولہ: «وَالتَّصْرِيفُ إِلَى الْمَاضِي وَالْمُضَارِعِ» کی تشریح ۳۵
۵.۵ قولہ: «وَتَاءِ التَّأْنِيثِ» کی تشریح ۳۶
۵.۶ قولہ: «وَنُونَيِ التَّأْكِيدِ» کی تشریح ۳۶
۵.۷ قولہ: «وَيُسَمَّى فِعْلًا» کی تشریح ۳۷
۵.۸ قولہ: «وَيُسَمَّى فِعْلًا بِاسْمِ أَصْلِهِ» کی تشریح ۳۸

۶ سبق نمبر۶: حرف کی تعریف، علاماتِ حرف اور فوائدِ قیود ۳۹

۶.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۹
۶.۲ قولہ: «نَحْوُ: «مِنْ» کی تشریح ۴۰
۶.۳ قولہ: «وَأَنْ لَا يَقْبَلَ عَلَامَاتِ الْأَسْمَاءِ، وَلَا...» کی تشریح ۴۱
۶.۴ قولہ: «أَوِ الْفِعْلَيْنِ» کی تشریح ۴۱
۶.۵ قولہ: «وَيُسَمَّى حَرْفًا» کی تشریح ۴۲

۷ سبق نمبر۷: فصل فی الکلام: کلام اور اسناد کی تعریف اور مرکبِ تام کے احکام ۴۵

۷.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۵
۷.۲ قولہ: «نَحْوُ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح ۴۹

اَلْقِسْمُ الْأَوَّلُ فِي الِاسْمِ — اَلْبَابُ الْأَوَّلُ فِي الِاسْمِ الْمُعْرَبِ (معرب کا حکم، تعریفِ اعراب، اصنافِ اعرابِ اسم کی نو قسمیں اور غیر منصرف کے نو اسباب (اسباق ۸ تا ۱۹)) ۵۱

۸ سبق نمبر ۸: القسم الأول في الاسم—الباب الأول: اسمِ معرب کی تعریف اور شرائط ۵۲
۸.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۲
۸.۲ متن و فصل: اَلْقِسْمُ الْأَوَّلُ فِي الِاسْمِ، وَقَدْ مَرَّ تَعْرِيفُهُ،... ۵۲
۸.۳ متن و فصل: اَلْبَابُ الْأَوَّلُ فِي الِاسْمِ الْمُعْرَبِ، وَفِيهِ مُقَدِ... ۵۲
۸.۴ متن و فصل: فَصْلٌ فِي تَعْرِيفِ الِاسْمِ الْمُعْرَبِ: وَهُوَ كُلُّ اسم... ۵۲
۸.۵ قولہ: «فَإِنْ قِيلَ قَدْ نُقِضَ بِالنِّدَاءِ نَحْوُ يَا زَيْدُ» کی تشریح ۵۴
۸.۶ متن و فصل: اَلْقِسْمُ الْأَوَّلُ فِي الِاسْمِ، پہلی قسم اسم کے بارے میں ۵۴
۸.۷ قولہ: «وَلَا يُشْبِهُ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ» کی تشریح ۵۵
۸.۸ قولہ: «وَلَا «هٰؤُلَاءِ» کی تشریح ۵۷

۹ سبق نمبر ۹: فصل فی حکم الاسم المعرب: اعراب، عامل اور محلِ اعراب کا بیان ۶۰
۹.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۶۰
۹.۲ قولہ: «وَالْإِعْرَابُ مَا بِهِ يَخْتَلِفُ آخِرُ الْمُعْرَبِ» کی تشریح ۶۲
۹.۳ قولہ: «وَالْعَامِلُ مَا بِهِ رَفْعٌ أَوْ نَصْبٌ أَوْ جَرٌّ» کی تشریح ۶۳
۹.۴ قولہ: «وَمَحَلُّ الْإِعْرَابِ مِنَ الِاسْمِ هُوَ الْحَرْف...» کی تشریح ۶۳
۹.۵ قولہ: «وَسَيَجِيءُ حُكْمُهُ فِي الْقِسْمِ الثَّانِي، إِنْ...» کی تشریح ۶۴

۱۰ سبق نمبر ۱۰: فصل فی اصناف اعراب الاسم (پہلی تا چوتھی صنفِ اعراب کا بیان) ۶۵
۱۰.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۶۵
۱۰.۲ متن و فصل: فَصْلٌ فِي أَصْنَافِ إِعْرَابِ الِاسْمِ، یہ فصل ہے، اصناف بم... ۶۶
۱۰.۳ قولہ: «وَبِالْجَمْعِ الْمُكَسَّرِ الْمُنْصَرِفِ» کی تشریح ۶۷
۱۰.۴ قولہ: «الثَّالِثُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِالضَّمَّةِ، و...» کی تشریح ۶۸
۱۰.۵ قولہ: «وَذُو مَالٍ» کی تشریح ۷۰

۱۱ سبق نمبر ۱۱: اصنافِ اعرابِ اسم: پانچویں، چھٹی اور ساتویں صنف (اسمائے ستہ مکبرہ، تثنیہ و جمع) ۷۲
۱۱.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۷۲

۱۲ سبق نمبر ۱۲: اصنافِ اعرابِ اسم: آٹھویں اور نویں صنف (اسمِ مقصور، منقوص اور تقدیری اعراب) ۸۲
۱۲.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۸۲

۱۳ سبق نمبر ۱۳: فصل فی المنصرف و غیر المنصرف: اسبابِ منعِ صرف کے نو اسباب اور عدل کا بیان ۸۹
۱۳.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۸۹

۱۴ سبق نمبر ۱۴: اسبابِ منعِ صرف: عدلِ تحقیقی و تقدیری اور وصف کا بیان ۹۶
۱۴.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۹۶

۱۵ سبق نمبر ۱۵: اسبابِ منعِ صرف: شرطِ وصف اور تانیث بالتاء و تانیثِ معنوی کا بیان ۱۰۲
۱۵.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۰۲

۱۶ سبق نمبر ۱۶: اسبابِ منعِ صرف: تانیث بالالف المقصورہ والممدودہ، معرفہ اور عجمہ کے شرائط ۱۱۰
۱۶.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۱۰

۱۷ سبق نمبر ۱۷: اسبابِ منعِ صرف: جمع منتہی الجموع، ترکیبِ مزجی اور الف و نونِ زائدتان ۱۱۵
۱۷.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۱۵

۱۸ سبق نمبر ۱۸: اسبابِ منعِ صرف: وزنِ فعل کے شرائط اور اسبابِ تسعہ کا اجمالی خلاصہ ۱۲۳
۱۸.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۲۳

۱۹ سبق نمبر ۱۹: غیر منصرف پر کسرہ داخل ہونے کی صورتیں اور آغازِ المقصد الأول فی المرفوعات ۱۳۰
۱۹.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۳۰

اَلْمَقْصَدُ الْأَوَّلُ فِي الْمَرْفُوعَاتِ (فاعل، تنازعِ فعلین، نائب فاعل، مبتدا و خبر، عملی تراکیب اور نواسخ کے مرفوعات (اسباق ۲۰ تا ۵۳)) ۱۳۶

۲۰ سبق نمبر ۲۰: المقصد الأول في المرفوعات—فصل الفاعل: فاعل کی تعریف اور بنیادی احکام ۱۳۷
۲۰.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۳۷

۲۱ سبق نمبر ۲۱: مرفوعات کی آٹھ اقسام کا اجمالی تعارف اور فاعل کے تفصیلی مسائل ۱۴۳
۲۱.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۴۳

۲۱.۲ قولہ: «نَحْوُ: قَامَ زَيْدٌ» کی تشریح ۱۴۵
۲۱.۳ عبارات و امثلہ کی عملی نحوی ترکیب ۱۴۷

۲۲ سبق نمبر ۲۲: فعلِ متعدی و لازم کا فرق اور فاعل کے ظاہر و مضمر ہونے کے احکام ۱۴۹
۲۲.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۴۹
۲۲.۲ قولہ: «وَإِنْ كَانَ الْفَاعِلُ مُظْهَرًا وُحِّدَ الْفِعْلُ...» کی تشریح ۱۵۴
۲۲.۳ قولہ: «ضَرَبَ الزَّيْدَانِ» کی تشریح ۱۵۵

۲۳ سبق نمبر ۲۳: فاعل ضمیر اور اسمِ ظاہر ہونے کے قواعد اور جملہ فعلیہ کی عملی تراکیب ۱۵۷
۲۳.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۵۷
۲۳.۲ قولہ: «وَثُنِّيَ لِلْمُثَنَّى» کی تشریح ۱۶۰
۲۳.۳ قولہ: «وَإِنْ كَانَ الْفَاعِلُ مُؤَنَّثًا حَقِيقِيًّا» کی تشریح ۱۶۱
۲۳.۴ قولہ: «وَإِنْ فَصَلْتَ» کی تشریح ۱۶۲
۲۳.۵ قولہ: «ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ» کی تشریح ۱۶۳
۲۳.۶ قولہ: «الرِّجَالُ قَامَتْ» کی تشریح ۱۶۵
۲۳.۷ قولہ: «وَيَجِبُ تَقْدِيمُ الْفَاعِلِ عَلَى الْمَفْعُولِ إ...» کی تشریح ۱۶۵
۲۳.۸ قولہ: «وَيَجُوزُ تَقْدِيمُ الْمَفْعُولِ عَلَى الْفَاعِلِ» کی تشریح ۱۶۶
۲۳.۹ عبارات و امثلہ کی عملی نحوی ترکیب ۱۶۷
۲۳.۱۰ قولہ: «وَكَذَا يَجُوزُ حَذْفُ الْفِعْلِ وَالْفَاعِلِ مَعًا» کی تشریح ۱۶۸

۲۴ سبق نمبر ۲۴: فصل فی تنازع الفعلین: تنازعِ فعلین کی تعریف اور بصریین و کوفیین کا اختلاف ۱۷۰
۲۴.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۷۰
۲۴.۲ قولہ: «ضَرَبْتُ زَيْدًا» کی تشریح ۱۷۲
۲۴.۳ قولہ: «الثَّالِثُ: أَنْ يَتَنَازَعَا فِي الْفَاعِلِيَّةِ...» کی تشریح ۱۷۳
۲۴.۴ قولہ: «وَالْكُوفِيُّونَ يَخْتَارُونَ إِعْمَالَ الْفِعْلِ...» کی تشریح ۱۷۷

۲۵ سبق نمبر ۲۵: تنازعِ فعلین: مذہبِ بصریین (فعلِ ثانی کو عمل دینے) کے قواعد اور مثالیں ۱۷۹
۲۵.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۷۹
۲۵.۲ قولہ: «ضَرَبَانِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ» کی تشریح ۱۸۶
۲۵.۳ قولہ: «وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ» کی تشریح ۱۸۸

۲۶ سبق نمبر ۲۶: تنازعِ فعلین: مذہبِ کوفیین (فعلِ اول کو عمل دینے) کے قواعد اور تطبیق **۱۹۱**

۲۶.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۹۱

۲۷ سبق نمبر ۲۷: تنازعِ فعلین میں افعالِ قلوب کا حکم اور بابِ تنازع کی تکمیل **۱۹۶**

۲۷.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۱۹۶

۲۷.۲ قولہ: «فَإِنْ حَذَفْتَ مُنْطَلِقَيْنِ» کی تشریح ۲۰۱

۲۸ سبق نمبر ۲۸: فصل مفعول مالم یسم فاعلہ: نائب فاعل کی تعریف، شرائط اور احکام **۲۰۳**

۲۸.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۰۳

۲۸.۲ قولہ: «ضُرِبَ عَمْرٌو» کی تشریح ۲۰۸

۲۹ سبق نمبر ۲۹: فصل المبتدأ والخبر: مبتدا اور خبر کی تعریف اور عاملِ معنوی کا بیان **۲۱۰**

۲۹.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۱۰

۲۹.۲ قولہ: «وَيُسَمَّى الْمُبْتَدَأَ» کی تشریح ۲۱۲

۲۹.۳ قولہ: «وَالْعَامِلُ فِيهِمَا مَعْنَوِيٌّ» کی تشریح ۲۱۳

۳۰ سبق نمبر ۳۰: مبتدا و خبر کے بنیادی ضوابط اور جملہ اسمیہ کی عملی ترکیب کا آغاز **۲۱۶**

۳۰.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۲۱۶

۳۱ سبق نمبر ۳۱: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط اول: اعرابِ لفظی، تقدیری اور محلی) **۲۲۲**

۳۱.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۲۲۲

۳۲ سبق نمبر ۳۲: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط دوم: موصوف صفت اور مضاف مضاف الیہ کی مشق) **۲۲۷**

۳۲.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۲۲۷

۳۳ سبق نمبر ۳۳: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط سوم: اسمائے اشارہ اور ضمائر کی تراکیب) **۲۳۳**

۳۳.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۲۳۳

۳۴ سبق نمبر ۳۴: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط چہارم: مرکبِ توصیفی اور مرکبِ اضافی کی مشق) **۲۳۸**

۳۴.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۲۳۸

۳۵ سبق نمبر ۳۵: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط پنجم: مشار الیہ اور متعلقات کی تراکیب) **۲۴۳**

۳۵.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۲۴۳

۳۶ سبق نمبر ۳۶: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط ششم: مطابقتِ مبتدا و خبر اور تانیث کے احکام) ۲۴۸

۳۶.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس . . . ۲۴۸

۳۶.۲ قولہ: «اَلْكِتَابُ» کی تشریح . . . ۲۴۹

۳۶.۳ قولہ: «الرَّجُلَانِ» کی تشریح . . . ۲۵۰

۳۶.۴ قولہ: «اَلْاِمْرَأَةُ» کی تشریح . . . ۲۵۱

۳۷ سبق نمبر ۳۷: جملہ اسمیہ وفعلیہ کی عملی تراکیب (قسط ہفتم: مفاعیل اور متعلقات کی مشق) ۲۵۳

۳۷.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس . . . ۲۵۳

۳۸ سبق نمبر ۳۸: جملہ اسمیہ وفعلیہ کی عملی تراکیب (قسط ہشتم: فعل، فاعل اور مفعول بہ کی پہچان) ۲۶۰

۳۸.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس . . . ۲۶۰

۳۹ سبق نمبر ۳۹: جملہ اسمیہ وفعلیہ کی عملی تراکیب (قسط نہم: مفرد و جملہ کی تراکیب کا تقابل) ۲۶۵

۳۹.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس . . . ۲۶۵

۳۹.۲ قولہ: «اِشْتَرَيْتُ» کی تشریح . . . ۲۶۶

۴۰ سبق نمبر ۴۰: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط دہم: خبر جب جملہ اسمیہ یا فعلیہ واقع ہو) ۲۶۹

۴۰.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس . . . ۲۶۹

۴۱ سبق نمبر ۴۱: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط یازدہم: جملہ خبریہ اور عائد / ربط کے قواعد) ۲۷۲

۴۱.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس . . . ۲۷۲

۴۲ سبق نمبر ۴۲: جملہ اسمیہ کی عملی تراکیب (قسط دوازدہم: پیچیدہ جملوں کی تحلیل و ترکیب) ۲۷۷

۴۲.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس . . . ۲۷۷

۴۳ سبق نمبر ۴۳: نکرہ کے مبتدا واقع ہونے کی صورتیں اور مسوغاتِ ابتداء بالنکرہ ۲۸۱

۴۳.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) . . . ۲۸۱

۴۳.۲ قولہ: «وَكَذَا إِذَا تُخُصِّصَتْ بِوَجْهٍ آخَرَ» کی تشریح . . . ۲۸۳

۴۳.۳ قولہ: «وَشَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ» کی تشریح . . . ۲۸۵

۴۴ سبق نمبر ۴۴: تقدیمِ خبر بر مبتدا اور معرفہ و نکرہ کے اجتماع کے احکام ۲۸۷

۴۴.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) . . . ۲۸۷

۴۴.۲ قولہ: «زَيْدٌ قَائِمٌ» کی تشریح ۲۸۸
۴۴.۳ قولہ: «وَإِنْ كَانَ أَحَدُ الِاسْمَيْنِ مَعْرِفَةً وَالْآ...» کی تشریح ۲۹۰
۴۴.۴ قولہ: «وَمُحَمَّدٌ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَس...» کی تشریح ۲۹۱
۴۴.۵ قولہ: «وَقَدْ يَكُونُ الْخَبَرُ جُمْلَةً اسْمِيَّةً» کی تشریح ۲۹۱
۴۴.۶ قولہ: «أَوْ فِعْلِيَّةً» کی تشریح ۲۹۲

۴۵ سبق نمبر ۴۵: اقسامِ خبر: خبر کا جملہ اسمیہ، فعلیہ، شرطیہ اور ظرفیہ ہونا ۲۹۴
۴۵.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۲۹۴
۴۵.۲ قولہ: «أَوْ ظَرْفِيَّةً» کی تشریح ۲۹۵
۴۵.۳ قولہ: «ضَرَبْتُ الْيَوْمَ» کی تشریح ۲۹۶
۴۵.۴ قولہ: «ضَرَبْتُ الْيَوْمَ» کی تشریح ۲۹۷
۴۵.۵ قولہ: «وَعَمْرٌو فِي الدَّارِ» کی تشریح ۲۹۹

۴۶ سبق نمبر ۴۶: جار مجرور اور ظرف کی عملی ترکیب (قسط اول: متعلق اور ظرفِ مستقر و لغو) ۳۰۰
۴۶.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۳۰۰

۴۷ سبق نمبر ۴۷: جار مجرور اور ظرف کی عملی ترکیب (قسط دوم: افعالِ عامہ اور تقدیرِ متعلق) ۳۰۵
۴۷.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۳۰۵
۴۷.۲ قولہ: «اِشْتَرَيْتُ» کی تشریح ۳۰۶

۴۸ سبق نمبر ۴۸: جار مجرور اور ظرف کی عملی ترکیب (قسط سوم: ظرفِ لغو اور ظرفِ مستقر کی مشق) ۳۱۱
۴۸.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۳۱۱

۴۹ سبق نمبر ۴۹: خبرِ ظرفی کا متعلق جملہ یا اسمِ فاعل ہونے میں نحویوں کا مسلک اور تعددِ خبر ۳۱۶
۴۹.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۱۶

۵۰ سبق نمبر ۵۰: مبتدا کی قسمِ ثانی (صفت بعد از نفی و استفہام) اور دخولِ فاء در خبرِ مبتدا ۳۲۴
۵۰.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۲۴
۵۰.۲ قولہ: «وَأَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ» کی تشریح ۳۲۶

۵۱ سبق نمبر ۵۱: فصل خبر إنّ وأخواتها: حروفِ مشبہہ بالفعل کی خبر کے احکام ۳۲۹
۵۱.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۲۹

۵۱.۲ متن و فصل: فَصْلٌ: خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا، اِن اور اس کے جو مشابہ حروف ۳۳۲
۵۱.۳ قولہ: «وَحُكْمُهُ فِي كَوْنِهِ مُفْرَدًا أَوْ جُمْلَةً أَ...» کی تشریح ۳۳۴

۵۲ سبق نمبر ۵۲: فصل اسم کان وأخواتها: افعالِ ناقصہ کے اسم اور عمل کے احکام ۳۳۷
۵۲.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۳۷
۵۲.۲ قولہ: «وَفِي لَيْسَ خِلَافٌ» کی تشریح ۳۴۰

۵۳ سبق نمبر ۵۳: فصل اسم ما ولا المشبهتين بليس، اسم لا النفی الجنس اور آغازِ منصوبات (مفعولِ مطلق) ۳۴۱
۵۳.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۴۱
۵۳.۲ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ: وَهُوَ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى... ۳۴۷

اَلْمَقْصَدُ الثَّانِي فِي الْمَنْصُوبَاتِ (مفاعیلِ خمسہ، تحذیر، اشتغال، منادیٰ، حال، تمیز، مستثنیٰ اور نواسخ کے منصوبات (اسباق ۵۴ تا ۶۸)) ۳۵۳

۵۴ سبق نمبر ۵۴: المقصد الثاني في المنصوبات—مفعولِ مطلق کے عامل کے حذفِ جوازی و وجوبی کے مقامات ۳۵۴
۵۴.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۵۴
۵۴.۲ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلْمَفْعُولُ بِهِ وَهُوَ اسْمُ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ... ۳۵۷
۵۴.۳ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب ۳۶۰

۵۵ سبق نمبر ۵۵: فصل المفعول به: مفعول بہ کی تعریف، حذفِ عامل اور تحذیر (إِيَّاكَ وغیرہ) کے احکام ۳۶۲
۵۵.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۶۲

۵۶ سبق نمبر ۵۶: ما أضمر عامله على شريطة التفسير (اشتغال) کے قواعد اور امثلہ ۳۶۸
۵۶.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۶۸
۵۶.۲ قولہ: «فَإِنَّ زَيْدًا مَنْصُوبٌ بِفِعْلٍ مَحْذُوفٍ مُضْمَرٍ» کی تشریح ۳۷۲

۵۷ سبق نمبر ۵۷: فصل المنادیٰ: منادیٰ کی اقسام، اعراب اور یائے متکلم کی طرف مضاف منادیٰ ۳۷۳
۵۷.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۷۳
۵۷.۲ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّ الْمُنَادَى عَلَى أَقْسَامٍ» کی تشریح ۳۷۵
۵۷.۳ قولہ: «وَيُخْفَضُ بِلَامِ الِاسْتِغَاثَةِ» کی تشریح ۳۷۸

۵۷.۴ قولہ: «وَيُنْصَبُ إِنْ كَانَ مُضَافًا» کی تشریح ۳۷۹
۵۷.۵ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب ۳۸۰

۵۸ سبق نمبر ۵۸: توابعِ منادیٰ، معرف باللام کی نداء، ترخیم، مندوب اور مفعول فیہ و مفعول لہ ۳۸۱
۵۸.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۸۱
۵۸.۲ قولہ: «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ» کی تشریح ۳۸۲
۵۸.۳ قولہ: «وَيَجُوزُ فِي آخِرِ الْمُنَادَى الْمُرَخَّمِ» کی تشریح ۳۸۴
۵۸.۴ قولہ: «فَوَا مُخْتَصَّةٌ بِالْمَنْدُوبِ، وَيَا مُشْتَرَكَ...» کی تشریح ۳۸۵
۵۸.۵ متن وفصل: فَصْلٌ: اَلْمَفْعُولُ فِيهِ هُوَ اسْمُ مَا وَقَعَ فِعْلُ الْ... . . . . ۳۸۵
۵۸.۶ قولہ: «وَيُسَمَّى ظَرْفًا» کی تشریح ۳۸۶
۵۸.۷ قولہ: «وَكُلُّهَا مَنْصُوبٌ بِتَقْدِيرِ فِي» کی تشریح ۳۸۷
۵۸.۸ قولہ: «وَظُرُوفُ الْمَكَانِ كَذَلِكَ: مُبْهَمٌ...» کی تشریح ۳۸۸
۵۸.۹ متن وفصل: فَصْلٌ: اَلْمَفْعُولُ لَهُ هُوَ اسْمُ مَا لِأَجْلِهِ يَقَعُ... . . . . ۳۸۹
۵۸.۱۰ قولہ: «وَيُنْصَبُ بِتَقْدِيرِ اللَّامِ» کی تشریح ۳۹۰
۵۸.۱۱ قولہ: «جَلَسْتُ خَلْفَكَ» کی تشریح ۳۹۲
۵۸.۱۲ قولہ: «أَدَّبْتُهُ تَأْدِيبًا» کی تشریح ۳۹۳

۵۹ سبق نمبر ۵۹: فصل المفعول معہ: واوِ معیت کے بعد منصوب ہونے کی شرائط اور صورتیں ۳۹۴
۵۹.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۳۹۴
۵۹.۲ قولہ: «نَحْوُ: جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ» کی تشریح ۳۹۹
۵۹.۳ قولہ: «فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا» کی تشریح ۳۹۹
۵۹.۴ قولہ: «وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مَعْنًى» کی تشریح ۴۰۲
۵۹.۵ قولہ: «جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ» کی تشریح ۴۰۵

۶۰ سبق نمبر ۶۰: فصل الحال: حال اور ذوالحال کی تعریف، شرائط اور اقسام ۴۰۶
۶۰.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۰۶
۶۰.۲ قولہ: «وَلَقِيتُ عَمْرًا رَاكِبَيْنِ» کی تشریح ۴۱۰

۶۱ سبق نمبر ۶۱: فاعلِ معنوی سے حال، ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط اور حالِ مؤکدہ ۴۱۱
۶۱.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۱۱

۶۱.۲ قولہ: «هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا» کی تشریح ۴۱۲
۶۱.۳ قولہ: «لِأَنَّ مَعْنَاهُ: زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ...» کی تشریح ۴۱۳
۶۱.۴ قولہ: «وَكَذَا الْمَفْعُولُ بِهِ» کی تشریح ۴۱۵
۶۱.۵ قولہ: «وَالْحَالُ نَكِرَةٌ أَبَدًا وَذُو الْحَالِ مَعْرِف...» کی تشریح ۴۱۶

۶۲ سبق نمبر ۶۲: حال کا جملہ خبریہ ہونا، واوِ حالیہ اور ضمیرِ راجع کے قواعد ۴۱۸
۶۲.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۱۸
۶۲.۲ قولہ: «وَقَدْ تَكُونُ الْحَالُ جُمْلَةً خَبَرِيَّةً» کی تشریح ۴۱۹
۶۲.۳ قولہ: «وَقَدْ يُحْذَفُ الْعَامِلُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ» کی تشریح ۴۲۱
۶۲.۴ قولہ: «أَنَا قَائِمٌ» کی تشریح ۴۲۲

۶۳ سبق نمبر ۶۳: فصل التمیز: تمیز کی تعریف، مقدار و غیر مقدار سے تمیز اور احکامِ تمیز ۴۲۶
۶۳.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۲۶
۶۳.۲ قولہ: «وَقَفِيْزَانِ بُرًّا» کی تشریح ۴۲۸
۶۳.۳ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب ۴۲۹
۶۳.۴ قولہ: «وَسِوَارٌ ذَهَبًا» کی تشریح ۴۳۰
۶۳.۵ قولہ: «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا» کی تشریح ۴۳۱

۶۴ سبق نمبر ۶۴: فصل المستثنیٰ: حروفِ استثناء اور مستثنیٰ بِإِلَّا کے اعراب کا جامع نقشہ و تفصیل ۴۳۳
۶۴.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۳۳
۶۴.۲ قولہ: «وَهُوَ عَلٰى قِسْمَيْنِ» کی تشریح ۴۳۴
۶۴.۳ مستثنیٰ بِإِلَّا کے اعراب کا جامع نقشہ اور تفصیل ۴۳۶
۶۴.۴ قولہ: «وَإِنْ كَانَ بَعْدَ إِلَّا فِي كَلَامٍ غَيْرِ مُوجَبٍ» کی تشریح ۴۴۰
۶۴.۵ قولہ: «وَمَا رَأَيْتُ إِلَّا زَيْدًا» کی تشریح ۴۴۱

۶۵ سبق نمبر ۶۵: لفظِ «غَيْر» کا اعراب مستثنیٰ بِإِلَّا کے نقشے کے مطابق اور عملی تراکیب ۴۴۳
۶۵.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۴۳
۶۵.۲ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب ۴۴۶
۶۵.۳ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب ۴۴۷

٦٦ سبق نمبر ٦٦: لفظِ «إِلَّا» اور «غَيْر» کا استثناء وصفت میں تبادلہ استعمال اور کنایاتِ عدد ۴۴۹
٦٦.١ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۴۹
٦٦.٢ قولہ: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» کی تشریح ۴۵۳

٦٧ سبق نمبر ٦٧: فصل خبر کان وأخواتھا اور فصل اسم إنّ وأخواتھا (تقدیم و تاخیر اور عطف کے مسائل) ۴۵۸
٦٧.١ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۵۸
٦٧.٢ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب ۴۶۰
٦٧.٣ متن و فصل: فَصْلٌ: اِسْمُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْه... ۴۶۱
٦٧.٤ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلْمَنْصُوبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ هُوَ... ۴۶۲
٦٧.٥ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب ۴۶۷

٦٨ سبق نمبر ٦٨: فصل خبر ما ولا، فصل اسم لا لنفی الجنس اور آغازِ المقصد الثالث فی المجرورات ۴۷۱
٦٨.١ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۷۱
٦٨.٢ قولہ: «وَلَا رَجُلٌ حَاضِرًا» کی تشریح ۴۷۲
٦٨.٣ عبارات وامثلہ کی عملی نحوی ترکیب ۴۷۳
٦٨.٤ متن و فصل: اَلْمَقْصَدُ الثَّالِثُ فِي الْمَجْرُوْرَاتِ: تیسرا مقصد ہے... ۴۷۷
٦٨.٥ قولہ: «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ» کی تشریح ۴۷۹

اَلْمَقْصَدُ الثَّالِثُ فِي الْمَجْرُورَاتِ وَالْخَاتِمَةُ فِي التَّوَابِعِ (اضافتِ معنویہ ولفظیہ کے احکام اور توابعِ خمسہ: نعت، عطف، تاکید، بدل اور عطفِ بیان (اسباق ٦٩ تا ٧٥)) ۴۸۰

٦٩ سبق نمبر ٦٩: المقصد الثالث في المجرورات: اضافتِ معنویہ اور اضافتِ لفظیہ کی تعریفات و فوائد ۴۸۱
٦٩.١ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۸۱

٧٠ سبق نمبر ٧٠: یائے متکلم کی طرف اضافت کے قوانین اور آغازِ الخاتمۃ في التوابع ۴۹۰
٧٠.١ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۴۹۰
٧٠.٢ متن و فصل: اَلْخَاتِمَةُ فِي التَّوَابِعِ، خاتمہ ہے یہ یہ خاتمہ ہے توابع... ۴۹۷

٧١ سبق نمبر ٧١: الخاتمۃ في التوابع — فصل النعت: نعت بحالِہ اور نعت بحالِ متعلقہ کے احکام ۵۰۱
٧١.١ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۰۱

۷۲ سبق نمبر ۷۲: فصل العطف بالحروف: عطف علی المرفوع المتصل والمجرور کے شرائط و دلائل ۵۱۱
۷۲.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۱۱
۷۲.۲ قولہ: «وَكِلَاهُمَا مَقْصُودَانِ بِتِلْكَ النِّسْبَةِ» کی تشریح ۵۱۲
۷۲.۳ قولہ: «وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوع...» کی تشریح ۵۱۲
۷۲.۴ قولہ: «وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ الْمُ...» کی تشریح ۵۱۳
۷۲.۵ قولہ: «وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ يَجِب...» کی تشریح ۵۱۶
۷۲.۶ قولہ: «وَالْعَطْفُ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِ...» کی تشریح ۵۱۸
۷۲.۷ قولہ: «نَحْوُ: فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو» کی تشریح ۵۲۲

۷۳ سبق نمبر ۷۳: فصل التاکید: تاکیدِ لفظی اور تاکیدِ معنوی (نَفْس، عَيْن، كُلّ، أَجْمَع) کے احکام ۵۲۵
۷۳.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۲۵
۷۳.۲ قولہ: «وَالتَّأْكِيدُ عَلَى قِسْمَيْنِ» کی تشریح ۵۲۷
۷۳.۳ قولہ: «وَمَعْنَوِيٌّ» کی تشریح ۵۲۸
۷۳.۴ قولہ: «وَكِلَا وَكِلْتَا» کی تشریح ۵۳۱
۷۳.۵ قولہ: «وَكُلٌّ وَأَجْمَعُ وَأَكْتَعُ وَأَبْتَعُ وَأَبْصَع...» کی تشریح ۵۳۲
۷۳.۶ قولہ: «وَإِذَا أَرَدْتَ تَأْكِيدَ الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ...» کی تشریح ۵۳۳
۷۳.۷ قولہ: «وَلَا تَقُولُ: أَكْرَمْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ» کی تشریح ۵۳۵

۷۴ سبق نمبر ۷۴: فصل البدل: بدل کی چار اقسام (بدلِ کل، بعض، اشتمال، غلط) اور احکام ۵۳۷
۷۴.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۳۷
۷۴.۲ قولہ: «وَبَدَلُ الْبَعْضِ» کی تشریح ۵۳۸
۷۴.۳ قولہ: «وَالْبَدَلُ إِنْ كَانَ نَكِرَةً مِنْ مَعْرِفَةٍ يَ...» کی تشریح ۵۴۲

۷۵ سبق نمبر ۷۵: فصل عطف البیان: عطفِ بیان کی تعریف، بدل سے فرق اور اختتامِ بابِ معرب ۵۴۵
۷۵.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۴۵
۷۵.۲ قولہ: «وَهُوَ أَشْهَرُ اسْمَيْ شَيْءٍ» کی تشریح ۵۴۶
۷۵.۳ قولہ: «وَلَا يَلْتَبِسُ بِالْبَدَلِ لَفْظًا» کی تشریح ۵۴۸

اَلْبَابُ الثَّانِي فِي الِاسْمِ الْمَبْنِيِّ (مضمرات، اسمائے اشارات، موصولات، اسمائے افعال و اصوات، مرکبات، کنایات اور ظروفِ مبنیہ (اسباق ۷۶ تا ۸۴)) ۵۵۳

۷۶ سبق نمبر ۷۶: الباب الثاني في الاسم المبني: اسمِ مبنی کی تعریف، سببِ بناء اور القابِ بناء ۵۵۴

۷۶.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۵۴

۷۶.۲ متن و فصل: اَلْبَابُ الثَّانِي فِي الِاسْمِ الْمَبْنِيِّ؛ دوسرا باب ہے ا... ۵۵۴

۷۶.۳ قولہ: «وَمِثْلُ: وَاحِدٌ وَاثْنَانِ وَثَلَاثَةٌ» کی تشریح ۵۵۵

۷۶.۴ قولہ: «أَوْ يَكُونُ عَلَى أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ» کی تشریح ۵۵۷

۷۶.۵ قولہ: «وَهٰذَا الْقِسْمُ لَا يَصِيرُ مُعْرَبًا أَصْلًا» کی تشریح ۵۵۸

۷۷ سبق نمبر ۷۷: فصل المضمر: ضمائر کی پانچ اقسام (مرفوع و منصوب و مجرور متصل و منفصل) کا بیان ۵۵۹

۷۷.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۵۹

۷۸ سبق نمبر ۷۸: ضمیرِ شان، ضمیرِ فصل اور نونِ وقایہ کے احکام و مواقع ۵۷۱

۷۸.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۷۱

۷۸.۲ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّ لَهُمْ ضَمِيرًا يَقَعُ قَبْلَ جُمْلَةٍ» کی تشریح ۵۷۳

۷۸.۳ قولہ: «وَيُدْخِلُ بَيْنَ الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ صِيغَةَ...» کی تشریح ۵۷۴

۷۸.۴ قولہ: «إِذَا كَانَ الْخَبَرُ مَعْرِفَةً» کی تشریح ۵۷۶

۷۸.۵ متن و فصل: فَصْلٌ: أَسْمَاءُ الْإِشَارَةِ: مَا وُضِعَ لِيَدُلَّ عَلَى م... ۵۷۷

۷۸.۶ قولہ: «وَتَانِ وَتَيْنِ لِمُثَنَّاهُ» کی تشریح ۵۷۹

۷۸.۷ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّ ذَا لِلْقَرِيبِ وَذٰلِكَ لِلْبَعِيدِ...» کی تشریح ۵۸۱

۷۹ سبق نمبر ۷۹: فصل اسماء الاشارات اور فصل الموصول (الَّذِي، الَّتِي، مَنْ، مَا، أَيّ کے احکام) ۵۸۲

۷۹.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۸۲

۷۹.۲ قولہ: «أَوْ قَامَ أَبُوهُ» کی تشریح ۵۸۴

۷۹.۳ قولہ: «وَذُو بِمَعْنَى الَّذِي فِي لُغَةِ بَنِي طَيٍّ» کی تشریح ۵۸۵

۷۹.۴ قولہ: «أَوْ جَاءَنِي الْمَضْرُوبُ غُلَامُهُ» کی تشریح ۵۸۸

۷۹.۵ قولہ: «كَقَوْلِهِ تَعَالَى» کی تشریح ۵۹۰

۸۰ سبق نمبر ۸۰: فصل اسماء الافعال، فصل اسماء الاصوات اور فصل المرکبات (بِنَاءِ مرکبات کی اقسام) ۵۹۲

۸۰.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۹۲

۸۰.۲ متن و فصل: فَصْلٌ: الْأَصْوَاتُ كُلُّ لَفْظٍ حُكِيَ بِهِ صَوْتٌ كَغَاقِ... ۵۹۵
۸۰.۳ متن و فصل: فَصْلٌ: الْمُرَكَّبَاتُ كُلُّ اسْمٍ رُكِّبَ مِنْ كَلِمَتَيْنِ... ۵۹۶

۸۱ سبق نمبر ۸۱: فصل الکنایات: «کَمْ» استفہامیہ و خبریہ اور «کَذَا» و «کَأَیِّنْ» کے احکام ۵۹۹
۸۱.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۵۹۹
۸۱.۲ قولہ: «وَتَدْخُلُ مِنْ فِيهِمَا» کی تشریح ۶۰۱
۸۱.۳ قولہ: «كَمْ رَجُلًا ضَرَبْتُ» کی تشریح ۶۰۴
۸۱.۴ قولہ: «وَكَمْ يَوْمٍ صُمْتُ» کی تشریح ۶۰۵
۸۱.۵ قولہ: «وَمَالَ كَمْ رَجُلٍ سَلَبْتُ» کی تشریح ۶۰۶
۸۱.۶ قولہ: «وَكَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُهُ» کی تشریح ۶۰۷

۸۲ سبق نمبر ۸۲: فصل الظروف المبنیہ: مقطوع عن الاضافت ظروف، «حَيْثُ»، «إِذَا» اور «إِذْ» کا بیان ۶۱۰
۸۲.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۶۱۰
۸۲.۲ قولہ: «وَتُسَمَّى الْغَايَاتِ» کی تشریح ۶۱۲
۸۲.۳ قولہ: «قَالَ اللهُ تَعَالَى» کی تشریح ۶۱۲
۸۲.۴ قولہ: «أَمَا تَرَى حَيْثَ سُهَيْلٍ طَالِعًا» کی تشریح ۶۱۳
۸۲.۵ قولہ: «وَقَدْ تَكُونُ لِلْمُفَاجَأَةِ» کی تشریح ۶۱۵
۸۲.۶ قولہ: «وَمِنْهَا أَيْنَ وَأَنَّى» کی تشریح ۶۱۶
۸۲.۷ قولہ: «وَمِنْهَا كَيْفَ لِلِاسْتِفْهَامِ حَالًا» کی تشریح ۶۱۸

۸۳ سبق نمبر ۸۳: ظروفِ مبنیہ: «أَيْنَ»، «أَنَّى»، «مَتَى»، «أَيَّانَ»، «كَيْفَ»، «مُذْ» اور «مُنْذُ» ۶۱۹
۸۳.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۶۱۹
۸۳.۲ قولہ: «وَمِنْهَا مُذْ وَمُنْذُ بِمَعْنَى أَوَّلِ الْمُدَّةِ» کی تشریح ۶۱۹
۸۳.۳ قولہ: «أَيْ: جَمِيعُ مُدَّةِ مَا رَأَيْتُهُ يَوْمَانِ» کی تشریح ۶۲۴

۸۴ سبق نمبر ۸۴: ظروفِ مبنیہ: «لَدَى»، «لَدُنْ»، «قَطُّ»، «عَوَضُ»، «الْآنَ» اور آغازِ خاتمۃ القسم الاول ۶۲۶
۸۴.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۶۲۶
۸۴.۲ قولہ: «وَجَاءَ فِيهِ لُغَاتٌ أُخَرُ» کی تشریح ۶۲۶
۸۴.۳ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّهُ إِذَا أُضِيفَ الظُّرُوفُ إِلَى ا...» کی تشریح ۶۲۷

۸۴.۴ قولہ: «وَكَ«يَوْمَئِذٍ» کی تشریح ۶۲۹
۸۴.۵ قولہ: «تَقُولُ: ضَرَبْتُهُ مِثْلَ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ» کی تشریح ۶۳۰
۸۴.۶ قولہ: «وَغَيْرَ أَنَّ ضَرَبَ زَيْدٌ» کی تشریح ۶۳۱
۸۴.۷ قولہ: «وَالْخَاتِمَةُ فِي سَائِرِ أَحْكَامِ الِاسْمِ وَلَ...» کی تشریح ۶۳۲
۸۴.۸ متن و فصل: فَصْلٌ، پہلی فصل بھائی: اِعْلَمْ أَنَّ الِاسْمَ عَلَى قِسْمَ... . . . . ۶۳۳

خَاتِمَةُ الْقِسْمِ الْأَوَّلِ فِي سَائِرِ أَحْكَامِ الِاسْمِ وَلَوَاحِقِهِ (معرفہ و نکرہ، اسمائے عدد، تذکیر و تانیث، مثنیٰ، مجموع، مصدر، اسم فاعل، اسم مفعول، صفتِ مشبہ اور اسم تفضیل (اسباق ۸۵ تا ۹۲)) ۶۳۸

۸۵ سبق نمبر ۸۵: خاتمۃ القسم الأول—فصل المعرفۃ والنکرۃ: معرفہ کی چھ اقسام اور نکرہ کے احکام ۶۳۹
۸۵.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۶۳۹
۸۵.۲ قولہ: «وَأَعْرَفُ الْمَعَارِفِ الْمُضْمَرُ» کی تشریح ۶۴۳

۸۶ سبق نمبر ۸۶: فصل اسماء العدد، فصل المذکر والمؤنث اور فصل المثنیٰ (تثنیہ و ملحق بہا) ۶۴۵
۸۶.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۶۴۵
۸۶.۲ قولہ: «وَمِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَى عَشَرَةٍ عَلَى خِلَافِ الْق...» کی تشریح ۶۴۶
۸۶.۳ قولہ: «وَثَلَاثَ عَشْرَةَ» کی تشریح ۶۴۸
۸۶.۴ قولہ: «فَإِذَا زَادَ عَلَى الْمِائَةِ وَالْأَلْفِ» کی تشریح ۶۴۹
۸۶.۵ قولہ: «تَقُولُ: عِنْدِي رَجُلٌ» کی تشریح ۶۵۰
۸۶.۶ قولہ: «وَمُمَيِّزُ مِائَةٍ وَأَلْفٍ وَتَثْنِيَتِهِمَا وَج...» کی تشریح ۶۵۱
۸۶.۷ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلِاسْمُ إِمَّا مُذَكَّرٌ وَإِمَّا مُؤَنَّثٌ اسم جو... . . . . ۶۵۲
۸۶.۸ قولہ: «وَقَدْ عَرَفْتَ أَحْكَامَ الْفِعْلِ إِذَا أُسْنِدَ...» کی تشریح ۶۵۴
۸۶.۹ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلْمُثَنَّى اسْمٌ أُلْحِقَ بِآخِرِهِ أَلِفٌ أَوْ يَ... . . . . ۶۵۴
۸۶.۱۰ قولہ: «وَإِنْ كَانَتْ عَنْ يَاءٍ» کی تشریح ۶۵۶
۸۶.۱۱ قولہ: «وَيَجِبُ حَذْفُ نُونِهِ عِنْدَ الْإِضَافَةِ» کی تشریح ۶۵۷

۸۷ سبق نمبر ۸۷: فصل الجموع: جمع مذکر سالم، جمع مؤنث سالم اور جمع مکسر و منتہی الجموع ۶۶۰
۸۷.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۶۶۰

۸۸ سبق نمبر ۸۸: اسمِ منقوص و مقصور کی جمع اور لفظِ «قُضَاة» و «أَنْبِيَاء» کی تعلیلات ۶۶۶
۸۸.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۶۶۶
۸۸.۲ قولہ: «وَيُخْتَصُّ بِأُولِي الْعِلْمِ» کی تشریح ۶۶۷
۸۸.۳ قولہ: «وَيَجِبُ أَلَّا يَكُونَ أَفْعَلَ مُؤَنَّثُهُ فَعْلى...» کی تشریح ۶۶۸
۸۸.۴ قولہ: «وَلَا فَعْلَانَ» کی تشریح ۶۶۹
۸۸.۵ قولہ: «وَشَرْطُهُ إِنْ كَانَ صِفَةً وَلَهُ مُذَكَّرٌ أَنْ...» کی تشریح ۶۷۱
۸۸.۶ قولہ: «وَالْمُكَسَّرُ» کی تشریح ۶۷۲
۸۸.۷ قولہ: «ثُمَّ الْجَمْعُ أَيْضًا عَلَى قِسْمَيْنِ» کی تشریح ۶۷۳

۸۹ سبق نمبر ۸۹: فصل المصدر: مصدر کی تعریف، عمل کی شرائط اور اقسام ۶۷۵
۸۹.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۶۷۵
۸۹.۲ قولہ: «وَيَجُوزُ إِضَافَتُهُ إِلَى الْفَاعِلِ» کی تشریح ۶۸۰

۹۰ سبق نمبر ۹۰: فصل اسم الفاعل اور فصل اسم المفعول: تعریف اور عمل کرنے کی شرائط (اعتماد و زمانہ) ۶۸۳
۹۰.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۶۸۳
۹۰.۲ قولہ: «وَمِنْ غَيْرِهِ عَلَى صِيغَةِ الْمُضَارِعِ» کی تشریح ۶۸۴
۹۰.۳ قولہ: «أَوْ ذِي الْحَالِ» کی تشریح ۶۸۷
۹۰.۴ قولہ: «أَوْ مَوْصُوفٍ» کی تشریح ۶۸۸
۹۰.۵ قولہ: «أَوْ هَمْزَةِ الِاسْتِفْهَامِ» کی تشریح ۶۸۹
۹۰.۶ قولہ: «فَإِنْ كَانَ بِمَعْنَى الْمَاضِي وَجَبَتِ الْإِضَا...» کی تشریح ۶۹۰
۹۰.۷ قولہ: «زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو أَمْسِ» کی تشریح ۶۹۱
۹۰.۸ متن و فصل: فَصْلٌ: اِسْمُ الْمَفْعُولِ اِسْمٌ مُشْتَقٌّ مِنْ فِعْلٍ مُت... ۶۹۲
۹۰.۹ قولہ: «وَيَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهِ الْمَجْهُولِ بِالشَّرَا...» کی تشریح ۶۹۳

۹۱ سبق نمبر ۹۱: فصل الصفۃ المشبہۃ: صفتِ مشبہ کی تعریف اور اس کے اٹھارہ مسائل کا جامع نقشہ و تفصیل ۶۹۴
۹۱.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۶۹۴
۹۱.۲ قولہ: «وَهِيَ تَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهَا مُطْلَقًا» کی تشریح ۶۹۵
۹۱.۳ قولہ: «وَمُخْتَلَفٌ فِيهِ» کی تشریح ۷۰۲

۹۲ سبق نمبر ۹۲: فصل اسم التفضیل: اسمِ تفضیل کے تین استعمالات (مِنْ، اضافت، الف لام) اور عمل کے احکام ۷۰۴
۹۲.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۷۰۴

اَلْقِسْمُ الثَّانِي فِي الْفِعْلِ (فعلِ ماضی، فعلِ مضارع، نواصب و جوازم، اصنافِ اعرابِ فعل، امر، افعالِ مقاربہ، تعجب اور مدح و ذم (اسباق ۹۳ تا ۹۹)) ۷۱۳

۹۳ سبق نمبر ۹۳: القسم الثاني في الفعل: فعلِ ماضی اور فعلِ مضارع کے احکام اور حروفِ اتین ۷۱۴
۹۳.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۷۱۴
۹۳.۲ قولہ: «وَالثَّانِي: الْمُضَارِعُ» کی تشریح ۷۱۵
۹۳.۳ قولہ: «وَمَعْنًى فِي أَنَّهُ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الْحَالِ و...» کی تشریح ۷۱۷
۹۳.۴ قولہ: «وَحُرُوفُ الْمُضَارَعَةِ مَضْمُومَةٌ فِي الرُّبَاعِيِّ» کی تشریح ۷۱۸
۹۳.۵ قولہ: «وَإِنَّمَا أَعْرَبُوهُ مَعَ أَنَّ أَصْلَ الْفِعْلِ...» کی تشریح ۷۱۹
۹۳.۶ متن و فصل: فَصْلٌ: فِي أَصْنَافِ إِعْرَابِ الْفِعْلِ، یہ فصل ہے بھائی ف... . . . . ۷۲۰
۹۳.۷ قولہ: «وَالثَّالِثُ: أَنْ يَكُونَ الرَّفْعُ بِتَقْدِيرِ ا...» کی تشریح ۷۲۲
۹۳.۸ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلْمَرْفُوعُ عَامِلُهُ مَعْنَوِيٌّ، وَهُوَ تَجَرُّد... . . . . ۷۲۲
۹۳.۹ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلْمَنْصُوبُ عَامِلُهُ خَمْسَةُ أَحْرُفٍ، کہ منصوب... . . . . ۷۲۳
۹۳.۱۰ قولہ: «وَأَنَا لَنْ أَضْرِبَكَ» کی تشریح ۷۲۴

۹۴ سبق نمبر ۹۴: عربی عبارات اور جملوں کی عملی ترکیب و تحلیل کی خصوصی مشق ۷۲۶
۹۴.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۷۲۶
۹۴.۲ عبارات و امثلہ کی عملی نحوی ترکیب ۷۲۷

۹۵ سبق نمبر ۹۵: مضارع کے نواصب (أَنْ، لَنْ، كَيْ، إِذَنْ) اور جواہرِ اضمارِ «أَنْ» کے سات مقامات ۷۳۱
۹۵.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۷۳۱
۹۵.۲ قولہ: «وَلَامِ كَيْ» کی تشریح ۷۳۱
۹۵.۳ قولہ: «وَهَلْ تَعْلَمُ فَتَنْجُوَ» کی تشریح ۷۳۲
۹۵.۴ قولہ: «وَبَعْدَ الْوَاوِ الْوَاقِعَةِ فِي جَوَابِ هَذِهِ...» کی تشریح ۷۳۳
۹۵.۵ قولہ: «وَبَعْدَ أَوْ بِمَعْنَى إِلَى أَنْ أَوْ إِلَّا أَنْ» کی تشریح ۷۳۴
۹۵.۶ قولہ: «وَيَجِبُ إِظْهَارُ أَنْ» کی تشریح ۷۳۵

۹۵.۷ قولہ: «وَعَنِ الْوَاقِعَةِ بَعْدَ الظَّنِّ جَازَ فِيهِ ال...» کی تشریح ۷۳۷

۹۶ سبق نمبر ۹۶: فصل المجزوم: جوازمِ مضارع، کلماتِ شرط و جزاء اور فاءِ جزائیہ کے قواعد ۷۳۸

۹۶.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۷۳۸
۹۶.۲ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّ لَمْ تَقْلِبُ الْمُضَارِعَ مَاضِيً...» کی تشریح ۷۳۸
۹۶.۳ قولہ: «وَأَيْضًا يَجُوْزُ حَذْفُ الْفِعْلِ» کی تشریح ۷۳۹
۹۶.۴ قولہ: «وَأَمَّا كَلِمُ الْمُجَازَاةِ حَرْفًا كَانَتْ أَوِ...» کی تشریح ۷۴۰
۹۶.۵ قولہ: «ثُمَّ إِنْ كَانَ الشَّرْطُ وَالْجَزَاءُ مُضَارِعَيْنِ» کی تشریح ۷۴۰
۹۶.۶ قولہ: «وَإِنْ كَانَا مَاضِيَيْنِ» کی تشریح ۷۴۲
۹۶.۷ قولہ: «وَإِنْ كَانَ الشَّرْطُ وَحْدَهُ مَاضِيًا» کی تشریح ۷۴۲
۹۶.۸ قولہ: «إِنْ ضَرَبْتَنِيْ ضَرَبْتُكَ» کی تشریح ۷۴۳
۹۶.۹ قولہ: «قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾» کی تشریح ۷۴۴
۹۶.۱۰ قولہ: «وَإِنْ كَانَ مُضَارِعًا» کی تشریح ۷۴۷
۹۶.۱۱ قولہ: «وَالثَّالِثَةُ: أَنْ يَكُوْنَ جُمْلَةً اسْمِيَّةً» کی تشریح ۷۴۹
۹۶.۱۲ قولہ: «وَالرَّابِعَةُ: أَنْ يَكُوْنَ جُمْلَةً إِنْشَائِيَّةً» کی تشریح ۷۵۰
۹۶.۱۳ قولہ: «وَقَدْ يَقَعُ إِذَا مَعَ الْجُمْلَةِ الِاسْمِيَّةِ...» کی تشریح ۷۵۲
۹۶.۱۴ قولہ: «وَإِنَّمَا تُقَدَّرُ إِنْ بَعْدَ الْأَفْعَالِ الْخ...» کی تشریح ۷۵۲
۹۶.۱۵ قولہ: «وَالتَّمَنِّي» کی تشریح ۷۵۳
۹۶.۱۶ قولہ: «وَكَذَلِكَ الْبَوَاقِي» کی تشریح ۷۵۴

۹۷ سبق نمبر ۹۷: صیغوں کی پہچان، ثلاثی مجرد و مزید فیہ کے ابواب اور عبارات پڑھنے کے ضوابط ۷۵۵

۹۷.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۷۵۵
۹۷.۲ قولہ: «وَيُخْتَصُّ بِالْمُتَعَدِّي» کی تشریح ۷۶۵

۹۸ سبق نمبر ۹۸: فصل فی اصناف اعراب الفعل، فصل الامر اور فصل فعل مالم یسم فاعلہ ۷۶۷

۹۸.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۷۶۷
۹۸.۲ قولہ: «وَالثَّالِثُ: الْأَمْرُ، وَهُوَ صِيغَةٌ يُطْلَبُ ب...» کی تشریح ۷۶۹
۹۸.۳ قولہ: «بِأَنْ تَحْذِفَ مِنَ الْمُضَارِعِ حَرْفَ الْمُضَارَعَةِ» کی تشریح ۷۷۰
۹۸.۴ متن و فصل: فَصْلٌ: فِعْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، فعلِ مالم، ایسا... . . . . ۷۷۱

۹۸.۵ قولہ: «وَعَلَامَتُهُ فِي الْمَاضِي أَنْ يَكُونَ أَوَّلُهُ...» کی تشریح ۷۷۲
۹۸.۶ قولہ: «إِلَّا فِي بَابِ الْمُفَاعَلَةِ، وَالْإِفْعَالِ، و...» کی تشریح ۷۷۲
۹۸.۷ قولہ: «وَفِي مُضَارِعِهِ» کی تشریح ۷۷۳
۹۸.۸ متن و فصل: فَصْلٌ: الْفِعْلُ إِمَّا مُتَعَدٍّ، فعل یا تو متعدی ہو گا، یا... . . . . ۷۷۴
۹۸.۹ قولہ: «وَإِلَى ثَلَاثَةِ مَفَاعِيلَ» کی تشریح ۷۷۵
۹۸.۱۰ متن و فصل: فَصْلٌ: أَفْعَالُ الْقُلُوبِ، اب مولانا افعالِ قلوب کی تفصیل... . . . . ۷۷۶
۹۸.۱۱ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّ لِهَذِهِ الْأَفْعَالِ خَوَاصَّ» کی تشریح ۷۷۷
۹۸.۱۲ قولہ: «وَمِنْهَا: أَنَّهَا تُعَلَّقُ إِذَا وَقَعَتْ قَبْلَ...» کی تشریح ۷۷۸
۹۸.۱۳ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّهُ...» کی تشریح ۷۷۹
۹۸.۱۴ متن و فصل: فَصْلٌ: الْأَفْعَالُ النَّاقِصَةُ، افعالِ ناقصہ مولانا: هِيَ... . . . . ۷۷۹
۹۸.۱۵ قولہ: «وَكَانَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ: نَاقِصَةٌ، وَهِ...» کی تشریح ۷۸۱
۹۸.۱۶ قولہ: «وَأَصْبَحَ، وَأَمْسَى، وَأَضْحَى» کی تشریح ۷۸۱
۹۸.۱۷ قولہ: «وَظَلَّ، وَبَاتَ يَدُلَّانِ عَلَى اقْتِرَانِ مَضْم...» کی تشریح ۷۸۲
۹۸.۱۸ قولہ: «وَمَا دَامَ يَدُلُّ عَلَى تَوْقِيتِ أَمْرٍ بِمُدَّ...» کی تشریح ۷۸۳

۹۹ سبق نمبر ۹۹: افعالِ ناقصہ، افعالِ مقاربہ، افعالِ تعجب، افعالِ مدح و ذم اور آغازِ القسم الثالث فی الحرف ۷۸۴

۹۹.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۷۸۴
۹۹.۲ متن و فصل: فَصْلٌ: اَفْعَالُ الْمُقَارَبَةِ هِيَ اَفْعَالٌ وُضِعَتْ لِل... . . . . ۷۸۹
۹۹.۳ متن و فصل: فَصْلٌ: فِعْلَا التَّعَجُّبِ مَا وُضِعَ لِإِنْشَاءِ التَّعَجُّبِ ۷۹۱
۹۹.۴ متن و فصل: فَصْلٌ: اَفْعَالُ الْمَدْحِ وَالذَّمِّ مَا وُضِعَ لِإِنْشَاء... . . . . ۷۹۳

اَلْقِسْمُ الثَّالِثُ فِي الْحَرْفِ (حروفِ جارہ، حروفِ مشبہہ بالفعل، حروفِ عطف، تنبیہ، نداء، ایجاب، زیادت، تفسیر، مصدر، تحضیض، توقع، استفہام، شرط، تنوین اور نونِ تاکید (اسباق ۱۰۰ تا ۱۰۴)) ۷۹۸

۱۰۰ سبق نمبر ۱۰۰: القسم الثالث في الحرف—فصل حروف الجر: انیس حروفِ جارہ کے معانی اور استعمالات ۷۹۹

۱۰۰.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۷۹۹

۱۰۱ سبق نمبر ۱۰۱: فصل الحروف المشبہۃ بالفعل: إنّ و اَخواتھا کے معانی، عمل اور «ما کافہ» کے احکام ۸۱۷

۱۰۱.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۸۱۷

۱۰۱.۲ قولہ: «وَبِمَعْنَى الْوَاوِ» کی تشریح ۸۱۸
۱۰۱.۳ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلْحُرُوفُ الْمُشَبَّهَةُ بِالْفِعْلِ سِتَّةٌ، حروف... . . . . ۸۲۰
۱۰۱.۴ متن و فصل: فَصْلٌ: اَلْحُرُوفُ الْمُشَبَّهَةُ بِالْفِعْلِ سِتَّةٌ: إِنّ... . . . . ۸۲۱
۱۰۱.۵ قولہ: «وَبَعْدَ لَوْ» کی تشریح ۸۲۴
۱۰۱.۶ قولہ: «وَيَجُوزُ الْعَطْفُ عَلَى اسْمِ إِنَّ الْمَكْسُورَ...» کی تشریح ۸۲۶
۱۰۱.۷ قولہ: «وَيَجُوزُ دُخُولُهَا عَلَى الْأَفْعَالِ عَلَى الْم...» کی تشریح ۸۲۸
۱۰۱.۸ قولہ: «وَيَجِبُ دُخُولُ السِّينِ أَوْ سَوْفَ أَوْ قَدْ أَ...» کی تشریح ۸۲۹
۱۰۱.۹ قولہ: «وَيَجُوزُ مَعَهَا الْوَاوُ» کی تشریح ۸۳۰
۱۰۱.۱۰ قولہ: «وَشَذَّ الْجَرُّ بِهَا» کی تشریح ۸۳۲

۱۰۲ سبق نمبر ۱۰۲: تخفیفِ إنّ و أنّ و كأنّ و لكنّ، حروفِ عطف اور ماولا مشبہتین بلیس ۸۳۳

۱۰۲.۱ گزشتہ سبق کا خلاصہ اور تمہیدِ درس ۸۳۳
۱۰۲.۲ متن و فصل: فَصْلٌ: حُرُوفُ العَطْفِ عَشَرَةٌ: اَلْوَاوُ، وَالفَاءُ، وَث... . . . . ۸۳۴
۱۰۲.۳ متن و فصل: فَصْلٌ: حُرُوفُ النِّدَاءِ خَمْسَةٌ: يَا، وَأَيَا، وَهَيَا،... . . . . ۸۴۳
۱۰۲.۴ متن و فصل: فَصْلٌ: حَرْفَا التَّفْسِيرِ أَيْ وَأَنْ، فصل ہے بھائی، تفسی... . . . . ۸۴۵

۱۰۳ سبق نمبر ۱۰۳: لائے نفی جنس، حروفِ نصبِ مضارع، جوازم، حروفِ تنبیہ، نداء، ایجاب، زیادت، تفسیر اور مصدر ۸۴۷

۱۰۳.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۸۴۷
۱۰۳.۲ قولہ: «وَأَنْ: نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمَا كَانَ جَو...» کی تشریح ۸۴۸
۱۰۳.۳ متن و فصل: فَصْلٌ: حُرُوفُ التَّحْضِيضِ أَرْبَعَةٌ: حروفِ تحضیض چار ہیں ۸۴۹
۱۰۳.۴ متن و فصل: فَصْلٌ: حَرْفُ التَّوَقُّعِ: توقع کا حرف بھائی، یہ ایک ہی حر... . . . . ۸۵۰
۱۰۳.۵ متن و فصل: فَصْلٌ: حَرْفَا الِاسْتِفْهَامِ: استفہام کے دو حرف بھائی: ال... . . . . ۸۵۲
۱۰۳.۶ متن و فصل: فَصْلٌ: حُرُوفُ الشَّرْطِ: إِنْ، وَلَوْ، وَأَمَّا حروفِ شرط... . . . . ۸۵۴
۱۰۳.۷ قولہ: «وَلَوْ تَدُلُّ عَلَى نَفْيِ الْجُمْلَةِ الثَّانِيَ...» کی تشریح ۸۵۵
۱۰۳.۸ قولہ: «وَأَمَّا لِتَفْصِيلِ مَا ذُكِرَ مُجْمَلًا:» کی تشریح ۸۵۷
۱۰۳.۹ قولہ: «ثُمَّ ذَلِكَ الْجُزْءُ الْأَوَّلُ إِنْ كَانَ صَالِ...» کی تشریح ۸۵۸
۱۰۳.۱۰ متن و فصل: فَصْلٌ: حَرْفُ الرَّدْعِ: كَلَّا، ردع کہتے ہیں ڈانٹ ڈپٹ کو ب... . . . . ۸۵۹
۱۰۳.۱۱ متن و فصل: فَصْلٌ: تَاءُ التَّأْنِيثِ السَّاكِنَةُ تَلْحَقُ الْمَاضِيَ:... . . . . ۸۶۰
۱۰۳.۱۲ قولہ: «وَأَمَّا إِلْحَاقُ عَلَامَةِ التَّثْنِيَةِ وَجَمْع...» کی تشریح ۸۶۲

۱۰۴ سبق نمبر ۱۰۴: حروفِ تحضیض، توقع (قَدْ)، استفہام، شرط، ردع، تائے تانیث، تنوین (اقسامِ خمسہ) اور نونِ تاکید (ختمِ کتاب) ۸۶۴
۱۰۴.۱ متنِ ہدایۃ النحو (درس کی ابتدائی عبارت) ۸۶۴
۱۰۴.۲ قولہ: «وَالثَّانِي لِلتَّنْكِيرِ» کی تشریح ۸۶۴
۱۰۴.۳ قولہ: «وَالثَّالِثُ لِلْعِوَضِ» کی تشریح ۸۶۵
۱۰۴.۴ قولہ: «وَالرَّابِعُ لِلْمُقَابَلَةِ» کی تشریح ۸۶۶
۱۰۴.۵ قولہ: «وَالرَّابِعُ لِلْمُقَابَلَةِ» کی تشریح ۸۶۷
۱۰۴.۶ قولہ: «وَكَقَوْلِهِ: يَا أَبَتَا عَلَّكِ أَوْ عَسَاكَنْ» کی تشریح ۸۶۸
۱۰۴.۷ قولہ: «وَقَدْ يُحْذَفُ مِنَ الْعَلَمِ إِذَا كَانَ مَوْصُو...» کی تشریح ۸۶۹
۱۰۴.۸ متن و فصل: فَصْلٌ: نُونُ التَّأْكِيدِ فصل ہے نونِ تاکید کے بارے میں ۸۶۹
۱۰۴.۹ قولہ: «وَاعْلَمْ أَنَّهُ يَجِبُ ضَمُّ مَا قَبْلَهَا فِي ج...» کی تشریح ۸۷۰
۱۰۴.۱۰ قولہ: «وَنُونُ الْخَفِيفَةِ لَا تَدْخُلُ فِي التَّثْنِيَةِ...» کی تشریح ۸۷۱
۱۰۴.۱۱ قولہ: «وَنُونُ الْخَفِيفَةِ لَا تَدْخُلُ فِي التَّثْنِيَةِ...» کی تشریح ۸۷۱

تفصیلی فہرستِ مضامین و عناوین ۸۷۶